



عظیم ناک و مارا (۱۶۱)

# جوہن اکمل

۱۷۱

PDFBOOKSFREE.PK





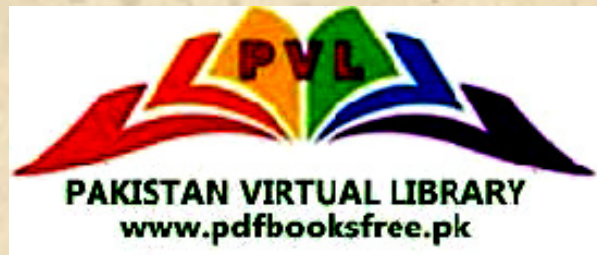
پیارے دوستو!

عنبر ناگ ماریا حیرت انگیز تجربوں سے گذر رہے ہیں۔ کئی دوستوں نے پوچھا ہے کہ وہ ایک بار پھر ماضی کے زمانے میں کیسے پہنچ جاتے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ ہماری دنیا میں جو جہاں واقعات گزرتے ہیں ان کا عکس روشنی کے ذروں کی شکل میں روشنی کی رفتار سے سفر کر رہا ہوتا ہے جس طرح ٹیلی ویژن کی تصویر روشنی کے ذروں کی مدد سے ہمارے ٹ وی سیٹ پر آ جاتی ہے اسی طرح اگر ہم کسی طرح خلاء میں پہنچ کر اپنی دنیا کے واقعات کے سفر کرتے عکس کے اندر پہنچ جائیں تو ہم ماضی میں چلے جائیں گے اور ان واقعات کو ایک بار پھر گزرتے دیکھیں گے جو پہلے گذر چکے ہیں۔ یہ سائنس کا اصول ہے۔ اسی اصول کی وجہ سے عنبر ناگ اور ماریا اور کیٹی پرلنے زمانے میں بار بار چلے جاتے ہیں۔

آپ کا انکل

اے حمید

۴۵۴/ ابن راہ چین سمن آباد - لاہور



محدث بن مشرف

پرائیڈ

ناشر

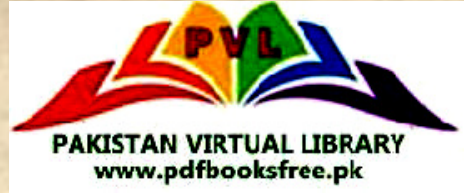
مدرسہ اسلامیہ دارالحدیث لاہور

## فلسطینی کمانڈو

بحری ڈاکو تلواریں لہراتے ناگ اور ساتھی نوجوان  
پر پکے۔

ناگ کو اپنی نگر نہیں تھی۔ اسے عزم نصیب نوجوان  
کا فکر تھا کہ وہ اس جنگ میں ضرور مارا جائے  
گا۔ ناگ اگر دو ڈاکوؤں کو سنبھالتا ہے۔ تو تیسرا  
ڈاکو ضرور نوجوان پر تلوار سے حملہ کر سکتا تھا۔  
چنانچہ ناگ نے وہی فیصلہ کیا جو اسے کرنا چاہیے  
تھا۔ اس نے جہاز کے عرشے پر پیچھے کی طرف  
بھاگ کر اپنے ساتھی نوجوان کو بازو سے پکڑا اور  
جہاز کے عرشے سے دھڑام سے سمندر میں چھلانگ  
لگا دی۔

رات کی تاریکی میں وہ اٹھتا سمندر کی بھرتی  
ہوئی موجوں میں جا کر گرے تو نوجوان کی چیخ نکل گئی  
لیکن سمندر میں گرتے ہی ناگ نے نوجوان کو اسنے  
عنبر ناگ ماری اخل ای 221



## ترتیب

- فلسطینی کمانڈو
- پڑا سرا قبر
- زرقہ کا فرار
- رتنائی کون تھی؟
- غوث ناگ مقابلہ



قابو میں کیا اور اس کی گردن کو پانی سے باہر رکھا۔ سمندری لہریں پھری ہوئی تھیں اور تیزی سے جہاز سے دور ہو رہی تھیں۔ جہاز کے عرشے پر ڈاکو کھڑے جھک کر نیچے دیکھ رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں انہیں سمندر میں بھلا کیا نظر آتا۔ سمندر کی طوفانی موجیں ناگ اور نوجوان کو بہا رہی تھیں کی کہیں لے گئیں۔ اتنے خوفناک سمندر میں پہاڑ ایسی موجوں پر اوپر نیچے ہونے سے نوجوان کا دل ڈر سے بیٹھا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں اور بار بار منہ میں پانی چلا جاتا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ یہ بے چارہ تو اس طرح ختم ہو جائے گا۔

ناگ نے سانس اوپر کو کھینچا اور فوراً ہی ایک بہت بڑے عقاب کی شکل اختیار کر لی۔ پھر اس نے جھپٹ کر نوجوان کو اپنے پنجوں میں اٹھا لیا اور سمندر کے اوپر پھڑپھڑاتا ہوا فضا میں بلند ہوتا گیا۔ ناگ کے پنجوں میں دبکا ہوا نوجوان غوطہ کے مارے بے ہوش ہو چکا تھا۔ ناگ نے اسے مضبوطی سے اپنے پنجوں میں پکڑ رکھا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے واپس جزیرے کی طرف پلٹ جہاں غبرگھبراہنگ

ٹالا اور اڈاٹا اس کا انتظار کر رہے تھے اور مایا دیران محل کے تابوت میں قید تھی۔

ناگ کو اندھیری رات میں سمندر کے اوپر بلندی پر اڑتے ابھی تھوڑی دیر ہی گزری ہو گی کہ ایک دم سے اسے سمندری طوفان نے گھیر لیا۔ بجلی چمکنے لگی۔ بادل گر بنے لگے۔ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ ہوا کا طوفان اس قدر تیز اور شدید تھا کہ ناگ عقاب کی شکل میں کبھی ایک طرف کو چلا جاتا اور کبھی ہوا کے تھپیڑے اسے اٹھا کر دوسری طرف پھینک دیتے۔ نوجوان ابھی تک بے ہوش تھا اور ناگ اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔

سمندری ہواؤں کے قیامت خیز طوفان نے آخر ناگ کو بے بس کر دیا۔ تیز ہواؤں کے تھپیڑے ناگ کو اٹھا کر ایک طرف اڑانے لگے۔ ان طوفانی ہواؤں کے دوش پر ناگ ساری رات بہتا رہا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ہواؤں اسے کس طرف لے جا رہی ہیں۔ اس نے اپنے پُر سمیٹ لیے تھے اور اپنے آپ کو طوفانی ہواؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ صبح کے وقت ہوا کا طوفان ٹھنکا تو ناگ نے اپنے



پروں کو کھول کر پھڑپھڑایا۔ وہ اب اپنی مرضی سے  
اڑ سکتا تھا۔ اس نے نیچے دیکھا۔ اب اس کے نیچے  
سمندر نہیں تھا۔ بلکہ وہ ایک صحرا کے اوپر اٹنا جا  
رہا تھا۔ ناگ نے نیچے کی جانب غوطہ لگایا اور دیت  
کے ایک ٹیلے پر اتر گیا۔

نوجوان کو دیکھا۔ وہ بے ہوش تھا۔ ناگ نے فدا  
انسانی شکل بدلی، اور نوجوان کو ہوش میں لانے کے لیے  
اس کے منہ پر دو ایک ہلکے ہلکے ٹھانچے مارے۔ اس  
نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھول دیں اور حیرانی سے بولا:  
”میں کہاں ہوں؟“

ناگ نے کہا:

”ہم سمندر سے نکل کر ایک صحرا میں آ گئے ہیں  
اب تمہیں کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے۔  
نوجوان نے چاروں طرف پھیلا ہوا صحرا دیکھا تو تعجب  
سے کہنے لگا:

”یہ مہتمار طلسم ہمیں نکال کر یہاں لے آیا ہوگا  
تم واقعی بہت بڑے جادوگر ہو۔  
ناگ بولا: ”بس میں اتنا ہی طلسم جانتا ہوں۔  
مگر وعدہ کرو کہ تم میرے اس طلسم کا ذکر

کسی سے نہیں کرو گے۔ اب مجھے بتاؤ کہ  
تم کیا چاہتے ہو، پہلے یہ بتاؤ کہ مہتمار نام  
کیا ہے؟“  
نوجوان نے کہا:

”میرا نام گوکوش ہے۔ میرا باپ شمالی افریقہ  
کے ایک ملک بلاش کے شہر طنبیر میں رہتا  
تھا۔ وہ بڑا امیر سوداگر تھا۔ میں اس کا کھوتا  
بیٹا ہوں۔ یہ ڈاکو مجھے اس لیے اغواء کر  
لائے تھے کہ میں انہیں اپنے باپ کے خزانے  
کا پتہ بتا دوں گا۔ مگر انہیں معلوم نہیں میرا  
باپ مرتے وقت مجھے بھی خزانے کے بارے  
میں کچھ نہیں بتا سکا۔ میرے باپ کی شاندار  
عریلی اور اس کی ساری جائیداد پر میرے چچا  
نے قبضہ کر رکھا ہے۔ اب میں یہ چاہتا ہوں  
کہ تم مجھے میرے گھر شہر طنبیر میں پہنچا دو  
میں مہتمار یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔“

ناگ کو اگرچہ واپس عنبر مقبوسا نگ اور ننگا وغیرہ  
کے پاس جانے کی بھی جلدی تھی لیکن ایک تو وہ  
بڑبڑیرے کا راستہ بھول گیا تھا۔ سمندر طوفان نے اسے



کہیں کا کہیں لا پھینکا تھا دوسرے وہ گولوش فوجوں  
کو بے یار و مددگار صحرا میں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔  
چنانچہ اس نے گولوش سے کہا کہ وہ اسے اس کے  
گھر پہنچانے کے بعد ہی اس سے الگ ہو گا۔

ناگ نے گولوش سے پوچھا:

”کیا تم صحرا کے ان ٹیلوں کو دیکھ کر اندازہ

لگا سکتے ہو کہ ہم کس ملک میں ہیں؟“

گولوش نے چاروں طرف ایک بھر پور نگاہ ڈالی۔

پھر کچھ عجز کرنے کے بعد بولا:

”میرا خیال ہے کہ ہم شمالی افریقہ کے صحرا

ہی میں ہیں۔ کیوں کہ صرف شمالی افریقہ ہی

ایک ایسا صحرا ہے جہاں بیر بہوں کی بلند

کانٹے دار جھاڑیاں ہوتی ہیں اور میں یہ جھاڑیاں

کئی جگہوں پر اُگی دیکھ رہا ہوں۔“

ناگ بولا: ”پھر تو یہاں سے تمہارا ملک دور

نہیں ہے۔ اب ایسا کرتا ہوں کہ میں عقاب

بن کر تجھے اپنے اوپر بٹھا لیتا ہوں۔ اس

طرح ہم صحرا کو جلدی سے عبور کر جائیں گے۔

ورد جانے مہتابے شہر تک پہنچتے کتنے دن

لگ جائیں اور تم بھوکے پیاسے ایک دن بھی  
نہیں گزار سکو گے۔“

گولوش پہلے تو ڈر گیا اور اس نے عقاب کے

اوپر بیٹھ کر پرواز کرنے سے انکار کر دیا لیکن جب

دیکھا کہ اتنے وسیع اور لائق و دق صحرا کو وہ پیدل چل

کر بھی پار نہیں کر سکتا تو راضی ہو گیا۔

ناگ نے عقاب کی شکل میں آ کر گولوش کو اپنے

اوپر بٹھایا اور شمال کی طرف پرواز کرنے لگا۔ وہ زمین سے

کافی بلندی پر جا کر اڑ رہا تھا۔ تاکہ نیچے سے وہ

کسی انسان کو آسانی سے دکھائی نہ دے سکے۔ اس

وقت دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سارا دن عقاب

اڑتا رہا۔ شام کے وقت جب سورج غروب ہوا تو

دور ناگ کو کسی شہر کی تفصیل کے اندر مکالموں کی چھتیں

دکھائی دیں۔

ناگ نے گولوش سے کہا:

”کیا تم اس شہر کو پہچانتے ہو؟“

گولوش نے کہا:

”مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ یہ میرا ہی شہر

بلنیر ہے۔“



ناگ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ وہ بلندی کو چھوڑ کر کافی نیچے آ گیا تھا۔ اب صحرا کی جگہ زمین پر کہیں کہیں کھیت اور کھجور کے درخت بھی نظر آنے لگے تھے۔ شہر قریب تھا۔ گولوش نے عقاب کے اوپر بیٹھے بیٹھے اپنے شہر کو پہچان لیا تھا۔ ناگ نیچے آ گیا۔ ایک کھیت میں اتر کر اس نے دوبارہ انسانی شکل اختیار کی اور گولوش کو ساتھ لے کر شہر میں داخل ہو گیا۔ گولوش اسے اپنی حویلی میں لے گیا جہاں اس کا چچا رہتا تھا۔ چچا نے گولوش کو دیکھ کر زیادہ غرضی کا اظہار نہ کیا۔ ناگ سے بھی ہاتھ ملایا مگر پیزاری سے۔ ناگ وہاں صرف ایک رات ہی ٹھہرا اور گولوش کو اس کی حویلی میں چھوڑ کر واپس عزیز اور مٹیوساگ سے ملنے ان کے دیران جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اڑن طشتری پرواز کے لیے تیار تھی۔

مصیبت یہ تھی کہ ناگ کو کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ جزیرہ کس سمندر میں ہے اور اس سمندر کو کون سا راستہ جانا ہے۔ بس اس نے عقاب کی شکل بدل کر فضا میں اڑنا شروع کر دیا تھا۔ اڑتے اڑتے رات کا اندھیرا زمین پر پھیل گیا اور ناگ کو نیچے کچھ نظر

نہیں آتا تھا۔ آسمان پر ستارے بھی نہیں تھے کیوں کہ کالی گھٹ چھائی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بارش میں بجلی بھی بار بار چمک رہی تھی۔ بارش میں ایک عقاب کے لیے اڑنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ کیوں کہ پر گینے ہو کر بوجھل ہو جاتے ہیں۔ ناگ نے سوچا کہ نیچے اتر کر کسی جگہ رات بسر کی جائے۔ جب بارش ختمے گی تو پھر سفر شروع کیا جائیگا۔ اس نے موسلا دھار بارش میں نیچے کی طرف غوطہ لگایا۔

ابھی وہ غوطے میں گیا ہی تھا کہ اچانک بجلی کی چمکا چوند نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ ایک کڑکے کی آواز بلند ہوئی اور عقاب کو اتنے زور کا دھکا لگا کہ وہ بارش میں تھلا بازیاں کھاتا زمین کی طرف گرنا چلا گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کے ارد گرد دھند ہی دھند تھی۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ زمین، نہ آسمان اور نہ بارش۔ بارش بھی ٹپک گئی تھی۔ بجلی بھی نہیں چمک رہی تھی۔ بادلوں کی گرج بھی جیسے کہیں غائب ہو چکی تھی۔ ناگ نے اپنے پردوں کو سنبھال کر اوپر کی طرف اڑنے کی کئی بار کوشش



کی مگر وہ ہر بار ناکام رہا۔ کسی اُن دیکھی طاقت  
نے اس کے پردوں کو جیسے بند کر دیا تھا اور وہ  
ان کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ وہ دل میں پریشان  
ہوا کہ وہ کس مصیبت میں پھنس گیا ہے۔

ایک پریشانی اسے یہ تھی کہ ابھی تک زمین نہیں  
آئی تھی۔ اب تک تو اسے زمین کے ساتھ ٹکرا جانا  
چاہیے تھا۔ لیکن زمین بھی جیسے غائب ہو گئی تھی۔ ناگ  
نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا۔ تیز ہوائیں  
اسے دھند میں سینچے ہی سینچے لیے جا رہی تھیں۔ پھر  
ایسا ہوا کہ اس کو ایک ہلکا سا دھچکا لگا اور اس کے  
پر اپنے آپ کھل گئے۔ اس نے اپنے آپ کو  
سنبھالا۔ فضا میں پر تولے اور زمین کی طرف غوطہ لگایا۔  
دھند اس کے سامنے سے چھٹ رہی تھی۔ اسے  
کسی چیز کی غزائی ہوئی آواز سنائی دی۔ ناگ نے پٹ کر  
دیکھا تو ایک بہت بڑا ہوائی جہاز جو ایک فائبر  
جیٹ تھا غوغا کی آواز کے ساتھ اس کے  
قریب سے گزر گیا۔ ناگ اس کے ہوا کے تھیلے  
سے تقابلاً بازیاں کھاتا ایک طرف کو بند ہو گیا۔ اس  
نے جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالا اور حیران ہوا کہ

یا خدا یہ فائبر جیٹ طیارہ کہاں سے آ گیا؟ وہ  
کس دنیا میں پہنچ گیا ہے؟ یہ جیٹ طیارے تو زمین  
پر ۱۹۹۰ء کے بعد کے زمانے میں اڑا کرتے تھے۔

ناگ نے زمین کی طرف غوطہ لگایا۔ اسے سینچے  
کسی ماڈرن شہر کی عالی شان بلند عمارتیں، بل کھائی  
شاندار سڑکیں اور ان سڑکوں پر دوڑتی نئے ماڈل کی  
کاریں، ٹرک اور وہیٹس دکھائی دیں۔ ناگ کا دل زور  
سے دھڑک اٹھا۔ سمجھ گیا کہ وقت نے کروٹ بدل  
لی ہے اور وہ اس زمین کے ۱۹۹۰ء کے بعد کے  
زمانے میں پہنچ گیا ہے۔

وہ شہر کے ایک بہت خوبصورت پارک کے ایک  
تختان درخت پر اتر آیا۔ پارک میں کچھ بچے فٹبال  
کھیل رہے تھے۔ یہ سرخ و سفید بچے تھے۔ یقیناً یہ  
یورپ کا کوئی ملک ہو گا۔ ناگ نے سوچا لیکن اس  
نے دو بوڑھوں کو ایک پنچ پر بیٹھے باتیں کرتے دیکھا  
جن کے رنگ زیادہ گورے نہیں تھے اور انہوں نے  
لمبے پنچے پہن رکھے تھے۔ ایک جگہ پارک میں اسے  
کھجور اور انجیر کے درختوں کے جھنڈ بھی نظر آئے۔  
ناگ ابھی تک نہیں سمجھ سکا تھا کہ وہ کس ملک



کے شہر میں ۲ گئے تھے۔ ناگ درخت کی گھنی شاخوں میں سے اتر کر نیچے پارک میں آ گیا۔ وہ درخت کی اوٹ میں تھا۔ اسے ابھی تک کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے سامنے اوپر کو کھینچا اور انسانی شکل میں ظاہر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اسے تعجب ہوا کہ اس کا لباس اس ملک کے لوگوں جیسا ہو گیا تھا۔ یعنی اس نے جینز اور ٹی شمرٹ پہن رکھی تھی۔ پاؤں میں چپڑے کے سیاہ جوتے تھے۔ ناگ نے قمیض اور پتلون کی جیبوں کی تلاش کی۔ اس کی جیبوں میں کچھ نہیں تھا۔

اسے اگر امنوس تھا تو اس بات کا کہ وہ عزیز تھیوساگ اور ٹوٹا شا وغیرہ کے زمانے سے بہت آگے نکل آیا تھا۔ کیونکہ اس سے بہت دور ہو گئی تھی جو نہ جانے کس خلائی سیارے میں قید کی زندگی گزار رہی تھی۔ بہر حال ناگ صبر شکر کر کے پارک میں ایک طرف کو چلنے لگا۔ ایسا تو ہزاروں سال سے اس کے ساتھ ہوتا ہی آیا تھا۔

وہ پنچ پر بیٹھے بوڑھے آدمیوں کے قریب سے گزرا تو انہیں ان کی باتیں سنائی دیں۔ وہ عبرانی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ یہ زبان یہودیوں کی تھی۔ کہیں

وہ کسی یہودی ملک میں تو نہیں پہنچ گیا؟ اس نے سوچا کہ اگر وہ بیسویں صدی میں آ گیا ہے تو یہ یقیناً اسرائیل کا ملک ہو گا جس پر یہودیوں نے فلسطین عرب مسلمانوں کو نکال کر قبضہ کر رکھا ہے۔ پارک میں سے نکل کر وہ فٹ پاتھ پر آ گیا۔ اس کے سامنے والی فٹ پاتھ پر سڑک کے پار دکانیں، اسٹور اور اونچی ماڈرن عمارتیں تھیں۔ سڑک پر سے نئے ماڈل کی موٹر گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ سڑک پار کر کے وہ سامنے والے فٹ پاتھ پر آیا تو اس نے سٹوروں اور دکانوں کے باہر عبرانی زبان میں ساتی بورڈ لکھے ہوئے دیکھے۔ ایک بورڈ کے نیچے تل ابیب لکھا تھا۔ اب اسے اس حقیقت کا ثبوت مل گیا تھا کہ وہ اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب میں پہنچ گیا ہے۔ اسرائیلیوں یعنی یہودیوں کا ملک تھا جو عرب مسلمانوں کے دشمن تھے۔

ناگ اپنی تقدیر پر امنوس کرنے لگا کہ وہ بجائے دوست ملک کے ایک دشمن ملک میں پہنچ گیا ہے لیکن تقدیر کو کیا منظور تھا؟ اس کی ناگ کو خبر نہیں تھی۔ اسرائیلی روکیں نیکیں اور پتلونیں پہنے تیز تیز قدموں سے اس کے پاس سے گزر رہی تھیں۔ چلتے چلتے وہ ایک



چوک میں آگئی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ بازار کس طرف کو جاتا ہے۔ وہ اس سڑک میں اجنبی تھا۔ وہ یونانی منہ اٹھائے چل رہا تھا۔ دل میں غصہ، تھکوساگ اور ماریا اور کیٹی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے اب ان سے کب اور کن حالات میں ملاقات ہوگی۔

ناگ ایک موڑ گھوما تو اسے ایک دم سے شین گن کی گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ سڑک پر سے لوگ ادھر ادھر دوڑ اٹھے۔ ناگ بھی ایک لمحے کے پیچھے ہو گیا۔ گولیاں تڑا تڑا چل رہی تھیں۔ پھر ایک گلی میں سے دو فوجانہ جنوں نے اپنے سروں پر فلسطینی مجاہدوں کے عربی رومال باندھ رکھے تھے ہاتھوں میں شین گنیں یہ مجاہد کر نکلے۔ وہ پیچھے منہ کر کے فائرنگ بھی کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے اسرائیلی سپاہی ایک جیپ میں گولیاں برساتی چل آ رہی تھی۔

گولیوں کی بوچھاڑ ایک مجاہد کو گئی اور وہ منہ کے بل سڑک پر گر پڑا۔ دوسرا ناگ کی طرف دوڑا۔ شاید وہ اس لمحے کی آڑ لینا چاہتا تھا۔ جہاں پہلے ہی سے ناگ کھڑا تھا۔ ناگ اپنے آپ کو کسی مصیبت میں نہ ڈالنے کے خیال سے وہاں سے دوڑا۔ فلسطینی

مجاہد کھجے کے قریب آیا تو سامنے سے بھی ایک فوجی جیپ آگئی۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ فلسطینی مجاہد کے ساتھ ناگ بھی مجاہد جا رہا تھا۔ اسرائیلی فوجی جیپ میں سے اچھل کر کودے اور فلسطینی مجاہد کو قابو میں کر لیا۔ دو فوجیوں نے ناگ کو بھی دبوچ لیا۔ فوجیوں نے فلسطینی مجاہد اور ناگ کو گھسیٹ کر فوجی جیپ میں ڈالا اور جیپ کو فل پیڈ پر چلانے لگا۔ ان میں سے گزرتے ایک کھلی سڑک پر آ گئے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا تھا کہ ناگ کو جب سنبھلنے کا موقع ملا تو اس نے دیکھا کہ فلسطینی مسلمان عرب مجاہد اسرائیلی فوجیوں کی شین گنوں کی زد میں جیپ کے فرش پر ناگ کے بالکل پاس ہی بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اسے کس لیے گرفتار کیا گیا ہے۔ ناگ اگر چاہتا تو اسی وقت آزاد ہو سکتا تھا لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس مسلمان عرب فلسطینی مجاہد کو ان یہودی دزدوں کے چنگل میں اکیلا نہیں چھوڑے گا۔

پھر بھی ناگ نے عبرانی زبان میں ایک فوجی سے کہا کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے کیوں پکڑا گیا ہے۔ یہودی فوجی نے جواب میں ناگ کی گردن پر شین گن کا دستہ مارا



اور عزتے ہوئے کہا :

"تم بھی اس فلسطینی عرب کے ساتھی ہوؤ  
ناگ بولا : "میں فلسطینی عرب نہیں ہوں ۔ میں  
اسرائیلی ہوں ۔"

فوجی نے اس سے ناگ کا شناختی کارڈ مانگا۔ شناختی  
کارڈ ناگ کے پاس نہیں تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت  
تھا کہ ناگ بھی اس فلسطینی کمانڈو کا ساتھی ہی ہے۔  
ناگ اور فلسطینی عرب کمانڈو کو ہتھکڑیاں لگا دی گئی  
تھیں۔ فوجی چیپ سٹر سے باہر ایک کھلے میدان میں  
سے گذرتی ہوئی ایک فوجی چھاؤنی میں آ گئی۔ یہاں کاشے دل  
تار والا ایک بڑا گیٹ تھا۔ چیپ کو آتے دیکھ کر  
کارڈ نے گیٹ کھول دیا۔

ناگ اور فلسطینی عرب کمانڈو کو فوجی حوالات میں  
بند کر دیا گیا۔ جب وہ دونوں حوالات میں اکیلے رہ  
گئے تو فلسطینی کمانڈو نے ناگ کی طرف تعجب سے  
دیکھتے ہوئے پوچھا کہ وہ کون ہے ؟ ناگ نے اسے عربی  
زبان میں بتایا۔

"میں عرب کمانڈو نہیں ہوں لیکن میری ہمدردیاں  
فلسطینی عرب مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ اگر تمہاری

وجہ سے مجھ پر بھی کوئی مصیبت آتی ہے  
تو میں اس کی پروا نہیں کروں گا۔ لیکن مجھے  
جلدی سے بتاؤ کہ تم اور تمہارا ساتھی جو شہید  
ہو گیا ہے یہاں کیسے آ گئے تھے؟"

فلسطینی عرب کمانڈو نے کوئی جواب نہ دیا۔  
ناگ بولا : "ہمارے پاس وقت کم ہے۔ ابھی یہ  
لوگ ہمیں یہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ  
لے جا کر بند کر دیں گے۔ ہو سکتا ہے پھر  
ہم ایک دوسرے سے ملاقات نہ کر سکیں۔  
چونکہ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں اس لیے  
مجھے اپنے مشن کے بارے میں بے حد رک  
بتا دو۔ تم یقین کرو کہ میں تمہاری مدد کر  
سکتا ہوں۔"

عرب کمانڈو بھلا اپنے مشن کے بارے میں ایک  
اجنبی کو کیسے کچھ بتا سکتا تھا۔ اس نے کوئی جواب  
نہ دیا۔ اب ناگ نے سوچا کہ اس عرب کمانڈو کو  
کوئی شعبہ دکھانا چاہیے ورنہ اسے کبھی یقین نہیں آئے  
گا۔ ناگ نے حوالات کے دروازے کی طرف دیکھا۔  
یہودی سپاہی سلاخوں والے دروازے کی طرف پیٹھ کیے



کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ نے اپنا ہاتھ عرب کمانڈ  
کے سامنے کر دیا اور بولا،

”مجھ میں ایک ایسی خفیہ طاقت ہے جس کو کام  
میں لانے ہوئے میں مسلمان مجاہدوں کی بہت  
مدد کر سکتا ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ  
میں اپنے اس ہاتھ کو سانپ کی دم میں تبدیل  
کر سکتا ہوں میرے ہاتھ کو دیکھتے رہنا۔“

ناگ نے آدھا سانس بھر کر چھوڑا تو اس کا ہاتھ سانپ  
کی دم میں بدل گیا۔

عرب کمانڈر کی آنکھیں حیرت زدہ رہ گئیں۔ ناگ  
نے فوراً سانس چھوڑ دیا اس کا ہاتھ پھر اصلی حالت  
میں آ گیا۔

ناگ نے کہا،

”تم نے اپنی آنکھوں سے میری خفیہ طاقت  
کا کرشمہ دیکھ لیا ہے یہ ایک نمونہ تھا اب  
مجھے بتاؤ کہ تم لوگ یہاں کس مشن پر  
آئے ہوئے ہو۔ مجھ پر یقین کرو کہ میں مسلمان  
فلسطینی مجاہدوں کے ساتھ ہوں۔“

عرب کمانڈر نے کہا،

”میرا نام سلمان ہے۔ ہماری ایک فلسطینی  
مجاہدہ اسرائیلیوں کی قید میں ہے۔ اس کا  
نام زرقہ ہے ہم اسے آزاد کروانے آئے  
تھے کہ قوت کو ہمارا پتہ چل گیا اور یوں  
میرا ایک ساتھی دشمن کی گولیوں کا نشانہ  
بن گیا۔“

ناگ نے پوچھا،

”کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ زرقہ کس جگہ  
قید ہے؟“

عرب کمانڈر سلمان بولا،

”ہماری خفیہ تنظیم نے ہمیں یہ اطلاع دی  
تھی کہ فلسطینی مجاہدہ زرقہ تل ابیب کے  
پہاڑوں والے قلعے میں قید ہے اور اس پر  
یہودی بے حد ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں۔ وہ  
قلعہ یہاں سے سات کوس دور دیران علاقے  
میں واقع ہے۔ لیکن یہودی ہمیں زندہ نہیں  
چھوڑیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ تھوڑی سی  
پوچھ گچھ کے بعد ہمیں فائرنگ سکوڑ کے حوالے  
کر کے گولیوں سے اڑا دیا جائے گا۔“



ناگ نے کہا،

”جب ایسا وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔  
اس وقت تم مجھے یہ بتاؤ کہ زرقہ تک اگر  
میں کسی طرح پہنچ بھی گیا تو اسے کس طرح یقین  
دلا سکوں گا کہ میں اس کا بھروسہ اور سامتی ہوں؟  
عرب کمانڈو نے کہا،

”اگر تم زرقہ کے سامنے ”اللہ اکبر“ کے الفاظ  
کو یقین بار دہراؤ گے تو اسے تم پر یقین  
آ جائے گا کہ تم اس کے سامتی ہو۔ کیونکہ  
یہ ہمارا خفیہ کوڈ لفظ ہے۔ مگر تمہارا نام کیا ہے  
اور تم اصل میں کون ہو؟“

ناگ مسکرایا، ”یہ بتانے کی میں خاص ضرورت  
محسوس نہیں کرتا۔ بہر حال میں پوری کوشش کروں  
گا کہ زرقہ کو دیران قلعے سے نکال کر فلسطینی  
مجاہدوں کے پاس پہنچا دوں۔ ویسے میری خواہش  
یہی ہے کہ تم بھی میرے ساتھ ہی رہو۔  
مسلمان نے گہرا سانس لیا اور بولا،

”اس کی مجھے امید نہیں۔ تم اسرائیلی یہودیوں  
کو نہیں جانتے۔ یہ بہت سنگ دل اور ناقابل

اعتبار لوگ ہیں۔ اور فلسطینی کمانڈوز سے تو  
انہیں سخت دشمنی ہے۔ یہ ہمارے کئی مجاہد کمانڈوز  
کو شہید کر چکے ہیں۔  
پھر مسلمان نے ناگ کی آنکھوں کی طرف دیکھتے  
ہوئے کہا،

”کیا تمہارے پاس یہ کوئی طلسم ہے یا تم  
پس شمع کوٹ سانپ ہو؟“  
ناگ ہنسنے لگا،

”وقت آنے پر اگر اس کی ضرورت ہو تو  
تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ اس وقت تو مجھے  
اس بات کی فکر ہے کہ تمہیں یہاں سے کیسے  
خارج کر دیا جاسکتا ہے؟“

مباری فوجی بوٹوں کی چاب سائی دی۔ چار فوجی  
اپنے ایک کیپٹن کے ساتھ حوالات کے باہر سے گئے  
ناگ اور کمانڈو مسلمان کو دوبارہ ہتھکڑیاں ڈال کر  
انہیں باہر نکالا۔ سین گنز والے سپاہی ان دونوں سے  
آگے پیچھے چل رہے تھے۔ انہیں کوارٹر گارڈ کی حوالات  
سے نکال کر فوجی چھاؤن کی بڑی جیل میں لے جا کر  
بند کر دیا گیا۔ اب انہیں الگ الگ کوٹھڑیوں میں



قید کیا گیا تھا۔ ناگ کو معلوم تھا کہ اب پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہو گا اور اسے مارا پیٹا بھی جائے گا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ ناگ نے دیکھا کہ کوٹھڑی کی دیواریں پتھر کی تختیں اور ایک چھوٹی سی کھڑکی پیچھے جیل کے صحن کی طرف کھلتی تھی۔ اس کھڑکی میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی تھیں۔ تنگڑی ہی دیر بعد باہر فوجی بوٹوں کی بھاری آواز آئی۔ ناگ سے پوچھ گچھ کرنے فوجی آ رہے تھے۔

ناگ نے گہرا سانس لے کر چھوڑا اور اس نے ایک چھوٹے سے بھڑے دنگ کے سانپ کی شکل بدل لی۔ وہ ریٹکتا ہوا کوٹھڑی کی چھت میں ایک جگہ اندھیرے میں چھپ گیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور تین اسرائیلی فوجی اندر داخل ہوئے۔ اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے گہرا کر ادھر ادھر دیکھا۔

انہیں عرب کمانڈو کا ساختی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کوٹھڑی خالی پڑی تھی۔ وہ سڑ چماتے چلاتے باہر نکل گئے باہر فوجیوں کے جھاگنے کی آوازیں آئیں۔ تنگڑی دیر بعد جیل کا الارم پیچھ اٹھا۔ ناگ خاموشی سے چھت میں دبکا رہا۔

جب دروازہ اندھیرا چھا گیا تو وہ ریٹکتا سلاخوں والی کھڑکی سے نکل کر جیل کی صحن والی دیوار پر آ گیا اسے معلوم تھا کہ عرب کمانڈو سلمان کو ساتھ والی کوٹھڑی میں قید کیا گیا ہے۔ وہ دوسری کوٹھڑی کی سلاخوں والی کھڑکی میں سے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے چھت سے نکلنے دیمے جیل کی روشنی میں سلمان کمانڈو کو دیکھا کہ کونے میں سر جھکاتے بیٹھا ہے۔

ناگ ریٹکتا ہوا دیوار سے نیچے اترا اور فوراً انسانی شکل اختیار کر لی۔ اپنے سامنے اچانک ناگ کو دیکھ کر سلمان کمانڈو ہکا بکا سا ہو کر رہ گیا۔ ناگ جھک کر اس کے قریب بیٹھ گیا اور بولا:

میں اپنی خفیہ طاقت سے کام لے کر ہتارے پاس آیا ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں فرار ہو گیا ہوں لیکن میں سانپ کی شکل میں کوٹھڑی کے اندر ہی چھپا ہوا تھا۔ اب تم مجھے بناؤ کہ ہتارے کیا پروگرام ہے۔

سلمان کمانڈو جلدی سے اٹھ کر کھڑکی کی سلاخوں سے پاس گیا۔ باہر دیکھا۔ پھر ناگ کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور بولا:



اگر وہ ہمتارے پاس پوچھ گچھ کرنے آئے تھے تو اب ٹھوڑی دیر بعد میرے پاس بھی آئیں گے۔ ہمتارے فرار نے انہیں پریشان کر دیا ہے ہو سکتا ہے آج کی رات وہ مجھ سے پوچھ گچھ کرنے نہ آئیں۔ بہر حال صبح ہونے سے پہلے ہمیں یہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرنی ہوگی۔

ناگ نے کہا:

ترکیب یہ ہوگی کہ میں ہمتاری کو ٹھہری کے باہر پہرہ دیتے یہودی سپاہی کو ٹوس کر بیہوش کر دوں گا۔ اسی طرح اس کے بعد جتنے سپاہی پہرے پر کھڑے ہوں گے انہیں گہری نیند سلا دوں گا پھر ہمتاری کو ٹھہری کو باہر سے کھول دوں گا۔ پھر تم یہاں سے فرار ہو جاؤ گے میں ہمتارے ساتھ ہی ہوں گا۔

کوٹھڑی کے باہر فوجیوں کی آوازیں بند ہوئیں۔ سلمان کمانڈو نے گھبرا کر کہا:

”وہ لوگ اندر آ رہے ہیں شاید۔ تم چلے جاؤ ناگ بولا۔ میں جا رہا ہوں۔ رات کے پچھلے

پھر ہمتارے پاس دوبارہ آؤں گا۔ یہ کہہ کر سلمان کمانڈو کی آنکھوں کے سامنے ناگ ایک بھورے سانپ کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ سلمان کمانڈو کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ناگ ریگتا ہوا ہوا دار کھڑکی میں سے نکل گیا۔ وہ دیوار پر ریگتا ریگتا اپنی کوٹھڑی میں آ کر چھت کے کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اب وہ دوبارہ یہاں انسانی شکل میں ظاہر نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ رات کے پچھلے پہر کا انتقال کرنے لگا۔

باہر سے اسے فوجیوں کی ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے وہ ناگ کی تلاش میں گھبراتے ہوئے پھر رہے ہیں رات آہستہ آہستہ گزرتی چلی جا رہی تھی۔ جب رات گہری ہو گئی تو جیل میں سناٹا چھا گیا۔ ناگ سلمان کمانڈو کی کوٹھڑی کی طرف جانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے نفرہ تکبیر اللہ اکبر کا نفرہ سنائی دیا۔ یہ نفرہ سلمان کمانڈو نے لگایا تھا۔ ناگ چونک پڑا۔ وہ تیزی سے چھت سے ریگتا ہوا کھڑکی کی سلاخوں کے پاس آگیا۔ اس نے گردن سلاخوں میں سے باہر نکال کر دیکھا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔



دس بارہ یہودی فوجی اہلکاروں میں تھری ناٹم تھری کی  
رائفیں تھامے عرب کمانڈو سلمان کو گھیسٹے ہوئے جیل کے  
صحن کی دیوار کی طرف لیے جا رہے تھے۔ وہ اسے  
ٹائٹنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے گولیوں سے  
چھلنی کرنے والے تھے۔



## پیرا سر رقبہ

اب سوچنے کا وقت نہیں تھا۔

ناگ کو بہت جلد کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ اگر وہ  
سانپ کی شکل میں ان یہودیوں کو درمیان جاتا ہے  
دو ایک تو ڈس کر ہلاک کر سکتا تھا لیکن خود بھی  
رائفلوں کی گولی سے چھلنی ہو سکتا تھا۔ سلمان کمانڈو  
کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا تھا۔ وہ مکر رہا  
اس نے کہا کہ اس کی آنکھوں پر پٹی نہ باندھی جائے۔  
ایک یہودی فوجی انفرمانٹ میں دھال لیے کھڑا تھا۔ اس  
سپاہی ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔

ناگ کے پاس بہت تھوڑا وقت تھا۔ اس نے  
سوچا کہ سب سے بہتر ترکیب یہی ہو گی کہ یہاں  
انفر تقری چھا دی جائے۔ پس ناگ دیوار سے اتر  
کر صحن میں آ گیا۔ وہ اندھیرے میں تھا۔ اس نے  
اپنے ذہن میں ایک بہت بڑے وحشی انفریق ہاتھی



کا تصور بنایا اور سانس اندر کو کھینچا۔ اس نے سانس چھوڑا تو وہ ایک بہت بڑے پہاڑ کی طرح لہلہا ہوتی کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس نے ایک ٹھک ٹھک شگاف چھکاڑ مارے اور فوجوں پر حملہ کر دیا۔ یہودی فوجی ہچکچاہٹ سے ہلکے ہوئے اور فوجوں کو دیکھ کر سانس میں آگے بڑھ گئے تھے۔ ان کی حیرانی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ناگ نے دیکھتے دیکھتے سات یہودی فوجیوں کو کھل کر رکھ دیا۔ دو فوجیوں کو سوڈ میں پیسٹ کر زور سے دیوار کے ساتھ دبا دیا۔ اس سے پہلے کہ فوجی انٹرپرائز کی گولی چلا تا ناگ نے اسے بھی پاؤں تلے روند ڈالا۔

پھر ایک سیکنڈ کے اندر اندر سلمان کمانڈو کو سوڈ سے اٹھایا اور زور سے سامنے والی دیوار کو ٹکڑے کر دیا۔ گولی لگ گئی۔ اس کے پیچھے رائفل کا فائر ہوا مگر گولی اندھیرے میں اسے نہ لگ سکی۔ اتنے عرصے میں ناگ ہاتھی کی شکل میں دوڑتا بھاگتا جیل کی صحن کی دیوار کو توڑ کر باہر میدان میں نکل گیا تھا۔

میدان میں اندھیرا تھا۔ ناگ نے سلمان کمانڈو کو زمین پر رکھ دیا اور فوراً ہاتھی سے ایک سیاہ عقاب کی شکل بنائی اور اسے پنجوں میں اٹھا کر اوپر کھڑکی سے

سلمان کمانڈو کو معلوم تھا کہ یہ سارا کڑوا اس کے دوست ناگ کا ہے۔ ناگ بے حد تیزی سے جیل کے احاطے سے نکل کر ایک طرف پرواز کرنے لگا۔ اندھیرے میں اسے کسی نے اڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ کسی کو یقین نہیں آ سکتا تھا کہ وہ عقاب بن کر ہوا میں اڑ رہا ہے۔ ناگ اندھیری رات میں زمین سے کافی بلندی پر اڑتا ہوا بہت دور نکل گیا۔ آگے ایک پوٹا سا دریا آ گیا۔ پھر اس کے نیچے عمارتیں نظر آئیں جن میں روشنی ہو رہی تھی۔ ناگ یہاں سے بھی آگے نکل گیا۔ پھر دیوان اندھیرا صحن علاقہ شروع ہو گیا۔ یہاں ناگ ایک ٹیلے کے پیچھے اتر آیا۔

اترتے ہی اس نے انسان کی شکل بدل لی۔ سلمان کمانڈو کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ فوج کے مارے اس کا سانس پڑھا ہوا تھا۔ اس نے آج تک کبھی کسی عقاب کے پنجوں میں دبک کر فضا میں پرواز نہیں کی تھی۔ ناگ نے اس کی حیرانی کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور کہا:

سلمان! کیا تم اس علاقے سے واقف ہو؟  
اگر واقف ہو تو بتاؤ کہ یہاں سے کس



طرف بھاگنا چاہیے کہ ہم کسی محفوظ جگہ  
پر پہنچ جائیں۔

سلمان کمانڈو نے اٹھ کر چاروں طرف دیکھا اور بولا  
”بہتر یہی ہے کہ ہم اس دیران قلعے کی طرف  
چلیں جہاں ہماری ساتھی بڑی زور قید ہے۔  
وہاں ہم کسی جگہ چھپ کر زونڈ کو آزاد کرنے  
کا پروگرام تیار کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کو رہا  
کرانے بغیر ہم یہاں سے نہیں جا سکتے۔“  
ناگ نے کہا:

”دیران قلعہ یہاں سے کس جانب ہے؟“  
سلمان کمانڈو نے جنوب کی جانب اشارہ کرتے  
ہوئے کہا:

”ہم دریا کے پار آ چکے ہیں۔ یہاں سے پانچ  
کلومیٹر کے فاصلے پر وہ قلعہ ہے۔ مگر خدا  
کے لیے مجھے اپنے پیچوں میں دلہنچ کر نہ اڑنا  
ہیں پیدل چلنا زیادہ پسند کروں گا۔“  
ناگ نے کہا:

”لیکن اس میں خطرہ ہے۔ یہودی سپاہی ہندو  
تلاش میں ادھر آجائیں گے۔“

سلمان کمانڈو نے کہا:  
”تو پھر کوئی دوسری ترکیب سوچو۔ میں قتلے  
عقبانی پیچوں میں دھب کر ہوا میں نہیں  
اڑنا چاہتا۔“

ناگ نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر بولا:  
”ٹھیک ہے میں گھوڑا بن جاتا ہوں۔ تم مجھ  
پر سوار ہو کر دیران قلعے کی طرف چلو۔ یہ  
ٹھیک ہے؟“

سلمان کمانڈو کو ناگ کی یہ تجویز پسند آئی۔ ناگ  
نے اسی وقت ایک برق رفتار عربی گھوڑے کی شکل  
دل لی۔ سلمان کمانڈو اس پر سوار ہوا اور اس میدان  
میں دوڑنا ہوا جنوب کی طرف روانہ ہو گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اسے دور ایک ٹیلے پر دیران  
قلعے کی روشنی نظر آنے لگی۔ سلمان کمانڈو اس قلعے کی  
روشنی کو پہچانتا تھا۔ اس نے گھوڑے کو اونچی نیچی  
میکریوں پر ڈال دیا۔ یہاں اندھیری رات میں ستاروں  
کی دھیمی روشنی میں کچھ کھنڈر بکھرے ہوئے تھے۔ یہ کھنڈر  
کسی پرانی عبادت گاہ کے تھے جو اب ٹوٹ پھوٹ  
پکی تھی۔ سرت کبیں کبیں دیواریں ستون اور چبوترے



ہی باقی رہ گئے تھے۔ اس سے آگے پھینے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔

عرب کمانڈر سلمان یہاں مندر کے کھنڈر میں آکر گھوڑے سے اتر گیا۔ ناگ فوراً انسانی شکل میں آگیا۔ اس نے سلمان کمانڈر سے پوچھا کہ کیا وہ درست جگہ پر آیا ہے؟

کمانڈر نے کہا:

”جس قلعے میں زرتشت ہماری اطلاح کے مطابق قید ہے وہ یہاں سے دور نہیں۔ اس کی روشنی یہاں سے دکھائی دیتی ہے۔ ارد گرد پھینے کے لیے اس مندر کے کھنڈر سے بہتر جگہ دوسری کوئی نہیں۔“

ناگ نے کہا:

”لیکن یہ جگہ خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ یہودی فوجی ہماری تلاش میں پہنچ جائیں گے۔“

سلمان کمانڈر بولا:

”تو پھر اس کے سوا تو ہم کہیں نہیں جا سکتے۔ ہمیں قلعے کے پاس ہی رہنا ہوگا۔ یہاں کوئی ایسا کھودہ تلاش کرتے ہیں جس کے

اندر ہم پناہ لے سکیں۔“

ناگ نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا:

”یہاں کوئی غار وغیرہ نظر نہیں آتا۔ لیکن تم اسی جگہ بیٹھو۔ میں کوئی غار ڈھونڈتا ہوں۔“

ناگ وہاں سے چلتا ہوا کھنڈر کے پیچھے آگیا۔

اس جگہ ایک بہت بڑے پتھر کی سل گرمی پڑی تھی۔

یہ کسی گیلری کی چھت لگتی تھی جو بھونپال کی وجہ سے

نیچے گر پڑی ہوگی۔ ناگ نے سانس پھینک کر چھوڑا

اور وہاں موجود کسی بھی سانپ کو آواز دی۔ تھوڑی

ہی دیر میں ناگ کو اپنے پیچھے پھنکار کی آواز آئی

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اندھیرے میں ایک سانپ

پہن اٹھائے اپنی سرخ آنکھوں کی ذہشت ناک روشنی

کرتا ناگ کی طرف چلا آ رہا تھا۔

ناگ کے قریب آتے ہی سانپ نے اپنا سر زمین

کے ساتھ لگا دیا۔

ناگ نے کہا:

”اپنا سر اٹھاؤ۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا یہاں

زمین کے اندر کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں

اور میرا ساتھی چھپ سکیں؟“



سانپ نے سر اٹھا کر ادب سے کہا،  
 عظیم ناگ دیوتا! اس کھنڈر کی سب سے بڑی  
 دیوار کے نیچے ایک تنگ راستہ خفیہ تہ خانے  
 کو جاتا ہے۔ اس تہ خانے میں کسی کی قبر  
 بھی بنی ہوئی ہے۔ اگر حکم کریں تو میں آپ کو  
 اس کا راستہ بنا دوں؟  
 ناگ نے کہا:

مجھے صرف وہ زمین بنا دو جو دیوار کے  
 نیچے ہے۔

سانپ آگے آگے دیکھنے لگا۔ وہ ناگ کو مندر کی  
 بڑی دیوار کے درمیان ایک جگہ لے آیا۔ یہاں دیوار  
 غلطی ہوئی تھی اور پتھروں اور پختہ اینٹوں کا  
 ڈھیر لگا ہوا تھا۔

سانپ نے کہا:

ان اینٹوں کے ڈھیر کے نیچے وہ خفیہ  
 زمین ہے۔

ناگ نے سانپ کو واپس بھیج دیا۔ پھر وہ عرب  
 کمانڈو کے پاس گیا۔ اسے بتایا کہ میں نے ایک خفیہ  
 راستہ تلاش کر لیا ہے۔ میرے ساتھ آؤ عرب کمانڈو

کو ساتھ لے کر ناگ اینٹوں کے ڈھیر کے پاس آ  
 گیا۔ انہوں نے اینٹوں کو ایک جگہ سے کھسکایا تو  
 نیچے ایک زمین دکھائی دیا۔ ناگ آگے چلا۔ عرب کمانڈو  
 اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

زمین پتھروں کا بنا ہوا تھا۔ یہاں گرا اندھیرا تھا۔  
 ان کے سر چھت سے لگ رہے تھے چنانچہ انہیں  
 جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ زمین پیچ دار تھا۔ جب  
 وہ خفیہ تہ خانے میں پہنچے تو دیکھا کہ کونے میں  
 تانبے کا ایک چھوٹا سا دیا جل رہا تھا۔

سلطان نے کہا:

ناگ! دوست! یہ دیا یہاں کہاں سے  
 آ گیا؟ ضرور یہاں کوئی آتا جاتا ہے۔ ہمیں یہاں  
 سے نکل جانا ہو گا۔

ناگ نے دینے کو جھک کر دیکھا۔ یہ کوئی پرانا  
 تاریخی دیا تھا۔ اس کی شکل کچھوے سے ملتی جلتی تھی۔  
 ناگ بولا:

پہنچنے کے لیے ہمیں اس سے بہتر جگہ اور کوئی  
 نہیں مل سکتی۔ اگر کوئی آ بھی گیا تو دیکھا  
 جائے گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ دیا کسی



نے ابھی نہیں جلایا۔ مگر یہ سینکڑوں برس  
سے روشن ہے!

سلمان کمانڈو کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی۔ مگر  
اس نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ کیوں کہ اسے معلوم تھا  
کہ اس کا دوست ناگ جادوگر ہے اور جادوگر اس  
قسم کی باتیں کیا ہی کرتے ہیں۔ دیئے کی روشنی میں  
انہوں نے منہ خانے کے کونے میں ایک قبر بنی  
دیکھی۔ سانپ نے ناگ کو ٹھیک بنایا تھا۔ یہ قبر  
بھی بہت پرانی تھی۔ اور اس کے کہنے پر کسی بہت  
ہی پرانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ ناگ نے جھک  
کر دیکھا۔ اس نے قدیم تحریر کو صاف پڑھ لیا  
تھا۔ لکھا تھا:

”یہاں رتنالی دفن ہے۔ جو یوراگو کے مندر  
کی سب سے حسین دیوداسی تھی۔ اس کو  
بادشاہ بیاکس نے اپنے دلِ عہد سے عشق  
کرنے کے جرم میں زہر دے کر ہلاک کر دیا۔  
ناگ نے یہ تحریر عربی میں ترجمہ کر کے سلمان کمانڈو  
کو سنائی تو اس نے کندھے اچکا کر کہا:  
مجھے اس قسم کی قبروں سے کوئی دلچسپی نہیں

مگر یہ جگہ چھپنے کے لیے اچھی ہے۔ ہم  
کو قلعے سے نکال کر یہاں لا کر کچھ دیر  
چھپا سکتے ہیں۔  
ناگ اس کے پاس بیٹھ گیا۔

اس صورت میں ہمیں اوپر زینے کے منہ  
کو کسی پتھر سے بند کرنا ہو گا۔ یہاں ہوا  
بھی آتی ہے۔ اب بناؤ۔ مگر ہمیں اگلا قدم  
کیا اٹھانا ہو گا؟  
سلمان کمانڈو بولا:

”سب سے پہلے ہمیں کسی بھی شکل میں قلعے  
میں جا کر یہ تصدیق کرنی ہو گی کہ زرقہ اسی  
قلعے میں ہے اور کس جگہ پر ہے۔ ہمیں اس  
سے مل کر اسے بنانا ہو گا کہ ہم اس کی  
مدد کو آ گئے ہیں۔ اس کے بعد قلعے کے  
تمام راستوں کی جانچ پڑتال کرنی ہو گی پھر  
ہم زرقہ کو دہاں سے نکالنے کا کوئی منصوبہ  
تیار کر کے اسے نکال لائیں گے۔“

ناگ بولا: ”میرے لیے یہ کوئی مشکل کام  
نہیں ہے۔ صبح ہو لینے دو میں قلعے کی



طرف چلا جاؤں گا۔ لیکن مجھے ذرّہ کا طیر بنا  
دو تا کہ میں اسے پہچان لوں۔  
سلمان کمانڈو نے ناگ کو بنایا۔

ذرّہ کا رنگ گورا جسم پتلا دبلا ہے۔ مگر اس  
کی آنکھیں گہری فسواری ہیں اور ان میں بلا  
کی چمک ہے۔ اس کی سب سے بڑی نشانی  
یہ ہے کہ اس کے ماتھے پر دائیں جانب زخم  
کا ایک اشخ لمبا نشان ہے۔

ناگ عذر سے سنتا رہا۔ پھر وہ بیٹھے ادھر ادھر  
کی باتیں کرتے رہے کہ ذرّہ کو لے کر وہ کس طرف  
سے اسرائیل کی سرحد پار کریں گے۔

سلمان کمانڈو نے کہا:

ہم ذرّہ کو لے کر یروشلم کی طرف نکل جائیں  
گے۔ کیوں کہ یروشلم کے ایک حصے میں عرب  
مسلمان رہتے ہیں۔ ان مسلمان عربوں میں ہمارا  
ایک جاسوس جادویش بھی رہتا ہے۔ ہم سیدھے  
اس کے پاس جائیں گے۔ وہ ہمارے فرار کا  
بندوبست کر دے گا۔

یونہی باتیں کرتے کرتے رات گزر گئی۔ زینے کی

تنگ و تاریک سیڑھیوں میں دن کی ہلکی روشنی  
نمودار ہوئی تو سلمان کمانڈو اور ناگ باہر نکل آئے۔  
چاروں طرف دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دونوں مندر  
کی پرانی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ایک ستون کے  
پیچھے آ کر بیٹھ گئے۔ انہیں دور میدان میں وہ ٹیلہ  
صاف نظر آ رہا تھا جس پر پرانا فوجی قلعہ تھا۔  
قلعے پر اسرائیلی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اس کے سامنے  
وایے میدان میں فوجی ٹرک کھڑے تھے۔ ایک طرف  
کچھ بکتر بند گاڑیاں اور اسرائیلی فوجی بھی دکھائی دے  
رہے تھے۔ قلعے کی چھت پر ایک مینار تھا جہاں  
دائرہ لیس کے ستاروں کا جال سا پھیلا ہوا تھا جس کے  
تار دھوپ میں چمک رہے تھے۔

سلمان کمانڈو بولا:

”یہ بہت مضبوط قلعہ ہے۔ یہاں ہمارے کئی  
کمانڈوؤں کو اسرائیلیوں نے شہید کر دیا ہے  
اس قلعے سے آج تک ہمارا کوئی کمانڈو  
فرار نہیں ہو سکا۔“

ناگ نے کہا:

”ذرّہ ضرور فرار ہوگی۔“



سلمان کہنے لگا:

میں اس کی بہت فکر ہے ہیں اور میرا سامنے  
نفس طور پر اسے رہا کڑے کے مشن پر  
آئے تھے لیکن انہوں نے ہماری مجبوری ہو گئی  
اور وہ شدید ہو گیا۔ پھر بھی میں خوش قسمت  
ہوں کہ تم مل گئے اور میں زرقہ کو رہا کرنے  
کے لیے زندہ ہوں۔

ناگ بولا: اب تم واپس قبر والے ہتھ خلع  
میں جا کر بیٹھو۔ میں قلعے کی طرف جا رہا  
ہوں اور زرقہ سے مل کر آتا ہوں۔ تم میرے  
بارے میں فکر نہ کرو۔ میں بہت جلد واپس  
آ جاؤں گا۔

سلمان کمانڈر نے کہا:

”میں کوڈ لفظ یاد ہے نا؟“

ناگ نے مسکرا کر کہا:

”نعرہ یکمیرا اللہ اکبر! یہی خفیہ کوڈ ہے نا؟“

کمانڈر بولا: ہاں۔ جاؤ۔ مگر اپنی حفاظت کرنا۔

ناگ نے کمانڈر سلمان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر  
گرموشی سے دبایا اور کھنڈر سے نکل کر قلعے کی طرف

روانہ ہو گیا۔ دھوپ میں کچھ دور تک ناگ اسے نظر  
آتا رہا۔ پھر وہ سلمان کی نظروں سے غائب ہو گیا۔  
ناگ غائب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ایک پھوٹا سا پرندہ  
بن کر فضا میں بلند ہو کر اڑنے لگا تھا۔ سلمان کمانڈر  
کھنڈر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس  
کی نگاہیں دریا والے میدان کی طرف لگی تھیں۔ وہ  
ادھر ہی سے فرار ہو کر آئے تھے۔ اسے یقین تھا  
کہ یہودی فوجی اس کی تلاش میں ادھر ہی سے  
آئیں گے۔ مگر ابھی تک اسے دور دور تک میدان  
کوئی فوجی گاڑی نظر نہیں آئی تھی۔ آسمان پر کوئی  
ہیلی کاپٹر بھی نمودار نہیں ہوا تھا۔

سلمان کمانڈر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔  
رات بھر کا جاگا تھا۔ اسے میند آ گئی۔ ابھی اس کی  
آنکھ ہی لگی تھی کہ گڑگڑاہٹ کی آواز سے اس کی  
آنکھ کھل گئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ دور  
سے ایک فوجی ہیلی کاپٹر گڑگڑاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔  
اس کی بلندی زیادہ نہیں تھی۔ سلمان کمانڈر سمجھ گیا کہ  
یہ اسرائیلی فوجی ہیں جو اس کی تلاش میں نکل کھڑے  
ہوئے ہیں۔ سلمان زمین پر ریختا ہوا ہتھ خانے سے



زینے کی طرف بڑھا۔ وہ سانپ کی طرح بگٹا انہوں  
کے ڈھیر کے پاس پہنچ کر دیں بے حس ہو کر رہ  
گیا کیوں کہ ہیل کا پٹر اب اس کے اوپر پہنچ  
گیا تھا۔

ہیل کا پٹر شور مچاتا، بڑے بڑے پتھر گھٹاتا اس  
کے اوپر سے گزر گیا۔ خدا جانے ہیل کا پٹر میں سوار  
اسرائیلی فوجیوں نے اسے دیکھا تھا یا نہیں، لیکن کچھ  
دور جا کر ہیل کا پٹر بائیں طرف گھوم گیا اور  
نصف دائرے میں ایک چکر لگا کر واپس مندر کے  
کنڈر کی طرف آیا۔ اتنی دیر میں سلمان کمانڈو فوجیوں  
کے ڈھیر کے نیچے سے کھسک کر تندر خانے کی  
بیریلیوں میں پہنچ چکا تھا۔ زینے میں جاتے ہی اس  
نے ہاتھ باہر نکال کر پتھر کی ایک سل کو کھسکا کر  
تندر خانے کے منہ کے آگے رکھ دیا۔

اب اسے ہیل کا پٹر دکھائی نہیں دے رہا تھا بلکہ  
اس کی آواز ہی سنائی دے رہی تھی۔ یہ آواز اس  
کے اوپر سے ہو کر دور نکل گئی۔ پھر یہ آواز آہستہ  
آہستہ فاصلے پر ہو گئی۔ سلمان کمانڈو نے اطمینان کا سانس  
لیا اور اتر کر پرانی قبر کے قریب پر لیٹ گیا۔

کوتے والا تانبے کا پرام دیا اسی طرح روشن تھا  
سلمان کمانڈو کو اس قبر اور دیئے سے کوئی دلچسپی  
نہیں تھی۔ اسے صرف اپنے مشن کا خیال تھا جس  
کو وہ اپنی جان قربان کر کے بھی کامیاب بنا  
چاہتا تھا۔

دوسری طرف ناگ پرندے کی شکل میں اڑتا ہوا  
قلعے کے اوپر پہنچ گیا۔ اس نے دن کی روشنی میں  
قلعے کے مینار پر لہراتا اسرائیلی چھ کونوں کے نشانے  
والا جھنڈا دیکھا۔ قلعے کی چھت پر دھوپ میں کچھ  
فوجی دریاں سوکنے کو ٹٹاں دی گئی تھیں۔ برآمدوں میں  
کمرے تھے جن کے باہر چند ایک اسرائیلی فوجی بیٹھے  
سگریٹ پی رہے تھے۔ اور آپس میں منہی مذاق بھی  
کر رہے تھے۔

ناگ دباں سے غوط لگا کر قلعے کے صحن میں  
آگیا۔ یہاں کئی فوجی گاڑیاں ایک قطار میں کھڑی تھیں  
جگہ جگہ یہودی فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ کمروں  
کے آگے برآمدے میں بھی فوجی پہرہ دے رہے تھے  
کمروں کے دروازے بند تھے اور دیوار میں لے سی  
لگے ہوئے تھے ایک طرف بیڑھیاں قلعے کے نیچے



رہی تھیں۔ یہاں دروازے پر بھی ایک یہودی سپاہی ڈیوٹی پر کھڑا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ وہ پرندہ بن کر یہاں سے نیچے نہیں جا سکتا۔ اسے یقین تھا کہ زرقہ نفلے کے نیچے کسی جگہ قید ہو گی۔ مزدوری تھا کہ وہ سانپ کی شکل تبدیل کر کے نیچے جائے۔ لیکن دن کی روشنی میں اسے دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ واپس اڑنے ہی لگا تھا کہ اس نے غوطہ لگا کر دیکھا کہ جو راستہ نفلے کے نیچے جاتا تھا وہاں انہیرا تھا۔ ناگ کو خیال آیا کہ اگر وہ کسی طرح دروازے کے اندر پہنچ جائے تو چونکہ نیچے انہیرا ہے اس لیے وہ پھپ کر رینگ کے گھا یہ سونٹ کر ناگ یہیری لے کر اڑتا ہوا نیچے نفلے کے صحن میں آ گیا۔ کوئی درخت نہیں تھا۔ وہ ایک جیپ کی سب پر جاہ بیٹھا۔ یہ جیپ نیچے تہ خانے میں تھے دروازے کے بائیں قریب ہی کھڑی تھی۔ ایک سے پرندے پر کسی کو کیا شک ہو سکتا تھا۔ اب کچھ دیر وہاں بیٹھا اپنی خوش کو ادھر ادھر کے حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ یہودی سپاہی تہ خانے کے دروازے کے باہر ایک طرف سٹین گن اٹھائے

اٹن شن کھڑا تھا۔ ناگ نے ایمیشن کا فیصلہ کیا اور ایک کر ایک غوطہ سا لگایا اور پھر سے تہ خانے کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے یہودی سپاہی نے ایک چڑیا کو تہ خانے کے دروازے میں اڑتے دیکھا۔ پھر یہ سونٹ کر خاموش رہا کہ چڑیا اپنے آپ باہر آ جائے گی۔ اسے کیا خبر تھی کہ یہ چڑیا نہیں بلکہ اس کا دشمن تھا۔

ناگ چھوٹے پرندے کے روپ میں تہ خانے کے برآمدے میں آ گیا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگے بجلی کے ایک بلب کی برکیٹ پر بیٹھ کر جائزہ لینے لگا۔ اس تہ خانے میں کئی کمرے تھے جو برآمدے میں ساتھ ساتھ بنے تھے۔ کہیں کہیں یہودی سپاہی پرہ بھی دے دے تھے۔ فلسطینی مجاہدہ زرقہ مزدور ہیں کسی کمرے میں قید تھی۔ ناگ نے دو یہودی فوجیوں کو آتے دیکھا تو فوراً ایک چھوٹے سے بھورے رنگ کے سانپ کی شکل بدل اور دیوار پر چھت کے ساتھ چپٹ گیا۔ اسے اب کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

دونوں یہودی فوجی کاندھوں پر سین گنیں لٹکائے ہوئے تھے۔ وہ ڈبل مارش کرتے آئے اور ایک کمرے کے



دروازے کے سامنے آ کر ٹوک گئے۔ پھر اسٹیشن  
 ہو کر وہاں پہرہ دینے لگے۔ ناگ کو یقین ہو گیا کہ  
 اسی کمرے میں زرقہ بند ہے۔ وہ خاموشی سے سب  
 کچھ دیکھ رہا تھا۔ چند یکنڈ گذرے ہوں گے کہ  
 دود بڑآمدے میں ایک فوجی افسر تیز تیز قدموں سے  
 چلتا ہوا آیا۔ دونوں فوجیوں نے اسے زبردست سیلوٹ  
 کیا۔ پھر ایک سپاہی اس یہودی فوجی افسر کے ساتھ  
 کمرے میں چلا گیا۔

اب ایک یہودی سپاہی باہر پہرہ دے رہا تھا۔  
 کچھ دیر بعد کمرے کے اندر سے کسی عورت کی  
 چیخ کی آواز آئی۔ ناگ چونکا۔ یہ آواز زرقہ ہی کی  
 ہو سکتی تھی۔ یقیناً اس پر تشدد کیا جا رہا تھا۔  
 ناگ تیزی سے چھت کے ساتھ ریگتا ہوا کمرے  
 کے دروازے کے اوپر آیا۔ پھر چھوٹے سے سلاخ دار  
 روشن دان میں گردن ڈال کر اندر جھانکنے لگا۔ اندر  
 کا منظر یہ تھا کہ ایک دہلی پتل گورے رنگ کی  
 عورت کو کرسی کے ساتھ جکڑا ہوا تھا۔ یہودی سپاہی  
 شبن گن تانے کھڑا تھا اور یہودی فوجی افسر جلتا ہوا  
 سگریٹ ہاتھ میں پکڑے اسے عورت کی گردن اور

کان پر لگا رہا تھا۔ جلتا ہوا سگریٹ عورت کے  
 کان سے لگا تو عورت نے چیخ کر عربی میں کہا:  
 "تم مجھ سے کچھ نہیں پوچھ سکتے۔ میں مر جاؤنگی  
 مگر تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

یہ زرقہ ہی تھی۔ یہودی فوجی افسر نے سگریٹ زرخ  
 پر پھینک کر جوتے سے مسل ڈالا اور جیب سے چاقو  
 نکال کر کھولا اور زرقہ کی آنکھوں کے آگے لہرا کر عربی  
 زبان میں بولا:

"اگر تم نے اپنے ساتھی فلسطینی کمانڈرز کے نام  
 اور پتے نہ بتائے کہ وہ اسرائیل میں کہاں  
 کہاں چھپے ہیں تو تمہاری آنکھیں نکال دی  
 جائیں گی۔"  
 زرقہ نے چلا کر کہا:

"میں مسلمان مجاہدہ ہوں۔ فلسطینی کمانڈر ہوں میں  
 اپنے ساتھیوں کے نام بتانے کی بجائے شہید ہو  
 جانا زیادہ پسند کروں گی۔"

یہودی افسر کچھ دیر زرقہ کی آنکھوں میں آنکھیں  
 ڈالے اسے گھورتا رہا۔ پھر اپنا پاؤں کرسی کے بازو  
 سے نیچے کیا۔ چاقو بند کر کے جیب میں ڈالا اور



سپاہی کو باہر پھلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں جب کمرے سے نکل گئے تو ناگ نے پلٹ کر باہر دیکھا۔ یہودی افسر نے عبرانی زبان میں سپاہی سے کہا کہ تھوڑی دیر میں کرنل سادان آ رہا ہے۔ خبردار! دھڑا دھڑا مت ہونا۔ یہ کمانڈو عورت بڑی خطرناک ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ دوسرا سپاہی اس کے ساتھ ہی چلا گیا۔ اب باہر صرف ایک سپاہی پہرے پر تھا۔

ناگ دشمنان کی موٹی سلاخوں میں سے رینگ کر کمرے کے اندر چلا گیا۔ یہ ایک خال کمرہ تھا۔ جس کے وسط میں کرسی رکھی تھی جس پر زرۃ کوڑیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ چھت کے ساتھ ایک بجلی کا بلب جل رہا تھا۔ دروازہ بند تھا اور باہر کٹڑی لگی تھی۔ ناگ دیوار پر سے رینگ کر زرۃ کے تختہ میں آ گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسے سانپ سے انسانی شکل میں تبدیل ہونے دیکھے۔

ناگ آہستہ آہستہ ریگنا دیوار سے اتر کر فرش پر آ گیا۔ وہ زرۃ کے عقب میں تھا۔ اس نے ایک پل کے لیے سوچا کہ کہیں زرۃ اپنے سامنے ایک اینٹی کو دیکھ کر خوف زدہ تو نہیں ہو جائے گی؟ لیکن

یہ اس قسم کی باتیں سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ ناگ نے ایک بجلی سی پھنکار کے ساتھ انسانی شکل اختیار کر لی۔ پھنکار کی آواز زرۃ نے بھی سنی۔ اس نے آہستہ سے گردن کھا کر پیچھے دیکھا تو پیچھے ایک سانپ رنگ کا گھنگھریلے باؤں والا نو جوان کھڑا اسے مکرانے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ زرۃ حیران ہو کر کچھ بولے ناگ نے فوراً کہا:

”نعرۃ تکبیر! اللہ اکبر! تم سمجھ گئی ہو گی کہ میں تمہارا ساتھی ہوں۔ تمہارا بھروسہ ہوں۔ مجھے سلمان کمانڈو نے بھیجا ہے۔ اس کا ساتھی شہید ہو گیا ہے۔ میں منتیں یہ کہنے آیا ہوں کہ گھبراؤ نہیں۔ ہم آج رات منتیں یہاں سے نکال دیں گے۔“

زرۃ کے پہرے پر ابھی تک حیرت طاری تھی۔ ناگ نے آہستہ سے کہا:

”حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس ایک خاص طلسم عمل ہے جس کو پڑھ کر میں غائب ہو جاتا ہوں۔ یہی وہ طاقت ہے جس کی مدد سے ہم منتیں آزاد کرا کر لے جائیں گے۔“



اب میں جاتا ہوں۔  
 ناگ نے پلٹتے ہوئے زرقہ کو غور سے دیکھا۔  
 اگرچہ اس کی آنکھیں سواری تھیں اور ماتھے پر زخم  
 کا نشان بھی تھا۔ پھر بھی اس نے اپنے یقین  
 کے لیے پوچھا،  
 ”تم زرقہ ہو نا؟“

”ہاں۔ زرقہ نے آہستہ سے حیرت زدہ آواز  
 میں کہا۔

زرقہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ  
 اس کے پاس ایک باہر کا آدمی کھڑا ہے جب کہ  
 باہر پہرہ لگا ہے اور دروازہ بھی بند ہے۔ ناگ  
 زرقہ کی کرسی کے پیچھے آ گیا۔ اس نے سانس کھینچ  
 کر سانپ کا روپ بدلا اور دینگا ہوا دیوار  
 پر چڑھ گیا۔ اب زرقہ نے دیکھا کہ ایک بھورے  
 رنگ کا چھوٹا سانپ روشندان کی سلاخوں میں سے  
 گذر کر باہر کی طرف نکل گیا ہے۔

ناگ جب سلمان کمانڈ کے پاس پہنچا تو وہ خفیہ  
 بنائے میں قبر کے پاس بیٹھا سو رہا تھا۔ ناگ نے  
 جھکیا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ناگ نے اسے سدا

حال سنا دیا۔ سلمان کمانڈ نے ناگ کو ہیلی کاپٹر کے بائے  
 میں بھی بتایا کہ وہ ان دونوں کی تلاش میں کھنڈر کے  
 اوپر چکر لگاتا رہا تھا۔  
 ناگ نے کچھ سوچ کر کہا،

”میں آج رات زرقہ کو لے کر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔  
 سلمان بولا، مگر اتنے سخت فوجی پہرے سے ہم  
 زرقہ کو کیسے نکالیں گے؟“





## زرقہ کاسر

ناگ نے کہا:

”یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اکیلا قلعے کے اندر جاؤں گا۔ تم قلعے کی پھل دیوار کے نیچے سوکھے نالے کے پاس جھاڑیوں میں چھپ کر میرا انتظار کرو گے۔ ہم آدھی رات کے اندھیرے میں یہاں سے نکلیں گے۔“

سلمان کو بھوک اور پیاس لگ رہی تھی۔

ناگ نے کہا:

”میں ان باتوں سے بے نیاز ہوں مگر تمہارے لیے میں باہر سے کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔“

سلمان نے کہا:

”یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تم میرے لیے کیا لاؤ گے؟“

ناگ بولا: ”کوشش کرتا ہوں۔“

ناگ تہہ خانے کے سوراخ میں سے باہر چلا گیا۔ وہ سیدھا مندر کے کھنڈر کے پیچھے پنفر کی بڑی سل کے پاس آ گیا۔ دھوپ چاروں طرف پھیلی تھی۔ فضا میں گرمی تھی۔ ناگ نے سانپ کو آواز دی۔ چند ایکٹ کے بعد وہی سانپ آ گیا جس نے ناگ کو تھکانے کا پتہ بتایا تھا۔

ناگ نے اس سے کہا:

”میرے دوست کو بھوک اور پیاس تنگ کر رہی ہے۔ کیا تم اس کے لیے کچھ لا سکتے ہو؟“  
سانپ بولا: ”عظیم ناگ دیوتا! آپ کی بائیں جانب ریت کے ٹیلے کے پاس ایک جنگلی جھاڑی ہے جس میں خرپوزے کی طرح کا ایک پھل لگا ہے۔ اس پھل کے اندر سفید رنگ کا دودھ بھرا ہے۔ آپ کا دوست اس دودھ سے اپنی پیاس اور اس کے گودے سے اپنی بھوک مٹا سکتا ہے۔“

ناگ۔ سانپ کو جاننے کی اجازت دی اور خود جھاڑی کے قریب گیا۔ اس کے اندر سبز رنگ کا خرپوزے جتنا بڑا ایک پھل لگا تھا۔ ناگ وہ تڑک



سلمان کمانڈو کے پاس لے گیا۔ اس نے پھل میں  
سودا کر کے اس کا میٹھا اور خوشبودار دودھ پیا اور  
گودا کھا لیا جو بڑا مزے دار تھا۔ یوں سلمان کمانڈو کی  
بھوک اور پیاس مٹ گئی۔ اب وہ ذرتہ کے فرار کے  
بارے میں غور کرتے گئے۔

شام ہو گئی۔ پھر رات کا اندھیرا باہر چاروں طرف پھیل  
گیا۔ جب رات کا ٹی گزر گئی تو منصوبے کے مطابق ناگ  
اور سلمان کمانڈو ستر خانے سے نکل آئے۔ وہ ریت کے  
دیران اور تاریک ٹیلوں کا پتہ کاٹ کر میدی فوجی قلعے  
کے عقب میں آ گئے۔ یہاں ایک خشک ۱۲ فٹ چوڑی  
کے کناروں پر جنگل پورے اُگے تھے۔ ناگ نے سلمان  
کمانڈو کو ایک جھالی کے پیچھے چھپ کر بیٹھ رہنے  
کی ہدایت کی اور خود قلعے کی دیوار کی طرف چلا گیا۔  
اندھیرے میں اس نے سانپ کی شکل بدل اور قلعے کی  
عقبی دیوار پر ریگتا ہوا اندر قلعے کے صحن میں اتر آیا  
صحن میں کئی جگہوں پر پر بھلی کے بلب روشن تھے۔

ناگ نے دیکھا کہ نیچے ستر خانے کو جانے والے  
دروازے پر ایک سیاہی سیٹھن سیٹھن ہاتھوں میں تھامے  
اٹن شن ہو کر پہرہ دے رہا تھا۔ صحن میں سولے قلعے

کی ڈیوڑھی کے اندر کہیں کوئی سیاہی نہیں تھا۔ ڈیوڑھی  
والا بیوڑھی سیاہی باہر والے دروازے کے پاس پہرہ  
دے رہا تھا۔ اس کی پیٹھ صحن کی طرف مٹی ناگ  
دیوار کے ساتھ ریگتا دوسری طرف گیا۔ یہاں ایک چھوٹی  
سی سیڑھی قلعے کی چھت کو جاتی تھی۔ اسی سیڑھی کے  
ذریعے اسے ذرتہ کو نکال کر قلعے کی چھت پر لے  
جانا تھا۔

ناگ ریگتا ہوا ستر خانے کے دروازے کے اوپر  
آ گیا۔ وہ اندھیرے میں تھا اور سیاہی کی پشت دروازے  
کی طرف تھی۔ وہ ناگ کو سانپ کی شکل میں نہیں  
دیکھ سکتا تھا۔ ناگ سانپ کی شکل میں بڑی آسانی  
سے ستر خانے کے ذینے کی چھت پر سے ریگتا نیچے  
برآمدے میں آ گیا۔ برآمدے میں بھلی کے بلب روشن  
تھے اور ذرتہ کی کوشمندی کے باہر ایک سیاہی ڈیوڑھی پر  
کھڑا تھا۔ یہ کوئی دوسرا سیاہی تھا۔ ناگ کا پہلا مارکٹ یہی  
سیاہی تھا۔ اس نے برآمدے میں دور تک نگاہ ڈالی وہاں  
سولے اس سیاہی کے اور کوئی سیاہی پہرہ نہیں دے  
رہا تھا۔

ناگ کے لیے یہ ایک سنہری موقع تھا۔



وہ ریٹکتا ریٹکتا دیوار پر سپاہی کے عقب میں آگیا۔  
اسے معلوم تھا کہ وہ سپاہی کے نل بوٹ کی دھڑ سے  
اس کی پنڈلی پر اتنی آسانی سے نہیں ڈس سکے گا۔  
ناگ نے دیوار پر سے ایک دم چھلانگ لگائی اور  
سپاہی کی گردن پر گرا۔ گرتے ہی ناگ نے پہلا کام یہ  
کیا کہ اس کی گردن کو جکڑ لیا تاکہ وہ آواز نہ نکل  
سکے۔ اس کے ساتھ ہی ناگ نے گردن پر ڈس دیا۔ یہ  
سب کچھ دو سیکنڈ کے اندر اندر ہو گیا۔

سپاہی نے گھبرا کر اپنی گردن پر ہاتھ رکھ دیئے  
اور سانپ کو گلے میں سے اتار پھینکنے کی کوشش کرنے  
لگا۔ لیکن ناگ کا زہر کوئی معمولی زہر نہیں تھا۔ تیسرے  
سپاہی فریٹ پر بے ہوش پڑا تھا۔ ناگ نے اس کے  
جسم میں صرف اتنا ہی زہر داخل کیا تھا کہ جس سے  
وہ کم از کم باقی رات بے ہوش رہے۔ کیوں کہ ناگ  
یونہی کسی انسان کی جان نہیں لینا چاہتا تھا۔

سپاہی کے بے ہوش ہوتے ہی ناگ انسانی شکل  
میں آ گیا۔ اس نے دروازے کی کھڑکی کھول دی اور  
سپاہی کو گھسیٹ کر کمرے میں لے گیا اور فوراً دروازہ  
بند کر لیا۔ زرتہ ابھی تک کرسی پر جکڑی ہوئی تھی۔ اس نے

ناگ کو پہچان لیا تھا۔  
ناگ نے کہا:

”زرتہ! جلدی سے اس سپاہی کی دردی پہن لو  
دیر مت کرو۔“

پھر ناگ نے ایک لمحے کے اندر اندر زرتہ کی  
رسی کھول ڈالی۔ زرتہ نے جلدی جلدی سپاہی کی دردی اندر  
کر پہن لی۔ وہ بالکل ایک یہودی فوج لگ رہی تھی۔  
اس نے سر پر یہودی فوجی کی بیریٹ کیپ بھی پہن لی  
تھی۔ ناگ نے زرتہ سے کہا:

”تمہیں فوجیوں کی طرح چستے ہوئے تہہ خانے  
کے ذینے تک چلتا ہو گا۔ فکر مت کرنا میں  
سانپ کی شکل میں تمہارے آگے آگے ہوں گا۔  
جلدی سے باہر نکل چلو۔“

ناگ نے دروازہ کھول کر باہر جھانک کر دیکھا۔  
برآمدہ خالی تھا۔ زرتہ باہر آ گئی۔ وہ فوجیوں کی طرح  
قدم قدم چینی تہہ خانے کے ذینے کی طرف بڑھی۔  
وہ لیوں چل رہی تھی جیسے چل پھر کر پہرہ دے  
رہی ہو۔ ناگ سانپ کی شکل میں اس کے آگے آگے  
تھا۔ ناگ پہلے ہی بیڑھیاں چڑھ کر تہہ خانے کے باہر



والے دروازے کے پاس آ گیا۔ وہاں بھی یہودی سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔

ٹاگ نے مزے سے ایک عجیب سی آواز نکالی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی بچہ روتا رہا ہو۔ باہر کھڑے سپاہی نے چونک کر نیچے زینے میں دیکھا۔ زینے میں اندھیرا تھا۔ وہ حیران ہوا کہ یہ بچے کے رونے کی آواز کہاں سے آئی تھی۔ ٹاگ نے ایک بار پھر وہی آواز نکالی تو یہودی سپاہی زینے میں آ کر نیچے جھانکنے لگا۔ اسے نیچے برآمدے میں ایک سپاہی دکھائی دیا۔ یہ زرقہ تھی۔ اوپر والے سپاہی نے اسے آواز دے کر پوچھا کہ یہ بچے کی آواز کہاں سے آئی تھی؟

زرقہ خاموش رہی۔ اوپر والا سپاہی تیزی سے نیچے اترا۔ وہ آخری سیڑھی پر ہی پہنچا تھا کہ اوپر سے ٹاگ نے اس کی گردن پر چھلانگ لگا کر اسے بھی ٹس دیا۔ سپاہی چکرا کر سیڑھیوں میں گرا۔ ٹاگ انسانی شکل میں آ کر زرقہ سے بولا:

اجلہدی سے باہر آ جاؤ۔ تم تنہا خانے کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ ظاہر کرنا کہ تم یہاں رہتے ہو۔ میں آگے کی صورت سال

سا کر دیکھتا ہوں۔

زرقہ ایک ہوشیار کمانڈر تھی۔ وہ ایک کمریہاں چڑھتی باہر آ گئی اور تنہا خانے کے دروازے پر سٹین گن لے کر یوں کھڑی ہو گئی جیسے پہرہ دے رہی ہو۔ ٹاگ سانپ کی شکل میں قلعے کے صحن میں نکل گیا۔ اس نے دیکھا کہ قلعے کی ٹیوٹھی میں دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے مگر ان کی پیٹھ ٹاگ کی طرف تھی۔ ٹاگ واپس زرقہ کے پاس گیا اور انسانی شکل میں آ کر وہیں پریشان رہا اور بولا:

زرقہ آہستہ آہستہ قلعے کی چھت پر

جاتی سیڑھی کی طرف جاؤ۔ قلعے کی دیوار کے پیچھے

نالے کی جھاڑیوں میں سلمان تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

چھت پر جا کر میرا انتظار کرو۔

زرقہ یہ سن کر آہستہ سے قلعے کی چھت پر جاتے

زینے کی طرف چلنے لگی۔ ٹاگ واپس سانپ کی شکل میں

آ گیا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اس کی آنکھیں

ٹیوٹھی والے صحن پر بھی نہیں کر اگر وہ اندھرائیں

تو زرقہ کو اس سے پتہ چلتا۔

زرقہ قلعے کی چھت والے زینے چڑھنے لگی۔



سے سپاہیوں کی ادھر نگاہ نہیں پڑی تھی۔  
زرق بڑی ہوشیاری سے زینہ چڑھ کر قلعے کی چھت پر آ گئی۔

ناگ بھی اس کے پیچھے پیچھے آ گیا۔ قلعے کی دیوار کافی بلند تھی۔ زرق وہاں سے پھلانگ نہیں لگا سکتی تھی۔ ان کے پاس کوئی کمانہ بھی نہیں تھی۔ ان کے پاس سوچنے کے لیے وقت بھی نہیں تھا۔

ناگ نے انسانی شکل میں آ کر زرق سے سرگوشی کی۔  
"میں عقاب بن کر تمہیں پنچوں میں اٹھائے قلعے سے نیچے لے جاؤں گا۔ تم گھبرانا نہیں۔"

زرق نے آہستہ سے سر ہلایا کہ وہ نہیں گھبرائے گی۔  
اس گھبراہٹ اور تجسس کے عالم میں بھی زرق ناگ کی خلیہ علمی طاقت سے حیرت زدہ تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک انسان کو عقاب کی شکل اختیار کرتے دیکھا۔ پھر اس عقاب نے زرق کو اپنے پنچوں میں بڑی آسانی سے اٹھایا اور قلعے کے اوپر سے نیچے غوطہ لگایا۔

جھاڑی کی ادھ میں سلمان کمانڈو نے عقاب کو اترتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ ناگ کے سوا دوسرا کوئی نہیں

ہو سکتا۔ اس کے پنچوں میں ایک فوجی تھا۔ یہ زرق ہی ہو سکتی تھی۔ جھاڑی کے پاس جا کر عقاب زمین پر بیٹھ گیا۔ زرق نے سلمان کمانڈو سے بڑی گرجوشتی سے ہاتھ ملایا۔ ناگ اب انسانی شکل میں آ گیا تھا۔ اس نے کہا:

"اب جلدی سے یہاں سے نکل کر کھنڈر ولے متہ خانے کی طرف چلو۔"

سلمان بولا: "تم ہمیں عقاب بن کر اٹھا کر کیوں نہیں لے جاتے؟"

ابھی یہ جملہ سلمان کمانڈو کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ قلعے میں خطرے کا الارم بجنا اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی سرنج لائٹ کی روشنی میدان میں گردش کرنے لگی۔ زرق نے کہا:

"ہمیں میرے فرار کا علم ہو گیا ہے۔ یہاں سے بھاگو۔ قلعے کے صحن میں سے فوجی گاڑیوں کے شارٹ ہولز کی آوازیں آنے لگیں۔"

ناگ نے کہا:

"اگر ہم یہاں سے بھاگے تو پکڑے جائیں گے۔ میں تمہیں اچھی آیتا ہوں۔"



ناگ نے عقاب بن کر دونوں کو اٹھایا اور فضا میں اوپر اٹھتا چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ان دونوں کو لے کر وہاں سے کہیں دور دراز علاقے کی طرف نکل جائے گا، لیکن اچانک فضا میں گولیاں برسے لگیں اور ایک ہیلی کاپٹر قلعے کے اندر سے گرہ گھاتا ہوا اوپر کو اٹھا۔ اب ناگ کے یہ عقاب کی شکل میں پرواز کرنا انتہائی خطرناک تھا۔ وہ سب ہیلی کاپٹر کی مشین گن کی گولیوں کا نشانہ بن سکتے تھے۔ کیونکہ ہیلی کاپٹر کی سرخ لائٹ بھی روشن تھی۔

ناگ پہنچی اڑان بھرتا ہوا تیزی سے قلعے کے پیچھے کی طرف آ گیا۔ ہیلی کاپٹر بھی اب چکر پورا کر کے اسی طرف گھومنے لگا تھا۔ اس کی سرخ لائٹ کی تیز روشنی فضا کو روشن کر رہی تھی۔ ناگ نے غوطہ لگایا اور کھنڈر کی طرف جتنی تیزی سے اڑ سکتا تھا اڑنے لگا۔ وہ ہیلی کاپٹر کی روشنی کے دائرے سے نکل گیا تھا۔ لیکن ہیلی کاپٹر بھی اسی جانب چلا آ رہا تھا۔

سمان سمٹو اور زرہ عقاب کے پنجوں میں دبے سمے سمے تھے۔ ناگ انہیں لے کر کھنڈر کی دیوار کے

پیچھے اتر آیا۔ فوراً انسانی شکل بدلی اور کہا: "مسلمان! زرہ کو لے کر تہہ خانے میں گھس جاؤ۔ جلدی کرو اسرائیلی ہیلی کاپٹر ادھر کو آ رہا ہے۔"

سلمان نے زرہ کا ہاتھ اٹھا اور دونوں جھاگتے ہوئے اینٹوں کے ڈھیر کی اوٹ میں پہنچ کر پتھر کی سیل اٹھا کر تہہ خانے میں داخل ہو گئے۔ ناگ نے سانپ کی شکل بدل لی تھی۔ اور ایک طرف چھپا آسمان پر پرواز کرتے ہیلی کاپٹر کو تک رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر نیچے ہو کر اڑ رہا تھا۔ اس کی روشنی پرلے کھنڈر کی دیواروں کو روشن کر رہی تھی۔ مگر وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ ہیلی کاپٹر اوپر سے جو کر نکل گیا۔ اب قلعے کی جانب سے دو نین فوجی گاڑیاں بھی میدان میں ادھر ادھر گھوم پھر کر زرہ کو تلاش کر رہی تھیں۔

ناگ اینٹوں کے ڈھیر کے اوپر سانپ کی شکل میں بیٹھا رات کے اندھیرے میں فوجی گاڑیوں کو دور میدان اور ٹیلوں کے گرد چکر لگاتا دیکھ رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر برابر آسمان پر گھوم رہا تھا۔ اس کی روشنی بیشپے دیوار کو روشن کر رہی تھی۔ جب سیر کا یہ دور چلا تو ناگ



ریگتا ہوا نیچے منہ خانے میں آ گیا۔

نیچے آتے ہی اس نے دوبارہ انسانی شکل اختیار کر لی۔ اس نے دیکھا کہ زرقہ اور سلمان کمانڈر ہتھ خانے کی قبر کے پیچھے پیچھے بیٹھے تھے۔ کونے والا تانبے کا چراغ اسی طرح روشن تھا۔ ناگ کو دیکھ کر دونوں قبر کی اوٹ سے نکل آئے۔

زرقہ نے کہا:

”باہر کی پوزیشن کیا ہے؟“

ناگ نے انہیں بتایا کہ پہلی کاپڑ دور چلا گیا ہے مگر فوجی سپاہی گاڑیوں میں سوار ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔

سلمان نے کہا:

”اس وقت ہمارے لیے یہی ایک بہترین پناہ کی جگہ ہے۔“

زرقہ نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا:

”سلمان! یہ فوجان کون ہے؟ اس کے پاس ایسا جادو کہاں سے آ گیا؟ میں نے زندگی میں آج تک ایسا کون نہیں دیکھا کہ ایک انسان کبھی سانپ اور کبھی عقاب بن جائے۔“

سلمان نے کہا:

”یہ ہمارا بہترین دوست ہے۔ اسی نے مجھے موت کے مزے نکالا ہے نہیں تو میں شہید ہو چکا ہوتا اس کا نام ناگ ہے۔“

پھر سلمان نے زرقہ کو وہ واقعہ سنایا جب ناگ اتفاق سے اسے مل گیا تھا اور اسرائیلیوں نے اسے بھی فلسطینی کمانڈو سمجھ کر اس کے ساتھ ہی گرفتار کر لیا تھا۔ ناگ مکھڑا رہا تھا۔

زرقہ نے کہا:

”ناگ! تم نے یہ جادو کہاں سے سیکھا ہے؟“

ناگ نے کہا:

”میں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔ بہر حال تم بھی یہی سمجھو کہ میرے پاس ایک خاص عمل ہے جس کے ذریعے میں اپنی جون بدل لیتا ہوں۔ یہ عمل مجھے افریقہ کے ایک بوڑھے جادوگر نے بتایا تھا۔ اب ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہیے؟“

کمانڈو سلمان بولا:

”ہماری منزل اب یروشلم کا مسلمان علاقہ ہے۔“



وہاں ہمارا ساتھی ایجنٹ جادو کش رہتا ہے۔  
وہ ہمیں دریائے اردن پار کرنا کر عمان کی سرحد میں  
داخل کروا دے گا۔

زرقہ بولی: "یروشلم یہاں سے ایک دن کے سفر  
پر ہے۔ ہم پیدل وہاں تک نہیں جا سکتے۔ غلط  
طور پر ایسے حالات میں جب کہ چپچپے پر  
اسرائیلی فوجی گاڑیاں ہماری تلاش میں پھر رہی  
ہوں گی۔"

سلمان گمانڈو نے کہا:

"ہم مناسب موقع ملنے تک اسی جگہ چھپے رہ  
سکتے ہیں۔ ناگ ہمارے لیے جنگی پھل لے آئے  
گا جس کو کھا کر ہم گزارہ کر سکتے ہیں۔"

زرقہ نے کچھ سوچ کر کہا:

"اگر ناگ کہیں سے کسی طرح کوئی فوجی گاڑی  
لے آئے تو ہم یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں۔"

سلمان نے کہا:

"اچھا خیال ہے، لیکن اس وقت قلعے کی پوری  
رجمنٹ چوکس ہو چکی ہے اور یقیناً ایک کمپنی ہماری  
تلاش میں باہر نکل آئی ہے۔ ہمیں ہر حالت

میں ایک دو روز اسی جگہ چھپ کر انتظار  
کرنا ہو گا۔"

زرقہ خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔

ناگ نے کہا:

"میں فوجی گاڑی اغوا کر کے لا سکتا ہوں مگر  
جیسا کہ سلمان نے کہا ہے۔ ابھی فوجی گاڑی میں  
بھی سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

زرقہ نے تانبے کے چراغ کی طرف دیکھ کر کہا:

"یہ چراغ کس نے جلا رکھا ہے؟ اسے بجھا دینا  
چاہیے باہر سے اس کی روشنی دیکھی جا سکتی ہے۔"

زرقہ چراغ بجھانے کے لیے اٹھی تو ناگ نے اسے  
روک دیا۔

"اس چراغ کو مت بجھانا زرقہ۔ یہ چراغ ہم نے  
نہیں روشن کیا۔ یہ لگتا ہے اس قبر کے ساتھ ہی کسی  
نے جلایا تھا۔"

زرقہ بولی: "تم وہم بہت آدمی ہو۔ جادوگر ہونا  
اس لیے۔ لیکن یہ چراغ ہمیں گرفتار کروا سکتا ہے۔  
ناگ نے کہا:

"میں باہر سے پتھر کی ریل کو متہ خانے کے منہ



پر اس طرح رکھ آیا ہوں کہ باہر سے اس کی روشنی نہیں دیکھی جا سکتی۔ تم فکر مت کرو۔ اگر میں تم لوگوں کو گویوں کی بوچھاڑوں سے نکال لایا ہوں تو یہاں بھی تمہاری حفاظت کر سکتا ہوں۔ لیکن چراغ بجھانے کی اجازت نہیں دوں گا۔

سلمان نے بھی زرقہ کو چراغ بجھانے سے روک دیا۔ زرقہ گمراہان بھر کر قیر کے پاس بیٹھ گئی اور اس کے کتبے کو دیکھ کر بولی :

”یہ کسی پرانی زبان کا کتبہ ہے۔ اس پر کیا لکھا ہے؟“

ناگ نے اسے بتایا کہ اس پر لکھا ہے :

”یہاں رتنائی دفن ہے جو بوداگو کے مندر کی سب سے حسین دیو داسی تھی۔ اس کو بادشاہ بیاکس نے اپنے دل و عہد سے عشق کرنے کے جرم میں زہر دے کر ہلاک کر دیا۔“

زرقہ ہنس دی۔ زرقہ مصر کی گریجویٹ تھی اور پڑھی لکھی ماڈرن خیالات کی ایک بہادر کمانڈر مجاہدہ تھی۔ اس نے کہا :

”میں ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتی۔ یہ کتبہ یونانی کسی نے لکھ کر لگا دیا ہے۔“

ناگ مکراتے ہوئے بولا :

”میں تمہارے اعتقاد پر بحث نہیں کروں گا۔ کسی بھی انسان کو کسی دوسرے انسان کے عقیدے پر بحث نہیں کرنی چاہیے۔ بہر حال میں اس چراغ کو روشن ہی رکھنا چاہتا ہوں۔“

سلمان کمانڈر نے زرقہ کی عین گن لے کر اس کے پیچھے کو کھول کر دیکھا :

”پیچھے گولیوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ امریکی ٹینک گن ہے اسرائیلیوں کو امریکی اسلحہ برابر مل رہا ہے۔“

اچھا ہے۔ یہ اب ہمارے کام آئے گا۔

زرقہ کے بال پٹے ہی ٹوکوں کی طرح کٹے ہوئے تھے۔ یہ اسرائیلی فوجی کیپ میں بالکل ہی چھپ گئے تھے۔ زرقہ نے سلمان کو بتایا کہ اسرائیلیوں نے اس پر بہت تشدد کیا مگر اس نے اپنے کسی ساتھی کا نام تک نہیں بتایا۔ پھر اس نے سلمان کو اپنے کان کی ٹوئیں دکھائیں جو مگر سیٹ لگاتے سے جل گئی تھیں۔

سلمان کمانڈر نے زرقہ کے حوصلے اور بہادری کی



تقریب کی اور کہا :

”ان شاء اللہ! ہم بہت جلد فلسطین کو اپنے وطن  
کو یہودیوں کے قبضے سے آزاد کرالیں گے۔“

ناگ خاموش بیٹھا قبر کے کتبے کی طرف دیکھ رہا تھا  
جہاں چراغ کی دھیمی دھیمی روشنی پڑ رہی تھی۔ اچانک  
اسے یوں لگا جیسے قبر کے سرانے لگے کتبے کے پتھر  
پر کسی حسین عورت کی شکل ابھر آئی ہے۔ اس  
عورت کے لمبے سیاہ بالوں میں سفید موتوں کی لڑیاں  
گنڈھی ہوئی تھیں جو اس کے ننگے شانوں پر ٹپک  
رہی تھیں۔ حسین عورت کے ماتھے پر ایک سڑخ  
بندیا محل کی طرح چمک رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں  
مفتا طبعی چمک تھی اور ہونٹ ذرا سے کھلے تھے اور  
موتوں ایسے سفید دانتوں کی کیر نظر آ رہی تھی۔

ناگ نے سلمان سے سرگوشی کی :

”سلمان! قبر کے کتبے کی طرف دیکھو۔“

سلمان اور زرقہ نے کتبے کی طرف آنکھیں گھمائی۔

”کیا ہے یہاں؟“ سلمان نے پوچھا۔

”نہیں کسی عورت کی شکل نظر نہیں آ رہی کیا؟“ ناگ

نے کہا :

”نہیں تو۔“ کتبے پر تو کسی عورت کی شکل

نہیں ہے۔“ سلمان بولا۔

زرقہ ہنسنے لگی :

”ناگ پر قبر کے طلسم کا اثر ہو گیا ہے۔“

اتنے میں کتبے پر حسین عورت کی شکل نے  
آنکھیں میکر کر ناگ کی طرف گھور کر دیکھا اور سر  
کے اشارے سے اسے منع کیا کہ وہ اس کا ذکر کسی  
سے نہ کرے۔ ناگ چپ ہو گیا۔ اتنے میں باہر  
کتوں کے مہوئے کی آواز سنائی دی۔ کتبے کی شکل  
غائب ہو گئی۔

زرقہ اور سلمان اچھل پڑے۔

سلمان کمانڈو بولا :

”وہ زرقہ کی تلاش میں سراغ رساں کتبے لے کر

نکل آئے ہیں۔“

فلسطینی مجاہدہ زرقہ بولی :

”انہوں نے میرا لباس پہنے ہی دن سراغ رساں

کتوں کو سگھایا دیا تھا۔ یہ کتبے یہاں تہ خانے

کے سوراخ تک پہنچ جائیں گے۔“

معاذ تشریش ناگ تھا۔



ناگ نے کہا:

”تم لوگ اسی جگہ بیٹے رہو۔ میں باہر جا کر  
ان کتوں کو سنبھالتا ہوں۔ خبردار — اور اسی بھی

آواز نہ نکالنا۔“

یہ کہہ کر ناگ تیزی سے باہر آ گیا۔



## رستہ کی کون تھی؟

صواری رات میں ہلکی ہلکی چاندنی بکھری ہوئی تھی۔  
زرد چاند دور ریت کے ٹیلوں کے پیچھے سے طلوع  
ہو رہا تھا۔ ناگ نے دیکھا کہ جیسے کی جانب سے چھ  
سات فوجی کتوں کو ساتھ لیے بھاگتے چلے آ رہے  
تھے۔ کتوں کا رخ منہ خانے کے سوراخ کی طرف تھا۔ ظاہر  
ہے انہیں زرقہ کے جسم کی ادھر ہی سے خوشبو  
آ رہی تھی۔

ناگ نے ایک پل کے لیے صورت حال پر غور کیا  
پھر بھاگ کر کھنڈر کی حقیقی دیوار کی طرف گیا اور سانپ  
کو آواز دی۔ سانپ پھن اٹھائے پتھروں کے نیچے سے  
نکل کر آیا تو ناگ نے اسے حکم دیا:

”کچھ فوجی اپنے کتوں کے ساتھ ادھر آ رہے  
ہیں۔ اپنے سانپوں کو لے کر جاؤ اور ان سب



دور۔ یہ ہمارے دشمن ہیں۔  
سانپ نے پھن جھکا کر کہا:  
”ہو حکم عظیم ناگ دیوتا“

یہ کہہ کر سانپ نے پتھروں کی طرف پھن کاٹنا  
کر کے دور سے تین پھکاریں ماریں۔ پتھروں کے نیچے  
سے درجن بھر سیاہ سانپ نکل آئے۔ بڑے سانپ نے  
انہیں اپنے ساتھ لیا اور اس طرف تیزی سے بھاگے  
جدھر سے یہودی فوجی کتوں کو لے کر آگے بڑھتے چلے  
آ رہے تھے۔

ناگ اینٹوں کے ڈھیر کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا۔  
اور یہودی فوجیوں کو آگے بڑھتے دیکھنے لگا۔ اتنی دیر  
میں درجن بھر زہریلے سانپ ان فوجیوں کے قریب  
پہنچ چکے تھے۔ اب ناگ نے ایک عجیب منظر دیکھا۔  
سپاہیوں میں بگڑ سی بیچ گئی۔ وہ بدعواں ہو کر ادھر  
ادھر بھاگے۔ کوئی شین گن کا رخ زمین کی طرف کر کے  
ناٹ کرے لگا تو کوئی دوسری طرف کو سانپ سانپ کا  
شور مچاتا بھاگا۔ کتوں میں بھی افرا تفری پڑ گئی۔ پھر  
ناگ نے دیکھا کہ کتنے سپاہیوں چاڑوں کرتے گرے اور  
سے ہو گئے۔ ساتھ ہی یہودی فوجی بھی گرنے لگے۔

سانپ اندھیرے میں اپنا کام کر رہے تھے۔ دو سپاہی  
سانپوں پر نازنگ کر رہے تھے کہ وہ بھی بیچ مار کر  
گر پڑے۔ چند لمحوں کے اندر اندر وہاں صحرا میں سناٹا  
چھا گیا۔ کتے اور یہودی سپاہی عدم آباد کو پہنچ چکے تھے۔  
ناگ دوڑ کر ان کے درمیان گیا۔ بڑے سانپ نے  
پھن اٹھا کر کہا:

”عظیم ناگ دیوتا! آپ کے سارے دشمن ختم کر  
دیئے گئے ہیں۔ صرف چار سانپ انہوں نے مار  
ڈالے ہیں۔“

ناگ نے کہا:

”تمنا! شکریہ۔ اب تم جا سکتے ہو۔“

بڑے سانپ نے پھن جھکایا اور باقی آٹھ سانپوں  
کو ساتھ لے کر جدھر سے آیا تھا۔ ادھر چل دیا ناگ  
دوڑتا ہوا منز خانے میں آ گیا۔

سلمان کناڈو نے گھبراہٹ بولی آواز میں پوچھا:  
”یہ نازنگ کس پر ہو رہی تھی؟ تم تو اخیریت  
سے ہو نا؟“

ناگ بولا: ”اے! میں اخیریت سے ہوں۔  
ذرق مجاہدہ نے کہا:“



مگر یہ فائرنگ کیسی تھی؟ اور کتوں کی آواز

بھی غائب ہو گئی ہے۔

ناگ بولا: دشمن موت کی گہری نیند سو رہے

ہیں۔ سات یہودی فوجی تھے اور چار کتے تھے۔

ان کی لاشیں باہر صحرا میں پڑی ہیں۔

مسلمان کمانڈو نے کہا:

ان کی لاشوں کو زمین میں دبا دینا چاہیے

نہیں تو ان کے پیچھے آگے والے فوجیوں کو

ہمارے ٹھکانے کا علم ہو جائے گا۔ ظاہر ہے ان

کے پاس بھی سراخ رساں کتے ہوں گے۔

ذرقہ، مسلمان کمانڈو اور ناگ جلدی سے ستر خانے

سے نکل کر اس طرف دوڑے جہاں فوجیوں کو ساہنوں

نے ڈس کر مار دیا تھا۔ ان کی اور کتوں کی لاشیں اب

ادھر بکھری پڑی تھیں۔ مسلمان، ناگ اور ذرقہ نے فوجیوں

کی بیلٹوں سے لگے خنجر نکال کر ریت کھودنی شروع کر

دی۔ ریت نرم تھی۔ بہت جلد انہوں نے ایک کافی

گہرا گڑھا کھود ڈالا۔ پھر ذرقہ کے مشورے پر مسلمان نے

ایک یہودی سپاہی کی وردی اتار کر خود پہن لی۔ اس کی

ٹھین گن اور خنجر بھی سنبھال لیا اور باقی تمام لاشوں

کو گڑھے میں ڈال کر اوپر ریت ڈال کر گڑھے کو

بند کر دیا۔

اس کے بعد ناگ اور مسلمان نے مل کر ریت پر

بھاٹیوں کی شاخوں کا جھاڑو پھیر کر اپنے اور فوجیوں کے

پاؤں کے نشان اس طرح مٹا دیئے کہ ریت پر ایسی

لہریں بن گئیں جیسی لہرا صحرا میں تیز ہوا کے چلنے

سے بن جایا کرتی ہیں۔ وہ تینوں لڑے قدم ستر خانے

کی طرف چلے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے قدموں کے

نشانوں کو بھی صحرائی

لہروں میں بدلتے چلے آ رہے تھے۔

ستر خانے میں آ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

باقی رات انہوں نے جاگ کر گزار دی۔ کیوں کہ انہیں

کسی بھی لمحے دشمن کے دہاں آ جانے کا دھڑکا لگا

تھا۔ رات گزر گئی۔ یہودی فوجی اپنے فوجیوں کے پیچھے

نہ آئے۔

مسلمان نے کہا:

اب ہمارا یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں

ہے۔ ہمیں یہاں سے فرار ہو جانا چاہیے۔

ذرقہ بولی: ناگ! تم کسی طرح سے کوئی فوجی



گاڑی اٹھا کر کے لائے۔ جو یہاں اب ہم  
یہ خطرہ ہی خطرہ ہے۔ ہم دشمن کے پیٹ میں  
کب تک بیٹھے رہیں گے؟  
ناگ نے کہا:

اگر تمہارا یہی منصوبہ ہے تو میں تمہارے لیے  
کوئی فوجی گاڑی اٹھا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔  
یہ کہہ کر ناگ تہ خانے سے نکل عقاب کی شکل  
اختیار کر کے فضا میں پرواز کر گیا۔ ابھی وہ کھنڈر سے  
نھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اسے ایک فوجی جیپ کھنڈر  
کی طرف آتی دکھائی دی۔ جہاں یہ جیپ آ رہی تھی  
اس جگہ پہلے والے سراج رساں فوجیوں کے پاؤں  
کے نشان ریت پر صاف نظر آ رہے تھے۔ جیپ میں  
بیٹھے چار یہودی فوجی انہی نشانوں کا سراج پتے اپنے  
ساختیوں کی تلاش میں چلے آ رہے تھے۔

ناگ وہیں سے واپس پٹا اور تہ خانے میں جا کر  
سلمان اور زرقہ کو بتایا کہ ایک جیپ جن میں چار  
یہودی فوجی سوار ہیں کھنڈر کی طرف آ رہی ہے۔ یہ  
تمہارا شکار ہے۔ تمہارے پاس اسلحہ موجود ہے۔ تم ان  
پر حملہ کر کے جیپ حاصل کر سکتے ہو۔

سلمان اور زرقہ فوراً عین گئیں لیے تہ خانے سے  
باہر آ گئے۔ دور فوجی جیپ کھنڈر کی طرف بڑھی چلی  
آ رہی تھی۔ سلمان اور زرقہ مورچے بنا کر بیٹھ گئے۔  
ناگ ٹیلے کی اوٹ میں چھپ گیا۔ جو فوجی جیپ قریب  
آئی زرقہ اور سلمان نے ٹین گنوں کا فائر کھول دیا۔  
جیپ میں سوار یہودی فوجی بے خبر بیٹھے تھے۔  
انہیں یقین نہیں تھا کہ یہاں دشمن گھات لگائے  
چھپا ہو گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سلمان اور زرقہ کی گولیوں  
نے انہیں بھون کر رکھ دیا۔ جیپ ایک طرف کو الٹ  
گئی۔ سلمان نے عین گن لہراتے ہوئے ناگ کو آواز دی۔  
"ناگ! آ جاؤ۔ ہم یہاں سے فرار ہو رہے ہیں۔"

انہوں نے مل کر جیپ کو سیدھا کیا۔ اس میں کود  
کر بیٹھے اور جیپ پوری رفتار سے صحرا میں ایک  
طرف دوڑنے لگی۔ نھوڑی ہی دور جانے پر جیپ  
ایک گڑھے میں سے اچھلی تو ناگ باہر گر پڑا۔ وہ  
جلدی سے اٹھا اور دوبارہ جیپ میں سوار ہو گیا۔  
سلمان خود جیپ ڈرائیور کر رہا تھا۔ صحرا میں زرقہ  
کو یر شلم کو جانے والے راستے کا علم تھا۔ وہ رہنمائی کر  
رہی تھی۔ جیپ پوری رفتار سے جا رہی تھی۔ بہت جلد



وہ اسرائیلی تھتے سے دور نکل گئے۔ انہیں صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ کہیں کوئی فوجی ہیلی کاپٹر اودھرنے نکل آئے۔ پھر ان کا بچنا مشکل تھا۔ جو چیز انہیں بچا سکتی تھی وہ ان دونوں کی اسرائیلی فوجی وردی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ صحرا میں کافی آگے نکل گئے تھے کہ انہیں ہیلی کاپٹر کی گڑگڑاہٹ سنانا دی۔ زرقہ نے چونک کر کہا:

اسرائیلی ہیلی کاپٹر سلمان!

سلمان نے پلٹ کر کہا:

گھبراتے کیوں ہو۔ ہم اسرائیلی فوجی وردی میں ہیں۔

وہ ہمیں اپنے ہی فوجی سمجھیں گے۔

ہیلی کاپٹر اسرائیلی فوج کا تھا۔ وہ گڑگڑاتا ہوا جیب کے اوپر آ کر ساتھ ساتھ اڑنے لگا۔ ناگ بغیر وردی کے تھا۔ اب وہ عقاب کی صورت بھی اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ کیوں کہ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے فوجی اسے دیکھ رہے تھے۔ اچانک جیب میں گئے واٹر لیس سیٹ پر آواز گونجی۔ ہیلی کاپٹر کا پائیلٹ کوڈ لفظوں میں بول رہا تھا۔

سلمان بے اختیار بولا:

اب کیا کریں۔ وہ ہم سے کوڑ میں بات

کرنا چاہتا ہے۔

زرقہ نے مائیک اٹھا کر عبرانی میں کہا:

ہم مفزور فلسطینیوں کا بچھڑا کر رہے ہیں تم ہمارا وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟

ہیلی کاپٹر کے اسرائیلی پائیلٹ کی آواز آئی:

تم ہمیں آج کا پاس ورڈ بتاؤ۔ نہیں تو ہم میزائل مار کر تمہاری جیب تباہ کر دیں گے۔ تمہارے ساتھ یہ سویلین کون ہے؟

زرقہ نے غصے میں کہا:

یہ سویلین فلسطینی قیدی ہے۔ ہم نے اسے

اسی جگہ سے پکڑا ہے۔ ہم اس کے سامنے

خفیہ کوڈ پاس ورڈ نہیں بتا سکتے۔

سلمان نے زرقہ کی حاضر دماغی کی دل میں داد دی۔

مگر اوپر بھی اسرائیلی پائیلٹ تھا۔ اس نے حکم دیا:

پاس ورڈ بتاؤ۔ میں تمہیں تین سیکنڈ کا وقت

دیتا ہوں۔ نہیں تو میں میزائل فائر کر دوں گا۔

اب ناگ کے لیے خاموش رہنا موت کو دعوت

دینا تھا۔ اس نے سانس کھینچا اور غائب ہو گیا۔ وہ

غائب نہیں ہوا تھا بلکہ ایک زہریلا اڑن سانپ بن کر



فضا میں پرواز کر گیا تھا۔ ادھر ہیلی کاپٹر میں بیٹھا پائیلٹ بھی یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جیب کے پیچھے جو سوئیں بیٹھا تھا وہ کہاں غائب ہو گیا؟

وہ دائرے میں چلایا!

متھارا قیدی کہاں چلا گیا ہے؟

سلمان نے دیکھا تو پیچھے ناگ نہیں تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ ناگ کا ایکشن شروع ہونے والا ہے۔ اس نے پائیلٹ کو باتوں میں لگانے کے لیے کہا۔

تم نے ہمارا قیدی گنوا دیا ہے۔ میں تمہاری شکایت کروں گا۔ قیدی نے شاید چھلانگ لگا دی ہے۔

پائیلٹ نے گرج کر کہا:

متھارا وقت ختم ہو گیا ہے۔ پاس ورڈ بولو نہیں تو میں میزائیل فائر کرنے والا ہوں۔

ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔

زرق نے گھبرا کر سلمان سے کہا:

سلمان! چھلانگ لگا کر بھاگو۔

سلمان بولا: "خاموش! ناگ کچھ نہ کہہ مژدہ کرے گا۔"

ٹھیک اس وقت ناگ ہیلی کاپٹر کے اوپر پہنچ

چکا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ہیلی کاپٹر میں دو اسرائیلی پائیلٹ بیٹھے ہیں۔ ایک ہیلی کاپٹر چلا رہا تھا اور دوسرے کا ہاتھ میزائیل فائر کرنے والے ہین پر تھا۔ ناگ ہیلی کاپٹر کے دروازے کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔ دروازے پر فیشنگ لگا تھا۔ ناگ نے محسوس کیا کہ وہ ہیلی کاپٹر کے کاک پیٹ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ بہت بڑی ناکامی تھی لیکن فدا ہی ناگ کو ایک خیال سوچا۔ وہ ہیلی کاپٹر کے اوپر پتکوں کے عین نیچے آ کر بیٹھ گیا اور سامنے کھینچ کر ایک چھوٹے ہاتھی کے بچے کا تصور کیا اور سامنے چھوڑ دیا۔

دوسرے ہی لمحے ہیلی کاپٹر ایک طرف کو جھک گیا۔ کیوں کہ اس کی ایک طرف چھوٹا ہاتھی بیٹھا تھا جس کی وجہ سے ہیلی کاپٹر کا توازن بگڑ گیا تھا۔ پائیلٹ گھبرا گئے۔ ہیلی کاپٹر ایک طرف کو جھکا جھکا نیچے گرنے لگا۔ دونوں پائیلٹ کاک پیٹ کا دروازہ کھول کر باہر کودنے کے لیے جھکے تو ان کی نظر ہیلی کاپٹر پر بیٹھے ہاتھی پر پڑی۔ وہ مستحضر ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے ایسا کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

ہیلی کاپٹر زمین کے بہت قریب آ گیا تھا۔ انہوں



نے کاک پٹ میں سے چھلانگیں لگا دیں۔ ناگ عقاب کی شکل اختیار کر کے اڑ گیا۔ مگر جیلی کا پٹر اپنا توازن کھو چکا تھا وہ ایک دھماکے کے ساتھ گرا اور اس میں آگ لگ گئی۔ دونوں اسرائیلی پائلٹ اٹھ کر صحرا میں دوڑے مگر زرتہ اور سلمان کمانڈر کی گولیوں نے انہیں چھپنی کر کے رکھ دیا۔

ناگ انسانی شکل میں جیپ کے پاس آیا تو زرتہ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”ناگ! میں تمہارے اس احسان کو ساری زندگی فراموش نہ کر سکوں گی۔“

ناگ جیپ میں کود کر بیٹھا اور بولا:

”جلدی سے اپنی منزل کی طرف بھاگو۔“

اور جیپ ایک بار پھر یروشلم کی طرف دوڑنے لگی۔

سورج غروب ہو رہا تھا کہ انہیں دور ایک گاؤں کے مکان دکھائی دیئے۔

سلمان نے کہا:

”ہمیں جیپ یہاں کسی گڑھے میں پھینک دیتی

چاہیے۔ یہ ہمیں کسی نہ کسی مصیبت میں پھنسا

سکتی ہے۔ ہم اس گاؤں میں جا کر سویٹین کپڑے

حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔“

زرتہ اور ناگ کو یہ تجویز پسند آئی۔ انہوں نے فوجی جیپ ریت کے ایک ٹیلے کی اوٹ میں کھڑی کر دی۔ اور خود اس میں سے اتر کر پیڈل ہی گاؤں کی طرف چلنے لگے۔ یہ یہودیوں کا ایک گاؤں تھا۔ انہیں فوجی وردی میں دیکھ کر گاؤں کے یہودیوں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ انہیں کھانے کو عمدہ پھل اور جھنا ہوا گوشت دیا گیا جسے سلمان اور زرتہ نے ڈسٹ کر کھایا۔ ناگ نے بھی پھل چکھ لیے۔

سلمان نے گاؤں کے بوڑھے یہودی سے کہا:

”ہمیں خفیہ اطلاع ملی ہے کہ اگلے گاؤں میں

فلسطینی کمانڈو چھپے ہوئے ہیں۔ ہم ان کی تلاش

میں آئے ہیں۔ لیکن ہمیں فوجی وردی میں دیکھ

کر فلسطینی کمانڈو فرار ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیں

عام دیہاتی کپڑے پہننے کو دیئے جائیں۔“

فوراً انہیں سویٹین کپڑے دے دیئے گئے۔ اب ان

تینوں نے یہودی عروں ایسا لباس پہن لیا۔ انہیں تین

اونٹ بھی دیئے گئے جن کے بارے میں سلمان نے

انہیں یقین دلایا کہ وہ واپسی پر اونٹ انہیں دیتے



جائیں گے۔ یہ چال بڑی۔ مفید اور کامیاب رہی۔ اب وہ تین یہودی دیہاتیوں کے بھیس میں اونٹوں پر سوار صحرا میں سفر کر رہے تھے۔ کسی کو ان پر شک نہیں پڑ سکتا تھا کہ یہ قینوں فلسطینی کماٹرو ہیں۔

شام ہو رہی تھی کہ دور انہیں یروشلم شہر کے مینار اور سفید مکافوں کی دیواری دکھائی دینے لگی۔ یہ مکان شہر کے اونچے ٹیلوں پر بنے ہوئے تھے۔ زرقہ نے خوش ہو کر سلمان اور ناگ سے ہاتھ ملایا۔

”ہم یروشلم پہنچ گئے۔ خدا کا شکر ہے۔“

زرقہ اور سلمان دونوں کو اپنے ایکٹ جلدوش کے گھر کا پتہ تھا۔ انہوں نے اونٹوں کو یروشلم کے شہر کی عقبی آبادی کی طرف ڈال دیا۔ رات ہوتے ہی شہر کی روشنیاں جل اٹھیں۔ وہ کھیتوں کے بیچ میں سے گذرتے یروشلم شہر کی اس آبادی میں داخل ہو گئے جہاں مسلمان عرب فلسطینی رہتے تھے۔ یہ وہ عرب مسلمان تھے جو اسرائیلی ملک کے قیام سے پہلے یروشلم میں آباد تھے اور اب اسرائیل کی رعایا کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ ان کی سخت نگرانی ہوتی تھی شہر میں کوئی بم پھٹتا تھا تو اس علاقے کے مسلمان عرب

جواوں کو اسرائیلی فوجی پکڑ کر لے جاتے تھے۔

رات ہو گئی تھی۔ یروشلم کی مسلم عرب آبادی میں کہیں اندھیرا تھا اور کہیں روشنی تھی۔ جب کہ اسرائیلی یروشلم میں شاندار عمارتیں روشنی میں نہا رہی تھیں۔ زرقہ سلمان اور ناگ نے اونٹوں کو آبادی کے باہر ایک کنوئیں کے پاس انجیر کے باغ میں بٹھا دیا اور ان پر سے اتارے اور شہر کی طرف چل دیئے۔

زرقہ اور سلمان آگے آگے چل رہے تھے۔ ان کا لباس عربوں ایسا ہی تھا۔ صرف انہوں نے وہ ٹوپی سر پر سے اتار کر پھینک دی تھی جو اسرائیلی عرب پہنتے تھے۔ اب انہوں نے سروں پر عربوں کی طرح دمال باندھ رکھے تھے۔ زرقہ بھی مردانہ لباس میں پہچانی نہیں جاتی تھی۔ اس نے ناگ اور سلمان کو یروشلم کی ایک تنگ و تاریک گلی کے باہر کھنکھانے کا اشارہ کیا اور خود اپنے ایکٹ جلدوش سے نکلنے لگی۔ گلی میں گھس گئی۔ جلدوش اس وقت اپنے مکان کے صحن میں بیہ کی کرسی پر بیٹھا کھانا کھانے کے بعد تھوہ پی رہا تھا۔ وہ یروشلم میں چھوٹا موٹا کاروبار کرتا تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ دراصل وہ فلسطینی مجاہد ہے



اور اس کا کام مفرد فلسطینوں کو حفاظت سے سرحد پار کرانا ہے۔ وہ ایک عرصے سے یہ قومی فرض ادا کر رہا تھا۔ زرقہ نے مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو کر اسے آواز دی تو جادوش نے اس کی سرور پہچان لی اور اٹھ کر ڈیوڑھی میں آگیا۔ اپنے کام کی نزاکت اور اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے جادوش نے اپنے ہنر کو ملازم نہیں رکھا تھا۔ وہ بالکل اکیلا وہاں رہتا تھا۔ اس کی عمر پچاس سے اوپر تھی۔ زرقہ کو اس نے مردانہ لباس میں بھی پہچان لیا اور پہلا سوال یہ کیا۔

”متنیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟“

زرقہ نے آہستہ سے کہا:

”سلمان اور ہمارا ایک قابل اعتماد دوست ناگ

گل کی نکرہ پر کھڑے ہیں۔“

”متنیں ربائی مبارک ہو۔“

یہ کہہ کر جادوش نے زرقہ کو کمرے میں جانے کا اشارہ کیا اور خود گلی میں آگیا۔ جادوش کا باہر آنا اس بات کا اشارہ تھا کہ تم لوگ آ جاؤ۔ جادوش اپنا آپ دکھا کر ڈیوڑھی میں چلا گیا۔ سلمان نے ناگ کو ساتھ لیا اور تیز تیز قدموں سے چلتے جادوش کے مکان میں

داخل ہو گئے۔ جادوش نے ڈیوڑھی کا دروازہ بند کر دیا۔ زرقہ اور سلمان نے جادوش نے ناگ کا تعارف کروایا۔ جادوش نے ناگ کو خاص پسندیدگی سے نہ دیکھا اصل میں جادوش ایک پرائم اور روایت پسند بلکہ کثرت فلسطینی مجاہد تھا اور وہ کسی غیر محبوب خاص طور پر مصری پر بھروسہ نہیں کرنا تھا۔ جب زرقہ اور سلمان نے جادوش کو بتایا کہ ناگ جادو بھی جانتا ہے تو اس نے گردن جھٹک کر کہا:

”مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں اور متنیں

بھی نہیں ہونی چاہیے۔ اب متاثرے بلے میں

اڈر یہ ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اس

مکان سے باہر قدم نہیں رکھے گا۔ تم اس

وقت تک مکان کے متہ خانے ہی میں رہو

گے جب تک کہ میں متاثرے سرحد کراس

کرنے کا بندوبست نہیں کر لیتا۔ متہ خانے

میں تین بستریں دیئے جائیں گے۔ باقیہ رقم

متہ خانے کے ساتھ ہی ہے۔ تم دونوں خوب

جانتے ہو۔“

سلمان اور زرقہ مکرا رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ



جاردش بڑا کٹر وطن پرست ہے اور اپنی جوانی کے زمانے میں کئی خفیہ کارنامے انجام دے چکا ہے۔ جب جاردش کھانا لانے کے لیے گیا تو سلمان نے ناگ سے کہا:

”براور! تم ہمارے بزرگ جاردش کی باتوں کا بڑا مت ماننا۔ یہ ذرا پرانی طرز کا فلسطینی مجاہد ہے۔ یہ لوگ تو مصریوں پر بھی بھروسہ نہیں کرتے جب کہ اب مصر کی پالیسی تبدیل ہو چکی ہے اور ہمارے ساتھ ان کے کمانڈو بھی کام کر رہے ہیں۔“

ناگ نے کہا:

”میں بزرگوں کی باتوں کا بڑا نہیں مانا کرتا۔ جاردش ان کے لیے کھانا لے کر آ گیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ بیچک میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ جاردش نے سلمان اور زرقة کو بتایا کہ پچھلے ہفتے تین فلسطینی کمانڈو کو وہ سرحد پار کرا چکا ہے۔ ناگ آرام کرسی پر بیٹھا خاموشی سے جاردش کی باتیں سن رہا تھا۔ سامنے دیوار پر سرخ قالین کا ایک ٹکڑا لٹک رہا تھا۔ جس پر قدیم زمانے کا نمونہ نقش تھا۔

ایک بار جو ناگ کی نگاہ قالین کے ٹکڑے پر گئی تو وہ ہلکی ہانڈے قالین کے ٹکڑے کو سمجھتا ہی رہ گیا۔ کیوں کہ قالین کے ٹکڑے پر اسی ستہ خلتے قبر کے کتبے والی حسین عورت کا پہرہ ابھر آیا تھا جس کے بالوں میں سفید موت گندھے تھے اور ماتھے پر سرخ بندیا چمک رہی تھی۔ وہ ناگ کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ ناگ کو یوں ہلکی ہانڈے دیکھ کر سلمان زرقة اور جاردش حیران ہوئے۔ جاردش سب سے زیادہ حیران تھا۔ زرقة نے آہستہ سے کہا:

”ناگ! تم دیوار پر لٹکے قالین کی طرف کیا دیکھ رہے ہو؟“

ناگ نے نظریں ہٹاتے ہوئے کہا:

”کچھ نہیں زرقة — تم کو یقین نہیں آئے گا لیکن وہی ستہ خلتے کی قبر والی حسین عورت میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔“

جاردش قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور ناگ کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا:

”تم فٹ پاٹھ کے جادوگر ہو۔ اس قسم کی باتوں سے تم مجھ پر اپنا اثر نہیں جاسکتے۔“



ناگ کو اتنا غصہ نہ آیا لیکن قاتلین پر نظر آنے والی حسین عورت کا چہرہ غصے میں لال ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں گھما کر جادویش کی طرف دیکھا۔ جادویش اور زرقتہ اور سلمان کو تو وہ عورت نظر آ ہی نہیں سکتی تھی۔

حسین عورت کی نظروں کا پڑنا تھا کہ جادویش کا ایک پورے کا پورا بازو اس کے کانہ سے اٹک ہو کر فضا میں اوپر نکلنے لگا۔ جادویش کا تو دہشت کے مارے رنگ مڑوں کی طرح کا ہو گیا۔ اس کے ہونٹ خشک ہو گئے۔ زرقتہ اور سلمان نے ناگ کی طرف دیکھا اور کہا کہ جادویش کو معاف کر دو۔

ناگ نے کہا: "یہ میرا کام نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اس عورت نے کیا ہے جس کی اس شخص نے توہین کی ہے۔"

جادویش اپنی جگہ سے نخوت کے مارے ذرا نہیں مل رہا تھا۔ اتنے میں اس کا دوسرا بازو بھی اس کے جسم سے اٹک ہوا فضا میں نکل گیا۔ اب تو

اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اس نے ناگ سے گڑگڑا کر معافی مانگی اور التجا کی کہ خدا کے لیے بازو میرے جسم کے ساتھ لگا دو۔ ناگ نے گہری آواز میں اسے کہا: "اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہ کرنا جیسے بیٹھے ہو ویسے ہی بیٹھے رہنا۔"

پھر ناگ نے حسین عورت کی طرف دیکھا اور اس سے درخواست کی کہ اس شخص کو معاف کر دیا جائے۔ حسین عورت کے چہرے کا غصہ ناگ کی آواز پر جاتا رہا، اس نے مسکرا کر ناگ کو دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی جادویش کے دونوں بازو فضا سے نیچے آئے اور اس کے جسم کے ساتھ دوبارہ لگ گئے۔ جادویش نے ڈرتے ڈرتے اپنے بازوؤں کو ہلایا۔

ناگ نے کہا: "یہ بالکل ٹھیک جڑے ہیں۔ مگر نہ کرو۔" سلمان اور زرقتہ ناگ کی اس خفیہ طاقت سے بچہ متاثر ہوئے۔ جادویش نے ناگ کا ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگایا اور لرزتی آواز میں بولا: "مجھے معاف کر دو بھائی۔ مجھ سے غلطی ہو



گئی تھی۔

ناگ نے آہستہ سے کہا :  
 آئندہ کبھی کسی انسان کا مذاق مت اڑانا۔  
 یہ بات خدا کو ناپسند ہے۔  
 اب ناگ کے کان میں ایک سرہلی اور بے حد میٹھی  
 آواز آئی :

ناگ ! تم ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤ گے۔  
 میں تمہیں لیتے آئی ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو گے۔  
 ناگ کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔  
 تم مجھے کہاں لے جا رہی ہو؟ تم کون ہو؟  
 ناگ کی نگاہیں قائلین پر لگی جھن۔ جہاں حسین عورت  
 کا چہرہ اُبھرا ہوا تھا۔ اس چہرے کو صرف ناگ ہی دیکھ  
 سکتا تھا۔ عورت کی آواز آئی مگر اس کے ہونٹ نہیں  
 ہل رہے تھے۔

ناگ ! یہ میں تمہیں ابھی نہیں بتا سکتی۔ تمہیں  
 میرے ساتھ چلنا ہو گا۔  
 ناگ نے کہا :

لیکن میں عنبر کیٹی اور مادیا کی تلاش میں نکلتا  
 چاہتا ہوں۔ میں ان کو چھوڑ کر متارے ساتھ

کیسے چل دوں گا؟

حسین عورت کی آواز آئی :

تم میرے حکم کو طاعت نہیں کر سکتے۔ تم میری  
 اجازت کے بغیر یہاں سے ایک قدم بھی  
 آگے نہیں پرٹھا سکتے۔

اس کے ساتھ ہی عورت کی شکل غائب ہو گئی۔  
 زرقہ سلمان اور جاروش ناگ کو باتیں کرتے دیکھ کر  
 چپ تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ ضرور کسی عورت ہے  
 باتیں کر رہا ہے جو انہیں دکھائی نہیں دے رہی۔ ناگ  
 نے عورت کی شکل غائب ہو جانے کے بعد سلمان  
 کا ہڈو سے کہا :

مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرے پاؤں زمین نے  
 جکڑ لیے ہیں۔ میں اپنی جگہ سے انہیں ہلا  
 نہیں سکتا۔

سلمان زرقہ اور جاروش پریشان ہو گئے۔ ناگ نے  
 اپنی جگہ سے پاؤں اٹھانے چاہے تو پرج پرج اس کے  
 پاؤں اوپر نہیں اٹھ رہے تھے۔ انہیں زمین نے پکڑ لیا  
 تھا۔ زرقہ اور سلمان نے ناگ کو پکڑ کر ایک طرف کھینچا۔  
 ناگ فرش پر گر پڑا مگر اس کے پاؤں اپنی جگہ سے



ایک ایسے بھی نہ ہے۔

ناگ نے سر ہلک کر کہا:

معلوم ہوتا ہے یہ کوئی بہت طاقت ور  
ہستی ہے؟

یہ کون ہے ناگ؟ زرقہ نے سوال کیا۔

ناگ نے مسکرا کر کہا:

تم نہ اسے دیکھ سکتی ہو نہ اس کی آواز سن  
سکتی ہو۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔

لیکن کہاں؟ سلمان نے پوچھا۔

ناگ بولا: یہ خود مجھے بھی معلوم نہیں؟

جاروش سر کھانے لگا:

ناگ! تم اگر پسند کرو تو میں ایک درویش

کو بلا کر تم پر دم کروا دیتا ہوں۔ امید ہے

تمہارے پاؤں کھل جائیں گے۔

ناگ نے مسکرا کر کہا:

شکریہ جاروش! مگر تم ان باتوں کو نہیں سمجھ

سکتے۔ یہ باتیں انسانی عقل کے دائرے سے باہر

کی باتیں ہیں مجھے ان کا خوب تجربہ ہے۔

بہر حال تم زرقہ اور سلمان کو سرحد پار کروا دینا۔

میں جا رہا ہوں۔

زرقہ اور سلمان کمانڈو اداس ٹھکاہوں سے ناگ کو

دیکھنے لگے۔ زرقہ نے کہا:

ناگ بھائی! تم نہ جاؤ۔ ہمارے ساتھ چلو۔

ناگ بولا: یہ میرے اختیار میں نہیں ہے تمہارے

ایسی میری دو بہنیں ہیں۔ کیٹی اور ماریا۔ میں

ان کے پاس بھی نہیں جا سکتا۔ کیا کروں۔ اس

حسین پراسرار عورت کے ظلم کی قید میں جکڑا

گیا ہوں۔ اب اس کے پاس جا کر حالات کی

تہہ تک پہنچنا ہی پڑے گا۔ مگر تم فکر مت کرنا۔

خدا میرے ساتھ ہے۔ زندگی رہی تو پھر کسی دور

میں ضرور ملاقات ہوگی۔

پھر ناگ نے دیوار پر کھٹے تالین کی طرف دیکھ کر کہا:

میں تمہارے ساتھ جانے پر تیار ہوں۔

تالین پر اسی حسین عورت کی شکل پھر ابھر آئی۔ وہ

مسکرا رہی تھی۔ اس نے ناگ سے کہا:

میری طرف چھتے آؤ۔ میں تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔

ناگ نے پاؤں ہلائے تو زمین نے اس کے پاؤں

چھوڑ دیئے۔ وہ تالین کی طرف بڑھا۔ زرقہ، سلمان اور



جادویش پرے پرے ہٹ گئے۔ ناگ قالمین کے پاس گیا  
تو دیکھا کہ ایک شاندار باغ ہے جس کا سنگ مرمر کا گیٹ  
کھلا ہوا ہے۔ ناگ کو آواز آئی قالمین میں داخل ہو کر اس  
دروازے سے باغ میں داخل ہو جاؤ۔ ناگ نے قالمین میں  
نہا رکھے اور گیٹ میں سے گزر گیا۔

ناگ غائب ہو چکا تھا۔ زرقہ، سلمان اور جادویش نے  
قالمین کی طرف دیکھا قالمین پر نہ کسی عورت کی تصویر تھی  
اور نہ سنگ مرمر کا گیٹ تھا۔



## خوفناک مقابلہ

ناگ نے اپنے آپ کو ایک باغ میں پایا۔  
اس باغ میں اوپنے اوپنے گھنے درخت تھے کہیں  
کہیں پتھروں کی پرانی قبریں بنی ہوئی تھیں۔ باغ کے  
درمیان میں ایک محل تھا جس کی دیواروں پر جنگلی  
بیلین چڑھی تھیں۔ محل کی کھڑکیاں ان جنگلی بیلوں میں  
چھپ گئی تھیں۔ محل کے دروازے پر بھی جنگلی بیلوں  
نے سایہ ڈال رکھا تھا۔ محل کا دروازہ بند تھا۔ ناگ  
پرانی قبروں میں سے گزرتا محل کے دروازے کے  
پاس آ کر ٹوک گیا۔ یہاں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔  
آسمان سرمئی بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ ان بادلوں کی  
وجہ سے دن کی روشنی بہت دھیمی تھی۔ درختوں پر کوئی  
پرندہ تک نہیں بول رہا تھا۔ آسمان پر بھی کوئی  
پرندہ اڑتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ناگ محل پر دستک دیتے  
ہوئے رک گیا۔ اسے اندر سے ایک آواز آئی سنائی



دی۔ ناگ نے بند دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔  
دوسری طرف سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی بھاری  
قدم اٹھاتا فرش پر ٹپل رہا ہے۔

ناگ کو خیال آیا کہ یہاں اسے قبر والی حسین  
عورت لائی ہے اس لیے اسے یہاں ضرور ہونا چاہیے  
وہ اس کو لینے ضرور آئے گی مگر ابھی تک وہ نہیں  
آئی تھی لیکن ناگ اپنی مرضی کے خلاف وہاں آ رہا  
تھا۔ حسین عورت اسے زبردستی یہاں لائی تھی۔ اس لیے  
ہو سکتا ہے کہ اسے کسی جاں میں پھنسا جا رہا ہو۔  
ناگ نے سوچا کہ اسے سانپ بن کر محل کے  
اندر داخل ہو کر دیکھنا چاہیے کہ اندر یہ کون ٹپل  
رہا ہے۔ ناگ ذرا پیچھے مہٹ گیا۔ اس نے سانس  
کھینچا اور چھوٹے سیاہ سانپ کی شکل بدل لی۔ پھر وہ  
محل کے بند دروازے کے نیچے سے ہو کر دوسری  
طرف چلا گیا۔ کیا دیکھنا ہے کہ ایک اونچی چھت  
والا پڑا سرار کمرہ ہے جس کی دیواروں پر ڈھالیں اور  
نٹواریں لگی ہیں۔ کونے میں ایک شمع روشن ہے۔ فرش  
پر قالین بچھا ہے۔ آتش دان میں آگ بالکل نہیں جل  
رہی۔ آتش دان کے پاس ہی کدوی کی ایک آرام کرسی بچی

ہے۔ کمرہ بالکل خالی تھا مگر فرش پر کسی کے بھاری قدم  
اٹھا کر ٹپنے کی آواز برابر آ رہی تھی۔

ناگ دیوار کے کونے میں پردے کے پیچھے چھپ  
کر کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے فحش تھا کہ جب  
کسی انسان کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔  
تو پھر وہ خود نظر کیوں نہیں آ رہا۔ کیا یہ کوئی غیبی  
انسان ہے؟ وہ حسین پڑا سرار عورت کہاں ہے بولے  
یہاں لائی ہے ناگ اسنی خیالات میں گم تھا کہ اس  
نے دیکھا کہ آتش دان کے پاس پڑی کرسی پر چرائی۔  
جیسے کوئی اس پر بیٹھ گیا ہو۔ پھر کرسی آہستہ آہستہ  
آگے پیچھے ہٹنے لگی۔ کوئی اس پر بیٹھا آگے پیچھے  
ہل رہا تھا۔

ناگ ٹپٹکی باندھے کرسی کو تھکنے لگا۔

پھر دروازے پر گرا ہوا بھاری پردہ ایک طرف ہٹا  
اور ایک عورت اٹھتے میں چاندی کی تھالی لیے اندر داخل  
ہوئی۔ ناگ نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی حسین عورت  
تھی جو سب سے پہلے تہ خانے والی قبر کے کتبے  
پر نمودار ہوئی تھی اور پھر قالین پر ابھر کر ناگ کو  
یہاں کھینچ لائی تھی۔ اس کے سیاہ بالوں میں سفید موتی



گندھے ہوئے تھے۔ ماتھے پر سرخ رنگ کی بندیا چمک رہی تھی۔ وہ ریشمی لباس ساڑھی میں ملبوس تھی۔ وہ قدم قدم چلتی سر جھکائے آتش دان والی کرسی کے پاس آکر رک گئی اور بولی:

میرے ملک! مشروب لے آؤ ہوں پی لیجئے!

چاندی کی تھالی میں پتھر کی ایک پیالی تھی جس میں کوئی مشروب بھرا تھا۔ ناگ نے دیکھا کہ پیالی اپنے آپ تھالی میں سے اوپر کو اٹھی۔ کرسی کے پاس آئی اور پھر جیسے کسی نیبی آدمی نے اسے پی کر خالی کیا اور پیالی دوبارہ اپنے آپ چاندی کی تھالی میں آکر ٹپک گئی۔ اب ناگ کو ایک خرخراہٹ سنائی دی۔ یہ نیبی مخلوق کی آواز تھی:

رتالی! واپس اپنی قبر کے تابوت میں جا کر سو جاؤ۔

حین عورت جس کا نام رتالی تھا اور جس کی قبر ناگ نے ملک اسرائیل کے ایک صحرا کے تہ خانے میں دیکھی تھی سر جھکا کر آہستہ سے واپس مڑی۔ ناگ بھی دیوار کے ساتھ ریگتا اس کی طرف بڑھا۔ رتالی دوسرے کمرے میں سر جھکائے آہستہ آہستہ چلی جا

رہی تھی۔ ناگ بھی ریگتا ہوا اسی کمرے میں آ گیا۔ اس کمرے میں ایک تاریک زینہ بیچے جاتا تھا۔ رتالی اٹھ میں تھالی لیے زینہ اتارنے لگی۔ ناگ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ نیچے ایک کونٹھڑی کے درمیان میں ایک کھلی قبر تھی جس میں آبنوس کا سیاہ تابوت پڑا تھا۔ رتالی نے تھالی چھوڑے پر رکھی اور خود تابوت میں جا کر بالکل سیدھی لیٹ گئی۔

ناگ سانپ کی شکل میں تابوت کے پاس اور پھن اٹھا کہ تابوت میں بیٹی رتالی کو تکنے لگا۔ اسے رتالی کی آواز آئی:

ناگ! مجھے خوشی ہے کہ تم آ گئے۔ میں نے پانچ سو برس تک تنہا انتظار کیا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ آخر تنہا گزر ملک اسرائیل کے صحرا سے ہوا اور تم پھیننے کے لیے اس متہ خانے میں اتار آئے جہاں میری قبر بنی تھی۔ ناگ نے انسانی شکل اختیار کر لی۔ اسے رتالی کی آواز آئی:

ابھی انسانی شکل میں مت آؤ ناگ۔ واپس سانپ کی شکل میں چلے جاؤ۔ یہاں تنہا جان



کو خطرہ ہے۔ تم سانپ کی آواز میں مجھ سے  
جو بات کرو گے میں اسے سمجھ جاؤں گی۔

ناگ نے فوراً دوبارہ سانپ کی جون بدل لی اب  
اس نے رتنالی سے پوچھا کہ یہ سب کیا ہے اور تم  
اصل میں کون ہو اور اسرائیل کے صحرا میں جو قبر بنی  
ہے وہ کس کی ہے؟ اگر تمہاری قبر ہے تو تم اس  
تابوت میں کیسے آ گئی ہو اور یہی آدمی کون ہے جن  
کو تم ابھی مشروب پلا کر آئی ہو؟

رتنالی بولی: میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی مگر  
ابھی نہیں۔ میرے تابوت کا ڈھکنا اپنے آپ  
بند ہونے والا ہے۔ تم ایسا کرو کہ اس  
کو کھڑی کے بنوبی کوٹنے میں ایک سوراخ ہے۔  
اس میں سے گزر جاؤ۔ آگے ایک سرنگ آ  
جائے گی۔ تم وہاں میرا انتظار کرو۔ میں بہت  
جلد تمہارے پاس وہاں آ جاؤں گی۔ جلدی کرو۔  
تابوت کا ڈھکنا بند ہو رہا ہے۔

ناگ پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے دیکھا کہ تابوت کا  
ڈھکنا اپنے آپ دفعتاً میں بند ہوا اور پھر تابوت کے  
اوپر آ کر لگ گیا۔ ناگ تیزی سے کوکھڑی کے کوٹنے

کی طرف پلٹا۔ رتنالی کے کہنے کے مطابق وہاں ایک  
چھوٹا سا سوراخ بنا ہوا تھا۔ ناگ اس میں داخل ہو  
گیا۔ وہ دیکھتا ہوا دوسری طرف نکلا تو اس کے سامنے  
ایک بچی چھت والا تنگ سا غار تھا۔ وہ اس غار میں  
پتھروں کے پاس آ کر کھڑی مار کر بیٹھ گیا اور رتنالی  
کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد رتنالی دیوار  
میں سے نکل کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔  
ناگ نے سانپ کی زبان میں کہا:

رتنالی! کیا میں انسانی شکل میں آ کر تم سے  
گفتگو کر سکتا ہوں؟

رتنالی نے کہا:

نہیں ناگ! میں یہ خطرہ تمہیں مول نہیں لینے  
دوں گی۔

ناگ خاموش ہو گیا۔ رتنالی اُسکے سامنے زمین پر بیٹھ  
گئی۔ ناگ نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر معصوم فرشتوں  
ایسا حسن اور معصومیت تھی۔ اس کے بالوں کے سفید  
موتی ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں  
کشش بھی تھی مگر ایک گہری اداسی بھی چھائی ہوئی تھی۔  
ناگ نے سانپ کی زبان میں پوچھا:



دشالی اب مجھے بتاؤ کہ اصل میں تم کون ہو  
اور یہ سب کچھ کیا ہے؟

دشالی نے ایک گہرا سانس بھر کر کہا:

ہاگ! جیسا کہ تم نے میری قبر کے کتبے پر  
قدیم زبان میں لکھا ہوا پڑھا تھا۔ میں یوراگو  
کے بادشاہ بیاکس کے دربار کی شاہی دیوداسی  
اور رقاصہ تھی۔ بادشاہ کا بیٹا جو دل عمد بھی  
تھا وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ بادشاہ  
کو یہ بات پسند نہ تھی۔ اس نے مجھے دھوکے  
سے زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد  
مجھے قبر میں دفن کر دیا گیا۔ لیکن اسی رات  
دربار کا شاہی پیکاری منہ خانے میں میری قبر  
پر پہنچ گیا۔ اس نے ایک خاص عمل کر کے  
مجھے پھر سے زندہ کر دیا اور مجھے اپنے  
ساتھ لے کر اس محل میں آ گیا۔ تب سے  
میں اب تک یہاں اس کی قید میں ہوں۔  
اس بات کو تین سو برس گزر چکے ہیں۔ یہ  
پیکاری بہت بڑا حامل ہے۔ اپنے عمل کی  
وجہ سے وہ سولے میرے اور کسی کو دکھائی نہیں

دے سکتا۔ وہ مجھ پر طرح طرح کے ظلم کر رہا ہے  
دن بھر وہ مجھے اس تابوت میں لٹائے رکھتا  
ہے اور رات کو مجھے ستون سے باندھ کر منہڑوں  
سے مارتا ہے۔ میں پیچھتی ہوں۔ چلائی ہوں مگر اس  
کو مجھ پر رحم نہیں آتا۔ دن نکلنے ہی میرے  
جسم پر سے منہڑوں کے نشان غائب ہو جاتے  
ہیں۔ تین سو برس سے میں یہ ظلم برداشت کرتی  
آ رہی ہوں۔ وہ دن میں صرف ایک بار میرے  
ہاتھوں ایک علمی مشروب پیتا ہے جس کی  
وجہ سے اس میں مجھے منہڑے مارنے کی طاقت  
آ جاتی ہے۔

ہاگ غور سے دشالی کی باتیں سن رہا تھا۔ اس

نے پوچھا:

پھر تم نے مجھے یہاں کس لئے آنے پر مجبور کیا؟  
دشالی نے سانس بھر کر کہا:

ابھی باقی ہوں۔ میں نے ایک روز باتوں ہی  
باتوں میں اس وحشی پیکاری سے پوچھ لیا کہ کیا  
کبھی ممی نجات بھی ہو سکتی ہے۔ تو اس نے  
منتہز لگا کر مجھے بتایا کہ تمہاری نجات بہت



مشکل ہے۔ کیوں کہ تمہاری نجات ایک ایسا شخص کر سکتا ہے جو پہلے پانچ سو برس تک سانپ رہ چکا ہو۔ پھر انسان شکل اختیار کر گیا ہو۔ چونکہ ایسا شخص مہینے کبھی نہیں مل سکتا۔ اس لیے تمہاری نجات ناممکن ہے۔ اس ظالم بیکاری نے مجھ پر جو عمل کیا تھا اس کی وجہ سے میرے اندر اتنی طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ میں انسان کو دیکھتے ہی اس کی اصلیت سے واقف ہو جاتی ہوں اور میں اپنے لطیف جسم کو روح کی شکل میں جہاں چاہے لے جا سکتی ہوں لیکن میرا جسم اسی جگہ ثابت میں مردہ حالت میں پڑا رہتا ہے۔ پس جب میں نے اپنی تہہ خانے والی قبر میں مہینے سمان گماند کے ساتھ آنے دیکھا تو میں تمہاری شکل پر نگاہ پڑتے ہی میں جان گئی کہ جس شخص کی میں تین سو سال سے تلاش میں تھی آخر وہ آ گیا ہے۔ میں بہت غور ہوئی۔ اب میں نے مہینے کسی طرح اس محل میں لانے کی کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ میں نے مہینے حکم

دیا کہ میرے ساتھ چلو۔ تم نے انکار کیا تو میں نے تمہارے قدموں کو زمین کے ساتھ جکڑ دیا۔ مجھ میں صرت اتنی ہی طاقت تھی۔ اس کے آگے میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ تم میرے ساتھ یہاں آ کر میری مدد کرو۔ میں وہاں مہینے اصل راز نہیں بتا سکتی تھی۔ کیوں کہ بیکاری کا طلسم باہر کی دنیا کی فضا کی خبر لے آتا ہے۔ یہاں بیکاری کے طلسم کی وہ لہریں نہیں ہیں جو ہماری گفتگو اس تک پہنچا سکیں۔ ناگ بولا، لیکن یہ کون سی دنیا ہے۔ یہ محل کس جگہ پر واقع ہے۔ اور میں تمہاری مدد کیسے کر سکتا ہوں؟

رتالی نے کہا:

تم اس وقت جس محل کے غار میں بیٹھے ہو یہ محل سات سمندروں کی تہہ کے نیچے ایک بہت بڑے پہاڑ میں بنا ہوا ہے۔ یہ پہاڑ سمندر میں ڈوبا ہوا ہے۔ ظالم بیکاری صرف اسی جگہ مجھے زندہ حالت میں اپنی قید میں رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ مجھے یہاں سے باہر



نکالتا ہے تو خود بھی مر جائے گا اور میں بھی  
اس کے ساتھ نکل جاؤں گی۔

ناگ چپ تھا۔ پھر بولا:

رتنالی! مجھے یہ بتاؤ کہ میں مہتاری کیوں کر مدد  
کر سکتا ہوں؟ پہلے تو مجھے یہ بتاؤ کہ تم  
اصل میں زندہ ہو یا مردہ؟

رتنالی نے کہا:

میں اصل میں مردہ ہوں لیکن پجاری کے عمل  
کی وجہ سے زندہ ہوں۔ اگر اس کا عمل ختم  
ہو جائے تو میں پھر سے مر جاؤں گی اور  
میری روح ہمیشہ کے لیے اس پجاری کے  
ظلم سے نجات حاصل کر کے نیک رعوں کے  
آسمانی باغ میں چل جائے گی لیکن اس پجاری کو  
شکست دینا آسان کام نہیں ہے۔

ناگ نے کہا:

میں اس وحشی درندے کو مزور شکست دوں گا  
وہ یہاں اکیلا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں کیا کر  
سکتا ہوں؟

رتنالی کہنے لگی:

”پجاری اکیلا نہیں ہے۔ اس محل کے ارد گرد  
غلام گردنوں اور محل کے اوپر بڑبڑوں میں  
اس نے اپنے عمل کے زور سے چٹانوں کی  
مضبوط اور اونچے لمبے انسانی پتے بنا کر پہرے  
پر بٹھا رکھے ہیں۔ یہ انسانی پتے زرد بکتر پہنے  
ہاتھوں میں تلواریں لئے گھومتے رہتے ہیں تاکہ  
میں جہانی حالت میں یہاں سے باہر نہ نکل  
سکوں اور باہر کی بھی کوئی مخلوق انسانی حالت  
میں اندر نہ آ سکے تم اگر سانپ نہ بننے تو  
کبھی یہاں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ ان زرد  
پوش فنگی تلواروں والے دیو پیکر انسانی پتوں پر  
نہ تو تلوار اڑا سکتے ہیں اور نہ کوئی زہر انہیں  
ہلاک کر سکتا ہے۔“

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے رتنالی سے سوال کیا،  
”تو پھر میں مہتاری مدد کیوں کر کر سکتا ہوں؟“

رتنالی نے کہا:

”میری بات غمزہ سے سنو ناگ! اگر تم دل سے  
میری مدد کرنا چاہتے ہو اور میری روح کو،  
میرے جسم کو اس سنگ دل پجاری کے ظلم



سے نجات دلانا چاہتے ہو تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ آدھی رات کے بعد جب یہ طلسمی سپاہیوں کے پتے سو جاتے ہیں تو ان کے منہ اپنے آپ کھل جاتے ہیں اس وقت ان کے جسم کا اندرونی نظام بے حد کمزور ہو جاتا ہے۔ اگر اس لمحے تم ان کے حلق میں ڈس دو تو وہ مر سکتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان طلسمی سپاہیوں کی تعداد ساٹھ ہے۔ تم کس کس کے منہ میں گھس کر ڈسو گے اور پھر اگر ان میں سے کسی کی بھی آنکھ کھل گئی تو وہ تمہیں تلوار کے ایک ہی وار سے دو ٹکڑے کر دے گا۔

ناگ نے کہا:

مجھے ایک بات بتاؤ۔ ہم سمندر کے نیچے کتنی گہرائی میں ہیں؟

رتالی نے بتایا کہ وہ محل سمندر کے نیچے دس ہزار فٹ کی گہرائی میں بنا ہوا ہے اور اس کا آسمان جس پر بادل چھائے تھے۔ جادو کے زور بنایا گیا ہے۔ حقیقت میں وہ آسمان نہیں ہے بلکہ پہاڑ کی بہت بڑی

چھت ہے جس نے سمندر کے پانی کو اندر آنے سے روک رکھا ہے۔ ناگ کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے رتالی سے کہا:

میں ناگ دیوتا ہوں۔ یہ تم بھی جانتی ہو۔ زمین، ہوا اور سمندر کے بھی سانپ میرا حکم مانتے ہیں۔ اگر میں ساٹھ ستر سمندری سانپوں کو یہاں طلب کر لوں تو وہ ایک ایک کر کے ایک ہی رات میں ساٹھ کے ساٹھ طلسمی سپاہیوں کو ہلاک کر سکتے ہیں۔

رتالی کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا:

ہاں ناگ! یہ بڑی اچھی ترکیب ہے۔ مگر اس کے لیے تمہیں سانپوں کو بے حد احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ سپاہیوں کے حلق میں داخل ہوتے ہی انہیں ڈس دینا ہوگا۔ ذرا سی دیر ہوئی تو سپاہیوں کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ کسی بھی سانپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے پھر مختاری اور میری نجات بھی یہاں سے مشکل ہو جائے گی۔

ناگ بولا: تم فکر نہ کرو۔ سمندری سانپ چھوٹے



ہوتے ہیں اور بے حد لچک دار بھی۔ وہ وہی  
کریں گے جو میں انہیں کہوں گا۔ اب میں  
چاہتا ہوں کہ محل کی راہ داریوں اور برجوں میں  
خود جا کر ان طلسمی سپاہیوں کو دیکھوں۔

رنٹالی نے کہا:

اس کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ آدھی رات کو  
سارے کے سارے سپاہی محل کی چھت پر آ  
کر سو جاتے ہیں۔ میں ہتھیں محل کی چھت پر  
لے چلوں گی۔ تم اپنے سانپوں کو وہاں بھیج دگئے۔  
رنٹالی نے ناگ کو اپنی کلائی کے گرد پلٹا اور دیوار  
میں سے گزر کر محل کی چھت پر آ گئی۔ اس نے  
ناگ کو چھت دکھائی اور پھر سرنگ میں واپس  
لے آئی:

اب میں جاتی ہوں۔ تم اپنے سانپوں کو  
اسی غار میں بلا کر ضروری ہدایات دو۔ میں  
اب ہتھارے پاس کل ہی آ سکوں گی۔ رات  
کو میں نہیں آ سکتی۔  
ناگ نے کہا:

تم بے فکر ہو کر جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ

پجاری کے نظم کی آج آخری رات ہو گی۔  
رنٹالی نے ناگ کو ایک بار پھر ہوشیار اور محتاط  
رہنے کی ہدایت کی اور دیوار میں سے گزر کر غائب  
ہو گئی۔

اس کے جلتے ہی ناگ نے سمندری سانپوں کے  
سرور سانپ کو آواز دی۔ تین بار آواز دینے پر  
غار کے ایک بل میں سے سبز رنگ کا ایک سمندری  
سانپ نکل کر ناگ کے سامنے آ کر ادب سے جھک  
گیا۔ ناگ نے سبز سانپ کو سارے حالات بیان کیے  
اور کہا کہ مجھے ساٹھ سمندری کمانڈو سانپ چاہئیں جو  
طلسمی سپاہیوں کے حلق میں گھس کر انہیں ڈس کر ہلاک  
کر سکیں۔

سبز سانپ نے کہا:

عظیم ناگ دیوتا! ابھی حاضر کیے دیتا ہوں۔

سبز سمندری سانپ واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد  
آیا تو اس کے پیچھے پیچھے ساٹھ سمندری سانپ بھی  
دیکھتے ہوئے بل میں سے نکل آئے۔ یہ بہت ہی چھوٹے  
چھوٹے سانپ تھے۔ بڑے سبز سانپ نے ناگ کو  
بتایا کہ یہ سمندر کے انتہائی زہریلے سانپ ہیں۔ پتھر



کو بھی ڈس دیں تو وہ وہیں گھپل کر پانی بن جائے۔  
ناگ نے کہا:

مجھے ایسے ہی خطرناک سانپوں کی ضرورت تھی:

اب ناگ نے ان ساٹھ سانپوں کو ساری بات  
ان کی زبان میں سمجھائی اور کہا کہ انہیں یہ کام ضروری  
کرنا ہے اور انتہائی احتیاط سے کرنا ہے۔ ساٹھ سانپ  
باری باری بولے کہ وہ ناگ کے دشمن سپاہیوں کو  
اتنی تیزی سے ڈس دیں گے کہ سپاہیوں کو مرنے کے  
بعد بھی پتہ نہیں چلے گا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا تھا۔  
ناگ نے کہا:

شاہاش! اب میرے ساتھ چھت پر چلو۔

ناگ نے ساٹھ کے ساٹھ سانپوں کو ساتھ لیا اور  
محل کی چھت پر آکر ایک ستون کے پتھر کے نیچے  
چھپ گیا۔ یہ سانپ اتنے چھوٹے تھے کہ ایک ہی  
جگہ سارے کے سارے سما گئے۔ ناگ ان کے درمیان  
خاموش بیٹھا چھت کے برجوں اور فصیل کو دیکھ رہا تھا۔  
ان برجوں میں پہلی بار اس نے دو زرہ پوش اپنے  
لبے طاقتور طلسمی سپاہیوں کے انسانی پتوں کو دیکھا۔ ان  
کے قد سات فٹ تھے اور جسم بے حد چوڑے پکے

بھرے بھرے اور طاقت سے بھرپور تھے۔ ان کے  
ہاتھوں میں نخر نما چھوٹے تلواریں تھیں۔ چڑے کے جوتے  
پٹریوں تک چڑھے ہوئے تھے۔ زرد بال کاڑھوں پر  
تک رہے تھے۔ وہ مشین کے پتوں کی طرح ادھر ادھر  
چل کر پہو دے رہے تھے۔

ناگ نے سانپ کی زبان میں سانپوں سے کہا:

یہ دو سپاہی ہیں۔ ان کی کل تعداد ساٹھ ہے۔

ابھی جب رات ادھی گزر جائے گی تو یہ

سب کے سب اس چھت پر آکر سو جائیں

مے اس کے بعد جب ان کے منہ کھل جائیں

اور وہ گہری نیند میں کھو جائیں تو میں اپنا عمل

م شروع کر دینا ہو گا۔

ساٹھ کے ساٹھ سانپوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

ایا ہی ہو گا عظیم ناگ دیوتا!

سارے کے سارے سانپ ناگ کے ساتھ ستون کے  
پیچھے، پتھروں کے نیچے چھپے رہے۔ جب رات ادھی  
گزر گئی تو ایک ایک کر کے اونچے لمبے ترانے دیوانت  
نرد پوش سپاہیوں نے چھت پر آنا شروع کیا۔ وہ  
سب کے سب چھت پر لیٹ گئے۔ ہر طرف موت



ایسی خاموشی چھا گئی۔

ناگ نے سرگوشی میں سانپوں سے کہا،  
 "میں جا کر دیکھتا ہوں کہ منہ کھلے ہیں کہ  
 نہیں۔ تم میں سے کوئی سانپ اپنی جگہ سے  
 ہرگز نہ ہلے۔"

یہ کہہ کر ناگ آہستہ سے ریگنا ہوا پتھروں کے نیچے  
 نکلا اور فرش پر لیٹے سپاہیوں کے درمیان آگیا۔ ہر  
 سپاہی گہرے سانس لے رہا تھا۔ ان کی بڑی بڑی آنکھیں  
 بند تھیں۔ وہ لیٹے ہوئے جن لگ رہے تھے۔ ان میں  
 سے ہر ایک کا منہ پورا کھلا ہوا تھا۔

ناگ جلدی سے واپس آگیا۔ اس نے ساڑھے سانپوں  
 کو حکم دیا کہ اپنا کام شروع کر دو۔ چھوٹے چھوٹے  
 انتہائی زہریلے ساڑھے سمندری سانپ ستون کے پیچھے  
 سے نکلے اور سپاہیوں کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ہر  
 سانپ ایک ایک سپاہی کی گردن کے پاس جا کر ٹک  
 گیا۔ پھر انہوں نے اپنی زبان میں ایک ہی وقت میں  
 حملے کا حکم دیا اور سانپ سپاہیوں کے بالوں بھرے  
 سروں میں گھس گئے۔ یہاں سے ریگلتے ہوئے وہ دیو  
 پیکر سپاہیوں کے کھلے منہ میں داخل ہو گئے۔ وہ

موت کے منہ میں داخل ہو چکے تھے۔ اب انہوں نے  
 بھی ایسی تیزی کے ساتھ ایک ایک سپاہی کے منہ  
 میں ڈس دیا۔ سپاہیوں کو یوں لگا جیسے کسی نے ان  
 کے حلق میں سوئی چھبھو دی ہو۔ ہر سپاہی کو چھینک  
 آگئی۔ چھینک کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے سانپ ان  
 کے منہ سے اچھل کر باہر جا گرے۔ سپاہی جاگ پڑے۔  
 وہ ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ وہ اپنی  
 گردنوں کو مل رہے تھے۔ کیوں کہ ان کے حلق خشک  
 ہونے لگے تھے۔ سانپ ستون کی طرف بھاگے۔ ایک  
 سپاہی نے چھوٹے چھوٹے سانپوں کو دیکھ کر ستوار اٹھائی  
 ہی تھی کہ اس کا بازو مردہ ہو کر گر پڑا پھر ایک  
 ساتھ سارے کے سارے سپاہیوں کے جسم سے ہو گئے۔  
 وہ دھڑام سے چھت پر گرے اور پھر نہ اٹھ سکے۔  
 چند سیکنڈ کے بعد ناگ نے جا کر دیکھا۔ سارے طلسمی  
 سپاہیوں کے پتلے مر چکے تھے اور اب وہ ان کے  
 مردہ جسم آہستہ آہستہ دھواں بن کر غائب ہونے لگے  
 تھے۔ دیکھتے دیکھتے سارے سپاہی دھواں بن کر نضا  
 اڑ گئے۔

میدان دشمن سے خالی ہو چکا تھا۔



ناگ نے سمندری ساپنوں کو داپس جانے کا حکم دیا اور خود سرنگ میں آ کر بیٹھ گیا۔ خدا نے سمندری ساپنوں کی مدد سے اس کو بہت بڑے دشمن پر فتح دلائی تھی۔ ناگ خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔ اتنے میں ناگ کو رتالی کی گھبراہٹ ہونے لگا۔ آواز سنائی دی: ناگ! جان بچا کر بھاگو۔ وحشی پجاری کو اس کے سپاہیوں کی موت کا علم ہو گیا ہے وہ خود ایک دیو ہیکل طلسمی سپاہی کے روپ میں تمہیں ہلاک کرنے سرنگ میں آ رہا ہے۔ ناگ تڑپ کر پیچھے کو ہٹا۔ وہ پیک کر زینے کی طرف بڑھا اور آن کی آن میں محل کے بڑے کمرے میں آ کر کھلے دروازے کی طرف بھاگا۔ اس دروازے سے نکلا تو ادبچے لمبے ستونوں والے کشادہ کمرے میں اس کے سامنے ایک سات فٹا زرہ پوش لمبا تڑنگا سپاہی ہاتھ میں تلوار لیے ٹانگیں پھیلائے اس کا راستہ روکے کھڑا تھا اور اسے غضبناک آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ ناگ وہیں کھڑی مار کر بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ پیچھے کھٹکنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی وحشی پجاری ہے جو ٹیپی حالت سے سپاہی کے روپ میں

اسے ہلاک کرنے آیا ہے۔ اچانک پجاری نے حملہ کر دیا۔ پجاری نے تلوار ناگ کی گردن پر پھینکی۔ ناگ اگر نیچے کو نہ جھکولا کھاتا تو اس کی گردن دھڑ سے الگ ہو گئی تھی۔ ناگ تڑپ کر بائیں جانب دوڑا۔ اور اچھل کر پجاری کی گردن سے ٹکرایا۔ ٹکراتے ہی اس نے پجاری کی گردن پر ڈس دیا۔ مگر پجاری پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ پجاری نے ناگ پر زور سے اپنا پاؤں مار کر اسے پکھنا چاہا۔ ناگ اوپر کو اچھل کر ستون سے چمٹ گیا۔ پجاری نے نشانہ باندھ کر تلوار اس پر ماری۔ تلوار ستون سے ٹکرا کر دور جا گری۔ اب پجاری نے کوئی عمل پڑھ کر چھوڑا۔ ناگ کو رتالی کی آواز آنی: ناگ! جون بدل لو۔

ناگ پہلے ہی ایسا کرنے والا تھا۔ اس نے سانس اوپر کینٹ کر چھوڑا تو وہ ایک خوشخوار میشر بن کر ستون سے نیچے پجاری کے اوپر گرا۔ پجاری نے ایک دھابدار دس فٹ لمبے آدم غور میشر کو دھاڑ مار کر اوپر گرنے دیکھا تو بوکھلا گیا اور عمل بھول گیا۔



ناگ اسے سنسنے کا موقع ہی نہ دیا اور اس کی گردن منہ میں دبوش کر دونوں ہاتھوں کے طاقتور پنجے پیکاری سپاہی کی کمر پر اتنی زور سے مارے کہ اس کی کمر کی ہڈی دو جگہوں سے ٹوٹ گئی اور گردن الگ ہو گئی۔ ناگ کو یہ بھی غصہ تھا کہ یہ ظالم پیکاری تین سو برس سے ایک معصوم عورت پر ظلم و ستم ڈھا رہا تھا۔ چاہے جو کسی پر ظلم کرتا ہے اس کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ اور عورت پر ظلم کرنے والے کا انجام تو ہمیشہ بہت بُرا ہوتا ہے۔ کیونکہ عورت ماں ہے، بہن ہے اور بیوی ہے وہ کزدر اور رحم دل ہوتی ہے۔

پیکاری کے جسم کے تین ٹکڑے محل کے کشادہ کرنے کے فرش پر پڑے تھے اور سامنے سے رتنی چلی آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی اور مسرت کی مسکراہٹ تھی۔ وہ ناگ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی اور بولی:

ناگ! تم نے مجھے تین سو سال کے بھیانک عذاب سے نجات دلا دی۔ میں آکاش کے بغلوں میں نیک دل رزحوں کے پاس جا کر ہمیشہ تمہارے

لیے دعا کروں گی۔  
ناگ انسانی شکل میں واپس آ چکا تھا۔ اس نے کہا: میں نے اپنا فرمن ادا کیا ہے رتنی۔ اب مجھے بناؤ کہ میں یہاں سے باہر نکل کر واپس اپنی دنیا میں کیسے اور کہاں سے جاؤں گا؟  
رتنی نے ناگ کا ہاتھ مختام لیا اور بولی:  
اپنی آنکھیں بند کر لو ناگ۔

ناگ نے اپنی آنکھیں بند کیں تو اسے ایک ہلکا سا جھٹکا لگا۔ اور جیسے ہوائے اسے اوپر اٹھایا ہو۔ پھر اسے اپنے ارد گرد پانی کی لہروں کی آواز سنائی دی۔ رتنی کی آواز آئی:

ناگ! آنکھیں کھول دو۔ تم اپنے دوستوں کے جزیرے کی طرف جا رہے ہو۔

ناگ نے آنکھیں کھولیں تو وہ ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ اس کو سامنے دی جزیرہ دکائی دیا جہاں وہ تھیوسانگ، اوتاشا، ٹالیا اور ماریا کو چھوڑ آیا تھا۔ کشتی جزیرے پر لگی تو تھیوسانگ، عنبر اور اوتاشا دیکھا کہ اس کی طرف آئے۔

ناگ نے اپنی ساری کہانی سنائی تو سوائے عنبر تھیوسانگ



کے اور کسی کو یقین نہ آیا۔ اوٹاٹا اور ٹالیا خوش ہوئی  
 کہ ان کا ساتھی ناگ واپس آ گیا ہے۔ انہوں نے راکٹ  
 میں ایندھن بھر رکھا تھا۔ دوسرے روز وہ خلا میں اٹنے  
 کے لیے بالکل تیار تھے۔ اڑنے سے پہلے انہوں نے  
 آخری بار ماریا کو سارے جزیرے میں تلاش کیا۔ مگر وہ  
 انہیں کہیں نہ ملی۔ جہلا انہیں کیسے مل سکتی تھی۔ وہ  
 تو پرانے کھنڈر کے متروک خانے والے تابوت میں بند  
 تھی اور اس میں سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ اس  
 کی غوشبو بھی اس کے جسم سے نہیں نکل رہی تھی۔

ماریوس ہو کر ناگ، تھیوساگ، عنبر، اوٹاٹا اور ٹالیا  
 راکٹ میں بیٹھ گئے اور خلائی جہاز نے ٹیک آف  
 کر لیا۔ اس کے راکٹوں میں سے زرد نیلی اور سرخ  
 رنگ کی آگ کا طوفان سا نکلا اور خلائی جہاز جزیرے  
 سے اڑ پڑ اٹھنے کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے خلا میں اٹھائی  
 بندیوں پر پہنچ کر انسانی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

خلائی جہاز کے ٹیک آف کرنے کی دھماکہ خیز آواز  
 ماریا کو تابوت کے اندر بھی آئی۔ جوہنی خلائی جہاز زمین  
 کی فضا سے نکل کر خلا میں داخل ہوا۔ اس کی تابکاری  
 نے شات بھی تابوت پر سے ختم ہو گئے اور ماریا اپنے

آپ تابوت سے باہر گر پڑی۔ باہر گرتے ہی اس نے  
 اپنے آپ کو دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ غائب تھی مگر  
 صحیح جہانی حالت میں تھی۔ خوشی سے ماریا نچ اٹھی۔  
 وہ بھاگ کر کھنڈر سے باہر نکل اور زمین سے ایک  
 فٹ بلند ہو کر پرواز کرتی اس مقام پر آئی جہاں  
 راکٹ کھڑا تھا۔ راکٹ وہاں پر نہیں تھا۔ وہ تو زمین کی  
 فضا سے بھی نکل چکا تھا۔ ماریا کو عنبر تھیوساگ اور  
 ناگ سے بچھڑنے کا بے حد صدمہ ہوا۔ اب اسے اپنے  
 صحیح حالت میں واپس آنے کی کوئی خوشی نہیں رہی تھی۔  
 کیوں کہ اس کے ساتھی وہاں سے کسی نامعلوم منزل کی  
 طرف پرواز کر چکے تھے۔

ماریا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی سمندر کے کنارے چٹانوں  
 کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس سے پہلے کیٹی بھی کسی  
 خلائی سیارے کی طرف پرواز کر چکے تھے۔ ماریا اس  
 دنیا میں ایکل رہ گئی تھی۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ  
 اب وہ کدھر جائے اور کہاں جا کر قیام کرے۔ چٹانوں  
 میں بیٹھے بیٹھے دن عذاب ہو گیا۔ سمندر میں ڈوبتے سورج  
 کی گلابی کرنوں نے آگ کی چادر سی پھیلا دی۔ ماریا  
 غروب آفتاب کے منظر کو دیکھنے لگی۔ دور مغرب میں



سورج کا سرخ تھال آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ اس کے بعد جویرے پر رات کے سائے گہرے ہونے لگے اور پھر دیکھتے دیکھتے درختوں اور سمندر پر اندھیرا چھا گیا۔

ماریا چٹانوں سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی درختوں کے نیچے آ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ آخر وہ کب تک اس جویرے پر بیکار پڑی رہے گی۔ کیوں نہ وہاں سے کسی دوسرے ملک کی طرف نکل جائے۔ ہو سکتا ہے کسی ملک میں پہنچ کر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وہ خلا میں پرواز کر سکے۔

یہ سوچ کر ماریا درختوں کے پیچھے سے اٹھی اور زمین سے پانچ فٹ بلند ہو کر اس نے سمندر کے اوپر اڑنا شروع کر دیا۔ اس کا رخ مغرب کی طرف تھا جس پر سورج غروب ہوا تھا۔ اس کی رفتار سمندر کے اوپر آ کر بہت تیز ہو گئی۔ سمندر کی بھری ہوئی موجیں اس کے نیچے تیزی سے پیچھے کی طرف جا رہی تھیں۔ آسمان پر ستارے نکل آئے تھے۔ ماریا نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ اب وہ کسی جیتے طیارے کی رفتار کے ساتھ سمندر کے اوپر پرواز کر رہی تھی۔

یوں ہی سمندر کے اوپر اڑتے اڑتے اسے آدمی رات ہو گئی۔ پھر اسے دور کسی شہر کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ یہ اتنی زیادہ روشنیاں تھیں کہ ماریا کو محسوس ہوا کہ وہ پرانے زمانے سے نکل کر نئے زمانے میں یعنی ۱۹۸۶ء کے سن میں چل گئی ہے۔ کیوں کہ پرانے زمانے میں جب بجلی نہیں تھی تو شہروں کی بلند عمارتیں اس طرح نہیں جگمگایا کرتی تھیں۔ ماریا اب یہ معلوم کرنے کے لیے بے تاب تھی کہ یہ کون سا ملک ہے اور سن کون سا ہے؟

ماریا کے نیچے سے دو تین سیٹر سمندر میں نیرتے گزر گئے۔ یہ ماڈرن زمانے کے سیٹر تھے۔ پھر اسے بندرگاہ میں کھڑے بڑے بڑے بحری جہاز دکھائی دیے۔ یقیناً ماریا ماڈرن زمانے میں پہنچ چکی تھی۔

وہ بندرگاہ میں کھڑے جہازوں کے اوپر سے اڑتی ہوئی شہر کی ایک جگمگاتی سڑک پر آ گئی۔ یہ سڑک بہت کشادہ تھی اور اس پر ٹرک، دیگیں اور نئے نئے ماڈل کی موٹر کاریں تیزی سے گزر رہی تھیں۔ دور شہر کی اونچی اونچی بلڈنگوں میں روشنیاں جھلکا رہی تھیں۔ ماریا پہلے کے ایک موٹے تار کے بیچ میں سے گزر گئی۔ بالکل کے تار میں سے بلکا سا سپارک ٹنکلا۔ مگر ماریا کو



درا سا بھی جھٹکا نہ لگا حالانکہ اس موٹے تار میں گیارہ ہزار دولت بجلی دوڑ رہی تھی۔

ماریا بجلی کے تاروں سے اوپر ہو کر اڑنے لگی۔ وہ شہر کی سب سے بڑی سڑک یعنی ہائی وے پر اڑتی جا رہی تھی۔ یہاں سڑک کے آس پاس زیادہ آبادی نہیں تھی۔ کہیں کہیں کسی بنگلے میں روشنی ہو رہی تھی۔ ماریا جلد سے جلد یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ کون سا شہر ہے اور کون سا زمانہ ہے۔ اس نے دیکھا کہ سڑک یعنی ہائی وے سے مہٹ کر زرد خشک ٹیلوں کے درمیان ایک خوبصورت عمارت کھڑی تھی۔ اس کے اوپر نیون سائینز کے بڑے بڑے انگریزی لفظ چمک رہے تھے۔ یہ ہوٹل دے" کھا تھا۔ یہ ہوٹل تھا جس کی لابی میں دیہی روشنی تھی۔ سامنے پارک میں تین چار کاریں کھڑی تھیں۔ ماریا نے سوچا کہ اس ہوٹل میں چل کر پتہ کرنا چاہیے کہ یہ کون سا شہر ہے۔

ماریا آہستہ آہستہ نیچے آتی گئی۔ پھر ہوٹل کے عین سامنے آ کر پارک میں اتر رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر ہوٹل کی دوسری منزل کی کھڑکی کے شیشے میں سے اندر گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ دو آدمی ایک عورت کو زبردستی گھسیٹتے ہوئے دوسرے کمرے میں لیے جا رہے

ہیں۔ ماریا دیہی کھڑکی کے آگے رک گئی۔ وہ عورت پر غلم ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی آنکھیں بند کھڑکی کے شیشے میں سے اندر دیکھ رہی تھیں۔ کمرے میں صرف ایک ٹیبل لیپ ہی جس رہا تھا۔ عورت کو کمرے میں بند کر کے آدمی باہر آ گئے۔ انہوں نے دروازے کو تالا لگا دیا۔ پھر آپس میں باتیں کرنے لگے۔ وہ کچھ گھبرائے ہوئے بھی تھے۔ ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ ضرور یہاں کچھ ہونے والا تھا۔ وہ آہستہ سے کھڑکی کے بند شیشے میں سے گھڑ کر کمرے میں داخل ہو گئی۔

دونوں آدمی قمیض پتلون میں تھے۔ رنگ سالوا تھا۔ اور شکل صورت سے ہی بد معاش معلوم ہو رہے تھے۔ وہ اردو زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس عورت کو وہ کہیں سے اغوا کر کے لائے ہیں۔ کمرے سے عورت کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ باہر نکلنے کے لیے شور مچا رہی تھی۔ دونوں گھبرائے۔ ایک تالا کھول کر دوسرے کمرے میں گیا اور عورت کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر باہر آ گیا۔ ماریا ایک صوفے کے پاس کھڑی خاموشی اور توجہ سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ دونوں آدمی چُپ ہو گئے۔ ایک نے اشارہ کیا۔ دوسرے نے فون اٹھا کر ہیلو او



## عنبر ناگ، ماریا اور کیٹی کا ضروری اعلان

پیارے ساتھیو! ہمیں اپنے دوستوں کے ہر روز ایسے خط ملتے رہتے ہیں جن میں انھوں نے عنبر ناگ، ماریا اور کیٹی سے ملنے یا ان سے سوالات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہوتا ہے۔ ہم استغفار کرتے رہے کہ عنبر ناگ، ماریا اور کیٹی کبھی لاہور آئیں تو ان سے اس سلسلے میں بات کی جائے۔ چنانچہ اس بار جب عنبر ناگ، ماریا اور کیٹی اتفاق سے اپنے ایڈ ونچرس سفر کے دوران لاہور آئے تو وہ ہمارے پاس بھی تشریف لائے۔ ہم نے انھیں پتوں کے خط دکھائے تو عنبر نے کہا کہ ہم پتوں سے اگلی بار ملاقات کریں گے اور ہم ان کے خطوں کے جواب ضرور دیا کریں گے۔ چنانچہ پیارے دوستو! آپ کے گزارش ہے کہ اب جبکہ عنبر ناگ، ماریا اور کیٹی نے آپ کے سوالوں کے جواب اپنے دستخطوں کے ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا ہے تو آپ اپنے سوال بکھ کر ہمیں روانہ کریں مگر اوپر عنبر ناگ، ماریا اور کیٹی ہی لکھیں، کیونکہ عنبر ناگ، ماریا اور کیٹی ہی آپ کے سوالوں کے جواب دیں گے۔ اگر آپ کیٹی کو سوال لکھیں گے تو کیٹی جواب دے گی۔ ماریا کو خط لکھیں گے تو ماریا جواب دے گی لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ کوئی بھی دوست جو عنبر ناگ، ماریا اور کیٹی کو کوئی سوال لکھنا چاہے اُسے کتاب میں سے نوٹن کاٹ کر ساتھ ضرور بھیجنا ہوگا۔ جن سوالوں کے

جلدی سے فون بند کر دیا۔ اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر بولا۔ شاید لاکھانی کا فون تھا۔ اسے ہمارے ٹھکانے کا پتہ چل گیا ہے۔ وہ یہاں پہنچ جائے گا۔ میرا خیال ہے ہمیں اس عورت کو مار ڈالنا چاہیے۔ اگر ہمیں ایک لاکھ روپے نہیں ملے تو لاکھانی بدمعاش بھی ایک لاکھ روپے نہیں حاصل کر سکے گا۔ اس کے ساتھی نے کہا: اتم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ تو چاقو اور اندر جا کر عورت کو ختم کر دو۔

یہ آدمی کچھ سوچ کر بولا:  
مگر کھڑو۔ اس عورت کو ختم کرنے کی بجائے  
کیوں نہ ہم اسے لاشاری کے ماتھے پر  
دیں۔ وہ بہت بڑا خوراک ہے اسے۔ ہمیں نہیں  
بہزار میں مزدور خریدے گا۔  
اچھا خیال ہے۔ دوسرا بدمعاش بولا۔

تو پھر اسے نکال کر لے چلتے ہیں۔ تم اسے  
دانی سٹگی کر بے موش کر دو۔ میں گاڑی  
نکالتا ہوں۔

ایک آدمی دوسرے کے کمرے سے نکل کر بیچے کی طرف  
دوڑا۔ دوسرا عورت والے کمرے میں گھس گیا۔ ماریا سونے  
کے پاس کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔  
اس کے بعد اگلی قسط نمبر ۱۲۲ ماریا کا پتلا میں پڑیں



ساتھ ٹوکن نہیں آئے گا ان سوالوں کے جواب عنبر، ناگ، ماریا اور کیٹی نہیں دیں گے۔ سوال تین سے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں۔ آئندہ بھی ہر کتاب میں ٹوکن چھپ کرے گا۔ آپ کتاب میں سے وہ ٹوکن کاٹ کر اپنے سوالوں کے ساتھ لگانے میں ڈال کر ہمیں اس پتے پر روانہ کریں :

عنبر، ناگ، ماریا اور کیٹی معرفت نیا مکتبہ اقرأ۔ سہارن پور شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

ہر خط کے جواب میں عنبر، ناگ، ماریا اور کیٹی جواب کے ساتھ اپنے خاص دستخط بھی کریں گے جو آج تک کسی نے نہیں دیکھے ہیں۔ اس کے بعد ہم کوشش کریں گے کہ اگلی بار عنبر، ناگ، ماریا اور کیٹی لاہور آئیں تو ہم ان کی تصویر بھی اتاریں۔ پھر یہ تصویر بھی ہم اپنے دوستوں کو بذریعہ ڈاک بھیج سکیں گے۔



یہاں سے کاٹیں۔



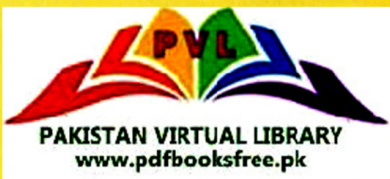
ٹوکن برائے ماہ جولائی

عنبر ناگ ماریا اور کیٹی 221

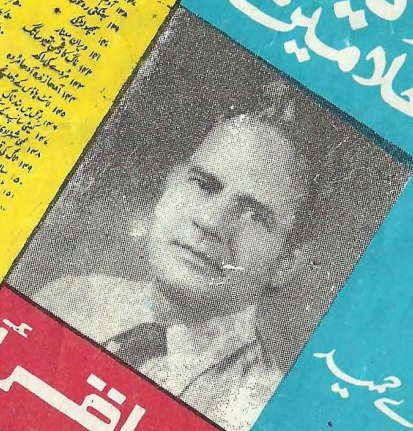
نام:

پتہ:





# عنبر ناگاریا ماریا کی اور خدامتیں



احمد

PDFBOOKSFREE.PK





# مارا کپڑا

اے تہ

PDFBOOKSFREE.PK



شہباز لاٹری اری اینڈ بکسٹال  
لاٹری روٹری کتب لائبریری آف مہرپور خاص



عنبر ناگ ماریا اور کمی خلا میں

ماریا کا پتلا

لے جمید



پیارے ساتھیو!

فیصل آباد سے ہماری ساتھی نسیم خان نے لکھا ہے کہ اپنی خالہ زاد  
 بہن سے ملنے لاہور آئی تو ایک دن وہ گھر میں نہیں تھیں اور میں اکیلے  
 رہ رہ رہ رہی تھی۔ قریب نے اس کی انارسی میں سے ایک کتاب نکال کر  
 پڑھی۔ اس کی کہانی اس قدر پسند آئی کہ بیان نہیں کر سکتی۔ یہ کتاب جبر  
 وادیا کی تھی۔ مجھے کہانی کے ساتھ ساتھ بہت قیمتی سبق بھی حاصل  
 ہوا ہے اور مجھے اچھے بڑے کی پہچان ہو گئی ہے۔ جہنمی جیسے بڑی  
 خوش ہے کہ نسیم خان صاحبہ کو ہماری کہانیاں پڑھ کر نیکی اور بُرائی کی  
 پہچان ہو گئی ہے اور سبق بھی ملتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ہمارے  
 تمام ساتھی ہمیشہ نیکی کی زندگی بسر کریں اور بُرائی کے پاس بھی نہ چکیں  
 کیونکہ بُرائی کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے

آپ کا اکل

اے حمید

۲۵۳ / این راوچمن۔ سمن آباد — لاہور

قیمت ۵۰/۷ روپے

شہباز لائبریری بکسٹار

لاہور  
 لاہور  
 لاہور  
 لاہور  
 لاہور



## مجھے بچاؤ

بے ہوش لڑکی کو کمرے سے باہر لایا گیا۔  
 اسے صوفے پر ٹا کر پہلے بہ معاش نے اسے کالے رنگ  
 کے پلاسٹک کے تھیلے میں بند کر کے تھیلے کے اوپر سوراخ  
 بنا دیئے تاکہ تازہ ہوا اندر جاتی رہے۔ اتنے میں اس کا  
 ساتھی بھی آگیا۔ انہوں نے بے ہوش لڑکی کو اٹھایا اور  
 ہوٹل کی پچھلی سیڑھی سے نیچے لے آئے۔ نیچے ان کی  
 دو گین کھڑی تھی۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ وہ یہ  
 سرائے لگانا چاہتی تھی کہ لاٹھاری غرکار کا اڈہ کہاں ہے  
 اسے یقین تھا کہ وہاں دوسرے اغواء کئے ہوئے لڑکے  
 اور لڑکیاں بھی ہوں گی۔ ماریا ان سب کو وہاں سے  
 نکانا چاہتی تھی۔ اسی لئے وہ خاموش تھی۔  
 بے ہوش لڑکی کو دو گین میں ڈال کر دونوں ہمدانوں  
 نے دو گین کا دروازہ بند کیا اور دو گین شارٹ کر کے مشرق

## ترتیب

- مجھے بچاؤ
- ماریا کراچی میں
- مندر میں سانپ
- پرانے قبرستان کا خزانہ
- ماریا کا پتلا



کی محنت باقی دے پر روانہ ہو گئے۔ ماریا میں دیکھ کر کھدائی ہو رہی تھی۔ کئی مردود کدالیں لئے زمین کھود  
 میں گھس کر ان دونوں کے پیچھے بے ہوش لڑکی کے پے تھے۔ ان میں چھوٹی عمر کے لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں  
 قہقہے کے پاس بیٹھ گئی۔ دونوں بد معاش آپس میں باتیں بھی تھیں۔ ایک آدمی بندوق کا دھم سے لٹکائے ہنٹر  
 وہ کراچی شہر میں آگئی ہے اور وگین کراچی سے منسلک کو وہیں وگین میں ہی رہنے دیا اور خود کیمپ کی  
 کے کسی ویلان علاقے کی طرف جاری ہے۔ جہاں خزاں دولت گئے۔ ماریا لڑکی کے پاس آگئی۔ لڑکی کو قہقہے میں  
 کا کیمپ ہے۔ ماریا نے جھک کر بے ہوش لڑکی کو دیکھ کر وگین کی پھیل سیٹ پر ٹا دیا گیا تھا۔ وہ  
 اس کا چہرہ ذرا سا کھول دیا گیا تھا۔ لڑکی بڑی بھولی بھلاہیں ایک بے ہوش تھی۔  
 تھی۔ اس کے بال کھلے تھے اور اس نے شلوار قمیض اتنے میں دونوں بد معاش ایک کالے رنگ کے مٹے سہانے  
 پہن رکھی تھی۔ گلے میں ریشمی دوپٹہ تھا۔ لڑکی کسی آدمی کے ساتھ واپس آئے۔ وہ اس موٹے آدمی کو لاشاری کہہ  
 گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔  
 وگین کراچی شہر سے جب کافی دور آگئی تو باقی  
 کی بڑی سڑک چھوڑ کر ایک طرف کچی سڑک پر اتر گئی۔ جنگلی آدمیوں ایسا تھا۔ اس نے وگین میں داخل ہو کر بیہوش  
 وگین اس سڑک پر دو گھنٹے تک سفر کرتی رہی۔  
 میں ایک دریا بھی آیا۔ دریا کے پار کھیت اور چھل  
 کے باغ تھے جو اندھیری رات میں سیاہ وجہ معلوم  
 ہو رہے تھے۔ صبح ہو رہی تھی کہ وگین مٹی کی چھوٹی چھوٹی  
 ٹیکریوں کے درمیان ایک جگہ ٹک گئی۔  
 ماریا نے وگین سے نکل کر دیکھا کہ کچھ فاصلے پر زمین



بانٹ لئے اور بے ہوش لڑکی کو لاشاری کے ڈیرے کا ایک کمرہ میں ڈال کر واپس کراچی کی طرف چل پڑے۔ ماریا بھی ان کے ہی وگین میں بیٹھ گئی۔ جب وگین دریا کے پل پر پہنچی تو ماریا آہستہ سے کہا

گاڑی رکو

دونوں بد معاش چونک پڑے۔ وہ ایک دوسرے کو لگے۔

”یہ کس کی آواز تھی؟ ایک نے سوال کیا دوسرے نے کہا

آواز میں نے بھی سنی ہے۔ کوئی عورت رہی تھی۔

ماریا نے وگین کی بریک پر اپنا پاؤں رکھ کر زور سے دبایا۔ گاڑی کے پہیے چرچرائے اور پھر ایک رگ گئے۔

”کوئی بھوت ہے یہاں۔ بھاگو“

ایک بد معاش یہ کہہ کر وگین کا دواڑہ کھول کر باہر کودا تو ماریا نے اسے وہیں دبوچ لیا۔ اور دوسرے بد معاش گردن سے پکڑ لیا۔ پھر کہا۔

”تم دونوں کے پاس جو پندرہ ہزار روپے

نوٹ ہیں وہ نکال کر سیٹ پر رکھ دو۔ یہ تم نے ایک معصوم بچی کو فروخت کر کے حاصل کئے ہیں جلدی کرو۔ دونوں بد معاش سہمے ہوئے تھے انہوں نے فوراً نوٹ نکال کر سیٹ پر رکھ دیئے۔ ماریا نے ان کی گردنیں چھوڑیں اور نوٹ اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لئے۔ نوٹ سیٹ پر سے غائب ہو گئے۔ دونوں بد معاش خوفزدہ تھے۔ ان کو پسینے آ رہے تھے۔ ماریا نے کہا

”تم ظالم لوگ ہو۔ ماں باپ کے بچہ کے مکڑوں کو اغوا کر کے خکاروں کے ان نیچے دیتے ہو۔ تمہیں زندہ نہیں رہنا چاہیے۔“

اس کے ساتھ ہی ماریا تیزی سے جیب میں سے باہر آگئی اور جیب کو زور سے دھکا دیا۔ جیب پل پر سے لڑھک کر دھڑم سے دریا میں گر پڑی۔ دونوں بد معاشوں اور شیطانی کام کرنے والے سنگ دل آدمیوں کو ان کے انجام تک پہنچانے کے بعد ماریا تیزی سے خکاروں کے کیمپ کی طرف پرواز کر گئی۔

خرید کیمپ کا مالک لاشاری ایک کوٹھڑی میں اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ موجود تھا۔ وہ بے ہوش لڑکی کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکی کے منہ پر پانی



کے ہر حصے سے جا رہے تھے۔ ماریا بھی خاموش سے  
کوٹھڑی میں داخل ہو کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ لاشاری  
کو خست آواز میں بولا۔

”ابھی اسے یہاں پڑے رہنے دو۔ تم لوگ  
باہر پہرہ دو۔ جب اسے ہوش آ جائے  
مجھے خبر کر دینا۔“

لاشاری باہر نکل گیا۔ اس کے ساتھی کوٹھڑی کو بند  
کر کے سلا لگا کر باہر بھیجی ہوئی چار پائی پر بیٹھ گئے۔ بندو قی  
دھڑوں نے اپنے پاس ہی رکھ لیں اور ادھر ادھر کی  
باتیں کرنے لگے۔

ماریا اندر بے ہوش لڑکی کے پاس دوسری چار پائی پر  
بیٹھ گئی۔ لڑکی کو اب کچھ کچھ ہوش آنے لگا تھا۔ چند  
لمحوں کے بعد لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ ماریا کے سامنے  
وہی منگنی تھی کہ اس لڑکی پر اپنا آپ کس طرح سے ظاہر  
کرے۔ وہ مزید ڈر جائے گی۔ مگر اسے اعتماد میں لینا اور  
اسے حوصلہ دینا بھی عزمی تھا۔ ماریا دوسرے الفاظ  
بچوں کو بھی وہاں سے نکلانا اور غلام کیوں کے  
پرہیز کو ان کے جرم کی پوری پوری سزا بھی دینا  
چاہتی تھی

لڑکی کوٹھڑی میں ادھر ادھر بھی ہوتی نظروں سے نیچے  
لگی ماریا اٹھ کر اس کی چار پائی کے قریب گئی اور آہستہ  
سے بولی۔

تبیلا نام کیا ہے؟

لڑکی نے غیبی آواز سے تو اس کا جسم اسے قوت  
کے شعلہ پڑ گیا۔ ماریا نے فوراً کہا

”مرد نہیں ہیں۔ میں کوئی جوت پریت  
نہیں ہوں۔ میں تمہاری جلدو سہیلی ہوں۔ فرق  
صرف اتنا ہے کہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتیں۔ میں تمہاری  
طرح کی لڑکی ہوں۔ میں تمہاری مدد کرنے یہاں آئی  
ہوں۔ مجھے اپنا نام بتاؤ۔“

لڑکی کا دل دہشت کے مارے زور زور سے دھڑکنے لگا  
تھا۔ اسے ایک عورت کی آواز تو سات سنائی دے رہی  
تھی مگر عورت خود نظر نہیں آ رہی تھی۔ ماریا نے ایک بار  
پھر اسے تسلی دی اس کے سینے اور محبت جیسے جیسے  
اسے لڑکی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے  
ہوئے کہا۔

میرا نام سرینہ ہے۔ مگر تم کون ہو؟ کیا  
تم کوئی روح ہو؟



مرینہ نے اس کو تکی دینے کے لئے کہا۔

"تم یہی کہہ لو کہ میں ایک نیک عورت ہوں اور آسمانوں سے تمہاری مدد کرنے یہاں آئی ہوں۔"

مرینہ نے گڑا گڑا کر کہا

"خدا کے لئے مجھے یہاں سے نکال دے۔ میرے گھر پہنچا دو۔ ڈیڑی ملی تو میرے علم میں نہ آئے ہو رہے ہوں گے۔"

اس کی آواز کو ٹھٹھری کے آگے بیٹھے دونوں پہرے خراکوں نے سنی تو جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے

یہ لڑکی اندر کس سے باتیں کر رہی ہے؟ ایک خراکار نے کہا اور فوراً تالا کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

ماریا نے سرگوشی میں مرینہ کو چپ رہنے کی تاکید کی۔ دونوں خراکار کو ٹھٹھری میں آکر غور سے ادھر ادھر دیکھ لگے۔ کوٹھڑی میں دیا جل رہا تھا اور لڑکی سہمی ہوئی چارپائی پر سمٹی بیٹھی تھی۔

تم کس سے باتیں کر رہی تھیں؟ ایک خراکار نے گرج کر بولا۔

مرینہ نے چہرہ کیا جواب دیا۔ سر ہلانے لگی کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ دوسرے خراکار نے کہا

"ارے ہمارا یہ خواب میں باتیں کر رہی ہوگی جنو۔ سردار لاٹھاری کو بتاتے ہیں کہ لڑکی کو ہوش آگیا ہے۔"

خراکار باہر چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی ماریا نے کہا "مرینہ! تم گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں یہاں سے نکال کر تمہارے بھی ڈیڑی کے پاس ضرور پہنچا دوں گی۔"

مرینہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے کانپتی آواز میں پوچھا۔

"یہ لوگ کون ہیں۔ میں کہاں آگئی ہوں؟"

ماریا نے کہا

"یہ لوگ خراکار ہیں۔ جس آدمی نے تمہیں

تمہارے مکان سے اغوا کیا تھا وہ تمہیں خراکاروں کے ہاں پندرہ ہزار روپے میں فروخت کر دیا ہے۔ یہاں کچھ دوسرے لڑکے اور لڑکیاں بھی مصیبت کے دن گزار رہی ہیں میں ان سب کو اس جہنم سے نجات دلانا چاہتی ہوں؟"

مرینہ نے کہا



اسکے ایک کھمک کا دوسرا حصہ سے کھنکھا۔  
 دھنکی سرور لاشاری اللہ داخل ہوتے ہی غریبا۔

- اسی کو ہوش آگیا ہے۔ فوراً اسے سے  
 اسی کی ٹانگ پر ہوا گرم کر کے ہر لگا کر اور فریضہ  
 کو اسے کام پر لگا دو۔

دونوں خراکار اس کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے  
 کو اٹھایا اور ٹھینٹے ہوئے کوٹھڑی سے نکال دوسرے  
 کوٹھڑی کے باہر دھن میں سے گئے۔ جہاں چولہے  
 آگ دھک رہی تھی اور لوہے کی ایک سلاخ گرم ہو  
 تھی مریضہ جھٹکے لگی۔ مگر خراکاروں کو جھاکب دم آسکتا  
 انہوں نے مریضہ کو چلہ پائی پر دینوں سے جکڑ دیا۔  
 لاشاری ایک طرف کو جاتے ہوئے غریبا۔

- اس کی ٹانگ پر گرم ہر لگا کر اسے کام  
 لگا دیتا۔

سرور لاشاری چلا گیا۔ دونوں خراکار وہاں موجود  
 ان میں سے ایک نے مریضہ کی ٹانگ پر سے کپڑا  
 ہٹا دیا۔ دوسرے۔ خراکار نے آگ میں سے لوہے  
 سلاخ باہر نکالی۔ لوہے کی سلاخ کے آگے جو ہر تھکی  
 سرخ ہو رہی تھی۔ مریضہ نے چلا کر کہا

ایک دل دوسرا تم کہیں ہو؟ مجھے ان غلاموں  
 سے بھلا۔

یہ بے بسی لڑکی مریضہ نے ماریا کو آواز دی تھی۔ ماریا اسی  
 کے قریب ہی کھڑی تھی مگر وہ گرم سلاخ کے باہر نکلتے  
 جانے کا انتظار کر رہی تھی۔ خراکار نے قہقہہ لگا کر کہا  
 یہ کس ایک دل دوسرا کو پکار رہی ہے؟  
 دوسرا قہقہہ مار کر بولا۔

اپنی ماں کی روح کو پکار رہی ہے۔  
 ماریا کو اس خراکار پر ہرمت غصہ آیا۔ ماریا آگے بڑھی  
 جس خراکار کے ہاتھ میں گرم دھنکی ہوئی شرف سلاخ تھی۔  
 وہ آہستہ آہستہ اسے مریضہ کی ٹانگ کی طرف لاد رہا تھا  
 تاکہ ٹانگ کو داغ دیا جائے۔ ماریا نے پک کر اس  
 کے ہاتھ سے لوہے کی گرم سلاخ چھین لی۔ گرم سلاخ  
 ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گئی۔ دونوں خراکار  
 ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔

ماریا نے انہیں زیادہ حیران ہونے کا موقع نہ دیا  
 اور پھیرٹ کر ایک خراکار کی ٹانگ پر گرم سلاخ لگا دی  
 خراکار چیخ مار کر گرا اور لڑ پڑنے لگا۔ دوسرا خراکار ڈر کر  
 بھاگ گیا ماریا نے مریضہ سے کہا۔



لکھ کر دے۔ میں ان سب کو سنبھالتی ہوں۔ تم  
اپنی جگہ دیکھ رہی ہو۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔  
کہہ کر ماریا اس لڑکے کو ہمدردی سے دیکھ رہی تھی۔

اب لاشاری سردار کو پتہ چلا کہ کسی نے اس کے ساتھی  
کی ٹانگ کو داغ دیا ہے تو وہ غصے سے دیوانہ ہو گیا۔  
اس نے پستول نکال لیا اور چلنا۔

۔ کون بھوت ہے وہاں۔ میرے ساتھ چلو میں  
ابھی اسے مزہ چکھاتا ہوں۔

یہ کہہ کر سردار لاشاری اس دکان میں آگیا جہاں مرینہ  
چارپائی پر بندھی پڑی تھی۔

۔ کہاں ہے وہ بھوت؟ وہ چلایا  
پھر اس نے اپنے ساتھی سے کہا

۔ اس لڑکی کی ٹانگ پر میرے سامنے گھر  
بھر لگاؤ۔

وہاں دوسرے خرمکار بھی آگئے۔ سلاخ کو چوبے میں  
ایک بار ہال سرخ کیا گیا پھر اسے نکال کر خرمکار مرینہ کی  
ٹانگ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ماریا نے اس کے ہاتھ  
سے سلاخ چھین کر پھینک دی۔ سلاخ ایک بار جھرجھبات  
ہو گئی۔ لاشاری سردار نے ڈر ڈر ہوا میں خرمکار

گردی۔ گولیاں ماریا کے جسم میں سے گزر گئیں۔ مگر چونکہ اس کا جسم  
شعاعیں ہی شعاعیں تھیں اس لئے اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ مگر  
اسے غصہ بہت آیا۔ اس نے گرم سلاخ آگے بڑھا کر سردار لاشاری  
کی گردن کے ساتھ لگا دی۔

سردار لاشاری کی چیخ نکل گئی۔ پستول اس کے ہاتھ سے گر  
پڑا اور وہ گردن کو پکڑ کر درد سے چلانے، اچھٹنے کودنے لگا۔  
دوسرے خرمکاروں نے اسے گھیر لیا اور اٹھا کر کیپ کی طرف  
لے گئے اور اس کی گردن پر دوائی لگانے لگے۔ ماریا نے  
مرینہ کی رسیاں کھول دیں اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

نیک دل روح! خدا کے لئے مجھے یہاں سے لے چلو  
ماریا نے آہستہ سے کہا

مجھے اس کیپ کے دوسرے لڑکے لڑکیوں کو بھی  
نکالنا ہے تم پریشان کیوں ہوتی ہو۔ یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان  
نہیں پہنچا سکیں گے۔ اب تم اپنی کوششیں میں جا کر بیٹھو۔  
میں اس کیپ کا جائزہ لیتی ہوں۔

ماریا کیپ کے ذریعے کی طرف آگئی۔ ایک سائبان  
کے نیچے پہلے پر سردار لاشاری ہائے ہائے کر رہا تھا۔  
گرم لونا لگنے سے اس کی گردن جل گئی تھی اس کے نوکر  
خرمکار اس کی گردن پر مرہم لگا کر پٹی باندھ رہے تھے۔



نے دیکھا کہ سائبان سے دور ایک طویہ سا بنا ہوا تھا۔ مار  
وہاں گئی تو طویہ میں گھرے بندے تھے اس کے پاس  
ای چار لڑکے سخت بیماری کی حالت میں پڑے کراہ رہے  
تھے۔ ان کی ٹانگیں داغی جا چکی تھیں اور زخموں سے  
چربی نکل آئی تھی۔

ماریا باہر آگئی۔ سامنے ایک میدان میں دس بارہ لڑکے  
اور لڑکیاں کدالیں اٹھائے مٹی کھود رہی تھیں۔ ان کے کپڑے  
بیلے پکیلے تھے۔ آنکھوں میں کالے حلقے پڑے تھے۔  
چہرے کمزور اور بیمار تھے۔ جسم مہوک سے سوکھ رہے  
تھے۔ خنک ہنٹر لہرائے ان کے سر پر کھڑے ان سے  
کام لے رہے تھے۔

ماریا نے سوچا کہ اگر وہ ان سارے خنکاروں کو ہار  
بھی کر دے تو بھی وہ اکیلے ان سارے بدنصیب بچوں اور  
بچیوں کو یہاں سے نکال کر کہاں لے جائے گی؟ اس کے  
لئے ضروری ہے کہ وہ کسی پولیس سٹیشن جا کر خبر کرے  
اور پولیس چھاپہ مار کر ان لڑکے لڑکیوں کو ان کے گھر واپس  
لے پہنچا دے۔

یہ سوچ کر ماریا مرینہ کے پاس آئی۔ اسے بتایا کہ  
پولیس کو لینے جا رہی ہے۔ مرینہ ڈر رہی تھی بولی

مجھے اکیلی چھوڑ کر نہ جاؤ نیک دل روح! یہ لوگ قہقے  
پیچھے پیچھے مار ڈالیں گے۔

ماریا نے کہا  
میں اس کا بندہ بےست کر جاؤں گی تمہارے پاس کوئی  
نہیں پھٹے گا۔

ماریا تیزی سے باہر نکلی۔ اس سائبان کے پاس گئی جہاں  
بٹنگ پر سردار لاشاری پڑا کراہ رہا تھا۔ ماریا نے اس  
کے کان کے پاس اپنا منہ لے جا کر غراتے مجھے کہا  
اگر تم نے اس لڑکی کی ٹانگ کو گرم سلاخ سے  
داغنے کا خیال بھی کیا تو میں تمہاری گردن گھونٹ کر تمہیں  
ہلاک کر دوں گا۔

سردار لاشاری نے گڑگڑا کر کہا

میں نہیں کروں گا۔ میں اس لڑکی کو مہر نہیں لگاؤں گا۔  
جب ماریا کو اطمینان ہو گیا کہ سردار لاشاری اب مرینہ کو  
نقصان نہیں پہنچا سکے گا تو وہ اچھل کر فضا میں پرپاس فٹ  
اوپر آگئی اور پھر اس نے ہوا میں دریا کی طرف اڑتا  
شروع کر دیا۔ دریا کے پار اسے دور ٹیلوں کے پاس ایک  
قصبہ دکھائی دیا۔ وہ اڑتی ہوئی اس قصبے میں آگئی۔ یہ کافی  
بڑا قصبہ تھا۔ یہاں اسے ایک سرخ کوٹھی کے باہر پولیس سٹیشن



ملکا نظر آیا۔ یہ قصبے کا تھا۔ مٹا۔ باہر پہاڑی پر رہا۔ مٹا۔  
 ماریا مٹانے میں داخل ہو گئی۔

کمرے میں میز کے پیچھے تھا نیدار تھا ایک نوکر اس  
 کے سر کی مالش کر رہا تھا۔ چار پانچ سپاہی پنج پر بیٹھے گپیں  
 مار رہے تھے۔

ماریا سوچنے لگی کہ یہ کیا تھا نیدار ہے کہ دفتر میں بیٹھ  
 سر کی مالش کروا رہا ہے۔ اچھا ابھی اس کی خبر لیتی ہوں۔ یہ  
 دل میں ٹھان کر ماریا آگے بڑھی۔ تھا نیدار کے سامنے میز  
 پر چنگیر میں مائلے رکھے تھے۔ تھا نیدار مالش بھی کر رہا  
 رہا تھا اور ساتھ ساتھ مائٹا بھی کھا رہا تھا۔ ماریا نے بہت  
 آرام سے مائٹن والی چنگیر سامنے سے اٹھائی۔

مائٹن کی چنگیر کو غائب ہوتا دیکھ تھا نیدار بھونچکا ہوا  
 رہ گیا۔ دوسرے سپاہی بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگے  
 مالش کرنے والے کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ تھا نیدار نے آنکھیں  
 ملنے پرستے کہا

اے سائیں! یہ مائلے کہاں چلے گئے؟  
 ماریا نے آواز کو بھاری بنا کر کہا

تھارے بچا ہلال کے پاس چلے گئے ہیں  
 نہیں آواز سن کر دوسرے سپاہی تو باہر کو بھاگ گئے۔ باقی

سات ہو گئے مالش کرنے والا تو محروم سے گرا اور بے ہوش  
 ہو گیا۔ تھا نیدار تعجب سے دیکھنے لگا۔ ماریا نے اسی آواز میں کہا  
 تم سرکاری دفتر میں بیٹھ کر مالش کروا رہے ہو اور خزانوں  
 کے گیمپ میں محصور ہو کر اور لڑکیوں پر خوار ظلم کر رہے ہیں  
 تم کس بات کی تعجب کر رہے ہو۔ فوراً اٹھو اور خزانوں کو لقمہ  
 کر کے بدعیب بچوں کو ان کے گھر پہنچانے کا بندوبست کرو۔  
 اٹھو۔ نہیں تو میں ابھی تہادی گروں توڑ دوں گا۔ میں اس  
 علاقے کا سب سے طاقتور جن ہوں۔

تھا نیدار ہاتھ باندھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔  
 حضور! مجھے کچھ نہ کہیں میں ابھی خزانوں کو جا کر پکڑتا  
 ہوں۔ ابھی جاتا ہوں۔ اٹھ جاتے ہوں۔

ماریا نے اسی مردانہ آواز میں حکم دیا  
 فوراً مارے پہاڑی سے کہ خزانوں کے گیمپ پر چھاپ  
 مارو۔ چلو۔ جلدی کرو۔

تھا نیدار نے چلا کر پہاڑیوں کو چھاپ مارنے کا حکم دیا۔  
 خود پستول لٹکایا۔ پہاڑیوں نے رائفلیں۔ سیدائیں۔ جو  
 پہاڑی آرام کر رہے تھے۔ ابھیں۔ ہلا بلیا گیا۔ سب کے سب  
 پہاڑی اور تھا نیدار پولیس کی آواز میں بیٹھ گئے۔ ماریا نے  
 اسی آواز میں کہا



دوبارہ پار جا کر بائیں جانب چلنا وہاں سے سختوڑی  
خرکار کیکمپ ہے۔ چلو۔ جلدی کرو۔

پولیس کی پارٹی خرکار کیکمپ کی طرف روانہ ہو گئی۔  
انہیں روانہ کر کے ماریا خود ہوا میں پرواز کر گئی اور تیز  
سے اڑتی ہوئی ان سے پہلے خرکاروں کے ڈیرے پر پہنچ گئی  
وہ سیدھی مریضہ کی کوٹھڑی میں آئی۔ مریضہ بے چینی کے مار  
میں بیٹھی تھی۔ ماریا نے اسے کہا

مریضہ میں آگئی ہوں۔ پولیس بھی آرہی ہے اب  
سب مجرم گرفتار ہو جائیں گے اور میں تمہیں خود ساتھ  
کر تمہارے ڈیڈی مئی کے پاس پہنچا دوں گی۔  
مریضہ نے کہا

خدا کا شکر ہے۔ تم آگئیں نیک دل روح!

ماریا کوٹھڑی سے نکل کر سردار لاشاری کے پلنگ کے قریب  
آئی تو دیکھا کہ وہ پلنگ پر لیٹا کراہ رہا ہے اور اس کے پاس  
اس کا صرف ایک ساتھی بیٹھا ہے۔ ماریا نے دیکھا کہ طوبہ  
میں بھی بیمار لڑکے نہیں ہیں۔ ماریا میدان میں آگئی یہاں  
کوئی لڑکی اور لڑکا مٹی نہیں کھود رہا تھا۔ ماریا فوراً سمجھ گئی کہ ہمارے  
کے ہی کسی آدمی نے یہاں سنگل کر دیا ہے کہ پولیس چھاپہ مار  
آ رہی ہے اور سردار لاشاری نے تمام لڑکوں کو کسی خفیہ

جگہ چھپا دیا ہے۔ ماریا ایک کر سردار لاشاری کے پاس گئی اور  
گر جدار مروانہ آواز میں پوچھا۔

بد بخت! تمہارے بچوں کو کہاں چھپا دیا ہے بولو نہیں  
تو میں ابھی تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔  
سردار لاشاری نے ہاتھ باندھ کر کہا  
”بھوت سائیں! مجھے کچھ نہیں معلوم ہے سب کہاں بھاگ  
گئے ہیں؟“

دوسرا خرکار کانپتی ہوئی آواز میں بولا  
بھوت سائیں! یہ سب لوگ فرار ہو گئے ہیں۔ سردار کو  
غافل پا کر بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔  
تم بکواس کرتے ہو۔ ماریا چلائی۔

سردار لاشاری حکارتی سے کام لے رہا تھا پھر وہ  
اچانک بے ہوش ہو گیا تاکہ اسے بھوت کے سوالوں کا جواب  
نہ دینا پڑے۔ ماریا بگھ گئی کہ وہ جان بچا رہا ہے۔ ماریا نے  
دوسرے خرکار کو گردن سے پکڑ کر گھسیٹا اور ایک طرف لے  
جا کر زور سے زمین پر ہتھیار دیا۔ اس خرکار کی پسلیاں ٹوٹ  
گئیں۔ وہ درد سے کراہنے لگا۔ ماریا نے اس کی گردن  
پر انگوٹھا رکھ کر دبا دیا اور بولی۔

اگر تم نے بتایا کہ تمام بچوں کو کہاں چھپا دیا ہے تو



میں ابھی تھیں سیدھا جہنم میں پہنچا دوں گی ۔  
خراکار کمرہا تے جوئے بولا ۔

بھوت سائیں ! مجھے نہ مارنا ۔ مجھ پر رحم کرو ۔ ابھی بتا  
ہوں ۔ بتاتا ہوں ۔

پھر اس نے رک رک کر بتایا کہ سردار کو خبر مل گئی تھی  
کہ پولیس چھاپہ مارنے آرہی ہے اس نے سارے بچوں  
یہاں سے تھوڑی دور کیلکے درختوں والے ٹیلے کے  
اندر غار میں چھپا دیا ہے ۔

ماریا نے خراکار کو زور سے لات ماری ۔ خراکار کی پیچھے  
نکل گئی ۔ ماریا نے دیکھا کہ دور سے پولیس کہ لادی گر  
اڑاٹی مچلکی چلی آرہی تھی ۔ کھاڑی نے آتے ہی کوٹھڑیوں  
گرد ایک پکر لگایا ۔ پھر سپاہی چھلانگیں لگا کر لاری میں  
نکل آئے ۔

تھانیدار نے لاشاری کی گردن سے پستول لگا دیا  
کہاں ہیں معصوم بچے جن پر تم لوگ ظلم کرتے ہو  
سردار لاشاری تو جان بوجھ کر بے ہوش بنا ہوا تھا  
نے مردانہ آواز میں کہا

تھانیدار ! وہ سامنے کیلکے درختوں والے ٹیلے  
پر جاؤ ۔ وہاں ایک غار ہے ۔ سارے بچے ان خراکاروں

نے وہاں چھپا رکھے ہیں  
تھانیدار نے سلوٹ مار کر کہا  
جو حکم بھوت سائیں ۔

اور سپاہیوں کو لے کر ٹیلے کی طرف بھاگا  
ماریا مرینہ کی کوٹھڑی میں آگئی ۔ اس نے مرینہ کو خوشخبری  
سنائی کہ پولیس آگئی ہے ۔ مرینہ نے خدا کا شکر ادا کیا ۔





نئے ماڈل کی کاریں، سکڑ، مٹر سائیکس اور وگنیں آج بھی تقیوں  
 ہو گئیں کے پاس بڑے خوبصورت تھے۔ کئی عورتوں نے، کوش  
 رنگوں والی ساڑھیاں پہن رکھی تھیں۔ ماریا کو پاکستان بہت پسند  
 تھا۔ یہاں کے بچے اسے بہت پیار سے تھے۔ وہ دن پھر کراچی  
 کی سیر کرتی رہی

پھر اس نے آسمان پر ایک جیٹ ہوائی جہاز کو دیکھا تو  
 اس کا دل ہوائی جہاز کی سیر کرنے کو چاہا۔ وہ ہوا میں بہت  
 ہوائی، بازاروں اور بڈاگوں سے جی اوپر چلی گئی اور جیٹ  
 ہوائی جہاز کے پیچھے پیچھے اڑنے لگی۔ ہوائی جہاز کراچی  
 کے ہوائی اڈے پر جا کر اتر گیا۔ ماریا بھی پیچھے آگئی۔  
 اسے معلوم ہوا کہ ایک جہاز راولپنڈی جانے کے لئے  
 تیار رکھا ہے۔ ماریا نے سوچا کہ کیوں نہ راولپنڈی اسلام آباد  
 کی بھی سیر کر لی جائے۔ یہ سوچ کر وہ اسلام آباد جانے والے  
 ہوائی جہاز میں داخل ہو گئی۔ جہاز کی سیڑھیوں کے اوپر دروازہ  
 میں دو ایئر ہوسٹس کھڑی تھیں مگر ماریا کو ان میں سے کوئی  
 بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ماریا کو پورے رنگ کاٹو دکھانے کی  
 بھی ضرورت نہیں تھی۔ اسے جہاز میں کسی سیٹ کے پرند  
 کروانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔

جہاز میں داخل ہونے کے بعد ماریا نے دیکھا کہ جہاز میں

## ماریا کراچی میں

پولیس نے سارے بچوں کو برآمد کر لیا  
 خرکار اور ان کا بدعاش سردار لاشاری گرفتار کر لئے گئے  
 پولیس ان سب کو لے کر کراچی روانہ ہو گئی۔ ماریا بھی ہوا  
 کے ساتھ تھی مگر اب اسے کسی سے بات کرنے کی ضرورت  
 نہیں تھی۔ مرینہ کو پولیس نے اس کے والدین کے پاس  
 دیا۔ ماریا کو جب تسلی ہو گئی تو وہ اس کی کوشی سے لے کر  
 کراچی شہر میں وہ اس سے پہلے بھی آپیک تھی۔ اس وقت  
 عنبر اور ناگ بھی اس کے ساتھ تھے مگر آج وہ اکیلے تھی  
 ماریا کا دل عنبر ناگ اور کیٹی کے لئے اداس تھا۔ وہ  
 سے بہت آگے کے زمانے میں نکل آئی تھی اور اب  
 معلوم نہیں تھا کہ ان سے کب ملاقات ہوگی۔ چونکہ ایسا  
 آیا تھا۔ اس لئے ماریا کو ایک طرح سے اطمینان بھی  
 کبھی نہ کبھی وہ عنبر ناگ کیٹی اور تھیو سانگ سے ملے  
 گے۔ کراچی شہر کی شاندار سڑکوں پر بہت رونق تھی۔



سے بھرا ہوا تھا۔ یہ جہاز اسلام آباد سے بھی آگے خلیپاٹن  
رہا تھا۔ یہ کسی غیر ملکی کمپنی کا جہاز تھا اور ائر ہوٹس بھی وہ  
ملک کی تھیں۔ ماریا ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کی  
والی سیٹ پر ایک پاکستانی عورت بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی  
معلوم نہیں تھا کہ اس کی ساتھ والی سیٹ پر ماریا بیٹھی  
اسے معلوم بھی کیسے ہو سکتا تھا۔ ماریا تو غائب تھی اور  
بھی خالی پڑی تھی۔

جہاز میں ہلکی ہلکی انگریزی دھن بج رہی تھی۔ ائر ہوٹس  
مسافروں کی خاطر مدارت کر رہی تھیں جو عورت ماریا کی ساتھ  
سیٹ پر بیٹھی تھی اس نے ائر ہوٹس سے پانی لانے کے  
تھوڑی دیر میں ائر ہوٹس شیشے کے گلاس میں پانی لے کر  
تو ماریا کو شرارت سوچھی جب ائر ہوٹس ٹرے میں عورت  
پانی پیش کرنے لگی تو ماریا نے ٹرے میں سے گلاس  
اٹھا لیا۔

گلاس ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا  
ائر ہوٹس اور مسافر عورت کی آنکھیں مچھٹی کی مچھٹی  
پہلے تو دونوں نے ایک دوسری کو دیکھا۔ پھر خالی ٹرے کو دیکھا  
ایک بار پھر ایک دوسری کو دیکھا۔ ائر ہوٹس نے مسکرا کر کہا  
میرا خیال ہے میں ٹرے میں گلاس رکھنا بھول گئی

ی لاتی ہوں پانی۔

مگر ائر ہوٹس اور مسافر عورت کے چہروں پر حیرانی اور  
ہلکا خوف تھا کیونکہ انہوں نے خود پانی سے بھرے ہوئے گلاس  
دیکھا تھا۔ ماریا ہاتھ میں گلاس لئے بیٹھی مسکرا رہی تھی جب ائر ہوٹس  
لگی تو ماریا نے پانی کا گلاس مسافر خاتون کے آگے جو چھوٹا سائیز  
تھا اس پر رکھ دیا۔ اچانک اپنے سامنے میز پر گلاس کو  
دیکھ کر مسافر عورت کی چیخ نکل گئی سب مسافروں نے پلٹ کر  
اس کی طرف دیکھا۔ ائر ہوٹس دوڑ کر اس کے پاس آئی  
فرخاتون نے گلاس کی طرف اشارہ کیا۔

یہ گلاس .... یہ گلاس کہاں سے آگیا؟

ائر ہوٹس نے مسکراتے ہوئے کہا

میں ابھی ابھی یہاں رکھ کر گئی تھی آپ بھول گئیں؟

ائر ہوٹس نے مسافر خاتون کی پریشانی دور کرنے کے لئے  
تھا حقیقت میں وہ بھی گھبرائی ہوئی تھی کیونکہ یہ گلاس

وہاں نہیں تھا۔ مسافر خاتون نے گلاس میں سے پانی پیا اور  
گلاس میز پر رکھ دیا۔

جہاز کے انجن شارٹ ہو گئے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا  
وے پر اس مقام پر آکر رک گیا جہاں سے اس نے ہوا  
اٹھنا تھا۔ جہاز کے پاروں انجن شارٹ ہو گئے جہاز



انجنوں کے شور کی وجہ سے ہلکا ہلکا لرز رہا تھا۔ پھر ایک سے اس نے شارٹ لیا اور اس کی رفتار ایک دو سیکڑ کے اندر اندر چار سو کلومیٹر فی گھنٹہ ہو گئی۔ پھر ایک خاص پر پہنچ کر جہاز اچانک ٹیک آف کر گیا۔

جہاز اوپر ہی اوپر اٹھتا جا رہا تھا۔ پھر ایک خاص پہنچ کر جہاز نے اپنا رخ اسلام آباد کی طرف کر لیا اور اپنی سرخ شروع کر دی۔ ماریا نے پھر کوئی شرارت نہ کی۔ کیونکہ اس سے جہاز میں اخراجی پھیل جانے کا خطرہ تھا اور ماریا ایسا ٹیلٹوں نے پہلے تو ہائی جیکر کو سمجھانے کی کوشش کی۔ پھر چاہتی تھی۔ جہاز کو پرواز کرتے دس پندرہ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ایک اونچا لمبا آدمی اٹھ کر پائیلٹ کے کین کے پاس گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک دوسرا آدمی بھی چل پڑا۔ پہلا آدمی پائیلٹ کے کین میں یعنی کاک پیٹ گھس گیا اور دوسرا کین کے باہر کھڑا ہو گیا پھر اچانک نے جیب سے پستول نکال کر تان لیا اور گرج کر کہا

خبردار! کوئی مسافر اپنی جگہ سے مت ہلے۔ ہم جہاز کو اٹھا کر لیا ہے اور ہم اسے بھارت سے جا رہے مسافروں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ کئی عورتوں تو چیخیں نکل گئیں۔ جہاز کی دوسری طرف بھی ایک سیٹ پر سے اچھل کر درمیان میں آ گیا۔ اس کے

دستی ہم تھا۔ اس نے چلا کر کہا اگر کسی نے ذرا بھی حرکت کی تو میں دستی ہم مار کر اس کو دھماکے سے اڑا دوں گا۔

مسافروں کے چہرے اتر گئے۔ رنگ زرد ہو گئے۔ ایرسٹریٹس طرف پریشان ہو کر کھڑی ہوئیں۔ کین کے اندر جو اس نے دونوں پائیلٹوں کو پستول دکھا کر حکم دیا اس جہاز کا رخ اسلام آباد کی بجائے دہلی کی طرف موڑ دیا جائے۔ پھر پہلے تو ہائی جیکر کو سمجھانے کی کوشش کی۔ پھر بھانہ بنایا کہ جہاز میں اتنا تیل نہیں ہے۔ ہائی جیکر نے ہوں گے کہ ایک اونچا لمبا آدمی اٹھ کر پائیلٹ کے کین کے پاس گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک دوسرا آدمی بھی چل پڑا۔ پہلا آدمی پائیلٹ کے کین میں یعنی کاک پیٹ گھس گیا اور دوسرا کین کے باہر کھڑا ہو گیا پھر اچانک نے جیب سے پستول نکال کر تان لیا اور گرج کر کہا

خبردار! کوئی مسافر اپنی جگہ سے مت ہلے۔ ہم جہاز کو اٹھا کر لیا ہے اور ہم اسے بھارت سے جا رہے مسافروں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ کئی عورتوں تو چیخیں نکل گئیں۔ جہاز کی دوسری طرف بھی ایک سیٹ پر سے اچھل کر درمیان میں آ گیا۔ اس کے



اس نے سوچا کہ اگر وہ اس ہائی جیکر کا پستول چھینتی ہے  
 دوسرا ہائی جیکر دستی بم مارکر جہاز کو اڑا دے گا اور سارے  
 سارے مسافر ہلاک ہو جائیں گے۔ ماریا سوچنے لگی کہ  
 کیا کرنا چاہیے کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ جو جہاز اعز  
 دہی جائے اور مسافروں کو پریشانی ہو۔ یہ پاکستان کی بل  
 جی تھی کہ اس کی فضاؤں میں جہاز کو ہائی جیکر کیا گ  
 ماریا پائیلٹ کے کیبن میں داخل ہوئی تو دیکھا  
 دوسرے ہائی جیکر نے پائیلٹ کی پیشانی کے ساتھ پر  
 لگا رکھا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ سب سے پہلے تو  
 قابو میں کرنا چاہیے۔ دونوں پائیلٹ پریشانی کی حالت  
 بیٹھے جہاز چلا رہے تھے۔ اچانک ایئر ہوسٹس  
 ہوئی اندر داخل ہوئی اور بولی۔

کیپٹن! ایک مسافر بے ہوش ہو گیا ہے۔

ہائی جیکر نے پستول کا رخ اس کی طرف کر

اور غصے میں چلایا

”دفع ہو جاؤ یہاں سے“

ایئر ہوسٹس خاموشی سے باہر چلی گئی۔ ہائی جیکر کی

کی نالی اب پائیلٹ کی پیشانی سے ہٹ گئی تھی۔

منہری موقع تھا۔ ماریا نے ہائی جیکر کے ہاتھ پر اپنا



بارہ فوراً ساٹھا کر جہاز کے اندر دیکھا۔ پھر جلدی سے باہر نکل گیا۔ کیونکہ کیبن کے باہر دوسرا بی جیکر مسافروں پر پستول تانے لکھڑا تھا جبکہ ان کے تیسرے ساتھی نے ہاتھ میں دستہ تمام رکھا تھا۔ صورت حال ابھی تک خطرناک تھی۔ اس نے اپنے ساتھی پائیلٹ کو بتایا کہ معاملہ ابھی تک خطرناک ہے۔ وہ اب دستی بم والے بی جیکر کو قابو کرنا چاہتی تھی کیونکہ یہ شخص بم چلا کر سارے کے سارے جہاز کو تباہ کر سکتا تھا۔ ماریا نے اس کی پتلون کی پچھلی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس کا ہتھوڑا نکال لیا۔ ہتھوڑے کے پاس آتے ہی غائب ہو گیا۔ ماریا نے ہتھوڑے کو کھولا۔ اس میں کچھ امریکی ڈالر تھے اور ایک خوبصورت لڑکی کی تصویر بھی تھی۔ تصویر کی طرف نظر نہ کیا تھا۔

میں تمہارا انتظار کروں گی۔ کھلا۔

یہ ضرور بی جیکر کی بیوی یا دوست تھی۔ ماریا نے ہتھوڑے بند کر کے بی جیکر کی جیب میں واپس رکھ دیا۔ پھر اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر سرگوشی میں کہا۔ میں کھلا ہوں۔ تم سے ملنے آئی ہوں۔

بی جیکر ایک دم سے چونک اٹھا۔ اس نے اوم دیکھا پھر سوچا کہ یہ اس کا دہم تھا۔ بھلا کھلا کی آواز

سے آسکتی تھی۔ ماریا نے ایک بار پھر اپنا منہ اس کی طرف منسوب کیا۔ اس نے اپنے ساتھی کے پاس سے جا کر کہا۔ تم نے مجھے پہچان نہیں۔ میں کھلا ہوں۔ بی جیکر اب خوف زدہ ہو کر پیچھے کو ہٹا تو ماریا نے اس کے ہاتھ کے نیچے زور سے ہاتھ ملا۔ دستی بم کی امیج اس کی نگاہ میں تھی۔ دستی بم فضا میں اچھلا۔ اس سے پہلے کہ دستی بم نیچے گرے ماریا نے اسے فضا میں ہی اچک لیا۔ ہتھوڑے غائب ہو گیا۔

بی جیکر نے پیچ کر اپنے پستول والے ساتھی سے کہا۔ جہاز میں جھوٹ آگیا ہے۔ فائر کرو۔

دوسرے بی جیکر نے ایک دم سے دو فائر کر دیئے۔ جہاز کی چھت میں لگیں۔ مسافروں میں چیخ و پکار مچ گئی۔

اتنی دیر میں ماریا فضا میں تیرتی ہوئی۔ تیسرے بی جیکر نے سر پر پہنچ چکی تھی۔ اس نے آتے ہی بی جیکر کی گردن پر ہاتھ مارا کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ کے بل جہاز کے فرش پر گر پڑا پستول اس کے ہاتھ سے پھٹ کر دور جاگرا۔

ایک ایئر ہوسٹس نے پیک کر پستول تمام لیا۔ مسافروں نے دستی بم والے بی جیکر کو قابو میں کر لیا۔ کیبن سے ایک پائیلٹ



رہا لگی تھا۔ دو دن تک بیکر رہ گئے تھے ایک کو گرفتار کر لیا  
 جہاز کے کیپٹن نے سافروں کی طرف اشارہ کیا کہ  
 خواتین و سفروں! ہم نے ان جیکروں کی بیکر  
 بناد رکھی ہے۔ جہاز ان جیکر ہونے سے بچا گیا ہے۔  
 ہم اسلام آباد کی طرف جا رہے ہیں۔  
 سفروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔  
 کیپٹن میں آتے ہی پائلٹ نے دوسرے سے کہا  
 یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟  
 ائر پوسٹس بھی آگئی۔ اس نے کہا  
 کیپٹن! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی  
 طاقت نے ہماری مدد کی ہے۔  
 کیپٹن سکرایا۔

کوئی غیبی طاقت نہیں ہوتی۔ بس یہ ایک اتفاق تھا  
 ہو گئی ہے کہ ان جیکروں پر اچانک کسی بیماری نے حملہ  
 اور دو مر گئے اور ایک بے بس ہو کر ہمارے قابو میں آ گیا  
 ماریا یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ اسے کیپٹن پر  
 غصہ آیا کہ کیپٹن اس کا احسان ہی نہیں مان رہا۔ اگر  
 نے کسی پر احسان کے لئے نہیں بلکہ مسافروں کی زندگیوں  
 اور پاکستان کے وقار کو بچانے کے لئے یہ سب کچھ

ہوا میں اسے یہ امید دھنی کہ کیپٹن پائلٹ کسی غیبی طاقت  
 جو شاق اڑائے گا۔  
 مسافر پھر سے مطمئن ہو کر اپنی اپنی جگہوں پر آ رہے  
 تھے۔ دونوں ان جیکروں کا دھنیں بچھے کیپٹن ان کے  
 دوسری عملی تھیں۔ سب سے ان جیکر کو جہاز کے کپڑے  
 سے جکڑ کر ڈال دیا گیا تھا۔ ائر پوسٹس کو یقین تھا کہ جہاز  
 میں کوئی ایسی غیبی طاقت داخل ہو گئی ہے جس نے ان کی  
 مدد کی ہے۔ اس غیبی طاقت کو وہ اس سے پہلے پانی کا  
 ٹھاس غالب کرتے دیکھ چکی تھی۔ ماریا کیپٹن پائلٹ کو غافل  
 کرنے کے لئے اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اسلام آباد کا  
 ائر پورٹ قریب آ رہا تھا۔ جہاز کی سکریا پر سے پڑا  
 نظر آنے لگا تھا۔

کیپٹن نے اسلام آباد ائر پورٹ کنٹرول ٹاور سے دن میں  
 پر اترنے کی اجازت مانگی جو اسے فوراً مل گئی۔ کیپٹن جہاز  
 کو نیچے اتارنے لگا۔ اس نے جہاز کے پہلے کھولے ٹیپ  
 ماریا فضا میں کوئی شہادت نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جہاز آہستہ  
 آہستہ نیچے آتے آتے دن دے کے ساحل تک گیا اور  
 تیزی سے دوڑنے لگا۔  
 جب جہاز رگ گیا تو پائیس کی گولی شہر چل چلائی



اے ایس پی صاحب نے پوچھا  
کیپٹن کیا بات ہے؟  
کیپٹن کھیانا سا ہو کر مسکرایا  
کچھ نہیں سر

اب ماریا نے کیپٹن کے سر پر سے اس کی ٹوپی اتار  
کر غائب کر دی۔ اب تو کیپٹن بوکھلا گیا اور گھبرا کر وہ  
کنٹرول ٹاور کی طرف چلا۔ ماریا نے اسے دھکا دے کر  
گرا دیا۔ کیپٹن زمین پر گرا تو چھٹی چھٹی آنکھوں سے تھکنے لگا  
"مائی گارڈ! یہ میسر ساتھ کیا ہو رہا ہے؟"  
ماریا نے اس کے کان کے قریب آکر کہا  
"تمہیں سبق سکھایا جا رہا ہے"

کیپٹن نے ایک عورت کی آواز سنی تو پریشان ہو کر دائیں  
بائیں تھکنے لگا۔

تم ..... تم کون ہو؟

ماریا نے کہا

"جس نے ہائی جیکروں کو قابو میں کیا تھا جس نے  
تمہارے جہاز کو ہائی جیک ہونے سے بچایا ہے اور  
جس کے پاس تمہارا بریف کیس اور ٹوپی ہے۔ میں وہی  
غیبی طاقت ہوں۔ کیا تم اب بھی غیبی طاقت کو نہیں

طرف دھڑی۔ کیونکہ پولیس کو ہائی جیکنگ کی خبر مل چکی  
کیپٹن مسکراتا ہوا سیٹ سے اٹھا اور کاک پٹ کے  
پر کھڑا ہو گیا۔ میزجی لگ چکی تھی وہ بریف کیس اٹھا کر  
اترا۔ پولیس نے دوسری طرف سے جہاز میں داخل ہو کر  
ہائی جیکر کو قابو میں لے لیا تھا۔

ماریا بھی کیپٹن کے ساتھ ساتھ تھی۔ جوڑنی کیپٹن  
سے آکر کہہ بیچے آیا۔ ماریا نے اس کے ہاتھ سے بریف  
ایک جھٹکے سے چھین لیا۔ بریف کیس غائب ہو گیا۔ کیپٹن  
بکا بکا ہو کر رہ گیا۔ ابھی بریف کیس اس کے ہاتھ میں  
وہ حیران ہو کر دیکھنے لگا۔ اے ایس پی صاحب نے  
سے ہاتھ ملا کر جہاز کے اغوار ہونے سے بچ جانے پر  
مبارکباد دی۔ ائر ہوسٹس نے دیکھ لیا تھا کہ کیپٹن  
بریف کیس غائب ہو گیا ہے۔

کیپٹن ہاتھ ملا کر ایک طرف کھڑے ہو کر جہاز کی طرف  
دیکھنے لگا۔ دل میں حیران تھا کہ اس کا بریف کیس  
چلا گیا؟ اس بریف کیس میں اس کے ضروری کاغذ  
تھے۔ اچانک اسے بریف کیس چند قدم کے فاصلے  
زمین پر پڑا دکھائی دیا۔ کیپٹن نے لپک کر اسے  
چاہا۔ بریف کیس پھر غائب ہو گیا۔



کیپٹن اٹھ کھڑا ہوا اور پتلون کو جھاڑتے ہوئے بولا۔  
 مجھے معاف کر دو۔ تم جو کوئی بھی ہو۔ میں تمہیں ماننا ہے  
 ماریا مکرانے لگی۔ اس نے برلیف کیس اور ٹوپی کیپٹن  
 کے سامنے رکھ دی۔ اپنے سامنے برلیف کیس اور ٹوپی کو  
 دیکھ کر کیپٹن نے مسکراتے ہوئے کہا  
 غیبی طاقت تمہارا شکریہ۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا اور وہاں سے ایئر پورٹ  
 کے گیٹ کی طرف پرواز کر گئی۔ ایئر پورٹ کے باہر کافی  
 پولیس کھڑی تھی۔ اخبار نویس بھی جہاز کے اعضاء ہونے کی  
 اطلاع پا کر وہاں پہنچ گئے تھے۔ ماریا زمین سے بیس فٹ  
 بلند ہو کر فضا میں اڑتی ہوئی اسلام آباد شہر کی طرف چل پڑی  
 اسلام آباد میں سہ پہر کا وقت تھا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ ہائی  
 پر کاریں دوڑ رہی تھیں۔

ماریا درختوں اور بجلی کے کھمبوں سے اوپر ہی اوپر اڑتی  
 ہوئی راولپنڈی کے قریب ہائی وے کی ایک جانب آباد  
 ایک کالونی کے قریب سے گزری۔ یہاں سے بڑی خوبصورت  
 کوٹھیاں دکھائی دیں۔ ماریا بچے آگئی اس نے دیکھا کہ ایک  
 بورڈ پر فیصل کالونی لکھا تھا۔ وہ ایک کوٹھی کے قریب آئی۔

اس پر نمبر ۳۶ لکھا تھا۔ اس کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں  
 ماریا نے دو لڑکیوں کو دیکھا کہ سکول کا کام کر رہی تھیں۔ ماریا  
 ڈرائنگ روم میں آگئی۔  
 ایک لڑکی دوسری سے کہنے لگی  
 شاہدہ! رات تم نے ٹی وی سیریل تنہائیاں دیکھا تھا؟  
 شاہدہ بولی۔

ہاں۔ میں جھلا اسے دیکھنا قبول کرتی ہوں۔ ہائی گاؤ  
 مرید خان تو میری پسندیدہ آرٹسٹ ہے۔  
 ماریا خاموشی سے ایک طرف کھڑی ان کی باتیں سنتی  
 رہی۔ پہلے اس نے سوچا کیوں نہ ان لڑکیوں سے تھوڑی سی  
 بات کر لی جائے پھر اسے خیال آیا کہ کہیں لڑکیاں ڈر کر  
 بے ہوش نہ ہو جائیں۔ چنانچہ وہ شاہدہ اور اس کی سہیلی کو  
 اب اس کا رشتہ راولپنڈی شہر کی طرف تھا۔

پنڈی شہر وہاں سے بہت قریب تھا۔ ماریا فضا میں اڑتی  
 ہوئی راولپنڈی کے صدر کے علاقے میں آگئی۔ پنڈی شہر  
 میں اس قدر رش اور ٹریفک کا شور تھا ماریا کی طبیعت  
 گھبرانے لگی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اسے لاہور شہر  
 کی طرف چلنا چاہیے۔ چنانچہ وہ فضا میں کافی بلندی پر



پہلی گئی اور اپنا رخ لاہور کی طرف کر کے اڑنا شروع کر دیا۔ وہ زمین سے بہت اوپر تھی اس نے پی آئی اسے کے نوکر جہاز کو بھی لاہور کی طرف جاتے دیکھا۔

ماریا جہاز کی کھڑکیوں کے پاس آگئی۔ اس نے کھڑکی کے گول شیشے میں سے اندر جھانکا۔ اندر مسافر آرام سے بیٹھے اخبار رسالے پڑھ رہے تھے۔ کوئی بچہ کچھ کو سلا رہی تھی۔ کوئی کوکا کولا پی رہی تھی۔ ماریا یونہی مذاق سے کھڑکی کے شیشے پر زور سے تین بار دھکی دئی اور شیشے کے ساتھ منہ لگا کر کہا

مجھے اندر بلا لو۔ باہر بہت ٹھنڈ ہے۔

اندر بلا لو۔

اس کھڑکی کے پاس ایک گول مٹول پیٹ آدمی بیٹھا تھا اس نے پہلے تو خیال نہ کیا۔ جب وہ بار ماریا نے دستک دے کر آواز دی تو اس کا اڑ گیا۔ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھیں۔ ماریا نے شیشے پر ٹھک ٹھک کر کے کہا مجھے اندر بلا لو۔ کھڑکی کھول دو۔

اب تو اس مسافر کی جان ہی نکل گئی زور سے جہاز کے باہر کوئی جھوٹ ہے۔

سارے مسافر اسے کہنے لگے۔ ائیر ہوسٹس جلدی سے اس کے پاس آکر اسے تسلی دینے لگی۔ دوسری ائیر ہوسٹس نے مسافر کو پانی پلایا اور کہا

- آپ لیٹ جائیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔

ماریا اب جہاز کے اندر آگئی۔ اس نے ائیر ہوسٹس کے کٹے ہوئے خوبصورت بالوں کو قلم ساکھینچ کر کہا اری سرخی پاؤڈر لگا کر جوتنی بنی ہو۔ میں تمہارا جوت ہوں میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ چلو میرے ساتھ۔

ائیر ہوسٹس غش غش کھا کر دھڑام سے گر پڑی

ماریا ہنستے ہوئے جہاز سے باہر نکل گئی۔ اب اس نے

اپنی رفتار جہاز سے بھی زیادہ تیز کر دی اور لاہور کی طرف پرواز کرنے لگی۔ اس کے نیچے سے جہلم لالہ موٹلی۔ بگڑات۔ وزیر آباد اور گوجرانوالہ بڑی تیزی سے نکل گئے۔ اسے لاہور کی بادشاہی مسجد کے مندرجہ ذیل اور گنبد نظر آنے لگے۔

ماریا کو لاہور شہر بہت پسند تھا وہ اس سے پہلے بھی کئی بار لاہور آچکی تھی سب سے پہلے تو اس نے لاہور شہر کا ایک چکر لگایا اور پھر شہر کی ایک ایک سڑک، ایک ایک گلی کو



دیکھا۔ پھر ماڈل مائون میں اس کو ٹھہر دیکھ کر جاوید آگے بڑھا کہ عورت کو بچا سکے۔ جب وہ  
 کے پاس اتر آئی جہاں کبھی اس کی ایک دوستہ ان سے کچھ دور تھا تو اس آدمی نے عورت کو دھکا  
 عزالہ رہا کرتی تھی۔ ماریا جب عزالہ کی کوشش پر پہنچی تو دھکے کر نیچے گرا دیا۔ پھر وہ بھی اس کی نظر جاوید پر پڑی  
 کوئی میں نہیں تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ عزالہ کے والدین تو اس نے شور مچا دیا۔ جھاگو دوڑو مدد کرو اس نے میری  
 اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے کسی عورت سے باتیں کر رہے تھے۔ میری بیوی کو دھکا دے کر نیچے گرا دیا ہے۔ یہ ہمیں روٹنے آیا  
 نے محسوس کیا کہ یہ دونوں بہت ننگین اور اُداس ہیں۔ اور تھا۔ شور سن کر لوگ آئے اور جاوید کو پکڑ لیا۔ اس آدمی  
 آپس میں کسی موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔ ماریا کھڑکی کے ریلے لگنے لگوں کو فوراً ایک جھوٹی کہانی گھڑ کر سنا دی کہ میں اپنی  
 کمرے میں داخل ہو گئی کہ جان سکے کہ اس کی پیاری دوستہ بیوی کے ساتھ یہاں سیر کرنے آیا تھا اور ہم دونوں  
 اور سہیلی کے والدین کیوں اُداس ہیں۔ اور اس عورت کو کیا یہاں بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھ کر وادی کی سیر کا لطف اٹھا  
 ہیں۔ ماریا نے سنا کہ عزالہ کی والدہ اس عورت سے کہہ رہے تھے کہ اچانک یہ رڈ کا نمودار ہوا اور آتے ہی اس  
 تھی۔ ہمارا بھانجا تو بالکل بے قصور ہے پولیس نے یونی نے میری بیوی کو دبوچ لیا اور کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس  
 قتل کے الزام میں پکڑ لیا ہے۔ وہ تو گرمیوں کی چھٹیاں بہت میرے حوالے کر دو درندہ میں تمہاری بیوی کو پہاڑیوں  
 تو چند روز کے لیے مری گیا تھا کہ چلو کچھ سیر سپاٹہ ہو جائے۔ اس نے اس کو لاکھ کہا کہ اس  
 جانے وہ کون سی گھڑی تھی کہ انہوں نے اُسے گھیر کر لے گئی۔ وہ وقت میرے پاس کچھ نہیں میری جیب میں صرف چار  
 کے بعد ایک دن سیر کے لیے شکر پڑیاں گیا تو دیکھا کہ ایک پانچ روپے ہیں۔ وہ تم سے لے لیا اور میری بیوی کو چھوڑ  
 اور مرد میں تھکڑا ہو رہا ہے۔ اور مرد عورت کو پیٹ رہا ہے۔ اس نے یہ سن کر کہا کہ اپنے بازو پر بندھی گھڑی  
 اور اُسے دھکا دے کہ پہاڑیوں سے نیچے گرانے کی کوشش کر رہا ہے اور عورت ہر ممکن طریقے سے اپنا بچاؤ کر رہی ہے۔  
 ان دونوں کی نظر جاوید پر نہ تھی لیکن وہ دیکھ رہا تھا۔

کہ تم گھڑی نہ رہو ہمارے ساتھ جو مل جیو میں تم کو نہیں۔ کیونکہ بیوی کے قاتل نے اس تھانہ کے انچارج  
ایک ہزار روپے ادا کر دیوں گا۔ اور تم کسی قسم کا ایک بڑی رقم رشوت کے طور پر دے دی تھی کہ قاتل  
دی کہ فوراً گھڑی اتار کر دے دو۔ ورنہ میں تمہارے اس کے خلاف آج پہلا بیان بیوی کے قاتل کا ہوگا۔  
خیال سے پیچھے ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس وقت جاوید کے خلاف جہاد ہے ہیں۔ اور وہ بے چارہ  
صرف مجھے ڈرا رہا ہے۔ اس نے پھر مطالبہ کیا ہے۔ مطابق باقی گواہ ہیں وہی کہانی بیان کریں گے جو ان کو  
نے ابھی انکار کے لفظ پر دہری طرح ادا بھی کیے تھے۔ اور غزالہ اسی سلسلہ میں مری گئی ہوتی ہے۔  
کہ میں نے دیکھا اس نے میری بیوی کو دھکا دے کر مار دیا۔ جب یہ کہانی سنی تو اُسے بہت دکھ ہوا۔  
سے نیچے کھڑے میں گر دیا۔ اس کی پیاری سہیلی کا خالہ زاد بھائی بے گناہ پکڑ لیا۔

لوگ جاوید کو پکڑ کر تھانے لے گئے اس آدمی نے جو کہانی بیان کی اس کے مطابق تھانہ میں رپورٹ دی جاسکتی ہے۔ مجھے اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اس وقت  
کر کے جاوید کو قتل کے الزام میں پکڑ لیا گیا۔ گواہ کے چھ بجے تھے۔ عدالت کا وقت نو بجے کا ہوتا  
کچھ لوگ بیان کی ہوئی کہانی کے مطابق بن گئے۔ مجھے اتنے وقت میں مری پہنچ جانا چاہیے۔  
موقع پر کوئی بھی موجود نہ تھا۔ جاوید کو والدین کو پتہ نہ چلا۔ جاوید کی طرف پرواز کر  
تو وہ تھانہ گئے۔ جاوید نے جو واقعہ ہوا اُن کو بتایا اس کے والدین نے پولیس کو بہت سمجھانے کی کوشش کی  
ہمارا پیچھے بے قصور ہے۔ اس آدمی نے نہ جانے کتنے کمرے کے باہر لوگ کھڑے ہیں۔ مارا یا ایک  
اپنی بیوی کو خود ہلاک کر دیا ہے۔ لیکن وہاں کسی نے



کہ جس کے پاس کہ میں نے لکھی تھی کہ جاوید کا پتہ  
 ملے۔ وہ پتہ کہ جس کے گھر میں وہ گھوم رہی تو ایک کمرے  
 باہر اس نے دیکھا کہ ایک جوان لڑکے کو پچھلیں چلی  
 نکلتے کھڑی ہے۔ اسے شک ہوا کہ یہی جاوید ہوگا  
 کے پاس ایک بوڑھا مرد اور ایک بوڑھی عورت  
 ماریا اُن کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ چند منٹ تک خاموشی  
 رہی۔ اچانک بوڑھی عورت بڑکے کو مخاطب ہو کر بولی  
 غور کرو۔ اللہ رحمہ کرے گا۔ ہاں ایک بات یاد رکھو  
 کوئی انسان ابھی لے یا جانے میں کوئی تردد تکبر کی  
 کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے سزا دینے کے لیے  
 نہ کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ شاید تم سے  
 ایسی کوئی بات ہو گئی ہو اور تم ایک ناکردہ جرم میں  
 ہو گئے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے گا۔ ماں کی  
 اولاد کے لیے بڑی چیز ہوتی ہے۔ میں دن رات تمہارے  
 دعا کرتی ہوں اللہ تعالیٰ تمہاری اس مصیبت کو جلد دور  
 کرے اور تم رہا ہو جاؤ گے۔ اس کے لیے تم  
 تصور ہو۔ ماریا نے جاوید کا نام سن کر اُس کی طرف  
 اور دل میں ایک فیصلہ کر لیا کہ جاوید کو پچانے کے  
 اس نے کیا طریقہ اختیار کرنا ہے۔

عرات کا وقت ہوا تو آواز پڑی۔ ماریا کی جاوید کو ملے  
 کہ عدالت میں داخل ہونے تو ماریا کے دیکھا کہ اُن کے ساتھ  
 ایک آدمی جو کہ بڑا سمارٹ اور چلاک نکرتا تھا۔ مسکراتا  
 ہوا عدالت میں داخل ہو رہا تھا۔ ماریا نے اندازہ لگایا کہ یہی  
 شخص اپنی بیوی کا قاتل ہو گا۔ جو جاوید کے عدالت پہنچنے  
 کے لیے آیا ہے۔  
 جب عدالتی کارروائی شروع ہوئی تو بطور گواہ کے  
 بیوی کا قاتل کٹہرہ میں آیا۔ جو بھی وہ کٹہرا میں داخل ہوا  
 ماریا اس کے قریب گئی اور اس کے کان میں کہا میں تمہاری  
 بیوی کی روح ہوں تم عدالت میں جو کچھ کہو گے سچ  
 کہو گے۔ اگر تم نے جھوٹ بولا تو میں خود عدالت کو بتا دوں  
 گی کہ میرا قاتل میرا شوہر ہے۔ میری آواز تم سن رہے  
 ہو تو یقین کر لو میری آواز عدالت میں بیٹھا سچ بھی سن  
 سکتا ہے۔ تم جھوٹ نہیں بولو گے۔ تم میرے قابو  
 میں ہو اور تمہارا دماغ میرے قبضہ میں ہے۔ بیوی کا  
 قاتل ساکت ہو کر رہ گیا کہ میری بیوی کی روح یہاں  
 کہاں سے آگئی۔ اس نے اپنے آپ کو بھٹکا دیا اور دل  
 میں کہانیاں یہ میرا وہم ہے۔ لیکن ماریا نے دوبارہ اُس  
 سے کہا۔ کہ تم جھوٹ نہیں بولو گے تم میرے قبضہ میں ہو

وہی کہو گے جو اصل واقعہ ہے۔ ماریا کی اس گفتگو سے وہ آدمی  
 ہینٹاٹائزر ہو کر بد تو اس جو چکا تھا۔ جج نے جب کہا کہ وہ  
 بیان کیا جائے تو بیوی کا قاتل من گھڑت کہانی مہول چکا  
 وہ کہہ رہا تھا جناب میں نے اپنی بیوی کو خود ہی دھکا  
 گرایا تھا۔ ہماری شادی کو آٹھ ماہ ہو چکے ہیں۔ میں نے یہ  
 دولت حاصل کرنے کے لیے کی تھی۔ میں پہلے سے شادی  
 شدہ ہوں۔ میں نے اپنی اس بیوی اور اس کے والد  
 سے عیوٹ بولا تھا کہ میں غیر شادی شدہ ہوں۔ میری  
 بیوی بے عین بچے ہیں۔ شادی کے بعد میری دوسری  
 کے حصہ میں جو دولت آئی ہے وہ اس کی موت کے  
 ہی مجھے مل سکتی تھی۔ لہذا میں اس کی موت کے گھاٹ  
 کے لیے میر کے بھانے مری لے آیا۔ میں پر دگرم بنا چکا  
 تھا کہ مری میں میر کے جب اُدھر اُدھر جائیں گے تو  
 اسے دھکا دے کر نیچے گرادوں گا۔ اور کہہ دوں گا  
 اس کا پاؤں پھسل گیا اور یہ کھڑے میں گر کر مر گئی۔  
 یہ ہوا کہ جس روز میں یہ پر دگرم بنا کر شکر پڑیاں  
 کہ اپنی بیوی کو ہلاک کر دوں گا۔ ہم دونوں میں کسی بات  
 پر معمولی سی تکرار بھی ہو گئی۔ میں تو یہ سٹ کر کے آیا تھا کہ  
 اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس تکرار سے حالات اُدھر

بھی خراب ہو گئے۔ اور میں نے اسے دھکا دے دیا۔  
 کو اچانک میرے سامنے جاوید آگیا۔ نہ جانے میرے  
 توہن میں کیسے یہ بات آگئی کہ میں نے شور مچا دیا کہ جاوید  
 نے میری بیوی کو دھکا دے کر ہلاک کر دیا ہے۔ اور میں  
 نے تھانہ کے پولیس آفیسر کو بھاری رشوت بھی اس سلسلہ میں  
 دی تھی کہ وہ مقدمہ جاوید کے خلاف مضبوط بنائے تاکہ  
 مجھ پر شک نہ ہو۔ اس کے بعد عدالت برخواست ہو گئی۔  
 دوسرے گواہ بھی عدالت میں موجود تھے وہ یہ بیان سن  
 کر حیران رہ گئے۔ اور اپنے کئے پر بہت شرمندہ ہوئے  
 کہ ان کی وجہ سے جاوید کو کن حالات سے دوچار ہونا  
 پڑا حالانکہ ان لوگوں نے اس واقعہ کو ہوتے دیکھا نہ تھا صرف  
 ملزم کے بیان پر یقین کر کے اس کی باں میں باں ملا کر  
 جاوید کو ملزم بنا دیا۔  
 دوسرے روز جب عدالتی کارروائی شروع ہوئی تو  
 تمام گواہوں نے بیان دیا کہ ہمیں خط راستہ پر ڈال دیا گیا  
 تھا۔ ملزم نے جو بیان دیا ہے وہ درست ہی ہو گا۔ کیونکہ  
 پہلی بھوٹی کہانی بھی ہم نے اس کی زبان سے سنی تھی۔ ہم  
 جاوید اور عدالت سے معذرت خواہ ہیں کہ خواہ منواد ایک  
 سنی سنائی بات پر یقین کر لیا ہم عدالت اور جاوید سے



معافی چاہتے ہیں۔ ان بیادوں کے ختم ہونے کے بعد عدالت نے حکم دیا کہ جاوید کو رہا کر دیا جائے اور نیوی کے قاتل کو گرفتار کر کے دوبارہ مقدمہ عدالت پیش کیا جائے۔ اور جس پولیس آفیسر نے مقدمہ پیش ہے اس کے خلاف رشوت لینے اور جھوٹا مقدمہ بنا کر رپورٹ درج کر کے پیش عدالت کیا جائے۔

جاوید رہا ہو گیا ماریا اپنی اسی کامیابی پر بڑی فخر محسوس کیونکہ اسے یقین نہ تھا کہ اتنی آسانی سے یہ کام ہو جائے گا۔ اور محرم اتنی آسانی سے قابو آجائے گا۔ جاوید کے ماں باپ بھی بڑے خوش تھے۔

ماریا نے پہلے سوچا کہ جاوید کے ساتھ اس کے گھر تک جائے۔ اور غزالہ کو مل کر تمام صورت حال بتائے کیونکہ غزالہ اسے کچھری میں نظر نہ آئی تھی۔ پھر یہ سوچ کر ٹھیک ہے میں نے یہ کام اپنی سہیلی غزالہ کی خاطر ہی کیا ہے۔ مگر احسان بتانے کا کیا فائدہ؟ مجھے اب لاہور واپس چلنا چاہیے۔ اور وہ لاہور کی طرف چل دی۔ دو تین روز وہ ادھر ادھر ٹھہرتی رہی اور ایک دن یہ سوچ کر کہ میں غزالہ کو یہ واقعہ نہیں بتاؤں گی۔ صرف مل کر آجاؤں گی خدا جلنے پھر کبھی لاہور آنا نصیب ہو یا نہ ہو وہ غزالہ کی کوئی کی طرف چل دی۔

## مندرجہ ذیل سانپ

ماریا نے کوٹلی کے اندر باہر گھوم پھر کر دیکھا اسے غزالہ کہیں نظر نہ آئی۔ شاید وہ مری سے ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ غزالہ کی ماں باپ بوڑھے ہو چکے تھے۔ ماریا نے ان سے بات کرنی مناسب خیال نہ کی اور وہاں سے پرواز کر گئی۔ اب وہ جی ٹی روڈ پر واہگہ باؤر کی طرف جا رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ واہگہ باؤر سے ملک انڈیا یعنی بھارت کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔

باؤر پر جا کر اس نے دیکھا کہ باؤر بند ہے۔ ان دنوں بھارت کے صوبے پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کے فساد ہو رہے تھے۔ جن کی وجہ سے بھارت کی حکومت نے پنجاب کی سرحد کو غیر ملکی مسافروں کے لئے بند کر دیا تھا۔ مگر ماریا کے لئے یہ بندش کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ باؤر کے اوپر سے اڑتی ہوئی بھارت کے ملک میں داخل ہو گئی۔

اس نے دیکھا کہ امرتسر شہر کو جاتی سڑک بالکل سنسنی  
یا عورت نہیں ہے۔ ماریا سڑک سے پندرہ فٹ بلند  
ہوا میں تیرتی چلی جا رہی تھی۔ آگے پختی میں کے فاصلے  
انڈیا کا پہلا شہر امرتسر تھا جہاں سکھوں کا مشہور گرودار  
ٹپل ہے اور ہندوؤں کا مشہور مندر درگیا مندر ہے۔  
نے سوچا کہ وہ آگے جا کر کیا کرے گی۔ واپس ہی  
چلے جانا چاہیے۔

یہ سوچ کر وہ بائیں جانب کھیٹوں کے اوپر مڑ گئی۔  
اب ایسا ہوا کہ وہ واہگہ باؤڈر سڑک کے ذریعے  
کرنے کی بجائے کھیٹوں کی طرف ہو گئی تھی کہ دریا کی  
سے پاکستان میں داخل ہوگی۔ وہ اڑتی جا رہی تھی۔ ابھی  
کی سرحد دور تھی ماریا ابھی تک ہندوستان کے علاقہ میں ہی تھی  
اڑتے اڑتے اس نے نیچے دیکھا تو اسے چار سکھ  
جیب چلاتے دکھائی دیئے۔ اس جیب میں ایک اٹھارہ  
سال کا لڑکا بھی بیٹھا تھا۔ جس کے ہاتھ دسی سے پیچھے  
بندھے تھے۔ ماریا کو تشویش ہوئی کہ اس لڑکے کو  
ہندوستانی سکھ فوجی کیوں پکڑ کر لے جا رہے ہیں  
ماریا نے فضا میں ہنسی شائبہ کی طرف دیکھا اور پتہ

کات کر جیب میں آگئی۔ دو فوجی جیب کے آگے بیٹھے تھے  
دو سکھ فوجی جو پیچھے بیٹھے تھے۔ انہوں نے لڑکے کو پکڑ  
دیکھا تھا۔ لڑکے کا لنگ لڑو تھا۔ پیر سے یہ جوانیاں  
رہی تھیں اور بار بار روتے ہوئے کہتا۔  
"میں جاسوس نہیں ہوں جی۔ میں تو اپنے کھیٹوں  
میں راستہ بھول کر انڈیا کے علاقے میں آ گیا تھا۔ میں  
جاسوس نہیں ہوں۔"

سکھ فوجی نے اسے تھپڑ مار کر کہا  
"بکواس بند کر اونے۔ ہمیں معلوم ہے تم جاسوس ہو  
اور پاکستان سے تم ٹریڈنگ لے کر چارے ملک میں داخل ہوتے  
ہو اور وہاں ہوں کے دھماکے کرتے ہو اور ہندو سکھوں کو  
قتل کرتے ہو۔ ہمیں تو تمہاری تلاش تھی۔ اب کرنل مسٹر  
گڈکا پرشاد تیری ہڈیاں توڑ کر رکھنے لگا۔"

ماریا نے ان کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ یہ پاکستان  
لڑکا غلطی سے انڈیا کے علاقے میں آ گیا ہے اور یہ  
سکھ فوجی اسے جاسوس سمجھ کر پکڑ لے جا رہے ہیں  
کیونکہ بھارت کے صوبہ پنجاب میں جگہ جگہ ہم پھٹ رہے  
تھے اور ہندو سکھوں کو اور سکھ ہندوؤں کو ہلاک کر رہے  
تھے۔ اس لئے امرتسر میں کرنیو لگا تھا اور ساری راتیں



کھینچے سسٹن پڑے تھے کچھ بندوں کو اور بندہ کھینچ کر  
ایک دشمنی کی وجہ سے مدد دے تھے مگر جہاد کے حکم کے مطابق  
جہاد میں داخل کئے جہاد ہے۔ کچھ فوجی تھے کہ  
تھوڑے ایک اور ساتھی کو بھی ہم نے پھانسی  
مٹا وہ بھی ہماری قید میں پڑا ایچا ہڈیوں کو سینگ رہا  
تھوڑی بھی ایسی پریشانی ہوگی کہ ساری زندگی یاد کرو گے  
آگے بڑھتے ہوئے کچھ فوجی نے قہقہہ لگا کر کہا  
- اوتے یہ زندہ بچے گا تو یاد کرے گا۔ اس کو آتے ہوئے  
دوسرے پاکستانی جاسوسی کے ساتھ ٹوٹ کر دیا جائے گا۔  
مدیا چونکی ہو گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جو دوسرے  
پاکستانی لڑاکا ان کچھ فوجیوں نے پکڑ رکھا ہے۔ اسے بھی یہ گمان  
مدد دی گئی مدیا یہ کبھی بروداشت نہیں کر سکتی تھی کہ ایک  
بے گناہ سٹون لڑکے کو کچھ گولی مار کر ہلاک کر دیں۔ اس  
نے ان دونوں کو بچانے کا فیصلہ کر لیا اور کچھ فوجیوں کے  
جیب کے اوپر اس کے ساتھ ساتھ اڑنے لگی جیب  
اسر سہر میں داخل ہو گئی۔ اسر سہر شہر میں کرفیو لگا ہوا  
تھا۔ سارا شہر دیران تھا۔ سڑکیں سنان تھیں۔ کچھ فوجیوں  
کی جیب تیزی سے سڑکوں پر بھاگ رہی تھی۔ رام باغ کے

فوجی بیٹہ کوارٹر تھا۔ جیب بیٹہ کوارٹر کے گھٹے پر  
مدیا بھی جیب کے ساتھ ساتھ ہی تھی۔  
سٹون لڑکے کو جیب میں سے اٹھ کر فوجی بیٹہ کوارٹر کے  
سنگ دھڑک کر سے یہ بندہ کر دیا گیا۔ اس کے ہاتھ  
سنگ دھڑک گئے تھے۔ لڑکا روتے روتے ٹھٹھکیا تھا  
اس کے آٹھویں ٹھٹھکیا ہو گئے تھے۔ مدیا جیب اس کو  
کھڑی میں داخل ہوئی تو وہ سردوار کے ساتھ لپٹے سکھوں  
پر تے ہوئے اپنی من اور باپ کو یاد کر رہا تھا۔  
ای اے۔ چلے دشمن کے فوجیوں نے پکڑ لیا ہے۔ ای  
یہ بچے مار ڈالیں گے۔ یہ بچے مار ڈالیں گے۔  
اور لڑکا سسکیں ہم بھر کر روئے لگا۔ مدیا کو اس پر  
بے حد ترس آیا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ابھی اس پر اپنا آپہ  
اس عاجز کر دے مگر اس خیال سے رک گئی کہ کہیں لڑکا ڈر کر  
بے ہوش نہ ہو جائے۔ اتنے میں کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایک  
کچھ فوجی کے ساتھ ایک سربچہ کی شکل والا کالا کھوٹا فوجی افسر  
ساتھ میں ڈنڈا لئے داخل ہوا۔ لڑکا بچہ چارہ جیسی بھی  
نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ سربچہ نما آدمی افسر نے ڈنڈا  
پر اتے ہوئے کہا

لڑکے۔ مگر تو ہمیں بتا دے کہ پاکستان میں کس قسم کے جاسوسوں کو تحریکی کا دوا بیوں کی ٹریننگ دے کر ملک میں سمگل کیا جاتا ہے تو میں تمہیں ابھی آواز دے رہی ہوں تیرے گھر پہنچنی دوں گا لڑکے نے ہاتھ جوڑ کر کہا

اللہ میاں کی قسم ہے مجھے کچھ نہیں پتہ میں تو گھاؤں سے کمیٹوں میں جا رہا تھا کہ راستہ بھول کر علاقے میں آگیا اور مجھے فوجیوں نے پکڑ لیا۔ فوجی نے عزا کر کہا

لڑکے! میرا نام کرنل گنگا پرشاد ہے۔ میں سننے میں بڑے جاسوسوں کا سر جھکا دیا ہے تم کیا ہو۔ لیکن میں ایک بار پھر موقع دیتا ہوں کہ مجھے اپنے ساتھیوں اور شوٹ کر دیا جائے گا۔

میں تحریک کاروں کے ٹریننگ سنٹر کا پتہ بتا دو میں نے کچھ نہیں کہوں گا۔ اگر نہ بتایا تو تجھے ایک دوسرے جاسوس کے ساتھ گولی سے اڑا دیا جائے گا لڑکے نے گڑ گڑ کر کہا

حضور میں بے گناہ ہوں۔ میں جاسوس نہیں ہوں کچھ پتہ نہیں ہے۔ مجھے چھوڑ دیں۔ ہندو کرنل نے آگے بڑھ کر لڑکے کے منہ پر زہ

پھینک دیا۔ لڑکا بے چارہ پیچھے کو گر پڑا۔ ماریا کو سمجھ نہ آیا۔ کیونکہ معصوم لڑکے کی جگہ ہندو گنتی تھی۔ ماریا ہندو لڑکی کی گردن مروڑنے ہی والی تھی کہ اسے دوسرے پاکستانی لڑکے کا خیال آگیا جو ان کچھ فوجیوں کی قید میں تھا اور جس کے بارے میں ابھی ماریا کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں پر قید ہے ابھی ہندو کرنل پر حملہ کرنے سے معاملہ بگڑ سکتا تھا اور ہو سکتا ہے کہ وہ خفیہ طور پر اس لڑکے کو گولی سے اڑانے کا آرڈر کر دیتا۔

ہندو کرنل لڑکے کو یہ دھمکی دے کر پھنکاتا ہوا باہر نکلیا کہ اگر صبح تک اس نے پاکستان میں ٹریننگ سنٹر کا پتہ اور اپنے ساتھی جاسوسوں کے ایڈریس اور نام نہ بتائے تو اسے

بے چارہ بے گناہ معصوم مسلمان لڑکا اپنے گھر سہلاتا ہوا سر جھکا کر آہستہ آہستہ رونے لگا وہ اپنے امی ابو کو بھی روتے روتے یاد کر رہا تھا۔ ماریا کا دل رحم اور درد سے بھر گیا۔ اس نے لڑکے کو تسلی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنی آواز میں بڑی ملامت، انرمی اور شفقت پیدا کرتے ہوئے لڑکے کے قریب منہ لے جا کر آہستہ سے کہا۔

جاوید بیٹا۔ گھبراؤ نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔



یہ لڑکا بار بار اپنا نام لے کر اپنی امی اور ابو کو پکار  
تھا۔ جس کی وجہ سے ماریا کو اس کے نام کا پتہ چل گیا  
ماریا کی آواز سن کر لڑکا بے چارہ ٹوڑ کر دیوار کے  
لگ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کمرے کے چاروں  
دیکھ رہا تھا۔ ماریا نے جلدی سے کہا۔

جاوید! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بیٹا۔ میں  
داوی کی والدہ کی روح ہوں تمہاری پکار مجھے جنت  
یہاں کھینچ لائی ہے۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔

جاوید کو کچھ حوصلہ ہوا۔ اس نے کہا  
داوی اماں! میری مدد کرو۔ میں نے کوئی جاسوس  
کی یہ سکہ مجھے زبردستی پکڑ لائے ہیں۔

ماریا نے آہستہ سے کہا  
مجھے معلوم ہے بیٹا۔ اسی لئے تو میں تمہاری مدد  
آئی ہوں۔

جاوید نے بے تاب سے کہا  
داوی اماں! مجھے یہاں سے نکال کر میرے  
پہنچا دو۔ امی ابو کا بُرا حال ہو رہا ہوگا۔  
ماریا کہنے لگی۔

آہستہ بولو جاوید۔ سنو۔ ان سکہ فوجیوں نے اور کتے ہرے

کے کو قید کر رکھا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے ہمیشہ  
کے تمہارے ساتھ ہی پاکستان لے چلوں۔  
جاوید نے ایک ایسی بات کہہ دی جس کا ماریا کے پاس  
کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ بولا۔

داوی اماں تم تو جنت کی روح ہو۔ پھر تمہیں اس لڑکے  
بارے میں سب کچھ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کہاں ہے۔  
ماریا بولی۔

ہاں ہاں۔ بیٹا جاوید۔ مجھے معلوم ہے مگر میں تمہیں  
نہیں چاہتی تھی۔ اچھا تم ایسا کرو کہ اب خاموش ہو کر  
جاؤ۔ میں راست کے اندھیرے میں آؤں گی اور تمہیں یہاں  
نکال کر لے چلوں گی۔

جاوید کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ ماریا نے اسے چپ کر دیا۔  
ش! گارڈ اسرو دیکھ رہا ہے۔

گارڈ ایک سکہ سپاہی تھا جو کمرے کے باہر کھڑا پہرہ  
رکھتا تھا اس نے گردن سلانوں کے پاس لاکر ڈانٹا۔

کیوں اونے کس سے باتیں کر رہے ہو؟ خبردار چُپ  
رکھو۔ مٹھنے رہو۔

جاوید چُپ ہو گیا۔ ماریا نے جاوید کے کان میں سرگوشی

جاوید اب کوئی بات نہ کرتا۔ بس ایسے ہی بیٹھے رہے۔  
 رست کا اندھیرا ہوتا ہی تھا۔ اسے پاس آ جاؤں گی پھر  
 یہاں سے نکال کر لے چلوں گی۔ خدا حافظ!  
 ماریا اس حوالات سے باہر آ گئی۔

ماریا نے سوچا کہ پہلے جاوید کو اس موت کے متعلق  
 نکال کر اس کے گھر پاکستان پہنچا دینا چاہیے۔ اس  
 دوسرے لڑکے کا سراغ لگایا جائے گا۔ کیونکہ جاوید کا  
 بُرا حال ہو رہا تھا۔ ماریا رام باغ والے جھارتی فوجی  
 سے باہر نکل آئی۔ اس نے باہر کے ماحول کا جائزہ  
 یہاں مہم میں ایک سائبان کے نیچے کچھ فوجی گاڑیاں  
 تھیں۔ جگہ جگہ کچھ فوجی گھوم پھر رہے تھے۔ میڈیکل  
 بڑے گیٹ کے باہر دو کچھ فوجی سٹین گنیں  
 پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا نے اپنے حساب سے  
 جائزہ لیا اور ریلوے سٹیشن کی طرف آ گئی اب وہ  
 اندھیرا پھیلنے کا انتظار کر رہی تھی۔

ماریا کچھ دیر امرتسر کے ریلوے سٹیشن پر گھومتی  
 یہاں مسافر وجود تھے مگر گاڑیاں کرنیو کی وجہ سے  
 چل رہی تھیں۔  
 سٹیشن کو باقی سڑک پر سسٹان اور ویران تھی۔

فضا میں اڑتی ہوئی امرتسر کے مشہور باغ کہنی باغ میں  
 تھوڑی دیر وہاں سیر کرتی رہی۔ جب رات کا اندھیرا  
 چل گیا تو واپس رام باغ والے جھارتی فوجی میڈیکل ٹرک کی  
 بات روانہ ہوئی۔

ابھی تک شہر میں کرنیو لگا تھا۔ یہ بات جاوید کے  
 اس میں اس کو مدد سے لے سکتی تھی۔ میڈیکل ٹرک کے گیٹ  
 پہلی کا بلب روشن تھا اور کچھ چاہی پہرہ دے رہے تھے  
 سب سے پہلے جاوید کے حوالات نامکمل میں گئی بے چارہ  
 ماریا کے انتظار میں سوکھ رہا تھا۔ ماریا نے حوالات  
 جاکر اسے تسلی دی اور تیار رہنے کی ہدایت سے کر  
 ماریا نے فوجی میڈیکل ٹرک کے پیچھے کی طرف جاکر دیکھی

وہاں ساتھ ساتھ چار گھیرا بنے تھے جن میں چار فوجی گاڑیاں  
 تھیں۔ ماریا نے چاروں فوجی گاڑیوں کی پٹرول میٹکیوں  
 کے ڈھکن اٹھا کر انہیں ایک طرف سے ٹیڑھا کر دیا۔ پٹرول  
 ماریا نے دیکھا کہ ایک فوجی چند قدم کے فاصلے  
 پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا اس کے پاس آ گئی۔  
 پھر اس نے کچھ فوجی کے ہاتھ سے سٹین گن چھین لی  
 کچھ فوجی بوکھلا گیا کہ اس کی سٹین گن کس نے چھین لی ہے۔



جادیہ پھیل سیٹ پر سہا بیٹھا تھا۔ ابھی تک اس کے  
 متناقب میں کوئی فوجی گاڑی نہیں آئی تھی۔ ماریا نے اسے  
 چٹا کر کہا۔

میں تمہیں دریا کی طرف سے باڈر پار کراؤں گی۔ اس  
 سڑک پر خطرہ ہے۔  
 جادیہ نے کہا

مجھے رات کے اندھیرے میں راستہ نہیں آئے گا۔  
 ماریا نے کہا

میں دریائے راوی کے ذریعے باڈر پار کروں گی۔  
 جادیہ نے اس کو بتایا کہ ان گاؤں دریائے راوی کے  
 کنارے آباد ہے۔ ماریا نے جیپ کو کھیتوں میں ڈال دیا  
 کھیتوں کے آگے ایک گاؤں آگیا۔ ماریا تیزی سے جیپ  
 چلاتی گاؤں میں سے گزر گئی۔ اس کے بعد کھیت اور پھر  
 ویران مہرادی علاقے شروع ہو گئے۔ یہاں آبادی بالکل  
 نہیں تھی۔ اس جگہ بھارتی باڈر فورس کے مورچے تھے۔  
 انہیں جادیہ کے ذریعے خبر دائرلیس پر مل گئی تھی۔ چنانچہ  
 انہوں نے دور سے ایک جیپ آتی دیکھی تو ہوا میں  
 غائر کر کے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ مگر ماریا اس کے بغیر  
 آگے نکل گئی۔

ماریا نے گھبراتے گھبراتے فوجی گاڑیوں پر  
 ایک برست مارا۔ تڑا تڑا آواز سے گولیاں پھرن  
 لگیں اور ایک برسات دھماکے کے ساتھ  
 گاڑیوں کو آگ لگ گئی۔

آگ اتنی تیزی سے بھڑکی کہ گیراج شعلوں کی لپیٹ  
 آگیا۔ وہاں شور مچ گیا۔ فوجی گیراج کی طرف دوڑ پڑے  
 بھانے کی کوشش کرنے لگے۔

ماریا بھاگ کر حوالات کی طرف گئی۔ وہاں کھڑے  
 فوجی کی گردن پر زور دار گتہ مار کر اسے وہیں ڈھیر کیا اور  
 کو آواز دی۔

اندھیرے میں سے ہو کر باہر گیٹ کی طرف دوڑا  
 جادیہ اسی کے انتظار میں تھا۔ ماریا نے حوالات  
 کھول دیا۔ جادیہ گیٹ کی طرف دوڑا۔ فوجی آگ بھڑ  
 مچے تھے۔ ماریا نے گیٹ کے قریب کھڑی ایک  
 ماریا جادیہ کو بیٹھنے کا حکم دیا اور خود اگلی سیٹ پر بیٹھ  
 جیپ کو ایک دم سارٹ کر کے اتنی زور سے نکل  
 تیزی کا گیٹ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔  
 ماریا جیپ کو فوجی ہیڈ کوارٹر میں سے نکال کر شہر  
 کے پہلے آنی جیپ بڑی تیزی سے جاگہ باڈر کی طرف

کرتے پلے آ رہے تھے۔ ماریا نے جاوید کو اپنے کانٹھوں پر  
بٹھا لیا اور دریا کی طرف چل دی۔ جاوید ماریا کے کانٹھوں  
پر بیٹھتے ہی غائب ہو گیا۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے  
کوٹھا تجربہ تھا۔ وہ بار بار اپنے ہاتھوں اور جسم کو دیکھنے  
کی کوشش کرتا مگر اسے اپنا جسم نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے  
سمجھنے وہ بھارتی سپاہیوں کو اندھیرے میں بھی گولیاں برساتے  
اور جھاڑیوں میں کھڑی جیپ کی طرف آتے برابر دیکھ رہا تھا۔  
ماریا نے آہستہ سے کہا

بولنا بانگل نہیں جاوید !

ماریا کو جاوید کا بوجھ ضرور محسوس ہو رہا تھا۔ اس پر جیسے  
سے گولیاں برس رہی تھیں۔ ماریا زور سے اوپر کو اچھلی۔ جاوید  
نے دیکھا کہ وہ ماریا کے کانٹھوں میں بیٹھا دریا کے اوپر  
ہوا میں اڑنے لگا ہے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں  
وہ ڈر رہا تھا۔

ماریا نے اسے تسلی دی اور اپنی رفتار تیز کر دی دیکھتے  
دیکھتے وہ دریا کے پہاڑ کے ساتھ ساتھ اڑتی کافی دور  
نکل گئی۔ ایک جگہ اسے دریا کی دونوں جانب فوجی مورچے  
نظر آئے۔ یہ بھارتی باڈر کا آخری چوکیاں تھیں۔ ماریا بھارت  
کی سرحد عبور کر کے پاکستان کا سرزمین میں داخل ہو چکی تھی۔

باڈر فورس کے سکھ سپاہی ہیں جیپ سے کہ اس  
پر چڑھے دوڑے۔ وہ ساتھ ساتھ چڑھتے سے اندھیرے  
خاموشی جی کر رہے تھے۔ ماریا نے جاوید کو سیر  
نیچے لیٹ جانے کو کہا اور جیپ کو دریا کی طرف  
دریا سے راہی زیادہ دور نہیں تھا۔ باڈر سیکورٹی فورس  
بھی گڑھوں کھڈیوں سے گزرتی اس کے قریب پہنچ  
تھی۔ ماریا کے پاس کوئی بندوق رائفل نہیں تھی۔ سکھ  
کی عین گن اس نے گیران میں آگ لگانے کے بعد  
پھینک دی تھی۔

جب ماریا نے محسوس کیا کہ باڈر فورس کے سکھ  
اس کے بانگل ہی قریب آ گئے ہیں تو اس نے جیپ  
دریا سے راہی کے کنارے ایک جگہ جھاڑیوں کے  
کھڑا کیا اور جاوید سے کہا  
میں تمہیں اپنے کانٹھوں پر بٹھا رہی ہوں تم میرے

کانٹھوں پر بیٹھتے ہی غائب ہو جاؤ گے۔ گھبرا  
نہیں۔ تم سب کچھ دیکھ رہے ہو گے مگر تمہیں کوئی  
دکھ کے گا۔ تم پر گول بھی اثر نہیں کرے گی۔  
جاوید بے چارہ بے حد گھبرا ہوا تھا۔ باڈر سیکورٹی  
کے سپاہی ان کے سر پر آ گئے تھے۔ وہ دھڑ دھڑ



عالم تھا۔ قوی احمر اور مہیاگ رہے تھے۔ کوئی گاڑی

لیٹ کے اندر آ رہی تھی تو کوئی گاڑی گیٹ کے باہر جا رہی  
 تھی ماریا یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ دوسرا پاکستانی لڑاکا کس  
 پر قید ہے وہ ایک کمرے میں آگئی۔ یہاں بندہ کرنل سخت  
 فتنے کی حالت میں ٹھہل رہا تھا۔ تین فوجی ان شن کمرے آئے  
 کرنل پیچھے کمرہ بولا

ایک بھاگ گیا۔ تم لوگوں کے سامنے بھاگ گیا  
 دوسرے کی حفاظت کیے کرو گے! میں سب کا  
 وارث مارشل کروں گا۔

ایک سکھ کیپٹن نے کہا  
سرا دوسرا پاکستان جاسوس قلعے کے تہہ خانے میں

ہندو کرنل نے زمین پر پاؤں مارا اور دھاڑا۔  
وہاں بھی تم ایسے پہرے دار ہوئے تو وہ وہاں سے  
جھاگ جائے گا۔

اس کے بعد کرنل نے فوجی ٹیلی فون کی آہنی گھمائی اور  
 ہلکا کر بولا۔

پاکستانی جاسوس کی نگہبانی محنت کر دو جاسوس کا کوئی غیبت  
عنبر ناگ ماری اخلای 222

ساحل ہے جو اسے چھڑانے کی کوشش کرے گا۔ اگر  
فرار ہو گیا تو تم سب کو شوٹ کر دوں گا۔ یہ سبج نو  
ہوں.....

مدیا کو صرف یہی معلوم ہو سکا کہ دوسرا پاکستانی لڑکے  
کے الزام میں شہر کے قلعے میں بند ہے۔ امرتسر شہر میں ایک  
قلعہ تھا جو سکھوں کے زمانے میں بنایا گیا تھا۔ مدیا نے  
کیا کہ اس قلعے کی طرف چل کر سراغ لگانا چاہیے۔ پناہ  
وہاں سے نکل کر امرتسر کے پرانے قلعے کی طرف اڑنے  
امرتسر کا پرانا قلعہ ایک بہت بڑی گراؤنڈ میں واقع تھا۔  
گراؤنڈ کو قلعے کی پریڈ کہا جاتا تھا۔ یہاں گراؤنڈ میں  
چھایا تھا۔ قلعے کے بڑے گیٹ اور اوپر بزم کی  
میں روشنی ہو رہی تھی۔

گرفیو کی وجہ سے آس پاس بالکل ویلفی چھائی  
مدیا قلعے کے اندر داخل ہو گئی۔ اس نے قلعے کے  
گھوم پھر کر ایک ایک کمرے ایک ایک کوٹھڑی اور  
جہد خانوں کو چھان مارا۔ اسے وہاں کوئی قیدی نظر نہ آیا  
پاکستانی لڑکا کہاں اور کس قلعے میں قید ہے؟ کیا وہ  
دوسرے شہر کا قلعہ ہے؟

یہ سوچتی سوچتی مدیا قلعے کے بڑے گیٹ سے

نکل آئی۔ وہ قلعے کے پیچھے جو سڑک تھی وہاں آگئی۔ اس  
سڑک کے کنارے ذرا ہٹ کر امرتسر کا سب سے بڑا ہندو مندر  
دیکھا۔ یہ مندر ایک بہت بڑے  
مذہب کے درمیان بنا ہوا تھا جس میں ایک ایک چھوٹے سے  
پہاں کا راستہ جاتا تھا۔ مندر میں بھی گریفیو کی وجہ سے سناٹا  
چھایا تھا۔ کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ویسے بھی رات  
کافی گزر چکی تھی۔ صرف مندر میں دو چار بقیان جگمگا  
رہے تھے جن کا عکس صلاب میں پڑ رہا تھا۔ مدیا نے  
سوچا کہ چلو اس مندر کی ہی سیر کرتے ہیں۔  
ساتھ ساتھ وہ سوچ رہی تھی کہ پاکستانی لڑکا کہاں قید  
ہو سکتا ہے؟

مدیا پہل کے اوپر سے ہوتی ہوئی مندر میں آگئی یہاں  
کوئی انسان نہیں تھا۔ مندر میں دھیمبا بلب روشن تھا۔ مورتیاں  
خاموش کھڑی تھیں۔ مدیا مندر کے پچھوڑے سے ہو کر باہر  
جانے والی تھی کہ اسے ایک کوٹھڑی میں بوڑھی عورت نظر  
آئی جو فرش پر جھکی ہوئی تھی۔ مدیا ذرا آگے آئی تو دیکھا کہ  
وہ ایک کالے سیاہ سانپ کو مٹی کی پیالی میں دھو رہی تھی۔

لوگ کہتے ہیں کہ سانپ کو اگر دووی پالیا جائے تو وہ



دوست بن جاتا ہے مگر یہ بالکل غلط بات ہے۔ سانپ کسی کا دوست نہیں ہوتا۔ ٹھنڈا اس کی طبیعت ہے وہ موقع ملنے پر ضرور حملہ کر دیتا ہے۔ اس لئے سانپ کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے ہر ممکن بچنا چاہئے اور اس کے قریب نہیں جانا چاہیئے۔ لیکن چونکہ عنبر ناگ ماریا کی کہانی بیان کی جا رہی ہے اس لئے کہانی سمجھ کر دلچسپی سے پڑھنا ہی کافی ہے اس سے نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ کوئی سانپ ہمارا بھی دوست سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ کہانی کہانی ہوتی ہے اور کہانی سمجھ کر ہی سنا اور پڑھنا چاہیئے۔ ہاں اگر کہانی فدیے کوئی ایسا سبق مل جائے جو ہماری زندگی میں ہمارے آگے تو اس کو ضرور ذہن میں بٹھالینا چاہیئے اور اس پر گرتا چاہیئے۔ مثلاً ہم نے کہانی میں اکثر بیان کیا ہے اور دیکھا ہے کہ جو انسان کسی دوسرے کے لئے گڑھا کھودتا ہے خود بھی ضرور کسی کنوئیں میں گرتا ہے۔ دوسری بات جو ناگ ماریا کی کہانی میں ہمیں سبق ہے یہ ہے کہ خدا ایک ہے اور سجدہ صرف خدا کے آگے کرنا چاہیئے اور نہ کسی اور کو۔ ادب کرنا چاہیئے۔ تیسری بات ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان کو اپنے خیالات کو ہمیشہ پاکیزہ رکھنا چاہیئے

ذہن میں اگر کوئی برا خیال آئے تو اسے فوراً نکال دینا چاہیئے اور ہمیشہ خدا کے حضور یہ دعا کرنی چاہیئے کہ خدا ہمیں مجھ سے خیالات سے بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے۔ اب ہم واپس اپنی کہانی کی طرف آتے ہیں۔ ماریا نے سانپ کو دودھ پیتے دیکھا تو سانپ نے بھی ناگ دیوتا کی جہن کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ کیونکہ اسے ماریا کے جسم کی لہروں سے ناگ دیوتا کی خوشبو آرہی تھی۔ سانپ نے اپنا سر اٹھا کر اس طرف دیکھا جدھر ماریا کھڑی تھی دوست نے محسوس کر لیا تھا کہ سانپ سر اٹھا کر کسی کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ماریا نے سانپ کی زبان میں سانپ سے کہا کہ وہ ناگ دیوتا کی جہن ماریا ہے۔ سانپ نے جہں اپنی زبان میں کہا کہ ناگ دیوتا کی جہن کو میرا سلام پہنچے۔



## پیرانے قبرستان کا خزانہ

عورت کے کان کھڑے ہو گئے

اصل میں یہ عورت ایک بہت تجربہ کار جوگن تھی جس کی مورتی یوجنا دیوی کی پسماندہ تھی۔ اس عورت کا نام رکمنی تھا۔ اس کی عمر پچاس کے قریب تھی۔ تیس برس سے سانپوں کو دودھ پلا رہی تھی۔ اس کی یہ تھی کہ وہ زمین کے اندر دفن کسی تاریخی خزانے کا تلاش میں تھی۔ جس کو صرف سانپ ہی جانتے ہیں۔ سانپ رکمنی نے سخت محنت کے بعد سانپوں کی زبان سے سیکھ کر جان لی اور اب وہ ان کی زبان سے سیکھ رہی تھی۔ جوگن نے اس راز کو کسی سانپ پر ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ ان کی زبان سے سیکھ رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ سانپوں کو یہ معلومات حاصل کرے۔ کیونکہ سانپ اکثر آپس میں باتیں کرتے

تھے اور رکمنی جوگن ان باتوں کو ان جان بوجھ سے سن رہی تھی۔ اسلئے ایک کسی سانپ نے دوسرے سانپ کے ساتھ خزانے کی بات نہیں کی تھی۔ اب جب اس نے دودھ پلاتے ہوئے سانپ کو کسی عورت کو سلام کرتے دیکھا تو یہ بھی متا کہ جس عورت سے سانپ بات کر رہا ہے وہ ناگ دیوتا کی بہن ہے تو رکمنی جوگن نے بڑی عیاری سے کسی بہانے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔

اپنے پیچھے اسے کوئی عورت دکھائی نہ دی۔ رکمنی جوگن دھج سی ہو کر رہ گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ ناگ دیوتا کی بہن غائب ہے۔ وہ کس کو دکھائی نہیں دیتی۔ رکمنی جوگن کو ٹھٹھری میں بھی چٹائی پر لیٹ گئی اور یوں ظاہر کیا جیسے وہ سو گئی ہے۔ اس نے ہلکے ہلکے خراٹے بھی لیئے شروع کر دیئے تھے۔ سانپ کو مارا کو کہی بھی یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ رکمنی جوگن ان کی باتوں کو سن بھی رہی ہے اور کچھ بھی رہی ہے۔

سانپ نے مارا سے کہا

میں ناگ دیوتا کی عظیم بہن کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔  
مدد بولی۔



مجھے بتاؤ کیا اس شہر میں کوئی دوسرا قلعہ بھی ہے ؟  
سانپ نے کہا

جیہیں عظیم ہیں ! یہاں صرف ایک ہی قلعہ ہے جو  
واقعہ ہے ۔ دوسرا کوئی قلعہ اس شہر میں نہیں ہے ۔  
مدیا بول

اس سے آگے جالندھر یا لدھیانہ شہروں میں  
کوئی قلعہ موجود ہے کیا ؟  
سانپ نے کہا

قلعہ صرف آگے میرٹھ کے شہر میں ہے جہاں انڈین  
کی چھاؤنی بنی ہوئی ہے  
مدیا سوچنے لگی ۔ پھر بول

اچھا ۔ کیا تمہیں میرٹھ کے قلعے کے بارے میں  
معلوم ہے کہ وہ کس جگہ پر ہے اور اس کے نیچے  
کتنے تہہ خانے ہیں ؟  
سانپ نے کہا

عظیم ہیں ! اس کی خبر چارلس ایک بزرگ سانپ  
کو ہے جو اس وقت یہاں نہیں ہے وہ بڑے مندور کے  
مکاتب میں ٹھانے گیا ہوا ہے ۔ صبح کے وقت آئے گا  
میں اسے آپ سے ملوا دوں گا ۔

مدیا بول

ٹھیک ہے ۔ میں صبح اسی کوٹھڑی میں آؤں گی ۔ تم  
بزرگ سانپ کو یہاں بٹھالے رکھنا ۔ میں چارچ ہوں ۔  
یہ کہہ کر مدیا چلی گئی ۔ سانپ واپس اپنی پٹاری میں  
پھٹا گیا ۔ رکمنی جوگن نے مدیا اور سانپ کی ساری گفتگو سن  
لی تھی ۔ مدیا کے جانے کے بعد وہ جھوٹ موت کی انگڑائی  
لے کر اٹھی اور کوٹھڑی سے نکل کر سیڑھی دیوڑی پہننا کی  
کوٹھڑی میں آگئی ۔ اس نے سورتی کے آگے دیا ہلا کر نکالی  
میں اگرچی سنگانی ۔ پھر دیوڑی کی سورتی کی پاجا کر لے کے بعد  
بند اندر بندہ کر کہا

دیوڑی ! آئی ہیں نے ناگ دیوتا کی بہن کو سانپ  
سے پاتیں کرتے شاہ ہے ۔ وہ مجھے دکھائی نہیں دے رہی تھی ۔  
وہ یہاں کس قلعے کی تلاش میں آئی ہے  
دیوڑی کی سورتی کے ہونٹ بند رہے مگر اس کے  
منہ سے آواز آئی ۔

رکمنی جوگن ! تو خوش قسمت ہے کہ میرے پاس ناگ  
دیوتا کی بہن مدیا آگئی ہے ۔ تو کیسے برس سے کسی  
لڑائے کی تلاشی کر رہا ہے ۔ مگر تمہیں عورت نہ مل سکا ۔  
اس جیہیں عورت مدیا کو لاپرواہی کر لے

خزانے تجھے مل جائیں گے۔

رکمنی جوگن نے دنیا کے خزانوں کا شائق لالچ کے اس کی رال چپکنے لگی۔ فوراً سر جھکا کر بولی۔

دیوی! مجھ پر کرمپا کرو۔ مجھے بتاؤ کہ میں ناگ دیوتا کا بہن ماریا کو کیسے قابو کر سکتی ہوں اور پھر دنیا کے خزانوں پر کیونکر قبضہ کر سکتی ہوں۔

یوجنا دیوی کی مورتی بولی۔

رکمنی جوگن! تو نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ میں تمہیں ناگ دیوتا کی بہن ماریا کو قابو میں کرنے کا بتاتی ہوں۔ وہ صبح کو مندر میں دوبارہ آنے والی ہے ایک منتر بتاتی ہوں۔ اس منتر کو تالاب کی سیڑھی پر ایک ہزار بار پڑھنا۔ اس کے بعد اس کو ٹھٹھی میں

ماریا تھارے سانپ سے گفتگو کر رہی ہوگی۔ جس رخ کھڑی ہو۔ اس طرف منہ کر کے صرف ایک بار منتر پڑھ چھوٹک مارنا۔ پھر ماریا چھوٹا سا پتلا بن کر زمین پر گر پڑے وہ تھارے غلام بن چکی ہوگی۔ تم اسے اٹھا کر جیب میں اپنی کوٹھڑی میں آکر اس سے خزانوں کے بارے میں پوچھو۔ وہ تمہیں اس ملک کی زمین میں دے دے مرنے سارے خزانے کا بھیج دے گا۔ مگر ایک بات یاد رکھنا۔ ماریا کے

پر کبھی پانی مت ڈالتا۔ پانی پڑنے سے ماریا تھارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اب میں تمہیں خفیہ منتر بتاتی ہوں

رکمنی جوگن کے کان میں دیوی یوجنا کی سرخوشی شانی دی۔ دیوی نے اسے خفیہ منتر بتا دیا پھر کہا

اب جلدی سے جا کر تالاب کے کنارے بیٹھ کر اس کا جاپ شروع کر دو۔ صبح ہونے ہی والی ہے اور ماریا صبح ہوتے ہی آ جائے گی۔ تمہیں ماریا کے یہاں سے جانے سے پہلے ایک ہزار بار منتر کو پڑھ لینا ہوگا۔

رکمنی جوگن نے دیوی کو پرنام کیا اور خوشی خوشی تالاب کی طرف دوڑی۔ تالاب کے کنارے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں رکمنی جوگن ایک سیڑھی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور دیوی کے خفیہ منتر کو پڑھنا شروع کر دیا

ابھی سات سو بار ہی منتر کو پڑھا تھا کہ صبح ہو گئی اور ماریا مندر میں آکر سیڑھی سانپ کی کوٹھڑی میں گئی۔ سانپ کے پاس بزرگ سانپ بھی ماریا کے درشنوں کو آیا ہوا تھا بزرگ سانپ نے ماریا کی خوشبو پا کر جھک کر سلام کیا اور کہا

غنیہ بہن ماریا! میرے شہر کا قلعہ تمہارے چھاؤنی میں واقع ہے۔ میں اس کا کونہ کونہ دیکھ آیا ہوں مجھے حکم کر دو کہ



۸۰  
میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟  
ماریا کہنے لگی۔

۸۱  
پیم ناگ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ میں خود ہی یہ  
کر لوں گی

بزرگ سانپ! تم نے میرے قلعے کے کسی تہہ خانہ  
میں کسی نوجوان لڑکے کو قید کی حالت میں دیکھا ہے؟  
بزرگ سانپ بولا۔

ہاں عظیم بہن ماریا! قلعے کے نیچے تہہ خانے میں  
وہ پتلا لڑکا بھارتی فوج کے ظلم و ستم برداشت کر رہا ہے  
کہا جاتا ہے کہ وہ پاکستان کا جاسوس ہے اور بھارتی  
اس سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔  
ماریا نے کہا

بس ٹھیک ہے۔ میں اسی لڑکے کو آزاد کرانے آئی  
کیونکہ وہ لڑکا بے گناہ ہے اور اسے جھوٹے الزام میں  
گیا ہے۔  
بزرگ سانپ بولا

آپ ہیں حکم کریں ہم اس لڑکے کو وہاں سے  
پیم ناگ بھی آپ کا خادم ہے جو ہوا میں اڑتا ہے  
اور گھوڑے کو بھی اٹھا کر دھوا میں اڑا کر  
جاتا ہے۔  
بزرگ سانپ نے کہا

بہن ماریا کو انہوں نے پتلا بھنے دیکھ لیا تھا۔ رکنی جوگن  
ماریا کے پتلے کو ساڑھی میں چھپایا اور مہاگ مہاگ یوجنا دیوی  
مورتی کے پاس آگئی۔

ماریا کے پتلے کو یوجنا دیوی کے سامنے رکھ کر کہتی  
ہاتھ جوڑ کر بولی۔

دیوی! تمہارے منتر نے ماریا کو پتلا بنا دیا ہے۔  
تمہارا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں۔

یوجنا دیوی کی آواز آئی۔

اب اپنی کوٹھڑی میں جا کر اس سے زمین کے  
دفن خزانوں کا حال پوچھو اور ان کی تلاش میں نگو خزانے

نکالنا اب تمہارا اپنا کام ہے۔ تم دنیا کی سب سے امیر  
بن جاؤ گی۔

رکنی جوگن نے دیوی کو پرنام کیا اور اپنی کوٹھڑی میں  
اس نے ماریا کے پتلے کو تخت پر اپنے سامنے رکھا اور

ماریا کے پتلے! تمہارا زمین کے اندر خزانے  
کہیں کہاں دفن ہیں؟

ماریا میں پتلا بھنے کے بعد ایک عجیب تبدیلی  
آئی۔ وہ زمین کے اندر دور دور چمکتے ہوئے خزانے صاف  
صاف دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ اس

اپنی طاقت ختم ہو گئی ہے اور اب وہ اس عورت رکنی جوگن  
کی غلام بن چکی ہے۔ ماریا کی یادداشت نہیں کھوئی تھی۔ اسے  
غیر ناگ کیٹی سب یاد تھے مگر بہت ہی زور دینے پر یاد ۳  
رہے تھے۔ رکنی کی آواز پر ماریا نے کہا

میری مالکن جوگن! میں زمین کے اندر کتنے ہی خزانے  
دیکھ رہی ہوں۔

رکنی نے پوچھا

سب سے نزدیک خزانہ کس جگہ پر ہے؟

ماریا کے پتلے نے زمین پر نگاہ ڈالی اور کہا

میری مالکن! سب سے نزدیک خزانہ یہاں سے دو

دوران قبرستان کے نیچے ہے۔ میں اس خزانے کو صاف

دیکھ رہی ہوں۔ یہ لکڑی کا صندوق ہے۔ جس میں

قیمت جواہرات اور موتی بھرے ہوئے ہیں۔

رکنی جوگن کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ اس نے

ماریا کے پتلے کو اٹھا کر الماری میں بند کر کے تالا لگا کر چابی

اسے میں ڈالی اور دلی چلنے کی تیاری شروع کر دی۔ تھوڑی

دیر بعد وہ نئی ساڑھی پہن، چھوٹی سی گٹھڑی بفل میں دبائے

ایک سانگے میں بیٹھی امرتسر سے اسٹیشن کی طرف حل جاری



تھی اس کے جانے کے بعد سیاہ سانپ نے بزرگ سانپ سے کہا

۱۱۵

بزرگ سانپ بولا

تمہیں جاننے کی ضرورت نہیں۔ میں خود چم ناگ کو لے کر میرٹھ کے قلعے میں جاؤں گا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ اس کی کیسے مدد کر رہا کس تہہ خانے میں ہے۔

سیاہ سانپ نے کہا

تو چم ناگ تمہیں اسی وقت چم ناگ سے جا کر ملاقات کرو گی۔

میں جا رہا ہوں

بزرگ سانپ اتنا کہہ کر کوٹھڑی سے نکل کر ایک ہی میں گھس کر زمین کے اندر چلا گیا۔ زمین کے اندر ہی اندر وہ کافی دور نکل گیا۔ ایک جگہ پتھروں اور مٹی کے درمیان چم ناگ اس کا رنگ نسواری تھا اور جس کے جسم پر چار پے تھے۔ بزرگ سانپ نے اسے جانتے ہی سمجھ کر کہا اور ساری کہانی بیان کر دی۔

چم ناگ اٹھ کر کھڑکی پر گھر بیٹھ گیا اور بولا

میں عظیم ناگ دیوتا کا بیٹا ہوں جس کے لئے یہ کام ضرور کروں گا۔ اے چم ناگ دیوتا کی بہن کو رکنی جوگن کے جادوئی مسکروں کے اثر سے بچا سکتے۔ مگر ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ہم مجبور ہیں کیونکہ ہم انسان نہیں بلکہ سانپ ہیں اور دیوی یوگا کے طاقتور

بابا! عظیم ناگ دیوتا کی بہن پر جادو کر کے رکنی جوگن اے پتلا بنا کر اپنے پاس قید کر لیا ہے۔ خدا جانے وہ ساتھ لے کر کہاں چل گئی ہے ہم اس کی کیسے مدد کر سکتے ہیں بابا؟

بزرگ سانپ بولا

ناگ دیوتا اپنی بہن کی خود ہی حفاظت کریں گی۔ وقت ہم مار یا بہن کی صورت اس طرح خدمت کو کر رہا ہے کہ وہ جس کام کو ادا حورا چھوڑ گئی ہے اسے ہم پورا کریں۔

سیاہ سانپ بولا

میرٹھ کے قلعے میں جو پاکستانی لڑکا جاسوسی کے میں قید ہے اسے وہاں سے نکال کر پاکستان پہنچا دیں۔ ہاں، بزرگ سانپ نے کہا، میں نہیں کرنا چاہیے۔ بہن جس مقصد کو لے کر یہاں آئی تھی وہ پورا ہو۔

سیاہ سانپ نے کہا

بابا! اس کے لئے تو مجھے خود چم ناگ کے پاس بھجوا دینا۔ وہی لڑکے کو قلعے سے نکال کر پاکستان لے سکتا ہے۔

سنگ کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ چو۔ یہ جہد سے ساقی چلتا ہوں۔

سانپ ریل گاڑیوں میں سفر نہیں کیا کرتے۔ وہ زمین اندر سفر کرتے ہیں یا راستے میں اگر کوئی ویران سسٹن سمجھا تو میدان میں آکر سفر کرتے ہیں۔ پدم ناگ چونکہ ہوا میں اسی کی شکل میں ڈاسکتا تھا اس نے اس نے بزرگ سانپ اپنے اوپر بٹھایا اور ہوا میں پرواز کر گیا

اس کی رفتار ہوا کی رفتار سے بھی زیادہ تیز تھی۔ آتا تو پتلا ڈربے تھے کہ زمین پر کسی انسان کو دکھائی دے دے کتے تھے۔ برہمن ہواؤں میں، بادلوں میں اڑتے تھے۔ دونوں سانپ میرٹھ پہنچ گئے۔ وہ ایک باغ میں چھپ جاتے۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو باغ سے نکل کر چھانڈا

تھلے کی طرف گئے۔ بزرگ سانپ سارے راستوں سے واقف تھا۔ بنگ کو تھلے کے پیچھے لے گیا۔ یہاں ایک گٹر کا تار ہوا تھا جس میں سے تھلے کا پانی باہر جاتا تھا۔ اس گٹر ایک جانب چلنے کا راستہ بھی تھا۔ اس جگہ کھڑے جمعہ گٹر کو صاف کرتے تھے۔ بزرگ سانپ پدم کو ساتھ لے تھلے کے نیچے جہد خانے کی دیوار کے

اس نے کہا

پاکستانی لڑکا اسی دیوار کے پیچھے خانے جہد خانے میں ہے پدم ناگ نے پوچھا کہ جہد خانے کے باہر کتار میں ہے اس کے جواب میں بزرگ سانپ بولا۔

مرگ وہ تو جی پرو دیتے ہیں پدم ناگ نے کہا تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں پاکستانی لڑکے کو کھاتے جاتا ہوں۔ بزرگ سانپ بولا

پدم ناگ باقم اسے کیسے لانا گئے؟ وہ تو تھیں دو کھ کو بے ہوش کر جائے گا۔

پدم ناگ نے کہا جی تو میں بھی چاہتا ہوں۔

پدم ناگ گٹر خانے کے تخت پاٹھ کا سہارا بنا کر چلنے کے سامنے دلی دلی دلی میں آگیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ وہ لڑکے کو لے کر ایک باب جیل رٹا تھا۔ پدم ناگ گٹر خانے میں نہیں تھا۔ اس کے جسم پر چھوٹے چھوٹے پتے تھے۔ اسی کے سر سے پھٹکار کے ساتھ اس نے گیم بجایا تھا۔ لڑکا اس کے ہاتھوں کو دیکھ کر ہلکا ہوا۔ پدم ناگ بولا دلی دلی دلی میں جہد خانے کے سامنے کے



سائے بھی ہیں وہ کچھ فوجی کے سٹروں پر بیٹھے ہیں۔  
 رہے تھے۔ پدم ناگ نے کہیں پھینے کی کوشش نہ کی۔ وہ ان  
 بالکل سائے آگیا۔ اپنا چھن اٹھا کر پھنکار ماری۔ اس کے  
 سے نکل کر جھلا دینے والی گرم پھنکار فوجیوں پر پڑی  
 دونوں جھلس کر ترپنے لگے۔ پدم ناگ نے دوسری دیکھ کر  
 پھنکار پھینکی اور دونوں فوجی پکڑے بن کر رہ گئے۔  
 پدم ناگ نے ایک پھنکار تہہ خانے کے دروازے  
 پھینکی۔ دروازے کا تالا پگھل کر بہہ گیا۔ پدم ناگ نے  
 سے اپنا سر دروازے پر مارا۔ دروازہ دھڑاک سے کھل  
 اندر ایک پاکستانی لڑکا سہما ہوا بیٹھا تھا۔ اس نے بہت  
 سانپ کو اندر آتے دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ پدم  
 یہی چاہتا تھا۔ اس نے لڑکے کے گرد اپنے آپ کو پٹا  
 اسے اٹھا کر باہر نکال لایا۔ پھر اسے اٹھائے اٹھائے  
 کر بزرگ سانپ کے پاس آگیا۔

بزرگ سانپ نے لڑکے کو دیکھا تو بولا  
 پدم ناگ! اب ہمیں جلدی یہاں سے نکل  
 چاہیے۔ آجاؤ۔

دونوں سانپ پاکستانی لڑکے کو لئے گزر کے نالے  
 نکل کر تعلقے کے پچھواڑے والے اندھیرے میدان میں آئے

پدم ناگ نے بزرگ سانپ سے کہا کہ وہ بھی اس کے اوپر  
 بیٹھ جائے۔ جب بزرگ سانپ بھی بے ہوش لڑکے کے  
 ساتھ پدم ناگ کے اوپر بیٹھ گیا تو پدم ناگ نے اپنے کہوں  
 کو گردش دی اور ہوا میں اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا گیا پھر زمین  
 سے کافی بلندی پر آکر اس نے امرتسر کی طرف پرواز شروع  
 کر دی۔

تیز آندھی کی طرح ہوا میں اڑتے ہوئے پدم ناگ آدھی  
 رات کے وقت امرتسر پہنچ گیا۔ پھر اس نے داگ کی سرمد پار  
 کر لی اور پاکستان میں داخل ہو گیا۔ بزرگ سانپ نے اپنے اہم  
 کی بادشاہی مسجد کے اونچے مینار دیکھے تو کہا

پدم ناگ! ہم پاکستان میں آگئے ہیں۔ ہمیں کچھ معلوم  
 نہیں کہ اس لڑکے کا گھر کہاں سے مگر یہ پاکستان ہے اور اب  
 پاکستان میں ہے بہتر یہ ہے کہ ہم اسے بادشاہی مسجد کے سطح  
 والے باغ میں لیٹا کر یہاں سے چھ جاتے ہیں۔

پدم ناگ نے ایسا ہی کیا۔ وہ اندھیرے میں نیچے آیا۔  
 بادشاہی مسجد کے سائے والے باغ میں خاموشی تھی اس نے  
 بے ہوش پاکستانی لڑکے کو وہاں گھاس پر لٹا دیا اور خود ذرا پرے  
 ہٹ کر ایک طرف دیکھنے لگے۔ کیونکہ ادھر سے وہ آدھی رات  
 آرہے تھے۔ ان آدمیوں نے ایک لڑکے کو بے ہوش پڑے

دیکھا تو اسے بولا جولا۔ لڑکے کو ہریش آگیا۔ اس نے ہریش  
میں آتے ہی بادشاہی مسجد کے سیدار دیکھے تو بولا۔

میں لاہور میں ہوں کیا؟

وہ آدلی بولا۔

ہاں بھائی۔ تم پاکستان کے شہر لاہور میں ہو مگر تم بے ہوش  
کیسے ہو گئے؟

لڑکے نے بادشاہی مسجد کی طرف منہ کیا اور مسجد سے میں  
گھر گیا۔

پدم ناگ نے بزرگ سانپ سے کہا۔ اب ہمیں واپس  
چلے جانا چاہیے۔ اور دونوں سانپ فضا میں بلند ہو کر واپس  
اسرتر کی طرف روانہ ہو گئے۔



اب ہم واپس ماریا کی طرف جاتے ہیں۔

ماریا کو پتلے کی شکل میں اپنی گھٹری میں باندھے  
رکنی جوگن رقی ایکسپریس ٹرین کے تھوڑے کلاس کے زنانہ  
ڈبے میں بیٹھی تھی اور گاڑی رقی شہر کی طرف بھاگی جا رہی  
تھی۔ ماریا گھٹری میں بند پڑی تھی اور سوچ رہی تھی کہ  
نہا جانے اب اس کا انجام کیا ہوگا اور اس کی غمناک

کیٹی سے کہہ اور کن حالات میں ملاقات ہوگی۔  
رات ہو رہی تھی کہ گاڑی وہاں کے ریلوے سٹیشن پہنچی

داخل ہوئی۔ ریلوے سٹیشن پر آپ میں سے تھوڑے بہتک ہی  
کم دوستوں نے دلی ٹھہر دیکھا ہو۔ دلی ٹھہر چارمک کا دارالحکومت  
ہے اور وہاں سب سے سب سے سب سے حکومت کا ہے  
وہاں میں سلطان بادشاہوں کے کتے ہی شاندار محل اور محلے آج  
بھی موجود ہیں۔

رکنی جوگن ریلوے سٹیشن سے نکل کر سیدھی دریائے جہنا  
کی طرف چل پڑی۔ اگرچہ رات کا اندھیرا چھا رہا تھا مگر رکنی  
جوگن کو خزانے کے پاس پہنچنے کا اس قدر لالچ اور شوق تھا کہ  
وہ ایک پل کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ وہ دریا کے  
پاس پہنچی تو اس نے پل کے ذریعے دریا پار کیا اور دوسری  
طرف آگئی۔ رکنی پہلے بھی کئی بار دلی شہر آچکی تھی۔ اس  
نے ایک گاڑی بان سے پوچھا کہ دریا پار والا پرانا قبرستان  
کہاں ہے۔ گاڑی بان نے ایک طرف اشارہ کیا اور بولا۔  
وہ جو کیکر کے درختوں کا سیاہ جھنڈ نظر آ رہا ہے۔ اس  
وہاں پر ہے پرانا قبرستان۔

رکنی تیز چلتی پرا نے قبرستان میں آگئی۔

اس قبرستان میں قبریں ڈھلے چکی تھیں اور ان میں گھاس



اگک رہی تھی۔ یہ قبرستان اس قدر خراب تھا کہ رکھن جوگن  
بھی گھوڑی دیر کے لئے ٹک کر کھڑی ہو گئی۔ اسے بھی کچھ  
خوف عسوس ہونے لگا تھا۔ پھر خزانے کا خیال آیا تو جلدی سے  
گھوڑی زمین پر رکھی اور اس میں سے مایا کا پتلا نکال کر اسے  
حکم دیا۔

مایا کے پتلے! جلدی دیکھ کر بتاؤ کہ خزانہ یہاں  
زمین میں کس جگہ دبا ہوا ہے۔  
مایا کا پتلا تو رکھن کے حکم کا غلام تھا اس نے کہا  
میری مالکن! ابھی بتاتی ہوں

مایا نے قبرستان کی قبروں پر نگاہ دوڑائی تو یہ دیکھا  
حیران ہو گئی کہ ایک پرانی قبر کے نیچے صندوق میں خزانہ دبا  
ہوا تھا۔ کئی جواہرات کے ہمار صندوق سے باہر گرے پڑے  
تھے۔ مایا نے اس قبر کی طرف اشارہ کیا اور بولی  
میری مالکن! خزانہ اس قبر کے نیچے دبا ہوا ہے۔

رکھن جوگن اپنے ساتھ ایک چھوٹا سی لائی تھی۔ قبر کی مٹی  
پہلے ہی بے حد بھر پوری ہو رہی تھی اس نے قبر کی  
کھودنا شروع کر دیا۔ بہت جلد قبر میں ایک گھبرا  
سوراخ پڑ گیا۔ رکھن کا چھوٹا خزانہ کے صندوق سے  
نکل آیا تو اس کا چہرہ خوشی سے پھل اٹھا۔ اس نے

پتا کر صندوق کو دیکھا اور پھر ڈھک کھول کر دیکھا تو خوشی  
سے اس کی پیچھ نکل گئی۔ کیونکہ صندوق میں ابھی وہ  
قیمتی ہیرے جواہرات جگمگا رہے تھے۔



**شیاز لائبریری اینڈ بکسٹان**  
کوہ پور ٹریڈنگ کمپنی، لاہور، پاکستان

## ماریا کا پتلا

رکنی جوگن مارے خوشی کے نایج اٹھی

اب اسے خیال آیا کہ کہیں کسی نے اسے خزانے کی قبر میں داخل ہوتے دیکھ تو نہیں لیا۔ اس نے ماریا کے پتے کو وہیں خزانے کے پاس رکھا اور کہا

میں باہر دیکھ کر ابھی آتی ہوں

رکنی جوگن قبر کے گڑھے میں سے باہر نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی ماریا نے دیکھا کہ خزانے کے صندوق

میں سے ایک سانپ نکلا اور پھن اٹھا کر ماریا کی طرف

آیا۔ اسے ملیا کے پتلے میں سے ناگ دیوتا کی بو آ رہی

تھی اس نے اپنا پھن ملریا کے پتلے کے آگے جھبکا دیا

اور بولا۔

مجھے تم سے ناگ دیوتا کی خوشبو آتی ہے۔ میں تجھے

سلام کرتا ہوں۔

ماریا نے جلدی سے کہا

سنو! رکنی جوگن نے اپنے علمی منتر سے مجھے پتلا بنا کر اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔ وہ بڑے منتر ہانتی ہے۔ کیا تم مجھے اس کے پنجے سے چھڑا سکتے ہو؟ میں ناگ دیوتا کی بہن ماریا ہوں۔

سانپ نے کہا

عظیم ناگ دیوتا کی بہن! میں کوشش کروں گا۔

اتنے میں رکنی جوگن قبر میں داخل ہوئی۔ وہ بہت خوش

تھی۔ اس نے خزانے پر سانپ کو بیٹھے دیکھا تو ایک منتر پڑھ کر

چھوٹا اور سانپ کی زبان میں بول۔

میں رکنی جوگن ہوں۔ میں یہ خزانہ یہاں سے نکالنے آئی

ہوں۔ تم مجھے روک نہیں سکتے۔

سانپ اب سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ اس نے بڑے

ادب سے کہا

جوگن دیوی! میں آپ کا غلام ہوں اور یہ خزانہ آپ

کی امانت ہے۔ شوق سے لے جاؤ۔

رکنی جوگن خوش ہو کر بولی۔

شاہاش! مجھے تم سے ہی امید تھی۔

رکنی نے اپنے قبیلے میں خزانہ بھرنا شروع کر دیا۔

چھوٹا تھا۔ خزانہ بہت زیادہ تھا۔ جب خزانہ بھر گیا تو رکنی



نے خزانے کے ساتھ سے کہا  
 جیسے اس عجیب کی عظمت کو نہ

کے پاس چار ہی ہوں۔ بہت جلد اگر خزانے کے ہاں گی  
 رکنی نے مارا کے پٹے کو گھڑی میں باندھا۔ قبر سے باہر  
 نکلی۔ گڑھے کو سٹی سے بند کر کے اوپر گھاس اور بھاری  
 و خیرہ ڈال دیں اور قبرستان سے نکل کر دریا کی طرف چلے  
 دی۔ مری شہر میں دریا کے پار ایک محلے میں رکنی جوگن کی ایک  
 کھلی ستار رہتی تھی۔ ستار بھی جوگن تھی۔ رکنی نے شوس کیا کہ  
 وہ اکیلی اتنا بڑا خزانہ یہاں سے ساتھ لے کر واپس اپنے  
 اپنی کو گھڑی میں نہیں لے جا سکتی۔ اسے اپنی سہیلی ستار  
 اپنے ساتھ شامل کر لینا چاہیے۔ ستار بہت ہوشیار تھی اور  
 والوں سے بھی واقف تھی۔ رکنی نے یہی سوچا کہ اس کے پاس  
 تو ابھی کئی خزانے زمین کے اندر دبے پڑے ہیں۔ اگر  
 ایک خزانے میں سے آدمی دولت ستار کو بھی دے دے  
 تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

چنانچہ وہ دریا پار کر کے شہر میں ستار کے محلے کی طرف  
 چلنے لگی  
 رات کا وقت تھا۔ ستار کا محلہ سنان تھا۔ وہ اپنے  
 گھر میں سو رہی تھی کہ رکنی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ستار آگئی

اپنی کھلی کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ رکنی جوگن نے اسے  
 بات بتادی اور کہا کہ اس نے غیبی طور سے ایک خزانے کا کھوج  
 لگایا ہے۔ خزانہ قبرستان میں چھپا ہے۔ اسے وہاں سے لے  
 کر اپنے دوست کو دے۔ تم آج ہی اسے بات دینے کی۔

ستار بہت خوش ہوئی۔ اس کا ایک ٹیکسی ڈرائیور  
 تھا۔ جو اس محلے میں رہتا تھا۔ یہ ایک بڑھا گیس ڈرائیور  
 تھا۔ اس نے فوراً اسے جا کر بلایا اور کہا۔

دعا! یہی ایک سہیلی دوست ہے۔ تمہارے  
 سے اس نے ایک پھانسی پر سے کڑیوں کا ٹھکانہ لیا  
 ہے۔ میری طرف سے بھی جوگن ہے اور اس کو شیلنگ کے  
 منتر کے لئے اس سوسے کے ٹھکانے کی ضرورت تھی نہیں  
 وہ سو روپے دے گا۔

ٹیکسی ڈرائیور یہ کہہ کر گیا اور ٹیکسی لگا کر گیا۔ رکنی  
 جوگن اور ستار اس میں سواری کر کے پھانسی پر سے کڑیوں کا  
 ڈھنگ لیا۔ راتوں رات وہ قبرستان میں پہنچ گئیں۔ ٹیکسی کو  
 انہوں نے قبرستان سے باہر لے کر دیا۔ ستار اور رکنی  
 دونوں قبر پر آئیں۔ قبر کھولی۔ ستار جوگن نے خود دیکھا کہ  
 مارتے چہرے کے ششورہ ہو کر رہ گئی۔ رکنی نے کہا  
 ستار! اس میں سے آج خزانہ نکلا ہے۔ پھر وہ

اٹھا کر سے پھرتے ہیں۔  
 سدا کے گھر سے بھی رکنی جوگن ایک پلاٹک کا بڑا ٹکڑا  
 لے کر پڑی تھی۔ انہوں نے دونوں تھیلوں میں خزانہ بھر کر صندوق  
 بنائی کر دیا۔ خزانے کا سانپ ایک طرف کھڑی مار سے  
 خاموش بیٹھا تھا۔ ماریا کا پتلا گھڑی میں بند پڑا تھا۔ خزانے  
 کے دونوں تھیلے اٹھا کر رکنی اور تارا نے انہیں ٹیکسی میں لاد  
 رکھ دیا۔

خزانے کے سانپ نے ناگ دیوتا کی بہن کو اس ظالم جوگن  
 کے پیچھے سے چھڑانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی قبر  
 سے نکل کر رکنی جوگن اور تارا کے پیچھے پیچھے چل پڑا تھا۔  
 سدا اور رکنی ٹیکسی میں سوار ہو گئیں تو سانپ بھی خاموشی سے  
 ٹیکسی کے پیچھے چڑھ کر دنگ سے چمٹ گیا ٹیکسی شہر کی طرف  
 روانہ ہو گئی۔

اپنے مکان کے سامنے آکر تارا نے رکنی کی مدد سے  
 خزانے کے دونوں تھیلوں کو مکان کے اندر رکھا اور بوڑھے  
 قدامتور کو تارا نے ایک سو روپے انعام دیا۔ بوڑھا ٹیکسی ڈرائیو  
 بہت خوش ہوا اور ٹیکسی لے کر اپنے مکان کی طرف چلا گیا۔  
 خزانے کا سانپ اتنی دیر یہ ٹیکسی سے اتر کر رہ گیا تھا تارا  
 کے مکان کی ٹیڑھی میں ایک جگہ چھپ گیا تھا۔ باقی ساری رات

رکنی جوگن اور تارا جوگن خزانے کو آدھا آدھا کرتے گزر گئی تارا  
 نے اپنے حصے کا خزانہ کوٹھڑی میں ایک جگہ کھڑیوں کے ڈھیر  
 کے نیچے چھپا کر رکھ دیا اور پھر وہ دونوں جوگن سہیلیاں مکان کا  
 دروازہ اندر سے بند کر کے سو گئیں۔

خزانے کا سانپ ڈیوڑھی میں سے رہنگتا ہوا اس کمرے  
 کے دروازے کے باہر آ کر ٹرک گیا۔ جس کے اندر سے اسے  
 ناگ دیوتا کی بہن کی بو آرہی تھی۔ سانپ دروازے کے پیچھے  
 سے ہو کر کوٹھڑی کے اندر چلا گیا۔ یہاں ایک تخت کے پیچھے  
 وہ گھڑی رکنی تھی جس میں ماریا پتلے کا شکل میں بندھی پڑی  
 تھی۔ وہاں رکنی اور اس کی سہیلی تارا موجود نہیں تھی وہ مدھری  
 کوٹھڑی میں خزانے کے پاس سو رہی تھیں۔

سانپ نے گھڑی کو کھول دیا۔ ماریا کا پتلا اس کے  
 سامنے تھا۔ سانپ نے ماریا سے کہا

ناگ دیوتا کی عظیم بہن ماریا! میں تمہاری مدد کرنے  
 کے لئے یہاں آیا ہوں۔ وہ دونوں عورتیں کہاں ہیں۔

ماریا نے سانپ کی زبان میں آہستہ سے کہا  
 وہ مدھری کوٹھڑی میں سو رہی ہیں مگر تم مجھے رکنی جوگن  
 کے منتر کی قید سے کیسے چھڑاؤ گے؟ کیا تم اس خطرناک  
 منتر کا تورا جانتے ہو!



خزانے کا سانپ۔

دنک دیوتا کی عظیم جیسا ستر کا قند جہ میں کوئی نہ  
نہی کہنے لگا۔ اس حالت سب سے زیادہ عزت کی بات  
کو جس پر اس سے نکلی لیا جائے۔

میں کے پتے نے کہا

لیکن تم بگے پس سے کچھ نکالو گے۔

خزانے کا سانپ۔

میں نے جوں گا۔ تم نکرت کر دو۔

اس کے ساتھ ہی سانپ نے ماریا کے چھوٹے سے پتے  
کو اپنی دم میں پیٹا۔ اسے زمین پر سے تھوڑا سا اوپر اٹھایا  
دیکھتا ہوا کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ ابھی دن نہیں نکلا تھا اور بات  
کا اندھیرا چادروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ سانپ ماریا کو اپنی دم  
سے لپیٹ کر اٹھائے گی سے نکلا اور بار بار میں آگیا۔  
بڑی تیزی سے جاگ رہا تھا۔

بارہ سنسن خند اگر دن کا وقت ہوتا تو سانپ کا پتہ  
نکل جاتا لیکن تھا۔ سانپ پرانے قبرستان کی طرف جانے کا  
بیگنے والی کے پرانے محل کی طرف چل پڑا۔ یہ پرانا قلعہ  
کھد پائندہ کے زمانے کا بنا ہوا تھا اور بالکل بے آباد اور  
ویران تھا۔ لوگوں میں مشہور تھا کہ اس قلعے میں بھوت پریت

رہتے ہیں۔ اس لئے قلعہ کے بارے کوئی اور کا رخ نہیں  
کرتا تھا۔

اس کو وہ پائندہ کے قلعے میں خزانے کے سانپ کی ایک  
ہن تاجن بہت مہنگی۔ خزانے کے سانپ نے ماریا کو اپنی تاجن  
میں کے پاس سے جا کر اس سے اس کی مدد کرنے کے سلسلے  
میں شہرہ کرنا چاہتا تھا۔ سانپ نے ماریا کے پتے کو پتا دیا کہ  
وہ اسے اپنی تاجن بہن کے پاس سے جا۔ اسے اس نے  
کی دھم سے راستے خالی اور سنسن پڑے تھے۔ سانپ نے  
ماریا کے چھوٹے سے پتے کو اپنی دم سے لپیٹ کر  
اٹھا رکھا تھا اور بہت تیزی سے دیکھتا چلا جا رہا تھا۔  
وہ مسج کی روشنی پہنچنے سے پہلے پہلے شہر سے نکل جاتا  
چاہتا تھا۔

سانپ کی رفتار بہت تیز جاتی ہے اور اگر اسے راست  
صاف مل جائے تو وہ ساتھ کو بیڑنی گھٹنے کی رفتار سے دوڑ  
سکتا ہے۔ خزانے کا سانپ اسی رفتار سے دوڑتا چلا جا رہا  
تھا۔ سڑکیں خالی پڑی تھیں۔ سانپ کے راستے میں کوئی  
رکاوٹ نہیں تھی۔ چنانچہ وہ کچھ دیر بعد وہی شہر سے اور  
کو وہ پائندہ کے پاس لے گئے میں پہنچ گیا۔ یہ قلعہ بہت  
خستہ حالت میں تھا۔ دروازہ غائب تھا۔ اندر جگہ جگہ بے

کے ڈھیر پڑے تھے۔ تھلے کی پرانی کوٹھڑیاں ڈھلے ہو چکی تھیں۔  
 رکھ کوٹھڑی کے نیچے چوٹی سے سرنگ تھی جہاں اندھیرا چھایا تھا۔  
 سانپ ماریا کے رشتے کو لے کر اس سرنگ میں آگئی۔  
 یہاں سانپ کی ناگن بہن رہتی تھی۔ اپنے بھائی سانپ  
 کی بویا کر ناگن سرنگ میں آگئی۔ سانپ نے ماریا کا ہاتھ  
 اپنی ناگن بہن کے سامنے رکھ دیا اور ساری کہانی بیان کر کے  
 ماریا کو بھی ماریا کے جسم سے ناگ دیوتا کی بویا کر  
 حتیٰ اس نے کہا

رکمنی جوگن کے پاس سانپوں کے ظلم کے طاقتور  
 ہیں وہ سانپوں کی زبان بھی سمجھ لیتی ہے۔ ماریا ناگ دیوتا  
 بہن ہے۔ ماریا کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔  
 سانپ نے کہا

اس لئے میں ماریا بہن کو لے کر تمہارے پاس آیا ہوں کہ  
 ہم ماریا کی کس طرح مدد کر سکتے ہیں کہ یہ اپنی اصلی صورت  
 میں واپس آجائے۔ کیونکہ ماریا بہن نے مجھے بتایا ہے کہ  
 وہ غیبی عورت ہے اور اصلی حالت میں ہر گز غائب  
 ہو جائے گی۔  
 ناگن کہنے لگی

اس پر رکمنی جوگن نے منتر پھونکا ہے۔ ہمیں اس سے

اس منتر کا توڑ معلوم کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس منتر کا توڑ بھی  
 رکمنی کے پاس ہی ہوگا۔

سانپ نے کہا

رکمنی سے منتر کا توڑ کیسے معلوم کریں گے۔ وہ تو ہمیں  
 کبھی نہیں بتائے گی۔

ناگن نے کہا

اس کے لئے مجھے کوشش کرنی ہوگی۔ تم لوگ ملکر رکو۔  
 یہاں اس قلعے کی سب سے نکلی سرنگ میں ہزاروں سال  
 پرانا ایک سانپ کا بت دیوار میں بنا ہوا ہے۔ ہمیں  
 پتھر کے اس سانپ کے پاس جا کر اس سے مشورہ لینا ہوگا۔  
 کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آدمی رات کو اس پتھر کے سانپ  
 کے منہ سے سیٹی کی آواز آتی ہے۔

ماریا نے پوچھا

کیا یہ سانپ بات ہی کرتا ہے؟

ناگن بولی۔

مجھے یقین ہے ماریا بہن کہ یہ پرانے سانپ کا  
 بت ہم سے ضرور بات کرے گا۔ کیونکہ یہ معاملہ ناگ دیوتا  
 کی بہن کا ہے۔

سانپ نے کہا



م آج رات ہی پتھر کے سانپ کے پاس جائیں گے۔  
 دوسری طرف جب سچا ہوئی اور رکنی جوگن جاگی تو اس  
 معلوم ہوا کہ اس کی گھڑی میں سے ماریا کا پتلا غائب ہے۔  
 جوگی کے سامنے سارا ہی پریشان ہو گئی۔ کیونکہ ماریا کے پتے  
 ابھی انہیں بے شمار خزانوں کا پتہ بتاتا تھا۔ رکنی کا پارہ  
 لگا۔ اس نے سارا پر الزام لگایا کہ ماریا کا پتلا اسی  
 خوانے کے لالچ میں آکر گم کیا ہے۔ بڑی مشکل سے  
 نے رکنی کو یقین دلایا کہ پتلا اس نے نہیں چھپایا بلکہ  
 نے اسے چرایا ہے۔ رکنی جوگن نے ایک خاص منتر پڑھا  
 کورحیاں دھیان کیا تو اسے صرف اتنا ہی علم ہو سکا کہ  
 کے پتے کو کوئی سانپ اٹھا کر لے گیا ہے اور پتلا اب  
 ایک اسی شہر میں ہی ہے۔

اب رکنی جوگن نے ماریا کے پتے کی تلاش  
 کر دی۔ وہ سارا دن دہلی شہر کے قبرستانوں ہندوؤں کے مرنے  
 جلائے شمشانوں پرانے کھنڈروں اور دیوان علاقہ پر  
 تلاش کرتی رہی مگر ماریا کے پتے کا کوئی سراغ نہ ملا۔ رکنی جوگن  
 نے ایک سانپ کو بلا کر ماریا کے پتے کے بارے میں پوچھا  
 تو اس نے کہا کہ وہ نہیں جانتا کہ پتلا کہاں پر ہے۔ رکنی  
 ماریا کے پتے کے بغیر واپس اپنے شہر نہیں جاسکتی تھی۔

رکنی نے جوگن کا بھیجیں بدلا اور اس سانپ کی تلاش میں  
 نکل کھڑی ہوئی جس نے ماریا کے پتے کو چھپایا تھا۔  
 وہ قبرستانوں ویرانوں اور کھنڈروں میں جا کر بن بھاتی۔  
 وہاں جو کوئی سانپ چھپا ہوتا۔ رکنی کی بین کی آواز پر باہر آ  
 جاتا۔ رکنی سانپ کی زبان میں اس سے ماریا کے پتے کے  
 بارے میں سوال کرتی۔ جب سانپ لاٹھلی کا اظہار کرتا۔ تو  
 رکنی جوگن آگے چل دیتی۔ سارا دن پھر کی در بدری کے بعد  
 شام کو رکنی جوگن واپس تارا کے گھر آ گئی۔

دوسرے ماریا کا پتلا اپنے ہمدرد سانپ اور اس کی ناگن  
 کے پاس پرانے قلعے کی سرنگ میں موجود تھا۔ جب  
 اسی رات کا وقت ہوا تو ناگن اکیلی ہی قلعے کی سب سے  
 نچل سرنگ میں اس جگہ آ گئی جہاں دیوار میں ہزار سال پرانے  
 سانپ کا پتھر کا بت بنا ہوا تھا۔ ٹھیک آدمی رات کے وقت  
 پتھر کے سانپ کے منہ میں سے سیٹی کی جھل جھل آواز  
 نکلنے لگی۔

ناگن نے بت کے آگے اپنا سر جھکایا اور اپنا زبان  
 میں کہا۔

سانپ دیوتا! اگر تم بول سکتے ہو تو مجھ سے بات  
 کرو۔ میرے پاس ناگ دیوتا کی بہن ماریا محبت نصیب

کی حالت میں آئی ہے۔ ایک جوگن نے اسے منتر پھونکا  
کر چھوٹا سا پتلا بنا دیا ہے اور اس کی مدد سے یہ لاپٹ  
جوگن زمین کے اندر چھپے خزانے نکالنا چاہتی ہے جو زمین  
کی امانت ہیں اور جس کی ہم ہمیشہ سے حفاظت کرتے  
آئے ہیں۔

پتھر کے سانپ کے منہ سے سیٹی کی آواز نکلتی ہے  
جو گئی۔ پھر پتھر کے سانپ نے بہت ہی دھیمی آواز  
میں کہا۔

مکار رکنی جوگن شہر میں ماریا کے پتلے کی تلاش  
بھٹکتی پھر رہی ہے۔ وہ کل دن میں کسی وقت اس پر اس  
تقلے میں بھی آئے گی۔ تم کسی طرح اسے بھلا بھلا کر  
اس سرنگ میں میرے بالکل سامنے لا کر بیٹھا دو۔  
میں سنبھال لوں گا۔ اب تم جاؤ۔

ناگن خوش خوشی واپس ماریا اور سانپ کے پاس  
آگئی۔ انہیں پتھر کے سانپ کی تجویز بیان کی اور کہا کہ  
کل رکنی جوگن سے مل کر اسے تقلے کی فیملی سرنگ میں  
آؤں گی۔ تم نکرہ نہ کرو۔ یہ کام میں بڑی ہوشیاری  
سے کروں گی۔

دوسرے دن ناگن تقلے کے بڑے دروازے کے

بلے کے ایک ڈھیر کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی۔ اس کی  
نظر تقلے کے باہر جاتی دیران مڑک پر لگی تھیں جو دور  
ہم دیران تھی۔ جب کافی دیر گزر گئی تو دور سے ناگن کو  
بین کی آواز سنائی دی۔ اس نے دیکھا کہ مڑک پر ایک گیارے  
کپڑوں والی جوگن بین بہاقلے کی طرف چلی آرہی ہے  
ناگن سمجھ گئی کہ یہی رکنی جوگن ہے جو ماریا کے پتلے کی  
تلاش میں آرہی ہے۔ ناگن خاموشی سے چھپی رہی۔ رکنی ناگن  
تقلے کے اندر آکر دور دور سے بین بھانے لگی۔ ناگن بلے  
کے ڈھیر کے پیچھے سے لپک کر جوگن کے سامنے آکر بین کی  
دھن پر رقص کرنے لگی۔

رکنی جوگن نے بین بھانی بند کر دی اور ناگن سے  
سوال کیا۔

کیا تم کسی ایسے سانپ کو جانتی ہو جو ایک چھوٹا سا  
پتلا اٹھا کر لے آیا ہو؟

ناگن دل میں بڑی خوش ہوئی اس نے کہا  
جوگن دیوی جی! ایک سانپ یہاں آیا تھا۔ اس کے  
پس ایک چھوٹا سا پتلا بھی تھا۔

رکنی جوگن نے جلدی سے پوچھا  
کہاں ہے وہ پتلا؟ مجھے وہاں سے لے



وہ کسکھ عورت کا چہرہ سا پتلا تھا جوگن اور  
اور سانپ اسے اس قتلے کی سب سے پھل سرنگ میں  
کے بعد کہیں چلا گیا ہے۔ میرے ساتھ آئیے۔ میں آپ  
پتلے کے پاس لئے چلتی ہوں۔

رکمنی جوگن کے دل کا کنول خوش سے کھل اٹھا۔ اس نے  
من کی مراد سمجھ آئی تھی اور گشہ پتلا اسے پر سے مل گیا  
وہ ناگن کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔ ناگن بڑی ہوشیار  
سے رکمنی جوگن کو پہلی سرنگ میں لے آئی۔ رکمنی نے کہا  
یہاں تو بڑا اندھیرا ہے وہ پتلا کہاں پر ہے؟

ناگن نے ادب سے کہا  
جوگن دیوی! میں آپ کو پتلے کے پاس ہی لے جاؤں گی  
ہوں۔ سانپ نے اسے پھل سرنگ میں ایک جگہ  
ہوا ہے۔

رکمنی جوگن پتلے کے لاپچ میں ناگن کے ساتھ پھل سرنگ  
میں بھی آگئی۔ جس جگہ دیوار میں ہزاروں برس پرانے سانپ  
کا بت بنا ہوا تھا۔ وہاں آکر ناگن نے رکمنی جوگن سے کہا  
جوگن دیوی جی! سانپ نے اس بت کے پیچھے  
کو چھپایا تھا۔ تم بت کے سامنے بیٹھ جاؤ۔ میں پتلے

زمین کے نیچے سے نکال کر دیتی ہوں

رکمنی جوگن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس طرح  
وہ دوسروں کے ساتھ دھوکہ فریب کرتی رہی ہے۔ آج اس  
کے ساتھ بھی فریب کیا جارہا ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں جو  
کوئی کسی کے ساتھ برا کر رہتا ہے۔ اس کو اس کی سزا مل کر  
ملتی ہے۔ یہ کائنات کا ان کاؤن ہے۔ نیک کرے گا۔ بدے  
من کی مراد سمجھ آئی تھی اور گشہ پتلا اسے پر سے مل گیا  
وہ ناگن کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔ ناگن بڑی ہوشیار  
سے رکمنی جوگن کو پہلی سرنگ میں لے آئی۔ رکمنی نے کہا  
یہاں تو بڑا اندھیرا ہے وہ پتلا کہاں پر ہے؟

ناگن نے ادب سے کہا  
جوگن دیوی! میں آپ کو پتلے کے پاس ہی لے جاؤں گی  
ہوں۔ سانپ نے اسے پھل سرنگ میں ایک جگہ  
ہوا ہے۔

رکمنی جوگن پتلے کے لاپچ میں ناگن کے ساتھ پھل سرنگ  
میں بھی آگئی۔ جس جگہ دیوار میں ہزاروں برس پرانے سانپ  
کا بت بنا ہوا تھا۔ وہاں آکر ناگن نے رکمنی جوگن سے کہا  
جوگن دیوی جی! سانپ نے اس بت کے پیچھے  
کو چھپایا تھا۔ تم بت کے سامنے بیٹھ جاؤ۔ میں پتلے

یہ عالم دیکھتا تو ہرچیز سے غصہ آتی  
پتھر کے سانپ نے کہا

ناگن! اس جوگن نے ننگ دیوتا کی بہن ماریا کے ساتھ  
جو ظلم کیا تھا اب اس کی سزا جھگڑے گی۔ اس کو دولت کا  
تھا۔ میں نے اسے سونے کی چھوٹی مورتی میں تبدیل کر  
دیا ہے۔ اب تم اس سونے کی مورتی کو ماریا کے پتلے کے  
پاس لے جا کر اس کے جسم سے لگاؤ۔ ماریا اپنی اصل  
حالت میں واپس آجائے گی۔  
ناگن نے کہا

سانپ دیوتا! تمہارا شکریہ مگر اس رکنی جوگن کے  
پتے کو ہم کیا کریں گے؟  
پتھر کے سانپ کی آواز آئی۔

رکنی جوگن کو سونے چاندی کے خزانوں کا شوق  
اب یہ خود سونے کا خزانہ بن گئی ہے۔ اسے تم زمین سے  
اندروں میں کر دینا جس طرح کہ لوگ خزانے دفن کیا کرتے  
اب تم جاؤ۔

ناگن نے رکنی جوگن کے سونے کے بے جان پتلے کو  
دم کے ساتھ پیٹ کر اٹھایا اور اپنے مہائی سانپ اور  
کے پاس آگئی۔ ماریا کہانی سنائی اور پھر رکنی کے سونے

پتلے کو ماریا کے پتلے کے ساتھ ڈرا سا لگایا، اس کے  
ساتھ ہی ماریا ایک دم سے غائب ہو گئی۔ ماریا اپنی اصل  
حالت میں واپس آگئی تھی۔ ناگن اور اس کا مہائی سانپ  
حیرت سے ادھر ادھر ٹھکنے لگے۔ کیونکہ انہیں ماریا لکڑی  
پر تھی۔ ماریا نے کہا

میرے مہائی سانپ اور میری بہن ناگن! میں تمہارے  
پاس موجود ہوں۔ تمہاری مہرانی سے اپنی اصل حالت میں واپس  
آچکی ہوں۔ میں تمہارا بہت احسان کہی نہیں بھلاؤں گی۔  
سانپ کی بہن ناگن نے کہا

ناگ دیوتا کی عظیم بہن کی مدد کرنا تمہارا فرض ہے۔  
پھر انہوں نے ایک جگہ زمین کھود کر رکنی جوگن کے پتلے  
پتلے کو مٹی کے اندر دفن کر دیا۔ ماریا نے ناگن کا ایک اور  
شکریہ ادا کیا اس کے مہائی سانپ کے ساتھ پتلے سے  
ماریا نے کہا۔ سانپ نے ماریا سے پوچھا کہ اب وہاں کیا  
ہوگا۔ ماریا نے کہا

رکنی کی سہیلی تارا کے پاس لوثا ہوا خزانہ چھوڑا ہے۔  
اسے وہ خزانہ واپس زمین کے چھوڑ دینا ہے جو لوگوں کا مالک  
نہیں ہے۔

ماریا نے سانپ کو اٹھایا اور وہاں پہنچا۔



گلیوں میں آگئی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ ہر طرف  
چھا رہا تھا۔ دہلی شہر کی سڑکوں اور گلیوں میں سبلی کے  
کھنبوں پر بلب روشن تھے۔ سڑکیں خالی تھیں لوگ اپنے  
گھروں میں سو رہے تھے۔ مارہا کو رکنی جوگن کی سہیلی تارا  
گھر کا پتہ تھا۔ وہ سانپ کو لے کر اس کے گھر میں  
ہوئی تو دیکھا کہ ایک کوشٹری میں تارا اپنے وہ ساتھی  
کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ دونوں آدمی شکل ہی  
ڈاکو اور بد معاش لگ رہے تھے۔ ان کے گلے میں  
پستول بھی لٹک رہے تھے۔

تارا کہہ رہی تھی۔

رکنی صبح سے گئی ہوئی ہے۔ اتنی رات ہو گئی ہے  
وہ ابھی تک نہیں آئی۔ اگر وہ آجائے تو تم دونوں مل کر  
اسے موت کے گھاٹ اتار دینا پھر ہم اس کے حصے کا  
خزانہ بھی آپس میں بانٹ لیں گے۔

ایک بد معاش مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

اسے آئیے دو۔ آتے ہی اس کی گردن مروڑ کر رکھ  
دون گے۔

تارا بول۔

رکنی جوگن طلسمی منتر بھی جانتی ہے تمہیں یہ کام  
بڑی

ہوشیاری سے کرنا ہوگا

دوسرا بد معاش بولا۔

تم فکر نہ کرو تارا بائی۔ ہم رکنی پر اچانک حملہ کریں گے  
اسے اتنا موقع ہی نہیں دیں گے کہ وہ ہم پر کوئی طلسمی منتر  
چھونک سکے۔

مونچھوں والا بد معاش کہنے لگا۔

ذرا وہ خزانہ تو نکال کر دکھاؤ تارا بائی۔ ہم بھی تو  
خزانے کے درشن کریں۔

تارا نے تخت کے نیچے سے دونوں پلاسٹک کے تھیلے  
نکال کر کھول دیئے۔ ان میں ایک تارا کا تھیلیا تھا اور دوسرا  
رکنی جوگن کا تھیلیا تھا۔ بد معاشوں نے قیمتی جواہرات، ہیرے  
موتی اور سونے کے زیورات دیکھے تو آنکھیں کھلی  
کی کھلی رہ گئیں۔ تارا کسی کام سے دوسرے کمرے میں  
گئی تو ایک بد معاش دوسرے سے کہنے لگا۔

ارے رامو! اس تارا بائی کا بھی قصہ ختم کر دیتے  
ہیں۔ اس کا مال بھی ہم آپس میں بانٹ لیں گے۔

رامو بد معاش بولا۔

بات تو تم نے ٹھیک کہی ہے شامو۔ تو پھر ذرا اپنا  
بڑا نکال کر مجھے دے دے۔ گولی چلائی تو

ہاگ پڑیں گے۔ سارا ہاگ کے لئے خیر کا ایک بکرا  
دور ہی کافی ہوگا۔

شامو بد معاش نے اپنا خیر نکال کر رامو کے حوالے کر  
دیا۔ رامو بد معاش نے خیر اپنی پادری کے نیچے چھپا لیا۔ ماری  
اور سانپ قریب ہی تھے۔ ماریا دونوں بد معاشوں کی باتیں  
سن رہی تھی۔ ماریا سمجھتی تھی کہ سارا کا زیادہ قصور نہیں ہے  
اس لئے اسے نہیں مرنے چاہیئے۔ پھر وہ کیسے دیکھ سکتی ہے  
کہ ایک بد معاش کسی عورت کو جان سے مار ڈالے ماریا  
دیکھتا کہ تارا دوسرے کمرے سے آئی تو اس نے فشت  
میں دودھ کے گلاس اٹھا رکھے تھے۔

یہ لو۔ تمہارے لئے لٹی ہوں۔ رکنی جوگن جب تک  
آتی تم دودھ پی کر اپنا حوصلہ بڑھاؤ۔

رامو اور شامو بد معاشوں نے ایک دوسرے کی طرف  
سے دیکھا اور دودھ پینے لگے۔ تارا تخت کے پاس آکر  
بیٹھ گئی اور خزانے کے تھیلوں کو بند کرنے لگی۔ ماریا  
نگاہ بد معاش پر تھی اس نے چادر کے نیچے سے آہستہ آہستہ  
ہاتھ کھسکایا۔ وہ تارا پر وار کرنے ہی والا تھا کہ ماریا نے  
نیچے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ اتنی زور سے مارا کہ  
اس کے ہاتھ سے اچھل کر چھت میں جا لگا۔ تارا اور

بد معاش چونکے۔ سارا سمجھ گئی کہ بد معاشوں نے اسے  
مار ڈالنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ وہ دوسرے کمرے کا دروازہ  
بھاگی۔ رامو نے چلا کر کہا

تمہارا خیر اوپر کیسے پھانسیا گیا حرام خور۔ اب میں اس  
پر گول پھانسیا ہوں۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ پستول نکالتا ماریا نے اس کی  
گردن پر زور سے تات ماری۔ بد معاش کی گردن ٹیڑھی  
ہو گئی اور وہ اسی طرح فرش پر لڑھک گیا۔ دوسرے بد معاش  
پر نفرت طاری ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے کسی نے اس  
کے ہاتھ پر بھی زور سے ہاتھ مار کر خیر اڑا دیا تھا وہ ڈر کر  
بہر دالے دروازے کی طرف بھاگا۔ ماریا نے اسے بھی  
راستے میں جا لیا اور سانپ سے کہا

یہ قاتل لوگ ہیں۔ ان پر رحم نہیں کیا جاسکتا۔ نہ جانے  
اب تک کتنے بے گناہ لوگوں کو مار چکے ہیں۔ تو تم اس  
کو سزا دو۔

سانپ اچھل کر بد معاش کی گردن پر گرا اور اسے  
ماریا دس دیا

دوسرا بد معاش پیچھے ہٹ کر گرا اور سانپ کے پیچھے  
پڑنے اسے اٹھنے کی جرات نہ رہی۔ تارا ڈر کے مارے



انجام کو پہنچ گئے ہیں۔ وہ اب تمہیں کچھ نہیں  
کہہ سکتے۔

مارا لے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا۔ دوسرے کمرے  
میں آئی تو دیکھا کہ دوڑوں بہمعاظوں کی لاشیں پڑی تھیں  
سہارا تو اور زیادہ ڈر گئی ماریا نے کہا

تمہیں اب ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تمہارے  
سامنے تھے۔ یہ قاتل اور ڈاکو تھے۔ ان کو ان کے گناہوں  
کی سزا مل گئی۔ میں تمہیں سزا سناتی ہوں اور یہ خزانے اپنے  
ساتھ لے جا رہی ہوں تاکہ زمین کی امانت زمین کو واپس  
مل جائے۔

ماریا نے سارے خزانے کو ایک ہی تھیلے میں ڈالا اور  
اسے اٹھا لیا۔ تاراک آکھوں کے سامنے خزانے کا ثقیلا  
قائب ہو گیا۔ اس نے لحاظ ہانڈ لے اور بولی۔

دیوی! میں اپنے گناہوں سے توبہ کرتی ہوں، آئندہ کبھی  
فرمان نہیں کروں گی۔ محنت مزدوری کر کے روٹی کھاؤں  
اور اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے زندگی گزار  
داں گی۔ مگر یہ تو بتائیں کہ رکنی جوگن کہاں ہے؟

ماریا نے کہا  
اے زمین نے اپنے اللہ نکل لیا ہے۔ وہ خزانے ک

دوسرے کمرے کے غسل خانے میں جا کر بند ہو گئی تھی۔ اس  
اتارے کنڈی لگائی تھی اور عورت کے مارے کانپ رہی  
تھی۔ ماریا غسل خانے کے بند دروازے میں سے گزار کر  
کے پیاس پٹی گئی۔

اس نے دیکھا کہ سہارا باقی غسل خانے کے کونے  
وجہ بیٹھی ہے اور درشت کے مارے ہل رہی ہے۔  
نے کہا

اس دولت کو بے کر کیا کر دگی جو تمہیں خوشی  
کی اور جس کی وجہ سے تمہیں جان کے لالے پڑ گئے  
اس آواز پر سہارا کے منہ سے مارے دہشت  
کے پیچھے نکلی گئی۔

ماریا نے کہا  
گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔  
سہارا نے ڈرتے ڈرتے کہا  
حس۔ تم کون ہو؟  
ماریا نے کہا

میں وہی پتلا ہوں جس کو تمہاری سہیلی رکنی نے اپنی  
گٹھری میں چھپا رکھا تھا اور جس نے اسے خزانے  
کا پتہ بتایا تھا۔ باہر نکل آؤ۔ دوڑو بہمعاظ اپنے

لاٹھی تھی۔ قدرت نے اسے خزانہ بنا کر زمین کے  
پہنچا دیا ہے۔

یہ کہہ کر ماریا نے سانپ کو ساتھ لیا۔ خزانے کا  
اٹھایا اور تارا بائی کے گھر سے نکل کر فضا میں پرواز  
گئی۔ وہ سب سے پہلے دریا پار پرانے قبرستان  
آئی۔ یہاں خزانے کو واپس زمین کے اندر دبا کر  
کو اوپر سے درست کر دیا اور سانپ سے پوچھا کہ  
کہاں جانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا

ناگ دیتا کی عظیم بہن ماریا! میں واپس اپنے  
گھر جاؤں گا۔ اگر میرے لائق کوئی اور خدمت ہو  
مجھے ضرور بتاؤ۔

ماریا نے کہا

نہیں میرے بھائی! تم اور تمہاری بہن نے مجھ پر  
بہت بڑا احسان کیا ہے اور میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں گی  
اب میں واپس میرٹھ کے قلعے میں جا کر یہ معلوم کرنا چاہتی  
ہوں کہ جس بے گناہ قیدی کو میں چھڑوانا چاہتی تھی وہ کس  
حالت میں ہے۔

یہ کہہ کر ماریا فضا میں پرواز کر گئی۔

سورج نکلنے تک ماریا میرٹھ کے قلعے والے فوجی بیٹے کو

پہنچ گئی۔ یہاں سیکورٹی کے اہل دست انتظامات اور جگہ  
جگہ پرے کو دیکھ کر ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے ایک  
سکھ سپاہی کو دوسرے سے بات کرتے سن لیا۔ وہ اسے  
بتا رہا تھا کہ پاکستانی لشکر کے فرار کے بعد ہمارے  
مہیبت بن گئی ہے اور سارا سارا دن ڈیوٹی پر کھڑے رہنا  
پڑتا ہے۔ ماریا کو خوش ہوئی کہ بے گناہ پاکستانی لڑکا ماریا کے  
دوست بزرگ سانپ کی مدد سے فرار ہو چکا ہے۔ اب  
بھارت میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ ویسے بھی اسے  
ناگ اور کیٹی کی تلاش بھی تھی۔ وہ لاہور کی طرف پرواز  
کرنے لگی۔ دوپہر کے وقت ماریا لاہور میں تھی۔ وہ  
فیروزپور روڈ کے اوپر سے گزر رہی تھی کہ ایک لگبھگ اس  
نے بورڈ لگا دیکھا جس پر لکھا تھا

یہاں جادو کے ذریعے بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے۔  
بورڈ پر کھڑی اور ٹیڑی کی تصویر بھی بنی تھی۔ ایک جن  
کی شکل بھی ساتھ ہی بنی ہوئی تھی۔ ماریا یونہی پولیس کے  
لئے اس جادوگر عامل کی بیٹھک میں آگئی۔ کیا دیکھتی ہے  
کہ کمرے میں موم بتیاں جل رہی ہیں۔ اگر بتیاں سگ رہی  
ہیں اور دو عورتیں سر جھکائے دھواں ہو کر بیٹھتی ہیں ان کے  
سامنے تخت پر ایک لمبی ڈالٹھ والا ہٹاکٹ آدمی سر پر



جادوگر دوں دالی گڑی پٹے بیٹھا بیٹھیا اوٹ پٹاگ منتظر  
پڑھ رہا ہے۔ وہ نوں عورتوں میں سے ایک وہیل پٹیں سسی  
لڑکی ہے۔ اس لڑکی نے سونے کے زیور پہن رکھے ہیں  
جادوگر عامل نے لال لال آنکھیں نکال کر دوسری عورت  
سے کہا۔

اب تم اس لڑکی کو میرے پاس چھوڑ کر چل جاؤ ایک  
گھنٹے بعد واپس آنا۔ اس لڑکی پر جس بھوت کا سایہ ہے  
وہ بڑا خطرناک بھوت ہے۔ تمہارے جانے کے بعد میں اس  
بھوت کو نکال دوں گا۔ جاؤ۔ جاؤ۔

بے چاری عورت جو اس لڑکی کی ماں لگتی تھی ہاتھ  
باندھ کر بولی۔

پیر جی! میری بیٹی کا جن اتر جائے گا نا؟

جھوٹے جادوگر عامل نے چلا کر کہا

مزدور نکل جائے گا۔ جن کا باپ بھی میرے ساتھ

نہیں ٹھہر سکتا۔

وہم پرست عورت سلام کر کے کمرے سے چلی گئی، اس

کے جانتے ہی سکار عامل نے لڑکی کو حکم دیا۔

اپنے سارے زیور اتار کر وہ مال میں پھیٹ دو۔

لڑکی نے ایسے ہی کیا۔ اپنے سارے سونے کے زیور

اتار کر وہ مال میں باندھ کر عامل کے حوالے کر دیئے۔ نقل  
عامل نے زیور کی پڑیل اپنے تنوت پر سرانے کے نیچے رکھ  
لی اور اوٹ پٹاگ منتظر پڑھنے کے بعد بولا۔

تجھ پر جس جن کا قبضہ ہے وہ تم سے پوچھنا چاہتا ہے  
کہ تمہارے گھر میں روپیہ پیسہ کہاں پر ہے۔

لڑکی نے ڈرتے ڈرتے کہا  
میرے فیڈی کے پاس نوٹوں سے بھرا ہوا ایک ہی  
ٹمپی کیس ہے جو وہ.....

ماریا نے جلدی سے لڑکی کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔  
لڑکی بوکھلا کر وہیں سنسن ہو کر رہ گئی۔ جھوٹے عامل نے  
چلا کر کہا

بتاتی کیوں نہیں کہاں رکھا ہے۔ نوٹوں کو تمہارے  
باپ نے!

لڑکی کا منہ تو ماریا نے بند کر رکھا تھا۔ جھوٹے جادوگر کو  
ماریا کا ہاتھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر لڑکی کا منہ وہ بند دیکھ  
رہا تھا۔ لڑکی سر اڑھ اڑھ مار رہی تھی۔ ماریا نے آواز میں  
مذاق پن پیدا کرتے ہوئے کہا

یہ نہیں بتائے گی میں تمہیں بتاتا ہوں۔

اتنا کہہ کر ماریا نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور چھوٹے پیر

جادوگر کی گردن پر پاؤں رکھ کر اسے اتنی زور سے دبا یا کہ اس کی پچھنیں نکل گئیں۔ اور وہ ہاتھ ہاتھ کر تھرتھرا کر کانپنے لگا۔

جن جی! مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔  
ماریا نے کہا

وعدہ کرو کہ تم آئندہ سے یہ کمرہ اور دھوکے بازی کا کام نہیں کرو گے۔ اس لڑکے کو اس کے زیور واپس کر دو۔ اپنے مکان کے باہر سے بورڈ آؤٹ دو اور اس شہر سے فوراً نکل جاؤ۔ یاد رکھو۔ تم نے اگر کسی دوسرے شہر میں بھی جا کر ان پڑھ چارل عورتوں کو بھلا پھسلا کر انہیں لوٹنے کا کام شروع کیا تو میں وہاں بھی پہنچ جاؤں گا اور پھر تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔  
جھوٹے پیر نے ہاتھ جوڑ کر کہا

میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب یہ دھوکے بازی کا فراڈ کام کبھی نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں کروں گا۔ میری جان بخش دو۔

ماریا نے نفلی جادوگر پیر کو اٹھا کر پیٹنگ سے باہر پیٹنگ دیا۔ وہ بازار میں دھڑام سے گرا اور چھٹا

چلاتا ایک طرف کو جھگ اٹھا۔ لڑکی کی خوف کے مارے بری حالت ہو رہی تھی۔ اس کی ماں دوڑ کر کمرے میں چلی گئی۔ ماریا نے زیور اس کی ماں کے حوالے کئے اور پہلی۔

تمہاری لڑکی بیمار ہے تو کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ عیہود اور آئندہ تم اسے لے کر کسی نفلی جادوگر کے پاس گئیں۔

ماں اور لڑکی دہشت کے مارے ہوئے پتے کی

طرح کانپ رہی تھیں۔ ماریا یہ کہہ کر بیٹھک سے پردار

کر گئی۔ اب وہ گلیگ کی طرف آگئی۔ سارا دن اس

نے گلیگ کی سیر کرتے گزار دیا۔ رات ہوئی تو ایک چینی

رستوران میں آگئی جہاں لوگ بیٹھے بڑے شوق سے

چینی کھانے کھا رہے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ رستوران

سے باہر سڑک پر ایک عزیز مہکارن عورت اپنے

بھوکے بچے کو سینے سے لگائے بیٹھنے سے لوگ کاروں

میں آتے ہیں اور ہوٹل کی طرف چلے جاتے ہیں بھکاری

عورت کو کوئی نہیں پوچھتا۔ ماریا کو بڑا دکھ ہوا۔ وہ

رستوران کے اندر گئی۔ باورچی خانے میں سے

اس نے ایک تھیلے میں چاول اور بھنا ہوا گوشت

لے لیا اور باہر لا کر مہکاری عورت کی بھولی میں ڈال

دیا۔ مہکاری عورت تو دنگ رہ گئی کہ یہ کونسا



سے آگے۔ مگر جس کی بھوک تھی۔ فوراً خود بھی کھانے لگی اور اپنے بھوکے بچے کو بھی کھانا شروع کر دیا۔ ماریا سکراتی ہوئی مٹاں سے پر واز کر گئی۔

جھوگ اور ماڈل ٹاؤن کے علاقے میں گھومتے گھومتے ماریا کو رات ہو گئی۔ جنگلوں اور کوٹھیوں کی بتیاں بجھ گئیں۔ سڑکیں سسنان ہو گئیں اور لوگ گہری نیند میں کھو گئے۔ کبھی کبھی کوئی کار سڑک پر سے گزر جاتی تھی۔ شاید رات کا ایک بج رہا تھا۔ ماریا کارڈن ٹاؤن کی خوبصورت کوٹھی کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اچانک اس نے ایک کوٹھی کی پچھل دیوار پر ایک سائے کو چڑھتے دیکھا

ماریا نے قریب آکر دیکھا کہ یہ کوئی چور تھا۔ اس کی مدد سے وہ کوٹھی کے پچھلے لان میں کود گیا۔ وہاں اس کا دوسرا ساتھی پہلے سے جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپا بیٹھا تھا۔ یہاں انہوں نے جیبوں سے اپنا اپنا پستول نکال کر اس کا جائزہ لیا اور سرگوشی میں باتیں کرنے لگے۔ وہ کوٹھی میں ڈاکے کا پروگرام بنا کر آئے تھے۔

ماریا نے ان ڈاکوں کو وہیں چھوڑا اور خود کوٹھی کے اندر چلی آئی اس نے دیکھا کہ ایک کمرے میں چھ بڑی جھوری رکھی تھی جس کے آگے ہانگ پر ایک ٹیکہ

بڑے مزے سے کھیل اڑھ کر سو رہی تھی گھر میں اور کوئی نہیں تھا۔ شاید ڈاکوؤں کو کسی نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ آج رات کوٹھی میں صرف بیگم صاحبہ ہی ہوں گی۔ نوکر اپنے کوارٹر میں سو رہے تھے۔

ماریا بیڈ روم سے باہر نکلی تو دیکھا کہ دونوں ڈاکو جھاڑیوں میں نہیں تھے۔ اس نے ادھر ادھر تلاش کیا۔ ڈاکو تو جیسے غائب ہی ہو گئے تھے۔ ماریا تیزی سے کوٹھی کے چاروں طرف گھوم گئی۔ مگر اسے دونوں ڈاکو کہیں بھی دکھائی نہ دیتے وہ پریشان سی ہو کر کوٹھی کے پچھلے لان میں واپس آگئی اور درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے جا کر ڈاکوؤں کو تلاش کرنے لگی۔ اچانک کوٹھی کے بیڈ روم میں سے کسی عورت کی چیخ بلند ہوئی۔ ماریا اچھل کر بیڈ روم کی طرف پھلی۔

اس سے آگے کیا ہوا۔ یہ جاننے کے لئے عنبر ناگ اور ماریا کی اگلی قسط نمبر ۱۳۳ مینار کا بھوت پڑھنا نہ بھولیے۔

# میتا کا پھوٹ

PDFBOOKSFREE.PK





# عزیز ناگ، ماریا اور کینی خلا میں میدناں کا بھوت

اے مجید

پیارے دوستو!

عزیز ناگ ماریا کی قسط نمبر ۱۲۳ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ کمان آپ دوستوں کی دُعا سے دلچسپ سے دلچسپ تر ہوتی جا رہی ہے۔ عزیز ناگ ماریا کیٹی اور تھوسانگ خلاؤں کی ایڈورچرس دنیاؤں میں حیرت انگیز واقعات اور سنسنی خیز حالات سے گذرتے اپنی نامعلوم منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ امید ہے آپ اس قسط کو بھی شوق سے پڑھیں گے اور اسی طرح مزے دار اور دلچسپ پائیں گے۔ جن طرح کہ پہلی قسطیں تھیں۔ آپ سب دوستوں کے مبارک بار کے خط مجھے برابر مل رہے ہیں۔ میں سب دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور انہیں الگ الگ جواب بھی الشاء اللہ سزور مکھوں گا۔ اچھا اب اگلی قسط تک اجازت دو۔ دیکھو کہ لاہور میں ماریا پر کیا گذر رہی ہے۔

تمارا اکیل

قیمت: ۵۰/۴

قیمت شوقی بیسویں روپیہ

۱۹۶۶

پبلشر: مکتبہ افرام - فی کھانہ - لاہور

طابع: مکتبہ افرام - فی کھانہ - لاہور



## کوٹھی میں ڈاکو

بیڑہ دم میں دونوں ڈاکو پستولیں تانے کھڑے تھے۔  
ان کے سامنے کوٹھی کی مالک بیگم صاحبہ اور ایک  
سہری لڑکی ہاتھ اوپر اٹھائے گھبرائی ہوئی کھڑی تھیں۔  
دوسری لڑکی کو بھی کسی کمرے سے نکال کر وہاں لے  
گئے تھے۔ اس لڑکی کے بال انگریزی فیشن کے کٹے ہوئے  
ہے اور اس نے سیلنگ ڈریس پہن رکھا تھا۔ دونوں  
بیتیں جو ماں بیٹی معلوم ہوتی تھیں اتنی گھبرائی ہوئی تھیں  
ان کا رنگ فق تھا اور تھرتھرا کانپ رہی تھیں۔

بیگم نے رزق آواز میں کہا:

خدا کے لیے ہمیں کچھ نہ کہنا۔ یہ۔ یہ سہرا بے  
کے نیچے بھوری کی چابیاں پڑی ہیں۔ تم ہماری  
سامی دولت لے لو۔ ہماری جان بخش دو۔

ایک ڈاکو نے اشارہ کیا۔ دوسرا ڈاکو جلدی سے پتنگ  
عزب درنگ مارے مارے اپنے اپنے چابیوں کا کچھ  
طرف کیا اور سر ہاتھ لے کر

## ترتیب

- کوٹھی میں ڈاکو
- سیارہ ڈیکاس
- ناک کی خطرناک مہم
- عزیز کو شلانے کی کوشش
- مینار کا مجتہد

نکال کر لے آیا۔ پھر اس سے پہلی رکاوٹ پر پہنچ کر  
دی۔ بخوری میں کرنی کوٹ بہت پڑے تھے۔  
نے بخوری کے دوسرے طرف کی سڑک پر چھوڑ  
توٹوں کی گلیوں ایک جگہ میں ڈالیں اور اپنے  
ڈاکو کے پاؤں لاکر رکھ دی۔  
دوسرا ڈاکو غز آیا:

”اگر تم میں سے کسی نے آواز نکالی تو اس  
کی لاش یہاں تڑپ رہی ہو گی۔ یہ بتاؤ۔  
اس لڑکی کا زیور کہاں ہے؟ ہمیں معلوم ہے  
اس لڑکی کی لگے ماہ شادی ہونے والی ہے  
اور تم نے اس کا زیور خرید کر یہاں کہیں  
رکھا ہوا ہے۔ جلدی بتاؤ۔“  
ڈاکو نے پستول کی نالی بیگم صاحبہ کی گردن کے  
لگا دی۔ بیگم بے چاری کی آواز نہیں نکلی دی  
خوف سے رز رہی تھی۔ اس نے کہا،  
”زیور — زیور تو بینک میں رکھا ہے۔“  
ڈاکو نے پستول کی نالی بیگم کی گردن میں  
غصے میں کہا:  
”بوری عورت تو جھوٹ بول رہی ہے۔“

آدی نے ہمیں بتایا ہے کہ زیور بینک میں  
نہیں رکھوایا گیا اور اسی کوٹھی میں ہے۔ اگر  
تم نے نہ بتایا تو سب سے پہلے تمہاری  
اس بیٹی کو جو دلہن بننے والی ہے کو  
ہلاک کریں گے۔

دوسرے ڈاکو نے اپنے ساتھی کے اشارے پر  
لڑکی کی گردن میں بازو ڈال کر اس کے منہ پر ایک  
باندھ رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے پستول اس کی کھینچ  
کے ساتھ لگا دی اور بولا،

”میں پانچ ہتک گنتی گنوں گا۔ اگر زیور کا پتہ  
نہ بتایا تو میں گولی چلا دوں گا۔“

وہ ایک دو تین چار گنتے لگا۔ پانچ ہتک ابھی  
نہیں پہنچی تھا کہ بیگم صاحبہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا:  
”میں بتاتی ہوں۔ میری بیٹی کو نہ مارنا۔ میں  
بتاتی ہوں۔ زیور وہ وہ کونے والی لڑکی

کے نیچے ڈبے میں پڑا ہے۔“  
ڈاکو اپنی فتح پر مسکرائے۔ فوراً ایک ڈاکو نے لڑکی  
کے نیچے سے ڈبہ نکال کر کھولا۔ وہ سونے کے نئے  
زیوروں سے بھرا ہوا تھا۔ ڈاکو اٹھ اٹھ ایسی 22 گنتے۔



خود کو لے فوراً جیب سے سکاچ ٹیپ نکال کر دونوں  
 حلقوں کے منہ پر چڑھا دی اور ان کے پاؤں باندھ  
 کر انہیں پینک پر ڈال دیا اور زیور اپنے تخیل  
 میں ڈالنے لگے۔ ماریا ان کے بالکل قریب ہی کھڑی  
 یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ اب وقت آ گیا تھا  
 کہ ماریا اپنا امیکشن شروع کر دے۔ دونوں ڈاکو  
 میں زیور اور سو سو کے نوٹوں کی گڈیاں ڈال کر  
 اسے بند کر رہے تھے۔

ایک ڈاکو نے کہا :

”جلدی کرو۔ اب ہمیں یہاں سے نکل جانا  
 چاہیے چوکیدار سائیکل پر چکر لگاتا آنے ہی  
 والا ہو گا۔“

دوسرا ڈاکو بولا :

”چوکیدار کو کیا پتہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ یہ  
 لو یہ دولت کا تخیل اپنے قبضے میں کر  
 اور یہاں سے بھاگو۔“

ایک ڈاکو نے تخیل اٹھایا۔ دوسرے نے پتہ  
 چمچ اور لڑکی کی طرٹ تان کر کہا :  
 ”اگر تم لوگوں نے والوں کو ہمارے ہاتھ

میں فوراً سا بھی بتایا تو ہمارے سامنے یہاں آکر  
 تم دونوں کو ختم کر ڈالیں گے۔  
 یہ دھمکی دے کر وہ ڈاکو دروازے کی طرف مڑا  
 دوسرا ڈاکو تخیل اٹھائے پہلے ہی دروازے کے پاس  
 پہنچ چکا تھا۔ ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا  
 کہ ماریا بھی دروازے میں کھڑی ہے۔  
 ماریا نے دوسرے ڈاکو کو آتے دیکھا تو دروازہ بند  
 کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی۔ ڈاکو ایک دم سے  
 مکا بکا ہو کر رہ گئے۔

یہ۔ یہ دروازہ کس نے بند کیا؟ ایک گھبرا کر بولا :  
 دوسرے نے چونک کر کہا :

”کسی نے چٹخنی بھی لگا دی ہے۔“

بیگم صاحبہ اور ان کی پڑھی لکھی گریجویٹ بیٹی نے  
 بھی دروازے کو اپنے آپ بند ہوتے اور اندر سے  
 اپنے آپ چٹخنی لگتے دیکھ لی تھی اور حیران ہو رہی  
 تھیں کہ یہ کیسے ہو گیا ؟

ایک ڈاکو نے پتہ کر کہا :

”کھڑکی میں سے باہر کو پھلو۔“

ماریا نے عین اسی لمحہ ماریا کو خلع لائی۔ 223

اب تو ڈاکو گھبرا گئے۔ وہ دروازے کی طرف دوڑے  
 کہ چٹنی کھول کر باہر کو فرار ہو جائیں کہ ماریا نے  
 اپنی عورت ہی کی آواز میں کہا :  
 "زیور اور نوٹوں کا پھیلا بھڑکی میں واپس  
 رکھ دو۔"

کسی غیبی عورت کی آواز سن کر دونوں ڈاکو غور  
 سے اچھل سے پڑے۔ انہوں نے گردنیں گھما کر  
 پلنگ پر بیٹھی بیگم صاحبہ اور اس کی بیٹی کی طرف  
 دیکھا۔

ایک ڈاکو نے کہا :  
 "ان کے منہ بند ہیں۔ یہ نہیں بول سکتی۔  
 دوسرا ڈاکو بولا :

"نہیں نہیں۔ یہ بوڑھی عورت ہی بولی ہے  
 گھبراتے کیوں ہو۔ چلو۔ بھاگو دروازہ کھول کر  
 ماریا دروازے کے آگے کھڑی تھی۔ اس نے  
 "تم بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ پھیلا بھڑکی  
 میں رکھ کر اپنے پستول فرش پر پھینک دو۔  
 ایک ڈاکو پر تو خوف طاری ہو گیا کہ یہ  
 جن سموت یا بدروح ہے جو وہاں آ گئی ہے

دوسرے ڈاکو نے اپنے ہوش و حواس برقرار رکھے  
 تھے۔ اس نے کیا کیا کر جلدی سے پستول نکالا اور  
 چھلانگ لگا کر بیگم صاحبہ کے پلنگ پر کودا اور  
 پستول ان کی کینٹی پر رکھ کر بولا :

"تم جو کوئی بھی ہو۔ اگر تم نے جہیں ہیں  
 سے جانے نہ دیا تو میں اس عورت کو  
 ہلاک کر دوں گا۔"

پھر اس نے بیگم صاحبہ کو زبردستی پلنگ پر سے  
 اٹھایا اور دھکیٹا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ ایک  
 طرح سے اس نے بیگم صاحبہ کو اپنی آڑ بنا لیا تھا  
 مگر وہ ماریا سے کیسے بچ کر نکل سکتے تھے۔ دوسرا  
 ڈاکو تو دیہن سسم کر بیٹھ گیا تھا۔ ماریا خاموش ہو  
 گئی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنی جگہ سے  
 چل کر اس ڈاکو کے پاس آ گئی جس نے ایک ہانڈ  
 سے بیگم صاحبہ کو دبوچ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ  
 میں پکڑی ہوئی پستول بیگم کی کینٹی سے لگا رکھی تھی۔  
 بیگم بے چاری کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ اس کی  
 کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے  
 اور یہ جن بھوتوں کی آغوش میں ہے



۱۳  
 ماریا نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنا ہاتھ ڈاکو کے  
 پستول والے ہاتھ کے پیچھے لے جا کر ایک دم  
 سے اوپر کو جھٹکا دیا۔ ڈاکو کے ہاتھ سے پستول  
 چھوٹ کر دور جا گری۔ اس نے چلا کر اپنے ساتھی  
 سے کہا :

"پرویز پستول پکڑ کر لڑکی کو قابو میں کر دو۔  
 مگر دوسرے ڈاکو کی تو خوف کے مارے جان  
 نکلی جا رہی تھی۔ وہ وہیں فریش پر سہما ہوا بیٹھ  
 رہا اور بولا :

"یہ کوئی نیک درج آگئی ہے۔ اس سے  
 معافی مانگو۔ تھیلہ تجوری میں رکھ دو۔"  
 ڈاکو نے بیگم کی گردن دلوٹ لی۔ اب ماریا کی  
 لحاظ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے ڈاکو کو گردن سے  
 پکڑ کر پیچھے کھینچا اور اس کے منہ پر اُلٹے ہاتھ  
 زور سے طمانچہ مارا۔ ماریا نے ابھی پوری طاقت  
 ختم نہیں کی تھی اور اپنی طرف سے بہت ہلکا  
 مارا تھا مگر ڈاکو کے لیے یہ طمانچہ اتنا زبردست  
 کہ وہ دو قلا بانیاں کھا کر فریش پر دھڑام سے  
 142 اس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ بیگم عاجز و ڈر کر  
 پٹنگ پر اپنی بیٹی کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئیں اور  
 آنت الکرسی مشریت کا درد کرتے لگیں۔  
 ماریا نے ان سے مخاطب ہو کر کہا :

بیگم صاحبہ! میں جو کولہ بھی ہوں مگر بدروغ  
 نہیں ہوں اور آپ کی مدد کے لیے یہاں آئی  
 ہوں۔ آپ بالکل نہ گھبرائیں۔

پھر ماریا نے ان کے منہ سے سکاٹ ٹیپ اتار  
 دی اور پاؤں کی رستی بھی کھول دی پھر کہا :  
 کہیں سے رستے لے آئیں اور شور مت مچانا۔

بیگم صاحبہ آئینہ الکرسی پر اٹھیں دوسرے کمرے میں  
 چل گئیں۔ ماریا نے اس کی بیٹی کے منہ سے بھی سکاٹ  
 ٹیپ اتار دی اور پاؤں کی رستی کھول دی۔ دونوں  
 ڈاکو فریش پر حیران پریشان بیٹھے تھے۔ جس کے دانت  
 ٹوٹ گئے تھے۔ وہ دو قلا بانیاں کھا کر فریش پر دھڑام سے  
 143 اس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

ماریا نے ان دونوں کے پستول چھین کر پٹنگ پر  
 پھینک دیئے اور لڑکی سے کہا :  
 اگر تمہارے باپ راناگ جلدی خاں چلیں تو

اتنے میں بیگم صاحبہ رستی لے کر آ گئیں۔ ماریا نے دونوں ڈاکوؤں کی رستی سے متھکیں کس دیں۔ ان پر اب ایسی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ ان کے جسم بے جان سے ہو کر ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔

بیگم صاحبہ نے کہا :

”اے نیک روح ! تم کون ہو؟“

ماریا نے کہا :

”آپ جلدی سے فون کر کے پولیس کو بلائیں

ان باتوں کی اس وقت ضرورت نہیں ہے۔“

بیگم صاحبہ نے اپنی بیٹی سے کہا :

”شلا جلدی سے فون کر دہنگامی پولیس کو۔“

اس لڑکی کا نام شلا تھا۔ وہ ابھی تک گھبرائی

تھی۔ پھر بھی پڑھی لکھی لڑکیاں گھبرانے پر بھی اپنے

حواس میں رہتی ہیں۔ وہ دوسرے کمرے میں غمی

پولیس کو فون کرنے لگی۔ شلا کی ماں یعنی بیگم

ماریا سے بات کرتے گھبرا رہی تھی۔ کیوں کہ اسے

اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی اور وہ اسے

443 پریت ہی سمجھ رہی تھی۔ اگرچہ اس نے

کو نیک روح کہہ کر ہی پکارا تھا۔ اصل میں

سے بہت ڈر رہی تھی۔

ماریا نے بھی خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ دونوں

ڈاکو رستی میں جکڑے فرش پر سے ہوئے بیٹھے تھے۔

شلا کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے بتایا کہ پولیس

کو فون کر دیا ہے۔ وہ آ رہی ہے۔

ایک ڈاکو نے جو بہت ہی ڈرا ہوا تھا کہا :

”خدا کے لیے ہمیں معاف کر دیں۔ ہم آئندہ

کبھی ایسا کام نہیں کریں گے۔ ہمیں پولیس کے

حوالے نہ کریں۔“

ماریا نے کہا :

”میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ اسی لیے

تمہیں پولیس کے حوالے کر رہی ہوں۔ ورنہ

پہلے میں نے تمہیں ہلاک کر ڈالنے کا فیصلہ

کھا تھا۔“

ڈاکو ایک دم بھیگی ہاتھ بن گیا۔

باہر چپ تیزی سے آ کر رکی اور پھر ایک تھانڈی

اور چار سپاہی اندر داخل ہوئے۔ تھانڈی کے ہاتھ

میں لپٹول تھا۔ سپاہیوں نے رائفلیں اٹھا رکھی تھیں۔

بیگم نے تھانڈی اٹھائی اور دیکھا کہ جلدی داخل ہوئی۔ 223



بھین پکڑ رہا ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب کھیل ہے اور بچوں کے  
 سارا وقت تھانیدار کو مت دینا۔ مگر یہ نہ بتایا کہ  
 ڈاکوؤں کو ان دو کمزور عورتوں سے کیسے پکڑا  
 جائے اور بولا۔

بچیم صاحب! میں دیکھ رہا ہوں کہ ڈاکوؤں  
 نے یہاں سے جو زیورات اور نوٹ لوٹ  
 تھے وہ ان کے قبیلے میں پڑے ہیں اور  
 ان کے پستول بھی ہم نے انے قبیلے میں  
 لے لیے ہیں۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ  
 آپ دو کمزور عورتیں ہیں۔ دونوں ڈاکوؤں کے  
 پاس پستول تھے۔ پھر آپ نے انہیں کیسے پکڑا  
 اور ان کی منگیلیں بھی کس دیں؟

اس پر ایک ڈاکو ڈرتے ڈرتے بول پڑا۔  
 تھانیدار صاحب ہیں ایک جھوٹ نے پکڑ  
 ہندھا ہے۔

جھوٹ نے؟ تھانیدار نے تعجب سے سوال کیا۔  
 "جی ہاں" ڈاکو نے کہا اس جھوٹ نے ہی میرے  
 منہ پر چھپرہ مار کر میرے ذہن کو قوت سے  
 تھانیدار ہنسنے لگا اور اپنے ایک سپاہی سے بولا

ان کو دماغ غلاب ہو گیا ہے۔ آج تک کسی  
 جھوٹ نے ڈاکو نہیں پکڑا۔ یہ حال انہیں ہمارے  
 لیے چلنا۔

پھر جاتے دار نے بچیم صاحب اور ان کی بیٹی شیدا  
 کے ابتدائی بیانات کچھ اور گہرے سے سن لیے پھر  
 نے دونوں ڈاکوؤں کو جھگڑیاں پتا کر چپ میں بٹھا  
 رکھا تھا۔ تھانیدار چپ میں سوار ہونے لگا تو اس کے  
 کان میں کسی عورت کی آواز آئی۔

تھانیدار صاحب! کیا آپ جھوٹوں پر یقین  
 نہیں رکھتے؟

تھانیدار ایک دم سے وہی خشک کر رہ گیا۔ یہ  
 آواز میرا کی تھی۔ تھانیدار نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں لے  
 کوئی عورت نظر نہ آئی۔ پھر یہ آواز کس کی تھی؟ اس  
 نے سوچا۔ یاد آئے۔ آہستہ سے تھانیدار کے کان سے پر  
 آواز آئی۔

جھوٹ کے منہ سے تھانیدار کا جہم نکت سے نکلا  
 ہو گیا اور وہ اس کی کھڑے کا کھڑا ہوا۔  
 دہرایا نے کہا۔

ٹیک دل بھوت میدان میں آ جاتے ہیں۔  
خدا حافظ !

کہہ کر ماریا نے اپنا ہاتھ اٹھا لیا۔ تختیار دوکنا  
جیب میں گھس گیا اور جیب چلانے کا حکم دیا۔

کوئی میں اب اس پاس کی کوئیوں کی عورتیں  
بھی آ گئی تھیں۔ سرد ڈاکوؤں کو پکڑنے پر بیگم صاحبہ  
شہلا کی بھاری کی تعریف کر رہے تھے۔ بیگم اور اس  
بیٹی شہلا پٹنگ پر خاموش بیٹھی تھیں۔ انہوں نے  
اور نقد رقم تجوری میں بند کر کے تالا لگا دیا تھا۔

جب سب ہماری عورتیں اور مرد لگے تو بیگم  
بیگم صاحبہ نے لوگوں کو اندر بے جا کھڑیاں لگائیں  
حکم دیا اور غور اپنی خواب گاہ میں ریٹ گئیں  
سوچے لگیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نیک  
بچہ کر اس کی مدد فرمائے۔ درنہ آج اس کی  
پتہ نہ لگتی تھی۔ شہلا ساتھ دے آئے۔

پر لیٹی سوچ رہی تھی کہ یہ بھوت کی بھوت  
وہ سائنس کی سٹوڈنٹ تھی اور بالے میں پڑھ  
145 سے لپٹن نہیں آ رہا تھا کہ یہ کوئی بھوت  
روح تھی۔ ماریا اس کے پٹنگ کے پاس ڈریسنگ

سٹول پر بیٹھی تھی۔ اسے شہلا بڑی پیاری لگتی تھی۔ ماریا کے  
دل میں خواہش پیدا ہوئی تھی کہ وہ شہلا کو اپنی سیلی  
جیب میں گھس لے۔

اس نے دیکھا کہ شہلا بستر پر چپ چاپ لیٹی چھت  
اس نے دیکھا کہ شہلا بستر پر چپ چاپ لیٹی چھت  
ماریا نے آہستہ سے کہا:

شہلا! کیا بات ہے۔ ہتھیں بند نہیں آ رہی  
شہلا ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ بھٹی چھت  
آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ کمرے میں مذمت  
جیمپ کی روشنی تھی۔

ماریا نے کہا:  
گھبراؤ نہیں شہلا! میں مہاری دوست ہوں۔  
شہلا کے ہونٹ خشک ہو گئے۔ اس نے ہونٹوں پر  
زبان پھیرتے ہوئے کہا:  
تم۔ تم۔ کون ہو؟  
ماریا نے کہا:

اس سوال کا جواب بہت لمبا ہو جائے گا۔ اگر  
ایسا وقت آیا ہو سکتا ہے پھر کسی وقت ہمیں  
اس کا جواب دینا اگرماریا خلیائی 223



میتیں یہ ضرور کتا چاہوں گی کہ میں جھوٹ  
یا کوئی روح نہیں ہوں۔  
شہلا اور زیادہ حیران ہوئی، کہنے لگی،  
"اگر تم روح نہیں ہو۔ جھوٹ پرست نہیں  
ہو تو پھر — پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تم  
غائب ہو؟"

شہلا کو ماریا کی بہنی کی آواز سنائی دی۔  
ماریا نے کہا:

"تم یہ سمجھ لو کہ میں بھی بہتاری طرح کی ایک  
لڑکی ہوں۔ میں خوبصورت ہوں۔ میرے بال سنہری  
ہیں۔ میری آنکھیں نیلی ہیں اور میرا نام ماریا ہے۔  
شہلا نے تعجب سے پوچھا،

"اگر تم میری طرح کی لڑکی ہو تو پھر مجھے نظر  
کیوں نہیں آتی؟"

ماریا بولی: "یہ ایک راز ہے جو میں تمہیں  
ابھی نہیں بتا سکتی۔ لیکن یقین کرو میں کوئی  
جھوٹ یا روت نہیں ہوں۔ تم پڑھی لکھی لڑکی  
ہو اور پڑھی لکھی لڑکیاں اور لڑکے ان باتوں  
پر یقین نہیں کیا کرتے۔"

شہلا کو اب کچھ حوصلہ ہو گیا تھا۔ اس کا کچھ  
خوش بھی دور ہو گیا تھا۔ اس نے نیم روشن کمرے  
میں جھڑے۔ ماریا کی آواز آ رہی تھی ادھر کو دیکھتے  
ہوئے کہا:

ماریا! مجھے یہ بات بڑی ایڈونچر ہے  
کہ میں ایک ایسی لڑکی سے بات کر رہی  
ہوں جو غائب ہے اور کسی کو نظر نہیں آتی۔  
یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیسے آ گئیں اور کیا اب  
یہاں سے چلی جاؤ گی؟ تم کہاں کی رہنے والی  
ہو؟ کیا جہاں تم رہتی ہو وہاں بھی لڑکیں غائب  
حالت میں رہتی ہیں؟  
ماریا نے مسکرا کر کہا:

"تم نے ایک ہی سانس میں مجھ سے کتنے ہی  
سوال پوچھ لیے ہیں۔ میں تمہیں ایک جملہ  
میں جواب دیتی ہوں کہ میں اس ساری دنیا  
میں رہتی ہوں اور میری کوئی سہیلی یا بھائی  
غائب نہیں ہوتا اور میں ابھی لاہور شہر ہی  
میں رہوں گی۔ لیکن کوئی پتہ نہیں کہ  
پہلی جادوئی عین بد رن آگ ماریا خلائ 223

شہلا خاموش سی ہو گئی۔  
 ماریا نے جلدی سے کہا،  
 لیکن تم نکل نہ کرو۔ جب بھی مجھے منتیں تیار  
 جاؤں گی۔  
 شہلا خوش ہو گئی کہنے لگی،  
 کیا تم میری سیلی بنو گی ماریا؟  
 ماریا نے کہا،  
 جس لڑکی کا کچھ پتہ نہیں کہ کب تم سے ہوا  
 ہو جائے۔ اس کو سیلی بنا کر کیا کرو گی؟  
 حالانکہ خود ماریا کا دل چاہتا تھا کہ شہلا کو اپنا  
 سیلی بنا لے۔ مگر اسے خیال آیا کہ وہ تو نہ جانتی  
 کس وقت کسی دوسرے ملک اور کسی دوسرے  
 میں پہنچ جائے۔  
 شہلا نے کہا،  
 تم جیب تک لاپور میں ہو میرے ساتھ رہو  
 تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔  
 ماریا نے شہلا کا ہاتھ تھام کر کہا،  
 مجھے منظور ہے۔  
 یہ دیکھ کر کچھ گھبرا گئی کہ ایک فیسی

اس کا ہاتھ تھام رکھا۔ ماریا نے ہاتھ چھوڑ دیا۔  
 تم ڈر تو نہیں رہی ہو شہلا؟  
 شہلا نے کہا،  
 بالکل نہیں۔ پہلے ڈر ہی تھا۔ اب نہیں۔ اب  
 تو تم میری سیلی بن گئی ہو۔ اب میرے  
 ساتھ میرے کالج پڑنا۔ پلو کہ نا۔  
 ماریا نے کہا،  
 "مزدور چلوں گی۔ اب تم سو جاؤ۔ میں سو نہ سکتی  
 پاس آؤں گی۔"  
 شہلا نے پوچھا،  
 "تم کہاں جاؤ گی ماریا؟"  
 ماریا نے ہنس کر کہا،  
 "یہ ساری دنیا میرا گھر ہے۔ سب لوگ میرے  
 بہن بھائی ہیں۔ میں کہیں بھی جا سکتی ہوں۔ اچھا  
 خدا حافظ! شب بخیر!"  
 شہلا نے ایک منٹ بعد آہستہ سے آواز دی،  
 "ماریا؟ تم میرے پاس ہو کہ نہیں؟"  
 ماریا نے کہا۔ شہلا میں تمہارے پاس ہوں۔ پہلے میں  
 تھے سوچا تھا کہ کہیں اور جا کر ٹھہروں گی۔ اب میں نے ارادہ



بدل لیا ہے۔ میں جیسے تمہارے پاس رہوں گی۔ اور میرے ساتھ کالج چلوں گی۔  
 شہلا نے خوش ہو کر کہا۔ صبح تم میرے پاس شہر و گی

صبح میرے ساتھ کالج بھی چلوں گی۔ میں تمہیں وہاں اپنی ہی پیار سی سیٹی دیکھانے سے ملواؤں گی۔ ماریا آؤ اور میرے ہی چادر پائی پر لیٹ جاؤ

ماریا بہ بہن شہلا میں تمہارے ساتھ نہیں سوؤں گی اس سوئے پر سو جاتی ہوں

شہلا۔ اچھا جیسے تمہاری مرضی۔

پھر بڑی دیر تک ماریا، شہلا کو غبر ناگ اور کیٹی کے میں بتاتی رہی۔ جو اس کو بہت یاد آ رہے تھے۔ اچانک ماں نظر گھڑی پر پڑی تو اس نے شہلا سے کہا۔ شہلا اب سو جاؤ۔ رات کے بارہ بج رہے ہیں۔ تمہیں صبح کالج دیر نہ ہو جائے۔

شہلا اچھا۔ اب تم بھی سو جاؤ شب بخیر کہتے ہو۔ شہلا لیٹ گئی۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ گہری نیند سو گئی۔ جبکہ ماریا جاگ رہی تھی کیونکہ سونا جانا اس کے لیے مستعد نہ تھا۔

صبح کلاک نے جب پانچ بجائے تو ماریا نے دیکھا چکی تھی۔ اس نے اٹھ کر سب سے پہلے وضو کیا

غاز پڑھی اور پھر دوسرے کمرے کی طرف چل دی۔ جہاں اس کی والدہ بھی غاز پڑھ کر فارغ ہو چکی تھیں۔ شہلا نے اپنی امی کو بتایا کہ ماریا رات میرے پاس ہی ٹھہری تھی اور ہم رات گئے تک باقیں کرتے رہے ماریا نے مجھے اپنے بہن بھائیوں کی بہت دلچسپ باتیں بتائیں۔ شہلا کی والدہ یہ سن کر کچھ پریشان سی ہو گئی۔ اور اپنی بیٹی کو مطالب کر کے ہوئے کہا کیا تمہیں انس سے کچھ خوف نہیں آیا۔ شہلا نے جواب دیا۔ نہیں اتنا۔ ماریا تو بڑی اچھی ہے اور اب وہ میری سیٹی بن چکی ہے۔ آج اس نے کالج میرے ساتھ جانا ہے۔ رات میں نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ میرے ساتھ کالج جائے گی۔ اب آپ جلدی سے جو دروازے کے لیے ناشتہ تیار کروادیں۔ شہلا کو کیا معلوم تھا کہ ماریا کو تو ناشتہ کی ضرورت ہی نہیں۔ تھوڑی دیر بعد جب شہلا کی امی نے اسے بتایا کہ ناشتہ تیار ہو گیا۔ تو وہ ماریا کو بلا نے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے میں آکر شہلا نے ماریا کو آواز دی۔

ماریا بولی تو اس کے جواب میں کہا۔ چلو ناشتہ تیار ہے۔ جلدی سے ناشتہ کریں۔ کالج کا ٹائم بھی ہو رہا ہے۔

ماریا کو ناشتہ کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بھی شہلا کی خوشی کے لیے وہ اس کے ساتھ چلی پڑی۔ ناشتہ کے بعد وہ میز تک آئیں دیکھا تو ناشتہ تیار تھا۔ شہلا نے کہا ماریا بہن

درد میں خود پیش کرتی

ناشتہ سے فارغ ہو کر وہ گاڑی میں بیٹھ کر کالج کی طرف  
پہل دیں۔ شہلا گاڑی خود چلا رہی تھی راستہ میں شہلا نے  
ایک عورت کا ذکر چھیڑ دیا۔ اور کہا کہ یہ میری بڑی پیاری سی بیٹی ہے  
ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے دو بھائی  
ہیں۔ ایک کی شادی ہو چکی ہے۔ اور دوسرے کی ہونے والی  
ہے۔ ان کا باپ فوت ہو چکا ہے۔ دونوں بھائی اپنی بہن  
بہت چاہتے ہیں۔ اور اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے  
ہیں۔ یہ بڑھائی میں بہت اچھی ہے۔ ہمیشہ اپنی کلاس میں  
آتی ہے۔ ہاں نہیں ایک مڑے کی بات بتاؤں میں تو اس  
عورت کی وجہ سے اسے بہت ہی چاہتی ہوں۔ لیکن ہمارے  
میں ایک لڑکی فوڈین ہے جو کہ اس سے بہت جلتی ہے  
اکثر اس سے لڑائی کے بہانے ڈھونڈتی رہتی ہے۔ اس  
اپنی ساتھی لڑکیوں ایک گروپ بنایا ہوا ہے جو اسے  
تنگ کرتی رہتی ہیں۔ یہ لڑکی سارے لڑکیوں سے  
اچسن کر سچیں خاموش رہتی ہے۔ اسے صرف اپنی پڑھائی  
سے غرض ہے۔ اور وہ اپنی تو اس طرف رکھتی ہے  
میں ان لڑکیوں کو اکثر سمجھاتی رہتی ہوں کہ تم کیوں فوڈین  
کی وجہ سے اسے تنگ کرتی ہو گی اس لیے کہ وہ ایک

لڑکی ہے اور ہر وقت نہیں کہہ نہ کہہ ملاتی پلاقی رہتی ہے۔ اسلئے  
کہ اتنا بے ضمیر نہیں ہونا چاہیے لیکن ان پر اس بات کا کچھ  
ثر نہیں ہوتا۔ یونی باتیں کرتے کرتے ان کی گاڑی کالج  
کے گیٹ تک پہنچ گئی۔ شہلا گاڑی سے اتری اور ماریا سے  
چھوٹا سا مٹھی مٹھی گاڑی سے باہر آ گئی ہو۔ ماریا کے جواب دیا  
کہ میں گاڑی سے باہر آ گئی ہوں۔ شہلا نے کہا۔ ٹھیک اب  
میں گاڑی کو بند کرتے لگی ہوں۔ گاڑی بند کرنے کے بعد  
شہلا نے ماریا سے کہا۔ اب تم میرے ساتھ چلو۔

جب وہ دونوں شہلا کے کلاس روم کے قریب پہنچیں۔ تو  
ماریا کمرے میں داخل ہو گئی۔ لیکن شہلا کو اس کی ایک سیٹی نے  
سلام دعا کرتے ہوئے روک لیا۔ ماریا یونی کمرے میں داخل  
ہوئی تو اس نے دیکھا۔ ایک ڈسک پر ایک لڑکی اپنی کتاب چرسے  
میں مصروف ہے اسے ارد گرد کی کچھ خبر نہیں کہ کون آیا کون  
آ گیا۔ اس کے نزدیک ڈسک کے پاس ایک لڑکی ایک پرس سے  
نکل کر اپنے پرس میں ڈال کر جلدی سے چل دی ہے۔  
پڑھنے والی لڑکی کو اس بات کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اتنے میں  
ماریا میں کمرے میں آ گئی اور آہستہ سے ماریا کو آواز دی۔ اور  
بے صبر ماریا کو بلایا۔ لڑکی نے لڑکی کو آواز دی۔ اور  
میری سیٹی لڑکی نے لڑکی کے جسرٹ میں کمرے میں داخل ہوئی تمام لڑکیاں



اس کے ساتھ مل کر کسی بات پر چس رہی تھیں۔ شملانے آہستہ سے ماریا کو بتایا کہ یہ لڑکی نورین ہے جس کے متعلق میں نے اس ماریا کو بھی سمجھ لیا۔ ماریا بھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ بتایا کہ یونہی ریحانہ کو تنگ کر رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ اس ڈسک کے قریب آ گئی۔ جس پر پرس رکھا ہوا تھا۔ وہ ہی بڑھ چڑھ کر الزام تراشی کر رہی تھی۔ ماریا دیکھ رہی تھی کہ وہ سب خوش گلیوں میں مصروف ہیں کہ اس ماریا چاہتی تو فوراً اس ڈرامہ کو ختم کر دیتی۔ لیکن وہ دیکھنا میں سے ایک لڑکی نے نورین کو مخاطب کرتے ہوئے چہرے پر اس پر نورین نے پرس کھولا۔ تو پریشان ہو کر بولی اس سے کسی نے میرے پیسے چھرا لیے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں اسے یہاں رکھ گئی تھی آج صبح ہی میں نے اسے چھرا روپے لیے تھے۔ بالکل نئے نوٹ تھے۔ جب میں گئی تھی ماریا نے ریحانہ کے اس کمرے میں کوئی اور نہ تھا۔ ماریا یہ سن کر ساری بات سمجھ گئی۔ اس نے دیکھا کہ ان میں وہ لڑکی موجود ہے۔ جس نے اسے کھول کر کچھ نکالا تھا اور جو لڑکی ہی ہوں گے۔ ماریا نے سنا نورین کہ وہی تھی کہ یہ کام ریحانہ کے اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ اسی نے میرے پیسے چھرا لیے ہیں۔ ہم اس کی تلاشی لیں گے۔ شملانے جب تو خشتے میں نورین سے کہا تمہیں کسی پر جھوٹا الزام لگانا چاہیے۔ چہتہ نہیں تم کہاں پیسے گرا آئی ہو۔ ریحانہ پر چڑھی کہنے کا الزام لگاتی ہو۔ ریحانہ نے دیکھا تمام لڑکیاں نورین کی بات میں ہاں مل رہی ہیں اور سب

ہے۔ اس کے روپے کہیں چھپا دیئے ہیں۔ اسے پرنسپل  
 پاس لے چلو۔ ماریا پہلے اس لڑکی کو سزا دینا چاہتی تھی  
 کہ شہلا کو بتا دے کہ روپے اس لڑکی کے پرس میں  
 چھپے اس نے سوچا اس طرح نوزین کو کسی شرمندگی سے  
 چارہ نہیں ہونا پڑے گا۔ جس نے سوچے سمجھے بغیر لڑکی  
 پر چوری کا الزام لگا دیا ہے۔ پہلے اسے سزا دینا چاہی  
 اس نے فوراً آگے بڑھ کر اس لڑکی کا پر  
 کھولا اور اس میں سے روپے نکال کر جلدی  
 نوزین کے پرس میں ڈال دیئے۔ ماریا فارغ ہی ہوئی  
 کہ سب لڑکیاں دیکھنا نہ ہو کہ روپے کس  
 کی طرف لے جانے لگیں۔ دیکھنا جو نادر و قتلار روپے  
 اور سب کی طرف بے یس کے عالم میں دیکھ رہی تھی  
 خاص طور پر اپنی سہیلی شہلا کی طرف کہ وہ اسے کیا  
 گی۔ حالانکہ میں بے قصور ہوں۔ لیکن میں اپنا بے قصور  
 کیسے ثابت کر سکتی ہوں۔ لڑکیاں نذر دوستی دیکھنا نہ ہو  
 کے کمرے میں لے گئیں۔ اور تمام صورت حال پرنسپل کو  
 یہ سن کر پرنسپل پر ہلکتا عالم چھا گیا۔ وہ بھی دیکھنا نہ ہو  
 لڑکی سمجھتی تھی۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا  
 لڑکی دیکھ کر پرنسپل نے نوزین سے کہا کہ تم اب تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا کہ میرا پرس تھا  
 دیکھا کہ پرس کھلا تو اس کے اوپر ہاتھ رکھ کر دیکھا



گیا۔ کہ اچانک پرس پر نسیل کا میٹر پر گرا یہ دیکھ کر پڑا  
 سمیت سب لڑکیوں کی چیغیں نکل گئیں کہ یہ کیسے غائب  
 ہوا اور کیسے آگیا۔ لیکن شہلا جان چکی تھی کہ یہ سب کثرت  
 ماریا کا ہے جسے وہ اس ہنگامے میں بھول چکی تھی  
 اس نے ماریا کو بلانے کے لیے منہ کھولا لیکن ایک ہاتھ  
 نے اس کا منہ بند کر دیا۔ شہلا سمجھ گئی کہ ماریا نہیں چاہتی  
 کہ میں اسے پکاروں۔ وہ خاموش ہو گئی۔ سب لڑکیوں  
 جلدی سے دروازہ کی طرف جموت جموت پکارتے پکارتے  
 وہ لڑکی جس نے روپے پرائے تھے وہ درمیان میں  
 ماریا نے آگے بڑھ کر اُسے پکڑ لیا۔ اور آہستہ  
 اس کے کان میں کہا۔ خبردار جب تک میں نہ کہوں  
 بگ سے بھنا نہیں۔ وہ لڑکی بُری طرح سے خوفزدہ  
 ہو چکی تھی۔ خوف کے مارے اس کی آواز نہ نکلتی تھی۔  
 رہی تھی۔ ماریا نے اپنا منہ اسے قریب کرتے ہوئے  
 کہا۔ دیکھو لڑکی میں جو بات کہہ رہی ہوں غور سے  
 سو۔ اب تم کسی قسم کا جھوٹ نہیں بولو گی۔ میں ایک  
 جہوں میں کسی کو کچھ نہیں کہتی۔ اس وقت جب  
 کوئی غلط بات نہ کرے۔ اب میں اُنہی آواز میں  
 پوچھوں گی تم اس بات کا صحیح جواب دو گی۔ اگرچہ

اور پھر اسے اپنے یکے کی معافی مانگنا پڑی۔ میری یہ نصیحت ہے کہ کسی پر بغیر سوچے سمجھے یا ثبوت کے الزام نہ لگانا چاہیے اس طرح کئی اچھے لوگ غلط فہمی کا شکار ہو کر بدنام ہو جاتے ہیں۔ روپے تو کسی نے چوری کیے اور بدنام ریحانہ کو کیا اب میں آپ سب کے سامنے اس لڑکی سے پوچھ رہی ہوں کہ اس نے نورین کے پرس سے روپے چوری کیے اگر اس نے جھوٹ بولا تو اسے کڑی سزا ملے گی۔ اور پھر تو اسے آپ سب کے سامنے ریحانہ اور نورین سے معافی مانگی۔ اور آئندہ کے لیے توبہ کرتا ہوگی۔

انگریزی لباس والی لڑکی جو پہلے ہی خوفزدہ تھی نے چوری کا اعتراف کر لیا اور فوراً ریحانہ کے پاؤں میں گر کر مانگنے لگی۔ ریحانہ نے غصے سے منہ دوسری طرف پھیر لیا لیکن پھر ماریا کے یہ کہنے پر کہ اچھے لوگ اگر بڑے لوگوں معاف نہیں کریں گے تو وہ سیدھے مانتے پر کیسے آئیں گے بھم بھی معاف کرو۔ اس طرح ریحانہ اور نورین دونوں نے اسے معاف دیا۔ پرنسپل نے ماریا کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ریحانہ کو بے پچایا اور غلط حرکت کرنے والوں کو سزا دلوائی۔ کے بعد سب لڑکیاں اپنے کلاس روم میں کھانے کی طرف چل دیں۔ سب سے پیچھے تھی اور ریحانہ اس سے آگے تھی نے

453 ماریا کو پکارا تو ماریا نے جواب دیا کہ نامور مٹی سے چلا

تھارے ساتھ ہوں۔ کسی کو پتہ نہیں چلتا چاہئے کہ میں تنہا دوست ہوں اور تھارے ساتھ کالج آئی ہوں۔ ہاں تم ایسا کرو۔ ریحانہ کو روک دو جب سب لڑکیاں ڈوور چلی جائیں تو ہم کالج سے باہر جائیں گی اور کسی پر سکون جگہ بیٹھ کر ریحانہ کو سب کچھ بتائیں گے۔ شہلا نے ایسا ہی کیا۔ ریحانہ جو اس سارے واقعے سے بہت پریشان تھی۔ یہ جان کر بہت خوش ہوئی کہ اس کی سہیل شہلا کی دوست ماریا نے اس کی مدد کی۔ اس نے ماریا کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ آئندہ بھی جب کہیں وہ لاہور آئے تو اسے ضرور ملے کیونکہ اسے پتہ چلا تھا کہ ماریا جلد ہی لاہور سے چلی جائے گی آج دونوں سہیلیاں کالج سے چھٹی کرنے کے ماریا کے ساتھ شہلا کے گھر آئیں۔ اور وہاں بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔ پھر دوپہر کا کھانا کھٹھا کھایا۔ یونی چادریج گئے تو چائے پینے کے بعد ریحانہ تو چلی گئی اور ماریا نے اسے بڑی محبت سے رخصت کیا۔ اور کہا کہ جب بھی پھر وہ لاہور آئے گی تو ضرور ملے گی۔ شام گہری ہوتے ہی ماریا نے شہلا کو کما کر اب وہ جا رہی ہے۔ اور کہا کہ میں جب تک یہاں ہوں تمہیں ملتی رہوں گی۔ اتفاق سے کہیں چلی جی توجہ کیوں لاہور آؤں گی تو تمہیں ضرور ملوں گی۔ اچھا خدا حافظ۔ شب بخیر!

ماریا لاہور نہ بکون لیگ ماریا کی ایک لکھی 223

مقبّرے میں آ گئی۔ چونکہ اس کا اپنا تعلق تھارے سے



اس نے سوچا کہ باقی رات مقبرہ جھنگیر کی تاریکی میں سے کسی رات کے کرانے میں گذارنی چاہیے۔

بلکی بلکی چاندنی عین صبح ہوئی۔

کے مینار خاموش کھڑے تھے۔ ماریا ایک بار پشیمان مٹی کے تیل کا لیپ جل رہا تھا۔ بوری زمین اس مقبرے کی سیر کر چکی تھی۔ پھرتے پھرتے ایک کھدائی کے درختوں کے نیچے گرا گیا۔ اور آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر دریائے رادی خاموشی سے بہ رہی تھی۔ ایک آدمی نے جیب سے ایک شیشی نکال کر ان اچانک بلکی بلکی چاندنی میں ماریا کو ایک انسانی مقبرے کے پیچھے ایک کوٹھڑی کی طرف دوڑتا آیا۔ ماریا کو کچھ شک ہوا۔ وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھی۔

اس نے دیکھا کہ یہ ایک بٹا کا آدمی تھا۔ اس نے ایک بوری اٹھا رکھی تھی۔ کوٹھڑی سے دو بٹے کئے آدمی باہر نکل آئے۔

اے آئے؟ متیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟

بالکل نہیں۔ بوری والا آدمی بولا: مگر اس حوالہ کو جوتھ آئے لگا ہے۔

دوسرے آدمی نے کہا:

اے جلدی سے کوٹھڑی میں لے آؤ۔

عن بڈن آگ ماریا خ لائی 223

مستعد ہوتے ہاتھ سے اپنے آپ کو  
 یہاں ایسی حرکت کون کر سکتا ہے  
 پیلا بدمعاش کہنے لگا  
 نہیں۔ میرے ہاتھ پر کسی نے ہاتھ مارا ہے  
 تیسرا بدمعاش بولا:

”اچھا شیشی کو اٹھا کر دیکھو تو سہی۔ اس  
 میں دوائی بچی ہے تو لڑکے کو بے ہوش  
 کر دو۔ اسے ہوش آگیا تو یہ شور مچا دے گا۔  
 اس بدمعاش نے شیشی کو اٹھانا چاہا مگر وہ چپکا  
 ہو چکی تھی۔ وہ بولا:

”حکرم دین! یہاں ضرور کوئی جن رہتا ہے۔  
 دیکھو اس نہ کر اوٹے۔ اس لڑکے کے سر پر یہ  
 مار کر اسے بے ہوش کر دے۔ جلدی کر دو۔  
 ہوش میں آ رہا ہے:

جونی اس آدمی نے ڈنڈا کونے سے اٹھایا۔  
 اس کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین کر اس کی پیچھے پر  
 زور سے مارا کہ اس کے منہ سے بے اختیار  
 غم۔ وہ بھوت بھوت کہتا باہر کو دوڑنے لگا تو  
 کوٹھڑی کا دروازہ اندر سے بند کر دیا اور ایک  
 155 سے مار کر ان تینوں بدمعاشوں کو بے ہوش کر

## سیارہ ڈیگاس

اب ہم عنبر ناگ اور ہتھوسانگ کی طرف چلتے ہیں۔  
 پچھل قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر ناگ اور  
 ہتھوسانگ اپنی خلائی اڑن طشری میں خلائی لڑکیوں  
 اڈاشا اور ٹایا کے ساتھ جزیرے سے خلا کی طرف  
 پرواز کر گئے تھے۔ ان کی منزل اڈاشا اور ٹایا کا تیار  
 تھا جہاں سے خلائی مخلوق ان دونوں کو اغوا کر کے زمین  
 پر لے آئے تھے۔

اڈاشا اور ٹایا دونوں بڑی ماہر خلا باز لڑکیاں تھیں۔  
 ہتھوسانگ بھی خلائی سفر میں ان کی مدد کر رہا تھا۔  
 عنبر اور ناگ خلائی اڑن طشری کے ایک کمرے میں  
 بیٹھے ماریا اور کیٹ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے  
 انہیں ماریا کے زمین پر رہ جانے کا بہت افسوس تھا۔  
 ناگ نے آہ بھری کہنا  
 223 عنبر ناگ ماریا کی خلائی  
 ماریا ایک بلی کی شکل میں ہم کے جدا ہونے



ہے خدا جانتے وہ کس حال میں ہوگی۔  
عنبر نے کہا :

”جہیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ کسی نہ کسی  
شکل میں کبھی نہ کبھی ہمیں ضرور آن لے گی  
بہر حال اس وقت ہمیں کیٹی کی زیادہ فکر  
ہے۔ اس کے پیارے کا پتہ چلانا ایک  
مشکل کام ہے۔“

ناگ بولا : ”میرا خیال ہے کہ ہم ادناشا اور نانا  
کو ان کے پیارے پر چھوڑ کر کیٹی کی تلاش میں  
نکل چلیں گے۔“  
عنبر نے کہا :

”مگر ہمیں ابھی تک بھی تو معلوم نہیں کہ  
کیٹی کون سے پیارے میں ہے۔ خلا میں کڑوں  
کائناتیں ہیں اور اربوں پیارے ہیں۔“

ناگ نے عنبر کو تسلی دیتے ہوئے کہا :  
”قدرت نے جس طرح ہمیشہ ہماری مدد کی ہے۔  
اسی طرح اب بھی کیٹی کی تلاش میں ہماری  
مدد کرے گی۔“

عنبر دیوار میں لگے مشبوط اور موٹے شیشے میں

باہر خلا میں دیکھ رہا تھا۔ خلا کا رنگ بالکل سیاہ  
تھا جس میں پیارے انگاروں کی طرح دھک دھک تھے  
ان کی اڑن طشتری روشنی کی رفتار کے ساتھ خلا میں  
سفر کر رہی تھی۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ  
روشنی کی رفتار ایک لاکھ پھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ  
ہے اور اتنی رفتار پر پہنچ کر ہر شے اتنی بھاری ہو  
جاتی ہے کہ اس کا وزن ہمالیہ کے پہاڑ سے بھی  
دس گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ پہلا اصول تو یہ ہے  
کہ جو چیز ایک لاکھ پھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی  
رفتار سے سفر کرتی ہے وہ سکڑ کر اتنی چھوٹی ہو جاتی  
ہے کہ خود روشنی کی شعاع بن جاتی ہے دوسری بات  
یہ ہوتی ہے کہ اس کا وزن بے پناہ بڑھ جاتا ہے۔  
یعنی اگر ایک فٹ بال روشنی کی رفتار سے سفر شروع  
کرتا ہے تو وہ ایک سیکنڈ کے بعد نیویارک کی ساری  
عمارتوں کے بوجھ کے برابر ہو جائے گا۔

اڈن طشتری اس لیے سکڑ کر چھوٹی نہیں ہوتی تھی  
کہ اسے ایک ایسی خلائی دھات سے بنایا گیا تھا  
جس پر اتنی زبردست رفتار کا اثر نہیں ہوتا تھا۔  
لیکن اس کا غن بڑن اگ ماری الخ لائی 223 ایک

پہلے میں کراچی کی ساری عمارتیں اور دوسرے پڑے  
 میں روشنی کی رفتار سے سفر کرتے ہوئے اٹن طشری  
 دی جائے تو اٹن طشری کا پورا پورا پھر میں نیچے  
 جھک جائے۔ اس بے پناہ وزن کی وجہ سے اٹن  
 کے اندر دباؤ کا ناقابل یقین حد تک بڑھ جاتا ہے  
 اور اصول کی بات تھی مگر خلائی اٹن طشری کے  
 ایک ایسا کمپیوٹر انڈر نظام کام کر رہا تھا جس نے  
 طشری کی فضا کو اتنے شدید دباؤ سے بچائے رکھا  
 پیارے دوستو! یہاں ہم فزیکل سائنس کا ایک  
 اصول بنا دینا چاہتے ہیں۔ ہم جس دنیا میں چل  
 رہے ہیں۔ یہ بالکل ایک ایسی کوکا کولا کی بوتل  
 طرح ہے جس کو دباؤ کے ذریعے ہوا بند کر  
 ہے۔ یعنی ہم سے ہر شخص اپنے جسم سے کم  
 چار پانچ گنا زیادہ وزن اپنے سر پر اٹھائے  
 پھر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے  
 کے گرد فضا کا ایک الیا کرہ ہے جس نے  
 زمین کی طرف دبا رکھا ہے۔ اس دباؤ کی وجہ  
 ہمارے جسم کے ایکٹرون دغیرہ ایک دوسرے  
 پے ہوئے ہیں۔ اس فضا کے دباؤ سے ہمارے

کے اٹن ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ایک  
 دباؤ ہمارے خون کا ہے جو اندر سے باہر کا طرف  
 یہ رہا ہے۔ اس اندر کے دباؤ کو باہر کے دباؤ  
 اعتدال میں کر رکھا ہے اس کے علاوہ زمین  
 کی کشش میں زمین کے ساتھ لگائے ہوئے ہے۔  
 اگر فضا کا دباؤ ختم ہو جائے تو ہمارے جسم کے  
 اندر کا دباؤ ہمارے جسموں کو غبارے کی طرح فضا  
 میں دھاکے سے اڑا دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔  
 اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے ہم انسانوں پر جس کا شکر  
 ادا کرتے کے لائق ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں۔  
 چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب خلا باز زمین کی فضا سے  
 باہر نکل کر خلا میں پہنچتے ہیں اور اپنے خلائی جہاز  
 سے نکل کر خلا میں چل قدمی کرتے ہیں یا چاند  
 پر اترتے ہیں تو انہیں پریشہ سوٹ یعنی دباؤ کا  
 لباس پہننا پڑتا ہے۔ اس خلائی سوٹ میں اتنا ہی  
 دباؤ بھرا ہوتا ہے جتنا کہ ہمارے بدن کو سلامت  
 رکھنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اگر خلا میں کسی خلا باز  
 کے سوٹ کو ذرا سی پن کی لوک بھی چھو جائے تو  
 خلا باز غبارے کی بطور ان گنم لویا خل ای 223



بہر حال یہ سامنے کے وہ اہل اصول ہیں جنہیں  
آپ انشاء اللہ بڑی جماعتوں میں پیش کر خود بخود  
پڑھیں گے۔ لیکن آپ دوستوں کو اپنی زمین اور کاشت  
کے بارے میں ابتدائی اور ضروری معلومات دینا  
اپنا فرض سمجھتا ہوں کیوں کہ علم حاصل کرنا ہر  
کا فرض ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک  
میں علم حاصل کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ دوسرے  
ترقی یافتہ ملک کے بچوں کی طرح ہمارے وطن  
کے بچوں کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری زمین  
ہے؟ اس کی گردش، فضا کے دباؤ، اس کی کشش  
اور اس کے ارد گرد پھیلے ہوئے خلا میں قدرت  
کون کون سے اہل قانون کام کر رہے ہیں۔

اٹرن طشتری خلا میں بے پناہ رفتار سے بھاگی  
جی بھتی۔

مگر باہر سیاروں کو دیکھنے سے ایسے لگتا تھا جیسے  
اٹرن طشتری ایک جگہ کھڑی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی  
کہ خلا میں باہر کوئی ایسی شے نہیں تھی جو اٹرن طشتری  
کے قریب ہونے کی وجہ سے تیزی سے پیچھے کو بھاگ  
پلے کہ اٹرن طشتری آگے کو دوڑ رہی ہے۔

کی بات ہے کہ ہم کسی شے کو پیچھے جاتے دیکھ  
کر ہی پتہ چلاتے ہیں کہ ہم آگے جا رہے ہیں  
اگر ہم کسی بوتل میں بیٹھ کر ہزاروں میل کی  
رفتار سے آگے دوڑ رہے ہوں لیکن ہمیں پیچھے کو  
جاتی کوئی شے دکھائی نہ دے تو ہمیں یہ محسوس  
ہو گا جیسے ہم بوتل میں بند ایک جگہ ٹکے ہوئے  
ہیں۔ اس کا ہلکا سا تجربہ ہمیں ہوائی جہاز میں سفر  
کرنے سے ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز زمین سے بیس ہزار  
فٹ کی بلندی پر چھ سات سو کلو میٹر فی گھنٹہ کی  
رفتار سے اڑ رہا ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم شیشے کی گول  
بوتل میں سے باہر دیکھیں تو لگتا ہے کہ ہمارا جہاز  
بھی جگہ پر کھڑا ہے۔

آپ بوری تو نہیں ہو گئے دوستو! یہ بڑی ضروری  
معلومات ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ سب دوستوں  
ان باتوں کا علم ہو۔ یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ  
ہماری زمین سے اوپر ایک سو بیس میل کی بلندی کے  
خلا مشروع ہو جاتا ہے۔

اچھا اب ہم اٹرن طشتری کی خلا میں  
عنباروں کی ماری ۲ خلا میں 223 ہیں۔  
اور فائیا اٹرن طشتری کی کاک سپٹ میں

خلائی سکریں پر نظریں جمائے بیٹھیں تھیں۔ سکریں  
 نچے کمپیوٹر خلائی راستے کی ایک ایک تفصیل بتا  
 تھا۔ وہ خلا میں کتنی دور آگئے ہیں؟ وہ کس  
 پر رہے ہیں؟ آگے کون سی کائنات شروع ہو  
 ہے۔ اور اس کائنات کے کتنے نظام شمسی ہیں  
 ستر ہیں؟ خلا میں تابکاری کی شدت کتنی  
 وحیرہ و حیرہ۔

خلائی انسان تھیسواگ خلائی راڈار کنٹرول پر  
 بیٹھ کر سکریں پر گھومتی ہوئی راڈار کی سوں  
 سے دیکھ رہا تھا اور کمپیوٹر پر اس کی انفرم  
 کر رہا تھا۔ حیرانہ ناگ بھی لاک پٹ  
 ان کے پاس آگئے۔ اڈانٹا نے حیرانہ سے کہا  
 حیرانہ تم مزید معلوم کرنا چاہتے ہو گے کہ  
 زمین سے پہلے کتنی دیر ہو گئی ہے؟  
 حیرانہ نے مسکراتے ہوئے کہا

میرا خیال ہے زمین کے حساب سے تو  
 ایک دن اور ایک رات ہی گزری ہے  
 مگر وہ دنیا مسکراتے ہیں۔  
 یہ سب بھی مسکرا

حیرانے کہا:

اورے بھی ہمیں اناڑی نہ سمجھا۔ اس سے  
 پہلے ہم کئی بار خلا میں سفر کر چکے ہیں اور  
 ہمیں معلوم ہے کہ زمین اور خلا کے وقت میں  
 زمین آسمان کا فرق ہے۔  
 دنیا نے مسکراتے ہوئے کہا:

نہیں نہیں حیرانہ جانی! ہم تھیں اور جگ  
 جیتا کو اناڑی ہرزہ نہیں کہتیں۔ ہماری خلا  
 کے لیے عرصہ ہے کہ خلا کے حساب سے  
 ہمیں سفر کرتے پندرہ بری گزرتے ہیں کیج  
 رفتہ کے اعتبار سے ہم نے صرف ایک  
 کا ہی سفر کیا ہے۔

ناگ نے اپنے سر پر ادا پھر کر کہا:  
 یہ باتیں ہماری بکریوں تو نہیں آتی ہیں  
 تو یہ باتیں کر آپ لوگوں کا پیارہ ابھی  
 کتنی دور ہے؟

اڈانٹا نے تھیسواگ کی عورت دیکھ کر  
 تھیسواگ! آپ نے یہ رات ہی گزری ہے  
 تھیسواگ بولا:



ابھی نہیں اڈٹاش! لیکن راڈار کی سونے ایک  
نیلے رنگ کے ننھے سے ننھے کو نکال کر دیکھنے  
کا ہے۔

نٹایا بولی: یہی ہمارا سیارہ ہے۔

پھر وہ سب بھتوسانگ کے قریب آ کر جھک  
خلائی راڈار کی سکرین کو دیکھنے لگے۔ چھوٹی سکرین  
چمکی سونے گھوم رہی تھی۔ ایک خاص زاویے پر  
اسی سکرین کے اوپر کونے میں ایک ننھا سا نیلا  
چمک اٹھتا۔

اڈٹاش خوش ہو کر بولی:

نٹایا! ہم ٹھیک سمت پر جا رہے ہیں۔ یہی اڈٹاش نے کہا:

ہمارا سیارہ ہے۔

لیکن ہمارے نظام شمسی میں سورج کا درجہ حرارت  
یہ نیلا نقطہ نہیں راڈار کے بعد اب خلائی  
کی بڑی سکرین پر بھی نظر آنے لگا تھا۔ پہلے الگ  
رنگ گہرا نیلا تھا۔ اب جوں جوں سیارہ قریب شدید  
رہا تھا اس کا رنگ ہلکا ہونے لگا تھا۔ وہ ناچاقی  
کی طرح گول تھا۔  
حیرت نے کہا:

160 اس کی گولائی بالکل ہماری زمین کی طرح ہے  
223 عین پتھر کی قیامت خیز رفتار سے یہ سیارہ  
اٹن طشری قیامت خیز رفتار سے یہ سیارہ

ہماری زمین بھی گیند کی طرح گول نہیں ہے  
بلکہ ایک طرف سے ناشپاتی کی طرح انجمی  
ہوتی ہے۔

نٹایا کہنے لگی:

ہمارے سیارے کی اپنے مرکز کے گرد اور سورج  
کے گرد گردش بھی ہماری زمین کے برابر ہے  
اور سورج سے ہمارے سیارے کا فاصلہ بھی بالکل  
اتنا ہی ہے جتنا فاصلہ ہماری زمین کا ہے۔  
ناگ بولا: اس کا مطلب ہے کہ ہمارے سیارے  
پر ہماری زمین ایسے حالات ہوں گے۔

کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ سارے سائز میں اس  
ہماری زمین جتنا ہو گیا تھا۔ اور اس کی سطح پر  
کے پہاڑ اور تودے جگہ جگہ پھیلے ہوئے دکھ  
رہے تھے۔

ادٹاشا نے ریڈیو سگنل پر اپنی زبان میں  
سے باتیں شروع کر دی تھیں۔ سارے کا کنٹرول  
اب اڈن طشتری کو گائیڈ کر رہا تھا۔ اڈن طشتری  
کے مشرق کی جانب زمین کے قریب ہوتی ہو  
تھی۔ ٹائیا کمپیوٹر سکرین پر پکی نیچے تک رہی  
ادٹاشا جہاز کو کنٹرول کیے ہوئے تھی۔

ٹائیا نے ادٹاشا سے کہا:

”ادٹاشا! مجھے شہر کی سڑکیں دیران نظر آ رہی  
ہیں۔ عمارتوں پر بھی شٹا ہے۔“

ادٹاشا نے جلدی سے اپنا چہرہ سامنے واپس  
کی طرف کیا۔ غیر ناگ اور تھوڑا سا بھی سکرین  
پہنچنے لگے۔ اڈن طشتری جس شہر کے اوپر سے  
ہوتی ہر طرف پوش پہاڑیوں کے درمیان والے میدان  
طرف جا رہی تھی اس شہر کے بازاروں میں کوئی  
نہ نہیں آ رہا تھا۔

ادٹاشا کچھ پریشان سی ہو کر بولی:

”ٹائیا! یہ کیا بات ہے؟“

ٹائیا بھی سوچ میں غرق تھی کہنے لگی:

”کہیں۔ شہر میں کوئی خلائی دبا تو نہیں پھیل گئی؟“

غیر نے پوچھا:

”کیا یہ شہر مقامی ملک کا دارالحکومت ہے؟“

ادٹاشا نے کہا:

”ہمارے سارے پر شدید سردی کی وجہ سے  
صرف یہی ایک شہر آباد ہے۔ مگر سوال یہ

ہے کہ یہاں کی آبادی کہاں چلی گئی ہے؟“

ٹائیا نے ریڈیو ٹرانسمیٹر پر کنٹرول ٹاور سے اس سے

ٹائیا نے بارے میں پوچھا تو نیچے سے آواز آئی:

”یہاں ایک بیماری کا وائرس پھیل گیا تھا جس  
کی وجہ سے لوگ بے ہوش ہو کر مرنے لگے

تھے۔ ہم نے سارے لوگوں کو زمین دوز

ہسپتالوں میں بھجوا دیا ہے۔ تم بھی جب اترو

گی تو تمہیں بھی ہسپتال کی ایمبولنس میں ڈال

کر نیچے لے جایا جائے گا تاکہ تم لوگ

بیماری سے محفوظ رہو۔“



"او کے" ٹایا نے کہا۔ پھر اوٹاشا کی طرف دیکھا  
 دونوں مطمئن ہو گئی تھیں۔ تھیوسانگ کے  
 پر ٹکر اور پریشانی کے اثرات تھے۔ مگر وہ خاموش  
 رہا۔ اب بحث کرنے اور سوچنے کا وقت بھی  
 تھا۔ اٹن طشتری زمین کے قریب پہنچ چکی تھی۔  
 کی رفتار بے حد بڑھ چکی تھی۔ غنبر نے دیکھا  
 نیچے برفانی پہاڑیوں کے بیچ میں ایک برف  
 میدان ہے جس کی ایک طرف گولی نیلے گنبد  
 عمارت بنی ہے۔ اس پر بہت بڑا ایریل لگا  
 اٹن طشتری آہستہ آہستہ نیچے جا کر پیٹ پر کھڑی  
 گئی۔ اس کے قیوں پائے پہلے ہی سے باہر  
 آئے تھے۔ اوٹاشا، ٹایا، تھیوسانگ، غنبر اور ناگ  
 طشتری کے دروازے کے پاس آ کر کھڑے ہو گے  
 دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ باہر سے بے حد  
 بیخ ہوا کا جھونکا آیا۔ اگرچہ غنبر ناگ کو سڑی  
 لگتی تھی مگر یہ ہوا اس قدر ٹھنڈی اور برقی تھی  
 ایک بار تو غنبر اور ناگ کو بھی مہر جھری سی آگ  
 نیلے گنبد والی عمارت کی طرف سے سفید  
 آگ اور اٹن

کے بالکل قریب آ کر کھڑی ہوئی۔ ایبولینس میں سے  
 کوئی آدمی باہر نہ نکلا۔ اس عورت میں اوٹاشا ٹایا،  
 غنبر ناگ اور تھیوسانگ۔ ان طشتری کی بیویاں اتر  
 کر گاڑی کے پاس آئے تھے۔ گاڑی کا عقبی دروازہ  
 اپنے آپ اوپر کو اٹھ گیا۔  
 یہ لوگ گاڑی سے اتر جا کر آرام دہ سیٹوں پر  
 بیٹھ گئے۔ غنبر ناگ نے دیکھا کہ ہر سیٹ کے ساتھ  
 ایک ریفون لگا تھا۔ اوپر ایک چھوٹا سا پسکیر بھی تھا۔  
 اس میں سے آواز آئی:  
 "اٹن آرمیڈ! تیار رہو! واٹرلین کے حملے  
 کی وجہ سے ہم تم لوگوں کو زمین دوز ہسپتال  
 میں لیے جا رہے ہیں۔"  
 یہاں پہلی بار اوٹاشا نے عقبی شیشے میں سے اگلی  
 پر بیٹھے نیلی وردی پوش ڈرائیور کو دیکھا تو اس  
 کا اوپر سانس اوپر ہی رہ گیا۔ اس بھیانک تبدیلی کو  
 ٹایا نے بھی دیکھ لیا تھا۔ دونوں پھٹی پھٹی پریشانی  
 آنکھوں سے ایک دوسری کو دیکھنے لگی۔ تھیوسانگ غنبر  
 اور ناگ نے بھی ان کے چہروں کی پریشانی کو محسوس  
 کیا۔ غنبر کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ اوٹاشا نے اپنے

ہونٹوں پر اٹکی رکھ کر حشر کو خاموش رہنے کا  
 کیا۔ اتنے میں گاڑی میں گئے تھے۔ سپریم  
 کے ساتھ بیٹھے نیلی وردی والے آدمی کی آواز آئی  
 "ہم تمہارے ساتھ تین اجنبی آدمیوں کو دیکھ  
 رہے ہیں۔ یہ لوگ تمہارے ساتھ کہاں سے  
 آئے ہیں؟"

اوٹاشا نے اپنی کھراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا  
 "یہ سٹیج ہیں۔ سیارہ مریخ کے نظام شمسی  
 سے ہمارے ساتھ یہاں سیر کرنے کو آئے ہیں۔"  
 آواز آئی "ادکے۔ ہم ان کے ساتھ بھی  
 سلوک کریں گے۔"

حشرناگ اور تھیرسناگ سوچ رہے تھے کہ  
 کیا ہے۔ اتنا وہ سمجھ گئے تھے کہ دال میں کچھ  
 ضرور ہے۔ اوٹاشا اور نٹالیا کے چہرے پریشان تھے۔  
 گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ حشر نے باہر شیشے  
 سے جھانک کر دیکھا۔ ایبولینس گاڑی برفانی مڑکے  
 سے گذر رہی تھی۔ دونوں جانب کوئی عمارت  
 تھی۔ بس چھوٹی چھوٹی برفانی پہاڑیاں ہی پہاڑیاں  
 جیسے موت ایسی دہشتناک خاموشی چھائی تھی۔

حشرناگ نے محسوس کیا کہ گاڑی کے انجن کی آواز  
 نہیں آ رہی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے گاڑی  
 میں چل جا رہی ہے۔ مڑک اتنی سخت اور  
 رات تھی کہ کسی قسم کا ہلکا سا دھچکا بھی نہیں لگ  
 تھا۔ دو تین پہاڑیوں کے برفانی دروں میں سے  
 رنے کے بعد ایبولینس گاڑی ایک برفانی تودے  
 بنے ہوئے دروازے میں داخل ہو گئی۔ اوٹاشا نے  
 برا کر نٹالیا کی طرف دیکھا اور اس کے کان کے  
 پیچ منہ لے جا کر کہا:  
 "اس برفانی تودے کے اندر تو کبھی کوئی  
 ہسپتال نہیں تھا۔"

یہ بات ناگ حشر اور تھیرسناگ نے بھی سن  
 لی تھی۔ وہ چونک پڑے۔ نٹالیا نے ہونٹوں پر اٹکی رکھ  
 کر خاموش بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ برفانی تودے  
 سے جھانک کر دیکھا۔ اندر ایک بہت بڑا ہال تھا۔ گاڑی اس میں  
 سے گذر رہی تھی۔ گہرے گہرے گہرے راستے اترنے لگی۔ یہاں روشنی  
 تھی۔ بس چھوٹی چھوٹی برفانی پہاڑیاں ہی پہاڑیاں  
 جیسے موت ایسی دہشتناک خاموشی چھائی تھی۔  
 حشرناگ نے نٹالیا کی طرف دیکھا اور اس کے کان کے  
 پیچ منہ لے جا کر کہا:  
 "اس برفانی تودے کے اندر تو کبھی کوئی  
 ہسپتال نہیں تھا۔"



اب یہی بار ابھی سیٹ پر سے دونوں  
دردی پوش آدمی اٹھ کر باہر نکلے۔ ایمپوئیس  
دروازہ اپنے آپ اٹھ گیا تھا۔ یہ دونوں  
کو کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں سر  
کی خلائی گینے تھیں۔ عنبر ناگ اور تھیوسانگ  
گئے کہ یہ دشمن لوگ ہیں اور انہیں قید  
مار ڈالنے کے لیے دباں لایا گیا ہے۔ ادٹاشا اور  
چہرے خاموش تھے۔

سرخ دردی پوشوں کے قد لمبے اور چہرے  
زمین کے انسانوں ایسے تھے۔ صرف ان کے  
نیسے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی کے گلے  
زنجیر پڑی تھی جس میں لگا ہوا کسی روشن  
لاکٹ چمک رہا تھا۔ اس نے ادٹاشا اور ڈاکٹر  
طرف دیکھ کر ہماری آواز میں کہا،

تم دونوں سمجھ چکی ہو گی کہ ہمارے سیارے  
کے اس اکلوتے شہر پر ڈیگاس سیارے والوں  
کا قبضہ ہو چکا ہے۔ کیوں کہ تم خوب جانتے  
ہو کہ ڈیگاس سیارے والے ہمارے دشمن  
ہماری ہماری دو خلائی جنگیں ہو چکی ہیں۔

بار ہمیں حکمت ہوئی تھی۔ مگر اب ہم نے  
ایک ایسا خطرناک اختیار ایجاد کیا کہ اس کی  
لہروں نے ہمارے سیارے کی تمام مخلوق کو  
موت کی نیند سلا دیا۔  
ادٹاشا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔  
"کیا میرے ماں باپ مر گئے ہیں؟"  
لاکٹ والا لنگلی سے ہنسا:

ہمارے شہر کا ایک بھی انسان زندہ نہیں  
رہا اس شہر پر اب ڈیگاس کی جانب سے  
میرا قبضہ ہے۔ میں یہاں کا گورنر ہوں اور  
بہت جلد ہماری فوجیں یہاں پہنچنے والی ہیں۔  
ہمارے ساتھ یہ تین سیاح بھی اب ہمارے  
قیدی ہیں۔

عنبر ناگ اور تھیوسانگ خاموشی سے یہ ساری گفتگو  
سن رہے تھے۔

نٹاشا نے پوچھا:

تم لوگ ہمارے ساتھ کیا سلوک کر چاہتے ہو؟  
لاکٹ والے گورنر نے کہا:

تمہیں بہت بدنامی ملے گی اگر تم اس کے ساتھ

۵۸  
 سرخ دردی پڑی گورنر نے اپنی کھانی پر ٹی گھڑ  
 کے ڈائیل کو منہ کے قریب لاکر کہا :  
 "دروازہ کھولو۔"

اس کے اتنا کہنے پر سامنے والی دیوار بغیر آواز  
 کے ایک طرف کو کھسک گئی۔ پھر سرنگ کے اندر  
 میں سے چار اونچے لمبے سرخ لباس والے سپاہی غلام  
 پستول لیے آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر، ناگ، تھپورا  
 اوٹاشا اور ٹاشیا کو خلائی پستول تان کر ایک نیچی پر  
 والے کمرے میں بند کر دیا اور خود باہر نکل گئے۔  
 کے نکلتے ہی دیوار واپس اپنی جگہ پر آگئی۔  
 عنبر نے چلا کر کہا :

"اوٹاشا! آخر یہ سب کیا ہے : تم نے ہمیں  
 کیوں خاموش کیے رکھا؟ میں ابھی ان لوگوں کو  
 تھیں متس کر کے رکھ دوں گا۔  
 اوٹاشا ٹھنڈا سانس بھر کر بولی :

"چونکہ میں جانتی ہوں کہ تمہارے ایسا کرنے سے  
 ہم سب کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی  
 یہی میں نے تمہیں چپ رہنے کو کہا تھا۔  
 ناگ بولا : اب ہماری زندگیوں کی خطرے میں

نہیں ہیں ؟  
 ٹاشیا کہنے لگی :

"ہاں ! ہمیں سوچ سمجھ کر کوئی حکم دینا پڑا  
 ہوگی۔ تم ان لوگوں کی طاقت سے ابھی واقف  
 نہیں ہو۔ یہ ڈیگاس سیارے کے رہنے والے  
 ہیں جو یہاں سے کھربوں میل دُور خلا میں  
 سات چاندوں کے درمیان واقع ہے۔ ان مقوی  
 چاندوں کی وجہ سے ان لوگوں میں ایسی خفیہ  
 طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ ان کے جسموں پر  
 نہ آگ اثر کرتی ہے، نہ تیر تلواریں اور نیزہ انہیں  
 ہلاک کر سکتا ہے۔ ان پر کسی زہر کا بھی اثر  
 نہیں ہوتا۔ کوئی ان کا گلا بھی نہیں دبا کر  
 مار سکتا۔ یہ صرف اپنی موت ہی مرتے ہیں۔  
 تھیوساگ نے کہا :

"آخر کوئی نہ کوئی تو ان کی کمزوری ضرور ہو  
 گی۔ ٹاشیا۔ کیوں کہ چاند کی کششِ رات کے  
 وقت نامہ پڑ جاتی ہے۔"

اوٹاشا بولی : تم نے ٹھیک کہا تھیوساگ۔  
 خلائی غنیمتیں اگلی ماری اخیلائی 223



کے بعد اگر ان میں سے کوئی کہی خیر ہو  
 رہا ہو تو اس کا جسم موسم کی طرت نرم ہو  
 جاتا ہے۔ پھر ایک بچہ بھی اگر چاہے تو ان  
 کی گردن مروڑ کر انہیں مار سکتا ہے۔

لیکن یہ لوگ رات اسی لیے نہیں سوتے بلکہ  
 کھلی آنکھوں کے ساتھ چلتے پھرتے اور کھڑے  
 کھڑے کسی وقت فٹوڑی دیر کو سو جاتے ہیں  
 انہیں ڈر رہتا ہے کہ اگر کہیں وہ رات  
 کو لیٹ کر سو گئے تو کوئی انہیں مار ڈالے  
 جنیر بولا: "کچھ بھی ہو ہمیں یہاں سے فرار  
 ہونا ہو گا۔"

ناگ نے اڈٹاش سے پوچھا:  
 "یہ لوگ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں؟"  
 ناگ نے اس لیے پوچھا تھا کہ وہ ہلاک  
 سکتا تھا۔

اڈٹاش بولی: "یہ جیسے ایٹھی شعاؤں کی بھیڑ ہیں  
 ہلاک کر دیں گے۔"

166  
 جیوساگ نے زور سے ہاتھ مار کر کہا:

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں ان لوگوں کو  
 مقابلہ کروں گا۔

ناگ نے ٹاپا سے سوال کیا:

"یہ بتاؤ کہ ہمارے ماں باپ کہاں رہتے تھے؟"  
 ٹاپا بولی: "ہمارا گھر شہر سے باہر ایک ایٹھی  
 میڈر کے پاس ہے۔ مگر میرے ماں باپ اب  
 کہاں زندہ بچے ہوں گے۔"

ناگ نے کہا:

"میں ہمارے گھر جا کر ان کی خبر تو لا سکتا ہوں۔"  
 ٹاپا نے آہ بھر کر کہا:

"کاش! تم یہاں سے نکل سکتے۔ لیکن تم میں  
 سے کوئی نہیں جانتا کہ اس وقت ہم اتنا ہی  
 خطرناک اور تباہ کن ایٹھی لہروں کے حصار  
 میں قید ہیں۔ ان لہروں نے اس متہ خانے  
 کو چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لے  
 رکھا ہے۔ ذرا باہر پاؤں رکھا تو ہم بھبک  
 سے اڑ جائیں گے۔"

عزیز، جیوساگ اور ناگ ایک دوسرے کو کہنے لگے  
 جیوساگ نے ناگ کی ماری داخل لائی 223

اس کا بھی کوئی دکان توڑ سکاں ہیں گئے۔  
 عنبر نے تھیوسانگ سے کہا کہ وہ اپنی طاقت  
 آزما کر دیکھے۔ تھیوسانگ نے اداشا کے بازو  
 ساتھ اپنی انگلی لگا دی۔ مگر یہ دیکھ کر وہ  
 میں آ گیا کہ اس کی ایٹمی طاقت ختم ہو چکی  
 اداشا چھوٹ نہیں ہوئی تھی۔ اب تو عنبر اور  
 بھی اپنی اپنی خفیہ طاقتوں کی فکر پڑ گئی کہ کسی  
 سیارے کے کیمیکل ری ایکشن نے ان کی طاقتوں  
 بھی تو اثر نہیں ڈالا۔ ناگ نے گہرا سانس  
 پھوٹا تو اسے یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی  
 وہ بھی اپنی شکل نہیں بدل سکا تھا اور  
 کی طاقت بھی ختم ہو گئی تھی۔ اب عنبر  
 گیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ زور سے فرش  
 مارا تو اسے سخت درد ہوا۔ اس نے اپنا  
 میں دیا لیا اور بولا :

میں بھی کمزور انسان بن گیا ہوں۔ میری  
 طاقت بھی معطل ہو گئی ہے۔ اب  
 کیا ہو گا ؟  
 ان باتوں سے سب سے زیادہ مایوسی

اور ٹایا کو ہوئی۔ کیوں کہ انہیں امید تھی کہ عنبر  
 ناگ اور تھیوسانگ کی خفیہ طاقتوں کی مدد سے  
 وہ اس مصیبت سے نجات حاصل کر لیں گی۔  
 اب ایسا نہیں تھا۔ عنبر ناگ اور تھیوسانگ عام  
 کمزور انسان بن چکے تھے اور ان کی زندگیوں بھی  
 موت کی زد میں تھیں۔

عنبر اٹھ کر شلنے لگا۔ کمرہ زیادہ بچہ نہیں تھا۔  
 ناگ نے کہا :  
 "عنبر! یوں شلنے سے کیا ہو گا۔ کمرہ ختم ہو  
 جائے گا۔ بیٹھ کر سوچو۔"  
 عنبر ناگ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا :  
 "گناہ ہے ہم کسی گہری سازش کا شکار ہوئے  
 ہیں۔"  
 ٹایا کہنے لگی :

"سازش کوئی نہیں ہے عنبر بھائی۔ یہ  
 ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اس وقت اپنے  
 سیارے پر پہنچے ہیں جہاں ہماری دشمن  
 مخلوق نے قبضہ کر رکھا تھا۔"



مگر ہمیں جلدی پکڑ کر لے کرنا ہو گا۔ کیوں کہ  
یہ لوگ کسی بھی وقت ہمیں موت کے  
گھاٹ اتار سکتے ہیں۔

## ناگ کی خطرناک مہم

تھیو ناگ اٹھ کر تہہ خانے کی دیواروں کو جھک کر دیکھنے لگا۔  
اس نے دیوار کے پتھروں پر چپکے ہوئے پلاسٹر کو انگلی  
سے چھوا۔ تو اسے اپنے جسم میں ہلکا سا کرنٹ دوڑتا  
محسوس ہوا۔ اس نے پٹ کر اوٹاٹا سے کہا۔

”میرا خیال ہے ان دیواروں میں جو تباہ کاری مادہ  
ہے اس کی وجہ سے ہمارا ہی خفیہ طاقتوں پر اثر  
پڑا ہے۔“

اوٹاٹا اور ٹالیا نے بھی دیوار کو انگلی سے چھوا۔ انہیں  
بھی ہلکا سا کرنٹ لگا۔

در تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس پلاسٹرک مادے میں  
منفی ایکٹرون دوڑ رہے ہیں۔ اور ان ہی کی  
وجہ سے مہر ناگ اور ہمارا ہی خفیہ طاقت زائل  
ہو گئی ہے۔“

عین یولا۔ عن برن ناگ ماری اخلائی 223

”اس کا مطلب ہے کہ یہاں سے نکلنے کے بعد ہماری بغیر معمولی ملاحتیں واپس آجائیں گی۔“  
 ناگ نے کہا۔  
 ”یہ تو یہاں سے نکلنے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔ پہلے یہاں سے نکلیں تو سہی۔“  
 ٹالیا کہنے لگی۔

”تھوڑی دیر میں رات ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ دشمن مخلوق کل جہیں موت کے گھاٹ اتارے گی۔ ہمارے پاس صرف آج ہی کی رات باقی ہے۔“  
 اوٹاشا بے چینی سے ٹپٹے ہوئے بولی۔  
 ”ہمیں راتوں رات یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

تھیو سانگ نے اوٹاشا کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا  
 ”اوٹاشا! کیا اس بد فاقی کو دے میں سے کوئی خفیہ راستہ باہر نہیں نکلتا؟“  
 ناگ نے مسکرا کر کہا۔

”بھائی پہلے یہاں سے تو نکلو۔“  
 ٹالیا نے لگی۔

”دشمن مخلوق نے شہر کی ساری کی ساری آبادی کو کیے ہلاک کر دیا؟“

اوٹاشا بولی۔  
 ”وہ ایٹمی گاما شعاعوں کی مدد سے بڑی آسانی سے ہزاروں لوگوں کو موت کی نیند سلا سکتے ہیں۔“

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ دیوار آہستہ سے اس طرف کو ہٹ گئی۔ ایک نوکرانی ہاتھ میں پانی سے بھری ہوئی شیشے کی بوتل لیے اندر داخل ہوئی۔ دیوار بھی کھلی تھی۔ یہ عورت دشمن مخلوق کی سرخ وردی والی عورت تھیں تھیں۔ اوٹاشا نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور کہا۔

”تم ہماری نسل اور ہمارے شہر کی عورت ہو۔ کیا تم ہماری مدد۔“

عورت نے اوٹاشا کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر کھلی دیوار میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ جب یقین ہو گیا کہ باہر کوئی محافظ نہیں ہے تو اس عورت نے لباس کے انچیں بکس کر اس کی انگلی اٹھا کر 223 پھول کال کر اوٹاشا کو دے دیے اور بولی۔



”میری بہن! تم اس پتھار کو قرب پہنانتی ہو۔ اور  
 تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس سے تم کیا مدد  
 سکتی ہو۔ میں تمہاری اتنی ہی مدد کر سکتی تھی۔“  
 یہ کہہ کر ذکر الہی پانی کی بوتل وہاں رکھ کر تیزی  
 باہر نکل گئی۔

دیوار پھر اپنے آپ بند ہو گئی۔ اداشا نے پتھر  
 دیکھ کر کہا۔

”یہ ایک ایسا ایٹمی ہتھیار ہے جس کی مدد سے  
 ہم دیوار میں خفیہ سرنگ بنا سکتے ہیں۔“  
 اداشا نے کہا۔

”یہ عورت ہمارے شہر کی عورت ہے۔ دشمن  
 مخلوق نے اسے یہاں کام کاج کے لیے رکھ لیا  
 ہو گا۔“

تھیوساگ پستول کو لے کر خور سے اس کا جانا  
 لگا، جنرل اور ناگ بھی اس کے پاس کھڑے تھے۔  
 کہا۔

”جس جلدی سے سرنگ نکالنی شروع کرنا چاہیے  
 ناگ بولا۔

170۔ اداشا نے جنوبی دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ہم ادھر سے اگر سرنگ کھودیں تو ہم برفانی قوس  
 کے جنوبی حصے کی طرف نکل جائیں گے۔ وہاں  
 سے ہم برفانی پہاڑیوں کی جانب روپوش ہو  
 سکتے ہیں۔“

جنرل بولا۔

”تو پھر کام شروع کر دینا چاہیے۔“  
 ایٹمی لیزر پستول تھیوساگ کے ہاتھ میں تھی۔ اداشا  
 نے دیوار میں ایک جگہ اشارہ کیا۔ تھیوساگ نے اس  
 طرف پستول کا رخ کر کے پستول کا جن دبا دیا۔ پستول میں

سے گیند کی ایک باریک سرخ شعاع نکل کر دیوار پر  
 پڑی اور اس میں گہرا سوراخ ہو گیا۔ تھیوساگ  
 دیوار پر ایک گول دائرہ بنایا اور سرنگ بنانی شروع کر

دی۔ پستول کی لیزر شعاع اس قدر تیز اور شدید گرم تھی  
 کہ دیوار کا پتھر پگھل کر بہنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے وہاں سرنگ  
 بننے لگی۔ جنرل اداشا اور اداشا سرنگ میں داخل ہو

ئے۔ تھیوساگ پستول کی شعاع سے سرنگ بنانا جا رہا  
 تھا اور یہ لوگ ایک ایک قدم کر کے اس میں رینگتے

پلے بسا سب سے پہلے جنرل ناگ ماری داخل ہوئے 223  
 پتھروں کی بھاری دیوار ختم ہوئی تو برفانی قوس کے

دیوار آگئی۔ لیز کی شمع کے لیے برف میں راستہ  
بے حد آسان تھا۔ پتا پتہ تھوڑی ہی دیر بعد یہاں  
برفانی تودے کی بچھلی بنانے نکل آئے۔ سورج حرم  
چمکا تھا اور شام کا اندھیرا چاروں طرف پھیلنے لگا تھا  
نے ہاتھ سے پیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

سب کے سب برف کی دیوار کی اوٹ میں بیٹھ  
ایک سرخ وردی پوش محافظ چلا آ رہا تھا۔ جب وہ  
کے قریب گزر گیا تو اوٹاٹا نے ایک طرف ہاتھ کا اشارہ  
وہ دوڑ کر برفانی تودے کے سائے سے نکل کر  
والی برف پوش پہاڑی کے پیچھے آگئی۔ تھیو ساگ،  
ناگ اور ٹالیا بھی جھاگ کر وہاں پہنچ گئے۔

اوٹاٹا اور ٹالیا اس سارے علاقے سے واقف  
یہ ان کے اپنے شہر کی پہاڑیاں تھیں۔ رات ہونے  
پہلے پہلے اوٹاٹا ان سب کو لے کر ایک اونچے ہر  
پوش ٹیلے کے چھوٹے سے غار میں لے آئی۔ جہاں  
برف شیشے کی طرح سخت تھی۔ اس پر ان لوگوں  
تقدیم کے نشان نہیں پڑ رہے تھے۔ مہتر نے تشویش  
اظہار کیا کہ دشمن انہیں تلاش کرتے ہوئے وہاں  
سکتا ہے۔ اوٹاٹا نے کہا۔

”ہم اس شہر کے ارد گرد جہاں بھی جا کر چھپیں  
گے دشمن مخلوق وہاں پہنچ سکتی ہے۔“  
ناگ نے کہا۔  
”تو پھر فرار ہونے کا فائدہ کیا ہوا؟“  
ٹالیا کہنے لگی۔

”مجھے اب یقین ہو گیا ہے کہ ہمارے شہر پر  
کسی بیماری کے جراثیم نے حملہ نہیں کیا۔ یہ  
دشمن مخلوق نے ہمارے سامنے جھوٹ بولا تھا۔  
کیونکہ مجھے کسی بیماری کے جراثیم کا احساس نہیں  
ہوا۔“

اوٹاٹا نے بھی ٹالیا کی تائید کی اور کہا کہ ہمارے جیوں  
کی ساعت ایسی ہے کہ کسی بھی خطرناک جراثیم کی  
موجودگی کا ہمیں فوراً احساس ہو جاتا ہے۔ تھیو ساگ  
بولا۔

”تو پھر شہر کی ساری کی ساری آبادی کہاں چلی  
گئی؟“  
ٹالیا بولی۔

”ہو سکتا ہے سب کے سب کے  
عنبرن اگ ماری اگل گئی 223  
میں بند کر کے بے ہوش کر دیئے گئے ہوں۔“



عنبر نے کہا۔

”سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے  
خفیہ طاقت واپس آئی ہے کہ نہیں؟“  
اس کے ساتھ ہی عنبر نے اپنا ہاتھ زبرد سے ایک  
پر مارا۔ پتھر دیزہ دیزہ ہو گیا۔ عنبر خوشی سے چلا گیا۔  
”میری طاقت واپس آگئی ہے۔“  
تھیوسانگ نے انگلی عنبر سے لگا دی۔ مگر عنبر چلا  
ہوا۔ تھیوسانگ لاپروسی سے بولا۔

”میری طاقت واپس نہیں آسکی۔“  
ناگ نے سانس کھینچ کر چھوڑا تو دوسرے  
وہ سانپ کی شکل میں آکر خوشی سے بولا۔  
”میری طاقت بھی واپس آگئی ہے۔“  
ٹٹالیا اور اوٹاشا بھی عنبر اور ناگ کی طاقت واپس  
آنے پر خوش ہوئیں۔  
تھیوسانگ نے کہا۔

”میری طاقت واپس نہیں آسکی تو کوئی فرق نہیں  
پڑتا۔ عنبر اور ناگ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔“  
اوٹاشا کہنے لگی۔

”میری سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آسکی کہ دشمن

منفوق نے شہر پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں کی  
آبادی کو ہلاک کیوں نہیں کیا۔ اگر واقعی آبادی  
کو ہلاک نہیں کیا گیا۔ تو یہ لوگ سیارہ ڈیگاس  
سے اپنے ساتھیوں کے آنے کا انتظار کر رہے  
ہیں۔“

عنبر بولا۔  
”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔ بہر حال اس سے  
پہلے کہ دشمن منفوق کو ڈیگاس سیارے سے  
لکھ لے ہیں ان لوگوں کو ختم کر کے سیارے  
پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہیے۔“  
تھیوسانگ نے کہا۔

”اوٹاشا! تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔  
کیونکہ تم اس سیارے کی ساری ایٹمی مشینری  
سے واقف ہو۔“  
اوٹاشا نے کہا۔

”ہم نے اوٹن مشینری میں سے جو نیلے گنبد والی  
عمارت دیکھی تھی اور جس میں کنٹرول ٹاور  
ہے اسی عمارت میں ایک ایٹمی پلانٹ لگا ہوا  
ہے۔“

ہے۔ اگر اس ری ایکٹر کے اندر بھی میں رکھی ہوئی  
یورینیم کی دوڑوں سلاخوں کو آپس میں ملا دیا  
جائے تو اس میں میگا وائیٹ شعاعیں نکلتا شروع  
ہو جائیں گی؟  
ناگ نے سوال کیا۔

”ان شعاعوں سے کیا ہوگا؟“  
مثالیانے کہا۔

”ان شعاعوں سے یہ ہوگا کہ سرخ رنگ پر  
پڑتے ہی اسے جلا کر راکھ کر دیں گی۔ اس خطرے  
کے پیش نظر ہمارے سیارے پر اس شہر میں  
کسی جگہ بھی سرخ رنگ کا استعمال نہیں کیا  
گیا۔ چونکہ اس وقت صرف ڈیگاس سیارے  
کی دشمن مخلوق ہی سرخ وردیوں میں سے اس  
پے ان کی تباہی یقینی ہو جائے گی۔“

ناگ اور جبر نے امید بھری نظروں سے ایک دوسرے  
کی طرف دیکھا۔ تھیوساگ نے کہا۔

”مگر سوال یہ ہے کہ ایسی بھٹی کی ان سلاخوں کو  
173 پس میں جوڑے گا کون؟“

اوٹا شاپولی۔

”یہ کام صرف ناگ ہی کر سکتا ہے۔ ناگ  
کسی چھوٹے سے چھوٹے سانپ کی شکل میں  
وہاں پہنچ کر کسی طریقے سے انسانی شکل میں  
واپس آکر اس منصوبے پر عمل کرنے کی کوشش  
کر سکتا ہے۔“

عبر اور تھیوساگ اب ناگ کی طرف دیکھنے لگے مثالیانے  
نے کہا۔

”ناگ بھیا! یہ کام صرف تم ہی کر سکتے ہو۔ ہم  
تمہیں ہر بات سمجھا دیں گی۔ اگر تم نے یہ ہمت  
نہ کی تو ہماری تباہی یقینی ہے۔ ہمارے خزانہ کا  
علم ہونے کے بعد ہماری تلاش شروع ہو جائے  
گی۔ اور ڈیگاس کی سرخ مخلوق اپنے کمپوٹروں  
کی مدد سے ہمیں مزید گہرا خد کر لے گی؟  
اوٹا شانے بھی ناگ سے یہی فرمائش کی۔ عبر نے

”میں تمہارے ساتھ جائے کو تیار ہوں۔“  
مثالیانے کہا۔

”دو آدمی اگر ماریٹا لائی 223 کام  
صرف ناگ ہی کر سکتا ہے۔ کیونکہ میلے گنبد والی



لیا ڈی تک کہ یہ اپنی جھلک میں رہی پہنچ جائے گا۔  
جاگ بولا۔

”میرے ساتھ کسی کے جانے کی ضرورت نہیں  
ہے۔ میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ اودھاشا! تم مجھے  
بتاؤ کہ لیا ڈی میں جانے کے بعد مجھے کیا کیا  
احتیاط کرنی ہوگی؟“

اب اودھاشا نے ناگ کو سب کچھ سمجھانا شروع  
کر دیا۔ جب ناگ کو ہر شے کا علم ہو گیا تو اودھاشا  
بولی۔

”جب تک ناگ واپس نہیں آتا میں اسی غار میں ہی  
رہنا ہوگا۔ ہم باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے  
سکتے۔ ناگ! اگر تم اپنے مشن میں کامیاب ہو گے  
تو تمہیں اسی غار میں واپس آنا ہوگا۔“  
مطالعہ کیا کہنے لگی۔

”تمہیں قدم قدم پر سخت احتیاط سے کام لینا ہو  
گا۔ ناگ! کیونکہ ڈیگاس کی دشمن مخلوق ایسی ٹھیکانہ  
میں بہت ترقی یافتہ ہے۔ اگر کسی کو ذرا سا بھی  
174  
شک ہو گیا تو ہم سب کی موت یقینی ہے۔ بے شک  
عند مرے گا نہیں مگر شاید قیامت تک کے لیے

مطلوب ہو کر رہ جائے۔  
ناگ نے کہا۔

”تم بے فکر رہو میں اپنے مشن میں ضرور کامیاب  
ہوں گا۔ اب میں جاتا ہوں۔“  
میر اور تھیوساگ نے بھی بڑی گرم جوشی سے ناگ  
کو رخصت کیا۔

ناگ نے برفانی پہاڑی کے غار سے نکلے ہی ایک  
بست پہنچتی تھی سی چڑیا کاروپ بولا اور نیلے گنبد والی ایٹمی  
لیا ڈی کی عمارت کی طرف اڑنے لگا۔

اُسے دور ہی سے نیلے گنبد والی عمارت نیچے نظر آنے  
لگی۔ وہ کافی بلندی پر جا کر گھول چکر میں پرواز کرتے  
ہوئے جائزہ لینے لگا۔ کہ اُسے کس مقام پر اترنا چاہیے۔  
عمارت کے باہر صحن میں کئی سرخ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ یہ  
دشمن مخلوق کی گاڑیاں تھیں۔ کہیں کہیں سرخ وردی پوش  
کارڈ پہرہ بھی دے رہے تھے۔ ناگ غوطہ لگا کر عمارت  
کے پیچھے ایک جگہ اتر آیا۔ یہاں چاروں طرف ٹیلوں پر  
برف جی ہوئی تھی۔ ناگ کو وہ سادی ہدایتیں یاد تھیں۔  
اودھاشا نے اُسے دی تھیں۔ ناگ نیلے گنبد والی عمارت  
کے عقب میں ایک پتھر پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے  
عنبر ناگ ماری اخلائی 223

تھا کہ وہ دشمن کا نہیں بلکہ اوماشا کے سیارے کا سائنسدان ہے مگر دشمن کے اشاروں پر کام کر رہا ہے۔

سفید پوش سائنس دان راہ داری کے اخیر میں لیبارٹری کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ دونوں سرخ پوش محافظ باہر کھڑے ہو کر پہرہ دینے لگے۔ ناگ کو بھی اسی لیبارٹری میں جانا تھا۔ ایک تو لیبارٹری کا دروازہ بند تھا۔ دوسرے دونوں سرخ پوش گارڈز باہر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ چھت پر دیکھتا لیبارٹری

اس نے روشن دان پر اندر کی طرف سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ نیچے ایک راہ داری تھی۔ جہاں کافی روشنی ہو رہی تھی۔ وہاں کوئی چھوٹی سی تھی۔ دیواروں پر سفید ٹائلیں لگی تھیں۔ وہاں کوئی سرخ پوش یا سوداخ بھی نہیں تھا۔ ناگ کے لیے اندر جانا ورنہ پورے محفوظ نہیں تھا۔ ناگ نے وہیں سفید چھوٹا سا گھبراہٹ کا نظارہ دیکھا تھا۔

ناگ بھت سے چٹا وقت کا انتظار کرنے لگا۔ ناگ کو معلوم تھا کہ اس کے ڈسنے سے بھی سرخ پوش سپاہی ہلاک نہیں ہوں گے۔ کچھ دیر گزری ہوگی کہ ناگ

دیکھا کہ فوراً راہ داری میں ایک سفید پوش سائنس دان آ گیا۔ ناگ نے اس کو کیچنے کے لیے چلا آ رہا ہے۔ اس چھوٹی سی ٹرائی ایک سٹین لیس سٹیل کا بکس دکھاتا تھا۔ ناگ کے ذہن میں 223

سمارت کی دوسری منزل کی کھڑکی تھی۔ اسی کھڑکی کی دوسری جانب راہ داری کے اخیر میں میگا ٹون لیبارٹری کا دروازہ تھا۔ یہ سادی باتیں اوماشا نے ناگ کو بتائیں تھیں۔

ناگ آہستہ سے اڑ کر کھڑکی کے پیچھے پر آکر بیٹھ گیا۔ کھڑکی بند تھی۔ ناگ اندر نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے اوپر روشن دان کی طرف دیکھا۔ روشندان ایک سوداخ کی شکل میں تھا۔ ناگ اڑ کر روشن دان کے سوداخ میں اندر چلا گیا۔

اس نے روشن دان پر اندر کی طرف سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ نیچے ایک راہ داری تھی۔ جہاں کافی روشنی ہو رہی تھی۔ وہاں کوئی چھوٹی سی تھی۔ دیواروں پر سفید ٹائلیں لگی تھیں۔ وہاں کوئی سرخ پوش یا سوداخ بھی نہیں تھا۔ ناگ کے لیے اندر جانا ورنہ پورے محفوظ نہیں تھا۔ ناگ نے وہیں سفید چھوٹا سا گھبراہٹ کا نظارہ دیکھا تھا۔

وہ دیوار کے بالکل ساتھ چٹا ہوا ریگ رہا تھا۔ اپنے پیچھے قدموں کی چاپ کی آواز آئی۔ ناگ نے ریگ کو چھت کے ساتھ آکر چھٹ گیا۔ پیچھے سرخ پوش محافظ آ رہے تھے۔ ان کے آگے آگے سفید لباس والا سائنس دان تھا جس کے پیچھے



پھر وہ دیوار پر رینگتا نیچے اتر آیا۔ جونہی ٹرائی اس کے قریب سے گزری وہ اچھل کر اس کے نیچے چھٹ گیا۔ ناگ اتنے چھوٹے اور باریک سفید سانپ کی شکل میں تھا کہ کوئی اسے نہ دیکھ سکا۔ اب وہ دل میں دعا مانگنے لگا کہ یہ ٹرائی لیباٹری کے اندر ہی چلی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو دوسری طرف گھوم جائے۔ شاید اس کی دعا قبول ہو جاتی۔ یہ دوسرا سائنس دان ٹرائی کو یہ لیباٹری میں ہو گیا۔ ٹرائی ایک طرف دیوار کے ساتھ نگاہیں گھماتے ہوئے اس سے ایک سائنس دان کام کر رہا تھا۔

دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے ٹرائی نے باکس کو کھول کر اس میں سے ضروری چیزیں نکال کر ناگ لان کی آوازیں نیچے ٹرائی سے چٹا براہ راست تھا۔ وہ اٹھ اٹھا اور نکالیا کی زبان میں باتیں کر رہا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ اگر وہ ان کے سامنے ظاہر ہو جائے تو وہ ضرور اس کی اسکیم کا میاں کرانے میں اس کی مدد کریں گے۔ کیونکہ وہ بھی سرخ دشمن سے بچنا چاہتا تھا۔ مگر اس میں خلہ بھی تھا کہ وہ لوگ پیچ پیچ دشمن کے ساتھ ملے ہوئے نہ ہوں۔

مورت میں وہ ناگ کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اور ناگ کے مشن کو ناکام بنا سکتے تھے۔ ناگ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دونوں سائنس دان واپس جانے کے لیے دروازے کی طرف مڑے۔ ناگ نے ٹرائی کے نیچے سے گہرے نکل کر دیکھا۔

سائنس دان دروازہ کھول کر باہر جا رہے تھے۔ ان کے جاتے ہی دروازہ باہر سے لاک کر دیا گیا۔ ناگ کے لیے قدرت نے ایک سہری موقع مہیا کیا تھا۔ وہ ٹرائی سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس نے ایک نگاہ کرے پر ڈالی۔ اس کمرے میں کوئی ری ایکٹر نہیں لگا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ چند کمپیوٹر ضرور لگے تھے۔ ٹیبلٹ کی انارڈی تھی جس میں ایسا حفاظتی لباس لٹک رہا تھا جسے پہن کر سائنس دان ایٹمی ری ایکٹر کے کمرے میں داخل ہوتے ہیں تاکہ ان پر ایٹمی تابکاری کا اثر نہ ہو۔ ناگ نے دیکھا کہ سامنے ایک دروازہ تھا۔ ناگ

رینگ کر اس دروازے کے پاس آیا۔ دروازے میں اوپر ایک گول شیٹ لگا تھا۔ ناگ نے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔ دوسرا سائنس دان داخل ہو کر کمرے کے درمیان میں موجود تھا۔ یہ ایک گول بلب

ساتھ جس کے اندر ایٹمی بمبھی تھی۔

ناگ اس سنہری موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا  
اس نے فوراً انسانی شکل اختیار کی اور شیشے کی الماری  
کھول کر تابکاری سے محفوظ رکھنے والا سفید پلاسٹک  
کا لباس نکال کر پہن لیا۔ یہ ایک خلائی سوٹ سا تھا  
ناگ کے چہرے کے آگے شیشے کا نقاب تھا۔ ہاتھ  
میں سفید پلاسٹک کے دستانے تھے۔

وہ دروازہ کھول کر ایٹمی ری ایکٹر کے کمرے میں  
داخل ہو گیا۔ اس نے جھک کر ری ایکٹر کو دیکھا۔ ری ایکٹر کے بیچ  
ایک بھٹی بنی ہوئی تھی اور اڈا شا کے بتانے کے مطابق  
وہاں یورینیم کی دو سلاخیں ایک دوسرے کے آگے  
ساتھ گئیں تھیں ان کے درمیان فاصلہ تھا۔ اس فاصلے  
کو نیم کرنا تھا۔

## عزیز کو خلا سے کھینچ لیا

بھٹی میں چاندی ایسی دھات کے دو چمچے بنے ہوئے  
تھے۔

یہ دو بات کی طرح کام کرتے تھے۔ انہیں باہر سے  
کنٹرول کیا جاتا تھا۔ ناگ نے اڈا شا کے بتائے ہوئے  
طریقے سے باہر لگے کمپیوٹر کا ایک بٹن دیا تو چاندی کے  
چمچوں میں حرکت پیدا ہو گئی۔ دونوں چمچے یورینیم  
کے سلاخوں کے اوپر جا کر ٹوک گئے۔ ناگ نے دوسرا بٹن  
دبایا تو چمچوں نے یورینیم کی سلاخوں کو اپنے ٹیکے میں  
لے لیا۔

ناگ نے تیسرا بٹن دبایا تو کمرے کے باہر خطرے کا  
الارم بج اٹھا۔ ناگ کو الارم کی دبی دبی آواز صاف سنائی  
دے رہی تھی۔ وہ اپنے کام میں پوری توجہ سے لگا رہا  
اس نے بٹن کو ایک بار پھر دبایا۔ حال ہی میں 223 یورینیم  
کی سلاخوں کے عین وسط میں ایک اور سلاخ کی طرف بڑھنے



گئے۔ ناگ کو بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔  
محقق تیزی سے جھانکتے ہوئے ایٹھی دی ایکڑ کی طرف  
چلے آ رہے تھے۔

یورنیم کی سلاخوں کے درمیان قافلہ کم سے کم  
رہا تھا۔ لیبارٹری کا پہلا دروازہ دھڑاک سے کھلا اور پھر  
سرخ پوش لیرنگین لیے اندر آ گئے۔ وہ دی  
کی طرف پلکے ناگ نے تیسری بار بیٹن دبا دیا۔  
یورنیم کی دونوں سلائیں آپس میں دل گئیں۔

ان کے ملتے ہی ایک سرخ رنگ کی چمکانی سی  
ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور دی ایکڑ کے بلبلے میں  
سرخ شعاعیں باہر کو نکلنے لگیں۔ اب سرخ ہر دی پر  
دی ایکڑ والے کمرے میں گھس آئے تھے۔ انہوں  
نے ناگ پر حملہ کرنے کے لیے اپنے خلائی پستول  
کیے ہی تھے کہ ان کے لباس میں آگ لگ گئی اور  
چھوٹے چھوٹے دھماکوں کے ساتھ وہیں جل کر  
ہو گئے۔

ناگ فوراً سانپ کی شکل میں آ گیا۔ اور باہر کا  
178 راہ وادی میں اس نے دروازے کے  
سرخ پوش بہرے داروں کی جھم جھم ہونکی لاشیں

میگا ڈائیٹ شعاعوں نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اور  
ہر سرخ شے کو جلا کر راکھ کر رہی تھیں۔ ناگ دیوار پر  
ریکتا ہوا روشن دان میں سے نیلے گنبد والی عمارت  
کے باہر نکل آیا۔ زمین پر آئے سے پہلے اس نے پوٹے  
پرندے کی شکل بدلی اور عمارت کے اوپر ایک پتھر لگایا۔  
کنٹرول ٹاور کی اس عمارت کے صحن میں جگہ جگہ دیگاس  
سیارے کی سرخ پوش مخلوق کی جلی ہوئی لاشیں پڑی  
تھیں۔ ناگ اڑتا ہوا سیدھا منبر تھیوسانگ کے پاس  
آ گیا۔ اڈاشا اور ٹالیا اس مہم کی کامیابی پر بے حد  
خوش ہوئیں۔ وہ فارے باہر نکل آئیں اور انہوں نے  
برف میں شہر کی چلنا شروع کر دیا۔

اڈاشا اور ٹالیا شہر کے سب راستوں سے واقف  
تھیں۔ شہر ابھی تک اسی طرح ویران پڑا تھا۔ کہیں  
کہیں سرخ پوش سپاہیوں کی جلی ہوئی لاشوں کے ڈھلپٹے  
نظر آ رہے تھے۔ اڈاشا نے ناگ کی ہمدردی کی بے  
حد تعریف کی اور کہا۔ کہ اگر اس وہ جان کی بازی نہ لگاتا  
تو ان کی اپنی جان نہیں بچ سکتی تھی۔

اڈاشا سپریم ایجنٹ میں آ گئی۔  
عین جوں جوں اگ ماری اخیل لکھی 223  
انہوں نے دیکھا کہ

میں بے ہوش پڑے تھے۔ ان کے دل حرکت کر رہے تھے۔ مگر ہوش کسی کو نہیں تھا۔ منایا اپنے گھر میں وہاں بھی یہی حال تھا۔ اب انہوں نے سارے غم کے مکافول میں گھوم پھر کر دیکھا۔ سب جگہ یہی تھی کہ عورتیں، مرد اور بچے کمرؤں میں بے ہوش پڑے تھے۔

تھیو ساگ اور عنبر ناگ اور اوٹاشا منایا سر جڑ بیٹھ گئیں۔ اور سوچنے لگیں کہ شہر کی آبادی کو کیوں ہوش میں لایا جاسکتا ہے۔

”ہمیں سب سے پہلے سرکاری محل میں جا کر دیکھنا پڑیگا کہ سرخ پوش دشمن کا کوئی آدمی بچا تو نہیں ہے؟“

سرکاری محل میں سبھی دشمن ہلاک ہو چکے تھے۔ وہ لیبارٹری میں گئے۔ جہاں ان کی ملاقات اس سے ہوئی جس نے اوٹاشا کو ایٹمی آلہ لا کر دیا تھا۔ سب اپنے شہر کو دشمنوں سے پاک دیکھ کر بے حد خوش تھے۔ اوٹاشا نے ایٹمی پلانٹ کے چیف ڈائریکٹر ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ یورینیم سٹون کو الگ کر دیا

”کیونکہ دشمن کا کوئی آدمی زندہ نہیں بچا۔ عنبر ناگ اور تھیو ساگ بھی وہیں موجود تھے۔ چیف نے کہا۔“

”ہمیں سرخ دشمن نے اس لیے بے ہوش نہیں کیا کہ انہیں ہمدی ضرورت تھی۔“

پھر اس نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ سرخ دشمن نے ایک خاص قسم کی تیز آواز کی لہروں کی مدد سے شہر کی آبادی کو بے ہوش کیا ہے۔

”کیونکہ جس روز انہوں نے ایک خاص ورسل سے تیز آوازیں نکال کر ان کی اڑا سوئیک لہروں کی ظہر پر بمباری کی تھی تو اس روز ان کے کانوں کو ایک خاص ہیڈ فون کی مدد سے بند کر دیا تھا۔“

تھیو ساگ کہنے لگا۔

”کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں کہ جس کی مدد سے آپ شہر کی آبادی کو دوبارہ ہوش میں لاسکیں؟“

چیف رائٹس وان نے کہا۔

”شہر کی آبادی کو ہوش میں لانے کے لیے ہمیں

میگا ٹون ہائیڈروجن بم لگانی پڑیں گی۔ اس دھماکے سے جو لڑش کی لہریں پیدا ہوں



گی وہ جہے ہوش انسانوں کے جسموں سے  
 ٹھنکا کہ انہیں ہوش میں لے آئیں گی مگر اس میں  
 ایک خطرہ ہے کہ یہ کوئی آتش فشاں پہاڑ جو صدیوں  
 سے برف کے پہاڑ میں دبا ہوا سویا پڑا ہے کہیں  
 پھٹ نہ پڑے۔  
 اوتاشا نے کہا۔

”یہ خطرہ تو ہمیں مول لینا ہی پڑے گا۔ کیونکہ  
 یہ ساری شہر کی آبادی کی زندگی کا معاملہ ہے۔  
 عبرت نے پوچھا کہ کسی طرح سے آتش فشاں پہاڑ  
 کو دھماکے کی لہر زشوں سے انہیں روکا جا سکتا ہے؟  
 پیر چیف سائنس دان نے کہا کہ اس کے لیے ہم پوری کوشش  
 کریں گے۔

چنانچہ اسی روز سے میگا ٹرون بم کی تیاری شروع  
 کر دی گئی۔ ایک ہفتے کے اندر اندر یہ بم تیار ہو  
 اسے برف پرش وادی میں زمین کے اندر گرائی  
 دفن کر کے چارج لگا دیا گیا۔ عبرت ناگ اور تھیو سانگ  
 لیبارٹری سے دور ایک برفانی ٹیلے پر جا کر غار میں چھپ  
 گئے جبکہ نٹالیا اور اوتاشا لیبارٹری کے خاص کمرے  
 میں سائنس دانوں کے پاس بیٹھیں بم کے پھٹنے کا انتظار

کرتے لگیں۔  
 اٹی گنتی شروع ہو چکی تھی۔ جب کمپوٹر پر گنتی صفر  
 پر پہنچی تو زمین کے اندر میگا ٹرون بم پھٹ گیا۔ اس کا دھماکا  
 تو سنائی نہ دیا مگر زمین ایسے ہلنے لگی جیسے جھوٹا آگیا  
 ہو۔ دو تین شدید جھکوں کے بعد زمین ساکت ہو گئی۔  
 اس کے ساتھ ہی شہر — کا طرف سے لوگوں کی خوشیوں  
 بھری آوازیں سنائی دینے لگیں۔  
 شہر کی آبادی کو ہوش آچکا تھا۔

اوتاشا اور نٹالیا گاڑی میں سوار ہو کر اپنے گھروں  
 کی طرف روانہ ہو گئیں۔ دوسری طرف عبرت ناگ اور  
 تھیو سانگ بھی غار سے باہر نکل کر آئے۔ انہوں نے دور  
 نیچے شہر کی سڑکوں پر لوگوں کو خوشی سے اچھلتے کودتے  
 اور رقص کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے کہ بحیرہ کا بیابان  
 رہا۔

عبرت نے کہا۔  
 ”خدا کا شکر ہے کہ آتش فشاں پہاڑ نہیں  
 پھٹا۔“

ابھی یہ لفظ عبرت کے منہ میں ہی تھے کہ زمین ایک بار  
 پھر ہلنے لگی۔  
 عین بدیں لگتے ہی اگلے لمحے 223 سرے

”معلوم ہوتا ہے ابھی ہم کے دھاکے کا اثر باقی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی ایک بھیانک دھاکہ ہوا۔ عنبر ناگ اور تھیوساگ اپنی جگہوں سے دو دو فٹ اوپر کود پڑے۔ یوگاٹی کا آتش فشاں پہاڑ پھٹ چکا تھا اور اس کی چوٹی میں سے پیلے دھوئیں کے بادل بلند ہوئے۔ پھر سرخ شعلوں کی زبانیں اوپر کود پکٹنے لگیں۔ اور پھر تانبے کے رنگ ایسا پگھلا ہوا لاوا پہاڑ کی یوگاٹی سے نیچے کو بہنے لگا۔ اس کی گرمی سے چوٹی کی برف پگھل کر سیلاب کی شکل میں نیچے بہنے لگی۔ عنبر ناگ اور تھیوساگ نے شہر کی طرف دیکھا۔

لوگ اپنے اپنے گھروں سے گھبرائے ہوئے نکل کر سامنے والے پہاڑ کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ناگ نے کہا۔

”ہمیں شہر میں چل کر لوگوں کی مدد کرنی چاہیے۔“

تھیوساگ نے کہا۔

”اس کی بجائے اگر ہم اس بہتے ہوئے لاوے

181 اور روک سکیں تو بہت بڑا کام ہوگا۔“

ناگ بولا۔

”یکام تو عنبر بڑی خوبی سے کر سکتا ہے۔ میں شہر جا کر پندیشان لوگوں کی مدد کروں گا۔ ہم اوٹاشا کے مکان پر آکر ملیں گے۔“

یہ کہہ کر ناگ عقاب کی شکل اختیار کر کے شہر کی طرف اڑ گیا۔

تھیوساگ بولا۔

”ناگ نے بہت جلدی سے کام لیا ہے۔ بہر حال اب ہمیں اس لاوے کے پھیلے ہوئے طوفان کو روکنا چاہیے۔“

عنبر نے کہا۔

”یہی ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے پتھروں کو

ایک جگہ سے کھسکا کر بہتے ہوئے لاوے کے

دھارے کے آگے ڈال دیا جائے۔ پانی کا

سیلاب تو زیادہ نقصان نہیں کرے گا۔ لیکن

یہ لاوا ہر شے تھس کر دے گا۔“

عنبر اور تھیوساگ ٹیلے سے اتر کر اس طرف کو

دوڑے بعد عمرے لاوے کا دھارا آہستہ آہستہ نیچے

بات کرنا تھا عنبر نے ناگ کی مدد کی درخواست کی۔ 223



مہرے کی ہدایت کی کیونکہ اگر اسے نقصان پہنچا سکتی تھی  
عبرت عود آگے جا کر ایک ٹیلے پر کھڑا ہو کر ماحول کا جائزہ  
لینے لگا۔ اس نے دیکھا کہ لاوے کا رخ سیدھا مشرق  
کی طرف تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ ایک چٹان راستے  
میں کھڑی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اگر اس چٹان کو  
ہینچے گرا دیا جائے تو پگھلتے ہوئے کھولتے ہوئے لاوے  
کا رخ ایک گہری کھڈ کی طرف مڑ جائے گا اور کھڈ  
میں چاہے سارے پہاڑ کا لاوا بہہ جائے وہ کب  
نہیں بھرے گی۔ اور شہر تب ہی سے بچ جائے گا  
عبرت نے بلند آواز سے تھیوسانگ کو بتایا کہ وہ  
چٹان اکھاڑنے جا رہا ہے۔ تھیوسانگ کانپ گیا  
کیونکہ کھولتا ہوا لاوا چٹان کے قریب پہنچ رہا  
تھا۔ مگر وہ عبرت کو روک نہیں سکتا تھا۔  
عبرت دو تین چھلانگیں لگا کر اوپر کو اٹھ گیا  
تھیوسان کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے پیچھے سے  
چٹان پر دونوں ہاتھوں کی سہیلیاں ٹکائیں اور ان  
پر دھکیلتے ہوئے ایک ہی بار جو چٹان  
دھکا دیا تو چٹان اپنی جگہ سے آگے کو جھک گئی۔  
182 دوسری بار زور سے دھکا دیا تو چٹان اکھڑ

ایک کڑاکے کی آواز کے ساتھ بڑھکتی ہوئی کھولتے ہوئے  
لاوے کے دھارے کے آگے جا کر ٹک گئی۔  
پگھلا ہوا لاوا کھولتا، سکڑتا، برف کو اُبلتے ہوئے  
پانی میں تبدیل کرتا آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ چٹان کے  
پاس آ کر اس کا رخ پہاڑی کی کھڈ کی طرف مڑ گیا اور لاوا  
ایک کڑاکہٹ کے ساتھ گہری کھڈ میں گرتا مشرق ہو  
گیا۔ برف کے پگھلے ہوئے پانی کا رخ بھی گہری کھڈ کی  
طرف ہو گیا تھا۔ پانی کھولتے ہوئے لاوے پر گرتا  
تو پھوٹے پھوٹے دھماکے بلند ہوتے اور پانی بھاپ بن  
کر اڑنے لگا۔ کھڈ میں بھاپ کے بادل اٹھنے لگے۔

تھیوسانگ ٹیلے پر کھڑا عبرت کو دیکھ رہا تھا۔ اس  
نے واقعی لاوے کا رخ بدل کر شہر کو زیر دست  
تباہی سے بچا لیا تھا۔ تھیوسانگ نے عبرت کو بلند آواز  
میں پکار کر کہا کہ وہ واپس آ جائے۔ کیونکہ ڈھلان مل  
جانے کے بعد کھولتے ہوئے لاوے نے تیزی سے  
آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ عبرت کھڈ کے کنارے کنارے  
واپس آ رہا تھا کہ اچانک اس کا پاؤں ایک میو نرم برف  
پر پھسل گیا۔

تھیوسانگ کی عین بدن آگ ماری اخلائی 223

ساتے عنبر لاوے سے بھری ہوئی گہری کھڈ میں گر پڑا  
تھیو سانگ نے پیچ پیچ کر عنبر کو آوازیں دیں مگر کھوٹا  
ہوئے لاوے کی کڑکڑاہٹ اور شور میں کچھ سنا ہی نہ  
دیتا تھا۔ تھیو سانگ اپنے آپ کو بچاتا بھاگ کر کھا  
کے قریب گیا۔ وہ خود کنارے کے پاس جانا گھبرا  
تھا۔ یہاں اس قدر سخت گرمی اور تپش تھی کہ تھیو  
کا جسم جلنے لگا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔

اب اوپر سے بھگی ہوئی برف کا دریا نیچے بہتا آ  
تھا۔ تھیو سانگ کو یہ دریا اپنے ساتھ بہا کر شہر کی  
کی طرف لے گیا۔ عنبر گرتے ہی سمجھ گیا کہ اس کا انجام  
ہونے والا ہے۔ نیچے کھڈ میں کھوتا ہوا لاوا چکرتے کھا رہا  
عنبر نے ایک باہر کو نکلے ہوئے پتھر کے کوٹے کو بچل  
کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔ اور غوطہ سے گرم  
اُبلتے ہوئے لاوے میں گر گیا۔ عنبر نے اپنے جسم کو  
کی طرح سنت کر لیا تھا۔ لاوے میں گرتے سے اسے  
جین تو بالکل محسوس نہ ہوئی لیکن اسے یوں  
جیسے بھگی ہوئی موت نے اسے اپنی آغوش میں  
بائے اور اب وہ کبھی دوبارہ زندگی کی طرف واپس  
نہ آسکے گا۔ وہ جیسے گرم کھوٹے ہوئی دلدل میں چسپاں

تھا۔ پھر بھی اس نے اپنے آپ کو زور لگا کر کھڈ کے  
کنارے کی طرف کھینچا۔ یہاں پتھروں کی سیڑھیاں سی  
بنی تھیں۔ جس کے اوپر ایک پھوٹا سا غار تھا۔

عنبر بڑی مشکل سے اپنے آپ کو لاوے کی دلدل میں  
سے نکال کر پتھر کی سیڑھیوں تک لایا اور پھر اپنے  
آپ کو غار کی طرف کھینچ لگا۔ اتنی محسوس ہو رہا تھا۔  
جیسے کسی نے اس کے جسم کے ساتھ کئی من وزن باندھ  
دیا ہے اس کا سارا جسم درد رنگ کے لاوے میں اٹھرا  
ہوا تھا۔ باہر نکلتے ہی اس کے جسم پر لاوے کی تہہ ٹھنڈی  
ہو کر بننے لگی۔ عنبر ایک کھوٹے کی طرح خود گھسیٹ کر غار  
کے اندر لے گیا۔

وہ فرس پر بے دم ہو کر پڑ گیا۔ وہ لاوے کا ایک  
انسانی پتلا بن گیا تھا۔ اس کے جسم کو لاوے کی موٹی  
تہہ نے ڈھانپ لیا تھا۔ کھٹی آنکھوں کے آگے بھی  
لاوے کی تہہ تھی۔ عنبر کو میال بھی نہیں آیا تھا کہ کبھی  
اس کے ساتھ ایسا سادہ پیش آئے گا۔ اس کا دل و  
دماغ باقاعدہ کام کر رہا تھا۔ مگر وہ اپنے ہاتھ پاؤں نہیں  
پاسکتا تھا۔ کیونکہ لاوا ٹھنڈا ہو کر سخت ہو گیا  
عنبر کے دل میں اندیشہ نہ تھا کہ وہ صرف ایک ہی کرنی روشن



تھی کہ تھیوساگ نے اسے لاوے میں گرتے دیکھ لیا  
تھا اور وہ اس کی مدد کو ضرور آئے گا۔ عبیر غار کے فرشتے  
پر اس طرح بے سدھ اور بے حس ہو کر پڑا تھا  
حس طرح پرانے تانے کی کھنڈروں میں پتھر کے بت گر  
ہوئے ہوتے ہیں۔

شہر میں برف کے پانی کا سیلاب سڑکوں پر پھر رہا  
تھا۔ آتش فشاں ایک مہیا تک تباہی کے بعد خاموش  
ہو گیا تھا۔ اب وہ لاوا نہیں اُگل رہا تھا۔ اسی میں  
دھواں اور راکھ کے بادل ہی اُٹھ رہے تھے۔ یہ  
راکھ اوپر جا کر شہر پر بھی گر رہی تھی۔

شہر کے لوگ اپنے مکانات اور اونچی عمارتوں  
چھتوں پر چڑھ گئے تھے۔ ادٹاشا ٹھایا اور ناگ  
ایک بلند عمارت کی چھت پر چڑھ گئے تھے۔ ادٹاشا  
اور ناگ بھی ایک بلند عمارت کی چھت پر کھڑے  
کے بازوؤں میں سیلابی پانی کو بہتے دیکھ رہے تھے  
تھیوساگ گھبرا ہوا آیا اور انہیں عبیر کے ساتھ گزرا  
دردناک سادھے کی خبر دی۔

ناگ ادٹاشا اور ٹھایا تو ششدر ہو کر رہ گئے  
184 فوراً عقاب کی شکل اختیار کی اور فضا میں بلند ہو

اس غار کی طرف چلا جس کا پتہ تھیوساگ نے انہیں  
بتایا تھا۔ جب ناگ اڑتا ہوا گہری کھڈ کے اوپر پہنچا  
تو یہاں اتنی شدید چیش تھی کہ اس کے پر جلنے لگے۔  
ناگ نے فوراً غوطہ لگایا اور واپس چلا گیا۔ گرم لاوے کے  
اور فضا کی فٹ تک سخت گرم تھی۔ ناگ وہاں ایک  
سختی کے لیے بھی نہ ٹھہر سکتا تھا۔ وہ اڑتا ہوا واپس  
ادٹاشا اور تھیوساگ کے پاس آ گیا۔

شہر کا سیلاب ختم ہو گیا۔ مگر غار کے اوپر کی فضا  
ابھی تک گرم تھی اور ناگ یا تھیوساگ وہاں نہیں  
جا سکتے تھے۔ ایک ہفتے کے بعد جب لاوا چاروں طرف  
ٹھنڈا ہو گیا تو ناگ اور تھیوساگ اور ادٹاشا ٹھایا پہاڑی  
ٹیوں میں سے گزرتے ہوئے گہرے کھڈ میں اتر گئے۔  
لاوا سخت ہو کر جم چکا تھا۔ انہوں نے عبیر کی تلاش شروع  
کر دی۔ مگر عبیر وہاں ہوتا تو انہیں ملتا۔ عبیر تو لاوے کا  
بت بنا غار کے امداد دندے منہ پڑا تھا۔

لیکن تھیوساگ اور ناگ نے عبیر کی تلاش کا کام جاری  
رکھا۔ ناگ عقاب بن کر چاروں طرف پھرتا لگا رہا تھا۔ اسے  
کھڈ کی دیوار میں ایک غار کا منہ نظر آیا تو وہ غوطہ لگا کر  
اس کے اندر چلا گیا۔ یہاں اس کی نظر عبیر پر پڑی تو اسے

لاوے کے جسے میں بلا ہوا دیکھ کر سخت غم زدہ ہوا۔ اس نے انسانی شکل میں آکر اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ میری ماں موجود ہے۔ حنبر کو لاوے میں جھانک رہا تھا کہ حنبر کو دیکھ کر تعجب و سانسگ اوٹاٹا اور بتایا بھی سنتا تھا کہ حنبر نے گلیں۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ناگ نے حنبر کے سینے پر جی ہوئی لاوے کی موٹی تہ پر ہاتھ رکھا تو حنبر کا دل دھڑک رہا تھا۔

اس نے کہا۔  
 ”حنبر مرا نہیں جیسا کہ اس سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ ابھی نہیں مرے گا۔ لیکن یہ زندگی موت سے بدتر ہے۔“  
 تعجب و سانسگ بولا۔

”ہمیں حنبر کو یہاں سے اٹھا کر لے جانا چاہیے۔“  
 انہوں نے حنبر کے بت کو اٹھایا اور اوٹاٹا کے کمرے ایک تہہ مٹھانے میں لاکر رکھ دیا۔ اوٹاٹا اور ٹھالیا مارا دان بھی تھیں اور کیسٹری جانتی تھیں۔ انہوں نے مختلف کام کیا۔ حنبر کے جسم پر ڈالے کہ شاید لاوا پگھل کر اتر جائے۔ مگر لاوا اتنا سخت ہو گیا ہوا تھا کہ اس پر آگ لگ کر نہیں کر رہی تھی۔ ٹھالیا نے لیرہ شمع بھی ڈال کر

دیکھ لی۔ خدا جانے اس لاوے میں اتنی سختی کہاں سے آئی تھی کہ ذرا سا نرم نہیں ہو رہا تھا۔  
 حنبر یہ سب کچھ دیکھ بھی رہا تھا اور ان لوگوں کی باتیں سن بھی رہا تھا مگر وہ اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

یونہی بندرہ روز گذر گئے۔ اوٹاٹا نے اپنے چہیت سانس دان سے اس حادثے کا ذکر کیا تو وہ حنبر کو دیکھنے تہ خانے میں کیا۔ اس نے کہا کہ آپ لوگ اس فوجی کے جسم سے لاوے کی تہ کیوں اُتانا چاہتے ہیں۔ یہ تو لاوے کے اندر مر چکا ہے۔ ناگ نے سوچا کہ سانس دان کو یہ بتانے سے کوئی فائدہ نہیں کہ حنبر لاوے کی تہ کے نیچے زندہ ہے۔ اس نے کہا۔

”ہم اپنے ساتھی کی لاش لاوے کے نیچے سے نکالنا چاہتے ہیں۔ تاکہ اسے اپنے رسم و رواج کے مطابق دفن کر سکیں۔“

ٹھالیا اور اوٹاٹا نے جی ناگ کی تائید کی چنانچہ چہیت سانس دان راضی ہو گیا۔ اس نے حنبر کے بت کو ہارٹری کے ایک خاص کمرے میں پھنسا دیا۔ حنبر کا لاوے کا لپٹا ہوا بت ایسے نیرنگ میں لپٹی ہوئی تھی کہ



سائنس دان نے مشین کو ایک خاص زاویے پر سیٹ کر رکھا تھا۔ اس کے حساب سے مشین کے اندر سے الٹرا سونک لہروں نے قیامت خیز رفتار کے ساتھ نکل کر عینر کے جسم سے ٹکراتا تھا۔

یہ عینر کا آخری علاج تھا۔ چیف سائنس دان کا یقین تھا کہ الٹرا سونک لہریں لاوے کی موٹی اور سخت تہ سے ٹکراتے ہی لاوے کو بھاپ بنا کر اڑا دیں گی اور نیچے سے عینر کا جسم نکل آئے گا۔

ناگ، تھیو ساگ، اوٹا شا اور نٹالیا بھی اس کمرے میں موجود تھیں۔ چیف سائنس دان نے ایک بٹن دبایا۔ ایٹمی مشین آہستہ آہستہ نیچے آگئی اور عینر کے پتھریلے بت کے اوپر ایک فٹ کی بلندی پر آکر رکنے لگی۔ چیف نے ایک بٹن دبا دیا۔

بٹن کے دبتے ہی مشین کے ایک سوراخ سے الٹرا سونک آواز کی تیز ترین لہریں نکل کر عینر کے جسم سے ٹکرائیں۔ آواز کی ان لہروں کا کوئی انسان نہیں سن سکتا تھا۔ عینر کے گرد جو لاوے کی تیز لہریں پڑیں تو اس میں سے بھاپ اٹھنے لگی۔

دیکھتے دیکھتے لاوے کی تہ غائب ہو گئی اور نیچے سے عینر کا جسم نکل آیا۔ عینر نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو چیف سائنس دان پریشان ہو کر بولا۔

”یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں، یہ لازموں زندہ کیسے بچا؟“

اوٹا شانے مسکرا کر کہا۔

”ہو سکتا ہے الٹرا سونک شعاع کا اثر ہو۔“

ناگ اور تھیو ساگ عینر کو سہارا دے کر اٹھانے لگے تو اچانک عینر کا جسم اپنے آپ سٹرپچر پر سے اوپر اٹھ آیا اور پھر فرش سے بلند ہو کر کمرے میں تیرنے لگا۔ چیف سائنس دان دانتوں میں انگلی دبائے اسے

نکلتے لگا۔ اوٹا شا وغیرہ بھی پریشان ہو گئے۔ عینر نے

”ناگ! مجھے اپنا جسم چھڑپا کے پر سے بھی زیادہ ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا ہے۔“

اوٹا شانے گھبرا کر چیف سے کہا۔

”چیف! یہ کیسے ہو گیا؟“

چیف نے کہا۔

”میرا خیال ہے الٹرا سونک لہریں کے سبب اسے

کے جسم سے اس مادے کو بھی منافع کر دیا  
ہے جو ہمارے سیارے کی کشش کو محسوس  
کرتا ہے۔  
ناگ اور تھیو ساگ سخت تعجب میں تھے۔ ناگ  
نے کہا۔

”چیف اس مادے کو دوبارہ پیدا کرنے کی کوشش  
کرو۔“  
چیف بولا۔

”پہلے اسے نیچے اتارنا چاہیے۔“  
انہوں نے مہر کو نیچے اتارنے کی کوششیں شروع  
کر دیں۔ مہر فضا میں اب چکر لگاتے لگاتھا۔ اس کا  
جسم اڑن طشتری کی طرح کمرے میں ادھر ادھر گھوم  
رہا تھا۔ اس نے کہا۔

”میرے اندر تیز رفتاری پیدا ہو رہی ہے۔“  
اور اس کے ساتھ ہی مہر کا جسم زور سے کمرے  
دیوار سے ٹکرایا۔ دیوار ایک دھماکے کے ساتھ ٹوٹ  
گئی اور مہر کا جسم تیز ہوا باہر نکل گیا۔ ناگ گھبرا کر بولا  
”میں اسے سنبھالتا ہوں۔“

187  
ناگ دوڑ کر دیوار کے ٹکڑے میں سے باہر آگیا۔

نے دیکھا کہ مہر کا تیز ہوا جسم بڑی تیز رفتاری کے  
ساتھ راہ داری کی کھلی کھڑکی میں سے باہر کھلی فضا میں  
نکل گیا۔ ناگ نے فوراً مقابلے کی شکل اختیار کی اور اچھل  
کر فضا میں بلند ہو گیا۔



## میتار کا بھڑوت

عنبر آسان کی بلندیوں کی طرف اٹھتا چلا گیا۔

ناگ عقاب کی شکل میں اس کے اوپر آ گیا۔  
عقاب کی زبان میں عنبر سے بات نہیں کر سکتا تھا۔  
انسانی شکل میں آتا ہے تو نیچے گر پڑتا ہے۔ عنبر مرد  
سانپ کی زبان ہی سمجھ سکتا تھا۔ ناگ عنبر کے اٹھنے  
ہوئے جسم پر بیٹھ گیا اور ساتس کھینچ کر سانپ کے  
میں آ گیا۔ اس نے کہا۔

”عنبر گھبراؤ نہیں۔ نیچے اترنے کی کوشش کرو۔“  
عنبر بولا۔

”ناگ! میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ میرا  
جسم بے حد ہلکا پھلکا ہو گیا ہے اور کوئی طاقت  
مجھے اوپر ہی اوپر کھینچنے لے جا رہی ہے۔“

ناگ نے دیکھا کہ عنبر واقعی انتہائی برق رفتاری  
کے ساتھ فضا میں بلند ہوتا جا رہا تھا۔ نیچے شہر کی

چوٹی چھوٹ نظر آنے لگی تھیں۔  
پھر یہ فادیں دھندلی کیروں میں بدل گئیں۔ عنبر نے

کہا۔

”ناگ! تم واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ اگر اسی  
رفتار سے میرا جسم فضا میں بلند ہوتا گیا تو  
تھوڑی دیر بعد میں خلا میں داخل ہو جاؤں  
گا۔ میں تو خلا میں بھی زندہ نہ ہوں گا مگر  
تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ کیونکہ  
خلا میں دیا و ختم ہو جائے گا۔“  
ناگ بولا۔

”کیں تمہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں عنبر؟“  
عنبر نے چلا کہ کہا۔

”ہم اس سے پہلے کئی بار ایک دوسرے  
سے یکٹھڑے ہیں۔ مجھے خدا کے حوالے کر دالہ  
اپنی جان بچاؤ۔“

عنبر کا جسم شاید اڑا سو تک آواز کی تیز ترین لہروں  
کے رفتار سے فضا میں اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا جا رہا  
تھا۔ ناگ نے نیچے دیکھا تو اسے زمین گول ہوتی نظر آنے  
لگی۔ ناگ کا سانس کھنکھانے لگا۔

ختم ہو کر جا رہی تھی اور وہ قریب آ رہا تھا۔ جہاں نہ آگئی تھی۔ نہ زمین کی کشش تھی اور نہ دباؤ تھا۔ حیران اپنے ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتا تھا۔ وہ بالکل سیدھا ہوا میں لیٹا تھا اور یہ کہ اڑا جا رہا تھا۔ اس کے چیخ کر کہا۔

”ناگ! تمہیں میری قسم ہے۔ اپنی جان کی حفاظت کرو اور فوڈ آئیچے چلے جاؤ۔ جلدی کرو۔ غلا قریب آ رہا ہے۔“

ناگ پر بے ہوشی سی چھانے لگی۔ اگر کوئی جاندار کسی ایسی جگہ بند ہو جائے جہاں سے آہستہ آہستہ آکسیجن گیس ختم ہو رہی ہو تو جاندار پر غشی چھانے لگتی ہے۔

ناگ نے غبر سے کہا۔

”خدا حافظ میرے دوست! تمہیں خدا کے سپرد کیا۔“

یہ کہہ کر ناگ نے عقاب کی شکل بدلی اور عنبر کے اڑتے ہوئے جسم سے اچھل کر سیارے کی زمین کی طرف منہ کر کے اتنی تیزی سے غوطہ لگایا کہ چند سیکنڈ میں فضا کو چیرتا ہوا بہت نیچے آگیا۔ یہاں آکسیجن فضا

انسانی سے سانس لے سکتا تھا۔

نیچے لیپا ٹری کی چھت پر اوٹا شا۔ ٹالیا۔ تھیو سائنگ اور چیف سائنس دان حیران پریشان کھڑے تھے۔ ناگ نے چھت پر آتے ہی انسانی شکل بدلی اور انیس بتایا کہ عنبر کا جسم انتہائی ہلکا پھلکا ہو کر فضا میں اڑا چلا جا رہا ہے۔ اور اب تک وہ غلا میں داخل ہو گیا ہوگا۔ چیف سائنس ہلکا ہلکا ہو کر رہ گیا تھا۔ تھیو سائنگ نے کہا۔

”ہم کسی راکٹ کے ذریعے عنبر کا پیچھا کر سکتے ہیں۔“

ناگ نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اس نے اوٹا شا سے کہا۔

”اوٹا شا! کیا تم ہمیں کوئی غلائی جہاز دے کر ہماری مدد کر سکتی ہو؟ ہم عنبر کو غلا میں اکیلے نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم اس کا تعاقب کریں گے۔“

اوٹا شا نے چیف کی طرف دیکھا۔ عنبر نے اس شہر اور شہر کے لوگوں کو کئی روزانہ اگ ماری آخ لائی 223 چیف کو عنبر کی اس قربانی کا شدید احساس تھا۔



۱۰۶  
میں جن کو تلاش کر رہی تھیں۔ مگر وہ انہیں کہیں دکھائی نہیں  
دے رہا تھا۔ تھیوساگ نے کہا۔

”اس بھیانک خلا میں صرف غنیمت ہی بغیر  
خلائی سوٹ کے زندہ رہ سکتا ہے؟“  
ناگ مایوسانہ بلے میں بولا۔

”مگر وہ کہاں ہے تھیوساگ بھائی؟ کہیں ہم  
غلط راستے پر تو نہیں آ گئے؟“  
تھیوساگ نے کہا۔

”اس وقت ہم سیارے کے ارد گرد کے خلا  
میں گردش کر رہے ہیں۔ غنیمت کو اسی خلا میں  
کسی جگہ ہونا چاہیئے۔“  
ناگ بولا۔

”اس کی رفتار بے حد تیز تھی تھیوساگ!  
میرا خیال ہے کہ اب تک وہ اس سورسٹم  
سے نکل کر کسی دوسرے نظام شمسی میں پہنچ  
گیا ہوگا۔“

تھیوساگ نے اپنا سر آہستہ سے جھٹکا اور بولا  
”یہ بڑی افسوس ناک بات ہوگی ناگ۔ کیونکہ

ہم اتنی تیزی سے سفر کر رہے ہیں کہ ہماری لکھنؤ 223

۱۰۷  
اس سے سامی بھرنی۔ اوٹا شا اور ٹالیا ہیں ناگ اور  
تھیوساگ کے ساتھ جانا چاہتی تھیں۔ مگر ناگ نے یہ  
کہہ کر انہیں روک دیا کہ وہ غلامنواد اپنے آپ کو  
محبت میں کیوں ڈالتی ہیں۔ ہم تو ہزاروں برس  
سے سفر کر رہے ہیں۔ غنیمت کے ساتھ ساتھ اب ہم  
سفر کر رہے ہیں اور خلا میں پہنچ کر اسے اپنے جہاز میں  
لے آئیں گے۔ وقت گزرتا جاتا رہا تھا۔ ناگ مزید  
نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر بھی انہیں خلائی جہاز میں سوار  
ہوتے ہوتے کافی دیر لگ گئی۔

ناگ اور تھیوساگ نے اوٹا شا اور ٹالیا سے ہاتھ  
مٹایا اور جہاز میں آکر بیٹھ گئے۔ تھیوساگ نے جہاز  
کا کنٹرول سنبھال لیا۔ اور جہاز کے راکٹ ایک ہیڈ  
شود کے ساتھ فائر ہو گئے۔

راکت خلائی جہاز کو لے کر فضا میں بلند ہوتے گئے  
سیارے کی فضا کی آخری سرحد پر پہنچ کر پہلے  
راکت گر پڑے۔ دوسرے راکٹوں میں سے شعلہ نکل  
اور خلائی جہاز کو ایک ایسا دھکا لگا جس سے وہ  
190 میل پر گھبرا۔

ناگ اور تھیوساگ کی نگاہیں جہاز کی سرحد پر

تنگی میں اپنے جہاز کو نہیں لے جا سکتے۔

”بہر حال سیارے کے گرد خلا میں ایک چکر لگا کر اس کا رخ قرطب ترین نظام شمسی کی طرف موڑ دو۔“

تھیوسانگ نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت خلا میں جہاز کی رفتار روشنی کی رفتار کے قریب پہنچ چکی تھی۔

دوسری طرف منبر فضا میں بندھ ہوا ہوتا قیامت کی رفتار کے ساتھ ایک دم خلا میں پہنچ گیا۔ خلا میں پہنچ

ہی اس کے جسم کے ساتھ جیسے ایک گرم لہریں تھیں اور پھر ہواؤں کا وہ شور غم ہو گیا جو اس کے

کانوں میں سیارے کی فضا میں رہتے ہوئے گونج رہا تھا۔ اب ایک جیسا کہ سننا منبر کے ارد گرد چلا

تھا۔ منبر نے منسوس کیا کہ اس کے جسم میں مراد پیدا ہو رہی ہے۔ اور وہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلا سکتا ہے

منبر نے اپنی گردن ہلائی۔ اس کی گردن ابھی اُدھر تھیں۔ منبر خلا میں لیٹا ہوا تھا۔ ذرا

ادھر ہل سکتی تھی۔ منبر خلا میں لیٹا ہوا تھا۔ اب وہ منبر کے ساتھ منبر سیدھا ہو گیا۔ اب وہ منبر کے

ایک طرف کو جھک کر اتنی تیز سپیڈ سے سفر کر رہا تھا کہ

کو رہا تھا کہ جس کا وہ زمین پر تھکا ہوا نہیں کر سکتا تھا۔

نئی شہاب ثاقب کے ٹکڑے اٹکا ہوں کی طرح دھکتے پیل کی تیزی سے اس کے قریب سے گزر گئے۔ اس

وقت منبر کو منسوس ہوا کہ اس کی رفتار خلا میں ناقابل یقین حد تک تیز ہے۔ جب شہاب ثاقب دُور سے

خلا میں جا کر گرم ہو گئے۔ تو منبر ایک سر پہر اپنے آپ کو خلا میں تھکا پایا۔

خلا کے ماحول نے اس کے جسم میں جیسے جان ڈال دی تھی اور وہ اپنے جسم کو عام انسانوں کی طرح ہلا

سکتا تھا۔ اس نے سامنے کی طرف دیکھا۔ پہلے سیارے اور ستارے خلا میں لال زرد اور نیلے انکاروں

کی طرح چمک رہے تھے۔ یہ سیارے اور ستارے منبر سے اتنی دُور تھے کہ غلطے غلطے گینوں کی طرح

دکھائی دے رہے تھے جس طرح ہمیں اپنی زمین سے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو

گا کہ انسان میں دو طرح کے مادی اجسام ہوتے ہیں۔ ایک سیارے اور دوسرے ستارے۔

عنبر نے ان کے مادی اجسام کو



کی زدوشنی چمکاتی ہے اور جو سیر کرتے ہیں یعنی کسی نہ کسی سورج کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اور ستارے ان اجسام کو کہتے ہیں جو سورج ہوتے ہیں اور جن میں گیسیں دھبہ دھبی ہوتی ہیں۔ یہ خلا میں زمین کی طرح گردش کرتے ہیں۔ سورجوں کی اپنی ایک گردش ضرور ہوتی ہے مگر وہ اپنے نظام شمسی کو ساتھ لے کر خلا میں ایک طرف چلے جا رہے ہوتے ہیں۔ جس کا کسی سیارے کی زمین سے اتنا زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔ اور سیارے اور ستارے ہمیں چمکتے ہوئے اس لیے نظر آتے ہیں کہ ہماری زمین کی فضا چھوٹے چھوٹے گرد و غبار کے ذروں سے بھری ہوئی ہے۔ جب ستاروں یا سیاروں کی روشنی اس فضا میں سے گزر کر ہماری آنکھوں تک آتی ہے تو گرد کے ذروں سے ٹکرا کر مختلف زاویے بناتی ہے۔ ان زاویوں کی وجہ سے ستارے ہمیں چمکتے نظر آتے ہیں۔ خلا میں چونکہ گرد کے ذرات بالکل نہیں ہوتے اس لیے وہاں ستارے چمکتے نہیں بلکہ سرخ انگاروں کی طرح ایک ہی جگہ ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کہہ نہ

ہماری زمین کی فضا چونکہ ستاروں اور سورج کی کرنوں سے بھر جاتی ہے اس لیے ہمیں آسمان نیلا نظر آتا ہے۔ خلا میں چونکہ ان کرنوں سے خالی ہوتا ہے اس لیے خلا کا رنگ گہرا سیاہ ہوتا ہے۔

غیر اسی سیاہ خلا میں بجلی کی رفتار کے ساتھ تیرتا چلا جا رہا تھا۔ اسے اب ناگ مارا اور کیٹی کا خیال بھی آنے لگا تھا کہ نہ جاتے وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ ناگ نے اسے خلا کی طرف بے اختیار ہو کر جاتے دیکھ لیا تھا۔ مگر غیر جانتا تھا کہ ناگ اس کے پیچھے اگر کوئی آرڈن مشین بھی لے کر آیا۔ تو وہ اسے نہ پا سکے گا کیونکہ غیر خلا میں کہیں کا کہیں نکل چکا تھا۔

غیر نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا اور انہیں بند کر دیں۔ خلا میں کوئی وقت نہیں ہوتا۔ اس لیے غیر کو کچھ احساس نہیں تھا کہ اسے خلا میں سفر کرتے کتنا وقت گزر چکا ہے۔ وقت وہاں گزرتا ہے جہاں کوئی زمین ہو اور زمین گردش بھی کر رہی ہو۔ چونکہ خلا میں کوئی جگہ نہیں ہوتی اور نہ ہی گردش ہوتی ہے اس لیے وہ بتوں ایک ماری خلائ 223

ایسا کہ جنہر کو کشش کی لہروں کا احساس ہوا  
 اسے یوں لگا جیسے خلا میں کوئی طاقت اسے اپنی طرف  
 بڑی تیزی سے کھینچ رہی ہے۔ اس نے آنکھیں کھول کر  
 کر دیکھا۔ اسے خلا میں چاروں طرف چھوٹے بڑے  
 گول ستارے اور سیارے دیکھتے نظر آ رہے تھے  
 جس کی روشنی سفید تھی وہ بہت زیادہ دھک رہا  
 تھے جیسا کہ جب آگ زیادہ تیز ہوتی ہے تو اس کے  
 شعلے سفید ہو جاتے ہیں۔ اس سے ذرا کم تیز ہو کر  
 نیلے ہوتے ہیں۔ اور اس سے بھی کم تیز آگ ہوا  
 شعلے کا رنگ سرخ اور زرد ہوتا ہے۔ ایسے ہی کسی  
 سیارے کا رنگ سفید تھا۔ کسی کا تیل اور کسی کا  
 جنہر کو کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ کسی  
 سیارے کی بے پناہ کشش اسے اپنی طرف کھینچ  
 رہا ہے۔  
 معلوم ہوتا تھا کہ جو بھی سیارہ یا ستارہ جنہر کو اپنی  
 طرف کھینچ رہا ہے اس کی کشش بے پناہ ہے۔ کیونکہ  
 جنہر نہ دست رفتہ کے ساتھ خلا میں اس گمنام سیارے  
 کی طرف بڑھ رہا تھا جنہر دل میں یہ دعا مانگ رہا تھا  
 193 شے اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے وہ کوئی

ستارہ ہو، ستارہ نہ ہو۔ کیونکہ ستارہ سورج ہوتا ہے  
 ستارہ ہو، ستارہ نہ ہو۔ کسی سورج کے ساتھ ٹھکانے کا مطلب  
 وہ خلا میں کسی سورج کے ساتھ ٹھکانے کا مطلب  
 تھا۔ کہ جنہر گیس بن کر اڑ جائے۔  
 اب جنہر دو تین سیاروں کے قریب سے گولی کی طرح  
 گزر گیا۔ خلا میں ہوا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ اتنی  
 زبردست سپیڈ کے باوجود اپنی آنکھیں کھول کر دیکھ  
 سکتا تھا۔ مگر بے پناہ رفتار اور کشش کی وجہ سے  
 وزن میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا وزن  
 اتنا بڑھ گیا کہ اب وہ اپنی پلکیں جھپک نہیں سکتا تھا۔  
 اس کی پلکیں من من بھادی ہو گئی تھیں۔  
 خلا میں چھوٹی ہوئی گولی کی طرح اس کا جسم تیرتا چلا  
 جا رہا تھا۔ اب اسے دوڑ ایک بہت بڑی زمین  
 لگائی دی۔ جس کا رنگ سیاہ تھا۔ اس پر برائے  
 نام دھیمی سی روشنی تھی۔ یہ ہی وہ سیارہ تھا  
 جنہر کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ جنہر نے خدا کا شکر  
 ادا کیا کہ وہ کسی سورج کی طرف نہیں جا رہا۔ اب  
 جنہر کو خطرہ تھا کہ اگر اسی رفتار سے وہ سیارے کی زمین  
 سے ٹکرایا تو اس کے پڑے اڑ جائیں گے۔ مگر وہ  
 223 عن برن آگ داری اٹھایا  
 اور تھا۔ بے بس تھا۔ سیارے کی کشش کی لہروں



کے دم دکر پر تھا۔

پر درختوں اور پانی کی جھلک بھی دکھائی دی۔

پھر وہ بادل کے ایک گوشے میں آگیا۔ بادلوں سے  
گلاؤ قلا بازیاں کھاتا ایک زوردار آواز کے ساتھ  
پانی میں گر پڑا۔ عہتر اتنی تیزی سے گرا تھا کہ پانی کے  
اندہرے گرتا ہی چلا گیا اس کے پاؤں پانی کے اندر نہیں سے  
اُٹھائے تو وہ اس طاقت سے اوپر کو اچھلا اور پانی میں  
سے گزرتا سطح پر آگیا۔

عہتر نے تیرتے ہوئے آنکھیں کھول کر غور سے ماحول کا  
جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا کہ آسمان کا رنگ سمجھورا سمجھورا

عہتر سمجھ گیا کہ اس سیارے کے گرد، خوفناک ہے۔ دُور دُور نیلے، سفید اور سرخ رنگ کے سیارے  
پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں کوئی انتہائی جاذب اور دستارے روشن ہیں۔ ایک طرف دُور سورج بھی  
طاقتور مادہ گردش کر رہا ہے اور یہ اسی مادے جس کی تیز روشنی سیارے پر پڑ رہی ہے۔ عہتر  
کی خوفناک کشش تھی جو اسے اپنی طرف طوفانی ہواؤں کے ساتھ  
سے کھینچ رہی تھی۔ عہتر سیارے کی فضا میں دائروں سمجھوری سمجھوری پہاڑیاں تھیں۔ ان پہاڑیوں پر زرد  
جو چمکا تھا۔ پھر اس کی رفتار کچھ تیز ہو گئی۔ اب وہ اور سرخ رنگ کے درخت کھڑے تھے۔ جھیل کے  
اتر نہیں رہا تھا۔ بلکہ سیارے پر جیسے گر رہا تھا پانی کا رنگ ہلکا نیلا تھا۔ ہوا میں آکسیجن کی کافی مقدار  
عہتر فضا میں جیسے قلا بازیاں کھانے لگا۔ یہ اس بلایو کو دھکیلی۔ یہی وجہ تھی کہ عہتر کو سانس لینے میں  
کے کشش کی وجہ سے تھا۔ اس سیارے کا رنگ اُڑا سی بھی تکلف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔  
عہتر تیرتے ہوئے دیکھتا ہی رہا۔

جو تھی عہتر سیارے کی فضا میں داخل ہوا کسی  
طاقت نے اسے اچھال کر نیچے پھینک دیا۔ عہتر نے  
دم محسوس کیا کہ سیارے کی کشش میں وہ شکنجہ  
نہیں رہی۔ اس کی پلکوں کا وزن بھی گھٹ کر نال  
ہو گیا۔ وہ پلکیں اوپر نیچے کر سکتا تھا۔ وہ ایک  
تامل رفتار کے ساتھ سیارے کی ترغین پر  
رہا تھا۔ جس طرح ایک آدمی پیرا شوٹ سے نیچے  
رہا ہو۔

عہتر سمجھ گیا کہ اس سیارے کے گرد، خوفناک ہے۔ دُور دُور نیلے، سفید اور سرخ رنگ کے سیارے  
پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں کوئی انتہائی جاذب اور دستارے روشن ہیں۔ ایک طرف دُور سورج بھی  
طاقتور مادہ گردش کر رہا ہے اور یہ اسی مادے جس کی تیز روشنی سیارے پر پڑ رہی ہے۔ عہتر  
کی خوفناک کشش تھی جو اسے اپنی طرف طوفانی ہواؤں کے ساتھ  
سے کھینچ رہی تھی۔ عہتر سیارے کی فضا میں دائروں سمجھوری سمجھوری پہاڑیاں تھیں۔ ان پہاڑیوں پر زرد  
جو چمکا تھا۔ پھر اس کی رفتار کچھ تیز ہو گئی۔ اب وہ اور سرخ رنگ کے درخت کھڑے تھے۔ جھیل کے  
اتر نہیں رہا تھا۔ بلکہ سیارے پر جیسے گر رہا تھا پانی کا رنگ ہلکا نیلا تھا۔ ہوا میں آکسیجن کی کافی مقدار  
عہتر فضا میں جیسے قلا بازیاں کھانے لگا۔ یہ اس بلایو کو دھکیلی۔ یہی وجہ تھی کہ عہتر کو سانس لینے میں  
کے کشش کی وجہ سے تھا۔ اس سیارے کا رنگ اُڑا سی بھی تکلف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔  
عہتر تیرتے ہوئے دیکھتا ہی رہا۔

موسم نہ ٹھنڈا تھا نہ گرم تھا۔ جیل کے کنارے بھی وہی درد اور سرخ پتوں والے گھنے درخت اُگے ہوئے تھے۔ مگر یہاں کوئی پرندہ نہیں بول رہا تھا۔ ایک ایسا سناتا چھایا تھا جیسے وہ قبرستان میں گیا ہو۔ غبر کے کپڑے خشک ہوتے جا رہے تھے۔ غبر درختوں میں دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔

زمین کا رنگ بھورا تھا اور خشک پتے جگہ جگہ پڑے تھے۔ اس کے پاؤں میں آکر پتے آواز پر کرتے۔ غبر تھوڑی تھوڑی دیر بعد ڈک کر داہ بائیں دیکھ لیتا تھا کہ کہیں کوئی آدم یا آدم زاد جی نہ کہ نہیں۔ لیکن ابھی تک اسے کوئی مخلوق نہیں ملی تھی۔ چلتے چلتے غبر پہاڑیوں کے جنگل میں ایک ایسی جگہ پر آگیا جہاں پر پی طرف سے جیل کا پانی کنارہ کاٹ کر ایک چھوٹی سی ندی کی شکل میں اندر آگیا تھا۔ غبر کو سب سے زیادہ غرضی اس بات کی تھی کہ اس سیارے پر آتے ہی اس کا وزن نارمل ہو گیا تھا۔ اور اب وہ اتنا ہلکا نہیں تھا کہ ہوا میں تیرنے لگا۔ 195

ہوئے ایک چوڑے سے نیلے کو کاٹ کر آگے گئے درختوں میں چھپے ہوئے ایک عجیب و غریب مکان کی طرف نکل گئی تھی۔ غبر ایک جگہ کھڑا مکان کو دیکھنے لگا۔ یہ مکان ہماری دنیا کے مکانوں کی طرح نہیں تھا۔ وہ ایک مینار کی طرح تھا۔ جس کی تین منزلیں تھیں۔ مینار کی آخری منزل درختوں سے بھی اوپر چلی گئی تھی۔ اس مینار کا رنگ بھی بھورا تھا۔

غبر چلتا ہوا مینار کے قریب آگیا۔ مینار ان ہی پہاڑوں کے بھورے پتھروں کے بڑے بڑے بلاک کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ پہلی منزل میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ دوسری اور تیسری منزلوں پر صرف ایک چھوٹی سی تکیوں کی نظر آرہی تھی۔ یہ دونوں کھڑکیاں بند تھیں۔ ابھی تک غبر کو اس سیارے کی کوئی مخلوق دکھائی نہ دی تھی۔ اگرچہ سیارے کی فضا میں آکسیجن ہماری تعداد میں موجود تھی۔ لیکن معلوم نہیں تھا کہ یہاں کی مخلوق کس قسم ہو گی۔ ایک بار غبر کو خیال آیا کہ یہ سارے کچھ سارا سیارہ ویران ہے۔ لیکن اس مینار کو دیکھ کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ شاید یہاں کوئی مخلوق آباد ہوگی۔



میں تار کی گول دیوار کے پتھر پر لسنے اور بھر بھرے  
 ہو رہے تھے۔ ایک پتھر پر کسی عجیب و غریب  
 زبان میں کوئی تحریر لکھی تھی۔ عنبر نامک ماریا جو کہ  
 قسم کی تحریر پڑھ لیتے تھے مگر اس تحریر کو پڑھنے  
 میں میں عنبر کو دقت پیش آرہی تھی۔ کیونکہ یہ سب  
 تھی اور اس کا کوئی مطلب نہیں نکلتا تھا۔ پتھر پر لکھا  
 تھا۔

”وہ یہاں تھا۔ رات۔ اس کی ہڈیاں۔  
 اب نہیں آنے گا۔ رات۔ خبردار بھاگ  
 جاؤ۔“

عنبر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اس تحریر سے مطلب  
 کیا نکلتا تھا۔ کسی نے کہا کہ بتایا تھا کہ یہاں کوئی آیا  
 تھا۔ پھر اس کی ہڈیاں کہاں گئیں؟ اس کے بعد بتایا تھا  
 کہ اب وہ نہیں آئے گا۔ آخر میں خبردار کیا گیا تھا کہ  
 یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ان سب میں ایک بات مشترک  
 تھی کہ یہ سب کچھ رات کو ہوا۔ مگر وہ آنے والا  
 کون تھا؟

196 کہیں ایسا تو نہیں کہ اس سیارے پر کسی دوسرے  
 سیارے کی کوئی مخلوق آئی ہو؟ عنبر اس تحریر کو پڑھ

کہ کسی جیتے پر نہ پہنچ سکا۔ عنبر نے مینار کے گرد  
 ایک پتھر لگایا۔ آس پاس دیرانی چھائی تھی۔ کالی  
 کالی چٹانیں اور بھورے اور زرد درخت سر اٹھانے  
 لکھ رہے تھے۔ عنبر مینار سے ہٹ کر کچھ فاصلے پر ایک  
 درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد جیسے شام ہو  
 گئی۔ پھر رات اچانک پڑ گئی۔ چادروں طرف اندھیرا  
 چھا گیا۔ اتنے میں جنوب کی طرف سے ایک چاند نکل  
 آیا۔ یہ چاند آدھا زرد اور آدھا سرخ تھا۔ اور جہاں  
 سے نکلا تھا وہیں رُک گیا تھا۔

اس کی پیمکی پیمکی روشنی میں درختوں پر پہلے  
 تو سکتے سا طاری ہو گیا۔ یعنی جو پتے ہلکی ہلکی ہوا  
 میں ہل رہے تھے وہ ساکت ہو گئے۔ عنبر نے  
 اس تبدیلی کو خاص طور پر محسوس کیا۔ اس کے بعد  
 عنبر نے کیا دیکھا کہ درختوں نے ایک ساتھ آگے  
 کو جھکنا شروع کر دیا۔ عنبر اٹھ کر ایک طرف ہٹ  
 گیا۔ کیونکہ جس درخت کے نیچے وہ بیٹھا تھا وہ بھی  
 آگے کو جھک رہا تھا۔ عنبر مینار کے پاس آکر ٹھہر  
 گیا۔ ڈھلان پر عنبر کی آگ ماریا خلائ 223  
 لافٹ آگے تھے سب کے سب جھکے ہوئے تھے

ساتھ لگ گئے۔

عین نے اس قسم کا منتظر شاید ہی پہلے کسی دیکھا ہو۔  
درخت جو ایک منٹ پہلے بالکل سیدھے کھڑے تھے  
اب زمین کے ساتھ لگ گئے ہوئے تھے۔ عین کو پتہ  
سکینڈ کے بعد ایسی آوازیں آنے لگیں۔ جیسے بہت سے  
سوئے ہوئے لوگ آہستہ آہستہ خراٹے لے رہے ہیں  
عین ایک درخت کے قریب گیا۔ اس نے جھک کر سنا  
وہ درخت آہستہ آہستہ خراٹے لے رہا تھا۔

تو کیا یہ درخت سو رہے ہیں؟

عین نے بے اختیار ہو کر خود سے سوال کیا۔ سارا  
درخت خراٹے لے رہے ہیں۔ عین ان درختوں کے  
پیچھے آگیا۔ یہاں اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی  
درد سے کراہ رہا ہو۔ عین نے کان لگا دیئے۔ یہ  
آواز انسانی آواز سے مختلف تھی۔ یہ کسی جانور کی  
آواز بھی نہیں تھی۔ عجیب سی باریک اور متنی آواز  
تھی۔ مگر اس آواز میں درد تھا۔ عین جھک کر لیٹے ہوئے  
درختوں کو دیکھنے لگا۔ اس کو محسوس ہوا کہ یہ آواز ایک  
درخت کے تنے میں سے آ رہی تھی۔

عین نے غور سے دیکھا تو اسے سرخ اور زرد رنگ

کی ایک سانپ کی طرح کی چھکی نظر آئی جس نے بیٹھ  
ہوئے درخت کی ایک ٹہنی کو جکڑ رکھا تھا۔ اور اونٹوں  
سے اسے کاٹ رہی تھی۔ عین نے چھکی کو اپنے پاؤں  
سے کچل کر ہلاک کر دیا۔ درخت کے تھامنے کی باریک  
آواز بند ہو گئی۔

پھر درخت نے اپنی پتلی منہی عجیب سی آواز میں اپنی  
زبان میں کہا۔

”تم نے زہریلی چھکی سے میری جان بچائی۔  
تھاندا اشکریہ۔ مگر تم کون ہو؟ یہاں کیسے  
آگئے؟ کیا تم میری زبان سمجھ رہے ہو؟“  
عین نے آہستہ سے جواب دیا۔

”ہاں میرے درخت بھائی۔ میں تھاندا زبان  
سمجھ رہا ہوں؟“  
درخت نے کہا۔

”میں حیران ہوں کہ تم تھاندا زبان کیسے سمجھ  
لیتے ہو؟“  
عین نے کہا۔

”اس ساری کائنات پر خدا نے جو چیزیں  
۵۲۳ عین نے آج اپنی ۲۲۳  
اپنی حکمت سے پیدا کی ہے اس میں ایک ہی چیز



موجود ہے اگر کسی کو اس کا علم ہو چلے تو درخت  
پتھر، ریت، پانی، ستارہ، چاند، پہاڑ اور پٹان  
ان سب کی ہوتی ہو سکتا ہے۔  
درخت نے کہا۔

"تم مجھے کوئی بڑے گیانی دھیانی اور پیچھے ہٹنے  
بزرگ معلوم ہوتے ہو۔  
عبر نے جواب دیا۔

"میں ایسا نہیں ہوں۔ محض ایک انسان ہوں  
اور یہاں سے خدا جانے کتنی دور کائنات  
میں ایک نظام شمسی ہے جس کے ایک سیارے  
کی زمین کا رہنے والا ہوں۔ اور میرا نام  
جبر ہے۔ میں ایک عجیب اتفاق سے یہاں پہنچ  
گیا ہوں۔ مگر میرے دوست تم مجھے یہ بتاؤ  
کہ یہ کیا سیارہ ہے کہ جہاں درخت رات  
کو سو جاتے ہیں۔  
درخت بولا۔

"عبر اس سیارے کا نام زئوب ہے۔ یہاں  
کبھی کوئی زندہ مخلوق یا تھاری زمین کا کوئی انسان  
نہیں آیا۔ اگر آجائے تو وہ زندہ نہیں پاتا۔

کہہ کر وہاں آدمی رات کے بعد ایک انوکھی  
ہوا چلتی ہے۔ سردیوں اور گرمیوں کے ٹکڑوں کو  
تو کچھ نہیں کہتی۔ لیکن اگر کوئی آدمی موجود ہو تو  
اُسے فوراً ہلکے کر ڈالتی ہے۔

عبر نے اب درخت سے مینار پہ گئی ہوتی تھی کہ  
ذکر کیا اور کہا۔ کہ وہ کون سا انسان تھا جو اس سیارے  
پر آیا اور اس کی ٹہیاں باقی رہ گئیں؟  
درخت نے کہا۔

"اس منوس مینار کا پھر ذکر مت کرنا۔ اسی  
سے ڈور رہنا۔ سرد ہوا تو اس سیارے کا  
ایک شخص بھلے کر اس سیارے پر آ گیا  
تھا۔ آدمی رات کو جب ذہری ہوا چلی تو  
وہ کسی طرف بھاگ کر منوس مینار ہی  
جا کر چھپ گیا۔ مینار کے اندر ذہری ہوا  
نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ ذہری گیس سے پک  
گیا۔"

عبر نے پوچھا۔  
"پھر وہ مرا کس طرح؟"

درخت نے جواب دیا۔  
"عبر نرنگ ماری اخلائی 223"

"یہ ایک راز ہے۔ جو میں نہیں بتا سکتا۔ تم  
 چونکہ میرے دوست ہو۔ اور تم نے میری بیان  
 بچائی ہے اس لیے میں تمہاری مدد کرنا اپنا  
 فرض سمجھتا ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر میں نہریلی  
 ہوا پھلنے والی ہے۔ تم ایسا کرو کہ میری ٹہنی  
 کے کچھ پتے توڑ کر انہیں چبا کر کھا جاؤ۔ اس  
 سے تم پر نہریلی ہوا کا اثر نہیں ہوگا۔  
 منہرنے سوچا کہ درخت کی بات مان لین چاہیے۔  
 اس نے درخت کی ٹہنی سے پتے توڑنے کے لیے  
 ہاتھ بڑھایا اور ذرا دک کر پوچھا۔  
 "میرے دوست! پتے توڑنے سے تمہیں  
 تکلیف تو نہیں ہوگی؟"  
 درخت نے کہا۔

"اگر تمہارے جسم سے کوئی بال کھینچ کر توڑے  
 تو جس طرح تمہیں تکلیف ہوتی ہے اسی طرح  
 بھول توڑنے اور درخت کے پتے توڑنے  
 سے بھی درخت کو تکلیف ہوتی ہے مگر تم  
 میرے دوست ہو۔ تم میری ٹہنی پر سے پتے  
 توڑو۔ میں اپنا سانس روک لوں گا۔"  
 199

منہرنے بدلی سے زمین پر تڑپے۔ اگرچہ درخت  
 نے اپنا سانس روک رکھا تھا۔ پھر بھی منہر کو ایسی  
 آواز سنائی دی جیسے درخت کو تکلیف ہوئی ہو۔ منہر  
 وہ پتے منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ پتوں کا ذائقہ  
 الاچی کی طرح کا تھا۔ منہر انہیں چبا کر نگل گیا۔  
 درخت نے کہا۔

"میرے دوست! اب میرے پاس خاموشی  
 سے لیٹ جاؤ۔ کیونکہ نہریلی ہوا پھلنے ہی والی  
 ہے۔"

منہر درخت کے کہنے کے مطابق اس کے تنے کے  
 پاس ہی لیٹ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے محسوس  
 کیا کہ فضا گرم ہو گئی ہے۔ پھر اس نے فضا میں  
 تھنی محسوس کی۔ اور اسے چینگ آگئی۔ درخت نے  
 پریشان ہو کر پوچھا۔

"تمہیں نہریلی ہوا کا اثر محسوس تو نہیں ہو رہا؟"  
 منہر بولا۔  
 "صرف چینگ آئی ہے۔ باقی سب خیر ہے۔  
 کوئی پتہ بھی نہیں آ رہا۔"  
 درخت بولا۔



”پھر ٹیک ہے۔ آنکھیں بند کر کے بیٹے رہو۔  
اور زیادہ زور سے سانس مت لینا۔“

عبر نے ایسا ہی کیا۔ وہ چکے چکے سانس لینے لگا۔  
فضا میں ایسی بڑبڑاہٹ مچ گئی جیسے کسی نے گندھک کا  
تیزاب کا ڈرم کھول دیا ہو۔ زہریلی ہوا چلنے لگی تھی۔ دھڑ  
اسی طرح بیٹے خنٹے لے رہے تھے۔ ان پر زہریلی ہوا  
کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ فضا میں ناگوار بڑبڑاہٹ مچ گئی تھی۔  
عبر کا سانس چلنے لگا۔ مگر اس نے درخت کی ہدایت  
کے مطابق اپنی آنکھیں بند نہ کیں۔ ویسے بھی وہ مرنے  
سکتا تھا۔ مگر اسے خطرہ تھا کہ کہیں اس زہر کا اس پر  
کوئی الٹا اثر نہ ہو جائے۔ ہوا تیز ہو گئی۔ اس کی سیٹی  
بجاتی لہریں درختوں کے اوپر سے ہو کر گز رہی تھیں۔ کچھ  
دیر تک زہریلی ہوا چلتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ ہوا کی  
سیٹیاں بند ہو گئیں۔ اور چاروں طرف پہلے ایسی خاموشی  
چھا گئی۔

درخت نے عبر سے کہا کہ وہ آنکھیں کھول لے۔  
عبر نے آنکھیں کھول دیں۔ زہر اور سہج چاند زہریلی ہوا  
کے بند ہو جانے کے بعد نیچے چلا گیا تھا۔ درخت نے  
200 جبرائیل پرچیں۔ عبر نے کہا۔

”میں بالکل ٹیک ہوں۔ تمہارا شکریہ ادا کرتا  
چاہتا ہوں۔“

درخت بولا۔

”اس کی ضرورت نہیں دوست۔“

عبر نے سوال کیا۔

”اب مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس سیارے سے

والس اپنی زمین پر کیسے جا سکتا ہوں؟“

درخت کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔

”عبر! میں تمہیں کیا بتا سکتا ہوں۔ یہاں کہیں

کوئی مخلوق آباد نہیں ہے جو تمہاری مدد کر سکتی

میں تمہیں زہریلی ہوا سے بچا سکتا تھا۔ سو

میں نے تمہیں بچا لیا۔ مجھے بے حد افسوس

ہے کہ اس سلسلے میں میں تمہاری کوئی مدد نہیں

کر سکتا۔“

عبر نے کہا۔

”یہ بتاؤ کہ یہ مینار یہاں کس نے بنایا ہے؟ ضرور

کوئی مخلوق یہاں آئی ہوگی۔ جس نے بڑے بڑے

پتھر جوڑ کر اس مینار کی تعمیر کی اور پھر اس پر

223 تحریر بھی کی ہوگی۔ اگر ایسا ہے تو اسے

درخت نے آہستہ سے کہا۔  
”جنرل میرے دوست! مجھ سے وہ بات

مت پوچھو جس کا میں تمہیں جواب نہ دے  
سکوں۔ یہ ایسا راز ہے جس کے بارے میں  
اگر میں نے زبان کھولی تو میرے جسم کو آگ  
لگ جائے گی۔“

جنرل چیخا ہوا گیا۔ پھر بولا۔  
”کیا اس منوس مینار کے بارے میں مجھے کوئی  
جی نہیں بتا سکتا؟“

”نہیں جنرل“ درخت نے کہا۔ ”ہم درختوں میں  
”کئی زبان نہیں کھول سکتا۔ مگر میں تمہیں  
اتنا ضرور کہوں گا کہ ہمارا ایک بہت بزرگ  
درخت ہے جس کو ہم سب درخت بابا کے نام  
سے پکارتے ہیں۔ وہ ہزاروں برس پرانا درخت  
ہے۔ اور اتنا بوڑھا اور گھنا ہو گیا ہے کہ اب  
رات کو اسے لیٹ کر سونے کی حاجت نہیں  
ہے۔ اس کے بہت بڑے تنے میں سیڑھیاں  
جاتی ہیں۔ اس درخت بابا کے پاس جا کر  
میرا سلام کرو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں اس

منوس مینار سے ضرور ہوتے کے متعلق کچھ  
مشورہ دے سکے۔“  
جنرل کے لیے اتنا سہارا ہی بہت تھا۔ اس نے  
درخت کا شکریہ ادا کیا۔ اور بزرگ درخت کا پیٹہ  
پوچھ کر اس طرف روانہ ہو گیا۔

یہ درخت وہاں سے کچھ دُور ندی سے ہٹ کر  
بیلے کے پاس کھڑا تھا۔ یہ اتنا بڑا درخت تھا  
اس کی ٹہنیوں میں سے درخت کی جھاڑیاں ڈاڈھوں  
طرح الگ کر زمین میں اتر کر جڑ پکڑ چکی تھیں۔ اور  
رشت کے نیچے جگہ جگہ ستون سے بن گئے تھے۔ درخت  
اتنا ہی بہت بڑا تھا۔ اس تنے میں ایک جگہ جھاڑوں  
پیچھے سے نیچے درخت کی جڑوں کی سیڑھیاں بن  
تھیں۔

جنرل سیڑھیاں اتر کر درخت کے اندر چلا گیا۔  
درخت کے اندر بھی جگہ جگہ جڑیں بیڑیں پھیلی ہوئی  
تھیں۔ تنے کی دیواروں کے ساتھ بھی موٹے موٹے رسول  
طرح کی جڑیں بیوست تھیں۔ جنرل درخت کے اندر  
دونوں پہر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے درخت کی زبان میں



”درخت بابا! میرا نام عنبر ہے۔ میں غصے سے اس سیارے پر آ گیا ہوں۔ کیا تم یہاں سے فرار ہونے میں میری مدد کر سکتے ہو؟“

ایک پل کے لیے خاموشی چھائی رہی۔ پھر ایسی آواز سنائی دی جیسے خاموش جنگل میں اپناک ہوا چلنے لگی ہو۔ یہ بوڑھے درخت کی آواز تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ”میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔ کیونکہ تم ہماری زبان بول لیتے ہو۔ ورنہ تمہاری دنیا کے انسان تو ایک دوسرے کی زبان نہیں جانتے۔“

عنبر نے شکر یہ ادا کرتے ہوئے چھوٹے درخت کا دلکشش کر کے کہا۔ عنبر کچھ دیر بزرگ درخت کے سلام پہنچایا اور اپنے سوال کو ایک بار پھر دہرایا۔ بوڑھے کے اندر بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر باہر درخت کہنے لگا۔

”عنبر! تم یہاں سے کسی 1000 ملین سالوں کے ذریعے ہی پرواز کر کے واپس جا سکتے ہو۔ لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔“

عنبر نے اچانک پوچھ لیا۔

”بابا! منجوس مینار کا ماز کیا ہے؟“

202 عنبر کو ایسے محسوس ہوا جیسے درخت آہستہ سے اپنے لگا ہوا۔ پھر بوڑھے درخت کی کچھ گھبرائی

آواز بلند ہوئی۔  
”تو یہ سوال مجھ سے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ یہ وہ ماز ہے کہ اگر میں نے اسے کھول دیا تو مجھے آگ لگ جائے گی؟“  
عنبر نے معذرت کی اور کہا۔

”درخت بابا! مجھے معاف کر دیں۔ آئندہ میں یہ سوال نہیں کروں گا۔“

اسی وقت عنبر کے دل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ وہ اس منجوس مینار کے پڑا سمندر معنے کو خود ہی حل کرنے کے لیے کوشش کرے گا۔ عنبر کچھ دیر بزرگ درخت کے سلام پہنچایا اور اپنے سوال کو ایک بار پھر دہرایا۔ بوڑھے کے اندر بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر باہر

درخت کی مجھوس مینار کی روشنی پھیلی تو وہ درخت نے اجازت لے کر باہر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ آسمان کی روشنی کس نہیں تھا۔ ہر طرف مجھوسے رنگ کے گہرے یادر چھا رہے تھے۔ اس نے دائیں بائیں نگاہ ڈالی تو دور وہ سارے کے سارے تار جوارات کے وقت لیٹ گئے تھے۔ اب آٹھ

223 عنبر ناگ ماری اخل لائی تھے  
عنبر ناگ ماری اخل لائی تھے

کے پیچھے آگیا۔ اس نے اس کے بڑے پتھر پر  
 لکھی ہوئی پڑا اسرار تحریر کو ایک بار پھر پڑھا۔ اب  
 بھی وہ اس کا کوئی نتیجہ نہ نکال سکا۔ عنبر وہاں سے  
 ہٹ آیا اور ٹیلے کے دروں میں سے ہوتا ہوا اندی  
 کے ساتھ ساتھ جھیل کے کنارے آکر بیٹھ گیا۔  
 اسی جھیل میں وہ خلاء سے اترتا ہوا گر ا تھا۔ جھیل  
 کا پانی خاموش تھا۔ کہیں کوئی لہر پیدا نہیں ہو رہی  
 تھی۔ اچانک بادلوں میں بجلی چمکی۔ گرج پیدا ہوا  
 اور بادش شروع ہو گئی۔ بادش ایک دم سے سلا  
 دھار ہونے لگی تھی۔ عنبر جھاگ کر ایک گھنے  
 درخت کے نیچے آگیا۔ وہ درخت کے ساتھ لگ کر

میں سے  
 تھا۔ چنانچہ عنبر رات ہی کو وہاں جا کر اس  
 کو مل کرے کی کوشش شروع کرنا چاہتا تھا۔  
 آخر شام ہوئی اور ایک دم سے رات کا  
 اندھیرا چھا گیا۔ عنبر اپنی جگہ سے اٹھا اور پڑا  
 مینار سے چند قدم کے فاصلے پر آکر ایک پٹان کی  
 اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس نے یہی فیصلہ کیا  
 تھا کہ ذرا رات اور گہری ہو جائے تو وہ اندھیرے  
 میں مینار کی دوسری منزل کی کھڑکی میں سے اندر داخل  
 ہو جائے گا۔ وہ بند کھڑکی کے پٹ کو بڑی آسانی  
 سے توڑ سکتا تھا۔

جب اس کے اندازے کے مطابق اندھیرا گہرا ہو  
 بیٹھ گیا۔ اس پر بادش کے ہلکے ہلکے قطرے گرے لیا تو عنبر پٹان کی اوٹ سے باہر نکل آیا اور جھونک  
 رہے تھے۔ دیر تک بادش ہوتی رہی۔ پھر جب جھونک کے قدم رکھتا پڑا اسرار مینار کی طرف بڑھا۔  
 رُکی تو عنبر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ زمین نے سارے ہی وہ چند قدم ہی چلا ہو گا کہ اچانک زمین ہلنے  
 کا سارا بادش کا پانی اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ جھیل کی عنبر جلدی سے بیٹھ گیا۔ شاید مجھو سچا ل آگیا  
 کی سطح بھی دوبارہ ساکن ہو گئی تھی۔

سنت بودیت کے ساتھ عنبر وہاں بیٹھا رہا تو پہاڑ چٹ گیا ہو۔ زمین ایک بار دھچکا کھا  
 وہ کہاں جاتا؟ وہ رات کا انتظار کر رہا تھا۔ کیونکہ اس کی سہولت ہو گئی۔ عنبر جھاگ کر پٹان کی اوٹ  
 میں مینار کے کتبے پر رات کا لفظ دوبارہ کھل چھپ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک سیلے میں ٹکاف



پیدا ہو گیا ہے اور اس میں سے سبز رنگ کی تیز روشنی باہر آرہی ہے۔ غیر ممکن کی مانند اس روشنی کے دائرے کو سمجھنے لگا۔ اسے اس روشنی میں سے ایک عجیب سی شے باہر نکلتی نظر آئی۔

یہ بڑا سراہہ بنیبت ناک شے کیا تھی جو پہاڑ کے پیمٹ جانے کے بعد شکاف میں سے باہر نکل رہی تھی؟ کیا عنبر یہاں سے فراہ ہو سکا؟ ماریا کے ساتھ کیا گزری اور ناک تھیو سانگ کی ماریا سے کن حالات میں ملاقات ہوئی؟ یہ سب کچھ آپ عنبر ناک ماریا کی اگلی قسط نمبر ۱۲۴ انسانی قیود میں پڑھیں گے۔

## عنبر ناک ماریا کیٹی خلاء میں

### نہ ۱۲ کی ایک جھلک

- شہر ویران سنان ہو گیا
- لوگ قبروں میں جا کر رہنے لگے
- ایسا کیوں ہوا
- اس کا جواب غیبی لاش سلور جوبلی نمبر میں پڑھیے

سینسن آسیب اور روٹ گٹر کھڑے کر دینے والے  
سنسنی خیز واقعات، عنبر ناک، ماریا، کیٹی  
اور تھیو سانگ کا ڈراؤنا ایڈ ونچر  
جو ایک یادگار نمبر ہو گا

صفحات: ۴۰۰ سے زائد • قیمت: ۲۴ روپے

۲۵ اگست ۱۹۸۶ء کو اپنے قریبی ایک شال سے فریڈ  
عنبر ناک ماریا کیٹی

205

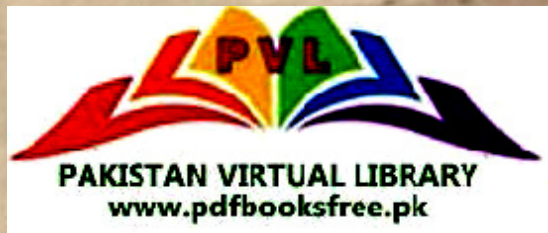
عنبر نازک ماریا خلایق 223



# اسان کی سیر

۱۲۷

PDFBOOKSFREE.PK



عنبر بڑے خود سے اس عجیب شے کو دیکھنے لگا۔  
 شے کے شکاف کے سبز روشنی میں سے ایک چم  
 نکلا انسانا جسم آہستہ آہستہ چلتا باہر نکلتے لگا۔  
 مکمل ہاتھ تک رہا تھا۔ انسانا جسم کس مشین کی طرح  
 ٹک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ عنبر نے محسوس کیا کہ یہ جسم  
 کس انسان کا زندہ جسم نہیں ہے بلکہ کوئی مشینی انسان ہے  
 کیونکہ اب اس مشین روباٹ کا سر نظر آیا جو چمک رہا تھا۔  
 لمبی مائیں بھی چمک رہی تھیں۔ یہ مشین انسان کسی ایسی  
 کا تھا کہ اس میں سے روشنی کی مشینیں نظر آ رہی تھیں  
 اس کے دواڑ بازو آگے کھینچے ہوئے تھے۔

اس کا رخ اس چٹان کی طرف تھا جس کے چیمپے عنبر  
 چپا تھا۔ عنبر وہاں سے جمنا گئے کی سوچ رہا تھا کہ اچانک  
 اس مشین انسان کے ماتھے سے ایک سبز باریکہ  
 شعاع پستول کی گولی کی طرح نکل کر عنبر کے بالکل قریب

ترتیب  
 انسانی تیندوا  
 آخری چیمپے  
 راکٹ پھٹ گیا  
 ماریا ماڈل ٹاؤن میں  
 ناک پھینک گیا



آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا واپس لینے کے شکاف کی طرف  
چلنے لگا۔

عبر اس کے آہنی ہاتھوں میں اس طرح سے بٹرا ہوا  
خفا کہ اس کے پاؤں نیچے ٹنگ رہے تھے مشینی انسان  
کا جسم لوہے کی طرح ٹھنڈا تھا۔ مگر مہر کو اس کے جسم کی  
دھات میں سے کرنٹ کی ہلکی ہلکی لہریں نکل کر اپنے جسم میں  
بندوب ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔  
مشینی آدمی مہر کو لے کر ٹیلے کے شکاف میں داخل  
ہو گیا۔

سبز روشنی اس کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی مہر  
نے دیکھا کہ ٹیلے میں آگے جا کر ایک کول گڑھ کیا ہے جس  
کے درمیان ایک نفٹ کھڑی ہے۔ مشینی آدمی نفٹ کے قریب  
پہنچا تو اس کا دروازہ اپنے آپ پر سے ہٹ گیا۔ مشینی  
آدمی مہر کو جکڑے نفٹ میں داخل ہو گیا۔ نفٹ دروازہ  
دوبارہ بند ہو گیا۔ اور پھر وہ اتنی تیزی سے نیچے فریڈ  
الندہ اترنے لگی کہ مہر کو محسوس ہوا کہ وہ کس کنوئیں میں گر  
رہا ہے۔ پھر نفٹ ٹوک گئی۔

دروازہ کھلا تو سامنے ایک بہت بڑا ہال کمرہ تھا جس  
کی دیواروں پر عجیب عجیب قسم کے بناؤروں اور دروازوں

پہاں سے ہندی چٹان ایک دھماکے سے پھٹ گئی اور مہر  
اچھل کر دس گز دور جا کرا۔ وہ اٹھ کر ایک طرف کو دوڑا  
مگر مشینی آدمی کی دوسری شعاع مہر کے پاؤں کے قریب زمین  
سے نکل آئی اور دھماکے کی آواز کے ساتھ وہاں گہرا ٹمکاف  
پڑ گیا۔ اور مہر اس میں منہ کے بل گر پڑا۔

مہر پھل کر کڑے سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ  
مشینی انسان مہر کے سر پر پہنچ گیا۔ اور کڑے کے کنارے کھڑے  
ہو کر اپنا منہ اس کے سر پر ٹکھا کر نیچے تنکے لگا۔ مہر سمجھ گیا کہ ابھی  
اس کے ماتھے سے شعاع کا فائدہ ہو گا۔ اور خدا جانے پھر مہر  
کے سر کے کتنے کتنے ہو جائیں گے۔ مگر مشینی انسان نے ایسا نہ  
کیا اس نے اپنے بازو نیچے کیے ہلکی گرد گرد کی آواز کے ساتھ  
مشین منار کے بازو بچے ہوئے لگے۔ وہ نیچے کی طرف آ رہے  
تھے۔ وہاں تک کہ وہ مہر کے سر پر پہنچ گئے۔

پھر مشینی ہاتھوں نے مہر کو اپنی گرفت میں بٹرا لیا۔ مہر نے  
اپنے جسم کی پوری طاقت کے ساتھ نکلنے کی کوشش کی مگر وہ  
کامیاب نہ ہو سکا۔ مگر اسے محسوس ہوا کہ اس کی طاقت جواب  
دے رہی ہے۔ مشینی ہاتھوں نے اسے اوپر اٹھایا۔ پھر اس  
کے بازو آہستہ آہستہ اوپر کو ہٹنے لگے۔ مہر کو مشینی انسان  
نے ایک نیم بے ہوشی بل کی طرح اپنے آہنی پیٹے میں اٹھایا اور



کی شکین امیری ہوئی تھیں۔ کمرے کے درمیان میں شیشے  
 کا ایک گول سلنڈر فرش سے چھت تک چلا گیا تھا۔ سامنے  
 دیوار کے ساتھ شیشے کی اماری کھڑی تھی۔  
 مشین آدمی نے جبر کو شیشے کی اماری میں بند کر دیا۔  
 اور خود فرش پر آہستہ آہستہ ڈک ڈک کر قدم اٹھاتا لفٹ کے  
 ذریعے واپس چلا گیا۔ عینے دیکھا کہ شیشے کی اماری میں ت  
 ہیں کرٹ کی ہلکی ہلکی نکل کر اس کے جسم سے ٹکرا رہی  
 تھیں۔ ان لہروں کی وجہ سے عینر کا جسم کمزور پڑ گیا تھا اور  
 وہ رہنے اندر اتنی طاقت نہیں پاتا تھا کہ اماری کو توڑ سکے۔  
 ہال کمرے میں ہلکی سبز روشنی چھیلی تھی۔ یہ معلوم  
 نہیں ہوتا تھا کہ یہ روشنی کہاں سے آرہی ہے۔ خدا جانے  
 عینر کو شیشے کی اماری میں کھڑے کتنی دیر ہو گئی تھی  
 کہ کمرے کے درمیان میں جو شیشے کا گول اور کافی بڑا  
 سلنڈر فرش سے چھت تک چلا گیا تھا اس میں روشنی  
 پھیلنے لگی۔ اس روشنی کا رنگ بھی ہلکا سبز تھا۔ عینر کو  
 کسی مشین کے چلنے کی دھیمی دھیمی آواز آئی۔ عینر کی آنکھیں  
 سلنڈر پر گر گئیں۔ سلنڈر میں اوپر سے دو انسانی  
 تیندوے نیچے آتے گئے۔ ان کے زرد رنگ کے گول  
 سر ہات بڑے تھے۔ آنکھیں اور ناک کی چھوٹی سی پونچ

بھی زرد تھی اور گول سر کے نیچے انسانی دھڑکیں تھیں۔  
 ہلکے سانپوں کی طرح کی چھ زرد زرد میں ٹانگیں ہر  
 رہی تھیں۔ یہ انسانی تیندوے تھے۔ اور انہیں دیکھ کر  
 آتا تھا۔ دونوں انسانی تیندوے سلنڈر کے نیچے آئے  
 تو سلنڈر کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔  
 انسانی تیندوے سلنڈر سے باہر آ گئے۔ وہ فرش  
 پر بالکل چپٹے ہو کر اس طرح بیٹھے تھے کہ ان کے گول زرد  
 تیندوے ایسے سر فرش پر بڑی کھوپڑیوں کی طرح  
 ٹپکے تھے اور زرد لمبی سانپ ایسی ٹانگیں یا بازو فیکشن  
 پر سانپ کی طرح لہرا رہے تھے۔  
 عینر کو وحشت ہونے لگی کہ یا خدا یہ کیا بلائیں ہیں اور  
 اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والی ہیں۔ لباس میں اتنی  
 طاقت بھی نہیں تھی کہ ان کا مقابلہ کر سکتا۔ ایک تیندو  
 نے کھوپڑی اٹھا کر اس اماری کی طرف دیکھا جس میں  
 عینر بند تھا۔ انسانی تیندوے کی آنکھوں سے ایک  
 شعاع نکل کر اماری پر پڑی۔ اماری کھل گئی اور عینر  
 کھڑی کے تختے کی طرح دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ اب  
 اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنا جسم ہلا جا رہا ہے۔ وہ نہیں  
 تھا۔ اس نے آنکھیں کھلیں کہ دیکھا۔



دو ذرات انسانی تیندوسے منہ سے سسکاروں کی آوازیں نکالتے اپنے سانپ ایسے بازو فرش پر گہرائے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب قریب آئے تو منبر کو کمرچ کمرچ کی عجیب و غریب آوازیں آنے لگیں۔ منبر نے بہت کوشش کی کہ اپنے بازوؤں کو اٹھا کر ان کا مقابلہ کرے۔ مگر وہ اپنے بازو دبا دیں نہ ہوا سکا۔

اسے تین انسانی تیندوسے نے عجیبے سانپ ایسے بازو اس کے جسم پر ڈال دیئے۔ منبر کو بجلی کے کرنی کے جکے جکے جھٹکے لگے لگے۔ پھر انہوں نے اپنی زرد رنگ کی بڑی بڑی صبر پریوں کے منہ منبر کی گردن کے ساتھ لٹکا دیئے۔ منبر گردن لگا بیٹھے کسی نے باریک باریک کتنی ہی سوچیاں اس کی گردن میں چھب دی ہیں۔ وہ چیخ مارتا چاہتا تھا لیکن اس کی آواز گنگے میں ہی پھنس کر رہ گئی۔ انسانی تیندوسے جیسے منبر کے جسم کا خون پی رہے تھے۔

منبر کا ذہن برابر کام کر رہا تھا۔ اس کی قوت ارادی یعنی ارادے کی طاقت باقی تھی۔ اس نے اپنی قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے اپنے جسم کو ہتھرتھرتا دیا۔ اچانک انسانی تیندوسوں نے اپنے منہ پیچھے کر لیے۔ کمرچ کمرچ کی آوازیں نکال کر جیسے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ اس

انسان کے جسم کا خون کہاں چلا گیا ہے؟ انسانی تیندوسوں نے اپنے سانپ ایسے بازو بھی منبر کے جسم سے ہٹا لیے تھے۔ وہ اپنی زرد کھوپڑیاں فرش سے ایک فٹ اوپر اٹھائے اپنے بے پائے سانپ ایسے بازوؤں کی مدد سے ریگتے ہوئے واپس سسکاروں میں چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی سسکار کا دروازہ بند ہو گیا۔ پھر وہ دو ذرات انسانی تیندوسے اوپر اٹھنے لگے۔ یہاں تک صحت کے ساتھ جا کر غائب ہو گئے۔ سسکار کی روشنی میں ان کے جانے سے بجھ گئی۔ منبر ایک دفعہ پھر بے اہل کی حالت میں المادی میں کھڑا تھا۔

منبر سوچنے لگا اگر وہ اپنے جسم کو ہتھرتھرتا دیتا تو خدا جانے اس کا کیا حشر ہوتا۔ اسے اپنے بدن میں گہری کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ یہ کسٹ کی اُن ہلکی ہلکی آوازوں کا اثر تھا۔ جو اس کے جسم میں داخل ہو رہی تھیں۔ نہ جاسے۔ کتنا وقت گزر گیا تھا کہ منبر کو کچھ قدموں کی چابکستانی دی۔ یہ چھوٹے چھوٹے قدموں کی چابک تھی۔ منبر نے لکڑیوں کو دیکھا کہ المادی کے پیچھے دیوار کے ایک سوراخ میں سے دو ننھے ننھے انسان نکل کر اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چہروں پر ڈاڑھی مونچھیں بھی تھیں۔



مگر وہ چھ سات پرس کے ٹوکوں جھٹنے تھے۔ دونوں  
نیلے بونے عنبر کی الماری کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے  
وہ اپنی زبان میں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ ان  
کے الفاظ عنبر کے کانوں میں نہیں پڑ رہے تھے۔ صرف  
سرگوشیوں کا آواز ہی انہی تھی

پھر ایک بونے نے الماری کے پیچھے جا کر کسی ٹوک  
کو ڈبا دیا۔ الماری کا دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی  
دوسرے بونے نے عنبر سے کہا۔

”کیا تم ہماری زبان سمجھ سکتے ہو؟“

عنبر نے کہا۔

”ہاں۔“

دوسرا بونا بولا۔

”آج سے باہر نکل آؤ۔“

عنبر نے کہا۔

”مجھے اپنے اندر اتنی طاقت محسوس نہیں ہو رہی۔“

پہلے بونے نے اپنی نیلی جیکٹ میں سے ایک چھوٹی

س نیلے رنگ کی موٹی ٹکالی اور اسے عنبر کی پنڈلی میں

چھپو دیا۔ عنبر نے اپنا جسم نرم کر لیا تھا۔ موٹی پہنچتے ہی

عنبر کو اپنی طاقت واپس آتی محسوس ہوئی۔ وہ الماری سے

نکل کر باہر آ گیا۔ بونوں نے عنبر کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ  
کیا۔ عنبر ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا ایک بونے نے دیوار  
کے پاس جا کر ٹھیکہ بن دیا۔ دیوار میں دروازہ کھلا اور  
بونے عنبر کو ساتھ لے کر اندر چلے گئے یہ ایک چمکدار تھا  
جس میں دو اور بونے دیوار کے ساتھ لگے بیٹھے تھے۔

عنبر نے پوچھا

”تم لوگ اس سیارے کے رہنے والے ہو

کیا؟“

بونا ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔

”پہلے تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔ پھر تم سے باتیں

ہوں گی۔“

عنبر نے کہا کہ ہو سکتا ہے انسانی تہذیب سے وہاں جی

آجائیں۔

بونا بولا۔

”ہم نے سارا مابرا دیکھ لیا ہے۔ گھٹا بہت تھا۔

جسم کا خون انہیں پسند نہیں آیا۔ اور ان کے ذہن

کھٹے ہو گئے ہیں۔ اب وہ کم از کم تین دن تک

مقامی الماری کے پاس میں آئیں گے۔ یہ بتاؤ کہ

تم نظام شمس کی زمین کے سیارے کے رہنے



۱۶

۱۷

۱۸

۱۹

۲۰

۲۱

۲۲

۲۳

۲۴

۲۵

۲۶

۲۷

۲۸

۲۹

۳۰

۳۱

۳۲

۳۳

۳۴

۳۵

۳۶

۳۷

۳۸

۳۹

۴۰

۴۱

۴۲

۴۳

۴۴

۴۵

۴۶

۴۷

۴۸

۴۹

۵۰

۵۱

۵۲

۵۳

۵۴

۵۵

۵۶

۵۷

۵۸

۵۹

۶۰

۶۱

۶۲

۶۳

۶۴

۶۵

۶۶

۶۷

۶۸

۶۹

۷۰

۷۱

۷۲

۷۳

۷۴

۷۵

۷۶

۷۷

۷۸

۷۹

۸۰

۸۱

۸۲

۸۳

۸۴

۸۵

۸۶

۸۷

۸۸

۸۹

۹۰

۹۱

۹۲

۹۳

۹۴

۹۵

۹۶

۹۷

۹۸

۹۹

۱۰۰

۱۰۱

۱۰۲

۱۰۳

۱۰۴

۱۰۵

۱۰۶

۱۰۷

۱۰۸

۱۰۹

۱۱۰

۱۱۱

۱۱۲

۱۱۳

۱۱۴

۱۱۵

۱۱۶

۱۱۷

۱۱۸

۱۱۹

۱۲۰

۱۲۱

۱۲۲

۱۲۳

۱۲۴

۱۲۵

۱۲۶

۱۲۷

۱۲۸

۱۲۹

۱۳۰

۱۳۱

۱۳۲

۱۳۳

۱۳۴

۱۳۵

۱۳۶

۱۳۷

۱۳۸

۱۳۹

۱۴۰

۱۴۱

۱۴۲

۱۴۳

۱۴۴

۱۴۵

۱۴۶

۱۴۷

۱۴۸

۱۴۹

۱۵۰

۱۵۱

۱۵۲

۱۵۳

۱۵۴

۱۵۵

۱۵۶

۱۵۷

۱۵۸

۱۵۹

۱۶۰

۱۶۱

۱۶۲

۱۶۳

۱۶۴

۱۶۵

۱۶۶

۱۶۷

۱۶۸

۱۶۹

۱۷۰

۱۷۱

۱۷۲

۱۷۳

۱۷۴

۱۷۵

۱۷۶

۱۷۷

۱۷۸

۱۷۹

۱۸۰

۱۸۱

۱۸۲

۱۸۳

۱۸۴

۱۸۵

۱۸۶

۱۸۷

۱۸۸

۱۸۹

۱۹۰

۱۹۱

۱۹۲

۱۹۳

۱۹۴

۱۹۵

۱۹۶

۱۹۷

۱۹۸

۱۹۹

۲۰۰

۲۰۱

۲۰۲

۲۰۳

۲۰۴

۲۰۵

۲۰۶

۲۰۷

۲۰۸

۲۰۹

۲۱۰

۲۱۱

۲۱۲

۲۱۳

۲۱۴

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۷

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۰

۲۲۱

۲۲۲

۲۲۳

۲۲۴

۲۲۵

۲۲۶

۲۲۷

۲۲۸

۲۲۹

۲۳۰

۲۳۱

۲۳۲

۲۳۳

۲۳۴

۲۳۵

۲۳۶

۲۳۷

۲۳۸

۲۳۹

۲۴۰

۲۴۱

۲۴۲

۲۴۳

۲۴۴

۲۴۵

۲۴۶

۲۴۷

۲۴۸

۲۴۹

۲۵۰

۲۵۱

۲۵۲

۲۵۳

۲۵۴

۲۵۵

۲۵۶

۲۵۷

۲۵۸

۲۵۹

۲۶۰

۲۶۱

۲۶۲

۲۶۳

۲۶۴

۲۶۵

۲۶۶

۲۶۷

۲۶۸

۲۶۹

۲۷۰

۲۷۱

۲۷۲

۲۷۳

۲۷۴

۲۷۵

۲۷۶

۲۷۷

۲۷۸

۲۷۹

۲۸۰

۲۸۱

۲۸۲

۲۸۳

۲۸۴

۲۸۵

۲۸۶

۲۸۷

۲۸۸

۲۸۹

۲۹۰

۲۹۱

نہ بائیں۔ ان قیندوں کی مرعوب غذا انسان خون ہے۔

ہمارا سیارہ ان کے بالکل قریب واقع ہے۔

اس کا مشینی آدمی ایک راکٹ میں بیٹھ کر ہر

سال سیارے سے سیارے پر حملہ کرتا ہے اور

ان کے چار بونے اغوا کر کے لے آتا ہے پھر

یہ انسان قیندو سے ان کا خون چنیا شروع کر دیتے

ہیں۔ ایک سال کے اندر اندر ہمارے جسم قیندوں

کا قینچا بچہ بن جاتے ہیں۔ اور ہمارے اندر

قیندو بند ہو جاتا ہے۔ پھر یہ انسانی قیندو

بم بوم کی ہڈیاں کھا جاتے ہیں۔ اور ہمارے

سیارے سے تازہ چار بونے اغوا کر کے لے

آتے ہیں۔ تم بد قسمتی سے یہاں پہنچ گئے۔ تو مشینی

انسان نے تمہاری موجودگی محسوس کر لی اور

تمہیں اغوا کر کے یہاں لے آیا۔ اگرچہ تمہارا

خون انہیں راس نہیں آیا۔ مگر وہ تمہیں ایسے انجکشن

لگائیں گے کہ تمہارا خون میٹھا ہو جائے گا۔

عبر نے انہیں یہ نہ بتایا کہ اس کے اندر اتنی طاقت ہے

کہ وہ جس وقت چاہے اپنے جسم کو پتھر بنا سکتا ہے۔

اس نے کہا

”کیا تم جو صلہ ہمارا کر بیٹھ گئے ہو؟ کیا تم یہاں سے

غیر نہیں ہونا چاہتے؟“

بونے آجہیں بھرنے لگے۔ ایک بونا بولا۔

”بھائی یہاں سے غراہ ناممکن ہے“

عبر نے پوچھا۔

”کیا ان کے پاس کوئی راکٹ یا آئرن ششتری نہیں

ہے؟“

دوسرے بونے نے کہا۔

”ہیں۔ صرف مشینی آدمی کے پاس ایک راکٹ

ہے۔ جس پر سواہر ہو کر وہ ہر سال بڑوں کو اغوا

کرنے ہمارے سیارے پر جاتا ہے۔ وہ انسانی

قیندو سے اس مشینی آدمی کو کنٹرول کرتے ہیں۔

عبر نے کہا۔

”میرے دوستو! اگر تم مجھے یہ بتا دو کہ وہ راکٹ

کہاں ہے تو میں تم لوگوں کو یہاں سے نکال کر

تمہارے سیارے تک پہنچا سکتا

ہوں“

چاروں بونے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ایک بولا۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“



”عبر نے آہستہ سے کہا۔  
بولنا بولا۔

”عبر بجائی! تم کو یہاں ویسے مرتے مرتے  
ایک سال تک جائے گا۔ اگر تم وقت سے  
چھٹے مرنا چاہتے ہو تو یہاں سے فرار ہونے کی کوشش  
کر کے دیکھو۔“

اب عبر کے لیے ان برفوں پر اپنی غیر معمولی طاقت  
کو ظاہر کرنے ضروری ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کا تعاون حاصل ہو  
سکے۔ عبر کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی غیر معمولی طاقت اس  
کے جسم میں واپس آگئی ہے۔ عبر نے ان برفوں پر  
اپنی طاقت کا راز فاش کیا تو پہلے تو انہیں یقین نہ آیا۔  
اور وہ بچوں کی طرح ہنسنے لگے۔ مگر جب عبر نے انہیں  
دیوار کے ایک بڑے پتھر کو محض ایک کدے مار کر توڑ  
کر دکھایا تو بولنے لگے جیسے ہو کر رہ گئے۔  
ان میں سے جو بزرگ بولنا تھا وہ سوچ میں پڑ گیا۔

کہنے لگا۔

”مہر تھامی طاقت انسانی تیندو سے بڑی  
کر رکھی تھی۔ الماری کی لہروں اور مشین آدمی  
کے جسم سے نکلتی شعاعوں کا آخر تھامی طاقت

کو معطل کر دیتا ہے۔“  
دوسرا بولنا کہنے لگا۔

”اس کا ایک ہی علاج ہے کہ دونوں انسانی  
تیندوں کو ہلاک کر دیا جائے۔ ہم کمزور اور  
پھوٹے چھوٹے بولے ہیں۔ عبر طاقتور آدمی ہے۔  
یہ انسانی تیندو سے کموت کے گھاٹ آتا رہ سکتا  
ہے۔“

”مگر کیسے؟“ عبر نے پوچھا۔ ”کیا انسانی تیندوں  
کی شعاعوں کا اثر دوبارہ مہم پر نہ ہوگا؟ ہمیں  
آدمی مہم پر اپنی سبز شعاع کا فائدہ نہیں کر سکتے  
گا؟“

”اگر تم میں واقعی اتنی طاقت ہے کہ تم ایک  
بہت بڑے چٹانی پتھر کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا  
سکو تو ہم یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں۔“  
عبر نے کہا۔

”میں بیماری سے بیماری پتھر کو اٹھا سکتا ہوں۔  
تم مجھے بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟“  
بزرگ بولنے لگے۔  
”تو سنو۔ یہ دونوں خونخوار تیندو سے



پہاڑ کے اندر ایک کھوہ میں چھوٹے سے حوض  
میں رہتے ہیں۔ اس حوض کے کنارے پر ایک  
بہت بڑا چٹانی پتھر ہے۔ اگر تم اس پتھر کو اٹھا کر

حوض میں ان دونوں  
تین دونوں کے اوپر پھینک دو تو دونوں کے سر کھیلے  
جائیں گے۔ ان کے مرتے ہی مشینی آدمی کی طاقت  
بھی ختم ہو جائے گی۔ پھر ہم اس کے راکٹ کی  
مدد سے یہاں سے نکل جائیں گے۔

عبر نے کہا۔

”جیسا کہ میں اس حوض تک ایک پہنچ سکتا  
ہوں۔ میں یہ کام ابھی جا کر کرنا چاہتا ہوں۔“  
بزرگ بونے نے کہا۔

”اس وقت تم وہاں نہیں جا سکو گے۔ کیونکہ  
دونوں تین دونوں جاگ رہے ہیں اور کھوہ کے  
دروازے پر بیٹھ ہوں گے۔ رات کو جب وہ  
حوض میں جا کر گہری نیند سو جاتے ہیں۔ تب  
تم جا کر مل کر سکتے ہو۔“

عبر نے پوچھا کہ مشینی آدمی اس وقت کہاں ہو گا؟

بزرگ بونے نے کہا۔

”اس وقت وہ بھی اپنے مشینی کمرے میں  
پڑا ہوتا ہے۔ چونکہ انہیں یقین ہے کہ ہم حوض  
تک پہنچ کر چٹانی پتھر کو ہلا بھی نہیں سکتے اس  
لیے انہوں نے کوئی حفاظتی اقدام نہیں کر رکھا۔“  
عبر نے کہا۔

”بہت خوب۔ میں رات بونے کا انتظار کروں گا۔“

عبر ان کے پاس بیٹھا دیر تک کھینچنے کے بارے میں باتیں  
کرتا رہا۔ پھر جب رات گہری ہو گئی اور بزرگ بونے نے  
اسے بتایا کہ اب اس کے حمل کرنے کا وقت آگیا ہے۔ بزرگ  
بونے نے یہ کہہ کر عبر کو ساتھ لیا اور ایک دوسرے تنہ  
دروازے سے نکل کر ٹیلے کی ایک تنگ و تاریک سرنگ  
میں داخل ہو گیا۔ یہ سرنگ چڑھائی چڑھتی تھی کافی اوپر  
جا کر سرنگ کی ڈھلان شروع ہو گئی۔ ایک جگہ پہنچ کر بزرگ  
بونہ رک گیا۔ اس نے عبر کو کان نیچے کرنے کو کہا۔ عبر نے  
اپنا سر نیچے کر کے اپنے کان بزرگ بونے کے منہ کے ساتھ  
لگا دیئے۔ بزرگ بونے نے سرگوشی میں کہا۔

”یہاں تہا درے قدموں کی چاپ کی آواز نہیں



آنی چاہئے۔ وہ مشینی کردہ قریب ہی ہے جس  
میں مشینی آدمی پڑا ہے۔ وہ ذرا سی بھی آواز  
سن کر ہوشیار ہو جائے گا۔ پھر ہمارا  
زندہ بچنا ناممکن ہے۔

عبر بھونک بھونک کر پاؤں رکھنے لگا۔ اس نے احتیاط  
کی وجہ سے بزرگ بونے کو اپنی گود میں اٹھایا۔ وہ سنبھل  
سنبھل کر پاؤں رکھتا سرنگ میں آگے نکل گیا۔ بزرگ  
بونا اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ ایک جگہ بزرگ بونے کے  
دائیں جانب مڑنے کو کہا۔ دائیں جانب سرنگ آگے جا کر  
اندھیرے میں پھل گئی۔

بزرگ بونا عبر کی گود میں تھا۔ اس نے عبر کے کان  
پر ہاتھ رکھا۔

وہاں مجھے اتار دو۔ آگے وہ عوض آ رہا ہے جس  
میں دوکان انسانی قیندو سے سو رہے ہیں۔ مجھے  
ان کے خزانوں کی ہلکی سیٹی کی آواز آرہی ہے۔  
عبر نے بزرگ بونے کو وہیں اتار دیا۔ بونا آہستہ سے  
کلنے لگا۔

”میں اسی جگہ پھپ کہ بیٹھتا ہوں۔ تم جا کر اپنا  
کام کرو۔ مگر خبردار اگر نہیں ویر ہو گئی اور

انسانی قیندو سے جاگ۔ پڑے تو ہمارے خیر  
ہیں۔“

عبر نے اسے خاموش اور مطمئن رہنے کا اشارہ کیا۔  
اور خود سرنگ کے فرش پر لیٹ گیا۔ اور سینگ رینگ کر  
آگے بڑھنے لگا۔ وہ بہت جلد رفتار سے آگے بڑھ رہا  
تھا۔ اسے انسانی قیندو کے خراٹے بھرنے کی جگہ کی  
آواز آرہی تھی۔ جوں جوں وہ آگے بڑھ رہا تھا آواز زیادہ  
صاف ہوتی جا رہی تھی۔

یہاں تک کہ عبر کو ایک بہت بڑا چٹائی پتھر نظر آیا جو  
قوض کے کنارے پر ذرا سا جھکا ہوا کھڑا تھا۔ عبر نے  
آہستہ سے آگے جا کر دیکھا کہ اس پتھر کے نیچے ایک  
چھوٹا سا حوض ہے۔ عبر نے اپنا چہرہ حوض کے کنارے کے  
ساتھ لگا دیا۔ حوض کا پانی اندھیرے میں بھی تھوڑا  
چمک رہا تھا۔ اس پانی میں عبر نے ان ہی دور دراز انسانی  
کھوپڑیوں والے قیندو کو دیکھا کہ پانی کی تہ میں مزے  
سے پڑے سو رہے ہیں۔ ان کے سامنے ایسے بازو تہ کے  
ساتھ پچھٹے ہوئے ہیں۔

یہ بڑا نازک وقت تھا۔ ذرا سی آواز ان نوحی انسانی  
قیندو کو جگا سکتی تھی۔ اور عبر کی طاقت ختم ہو سکتی



تھی۔ عنبر سانپ کی طرح رنگ رنگ کر حوض کے دوسرے کنارے والے چٹان کے پتھر کے پاس آکر وہیں بیٹ گیا۔ اس نے دیکھا کہ چٹانی پتھر کا ساڑا اتنا تھا کہ اگر وہ اسے حوض میں گرا دیتا ہے تو وہ حوض کے اندر گر کر دو فٹ تین فٹ کو کیل دے گا۔

بزرگ بونے نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا تھا۔ عنبر بزرگ بونے کی داد دینے بغیر نہ رہ سکا۔ اب اس نے بڑی آہستگی سے اپنے دو فٹ بازو آگے کر نکالے اور ہاتھوں سے چٹانی پتھر کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ یہ پتھر ایک بڑے برف کے بلوک کی طرح تھا۔ اور زمین کے اندر گرا ہوا تھا۔

پھر اسے اس طریقے سے بھی نہیں بلانا چاہتا تھا کہ پتھر کے ٹوٹنے کی آواز پیدا ہو۔ وہ ایک ہی جھٹکے سے اسے حوض میں گرا دینا چاہتا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کے ہاتھ پتھر پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہوں اور وہ ایک ہی جھٹکے سے اسے حوض میں گرا سکے۔

عنبر نے اپنے ہاتھوں کی مضبوطی کو جانچا۔ ہاتھوں کو بالکل صحیح زاویے سے پتھر کی دیوار پر نیچے جمایا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کا ایک ہی جھٹکا پتھر کو گرانے کے لیے کافی ہو گا۔ تو اس نے آنکھیں بند کر کے اللہ میاں

سے دعا مانگی کہ وہ اس کی مدد فرمائے اور پھر فرش سے اٹھ کر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ حوض میں ایک تین فٹ کی سیڑی کی آواز آنا بند ہو گئی۔ عنبر نے ایک دھڑک دھڑک کر نکالی۔ یہ پتھر کو گرا دینے کے پچھلے عزم کی آواز تھی اور پھر اتنی زور سے پتھر کو دھکا دیا کہ دوسرے لمبے ایک قیامت خیز دھماکے کے ساتھ پتھر حوض میں گر گیا۔



## آخری چہین

سہرنگ کی بند فضا میں دو چہینیں بلند ہوئیں۔  
 یہ انسانی تیندوں کی آخری چہینیں تھیں۔ سہرنگ میں  
 بزرگ بونا بھاگتا ہوا عنبر کے پاس آیا اور حوض میں گرے  
 ہوئے پتھر کو دیکھ کر تالی بجانے لگا۔ پھر عنبر کی ٹانگ سے  
 لپٹ گیا۔

”عنبر تم نے کمال کر دیا۔ اب چلو پل کر مشینی

آدمی کا اہلام بھی دیکھتے ہیں؟“

جب وہ مشینی آدمی کے کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا  
 کہ مشینی مرد باٹ منہ سے بن فرش پر گرے پڑا تھا۔ اور اس  
 لوہے کا سر گردن سے الگ ہو گیا تھا۔ بزرگ بونے نے  
 موشی کا نعرہ بلند کیا۔

”عنبر! زندہ باد!“

اتنے میں باقی تین بونے بھی بھاگتے ہوئے وہاں آ گئے  
 موشی میں پتھر کے گرنے کا دھماکہ اور انسانی تیندوں کی

آخری چہینیں انہوں نے بھی سن لی تھیں۔ وہ اس فتح کی خوشی  
 میں ناچنے لگے۔ عنبر نے پوچھا کہ وہ راکٹ کہاں ہے جس پر سوار  
 ہو کر مشینی آدمی ان کے سیارے پر جایا کرتا تھا۔

بزرگ بونا عنبر کو لے کر ایک سائڈ روم میں لے گیا۔ وہاں  
 ایک لائچنگ پیڈ بنا ہوا تھا۔ اس لائچنگ پیڈ پر ایک ٹکڑا راکٹ  
 کھڑا تھا جس کے ساتھ میٹھی لگی تھی۔ اوپر سے چھڑی کا دھان  
 کھلا تھا۔ جس میں سے زرد اور لال رنگ کے سنارے نکل آ رہے  
 تھے۔

عنبر نے راکٹ کو چیک کیا۔ بزرگ بونا تجربہ کار خلائی بیگ  
 تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ راکٹ میں ایندھن بھرا ہوا تھا۔ جب دق  
 چڑھا تو عنبر نے بڑوں سے کہا کہ وہ اپنے درخت دوستوں سے  
 ملنا چاہتا ہے۔ بونے راکٹ چیکنگ اور صفائی میں مصروف ہو  
 گئے۔ اور عنبر اپنے درخت دوستوں کی طرف نکل گیا۔

سب سے پہلے وہ اپنے پیوستے درخت دوست سے ملا۔ پھر  
 درخت نے کہا کہ بزرگ درخت سے بھی جا کر مل لو۔  
 بزرگ درخت کے پاس گیا تو اس نے کہا۔

”میں جانتا ہوں تم نے بہت بڑی فتح حاصل کی ہے

عنبر۔ تم نے اس سیارے کے دو ایسے موشی

انسانی تیندوں کو ہلاک کیا ہے۔ جو ایک مدت سے



یہاں ظلم کر رہے تھے۔ اب تم پڑاسراہ مینار میں  
جہی درجہ کر دیکھو کہ تمہاری فوج کی خوش خبری  
سننے پہلے ایک اور انسان بھی قتلہ افتخار  
کر رہا ہے۔

مہر تیزی سے مینار کی طرف چل پڑا۔ بزرگ درخت  
نے کچھ اور بتانے سے انکار کر دیا تھا۔ مہر مینار کی دوسری  
منزل کی کھڑکی کوڑ کر اندر چلا گیا۔ یہ گول گرد تھا۔ کمرے میں  
انہیں اچھا کھڑکی کھلنے سے ذرا سی روشنی ہوئی تو مہر کو کسی  
لڑکی کی کمزور سی آواز سنائی دی۔

”ہی۔۔۔ میرے اندر جو تھوڑا سا خون رہ گیا ہے  
تو یہ بھی ختم کر دو اور۔۔۔ اور۔۔۔ اور مجھے  
اس زندگی سے نجات دلاؤ۔“

مہر نے کھڑکی پوری کھول دی۔ گرد روشنی سے بھر گیا۔  
مہر نے دیکھا کہ ایک کمزور سی دہلی پٹی لڑکی فرش پر آنکھوں  
پر بازو رکھے لیٹی ہے۔ مہر نے اسی کی زبان میں کہا۔  
”بہن! تم کون ہو؟“

لڑکی نے اپنی زبان میں کسی مرد کو جواب دیتے سنا تو بازو  
بٹاکر مہر کی طرف دیکھا۔  
”تم۔۔۔ تم کون ہو؟“

مہر نے کہا۔  
”میں نظام شمس کی زمین کا باشندہ ہوں۔  
مگر تمہاری شکل ہماری زمین کی عورتوں جیسی ہے  
کیا تم بھی ہماری زمین کی ہو؟ مگر تمہاری زبان  
تو کسی دوسرے سیارے کی لگتی ہے۔“  
لڑکی نے کہا۔

”میرا نام بڑاشی ہے۔ میں یوں کے سیارے  
سے آگے دوسرے سیارے کی رہنے والی  
ہوں۔ یہاں دو خوش تیندوے رہتے ہیں۔ ان کا  
روباٹ مجھے اٹھا کر کے یہاں لے آیا تھا۔ دو  
ہفتے سے یہ تیندوے رات کو آکر میرا خون پل  
رہے ہیں۔“

لڑکی کی آواز میں کمزوری تھی۔ مہر نے اس کے سر  
پاتھ پھیرتے ہوئے اسے اٹھا کر بٹھایا اور کہا۔  
”بہن! تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ دونوں تیندوے  
کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اب تم آزاد ہو۔“  
لڑکی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ اس نے مہر کا بازو  
تھام لیا۔  
”تم سچ کہہ رہے ہو مہربانی؟“



میں سے ساتھ یہاں سے نکل آؤ۔ تمہیں خود  
بہود معلوم ہو جائے گا۔

پھر نے رستے کی مدد سے لڑکی بڈا لاش کو مینار سے  
نیچے اتارا اور اسے لے کر بوٹوں کے پاس آگیا۔ وہ  
بوٹوں کو دیکھ کر اور بولنے اسے دیکھ کر حیران بھی ہوئے  
اور خوش بھی۔ مشین دو باٹ کی ٹوٹی پھوٹی لاش دیکھ کر  
بڑی بڈا لاش کی جان میں جان آئی۔

پھر نے کہا

اب ہم یہاں سے سیدھا راکٹ میں بیٹھ کر  
بوٹوں کے سیارے میں جا رہے ہیں۔ وہاں  
سے تمہیں دوسرے راکٹ میں بٹھا کر تمہارے  
سیارے کی طرف روانہ کر دیا جائے گا۔  
لڑکی بڈا لاش خوشی سے جھوم اٹھی۔

اب بڑے جوش و خروش سے اس خوشخوار مخلوق  
والے سیارے سے پرواز کرتے کام شروع ہو گیا۔  
راکٹ بالکل درست حالت میں تھا۔ اس کے ٹینک مائل  
گیس سے بھرے ہوئے تھے۔ شمسی توانائی کا نظام بھی  
اُسکے تھا۔ بزرگ، بڑا راکٹ کو پالیٹ کرنے والا تھا۔ وہ  
ایک ماہر انجینئر اور خلا باز بھی تھا۔

بزرگ بولنے سے نہایت احتیاط سے راکٹ کے خلائی  
روٹ کو اپنے سیارے کی جانب سیٹ کیا۔ سب لوگ اس  
میں سوار ہو گئے۔ اور پھر ایک رات یہ راکٹ لانچنگ پیڈ  
سے بلاسٹ آپ ہو کر خلا کی جانب روانہ ہو گیا۔ سیارے  
کے مدار سے نکلتے وقت راکٹ کو ایک شدید قسم کا جھٹکا  
لگا۔ مگر بزرگ بولنے نے راکٹ کو بڑی مہارت سے کنٹرول  
کر رکھا تھا۔ اب راکٹ خلا میں آگیا۔ خلا میں اتنے ہی راکٹ  
کی رفتار بھی بے حد تیز ہو گئی۔ اور جگہوں کا سلسلہ بھی مکمل طور  
پر رگ گیا۔ کیونکہ خلا میں فضا نہیں ہوتی۔

ایک بار پھر وقت کا احساس نطم ہو گیا۔ باہر خلا میں  
دن تھا۔ نہ رات تھی۔ کیونکہ دن اور رات ہماری زمین پر  
اس لیے ہوتے ہیں کہ ہماری زمین اپنے مرکز کے گرد  
گھومتی ہے۔ جب اس کا ایک ٹرخ سورج کے سامنے آتا ہے  
تو وہاں دن چڑھ جاتا ہے۔ اور جو ٹرخ دوسری طرف ہوتا  
ہے۔ وہاں رات ہوتی ہے۔ مگر راکٹ خلا میں تھا اور سورج  
سیارے راکٹ سے کروڑوں ادبوں کلومیٹر کے فاصلے  
پر تھے۔ راکٹ کے باہر ایک جیسی حالت تھی۔ آسمان  
کا وہی کالا سیاہ رنگ اور ایک ہی حالت میں دیکھتے ہوئے  
زرد نیلے اور سرخ ستارے اور سیارے



چونکہ سورج ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ زیادہ روشنی دیتے ہیں۔ سیارے چونکہ ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ اور ان پر سورج کی روشنی پڑتی ہے اس لیے وہ اتنے زیادہ روشنی نظر نہیں آ رہے تھے۔ ان کا رنگ خلا میں پھیکا پھیکا سفید تھا۔

خلائی سفر میں نامعلوم مدت گزار جانے کے بعد بزرگ ہونے والے منبر کو فوراً ایک جگہ نیلے روشنی نقطے کو راڈار سے سکین پر دکھایا۔ اور کہا کہ یہ ہمارا سیارہ ہے۔ منبر بڑے غور سے اس نیلے سیارے کو دیکھنے لگا۔ جہاں کبھی موجود تھی۔ منبر کو بڑی خوشی ہو رہی تھی کہ ایک مدت کے بعد وہ ایک سے ملاقات کرے گا۔

یہ نیلا سیارہ قریب سے قریب تر آ رہا تھا۔ راڈار کی مدد سے اتنی تیز تھی کہ تصویر کی دیر بعد ہی نیلا سیارہ بنامی زمین کی طرف گول اور بڑا ہو گیا۔ اب بزرگ ہونے والے اپنے سیارے کے کنٹرول ٹاور سے دائرہ لیس پر باتیں شروع کر دیں۔ اور انہیں اپنے بارے میں بتایا کہ وہ اس سیارے کے باشندے ہیں۔ اور اپنے ساتھ دو دوستوں کو لے کر آ رہے ہیں۔

انہیں خلائی راڈے پر اترنے کی اجازت دے دی

گئی۔ راڈے جو مٹی سیارے کی فضا میں داخل ہوا تو اسے ایک بار پھر شدید جھٹکا لگا۔ اور سیارے کی زبردست کشش کی وجہ سے راڈے کی رفتار تباہ کن ہو گئی۔ راڈے کی گاڑی گھبرا گئی۔ مگر بزرگ ہونے والے راڈے چلا کر سپیڈ پر کنٹرول کر لیا۔ اور راڈے آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔

خلائی راڈے پر منبر نے دیکھا کہ وہاں سب نیلے سب ہونے لگے تھے۔ عورتیں اور مرد سب کے قد دو فٹ سے کم نہیں تھے۔

منبر اور راڈے کی ان میں بات بات کے غور آ رہے تھے۔ منبر اور راڈے کو اسی وقت خلائی سیکورٹی کا ڈیوٹی اپنی حراست میں لے لیا۔ انہیں سیارے کے سرکاری ہیڈ کوارٹر میں چیف کے سامنے لے جایا گیا۔ چیف نے منبر اور راڈے کی راڈے کے اوپنچے بلے قد دیکھے تو دل میں بڑا غور ہوا۔ اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہی دو فٹ کے جسموں سے بھی اوپنچے قد کے جینز نکال کر اپنی مخلوق کا قد بڑھانے کی کوشش کی جائے گی۔ مگر اوپر سے وہ بڑی غور سے خلائی کے ساتھ منبر اور راڈے کی راڈے کے علاوہ اس نے حکم دیا کہ ان مہمانوں کو اس ہی گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا



جائے۔ مہر تو کیشی میں ملے کو بے تاب تھا۔ اس نے  
 بزرگ بونے سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو وہ سوچ  
 میں پڑ گیا۔ مہر نے کہا  
 "تم کیا سوچتے تھے دوست؟"  
 بزرگ بونا کہہ کر سانس بھر کر بولا۔

"میرے دوست مہرا مجھے چیف کی نیت اچھی  
 نہیں لگتی۔ تم نے ہماری جان بچائی ہے۔ ہم نہیں  
 دھوکہ نہیں دے سکتے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہر مشکل  
 میں ہماری مدد کریں؟"  
 "نہیں یہ شک کیسے گوارا دے؟" مہر نے پوچھا  
 بزرگ بونا کہنے لگا۔

"چیف کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ تمہاری ہنر کی  
 ہر طرح تمہارے اور لڑکی کے مذاق کے جھوموں  
 سے جس قدر بڑھانے کے بیٹھنے لگانے کا پروگرام بنا  
 رہا ہے۔ اگر یہ اس میں تمہیں زیادہ نقصان  
 نہیں پہنچے گا مگر کچھ وقت گزارنے کے بعد تم لوگوں  
 کے قدموں گھٹے شروع ہو جائیں گے۔ یہ بات کیوں کہ  
 میں نہیں بتائی گئی؟"  
 مہر نے کہا۔

"یہ سب بونے ہیں۔ میں نے ہر دست خلافت رکھتا  
 ہوں۔ میں ان کے خلاف اعلان جنگ کر دوں گا  
 اور یہ چیف ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"  
 بزرگ بونا مسکرایا۔

"عہدہ ہم بونے ضرور ہیں۔ مگر چیف کے پاس  
 پوٹو نیم میزانیوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے  
 یہ میزانیں اس قدر تباہ کن ہیں کہ تم اس کا  
 اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اور پھر اگر تم نے چیف  
 کے خلاف بغاوت کر دی تو وہ سب سے پہلا کام  
 یہ کرے گا کہ کیشی کو ہلاک کر دے۔ اسے ہلاک  
 کرنے کے لیے پوٹو نیم رین کی ایسی ہی شجاع کافی ہو  
 گی؟"

عہدہ خود کرنے لگا۔ بزرگ بونا ٹھیک کہتا تھا اس  
 اندازے و دشمن کی بجائے سوچ سمجھ کر کوئی منصوبہ تیار  
 کرنا چاہیے۔ بزرگ بونا اس کا ہمدرد تھا۔ اس نے  
 یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ یہ بونے جیوت  
 نہیں رہتے تھے اور جس کو دوست کہتے تھے تو پھر اس  
 دوستی کو نبھاتے تھے۔ مہر نے بزرگ بونے سے مشورہ  
 لیا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

۳۷  
۱۰ تم ہمارے چیف کی دعوت قبول کر کے شاہی  
کلیٹ ہاؤس میں خاموشی سے رہنا شروع کر  
دو۔ آگے دیکھا جانے گا۔

لڑکی ٹڈاٹش کو بھی عنبر نے سارے حالات سے  
خبر کر دیا تھا۔ کیٹی سے عنبر کی ملاقات نہ ہو سکی تھی  
کیونکہ اسے ایک بلند عمارت میں حراست میں رکھ  
دیا تھا۔ عنبر کو گیسٹ ہاؤس میں آئے ایک دن میں  
کہا تھا کہ رات کو بستر پر لیٹے لیٹے اسے محسوس  
ہو کہ اس کا دم گھٹ رہا ہے۔ وہ گھبرا کر بستر سے اٹھ  
گئی تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کی وجہ وہ  
نہ آنے والی شاعری تھیں جو پھت کے ایک سوور  
میں سے نکل رہی تھیں۔ ان ہی شاعریوں نے عنبر کو بے  
ہوش کر دیا تھا۔

حکایت بونے کمرے میں داخل ہوتے۔ انہوں نے عنبر  
کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک باریک انجکشن کی سوئی داخل  
کر کے اس میں سے وہ خامس جینر نکالنے شروع کیا  
برقہ بڑھاتے ہیں۔ مگر وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے  
کہ عنبر کے جسم میں سوئی داخل ہوتے ہی ٹوٹ گئی۔

۱۱ ہوش ہونے کے ساتھ ہی عنبر کا جسم اپنی اصل  
حالت پر آگیا تھا۔ یہ بونے سائنس دان ٹڈاٹش  
ہوں نے دو تین بار کوشش کی مگر ہر بار ٹوٹی ٹوٹ  
جاتی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ شاید اس انسان کے جسم  
کی ساخت ایسی ہے کہ اس کے خون کے نیلے جسم کو  
موت ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے چیف کو جا کر اپنی رپورٹ  
پیش کر دی۔ چیف نے کہا۔

۱۲ اس عنبر کو جوان کو ابھی کچھ نہ کہا جانے  
اور دوسری لڑکی ٹڈاٹش کے جسم سے جینر  
نکالنے کا کام جاری رکھا جائے۔

۱۳ عنبر کو ہوش آیا تو اسے اپنی کمر میں معمولی سی  
ٹھن موصول ہوئی۔ وہ سمجھ گیا کہ اسے بے ہوشی کر  
نے کے اس کے جسم سے جینر نکالنے کی کوشش کی  
جانی ہے۔ صبح وہ ٹڈاٹش کے کمرے میں گیا۔ تو وہ کمرے  
میں کی شکایت کر رہی تھی۔ عنبر نے اسے بتا  
دیا کہ یہ لوگ اس کے جسم سے جینر نکال رہے ہیں۔  
وہ گھبرا گئی۔ عنبر نے تسلی دی اور کہا کہ یہ کام زیادہ  
دیر تک نہیں چلے گا۔ اور وہ وہاں سے فرار ہو جائیں گے  
بزرگ بونا سائنس دان کے سوپ میں عنبر سے ملاقات



کھینچے آجاتا تھا۔ اس نے منبر کو بتایا کہ کیٹی کو اس کے  
 کلا اٹھ کر دی گئی ہے۔ منبر نے تابی سے بولا۔  
 ”کیٹی تو بہت خوش ہوئی ہو گی؟“  
 ”ہاں۔“ بزرگ بولنے لگا۔ ”وہ بہت خوش  
 ہوئی ہے۔ اور وہ تم سے ملنے کی خواہش مند  
 ہے۔ مگر جانتی ہے کہ ابھی ایسا نہیں ہو  
 سکتا۔“

منبر نے بزرگ بولنے کو یہ بتا دیا کہ کس طرح  
 کوئن کے مائیسوان آئے تھے اور اسے بے ہوش  
 کر کے بعد اس کے جسم سے جینئر نکالنے میں کامیاب  
 نہیں ہو سکے۔ بزرگ بونا مسکرایا۔

”مجھے ساری رپورٹ مل گئی ہے۔ چیف  
 کا خیال ہے کہ تمہارے ٹھن کے خلیے بہت  
 ہو کر بیماریاں کھاتے گئے ہیں۔ بہر حال وہ تمہارے  
 جسم میں ایک خاص دوائی داخل کر کے خون  
 کے غلیوں کو نرم کرنے کی کوشش کرنے والے  
 ہیں۔“  
 منبر نے کہا۔

”محبوب دوست! اگرچہ مجھے کوئی نقصان نہیں  
 ہو سکتا مگر کیٹی اور مدائش کی زندگیوں کو خطرہ

ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ جس طرح بھی  
 ہو سکے۔ ہمیں یہاں سے فزادہ کرنے کی کوئی  
 ترکیب سوچو۔“  
 بزرگ بونا سنجیدہ ہو گیا۔ پھر وہ ڈائری کو کھینچا  
 ہوئے بولا۔

”اب کوئی ترکیب سوچنی ہی پڑے گی۔“  
 یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

چیف کے حکم سے منبر کے جسم میں بڑی تیز قسم  
 دوائی داخل کرنے کی تیاری شروع ہو گئی تھی۔ لیکن  
 میں یہ انجکشن تیار کیا جا رہا تھا۔ کیٹی کو جب  
 چلا تھا کہ منبر بھی وہاں آ گیا ہے۔ وہ اس سے ملنے کو  
 بے چین تھی۔ مگر اسے عمارت کے خاص کمرے سے باہر  
 نکلنے کی اجازت نہیں تھی کمرے کے دروازے پر ایسی  
 شعاعیں چھوڑ دی گئی تھیں جن کے ”نکدائے“ سے کیٹی  
 کی موت واقع ہو سکتی ہے۔

دو دروازہ گزرو گئے۔ بڑی مدائش کے جسم سے ہر رات  
 جینئر نکالے جا رہے تھے۔ وہ کمزوری محسوس کرنے  
 لگی تھی۔ منبر کو بھی اپنے کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت  
 نہیں تھی۔ وہ لفظ ”شعاعوں“ میں سے گزرنے کا خطرہ  
 قبول نہیں لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ ان پر ناقہ داری اخلائی 224

عینر کے جسم پر کیا رد عمل یا اثر ہو گا  
 پونہ چار روز گزر گئے۔ پانچویں روز آدمی رات کو  
 عینر اپنے بستر پر لیٹا ہے چینی سے پہلو بدل رہا تھا کہ  
 دروازہ کھلا عینر نے چھت کی دھیمی روشنی میں دیکھا  
 بزرگ بونا اس کی طرف تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آ رہا  
 تھا۔ جس کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی۔ اس نے آتے  
 ہی

عینر! اس شیشی میں نماس دوانی ہے۔ اس  
 کا ایک گھونٹ پی لو۔ تم مہلک شعاہوں سے  
 محفوظ ہو جاؤ گے۔

عینر نے شیشی میں سے ایک گھونٹ پی لیا۔  
 ”میرے ساتھ آؤ مگر آواز نہ نکالنا“

عینر کمرے سے باہر گیا تو دیکھا کہ پہرے دار بونے  
 بے ہوش پڑے تھے۔ برآمدے کے کونے میں کیڑی  
 اور مڈائش کھڑی تھیں۔ کیڑی نے عینر کو دیکھا تو جھپٹا کہ  
 کہ اس کا ہاتھ چوم لیا۔ عینر نے کیڑی کے سر پر ہاتھ  
 بھاتی کی طرح پیار کیا۔ بزرگ بونا آہستہ سے بولا۔  
 ”کیا کر رہے ہو؟ آواز مت نکالو۔ ہم  
 سب مادی کے ہائین گے۔ میرے پیچھے پیچھے  
 آؤ۔“

بزرگ بونے نے کمال کر دیا تھا۔ رات کے اندھیرے  
 میں اس نے کسی نماس ایٹمی ہتھیار سے تمام پہرہ داروں  
 کو بے ہوش کر رکھا تھا۔ بزرگ بونا انہیں سمجھنے کے  
 عمارت کے پچھواڑے ایک کھلی جگہ پر آ گیا۔ یہاں ایک  
 خلائی گاڑی کھڑی تھی۔  
 وہ اس میں جلدی سے بیٹھ جاؤ۔

یہ گول گاڑی تھی۔ بزرگ بونا اسے خود چلانے لگا۔  
 گاڑی زمین سے پچاس فٹ بلند ہو کر فضا میں اڑی۔  
 رات کے اندھیرے میں ایک غلیظ لاشیں لگتی ہوئی  
 کر دک گئی۔ یہاں ایک گول اڑن کھڑی پہلے سے  
 موجود تھی۔ بزرگ بونے نے عینر سے کہا۔

”کیٹی خلائی لڑکی ہے۔ وہ امن اڑن کھڑی  
 کو چلانا جانتی ہے۔ تم لوگ اس میں بیٹھ کر  
 یہاں سے نکل کر تلاش کے سیارے میں  
 چلے جاؤ۔ یہ سیارہ یہاں سے زیادہ دور  
 نہیں ہے۔ وہاں تم آزاد ہو گے اور جہاں  
 چاہو جا سکو گے۔“

عینر نے بزرگ بونے کا ہاتھ تھام کر اس کا ہاتھ  
 ہر شکریہ ادا کیا۔  
 بزرگ بونا بولا۔



اب وقت نہ ضائع کرو منہر۔ بس جلدی سے

نکل جاؤ۔

پھر کہہ بنا خلائی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

کیٹی پائیلٹ سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔ اڈن شستری بند

پر وہی گئی۔ ڈرائش اور فہر میں کیٹی کے پاس ہی بیٹھے

تھے۔ سارے نظام کا اچھی طرح سے جائزہ لیتے

تھے۔ بعد اڈن شستری کے ایٹمی انجن کو چلا دیا۔ اڈن

شستری زیادہ بڑی نہیں تھی۔ وہ بڑی تیزی سے زمین سے

اوپر اٹھ رہی تھی اور ایک طرف کو ٹھیک ٹھیک کی تیزی کے ساتھ

گھوم رہی تھی اور پھر اٹھتی چلی گئی۔

سب سے پہلے کہ بوزوں کو خیر ہوتی، اڈن شستری

خدا میں داخل ہو کر لڑکی ڈرائش کے سیارے کی طرف

پنا سفر شروع کر چکی تھی۔ کیٹی غیر اور ڈرائش بوزوں کی

فائدہ سے نکلنے پر توجہ مرکوز تھی۔ اڈن شستری کا رخ

ڈرائش کے سیارے کی طرف تھا جو وہاں سے زیادہ

دور نہیں تھا۔ چنانچہ زمین کے حساب سے ایک رات

اور ایک دن کے خلائی سفر کے بعد اڈن شستری لڑکی ڈرائش

کے سیارے پر پہنچ گئی۔

نے غیر اور کیٹی سے پوچھا کہ وہ کہاں جانے لگا ارادہ

رکھتے ہیں۔ منہ نے کہا

”ہمارے باقی ساتھی ٹاک اور مارا اور تھوڑا سا

جمادی زمین کی دنیا میں ہی تھے۔ اس لیے ہم

اپنے نظام شمسی کی زمین پر ہی جانا چاہتے

ہیں۔

ڈرائش کے باپ نے کہا۔

”تمہارا نظام شمسی یہاں سے بہت دور ہے۔

اگر راستے میں خلائی جہاز کنٹرول کرے گا تو

سے ذرا سی بھی نفلی ہو گئی۔ تو تم خلا میں ساری

عمر بھٹکتے رہو گے۔

کیٹی نے کہا کہ وہ خلائی لڑکی بہت اور خلائی جہاز کو

کنٹرول کر سکتی ہے۔ اس پر ڈرائش کے باپ نے اپنے

اثر و رسوخ سے ان کے لیے ایک خلائی جہاز خرید لیا۔

اور پھر ڈرائش اور اس کے باپ سے اجازت لے کر منہر

اور کیٹی اس خلائی جہاز میں اپنی زمین کی طرف روانہ

ہو گئے۔

آپ پچھلی قسط میں پڑھ چکے ہیں کہ جب منہر خلا

میں پرواز کرتے کرتے غائب ہو گئے۔

”ناگ! اس زمین پر بالکل وہی واقعات مگر  
رہے ہیں۔ جو کبھی ہماری زمین پر گزر چکے  
ہیں۔“

ناگ نے تعجب سے پوچھا۔

وہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

تھیوساگ مسکرایا۔

”ناگ! یہ خلائی سائنس ہے۔ ہماری دنیا پر جو

واقعات گزر چکے ہیں وہ خلا میں موجود ہیں۔

ان واقعات کی شعاعیں اسی طرح ہوتی ہیں۔

جب یہ شعاعیں خلا میں تیزی سے سفر کرتی

ہوئے اس سیارے سے ٹکرائیں تو پھر یہاں

ہماری زمین ایسی آب و ہوا بنی۔ جس سے

ان شعاعوں کا عکس بالکل فلم کی طرح اس سیارے

پر پڑنے لگا۔ اور وہی حالات اور واقعات پھر

سے رونما ہونے لگے ہیں۔ تم ان شہروں میں

جن لوگوں کو چلتے پھرتے، زندگی بسر کرتے دیکھو

چمکے ہو۔ یہ اصل میں کمر چمکے ہیں۔ اور صرف

اپنے عکس کی شکل میں اپنی گزری ہوئی زندگیوں

کو دہرا رہے ہیں۔ مگر انہیں اس کی خبر نہیں۔

تھیوساگ بھی اٹھا اٹھا اور ناگ سے اجازت لے کر ایک خلائی  
جہاز میں مختصر کی تلاش میں خلا کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

اور پھر ایک نظام شمسی کے انہیں اپنی طرف کھینچنا شروع

کر دیا تھا۔ اور تھیوساگ نے جہاز کا رخ مبدور ہو کر

اس نظام شمسی کی طرف کر دیا تھا۔ انہیں ابھی تک یہ معلوم

نہیں تھا کہ کس نظام شمسی کی طرف جا رہے ہیں۔

اور کون سے سیارے پر اتریں گے۔ اور کیا وہاں کوئی

مخلوق بھی آباد ہوگی یا نہیں۔

ان کا خلائی جہاز بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اس

نظام شمسی کے مدار میں پہنچ گیا۔ یہاں ایک سیارے

نے انہیں اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا تھا۔ تھیوساگ

نے کمپیوٹر پر حساب لگا کر بتایا کہ یہ سیارہ ہماری زمین

کی طرح ہے۔ مگر ہماری زمین نہیں ہے۔ جوں جوں سیارہ

قریب آ رہا تھا۔ نئی نئی باتیں دریافت ہو رہی تھیں۔

ناگ نے پوچھا۔

”اگر یہ ہماری زمین نہیں ہے تو ہماری

زمین کے حالات اس پر کہاں سے پیدا ہو

گئے۔“

تھیوساگ نے خلائی ٹی وی اٹھ کر دیا۔ مسکین

سے شہر میں موٹریں۔ ٹرک چلتے نظر آئے تو وہ



وہ بالکل گوشت پرست تھے انسانوں کی طرح زندہ  
ہیں۔

جنگ نے اپنا سر پکڑ لیا۔

خدا کے لیے مجھے اس سے زیادہ ضرورت  
ہے۔ اس لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اب  
خدا کرے کہ یہاں ماریا سے ملاقات ہو جائے  
کیونکہ وہ مجھے یقین ہے کہ دنیا کے واقعات  
کے عکس کے ساتھ وہ بھی اسی سیارے پر موجود  
ہو گی۔

تھیوسانگ بولا۔

مجھے یقین ہے کہ ماریا اسی سیارے پر ہو گی۔  
تھیوسانگ یہ سیارہ اسی دور سے گزر رہا ہے۔  
جس دور میں ہم جہیز کے پر اسے چھوڑ  
کر آئے تھے۔

خلفہ کا جہاز بڑی تیزی سے اس سیارے کی طرف  
بڑھ رہا تھا۔ سو؟ کھل ہماری زمین کی طرف نظر آ رہا تھا۔  
اس سطح پر چوڑے عبورے جنگل اور پہاڑ تھے۔ اور نیچے  
مسکند کی پٹی سیارے کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔

## راکٹ پھٹ گیا

ایمانک راکٹ رزنے لگا۔

تھیوسانگ اسے کنٹرول کرنے لگا۔ مگر جھلکے دوپٹے  
بڑھ گئے۔ اب اس کے ستور دھڑ سے ایک میپ سی  
آواز نکلی اور پھر ایک طرف آگ لگ گئی۔ تھیوسانگ  
چلایا۔

”ناگ! ہمارا جہاز ہونے والا ہے ہم بہر کو دیکھ  
کے“

تھیوسانگ نے فوراً پیرا شوٹ پہنا۔ فضا کی جہاز ایک طرف  
کو جھک گیا تھا۔ اس کے اوپر کے حصے کو آگ لگ چکی تھی۔  
تھیوسانگ نے ہنگامی دروازے کا بین دیکھا۔ دروازہ  
کھٹک سے آگ ہو گیا۔ تھیوسانگ نے باہر فضا میں جھانک  
لگا دی۔ ناگ نے بھی اس کے ساتھ ہی جھانک لگا دی  
فضا میں آتے ہی ناگ نے عقاب کا روپ اختیار کر لیا۔  
تھیوسانگ کا پیرا شوٹ کھل گیا تھا۔ اور وہ نیچے مسکند

کشم کے سپاہیوں نے تھیوسانگ کو غور سے دیکھا۔ تھیوسانگ کا لباس چمکیلا تھا اور اس کے جسم سے چمٹا ہوا تھا۔ کیپٹن نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور سمندر میں کہاں سے آیا ہے؟ کیپٹن اور کشم کے محلے کو یقین تھا کہ تھیوسانگ مسکروں کا ساتھی ہے اور کسی مشن پر جا رہا ہے۔ تھیوسانگ نے کہا۔

”میرا نام تھیوسانگ ہے۔ میں ایک کشتی میں ایک سمندر کی کسیر کو نکلا تھا کہ کشتی لہروں میں پھنسنے لگی۔“

کیپٹن کو تھیوسانگ کے بیان پر یقین نہ آیا۔ اس نے اس کی تلاش کی۔ تھیوسانگ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اسے لے کر ساحل پر آگیا۔ اب یہاں آکر تھیوسانگ کو پتہ چلا کہ وہ پاکستان کی مشہور بندرگاہی شہر کراچی میں آگیا ہے۔ ناگ عقاب کی شکل میں اس کے اوپر اڑ رہا تھا۔ وہ بھی کراچی کی عمارت پر آکر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کشم کے افسر تھیوسانگ سے پوچھ گچھ کرتے رہے لیکن چونکہ تھیوسانگ سے کوئی شے برآمد نہیں ہوئی تھی اس لیے اسے پھوڑ دیا گیا۔

تھیوسانگ باہر آیا تو سامنے ناگ کھڑا کرا رہا تھا۔

کے طرف چلا جا رہا تھا۔ ناگ اس کے ساتھ ساتھ عقاب کی شکل میں اڑ رہا تھا۔ سمندر قریب آ رہا تھا۔ اور پھر تھیوسانگ سمندر میں گر گیا۔ سمندر میں گرتے ہی اس نے پیراشوٹ کو اپنے سے الگ کر دیا۔ ناگ اس کے بالکل اوپر آگیا تھا۔ تھیوسانگ نے ساحل سمندر کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔

اس نے غلطی بہاد میں سے ہی دیکھ لیا تھا کہ سمندر کا کنارہ وہاں سے دور نہیں ہے اور کنارے پر کوئی مہلت بڑا شہر آباد تھا۔ یہ ماڈرن شہر تھا۔ اس کی عمارتیں کافی اونچی تھیں۔ اور ان میں ٹیلیٹ بنے ہوئے تھے۔ ناگ تھیوسانگ کے اوپر اڑ رہا تھا۔ تھیوسانگ نے پتہ چلا جا رہا تھا۔ سمندر پر سکون تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ فضا گرم تھی۔ تھوڑی دیر بعد دور سے کنارے کی سیاہ لکیر نظر آنے لگی۔ اسے میں ایک چھوٹا سا شہر جس پر کشم والوں کا جھنڈا لہا رہا تھا۔ گشت لگا اس طرف آگیا۔

شہر کے کیپٹن نے تھیوسانگ کو سمندر میں تیرتے دیکھ لیا تھا۔ شہر بڑی تیزی سے تھیوسانگ کے پاس آگیا۔ تھیوسانگ کو شہر پر اٹھا لیا گیا۔ کیپٹن اور



”سب ٹھیک ہے ناں؟“ ناگ نے پوچھا۔

تھیوساگ نے سر ہلا کر کہا۔

”سب ٹھیک ہے۔ لیکن ہم جس سیارے پر ہیں وہ تہا رمی زمین کا ہم زاد سیارہ ہے اور یہ کراچی کا شہر ہے اور زمانہ ۱۹۸۶ء کا ہے“ ناگ بولا۔

”مجھے اس کا علم ہو چکا ہے۔ تھیوساگ ایک امید بندھتی ہے کہ ہو سکتا ہے ماریا سے یہاں کسی جگہ ملاقات ہو جائے۔ کیونکہ ہم نے اسے اسی زمین کے سیارے پر ۱۹۸۶ء عیسوی میں ہی جزییرے پر چھوڑا تھا۔“ تھیوساگ نے کہا۔

”ہاں اور ماریا بتی کی شکل میں تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں کراچی شہر کی بلیتوں پر کڑی نظر رکھنی ہوگی۔“

”ایسا ہی کہیں گے۔“ ناگ نے کہا۔

تھیوساگ اور ناگ کسٹم دالوں کے دفتر سے نکل کر شہر کو جانے والی سڑک پر روانہ ہو گئے۔ تھیوساگ نے کہا۔

”یہاں رہنے کے لیے ہمیں روپوں کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ یہاں روپوں کے بغیر ایک دن بھی نہیں گزر سکے گا۔“ ناگ بولا۔

”میرے ہوتے ہوئے تمہیں روپے پیسے کی فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ تھیوساگ۔ غیر اور کبھی تو ہم سے بچھڑ چکے ہیں۔ دنا کرو کہ یہاں ماریا سے ملاقات ہو جائے۔“

وہاں سے شہر کراچی کافی دور تھا۔ مگر چونکہ ان دونوں کو تھکن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے وہ چلتے چلتے گئے۔ گرمی بھی خاصی بڑھ رہی تھی۔ لیکن ناگ اور تھیوساگ کو گرمی بالکل نہیں لگ رہی تھی۔ ناگ نے تھیوساگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تھیوساگ یہ تو معلوم کرو کہ تہا رمی طاقت واپس آئی ہے کہ نہیں؟“

تھیوساگ بولا۔

”تم نے خوب یاد دلایا۔ ابھی آزما کر دیکھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر تھیوساگ سڑک سے ہٹ کر ایک چھوٹے



سے ٹیپے کی ادھ میں آگیا۔ ناگ بھی اس کے ساتھ  
ساتھ تھا۔ تھیو ساگ نے دیکھا کہ ایک بڑا سا پتھر زمین  
پر پڑا ہے۔ اس نے پتھر کو اپنی خاص انگلی سے چھوا  
اور دل میں اس کے چھوٹا ہونے کا ارادہ کیا۔ یہ  
دیکھ کر ناگ اور تھیو ساگ خوشی سے اچھل پڑے کہ  
پتھر جو کافی بڑا تھا۔ چھوٹا سا روڑا بن چکا تھا۔ ناگ نے  
کہا۔

”اُس بے چارے پتھر کو پھر سے بڑا کر دو  
کیس ہیں بڑا بھلا نہ کہتا ہے“

تھیو ساگ نے دوسری انگلی لگائی۔ پتھر پھر بڑا  
ہو گیا۔ وہ رہے کہ اچی شہر کی عظیم الشان بلدیگیں نظر  
آ رہی تھیں۔ ٹرک پر نئے ماڈل کی کاریں گزرنے لگی  
تھیں۔ لمبی لمبی بسیں اور ٹرک بھی چل رہے تھے کبھی  
کوئی رکشا بھی گزر جاتا تھا۔

ناگ اور تھیو ساگ باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔  
ناگ اُسے بتا رہا تھا کہ وہ یہاں کسی سانپ کی مدد سے  
کسی غنیہ خزانے میں سے کچھ ہیرے جو اہرات نکال  
لے گا۔ اور انہیں بیچ کر وہ کچھ روپے اپنے خیرے کے  
لیے حاصل کر لیں گے۔ تھیو ساگ ہلا۔

”ناگ یاد ہم کسی خزانے سے ہیرے نکالنے  
کی بجائے یہاں اپنا شو کیوں نہ کریں۔ میرا مطلب  
ہے ہم اس شو میں ٹکٹ لگا کر لوگوں کو اپنے  
طسمی کر تب دکھائیں گے اور یوں ذرا دل نہی  
بہل جائے گا۔ روپے بھی اکٹھے ہو جائیں گے  
اور ہو سکتا ہے اخبار میں ہمارا اشتہار  
اور تصویریں چھپی دیکھ کر اگر مادیہ یہیں کریں  
ہو تو وہ بھی ہمارے پیاس آ جائے“  
ناگ نے کہا۔

”تمہارا یہ خیال مجھے پسند آیا ہے۔ اس طرح  
سے مادیہ کے ملنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔  
ہم اخبار میں جادو کے کرتبوں والے شو کا  
جو اشتہار چھپوائیں گے۔ اس میں اپنی تصویریں  
بھی دیں گے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اب ہم شہر  
میں چل کر کسی ایسے آدمی سے بات کرتے  
ہیں جو ہمارے لیے اس شو کا بندوبست کر  
سکے“

یہی باتیں کرتے اور جادو کے شو کا منصوبہ بچا  
کرتے تھیو ساگ اور ناگ کہ اچی شہر میں پہنچ گئے۔ وہ دیر



ناگ کو لپٹی کی کشادہ، شاندار اور بارونتی سرکوں پر گھومتے  
رہے۔ آخر وہ ایک سینا باؤس کے سامنے پہنچے تو انہوں نے  
دیکھا کہ لوگ ٹکٹ لے کر آمد جا رہے تھے۔ ناگ پہلے  
بھی کہ اچھی شہر کی سیر کر چکا تھا۔ اس نے تھیو سناگ سے  
کہا۔

”میری رائے میں اس سینا ہال کے ناگ سے  
بات کی جائے۔ کہ ہم جادو کے کرتبوں کا شو  
کرتا چاہتے ہیں۔“

تھیو سناگ نے ناگ کی تجویز کو پسند کیا۔ دو دن سینا  
ہال کے مینجر کے کمرے میں آ گئے۔ مینجر کسی کو فون  
کر رہا تھا۔ تھیو سناگ اور ناگ کمریوں پر بیٹھ گئے۔  
مینجر نے فون ختم کیا اور ناگ کی طرف بڑی بیزاری سے  
دیکھنے لگا۔

”جی کیا بات ہے؟ ٹکٹ چاہیں آپ کو بکھر کی  
پر جا کر خرید لیں۔ میرے پاس نہیں ہیں۔“  
اس کی وجہ یہ تھی کہ ناگ اور تھیو سناگ کے  
کپڑے پرانے اور بوسیدہ تھے۔ ان کی ڈانڈیاں بھی  
برہمی ہوئی تھیں۔ ناگ نے کہا۔

”جناب ہم آپ کے سینا ہال میں ایک شو کرنا

چاہتے ہیں۔“

مینجر نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

”جن محبوبوں کا شو کریں گے جناب آپ سے؟  
تھیو سناگ بولا۔

”بات یہ ہے جناب کہ ہمارے پاس کچھ  
جادو کے ٹوکے ہیں۔ ہاتھ کی صفائی ہے۔ جادو  
نہیں ہے بس شعبہ بازی ہے لیکن ہمیں یقین  
ہے کہ لوگ انہیں پسند کریں گے۔“  
مینجر نے کہا۔

”دیکھئے صاحب اس وقت میرے پاس ان  
باقوں کے لیے وقت نہیں ہے۔ آپ تشریف  
لے جائیں۔ ہمارا اپنا قمو شروع ہونے والا

ہے۔“  
یہ کہہ کر مینجر کسی کو پکارتا ہوا باہر نکل گیا۔  
ناگ اور تھیو سناگ نے ایک دوسرے کی طرف  
دیکھا۔ ناگ بولا۔

”میرا خیال ہے ہمیں سب سے پہلے اپنے ٹکے  
ٹھیک کرنے چاہئیں۔ میرے ساتھ آؤ۔“  
ناگ اور تھیو سناگ سینا گھر سے نکل کر ایک طرف



چل پڑے۔ ناگ نے کہا۔

”سمندر کی طرف چلتے ہیں۔ کسی سمندری سانپ کو بولا کہ میں اس سے سمندری خزانے کا پتہ پوچھتا ہوں۔ سمندر میں کئی جہازوں کے مڑانے ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہمیں نئے کپڑے خریدنے اور کسی اکی ہوٹل میں ٹھہرنے کے لیے روپے چاہیے۔“

وہ سمندر کے ایک ویران کنارے پر آگئے۔

دوپہر کا وقت تھا۔ دُور سمندر کے ساحل پر کچھ لوگ ہلکے منارہے تھے۔ ناگ سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ایک بھورے رنگ کی چٹان کے پاس آگیا۔ اس نے تھیوسانگ کی طرف دیکھ کر کہا۔  
”میرا خیال ہے یہاں ضرور کوئی سانپ ہوگا۔“

ناگ پانی کے اندر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی خاص آواز نکال کر سمندر کے اندر رہنے والے کسی سانپ کو پکارا۔ وہ تھوڑی دیر بعد ایک سبز اور نیلی دھاری والا سانپ پانی پر تیرتا ہوا آیا اور ناگ کے پاؤں کے پاس آ کر جھک کر بولا۔

”ناگ دیتا آپ نے مجھے یاد کیا۔ میں حاضر ہوں۔“

ناگ نے پوچھا۔

”کیا یہاں سمندر میں کسی جگہ کوئی فستوان ڈوبا ہوا موجود ہے؟“

سانپ بولا۔

”یہاں سے پندرہ میل دُور سمندر کی تہ میں دوسری جنگ کے زمانے کا ایک جہاز ڈوبا پڑا ہے۔ اس میں سونے کی سلاخوں کے بارہ بجس پڑے ہیں۔“

ناگ نے کہا۔

”ایسا کرو کہ ان سلاخوں میں سے صرف ایک سلاخ جہاز سے میلے لے آؤ۔“

سانپ نے ادب سے سر جھکایا اور سمندریں ڈبکھنی لگا دی۔

ناگ، تھیوسانگ کو لے کر چٹان کے پاس آ کر دریت پر بیٹھ گیا۔ وہ مارا اور کیٹی عمر کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد سمندری سانپ پانی کی لہروں میں سے باہر نکلا۔ اس نے منہ میں سونے کی ایک بال پرائنٹ



کے ساتھ کی مگر اس سے موٹی سونے کی سلاخ پکڑی  
تھوٹی تھی۔

سونے کی سلاخ سانپ نے ناگ کے قدموں میں  
لا کر رکھ دی۔ ناگ نے اسے اٹھا کر غور سے دیکھا  
یہ خالص سونے کی سلاخ تھی۔ ناگ نے سانپ کا شکریہ  
ادا کر کے اسے واپس بھیج دیا۔  
تھیوسانگ بولا۔

”اب یہیں شہر میں جا کر اس سلاخ کو  
فروخت کرنا چاہیے۔ مگر دکاندار ہم پر شک  
تو نہیں کرے گا۔“  
ناگ بولا۔

”یار جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ تم چلو تو سہی  
یہ کافی میرے لیے نئی بات تو نہیں ہے۔ کئی  
بار خستہ زانو کے جواہرات اور زیور بیچ چکا  
ہوں۔“

وہ شہر کے صرافہ بازار میں آگئے۔ اس بازار میں  
سٹاروں اور جواہریوں کی دکانیں تھیں۔ ایک دکان  
پر جا کر ناگ نے سونے کی سلاخ سٹار کو دکھائی اور  
کہا کہ وہ اسے فروخت کرنا چاہتا ہے۔ سٹار سونے

کی سلاخ کو غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے کہنے میں اور کوئی  
نہیں تھا۔ سٹار سیٹھ کو پورا یقین تھا۔ کہ یہ دونوں  
پتھر ہیں۔ اور سونے کی سلاخ پڑا کر لائے ہیں۔  
اس نے بڑی رحمت سے کہا۔

”کیوں بے۔ کتنے پیسے دے دوں اس کے؟“  
ناگ اور تھیوسانگ کو سٹار کا انداز بالکل پسند  
نہیں آیا۔ مگر انہوں نے تحمل سے کام لیا۔ ناگ نے کہا  
”سیٹھ تم کتنے روپے دو گے؟“  
سیٹھ بولا۔

”دو سو روپے دے دوں؟“

ناگ نے حیران ہو کر کہا۔

”سیٹھ یہ لڑبے کی سلاخ نہیں ہے۔ خالص  
سونا ہے۔“

سیٹھ دانت نکال کر بولا۔

”اے تم بھی تو چور ہی کر کے لاسے ہو۔“  
تھیوسانگ کو غصہ آگیا۔

”سیٹھ! کیا ہم تمہیں چور کہتے ہیں؟“

”چور نہیں تو چور کے بھائی ضرور ہو۔“

یہ کہہ کر سیٹھ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔



ناگ نے کہا۔

”تھیو ساگ! سیٹھ کو اب بتا دو کہ تم اصل

پس کون ہو۔“

سیٹھ بولا۔

”چور ہو۔ اور کون ہو۔ میں تو چور کی شکل

دیکھ کر اسے پہچان لیتا ہوں۔“

تھیو ساگ کو اب بہت غصہ آ رہا تھا۔ سیٹھ اس

کے بالکل سامنے گدی پر بیٹھا تھا۔ کہن میں ان

کے ادا اور کوئی نہیں تھا۔ تھیو ساگ نے بازو آگے

بڑھا کر سیٹھ کے گھٹنے کے ساتھ اپنی انگلی لگا دی۔ انگلی

کے گتے ہیں سیٹھ ایک دم چھوٹا سا چوہا بن گیا۔ وہ

گدی پر چھوٹا سا چوہا بن کر حیرت میں گم سم بیٹھا ادھر

ادھر دیکھ رہا تھا کہ یہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ اور

وہ اتنا چھوٹا کیسے بن گیا ہے۔ وہ زور زور سے

پلٹنے لگا۔ مگر اس کی آواز اتنی کمزور اور ہار دیک تھی

کہ سوائے ناگ، تھیو ساگ کے اور کوئی نہیں سن سکتا

تھا۔ تھیو ساگ نے سیٹھ کے سر پر انگلی رکھ کر اسے

دبایا تو وہ اس کی انگلی کے نیچے آکر دب گیا۔ ناگ نے

کہا۔

”تھیو ساگ! پس اب اسے بڑا کر دو۔“

تھیو ساگ نے دوسری انگلی سے سیٹھ کو چھوٹا تو

وہ ایک چمکنے میں پھر سے پورے قدم کا سیٹھ بن

گیا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ چہرہ فق تھا۔ آنکھیں

بھٹی بھٹی تھیں۔ جسم خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔

تھیو ساگ نے کہا۔

”سیٹھ اب بتاؤ کہ ہم چور ہیں کیا؟“

سیٹھ نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ جوڑ دے اور

کافیت ہوئی آواز میں بولا۔

”شاہ جی! مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف

کر دو۔“

اور وہ تھیو ساگ کے قدموں پر سر رکھ رو پے لگا۔

ناگ نے اس کا سر اٹھا کر کہا۔

”ہمیں ہمارے سونے کی ٹھیک ٹھیک قیمت

ادا کر دو۔ اس سے زیادہ ہمیں کچھ نہیں

چاہیے۔“

سیٹھ نے کافیت انگلیوں سے میز کا دراز کھولا۔

اور دس ہزار روپے کے نوٹ گن کر ناگ کے آگے

رکھ دیئے۔



نہ پہر جی ایسی اسلحہ کی قیمت ہے۔ مجھے  
معاف کر دیجئے گا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ آپ  
بڑے کرنی والے بزرگ ہیں۔  
ناگ اور تھیوسانگ مسکانے لگے۔ ناگ نے سامنے  
وٹ اٹھا کر جیب میں رکھے اور سیٹھ سے کہا۔  
”ہم کوئی بزرگ نہیں ہیں۔ ہم تو معمولی انسان  
ہیں۔ تمہیں یہ جا دو گری اس لیے دکھائی ہے کہ ہم  
تمہیں یہ سبق سکھانا چاہتے تھے کہ ہمیشہ  
دیا خداری سے کام لیا کرو۔ ایمانداری میں  
ہی برکت اور خدا کی رحمت ہے۔ انسان اگر  
کاروبار میں بے ایمانی کرے تو اس کا کاروبار  
تباہ ہو جاتا ہے۔“

یہ کہہ کر ناگ نے تھیوسانگ کو ساتھ لیا اور دوکان  
سے باہر نکل گیا۔

ناگ اور تھیوسانگ جب رقم لے دوکان سے باہر نکلے  
تو شام کا وقت ہو رہا تھا۔ بٹیاں جل چکیں تھیں۔ وہ بازار میں  
نکل کر ایک گلی میں داخل ہو گئے۔ کہ اس سے گزر کر وہ اس  
بازار میں جا سکتے تھے۔ جہاں وہ اپنے لیے نیا لباس خرید سکیں  
جب وہ دونوں گلی کے درمیان میں پہنچے تو انہوں نے ایک

کی کھڑکی سے کچھ سائے دیوار پر پڑتے دیکھے۔ جن میں دو  
سائے بڑے تھے ایک چھوٹا تھا۔ دو بڑے سائے میں سے  
ایک نے ایک چھوٹے سائے کو قابو کیا ہوا تھا۔ ایسے محسوس  
ہوتا تھا کہ وہ اسے کھینچ کر کمرے سے باہر لے جا رہے ہیں  
اور چھوٹا سایہ اپنا ہاتھ کسی کی طرف بڑھا کر مدد کے لیے پکار  
رہا ہے۔ جس سے وہ مدد لینا چاہتا ہے وہ نظر نہیں آ رہا۔  
اور نہ ہی اس کا سایہ دیوار پر پڑ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ناگ نے  
تھیوسانگ سے کہا کہ مجھے کچھ گڑ بڑ لگتی ہے۔ یہ ہمیں یہ لوگ  
کیوں اس معصوم بچے پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور اس سے کیا چاہتے  
ہیں۔ ہمیں معلوم کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ دونوں اس مکان  
کی طرف بڑھے اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر دروازے تک پہنچے۔  
دروازہ اندر سے کھڑی لگا کر بند کیا ہوا تھا۔ ناگ نے ایک  
آواز سنی جو کسی کو کہہ رہی تھی۔ یہ سچہ اس وقت تک ہمارے  
پاس بطور میراثی رہے گا۔ جب تک تم ہمارا قرض نہ ادا کرو  
گے۔ کیونکہ جب تم نے ہم سے قرض لیا تھا تو وعدہ کیا تھا کہ اگر  
میں مقررہ مدت میں قرض ادا نہ کر سکا تو اپنا بچہ آپ لوگوں کو اس  
وقت تک کے لیے دے دوں گا۔ جب تک آپ کا قرض ادا  
نہ کروں گا۔ اور یہیں یہ حق بھی حاصل ہے کہ ہم اس بچے سے  
گھر کا کام کاج لیں گے۔ اور اس کا کوئی معاوضہ بھی ادا کریں



گے۔ لیکن جب تم اپنے قرض کی رقم ادا کر دو گے۔ تمہارا بچہ  
تمہیں واپس کر دیا جائے گا۔ اس کے جواب میں ایک بہت ہی  
کمزور اور بیمار لہو میں آواز ستانی دی سکندر تم یہ ظلم نہ کرو  
تمہیں معلوم ہے کہ میں نے یہ قرض اپنی بیٹی کی شادی پر لیا تھا  
اس وقت میں تندرست تھا اور کام پر بھی جا رہا تھا۔ کیا  
ہوا کہ قدرت نے مجھے بیمار کر کے بستر ڈال دیا ہے۔ میں جلد  
اپنی اچھا ہو جاؤں گا۔ اور کام پر جانا شروع کر دوں گا۔ اور  
پھر تمہاری پائی پائی ادا کر دوں گا۔ مگر وہ ظالم شخص نہ مانا اس  
نے دوسرے ساتھی کو پکارتے ہوئے کہا مہل اسے پکڑ کر  
رات بے ملو اور صبح کا رخانہ میں مزدوروں کے ساتھ کام  
پر لگا دو۔ جب اس کے باپ کے پاس رقم ہو گی اور یہ  
میں ادا کر دے گا۔ اپنے بیٹے کو واپس لے آئے گا۔

لڑکے کا باپ بولا۔ سکندر یہ ظلم نہ کرو۔ میرے بیٹے نے  
میٹرک کا امتحان دینا ہے اور تمہیں معلوم ہے امتحان میں  
صرف تین ماہ رہ گئے ہیں۔ اگر تم اسے زبردستی لے گئے تو  
اس کا یہ سال ضائع ہو جائے گا۔ تمہیں نہیں معلوم میں نے  
کتنی مشکلات اور محنت کے بعد اپنے بیٹے کو اس مقام تک  
پہنچایا ہے۔ یہ میرے اچھے دلوں کی امید ہے تمہیں یہ بھی  
معلوم ہے کہ سعید بڑا لائق، ہوشیار اور ذہین طالب علم

ہے۔ اور ہمیشہ اپنی کلاس میں فیسٹ آتا رہا ہے۔ اور اب  
اسے اپنی دس سال کی محنت کا ثمر حاصل ہونا ہے۔ سکندر  
میرے بچے پر رحم کرو اسے چھوڑ دو۔ میں تمہارا یہ احسان  
زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ میں انشاء اللہ بہت جلد اچھا ہو  
جاؤں گا۔ تم نے ایک مشکل وقت میں جو میری مدد کی تھی  
اس کے لیے میں تمہارا بہت ممنون ہوں۔ تم اس ظلم سے  
اپنے اس احسان کو ضائع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری آس نیکی  
اور مہربانی کا تمہیں بہت اجر دے گا۔

ناگ اور تھیمو ساگ دونوں اس گفتگو کو سن رہے تھے  
اور دل میں بیچ و تاب کھا رہے تھے۔ لڑکے اس لیے ہونے  
تھے کہ شاید سکندر کو اس شخص پر رحم آجائے۔ اور وہ سمجھے  
کہ ماں باپ کے پاس چھوڑ جانے دراصل ناگ اور تھیمو ساگ  
نہیں جانتے تھے کہ سعید کا باپ سکندر کا سگا بھائی ہے۔ اور  
وہ امیر آدمی ہے جبکہ اس کا بھائی شاید غریب ہے۔ لیکن وہ  
اپنی عزت میں بھی خوش و خرم زندگی گزار رہا ہے۔ کیونکہ  
زندگی کے ایک حصہ میں آکر شاید کو احساس ہوا تھا کہ میں  
نے اپنے باپ کا کہنا نہ مانا کہ جو تعلیم حاصل نہیں کی یہ سب اس  
کی وجہ سے ہے اگر میں پڑھا لکھا ہوتا تو ضرور کسی اچھی ملازمت  
میں ہوتا اور میرے حالات بھی سکندر کی طرح بہت اچھے  
ہوتے۔ اس پر مزید ظلم یہ ہوا کہ وہ کوئی ڈھنگ کا کام بھی



۶۶ نہ سیکھ سکا تھا۔ وہ اب صرف ایک چھابڑی فروش تھا۔ اپنی اس غلطی کا ازالہ وہ یوں کر رہا تھا کہ اپنے بیٹے سعید کی تعلیم پر پوری توجہ دے رہا تھا۔ اس وجہ سے اس پر اللہ کا کرم تھا کہ اس کا بیٹا بھی بہت محنت کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس نے آج تک کہیں بھی سکول کے علاوہ ٹیوشن نہ پڑھی تھی۔ وہ صرف اور صرف اپنی ذہانت اور محنت کے بل بوتے پر اپنی کلاس میں ہمیشہ اول آ رہا۔ یہ بات اس کے چچا سکندر کو اچھی نہ لگتی تھی اور اپنا خون ہو کر بھی خواہ مخواہ دل میں دشمنی رکھ لی تھی۔ کیونکہ اس کا اپنا بیٹا بلال جس پر وہ تعلیم کے سلسلہ میں بے شمار رقم خرچ کرتا تھا۔ کوئی اچھی پوزیشن نہ لیتا تھا۔ کئی دفعہ تو وہ ایک ایک کلاس میں دو سال لگا چکا تھا۔ اب وہ میٹرک میں تین سال سے تھا اور پاس نہیں ہو رہا تھا۔ جبکہ اس کا باپ اس بات کی بڑی خواہش رکھتا تھا۔ کہ اس کا بیٹا میٹرک کر لے۔ ہوتا یہ تھا کہ بلال گھر سے تو تعلیم کے لیے نکلتا مگر گھر سے باہر آ کر آوارہ دوستوں کے ساتھ گھوم پھر کر چھٹی کے وقت گھر چلا جاتا۔ اس کے باپ نے اس کے تین چار استاد رکھے ہوتے تھے جو اس کو الگ الگ مضامین پڑھاتے تھے مگر اس کے باوجود وہ تین سال سے میٹرک پاس نہ کر سکا تھا۔ کیونکہ جو استاد

۶۷ اُسے پڑھانے آتے تھے وہ ان کی کوشش کے باوجود بھی پڑھائی پر توجہ نہ دیتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ وہ پڑھاتا تو وہ تھوڑی دیر کے بعد کتا کہ میں سمجھ گیا ہوں اور اب میں تمک گیا ہوں۔ مزید نہ پڑھ سکوں گا۔ باشرِ مجبور تھے۔ وہ کیا کرتے۔ اب سکندر کو اس بات کا ڈکھ ہو رہا تھا کہ اس کے بھائی کا بیٹا جو کہ ہر حال اپنی کلاس میں اول آتا ہے۔ میٹرک کے امتحان میں بھی اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوگا۔ اس طرح اس کی بہت بدنامی ہو گی۔ خاندان کے لوگ کہیں گے کہ دیکھو سکندر کا بیٹا تین سال میں میٹرک پاس نہیں کر سکا۔ اور سعید نے پہلی ہی بار اتنے اچھے نمبروں میں میٹرک پاس کر لیا۔ یہی سوچ کر اس نے ایک پروگرام بنایا جو یہ تھا کہ اس کے بڑے بھائی کی ایک بیٹی تھی جو کراچی کے قابل تھی۔ جس کی عزیزوں میں ملٹی ہو چکی تھی۔ مگر ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ رحمت شادی کے تمام انتظامات مکمل کر چکا تھا۔ کسر صرف اس بات کی تھی کہ اسے صرف چند ہزار روپے درکار تھے۔ جس سے وہ بارات کی روٹی پکا سکتا کہ اپنا ایک وہ بیمار ہو گیا۔ اور ہر رات کے والوں نے بھی شادی کے لیے جلدی کہنا شروع کر دیا۔ رحمت بہت پریشان تھا۔ ایک طرف اس کی بیماری اور دوسری طرف رات کے والوں کا شادی



۶۸  
کا مطالبہ۔ ایک دن اسے کسی نے آکر بتایا کہ رڑکے والوں  
کی نیت بدل رہی ہے۔ اگر تم نے جلدی شادی کا انتظام  
نہ کیا تو وہ رڑکے کی شادی کسی اور جگہ کر دیں گے۔  
اس وقت میں اس میں بھی اس کے بھائی سکندر کی شراعت  
شامل تھی اور اس طرح جو منصوبہ اس نے بنایا تھا وہ اسے  
بایں تک پھینکا چاہتا تھا۔ اس منصوبہ کے تحت وہ ایک  
دو روز رحمت کے گھر گیا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد رڑکی  
کی شادی کا ذکر پھیر دیا۔ رحمت نے چھوٹا بھائی سمجھتے ہوئے  
اسے سادی صورت حال بتائی حالانکہ وہ تو خود تمام بات جانتا  
تھا۔ اس نے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔ رحمت فکر کرنے کی  
کیا بات ہے میں تمہارا چھوٹا بھائی ہوں تم مجھ سے رقم ادھار  
لے لو۔ رحمت یہ سن کر خوش ہوا کہ اس کا بھائی اس کی  
مدد کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس طرح وہ اپنی رڑکی کی شادی  
جلد کر سکے گا۔ لیکن نہ جانے کیوں اندر سے اس کا دل گھبرا  
اٹھا۔ اور اس بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوا اور  
اس نے انکار کر دیا اور کہا نہیں سکندر رہنے دو میں رحمت  
باپ ہو رہا ہوں۔ جلد ہی کچھ نہ کچھ انتظام کر لوں گا۔ میں  
آج ہی رڑکے کے باپ سے مل کر اسے راضی کر لوں گا کہ  
وہ مجھے کچھ مہلت دے دے۔ مگر سکندر جو کسی منصوبہ کے  
حمیت آیا ہوا تھا۔ اس نے بار بار زور دینا شروع کر دیا کہ نہیں

رحمت تم مجھ سے ادھار رقم لے لو اور اسے اس فرض  
سے سبکدوش ہو جاؤ۔ میں یہ رقم تمہیں اپنی خوشی سے  
بطور قرض دے رہا ہوں۔ قرض لینے نہیں کیا حرج ہے۔  
تم مجھے واپس کر دینا۔ سکندر نے میبور کہ رحمت کو  
راضی کر لیا۔ کہ وہ ادھار رقم لے کر شادی سے فارغ ہو  
جائے گا۔ سکندر نے جانتے ہوئے کہا۔ کہ رحمت اب تم  
رڑکی کی شادی کی تاریخ مقرر کرو۔ اور جب شادی میں چار  
پانچ دن رہ جائیں گے تو میں تمہیں بات کی روٹی کے لیے پانچ  
ہزار روپے دے دوں گا۔ اور یہ کہہ کر وہ چل گیا۔  
اب ادھر خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ادھر سکندر اٹھ کر گیا تو  
رڑکے کا باپ آگیا۔ آج وہ رحمت کی غیریت سے پریشان  
آیا تھا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ  
آج اس کی بجائے رحمت شادی کی بات کرے گا۔ وہ  
گھر سے سوچ کر آیا تھا کہ جا کہ رحمت کا حال معلوم کرے  
گا۔ اور پھر اسے دیکھ کر مناسب ہوا تو شادی کے لیے دن  
مقرر کرنے کی بات کرے گا۔ رڑکے کا باپ جب حال احوال  
پوچھ چکا تو رحمت بولا۔ خوشی محمد میں اب بیمار رہتا ہوں رڑکی  
کا کوئی بھروسہ نہیں۔ پتہ نہیں کب پل دوں لہذا میں  
چاہتا ہوں کہ رڑکی کی شادی سے جلد از جلد فارغ ہو جاؤں  
اب تم اتفاق سے آہی گئے ہو تو ہم دونوں شادی کی تاریخ



طے کہ میں۔ اور یہ بھی اتفاق کی بات ہے کہ رمضان کا مہینہ  
 ہے۔ پچیس روز کے گزر چکے ہوں کہ یہ مناسب نہ ہوگا۔  
 کہ عید کے بعد جو پہلا جمعہ آئے اس روز قمری بارات لے  
 آؤں اور میں اس ذمہ داری سے فارغ ہو جاؤں۔ خوشی محمد  
 کے ان تو سب تیاری مکمل تھی۔ اس نے فوراً ہاں کر دی اور  
 یہ کہہ کر چل دیا جو بھی رحمت میں چلتا ہوں تاکہ تمہاری بھابی  
 کو بھی خوشخبری دوں کہ وہ تیار کر لے اسے اپنے بیٹے  
 کی شادی کا جلد از جلد ہونے کا بڑا ارمان ہے۔ سچ جاؤ یہ  
 سن کر تو اس کی ڈیل عید ہو جائے گی۔ اور وہ چلا گیا۔  
 خوشی محمد کے جانے کے بعد رحمت نے اپنی بیوی کو  
 بلایا۔ اور کہا کہ میں نے رضیہ کی شادی کی تیاری عید کے بعد  
 پہلا جمعہ کے دن طے کر دی ہے۔ وہ سن کر ہکا بکا ہو  
 گئی۔ تو پوچھا کیا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں تو کوئی  
 انتظام ہی نہیں اور اس نے شادی کی تیاری بھی طے کر  
 دی ہے۔ اُسے سکندر اور خوشی محمد کے آنے کا پتہ  
 ہی نہ چلا تھا۔ رحمت نے اُسے پریشان دیکھ کر اپن اور  
 سکندر کے درمیان ہونے والی گفتگو اُسے بتائی تو وہ حیران  
 ہوئی کہ آج سکندر کو اچانک ہمارا کیسے خیال آ گیا۔ وہ تو  
 کبھی ہمارے دور وازہ کی طرف دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا۔  
 چیر یہ سوچ کر آخر رحمت کا چھوٹا بھائی ہے۔ اُسے اپنے بھائی

کی بیماری اور تنگ دستی کا حال تو پتہ ہی تھا۔ شاید اس  
 کے دل میں رحم آ گیا ہے۔ اور اس نے اس طرح حاشیہ بھری۔  
 ہو۔ بہر حال وہ اس بات پر خوش تھی کہ قدرت نے انتظام کر  
 دیا اور وہ اپنی بیٹی کے بیاہ سے فارغ ہو رہی ہے۔  
 بارات میں جب پانچ روزہ گئے۔ تو رحمت نے اپنے  
 بیٹے سعید کو سکندر کے پاس بھیجا کہ دن قریب آگئے ہیں سعید  
 کو پانچ ہزار روپے دے کے کہو تاکہ وہ گھر کے لیے سودا خرید  
 جا سکے۔ سعید جب سکندر کے پاس گیا تو اس نے سعید کو  
 مانتے ہوئے کہا کہ میرے بھائی کو کو مجھے اپنا وعدہ یاد ہے  
 میں خود رقم لے کر ایک سو روپے اس کے پاس آؤں گا۔ آخر  
 جب بارات میں تین روز باقی تھے تو سکندر پانچ ہزار روپے  
 لے کر رحمت کے پاس آیا اس کے ہاتھ میں ایک گناہوا کاغذ  
 تھا۔ اس نے پانچ ہزار روپے دیتے ہوئے رحمت سے کہا کہ  
 بھائی اس کاغذ پر دستخط کر دو رحمت تو کہنے لگی کہ سکندر کیا  
 کہہ رہا ہے۔ اس نے دیکھ کر جس سوچا نہ جانے کاغذ پر کیا لکھا ہے۔  
 مجھے سعید کو بلا کر اسے پڑھوایا چاہیے۔ رحمت نے کو مستحق کرنے  
 سے پہلے۔ سعید کو آواز دی وہ آیا تو اس سے کہا پانچ ہزار روپے  
 کاغذ پر کیا لکھا ہے تمہارے چچا نے مجھے پانچ ہزار روپے ادھار  
 دیئے اور کہہ رہا ہے کہ اس کاغذ پر دستخط کر دو۔ سکندر کا باب  
 جب یہ بات کر رہا تھا تو سعید ایک نظر میں وہ لکھا ہوا کاغذ



چکا تھا۔ اور اُسے پڑھ کر اس کا رنگ سفید پڑھ گیا تھا سید  
 کے باپ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو گھبرا کر سید سے کہا۔  
 بیٹے! میں ایسی کیا بات کہی ہے۔ جو تمہارا رنگ بدل گیا  
 جب سید نے کاغذ پڑھ کر سنایا تو اس میں لکھا تھا کہ میں  
 نے سکندر سے پانچ ہزار روپے اُدھار لیے ہیں جو کہ میں چھ  
 ماہ میں ادا کر دوں گا۔ اور اگر میں ادا نہ کر سکا تو سکندر کو  
 یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ سید کو اپنے کارخانہ میں جس کام پر چاہے  
 لگا سکے اور جب تک رحمت پانچ ہزار روپے ادا نہ کر دے  
 سید کے کارخانہ میں رہے گا اور اسے کسی کام کا کوئی معاوضہ  
 نہیں ملے گا اور اس کے نیچے دستخط کرنے کے لیے خالی جگہ  
 تھی۔ یہ سن کر رحمت ایک دم غش کھا گیا۔ جس سے وقتی طور پر  
 سکندر گھبرا گیا مگر تھا سگدل بھائی کو فوراً ہوش میں لایا اور  
 اس کے پاس بیٹھ کر بڑے پیار سے کہنے لگا کہ اس میں گھبرانے  
 کی کیا بات ہے کیا روپے لے کر تمہاری واپس کرنے کی نیت  
 نہیں ہے۔ یہ سب تو اس لیے لکھا ہے کہ تم روپے بروقت  
 ادا کر سکو۔ اب تم صحت یاب تو ہو رہے ہو۔ چھ ماہ میں  
 تم یہ رقم اکٹھی کر ہی لو گے۔ اگر کچھ کمی پیش ہو گئی تو میں تمہیں  
 اور رحمت دے دوں گا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ بے فکر ہو کہ کاغذ پر  
 رحمت کاغذ پر دستخط کر کے روپے لینے نہیں چاہتا  
 تھا۔ اس نے انکار بھی کرنا چاہا مگر مجبور تھا کہ شادی ہونے

میں صرف تین دن باقی تھے اور وہ اتنی جلد رقم کا انتظام نہ  
 کر سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے اگر اس وقت رقم نہ  
 لی تو کہیں بارات نہ رہ جائے مار سرج ملے ہو چکی ہے۔ شاید  
 لڑکے والے مزید آگے تار سبج بڑھانے کی بجائے شادی ہی  
 سے انکار کر دیں۔ رحمت نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے اور اللہ  
 پر بھروسہ کرتے ہوئے رقم لے کر کاغذ پر دستخط کر دیے۔  
 اور اب اس کاغذ کے بن بوتے پر وہ سید کو بلے جانا  
 چاہتا تھا۔ اصل میں اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ سید میٹرک  
 کا امتحان نہ دے سکے۔ روپیہ تو اس کے پاس بہت  
 تھا۔ اسے اس کی کوئی پروا نہیں تھی لیکن وہ یہ پروا داشت  
 کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ خاندان میں سید کی عزت ہو  
 اور وہ میٹرک پاس کرے۔ وہ اسے یہ غالی بنا کر اس  
 کا وقت ضائع کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا جب سید  
 ایک دفعہ امتحان سے رہ گیا تو خود ہی اس کا دل ٹوٹ جائے  
 گا۔ اور پھر کبھی میٹرک پاس نہ کر سکے گا۔ اور میں کارخانہ  
 میں اسے انٹی سیدھی بیٹی پڑھا کر کام پر لگا دوں گا۔ تاکہ اور  
 تھیو ساگ نے دوبارہ آواز سننی جو کہ وہی تھی عبدال دیگھے  
 کیا ہونے چلو اسے اگر اس بوڑھے کو ضرورت ہوگی تو وہ یہ  
 کا انتظام کر کے اسے واپس لے آئے گا۔ عبدال دیگھے ہر دے  
 سکتے ہوئے سید کو گھسیٹنا شروع کر دیا۔ سکندر نے



آگے بڑھ کر دروازہ کھولتے ہوئے زور سے ایک مرتبہ  
پھر کہا۔ اے آوازے۔

یونہی دروازہ کھولا تو سکندر نے دیکھا کہ باہر دو بھانے  
آدمی کھڑے ہیں جنہیں اس نے کبھی بھی نہ دیکھا تھا۔  
انہیں دیکھتے ہی کہنے لگا تم یہاں کیا لینے آئے ہو کس سے ملنا  
ہے ناگ نے کہا جین تمہاری سے ملنا ہے جو ایک ظالم شخص ہے  
اور یہ معصوم پر ظلم کر رہا ہے۔ پھر دو اسے درہ  
تمہارا انجام بُرا ہو گا۔ میں نے تمہاری تمام گفتگو سن لی  
ہے۔

سکندر نے کہا۔ تم کون ہو مجھے دو کئے والے۔  
اس آدمی نے میرا قرض دینا ہے اس کے عوض اس نے  
مجھے کچھ دیا ہے کہ اگر قرض ادا نہ کر سکا تو مجھے یہ حق  
حاصل ہے کہ اس کے عوض میں اس کا بیٹا لے جاؤں اس  
غیر کے مطابق یہ میرا قانونی حق ہے۔ اور مجھے کوئی نہیں روک  
سکتا۔

ناگ کو اس کی بات سن کر غصہ تو بہت آیا مگر وہ اس  
معاذے کو زیادہ الجھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے  
باہر کھڑے کھڑے فیصلہ کر لیا تھا کہ رقم اس کے پاس موجود  
ہے۔ وہ اس کے پاس سے اس کے پاس سے پچالے  
گا۔ لیکن وہ اس شخص کی اندر کی بات جاننے کے لیے

۷۵  
بے تاب تھا کہ آخر لڑکے کو یرغمال بنانے میں اس کا کیا  
مقصد پوشیدہ ہے۔

ناگ نے کہا۔ تم کس کی مہموری سے غلط فائدہ نہیں  
اٹھا سکتے۔ مجھے تمہارے اندر ایک مکرورہ چہرہ نظر آتا  
ہے۔ اس بچے کو یرغمال بنانے میں یقیناً تمہارا کوئی غلط  
مقصد پوشیدہ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم فوراً اس بچے  
کو چھوڑ دو۔ ورنہ اس کے جو نتائج ہوں گے اس سے  
ذمہ دار تم ہو گے۔ ناگ نے ابھی بات ختم ہی کی تھی  
کہ سکندر نے عبدل کو آواز دیتے ہوئے کہا۔ تم تم  
کر دو اس کو۔ عبدل نے یہ سنتے ہی سکندر کو چھوڑ

دیا اور خیمہ نکال کر ناگ پر حملہ آور ہو گیا۔ لیکن درمیان  
میں تھکاوٹ تھا۔ اس نے جو یہ صورت حال دیکھی تو  
پاس سے گزرتے ہوئے عبدل کو اپنی خاص انگلی سے  
چھو دیا اب عبدل ایک چوہے جتنا ہو کر ٹھک رہا تھا۔  
یہ دیکھ کر سکندر جو اس باختم ہو گیا اور ڈر گیا کہ کہیں  
یہ لوگ مجھے بھی چھوٹا نہ کر دیں۔ بھاگنے کی کوشش کی  
لیکن ناگ نے اسے قابو کر لیا۔ دوسری طرف تھکے مارناگ  
نے عبدل کو اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ جو منہ رہا تھا۔  
دور رہا تھا۔ معافی مانگ رہا تھا اور توبہ کر رہا تھا۔ ناگ  
کبھی وہ غلط حرکت نہیں کرتے گا۔ اُسے اس کی اصلی حالت



میں واپس لایا جائے۔

ناگ نے عبدل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سکندر سے کہا کہ تم انسان رہنا چاہتے ہو یا تمہیں بھی چوہا بننا دیا جائے۔ اب فوراً اپنے گدے خیالات کا اظہار کرو و تم کیوں اس بچے کو یہ خیال بنانا چاہتے تھے۔ اس میں تمہارا کیا مقصد پوشیدہ ہے۔ سکندر خوفزدہ ہو چکا تھا۔ بھوٹ بولنے کے باوجود نہ بول سکا۔ اور تمام صورت حال ناگ کو بیان کر دی۔ جو آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں۔ ناگ نے اُسے بہت شرمندہ کیا۔ اور کہا تم اپنے گناہوں سے توبہ کرو کہ آئندہ ان کو یا ان جیسے غریب لوگوں کو کبھی پریشان نہیں کرو گے۔ اللہ نے جو تمہیں اپنی رحمت سے مال و زر سے نوازا رکھا ہے۔ اس اللہ کی راہ میں بھی خرچ کیا کرو گے۔

یہ شور سن کر رحمت اور اس کی بیوی بھی دروازے میں آچکے تھے۔ انہوں نے جب سکندر کے منہ سے اصل حقیقت بانی تو انہیں بہت افسوس ہوا۔ لیکن ناگ نے ان کو بھی سمجھایا کہ تم فرائض دل لوگ جو اسے معاف کر دو۔ اللہ تمہیں اجر دے گا۔ رحمت نے سکندر کو ناگ کے کہنے پر اسی وقت معاف کر دیا۔ رحمت کے معاف کرنے کے بعد ناگ نے اپنی جیب سے سے پانچ ہزار روپے نکالے اور کو دیتے ہوئے کہا۔ کہ وہ کاغذ واپس کر دو۔ سکندر نے

پانچ ہزار روپے لینے سے انکار کر دیا اور کاغذ جیب سے نکال کر چھڑا دیا۔ ناگ نے دوبارہ سکندر کو روپے دینے کی کوشش کی تو اس نے کہا رحمت بھائی نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ آپ بھی مجھے معاف کر دیں۔ آپ اپنی رقم اپنے پاس رکھیں۔ اب میں یہ رقم کبھی واپس نہ لوں گا۔ میں راستہ بھٹک گیا۔ اور اب میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔ کہ آئندہ بھی کبھی ایسی سرکٹ نہیں کروں گا۔ جس سے انہیں کیا کسی کو بھی مجھ سے تکلیف پہنچے۔ رحمت بھائی کی بیٹی میری بیٹی ہے۔ آپ دونوں سمجھ لیں کہ میں نے رقم اپنی بیٹی کو دی تھی۔ ناگ نے جب یہ سنا تو رحمت سے کہا لو یہ رقم میری طرف سے تم رکھ لو۔ بیٹی کی شادی بد کام آئے گی۔ رحمت نے بھی رقم لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا نہیں بھائی اب مجھے اس رقم کی ضرورت نہیں۔ میرے بھائی نے اپنی رقم میری بیٹی کو دے دی ہے۔ تو اب مجھ پر کسی کا بوجھ نہیں ہے میں یہ رقم لے کر کیا کروں گا۔ اب میں صحت یاب ہو رہا ہوں۔ جلد اپنا کام سنبھال لوں گا۔ ہم سب آپ دونوں کے ممنون ہیں۔

ناگ اور تھیموسا ناگ نے سب کو خدا حافظ کہا اور چل دیے اس بات پر حیرت میں کسی کو خیال ہی نہ رہا کہ علی علیہ السلام ہو چکا تھا۔ ہو چکا تھا۔ ابھی تک تھیموسا ناگ کے ہاتھ میں ہے۔ کہ ایک



ناگ نے کہا۔

”میں ایک صندوق میں چھپ جاتا ہوں۔ لوگوں کے سامنے اس میں داخل ہوتا ہوں اور پھر جب صندوق کھولا جاتا ہے۔ تو اس کے اندر میری بجائے ایک سانپ یا کوئی پرندہ ہوتا ہے۔“

مینجر ہنسنے لگا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

ناگ نے کہا۔

”یہ کوئی جادو نہیں بلکہ شعبہ بازی ہے۔ اصل میں ہم دیکھنے والوں کی نگاہوں کو اس طرح ہیناٹائز کر دیتے ہیں کہ انہیں میری بجائے کوئی پرندہ نظر آتا ہے۔ حالانکہ اصل میں ہمیں انسانی حالت میں ہی موجود ہوتا ہوں۔“

مینجر سر کھجانے لگا۔

”تسکیم سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ تو ہمیں پہلے خود آزما کر دیکھنا ہو گا۔“

ناگ نے کہا۔

”آپ ابھی آزما کر دیکھ سکتے ہیں۔“

”ابھی؟“ مینجر نے حیرت سے کہا۔

باریک سی آواز سنائی دی تھی مجھے بھی معاف کر دو۔ اور مجھے بڑا کر دو۔ سب نے عبدل کی ہاں میں ہاں ملائی اور تھیو سانگ نے عبدل کو بڑا کر دیا۔ عبدل نے بڑا ہوتے ہی کالوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ایک دفعہ پھر معافی مانگی۔ لیکن اس عرصہ میں ناگ اور تھیو سانگ سیڑھیاں اتر کر جا چکے تھے۔

سب سے پہلے انہوں نے شیو بنوائی۔ بال کٹوائے۔ حمام میں جا کر غسل کیا۔ الفنسٹن سٹریٹ میں جا کر نئی جینز اور قمیض خرید کر پہنیں۔ نئے جوتے لیے۔ ایک ایک بریف کیس بھی خرید لیا۔ اس میں باقی لارٹ رکھ کر اسے تالا لگا دیا۔ اور کراچی کے ایک تھری سٹار ہوٹل میں دو ہیڈ روم والا کمرہ لے لیا۔ پھر ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر ناگ اور تھیو سانگ اسی سینما ہاؤس کے مینجر کے پاس پہنچ گئے۔ پہلے تو اس نے ناگ اور تھیو سانگ کو پہچانا ہی نہ۔ کیونکہ وہ ایک دم سے بڑے سمارٹ ہو گئے تھے۔ جب ناگ نے اسے یاد دلایا کہ ہم صبح کو بھی آئے تھے اور سینما ہال میں جادو کا شو کرنا چاہتے ہیں تو مینجر نے انہیں پہچان لیا۔ اس نے پوچھا۔

”تو کس کس قسم کے کمرے تک دے سکتے



کہا۔

”اب میں تمہیں سانپ کی شکل میں دکھائی  
دوں گا۔ مجھے غور سے دیکھتے رہو۔“

اس کے ساتھ ہی ناگ نے سانس اندر کھینچا تو مینجر  
کا رنگ خوف کے مارے زرد ہو گیا کیونکہ اس کے  
سامنے کرسی پر انسان کی جگہ ایک سیاہ کوبرا سانپ اپنا  
مچھن اٹھانے بیٹھا جھوم رہا تھا۔

ناگ نے اس خیال سے کہ کہیں مینجر زیادہ خوف نہ  
کھائے۔ فوراً اپنی شکل بدلی اور انسانی روپ میں آ گیا۔  
مینجر ابھی تک اپنے ہوش میں نہیں آیا تھا۔ اس کی آنکھیں  
کھلی تھیں اور ہکا بکا سا ہو کر ناگ کو تک رہا تھا۔  
ناگ نے پوچھا۔

”کیا خیال ہے مینجر صاحب؟ آپ کو میں  
سانپ کی طرح نظر آیا تھا نا؟“

مینجر نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”یہ تو کمال کا شعبہ ہے۔ میں نے ایسا  
میا دونی کبھی زندگی میں آج تک نہیں دیکھا  
آپ کا نام کیا ہے؟ کساں ٹھہرے ہیں  
آپ؟“

رد ہاں ابھی ناگ بولا ”میں اس کرسی پر  
آپ کے سامنے انسانی شکل میں بیٹھا ہوں میرا  
دوست آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر  
پینا ٹائیز کر دے گا۔ اور پھر میں آپ کو سانپ  
کی شکل میں نظر آؤں گا۔ کیا میں یہ کرتا ہوں کہ  
کے دکھاؤں؟“

مینجر نے کہا۔

”ایک منٹ ٹھہرو۔ میں دروازہ بند کر لوں۔“  
مینجر نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔ پھر اپنی کرسی پر  
بیٹھ کر بولا۔

”اب تم اپنا کرتب دکھاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ  
تم لوگ ایسا نہیں کر سکو گے۔ یہ سانس کا  
زحہ ہے۔“

ناگ نے تھیو ساگ کو اشارہ کیا۔ تھیو ساگ نے یونہی  
جھوٹ موٹ مینجر کی طرف دیکھ کر اپنے ہاتھوں کو  
باد گروں کی طرح فضا میں دو چابہاں گھمایا اور  
ناگ سے کہا۔

”میرے دوست! مینجر کو میں نے پینا ٹائیز  
کر دیا ہے۔“

ناگ نے مینجر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے



مینجر نے اس وقت ناگ اور تھیو ساگ کے لیے کوکاکولا منگوا یا۔ ناگ نے اپنا نام ناگ اور تھیو ساگ کا نام بھی تھیو ساگ ہی بتایا۔ مینجر اب ان کی بہت زیادہ محنت کر رہا تھا۔ اس نے شو کرانے کی فوراً حامی گیری اور کہا۔

”شو کی جتنی آمدنی ہوگی اس میں سے سینما ہال کا کرایہ اور اخراجات نکال کر میں آپ کو آدھا منافع دوں گا۔ باقی آدھا میرا ہو گا۔“

ناگ اور تھیو ساگ کو دوپوں کی اور منافع کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ انہوں نے فوراً ہاں کہہ دی اور کہا۔

”لیکن اخباروں میں ہمارا ایک اشتہار ضرور چھپے گا۔“

مینجر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”وہ تو ضرور چھپے گا۔ پلٹتی بھی تو کرنی ہوگی۔“

مینجر نے دراز میں سے کاغذ نکال کر ناگ اور تھیو ساگ کے سامنے رکھ دیا۔

## ماریا ماڈل ٹاؤن میں

کاغذ پر ناگ اور تھیو ساگ نے دستخط کر دیے۔ دوسرے ہی روز اخباروں میں ناگ اور تھیو ساگ کی تصویروں کے ساتھ ایک اشتہار چھپا۔ کہ جس میں اعلان کیا گیا تھا کہ انوار کے دن مسٹر ناگ اور تھیو ساگ سینما ہال میں جادو کے کرتب دکھائیں گے جسے دیکھ کر لوگ دنگ رہ جائیں گے۔ انوار میں انہیں دو روز باقی تھے۔

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اتنی دیر میں آپ کو ماریا کے بارے میں بھی وہ واقعات بتا دیں جو اس کے ساتھ گزرے۔ آپ نے پھلی قسط میں پڑھا تھا کہ ماریا رات کے اندھیرے میں لاہور کے مقبرہ جہانگیر کے پچھواڑے ایک کوٹھڑی میں موجود تھی۔ یہاں دو بد معاش ایک بڑکے کو اغوا کر لے لائے تھے۔ بڑکے کو ہوش آنے لگا تو ایک بد معاش نے اسے



ڈنڈا مار کر پھر بے ہوش کرنا چاہا تو ماریا نے ڈنڈا اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اور بد معاشوں کو ایسا پیٹا کہ وہ ہسوت ہسوت پکارتے وہاں سے بھاگ گئے۔

ماریا نے کڑکے کو بوری میں سے نکالا۔ یہ آٹھ نو سال کا بڑا بچہ تھا۔ جو ابھی تک پردی ہوش میں نہیں آیا تھا۔ ماریا کو یہ بھی احساس تھا کہ وہ اس کی آواز سے ڈر کر پھر بے ہوش ہو جائے گا۔ ماریا جانتی تھی کہ بد معاش دوبارہ اس کو ٹھہری کا رخ نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس نے کوٹھڑی بند کی اور وہاں سے تیزی سے پرواز کرتی شاہدہ علاقے کی پڑوس چوکی میں آگئی۔

پولیس دھمکانے میں ایک حوالدار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ باقی سپاہی سو رہے تھے۔ ماریا نے اونگھتے ہوئے حوالدار کا سر دھڑ سے ہلا دیا۔ حوالدار نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور حیرانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ یہ اسے کس نے ہلا دیا ہے۔ وہ سمجھا کہ شاید خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ دوبارہ اونگھنے لگا تو ماریا نے اس کے کان کے قریب آ کر کہا۔

”اپنی ڈیوٹی پر ہوشیار ہو کر بیٹھا کرو۔“  
اب تو حوالدار کی چیخ نکل گئی۔ ماریا نے کہا۔

”میری بات غور سے سنو۔ مقبرہ جہانگیر کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں ایک بڑا کانیہ بے ہوش ہے۔ بد معاش اسے اغوا کر کے لائے تھے۔ میں نے انہیں بھگا دیا ہے۔ تم فوراً پولیس لے کر جاؤ اور اس کے کو اپنی حفاظت میں لے لو۔ اُسے اس کے ماں باپ کے پاس پہنچاؤ اور اُسے حوالدار کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ اس نے کانپتے ہوئے کہا۔

”اچھا جی۔ ابھی جاتا ہوں۔ مگر آپ کون ہیں؟“  
ماریا نے حوالدار کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔ حوالدار کی ایک بار پھر چیخ نکل گئی۔

”خاموشی سے اپنی ڈیوٹی ادا کرو۔ جلدی کرو۔“  
حوالدار نے دکھلا کر فوراً سیٹی بجا دی۔ سپاہیوں کو جگایا اور جیب پر بیٹھ کر سیدھا مقبرے والی کوٹھڑی کے باہر آ گیا۔ واقعی اندر ایک بڑا کانیہ بے ہوش پڑا تھا۔ حوالدار نے اسی وقت اس کے کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ ماریا نے حوالدار سے کہا۔

”اُسے فوراً اس کے ماں باپ کے پاس پہنچا دو۔ اگر تم نے فرما بھی سستی کی تو میں تمہیں“



”کیا چبا جاؤں گی؟“  
 والد نے ہاتھ باندھ لیے اور بولا۔  
 ”میں ابھی اس کے ماں باپ کا پتہ معلوم کرتا ہوں۔“

ماریا جب مطمئن ہو گئی تو وہاں سے چلی گئی۔  
 کچھ دیر بعد لاہور شہر میں دن نکل آیا۔ اپریل کا  
 موسم تھا۔ باغوں میں پھول کھل رہے تھے۔ سڑکوں  
 پر بچے بسوں اور تانگوں میں سوار اسکول جا رہے  
 تھے۔ دکانیں کھل چکی تھیں۔ شہر میں رونق ہی رونق  
 تھی۔ ماریا شہر کی سیر کرتی ماڈل ٹاؤن کے بس سٹاپ  
 کے پاس آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ بس سٹاپ پر عورتیں  
 بچے اور مرد بس کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ ایک لڑکی  
 ہاتھ میں پرس لیے کھڑی تھی۔

اتنے میں پیچھے سے ایک آدمی سکوتر پر سوار بڑی  
 تیزی سے آیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر لڑکی کے ہاتھ سے  
 پرس نہا اور سکوتر کو تیز تیز چلاتا سڑک پر نکل گیا۔  
 لڑکی نے شور مچا دیا۔ مگر وہاں اس کی کون مدد کرتا۔  
 وہیں منہ دیکھتے رہ گئے۔

لیکن ماریا یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھلا کیسے خاموش

رہ سکتی تھی۔ وہ اس وقت سڑک سے دس فٹ کی بلندی  
 پر تھی۔ بونٹی اس نے ایک سکوتر سوار کو لڑکی کا پرس  
 چھین کر بھاگتے دیکھا وہ تیزی سے آگے کو بڑھی۔ سکوتر  
 سوار ماڈل ٹاؤن کے ڈمی بلاک کی طرف تیز رفتار سے  
 بھاگا جا رہا تھا۔ ماریا اس کے سر کے اوپر آ گئی۔ ماریا  
 بھی سکوتر کی رفتار کے ساتھ ہی اڑ رہی تھی۔ اس نے  
 آہستہ سے نیچے آ کر سکوتر سوار کے ہینڈل کو ایک طرف  
 گھمایا۔ سکوتر کو اپنے کنٹرول سے باہر ہوتے دیکھ کر  
 پرس چور نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی مگر بھلا وہ  
 ماریا کا مقابلہ کہاں کر سکتا تھا۔

سکوتر اپنے آپ دائیں جانب ایک پارک کے درختوں  
 کی جانب گھوم گیا۔ پرس چور گھبراہٹ سے کہتا ہوا  
 ہے۔ سکوتر اپنے آپ ٹک گیا۔ اسے یوں لگا جیسے  
 کسی نے سکوتر کو پیچھے سے پکڑ رکھا ہے۔ ماریا نے  
 پرس چور کو دھکا دے کر نیچے گرا دیا۔ پرس چور پرس  
 پیکیج کر بھاگنے لگا تو ماریا نے اسے گودن سے پکڑ کر  
 وہیں کھڑا کر دیا اور بولی۔

”یہ ڈاکہ تم کب سے مار رہے ہو؟“

پرس چور سکوتر سوار تو اس عورت کی آواز سن کر



لگا ماریا نے کہا۔

”یہ پرس اٹھاؤ۔ سکوتر پر بیٹھو اور جس لڑکی کا یہ پرس ہے اس کو جا کر پیش کرو اور معافی مانگو۔“

سکوتر سوار تو بھونچکا ہو گیا تھا، دہشت سے اس کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں تھیں۔ ماریا نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار کر کہا۔

”کھڑے کیوں ہو۔ جیسا میں کہہ رہی ہوں ویسے کرو۔ پلو۔“

پرس چور اس فیہی طاقت سے خوف زدہ تھا جس نے اسے اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔ اس نے پرس اٹھایا سکوتر پر بیٹھا اور اسے اسٹارٹ کر کے واپس بس اسٹینڈ کی طرف چلتے لگا۔ ماریا اس کے سر کے اوپر تھیں۔ اس نے کہا۔

”خبردار۔ بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے فرار ہونے کی کوشش کی تو میں تمہاری گردن توڑ دوں گی۔“

پرس چور اپنے حواس کھو چکا تھا اور سیدھا بس اسٹینڈ پر پہنچ گیا۔ وہاں اب پولیس کا ایک سپاہی بھی آگیا

تھا۔ لڑکی اسے بتا رہی تھی کہ اس کے پرس میں اس کا پاسپورٹ اور کچھ روپے تھے۔ اتنے میں پرس چور کو آتے دیکھ کر لوگوں نے اسے وہیں پکڑ لیا۔ پرس چور نے پرس لڑکی کو دے کر کہا۔

”بہن! مجھے معاف کر دو۔ آئیندہ سے میں یہ کام

نہیں کروں گا۔ میں قسم کھاتا ہوں۔“

سپاہی نے اسے دبوچ لیا اور کہا۔

”ڈاکو کے پتہ اب تو پہلے تھا نے چلو۔ چھوٹے

بات ہوگی۔“

ماریا نے سوچا کہ پرس چور ایک نوجوان لڑکا ہے اس

نے قسم کھائی ہے کہ اب وہ ایسا بُرا کام نہیں کرے گا۔

اب اگر وہ پولیس کے ہتھے پڑھ گیا۔ تو پولیس اسے بہت

مارے گی۔ پھر وہ قید ہو جائے گا۔ جیل میں رہ کر وہ

دوسرے قیدیوں سے بُری باتیں سیکھ جائے گا اور

جب جیل سے رہا ہو کر نکلے گا۔ تو پکا چور بن چکا ہو

گا۔ اور یوں اس لڑکے کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ اس

سے بہتر یہ ہے کہ اسے جیل جانے سے بچا کر اس

سے وعدہ لیا جائے کہ یہ آئیندہ سے کبھی کوئی بُرا کام نہیں

کرے گا۔



چنانچہ جب سپاہی اس پیرس پور ٹرکے کو پہنچ کر  
تھکانے کی طرف سے جانے لگا تو وہ بولا۔

”میں خدا کی قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ اب  
میں نیک زندگی بسر کروں گا اور کبھی چوری  
نہیں کروں گا۔ مجھے تھکانے نہ ملے جائیں۔“

میرے ماں باپ بہت شریف لوگ ہیں۔ وہ  
بہت رحمہ خواہ ہیں۔ میں بڑی صبر سے بگڑ  
گیا تھا۔ اب سید سے راستے پر آگیا ہوں۔“

مگر کسی کو اس پر رحم نہیں آیا۔ سپاہی نے اسے زور  
سے پھینک مار کر کہا۔

”تھکانے چل کر مٹھاری پہلی چوریاں بھی نکال  
لیں گے۔ چلو آگے آگے۔“

پیرس پور ٹرکے کا رونا لگا۔ ماریا کو یقین ہو گیا تھا  
کہ وہ اب کبھی چوری نہیں کرے گا اور وہ خدا کے  
آگے دل سے معافی مانگ چکا ہے۔ چنانچہ وہ سپاہی کے  
ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ لوگ پیچھے رہ گئے تھے۔ سپاہی نے  
پیرس پور ٹرکے کا بازو مروڑ کر اس طرح پکڑ رکھا تھا کہ  
وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ اس کا سکوڑ بس بٹاپ پر  
ایک دکاندار کے پاس رکھوا دیا گیا تھا۔

جب سپاہی ذرا دیران علاقے میں پہنچا تو ماریا نے  
سپاہی کے بازو پر زور سے ہاتھ مارا۔ سپاہی ہڑبڑا  
کر پیچھے کو گر پڑا۔ ٹرکے آزاد ہو گیا۔ ماریا نے اسے  
کہا۔

”دبھاگنا مت۔ اسی جگہ ٹرکے رہو۔“

ٹرکے کا وہیں ٹھہر گیا۔ سپاہی نے ایک ٹرکے کی قبی آواز  
سنی تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ ماریا نے  
سپاہی کی گردن پکڑ کر اسے اٹھایا اور گرج دار آواز میں  
کہا۔

”یہاں سے بھاگ جاؤ۔ یہ ٹرکے خدا کے آگے“

توبہ کر چکا ہے۔ اب یہ کبھی چوری نہیں کرے

گا۔ تم یہاں سے دم دبا کر بھاگو۔“

بھاگو۔“

اور ماریا نے سپاہی کی پیچھے پر زور سے ہاتھ مارا۔

سپاہی پیچھے ہی ڈرا ہوا تھا۔ ایسا بھاگا کہ پھر پیچھے  
مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ماریا نے ٹرکے سے کہا۔

”کیا تم دل سے اقرار کرتے ہو کہ اب کبھی چوری

نہیں کرو گے۔ کسی ٹرکے کا پیرس نہیں چھینو

گے؟“



لوہے کے نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اقرار کرتا ہوں کہ اب کبھی جہنمی نہیں کروں گا۔ کسی روکی کو تنگ نہیں کروں گا۔ پانچ وقت نماز پڑھوں گا اور نیک زندگی بسر کروں گا۔“

ماریا نے کہا۔

”شاہانش! لیکن اگر تم نے پھر کبھی ایسی حرکت کرے کے بارے میں سوچا تو یاد رکھو میں وہیں پہنچ کر تمہیں ٹھیک کر دوں گی۔“

لوہے کے نے کہا۔

”نہیں — نہیں۔ اب میں نیک بن جاؤں گا۔ میں نے خدا سے معافی مانگ لی ہے۔ میں کبھی بڑا کام نہیں کروں گا۔“

ماریا بولی۔

”تو پھر پتو۔ بس سٹاپ والے دکاندار سے اپنا سکوتر اٹھاؤ۔“

لوہے کے نے گھبرا کر کہا۔

”وہ لوگ مجھے پکڑ لیں گے۔“

ماریا بولی۔

”میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم فکر مت کرو۔“

لوہا کا تیز تیز قدموں سے بس سٹاپ کی طرف چلے لگا۔

ماریا اس کے ساتھ تھی۔ سٹاپ کے پاس پھیل والے کھوکھے کے باہر اس کا سکوتر کھڑا تھا۔ پھیل فروش پہوان نے لوہے کو دیکھا تو چلتے ہوئے کہہ دیا۔

”ارے یہ جھاگ کر آگیا ہے۔ اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کرو۔“

لوہے کے نے گھبراتے ہوئے کہا۔

”یہ لوگ مجھے پکڑنے لگے ہیں۔“

وہ اصل میں ماریا سے کہہ رہا تھا۔ اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ ماریا نے پھیل فروش پہوان کے موٹے پیٹ پر ایک سکا مارا تو وہ گدڑی پر پیچھے کو گر پڑا۔ ساتھ

ماریا نے غصیلی آواز میں کہا۔

”خبر دار جو کسی نے اس لوہے کو ہاتھ لگایا۔“

اسے اپنا سکوتر لے جانے دو۔“

پھیل فروش پہوان تو یہی آواز اور غبیی بگا کہتا



کہ بے ہوش ہو گیا۔ لوگ وہاں سے ڈر کر بھاگ گئے۔  
ماریا نے لڑکے سے کہا۔

”اپنا سکوڑے کہ یہاں سے بھاگ جاؤ اور  
اپنے وعدے کو یاد رکھنا۔ اب نیک بن کر  
رہنا۔ اور اپنے ماں باپ کی عزت کا  
خیال رکھنا۔“  
لڑکے نے کہا۔

”ایسا ہی کروں گا ماں جی۔“

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

پارے میں تھادی ماں کی عمر کی نہیں تھی۔  
تھادی بہن جتنی بڑی ہوں۔“

لڑکے نے سکوڑے سٹارٹ کیا اور فوراً وہاں سے  
بھاگ گیا۔

ماریا ابھی تک ہنس رہی تھی۔ بس سٹاپ خالی ہو  
گیا تھا۔ لوگ ادھر ادھر سے ہونے باتیں کر رہے  
تھے۔ کہ بس سٹاپ پر کوئی بھوت آگیا ہے۔ ماریا ان  
کے اوپر سے مسکراتی ہوئی پرواز کر گئی۔ وہ ماڈل ٹاؤن  
کی کونٹیوں کے اوپر پرواز کر رہی تھی کہ اس نے دیکھا  
کہ آسمان پر ایک خوب صورت پتنگ جو کٹ گئی تھی اڑتی

ہوئی پٹی جا رہی تھی۔ نیچے ایک مکان کی چھت پر ایک دس  
بارہ سال کا لڑکا بڑی حسرت سے اس کٹی ہوئی پتنگ کو  
دیکھ رہا تھا۔ ماریا نے اپنے آپ کو اوپر اٹھا لیا۔

وہ فضا میں اوپر کو غوطہ لگاتی ہوئی پتنگ کے پاس  
آئی اس کی دُور کو پکڑا اور اسے کھینچتی ہوئی نیچے لڑکے  
کے پاس لاکر چھت پر ڈال دیا۔ لڑکا ہکا بکا ہو کر پتنگ  
کو دیکھنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ یہ پتنگ فضا میں سے  
اتر کر اس کے پاس کیسے آگئی۔ مگر اُسے پتنگ کی اتنی  
خوشی ہوئی کہ اسے اٹھا کر خوشی سے اچھٹا ہوا نیچے  
اتر گیا۔

ماریا مسکراتی۔ اسے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ وہ ایک  
بار پھر ماڈل ٹاؤن کے آسمان پر درختوں کے اوپر  
ہی اوپر اڑتی شہر کی طرف چل پڑی۔ اب سورج غروب  
ہو گیا اور شام گہری ہو گئی تھی۔ سڑکوں پر قیام دہن  
ہو گئی تھیں۔ کونٹیوں اور دکانوں میں بھی بلب جلنے لگے  
تھے۔ ماریا ماں دھوڑے کے اوپر سے ہوتی ہوئی واپس جہانگیر  
کے مقبرے میں آگئی۔

وہ رات اس نے مقبرے میں ہی بسر کی  
دوسرے دن مقبرے سے نکل کر شہر میں آئی تو ایک



بکٹال پر کتابیں دیکھنے کے لیے ٹرک گئی۔ یہاں عنبر ناگ ماریا کی کتابیں بھی پڑھیں تھیں۔ ماریا ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگی۔ دکاندار کی اتفاق سے نظر پڑ گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے عنبر ناگ ماریا کی قسط نمبر ۱۲۰ غائب ہو گئی تھی۔ پہلے تو وہ اسے اپنا وہم سمجھا۔ پھر جب اس نے غور سے دیکھا تو وہاں قسط نمبر ۱۲۰ نہیں تھی۔ حالانکہ اس نے معجود یہ قسط وہاں لگائی تھی۔ اتنے میں ایک لڑکے نے وہاں آکر کہا۔

”جی بھئی عنبر ناگ ماریا کی قسط نمبر ۱۱۹ اور

قسط نمبر ۱۲۰ یہاں سے گئی۔“  
دکاندار کے پاس عنبر ناگ ماریا کی ۱۲۰ نمبر کی ساری قسطیں بیک پکلی تھیں۔ صرف وہی ایک آخری کاپی رہ گئی تھی۔ جو اس کی آنکھوں کے سامنے غائب ہو گئی تھی۔ اس نے رٹ کے بستہ کہا۔

”یاد رہی یہاں رکھی تھی قسط نمبر ۱۲۰ نہ جانے

کہاں پہلی گئی۔“

ماریا نے یہ سنا تو جلدی سے قسط نمبر ۱۲۰ واپس

لڑکے دی۔ لڑکے نے کہا۔

”پڑی ہے قسط نمبر ۱۲۰ جناب۔“

دکاندار نے کتاب کو واپس پڑے دیکھا تو عجیب سا ہو کر اپنا سر کھانے لگا۔

ایک آدمی اخبار پڑھ رہا تھا۔ وہ بولا۔

”ملک صاحب کراچی میں کوئی جادو کا تماشا ہو رہا

ہے۔ یار یہ تماشا ہمارے لاہور شہر میں بھی

ہونا چاہیئے۔“

دکاندار نے کہا۔

”ارے بھائی جادو وادو کچھ نہیں ہوتا۔ یہ سب

پیسے کانے کے ڈھنگ ہیں۔“

دوسرا آدمی اخبار آگے کر کے کہنے لگا۔

”دیکھو تو ملک صاحب۔ جادو گروں کی

تصویر بھی چھپی ہے۔ ایک کا نام ناگ ہے اور

دوسرے کا۔ کچھ عجیب سا نام ہے۔

ماریا ناگ کا نام سنتے ہی چونک پڑی۔

اس نے پیک کر اس آدمی کے ہاتھ سے اخبار چھین

لیا۔ اخبار اچانک غائب ہوا تو وہ آدمی ششدر ہو کر

رہ گیا۔

ملک صاحب۔ یہ کیا بات ہے۔ اخبار۔ اخبار۔

کہاں چلا گیا؟



بکٹال والے اپنے عنبر ناگ ماریا کی کتاب گم ہوتے دیکھ  
چکا تھا۔ کہنے لگا۔

**سینئر نوٹس**

دیوار میں عنبر ناگ ماریا کی کتابیں پڑھتا رہتا  
ہوں۔ اس میں ایک کہ داد ماریا کا ہے جو  
قائب ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ماریا  
اس وقت میری دکان پر موجود ہے۔ اور یہ جو  
کرچی کا اشتہار چھپا ہے۔ یہ وہی ماریا کا ساتھی  
ناگ اور تھیو ساگ ہے۔

ماریا نے دیکھا کہ اخبار میں ناگ اور تھیو ساگ کی  
تصویروں چھپی تھیں۔ وہ بے حد خوش ہوئی۔ گاہک  
تو اخبار قائب ہوتا دیکھ کر وہاں سے بھاگ گیا اب  
تھیو ساگ بکٹال کا مالک بنی وہاں بیٹھا رہ گیا۔ ماریا نے  
اخبار اس کے آگے رکھ دیا اور بولی۔

”تم نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔ میں ماریا  
ہی ہوں۔“

اس پر بکٹال والا تو اچھل پڑا۔

”سچ — سچ — سچ تم ماریا ہو۔ ماریا بہن۔“

مجھے یقین نہیں آ رہا۔ میں تو عنبر ناگ ماریا بڑے  
علاقے سے پڑھتا ہوں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ

تم سے ملاقات ہو گئی۔ ماریا بہن مجھے اپنی ایک  
تصویر دے دو۔ میں دکان پر لٹکاؤں گا۔  
ماریا نے کہا۔

”میں تو قائب ہوں۔ میری تصویر کیسے اتر سکتی  
ہے۔“

بکٹال والے نے کہا۔

”اچھا تو یہاں کاغذ پر بچوں کے نام ایک پیغام  
لکھ کر دے دو۔ میں اسے فریم میں لگاؤں گا۔“

دکان پر لٹکاؤں۔ بچے بڑے خوش ہوں  
گے۔ تمہارے دستخط دیکھ کر بہن ماریا۔

بکٹال والے دکاندار نے فوراً ایک سفید کاغذ اور  
پنسل ساتھ رکھ دی۔ ماریا نے اس پر لکھا۔

”پیارے دوستو ماریا کا سلام قبول کرو۔“

میرا پیغام یہ ہے کہ جی لگا کر اسکول کی پڑھائی  
کرو۔ ماں باپ کی عزت کرو۔ ان کی خدمت کرو۔

بزرگوں کا ادب کرو۔ خدا اور اس کے رسول سے  
محبت کرو۔ بھوٹ مت بولو۔ نماز پڑھا کرو اور

کبھی کبھی عنبر ناگ ماریا کو بھی یاد کر لیا کرو۔“

تمہاری بہن ماریا



گمشال والا دیکھ رہا تھا کہ سفید کاغذ پر اپنے آپ  
تحریر ابھرتی جا رہی ہے۔ اس کو بڑی حیرت بھی ہو رہی  
تھی۔ اس سے پہلے اس نے یہ قلمبندی کبھی نہیں دیکھا تھا۔  
ماریا نے تحریر کے نیچے اپنے دستخط کرنے کے بعد کہا۔  
”اچھا اب میں جاتی ہوں۔ بچوں کو میرا ایک بار  
نہر سلام کنا“

یہ کہہ کر ماریا وہاں سے پرواز کر گئی۔

اب اس کا رخ کراچی شہر کی طرف تھا۔ جہاں  
ناگ اور تھیو ساگ سینا ہاں میں جادو کے کرتبوں کی تیاریاں  
کر رہے تھے۔ ماریا لاہور سے کراچی جانے والی ریلوے  
لائن کے اوپر آگئی۔ یہاں وہ ریلوے کی پٹری سے  
پچاس فٹ بلند ہو کر کراچی کی طرف اڑنے لگی۔

وہ بہت تیز رفتاری سے اڑ رہی تھی۔ اس وقت  
دن کے ذبح رہے تھے۔ ماریا ایک جیٹ ہوائی جہاز  
کی سپیڈ سے پرواز کر رہی تھی۔ ریلوے لائن، دفینت  
اور شہر بڑی تیزی سے اس کے نیچے سے گزرتے  
پہلے جا رہے تھے۔ پورے ساڑھے دس بجے وہ حیدر  
آباد سے اوپر سے گزر گئی۔ اور پندرہ منٹ بعد مورو  
سے کراچی شہر کی بلڈنگز دکھائی دے رہی تھیں۔

ماریا نے ریلوے اسٹیشن کراچی کے اوپر ایک بچہ لکھا  
اور پھر نیچے الفٹن سٹریٹ میں اتر آئی۔ یہاں بہت رونق  
تھی۔ خوب صورت کپڑوں والی عورتیں گالریوں سے نکل  
کر شاپنگ کرنے دکانوں میں داخل ہو رہی تھیں۔ دکانوں  
میں بٹیاں جگمگا رہی تھیں۔ ماریا گھومتے پھرتے اس  
سینما ہاؤس کے سامنے آگئی جہاں اترار کے دوزخناک تھیو ساگ  
کا جادوئی شو ہونے والا تھا۔ سینما ہاؤس کے باہر ناگ کی  
تصویر کے ساتھ بورڈ لگے تھے۔ ماریا بڑی خوش ہوئی  
کہ اب ناگ اور تھیو ساگ سے اس کی ملاقات ہوگی۔  
وہ سینما ہاؤس کے آفس میں آگئی۔ دن کے گیارہ بجے  
والے تھے۔ دفتر میں کوئی نہیں تھا۔ وہ کسی سے پوچھنا  
چاہتی تھی کہ ناگ اور تھیو ساگ کہاں ٹھہرے ہوئے  
ہیں۔ کراچی شہر میں داخل ہوتے ہی اسے ناگ کی ہلکی  
ہلکی خوشبو آنے لگی تھی۔

دوسری طرف ناگ اور تھیو ساگ اپنے ہوٹل تحریر  
سٹار کے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ناگ  
اخبار پڑھ رہا تھا۔ کہ اچانک اسے ماریا کی ہلکی خوشبو  
آئی۔ اس نے اخبار ایک طرف پھینک کر کہا۔  
”تھیو! مجھے ماریا کی خوشبو آ رہی ہے“



تھیو سانگ نے بھی اس خوشبو کو محسوس کیا۔ وہ بولا۔

”اس کا مطلب ہے ہمارے اسکیم کامیاب رہی۔ ماریا اشتہار پڑھ کر کراچی پہنچ چکی ہے۔ چلو اسے سینما ہاؤس میں چل کر دیکھتے ہیں۔“

ناگ اٹھتے ہوئے بولا۔

”ہاں۔ وہ ضرور اس سینما ہاؤس میں آنے لگی۔“

دونوں نے ہوٹل سے باہر آ کر ٹیکسی لی اور سینما ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئے۔

ماریا سینما ہاؤس سے باہر نکل رہی تھی کہ اسے محسوس ہوا کہ ناگ کی خوشبو تیز ہو گئی ہے۔ وہ وہیں ایک طرف ٹوک گئی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے ایک ٹیکسی میں ناگ اور تھیو سانگ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ خوش ہو کر اس کی طرف پکی۔ ٹیکسی ٹوک گئی تھی اور ناگ ٹیکسی سے باہر نکل رہا تھا۔ اسے ماریا کی بہت زیادہ خوشبو آئی۔ اس نے کہا۔

”ماریا!“

ماریا نے ہنس کر کہا۔

”ناگ! میں آگئی۔“

تھیو سانگ بھی خوشی سے بولا۔

”ماریا! بہن! خدا کا شکر ہے تم سے ملاقات ہو گئی۔“

ٹیکسی ڈرائیور حیران ہو کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا کہ یہ ہوا میں کس کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں۔ ناگ اور تھیو سانگ کو بھی اس غلطی کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھ کر کہا۔

”معاف کرنا بھائی۔ ہمیں کبھی کبھی روحوں سے بات کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے، تم کو تو معلوم ہی ہے کہ ہم جادوگر ہیں اور اقوام کو ہمارا شو ہو رہا ہے۔“

ٹیکسی ڈرائیور نے کرایہ جیب میں رکھا اور ٹیکسی سٹارٹ کر کے وہاں سے بھاگ گیا۔ ماریا ناگ اور تھیو سانگ ہنسنے لگے۔ ناگ بولا۔

”ماریا! ہمارے ساتھ ہوٹل میں چلو۔ وہاں چل کر باتیں ہوں گی۔“

انہوں نے ایک دوسری ٹیکسی لی اور تھری سٹار ہوٹل



میں آگئے۔ یہاں پہنچ کر ماریا نے اپنی اور تھیو ساگ اور  
ناگ نے اپنی اپنی کہانی سنائی۔ اب انہیں عبیر اور  
کیٹی کی فکر تھی کہ خدا جانے وہ کس حال میں اور خلاہ  
میں کس مقام پر ہونگے کچھ دیر وہ عبیر اور کیٹی کی باتیں  
کہتے رہے۔ ماریا نے کہا۔

”تعجب کی بات ہے کہ یہ زمین وہ زمین نہیں  
ہے جس پر کبھی ہم زندگی بسر کیا کرتے  
تھے۔ مگر اس زمین پر ہو ہو وہی واقعات  
دہرنا ہو رہے ہیں۔ اور یہاں کے لوگوں کو  
احساس تک نہیں ہے کہ اصل میں یہ وہ لوگ  
نہیں ہیں۔ بلکہ ان لوگوں کا عکس ہیں“  
تھیو ساگ کہنے لگا۔

”انسان حقیقت میں مادہ اور توانائی کا نام ہے۔  
سائنسی طور پر تو ہم یہیں کہیں گے اور یہ مادہ  
اور توانائی یہاں بھی ایک ساتھ مل جاتے  
ہیں تو خاص حالات میں ایک بار پھر زندگی  
کا آغاز ہو جاتا ہے“

ناگ نے کہا۔

”یاد رہے ہر باتیں نہ کرو۔ چلو سمندر کی سیر کرنے

جاتے ہیں۔ ماریا کو وہاں آئیس کریم کھلا نہیں گئے۔  
ماریا نے ہنس کر کہا۔

”جب میں غائب نہیں تھی تو کبھی اپنی پسند  
کی چیزیں بڑے شوق سے کھاتی تھیں۔ اب  
تو کھانے پینے کی حاجت ہی محسوس نہیں  
ہوتی“

تھیو ساگ بولا۔

”مگر تم جسمانی شکل بھی تو اختیار کر سکتی ہو  
تم اپنے جسم میں واپس آ جاؤ۔ پھر  
تم آئیس کریم کھا سکو گی“  
ماریا نے کہا۔

”ایسا میں کر سکتی ہوں۔ مگر فائدہ کیا ہوگا  
یوں ہلکی پھلکی رہ کر میں ہوا میں اُڑتی پھرتی ہوں  
جسمانی حالت میں آکر تو میں یو جھل ہو  
جاؤں گی اور پرواز بھی نہیں کر سکوں گی“  
ناگ بولا۔

”مگر تم آئیس کریم تو کھا سکو گی۔ ہمارے خاطر  
انسانی حالت میں واپس آ جاؤ۔ تھوڑی دیر  
کے لیے“



بلد یا سنے کہا۔

”اگر تم کہتے ہو تو آجاتی ہوں۔“

اور اس کے ساتھ ہی ماریا ایک دم نکاح پر ہو گئی۔  
اس کے لباس یونانی عورتوں کا پرانا لباس تھا۔ تاگ نے بہنیں  
کر کہا۔

”ماریا، بھئی یہ پرانی کاسینوم یہاں نہیں چلے گی۔  
جولو پہلے بازار ہے اچھی پسند کا ماڈرن لباس  
خریدو۔“

مارکیٹ میں آکر ایک اسٹور پر سے ماریا نے اپنے  
پیرے بیرو جینز اور فی شسٹ اور سینڈل خریدی۔ ہوٹل میں  
آکر اسے چننا اور اپنے شہری بالوں میں پرفیوم کا سپرے  
کرنے کے بعد ٹیکس میں بیچ کر سمندر کے ساحل کی طرف  
جسٹل بڑھی۔

## تاگ پھنس گیا

چند دیر تک وہ سمندر میں سفر کرتے رہے۔  
اس کے بعد وہ شہر کے ایک شاندار ریسٹوران میں  
آگئے۔ یہاں کی آئیس کریم بہت مشہور تھی۔ ماریا سرخ  
ٹی شسٹ اور بلیو جینز میں اپنے شہری بالوں اور نیلی  
آنکھوں کے ساتھ امریکن لڑکی لگ رہی تھیں۔ لوگ یہی سمجھ  
رہے تھے کہ یہ کوئی امریکی لڑکی ہے۔ تاگ تھیو ساگ اس  
کے پاس ٹیبل پر بیٹھے آئیس کریم کھانے لگے۔  
ماریا نے کہا۔

”آئیس کریم کچھ بڑی مزے دار ہے۔“  
تھیو ساگ بولا۔

”اور مگواؤں ماریا بہن؟“

ماریا بولی۔

”کیا بات ہے تم لوگ بہت امیر ہو گئے ہو۔“  
تھیو ساگ سننے لگا۔



”دوستو جی ماریا! ناگ کا سراج رساں سمندری  
سانپ کام آگیا ہے۔ اسی نے سمندر میں سے  
کچھ دولت لاکر ہمیں دے دی۔ بس اسی سے  
گزارہ کر رہے ہیں۔“  
ماریا نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔  
”وہ اور اب جاؤ گری کے شو کی آمدنی بھی تو ہوگی۔“  
ناگ بولا۔

”اب تو ہمیں شو سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ یہ  
ساری اسکیم تمہیں بلانے کے لیے تھی۔ تم  
اشہارہ پر وہ کرہم سے آن ملی ہو۔ خدا کا شکر  
ہے کہ دو بھائیوں کو ان کی بہن مل گئی۔ اب  
شو جو چاہے نہ ہو۔“  
ماریا نے کہا۔

”نہیں بھئی! ایسا نہ کرنا۔ لوگوں کو نا اُمید ہی ہو  
گی۔ جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرو۔“  
تھیوساگ کہنے لگا۔

”شو کرنے کے بعد ہمیں غبر اور کیچی کی تلاش  
میں یہاں سے خلا کی طرف نکل جانا ہوگا۔“  
ماریا بولی۔

”ہم خلا میں کیسے سفر کر سکتے ہیں۔ یہاں پاکستان سے  
تو کوئی مصنوعی سیارہ یا خلائی جہاز نہیں چھوڑا  
جاتا۔“  
تھیوساگ نے کہا۔

”امریکہ سے خلائی شٹل چیلنجر ہر سال خلا کی طرف  
چھوڑی جاتی ہے۔ ہم اس میں سوار ہو کر سفر  
کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ سنا ہے کہ اس  
میں اب دو ایک مسافروں کو بھی بٹھا سکتا ہے۔“  
ہے۔“  
ناگ کہنے لگا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر ہم یہاں سے امریکہ  
نکل چلیں گے۔ ایک دو بار پہلے بھی تو امریکہ کی  
میر کر چکے ہیں۔“  
وہ دیر تک بیٹھے خلا میں جانے کا پروگرام بناتے  
رہے۔

شام کے قریب والپس اپنے ہوٹل میں آ گئے۔ ماریا  
کے لیے انوں نے اپنے اپارٹمنٹ کے ساتھ والا کمرہ  
بک کر دیا تھا۔ آٹھ وہ دن بھی آگیا جس روز ناگ  
کا شو تھا۔ سینما ہاؤس کا ہال بھر گیا تھا۔ لوگ اب بھی



ملکٹ نے حیرت سے چلے آ رہے تھے۔ اصل میں کراچی میں  
بڑی دیر بعد جادو گری کا شو ہو رہا تھا۔  
مازیہ نے ساڑھی پہن رکھی تھی اور بالوں میں موٹیے  
کے پھولوں کا گہرا لگایا ہوا تھا۔ ناگ نے مینبر سے کہہ  
دیا تھا کہ ماریا ان کی بہن ہے۔ چنانچہ وہ تھیو سائیک  
کے ساتھ ہال میں سب سے اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ لوگ  
بے تاب ہو رہے تھے کہ شو جلدی شروع کیا جائے۔ مینبر  
دعا لیں تاکہ پھر رہا تھا کہ یا خدا شو کا میاب رہے کہیں  
لوگ ٹائٹل مارنے نہ شروع کر دیں۔

آخر سٹیج پر سے پردہ اٹھا۔ لوگ زور سے تالیاں  
بجانے لگے۔ سٹیج پر روشنی ہو رہی تھی۔ اتنے میں  
ناگ اٹھا جیسا کہ لبادہ پہنے۔ ہاتھ میں جادو گروں کی  
سراج چاندی کی پوٹری پکڑے سٹیج پر آیا۔ ٹھک کہہ لوگوں  
کو سلام کیا اور بولا۔

”خواتین و حضرات! آج میں آپ کو ایسا کھیل  
دکھاؤں گا جو آپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہو  
گا۔ امید ہے یہ کھیل آپ کو دیر تک یاد رہے  
گا۔ ایک بات میں پہلے ہی صاف صاف بتا  
دینا چاہتا ہوں کہ میں کوئی جادوگر نہیں ہوں

اور نہ ہی میں جادو کا کھیل پیش کرتے ہوں۔  
جادو وغیرہ دنیا میں کہیں نہیں ہے۔  
یہ سب شیعہ بازی اور نظروں کا دھوکہ ہوتا  
ہے۔ میں بھی آپ کی نظروں کو کچھ دیر اپنے  
قابلوں کے آپ کو وہی شے دکھاؤں گا جو میں  
دکھانا چاہتا ہوں۔ اس کے سوا آپ کوئی دوسری  
شے نہیں دیکھ سکیں گے۔ اب میں اپنا شو شروع  
کرتا ہوں۔“

ناگ نے ایک بار پھر جھک کر سلام کیا اور پیچھے  
ہٹ کر اشارہ کیا۔ دو آدمی سٹیج پر نمودار ہوئے۔  
انہوں نے سٹیج پر شیٹے کا ایک چھوٹا سا گولی میز لاک  
رکھ دیا۔ پھر ایک آدمی شیٹے کا خالی جگہ لے آیا۔  
جگہ ناگ نے میز پر رکھ دیا اور بولا۔

”خواتین و حضرات! دیکھئے یہ جگہ بالکل خالی  
ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔“

ناگ نے شیٹے کے جگہ کو الٹا کر دیا۔ پھر اس میں  
ہاتھ ڈال کر گھمایا۔ اس کے بعد جگہ کو میز پر رکھ  
کر اوپر سفید رومال ڈال دیا۔

”خواتین و حضرات! ابھی اس خالی جگہ میں ہمارا



ایک مہمان آنے کا جو آپ کو سلام بھی کرے گا۔

آپ گھبراہٹیں بالکل نہیں۔ وہ آپ کو کچھ نہیں کہے گا۔

لوگ خاموش بیٹھے شوق بھری نظروں سے سیٹج

مکی طرف تک رہے تھے۔

جگ نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر دونوں بازو اوپر اٹھا

یہ سب اداکاری تھی۔ وہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ

خوش کرنا چاہتا تھا۔ ناگ نے سانپ کی زبان میں آہستہ

سے کہا۔

”اس سینا ہاؤس کے اندر یا باہر اگر کوئی سانپ

رہتا ہے تو وہ اس جگ میں آجائے۔“

سیٹج پر ہلکا ہلکا اندھیرا کر دیا گیا تھا۔ اس سینا ہاؤس

کے غسل خانے کے نیچے جو گٹر تھا اس میں ایک سانپ

کئی روزوں سے بکر رہنے لگا تھا۔ اس نے جو ناگ دیوتا

کی آواز سنی تو فوراً گٹر سے نکل کر ہال کے عقب سے

سے ہوتا ہوا سیٹج پر آ گیا۔ پھر خاموشی سے سفید کپڑے

کے نیچے سے رنگ کر خالی جگ میں گھس کر بیٹھ گیا۔

ناگ نے سانپ کو اندر جاتے دیکھ لیا تھا۔

ناگ نے لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”حضرات! آپ کا مہمان آگیا ہے۔“

سیٹج پر روشنی تیز کر دی گئی۔ ناگ نے

جگ پر سے رومال اٹھایا تو اندر سانپ بیٹھا تھا۔ لوگ

خوشی سے اچھل پڑے۔ کسی نے آواز بند کی۔

”یہ سانپ ابھی ابھی اس نے خود ڈال سے

سیٹج پر اسی لیے اندھیرا کر دیا گیا۔“

ناگ نے لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میرے بھائی! میں اگر چاہوں تو اس شہر کے

سارے سانپ یہاں بلوا سکتا ہوں۔ مگر آپ

لوگ دیر کر بھاگ جائیں گے۔ اس لیے ایسا

نہیں کرنا چاہتا۔ یہ سانپ باہر سے آیا ہے۔

اور میرے اشارے پر آیا ہے۔ اگر آپ

کہیں تو میں دوسرا سانپ بھی منگو کر دکھا

دوں۔“

بال میں سے آواز آئی۔

”وہ بھی تمہارا سدھیا ہوا سانپ ہو گا۔ ہمیں

کوئی دوسرا تماشہ دکھاؤ۔ نہیں تو ہمارے لیے

واپس کرو۔“

سیٹج کے پہلو میں سے مینبر نے گھبرا کر آواز دی۔



ناگ ! ناگ ! خدا کے لیے کوئی دوسرا کرتب دکھاؤ۔ نہیں تو لوگ کہ سیاں توڑ دیں گے۔ ناگ نے دونوں ہاتھ بلند کر کے کہا۔

”اچھا اچھا ! میں کوئی دوسرا کرتب دکھاتا ہوں۔“

ناگ کے اشارے پر ایک چھوٹا سا صندوق لاکر سیٹج پر رکھ دیا گیا۔

ناگ نے صندوق کھول کر اسٹ دیا اور کہا۔

”صندوق بالکل خالی ہے۔ اب میں اس میں داخل ہو کر بیٹھ جاؤں گا۔ صندوق بند کر دیا جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد جب صندوق کو دوبارہ کھولا جائے گا۔ تو اس میں میری بجائے ایک سیاح کو برا سانپ ہوگا۔“

لوگ پھپھ ہو گئے۔ ناگ نے ہول کے ایک ملازم سے کہا۔

”جب میں صندوق میں بیٹھ جاؤں تو ادھر سے ڈھکنا بند کر دینا اور پانچ سیکنڈ کے بعد ڈھکنا کھول دینا۔ ڈرنا بالکل نہیں۔ کوبرا سانپ نہیں کچھ نہیں کھے گا۔“

اتنا کہ کوبرا ناگ صندوق میں گھس گیا۔ نوکر نے ڈھکنا بند کر دیا۔ ناگ نے صندوق میں جانے ہی سانس کھینچ کر چھوڑا تو وہ سیاہ کوبرا سانپ بن چکا تھا۔ پانچ سیکنڈ پر سے ہو جانے پر نوکر نے صندوق کا ڈھکنا اٹھا دیا۔ ناگ سانپ کی شکل میں پھٹکار مارتا ہوا باہر نکل آیا اور چھن اٹھا کہ سیٹج پر کھڑی مادے بیٹھ کر پھٹکارنے لگا۔ لوگوں پر سناٹا چھا گیا۔

نوکر نے صندوق کو اسٹ کر دکھایا۔ وہ خالی تھا۔ یہ کرتب ایسا تھا کہ جس نے اعتراض کیا تھا وہ بھی سناٹے میں آ گیا تھا۔ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ایک زندہ انسان سانپ بن گیا تھا۔ کچھ دیر تو لوگ دہشت زدہ ہو کر بیٹھے رہے پھر زور زور سے تالیاں بجاتے لگے۔ منجر بہت خوش ہوا۔

ناگ نے چھن اٹھا کہ سیٹج کے دو تین چکر لگائے۔ سامنے بیٹھی ہوئی ماریا اور تھوڑا سا ناگ بھی تالیاں بجاتے تھے۔ ناگ واپس صندوق میں چلا گیا۔ نوکر نے صندوق اوپر سے بند کر دیا۔ ناگ نے اندر ہی اندر سانس کھینچ کر چھوڑا اور دوبارہ انسانی شکل میں باہر نکل آیا۔ ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ لوگوں نے اپنی اپنی جگہوں



پر کھڑے ہو کر زور زور سے تانیاں پیٹ رہے تھے۔  
 ناگ نے صندوق کو اٹھا کر دکھایا کہ وہ بالکل خالی ہے۔  
 اور سانپ کہیں نہیں ہے۔  
 پھر اس نے جھک کر تعظیم کی اور کہا۔

وہیں حضرات! آج کا کیل ختم ہوتا ہے۔

ایک دم سے پردہ گر گیا۔ لوگ ابھی تک تانیاں بجا  
 رہے تھے۔ اسی سینا ہال میں میر پر منصفیو کا ایک سندھی  
 ہندو جویشی بھی بیٹھا یہ کیل دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑا ماہر  
 نجومی یعنی جویشی تھا اور طلسم کے نقش میں بتاتا تھا۔ اس  
 نے جیروں جی کے مندر میں دس برس تک جویش کی پتیا  
 جی کی تھی۔ کئی چٹے کاٹے تھے۔ مگر یہ سارا کام چونکہ  
 اس نے دنیا کی دولت اور لالچ کے لیے کیا تھا۔ اس  
 لیے ابھی تک ناکام تھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ  
 انسان جب شہرت حاصل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے  
 کی کوشش کرتا ہے تو علم اس سے اپنا آپ چھپا لیتا  
 ہے۔ ایسے شخص کو دولت اور شہرت تو حاصل ہو ہی جاتی  
 ہے۔ مگر اس کا کہ دار صیغ نہیں رہتا۔ وہ لالچی اور خود  
 غرض ہو جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی انسان علم کی روشنی حاصل  
 کرنے کے لیے علم حاصل کرتا ہے اور اس کا کردار اور

اخلاق روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک بلند کردار انسان  
 بن جاتا ہے اور پھر قدرت کی طرف سے اسے جو عزت  
 اور نعمت ملتی ہے۔ اس کے سامنے دنیا کی دولت اور  
 شہرت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

اس سندھی ہندو جویشی کا نام وانی رام تھا اور اسے  
 بھی صرف دنیا کی دولت کی ہوس تھی اور وہ کئی برسوں  
 سے علم جویش کے ذریعے کوئی ایسا نقش اور زائچہ بنانے  
 میں لگا ہوا تھا۔ کہ جو اسے زمین کے اندر چھپے ہوئے  
 کسی انمول خزانے کا پتہ بتا دے۔ لیکن وہ ابھی تک  
 اس میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ علم نجومی اس  
 کی آنکھوں کے آگے پردہ ڈال دیا تھا۔ وانی رام جویشی  
 نے جب ناگ کو سانپ کا کرتب کرتے دیکھا تو چونکہ وہ  
 بڑا زبردست نجومی تھا۔ فوراً سمجھ گیا کہ یہ شخص جادوگر  
 وغیرہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہینا ٹائیز کرتا ہے بلکہ کوئی عجیب  
 مفوق ہے۔ ہندو جوگ نے ناگ کا پیچھا کیا۔ اس نے دیکھا کہ  
 ناگ تھری شاہ ہوکل میں اپنے دوستوں کے ساتھ ٹھہرا  
 ہوا ہے۔

ہندو جویشی کا لباس عام سندھی لوگوں کا جیسا تھا۔  
 اس نے ناگ کے کمرے کے باہر جا کر کھٹی بیکانی ناگ



نے خود آکر دروازہ کھولا تو ہندو جو تیشی وانی رام نے  
ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور کہا۔

”مہاراج! میں میر پور متھیلو کا ایک وید ہوں  
بیماروں کا علاج کر کے پیٹ پاتا ہوں۔ آپ  
کا کرتب دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ آپ سے ملنے  
کو بہت جی چاہا۔ آپ کی خدمت میں آ گیا ہوں۔“  
ناگ نے کہا۔

”آئیے مہاراج آئیے۔“

ناگ ہندو جو تیشی کو اندر کرے میں لے گیا۔  
اس نے وانی رام کا تعارف تمیوساگ اور ماریا سے  
کر لیا۔ ہندو جو تیشی وانی رام نے سب کو ہاتھ جوڑ کر پرنام  
کھا۔ ماریا چائے بنا کر لے آئی۔ ناگ نے ہندو جو تیشی سے  
کہا۔

”آپ میر پور متھیلو سے میرا شو دیکھنے آئے  
تھے؟“

وانی رام کسی دوسرے کام سے آیا تھا مگر اس  
نے کہا۔

”مہاراج! صرف آپ کا شو دیکھنے آیا تھا۔ آپ  
نے تو کمال کمال دیا۔ جیگوان کی آپ پر بڑی مہربانی

ہے۔ آپ نے یہ جادو ضرور افریقہ میں سیکھا  
ہوگا۔“

تمیوساگ نے کہا۔

”ہاں لالہ جی! ہمارے دوست نے افریقہ کے

ایک جادوگر سے یہ لہا دو سیکھا تھا۔“

ناگ اور ماریا مسکرائے گئے۔ جو تیشی وانی رام بڑی

گہری نگاہوں سے ایک ایک شے کا جائزہ لے رہا تھا۔

اور ناگ کی آنکھوں کو خاص طور پر خود سے دیکھ

رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ ناگ کی آنکھوں میں بڑی

کشش ہے۔ اور وہ اپنی پلکیں جھپکاتا رہتا ہے۔ وانی

رام نے جوتیشی عاجزی سے کہا۔

”ناگ جی مجھے ہاتھ دیکھنے کا بھی شوق ہے۔“

مجھے اپنا ہاتھ دکھانا پسند کریں گے؟“

ناگ نے اپنا ہاتھ جو تیشی وانی رام کے آگے پھیلائے

ہوئے کہا۔

”اے مہاراج! ہمارے ہاتھ میں کیا ہوگا۔“

ہم تو غریب خانہ بدوش ہیں۔ آج یہاں تو

کل وہاں۔“

وانی رام نے مسکراتے ہوئے کہا۔



”ہاں مہاراج - مگر آپ کو بھگوان نے بہت عزت اور شہرت دی ہے۔“

جوتشی وانی رام بڑے غور سے ناگ کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ رہا تھا۔ اس کو ان لکیروں میں ایک عجیب سی بات نظر آرہی تھی۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے ناگ سے کہا۔

”مہاراج! کیا میں اپنے دیکارڈ کے لیے آپ کے ہاتھ کا نقش لے سکتا ہوں۔ میں اسے اپنی فائل میں یادگار کے طور پر رکھوں گا۔“

ناگ کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے اجازت دے دی۔ جوتشی نے ایک سفید کاغذ پر ناگ کی پتیلی کا چھاپہ لے لیا۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد واپس اپنے ہوٹل والے کمرے میں آ گیا۔ جوتشی وانی رام نے ہوٹل کے کمرے میں آتے ہی اپنا قبیلہ کموں کو جینتری اور کاپی پنسل نکالی اور ناگ کے ہاتھ کی لکیروں کے نقش کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا زائچہ تیار کرنا شروع کر دیا۔ بڑی محنت کے بعد جوتشی وانی رام ناگ کا زائچہ بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

اسن ہندو جب حساب لگایا تو ایک ایسی بات کھل کر

سامنے آئی کہ جوتشی وانی رام کا چہرہ عجیب سی خوشی کے ساتھ چمکنے لگا۔ زائچہ کھلے اشادوں میں بتا رہا تھا کہ جس شخص کا یہ زائچہ ہے وہ اصل میں سانپ ہے جو انسان کی شکل میں چل پھر رہا ہے اور جب چاہے سانپ بن سکتا ہے۔

جوتشی وانی رام گہری سوچ میں گر ہو گیا۔ اس نے ناگ کو اپنی آنکھوں سے سانپ بننے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی سانپ ایسی کشش تھی۔ زائچہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا انکشاف تھا۔ آج تک کوئی ایسا آدمی دنیا کے سامنے نہیں آیا تھا۔ جو اصل میں سانپ ہو۔ جوتشی وانی رام نے زائچہ دیکھنے میں ڈال کر تھیلہ لادری میں رکھ کر تار لگا دیا اور خود بے چین سے بیٹھنے لگا۔

وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اگر کس طرح وہ اس سانپ انسان ناگ کو اپنے قابو میں کر سکے تو اس کی مدد سے بے پناہ دولت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس سانپ انسان کی مدد سے زمین میں چھپے ہوئے بے پناہ خزانوں کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ شروعات اتنی ہے کہ اسے کسی طرح اپنے قابو میں کر سکے اپنے حکم کے مطابق چلایا جائے۔



جوتشی وانی رام اسی رات آبادی کے باہر ایک ریتلے میدان میں ٹیلے کے پیچھے بنے ہوئے بھیروں جی کے مندر میں پہنچا آیا آدمی اپنے علم میں بڑا ماہر اور چالاک تھا۔ اس نے مورتی کے آگے بیٹھ کر خاص عمل کرنا شروع کر دیا۔ ساری رات کو غفیر اور کالے علم کے اشوک پرہٹا۔ اور آگ میں سہرل ڈالتا رہا۔ رات کے پچھلے پہر جب المس نے عمل ختم کیا تو مورتی کی طرف غور سے دیکھا۔ جوتشی وانی رام کو مورتی کے ہونٹ ہتے محسوس ہوئے پھر جیسے اس کے کانوں میں مورتی کی آواز آئی۔ مورتی نے جوتشی کو بتایا کہ جس شخص کی روح کو تم اپنے قبضے میں کرنا چاہتے ہو اس کا نام ایک سفید کانڈ پر سات بار کہو کہ کسی درخت کی اونچی شاخ پر دھاگے سے باندھ دو۔ دلہنے کی وہ شخص بے اختیار ہو کر اس کی طرف چلنے لگے گا اور اپنی یادداشت کو بھولتا جائے گا۔

پھر جیسے مورتی کی آواز بند ہو گئی۔ جوتشی وانی رام بہت خوش ہوا۔ مندر سے نکل کر وہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں آیا۔ اس نے ایک سفید کانڈ پر ناگ کا نام سات بار کہنا اور اسے دھاگے سے باندھ کر کسی درخت کی تلاش میں نکل گیا۔ وہاں

میدان کے کنارے دو چار درخت کھڑے تھے۔ جوتشی ایک درخت پر چڑھ گیا اور اس کی سب سے اونچی شاخ کے ساتھ ناگ کے نام والے کانڈ لٹکا دیا۔ اس کے بعد واپس ہوٹل میں آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ہوا چلنے لگی۔ ہوا کے ساتھ درخت کی ٹہنی سے بندھا کانڈ بھی لہرانے لگا۔

اس وقت شام کے سوا سات بج رہے تھے۔ شہر کو اپنی روشنی ہو گیا تھا۔ ناگ ہوٹل کے کمرے میں بیٹھا ٹیلی ویژن پر پروگرام دیکھ رہا تھا۔ چائے کا ایک کپ اس کے پاس میز پر رکھا تھا۔ باریا اور کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔

اچانک ناگ کو کچھ بے چین سی محسوس ہوئی۔ تو اس نے کوئی خیال نہ کیا۔ لیکن جب بے چینی بڑھتی گئی تو اس نے چائے کا ایک گھونٹ پیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ تنہائی پر مارا اور تھوہر ساگ کے ساتھ ناگ کا ایک گروپ فوٹو دکھا تھا۔ ناگ کا سر چل رہا تھا۔ اس نے میز کے قریب آکر اس گروپ فوٹو کو دیکھا تو اپنی تصویر تو اس نے پہچان لی مگر مارا اور تھوہر ساگ اسے کوئی اجنبی نظر آئے۔ ناگ کی یادداشت تم ہو۔



ناگ نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ بالوں کو پیچھے جھونکا  
ایک بار پھر تصویر کو دیکھا وہ ماریا اور تھیو ساتھ  
کو نہیں پہچان سکتا تھا۔ اس کی یادداشت قائب ہو  
گئی تھی۔ اس کا دل بے چین سا ہو رہا تھا۔ اس کے  
قدم خود بخود باہر کی طرف جا رہے تھے۔

دوسری طرف درخت کے اوپر لٹکا ہوا کاغذ ہوا  
میں اہرا رہا تھا۔ اس کاغذ کے لہرانے کے ساتھ ناگ  
کا دل بے تاب ہو کر اڑنے لگا تھا۔ وہ کمرے کو  
گھوم پھوٹ کر ہوٹل کی لابی میں آگیا۔ وہ یوں چل رہا  
تھا جیسے کسی نے کھلونے کو چابی دے کر چھوڑ دیا ہو۔  
وہ لابی سے باہر نکل کر سڑک پر آگیا۔ اب اس  
نے سڑک پر ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے  
آپ علم کے زہیر اثر جو تیش کے ہوٹل کی طرف چلا  
جا رہا تھا۔ جو تیش وانی رام بھی اپنے کمرے میں بے  
تابی سے ٹھل رہا تھا۔ کسی وقت وہ کھڑکی میں آکر باہر  
کھل سڑک پر دیکھ لیتا تھا جو بسکٹ کی روشنی میں  
صاف نظر آرہی تھی۔ ایک بار جو اس نے کھڑکی میں  
سے جھانک کر دیکھا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ سڑک

پر اسے ناگ اپنے آپ اس کی طرف آتا نظر  
آیا۔

جو تیش نے کھڑکی بند کر دی اور کمرے کا دروازہ  
کھول دیا۔

وہ نمود صوفے پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ چند  
لمحوں کے بعد اسے راہ درمی میں قدموں کی پیاپ سنائی  
دی۔ پھر ناگ دروازے میں آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ  
کھلی سحر زدہ آنکھوں سے جو تیش کی طرف دیکھ رہا  
تھا۔ جو تیش وانی رام اٹھ کر اس کے قریب آیا اور  
کہا۔

”صوفے پر بیٹھ جاؤ۔“

ناگ اس کے حکم پر فوراً خاموشی سے صوفے پر بیٹھ  
گیا۔ جو تیش نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ ناگ  
بالکل سیدھا بیٹھا سامنے دیوار کی طرف مٹکی باندھ  
دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں سوائے اس بات  
کے اور کچھ نہیں تھا کہ اسے اس جو تیش کے ہر حکم کو  
مانتا ہے۔ جو تیش ناگ کے بالکل سامنے والے صوفے  
پر بیٹھ گیا اور اسے گھورتے ہوئے بولا۔

”ناگ! اب تم میرے غلام ہو۔ میں نے ایک



خاص عمل سے تمہیں اپنے قبضے میں کر لیا۔ اب تم وہی کرو گے جو میں کروں گا۔

ناگ نے آہستہ سے سر ہلایا اور کہا۔

”میں تمہارا غلام ہوں۔ جو تم کو گے وہی کروں گا۔“

جوتیش صوفے سے اٹھا۔ پنگ کے نیچے سے اپنا اٹیسی کیس نکال کر اس میں اپنی جینزیں ڈالیں۔ اسے بند کر کے تالا لٹکایا اور ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اس اٹیسی کیس کو اٹھا کر میرے ساتھ ہو مل جیسے باہر چلو۔“

ناگ نے ایسا ہی کیا وہ اٹیسی کیس اٹھائے جوتیش کے ساتھ ہو مل سے باہر آ گیا۔ ناگ اب ہندو جوتیش کے قبضے میں تھا۔ اور اس کے اشاروں پر چل رہا تھا۔ ناگ نہ صرف یہ کہ ماریا اور تھیوساگ کو بھلا بیٹھا تھا بلکہ اپنی یادداشت بھی کھو چکا تھا۔ اسے نہ تو ماریا کا کوئی خیال رہا تھا اور نہ تھیوساگ اور عنبر کیٹی کی یاد آ رہی تھی۔

جوتیش وانی رام کا عمل بے حد کامیاب ثابت ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھ میر پور مستیلو لے جانا چاہتا تھا۔ وہ میکس کے کزن سیدھا کراچی کے ریوے اسٹیشن پر آ گیا۔

یہاں رات کی گاڑی میں بیٹھ کر میر پور مستیلو کی جانب روانہ ہو گیا۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد ماریا اور تھیوساگ تھانگ کر کے واپس آئے تو دیکھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا پڑا ہے۔ اور ناگ غائب ہے۔ ٹیلی ویژن چل رہا تھا۔ صوفے کے پاس ناگ کی چائے پڑی پڑی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ ماریا کا ماتھا ٹھوکا۔ اس نے تھیوساگ سے کہا۔

”مجھے دال میں کالا کالا نظر آتا ہے۔“

تھیوساگ نے کہا۔

”تمہارا وہم ہے۔ ناگ یہیں کہیں ہو گا۔“

اس نے ناگ کو سارے ہو مل میں تلاش کیا مگر وہ

اسے کہیں نہ ملا۔ لابی کے کاؤنٹر بوائے نے اسے بتایا کہ

اس نے ناگ کو لابی میں سے نکل کر سٹورٹ کی طرف

جائے دیکھا تھا۔ وہ بالکل سیدھا چل رہا تھا۔

تھیوساگ چونکا۔ جلدی سے اوپر ماریا کے پاس آیا

اور بولا۔

”ماریا! تمہارا اندازہ درست ہے۔ ناگ پرکاش

نے کوئی عمل کر کے اسے اپنے پاس نہیں بلایا۔“



نہیں؟ کیسا اعلیٰ ہے؟ ماریا نے پوچھا۔  
 "کوئی بھی علمی عمل کیا ہے۔ شاید یہ کسی ایسے  
 شخص کا کام ہے جو ناگ کی پہچان کر کے  
 کی عاقبت سے کوئی ناجائز کام لینا چاہتا  
 ہے۔"

ماریا نے چلنی سے بولی۔  
 "وہ تو ٹھیک ہے مگر ہمیں ناگ کو فوراً تلاش  
 کو کے اپنے ملسم سے پہچانا ہو گا۔"

تھیوساگ نے کمرہ بند کیا۔ ماریا کو ساتھ لیا اور ٹیکسی  
 لے کر پھر اچھی کی سڑکوں پر نکل آیا۔ وہ ایک دو گھنٹے  
 شہر کی سڑکوں پر گھومتے رہے مگر اتنے بڑے شہر میں  
 ایسے ناگ کہاں مل سکتا تھا۔ جبکہ وہ وہاں تھا بھی نہیں  
 اور ایک عریض گٹاری میں بیٹھ کر میریور مقصود کی طرف  
 جارہا تھا۔ ناگ کی خوشبو بھی اب ماریا اور تھیوساگ کو  
 نہیں آ رہی تھی۔

ماریا نے کہا۔

"تھیوساگ گناہ ہے ناگ اس شہر میں نہیں ہے۔  
 اس کی خوشبو آنا بند ہو گئی ہے۔"

تھیوساگ نے ٹیکسی والے سے سینا ہاؤس کی طرف  
 چلنے کو کہا۔

سینا ہاؤس میں دوسرا شو شروع ہو چکا تھا۔ تھیوساگ  
 بیچر سے جا کر ملا اور ناگ کے بارے میں دریافت کیا۔  
 بیچر نے لادھی کا انکار کرتے ہوئے کہا ناگ ادھر  
 نہیں آیا۔ پھر تھیوساگ کو پریشان دیکھ کر بولا  
 "خیریت تو ہے۔ ناگ کب سے غائب ہے؟"  
 تھیوساگ اُسے کچھ نہیں بتاتا چاہتا تھا۔ اس  
 نے مسکرا کر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم شاپنگ کر کے  
 نکلے تھے۔ سوچا شاید ناگ یہاں ہو تو اسے بھی  
 ساتھ لے چلیں۔"

ٹیکسی میں آکر اس نے ماریا کو بتایا کہ ناگ سینا ہاؤس  
 میں بھی نہیں ہے۔ ماریا بولی۔

"وہ یہاں ہو بھی نہیں سکتا۔"

ٹیکسی انیس واپس ہوٹل میں لے آئی۔ ہوٹل میں اُنکے  
 کے بعد ماریا کو ایک خیال آیا۔ اس کے چپٹکی بجاتے  
 ہوئے کہا۔

"کیوں ناگ نے ہمارے ساتھ شرارت تو نہیں



کی اور ہمیں تنگ کرنے کے لیے کسی دوسرے  
شہر چلا گیا ہو؟

تھیوسانگ بولا۔

”یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ ناگ کو اس قسم کی  
شہزادت کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے، ویسے  
میرا خیال ہے کہ وہ ضرورہ کسی مصیبت میں پھنس  
گیا ہے۔“

ماریا یہ سن کر پریشان ہو گئی۔

”اگر یہ بات ہے تو میں سارے شہر کا پتہ لگاتی  
ہوں۔ خیر آباد یہاں سے قریبی شہر ہے  
میں وہاں جا کر بھی دیکھتی ہوں۔ ہو سکتا ہے  
ناگ اس شہر میں ہو۔ اگر وہاں ہوا تو مجھے اس  
کی نوکریوں آجائے گی۔“

تھیوسانگ لکھے لگا۔

”کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی مشکل میں پھنس  
جھاؤ۔“

ماریا بولی۔

”میں ناگ نہیں ہوں ناگ کچھ کچھ نادان بھی  
ہے۔ بہت جلد کسی نہ کسی چکر میں پھنس جاتا

جاتا ہے۔ بہر حال تم اسی کمرے میں رہنا۔ میں  
اسے تلاش کرنے جا رہی ہوں۔“

تھیوسانگ نے تاکید کی کہ جلدی سے واپس آ جانا  
ماریا یہ کہہ کر نائب ہوئی اور کمرے کی کھڑکی سے غوطہ  
لگا کر باہر پرواز کر گئی۔

دوسری طرف جوتشی وانی رام ناگ کو ساتھ لے کر اپنی  
شہر سے بہت دور نکل پڑکا تھا۔ راستے میں ایک جگہ  
دیوے لائن حسراب تھی جس کی وجہ سے گاڑی کی  
رفتار بہت سست ہو گئی۔ ایک جگہ گاڑی ایک گھنٹہ  
کھڑی رہی۔ ناگ چپ چاپ بیٹھا تھا۔ وہ کسی سے  
کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ اسے کچھ یاد بھی نہیں  
آ رہا تھا۔ جوتشی وانی رام بے چین تھا۔ اور بہت جلد  
اپنے گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

آخر گاڑی چل۔ اب بھی گاڑی بڑوں کی چال چل رہی  
تھی۔ یوں رات بھر کے سفر کے بعد منہ اندھیرے میں  
میر پور مقبیلہ پہنچی تو جوتشی نے ناگ کو اپنے ساتھ منے  
کا اشارہ کیا۔ ناگ نے اچھی کیس اٹھایا اور جوتشی کے  
ساتھ چلنے لگا۔ وہ بالکل اس طرح چل رہا تھا جیسے  
کوئی مبینی انسان ہو۔



جو تیشی وازن رام دنیا میں اکیلا تھا۔ اس کی کوئی بیوی بچے  
نہ تھے۔ شہر سے باہر ایک تالاب کے کنارے مندر  
کے پاس اس کا چھوٹا سا مکان تھا۔ مکان کا تالاکھوں  
کرناگ کو وہ ایک سو ٹھٹھری میں لے گیا اور کہا۔

”ناگ! اب تم میرے قبضے میں ہو۔ جیسا

کہوں گا ویسے ہی کرو گے۔ اس کو ٹھٹھری باہر  
مت نکلتا۔“

ناگ نے سر ہلا کر آمہستہ سے کہا۔

”جو حکم ملے گا۔“

جوتیشی نے کو ٹھٹھری کو تالا لگا دیا۔ اس کے بعد سیدھا  
ساتھ والے مندر میں چلا آیا۔ تالاب میں نہا کر مورتی  
کے آگے بیٹھ کر پاٹھ کرنے لگا۔ پاٹھ کرنے کے بعد  
مورتی سے ناگ کے بارے میں مشورہ کیا۔ اس مورتی  
نے آواز آئی۔ مورتی نے اسے بتا دیا کہ ناگ کے ساتھ  
ایک ایسی روح بھی ہے جو ہمیں نظر نہیں آئے گی مگر  
ناگ کو دیکھ لے گی اور وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔  
اس لیے ناگ کو گڈھارو تعلقے کے کھنڈر کے نیچے جو تہہ  
خانہ ہے اس میں بند کر کے تہہ خانے کے دروازے  
کے آگے سیندور چھڑک دو۔ اس طرح سے ناگ

کی خوشبو تہہ خانے سے باہر نہیں جاسکے گی اور روح  
اس کا سراغ نہیں لگا سکے گی۔ جوتیشی اس انکشاف  
پر بڑا حیران ہوا کہ ناگ کی حفاظت کوئی نصیحت و صحت بھی  
کر رہی ہے۔

وہ جلدی سے مندر سے نکل آیا۔ سیدھا مکان  
میں گیا۔ کو ٹھٹھری سے ناگ کو نکالا۔ گڈھارو کے قلعے  
کا روٹا چھوٹا کھنڈر شہر سے کچھ ہی فاصلے پر صحرا میں  
تھا۔ ناگ کو اس نے کھنڈر کے نیچے ایک تہہ خانے  
میں چھپا دیا۔ اور اس کے دروازے کے آگے سرخ  
سیندور بکھیر کر دروازہ بند کر کے آگے چلتا ہوا  
دیا اور واپس اپنے گھر میں آ گیا۔

گھر میں آتے ہی اس نے ذرا پیچہ ہلانا شروع کر  
دیا۔ اس ذرا پیچے میں بھی جوتیشی کو ایک نصیحت و صحت کا اشارہ  
ملا جو ناگ کی حفاظت کر رہی تھی۔ جوتیشی نے ذرا پیچہ  
بند کر کے تھیلے میں رکھا اور ناگ کے ذریعے خزانے کا  
سراغ لگانے کے بارے میں غور کرنے لگا۔

اتنے میں دن نکل آیا۔ اب وہ اپنی دکان پر جا  
کر بیٹھ گیا۔ مریض آتے اور وہ انہیں دوائی دے  
دیتا۔ دوپہر کو سخت گرمی ہو گئی۔ شہر چھوٹا سا تھا۔



اس کے بازار سنان ہو گئے۔ دوپہر کے اس شانے میں جوتشی سیدھا گنڈھارو کھنڈر کے تہہ ٹھانے میں آگیا۔ ناگ فرش پر آلتی پالتی مارے بالکل سیدھا بیٹھا تھا۔ اور سامنے وائی دیوار کو تک رہا تھا۔ جوتشی نے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا کوٹھڑی میں اندھیرا ہو گیا۔ جوتشی موم بتی اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس نے موم بتی روشن کر کے ناگ کے سامنے رکھ دی اور کچھ اشکوک پڑھنے کے بعد ناگ پر پھونک ماری اور کہا۔

”ناگ تمہارے بارے میں مجھے سب کچھ علم ہو چکا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم اصل میں ایک سانپ ہو۔ اور انسانی شکل میں چلتے پھرتے ہو۔ تم جب چاہو سانپ کی شکل اختیار کر لیتے ہو۔ مگر اس وقت چونکہ تم میرے عمل کے اثر میں اس لیے میری مرضی اور میرے حکم کے بغیر تم نہ تو اپنی شکل بدل سکتے ہو اور نہ کوئی ارادہ کر سکتے ہو۔ تم وہی کرو گے جو میں تمہیں حکم دوں گا۔ تم میری بات سن رہے ہو؟“

ناگ نے سر ہلا کر اشارے میں بتایا کہ وہ اس کی

ایک ایک بات سن رہا ہے۔ جوتشی وائی رام نے کہا۔

”اب تم مجھے کسی ایسے انمول خزانے کے پتہ بتاؤ جو یہاں زمین کے اندر دفن ہو۔“

ناگ نے کہا۔

”مجھے کسی خزانے کا علم نہیں۔ جوتشی نے چونک کر کہا۔“

”تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ سانپوں کو تو زمین کے اندر کا سارا حال معلوم ہوتا ہے۔“ ناگ بول۔

”میں کسی خزانے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

جوتشی کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

”سینا باؤس کے“

”ایک سانپ کو بلایا تھا جو بیٹھنے کے جگہ“

”میں آگیا تھا۔ کیا تم کسی ایسے سانپ کو بلا سکتے“

”جو جس کو زمین میں چھپے ہوئے خزانوں کا پتہ ہو؟“



ناگ بولا۔

”میں ایسا کر سکتا ہوں۔“

جوتشی بہت خوش ہوا۔

”ترچہ فوراً کسی خزانے کے سانپ کو بلاؤ۔“

اور اس سے خزانے کے بارے میں معلومات

حاصل کر کے مجھے بتاؤ۔“

ناگ نے اس وقت سانپ کی آواز نکالی اور اس

پاس کے کسی سانپ کو بلایا۔ جوتشی ذرا پیچھے ہٹ گیا

اس نے ناگ کو خبردار کیا کہ وہ سانپ کو اپنے

قابو میں رکھے۔ اگر سانپ نے اسے ڈسنے کی کوشش

کی تو وہ ناگ کو وہیں اپنے ٹکسل سے جھسم کر دے

گا۔

ناگ خاموش رہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک مٹیالے رنگ

کا سانپ تہہ خانے میں داخل ہوا۔ ناگ نے اس

سے اپنی زبان میں کچھ باتیں کیں۔ مٹیالا سانپ چلا گیا

اس کے جاتے ہی جوتشی نے ناگ سے پوچھا۔

”کیا اس نے خزانے کا سراغ بتایا؟“

ناگ نے کہا۔

”ہاں۔ خزانہ اس تعلقے کے کھنڈر سے

سے جنوب کی جانب صحرا میں ایک جھوڑی

چٹان کے اندر کھودے میں دفن ہے۔ یہی سانپ

اس کی حفاظت کرتا ہے۔“

جوتشی کی تو بایچیں کھل گئیں۔

فوراً تہہ خانے کا دروازہ بند کر کے واپس اپنے

مکان پر آگیا۔ وہ اندھیرا ہونے کا بڑی بے چینی سے

انتظار کرتے رہا۔

جب فلاٹ ہوئی اور چھوٹے پرانے شہر پر پناہ

اور اندھیرا پھا گیا تو جوتشی نے وہ پھاڑتے اور

بڑا تھیلہ ساتھ لیا اور تعلقے کے شکستہ کھنڈر کے

تہہ خانے میں آکر ناگ کو ساتھ لیا۔ اور جنوب میں واقع

جھوڑی چٹان کے پاس آگیا۔

اس نے چٹان پر پھاڑا مار کر اس کی آواز سننی

ایک جگہ سے اسے بڑی کھوکھلی آواز سنائی دی۔

خزانے کی کھودہ اسی جگہ تھی۔ اس نے ایک پھاڑا مارا

اٹھایا۔ دوسرا ناگ کو دیا اور کہا۔

”یہاں چٹان کے نیچے زمین کھودنی شروع

کر دو۔“

ناگ اور جوتشی پھاڑا مارا کر زمین کھودنے لگے



ہوا تھیلہ لے کر اندھیرے میں چلتا اپنے مکان میں آ  
رہا۔

اس نے تھیلے کو چار پائی کے نیچے چھپا دیا۔ اور خود  
پٹنگ پر لیٹ کر منصوبے بنانے لگا کہ اس خزانے سے  
وہ کراچی شہر میں ایک بہت بڑی بلڈنگ خریدے گا۔  
اور ساری زندگی ٹھکانے باغیچے سے بسر کرے گا۔ پٹنگ اسے  
چار پائی پر پڑتے ہی بند آجایا کرتی تھی۔ اب خزانہ  
چار پائی کے نیچے چھپا تھا اور جوتشی کی نیند اڑ گئی تھی۔  
اس کی آنکھوں کے پپوٹے درد کرنے لگے تھے مگر  
نیند بالکل نہیں آرہی تھی۔

دوسری طرف خزانے کا سانپ پٹان کے غقبیلہ میں  
سے نکل کر ناگ کی خوشبو لیتا سیدھا اس کے کمرے  
والے تہہ خانے میں پہنچا اور ناگ کے آگے سر جھکا  
کے بولا۔

”عظیم ناگ دیتا! یہ خزانہ معلوم ہوتا ہے

آپ کی مرضی کے بغیر وہاں سے لے جایا گیا ہے۔

کیا میرا اندازہ درست ہے؟“

ناگ نے آہستہ سے کہا۔

”خزانہ میری مرضی سے نکالا گیا ہے“

ایک گھنٹے کی سخت محنت کے بعد پٹان کے اندر سمود  
کا راستہ مل گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی سرنگ تھی جس کے  
اندر گھر جھکا کر جانا پڑتا تھا۔ جوتشی نے ناگ کو آگے  
بٹھانے کا حکم دیا۔ سرنگ میں اندھیرا اور غمناک تھی۔ ہوا بے  
سورج تھی۔ چند قدم چلنے پر ایک جگہ پھسکا رکی آواز  
آئی۔ جوتشی وہیں ٹوک گیا۔ اب اسے اندھیرے میں چار  
پائی کے فاصلے پر دیوار کے ساتھ جواہرات چمکتے نظر  
آنے لگے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ستاروں کا ڈھیر  
جگہ کا دبا ہو۔ جوتشی خوشی سے ناچ اٹھا۔ اس خزانے  
کے ڈھیر پر وہی سانپ بیٹھا تھا۔ جوتشی نے ناگ کو  
حکم دیا کہ سانپ کو چلے جانے کا کہے۔

ناگ نے ایسا ہی کیا اور سانپ وہاں سے چلا  
گیا۔

جوتشی وانی رام نے ناگ کی مدد سے تھیلے میں جوتشی  
جواہرات اور موتی اور سونے کے زیورات بھر سکتا  
تھا۔ بھر لے اور تھیلہ ناگ کے کاندھے پر رکھ کر باہر  
آ گیا۔ سرنگ کے وہاں کو پتھروں اور ریت سے  
بھرا ہی بند کیا اور واپس روانہ ہوا۔ ناگ کو بوسیدہ  
کندر کے نیچے بند کیا اور خود انمول جواہرات سے بھرا



مگر سانپ کو بہت جلد شک ہو گیا تھا کہ معاملہ  
گرد بیٹھے۔ اور ناگ دیتا پر کسی نے جادو کر رکھا ہے  
سانپ نے ناگ کے گرد پتھر لگانے شروع کر دیئے۔  
سات پتھر لگانے کے بعد وہ ناگ کے بالکل سامنے آکر  
گنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ اب اس کی آنکھوں سے ستاروں کی  
طرح کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ غنہ ناگ ماریا کی قسط نمبر ۱۲۵  
"غیبی لاش" میں پڑھیں گے۔

M. Hanif Library General Store  
547, Main Road  
KARORI DIST. GUJRANWALA

## غنہ ناگ ماریا، کیٹی خلاء میں نمبر ۱۲۵ کی ایک جھلک

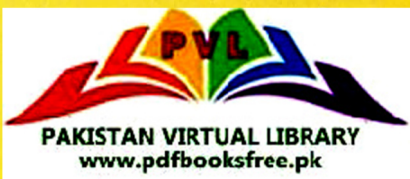
- شہر ویران سنان ہو گیا
- لوگ قبروں میں جا کر رہنے لگے
- ایسا کیوں ہوا
- اس کا جواب غیبی لاش سلور جوبلی نمبر میں پڑھیں

سپینس آسیب اور روئے کھڑے کرنے والے  
سختی خیز واقعات، غنہ ناگ ماریا، کیٹی  
اور عقیو سانگ کا ڈراؤنا ایڈوینچر  
جو ایک یادگار نمبر ہو گا  
• صفات ۴۰۰ سے زائد • قیمت: ۲۴ روپے

۲۵ اگست ۱۹۸۶ء کو اپنے قریبی بک سٹال سے خریدنے والی

نیا مکتبہ اقرار ۱۳۸۶ء فی شاہ عالم مارکیٹ لاہور





# عنبر ناگ ماری اور کیمی خدا میں



احمد

PDFBOOKSFREE.PK



عنبر، ناگ، ماریا اور کیٹی خلا میں

# غیبی لاش

PDFBOOKSFREE.PK

اسے تمہید





عنبر ناگ مار یا اور کیٹی خلا میں

# غیبی لاش

اے حمید

عنبر پبلی کیشنز

۱۴- بی شاہ عالم مارکیٹ، لاہور-۸

پیارے ساتھیو! عنبر ناگ ماریا کے نئے سفر کا خصوصی نمبر حاضر ہے  
 عنبر ناگ ماریا اپنے سفر کے اس مرحلے میں داخل ہو گئے ہیں جہاں  
 قدم قدم پر انہیں رنگینے کھڑے کر دینے والے سنسنی خیز واقعات  
 اور تجسس بھرے حالات سے واسطہ پڑ رہا ہے۔ اس نمبر میں آپ  
 کو یہ تمام آسبھی ہولناک اور پراسرار حالات و واقعات ایک  
 ساتھ ملیں گے اور آپ خود کو عنبر ناگ ماریا کے ساتھ ساتھ  
 سفر کرتے اور ناقابل فراموش واقعات میں الجھتے محسوس کریں گے  
 ایسا عجیب و غریب تجربہ آپ نے زندگی میں کبھی نہیں کیا  
 ہو گا۔ ہم آپ کو اس دلچسپ ترین نمبر کی تحیر آمیز کہانی کے  
 بارے میں یہاں کچھ نہیں بتائیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ  
 خود ہی پڑھیں اور دیکھیں کہ کس طرح تجسس و آسیب کا ایک  
 پردہ اٹھتا ہے تو دوسرا پردہ گر پڑتا ہے اور عنبر ناگ  
 ماریا کیسے اور کتنی سوانگ حیران و ششدر ہو کر رہ  
 جاتے ہیں۔

آپ کا انکل  
 اے حمید

454-N

راہ چین - سمن آباد - لاہور



# فہرست

- مورتی بولنے لگی
- آدھی چٹیل رادنی
- قبروں کے مرتبان
- عیار زہر ملا سانپ
- راجکمار کی بدروح
- غیبی لاش
- کیٹی اغوا ہو گئی
- پانچ کنواریاں، پانچ تابوت
- پراسرار قدموں کی چاپ
- لاش کا انتقام
- عنبر بھڑکتے شعلوں میں
- ناگ کی دشمن ماریا
- جوبلی کی آیسبی کوٹھڑی
- زندہ ناگ، مژدہ اڑدیا
- سانپوں کا دربار
- دلدل میں ڈوبا مندر

## مورتی بولنے لگی

سانپ کی سرخ آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔  
ناگ، انسانی شکل میں اس کے سامنے فرش پر آلتی پالتی مائے  
بیٹھا تھا۔ چنگاریاں اڑ کر ناگ کے جسم پر پڑیں تو اس کے جسم  
میں سب سے پہلی تبدیلی یہ پیدا ہوئی کہ ناگ کی یادداشت واپس  
آ گئی۔ اسے ماریا، کیٹی، عنبر اور تھیوسانگ کی یاد آنے لگی۔ اس  
نے خزانے کے سانپ کی طرف آنکھیں اٹھا کر پوچھا:

”یہ تم کیا کر رہے ہو؟“

خزانے کے سانپ نے بڑے ادب سے ناگ کو ساری  
کہانی سنائی کہ کس طرح اس پر میر پور کے ہندو جوتشی وانی رام  
نے منتر پھونک کر اپنے قبضے میں کیا اور پھر اس کی مدد  
سے چٹان کے نیچے دبا ہوا خزانہ نکال کر لے آیا ہے۔

سانپ بولا: ”عظیم ناگ دیوتا! میں اس خزانے کا  
سانپ ہوں جس کو یہ جوتشی چڑا کر یہاں لے آیا  
ہے اور اس نے اسے پتنگ کے نیچے چھپا رکھا

ہے۔ یہ خزانہ کسی اور کی امانت ہے میں نے اپنے  
خفیہ منتر سے آپ پر جوتشی کے منتر کے اثر کو توڑ  
ڈالا ہے۔ اب آپ کی طاقت بھی واپس آگئی ہے۔  
ناگ نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک گہرا سانس کھینچ کر پھوڑا  
تو وہ سانپ بن گیا۔ فوراً ہی ناگ انسانی شکل میں واپس  
آکر بولا :

”میرے بھائی میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ  
تم نے مجھے اس بد خصلت بدکردار لالچی جوتشی کے  
طلم سے نجات دلائی۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟“  
خزانے کا سانپ بولا :

”میں اس خزانے کو واپس لے جانا چاہتا ہوں اور  
اس کیلئے جوتشی کو اس کے جرم کی سزا دینا  
چاہتا ہوں۔“

ناگ مسکرا کر فرش پر سے اٹھ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔  
”خزانہ تم لے جا سکتے ہو۔ کیوں کہ یہ تمہاری امانت  
ہے۔ باقی جوتشی دانی رام کو سزا میں دوں گا۔“  
خزانے کا سانپ کہنے لگا :

”عظیم ناگ دیوتا! یہ جوتشی بڑا زبردست شاستری اور  
جادو ٹونے کا ماہر ہے۔ میں آپ کو ایک سرخ منکا

دیتا ہوں۔ اس منکے کو آپ اپنی جیب میں رکھ  
لیں۔ پھر اس کے جادو کا آپ پر اثر نہیں ہوگا۔“  
یہ کہہ کر سانپ نے اپنے منہ سے انار کے سرخ دلے  
جتنے ساڑ کا ایک لال منکا نکال کر ناگ کو دیا۔  
ناگ نے اسے اپنی جیب میں رکھ لیا اور کہا :

”اب تم یہ خزانہ کیسے واپس لے جاؤ گے؟“  
سانپ بولا : ”عظیم ناگ دیوتا! یہ خزانہ آپ اسی جگہ  
زمین میں دبا دیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ کبھی  
کبھی وقت آنے پر خزانہ زمین کے اندر چلنے لگتا  
ہے۔ اور وہ کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے۔ یہ خزانہ  
بھی یہاں سے زمین کے اندر ہی اندر سفر کر کے  
چٹان کے نیچے پہنچ جائے گا۔“

ناگ نے خزانے کو پھاڑے سے فرش میں ایک گڑھا کھود  
کر دفن کر دیا۔

سانپ بولا : ”تھوڑی دیر بعد خزانہ اپنا سفر شروع کر  
دے گا اب مجھے بھی اجازت دیجئے۔“

ناگ نے سانپ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا۔ سانپ  
وہاں سے چلا گیا۔ ناگ کو ٹھہری میں اکیلا رہ گیا۔ تھوڑی دیر  
گزرنے کے بعد ناگ نے مٹی ہٹا کر گڑھے میں دیکھا تو خزانہ



وہاں نہیں تھا۔ خزانہ زمین کے اندر اپنا سفر شروع کر چکا تھا۔ ناگ کو اطمینان ہو گیا کہ خزانہ اپنے اصلی حقدار کے پاس پہنچ گیا ہے۔ ناگ نے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنی۔ اس نے دروازے کی درز میں سے باہر دیکھا۔ جوتشی دانی رام بڑا خوش خوش چلا آ رہا تھا۔ ناگ جلدی سے واپس اپنی چارپائی پر جا کر اسی طرح بیٹھ گیا۔ جیسے اس پر ابھی تک جادو کا اثر ہو۔ جوتشی اندر آ کر بولا:

”تیار ہو جاؤ ناگ! تمہیں صبح میرے ساتھ ملک ایران کی طرف سفر کرنا ہو گا۔ کیوں کہ وہاں اہمنا کے صحرا میں شاہ بہرام کا ایک قیمتی خزانہ دفن ہے۔ تمہیں وہ خزانہ نکالنے میں میری مدد کرنی ہوگی۔“ ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جوتشی دانی رام کی نظر اچانک فرش پر پڑی جہاں تازہ مٹی بکھری ہوئی تھی۔ اس نے جھک کر پلنگ کے نیچے دیکھا۔ وہاں بھی مٹی کی ڈھیری اسی حالت میں پڑی تھی جیسے کسی نے گڑھے کو کھود کر دوبارہ بند کیا ہو۔ اس نے تشویش سے پوچھا:

”ناگ! تم نے یہاں سے خزانہ نکالا تھا؟“

ناگ بولا: ”خزانہ جس کا تھا وہ لے گیا ہے۔“ یہ الفاظ جوتشی دانی رام پر تو جیسے بجلی بن کر گرے۔

وہ دیوانہ وار فرش پر سے مٹی ہٹانے لگا۔ نیچے گڑھا خزانے سے بالکل خالی تھا۔ کوئی خزانہ وہاں نہیں تھا۔ جوتشی کا جسم غصے اور مایوسی سے کانپنے لگا:

”کون لے گیا میرا خزانہ؟“ اس نے چیخ ماری۔

ناگ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

”اس خزانے پر جو سانپ پہرہ دے رہا تھا وہی اسے آکر واپس لے گیا ہے۔“

جوتشی دانی رام کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ناگ پر غضبناک ہو کر برس پڑا:

”تم نے اسے خزانہ لے جانے کیوں دیا؟ تم کس لیے یہاں پہرہ دے رہے تھے؟“

ناگ اب اپنی پوری طاقت میں تھا اور اسے جوتشی کے منسروں کی بھی فکر نہیں تھی۔ پھر بھی ناگ نے بڑے تحمل سے کام لیا اور جوتشی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا:

”دانی رام! میں تمہارا نوکر نہیں ہوں۔ میں ناگ دیوتا ہوں تم مجھ پر حکم نہیں چلا سکتے۔“ جوتشی تو غصے سے بھرپور اٹھا:

”تم کہاں کے ناگ دیوتا ہو۔ اب تم میرے قبضے میں ہو۔ تم میرے غلام بن چکے ہو۔ تم میری مرضی

کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔

ناگ نے آہستہ سے کہا:

”وانی رام! تیری مکروہ سازشوں کا انجام قریب آ

گیا ہے۔ خدا سے اپنے گنہگاروں کی بخشش کی دعا

مانگ سکتا ہے تو مانگ لے۔

جوتشی نے ایک ہاتھ فضا میں بلند کر دیا اور دھاڑ مار کر بولا:

”میں ابھی مہتیں جلا کر بھسم کر دوں گا۔“

ناگ خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ جوتشی نے پہلے

ایک منتر پڑھ کر پھونکا۔ اس کا اثر نہ ہوا تو دوسرا، پھر تیسرا

اور پھر سارے منتر پڑھ کر پھونک ڈالے مگر ناگ ویسے کا

ویسا اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اس پر جوتشی کے کسی بھی منتر کا

اثر نہیں ہوا تھا۔ ہر طرف سے ناکام ہونا دیکھ کر جوتشی

کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ کیوں کہ یہی منتر اس کی سب

سے بڑی طاقت تھی جو جواب دے گئی تھی۔ اب ناگ کی

باری تھی۔ وہ بڑے سکون سے چارپائی سے اٹھ کر فرش پر

آگیا اور جوتشی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا:

”اپنی مرضی کی موت پسند کر لے۔“

جوتشی وانی رام ایک دم کوٹھڑی سے نکل کر باہر کو

بھاگا۔ مگر اب وہ ناگ سے بچ کر بھلا کہاں جا سکتا تھا۔

ناگ بھی کوٹھڑی سے باہر آگیا۔ اس نے دیکھا کہ جوتشی بھڑکی

چٹان کے پہلو سے ہو کر پرانے قلعے کی طرف بھاگا جا

رہا ہے۔ ناگ نے فوراً سانس اندر کو کھینچ کر چھوڑا اور ایک

لیسے عقاب کی شکل اختیار کر لی جس نے پنجوں میں صحرا کا

ایک بہت ہی زہریلا سانپ دلوچ رکھا تھا۔ ناگ اڑتا ہوا

غوطہ لگا کر جوتشی کے سر کے اوپر آگیا اور زہریلے سانپ

کو حکم دیا۔

”اس ظالم انسان کو اس کے جرم کی سزا ملنی چاہیے۔“

یہ کہہ کر ناگ نے سانپ کو اپنے پنجوں سے چھوڑ دیا۔

سانپ بھاگتے ہوئے جوتشی کے آگے گرا۔ جوتشی سانپ کو دیکھ

کر ایک طرف مڑ گیا۔ سانپ بھی اس طرف ہو گیا۔ اب

ان دونوں میں آنکھ مچولی شروع ہو گئی۔ زہریلا سانپ

جلیبی کی طرح گول گول گھوم رہا تھا۔ پھر اچانک وہ ریت پر سے

اچھلا اور جوتشی کی گردن سے ٹکرا کر اس کی قمیض کے اندر

گھس گیا۔

جوتشی نے گھبرا کر اپنے کپڑے پھاڑنے شروع کر دیے۔

عقاب اوپر مڑلاتے ہوئے یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ جوتشی

کو ابھی سانپ نے ڈسا نہیں تھا۔ سانپ بھی جوتشی سے

پورا پورا انتقام لے رہا تھا۔ جوتشی نے اپنی قمیض پھاڑ ڈالی



تھی۔ وہ اپنے جسم کو نوچتے ہوئے سانپ کو تلاش کر رہا تھا جو اس کی کمر کے پیچھے چپک گیا تھا۔ پھر سانپ نے جوتشی کو ڈس دیا۔

اس سانپ کے زہر کے بارے میں صحرا کے لوگوں میں مشہور تھا کہ اگر وہ کسی بدقسمت انسان کو ڈس دے تو اس کے جسم میں سے سواری رنگ کا دھواں نکلنے لگتا ہے۔ جوتشی کے جسم میں سے بھی سواری دھواں نکلنے لگا۔ وہ ریت پر اوندھے منہ دھڑام سے گر پڑا۔ دھواں اس کے ناک کان اور منہ میں سے نکل رہا تھا۔ پھر اس کے جسم کے تمام ذروں میں سے دھواں اُبھرنے لگا اور دیکھتے دیکھتے جوتشی کی دہاں جلی ہوئی لاش پڑی تھی۔ اسے برائی کی سزا مل چکی تھی۔

ناگ فضا میں اوپر کو بلند ہوا اور پھر ایک چکر کاٹ کر اس نے اپنا رخ کراچی شہر کی طرف کر لیا۔ جس وقت ناگ اڑتا ہوا کراچی پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ سارا کراچی شہر جگمگا رہا تھا۔ اسے اپنے ہوٹل کا پتہ تھا۔ وہ سیدھا ہوٹل کی طرف آیا اور باہر پارک میں ایک درخت کے عقب میں اتڑ کر انسانی شکل بدلی اور ہوٹل کی لفٹ میں سوار ہو کر اپنے کمرے کے باہر آ کر ٹوک گیا۔ اس کا کمبو بند تھا۔ اندر سے ماریا اور تھیوسانگ کی باتیں کرنے کی آواز آ

رہی تھی۔ ناگ نے دروازے کی گھنٹی بجائی، اندر سے تھیوسانگ نے پوچھا:

”کون ہے؟“

ناگ نے آواز بدل کر کہا:

”حضور! میں ہوٹل کا بیرا ہوں۔ ماریا بی بی سے ملنے آیا ہوں جو نظر نہیں آتی۔“

تھیوسانگ اور ماریا تو برف کی طرح سُن ہو کر رہ گئے۔ یہ کون بیرا تھا کہ جس نے ماریا کو پہچان لیا تھا۔ ماریا نے سرگوشی کی:

”تھیوسانگ! دروازہ مت کھولنا۔ مجھے کوئی سازش لگتی ہے۔“

تھیوسانگ بولا: ”مگر پتہ تو چلنا چاہیے کہ یہ بیرا ہمارے راز سے کیسے واقف ہو گیا۔“

باہر سے ناگ نے پھر بدلی ہوئی آواز میں پکار کر کہا:

”حضور! میں عنبر کا ایک اہم پیغام لایا ہوں۔“

اب تو دونوں بے حد پریشان ہو گئے۔

ماریا نے کہا:

”بھڑد۔ میں باہر جا کر دیکھتی ہوں۔“

ماریا غائب تھی۔ وہ تیزی سے بند دروازے میں سے

باہر نکل گئی۔ باہر ناگ کو کھڑے دیکھا تو بے اختیار چلائی:  
"ناگ بھیا۔ تم؟"

ماریا کی آواز سنتے ہی تھیوساگ نے اندر سے دروازہ  
کھول دیا۔ سامنے ناگ مسکرا رہا تھا۔ وہ ناگ سے  
لیٹ گیا۔ ماریا بھی کمرے میں آ گئی تھی۔ ناگ دروازہ  
بند کر کے صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ تھیوساگ اور  
ماریا اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

"تم کہاں غائب ہو گئے تھے ناگ؟ ہم نے

تمہاری تلاش میں شہر کا کونہ کونہ چھان مارا۔

ناگ نے انہیں اپنی پوری رام کہانی سنائی اور کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ میں اس کینے شخص کے منروں

کے طلسم سے آزاد ہو کر تمہارا پاس واپس آ

گیا ہوں۔"

ماریا اور تھیوساگ نے ناگ کی واپسی کی خوشی  
میں ٹیپ ریکارڈر پر ٹی ڈی ونڈر کی ایک انگریزی گانے  
کی کیسٹ چڑھا دی۔ کمرہ انگریزی میوزک کی لہروں سے  
گوج اٹھا۔ انہیں ناگ کے خیریت کے ساتھ واپس آ  
جانے کی واقعی بہت خوشی ہوئی تھی۔ کیونکہ عنبر اور کیٹی  
پہلے ہی ان سے بچھڑ چکے تھے۔ اس رات وہ تینوں بیٹھ

کر سوچنے لگے کہ عنبر اور کیٹی کی تلاش میں انہیں اب  
کدھر کا رخ کرنا چاہیے۔ کیونکہ کراچی ایسے شہر کی ماڈرن فضا  
میں اب ان کا جی بھر گیا تھا۔

تھیوساگ بولا:

"عنبر تو میرے خیال کے مطابق کہیں کسی خلائی  
سیارے میں کیٹی کا کھوج لگانا پھر رہا ہوگا۔ اسے  
ہم کہاں ڈھونڈ سکتے ہیں؟

ماریا کہنے لگی:

"میں نے سنا ہے کہ اس شہر میں سمندر کے کنارے  
جہاں تین ریتی چٹانیں ہیں وہاں مکھانی دیوی کا  
ایک پرانا مندر ہے۔ یہ مندر صدیوں سے غیر آباد  
ہے۔ مگر اس مندر میں مکھانی دیوی کی ایک مورتی  
اب بھی موجود ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر اس  
مورتی کے آگے کوئی شخص مورتی کو تین بار آواز  
دے کر کسی خواہش کا اظہار کرے تو اس کی وہ  
خواہش پوری ہو جاتی ہے۔"

ناگ اور تھیوساگ ہنسنے لگے۔

ناگ نے کہا:

"ایسی باتیں ہمارے پرانے زمانے میں ہوا کرتی تھیں



یہ ماڈرن زمانہ ہے۔ آج کل ان باتوں پر کوئی اعتبار نہیں کرتا۔

ماریا بولی: آخر کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟ مورتی اگر ہماری خواہش پوری نہیں کرے گی تو ہمیں نقصان بھی تو نہیں پہنچائے گی۔

مختیوسانگ بھی سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا:

”ہاں ناگ بھتیجا! کوشش کرنے میں کیا بُرائی ہے؟“

پھر اس نے ماریا سے کہا:

”ماریا! چلو چل کر سمندر کے کنارے تین چٹانوں کو تلاش کرتے ہیں۔“

انہوں نے ناگ کو بھی راضی کر لیا۔ طے یہ پایا کہ دوسرے دن صبح کے وقت ساحل سمندر پر کھائی دیوی کے مندر کا کھوج لگانے کی کوشش کی جائے گی۔ یونہی باتیں کرتے ہوئے انہوں نے رات گزار دی۔ لگے دن سورج نکلا تو وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر ساحل سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ موسم خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ انہوں نے سمندر کے کنارے اس جگہ پر جا کر ٹیکسی چھوڑ دی جہاں بھوری ریتی چٹانوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ جب ٹیکسی واپس چلی گئی تو ماریا نے کہا:

”تم دونوں یہاں بیٹھو۔ میں فضا میں بلند ہو کر آگے تین چٹانوں کا کھوج لگاتی ہوں۔“

ناگ اور مختیوسانگ سمندر کے کنارے ریت پر ایک جگہ بیٹھ گئے اور ماریا فضا میں پرواز کر گئی۔ سمندر کا کنارہ دُور دُور تک دیران تھا۔ کسی جگہ کوئی درخت تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے ریت کے ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ اچانک ماریا نے دیکھا کہ ایک طرف تین چٹانیں بالکل پاس پاس کھڑی ہیں۔ وہ فضا میں غوطہ لگا لپک کر ان چٹانوں کے پاس آ گئی۔ یہاں چٹانوں کے درمیان اسے پتھر کی سیڑھیوں والا ایک چھوٹا سا مندر نظر پڑا جس کی دیواروں کے پتھر اکھڑ رہے تھے۔ اور ان میں زرد گھاس اُگ آئی تھی۔ مندر کا دروازہ بھی سلامت نہیں تھا۔ وہ مندر میں چلی آئی۔ یہاں دیوار کے ساتھ ایک چھوٹے سے چبوترے پر کھائی دیوی کی مورتی موجود تھی۔ یہ چار پانچ فٹ اونچی سیاہ پتھر کی مورتی تھی جس پر گرد جمی تھی۔

ماریا وہیں سے واپس مرہ گئی۔ ناگ اور مختیوسانگ کو آ کر بتایا کہ کھائی دیوی کا مندر مل گیا ہے۔ چنانچہ وہ بھی بیا کے ساتھ اس طرف روانہ ہو گئے۔ ادھا گھنٹہ ساحل کی ریت پر ٹیلوں کے درمیان چلنے کے بعد مختیوسانگ ناگ اور

ماریا مندر میں پہنچ گئے۔ ناگ اور تھیوسانگ نے مورتی کو غور سے دیکھا۔

ناگ کہنے لگا:

”ماریا! مجھے تو اس پتھر کی مورتی سے کوئی امید نہیں کہ یہ ہماری کوئی خواہش پوری کریگی۔“  
تھیوسانگ نے کہا:

”پوری کرے یا نہ کرے۔ مگر پہلے یہ طے کر دو کہ ہم خواہش کیا کریں گے؟“

ماریا بولی: ”میرے خیال میں ہمیں یہی خواہش کرنی چاہیے کہ ہمیں عنبر اور کیٹی سے ملا دیا جائے۔“  
”اچھا خیال ہے؟“ ناگ نے ہنس کر کہا: ”جو مورتی اپنے جسم کی گرد نہیں جھاڑ سکتی وہ ہمیں خلا میں عنبر اور کیٹی سے کیسے ملائے گی۔“  
تھیوسانگ نے کہا:

”ناگ بھائی! اس دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔“  
ماریا بولی: ”اچھا! اب میں مورتی کے آگے اپنی خواہش کا اظہار کرنے لگی ہوں۔“  
ناگ کہنے لگا:

”کر کے دیکھ لو۔ ہونا ہونا کچھ نہیں۔“

ماریا مورتی کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور بلند آواز میں کہا:

”اے دیوی کھانی! ہم نے تمہارے بارے میں سنا ہے کہ اگر کوئی شخص تیرے آگے تین بار سوال کرے تو تو اس کی مراد پوری کر دیتی ہے۔ میں تھیوسانگ اور ناگ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں ہمارے ساتھی عنبر اور کیٹی سے ملا دے۔“

ملایا نے یہ فقرہ تین بار دہرایا۔ تھیوسانگ اور ناگ کی نظریں بھی مورتی پر جمی ہوئی تھیں۔ تین بار جملہ دہرانے کے بعد وہاں گہرا سناٹا چھا گیا۔ ماریا بھی مورتی کو تنک رہی تھی۔ اچانک ایسی آواز آئی جیسے دُور سے کوئی پانی میں چلتا چلا آ رہا ہو۔ شرٹاپ شرٹاپ کی آواز قریب آ گئی۔ پھر یہ آواز آہستہ آہستہ آگے نکل گئی۔ اس کے فوراً بعد مورتی کے پتھرے ہونٹوں میں جنبش پیدا ہوئی اور تینوں نے مورتی کی آواز سنی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی سوئی ہوئی عورت خواب میں بول رہی ہو۔ مورتی نے کہا:

”ماریا! تم تینوں ددتوں کی خواہش ضرور پوری ہوگی۔ ضرور پوری ہوگی۔ میری مورتی کے سامنے آنکھیں بند کر کے فرش پر لیٹ جاؤ اپنے دل میں سات تک



گنتی گنتا۔ اس کے بعد آنکھیں کھول دینا۔ تم غنبر اور  
کیٹ سے مل جاؤ گے۔  
مورتی خاموش ہو گئی۔ ناگ اور تھیوسانگ حیرانی سے ایک  
دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

ماریا نے کہا:

”دیکھا۔ میں نہ کہتی تھی کہ یہاں ہماری خواہش ضرور  
پوری ہو گی۔ اب ہمیں اسی طرح کرنا چاہیے جس  
طرح مورتی نے کہا ہے۔“

ناگ تھیوسانگ اور ماریا۔ نینوں مورتی کے آگے فرش  
کی ریت پر آنکھیں بند کر کے سیدھے لیٹ گئے۔  
ناگ نے کہا:

”گنتی میں کروں گا۔“

اور ناگ نے بلند آواز میں گنتی کرنی شروع کر دی۔ ایک۔ دو  
تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ سات۔ سات کا ہندسہ بول کر ناگ چپ  
ہو گیا۔ انہیں محسوس ہوا کہ ان کے ارد گرد بڑی تیز آندھی  
چلنے لگی ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی  
سے تھام لیے۔

ناگ نے کہا:

”ہمیں آنکھیں کھول دینی چاہئیں۔“

اور ان نینوں نے اپنی اپنی آنکھیں کھول دیں۔  
آنکھیں کھولتے ہی انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسے قبرستان  
میں قبروں کے پاس زمین پر لیٹے ہیں جہاں دور تک کچی پکٹی  
قبریں ہی قبریں پھیلی ہوئی ہیں۔ ماریا، تھیوسانگ اور ناگ اٹھ  
کر کھڑے ہو گئے۔

”یہ ہم کہاں آ گئے ہیں؟“ ناگ نے آنکھیں مٹے  
ہوتے کہا:

”تھیوسانگ بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر قبرستان میں پھیلی ہوئی  
قبروں کو دیکھ رہا تھا۔ ماریا بھی تعجب سے چاروں طرف  
دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ قبریں لمبی لمبی تختیں  
اور ہر قبر کے سرانے چکنی مٹی کا بنا ہوا ایک بڑا سا  
مرتان رکھا ہوا تھا۔“

ماریا نے کہا:

”یہ قبروں کے سرانے بڑے بڑے مثلے کیسے ہیں؟“  
تھیوسانگ بولا:

”پہلے تو یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ہم کس زمانے میں  
اور کس ملک میں آ گئے ہیں۔“

قبرستان سے پرے ایک پہاڑی کے دامن میں کچے کچے مکانات  
کا سلسلہ ادھر ادھر پھیلا ہوا تھا۔

ناگ بولا: اس بستی میں چل کر معلوم کرتے ہیں۔  
ویسے میرا خیال ہے کہ مورتی نے ہمارے ساتھ  
مذاق کیا ہے اور ہمیں پرانے زمانے میں دھکیل  
دیا ہے۔

ماریا نے کہا:

”قبرستان میں کہیں کہیں ساپئرس اور کھجور کے درختوں کو  
دیکھ کر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم شمالی افریقہ کے  
کسی ملک میں آ گئے ہیں۔“

تھیوسانگ بولا: ”مگر عنبر اور کیٹی کہاں ہیں؟ مورتی  
نے تو ہمیں ان سے ملانے کا وعدہ کیا تھا۔“  
ناگ سن کر کہنے لگا:

”یہ ماریا سے پوچھو۔ یہی مورتی کی بہت تعریف کر  
رہی تھی۔ اس نے تو ہمیں عنبر کیٹی سے اور دُور  
پھینک دیا ہے۔“

ماریا نے کہا:

”اے بھئی ابھی تو یہاں آئے ہی ہیں۔ کیا خبر یہیں  
کہیں عنبر کیٹی سے بھی ملاقات ہو جائے۔ پہلے  
بستی میں چل کر یہ تو معلوم کریں کہ یہ کون سا ملک  
ہے؟ کون سا زمانہ ہے؟“

ناگ نے ماریا سے کہا کہ وہ آگے جا کر معلوم کرے،  
”اور کیا تم لوگ اس قبرستان میں مجاور بن کر بیٹھو گے؟“  
ماریا نے تنک کر کہا۔  
ناگ نے کہا:

”نہیں بھئی ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے بستی کی طرف  
ہی آ رہے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ تم چوں کہ  
ہوا میں اڑ کر جاسکتی ہو اس لیے ذرا پہلے جا  
کر جائزہ لو۔“

ماریا سن کر فضا میں بلند ہوئی اور بستی کی طرف  
اڑنے لگی۔ تھیوسانگ اور ناگ قبروں کے درمیان سے گزرتے  
لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ قبروں کے سرانے رکھے ہوئے سارے  
کے سارے مرتبان خالی تھے۔

تھیوسانگ نے تعجب سے پوچھا:

”یہ خالی مرتبان لوگ قبروں کے سرانے کس لیے  
رکھ گئے ہیں؟“

ناگ سر کو جھٹک کر بولا:

”ہو سکتا ہے ان کے ہاں کوئی ایسی مذہبی رسم ہو

ویسے قبروں پر کچھ لکھا ہوا بھی نہیں۔ میرا دل

کہتا ہے کہ ہم شمالی افریقہ میں بحیرہ روم کے



ساحل کے کسی ملک میں آ گئے ہیں اور یہ زمانہ  
ہزاروں برس پرانا زمانہ ہے۔  
تھیوسانگ نے کاندھے اچکائے:

”ناگ بھائی! جب سے میں تم لوگوں کے ساتھ  
شامل ہوا ہوں اکثر میرا سفر پرانے زمانے ہی میں  
ہوتا رہا ہے۔ ویسے مجھے یہ زمانہ بہت پسند ہے۔  
دیکھو نا کس قدر خاموشی اور سکون ہے۔“

اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ بستی کے قریب پہنچے  
تو انہیں ماریا کی تیز خوشبو آئی۔ ماریا ان کے قریب آکر زمین  
پر اتر گئی اور بولی:

”بستی کے سارے مکان خالی ہیں۔ وہاں کسی جگہ کوئی

انسان تو کیا کوئی جانور بھی نظر نہیں آ رہا۔“

ناگ اور تھیوسانگ گہرا سانس بھر کر بستی کی طرف دیکھنے  
لگے۔ ناگ بولا:

”ایک دو بار پہلے بھی ہم نے اس مقام کی ویران

بستیاں دیکھی ہیں۔ ہو سکتا ہے لوگ

کسی آسب یا زلزلوں کی وجہ سے بستی چھوڑ کر

یہاں سے چلے گئے ہوں۔“

ماریا نے کہا:

”مگر بستی کے مکانوں میں لوگوں کے پرانے برتن  
وغیرہ اسی طرح لگے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے  
لوگ جلدی میں بھاگے ہیں۔“

تھیوسانگ بولا: ”تو ہو سکتا ہے کوئی آسانی بلا  
لچانک نازل ہو گئی ہو اور لوگ گھبراہٹ میں گھر  
بار چھوڑ کر کسی طرف نکل گئے ہوں۔“  
ماریا نے کہا:

”کسی مکان میں گھبراہٹ کے کوئی آثار نہیں ہیں  
ہر شے اپنی جگہ پر قرینے سے لگی ہے۔“  
ناگ کہنے لگا:

”چلو چل کر دیکھتے ہیں۔“

وہ بستی کی گلیوں میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹی  
سی بستی تھی۔ اس کی گلیاں چھوٹے چھوٹے گول پتھروں کو جوڑ  
کر بنائی گئی تھیں۔ مکان بکیرہ روم کے ساحلی مکانوں کی  
طرح سفید چونے سے بنائے گئے تھے۔ مکانوں کی کھڑکیاں  
اور دروازے بند تھے۔ گلیاں اور بازار سناٹا پڑے تھے  
کسی جگہ زندگی کا کوئی نشان نہیں تھا۔ انہوں نے مکانوں  
کے اندر داخل ہو کر ایک ایک چیز کا غور سے جائزہ لیا۔  
ایک بات انہوں نے خاص طور پر دیکھی کہ ہر گھر میں

سے کھانے پینے کے برتن اور بستر غائب تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ جاتے ہوئے کھانا پکانے کے برتن اور سونے کے لیے بستر بھی ساتھ لے گئے تھے۔

تھیوسانگ نے کہا:

”یہ لوگ لگتا ہے اپنی مرضی سے یہاں سے گئے ہیں۔“

ماریا بولی: ”اگر مرضی سے گئے ہیں تو یہ باقی سامان اپنے ساتھ کیوں نہیں لے گئے؟“

ناگ نے کہا:

”ہو سکتا ہے ان کا خیال ہو کہ کچھ دنوں بعد

اپنے مکانوں میں واپس آ جائیں گے۔“

تھیوسانگ نے سر کھاتے ہوئے کہا:

”وہ تو ٹھیک ہے بھائی جان۔ مگر ہمیں یہ پتہ

لگانا چاہیے کہ عنبر اور کیٹی کہاں مل سکتے ہیں

کیوں کہ میرے خیال کے مطابق یہ مورتیاں وغیرہ

جو ہوتی ہیں وہ اگر بات کرتی ہیں تو جھوٹ

نہیں بولتیں۔“

ناگ ہنس پڑا:

”تھیوسانگ بھائی! تم خلائی مخلوق ہو۔ تم ہماری زمین

کی مورتیوں کی چالاکیوں سے واقف نہیں ہو۔“

میں تو سمجھتا ہوں کہ کھانی مورتی نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور ہمیں جان بوجھ کر اس سنان اور ویران علاقے میں دھکیل دیا ہے۔“

ماریا ان دونوں سے بلند ہو کر فضا میں آہستہ آہستہ پرواز کرتی ساتھ جا رہی تھی۔ وہ ادھر ادھر بھی غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اوپر ہی سے آواز دی:

”ناگ بھیا! اس بستی کے پیچھے درختوں کے جھنڈ میں

مجھے ایک پرانی طرز کی حویلی نظر آ رہی ہے۔

وہاں چل کر دیکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہاں کوئی

انسان مل جائے۔“

بستی سے نکل کر وہ حویلی کے پاس آئے۔ یہ دو منزلہ

حویلی بھی ویران پڑی تھی۔ اس کے اندر اور باہر باغیچے میں

کوئی انسان نہیں تھا۔ حویلی کے ارد گرد بھجور اور ساٹیرس

کے درختوں پر کوئی پرندہ بھی نہیں بول رہا تھا۔ حویلی بستی

کے کسی جاگیردار کی معلوم ہوتی تھی۔

ماریا نے کہا:

”ناگ بھیا! اس حویلی کی بتادٹ تو مراکو کے علاقے

کی ہے۔ تمہارا اندازہ ٹھیک ہے ہم شمالی افریقہ

کے ملک فوینقہ میں ہیں اور حویلی کے سامان



سے اٹاڑہ ہوتا ہے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے بھی کوئی ڈیڑھ ہزار سال پیچھے پہنچ چکے ہیں۔  
 ناگ بولا: "اگر یہ فونیقہ ہے تو یقیناً یہ علکار برتہ کا فونیقیہ ہے اور یہ بہادر فونیقی بربروں کی بستی ہو گی۔"

تھیوساگ نے کہا:  
 "مگر یہ بہادر فونیقی بربر بستی چھوڑ کر کیوں ہباگ گئے ہیں ناگ بھیا؟ یہ کیا راز ہے؟"  
 ناگ کہنے لگا:

"اسی راز پر سے تو ہم پردہ اٹھانا چاہتے ہیں۔  
 چلتے پھرتے وہ حویلی کے پھوپھوڑے آگئے۔ یہاں ایک چار دیواری کے اندر کشادہ باغ تھا۔ اس باغ میں دس بارہ قبریں بنی ہوئی تھیں۔ ان قبروں کے سرانے بھی بڑے بڑے چکنی مٹی کے مرتبان پڑے تھے۔

ماریا نے کہا:

"یہ اس حویلی میں رہنے والوں کی قبریں ہوں گی۔"  
 ناگ نے سوال کیا کہ حویلی کے لوگ جو زندہ تھے وہ کہاں غائب ہو گئے؟ اس سوال کا جواب کسی کے بھی پاس نہیں

تھا۔ یہ سوال ایک معتمد بن کر ان کی آنکھوں کے سامنے لٹک رہا تھا۔ حویلی کی دونوں منزلوں میں کمرے بنے تھے جن کے فرش پر قالین بچھے تھے اور پرانے زمانے کا فرنیچر سجا تھا۔ دیواروں پر کئی گئے ہرنوں اور شیروں کے سر بھی لٹکے ہوئے تھے جیسا کہ اس زمانے کے نواب اور جاگیردار لوگوں میں رواج تھا۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ اس حویلی کے کچن سے بھی کھانے پینے کی چیزیں اور خواب گاہوں سے بستر غائب تھے۔ ناگ بولا:

"ایک بات ثابت ہو گئی ہے کہ یہ لوگ بھگتے ہوئے کھانے کے برتن، کھانے کا سامان اور بستر ضرور ساتھ لیتے گئے ہیں۔"

تھیوساگ سر کھلتے ہوئے بولا:

"مگر یہ لوگ غائب کہاں ہو گئے ہیں؟"

ناگ نے کہا:

"یہی تو میں بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"



ماریا نے فکر مند لہجے میں کہا :  
 ”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہیے؟  
 اس اجڑی ہوئی دیران بستی میں کب تک پڑے  
 رہیں گے؟“

ناگ نے مشورہ دیا کہ انہیں کسی بڑے شہر کی طرف  
 چل دینا چاہیے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہاں عنبر اور کیٹی  
 سے بھی ملاقات ہو جائے۔ تجویز بڑی معقول تھی۔  
 تھیوسانگ نے پاؤں لمبے کر لیے۔ کہنے لگا :

”میرا خیال ہے اب شام بھی ہو رہی ہے۔ سورج  
 غروب ہونے والا ہے۔ بہتر ہے کہ آج کی رات  
 یہیں بسر کریں اور کل دن نکلتے ہی یہاں سے  
 کوچ کر جائیں۔“

اس تجویز پر ناگ اور ماریا نے بھی اتفاق کیا اور وہ  
 بارہ دری کے فرش پر اطمینان سے نیم دراڑ ہو کر عنبر اور کیٹی  
 کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر بعد آسمان  
 پر بادل جمع ہونا شروع ہو گئے اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔  
 ”شاید بارش آ رہی ہے۔ ناگ نے آسمان کی طرف  
 دیکھ کر کہا۔

ماریا نے کہا :

## آدھی چڑیل راونی

حویلی کے پیچھے ایک باغیچہ تھا۔  
 اس باغیچے میں ایک بارہ دری بنی ہوئی تھی۔ ماریا، تھیوسانگ  
 اور ناگ اس بارہ دری کے فرش پر جا کر بیٹھ گئے۔ بارہ دری  
 کے پہلو میں ایک دیوار کھڑی تھی۔ دیوار پر کسی سفید مسالے  
 کا پلستر ہوا تھا۔ کچھ پلستر نیچے بھی گرا ہوا تھا۔ ناگ نے دیوار  
 کی عرت اشارہ کر کے کہا :

”معلوم ہوتا ہے کوئی راج اس دیوار پر پلستر کر رہا تھا  
 کہ اسے اچانک بھاگنا پڑا اور وہ پلستر چھوڑ کر  
 بھاگ گیا۔“

تھیوسانگ بولا : ”ضرور اس شہر پر کوئی آفت نازل  
 ہوئی ہوگی۔“

جس دیوار پر سفید مسالے کا پلستر ہوا تھا اس کے  
 ساتھ ہی زیتون کا درخت اگا تھا جس کی نوکیلے پتوں والی  
 شاخیں دیوار کے پلستر سے لگی ہوئی تھیں۔



”اس علاقے میں بارشیں کم ہی ہوتی ہیں۔“

تھیوسانگ آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ بولا:

”بارش سے موسم خوشگوار ہو جائے گا۔“

ہوا تیز ہو گئی۔ ماریا بھی ناگ اور تھیوسانگ کے پاس

ہی بارہ درمی میں ایک ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔

ہوا زیتون کے درختوں میں سے گذرتی تو سیٹ کی سی

آواز آتی تھی۔ بارش شروع نہیں ہوئی تھی۔ بادل بھی نہیں

گرج رہے تھے۔ اچانک ناگ کے کانوں میں انسانی آوازیں

ٹکرائیں۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے ماریا اور تھیوسانگ

سے کہا:

”جو کچھ میں سن رہا ہوں کیا تم بھی سن رہے ہو؟“

”تم کیا سن رہے ہو؟“ تھیوسانگ نے مذاق سے پوچھا۔

ماریا بھی ہنسنے لگی:

”ناگ کے کان بچ رہے ہیں شاید۔“

مگر ایک دم سے ماریا بھی چونکی اور بولی:

”ہاں ہاں۔ ناگ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ مجھے دھیمی دھیمی

انسانی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔“

اب تو تھیوسانگ بھی ہم تن گوش ہو گیا۔ یعنی اس کے

کان کھڑے ہو گئے۔ اسے باریک باریک دھیمی آوازیں صاف

سنائی دے رہی تھیں۔ یہ آوازیں ہوا کی بیٹی کی آواز سے

بالکل مختلف اور الگ تھیں۔

”یہ تو کسی انسان کی آواز ہے ناگ۔“ ماریا نے کہا

ناگ بھی کان لگائے بیٹھا تھا۔ بولا:

”ہاں۔ کوئی کسی سے کچھ کہہ رہا ہے۔“

”مگر یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟“ تھیوسانگ اٹھ کھڑا ہوا

آواز اتنی مدہم تھی کہ الفاظ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہے

تھے۔ وہ تینوں اٹھ کر جدھر سے آواز آ رہی تھی ادھر کو بڑھ۔

انہوں نے محسوس کیا کہ انسانی آواز بارہ درمی کے پیچھے سے آ

رہی ہے۔ وہ بارہ درمی کے عقب میں بنی ہوئی دیوار کے پاس

آ کر رُک گئے۔ انسانی آواز اسی دیوار کے قریب سے آ رہی

تھی۔ مگر وہاں کوئی انسان موجود نہیں تھا۔ ماریا تھیوسانگ اور

ناگ کو سخت حیرانی ہو رہی تھی کہ جب وہاں کوئی انسان

نہیں ہے تو پھر یہ آواز کدھر سے آ رہی ہے۔ دیوار کے

قریب آنے سے انہیں آواز کے مدہم الفاظ بھی سنائی

دینے لگے تھے۔ کوئی گھبراہٹ میں کسی سے کہہ رہا تھا۔

”بھاگو۔ بھاگو۔ یہ کوئی آسمانی بلا ہے۔ بھاگو۔ بھاگو۔“

یہ کوئی آسمانی بلا ہے۔ بھاگو۔ بھاگو۔ یہ کوئی آسمانی

بلا ہے۔“

کوئی ان دیکھا شخص دھیمی باریک آواز میں بار بار ایک ہی فقرہ دہرا رہا تھا۔ ناگ نے تھیوسانگ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرانی ہی حیرانی تھی۔

”یہ کون شخص ہے؟“ اس نے تعجب سے کہا:

”تھیوسانگ بھی پریشان تھا۔ ماریا بھی حیرت میں گم تھی انسان کی گھبراہٹ ہوئی دھیمی باریک آواز بار بار ابھر رہی تھی مگر وہ شخص دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ماریا نے ایک چکر ارد گرد لگا کر دیکھا۔ کسی جگہ کوئی انسان نہیں تھا ہوا کے تیز جھکولوں کے ساتھ زیتون کی شاخیں دیوار سے ٹکرا رہی تھیں۔ ماریا نے دیوار کے ساتھ کان لگا دیئے اور بولی:

”آواز اس دیوار کے اندر سے آ رہی ہے۔“

ناگ نے دیوار کے پلستر پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

”مگر اس دیوار کے اندر کوئی انسان نہیں سما سکتا۔“

یہ تو ایک اینٹ کی دیوار ہے۔“

تھیوسانگ اور ناگ نے بھی دیوار کے ساتھ کان لگا کر سنا۔ واقعی آواز دیوار کے اندر سے آ رہی تھی۔ عجیب چکر تھا۔ کوئی آدمی دیوار میں چھپا باریک مدھم مگر گھبراہٹ ہوئی آواز میں بار بار کہہ رہا تھا۔

”بھاگو۔ بھاگو۔ یہ کوئی آسمانی بلا ہے۔“

ناگ ٹھٹکی باز زیتون کے درخت کو دیکھنے لگا۔ ماریا نے کہا:

”تم اس درخت کی طرف کیا دیکھ رہے ہو؟ اس درخت میں کوئی انسان نہیں چھپا ہوا۔“

ناگ نے اپنے ہونٹوں پر اٹھکی رکھ کر ماریا کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر اٹھ کر درخت کی اس شاخ کے قریب آیا جس کی نوکیلی لمبی پتیاں دیوار کے پلستر سے ہوا کے زور سے ٹکرا کر نیچے تک ایک کیرسی بناتی ہوئی جاتیں اور پھر ہوا کے زور سے اوپر کو آ جاتیں۔ دوسری بار ہوا کا جھکولا زیتون کی شاخ کو پھر دیوار کے پلستر کی طرف جھکا دیتا اور شاخ کی نوکیلی پتی کی نوک پلستر پر ٹھٹکتی ہوئی نیچے کو چل جاتی۔ ناگ نے اس جگہ کان لگا دیئے جہاں ٹھنی کی نوکیلی پتی ہوا کے زور سے دیوار کے پلستر کے ساتھ گھسٹ رہی تھی۔

تھیوسانگ نے کہا:

”معمہ حل ہو گیا ہے تھیوسانگ۔“

ماریا بھی تعجب سے دیکھنے لگی:

”کیا حل ہوا ہے معمہ؟ کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ۔“

ناگ نے اس نوکیلی شاخ کی طرف اشارہ کیا جس



پلستر پر لکیر ڈالتی تو پھر وہی انسانی آواز اُبھرتی:  
"بھاگو۔ بھاگو۔ یہ کوئی آسمانی بلا ہے۔"

ماریا نے حیرانی سے پوچھا:  
"مگر اس پلستر میں انسانی آواز کہاں سے بند ہو  
گئی ہے؟"

ناگ نے تھیوسانگ کی طرف دیکھ کر کہا:  
"اس سائنسی اصول کو تھیوسانگ مجھ سے بہتر جانتا ہے  
وہ تمہیں سمجھائے گا۔"

تھیوسانگ نے بھی فیزیکل سائنس کے اصول کے مطابق آواز  
کے معنی کو حل کر لیا تھا اور ناگ کی وضاحت کی روشنی میں  
وہ ساری بات سمجھ گیا تھا۔ اس نے ماریا کی طرف متوجہ  
ہو کر کہا:

"ماریا! ساؤنڈ ایکٹروکس کا بہ ایک سادہ سا اصول ہے  
کہ آواز کی لہروں کو مقناطیسی کشش کے ذریعے کسی  
سیال مادے میں نظر نہ آنے والے ذرات کی باریک ترین  
لکیروں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اگر ہم اپنی آواز  
کی لہروں کو مقناطیسی لہروں کی مدد سے کسی نرم مسالیدار  
پلستر پر ڈالیں تو ہماری آواز کی لہریں اس نرم مہالے  
میں لکیروں کی شکل میں محفوظ ہو جائیں گی۔ پھر جب

کی نوک دیوار کے پلستر سے بار بار ٹکرا رہی تھی۔ اُس  
نے کہا:

"آواز اس دیوار میں سے آرہی ہے۔"

تھیوسانگ اور ماریا ہنسنے لگے:

"یہ گون سی نئی بات تم نے بتائی ہے۔"

ناگ نے کہا:

"اس دیوار کو ایک بار پھر غور سے دیکھو۔ ٹھنی کی  
نوکیلی پتی کی نوک ہوا کے زور سے جب دیوار کے  
پلستر پر ایک لکیر سی بتاتی ہوئی نیچے جاتی ہے تو  
اس کے اندر سے انسان کی باریک آواز نکلتی  
ہے۔ ہوا شاخ کو واپس اوپر لے جاتی ہے جب  
ہوا کا دوسرا جھونکا ٹھنی کو دوباراً نیچے جھکاتا ہے  
اور پتی کی نوک پلستر پر لکیر ڈالتی ہے تو اس میں  
سے پھر وہی آواز پیدا ہوتی ہے۔"

ماریا اور تھیوسانگ نے کان لگا کر سنا تو واقعی ایسا ہی  
ہو رہا تھا۔ جو ٹھنی شاخ کی نوکیلی پتی پلستر پر گھسٹی ہوئی لکیر  
ڈالتی تھی۔ اس میں سے ایک انسان کی باریک آواز اُبھرتی:  
"بھاگو۔ بھاگو۔ یہ کوئی آسمانی بلا ہے۔"

جب ٹھنی ایک بار اوپر جا کر ہوا کے دباؤ سے دوباراً

وہ مسالہ سوکھ جائے اور ہم انگلی کے ناخن کی نوک یا کسی پٹھی کی نوک یا کسی سوئی کو ان کھیروں پر رکھ کر گھسائیں تو ہماری آواز کی لہریں اس کی رگڑ سے مقناطیسی لہروں میں بدل کر دوبارہ سنائی دینے لگیں گی۔ اسی اصول کے مطابق گراموفون ریکارڈ بنائے جاتے تھے اور ماڈرن زمانے میں ٹیپ ریکارڈر بھی اسی اصول کے مطابق کام کرتا ہے۔

ماریا بڑے غور سے سن رہی تھی۔ تھیوسانگ نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا:

”میں نے ٹھیک کہا ہے نا ناگ؟“

ناگ نے آہستہ سے سر ہلایا اور بولا:

”تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے تھیوسانگ“

ماریا بولی: ”لیکن سوال یہ ہے کہ یہ آواز کس کی ہے؟“

اب ناگ کہنے لگا:

”قصہ اصل میں یہ ہے کہ جب پہلے پہل اس بستی پر کوئی آسمانی بلا نازل ہوئی تو کوئی راج اس دیوار پر پلستر کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی مزدور بھی ہو گا جو پلستر کرنے میں اس کی مدد کر

رہا ہو گا۔ عین اس وقت کوئی آسمانی بلا نمودار ہوئی۔ پلستر کرتے ہوئے راج نے گھبرا کر اپنے ساتھی سے کہا۔ ”بھاگو۔ بھاگو۔ یہ کوئی آسمانی بلا ہے۔“ چونکہ دیوار کا پلستر ابھی گیلا تھا اور اس میں کوئی ایسا مسالہ یا قدرتی کیمیکل شامل تھا جس نے راج کی گھرائی ہوئی آواز کی لہروں کو فوراً لکیر کی شکل میں ریکارڈ کر لیا راج بھاگ گیا۔ اس کے بعد پلستر خشک ہو گیا۔ اب جب تیز ہوا چل تو زیتون کے درخت کی شاخ کی نوکیلی پتی ایک سوئی کی طرح جب پلستر پر پڑی ہوئی آواز کی لکیر سے رگڑ کھاتی ہے تو اس میں سے راج کی وہی گھرائی ہوئی آواز ہمیں سنائی دینے لگتی ہے۔“

ماریا نے غور سے دیوار پر اس مقام کو دیکھا جہاں درخت کی ٹہنی کی نوکیلی پتی پلستر پر پڑی ہوئی آواز کی لکیر سے رگڑ کھا رہی تھی۔ ناگ اور تھیوسانگ کا خیال بالکل صحیح تھا۔ آواز اسی نوکیلی پتی کے رگڑنے سے دیوار کے پلستر میں سے نکل رہی تھی۔

ماریا نے کہا:

”یہ تو پورا جادو ہے۔ طلسم ہے۔“



تھیوسانگ سکرایا،

”جادو نہیں بلکہ سائنس ہے۔ سائنس کا ایک اصول ہے۔“

اب وہ تینوں پلستر کی لکیر پر رگڑ کھاتی درخت کی ٹہنی کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ ٹہنی ہوا کے زور سے بار بار ٹکراتی اور پلستر میں سے بہت ہی باریک مدھم آواز بار بار بلند ہوتی:

”بھاگو! بھاگو! یہ کوئی آسمانی بلا ہے۔“

ماریا نے کہا:

”اس اصول کے مطابق تو یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس دیوار کے پلستر میں دوسرے لوگوں کی آوازیں بھی محفوظ ہوں گی۔ ہمیں ان آوازوں کو بھی سننے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

ہوا کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ اب درخت کی شاخ اتنی شدت اور زور سے رگڑ نہیں کھا رہی تھی۔ چنانچہ پلستر میں سے انسانی آواز آنا بند ہو گئی تھی۔ ماریا نے درخت کی ایک ٹہنی توڑ لی اور دیوار کے پلستر پر دوسری جگہ اسے اوپر سے نیچے تک رگڑا۔ ان سب نے ٹہنی کے رگڑتے ہی ایسی آواز سنی جیسے کوئی شخص دھپ سے زمین پر گر رہا ہو۔

ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا:

”یہ اس راج کے نیچے چھلانگ لگانے کی آواز ہے وہ کسی آسمانی بلا کو دیکھتے ہی پیسے گھبرا کر چلایا کہ بھاگو۔ یہ کوئی آسمانی بلا ہے پھر اس نے بچان پر سے نیچے چھلانگ لگا دی ہو گی۔ اس کے زمین پر گرنے کی آواز بھی نرم پلستر میں محفوظ ہو کر رہ گئی۔“

ماریا نے پلستر پر دوسری جگہوں پر بھی ٹہنی کی نوک سے لکیریں ڈالیں۔ مگر کوئی آواز نہ بلند ہوئی۔

تھیوسانگ کہنے لگا:

”دیوار چونکہ حویلی سے دور ہے اس لیے اس وقت حویلی کے اندر بھاگتے لوگوں کی گھرائی ہوئی آوازیں پلستر تک آتے آتے اتنی مدھم پڑ گئی ہوں گی کہ اس میں محفوظ نہیں ہو سکیں۔“

ناگ نے بستی کی طرف نگاہ ڈالی جس پر شام کے سائے بادلوں کے سایوں میں گھل مل کر سیاہ چادر کی طرح چھا رہے تھے۔ اُس نے کہا:

”ظاہر ہے دیوار پر پلستر کرنے والے راج مزدور بھی بستی کی طرف سے دوڑے ہوں گے۔ حویلی کے لوگ

بھی ادھر ہی کو گئے ہوں گے مگر بستی بالکل خالی ہے سوال یہ ہے کہ یہ لوگ کہاں جا کر غائب ہو گئے؟

اچانک ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ یہ لوگ دیوار سے ہٹ کر بارہ دری کی چھت کے نیچے آ کر بیٹھ گئے۔ دیر تک وہیں بیٹھے وہ آپس میں کسی اگلی منزل کا منصوبہ بنانے میں مصروف رہے۔ بوندا باندی کچھ دیر کے بعد رُک گئی۔ رات اس قدر تاریک اور اندھیری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سمجھائی نہیں دیتا تھا۔

ماریا نے کہا :  
”تم لوگ اس جگہ آرام کرو۔ میں بستی کا ایک چکر لگا کر آتی ہوں۔“

تھیوسانگ نے ماریا کو خاص طور پر تاکید کی کہ وہ زیادہ دُور جانے کی کوشش نہ کرے اور جلدی واپس آ جائے۔ ماریا یہ سن کر مسکرائی اور ہوا میں بلند ہو گئی۔

تھیوسانگ نے ناگ سے کہا :

”ناگ! تم کسی سانپ کو بلا کر اس سے پوچھو تو سہی

کہ اس بستی پر کیا آفت نازل ہوئی تھی؟“

ناگ کچھ دیر کے لیے خاموش رہا پھر بولا :

”سانپ زمین کے اندر ہوتے ہیں۔ وہ شاید کچھ نہ بتا سکیں۔ بہر حال کسی سانپ کو بلا کر پوچھ لیتا ہوں۔“

ناگ نے منہ سے ہلکی سی پھنکار کی آواز نکالی اور سانپ کی زبان میں آواز دی :

”میں ناگ دیوتا بول رہا ہوں۔ اگر یہاں کوئی سانپ

ہے تو زمین سے نکل کر میرے پاس آئے۔“

ناگ نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ اسے کوئی سانپ آتا نظر نہ آیا۔

تھیوسانگ نے ناگ کو ایک بار پھر کوشش کرنے کو کہا۔

ناگ نے دوسری بار پھر سانپ کو آواز دی۔ اس علاقے

میں کوئی سانپ نہیں تھا۔ مگر ایک ایسا سانپ ضرور تھا۔

جس کا رنگ زنگار کی طرح تھا۔ جو صرف ایک فٹ لمبا تھا

اور اس وقت حویلی والی بارہ دری سے تھوڑی دُور ایک

دیران کھنڈر کے نیچے گرے غار میں اپنی سوتیلی دُودھ ماں

رادنی کے سینے سے پیشا اس کا دُودھ پی رہا تھا۔ یہ ایک

ایسا سانپ تھا جس کو راکھشنی عورت رادنی نے اپنا زہریلا

دُودھ پلا پلا کر اسے اپنا غلام بنا لیا ہوا تھا۔ یہ زنگاری

سانپ اب اس عورت رادنی کو اپنی دیوی ماں سمجھتا تھا۔



اور اسی کا حکم ماننا تھا۔ رادنی ایک سیاہ خام نیم بھوت عورت تھی جو پہلے جہنم میں چڑیل رہ چکی تھی۔ چڑیل بن کر اس نے ہزاروں انسانوں کو مار ڈالا تھا۔ اس کی سزا اسے یہ ملی کہ اس جہنم میں دیوتاؤں نے اسے راکھشنی کے روپ میں پیدا کر دیا۔ راکھشنی کے روپ میں پیدا ہونے کے بعد اس کا نام رادنی رکھا گیا۔ رادنی عورت بھی تھی اور چڑیل بھی تھی۔ وہ جس ٹپ میں چاہے آ سکتی تھی۔ مگر اس کا عذاب یہ تھا کہ وہ دن میں چار مرتبہ اپنے آپ کو اس زنگاری سانپ سے ڈسواتی تھی جس کو وہ اپنا دودھ پلا کر پال رہی تھی۔ سانپ کے بار بار کاٹنے سے رادنی کا جسم سیاہ پڑ گیا تھا۔ اگر سانپ کے کاٹنے میں ذرا دیر ہو جاتی تو رادنی کے جسم میں آگ سی لگ جاتی اور وہ مچھلی کی طرح ترپنے لگتی تھی۔ پھر جب سانپ اسے کاٹتا تو اس کی جان میں جان آ جاتی۔ رادنی کی خوراک زندہ انسان تھے۔ وہ ہر ہفتے ایک زندہ انسان کو ہڑپ کر جاتی تھی۔ اس کے کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ بستی میں ایک چڑیل کی شکل میں داخل ہوتی۔ اس کے سر کے بال سر پر سرکنڈوں کی طرح کھڑے ہوتے۔ پاؤں الٹے ہوتے۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دھک رہی ہوتیں۔ بستی میں آتے ہی وہ خلق سے ایک بھیانک آواز نکالتی اور جب لوگ خوف زدہ ہو کر

ادھر ادھر بھاگتے تو وہ ان میں سے کسی ایک کو دلوچ کر سیدھی اپنے غار میں لے آتی۔ غار میں آ کر وہ ادھ موٹے انسانی شکار کے منہ پر ایک طمانچہ مارتی جس کے اثر سے وہ بے چارہ انسان ایک دم چھوٹا ہو کر ایک مرنے کے برابر ہو جاتا اور رادنی اسے ثابت ہی نگل جاتی۔ پیٹ بھر جانے کے بعد وہ اپنی گردن پر سانپ سے ڈسواتی اور پھر ایک ہفتے کے لیے غار کے اندر گہری نیند سو جاتی۔ یہی وہ آسمانی بلا تھی جو اس بستی پر ہر ہفتے نازل ہو کر کسی نہ کسی انسان کو شکار کر کے اپنا نوالہ بنا لیتی تھی۔ اسی کے ڈر سے لوگ بستی سے بھاگ گئے تھے۔ جب بستی انسانوں سے خالی ہو گئی تو رادنی دُور کی بستیوں میں جا کر انسانوں کو شکار کرنے لگی۔ کسی قریبی یا دُور کی بستی میں وہ آدھی رات کو جاتی اور پھر کسی نہ کسی انسان کو دلوچ کر اسی غار میں لا کر اسے ہڑپ کر کے سانپ سے ڈسوا کر گہری نیند سو جاتی تھی۔ یہ اسے اس کے پچھلے جہنم کے گناہوں کی سزا ملی تھی اور اس جہنم میں بھی اس کے گناہوں کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا اور رادنی کو معلوم تھا کہ وہ اپنے ننگے جہنم میں دوزخ کے سب سے پچھلے گڑھے کی آگ میں پیدا ہوگی۔ وہ قیامت تک جلتی، سڑتی رہے گی، اس بھیانک

عذاب سے پہنچنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا کہ وہ کسی طرح ناگ دیوتا کو اپنے قابو میں کرے۔ سب سے پہلے اس سے اپنے آپ کو ڈسولے جس کا اس پر یہ اثر ہو گا کہ اس کی بھوک ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی اور اسے اپنی بھوک مٹانے کے لیے کسی انسان کو ہڑپ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اس کے بعد وہ ناگ دیوتا کو مکاری اور عیاری سے اپنے قبضے میں کر کے اسے جنوبی ہندوستان کے مغربی ساحل پر واقع کورمنڈل کی سیاہ چٹانوں کے نیچے موجود تاریک گچھاہ میں شیش ناگ کی خدمت میں پیش کرے۔ اس کے بعد شیش ناگ اسے ناگ بنا کر دوسرے جنم کے عذاب سے ہمیشہ کے لیے نجات دلا دے گا۔

رادنی اگرچہ راکھشی اور نیم بھوت اور نیم چڑیل تھی مگر غیب کے علم سے محروم تھی۔ وہ اپنا روپ ضرور بدل سکتی تھی مگر وہ زمین کے اندر کے راز اور مستقبل کے اسرار معلوم نہیں کر سکتی تھی۔ اسے شیش ناگ کی گچھاہ ہی سے صرف اتنا اشارہ ملا تھا کہ ناگ دیوتا اسے شمالی افریقہ کے کسی ملک میں ملے گا۔ چنانچہ وہ اس طرف روانہ ہو پڑی تھی اور میں چار مرتبہ سانپ سے ڈسوانے کے لیے اسے ہر بار ایک نئے سانپ تلاش کرنا پڑتا تھا۔ اس مصیبت سے بچنے کے لیے اس ایک انتہائی زہریلا سانپ لے کر اسے اپنا دودھ پلا پلا پال لیا تھا۔ کوئی بچہ جب کسی عورت کا دودھ پیتا ہے تو

اس کا بیٹا کہلاتا ہے اور وہ اپنی ماں کا دفا دار اور فرمانبردار بچہ بن جاتا ہے۔ مگر یہ سانپ تھا۔ دوسرے رادنی بھی کوئی انسان عورت نہیں تھی۔ اس کے خون میں بھی گناہ اور بے گناہوں کے خون کا اثر تھا۔ چنانچہ زنگاری سانپ اس کا زہریلا دودھ پی کر اور زیادہ غصیلا اور زہریلا ہو گیا تھا اور دن میں چار بار رادنی کو بڑی خوشی سے ڈس لیتا تھا۔ اس سانپ کو رادنی نے اس ڈھب سے پالا تھا کہ اس کے ذہن سے ناگ دیوتا کا اثر بالکل ہی ختم ہو گیا تھا اور وہ شیش ناگ کو ہی ناگوں کا عظیم دیوتا سمجھنے لگا تھا۔

چنانچہ جس وقت ناگ نے بارہ دری میں رات کے اندھیرے میں تھیسو سا ناگ کے کمنے پر علاقے میں موجود کسی بھی سانپ کو آواز دی تو پہلی بار تو زنگاری سانپ نے اس کی آواز نہ سنی۔ اس وقت رادنی اندھیری غار کی زمین پر سیدھی لیٹی سو رہی تھی اور سانپ اس کا بڑے مزے سے دودھ پی رہا تھا۔ لیکن جب دوسری بار ناگ نے آواز دی تو اس کی آواز کی مقتطیسی لہریں رادنی کے زنگاری سانپ کے جسم سے ٹکرائیں اور اس نے اپنی گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی اپنے آپ کو ناگ دیوتا کہہ کر کسی سانپ کو حاضر ہونے کا حکم دے رہا تھا۔



زنگاری سانپ نے فوراً رادنی کے کان کے قریب منہ لے جا کر زور سے پھنکار ماری۔ رادنی ایک دم سے جاگ پڑی۔ اس نے اپنے سانپ کو چھوٹا سا پھن اٹھائے اپنی آنکھوں کے آگے بے چینی سے لہراتے دیکھا تو کھڑکھراتی آواز میں بولی :

”مجھے کیوں جگایا؟“

زنگاری سانپ نے کہا :

”رادنی! دیوتا تم پر مہربان ہیں۔ ناگ دیوتا اس علاقے میں موجود ہے۔“

رادنی کے حلق سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔ اس نے زنگاری سانپ کو گردن سے پکڑ کر پوچھا :

”کہاں ہے وہ؟ جلدی بولو۔ کہاں ہے ناگ دیوتا؟“

زنگاری سانپ نے کہا :

”میں اس کی آواز سن رہا ہوں۔ وہ علاقے کے کسی بھی سانپ کو آواز دے کر بلا رہا ہے۔“

رادنی کا تاریک چہرہ اور زیادہ تاریک ہو گیا۔ اس کی انگاروں ایسی سرخ آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔ اس نے زنگاری سانپ سے مخاطب ہو کر کہا :

”میں نے تجھے اپنا دودھ پلا پلا کر بڑا کیا ہے۔“

اب میرے کام آؤ۔ جاؤ۔ ناگ دیوتا کے پاس جاؤ اور اس پر یہی ظاہر کرو کہ تم اس کے غلام ہو اور معلوم کرو کہ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ جلدی جاؤ۔“

زنگاری سانپ کو ایک بار پھر ناگ دیوتا کی آواز آئی : ”اگر کوئی سانپ زمین کے اندر ہے تو میرے پاس آئے۔ میں حویلی والی بارہ درہ میں ہوں۔“

رادنی کی سرخ آنکھیں اور سرخ ہو گئیں۔ اس بار ناگ دیوتا کی سانپ بولی اس نے بھی سن لی تھی۔ اس نے اپنے زنگاری سانپ کو گردن سے اٹھایا۔ اس کے منہ کو اپنے سیاہ ہونٹوں سے چومنا اور کہا :

”جس کی مجھے جہنم جہنم سے تلاش تھی وہ حویلی والی بارہ درہ میں موجود ہے۔ جاؤ۔ اسے وہیں روکو

باقی کام میں خود گمراہ لوں گی۔ جاؤ — میرے زنگاری

کیسے، قاتل، مکار سانپ جاؤ جلدی کرو۔“

رادنی نے سانپ کو غار کے تاریک منہ کے پاس لا کر موڑ دیا اور اسے غار کے اندھیرے منہ میں سے تیزی سے ہر جاتا دیکھ کر وحشی بھانک چڑیل کی طرح اپنے ہاتھوں سیاہ انگلیاں اپنی سرخ آنکھوں کے سامنے نچانی ہوئی کھڑکھراتی آواز میں قہقہے لگانے لگی۔

مکار زنگاری سانپ نے اپنی گردن جھکالی اور بڑے انگوٹوں کے ساتھ کہا:

”عظیم ناگ دیوتا! اس بستی پر ایک آفت ٹوٹ پڑی ہے میں خود بھی اس بستی میں اپنے بچوں کے ساتھ رہتا تھا مگر آسمانی بلا کی دہشت سے میرے بچے مر گئے اور میں نے اپنی جان بچانے کے لیے اندھے کنوئیں میں چھپا بیٹھا ہوں“

ناگ نے پوچھا:

”یہ آسمانی بلا کیا شے ہے۔ کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟“

زنگاری سانپ نے اپنی سازش کا منصوبہ پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ اُس نے کہا:

”اے رحمدل ناگ دیوتا! اس بستی کے لوگوں کو آسمانی بلا نے جس بے دردی سے تباہ کیا ہے اسے بیان کرنے کے لیے میرے پاس زبان نہیں ہے۔ یہ آسمانی بلا ایک بہت خوف ناک آدم خور عفریت ہے جو اچانک بستی پر ظاہر ہوا اور اس نے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔ ہزاروں لوگ مر گئے جو باقی بچے وہ ہیں

زنگاری سانپ غار کے دیران کھنڈروں سے نکلتے ہی سبکی ایسی تیزی کے ساتھ حویلی کی طرف دوڑنے لگا۔ تھیوسانگ اور ناگ بارہ درمی میں سانپ کا انتظار کر رہے تھے تھیوسانگ ناامید ہو کر بولا:

”ناگ! ادھر زمین کے اندر کوئی سانپ نہیں ہے لگتا ہے آسمانی بلا سے ڈر کر وہ بھی یہاں سے رُف چکر ہو گئے ہیں۔“

اتنے میں اندھیرے میں پھنکار کی آواز گونجی۔ ناگ نے اندھیرے میں ایک ریتے ٹیلے کی جانب سے سانپ کی سر آنکھیں قریب آتی دیکھیں۔ اس نے تھیوسانگ سے کہا:

ایک سانپ آ رہا ہے۔ زنگاری سانپ نے بارہ درمی آتے ہی ناگ دیوتا کے سامنے گردن جھکا کر ادب سے سلام کیا اور کہا:

”عظیم ناگ دیوتا! مجھے معاف کر دینا کہ میں نے دیر کر دی۔ میں یہاں سے بہت دُور ایک دیران اندھے کنوئیں میں پڑا تھا۔“

ناگ نے کہا:

”ٹھیک ہے۔ یہ بتاؤ کہ یہ بستی لوگوں سے خالی کیوں ہے اور یہاں سے لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟“



جان بچا کر فرار ہو گئے۔  
تھیوساگ بھی سانپ کی زبان اب سمجھنے لگا تھا۔ اس  
نے زنگاری سانپ سے پوچھا:

”پھر لوگ اپنے اپنے گھروں سے کھانے پینے اور پکانے  
کا سامان کیوں اور کیسے لے گئے؟“

زنگاری سانپ ایک لمحے کے لیے گھبرایا۔ مگر فوراً ہی بولا:  
”عظیم ناگ کے دوست! بھیا نک آدم خور عفریت  
تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یہاں حملہ کرتا ہے  
اس لیے جو لوگ بچ گئے تھے انہیں واپس آ کر  
تھوڑا بہت سامان لے جانے کا موقع مل گیا۔  
ناگ نے سوال کیا:

”کیا تم کچھ بتا سکتے ہو کہ یہ آدم خور عفریت  
کہاں رہتا ہے؟ اس کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ میں  
اس عفریت سے اس بستی کے باقی ماندہ لوگوں کو  
نجات دلانا چاہتا ہوں۔“

زنگاری سانپ بھی ناگ دیوتا کو اسی طرف لانا چاہتا تھا۔  
اس نے انتہائی مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا:

”عظیم ناگ دیوتا! آدم خور عفریت کی شکل کسی بہت  
بڑے مگر مجھ سے ملتی جلتی ہے جو اپنی دم پر کھڑے

ہو کر چل رہا ہو وہ اچانک ظاہر ہوتا ہے اور اچانک  
غائب ہو جاتا ہے کوئی اس کے پیچھے نہیں جاسکتا۔  
مگر میں نے بڑی ہمت سے کام لے کر اس کا  
پیچھا کیا اور آخر یہ پتہ چلا کہ کہاں رہتا ہے۔“  
ناگ اور تھیوساگ نے جلدی سے پوچھا کہ آدم خور عفریت  
کا ٹھکانہ کہاں ہے؟

زنگاری سانپ نے بڑے ادب سے سر کو تین بار  
جھکایا اور کہا:

”عظیم ناگ دیوتا! یہاں سے تھوڑی دُور ریت  
کی بھوری چٹانوں کے پاس ایک پرانا کھنڈر ہے  
اس کھنڈر کو دُور ہی سے دیکھ کر انسان پر  
دہشت چھا جاتی ہے۔ اس کھنڈر کے نیچے ایک  
ایک گہرا غار ہے۔ وہ آدم خور عفریت اسی  
غار میں رہتا ہے۔ میں نے اسے اس غار میں  
جاتے دیکھا تھا۔“

ناگ بہت خوش ہوا۔ اس نے سانپ سے کہا کہ کیا  
وہ ابھی اسے اس غار میں لے جاسکتا ہے؟ زنگاری  
سانپ اپنی راوی ماں چڑیل سے مشورہ کیے بغیر کیسے ناگ  
کو وہاں لے جاسکتا تھا؟ اُس نے کہا:

”عظیم ناگ دیوتا! میں نے شام کے وقت اس غار کے قریب سے گذرتے ہوئے غور سے سونگھا تھا۔ غار کے اندر سے آدم خور عفریت کی خاص بو نہیں آ رہی تھی۔ وہ شاید کسی دوسری بستی کی طرف اپنے شکار کی تلاش میں گیا ہے۔“

ناگ نے زنگاری سانپ سے کہا:

”ہم اسی حویلی میں ہیں۔ تم غار کی نگرانی کرو۔ جو نہی آدم خور عفریت غار میں داخل ہو ہمیں اگر خبر کر دینا۔“

زنگاری نے ادب سے گردن جھکائی اور کہا:

”جو حکم عظیم ناگ دیوتا! میں غار کے باہر چھپ کر پہرہ دیتا رہوں گا۔ جیسے ہی عفریت غار میں داخل ہوا آپ کو فوراً اطلاع کر دوں گا۔ کیا مجھے جانے کی اجازت ہے اب؟“

ناگ نے سانپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خوشی سے جاتے کی اجازت دے دی۔ زنگاری سانپ خوشی سے جھومتا ہوا بارہ دری سے نکل کر اندھیرے میں تیزی سے چڑیل ماں زاد کے غار کی طرف دوڑنے لگا۔ وہ اندھیرے غار میں بے چین سے زنگاری سانپ کا انتظار کر رہی تھی۔ جو نہی اسے اپنے

قاتل سانپ کی بدبو محسوس ہوئی اس نے چیخ مار کر کہا:

”شیطانی سانپ! کیا خبر لائے ہو؟“

زنگاری سانپ نے غار میں آتے ہی کہا:

”ناگ دیوتا میرے قابو میں ہے۔“

رادنی نے چڑیلوں ایسا قمقمہ لگایا اور چلائی:

”مجھے ڈسو۔ میں بہت خوش ہوں۔ مجھے کاٹو۔“





## قبروں کے مرتبان

ناگ اور تھیوساگ ابھی تک حویلی کے باہر بارہ دری ہی میں بیٹھے تھے۔

رات گہری ہوتی جا رہی تھی اور ماریا ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اب انہیں ماریا کے بارے میں تشویش ہونے لگی تھی۔ وہ بارہ دری ہی میں بیٹھے رہے۔ کیونکہ ماریا کو اسی جگہ واپس آنا تھا۔ انہیں اس بات کی تسلی تھی کہ ماریا کی خوشبو بستی کے مشرقی علاقے کی طرف سے برابر آ رہی تھی۔ اب چل کر ماریا کی خبر لیتے ہیں۔

ماریا اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر جب رات کے پھلتے اندھیرے میں فضا میں بلند ہوئی تو اس نے بستی کے اوپر ایک چکر لگایا۔ ویلان بستی سنان اندھیری پڑی تھی۔ کسی مکان میں کوئی دیا بتی نہیں جل رہی تھی۔ ایک رونگٹے کھڑے کر دینے والا اندھیرا چھایا تھا۔ یہ کون ایسی بستی لگ رہی تھی۔ ماریا بستی کے چند ایک چکر کاٹنے کے بعد واپس چلنے ہی والی تھی کہ اسے مشرق کی جانب

دیئے کی روشنی نظر آئی۔ یہ روشنی ایک دو سیکنڈ کے لیے چمک کر بجھ گئی۔ ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ ضرور ادھر کوئی انسان موجود ہو گا۔ یہ سوچ کر ماریا نے ہوا میں غوطہ لگایا اور جدھر روشنی نظر آئی تھی عین اس مقام پر آ گئی۔ یہ وہی بستی کا پرانا قبرستان تھا جہاں ماریا تھیوساگ اور ناگ پہلی بار اس بستی کی فضاؤں میں نمودار ہوئے تھے۔ وہ آہستہ سے قبروں کے پاس اتر آئی وہ چونکہ غائب تھی اس لیے اس کے قدموں کی آہٹ بھی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ زمین سے چند فٹ بلند ہو کر چل رہی تھی۔ قبروں پر موت کا ساٹھا طاری تھا۔ اندھیرے میں قبروں کے سرہانے رکھے ہوئے بڑے بڑے مشکے عجیب ڈرافٹا منظر پیش کر رہے تھے۔

ماریا حیران تھی کہ وہ دیئے کی روشنی کس نے جلائی تھی؟ اور پھر اپنے آپ کیسے بجھ گئی؟ اسے دماغ کوئی بھی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ قبروں کے اوپر ادھر ادھر چلنے لگی۔ اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی سرگوشی میں کسی سے کچھ کہہ رہا ہو۔ ماریا نے کان سرگوشی پر لگا دیئے۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ سرگوشیاں ایک قبر کے اندر سے آ رہی ہیں۔ وہ اس قبر کے اوپر آ کر جھک گئی۔ سرگوشی کی آواز بند ہو گئی۔ ماریا نے بھی اپنا سانس روک لیا۔ اسے پھر کھسک پھر سنا دی۔

ماریا اندھیرے میں غور سے قبر کی طرف دیکھنے لگی۔ اتنے میں قبر کے سرہانے جو مرتبان رکھا تھا اس میں سے ایک انسانی سر باہر نکل کر اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ماریا اپنی جگہ پر ساکت کھڑی رہی۔ انسانی سر تیزی سے مرتبان کے اندر چلا گیا۔ مرتبان کے اندر پھر سرگوشی ہوئی۔ وہی انسانی سر پھر نمودار ہوا۔ پھر آہستہ سے ایک آدمی مرتبان سے باہر نکل آیا۔ ماریا اسے ہنٹکی بانہ کر دیکھ رہی تھی۔ اس آدمی نے جسم پر کفن کی طرح کی ایک سیاہ چادر لپیٹ رکھی تھی۔ اس نے مرتبان کے اندر منہ ڈال کر آہستہ سے کہا:

”باہر نکل آؤ۔ قبرستان خالی ہے۔“

مرتبان میں سے دوسرا آدمی بھی باہر آ گیا۔ اس نے بھی کفن کی طرح سیاہ چادر جسم کے گرد لپیٹ رکھی تھی۔ ماریا نے قریب آ کر دیکھا۔ یہ ایک عورت تھی۔ اس کے لمبے بال اس کے کندھے پر لٹک رہے تھے۔ وہ دونوں جھکے جھکے چل رہے تھے۔ ماریا ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ کہاں جاتے ہیں۔ مرد اور عورت قبرستان کے کنارے کی جنگلی جھاڑیوں کے پاس جا کر رُک گئے اور جھاڑیوں میں لگے ہوئے پھل کو توڑ توڑ کر اپنی جھولیوں میں جمع کرنے لگے۔ ماریا چپ چاپ ان دونوں کے پیچھے کھڑی رہی۔

جب دونوں مرد عورت نے جھاڑیوں میں لگے جنگلی پھل سے جھولیاں بھر لیں تو وہ واپس قبر کے مرتبان کی طرف مڑے۔ اب ماریا نے دیکھا کہ ایک اور قبر کے مرتبان میں سے بھی ایک انسانی سایہ باہر نکل آیا پھر کچھ اور قبروں میں سے اسی طرح کی سیاہ چادروں میں لپیٹے ہوئے انسان باہر نکل کر جنگلی جھاڑیوں کی طرف جھک کر بڑھنے لگے۔ اسی طرح انہوں نے جھاڑیوں کے پھل جمع کیے اور واپس اپنی اپنی قبروں کے مرتبانوں میں اتر کر غائب ہو گئے۔ ماریا اس قبر کے مرتبان کے پاس آئی جس میں سے ایک مرد اور عورت پہلی بار باہر نکلے تھے۔ وہ دونوں مرتبان میں اتر کر غائب ہو چکے تھے۔ ماریا نے جھک کر مرتبان میں دیکھا۔ مرتبان کے اندر گھاس پھوس پڑا تھا۔ ماریا مرتبان میں اتر کر گھاس پھوس سے گذر گئی۔ مرتبان کے اندر سے گذرنے کے بعد ماریا نے اپنے آپ کو ایک گول پائپ کے اندر پایا جس میں سیرپھیاں نیچے اتر رہی تھیں۔ ماریا سیرپھیاں پر سے ہوتی ہوئی قبر کے نیچے اتر گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ آگے ایک مٹی کی کوٹھڑی بنی ہوئی ہے جس کا دروازہ دوسری کوٹھڑی میں جاتا ہے۔

اس کچی تہ خانہ نما کوٹھڑی میں فرش پر مٹی بچھی ہے اس پر وہی مرد اور عورت سیاہ چادر میں لپیٹے بیٹھے مٹی



کے برتن میں جھاڑیوں میں سے توڑ کر لایا ہوا پھل جمع کر  
 رہے ہیں۔ ان کے قریب ہی مٹی کا ایک ڈیا جل رہا ہے۔  
 کوٹھڑی کی دیوار کے ساتھ کونے میں ایک کدڑی کا تابوت  
 پڑا ہے۔ کچھ برتن مٹی کے چبوترے پر پڑے ہیں۔ ماریا بڑی  
 حیران ہوئی کہ یہ لوگ قبر کے نیچے کیسے گھر بنا کر رہ  
 رہے ہیں۔ کہیں یہ ادھر والی بستی سے بھاگے ہوئے لوگ تو نہیں؟  
 یہ سوچ کر ماریا کوٹھڑی کے دروازے میں سے گذر کر دوسری  
 کوٹھڑی میں آئی تو اس کوٹھڑی میں زمین پر سونے کے لیے بستر  
 لگے تھے۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ ماریا بند دروازے میں سے  
 نکل کر باہر آئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ایک چھتی ہوئی  
 تنگ مٹی کے گھر کی طرف چلی جا رہی ہے۔ ماریا اس گلی میں  
 سے گذرتے لگی۔ گلی میں جگہ جگہ تہ خانوں کے چھوٹے چھوٹے  
 دروازے بنے ہوئے تھے۔ وہ کئی تہ خانوں کی کوٹھڑیوں میں  
 گئی۔ ہر کوٹھڑی میں اسی قسم کے سیاہ پوش مرد عورتیں قبرستان  
 کی جھاڑیوں سے توڑ کر لائے ہوئے پھل برتنوں میں جمع کر  
 رہی تھیں۔ یہ کوئی خاص پھل تھا جو وہ استعمال کرتے تھے۔  
 ماریا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ قبرستان کے نیچے اندر ہی  
 اندر ایک بستی آباد تھی۔ ہر مکان کے آگے سے ایک تنگ گلی  
 گذرتی تھی جہاں جگہ جگہ چراغ دانوں میں مٹی کے دیئے روشن

تھے۔ یہ ساری کی ساری گلیاں چھتی ہوئی تھیں اور قبرستان کے  
 نیچے کھود کر بنائی گئی تھیں۔  
 ہر گھر زمین کے اندر کسی نہ کسی قبر کے نیچے بنا ہوا تھا  
 اور قبر کا مڑہ ہر گھر کی کوٹھڑی میں تابوت کے اندر محفوظ  
 رکھ دیا گیا تھا۔ یہ مردوں کا احترام تھا۔ ماریا واپس اس  
 مرد اور عورت کے زمین دوز تہ خانے میں آ گئی جسے اس نے  
 پہل بار مرتبان سے نکلتے اور پھر اس میں واپس گھسنے دیکھا تھا  
 یہ دونوں اب جھاڑی والا جنگلی پھل مٹی کی ایک تھالی میں  
 رکھے آمنے سامنے بیٹھے کھا رہے تھے۔ وہ کوئی بات نہیں کرتے  
 تھے۔ ماریا خاموشی سے ان کے پاس کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔  
 دیئے کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ دونوں کے رنگ خاکستر تھے  
 جس طرح کہ زمین کے اندر رہنے والے لوگوں کے ہو جاتے ہیں۔  
 ماریا کوئی بات کر کے انہیں خوف زدہ نہیں کرنا چاہتی  
 تھی۔ اس لیے اس انتظار میں خاموش رہی کہ وہ کب کوئی  
 بات کرتے ہیں۔ عورت اور مرد دونوں نوجوان تھے اور لگتا  
 تھا کہ ان کی نئی نئی شادی ہوئی ہے کیوں کہ مرد بار بار بڑے  
 پیار سے اپنے حصے کا پھل عورت کو پیش کر رہا تھا۔ جب  
 دونوں پھل کھا چکے تو ساتھ والی کوٹھڑی میں جا کر بستر پر  
 لیٹ گئے۔ دونوں چپ تھے اور ٹکٹکی باندھے اوپر چھت

کو تک رہے تھے جو اصل میں چھت نہیں تھی بلکہ قبرستان کی زمین تھی۔ عورت نے ایک گہرا سانس بھرا اور اپنے خاوند کو مخاطب کر کے بولی:

پنچال! ہم کب تک ان قبروں کے نیچے پڑے رہیں گے؟  
اس کے خاوند کا نام پنچال تھا۔ ماریا عذر سے سننے لگی۔ پنچال نے بھی ایک آہ بھر کر کہا:

جب تک آسمانی بلا اس بستی سے چلی نہیں جاتی،  
اُس کی بیوی نے کہا:

کیوں نہ ہم قرطاجنہ چلے جائیں۔ یوں جیتے جی قبروں میں رہنا اچھا نہیں لگتا۔ کل کو ہمارے بچے ہوں گے۔ کیا وہ قبروں کے نیچے ہی پلین گے؟  
پنچال بولا: گھبراؤ نہیں ماتی! آج نہیں تو کل آسمانی بلا چلی جائے گی۔ جب اسے اپنے شکار کے لیے کوئی انسان نہ ملا تو وہ یہاں سے نہ کر جائے گی اور پھر یہاں سے قرطاجنہ جانا بھی تو خطرناک ہے۔ تمہیں معلوم نہیں پچھلے دنوں قبرستان سے بستی کے کچھ لوگ قرطاجنہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ راستے میں آسمانی بلا نے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا!

ماریا سمجھ گئی تھی کہ یہ لوگ آسمانی بلا کے خوف سے جان بچا کر قبروں کے نیچے کوٹھڑیاں بنا کر رہنے لگے ہیں۔ اور اس انتظار میں ہیں کہ کب آسمانی بلا دفع ہو اور یہ پھر سے اپنے بستی والے مکانوں میں جا کر پھر سے آباد ہوں۔ ماریا خاموش کھڑی رہی۔ اس کے بعد دونوں میاں بیوی چپ ہو گئے۔ انہوں نے کوئی بات نہ کی۔ پھر دونوں سو گئے۔ ماریا انہیں سوتا چھوڑ کر چپکے سے قبر سے باہر نکل آئی۔ قبرستان رات کی تاریکی میں سنان اور ڈراؤنا ہو رہا تھا۔ ماریا ہوا میں تیرتی ہوئی تیزی سے بارہ دری میں آ گئی۔ یہاں تھیوساگ اور ناگ اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ماریا کی تیز خوشبو محسوس کرتے ہی ناگ نے کہا:

"تم نے اتنی دیر کہاں لگا دی ماریا؟"

ماریا نے کہا:

"میں نے بستی کے ویران ہونے کا معہ حل کر لیا ہے ناگ!"

ناگ اور تھیوساگ نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا۔ تھیوساگ نے ناگ کو آنکھ ماری کہ ابھی ماریا سے سانپ کا بتایا ہوا راز بالکل نہ بتایا جائے۔ ناگ نے ماریا کی آواز کی جانب منہ کر کے پوچھا:



”کیا معہ حل کیا ہے تم نے ماریا؟“

اور پھر ماریا نے قبرستان کے نیچے آباد بستی کی ساری کہانی انہیں سنا ڈالی۔ یہ بات ناگ اور تھیوسانگ کے لیے بھی بڑی حیران کر دینے والی تھی۔ پھر انہوں نے بھی ماریا کو وہ باتیں بتائیں جو زنگاری سانپ نے ان کو بیان کی تھیں۔

ماریا بولی: ”اس کا مطلب ہے کہ اب ہمیں اس عفریت کو ہلاک کرنا ہو گا تاکہ بستی والوں کو قبروں میں گھس کر رہنے کے عذاب سے نجات دلائی جاسکے۔“

”ہمارا منصوبہ اب یہی ہے۔“ تھیوسانگ بولا۔

ناگ نے کہا:

”لیکن تمہارے خیال میں یہ عفریت کون ہے ماریا؟ میں اسے کوئی آسمانی بلا ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ زنگاری سانپ نے تو ہمیں یہی بتایا ہے کہ یہ مگر مجھ کی طرح کا کوئی دیو پیکر عفریت ہے جو دُوم پر کھڑے ہو کر چلتا ہے اور جس کے حلق سے بیہیت ناک آواز نکلتی ہے۔“

ماریا کہنے لگی:

”سانپ نے تو اسے دیکھا ہے۔ وہ ٹھیک ہی کہتا ہو گا۔ لیکن وہ کتنی ہی طاقتور بلا کیوں نہ ہو۔ ہم اسے

مزدور ہلاک کر کے دم لیں گے کیونکہ وہ معسوم انسانوں کی دشمن ہے اور نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو اب تک ہڑپ کر چکی ہے۔“

تھیوسانگ نے گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اس خالی حویلی کے کسی کمرے میں جا کر آرام کرنا چاہیے۔ زنگاری سانپ آدم خور عفریت کے غار میں نمودار ہوتے ہی ہمیں خبر کرنے ضرور آئے گا۔ اس کے بعد سوچیں گے کہ اسے کس طرح موت کے گھاٹ اتارا جاسکتا ہے۔“

ماریا بولی: ”تمہارے لیے تو بڑی آسان بات ہے۔ تم اس کی دُوم کو اپنی انگلی چھوا کر اسے چھوٹا کر دینا۔ بس پھر اسے ہم مرتبان میں بند کر کے زمین میں دفن کر دیں گے۔“

ناگ نے کہا:

”اور اگر وہ مرتبان توڑ کر باہر نکل آیا تو کیا ہو گا؟ نہیں نہیں۔ میں اسے مردہ دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ اس بستی کے لوگوں کو اس سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے۔“

تھیوسانگ بولا: ”یہ کام تو ماریا ہی کر سکتی ہے۔ یہ

نظر تو آتی نہیں بڑے آرام سے اسے دُم سے پکڑ کر کسی اندھے کنوئیں میں گرا دے گی۔

وہ بارہ دری سے نکل کر حویلی میں آگئے تھے۔

ناگ بولا: مجھے لگتا ہے کہ یہ عفریت بہت طاقتور ہے اور اس کے ساتھ کوئی طلسم بھی کام کر رہا ہے بہر حال زنگاری سانپ کی اطلاع آنے تک ہمیں انتظار کرنا ہوگا۔

وہ حویلی کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں آگئے۔ یہاں فرش پر قالین بچھے تھے وہ قالین پر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔



دوسری طرف زنگاری سانپ کی اس کامیابی پر کہ اس نے ناگ دیوتا کو اپنی عیاری کے جال میں پھنسا لیا تھا۔ آدھی چڑیل رادنی بہت خوش تھی۔ زنگاری سانپ سے اپنے آپ کو ڈسوانے کے بعد اس نے سانپ کو اپنے سینے سے چمٹا کر اسے اپنا زہریلا دودھ پلایا اور اسے گردن سے پکڑ کر مٹی کی کٹوری میں ڈالتے ہوئے کہا:

خونی سانپ! پل اب یہاں سو جا۔ تو نے ناگ

دیوتا کو اپنے جال میں پھنسا لیا۔ تیرا زہر میرے خون میں ہے۔ میرا زہر تیرے خون میں ہے۔ اب سو جا۔ چپ چاپ سو جا۔

زنگاری سانپ کٹوری میں جلیبی کی طرح کندلی مار کر سوگی۔ آدھی چڑیل رادنی نے اپنے سرخ انکاروں ایسے ڈیلوں کو سیاہ پپوٹوں سے ڈھانپ دیا اور ناگ دیوتا کو پھنسا کر شیش ناگ کے حضور لے جانے کے بارے میں سوچ بچار کرنے لگی۔ اسے خیال آیا کہ کیوں نہ شیش ناگ کو یہ خوش خبری سنا کر اس سے مشورہ لیا جائے۔ رادنی نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بند کر کے اپنی گردن کو پیچھے کی طرف ڈھلکایا۔ اس کے حلق سے غرغراہٹ کی آوازیں نکلنے لگیں۔ اس نے تلوار ایسی تیز آواز میں کہا:

”اے مہاشیش ناگ! میں نے ناگ دیوتا کا سراغ لگا لیا ہے مجھے کوئی چال بتاؤ کہ میں اسے پھنسا کر تمہارے دربار میں پیش کروں۔“

اس کے کانوں میں شیش ناگ کی سسکار ایسی آواز آئی۔ رادنی! ناگ دیوتا کو جکڑ کر میرے پاس لانا تمہارا کام ہے یہ تو خود ہی سوچ کر رہے گی۔ مجھ سے مشورہ مت مانگ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ خبردار!



مجھے دوباراً مت بلانا۔

آدھی چڑیل رادنی نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا اور کالے کالے موٹے ہونٹوں پر اپنی لال زبان پھیرنے لگی۔ پھر سیاہ لمبے ناخنوں والا ہاتھ اپنے سینے پر زور سے مارا اور عزائی:

”ناگ دیوتا مجھ سے بچ کر نہیں جائے گا۔ اب وہ میری مکتی کا سادھن بنے گا۔ میری نجات کا ذریعہ بنے گا۔ میں اگلے جنم میں دوزخ کے گہے گڑھے میں نہیں جاؤں گی۔“

رادنی اپنے سر پر ابھے ہوئے کالے سیاہ بالوں اور سانپوں کو زور زور سے کھینچنے لگی۔ چڑیلیں اسی طرح سوچا کرتی ہیں۔ اس کے سر کے کتنے ہی بال اس کے ہاتھ میں آگئے۔ آخر وہ مسکرائی۔ اس کے ٹیڑھے میڑھے زرد نوکیلے دانت نظر آنے لگے۔ ایک ترکیب اس کے مکروہ دماغ میں آگئی تھی۔ وہ اٹھ کر غار کے کونے میں گئی۔ یہاں ایک پرانی ہنڈیا پڑی تھی جو دھوئیں سے سیاہ ہو رہی تھی۔ رادنی نے اس کا ڈھکن اٹھایا تو اس میں سے کالے دھوئیں کی ایک لکیر نکل کر اندھیرے میں غائب ہو گئی۔ آدھی چڑیل رادنی نے منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ وہ کالے جادو کے منتر پڑھ

رہی تھی۔ ساری رات وہ منتر پڑھ پڑھ کر ہنڈیا میں بھونکتی رہی۔ صبح ہوئی تو آدھی چڑیل رادنی نے ہنڈیا کا ڈھکن بند کر دیا۔ کٹوری میں سے سانپ کو نکال کر اسے اپنا زہریلا دودھ پلایا۔ اور اس سے خود کو ڈسوا یا۔ پھر زنگاری سانپ کو گردن سے پکڑ کر اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کیا اور بولی:

”خونی سانپ! مجھے بتا کر ناگ دیوتا کے ساتھ کوئی

ایسی عورت بھی ہے جو نظر نہ آتی ہو؟“  
سانپ بولا: ”ہاں ماما۔ ایک لڑکی ان کے ساتھ ہے۔ شاید اس کا نام ماریا ہے اور وہ دکھائی نہیں دیتی مگر ناگ دیوتا کے ساتھ ہوتی ہے۔“

رادنی نے ایک مکروہ قہقہہ لگا کر کہا:

”بس ٹھیک ہے۔ اب تو جا اور کسی طرح سے اس نظر نہ آنے والی ماریا لڑکی کو میرے غار میں لا۔ اگر تو اسے یہاں لانے میں ناکام رہا تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی اور تیرا اگلا جنم چڑیل ناگن کا ہو گا۔“

زنگاری سانپ جلدی سے بولا:

”چڑیل ماما! میں ابھی جا کر ماریا کو تیرے پاس لے آتی ہوں۔ تو فکر نہ کر۔ میں یہ کام کر سکتا ہوں۔“

یہ کہہ کر زنگاری سانپ غار سے نکل کر ناگ دیوتا کی بارہ دری کی طرف روانہ ہو گیا۔ ناگ، تھیوسانگ اور ماریا اس وقت حویلی کی دوسری منزل میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ زنگاری سانپ ان کی بولیٹا حویلی کی دوسری منزل میں آ گیا۔ ناگ نے اسے کمرے میں آتے دیکھا تو خوش ہو کر بولا: ”تم آگئے؟ ضرور آدم خور عفریت کی کوئی خبر لاتے ہو گے۔“

زنگاری سانپ نے ادب سے گردن جھکائی اور کہا: ”عظیم ناگ دیوتا! مجھے ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ آدم خور عفریت یہاں سے قریب ہی ایک کھنڈر کے نیچے غار میں موجود ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو لینے آیا ہوں۔“

ناگ تھیوسانگ اور ماریا بہت خوش ہوئے۔ وہ زنگاری سانپ کے ساتھ کھنڈر کی طرف چل پڑے۔ کھنڈر کے نیچے جاتے غار کے سوراخ کے پاس آ کر زنگاری سانپ نے عیاری سے کام لیتے ہوئے کہا:

”عظیم ناگ دیوتا! آدم خور عفریت پر کسی طلسم کا اثر بھی ہے اس لیے آپ کو بڑی ہوشیاری سے اندر جانا ہو گا۔“

تھیوسانگ کہنے لگا: ”کیوں نہ ماریا کو غار میں بھیج دیں۔ وہ تو نظر بھی نہیں آئے گی اور ہمیں عفریت کے بارے میں پوری تفصیل بھی لا کر دے سکے گی کہ عفریت کیسا ہے اور ہم اسے کس طرح ہلاک کر سکتے ہیں۔“

ماریا بولی: ”میں غار میں جانے کو تیار ہوں۔ تھیوسانگ کا خیال ٹھیک ہے۔ آپ میں سے کسی کو یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔“

پھر اس نے زنگاری سانپ سے کہا: ”چلو مجھے غار میں اس جگہ لے چلو جہاں آدم خور عفریت موجود ہے۔“

سانپ بولا: ”چلئے عظیم ناگ دیوتا کی ہمیشہ صاحبہ میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ میرے پیچھے پیچھے آ جائیں۔“

ناگ نے ماریا کو ہدایت کی کہ وہ احتیاط سے کام لے۔ ماریا بولی:

”قدر کی کوئی بات نہیں ناگ۔ میں اس قسم کے کئی مرحلوں سے پہلے بھی گذر چکی ہوں۔“

یہ کہہ کر ماریا زنگاری سانپ کے پیچھے پیچھے غار میں



داخل ہو گئی۔

اس کے غار میں داخل ہوتے آدھی چڑیل رادنی کو فوراً علم ہو گیا کہ سانپ کے ساتھ کوئی غیبی عورت غار میں داخل ہو چکی ہے۔ چڑیل رادنی نے اندھیرے کوٹے میں رکھی ہنڈیا کا ڈھکن اٹھا دیا اور خود اپنے جسم پر سر سے پاؤں تک دونوں ہاتھ پھیرے۔ ہاتھوں کے پھرتے ہی آدھی چڑیل رادنی دھوئیں کی ایک سیاہ لکیر بن کر غار کی دیوار کے ساتھ چپک گئی۔

ماریا غار میں چلی آ رہی تھی۔ زنگاری سانپ آگے آگے رینگ رہا تھا۔ وہ اسے لے کر غار میں آ گیا۔ ماریا نے فضا میں عجیب ناگوار بو محسوس کی۔ وہ ایک جگہ ٹک گئی۔ اس نے سانپ کی زبان میں اس سے پوچھا کہ عفریت کہاں سے کتنے فاصلے پر ہے اور یہ ناگوار بو کس چیز کی ہے۔ مکار سانپ بولا:

”ناگ دیوتا کی عظیم بہن! یہ بو عفریت ہی کی ہے اور وہ اگے غار میں ہے۔“

زنگاری سانپ نے اپنی رادنی مانا کی بو سونگھ لی تھی۔ وہ ماریا کو ہنڈیا کے قریب لے آیا اور بولا:

”آپ یہاں ٹھہریں۔ میں آگے جا کر دیکھتا ہوں کہ عفریت کس حالت میں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ

سو یا ہوا ہو تو آپ اسے قابو کر لیں۔“

زنگاری غار کے ایک بل میں گھس گیا۔

آدھی چڑیل رادنی دھوئیں کی لکیر بن کر دیوار کے ساتھ چپٹی بہ سب کچھ سن رہی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ زنگاری سانپ بل میں گھس گیا ہے اور ماریا وہیں موجود ہے تو اس نے اپنے حلق سے ایک دھیانہ چیخ کی آواز نکالی اور دھوئیں کی لکیر غار کی دیوار سے الگ ہو کر بگولے کی طرح چکرانے لگی۔ ماریا ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ دھوئیں کی لکیر کا بگولہ اس کے ارد گرد گھوم رہا تھا۔ ماریا اچھل کر ایک طرف ہونے لگی تو بگولے نے اسے اپنی پلیٹ میں لے لیا۔ شاید زندگی میں پہلی بار ماریا کے منہ سے ایک درد انگیز آواز بلند ہوئی۔ کیوں کہ بگولہ نوکیلے کانٹوں کی طرح اس کی پسلیوں میں گھس رہا تھا۔ پھر اس پر غشی طاری ہونے لگی اور وہ غار کی زمین پر اندھیرے میں گر پڑی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو سیاہ دھوئیں کی شکل میں ایک ہنڈیا میں بند پایا۔ اس نے پوری طاقت کے ساتھ ہنڈیا سے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر جیسے اس کی طاقت کسی نے چھین لی تھی۔ ماریا ہنڈیا سے باہر نہ نکل سکی۔ اسے باہر سے رادنی چڑیل کا قہقہہ سنائی دیا۔ پھر اسے اپنی ہی آواز سنائی دی:

”ماریا! تو اس وقت تک اس ہنڈیا میں بند رہے گی جب تک میں تجھے باہر نہیں نکالتی اور میں نہیں اس وقت باہر نکالوں گی جب میرا کام ختم ہو جائے گا۔“

ماریا اپنی آواز سن کر کہتے میں آگئی۔ اس کے ساتھ دھوکا ہوا تھا۔ سانپ اسے فریب دے کر غار میں لے آیا تھا اور یہ کوئی بدردہ نہ تھی جس نے اسے ہنڈیا میں قید کر کے خود اس کا روپ دھار لیا تھا۔ اس نے کچھ بولنا چاہا مگر ماریا کی آواز بھی جاتی رہی تھی۔ صرف اس کی سوچنے کا صلاحیت اور احساس باقی تھا۔

آدھی چڑیل رادنی ماریا کا روپ بدل کر غائب ہو چکی تھی۔ اس نے بل میں سے اپنے زنگاری سانپ کو باہر نکالا اور اسے حکم دیا کہ اسے ڈسے۔

سانپ نے کہا:

”خونی ماما تو مجھے دکھائی نہیں دیتی۔“

رادنی عزائی: ”لو اب ڈسو مجھے۔“

اور رادنی نے سانپ کو غیبی ہاتھ سے گردن سے پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ میں آتے ہی سانپ بھی غائب ہو گیا۔ رادنی نے سانپ سے اپنے بازو پر ڈسوا یا اور اسے لے کر غار کے منہ

کی طرف بڑھی۔ اس نے سانپ کو ہدایت کی کہ وہ ناگ اور اس کے ساتھی کو یہی کہے کہ آدم خور عفریت غار میں نہیں ہے۔ غار کے باہر دھوپ نکلی ہوئی تھی اور ناگ اور تھیوسانگ ایک جگہ کھڑے ماریا کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ انہیں ماریا کے جسم کی بو آئی مگر انہوں نے محسوس کیا کہ اس بو میں کچھ تیزی اور تلخی سی آگئی ہے۔

ناگ نے سانپ کو غار سے باہر آتے دیکھا تو بولا:

”ماریا! تم سانپ کے ساتھ ہی ہو؟“

رادنی ماریا نے ماریا کی ہی آواز میں کہا:

”ہاں ناگ! میں سانپ کے ساتھ ہی آ رہی ہوں۔ افسوس کہ عفریت غار سے نکل کر کسی طرف چلا گیا ہے۔“

تھیوسانگ کہنے لگا:

”کہاں چلا گیا ہے؟“

رادنی ماریا بولی:

”اس سانپ کا خیال ہے کہ وہ کسی دوسرے ملک کی طرف نکل گیا ہو گا کیونکہ اس بستی میں اب اسے انسانی شکار نہیں ملتا۔“

ناگ نے سانپ سے پوچھا:



”کیا عفریت یہاں سے جا چکا ہے؟“

”ننگاری سانپ نے بڑے ادب سے جواب دیا:  
عظیم ناگ دیوتا! مجھے یہی اطلاع ملی تھی کہ وہ غار میں  
سو رہا ہے۔ مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بستی  
کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک چلا گیا ہے۔ کیوں کہ  
مجھے اس کی خاص بو نہیں آ رہی پہلے یہ بو آتی تھی۔  
ناگ تے ماریا سے مخاطب ہو کر کہا:

”تمہاری کیا رائے ہے ماریا؟ کیا ہمیں یہاں رہ کر  
عفریت کی واپسی کا انتظار کرنا چاہیے۔“

رادنی ماریا بڑی مکاری سے کام لیتے ہوئے بولی:  
”میری رائے میں ہمیں دو ایک دن یہاں رہ کر  
عفریت کی واپسی کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگر دو دنوں  
تک وہ نہ آیا تو مزید یہاں سے چلا گیا ہو گا۔“

تھیوسانگ نے بھی یہی رائے دی۔

ناگ نے ننگاری سانپ سے کہا:

”تم اب جا سکتے ہو۔ ہاں اگر کسی بھی دقت مہمیں  
عفریت کے آنے کی خبر ملی تو فوراً ہمارے پاس آ کر  
خبر کرنا۔ ہم اسی جوتی میں ہوں گے۔“

”جو حکم عظیم ناگ دیوتا“

یہ کہہ کر سانپ نے ادب سے تعظیم کی اور چلا گیا۔ اس  
کے جانے کے بعد نقلی ماریا یعنی رادنی ماریا نے ناگ سے کہا:  
”ناگ بھائی! مجھے پورا یقین ہے کہ آدم خور عفریت  
یہ بستی چھوڑ کر چلا گیا ہے۔“  
تھیوسانگ نے کہا:

”خدا کرے کہ ایسا ہی ہوتا کہ بستی کے لوگوں کو

اس بلا سے نجات مل جائے۔ آخر یہ بے چارے

کب تک قبروں کے نیچے زندگی بسر کرتے رہیں گے۔“

رادنی پڑیل چونک پڑی۔ اسے پہلی بار معلوم ہوا کہ بستی کے

لوگ اپنے گھروں کو خالی چھوڑ کر قبروں کے نیچے جا کر رہنے

لگے ہیں۔ مگر اب اسے ان کی ضرورت نہیں تھی۔ اب وہ انسانی

گوشت کی بھوک سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ اب تو اسے ایک ہی

فکر تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو جلد از جلد ناگ کو اپنے ساتھ

ہندوستان کے ملک میں کورد منڈل کی چٹانوں میں بنے ہوئے

شیش ناگ کے دربار میں لے جا کر پیش کرے اور خود قیرے

جنم کے دوزخ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔ لیکن

ناگ اور تھیوسانگ کو ہندوستان کی طرف جانے پر وہ مجبور

نہیں کر سکتی تھی۔ شام تک وہ ان سے باتیں کرتی اور ان

کی باتیں سنتی رہی۔ ان کی باتوں سے رادنی ماریا کو یہ بھی پتہ

چلا کہ ان کے در ساتھی عنبر اور کیٹی ان سے بکھڑچکے ہیں اور انہیں ان کی تلاش ہے۔

ناگ نے آخر ماریا سے پوچھ ہی لیا۔

”ماریا بہن! تمہاری بو میں اچانک اتنی تیزی اور تمنی کیوں لگ گئی ہے؟ پہلے تو تمہاری بو بڑی نرم اور خوشگوار ہوتی تھی۔“

رادنی ماریا نے فوراً کہا:

”ناگ بھائی! جب میں غار میں داخل ہوئی تو وہاں ایک عجیب، ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ یہ بو میری بو میں شامل ہو گئی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ کسی طلسم کی بو ہو۔“

خدا نہ کرے۔ ناگ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

رادنی ماریا اصلی ماریا نہیں تھی۔ اس لیے اسے یہ یاد نہیں تھا کہ وہ ناگ عنبر تھو سا ناگ اور کیٹی کے ساتھ ہزاروں برس سے سفر کر رہی ہے۔ اس لیے بڑی چالاک سے باتوں ہی باتوں میں کافی کچھ ناگ سے پوچھ لیا تھا اور اسے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ عنبر اور کیٹی ان سے جدا ہو چکے ہیں۔ رادنی ماریا بڑی ہوشیاری سے ناگ تھو سا ناگ سے بات کرتی تھی کہ کہیں اس کی کسی بات سے بجا نہ پھوٹ جائے۔ لیکن چونکہ رادنی خود ایک چڑیل تھی

اس لیے وہ ماریا کے زندہ روپ میں بھی آ سکتی تھی اور اس کے علاوہ کوئی بھی دوسرا روپ بھی بدل سکتی تھی۔ اس نے حویلی میں ناگ اور تھو سا ناگ کے ساتھ دو دن بڑی بے چینی سے گزارے۔ وہ جلد از جلد ناگ کو ساتھ لے کر ملک ہندستان کی طرف روانہ ہو جانا چاہتی تھی۔ مگر اسے حالات کو دیکھتے ہوئے صبر و تحمل سے کام لینا پڑ رہا تھا۔





## عیار زہر بلا سانپ

دودن بعد زنگاری سانپ عین وقت پر آگیا۔  
 ناگ، تھیوسانگ اور نقلی رادنی ماریا اسی کے انتظار میں  
 تھے۔ سانپ نے آکر ناگ کے آگے ادب سے سلام کیا اور کہا:  
 "عظیم ناگ دیوتا کو خوش خبری ہو کہ آدم خور عفریت  
 اس علاقے سے نکل کر روم کے سمندر کی طرف جا  
 چکا ہے اور اب وہ یہاں کبھی نہیں آئے گا۔"  
 ناگ نے پوچھا:

"تمہیں یہ خبر کس نے لا کر دی ہے؟"

زنگاری سانپ بولا:

"عظیم ناگ دیوتا! مجھے سمندر کے اندر رہنے والے  
 ایک ایسے کھوکھلے نے یہ خبر بتائی ہے جو زمین  
 پر بھی زندہ رہ سکتا ہے اور جس کو زمین اور سمندر  
 کے سارے رازوں کا علم ہے۔"

318 رادنی ماریا بول:

"سانپ ٹھیک کہتا ہے ناگ! اگر عفریت اس علاقے  
 میں ہوتا تو اب تک ضرور ظاہر ہو گیا ہوتا۔"  
 تھیوسانگ نے بھی نقلی ماریا کی تائید کی اور بولا:  
 "اب ہمیں بستی کے لوگوں کو جا کر یہ خوش خبری سنا  
 دینی چاہیے کہ آسانی بلا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی گئی  
 ہے اور اب وہ قبروں کے نیچے سے نکل کر اپنے  
 اپنے مکانات میں واپس آ جائیں۔"

ناگ نے سانپ سے ایک بار پھر سوال کیا:  
 "کیا تمہیں یقین ہے کہ اب عفریت ادھر کا رخ  
 نہیں کرے گا؟"

زنگاری سانپ سر جھکا کر بولا:

"عظیم ناگ دیوتا! اس بار مجھے جو اطلاع ملی ہے  
 وہ غلط نہیں ہو سکتی۔"

ناگ نے کہا:

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ماریا! تم قبرستان میں جا کر لوگوں  
 کو یہ خوش خبری سنا دو۔"

رادنی ماریا کھلم کھلا مسوس کر رہ گئی۔ کاش یہ خبر اسے پہلے  
 مل جاتی۔ وہ کسی ایک انسان کو بھی زندہ نہ چھوڑتی۔ مگر  
 اب اسے انسانوں کی بھوک ہی نہیں رہی تھی۔ وہ فضا

میں بند ہو کر ہوا میں تیرتی ہوئی قبرستان میں جا پہنچی۔ ناگ  
سے اس نے معلوم کر لیا تھا کہ بستی کے لوگ قبروں کے  
نیچے رہتے ہیں۔ راوٹی ماریا نے جاتے ہی قبروں کے مرتبانوں  
پر ایک چکر لگایا۔ پھر ایک مرتبان میں سے قبر کے اندر  
اتر گئی۔ یہاں ایک آدمی کوٹھڑی میں بیٹھا پکھا جل رہا تھا۔  
راوٹی ماریا نے جانتے ہی کہا:

”بستی کے لوگو! سنو! میں آکاش کی نیک روح ہوں  
اور تم لوگوں کو یہ خوش خبری سناتے آئی ہوں کہ  
جس آسمانی بلا کے خوف سے تم اپنا گھر بار چھوڑ کر  
قبروں میں آکر آباد ہو گئے تھے اسے ہمیشہ ہمیشہ  
کے لیے موت کی نیند سلا دیا گیا ہے۔ تم بے فکر  
ہو کر قبروں سے نکل کر اپنے اپنے مکانات میں  
جا کر آباد ہو جاؤ۔

یہ کہہ کر راوٹی ماریا قبر سے باہر نکل آئی۔ ٹھوڑی ہی  
دیر میں قبروں کے مرتبانوں میں سے انسانی سر باہر جھانکنے  
لگے۔ پھر لوگ مرتبانوں سے نکل نکل کر باہر آئے۔ قبرستان  
میں لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ وہ خوشی سے لغے لگا رہے  
تھے۔ ایک جلوس کی شکل میں یہ لوگ بستی کی طرف بڑھے۔  
راوٹی ماریا پہلے ہی ناگ اور تھوسانگ کے پاس پہنچ چکی تھی۔

یہ لوگ اب حویلی سے نکل کر بستی کے ایک باغ میں درختوں  
کے نیچے بیٹھے تھے۔

دیکھتے دیکھتے لوگ اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو گئے۔ بستی  
میں ہر طرف خوشی کے نشے بند ہو رہے تھے۔ ان لوگوں کو  
آسمانی آواز پر بے حد یقین تھا۔ ساری رات بستی میں چراغاں  
ہوتا رہا۔ ناگ اور تھوسانگ باغ ہی میں پڑے رہے۔ راوٹی ماریا  
بھی ان کے پاس ہی بیٹھی تھی۔

ناگ نے اچانک کہا:

”ماریا! مہمادی بو اتنی تیز ہے کہ ہمارے قریب بیٹھا نہیں  
جاتا۔ تم اسے کم نہیں کر سکتیں۔“

راوٹی چڑیل ماریا نے کھا جانے والی نظروں سے ناگ کو  
دیکھا۔ مگر بڑے نرم لہجے میں بولی:

”ناگ بھئی! یہ میرے اختیار میں نہیں۔ یہ غار کی  
ناخوشگوار بو کا اثر ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ دنوں کے بعد یہ  
تیزی اپنے آپ کم ہو جائے۔“

تھوسانگ گھاس پر لیٹتے ہوئے بولا:

”بھئی ہمارا اس بستی کا مشن تو ختم ہو گیا۔ اب ہمیں  
عنبر کیٹی کی تلاش میں چلنا چاہیے۔“  
ناگ نے کہا:



”کھانی دیوی کی مورتی نے تو کہا تھا کہ عنبر کیٹی ہمیں اسی جگہ ملیں گے۔ آخر ہم نے اسی خواہش کا

اظہار کیا تھا۔ کیوں ماریا؟“  
چڑیل ماریا بوکھلا سی گئی۔ کیوں کہ اسے کسی کھانی دیوی کا کچھ علم نہیں تھا۔ پھر بھی اس نے بڑی مکاری سے کہا:  
”کیوں نہیں۔ ہم نے یہی خواہش کی تھی۔“  
تھیوسانگ کہنے لگا:

”کھانی دیوی کا کہا جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ عنبر اور کیٹی ہمیں اسی عہد، اسی زمانے اور اسی زمین پر کہیں نہ کہیں ضرور مل جائیں گے۔“  
چڑیل ماریا چونکہ ناگ کو ملک ہندوستان واپس لے جانے کے لیے بے تاب تھی اس لیے بولی:

”ناگ بھائی! کیوں نہ ہم عنبر اور کیٹی کو ملک ہندوستان میں چل کر تلاش کریں۔“

ناگ نے کہا:  
”تم کیسے یقین سے کہہ سکتی ہو کہ وہ دونوں ہندوستان میں ہی ہوں گے؟“

چڑیل ماریا نے ذرا سا کھانسن کر کہا:

”میں نے ویسے ہی اندازے سے کہہ دیا تھا۔“

ناگ نے تھیوسانگ کی طرف متوجہ ہو کر کہا:  
”تھیوسانگ! عنبر اور کیٹی ضرور کسی خلائی سیارے پر ہوں گے مگر ہم ان کی کھوج میں اب خلا میں نہیں جا سکتے۔ کیونکہ ہم بہت پرانے زمانے میں آچکے ہیں اور یہاں سے کوئی راکٹ غلاں نہیں جاتا۔“

تھیوسانگ بولا: ”میرے خیال میں ہمیں قرطاجنہ شہر چل کر کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔ تمہاری کیا رائے ہے ماریا؟“  
راونی چڑیل ماریا بولی:

”میں تو یہ مشورہ دوں گی کہ ہمیں سانپ سے عنبر کیٹی کا پتہ پوچھنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے اسے ان کے بارے میں کچھ علم ہو۔“  
ناگ نے کہا:

”اسے کیا خبر ہو گی؟“

تھیوسانگ نے فوراً کہا:

”نہیں نہیں ناگ۔ ماریا ٹھیک کہتی ہے۔ یہ سانپ اگر ہمیں آدم خور عنبریت کے بارے میں بتا سکتا ہے تو عنبر کیٹی کی بھی خبر لا سکتا ہے۔“

ماریا نے تھیوسانگ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا:  
”آخر سانپ سے پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔؟“

ناگ بولا: "تو پھر میں سانپ کو بلا کر پوچھ لیتا ہوں۔"  
 ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور سانپ کو آواز دی۔  
 چڑیل ماریا بڑے غور سے ناگ کو گہرا سانس لے کر سانپ  
 کی آواز میں بات کرتے دیکھ رہی تھی۔ سچ شمع یہ ناگ دیوتا  
 ہی تھا۔ چڑیل ماریا وہاں سے جا نہیں سکتی تھی۔ ورنہ وہ  
 زنگاری سانپ کو پہلے سے خبردار کر دینا چاہتی تھی کہ وہ یہی  
 کہے کہ عنبر کیٹی ملک ہندوستان میں ہیں۔ مگر چڑیل ماریا کو  
 معلوم تھا کہ سانپ تمام حالات سے باخبر ہے اور وہ ایسا  
 ہی کہے گا۔ ناگ کے پکارنے کے محوڑی دیر بعد زنگاری سانپ  
 آگیا۔ اس نے ناگ دیوتا کی تعظیم کی اور پوچھا:  
 "عظیم ناگ دیوتا! غلام خدمت کے لیے حاضر ہے۔"  
 ناگ نے کہا:

"دوست! تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ہمارے ساتھ ہمارے  
 دو ساتھی بھی تھے۔ ان میں سے ایک کا نام عنبر  
 ہے اور دوسری ساتھی کا نام کیٹی ہے۔ یہ دہلی پتلی  
 نیلی آنکھوں والی حسین لڑکی ہے۔ کیا تم ان دونوں  
 کے بارے میں بتا سکتے ہو کہ وہ اس وقت دنیا کے  
 کس خطے اور کس ملک میں ہوں گے؟  
 زنگاری سانپ نے ادب سے کہا:

"عظیم ناگ دیوتا۔ اس کے لیے بھی مجھے اپنے خاص  
 رہنما پکھوے سے مشورہ لینا ہو گا۔ مجھے آج کے  
 دن کی مہلت دے دیں۔ میں رات کو آپ کے پاس  
 آ کر کچھ عرض کر سکوں گا۔"  
 ناگ بولا: "تمہیں اجازت ہے۔ مگر پتہ درست لگوا  
 کر لانا۔"

"ایسا ہی ہو گا عظیم ناگ دیوتا! اور سانپ چلا گیا۔  
 چڑیل ماریا نے کہا:  
 "میں ذرا بستی کا چکر لگا کر دیکھنا چاہتی ہوں کہ لوگ  
 اپنے اپنے مکانوں میں کس طرح خوشیاں منا رہے ہیں۔"  
 تھیوسانگ نے کہا:

"خدا کے لیے دیر مت لگانا ماریا۔ ہم پریشان  
 ہو جاتے ہیں۔"

"میں جلدی آ جاؤں گی تھیوسانگ بھائی!"

یہ کہہ کر ماریا وہاں سے فضا میں بلند ہوئی اور سیدھی  
 اپنے غار میں آ گئی۔ وہاں زنگاری سانپ پہلے سے موجود  
 تھا۔ چڑیل راوٹی ماریا نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ  
 سانپ سے اپنے آپ کو ڈسوا یا۔ پھر اسے زہریلا دھووا پلایا  
 اور آخر میں اسے کہا کہ وہ ناگ تھیوسانگ کو یہی کہے کہ



کر دی اور ناگ سے کہا کہ اس کا دل کہہ رہا ہے کہ عنبر اور کیٹی ہندوستان کے مغربی ساحل کے کسی شہر میں پہنچ چکے ہیں۔ اس لیے سانپ چلے کچھ بھی کہے ہمیں ہندوستان کی طرف ہی سفر کرنا چاہیے۔ تھیوسانگ نے رادنی لعلی ماریا کا ساتھ دیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ اصل ماریا نہیں ہے۔ ناگ نے کہا کہ جب تک سانپ نہیں آتا ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

اور رات کے پہلے پہل چڑیل رادنی کا عیار سانپ بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ناگ کو سلام کیا اور بتایا کہ اس کی اطلاع کے مطابق عنبر اور کیٹی ملک ہندوستان کے مغربی ساحل کے کسی شہر میں موجود ہیں اور وہاں سمندر قریب ہے اور بھورے رنگ کی چٹانیں بھی ہیں۔

چڑیل ماریا نے خوش ہو کر کہا:

”دیکھا۔ سانپ نے بھی دہی کہا جو میں کہہ رہی تھی۔ ناگ بھائی اب ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے اور جتنی جلدی ہو یہاں سے کوچ کر دینا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عنبر اور کیٹی وہاں سے بھی کسی طرف نکل جائیں۔“

ناگ بھلا کیسے انکار کر سکتا تھا۔ اس نے فوراً حامی بھر لی اور کہا:

عنبر کیٹی ہندوستان کے مغربی ساحل کا درمختل ہی میں ہیں۔ سانپ بولا: ”رادنی ماتا! میں یہی کہنے والا تھا۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کی مرضی کے بغیر ایک پل کے لیے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔“

چڑیل ماریا نے مکرہہ تہمتہ لگایا اور بولی: ”اس ہنڈیا کی بھی حفاظت کرنا۔ میں چاہتی ہوں کہ جب میں یہاں سے جاؤں تو ماریا کی ہنڈیا کو غار کے اندر زمین میں دفن کر جاؤں۔ تم اس کی پرہ داری کرو گے۔“

سانپ نے کہا:

”مہتارا حکم سر آنکھوں پر ماتا رادنی!“

چڑیل ماریا نے زنگاری سانپ کو اٹھا کر اپنی گردن میں ڈال لیا۔ پھر اس کو پیار کیا اور نیچے چھوڑتے ہوئے کہا:

”میں پہلے وہاں جا رہی ہوں۔ تم رات ہوتے ہی ناگ تھیوسانگ کے پاس باخ میں آ جانا اور جو میں

نے کہا ہے ویسے ہی کہنا۔“

چڑیل ماریا جس تیزی سے غار میں آئی تھی اسی تیزی سے واپس تھیوسانگ اور ناگ کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے زنگاری سانپ کے لیے پہلے ہی سے زمین تیار کرنی شروع

”ہم صبح ہی ہندوستان کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔“  
 اس نے سانپ سے ایک بار تصدیق کی اور اسے حکم دیا کہ وہ اب واپس جا سکتا ہے۔ زندگی سانپ سلام کر کے واپس چلا گیا۔ چڑیل ماریا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ اپنی زندگی کے سب سے بڑے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہونے والی تھی۔ ناگ دیوتا کو اپنے قبضے میں کر کے شیش ناگ کے دربار میں لے جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ شیش ناگ اور ناگ دیوتا میں پرانی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ اگرچہ شیش ناگ، ناگ دیوتا کے ماتحت تھا مگر وہ اندر ہی اندر اس کے خلاف تھا اور اسے نقصان پہنچانے اور بچا دکھانے کے لیے ہر وقت کسی نہ کسی سازش میں مصروف رہتا تھا۔ آدھی چڑیل رادنی کی بھی یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ وہ ناگ دیوتا کو لے کر شیش ناگ کے زمین دوز مندر کی طرف لے جانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اب اسے وہاں پہنچا کر کسی طرح شیش ناگ کے سامنے قیدی حالت میں پیش کرنے کا مشکل کام باقی تھا۔ مکار اور بے رحم چڑیل رادنی ماریا کو یقین تھا کہ وہ اس مشکل کام کو بھی کر گذرے گی۔“

جس حویلی میں پہلے ناگ تھیوسانگ اور ماریا ٹھہرے

ہوئے تھے اب وہاں ایک جوان میاں بیوی اور اس کی پیاندی بچی آکر رہنے لگی تھی۔ یہ ان ہی کی حویلی تھی۔ یہ امیر لوگ تھے اور انہوں نے ناگ اور تھیوسانگ کو اپنی حویلی کا ایک کمرہ رہنے کے لیے دے دیا تھا۔ ناگ اور تھیوسانگ نے بسنی والوں پر یہ بالکل ظاہر نہیں کیا تھا کہ بستی کی بلا کو دور کرنے میں انہوں نے کس قدر پارٹ ادا کیا ہے۔ انہوں نے اپنے بارے میں حویلی کے جوان میاں بیوی سے یہی کہا تھا کہ وہ مسافر ہیں اور اس بستی کو خالی دیکھ کر حویلی میں ٹھہر گئے تھے۔ اس نوجوان کی نوجوان بیوی کا نام کمپا تھا۔ یہ ملک سوریا کی رہنے والی آتش پرست عورت تھی۔

جلنے سے پہلے ناگ اور تھیوسانگ نے کمپا اور اس کے خاندان کا شکریہ ادا کیا۔ کمپا نے پوچھا کہ اب وہ کس ملک کی طرف جا رہے ہیں۔ تو ناگ بولا:

”ہم ملک ہندوستان کی طرف جا رہے ہیں۔ یہیں وہاں اپنے ایک ساتھی سے ملنا ہے۔“

کمپا اور اس کا خاندان حویلی کے دروازے تک آئے۔ ناگ اور تھیوسانگ نے ان سے ہاتھ ملایا اور بستی کے بازاروں میں سے گذرتے شہر کے بڑے بازار میں آ گئے۔ یہاں سے انہوں نے وہ سڑک پکڑی جو شہر دمشق کی طرف



جاتی تھی۔ کیوں کہ صرف دمشق ہی سے انہیں ہندوستان کی طرف جلتے والا قافلہ مل سکتا تھا۔ چڑیل ماریا خوش بھی تھی اور فکر مند بھی تھی۔ اسے یہ بھی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں ناگ راستے ہی میں ادھر ادھر نہ ہو جائے۔ یا کہیں اس کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے اور ناگ کوئی دوسرا روپ بدل کر وہاں سے فرار ہو جائے۔ کیوں کہ رادنی چڑیل ہی سی مگر اس کا کوئی منتر ناگ پر نہیں چل سکتا تھا۔ کیونکہ ناگ اس سے زیادہ طاقتور انسان تھا۔ چڑیل رادنی نے یہ منصوبہ بنا رکھا تھا کہ ہندوستان کے قدیم ساحل کورد منڈل پہنچ کر وہ خفیہ طور پر شیش ناگ سے ملاقات کر کے اس سے کوئی ایسا منتر پوچھے گی جس کو چھونک کر وہ ناگ دیوتا کو بے بس کر کے شیش ناگ کے پاس لا سکے۔

ناگ تھیوساگ اور چڑیل ماریا دو دن کے سفر کے بعد شہر دمشق پہنچ گئے۔ دمشق اس زمانے میں چھوٹا سا شہر تھا۔ وہاں ایک ہی کارواں سرائے تھی جہاں سے مہینے میں صرف ایک بار ہندوستان کی طرف قافلہ جاتا تھا۔ ابھی قافلہ روانہ ہونے میں ایک مہینہ باقی تھا۔ یہ لوگ کارواں سرائے ہی میں اتر گئے۔ دن بھر وہ دمشق شہر کی سیر کرتے اور رات کو سرائے میں آکر پڑ رہتے۔ چڑیل ماریا کی بے چینی بہت

بڑھ رہی تھی۔ آخر ایک روز قافلہ تیار ہو گیا اور ناگ تھیوساگ اور ماریا اس میں شامل ہو کر ملک ہندوستان کی طرف روانہ ہو گئے۔

اصلی ماریا غار کے اندر رادنی چڑیل کے جادو کے زور سے ڈھواں بنی ہنڈیا میں بے بس ہو کر بند پڑی تھی اور زنگاری سانپ غار کے دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا کا ذہن اور شعور بیدار تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ جس چڑیل نے اسے ہنڈیا میں ڈھواں بنا کر بند کر دیا ہے وہ خود ماریا کی شکل میں ناگ اور تھیوساگ کے ساتھ سفر کر رہی ہے اور خدا جانے انہیں کیا نقصان پہنچا دے۔ مگر ماریا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ ہنڈیا میں ڈھواں بن کر پیچ و تاب کھا رہی تھی غصے اور بے بسی سے کھول رہی تھی۔ اس نے کئی بار ابھڑ کر ہنڈیا سے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر ہر بار وہ ناکام ہو جاتی تھی۔ ڈھواں ہنڈیا کی ایک خاص سطح سے اوپر نہیں جاتا تھا۔ ویسے بھی ہنڈیا کا منہ ڈھکن سے بند تھا اور تھوڑی بھٹوڑی دیر بعد زنگاری سانپ غار میں آکر ہنڈیا کو دیکھ جاتا تھا۔

نفل ماریا کے روپ میں آنے کے بعد رادنی چڑیل کو اب سانپ سے غور کو ڈھولنے کی ضرورت باقی نہیں رہی

تھی۔ غار میں اس نے محض اپنے سٹوف کی وجہ سے خود کو اپنے سانپ سے ڈسویا تھا۔ کیوں کہ رادنی چڑیل جسمانی حالت میں نہیں تھی۔ اگر وہ جسمانی حالت میں آ جاتی تب اسے دن میں چار مرتبہ سانپ سے ڈسولنے کی لازمی ضرورت تھی۔



اب ہم عنبر اور کیٹی کی طرف چلتے ہیں۔ آپ دوستوں کو یاد ہو گا کہ ہم نے ان لوگوں کو ایک چھوٹے سے خلائی جہاز میں چھوڑا تھا جب وہ بونوں کے سیارے سے رخصت ہو کر اپنی زمین کی طرف خلا میں سفر شروع کر چکے تھے۔ اب جب کہ ہم ان کی کہانی بیان کرنے میں تو عنبر اور کیٹی کا خلائی جہاز ہماری زمین کے مدار میں داخل ہونے ہی والا تھا۔ یہ خلائی جہاز چونکہ چھوٹا تھا اس لیے جوہی وہ زمین کی زبردست کشش والے مدار میں داخل ہوا تو اسے اتنی زور سے جھٹکا لگا کہ اس نے تلابازیاں کھانا شروع کر دیں۔ کیٹی نے بڑی مشکل سے جہاز کو قابو میں کیا۔ عنبر نے خلائی جہاز کی چھت کے ایک کونے میں سے بجلی کے شاٹ کی آگ نکلتی دیکھی تو کیٹی سے کہا: "کیٹی! جہاز کی چھت کو آگ لگ گئی ہے۔"

کیٹی کنٹرول پر بیٹھی تھی۔ اس نے دیکھا کہ جہاز کے انجن روم میں بھی آگ لگ چکی تھی۔ کمپیوٹر بھی اس آگ کے شعلوں کو ظاہر کر رہا تھا۔ جہاز کے بوسٹرڈ میں سے عجیب و غریب شور کی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ کیٹی نے چلا کر عنبر سے کہا کہ پیرا شوٹ باندھ لو۔ کیٹی کنٹرول پر سے اٹھی اور اس نے بھی پیرا شوٹ پہن لیا۔ خلائی جہاز مدار میں ڈولتا ہوا بڑی تیزی سے زمین سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جانے کے لیے نیچے ہی نیچے چلا جا رہا تھا۔ کیٹی اور عنبر فرش پر ریٹکتے ہوئے جہاز کے ایمر جنسی گیٹ کے پاس آ گئے۔ جہاز کی چھت کو آگ لگ چکی تھی۔

کیٹی نے بلند آواز میں کہا:

"عنبر! جہاز پھٹنے والا ہے۔ ہمیں باہر کود جانا ہوگا۔" یہ کہہ کر کیٹی نے دیوار پر لگی ایمر جنسی کی چھوٹی سی سرخ مہتی کو نیچے پھینک دیا۔ مہتی کے نیچے ہوتے ہی خلائی جہاز کا دروازہ کھٹک سے باہر کو اڑ گیا۔ باہر کی تیز ہوا کا تھپیرا اندر آیا تو جہاز اوپر کو اٹھا۔ کیٹی نے پھلانگ لگا دی۔ اس کے پیچھے عنبر بھی باہر کو کود گیا۔ اس کے پیرا شوٹ آٹومیک تھے اور انہیں ایک خاص بلندی پر پہنچ کر اپنے آپ کھل جانا تھا۔ وہ کھلونوں کی طرح لڑھکتے ہوئے زمین کی طرف



کمرے لگے۔ ان کی رفتار کارنیز تھی۔ ان کے اوپر فضا میں  
 خلائی جہاز ایک دھمکے سے پھٹ گیا۔ اس کی آواز ہوا  
 میں نیچے گرتے ہوئے عنبر اور کیٹی نے سنی۔  
 کیٹی اور عنبر کا چہرہ پیرا شوٹ کے ہیمٹ میں تھا جس  
 کی وجہ سے ہوا کے تھپڑوں سے ان کا چہرہ بچا ہوا  
 تھا۔ کیٹی عنبر سے بہت نیچے زمین کی طرف چلی جا رہی  
 تھی۔ انہوں نے اپنے دونوں بازو ہوا میں پھیلا کر خود کو  
 کنٹرول میں کر لیا تھا اور اب وہ لڑھکنیاں نہیں کھا رہے  
 تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ زمین پر ایک طرف سمندر اور ایک  
 خشکی تھی۔ خشکی پر جنگل بزر دھبوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔  
 زمین سے ایک خاص بلندی پر آتے ہی ان کے پیرا شوٹ  
 کھل گئے اور وہ ہوا میں آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگے۔ تیز  
 ہوائیں انہیں ایک طرف اٹھائے لیے جا رہی تھیں۔ نیچے  
 برن پوش پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ پھر یہ چوٹیاں  
 بہت دُور رہ گئیں اور وہ ایک دریا کے کنارے پہنچے  
 بھرے جنگل میں اتر گئے۔ زمین پر آتے ہی عنبر اور کیٹی  
 نے اپنے اپنے پیرا شوٹ اتار کر پیٹے اور انہیں ایک  
 جگہ جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ ان کے لباس چمکیے خلائی  
 لباس تھے۔

عنبر نے کیٹی کے قریب آ کر کہا:  
 ”ہم کس ملک میں اتر آئے ہیں کیٹی؟“  
 وہ دونوں ارد گرد کے درختوں، دریا اور دور بلند پہاڑیوں  
 کو دیکھ رہے تھے ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر برن جی ہوئی  
 تھی۔ فضا میں ٹھنڈک تھی۔

کیٹی نے کہا:  
 ”درختوں اور پھولوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم  
 ملک ہندوستان میں آ گئے ہیں۔“  
 عنبر بولا: ”تمہارا اندازہ درست ہے کیٹی۔ مگر اب  
 یہ دیکھنا ہے کہ یہ زمانہ کون سا ہے؟ کہیں ہم گوتم بدھ  
 کے زمانے میں تو نہیں آ گئے؟“  
 کیٹی اور عنبر باتیں کرتے کرتے دریا کے کنارے پر  
 آ گئے۔

کیٹی دریا کی طرف دیکھ رہی تھی، کہنے لگی:  
 ”عنبر! فضا بڑی صاف ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ  
 اس علاقے میں کیمیکلز کا کوئی کارخانہ نہیں ہے۔  
 دریا کی سطح بھی شفاف ہے۔ اس کے کنارے ٹیلی فون  
 کے کھمبے بھی نہیں ہیں۔ ابھی تک ہمیں فضا میں  
 اڑتا ہوا کوئی ہوائی جہاز بھی نظر نہیں آیا۔ اس کے

کیٹی کمنے لگی :

”ابھی تک ہم کسی گھاٹ پر نہیں پہنچ سکے۔ کیوں نہ تھوڑی دیر یہاں آرام کر لیں۔ پھر اس پہاڑی کے اوپر سے ہو کر دوسری طرف جا کر دیکھیں گے شاید ادھر کوئی شہر آباد ہو۔“

عنبر ایک درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھ گیا۔  
”آرام کی ضرورت تو نہیں مگر تم کستی ہو تو تھوڑی دیر کے لیے یہاں رُک جاتے ہیں۔ بادل بھی آ رہے ہیں شاید بارش ہو۔“

آسمان پر بادل جمع ہونے لگے تھے اور سورج ان میں چھپ گیا تھا جس کی وجہ سے جنگل اور دریا پر گہرے سائے چھانے لگے تھے۔ پھر بجلی چمکنے لگی اور تیز ہوا چلنا شروع ہو گئی۔

عنبر بولا : ”ہمیں کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنی چاہیے کہ بارش سے تو بچ سکیں۔“

وہ جنگل کے اندر چلے گئے۔ یہاں ایک جگہ چٹان کے ایک ایک گہواہ سی بنی ہوئی تھی۔ وہ دونوں اس گہواہ میں آکر بیٹھ گئے۔ اب بارش شروع ہو گئی۔ خوب میزہ برسنے لگا۔ سردی بھی بڑھ گئی مگر انہیں تو سردی لگتی نہیں تھی۔

لگنے لگیں گے۔“

عنبر نے بھی خلائی لباس اتار کر دوسرا لباس پہن لیا۔ کیٹی نے بنایا کہ عورتیں مرد اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ مگر اس نے ان ہی کی زبان میں کہا کہ ہم کھیل تماشہ دکھانے والی منڈی کے لوگ ہیں۔ ہمیں کھیل دکھانے کے لیے نئے کپڑوں کی ضرورت ہے۔

”وہ لوگ تو میرے پیچھے پڑ گئے کہ ہمیں بھی کھیل تماشہ دکھاؤ۔ بڑی مشکل سے انہیں ٹالا۔ اب یہاں سے نکل ہی چلیں تو بہتر ہو گا عنبر۔ بستی کے لوگ کہیں ہمارے کھیل تماشے کے لیے ادھر کا رخ نہ پکڑ لیں۔“

عنبر بولا : ”چلو دریا کے کنارے کنارے آگے کوچل پڑتے ہیں۔ شاید کہیں کوئی کشتی مل جائے۔“

وہ جنگل سے نکل کر دریا کنارے آ کر شمال مغرب کی طرف چلنے لگے۔ اس وقت دن کا وقت تھا۔ سورج آسمان کے درمیان میں آکر چمک رہا تھا۔ چلتے چلتے دن ڈھل گیا تو وہ ایک ایسی جگہ پر آ گئے جہاں سے دریا ایک پہاڑی کے پہلو سے ہو کر چکر کاٹ کر آگے کو چلا گیا تھا۔ یہاں ایک جانب بے حد گھنا جنگل تھا۔



وہ اطمینان سے بیٹھے ناگ ماریا اور تھتھوسا ناگ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد ہارش رُک گئی مگر بادل اسی طرح چھائے ہوئے تھے۔ جنگل کی فضا دھل دھلا کر بڑی نشانات ہو گئی تھی۔ پھولوں کی خوشبوئیں اُڑ رہی تھیں۔

کیٹی نے اٹھتے ہوئے کہا :

”میں ذرا جنگل کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔ تم چلو گے؟“  
عنبر گچھاہ میں لیٹ گیا۔ بولا :

”میرا اس وقت جی نہیں چاہ رہا۔ تم جا کر سیر کر آؤ۔ مگر جنگل میں زیادہ دُور مت جانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ راستہ بھول جاؤ۔“  
کیٹی ہنس کر بولی :

”راستہ بھول جاؤں گی تو تمہاری خوشبو مجھے تمہارے پاس پہنچ لائے گی۔“

عنبر نے گہرا سانس لیا اور کہنے لگا :

”ماریا اور ناگ کی خوشبو تو بالکل ہی نہیں آ رہی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس ملک میں کہیں نہیں ہیں۔“

کیٹی نے کہا :

”نا اُمید نہیں ہونا چاہیے عنبر! یہ ملک بہت بڑا

ہے۔ ہم ابھی سفر کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ناگ ماریا سے اس ملک میں کہیں نہ کہیں ضرور ملاقات ہو جائے گی۔“

یہ کہہ کر کیٹی جنگل کی سیر کو چل دی۔ عنبر آنکھیں بند کر کے ماریا اور ناگ کے تصورات میں کھو گیا۔

کیٹی جنگل میں چلی جا رہی تھی۔ درختوں پر سے ہارش کا رُکا ہوا پانی قطرہ قطرہ ہو کر نیچے گر رہا تھا۔ سبزہ گہرا سبز تھا۔ جنگلی پھول ہوا میں مسکرا رہے تھے۔ ان کی خوشبو چاروں طرف پھیلی تھی۔ درختوں پر پرندے چھپا رہے تھے کیٹی کو یہ منظر بڑا ہی خوبصورت لگا۔ وہ اس منظر میں کھو گئی اور چلتے چلتے کیٹی سے کافی دُور نکل گئی۔ مگر اسے عنبر کی خوشبو باقاعدہ آ رہی تھی۔

دُور درختوں کے تنوں میں ایک جگہ دریا کا پانی اندر کو آ گیا تھا اور وہاں ایک بہت بڑا تالاب سا بن گیا تھا جس میں کنول کے رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ کیٹی ان پھولوں کا نظارہ کرنے تالاب کے پاس آ گئی۔ تالاب کے پاس لمبی لمبی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ کیٹی نے سوچا کہ کچھ کنول کے پھول توڑ کر عنبر کو پیش کرنے چاہئیں۔ اس خیال سے وہ تالاب کے پانی میں اتر گئی۔ یہاں زمین دلدلی تھی اور پانی کیٹی کی پنڈلیوں تک ہی

## راہکاری کی بدروح

کیٹی گدے پانی میں ڈوب گئی تھی۔  
وہ مرنے نہیں سکتی تھی مگر جسم میں آکسیجن کے نہ جانے  
سے اس پر غشی چھالنے لگی۔ مگر مجھ اسے دریا کی دلدلی  
تہہ کی جانب گھسیٹے لیے جا رہا تھا۔ مگر مجھ جب کسی کو  
شکار کرتا ہے تو اسے ایک دم سے ہڑپ نہیں کرتا۔ اس  
کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے شکار کو پہلے پانی میں ادھر ادھر  
گھسیٹ کر دو چار غوطے دیتا ہے جب شکار مر جاتا ہے  
تو مگر مجھ اسے پانی کے اندر دلدل میں بنائے ہوئے کسی غار  
یا کھوہ میں لے جا کر پکڑ میں ڈال دیتا ہے۔ اپنے شکار کو  
وہاں ایک دن پڑا رہنے دیتا ہے جب شکار کی لاش گھڑ  
جاتی ہے تو مگر مجھ اسے کھا جاتا ہے۔

اس مگر مجھ نے بھی کیٹی کو پہلے دریا کے نیچے پانی میں  
ادھر ادھر گھسیٹ کر غوطے دیئے۔ پھر اسے پکڑ کر اپنے  
دلدلی غار میں لے گیا اور وہاں پکڑ میں ایک جگہ ڈال دیا۔

آتا تھا۔ کیٹی نے کچھ بھول توڑے۔ پھر در قدم آگے چلی تو اسے  
اپنے پیچھے شراب کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا  
تو اسے دریا کی ادنیٰ گھاس ہلتی نظر آئی۔ کیٹی نے کوئی خیال  
نہ کیا اور بھول توڑنے لگی۔

اچانک اس کی پنڈلی کسی شے میں آ گئی اور کسی نے  
اسے نیچے گھسیٹا۔ کیٹی منہ کے بل گدے پانی میں گر پڑی۔ اس  
نے غصہ کو آواز دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ کسی شے نے  
اسے پانی کے اندر کھینچ لیا۔ یہ ایک غونٹاک مگر مجھ تھا جو  
کیٹی کی پنڈلی کو اپنے ٹوکیے دانتوں کے شے میں جکڑے پانی  
کے اندر کھینچے لیے جا رہا تھا۔





کیٹی بے ہوش ہو چکی تھی۔ مگر مجھ اسے دہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ تاکہ دن بھر لاش دہاں پڑی رہنے کے بعد گل سڑ جائے تو اسے سڑے لے کر کھا جائے۔ کیٹی دلدل پانی کی تہ میں بے سدھ پڑی تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ پانی کی ایک لہر آئی اور اس نے کیٹی کو اپنی جگہ سے ذرا سا کھسکا دیا۔ دوسری لہر آئی تو کیٹی کا بے ہوش جسم پانی کے زور سے آگے کو چلا اور وہ دلدل غار سے نکل کر دریا کے اندر ہی اندر پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہنے لگی۔ جب وہ پانی کے تیز بہاؤ پر آئی تو وہ دریا میں آگے کی طرف بہہ نکلی۔ کیٹی ابھی تک بے ہوش تھی۔ پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ دریا کے کناروں پر پانی کا بہاؤ تیز نہیں ہوتا مگر اس کے درمیان میں کبھی کبھی ایک ایسی موج چل رہی ہوتی ہے۔ رفتار کم جاتا ہے کہ ساٹھ ستر کلو میل فی گھنٹے تک پہنچ جاتی ہے۔ بے ہوش کیٹی ایک ایسی ہی لہر کی زد میں آ گئی تھی اور اس کا بے ہوش جسم دیکھتے دیکھتے دریا کے بہاؤ کے ساتھ پہاڑی کے گرد چکر کاٹ کر آگے نکل گیا۔

ادھر جب کیٹی کو دیر ہو گئی تو عنبر کو تشویش ہوئی پہلے تو اس نے خیال کیا کہ ابھی آ جائے گی مگر جب کافی دیر گزر گئی اور کیٹی واپس نہ آئی تو عنبر اٹھ کر جنگل میں گیا اس

نے کیٹی کو آدائیں دیں۔ کیٹی کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ عنبر کو زیادہ ٹھکر ہوئی۔ وہ کیٹی کو پکارتا دریا کے اس کنارے پر آ گیا جہاں کنول کے پھول کھل رہے تھے۔ یہاں بھی کیٹی کہیں نہیں تھی۔ عنبر اسے برابر آدائیں دے رہا تھا مگر وہاں کیٹی ہوتی تو اسے جواب دیتی۔ پانی ہونے کی وجہ سے دریا کے کنارے کیٹی کے پاؤں کے نشان بھی نہیں پڑے تھے۔ عنبر کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر کیٹی کہاں گم ہو گئی تھی۔ کافی دیر تک وہ جنگل میں اسے تلاش کرتا رہا۔ پھر تھک مار کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اس نے بہت غور کیا کہ کیٹی کے ساتھ کیا حادثہ پیش آ سکتا تھا، لیکن وہ حادثوں کے درمیان ہی سے گذر رہے تھے۔ ان کا سفر واقعات اور حادثات ہی کا سفر تھا۔ کسی کے ساتھ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ آخر عنبر صبر شکر کر کے اُٹھا اور دریا کے ساتھ ساتھ پہاڑی کی طرف چلا۔ ایک جگہ سے اس نے پہاڑی کی چڑھاؤ چڑھی اور چوٹی پر پہنچ کر دیکھا کہ دوسری طرف دریا دیر تک پھیلا ہوا تھا۔ کسی جگہ کسی بستی کا نشان تک نظر نہیں آتا تھا۔ عنبر پہاڑی سے اتر کر دریا کے ساتھ ساتھ ایک بار پھر چل پڑا۔ عنبر نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ کیٹی کی خوشبو بھی اس کے ساتھ ہی غائب ہو گئی تھی۔

جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ کسی ایسے حادثے کا شکار ہونے لگا ہے جس کے نتیجے میں وہ غائب کر دی گئی ہے۔ چلتے چلتے عنبر کو شام ہو گئی۔

دریا اب سرخ چٹانوں کے درمیان سے شور مچاتا چٹانوں سے ٹکراتا گذر رہا تھا۔ یہاں چٹانوں کے بیچ میں ایک گلی سی بن گئی تھی۔ دریا کا پانی اس گلی میں سے اتنی تیزی سے گذر رہا تھا کہ وہاں کوئی پتھر بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ ایک طرف چٹانوں کی دیوار کے اوپر کسی پرانے قلعے کی بارہ دری کے ستون اور چھت نظر آ رہی تھی۔ یہ پرانا قلعہ پہاڑی چٹانوں کے اوپر بنا تھا۔ آسمان پر بادل ایک بار پھر چھپانے لگے تھے۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ شام کا اندھیرا جنگل اور چٹانوں کے آس پاس پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ عنبر چلتے چلتے اپنے آپ اس پتھری پگھلنے پر آ گیا جو اوپر قلعے کی طرف جاتی تھی۔ یہ قلعہ زیادہ بڑا نہیں تھا اور غیر آباد تھا۔ تین طرف سے اس قلعے کی دیواریں دریا کی جانب تھیں۔ سامنے کی جانب قلعے کا دروازہ تھا جو اکھڑ کر زمین پر پڑا تھا۔ اوپر سرخ پتھر کی بنی ہوئی گیلیوں پر جنگلی بیلوں نے اپنے سائے ڈال رکھے تھے۔ ان بیلوں پر سرخ پھول لگے تھے۔ ہوا چلتی تو یہ سرخ پھول ٹوٹ ٹوٹ کر گیلی کے فرش پر اور نیچے اکھڑے ہوئے دروازے

پر گرتے۔

بادل آہستہ سے گر جا اور ٹپا ٹپ مینہ برسنے لگا۔ عنبر قلعے میں داخل ہو گیا۔ خدا جانے یہ قلعہ کب سے بے آباد پڑا تھا۔ ڈیوڑھی کا فرش جگہ جگہ سے اکھڑا پڑا تھا۔ پیرائوں اور دربانوں کی کوٹھڑیوں میں گھپ اندھیرا چھایا تھا۔ عنبر ایک تنگ زینہ چڑھنے لگا۔ زینے میں ٹکڑیوں نے نہ جانے کب سے جالے تان رکھے تھے۔ دوسری منزل پر ایک سرخ پتھری چھت اور دیواروں والا کمرہ تھا جس کے آگے بالکونی تھی۔ بالکونی پر جنگلی بیل نے سایہ کر رکھا تھا۔ پتھر کے فرش پر گرد جی مٹی۔

عنبر بالکونی میں آ گیا۔ نیچے دریا قلعے کی چٹانی دیواروں سے ٹکرا کر گذر رہا تھا۔ لہروں کا ہلکا ہلکا شور بلند ہو رہا تھا۔ بارش شروع ہو گئی۔ عنبر بالکونی کے ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کیٹی کے ایک دم جدا ہو جانے سے وہ بہت اداس ہو گیا تھا۔ اسے ناگ ماریا اور مکتوسانگ کی بھی کچھ خبر نہیں تھی اب کیٹی بھی اس سے جدا ہو گئی تھی۔ بارش اور ہوا میں بیل کی ٹہنیاں بالکونی کے سرخ ستونوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ایک دم سخت سردی ہو گئی تھی۔ اگرچہ عنبر کو ٹھنڈ نہیں لگتی تھی مگر کمرے میں بالکونی کی طرف سے تیز اور سخت تیز بستی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔



سنائی دی۔ اس نے چونک کر کمرے میں نگاہ ڈالی۔ کمرہ خالی پڑا تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ سرسراہٹ کی آواز اس کے قریب سے ہو کر گذر گئی تھی۔ عنبر کو خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ ہوا کی سرسراہٹ ہو۔ وہ ایک بار پھر کیٹی کے خیال میں کھو گیا کہ نہ جانے وہ کہاں ہو گی۔

ایک لمحے کے بعد زینے میں روشنی ہوئی۔ یہ روشنی اوپر آ رہی تھی۔ جیسے کوئی ہاتھ میں شمع دان لیے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ رہا ہو۔ عنبر جلدی سے ستون کے پیچھے ہو گیا۔ اس نے یہی خیال کیا کہ ممکن ہے یہاں کسی ڈاکو نے اپنا ٹھکانہ بنا رکھا ہو اور اب وہ اپنا مال یہاں چھپانے آ رہا ہو۔ اس کی آنکھیں زینے کی طرف لگی تھیں جہاں روشنی کا دائرہ اوپر آ رہا تھا۔ عنبر کی آنکھیں جیسے چمکا چوند ہو کر رہ گئیں۔ اس نے دیکھا کہ زینے کے دروازے پر ایک سیاہ فام کالی عورت نمودار ہوئی ہے۔ اس کے ہاتھ میں جلیق ہوئی موم بتی ہے۔ اس نے زرد رنگ کی ساڑھی پہن رکھی ہے۔ خالی کمرے میں آ کر اس نے آواز دی :

”راجکری کلا دتی جی۔ آپ کہاں ہیں؟ ہمارا آپ کو بلا رہے ہیں۔“

عنبر سمجھتا تھا کہ یہ سیاہ فام عورت جو شکل صورت اور لباس سے قلعے کے محل کی لونڈی معلوم ہوتی تھی کس

بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ بادل بار بار گرج رہا تھا۔ نیچے دریا کی موجوں کا شور بڑھ گیا تھا۔ عنبر نے آنکھیں بند کر لیں اور کچھ دیر کے لیے سو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے کے چند سیکنڈ بعد ہی اسے نیند آ گئی۔ وہ دیر تک سو رہا۔ اس دوران رات گہری ہو گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ آسمان بادلوں سے خالی تھا۔ تارے چمک رہے تھے۔ ہوا اور دریا کا شور تھم چکا تھا۔ چاروں طرف گہری خاموشی چھا رہی تھی۔ عنبر بالکونی سے اُٹھ کر کمرے میں اس جگہ آ گیا جہاں آتش دان پڑا تھا۔ اس نے پہلی بار دیکھا کہ آتش دان میں خشک لکڑیاں پڑی تھیں۔ یہ لکڑیاں نہ جانے کس نے رکھی تھیں اور کب کی وہاں پڑی تھیں۔ خالی خالی سرد اور دیران کمرے میں تین گول سنگ مرمر کے ستون تھے۔ عنبر ایک ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

اب وہ رات گزرنے کا انتظار کر رہا تھا تاکہ دن چڑھے تو وہ اپنے انجانے سفر پر روانہ ہو۔ رات اتنی خاموش اور ڈراؤنی تھی کہ جس سے بالکونی کے نیچے بہتے دریا کی موجوں کا شور بھی خوف کے مارے تھم گیا تھا۔ رات تاریک تھی ستاروں کی پھسکی پھسکی ہلکی نیلی روشنی بالکونی سے گذر کر کمرے کے خالی فرش پر پڑ رہی تھی۔ اچانک عنبر کو کسی کے لباس کی سرسراہٹ

کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا۔ اتنے میں اسے انسانی قدموں کے تیز تیز  
چلنے کی آوازیں آئیں۔ جیسے دو انسان دوڑتے ہوئے آ رہے ہوں  
عزیز منکلی باندھے دیکھ رہا تھا کہ ایک طرف سے پردہ ہٹا اور  
ایک انتہائی حسین لڑکی جس نے راج کماروں والے شاندار کپڑے  
پہن رکھے تھے۔ ماتھے پر بندیا لگی تھی۔ گلے میں قیمتی موتیوں کا  
ہار تھا۔ ہاتھوں میں ہیروں کی انگوٹھیاں تھیں ایک سے ہوئے  
نوجوان کا ہاتھ تھامے بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی دونوں  
کے سانس پھولے ہوئے تھے۔ نوجوان کا لباس بھی شہزادوں ایسا تھا  
وہ کچھ ڈرا ہوا تھا اور حسین راج کمار کے ساتھ اتنی تیز تیز  
نہیں بھاگ رہا تھا۔ راج کمار نے اسے بالکونی کی طرف لے  
جا رہی تھی جس کے نیچے غونی دریا جھاگ اڑاتا، چٹانوں سے  
ٹکراتا بہہ رہا تھا۔

نوجوان شہزادے نے کہا:

”راج کمار کلا دتی! ایک بار پھر غور کر لیتے ہیں ہم کسی  
دوسرے ملک میں جا کر بیاہ رچا لیں گے۔“

راجکمار کلا دتی نے اپنا سر ناامیدی سے ہلا کر کہا:

”نہیں بھگوتی، راجہ ہمیں وہاں بھی ڈھونڈ نکالے گا۔“

اب ہمارے لیے یہی ایک راستہ ہے کہ دونوں بالکونی

سے دریا میں چھلانگ لگا کر خود کشتی کر لیں تاکہ لگے

راجکمار کلا دتی کو آواز دے رہی ہے؟ وہاں تو سارے  
کا سارا قلعہ دیران پڑا تھا۔ سیاہ فام لونڈی نے ایک بار  
پھر آواز دی:

”راجکمار کلا دتی جی! آپ کہاں ہیں؟ مہاراج آپ  
کو بلا رہے ہیں۔“

ایک پل کے لیے سیاہ فام لونڈی نے موم بتی کی روشنی  
میں کمرے میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر موم بتی ہاتھ میں تھامے  
دائیں بیڑی اتر گئی۔ اس کے جلتے ہی کمرے میں ایک دم سے  
ایسی روشنی ہوئی جیسے کوئی فانوس اچانک روشن ہو گیا ہو۔ عزیز  
یہ دیکھ کر سکا سکا ہو کر رہ گیا کہ جو کمرہ ایک لمحے پہلے خالی  
دیوان اور آسیب زدہ تھا اب وہاں فرش پر قیمتی قالین  
پکھے ہیں۔ چھت سے چاندی کا فانوس لٹک رہا ہے جس میں  
کتنی ہی شمع جگمگا رہی ہیں۔ آتشدان میں جو سوکھی لکڑیاں پڑی  
تھیں وہ بھی جلنے لگی ہیں۔ اس کے پاس قالین پر کہیں سے ایک  
سنہری دیوان آکر بچھ گیا ہے جس کے پائے چاندی کے تھے اور  
جس پر سنہری گوٹ والے ٹکٹے لگے تھے۔ کمرے کی نھا خوشبوؤں  
سے مہر گئی ہے۔

عزیز اس فلسفی کہا پلٹ پر دنگ رہ گیا۔

ڈرا سمجھ گیا کہ یہاں کوئی ظلم کام کر رہا ہے۔ وہ سنتوں



جہنم میں ہم اکٹھے ایک ساتھ جی اٹھیں۔ پھر ہمیں کوئی ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکے گا۔  
راج کماری کھلا دتی بھاگ کر بالکونی میں کھڑی ہو گئی۔ اس نے شہزادے بھگوتی کو آواز دی :

”میرے شہزادے! تم نے کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہی خودکشی کر دو گے۔ اب اپنے قول کو نبھاؤ ڈرو نہیں۔ محبت کرنے والے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ ہم لگے جہنم میں پھر مل جائیں گے۔“

شہزادہ خوف زدہ تھا۔ وہ ہچکچاتا ہوا بالکونی میں راجکماری کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سہما ہوا سا تھا۔ وہ خودکشی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ راج کماری کھلا دتی نے اس کا ہاتھ تھام کر بالکونی سے نیچے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ مگر عین اسی لمحے شہزادہ بھگوتی نے راج کماری کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ جھٹک کر چھڑا لیا۔

راج کماری کی آواز بلند ہوئی :

”بھگوتی! تم نے بے وفائی کی۔ تم نے بے وفائی کی ہے۔“

اور پھر راج کماری کے دریا میں دھڑام سے گرنے کی صدا ابھری۔ شہزادہ بھگوتی فوراً بالکونی سے نکل کر دروازے کی طرف دوڑا۔ اور عنبر کی آنکھوں کے سامنے دروازے کے آگے گرے

ہوئے ریشمی پردے میں غائب ہو گیا۔ کمرے کے باہر شور مچ گیا۔ کچھ لوگ کمرے کی طرف بھاگے۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک راج سر پر سونے کا ہیڑے موتیوں جوا تاج رکھے شاہانہ لباس میں ملبوس پریشانی کے عالم میں کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے دربار کے امراء وزراء بھی تھے۔ اس نے راج کماری کو آواز دی :

”راج کماری کھلا دتی! میری بیٹی! تم کہاں ہو؟ تم کہاں ہو؟ میرے پاس واپس آ جاؤ۔ میں تمہیں شہزادہ بھگوتی سے بیاہ کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔“  
اچانک شہزادہ بھگوتی منہ پر ہاتھ رکھے روتا ہوا اندر داخل ہوا اور بولا :

”ہمارا راج! کھلا دتی نے بالکونی سے دریا میں کود کر خودکشی کر لی ہے۔“

راجہ جیسے سکتے میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنی تلوار نیام سے باہر کھینچی اور شہزادہ بھگوتی کی گردن پر ایک بھر پور طرکیا: ”وہ تمہاری وجہ سے مر گئی۔“

بھگوتی کی گردن کٹ گئی اور سر قالین پر لٹک کر ”دور جا گرا۔ راجہ غصے اور غم سے کانپتا ہوا واپس چلا گیا۔ درباری اور امراء بھی سر جھکائے اس کے پیچھے پیچھے چلے۔

مگر راجہ نے انکار کر دیا ہو۔ دونوں نے ایک ساتھ مرجانے کا منصوبہ بنایا ہو اور پھر..... عنبر کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اسے اب ایک انداز سناؤ دی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی شخص دریا کی لہروں میں سے باہر نکل کر اپنے کپڑے پھوڑ رہا ہو۔

عنبر جلدی سے ایک بار پھر ستون کے پیچھے چھپ گیا۔ اس کی آنکھیں بالکونی پر جمی تھیں جہاں ستاروں کی دھندلی روشنی میں جنگلی بیلین نیچے کو جھکی تھیں۔ عنبر نے وہاں ایک انسانی ہیولے کو اُبھرتے دیکھا۔ عنبر نے ایک ہی نگاہ میں اسے پہچان لیا۔ یہ راجہ کمار کی کلاوتی تھی۔ اس نے وہی لباس پہن رکھا تھا۔ مگر اس کا لباس گیلیا تھا۔ اس کے بال بھی گیلے تھے۔ وہ اپنی ریشمی اور سونے کے تاروں والی ساڑھی کے پلو کو پھوڑ رہی تھی۔ وہ بالکونی میں اداس کھڑی آتشان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عنبر کو فضا میں ٹھنڈی آہ بھرنے کی آواز سناؤ دی۔ یہ آہ سوائے راجہ کمار کے دوسرا کوئی نہیں بھر سکتا تھا۔ وہ آگے بڑھی۔ اور آہستہ آہستہ جیسے تھکے تھکے قدم اٹھاتی آتشان کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اس کا لباس گیلیا ہو کر اس کے جسم سے چمٹ گیا تھا۔ اس نے اپنے

عنبر ابھی اس خونیں ڈرامے کے اثر ہی میں تھا کہ اچانک فانوس بجھ گیا۔ دیواروں کے پردے اور فرش کے تقالین اند آتش دان کا دیوان غائب ہو گئے۔ آتشان کی آگ بھی بجھ گئی۔ کمرہ ایک بار پھر سرد اور دیران ہو گیا۔ ایسے لگتا تھا کہ صدیوں سے اس کمرے میں کوئی شخص داخل نہیں ہوا۔ ایک خونیں ڈرامہ عنبر کے سامنے دہرایا گیا تھا۔ عنبر نے اُٹھ کر دیکھا۔ کمرہ دیران پڑا تھا۔ وہاں اب کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ بالکونی میں آ گیا۔ بالکونی پر جنگلی بیلین اسی طرح جھکی ہوئی تھیں۔ باہر آسمان پر ستارے چمک رہے تھے نیچے چٹانوں کے درمیان سے دریا تیزی سے گذر رہا تھا۔ ایک ہیبت ناک سناٹا چاروں طرف چھا گیا تھا۔ عنبر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس طلسمی ڈرامے کے واقعات پر غور کرتا آتشان کے پاس آکر ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

آتشان میں سوکھی کھڑیاں اسی طرح رکھی ہوئی تھیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ کھڑیاں دھڑا دھڑا جل رہی تھیں مگر اب سوکھی اور ٹھنڈی پڑی تھیں۔ عنبر اس ڈرامے نے آہستہ آہستہ پر غور کرنے لگا۔ ہو سکتا ہے اس قلعے میں کبھی کوئی راجہ حکومت کرتا ہو۔ اس کی بیٹی راجہ کمار کی کو کسی دوسری ذات کے شہزادے سے محبت ہو گئی ہو۔ دونوں شادی کرنا چاہتے ہوں۔



اور وہ سردی سے ٹھٹھڑ رہی تھی۔ اس نے عنبر کی طرف منہ کر کے پوچھا۔

”تم کون ہو؟ صدیوں سے میں رات کو یہاں سردی سے ٹھٹھڑی ہوئی آتی ہوں اور بڑی حسرت سے التجا کرتی ہوں کہ کوئی آتشدان میں آگ جلا دے مگر یہاں کبھی کسی نے میری التجا نہیں سنی۔“

عنبر نے آتشدان کے پاس ہی رکھے ہوئے چھماق کے پتھروں کو لے کر انہیں ایک دوسرے سے ٹکرایا۔ ان میں سے چنگاریاں نکل کر سوکھی لکڑیوں پر گریں۔ سینکڑوں برس سے یہ لکڑیاں سوکھی پڑی تھیں۔ ان میں آگ لگ گئی۔

عنبر نے کہا:

”میں ایک مسافر ہوں۔ رات کو بارش شروع ہوئی تو یہاں پناہ لینے آ گیا۔ میں نے آگ جلا دی ہے۔ تم ہاتھ گرم کر لو۔“

راج کمار کی کھلاوتی کا چہرہ ابھی تک عنبر کی طرف تھا۔

اس کے چہرے پر حیرت اور تجسس تھا۔ اس کے ڈیٹے نہیں تھے مگر یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آنکھوں کی ابھری ہوئی سفید چربی سے ہی عنبر کو تک رہی ہے۔ اس نے اپنے نیلے ہونٹوں کو جنبش دی اور کہا:

دونوں ہاتھ ٹھنڈے آتشدان کے آگے کر دیئے اور سوکھی خشک دھبی اُداس آواز میں بولی:

”مجھے سردی لگ رہی ہے۔ کوئی آگ جلا دے مجھے سردی لگ رہی ہے۔ کوئی آگ جلا دے۔ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ کوئی آگ جلا دے۔۔۔۔۔“

راج کمار کی کھلاوتی اپنی سوکھی آواز میں یہ جملہ بار بار دہرا رہی تھی۔ عنبر کو کمرے میں ایسی خوشبو آئی جو عام طور پر تازہ غسل دیئے ہوئے مُردوں کے کفن سے اٹھا کرتی ہے۔ راج کمار کا جسم سردی سے کانپ رہا تھا۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی۔

”مجھے سردی لگ رہی ہے۔ کوئی آگ جلا دو۔“

اب عنبر سے نہ رہا گیا۔ وہ راج کمار کی زندگی کی ٹریجڈی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ وہ ستون کے پیچھے سے نکل کر اچانک راج کمار کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا:

”راج کمار کی کھلاوتی! میں تمہارے لیے آگ جلا دوں گا۔“

راج کمار کی کھلاوتی نے گردن خدا سی موڑ کر عنبر کو دیکھا۔ کھلاوتی راج کمار کی آنکھوں میں ڈیٹے نہیں تھے۔ ڈیٹوں کی جگہ آنکھوں میں سفید چربی ابھری ہوئی تھی۔ اس کے کپڑوں اور چہرے سے بانی ٹپک رہا تھا۔ اس کا جسم نیلا پڑ گیا تھا۔

”مہتیں کیسے پتہ چلا کہ میں راجکمار کی کلاوتی ہوں؟ تم

کو میرا نام کس نے بتایا؟“

عنبر نے راجکمار کی ہاتھ تھامنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ راجکمار ایک دم سے پیچھے ہٹ گئی۔  
”نہیں نہیں۔ مجھے ہاتھ مت لگانا۔“

عنبر کو پہلی بار احساس ہوا کہ راجکمار بغیر آنکھوں کے اسے دیکھ رہی ہے۔ اس نے تعجب سے پوچھا:

”راجکمار! یہ میں مہتیں بعد میں بتا دوں گا کہ مجھے  
تمہارا نام کیسے معلوم ہوا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ  
کیا تم بغیر آنکھوں کے بھی مجھے دیکھ رہی ہو؟“

راج کمار کی کلاوتی نے ایک ٹھنڈی آہ بھری آتشان میں  
آگ کے شعلے نکلنے لگے تھے۔ وہ ہاتھ تاپ رہی تھی۔ آگ کی  
گرمی سے اس کا ٹھنڈا ٹھٹھرتا ہوا بدن گرم ہو گیا تھا۔ اس نے  
عنبر کی طرف اپنا بے نور آنکھوں والا چہرہ اٹھاتے ہوئے کہا:

”میری آنکھیں دریا کی مچھلیوں نے کھالی ہیں۔ مگر میں  
پھر بھی دیکھ سکتی ہوں۔ اس لیے کہ میں اپنی ہی  
بدروح ہوں جو صدیوں سے آگ کی تلاش میں ٹھٹھرتی  
ہوئی بھٹکتی بھرتی تھی۔ تم نے آتشان میں آگ جلا  
کہ میری روح کو سردی بخشنے کی روح کو جا دینے

والی سردی سے ٹھوڑی دیر کے لیے نجات دلا  
دی ہے۔“

عنبر نے پوچھا:

”ٹھوڑی دیر کے لیے کیوں؟ یہ تمہارا اپنا عمل ہے۔ تم یہاں  
رہ سکتی ہو۔“

راج کمار کی کلاوتی کی بدروح نے ایک آہ کھینچی اور کہا:  
”یہ میرا عمل کبھی تھا۔ اب یہ ایک دیران اجڑا ہوا  
کھنڈر ہے جس پر آسیب چھایا ہے اور جو بد نصیب  
لوگ کبھی یہاں رہا کرتے تھے اب یہاں ان کے  
سائے رہتے ہیں۔ جس طرح میں جو کبھی حسین اور دلکش  
جسم والی راج کمار تھی اب راج کمار کی ٹھنڈی  
سرخ بدروح ہوں۔ میں ہر رات ٹھنڈے برف ایسے  
دیر کے طوفانی دریا سے نکل کر سردی میں ٹھٹھرتی  
ہوئی یہاں آتی ہوں اور اس ٹھنڈے آتش دان  
کے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہوں پھر کپکپاتی ہوئی  
آواز میں التجا کرتی ہوں کہ کوئی میرے لیے آتشان  
میں آگ جلا دے۔ مگر سینکڑوں سال گزر گئے تمہارے  
سوا آج تک کبھی کسی نے یہاں آگ جلا کر میرے  
جسم کو گرمی نہیں پہنچائی۔ روز کی طرح آج بھی میں



تم نے بالکونی میں سے دریا میں چھلانگ لگا کر  
خودکشی کر لی مگر شہزادے بھگوتی کو حوصلہ نہ ہوا۔  
وہ ڈر کر بھاگا۔ مگر تمہارے باپ راجہ نے غضبناک  
ہو کر اسے مار ڈالا۔

راج کمار کی خشک اداس آواز میں بولی،  
"شہزادہ بھگوتی کو اس کی بے دفائی اور بزدلی کی  
سزا یہ ملی ہے کہ اس کی رُوح دوزخ کے اس  
گڑھے میں بند ہے جہاں برف ہی برف ہے۔ یہ  
برف اتنی ٹھنڈی ہے کہ بھگوتی کی رُوح برف میں  
گلتی رہتی ہے۔ اس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا تھا۔  
اس کی وجہ سے میں نے خودکشی کی تھی۔ ہمارے  
مذہب میں خودکشی حرام ہے۔ مجھے اس گناہ کی  
یہ سزا ملی کہ اب میں قیامت تک دریا کے برف  
آلود پانی میں بڑی سردی سے ٹھٹھرتی رہتی ہوں۔  
آدھی رات کو کوئی اُن دیکھی طاقت وہی کھیل ایک  
بار پھر دہراتی ہے۔ اور میں پھر سے بالکونی سے  
دریا میں چھلانگ لگاتی ہوں۔ میں ہر رات خودکشی  
کرتی ہوں۔ پھر دریا کے تیخ پانی سے ٹھٹھرتی ہوئی،  
بھسکی ہوئی نکل کر اس ٹھنڈے دیرانی کمرے میں آکر

رات گزر جانے پر بالکونی سے اپنے دریا میں کود  
جاؤں گی اور پھر ٹھنڈے تیخ پانی میں گلتی رہوں گی  
پھر جب رات گری سنان ہو جائے گی تو پھر دریا  
سے نکل کر اس آتشیان کے پاس آن کھڑی ہوں گی۔  
عنبر بولا: "بندت کلا دتی! تمہارے ساتھ تمہارے محبوب  
نے بے دفائی کی تھی۔ اس نے تمہارے بعد دریا میں  
چھلانگ نہیں لگائی تھی۔"

راج کمار نے آہ بھر کر کہا:  
"اسے اس بے دفائی کی سزا مل گئی ہے۔"  
عنبر نے کہا:

"ہاں! میں نے دیکھا تھا کہ تمہارے راجہ باپ نے اس  
کی گردن اڑا دی تھی۔"  
راج کمار کی سسکی بھر کر بولی:  
"آہ! تو تم اُن خونی واقعات کو دیکھ چکے ہو جو  
ہر رات اس آسیبی کمرے میں دہرائے جاتے ہیں۔"  
عنبر نے کہا:

"ہاں راج کمار! میں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا ہے  
جو تمہارے ساتھ ہوا تھا۔ میں نے مہتیں اپنے شہزادے  
بھگوتی کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ پھر

ٹھنڈے آتش دان کے آگے کھڑی ہو جاتی ہوں۔  
عنبر نے آتش دان میں جلتی لکڑیوں کو ایک سلاخ سے پھیرا

اور کہا :  
”راج کمار ! کیا تمہاری رُوح کی کُمتی نہیں ہے؟ کیا تم  
قیامت تک یہ عذاب جھیلی رہو گی؟“

راج کمار نے آہ بھر کر کہا :

”میری رُوح کی کُمتی ضرور ہے۔ مجھے اس عذاب سے  
نجات مل سکتی ہے مگر یہ کام اتنا مشکل اُن ہونا اور  
خطرناک ہے کہ مجھے اس کی ذرا سی بھی اُمید نہیں ہے۔“

عنبر نے کہا :

”مجھے بتاؤ تو سہی۔ ہو سکتا ہے میں تمہاری رُوح کو  
اس دائمی عذاب سے نجات دلانے میں کامیاب  
ہو سکوں۔“

راج کمار بولی :

”میری نجات کے لیے ایک ایسا کارنامہ انجام دینا  
پڑے گا جیسے دنیا کا کوئی انسان انجام نہیں دے  
سکتا۔ میں تمہاری مہربانی اور ہمدردی کا شکریہ ادا  
کرتی ہوں۔“

عنبر بولا : ”راج کمار ! جس طرح میں نے اس آتش دان

میں آگ جلا کر تمہاری ٹھنڈی رُوح کے لیے وہ  
کام کیا ہے جو سینکڑوں برس سے کوئی نہیں کر  
سکا۔ اسی طرح ہو سکتا ہے میں تمہاری رُوح کو اس  
عذاب سے بھی نجات دلانے میں کامیاب ہو جاؤں جو  
تم قیامت تک جھیلنے والی ہو۔“

راج کمار کی رُوح ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔

اس نے عنبر کی طرف اپنا بے نور آنکھوں والا چہرہ اٹھایا  
اور کہا :

”عنبر ! مجھے ایسا لگتا ہے کہ شاید تم میری رُوح کو  
سکون پہنچانے کی وجہ بن سکو۔ مگر میرے بھائی ! یہ کام  
تم اکیلے کیسے کر سکو گے؟“

عنبر نے مسکرا کر کہا :

”راج کمار ! تم وہ کام تو بتاؤ جو مجھے کرنا ہو گا۔“

راج کمار نے ایک سرسراہٹ ہوئی آہ بھری اور بولی :

”تو سنو ! میں نے خود کشی کر کے خدا کی دی ہوئی  
زندگی کو اپنے ہاتھوں ختم کر کے اس کی امانت میں  
خیانت کی تھی۔ اب میرا عذاب صرف اسی صورت  
میں کٹ سکتا ہے کہ میں ہزاروں انسانوں کی زندگیاں  
بچاؤں۔ مگر میں یہ کام کیسے کر سکتی ہوں؟ اس کا ایک



وسیلہ ہے۔ ایک راستہ ہے۔  
 ”وہ کون سا ذریعہ ہے؟“ عنبر نے سوال کیا۔

راج کماری بولی:

”وہ یہ کہ میں کسی ایسی شے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں جو انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارتی ہو۔ صرف ایک نہیں بلکہ سینکڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارتی ہو اور ابھی اس نے سینکڑوں انسانوں کو ہلاک کرنا ہوا۔“

عنبر نے کہا:

”ایسی کون سی شے ہو سکتی ہے؟“

راج کماری نے کہا:

”وہ ایک ہی شے ہے اور اس کا نام مولوخ ہے۔“

”مولوخ؟“ عنبر نے تعجب سے کہا:

”یہ تو کسی دیوتا کا نام لگتا ہے۔“

راج کماری نے کہا:

”ہاں! یہاں سے دور شمالی افریقہ میں ایک ملک سویریہ ہے۔ اس ملک میں مولوخ نام کے ایک دیوتا کی پوجا کی جاتی ہے۔ مولوخ کا ایک بہت بڑا دس گیارہ منزلہ بٹ شہر کے وسط میں موجود

ایک عظیم الشان سمندر میں بنا ہوا ہے۔ اس کے پاؤں کے درمیان گڑھے میں ہر وقت آگ جلتی رہتی ہے۔ اس میں روزانہ لاکھوں من لکڑیاں ڈالی جاتی ہیں۔ مولوخ دیوتا کی لمبی زبان ایک ڈھلان کی شکل میں نیچے آگ کے خوفناک الاڈ کی طرف چلی گئی ہے بادشاہ شکالی کے حکم پر ہر روز شام کو دس بے گناہ انسانوں کو مولوخ کی زبان پر بٹھا کر انہیں نیچے دھکیل دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ یا تو دشمن کے قیدی ہوتے ہیں اور یا انہیں شہر سے دُور صحرا میں کسی دشمن قبیلے سے اخوا کر کے لایا جاتا ہے۔ بچوں کی آوازیں نکالتے یہ بد قسمت انسان مولوخ کی ڈھلانی زبان سے پھسل کر دھکی آگ کی بھٹی میں جا گرتے ہیں اور گرتے ہی کوئلہ بن جاتے ہیں۔ یہ ظلم کا سلسلہ کئی سو برسوں سے جا رہی ہے اور ابھی نہ جانے کتنے سو برس اور شروع رہے گا۔ مولوخ نام کا دیوتا اب تک لاکھوں انسانوں کو ہلاک کر چکا ہے اور لاکھوں انسانوں کو ابھی مزید ہلاک کرے گا۔ اگر کسی طرح اس دیوتا کے بُت کو توڑ کر تھس تھس کر دیا جائے اس کی بھٹی کی سینکڑوں

ساروں سے جنتِ آگ کو بچا دیا جائے تو لاکھوں انسان موت کا لقمہ بننے سے بچ جائیں گے اور یہ ایک طرح سے صدقہ ہو گا۔ اور بھگوان مجھے اس کے عوض میرے گناہ کو معاف کر دے گا اور میری روح کو عذاب سے نجات مل جائے گی۔ مگر مولوخ کا بُت اس شہر کے بادشاہ اور لوگوں کا مذہبی دیوتا ہے۔ یہ لوگ بڑی عقیدت سے مولوخ کے آگے انسانی قربانی پیش کرتے ہیں۔ بُتِ شہر کے سب سے بڑے مندر میں ہے اور وہاں ہر وقت فوج کا پہرہ رہتا ہے۔ پھر اتنے بڑے بُت کو تباہ کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے۔

عنبہ نے کہا:

اگر اس ملک سورہ کے بُت پرست بادشاہ مشکالی کو ختم کر دیا جائے تو کیا خیال ہے؟

راج کمار کی کہنے لگی:

بادشاہ کے مرجانے پر کوئی دوسرا بادشاہ آ جائے گا اور انسانوں کی قربانی جاری رہے گی۔ اصل جڑ مولوخ کا بُت ہے۔ اسے تباہ کرنا ضروری ہے۔ کیوں کہ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ ان کا بُت ان کا دیوتا ہے

اور اسے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ایک بار بُت اپنے پاؤں پر اپنی ہی آگ میں گر کر تباہ ہو گیا تو لوگوں کا اعتقاد ختم ہو جائے گا اور انسانیت کو ایک بھیانک ظلم سے نجات مل جائے گی اور یہ نیکی میری نجات کا باعث بن جائے گی۔ اس لیے اس بُت مولوخ کا توڑنا شرط ہے۔ مگر تم اسے کیسے توڑ سکو گے؟

عنبہ خاموشی سے آگ کو سلاح سے کھینچنے لگا۔ راج کمار کی سردی دُور ہو گئی تھی۔ مگر اس کے چہرے پر ایک نیا خوف ابھر رہا تھا۔ یہ خوف بالکونی سے دوبارہ چھلانگ لگا کر ادیریا کے تیغ پانی میں کودنے اور کل آدھی رات تک سردی سے ٹھٹھرتے رہنے کا تھا۔

راج کمار نے کہا:

عنبہ! تم اتنا مشکل کام نہیں کر سکتے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اسی محل میں رہ جاؤ اور میرے لیے ہر رات آتشخان میں آگ روشن کر دیا کرو۔ عنبہ بولا: "اس دیران محل میں کوئی انسان نہیں رہ سکتا زیادہ سے زیادہ تمہاری خاطر کوئی دو چار راتیں رہ لے گا۔ بہتر یہی ہے کہ میں سورہ کے مولوخ



دیوتا کو پاش پاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ  
مہتیں اس عذاب سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے۔  
راج کماری آہ بھر کر کہنے لگی،  
لیکن یہ کام ناممکن ہے میرے دوست۔  
عنبر نے کہا:

”مجھے تم صرف اتنا بتا دو کہ اگر میں نے مولوخ دیوتا  
کے بُت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مہتیں نجات  
مل گئی۔ تو مجھے یہ کیسے پتہ چلے گا کہ تم نجات پا  
چکی ہو اور جنت میں بیٹھی ہو؟“  
راج کماری کہنے لگی:

کاش! تم ایسا کر سکو۔ اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب  
ہو گے تو میں خود تم جہاں ہو گے وہاں مہتیں ملنے  
اور مہتا را شکریہ ادا کرنے آؤں گی۔ مگر عنبر! اس  
کام میں اکاش کے ہندو دیوتا بھی تمہاری مخالفت  
کریں گے اور تمہارے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں  
گے۔ کیونکہ ہندوؤں کے خاص دیوتا اس قسم کی  
پوجا اور انسانی قربانیوں کے حق میں ہیں جبکہ نیکی کے  
دیوتا اس کے خلاف ہیں۔“

عنبر بولا: ”میں صرف ایک خدا پر یقین اور ایمان رکھتا

ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ خدا ہی سب سے بڑی  
طاقت اور سچائی ہے۔ اس کے سوا دوسرا کوئی  
نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ وہ ضرور میری مدد  
کرے گا۔ میں صبح ہوتے ہی سورج کی طرف روانہ  
ہو جاؤں گا۔ مگر کیا تم مجھے ایک بات بتا سکتی ہو؟  
”کون سی بات؟“ راج کماری نے آہستہ سے پوچھا۔

عنبر بولا: ”میری ایک دوست کیٹی ہے جو میرے ساتھ  
ملک ملک کی سیاحت کر رہی ہے۔ دن کے وقت  
وہ جنگل میں گئی اور پھر واپس نہیں آئی۔ کیا تم مجھے  
بتا سکتی ہو کہ وہ کہاں پر ہو گی؟“

راج کماری نے افسوس کے ساتھ کہا:

”میرے دوست اکاش میں تمہارے کسی کام آ سکتی۔  
مگر میں جیسا کہ تمہیں پہلے بتا چکی ہوں کہ میں نیک  
روح نہیں ہوں۔ نیک رُوحوں کو غیب کا حل معلوم  
ہوتا ہے اور وہ دوسرے انسانوں کی مدد بھی کرتی  
ہیں۔ مگر میں بڑی رُوح ہوں اور عذاب میں  
مبتلا ہوں۔ مجھے سوائے میرے عذاب اور میری رُوح  
کی تکلیف کے دوسری کسی بات کا احساس نہیں ہے  
اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ کیونکہ بالکوئی کے باہر

آسمان پر صبح کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ مجھے صبح ہونے سے پہلے یہاں سے چلے جانا ہو گا۔

عنبر نے آگے بڑھ کر راج کماری سے ہاتھ ملانا چاہا تو راج کماری ایک بار پھر جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ عنبر نے آخر پوچھ ہی لیا کہ وہ اس سے چھوتے ہوئے کیوں ڈرتی ہے راج کماری نے آہستہ آہستہ آگ سے دُور ہوتے ہوئے کہا،

”میرے دوست! میں بدروح ہوں۔ عذاب میں گرفتار

روح ہوں۔ تم نے مجھے ہاتھ لگا دیا تو میرے عذاب

کی پرچھائیاں تم پر بھی پڑ جائیں گی اور تم پر بھی

کوئی آفت نازل ہو گی۔ اس لیے میں تمہیں اپنے

سے دُور رکھتی ہوں اچھا اب میں جاتی ہوں؟“

پھر راج کماری کی بدروح بڑی عاجزی سے عنبر سے مخاطب ہوئی،

”کیا تم کل رات بھی یہاں میرے لیے آگ جلاؤ گے؟“

عنبر نے کہا:

”راج کماری میں تو صبح ہی مہتاری روح کی نجات کے

لیے یہاں سے ملک سوہیہ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا

میں کل رات کیسے یہاں آ سکتا ہوں۔ ہاں۔ اگر تم

کہو تو میں آتشان میں زیادہ کڑیاں ڈالے دیتا ہوں

جو کل رات تک جلتی رہیں گی۔“

راج کماری کہنے لگی،

”اس کا کوئی قائدہ نہیں ہے۔ کیونکہ جب میں یہاں

سے چلی جاؤں گی تو آتشان کی آگ اپنے آپ

ٹھنڈی ہو جائے گی۔“

اس کے بعد راج کماری نے اپنی سفید آنکھیں اوپر کو

اٹھائیں اور آہستہ سے کہا:

”خدا حافظ میرے دوست!“

عنبر کے دل پر راج کماری کے اس اُداس لہجے کا بے حد

اثر ہوا۔ اس نے کہا:

”راج کماری کلاوتی! میں قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ

ایک بار تو سوہیہ کے منحوس مولوخ بت کے ٹکڑے

اُڑانے کی ضرور کوشش کروں گا اور یقین کرو کہ میں

اللہ کے حکم سے کامیاب ہو جاؤں گا۔“

راج کماری نے سر جھکا دیا۔ اس کے ہونٹوں سے ایک

سرد آہ نکل گئی۔ پھر عنبر نے دیکھا کہ راج کماری کلاوتی بھاگتی

ہوئی بالکوئی کی طرف گئی۔ پیچھے مڑ کر ہاتھ پھیلا کر بولی:

”سترادے بھگوتی! میرے ساتھ چھلانگ نہیں لگاؤ گے؟“

دیکھو۔ پھر ہم اگلے جنم میں ایک ساتھ جی اُٹھیں گے

پھر ہمیں کوئی ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکے گا



آؤ میرے شہزادے آؤ۔

اور راج کماری کملا دتی نے بالکونی سے دوسری طرف دریا میں چھلانگ لگا دی۔ عنبر کو دریا میں کسی بھاری پتھر کے گرنے کی آواز آئی اور پھر وہی مہیب سناٹا چھا گیا جس میں صرت دریا کی لہروں کا ہلکا ہلکا شور ہی بلند ہو رہا تھا۔ اب جو عنبر نے آتش دان کی طرف دیکھا تو وہ حیرت میں گم ہو گیا۔ کیونکہ وہاں جو آگ روشن تھی وہ سرد پڑ گئی تھی۔ عنبر نے قریب سے جھک کر دیکھا۔ سوکھی لکڑیاں دیسی کی دیسی ہی تھیں۔

صبح ہونے تک عنبر بالکونی میں بیٹھا راج کماری کملا دتی کی زندگی کی ٹریجڈی اور کیٹی کے گم ہو جانے پر غور کرتا رہا۔ سوریہ کے دیوتا مولوخ کے بت کو پاش پاش کرنے کا تو عنبر نے پکا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے صرت اس بات کا انوس تھا کہ کیٹی ناگ اور ماریا اس کے ساتھ نہیں تھیں۔ پھر وہ یہ سوچ کر کسی حد تک مطمئن سا ہو گیا کہ شاید سوریہ میں ناگ ماریا اور کیٹی سے اس کی ملاقات ہو جائے۔

دن کی روشنی ہوئی تو عنبر قلعے سے نکل کر دریا کے بہاؤ کے رخ پر جنگل کے پہاڑی راستے پر چل پڑا۔ وہ ملک

ہندوستان کی کسی بندرگاہ پر پہنچ کر سوریہ جانے والے جہاز میں سوار ہوتا چاہتا تھا اور چونکہ دریا سمندر کی طرف بہتے ہیں اس لیے عنبر دریا کے رخ کے ساتھ چل رہا تھا۔ دل میں اب بھی کیٹی کا خیال ہی تھا۔ وہ بار بار حیران ہوتا کہ ایک دم سے کیٹی کہاں کم ہو گئی؟



# غیبی لاش

دن نکلا تو اسے ہوش آ گیا۔ ہوش آتے ہی اس نے اپنے آپ کو دریا کی تیز موجوں پر بہتے ہوئے دیکھا تو کچھ لمحے کے بعد وہ مگر مچھ کے چنگ سے نکل گئی ہے اور اب ۔۔۔ دیا نے نہ جلنے غبر سے کتنی دور لے آیا ہے۔ اس نے گردن اٹھا کر کناروں کی طرف دیکھا۔ دریا کے کنارے بہت دور دور ہو گئے تھے۔ دریا کا پاٹ بہت چوڑا ہو گیا تھا۔ کبھی نے دیکھا کہ دریا میں سمندر کا نیلا پانی شامل ہو رہا تھا۔ تو کیا دریا سمندر میں گر رہا ہے ؟

کیٹی کنارے کی طرف تیرنے لگی۔ مگر یہاں دریا کی موجوں کا بہاد اتنا تیز تھا کہ وہ اسے کنارے سے دور آگے کی طرف لے جا رہی تھیں۔ کیٹی نے پریشان ہو کر اور زور لگایا تو تیز دھارے پر آ گئی اس دھارے کی رفتار ستر میل فی گھنٹہ سے کم نہیں تھی۔ اس تیز دھارے نے کیٹی کو آگے ہی آگے بہانا شروع کر دیا۔ کیٹی بالکل بے بس ہو گئی۔ دریا کی تیز دھار اسے بہائے لے جا رہی تھی۔ آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہوا بھی تیز چلنے لگی تھی۔ سمندر کا وسیع پاٹ دریا کی لہروں کو زبردست کشش کے ساتھ اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

کنارے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ پھر کیٹی نے

ناگ، تھیوسانگ اور چڑیل رادنی نفی ماریا کا روپ دھالے قافلے کے ساتھ ہندوستان کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ چڑیل رادنی کا سانپ بڑا زنگاری سانپ شمالی افریقہ کی بستی سے دور چٹانوں کے نیچے غار میں اس ہنڈیا کی حفاظت کر رہا تھا جس میں اصلی ماریا دھویں کی شکل میں بند تھی۔ ان کو تو ہم سفر ہی میں چھوڑتے ہیں۔

اب ہم تھوڑی دیر کے لیے کیٹی کی طرف آتے ہیں۔ غبر جگل میں سفر کرتے ہوئے دریا سے بہت دور بہت کر ایک بستی میں داخل ہو گیا تھا جو شمالی ہندوستان کے ایک بڑے سنٹر کالی کٹ کی قریبی بستی تھی۔ غبر کو معلوم ہوا کہ کالی کٹ سے اسے شمالی افریقہ کے ملک قراطونہ کے لیے بادبانی جہاز مل سکتا ہے چنانچہ وہ کالی کٹ کی طرف چل پڑا۔

کیٹی دریا میں بے ہوشی کی حالت میں تیرتی ہوئی بہت آگے نکل گئی تھی۔ وہ ساری رات دریا میں بہتی رہی۔ جب



وہ کس طرف چلی جا رہی ہے۔ وہ سمندر کی لہروں پر دم سوار  
کہ بالکل سیدھی لیٹ گئی۔ اس طرح سے اسے ہاتھ پاؤں  
نہیں ہلانے پڑ رہے تھے۔ سمندری موجیں اسے جھکولے دیتی  
کسی نامعلوم منزل کی طرف لیے جا رہی تھیں۔

کیٹی کو یونہی سمندر کی طوفانی موجوں پر بہتے بہتے ایک  
رات اور ایک دن گذر گیا۔ دوسرے دن شام ہو گئی تھی۔  
سورج سمندر کے مغربی کنارے میں ڈوب چکا تھا اور فضا  
شام کی دھند میں سیاہی مائل ہو رہی تھی کہ کیٹی کو دور روشنی  
نظر آئی سمندر کی بلند موجیں اوپر نیچے ہو رہی تھیں جس کی وجہ سے کبھی یہ روشنی  
غائب ہو جاتی اور کبھی پھر سے ابھر آتی۔ کیٹی نے محسوس کیا کہ  
وہ اس روشنی کی طرف ہی جا رہی ہے۔

رات ادھی سے زیادہ گذر چکی تھی کہ سمندر کی موجوں نے  
کیٹی کو ساحل پر لا کر پھینک دیا۔ کیٹی نے اٹھ کر سب سے  
پہلے اس روشنی کو دیکھا جو اسے دور سے دکھائی دی تھی۔  
یہ روشنی ایک چراغ کی تھی جو دور اُونچے گھنے درختوں کے  
درمیان سے آتی تھی۔ کیٹی کے کپڑے جھگکے ہوئے تھے۔ وہ ساحل  
کی گیل ریت پر سے گذرتی چراغ کی روشنی کی طرف بڑھی۔ رات  
اندھیری تھی اور اس قدر گہری خاموشی چھائی تھی کہ کیٹی کو اپنے  
سانس لینے کی آواز تک سنائی دے رہی تھی۔

درختوں کے درمیان یہ چراغ ایک چبوترے کے طاق

نے دیکھا کہ کنارے غائب ہو گئے ہیں اور دریا کا پانی سمندر کے  
گرے نیلے پانی میں تبدیل ہو گیا ہے۔ کیٹی کھلے سمندر میں آ  
گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ بحیرہ عرب کا سمندر ہے کیونکہ وہ  
مہندستان کے ایک دریا میں بہتی مغرب کی طرف چلی آئی تھی  
اور مغرب کی طرف بحیرہ عرب ہی بہتا تھا۔ سمندر میں پہنچ کر دریا  
کا تیز دھارا تو ختم ہو گیا تھا مگر اب سمندر کا گہرا اور بوجھل  
پانی کیٹی کو ادھر نیچے اٹھا رہا تھا اور اسے تیرنے کے لیے  
ہاتھ پاؤں چلانے پڑ رہے تھے۔ کیٹی نے ایک بار پھر واپس دریا  
کی طرف تیرنے کی کوشش کی مگر یہ کام اسے ناممکن لگا۔ سمندر میں  
داخل ہو کر دریا کے بہاؤ کے رخ پر تیرنے کی کوشش کرنا ایک  
اُن ہونا کام تھا۔ کیٹی کو بار بار غمخیز خیال آ رہا تھا کہ وہ اس  
کے گم ہو جانے سے قدر پریشان نہیں ہو رہا ہو گا۔ مگر وہ مجبور  
ہو گئی تھی۔ اگر وہ بے ہوش نہ ہوتی تو دریا سے باہر نکل  
سکتی تھی۔

کیٹی نے اپنے آپ کو سمندر کی موجوں کے حوالے کر دیا کہ  
اب وہ اسے جہاں جی چلے لے جائیں اس کے سوا وہ کچھ  
نہیں کر سکتی تھی۔ اوپر سے بارش بھی شروع ہو گئی۔ یہ  
سمندروں کی موسلا دھار بارش تھی جس نے کیٹی کے جاؤں طرف  
دھند کی چادر پھیلا دی۔ اب کیٹی کو کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ

کیٹی جلدی سے پیچھے ہٹی اور ایک درخت کے تنے کے عقب میں اُگی ہوئی جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گئی جو لوگ چلے آ رہے تھے انہوں نے سر سے پاؤں تک لمبے سیاہ لباس پہن رکھے تھے۔ صرف ان کی آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں۔ پہلے تو کیٹی کو وہ بھوت لگے۔ مگر ایک تو کیٹی بھوتوں پر یقین نہیں رکھتی تھی دوسرے ان کی چال ڈھال انسانوں کی طرح تھی۔ یہ چار آدمی تھے۔ وہ اسی چبوترے کے پاس آ کر رُک گئے جس کے طاق میں چراغ روشن تھا۔ مشعل والے آدمی چبوترے کے سرانے کی جانب کھڑا ہو گیا۔ ان میں سے ایک سیاہ پوش نے پوچھا:

”ہمیں کسی نے دیکھا تو نہیں شمعون؟“

شمعون اس آدمی کا نام تھا جس نے مشعل اُٹھا رکھی تھی۔ کیونکہ اس نے فوراً جواب دیا:

”نہیں میرے آقا۔“

ان کی آوازیں بڑی پراسرار اور سرگوشیوں سے ملتی جلتی تھیں۔ کیٹی جھاڑی میں چھپی بڑے عجز سے ان کو تک رہی تھی۔ ان سب کے جسم سیاہ لمبے لباس میں چھپے ہوئے تھے اور آنکھوں کی جگہ نقاب میں دو سوراخ رکھ دیئے گئے تھے۔ جس شخص کو شمعون نے میرے آقا کہہ کر پکارا تھا اس نے

میں جل رہا تھا۔ کیٹی نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ خلائی لڑکی ہونے کی وجہ سے اسے گہرے اندھیرے میں چیزیں نظر آ جاتی تھیں مگر یہاں اتنی تاریکی تھی کہ کیٹی کو بھی ہر شے دھندلی دھندلی نظر آرہی تھی۔ اس کے اوپر اُونچے اُونچے درختوں کی شاخوں نے سائبان سا ڈال رکھا تھا۔ کیٹی کو درختوں کے نیچے جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی ڈھیریوں کی طرح کے گول گول چبوترے بنے ہوئے نظر آئے۔ ان میں سے صرف ایک ہی چبوترے کے طاق میں چراغ جل رہا تھا۔ کیٹی نے جھبک کر دیکھا۔ یہ چراغ پتیل کا تھا اور اس میں تیل بھرا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ گول ڈھیریاں کیسی ہیں؟ کیٹی نے اپنے سامنے والے چبوترے کی گول ڈھیری پر آہستہ سے انگلی بجائی۔ اسے کھوکھلی سی آواز سنائی دی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس گول چبوترے کے نیچے خالی جگہ تھی۔ ہو سکتا ہے کوئی گڑھا ہو۔ ابھی کیٹی یہی کچھ سوچ رہی تھی کہ اسے دُور درختوں کے پیچھے روشنی نظر آئی جو اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

کیٹی نے ایک لمحے کے لیے روشنی کی طرف عجز سے دیکھا۔ اب اسے قدموں کی چاپ بھی سنائی دے رہی تھی۔ کچھ لوگ خشک پتوں پر چلتے آ رہے تھے۔ ایک آدمی کے ہاتھ میں مشعل تھی۔



”کیا چاہتے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟“

آواز بھاری، بوجھل، نیند میں ڈوبی ہوئی تھی اور لفظ ڈک  
ڈک کر ادا ہو رہے تھے۔ یہ کسی مردہ لاش کی آواز لگ  
رہی تھی جو کسی خاص عمل سے دوبارہ زندہ ہو گیا ہو۔

سیاہ پوش لیڈر نے کہا :

”میں جو چاہتا ہوں تمہیں بتا دیا جائے گا۔ تم کو  
میرے شیطانی عمل سے دوبارہ زندگی دی گئی ہے  
میں تمہیں شیطان کے نام پر حکم دیتا ہوں کہ قبر  
سے باہر نکل آ۔“

چبوترے کے نیچے سے ہلکی ہلکی خواہٹ کی آوازیں آنے  
لگیں۔ سیاہ پوش پرے پرے ہٹ گئے۔ طاق کا دیا ایک دم  
سے بجھ گیا۔ مگر شعل کی روشنی جل رہی تھی۔ پھر چبوترے کی  
دیوار جہاں سے کھلی تھی وہاں سے دھوئیں کا ایک مرغولہ  
سانکلا اور آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھتا رات کے اندھیرے  
میں جھکے ہوئے درختوں میں گم ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی قبر کی دیوار میں سے ایک کٹا پھٹا  
ہاتھ بلند ہوا۔ اس کا مٹے کے رنگ کا ہاتھ تھا جس کی جلد جگہ  
جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ اس ہاتھ کی ایک انگلی پر کالا سیاہ  
زہریلا کچھو بیٹھا بار بار اپنا ڈنک چلا رہا تھا۔

اپنا سر جھکا دیا اور جیسے کچھ منہ ہی منہ میں پڑھنا شروع  
کیا۔ اس کے باقی ساتھی بھی سر جھکا کر چپ ہو گئے۔ کیٹی کو  
کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور اس جگہ  
آدھی رات کے بعد کیا کرنے آئے ہیں۔ کیٹی بڑی احتیاط کے  
ساتھ آہستہ آہستہ سانس لے رہی تھی کہ کہیں وہ اس کے  
سانس کی آواز بھی نہ سن لیں۔ ان لوگوں کے لیڈر نے اپنا  
سر اٹھایا۔ کچھ پڑھ کر پہلے اپنے جسم پر اور پھر چبوترے پر  
چھوٹک ماری۔ چاروں سیاہ پوش دو زانوں ہو کر چبوترے سے  
چند قدم ہٹ کر زمین پر بیٹھ گئے۔

سیاہ پوش لیڈر نے دھیمی آواز میں کہا :  
”اے ہمارے ساتھی تیرے قبر سے باہر نکلنے کا وقت  
آ گیا ہے۔ تیرا جتد ہم نے پورا کر دیا ہے۔ اب  
باہر نکل کر ہمارے حکم کے مطابق عمل کر۔ کیونکہ تو  
اب میرا مطیع ہے۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی چبوترے میں حرکت پیدا ہوئی۔  
طاق میں رکھے ہوئے روشن چراغ کی نو زور سے پتھر پڑائی۔  
پھر ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ چبوترے کی دیوار ایک  
طرف سے کھل گئی۔ قبر کے اندر سے ٹھنڈی بے جان اور  
گھٹی گھٹی سی آواز بلند ہوئی۔ یہ کسی مرد کی آواز تھی :

کی آواز کی طرح گونج کر رہ گئی۔ دُور ایک درخت پر بیٹھا ہوا اُتو اپنی خوف زدہ آواز میں بول کر پڑ پڑاتا ہوا اڑ گیا۔

فضا پر موت ایسی خاموشی چھا گئی۔ قبر پر سناٹا طاری ہو گیا۔ سیاہ پوش نے غصیلی آواز میں سرگوشی کی۔  
”میں شیطان کے نام پر باہر آنے کا حکم دیتا ہوں۔“

قبر میں ایک بار پھر گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی اور کیٹی نے دیکھا کہ قبر کی کھلی دیوار میں سے ایک خاک آلود لکڑی ایسے رنگ کا بھیانک مردہ ریختا ہوا باہر نکل کر قبر کے پاس بالکل سیدھا کھڑا ہو گیا۔ مشعل کی روشنی میں وہ بے حد دہشتناک لگ رہا تھا۔ اس کے جسم کی جلد جگہ جگہ سے کٹی پھٹی تھی جیسے کسی نے اسے جگہ جگہ سے کاٹ دیا ہو۔ اس نے آدھے جسم پر پرانے کفن کا ٹکڑا باندھ رکھا تھا۔ اس کے اچھے ہونے بالوں میں مٹی بھری تھی۔ اس کی آنکھیں سفید اور ڈراؤنی تھیں اس کو دیکھ کر دو سیاہ پوش سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔

لیڈر سیاہ پوش اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ پھر اس نے بیٹھے بیٹھے ایک ہاتھ فضا میں بلند کر کے کہا:

”کولاش! میں جانتا ہوں تم مزدادشاہ کے جلاّد کی لاش ہو۔ تم نے اُن گنت لوگوں کے سر قلم

سیاہ پوش بولا:

”تم مجھے ان بچھوڑوں سے نہیں ڈرا سکتے۔ میں شیطانی عمل پورا کر چکا ہوں۔ بچھو کا زہر مجھے کچھ نہیں کہے گا۔ شیطان کے حکم سے اپنی سینکڑوں برس پرانی قبر میں سے باہر آ جا اور میرا حکم بجالاؤ۔ مُردے کا کٹا پھٹا ہاتھ آہستہ آہستہ قبر کے اندر چلا گیا۔ مشعل والے شمعوں نے آہستہ سے کہا:

”میرے آقا! ہمیں شیطان کی مورتی سے مشورہ کرنا چاہیے ہو سکتا ہے ہمارے عمل میں کچھ کمی رہ گئی ہو؟“  
سیاہ پوش لیڈر عزتیا:

”تم چپ رہو۔ میں شیطان کی طرف سے یہاں آیا ہوں۔ میرے عمل میں کوئی کمی نہیں رہی ہے مُردہ زندہ ہو چکا ہے۔ اب اسے باہر آنا ہی پڑے گا۔“

یہ کہہ کر سیاہ پوش لیڈر نے بلند آواز میں قدیم زبان میں کسی منتر کو تین بار پڑھ کر جھوڑے والی قبر پر چھونک ماری۔ چھونک مارتے ہی قبر کے اندر سے مُردے کی چیخ بلند ہوئی۔ یہ چیخ اتنی ڈراؤنی تھی کہ کیٹی بھی ایک بار لرز اٹھی۔ رات کے بیست ناک سناٹے میں یہ چیخ کسی پڑیل



کے ہیں۔ شیطان کے نام پر میں نے تیرا چلہ اس لیے کیا کہ مجھے مہتما ایسی لاش کی ضرورت تھی۔  
مردہ کو لاش کے ٹھنڈے سفید کٹے پھٹے ہونٹ ہلے تو ان پر سے مٹی نیچے گری۔ مردہ کو لاش کی گھٹی گھٹی عزاہٹ منا آواز آئی۔

”میں مہتما کے عمل میں قید ہوں۔ نہیں تو مہتما کی گردن کچل دیتا۔ بول۔ تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟“

سیاہ پوش بولا:

”تمہیں میرے ساتھ ہماری خفیہ کمین گاہ میں چلنا ہو گا۔ مگر اس حالت میں کہ تم سوائے میرے اور کسی کو نظر نہیں آؤ گے۔“

مردہ کو لاش کے حلق سے ایک ناگوار سی آواز نکلی۔ جیسے کسی نے اس کا گلا دبا دیا ہو۔ مردہ کو لاش کے جسم میں لہزش پیدا ہوئی اور اس نے اپنے کٹے پھٹے ہاتھ کی ایک انگلی میں سے انگوٹھی اتار کر سیاہ پوش لیڈر کی طرف پھینکی۔ انگوٹھی کے اترتے ہی مردہ کو لاش کی لاش ایک دم سے غائب ہو گئی۔ سیاہ پوش لیڈر نے جلدی سے انگوٹھی اٹھا کر اپنی انگلی میں پہن لی اور چہرہ آد پر اٹھا کر بولا:

”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں یہی چاہتا تھا۔“

پھر اس نے اپنے سیاہ پوش ساتھیوں کو مخاطب کر کے پوچھا:  
”کیا تم اس مردے کی لاش کو دیکھ رہے ہو؟“  
سب نے ایک زبان ہو کر کہا:

”بالکل نہیں آتا۔ ہمیں مردہ کی لاش نظر نہیں آتی۔“  
سیاہ پوش لیڈر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے خوشی کا نعرہ بلند کیا:

”شیطان کی جے ہو۔ میں یہی چاہتا ہوں۔ شیطان کی آزد ضرور پوری ہو گی۔ اس کا پہلا مرحلہ کامیابی سے پورا ہو گیا ہے۔“

پھر اس نے مردہ کی لاش کو حکم دیا:  
”ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمہیں اپنی خفیہ کمین گاہ میں لے جا رہے ہیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد بتایا جائے گا کہ تمہیں ہمارے حکم پر کیا کام کرنا ہو گا۔“  
مردہ لاش اب کیٹی کو بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ مگر اسے معلوم تھا کہ وہ وہاں پر موجود ہے۔ اور چونکہ وہ شیطانی عمل کی پابند ہے اس لیے اپنی مرضی کے خلاف سیاہ پوش شیطان کے ساتھ جاری ہے۔ چاروں سیاہ پوش ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔ کیٹی بھی جھاڑی میں سے نکل کر ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئی۔ مشعل کی روشنی میں کیٹی دیکھ رہی

اٹھ کر دروازے کے قریب آئی اور خور سے جائزہ لینے لگی۔ یہ معبد سیاہ پتھروں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا اور اس کے دروازے کے اوپر ایک ٹھکانا پتھر نصب تھا۔ آدھا معبد پہاڑ سے باہر تھا باقی پہاڑ کے اندر دھنسا ہوا تھا۔ لگتا تھا کہ معبد کا باقی حصہ پہاڑ کو کھود کر بنایا گیا ہے۔ باہر گہری تاریکی تھی کسی جگہ کوئی طاق یا دیرکچ یا روشندان بھی نہیں تھا کہ کیٹی کچھ اندازہ لگا سکتی کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

کیٹی وہاں سے اس وقت تک نہیں جانا چاہتی تھی جب تک کہ اس پر یہ راز نہ کھل جائے کہ یہ شیطانی ٹولی غیبی لاش سے کیا کام لینے والی ہے۔ ضرور یہ کوئی گھناؤنا اور غیر انسانی منصوبہ تھا جس پر سیاہ پوش شیطان عمل کرنے والا تھا۔ کیٹی نے اس منصوبے کے خلاف لڑنے اور انسانیت کو اس غیر انسانی منصوبے کے شر سے بچانے کا عہد کر لیا تھا۔ وہ شیطانی معبد کے دروازے سے ہٹ کر ریت کی ڈھیری کی اوٹ میں آ کر بیٹھ گئی اور انتظار کرنے لگی کہ کب اندر سے کوئی باہر آتا ہے۔ آدھ گھنٹہ گزر گیا۔ معبد کا بھاری دروازہ ابھی تک بند تھا مغرب کی جانب آسمان پر زرد چاند طلوع ہو گیا۔ مگر آخری تاریکی کے اس زرد چاند کی روشنی بہت پھیلکی اور دھندلی تھی۔ پھر بھی پھیلکی چاندنی میں پہاڑ کا خاکہ سا ابھر آیا۔ کیٹی خاموش اور ساکت

تھی کہ سیاہ پوش اس طرح چل رہے ہیں جیسے مُردہ لاش ان کے درمیان چل رہی ہو۔ وہ لاش کی وجہ سے اُہستہ اُہستہ چل رہے تھے۔

کیٹی چند قدموں کا فاصلہ رکھ کر برابر ان کے پیچھے جا رہی تھی۔ درختوں میں سے نکل کر یہ سیاہ پوشوں کی ٹولی ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں میں سے گزرنے لگی غیبی لاش سے خون زدہ ہو کر جیسے آسمان کے ستارے بھی سمے ہوئے سے تھے۔ ٹیلوں کے پار جا کر سیاہ پوش شیطان کے حکم سے مثل بجھا دی گئی۔ اب یہ شیطانی ٹولی غیبی لاش کو ساتھ لے اندھیرے میں لگے بڑھ رہی تھی۔

کیٹی اس لیے تعاقب کر رہی تھی کہ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ شیطان سیرت سیاہ پوش لیڈر اس لاش سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔ یہ ٹولی ریت کے ٹیلوں سے کچھ دُور ایک سیاہ کالے پہاڑ کے دامن میں بنے ہوئے معبد کے تائیک پتھرے دروازے میں داخل ہو گئی۔ کیٹی ان کے ساتھ اندر نہیں جاسکتی تھی۔ کیونکہ وہ پکڑی جاسکتی تھی۔ کیٹی باہر ہی پتھروں کی ایک ڈھیری کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی۔ غیبی لاش کو لے کر شیطانی ٹولی معبد میں داخل ہو گئی تو اس کا بھاری بھرپور دروازہ چرچاہٹ کی آواز کے ساتھ اپنے آپ بند ہو گیا۔ کیٹی

اور کہا :

”میں اس انگوٹھی کی وجہ سے دیکھ رہا ہوں۔ بستی  
میں مہتیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ پہلی کنواری لڑکی  
کا گھر مہتیں معلوم ہے۔ اب جاؤ اور میرا حکم  
بجا لاؤ۔“

اس کے ساتھ ہی ایک دھیمی دھیمی عزاہٹ کی  
آواز بلند ہوئی۔ یہ آواز غیبی لاش کو لاش کی بستی جو  
کیٹ کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ سیاہ پوش لیڈر پیچھے  
ہٹ کر دروازے کے اندر ہو گیا۔ اس کے ساتھی  
سیاہ پوشوں نے دروازہ بند کر دیا۔ کیٹ اسی طرح  
ریت کی ڈھیری کے پیچھے ہی چھپی بیٹھی رہی۔ معبد  
کے باہر ریت پر چھوٹے چھوٹے سنگ ریزے  
اور کنکر بکھے تھے۔ کیٹ کو ان پر کسی کے بھاری قدموں  
کے چرچرانے کی آواز سنائی دی۔

غیبی لاش نے بستی کی طرف چلنا شروع کر دیا تھا۔ لاش  
کیٹ کو بالکل نظر نہیں آ رہی تھی مگر اس کے بھاری پاؤں  
کنکریوں اور سنگ ریزوں پر پڑتے تو چرچراہٹ کی ہلکی  
آواز پیدا ہوتی تھی۔ پھر یہ آواز دُور ہوتی گئی۔ کیٹ  
چپکے سے اُٹھی اور ریت کی ڈھیری سے باہر نکل

بیٹھی تھی۔ اچانک اسے دروازے کے چرچرانے کی آواز آئی۔  
اس نے اپنی آنکھیں معبد پر جما دیں۔ معبد کا دروازہ آہستہ  
آہستہ کھل گیا۔ اندر مشعل کی روشنی میں کیٹ نے دیکھا کہ سیاہ  
پوش لیڈر آگے آگے چلا آ رہا ہے۔ اس کے پیچھے دو سیاہ  
پوش ہیں جن میں سے ایک نے مشعل ہاتھ میں اٹھا رکھی ہے  
سیاہ پوش لیڈر دروازے پر آ کر مڑک گیا۔ اس نے ایک ہاتھ بلند  
کیا اور حکم دینے کے انداز میں بولا :

”مردہ کو لاش! تم خوب جانتے ہو کہ بستی میں کنواری  
لڑکیاں کتنی ہیں اور ان کے گھر کہاں کہاں پر ہیں۔  
اب جاؤ اور پہلی کنواری لڑکی کو غائب کر کے  
میرے معبد میں بے آؤ۔ یہ میرا حکم ہے اور تم  
میرے حکم کے پابند ہو۔ جاؤ۔ میں شیطان کے نام پر  
مہتیں حکم دیتا ہوں۔“

کیٹ ساکت بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ زرد چاند  
کی دھندلی روشنی میں اسے سیاہ لبادے میں سرسے پاؤں تک  
لیٹ ہوا سیاہ پوش لیڈر کوئی شیطان لگ رہا تھا۔ کیٹ کو  
مردہ کو لاش کی کٹی چھٹی لاش نظر نہیں آ رہی تھی۔ مگر سیاہ پوش  
لیڈر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے غیبی لاش کو حکم دینے کے  
بعد اپنی انگلی کی انگوٹھی کو چہرے کے قریب لا کر دیکھا



آئی۔ اس نے جھک کر زمین پر دیکھا۔ زرد چھسکی چاندنی  
میں ریت پر غیبی لاش کے پاؤں کے بڑے بڑے نشان  
پڑتے جا رہے تھے۔

## کیٹی اغوا ہو گئی

کیٹی لاش کے پاؤں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔  
اپنی طرف سے اس نے اتنا فاصلہ رکھا تھا کہ غیبی لاش  
کو کیٹی کے تعاقب کا احساس نہ ہو۔ کیٹی کو یہ بھی شبہ تھا کہ  
ہو سکتا ہے غیبی لاش میں اتنی طاقت ہو کہ وہ یہ معلوم کرے  
کہ کوئی انسان اس کا پیچھا کر رہا ہے اور اسے یہ بھی خیال تھا  
کہ ہو سکتا ہے غیبی لاش میں اتنی صلاحیت موجود نہ ہو  
بہر حال کیٹی غیبی لاش کا پیچھا ضرور کرنا چاہتی تھی تا کہ بستی  
کی اس بے گناہ معصوم کنواری لڑکی کو شیطانی سیاہ پوش کے  
جنگل میں پھنسنے سے بچایا جاسکے۔

غیبی لاش کا پیچھا کرنا خاصا مشکل کام تھا۔ تھوڑی تھوڑی  
دیر بعد کیٹی کو زمین پر جھک کر غیبی لاش کے پاؤں کے  
نشان دیکھنے پڑتے تھے جس راستے پر یہ نشان پڑ رہے تھے  
وہ ریت کے ٹیلوں میں سے گذر کر بستی کی طرف جاتا تھا۔  
کیٹی ایک خاص فاصلہ رکھ کر جھکی جھکی سی چل رہی تھی کہ

لاش پلٹ کر بھی دیکھے تو اسے کچھ پتہ نہ چل سکے۔ اپنی طرف سے کیٹی ہر طرح کی احتیاط برت رہی تھی۔ دو باتیں اس کے حق میں جاتی تھیں۔ ایک یہ کہ زمین رستی تھی جس پر غیبی لاش کے پاؤں کے نشان پڑ رہے تھے دوسری یہ بات کہ زرد پھسکی چاندنی پھیلی ہوئی تھی جس میں کیٹی ان نشانوں کو بڑی آسانی سے دیکھ سکتی تھی۔

کبھی ماریا کے بھی اس طرح سے زمین پر پاؤں کے نشان نہیں پڑے تھے اگرچہ ماریا غائب رہتی تھی۔ لیکن غیبی لاش کے پاؤں کے بھاری بوجھل نشان ریت پر دُور تک چلے جا رہے تھے۔ حالانکہ صحرا پھسکی پراسرار چاندنی میں دُور تک خالی تھا اور کوئی لاش دکھائی نہ دیتی تھی مگر اس لاش کے پاؤں کے نشان باقاعدہ پڑتے چلے جا رہے تھے۔ کیٹی ہر پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد زمین پر بیٹھ جاتی تھی اور غیبی لاش کو موقع فراہم کرتی تھی کہ وہ کچھ اور آگے نکل جائے۔

اب کیٹی کو دُور کجھور کے درختوں کے جھنڈوں میں ایک بستی کے مکانوں کے سیاہ خاکے ابھرتے دکھائی دینے لگے تھے یہی وہ بستی تھی جہاں کی کنواری لڑکیوں پر آفت نازل ہونے والی تھی۔ پہلے کیٹی کو خیال آیا کہ وہ دوسری طرف سے

بھاگ کر بستی میں جائے اور ان لوگوں کو خبردار کر دے جن کے گھروں میں کنواری لڑکیاں رہتی تھیں۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ ایسا کرنے سے سوائے اس کے کچھ نہیں ہو گا کہ غیبی لاش شاید واپس چلی جائے اور پھر کسی رات وہاں آ کر لڑکیوں کو اغوا کر کے لے جائے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ غیبی لاش غصے میں آ کر آدمیوں کو بھی ہلاک کرنا شروع کر دے۔ اس لیے بڑی احتیاط اور سوچ سمجھ کی ضرورت تھی اور یہی بہتر تھا کہ غیبی لاش کو کسی ایک کنواری لڑکی کو اغوا کرنے کا موقع دے دیا جائے۔ اور پھر کیٹی بستی کے لوگوں کو خبردار کر دے اور پھر بستی کے لوگوں کے ساتھ شیطانی معبد پر حملہ کر کے نہ صرف یہ کہ اغوا شدہ کنواری لڑکی کو چھڑایا جائے بلکہ شیطانی معبد کے سیاہ پوشوں کو بھی پکڑ کر قانون کے حوالے کر دیا جائے۔

مگر بستی میں داخل ہوتے ہی کیٹی کو ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ بستی کی گلیاں اور بازار پکانی ہوئی سرخ اینٹوں سے بنے تھے۔ گلی اور بازار کے فرش پر یہی پختہ اینٹیں لگی تھیں اور یہاں آتے ہی غیبی لاش کے پاؤں کے نشان غائب ہو گئے تھے۔ کچھ دیسے بھی کیٹی نے لاش سے کافی دُور نہ کر چل رہی تھی۔ اس کے ماؤں کے نشان لہتے

مکانوں تک تو بالکل ٹھیک جا رہے تھے مگر بستی کے پکے فرش پر آتے ہی یہ نشان گم ہو گئے۔

کیٹی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کدھر جائے اور کس مکان کے پاس جا کر کھڑی ہو۔ بستی کے مکانوں پر اندھیرا اور خاموشی مچ چکی تھی۔ گھیاں اور بازار سنان پڑے تھے۔ کسی مکان میں روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ سرت چوکیدار کی آواز کسی وقت بلند ہو جاتی تھی۔ اس بستی کے کسی مکان میں سے ایک کنوڑی دھڑکی دینے کے بعد غائب ہو جانے والی تھی۔ کسی کو کانوار کان نہیں ہو سکتی تھی کہ دوشیزہ کہاں چلی گئی ہے اور اسے کون اٹھا کر لے گیا ہے۔

زرد سناں چاندنی میں گہری نیند سوئی ہوئی سنان بستی اور زیادہ بے پروا اور آسپ زدہ رہی تھی۔ کیٹی اس نیند میں ڈب ڈب سناں کو نہ سمجھ سکی تھی۔ چلی جا رہی تھی کہ اسے چوکیدار کی آواز سرب سے سنائی دی۔ چوکیدار ساتھ والی گلی سے اسی طرف آ رہا تھا۔ کیٹی جلدی سے ایک مکان کی ڈیوڑھی کے نیچے سے نیچے چھپ گئی۔ وہ چوکیدار سے اُلجھ کر خواجواہ غیبی کو اپنے بارے میں خبردار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیوں کہ جو نہی گلی کے کمنے میں نمودار ہوا اس نے چلا کر کہا:

کون گلی میں چل رہا ہے؟

کیٹی کے دو ٹکٹے کھڑے ہو گئے۔ یقیناً یہ غیبی لاش کے قتل کی آواز تھی جسے چوکیدار نے سن کر اسے لکارا تھا۔ کیوں کہ غیبی لاش اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی اور کیٹی اس وقت گلی میں بالکل نہیں چل رہی تھی کہ وہ یہ سوچتی کہ چوکیدار نے اسے لکارا ہے۔ کیٹی نے ڈیوڑھی کی دیوار کی اوٹ سے جھانک کر گلی کے کونے میں دیکھا۔ کونے میں لیمپ دیوار کے ساتھ روشن تھا۔ کیٹی نے لیمپ کی روشنی میں چوکیدار کو ہاتھ میں نیرے پکڑے ادھر ادھر دیکھتے پایا۔

چوکیدار نے ایک بار پھر آواز دی:

کون چلا جا رہا ہے؟ آواز کیوں نہیں دیتے؟

اس کے ساتھ ہی چوکیدار کی گردن آگے کو جھک گئی۔ جیسے کسی نے پیچھے سے اس کی گردن کو دھونچ لیا ہو۔ غیبی لاش نے اپنے کٹے پھٹے مگر انتہائی طاقتور پنچے میں چوکیدار کی گردن پر زور سے ہاتھ مارا تھا۔ چوکیدار کی آواز بھی نہ نکلی اور وہ آگے کو لڑکھڑا کر نیچے منہ کے بل گر پڑا۔ پھر اس کا نیزہ اپنے آپ کو اُپر کو اٹھا اور بے ہوش چوکیدار کے سینے میں اتر گیا۔ چوکیدار کی چیخ بھی بلند نہ ہوئی اور وہ ختم ہو گیا۔ یہ کام سوائے غیبی لاش کے کس دوسرے کا نہیں ہو



دوسری گلی میں دیکھا۔ دوسری گلی سنان پڑی تھی۔ کیٹی کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ غیبی لاش گلی میں ہی ہے یا نکل گئی ہے کہ کسی مکان میں داخل ہو گئی ہوئی ہے۔ ایک لمحے کے لیے وہ خالی گلی کی ٹکڑ پر دیوار سے لگی کھڑی رہی۔ پھر اچانک گلی کے ایک مکان میں سے کسی لڑکی کی چیخ بلند ہوئی:

”ماں! کوئی مجھے اٹھا رہا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی مکان میں شور مچ گیا۔ گھر کے لوگ دوسرے گھروں کے لوگ بھی جاگ پڑے۔ لڑکی کی چیخ پھر سنائی نہ دی۔ عورتیں دوسرے مکانوں کے دروازے کھول کر گلی میں نکل آئے ان کے ہاتھوں میں خنجر اور تلواریں تھیں۔ کیٹی بھی بھاگ کر ان کے قریب آ گئی۔ عورتیں گھبراہٹ ہوئی تھیں جس مکان سے کنواری حدیثہ اغوا ہوئی تھی اس گھر کی خاتون خانہ یعنی لڑکی کی ماں نے رد رو کر آسمان سر پر اٹھایا تھا۔ لڑکی کا باپ نہیں تھا۔ ہمسائے اسے تسلّی دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ بڑھی عورت بار بار کہہ رہی تھی۔

”اسے جتن بھڑت اٹھا کر لے گئے ہیں۔ ہائے اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گی۔ میری عتکا! میں تجھے کہاں تلاش کروں میری بیٹی! ہائے۔ میری قسمت پھوٹ گئی لوگو— میں زندہ ہی مر گئی ہوں۔ میری اکھوتی بیٹی

سکتا تھا۔ مُردہ کو لاش آخر کسی زمانے میں ظالم بادشاہ غرور کا جلا دہ چکا تھا اور اس وقت وہ ایک مُردہ لاش کی حیثیت سے شیطانی حمل کے زیر اثر چل پھر رہا تھا۔ اس سے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ غیبی لاش کوئی بھی ظلم کر سکتی تھی۔ کیٹی کو چوکیدار کی موت کا بڑا افسوس ہوا۔ غیبی لاش شاید چوکیدار کے لٹکانے سے بھڑک اُٹھی تھی۔

کیٹی نے اپنا چہرہ پیچھے کر لیا۔ کیونکہ اسے دُور سے کسی کے قدموں کی چاپ قریب آتی سنائی دینے لگی تھی۔ غیبی لاش کے کٹے پھٹے پاؤں گلی کے پتھریلے فرش پر گھسٹ گھسٹ کر چلتے ہوئے آواز پیدا کر رہے تھے۔ ایک بے گناہ کو ہلاک کرنے کے بعد غیبی لاش کا عصّہ ابھی تک کم نہیں ہوا تھا اس کے حلق سے عزاسبت کی دھیمی دھیمی آواز بھی آ رہی تھی۔ غیبی لاش کے قدموں کی پراسرار چاپ اور حلق سے نکلتی ڈا دینے والی عزاسبت کی آواز کیٹی کے قریب سے ہو کر گلی میں سے گذر گئی۔ جب یہ آواز گلی کے کونے میں پہنچ کر سنائی دینا بند ہو گئی تو کیٹی مکان کی اندھیری ڈیوڑھی میں سے نکل کر گلی میں آ گئی اور اسی طرف تیز تیز چلنے لگی بدھرتھوڑی پہلے غیبی لاش گئی تھی۔

گلی کے کونے میں جا کر کیٹی نے دیوار کے ساتھ لگ کر

تھی۔ ہائے۔ ہائے۔

اس عورت کے بین نے نہیں جاتے تھے۔ ہمسائی عورتوں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔ مرد دوڑے دوڑے گلی کے کونے تک گئے۔ کچھ منچے بستی کے کنارے تک لٹکھاتے اور تلواریں لہراتے چلے گئے۔ مگر ناکام واپس آئے۔ بھلا وہ غیبی لاش سے لڑکی کو کیسے چھن کر لا سکتے تھے۔

عورتیں اور بوڑھے مردوں کا یہی خیال تھا کہ لڑکی پر آسیب کا سایہ تھا اور اسے کوئی جتن اٹھا کر لے گیا ہے۔ کیٹی عورتوں میں ایک طرف چپ چاپ کھڑی یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ کنواری لڑکی عینکا کی ماں کے بین اس کے دل پر بھی اثر کر رہے تھے۔ کیٹی سوچ رہی تھی کہ اگر وہ ان لوگوں کو بتا دے کہ ایک غیبی لاش لڑکی کو اٹھا کر کالے پہاڑ والے معبد میں لے گئی ہے تو اول تو کسی کو یقین نہیں آئے گا۔ اگر یقین آ بھی گیا تو ڈر کے مارے کوئی آسیب زدہ معبد کا رخ نہ کرے گا۔ اور بفرض محال کچھ دلیر نوجوان تلواریں لہراتے معبد کی طرف چلے بھی گئے تو غیبی لاش کے ہاتھوں ہلاک ہو جائیں گے۔ شیطان سیاہ

پوش ان میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ کیٹی ابھن میں پڑ گئی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ خود لڑکی کو غیبی لاش کے معبد سے واپس نہیں لا سکتی تھی۔ اگرچہ وہ خلائی لڑکی تھی اور خود سوائے آگ میں جلنے کے اور کسی طرح ہلاک نہیں ہو سکتی تھی اس کے باوجود اس پر شیطانی سیاہ پوش کا طلسم چل سکتا تھا اور غیبی لاش بھی اس پر حملہ کر کے اسے نقصان پہنچا سکتی تھی۔

اچانک اس کے دماغ میں ایک انوکھا خیال بجلی کی طرح چمک اٹھا۔ اسے معلوم تھا کہ دوسری رات غیبی لاش دوسری کنواری لڑکی کو اغوا کرنے کے لیے اس بستی میں پھر آئے گی۔ تو کیوں نہ وہ خود اس لڑکی کی جگہ بستر پر لیٹ جائے۔ غیبی لاش نے کنواری لڑکی کو دیکھا تو نہیں ہے۔ وہ تو اس نشانی پر کنواری لڑکی کو اٹھانے آئے گی کہ بستی کے رواج کے مطابق کنواری لڑکیاں رات کو اپنے بال سر کے گرد ٹوپی کی طرح لپیٹ کر سوتی تھیں اس کا علم کیٹی کو ان عورتوں کی زبانی ہوا تھا جو وہاں کھڑی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔

کیٹی بستی سے باہر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب دن کی روشنی پھیلی تو کیٹی دوبارہ اسی گلی میں آ گئی جس گلی

”بیٹی! تم کون سی خاص بات ہم سے کہنے آئی ہو؟  
 وشالی کی ماں کچھ ٹکر مند سی ہو گئی تھی۔ کہنے لگی:  
 ”خیریت تو ہے نا بیٹی؟“  
 کیٹی نے کہا:

”سب خیریت ہے ماں جی۔“  
 ”دیوتاؤں کا احسان ہے بیٹی۔“

یہ کہہ کر وشالی کی ماں نے مٹی کے گلاس میں دودھ بھرا  
 کیٹی کو دیا۔ کیٹی نے میٹھے دودھ کا ایک گھونٹ بھرا اور کھوس  
 چوکی سپر رکھ دیا اور بولی:

”ماں جی! آپ کی بیٹی وشالی ابھی کنواری ہے نا؟“  
 ”ہاں بیٹی۔ مگر۔ مگر کیا بات ہے؟ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“  
 وشالی کی ماں نے گھبرا کر سوال کیا۔ وشالی کا باپ بھی  
 کچھ پریشان سا ہو کر کیٹی کو تکنے لگا:  
 کیٹی نے کہنا شروع کیا:

”ماں جی! بات اصل میں یہ ہے کہ کل رات اس گلی  
 کی ایک کنواری لڑکی عتیقا کو ایک جنّ جھوت اٹھا  
 کر لے گیا ہے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہو گا۔“  
 وشالی کی ماں اور باپ دونوں کے چہرے اتر گئے۔  
 ماں نے کہا:

عورت نے اس کی طرف دیکھ کر کہا:  
 ”وشالی بیٹی دودھ یہاں رکھو اور تم ذرا اوپر والے  
 کمرے کی جا کر صفائی کرو۔ میں ابھی مہنیں  
 بلوا لوں گی۔“

وشالی نے کیٹی کی طرف دیکھ کر پوچھا:  
 ”اماں! یہ لڑکی کون ہے؟“

عورت بولی: ”یہ مسافر لڑکی ہے۔ اسے جھوک لگی  
 تھی۔ میں نے اسے دودھ پلانے کے لیے بلا لیا  
 ہے۔ اس کا نام کیٹی ہے۔“

کیٹی نے عورت سے وشالی کی طرف دیکھا۔ تو یہ وہ کنواری  
 لڑکی تھی جو یقیناً غیبی لاش کا اگلا شکار بننے والی تھی۔  
 کیٹی نے مسکرا کر وشالی کو سلام کیا اور کہا:

”ہاں وشالی بہن! میرا نام کیٹی ہے اور میں۔“  
 عورت نے وشالی سے بات کاٹ کر کہا:  
 ”بیٹی جا اوپر جا کر کمرے کی صفائی وغیرہ کر۔ میں  
 کیٹی کو خود دودھ پلا دوں گی۔“

وشالی نے مسکراتے ہوئے دودھ کا کٹورہ چوکی پر رکھ دیا  
 اور خود اوپر والے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اس کے جلتے  
 ہی وشالی کے باپ نے پوچھا:



آپ کی بیٹی کو اٹھا کر کہاں لے جائے گا۔  
 وشالی کے باپ نے کسی قدر غصے میں آ کر کہا:  
 ”تو پھر تم ہمارے پاس کس لیے آئی ہو؟“  
 کیٹی نے بڑے تحمل سے کہا:

”بابا جان! میں آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئی  
 ہوں کہ آپ کی بیٹی وشالی کو جن کے چنگل میں  
 نہ پھنسنے دوں۔ اس کی گرفت سے وشالی کو  
 بچا لوں۔“

وشالی کی ماں اور باپ دونوں ایک دوسرے کا منہ  
 بھینچنے لگے۔ باپ بولا:

”یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے۔ اس جن کے بارے  
 میں تو بتایا گیا ہے کہ وہ نظر نہیں آتا اور جب  
 اس نے لڑکی کو بستر پر سے اٹھایا تو لڑکی بھی  
 غائب ہو گئی تھی۔ اگر تم واقعی سچ کہہ رہی  
 ہو تو تم اس نظر نہ آنے والے جن سے ہماری  
 بچی کو کیسے بچا سکو گی؟ نہیں نہیں۔ تم جھوٹ بول  
 رہی ہو۔ کوئی جن میری بچی کو اٹھانے نہیں آئے گا۔  
 میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔ اور پھر ہماری بچی کا  
 قصور ہی کیا ہے۔“

”مگر اس میں ہماری بیٹی کا تو کوئی قصور نہیں بیٹی  
 وہ تو لوگ کہتے ہیں کہ اس کے سر پر کسی جن کا  
 سایہ تھا اور وہ جن اسے اٹھا کر لے گیا ہے۔“  
 کیٹی بولی: ”میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنے  
 آئی ہوں کہ وہی جن آج کی رات آپ کی لڑکی  
 وشالی کو بھی اٹھانے آئے گا۔“

وشالی کی ماں اور باپ تو ایک دم چونک پڑے۔ باپ  
 نے لڑکھرائی زبان میں کہا:

”یہ۔ یہ۔ کیسے۔ کیسے ہو سکتا ہے۔ میری بیٹی پر کبھی  
 کسی جن کا سایہ نہیں تھا۔ پھر۔ پھر میری بیٹی؟“  
 وشالی کی ماں بیچ میں بول اٹھی:  
 ”مہتمن کیسے معلوم ہے کہ میری بیٹی کو جن اٹھائے گئے  
 گا؟ تم کون ہو؟“

کیٹی نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھ دیا اور کہا:  
 ”ماں جی! ایک بات کا پوری طرح یقین کر لیں کہ  
 میں آپ بیٹی، آپ کی ہمدرد بن کر یہاں آئی ہوں  
 اور جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ آج ادھی رات  
 کے بعد ثابت بھی ہو جائے گا۔ یہ میں آپ کو  
 ابھی نہیں بتا سکتی کہ جن کہاں سے آئے گا اور

ماں نے بھی کہا :

”ہاں ہاں۔ آخر ہماری دشالی کا کیا تصور ہے؟“  
کیٹی نے کہا :

”میری بات غور سے نہیں۔ تصور یہ ہے کہ دشالی  
کنواری دوشیزہ ہے۔ یہ جن جو نظر نہیں آتا ایک  
شیطانی طاقت کے اشارے پر اس بستی کی سائوں  
کی ساتوں کنواری لڑکیوں کو باری باری اغوا کر کے  
ایک خاص مقام پر لے جانے والا ہے۔ کل عتبکا  
اغوا ہوئی ہے۔ آج رات آپ کی بیٹی دشالی کی  
باری ہے۔“

ماں بے چاری تو رونے بیٹھ گئی۔ بات ہی ایسی تھی  
باپ ابھی تک غصے میں تھا۔ جب کیٹی نے مزید دو تین  
باتیں کیں تو اس کا غصہ تو دور ہو گیا مگر اب وہ بھی  
بے حد غمگین اور پریشان ہو گیا۔ آخر کوئی باپ یہ برداشت  
نہیں کر سکتا کہ اس کی بیٹی تو کوئی جتن اٹھا کر لے جائے۔  
اس نے کیٹی سے رحم طلب لہجے میں کہا :

”بیٹی! تو میری بچی کو اس جتن کے پنجے سے کیسے  
بچا سکتی ہے؟“

کیٹی نے بڑے سکون سے ایک گہرا سانس لیا اور بولی :

”آج رات آپ کی بیٹی دشالی اس گھر میں نہیں  
سوئے گی۔ اس کی جگہ اس کے بستر پر میں خود  
دشالی بن کر سوؤں گی۔“

دشالی کی ماں اور باپ دونوں یوں کیٹی کی طرف دیکھنے  
لگے جیسے کیٹی نے ابھی ابھی جو کچھ کہا تھا اسے اس پر  
یقین نہیں آ رہا تھا۔

”یہ — یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹی؟“

ماں نے حیرانی سے کہا :

کیٹی بولی : ”ماں جی! میں بالکل ٹھیک کہہ رہی  
ہوں۔ آج رات دشالی کی جگہ اس کے بستر پر  
میں لیٹوں گی۔“

باپ نے کہا :

”بیٹی! اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو پھر اس طرح تو جتن  
مہتیں اٹھا کر لے جائے گا۔  
کیٹی نے مسکرا کر کہا :

”یہی تو میں چاہتی ہوں۔“

”کیا مطلب ہے مہتارا؟“

باپ نے تعجب سے پوچھا۔

کیٹی بولی : ”میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ یہ

”ہاں ہاں۔ کیوں نہیں۔ میری ایک بہن یہاں سے ایک دن کے فاصلے پر رہتی ہے میں دشالی کو آج ہی اس کے ہاں بھجوائے دیتی ہوں۔“  
کیٹی بولی: ”بس یہ کام سب سے پہلے کریں۔ دشالی کو ابھی کچھ نہ بتائیں۔ میں اب جاتی ہوں۔ شام کو پھر آؤں گی۔“

کیٹی اٹھ کر چلی گئی۔ وہ بستی سے نکل کر سیدھی سیاہ پہاڑ کی طرف روانہ ہو گئی۔ بستی سے نکلنے ہی ریت پر غیبی لاش کے قدموں کے نشان دیکھے۔ یہ نشان پہلے نشانوں سے زیادہ گہرے تھے۔ کیوں کہ غیبی لاش نے ایک لڑکی کو بھی اٹھا رکھا تھا۔ کیٹی ان نشانوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ یہ سیدھے سیاہ پہاڑ کی طرف جا رہے تھے۔ کیٹی نے اس وقت پہاڑ کے معبد کی طرف جانا مناسب نہ سمجھا اور واپس بستی میں آ گئی۔ کچھ دیر تک تو وہ بستی کے بازاروں میں گھومتی رہی۔ جگہ جگہ لوگ بستی کی لڑکی کو جن کے اٹھالے جانے پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ یہ انتہائی توہم پرست اور کمزور عقیدے کے لوگ تھے۔ ہر کوئی جن کے نام سے سہا ہوا تھا۔ کئی ایک تو کہہ رہے تھے کہ ہم نے اپنی بچیوں کو دوسری جگہ پہنچانے کا بندوبست کر لیا ہے۔

جن اصل میں کون ہے اور وہ کنواری لڑکیوں کو اٹھا کر کہاں لے جاتا ہے۔ یوں میں اسی گلی سے اغوا کی گئی کنواری لڑکی عقیسکا کا بھی معتمد حل کرنا چاہتی ہوں۔ اسے بھی واپس لا کر اس کی ماں کے حوالے کرنا چاہتی ہوں۔“

دشالی کی ماں نے کہا:

”بیٹی! اس طرح تو تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔“

کیٹی نے کہا:

”آپ میری زندگی کی فکر نہ کریں۔ کیونکہ یہ کام ہوائے میرے دوسری کوئی عورت کر بھی نہیں سکتی اور پھر کسی دوسرے انسان کی جان بچانے کے لیے انسان کو اپنی زندگی خطرے میں ڈالنی ہی پڑتی ہے۔“

دونوں ماں باپ چپ ہو گئے۔

کیٹی نے کہا:

”آپ یہ بتائیں کہ کیا دشالی کو آپ صرف ایک دو دن کے لیے کسی دشمنے دار کے ہاں پہنچا سکتے ہیں۔ یہ رشتے دار اس بستی سے دور ہونا چاہیے۔“

دشالی کی ماں نے کہا:



ویسے دونوں بڑے پریشان تھے اور کیٹی کی تاکید کے مطابق انہوں نے اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا۔ کیٹی کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔ دشالی کی ماں نے فوراً چوکی لا کر بچھا دی اور کیٹی کے سامنے دودھ اور بالائی رکھی۔

”بیٹی ہمیں دن بھر تمہارا انتظار رہا۔  
کیٹی نے کہا:

”مگر ماں جی! میں تو کہہ گئی تھی کہ شام کو آؤں گی۔  
دشالی کا باپ کہنے لگا:

”بیٹی! پھر بھی ہمارے دل کو چین نہیں آ رہا تھا۔  
دشالی کو تو ہم نے تمہارے جانے کے بعد ہی  
اپنے ایک رشتے دار کے ساتھ یہاں سے روانہ  
کر دیا تھا۔ اب ہمیں تمہاری فکر لگی ہوئی ہے  
کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے بیٹی۔“

دشالی کی ماں بھی فکر مند ہو کر بولی:

”بیٹی! کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ جن میری بیٹی  
دشالی کو نہ پا کر شور مچا دے اور پھر اسے  
اغوا کرنے میرے رشتے داروں کے گھر پہنچ جائے؟“  
اس خیال سے دشالی کا باپ بھی کافی پریشان تھا۔

کیٹی ایک مندر میں آ گئی۔ یہاں کئی مرد اور عورتیں  
دیوی دیوتاؤں کی صورتوں کے آگے بھجن گئی تھیں اور  
بستی کو جن کی مصیبت سے بچانے کے لیے دعائیں مانگ  
رہی تھیں۔ کیٹی کے پاس اور کوئی جگہ نہیں تھی جہاں وہ  
دن گزار سکے۔ چنانچہ وہ اس مندر میں داخل ہو کر ایک  
جگہ دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

دوپہر کے وقت وہاں لوگوں میں روٹیاں اور دودھ  
تقسیم کیا گیا۔ کیٹی کو بھی مندر کے ایک پجاری نے دودھ کا  
کٹورہ اور روٹی پیش کی۔ یہ پجاری بڑی گہری نگاہوں سے  
کیٹی کو دیکھ رہا تھا۔ کیٹی کی آنکھیں بڑی خوبصورت تھیں اور  
ویسے بھی وہ خلائی لڑکی تھی اور دنیا کی لڑکیوں کے مقابلے  
میں زیادہ دلکش رکھتی تھی۔ کیٹی منہ پھٹ لڑکی بھی تھی۔ اس  
نے سوٹے پجاری کی توند کو انگلی سے دباتے ہوئے پوچھا:  
”کیوں پجاری جی! یہ پیٹ کتنے دنوں میں موٹا ہوا ہے؟“  
پجاری کھی کھی کھی کر کے ہنستا ہوا آگے نکل گیا۔

کیٹی شام تک مندر میں بیٹھی رہی۔ جب سورج غروب  
ہو گیا تو وہ مندر سے نکلی اور دشالی کے گھر کی طرف  
پل پڑی۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دشالی کو اس  
کے ماں باپ نے اپنے رشتے داروں کے ہاں بھجوا دیا تھا۔

کیٹی ادپر سے بڑے خوش گوار موڈ میں باتیں کر رہی تھی مگر اندر سے اسے بھی خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ نہ جانے غیبی لاش اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ ظاہر ہے غیبی لاش کیٹی کو نہیں جانتی تھی اور اسے یقین تھا کہ غیبی لاش بستی کی کنواری لڑکیوں کو بھی شکل سے نہیں پہچانتی۔ اور وہ صرف بالوں کی بناوٹ کی نشانی پر ہی کنواری لڑکی کو اٹھانے آتی ہے۔ اس کا ذکر شیطانی سیاہ پوش لیڈر غیبی لاش سے اپنی گفتگو کے دوران کر بھی چکا تھا۔ اسی لیے کیٹی خود کو شکار بنانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ تاہم کیٹی کو ایک بات کا حوصلہ تھا کہ غیبی لاش اس کا گلا بھی دبائے گی کیونکہ اسے گتے کی کوکھ سے بھی وہ مر نہیں سکے گی۔ ہاں اگر اسے آگ میں ڈال دیا گیا تو وہ مر سکتی ہے۔ مگر کیٹی اتنی آسانی سے آگ میں گرنے والی شے نہیں تھی۔

وشالی گھر کی چھت پر اکیلی سوتی تھی۔ رات کو جب اندھیرا چھلنے لگا اور بستی کے گھروں میں ایک ایک کر کے چراغ گل ہوتے گئے تو وشالی کی ماں نے اپنی بیٹی وشالی کا بستر چھت پر لگا دیا۔ کیٹی کو وشالی ہی کے کپڑے پہنا دیئے گئے تھے۔ اسی کی چادر کیٹی نے اوڑھ رکھی تھی۔

کیٹی نے کہا:

”اس کی آپ فکر نہ کریں۔ یہ جو غیبی جن ہے۔ یہ بستی کی کنواری لڑکیوں کی شکلوں سے واقف نہیں ہے۔ وہ صرف رات کو بالوں کی ٹوپی بنا کر سونے کی نشانی پر کنواری لڑکیوں کے بستروں کی طرف آتا ہے۔ اور میرے ساتھ جو ہو گا اس کی بھی آپ فکر مت کریں۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔“

ماں نے کہا:

”بیٹی! اس جن سے ہمیں تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے وہ ہمیں تو جان سے نہیں مار ڈالے گا؟“

کیٹی نے کافی دیر تک انہیں سمجھایا۔ تب کہیں جا کر دونوں کی تسلی ہوئی اور انہوں نے کیٹی کے آگے کھانا رکھا۔ کیٹی نے تھوڑا سا کھانا کھایا۔ گرم پانی سے غسل کر کے دوسرے کپڑے پہنے اور وشالی کی ماں نے خاص طور پر کیٹی کے بال کنواری لڑکیوں کی طرح بنا کر اسے ٹوپی کی شکل میں کیٹی کے سر کے گرد باندھ دیا۔ پھر اسے خاص قسم کا عطر لگایا جو کہ عین شادی شدہ لڑکیاں ہی وہاں لگایا کرتی تھیں۔

کی جان کی دشمن بن چکی تھی۔ کیٹی کو اب عنبر کا خیال آنے لگا۔ نہ جانے اس کی گمشدگی کے بعد عنبر پر کیا گزری ہو گی۔ وہ کس عالم میں ہو گا؟ اسے کہاں کہاں تلاش کرتا ہو گا۔ پھر اسے ناگ ماریا اور تھیوساگ کی یاد ستانے لگی۔ ان لوگوں سے بچھڑے ایک مدت گزر گئی تھی۔ ان میں سے کسی ایک دوست کی اسے کبھی خوشبو بھی نہیں آئی تھی۔ کیٹی نے دل میں عنبر ناگ ماریا کے لیے کی اور آنکھیں بند کر لیں۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی جا رہی تھی۔ بستی پر خاموشی گہری ہو رہی تھی۔ بستی میں چوکیدار کی موت پر بھی لوگ بڑے پریشان تھے۔ دوسرا کوئی چوکیدار آج کی رات نہیں آیا تھا۔ کسی چوکیدار کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ دقت گذرتا جا رہا تھا۔ رات کا سناٹا ہولناک شکل اختیار کر رہا تھا۔ پھر موت ایسی ڈراؤنی خاموشی سے بستی کو اپنی سیاہ چادر میں پلیٹ لیا۔ کسی طرف سے معمولی سی آہٹ کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ رات کا سناٹا جیسے سن سنا رہا تھا۔ کیٹی جاگ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ غیبی لاش کے آنے میں اب زیادہ دیر نہیں ہے۔ رات ادھی گزر چکی تھی

وہ چھت پر جا کر بستر پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر تک دشالی کی ماں اس سے باتیں کرتی رہی۔ اور وہ اسے بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ جن کو کہنا کہ ہمارے گھر پر کوئی آفت نازل نہ کرے۔ کیٹی اٹا دشالی کی ماں کی ڈھارس بندھا رہی تھی۔ حالانکہ وہ خود موت کے منہ میں جا رہی تھی۔

اس کے بعد دشالی کی ماں چلی گئی۔ کیٹی بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے بالوں کی ٹوپی سی بنی ہوئی تھی جس طرح کہ اس زمانے کی کنواری رات کو سوتے وقت اپنے بال بنایا کرتی تھیں۔ کیٹی کا دل یہ سوچ کر کچھ بوجھل سا ہو رہا تھا کہ غیبی لاش جب اسے اٹھا کر شیطانی لیڈر کی خفیہ کمین گاہ میں لے جائے گی تو وہاں اس کے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔ پھر اسے پہلی رات اعزا ہونے والی کنواری لڑکی غصا کا خیال آنے لگا کہ وہ کس حالت میں ہو گی۔ بہر حال کیٹی کو اپنی جان کی بازی لگا کر ہی بستی کی کنواری لڑکیوں کو شیطانی سیاہ پوش کے ناپاک عزائم سے بچانا تھا۔ وہ ساروں کو دیکھنے لگی۔ اسے خیال آیا کہ ان ہی میں ایک سیاہ اس کا اپنا وطن ہے۔ کاش! وہ کبھی اپنے پیارے پر جا کر امن سکون سے آباد ہو سکتی۔ مگر اس کے پیارے کی مخلوق تو اس



## پانچ کنواریاں، پانچ تابوت

یہ بھاری چاپ غیبی لاش کی تھی۔

کیٹی نے چادر کا پلو پہلے ہی سے اپنے چہرے سے ہٹا رکھا تھا۔ اس نے ذرا سی آنکھ کھول کر چھت پر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا مگر قدموں کی بو جھل چاپ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کیٹی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کیٹی کو محسوس ہو رہا تھا کہ خوف کے مارے اس کی چیخ نکل جائے گی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے خوف پر قابو پایا۔ غیبی لاش کے قدموں کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی چاپ اس کی چارپائی کے قریب آ کر رُک کیٹی نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

اسے اپنے چہرے پر بے ترتیب اکھڑے ہوئے کھراتے سانس کی ٹھنڈی لہر محسوس ہوئی۔ غیبی لاش اس کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ پھر جونہی غیبی لاش نے اپنا کٹا پھٹا ٹھنڈا سرخ ماتہ کیٹی کے ماتھے پر رکھا تو کیٹی کے حلق سے

اور غیبی لاش سیاہ پہاڑ والے معبد سے اس کی طرف روانہ ہو چکی ہو گی۔ نیپے گلی میں بھی ویرانی چپ چاپ چھائی ہوئی تھی۔ کیٹی کا دل اچانک زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے چھت پر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔



ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ غیبی لاش نے اسی دقت کیٹی کے منہ پر اپنا بھاری، ٹھنڈا، کھردرا ہاتھ رکھ دیا۔ کیٹی چپ ہو گئی۔ اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ غیبی لاش نے کیٹی کو ایک جھٹکے سے اٹھا کر کاندھے پر ڈالا اور چھت پر سے ہوتی دوسری طرف سے نیچے اتر کر ویران اندھیری گلی میں آ گئی۔ حیرانی کی بات کیٹی کے لیے یہ تھی کہ غیبی لاش کے کاندھے پر آنے سے وہ خود بھی اپنے آپ کو نہ دیکھ سکتی تھی۔ اگرچہ اسے گلی کا فرش، رات کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے مکان صاف دکھائی دے رہے تھے۔

غیبی لاش کی رفتار تیز تھی اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی نسبت کے مکانوں سے نکل کر صحرا میں آ گئی۔ اس کا رخ سیاہ پہاڑ والا شیطانی معبد تھا۔ لاش کا جسم ٹھنڈا تھا اور یہ ٹھنڈک کیٹی کو اپنے جسم میں بھی اثر کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ غیبی لاش نے دیکھتے دیکھتے صحرا کا ویران علاقہ عبور کر لیا۔ سامنے سیاہ پہاڑ نظر آنے لگا۔ تاریک رات میں پہاڑ بے حد ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ کیٹی دم سادھے اپنے آپ کو بے ہوش ظاہر کئے غیبی لاش کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔

معبد کا دروازہ بند تھا۔ جونہی غیبی لاش اس کے نزدیک پہنچی۔ دروازہ اپنے آپ ایک چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ لاش کیٹی کو لے کر اندر داخل ہو گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ اندھیرے میں کیٹی نے دیکھا کہ وہ ایک تاریک اور تنگ غار میں سے گذر رہی ہے۔ یہاں اسے غیبی لاش کے ترخواتے سانس کی آواز صاف سنائی دینے لگی تھی۔ آگے غار کے موڑ پر مشعل روشن تھی۔ یہاں پتھروں میں تنکونا دروازہ بنا تھا۔ غیبی لاش اس کے اندر داخل ہو گئی۔ اب کیٹی کو شیطانی لیڈر کی بھدی رعب دار آواز سنائی دی۔

”کو لاش! اس کنواری لڑکی کو تخت پر ڈال دو۔“ کیٹی کو کو لاش نے ایک تخت پر ڈال دیا۔ کیٹی نے فوراً سی آنکھیں کھول کر دیکھا کہ وہ ایک نیچی چھت والا نیم روشن تہ خانہ سا تھا جس میں کہیں بھی کوئی روشنیاں یا کھڑکی نہیں تھی۔ دیواریں پتھر کی تھیں۔ اور سیاہ دکھائی دے رہی تھیں۔ تخت پر لیٹتے ہی کیٹی کو اپنا جسم نظر آنے لگا تھا۔ غیبی لاش کیٹی کو بالکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ سامنے تہ خانے کے تنکونے دروازے کے قریب دیوار کے ساتھ شیطانی سیاہ پوش لیڈر اپنے ساتھی کے پاس کھڑا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں غیبی لاش کی دی ہوئی انگوٹھی کا نگینہ

مستعل کی روشنی میں چمک رہا تھا۔

شیطان سیاہ پوش بولا :

”مردہ کو لاش ! اس انگوٹھ کی مدد سے میں ہمتیں دیکھ رہا ہوں۔ میرے سوا ہمتیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ تم بستی کی دو کنواری لڑکیوں کو اغوا کر چکے ہو۔ ابھی ہمتیں تین مزید لڑکیاں اغوا کر کے یہاں لانی ہیں کیا ہمتیں معلوم ہے۔؟“

غیبی لاش کی خرخراہٹ نما آواز بلند ہوئی :

”معلوم ہے۔ میں تمہارے عمل کا پابند ہوں۔“

شیطان لیڈر بولا :

”اب تم واپس اپنی قبر میں چلے جاؤ اور کل رات تیسری کنواری لڑکی کو اغوا کر کے یہاں لے آنا۔ میں تمہارا معبد کی سرنگ میں انتظار کر دوں گا۔“

کیٹی چپ چاپ تخت پر سیدھی لیٹی تھی۔ وہ اپنے آپ کو بے ہوش ظاہر کئے ہوئے تھی۔ اس کو غیبی لاش کے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ شیطان لیڈر دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ چونکہ وہ غیبی لاش کو دیکھ رہا تھا۔ اس لیے اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ غیبی لاش تنہا خانے سے نکل کر باہر سرنگ

میں چلی گئی۔ پھر اس کے قدموں کی آواز غائب ہو گئی۔ شیطان لیڈر اب کیٹی کے پاس آیا اور اسے جھک کر دیکھنے لگا۔ پھر اپنے ساتھی سے بولا :

”شمعون ! یہ لڑکی پہلی لڑکی سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اسے خصوصی پوجا اور قربانی کے لیے رکھا جائیگا۔ سیاہ پوش شمعون نے کہا :

”آقا ! کیا اسے اپنے دیوتا شیطان کی مورتی کے قدموں میں نہ لے جاؤں ؟ دیوتا اسے دیکھ کر خوش ہو گا۔“

سیاہ پوش لیڈر بولا :

”نہیں ابھی نہیں۔ جس روز اس کا خون نکالا جائے گا اسی روز اپنے آقا شیطان کی مورتی کے پاس لے جائیں گے۔ ابھی اسے سرنگ کی آخری کوٹھڑی میں بند کر دو۔“

شمعون نے کہا :

”آقا ! یہ ابھی تک بے ہوش ہے۔“

سیاہ پوش لیڈر بولا :

”صبح تک اسے ہوش آ جائے گا۔“

سیاہ پوش شمعون نے اسی وقت تالی بجائی۔ چار



سیاہ پوش اندر آ گئے۔ انہوں نے کیٹی کو اٹھایا اور سڑنگ میں سے ہد کر کے دانی کو ٹھڑی میں لے آئے۔ یہاں فرش پر پتھروں کا ایک چبوترہ بنا تھا۔ چبوترے پر قالین کا ایک ٹکڑا بچھا تھا۔ چبوترے کے سرہانے کی طرف ایک موم بتی روشن تھی۔ کیٹی ٹھڑی سی آنکھ کھول کر یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

سیاہ پوش آدمیوں نے کیٹی کو اس چبوترے پر لٹایا شمعون پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے حکم دیا: "اس کو یہیں رہنے دو۔ چلو واپس۔"

تمام سیاہ پوش چپ چاپ سر جھکائے باہر نکل گئے۔ کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے باہر کھٹکا لگا دیا گیا۔ ان کے جانے ہی کیٹی نے آنکھیں کھول دیں اور قالین پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کوٹھڑی بہت چھوٹی سی تھی۔ کسی جانب سے اندر تازہ ہوا آرہی تھی مگر پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ ہوا کہاں سے آ رہی ہے۔ کیٹی کو یہ بھی احساس تھا کہ ہو سکتا ہے کسی خفیہ جگہ سے کوئی سیاہ پوش اس کی حرکات کا جائزہ لے رہا ہو۔ اس لیے وہ یوں ظاہر کرنے لگی جیسے ایک اجنبی جگہ پر آ جانے سے سخت پریشان ہے۔

لیکن حقیقت میں وہ گہری نگاہوں سے ایک ایک چیز کا

جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے سیاہ پوش لیڈر کی زبان سے یہ بھی سن لیا تھا کہ اسے خاص طور پر شیطان کی مورتی کے حضور قربان کرنے کے لیے رکھا گیا تھا اور اس کا خون بھی نکالا جانے والا تھا۔ کیٹی کا خون سرخ نہیں تھا۔ چوں کہ وہ خلائی مخلوق تھی اور اس کے خون میں تانبے کے عنصر کی آمیزش زیادہ تھی۔ اس لیے اس کے خون کا رنگ بنیلا تھا۔ مگر خون نکلنے کی گھڑی آنے سے پہلے ہی تیبی اپنے مشن کو مکمل کر دینا چاہتی تھی۔ اس کا مشن اس شیطانی ٹولے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا اور دوسری کنواری لڑکی عتیقا کو حفاظت سے یہاں سے نکال کر واپس لے جانا تھا۔ اس مشن کو کامیاب بنانے کے لیے بڑی عقلمندی اور حکمت عملی کی ضرورت تھی۔ کیونکہ اس میں کنواری لڑکی عتیقا کی جان کا بھی خطرہ تھا۔ کیٹی کو ابھی تک یہ بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ عتیقا کس جگہ پر قید ہے۔ اور اس کمین گاہ میں شیطان کے کتنے خبیث چیلے رہتے ہیں۔

کیٹی کو سڑنگ میں کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ جلدی سے تخت پر سیدھی لیٹ گئی۔ دروازے کا کھٹکا باہر سے اٹھایا گیا۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک سیاہ پوش ہاتھ میں سیاہ پیالہ تھا مے اندر داخل ہوا۔ موم بتی کی

چھوڑ آؤ۔ میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔  
سیاہ پوش نے کیٹی کی گردن کچھ اور دہائی۔ کیٹی پر اگرچہ  
اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ پھر بھی محض ظاہر کرنے  
کے لیے کیٹی نے گلے سے خرخراہٹ کی آواز نکال کر کہا:  
”مجھے نہ مارو۔ مجھے نہ مارو۔ تم جو کہو گے میں  
وہی کروں گی۔“

سیاہ پوش درندے نے اپنے ہاتھ کیٹی کی گردن سے  
اٹھا لیے۔ اسے چبوترے پر بٹھایا اور مشروب کا پیالہ  
دیتے ہوئے کہا:

”اسے پی جاؤ۔ یہ تمہارے جسم کو طاقت دے گا۔“  
کیٹی کے جسم میں پہلے ہی بہت طاقت تھی۔ پھر بھی  
اس نے مشروب کا پیالہ تمام کر مشروب پینا شروع کر  
دیا۔ مشروب تیز تھا۔ کیٹی کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ مگر  
اس نے کسی نہ کسی طرح یہ مشروب پی لیا۔ سیاہ پوش  
اپنی جگہ پر کھڑا کیٹی کو مشروب پیتے دیکھ رہا تھا۔ پیالہ خالی  
کر کے کیٹی نے پوچھا:

”تم لوگ کون ہو بھائی! مجھے یہاں کس لیے  
پکڑ لائے ہو؟“

سیاہ پوش نے خالی پیالہ اٹھاتے ہوئے سختی سے کہا:

”رودنی میں کیٹی نے دیکھا کہ سیاہ پوش کے نقاب کے  
سوراخوں میں اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ کیٹی نے یوں  
اپنا سر ادھر ادھر ہلایا جیسے اسے ہوش آ رہا ہے۔  
سیاہ پوش نے پیالہ چبوترے پر ایک طرف رکھا اور  
کیٹی کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھاتے ہوئے کہا:  
”اٹھو۔ ہوش کرو۔ یہ مشروب پی لو۔“

کیٹی نے آنکھیں کھول دیں اور مصنوعی گھبراہٹ کے  
ساتھ کہا:

”تم لوگ مجھے کہاں لے آئے ہو؟ میرے ماں  
باپ کہاں ہیں؟“

پھر بنا دٹی آنسو بہاتے ہوئے بولی:

”مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ مجھے میرے ماں باپ  
کے پاس لے چلو۔“

سیاہ پوش نے کیٹی کی گردن پر اپنے دونوں ہاتھوں کے  
انگوٹھے رکھ دیئے اور انہیں ذرا زور سے دباتے ہوئے کہا:  
”خبردار اگر اب کبھی اپنے ماں باپ کا نام لیا۔ وہ  
تمہارے لیے مر گئے ہیں۔ اب تم اسی جگہ رہو گی۔“  
کیٹی نے ہاتھ جوڑ دیئے:

”بھائی! دیوتا تمہارا بھلا کریں۔ مجھے میرے گھر

کر اسے اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈالا اور دیوار کے ساتھ جو پانچ تابوت لگے تھے ان میں سے ایک تابوت کا ڈھکنا کھول کر کیٹ کو اس کے اندر لٹا کر اوپر سے ڈھکنا بند کر دیا۔ کیٹ کو شیطانی لیڈر کی آواز آئی:

”دوسری کنواری لڑکی اپنے تابوت میں سو رہی ہے نا؟  
ہاں میرے آقا۔ اسے رات کو دوبارہ مشروب  
پلا دیا گیا تھا۔“

”مشاباش! اب قبرستان کی طرف چلو۔ رات ہونے  
والی ہے۔ ہمیں لاش کو تیسری لڑکی اغوا کرنے کے لیے  
بستی کی طرف بھیجنا ہے۔“

یہ شیطانی لیڈر کی آواز تھی۔ کیٹ نے تابوت کے اندر لیٹتے  
ہی اپنی آنکھیں کھول دی تھیں۔ دونوں شیطانی سیاہ پوشوں کے  
قدموں کی چاپ مورتی کی کوٹھڑی سے باہر نکل کر سرنگ میں  
غائب ہو گئی۔ کچھ دیر کیٹ تابوت میں خاموش لیٹی رہی۔ نیلے  
خون کا معاملہ اپنے آپ ختم ہو گیا تھا۔ اگر شیطانی کی مورتی  
میں جان ہوتی تو وہ اپنے چیلے کو ضرور بتا دیتی کہ کیٹ خلائی  
مخلوق ہے۔ مگر کبھی مورتیاں بھی بولا کرتی ہیں بھلا؟ یہ سب کچھ  
بڑا انسان ہی اپنے خمیشت ارادوں کو چکارتا ہے۔ اسی لیے  
کہا گیا ہے کہ انسان کو اپنے ذہن میں برے خیال کو کبھی

شیطانی لیڈر جھک کر کیٹ کی انگلی کو دیکھنے لگا۔ واقعی  
کیٹ کی انگلی پر جہاں خنجر کا زخم لگا تھا وہاں سے نیلے خون  
کے قطرے نکل کر کٹوری میں ٹپک رہے تھے۔

”یہ کیا معرہ ہے؟ اس لڑکی کا خون سرخ کیوں نہیں ہے؟  
شمعون۔ اس کے پاؤں میں سے خون نکالو۔“

شمعون نے پاؤں میں خنجر کا زخم لگایا تو دباں سے بھی  
نیلے خون ٹپکنے لگا۔ اب تو شیطانی لیڈر سکتے میں آ گیا۔ اس  
نے شیطانی کی مورتی کے آگے سجدہ کیا اور بولا:

”عظیم دیوتا! یہ کیا راز ہے۔ یہ لڑکی کون ہے؟  
اس خون سرخ کیوں نہیں؟“

شیطان کی مورتی جھلا کیا جواب دے سکتی تھی۔ شیطانی لیڈر  
نے خود ہی چلا کر کہا:

”میرے دیوتا! تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس لڑکی کا خون  
خون کے مارے نیلا پڑ گیا ہے۔“  
وہ شمعون کی طرف دیکھ کر بولا:

”شمعون! اسے تابوت میں ڈال دو۔ دو روز بعد  
اس کا خون سرخ ہو جائے گا۔ اس وقت اس  
کے خون کا اندازہ عظیم دیوتا کے حضور پیش کیا جائے گا۔“  
شمعون نے کٹوری ایک طرف رکھی۔ کیٹ کی کمر میں ہاتھ ڈال



تابوت سے باہر آ گئی۔ باہر آتے ہی قدرتی طور پر اس کی نگاہ قربان گاہ کی کوٹھڑی کے دروازے کی طرف گئی۔ دروازہ بند تھا۔ پھر بھی کیٹی اپنے اطمینان کے لیے دروازے کے پاس آئی۔ اس کی درز میں سے جھانک کر باہر سُرنگ میں دیکھا۔ سُرنگ کے کونے میں جو مشعل جل رہی تھی اس کی دھندلی روشنی میں سُرنگ خالی پڑی دکھائی دے رہی تھی۔

کیٹی واپس مڑی تو اس کی نگاہ شیطان کی مورتی پر پڑی۔ مورتی کے چہرے پر سیاہ نقاب پڑا تھا۔ اس کے دلوں بازو باہر نکلے ہوئے تھے۔ یہ سیاہ پتھر کے بازو تھے۔ قدموں کے درمیان موم بتی روشن تھی۔ ایک ہاتھ میں چکر تھا اور دوسرے ہاتھ میں خنجر۔ کیٹی نے اپنی انگلی کے زخم کو دیکھا۔ زخم اپنے آپ مل گیا تھا۔ کیٹی پیک کر تابوتوں کے پاس گئی۔ اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ کسی بھی وقت کوئی اندر داخل ہو سکتا تھا۔ کیٹی نے اپنے تابوت کے ساتھ والے تابوت کو اوپر سے آہستہ سے بجایا۔ اندر سے آواز کھوکھلی نہیں تھی۔

کیٹی نے تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا۔ کیا دیکھتی ہے کہ تابوت میں ایک نوجوان گورے رنگ کی لڑکی بالکل سیدھی لیٹی گردن ایک طرف کے سو رہی ہے۔ تابوت کے پہلو میں ہول کے لیے چھوٹے چھوٹے سوراخ بنے تھے۔ یہ بستی کی پہلی اغوا ہونے والی

بھول کر بھی نہیں لانا چاہیے۔ کیوں کہ ایک بار کوئی بُرا خیال انسان کے ذہن میں گھس آئے تو وہ وہیں اپنا گھر بنا لیتا ہے اور اس کو بھی بُرا بنا دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ بُرے خیالات سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ جب کبھی کوئی بُرا خیال آئے اسے فوراً لاجول ولاقوتہ پڑھ کر ذہن سے بھگا دینا چاہیے۔ شیطان کی مورتی بھی اس شیطانی لیڈر کے بُرے ارادوں کا مجسمہ تھا۔ یہ خیال شیطانی لیڈر کے اپنے ارادوں نے اسے سمجھا یا تھا کہ کیٹی کا خون خوف کے مارے نیلا پڑ گیا ہے۔ شیطان کی مورتی کیسے بول سکتی تھی؟ مورتیاں اور بُت کبھی نہیں بولا کرتے۔ اسی لیے اسلام نے بُت پرستی کو کفر قرار دیا ہے۔

کیٹی کو ایک خوش خبری ضرور مل گئی تھی کہ اس سے پہلے اغوا ہونے والی کنواری لڑکی عتیقا بھی اسی کوٹھڑی میں رکھے کسی تابوت میں بند تھی۔ اگرچہ وہ نیند والی دوا کے اثر میں تھی۔ کیٹی اس سے بات کرنا اور اسے تسلی دینا چاہتی تھی۔ اس نے کان لگا کر سنا۔ باہر کسی کے قدموں یا کسی کے بولنے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ کیٹی نے ہاتھ اوپر اٹھا کر تابوت کے ڈھکنے کو آہستہ سے اوپر کی طرف دھکیلا۔ تابوت کا ڈھکنا ذرا سا چرچرایا اور پھر کھل گیا۔ کیٹی

کنواری لڑکی عتقا تھی۔ کیٹی نے عتقا کو آہستہ سے ہلایا اور اس کے کانوں کے قریب منہ لے جا کر کہا:

”عتقا! جاگو میں تمہاری بہن ہوں۔ جاگو عتقا۔“

مگر عتقا کو خواب آور دوائی پلائی گئی تھی۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ کیٹی نے ایک پرانا نسخہ اس پر آزمایا۔ اس نے اپنا منہ عتقا کے منہ پر رکھ کر زور سے اس کے پھیپھڑوں میں پھونک ماری۔ عتقا کھانسی اور اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اپنے ادھر پر ایک اجنبی لڑکی کو جھکے ہوئے دیکھ کر سہمی ہوئی آواز میں بولی:

”مجھے مارنا مت۔ مجھے مارنا مت۔ میری ماں مر جائے گی۔“

کیٹی نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی:

”عتقا! میں تمہیں یہاں سے نکالنے آئی ہوں فکرت کرو۔ بس اطمینان سے لیٹی رہو۔ میں یہاں سے فرار ہونے کی کوئی ترکیب سوچ رہی ہوں۔“

عتقا پھٹی پھٹی نگاہوں سے کیٹی کو تک رہی تھی:

”تم۔ تم۔ کون ہو؟“

کیٹی نے کہا:

”یہ شیطان کے چیلے تمہاری طرح مجھے بھی یہاں اغوا

کر کے لے آئے ہیں۔ مگر میں تمہاری طرح کمزور لڑکی نہیں ہوں۔ میں بہادر لڑکی ہوں۔ اس لیے یہاں سے بھاگنے کی ترکیب سوچ رہی ہوں۔“

عتقا بولی: ”تمہارا نام کیا ہے؟“

”میرا نام کیٹی ہے۔ تمہارا نام معلوم ہے۔ میں اس بستی کی نہیں ہوں۔ یہ لوگ مجھے دوسرے گاؤں سے اغوا کر کے لائے ہیں۔“

عتقا نے آنسو بہاتے ہوئے کہا:

”یہ مجھے کیوں پکڑ لائے ہیں؟ میری ماں علم سے مر جائے گی۔ یہ مجھے قتل تو نہیں کریں گے۔“

کیٹی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

”عتقا! اگر تم نے یوں حوصلہ ہار دیا تو یہاں سے فرار نہ ہو سکو گی۔ میں تمہیں کہہ رہی ہوں کہ بہت کمزور حوصلہ رکھو۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔“

سرنگ میں قدموں کی آواز آئی۔

کیٹی نے کہا:

”کوئی آ رہا ہے۔ میں اپنے تابوت میں جاتی ہوں۔“

اب تم بھی ظاہر کرنا کہ تم سو رہی ہو۔“

یہ کہہ کر کیٹی جلدی سے اپنے تابوت میں آکر لیٹ گئی۔

قدموں کی آواز مورتی والی کو ٹھڑسی کے باہر آکر رک گئی۔ پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ قدموں کی آواز تابوت کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پھر کیٹی کو شیطانی لیڈر کی آواز سنائی دی :

”اسے تابوت سے نکالو۔“

تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا گیا۔ شمعوں نے کیٹی کو تابوت میں سے نکال کر ایک بار پھر اپنے کاغذ پر ڈالا اور شیطانی لیڈر کے ساتھ ساتھ چلتا کو ٹھڑسی سے باہر سرنگ میں آکر ایک طرف چلنے لگا۔ کیٹی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ اسے یہ لوگ کہاں لیے جا رہے ہیں۔ سرنگ آگے جا کر ایک طرف کو گھوم گئی۔ یہاں ٹھوڑی سی ڈھلان آتی تھی۔ جہاں ڈھلان ختم ہوئی وہاں ایک لوسے کے جنگلے والا دروازہ لگا تھا۔ شیطانی لیڈر نے دروازہ کھول دیا۔ کیٹی کو وہاں دوسری کو ٹھڑسی میں لکڑی کے ایک تخت پر لاکر ڈال دیا گیا۔ شیطانی لیڈر نے اپنے ساتھی سے کہا :

”اگر کل صبح اس کے خون کا رنگ سرخ نہ ہوا تو ہم شیطان دیوتا کے آگے اس کی قربانی پیش نہیں کر سکیں گے۔ یہ لڑکی ہمارے لیے بے کار ہو گی۔ اسے ہم واپس اس کے گھر بھی نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے

کل تک انتظار کرتے ہیں۔ اگر اس کے دل سے خون دُور ہو گیا اور اس کے خون کا رنگ دوبارہ سرخ ہو گیا تو اسے قربانی کے لیے واپس تابوت میں پہنچا دیں گے۔“

شمعون نے کہا :

”اور اگر اس کے خون کا رنگ نیلا ہی رہا تو؟“

شیطانی لیڈر بولا :

”تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ بیمار لڑکی ہے اس قبرستان میں لے جا کر زندہ زمین کے اندر دفن کر دیں گے تاکہ ہمارا راز اس کے سینے میں اس کے ساتھ ہی دفن ہو جائے۔“

کیٹی یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ کیٹی کو وہاں لٹا کر ڈلوں واپس چلے گئے۔ جاتے ہوئے وہ لوسے کے جنگلے والے دروازے کے باہر تالا لگانا نہیں بھولے تھے۔ کیٹی کے لیے نازک وقت آگیا تھا۔ اگر وہ کل تک کسی منصوبے پر عمل نہیں کرتی تو پرسوں یہ لوگ اسے اٹھا کر قبرستان میں دفن کر دیں گے۔ دفن ہو جانے سے کیٹی کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ مگر یہ بہت بڑا نقصان تھا کہ وہ اس شیطانی کمین گاہ سے باہر ہو جائے گی اور اسے اندر آنے کے لیے ایک بار پھر جدوجہد کرنی



پڑے گی۔ اس کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ تعجب کی بات ہے کہ اس کے ذہن میں کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ آج رات یہی لاش بچنے کی تیسری کنواری لڑکی کو بھی اغوا کر کے لے آئے گی اور اسے تیسرے تابوت میں بند کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ ان نصیب لڑکیوں کو ایسا تیز خواب آور مشروب پلا دیتے تھے کہ جس سے ان کے جسموں کی طاقت بھی بحال رہتی تھی اور انہیں گہری نیند بھی آ جاتی تھی۔ اگر کیٹی، غنیکا کے منہ پر منہ رکھ کر اس کے پیچھے پھڑوں میں ہوا نہ دیتی تو اسے ہوش نہیں آ سکتی تھی۔ کیٹی کو یقین تھا کہ غنیکا اب پھر دوائی کے زیر اثر سو گئی ہوگی۔

باہر سرنگ کے سیاہ پتھریلے فرش پر گولے میں جلنے والی مشعل کی دھیمی دھیمی روشنی آ رہی تھی۔ کیٹی کچھ دیر لیٹی رہی پھر تخت پر اٹھ بیٹھی اور لوہے کے جھگٹے کے باہر دیکھتے ہوئے غور کرنے لگی کہ اسے کون سی ترکیب پر عمل کرتے ہوئے ان لڑکیوں کو یہاں سے باہر لے جانا چاہیے۔ کیٹی کو ابھی تک یہ معلوم نہ ہوا تھا کہ یہاں جو شیطانی چیلے رہتے ہیں ان کی تعداد کتنی ہے۔ اور ان کے یہاں خفیہ راستہ کون سا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ خمدار ہو جانے پر کسی خفیہ راستے سے فرار

بھی ہو سکتے تھے۔ اور کیٹی نہیں چاہتی تھی کہ یہ فرار ہو جائیں کیوں کہ یہ پھر کسی دوسرے ملک میں جا کر معصوم لڑکیوں کے خون سے ہولی کھیل سکتے تھے۔

کیٹی دیر تک اُدھیڑ پن میں مصروف رہی۔ جانے رات کا کیا بجا ہو گا کہ کوئی جھگٹے کی طرف آیا۔ کیٹی جلدی سے تخت پر بیدھی لیٹ گئی۔ اندھیرے میں وہ آدمی آنکھ کھولے دیکھ رہی تھی۔ دو سیاہ پوش اندر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں سیاہ چادر تھی۔

دوسرے نے کہا:  
"اسے لڑکی کے اوپر ڈال دو اور شمعوں نے حکم دیا ہے کہ اسے نیند کی دوائی کا ایک پیالہ لاکر پلایا جائے۔"

سیاہ پوش نے کیٹی کے جسم پر سیاہ چادر ڈال دی۔ دونوں باہر نکل گئے۔ کیٹی ابھی چادر منہ پر سے اٹھا کر جھانکنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ اسے بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ کسی نے اس کے چہرے پر سے کپڑا ہٹا دیا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ کیٹی نے تھوڑی سی آنکھیں کھول کر دیکھا کہ کوئی سیاہ پوش شیطانی چیلہ ہاتھ میں خواب آور مشروب کا پیالہ لیے کھڑا ہے۔ سیاہ پوش

لبادہ اتار دیا۔ اس کے کانے دستانے بھی اُتار لیے۔ نیچے سے وہ ایک انتہائی بد شکل سیاہ فام خشنی نکل آیا تھا۔ کیٹی نے اسے گھسیٹ کر چبوترے پر اپنی جگہ لٹا کر اس کے دستانے پہن کر اس کا کالا لبادہ اوڑھ کر سر پر نقاب بھی ڈال لیا۔ پھر سیاہ پوش شیطان کی گردن کی ایک خاص رگ کو انگلی سے اتنا دبایا کہ انگلی گردن میں دھنس گئی۔ بے ہوش سیاہ پوش نے گہرا سانس کھینچا اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ کیٹی کو یقین تھا کہ اب وہ کم از کم دو دن سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔

اس کام سے فارغ ہو کر کیٹی نے مشروب کا خالی پیالہ اٹھا لیا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ پوش شیطان بن گئی تھی۔ لوہے کے دروازے کو باہر سے بند کر کے کیٹی نے تالا لگایا۔ اس کی چابی دیوار میں ایک طرف بنی ہوئی جگہ میں رکھی اور سرنگ میں دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اس کے پاس وہ رات اور دوسرا دن تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ کل شام تک اس کی کوٹھڑی میں کوئی نہیں آئے گا اور اس کے بارے میں شیطان لیڈر پوچھے گا بھی نہیں۔

سرنگ دور تک خالی تھی۔

کیٹی شیطان کی مورتی والی کوٹھڑی کے قریب سے گزری تو اسے تابوت کا خیال آگیا۔ وہ اس خیال سے اندر چلی گئی کہ دیکھتے تیسری لڑکی احوال ہو کر آگئی ہے کہ نہیں؟ اندر دوسرے تابوت میں عینکا پھر بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس پر خواب آور دوائی کا دوبارا اثر ہو گیا تھا۔ تیسرا تابوت ساتھ ہی پڑا تھا۔ کیٹی نے اس کا ڈھکن کھولا تو چونک اٹھی۔ اس تابوت میں ایک خوبصورت دلی پتلی سانولی سی لڑکی بے ہوش پڑی تھی۔ بد بخت شیطان لیڈر نے غیبی لاش کے ذریعے تیسری لڑکی کو بھی احوال کر کے تابوت میں بند کر دیا تھا۔ سرنگ میں کسی کے چلنے کی آواز آئی۔ کوئی کوٹھڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

کیٹی تیزی سے دروازے کی طرف گھومی۔ ایک سیاہ پوش کمرے میں داخل ہو کر بولا :

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ یہ دوائی پلا دی اسے؟“  
کیٹی نے آدمی کی آواز بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا :  
”ہاں پلا دی ہے۔“  
”تمہاری آواز کو کیا ہو گیا ہے؟“ سیاہ پوش سہتے سوال کیا۔  
کیٹی نے کھانٹے ہوئے کہا :  
”میں۔ وہ گلا خراب۔ وہ۔“

کیٹی کی آواز زنا نہ ہو رہی تھی۔ سیاہ پوش نے لپک کر کیٹی کی کلائی پکڑ کر جھنجھوڑا :  
"کون ہو تم؟"

اس سے پہلے کہ وہ شور مچا کر دوسرے شیطانوں کو وہاں بلاتا۔ کیٹی نے اس کی گردن پر مٹھوڑی کے عین نیچے ایک ایسا زرد دار الٹا ہاتھ مارا کہ اس کی کھٹو کی ہڈی اس کی گردن میں دھنستی ہوئی پیچھے کی طرف سے نکل گئی۔ اس کے زندہ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ دھڑام سے فرش پر پیچھے کو گرا۔ کیٹی اسے تیزی سے گھسیٹ کر پانچویں خالی تابوت کے پاس لے گئی۔ تابوت کا ڈھکنا کھلا۔ سیاہ پوش کی لاش کو اس کے اندر رکھا اور تابوت کا ڈھکنا بند کر کے کوٹھڑی سے باہر نکل آئی۔ آگے سرنگ کی معمولی سی چڑھائی تھی۔ اس کے بعد پھر سرنگ ہموار ہو گئی تھی۔ کیٹی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جانے لگی۔ مگر وہ اس ارادے سے چلی جا رہی تھی کہ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

آگے جا کر سرنگ کے دو راستے ہو گئے۔ ایک داہنی جانب کو جا رہا تھا اور دوسری بائیں جانب وہ زینہ تھا جس کو چڑھ کر شیطان معبد کا بڑا دروازہ آ جاتا تھا۔ کیٹی ابھی

باہر نکلنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ سرنگ کی داہنی جانب آگے بڑھی۔ چند قدم چلنے کے بعد اسے ایک مہم خانے کے اوپر بنے ہوئے ٹیکو نے سوراخ میں روشنی باہر آتی نظر آئی۔ قریب پہنچی تو اندر سے دو آدمیوں کے ہاتھ کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ دروازہ بند تھا۔ کیٹی نے کان لگا کر سنا۔ یہ شیطانی لیڈر کی آواز تھی۔ وہ کہہ رہا تھا :

"اب ہمیں ایک دوسری عورت کی لاش کی ضرورت ہے۔ اسی قبرستان میں جہاں کو لاش کی قبر ہے اس سے دس قبریں چھوڑ کر دوسو برس پرانی ایک کنیز کی لاش بھی دفن ہے۔ تم اس لاش کی قبر پر جا کر یہ راکھ جو میں تمہیں دے رہا ہوں چھڑک کر سات بار سامری شیطان، شیطان سامری پڑھ کر چھونکو۔ عورت کی لاش قبر سے باہر آ کر تم سے ہم کلام ہو گی۔ وہ تمہاری مطیع ہو چکی ہو گی۔ تم اسے ساتھ لے کر یہاں آ جاؤ۔ اس کے بعد میرا کام شروع ہو گا۔"

دوسرے سیاہ پوش نے پوچھا :  
"میرے آقا! آپ کا حکم سر آٹھکوں پر مگر میں نے آپ ہی کی زبانی سن رکھا ہے کہ ایسی لاش



کسی کو نظر نہیں آیا کرتی۔ پھر میں اس عورت کی لاش کو کیسے دیکھوں گا۔ کیونکہ وہ قبر سے نکلنے کے بعد دنیا کی فضا میں آتے ہی غائب ہو جائے گی۔  
یہ شمعوں کی آواز تھی۔

شیطان لیڈر نے کہا:

”میں تمہیں غیبی لاش کی انگوٹھی دیتا ہوں اسے اپنی انگلی میں پہن لو۔ پھر تم لاش کو دیکھ سکو گے۔ تمہیں یہ کام ہوشیاری سے کرنا ہو گا۔ آخر کل تم ہی نے میری گدی سنبھالی ہے۔“  
شمعوں کی آواز آئی:

”آپ بے فکر رہیں میرے آقا۔ عورت کی لاش ابھی آپ کی خدمت میں حاضر کرتا ہوں۔“

ایک خیال اچانک کیٹی کے ذہن میں چمکا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹی اور پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتی زینے پر آگئی۔ زینہ چڑھ کر اوپر والی سرنگ میں آئی۔ سامنے معبد کا دروازہ تھا جو بند تھا۔ کیٹی دروازے کو توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ شمعوں ابھی ادھر آ رہا ہے اور وہ دروازہ کھول کر باہر جائے گا۔ چنانچہ کیٹی ایک طرف

بھاگ کر اندھیرے میں پھپھپ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ شمعوں سیاہ لبادے میں چلا آ رہا تھا۔ کیٹی دیوار کے ساتھ اندھیرے میں سانس روکے کھڑی تھی۔ شمعوں نے بند دروازے کی ایک جانب دیوائی ہاتھ ڈال کر کسی زنجیر کو زور سے نیچے کھینچا۔ دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ اپنے آپ کھل گیا۔

کیٹی کا خیال تھا کہ دروازے کے کھلتے ہی باہر سے دن کی روشنی کا سیلاب اندر آ جائے گا۔ مگر باہر تو رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ شمعوں تیزی سے باہر نکل گیا۔ معبد کا دروازہ آہستہ آہستہ بند ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد کیٹی نے دیوار میں ٹپٹل کر زنجیر ڈھونڈ نکالی اور اسے زور سے نیچے کھینچ لیا۔ دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ دوبارہ کھل گیا۔ کیٹی چھدنگ لگا کر دروازے سے باہر نکل آئی اور اندھیرے میں اس نے قبرستان کی طرف چلنا شروع کیا۔

وہ تیز تیز چل رہی تھی۔ سنگ ریزوں کے میدان میں سے گزرنے کے بعد سامنے ریتلا میدان شروع ہو گیا۔ اس کے پار پرانا قبرستان تھا۔ ریتلے میدان میں آتے ہی کیٹی نے دودھ شمعوں کو جلتے دیکھا۔ وہ قبرستان کی طرف جا رہا تھا۔ کیٹی کے قدموں کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ

مزدت ہی نہیں مٹی اور اگر وہ غلطی سے حملہ کر بیٹھتی تو اس نیک انسان کے فرشتے اس کی ضرور مدد کرتے اور کیٹی کو شکست اٹھانی پڑتی۔ مگر شمعوں شیطان کا چیلہ اور خود بھی گناہوں میں گرا ہوا شخص تھا اس لیے اس کے اندر حوصلہ اور بہمت ختم ہو چکی تھی اور نیکی کے فرشتے بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ وہ بڑی آسانی سے کیٹی کا شکار ہو گیا۔

کیٹی نے اس کے جسم پر سے سیاہ لبادہ اتار پھینکا۔ شمعوں بھی نیچے سے سیاہ کالا بھنگ آدمی نکلا۔ کیٹی نے سب سے پہلے اس کی انگلی سے غیبی لاش کی دی ہوئی انگوٹھی اتار کر اپنی انگلی میں پہنی۔ پھر اس کی جیبوں کو ٹٹول کر ایک سیاہ رنگ کی گول ڈبیا نکالی۔ اس کو کھولا تو اس میں زرد رنگ کا وہ سفوف تھا جس کو عورت کی قبر پر چھڑک کر تین بار شیطان سامری، سامری شیطان پڑھ کر پھونک مارتی تھی۔ گویا یہ مردہ لاشوں کو اپنے قبضے میں کرنے کا عمل تھا۔ کیٹی کو اس عمل کی سخت مزدت تھی۔ اسی لیے وہ شمعوں کا پیچھا کرتی یہاں آئی تھی۔

کیٹی شمعوں کی لاش کو ڈیوڑھی میں سے گھیسٹ کر باہر لے گئی۔ ریتی زمین میں ایک جگہ گڑھا بنا ہوا تھا۔ لاش کو اس

میں پھینک کر کیٹی نے اوپر ریت ڈال دی اور واپس قبرستان میں اس قبر کے پاس آگئی جس میں غیبی لاش تھی۔ کیٹی نے اس قبر کو بھی دیکھا جس کے اندر دو سو برس پرانی کسی کنیز کی لاش تھی۔ مگر کیٹی اس کنیز کی لاش کو زندہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے زرد سفوف کی مزدت غیبی لاش کو اپنے قبضے میں کرنے کے لیے تھی۔

جانے کیوں آج رات شیطان لیڈ نے غیبی لاش کی بجائے ایک نئی عورت کی لاش لانے کے لیے شمعوں کو بھیجا تھا۔ کیٹی کو یقین تھا کہ غیبی لاش اپنی قبر ہی میں ہو گی۔ کیٹی نے وہ انگوٹھی بھی پہن رکھی تھی جس کی درجہ سے وہ غیبی لاش کو دیکھ سکتی تھی۔ رات گذرتی جا رہی تھی۔ کیٹی نے ڈبیا میں سے زرد سفوف نکال کر قبر کی چاروں طرف چھڑک دیا اور پھر شیطان لیڈر کا شمعوں کو بنایا ہوا منتر سات بار پڑھ کر قبر پر پھونکا۔ اس کے بعد کیٹی قبر کی اس طرف بٹ کر کھڑی ہو گئی جہاں سے قبر کھلا کرتی تھی۔ قبرستان میں موت کا ساٹھا چھایا ہوا تھا۔ آسمان سیاہ تھا اور ستارے بھی خوف کے مارے منہ چھپائے ہوئے تھے۔

کیٹی کی آنکھیں قبر پر جمی ہوئی تھیں۔ اسے قبر کے اندر

سے خرخراہٹ کی آدازیں سنائی دینے لگیں۔ کیٹی نے مزید سات بار منتر پڑھ کر پھونکا تو قبر کے اندر سے دیوار کے سوراخ میں سے غیبی لاش کا کٹ پھٹا راکھ ایسے رنگ کا ہاتھ نمودار ہوا۔

”تم کیا چاہتی ہو؟“

یہ غیبی لاش کی کھڑکھڑاتی ہوئی آواز تھی۔  
کیٹی نے کہا:

”تم میرے غلام ہو کولاش! میں نے عمل پڑھ کر تمہیں اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ اب تم اپنے شیطان لیڈر کے حکم پر نہیں بلکہ میرے حکم پر عمل کرو گے۔“

غیبی لاش کی آواز قبر کے اندر سے آئی:

”تم مر جاؤ گی۔ تم مر جاؤ گی۔“

کیٹی نے ڈانٹتے ہوئے غصے سے کہا:

”تم میرے مطیع ہو۔ میں اگر چاہوں تو منتر پھونک کر تمہیں دوزخ کی آگ کے سب سے پچھلے گڑھے میں پھینک دوں۔ بولو۔ کیا تم وہاں جانے کو تیار ہو؟“

غیبی لاش کا ہاتھ فوراً اندر چلا گیا۔ پھر نثر کی دیوار شق

ہو گئی اور اس کے اندر سے وہی ہیبتناک جیسے اور کٹے پھٹے جسم والی جلاد کولاش کی لاش باہر نکل آئی۔ وہ اپنی سفید آنکھوں سے کیٹی کو مسلسل تک رہی تھی۔

کیٹی نے انگوٹھی دکھاتے ہوئے کہا:

”یہ انگوٹھی اب میرے پاس ہے اور میں تمہیں دیکھ سکتی ہوں۔“

غیبی لاش چپ چاپ قبرستان کے اندھیرے میں کھڑی رہی۔ اس کی سفید آنکھیں کیٹی پر جمی ہوئی تھیں۔ کیٹی نے محسوس کیا کہ لاش آہستہ آہستہ آگے پیچھے کو ہل رہی ہے۔ پھر لاش کی کھڑکھڑاتی آواز آئی:

”تم کیا چاہتی ہو؟“

کیٹی نے کہا:

”شیطان کے معبد میں وہ دو معصوم کنواری لڑکیاں

تالوتوں میں بند ہیں جنہیں تم اغوا کر کے لائے

تھے۔ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟“

غیبی لاش کے چہرے پر کوئی تاثر نہ پیدا ہوا۔ لاش

چپ رہی۔ کیٹی سمجھ گئی کہ غیبی لاش نے اسے کھلے بالوں

اور سیاہ لبائے کے ساتھ نہیں پہچانا۔ حالانکہ کیٹی نے نقاب

کا اوپر والا حصہ الٹ رکھا تھا۔ مگر لاش کی یادداشت شاید



ایسی ہی ہوتی ہو۔ لاش نے کیٹی کے سوال کا جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا:  
"تم کیا چاہتی ہو؟"  
کیٹی نے کہا:

"یاد رکھو کو لاش! تمہیں وہی کرنا ہو گا جو میں تمہیں حکم دوں گی۔"

غیبی لاش کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی:  
"میں اب تمہارے منتر کے اثر میں ہوں جو تم کہو گی میں وہی کروں گا۔"  
کیٹی نے کہا:

"تو پھر سنو۔ جن تین لڑکیوں کو تم بستی سے اغوا کر کے لائے تھے ان میں سے ایک لڑکی فرار ہو چکی ہے۔ باقی دو لڑکیاں شیطان کے معبد ہی میں بند ہیں۔ میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ شیطانی معبد میں جا کر ان دونوں کنواری لڑکیوں کو اٹھا کر میرے پاس لے آؤ میں قبرستان کے پیچھے جو ریت کا ٹیلا ہے وہاں تمہارا انتظار کروں گی۔ یاد رکھو۔ کنواری لڑکیاں زندہ حالت میں یہاں پہنچی چاہیں۔"  
غیبی لاش نے منہ سے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ اپنا رخ

شیطانی معبد کی طرف کر کے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا۔ کیٹی کچھ دُور تک غیبی لاش کو ٹھکتی رہی۔ پھر وہ قبرستان سے نکل کر پچھواڑے ریت کے اُپنچے ٹیلے کی اوٹ میں آ کر بیٹھ گئی۔ اسے معلوم تھا کہ غیبی لاش تکام واپس نہیں آئے گی۔ جب غیبی لاش کیٹی کو نظر آنا بند ہو گئی تو اس کو خیال آیا کہ اسے شیطانی معبد کے قریب رہنا چاہیے ہو سکتا ہے وہاں حالات زیادہ خراب ہو جائیں اور غیبی لاش کو اس کی مدد کی ضرورت پڑ جائے۔ یہ سوچ کر کیٹی ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر قبرستان کی ٹریوڈھی سے گذرتی ریتے میدان کو عبور کر کے شیطانی معبد والے سیاہ پہاڑ کے سامنے ایک چٹان کے پاس اندھیرے میں چھپ کر بیٹھ گئی۔  
شیطانی معبد پر گہرا سناٹا طاری تھا۔

غیبی لاش اندر داخل ہو چکی تھی۔ شیطانی لیڈر اپنی طرف سے اپنے ساتھی شمعون سیاہ پوش کو قبرستان کی طرف بھیج کر مطمئن ہو گیا تھا اور دو کنواری لڑکیوں کی قربانی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اس نے اپنے ساتھی سیاہ پوش کو منہ خانے ایک والان میں جمع کر کے ہدایت دی کہ شیطان دیوتا کی مورتی کے سامنے انسانی قربانی کے لیے خاص قسم کے اوزار صاف اور تیز کیے جائیں۔ پھر اس نے بلند آواز میں

خاص شیطانی اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے۔

اس وقت غیبی لاش کیٹی کے حکم کے مطابق شیطانی مورتی والے کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔ جو مہنی اس نے کمرے کے دروازے کو ہاتھ مار کر توڑا اس کی آواز سے شیطانی سیاہ پوش لیڈر چونک اٹھا۔

”یہ کسی نے دروازہ توڑا ہے۔ تم یہیں مٹھرو میں پتہ کرتا ہوں جا کر۔“

شیطانی لیڈر نے خنجر ہاتھ میں لیا اور شیطان کی مورتی والی کمرے کی طرف دوڑا۔ سرنگ میں مشعل کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ کمرے کا دروازہ ٹوٹا پڑا ہے۔ وہ پیکر آگے آیا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ کمرے کی دیوار کے ساتھ لگے دونوں تابوت کھلے ہوئے ہیں۔ چونکہ اس کے پاس انگوٹھی نہیں تھی اس لیے غیبی لاش اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ شیطانی لیڈر نے چلا کر اپنے ساتھیوں کو آواز دی: ”جلدی یہاں آؤ۔ لڑکیاں غائب ہیں۔“

غیبی لاش دونوں بے ہوش لڑکیوں کو اپنے کاندھوں پر ڈالے اس وقت شیطان لیڈر کے قریب ہی کھڑی تھی۔ مگر وہ کیٹی کے حکم کی پابند تھی۔ غیبی لاش قریب سے گزرا تو شیطانی سیاہ پوش کو اس کے خرخراتے سانس کی خاصیت

سنا دی۔ اس نے چیخ کر کہا: ”یہ غیبی لاش کے سانس کی آواز ہے۔ فوراً معبد کے دروازے پر آگ جلا دو۔ اسے کسی نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔“

ایک سیاہ پوش بولا: ”آقا! شاید سمعون نے بغاوت کر دی ہے اور لاش پر منتر پھونک کر اسے مطیع کر لیا ہے۔“

شیطان لیڈر چلایا: ”بکواس بند کرو۔ جلدی سے معبد کے باہر دروازے پر آگ روشن کر دو۔“

آگ ایک ایسی چیز تھی جس سے غیبی لاش ڈرتی تھی اور جو اسے نقصان پہنچا سکتی تھی۔ مگر غیبی لاش اس وقت ہر قسم کے خطرے سے بے نیاز سرنگ میں سے گذرتی جا رہی تھی۔ شیطانی سیاہ پوش لیڈر کو چونکہ غیبی لاش نظر نہیں آ رہی تھی اس لیے اسے لڑکیوں کو تلاش کرنے میں بھی سخت دشواری ہو رہی تھی۔ کیونکہ غیبی لاش کے کاندھوں پر آتے ہی دونوں بے ہوش لڑکیاں بھی غائب ہو گئی تھیں۔

کیٹی چٹان کے پیچھے چوکس بیٹھی معبد کے دروازے کی طرف تھم رہی تھی کہ اچانک معبد کا دروازہ کھلا اور چار

کیٹی نے لاش کے قریب جا کر کہا:  
"کو لاش! ان لڑکیوں کو لے کر قبرستان کے کچھوٹے

والے ریت کے ٹیلے میں پہنچو۔  
غیبی لاش نے کوئی جواب نہ دیا۔ اچانک کیٹی نے شیطانی  
ڈر کو دیکھا کہ ہاتھ میں خنجر لیے گھبرایا ہوا سڑنگ چلا  
رہا ہے۔ وہ چلا رہا تھا۔

کم بخت! تم لوگوں نے باہر آگ کیوں نہیں جلائی؟  
کہاں مر گئے ہو تم؟

پھر اس نے غیبی لاش کو آدازیں دینی اور منتر پڑھ پڑھ  
کر چھوٹے مندرجہ کر دیئے لیکن چونکہ وہ لاش کو دیکھ نہیں  
سکتا تھا اس لیے منتر لاش کے جسم پر نہیں چھونکے جا رہے  
تھے اور لاش پر اس کے منتروں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا  
تھا۔ شیطانی لیڈر نے ایک سیاہ پوش کو دروازے کی طرف  
کھڑے دیکھا تو چلایا:

بد بخت! تم نے آگ کیوں نہیں جلائی؟

یہ سیاہ پوش کیٹی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ غیبی  
لاش اب معبد کے دروازے سے باہر جا چکی تھی۔ شیطانی لیڈر  
نے کوئی منتر پڑھ کر زور سے زمین پر خنجر مارا۔ خنجر دروازے  
کے بائیں سامنے گرا اور گرتے ہی زمین میں سے آگ کا شعلہ

سیاہ پوش لکڑوں کے گٹھے اٹھائے باہر آئے۔ انہوں نے  
دروازے کے آگے لکڑیاں ڈال کر انہیں آگ لگا دی۔ کیٹی  
کا ماتھا ٹھنکا۔ فوراً سمجھ گئی کہ یہ غیبی لاش کو مجسم کرنے  
کے لیے کیا جا رہا ہے۔ وہ بیک کر چٹان سے باہر نکلی اور  
معبد کے دروازے کی طرف دوڑی۔ آگ جلتے سے روشنی ہو  
گئی تھی۔ کیٹی نے اپنے منہ پر سیاہ نقاب الٹ دیا تھا  
اور اب وہ بھی ان سیاہ پوشوں کی ساتھی لگ رہی تھی۔ اس  
نے آگ کے پاس جاتے ہی آواز کو بھاری بنا کر کہا:  
"غیبی لاش دوسری طرف سے نکل گئی ہے۔ آگ دوسری  
طرف جلاؤ۔ جلدی کرو۔"

سیاہ پوش یہی سمجھے کہ کیٹی بھی ان میں سے ایک ہے۔  
کیوں کہ اس کا لباس بھی ان ہی کی طرح تھا۔ انہوں نے  
جلتی ہوئی لکڑیوں کو مثالوں کی طرح اٹھایا اور معبد کے عقبی  
دروازے کی طرف دوڑے۔ کیٹی فوراً کھلے دروازے میں سے  
سڑنگ میں گھس گئی۔ اُسے دُور سے غیبی لاش کو دیکھا کہ  
دونوں لڑکیاں اس کے پیچھے پر لپک رہی تھیں اور وہ  
آہستہ آہستہ لمبے لمبے قدم اٹھاتے دروازے کی طرف چلا آ  
رہی تھی۔

دروازے کے سامنے اب آگ نہیں چل رہی تھی۔



بند ہو کر لہرانے لگا۔

غیبی لاش آگ کی وجہ سے لڑکھڑائی اور ڈر کر ایک طرف کو جھک گئی۔ یہ بڑا خطرناک لمحہ تھا۔ کیٹی چھلانگ لگا کر آگ کے پاس آ گئی۔ خود کیٹی کو بھی آگ سے بے حد خون تھا۔ کیونکہ یہی ایک چیز تھی جو اسے بھی ہلاک کر سکتی تھی۔ کیٹی زمین پر سے ریت اٹھا کر آگ پر پھینکنے لگی۔

شیطانی لیڈر نے جب اپنی ہی ٹولی کے ایک سیاہ پوش کو آگ بجھانے دیکھا تو غضبناک ہو کر گر جا۔

”کون ہو تم بد بخت۔ بولو۔ آگ کیوں بجھاتے ہو۔ میں تمہیں بھی جلا کر راکھ کر دوں گا“

یہ کہہ کر شیطان لیڈر نے کسی منتر کو پڑھنا شروع کیا ہی تھا کہ کیٹی نے دیہیں سے اچھل کر اس کے اوپر چھلانگ لگا دی۔ یہ کسی معمولی عورت کی چھلانگ نہیں تھی۔ یہ خلائی عورت کیٹی کی چھلانگ تھی۔ وہ شیطانی لیڈر پر اس طرح گری کہ اس کی گردن کیٹی کے پنجوں میں تھی۔ کیٹی نے ایک سیکنڈ کی بھی مہلت نہ دی۔ ایک سیکنڈ کی مہلت بھی کیٹی کے جسم کو طلسمی آگ کی پلیٹ میں جلا کر راکھ کر سکتی تھی۔

شیطانی لیڈر کا گلا بند ہو گیا اب وہ کوئی شیطانی منتر نہیں پڑھ سکتا تھا۔ کیٹی نے اسے زمین پر گرا لیا تھا اور اس

کی گردن کو دو چار جھٹکے دے کر اسے ہمیشہ کے لیے جہنم میں پہنچا دیا۔ بڑے انسان کو اس کے بڑے کاموں کا بدلہ مل گیا تھا۔ کیٹی نے دیکھا کہ زمین پر جو آگ کا شعلہ چلا رہا تھا وہ شیطانی لیڈر کے مرتے ہی اس کی لاش کی طرف بڑھا۔ شیطانی لیڈر کے جسم کو آگ لگ گئی۔ غیبی لاش ابھی تک آگ کے خون کی وجہ سے زمین پر جھکی ہوئی تھی۔ شیطانی لیڈر کے جسم پر آگ لگی تو وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر جیسے کسی طلسم کے زیر اثر دونوں جلتے ہوئے بازو سامنے پھیلا کر معبد کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کے اندر داخل ہونے کے فوراً بعد دروازہ زوردار آواز سے بند ہو گیا۔ کیٹی بھاگ کر غیبی لاش کے پاس گئی۔ دونوں بے ہوش کنواری لڑکیاں اس کے کاندھوں سے پھسل کر ریت پر پڑی تھیں۔

کیٹی نے غیبی لاش کو حکم دیا:

”فوراً واپس اپنی قبر میں چلے جاؤ۔“

غیبی لاش آہستہ سے اٹھی اور قبرستان کی طرف چلنے لگی۔

کیٹی نے دونوں لڑکیوں کے منہ پر منہ رکھ کر زور سے ان کے پیپیرٹوں میں تازہ ہوا کا زوردار جھونکا پہنچایا تو انہوں نے نہ مکھیں کھول دیں۔ کیٹی نے اپنا سیاہ نقاب اب اتار کر کھینک

دیا تھا ۔

کیٹی نے عتقا سے کہا :

”میں تمہیں موت کے منہ سے نکال لانے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔“

پھر اس نے دوسری کنواری لڑکی کو بھی تسلی دی اور شیطانی معبد سے نکل آنے کی مبارکباد پیش کی اور کہا :

”اب آپ دونوں اپنے اپنے گھروں میں واپس جا سکتی ہیں۔“

عتقا نے کہا :

”وہ سیاہ پوش ہمیں پھر سے پکڑ لیں گے۔“

اس وقت تک شیطانی معبد کے اندر سے شعلے نکلنے لگے تھے۔ اس کا جلتا ہوا دروازہ ٹوٹ کر باہر کو گر پڑا تھا اور آگ کے لمبے لمبے شعلے پہاڑ کی چوٹی کی طرف بلند ہو رہے تھے۔

کیٹی نے عتقا اور دوسری کنواری لڑکی سے کہا :

”جن لوگوں نے تم دونوں کو اغوا کیا تھا وہ اس آگ میں جل کر راکھ ہو چکے ہیں۔ بہر حال اگر تم یہی چاہتی ہو تو میں تمہیں خود مہتاری بستی میں چھوڑ آتی ہوں۔“

یہ کہہ کر کیٹی نے انہیں ساتھ لیا اور بستی کی طرف چلنے

لگی۔ تاریک کی رات میں بستی پر سکوت چھایا ہوا تھا۔ کیٹی نے اپنی حفاظت میں دونوں لڑکیوں کو ان کے گھروں میں پہنچا دیا۔ اپنی بیٹیوں کو خیر و عافیت سے دیکھ ان کے ماں باپ تو مائے خوشی کے کیٹی کے پاؤں پر گر پڑے۔ کیٹی نے انہیں اطمینان دلایا کہ اب ان کی بچیوں کو کوئی خفیہ طاقت اغوا نہیں کر سکے گی۔ یہ کہہ کر کیٹی اندھیری رات ہی میں واپس قبرستان کی طرف روانہ ہو گئی۔

شیطانی معبد کے اندر آگ لگی ہوئی تھی اور دھماکوں کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ یقیناً سارے مکے سارے شیطان کے چیلے اس آگ میں محسوس ہو چکے تھے۔ کیٹی قبرستان میں آکر غیبی لاش کی قبر کے پاس روک گئی۔ قبر کی دیوار بند ہو چکی تھی جس کا مطلب تھا کہ غیبی لاش اپنی قبر میں دوبارہ داخل ہو گئی تھی۔



## لاش کا انتقام

کیٹی قبرستان میں آگئی۔

وہ یہ تسلی کرنا چاہتی تھی کہ غیبی لاش اپنی قبر میں جا چکی ہے کہ نہیں۔ تاکہ وہ پھر باہر آ کر بستی میں کسی کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ رات اب ڈھلنا شروع ہو گئی تھی مگر قبرستان میں ابھی تک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کیٹی غیبی لاش کی قبر کے پاس آگئی۔ اس نے دیکھا کہ قبر کی دیوار بند ہو چکی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ لاش قبر کے اندر ہے اور اب وہ کبھی باہر نہیں آئے گی۔ کیونکہ منتر پھونک کر اس کو باہر نکالنے والا شیطانی لیڈر ختم ہو چکا تھا۔

کیٹی نے اپنی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو دیکھا۔ اب اسے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ پہلے وہ انگوٹھی اتار کر دیں پھینکے گی۔ پھر خیال آیا کہ یادگار کے طور پر اسے اپنے پاس ہی رکھنا چاہیے۔ یہ فیصلہ کر کے کیٹی قبروں میں چلتی دالیں ڈیوڑھی میں آگئی۔ وہ ڈیوڑھی سے نکل کر باہر آئی ہی تھی کہ

اسے اپنے سامنے غیبی لاش بالکل سیدھی کھڑی نظر آئی۔ لاش کے چہرے پر عجیب ڈراؤنی خاموشی تھی اور وہ کیٹی کی طرف اپنے سفید دیدوں سے گھور رہی تھی۔ کیٹی حیران ہو کر رہ گئی کہ یہ لاش قبر سے کس طرح اور کس لیے نکل آئی ہے۔ اس نے لاش کی طرف دیکھ کر پوچھا:

”تم قبر سے کیوں نکلی ہو؟ تمہیں میں نے اپنی قبر

میں رہنے کے لیے کہا تھا۔“

غیبی لاش کے کٹے پھٹے ہونٹوں میں جنبش پیدا ہوئی اور کھڑکھڑاتی ہوئی آواز میں اس نے کہا:

”مجھے میری انگوٹھی واپس کر دو۔“

کیٹی نے کہا:

”کیا پھر تم ہمیشہ کے لیے اپنی قبر میں چلے جاؤ گے؟“

لاش نے آہستہ سے سر ہلایا اور کہا:

”ہاں۔ مجھے میری انگوٹھی چاہیے۔“

کیٹی نے انگوٹھی اتار کر لاش کی طرف پھینکی۔ انگوٹھی کے اترتے ہی لاش اس کی نگاہوں سے غائب ہو گئی۔ کیٹی نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد سوال کیا:

”کو لاش! کیا تم اپنی قبر میں جا چکے ہو؟“

کیٹی کو ایک غصیلی آواز سنائی دی۔ یہ لاش کی آواز تھی۔



پھر کسی نے کیٹی کو گردن سے پکڑ کر زمین سے چار فٹ  
اوپر اٹھا لیا۔

کیٹی نے چلا کر کہا :

”کو لاش ! مجھے نیچے اتار دو۔ میں منتر پڑھ کر تمہیں  
جسم کر دوں گی۔“

مگر غیبی لاش نے کیٹی کو نہ چھوڑا۔ وہ اسے اسی طرح  
دلوپے قبروں کی طرف چلنے لگی۔ کیٹی نے اپنے جسم کا پورا  
زور لگا کر لاش کے پنجے سے نکلنے کی بھرپور کوشش کی  
مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ غیبی لاش کی طاقت کے آگے  
کیٹی کی طاقت کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اب کیٹی کی  
آواز بھی جیسے کمزور پڑ رہی تھی۔ غیبی لاش اسے اسی طرح  
ایک ہاتھ سے اٹھاتے اپنی قبر کے پاس آگئی۔ کیٹی نے  
دیکھا کہ قبر اوپر سے کھل گئی ہے۔ کیٹی زور سے تڑپتی مگر  
غیبی لاش کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ اس سے آزاد  
نہ ہو سکی۔

غیبی لاش عزا رہی تھی۔ کیٹی کا سانس گھٹنے لگا تھا۔  
لاش اسے لے کر قبر میں اتر گئی۔ قبر میں اندھیرا تھا۔ کیٹی  
نے اندھیرے میں دیکھا کہ قبر کی لحد کے پہلو میں ایک سُرنگ  
بنی ہوئی تھی۔ لاش اسے لے کر سُرنگ میں داخل ہو گئی۔ کیٹی

کے جسم کی طاقت اب جواب دے گئی تھی۔ شاید یہ لاش  
کے اس پنجے کا اثر تھا جس کی گرنت میں کیٹی کی گردن تھی۔  
سُرنگ میں گھپ اندھیرا تھا۔ کیٹی کو بہت دھندلا دھندلا  
دکھائی دے رہا تھا۔ غیبی لاش سُرنگ میں آگے ہی آگے بڑھ  
رہی تھی۔ کیٹی حیران تھی کہ قبروں کے نیچے یہ سُرنگ کس  
نے بنائی ہے۔ پھر اس پر بے ہوشی چھانے لگی اور وہ  
بے ہوش ہو گئی۔ کافی دیر بعد اسے ہوش آیا تو اس نے  
دیکھا کہ وہ ابھی تک غیبی لاش کے شکم میں تھی اور لاش  
سُرنگ میں داخل چل رہی تھی۔ کیٹی کو پانی کا ہلکا ہلکا شور  
سنائی دے رہا تھا۔ اس نے لاش کو ٹوک جانے کے لیے  
آواز دینی چاہی مگر اس کی آواز جیسے حلق میں بند ہو کر  
لگتی تھی۔

پانی کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ اب لاش نے کیٹی کو اپنے  
کاندھے پر ڈال لیا تھا۔ کیٹی کا جسم جیسے بے سدھ اور بے حس  
ہونے لگا تھا اور وہ اپنے ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتی تھی۔  
غیبی لاش کے منہ سے ابھی تک غراہٹ کی آوازیں نکل رہی  
تھیں۔ سُرنگ آگے جا کر کشادہ ہو گئی۔ اور ایک جانب پانی کا  
چھوٹا سا نالہ بہہ رہا تھا۔

غیبی لاش نے کیٹی کو کاندھے پر سے اتار کر دوبارہ اپنے

پتھے میں جکڑ کر اُدیر اٹھایا۔ پھر دوسرے ہاتھ میں اپنی انگوٹھی کو پکڑ کر کیٹی کی آنکھوں کے قریب لا کر لاش لے سزا کر کہا: "تو اب ہمیشہ کے لیے پانی ہی میں رہے گی۔"

یہ کہہ کر غیبی لاش نے انگوٹھی کو کیٹی کے ہاتھ پر زور سے رگڑ دیا۔ کیٹی کو اپنے ہاتھ پر انگوٹھی کی خراشیں پڑتی محسوس ہوئیں اور پھر جیسے اس کا جسم بھاری ہو کر غیبی لاش کے ہاتھ سے نیچے پانی میں گر گیا۔ کیٹی نے پانی میں گرنے ہی اپنے آپ کو پانی سے باہر نکالنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے چاہے مگر وہ اپنے بازوؤں اور ٹانگوں کو بالکل نہ ہلا سکی۔ اس نے اپنی گردن اٹھا کر پانی سے باہر نکالنے کی کوشش کی تو اس کی گردن نے بھی ہلنے سے انکار کر دیا۔

کیا میں زندہ لاش بن گئی ہوں؟

یہ سوچ کر کیٹی کے جسم میں خوف کی ایک سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس دوران نالے کا تیز پانی اسے بہا کر سُرنگ میں آگے لے گیا تھا۔ کیٹی کا پورا جسم سُٹ ہو چکا تھا۔ وہ پانی کے اندر ڈوبی ہوئی تھی اور نالے کی تیز لہریں اسے سُرنگ میں بہائے لیے جا رہی تھیں۔ سُرنگ میں گھپ اندھیرا تھا۔ پانی بھی تاریک تھا۔ کیٹی کی آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ دیکھ سکتی تھی۔ سوچ سکتی تھی مگر نہ آنکھیں جھپک سکتی تھی۔ نہ بول سکتی تھی اور نہ اپنے

جسم کو ہلا سکتی تھی۔

کیٹی سچ سچ ایک زندہ لاش میں تبدیل ہو گئی تھی۔ غیبی لاش نے اس سے یہ کس کا بدلہ لیا تھا۔ اس نے سوچا۔ خدا جانے غیبی لاش کو کیٹی سے کس بات کا عرصہ تھا کہ اس نے اپنی طلسمی انگوٹھی کے اثر سے ایک بے جان لاش میں تبدیل کر کے پانی میں پھینک دیا تھا۔ کیٹی کے کانوں میں ابھی تک غیبی لاش کے عزاتے ہوئے الفاظ گونج رہے تھے۔ "تو اب ہمیشہ کے لیے پانی میں رہے گی۔"

جو ہوتا تھا وہ ہو گیا تھا۔ کیٹی کے پاس اب غیبی لاش کے طلسم کا کوئی توڑ نہیں تھا۔ وہ پانی میں ایک زندہ لاش بن کر بہتی چلی جانے پر مجبور تھی۔ کیٹی نے اپنے آپ کو پانی کی تیز لہروں کے حوالے کر دیا۔ پانی تیزی سے آگے ہی لگے بڑھ رہا تھا۔ پانی کی لہریں کیٹی کے ہونٹوں اور ناک سے ٹکرا کر پیچھے کو گزر رہی تھیں۔ کیٹی کی ناک میں پانی بالکل نہیں جا رہا تھا۔ پانی جب اس کے ہونٹوں سے لگتا تو اسے اس کا کھارا ذائقہ تک محسوس ہوتا تھا مگر یہ پانی اس کے ادھ کھلے منہ میں بھی داخل نہیں ہو رہا تھا۔

کیٹی کی کھلی آنکھوں پر جیسے ایک شفاف سی نیلی جھلی اپنے آپ آگئی تھی جس کی وجہ سے کیٹی کی آنکھوں میں پانی

نہیں پڑ رہا تھا۔ کیٹی اپنی آنکھیں جھپک نہیں سکتی تھی۔ مگر وہ پانی میں بالکل سیدھی لیٹی پانی کے اندر سے اوپر سُرنگ کی چھت کو تک رہی تھی۔ سُرنگ میں اب ہلکی ہلکی روشنی آنے لگی تھی۔ سُرنگ آگے جا کر ختم ہونے والی تھی۔ یہ نالہ ضرور کسی دریا میں جا کر گرے گا۔ کیٹی نے سوچا۔

نالے کے پانی کا بہاؤ اب بہت تیز ہو گیا تھا اور کیٹی کا بے حس جسم کسی تنکے کی طرح تیز رفتاری سے بہتا چلا جا رہا تھا۔ اسے ایسی آواز سنائی دینے لگی جیسے کوئی آبشار ہو۔ اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ سُرنگ میں روشنی ہو گئی یہ دن کی روشنی تھی۔ پانی کے شور سے کیٹی سمجھ گئی کہ آبشار قریب ہے۔ اور پھر نالے نے کیٹی کے مُردہ جسم کو اچھال کر نیچے گرا دیا۔ کیٹی قلابازیاں کھاتی پانی کی بہت بڑی چادر میں لڑھکتی ہوئی دھڑام سے نیچے دریا میں جا گری۔ دریا میں گرتے ہی وہ اس کی تہ میں اترتی چلی گئی۔ آبشار کا زور اسے نیچے ہی نیچے اپنے ساتھ لے گیا۔ پھر اسی پانی کے دھارے نے کیٹی کو اوپر دریا کی سطح پر اچھال دیا۔ اب کیٹی دریا کی سطح سے دو فٹ نیچے رہ کر پانی کے اندر ہی اندر آگے بڑھنے لگی۔ یہاں دریا کے پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ آسمان صاف تھا اور دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ کیٹی کو اتنا معلوم تھا

کہ یہ ملک ہندوستان کا کوئی دریا ہے اور یہ مغرب کی طرف سمندر میں جا کر گرے گا۔ مگر کیٹی کو اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ خود دریا میں گری تھی تو خود تیر سکتی تھی مگر اب وہ تیرنا تو کیا اپنی انگلی تک نہیں ہلا سکتی تھی۔

سارا دن اور ساری رات دریا میں بہنے کے بعد دریائے کیٹی کی زندہ لاش کو سمندر میں پھینک دیا۔ یہ ملک ہندوستان کی مغربی گھاٹ کا سمندر تھا۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ عنبر بھی اسی ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کیونکہ اسے اسی ساحل کی ایک بندرگاہ کالی کٹ سے سمندری جہاز میں سوار ہو کر ماریا اور ناگ کی تلاش میں ملک افریقہ کے شمالی علاقہ کی طرف جانا تھا اور دوسری طرف آدمی چڑیل راوٹی بھی نقلی دنیا کے

زورپ میں تھیو ساگ اور ناگ کو اپنے ساتھ لیے قافلے میں سفر کرتی اسی ساحل کی طرف چلی آ رہی تھی۔ اس کی منزل کو کورو منڈل کی چٹانوں میں واقع شیش ناگ کا خفیہ ٹھکانہ تھا۔ جبکہ ماریا شمالی افریقہ کی قرطاجنہ شہر کے قریب والی بستی کے باہر چٹان والی غار کے نیچے ایک تہہ خانے میں ہنڈیا میں دھوپ کی شکل میں قید تھی اور آدمی چڑیل راوٹی کا بیٹا رنگاری سانپ اس کی پہرے داری کر رہا تھا۔

کیٹی ان تمام حالات سے بے خبر تھی۔ اسے خود اپنی کوئی خبر نہیں تھی کہ سمندر میں گرنے کے بعد کس علاقے کے قریب



سے گذر رہی ہے۔ سمندر میں گرتے کے بعد کیٹی کو بھری ہوئی موجیں اٹھا کر دیکھتے ہی دیکھتے ساحل سے سینکڑوں میل دور لے گئیں۔ دن گذر گیا۔ پھر رات بھی گذر گئی۔ پھر سورج کی روشنی سمندر پر پھیلی تو کیٹی کو ماسوائے آسمان کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی آنکھیں ادھر ادھر نہیں ہلا سکتی تھی۔ ایک بار کسی اونچی موج نے اسے اٹھا کر ایک طرف ٹیڑھا کیا تو کیٹی نے دیکھا کہ وہ کھلے سمندر میں بہہ رہی ہے۔ دوسری بار جب سمندری موجوں نے ایک طرف جھکا کر نیچے پھینکا تو اس کی نظر دور ایک بادبانی جہاز پر پڑی جس کے بادبان ہوا میں پھولے ہوئے تھے اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ یہ بادبانی جہاز فونیقہ کے جہاز رانوں کا تھا جو بحیرہ عرب میں ویل مچھلیاں پکڑ کر قرطاجہ کی بندرگاہ پر جا کر بیچ دیتے تھے۔ اس جہاز کو سمندر میں نکلے آج چھٹا روز تھا اور ابھی تک انہیں ایک بھی ویل مچھلی نہیں ملی تھی۔ جہاز کا کپتان ایک فونیقی جہاز ران تھا۔ اب وہ مایوس ہو کر واپس شمالی افریقہ کی بندرگاہ قرطاجہ کی سمت جا رہا تھا کہ جہاز کے مستول کے اور مچان میں بیٹھے ننگراں ملاح نے چلا کر کہا:

"ویل مچھلی۔ سفید ویل مچھلی!"

اس آواز کے ساتھ ہی جہاز پر ملاح ادھر ادھر سے نکل کر کشتیوں کی طرف دوڑ پڑے۔ لوہے کے چکروں پر تیز لمبے نیزوں کو پٹیا جانے لگا۔ کپتان نے عرشے پر آکر پرانی وضع کی دور بین سے دیکھا کہ شان مغرب کی جانب سے ایک سفید ویل مچھلی تھوڑی تھوڑی دیر بعد سمندروں کی لہروں کے ساتھ ادھر نیچے ہو رہی تھی۔ اس نے چیخ کر کہا:

"جہاز کا رخ شمال مغرب کی طرف کر دو۔"

یہ سفید ویل مچھلی کیٹی کی زندہ لاش سے کوئی ایک کلومیٹر کے فاصلے پر گذر گئی تھی۔ اس کے گذرنے سے سمندری موجوں میں زبردست طوفان آ گیا تھا۔ کیٹی سمجھ گئی کہ کوئی ویل اس کے قریب سے گذری ہے۔ اس کے بعد جب بادبانی جہاز کے ملاح کشتیوں میں سوار ہو کر لمبے لمبے نیزے لیے ویل مچھلی کی سمت بڑھے تو وہ نصف دائرے میں ایک چکر کاٹ کر دوبارہ اس طرف بڑھی جہاں کیٹی سمندری لہروں پر تیرتی جا رہی تھی۔

ملاحوں نے پوری طاقت سے ویل مچھلی پر نیزے پھینکے تو وہ بوکھلا کر اور کچھ غصے کے عالم میں پورے جھڑوں کو کھول کر حملہ آور ہوئی۔ ایک کشتی سے اس کا جبر اکھڑا تو کشتی فضا میں کئی فٹ بلند ہو کر سمندر میں گری تو اس

کے پرچے اڑ گئے۔ دیل مچھلی اپنے ہی زور میں آگے نکل گئی۔ اس کا غار ایسا منہ کھلا تھا جس میں سمندری پانی آبشار کی طرح داخل ہو رہا تھا۔ اس آبشار کی زد میں کیٹی بھی آ گئی۔ سمندر کا پانی ایک تیز دھارے کی طرح دیل مچھلی کے منہ میں چلا جا رہا تھا۔ اس دھارے کی زد میں کیٹی بھی بہتی آ رہی تھی۔ اور دیکھتے دیکھتے سینکڑوں چھوٹی بڑی مچھلیوں کے ساتھ وہ بھی دیل مچھلی کے پہاڑ ایسے منہ کے اندر سے پھسل کر اس کے کنوئیں سے بھی بڑے پیٹ میں چلی گئی۔ دیل مچھلی کے معدے میں گھپ اندھیرا تھا۔ کئی مچھلیاں تڑپ تڑپ کر، اچھل اچھل کر کیٹی کے بے حس جسم کے اوپر سے نذر۔ ادھر ادھر پھڑک رہی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دیل مچھلی نے اپنے کو بان کے سوراخ میں سے سمندر کا خالتو پانی باہر پھینک دیا تھا۔ اب اس کے معدے میں صرف اتنا ہی پانی تھا جتنا خوراک کو ہضم کرنے کے لیے ضروری تھا۔ چنانچہ دیل مچھلی نے اپنا منہ بند کر لیا تھا اور اس کے معدے میں سے غذا کو گھلا دینے والا تیزابی مادہ خارج ہونے لگا تھا۔ اس تیزابی مادے کا اثر کیٹی پر تو بائبل نہیں ہو رہا تھا مگر دوسری سینکڑوں مچھلیاں تڑپ تڑپ اُٹھ گئی ہو رہی تھیں۔

دوسری طرف ملائح برابر اس دیل مچھلی کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فونیتی کپتان کو ایک عرصے کے بعد اس دیل مچھلی ہاتھ لگی تھی وہ اسے کسی صورت میں ضائع نہیں کھتا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کی وہ بھاری قیمت وصول کر سکتا تھا۔ اس نے ملائحوں سے کہا کہ وہ انہیں موگن معاوضہ دے گا۔ ملائحوں نے جان لڑا دی۔ وہ بڑھ بڑھ کر دیل مچھلی پر نیرن پھینکنے لگے۔ دیل کا سارا جسم نیزوں سے چھلنی ہو گیا اور جگہ جگہ سے خون فاروں کی طرح اچھلنے لگا۔ آخر دیل بے دم ہو کر نیم بے ہوش ہو گئی۔ ملائحوں نے اس کے جسم پر چھلانگیں لگا دیں اور اسے کھینچے ہوئے جہاز کی طرف لے آئے۔ جہاز میں سے رستے کے ساتھ بندھا ہوا نیزہ پھینکا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سفید مچھلی بادبانی جہاز کے عرشے پر مڑوہ پڑی تھی اور ملائح اس کے ارد گرد خوشی سے رقص کر رہے تھے۔ فونیتی کپتان کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس نے حکم دیا کہ جہاز کا رخ قرقاجہ کی طرف موڑ دیا جائے۔ کیٹی ابھی تک دیل مچھلی کے معدے میں موجود تھی۔ بادبانی جہاز چار دن کے سفر کے بعد شمالی افریقہ کی بندرگاہ قرقاجہ کے ساحل پر جا لگا۔ دیل مچھلی کے ایک سوداگر حادثہ نے کپتان کو بھاری رقم دے کر سفید دیل مچھلی

خرید لی اور اس کی چربی نکالنے کے لیے اسے قصاب خانے میں بھیج دیا۔ قصاب خانہ ایک بہت کشادہ دالان تھا جہاں پانی کے بڑے بڑے مٹکے اور خالی ٹب پڑے تھے۔ چھ آدمی لنگر لنگوٹ کی کرچھڑے ہاتھوں میں لیے تیار تھے۔

پھر وہ دیل مچھلی پر چڑھ ڈوڑے اور دیکھتے دیکھتے انہوں نے اس کی موٹی چربی والی کھال کاٹ کر رکھ دی۔ ملازم چربی کے بڑے بڑے ڈلوں کو کڑا ہوں میں ڈال رہے تھے۔ کڑا ہوں کے نیچے الاء روشن کر دیئے گئے تھے تاکہ چربی تیل بن جائے۔

قصاب سب سے آخر میں دیل مچھلی کے پیٹ کو چاک کرنے کے لیے بڑھے تاکہ اس کی انترلیوں کو نکالا جائے۔ دیل کی انترلیوں سے اس زمانے میں جہازوں میں استعمال ہونے والے رستے تیار کیے جاتے تھے۔ جونہی دیل کا پھولا ہوا پیٹ چاک کیا گیا تو اندر سے گدے پانی کی ایک آبشار سی باہر بہر نکلی۔ اس آبشار میں ایک انسانی لاش کو دیکھ کر سب لوگ سم کر جہاں کھڑے تھے دیں کے وہیں کھڑے رہ گئے۔

فوراً سوداگر حاتور آگے بڑھا۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ یہ کیٹی کی زندہ لاش تھی۔ زندہ ان معنوں میں کہ لاش کا

کچھ نہیں بگڑا تھا۔

حاتور نے تعجب سے کہا :  
"یہ کیسی لاش ہے کہ چار دن تک دیل مچھلی کے پیٹ میں رہنے پر بھی خراب نہیں ہوئی۔"  
ایک بوڑھے قصاب نے کیٹی کی نیلی آنکھوں کو غور سے دیکھا اور کہا :

"حاتور! یہ کسی دیوبی کا زندہ بُت ہے۔"  
فوراً سب ملاج اور قصاب سجدے میں گر گئے۔ اس زمانے میں لوگ بڑے کمزور عقیدوں کے ہوا کرتے تھے اور دیوبی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ ذرا سی بات پر وہ سجدے کرنا شروع کر دیتے تھے اور آسمانی آفتوں سے ہر دقت سمے رہتے تھے۔ یہ بات حاتور کے لیے بھی حیران کن تھی۔ دیل مچھلی چار روز تک جہاز پر لدی رہی۔ ظاہر ہے یہ لاش اس وقت دیل کے پیٹ میں تھی۔ مگر لاش ذرا بھی نہیں خراب ہوئی تھی۔ اس کا جسم اسی طرح چمک رہا تھا۔ آنکھوں میں بھی بھرپور چمک تھی۔ یہ لاش بالکل زندہ لگ رہی تھی۔

بوڑھے قصاب نے حاتور سے کہا :  
"حاتور! تم خوش قسمت ہو۔ تجھے اڑنا دیوبی مل



گئی ہے اس دیوی کی نیلی آنکھوں میں سمندر کا لہجہ ہے۔ صرف دیوی ہی یوں زندہ رہ سکتی ہے۔ یہ لاش نہیں بلکہ ایک زندہ دیوی ہے جو سمندر کی تینہ سو رہی ہے۔

کیٹی یہ سب کچھ سن رہی تھی اور کچھ دیکھ بھی رہی تھی جو کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا اسے وہ دیکھ لیتی تھی۔

سوداگر حاتور نے فوراً اپنا سر جھکا دیا اور بولا :  
”دیوی اردنا ! میں تجھے مندر میں رکھوں گا جہاں سب لوگ تیری پوجا کریں گے۔“

سوداگر حاتور نے بڑے احترام سے کیٹی کے ساکت جسم کو غسل دیا۔ اسے خوشبوئیں لگائیں اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر اسے قرطاجنہ کی بندرگاہ کے قریب والے مندر میں لے جا کر چبوترے پر چاندی کا تخت بچھا کر بیٹھا دیا۔ اس کے ارد گرد موم بنائے روشن کر دی گئیں۔ خود دیوبان سلگ اٹھنے اور بیکاری دیوی اردنا کے بھجن گانے لگے۔ بہت جلد سارے قرطاجنہ شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ حاتور کے مندر میں دیوی اردنا خود سمندر سے نکل کر آئی ہے۔ لوگ دور دور سے دیوی اردنا کے درشن کرنے آتے اور اس کے پاؤں کے پاس

عنبر دل میں پکا عہد کر کے ہندوستان کی مغربی بندرگاہ کالی کٹ پہنچا تھا۔ اسے ناگ ماریا کیٹی اور تھیوسانگ کی یاد تھوڑی دیر کے لیے غبول گئی تھی کیونکہ یہ ایک ایسی گناہ گار روح کو دوترخ کے عذاب سے نجات دلانے کا سوال تھا جو خدا جانے سینکڑوں برسوں سے عذاب جھیل رہی تھی۔ اور عنبر کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس وقت عنبر کے سوائے کملادتی کی بھکتی روح کی کوئی دوسرا مدد بھی نہیں کر سکتا۔

ایک طرف کیٹی قرطاجنہ کے اردنا مندر میں زندہ لاش بن کر پڑی تھی جس کی دہان کے لوگ اردنا دیوی سمجھ کر پوجا کر رہے تھے۔ دوسری طرف ناگ اور تھیوسانگ ایک نافے میں شامل ہو کر آدھی چڑیل اور نقلی ماریا کے ہمراہ خشکی کے راستے ہندوستان کے مغربی ساحل کی بندرگاہ کور و منڈل کی طرف چلے آ رہے تھے۔ آدھی چڑیل رادنی جو کہ نقلی ماریا کے بھیس میں ناگ کو یہ کہہ کر کہ عنبر اور کیٹی کور و منڈل کے علاقے میں ہوں گے کور و منڈل لیے جا رہی تھی جہاں نقلی ماریا ناگ دیوتا کو کسی طرح جہانہ دے کر چٹانوں کے نیچے غار میں شیش ناگ کے حضور پیش کر کے اپنے اگلے جنم کو کامیاب بنانے کا وعدہ لینا چاہتی تھی۔ جب کہ شیش ناگ، پرانی دشمنی کی وجہ سے ناگ دیوتا کو قتل کر کے خود اس کی جگہ دنیا بھر کے سانپوں کا دیوتا بن جانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ناگ کو کچھ معلوم

نہیں تھا کہ اس کے ساتھ جو ماریا سفر کر رہی ہے وہ اصلی ماریا نہیں ہے بلکہ نفلی ماریا اور چوٹیل راوی ہے۔ عیسو سانگ بھی اس بھیا بک حقیقت سے بے خبر تھا۔ ان لوگوں کا قافلہ ابھی ملک ہندوستان سے دُور تھا۔

اب ہم عنبر کے ساتھ کچھ عرصہ رہیں گے۔ عنبر ہندوستان کی بندرگاہ کالی کٹ سے ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو کر بندرگاہ بصرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ بصرے سے اس نے ایک قافلہ پکڑا اور سوریہ کی جانب چل پڑا۔ سوریہ ملک شام کے جنوب میں دمشق سے ایک سو کوس کے فاصلے پر میڈیادلوں کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس کی گلیاں چھتی ہوئی تھیں۔ بازار کشادہ تھے اور شہر کے ارد گرد ایک ادبھی فصیل تھی۔ بادشاہ مشکادلی کا محل قلعے کے اندر تھا۔ اسی قلعے کے اندر ایک میدان میں اُن کے سب سے بڑے دیوتا مولوخ کا مندر بھی تھا۔

مولوخ کے مندر کے گرد پتھروں کی بہت ادبھی پختہ دیوار بنی ہوئی تھی۔ اس دیوار کے گردا گرد سوئٹ پوڑی ایک کھائی تھی جو پانی سے لیا لب بھری رہتی تھی۔ مولوخ کے مندر کو ایک لکڑی کا پل جاتا تھا جو کھائی یعنی خندق کے اوپر مندر کے دروازے تک بنا ہوا تھا۔ اس پانی سے بھری ہوئی کھائی کے کنارے سو سوئٹ کے فاصلے پر چوکیاں

سکے رکھ کر ماتھا ٹیک کر دُعا مانگتے اور واپس چلے جاتے۔ حائور کو ایک ہی دن میں اتنی آمدنی ہو گئی کہ وہ ایک مہینے میں اتنی کمائی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے دکان اپنے نوکروں کے حوالے کی اور خود پجاری بن کر ارونا دیوی کے مندر میں بیٹھ گیا۔

دوسری طرف عنبر بھی جنگلوں، دریاؤں اور صحراؤں کا سفر کرتا آخر ایک روز ہندوستان کے مغربی ساحل کی بندرگاہ کالی کٹ پر پہنچ گیا۔ جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں عنبر راج کماری کلاوتی کی بھگتی رُوح کی نجات کے لیے ملک سوریہ کے سب سے بڑے بُت مولوخ کو تباہ کرنے جا رہا تھا۔ کلاوتی کے گناہوں کو بخشانے کا یہی ایک ذریعہ تھا کہ اس بُت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کیا جائے جس کے قدموں میں جلتی ہوئی آگ میں ہر شام دو انسانوں کو بلک سوریہ کے بادشاہ مشکادلی کے حکم پر زندہ ڈال دیا جاتا ہے اور یہ لوگ اُس پاس کے عزیز قبیلے دالوں کے ہاں سے بادشاہ کے حکم پر پکڑ کر لائے جاتے ہیں۔ راج کماری کلاوتی کی عذاب میں مبتلا قروح نے عنبر کو بتایا تھا کہ یوں ہزاروں بے گناہ لوگوں کو ہڑپ کر جانے والے بُت مولوخ کی تباہی کے ساتھ یہ ظلم کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ خلق خدا کو سکون ملے گا اور پھر بھگوان کلاوتی کے

گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اس کی رُوح دریا کے رخ پانیوں میں گلنے رہنے کی بجائے ہمیشہ کے لیے جنت میں چلی جائے گی۔ کملادتی کی رُوح نے عنبر کو یہ بھی بتایا تھا کہ مولوخ کا بُت اس ملک کا سب سے بڑا بُت ہے اور بادشاہ کی فوج ہر وقت اس کی حفاظت پر موجود ہوتی ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ مولوخ بُت پر حملہ کرنے والے کے خلاف ہندوؤں کے وہ دیوتا بھی مقابلے پر اتر آئیں گے جو مولوخ بُت کو ہمیشہ لوگوں کے سردن پر اٹھوپے رکھنا چاہتے ہیں تاکہ لوگ ان کو ہر وقت یاد رکھیں اور ان کے لیے قربانیاں دیتے ہیں۔ عنبر کملادتی کی رُوح سے یہ وعدہ کر کے چلا تھا کہ وہ خدا کے فضل و کرم سے مولوخ کے سب سے بڑے بت کو پاش پاش کر کے رہے گا۔ کملادتی کی رُوح نے سر و آہ بھر کر کہا تھا۔

عنبر! جب تم نے اس بُت کو تباہ کر دیا اور لوگوں کو اس کے ظلم و ستم سے نجات دلا دی تو میں جہاں بھی ہوں گی تمہارا شکریہ ادا کرنے ضرور آؤں گی۔

یہ کہہ کر کملادتی نے محل کی بالکونی سے نیچے طوفانی دریا میں چیلانگ لگا دی تھی۔

بنی تھیں جن میں ہر وقت فوجی سپاہی تیر کمان لیے پہرے پر موجود رہتے تھے۔ مندر کی پتھر ملی دیوار کے اوپر بھی تیر کمان اور تلواروں سے مسلح سپاہی گشت لگاتے رہتے تھے مولوخ کا بہت اُدبھا اور دیوہیکل بُت مندر کے درمیان میں بنا ہوا تھا۔ اس کے پاؤں اتنے بڑے تھے کہ اس کے ایک انگوٹھے پر سات آدمی بڑے آرام سے سو سکتے تھے۔ مولوخ کے بُت کے پاؤں کے درمیان ایک بہت بڑا گڑھا بنا تھا جس میں ہر وقت بھیانک آگ جلتی رہتی تھی۔ اس آگ میں روزانہ لاکھوں من لکڑیاں ڈالی جاتی تھیں ہر روز شام کو بادشاہ مشکاوی اپنے درباریوں اور وزیروں کے ساتھ مندر میں آتا اور اس کے سامنے آس پاس کے خانہ بدوش قبیلوں سے پکڑ کر لائے ہوئے دوا انسانوں کو مولوخ کی ڈھلائی زبان پر رسوں سے باندھ کر بٹھا دیا جاتا پھر بادشاہ کے اشارے سے اسے کاٹ دیئے جاتے اور بد قسمت انسان چھینے چلاتے مولوخ بت کی زبان سے پھسل کر اس کے قدموں میں جلتی آگ کے جہنم میں گر کر ہمیشہ کے لیے جل کر راکھ بن جاتے۔

یہ انسانیت سوز قربانی سینکڑوں سالوں سے ہو رہی تھی اور کملادتی کے اشارے پر عنبر اس غیر انسانی قربانی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے انسانیت کو اس ظلم اور بربریت سے نجات دلانے آیا تھا۔

سورہ شہر میں عنبر حسب معمول جڑی بوٹیوں کے تاجر کی حیثیت سے ایک سرائے میں آترا پہلے ہی روز اس نے شہر سے باہر صحرا اور



دیرانے میں جا کر کچھ جڑی بوٹیاں اکٹھی کیں اور انہیں لا کر شہر کے ایک حکیم کے پاس فردخت کیا۔ عنبر کو سورہ شہر میں آئے چار پانچ روز گزر گئے تھے۔ اس دوران وہ مولوخ کے مندر میں بھی ایک شام گیا اور اپنی آنکھوں کے سامنے دو بد نصیب انسانوں کو مولوخ کی آگ کے بھینٹ چڑھتے دیکھا۔ ان انسانوں کی چیخوں سے عنبر کا دل ہل گیا مگر لوگ اتنے سنگ دل تھے کہ خوشی سے نعرے لگا رہے تھے۔

عنبر نے دیکھا کہ مولوخ کے بت کی شکل اتنی بھیاںک تھی کہ وہ کوئی بھوت لگتا تھا اس کے دانت باہر نکلے ہوئے تھے اور لمبی زبان ایک گھسیٹنی کی طرح نیچے کو ڈھلکی ہوئی تھی جس پر سے پھسل کر بد قسمت انسان نیچے آگ میں گر جاتا تھا۔ عنبر نے مندر کی اونچی پختہ دیوار اور اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی پانی سے بھری کھائی اور جگہ جگہ بتی ہوئی فوجی چوکیوں کو بھی غور سے دیکھا۔ اس کے بعد قلعے کی اپنی دیوار آ جاتی تھی۔

عنبر کو بہت جلد احساس ہو گیا کہ کھلا دتی کی روح نے پسح کہا تھا۔ مولوخ کے بت کو تباہ کرنا اور اسے تباہ کر کے دہاں سے فرار ہونا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اگر عنبر فرار نہ بھی ہو تب بھی مولوخ کا بت اتنا بڑا تھا کہ اسے سو آدمی مل کر بھی تباہ نہیں کر سکتے تھے، لیکن عنبر اس بت کو پاش پاش کرنے کا ہمد کر چکا تھا۔ عنبر کو اس حقیقت کا

بھی علم تھا کہ اتنے بڑے اور مشہور بت کے ارد گرد طلسم بھی کیا گیا ہو گا۔ اس زمانے میں خبیث قسم کے جادو اور ٹونے کا بہت رواج تھا۔ مولوخ کے کتنے ہی پردہ بہت اور کاہن تھے جو سورخ لمبے لمبے لبادوں میں ملبوس ہاتھوں میں چاندی کے عصا لیے ہر وقت مولوخ کے آگے اونچے چوتھرے پر بیٹھے بھجن گاتے رہتے تھے۔ مولوخ کے ایک ٹولی اٹھتی تھی تو دوسری ٹولی آ جاتی تھی۔ ہر وقت مندر میں عود و لوبان کی دھونی پھیلی رہتی تھی۔ عنبر کو یہ بھی معلوم ہوا کہ جن بد قسمت آدمیوں کو در دراز کے دیہات اور صحرا و جنگل سے قربانی کے لیے پکڑ کر لایا جاتا ہے انہیں مندر کے ایک تہ خانے میں قید رکھا جاتا ہے اور تہ خانے میں ہر وقت چار چھ بد قسمت قیدی موجود رہتے ہیں جنہیں باری باری منحوس دیوتا مولوخ پر قربان کیا جاتا ہے۔

یہ ساری معلومات حاصل ہو جانے پر بھی عنبر ابھی تک یہ طے نہیں کر سکا تھا کہ وہ مولوخ کے انسانیت سوز بت کو کس طرح تباہ کرے۔ اسی طرح پندرہ بیس روز گزر گئے۔ عنبر اب ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے کر رہنے لگا تھا۔ یہ مکان اس نے خاص طور پر مولوخ مندر کے قریب ہی ایک محلے میں لیا تھا۔ جس کی دوسری منزل کے کمرے میں کھڑکی کے پاس بیٹھ کر عنبر مندر کی بلند دیوار اور پانی سے بھری ہوئی کھائی کو مکتا اور سوچا رہتا

تھا۔ عنبر کا کوئی دُور دست یعنی ناگ مار یا اور تھو سا ناگ یا کیٹی بھی دہاں  
اس کے پاس نہیں تھی کہ جن سے وہ مشورہ ہی لے سکتا۔ اسے  
سب کچھ اکیلے ہی کرنا تھا۔ بہت دن عنبر غور کرتا رہا۔

آخر اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے اپنی اس  
ترکیب پر عمل کرتے ہوئے روزانہ صبح کے وقت مولوخ کے مندر  
جانا شروع کر دیا۔ اس نے دہاں کے پجاریوں اور پردہتوں پر یہ  
ظاہر کیا کہ وہ دیوتا مولوخ کا بہت زیادہ پرستار ہے۔ عنبر صبح  
پوچھ کے وقت جا کہ مندر میں موجود پجاریوں اور پردہتوں میں تحفے  
بھی تقسیم کرنا۔ دیوتا کے چروں میں پھول اور چاندی کے سکے بھی نذر کرتا  
جو پردہت اپنی جیب میں ڈال لیتے تھے۔ اس طرح عنبر کو یہ فائدہ  
ہوا کہ مندر کے پردہتوں میں وہ پسند کیا جانے لگا اور کسی کو اس کی  
نقل و حرکت پر شک و شبہ نہیں ہوتا تھا۔

عنبر نے دیوتا کا جھوٹا پجاری بن کر اس منحوس بُت کا قریب سے  
جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا کہ یہ چھ منزلہ دیو پیکر بد شکل بُت سنگ مرمر  
اور سرخ پتھر سے بنایا گیا تھا اور اس کے اندر ایک کوٹھڑی بھی  
تھی جس میں ایک خفیہ زینہ جانا تھا۔ عنبر ابھی تک اس راز کو حل  
نہیں کر سکا تھا کہ بُت کے اندر جو خفیہ کوٹھڑی بنی ہے اس میں کیا  
لکھا جاتا ہے۔ اس کوٹھڑی کے بارے میں عنبر کو ایک بوڑھی دیوداسی  
نے بتایا تھا جو بیمار پڑی تو عنبر نے اسے ٹھیک کر دیا تھا۔ عنبر نے باتوں

۱۲۹  
ہی باتوں میں بوڑھی دیوداسی سے مزید کچھ کرینے کی کوشش کی مگر  
بوڑھی دیوداسی خوف کے مارے سم گئی اور بولی :  
”میں نہیں بتا سکتی۔ مجھے نہیں معلوم۔ مجھ پر دیوتا مولوخ  
کا تر نازل ہو گا۔“

عنبر نے حمد کر لیا کہ وہ کچھ روز گزرنے پر اس بوڑھی دیوداسی سے  
سب کچھ پوچھ کر رہے گا۔ مگر بہت سی دیر گزرتی رہی اور دہاں کی  
رسم کے مطابق اسے دیوتا مولوخ کی باہر نکلی ہوئی بسی پھسواں ڈھان  
پر بٹھا کر آگ کے تنور میں پھینک دیا گیا۔ سریندرہ یوم کے بعد منحوس  
دیوتا اپنی ڈراڈنی آواز میں لوگوں سے خطاب بھی کرتا تھا۔ وہ اپنی بیل  
ایسی غادوں غادوں کرتی آواز میں شام کے وقت انسانی تر بانی  
کے بعد بادشاہ مشکا ولی کی موجودگی میں لوگوں سے کہتا کہ اپنے بادشاہ  
کی اطاعت کر دے تو میں تم کو لڑکے دوں گا۔ اناج دُوں گا۔ کھیتیاں  
بھری بھری کر دُوں گا۔ عنبر کے سامنے دوبارہ آواز بلند ہوئی تھی۔ عنبر  
نے غور سے سن کر یہی اندازہ لگایا کہ یہ بُت کی آواز نہیں ہو سکتی۔  
تو پھر یہ کس کی آواز تھی ؟



## عنبر بھڑکے شعلوں میں

عنبر نے مندر کے ایک موٹے پردہ بہت کچھ لایا سے دوستی کر لی تھی۔

اس پردہ بہت کو کھانے کا بڑا شوق تھا۔ عنبر ہر روز صبح پوچھا کرتے آتا۔ تو کچھ لایا پردہ بہت کے لیے طرح طرح کی مٹھائیاں لے کر آتا۔ عنبر نے اس دوستی کی آڑ میں مندر کے بارے میں کچھ معلومات بھی حاصل کر لی تھیں۔ مگر یہ معلومات اس کے منصوبے میں زیادہ کام نہیں آتی تھیں۔ ایک روز عنبر حسب معمول کچھ لایا کے لیے صبح کے وقت مٹھائیاں لے کر مولوح کے مندر میں آیا تو وہ لڑکھڑکے ہوئے ہوئے بولے:

”عنبر! آج پانچویں پورے چاند کی رات ہے۔ آج شام سورج غروب ہونے کے بعد وہ خوبصورت لڑکیوں کو دیوتا پر قربان کیا جائے گا۔ تم شام کو ضرور آنا۔“

تو کانپ اٹھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے دو لڑکیوں کو مسموم دیوتا کی آگ میں ڈالا جا رہا تھا۔ عنبر نے عیاری سے

کام لیتے ہوئے کچھ لایا سے کہا:

”یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ میں شام کو ضرور آؤں گا۔ مگر کچھ لایا یہ خوبصورت لڑکیاں کیا ہمارے مندر کی دیوتا سیماں ہیں؟“

کچھ لایا نے ایک لڑکھڑکے ہوئے کہا:

”ارے نہیں بھائی۔ یہ لڑکیاں تو ہمارے آدمی یہاں سے دور ایک صحرائی گاؤں سے پکڑ کر لائے ہیں۔ بڑی حسین ہیں اور دونوں بہنیں ہیں۔ ایک ماہ کی کھوج کے بعد یہ خوبصورت لڑکیاں تلاش کی گئی ہیں۔“

عنبر نے جان بوجھ کر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

”لیکن کچھ لایا بھائی ان لڑکیوں کو تو کڑی حفاظت میں رکھنا چاہیے۔ اگر فرار ہو گئیں تو بہت بڑا شگون ہوگا۔“

کچھ لایا ہنس پڑا۔ پھر عنبر کی طرف تھوڑا سا جھک کر بولا:

”انہیں جس نہ خلتے میں رکھا گیا ہے وہاں کوئی ٹپٹریا بھی پر نہیں مار سکتی۔ یہ نہ خلتے خاص طور پر اسی مقصد کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کے اندر صرف چھت سے راستہ جاتا ہے اور رہتے کی ایک سیڑھی کے ذریعے لڑکیوں کو اندر ڈالا اور نکالا جاتا ہے۔“

عنبر نے احتیاط کے ساتھ اسے بہت کریدا مگر کچھ لایا نے اس



سے آگے کوئی بات نہ کی۔ اور لڑکھڑکے کھا کر موٹی نو دیر ہاتھ پھیرتا وہاں سے چلا گیا۔ عنبر کے سامنے اب سب سے اہم کام یہ تھا کہ کسی طرح ان دونوں بہنوں کو ظالم دیوتا پر قربان ہونے سے بچائے وہ یہ گوارا ہی نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے دوبے گناہ معصوم لڑکیوں کو آگ میں زندہ ڈال دیا جائے۔ عنبر کے دل میں ان دونوں بہنوں کے لیے ہمدردی کے زبردست جذبات بیدار ہو چکے تھے۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ اس کی سگی بہنیں ہیں اور عنبر اپنی سگی بہنوں کے ساتھ یہ ظلم ہونے کیسے دیکھ سکتا تھا؟ اس کے پاس سوچنے کا زیادہ وقت نہیں تھا۔ اسے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے ان لڑکیوں کے خفیہ ٹھکانے کا پتہ چلانا تھا۔ انہیں وہاں سے نکالنا تھا اور پھر مندر کی چار دیواری سے فرار کروانا تھا اور صورت حال یہ تھی کہ ابھی تک عنبر کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ لڑکیاں کس خفیہ تہ خانے میں رکھی گئی ہیں۔

عنبر نے اتنا اندازہ لگایا تھا کہ اگر اس تہ خانے میں چھت سے راستہ جاتا ہے تو ضرور یہ مندر کی دوسری یا تیسری منزل ہی پر ہو سکتا ہے۔ عنبر نے تحفے تحائف دے کر مندر کے تقریباً سبھی پجاریوں کو اپنا واقف بنالیا تھا اور وہ مندر میں آسانی سے ادھر ادھر پھرتا رہتا تھا۔ عنبر مندر کی دوسری منزل پر آگیا۔ یہاں کچھ بجاری کھڑکی کے پاس چوکیوں پر بیٹھے شام والی قربانی کے لیے چند گھول کر گلال تیار کر رہے تھے۔

عنبر نے ہاتھ جوڑ کر انہیں سلام کیا دیوتا کی تعریف میں دو چار باتیں کر کے تیسری منزل پر آگیا۔ یہاں تین دیو داسیاں پھولوں کے گجرے تھالیوں میں رکھے ایک طرف جا رہی تھیں۔

عنبر ہاتھ جوڑ کر انہیں بھی نمسکار کیا اور کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر نیچے مندر کے دالان کی طرف تیکنے لگا۔ جہاں بادشاہ کے بیٹھنے کے لیے طلائی شامیانہ لگایا جا رہا تھا۔ جب دیو داسیاں چلی گئیں تو عنبر بھی اسی طرف کوچلا۔ آگے ایک اونچے اونچے ستونوں والی تلی راہ داری تھی۔ دیو داسیاں اسی طرف گئی تھیں۔ عنبر کو شبہ تھا کہ یہ دیو داسیاں قربان کی جانے والی لڑکیوں کے لیے گجرے لے کر گئی ہیں۔ راہ داری آگے جا کر ایک طرف گھوم گئی۔ دُور سے وہی دیو داسیاں خالی تھالیاں ہاتھوں میں لٹکائے چلی آ رہی تھیں۔ عنبر جلدی سے ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا یہاں زیادہ روشنی نہیں تھی۔

دیو داسیاں باتیں کرتی عنبر کے قریب سے گزر گئیں۔ ایک دیو داسی اُداس لہجے میں کہہ رہی تھیں :-  
"بڑی خوبصورت لڑکیاں ہیں بے چاری۔"

عنبر کا اندازہ درست نکلا تھا۔ یہ دیو داسیاں اعمی لڑکیوں کو پھولوں کے گجرے دے کر آئی تھیں۔ جب دیو داسیاں لگا ہوں سے اُدھل ہو گئیں۔ تو عنبر ستونوں کے ساتھ لگ کر آگے کوچلا۔ آگے روشنی اور بھی کم ہو گئی تھی۔ اب اسے لڑکیوں کے بہت دھیمی آواز میں رونے

اور سسکیاں بھرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ عنبر ٹھٹھک گیا۔ وہ خفیہ  
تہ خلتے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پیچھے راہ داری  
دور تک خالی تھی۔ وہ ذرا آگے گیا تو بائیں جانب اسے ایک انسانی سایہ  
دروازے کے آگے ٹھٹھا نظر آیا۔

عنبر تیزی سے پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ  
اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس کے پاس کوئی خاص سکیم تیار کرنے کا وقت نہیں  
تھا۔ اگر وہ ہمت سے کام نہیں لینا تو لڑکیاں بچ نہیں سکتی تھیں۔  
ان کی ہولے ہولے رونے کی آوازاں مزید مدھم پڑ گئی تھیں۔ شاید  
بے چاری رات ہی سے رورہی تھیں۔ عنبر نے فیصلہ کیا کہ اسے اسی وقت  
حملہ کر دینا چاہیے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اس نے ایک بار پھر راہ داری  
میں دونوں طرف دیکھا۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ دروازے کے پاس  
پہرہ دینے والا سپاہی اب ایک اونچی چوکی پر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے  
اس ملک کے فوجیوں کا لباس پہن رکھا تھا اور اس کی کمر کے ساتھ  
تلوار لٹک رہی تھی۔

عنبر چپختے کی طرح جھک کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا پہرے دار کی  
طرف بڑھنے لگا۔ سپاہی کے قریب پہنچا ہی تھا کہ آہٹ پا کر سپاہی  
نے پلٹ کر دیکھا۔ پھر ایک بجلی سی کوند گئی اور دوسرے لمحے سپاہی عنبر  
کے قدموں میں خمرہ پڑا تھا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔  
عنبر سپاہی کی لاش کو دروازہ کھول کر اندر لے گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی

کوٹھڑی تھی جس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ عنبر نے سپاہی کی لاش ایک  
طرف ڈالی اور کوٹھڑی کے درمیان میں آ کر دیکھا کہ فرش پر درمیان  
میں ایک گول سوراخ تھا جس کے پاس ہی رستے کی ایک سیڑھی پڑی  
تھی، سوراخ کے اندر سے لڑکیوں کے کسی وقت سسکیاں بھرنے کی دردناک  
آواز آ جاتی تھی۔

عنبر نے سوراخ میں سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ نیچے سوائے اندھیرے  
کے اسے کچھ نظر نہ آیا۔

عنبر نے اس ملک کی زبان میں آہستہ سے کہا:  
"میری بہنوں! میں رستی لٹکا رہا ہوں۔ اس کی مدد سے  
باہر آ جاؤ۔"

نیچے سے آتی سسکیوں کی آواز ایک دم رک گئی۔ اور گری خاموشی  
چھا گئی، ایسے لگ رہا تھا کہ نیچے لڑکیوں نے جو کچھ سنا تھا انہیں اس  
پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

عنبر نے دوبارہ منہ نیچے کر کے کہا:

"دیر نہ کرو۔ مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ میں تمہیں یہاں سے نکلانے  
آیا ہوں۔ جلدی سے اوپر آ جاؤ۔"

اور عنبر نے رستی کی سیڑھی نیچے لٹکا دی۔ دونوں بہنیں سیڑھی  
کی مدد سے چھت کے سوراخ میں سے باہر آ گئیں۔ وہ سہمی ہوئی تھیں  
اور ان کے رنگ فرتے تھے۔ آنکھیں خوف سے کھلی تھیں۔ یہ سب

کچھ اس نیم ردشنی میں عنبر نے بخوبی دیکھ لیا۔ عنبر نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر کہا:

”میرا نام عنبر ہے۔ مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ میں تمہیں یہاں سے نکال لے جانے کا زبردست خطہ مول لے چکا ہوں۔ ایک بار میرے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کرو۔ شاید تمہاری جان بچ جائے۔“

لڑکیوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ خوف کے مارے ان کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ان کے جسم دہشت سے لپکپکا رہے تھے۔ عنبر نے آہستہ سے کہا:

”اس کو ٹھڑی کے کونے میں خاموشی سے بیٹھ جاؤ اور جب تک میں واپس نہ آ جاؤں۔ ہرگز ہرگز یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔“

اب دونوں لڑکیوں نے کوٹھڑی میں پڑی ہوئی سپاہی کی لاش بھی دیکھ لی تھی اور وہ زیادہ خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ وہ ایک دوسری کے ساتھ لگ کر کونے میں بیٹھ گئیں۔ عنبر نے سپاہی پر بیدار کی لاش کو اٹھا کر سوراخ میں سے نیچے تنہ خانے میں پھینک دیا اور رستی کی سیڑھی کو دیہی پلیٹ کر رکھ دیا۔ پھر دوباراً لڑکیوں کو خاموش بیٹھے رہنے کی ہدایت کی اور باہر راہ داری میں نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

جذبات میں آ کر اس نے جیسے بوتل کے جتن کو بوتل سے باہر نکال دیا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس جتن کو کہاں لے جائے؟ کسی بھی وقت پول کھل سکتا تھا۔ اس نے جھانک کر نیچے دالان میں دیکھا۔ شامیانہ لگایا جا رہا تھا۔ مرد در کام کر رہے تھے۔ ذرا پیچھے مہٹ کر ایک بیل گاڑی کھڑی تھی جس پر کپڑوں کی بڑی بڑی گھڑیاں لادی تھیں۔ کچھ بچاری کو ٹھڑیوں میں سے مزید پرانی چادریں اور پردے لاکر بیل گاڑی میں رکھ رہے تھے۔ گاڑی بان ایک طرف فرش پر بیٹھا دنگ رہا تھا۔

اچانک عنبر کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ وہ بیک کر نیچے گیا۔ اس نے دیکھا کہ بچاری پرانے کپڑوں کی آخری گھڑیاں اٹھا کر بیل گاڑی میں رکھ رہے تھے۔ پھر وہ ادھر چلے گئے جدھر شامیانہ لگایا جا رہا تھا جس کو ٹھڑی سے یہ بچاری پرانے کپڑے نکال کر لائے تھے وہ کھلی تھی۔ اس کے اندراب کچھ نہیں تھا۔

عنبر جھاگ کر دوسری منزل میں آ گیا۔ یہاں اس نے راہ داری میں ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھولا۔ اندر دیواروں پر پردے گرے ہوئے تھے۔ عنبر نے برق رفتاری سے ایک ہی جھٹکے سے دو بڑے بڑے پردے گرا دیے اور انہیں لے کر اس کوٹھڑی میں آ گیا جہاں دونوں بہنیں سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔

عنبر نے ان دونوں کو جلدی جلدی وہ منصوبہ بتایا جس پر وہ عمل کرنے



والا تھا۔ پھر ایک لڑکی کو پرانے بڑے پردے میں لپیٹا اور کاڈھے پر اٹھا کر  
راہ داری میں سے گذرتا نیچے والی منزل میں آگیا۔ وہ گاڑی کی طرف بڑھ  
رہا تھا کہ ایک سچاڑی نے گذرتے ہوئے پوچھا:

یہ کہاں سے لائے ہو؟

عمبر نے سر اٹھایا:

”مسورہ! کچن لابی سے ادھر سے بھی پرانے پردے لاکر بیل گاڑی

میں رکھنے کا حکم دیا ہے۔“

سچاڑی کنیا لاکا نام سے کچپ ہو گیا اور آگے نکل گیا۔ عمبر نے پردے  
میں لپیٹ دینی لڑکی کو بیل گاڑی میں پرانے کپڑوں کے انبار میں رکھ دیا اور  
آہستہ سے کہا:

خبردار کوئی حرکت مت کرنا۔ میں تمہاری دوسری بہن کو لینے

جار رہا ہوں۔“

عمبر تیز تیز قدموں سے چلتا دوسری منزل میں آگیا۔ دوسرے پردے  
میں دوسری لڑکی کو اچھی طرح سے پلٹ کر اپنے کاڈھے پر گھڑی کی طرح  
ڈالا اور نیچے دالان میں لے آیا۔ دو دیوایاں اس کے قریب سے گذر  
گئیں۔ دالان میں سب کی توجہ اس طلائی شاہی شامیانے کی طرف مگی  
تھی جو بادشاہ کے لیے لگایا جا رہا تھا۔ اس سے ناٹھ اٹھاتے ہوئے  
عمبر نے دوسری لڑکی کی گھڑی بھی بیل گاڑی میں دوسری گھڑیوں کے

ساتھ رکھ دی۔

پھر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس ستون کے قریب جا کر بیٹھ گیا  
جہاں پہلے ہی سے بیل گاڑی والا بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

عمبر نے آہستہ سے اسے بلایا اور کہا:

”بھائی! بیل گاڑی کب باہر لے جا رہے ہو؟“

گاڑی بان جلدی سے ہوشیار ہو گیا اور ادھر ادھر دیکھ کر بولا:

”کیا پرانے کپڑے گاڑی میں رکھ دیئے سچاڑیوں نے؟“

عمبر نے کہا:

”کب سے رکھ دیئے ہیں۔ بھائی! میرے پاؤں میں درد

ہے۔ چلا نہیں جاتا۔ کیا مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر باہر

لے چلو گے؟“

گاڑی بان نے بیل گاڑی کی ہودی پر بیٹھتے ہوئے کہا:

”بیٹھ جاؤ ان گھڑیوں میں بھائی۔“

عمبر جلدی سے بیل گاڑی میں پرانے کپڑوں کے انبار میں ایک طرف

سکڑ کر بیٹھ گیا۔ گاڑی بان نے بیلوں کو دروازے کی طرف ہٹایا۔ بیل

گاڑی چوں چوں کرتی مندر کے ڈیوڑھی میں سے گذرنے لگی۔ ڈیوڑھی

کے بہرے داروں نے عمبر اور گاڑی بان کو دیکھا۔ وہ عمبر کی شکل سے

واقف تھے۔

عمبر نے بڑی عاجزی سے مسکراتے ہوئے کہا:

”میرے پاؤں میں موٹھ آگئی ہے۔ اس لیے گاڑی میں

بیٹھ گیا ہوں ۔

پہرے داروں نے کوئی خیال نہ کیا اور گاڑی بان کو مندر سے نکلنے کی اجازت دے دی ۔ دونوں بہنیں کپڑوں کے انبار میں ذبکی بیٹھی تھیں ان کے دل بُری طرح سے دھڑک رہے تھے مگر موت کے خوف نے ان کے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگا دی تھی ۔ بیل گاڑی چرچرائی ہوئی اس پل پر سے گذر گئی جو پانی سے لبالب بھری ہوئی کھائی کے اوپر بننا تھا ۔ بیل گاڑی اب ایک چھوٹے سے میدان میں سے گذرتی ستر کے عقبی دروازے کی طرف بڑھنے لگی ۔ گاڑی بان عنبر سے باتیں کرنے لگا ۔ وہ اسے بتا رہا تھا کہ اب اس کام میں کوئی فائدہ نہیں رہا ۔ مندر کے پجاری اسے پورے پیسے نہیں دیتے ۔ عنبر اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا رہا ۔ باتوں ہی باتوں میں عنبر نے اس سے پوچھا کہ وہ ان گندے پرانے کپڑوں کو کہاں لے جاتا ہے ۔ گاڑی بان نے بتایا کہ وہ خود دھوبی نہیں ہے ۔ ان کپڑوں کو وہ ستر سے باہر گھاٹ کنارے کو ٹھٹھی میں لے جا کر ڈال دیتا ہے جہاں دھوبی انہیں دھوتے ہیں ۔

بیل گاڑی ستر کے عقبی دروازے کے قریب پہنچی تو عنبر کا دل زور سے دھڑکا ۔ دونوں بہنیں کپڑوں کے انبار میں ذبکی بیٹھی تھیں اور ذرا سی بھی حرکت نہیں کر رہی تھیں ۔ ستر کے اس دروازے سے بیل گاڑیاں اور بڑے رتھ گذرتے تھے ۔ یہاں بھی سپاہی پہرہ دے رہے تھے ۔ مگر دھوبی کی بیل گاڑی پر کسی نے توجہ نہ دی ۔

بیل گاڑی ستر کے دروازے سے نکل کر باہر کھلے کھیت میں آئی تو عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا ۔ گاڑی کھیت کے کنارے کنارے گھاٹ کی طرف بڑھنے لگی ۔

گاڑی بان نے عنبر سے پوچھا :  
”بھائی ! تم کہاں جاؤ گے ؟“

عنبر نے جلدی سے کہا :

”میں — میں وہ — بس تم مجھے گھاٹ کے پاس اتار دینا ۔ وہاں سے میرا مکان نزدیک ہی ہے ۔ تمنا را شکر یہ بھائی ۔“

بیل گاڑی گھاٹ کے قریب پہنچنے والی تھی ۔ عنبر نے دُور سے گھاٹ پر پر پڑے بڑے بڑے پتھر اور پانی کا تالاب دیکھ لیا اور بولا :  
”بھائی ! اگر تم مجھے اجازت دو تو میں یہاں اتر جاؤں ؟“  
گاڑی بان بولا :

”ارے بھائی اس میں اجازت کی کیا بات ہے ۔ اتر جاؤ“

عنبر نے گاڑی بان کا شکریہ ادا کیا اور نیچے اتر گیا ۔ وہ اترنے کے ساتھ ہی ایک طرف ہو کر گاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گیا ۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں دونوں بہنیں گھبرا کر گھڑیوں میں سے باہر نہ نکل آئیں ۔ وہ انہیں ویسے بیٹھی رہنے کے بارے میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا ۔ عنبر برابر گاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا ۔ گاڑی بان نے گھاٹ پر لے جا کر گاڑی کھڑی کر دی ۔ اب عنبر اٹھ کر

جھاڑیوں درختوں کی اوٹ لیتا گھاٹ کی طرف بڑھا۔ وہ جانتا تھا کہ جوہنی گاڑی بان کپڑے اٹھائے بیچے سے دونوں لڑکیاں نکل آئیں گی اور وہ شور مچا دے گا۔

عنبر گھاٹ کے پتھروں کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ گاڑی بان نے پرانے کپڑوں کی پہلی گٹھری سر پر رکھی اور تالاب کنارے بنی ہوئی کوٹھڑی میں گھس گیا۔ عنبر بھاگ کر کوٹھڑی کے دروازے کے باہر دیوار کے ساتھ لگ کر بالکل سیدھا کھڑا ہو گیا۔ جوہنی گاڑی باہر نکلا اس نے پیچھے سے اس کی کھوپڑی پر ایک ہلکا سا ہاتھ مارا۔ گاڑی بان بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ عنبر اسے بے ہوش ہی کرنا چاہتا تھا۔ عنبر نے اسے گھسیٹ کر کوٹھڑی میں ڈالا اور تیزی سے گاڑی کی طرف دوڑا۔ کپڑوں کے انبار کو ہٹایا تو اندر دونوں خوبصورت بہنیں سہمی بیٹھی تھیں۔

عنبر نے کہا :

”تم کو مندر سے تو نکال کر لے آیا ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ تم کہاں جانا چاہتی ہو؟“

ایک لڑکی جو بڑی بہن لگتی تھی بولی :

”بھائی! تم نے ہماری جان بچا کر بڑا احسان کیا ہے مگر ہمیں خطرہ ہے کہ بادشاہ کے سپاہی ہمارے ساتھ تمہیں بھی پکڑ لیں گے۔“

عنبر نے کہا :

”تم ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ کوئی ایسی جگہ تمہارے خیال میں ہے جہاں تم دوبارہ بادشاہ کے سپاہیوں کے قابو میں نہ آ سکو۔“

بڑی بہن نے کہا :

”اگر ہم گاؤں میں اپنے گھر گئیں تو سپاہی وہاں سے ہمیں پھر گرفتار کر کے لے آئیں گے۔ اس لیے تم ہمیں کہیں سے دو گھوڑے لا دو۔ ہم جنوب کی طرف ملک میڈیا کی طرف نکل جائیں گی۔ وہاں ہمارا ایک ماموں رہتا ہے۔ اس کے پاس ہم محفوظ ہوں گی۔“

عنبر نے انہیں کوٹھڑی ہی میں رہنے کو کہا اور خود قریبی گاؤں کی طرف چل دیا۔ گاؤں کے باہر ایک کنوئیں کے پاس کچھ گھوڑے کھیت میں چر رہے تھے۔ عنبر نے دو گھوڑوں کی یاگیں پکڑیں اور لے کر گھاٹ پر آگئیں۔ دونوں بہنیں گھوڑوں پر سوار ہو گئیں۔ عنبر نے انہیں برق رفتاری سے وہاں سے نکل جانے کی تاکید کی۔ دونوں بہنوں نے عنبر کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا۔ ابھی ایک خوف کے مارے ان کے رنگ زرد تھے۔ عنبر پیچھے مہٹ گیا۔ انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور جنوب کی طرف میدان میں گھوڑے سرپٹ دوڑنے لگے۔ جب تک لڑکیوں کے گھوڑے اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوئے عنبر وہیں کھڑا رہا۔ جب وہ اس کی نظروں سے دُور ہو گئیں تو عنبر واپس شہر کی طرف چل پڑا۔



ان لڑکیوں کو تو عنبر نے بچا لیا تھا مگر اسے معلوم تھا کہ مندر میں حبیب ان کے فرار کا علم ہوا تو وہاں افراتفری مچ جائے گی اور بڑے پردہشت کے حکم سے فوراً ہی ددئی لڑکیوں کو قربانی کے لیے پکڑ کر لایا جائے گا۔ عنبر کس کس کو بچاتا پھرے گا۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں لگا شہر کے دروازے میں سے گذر کر اپنے مکان کی طرف جا رہا تھا کہ مندر کی طرف سے اسے گھوڑ سواروں کا دستہ باہر نکل کر شہر کی طرف آتا نظر آیا۔

وہ سمجھ گیا کہ لڑکیوں کے فرار کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ عنبر تیز قدم اٹھاتا اپنے مکان میں آکر چپ چاپ بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ لمے کیا کرنا چاہیے کہ جس سے مزید کوئی لڑکی منحوس دیوتا پر قربان نہ ہو۔ تھوڑی ہی دیر بعد گھوڑوں کی آواز اس کے مکان کے باہر آکر رک گئی۔ پھر کسی نے پاؤں مار کر مکان کا دروازہ کھول دیا۔ عنبر نے دیکھا کہ سامنے بادشاہ کے مسلح سپاہی موجود تھے۔ عنبر نے بالکل آن جان بنتے ہوئے پوچھا:

”میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

سپاہیوں کے سالار نے حکم دیا:

”اے گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور لے چلو۔“

عنبر نے بھول پنے سے پوچھا:

”جناب مجھے کس جرم میں گرفتار کیا جا رہا ہے؟“

سپاہیوں کے سالار نے کہا:

”یہ تمہیں بادشاہ کے حضور پہنچ کر معلوم ہو گا۔“

عنبر نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ وہ آگے سے کوئی مزاحمت کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ بادشاہ اور مندر کے پردہشت لڑکیوں کی قربانی کے بارے میں اب کیا پرگھاں تیار کرنے والے ہیں۔ سپاہیوں نے عنبر کے بازو پشت پر سیسے باندھے۔ اسے گھوڑے پر بٹھایا اور سیدھے شاہی حس کی طرف روانہ ہو گئے۔

شاہی محل میں یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ شام کو قربان کی جانے والی بیوی حسین لڑکیاں فرار ہو گئی ہیں۔ عنبر کو جب بادشاہ مشکادلی کے سامنے کمرہ خاص میں پیش کیا گیا تو وہاں کنچالا پردہشت کے علاوہ وہ درپکاری اور دو دیوداسیاں بھی موجود تھیں جنہوں نے عنبر کو مندر کی دوسری منزل کی راہ داری میں مشتبہ حالت میں پھرتے دیکھا تھا۔

بادشاہ نے اپنی بارعب آنکھیں عنبر کی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے پوچھا:

”بتاؤ تم ہمارے ایک سپاہی کو ہلاک کرنے کے بعد لڑکیوں کو نکال کر کہاں چھوڑ آئے ہو؟“

عنبر نے بڑی عاجزی سے کہا:

”بادشاہ سلامت! مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں بھلا لڑکیوں کو کیسے نکال سکتا ہوں۔ میں تو خود دیوتا مولیٰ کا

گر دیدہ ہوں اور لڑکیوں کی قربانی کو بڑی حقیقت سے

دیکھنے کا خواہشمند تھا۔

پروہت کچالا نے گرج دار آواز میں کہا :

”عنبر! تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ہمارے سوارہ داری میں کوئی نہیں گیا۔ تم وہاں کیا کرنے گئے تھے؟“

عنبر بولا : ”مہاراج میں تو اُدپر والی منزل سے شامیلے کا نظارہ کرنے گیا تھا!“

بادشاہ نے غضب ناک ہو کر کہا :

”تم بکواس کرتے ہو۔“

پھر اس نے دونوں دیوڑائیوں اور پجاریوں سے پوچھا :

”کیا یہی وہ نوجوان تھا جس کو تم نے راہِ دہلی میں جاتے دیکھا تھا؟“

دونوں نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ہاں بادشاہ سلامت یہی وہ شخص تھا جو خفیہ ہتہ خانے والی کوٹھڑی کی طرف جا رہا تھا۔ بادشاہ نے کچالا پروہت کی طرف متوجہ ہو کر کہا :

”شاہی پروہت! ہم حکم دیتے ہیں کہ آج شام سورج

غروب ہو جانے کے بعد اس شخص عنبر کو دیوتا مولوخ

پر قربان کیا جائے۔ لڑکیوں کی قربانی ہم اگلی پورن ماسٹی کی

رات کو دیں گے۔ اس کے لیے حسین لڑکیوں کی تلاش

ابھی سے شروع کر دی جائے اور مغرور لڑکیوں کی کھوج

کے لیے بھی دستے روانہ کر دیئے جائیں۔“

”جو حکم بادشاہ سلامت“ کچالا پروہت نے جھک کر کہا۔

پھر پروہت نے قہر بھری نگاہ عنبر پر ڈالی۔

بادشاہ عنبر کی طرف اشارہ کیا اور سپاہیوں کو حکم دیا :

”اسے گرفتار کر کے کڑی نگرانی میں رکھا جائے۔ آج

شام ہم اسے دیوتا پر قربان کر دیں گے اور یہ رسم

ہم خود اپنی موجودگی میں ادا ہوتے دیکھیں گے۔

دیوتا ہمارے اس اقدام سے ضرور خوش ہو گا۔“

”ضرور خوش ہو گا بادشاہ سلامت۔“

کچالا پروہت نے بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا اور

ادب سے سر جھکا دیا۔ سپاہیوں نے عنبر کو زنجیروں میں جکڑ دیا اور شاہی

قلعے کے تاریک منہ خانے میں لے جا کر ڈال دیا۔ عنبر نے اطمینان

کا سانس لیا۔ دونوں بہنیں مغرور ہو چکی تھیں اور دوسری کسی لڑکی کو

ابھی قربان نہیں کیا جا رہا تھا۔ وہ یہی چاہتا تھا۔ اب وہ دیوتا مولوخ کو تباہ

کرنے کے بارے میں اطمینان سے کوئی منصوبہ تیار کر سکتا تھا۔

عنبر جس قدر سوچتا آخر اسی نتیجے پر پہنچتا کہ مکر وہ بت مولوخ کا تباہ کیا

جانا بہت ضروری ہے۔ صرف اسی صورت میں لوگوں کے دلوں سے اس

بت کی جھوٹی ٹوہ جاکا خیال ہٹایا جاسکتا ہے کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ اس

بت کی طاقت کچھ نہیں ہے۔

سورج غروب ہونے سے پہلے عنبر کے قید خانے میں کوئی نہ آیا جب شام ہوئی تو کچھ بجا ریوں نے آکر عنبر کے سر پر پھولوں کے تین ہار باندھ کر کچھ اشلوک پڑھ کر پھونکیں ماریں اور مقدس پانی چھڑک کر چلے گئے۔ جب سورج غروب ہو گیا تو سپاہیوں کا دستہ آگیا۔ انہوں نے زنجیروں میں جکڑے ہوئے عنبر کو نکال کر ایک گھوڑا گاڑی پر بٹھایا اور مندر کی طرف لے چلے۔ راستے میں لوگ گاڑی کے ساتھ ہو لیے۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے دیوتا مولو خ پر قربان کی جانے والی درد لڑکیوں کو بھگا دیا ہے۔ لوگ عنبر پر آوازے کس رہے تھے۔ اسے برا بھلا کہہ رہے تھے۔ کئی ایک نے اس پر پتھر بھی پھینکے۔

عنبر خاموش تھا۔ اس کا مقصد ان لوگوں کے خلاف کارروائی کرنا نہیں تھا بلکہ ان کے دلوں سے جھوٹے بُت کا خیال نکال باہر پھینکنا تھا۔ عنبر کو مندر میں لے جایا گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ اونچے لمبے دیو پیکر بد شکل مولو خ کے بُت کے سامنے کچھ فاصلے پر شاہی شامیانہ لگا تھا اور اس کے نیچے تخت پر بادشاہ مشکاوی اور کرسیوں پر امراء اور دربار کے وزراء براجمان تھے۔ بُت کے پاؤں کے آگے گہرے گرہے میں جہنم کی آگ روشن تھی۔ شعلوں کی زرد زبانیں اوپر کو لپک رہی تھیں۔ یہ آگ اتنی زبردست تھی کہ گرہے کے آس پاس بیس بیس قدم تک کوئی انسان نہیں پھٹک سکتا تھا۔ بجا ری بُت کے پہلو میں دونوں جانب نصف دائرے کی شکل میں چوکیوں پر بیٹھے منتر پڑھ پڑھ کر آگ

میں مقدس پانی چھڑک رہے تھے دیوداسیاں ایک طرف دالان میں ستونوں کے پاس کھڑی ہاتھ باندھے دیوتا مولو خ کے بھجن گا رہی تھیں۔

عنبر کے آتے ہی لوگوں اور بجا ریوں نے نعرے بلند کئے۔ دیوتا کی آگ کے شعلے بھی عنبر کو جھپٹنے کے لیے کچھ ادد تیز ہو گئے۔ عنبر خاموش تھا۔ اسے بُت کے پیچھے لایا گیا۔ یہاں بُت کے ساتھ لکڑی کی ایک مچان بندھی تھی۔ عنبر کو اس مچان پر بٹھا دیا گیا۔ دو سپاہی اور دو بجا ری اس کے ساتھ ہی مچان پر بیٹھ گئے۔ مچان سے آہستہ آہستہ اوپر کھینچی جانے لگی۔ جب یہ مچان بالکل اوپر بُت کی زبان کے پاس پہنچی تو ٹک گئی۔ اب عنبر کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ اس کی کمر میں رستی باندھ کر اس رستی کو بُت کی زبان کے اوپر اس کے باہر نکلے ہوئے دانت پر سے گزار کر نیچے لٹکا دیا گیا۔ نیچے دو غلاموں نے اس رستی کو پکڑ لیا۔

عنبر اس رستی کے سہارے بُت کی پھسلواں زبان پر اٹکا ہوا تھا۔ اس نے نیچے دیکھا۔ نیچے آگ کا ایک بہت بڑا لاؤ گرہے کے اندر جل رہا تھا۔ اونچے اونچے شعلوں کی زبانیں اوپر اٹھا اٹھ کر جیسے عنبر کو اپنی طرف بلا رہی تھیں۔ نہ شعلوں کو خبر تھی اور نہ ہی وہاں کے بجا ریوں، لوگوں، دیوداسیوں اور بادشاہ اور امراء وزراء کو معلوم تھا کہ وہ کس آدمی کو آگ میں ڈال رہے ہیں۔ عنبر آگ کو دیکھ کر ذرا بھی متاثر نہ ہوا۔ اس کا دل بالکل پرسکون رہا۔ اس نے بادشاہ کی طرف



دیکھا اور بلند آواز میں کہا :

”اے بادشاہ ! میں عنبر ہوں۔ تم مجھے خوب پہچانتے ہو میں اس شہر کا معمولی تاجر ہوں۔ سب لوگ یہی سمجھتے ہیں۔ مگر سن لو۔ میں تمہارے دیوتا مولوخ سے بھی بڑھ چڑھ کر ہوں۔ میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ ابھی سے اس منحوس جنت پر انسانی جانوں کی قربانی بند کر دو۔ یہ جنت اپنے منہ پر بیٹی ہوئی مکھی بھی نہیں اڑا سکتا۔ پھر یہ تمہاری مصیبتیں کس طرح دور کر سکتا ہے۔ انسانوں کو ہلاک کر کے خداوند کرم کے غضب کو مست لکارو۔ آج ہی سے توبہ کرو۔ اس جنت کو توڑ ڈالو اور صرف ایک خدا کی عبادت کر دو۔ اور اسی سے سب کچھ مانگو۔“

یہ جملے سن کر پجاریوں کے منہ غصے سے لال ہو گئے۔ بادشاہ اور درباری بھی نفرت اور کھا جانے والی نظروں سے عنبر کو دیکھنے لگے۔ بادشاہ نے غصے سے کانٹے ہوئے بازو بلند کر کے حکم دیا :

”اس گستاخ کو دیوتا کی آگ میں ڈال دو۔“

بادشاہ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ غلاموں نے رسی چھوڑ دی۔ عنبر اسی رسی کے ساتھ مولوخ کی ڈھلائی زبان پر لٹکا ہوا تھا جو منہ رسی چھٹی۔ عنبر بد شکل مولوخ بت کی نیچے کو پھسلتی ہوئی زبان پر سے گھسٹا فضا میں دو قلابا بڑا کھانا آگ کے جہنم میں غائب ہو گیا۔ پجاریوں نے دیوتا کے حق میں فلک

شکات نعرے بلند کیے۔ لوگ بھجن گانے لگے۔ دیوتا سیاں رقص کرنے لگیں۔ بادشاہ کو درباریوں اور اُمراء نے مبارک باد دی کہ دیوتا کے مجرم کو سزا مل گئی۔ اب دیوتا مولوخ خوش ہو گیا ہے۔

بادشاہ نے تخت پر بیٹھ بیٹھ اعلان کیا کہ اگلی پورے چاند کی رات کو چار حسین لڑکیوں کو مولوخ کے حضور قربان کیا جائے گا۔ پجاریوں اور لوگوں نے خوش ہو کر تالیاں بجائیں اور بادشاہ مشکاوی زندہ باد کے نعرے بلند کرنے لگے۔



## تاگ کی دشمن مایا

عنبر آگ میں نیچے ہی نیچے گرتا چلا گیا۔

وہ سب سے پہلے بڑے بڑے درختوں کے تنوں کے سرخ کوٹلوں پر گرا۔ پھر ان سرخ انکاروں کے ساتھ نیچے سرخ آگ کی تہ میں اتر گیا جو کچھ فٹ اونچی تھی۔ عنبر کے چاروں طرف آگ کے سرخ شعلے آبشار کی طرح اُپر کو اُٹھ رہے تھے یہ ایسی آبشار تھی۔ اس کے ارد گرد آگ کی سرخ چادر بھیلی ہوئی تھی جس میں سے پھلتے لاوے ایسی سسکاریں نکل رہی تھیں۔

عنبر کو اس آتش بے پناہ میں بھی کچھ نہ ہوا تھا۔ اس لیے کہ ابھی اس کی قسمت میں مرنا نہیں لکھا تھا، ورنہ آگ کی اس تہ تک پہنچتے پہنچتے اس کی ہڈی کا ایک ذرہ بھی بچا ہوا نہ ہوتا۔ عنبر نے اپنے جسم کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں، کپڑے، یہاں تک کہ سر کے بال اور پٹلیں تک سلامت تھیں۔ اس کے کانوں میں آگ کا زبردست شور جیسے آندھی بن کر گونج رہا تھا۔

عنبر نے آگ کی تہ میں گر پڑنے کا ایک چکر لگایا۔ دیواروں کے

پتھر بھی سرخ ہو رہے تھے۔ عنبر نے دیکھا کہ آگ کی تہ میں ایک طرف سرخ دیوار میں گول سرنگ کا منہ بنا ہوا ہے۔ یہ راستہ زیادہ کثادہ نہیں تھا، عنبر اس سرنگ کے سوراخ میں داخل ہو گیا۔ یہاں اسے لیٹ کر چلتا پڑا۔ وہ رینگتا ہوا سرنگ میں کچھ آگے گیا تو آگے جا کر سرنگ کی چڑھائی آگئی۔ وہ چڑھائی پر رینگتا چلا گیا۔ اس کے آگے سیڑھیاں تھیں۔ یہاں آگ بالکل نہیں تھی مگر گڑھے میں سے آگ کی زبردست تپش آ رہی تھی۔ عنبر اُپر سیڑھیاں چڑھتا گیا۔

یہ سیڑھیاں زمین کے اندر ہی اندر دو تین چکر کاٹ کر وہ دیوتا مولوچ کے اندر پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ دیوتا مولوچ کے پاؤں کے اندر اس کی بنیادوں میں کھڑا ہے۔ یہاں دیوتا کی دونوں اونچی لمبی ٹانگوں کے درمیان بڑے بڑے سیاہ پتھروں کی بنیادیں بنی ہوئی تھیں۔ دیوتا مولوچ ان بنیادوں پر کھڑا تھا۔ اگر ان بنیادوں کے پتھروں کو اکھاڑ دیا جائے تو قسمت دھڑام سے نیچے گر سکتا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک چکر دار زینہ جُت کی ایک ٹانگ کے اندر ہی اندر سے اُپر جا رہا ہے۔ عنبر اس پر چڑھنے لگا۔ یہ زینہ ایک کوٹھڑی کے بند دروازے پر پہنچ گیا۔ یہ وہی کوٹھڑی تھی جس کے بارے میں بوڑھی دیو داسی نے عنبر کو بتایا تھا کہ وہاں کیا ہے؟ آج تک کسی کو معلوم نہیں۔ عنبر دروازے کے پاس آیا ہی تھا کہ اسے اندر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی گھڑے میں منہ ڈال کر بول رہا ہو۔

کو ٹھٹھی کا دروازہ بند تھا۔ عنبر نے سنا۔ یہ بُت مولوخ کی آواز تھی۔  
بُت مولوخ کہہ رہا تھا :

”میں نے اپنے مجرم کی قربانی قبول کی مگر اے بادشاہ مشکا دلی۔  
اس مندر پر دولت خرچ کر، پجاریوں کو سونے کے سکے عطا کر  
یہ میرے پجاری ہیں اور اگلے پورے چاند کی رات کو دوڑکیوں  
کو مجھ پر قربان کر۔“

عنبر کو باہر سے لوگوں کے لغے لگانے کی آوازیں سنائی دیں۔  
عنبر نے دروازے پر لات مار کر دروازہ کھول دیا۔ کیا دیکھتا ہے  
کہ کو ٹھٹھی میں دیوتا مولوخ کی ایک آنکھ کے روشن دان میں سے روشنی  
آ رہی ہے اور ایک موٹا پجاری دیوتا کے منہ کے پاس اندر کی طرف ہو کر  
گھڑے میں منہ ڈال کر بیٹھا مولوخ کی آواز میں بول رہا ہے۔

”موٹے پجاری نے اپنے سامنے عنبر کو دیکھا تو اس کے ہاتھوں کے  
ٹوٹے اڑ گئے۔ اس نے ابھی ابھی اس شخص کو دیوتا کی زبان سے پھسل کر  
قیامت کی آگ میں گرتے دیکھا تھا۔ پھر یہ کیسے زندہ پنچ کر یہاں آگیا؟  
موٹے پجاری کا جسم خوف سے کانپنے لگا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر اس کے  
موٹے پیٹ پر زور سے ہاتھ مارا۔ پجاری چھوٹے سے ہاتھ کے نیچے  
کی طرح کو ٹھٹھلیوں میں لڑھکیاں کھاتا سامنے والی دیوار کے ساتھ ٹکرایا  
اور بے ہوش ہو گیا۔

عنبر نے گڑھے میں اپنا منہ ڈال کر بلند آواز میں کہا :

”اے بادشاہ! سنو! ابھی ابھی میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ابھی  
مجھ پر کسی لڑکی کو قربان نہ کیا جائے۔ میں تمہارا دیوتا مولوخ  
بول رہا ہوں۔ جب تک میں دوسرا حکم نہ دوں کسی انسان  
کو مجھ پر قربان نہ کرنا۔ کیوں کہ میں آکاش پر دوسرے دیوتاؤں  
سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔“

اتنا کہہ کر عنبر نے بُت کے کھلے منہ کے پیچھے ایک دانست کی درز  
میں سے نیچے دیکھا۔ یہ بُت چھ منزلہ بلند تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ بادشاہ  
وزراء درباری اور پجاری بُت کے اس اعلان پر حیران پریشان گھڑے  
ایک دوسرے کو تک رہے ہیں کہ ابھی تو مولوخ نے کچھ اور کہا تھا، ابھی  
دوسرا اعلان کر دیا۔

عنبر نے دوسری بار گڑھے میں منہ ڈال کر گرج دار آواز میں کہا :  
”تم لوگ حیران ہو کہ میری طرف کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا  
تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے؟ اگر تم نے میرا حکم نہ مانا تو  
میں تمہارے شہر میں آگ لگا دوں گا۔“

ایک دم نیچے سے آوازیں آنے لگیں :  
”دیوتا مولوخ تمہیں معاف کر دے تو جیسا کہ گاہم ویسے ہی  
کریں گے۔ ہم تیرے حکم کے غلام ہیں۔“

عنبر نے نیچے دیکھا بادشاہ کی سواری واپس جا رہی تھی۔ پجاری اور  
دیوتا اسباب بُت کے اکٹھے کھنکھاتے دیکھ کر سے بھتے کچھ دیر کے  
عنبر نے آگ ماری اچھلائی 225



انتظار کرنے لگا۔ وہ خاموشی سے جُت کے بنیادی ستونوں کے پاس بیٹھ گیا۔ یہاں اسے کیٹی اور پھر ناگ ماریا کا خیال آنے لگا کہ جانے وہ اس وقت کہاں اور کس حال میں ہوں گے۔ پھر اس کا خیال دردوں بہنوں کی طرف چلا گیا جن کو اس نے موت کے منہ سے نکال کر فرار کرا دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ ملک سواریہ کی سرحدوں کو پار کر چکی ہوں گی۔

عنبر کو اندر جھن گانے کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ پھر یہ آوازیں ڈک گئیں۔ آہستہ آہستہ مندر میں خاموشی چھانی شروع ہو گئی۔ جب باہر مکمل طور پر خاموشی چھا گئی تو عنبر نے پتھر کی سل کو اپنی طرف کھسکا کہ باہر دیکھا۔ مندر میں کہیں کہیں شمعیں روشن تھیں۔ دالان خالی پڑا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ عنبر باہر نکل آیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ دیو پیکر مولوخت جُت کے پیچھے اس کی ایک ٹانگ کے پاس کھڑا ہے۔ اس نے پتھر کی سل کو واپس کھینچ کر سوراخ بند کر دیا اور خاموشی سے سامنے والی راہ داری کی طرف چلنے لگا۔

اسے معلوم تھا کہ کنچالا پر وہت کس کو ٹھڑی میں رہتا ہے۔ کنچالا پر وہت اپنی کو ٹھڑی میں گدیے پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھیلے میں سے سونے کے سکے نکال کر انہیں گن رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔

کنچالا پر وہت نے ناگواری سے کہا:

لیے عنبر جُت پر انسانی قربانی کی مذموم رسم کو روکنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ کچھ عرصے کے بعد پھر انسانی قربانی شروع کر دیں گے۔ اب عنبر ہر بار جُت کے اندر آ کر یہ اعلان نہیں کر سکتا تھا۔ جب تک یہ جُت اپنی جگہ پر قائم ہے۔ انسانی قربانی کی رسم جاری ہی رہتی۔ عنبر کچھ سوچ کر کو ٹھڑی سے نکلنے لگا تو اسے موٹے پجاری کا خیال آ گیا۔ پجاری دیوار کے ساتھ اوندھے منہ پڑا تھا۔ عنبر نے اسے سیدھا کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی جان نکل چکی تھی۔ خدا جانے یہ عنبر کے کتے کا اثر تھا یا موٹا پجاری خوف کے مارے ہی مر گیا تھا۔ بہر حال اس کا مرجانا بہتر بات تھی۔ اگر وہ خود نہ مرنے لگا تو عنبر کو اسے مارنا پڑتا کیونکہ وہ باہر جا کر لوگوں کو بتا سکتا تھا۔ یہ مولوخت کی آواز نہیں تھی بلکہ عنبر خود بول رہا تھا۔

عنبر نے موٹے پجاری کی لاش کو وہیں چھوڑا اور چکر دار زینے سے اتر کر نیچے جُت کے پاؤں کے پاس بنیادوں کے پتھروں کے درمیان آگیا۔ یہ بنیادوں کے پتھر گول ستونوں کی طرح تھے جن پر جُت کا پوسے کا پودا ڈھانچا اور اٹھایا گیا تھا۔ عنبر کو اسی جگہ ایک مقام پر پتھر کی سل ذرا اکھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اسے ہلایا تو وہ پیچھے کھسک آئی۔ یہ باہر جانے کا راستہ تھا۔

باہر مندر کا عقیقی دالان تھا جہاں دیو داسیاں رقص کر رہی تھیں۔ عنبر نے پتھر کی سل وہیں رہنے دی اور اب رات کا اندھیرا ہونے کا

”کون بدتمیز ہے جو اس وقت میرے گیان دھیان کو خراب کرنے آیا ہے۔“

باہر سے عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ دشتک پھر ہوئی کتاب تو کنچالا کا پارہ چڑھ گیا۔ اس نے غصے میں کہا:

”کون ہے بدتمیز؟ بولتے کیوں نہیں؟ جب تک بولو گے نہیں میں دروازہ نہیں کھولوں گا۔“

عنبر کے لیے بند دروازے کو کھولنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس نے اپنے گھٹنے کو بند دروازے کے ساتھ لگا کر ذرا سا زور ڈالا تو دروازہ کانٹہ اترا رخ سے ٹوٹ کر ٹکٹک لگا۔ دروازہ کھل گیا۔ کنچالا پروہت جلدی سے سجے بیٹ گیا۔ اس نے شمع کی روشنی میں عنبر کا چہرہ دیکھ لیا تھا۔ کنچالا کا رنگ لاش کی طرح زرد ہو گیا تھا۔ اس کے ہونٹ لرزنے لگے تھے۔ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ موٹی ٹوند آہستہ آہستہ کپکپا رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھے خود بھی کانپ رہا تھا۔ عنبر نے دروازہ بند کر دیا اور اس کے پاس آکر آرام سے بستر پر بیٹھ گیا اور بولا:

”کنچالا! تم نے مجھے ضرور پہچان لیا ہو گا۔ میں عنبر ہوں۔ وہی عنبر جو تمہیں مٹھائیاں لاکر کھلاتا تھا اور جس کو تم لوگوں نے شام کو آگ میں ڈال دیا تھا۔“

کنچالا کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔

عنبر نے کہا:

”میں وہی عنبر ہوں۔ تم اس لیے خوف زدہ ہو کر ممتا سے حساب سے مجھے ممتا دے دیوتا کی آگ میں جل کر راکھ ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر تم نہیں جانتے کہ ممتا را دیوتا ایک پتھر اور اینٹوں کا جُت ہے۔ اس کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ میری جان اس خدا کے قبضے میں ہے جو واحد ہے۔ جو ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے حکم سے مجھے آگ نے کچھ نہیں کہا اور میں زندہ حالت میں ممتا سے سامنے بیٹھا ہوں۔“

کنچالا نے ہکلا ہکلا کر کہا:

”تم بدرُوح ہو۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے کچھ نہ کہو ممتا بادشاہ کے حکم سے آگ میں ڈالا گیا تھا۔ مجھے معاف کر دو۔“

عنبر نے بدرُوح کہا:

”عنبر نے پروہت کی موٹی ٹوند پر ایک ہلکا سا ہاتھ مارا۔ پروہت ہائے کہہ کر بستر پر لڑھک گیا۔“

”مجھے نہ مارنا۔ مجھے معاف کر دو اے بھوت!“

عنبر نے پروہت کنچالا کو گردن سے پکڑ کر اوپر اٹھا کر بستر پر بٹھا دیا اور خود ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا:

”کنچالا سنو! میں اپنی بدرُوح یا بھوت نہیں ہوں۔ میں

عنبر ہوں۔ میری طاقت کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے ہاں  
یہ چھوٹا سا ثبوت تمہارے سامنے ہے کہ میں اتنی زبردست  
آگ میں سے بھی زندہ نکل آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم  
لوگ اس جھوٹے اور بے کار ثبوت کے سامنے انسانی قربانی  
دینا بند کر دو۔

کنچالا نے کہا :

اے بھوت ! یہ ناممکن ہے۔ ہمارا دیوتا مولوخ سچا ہے  
ہم انسانی قربانی بند نہیں کر سکتے۔

عنبر نے اسے گردن سے پکڑ کر جھنجھوڑا اور کہا :

بد بخت تو کی سمجھتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ تمہارا ایک  
پجاری گھڑے میں منہ ڈال کر دیونا کی آواز نکال کر حکم  
دیتا ہے ؟ میں انگویر سے ہو کر آیا ہوں۔ دہاں تمہارا  
مکار پجاری مرا ہوا ہے۔ جاؤ اس کی لاش اٹھا کر  
لے آؤ۔

یہ کہہ کر عنبر کنچالا کی کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ اب وہ سیدھا  
بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ مندر کے بڑے دروازے پر  
اسے پہرے داروں نے روکا وہ اندھیرے میں اسے پہچان نہ سکے۔  
عنبر نے دونوں ہاتھوں سے بند دروازے کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا تو  
دروازہ ٹوٹ گیا۔ عنبر کھائی کے پل کے اوپر سے دوڑتا ہوا دوسری

طرف چلا گیا۔ پل کی دوسری طرف دوسرا ہی گھوڑا دوڑاتے اس کی  
طرف بڑھے۔ عنبر اب اپنی طاقت کا پورا مظاہرہ کر سکتا تھا۔ ایک سپاہی  
نے اس پر زور سے نیزہ پھینکا۔ نیزہ عنبر کے جسم سے ٹکرا کر دور جاگرا۔  
عنبر نے دوسرے سپاہی کو ٹانگ سے پکڑ کر نیچے گرایا اور اس کے خالی  
گھوڑے پر اچھل کر بیٹھا اور شاہی محل کی طرف گھوڑا سرسپٹ دوڑنے  
لگا۔

وہ محل کے خاص دروازے کی طرف جانے کی بجائے اس کے پیچھے  
باغ میں آ گیا۔ یہاں وہ ایک بلند درخت کی اوپر والی ٹہنی کو پکڑ کر  
محل کی چھت پر کود گیا۔ وہ اوپر بارہ دری کے دروازے سے نیچے  
محل میں اترنے لگا تو دو پہرے دار تلواریں لہراتے اس کی طرف بڑھے۔  
عنبر نے باری باری ان دونوں کو محل کی چھت سے نیچے باغ میں  
لڑکھا دیا۔ اب وہ سیڑھیاں اترتا نیچے شاہی محل کی تیسری منزل میں  
آ گیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ بادشاہ کی خواب گاہ کہاں ہے ؟  
عنبر شاہی محل کی شاندار راہ داری میں سے گزرتے ہوئے بلند آواز  
میں بولنے لگا :

اے بادشاہ شکا دلی ! میں تجھے ایک خدا کی طرف بلانے آیا ہوں۔  
محل میں سب بیدار ہو گئے۔ ایک سٹور سپاہی گیا۔ پہرے داروں نے عنبر  
کو پکڑ لیا۔ عنبر نے کوئی مقابلہ نہ کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے بادشاہ کے سامنے  
لے جایا جائے۔ سپاہی اسے پکڑ کر قید خانے کی طرف لے جانے لگے تو



عنبر نے انہیں نیچے گرا دیا اور بلند آواز میں چلا کر کہا :  
"مجھے بادشاہ سے ملنا ہے۔ اے بادشاہ! میرے سامنے آ اور

خلائے واحد کا بیغام سن۔  
بادشاہ کی خواب گاہ دہاں سے دور نہیں تھی۔ بادشاہ جاگ پڑا تھا  
وہ خواب گاہ سے باہر آگیا۔ جب اس نے اپنے سامنے عنبر کو دیکھا تو  
اس کے ہرے کارنگ اُڑ گیا۔

عنبر نے کہا :

"اے بادشاہ! تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ میں زندہ  
ہوں تمہارے جھوٹے دیوتا کی آگ مجھ پر اثر نہیں کر سکی۔ میں  
تمہیں یہ کہنے آیا ہوں کہ اس بُت کے آگے معصوم انسانوں  
کو آگ میں پھینکنا بند کرو نہیں تو تم پر خدا کا قہر نازل  
ہوگا۔"

بادشاہ کا وزیر بھی اپنے کمرے سے نکل کر دہاں آگیا تھا۔ اس نے  
بادشاہ کے کان میں آہستہ سے کہا :

"شہنشاہ! یہ عنبر کی بدروح ہے۔ اسے ابھی کچھ نہیں  
کہنا چاہیے۔"

چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور عنبر سے کہا کہ وہ اس کی  
ہدایت پر ضرور غور کرے گا۔ عنبر سمجھ گیا کہ بادشاہ چال چل رہا ہے اور  
وزیر نے اسے ایسی ہی پٹی پڑھائی ہے۔ اب اس کے سامنے ایک

ہی راستہ تھا کہ مولوخ کے بُت کو گرا کر پاش پاش کر دیا جائے۔ وہ  
کسی طرح بھی ان لوگوں کے دلوں سے مولوخ بُت کی ہیبت دور  
نہیں کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ بُت کو تباہ کر دیا جائے۔ یوں  
ہو سکتا تھا کہ اس بُت کی طاقت کا عقیدہ ان کے دلوں سے  
ختم ہو جائے۔

یہ سوچ کر عنبر راہ داری کے زینے کی طرف بڑھا۔ سپاہی آگے  
بڑھ کر اسے پکڑنے لگے تو بادشاہ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں  
ایسا کرنے سے روک دیا۔ عنبر خاموشی سے سیرٹھیاں اتر کر محل کے باغ  
میں آگیا۔ پھر وہاں سے دیوار پھلانگ کر دوسری طرف گیا اور گھوڑے  
پر بیٹھ کر مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادشاہ نے اسی وقت دربار کے  
شاہی جادوگر کو طلب کر لیا اور اسے بتایا کہ جس آدمی کو ہم نے قربان کیا تھا  
اس کا بھوت شہر میں آگیا ہے اور وہ رعایا کو تنگ کرے گا۔ اسی لیے اس  
کو کسی طریقے سے قابو میں کیا جائے۔

شاہی جادوگر ایک پرانا اور تجربہ کار افریقی جادوگر تھا۔ اس کے پاس  
کئی طلسمی منتر تھے۔ شاہی جادوگر اسی وقت محل کی چھت پر پانی سے  
بھرا ہوا پیالہ مردوں کی ہڈیاں اور کھوپڑی لے کر طلسم کرنے بیٹھ گیا۔ اس  
کے پاس صرف بادشاہ اور وزیر ہی چوکیوں پر بیٹھے تھے۔ شاہی جادوگر نے  
پانی کا پیالہ اپنے سامنے رکھ لیا اور فرش پر مردے کی ہڈیاں پھینک کر طلسمی منتر  
پڑھنے شروع کر دیئے۔

اس وقت عنبر سرپٹ گھوڑا دوڑاتا مندر کے دروازے کے سامنے  
دلے پل پر پہنچ گیا تھا۔ پہرے داروں نے عنبر کو دیکھ کر اس پر تیر چلانے شروع  
کر دیے۔ تیر عنبر کے جسم سے ٹکرائی کر نیچے گر رہے تھے۔ عنبر گھوڑا دوڑائے  
دوڑا چلا آ رہا تھا۔ سپاہیوں نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی مگر عنبر گھوڑے  
سمیت ڈیوڑھی میں پہنچ گیا اور گھوڑا دوڑاتے ڈیوڑھی سے نکل مندر کے  
دالان میں آ گیا۔ اسے دیکھ کر پجاری اور دیو داسیاں ڈر کے مارے  
ادھر ادھر بھاگ گئے۔

عنبر کے ذہن میں ایک منصوبہ تھا جس پر وہ فوری طور پر عمل کرنا  
چاہتا تھا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر دیو ہیکل منحوس بت مولو خ کی طرف  
بڑھا۔ اسے معلوم تھا کہ بت کے اندر اس کے پاؤں کے پاس کھڑے  
بنیادی ستونوں کی طرف کون سا راستہ جاتا ہے۔ بت کے پیچھے اس  
کے پاؤں کے پاس آ کر عنبر نے پتھر کی سل باہر کھینچی اور بت کے اندر  
گھس گیا۔ اب وہ بت کے پاؤں اور ٹانگوں کے درمیان بنے ہوئے  
گول ستونوں کے پاس کھڑا تھا۔ یہی وہ ستون تھے جن پر مولو خ بت کا  
اونچا لمبا پتھر کا ڈھانچہ کھڑا تھا۔ اس وقت بھی بت کے سامنے گڑھے میں  
آگ کا لالہ بجھ رہا تھا۔

باہر مندر میں شور مچ گیا کہ عنبر کا بھوت بت کے اندر چلا گیا ہے  
پجاریوں نے بھوت کو مار بھگانے کے لیے منتر پڑھنے شروع کر دیے  
جب کہ سپاہی نیزے لے کر اس جگہ آ گئے جہاں سے رینگ کر عنبر بت

کے اندر داخل ہوا تھا۔ عنبر نے پتھر کی بھاری سل سے سوراخ بند  
کر دیا تھا۔ سپاہیوں نے سل کو اپنی جگہ سے کھینچنے کے متن شروع  
کر دیے۔

عنبر خدا کا نام لے کر اپنے کام میں لگ گیا۔ اس نے ایک ستون  
کے گرد دونوں بازو ڈالے اور اسے ہلکا سا جھٹکا دیا۔ بت سخت پتھر  
کا بنا تھا۔ اس پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ عنبر نے ذرا اور زور لگا کر جھٹکا  
دیا تو بھی بت نے اپنی جگہ سے ذرا سی بھی حرکت نہ کی۔ عنبر نے ستون  
کو اپنے بازوؤں میں مضبوطی سے لے کر خدا کا نام لیا اور اسے اپنی طرف  
پوری طاقت سے کھینچا۔ ایک کڑا کے کی آواز کے ساتھ ستون ٹوٹ  
کر پیچھے کو گرا۔

مولو خ بت کو ذرا سی جنبش ہوئی۔ عنبر نے اب دوسرے ستون  
کو جھٹک کر دو ٹکڑے کیا تو بت ایسے لرزا جیسے بھونچال آ گیا ہو۔ تیسرا  
ستون اکھاڑنے پر تراج کی آواز بلند ہوئی اور بت ایک طرف کو جھک  
گیا۔ باہر مندر میں لوگوں کا شور بلند ہوا۔ ہر کوئی اونچی آواز میں بھجن  
گانے لگا۔ چوتھے ستون کے اکھڑنے پر مولو خ بت کا ایک بازو ٹوٹ  
کر دھماکے کی آواز کے ساتھ آگ کے لالہ میں گر پڑا۔ پجاری خوف زدہ  
بچہ ہوں کی طرح دالان سے کوٹھڑیوں کی طرف دوڑ پڑے۔ عنبر نے  
پانچواں اور چھٹا ستون گرایا تو مولو خ بت پہلے پیچھے کو جھولا۔ پھر آگے  
کو جھکا اور قیامت کے شور کے ساتھ دھڑام سے مندر کے دالان میں

منہ کے بل گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس نے سامنے والی سات کو ٹھٹھکیوں کو بھی تنہا تنہا کر دیا تھا۔ بت کا پیٹ آگ کے الاؤ پر گرا تھا جس کی وجہ سے آگ کے گڑھے کا منہ بند ہو گیا۔ اس کے بد صورت منہ کے کئی ٹکڑے دالان میں بکھر گئے تھے۔

عنز اس جگہ کھڑا تھا جہاں پہلے بت مولوخ کے پاؤں ہوتے تھے۔ بت جڑ سے اکھڑ کر پاش پاش ہو گیا تھا۔ مندر میں دادیلاٹج گیا۔ کئی پجاری بت کے نیچے آکر مر گئے۔ دیو داسیاں چیختی چلاتیں مندر کی دیوڑھی کی طرف بھاگ گئیں۔ عنز مولوخ بت کے ایک بہت بڑے ٹکڑے پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بازو فضا میں بلند کرتے ہوئے کہا:

”تمہارا جھوٹا بت پاش پاش ہو گیا ہے۔ اگر اس میں طاقت ہوتی تو یہ اپنی حفاظت کرتا۔ مگر یہ محض پتھر تھا اور پتھر اپنے آپ ذرا سی بھی حرکت کر سکتے۔ تم لوگ بتوں کی پوجا سے توبہ کرو اور صرف ایک رہبر پیش کرو۔“

عنز ٹوٹے ہوئے بت کے اوپر کھڑا تقریر کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ کلاوٹی راج کماری کی روح کو شانتی مل گئی ہوگی اور وہ اس کا شکریہ ادا کرنے اپنے وعدے کے مطابق وہاں ضرور آئے گی۔

دوسری طرف شاہی محل کی چھت پر شاہی جادوگر اپنے طلسمی عمل میں مصروف تھا کہ ایک اہل کار نے آکر خبر سنائی کہ عنز کے بھوت نے مولوخ دیوتا کے بت کو گرا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ بادشاہ خوف

اور غصے کے مارے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے شاہی جادوگر سے کہا:

”بھوت کو قابو میں کرو۔ یہ ہمیں برباد کر دے گا۔“

شاہی جادوگر نے سر ہلا کر بادشاہ کو مطمئن رہنے کا اشارہ کیا اور پانی میں دیکھا۔ اسے پیالے کے پانی میں عنز اس طرح دکھائی دیا کہ بت مولوخ کے سب سے بڑے ٹکڑے پر کھڑا تقریر کر رہا تھا اور سپاہی دیوڑھی اور مندر کی چھت پر سے اس پر تیر برباد رہے تھے۔ جادوگر نے یہ منظر بادشاہ مشکادلی کو بھی دکھایا۔

بادشاہ خوف زدہ ہو کر بولا:

”اس بھوت پر تیر تلوار کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ اس نے ہمارے دیوتا کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ اس بھوت کو آگ میں جلا کر بھسم کر دو۔“

افریقہ جادوگر نے کہا:

”اے بادشاہ! دنیا کا کوئی جادو اس بھوت کو ہلاک نہیں کر سکتا۔ ہاں میں اسے پتھر کے بت میں تبدیل کر سکتا ہوں۔ اس سے آگے میرا طلسم بھی بے بس ہے بادشاہ سلامت۔“

بادشاہ نے چلا کر کہا:

”اسے پتھر بنا دو۔ فوراً۔“

افریقہ جادوگر نے کچھ منتر پڑھنے کے بعد مردے کی سات ہڈیوں



کے ٹکڑے زور سے فرش پر پھینکے۔ ایک عجیب سی دل خراش آواز بلند ہوئی۔ افریقی جادوگر نے جھک کر پانی کے پیالے میں دیکھا۔ مسکرایا اور بادشاہ سے کہا:

”بادشاہ سلامت! آپ کا دشمن آپ کے قبضے میں آچکا ہے۔“

بادشاہ اور وزیر نے بھی جھک کر پیالے میں دیکھا۔ انہیں عنبر کا بھوت اس حالت میں پتھر کا انسانی مجسمہ بنا ہوا نظر آیا کہ اس کا ایک بازو ہوا میں بلند تھا۔ بادشاہ نے اطمینان کا سانس لیا اور افریقی جادوگر سے پوچھا:

”کیا یہ بھوت کہیں دوبارہ زندہ تو نہیں ہو جائے گا؟“

جادوگر بولا:

”اس کا دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہے۔ کیوں کہ یہ اسی صورت میں دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے کہ زمین کی گہرائیوں میں رہنے والا ناگ دیوتا یہاں آئے اور اس کے پتھر ہو چکے جسم پر تین بار اپنی پھنکار مار دے مگر یہ ناممکن ہے۔“

ناگ دیوتا کبھی زمین کی گہرائیوں سے نکل کر یہاں نہیں آئے گا۔ اس لیے آپ بے فکر ہو جائیں۔“

بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ اس نے وزیر سے کہا:

”عنبر کے بھوت کے بت کو مندر کے دروازے پر نصب

کر دیا جائے اور رعایا کو حکم دے دیا جائے کہ جو بھی مندر میں داخل ہو اس بت پر مٹھی بھر خاک ڈالے کیونکہ یہ ہمارا دشمن تھا اور اس نے ہمارے بت کو توڑنے کا گناہ کیا تھا۔“

اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے مولوخ دیوتا کے بت کی دوبارہ تعمیر کا بھی حکم صادر کر دیا۔ اسی روز عنبر کے پتھر ہو چکے بت کو اٹھا کر مندر کی دیوڑھی کے باہر کھائی کے کنارے پل کے پاس ایک چوترے پر نصب کر دیا گیا۔ لوگ مندر میں جاتے ہوئے زمین پر سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر بت پر زور سے پھینکتے اور مولوخ دیوتا کے بھجن گاتے مندر میں داخل ہو جاتے۔

بادشاہ کے حکم سے مندر میں سے گرے ہوئے بت کے ٹکڑے ہٹا کر اسی جگہ نئے بت کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا۔ اس کام کے لیے کافی دقت درکار تھی۔ ماہرین نے بادشاہ کو بتایا کہ وہ ایک سال کے عرصے میں بت کو دوبارہ تعمیر کر نہیں گے۔ بادشاہ نے خورنے کا منہ کھول دیا۔ عنبر مجسمے کی شکل میں مندر کے باہر چوترے پر کھڑا تھا۔ اس کا جسم اگرچہ پتھر میں چکا تھا مگر جیسا کہ پہلے بھی ایک بار اس کے ساتھ ہوا تھا اس کا ذہن سلامت تھا اور وہ سوچ بھی سکتا تھا اور اپنی پتھرائی ہوئی آنکھوں کے پیچھے سے دیکھ بھی سکتا تھا۔ مگر اپنی آنکھیں گھمانے سے مجبور تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کو یاد کرنے لگا۔

سکتی ناگ بھیا!  
ناگ خاموش ہو گیا۔  
تھیو سانگ کہنے لگا:

”میرا خیال ہے ہمیں شہر کا ایک چکر لگانا چاہیے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عنبر یا کبٹی یہاں کسی جگہ کسی طلسم کا شکار ہو گئے ہوں۔“

نقلی ماریا بولی:

”اچھی بات ہے۔ تم لوگ شہر کی طرف جاؤ میں سمندر کے کنارے جو چٹانیں ہیں ان میں عنبر اور کبٹی کا کھوج لگاتی ہوں۔“

ناگ اور تھیو سانگ کو جھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ اصل ماریا نہیں ہے بلکہ آدھی چڑیل راوٹی ہے جو ماریا کے بھیس میں ان کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ ناگ اور تھیو سانگ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے جاتے ہی آدھی چڑیل راوٹی فضا میں اچھل کر پرواز کرتی سمندر کے کنارے دور دیران چٹانوں کے درمیان اس جگہ پہنچی جس کے نیچے گہرے غار کی تاریکیوں میں شیش ناگ رہتا تھا۔

یہاں پہنچتے ہی آدھی چڑیل نے ماریا کا حلیہ بدل لیا اور اپنی اصلی شکل میں واپس آ گئی۔ وہ ایک خفیہ مقام سے چٹانوں کے اندر داخل ہوئی اور تاریک مرطوب سرنگ میں سے گذرتی چٹانوں کے نیچے

ہماری کہانی اب اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ ایک طرف تو ماریا شمالی افریقہ میں قرطاجنہ کے شہر سے دور ایک بستی کے پاس چٹانی غار کے اندر پہنچا ہے دھوئیں کی شکل میں قید ہے اور آدھی چڑیل کا بیٹا زنگاری سانپ اس کی حفاظت کر رہا ہے۔ دوسری طرف کیٹی ایک زندہ لاش کی شکل میں قرطاجنہ شہر کے مندر میں موجود ہے اور وہاں کے لوگ اسے سمندر کی اردنادیوی سمجھ کر اس کی پوجا کر رہے ہیں جب کہ تیسری جانب ناگ اور تھیو سانگ ایک قافلے کے ساتھ ملک ہندوستان کے مغربی ساحل پر واقع کورومندل پہنچنے والے ہیں۔ آدھی چڑیل راوٹی بھی ماریا کی شکل میں ان کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ اب ہم تھوڑی دیر کے لیے ناگ اور تھیو سانگ کے قافلے کی طرف چلتے ہیں۔ ناگ اور تھیو سانگ نقلی ماریا کے ساتھ سفر کرنے کے لیے آخر ہندوستان کے مغربی ساحل کے شہر کورومندل پہنچ گئے۔ آدھی چڑیل راوٹی جو نقلی ماریا کے روپ میں ان کے ساتھ سفر کر رہی تھی اپنی اس کامیابی پر بہت خوش تھی کہ وہ ناگ کو جھانسنے دے کر کورومندل تک لے آئی تھی۔ یہاں وہ ایک سرلے میں اترے۔ ناگ نے فضا میں سونگھ کر کہا:

”عنبر اور کبٹی کی خوشبو اس شہر میں نہیں ہے۔“

نقلی ماریا بولی:

”ہو سکتا ہے وہ یہاں سے دور ہوں اور اس شہر کی طرف چلے آ رہے ہوں۔ میری اطلاع غلط نہیں ہو

”کیا تم نے اسے طلسم کے ذریعے قابو کر رکھا ہے؟“  
راونی چڑیل بولی :

”شیش ناگ ! تم خوب جانتے ہو کہ وہ ناگ دیوتا ہے۔  
میرا جادو اس پر اثر نہیں کرتا۔ میں اس کی ایک ساتھی  
ماریا بن کر اسے دھوکے سے یہاں تک لے آئی ہوں۔  
اب تم میری مدد کرو اور مجھے بتاؤ کہ میں اسے تمہارے  
حضور کیسے لاؤں؟“

شیش ناگ کے چاروں منہ سرخ سرخ زبانیں باہر نکالنے لگے کچھ  
دیر وہ اپنی زبانیں لہراتے رہے پھر سب سے بڑے منہ نے اپنا چہرہ  
راونی چڑیل کی طرف کیا اور کہا :

”راونی میری بات غور سے سنو :

راونی چڑیل بولی :

”سن رہی ہوں ہمارا ج !“

شیش ناگ کہنے لگا :

”میں جس تخت پر بیٹھا ہوں اس کے ساتویں پائے کے  
نیچے پتھر کے ایک ٹکڑے کو ہٹاؤ گی تو تمہیں ایک چھوٹی سی  
سیاہ ڈبیا ملے گی۔ اس ڈبیا میں تیری آستنی کی چٹکی  
پڑی ہے۔ تم ناگ دیوتا کو سمندر کے کنارے میری  
چٹان کے پاس لاؤ۔ پھر کوشش کرو کہ ناگ ایسی جگہ

اس مقام پر آگئی جہاں چار اژدہا ایک غار کے منہ پر پہرہ دے رہے  
تھے۔ راونی چڑیل نے انہیں منتر پڑھ کر پھونکا اور سانپوں کی زبان  
میں بولی :

”دیوتا شیش ناگ کو خبر کر دو کہ اس کی چیلی راونی اس کے لیے  
ایک خوشی کی خبر لائی ہے۔“

ایک اژدہا فوراً غار کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور  
راونی چڑیل سے مخاطب ہوا :

”راونی ! تمہیں شیش ناگ نے بلایا ہے۔“

راونی چڑیل ہوا میں اڑتی ہوئی غار میں داخل ہو گئی۔ یہ غار گھوم گھوم  
کر زمین کے اندر ہی اندر ایک ادنیٰ چھت والے دالان میں آگیا جہاں  
بہت بڑا اژدہا یعنی شیش ناگ جس کے چار منہ تھے۔ زمرہ کے ایک  
نخت پر کندلی مارے بیٹھا تھا۔ سات اژدہا اس کی حفاظت کر رہے  
تھے۔ راونی چڑیل نے آتے ہی جھک کر شیش ناگ کو منسکار کیا۔ شیش ناگ  
نے اژدہوں کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ جب راونی چڑیل  
اور شیش ناگ دہاں اکیلے رہ گئے تو شیش ناگ نے پوچھا :

”راونی چڑیل ! تو ہمارے لیے کیا خوش خبری لائی ہے؟“

راونی بولی : ”عظیم شیش ناگ ! میں تیرے دشمن ناگ دیوتا  
کو اس شہر تک جھانسنے سے روک لے آئی ہوں :  
شیش ناگ خوشی سے جھوم اٹھا۔ بولا :



غائب ہو گئی۔ اب وہ ہوا میں اڑتی ہوئی سرے کی طرف چلی جا رہی تھی۔ سرے میں ابھی تک ناگ اور تھیوسانگ واپس نہیں آئے تھے۔ راوٹی چڑیل بے چینی سے ان کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر گزری ہوگی کہ اسے ناگ اور تھیوسانگ سرے کی طرف آتے دکھائی دیئے۔ راوٹی چڑیل نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔



کھڑا ہو جہاں سمندر کا پانی اس کے ٹخنوں تک پہنچے۔ پھر تم ڈبیا میں سے یہ چٹکی نکال کر اس کے سر کے اوپر ڈال دو۔ ناگ ایک دم سے سیاہ بچھو کی شکل اختیار کر جائے گا۔ تم بے فکر ہو کر اسے اٹھا کر اپنی مٹھی میں بند کر کے اٹھا لینا۔ وہ بے حس ہو گا۔ اور کوئی حرکت نہیں کر سکے گا۔ تم اسے لے کر سیدھی میرے پاس آ جانا۔ اس کے بعد تمہیں جو کرنا ہو گا۔ اس کے بعد بتاؤں گا اب جلدی سے میرے تخت کے پائے کے قریب سے طلسمی چٹکی والی ڈبیا نکالو۔

راوٹی چڑیل شیش ناگ کے تخت کے ساتویں پائے کے پاس گئی۔ جھک کر اس نے پتھر کے ایک ٹکڑے کو ہٹایا تو نیچے ایک سیاہ ڈبیا پڑی تھی۔ راوٹی چڑیل نے ڈبیا اٹھالی۔ شیش ناگ نے کہا:

”فوراً اپنا عمل شروع کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناگ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔“

راوٹی چڑیل شیش ناگ کی آئینہ دار لے کر فوراً چٹائی غار سے باہر نکل آئی اور کورومنڈل شہر کی اس سرے کی طرف روانہ ہو گئی جہاں ناگ اور تھیوسانگ کے ساتھ وہ خود بھی ماریا کی شکل میں عٹھری ہوئی تھی۔ سمندر کے کنارے پہنچے ہی راوٹی چڑیل نے دوباراً نقلی ماریا کی شکل اختیار کی اور

یہ اتنی بڑی خوش خبری تھی کہ ناگ اور تھیوسا نگ نقلی ماریا سے  
یہ پوچھنا بھول گئے کہ اس کے جسم کی خوشبو تیز اور انوکھی کیوں ہو گئی ہے۔  
ناگ نے پوچھا :

"کہاں ہیں عنبر اور کیٹی؟ تم نے انہیں کہاں دیکھا ہے ماریا؟"  
نقلی ماریا بولی :

"یہاں سے دُور ساحل کے پاس سمندر میں تین چٹانیں  
اُبھری کھڑی ہیں۔ مجھے عنبر اور کیٹی کی وہاں بڑی تیز خوشبو  
آتی تھی۔ میں نے انہیں بہت آوازیں دیں۔ انہیں چٹانوں  
کے گرد گھوم کر تلاش بھی کیا مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئے۔  
میں بھاگ کر مہارے پاس آ گئی۔ چلو اٹھ چل کر عنبر کیٹی  
کو تلاش کرتے ہیں۔"

ناگ اور تھیوسا نگ فوراً چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ نقلی ماریا انہیں  
ساتھ لے کر شیش ناگ کے استھان کی تین چٹانوں والے سمندر کے کنارے  
پہلے آئی۔ نقلی ماریا کو صدف تھیوسا نگ کی فکر تھی کہ کہیں وہ  
اس کے منصوبے کے راستے میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ طبعی جنگلی دالی  
ڈوبا نقلی ماریا کے ہاتھ میں تھی۔ وہ سمندر کے کنارے پر آ کر بولی :  
"ناگ! ادھر آنا۔ مجھے اس جگہ پانی میں سے عنبر کی خوشبو  
آ رہی ہے۔"

ناگ بولا: "یہاں عنبر کیٹی کی خوشبو تو کہیں بھی نہیں ہے ماریا۔"

## حویلی کی آسیبی کو ٹھہری

ناگ اور تھیوسا نگ کو دُور ہی سے نقلی ماریا کی تیز خوشبو آ گئی۔  
ناگ نے تھیوسا نگ سے کہا :

"تھیوسا نگ! یہ بات مجھے بڑی عجیب سی لگتی ہے کہ ماریا  
کی خوشبو میں فرق آ گیا ہے۔ خدا جانے کیا بات ہے۔"

تھیوسا نگ کے دہم دگمان میں یہ بات نہیں تھی کہ ان کے ساتھ  
جو ماریا سفر کر رہی ہے وہ اصلی ماریا نہیں ہے۔ اُس نے کہا :

"میرا خیال ہے شاید یہ گرم آب دھوا کا اثر ہے۔ بہر حال  
ماریا سے ایک بار پھر پوچھ لیتے ہیں کہ کہیں وہ بیمار تو نہیں  
ہو گئی۔"

نقلی ماریا یعنی راو نی چوہیل غیبی حالت میں سر اٹے کے کمرے میں  
بے چینی سے ناگ کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں کمرے میں داخل  
ہوئے تو ماریا نے خوشی کے ساتھ کہا :

"ناگ بھائی! مبارک ہو۔ میں نے عنبر اور کیٹی کا سراغ  
لگا لیا ہے۔"

تھیوساگ نے بھی ناگ کے خیال کی تائید کی۔ نقلی ماریا نے دور سے آرزوی،

ناگ جیسا! یہاں آ جاؤ۔ یہاں خوشبو آتی محسوس ہو رہی ہے۔

ناگ اور تھیوساگ دونوں ہی اس طرف بڑھے جدھر سے انہیں نقلی ماریا کی آواز آئی تھی۔ نقلی ماریا پہلے ہی سے بالکل چوکس ہو کر کھڑی تھی۔ اس نے طلسمی چکل والی ڈبیا کھول کر اپنی منہلی میں بھائی ہوئی تھی۔ اس کی سرخ آنکھیں صرف ناگ پر جمی تھیں۔ ناگ آگے آگے تھا۔ تھیوساگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

نقلی ماریا نے کہا:

یہاں آؤ ناگ! یہاں پانی میں۔ یہاں مجھے عنبر کی خوشبو آ رہی ہے۔

ناگ یہ کہتا ہوا نقلی ماریا کی آواز کی طرف بڑھا کہ مجھے تو ابھی تک دونوں میں سے کسی کی خوشبو نہیں آئی۔ تھیوساگ کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے ناگ کے کانڈے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا:

ناگ! مجھے کچھ دال میں کالا کا لوگتا ہے۔

چنگ بنیں کر بولا:

یہ تم کیا کہہ رہے ہو تھیو۔ میرے ساتھ آؤ:

نقلی ماریا نے تھیوساگ کی آواز سن لی تھی۔ وہ پریشان سی ہو گئی۔ محسوس نے ناگ کو اپنے قبضے میں کرنے کا حکم کر رکھا تھا۔ اس نے ایک

بار پھر بلند آواز میں کہا:

یہاں — یہاں پانی میں آؤ ناگ — یہاں سے عنبر کی خوشبو آتی ہے۔

ناگ بے دھرمک سمندر کے پانی میں اتر آیا۔ تھیوساگ اب اس کے بالکل ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ دونوں پانی میں آگے آگے تھے نقلی ماریا نے غور سے دیکھا۔ ناگ کے ٹخنے سمندر کے پانی میں ڈوب گئے تھے۔

ناگ نے کہا:

تم کیا کہہ رہی ہو ماریا۔ یہاں تو کسی کی خوشبو نہیں آ رہی۔ کیوں تھیوساگ! تمہیں آ رہی ہے؟

تھیوساگ نے کہ گہری سازس کی بو سونگے لی تھی اس نے ناگ کا بازو پکڑ کر پیچھے کو کھینچا:

ناگ! واپس چلو۔

ناگ پیچھے مڑتا ہی تھا کہ رادنی چٹیل یعنی نقلی ماریا نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر طلسمی چکل کا سفوف ناگ کے سر پر چھڑک دیا۔ طلسمی چکل کے سفوف کا چھڑکنا تھا کہ پہلے تو ناگ اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا۔ پھر ایک چھوٹے سے سیاہ بچھوک شکل اختیار کر کے سمندر کے پانی پر لہرول کے ساتھ اوپر نیچے ہونے لگا۔ تھیوساگ کو پہلے ہی شک

تھا کہ ناگ کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔ جو منی اگم ایوان نے



کو غائب ہوتے دیکھا وہ چلا یا :

اب ہوں میں رہنا۔ یہ ماریا نہیں تھی :

نقلی ماریا نے راوڑنی چڑیل کی آوازیں حلق سے ایک مکروہ آواز نکالی اور کبلی کی تیزی کے ساتھ پانی پر اور ادر پر نیچے ہوتے بے حس سیاہ بچھو کو ایک لیا۔ تھو سا ہلک کو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ ناگ بچھو کی شکل اختیار کر چکا ہے اور اب تو سیاہ بچھو بھی غائب ہو گیا تھا۔ اسے کسی عورت کی چڑیل ایسی آواز سنائی دی تو وہ بلند آواز میں چلایا :  
"ناگ ! تم کہاں ہو؟ ناگ ! ہوش میں آؤ۔ ناگ ہوش میں

آؤ۔ تم پر طمس کیا گیا ہے :

راوڑنی چڑیل کو تھو سا ہلک کی کیا پرواہ تھی۔ وہ غیبی حالت ہی میں ناگ کو سیاہ بچھو کی شکل میں اپنے منہ میں بند کیے دہن سے اڑی اور چٹاؤ کے خفیہ راستے سے گذرتی زمین کے اندر گرے خار میں آگئی۔  
شیش ناگ نے راوڑنی چڑیل کو اپنی اصل سیاہ خام چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ آتے دیکھا تو بولا :

راوڑنی ! کیا تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی ہو؟

راوڑنی چڑیل نے بند مٹھی شیش ناگ کے آگے کر کے کھول دی۔  
شیش ناگ نے ناگ دیوتا کو ایک بے حس بچھو کی شکل میں راوڑنی چڑیل کی ہتھیلی پر سمٹ کر بیٹھ دیکھا تو اس کے چاروں سرخ روشنی سے جھوٹے ہو گئے۔

راوڑنی ! تم نے کمال کر دکھایا ہے :

ناگ یہ سب کچھ دیکھ بھی رہا تھا اور سن بھی رہا تھا مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ طلسمی چکی نے اس کی طاقت کو ختم کر دیا تھا۔ وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔ آکسیجن ہلکی مقدار میں اپنے آپ اس کے جسم میں داخل ہو رہی تھی۔

راوڑنی چڑیل بولی :

عظیم شیش ناگ ! اب مجھے بتاؤ کہ آگے کیا کرنا ہو گا؟

شیش ناگ نے سیاہ بچھو یعنی ناگ کو اپنے ایک منہ میں لے کر اٹھالیا اور اپنی دم کو لہراتے ہوئے بولا :

اب میں ناگ دیوتا ہوں گا۔ میں ساری دنیا کے سانپوں کا، ساری دنیا کے خزانوں کا مالک ہوں گا۔

پھر اس نے ناگ بچھو کو تخت پر رکھ دیا اور راوڑنی چڑیل کی طرف اپنا پھن اٹھا کر بولا :

راوڑنی ! ناگ بچھو کو طلسمی چکی والی ڈبیا میں بند کر کے جنوب کی طرف سمندر کے نیچے میں لے جاؤ۔ وہاں تمہیں سمندر میں ایک جگہ اُبھری ہوئی چٹان نظر آئے گی۔ ناگ بچھو کی ڈبیا کو بند حالت میں وہاں چٹان پر رکھ دو اور تین روز تک وہاں بیٹھ کر ڈبیا کی حفاظت

کر دو۔ ڈبیا پر سورج کی دھوپ اور سمندری پانی کی ٹھوکر  
پڑتی رہے گی۔ چوتھے روز اس ڈبیا کو لے کر میرے  
پاس آ جاؤ۔ اس کے بعد تمہارا کام ختم ہو جائے گا اور تمہیں  
چڑیل کے جہنم سے نکلی مل جائے گی۔

راونی چڑیل نے سر جھکا دیا اور طلسمی چٹکی والی خالی ڈبیا میں ناگ بچھو  
کو اٹھا کر بند کیا اور وہاں سے نکل کھلے سمندر میں نکل آئی۔ باہر سمندر  
کی جانب کافی دور نکل گئی۔ اسے دور ایک جگہ سمندر میں سے چھوٹی  
سی چٹان اٹھری ہوئی نظر آئی۔ راونی چڑیل اس چٹان پر آگئی اس  
نے دیکھا کہ چٹان پر دھوپ چمک رہی تھی اور سمندر کی لہریں چٹان سے  
ٹکراتیں تو پانی کی بھول چٹان پر پڑتی تھی۔ راونی چڑیل نے ناگ بچھو  
والی ڈبیا چٹان کے درمیان رکھ دی اور خود ایک طرف ہو کر بیٹھ کر  
وہاں شیش ناگ کے حکم کے مطابق پہرہ دینے لگی۔

ادھر تھیو سانگ کو جب ناگ کا کوئی سراغ نہ ملا تو سمجھ گیا کہ یہ  
کوئی نقلی ماریا تھی جو ان کی دشمن تھی اور ناگ کو قبضے میں کرنے  
کے لیے اس کے پیچھے لگی تھی۔ اور وہ اسے غائب کر کے کسی دوسری  
شکل میں اپنے ساتھ لے گئی۔ کیونکہ اب اسے ناگ کی خوشبو  
بھی نہیں آ رہی تھی۔ تھیو سانگ کا دل ناگ کے خیال سے بوجھل ہو  
رہا تھا۔ اسے اس بات کی بھی ندامت تھی کہ وہ ناگ کی کوئی مدد  
نہیں کر سکا تھا۔ وہ دیر تک چٹانوں کے سامنے سمندر کے کنارے اس

جگہ کا جائزہ لیتا رہا جہاں ناگ اور نقلی ماریا غائب ہو گئے تھے۔  
اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ناگ کو جو عورت اپنے ساتھ لے  
کر کے لے گئی ہے وہ کون تھی اور نقلی ماریا کی شکل میں اس کے ساتھ  
کیوں شامل ہوئی تھی۔ تھیو سانگ کو خیال آیا کہ جب وہ اس بستی سے  
چلے گئے تھے جہاں ایک بلا حملہ کیا کرتی تھی اور بستی ویران ہو گئی تھی تو اس نے  
پہلی بار ماریا کی خوشبو میں فرق محسوس کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ  
اسی بستی سے یہ جادوگرنی عورت نقلی ماریا کی شکل میں ان کے ساتھ  
آن ملی تھی۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ اس جادوگرنی عورت نے  
یقیناً اصلی ماریا کو اسی بستی میں کسی جگہ قید میں ڈال رکھا ہو گا۔

تھیو سانگ نے اسی وقت واپس ویران بستی کی طرف جانے کا  
فیصلہ کر لیا۔ یہ بستی شمالی افریقہ کے ملک قرطاجنہ سے تھوڑی دور  
ایک صحرائی نخلستان میں واقع تھی اور اسی جگہ حویلی میں ملک  
سوریہ کی رہنے والی آتش پرست نوجوان عورت کمپا بھی اپنے خاوند  
کے ساتھ رہتی تھی۔ دونوں میاں بیوی ناگ اور تھیو سانگ کے دوست  
بن گئے تھے۔ تھیو سانگ کو اب اس زندگی سانپ کا بھی خیال آنے لگا  
جس نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ عنبر اور کیٹی انہیں ملک ہندوستان  
کے ساحل کو روانہ کر دیں گے۔ اس کا مطلب یہی نکلتا تھا کہ وہ  
سانپ بھی اسی جادوگرنی کا کوئی بھوت تھا جس نے ناگ اور تھیو سانگ  
کے ساتھ غلط بیانی کی تھی اور انہیں دھوکہ دیا تھا۔

تھیوسانگ نے ایک پل بھی آرام نہ کیا اور دو دن کے بعد ایک بادبانی جہاز میں سوار ہو کر قرطاجنہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ جہاز بڑا تیز رفتار جہاز تھا۔ وہ چند ہی روز میں اپنی منزل پر جا پہنچا۔ تھیوسانگ قرطاجنہ سے ہر اے نکلستان والی بستی میں آ گیا۔ یہ وہی بستی تھی جہاں پہلے ایک بلا حملہ کیا کرتی تھی جس کے خوف سے بستی کے لوگوں نے قبروں کے نیچے پناہ لے رکھی تھی۔

تھیوسانگ سیدھا بستی کی سب سے خوبصورت دو منزلہ عویلی میں آ گیا۔ عویلی میں فوجان آتش پرست عورت کیا اور اس کے خاوند نے تھیوسانگ کا بڑی خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور ناگ کے بارے میں پوچھا کہ وہ اس کے ساتھ کیوں نہیں آیا؟

تھیوسانگ بولا :

”وہ کسی تجارتی کام سے قرطاجنہ ہی میں ڈک گیا ہے۔ کچھ روز میں آجائے گا۔ میں نے سوچا کہ میں آپ لوگوں کے پاس پہلے آجاتا ہوں۔“

کیا کا خاوند خوش ہو کر کہنے لگا :

”آپ نے بڑا اچھا کیا بجائی تھیوسانگ۔ تم آرام کرو۔ میں تمہارے لیے کچھ کھانے پینے کو منگواتا ہوں۔“

کیا کا خاوند نوکروں کو بازار بھوانے کے لیے دوسری منزل سے رتر پہلی منزل میں آ گیا۔

کیا نے تھیوسانگ کے لیے پیٹنگ پر پھونکا لگا دیا اور بولی :

”بھائی! تم تھکے ہوئے ہو۔ کچھ دیر آرام کر لو۔“

تھیوسانگ کا ذہن بڑی تیزی سے زنگاری سانپ اور اپنی اصلی ماریا کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں ہو سکتی ہے اور جادوگر نے اسے کس جگہ قید میں ڈال رکھا ہوگا۔ اس نے چونک کر کہا :

”شکر یہ کیا بہن۔ میں آرام رات ہی کو ایک بار کروں گا۔“

تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں پھر اس خوف ناک بلا نے بستی پر حملہ تو نہیں کیا؟“

کیا نے کہا :

”وہ بلا پھر بستی کی طرف نہیں آئی تھیوسانگ بھائی۔“

سارے بستی والے لوگ ابھی تک تمہارے گن گاتے

ہیں کہ تم لوگوں نے خونی آدم خور بلا کو یہاں سے بھگا دیا۔“

تھیوسانگ بولا : کیا بہن! کیا اس بستی میں کبھی کوئی

جادوگر رہا کرتی تھی؟ یا تم نے کبھی کسی جادوگر کے بارے

میں کچھ سنا ہے؟“

کیا مسکرا کر بولی :

”تھیوسانگ بھائی! یہ تم آتے ہی جادوگر کے بارے میں

کیوں پوچھنے لگے؟ خیریت تو ہے؟“

تھیوسانگ نے سوچا کہ یہ عورت کیا اس کی ہمدرد ہے۔ چنانچہ



اس کو اپنا تھوڑا سا راز بتا کر اپنے اعمتا میں لے لینا چاہیے۔ تھیوسانگ نے سانس بھر کر کہا:

”بات یہ ہے کیا بہن کہ ہمارے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا ہے؛ کیا نے پریشانی کے عالم میں پوچھا: ”اگنی دیو تمہاری حفاظت کرے۔ کیا ہوا بھائی؟“ تھیوسانگ نے کہا:

”بات یہ ہے کیا بہن کہ ناگ اور ہماری ایک بہن ماریا میرے ساتھ اس بستی کی طرف آرہے تھے کہ راستے میں کہیں گم ہو گئے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کہاں چلے گئے ہیں وہ میرے ساتھ ہی آرہے تھے۔ ایک جگہ وہ پانی کی تلاش میں تھوڑی دُور گئے پھر میری نظروں سے اچانک غائب ہو گئے میں نے انہیں بہتیرا تلاش کیا مگر کہیں نہ مل سکے۔ اب میں پریشان ہوں کہ کہیں انہیں کسی جادوگر یا جادوگرنی نے جادو کے ذریعے غائب تو نہیں کر دیا۔ کیوں کہ میں نے سن رکھا ہے کہ صحراؤں میں جادوگر نیوں کی رُوحیں بھٹکتی رہتی ہیں۔“

بھائی ہمدرد جذبات رکھنے والی کہا کہ تو ماریا اور ناگ بہت غم لگا۔ کہنے لگی:

”تھیوسانگ بھائی! میں اپنے خاوند سے ذکر کر کے معلوم

کرتی ہوں۔ میں ابھی نوکر بھی صحرا میں دوڑاتی ہوں کہ ناگ بھیا اور ماریا بہن کا صحرا میں کھوج لگائیں۔“ تھیوسانگ بولا: ”یہ بھی ضرور کریں گے لیکن پہلے تم یہ بتاؤ کہ کبھی تم نے کسی جادوگرنی کے بارے میں کچھ سنا ہے؟“

کیا کچھ سونچ کر بولی:

”بچپن میں نانی اماں کی زبانی جادوگروں اور چڑیلوں کے بارے میں بہت سی کہانیاں سنا کرتے تھے۔ مگر وہ تو کہانیاں ہی تھیں۔ میں نے تو آج تک کسی جادوگرنی یا جادوگر کو نہیں دیکھا۔ ہاں اس بستی میں آکر پہلی بار معلوم ہوا کہ یہاں ایک بلا حملہ کر کے ایک انسان کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔ یہ تم بھی جانتے ہو کہ ہم نے اس بلا کو بھی نہیں دیکھا۔“

تھیوسانگ مایوس سا ہو گیا۔

کیا کچھ لمحے بعد بولی:

”ہاں میرا خاوند و میاں ناگ کہا کرتا ہے کہ جب وہ چھوٹا سا تھا کہ اس حویلی میں کبھی کبھی آدھی رات کو پرانی کوٹھڑی میں کسی عورت کے پاؤں کی جھانجھر کی آواز آیا کرتی تھی جیسے وہ تیز تیز سیر طہیاں اتر رہی ہو۔ یہ تم و میاں ناگ

ہی سے پوچھنا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں تک آگیا۔ تھو سوانگ نے اسے بھی ناگ اور ماریا کے بارے میں صورت حال بیان کر دی۔ ہاں اسے بھی کہا کی طرح یہ نہ بتایا کہ اصل میں ناگ عنبر ماریا اور کیٹی وغیرہ کون ہیں پھر جب حویلی کی پُراسرار رُوح کے بارے میں پوچھا تو وہ کچھ یاد کرتے ہوئے بولا:

میں ان دنوں چھوٹا ہوا کرتا تھا۔ ہم اسی حویلی میں رہتے تھے۔ میرے ماں باپ مجھے حویلی کی پھلی کو ٹھڑی میں نہیں جاتے دیتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ پھلی کو ٹھڑی میں کسی شہزادی کی روح رہتی ہے۔ ایک بار تو میں نے بھی اس روح کے پاؤں کی جھانجھروں کی آواز سنی تھی۔ مجھے آج بھی یاد ہے۔ میری والدہ کہا کرتی تھیں کہ چاند کی تیرہویں رات کو آدھی شب کے بعد کو ٹھڑی میں سے شہزادی کی رُوح آتی ہے۔ میں ایک رات جاگتا رہا وہ ماں باپ سے چھپ کر اس کو ٹھڑی میں پہنچ گیا۔ میری عمر آٹھ نو سال کی ہوئی۔ میں اندھیرے میں کو ٹھڑی کے دروازے سے لگ کر بیٹھ گیا۔ کو ٹھڑی میں میری اماں ہر رات کو دیا جلایا کرتی تھیں۔ اس رات بھی یہ دیا جل رہا تھا مگر اس کی روشنی بہت مدھم تھی۔

تھو سوانگ بڑی دلچسپی سے وہاں تک کی پُراسرار داستان سُن رہا تھا۔ اس نے کہا:

”پھر کیا ہوا؟“

وہاں تک بولا: ”پھر نصف شب کے بعد مجھے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی عورت جھانجھریں پھنکاتی تیز تیز سیڑھیاں اُتر رہی ہو۔ میں ڈر کر بھاگ آیا۔ مجھے اپنے پیچھے کسی عورت کے قہقہے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ میں دو روز تک بھاری میں رہا۔ پھر میری اماں نے کو ٹھڑی کو تالا لگا دیا۔ مگر وہ ہر رات وہاں دیا جلانے ضرور جاتی تھیں۔“

تھو سوانگ اگرچہ ایک خلائی مخلوق تھی مگر اسے زمین پر عنبر ناگ اور ماریا کے ساتھ رہتے ہوئے کافی مدت گزر گئی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اس دنیا میں بعض ایسی رُوحیں راتوں کو بھٹکتی رہتی ہیں جو کسی وجہ سے مرنے کے بعد آسمان کی بندیوں تک نہیں جاسکتیں اور جنہیں اپنے اعمال کے حساب سے ایک خاص مدت تک زمین پر بھٹکنا پڑتا ہے۔ اس نے سوچا کہ شاید یہ رُوح اس کی کوئی مدد کر سکے۔ چنانچہ اس نے وہاں تک اور کیا سے کہا کہ وہ حویلی کی یہ پُراسرار کو ٹھڑی دیکھنا چاہتا ہے۔

کیا نے کانوں پر ہاتھ لگائے اور کہا:

”نا بھائی! میں تو آج تک اس کو ٹھڑی میں نہیں گئی۔ تم

کو دی اور کہا :

”میں تمہیں کوٹھڑی میں جانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اگرچہ میں اب ان باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ لیکن چونکہ میں نے اسی جہانگیروں کی جھنکار خود اپنے کانوں سے سنی ہے اس لیے ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی ناخوشگوار حادثہ نہ ہو جائے۔“

تھیوسانگ نے چابی لے لی اور کہا :

”وہاں گھنٹا بجائی ! فکر مت کرو۔ میرے ساتھ کوئی حادثہ نہیں ہوتا۔ مگر جیسا کہ میں تمہیں بھی بتا چکا ہوں مجھے اپنے بھائی ناگ اور بہن ماریا کے بارے میں پریشانی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوٹھڑی کی روح ان کے بارے میں میری کچھ رہنمائی کر سکے۔“

وہاں گھنٹا کہنے لگا :

”تو پھر چاند کی تیرہویں رات کو اندر جانا۔ آج گیارہویں رات ہے۔ ایک رات اور انتظار کرو۔ پندرہویں رات تم کو کوٹھڑی میں شروع شام ہی دیا روشن کر آنا۔“

تھیوسانگ کو یہ مشورہ پسند آیا اور وہ وہاں گھنٹا کے ساتھ چوٹی کی دوسری منزل میں اس کی بیوی کیا کے پاس آگیا جو تھیوسانگ کے لیے مشرب بنا رہی تھی۔ تھیوسانگ اب چاند کی تیرہویں رات

وہاں گھنٹا کے ساتھ چلے جاؤ۔ یہ بھی تمہاری طرح ممکن ہے کہ وہاں سے اب خوف نہیں کھاتا۔“

وہاں گھنٹا نے مسکراتے ہوئے کہا :

”آؤ میرے ساتھ۔ مگر کوٹھڑی میں ایک عرصے سے تالا لگا ہے۔ اور اب تو وہاں کوئی دیا بھی نہیں روشن کرتا۔ شاید اسی لیے کئی برسوں سے اندر سے کسی عورت کے جہانگیروں کی جھنکار سنانی نہیں دی۔“

تھیوسانگ بولا : ”میں خود اس کو کوٹھڑی میں چراغ روشن کروں گا۔“

وہاں گھنٹا نے تھیوسانگ کو ساتھ لیا اور چوٹی کی پہلی منزل کی پچھلی کوٹھڑی کے سامنے لے آیا۔ کوٹھڑی کا پُرانا اور بوسیدہ لکڑی کا دروازہ بند تھا۔ ایک تالا بھی باہر لگا ہوا تھا۔ تالے پر لکڑی نے جالیں رکھا تھا۔

وہاں گھنٹا نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

”یہ وہ پُرانا سرا اسی کوٹھڑی ہے تھیوسانگ۔ اس پر والدہ صاحبہ کے مرنے کے بعد سے تالا لگا ہے۔“

اس کی چابی کہاں ہے وہاں گھنٹا؟ تھیوسانگ نے پوچھا۔

وہاں گھنٹا نے دروازے کے پاس ہی بنے ہوئے ایک طاق میں ہاتھ ڈال کر گرد میں اتنی ہونی ایک زنگ آلود چابی نکال کر تھیوسانگ



کا بے تابی سے انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف راوٹی چڑیل نے سمندر کے پیچ میں واقعی چٹان پر بچھو ناگ کی ڈبیا کو دھوپ میں رکھنے کا چلہ پورا کر لیا تھا۔ اس ڈبیا میں ناگ بچھو کی شکل میں بے حس پڑا تھا۔ راوٹی چڑیل ناگ بچھو کی ڈبیا کو لے کر شیش ناگ کے پاس آگئی۔ شیش ناگ، ناگ بچھو کی ڈبیا کو لے کر چٹان کی چوٹی پر آگیا۔ اس کے سارے محافظ اژدھے اور راوٹی چڑیل اس کے ساتھ تھی۔ اس وقت اندھیری رات کا سمے تھا۔ شیش ناگ نے ناگ بچھو کی سیاہ ڈبیا کو اپنے منہ میں تھام کر آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور ایک زبردست پھٹکار ماری پھر اپنی زبان میں کہا :

اگاش کے سن دیوتا! میں نے ناگ دیوتا کو شکست دے کر اسے اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ اب میں ناگ دیوتا ہوں۔ زمین اور سمندر کے اوپر اور نیچے رہنے والے سارے سانپ میرے مطیع ہیں۔ ان پر اب میری حکومت ہوگی۔

یہ کہہ کر شیش ناگ نے سیاہ ڈبیا کو ایک اژدھے کے منہ میں ڈال دیا۔ اژدھا فوراً ڈبیا کو نکل گیا۔ شیش ناگ نے اس کی گردن کو اپنی دم میں پسیٹ کر اتنے زور سے کسا کہ اژدھے کا فوراً دم نکل گیا۔ جب اژدھا مر گیا تو شیش ناگ نے ادبھی آواز میں کہا :

سمندر میں سے سبز سانپ باہر آئے۔ میں ناگ دیوتا بول رہا ہوں۔

ایک دم سے سمندر میں سے ایک سبز سانپ نمودار ہوا تھا۔ اچھل کر چٹان کے اوپر آگیا اور شیش ناگ کے آگے گردن جھکا کر کہا :  
"ناگ دیوتا کو مبارک ہو۔ میں خدمت میں حاضر ہوں۔"

شیش ناگ نے سبز سانپ کو اپنے ایک منہ سے اُد پر اٹھایا۔ پھر اس کی گردن دانتوں سے کاٹ کر اٹھ پھینک دی اور اسے مردہ اژدھے کی گردن کے گرد دھنسنے کی طرح کس دیا اور اژدھا کو سمندر میں پھینک دیا۔ پھر ایک قہقہہ لگا کر راوٹی چڑیل سے کہا :

"راوٹی! جا تیری بھی مکتی ہو گئی اور میں بھی ناگ دیوتا بن گیا۔ اب یہ پرانا ناگ دیوتا اس ڈبیا میں بند مردہ اژدھا کے پیٹ میں قید سمندر کی تہ میں ہزاروں سال تک پڑا رہے گا اور میں دنیا بھر کے سانپوں پر ناگ دیوتا بن کر حکومت کروں گا۔"

پھر اس نے راوٹی چڑیل کی طرف اپنی لال لال آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا :

"مگر تو ہر مہینے کی آخری تاریخ کو اس سمندر میں ٹھیک سی جگہ آکر اژدھے کو دیکھ جایا کرے گی کہ کہیں اسے کوئی نکال کر تو نہیں لے گیا۔ یہ تیرا فرض ہوگا۔ اگر تو نے اس

میں کوتاہی کی تو تیرے اگلے جنم کو میں پھر سے سُورنی  
میں تبدیل کر دوں گا۔

راونی چڑیل نے ہاتھ باندھ کر کہا:

عظیم ناگ دیوتا! میں ہر ماہ کے شروع میں یہاں آکر ناگ  
بچھو والے اژدہا کو دیکھ جایا کروں گی۔ میں اس میں کبھی کوتاہی  
نہیں کروں گی۔

ناگ دیوتا شیش ناگ نے پھنکارتے ہوئے کہا:

اب تو واپس چلی جا۔ تو اس زمین پر چڑیل کی حیثیت  
سے اپنی باقی عمر بسر کرنے کے بعد اگلے جنم میں چڑیل نہیں  
رہے گی۔ تیرا اگلا جنم نہیں ہوگا۔ تیری آتما کو، تیری رُوح  
کو ملتی مل جائے گی اور تو مرنے کے بعد گلن منڈل میں چلی  
جائے گی۔ مگر ایک اور بات یاد رکھ جس عورت ماریا کو تو  
نے ہنڈیا میں بند کر کے بستی کے باہر غار کے اندر رکھا ہے  
اسے ہرگز ہنڈیا سے باہر نہ نکلنے دینا۔ وہ میرے خلاف  
کوئی بھی سازش کر سکتی ہے۔ کیوں کہ وہ ناگ بچھو کی بہن  
ہے اور کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ اس لیے بستی میں جاتے ہی  
ماریا کی ہنڈیا کو قبرستان کسی پرانی قبر میں دفن کر دے تاکہ لوگ  
اس جگہ کو پرانی قبر سمجھ کر خشک نہ کریں اور ماریا سے بھی ہم کو ہمیشہ  
429 ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے۔

راونی چڑیل نے ماتھا ٹٹک کر کہا:

ایسا ہی کروں گی عظیم ناگ دیوتا۔

شیش ناگ نے اپنے چلاؤں موہنے کے پھن کھڑے کر لیے اور کہا:

اب تو یہاں سے دفع ہو جا۔ اور خبردار۔ ہر ماہ کے شروع میں

اس چٹان کے سمندر میں ناگ بچھو کی ڈبی والے اژدہا کی نگرانی

کرنا مست بھولنا۔

کبھی نہیں بھول سکتی ہمارا ج!

یہ کہہ کر راونی چڑیل نے حلق سے ایک سیٹی کی سی تیز آواز نکالی اور  
غائب ہو گئی۔

غائب ہونے کے بعد جب وہ دوبارہ ظاہر ہوئی تو آسیبی بستی کے  
باہر والی بھڑی چٹان کے سامنے کھڑی تھی۔ غار کے اندر اس کے بیٹے  
زنگاری سانپ کو راونی چڑیل کی بدبو آگئی۔ وہ باہر جانے کے لیے تڑپنے  
لگا مگر ماریا جس ہنڈیا میں بند تھی اسے چھوڑ کر بھی وہ نہیں جاسکتا تھا۔ لیکن  
راونی چڑیل خود ہی وہاں آگئی۔ اس نے آتے ہی زنگاری سانپ کا اٹھا کر  
اپنے سینے سے لگایا۔

شاہاش! ماریا ہنڈیا ہی میں بند ہے نا؟

ہاں راونی ماما۔ زنگاری سانپ نے کہا:

راونی چڑیل نے سانپ کو اپنی گردن پر لگا کر کہا:

تو پھر فوراً مجھے کاٹ۔

موت بھی ڈلتی پھرتی ہوگی۔ بستی بھی نیند میں سو رہی تھی۔ اسی بستی کی حویلی میں تھیوہنگ بھی دوسری منزل میں قابضین پر لیٹا ہوا تھا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ ماریا ہنس رہی ہے۔ بن حویلی کے ساتھ اس کی حویلی کے ادب سے گزر رہی ہے۔ ہنڈیا کے اندر سے ماریا کی خوشبو بھی باہر نہیں آ سکتی تھی۔ اس سے اگلے روز چاند کی تیرھویں رات تھی اور تھیوہنگ نے حویلی کی آبیسی کو ٹھہری میں اسی رات دیار وشن کر کے شہزادی کی پراسرار بھگتی روح سے ملاقات کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

راونی چڑیل سیدھی قبرستان میں اتر آئی۔ اس نے قبرستان کے کونے میں ایک ہلکی قبر دیکھی جس کے سر ہلنے لگا ہوا پتھر بھی ایک طرف گرا پڑا تھا۔ قبر بہت ہی پرانی تھی۔ راونی چڑیل نے قبر کو کھول دیا۔ اندر کسی مردے کی صرف دو چار ہڈیاں ہی پڑی تھیں۔ راونی چڑیل نے ماریا کی ہنڈیا کو قبر میں مڑے کی ہڈیاں کے ساتھ رکھا اور اہم ہڈی ٹال کر قبر کو بند کر کے قبر کے اوپر پتھر ڈال دیے اور الیس غار کی طرف پروا کر گئی۔



جاری سانپ نے راونی چڑیل کو گردن پر ڈس دیا۔ راونی چڑیل نے اُن میں بند کر لیں پھر سانپ سے کہا:

خونی سانپ! ایک بار مجھے کاٹ!

زنگاری سانپ نے ایک بار پھر راونی چڑیل کو ڈس دیا۔ راونی چڑیل کا جسم گرم ہو گیا اس کی سرخ آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ تھوڑی دیر وہ بالکل سیدھی ہو کر بیٹھی رہی۔ پھر اپنے دشمن اور اپنے سوتیلے بیٹے زنگاری سانپ کو جی بھر کر اپنے زہر ملا دودھ پلایا اور کہا:

من قاتل سانپ! تو اسی جگہ بیٹھ۔ میں اس ہنڈیا کو لے کر قبرستان میں دفن کرنے بھی ہوں۔

جنتی کے اندر حویلی کی شکل میں بدلی ہوئی ماریا یہ سب کچھ سو رہی تھی۔ مرنے کی حالت میں یہ کہہ سکتی تھی: ہنڈیا سے باہر ہی آ سکتی تھی راونی چڑیل نے جنت کو بھیایا اور سانپ سے کہا:

سانپ! میرا کو جسم نہیں ہوگا۔ میں یہ جسم اسی شکل میں بسر کر دے گا۔ مرنے والوں کو بڑے گھمبیرانہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میری شکل جس کی تیرازہ ہی کافی ہوگا۔ اب میں قبرستان کی طرف جا رہی ہوں۔ میں اسی جگہ واپس آؤں گی۔ تو کہیں مت بھاگ!

راونی چڑیل نے یہ سب کچھ سمجھ کر غائب ہو گئی۔



## زندہ ناگ مُردہ اژدہا

راونی جڑیل چٹان کے نیچے والی غار میں اپنے سانپ کو گردن میں پیٹ کر سو گئی۔

اس چٹانی غار کے قریب والی بستی کی دو منزلہ حویلی میں تھیوسانگ چاند تیرہویں تاریخ کا انتظار کر رہا تھا۔ دوسرے روز چاند کی تیرہویں رات تھی لکپیا اور اس کے خاوند و مپانگ نے اگرچہ تھیوسانگ کو منع کیا تھا کہ وہ حویلی کی آسیب زدہ کوٹھڑی میں بھٹکتی رُوح سے ملنے کی خطرناک کوشش نہ کرے مگر تھیوسانگ ان باتوں سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ وہ بھٹکتی رُوح سے حیرت ماریا ناگ اور کیٹی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ رُوحوں کو چھپی ہوئی باتوں کا علم ہوتا ہے۔

چاند کی تیرہویں رات کو تھیوسانگ نے کیا اور و مپانگ سے اجازت لی اور حویلی کی آسیب زدہ کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ اندر گھیب اندھیرا تھا۔ تھیوسانگ نے طاق میں رکھا ہوا پرانا دیوار روشن کر دیا۔ کوٹھڑی میں اس قدر گرما اور بوجھل اندھیرا تھا کہ دیئے کی روشنی بھی اسے پوری طرح محدود نہ کر سکی۔ صرف دیئے کے اس پاس ہی روشنی تھی۔ تھیوسانگ کوٹھڑی کے کونے

میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ کوٹھڑی کی چھت سے جالے ٹپک رہے تھے۔ اندر کوئی روشندان تک نہیں تھا۔ جب آدمی رات گزر گئی تو تھیوسانگ کو جھانچروں کی دیسی دیسی جھنکار سنائی دی۔ یہ آواز دُور سے قریب آ رہی تھی۔

تھیوسانگ چوکس ہو کر بیٹھ گیا۔ جھنکار قریب آ کر تیز ہو گئی اور ایسے لگا جیسے کوئی عورت پاؤں میں جھانچھریں بانڈھے کسی زینے پر سے جلدی لگا جیسے نیچے اتر رہی ہے۔ یہ آواز تھیوسانگ کے قریب سے ہو کر نکل جلدی نیچے اتر رہی ہے۔ یہ خاموشی خود آ سیب زدہ تھی۔ اس کے بعد گری خاموشی چھا گئی۔ یہ خاموشی خود آ سیب زدہ تھی۔ تھیوسانگ کان کھڑے کیے بیٹھا تھا۔ اتنے میں اسے آہستہ آہستہ سانس لینے کی آواز آئے گی۔ جیسے کوئی اس کے قریب آ کر لمبے لمبے سانس لے رہا ہو۔

تھیوسانگ نے کہا :

”اے شہزادی کی بھٹکتی رُوح! مجھ سے بات کر۔ میں تجھ سے ملنے آیا ہوں“

کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ بلکہ گہرے سانس لینے کی آواز بھی غائب ہو گئی۔ تھیوسانگ ناامید ہو گیا۔ شاید بھٹکتی رُوح چلی گئی تھی۔ تھیوسانگ شہزادی کی روح کو دوباراً آواز دینے ہی والا تھا کہ اچانک اسے دیئے کے پاس روشنی میں ایک ہاتھ دکھائی دیا۔ یہ کسی عورت کا خوبصورت ہاتھ تھا مگر اس ہاتھ کی ہتھیلی کے درمیان ایک کیل ٹھکی ہوئی تھی۔ جیسا کہ اس زمانے

میں رُومن لوگ موت کی سزا پانے والوں کو صلیب پر ڈال کر ان کی ہتھیلیوں اور  
پنڈلیوں میں کیل ٹھونک کر لٹکا دیا کرتے تھے انہیں جہاں کیل ٹھکا تھا وہاں خون  
کی ایک لکیر نکل کر جم گئی تھی۔

تھیوسانگ اٹھ کر دیئے کے قریب آیا تو ہاتھ غائب ہو گیا۔ تھیوسانگ  
دہیں ڈک گیا اور بولا:

”شہزادی کی بھگتی رُوح! مجھ سے بات کرو۔ میں تجھ سے ملنے

آیا ہوں۔ میں نے تیرے لیے دیار روشن کیا ہے۔“

کسی نے ایک سرداہ بھری اور اس کے بعد کسی عورت کے دھیرے  
دھیرے سسکیاں لینے کی آواز آنے لگی۔ تھیوسانگ پریشان سا ہو کر بولا:

”شہزادی کی رُوح! تم مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں؟“

سسکیوں کی آواز ڈک گئی۔ دوسرے لمحے جھانجھروں کی آواز بلند  
ہوئی جیسے کوئی کوٹھڑی کے فرش پر چل رہا ہو۔ پھر اچانک وہی خوبصورت  
ہاتھ تھیوسانگ کے سامنے آگیا جس میں کیل ٹھکا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ  
ہی تھیوسانگ کے کانوں میں کسی عورت کی خشک آواز آئی:

”میری ہتھیلی سے کیل نکال دو۔“

تھیوسانگ نے ایک ہل کے لیے عورت کی ہتھیلی کو دیکھا۔ پھر اپنا  
ہاتھ آگے بڑھایا اور بھگتی رُوح کی ہتھیلی میں ٹھکا ہوا کیل نکال کر پھینک دیا۔  
کسی نے اطمینان اور سکون کا گہرا سانس لیا۔ پھر ایک عورت کی سرگوشی ایسی  
آواز آئی:

”تُو نے مجھے صلیب پر سے نیچے اتار دیا ہے۔ میں تمہاری  
مدد کروں گی۔“

تھیوسانگ نے کہا:

”اے شہزادی کی رُوح! مجھے عنبر ناگ ماریا اور کینی کے بارے

میں بتاؤ کہ میں انہیں کہاں مل سکتا ہوں۔“

شہزادی کی رُوح نے سرگوشی میں کہا:

”بستی کے قبرستان کے کونے میں ایک قبر پر چھوٹے چھوٹے

پتھر پڑے ہیں۔ ماریا اس قبر میں ایک مہڈیا میں بند ہے۔ تم

وہاں پہنچو۔ میں وہاں موجود ہوں گی۔“

اس کے ساتھ ہی جھانجھروں کی چھن چھن کرتی آواز دور چلی گئی۔

تھیوسانگ کو ٹھڑی سے نکل کر حویلی کے بڑے دروازے میں سے گذر

کر بستی کے پرانے قبرستان کی طرف چلا۔ وہ اس قبرستان سے بخوبی واقف تھا

قبرستان اندھیرے اور موت ایسے سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ تھیوسانگ قبرستان

کے کونے میں گیا تو دیکھا کہ واقعی وہاں ایک ایسی پرانی قبر تھی جس کے اوپر

چھوٹے چھوٹے پتھر پڑے تھے۔ تھیوسانگ نے پتھر ہٹا کر قبر کی بھر بھری مٹی

ہاتھوں کی انگلیوں سے کھودنے لگا۔ مٹی نرم تھی۔ بہت جلد وہاں ایک گول

سوراخ بن گیا۔ تھیوسانگ نے سوراخ میں ہاتھ ڈالا تو اس کا ہاتھ ایک

مہڈیا سے ٹکرایا۔ تھیوسانگ نے مہڈیا باہر کھینچ لی۔

اب اسے شہزادی کی رُوح کی سرگوشی سنائی دی۔

”تھیوسانگ! ہنڈیا کا ڈھکن اٹھا دو۔“

تھیوسانگ نے ہنڈیا کا ڈھکن اٹھایا تو اسے ماریا کی تیز خوشبو آئی اور اس نے دیکھا کہ ہنڈیا کے اندر ماریا کی کھلے دھواں بھرا ہوا تھا۔ یہ دھواں ہنڈیا سے باہر نہیں آ رہا تھا۔ بھگتی روح کا دسی ہاتھ پھر نمودار ہو۔ یہ ہنڈیا کے دو پر گول چکر میں گھومنے لگا پھر ہنڈیا کا دھواں غائب ہو گیا اور تھیوسانگ کو ماریا کی آواز سنائی دی۔

تھیوسانگ: ”ہاں، اس چوڑیل کے طلسم سے آزاد ہو گئی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم یہاں آ گئے۔ عنبر ناگ اور کیٹی کہاں ہیں؟“

ماریا کو ابھی تک شہزادی کی روح کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ تھیوسانگ نے کہا:

”ماریا! تمہیں ایک شہزادی نے دوبارہ زندگی دی ہے۔“

”شہزادی نے؟“ ماریا نے تعجب سے پوچھا۔

تھیوسانگ بولا: ”ہاں — ایک شہزادی نے۔ جواب دینا میں نہیں ہے۔“

”یہ تم کیا ہلکی ہلکی باتیں کر رہے ہو؟“ ماریا نے حیرانی سے کہا:

”اس لمحے شہزادی کی روح کی سرگوشی سنائی دی۔“

”تھیوسانگ! بستی کے شمال میں ایک چٹان کے نیچے غار ہے۔ رادنی چوہا اپنے مکار سانپ کے ساتھ اسی غار میں

سو رہی ہے۔ اسے ختم کر دو۔ وہ انسانوں کی دشمن ہے۔“

روح کی آواز ماریا نے سنی تو بولی:

”تم کون ہو؟“

شہزادی کی روح نے کہا:

”مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے ماریا — تم فوراً غار میں جاؤ۔ وہاں وہ زنگاری سانپ بھی ہے جس نے ناگ کو دھوکہ دے کر رادنی کے جال میں پھنسا یا تھا۔“

تھیوسانگ نے فوراً سوال کیا:

”ناگ کہاں ہے؟“

شہزادی کی روح کی آواز آئی:

”یہ بتانے کی مجھے اجازت نہیں۔ خدا حافظ!“

اس کے ساتھ ہی جھانجھروں کی جھنکار اُبھری اور پھر دُور ہو کر غائب

ہو گئی۔ ماریا بولی:

”یہ سب کیا معتمہ ہے تھیوسانگ؟“

تھیوسانگ نے اب ماریا کو حویلی کی آ سیبی کو ٹھٹھری کا سارا حال بتایا اور یہ بھی بتا دیا کہ اس نے کیا اور اس کے خاوند و میاں ناگ کو اس کے اور ناگ عنبر کے بارے میں بھی بتا دیا ہے۔

”اب ہمیں بستی کے شمال میں چٹانی غار کی طرف چلنا چاہیے

تاکہ شہزادی کی ہدایت کے مطابق اس انسانی دشمن رادنی



چڑیل کو ہمیشہ کے لیے ختم کیا جاسکے۔ میرا خیال ہے کہ یہی وہ  
مکار چڑیل تھی جو تمہارا روپ دھار کر ہمارے ساتھ سفر کرتی رہی  
اور جس نے ناگ کو کسی جگہ پھنسا دیا ہے۔  
ماریا نے کہا:

"میں اس غار سے واقف ہوں اور میں نے راوٹی کو بھی دیکھا ہے  
اسی نے مجھے ہنڈیا میں دھواں بنا کر بند کر دیا تھا۔ چلو۔ اس سے  
ناگ کے بارے میں بھی پوچھ گچھ کرتے ہیں۔"

تھیوسانگ اور ماریا اسی وقت قبرستان سے نکل کر بستی کے شمال  
میں آگئے۔ یہاں رات کی تاریکی میں بستی سے دو ایک چھوری چٹان  
اوپر کواٹھی ہوئی تھیں۔

ماریا نے اس چٹان کو پہچان لیا اور بولی:

"یہی وہ چٹان ہے جہاں راوٹی چڑیل مجھے اپنے طلسم میں  
جکڑ کر لے گئی تھی۔"

ماریا نے تھیوسانگ کی راہ نمائی کی اور چٹان کے خفیہ دروازے  
میں سے غار میں داخل ہو گئی۔ تھیوسانگ ماریا کی تیز خوشبو کے پیچھے پیچھے  
جا رہا تھا۔ غار بہت تنگ اور تاریک تھی۔ کئی موڑ گھوم کر وہ ایک  
جگہ ٹک گئی۔ اس نے تھیوسانگ کے کان میں کہا:

"راوٹی چڑیل سو رہی ہے۔ مکار سانپ اس کی گردن  
میں پڑا ہے۔"

تھیوسانگ نے آہستہ سے کہا:

"میں راوٹی کو دبوچتا ہوں۔ اس کا جادو مجھ پر نہیں چل سکتا۔  
تم سانپ کو قابو میں کر دو۔"

ماریا تیزی سے راوٹی کی طرف بڑھی۔ راوٹی چڑیل اگلے جنم کی طرف  
سے مطمئن ہونے کے بعد گہری نیند سو رہی تھی۔ ماریا نے بڑی احتیاط سے آگے  
بڑھ کر اس کی گردن میں پڑے ہوئے زنگاری سانپ کو گردن سے پکڑ کر ایک  
دم اوپر کھینچ لیا۔ سانپ ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ راوٹی  
چڑیل ایک چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔ مگر تھیوسانگ نے اسے کھڑے ہونے کا موقع  
ہی نہ دیا اور اس پر چیتے کی طرح بھپٹا۔ اور اس کے جسم سے اپنی  
انگلی لگا دی۔

راوٹی چڑیل ایک دم تھیوسانگ کی انگلی کے برابر چھوٹی ہو گئی۔  
تھیوسانگ نے اسے پکڑ کر اپنی مٹھی میں بند کر لیا۔ راوٹی چڑیل تھیوسانگ  
کی بند مٹھی میں اچھلنے کودنے اور منتر پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگی۔  
تھیوسانگ نے کہا:

"ماریا — سانپ کو قابو میں رکھو اور غار سے باہر آ جاؤ۔"

وہ تیزی سے باہر کی طرف دوڑے۔ راوٹی چڑیل تھیوسانگ کی مٹھی  
میں شور مچا رہی تھی۔ منتر پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی مگر تھیوسانگ پر  
ان منتروں کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ راوٹی چڑیل نے جب اپنے آپ کو  
بے بس پایا تو باریک آواز میں چلائی:

”کورومنڈل کے شیش ناگ! مجھے مکتی دے دے۔ مجھے مکتی دے دے۔ میرا یہ جہم ختم کر دے۔“

تھیوسانگ اور ماریا غار سے باہر آ گئے۔

تھیوسانگ نے مٹھی کھولی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی مٹھی میں رادنی چڑیل کی جگہ محض راکھ کی ایک چمکی پڑی تھی۔ رادنی چڑیل مچکی تھی۔

تھیوسانگ نے کہا:

”یہ چڑیل ہمیشہ کے لیے بھسم ہو گئی ہے۔ مگر اس نے مرنے سے پہلے شیش ناگ اور کورومنڈل کا نام لیا تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں یہ مجھے اور ناگ کو لے کر گئی تھی۔“

ماریا نے کہا:

”اس کا مطلب ہے کہ وہاں شیش ناگ بھی رہتا ہے اور یہ چڑیل شیش ناگ کے اشارے پر ناگ کو جھانسنے دے کر وہاں لے گئی تھی۔ تمہیں شاید معلوم نہیں شیش ناگ اور ناگ کی آپس میں ہزاروں سالوں سے دشمنی چلی آ رہی ہے۔“

تھیوسانگ بولا: ”تو پھر ہمیں فوراً کورومنڈل کی ساحلی چٹانوں میں جا کر ناگ کو تلاش کرنا چاہیے۔ ناگ ضرور اسی جگہ ہوگا۔“

ماریا بولی: ”مگر عنبر اور کینٹی کہاں ملیں گے؟“

تھیوسانگ نے کہا کہ ان کو بعد میں تلاش کر لیں گے۔ سب سے پہلے ہمیں ناگ کی زندگی بچانا چاہیے۔ خدا جانے وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے۔ تھیوسانگ نے رادنی چڑیل کی راکھ کو زمین پر پھینک کر پاؤں سے روند ڈالا اور سیدھا کپا بہن کی حویلی میں آ گئے۔ وہ حویلی کے باغ میں سے گذر کر دوسری منزل میں آ گئے۔ ماریا نے کپا کے کمرے میں جا کر اسے جگایا تو وہ حیران ہو کر ادھر ادھر تکنے لگی۔ وہ یہ سمجھی کہ ایسی کوٹھڑی کی رُوح باہر نکل آئی ہے۔ اس نے گھبرا کر اپنے خاوند ومپانگ کو جگادیا۔

تب ماریا نے اسے بتایا کہ وہ کوئی رُوح نہیں بلکہ ماریا ہے تھیوسانگ اور عنبر کی بہن۔ اب تھیوسانگ بھی اندر آ گیا۔ اس نے ساری بات کھول کر بیان کر دی۔ پھر ان سے اجازت لی۔

ومپانگ نے کہا:

”تھیوسانگ! تم سے جدا ہونے کو دل تو نہیں چاہتا مگر تم اپنے بھائی کی تلاش میں جا رہے ہو اس لیے تمہیں روکوں گا نہیں۔“

کپا کہنے لگی:

”آخر شہزادی کی نیک رُوح تمہارے کام آ ہی گئی۔“

تھیوسانگ بولا: ”اس کے لیے میں شہزادی کی رُوح کا

شکر گزار ہوں۔

و میاں گ نے اس وقت تھیو ساگ کو اپنا خاص تازہ دم عربی گھوڑا اصطبل سے کھول کر دیا اور تھیو ساگ ماریا کے ساتھ ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہندوستان جانے کے لیے انہیں پہلے قراچہ شہر جانا تھا جہاں سے ایک بادبانی جہاز میں بیٹھ کر سمندری راستے سے ملک ہندوستان کا رخ کرنا تھا۔ قراچہ شہر اس بستی سے ایک رات کے سفر پر تھا۔ صبح کے وقت ماریا اور تھیو ساگ بستی سے روانہ ہوئے اور شام ہوتے ہی انہیں دُور سے قراچہ شہر کی فصیل پر چلتی مشعلوں کی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔

شہر میں داخل ہوتے ہی انہوں نے قراچہ کی بندرگاہ کا پتہ پوچھا اور اس طرف روانہ ہو گئے۔ ان کا ارادہ بندرگاہ کی کسی قریبی سرائے میں اترنا تھا تاکہ وہیں سے کسی جہاز میں سوار ہو کر اپنا سفر شروع کر سکیں۔ بندرگاہ کے پاس ہی ایک سرائے تھی۔ وہاں آتے ہی ماریا چونک پڑی تھیو ساگ بھائی! مجھے — مجھے کیسی ٹکی ہلکی خوشبو آ رہی ہے۔

تھیو ساگ کے لیے یہ ایک چونکا دینے والی خوش خبری تھی۔ اس نے منہ اٹھا کر دو تین لمبے سانس لیے اور خوش ہو کر بولا :  
ہاں ماریا — مجھے بھی کیسی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔  
وہ ضرور اسی شہر میں ہے۔ تم فوراً اس خوشبو کے تعاقب

میں کیسی کاکھوج لگانے کی کوشش کرو میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا۔

ماریا نے کہا :

یہاں سے ادھر ادھر مت ہونا تھیو ساگ — میں ابھی کھوج لگا کر آتی ہوں۔

یہ کہہ کر ماریا فضا میں بلند ہوئی اور جس طرف سے کیٹی کی خوشبو آ رہی تھی اس طرف پرواز کرنے لگی۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ کیٹی ایک زندہ پتھر کی لاش کی شکل میں قراچہ کے دیل پھیل کے سوداگر کے ہاتھ آ گئی تھی۔ چونکہ کیٹی کی آنکھیں نیلی تھیں اس لیے لوگوں نے اسے سمندر کی دیوی ارونا سمجھ کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ سوداگر نے کیٹی کے پتھرے جسم کو دیوی ارونا کا بت جانا اور اسے سمندر کے قریب ہی ایک مندر میں جا کر چوتھے پر لٹا دیا۔ اب وہاں لوگ صبح و شام آتے اور کیٹی کی پوجا کرتے تھے۔

کیٹی کے جسم سے بے حس ہو جانے کی وجہ سے پوری خوشبو نہیں نکل رہی تھی۔ لیکن ماریا کے لیے اتنی ہی خوشبو کافی تھی۔ وہ خوشبو کے تعاقب میں فضا میں اڑتے اڑتے جب سمندر کے کنارے ایک چھوٹے سے مندر کے اوپر آئی تو اسے خوشبو زیادہ تیز محسوس ہوئی۔  
ماریا حوصلہ لگا کر نیچے آ گئی۔

اس نے دیکھا کہ لوگ مندر میں جا رہے ہیں۔ کیٹی کی خوشبو اسی



صدر سے اُدھی گئی۔ بلانٹی ماریا مندر میں داخل ہوئی اس نے دیکھا  
کیٹی ایک چوڑے سر پہلے میں بڑی ہے۔ اس کی نیل آنکھیں کھلی  
ہیں۔ کیٹی کو بھی ماریا اور تھیوساٹک کی خوشبو آگئی تھی مگر وہ اپنی جگہ  
سے اُبل کر ان کے پاس نہیں جاسکتی تھی۔ اب جب اس نے ماریا  
کی تیز خوشبو محسوس کی تو سمجھ گئی کہ ماریا اس کے پاس پہنچ چکی ہے۔  
مگر کہنی بول نہیں سکتی تھی۔

ماریا نے اس کے قریب آکر اُس سے کہا،  
"کیٹی! میں ماریا ہوں۔ تمہاری یہ حالت کیسے ہو گئی؟"  
کیٹی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جواب دے ہی نہیں سکتی تھی۔  
اپنی کھلی نیل آنکھوں سے سکتی رہی۔ اسے معلوم تھا کہ ماریا بھی اسے دیکھ  
رہی ہے۔ ماریا سمجھ گئی کہ کیٹی پر کسی نے ظلم کر دیا ہے اور وہ نہ تو اُبل سکتی  
ہے اور نہ بول سکتی ہے۔ کیٹی کی آنکھوں کی چمک سے کیٹی نے یہ  
اندازہ لگایا تھا کہ وہ اس کی آواز کو سن رہی ہے۔

ماریا نے کہا،  
"کیٹی! تھیوساٹک بھی میرے ساتھ ہی ہے۔"  
اس کے بعد ماریا نے دیہی سرگوشیوں میں کیٹی کو عزت اور ناگ کے  
بارے میں بھی ساری تفصیل بتائی اور کہا کہ وہ ناگ کی کھوج لگانے ملک  
ہندوستان جا رہے ہیں۔

"کیٹی! ہم تمہیں یہاں نہیں چھوڑیں گے۔ تم بھی ہمارے

ساتھ چلو گی!"  
کیٹی کی آنکھوں میں ایسی چمک آئی جیسے یو پی رہی ہو کہ تم مجھے  
پہلے اپنے ساتھ لے جاؤ گے!"  
ماریا نے کہا،

"میں تھیوساٹک کو جا کر خبر کرتی ہوں۔ پھر تمہارے ساتھ چلتے  
کا کوئی انتظام کرتے ہیں۔"  
یہ کہہ کر ماریا پیر واز کر گئی۔ اس نے تھیوساٹک کو ساری بات بتائی  
تو تھیوساٹک سوتل میں پڑ گیا۔  
"ماریا! ہم کیٹی کا ظلم دور نہیں کر سکتے۔ مگر اسے چھوڑنا ناگ  
اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔"

ماریا نے کہا،  
"یہ ترکیب ٹھیک رہے گی۔ جلدی سے میرے ساتھ  
مندر میں چلو۔"

مندر میں پہنچا کر نے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔  
ماریا نے تھیوساٹک سے کہا،  
"میں ان لوگوں کو یہاں سے بھگاتی ہوں تاکہ کیٹی کے لئے جانے  
میں یہ لوگ رکاوٹ نہ ڈالیں۔"

یہ کہہ کر ماریا مندر کے دروازے پر آگئی۔ وہ کسی کو نظر تو آ نہیں  
رہی تھی۔ اس نے مندر کے باہر کھڑے پتھر کے ایک ستون کو زور دیا

سے ہلایا تو وہ دھڑام سے گر پڑا۔ سب لوگ منہ کھولے ستون کی طرف  
دیکھنے لگے کہ یہ اپنے آپ کیسے گر گیا۔

ماریا نے آواز بلند کرتے ہوئے کہا:

"میں سمندر کی دیوی ارونا بول رہی ہوں۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر  
تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے کچھ دیر اکیلا رہنے کی ضرورت  
ہے۔ کیونکہ آکاش کے دیوتا مجھ سے ملنے آ رہے ہیں۔ فوراً  
سب لوگ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ بھاگ جاؤ۔"

ماریا کی غیبی آواز نے سب کو خوف زدہ کر دیا۔ لوگ جل دیوی  
زندہ باد کے نعرے لگاتے وہاں سے بھاگنے لگے۔ دیکھتے دیکھتے مندر  
کا سارا علاقہ خالی ہو گیا۔ اب تھیوسانگ اور ماریا مندر میں آ گئے۔  
تھیوسانگ نے کیٹی کو چومنے پر لاش کی طرح پڑے دیکھا تو اسے  
براؤں ہوا۔ کیٹی نے بھی تھیوسانگ کو دیکھ لیا تھا۔

تھیوسانگ نے کہا:

"کیٹی بہن! میں تمہیں چھوٹا بنا کر یہاں سے لے جا رہا ہوں  
ابھی تمہیں اسی صورت میں یہاں سے نکال سکتے ہیں پھر تمہارے  
حکم کا توڑ بھی دھونڈ نکالیں گے۔"

یہ کہہ کر تھیوسانگ نے اپنی خاص اٹلی سے کیٹی کے بے حس جسم کو  
چھوڑا۔ اٹلی گتے ہی کیٹی چھوٹی سی چمکی کے سائز کی ہو گئی۔  
تھیوسانگ نے ماریا سے کہا:

"ماریا! اسے تم اٹھا کر اپنے ہاتھ میں تھام لو۔"  
ماریا نے نفی سی کیٹی کو اٹھایا تو وہ غائب ہو گئی۔ تھیوسانگ  
بڑے آرام سے مندر سے باہر نکل آیا۔ دُور دُور تک کوئی انسان نظر  
نہیں آ رہا تھا۔

تھیوسانگ نے ماریا سے کہا:

"تمہاری تقریر کا بہت اثر ہوا ہے۔"

ماریا بولی: "یہ میری تقریر کا نہیں بلکہ ان لوگوں کے وہم کا اثر  
ہے۔ اب ہمیں سرانے کی طرف چلنا چاہیے۔"

سرانے میں آ کر تھیوسانگ نے کیٹی کو ایک چھوٹی سی ٹوکری میں  
مزم رُوئی رکھ کر لٹا دیا۔ ماریا نے دودھ کے چند قطرے اس کے حلق میں  
ڈالے۔ مگر دودھ منہ سے باہر آ گیا۔

تھیوسانگ نے کہا:

"اس کا حلق بھی پتھر ہو چکا ہے ماریا۔ شاید کورومنڈل کے  
ساحل پر اس کے حکم کا توڑ بھی مل جائے۔"

تین دن کے بعد ایک جہاز قرطاجنہ کی بندرگاہ سے ملک ہندوستان  
کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس جہاز میں تھیوسانگ اور ماریا بھی سوار تھے۔  
کیٹی بھی ایک چھوٹی سی ٹوکری میں لیٹی ان کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ ایک  
ماہ تک سمندر میں سفر کرنے کے بعد ماریا اور تھیوسانگ ہندوستان کی  
بندرگاہ کورومنڈل پہنچ گئے۔ کسی سرانے میں اترنے کی بجائے ماریا کے

مشورے پر تھیو سانگ نے شہر کے جنوبی کنارے کی جانب ناریل کے ایک گھنے جنگل میں ایک چھوٹے سے کھوہ میں اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ ماریا کا خیال تھا کہ شیش ناگ اسی علاقے میں رہتا ہے تو وہ ان کے آنے سے کہیں خبر نہ ہو جائے۔ اس لیے انہیں سمندری چٹان سے دُور ہی رہنا چاہیے۔

کیسی ڈھی ان کے ساتھ تھی۔ اور تھیو سانگ نے اس کی ننھی سی ٹوکری کھوہ کے اندر نرم نرم پتوں پر رکھ دی تھی۔ اب ماریا نے سمندری چٹانوں کی جانب ایک چکر لگایا۔ اسے کسی جگہ سے بھی ناگ کی خوشبو نہ آئی۔ نا اُمید ہو کر واپس تھیو سانگ کو صورت حال بتائی تو وہ بھی سوخ میں پڑ گیا۔ یقیناً ناگ کسی بھاری مشکل میں پھنس چکا تھا کہ اس کی خوشبو بھی نہیں آرہی تھی۔ ایک بات کا انہیں یقین تھا کہ ناگ اسی علاقے میں کسی جگہ پر تھا۔ ماریا نے رائے دی کہ کیوں نہ کسی سانپ کو بلا کر اس سے ناگ کے بارے میں پوچھا جائے؟

تھیو سانگ بولا: مگر اس وقت ناگ کی پوزیشن یہ ہے کہ وہ دیوتا نہیں ہے بلکہ اب شیش ناگ سانپوں کا دیوتا ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے سانپ ہمیں کچھ نہ بتائیے۔ بلکہ یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ شیش ناگ کو جا کر خبر کر دے کہ ہم لوگ ناگ کی تلاش میں یہاں آئے ہوئے ہیں۔

ماریا نے سوچا کہ تھیو سانگ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ مگر کسی سانپ کو

بلا نا بھی ضروری تھا۔

ماریا نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ہم نے رنگاری سانپ کو خوا مخواہ ہلاک کر دیا۔ ہم اس سے ناگ دیوتا کے بارے میں پوچھ سکتے تھے۔ تھیو سانگ بولا: مگر وہ تو ناگ کا دشمن سانپ تھا۔ وہ کبھی ہمیں کچھ نہ بتاتا۔ بہر حال اس وقت کسی سانپ کا بلایا جانا بہت ضروری ہے۔

ماریا نے کہا:

ہم ایسا کرتے ہیں کہ کسی سانپ کو خاص طور پر بلاتے نہیں بلکہ جنگل میں سانپ کو ڈھونڈتے ہیں۔ یہاں کوئی نہ کوئی کہیں نہ کہیں سانپ ضرور ہوگا۔ اس کو غصہ دلانا۔ وہ تمہیں ڈسے گا۔ اس کے بعد تم اسے کہنا کہ تم شیش ناگ کے دو بہت ہو۔۔۔۔۔۔

اس کے بعد ماریا نے تھیو سانگ کو ساری اسکیم سمجھا دی۔ اسکیم بڑی عمدہ تھی اور اس سے کام نکالا جاسکتا تھا۔ انہوں نے جنگل میں کسی سانپ کی تلاش شروع کر دی۔ کافی دیر کے بعد انہیں ایک درخت کے پاس زمین کے اندر ایک بل دکھائی دیا۔

ماریا نے کہا:

”یہ سانپ کا بل ہے۔ اس میں کسی طریقے سے پانی ڈالتے



ہیں۔ سانپ باہر نکل آئے گا۔“

ماریا پتوں کا ڈوتا بنا کر اس میں پانی بھر کر لائی اور تھیوسانگ نے اسے سانپ کے بل میں انڈیل دیا۔ اس کے ساتھ ہی بل کے اندر سے پھنکار کی غضب ناک آواز آئی اور ایک کالا سیاہ سانپ تیزی سے رینگتا ہوا باہر نکل آیا۔ اس کے سامنے ہی تھیوسانگ بیٹھا تھا۔ سانپ نے غصے میں تھیوسانگ کی کلائی پر ڈس دیا اور ڈس کر بھاگنے لگا تو تھیوسانگ نے اسے گردن سے پکڑ کر اٹھالیا اور سانپ کی زبان میں کہا: ”میرے بھائی! کہاں جا رہے ہو؟ ذرا ٹھہرو تو سہی۔“

سانپ نے ایک انسان کو اپنی زبان میں باست کرتے سنا تو وہیں روک گیا۔ وہ اس بات پر بھی پریشان تھا کہ تھیوسانگ پر اس کے زہر کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ سانپ نے مڑ کر تھیوسانگ کی طرف دیکھا اور قریب آ کر پھین اُپر اٹھا کر لہراتے ہوئے بولا:

”تم کون ہو اور تم نے ہماری زبان کہاں سے سیکھی ہے؟“  
تھیوسانگ بولا: ”بھائی میں تمہارے ناگ دیوتا یعنی شیش ناگ کا دوست ہوں۔ مجھے شیش ناگ کے ناگ دیوتا بننے کی خبر ملی تو اس کے کھوج میں یہاں آیا ہوں ہوں کہ اسے مبارک باد دے سکوں۔“

سانپ نے کہا:  
”شیش ناگ کے ناگ دیوتا بننے کی ہمیں بھی خوشی ہوئی ہے۔“

مگر تم اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟ شیش ناگ تو ساحل سمندر کی تین مچھوری چٹانوں کے نیچے غار میں تخت شاہی پر بیٹھا ہے۔“

ماریا کی اسکیم کامیاب ہو رہی تھی۔  
تھیوسانگ بولا: ”بھائی میں شیش ناگ ہی کی تلاش میں تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے مجھے اس کا ٹھکانہ بتا دیا۔ اب میں خود ہی اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ ضرور چٹانوں کے اندر سے کوئی راستہ جاتا ہو گا۔“

”ہاں۔ ایک خفیہ راستہ درمیانی چٹان کے اندر سے نیچے شیش ناگ کے استخان تک جاتا ہے۔“

تھیوسانگ نفرت سے بولا:

”ہمیں تو ناگ دیوتا زہر لگتا تھا۔ ہمیں بڑا خوشی ہوئی ہے کہ ہمارا شیش ناگ دوست سانپ ناگ کو شکست دے کر خود ناگ دیوتا بن گیا ہے۔ مگر پرانے ناگ دیوتا کو کسی ایسی جگہ پھینکنا چاہیے تھا کہ جہاں سے وہ زندگی باہر نہ نکل سکے۔“

سانپ بولا: ”ہمارے شیش ناگ کی طاقت کا کوئی جواب نہیں ہے ناگ کو ہمارے شیش ناگ نے سمندر کی گہرائیوں میں ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا ہے۔“



## سانپوں کا دربار

ماریا نے تھیوسانگ کو واپس جا کر بتایا کہ سمندر کے نیچے بھی ناگ کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ تھیوسانگ اس سے ناامید نہ ہوا۔ اسے یقین تھا کہ ناگ کسی طلسم کی زد میں آکر چٹانوں کے آس پاس ہی کہیں چھپا ہوا ہے۔ اس نے ماریا سے کہا:

”کیوں نہ ہم ناگ کی بجائے شیش ناگ کی طرف توجہ کریں اور اس کے طلسم کو توڑ ڈالیں۔ اس طرح جو سکتا ہے ناگ اپنے آپ کو آزاد ہو کر جلد سے پاس آ جائے۔

یہ سن کر ایک تیرے دو شاگر کریں گے۔

ماریا نے جواب دیا:

”تمہاری تجویز بہت ہی معقول ہے۔ مگر شیش ناگ ب دنیہ کے تمام سانپوں کو دیر تا رہتا ہے۔ اس کی طاقت سے بہت بڑھ چکی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے

تھیوسانگ نے ماریا سے کہا کہ وہ ناامیدی کی باتیں کیوں کرتی ہے۔ ہمیں ہمت سے کام لے کر اپنے مشن کو شروع کر دینا چاہیے آگے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

ماریا نے کہا:

”لیکن ہمیں پھر بھی منصوبہ بندی بنا کر کوئی قدم اٹھانا ہو گا۔ وہ قدم کیا ہو سکتا ہے؟“

تھیوسانگ ماریا سے ساتھ جنگل سے باہر نکل آیا۔ اب ان کا رخ کورو منڈل شہر کی جانب تھا۔ تھیوسانگ اس موضوع پر سوچ بچار کر رہا تھا۔ وہ ماریا سے مشورہ بھی لینا جاتا تھا مگر ابھی انہیں کوئی صاف رستہ دکھائی نہیں دیا تھا جس پر چل کر وہ ناگ کو واپس لاسکیں۔ وہ اپنے جھوٹے سے مکان میں آگئے جو شہر سے باہر انہوں نے لے رکھا تھا۔ اس مکان کے پیچھے کیلے اور ناریل کے گھنے درختوں کے جھنڈ تھے۔ ان کے بیچ میں ایک پرانی باڈلی بنی ہوئی تھی جو اب ویران ہو چکی تھی اس کی تہہ میں بہت نیچے جا کر پانی تو تھا مگر وہ صاف نہیں تھا اس لئے لوگوں نے اس باڈلی میں سے پانی لینا چھوڑ دیا تھا جس کے بعد باڈلی ویران ہو گئی تھی۔

ماریا اور تھیوسانگ نے بھی اس باڈلی کی طرف جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی وہ دو کوٹھڑیوں والے مکان کی ایک





پتھر کی موٹی تھوں والی دیوار میں سے گزرتی ہوئی چٹان کی  
 تہہ میں اس کے اندر ایک کھوکھلی جگہ پر آگئی یہ کھوکھلی  
 جگہ ایک گڑھا سا تھا۔ وہ بڑی احتیاط سے اس گڑھے کی  
 دیوار میں سے گزر گئی۔ آگے ایک چھوٹی سی سڑنگ نکل آئی۔ یہ  
 سڑنگ قدرتی طور پر چٹانوں کے اندر بن گئی تھی اور اس میں  
 جگہ جگہ چٹانوں کی دیواروں میں سے ٹپکنے والا پانی جمع تھا۔ ماریا  
 دیوار کے ساتھ لگی بہت ہی مدہم رفتار کے ساتھ ایک ایک  
 شے کو غور سے دیکھتی اور فضا کو سونگھتی آگے بڑھ رہی تھی۔  
 سڑنگ کی فضا میں گدے سمندری پانی کی بو رچی ہوئی تھی۔ ایک  
 جگہ سے گزرتے ہوئے اس کے کانوں میں ایسی آوازیں بڑیں  
 جیسے سانپ سسکار رہے ہوں۔ ماریا وہیں روک گئی اور اس  
 نے ان آوازوں پر کان لگا دیئے۔

دھیمی دھیمی آوازیں سڑنگ کی شمالی دیوار کے پیچھے سے  
 آ رہی تھیں۔ ماریا ہوا کی ایک بہت ہی ملکی اور کم رفتار لہر کی طرح  
 اس دیوار کی طرف پڑھی اور آہستہ آہستہ اس موٹی پتھر کی دیوار  
 کے اندر سے گزرتی ہوئی جب دیوار کی دوسری جانب اس نے  
 اپنا سر باہر نکالا تو یہ دیکھ کر ایک دم سے پیچھے دیوار کے  
 اندر ہو گئی کہ وہاں سانپوں کا دربار لگا تھا۔ اس نے چار موہنوں  
 والے شیش ناگ کو فوراً پہچان لیا۔ ایک بار ناگ نے اسے

شیش ناگ کا حلیہ بتایا تھا۔ شیش ناگ ایک تخت پر کھڑی  
 مارے بیٹھا تھا۔ اس کے چاروں پہن پھیلے ہوئے تھے۔ اس  
 کے ایک مونہہ پر سبزی تاج تھا۔ اس کے دائیں جانب ایک  
 دوسروں والا سبز سانپ پتھر کے گول چبوترے پر کھڑی مارے پہن  
 اٹھائے بیٹھا تھا۔ سامنے پتھر کے فرش پر پندرہ سولہ بڑے بڑے  
 سانپ ادب سے بیٹھے تھے۔

یہ سب سانپ آپس میں کسی بات پر ہلکی ہلکی مچھنکاروں کے  
 انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ پھر ایک دم سے شیش ناگ نے مچھنکار  
 ماری تو ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ تمام سانپوں نے گردنیں جھکا دیں۔  
 شیش ناگ نے سانپوں کی زبان میں (جو ماریا اچھی طرح جانتی  
 تھی) کہا۔

تم لوگوں نے آپس میں کافی مشورہ کر لیا ہے تمہیں  
 وہی کرنا ہو گا جو میں نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اب تم سب  
 جاؤ اور اپنے اپنے کام میں لگ جاؤ۔

مارے سانپ اپنی جگہ سے ریٹگتے ہوئے دالان کی ایک  
 جانب چھوٹے سے غار کے منہ میں چلے گئے۔ جب وہ ننگا ہوں سے  
 اُدھل ہو گئے تو شیش ناگ نے اپنی بائیں جانب بیٹھے ہوئے  
 سبز سانپ کو کہا۔

ششکھ ناگ ! تم ان سانپوں کی نگرانی کرو گے۔ میں جانتا





اس کی نشانی تھی۔ ماریا دیوار کے اندر ہی اندر اس غار کے منہ کی طرف بڑھی جہاں پندرہ سانپ گئے تھے۔ ماریا دیوار سے باہر نہیں آئی تھی۔ کیونکہ دیوار کے باہر شیش ناگ کے طلسم کا دائرہ کھینچا ہوا تھا۔ وہ بڑی دھیمی رفتار سے دیوار کے اندر چل رہی تھی۔ وہ غار کے منہ میں داخل ہو گئی۔ یہ غار ایک تنگ و تاریک چھوٹی سی مہنگ تھی جس کی چھت اتنی نیچی تھی کہ انسان کو اس میں سے رینگ کر گزرنا پڑتا۔ ماریا سرنگ میں کافی آگے نکل گئی۔ آگے جا کر سرنگ ایک بہت بڑے کنوئیں میں نکل آئی۔ ماریا بالکل سیدھی ہو کر کنوئیں کی دیوار کے ساتھ لگ گئی اور اندھیرے میں غور سے دیکھنے لگی۔ یہ کافی بڑا کنواں تھا اور اس میں پانی نہیں تھا بلکہ تہہ میں پتھر اور ریت بکھری تھی۔ کنوئیں کی گول دیوار میں جگہ جگہ گول سوراخ بنے تھے کنوئیں کی تہہ میں ایک بھی سانپ نہیں تھا۔

ماریا سوچنے لگی کہ پندرہ سانپ ضرور کنوئیں کے ان سوراخوں میں چلے گئے ہیں وہ ایک ایک سوراخ میں گئی۔ اس نے دیکھا کہ ہر سوراخ میں ایک ایک سانپ زمین پر کندلی مارے اپنی گردن کندلی پر رکھے سو رہا تھا۔ ایک سوراخ میں اسے ہر شیش ناگ نظر آیا۔

ہر شیش ناگ کے سر پر چھوٹی سی سُرخ کھنٹی ماریا کو بے اختیار نظر

آئی۔ اس طرف پھیل رہا ہے یہاں داخل ہونے کے بعد کوئی باہر کی روح زندہ نہیں بچ سکتی۔

ماریا یہ سنتے ہی محتاط ہو گئی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ دیوار کے اندر ہی تھی۔ دیوار سے باہر نہیں نکلی تھی اب اسے ہر شیش ناگ سے ملنے کی ضرورت کا احساس ہوا جو نہ صرف یہ کہ ناگ کا وفادار تھا بلکہ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ناگ زمین یا پانی کے اندر کس مقام پر قید میں پڑا ہے۔ ششگھ ناگ اور شیش ناگ آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ماریا اس غار کے سوراخ کو دیکھنے لگی جہاں دوسرے سانپوں کے ساتھ ہر شیش ناگ بھی داخل ہوا تھا۔ ابھی تک ماریا کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ان سانپوں میں ہر شیش ناگ کون ہے۔ مگر اس لمحے شیش ناگ نے خود ہی یہ مسئلہ حل کر دیا۔ اس نے ششگھ ناگ سے کہا

اگر کسی بھی وقت تمہیں ہر شیش ناگ کی وفاداری پر شک ہوا اور وہ کوئی غلاری کرنے لگا تو فوراً اس کے سر کی سُرخ کھنٹی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کاٹ ڈالنا۔ کھنٹی کے بغیر ہر شیش ناگ کا رابطہ اپنے آپ تمام سمندری سانپوں سے ٹوٹ جائے گا اور وہ ایک دن اور ایک رات زندہ رہنے کے بعد مر جائے گا۔

ماریا نے سوچا کہ ہر شیش ناگ کے سر پر سُرخ کھنٹی ہے یہ



ماریا یہ سن کر پریشان ہو گئی کہ ناگ کو بچھو کی شکل میں سمندر کے نیچے ایک مردہ اڑدھا کے پیٹ میں بند کر کے پھینک دیا گیا ہے۔ اس نے کہا

ہرش ناگ ! کیا تم مجھے وہ جگہ بتا سکتے ہو۔ جہاں ناگ اڑدھا کے پیٹ میں بچھو کی شکل میں پڑا ہے۔  
ہرش ناگ نے کہا

ماریا بہن ! میں تمہیں وہ جگہ ابھی بتا سکتا ہوں۔ مگر جس مردہ اڑدھا کے پیٹ میں ناگ دیوتا ایک بے حس سیاہ بچھو کی شکل میں بند ہے وہ اڑدھا ایک روبرو دست طلسم کے اثر میں ہے۔ یہ طلسم سخبیش ناگ کا خاص طاقتور طلسم ہے جو کوئی زندہ یا غیبی انسان اڑدھا کو چھوئے گا وہ طلسمی آگ کی شعاعوں میں ایک پل میں جل کر راکھ ہو جائے گا اور اڑدھا کے پیٹ میں موجود ناگ کو بھی اس قدر شدید جھٹکا لگے گا کہ شاید وہ دوبارہ صحت مند نہ ہو سکے گا۔

ماریا نے آہستہ سے پوچھا

ہرش ! کیا اس طلسم کا کوئی توڑ نہیں ہے ؟

ہرش ناگ ایک دم خاموش ہو گیا۔ پھر رینگ کر بل کے منہ پر مچھلیا۔ باہر کنوئیں میں دیکھا اور واپس آکر بولا۔

”مجھے ہر وقت چوکس رہنا پڑتا ہے اور اب تو شکہ ناگ

نے بھی میری نگرانی شروع کر دی ہے۔ مجھے بہت ہوشیار رہنا ہوگا۔ ہاں تو ماریا بہن اس اڑدھے کے طلسم کا ایک توڑ ہے مگر میں تمہیں تمہارے ہاں آکر بتاؤں گا کیونکہ مجھے شک ہے کہ شاید شکہ ناگ میری جاسوسی کے لئے ادھر آ رہا ہے اب تم جاؤ اور مجھے اپنا ٹھکانہ بتادو“ ماریا نے جلدی جلدی ہرش ناگ کو اپنا پرانی باڈلی واسے مکان کا پتہ بتایا تو ہرش ناگ بولا۔

ٹھیک ہے۔ میں پرانی باڈلی کے پانی کے اندر سے تمہارے گھر کل آدھی رات کو پہنچ جاؤں گا۔ تمہارے مکان کی پچھواڑے والی باڈلی میں اسی کنوئیں سے اندر ہی اندر راستہ جاتا ہے۔ تم بھی اسی راستے سے چلی جانا۔

ماریا کو کسی سانپ کی تیسز ہو آئی۔ ہرش ناگ گھبرا کر بولا۔

”یہ شکہ ناگ کی بدبو ہے۔ فوراً کنوئیں کی تہہ میں

پتھروں کے اندر چلی جاؤ۔ نیچے گہرائی میں پانی آ جائے گا

اس پانی میں بائیں ہاتھ کو چلتی جانا۔ تم اپنے مکان والی

باڈلی میں نکل آؤ گی۔

شکہ ناگ کی بدبو تیسز ہو رہی تھی۔ ہرش ناگ نے کہا



جلدی سے چلی جاؤ ماریا۔ وہ کمینہ شکنگہ ناگ ہر  
رہا ہے ہو سکتا ہے وہ اپنے طلسم کی وجہ سے تمہیں  
کوئی شدید نقصان پہنچائے۔

ماریا نے ہرش ناگ کو اگلی رات آنے کی تاکید کی اور  
کنوئیں کی تہہ میں نیچے اتر گئی۔ کافی نیچے جانے کے بعد وہ  
پانی میں نکل آئی۔ اب اس نے بائیں جانب چلنا شروع کر دیا  
وہ پانی کے اندر چل رہی تھی۔ یہ بے حد تاریک اور گدلا پانی  
تھا اور اس میں جیسے مڑوہ مچھلیوں کی تیز بومچھیلی ہوئی تھی۔  
ماریا تیزی سے پانی میں آگے ہی آگے بڑھتی گئی۔ یہ پانی ایک  
بند نامے کی شکل میں پھیلا ہوا تھا۔ ماریا کی رفتار کافی تیز تھی  
چنانچہ وہ کچھ ہی دیر بعد باؤلی میں نکل آئی۔

باؤلی سے باہر آکر اس نے دیکھا کہ وہ اپنے مکان کے  
پچھوڑے ناریل اور کیلے کے گنے درختوں کے جھنڈ میں  
کھڑی ہے۔ سامنے ان کا مکان تھا جس میں دیا روشن تھا  
تھیوسانگ ماریا کی خوشبو محسوس کرتے ہی دروازے میں آ گیا۔  
جب ماریا کی خوشبو اس کے قریب آ گئی تو اس نے کہا  
"کیا ناگ کا کچھ پتہ چلا؟"

ماریا نے کہا  
"بہت کچھ پتہ چل گیا ہے۔ تھیوسانگ۔ اندر آ جاؤ"

ساری بات کھول کر بتاتی ہوں۔

جب ماریا نے شیش ناگ کی شکنگہ ناگ سے گفتگو اور پھر  
ہرش ناگ کی ساری باتیں تفصیل سے تھیوسانگ کو بیان کر دیں  
تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

ماریا نے کہا۔

"کل رات ہرش ناگ یہاں آکر مجھے وہ جگہ بتائے  
گا جہاں ناگ اڑدھا کے پیٹ میں پکھو کی شکل میں  
بے حس پڑا ہے۔"

تھیوسانگ گہرا سانس کھینچ کر کہنے لگا۔

ماریا! ناگ کو اڑدھا کے پیٹ سے نکالنا اگرچہ  
جان جوکھوں کا کام ہے مگر یقین رکھو میں اپنے بھائی ناگ  
کے لئے اپنی جان قربان کر سکتا ہوں۔

ماریا نے جلدی سے کہا

"یہ کام تو میں بھی کر سکتی ہوں مگر تھیو جھائی ہمیں  
جوش سے نہیں بلکہ ہوش سے کام لینا ہو گا۔ ہمیں ناگ  
کی بھی زندگی عزیز ہے۔ ہمیں کسی حکمت عمل پر چلنے  
ہوئے اسے شیش ناگ کے طلسم سے آزاد کرنا ہے۔  
اور ساتھ ہی ساتھ شیش ناگ کو ہمیشہ کے لئے ختم  
کر کے ناگ دیوتا کی حکومت اور اقتدار کو بحال کرنا ہے"

جو اس کا حق ہے۔

مقیوسانگ اپنے سر پر ہاتھ پھرنے لگا۔ پھر بولا۔

ہو سکتا ہے ہر شے ناگ ہمیں کوئی ترکیب بتائے  
وہ ناگ کا وفادار ہے اور پھر شیش ناگ کے طلسم کو  
بھی جانتا ہے۔ ممکن ہے اسے اس کا توڑ بھی معلوم ہو۔  
”ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔“ ماریا بولی، کئی رات جب وہ آئے  
کا تو اس سے یہی گفتگو ہوگی۔

مقیوسانگ نے کونے میں رکھی چھوٹی سی ٹوکری اٹھائی اور  
اس کا ڈھکن کھول کر دیکھا۔ اس میں کیٹی ابھی تک انگلی کے  
سائز کی بنی ہوئی پٹری تھی۔ ماریا نے کہا  
”مقیوسانگ! میرا خیال ہے اب ہمیں کیٹی کو  
بڑا کر دینا چاہیے کیوں کہ یہاں اس کی جان کو کوئی خطرہ  
نہیں ہے۔“  
مقیوسانگ بولا۔

مگر کیٹی بے حس زندہ لاش کی طرح ہے۔ اسے بڑا  
کر بھی دیا تو سوائے اس کے کیا ہوگا کہ وہ ایک بوجھ بن  
جائے گی۔ پھر ہمیں اسے کاغذ پر لاد کر ساتھ ساتھ  
رکھنا ہوگا۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ وہ ننھی سی بن کر  
ٹوکری میں پڑی رہے یوں ہم اسے آسانی سے اٹھا کر

جیب میں بھی رکھ سکتے ہیں۔

ماریا نے کیٹی کی طرف جھک کر کہا۔  
کیٹی بہن! اگر تم سن رہی ہو تو تم نے ہماری گفتگو

ضرور سن لی ہوگی۔ ہم تمہیں اپنے ساتھ ہی رکھیں گے اور  
تم پر جو جادو کیا گیا ہے اس کا توڑ بھی ضرور ڈھونڈ نکالیں  
گے۔ تم نے یہ بھی سن لیا ہوگا کہ ناگ کس حالت میں  
سمندر کے نیچے پڑا ہے۔

پھر وہ مقیوسانگ کی طرف متوجہ ہو کر بولی  
ابھی ہمیں عنبر کو بھی تلاش کرنا ہے۔  
مقیوسانگ بولا۔

پہلے ناگ کا مقعہ حل ہو جائے پھر عنبر کو بھی  
تلاش کر لیں گے۔ اس کی طرف سے مجھ ہم کیسے غافل  
ہو سکتے ہیں۔ ماریا۔ وہ تو ہماری ٹولی کا سردار ہے۔

کیٹی یہ سب کچھ سن رہی تھی اور دل میں دعا مانگ رہی  
تھی کہ نہ صرف اس کا طلسم ختم ہو بلکہ ناگ کی جان بھی  
بچ جائے

دوسری طرف جب ماریا ہر شے ناگ کے بل سے نکل کر چلی  
گئی تو وہاں شکہ ناگ نمودار ہوا اور ہر شے ناگ کے بل میں آکر  
یونہی ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ اصل میں وہ یہ دیکھنے آیا تھا

کہ ہرش ناگ اپنے بل میں ہی ہے کہیں کسی طرف نکل تو نہیں گیا۔ ہرش ناگ بھی اب جان گیا تھا کہ شکھ ناگ کو اس کی جاسوسی پر لگا دیا گیا ہے اور وہ اس کی نگہبانی کرنے آیا ہے وہ بھی شکھ ناگ سے اس قسم کی باتیں کرنے لگا جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ شیش ناگ کا زبردست وفادار ہے۔ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد شکھ ناگ چلا گیا۔

دوسری رات ہرش ناگ اپنے کنوئیں والے بل میں ماریا کے مکان میں جانے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ جب رات اس کے اندازے کے مطابق آدھی گزر گئی تو ہرش ناگ نے بل میں سے سر باہر نکال کر کنوئیں میں دیکھا۔ باقی سانپ اپنے اپنے بلوں کے اندر ہی تھے۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں ہے تو وہ بل میں سے ریٹکٹا ہوا باہر نکلا اور کنوئیں میں بکھرے پتھروں کے درمیان ایک چھوٹے سے سوراخ میں گھس کر نیچے زمین کے اندر پانی میں اتر گیا۔

اسی لمحے کنوئیں کے اوپر سے شکھ ناگ بھی نیچے آ گیا۔ وہ اسے اوپر سے دیکھ رہا تھا۔ شکھ ناگ نے اپنے جسم پر ایک جڑی بوٹی کا خاص تیل مل لیا تھا جس کی وجہ سے اس کی تیز بو ہرش ناگ کو نہیں آ سکتی تھی۔ شکھ ناگ بھی جاسوسی کرتا ہرش ناگ کے پیچھے کنوئیں کی تہہ میں اتر کر

گدے بند پانی میں آ گیا۔ آگے آگے ہرش ناگ جا رہا تھا اور اس کے پیچھے شکھ ناگ اس کا تعاقب کرتا چلا آ رہا تھا۔ ہرش ناگ پانی میں برق رفتاری سے بڑھنے لگا۔ شکھ ناگ نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی۔ پھر جب ہرش ناگ پانی کی ویران باؤلی میں سے نکل کر ماریا کے مکان کی طرف بڑھا تو تھوڑی دیر بعد شکھ ناگ بھی باؤلی میں سے نکل آیا اور کیلے کے درختوں کے پیچھے سے ہرش ناگ کو ایک مکان کی طرف جاتے دیکھنے لگا جس کی کوٹھڑی میں دیا جل رہا تھا اور اس کی روشنی کھڑکی میں سے باہر آرہی تھی۔

ہرش ناگ کے لئے تھیوسانگ اور ماریا نے مکان کا دروازہ کھلا رکھ چھوڑا تھا۔ ہرش ناگ کوٹھڑی میں داخل ہوا تو ماریا نے اس کا تعارف تھیوسانگ سے کرایا۔ ہرش ناگ نے کہا

میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہو۔ اس لئے میری بات غور سے سنو۔ ناگ دیوتا جس مردہ اژدھا کے پیٹ میں بند ہے اس پر شیش ناگ کا طلسم ہے اور یہ جگہ چٹانوں سے دور مشرق میں سمندر سے ابھری ہوئی ایک اکیلی چھوٹی چٹان کے نیچے گہرائی میں ہے۔ تھیوسانگ نے پوچھا کہ اژدھا کے طلسم کا توڑ کیا ہو سکتا



ہے۔ ہر شِشِ ناگ بولا۔

یہاں سے دُور جنوب کی طرف سمندر کا پانی ایک  
کھاڑی کی شکل میں ایک دلدلی جنگل میں پھیلا ہوا ہے اس  
جنگل میں کاموس کا ایک پرانا مندر ہے جو آدھا دلدل  
کے اندر دھنسا ہوا ہے اور آدھا باہر ہے۔ اس ویران مندر  
میں شیشِ ناگ کا شیطان گورو کاموس رہتا ہے کاموس ہر  
وقت دلدل میں ڈوبا رہتا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھوں  
میں تلواریں ہوتی ہیں۔ کوئی انسان اُدھر جائے تو وہ دلدل  
سے باہر نکل کر اسے تلوار کے وار سے ہلاک کر ڈالتا ہے  
اس کی دلدلی مکروہ شکل دیکھ کر جانور بھی ادھر کا رخ  
نہیں کرتے۔ اس کے طلسمی جسم میں اتنی طاقت ہے کہ  
اگر اس کا ایک بازو کاٹ دیا جائے تو فوراً اس کی جگہ  
دوسرا بازو نکل رہتا ہے۔ اگر اس کی گردن اڑا دی جائے  
تو اس کی جگہ فوراً دوسری گردن نکل آتی ہے۔

مدیا نے پوچھا

کیا شیشِ ناگ کے طلسم کا توڑ اس دلدلی شیطان  
کاموس کے پاس ہے؟  
ہر شِشِ ناگ بولا۔

اگر کسی طرح کاموس کو مار ڈالا جائے تو اس کے

مُردہ جسم کے چھوٹے ہوئے پیٹ میں سے ایک سیاہ  
مادہ نکل کر فوراً جسم کو پتھر ہو جائے گا وہ پتھر اس کے  
پیٹ پر سے اکھاڑ کر اگر مُردہ اُڑدھا کے جسم پر گرے گا  
تو اُڑدھا پر کیا گیا شیشِ ناگ کا طلسم ختم ہو جائے گا اور  
ناگ دیوتا بھی اپنی اصلی حالت میں آ جائے گا۔ مگر اس  
مکروہ دلدلی انسان کاموس کو ہلاک کرنا ناممکن ہے،  
مدیا نے کہا

” ہمارے لئے ناممکن بات کوئی نہیں ہے ہم اسے  
ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔“

ہر شِشِ ناگ ایک دم چوکنٹا ہو گیا اپنی گردن دروازے کی  
طرف موڑ کر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

مجھے شک ہے ناگ کی ہلکی بدبو آرہی ہے

ہر شِشِ ناگ تیزی سے تخت کے نیچے چھپ گیا۔ مدیا اچھل کر  
کھڑکی میں سے باہر آگئی۔ تھیںوہاں گھڑکی کے پاس لپک کر آیا  
مدیا کی تیز عقابی آنکھوں نے اندھیرے میں ایک سبز رنگ کے  
دو موبنوں والے سانپ کو مکان کی کھڑکی والی دیوار سے پھلانگ  
لگا کر باؤلی کی طرف دوڑتے دیکھا۔ مدیا بھی اس کے پیچھے لپکی۔

کی چنگاریاں ماریا کے جسم کی لہروں میں سے گزرتی چلی جا رہی  
تھیں۔ ماریا کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ سوائے  
اس کے کہ اس کا جسم گرم ہونے لگا تھا۔ ماریا سبز سانپ کو  
لٹکائے ہوئے لے کر مکان میں آگئی۔

تھیوسانگ! یہی وہ سانپ ہے جو ہرش ناگ کی  
جاسوسی کرتا ہے یہ ہماری خبر دینے شیش ناگ کے  
پاس جا رہا تھا۔

ہرش ناگ تخت کے نیچے دبکا پڑا تھا۔ وہ ساری باتیں  
سن رہا تھا مگر ڈر کے مارے باہر نہیں نکل رہا تھا کہ کہیں  
شکھ ناگ اسے جلا کر مجسم نہ کر ڈالے۔  
تھیوسانگ نے کہا۔

اس جاسوس سانپ کو مار ڈالو ماریا۔ فوراً اسے  
ختم کر دو۔

ماریا نے شکھ ناگ کو دم سے پکڑ رکھا تھا۔ اس نے  
اسے ہوا میں تین بار گھمایا پھر اتنی زور سے فرش پر دے  
مارا کہ ایک پٹاخے کی آواز پیدا ہوئی اور شکھ ناگ کی چوٹی  
لاش فرش پر بے حس ہو کر پڑی تھی۔ اب ہرش ناگ تیزی  
سے باہر نکل آیا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

فوراً اس کی لاش پر پانی ڈال دو۔ جلدی کرو۔ نہیں

## دل میں ڈوبامندر

شکھ ناگ تیزی سے بادلی کی طرف بھاگ رہا تھا۔

اس نے ہرش ناگ کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ اسے معلوم  
ہو چکا تھا کہ ہرش ناگ غداری کر رہا ہے اور اس نے ماریا  
اور تھیوسانگ کو ناگ دیوتا پر کئے گئے شیش ناگ کے طلسم  
کا توڑ بتا دیا ہے۔ اب وہ جلدی ہے شیش ناگ کو جا کر  
اس کی خبر دینا چاہتا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ ماریا غیبی  
حالت میں اس کے سر پر پہنچ چکی ہے۔

ماریا اندھیرے میں زمین پر گری ہوئی سوئی بھی دیکھ  
لیتی تھی۔ اس نے سبز سانپ کو باڈلی کی طرف دوڑتے دیکھا  
تو اس کے اوپر عقاب کی طرح بھیڑی اور اسے دم سے پکڑ  
کر اوپر اٹھا لیا۔ ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی شکھ ناگ  
غائب ہو گیا۔ مگر شکھ ناگ نے اپنی گردن اٹھا کر اپنے  
دونوں منہ سے آگ کی چنگاریاں برسانی شروع کر دیں۔ آگ

شیش ناگ کے طلسم سے آزاد کرانے کا راز بتا گیا تھا۔ ماریا نے تھیوسانگ سے کہا۔

سب سے پہلے مجھے سمندر کے بیچ میں جا کر اکیلی چٹان کے نیچے اس اڑوہا کی لاش کو دیکھنا ہوگا جس کے اندر ناگ بچھو کی شکل میں بند ہے

چنانچہ ماریا رات کے اندھیرے میں ہی ایک بار پھر کھلے سمندر کی طرف پرواز کر گئی۔ دوسری طرف ہرش ناگ جتنی تیزی سے بھاگ سکتا تھا باؤلی کے اندر سے ہوتا ہوا اپنے

نویں میں پہنچ گیا اور بل میں گھس کر خاموشی سے کنڈیلی بند کر بیٹھ گیا۔ صبح ہوتے ہی جب شکھ ناگ روز کی طرح ظہیم بجالانے شیش ناگ کے پاس نہ آیا تو اس نے شکھ ناگ کو بلوانے کے لئے ہرش ناگ کو حکم دیا۔ ہرش ناگ

نیا ط کے طود پر صبح کے وقت ہی شیش ناگ کی خدمت میں پہنچ کر اس کو سلام کر کے ایک طرف ادب سے بیٹھ گیا تھا۔ شیش ناگ کے حکم پر ہرش ناگ فوراً اٹھ کر غار

شکھ ناگ کی کوٹھڑی کی طرف دوڑا۔ مگر وہ تو جاتا تھا کہ اب کبھی یہاں واپس نہیں آئے گا۔ پھر بھی کچھ دیر تک غار میں ادھر ادھر گھومتا پھرا۔ اس نے کئی

تو اس کی لاش سے پیدا ہونے والے طلسم کی بہرین اس سارے مکان کو شعلوں میں بدل دیں گی۔

تھیوسانگ نے جلدی سے شکے میں سے پانی ایک ڈونگ نکال کر شکھ ناگ کے رنگ بدلتے فرش پر پڑے جسم پر ڈال دیا۔ ایک دم سے ایسی آواز آئی جیسے کسی نے جلتی ہوئی لکڑی پر پانی ڈال دیا ہو۔ سانپ کے مڑوہ جسم میں سے بھاپ اٹھنے لگی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے فرش پر سانپ کی لاش کا صرف نشان ہی باقی رہ گیا، ہرش ناگ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

مجھے فوراً واپس جانا ہوگا۔ شیش ناگ کو تھوڑی ہی دیر بعد شکھ ناگ کی گمشدگی کا پتہ چل جائے گا۔ زمین اور سمندر کے سارے سانپ اس کی تلاش شروع کر دیں گے۔ میں پھر آؤں گا۔

تھیوسانگ نے پوچھا کہ اگر کچھ سانپ اس طرف آ گئے تو ہمیں کیا کرنا ہوگا؟ ہرش ناگ نے جاتے جاتے کہا۔

انہیں یہاں سے شکھ ناگ کی تیز بو نہیں آئے گی اس لئے کوئی سانپ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ اتنا کہنے کے بعد ہرش ناگ تیزی سے باہر نکل گیا۔ ماریا اور تھیوسانگ کو ناگ کی ننگی پچانے اور اسے



کہا کہ انہوں نے شکہ ناگ کو نہیں دیکھا۔  
ہرش ناگ کچھ دیر بعد واپس شیش ناگ کے پاس  
آیا اور ادب سے بولا۔

”عظیم ناگ دیوتا! شکہ ناگ کو میں ہر جگہ دیکھ  
آیا ہوں۔ وہ غار میں کہیں بھی نہیں ہے۔ لگتا ہے شاید  
وہ سمندر میں کہیں گیا ہے۔“  
شیش ناگ تعجب سے کہنے لگا

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شکہ ناگ کبھی مجھے  
ماتھا کیے بغیر غار سے باہر نہیں نکلا۔ پھر آج وہ کیسے  
چلا گیا۔“

شیش ناگ نے شکہ ناگ کی کھوج کا حکم دے دیا۔

دوسری طرف راتوں رات ماریا فضا میں سمندر کے اوپر  
’رول‘ کرتی جب کوئی دود جنوب میں کھلے سمندر میں آگئی تو اسے  
نیچے ایک چھوٹی سی اکیلی چٹان نظر آئی جو سمندر سے باہر  
نکل ہوئی تھی اور اندھیری رات میں سمندر کی لہریں چاروں طرف  
سے ٹھہرا رہی تھیں۔ ماریا نیچے آگئی۔ اس نے چٹان کے گرد  
ایک چکر لگایا۔ پھر سمندر میں غوطہ کھا گئی۔ یہ غوطہ ایسا  
تھکا دینے والا تھا کہ وہ نہ تھکتی نہ ہمت نہ ہی سمندر کی لہروں کو  
بڑھاتا تھا۔ ماریا نے اس میں چھلانگ لگائی تھی۔ ماریا نظر نہ

آنے والی شعلوں کی طرح پانی کے اندر ہی اندر نیچے چٹان  
کی بنیادوں میں اتر گئی۔ یہاں اس نے جھک کر دیکھا تو اسے  
ایک جگہ ایک اژدھا کا جسم نظر آیا جس پر رنگ کی ایک  
موٹی تہہ جم چکی تھی۔ ماریا کو ناگ کی خوشبو نہیں آ رہی  
تھی۔ اس کی وجہ شیش ناگ کا طلسم تھا۔  
ماریا اژدھا کو چھو نہیں رہی تھی اس نے غور سے  
اژدھا کو دیکھا یہ واقعی وہی اژدھا تھا جس کی بابت ہرش  
ناگ نے اسے بتایا تھا۔ ماریا سمندر سے باہر نکل آئی اور  
واپس اُڑنے لگی۔ اپنے مکان میں آکر اس نے تھیوسانگ  
سے کہا۔

ہرش ناگ نے بالکل ٹھیک کہا ہے تھیوسانگ۔  
کھلے سمندر میں اکیلی چٹان کے نیچے اژدھا کا مردہ جسم  
میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آرہی ہوں۔ اس پر یقیناً  
طلسم کا اثر بھی ہے کیونکہ جب میں اژدھا کے مردہ جسم  
کے قریب ہوئی تو مجھے اس کی طرف سے آتی مقناطیسی  
لہروں کا احساس ہوا تھا۔

تھیوسانگ کو ٹھہری میں ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے ماریا کی  
سمت متوجہ ہو کر چٹکی بجاتے ہوئے کہا  
ماریا! اب یہیں دیر نہیں کرنی چاہئے میں فوراً

دلہا کی ہم شروع کر دینی چاہیے۔ کیونکہ شکہ ناگ کے گم ہو جانے سے شیش ناگ کو ضرور شک پڑ جائے گا کہ ہم لوگ پہنچ گئے ہیں اور اس کے خلاف اپنی ہم کا آغاز کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے شیطان گورو دلدل کے عفریت کاموس کے پاس بھی جائے۔

مدیا کہنے لگی

”تم ٹھیک کہتے ہو مہیو۔ مگر کاموس کو موت کے گھاٹ کیسے اُتارا جائے گا؟ ہرش ناگ کے کہنے کے مطابق تو اگر اس کا سر قلم کیا جائے تو دوسرا سر نکل آتا ہے۔ ایک بازو کاٹا جائے تو دوسرا بازو نکل آتا ہے۔

تھیو ساگ نے کہا

مدیا بہن! اگر ہم اسی طرح سوچتے رہے تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ ہمیں خدا کا نام لے کر یہاں سے چل پڑنا چاہیے۔ کیونکہ ہمارے پاس اب سوچتے رہنے کا وقت جی نہیں ہے۔

ابھی صبح ہونے میں ایک پہر رات باقی تھی کہ مدیا اور تھیو ساگ نے کیٹی کی چھوٹی سی ٹوکری کو مکان کی دیوار میں جی ہوئی نگاری میں رکھا۔ اسے بتایا کہ وہ کہاں جارہے ہیں۔

اگرچہ آگے سے کہی گئی تھی کہ کوئی جواب نہیں دیا مگر بار بار اوپر تھیو ساگ کا خیال تھا کہ کیٹی نے ان کی بات سن لی ہے۔

ہرش ناگ نے انہیں بتایا تھا کہ یہ دوہرا ہند جو آج کل دہلی میں دھنسا ہوا تھا بہت کمزور ایک کھٹاری کے پیکارے جنگل میں سے دو سر ہند کے جنگل میں گھس آئے کی وجہ سے یہ جنگلی ہے اور یہاں کیسی کوئی سیر نہ ہوگی کہ کھینے میں نہیں آتا۔ کیونکہ اس دیول میں جو آدمی غار عفریت کا کاموس رہتا ہے اس کی دہشت سے چاروں طرف اور دیر سے بھی حرکت قلب بند ہوئے سے بھر جاتے ہیں۔ انسان تو اس طرف سے بھی کھینے میں نہیں آیا تھا۔

سیارادین اور گنگو سادی رات تھیو ساگ اور مدیا کو درمندانہ مشہور کے جنوب مشرق کی جانب ہند کے ساتھ ساتھ چلتے رہے بار بار تو ان کو ایک منٹ میں وہاں پہنچ جاتی تھی تھیو ساگ کے لئے اسے بھی قدم قدم اور سکی رفتار کے ساتھ چلنا پڑا۔ آگے روز صبح صبح انہوں نے سمندر میں سے ایک نالے کو نکل کر ایک جنگل کی طرف مڑتے دیکھا۔ مدیا نے اس طرف اشارہ کر کے کہا۔

تھیو ساگ! ہم اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ وہ دیکھو۔ سمندر میں سے ایک نالہ کھڑے ہوئے





ہوتے بولا۔  
 اس کی گیلری ٹوٹ کر نیچے ٹپک رہی ہے اور  
 مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ مندر آہستہ آہستہ دلدل کے  
 اندر جا رہا ہے۔

ماریا کچھ کہتے کہتے سرک گئی۔ سیاہ دلدل ایک جگہ سے کچھ  
 زیادہ اوپر نیچے ہونے لگی تھی۔ ماریا نے سرگوشی کی۔  
 تھیو! ادھر دیکھو۔

تھیوسانگ نے دیکھا کہ سیاہ دلدل مندر کی سیڑھی سے بیس  
 فٹ کے فاصلے پر آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھ رہی تھی۔ اس نے  
 آہستہ سے کہا

”کوئی شے دلدل کے اندر سے باہر نکل رہی ہے۔

دونوں کی آنکھیں سیاہ دلدل پر لگی تھیں۔ دلدل سیاہ کالی  
 تارکوں کی طرح کبھی اوپر کو اٹھتی اور کبھی نیچے ہو جاتی۔ پھر  
 اچانک اس کے اندر سے ایک آدمی کا سر نمودار ہوا۔ یہ سر  
 دلدل سے بھرا ہوا تھا۔ اور اس کی شکل دکھائی نہیں دیتی تھی۔  
 یہ سر کافی بڑا تھا۔ پھر دلدلی آدمی آدھا دلدل سے باہر آ گیا۔  
 اس کے کاڈھے بہت چوڑے تھے اور ایک طرف کو  
 جھکے ہوئے تھے۔ وہ دلدلی کیچڑ میں لت پت تھا وہ اپنے  
 سر کو آگے پیچھے ہلاتا تھا۔ اس کے حلق سے نکلنے والے

”میں دھنوں کے بیج میں سے ہو کر گئی تھی  
 وہاں کسی قسم کے طلسم کا کوئی اثر نہیں ہے۔ ہمیں دھنوں  
 کے بیجے احتیاط سے چلنا ہو گا۔ کیونکہ یہاں کوئی طلسمی  
 چکار موجود ہو سکتا ہے۔

تھیوسانگ بڑی احتیاط سے چھوٹک چھوٹک کر قدم اٹھاتا  
 چل رہا تھا۔ آخر وہ جنگل کے وسط میں سیاہ دلدل کے کنارے  
 پہنچ گئے۔ ماریا اور تھیوسانگ ایک بہت بڑے درخت  
 کے تنے کے پیچھے سے دلدل میں آدھے دھننے ہوئے مندر  
 کو دیکھنے لگے۔ ماریا نے آہستہ سے کہا

”اس جگہ سے ہونے والے مندر کو دیکھ کر یہی محسوس ہوتا ہے  
 کہ اس میں عجوبت رہتے ہوں گے۔

تھیوسانگ نے مندر کو آہستہ سے جھومکا آواز میں کہا  
 ”دلدل کا رنگ کس قدر ڈراؤنا سیاہ ہے اور  
 یہ اوپر سے بھی جلدی ہے۔  
 ماریا بولی۔

”اس دلدل میں کس جگہ وہ آدمی نما عفریت کا موس  
 ڈوبا ہوا ہے۔ جس کی میں تلاش ہے۔  
 تھیوسانگ جھکے ہوئے آسیب زدہ مندر کو غور سے دیکھتے

سانس کی آواز ایسی ڈراؤنی تھی جیسے آدھی رات کے سناٹے میں کوئی عفریت سوکھے پتے پر چل رہا ہو۔ یہ دلدلی آدمی کاموس تھا۔ اس کے بازو لمبے تھے اور بالکل سیدھے ٹکڑے ہوئے تھے۔ دلدلی کاموس اب دلدلی سے گھٹنوں تک باہر آگیا تھا ماریا اور تھیوسانگ درخت کے پیچھے پیچھے اس بات پر حیران ہو رہے تھے کہ یہ دلدلی عفریت اس دلدل سے باہر کیسے آگیا جو ہر شے کو اندر کھینچتی ہے۔ دونوں خاموش تھے۔ جنگل میں دہشتناک سناٹا چھا گیا تھا۔ درخت بھی جیسے سانس روکے کھڑے یہ ڈراؤنا منظر دیکھ رہے تھے۔ دلدلی کاموس مندر کی طرف بڑھنے لگا۔

اس کا سارا جسم دلدل سے بھرا ہوا تھا۔ سانس کی روگٹے کھڑے کر دینے والی آواز برابر آرہی تھی۔ دلدلی کاموس مندر کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ لمبے مگر بوجھل قدم اٹھا رہا تھا۔ مندر کے دروازے میں جانے سے پہلے دلدلی کاموس رک گیا۔ تھیوسانگ نے اپنا سانس روک لیا۔ یہ لگا کیوں ہے؟ تھیوسانگ نے انتہائی دھیمی نگرہی میں کہا۔

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ دلدلی کاموس نے آہستہ آہستہ گردن کو پیچھے گھمایا اور جنگل میں اس جانب دیکھا جہاں تھیوسانگ

اور ماریا پیچھے ہوئے تھے۔ ہو سکتا ہے دلدلی کاموس نے کسی دوسری وجہ سے پیچھے گھوم کر دیکھا ہو مگر تھیوسانگ اور ماریا کو یہی لگا کہ وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔ دونوں اپنی جگہ پر بالکل ساکت ہو گئے۔ دلدلی کاموس نے ایک پل کے لئے جنگل کی طرف ٹانگیں باز کر دیکھا اور پھر گردن پھیر کر بھاری قدم اٹھاتا مندر میں داخل ہو گیا۔ ماریا نے اطمینان کا سانس لیا اور آہستہ سے بولی۔

تھیوسانگ! یہ کیا بلا ہم نے دیکھی ہے؟

تھیوسانگ نے دھیمی آواز میں کہا۔

”ماریا یہی وہ دلدلی عفریت نما انسان ہے۔ جس کو ہلاک کرنے کے بعد ہی ناگ کو سبات مل سکتی ہے۔

ماریا بولی۔

”یہ تو میں بھی جانتی ہوں مگر سوال یہ ہے کہ اس بھیانک شے کو کیسے موت کی نیند سلایا جاسکتا ہے مجھے تو ڈور ہی سے خوف آتا ہے۔

تھیوسانگ نے کہا۔

”خوف کھاتے سے کچھ نہیں بنے گا ماریا۔ اس کام میں تمہیں بہت زیادہ پارٹ ادا کرنا ہوگا۔

ماریا بولی۔

یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔

پیرا میں نے بیویوں تک کے کان کے قریب منہ لگا رکھا  
 تھوڑا میں مارا ہوں۔ جب ایک بڑا معتقد سامنے  
 ہوا تو میں دنیا کے بڑے سے بڑے پہاڑ سے ٹکرا سکتا  
 ہوں تم فکر کیوں کرتے ہو یہ تو ویسے ہی میں ڈر جاتی ہوں  
 ان کو روک دو ہوں۔  
 اب میں کیا کرنا چاہیے؟ تھیوسانگ نے پوچھا  
 دیا بولی۔

"ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ دلدلی کاموس مندر میں کتنی  
 دیر تک رہتا ہے اور وہاں کیا کرتا ہے۔ اس کے لئے ضرور  
 ہے کہ میں خود اندر جا کر اسے دیکھوں۔"  
 تھیوسانگ نے کہا۔

"اس میں خطرہ ہے۔ مندر کی فضا میں طلسم کا  
 اثر ہو سکتا ہے۔ لیکن بے توجہ پر اس طلسم کا اثر ہو جائے۔  
 دیا نے کہا۔

"یہ خطرہ تو ہمیں مول لینا ہی ہوگا۔ تھیوسانگ اور  
 میرے سوا کوئی دوسرا اندر جا بھی نہیں سکتا۔ تم اسی جگہ  
 ٹھہرو۔ میں مندر میں جا کر پتہ کرتی ہوں کہ دلدلی غفریت  
 اندر کیا کر رہا ہے۔  
 تھیوسانگ نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا

اگر خدا نہ کرے تو تمہیں کچھ ہونگیا تو مجھے کیسے پتہ  
 چلے گا؟  
 ماریا بولی۔

جو ہوگا دیکھنا جائے گا۔ پہلا جانا بہت ضروری ہے  
 ورنہ ہم ناگ کو کتبوں والیں زندہ حالت میں نہیں لا  
 سکیں گے۔ میں جا رہی ہوں۔  
 یہ کہہ کر ماریا آہستہ سے بلند ہو گئی۔ تھیوسانگ کو اس کی  
 خوشبو دھڑ جاتی محسوس ہوئی وہ درخت کے پاس بیٹھ گیا اور  
 غور سے دلدلی میں دھنسنے ہوئے مندر کی طرف دیکھنے لگا۔ ہلکے  
 ہلکے بادل پھیلنے پر ہی سے آسمان پر جمع ہورہے تھے۔ جب  
 ماریا چلی گئی تو بادل گہرے ہوتے ہوتے سارے آسمان پر  
 پھاٹ گئے۔ دھوپ غائب ہو گئی اور جنگل اور دلدلی پر بادلوں کا  
 سایہ پھیل گیا۔ فضا اور زیادہ پُر اسرار ہو گئی۔ تھیوسانگ کو  
 خیال آنے لگا کہ اسے ماریا کو نہیں جانے دینا چاہیے تھا  
 دلدلی کاموس کوئی نارمن آدمی نہیں ہے وہ طلسم کا پتلا ہے اور  
 شیش ناگ کے خاص جادو کے اثر میں ہے۔ کہیں ایسا نہ  
 ہو کہ ماریا کسی معینہ میں چھٹس جائے۔ مگر اب تیرا کمان  
 سے نکلی چکا تھا۔ ماریا جا چکی تھی۔  
 ماریا دکھائی بلند ہوتے ہی آہستہ آہستہ ہوا میں تیرتے



سے گزر کر گی تھا۔ ماریا پھونک پھونک کر آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ چاروں طرف سے چوکس تھی ابھی تک ماریا کو کسی ظلم کا احساس نہیں ہوا تھا۔ راہ داری میں آگے مگڑی کا ایک ستون گرا ہوا تھا۔ ماریا اس کے قریب سے ہو کر گزر گئی اب اسے دلدلی کاموس کے گہرے سانس لینے کی آواز آنے لگی۔ وہ رک گئی اور کان لگا کر اس آواز کو سننے لگی۔

اس آواز میں ایک عجیب سا خوف اور دہشت تھی۔ کسی وقت ماریا کو محسوس ہوتا کہ دلدلی عفریت تکلیف میں ہے۔ کسی وقت محسوس ہوتا کہ وہ کسی شے کو اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ماریا دھیرے دھیرے راہ داری میں آگے بڑھتی گئی۔ دلدلی کاموس کے سانس کی آواز اب قریب آتی جا رہی تھی۔ ماریا فرش سے دس فٹ بلند ہو کر

چھت سے خدانہی ہو کر فضا میں آگے کو تیر رہی تھی۔ آگے سے ایک دیوار میں روشنندان نظر آیا جس میں مکڑیوں نے جالے بن رکھے تھے۔ سانس کی جہش اڑا دینے والی آواز اسی روشنندان میں سے آ رہی تھی۔ ماریا نے بہت آہستہ سے آگے بڑھ کر اپنی آنکھیں روشنندان کے

پوسٹے میں داخل کے اوپر آگئی پھر اس نے ہلے ہلے ہونے ہونے کے ساتھ بڑھنا شروع کیا۔ مندر کے دروازے کے قریب پہنچ کر روک گئی۔ وہ یہ قسمی کرنا چاہتی تھی کہ وہیں کوئی لہو کے باد کا اثر تو نہیں ہے۔ ماریا کے جسم کو زو کوئی جھٹکا سا تھا جو نہ ابھی تک کسی باد کی ہر کو اپنے جسم پر غور کیا تھا۔ اس کا جسم ہروں کی شکل میں تھا اور وہ معمولی سے خود کسی ہر کو بھی محسوس کر سکتی تھی۔

وہ بے حد دھیمی رفتار سے مندر کے دروازے میں آگئی۔ مندر کے مندر پر پہنچ کر چھٹی تھی۔ بادلوں میں دھیمی سی گرج کی آوازیں گون۔ مندر کے مندر کے دروازے کے مندر تک پہنچ گئی۔ نیچے ٹوٹے ہوئے فرش اور میڑھیوں پر متعدد کاموس کے ریتوں کے کچھڑا کھو نشان پڑے ہوئے تھے جو آہستہ سے مندر کے دروازے میں داخل ہو گئی۔

سب سے پہلی چیز جو اس نے محسوس کی وہ بندھیری تھا۔ بندھیری بندھیری۔ مندر کے دروازے کی دوسری طرف ایک تھک رہی تھی۔ جس کا مگڑی کا جھٹکا جھٹکا سے کھڑا ہوا تھا۔ سب سے پہلی بندھیری تھی جس نے دیکھا کہ مگڑی کے کھڑے ہونے فرش پر دھیمی بندھیری کے چھٹ کے ساتھ بندھیری بندھیری تھی۔

چھڑا تھا مگر مدیا اندھیرے میں صاف صاف دیکھ سکتی تھی۔  
اس نے دیکھا کہ دلدی حضرت کاموس کوٹے سے پھوٹے گڑا گڑا  
فرش پر آتی پالتی مارے بیٹھا ہے اس کا اونچا لمبا جسم  
دلدل کے کچھڑ میں لت پت ہے اس کے دونوں ہاتھوں  
میں کالے رنگ کا کچھوٹے کے ساڑھے کے برابر ایک بچھو  
ہے جس کو وہ بار بار اپنے منہ کے قریب لاتا ہے اور بچھو  
اپنے خوفناک ڈنگ سے اس کے دلدل میں لٹھرتے ہوئے  
ہوٹوں پر دس رہا ہے۔ بچھو کا ڈنگ لگتا ہے تو دلدی کاموس  
کے صحن سے ایک عجیب سی آواز نکلتی ہے۔ اس آواز میں  
تکلیف جی ہے بہ راحت جی ہے۔

مدیا روشن سے لگی وہ بھینٹ منظر خاموشی سے  
دیکھ رہی کچھ عموں کے بعد دلدی کاموس نے بچھو کو فرش پر  
رک دیا۔ بچھو آہستہ آہستہ چلتا ہوا کونے میں بنے ہوئے  
ایک گول سوراخ میں غائب ہو گیا۔

دلدی کاموس آہستہ سے اٹھا اور بوجھل قدم اٹھاتا ہوا  
دروازے کی طرف بڑھا۔ مدیا تیزی سے پیچھے ہٹی اور ایک  
جی جت میں راہ داری سے سمجھتا ہوا مندر کے دروازے  
میں رک گئی۔ دلدی کاموس کے سامنے کی آواز قریب آرہی  
تھی۔ وہ دلدی کے دل کو لٹوٹا رہا تھا۔ مدیا منہ کے دروازے

سے اچھل کر ضلایں بلند ہو گئی اور پھر دلدل کے اوپر آکر  
بادل کے چھوٹے سے نظرنے آئے والے ٹکڑے کی طرح رک  
گئی۔ آسمان پر کالی گھٹا پوری طرح چھا چکی تھی اور بجلی وہ رہ  
کر چمک رہی تھی۔ پھر ہلکی ہلکی بارش شروع ہو گئی۔  
مدیا ہلکی پانہ سے دروازے کی طرف تک رہی تھی دلدی  
کاموس بوجھل قدم اٹھاتا اپنے دونوں لمبے بازو لٹکائے اپنی  
گردن کو آگے بڑھے اور واپس باپیں ہلاتا دروازے میں نمودار  
ہوا۔ اس نے اپنا کچھڑ میں لت پت چہرہ اوپر آسمان کی  
طرف اٹھایا۔ مدیا نے فوراً اپنا سانس روک لیا۔ دلدی کاموس  
شاید پیش کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ منہ کی پٹھیاں  
بڑھ کر دلدی میں گھس گیا۔ کالی دلدل نے اسے نگلنا شروع  
کر دیا۔ کاموس ایک پتھر کی طرح بن گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ  
دلدل میں دفن ہو جا رہا تھا۔ اس کے آدھے بازو غائب ہوئے  
پھر اوپر نیچے ہوتی دلدل اس کی گردن تک پہنچ گئی دیکھتے  
ہی دیکھتے اس کا چہرہ پھر سر بھی دلدل کے اندر چلا گیا۔ دلدل  
زور زور سے بٹنے لگی پھر اس کی تیزی ختم ہو گئی اور پہلے  
کی طرح آہستہ آہستہ اوپر نیچے ہونے لگی۔

مدیا تیزی سے واپس ہوئی اور سیدھی تھیوسانگ کے  
پاس پہنچی۔ تھیوسانگ پریشانی کے عالم میں اس کی راہ دیکھ

ملا تھا۔ اسے ماریا کی تیسز خوشبو آئی تو وہ سرگوشی میں بولا۔

ماریا! تم آگئیں؟ خدا کا شکر ہے۔

تھیوسانگ کے پوچھنے پر کہ اس نے مندر میں کیا دیکھا ماریا نے تھیوسانگ کو ایک ایک بات بیان کر دی تھیوسانگ بولا۔

یہاں سے واپس چلو۔

وہ دلدلی جوہڑ سے ہٹ کر جنگل میں واپس چلنے لگے تھیوسانگ نے کہا

ضروریہ دلدلی عفریت اس بچھو سے روز اپنے آپ کو ڈسواتا ہوگا۔ ہو سکتا ہے بچھو کا زہر اس کے ظلم کے لئے ضروری ہو۔

ماریا بولی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس عفریت کو کیسے ختم کر سکتے ہیں۔

تھیوسانگ کہنے لگا۔

اگر ہم بچھو کو ہلاک کر دیں تو دلدلی کانوس پر اس کا ضرور اثر پڑے گا ہو سکتا ہے وہ زہر نہ ملنے کی وجہ سے بے ہوش ہو جائے یا بچھ اپنے آپ مر بھی سکتا ہے۔

ماریا نے کہا

یہ مت بھولو کہ یہ دلدلی عفریت شیش ناگ کا پالا ہوا اور اس کے ظلم کے اثر میں ہے۔ وہ اتنی آسانی سے محض بچھو کا زہر نہ ملنے کی وجہ سے ہمیں مر سکتا۔

تھیوسانگ بولا۔

میرا تو خیال ہے کہ ہمیں پہلے بچھو کو مارنا چاہیے پھر یہ دیکھیں گے کہ اس پر بچھو کی موت کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اس کے ردِ عمل کی روشنی میں ہم آگے منصوبہ تیار کریں گے۔

ماریا سوچتی رہی وہ جنگل میں چلتے چلتے کافی آگے نکل گئے تھے۔ ماریا کو تھیوسانگ کی تجویز کچھ زیادہ پسند نہیں آئی تھی لیکن کچھ نہ کرنے سے اس تجویز پر عمل کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ اس نے کہا

ایسا کو کے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ مگر میری ایک شرط ہے۔

وہ کیا ہے؟ تھیوسانگ نے پوچھا

ماریا نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ دلدلی عفریت کے زہریلے بچھو کو مارنے میں ہی جاؤں گی۔ تم نہیں جاؤ گے۔ تھیوسانگ بولا۔



اس میں شرمہ غلطو ہے ماریا اور پھر رقم ایک  
گورت ہو۔ میرا مطلب ہے.....

ماریا نے تھیوسانگ کی بات کاٹ کر غصتے سے کہا

”یہ بات بھرمیت کہنا میں گورت ضرور ہوں۔ مگر  
بہادری اور ہمت میں کسی بہادر سے بہادر مرد سے کم  
نہیں ہوں“

تھیوسانگ نے فوراً معذرت پیش کی اور کہا۔

”عطانی چاہتا ہوں ماریا بہن! میرا ہرگز یہ مطلب  
نہیں تھا میں تو صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ اب میں  
تجربہ نہیں ہوں گا۔ مگر خود جانو گے۔“  
ماریا نے کہا۔

تھیوسانگ! مندر میں ضرور کوئی طعنے موجود ہے۔ وہ  
نزدہ زمان پر اثر کر سکتا ہے۔ میں چونکہ جسمانی حالت  
میں نہیں ہوں اس لئے مجھ پر اس کا اثر نہیں پڑتا۔ اسی  
لئے میں تمہیں وہاں نہیں بھیجنا چاہتی۔ میں ایک بار  
مندر میں جا چکی ہوں اس لئے اب بھی میرا جانا ہی  
مناسب رہے گا۔

اس طرح باتیں کرتے کرتے ماریا اور تھیوسانگ اپنے  
مکان میں پہنچ گئے۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو باہر ایک

گئی۔ بادل چھا گئے اور چاند نکل آیا۔ جنگل کی بھگی ہوئی  
فضا میں چاند کی دھیمی روشنی بڑی پُر اسرار لگنے لگی۔ ماریا  
رات کو مندر میں جا کر بچھو کو ہلاک کرنا چاہتی تھی۔ تھیوسانگ  
اس کے جانے کی وجہ سے پریشان تھا۔ مگر ماریا رکنے والی  
نہیں تھی۔ یہ ناگ کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔

چنانچہ وہ تھیوسانگ کو فکر مند چھوڑ کر دلدی جنگل کی طرف  
اڑ گئی۔ رات کے پہلے ہی پہر وہ دلدی مندر کے قریبی جنگل  
میں پہنچ گئی۔ وہ بمرق رفتاری سے اڑتی ہوئی آئی تھی درختوں  
سے نکل کر اس نے مندر کی طرف دیکھا۔ پُر اسرار چاندنی  
اور جنگل کے مہیگے ہوئے سناٹے میں مندر بے حد ڈراؤنا  
اور آسیب زدہ لگ رہا تھا۔ دلدل اسی طرح آہستہ آہستہ  
اوپر نیچے ہو رہی تھی اور کہیں کہیں سے اس کی تارکول ایسی  
سطح پر سے بیلے بھی اٹھ رہے تھے۔

ماریا دلدل کے اوپر سے اڑتی ہوئی مندر کے ٹوٹے  
ہوئے دروازے میں سے گزر کر اندر چلی گئی۔ راہ داری  
اسی طرح ویران تھی۔ ماریا شکستہ ستون کے قریب سے  
ہو کر دیوار والے روشندان کے پاس آ گئی اس نے بھانک  
کہ اندر دیکھا اندر کوئی نہیں تھا۔ گرد آلود فرش سنان اور  
خالی پڑا تھا۔ ماریا دروازے میں سے اندر نہیں جانا چاہتی

تھی۔ اسے ڈر تھا کہ ہو سکتا ہے دروازے میں جادو کیا گیا ہو۔

وہ روشندان میں لگے ککڑی کے جالوں میں سے اس طرح گزر گئی کہ ایک بھی جالا ٹوٹنے نہ پایا۔ وہ آہستہ آہستہ کمرے کے فرش پر اتر آئی احتیاط کے طور پر ماریا فرش پر پاؤں نہیں رکھنا چاہتی تھی کہ کہیں کسی طلسم میں نہ پھنس جائے۔ اس سے پہلے ایسا کئی بار ہو چکا تھا۔ وہ سیدھی دیوار کے کونے ہی اس سوراخ کے پاس آئی جس کے اندر بڑا بچھو اس نے جاتے دیکھا تھا۔ یہ سوراخ ککڑی کی دیوار کو توڑ کر بنایا گیا تھا۔

ماریا سوراخ کے اندر داخل ہو گئی۔ اس کے راستے میں کوئی بھی شے رکاوٹ نہیں بن سکتی تھی۔ سوراخ آگے جا کر کھلا ہو گیا۔ کیا دیکھتی ہے کہ کونے میں وہی کچھوے کے سائے کہ وہ بچھو اپنی دم اٹھائے بیٹھا ہے۔ بچھو کو بھی وہ بچھو کے سائے میں ہنس رہا تھا۔ اس کے منہ سے وہی ککڑی کی آواز آ رہی تھی۔ اس کی طلسم کے خوف سے وہ بچھو کے سائے میں ہنس رہا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی زور سے جھٹکا تو بچھو نے اس کے پاس سے ہٹ کر دھڑک دھڑک کر

گر پڑا۔ گرتے ہی بچھو نے پھینکارنا اور ادھر ادھر دوڑنا شروع کر دیا۔

ماریا نے اسے اٹھالیا اور پوری طاقت سے دیوار کے ساتھ دے مارا۔ معمولی سے دھماکے کی آواز آئی اور بچھو کے کنتے ہی ٹکڑے فرش پر بکھر گئے اس کے ساتھ ہی ماریا کو ایک چیخ کی آواز سنائی دی یہ آواز باہر سے آئی تھی۔ ماریا تیزی سے سوراخ میں سے باہر آ گئی۔ پھر روشندان کی طرف فضا میں غوطہ لگایا۔ روشندان سے ہوا کے تیز جھونکے کی حرکت نکل کر بوسیدہ اندھیری راہ داری میں آئی تو اسے سامنے سے دلدلی عفریت سخت غضبناک حالت میں آتا نظر آیا۔ وہ وحشیانہ انداز میں اپنی گردن آگے پیچھے دائیں بائیں ہلاتی رہی۔ دلدلی کچھو ابھی تک اس کے دیوہیل بھرے جسم پر سے ٹپک رہا تھا۔ وہ سخت عفرت میں تھا اور غلغلی سے ڈراؤنی آوازیں نکال رہا تھا۔

ماریا جلدی سے چھت کے ساتھ لگ گئی۔

دلدلی کاموس دھڑ دھڑاتا عفرت کے عالم میں تھر تھرتھرتا رہا۔ اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں رات کو وہ بچھو سے اپنے منہ کو ڈسوا رہا تھا۔ ماریا لپک کر روشندان کے سامنے آگئی۔ ایک بات سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا کہ

دلہلی کاموس کو ماریا کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ ماریا نے دیکھا کہ دلہلی کاموس ٹوٹے پھوٹے خالی کمرے میں جاتے ہی بچھو کے سوراخ کے پاس بیٹھ گیا پھر اس نے اپنا ہاتھ لمبا کر کے سوراخ میں ڈالا اور اندر سے کالے بچھو کے ٹکڑے باہر نکال لئے۔ وہ ان ٹکڑوں کو دیکھ کر غصے سے ایک بار کانپا۔ پھر ایسی جھیاٹک پیچ ماری کہ ماریا کی بھی پیچ نکل گئی۔

ماریا کے ساتھ زندگی میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ کسی کی دہشت ناک پیچ سن کر خوف کے مارے وہ بھی پیچ اٹھی ہو۔ یہ قدرتی طور پر ہوا تھا اس پر ماریا کا اختیار نہیں تھا۔ ماریا کی پیچ کی آواز سننے ہی دلہلی کاموس نے اپنا لال لال آنکھوں والا دلہلی چہرہ اٹھا کر دیوار کے روشندان کی طرف دیکھا۔ ماریا اپنی جگہ پر برف کی طرح سُن ہو کر رہ گئی۔ اس کے اندر اتنی بھی طاقت باقی نہ رہی کہ وہ اپنی جگہ سے ذرا سی بھی حرکت کر سکتی۔ ایک سیکنڈ کے ہزاروں حصے میں دلہلی عفریت کی ایک سرخ آنکھ میں سے سرخ شعاع نکل کر روشندان میں ماریا کے غیبی جسم پر پڑی اور ماریا ہو دیاں سے بھاگنے ہی والی تھی۔ وہیں کی وہیں سن ہو کر جیسے پتھر ہو گئی اور پھر غیبی حالت سے جسمانی حالت میں آ کر

دھب سے فرش پر گر پڑی۔

دلہلی کاموس نے ایک اور پیچ بلند کی اور جھک کر ماریا کو دیکھا۔ ماریا اب پوری جسمانی حالت میں نظر آرہی تھی اس کا چہرہ زرد تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ دلہلی کاموس نے ماریا کو اس کے بالوں سے پکڑا اور گھسیٹا ہوا کمرے سے باہر لے آیا۔ پھر سنان رہ داری میں چلنے لگا۔ وہ بے ہوش ماریا کو اپنے پیچے گھسیٹے لئے چلا آ رہا تھا۔ دلہلی کاموس کے علق سے غضبناک آوازیں ابھی تک نکل رہی تھیں۔

وہ مندر کی سیڑھیاں اترنے لگا۔ ماریا کا جسم اچھل اچھل کر سیڑھیوں سے نیچے گر رہا تھا۔ دلہلی عفریت دلہلی میں اتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی ماریا کو بھی اس نے دلہلی میں کھینچ لیا۔ ماریا کا جسم بجلی دلہلی میں گرتے ہی نیچے ڈوبنے لگا۔ دلہلی اوپر نیچے ہو کر ماریا کو نیچے لئے جا رہی تھی۔ دلہلی کاموس کا جسم سے آوھے سے زیادہ دلہلی میں اتر گیا تھا۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ ماریا کو لے کر کالی سیاہ دلہلی میں غائب ہو گیا۔

تھیوسانگ کو ماریا کے بارے میں کافی تشویش تھی۔ جب ماریا کو گئے کافی دیر ہو گئی اور وہ واپس نہ آئی تو تھیوسانگ کو پریشانی ہوئی۔



اسے اور تو کچھ نہ سوچا وہ مکان سے نکل کر سیاہ دلدل والے مندر کی طرف چل پڑا۔ شام ہونے سے پہلے وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ جنگل کے ویران شاٹے میں دلدل کے نیچے میں آسیب زدہ مندر اسی طرح ایک طرف کو جھکا ہوا تھا۔ دلدل اسی طرح سانس لے رہی تھی۔ چاروں طرف گہری خاموشی تھی۔ ماریا کی خوشبو بھی کسی طرف سے نہیں آ رہی تھی۔ تھیوسانگ جھاڑیوں کے پیچھے سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ بے حد فکر مند تھا۔ کیونکہ ماریا وہاں کہیں نہیں تھی۔ اگر وہ مندر میں ہوتی تو تھیوسانگ کو اس کی خوشبو مزور آ جاتی۔ دلدلی عفریت کا موس بھی وہاں نہیں تھا شاید وہ دلدل کی تاریک گہرائیوں میں چپ چاپ پڑا تھا۔ تھیوسانگ نے کچھ دیر جنگل میں بھی ماریا کو تلاش کیا مگر اسے ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ مندر کے اندر نہیں جاسکتا تھا۔ کیونکہ مندر کے ارد گرد گھناؤنی اور خطرناک ترین آدم خور دلدل پھیلی ہوئی تھی۔ تھیوسانگ خاموشی سے سر جھکائے واپس آگیا۔ آخر وہی ہوا تھا جس کا اسے ڈر تھا۔ کاش وہ ماریا کو روک لیتا۔ اسے یقین تھا کہ ماریا دلدلی کا موس کے طعم کا شکار ہو گئی ہے اور اب اس کا کھوج لگانا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ تھیوسانگ کو ناگ کے وفادار سانپ

اور شیش ناگ کے خاص درباری سانپ ہرش ناگ کا خیال آگیا۔ ہرش ناگ سے ملنا چاہیے۔ اس سلسلے میں وہی کچھ بتا سکتا ہے کہ ماریا کہاں گم ہو گئی۔ مگر تھیوسانگ خود ہرش ناگ کے پاس زمین کے اندر ہی اندر سے ہو کر کنوئیں میں نہیں جا سکتا ہے۔ اس کے لئے انتظار کرنا بھی مشکل تھا۔ ایک ایک لمحہ اس پر بھاری گزر رہا تھا کہ نہ جانے ماریا کس حال میں ہوگی اور کس عالم میں ہوگی۔

دوسری طرف ہرش ناگ بھی ماریا اور تھیوسانگ سے ملنے کو بے چین تھا کہ کچھ پتہ کرے۔ انہوں نے ناگ دیوتا کو سمندر کے نیچے سے نکالنے کے بارے میں کیا کیا ہے؟ اور شکھ ناگ کی گمشدگی ابھی تک ایک مہمہ بنی ہوئی تھی۔ شیش ناگ نے دنیا کے تمام ملکوں کی جانب سانپ دوڑا دیئے تھے کہ وہ شکھ ناگ کو جہاں بھی وہ ہو ڈھونڈ کر لائیں۔ شیش ناگ کو ہرش ناگ پر شک اس لئے نہیں تھا کہ ہرش ناگ میں شکھ ناگ کو ہلاک کرنے یا گم کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ اس نے ہرش ناگ کو حکم دیا کہ وہ سمندر میں جا کر شکھ ناگ کا کھوج لگائے۔

یہ حکم پا کر ہرش ناگ پٹانوں کے نیچے سے ہو کر کھلے سمندر کی طرف چلا۔ خدا دور جاتے ہی وہ سمندر سے باہر

نکل آیا۔ اور ماریا تھیوسانگ کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔  
اس وقت رات کا پچھلا پہر گزر رہا تھا۔

شہر سو رہا تھا۔ تارے نہم ہو کر نمٹانے لگے تھے۔  
ہرش ناگ جنگل کی طرف سے ہو کر تھیوسانگ ماریا کے  
مکان پر آگیا۔ اس وقت تھیوسانگ کمرے میں تخت  
پر بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ الماری  
میں سے کیٹی کی چھوٹی سی ٹوکری نکال کر اسے ماریا کے اچانک  
گم ہو جانے کے متعلق بتا چکا تھا۔ کیٹی کو بھی یہ سن کر بے حد  
تنبلیش ہوئی تھی مگر وہ زبان سے تھیوسانگ کے آگے اس  
افسوس کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔

طاق میں دیا جل رہا تھا۔

اچانک جھنکار کی آواز آئی۔ تھیوسانگ نے چونک کر  
دیکھا۔ دروازے میں سے ہرش ناگ چھن اٹھائے اس کی  
طرف آ رہا تھا۔ تھیوسانگ نے پریشان ہجے میں ہرش ناگ کو  
ماریا کے اچانک گم ہو جانے کے بارے میں بتایا تو ہرش  
ناگ وہیں رک گیا۔ پھر آہستہ آہستہ تھیوسانگ کے پاس  
آگیا اور بولا۔

یہ اچھا نہیں ہوا تھیوسانگ مہائی۔ ماریا بڑی  
مشکل میں پھنس گئی ہے۔

مگر وہ ..... وہ کہاں ہے؟ تھیوسانگ نے پوچھا  
ہرش ناگ نے اسے بتایا کہ ماریا دلدلی عظمت کاموس  
کے طلسم کی زد میں آگئی ہے وہ ضرور اسے اپنے ساتھ  
دلدل میں لے گیا ہوگا۔ یہ سن کر تھیوسانگ گھبرا  
گیا۔ بولا۔

”میں ابھی جا کر ساری کی ساری دلدل کو کھنگال  
ڈالوں گا۔ میں ماریا کو زمین کے اندر سے بھی نکال  
لاؤں گا۔“

ہرش ناگ نے کہا  
تھیوسانگ بچوں ایسی بات نہ کرو۔ تم ایسا نہیں  
کر سکتے۔ اس کے لئے تمہیں سوچ سمجھ کر کسی منصوبے سے  
کام لینا ہوگا۔

تھیوسانگ نے ہرش ناگ کو اب پہلی بار بتایا کہ اس کی  
ایک ساتھی کیٹی بھی ان کے پاس ہے مگر وہ بھی ایک زندہ  
لاش کی شکل میں ہے اور میں نے اسے چھوٹا بنا کر ٹوکری میں  
ڈال رکھا ہے۔ اس وقت ہرش ناگ پر یہ مجید بھی کھلا کہ  
تھیوسانگ کسی شے کو اپنی ایک خاص انگلی سے چھو کر  
چھوٹا کر سکتا ہے۔ تھیوسانگ نے الماری میں سے  
کیٹی کو نکال کر دکھایا تو ہرش ناگ بولا۔

کی ہو گئی۔ ہرش ناگ نے کیٹی کو غور سے دیکھا۔ اس کے  
بے حس جسم کے گرد ایک چکر لگایا اور پھر اس کی گردن  
کے قریب کندھے پر آہستہ سے منہ رکھ کر اپنے دانت اس  
کے جسم میں ڈالے اور زور سے سانس اوپر کو کھینچا۔ پھر  
جب اپنا منہ پیچھے ہٹایا تو کیٹی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

تھیوسانگ !

یہ کہہ کر اس نے تھیوسانگ کا ہاتھ منہ میں لیا۔ تھیوسانگ  
نے کیٹی کے سر پر پیار کیا اور بولا۔

”شکر ہے تم زندہ حالت میں آگئیں۔ اس کے لئے

تمہیں ہرش ناگ کا شکر یہ ادا کرنا ہو گا۔“

کیٹی نے ہرش ناگ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔  
کیٹی نے کہا

ماریا کے گم ہو جانے اور اب اس کے دلدل میں  
چلے جانے کے سلسلے میں ہرش ناگ نے جو جو باتیں کی ہیں  
وہ ساری کی ساری میں نے سن لی ہیں تھیوسانگ۔ میرا  
خیال ہے کہ تمہارا دلدل میں جانا تمہیں بھی شدید خطرے  
میں ڈال دے گا۔

تو پھر ہم ماریا کو دلدل سے کیسے نکالیں گے۔ تھیوسانگ  
مایوسی سے بولا۔

کیا تم اسے بڑا کر سکتے ہو؟

”کیوں نہیں؟“ تھیوسانگ بولا۔ مگر اس کا فائدہ کیا ہو گا  
اگر مجھے ماریا کی تلاش میں کہیں اچانک جانا پڑ گیا تو کیٹی  
کی طرف سے مجھے پریشانی نہیں ہوگی اور اسے میں جیب  
میں ڈال کر جی لے جا سکتا ہوں۔

ہرش ناگ نے کہا

تم اسے بڑا کرو میں اسے پھر سے ہوش میں لے  
سوں گا۔

تھیوسانگ تعجب سے ہرش ناگ کو دیکھنے لگا۔

کیا تم واقعی یہاں کر سکتے ہو۔ ہرش ناگ !

سنو۔ اس تمہاری ساتھی پر جس کا نام تم نے

کیٹی بتایا ہے۔ ایک خاص زہریلی دھوا کا اثر ہوا ہے

جو سمندر میں پائی جاتی ہے۔ میں اپنے زہر سے اس

کے زہر کو کاٹ دوں گا اور کیٹی ہوش میں آجائے گی۔

کیٹی یہ سن کر بڑی خوش ہوئی کہ اسے بھی اس مصیبت

سے نجات ملنے والی ہے۔

تھیوسانگ نے کیٹی کو ٹوکری میں سے نکال کر فرش

پر بچھی ہوئی صدف پر ٹا دیا پھر اسے اپنی دوسری انگلی سے  
خاص انداز میں چبھوا تو وہ ایک سیکنڈ میں پورے انسانی سائز



ہرش ناگ نے کہا

وہ صرف اکیلے ہی دلدل میں نہیں ہے۔ تم شاید  
بھول گئے ہو کہ اسے دلدلی عفریت اپنے ساتھ لے  
گیا ہے اور دلدلی عفریت کی طاقت کا اندازہ ابھی تم  
نہیں لگ سکتے۔ اس کے پاس طلسم ہی نہیں ہے بلکہ  
وہ کسی عام انسان کے ہاتھوں میں بھی بن سکتا،  
کیٹی اور تھیوسانگ فکر اور تشویش میں ڈوب سے گئے کیٹی  
نے ہرش ناگ سے پوچھا کہ وہ کونسا طریقہ ہے جس پر عمل  
کرتے ہوئے وہ دلدلی عفریت کے طلسم اور دلدل  
کے عذاب سے بچا سکتے ہیں۔ ہرش ناگ نے اپنی گردن  
نیچے کر لی پھر سر اٹھی اور کہنے لگا۔

دلدل کا عفریت کاموں ہفتے میں ایک رات مندر  
میں کالے بچھو سے ڈسوانے آتا تھا۔ بچھو کے زہری  
سے اس کے جسم کو طاقت ملتی تھی۔ اس کا بچھو ماریا  
نے بلا کر ڈالا ہے۔ اب وہ کسی دوسرے بچھو کو  
زمین کے اندر سے نکال کر لائے گا اور ہر ہفتے اس سے  
خود کو ڈسوائے گا۔ ماریا اسی رات گم ہوئی ہے جس رات  
کاموں خود کو بچھو سے ڈسوانے مندر میں گیا تھا۔ اس  
صباح سے آج سے چار دن بعد پانچویں رات کو دلدلی

عفریت پھر خود کو بچھو سے ڈسوانے دلدل سے نکل کر  
مندر میں جائے گا۔ اس رات تو دلدل والے گئے  
جنگل میں پہنچ جانا کیٹی کو اسی مکان میں رکھنا ہوگا میں  
تمہیں آدھی رات سے کچھ ہی پہلے وہیں جنگل میں آکر  
مون گا۔ تمہیں کیا کونا ہوگا؟ یہ میں تمہیں اسی رات جنگل  
میں آکر بتاؤں گا۔ اب میں جاتا ہوں۔ مجھے بھی سخیش ناگ  
کی طرف سے خطرہ ہے وہ سمجھ گیا ہے کہ میں اس کا  
دشمن اور اسی ناگ کا وفادار ہوں۔ اچھا۔ میں چلا۔

ہرش ناگ چٹا گیا تو کیٹی اور تھیوسانگ ماریا کے  
کارے میں باتیں کرنے لگے پھر انہوں نے عنبر کے متعلق  
محفلتوں کی کہ وہ کہاں اور کس شہر میں ہوگا۔

پانچویں رات بڑی اندھیری تھی۔ آسمان پر چاند  
نہیں تھا۔ تاریکی کی گہری چادر چاروں طرف پھیلی  
تھی۔ تھیوسانگ نے کیٹی کو اس تاکید کے ساتھ  
مکان میں ہی رہنے دیا کہ وہ ہرگز ہرگز باہر مت نکلے۔  
اور خود رات کے اندھیرے میں دلدلی مندر والی  
کھاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ تاریکی میں ایک چھوٹا  
سارا سبز درختوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔ تھیوسانگ  
اس جنگلی راستے پر چلنے لگا۔ تاریکی میں گولے بھرنے

درختوں کے نیچے سے سناٹے اور خاموشی کی ایسی  
 بہری تھیو سائنگ کی طرف لپک رہی تھیں۔



د آگے کیا ہوا۔ اگلی قسط خونی رازہ ۱۲۶ میں پڑھیے۔



# کڑکڑ

ایک عجیب

PDFBOOKSFREE.PK





# دلہلی عفریت کی تباہی

تھیوسانگ اکیلا اندھیرے جنگل میں چلا جا رہا تھا۔  
اس کی منزل جنگل کے درمیان میں واقع دلہلی ٹاپو کا وہ  
اےسیب زدہ ویران مندر تھا جہاں جانے کے بعد ماریا غائب ہو  
گئی تھی۔ ناگ دیوتا کے وفادار اور شیش ناگ کے باغی ہر ش  
ناگ نے تھیوسانگ کو جنگل کی طرف بھیجا تھا اور کہا تھا کہ وہ  
کھاڑی کی دلہلی کے پاس پہنچ کر اس کا انتظار کرے۔

تھیوسانگ کو ماریا  
کی بہت فکر لگی تھی۔ جبکہ ناگ تین چٹانوں والے زیر زمین  
شیش ناگ کے طلسم سے کھلے سمندر میں چھوٹی چٹان کے نیچے  
مردہ اژدھا کے پیٹ میں بچھو کی شکل میں بے حس پڑا تھا۔  
تھیوسانگ جب دلہلی ٹاپو کے قریب آیا تو بڑی احتیاط  
سے چلنے لگا۔ رات سناں اور اندھیری تھی۔ جنگل کے تاریک  
درخت خاموش کھڑے تھے۔ تھیوسانگ کو دلہلی میں آدھا



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
www.pdfbooksfree.pk

ترتیب

- دلہلی عفریت کی تباہی
- فرعون سانپ کا منکا
- موت کی اگر بتی
- لاوے کا اہرام
- نونی راز



ڈوبا اور ایک طرف کو جھکا ہوا پرانا مندر نظر آیا۔ وہ دلدل کے کنارے ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اسے ہرش ناگ کا اختلاف تھا۔ چاروں طرف موت ایسی خاموش چٹانی تھی۔ مندر اندھیرے میں کسی مجھوت کی طرح نظر آ رہا تھا۔ دلدل کی سطح جیسے ہوئے ہوئے سانس لے رہی تھی۔ تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ تھیوسانگ کو سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ ہرش ناگ جھپٹ اٹھائے گھاس میں چلا آ رہا تھا۔ وہ تھیوسانگ کے پاس کھڑی مار کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔

”اس مندر میں انسانی عفریت کا لوس کا ٹمکا نہ ہے اور وہ اس رات بچھو سے ڈسوانے ضرور آئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ عفریت کا لوس ماریا کو اپنے ظلم کی مدد سے بے قابو کر کے دلدل کے نیچے لے گیا ہے یا اس نے اسے مندر میں کسی جگہ دفن کر دیا ہے۔“

تھیوسانگ نے کہا۔

”تمہاری رائے میں مجھے ماریا کو بچانے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ اور اس کے بعد مجھے اس عفریت کو ہلاک بھی کرنا ہے تاکہ اس کے مردہ پیٹ

کی سخت کھال کو گھسا کر ناگ کو دوبارہ اصلی شکل میں لایا جائے۔“

ہرش ناگ بولا۔

”یہ دونوں کام اگرچہ مشکل ہیں۔ لیکن ہمیں سب سے پہلے ماریا کو عفریت کے چنگل سے پھڑانا ہے۔ اس کے بعد اسے ہلاک کرنے کے بارے میں کوئی ترکیب سوچیں گے۔“

تھیوسانگ نے کہا۔

”میرے پاس ایک غیر معمولی طاقت ہے جس سے کام لے کر میں عفریت کو پھوٹے سے پھوٹے کے برابر کر سکتا ہوں۔ صرف انگلی سے چھوئے کی دیر ہوگی۔“

ہرش ناگ کہنے لگا۔

”تم بھول رہے ہو کہ عفریت کا لوس ایک ظلمی عفریت ہے۔ اس پر شیش ناگ کے خاص ظلم کا اثر ہے۔ ہو سکتا ہے تم اسے انگلی سے چھوئے گو تو — تم پر اس کے ظلم کا اثر ہو جائے۔ اس لیے تمہیں نہایت سوچ سمجھ کر کام لینا ہوگا۔“



تھیو سانگ چپ ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

”ہرش ناگ! کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم سجائے یہاں بیٹھنے کے ایسی مندر کے اندر جا کر عفریت کا دوس سے مقابلے کی تیاری کریں؟“

ہرش ناگ نے کہا۔  
”ہمیں کچھ سوچ کر اندر جانا ہوگا“

تھیو سانگ کہنے لگا۔

”ہرش ناگ! تم نے کہا تھا کہ تم مجھے کوئی خاص ترکیب بتاؤ گے۔ وہ کون سی ترکیب ہے؟“

ہرش ناگ نے اپنا پھن او سچا کر کے تاریک دلدل کو دیکھا۔ پھر بولا۔

”تھیو سانگ! ایک ترکیب ضرور ہے مگر اس میں خطرہ بہت ہے۔ ہو سکتا ہے ہم میں سے کسی کی جان چلی جائے“

تھیو سانگ نے اب ہرش ناگ کو اپنے بارے میں صاف صاف بتایا کہ وہ خلائی مخلوق ہے اور وہ صرف اسی صورت میں مر سکتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کی کوئی بھی انگلی کاٹ دی جائے۔ ہرش ناگ نے اپنے پھن کا رخ تھیو سانگ

کی طرف کر دیا۔

بلکی سی پھٹکار مار کر بولا۔

”مجھے تم پر پہلے ہی شک تھا۔ کیونکہ تمہارے جسم سے مجھے اس دنیا کے انسانوں کی بو نہیں آ رہی تھی۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن میرے بھائی۔ تم اس دنیا کے جادو گروں کو نہیں جانتے اور شیش ناگ کا طلسم بے حد تباہ کن ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس طلسم کے اثر سے تمہاری انگلیاں ہاتھوں سے جھڑ جائیں۔ پھر تو تمہارا زندہ رہنا مشکل ہوگا“

تھیو سانگ نے کہا۔

”تو پھر تم جو ترکیب مجھے بتانے والے تھے وہ بتاؤ۔ تاکہ میں اس پر عمل کرنے کے بارے میں سوچوں“

ہرش ناگ بولا۔

”شیش ناگ کے پاس رہ کر میں نے دیکھا ہے۔ کہ اس کے طلسم کا توڑ صرف ایک طریقے سے ہوتا آیا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ جس پر اس کا طلسم کیا گیا ہو اس کی گردن میں روہنی پودے



کا ایک کانٹا آدھے سے زیادہ چھو دیا جانے میں  
وہ بات ہے جو میں تمہیں بتانا چاہتا تھا۔  
تھیوساگ نے پوچھا۔  
”کیا ردہنی کا پودا اس جنگل میں مل جائے گا؟“  
ہرش ناگ بولا۔  
”میں تلاش کر کے یہاں اس کی ایک شاخ لا  
سکتا ہوں۔“

تھیوساگ نے ہرش ناگ سے کہا کہ وہ جتنی جلدی ہو  
کے ردہنی پودے کی کانٹے دار شاخ جنگل سے تلاش  
کر کے لے آئے۔ ہرش ناگ اسی وقت جنگل کے اندر  
میں غائب ہو گیا۔ تھیوساگ کی نظر میں خاموش دلدل پر  
لگی مونی تھیں۔ ہرش ناگ کو گئے دس پندرہ منٹ  
بے ہوئے ہوں گے کہ دلدل اوپر نیچے ہونے لگی۔  
عنقریب ہاوس دلدل سے باہر آ رہا تھا۔ تھیوساگ  
بیکس ہو گیا۔ اور اس نے اپنے آپ کو جھاڑیوں کے  
پیچھے چھپا لیا۔

چند لمحوں بعد دلدل میں سے انسانی عنقریب ہاوس  
کا بھیا نک اور دلدل میں لٹک رہا ہوا سر باہر نکلا۔ پھر آہستہ  
آہستہ وہ آدھے سے زیادہ دلدل سے باہر آ گیا۔ اندھیر

میں وہ ایک عجیب و غریب معلوم ہو رہا تھا۔ تھیوساگ سانس روکے  
اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عنقریب کالوس نے دلدل کے  
اندر ہی اندر ہی چلنا شروع کر دیا۔ اس کا رخ ویران  
مندر کی سیڑھیوں کی طرف تھا۔ آہستہ آہستہ وہ سیڑھیوں  
کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تھیوساگ کو معلوم تھا کہ عنقریب  
کالوس مندر میں بچھو سے ڈسوانے جا رہا ہے۔

عنقریب کالوس دلدل سے نکل کر سیڑھیاں چڑھنے  
لگا۔ اس کا اونچا لمبا سارے کا سارا جسم دلدل  
میں سُراوڑ تھا۔ اور وہ کسی بہت بڑے دلدلی عنقریب  
کی طرح رُک رُک کر قدم اٹھاتا سیڑھیاں چڑھ رہا  
تھا۔ پھر وہ مندر کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ تھیوساگ  
نے پلٹ کر دیکھا۔ ہرش ناگ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ تھیوساگ  
کو عین اس وقت فضا میں ہلکی پھنکار کی آواز سنائی دی۔  
ہرش ناگ آ رہا تھا۔ اس کے منہ میں کسی پودے کی شاخ  
تھی۔ تھیوساگ نے اسے بتایا کہ عنقریب کالوس مندر  
میں جا چکا ہے۔ ہرش ناگ نے ردہنی پودے کی شاخ  
نیچے رکھ دی اور جلدی سے پوچھا۔

”کیا ماریا بھی جسمانی حالت میں اس کے ساتھ  
تھی؟“



تھیو سانگ نے بتایا کہ محفرت اکیلا ہی تھا۔ ہر ش ناگ نے کہا۔

”میرے ساتھ آؤ۔ پہلے اس شاخ کا کانٹا توڑ کر اپنے پاس رکھ لو۔“

تھیو سانگ نے پودے کی ٹہنی پر سے ایک نوکیلا کانٹا توڑا اور اسے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ ہر ش ناگ اسے دلدل کے کنارے پر لے آیا اور بولا۔

”تھیو سانگ! ماریا کو بچانے کا منہری موقع ہے۔ ماریا اس وقت جسمانی حالت میں دلدل کے اندر بے ہوش پڑی ہے۔“

تھیو سانگ بڑے جوش کے ساتھ بولا۔

”میں دلدل میں اترتا ہوں۔“

ہر ش ناگ کہنے لگا۔

”تم اسے دلدل کے اندر اتنی تیزی سے تلاش نہ کر سکو گے۔ جس کی اس وقت ضرورت ہے۔ یہ کام میں کروں گا۔ تم اسی جگہ بیٹھو۔“

اس سے پہلے کہ تھیو سانگ ہر ش ناگ کو روکتا وہ دلدل میں اتر کر غائب ہو چکا تھا۔ ہر ش ناگ ایک غیر معمولی طاقت رکھنے والا سانپ تھا۔ اس کے پاس

نکونہ طلسم تو نہیں تھا۔ مگر طاقت تو بہت زیادہ تھی۔ وہ دلدل کی تادیبی میں کسی عورت کے جسم کی بڑبڑاتھنا دلدل کے اندر ہی اندر بڑھنے لگا۔ سانپ ہونے کی وجہ سے وہ بڑی تیزی سے نرم دلدل میں سے گزر جاتا تھا۔ اسے کسی عورت کی بو آنے لگی تھی۔ ضرور یہ ماریا کے جسم کی بو تھی۔ آنسو وہ اس جگہ پہنچ گیا۔ جہاں دلدل کی تہ میں ماریا جسمانی حالت میں دلدل میں ڈوبی بے ہوش پڑی تھی۔ ہر ش ناگ نے اپنے آپ کو اس کے بازوؤں کے نیچے رستی کی طرح پٹا اور اسے کھینچ کر دلدل میں کنارے کی طرف رینگنے لگا۔

اس وقت ہر ش ناگ اپنی غیر معمولی طاقت سے کام لے رہا تھا۔ وہ بہت جلد ماریا کو کھینچ کر کنارے پر لے آیا۔ تھیو سانگ نے ماریا کو پکڑ کر دلدل سے باہر نکال لیا۔ ماریا کا سارے کا سارا جسم دلدل میں گتھڑا ہوا تھا۔ وہ بے ہوش پڑی تھی۔ تھیو سانگ نے پریشانی سے کہا۔

”ہر ش ناگ! اب اسے ہوش میں کیسے لیا جائے؟ اس پر دلدل کی تہ جس ہوئی ہے۔“

ہر ش ناگ نے کہا۔



”روہنی پودے کا ایک کانٹا ماریا کی گردن میں چبھو دو۔ اس پر عفریت کا لوس کے طلسم کا اثر ختم ہو جائے گا۔“

ایک کانٹا تھیوسانگ کی جیب میں تھا۔ ہرش ناگ نے کہا کہ وہ اسے عفریت کا لوس کے لیے محفوظ رکھے۔ تھیوسانگ نے پودے میں سے دوسرا کانٹا توڑا اور اسے ماریا کی گردن میں آدھے سے زیادہ چبھو دیا ماریا کے

بے ہوش جسم میں حسرت پیدا ہوئی اور وہ غائب ہو گئی۔ پھر ماریا کی آواز آئی۔

”تھیوسانگ! میں اپنی اصلی حالت میں آگئی ہوں“

تھیوسانگ نے خوش ہو کر کہا۔

”ماریا! خدا کا شکر ہے کہ تم عفریت کے طلسم سے آزاد ہو گئیں۔ اب ہمیں عفریت کو ختم کرنا ہے۔“

ماریا نے ہرش ناگ سے پوچھا کہ عفریت کا لوس کہاں ہے۔ ہرش ناگ اور تھیوسانگ نے باری باری ماریا کو ساری صورت حال بتا دی۔ اور اسے کہا کہ عفریت کا لوس کسی نئے پتھر سے اپنے آپ کو

ڈسوانے مندر کے اندر گیا ہوا ہے۔ ماریا ایک بار پھر مندر میں جانے پر تیار ہو گئی تھی۔ مگر ہرش ناگ نے اسے روک دیا اور کہا۔

”تم عفریت کا لوس کی طلسم کی زد میں آ سکتی ہو۔ تمہیں اسی جنگل میں رہنا ہو گا۔ یہ کام میں اور تھیوسانگ انجام دیں گے۔“

پھر اس نے تھیوسانگ کی طرف دیکھ کر کہا ”تھیوسانگ! کیا تم عفریت کا لوس کی گردن میں روہنی کا طلسمی کانٹا چبھونے کے لیے تیار ہو؟“

تھیوسانگ بولا۔

”کیوں نہیں؟ میں اس منحوس عفریت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے اور ناگ کو نجات دلانے کے لیے بڑے سے بڑا خطرہ بھی مول لے سکتا ہوں۔“

ہرش ناگ نے کہا۔

”مجھے تم سے یہی امید تھی۔ دوست وہی ہوتا

ہے جو مشکل میں دوست کی مدد کرے۔ اب

پر بتاؤ کہ کیا تم اپنے آپ کو چھوٹا کر سکتے ہو؟“



”کیوں نہیں“ تھیوسانگ بولا۔ میں اگر اپنی خاص انگلی سے یہی نیت کر کے اپنے جسم کو چھوؤں تو میں بھی پھوٹا ہو جاؤں گا۔“  
”تو پھر فوراً چھوٹے بن جاؤ“ ہرش ناگ نے ہدایت کی۔

ماریا بولی۔

”مگر عفریت کا لوس طلسمی عفریت ہے ہرش! تھیوسانگ کو ایسا نقصان بھی پہنچ سکتا ہے جس کا کہیں کوئی علاج نہ ہو۔“  
ہرش ناگ بولا۔

”ماریا بہن! مرد لوگ اس طرح نہیں سوچا کرتے۔“

تھیوسانگ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”ہرش ٹھیک کہتا ہے ماریا۔ ہمیں اپنی جان پر کھیل کر بھی ناگ کو سمندر کی تہوں سے نکالنا ہے۔ میں چھوٹا ہونے لگا ہوں۔ ہرش ناگ۔“

مگر تمہارا منصوبہ کیا ہے؟

ہرش ناگ کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ تھیوسانگ کو چھوٹا کرنے کے بعد اپنے ساتھ لے کر سمندر میں جائے گا۔

جہاں عفریت کا لوس پھٹو سے ڈسوانے کے بعد فرش پر پڑا آرام کر رہا ہو گا۔ تھیوسانگ وہاں اس کی گردن میں کانٹا چبھونے کی کوشش کرے گا۔ ماریا بولی۔  
”اگر تھیوسانگ پر کوئی طلسم چل گیا تو تھیوسانگ بھی بہار سے ہاتھ سے نکل جائے گا۔“  
ہرش ناگ بولا۔

”یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تھیوسانگ پر عفریت کا لوس کے طلسم کا کوئی اثر نہ ہو۔ کیونکہ تھیوسانگ خلائی مخلوق ہے۔ اور اس دنیا کا باشندہ نہیں ہے۔“

ماریا نے جلدی سے کہا۔

”لیکن اس سے پہلے تھیوسانگ پر اس دنیا کے طلسم اثر ہوتا رہا ہے۔“

تھیوسانگ نے بیچ میں پڑتے ہوئے کہا۔  
”ماریا تم کن باتوں میں پڑ گئی ہو۔ خطرے مول لینا ہی بہاری زندگی ہے۔ تم اس جگہ میں اسی جگہ درختوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھی رہو۔ میں انشاء اللہ اس عفریت کو تہہ تیغ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“



ہرش ناگ بولا۔

”ہمارے پاس وقت بہت کم ہے تمہیں اعفیت کاوس کسی بھی وقت مندر سے باہر آ سکتا ہے۔ ایک بار وہ دلدل میں گھس گیا۔ تو پھر اس پر حملہ کرنا مشکل ہو جائے گا“  
تمہیں سانگ نے کہا۔

”میں اپنے آپ کو چھوٹا کہنے لگا ہوں؟“  
ناریا اور ہرش ناگ اسے دیکھ رہے تھے تمہیں سانگ نے اپنے ہاتھ کی ایک انگلی کو اپنے سینے کے قریب لا کر دل میں اپنے چھوٹے ہو جانے کی فیت کی اور انگلی اپنے سینے سے لگا دی۔ ان کے دیکھتے دیکھتے تمہیں سانگ ایک چھوٹے سے بڑے جتنا ہو گیا۔ ہرش ناگ نے کہا۔

”تمہیں سانگ میں یہ طلسم پہلی بار دیکھ رہا ہوں“

تمہیں سانگ کی باریک آواز سنائی دی۔  
”ہرش ناگ! اب دیر نہ کرو۔ ناریا۔ تم اسی جگہ رہنا اگر خطرہ محسوس کرو تو فوراً اپنے مکان پر چلی جانا۔ وہاں کیٹی موجود ہے“  
ناریا نے کہا۔

وہیں تم لوگوں کو اس مصیبت میں اکیلا چھوڑ

کر نہیں جاسکتی۔ میں اسی جگہ تھادی راہ دیکھوں گی“

ہرش ناگ نے اب اپنی طاقت کا مظاہر کرتے ہوئے چھوٹے سے تمہیں سانگ کو اٹھا کر اپنے چھن پر بٹھایا۔ اور دلدل پر تیزی سے دینگتا ہوا مندر کی طرف چل دیا۔ اندھیرے میں ناریا اگرچہ دور تک دیکھ سکتی تھی لیکن ہرش ناگ اتنی تیزی سے دوڑا تھا کہ وہ پھر اسے نظر نہ آیا۔

ہرش ناگ تمہیں سانگ کو اپنے چھن کے اوپر بٹھائے مندر کے سیڑھیاں چڑھ کر اندر اندھیری راہ داری میں آگیا۔ یہاں سے دینگتے ہوئے اس نے دیوار کے طاق میں سے دوسری طرف دیکھا۔ تو عفریت کاوس کو کھڑی کے فرش پر بالکل سیدھا لیٹا پایا۔ پچھوا بھی تک اس کے منہ پر بیٹھا اسے تھوڑی تھوڑی دیر بعد ڈس رہا تھا۔ یہ ایک نیا پچھو تھا اور اس کا سائز بھی چھوٹا تھا۔ شاید اسی لیے عفریت کاوس اس کے بار بار ڈسوا رہا تھا۔ یہ منظر تمہیں سانگ نے بھی دیکھا۔ ہرش ناگ نے تمہیں سانگ کے کان میں سرگوشی کی۔

”وہ تمہیں اپنی زندگی کا سب سے خطرناک کام



کرنا ہوگا۔ عفریت کا لوس مدہوشی کے عالم میں ہے۔ میں تمہیں نیچے اتارتا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں جو کچھ کرنا ہے۔ تم خوب جانتے ہو۔  
تھیو سانگ نے آہستہ سے باریک آواز میں کہا۔  
”میں تیار ہوں۔“

پرش ناگ بڑی احتیاط سے کوٹھڑی کی تاریکی میں تھیو سانگ کو اپنے پھن کے ساتھ چٹائے طاق میں سے دوسری طرف ریگتا ہوا کوٹھڑی کے کونے میں آگیا۔ اس نے تھیو سانگ کو نیچے اتار دیا۔ اور خود اندھیرے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ تھیو سانگ کو عفریت کا لوس اس وقت ایک پہاڑ کی طرح نظر آ رہا تھا۔ کیونکہ تھیو سانگ خود بہت چھوٹا ہو گیا تھا۔ روہنی پودے کا کانٹا اس کی جیب میں تھا۔ تھیو سانگ ایک ٹڈے کی طرح چاروں ہاتھ پاؤں پر عفریت کی طرف ریگتا لگا۔

وہ دیوار کے ساتھ ریگتا عفریت کا لوس کے سر کی طرف آگیا۔ دلدل ابھی تک عفریت کے سادے جسم سے چٹی ہوئی تھی۔ اور اس کا سر تو دلدل میں بھرا ہوا تھا۔ تھیو سانگ نے جیب سے باریک کانٹا نکال کر اپنے

دو ذوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ یہ چھوٹا سا کانٹا اسے ایک نیزہ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ سانس روکے چھوٹک چھوٹک کر قدم رکھتا عفریت کی گردن کے قریب آگیا۔ عین اس وقت بچھو کی نظر تھیو سانگ پر پڑ گئی۔ بچھو نے دو تین بار عفریت کے ہونٹوں پر ڈنگ چلایا۔ شاید وہ اسے ہوشیار کرنا چاہتا تھا۔ مگر بچھو کے زہر کی وجہ سے عفریت کا لوس اور مدہوش ہو گیا۔ اس کے ہونٹ سے غرغراہٹ کی آوازیں نکلتی گئیں بچھو اب تھیو سانگ پر حملہ کرنے کے لیے اور آگے بڑھا۔ اگرچہ تھیو سانگ کو بچھو کا زہر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ لیکن وہ خواہ مخواہ بچھو سے الجھ کر بنا بنایا کھیل بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹ کر عفریت کا لوس کے پیٹ کے پاس اندھیرے میں چھپ گیا۔ بچھو اس کے قریب سے ہو کر آگے نکل گیا۔ تھیو سانگ تیزی سے عفریت کی گردن کی طرف لپکا۔ اب عفریت کو بھی کچھ ہوش آگیا تھا۔ اس نے اپنا ایک درخت جتنا بڑا بازو اٹھا کر اپنے دلدلی ہاتھ کو اپنے منہ پر رکھا اور اس کے حلق سے ایک پیچ سی نکلی۔ وہ بچھو کو بلارہا تھا۔



بچھو بھاگ کر اس کے پیٹ کے اوپر سے ریگتا عزت  
کے ہونٹوں پر آ کر بار بار ڈسنے لگا۔ وہ حقیقت میں  
اسے ہوشیار کر رہا تھا۔ مگر عزت کاوس دوبارہ  
مدہوش ہو گیا۔ تھیوسانگ کے لیے یہ نادر موقع  
تھا۔ عزت کی گردن پر دلدل کے کیچڑ میں ایک خالی جگہ  
سے اس کی گردن نظر آرہی تھی۔ تھیوسانگ دلدل کے  
جسے ہوئے بلبلے پر چسٹھ گیا اور اس سے پہلے کہ عزت  
کاوس کو خبر ہوتی اس نے دونوں ہاتھوں میں تھاما  
ہوا کانٹا ایک نیزے کی طرح پورے طاقت سے عزت  
کاوس کی گردن میں گھیر دیا۔

کانٹے کا گردن کے اندر گھسنا تھا کہ ایک دھماکے  
کے ساتھ عزت کا جسم اوپر کو اچھلا اور چھت سے  
ٹکرا کر نیچے گر پڑا۔ تھیوسانگ بھاگ کر ہرش ناگ  
کے پاس آ گیا۔ ہرش ناگ بھی سہا ہوا تھا عزت  
کاوس کا جسم بار بار فرش پر سے اچھلتا۔ اوپر چھت کے  
ساتھ جا کہ زور سے ٹکراتا اور پھر دھڑام سے  
فرش پر گر پڑتا۔ سات آٹھ مرتبہ ایسا ہوا تو عزت  
کاوس کے ہاتھ پاؤں مڑنے لگے۔ وہ فرش پر سیدھا  
پڑا تھا۔ پہلے اس نے ہاتھ جسم سے الگ ہوئے پھر ٹانگیں

الگ ہو گئیں۔ اور اس کا جسم ساکت پتھر بن کر رہ  
گیا۔

ہرش ناگ خوشی سے چلایا۔  
”تھیوسانگ تم نے میدان فتح کر لیا ہے۔  
اب تم اپنے اصلی قذ کاٹھ میں آ جاؤ۔“  
تھیوسانگ نے دوسری انگلی اپنے جسم سے لگائی  
اور وہ پورے انسانی قد میں ہرش ناگ کے پاس  
موجود تھا۔ وہ بھی اس کامیابی پر بے حد خوش تھا۔  
اس نے کہا۔

”ہرش ناگ اب ہمیں اس کے پیٹ کی کھال  
کا ٹکڑا بچا ہیے۔“

ہرش ناگ بولا۔

”وہ اس کا انتظار کرو۔ عزت کا پیٹ سخت  
ہو رہا ہے۔“

تھیوسانگ نے کہا۔

”میں ماریا کو بلاتا ہوں۔“

اور وہ اچک کر طاق پر چسٹھا اور پھر دوسری

طرف راہ داری میں کود گیا۔ وہ بے فکر ہو کر راہ داری  
میں بھاگتا ہوا منہ کے دروازے پر آیا اور جنگل کی



طرف منہ کر کے چلایا۔

» ماریا! آ جاؤ۔ عفریت کا کام تمام کر دیا گیا ہے «

ماریا نے یہ آواز سنی تو بجلی کی سی تیزی کے ساتھ فضا میں پروانہ کرتی تھیوسانگ کے پاس آگئی۔ تھیوسانگ کو اس کی تیز خوشبو آنے لگی۔

» کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔ تھیو؟ « ماریا نے بے تابی سے پوچھا۔

» چل کر اپنی آنکھوں سے عفریت کی لاش دیکھو «

تھیوسانگ ماریا کو لے کر اندھیری کوٹھڑی میں آ گیا۔ وہ بچھو کہیں غائب ہو چکا تھا۔ ماریا نے عفریت کی لاش پھونٹ لاش دیکھی۔ اور خوشی سے چلائی۔

» زندہ باد ہر ش ناگ! «

ہر ش ناگ نے کہا۔

» تھیوسانگ زندہ باد۔ اگر یہ ہمت سے کام نہ لیتا تو اس وقت شاید ہم دونوں میں سے

ایک بھی یہاں موجود نہ ہوتا «

ہر ش ناگ عفریت کی لاش پر بڑھ گیا۔ پھر

اس نے عفریت کی لاش کے پیٹ پر سے کھان کا ایک ٹکڑا منہ سے کاٹا اور تھیوسانگ کے پاس لے آیا۔ تھیوسانگ نے اسے ہاتھ میں لے کر دہرایا تو وہ سخت ہودہا تھا۔ ہر ش ناگ بولا۔

» یہ تھوڑی ہی دیر میں پتھر کا ٹکڑا بن جائے گا۔ یہی وہ طلسمی پتھر ہوگا جس کے گھسنے سے ناگ دیوتا پر کیا گیا طلسم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جائے گا۔ آؤ۔ اب یہاں سے نکل چلتے ہیں «

ماریا، تھیوسانگ اور ہر ش ناگ باولی والے مکان میں آ گئے۔ یہاں جب کیٹی کو ان کے زبردست کارنامے کا پتہ چلا تو وہ بے حد خوش ہوئی۔ ہر ش ناگ بولا۔

» میرے دوستو! اب مجھے اجازت دو۔

کیونکہ عفریت کی موت کی شیش ناگ

کو ضرور مل جائے گی اور پھر وہ نہ جانے

کیا کر بیٹھے۔ میں اس کی نگرانی کرنا چاہتا

ہوں۔ تاکہ اگر وہ کوئی خطرناک قدم اٹھائے

تو تم لوگوں کو ہوشیار کر دوں۔ اب تم فوراً



کھلے سمندر والی چٹان پر پہنچو اور مردہ اژدہا  
کے پیٹ سے ناگ کو نکال کر یہ عفریت کے  
پیٹ کا ٹکڑا اس کے جسم سے گھساؤ۔ ناگ زندہ  
ہو جائے گا۔  
کیٹی نے کہا۔

”مگر ہر ش ناگ! ابھی ہمیں شیش ناگ کو بھی  
اپنے راستے سے ہٹانا ہے۔“  
ہر ش ناگ بولا۔

”اس کی تمہیں عظیم ناگ دیوتا تمہیں خود بتائے  
گا۔“

یہ کہہ کر ہر ش ناگ تیزی کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔  
ماریا نے کیٹی سے کہا۔

”کیٹی! تم اور تھیوسانگ اسی جگہ ٹھہرو گے۔  
اب آگے میرا کام شروع ہوتا ہے۔ میں  
ناگ کو آزاد کرانے جاؤں گی۔“

تھیوسانگ نے ماریا کے ساتھ جانے پر اصرار کیا۔  
مگر ماریا بولی۔

”تمہارے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔  
تھیوسانگ بھائی! میں بڑی آسانی سے یہ کام اکیلے

ہی کر سکتی ہوں۔ لاڈ عفریت کی لاش کا  
ٹکڑا مجھے دے دو۔ ہمیں صبح ہونے سے پہلے  
پیٹ یہ کام کر ڈالنا چاہیے۔ کہیں شیش ناگ  
کوئی دوسرا چکڑ نہ چلا دے۔“  
ماریا نے عفریت کی لاش کا پتھر ٹکڑا لیا اور  
فضا میں پروانہ کر گئی۔

رات ڈھلنے لگی تھی۔ آسمان پر ستارے چمکے پڑے  
رہے تھے۔ آسمان پر پو پھٹے کی نیلی نیلی روشنی پھیل  
چکی تھی۔ ماریا فضا میں بلند ہوتے ہی کسی جیٹ ہوائی  
جہاز کی رفتار سے کھلے سمندر میں اس مقام پر پہنچ  
گئی۔ جہاں چھوٹی سی چٹان سمندر سے باہر نکلی ہوئی  
تھی۔ ماریا سمندر میں اتر گئی۔ چٹان کے نیچے سمندر  
میں مردہ اژدہا کا جسم پتھر بن چکا تھا۔

ماریا نے اس کے جسم پر عفریت کی لاش کا ٹکڑا لگا  
دیا۔ مردہ اژدہا کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اندر  
سے ناگ جو بچھو کی شکل میں تھا ظاہر ہو گیا۔ وہ ابھی  
تک بے حس تھا اور تیر نہیں سکتا تھا۔ ماریا نے  
جلدی سے اسے اٹھایا اور اس کے جسم پر بھی لاش  
کا پتھر لگا دیا۔ پتھر کی دھڑکتے ہی ناگ پلک بھپکتے



میں دوبارہ سانپ کی شکل میں آگیا۔ وہ ماریا کے ہاتھوں میں تھا اور غائب تھا۔ اسے ماریا کی تیز خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

”ماریا! تم آگئی ہو؟“

ماریا نے کہا۔

”میں ہی نہیں آئی۔ سب آئے ہونے ہیں۔

اور تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔ خدا کا شکر

ہے کہ تم اس ظلم کے چکڑے سے نکلے۔ میرے

ساتھ چلو“

ماریا ناگ کو لے کر سمندر سے باہر نکل کر چٹان

پر آگئی۔ اس وقت سورج نکلنے میں غورؤمی دیکھتی

ناگ نے کہا۔

”میں عقاب بن کر تمہارے ساتھ اڑوں گا“

ماریا نے کہا۔

”نہیں۔ تمہیں ہمارے گھر کا پتہ نہیں ہے۔

تم سانپ کی شکل میں ہی رہو۔ میں تمہیں اپنی

کلائی میں لپیٹ کر لیے چلتی ہوں“

ماریا نے ناگ کو اپنی کلائی کے گرد لپیٹا اور فضا

میں بلند ہو کر تیز رفتاری سے باولی والے مکان

کی طرف اڑنے لگی۔ مکان میں سب سے پہلے کیٹی کو ناگ کی خوشبو آئی۔ اس نے اچھل کر کہا۔

”تھیو سانگ! مجھے ناگ کی خوشبو آ رہی ہے۔ وہ

آگیا ہے“

ناگ کی خوشبو اب تھیو سانگ نے بھی سونگھ لی

تھی۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر مکان کے صحن میں

آگئے۔ سورج کی روشنی اب چاروں طرف پھیل چکی تھی۔

انہیں ماریا کی خوشبو بہت قریب آتی محسوس ہوئی۔ ماریا

نے آواز دی۔

”ناگ! میرے ساتھ ہے“

دوسرے ہی لمحے ناگ انسانی شکل میں ان کے

سنانے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کیٹی اور تھیو سانگ اپنے

اپنے پیارے دوست اور بھائی ناگ سے لپٹ گئے۔

اس کے بعد مکان کے اندر بیٹھ کر تھیو سانگ نے ناگ

کو شروع سے لے کر آخر تک سارے واقعات

سنا دیئے۔ ناگ کو عنبر کے بارے میں فکر ہوا۔ ماریا

نے کہا۔

”ناگ! عنبر کو ہم بہت جلد تلاش کر لیں گے

لیکن سب سے پہلے ہمیں شیش ناگ کو ہمیشہ



کے لیے ختم کرنا ہے۔ کیونکہ وہ تہاڑی جگہ  
ناگ دیوتا بن بیٹھا ہے۔

تقیو ساگ نے کہا۔

”زمین اور سمندر کے سارے سانپ اب اسی  
کا حکم مانتے ہیں۔“

ناگ کچھ سوچ کر بولا۔

”ہر ش ناگ اس سلسلے میں میری مدد کر سکتا  
ہے۔ ہمیں اسے بلانا ہو گا۔“

ماریا نے کہا۔

”میں اس کے ٹھکانے کو جانتی ہوں۔ میں ابھی  
اس کے پاس جا کر تمہارا پیغام پہنچاتی ہوں۔“

ناگ کہنے لگا۔

”ماریا! تمہیں بڑی احتیاط سے جانا ہو گا۔ شیش ناگ  
کو تہاڑی فدا سی بھی خبر ہو گئی تو وہ تمہیں اپنے  
فلسفہ میں گرفتار کر سکتا ہے۔“

ماریا نے کہا۔

”مجھے شیش ناگ کے استعان پہ جانے کی  
ضرورت نہیں۔ میں باولی کے پانی کے اندر ہی اندر  
سے ہر ش ناگ کی جگہ پر پہنچوں گی۔ تم بے فکر رہو۔“

ماریا کے جانے کے بعد کھٹ کے کچھ فکر مند ہو کر کہا  
کہ ہمیں ماریا کو اکیلے نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔ ناگ بولا۔  
”میں اس کے پیچھے جاتا ہوں۔ تمیو ساگ نے فوراً اس  
کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”خدا کے لیے تم اس طرف کا رخ نہ کرنا۔ شیش

ناگ تو تہاڑی جان کا دشمن بنا بیٹھا ہے۔ تم ہمیں

رہو۔ اور ماریا وہاں کئی بار آ جا چکی ہے۔ وہ ہر ش

ناگ کے پاس آسانی سے پہنچ جائے گی۔“

ماریا باولی کے پانی میں اتر کر زمین کے اندر ہی اندر

پانی کے قدرتی بڑے پائپ میں سے گزر کر تیزی کے ساتھ

اس کنوئیں کے پانی کی تہ میں نکل آئی جس کے اوپر خشک

پتھروں کی تہ تھی۔ اس کنوئیں کا پانی کافی نیچے زمین کے اندر

جا کر تھا۔ ماریا کنوئیں کے پتھروں میں سے نکل کر ہر ش ناگ

کے بل کی طرف بڑھی۔ ہر ش ناگ وہاں نہیں تھا۔ اس کا بل

خالی پڑا تھا۔





## فرعونی سانپ کا منکا

ہرش ناگ کنوئیں میں کہیں نہیں تھا۔

ماریا واپس ہونے لگی تو اسے ایک ناگن کی آواز سنائی دی۔ وہ اپنے بچے کو ساتھ لیے کنوئیں کے بڑے سودا خانہ سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ اور اس سے باتیں بھی کر رہی تھیں۔

”جب تمہیں میں نے منع کیا تھا۔ تو تم اس کو ٹھہری میں کیوں گئے؟ اگر شیش ناگ دیوتا کو معلوم ہو جاتا تو ہم پر قیامت ٹوٹ پڑتی“

ناگن کے بچے نے سوال کیا۔

”ناگن ماما! ہرش ناگ کو وہاں برف کی تھیلے میں کیوں بند کر کے رکھا گیا ہے؟“

ناگن نے کہا۔

”کیونکہ اس نے شیش ناگ دیوتا سے غداری کی ہے۔ مگر تم چپ نہیں رہو گے؟ جبردار جواب

کچھ پوچھا“

ناگن اپنے چھوٹے سانپ بچے کو ساتھ لیے اپنے دل میں گھس گئی۔ ماریا نے ہرش ناگ کے بارے میں یہ خبر سنی تو تیزی کے ساتھ کنوئیں کے اندر ہی اندر سے ہوتی ہوئی سیدھی ناگ کیٹی اور تھیو سانگ کے پاس آئی۔ اور ساری بات بیان کی۔ ناگ فکر مند ہو گیا۔ کہنے لگا۔

”شیش ناگ نے اسے میری مدد کرنے کے الزام میں یہ سزا دی ہے۔ اسے بچانا ہمارا فرض ہے“

کیٹی نے کہا۔

”ہم شیش ناگ کو کیسے فتم کر سکتے ہیں۔ ناگ اس کے پاس بڑے خطرناک طلسم ہیں“

ناگ نے اپنا ساڈلا چہرہ اوپر اٹھایا اور بولا۔

”طلسم کا اثر غفلت میں ہوتا ہے۔ جب انسان ہوشیار ہو اور اپنے بچاؤ کے لیے بلندی طرح سے تیار ہو تو طلسم بے اثر ہو جاتا ہے“

تھیو سانگ بولا۔

”ماریا پر تو طلسم بے اثر نہیں ہوا۔ یہ بھی ہوشیار تھی اور اپنا بچاؤ بھی کر سکتی تھی؟“

ناگ نے کہا۔



”تم بھی ٹھیک کہتے ہو تجھو۔ کبھی کبھی علمبر کی طاقت ہماری طاقت سے آگے نکل جاتی ہے۔ مگر میں پھر بھی کہوں گا کہ انسان میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ جسم اور جان کا اثر صرف اس وقت ہے جب انسان۔۔۔ اندر کمزوری آگئی ہو۔“

”دیا کئے گی۔“

”ہر شِشِ ناگ کو جو سزا دی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیشِ ناگ کو ناگ کی رہائی اور دلدلی حضرت کی موت کا پتہ چل گیا ہے۔“

”ہاں، ناگ بولا۔ اور ہر شِشِ ناگ کو برف کے ٹھیلے میں بند کر دینے کی جو سزا دی گئی ہے وہ زیادہ سے زیادہ دو روز تک زندہ رہ سکتا ہے۔“

تھیوسانگ نے کہا۔

”ناگ! ہمیں ہر شِشِ ناگ کو بچانا چاہیئے۔ اس نے تمہاری رہائی کے سلسلے میں ہماری بہت مدد کی ہے اور وہ تمہارا وفادار ہے۔“

ناگ بولا۔

”میں ہر شِشِ ناگ کی ضرورت مند کر دوں گا۔ اور شیشِ ناگ کو اس کی بغاوت کی پوری پوری سزا دوں گا۔“

گا۔

کیٹی کہنے لگی۔

”میں شیشِ ناگ کو مارنے جاتی ہوں۔“

ناگ نے اس کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔

”کیٹی! تم شیشِ ناگ کی طاقت سے واقف نہیں ہو۔ ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا۔“

”وہ قدم ہمیں جلدی اٹھانا چاہیئے۔“

”نہیں! شیشِ ناگ ہمارے خلاف کوئی دوسرا عمل شروع کر دے گا۔ اور ہر شِشِ ناگ بھی مر جائے گا۔“

ناگ بے چینی سے کمرے میں ٹھٹھکا۔ اچانک وہ دکا۔ اس کا چہرہ ایک خیال سے چمک رہا تھا۔ ماریا اور کیٹی اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ تھیوسانگ نے پوچھا کہ اس کے دماغ میں کون سی بات آئی ہے۔ ناگ ان کے پاس آکر قالین پر بیٹھ گیا اور بولا۔

”اس وقت شیشِ ناگ نے زمین اور سمندر کے سارے سانپوں کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔ مگر اس کا حکم ان سانپوں پر نہیں چل سکتا جو مر چکے ہیں۔“



ماریا کیٹی اور تھیو ساگک حیرانی اور دلچسپی سے ناگک  
کا منہ دیکھنے لگے۔ مردہ سانپوں کے بارے میں انہوں نے  
اس سے پہلے کبھی اس کے منہ سے کوئی بات نہیں  
سُنی تھی۔ ماریا بولی۔

”مگر مردہ سانپ ہماری کیا مدد کر سکتا ہے؟“  
ناگک نے کہا۔

”اگر مردہ سانپ فرعون مصر کا سانپ ہو تو  
بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔“

ہر کوئی خاموش ہو گیا۔ فرعون مصر کا سانپ کی بات  
انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ تھیو ساگک  
نے کہا۔

”اگر حنبر یہاں ہوتا تو اس سلسلے میں ہماری  
ضرورت مدد کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کا تعلق  
براہ راست فرعون مصر کے خاندان سے ہے۔“  
ناگک نے کہا۔

”میں ناگک دیتا ہوں۔ زندہ سانپوں پر اگر میرا  
اس وقت حکم نہیں چلتا تو مردہ سانپ ضرور  
میری مدد کریں گے۔ کیونکہ مردہ سانپ جانتے ہیں کہ  
میں حق پر ہوں۔ اور شیش ناگک نے مجھ سے

غذائی کی ہے۔“

ماریا نے سوال کیا۔

”مگر فرعون سانپ کو مرے تو صدیاں گزر  
گئی ہیں۔ وہ تھادی کیسے مدد کرے گا؟“  
ناگک بولا۔

”ہم سانپوں میں خاص خاص منتر ہوتے ہیں  
فرعون سانپوں کا بھی ایک خاص منتر ہے جیسے  
صرف میں ہی جانتا ہوں۔ میں اس منتر کا  
چلہ کر کے فرعون سانپ کو حاضر کر سکتا ہوں۔  
مجھے یقین ہے کہ وہ میری مدد کرے گا۔“  
”اس پتلے کو کتنے دن لگیں گے ناگک؟“ کیٹی نے پوچھا۔  
ناگک نے کہا۔

”یہ چارہ صرف ایک منٹ کا ہے۔ چونکہ میں ناگک دیتا  
ہوں اس لیے میں ایک منٹ کے عمل سے فرعون  
سانپ کو حاضر کروں گا۔ تم ایسا کرو کہ اس  
کمرے کے بیچ میں پردہ کھینچ دو۔ میں چاہتا  
ہوں کہ فرعون سانپ کو یہ احساس نہ ہو کہ

یہاں میرے سوا دوسرے لوگ بھی ہیں۔“  
کیٹی اور تھیو ساگک نے اسی وقت کمرے کے کونے



میں ایک پردہ گرا دیا اور ناگ کی ہدایت کے مطابق اس پر دے کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔ ناگ نے ماریا کو ہدایت کی تھی کہ وہ بھی پردے کے پیچھے ہی رہے اور باہر نہ آئے۔ اب ناگ نے دروازے کھڑکیاں بند کر دیں۔ وہ کمرے کے بیچ میں موم بتی روشن کر کے، خود اور ہیرل کی خوشبو میں سلگا کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں اور خاص منتر پڑھنا شروع کر دیا، ماریا کیٹی اور تھیوسانگ پردے کے چھوٹے چھوٹے سوراخوں میں سے ناگ کو دیکھ رہے تھے۔ موم بتی کی روشنی میں ناگ کا چہرہ ایک دم تانبے کی طرح تھماتے لگا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ فرعون سانپ کو چودہ ہزار سال پیچھے کے زمانے سے بلانے کے لیے اپنے علم اور جسم کی ساری طاقت خرچ کر رہا ہے۔

پھر ناگ کے منہ سے چھٹکار کی آواز نکلی اور اس نے دمیسی مگر بوجھل اور پراسرار آواز میں کہا۔

”فرعون سانپ! میں تمہارا استقبال کرتا ہوں۔

مجھے معاف کر دینا کہ میں نے تجھے ہزاروں

برس کی پڑ سکون نیند سے بیدار کیا۔ مگر مجھے اس

وقت تمہاری اشد ضرورت پڑ گئی ہے۔“

ماریا، کیٹی اور تھیوسانگ نے دیکھا کہ کمرے کی چھت سے نیچے رنگ کی روشنی کی ایک دھار چھوٹ کر نیچے گرنے لگی۔ پھر ایک سیاہ رنگ کا سانپ جس کے جسم پر سرخ دھادیاں تھیں، اور سر پہ فرعون کی طرز کا نیلے ننگینوں سے بڑا ہوا چھوٹا سا تاج رکھا تھا آہستہ آہستہ اس کی روشنی میں نیچے آنے لگا۔ اس نے ناگ کے سامنے آ کر کندلی ماری اور بولا۔

”رحم ناگ دیوتا ہو۔ تم جہاں اور جس زمانے

میں چاہو ہمیں ایک آواز دے کر ہی بلا سکتے ہو

تمہاری خدمت ہمارا فرض ہے اور ہم اپنا فرض

کبھی نہیں بھولتے۔ مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری کیا

خدمت کر سکتا ہوں؟“

ناگ نے کہا۔

”شیش ناگ مجھ سے چھوٹے درجے کا سانپ

ہے۔ اس نے بغاوت کر دی ہے اور اپنے

ظلم کے زور سے ناگ دیوتا بن بیٹھا ہے۔ ناگ

دیوتا جتنے ہی اس نے بے انصافی اور ظلم شروع

کر دیا ہے۔ وہ سایوں کو گھناؤنی سزا دیتا

ہے۔ اور ان سے ایسے کام کرواتا ہے جو ناجائز



ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس غدار کو اس کی بغاوت کی سزا دی جائے۔ اور زمین اور سمندر کے سانپوں کو اس کے ظلم سے نجات دلائی جائے اور میں پھر سے ناگ دیوتا بن کر سانپوں کے حقوق کی حفاظت کروں گا۔

فرعون سانپ نے کہا۔

”ناگ دیوتا! میں یہ سن کر حیران ہوا ہوں کہ شیش ناگ اب ناگ دیوتا بن گیا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ ہمارے قانون کی خلاف ورزی ہے۔ ناگ کو اس جرم کی سزا ملے گی۔“

ناگ بولا۔

”مگر شیش ناگ نے پاس نکلی ایک خطرناک طلسم ہیں۔ اس نے مجھے بھی اپنے طلسم سے کئی ماہ تک پھنسا رکھا تھا۔“

فرعون سانپ نے کہا۔

”ناگ دیوتا! ہم فرعون سانپوں کے سامنے اس کا طلسم بے کار ہے۔ سارا طلسم ہم سے شروع ہوتا ہے۔ وہ کون سا طلسم ہے جس کا

ہیں علم نہیں۔ اور جس کا ہمارے پاس توڑ نہیں۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔ شیش ناگ اب زندہ نہیں رہ سکے گا۔ ایسے ظالم سانپ کو جو دوسرے سانپوں پر ظلم کرے زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔ میں تمہیں اپنا خاص مکا دیتا ہوں۔ اس شے کو اپنے منہ میں رکھ کر تم شیش ناگ کے سامنے جاؤ گے تو اس کا کوئی طلسم تم پر اثر نہیں کر سکے گا۔ تم اسے بڑی آسانی سے شکست دے سکو گے۔“

اور پھر فرعون سانپ نے اپنے منہ سے نیلے رنگ کا ایک چمکیلا مکا اگل دیا۔ ناگ نے وہ مکا اٹھا لیا۔ فرعون سانپ کہنے لگا۔

”جب تم شیش ناگ کو غم کر چکو گے تو اس کے دوسرے دن یہ مکا اپنے آپ غائب ہو کر میرے پاس پہنچ جائے گا۔ اب میں جاتا ہوں۔“

اتنا کہ فرعون سانپ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔ اور پھر پھٹ پر جا کر غائب ہو گیا۔ اس کے ساتھ

ہی نیلے روشنی بھی غائب ہو گئی۔ ماریا کیٹی اور تھیوساگ فوراً پر دے سے باہر نکل آئے۔ تھیوساگ نے کہا۔



”ناگ! اب شیش ناگ کا مقابلہ کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہو گا۔“

ناگ نے نیلا مسکا انہیں بھی دکھایا اور کہا۔

”یہ فرعون مصر کے زمانے کے سانپوں کا خاص مسکا ہے۔ اس کی ایک تاثیر یہ بھی ہے کہ اگر کوئی آدمی اسے پانی میں ڈال کر وہ پی جائے تو وہ فرعونوں کے اس مردہ شہر میں پہنچ جائے گا۔ جہاں مرے ہوئے فرعون شہنشاہوں، شہزادے اور ان کے مہلوں میں رہنے والے مردہ لوگ موت کے بعد کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔“

”کتنی عجیب بات ہے؟ کیچ کے منہ سے نکل گیا ناگ نے کہا۔“

”ہاں۔ مگر یہ مسکا ہمارے لیے بہت قیمتی ہے۔“

”مجھے ابھی شیش ناگ کے پاس جانا ہو گا۔ ہمارا

دوست ہرش ناگ سخت اذیت میں ہے۔“

ناگ نے ماریا ٹھیکو ساگ اور کیٹی کو اس مکان میں

رہنے کی ہدایت کی۔ فرعون سانپ کا مسکا اپنے منہ میں

ڈالا اور مکان سے نکل کر سیدھا سمندر کنارے والی چٹانوں

کی طرف روانہ ہو گیا۔

شام ہو رہی تھی۔ سمندر کی لہریں دُور دُور سے آکر چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ناگ نے سانس اندر کو کھینچا اور ایک سمندری سانپ کی شکل اختیار کر کے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ وہ پانی کے نیچے ہی نیچے۔ سمندر کی اندھیری تہوں میں پہنچ گیا یہاں چٹانوں کی بنیاد تھی جس کی پتھر کی دیوار پر نہنگ کی موٹی تہ جی ہوئی تھی۔ ان چٹانوں کی دیوار کے نیچے ایک سرنگ اندر کو جاتی تھی۔ ناگ کو اس سرنگ میں سے شیش ناگ کی بو آ رہی تھی۔ وہ پانی سے بھری ہوئی سرنگ کے اندر جرتا آگے ہی آگے نکل گیا۔ کافی دُور جا کر سرنگ ایک طرف کو گھوم گئی۔ پھر پانی اترنا شروع ہو گیا۔ اور ایک مقام پر پانی بالکل ہی غائب ہو گیا۔ سرنگ کے فرش پر چھوٹے چھوٹے بے شمار رنگین پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ شیش ناگ کی بو اب تیز ہو گئی تھی۔ سرنگ ایک سنگ سرخ کے دروازے پر جا کر ختم ہو گئی۔ ناگ نے دروازے میں جھانک کر دیکھا۔ دوسری طرف ایک عالی شان دالان تھا۔ جس کے نیلے اور سیاہ ستون چھت تک گئے ہوئے تھے ناگ نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے اہلی سانپ کے روپ میں آ گیا۔ فرعون سانپ



کا مٹکا اس کے منہ میں ہی تھا۔ ناگ کو اس فرعون کی تنگی کی گرمی اپنے منہ میں محسوس ہو رہی تھی۔

ناگ سنگ مرمر کے دالان میں دیوار کے ساتھ لگ کر لیٹتا ہوا ایک زینے کی طرف آیا جو اس دالان سے بھی نیچے جاتا تھا۔ اس زینے کی سیریلیاں بھی سنگ مرمر کی تھیں اور دیواروں پر سرخ پتھر لگے ہوئے تھے۔ ناگ کو سانپوں کی دھیمی دھیمی سرگوشیاں سنائی دیں۔ زینے سے اترنے کے بعد ناگ نے دیکھا کہ سامنے ایک ہیرے جواہرات جڑا ہوئی تخت پچھا ہے جس کے اوپر پتھر کا سایہ ہے۔ تخت کے سامنے سیپ کے پیالوں میں کتنے ہی سانپ کندلی مارے بیٹھے ایک دوسرے سے دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ ناگ کو محسوس ہوا کہ اس کے سامنے ایک بڑا سانپ ہے۔ شاید اس کی وجہ وہ فرعون کا مٹکا تھا جو ناگ نے منہ میں چھپا رکھا تھا۔ ورنہ سانپ کی موجودگی کو سانپ فوراً محسوس کر لیتا ہے۔

ناگ ایک طرف چھپ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں سانپ ایک دم چپ ہو گئے۔ پھر سامنے والی دیوار میں جو دروازہ تھا اس کا جھلیوں والا پردہ ایک طرف ہٹ گیا اور شیش ناگ کی سواری داخل ہوئی۔ شیش ناگ

اپنے پانچ بچن دار پہروں کے ساتھ چوکی پر کندلی مارے بڑی شان سے بیٹھا تھا۔ اس کی چوکی کو سات بڑے سانپوں نے اپنے بچنوں پر اٹھا رکھا تھا اور وہ فرش پر لیٹتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ شیش ناگ تخت پر آکر بیٹھ گیا۔ اسے بھی ناگ کی بو نہیں محسوس ہوئی تھی۔ یہ بات ناگ کے لیے تسلی بخش تھی۔

ناگ بڑے غور سے شیش ناگ کو دیکھ رہا تھا۔ شیش ناگ کے بڑے منہ کا بچن ادھر کو بلند ہوا۔ پھر اس رعب دار چمکدار والی آواز آئی۔

”ناگن کے اس بچے کو پیش کیا جائے جو ہمارے غدار ہرش ناگ کی گھڑی میں داخل ہوا تھا“ ناگ چونکا۔ ماریا نے اسے بتایا تھا کہ ایک ناگن کے بچے کی زبانی اسے معلوم ہوا تھا کہ ہرش ناگ کو یہ سزا ملی ہے کہ اسے برف کے تھیلے میں بند کر دیا گیا ہے۔ یہ ناگن کا بچہ غلی سے اس کو گھڑی میں داخل ہو گیا تھا۔ جس میں ہرش ناگ برف کے تھیلے میں ڈال کر رکھا گیا تھا۔ یہ خبر کسی طرح شیش ناگ تک پہنچ گئی تھی۔ اور وہ ناگن کے بچے کو اس غلاف ورنڈی کی سزا دینا چاہتا تھا۔ اسی وقت ناگن اور اس کے



ادھر دیکھنے لگا۔

اس طرف سے ناگ نکل کر سامنے آگیا۔ شیش ناگ نے ناگ کو دیکھا تو اس کا خون کھول اٹھا۔ غصے کے مارے اس کے پانچوں منہ چھکارنے لگے۔ اس کے ہر منہ سے شیش ناگ آوازیں بلند ہوئیں۔

”ناگ! تم محض ایک معمولی سانپ ہو میں ناگ دیوتا ہوں۔ تمہاری موت تمہیں یہاں پہنچا دیتی ہے۔“

ناگ بڑے سکون سے کندلی مارے اپنا سیاہ چوڑا بدن اٹھائے بیٹھا تھا۔ اس نے کہا۔

”شیش ناگ! میں تمہاری موت بن کر یہاں آیا ہوں۔ اب ان سانپوں کو تمہارے ظلم و ستم سے نجات دینے والی ہے۔“

ناگ نے ایک زبردست چھٹکارے کے ساتھ پیک کر ناگن بچے کو اپنے ساتھ لگایا۔ اور کہا۔

”تم اب کسی سانپ اور اس کے بچے پر ظلم نہیں کر سکو گے۔“

شیش ناگ لا غصے سے کانپنے لگا۔ اس کے ایک منہ

بچے کو پیش کر دیا گیا۔

ناگن بے چارہ کا بُرا حال تھا۔ وہ جانتی تھی کہ شیش ناگ دیوتا ایک ظالم سانپ ہے اور وہ اس کے بچے کو وہیں لٹکے کر دے گا۔

اس نے قہقہے سے اپنا سر زمین پر لٹکایا اور دھم لگی بھیک مانگنے ہوئے بدلی۔

”عظیم ناگ دیوتا! میرے بچے سے غلطی ہو گئی ہے۔“

اسے معاف کر دیا جائے۔“

ناگن کا بچہ بھی گھبرا ہوا تھا۔ شیش ناگ نے زور دار چھٹکارے مارے اور کہا۔

”تمہارے بچے نے ہمارے قانون کے خلاف

بات کی ہے۔ اسے سزا دی جانے لگی۔“

پھر شیش ناگ نے حکم دیا کہ ناگن بچے کی گردن

اڑا دی جائے۔ ناگن ماں کا دل توڑنے لگا۔ وہ اپنے بچے

سے پٹ گئی۔ لیکن اسی لمحے دو سانپ آگے بڑھے۔

وہ ناگن کے بچے کی گردن اپنے منہ میں لے کر کاٹنے ہی

والے تھے کہ دربار میں ایک عجیب چھٹکارے کی آواز گونج

اٹھی۔ اس آواز میں ایک دبدبہ اور رعب تھا۔ سب کی

نظریں اس آواز کی طرف اٹھ گئیں۔ شیش ناگ بھی



سے تیز شعاع نکل کر ناگ پر پڑی۔ مگر ناگ کے منہ میں  
فرعون سانپ کا سکا موجود تھا۔ شعاع اس کے جسم کے  
قریب آکر غائب ہو گئی۔ ناگ نے کہا۔  
”تمہارا کوئی طلسم کام نہیں کر سکے گا۔ اس لیے  
کہ تم ظالم ہو۔ اور ظالم کا طلسم ایک  
انسان کے سامنے بے اثر ہو جاتا ہے۔“

شیش ناگ کے سارے پھن دس فٹ بلند ہو  
گئے۔ اس کے ہر پھن کے منہ سے شعلے نکل نکل کر  
ناگ پر گرنے لگے۔ مگر ناگ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ شعلے  
اس سے ایک گز پیچھے رہ کر بجسم ہوتے جاتے تھے۔  
جب شیش ناگ نے اپنا سر وار خالی جاتے دیکھا  
تو چلا کر سانپوں کو حکم دیا۔  
”ناگ کے منہ سے اڑا دو۔“

اس وقت ناگن ماں نے اپنا سر اٹھا کر سانپوں سے  
کہا۔

”میرے بھائیو! ناگ ہمارا ہمدرد ہے۔ وہ  
میرے بچے کو بھالنے آیا ہے۔ یہی ہمارا  
اصلی ناگ دیوتا ہے۔ ہمیں شیش ناگ کے طلسم  
کے خلاف بغاوت کر دینی چاہیے۔ کوئی اس

ظالم کا حکم نہ مانے۔“  
شیش ناگ کی چیخ بلند ہوئی۔ سارا دربار لرز گیا۔  
اس نے کہا۔

”جس نے میرا حکم نہ مانا میں اسے جلا کر راکھ  
کر دوں گا۔“  
ناگ نے کہا۔

”سیمائی کو بھوٹ پر فوج مل چکی ہے۔ اب تم  
سکھ نہیں کر سکتے۔ اپنی موت کے لیے تیار  
ہو جاؤ۔ میں اب تمہیں معاف نہیں کروں گا۔“  
اور ناگ نے ایک زبردست ہتھکڑی ماری اور ایک  
دم سے ایک بہت بڑے اڑدھا کا روپ بدل لیا۔  
یہ اڑدھا اتنا بڑا تھا کہ اس کا سر چھت سے لگ  
رہا تھا۔ شیش ناگ اگرچہ ناگ دیوتا بن بیٹھا تھا۔  
مگر اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ کوئی روپ  
بدل سکتا۔ ناگ اڑدھا نے نیچے جھک کر شیش ناگ  
کو اپنے کھلے جھروں میں بکڑ لیا۔ اور دو تین جھکے دیئے۔  
شیش ناگ کا جسم دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا اڑدھا  
کے منہ میں ہی رہا اور دوسرا ٹکڑا سنگ مرمر کے  
قرش پر گر کر تڑپنے لگا۔



ناگ اڑدبا نے دوسرے ٹکڑے کو بھی منہ میں دبلیج  
لیا اور پھر شیش ناگ کو اپنے دانتوں میں پکڑ کر تین  
بار جھٹکے دیئے اور نیچے فرش پر اس کی تڑپتی ہوئی  
لاش کے ٹکڑے رکھ کر اس پر پھونک ماری۔ ناگ کی  
چھونک آگ کا ایک لبا شعلہ تھا۔ شیش ناگ کے  
جسم کے ٹکڑوں کو آگ لگ گئی اور وہ جل کر راکھ کی  
ڈھیر بن گیا۔ سارے سانپ خوشی سے نعرے لگانے  
لگے۔ ناگ پھر سے اپنے اصل سیاہ سانپ کی شکل میں  
آگیا۔ دربار کے سارے سانپ ناگ دیوتا کے آگے جھک  
گئے۔

”عظیم ناگ دیوتا کی بے ہو“

ناگن ماں نے اپنا بچہ ناگ کے سامنے رکھ دیا۔ جواب  
بڑا خوش تھا۔ ناگ نے ناگن کے بچے کو پیار کیا اور  
ناگن سے کہا۔

”اچھی بہن! خدا کی مدد سے میں نے تیرے بچے

کو ظالم کے ظلم سے بچا لیا۔“

پھر ناگ کے حکم سے ہرش ناگ کو برف کے تھیلے  
سے نکال کر اس کے سامنے لایا گیا۔ پیار سانپ آگے  
بڑے۔ انہوں نے اپنی گرم پھنکاروں سے ہرش ناگ کے

ٹھنڈے برف جسم کو فوراً گرمی پہنچا کر پھر سے زندہ کر  
دیا۔ ہرش ناگ نے ناگ دیوتا کو تخت پر بیٹھے دیکھا تو  
خوش ہو کر سر جھکا دیا۔ ناگ نے کہا۔

”ہرش ناگ! تم نے مجھے حالات میں بھی  
ظلم کے آگے سر نہیں جھکایا۔ بہادری اور باکردار  
لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ وہ ظلم کا مقابلہ  
کرتے ہیں۔ اور سپناٹی پر آپج نہیں آنے دیتے۔  
میں ناگ دیوتا اعلان کرتا ہوں کہ آج سے  
ہرش ناگ شیش ناگ بن کر اس تخت پر  
بیٹھے گا۔“

سارے سانپ خوشی سے پھنکاریاں مارنے لگے۔  
ہرش ناگ نے ناگ دیوتا کی تعظیم کی اور کہا۔  
”عظیم ناگ دیوتا! میں آپ کا شکریہ گزار ہوں۔  
میں نے جھوٹ کا ساتھ نہیں دیا۔ قدرت نے  
مجھے اس کا یہ انعام دیا ہے۔“

ناگ نے ہرش ناگ کو خود شیش ناگ کا تاج پہنایا  
اور اسے تخت پر بٹھایا۔ سب سانپوں نے ناگ دیوتا کی  
بے ہو۔ شیش ناگ کی بے ہو کے نعرے لگائے۔ ناگ نے  
ان سے اجازت لی اور چٹانی سندھ سے نکل باؤن والے



مکان کی طرف چل پڑا۔ فرعون سانپ کا منکا ابھی تک اس کے منہ میں تھا۔ اسے دوسرے روز اپنے آپ غائب ہونا تھا۔ مکان پر آکر ناگ نے تھیو سانگ، ماریا اور کیٹی کو جب شیش ناگ کی تباہی کی داستان سنائی تو وہ خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ ناگ نے اپنے منہ سے منکا نکال کر ایک پیالے میں رکھ دیا اور کہا۔

» یہ فرعون سانپ کی امانت ہے۔ اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے «

فرعون سانپ کے منکے کا رنگ نیلا تھا۔ اور پیالے کا رنگ بھی نیلا تھا۔ ایک نظر دیکھنے سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ پیالے میں فرعون سانپ کا منکا پڑا ہے۔ کیونکہ اس کا اپنا نیلا رنگ پیالے کے نیلے رنگ کے ساتھ مل گیا تھا۔ اب وہ اس شہر سے نکلنے کا پروگرام بنانے لگے۔ وہ اب عنبر کی تلاش میں جانا چاہتے تھے۔

ماریا کا خیال تھا کہ ہندوستان کے اس شہر کو چھوڑ کر ملک روم کی طرف کوچ کیا جائے۔ کیونکہ عنبر ہو سکتا ہے وہاں کسی مصیبت میں گرفتار ہو۔ جبکہ کیٹی کی رائے تھی کہ ملک دمشق کا رخ کیا جائے۔ صرف تھیو سانگ کی

تجویز تھی کہ شہر قرطاجنہ چلا جائے۔ مگر کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ عنبر ملک سویریہ کے شہر میں ملوخ مندر کے باہر بت بنا کھڑا ہے اور آتے جاتے لوگ اس پر مٹی چھینکتے ہیں کیونکہ عنبر نے ان کے سب سے بڑے دیوتا ملوخ کے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ ملک دمشق ہی کی طرف چلا جائے۔ دمشق ملک سویریہ کی سرحد پر تھا۔ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ انہوں نے کوچ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ کورو منڈل کی بندرگاہ سے کسی مادیان جہاز میں سوار ہو کر سفر کریں گے۔ رات گئے تک وہ عنبر کا سراغ لگانے کے بارے میں آپس صلاح مشورہ کرتے رہے۔ انہوں نے سفر کی پوری تیاریاں کر لی تھیں۔ آدھی رات کے بعد وہ یونہی آرام کرنے کے لیے مکان میں ادھر ادھر پڑ گئے۔ اس رات بڑی گرمی تھی۔ ناگ اور تھیو سانگ تو مکان کے باغیچے میں گھاس پر لیٹ گئے۔ جبکہ ماریا نے کہا کہ وہ سمندر کی ٹھنڈی ہوا میں اڑتی ہوئی رات گزارے گی۔ کیٹی نے کہا۔

» میں کمرے میں ہی قالین پر لیٹی ہوں۔ کیونکہ مجھے



کمرے کی فضا میں سکون ملتا ہے۔  
 پتہ پتہ کیٹی کمرے میں تقابین پر لیٹ گئی۔ اس نے شمع  
 بجھا دی تھی۔ لیکن اس رات گرمی اور حبس کچھ زیادہ ہی  
 بڑھ گیا تھا۔ کچھ دیر لیٹے رہنے کے بعد کیٹی کو سوت  
 گرمی کا احساس ہوا۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا  
 تھا۔ اصل میں یہ اس فرعون کے منکے کا آخر تھا جو اسی کمرے  
 میں پانی پر صراحی کے پاس نیلے پیالے میں پڑا تھا اس  
 منکے میں سے گرمی کی دھیمی دھیمی شعاں خارج ہو رہی  
 تھیں۔ کمرے میں گرمی اس منکے کی شعاؤں کی وجہ سے  
 تھی۔ کیٹی کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا تو اس نے  
 سوچا کہ اٹھ کر پانی پینا چاہیے۔ شاید اس سے کچھ سکون  
 ملے۔

کیٹی اٹھی۔ اس نے صراحی میں سے پانی انڈیل کر پیالے  
 میں ڈالا۔ اگرچہ وہ اندھیرے میں دیکھ سکتی تھی مگر  
 پیالے میں پڑا ہوا نیلا فرعون منکے اس کو اس لیے نظر نہ  
 آسکا کیونکہ نیلے منکے کا رنگ پیالے کے رنگ سے مل گیا  
 تھا۔ کیٹی نے پیالے میں پانی ڈال کر اسے پی لیا۔ جب  
 پیالے کا پانی ختم ہوا تو منکا بڑھک کر اس کے ہونٹوں کے  
 پاس آگیا۔

کیٹی کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے ڈر  
 کر پیالہ ہٹایا اور منکے کو دیکھا۔ اس سے بہت بڑی غلطی  
 ہو گئی تھی۔ اس نے استجائے پن میں فرعون سانپ کے منکے  
 والا پانی پی لیا تھا۔ اسے یاد آگیا۔ ناگ نے کہا تھا۔  
 ”اس منکے کی ایک اور تاثیر بھی ہے۔ اگر  
 اسے پانی میں ڈال کر وہ پانی پی لیا جائے تو  
 وہ مرے ہوئے فرعوں کی اس مردہ بستی میں  
 پہنچ جائے گا جہاں مرے ہوئے فرعون بادشاہ  
 مردہ شہزادیاں اور ان کے دربار کی کنزیریں اور  
 اور غلام مردہ، محلوں میں دوسری زندگی بسر  
 کرتی ہیں۔“

کیٹی نے چیخ مار کر ناگ اور تھیو سانگ کو بلانا چاہا  
 مگر اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ وہ باہر کو بھاگی  
 مگر دروازے کے پاس ہی گر پڑی۔ اس نے اٹھنے  
 کی کوشش کی تو اس کے جسم نے حرکت کرنے سے  
 انکار کر دیا۔ اس نے اپنے جسم پر نگاہ ڈالی۔ اس کی  
 ٹانگیں غائب ہو چکی تھیں۔ پھر اس کے دونوں بازو  
 بھی غائب ہو گئے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کا  
 باقی جسم بھی غائب ہو گیا۔







”دھکے کا نیلا رنگ پیالے کے نیلے رنگ سے مل گیا تھا۔ کیٹی اندازہ نہیں لگا سکی۔“  
تھیو سانگ بولا۔

”وہ اب کیا ہو گا؟ تم۔ تم فرعون سانپ کو بلاؤ اس سے کہو کہ کیٹی کو واپس لادے؟“  
ناگ تھیو سانگ کو لے کر کمرے سے باہر آ گیا اور بولا۔

”مشاہد اب فرعون سانپ بھی بہادی کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ بات اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ کیٹی اب مردہ فرعوں کے قبضے میں چلی گئی ہے۔“  
تھیو سانگ نے جھجکا کر کہا۔

”ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم جس طرح بھی فرعون سانپ کو بلاؤ۔ اسے کہو کہ بہادی بہن کیٹی ہمیں واپس کرے؟“  
ناگ نے کہا۔

”فرعون سانپ نے مجھے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ مکے والا پانی کوئی نہ پیئے۔ کیٹی کو ہوشیاری سے کام لینا چاہیئے تھا۔“

تھیو سانگ کہنے لگا کہ فرعون سانپ کا وہ منہ مٹکا

بھی غائب ہے۔ ناگ بولا۔

”اے منہ مٹا کر۔ اس کی وجہ سے میں نے شیش ناگ کو شکست دی ہے اور پھر مکے کو تو صبح ہوتے اپنے آپ غائب ہو جانا تھا۔“  
اتنے میں ماریا بھی آ گئی۔ جب اسے کیٹی کے ساتھ گزرے حادثے کا پتہ چلا تو وہ بھی پریشان ہو گئی۔ اس نے ناگ کو زور دے کہ کہنا کہ فرعون سانپ کو بلا کر کیٹی کے بارے میں پوچھا جائے کہ وہ کیسے واپس آ سکتی ہے۔ ناگ فرعون سانپ کو بلانے کے لیے رضا مند ہو گیا۔





## موت کی اگر بیتی

ناگ فوراً عمل پڑھنے بیٹھ گیا۔  
خاص عمل کرتے اور اشوک پڑھنے کے بعد ناگ  
نے فرعون سانپ کو پکارا تو وہ اسی طرح چھت سے  
آتی نیلی روشنی کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ ناگ نے سب  
سے پہلے تو اس کا شکریہ ادا کیا کہ اس کے منکے کی  
وجہ سے وہ شیش ناگ کو ختم کر کے تاگ دیوتا بن گیا  
ہے۔ پھر اس نے کیٹی کے حادثے کا ذکر کیا۔ تو فرعون  
سانپ خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنی گردن نیچے  
کر لی۔ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد بولا۔

”تمہاری بہن نے اپنی زندگی کی سب سے  
بڑی حماقت کی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ  
وہ جہاں پہنچ چکی ہے۔ وہاں سے ایسا کبھی  
واپس نہیں آ سکے گی۔“  
ناگ نے گھبرا کر کہا۔

”نہیں نہیں فرعون سانپ — میرے دوست  
تم نے پہلے بھی میری مدد کی ہے۔ اب بھی  
میری مدد کرو۔ اور میری بہن کیٹی کو واپس  
لا دو۔“

فرعون سانپ کے منہ سے ایک پھٹکار نکلی۔ اس  
نے گھبرائی ہوئی آوازیں کہا۔

”مجھے کیٹی کے جسم میں شریک نہ کرو۔ میں  
ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ مرے کے بعد مردہ فرعون  
کی بستی میں جانے کے تصور ہی سے میرے  
رونگھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں نے تمہیں  
خاص طور پر منع کیا تھا کہ میرے منکے  
میں کوئی پانی ڈال کر ہرگز نہ پیئے۔ اب میں  
تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔“  
فرعون سانپ آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھنے لگا۔  
تو ناگ نے بے چینی سے کہا۔

”میرے دوست! صرف اتنا بتا دو کہ ہم اسے  
کہاں جا کر تلاش کریں؟“  
فرعون سانپ نے پھٹکار ماری اور کانپتی آوازیں  
کہا۔



”اس بستی کو کوئی راستہ نہیں جاتا“  
 یہ کہا اور تیزی سے چھت کی طرف اڑا اور غائب  
 ہو گیا۔ ان دونوں کی گفتگو پر دے کے پیچھے بیٹھے تھیوساگ  
 اور ماریا نے بھی سُن لی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ پریشان  
 ہو گئے۔ پہلے تو یہ امید بھی تھی کہ شاید کیٹی کا کچھ سراخ  
 مل جائے مگر اب تو فرعون سانپ نے انہیں بالکل ہی  
 ناامید کر دیا تھا۔ ناگ الگ مایوسی کے عالم میں سر  
 جھکانے بیٹھا تھا۔ ماریا بولی۔

”ہمیں فرعون سانپ کی باتوں پر بھروسہ نہیں  
 کرنا چاہیے۔ ہم کد شش کر کے کیٹی جہاں  
 گئی ہے وہاں سے اُسے واپس لا سکتے ہیں“  
 تھیوساگ بولا۔  
 ”لیکن ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں چلی  
 گئی ہے“  
 ناگ کچھ سوچ کر بولا۔

”اب صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ ملک سورج  
 میں ایک بہت پرانا اہرام ہے۔ کہا جاتا ہے  
 کہ اس میں کسی نیک دل مصری راہب کی ممتی  
 دفن ہے۔ مجھے اس کے تابوت پر ملے جا کر چلے

کرنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے۔ نیک دل مصری راہب  
 کی روح ہماری کچھ راہنمائی کر سکے۔ اور  
 ہمیں فرعون کی مردہ بستی کے بارے میں کچھ  
 بتا سکے؟

ماریا اور تھیوساگ نے ایک زبان ہو کر کہا کہ پھر  
 ہمیں فوراً ملک سورج کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے  
 کیونکہ کیٹی کہیں بالکل ہی ہمارے ہاتھ سے نہ نکل  
 جائے۔

چنانچہ وہ اسی وقت مکان کو چھوڑ شہر کی بندرگاہ  
 کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں ایک بادبانی۔ بحری جہا  
 پر سامان لادنا جارہا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ جہاز ملک  
 روم کی طرف تجارت کا سامان لے کر جا رہا ہے۔ رات  
 میں عتیقا کی بندرگاہ پر بھی ٹھہرے گا۔ عتیقا کی بندرگاہ  
 سے سورج کا شہر ایک دن کے فاصلے پر صحرا میں تھا۔  
 ناگ نے کہا۔

”ہمیں اسی جہاز پر سفر کرنا ہو گا“  
 اس بادبانی جہاز کو دو روز بعد سفر پر روانہ  
 ہونا تھا۔ مجبور ہو کر وہ وہیں بندرگاہ پر ایک جگہ بیٹھ  
 کر انتظار کرنے لگے۔ دو دن وہیں گزارے۔ میسر



روز صبح کے وقت وہ جہاز پر دوسرے مسافروں کے ساتھ  
مواد ہونے اور کچھ دیر بعد جہاز نے لنگر اٹھایا۔  
بادبان کھولے اور سمندر میں اپنے طویل سفر پر روانہ  
ہو گیا۔

اب ہم کیٹی کی طرف چلتے ہیں اور یہ پتہ کہتے ہیں۔  
کہ فرعون کے والہ پانی پینے کے بعد اس پر کیا گزری؟  
کیٹی فرعون کے والہ پانی پینے کے ساتھ ہی فرش  
پر دروازے کے پاس گر پڑی تھی۔ پہلے اس کی  
مانگیں غائب ہوئیں۔ اور پھر اس کے بازو اور پھر  
اُتی دھڑ بھی غائب ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ بے ہوش  
درجہ کی تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے آنکھیں کھول  
رہی تھیں۔ اسے ایک چھت نظر آئی جس پر انسانی  
کھوپڑیاں اینٹوں کی طرح لگی ہوئی تھیں۔ فضا میں  
، ہلکی دھیمی نیلی روشنی پھیلی تھی۔ اور عجیب قسم  
ے لوہان کی بو آ رہی تھی۔ ایسی بو مردوں کے  
بوتوں سے آیا کرتی ہے۔ کیٹی کو محسوس ہوا کہ وہ  
سی ٹھنڈے فرش پر چیت لیٹی تھی۔

اس نے محسوس کیا کہ اس کا جسم ثابت اور سالم  
ہے۔ اور وہ اٹھ سکتی ہے۔ دیکھ سکتی ہے۔ سوچ سکتی

ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ وہ ایک  
تابلوت فاکرے میں ہے۔ دیواروں پر بھی انسانی  
ڈھانچوں کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں لگی تھیں۔ کیٹی کے  
سر ہانے کی طرف ایک سیاہ موم بتی جلی رہی تھی۔  
جس میں سے نیلے رنگ کی ٹوٹل کر دھیمی دھیمی  
روشنی دے رہی تھی۔ کمرہ تنگ تھا اور بالکل خالی  
پڑا تھا۔ کیٹی نے سب سے پہلے اپنے جسم کا جائزہ لیا  
بالکل ٹھیک تھی۔ اس کا لباس بھی نہیں بدلا تھا۔ کمرے  
میں کسی جگہ کوئی دروازہ یا روشنی دان تک نہیں تھا۔  
کیٹی اٹھ کر دیوار کے پاس گئی۔ دیوار میں انسانی بازوؤں  
پنڈلیوں اور شانوں کی ہڈیاں ساتھ ساتھ چن کر لگائی  
گئی تھیں۔ کمرے کی چاروں دیواریں ہی ایسی تھیں۔  
پخت کے ساتھ لگی کھوپڑیوں کی آنکھوں کے سوراخ۔  
اپنے تاریک ڈیوں سے کیٹی کو گھور رہے تھے۔ اس  
نے تنگ آ کر زور سے آواز دی۔

”میں کہاں ہوں؟ یہاں کوئی ہے؟“

کیٹی کی آواز چھت کی کھوپڑیوں سے ٹھکرانی تو جیسے  
ساری کی ساری کھوپڑیوں نے ان الفاظ کو بھاری  
اور ڈراؤنی آواز میں دہرایا۔



”میں کہاں ہوں؟ یہاں کوئی ہے؟“

کیٹی سم کر دیوار کے ایک طرف لگ گئی۔ اس کا دل  
مرد سے دھڑکنے لگا۔ اس قسم کے حالات سے کیٹی کبھی  
دو چار نہیں ہوتی تھی۔ اسے اتنا معلوم تھا کہ وہ فرعونوں  
کی مردہ بستی میں آگئی ہے۔ مگر یہ بستی کہاں تھی؟ اس بستی  
سے کیسے فرار ہوا جا سکتا ہے؟ کیٹی کو ان سوالوں کے  
جواب پہنچیں تھے۔ مگر اس وقت اسے اس قبر  
کو ٹھٹھری سے نکلنے کی فکر تھی۔ اس نے ایک بار پھر چاروں  
دیواروں کا جائزہ لیا۔ وہ انسانی ہڈیوں کو ہاتھ لگا کر  
ٹٹوٹنے لگی۔ کہ شاید وہاں کوئی خفیہ کل ہو جس کے دبانے  
سے کوئی دیوار شق ہو جائے اور اسے باہر نکلنے کا راستہ  
مل جائے۔ مگر انسانی ہڈیوں کو اس طرح ساتھ ساتھ جوڑ کر  
لگایا گیا تھا کہ ان کے درمیان ذرا سی بھی جگہ نہیں چھوڑی  
گئی تھی۔

اچانک کیٹی کو بند کمرے کی فضا میں ایک عجیب قسم کی  
تیز بو کا احساس ہوا۔ اس کی نگاہ اپنے آپ چھت کی طرف  
اٹھ گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ چھت کے عین درمیان میں لگی  
انسانی کھوپڑی کے سنہ میں سے دھوئیں کی ایک کیر نکل کر  
کمرے میں پھیل رہی ہے۔ یہ تیز بو اس دھوئیں کی تھی۔

کیٹی غور سے دھوئیں کی کیر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا سر پکڑا لے  
لگا۔ اس کے پاؤں بھاری ہونا شروع ہو گئے۔ اس کی ٹانگیں  
پکیپانے لگیں۔ وہ فرش پر بیٹھ گئی۔ پھر اسے اتنی کمزوری محسوس  
ہوئی کہ فرش پر سیدھی لیٹ گئی۔ جس طرح کہ وہ پہلے لیٹی  
ہوتی تھی۔ اس کی آنکھیں چھت پر انسانی کھوپڑی پر لگی  
تھیں۔ فضا میں ہلکا ہلکا دھواں بھر گیا تھا۔ اب کھوپڑی کے  
منہ میں سے دھواں نکلنا بند ہو گیا تھا۔

کیٹی کا جسم بے حس ہونے لگا تھا۔ اس نے ہاتھ پاؤں  
ہٹانا چاہے۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ اس نے اپنی آواز میں  
چلانے کی کوشش کی۔ مگر آواز اس کے حلق میں سانس بن کر  
رہ گئی۔ کیٹی اگرچہ کبھی آسانی سے غورزدہ نہیں ہوتی تھی۔  
لیکن اس بار اسے بھی دہشت کے مارے پسینہ آ گیا۔ ایک  
تو اس کے ذہن پر یہ خیال سوار تھا کہ وہ کسی انجانی مردہ  
بستی میں آگئی ہے۔ دوسرے پھت کی کھوپڑیاں اسے  
اندھیری آنکھوں سے گھور رہی تھیں۔ اوپر سے یہ دھواں  
تھا جس نے اس کے جسم کو بے حس کر دیا تھا۔

سیاہ رنگ کی نیل روشنی والی موم بتی اب اس کی بائیں  
جانب فرش پر لگی خاموشی سے جل رہی تھی۔ اس کی روشنی  
تنہا کم تھی کہ صرف اس کے ارد گرد تک پڑ رہی تھی۔ کیٹی



کو قدموں کی چپا چپا مٹائی دی۔ یہ چپا دو تین انسانوں کی تھی اور گنا تھا کہ یہ لوگ بہت آہستہ آہستہ چل کر آ رہے ہیں۔ کیٹی سوچنے لگی کہ اس قبرستان کو ٹھہری میں تو کوئی دروازہ نہیں ہے۔ پھر یہ لوگ کہہ رہے اندر داخل ہوں گے۔ وہ اپنی گردن اوپر نہیں اٹھا سکتی تھی۔ اس نے آنکھیں ذرا کھلی کر اس طرف دیکھا جدھر سے اسے قدموں کی چپا آتی محسوس ہو رہی تھی۔ دیوار میں ایک جگہ نیلی روشنی کا چھوٹا دائرہ بنا۔ پھر یہ دائرہ بڑا ہوا کہ ایک گول دروازہ سے میں تبدیل ہو گیا۔

پھر اس گول دروازے میں سے ایک دوسری کے پیچھے تین عورتیں نمودار ہوئیں۔ ان عورتوں کے رنگ زرد تھے۔ جسم پر سفید کفن ایسی ایک چادر اس طرح لپیٹی تھی کہ ایک بازو شانے تک نکلا تھا۔ بال کھلے تھے۔ آنکھیں کسی مردہ لاش کی مانند ٹھنکی بازو سے سامنے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے پاؤں میں چھوٹے بندھنوں کی کھوپڑیاں پہن رکھی تھیں۔ جو چلتے وقت آواز پیدا کرتی تھیں۔ کیٹی نے اس قسم کی مخلوق پہلے کہیں نہیں دیکھی تھی۔ اسے خیال آیا کہ یقیناً یہ مردہ عورتیں ہوں گی کیونکہ وہ مردہ ہستی میں پہنچ چکی ہے۔

یہ عورتیں فرش پر چپت لیٹی ہوئی کیٹی کے آس پاس کھڑی ہو گئیں۔ کیٹی کو ان کے سیاہ کفن میں سے ان مسالوں کی بو آ رہی تھی۔ جو قدیم مصر کے لوگ اپنے مردوں کے جسم پر لگایا کرتے تھے۔ کیٹی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ مردہ عورتیں اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والی ہیں۔ وہ کچھ بول بھی نہیں رہی تھیں۔ کچھ دیر وہ کیٹی کے پاس پتھر کے مجسموں کی طرح ساکت رہیں۔ پھر ان میں سے کیٹی کے سر ہانے کی طرف آگئی اور حلق سے ایسی آواز نکالی جیسے وہ کسی لاش کے پاس کھڑی ہوئے ہوئے مین کر رہی ہو۔ کیٹی کا دل لرز اٹھا۔ دوسری عورتوں نے آہستہ آہستہ اپنے چہروں پر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔ چند لمحوں کے بعد انہوں نے دلی دہی آوازوں میں بین اور واویلا کرنا بند کر دیا۔ پھر ان میں سے ایک عورت نے جو لمبی تڑنگی تھی کیٹی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا کر اپنے کاندھے پر یوں ڈال لیا کہ کیٹی کے دونوں بازو اس کی کمر پر لکھنے لگے۔ کیٹی نے محسوس کیا کہ وہ اپنے بازو اور ٹانگیں بالکل نہیں ہلا سکتی۔ یہ عورت آگے آگے تھی۔ دوسری دو عورتیں پیچھے پیچھے تھیں۔ وہ کیٹی کو لے کر ہڈیوں والی دیوار کے گول دروازہ سے میں سے گزر گئیں۔



دوسری طرف پہلے تو نیل روشنی رہی پھر یہ روشنی اندر  
میں تبدیل ہو گئی۔ اب کیٹی گھپ اندھیرے میں سے گزر  
رہی تھی۔ یہ عورتیں بہت دھیمی چال سے چل رہی تھیں۔  
ان کے پاؤں میں جو بندروں کی کھوپڑیوں کی جوتیاں تھیں  
وہ چلتے وقت ایسی آوازیں پیدا کرتیں۔ جیسے بندر تکلیف سے  
آہستہ آہستہ کراہ رہے ہوں۔

کیٹی اس وقت بھی کہہ سکتی تھی کہ اپنے آپ کو حالات  
پر چھوڑ دے۔ اور یہ دیکھے کہ اس کے ساتھ یہاں کیا سلوک  
کیا جانے والا ہے۔ یہ پراسرار آدھی مردہ آدھی زندہ  
عورتیں جیسے ایک کالی اندھیری سرنگ میں سے گزر رہی  
تھیں۔ کچھ دور چلتے رہنے کے بعد وہ بائیں جانب کو  
مڑیں اور دیوار میں بنے ہوئے ایک گول مگر تنگ دروازہ  
میں سے بھٹک کر دوسری طرف آگئیں۔ کیٹی کی آنکھیں فرش  
پر تھیں۔ وہ اپنا سر اوپر نہیں اٹھا سکتی تھی۔ اس نے دیکھا  
کہ فرش پر پتھر یا اینٹوں کی جگہ انسانی کھوپڑیاں لگی ہوئی  
ہیں۔

یہاں بہت ہی دھیمی نیلی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور فضا  
میں مشک کافور کی بڑی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ عورت ایک  
چبوترے کے پاس آ کر ٹک گئی۔ دو عورتیں اس کے دائیں

بائیں آگئیں۔ چبوترے کے پیچھے طاق میں رکھی انسانی کھوپڑی  
کی ٹوٹی ہوئی ناک میں موم بتی جل رہی تھی۔ یہ موم بتی بھی  
سیاہ تھی اور اس کی روشنی کی ٹوٹی تھی۔ چبوترے کے  
سرہانے ایک طرف سیاہ کفن کی چادر تھہ کر کے رکھی تھی۔  
کیٹی کو چبوترے پر لٹا کر عورتوں نے اس کے کپڑوں کی جگہ  
اسے سیاہ کفن کی چادر اسی طرح پہنا دی جس طرح ان  
عورتوں نے خود پہن رکھی تھی۔

ابھی تک ان عورتوں نے آپس میں ایک بات بھی نہیں  
کی تھی۔ دو عورتیں لمبی عورت کے اشارے پر کونے میں  
گئیں۔ وہاں نیلے اندھیرے میں گڑی کا ایک مصری تابوت  
دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ تابوت  
اٹھا کر چبوترے پر رکھا۔ پھر کیٹی کو اٹھا کر اس چبوترے  
میں لاش کی طرح رکھ دیا۔ اب پہلی دفعہ وہ لمبی عورت  
بولی۔

”سادمی! تابوت میں موت کی اگر بتی سگدا دو“  
جس عورت کا نام سادمی تھا وہ آگے بڑھی۔ موم  
بتی والے طاق میں سے ایک سوادمی رنگ کی انسانی  
انگل کے برابر اگر بتی اٹھا لائی۔ اسے سلگایا اور کیٹی  
کے تابوت میں رکھ کر تابوت کو اوپر سے بند کر دیا۔



کیٹی کو لمبی عورت کی آواز سنائی دی۔  
وہ کل یہ مر جائے گی۔ اس کی لاش کو دوبارہ  
زندہ کریں گے۔ تب اسے مردہ فرعون کے حضور  
پیش ہونا ہو گا۔

یہ عورتیں ہزاروں برس پہلے کے ملک مصر کی زبان  
میں بول رہی تھیں۔ کیٹی کے ذہن میں حالات کی دھندلی تصویر  
کچھ کچھ صاف ہو رہی تھی۔ وہ زندہ حالت میں ان مردوں  
کی بستی میں آگئی تھی۔ اب یہ موت کی فرشتیاں اسے  
مار کہ دوبارہ زندہ کرنے کا تجربہ کرنے والی تھیں۔ اس  
کے بعد اسے اس بستی کے فرعون کے حضور پیش کیا جانے  
والا تھا جو خود ایک مردہ انسان تھا اور موت کے بعد اس  
مردوں کی بستی میں آباد تھا۔ سوال یہ تھا کہ یہ بستی کس  
دنیا میں ہے؟ آیا یہ کسی سیارے کی بستی ہے یا دنیا ہی  
کے کسی جسزیرے میں واقع ہے؟ یہ وہ سوال تھے  
جن کے جواب کیٹی کے پاس نہیں تھے۔

اگر بتی میں سے موت کی ذہریلی نوشبو اٹھنے لگی تھی۔  
مگر کیٹی غلامی مخلوق تھی۔ اس کے جسم میں اکیسین کی کمی  
یا کاربن ڈائی آکسائیڈ کی زیادتی اسے ہلاک نہیں کر سکتی  
تھی۔ صرف اگر بتی کی ذہریلی بو سے کیٹی کا جی خراب

ہو رہا تھا۔ سادھی کی سادھی موت کی اگر بتی رات رات  
میں جل گئی۔ دوسرے روز کیٹی کو وہی قدموں کی آواز  
سنائی دی۔ یہ کھوپڑی کے چیلوں کی چا پ تھی جو آہستہ  
آہستہ تابوت کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ان کے خیال میں کیٹی مر چکی تھی۔ مگر کیٹی زندہ تھی  
تینوں کھلے بالوں اور سیاہ کفن والی عورتیں کیٹی کے  
تابوت کے پاس آکر دکھ گئیں۔ لمبی عورت نے سادھی  
سے کہا۔

”سادھی! تابوت کا ڈھکنا اٹھاؤ۔“

کیٹی نے تابوت کے اندر آنکیں بند کر لیں۔ سادھی  
نے ڈھکنا اٹھا دیا۔ اندر کیٹی آنکیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی  
لمبی عورت نے کہا۔

”یہ مر چکی ہے۔ سادھی! اس کے بدن میں

دوبارہ مردہ رُوح داخل کر دو۔“

سادھی نے کیٹی کے منہ کھول کر اپنے منہ سے اس  
کے حلق میں زور سے پھونک مار دی۔ کیٹی کو پھینک آگئی۔  
اس کی آنکیں اپنے آپ کھل گئیں۔ لمبی عورت بولی۔  
سادھی! اس کے مردہ جسم میں مری ہوئی رُوح  
واپس آگئی ہے۔“



پھر اس نے کیٹی کی آنکھوں میں کاہل لگایا۔ کیٹی نے مسکرائے  
کیا کہ اس کے جسم کی توانائی واپس آگئی ہے اور وہ اپنے  
ہاتھ پاؤں ہلا سکتی ہے۔ مگر وہ اُسی طرح سیدھی بے حس و  
حرکت یٹی رہی۔ ان مردہ عورتوں کے حکم کی پابندی کرنے  
میں ہی بھلائی ہے۔ صرف اسی طرح کیٹی ان لوگوں کے راز  
اور اپنے فرائض کا کوئی طریقہ معلوم کر سکتی تھی۔

سامی نے کیٹی کے چہرے پر کنول کے پھولوں کا پاؤڈر  
لگایا۔ مہنڈوں کو سیاہ روغن سے کاڑھا کیا اور اس  
کے ماتھے پر سانپ کا چھوٹا سا نشان بنانے کے بعد لمبی  
عورت سے کہا۔

”سوگھانی! تیرا مردہ زندہ ہو گیا ہے۔“

لمبی عورت سوگھانی نے جھک کر کیٹی کو غور سے دیکھا  
کیٹی نے دو تین بار آنکھیں پھینکائیں مگر وہ جان بوجھ کر خاموش  
رہی اور کچھ نہ بولی۔ سوگھانی نے سامی کی طرف دیکھ کر کہا۔  
”سامی! یہ فرعونوں کے زندہ شہر سے آئی تھی۔“

تم نے اس کا نام نہیں بتایا۔“

سامی نے کیٹی کے ہاتھ کی پتیلی کو کھول کر اس کی پتیلی  
کی رگوں کو انگلی سے گینا اور بولی۔  
”سوگھانی! اس کے ہاتھ کی رگیں بتاتی ہیں کہ

اس کا نام قیطانی ہے اور یہ مصر میں فرعونوں  
کے باغ والے محل میں رہتی تھی۔“  
کیٹی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کس قسم  
کی باتیں کر رہی ہیں۔ مگر سامی نے اس کے نام سے  
ملتا جلتا قیطانی کا نام دہرا کر ضرور اسے حیران کر دیا  
تھا۔ سوگھانی نے کہا۔

وہ مردہ عورت سے خود پوچھو کہ اس کا نام  
کیا ہے۔“

سامی نے کیٹی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور  
سوال کیا۔

”تمہارا نام کیا ہے اے مردہ عورت! جو پھر

سے زندہ ہو گئی ہے۔“

کیٹی نے آہستہ سے کہا۔

”قیطانی۔“

سامی نے مسکرا کر سوگھانی کی طرف دیکھا اور کہا۔

”میرا حساب کبھی غلط نہیں ہوا۔ کتنی ہی مردہ عورتوں

کی ہاتھ کی رگیں پر مٹھ کر نام بتا چکی ہوں۔“

سوگھانی بولی۔

”چلو اسے مردہ روحوں کے زندہ گھر میں لے جا



کر رکھ دیں۔ آج فرعون کی موت کا دن ہے۔  
وہ اپنی موت کی ساگرہ مناد رہا ہے۔ اسے فرصت  
نہیں ہوگی۔ اسے کل فرعون کے حضور پیش  
کریں گے۔

تینوں عورتوں نے سہارا دے کر کیٹی کو تالوت میں سے  
باہر نکالا۔ اور کھڑا کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ کیٹی  
جان بوجھ کر ایسی ادا کا دی کہ وہی تھی جیسے اسے کھڑے  
ہونے میں حرج تھا۔ یہی عورت سوگھانی  
ہوئی۔

”مرنے کے بعد تازہ تازہ زندہ ہوتی ہے  
ابھی اس پر موت کا اثر ہے۔ اسے قدم

قدم چلاؤ۔“

انہوں نے کیٹی کو سہارا دے کر چلایا۔ کیٹی نے چند  
ایک قدم بڑھ کر اکبر اٹھائے پھر دھیمی رفتار کے ساتھ  
آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر پہنچنے لگی۔ یہ عورتیں اسے تاریک  
سڑنگ میں سے گزار کر ایک لمبے ہال کمرے میں لے  
آئیں۔ اسی کمرے کی چھت میں بھی کھوپڑیاں لگی تھیں۔  
دیوار کے ساتھ کالے پتھر کی پرانے زمانے کی ایک کرسی  
پڑی تھی۔ سامی نے کیٹی کو اس کرسی پر بٹھا دیا اور دھیمی

آواز میں کہا۔

”قتیطانی! یہاں بیٹھی رہو۔ یہ مردہ گھر ہے۔  
نئے آنے والے مردوں کو یہاں انتظار کرنا  
پڑتا ہے۔“

کتیٹی نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ سوگھانی، سامی  
اور ان کی قیسری ساتھی عورت وہاں سے چلی گئیں۔ ان  
کے جانے کے بعد کیٹی نے پتھر کی کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہال  
کمرے پر ایک نظر ڈالی۔ یہ کمرہ لمبائی کے رخ پر تھا۔ اس  
کی چوڑائی کم تھی۔ چھت سیاہ کالی تھی۔ ایک طرف  
خاملے پر چھوٹا سا محرابی دروازہ تھا جس میں سے نیلی روشنی  
آ رہی تھی۔ کیٹی سوچنے لگی کہ اسے نہ جانے کب تک اس  
جگہ پتھر بن کر بیٹھی رہنا گا۔ یہ عورتیں تو اسے مردہ سمجھ  
رہی ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ میں اصل میں زندہ  
ہوں۔ مگر وہ وہاں سے اٹھ کر کوئی خواہ مخواہ کا خطرہ  
مول نہیں لینا چاہتی تھی اور نہ ہی چاہتی تھی کہ کسی کو  
اس کے زندہ عورت ہونے کا شک ہو۔ جب اسے وہاں  
بیٹھے بیٹھے کافی دیر ہو گئی تو کمرے میں جس طرف محرابی  
دروازہ تھا اس طرف ایک لمبا سایہ آگے بڑھا۔  
کتیٹی نے آہستہ سے گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔



اس کا اوپر کا سانس اوپر ہی رہ گیا۔ مہرابی دروازے میں سے ایک ممتی کی لاش آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی کرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس ممتی کے سارے جسم پر پٹیاں چپکی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ بھی زرد رنگ کی پرانی پٹٹیوں میں چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔ یہ ممتی کیٹھ کے بالکل سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ کیٹھ اسے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ممتی نے اپنا ایک بازو اٹھایا۔ کیٹھ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا کہ اندھے پر سے سیاہ کفن سرکایا اور پھر آہستہ سے آگے ہو کر اپنا منہ کیٹھ کی گردن پر رکھ دیا۔ کیٹھ کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اسے اپنی گردن میں ایک نوکیلا دانت چبھتا ہوا محسوس ہوا۔ مگر ممتی کے ہاتھ میں نہ جانے کون سا طلسم تھا کہ کیٹھ کا سارا جسم برف کی طرح ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اور وہ اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہیں کر سکتی تھی اسے محسوس ہوا کہ ممتی اس کے جسم کا خون پی رہی ہے۔

پھر ایک ممتی نے اپنا چہرہ پیچھے ہٹا لیا۔ ممتی کی آنکھوں کے سوراخ میں ایک نیلی چمک روشن ہو کر بجھ گئی۔ شاید ممتی اس بات پر حیران تھی کہ کیٹھ کے جسم میں غلاتی مخلوق کا خون گردش کر رہا تھا۔ جو عام انسانوں کے خون سے مختلف

ہوتا ہے۔ ممتی کے حلق سے ایک غراہٹ کی آواز نکلی اور وہ بدھ سے آئی تھی۔ ادھر کھپل دی۔ مہرابی دروازے میں سے گذرتے وقت ممتی نے گھوم کر کیٹھ پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر نیلی روشنی میں گم ہو گئی۔

کیٹھ کو خیال آیا کہ کہیں اس ممتی کو پتہ نہیں چل گیا کہ وہ اس دنیا کی مخلوق عیس ہے بلکہ غلاتی سیارے کی رہنے والی ہے؟ مگر یہ پتہ بھی چل جاتا تو وہ اس کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔ جس بات کی کیٹھ کو ضرورت تھی وہ وہاں سے فرار ہونے کا کوئی ذریعہ تلاش کرتا تھا۔ لیکن جب تک کیٹھ کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس آیا دی میں ہے اور یہ آیا دی دنیا کے کس کونے میں ہے وہ وہاں سے کیسے اور کہاں فرار ہو سکتی تھی؟

کیٹھ کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ رات کا وقت ہے کہ دن کا وقت ہے۔ ہال کمرے میں بس وہی مہرابی دروازے کی طرف سے نیلی روشنی آ رہی تھی۔ کمرے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔ ممتی کو گئے جانے کتنی دیر گزر گئی۔ شاید رات آدھ گزرد چکی تھی کہ وہی تین عورتیں ایک اور عورت کو سہارا دے کر چلائی وہاں لائیں اور اسے کیٹھ کے پاس ہی دیوار کے منہ تھ کھڑے کر دیا اور واپس چلی گئیں۔



کیٹی نے دیکھا کہ اس عورت نے بھی سیاہ کفن جسم پر لپیٹ رکھا تھا۔ اس کا رنگ بھی زرد تھا اور بال کھلے تھے۔ آنکھوں میں سیاہ کا جل لگا تھا اور چہرے پر کنول کے پھولوں کا برادہ ملا ہوا تھا۔ یہ ایک نوجوان لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ یہ لڑکی بالکل سامنے دیوار کی طرف بھگ رہی تھی۔ کیٹی نے اس کی طرف چہرہ گھمایا اور کہا۔  
 ”تم کہاں سے آئی ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟“  
 اس لڑکی کے ہونٹ حرکت میں آئے۔ اور وہ بھی آواز میں بولی۔

”میرا نام گوردانی ہے۔ میں دنیا میں فرعونوں کے خاندان کی آخری نشانی تھی۔ آج صبح میں سر گئی۔“

گوردانی خاموش ہو گئی۔ کیٹی نے سوچا کہ اس لڑکی سے مزید بات کرنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔ کیٹی نے کہا۔  
 ”تم یہاں کیوں آئی ہو؟“

مرد لڑکی گوردانی کے حلق سے حیرت کی آواز نکلی۔  
 ”کیا تم نہیں جانتی ہو کہ مرہٹوں کے بعد ہم فرعون کے خاندان کی لڑکیاں اور لڑکے بوڑھے اور بوڑھیاں

کیٹی چپ ہو گئی۔

جب باقی کی بات بھی گزر گئی تو تینوں عورتیں کھوپڑیوں کی چلیں گھسیٹتی ایک بار چہرہ نمودار ہوئیں اور قیطانی اور گوردانی کو ساتھ لے کر مہرالی دروازے سے گزرنے کے بعد ایک بہت بڑا زمینہ اترنے لگیں۔ کیٹی نے دیکھا کہ زمین کے نیچے ایک شاندار ہال تھا جو کسی بادشاہ کا دربار لگ رہا تھا۔ مگر اس کی چھت پر بھی انسانوں کی کھوپڑیاں لگی تھیں۔ ہال کمرے کے درمیان میں ایک تخت رکھا تھا جس پر سیاہ بلی کا بت پیچے کی طرف کھڑا تھا۔ سامنے پتھر کی سیاہ کرسیوں پر میاں دم سادھے بیٹھی تھیں۔ ستونوں کے ساتھ انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے ہاتھوں میں تلواریں پکڑے کھڑے تھے۔

تینوں عورتیں سیڑھیاں اتر کر رک گئیں۔ اب دو میاں ان کے پاس آئیں اور انہوں نے کیٹی اور گوردانی کو دربار کی طرف چلنے کو کہا۔ کیٹی نے دیکھا کہ سارے ہال پر ایک ہیبت ناک سکوت چھا رہا تھا۔ تخت خالی پڑا تھا۔ اس کے پیچھے بلی کا جو بت تھا اس کی زرد آنکھوں سے روشنی کی تیز شعاعیں نکل رہی تھیں۔ کیٹی اور گوردانی کو آمنے سامنے میوں کے پاس سیاہ پتھر کی کرسیوں پر بٹھا دیا۔ پھر کسی جانب سے گھنٹے کے بجنے کی آواز آئی۔ اور تخت والی بلی کے منہ سے ایک جھیاٹک پیچ بلند



سے پکڑ کر فرعون کے حضور پیش کر دیا۔ فرعون نے اس کی طرف خور سے دیکھا۔ پھر حکم دیا کہ گورانی کے گناہوں کا حساب پیش کیا جائے۔ اب کتاب والے کاہن کی بامدی تھی۔ اس نے کتاب کا ایک صفحہ کھولا اور اسے پڑھتے ہوئے بولا۔  
 ”عظیم فرعون! گورانی کے گناہوں کی تعداد کافی لمبی ہے۔“  
 پھر اس نے ایک ایک کر کے گورانی کے گناہوں کی تفصیل بیان کر دی۔ گورانی خاموش کھڑی بیٹھی رہی۔ جب کتاب والا کاہن خاموش ہو گیا تو فرعون نے اپنی مردہ ملکہ کی طرف دیکھا۔  
 ملکہ نے آہستہ سے سر ہلایا۔ فرعون نے حکم دیا۔  
 ”گورانی کو ایک سال کے لیے برف کے جہنم میں پھینک دیا جائے۔“

گورانی نے بیچ مادی اور دھم کی درخواست کی۔ فرعون نے ہاتھ اٹھا کر زور دار آواز میں کہا۔  
 ”اسے بے جاؤ اور برف کے جہنم میں پھینک دو۔“  
 اسی لمحے کرسیوں پر بیٹھی میوں میں سے ایک مٹی مٹی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی آگے بڑھی۔ گورانی کو دلچسپ کر اپنے کاندھے پر ڈالا اور دوسرے دروازے کی طرف لے گئی۔ گورانی کی پیچوں کی آواز تھوڑی دیر گونجنے کے بعد خاموش ہو گئی۔ کئی نے یہ سب کچھ دیکھا تو کھرا

گئی کہ خدا جانے اس کے ساتھ کیا سلوک ہو۔ اتنے میں قزولوں نے کیمٹی کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا۔  
 ”یہ لڑکی ہمیں اپنے خاندان کی لڑکی نہیں لگتی۔ یہ یہاں کیسے آگئی ہے؟“  
 کتاب والے کاہن نے کتاب کے ورق اسٹے پھر پڑھتے ہوئے بولا۔

”عظیم فرعون! اس کا نام قسطنطی ہے اس نے آپ کے مقدس سانپ کی توہین کرتے ہوئے اس کے منکے کے پانی کو پی لیا تھا۔ یہ زندہ حالت میں بہادی دنیا میں آگئی تھی۔ مگر ہم نے اسے موت کی اگرہتی سے ہلاک کر دیا اور اب یہ اپنے جسم کی مردہ لاش ہے۔“

فرعون نے حکم دیا۔  
 ”اس کا حساب کتاب پیش کیا جائے۔“  
 کتاب والے راہب نے فوراً صفحہ الٹا اور بولا۔  
 ”عظیم فرعون! اس کے اعمال کا حساب کتاب تو بڑا لمبا ہے۔ مگر حیرانی کی بات ہے کہ یہاں کتاب میں جگہ جگہ اس کا نام کسی نے سازش کر کے مٹا دیا ہے۔“



فرعون کا چہرہ غصے سے اور زرد ہو گیا۔

”کیا کہہ رہے ہو؟ یہ کس نے سازش کی تھی؟“  
کتاب والا راہب سر جھکا کر بولا۔

”عظیم فرعون! یہ اسی لڑکی قسطنطینی کی سازش  
ہو سکتی ہے۔ دوسرا کوئی یہ جرات نہیں کر سکتا۔“

کیٹی کچھ نہیں سمجھ رہی تھی۔ کہ یہ کیا باتیں ہو رہی  
ہیں۔ کہاں کا حساب کتاب اور کہاں کی سازش۔ اس کے  
کون سے گناہ تھے جن کا حساب کتاب لیا جا رہا تھا۔  
فرعون نے کتاب والے راہب کا یہ بیان سنا تو کیٹی کی  
طرف غصناک آنکھوں سے گھور کر دیکھا اور حکم دیا۔  
”اس مردہ عورت قسطنطینی کے گناہوں کی سزا یہ  
ہے۔ کہ اسے قبریں کھودنے والوں کی بستی میں جلا  
وطن کر دیا جائے۔“

تخت کے پیچھے بلی کے بچنے کے حلق سے ایک تیز چیخ  
کی آواز نکلی۔ فرعون نے اپنا عصا فضا میں بلند کر دیا۔  
”بلی کے دیوتا کا بھی حکم یہی ہے۔“

کیٹی گھبرائی کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اتنی  
دیر میں دو میاں کرسیوں سے اٹھ کر کیٹی کو اپنی مضبوط  
گرفت میں لے چکی تھیں۔ کیٹی نے محسوس کیا کہ ان کے

ہاتھوں کے لمس کی وجہ سے اس کی طاقت بے حد  
کمزور پڑ گئی ہے۔ میاں کیٹی کو لے کر دوسرے دروازے  
کی طرف بڑھیں۔ اس دروازے کی دوسری طرف ایک  
خالی تابوت فرش پر پڑا تھا۔ تابوت کھلا تھا۔ کیٹی کو  
اس تابوت میں ڈال کر اس کے ہاتھ سینے پر باندھ دیئے  
گئے۔

کیٹی ابھی تک اپنے اندر شدید کمزوری محسوس کر  
رہی تھی۔ میوں نے تابوت کا ڈھکنا بند کر کے اس میں  
میغیں ٹھونک دی۔ پھر اسے کانڈھوں پر رکھا اور اندھیر  
مرنگ ایک ویران وادی میں نکلی آئی۔ جہاں ہر طرف  
گرے پڑے کھنڈر اور جھاڑیاں بھری ہوئی تھیں۔  
ان جھاڑیوں کے بیچ میں جگہ جگہ قبریں بنی ہوئی تھیں جن  
کے اوپر کالی بلیوں کے بت درکھے ہوئے تھے۔ ایک جگہ  
دو گورکن آہستہ آہستہ قبر کھود رہے تھے۔ ان گورکنوں کے  
چہرے ساکت اور زرد تھے۔ ان کی سفید آنکھیں پتھرائی ہوئی  
تھیں۔ میوں نے تابوت قبر کے پاس جا کر رکھ دیا۔ ایک  
مٹی نے اپنی عز غرائی آواز میں کہا۔

”یہ گناہ گار قسطنطینی کی زندہ لاش ہے۔“  
ایک گورکن نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے مٹی کی طرف



دیکھا اور سر پہ یوں اشارہ کیا۔ جیسے میں سمجھ گیا۔ اب  
 تم جا سکتے ہو۔ دونوں میاں وہاں سے واپس چلی گئیں۔  
 قبریں کھودنے والے پھر اپنے کام میں لگ گئے۔ وہ  
 پھاوڑے سے قبر کے اندر سے مٹی نکال نکال کر باہر  
 پھینک رہے تھے۔ کیٹی تابوت میں خاموش بالکل سیدھی  
 لیٹی تھی۔ اس کے ہاتھ اس کے سینے پر بندھے تھے جانے  
 کیا بات تھی کہ وہ اپنے جسم کو پتھر کی طرح محسوس کر رہی  
 تھی۔ وہ اپنے سینے پر سے ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکتی تھی۔  
 قبریں کھودنے والوں نے جب قبر پر دی طرح کھودی۔  
 اور باہر نکل کر تابوت کو خود سے دیکھا۔ پھر اس کے نیچے  
 رستی ڈالی اور اسے آہستہ آہستہ قبر کے گڑھے میں اتارنے  
 لگے۔ جب تابوت قبر کی تہ میں جا کر لگ گیا تو انہوں نے  
 پھاوڑوں کی مدد سے تابوت پر مٹی ڈالنی شروع کر دی۔  
 تابوت پر مٹی کے ڈھیلے گہرے تو کیٹی کو ایسا محسوس  
 ہوا جیسے کوئی اس پر بھاری پتھر پھینک رہا ہے۔ اس نے  
 دونوں ہاتھوں سے تابوت کو کھول کر باہر نکلنے کا ارادہ  
 کیا۔ مگر اس کے بازو اس کے سینے پر جمے رہے۔ اپنی جگہ  
 سے ذرا سی بھی حرکت نہ کی۔ کیٹی کی آنکھوں میں آنسو آگئے  
 یہ میں کس عذاب میں پھنس گئی ہوں۔ اس نے سوچا۔

قبریں کھودنے والے گورکنوں نے قبر کو مٹی سے بالکل بھر  
 دیا۔ پھر اس کے اوپر کالی پٹی کا ایک بت نصب کر دیا۔ ایک  
 طرف کھڑے ہو گئے۔ اور تازہ بنی ہوئی قبر کو دیکھنے لگے۔  
 ایک گورکن نے مردہ بوجھل آواز میں کہا۔  
 ”یہ مجھے زندہ عورت لگتی ہے۔“  
 دوسرے گورکن نے کہا۔

”یہ زندہ حالت میں مردوں کی اس بستی میں آئی  
 تھی اسے یہاں آنے کے بعد مارا گیا ہے۔“  
 پہلا گورکن بولا۔

”یہ ابھی نہیں مری۔ یہ ابھی زندہ ہے۔“  
 دوسرا کہنے لگا۔

”اس قبر کے اندر مرجائے گی۔ شاید فرعون نے  
 اسے اسی لیے یہ سزا دی ہے۔ مرنے کے بعد یہاں  
 روحیں آزاد لاشوں کا روپ دھار کر رہتی ہیں۔  
 مگر یہ بد نصیب عورت یہاں بھی ایک مردہ لاش  
 بن کر اس تابوت میں بند رہے گی۔ سات راتوں کے  
 بعد جب قبر سے نکلے گی تو اس مرگٹ کا بھوت  
 بن گئی ہوگی۔“  
 پہلا گورکن بولا۔



”اڈا اب چلیں۔ ہمیں کچھ دوسری گناہ گار مردوں  
کی قبروں میں بچھو ڈالتے ہیں“  
دوسرے گورکن نے کہا۔

”اس عورت کو بچھوؤں کی سزا نہیں ملی۔ یہ خوش  
قسمت لاش ہے“

یہ کہہ کر دونوں گورکن پھاڑوے کا ندھوں پر رکھ کر  
ایک طرف آہستہ آہستہ چل پڑے۔ کیٹی تابوت میں لیٹی  
ہوئی تھی۔ تابوت میں گھپ اندھیرا تھا۔ آہستہ آہستہ کیٹی  
کے جسم کی طاقت واپس آنا شروع ہو گئی۔ مگر اس میں اتنی  
طاقت ابھی نہیں آئی تھی کہ وہ زور لگا کر تابوت توڑ کر  
قبر سے باہر نکل سکتی۔ کسی غیر محسوس طلسمی طاقت نے اسے  
تابوت میں ہی رہنے پر مجبور کر رکھا تھا۔ یہ طلسم نہیں بلکہ  
آسیب تھا۔ جس طرح کہ مجبوروں اور بددعوں کے پائس طلسم  
نہیں ہوتا۔ جادو نہیں ہوتا بلکہ آسیب ہوتا ہے۔ یہی آسیب  
دوسروں کو پتھر بنا دیتا ہے۔ اس آسیب کو دہشت بھی  
کہہ سکتے ہیں۔ چونکہ کیٹی ایک بہادر اور دوسرے سیارے  
کی رہنے والی لڑکی تھی۔ اس لیے ابھی تک زندہ تھی اور  
اس پر کسی آسیب کا اتنا اثر نہیں ہو سکا تھا کہ وہ مرجاتی۔  
پھر بھی وہ ہر صورت میں تابوت سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔

تاکہ اس مردوں کی بستی سے فزاہ ہونے کی کوئی راہ تلاش کر  
کے غیر ماریا کے پاس پہنچ جائے۔ کیٹی کو غیر تحقیق سا رنگ اور  
ماریا جیسے خواب کے لوگ معلوم ہونے لگے تھے۔ اسے محسوس  
ہو رہا تھا کہ اُن سے بچھڑے ہزاروں برس بیت گئے تھے۔  
کیٹی کو قبر کے اندر پڑے پڑے سات روز گزر گئے۔  
اُنھوں روز دو مہیاں آئیں۔ انہوں نے کیٹی کی قبر کھدوا  
کر تابوت میں سے نکالا اور غور سے دیکھا۔ کیٹی نے اپنی  
آنکھوں کو جان بوجھ کر پتھر کیا۔ جیسے وہ ساکت ہو گئی ہوں۔  
دونوں مہیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر کیٹی  
کو اٹھا کر مردہ محل کے اندر کاہن موت کے سامنے لے گئے۔  
مردہ محل سیاہ پتھروں کا بنا ہوا تھا جس کے اندر جگہ جگہ  
ستونوں کے ساتھ انسانی ڈھانچے چپ چاپ کھڑے تھے۔  
طاق میں نیلی موم بیاں دھیمی دھیمی روشنی دے رہی تھیں۔  
کاہن موت نے سیاہ لبادہ اڈھ رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں  
کمرے کی مدھم نیلی روشنی میں اٹو کی آنکھوں کی طرح چمک  
رہی تھیں۔

مہیوں نے کیٹی کو کاہن موت کے سامنے لے جا کر کھڑا  
کر دیا۔ کاہن موت پتھر کے تابوت پر سے اُٹھ کر کیٹی کے  
پاس آیا۔ اسے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ پھر اس کی پلوں کو الٹے سے



اوپنچا کیا اور اپنے زرد دانت نکالتے ہوئے بولا۔

”میں کاہن موت فیصلہ دیتا ہوں کہ یہ لڑکی مر چکی ہے۔ یہ اس کا بھوت ہے۔ اسے بھوت محل میں پہنچا دیا جائے۔ وہاں یہ اپنی سزا کاٹے گی۔“

بھوت محل اس مردہ بستی کی ایک ویران پہاڑی پہرہ واقع تھا۔ اس محل کو دیکھ کر یہی خیال آتا تھا کہ یہاں سوائے بھوتوں کے اور کوئی نہیں رہ سکتا۔ محل ایک طرف کو جھک گیا تھا۔ دیواروں کے پتھر اکٹڑ گئے تھے۔ ایک اور مسلسل بول رہا تھا۔ بھوت محل کی لمبی ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی کیٹی کو عورتوں اور مردوں کے عجیب ڈرافٹے قہقہے سنائی دیئے۔ کیٹی کو اس محل کی ڈیوڑھی میں چھوڑ کر مردہ فرعون کی میاں واپس چلی گئی تھیں۔

کیٹی کے جسم کی توانائی واپس آگئی تھی۔ اس نے چاروں طرف ایک گہری نگاہ دوڑائی۔ ڈیوڑھی کے آگے ایک ڈھلایا ہوا دروازہ تھا۔ اس پر اندھیرا اور موت کا سنناٹا چھایا تھا۔ کیٹی دروازے کی طرف بڑھی۔ دوسری طرف ایک لمبا برآمدہ تھا۔ برآمدے کی چھت کے ساتھ بنالے لٹک رہے تھے۔ آٹے

مے اندھیری کوٹھڑیاں تھیں۔ کیٹی آہستہ آہستہ ان کوٹھڑیوں کے قریب سے گزری تو ایک کوٹھڑی سے کسی بھوت

کی آواز آئی۔

”ساتویں کوٹھڑی تمہاری ہے۔“

کیٹی نے گردن پھیر کر دیکھا۔ کوٹھڑی کے کونے میں ایک سیاہ کبل کی ڈھیری پڑی تھی۔ کیٹی نے آہستہ سے پوچھا۔

”تم کون ہو؟“

عورت کی دوبارہ آواز بلند ہوئی۔

”میرا نام نیکوما ہے۔ میں دس برس کی سزا کاٹ رہی ہوں۔“

کیٹی نے پوچھا۔

”یہ کون سی جگہ ہے۔ کیا یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں؟“

نیکوما خوفزدہ ہو گئی۔ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

”ہیں بتایا گیا ہے کہ تمہارا نام قیطانی ہے۔ تمہیں سات برس کی سزا ہوئی ہے۔ ایسی بات کبھی نہ سوچنا۔ جو ایک بار یہاں آتا ہے اپنی سزا پوری کیے بغیر باہر نہیں جا سکتا۔“

کیٹی بولی۔

”بھوت محل کا دروازہ تو ڈھلایا ہوا ہے۔ کیا میں

اس میں سے باہر نہیں جا سکتی؟“



”نہیں، نیکو مانے کہا۔“ جب تم اس جھوٹ محل میں داخل ہوئی تھیں۔ تو دروازے پر آسیب کا نظر نہ آنے والا پردہ گر پڑا تھا۔ ہم میں سے کوئی اگر باہر جانے کی کوشش کرے گا۔ تو طلسمی پردے سے ٹکڑا کر اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔“

کیٹی سخت مایوس ہو گئی۔ کم سخت یہ کس خداب میں بخش گئی تھی وہ۔ اس نے سوچا۔ پھر اس نے نیکو مانے سے پوچھا کہ جھوٹ محل میں کتنی عورتیں مرد رہتے ہیں۔ نیکو مانے نے بتایا کہ جھوٹ محل میں دس عورتیں اور سات مرد ہیں۔ جو اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں پڑے رہتے ہیں۔ یہ بہت کم ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں۔ کیٹی نے کچھ سوال کرنا چاہا تو نیکو مانے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”قیطانی! تم پہلے ہی بہت باتیں کر چکی ہو۔ اس سے زیادہ بات کرنے کی ہمیں اجازت نہیں۔ جاؤ اپنی کوٹھڑی میں جا کر اپنی سسڑا کاٹنا شروع کرو۔“ کیٹی خاموشی سے چلتی ہوئی برآمدے کے آخر میں اپنی کوٹھڑی میں آگئی۔ اس کو ٹھڑی میں لکڑی کے ایک چھوٹے سے

تخت اور پانی کی ایک بالٹی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ طاق میں پہلے ہی سے نیلی موم بنی روشن تھی۔ کیٹی نے غور کیا تو اسے مسوس ہوا کہ یہ ایک عجیب پر اسرار دنیا ہے۔ اس کو یقین تھا کہ یہ عورتیں اور مرد مردہ ہیں۔ بلکہ زندہ ہیں۔ اور یہاں کوئی خطرناک پکڑ چلایا گیا ہے۔ مگر اس بارے میں وہ کسی سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ وہ چمپ چاپ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر تخت پر بیٹھ گئی اور ناگ تھیو سانگ اور ماریا کے متعلق سوچنے لگی کہ وہ تو یہاں کبھی بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔



دوسری طرف ناگ ماریا اور تھیو سانگ بحری جہاز میں سفر کرتے عتیقا کی بندرگاہ پر پہنچ کر جہاز سے اتر گئے۔ یہاں سے شہر سودیہ تک انہیں پیدل صحرا میں سفر کرنا تھا۔ سودیہ شہر کے باہر ایک ویران مقام پر وہ قدیم مصری اہرام تھا۔ جس میں نیکل مصری راہب کی لاشیں دفن تھیں۔ ناگ کو یہاں چلے کر کے مصری راہب کی رُوح سے کیٹی کے بارے میں راہ نمائی حاصل کرنی تھی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ شہر سودیہ وہی شہر تھا۔ جہاں راجہ شکالی کی حکومت تھی اور جہاں علوخ کا بہت بڑا مندر تھا اور اس مندر کے باہر کھائی کے پل کی دوسری جانب عینر کا بت لگا تھا۔ جس پر لوگ آتے جاتے مٹھیاں بھر بھر کر مٹی پھیلتے



تھے۔ یہ مندر شہر کے اندر تھا۔ جبکہ نیک دل راہب کا اہرام شہر سے باہر ایک کوس کے فاصلے پر صحرا میں واقع تھا۔

ماریا تھیو سائنگ اور ناگ کو کسی قافلے کے ساتھ شامل ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ پیدل ہی شہر سورہ کی طرف چل پڑے۔ یہ راستہ صحرا میں سے گزرتا تھا۔ ریت کے ٹیلوں کے درمیان ایک راستہ بنا ہوا تھا۔ قافلے اسی راستے پر سفر کرتے تھے۔

ناگ عقاب کا روپ دھار کر فضا میں بلند ہو کر آگے نکل گیا۔ تاکہ راستے کا جائزہ لے۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ راستہ بے خطر اور صاف ہے۔ چنانچہ وہ دن بھر صحرا میں سفر کرتے رہے۔ ماریا کبھی ان کے سروں کے اوپر اڑنے لگتی۔ اور کبھی ان کے ساتھ ساتھ صحرا میں سفر کرتی۔ شام کے وقت انہیں دور سورہ شہر کی فصیل کی روشنی دکھائی دی۔ ناگ اڑ کر گیا۔ اور اس نے شہر سے باہر نیک دل راہب کے اہرام کو پہچان لیا۔ وہ واپس آ گیا اور بولا۔

”اہرام شہر سے باہر ہی ہے۔ میں اسے دیکھ آیا ہوں؟“ ناگ اپنے دوستوں کو لے کر اہرام کے پاس آ گیا۔ اس اہرام کو دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ کالا سیاہ اور پٹا لبا اہرام ایک بہت بڑے جھوت کی طرح صحرا کی شام کے اندھیرے میں خاموش کھڑا جیسے ان کو گھور رہا تھا۔ ماریا نے اہرام کے گرد ایک چکر

لگایا اور کہا کہ اس اہرام کے اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تھیو سائنگ بولا۔

”کوئی نہ کوئی تھنہ راستہ ضرور ہوگا۔“ ناگ اور تھیو سائنگ نے بہت کوشش کی مگر اہرام کے اندر جانے کا کہیں کوئی راستہ نہیں تھا۔ آخر تھیو سائنگ نے کہا۔

”میں اہرام کے کسی ذرا اکھڑے ہوئے پتھر کو پھوٹا کرتا ہوں۔ یوں وہ پتھر ہم باہر نکال کر آسانی سے اس کے اندر داخل ہو سکیں گے۔“

اس کے لیے شرط تھی کہ اس پتھر اور اہرام کی دیوار میں تھوڑا فاصلہ ہو۔ تاکہ اس پتھر کے ساتھ ہی کہیں سارے کا سارا اہرام بھی چھوٹا نہ ہو جائے۔ کافی تلاش کے بعد تھیو سائنگ کو ایک چوکور پتھر نظر آیا جس کی اوپر کی سطح اہرام کی دیوار سے محوڑی سی لگتی تھی۔ تھیو سائنگ نے اسے خاص انگلی سے اپنے ارادے کے ساتھ چھوا تو وہ پتھر چھوٹی ٹیسی ٹانی کی طرح کا ہو گیا۔ اس ٹانی بننے پتھر کو ناگ نے باہر نکال دیا۔ وہاں ایک چوکور سوراخ پیدا ہو گیا تھا۔ ماریا اور ناگ اندر جانے لگے تو تھیو سائنگ نے کہا۔

”میرا خیال ہے پٹے مجھے اندر جا کر معلوم کرنا چاہیے۔“



کہ ٹیک دل راہب کی قبر کس جگہ پر ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے اندر کوئی ایسا طلسم ہو تم دونوں پر اثر ہو جائے۔  
ماریا بولی۔

”تو کیا تم پر طلسم کا اثر نہیں ہو گا؟“  
تھیو سانگ نے کہا۔

”مجھ پر کم سے کم اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ میں بہر حال دوسرے سیارے کی مخلوق ہوں۔“

ناگ نے بھی تھیو سانگ کو منع کیا مگر تھیو سانگ انہیں تلی دیتا اہرام کے چوکور سوراخ میں سے اندر داخل ہو گیا۔ ناگ اور ماریا باہر کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ تھیو سانگ چوکور سوراخ میں جھک کر اہرام کے اندر گیا۔ جونہی وہ اہرام میں داخل ہوا۔ اندر کہیں سے بھاری پتھر تیزی سے آیا اور کشاکش کی آواز کے ساتھ دیوار کے شکاف میں آکر چبک کیا۔ چوکور شکاف بند ہو گیا۔

ناگ اور ماریا گھبرا گئے۔ ناگ نے پتلا کر کہا۔

”ماریا! جلدی سے اہرام میں گھس جاؤ۔ تھیو سانگ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔“

ماریا زمین سے اچھل اور تیزی سے ہوا کی لہر کی طرح اہرام

کی دیوار سے ٹکرائی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ پتھروں کے اندر داخل ہو جائے گی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اس سے پہلے بھی ماریا نے ایک جگہ سے اپنے طور پر اہرام میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ اس بار بھی ناکام ہوئی تو پریشان ہو کر بولی۔  
”ناگ! اہرام کی دیواریں مجھے اندر جانے سے روک رہی ہیں۔“

ناگ بھی پریشان ہو گیا۔

”ماریا! ہمیں ہر حالت میں اہرام میں داخل ہونا ہو گا۔ تھیو سانگ کو کس طلسم نے اپنے قابو میں کر لیا ہے؟“

ماریا نے اہرام کے چاروں طرف گھوم پھیر کر جگہ جگہ سے اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔ مگر وہ ہر بار ناکام رہتی۔ ناگ بھی سانپ کی شکل میں جگہ جگہ سے کسی درز کو ڈھونڈھتا پھرا مگر اہرام میں کسی جگہ کوئی معمولی سی درز بھی تھی۔ پتھر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ ناگ انسان کی شکل میں آ گیا۔ اس نے پوری طاقت سے تھیو سانگ کو آواز دی۔ مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ ماریا اور ناگ کو بے حد تشویش ہوئی۔ ناگ نے سر کو مایوسی سے جھٹک کر کہا۔  
”میں نے اسے منع بھی کیا تھا کہ اندر مت جائے۔“



مگر وہ اپنی فصد پر اڑا رہا۔

مادیا بولی۔

”اب کیا کریں گے ناگ! تھیو سا ناگ پر نہ جانے

اندر کیا بیت رہی ہوگی؟

ناگ چُپ چاپ ایک طرف ریت پر بیٹھ گیا۔ پھر اچانک

کچھ سوچ کر بولا۔

”میرا خیال ہے مجھے یہاں کسی صحرائی سانپ سے

پوچھنا چاہیے کہ اہرام کے اندر کیا ہے؟ سانپ

زمین کے اندر رہتے ہیں۔“

مادیا نے کہا۔

”تمہارا خیال بہت اچھا ہے۔ مگر مجھے ایسا لگتا

ہے کہ اس اہرام میں کسی نیک دل راہب کا مزار

نہیں ہے۔ کیونکہ نیک دل لوگوں کی مدھیں کسی کو یوں

پریشان نہیں کیا کرتیں؟

ناگ بولا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس اہرام میں ضرور کوئی

پر اسرار محفوق رہتی ہوگی۔ بہر حال ابھی معلوم کرتا ہوں۔“

ناگ غروب ہوتے سورج کی دھندلی سرسری روشنی میں سیدھا

ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے صحرائی سانپ کو آواز دے کر کہا۔

”اگر تم کہیں آس پاس موجود ہو تو فوراً سامنے

آؤ۔ میں ناگ دیوتا بول رہا ہوں۔“

تھوڑی ہی دیر میں ریت کے ایک چھوٹے سے ٹیلے کی

طرف ایک سانپ پھین اُٹھانے لگتا ہوا اس کی طرف آ رہا

تھا۔ اس نے آتے ہی ناگ کی تعظیم کی اور کہا۔

”عظیم ناگ دیوتا! غلام حاضر ہے۔“

ناگ نے اس سے پوچھا کہ اس اہرام کے اندر کیا ہے۔

سانپ بولا۔

”عظیم ناگ دیوتا! اس اہرام میں اس علاقے کا کوئی

سانپ کبھی آج تک داخل نہیں ہو سکا اس کے نیچے

چاروں طرف آگ کے آلاؤ بل رہے ہیں۔ کوئی سانپ

ادھر کا رخ نہیں کرتا۔“

مادیا اور ناگ سانپ کے منہ سے یہ سن کر اور نہ یادہ۔

پریشان ہو گئے۔ اس کا مطلب تھا کہ تھیو سا ناگ کسی بہت

بڑی مشکل میں گرفتار ہو چکا تھا۔ ناگ نے سانپ سے کہا۔

”مجھے اطلاع ملی تھی کہ اس اہرام میں کسی نیک دل

راہب کی قبر ہے۔ میں اسی کی تلاش میں یہاں آیا

تھا۔“

سانپ بولا۔



”عظیم ناگ دیوتا! ہم آج تک اپنے بڑے بڑھوں سے  
یہی سنتے آئے ہیں کہ اس ابرام میں آگ کے آسیب رہتے  
ہیں۔ وہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور آگ ہی میں زندہ  
رہتے ہیں۔ اگر انہیں آگ سے باہر نکالا جائے تو وہ مر  
جاتے ہیں۔“

ناگ کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ کیونکہ تھیوساگ پر آگ اثر  
کر سکتی تھی اور اس آگ میں اس کی انگلی بھی جھڑ سکتی تھی جس سے  
وہ مر سکتا تھا۔ ناگ نے سانپ کو واپس بیچ دیا اور ماریا سے کہا۔

”میرا خیال ہے میں سو دیر شہر چل کر اس سلسلے میں کسی  
پر وہت پنڈت سے مدد لینا چاہیے۔ ان کے پاس اس  
قسم کے طلسم جادو کے توڑ ہوتے ہیں۔“

ماریا بڑی اداس تھی کہنے لگی۔

”پہلے کیٹی ہم سے جدا ہوئی۔ اب تھیوساگ بھی  
جدا ہو گیا ہے۔ عین پہلے ہی غائب ہے۔“

پھر گہری آہ بھر کر بولی۔

”چلو شہر چل کر جی کوشش کر دیکھتے ہیں۔“

وہ دونوں شہر کی طرف چل پڑے۔ اب رات ہو گئی تھی۔

شہر کی دیوار پر کئی جگہوں پر مشعلیں روشن تھیں۔ شہر کا دروازہ کھلا  
تھا۔ کھینڈوں میں کام کر کے والے دروازے میں سے گزر کر واپس

اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ ماریا اور ناگ بھی شہر میں آگئے  
شہر کے گلی کوچوں میں بھی جگہ جگہ دکانوں اور مکانات کی ڈیوڑھیوں  
میں شمعیں روشن تھیں۔ کچھ دکانیں بند تھیں۔ کچھ ابھی تک کھلی تھیں  
ناگ عام انسانی شکل میں تھا۔ ماریا اس کے ساتھ ساتھ فیہی  
حالت میں چل رہی تھی۔ ناگ کو کسی پروہت پنڈت کی تلاش  
تھی۔ اور یہ لوگ کسی چھوٹے موٹے مندر میں ہی مل سکتے تھے۔  
ناگ کو ایک گلی کے کونے میں مندر کی چھوٹی سی عمارت دکھائی  
دی۔ اس کے دروازے کے باہر آگ روشن تھی۔ دو بجا رہی  
ہاتھ جوڑے بیٹھے آگ کی پوجا کر رہے تھے۔ یہ آگ کی پوجا  
کرنے والوں کا مندر تھا۔

ناگ مندر میں داخل ہو گیا۔ چھوٹا سا مندر تھا۔ جس کی کوٹھڑی  
میں ایک مندر سے ہونے والا پروہت پیالے میں آگ روشن کیے  
اس کے سامنے آنکھیں بند کیے بیٹھا اس کی پوجا کر رہا تھا۔  
کتنی عجیب بات ہے کہ قدیم زمانے میں لوگ جس آگ کے آگے  
سر جھکاتے تھے آج وہ ماحول کے زمانے کے انسان کی غلام بن  
چکی ہے اور آج کے زمانے کا انسان جب چاہے اسے جلا  
کر اس سے کھانا تیار کر سکتا ہے۔ سامنے جتنی جتنی ترقی  
کرتی جائے گی یہ پراتے تو اہمات اور جاہلانہ عقیدے ختم ہوتے  
جائیں گے۔ ہمارے دین اسلام نے اسی لیے آج سے چودہ



سو سال پہلے انسان کو یہی تعلیم دی تھی کہ آگ پانی، بجلی، پہاڑ، درخت اور پتھر کے پتوں کی پوجا غلط اور فضول ہے کیونکہ یہ انسان کے غلام ہیں۔ پرستش کے لائق صرف خدا کی ذات ہے جس کے قبضے میں کائنات کی ہر شے ہے۔ وہی عبادت اور تعریف کے لائق ہے۔

ہر حال ہم تو اسلام سے بھی پہلے کے زمانے کی بات کر رہے ہیں۔ جب ہر طرف جاہلیت کا دور تھا اور انسان آگ کی بھی پوجا کرتے تھے۔ ناگ خاموشی سے پروہت کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ پروہت نے ناگ کی طرف دیکھا اور کہا: ”تم اس شہر میں اجنبی لگتے ہو؟“ ناگ نے بڑے ادب سے کہا:

”جی ہاں مہاراج۔ میں مسافر ہوں۔ ملک شام کا رہنے والا ہوں۔ آتش پرست ہوں۔“ ناگ نے ایسا جان بوجھ کر کہا تھا تاکہ پروہت کو اس پر شک نہ ہو۔

پروہت مسکرایا کہنے لگا:

”اگر تم چاہو تو اس مندر کی ایک کوٹھڑی میں رات بسر کر سکتے ہو۔ تمیں کھانے کو روٹی اور گوشت بھی مل جائے گا۔“

ناگ نے کسی قدر رازدار سی کہا:

”مہاراج! آپ کا شکریہ مگر میں اس وقت آپ سے صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ اس شہر میں ایک اہرام جو تھا۔ میں اس اہرام کی سیر کرنے آیا ہوں۔“ پروہت نے بڑے غور سے ناگ کی طرف دیکھا، پھر کہا: ”میں تمہیں یہی کہوں گا کہ اس اہرام کا خیال دل سے نکال دو۔“

ناگ نے مصنوعی تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا: ”کیوں مہاراج۔ اس اہرام میں ایسی کون سی بات ہے؟“ میں نے تو سنا تھا کہ وہ تاریکی اہرام ہے۔ پروہت اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ناگ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ اور اسے کوٹھڑی سے باہر لے آیا۔

”دیکھو میاں۔ تم ابھی لڑکھان ہو۔ ابھی تمہیں بہت دیر تک زندہ رہنا چاہیے۔ اس لیے اہرام کی طرف مت جانا۔ اس اہرام کے نیچے آگ اور لاوے کے دیوتا کا گھر ہے۔ اس کے اندر ہر وقت لاوا کھولتا رہتا ہے۔ جو کوئی اس اہرام کے قریب جاتا ہے لاوے کا دیوتا

اسے اپنے اندر کھینچ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اہرام جب سے ہم دیکھ رہے ہیں۔ ویران پڑا ہے۔ کوئی شخص



کبھی اس کے قریب بھی نہیں چھٹکتا ؟

ماریا بھی ناگ کے قریب ہی کھڑی یہ سن رہی تھی۔  
ناگ کے ساتھ وہ بھی پریشان ہو گئی۔ اگر یہ سچ کہہ رہا ہے  
تو قصیبو سانگ تو لاوے میں پھنسل کر لاوا بن گیا ہو گا۔ ناگ نے پروہت  
سے اجازت لی اور مندر سے چلا آیا۔ کچھ دور جا کر ماریا نے کہا۔  
”ناگ ! کیا یہ پروہت سچ کہہ رہا تھا؟ یہ تو بڑی پریشانی  
کی بات ہے پھر۔“

ناگ بولا

”یہ محض تو بات ہیں۔ کوئی لاوے اور آگ کا دوتا نہیں تھا۔“  
ماریا نے کہا۔

”لیکن ایسا تو ہو سکتا ہے کہ اہرام کے اندر آگ ہو۔“  
ناگ نے کہا۔

”اہرام کے سوراخ پر کسی نے پتھر گرا کر اسے بند  
کیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اندر کوئی انسان موجود تھا۔“  
ماریا بولی۔

”پھر میں اس کے اندر کیوں نہیں جا سکی؟ ضرور وہاں  
کسی نے طلسم بھی کیا ہوا ہے۔“

ناگ گلی سے باہر نکل کر بازار میں ایک چودترے پر بیٹھ گیا  
جس کے پاس ہی کچھ پر ایک مشعل جل رہی تھی۔ اس نے کہا۔

”معاملہ بہت زیادہ پر اسرار معلوم ہوتا ہے۔ سانپ  
بھی اہرام کی طرف جاتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ آگ کے  
بارے میں تو سانپ نے بھی کہا تھا۔“  
ماریا شہر میں دور بادشاہ کے محل کی طرف دیکھ رہی تھی۔  
اس محل کے پاس ہی طوخ کے مندر کا تنگونی مینار ابھرا ہوا  
تھا۔ جس پر روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے ناگ سے تعجب سے  
کہا۔

”دور کسی مندر کا تنگونی مینار نظر آ رہا ہے۔ میرا خیال  
ہے وہاں چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اہرام کے بارے  
میں کچھ سراغ ملے۔“

ناگ نے اس خیال کا اظہار کیا۔ کہ اگر کہیں سے کوئی ایسا  
آدمی مل جائے جو طلسم جانتا ہو۔ تو اس راڈ پر سے پردہ اٹھایا  
جا سکتا ہے۔ اور قصیبو سانگ کا بھی کھوج مل سکتا ہے۔ ماریا  
نے کہا۔ طلسم جاننے والا تو کسی مندر میں ہی ملے گا۔ مینار والا  
مندر سب سے بڑا معلوم ہوتا ہے۔ وہاں چلتے ہیں۔ ممکن ہے  
وہاں کسی جادوگر سے ملاقات ہو جائے۔ ناگ اٹھا اور ماریا  
کی خوشبو کے ساتھ ساتھ شہر کے سب سے بڑے مندر کی طرف  
چل پڑا۔ یہ وہی مندر تھا جس کی پانی سے بھری ہوئی کھائی کے باہر  
عنبریت کی شکل میں موجود تھا۔





پھر وہ بت کے قریب آ گیا۔ عنبر کے سائز کا بت تھا۔  
 بلکہ عنبر ہی تھا۔ ناگ نے ایک آدمی سے پوچھا کہ یہ کس کا  
 بت ہے اور لوگ اس پر مٹی کیوں پھینک رہے ہیں اس شخص نے  
 بتایا کہ یہ ایک جادوگر تھا جس نے ہمارے ملوخ دیوتا کے  
 بت کو پاش پاش کر دیا۔ ہم نے اپنے دیوتا کا بت دوبارہ  
 بنا لیا ہے۔ اور اس جادوگر کو ہمارے دیوتا نے پتھر بنا ڈالا  
 ہے۔ اب ہم اس پر مٹی پھینک کر اپنے دیوتا کو خوش کرتے  
 ہیں۔ کیونکہ یہ ہمارے دیوتا کا دشمن تھا۔

سامری بات ناگ اور ماریا کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ آدمی چلا  
 گیا تو ناگ نے عنبر کے قریب جا کر کہا۔

”عنبر اگر تم میری آواز سن رہے ہو تو فکر مت  
 کرو۔ میں آ گیا ہوں۔ ماریا بھی میرے ساتھ ہے۔  
 تھینو ساگ اور کیٹی ہم سے جدا ہو کر کسی مصیبت  
 میں پھنس گئے ہیں۔ مگر ہم ان کے ساتھ تمہیں بھی  
 مشکل سے نجات دلا دیں گے۔ کیا تم جواب دے  
 سکتے ہو۔“

ناگ اور ماریا نے مشکل کی روشنی میں عنبر کے بت کی طرف

## خونی راز

یہ ملوخ دیوتا کا مندر تھا۔

وہی منورس مندر جس پر انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی۔  
 ناگ اور ماریا اندھیرے میں ایک میدان سے گزر کر اس جگہ  
 پہنچے جہاں مندر کے تھلے قنادروازے کے آگے کھائی پر مٹی  
 بنا ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں مشعلوں کی روشنی میں ایک  
 انسانی مجسمہ نصب ہے جس پر مندر میں جاتے ہوئے لوگ نہیں  
 سے مٹی اٹھا کر پھینک رہے ہیں جو بھی وہ بت کے قریب  
 پہنچے تو سکتے میں آ گئے۔ ماریا نے چیخ کر کہا۔  
 ”ناگ یہ تو عنبر کا بت ہے۔“

ناگ پہلے ہی اسے دیکھ چکا تھا۔ اور اس وقت بھی  
 پستی چلی آنکھوں سے عنبر کے بت کو تک رہا تھا۔ عنبر کا ایک  
 ہاتھ اوپر کھڑا تھا۔ بت پر جو کوئی اتار مٹی کی ایک مشعل  
 پھینک دیتا تھا۔ ناگ نے ماریا سے سرگوشی کی۔

”ماریا اپنا مویشی رہنا۔“



غور سے دیکھا۔ مگر سن ضرور دہا تھا مگر بول نہیں سکتا تھا۔  
ماریا نے آہستہ سے کہا۔

”ناگ! جبر بھائی ضرور سن رہا ہے۔ مگر بول نہیں  
سکتا۔ اس پر بھی کسی جادوگر نے جادو کر دیا ہے“  
ناگ بولا۔

”اب ہمیں کسی ایسے جادوگر کی ضرورت ہے جو بہت  
تجربہ کار جادوگر ہو۔“

ناگ پل پر سے گزر کر مندر میں داخل ہو گیا۔ ماریا  
بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ مندر کے صحن میں ایک ستون کے  
پاس جا کر بیٹھ گیا اور یوں ظاہر کرنے لگا۔ جیسے ملوچ دیوتا  
کی عبادت کر رہا ہو۔ حالانکہ وہ ملوچ دیوتا کے بہت برے  
بت کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اسی  
کی وجہ سے جبر کی یہ حالت ہوئی تھی۔ ماریا اس کے  
قریب ہی بیٹھی تھی۔ اس نے ناگ کے کان میں کہا۔  
”کسی بجمادی سے بات کرتی چاہیے۔ ان لوگوں کو  
جادوگروں کا پتہ ہونا ہے۔“

اتنے میں ایک بجمادی وہاں سے گزرا۔ ناگ نے اٹھ کر  
اس کی تعظیم کی اور کہا۔

”ہاں! میری ماں پر کسی دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔“

وہ گھر پر تین روز سے بے ہوش پڑی ہے۔ وہ  
بھی نے کہا ہے کہ اس کا علاج کوئی جادوگر ہی  
کر سکتا ہے۔ کیا یہاں کوئی ایسا آدمی ہے جو جادو  
جانتا ہو؟“  
بجمادی نے کہا۔

”بیٹا اس شہر میں صرف ایک ہی افریقی جادوگر ہے  
جو بادشاہ کا جادوگر ہے۔ وہی حیرے کام آ سکتا  
ہے۔“

ناگ نے پوچھا کہ افریقی جادوگر کہاں رہتا ہے۔ بجمادی  
نے بتایا کہ شاہی افریقی جادوگر بادشاہ کے محل کے نیچے  
ایک بارہ دری میں رہتا ہے۔ مگر وہ کسی سے نہیں ملتا۔ کسی  
کو اس کی بارہ دری میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔  
ناگ نے بجمادی کا شکریہ ادا کیا اور مندر کی ڈیوڑھی کی طرف  
چلا۔ ماریا ساتھ ساتھ تھی۔ کہنے لگی۔

”کہیں اس کم بخت نے بارہ دری کے باہر طلسمی  
دائرہ نہ کھینچ رکھا ہو۔“  
ناگ نے کہا۔

”ہاں پل کر دیکھا جائے گا۔ تم میرے ساتھ آؤ۔“  
جب وہ شاہی محل کے پیچھے بارہ دری سے کچھ فاصلہ



ہی تھے تو ناگ نے ماریا سے کہا کہ افریقی جادوگر بڑا مینا جادوگر ہے۔ ہو سکتا ہے۔ اسے تمہاری موجودگی کا پتہ چل جائے۔ اس لیے تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں اس کے پاس جا کر بات کرتا ہوں۔ ماریا وہیں رک گئی۔ اسی نے ناگ کو تاکید کی کہ اپنا خیال رکھے۔ ناگ بارہ دری کی طرف چلا۔ افریقی جادوگر کی شاندار کوششیں بارہ دری کے درمیان میں بھی ہوئی تھیں جس کی دیکھ بھال پر چاندی کا پتلا پسٹھا ہوا تھا۔ افریقی جادوگر اپنی عالیشان کوششوں کے باہر مندر کی چوکی پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ ناگ کو قریب آتے دیکھ کر غضبناک آواز میں بولا۔

”کون ہو تم جو یوں منہ اٹھانے چلے آ رہے ہو؟“

ناگ بھڑکیا کہ اے میرے سلطان ہونے کے بارے میں علم نہیں ہو سکا۔ اس نے فوراً ہاتھ باندھے اور گردن جھکا کر بولا۔

”مہاراج! میں ملوخ دیوتا کا پرستار ہوں۔ میں ملک شام سے ملوخ دیوتا کی پوجا کرنے آیا ہوں جب مجھے معلوم ہوا کہ دیوتا کے ایک دشمن کو آپ نے پتھر کا بت بنا کر باہر کھڑا کر دیا ہے تو میں بے حد غور غور ہوا۔ میں آپ کو مبارکباد دینے حاضر ہوا ہوں حضور!“

افریقی جادوگر خوش ہوا۔ بولا۔

”ہم دیوتا ملوخ کے دشمنوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ اب تم جا سکتے ہو۔“

ناگ نے کہا۔

”لیکن مہاراج! میں یہ دشمن پھر سے انسان تو نہیں بن جائے گا۔“ حضور ہمیشہ پتھر کا بت ہی دیکھتا چلے جاتے ہیں تاکہ اس پر خاک ڈالتے رہیں۔“

افریقی جادوگر نے بڑے فخر سے گہرے گہرے دن بند کی اور کہا۔

”ملوخ دیوتا کے دشمن کا پھر سے انسانی شکل میں آنا ناممکن ہے۔“

ناگ بولا۔

”مہاراج! میں نے سنا ہے کہ ملک بابل کا ایک جادوگر اسے انسانی شکل میں لانے کے جتن کر رہا ہے۔“

افریقی جادوگر کو طیش آگیا۔ غصے سے لہزتی آواز میں بولا۔

”اس کا باپ بھی ملوخ کے دشمن کو پھر سے انسان نہیں بنا سکتا۔“

پھر مسکرا کر بولا۔



”بیٹا یہ تو اسی صورت میں پھر سے انسان بن سکتا ہے کہ زمین کی گہرائیوں سے نکل کر خود ناگ دیتا یہاں آئے اور اس بت کے گرد چکر لگا کر اس پر تین بار اپنی پھنکار پھینکے۔ اور یہ ناممکن ہے“

ناگ کا دل خوشی سے اُبھل پڑا۔ میرا کام تو ناگ بڑی آسانی سے کر سکتا تھا۔ اس نے شاہی جادوگر کی لفظی کی دُر سے کہ مندر سے باہر آگیا۔ مادیا نے دور سے ناگ کو آتے دیکھ کر پلک کر اسی کے پاس پہنچی۔ ناگ نے اس کی تیز خوشبو محسوس کرتے ہی کہا۔

”مادیا! عنبر کو ہم ابھی زندہ لیں گے۔“

پھر ناگ نے مادیا کو بتایا کہ عنبر کے گرد چکر لگا کر اسے تین بار پھنکار ماری ہوگی۔ وہ تیزی سے عنبر کے مجسمے کے پاس آگئے۔ اس وقت رات کا دوسرا پہر گزر رہا تھا اور عنبر کے مجسمے کے پاس کوئی آدمی نہیں تھا۔ ناگ نے چاروں طرف ایک نگاہ ڈالی جب اسے تسلی ہو گئی کہ کوئی اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ سانس کیخ کر سانپ کی شکل میں آگیا۔ اس نے تیزی سے عنبر کے بت کے گرد ایک چکر لگایا اور پھر تین بار اس کے چہرے پر پھنکار ماری۔ ایک دم سے

عنبر میں جان پڑ گئی اور وہ چبوترے سے زندہ ہو کر نیچے آگیا اور ناگ سے گلے لگ کر ملا۔ پھر بولا۔

”دھیادی، ہمن ماریا! مجھے تمہاری خوشبو آمد ہی ہے۔ تم کیسی ہو؟“  
مادیا نے کہا۔

”عنبر بھتیا! خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم اپنی اصلی حالت میں آئے۔“

عنبر بولا۔

”یہاں سے کسی دوسری جگہ نکل چلو۔ لوگوں نے مجھے زندہ دیکھ لیا تو جادوگر کو علم ہو جائے گا۔ ممکن ہے وہ پھر کوئی جادو پھونک دے۔“

ناگ نے کہا۔

”اس جادوگر کی طبیعت بھی صاف کر دوں گا۔ مگر پہلے ہمیں تھو سا ناگ کو پچانا ہے۔“

”وہ کہاں ہے؟“ عنبر نے سوال کیا۔

مادیا اور ناگ نے تھو سا ناگ اور کیٹی کے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا۔ عنبر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے کہا۔

”چلو۔ یہاں سے کسی دوسری جگہ چلو۔“

وہ رات کے اندھیرے میں وہاں سے تیز تیز قدم اٹھاتے



شہر کی دوسری طرف چلے گئے جہاں ایک پرانا باغ تھا۔ اس باغ میں ایک کنواں بھی تھا جس کے پاس ہی ایک گھنے درخت کے نیچے پتھر جوڑ کر بیٹھنے کے لیے ایک فرش بنادیا گیا تھا۔ عین اور ماریا یہاں بیٹھ کر تھیں سانگ کے بارے میں غور کرنے لگے۔

ادھر یہ غور کر رہے تھے۔ اور دوسری طرف جب ایک سپاہی دیوڑھی سے نکل کر پل پار کر کے آیا تو یہ دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے ٹوٹے اڑ گئے کہ ملوچ کے دشمن کا بت غائب تھا۔ ایک دم وہاں شور مچ گیا۔ فوراً بادشاہ کو اطلاع مل گئی۔ اس نے شاہی جادوگر کو بلا کر جب بتایا کہ ملوچ کے دشمن کا بت غائب ہو گیا ہے تو شاہی جادوگر کو فوراً ناگ کا خیال آگیا۔ بادشاہ کہہ رہا تھا۔

”تم کیسے جادوگر ہو کہ دیوتا ملوچ کا دشمن غائب ہو گیا۔ اور تمہیں خبر ہی نہیں؟ اسے جہاں بھی ہو فوراً واپس لاؤ۔ نہیں تو ہم پر ملوچ دیوتا اپنا قہر نازل کر دے گا۔“

شاہی جادوگر نے ادب سے جھک کر کہا۔

”بادشاہ سلامت! میں صبح ہونے سے پہلے پہلے ملوچ کے دشمن کو پتھر کے بت کی شکل میں آپ

کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔“

بادشاہ بولا۔

”جلدی کرو۔ دیوتاؤں کے لیے جلدی کرو۔ اگر ملوچ دیوتا کا قہر نازل ہوا تو ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے گا۔“

شاہی جادوگر کے پاس جادو کے دو تین لوٹکے ہی تھے۔ جن کو وہ بلا واسطہ استعمال کیا کرتا تھا۔ جب بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ عین کو دوبارہ تلاش کر کے پتھر کا بت بنا دیا جائے تو وہ کچھ پریشان ہو گیا۔ اس کے پاس کوئی ایسا جادو نہیں تھا۔ جو اسے بتا سکتا کہ عین زندہ ہونے کے بعد کہاں چلا گیا ہے۔ اس نے اپنے چار شاگردوں کو شہر میں دوڑا دیا۔ کہ جو بت مندر کے سامنے لگا تھا اس کی شکل کے آدمی کو دھونڈ لیں۔ اور اسے پکڑ کر لے آئیں۔ اس شاہی جادوگر نے خود بھی ایک فقیر کا بیس بدلا اور بی لعل ڈاڑھی لٹکا کر شہر میں نکل آیا۔ وہ اس آدمی یعنی ناگ کی تلاش میں تھا جو اس سے عین کے بارے میں پوچھ گچھ کر کے گیا تھا۔ شاہی جادوگر کو یقین تھا کہ وہ دشمن دھوکے سے اس سے عین کے فلسفہ کا ٹوڑ پوڑ کیا تھا۔ اور اسی کی مدد سے ناگ دیوتا نے عین کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔



وہ رات عنبر ناگ اور مادیانے — شہر کے باغ میں  
 ہی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ انہیں باغ میں آتے جاتے لوگوں کی زبانی  
 پتہ چل گیا تھا کہ عنبر کے جسم کے غائب ہونے کی وجہ سے  
 لوگ پریشان ہیں اور بادشاہ نے ملوچ کے دشمن کو پکڑنے کے  
 احکامات جاری کر دیئے ہیں۔ ناگ نے عنبر کو ہدایت کی کہ وہ  
 اکیلا شہر میں جانے کی کوشش نہ کرے۔ عنبر بولا۔  
 ”جسائی تم مجھے بزدل سمجھتے ہو؟ میں جھلا کسی سے  
 ڈرتا ہوں؟“

ناگ اور مادیانے اسے سمجھا دیا کہ یہ ڈرنے  
 کی بات نہیں ہے بلکہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لوگوں کے  
 سامنے نہ آئے۔ کیونکہ اگر ایک باد اس پر طلسم ہوا ہے تو دوسری  
 بار بھی ہو سکتا ہے۔ عنبر جوش میں آکر بولا۔

”اس وقت میرا ارادہ کمزور تھا۔ اور مجھے شاہی  
 کا طلسم چل گیا۔ اب میں ذہنی طور پر بے حد مضبوط  
 اور طاقتور ہو چکا ہوں۔ میرے دل میں یہ ارادہ اب  
 سے زیادہ مضبوط ہے کہ مجھ پر کس شاہی جادوگر  
 کا طلسم نہیں چل سکے گا۔ میں کوئی بھی نہیں بدلوں  
 گا۔“

عنبر فخر پر اڑ گیا — مادیانہ اور ناگ اسے مجبور نہیں کر

سکتے تھے۔ کیونکہ وہ ان کی ٹولی کا سب سے بڑا یعنی سنیئر ممبر  
 تھا۔ اوریانے کہا۔

”اچھا جھائی جان آپ بے شک جھیس نہ بدلیں۔ بس  
 احتیاط ضرور کریں۔ کیونکہ شاہی جادوگر آپ کی تلاش  
 میں ضرور نکلے گا۔“

پھر مادیانے بات کا موضوع بدلا اور تھیو سانگ کے متعلق  
 فکر مند لہجے میں کہنے لگی۔

”ہمیں اب پوری توجہ اس اہرام کی طرف کرنی  
 چاہیئے۔ جس نے ہمارے پیارے ساتھی تھیو سانگ  
 کو نکل لیا ہے۔ میں شاہی جادوگر کی یہ بات ماننے  
 کو تیار نہیں ہوں کہ اس اہرام کے نیچے لاوے کا دیوتا  
 بیٹھا ہے۔“

عنبر بولا۔

”مادیانہ! میں ایک بار لاوے کے دیوتا سے جنگ کر  
 چکا ہوں۔ یاد رہے کہ عنبر کھولتے ہوئے لاوے میں  
 گر پڑا تھا۔ اگر تھیو سانگ میری مدد کر کے مجھے  
 وہاں سے نہ نکالتا تو ابھی تک شاید لاوے کے اندر  
 لاوا بن کر کھول رہا ہوتا۔ اگر اہرام میں طلسم کا اثر  
 بھی ہے تو ضرور کسی جادوگر کی شرارت ہے۔“



استاذین کا دشمن ہے اور اس نے اہرام میں ایسا طلسم  
رہا ہے کہ جو کوئی اس سے اندر جاتا ہے اسے طلسم  
چین کر لاوے میں پھینک دیتا ہے اور نگاف پتھر  
سے بند ہو جاتا ہے۔

ناگ نشوونما کے ساتھ بولا۔

”اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ تھیوساگ اندر کھولتے ہوئے  
لاوے میں پھنک گیا ہوگا۔“  
عنبر کہنے لگا۔

”چونکہ تھیوساگ بھی میری طرح مر نہیں سکتا۔ ہاں اگر  
اس کی انگلی کاٹ دی جائے تو وہ زندہ نہیں بچے گا۔  
اس لیے لاوے میں گرنے کے بعد وہ بھی پگھلے ہوئے  
لاوے کا بت بن جائے گا مگر مرے گا نہیں۔“  
ماریا بولی۔

”لیکن ہم اسے اس حال میں نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں  
خود اسے وہاں سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“  
ناگ نے عنبر کی طرف دیکھا اور بولا۔

”میرا خیال ہے تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں ایک بار پھر  
اہرام کی طرف جاتا ہوں۔“  
ماریا کے کہا۔

”عنبر کا یوں اس جگہ بلانے میں بیٹھے رہنا مناسب نہیں  
لگتا۔ بہتر ہے کہ میں اور عنبر شہر سے باہر شہر کی دیوار  
کے نیچے ایک جگہ پرانی بارہ درہی ہے۔ ہم دونوں اس  
بارہ درہی میں چلے جاتے ہیں۔ کیوں عنبر؟“  
عنبر نے سر ہلا کر کہا۔

”جیسے تمہاری مرضی۔ ویسے میرا تو خیال تھا کہ میں بھی  
ناگ کے ساتھ ہی چلوں۔“  
ناگ نے کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں عنبر جیسا۔ میں نہیں چاہتا کہ اب ہم  
تینوں کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔ ہتھم دونوں بارہ درہی  
میں ہی ٹھہرو۔ میں اہرام کا ایک پتھر ہٹا کر آتا ہوں۔“  
ماریا اور عنبر کو شہر کی دیوار کے نیچے والی پرانی بارہ درہی میں  
— میں چھوڑ کر ناگ انسانی شکل میں اہرام کی طرف روانہ  
ہوا۔ ابھی وہ تھوڑی دُور گیا ہوگا کہ اسے سامنے ایک  
لمبی ڈاڑھی والا فقیر آتا دکھائی دیا۔ یہ فقیر وہی افریقی شاہ  
جس اوپر گر تھا جس نے ناگ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ وہ قریب  
آیا تو ناگ نے بھی اسے پہچان لیا کہ یہ شاہی جادوگر ہے مگر  
فقیر کے بھیس میں ہے اور ناگ ہی کی تلاش میں نکلا ہوا ہے  
شاہی جادوگر نے ناگ کو دیکھتے ہی بلند آواز میں کہا۔



”بیٹا! دیوتا مورخ تم پر مہربان ہو گیا ہے۔ اس کے تمہیں اپنے مندر میں خاص طور پر بلایا ہے۔ میرے ساتھ چلو“ ناگ نے کہا۔

”تم چلو میں تھوڑی دیر میں پہنچ جاؤں گا۔“ شاہی جادوگر جہلا ناگ کو کب چھوڑنے والا تھا۔ فوراً بولا۔ ”اگر تم میرے ساتھ نہ گئے تو میں تمہیں زبردستی ساتھ لے جاؤں گا۔“

ناگ کو معلوم تھا کہ اس شخص کے پاس ایسا جادو ہے کہ یہ اسے اپنے قبضے میں کر لے۔ چنانچہ ناگ نے ایک سیکینڈ کے اندر سانس کھینچی اور عقاب بن کر فضا میں تیزی سے بلند ہوا اور اہرام کی طرف پرواز کر گیا۔ شاہی جادوگر اسے حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا کہ وہ کوئی جادو بھی نہ کر سکا۔ اسے اب یقین آ گیا تھا کہ یہی شخص یہی ناگ ہی مورخ کے دشمن عنبر کو رہا کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ شاہی جادوگر ناگ کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا اور زمین پر جبکہ اس نے اپنے پاؤں سے گڑی کی کھڑکیں اتار لیں۔ کھڑاؤں کے اترتے ہی شاہی جادوگر بھی ہوا میں اڑنے لگا۔ شاہی جادوگر جاتا تھا کہ ناگ اہرام کی طرف گیا ہوگا۔ اور اس نے عنبر کو بھی وہیں کہیں چھپا رکھا ہوگا۔

اس نے فضا میں بلند ہو کر دیکھا۔ آسمان میں دور سیادہ عقاب اڑا جا رہا تھا۔ شاہی جادوگر جان بوجھ کر پیچھے رہا۔ وہ چھپ کر ناگ کی حرکات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

ناگ اڑتے اڑتے سیدھا اہرام کے اوپر جا کر بیٹھ گیا۔ اسے اہرام کے اندر سے کسی قسم کی مقناطیس کشش یا گرمی کا احساس نہ ہوا۔ وہ نیچے اتر آیا اور اس جگہ کو خود سے دیکھا جہاں دیوار میں شکاف پیدا ہوا تھا۔ اہرام کی دیوار کا پتھر دیوار کے ساتھ ہی جڑا ہوا تھا۔ ذرا سی بھی جگہ خالی نہیں تھی۔ ناگ نے سوچا کہ سانپ بن کر اہرام کے اندر جانے والا کوئی چھوٹا سا سوراخ تلاش کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے فوراً سانپ کی شکل اختیار کی اور اہرام کے ارد گرد چکر لگانے لگا۔ ابھی اس نے اکوٹھ چکر پورا کیا تھا کہ ایک خشک جھاڑی کے اندر سے مٹیالے رنگ کا سمراٹا سانپ تیزی سے نکل کر ناگ کی طرف آیا اور اپنا سر زمین پر رکھ کر بولا۔

”عظیم ناگ دیوتا! آپ کا آنا مبارک ہو۔ لیکن آپ کے پیچھے آپ کا ایک دشمن بھی چلا آ رہا ہے۔“ ناگ نے کہا۔

”وہ شاہی جادوگر ہے اور میرے خلاف ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ میرے جہانی عنبر کی تلاش میں



ہے اور اسے شک ہے کہ میں عنبر کو رہا کر داکر لے گیا ہوں ۔

صحرائی سانپ بلا۔

”عظیم ناگ! اس شاہی جادوگر کے جادو کا توڑ میرے پاس ہے۔“

”وہ کیا توڑ ہے؟“ ناگ نے پوچھا۔

صحرائی سانپ نے کہا۔

”عظیم ناگ دیوتا یہ توڑ آپ کے اپنے پاس ہی ہے جس طرح آپ نے اپنے بھائی عنبر پر تین بار چھکا کر اسے پتھر سے زندہ انسان بنا دیا تھا اسی طرح اگر آپ اس شاہی جادوگر پر تین بار چھکا کر ماریں گے تو وہ پتھر کا بن جائے گا۔“

ناگ کو خوشی ہوئی کہ وہ اب اس شاہی جادوگر سے صرف چھکا کر ماریں حاصل نہیں کرے گا بلکہ اسے عنبر کو پتھر کا بت بنانے کی سزا بھی دے سکے گا۔ ناگ نے سانپ کا شکریہ ادا کیا اور دایم طرف چھپ کر شاہی جادوگر کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

ابھی جادوگر جو اس آتما کھڑائیں بغل میں دبائے اہرام کے ریب آکر بیچے اتر آیا اور ادھر ادھر گھوم پھر کر ناگ کو تلاش کرنے لگا۔ اس کے وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ ناگ سانپ

کی شکل میں وہاں موجود ہو گا۔ ناگ جھاڑیوں کے پیچھے شاہی جادوگر کو دیکھ رہا تھا۔

جو نبی جادوگر چلتا جھاڑی کے قریب سے گزر نے لگا تو ناگ تیزی سے پیچھے ہٹا اس کے سامنے آگیا۔ اس نے بجلی کی تیزی کے ساتھ منہ سے تین چھکا کر نکال کر جادوگر کے پیچھے پر پھینکیں۔ جادوگر جس جھپٹے میں نہ پایا تھا کہ وہیں پتھر کا بت بن گیا۔ ناگ نے فوراً انسانی شکل اختیار کی اور جادوگر کے بت کی طرف خود سے دیکھا اور کہا۔

”تمہیں اپنے کئے کی سزا مل گئی ہے۔ تم نے عنبر کو پتھر کا بت بنایا تھا اب تم خود پتھر بن کر اس اہرام کے پاس رہو گے۔“

ناگ نے ایک بار پھر اہرام کے اندر جانے کا کوئی راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر جب ناکام رہا تو واپس عنبر اور ماریا کے پاس چلا آیا۔ ان کو پہلے تو یہ بتایا کہ اس نے شاہی جادوگر سے عنبر کا بدلہ لے لیا ہے۔ اور اسے صحرائی پتھر کا بت بنا کر نصب کر دیا ہے۔ اس پر عنبر خاص طور پر بہت خوش ہوا۔ دوسری خبر اس نے یہ بتائی کہ وہ اہرام کے اندر جانے کا کوئی راستہ تلاش نہیں کر سکا۔ یہ سارا پھر عنبر ناگ کو بتا کر بیٹھ گئے۔ ایک عرصے کے بعد عنبر ناگ کو دیکھا کہ وہ اپنے پیچھے شاہی جادوگر کی شکل میں



تھے مگر کوئی در تھیو سانگ سے الگ ہو جانے کا انہیں افسوس  
ور تئویش بھی بہت تھی۔ تھیو سانگ کی تو زندگی کی انہیں فکر پڑی  
تھی۔ کیونکہ اہرام کے اندر لاوا پگھل رہا تھا۔ عنبر نے کہا۔

”خدا نے واحد کی طرف سے مجھ پر ایک فرض بھی ہے  
کہ میں ملوخ کے منحوس بہت کو ایک بار پھر گرا کر  
پاش پاش کر دوں گا۔ لیکن سب سے پہلے میں تھیو سانگ  
کو اہرام کی قبر سے نکالنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ہو سکتا  
ہے وہ شدید تکلیف کی حالت میں ہو۔ افسوس اس  
بات کا ہے کہ ہمیں اس کی سمجھت کا کوئی راستہ نہیں  
مل رہا۔“

ماریا کہنے لگی۔

”کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم تینوں ایک جگہ  
اکٹھے بیٹھے ہیں۔ ہم تینوں کے پاس الگ الگ غیر  
معمولی طاقتیں ہیں۔ مگر پتھر کے ایک اہرام کے اندر  
نہیں جا سکتے اور اپنے ساتھ تھیو سانگ کو نکال  
کہ باہر نہیں لا سکتے۔“

ناگ بولا۔

”پہلی بار ہمیں اپنی بے بسی کا احساس ہوا ہے۔ لیکن  
ہم شکست تسلیم نہیں کریں گے۔ تھیو سانگ کو اہرام

کے اندر سے ضرور نکالیں گے چاہے اس کے لیے  
ہمیں کچھ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔  
عنبر کہنے لگا۔

”یہی تو میں پوچھتا ہوں کہ وہ کچھ ہی کیا ہے جو ہمیں  
کرنا چاہیئے؟“  
ماریا نے فوراً پیچ پڑ کر کہا۔

”آپس میں تلخ ہونے کی ضرورت نہیں ہے میرے بھائیو۔  
بہتر یہی ہے کہ اس وقت کچھ دیر آرام کر کے سوچتے  
ہیں۔ خود کرتے ہیں۔ بادل بھی آ رہے ہیں۔ پھر اگلے مل  
کر کوئی فیصلہ کریں گے۔“

عنبر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ مشرق کی طرف سے کالے کالے  
بادل اُٹھتے چلے آ رہے تھے۔

”گلتا ہے بارش کا طوفان آ رہا ہے۔“ ناگ بولا۔  
ماریا کہنے لگی۔

”اسی ویران بارہ درہی میں بیٹھے رہتے ہیں۔ دن  
بھی ڈھل رہا ہے۔ رات اسی جگہ گزاریں گے۔ ہو سکتا  
ہے صبح کوئی نئی ترکیب سوچہ جائے۔“

بادل دیکھتے دیکھتے آسمان پر چھا گئے۔ اور تیز ہوا میں چلنے  
لگیں۔ پھر بارش شروع ہو گئی۔ دن غروب ہو گیا۔ رات کا



اندھیرا چھا گیا۔ طوفانی ہوائیں اسی طرح چل رہی تھیں۔ بارش بھی موسلا دھار ہو رہی تھی۔ عنبر ناگ مارا دیران بارہ دری کی اوٹ میں چھت کے نیچے بیٹھے تھے۔ شہر کی فغیل اور صحرا میں کالاسیہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ بجلی چمکی تو ماریا کو صحرائیں سے دو گھوڑ سوار دوڑتے آتے دکھائی دیئے۔ ماریا نے عنبر اور ناگ کو خبردار کیا۔

”دو گھوڑ سوار شاید ادھر ہی کو چلے آ رہے ہیں“  
عنبر اور ناگ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دو آدمی گھوڑے دوڑاتے چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے اپنے آگے گھوڑے پر کوئی بوری ڈال رکھی ہے۔ عنبر بولا۔

”وہ اسی طرف آ رہے ہیں۔ شاید بارش سے کچھ دیر پہنچنا چاہتے ہیں“  
ناگ نے کہا۔

”وہیں چھپ کر دیکھنا چاہیئے کہ یہ کون ہیں اور انہوں نے اپنے ساتھ یہ بوری کس چیز کی اٹھا رکھی ہے“  
عنبر ناگ ماریا جلدی سے بارہ دری سے ہٹ کر شہر کی دیوار کے پاس ایک گھن بھارتی۔ پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے۔ عنبر ناگ ماریا تینوں میں اتنی نقت تھی کہ گھپ اندھیرے

میں بھی انہیں چیزیں دکھائی دے جاتی تھیں۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ رات گھپ اندھیری تھی۔ دو فون گھوڑ سوار بارہ دری کے پاس آکر گھوڑوں سے اتر آئے۔ انہوں نے بوری کو بھی گھوڑے سے اتار کر بارہ دری میں رکھ دیا اور خود بھی بارہ دری کی چھت کے نیچے بیٹھ گئے۔ ان کے لباس بے کڑتے تھے اور سروں پر پگڑیاں پیٹ رکھی تھیں۔ کمر کے ساتھ تلواریں بھی لٹک رہی تھیں۔ ماریا نے سرگوشی کی۔

”مجھے تو یہ ڈاکو لگتے ہیں“

عنبر نے آہستہ سے کہا۔ ”ہاں۔ بوری میں لوٹ کا مال رکھا ہوگا“

ناگ بڑے غور سے بارہ دری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں انہیں گھوڑ سواروں کے باقیں کرنے کی آواز آئی ایک گھوڑ سوار کہہ رہا تھا۔

”گولاش کو چھوٹے بچے چاہیں اب ہم جس روٹ کے کو اٹھا کر اس کے پاس لے جا رہے ہیں اس کی عمر چودہ سال سے کم نہیں ہے“  
دوسرا بولا۔

”وہ اگلی بار چھوٹا بچہ اس کے پاس لے جائیں گے مگر یاد وہ ان بچوں کا کرتا کیا ہے؟“



پہلا بولا۔

”سنا ہے وہ دوسرے ملکوں میں لے جا کر انہیں بیچ دیتا ہے۔ مگر ہمیں اس سے کیا ہمیں تو وہ ایک بچے کے عوض سونے کے دو ہزارہ سکتے دیتا ہے جو اتنے زیادہ ہیں کہ اب ہمیں کہیں ڈاکہ ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

دوسرا ڈاکو ہنس پڑا۔ بولا۔

”بالکل ٹھیک کہا تم نے۔ بس ایک لڑکا اغوا کر کے بودی میں بند کیا اور اسے اٹھا کر گولاش کے حوالے کر دیا۔“

پہلا ڈاکو کہنے لگا۔

”یہ بارش نہ کتنی نظر نہیں آتی اور ابھی ہمیں پانچ سو سس سفر کرنا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں ڈکنے کی بجائے یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ لڑکا بھی بے ہوش ہے۔ کہیں اس کا سانس ہی نہ روک جائے۔“

”تو چلو۔ اٹھو پھر چلتے ہیں۔“

دونوں ڈاکو اٹھے اور بودی کو اٹھا کر گھوڑے پر رکھنے لگے۔ مہنرنگ ماریا نے یہ سب کچھ سن لیا تھا۔ بہت آہستہ سے

کہنے لگا۔

”یہ تو کسی معصوم بڑے کو اغوا کر کے لائے ہیں۔“

ناگ نے سرگوشی کی۔

”میں ابھی ان دونوں کو ہلاک کر دیتا ہوں۔“

ماریا نے سرگوشی میں کہا۔

”نہیں ناگ۔ ہمیں ان کے ٹھکانے کا پتہ چلانا چاہیئے۔“

اصل مجرم وہ گولاش نامی بڑا فروش ہے۔ ہر سکتا ہے

وہاں دوسرے بچے بھی قید میں پڑے ہوں۔“

ماریا نے آہستہ سے کہا۔

”میں ان کا پیچھا کرتی ہوں۔ تم اسی جگہ رہنا۔ میں ابھی

گولاش کے ٹھکانے کا پتہ چلا کر آتی ہوں۔ پھر اس

سے بھی نمٹ لیں گے۔“

اتنی دیر میں دونوں ڈاکو گھوڑ سوار گھوڑوں پر بیٹھ کر صحرا

کی کالی بارش والی رات میں شمال کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

ماریا نے مہنرنگ سے کہا

”میں جا رہی ہوں۔ تم اسی جگہ میرا انتظار کرنا۔“

ماریا اس کے ساتھ ہدایا میں اچھل اور تارکیک فضا میں تیرتی

ہوئی گھوڑ سواروں کے سروں پر جا پہنچی۔ دونوں گھوڑے

صحرائی راستے پر سرپیٹ دوڑ رہے تھے۔ ماریا ان کے اوپر ساتھ



ساتھ — اڑی جا رہی تھی۔ گھوڑ سوار سورہ شہر سے دور نکل گئے۔ شہر کی دیوار ریت کے اونچے ٹیلوں کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ ہلکی ہلکی بارش اسی طرح ہو رہی تھی صحرائیں کافی دور آنے کے بعد ماریا کو دور ایک جگہ جیسی سی روشنی نظر آئی۔ گھوڑ سوار اس روشنی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ماریا ان کے ساتھ تھی۔ یہ روشنی ایک مشعل کی تھی جو صحرائیں کھجور کے درختوں کے ایک چھوٹے سے باغ میں بنی ہوئی حویلی کے دروازے پر چل رہی تھی۔

گھوڑ سوار باغ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے گھوڑوں کو ایک طرف باندھا۔ پوری کو اٹھا کر ایک ڈاکو نے کاندھے پر ڈالا اور حویلی کے پیچھے دروازے پر آکر تین باد کنڈی کلکھائی۔ ایک سیاہ قام جھٹی نے دروازہ کھولا۔ اور ڈاکو پہچاننے کے بعد بولا

”وہیں کمرے میں جایا کرتے ہو وہاں جا کر بیٹھ جاؤ۔“

میں مانگ کو اطلاع کرتا ہوں۔“

ڈاکوؤں نے مسکرا کر سر ہانے اور پوری اٹھائے اندر داخل ہو گئے۔ ماریا بھی خاموشی سے ان کے ساتھ ہی حویلی میں داخل ہو گئی۔ آگے چھ سات سیڑھیاں اتر کر ایک تہہ خانہ آ گیا جو کافی کھلا تھا اور جہاں قریش پر قالین بچھے تھے اور گاؤں کے گئے تھے۔ شمع روشن تھی۔ دونوں ڈاکوؤں نے پوری کو قالین پر ڈال کر اس کا منہ کھول دیا۔ اور اندر سے تیرہ چودہ برس کے بے ہوش

لڑکے کو نکال کر قالین پر لٹا دیا۔

”یہ ابھی ہوش میں نہیں آیا“ ایک ڈاکو بولا۔

دوسرے نے قالین پر آرام سے لیٹتے ہوئے کہا

”ابھی آ جائے گا ہوش میں۔“

ماریا ان کے پیچھے ایک طرف کھڑی لڑکے کو دیکھ رہی تھی۔ لڑکا کسی عزیز آدمی کا بیٹا لگتا تھا۔ اس کا لباس میلہ کھینچا تھا۔ مگر اس کی شکل بڑی پیاری تھی۔ سر کے بال بھی گھنگھریالے تھے۔ ڈاکو نے بے ہوش لڑکے کے گھنگھریالے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور بولا۔

”بس گولاش کتابت کہ مجھے تو گھنگھریالے بالوں

والے صحت مند بچے چاہیں؟“

دوسرا ڈاکو جو قالین پر لیٹا ہوا تھا بولا۔

”بھئی وہ آگے جہاں ان بچوں کو فروخت کرتا ہے۔“

وہاں گھنگھریالے بالوں والے بچوں کی مانگ زیادہ ہوگی۔“

پہلا ڈاکو قالین پر نیم دراز ہو گیا۔ کہنے لگا۔

”درجہ ہیں اس سے کیا۔ گھنگھریالے بال ہوں یا بال

بالکل نہ ہوں۔ ہمیں تو سونے کے سکوت سے غرض ہے؟“

اتنے میں پردہ ہٹا اور ایک چھوٹے قد کا پہلوان قسم کا آدمی

جس نے لمبا خیمہ پہن رکھا تھا۔ بڑی بڑی مونچھوں پر ہاتھ



پھیرتا اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر دونوں ڈاکو اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ایک ڈاکو قالین پر بے ہوش پڑے ہوئے کے طرف اشارہ کر کے بولا۔

”گولاش ایہ دیکھو تمہارے لیے گنگھریالے بالوں والا لڑکا چن کر لائے ہیں۔ اس بار“  
 ”مگر تم بڑے بڑے کیوں لاتے ہو؟ میں نے تمہیں ہزار بار کہا ہے کہ مجھے پانچ پانچ چھ چھ سال کے بچے چاہیے۔ اگر تم پھر بڑا لڑکا لانے تو میں ایک سکتہ بھی نہیں دوں گا۔“  
 ”آئندہ میرے لیے پچھ سال کی عمر کے بچے اچھا کر کے لاؤ۔ اور ہاں ان کے بال ضرور گنگھریالے ہونے چاہیئے۔“

دونوں ڈاکوؤں نے ایک ساتھ کہا۔  
 ”ایسا ہی ہو گا گولاش“

گولاش نے مائی بھائی دو جہشی غلام پردے کے پیچھے سے نمودار ہونے انہیں یہ سب کے ہاتھ میں چمڑے کی تھیلی تھی۔ گولاش نے وہ تھیلی لے کر ڈاکوؤں کی طرف اٹھائی اور کہا۔

”اس میں تم دونوں کی رقم موجود ہے۔ اب خاموشی کے ساتھ سوئیل میں سے نکل جاؤ۔ اور خیردار دن کے وقت کبھی ادھر کا رخ مت کرنا۔“

”ہم جانتے ہیں گولاش۔ تم بے فکر رہو۔“  
 یہ کہہ کر دونوں ڈاکو جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی سے تہہ خانے سے باہر نکل گئے۔ ماریا تہہ خانے میں ایک طرف کھڑی یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ ان دونوں ڈاکوؤں کو ختم کر دے تاکہ یہ پھر کسی بچے کو اٹھا کر کے یہاں نہ لاسکیں۔ پھر اسے خیال آیا کہ ان ڈاکوؤں کی بجائے خود گولاش کو ختم کر دینا چاہیے۔ یہ نہیں رہے گا تو ڈاکوؤں کو بھی بچے اٹھا کر نئے کی ضرورت نہیں رہے گی مگر ماریا پہلے یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ گولاش کے پاس اور کتنے معصوم بچے ہیں اور وہ اس نے کہاں رکھے ہوئے ہیں۔ اس لیے وہ تہہ خانے میں ہی کھڑی رہی۔  
 گولاش نے ڈاکوؤں کے جانے کے بعد جہشی غلاموں سے کہا۔

”اس بے ہوش بچے کو لے جا کر دوسرے کمرے میں ڈال دو۔“

جہشی غلاموں نے بے ہوش بڑے کو اٹھایا اور دوسرے کمرے کی طرف لے گئے۔ گولاش پردہ اٹھا کر دوسری طرف چلا گیا۔ ماریا اس کے پیچھے پیچھے گئی کیا دیکھتی ہے کہ ادھر ایک شاندار سہا ہوا کمرہ ہے۔ قالین پکھا ہے، دیواروں



پر ریشی پردے پڑے ہیں۔ چنگ کے سرہانے صندوق کی پٹائی پر ایک شمع روشن تھی۔ اس کے پاس ہی زمرہ کا ایک خوب صورت مجسمہ فرش پر کھڑا تھا۔ یہ مجسمہ زمرہ کا لگتا تھا اور شمع کی روشن میں ستارے کی طرح چمک رہا تھا۔ ماریا نے ایسا خوب صورت مجسمہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ گولاش نے کوٹے میں لٹکی ہوئی ایک ریشمی دوڑی کو کھینچا۔ کسی دوسرے کمرے میں گھنٹی بجی ہوگی۔ تھوڑی دیر میں پردہ اٹھا اور ایک خوب صورت کینز اندر داخل ہوئی۔ اس نے جبکہ کہ تعظیم کی ادب خاموش کھڑی ہو گئی۔ گولاش نے کہا۔

”کیا وہ لگ آگئے ہیں؟“

کینز نے کہا۔

”جی ہاں مالک، وہ ابھی ابھی آئے ہیں۔“

گولاش نے ایک پل کے لیے کچھ سوچا۔ پھر کینز کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”انہیں کہو کہ ساتھ والے کمرے میں ان کا مال

پڑا ہے اسے اٹھا کر لے جائیں۔“

کینز کسو جھکا کر واپس چلی گئی۔ ماریا نے تھوڑی کر دی

وہ گولاش کی نقل و حرکت نوٹ کرتی رہی کہ دیکھیں اس کے بعد وہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ جب وہ دوسرے کمرے میں داخل

ہوئی تو بے ہوش لڑکا وہاں نہیں تھا۔ پُر اسرار آدمی اسے اٹھا کر کہیں لے جا چکے تھے۔ ماریا سنت پریشان ہو گئی۔ وہ اس معصوم بچے کو کسی دوسرے ملک لے جا کر فروخت ہونے سے بچانا چاہتی تھی۔ ماریا گولاش سے نہیں پوچھ سکتی تھی۔ کیونکہ اس طرح وہ باقی اعزاء کیسے ہوئے بچوں کا پتہ نہیں چلا سکتی تھی۔

اس وقت گھر کی کینز ہی ایسی لڑکی تھی جو ماریا کو بتا سکتی تھی کہ پُر اسرار آدمی بے ہوش بچے کو لے کر کہاں گئے ہیں۔ کیونکہ ماریا نے حویلی سے باہر آکر بھی ادھر ادھر دیکھا تھا۔ اسے کوئی گھوڑ سوار نظر نہیں آیا تھا۔ اسے شک تھا کہ ضرور اس حویلی کے اندر کوئی خفیہ راز ہے جس کے ذریعے پُر اسرار آدمی بے ہوش لڑکے کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ ماریا سیدھی حویلی میں اس کمرے میں آ گئی۔ جہاں کینز اپنے بنگ پر چادر اوڑھے لیٹی تھی۔ اس کے سرہانے کی جانب ایک گھنٹی لٹک رہی تھی۔ یہی وہ گھنٹی تھی جس کو بچا کر اس کا مالک گولاش اسے بلاتا تھا۔

ماریا سوچنے لگی اسی طرح اچانک کینز سے بات کی تو وہ ڈر جانے لگی۔ کوئی ایسی ترکیب نکالنی چاہیے کہ کینز ڈرے بھی نہ اور ماریا کو گولاش بزدل فروش کا سارا



رازد بتا دے کہ وہ بچوں کو کس غصہ جگہ پر رکھتا ہے اور نئے شکار کو اس نے کہاں روانہ کیا ہے۔ ماریا کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ مایوس ہو چکی تھی کہ اچانک ایک سانپ اس کی مدد کو وہاں پہنچ گیا۔ اس سانپ نے ماریا کو دیکھا تو نہیں تھا مگر اس میں سے اٹھتی ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی ضرور محسوس کر لی تھی۔ مگر جب اسے ناگ دیتا بھی وہاں دکھائی نہ دیا تو وہ اپنے بل میں سے نکل کر پلنگ پر بیٹھی کینز کی طرف بڑھا۔ یہ سانپ کینز کو ڈسنے آیا تھا۔ وہ کینز کے پلنگ پر چڑھ گیا اور اس کے منہ سے پھٹکار نکل گئی۔ کینز نے آنکھیں کھول دیں۔ اس سے پہلے کہ سانپ کینز کو ڈستا ماریا نے اسے پتھر کر دیوار کے ساتھ دے مارا۔ وہ چاہتی تھی کہ کینز سانپ کو اچھل کر دیوار سے ٹکراتے دیکھ لے۔ کیونکہ اگر وہ سانپ کو اپنے ہاتھ میں اٹھا لیتی تو وہ فوراً غائب ہو جاتا۔ کینز کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ماریا نے کہا۔ ”گھبراؤ نہیں بہن۔ میں نے سانپ کو جگادیا ہے۔“ اب سانپ کو بھی احساس ہو گیا کہ ناگ دیوتا کی بہن وہاں موجود ہے۔ اس نے اپنی زبان میں معافی مانگتے ہوئے کہا۔

”ناگ دیوتا کی بہن! مجھے معاف کر دینا۔ مجھ سے غلطی

ہو گئی۔“

ماریا نے کہا۔

”یہاں سے نکل جا اور خبردار اگر پھر کبھی اس کینز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو میں نہیں دہیں جلا کر بھسم کر ڈالوں گی۔“

سانپ بولا۔

”میں جا رہا ہوں۔ پھر کبھی نہیں آؤں گا۔“

کینز پہلے سانپ کی وجہ سے سہی بیٹھی تھی اب ایک عورت کی جیسی آواز سننے تو ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگی۔ سانپ وہاں سے دفعتاً ہٹ گیا تھا۔ ماریا نے جلدی سے کینز کو تسلی دی اور کہا۔

”مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں بہن۔ میں کوئی جتن بھوت نہیں ہوں۔ میں مہادی طرح کی زندہ لڑکی ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں غائب ہوں۔ اور تم نظر آتی ہو۔ اس وقت میں تمہارے پاس ایک ضروری کام سے آئی تھی کہ یہ سانپ یہاں آ گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہاری جان بچ گئی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ اب تم مجھ سے ڈرو گی تو نہیں؟“

کینز ابھی تک سہی ہوئی تھی مگر ماریا کی ان باتوں سے اس



کا خوف کچھ کم ہو گیا۔

ماریا نے کہا۔

”مجھ پر کسی نے چادر کر دیا تھا جس کے بعد میں غائب ہو گئی۔ اب میں تو سب کچھ دیکھتی ہوں مگر کوئی مجھے نہیں دیکھ سکتا مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تمہارا مالک بچوں کو اخاکر کے کہاں فروخت کرتا ہے۔ کیونکہ میں ایک غمزداد ماں سے مل کر آ رہی ہوں جس کے بچے کو تم سے مالک گولائش کے آدمی اخاکر کے لے گئے ہیں۔ کیا تم دکھی ماں کی مدد نہیں کرو گی یہ“

کینز اہستہ سے اٹھی اور ہوا میں تھکتے ہوئے بولی۔  
”پہلے میں تمہیں کوئی پڑیل نہیو مگر اب تم نے سانپ سے میری جان بچائی جو ایک پڑیل نہیں کر سکتی۔ پھر تم نے ایسی باتیں کی ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم بھی میری طرح انسان ہو۔ لیکن کاش میں تمہیں ان بچوں کا داند بتا سکتی جن کو میرا مالک سونے کے سکے دے کر خریدتا ہے۔“

ماریا نے کینز کے قریب جا کر کہا۔

”اگر تم ایک ماں ہو تیں اور کوئی تمہارے بچے کے دیکھنے کو اٹھا کر لے جاتا اور اسے دوسرے ملک

میں جا کر فروخت کر دیتا تو تمہارا کیا حال ہوتا؟ ذرا سوچو۔ اپنے دل پر ہاتھ دیکھ کر بتاؤ۔ تمہارا کیا حال ہوتا؟ تم اگر مجھے بتا دو گی تو کئی مادوں کے گھر برباد ہونے سے بچ جائیں گے۔

کینز نے ترپ کر کہا۔

”و آہستہ بولو میری بہن! میں مجبور ہوں اگر میں نے تمہیں کچھ بتا دیا تو دیتاؤں کا مجھ پر عذاب نازل ہوگا۔ ماریا نے کہا۔

”کوئی نیک کام کرنے سے کبھی کسی دیتا کا عذاب نازل نہیں ہوتا۔“  
کینز بولی۔

”نہیں نہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتی تم یہاں سے چل جاؤ۔“  
اب ماریا کو بھی غصہ آ گیا۔ اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اگر تم مجھے معصوم بچوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گی تو پھر میں اس سانپ کو تمہاری طرف آنے کا حکم دے دوں گی۔ وہ اس وقت آنے لگا۔ جب تم سو رہی ہو گی۔ اور بڑے آدمی اس سے تمہیں دس کرہیشہ کی نیند دے گا۔“  
کینز نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”دیوتاؤں کے لیے ایسا نہ کرنا۔ مجھے سانپ سے نہ ڈرنا۔“  
 ماریا نے کہا۔

”تم دیکھ چکی ہو کہ سانپ میرا حکم ماننا ہے، اب جلدی  
 سے بتاؤ کہ تمہارا مالک بچوں کو اغوا کر کے کہاں لے جاتا ہے؟  
 کینز گراساٹس پھینچ کر اٹھیں۔ اور بولی۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“  
 ماریا۔ ”میرا نام ہے۔“ ماریا نے کہا۔  
 کینز نے کہا۔

”تو سنو! میرا مالک بچوں کو اغوا کر کے فروخت نہیں کرتا۔“  
 ”تو پھر کیا کرتا ہے؟“ ماریا نے بے اختیار پوچھا۔  
 کینز بولی۔

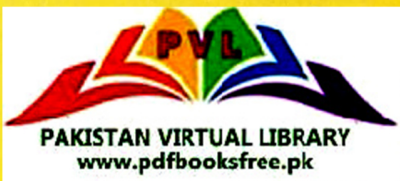
”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ انہیں۔۔۔“

”کینز ایک دم سے چپ ہو گئی۔ نہیں نہیں میں میں بتا  
 سکتی، یہ بڑا خطرناک لاف ہے۔ میں نہیں بتا سکتی۔“  
 ماریا غصے کی حالت میں کینز کی طرف دیکھنے لگی۔ جب اس نے  
 کینز کو دیا وہ ڈرایا اور دھمکایا تو وہ بولی۔  
 ”تو سنو۔ میں اس خونی راز سے پردہ اٹھاتی ہوں۔“



یہ خطرناک خونی راز کیا تھا؟  
 یہ آپ اگلی قسط نمبر ۱۳۵ سرکٹ ناگ میں پڑھیں گے۔





# عبدالغنی ناگ ماری اور کمیٹی خلافت میں



احمد

PDFBOOKSFREE.PK



سینئر ناگ، ماراغا

# سرکٹار



احمد  
عرب ناگ ماری حلوی 227



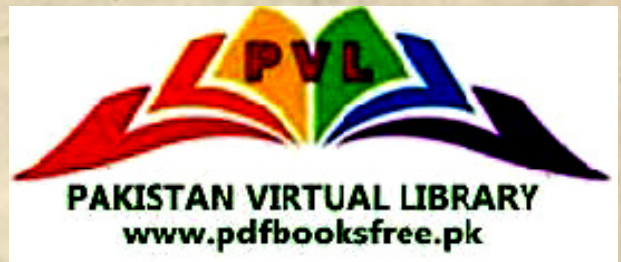
پیارے ساتھیو!

عنبہ ناگ مار یا کی ایک سو ستائیسویں قسط حاضر ہے۔  
آپ دوست اس کہانی کو جس دلچسپی سے پڑھ رہے ہیں اور  
مجھے اپنی پسندیدگی کے پیار سے خط لکھتے ہیں وہ میرے لئے بڑے  
شر کی بات ہے۔ کیونکہ میں آپ ہی کی دلچسپی کے لئے لکھتا  
ہوں۔ تاکہ آپ لطف بھی اٹھائیں اور ساتھ آپ کو خلا اور  
جدید سائنس کے بارے میں معلومات بھی حاصل ہوتی رہیں۔  
میرے پیارے اور غلغلے دوستوں کے کچھ عید کارڈ  
اب بھی موصول ہو گئے ہیں جو ڈاک کی وجہ سے لیٹ ہو گئے  
ہیں۔ مگر مجھے ان کو دیکھ کر عید کے بعد بھی عید جتنی خوشی ہی  
محسوس ہوتی۔ میں ان کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی  
وجہ سے میں نے ایک پھر عید منائی۔  
تمہارا انکل  
اسے عمید

454-N راہ چین - سمن آباد لاہور

عنبر ناگ ماریا خلائ 227

قیمت: ۵۰/۴ روپے



مجموعہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

۱۹۸۷

منظر : نیا مکتبہ اقبال مولی شاہد آباد کتب خانہ لاہور  
طابع : تاج دین پرنٹرز ڈائریکٹری لاہور



## طوفانی رات کے ڈاکو

ماریا پوری توجہ سے سنتے لگی۔

ماریا کو ابھی تک معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ کنیز اسے کتنا گناؤنا  
راز بتانے والی ہے۔ کنیز کے ہونٹ خشک تھے۔ اس  
نے کہا۔

میرا مالک گولاش ایک پتھر دل وحشی ہے اس کے  
دل میں رحم کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس نے اپنے  
آدمی چھوڑ رکھے ہیں جو دور دور سے گھنگھریالے بالوں  
والے غریبوں کے بچے اغوا کر کے لاتے ہیں  
اور اس کے پاس فروخت کر دیتے ہیں۔

ماریا نے بات کاٹ کر کہا

اور گولاش انہیں دوسرے ملک میں لے جا کر  
بیچ دیتا ہے۔ تم یہی کہنا چاہتی ہو ناں؟  
کنیز بولی۔

اگر وہ ایسا کرتا تو میں اسے معاف کر دیتی۔ مگر

## ترتیب

- طوفانی رات کے ڈاکو
- زبرد کے مردہ بچے
- گھبراہٹنا۔ رونے کی آواز
- مقدس پُر اسرار ہار
- سرگنا ناگ



وہ ان بچوں کو آگے نہیں بیچتا۔  
ماریا نے پوچھا۔

تو پھر وہ کیا کرتا ہے ان بچوں کا؟  
کنیز نے سہی ہوئی آواز میں کہا

ظالم گولاش نے اس شہر سے باہر ایک پرانے اہرام  
میں آگ کی بہت بڑی بھٹی لگا رکھی ہے۔ اس بھٹی  
میں زمرہ کا پتھر ہر وقت پگھلتا رہتا ہے کیونکہ اس اہرام  
کے اندر زمرہ بہت پایا جاتا ہے۔ یہ سنگ دل  
گولاش اللہ گھٹکھریائے بالوں والے بچوں کو اس پگھلتے  
زمرہ کے لاؤسے میں ڈال کر باہر نکالتا ہے تو وہ  
زمرہ کے مجھے بن گئے ہوتے ہیں۔

ماریا کا دل کانپ اٹھا۔ اب اسے وہ زمرہ کا بیچے کا  
جسم یاد آیا جو گولاش کے کمرے میں اس کے پلنگ کے پاس  
رکھا ہوا تھا۔ یہ اس قدر گھناؤنا ظلم تھا کہ ماریا اس کا تصور بھی  
نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بھٹی بھٹی آنکھوں سے کنیز کی طرف منک  
رہی تھی۔ کنیز ماریا کو نہیں دیکھ سکتی تھی چہرہ بھی اس نے  
ایک طرف منہ اٹھا کر کہا

ماریا بہن! کیا تم سمجھی سوتی ہو کہ کوئی انسان  
کسی معصوم بچے پر اتنا ظلم بھی کر سکتا ہے۔

ماریا نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا

اس ظالم شخص کو ہزار بار پھانسی دینی چاہیے۔ یہ  
ظالم کب سے بچوں کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک  
کر رہا ہے۔

کنیز نے کہا

اسے ایک سال ہو گیا ہے،

ماریا نے پوچھا

یہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ جس کے جواب میں کنیز  
نے ماریا کو بتایا کہ

ملک بابل اور ملک روم میں اس قسم کے زمرہ کے بچوں  
کے جسموں کی بڑی مانگ ہے۔ گولاش ان جسموں کو خفیہ طور پر  
ملک بابل اور روم میں بھجوا کر ہینگے داموں فروخت کر دیتا  
ہے اور سب پناہ دولت کماتا ہے۔

ماریا کے سامنے ساری بات کھل گئی تھی۔ اب اسے تھوساگ  
کے عزیزناک انجام کا خیال آنے لگا۔ یقیناً تھوساگ بھی  
اہرام میں جانے کے بعد زمرہ کے بت میں تبدیل ہو گیا  
ہوگا۔ ماریا نے جلدی سے پوچھا

کیا اس خونی اہرام میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا؟  
کنیز نے آہستہ سے ڈرتے ڈرتے کہا



میرے مالک گولاش کے پاس کوئی ظلم بھی ہے جس کے تعویذ کو اس نے اہرام کی بھٹی کے پاس دیوار میں لٹکا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس ظلمی تعویذ کی وجہ سے جو کوئی اہرام میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے ظلم اندر پھینچ لیتا ہے۔

مدیا نے کہا

لیکن گولاش اور اس کے آدمی خود کس طرف سے اہرام کے اندر جاتے ہیں؟  
کنیز بولی۔

اس سوئی کے باغ میں ایک زیتون کا درخت ہے اس درخت کے نیچے سے ایک خفیہ راستہ زمین کے اندر ہی اندر خونی اہرام تک جاتا ہے۔ میرا مالک اور اس کے غلام اس خفیہ راستے سے

خونی اہرام میں آتے جاتے ہیں وہ بچوں کو بھی اسی راستے سے لے جاتے ہیں اور ان کے زمرہ کے بُت بنا کر واپس لاکر سوئی کے نیچے ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں۔

مدیا تو خوف سے کانپ اٹھی۔ کنیز نے اسے بتایا کہ گولاش کتنے ہی معصوم بچوں کو اب تک پکھلتے زمرہ کی

بھٹی میں ڈال کر زمرہ کے بُت بنا چکا ہے اور اس وقت بھی نیچے تہہ خانے میں سات آٹھ زمرہ کے بچوں کے تجھے تیار پڑے ہیں۔ مدیا نے کنیز کا شکریہ ادا کیا اور بولی۔

میرا کسی سے ذکر نہ کرنا میری بہن۔ میں پھر تمہارے پاس آؤں گی۔

کنیز نے بھی ہاتھ باندھ کر کہا  
مجھ پر رحم کرنا اور کسی کے آگے میرا ذکر نہ کرنا۔ نہیں تو ظالم مالک مجھے بھی کھولتی ہوئی بھٹی میں ڈال کر بت بنا دے گا۔

مدیا نے کہا

مطمئن رہو۔ میری زبان سے تمہارا نام کبھی نہیں نکلے گا۔ میں جارہی ہوں۔

مدیا تیزی سے سوئی کے کمرے سے نکل کر باغ میں زیتون کے درخت کے پاس آگئی۔ وہ بہت جلدی تھیو سالک کے پاس پہنچ کر اس کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ زیتون کے درخت کے نیچے گھاس پھوس کی ڈھیری پڑی تھی۔ مدیا اس میں سے گزری تو نیچے ایک سُرنگ نمودار ہو گئی۔ مدیا اس سُرنگ سُرنگ میں سے گزرتی چلی گئی۔ یہ سُرنگ زمین کے نیچے



ہی نیچے اہرام کی طرف چلی گئی تھی۔ سرنگ میں عجیب  
ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔

ماریا سرنگ کی فضا میں تیری ہوئی آگے ہی آگے  
بڑھ رہی تھی۔ اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ اہرام کے قریب  
پہنچنے پر اسے دور سے روشنی دکھائی دی۔ یہ روشنی کسی گڑھے  
سے اٹھ رہی تھی۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہی وہ زمر کے پتھروں کی  
پگھلتی ہوئی بھٹی ہے جس میں وحش گولاش بچوں کو ڈبو کر زمر  
کے بنوں میں بدلتا ہے۔

ماریا کو کچھ آدمیوں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔  
ماریا کو صوف اس طلسمی تعویذ کا ڈر تھا جو کینز کے کہنے  
کے مطابق اہرام کے نیچے کسی دیوار کے ساتھ لٹک رہا  
تھا اور جس کی وجہ سے وہاں آیا ہوا کوئی باہر کا آدمی واپس

نہیں جاسکتا تھا۔ ماریا اب سرنگ کی چھت کے ساتھ  
گئی آہستہ آہستہ آگے کھک رہی تھی وہ اہرام کے نیچے پہنچ  
چکی تھی۔ تین سیاہ نام غلام پیستے ہیں شرابور کھولتی ہوئی بھٹی  
کے پاس ہی کھڑے اس میں لمبی لمبی لوہے کی سلاخیں ڈال  
کر ہلاتے اور پھر جلدی سے سلاخیں باہر نکال بیٹے۔

ماریا کو محسوس ہوا کہ وہاں اتنی زیادہ گرمی نہیں تھی  
جتنی ہوئی چاہیے تھی۔ گولاش نے کوئی ایسا بندوبست

کر رکھا تھا کہ بھٹی کی زبردست آگ کی گرمی اور بھاپ  
اہرام کے اوپر پھٹت کی کسی خفیہ جگہ سے باہر نکل جاتی  
تھی۔ اس کے باوجود تھیں سوانگ کہیں نظر نہ آیا۔ اب وہ  
طلسمی تعویذ کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اس نے بھٹی کے پیچھے  
کی طرف دیوار کے ساتھ ایک کھکے دار رسی کے ساتھ مڑخ  
تعویذ کو لٹکتے دیکھا۔ ماریا اس سے دور ہو گئی۔ اس نے  
بھٹی میں ایک نگاہ ڈالی۔ بھٹی ایک گڑھے میں بنائی گئی  
تھی۔ اس میں سبزی مائل ہلکے نیلے رنگ کا زمر لاوا بن  
کر پگھل رہا تھا۔ ماریا یہ سوچ کر لرز اٹھی کہ پتھر دل  
گولاش اس کھولتے لاوے میں بچوں کو ڈال کر انہیں زمر  
کے بت بنا دیتا ہے۔ بھٹی ایک وسیع کمرے میں بنی  
ہوئی تھی۔

ایک طرف دیوار کے ساتھ چھوٹا سا دروازہ تھا  
اس دروازے کے پٹ غائب تھے اور ایک جیش نیزہ  
لئے وہاں پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا اس کے قریب  
سے ہو کر دروازے میں سے گزر گئی۔ دوسری طرف ایک  
نئی سرنگ آگئی۔ یہ سرنگ اہرام کے نیچے ایک بڑے  
مال کمرے میں جا پہنچی۔ یہاں ماریا نے بڑا ہی درونگ منظر  
دیکھا۔ سات معصوم بچوں کے زمر کے بت دیوار کے



ساتھ کھڑے تھے۔ ماریا کو آنکھوں میں شاید زندگی میں پہلی بار آنسو آتے محسوس ہوئے۔ کیونکہ یہ زمر کے بت نہیں تھے بلکہ زندہ بچے تھے جنہیں کھولتے ہوئے زمر میں ڈبو کر زمر کے جسموں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

ماریا نے ان جسموں کو قریب سے دیکھا۔ سب کے رنگ سبزی مائل نیلے تھے۔ ان کے گھنگھریالے بال بھی زمر بن چکے تھے۔ ان کی آنکھیں بھی زمر کی بن گئی تھیں ان تمام بچوں کی عمریں پانچ اور چھ برس کے درمیان تھیں۔ ماریا زیادہ دیر وہاں نہ ٹھہر سکی۔ اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ وہ اس کشادہ تہ خانے سے نکل کر سڑگ میں آئی تو اسے پیچھے کی جانب سے سڑگ کے آخر میں وہ آدمیوں کی آواز سنائی دی۔ وہ بائیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ ماریا پھت کے ساتھ لگ گئی۔ کیونکہ اسے وہاں طلسم کا خطرہ تھا۔ یہ دونوں جیٹی غلام تھے اور باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا۔

اسے آقا جیٹی میں کیوں نہیں ڈالتا۔ نواہ نواہ اس کی دیکھ بھال کرنی پڑ رہی ہے۔  
دوسرا بولا۔

وہ اسے آخر میں جیٹی میں ڈالے گا۔ ابھی وہ

بچوں کے بت بنانا چاہتا ہے کیونکہ بچوں کے بتوں بڑی مانگ ہے۔

ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ اس طرف کو لپکی جوہر سے یہ دونوں جیٹی غلام آئے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی اسے تھیوسانگ کی خوشبو آئے گی۔ ماریا خوشی سے آگے کو بڑھی وہاں ایک تخرابی دروازہ بنا تھا جو بند تھا اور باہر لوہے کا بڑا لٹکا ہوا تھا۔ ماریا آواز کی لہروں کی طرح لوہے کے دروازے میں سے گزر گئی۔ جیہتی وہ دوسری طرف آئی اس نے دیکھا کہ تھیوسانگ فرش پر بے ہوش پڑا ہے ماریا نے جھک کر اسے غور سے دیکھا۔ اس کے جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ ماریا نے اپنے جسم سے ایک تیز شاع نکال کر تھیوسانگ کے سینے پر پھینکی

تھیوسانگ کو ایک دھچکا لگا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ماریا نے آہستہ سے کہا

قیو! میں ماریا ہوں۔

تھیوسانگ آنکھیں کھولے اندھیرے میں دیکھنے لگا۔

میں کہاں ہوں ماریا؟

ماریا نے کہا



خاموش رہو۔ تم ایک بڑی ہی بھیاںک اور  
خطرناک جگہ پر ہو۔ مگر حکومت کرو۔ میں تمہیں  
یہاں سے نکال لوں گی۔ کوئی بات مت کرو۔ بس  
اسی طرح بیہوش بنے لیٹے رہو۔ میں دیکھتی ہوں  
کہ ادھر سے کوئی راستہ باہر جاتا ہے کہ نہیں۔ میں  
ابھی واپس آتی ہوں گھبرانا نہیں۔

غیوسانگ نے کمزور آواز میں کہا

مجھے کمزوری محسوس ہو رہی ہے ماریا۔

گھبراؤ نہیں غیوسانگ۔ تم پر ظلم کیا گیا تھا  
مگر تم بچ گئے ہو۔ یہاں بڑی بھیاںک باتیں ہر  
رہی ہیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔

یہ کہہ کر ماریا تیزی سے تاریک کوٹھڑی سے باہر  
نکل گئی۔ وہ آگے گئی تو دیکھا کہ آگے سڑک بند ہو گئی  
ہے۔ ماریا واپس آئی۔ یہاں سے سڑک ای خونی جھٹی  
کی طرف جاتی تھی۔ ماریا ادھر کو پکی تو اسے کسی لڑکے  
کی رونے اور پیچھے کی آواز مٹانی دی۔ وہ فضا میں  
اڑتی ہوئی وہاں پہنچی تو دیکھا کہ دو حبشی اس لڑکے  
کو پیچھے لئے آ رہے ہیں جس کو رات دو ڈاکو بوری  
میں بند کر کے گولاش کے پاس فروخت کر گئے تھے۔

گولاش نے اس چودہ پندرہ برس کے لڑکے کو کھولتی  
ہوئی جھٹی میں ڈال کر بت بنانے کا حکم دے دیا تھا  
لڑکا دو رہا تھا اور دم کی بھیک مانگ رہا تھا مگر حبشی  
غلاموں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اسے گھسیٹتے  
لئے آ رہے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ وہ طلسمی تعویذ کی  
دیوار سے دور تھی۔ ماریا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس  
بے گناہ معصوم لڑکے کو ایسی بھیاںک موت کا شکار  
نہیں ہونے دے گی چاہے وہ خود کسی ظلم میں  
کیوں نہ پھنس جائے۔

ماریا نے دیکھا کہ حبشی غلاموں کے پیچھے کوئی تبیرا  
آدمی نہیں تھا۔ کونے والے دروازے میں صرٹ ایک  
حبشی نیزہ لئے پہرہ دے رہا تھا۔ اس پر بھی لڑکے  
کی چیخ و پکار کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ تو اس قسم  
کا ظلم دیکھتا ہی رہتا تھا۔ کھولتی ہوئی جھٹی ابھی چند قدم  
کے فاصلے پر تھی کہ ماریا نے جملہ کر دیا۔ ماریا کا یہ جملہ  
اچانک اور خطرناک تھا اس نے ایک حبشی غلام کی  
گردن پر سیدھے ہاتھ کو اتنی شدت کے ساتھ مارا کہ  
وہ تلابندی کھا کر پیچھے کو جاگرا۔ دوسرا حبشی جبرانی  
سے نکلنے لگا کہ اسے کیا ہو گیا ہے مگر اس نے لڑکے



پاس زیادہ وقت نہیں تھا اس نے جلدی سے کہا  
 خبردار آگے مت جانا۔ میں تمہیں یہاں سے  
 نکال کر لے جاؤں گی۔ تم میرے ساتھ رہو  
 نہیں تو یہ لوگ تمہیں دوبارہ پکڑ کر کھولتی ہوئی  
 جھٹی میں ڈال دیں گے۔  
 لڑکا سکتے ہیں آگیا۔ وہ جس عورت کی آواز سن  
 رہا تھا وہ اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مگر وہ  
 موت کے منہ سے نکلنا چاہتا تھا اس نے کہا  
 تم کون ہو؟ کیا تم بھوت ہو؟  
 مدیا نے کہا

میں جو کچھ بھی ہوں تم اس وقت یہ مت  
 پوچھو۔ اتنا ہی کافی ہے کہ میں تمہاری دوست  
 ہوں اور تمہیں موت کے اس جہنم سے نکالنے آئی  
 ہوں۔ مگر میرا ایک دوسرا دوست مرنگ کی ایک  
 کونٹری میں بند ہے۔ میرے ساتھ آؤ مجھے  
 اسے بھی نکالتا ہے۔

مدیا کو ابھی تک شک تھا کہ یہ لڑکا گھبراہٹ  
 میں کہیں ادھر ادھر بھاگے گا اور مرنگ کے آخری  
 سرے پر جا کر پھر پکڑا جائے گا۔ چنانچہ وہ اسے

کو نہ چھوڑا اور اپنے ساتھی کو آواز دی لیکن اس کا  
 ساتھی جھٹی ماری کی چوٹ کھا کر ہوش میں کیسے رہ  
 سکتا تھا۔

اب مدیا نے دوسرے جھٹی کے سر پر ایسا ہاتھ مارا  
 کہ وہ وہیں لڑکھڑا کر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ مدیا  
 کو معلوم تھا کہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ لڑکا گھبرا کر  
 پیچھے کو بھاگے گا اور پہرے پر کھڑا جھٹی اس پر  
 نیزے سے حملہ کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لڑکے  
 نے اپنے آپ کو آزاد پایا تو فوراً پیچھے کو دوڑا۔ پہرے دار  
 جھٹی نیزہ اٹھا کر اس کے پیچھے بھاگا۔

مدیا نے اس جھٹی کو راستے میں ہی پکڑ لیا۔ اس  
 کے ہاتھ سے نیزہ پھین کر اس کی گردن پر دونوں جانب  
 سے اپنے دونوں ہاتھ زور سے مارے۔ یہ جھٹی بھی  
 بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔ اب مدیا لڑکے کی طرف دوڑی  
 کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ آگے جا کر پکڑا جائے گا۔  
 مدیا نے مرنگ میں دوڑتے ہوئے لڑکے کو راستے  
 میں ہی جالیا اور اس کے بازو کو پکڑ لیا۔ لڑکا خوف کے  
 مارے ہنسنے لگا۔ کیونکہ اسے وہ انسان نظر نہیں  
 آتا تھا جس نے اس کو بازو سے پکڑ رکھا تھا۔ مدیا کے



بارو سے پکڑ کر کھینچتی ہوئی سرنگ میں پیچھے کی طرف  
لے گئی۔ اس نے لڑکے کو تھیوسانگ کی کوٹھڑی کے  
سامنے ایک طرف رکھنے کو کہا اور خود کو ٹھٹھری کے تالے  
کو ایک ایسی ضرب لگائی کہ تالا ٹوٹ کر دور جا گرا۔  
پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔

اندر سے تھیوسانگ نے چونک کر دروازے کی  
طرف دیکھا اور بولا۔

ماریا! یہ تم ہو؟

ہاں تھیوسانگ۔ سرنگ خالی ہے جلدی  
سے میرے ساتھ آؤ۔

تھیوسانگ اٹھ کر باہر آگیا۔ باہر دروازہ کھلا تھا۔  
یہ کون ہے ماریا؟ تھیوسانگ نے پوچھا  
ماریا نے کہا۔

اسے جھٹی میں ڈالنے کے لئے لایا گیا تھا۔ میں

نے اسے بچا لیا ہے۔ جلدی سے سرنگ میں  
شمال کی طرف آ جاؤ۔

تھیوسانگ نے اس طلسم کا خطرہ ظاہر کیا جس نے  
اسے مہرام میں اندر پھینک دیا تھا۔  
ماریا بولی۔

وہ ایک طلسمی تعویذ ہے جو جھٹی کی دوسری  
طرف دیوار کے ساتھ لٹکا ہے۔ اس کا دائرہ وہیں  
جھٹی کے پاس ہے۔ تم اس جانب سے لڑکے کو ساتھ  
لے کر آ جاؤ۔

تھیوسانگ نے لڑکے کو ساتھ لیا اور سرنگ میں تیز  
تیز چلتے لگا۔ ماریا ان کے آگے آگے باہمی تھی۔ وہ  
کھولتی جھٹی کے قریب سے گزر گئے۔ تھیوسانگ نے دیکھا  
کہ دیوار کے ساتھ ایک سرخ رنگ کا تعویذ لٹکا رہا  
تھا۔ سرنگ آگے بالکل خالی تھی۔ ماریا کی آواز آئی۔

تھیوسانگ! اس لڑکے کو لے کر تیزی سے  
چلے آؤ۔ یہ سرنگ گولاش کی لڑائی کے باغیچے میں  
جانکھلتی ہے۔

تھیوسانگ بولا۔

یہ گولاش کونسا ہے۔

ماریا کی آواز آئی۔

یہ سب بعد میں بتاؤں گی۔ تم بھاگے چلے

آؤ یہ سرنگ زمین کے اندر ہی اندر کافی دور

میک پناہ گئی ہے۔

تھیوسانگ لڑکے کا بارو پکڑ کر تیز تیز چلتے لگا۔



لڑکے نے بھی جب دیکھا کہ اس کی جان خطرے میں ہے اور وہ موت کے منہ سے نکل آیا ہے تو وہ بھی تھیوسانگ کے ساتھ جلدی جلدی چلنے لگا۔ دیر تک زمین کے نیچے چلتے رہنے کے بعد جب یہ لوگ گولاش کی حویلی کے قریب پہنچے تو سامنے سے ایک حبشی آتا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک رتا تھا۔ ماریا نے چلا کر کہا

اس رتے کو پیچیدک کہ یہیں کھڑے رہو حبشی نے ایک غیبی صوت کی آواز سنی تو بکا بکا ہو کر وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ ماریا نے رستہ اس کے ہاتھ سے پھینک لیا اور تھیوسانگ سے کہا اسے اسی جگہ باندھ کر ڈال دو تھیوسانگ۔

تھیوسانگ نے حبشی کو وہیں رتے میں جکڑ کر پیچیدک دیا۔ حبشی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ ماریا لڑکیوں کے درخت کے نیچے سے نکل آئی اس کے پیچھے پیچھے تھیوسانگ اور لڑکا باہر نکلنے لگے تو ماریا نے انہیں روک دیا اور وہیں آواز میں کہا

تم دونوں اسی جگہ ٹھہرو۔ میں دیکھتی ہوں باہر کوئی آدمی تو نہیں ہے۔

حویلی کا باغیچہ بالکل خالی تھا۔ گولاش شاید اپنی حویلی کے تہہ خانے میں تھا۔ ماریا نے تھیوسانگ سے کہا تھیوسانگ اس لڑکے کو لے کر تم شہر کی فیصل کے پاس والی بارہ دری میں چھوڑ آؤ۔ وہاں عنبر ناگ موجود ہیں۔ میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گی۔ جلدی واپس آ جانا۔ مجھے تمہاری ضرورت پڑے گی۔

تھیوسانگ نے لڑکے کو ساتھ لیا اور باغیچے کی دیوار کو دوڑ کر دوسری طرف صحرا میں نکل گیا اور لڑکے کو بے گھر شہر کی فیصل کی دیوار کی طرف روانہ ہو گیا۔ ماریا باغیچے میں ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی۔ دن نکل چکا تھا اور چاروں طرف سورج کی روشنی پھیلی تھی۔ ماریا نے سوچا کہ اندر چل کر دیکھنا چاہیے کہ گولاش کہیں کسی دوسرے بچے کو تو ہلاک کرنے کی تیاری نہیں کر رہا۔ حالانکہ ابھی تک کوئی بچہ وہاں نہیں لایا گیا تھا۔ ماریا تیزی سے اچھل کر حویلی کے اندر آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ گولاش چھوٹے کمرے میں بے چینی سے ٹپل رہا تھا۔ اسنے میں ایک حبشی غلام دوڑتا ہوا آیا۔ گولاش نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ بھٹو ابھی تک تم نے لڑکے کا شبہ



کیوں نہیں بنایا؟ میں نے حکم دیا تھا کہ اسے زمرہ کے بت میں ڈھال کر مجھے اطلاع دی جائے کہاں ہے وہ؟

جیشی غلام گھبرایا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ گولاش نے غصے سے کہا کچا ہو گیا ہے تمہیں۔ تم بولتے کیوں نہیں ہو؟

اب جیشی غلام نے اسے بتایا کہ سرنگ کے اہرام ہیں سے ایک قیدی جو کوٹھڑی میں بند تھا اور وہ لڑکا جسے بت بنانے کے لئے لے جایا گیا تھا۔ دونوں خرار ہو گئے ہیں۔

گولاش پر جیسے بجلی گر پڑی وہ اسے ہلکتا رہ گیا۔

کیا بکواس کر رہے ہو؟

غلام ماتھے باندھ کر بولا۔

پسج عرض کر رہا ہوں مالک۔ دونوں قیدی غائب ہیں۔

پہرہ دار اور غلام کہاں مر گئے یہ گولاش نے چلا کر پوچھا۔

غلام بولا۔

حضور! ایک غلام یہاں نزدیک ہی سرنگ میں رسی سے بندھا پڑا ہے۔ باقی تینوں غلام مر چکے ہیں۔ ان کی لاشیں سرنگ میں اہرام کے اندر پڑی ہوئی ہیں۔

گولاش کے پاؤں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔ وہ غنڈک ہو کر ان سیڑھوں کی طرف بڑھا جو نیچے سرنگ میں جاتی تھیں۔ ماریا اسے جاتا دیکھتی رہی۔ جب وہ چلا گیا تو ماریا وہاں سے کنیز کے کمرے میں آگئی۔ کنیز وہاں پر نہیں تھی وہ حویلی کے چوتھے کمرے میں آئی تو دیکھا کہ کنیز کپڑے تہہ کر رہی تھی۔ ماریا نے جانتے ہی کہا۔

میں کامیاب لوٹی ہوں میری سہیلی۔ میں نے اس لڑکے کو موت کے منہ سے بچا لیا ہے جس کو راست اغواء کر کے لیا گیا تھا اور جسے ابھی خنجر ڈی دیا پہلے کھولتے زمرہ کی جھٹی میں ڈالنے کے لئے لے جایا گیا تھا۔

کنیز نے ماریا کی آواز سنی تو چونک کر چاروں طرف دیکھا کہ وہاں کوئی موجود تو نہیں ہے۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ کنیز نے ماریا کو آہستہ سے کہا۔

ماریا بہن! تم نے ایک بے گناہ لڑکے کی  
جلن بچا کر بہت بڑی نیکی کی ہے مگر ابھی ایک  
آدمی نے آکر ظالم گولاش کو خبر دی ہے کہ آج رات  
وہی دونوں ڈاکو ایک گھنگھریالے بالوں والے بچے کو  
کسی جگہ سے اغوا کر کے لے رہے ہیں۔  
ماریا بولی۔

فکر مت کرو۔ میں آج رات اس سنگ دل  
آدمی گولاش سے نمٹ لوں گی ابھی تو وہ اہرام  
کی طرف گیا ہے۔ میں اس جگہ ٹھہروں گی۔ تمہارے  
خیال میں ڈاکو گھنگھریالے بالوں والے سنے بچے  
کو لے کر حویلی میں کب پہنچ رہے ہیں۔  
کنیز بولی۔

آج رات کسی وقت آ جائیں گے۔ اچھا خدا  
کے لئے اب تم چل جاؤ اور مجھ سے باتیں مت کرو۔  
نہیں تو ہمارا بھائی اچھوٹ جائے گا۔  
ماریا وہاں سے ہٹنے لگی تو اس نے کہا

میں نے اپنے بھائی قتیوسانگ کو بھی  
وہاں سے نکال لیا ہے۔ اب وہ دونوں یہاں سے دور  
ایک محفوظ جگہ پر ہیں۔ ویسے میرا ساتھی قتیوسانگ

ابھی واپس آ جائے گا۔  
کنیز نے کہا

تم نے اسے خواہ مخواہ کیوں بلا لیا؟ یہاں  
اس کی جان کو خطرہ ہوگا۔  
ماریا نے کہا

اس کا آنا ضروری تھا۔ اب میں جاتی ہوں۔  
ابھی میں اس حویلی کی چار دیواری میں ہی ہوں۔  
ماریا یہ کہہ کر حویلی کے باغیچے میں آگئی۔ قتیوسانگ  
ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ قتیوسانگ نے دیر انتظار کرنے کے  
بعد وہ فضا میں بلند ہو کر شہر کی طرف اڑنے لگی۔ اسے  
دور سے قتیوسانگ آتا دکھائی دیا۔ ماریا اس کے قریب  
آکر بولی

تم نے دیر کر دی۔ عینہ ناگ تو نہیں دیکھ  
کر خوش ہوئے ہوں گے۔

ہاں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں کھولتے  
لاوے کے جہنم سے زندہ واپس لوٹ آیا ہوں۔  
ماریا نے کہا

میرے ساتھ حویلی میں آؤ۔ گولاش کو تمہارے  
فرار کا علم ہو چکا ہے۔



تھیوساگ نے کہا

”پھر تم مجھے اس طرف کیوں سے جا

رہی ہو؟“

”ماریا بولی۔“

اس لئے کہ تمہیں گولاش کو اپنی انگلی سے  
چھو کر اسے چھوٹے سائز کا بنانا ہوگا۔ اس کے بعد  
تم بے شک واپس چلے جانا؟

ماریا تھیوساگ کو لے کر حویلی کی پچھلی دیوار کی طرف آ گئی۔  
تھیوساگ نے دیوار پھانسی اور باغیچے میں ایک جگہ چھپ کر  
بیٹھ گیا۔ ماریا کہنے لگی۔

”میں حویلی میں جا کر گولاش کو دیکھتی ہوں۔ وہ آگیا ہوگا۔ پتہ  
کرتی ہوں کہ اس پر تیرے فرار کا کیا اثر ہوا ہے۔ تم اسی جگہ  
جھاڑیوں کے پیچھے خاموش ہو کر بیٹھ رہو۔“

ماریا نے تھیوساگ کو جھاڑیوں میں چھوڑا اور خود حویلی  
کے اندر چلی گئی۔ اب اس پر یہ مجاہد کھلا کہ حویلی اندر سے  
ایک اور خفیہ ایمر جنسی راستہ بھی اہرام کی طرف جاتا تھا۔  
گولاش اس میں سے واپس آگیا۔ وہ سخت غصے کی حالت  
میں تھا اور بار بار منگیاں بیچ رہا تھا۔ حویلی کے چاروں  
غلام دیوار کے ساتھ سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ کنیز بھی وہاں

موجود تھی اور گولاش چارہ تھا۔

یہ کس نے میرے خلاف سازش کی ہے۔ میں تم میں سے  
کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تم سب کو موت  
کے گھاٹ اتار دوں گا۔

پھر اس نے جیب سے خنجر نکال لیا اور سب سے پہلے  
کنیز کی طرف بڑھا۔

بولو۔ کیا تم نے میرے خلاف سازش کی تھی؟ کیا

تم نے کسی کو میرے اہرام کا راز بتا دیا تھا؟ بولو نہیں  
تو میں یہ خنجر تمہاری گردن میں گھونپ دوں گا۔

کنیز کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ گولاش  
نے جب خنجر کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی تو وہ بولا پری  
آنا، مجھے معاف کر دینا۔ اس حویلی میں ایک

بھوت رہتا ہے۔ عورت کا بھوت۔ اس نے مجھ سے  
زبردستی بچھ لیا تھا اور میں نے اسے اہرام کا راز  
بتا دیا۔“

گولاش نے اتنے زور سے کنیز کو ٹھٹھا مارا کہ وہ بلبلانی  
ہوئی دیوار سے جا ٹکرائی۔ ماریا کو سخت غصہ آگیا۔ اس  
بد سجت کے غلام کا زور اب ختم کر دینا چاہیے۔ ماریا نے  
سوچا۔ اتنی دیر میں گولاش خنجر والا ملے گا اور اسٹا پکا



مقا۔ چاہتا تھا کہ ایک ہی دار میں کنیز کا کام تمام کر دے  
 کہ اس نے بیچ کر کہا۔

ماریا بہن، بچے پیداؤ۔

ماریا تو وہیں موجود تھی، اس نے پیچھے سے گولاش  
 کا ہاتھ جھٹک دیا۔ خیر اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گیا۔  
 گولاش نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔

کون ہو گیا؟

ماریا نے کہا۔

میں تہا دی سوت ہوں مگر ابھی تمہیں نہیں مارا  
 جائے گا۔

گولاش بوکھلا کر ایک طرف کو دوڑا مگر ماریا اسے  
 جھک بچھوڑنے والی تھی وہ بھی پیچھے پلک اور گولاش کو  
 دھڑکے میں ہی دبوچ لیا۔ ایک بات کی اسے نقل ہو گئی تھی  
 کہ عسمر عرت تعویذ میں ہی مقا۔ گولاش کے پاس کوئی بھی  
 جادو ٹوٹ نہیں ہے۔ وہ گولاش کو ابھی مارنا چاہی نہیں پڑتی  
 تھی وہ گولاش کے گھناؤنے جرم کے مطابق اسے سزا  
 دینا چاہتی تھی۔

گولاش حیران پریشان تھا کہ یہ اسے کس غیبی چیز نے  
 اپنی مشورہ گرفت میں لے رکھی ہے۔

غلام ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ اب عرت کنیز  
 ہی وہاں کھڑی تھی۔ ماریا نے گولاش کو گردن سے پکڑ کر اٹھایا  
 اور پھر دھکا دے کر سامنے والی دیوار پر اسے مار مار کر ماریا نے  
 زیادہ زور سے دھکا نہیں دیا تھا۔ پھر بھی گولاش کا سر چٹ  
 گیا اور خون بہنے لگا۔ ماریا نے غصہ بک آواز میں کہا۔  
 تم اتنے بھیانک اور سنگدل جلاؤ ہو کہ میں تمہیں  
 اتنی آسانی سے موت کے حوالے نہیں کروں گی۔

یہ کہہ کر ماریا نے گولاش کی گردن کی ایک جگہ پھنک  
 سے اتنے زور سے دباؤ کہ اس کی پیچ نکل گئی اور وہ بے ہوش  
 ہو گیا۔ ماریا نے اسے ہاتھ جھٹک کر جھک بچھوڑ کر  
 آواز دی۔ وہ جھاڑو اندر آ گیا۔ اس نے گولاش کو بے ہوش  
 پڑے دیکھا اور ماریا نے اس کے بارے میں پوچھا۔ ماریا نے  
 اسے سب کچھ بتا دیا اور کہا۔

تھوڑا سا لگ اسے جلدی سے اپنی چھوٹی انگلی کے  
 برابر بنا دو۔

تھوڑا سا لگ نے جلدی سے گولاش کی پسلی سے اپنی انگلی  
 چھوئی۔ گولاش ایک سیکنڈ میں اس کی انگلی کے برابر چھوٹا  
 ہو گیا۔ کنیز نے یہ دیکھا تو دہشت کے مارے وہیں بیٹھ  
 گئی۔ ماریا نے اسے موصولہ دیا۔

تم کیوں گھبرا رہی ہو۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے  
یہ سزا صرف ظالم کے لئے ہے۔ یہ کئی معصوم بچوں کا  
قاتل ہے۔ اس کو ہم اتنی آسانی سے نہیں چھوڑیں  
گے۔ فوراً ایک قبیل کہیں سے لاؤ۔

کنیز کو کچھ موصولہ ہوا۔ وہ بھاگ کر چمڑے کی قبیلے آئی  
تھیوسانگ نے قبیلے میں چھوٹے چھوٹے چار پانچ سوراخ کئے  
پھر تنے سے گولہ شی کو اٹھا کر چوبے کی طرح پھیل میں ڈالا  
اور قبیلے کا منہ دہلی سے بند کر دیا۔ ماریا بولی۔

اے کوئے والے صندوق میں رکھ کر صندوق کو تالا  
لگا دو۔

تھیوسانگ نے ایسا ہی کیا۔ پھر کنیز کی طرف دیکھ کر بولا۔  
ماریا نے کہا

تین چار گھر کے لوگ ہیں۔ وہ ٹوڈ کے مارے  
بھاگ گئے ہیں۔ نکر نہ کرو۔ وہ ہمارا کچھ بھی نہیں  
بچھڑا سکتے۔

ماریا نے کنیز سے کہا کہ چلو تمہارے کمرے میں چلیے  
تیرے وہ سب کنیز کے کمرے میں آجئے۔ یہاں ماریا نے کنیز کو  
ماریا کی کہہ دو گھر کے نوکروں کے پاس جانے اور انہیں  
کچے کر چوٹی پر بھرتوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ گولہ شی کا طلسم

لوٹ چکا ہے اور انہیں تھیوسانگ اور ماریا کا حکم ماننا ہوگا  
نہیں تو انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ کنیز  
نے بہت اچھا کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ ماریا نے تھیوسانگ  
سے کہا۔

رات والے دونوں ڈکو آج رات ایک اور بچے  
کو اغوا کر کے لارہے ہیں اب ہمیں ان کا انتظار کرنا ہوگا  
تاکہ ان بردہ فروش ڈاکوؤں کا کانا بھی ہمیشہ کے لئے  
ختم کر دیا جائے اور وہ دوبارہ ایسا گناہ نہ کر سکیں۔  
تھیوسانگ بولا۔

ہمیں عنبر اور ناگ کو بھی اسی جگہ لے آنا چاہیے  
کیا خیال ہے تمہارا؟  
ماریا کو یہ تجویز پسند آئی اور اس نے کہا

تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں خود عنبر ناگ کو جا کر لے  
آئی ہوں۔

اور پھر ماریا حویلی سے نکل کر عنبر ناگ کی طرف چل پڑی۔  
عنبر اور ناگ بارہ دہلی کے پاس ہی جھاڑیوں کے پاس  
گھاس پر بیٹھے تھے۔ ماریا کی خوشبو پا کر عنبر بولا۔

خدا کا شکر ہے تم آ گئی ہو۔ یہ سب کیا  
ہو رہا ہے۔



ماریا نے دیکھا کہ جس بڑکے کو اس نے موت کے منہ  
سے بچایا وہ وہاں پر نہیں تھا۔ ناگ نے بتایا کہ وہ یہ  
کہہ کر چلا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر خود ہی جاسکتا ہے  
ماریا نے کہا

چلو ٹھیک ہے۔ اب اسے کوئی خطرہ بھی نہیں ہے  
چند لفظوں میں ماریا نے ساری واردات سادی۔ ناگ بولا۔  
اس ہرام کے بارے میں مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ  
اس کے اندر اتنا گناہ لایا ہوتا ہے۔

ماریا نے نہیں کہا کہ وہ اس کے ساتھ گولاش کی حویلی  
میں چلیں کیونکہ وہ بدوہ فروش جو بچے اغوا کرتے تھے۔ وہیں  
رات کو آئیں گے۔ عنبر اور ناگ راضی ہو گئے اور ماریا کی  
نوشہبہ کے ساتھ ساتھ گولاش کی حویلی کی جانب چل دیئے۔ عنبر  
نے اپنے سر پہ کپڑا لپیٹ لیا تھا تاکہ کوئی اسے پہچان نہ  
سے کیونکہ وہ مندر کے منوں دیرتا ملوٹ کا دشمن تھا۔ جو  
خوار ہو گیا تھا۔ عنبر نے ابھی اس بات کو بھی پاس نہ کرنا تھا



## زمرہ کے مردہ بچے

عنبر اور ناگ بھی حویلی میں پہنچ گئے۔

ماریا نے ان کا بھی کنیز سے تعارف کروایا اور کہا یہ میرے  
بھائی ہیں۔ کنیز نے نوکروں پر اتنی دہشت بٹھا دی تھی کہ  
وہ اس کمرے کی طرف آتے مقرر قہر کا بپتہ تھے۔ کنیز کا  
خوف دور ہو چکا تھا۔ ماریا نے تنقیر سا بگ عنبر اور ناگ  
کو جہہ خانے میں لے جا کر گھسٹا لیا لے بالوں والے معصوم بچوں کے  
زمرہ بہت دکھائے تو عنبر اور ناگ کے رونگٹے کھڑے ہو  
گئے۔

خدایا! کیا انسان معصوم بچوں پر اتنا ظلم بھی کر سکتا ہے  
عنبر بولا۔

یہ تو بالکل زندہ گتے ہیں مگر زمرہ کے

بچے ہیں۔  
ناگ نے کہا



کیا یہ کسی طرح زندہ نہیں ہو سکتے ؟

مقیوسانگ کہنے لگا۔

انہیں کھولتے ہوئے نمرود کے لاوئے میں ڈال کر نکالا گیا ہے یہ اب کیسے زندہ ہوں گے۔

ماریا بولی۔

خدا اگر چاہے تو مردہ میں بھی جان ڈال دے۔  
یہ بعد میں سوچیں گے آؤ تمہیں ان بچوں کا جلاؤ دکھاتی ہوں۔

مقیوسانگ نے دوسرے کمرے میں جا کر صندوق کا تالا کھولا۔ اس میں سے چمڑے کی تقییل نکال کر چوہے پختے بڑے بے ہوش گواش کو نکال کر فرش پر رکھ دیا۔ اس کے ماتھے پر ابھی تک خون کا چھوٹا سا دھبا لگا تھا۔ غنبر بولا۔

یہ وہ ظالم شخص ہے۔

ہاں۔ ماریا نے کہا

اس نے نہ جانے کتنے بچے نمرود کے بت بنا کر ملک بابل اور شام میں فروخت کر دیئے ہیں یہیں تو تیرے خاٹے میں صرف تین چار بچوں کے بت ہی مل سکے ہیں۔

ناگ نے کہا

اس شخص سے ہوش میں آنے پر پوری طرح سے یوچھ گچھ کریں گے اور اسے وہ سزا دیں گے جو سزا اسے ملنی چاہیئے۔

کنیز ان کے لئے بڑا عمدہ کھانا تیار کر چکی تھی۔ لوگوں نے دسترخوان بچھا کر کھانا لگا دیا۔ لوگر غنبر ناگ اور مقیوسانگ کو سہی ہوئی نظروں سے دیکھ لیتے تھے۔ کنیز بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ ان لوگوں کو بھوک نہیں لگا کرتی۔ مگر غنبر ناگ ماریا اور مقیوسانگ نے اس کا دل رکھنے کے لئے مزے بے کر کھا کر کھانا کھانے پر وہ سب کھیتی کے ہارے میں گفتگو کرتے رہے۔ ناگ کو افسوس ہوا تھا کہ اس نے فرعون سانپ کے ٹکے کو کھیتی کے کمرے میں کیوں رکھا۔ نہ وہ اسے وہاں رکھتا اور نہ کھیتی اس پیالے میں پانی ڈال کر پیتی۔

اصل میں مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں تھا۔ کہ فرعون سانپ کے ٹکے سے گرمی کی لہریں خارج ہوں گی جس سے کھیتی کو پیالہ لگے گی۔

ماریا نے کہا

جس اہرام میں تمہارے خیال میں نیک دل صاحب ہوگا اور جہاں کھیتی کے ہارے میں کچھ بتا سگے۔

تو یہ جلاؤ گولاش نکل آیا۔

عنبر کہنے لگا۔

اس سے منٹ لیں اور اس برائی کا مکمل طور پر خاتمہ کر لیں پھر کئی کی تلاش میں نکلیں گے اور انشا اللہ اسے ضرور ڈھونڈ لیں گے۔ ابھی تو مجھے بلوغ کے جھوٹے بت کو بھی توڑنا ہے۔

ناگ نے کہا

یہ کام بہت ضروری ہے تاکہ اس ملک سے بت پرستی کی لعنت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ وہ اسی طرح کی باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد مارا ان سب کو خفیہ سڑنگ کے راستے اہرام کے اندر لے گئی اور وہ مجھسی دکھائی جس میں پگھلا ہوا زمرہ کھول رہا تھا۔ خلیو سا رنگ نے دیوار پر لٹکے ہوئے تعویذ کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ وہ تعویذ ہے جس کے طلسم نے مجھے اندر کھینچ لیا تھا۔

ناگ نے تعویذ کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا

میرا خیال ہے طلسم کا حصار اس کے قریب قریب

ہی ہے۔

ماریا بولی۔

تمہارا خیال درست ہے ناگ کیونکہ طلسم کی لہریں مجھے

یہاں محسوس نہیں ہو رہیں۔

خلیو سا رنگ کھولتی جھٹی کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

اصل میں اس جگہ زمرہ کے قدرتی پتھر موجود ہیں

اور یہ لاوا یہاں صدیوں سے کھول رہا ہے چونکہ اس

کے اندر سارے پتھر زمرہ کے ہیں اس لئے لاوا زمرہ کا

بن گیا ہے۔ یہاں سے شیطان گولاش کو خیال آیا کہ کیوں نہ

وہ زندہ انسانوں کو اس میں ڈال کر باہر نکالے اور انہیں

زمرہ کے بت بنا کر دوسرے ملکوں میں فروخت کرے

کیونکہ زمرہ کے لادے کا یہ خاصا ہوتا ہے کہ وہ آگ

سے نکلنے ہی جم کر زمرہ بن جاتا ہے۔

ناگ بولا۔

جو کچھ سچی ہے اس بد بخت گولاش نے بڑے ظلم

کا کام کیا ہے۔ خدا کو سے کہ جو بچے بت بنے ہوئے

ہیں وہ کسی طرح زندہ ہو جائیں۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہاں زلزلہ سا آگیا اہرام

کی دیواریں ہلنے لگیں۔ دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا تعویذ بھی

ہلنے لگا۔ عنبر نے کہا

یہ جھوٹا خیال ہے۔ یہاں سے نکل چلو۔



وہ مرنگ ہیں واپس چل پڑے۔ تھوڑی دیر بعد بھونچال  
رک گیا۔ حویلی میں جا کر عنبر ناگ مارا اور تھیوسانگ گواہش  
کے اس کمرے میں بیٹھ گئے جہاں وہ ڈاکوؤں اور بچے اغوار  
کرنے والوں سے گفتگو کیا کرتا تھا اور انہیں بچوں کے عوض  
سونے کے سکے دیتا تھا۔

مارا نے کینز کو بتا دیا تھا کہ وہ جا کر آرام کمرے رات  
گزر رہی تھی۔ جب گہرا اندھیرا اور خاموشی چھا گئی تو باہر  
گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ یہ آوازیں دو گھوڑوں  
کی تھیں اور حویلی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ عنبر ناگ مارا اور  
تھیوسانگ پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔ مارا نے تھیوسانگ  
سے کہا۔

تھیوسانگ! تم اپنا ہارٹ ادا کرنے کے لئے تیار  
ہو جاؤ۔ ناگ اور عنبر جیسا! تم لوگ دوسرے کمرے میں  
چلے جاؤ۔ میں تھیوسانگ کے ساتھ اسی کمرے میں  
رہوں گی۔

عنبر نے کہا

اگر ضرورت پڑی تو ہمیں آواز دینا۔  
اس کی فوجت نہیں آئے گی۔ مارا نے ہنس  
کر کہا۔

عنبر اور ناگ ساتھ والے کمرے میں چلے گئے۔ تھیوسانگ  
پہلے ہی سے گولاش کا ایک لمبا تھقی جبتہ پہنے بیٹھا تھا۔  
مارا نے کمرے کا دروازہ کھول رکھا تھا اور کونے میں کھڑی  
ہو گئی تھقی۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز حویلی کی چار دیواری کے  
پاس آ کر رک گئی۔ مارا نے کھڑکی میں سے جھانک کر اندھیرے  
میں دیکھا اور کہا

تھیوسانگ! وہی وہ ڈاکو ہیں۔ گھر ان کے پاس  
کوئی اغوار کیا ہوا۔ پھر نہیں ہے۔  
تھیوسانگ بولا۔

یہ اچھی بات ہے کہ یہ اس دفعہ کسی بچے کو اغوار  
نہیں کر سکے۔ انہیں اندر آنے دو۔

اعاطے کا دروازہ کھلا تھا۔ دونوں ڈاکو گھوڑوں سے باہر درخت  
کے ساتھ بانڈھ کر اندر باغیچے میں آ گئے۔ مارا نے نیچے کینز کو  
کھڑا کر دیا تھا اور اسے ساری بات سمجھا دی تھقی۔ ڈاکو کینز  
کو پھانسنے لگے۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی تو کینز  
نے دروازہ کھولا۔

ڈاکوؤں نے اس کی طرف سکڑ کر دیکھا۔ ایک بولا

تمہارا آقا اوپر ہی ہے کیا؟  
کینز نے کہا



جی ہاں مالک اوپر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

ڈاکو خوشی خوشی سیر پھیاں چڑھ کر اوپر والے کمرے میں آ گئے وہاں تھیوسانگ گولاش کا جتہ پہنے اس کی پگڑی سر پر رکھے دیوار کی طرف منہ کئے کھڑا تھا۔ اس کی پیٹھ ڈاکوؤں کی طرف تھی۔ کمرے میں دھیمی شمع روشن کی گئی تھی۔ ڈاکوؤں نے آتے ہی کہا۔

گولاش ہمیں افسوس ہے آج ہم بچے کو اغوا نہیں کر سکے۔ ہم یہ بتانے آئے ہیں کہ ہم نے اس دزدہ دو گنگھیالے بالوں والے بچے چن لئے ہیں۔ اسے پرسوں جاتے ہی اغوا کر لیں گے۔ تھیوسانگ ابھی تک ان کی طرف پیٹھ کئے کھڑا تھا بولا۔

بیٹھ جاؤ۔

ڈاکوؤں کو گولاش کی آواز کچھ بدلی بدلی سی لگی۔ ایک ڈاکو

بٹے کہا

آقا! آپ کا نگہ خراب ہے کیا؟

اب تھیوسانگ نے اپنا چہرہ ان کی طرف کر دیا اور شمع کی ٹو ادبھی کر دی۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ اس روشنی میں جب دونوں ڈاکوؤں نے گولاش کے جمبیس میں ایک اجنبی کو دیکھا تو جھٹ سے خنجر نکال لئے اور ایک ڈاکو غرا کر بولا۔

کون ہو تم بد بخت! ہمارا آقا گولاش کہاں ہے؟ جلدی بولو نہیں تو تمہارے جسم کے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں گے۔

تھیوسانگ نے دونوں بازو اوپر اٹھائے اور سکہا کر بولا۔ میں گولاش کا بھائی ہوں۔ ملک بابل میں اس کا ہی کاروبار کرتا ہوں۔ گولاش بھی آ جائے گا۔

ڈاکو ایک دوسرے کا منہ ٹکھنے لگے۔ گلتا تھا کہ انہیں یقین نہیں آ رہا۔ ایک ڈاکو جو سب سے زیادہ خوشخوار تھا آگے بڑھا اور تھیوسانگ کی آنکھوں میں ہتھکڑیاں ڈالتے ہوئے اس کی گردن پر خنجر کی ٹوک لگا دی اور دانت پیش کر بولا۔ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ گولاش کا کوئی بھائی نہیں ہے۔ جلدی بتاؤ تم کون ہو۔ دوسرا ڈاکو بولا۔

شامیرا! اس کا منہ کیا جھک رہے ہو۔ خنجر کو دو اسے یہ کوئی دھوکے باز ہے۔ ہمارا راز فاش ہو رہا ہے۔

اور یہ سنتے ہی دوسرے ڈاکو نے تھیوسانگ کی گردن میں پوری طاقت سے خنجر گھونپنا چاہا ہی تھا کہ تھیوسانگ نے اپنی انگلی اس کے پیٹ کے ساتھ لگا دی۔ آنکھ جھپکنے

میں ڈاکو چھوٹا ہوتا ہوتا اتنا چھوٹا ہو گیا کہ وہ تو جس قدر  
حیران ہوا سو ہوا مگر دوسرے ڈاکو کی آنکھیں ایسی کھلیں کہ  
لگتا تھا ابھی ڈیلے باہر آجائیں گے۔ لیڈرک جتنا چھوٹا  
ڈاکو بوکھلاہٹ میں پھدک کر کبھی ادھر جاتا۔ اسے ماریا نے  
اچک لیا۔ ماریا کے ہاتھ میں جاتے ہی وہ غائب ہو گیا۔  
اب تو دوسرا ڈاکو خوف سے کپکپانے لگا۔ تھیوسانگ  
نے اس کو گمردن سے دلہنچ کر اپنی طرف کھینچا تو غصہ اپنے  
آپ اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑا۔  
تھیوسانگ نے کہا

ایک چھوٹا سا چوہا ہمارے پاس اور بھی ہے۔ کیا  
تم دیکھو گے۔

یہ کہہ کر تھیوسانگ اسے گھسیٹ کر صندوق کے پاس لے گیا  
اسے کھول کر تھیلے میں سے چوتے جتنے گوہش کو نکال کر اس  
کے سامنے ڈال دیا۔ گوہش کو ہوش آچکا تھا۔ وہ ہاریک سی  
آواز میں پھدک پھدک کر چلا رہا تھا۔  
مجھے کیا ہو گیا ہے! مجھے بڑا کر دو۔

اب تو دوسرے ڈاکو کے بالکل ہی حواس جواب دے  
گئے اور وہ قابیلین پر بیٹھ گیا اور تھیوسانگ کے آگے سجدہ  
کر دیا۔ تھیوسانگ نے اس کی گردن اوپر جھٹک دی۔

ماریا نے کہا

خبردار جو سوائے خدا کے کسی کے آگے سجدہ کیا۔  
ڈاکو کے لئے یہ ایک اور حیران کن بات تھی کہ یہ عورت  
کی آواز کہاں سے آئی ہے۔  
تھیوسانگ بولا۔

یہ ہماری دوست ماریا ہے۔ ہمارے دو اور دوست  
عنبر اور ناگ بھی آ رہے ہیں۔

ماریا نے عنبر ناگ کو آواز دی۔ عنبر کمرے میں اس عورت  
داخل ہوا کہ ناگ سانپ کی شکل میں اس کے گانڈے پر  
پہن اٹھائے بیٹھا تھا۔ ڈاکو پکرا گیا اس کی گتھلی بندھ گئی۔  
یہ میں کہاں آ گیا ہوں مجھے صاف کر دو۔ مجھے  
چھوڑ دو۔

ناگ نے ایک پھنکار ماری اور انسان کی شکل اختیار کر لی۔  
چھوٹا گوہش۔ چھوٹا ڈاکو اور بڑا ڈاکو سبھی یہ کرشمہ دیکھ کر  
کے ہلکے ہو کر رہ گئے۔ تھیوسانگ نے بڑے ڈاکو کی طرف  
دیکھ کر کہا

سچ بچ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ اور کون کون لوگ  
بچوں کو اغوا کرتے ہیں؟  
ڈاکو ہاتھ باندھ کر بولا۔



میں دیوتا طرح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم دونوں کے  
سوا اور کوئی شخص یہ شخص کام نہیں کرتا تھا۔

تھیوسانگ نے غبر اور ناگ کی طرف دیکھا پھر ماریا سے پوچھا  
ماریا کیا خیال ہے تمہارا؟ یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔

ماریا نے کہا

اسے چھوڑ دو۔ گولاش کو اپنی ہتھیلی پر اٹھاؤ ہم  
اس سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔

تھیوسانگ نے چہرے جتنے گولاش کو اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا  
اور کہا۔

ظالم جلاد! تمہاری نجات اب اس میں ہے کہ  
ہمیں بتاؤ کہ تم نے اب تک کتنے بچوں کو زبرد  
کے بت بنا کر بیچا ہے اور وہ کہاں کہاں ہیں؟  
گولاش باریک آواز میں بولا۔

اسے دیوتا! میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس  
وقت پانچ بچوں کے بت تہہ خانے میں ہیں اور بارہ  
بچوں کے بت میں نے ملک بابل کے سوداگر کنڈل  
کے ہاتھوں فروخت کئے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ  
میں نے کسی بچے کو بت نہیں بنایا۔  
ماریا نے ناگ سے پوچھا۔

ناگ! کیا اس کی بات کا اعتبار کر لو گے تم؟  
ناگ نے کہا

اعتبار کرنا ہی پڑے گا۔ مگر اس سے یہ پوچھو  
کہ اس انسان دشمن کام میں اور کون کون اس کے  
ساتھ ہے؟

جب ماریا نے یہ سوال گولاش سے کیا گیا تو اس نے  
تھیوسانگ کی ہتھیلی پر سجدہ کر دیا اور بولا۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے ساتھ دوسر کوئی  
آدمی کام نہیں کر رہا۔ صرف یہ دو ڈاکو میرے لئے  
بچے اٹھا کر کے لاتے تھے۔

جب ماریا کو یقین ہو گیا کہ اس ظالم کا رد ہمارے تمام بکندے  
اس وقت توبی کے کمرے میں موجود ہیں تو اس نے تھیوسانگ  
اور غبر ناگ سے کہا

میرا خیال ہے اس خون کیل کا پردہ گرا دینا چاہیے  
تاکہ ان لوگوں کے بعد یہ خون ڈرامہ بھڑے نہ  
دہرایا جائے۔

گولاش چھوٹا اور بڑا ڈاکو سہم سے گئے تھیوسانگ بولا۔

اس وقت تم پر لڑہ طاری ہو گیا ہے مگر اس وقت  
تمہارا یہ خون کہاں چلا گیا تھا۔ جب تم معصوم بچوں کو



کی زندگیوں سے کیسے تھے؟

ماریا نے کہا

”تھیوساگ! اپنا کام کرو اور دوسرے ڈاکو کو بھی

چروا بنا دو۔“

بڑے ڈاکو نے پیچھے ماری مگر تھیوساگ اس کی گردن پر انگلی لگا چکا تھا وہ بھی ایک دم سے جھوٹا ہو کر چوہے جتنے سامنے کا ہو گیا۔ ماریا نے کہا

اب ان تینوں ظالم انسانوں کو مے کر خونی اہرام

کی طرف چلتے ہیں۔

گولاش اور دونوں ڈاکو فوراً سمجھ گئے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک

کیا جانے والا ہے۔ وہ رونے لگے۔ تھیوساگ نے ان

کے سروں پر انگلی سے ٹکاتے مارے اور چمڑے کی تھیلی میں

بند کر دیا۔ پھر یہ سارے دوست یعنی عزیز ناگ، ماریا اور

تھیوساگ جوہلی کے تہہ خانے کی سیڑھیاں اتر کر سرنگ

میں آ گئے۔ یہاں سے زمین کے نیچے ہی نیچے چلنا شروع

کر دیا۔ وہ پندرہ بیس منٹ تک چلتے رہے پھر اہرام کے

اندر اس مقام پر آ گئے جہاں اندروں کے پگھلتے ہوئے لاوے

کی جھٹی میں خوفناک لاوے کی آگ روشن تھی۔ تھیوساگ

نے تھیلے کا منہ کھول کر دونوں ڈاکوؤں اور گولاش کو اپنی

انگلیوں میں دبویں کر کہا

”تم مدعویم بچوں کے ساتھ جو سلوک کرتے رہے ہو

وہی سلوک اب تمہارے ساتھ کیا جا رہا ہے جاؤ اپنے

گناہوں کی سزا بھگتو۔“

یہ کہہ کر ماریا کے اشارے پر تھیوساگ نے عزیز اور

ناگ کے سامنے دونوں تھوٹے چوہے ایسے ڈاکوؤں اور

ظالم گولاش کو کھولتے ہوئے لاوے کی جھٹی میں پھینک

دیا۔ سوں کی ہلکی سی آواز اٹھی۔ جیسے کسی نے گرم لوہے

پر پانی کی پھینٹ ڈال دی ہو۔ اور پھر تینوں انسان دشمن

خونی انسان اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

عزیز نے کہا

اب یہاں سے نکل چلو۔ مجھے اس علمی تعویذ

سے خطرہ ہے کہ کہیں کسی جادو کے چکر میں نہ

پھنس جائیں۔

ماریا نے عزیز کے اس خیال کی تائید کی اور وہ سارے

دوست سرنگ میں واپس مڑ گئے۔ جوہلی میں آ کر وہ گولاش

کے ساتھ وائے کمرے میں بیٹھ کر آرام کرنے لگے اب وہ

اس بات پر غور کر رہے تھے کہ لوح کے مندر کے سب

سے بڑے بت کو کیسے تباہ کیا جائے۔ عزیز کو اس کا غر



معلوم تھا کہ اس کی بنیادوں کے ستون کو اگر ڈھکا دیا جائے  
تو ملوٹ کا اونچا لمبا بت اپنے آپ دھڑام سے نیچے آن  
گرے گا۔ تھیوسانگ ہنسنے لگا۔ عنبر نے ناراض ہو کر کہا  
اس میں ہنسنے کی کونسی بات ہے؟

تھیوسانگ بولا۔

مجھے اس لئے ہنسنی آرہی ہے کہ تم بھول گئے ہو  
کہ اس سلسلے میں میں تمہاری بہت مدد کر سکتا ہوں۔  
اب ماریا اور ناگ بھی ہنسنے لگے۔ ناگ بولا۔

تھیوسانگ ٹھیک کہتا ہے۔ عنبر۔ ذرا غور کرو۔ یہ  
اپنی انگلی کی کرامت سے اتنے بڑے ملوٹ دیوتا کو  
نکھڑا سا چوڑا بنا ڈالے گا۔

عنبر بولا۔

بات تو تم ٹھیک کہتے ہو مگر مجھے ڈر ہے کہ دیوتا  
ملوٹ میں زبردست ظلم ہے اور ہو سکتا ہے کہ  
وہ بھول نہ ہو سکے۔

تھیوسانگ کہنے لگا۔

یہ تو وہاں چل کر ہی پتہ چل سکے گا۔

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ دوسرے دن صبح صبح بھاریوں کے  
بھین پدل کر مندر میں جایا جائے اور تھیوسانگ کسی طرح

ملوٹ بت کے پاس جا کر اس کو اپنی انگلی سے چھو کر دیکھے  
کہ ملوٹ پر کسی ظلم کا اثر ہے کہ نہیں مانت کا باقی حصہ  
انہوں نے کیٹی کے متعلق گفتگو کرنے اور سوچ بچار کرتے  
گزار دیا۔

صبح صبح انہوں نے گولاش کی کلبز کی مدد سے بھاریوں کے  
بہاں منگوائے۔ عنبر نے لمبی دائی لگالی کیونکہ مندر میں اسے  
لوگ پہچانتے تھے اور ملوٹ کے مندر کی طرف روانہ ہو گئے  
صبح کا وقت تھا۔ مندر والے پہلے پہرہ بٹا دیا گیا تھا۔  
کیونکہ لوگ پوچھا کرتے پچلے آرہے تھے۔ عنبر جس جگہ بت  
بنا کر کھڑا کیا گیا تھا وہاں ایک پتھر لگا دیا گیا تھا جس پر  
ان کی زبان میں لکھا تھا۔

یہاں سے دیوتا کا دشمن فرار ہو گیا۔ دیوتا نے اسے  
پکڑ کر آگ میں ڈال دیا۔

عنبر اپنی نقلی مادھی پر تاختہ پہر کر ناگ اور تھیوسانگ  
سے کہنے لگا

ابھی میں اس دیوتا کی خبر لیتا ہوں جس نے مجھے

آگ میں ڈالا تھا۔

دیا ان کے سروں کے اوپر چلی جا رہی تھی کہنے لگی۔  
مندریب ابھی زیادہ لوگ نہیں آئے۔



عنبر بولا۔

اچھی بات ہے ہم لوگوں کے، ہجوم جمع ہونے سے پہلے ہی بت کو گرا دیں گے۔ تھیوسانگ! تم کو میں نے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ تم ویسے ہی کرنا۔  
تھیوسانگ بولا۔

نکر نہ کرو۔ ویسے ہی کروں گا۔

عنبر ناگ اور تھیوسانگ بیماری کے بھیس میں بھجن گاتے مندر میں داخل ہو گئے۔ وہاں کے بیماریوں نے یہ سمجھا کہ کسی دوسرے شہر سے بیماریوں کی ٹول دیوتا ملوخ کے درشن کرنے آئی ہے۔ کسی نے عنبر کو نہ پہچانا۔ اس کی اتنی لمبی لقلی داڑھی تھی۔ سوچی سمجھی ترکیب کے مطابق تھیوسانگ مندر میں داخل ہونے کے بعد عنبر ناگ سے الگ ہو کر بڑے بت کی جانب جا کر ایک ستون کے پاس بیٹھ گیا اور بھجن گاتے لگا۔

عنبر ناگ بھی ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے۔ سامنے مقوڑی دور ملوخ کا پہاڑ ایسا بت تھا جس کے پاؤں میں زبردست آگ جل رہی تھی۔ دیو داسیاں بھجن گارہی تھیں۔ بیماری آگ میں لگی اور مندر ڈال رہے تھے۔ لوگ پوجا کے لئے آنا شروع ہو گئے تھے۔ دالان میں شامیانہ لگایا جا رہا تھا۔ کیونکہ شام کو کسی انسان کی قربانی دی جا رہی تھی اور

یہ شامیانہ بادشاہ کے لئے لگایا جا رہا تھا۔

عنبر اور ناگ کی آنکھیں تھیوسانگ پر لگی تھیں جو ملوخ کے بت سے محفوظ رہے ہی خالص پر بیٹھا سر ہلا ہلا کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ کسی کا اس طرف خیال نہیں تھا۔ وہاں لوگ آ کر یوں ہی ستونوں کے پاس بیٹھ کر دیوتا کے بھجن گاتے اور پڑھتے ہی رہتے تھے۔

ماریا اس وقت عنبر ناگ کے پاس بیٹھی تھی۔ عنبر نے اسے کہا

ماریا! تھیوسانگ کو جا کر کہو کہ وہ کیا سوچ رہا ہے کس بات کا انتظار کر رہا ہے۔ اس سے بہتر موقع اسے پھر کبھی نہیں ملے گا۔ مگر اسے کہنا کہ طلسمی لہروں کا بھی خیال رکھو۔

ماریا نے عنبر کا یہ پیغام تھیوسانگ کو جا کر پہنچا دیا۔ اس نے کہا

میں اپنا کام شروع کرنے لگا ہوں

ماریا وہاں سے پرے ہٹ گئی۔ تھیوسانگ نے اتنی دیر میں یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ بت کے اندر کوئی طلسم نہیں تھا۔ اسے بت کی طلسمی لہروں کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ بھجن پڑھتا پڑھتا اٹھا اور ملوخ بت کے



بہت بڑے پاؤں کے انگوٹھے کے پاس آگیا جو کہ ایک بہت بڑے چوڑے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ تھیوساگ کے لئے یہ سمجھ آؤا کہ اس کی گھڑی مٹی سے یقین نہیں تھا کہ جب وہ بت کے انگوٹھے کو ایک خاص نیت اور ارادے کے ساتھ اپنی خاص انگلی لگائے گا تو وہ چھوٹا ہو جائے گا اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں بت کے طسم کا اثر ظاہر نہ ہو جائے اور الٹا تھیوساگ خود اس کے اثر میں نہ آجائے۔

کچھ دیر وہ اسی ادھیڑ بن میں رہا۔ عنبرناگ اور ماریا دور بیٹھے اس کو گھور رہے تھے۔ اچانک تھیوساگ کے دل کا عزم اور ارادہ بیدار ہو گیا۔ اس نے سر کو جھٹک کر کہا کہ یہ پتھر کا بت اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ یہ تو اپنے منہ پر بیٹھی مکھی بھی خود نہیں اڑا سکتا۔ اب تھیوساگ نے غصے جھری نظروں سے ملوٹے کے بت کو گردن اٹھا کر دیکھا اور دل میں کہا

اے احمق جھوٹے بت! چھوٹا سا چوڑا بنا کر میرے قدموں میں گرنے کے لئے تیار ہو جا۔ تو نے نہ بھالے کتنے بے گناہ انسانوں کو اپنی زبان سے آگ میں لڑھکایا ہے۔ اب تو خود آگ میں ہو گا۔ یہ کہہ کر تھیوساگ نے ایک دفعہ کی بجائے دو بار پہاڑ

ایسے بت کے انگوٹھے پر انگلی لگائی۔ ایک دھماکے کی آواز پیدا ہوئی اور ملوٹے کا بت اپنی جگہ سے غائب تھا۔ لوگ ششدر اور حیران ہو کر ایک طرف کو دوڑے۔ بت غائب نہیں ہوا تھا بلکہ چھوٹی سی پلاٹک کی چوبیہ جتنا بن کر تھیوساگ کے پاؤں میں پڑا تھا۔ تھیوساگ نے جلدی سے ملوٹے کے چوڑے جھٹے بت کو اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور دوسرے ہتھکڑیوں کی طرح شور مچانا بھول گیا۔

دیتا ملوٹے غائب ہو گیا۔ دیتا ملوٹے غائب ہو گیا لوگو! عنبرناگ اور ماریا یہ دیکھ کر چلنے لگے تھیوساگ شور مچاتا ان کے پاس آیا اور بولا۔  
مہائیو! میرے ہتھکڑی ملوٹے کا بت غائب ہو گیا۔  
عنبر نے دائی پر ہاتھ چھیر کر کہا  
کہاں غائب ہو گیا وہ کم بخت کا بچہ؟  
تھیوساگ نے ایک آنکھ بند کر کے اپنی جیب کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

وہ بد بخت میری جیب میں ہے  
ماریا اور ناگ چلنے لگے تھیوساگ نے کہا  
یہاں مت ہنسو خدا کے لئے یہاں سے باہر کی  
طرف دوڑو۔



لاریا نے کہا

دیکھنا کہیں تمہاری جیب میں پڑے پڑے ملوٹ کا بت بڑا نہ ہو جائے نہیں تو تم اس کی انگلی کے ساتھ لٹکتے نظر آؤ گے۔

مقیوسانگ نہیں کر بولا۔

اب تو اس کا باپ بھی آ جائے تو اسے بڑا

نہیں کر سکتا لاریا بی بی۔

عزیزانگ مقیوسانگ بہاریوں کے بھیس میں دوسرے

لوگوں کے ساتھ دیوتا غائب ہو گیا کا شور مچاتے دوڑتے بھاگتے مندر سے باہر آ گئے ہر طرف ایک شور مچ گیا تھا۔ جس کو دیکھو مندر سے نکل کر شور مچاتا شہر کی طرف بھاگ رہا تھا۔ عزیزانگ

اور مقیوسانگ بھی ان کے ساتھ مل کر شہر کی طرف تیز تیز چلتے

لگے۔ ملوٹ بت جھوٹا سا چوہا بن کر مقیوسانگ کی جیب

میں پڑا تھا۔ عزیز نے چلتے چلتے اس سے پوچھا

کہیں اسے طلسمی شعا عیس تو محسوس نہیں ہو رہی ہیں؟

مقیوسانگ بولا۔

ارے نہیں عزیز بھائی یہ پتھر مجھ پر کیا طلسم کرے گا

یوں ہی تیز تیز چلتے عزیزانگ مقیوسانگ اور لاریا گولاش

کی حویلی میں آ گئے یہاں کینز نے ان کے لئے ناشتہ بنیاد کر

رکھا تھا۔ انہوں نے آتے ہی اپنا پساریوں والا حلیہ تبدیل کیا۔ مقیوسانگ نے ملوٹ کے بت کو جیب سے نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھا اور بولا۔

اس چھوٹے سے پتھر نے نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو آگ میں جھونکا ہے۔





## گہرا سناٹا - رونے کی آواز

ناگ نے ماریا سے پوچھا  
ماریا اس پتھر دل بت کے ساتھ کیا سلوک  
کیا جانا چاہیے؟

ماریا نے عقیدہ سا نگ اور عنبر سے پوچھا تو انہوں  
نے کہا کہ اس بت کو اہرام کے کھولتے ہوئے زمرودیں کے  
لاوے میں چھینک دینا چاہیے تاکہ وہاں سے یہ پتھر  
کبھی باہر نہ نکل سکے۔ یہ کام ماریا کے سپرد کیا گیا۔  
ماریا نے لوح کے چوڑے جتنے بت کو ہتھیلی میں اٹھا  
لیا جو فوراً ہی غائب ہو گیا۔ پھر وہ اسے لے کر زمین کے  
اندر ہی اندر سے اہرام کی کھولتی ہوئی جھٹی کے پاس  
پہنچ گئی۔ اس نے لوح کے بت کو کھولتی ہوئی جھٹی میں ڈال  
دیا۔ وہ واپس مڑی تو دیوار کے ساتھ لٹکتا ہوا تعویذ  
ہلنے لگا۔  
ماریا نے کوئی خیال نہ کیا پھر زمین ہلنے لگی زلزلے کے

جھٹکے گئے گئے۔ ماریا نے اپنے آپ کو فضا میں بلند کر لیا۔  
سنگ کی دیواریں آپس میں ٹکرائے گئیں۔ اس کے پیچھے  
آگ کی جھٹی میں اہرام کی چھت و حرام سے گر پڑی۔ ماریا  
نے اپنے آپ کو سنگ کی چھت میں سے باہر نکال لیا۔ وہ  
صحرا کی کھلی ہوا میں نکل آئی۔ اس نے دیکھا کہ دور پرانا آسپین  
کھنڈر آگ کے شعلے بن کر جھڑک رہا تھا۔ پھر اس کے دیکھتے  
ہی دیکھتے اہرام راکھ کا ڈھیر بن کر زمین کے ساتھ لگ گیا۔  
زلزلہ زمین کے اندر آیا تھا باہر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا ماریا  
فضا میں پرواز کرتی ہوئی عنبر ناگ اور عقیدہ سا نگ کے پاس  
پہنچی اور سارا واقعہ سنا۔ وہ لوگ بھی حویلی کی چھت پر  
چڑھ کر دیکھنے گئے۔ دور جہاں صحرا میں پہلے اہرام نظر آتا  
تھا اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔  
عنبر بولا۔

چلو اچھا ہوا یہ گناہ اور ظلم کی نشانی ختم ہو گئی۔

ناگ نے کہا  
اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہیے۔

عقیدہ سا نگ بولا۔

سب سے پہلے تو یہ طے کرنا ہو گا کہ کیٹی کی  
تلاش میں ہمیں کس طرف چلنا چاہیے۔



ماریا کہنے لگی۔

اہرام کے نیک دل راہب سے ملنے ہم یہاں آئے  
خفے وہ تو ملا نہیں۔ اب ناگ سے پوچھو کہ اس کا  
کیا خیال ہے؟

ناگ کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیٹی کا  
سراخ کیسے لگایا جاسکتا ہے اسے نیک دل راہب سے  
بہت امید تھی۔ لیکن وہ تو اس جگہ پر موجود ہی نہیں  
تھا۔ فرعون سانپ سے ناگ بہت دور آچکا تھا۔ اس  
کا یہاں آنا ناممکن لگتا تھا اس کے باوجود کیٹی چونکہ سانپ  
کے منکے کا پانی پی کر غائب ہوئی تھی اس لئے اس معنی  
پر کوئی سانپ ہی روشنی ڈال سکتا تھا۔ ناگ نے ماریا  
مقبیہ ساگ اور عنبر سے کہا

دوستو! میں چاہتا ہوں کہ اس علاقے کے کسی اعلیٰ  
خاندان کے سانپ سے مشورہ لیا جائے۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

اعلیٰ خاندان کا سانپ تو مجھے اس علاقے میں

کہیں نظر نہیں آتا۔

ناگ نے کہا۔

وہ زمین میں پھپھے ہوتے ہیں عام طور پر اعلیٰ نسل

کے سانپ دوسرے سانپوں کے ساتھ مل جل کر نہیں  
رہتے ہیں۔  
ماریا کہنے لگی۔

تو پھر تم کسی اعلیٰ نسل کے سانپ کو بلاؤ اور اس  
سے کیٹی کے بارے میں دریافت کرو۔  
مقبیہ ساگ نے کہا

ہاں ہو سکتا ہے وہ ہماری رہنمائی کر سکے۔  
ناگ نے آنکھیں بند کر کے سانس کو ایک سیکنڈ کے  
لئے روکا پھر سانپ کی زبان میں کسی اعلیٰ نسل کے سانپ  
کو آواز دی۔ یہ لوگ حویلی کے باغیچے میں چھوڑے گئے  
پہچھے گھاس پر قالین ڈال کر بیٹھے تھے۔ پہلے تو کوئی  
سانپ نہ آیا۔ جب ناگ نے دوسری بار آواز دی تو ایک  
جانب سے سیٹی کی آواز آئی۔ ناگ بولا۔

یہ سیٹی والا سانپ ہے اور کسی اعلیٰ قبیلے  
سے تعلق رکھتا ہے۔

ماریا مقبیہ ساگ اور عنبر ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے  
تھے وہ اس طرف دیکھ رہے تھے جدھر سے سانپ کی سیٹی  
کی آواز سنائی دی تھی اتنے میں ایک سبز رنگ کا سانپ  
ریختہ ہوا درختوں میں سے نکل کر ان کی طرف بڑھا۔ ناگ



کی آنکھیں سانپ پر جم گئیں۔ اس سانپ کے بدن پر  
سرخ رنگ کی کوڑیوں کے نشان بنے ہوئے تھے۔ سانپ  
نے آتے ہی ناگ کے آگے تعظیم کی اور پھر ادب سے  
پہن تھکا دیا اور کہا  
عظیم ناگ دیوتا! میں آپ کی خدمت کے  
لئے حاضر ہوں۔

ناگ نے اسے بتایا کہ کس طرح فرعون سانپ نے اسے  
ایک منکا دیا تھا جس کو کیٹی نے غلطی سے پانی میں ڈال  
کر پلا لیا اور تبت سے وہ غائب ہے اور فرعون سانپ کے  
کہنے کے مطابق وہ مردہ فرعونوں کی بستی میں پہنچ گئی ہے۔  
میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مردہ فرعونوں  
کی بستی کہاں ہے اور ہم وہاں کیسے پہنچ سکتے ہیں؟  
سبز سانپ نے ادب سے کہا

عظیم ناگ دیوتا! یہاں سے بہت دور پیاس دانوں  
کے سفر کے بعد سیاہ پتیلی پہاڑیوں کے درمیان ایک  
بجر وادی آتی ہے اس وادی میں آپ کو ٹوٹے پھوٹے  
محلے اور اور بارہ دریوں کے کھنڈر دکھائی دیں گے بس  
یہی مردہ فرعونوں کی بستی ہے گمہ آج تک ادھر کوئی  
زنده انسان نہیں گیا۔ جو گیا پھر واپس نہیں آسکا۔ یہی وجہ

ہے مردہ فرعونوں کی بستی کے ارد گرد سینکڑوں کوس تک  
کسی انسانی آبادی کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ لوگوں میں یہ  
بات بھی مشہور ہے کہ اس وادی کے گرد جو سیاہ پتیلی  
پہاڑ ہیں ان میں سے مقناطیسی شعاعیں نکلتی ہیں  
جو کوئی قریب جاتا ہے پہاڑ اسے اپنی طرف کھینچ کر  
اپنے ساتھ جٹا لیتے ہیں پھر اسے بھی پتھر بنا دیتے ہیں۔  
ناگ یہ سب کچھ خاموشی اور غور سے سنتا رہا۔ عظیم ناگ ابرا  
اور عنبر بھی یہ سن رہے تھے۔ ناگ نے کہا

مگر ہمیں وہاں ضرور جانا ہے کیونکہ ہماری ایک  
بہن وہاں پھنس ہوئی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ ہم وہاں کیسے  
جاسکتے ہیں!

سانپ ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر بولا۔

عظیم ناگ دیوتا! آپ کے دوستوں میں ایک دوست

عنبر بھی ہے۔

ہاں، ناگ نے کہا

عنبر کے کان کھڑے ہو گئے کہ اس سانپ نے اس کا نام  
خاص طور پر کیوں دیا ہے۔

سانپ بولا۔

عظیم ناگ دیوتا! عنبر مردہ فرعونوں کی بستی میں



جاسکتا ہے۔

وہ کیسے؟ ناگ نے پوچھا

سانپ نے کہا۔

وہ ایسے کہ عنبر کا تعلق پرانے فرعونوں کے

شاہی خاندان سے ہے۔

ناگ بولا۔

مگر وہ مردہ فرعونوں کی بستی میں کیسے چلا جائے گا۔

سانپ کہنے لگا۔

عظیم ناگ دیوتا! ملک مصر میں اہرام • لہر کے پاس

مردہ فرعونوں کا شاہی قبرستان ہے جیسا کہ نبر کو معلوم

ہو گا۔ اس قبرستان میں فرعونوں کے شاہی خاندان کے

لوگ بھی دفن ہیں۔ ہر مہینے کے سب سے زیادہ تاریک

رات میں فرعونوں کے قبرستان میں مردہ بقی کی جانب سے

پراسرار سیاہ پوش گورکنوں کی ایک ٹولی آتی ہے۔ یہ سیاہ پوش

گورکن فرعونوں کے قبرستان میں تازہ بنی ہوئی قبر کو دیکھتے

ہیں اگر اس کے تابوت کی لاش کا تعلق فرعونوں کے

خاندان سے ہو تو وہ اس تابوت کو اٹھا کر مردہ فرعونوں

کی بقی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اگر عنبر مردہ لاش بن کر

تابوت میں بیٹھ جائے اور آپ لوگ اسے قبر میں

دفن کر دیں تو وہ مردہ فرعونوں کی بستی میں پہنچ جائے گا۔

عنبر سانپ کی ذہانت پر عیش عیش کر اٹھا۔ ناگ بولا۔

لیکن ہم بھی اس کے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔

سانپ نے کہا

ماریا غائب رہتی ہے۔ آپ چھوٹے سے چھوٹا

سانپ بن کر تابوت میں چھپ سکتے ہیں اور یوں

آپ بھی تابوت کے ساتھ ہی مردہ فرعونوں کی بستی میں

چلے جائیں گے۔

ناگ بولا۔

لیکن ہمارا ایک ساتھی مقبوساگ کیسے جائے گا؟

سانپ نے کہا

عظیم ناگ دیوتا! اس بارے میں آپ کوئی دوسری

ترکیب سوچ لیجئے۔

ناگ سمجھ گیا کہ سانپ نے جو بتانا تھا بتا دیا ہے۔ اس نے

سانپ کو رخصت کر دیا۔ جب سانپ چلا گیا تو ماریا بولی۔

اس نے تو بڑی عمدہ ترکیب بتائی ہے۔ ویسے اس

میں خطرہ جلی ہے۔ کچھ پتہ نہیں کہ مردہ فرعونوں کی بستی

میں حالات کیسے ہیں اور وہاں کس قسم کا آسیدب اور

ظلم چھایا ہوا ہے۔



عنبہ کہنے لگا۔

یہ خطرہ تو ہمیں کیٹی کے لئے قبول کرنا ہی پڑے  
تھا ویسے میں تابوت میں لاش بن کر بیٹھنے کو تیار ہوں۔

ناگ بولا

معاملہ قیدیوں کا ہوا رہ جاتا ہے۔

غیبوساگ سگراتے ہوئے کہنے لگا

یہ تو کوئی مشکل بات نہیں ہے میں اپنے آپ کو

اتنا پھونکا کر لوں گا کہ مجھے ماریا بڑی آسانی سے اپنی منہ

میں لے کر غائب کرے گی۔ بس پھر میں بھی ماریا کے ساتھ

ہی غائب ہو کر عنبہ کے تباہات کے ساتھ مردہ فرعونوں

کی بستی میں پہنچ جاؤں گا۔

ناگ اور عنبہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے ناگ ہنس کر بولا۔

اے غیبوساگ! اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا

تھا۔ بس اب ہمیں ملک مصر کے اہرام کی جانب چلنے

کی تیاری کرنی چاہیے۔

اسی روز عنبہ نے بازار جا کر دو گھوڑے خرید لئے اور ان پر

ضروری سامان باندھ دیا۔ وہ دوسرے روز صبح صبح گواش

کی حربہ سے کوہِ کمرے والے تھے۔ رات کو عنبہ ناگ ماریا

اور غیبوساگ حربہ کی پہلی منزل واسے کمرے میں بیٹھے اپنے

مصر کے بارے میں ضروری باتیں کہہ رہے تھے کہ کنیز گھبراہٹ  
ہوئی آئی اور بولی۔

ناگ! نیچے تہہ خانے سے کسی بچے کے رونے

کی آواز آرہی ہے۔

سب حیران ہو کر کنیز کا منہ دیکھنے لگے۔

کون ہے یہ بچہ؟ کہاں سے آیا ہے یہ؟ تم نے

نیچے جا کر دیکھا۔

عنبہ نے کنیز سے سوال کیا۔ کنیز بولی۔

ناگ! میں ڈر کے مارے نیچے نہیں گئی۔

عنبہ نے ماریا سے کہا کہ وہ نیچے جا کر معلوم کرے کہ

یہ کیا معتمہ ہے۔ ماریا اسی وقت نیچے تہہ خانے میں اتر گئی۔

تہہ خانے میں اندھیرا تھا۔ دیوار کے ساتھ پانچوں زمرہ کے

بچوں کے بت لگے تھے۔ ماریا کو کوئی آواز سنائی نہ دی۔ وہ

واپس آنے ہی لگی تھی اچانک اسے کسی بچے کے رونے

کی آواز آئی۔ ماریا وہیں رک گئی۔ یہ آواز چار پانچ سال

کے بچے کی تھی۔ بچہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا مگر رونے کی

آواز مسلسل آرہی تھی۔ یہ ایسی دردناک آواز تھی جیسے کوئی

بچہ کسی گہرے کنوئیں میں چھنسا ہوا کے لئے پکار رہا ہے۔

اچانک ماریا چونکی اسے یوں لگا جیسے یہ آواز ایک بچے



کے زمرہ والے بت کے اندر سے آرہی ہے۔ ماریا تیزی سے بچے کے بت کے پاس گئی اور کان لگا کر سنا۔ آواز بچہ بچ بت کے اندر سے آرہی تھی۔

مجھے باہر نکالو۔ مجھے باہر نکالو۔

ماریا دھلک ہو کر رہ گئی۔ یہ بت تو مردہ ہے۔ یہ کیسے بول رہا ہے۔ ماریا نے آواز دی۔

تم کہاں ہو؟

بچے کی روتی ہوئی آواز آئی۔

میں اس بت کے اندر ہوں۔ میں ابھی زندہ ہوں میرے ساتھی بچے بے ہوش ہو چکے ہیں۔ ہمیں باہر نکالو۔ مجھے باہر نکالو۔

ماریا تیزی سے عنبر ناگ تھیوساگ کے پاس آئی اور انہیں صورت حال سے باخبر کیا کہ اندر تو عجیب و غریب بات ہو رہی ہے۔ وہ سب تہہ خانے میں آگئے بچے کی رونے اور مدد کے لئے پکارنے کی آواز مسلسل آرہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

ہم تمہیں اس کے اندر سے کیسے نکال سکتے ہیں؟

تم سب کے سب بچے تو بت بن چکے ہو۔

بچے نے کمزور اور درد بھری آواز میں کہا۔

ہمیں جکڑ دیا گیا ہے۔ ہمیں باہر نکالو۔

ماریا نے کہا

اسے کچھ معلوم نہیں ہے میرا خیال ہے ہمیں کینیز سے مشورہ کرنا چاہیے۔ وہ سنگدل گولاش کے ساتھ رہتی تھی۔ اسے کوئی نہ کوئی ترکیب ضرور معلوم ہوگی۔

عنبر ناگ اور تھیوساگ کو یہ تجویز پسند آئی۔ وہ فوراً اپنے کمرے میں آگئے۔ اس وقت کینیز اپنی خواب گاہ میں سو رہی تھی۔ ماریا نے خود جا کر اسے جگایا اور ساری بات بیان کی اور پھر پوچھا کہ کیا ان زمرہ کے بچوں کے جسموں کو کسی طرح سے دوبارہ زندہ کیا جاسکتا ہے؟ کینیز آنکھیں ملنے ہوئے بولی۔ یہ تو ناممکن بات ہے ماریا بہن۔

ماریا نے کہا

اگر بت کے اندر ایک بچہ بھی زندہ ہے تو اسے باہر نکالا جاسکتا ہے میرے ساتھ آؤ۔

ماریا کینیز کو ساتھ لے کر عنبر ناگ تھیوساگ کے پاس آگئی۔ عنبر نے کینیز سے کہا۔

تم غور کر کے بتاؤ کہ تمہارے ظالم آقا گولاش نے کبھی کسی سے یہ ذکر بھی کیا تھا کہ یہ بچوں کے بت دوبارہ بھی زندہ ہو سکتے ہیں؟ یا اسے کسی دوسرے ملک سے کبھی



اس قسم کی خیر آئی ہو کہ جن بچوں کے زمرہ میں بت  
اس نے فروخت کئے ہیں وہ کبھی کبھی بولنے لگتے ہیں۔  
کنیز نے عذر کرنے کے بعد کہا

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ باہر کے ملک سے  
کبھی کسی نے واپس آکر یہ نہیں بتایا کہ بچوں کے بتوں  
میں سے آواز آتی ہے لیکن مجھے خواب کی طرح یاد ہے  
کہ ایک بار گولاش نے اپنے ایک غیر ملکی ساتھی سے  
اس بارے میں بات کی تھی۔

غیر اور ماریا کے کان کھڑے ہو گئے۔ تھیو سانگ بھی آگے  
کو جھک گیا۔ ناگ نے کہا۔

اچھی بہن! ذہن پر زور دے کر یاد کرو۔ یہ پانچ مضمون  
بچوں کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے  
کنیز خاموش ہو گئی۔ وہ ماتھے پر انگلی پھیر کر جیسے گہرے غور و فکر  
میں ڈوب چکی تھی۔ غیر ناگ ماریا اور تھیو سانگ اس کے چہرے  
کی طرف دیکھ رہے تھے اور چپ تھے۔ پھر کنیز نے  
چہرہ اٹھا کر کہا

مجھے یاد آگیا۔ ایک بار آٹ گولاش کے پاس ملک  
روم سے ایک برودہ فروش آیا تھا۔ اس سے باتیں کرتے  
ہوئے گولاش نے کہا تھا کہ میں جن بچوں کے بت تیار کرتا

ہوں وہ زمرہ ضرور ہوتے ہیں مگر زندہ بچوں کے مجھے  
ہوتے ہیں۔ وہ عارضی طور پر مرے ہوتے ہیں اگر کوئی  
ایسا زہریلا سانپ ان بچوں کے بتوں کو ڈس دے جس  
کا زہر سب سانپوں سے زیادہ زہریلا ہو تو اس زہر کی  
گرمی سے بچوں کے بت دوبارہ زندہ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ  
کھولتے ہوئے زمرہ میں ڈکھنی لگانے کے بعد ان بچوں  
کے اعصاب اور خون کے ذرات مردہ نہیں ہوتے بلکہ  
ایک دم سے جم جاتے ہیں۔

غیر اور تھیو سانگ نے غرضی سے ناگ کی طرف دیکھا۔ غیر بولا۔  
ناگ! کیا دنیا کا سب سے زہریلا سانپ مل  
سکتا ہے؟  
ناگ مسکرا کر بولا۔

مجھ سے زیادہ زہریلا سانپ اس دنیا میں اور کہیں  
نہیں ہے۔ یہ کام میں خود کر سکتا ہوں۔  
ماریا جلدی سے بولی۔

تو پھر ابھی تہہ خانے میں چلتے ہیں۔

کنیز کے لئے یہ بڑی حیران کر دینے والی بات تھی کہ  
ناگ دنیا کا سب سے زیادہ زہریلا سانپ بھی تھا وہ  
یہ منظر دیکھنے کے لئے بے تاب تھی۔ ماریا کی سفارش پر



کنیز بھی ساتھ ہی تہہ خانے میں آگئی۔ پانچوں بچوں کے بت دیوار کے ساتھ لگے تھے اب بچے کے رونے کی آواز نہیں آرہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ روتے روتے تھک کر سو گیا ہے۔

ناگ نے کہا

تم لوگ ایک طرف ہٹ کر بیٹھ جاؤ۔

عنبہ ناگ اور تھیوسانگ بتوں کے سامنے چند گز کے فاصلے پر ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے کنیز نے وہاں شمع روشن کر کے رکھ دی۔ شمع کی روشنی میں زمرہ کے مجسمے شعلیں دینے اور چمکنے لگے۔ ناگ ان مجسموں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے سانس اندر کھینچا اور کنیز کی آنکھوں کے سامنے ایک سیاہ کوہرا سانپ بن گیا۔ کنیز کے حلق سے خوف کے مارے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس نے آج تک کبھی کسی انسان کو سانپ بٹھتے نہیں دیکھا تھا۔

عنبہ ماریا اور تھیوسانگ تعجب انگیز آنکھوں سے سیاہ سانپ یعنی ناگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ناگ نے اپنی زبان میں کہا۔

اس وقت میرے منہ کی قبلی میں اتنا زہر ہے کہ میں ایک ہزار ہاتھیوں کو دس کدھک کر سکتا ہوں۔

اب میں ان بچوں کو ڈسنے لگے ہوں۔

کنیز پھٹی پھٹی آنکھوں سے بچپن اٹھائے کالے سانپ کو دیکھ رہی تھی وہ ناگ کی نہ تو آواز سن سکی تھی اور نہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ سن سکی تھی کیونکہ ناگ کی زبان صرف عنبہ ماریا کیٹی اور تھیوسانگ ہی سمجھتے تھے۔ ناگ نے اپنا پھن اٹھا کر دو تین بار لہرایا۔ پھر ایک بچے کی پٹلی پر دس دیا۔ اس کے بعد باری باری باقی چار مجسموں کو بھی دس دیا۔ اس کے بعد ناگ انسانی شکل میں آگیا۔ کنیز چیخ مار کر خوف سے بھاگ گئی۔ وہ انسان کو سانپ اور سانپ کو انسان بننے دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئی تھی۔

ماریا تھیوسانگ اور عنبہ میں سے کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ ان سب کی نگاہیں بتوں کے زمرہ میں مجسموں پر لگی ہوئی تھیں۔ شمع کی روشنی میں مجسمے جھک رہے تھے۔ تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ مجسموں کے زمرہ کی تہہ ترخانے لگی۔ کلک کلک کی آواز کے ساتھ بتوں کے جسم پر سے زمرہ کی کرچیں بھڑ بھڑ کر نیچے گرنے لگیں۔ زہر کی گرمی سے زمرہ کا رنگ سیاہ پڑنے لگا تھا۔ عنبہ نے کہا

ناگ! تمہارا زہر کام کر رہا ہے۔

ناگ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ



کیا۔ اب بچوں کے پانچوں جسموں کا سارا زبرد جھڑ گیا تھا اور نیچے سے زندہ انسانی جسم نکل آئے تھے پھر ان جسموں میں حرکت پیدا ہوئی اور انہوں نے مسکا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر پانچوں کے پانچوں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ عنبر ناگ اور فقیو ساگ نے خوشی سے تالیاں بجاائیں۔ اسی وقت پانچوں بچوں کو اٹھا کر حویلی کی پہلی منزل والے کمرے میں پہنچا دیا گیا رات بھر ان بچوں کے جسموں پر نیم گرم تیل کی مالش کی گئی۔ انہیں گرم دودھ پلایا گیا۔ صبح تک وہ پوری طرح ہوش میں آ چکے تھے۔ اب ان بچوں کو ان کے ماں باپ تک پہنچانے کا مسئلہ تھا۔ بچے ہوشیار تھے انہیں اپنے اپنے شہروں اور ماں باپ کا نام معلوم تھا۔ کینز نے کہا کہ وہ ان بچوں کو ان کے ماں باپ کے گھروں تک پہنچا دے گی۔ ماریا نے کہا۔

یہ تمہاری ذمے داری ہے اسے تمہیں اچھی طرح بھانا ہوگا میں ایک ماہ بعد پھر ادھر آؤں گی اور ان بچوں کو ان کے گھروں میں جا کر دیکھوں گی۔ اگر یہ وہاں نہ ہوں تو تمہیں اکہر پکڑ لوں گی۔ بلکہ تم جہاں کہیں بھی ہوگی میں وہاں پہنچ جاؤں گی۔ کینز نے کہا۔

ماریا بہن! میں گولاش کے قلماند کھیل میں کبھی اس کے ساتھ نہیں تھی۔ مگر میں مجبور تھی۔ اب یہ بچے دوبارہ زندہ ہو گئے ہیں تو مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ تم بے فکر رہو۔ میں آج ہی ان بچوں کو لے کر ان کے ماں باپ کے گھروں کی طرف روانہ ہو جاؤں گی۔

عنبر نے اپنی خاص زبان میں ماریا سے کہا

ماریا! میں چاہتا ہوں کہ تم اس کینز کے ساتھ جاؤ۔ اور خود اپنی تنگدانی میں بچوں کو ان کے ماں باپ کے حوالے کرو۔ اس کے بعد تم ہوا میں تیز رفتاری سے سفر کرتی ہوئی ابراہم مصر کے شاہی قبرستان میں پہنچ سکتی ہو۔ ہم وہاں تمہارا انتظار کریں گے۔

ماریا تیار ہو گئی۔ اس نے کینز سے اس کی زبان میں کہا میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔

کینز بولی۔

مجھے خوشی ہوگی ماریا بہن!

چنانچہ اس روز ماریا اور کینز پانچوں بچوں کو ایک گھوڑے میں سوار کر دیا کہ ان کے گھروں کی طرف روانہ ہو گئی جبکہ عنبر ناگ اور فقیو ساگ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر ملک



مصر کی طرف چل پڑے۔

دو دن اور دو راتوں کے سفر کے بعد وہ ایک قافلے میں شامل ہو گئے۔ اس قافلے نے دو دن کے سفر کے بعد انہیں مصر کے شہر قیسیہ پہنچا دیا۔ عنبر کو اپنے قدیم وطن پہنچ کر بے حد خوشی ہوئی۔ اسے ہزاروں برس پہلے کے واقعات یاد آ گئے اپنے ماں باپ، بہن بھائی بیوی بچے یاد آ گئے۔ عنبر ادا اس ہر گئی ناگ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا

عنبر بھائی! میں تمہاری ادا اس کی وجہ جانتا ہوں مگر یہیں کہوں گا کہ حوصلے اور صبر سے کام لو۔ ہم ایک نامعلوم سفر پر روانہ ہیں۔ خدا جانے کب اور کن حالات میں ایک بار پھر اپنے اسی زمانے میں پہنچ جائیں جب تم اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کو چلتے پھرتے دیکھ لو۔ ہم حالات کے مناظر میں سے گزر رہے ہیں۔ ہم کسی بھی وقت اس زمانے میں پہنچ سکتے ہیں۔

عنبر نے ٹھنڈا سانس بھرا اور بولا

یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ لیکن آخر انسان ہوں اور وطن کی محبت انسان کی کمزوری ہوتی ہے۔

قیسیہ ساگ سکرا رہا تھا۔ کہنے لگا

عنبر بھائی! میری طرف دیکھو کہ اپنے خدائی وطن سے جدا ہو کر نہ جانے کب سے تمہارے ساتھ سفر کر رہا

ہوں۔ مجھے تو اپنا وطن کبھی یاد نہیں آیا۔ ناگ ہنس کر بولا۔

قیسیہ ساگ! تم خدائی مخلوق ہو۔ تم ان انسانی جذبات کو نہیں سمجھ سکتے۔

قیسیہ ساگ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔

بھائیو! اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم کسی کارواں سرائے میں جا کر ٹھہریں اور ماریا کا انتظار کریں۔

عنبر بولا۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔ جب تک ماریا نہیں آئے گی۔ ہم یہاں سے آگے کہیں نہیں جاسکتے۔ ناگ نے کہا

ابھی اس مہینے کی سب سے تاریک رات میں دس روز باقی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس سے بہت پہلے ماریا یہاں پہنچ جائے گی۔ قیسیہ ساگ نے کہا

امید تو یہی ہے۔ وہ تو کسی راکٹ کی رفتار کے ساتھ ہوا میں سفر کر سکتی ہے۔ اتنی تیز رفتاری سے تو میں خدائی مخلوق بھی سفر نہیں کر سکتا۔



تینوں ساتھی، تینوں دوست قدیم مصر کی ایک سرائے میں جا اترے۔ اس وقت مصر پر ایک یونانی فرعون کی حکومت تھی۔ پیارے دوستو۔ آپ کو تاریخ کی یہ بات یاد ہوگی کہ فرعون مصر کے آخری دنوں میں مصر پر یونانیوں نے حملہ کر کے اسے فتح کر لیا تھا اور پھر یونانی بادشاہ بھی فرعونوں کی طرح لباس پہن کر تخت پر بیٹھنے لگے تھے۔ وہ فرعونوں ہی کی طرح سب درباری رسمیں ادا کرتے تھے۔ ان کا تعلق فرعونوں کے اصلی خاندان سے نہیں تھا۔ یہ یونانی لوگ تھے۔ چنانچہ لوگ انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ ان یونانی فرعونوں کو تاریخ میں پٹلمی فرعونوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جب حنبہ تھیوسانگ اور ناگ مصر پہنچے تو وہاں ایک یونانی فرعون یعنی پٹلمی حکومت کرتا تھا۔ رعایا اس یونانی فرعون کو پسند نہیں کرتی تھی کیونکہ یہ اصلی اور خاندانی فرعون نہیں تھا مگر رعایا بے بس تھی۔ جو قوم شکست کھا جاتی ہے وہ مجبور ہو جاتی ہے۔ حنبہ نے اس رات اصل فرعونوں کے خاندانی شاہی قبرستان کی زیارت کی اور اپنے ماں باپ کی قبروں پر پھول چڑھائے اور ان کی روحوں کی مغفرت کے لئے دعا مانگی۔ پھر رہی بیوی اور بچوں کی قبروں پر بھی جا کر پھول چڑھائے اور ان کی مغفرت کے

لئے دعا کی۔ وہاں حنبہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اسی لئے اکیدا وہاں گیا تھا۔

صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس تھیوسانگ اور ناگ کے پاس آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ماریا بھی وہاں پہنچ گئی۔ ماریا جب قدیم مصر کے شہر تھیوسانگ کی حدود میں داخل ہوئی تو سب سے پہلے حنبہ کو اس کی خوشبو آئی۔ پھر ناگ اور تھیوسانگ نے بھی ماریا کی خوشبو محسوس کی۔ جب یہ خوشبو بہت تیز ہو گئی تو وہ سمجھ گئے کہ ماریا ان کے پاس پہنچ چکی ہے۔ ماریا بھی ان کی خوشبو لیتی اس کارواں سرائے تک آئی تھی۔ ماریا نے کہا

تمہیں مبارک ہو میرے بھائیو! میں نے پانچوں کے پانچوں معصوم بچوں کو ان کے ماں باپ کے پاس پہنچا دیا ہے۔

حنبہ ناگ اور تھیوسانگ بے حد خوش ہوئے ناگ بولا۔  
ان کے ماں باپ تو اپنے بچوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے ہوں گے۔  
ماریا نے کہا۔

کیوں نہیں۔ ان کی خوشیوں کا تو ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔



عنبر نے پوچھا

کیا بچوں کو معلوم تھا کہ وہ زمر کے بت بنا دیئے گئے تھے؟

ماریا کہنے لگی

حیرانی کی بات ہے کہ وہ بالکل بھول گئے تھے انہیں احساس تک نہیں تھا کہ انہیں ظالم گولاش نے زمر کے بت بنا دیا ہوا تھا۔ وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ انہیں اغا کو کے گولاش کی حویلی میں بند کر دیا گیا تھا اور جب میں نے ایک بچے سے پوچھا کہ وہ یہ کیوں کہہ رہا تھا کہ مجھے باہر نکالو تو وہ بولا کہ میں ایک اندھیرے کنوئیں میں بند تھا۔

تھیوسانگ نے اکلستان کا سانس لے کر کہا

چلو یہ بھی اچھا ہوا

ماریا نے ان سے پوچھا کہ اب وہ لوگ مردہ فرطوں کی بستی کی طرف کب روانہ ہو رہے ہیں۔

عنبر نے کہا

ابھی اس مہینے کی "مہیری رات" کے آنے میں دس گیارہ دن باقی ہیں۔ یہ وقت ہمیں اسی سرائے میں بسر کرنا ہوگا۔

ماریا مسکراتے ہوئے بولی۔

چلو اتنے دن تمہارے قدیم وطن کی سیر کریں گے۔

عنبر خاموش ہو گیا۔ وہ اپنے پرانے وطن کی گلیوں میں آکر اداس ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس دوران شہر کے گلی کوچوں کا نقشہ بدل چکا تھا مگر پھر بھی دریائے نیل اسی طرح بہہ رہا تھا اور شاہی قبرستان میں اس کے ماں باپ کی قبریں ویسی کی ویسی تھیں۔





## مقدس پراسرار ہار

عبرودن بھر شہر میں پھرتا رہتا تھا۔

چونکہ یہ عبر کا ڈل تھا اس لئے ماریا ناگ اور تھیوساگ

اسے کچھ نہیں کہتے تھے۔ عبر دریا ئے نیل کے کنارے دیر تک بیٹھا پانی کی روانی کو تکتا رہتا۔ اسے وہ دن یاد آتے جب اپنے باپ کے ساتھ اسی دریا میں کشتی چلایا کرتا تھا۔ یونانی فرعون پوٹمی کا محل وہی تھا۔ جس محل میں عبر کے زمانے میں مصری فرعون رہا کرتے تھے۔ عبر کا قدیم مصری زبان پر عبور حاصل تھا آخر وہ خود ہی تو مصری تھا اس نے محسوس کیا کہ شہر میں رہنے والے قدیم مصری جو پرانے فرعون کے سخت دغا دار تھے۔ اس یونانی فرعون پوٹمی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ خاندانی فرعون کو یونانیوں نے مار ڈالا تھا اور شاہی خاندان کے اکثر شہزادوں اور شہزادیوں کو قید میں ڈال دیا تھا۔ ان میں سے بہت سے شہزادے اور شہزادیاں قید کی تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے مر گئی تھیں۔ لاکھ دلی زبان میں ان شہزادوں شہزادیوں

کو یاد کر کے یونانیوں کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ شہر محل میں اور شہر میں یونانیوں کا قبضہ تھا۔ اگرچہ یونانی فرعون پوٹمی مصری فرعونوں کی طرح ان کے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتا تھا مگر لوگ اسے سخت ناپسند کرتے تھے اور اس وقت کا خواب دیکھ رہے تھے جب یونانی ڈاکو ان کی مقدس سرزمین سے نابود ہو جائیں گے اور فرعونوں کا خاندان ایک بار پھر تخت پر قبضہ کرے گا۔

عبر نے دیکھا تھا کہ شہر میں یونانیوں نے کاروباری دکانیں کھول رکھی تھیں اور ان کے سپاہی زرہ بکتر پہنے بڑے غرور سے گھومتے پھرتے تھے۔ فوج میں بھی مصری سپاہیوں کی تعداد کم کر کے دہائی سپاہی بھرتی کر لئے گئے تھے۔ جس فرعون کو شکست دے کر یونانیوں نے مصر کے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ یونانیوں نے اس کا اہرام بھی نہیں بننے دیا تھا۔ وہ یہ خاندانی فرعون کا ایک اہرام تھا جس میں اس کی مٹی تابوت میں رکھی ہوئی تھی۔ اس بد نصیب فرعون کی لاش کو تابوت میں بند کر کے ایک پرانے اہرام میں ہی رکھ دیا گیا تھا۔ رعایا کو اس بات کا بھی شدید غم اور رنج تھا کہ ان کا فرعون بادشاہ پرانے اہرام میں بے یار و مددگار پڑا ہے۔

عبر آج کے تاجر اور اس زمانے کے عقیدت مند کے بازوؤں



اور اسی کو چوں میں گھومتا پھرتا۔ تہوہ خانوں میں بیٹھتا۔ لوگوں سے باتیں کرتا۔ ان کی باتیں سنتا۔ اس نے کسی کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ کسی کو اس پر ذرا سا شک بھی نہیں پڑا تھا کہ یہ ہزاروں سال سے زندہ چلا آ رہا ہے۔

شکست خوردہ بے یار و مددگار فرعون کو یونانیوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ اس فرعون نے اپنی زندگی میں ہی اپنے لئے ایک اہرام بنانا شروع کر دیا تھا مگر وہ ابھی غیر مکمل ہی تھا کہ یونان نے مصر پر حملہ کر دیا۔ پھر فرعون کو شکست ہو گئی فرعون قتل ہو گیا اور یہ اہرام ادھورا ہی پڑا رہا۔

یہ اہرام یا ہرم تعمیر سے کافی دور صحرا میں اس جگہ سے تھوڑے فاصلے پر تھا جہاں پرانے اہرام بنے ہوئے تھے اور جہاں ایک اہرام میں شکست خوردہ مقتول فرعون کی لاش تابوت میں پڑی تھی۔ ایک روز عنبر اپنے ماں باپ کی قبروں پر دعا کرنے گیا تو واپسی پر اس کی نگاہ اس ادھورے اور غیر مکمل اہرام پر پڑی۔ یہ اہرام آدھا بھی تعمیر نہیں ہوا تھا۔ اس کی بنیادیں دیسے کی ویسے ہی کھود کر چھوڑ دی گئی تھیں۔ شام کا وقت تھا۔ سورج صحرا میں غروب ہونے والا تھا۔ عنبر اس نامکمل اہرام کو دیکھ رہا تھا جو ایک عبرت انگیز دیوانہ کنڈر دکھائی دے رہا تھا۔ ایک ڈھلانی راستہ اہرام

کے نیچے تہہ خانوں کی بے دیران اہرام کے اندر کون لوگ لکونی ہرتی ہے جتنا یہ اہرام زمین کے باہر کے پھٹنے لگا جیسے اس سے آدھا زمین کے نیچے تہہ خانوں، راہ داریوں اور تابوت خانوں میں بٹا ہوتا ہے۔ غیر مکمل اہرام کا یہ ڈھلانی راستہ بھی ایسے ہی تہہ خانوں کی طرف جاتا تھا۔ اس اہرام کے نیچے تہہ خانے سرنگیں، راہ داریاں تو تعمیر ہو گئی تھیں مگر ابھی فرعون کا بڑا تابوت خالی رہ کر تعمیر ہی تھا کہ جنگ شروع ہو گئی اور یہ کام وہیں رہ گیا۔

عنبر یونانی بلا سوچے سمجھے ڈھلانی راستے پر نیچے اترنے لگا۔ وہ ادھورے اہرام کے تہہ خانے دیکھتا چاہتا تھا۔ اس کے لئے یہ پیزیں کوئی نئی نہیں تھیں۔ وہ ان سے غوث بھی نہیں کھاتا تھا۔ اس کا بچپن ایسی ہی جگہوں میں کھیلتے ہوئے تھا۔ اہرام کی ڈھلانی زمین کے کافر نیچے تلک چل گئی تھیں۔ اہراموں کی ڈھلانی ایسی ہی ہوا کرتی تھیں۔ عنبران سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ دل میں اس فرعون کی بد قسمتی پر افسوس کر رہا تھا کہ جس کو اس اہرام میں موت کے بعد آرام کرنا نصیب نہ ہوا۔

اہرام کی ڈھلانی ایک سرنگ میں جا کر ختم ہو گئی۔ یہاں ایک گہرا کنواں تھا۔ عنبر کو خوب معلوم تھا کہ اس قسم کے کنوؤں میں



اور کئی کوڑیوں میں گھومتا پھرتا۔ قہوہ خانہ یہ اس لئے ہوتے تھے  
تس کرتا۔ ان کے نابلوت کا سونا جواہرات لوٹنے  
لی سرس سے اندر داخل ہوتو اس میں گر کر ہلاک ہو جائے  
مگر یہ کنواں خالی تھا۔ اس میں نیزے نہیں لگائے گئے تھے  
کنوئیں کے ساتھ ایک چھوٹا سا فنٹ پاتھ دیوار کے ساتھ لگ  
کر آگے جاتا تھا۔ غنبر اس پھوٹے سے فنٹ پاتھ پر آگے  
چلنے لگا۔ ڈھکان پڑنے لگی تھی اور سورج کی آخری روشنی  
ابھی باقی تھی اس لئے یہاں اندھیرا نہیں تھا۔ یہ فنٹ پاتھ  
آگے اندھیرے میں چلی گئی تھی۔

غنبر نے سوچا کہ اس جگہ سے واپس چلے جانا چاہیے  
آگے جا کر وہ کیا کرے گا سوائے ویران کو ٹھہریوں اور تاریک  
نہ خانوں کے وہاں کیا ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ واپس جانے ہی  
لگا تھا کہ اسے کچھ آدمیوں کی بھنبھاٹ سنائی دی۔ یہ بھنبھاٹ  
کی آواز جیسے دیوار کے پیچھے سے گزر کر آگے نکل گئی اور  
غائب ہو گئی۔ غنبر رک گیا۔ اس نے کان کھڑے کر کے عز سے  
سنا۔ دھیمی دھیمی آوازیں اب بھی آرہی تھیں۔ کسی ذلت  
لگتا کہ ایک آدمی بول رہا ہے۔ پھر دس بارہ آدمیوں کی بھنبھاٹ  
ایک دم سے بلند ہوتی اور غائب ہو جاتی۔ الفاظ بالکل  
سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔

غنبر کو تجسس ہوا کہ یہ ویران اہرام کے اندر کون لوگ  
ہو سکتے ہیں۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر آگے چلنے لگا جب  
کنوئیں کی فنٹ پاتھ سے گزر کر آگے سرنگ میں پہنچا تو  
یہاں آواز کی بھنبھاٹ تھوڑی سی اونچی ہو گئی۔ مگر  
الفاظ اب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ غنبر  
ٹھنڈی تاریک اور مرعوب سرنگ میں آگے چلتا گیا۔ وہ  
اہرام مصر کی بھول بھلیوں سے خوب واقف تھا اندھیری  
ٹھنڈی سرنگ ایک طرف کو مڑ گئی۔ یہاں اسے ایک  
آدمی کی بالکل صاف آواز سنائی دی۔ وہ قدیم مصری زبان  
میں کچھ شعر پڑھ رہا تھا۔

غنبر کا اندھیرے میں کسی پتھر سے پاؤں ٹکرا گیا۔ پتھر  
ایک ٹکڑے میں گرا تو اس کی آواز پیدا ہوئی۔ آدمی کی آواز  
فوراً رک گئی۔

غنبر بھی وہیں تاریک سرنگ میں ٹھہر گیا اور اندھیرے  
میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ پھر اچانک کسی نے  
پیچھے سے اس کو دبوچ لیا۔ غنبر ایک سیکنڈ میں اپنے آپ  
کو چھڑا سکتا تھا مگر وہ یہ دیکھ کر چاہتا تھا کہ یہ خفیہ پر اسرار  
لوگ کون ہیں اور یہاں ویران اہرام میں کیا کر رہے ہیں  
اس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ اپنا آپ ان کے حوالے کرے



عنبہ یونہی ایک عام آدمی کی طرح چلانے لگا۔

مجھے چھوڑ دو کون ہو تم۔ کون ہو تم؟

پچھلے سے دو آدمیوں نے آکر عنبہ کو اپنی طرف سے اپنی گرفت میں لے کر رستی سے اس کے بازو باندھ ڈالے اور آنکھوں پر رومال باندھ کر اسے مرگ میں سے گزارنے ایک ایسی کوشش میں لے آئے جو مقتول مصری فرعون کا ثابت خاند تھا مگر جہاں اس بد نصیب فرعون کو آرام کوٹا نصیب نہیں ہوا تھا۔ قبر کے لئے گڑھا کھدایا ہوا تھا اس گڑھے کے پاس ہی چبوترے پر ایک دیا جل رہا تھا اور سات آدمی زمین پر آنتی پالتی مارے بیٹھے تھے ایک اونچا لمبا جوان آدمی چبوترے پر کھڑا تھا۔

عنبہ کو اس کے سامنے لاکر اس کی آنکھوں کی پٹی کھول دی گئی۔ عنبہ نے چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا چبوترے والا اونچا لمبا جوان کڑاک کر بولا۔

تمہیں کس نے بھیجا ہے یہاں؟

عنبہ بولا۔

میں اپنے آپ یہاں آیا ہوں۔ میں تو اس زہر تعمیر اہرام کی سیر کر رہا تھا کہ تمہارے آدمیوں نے مجھے پیچھے سے دیوڑھی لپا۔

اونچے لمبے جوان نے عنبہ کے منہ پر ایک زوردار مٹکا مار دیا اور غرایا۔

خدار! تمہارا لہجہ بتا رہا ہے کہ تم مصری ہو مگر یونانی فرعون کے ساتھ مل گئے ہو ہم تمہیں تمہاری غداری کی سزا دیں گے۔

اب ساری بات عنبہ کی سمجھ میں آگئی۔ یہ لوگ یقیناً قہر مصری فرعونوں کے خاندان اور مادر وطن کے وفادار تھے اور یونانی فرعون کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کے سلسلے میں اس اہرام کے نیچے اپنی خفیہ میٹنگ کر رہے تھے۔ اس نے بظاہر گھبراہٹ کے ساتھ کہا۔

مجھے سزا دینے سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا میں بے گناہ ہوں۔

بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے غصے میں کہا۔  
کون! یہ خدار ہے یہ یونانی فرعون پولی کا جاسوس کہتا ہے اس کی گردن آڑا دی جائے۔

اس گروہ کے لیڈر کا نام کولون تھا۔ کولون نے عنبہ کی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور اپنے آدمیوں سے کہا۔



اس کی گردن اڑا دی جائے۔ لاد تلوار دو مجھے  
 ہیں اس غدار کی اپنے ہاتھوں گردن اڑا دوں گا۔  
 عنبر نے مصنوعی گھبراہٹ ظاہر کی اور کہا  
 میں غدار نہیں ہوں۔ میں غدار نہیں ہوں مجھے  
 جانے دو۔  
 مگر کولون بولا۔

ہم غداروں کو کبھی معاف نہیں کیا کرتے  
 اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے ساتھی سے تلوار لے کر  
 پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر وار کر دیا۔ سب کو  
 یقین تھا کہ عنبر کی گردن کٹ کر نیچے گر پڑے گی مگر ایسا  
 نہ ہوا۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ ہوا کہ عنبر کی گردن سے  
 تلوار نکلے ہی جھنصائی اور اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر زمین  
 پر جا گرا اور دوسرا آدھا ٹکڑا کولون کے ہاتھ میں  
 ہی رہ گیا۔

ان کے لئے یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی لیکن ایک  
 آدمی نے پیچ کر کہا  
 کولون! اس غدار نے گردن میں لوہے کی زرہ پہن  
 رکھی ہے۔  
 اس کے ساتھ ہی ایک آدمی نے کولون کی طرف دوسری

تلوار پھینکی۔ کولون نے ٹوٹی ہوئی تلوار پھینکی اور نئی تلوار  
 اچک لی اور دوسرا بھر پور وار عنبر کے سینے پر کیا اس  
 بار بھی تلوار عنبر کے سینے پر پڑتے ہی دو ٹکڑے ہو گئی  
 وہی آدمی پھر چلایا۔  
 اس نے سینے پر بھی لوہے کی جالی پہن رکھی ہے۔  
 اب عنبر کو بھی غصہ آ گیا۔ اس نے اپنی قمیض کو کھول کر  
 سینہ ننگا کر دیا اور بولا

اگر تم اندھے نہیں ہو تو میرا سینہ دیکھو۔ میری  
 گردن دیکھو۔ نہ میری گردن میں لوہے کی کوئی زرہ ہے  
 اور نہ سینے پر لوہے کی جالی ہے دیکھو۔ خود سے دیکھو  
 چراغ کی روشنی میں ایک ایک نے اٹھ کر عنبر کے  
 سینے اور گردن کو دیکھا۔ واقعی وہاں کوئی لوہے کی زرہ یا  
 جالی نہیں تھی۔ کولون اس کی طرف حیرت سے تیک رہا  
 تھا پھر بولا۔

تم۔ تم کون ہو؟ کیا تم جادوگر ہو؟  
 اب عنبر نے زمین پر بیٹھے ہوئے ایک بھاری بھر کم  
 آدمی کو گردن سے پکڑ کر زمین سے پانچ فٹ بلند اٹھالیا۔  
 اس نے موٹے آدمی کو یوں پکڑ رکھا تھا جیسے ہاتھ میں پانی  
 کا ٹوٹا پکڑ رکھا ہو۔ یہ زبردست طاقتور آدمی ہی کہنا تھا۔



عنبر نے اس آدمی کو بڑے آرام سے زمین پر رکھ دیا اور  
کولون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

کولون! اگر تم آدمی آدمی میں فرق محسوس نہیں کر  
سکتے۔ تو تمہیں ان لوگوں کا مہدار بننے کا کوئی حق  
نہیں ہے۔

کولون اپنے غصے کو دباتے ہوئے بولا۔

تم ضرور کوئی جادوگر ہو۔ یونانیوں کے پاس  
اس قسم کے طلسم ہوا کرتے ہیں۔ تمہیں یونانی فرعون  
کے ساتھیوں نے یہ طلسم سکھا کر ہماری جاسوسی کے  
لئے بھیجا ہے۔

عنبر نے بڑے سکون کے ساتھ کہا

سنو کولون نہ تو میں کوئی جادوگر ہوں اور نہ ہی  
مجھے کسی نے تمہاری جاسوسی کے لئے بھیجا ہے۔

کولون نے پوچھا۔

پھر تم کون ہو اور تم میں انہی طاقت کہاں سے  
آگئی کہ ستود نے بھی تمہارے جسم پر کوئی اثر نہیں کیا؟

عنبر چبوترے پر اس کے قریب بیٹھ گیا وہ خود بھی  
مصری تھا۔ یہ لوگ اس کے ہم وطن تھے۔ عنبر کے دل میں  
اپنے وطن کی محبت پہلے ہی سے بیدار ہو چکی تھی۔ وہ

اپنے ان ہم وطن دوستوں کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ اسے  
بھی یہ بات سخت ناپسند تھی کہ اس کے وطن پر باہر سے  
آکر یونانی قبضہ کر لیں اس نے پر سکون بھرے پہلے میں  
کولون سے کہا۔

کولون! میرا نام عنبر ہے۔ میں تمہارا ہم وطن مصری ہوں۔  
اور میرا تعلق فرعونوں کے خاندان سے ہے۔ تمہارے  
لئے میرا اتنا تعارف ہی کافی ہے۔ باقی میرے اندر  
غیر معمولی طاقت کہاں سے اور کیسے آگئی ہے؟ یہ  
بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔

کولون اور دوسرے مصری نوجوان ایک دوسرے کی نظروں  
دیکھنے لگے۔ کولون نے کہا

اگر تمہارا تعلق فرعون کے شاہی خاندان سے ہے  
تو پھر تم یوں مارے مارے کیوں پھر رہے ہو؟  
عنبر نے کہا

یہ بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

کولون نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا

یہ تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔ ورنہ ہمارا شک دور

نہیں ہو سکے گا۔

عنبر کو بھی اب غصہ آگیا اس نے کہا

میں تمہارا لوکر نہیں ہوں کہ تمہیں ہر بات بتانا اپنا  
فرمان سمجھوں۔ تم لوگ جو کچھ کر رہے ہو مجھے اس  
سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم سب جہنم میں جاؤ  
میں جا رہا ہوں۔

یہ کہہ کر عنبر کو ٹھٹھری سے باہر نکلنے لگا تو کولون نے اس  
کے کانڈھے پر ہاتھ رکھ کر کہا

عنبر! اگر تم مصر کے وفادار ہو تو تمہیں وطن کی  
عزت بیکار رہی ہے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ مادرِ وطن  
کو غیر ملکی ڈاکوؤں سے نجات دلائی جائے؟  
عنبر دک گیا۔ پھر ان کے قریب آکر بولا۔

یہ بڑا لمبا معاملہ ہے۔ میرے پاس اتنا وقت  
نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تم اتنی آسانی سے یونانیوں  
کو اپنے ملک سے نہیں نکال سکو گے۔

تمہیں کیسے معلوم ہے۔ کولون نے سوال کیا۔

عنبر کو ساری تاریخ کے گزردے ہوئے اور آنے والے  
تمام واقعات کا خبر تھی۔ کیونکہ وہ خود ان میں سے گزر  
چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یونانی مصر پر ابھی کچھ مدت  
تک حکومت کریں گے۔ اور انہیں اس مدت سے  
پہلے کوئی مصر سے نہیں نکال سکتا۔ یہ بات وہ کولون کو

بتا بھی دیتا تو وہ اعتبار نہ کرتا۔ عنبر نے یہ سب کچھ  
سوچ کر کہا

میرے دوست! تاریخ کے اشاروں کو تم لوگ  
نہیں سمجھتے۔ مگر میں سمجھتا ہوں۔ یونان ایک بہت بڑی  
طاقت ہے۔ اس سے فکر لینا تم مٹھی مہر آدیوں کا  
کام نہیں۔

کولون بولا۔

مصر کے محب وطن عوام ہمارے ساتھ ہوں گے۔

عنبر نے کہا

چاہے کچھ ہو۔ تاریخ کے فیصلے کو تم نہیں ٹال  
سکو گے۔ بہر حال میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

ایک نوجوان نے کہا

اس کا مطلب ہے کہ تم وطن کے غدار ہو۔

عنبر کو غصہ تو بہت آیا مگر وہ صبر کر کے خاموش رہا  
پھر بولا۔

میں غدار نہیں ہوں۔ میں وہ شخص ہوں جس نے  
تاریخ کو اپنی آنکھوں کے سامنے گزرتے اور تحریر ہوتے  
دیکھا ہے۔ ابھی مصر پر مقدونیہ کے نوجوان جرنیل سکندراعظم  
کا حملہ ہوگا۔ وہ تمہارے دریا سائے نیل کے کنارے اپنے



نام پر ایک شہر اسکندریہ آباد کرے گا۔ تمہارے مصری  
عوام سکندر اعظم کو دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا کریں گے۔  
ہاں تمہارے کاہن ایسا نہیں کریں گے۔  
کولون اور دوسرے انقلابی نوجوان عنبر کی باتوں کو  
حیرت سے سن رہے تھے۔ انہیں عنبر کی باتوں پر یقین نہیں  
آ رہا تھا۔ لیکن عنبر یہ بھی جانتا تھا کہ سکندر مقدونیہ میں پیدا ہو چکا ہے۔  
کولون ہنس پڑا اور بولا۔

عنبر! اب معلوم ہوا کہ تم دیوانوں کی طرح بھی  
باتیں کرنے لگتے ہو۔ ہم تمہیں اپنی مدد کرنے پر مجبور  
نہیں کر سکتے۔ کاش! تم ہمارے ساتھ ہوتے۔ پھر ہمارا  
کام بے حد آسان ہو جاتا۔  
عنبر نے کہا۔

کاش میں ایسا کر سکتا۔ لیکن میں تاریک کے ان  
واقعات کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا جو  
ابھی وقت کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں۔  
کولون نے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا  
تمہاری رہنمی۔ لیکن تم مجھے یا تو دیوانے لگتے  
ہو یا کوئی پر امرا جادوگر۔  
عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا

تم مجھے دیوانہ ہی سمجھو تو زیادہ اچھا ہے۔  
عنبر خدا حافظ کہہ کر جانے لگا تو کولون نے کہا  
کیا تم اپنے وطن کے لئے ایک چھوٹا سا کام  
نہیں کرو گے۔  
مجھے کام بتاؤ۔ اگر کر سکا تو ضرور کروں گا۔  
عنبر نے جواب دیا۔  
کولون بولا۔

یونانیوں نے ہمارے ملک پر فتح حاصل کرنے  
کے بعد ہمارے فرعون کو مار ڈالا تھا اور انہوں نے  
ہمارے فرعون کا مقدس بار بھی اپنے قبضے میں  
لیں کر لیا ہے جس پر دیوی اسیری کا نقش کندہ  
ہے۔ یہ بار یونانی فرعون نے اپنے عمل کی خواہگاہ  
میں سونے کے ڈبے میں رکھا ہوا ہے یہ ہم مصریوں  
کی قومی امانت ہے اور کسی حالت میں بھی دشمن  
کے پاس نہیں رہنی چاہیئے۔ کاہن اعظم ہمارے  
ساتھ ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اگر ہم اس مقدس بار  
کو کسی طرح حاصل کر لیں تو ہم اپنے وطن سے غیر ملکی  
یونانیوں کو بھگا سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم  
میں وہ مقدس بار واپس لا دو۔ یہ کام تم کر



سکتے ہو۔

عزیز نے سوچا کہ مقدس بار لا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان لوگوں کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور وہ مادر وطن کے کام بھی آسکے گا۔ اس نے کہا۔

میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ مقدس بار یونانی فرعون کی خواب گاہ سے نکال کر تمہارے حوالے کر دوں گا۔  
لوگوں اور اس کے انقلابی ساتھی بہت عوش ہوئے۔  
لوگوں نے کہا۔

یونانی فرعون کی خواب گاہ میں جرنیلز اس کے پبلنگ پر غوثبومیں چھڑکتی ہے اس کا نام مرلیہ ہے۔  
وہ ہمدی ساتھی ہے اس نے یہاں خواب گاہ کا پورا نقشہ بنا دیا ہے وہ نہیں خواب گاہ کے باہر ملے گی اور تمہاری مدد کرے گی

عزیز بولا۔

اگر مرلیہ خواب گاہ میں کام کرتی ہے تو وہ مقدس بار کیوں نہیں نکال لاتی؟

لوگوں بولا۔

مقدس بار جس ڈبے میں بند ہے اس پر شاہی مهر لگی ہے جس کو کوئی عام طاقت رکھنے والا انسان نہیں

توڑ سکتا۔ یہ فولاد کی مہر ہے۔ چونکہ تم میں غیر معمولی طاقت ہے اس لئے صرف تم ہی ڈبے کی مہر توڑ کر مقدس بار لا سکتے ہو۔

عزیز نے پوچھا۔

مرلیہ کنیز خواب گاہ میں کس مقام پر ملے گی؟  
کولون نے عزیز کو بتایا کہ مرلیہ کنیز شام کو خواب گاہ میں چلی جاتی ہے۔

اگر تم اس کے پاس کسی بھیس میں پہنچ جاؤ اور تین بار کولون کولون کا نام اس کے سامنے لو گے تو وہ سمجھ جائے گی کہ تمہیں ہم نے بھیجا ہے پھر وہ تمہیں اس ڈبے تک لے جائے گی جس میں مقدس بار بند ہے اس کے بعد تمہارا کام شروع ہو جائے گا۔

عزیز نے وعدہ کیا کہ وہ آج شام ہی شاہی محل میں جانے کی کوشش کرے گا۔  
کولون بولا۔

ہم ہر رات اس ویران اہرام کے تہہ خانے میں تنہا دیو کے لئے جمع ہوتے ہیں اگر تم بار نکالنے میں کامیاب ہو گئے تو یہاں ہمارے پاس بے آنا۔

عنبر یہ کہہ کر وہ کوشش کرے گا ویران اہرام کے  
تہہ خانے سے باہر نکل آبا اور واپس ناگ ماریا اور  
تھیوساگ کی طرف روانہ ہو گیا۔

تھیوساگ، ماریا اور ناگ سرائے میں موجود تھے۔ پہلے عنبر  
کو ٹیال آیا کہ وہ مصر کے باغی فوجوں کی غنیہ سرگرمیوں کے  
بارے میں انہیں بتا دے پھر اس نے سوچا کہ یہ اس کے  
اپنے وطن کا معاملہ ہے۔ ناگ تھیوساگ اور ماریا کو بتانا  
آتا ضروری نہیں ہے چنانچہ وہ خاموش رہا۔ ماریا نے  
پوچھا کہ وہ کہاں کہاں پھرتا رہا ہے۔ تھیوساگ بولا۔

بھئی یہ عنبر بھائی کا اپنا وطن ہے۔ وطن کی گلیاں  
انہیں بہت عزیز ہوتے ہیں۔

ناگ کہنے لگا۔

عنبر بھائی۔ ان دنوں تو ہمارے مصر پر یونانیوں نے  
قبضہ کر رکھا ہے۔ مصر کے پرانے فرعونوں کی بادشاہت  
ختم ہو گئی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔  
عنبر گہرا سانس جبر کر بولا۔

اس کا مجھے اندیشہ ہے۔ کسی کی غیر ملک کے  
بادشاہ کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ فرج سے کسی دوسرے  
ملک پر حملہ کرے اور پھر وہاں کا بادشاہ سکر بیٹھ جائے

ماریا نے کہا۔

میں نے شہر میں چل پھر کر محسوس کیا ہے کہ لوگ  
دلی زبان میں یونانی فرعون کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے  
ہیں۔

تھیوساگ بولا۔

یہ قدرتی بات ہے کہیں اس ملک میں بغاوت نہ  
ہو جائے۔

ناگ ہنسا۔

تھیوساگ! تم شاید تاریخ سے واقف نہیں ہو  
ابھی یونانی مصر پر کچھ مدت تک اور حکومت کر رہے  
گئے۔ تب کہیں جا کر فرعونوں کا اصل خاندان تخت  
قبضہ کر لے گا۔

عنبر خاموش بیٹھا رہا۔ ناگ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ماریا نے رات  
کا مضمون چلتے ہوئے کہا۔

عنبر! میرا خیال ہے میں فرعون کے ہی قبیلہ  
میں ایک بار چل کر دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہاں کتنی قبریں ہیں  
اور وہ قبر کہاں کھودنی ہرگی۔ جہاں تمہارا تاج پوش  
دفن کیا جائے گا۔

عنبر نے کہا۔



ٹھیک ہے۔ کسی بھی وقت پہل کر جگہ کا انتخاب کر لیں گے۔  
تقیو ساگ بولا۔

تو پھر آج شام کو چلے چلتے ہیں۔

عنبہ نے تو آج شام کو شاہی محل میں جانا تھا اس نے کہا  
شام کو اندھیرا ہوتا ہے۔ ہمیں دوپہر کو چنا چاہیے  
ماریا ہنستے ہوئے بولی۔

عنبہ ہوش کمرہ۔ یہ کیا کہہ رہے ہو۔ بھول گئے

کہ ہم تو اندھیرے میں بھی دیکھ لیتے ہیں۔

عنبہ کھیٹا سا ہو کر سر کھچایا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

ارے۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ لیکن ماریا دوپہر  
کے وقت ہم زیادہ آسانی سے قبر کے لئے جگہ دیکھ  
سکیں گے۔

ناگ نے کہا۔

عنبہ ٹھیک کہتا ہے۔ ہم حقوڑی دیہ میں چل دیں گے

دوپہر کے بعد عنبہ ناگ ماریا اور تقیو ساگ سرائے سے

نکل کر شاہی قبرستان کی طرف چل پڑے۔ یہ قبرستان ان

لوگوں نے پہلے بھی دیکھا تھا۔ وہ کئی بار اس قبرستان میں

آچکے تھے۔ عنبہ تو اس قبرستان میں بچپن میں کھیلتا رہا

تھا وہی پرانی ٹوٹی چھوٹی قبریں انہیں یونانی فرعون نے جب  
سے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ اس قبرستان کی حالت اور زیادہ  
خستہ ہو گئی تھی۔ عنبہ نے اپنے ماں باپ اور رشتے داروں کی  
قبروں سے حقوڑی دور فرعون کے ایک رشتہ دار کی قبر کے  
پاس جگہ چنی اور کہا۔

اس جگہ تم لوگ میری قبر کھود سکتے ہو۔

ناگ نے عنبہ کے کانڈھے پر ہاتھ رکھ کر کہا

خدا نہ کرے کہ کہیں ہمیں یہ منحوس کام کرنا پڑے

یہ تو تمہاری مصنوعی قبر ہوگی۔

عنبہ بولا۔

میرا مطلب بھی یہی تھا کہ تم میری مصنوعی قبر اس

جگہ کھودنا۔

ماریا اور تقیو ساگ ہنسنے لگے۔ ماریا نے کہا

یہ کام ہمیں ابھی سے شروع کر دینا چاہیے۔

عنبہ نے کہا

اس کام کے لئے ہمیں شہر سے دوپہر مزدور لانے

ہوں گے۔ ہم انہیں یہی کہیں گے کہ شاہی خاندان کا

ایک گناہم بوڑھا مر گیا ہے اس کی قبر کھودنی ہے۔

اچھا خیال ہے۔ تقیو ساگ بولا۔



تیسرے پہر ناگ تھیوساگ اور ماریا شاہی قبرستان میں دو مزدوروں کو ساتھ لے کر قبر کھودنے لگے۔ دوسری طرف عنبر نے شاہی محل کا رخ کیا تاکہ جائزہ لے سکے کہ شام کو وہ کہاں سے محل میں داخل ہو سکتا ہے۔ محل کے چاروں طرف بڑا سخت پہرہ لگا تھا۔ کوئی چڑیا بھی وہاں پر نہیں مار سکتی تھی۔ عنبر کو احساس ہوا کہ محل میں داخل ہونا اتنا آسان نہیں ہے جتنا وہ سمجھ رہا تھا۔ یونانی سپاہی زبردستی پہننے جگہ جگہ پہرہ دے رہے تھے۔

کولن نے عنبر کو محل کا وہ کونا بتا دیا تھا جہاں دوسری منزل میں یونانی بادشاہ کی خواب گاہ تھی۔ اسی خواب گاہ میں مرثیہ نام کی کنیز سے عنبر کو ملنا تھا۔ کچھ دیر محل کی بلند دیوار کے آس پاس پھرتے رہنے کے بعد عنبر واپس آ گیا ناگ کو عنبر کی نقل و حرکت پر کچھ شک پڑ گیا تھا جب عنبر نے یہ کہا کہ وہ شام کو شاہی قبرستان میں نہیں جائے گا تو ناگ کا شک یقین میں بدل گیا کہ عنبر شام کو کسی دوسری جگہ جانے کا پروگرام بنا چکا ہے۔

ناگ نے یہ بات ماریا اور تھیوساگ کو بھی نہ بتائی۔ اور عنبر کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ شام کے وقت جب شہر پر ہلکا ہلکا اندھیرا اتر آیا تو عنبر دریا کی سیر

کا بہانہ بنا کر چل دیا۔ ماریا اور تھیوساگ نے اسے اس لئے نہ روکا کہ یہ عنبر کا وطن تھا اور وہ اپنی بچپن کی یادیں تازہ کر رہا تھا مگر ناگ اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ ناگ نے اپنے اندر ایک اہم تبدیلی یہ کی کہ اپنے جسم سے اڑنے والی خاص خوشبو کو بند کر دیا۔ اب اس کے دوستوں میں سے کوئی بھی اس کی خوشبو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

عنبر شہر کے نیم روشن بازاروں میں سے گزرتا ہوا شاہی محل کی پچھلی دیوار کی طرف چلا جا رہا تھا۔ ناگ ایک چھوٹی چڑیا کی شکل میں اس کے اوپر پرواز کرتا اس کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ شاہی محل کی کونے والی عقبی دیوار کے نیچے ایک زرد بکتر والا یونانی سپاہی نیزہ ہاتھ میں لئے چل چھڑک رہا تھا۔ وہاں کبھی کسی کو آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اس لئے یونانی سپاہی بڑی بے نیازی سے پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر اس کی اس غفلت سے فائدہ اٹھاتا چاہتا تھا۔ اسے بالکل معلوم نہیں تھا کہ ناگ ایک چڑیا کا روپ دھارے پہلے ہی سے شاہی محل کی دیوار پر جا بیٹھا ہے اور اپنی گردن نیچے جھکائے عنبر کی نقل و حرکت کو غور سے دیکھ رہا ہے۔ عنبر ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پیچھے چھپ کر یونانی سپاہی کو نکلنے لگا۔



## نمر کٹاناگ

ناگ نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ عنبر شاہی محل میں کسی پُر اسرار مشن پر جانے والا ہے۔ وہ محل کی منتظر پر بیٹھا عذر سے عنبر کو تک رہا تھا۔ عنبر نے جب دیکھا کہ یونانی سپاہی اس سے آگے نکل گیا ہے تو وہ شیر کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور سپاہی کی گردن پر جا کر گر۔ سپاہی بوکھلا کر اپنے آپ کو چھوڑانے کی کوشش میں چلایا

درو! درو!

یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ وہاں سارے سپاہی اکٹھے ہو سکتے تھے اور عنبر کا مشن ناکام ہونے کا ڈر تھا۔ عنبر نے سپاہی کی گردن دلوچ لی۔ ذرہ بکتر کی وجہ سے سپاہی کی گردن آسانی سے دبائی نہیں جا رہی تھی۔ سپاہی عنبر کی بے پناہ طاقت کے آگے بے بس ضرور تھا مگر وہ چلائے جا رہا تھا۔ عنبر نے اس کی آواز بند کرنے کے لئے اس کی

گردن پر پڑھی ہوئی لوہے کی پلیٹ پر اور سے ہاتھ مارا۔ لوہے کی پلیٹ سپاہی کی گردن میں آدھی دھنس گئی سپاہی کا زندہ رہنا ناممکن تھا۔ وہ تو مر گیا مگر اس کی آواز سن کر دو سپاہی نیزے لہراتے اس کی مدد کو دوڑ پڑے تھے۔ ناگ نے اوپر سے دو یونانی سپاہیوں کو بھاگے آتے دیکھا تو فوراً غوطہ دگا کر نیچے آیا اور سانپ کا روپ دھار کر اس میں سے ایک کے ماتھے پر اچھل کر ٹوس دیا وہ گھبرا کر سانپ کا روپ کو ہاتھ سے نیچے کھینچنے لگا تو ناگ وہاں سے اچھل کر دوسرے سپاہی کے ماتھے پر ٹوس چکا تھا۔

ناگ کے زہر کو سہارا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اولیٰ سپاہی بے جس ہو کر زمین پر گر پڑے۔ عنبر انہیں حیرت سے دیکھنے لگا۔ ناگ نے اپنے جسم کی خوشبو کو خارج کرنا شروع کر دیا۔ اچانک عنبر کو ناگ کی خوشبو آئی تو وہ آہستہ سے بولا۔

ناگ! یہ تم ہو؟

ناگ انسانی شکل میں آیا اور عنبر کو کھینچ کر محل کی دیوار کے نیچے اندھیرے میں لے گیا۔

یہ تم کیا طاقت کو رہے ہو عنبر؟ یہاں کس



لئے آئے ہو؟

عنبہ پہلے تو خاموش رہا پھر مختصر لفظوں میں اس نے ناگ کو ساری بات بتا دی کہ وہ یونانی نزعوں کی خواب گاہ سے شاہی خاندان کا مقدس بار لٹکانے آیا ہے جو اہل مصر کی امانت ہے ناگ بولا۔

لیکن تم عمل کے اندر جاؤ گے تو سب کو پتہ چل جائے گا۔ تم کو تو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچے گا مگر خبردار ہو جانے پر مقدس بار وہاں سے غائب کر دیا جائے گا۔ اس بارے میں بھی تم نے سوچا تھا؟  
عنبہ بولا۔

اس وقت میں اکیلا تھا۔ اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اب تم آگئے ہو تو اس سلسلے میں میری مدد کرو۔ یہ میرے وطن کی عزت کا سوال ہے۔ میں اپنے مادر وطن کا مقدس بار یونانیوں سے چھین کر مصری انقلابیوں کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔  
ناگ مسکرایا۔

عنبہ! تم کہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں تمہیں تو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ٹھہرو۔ میں اوپر جاتا ہوں اور کینیڈا مرلیٹ سے خود مل کر بار لے

آتا ہوں۔

عنبہ نے کہا۔

ہاں ایک مہر بند ڈبے میں ہے۔ وہ تالا بے حد مضبوط ہے تم اسے توڑ نہ سکو گے۔ میرا تمہارے ساتھ جانا ضروری ہے۔

ناگ بولا۔

ان تین پہرہ داروں کو تو ٹھکانے لگا چکے ہیں اب ادھر کا علاقہ خالی ہو گیا ہے۔ تم اسی جگہ ٹھہرو جہاں اوپر جا کر تمہارے لئے رستے کا بندوبست کرتے ہوں۔

ناگ یہ کہہ کر پرندے کی شکل میں محل کی چھت پر پہنچ گیا۔ اس نے ادھر ادھر اڑ کر دیکھا تو اسے ایک جگہ بارہوی میں ایک کینیڈا کھڑی دکھائی دی۔ یہ مرلیٹ کینیڈا تھی اور اپنے آویسوں کے کہنے کے مطابق وہاں کھڑی عنبہ کا انتظار کر رہی تھی۔ ناگ نے انسانی شکل اختیار کی اور اس کے قریب گیا۔ مرلیٹ نے چونک کر اس کی طرف دیکھی اور بولی۔

کون ہو تم؟

ناگ کو عنبہ نے تین بار "کون" کہنے کا نہیں بتایا تھا۔

ناگ بولا۔

اگر تم مرلیٹ کینز ہو تو میں عنبر کا بھائی ہوں وہ  
محل کی دیوار کے نیچے آگیا ہے مگر اسے اوپر آنے  
کے لئے کسی لکڑی کی ضرورت ہے۔

مرلیٹ کینز نے جھک کر نیچے دیکھا۔ اندھیرے میں  
اسے دیوار کے ساتھ ایک انسانی سایہ دکھائی دیا۔ اس کے  
آدھوں نے اسے عنبر کا علیہ بتا دیا تھا مگر وہ اندھیرے  
میں عنبر کو نہیں دیکھ سکتی تھی اس نے ناگ سے کہا

تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ آدمی عنبر ہی ہے؟  
ناگ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ بولا۔

بہن اب وہ اوپر آکر ہی ثبوت دے سکتا ہے  
تم کہیں سے کسی نادو ناگہ میں نیچے لٹکا کر اسے  
اوپر بلا لوں۔ پھر وہ خود ہی اپنی شناخت کروا  
دے گا۔

محل کی چھت کا یہ کونے والا حصہ ویران اور سنسان  
تھا۔ مرلیٹ کینز چلی گئی۔ چند لمحوں کے بعد واپس آئی تو  
اس کے ہاتھ میں ریشمی سی تھلی۔ ناگ نے رسی نیچے  
لٹکا دی۔ عنبر اسے پکڑ کر اوپر چڑھ آیا۔ اس کے اوپر  
اُتارے ہی کینز نے اس پر سوال کر دیا۔

تمہاری شناخت کیا ہے؟

عنبر نے کہا

کون! کون! کون!

مرلیٹ کینز فوراً سمجھ گئی کہ یہی عنبر ہے۔ اس کا علیہ بھی وہی تھا  
جو اسے بتایا گیا تھا۔ اس نے عنبر سے کہا

اپنے اس بھائی کو اسی جگہ رکھنے کے لئے کہو۔ میں  
تم دونوں کو اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ مول  
لے نہیں سکتی۔

عنبر نے ناگ سے کہا

ناگ! تم اسی بارہ دری میں میرا انتظار کرو۔

ناگ بولا۔

ٹھیک ہے مگر اپنا خیال رکھو۔

عنبر مرلیٹ کینز کے ساتھ چھت کے درمیان بنی ہوئی بارہ دری  
کی طرف چلا گیا۔ اس بارہ دری میں ایک زیند نیچے محل  
کے اندر جاتا تھا۔ مرلیٹ نے عنبر سے کہا  
بڑی احتیاط سے چلا اور جہاں میں تمہیں ٹھہرنے  
کو کہوں وہیں رک جانا۔

زیند اتر کر ایک خوبصورت راہ داری آگئی جس کے فرش  
پر قیمتی قالین۔ پچھے سفید اور نائوس جگہ کا رہے تھے۔ مرلیٹ



نے عنبر کو سیرھیں ہیں ہی ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور خود راہ دہلی  
میں سے گزرتی شاہی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ اس وقت  
شاہی خواب گاہ میں ملکہ اور بادشاہ موجود نہیں تھے۔ دونوں  
شاہی حمام میں غسل کر رہے تھے۔ رات کو سونے سے پہلے  
بادشاہ غسل کرنے کا عادی تھا۔ یہ یونانیوں کی پرانی روایت  
تھی کہ وہ غسل کرنے سے پہلے غلاموں سے جسم پر مالش  
بھی کرواتے تھے۔

مریض کنیز نے جب دیکھا کہ وہاں کوئی غیر آدمی نہیں  
ہے تو اس نے عنبر کو خواب گاہ میں بلایا۔ عنبر خواب گاہ  
کو دیکھتے ہی رہ گیا۔ یونانی فرعون نے مصری فرعونوں سے بھی  
بڑھ چڑھ کر خواب گاہ کی آرائش کر رکھی تھی عود و عنبر کی  
خوشبوئیں اڑ رہی تھیں۔ سونے کا خالوس روشن تھا جس میں  
نیمنی بہرے جواہرات جڑے تھے۔ مریض عنبر کو اس کوٹنے  
میں لے گئی جہاں ایک تپاخا پر سونے کا بڑا بکس رکھا  
تھا۔ کنیز نے کہا

”اہل مصر کی مقدس امانت یعنی ہر اس ڈبے  
میں بند ہے مگر اس کی مہر فولاد کی ہے۔ اسے اس  
طریقے سے توڑنا ہوگا کہ آواز پیدا نہ ہو۔ تمہارے  
پاس وقت بھی بہت کم ہے۔ بادشاہ اور ملکہ کسی وقت

بھی آ سکتے ہیں۔

عنبر نے فولاد کی تلوار مہر کو غور سے دیکھا۔ اس میں ایک  
فولادی سلاخ کندھے کے اندر چلی گئی تھی۔ یہ سلاخ اتنی مضبوط  
تھی کہ اسے ایک عام آدمی ہتھوڑے کی ضرب سے بھی نہیں  
ٹوڑ سکتا تھا۔ عنبر نے سلاخ کے اندر اپنی دونوں انگلیاں  
ڈال کر اسے اپنی طرف ہلکا سا جھٹکا دیا تو سلاخ کندھے  
میں سے نکل کر باہر آ گئی۔ کنیز حیرانی سے عنبر کو دیکھ  
گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ عنبر نے جلدی سے  
ڈبے کھولا اور یہ دیکھ کر دونوں ششدر رہ گئے کہ ڈبے  
میں سے خالی تھا۔

مقدس ہار اس کے اندر نہیں تھا۔

عنبر نے کنیز کی طرف دیکھا۔ کنیز پریشان ہو گئی تھی اور  
کے بچے۔

اس ڈبے کو اسی طرح بند کر دو۔ مقدس ہار بادشاہ  
نے کسی دوسری جگہ رکھ دیا ہو گا۔ تم جلدی سے نکل  
جاؤ۔ میں کوئلہ کو بتا دوں گا۔

غیر شاہی خواب گاہ سے باہر آ کر راہ دہلی میں سے چھانگ  
نے کہ سیرھیں میں آیا اور پھر زینہ بڑھ کر چیت کی آہ دہلی  
میں نکل آیا۔ رات اب گہری ہو گئی تھی۔ محل کے کونوں پر



دور دور مشابہ روشن کو دی گئی تھیں۔ ناگ نے عنبر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اندھیرے میں سے نکل کر اس کے قریب آگیا اور بولا۔

مقدس بار مل گیا کیا؟

نہیں۔ عنبر نے آہستہ سے کہا

پھر اسے ساری بات بتائی۔ ناگ بولا۔

یہ اتنا قیمتی بار ہے کہ بادشاہ کو اس کی حفاظت

کی بہت نگہ ہوگی۔ اس نے اسے شاہی خزانے میں رکھ دیا ہوگا۔

برہمچت پر آہستہ آہستہ چلتا دوسری بارہ دری میں آگیا۔ وہ محل کی دیوار سے نیچے اندھیرے میں بچ نکلا۔

وہیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ اس جگہ سے دور چاکر کفیل سے بات کریں گے۔

برہمچئی کندہ اچھی تک وہاں موجود تھی۔ عنبر اس کے لیے بیچے اتر گیا ناگ نے کندہ کو پیٹ کر بارہ دری ایک طرف پیٹک دیا اور پھر خود بھی چڑیا کا دوپ مارا کہ اگر کندہ کے پاس پہنچ گیا۔ عنبر نے کہا

تم سناٹے میں مارا اور تھیو ناگ کے پاس جاؤ۔ ویران اہرام میں کولون سے ملاقات کر کے آنا ہوں اسے

صورت حال سے باخبر کرنا ضروری ہے۔

ناگ نے عنبر کو سمجھایا کہ وہ اس کام میں اب نہ آئے اور اس کے ساتھ ہی واپس چلا چلے گئے عنبر بولا۔ ناگ! یہ میرا جذباتی معاملہ ہے۔ میں مہری ہوں

اور یہ مقدس بار ہماری مقدس امانت ہے میں اسے یونانی بادشاہ کے خزانے میں نہیں دیکھ سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ یونانی فرعون نے بار کو اپنے ملک پہنچا دیا ہو۔

ناگ نے اس کے بعد عنبر کو مجبور نہ کیا اور چلا گیا۔

عنبر وہاں سے سیدھا ویران اہرام میں جا پہنچا۔ ابھی آدھی رات نہیں ہوئی تھی اور کولون اور اس کے باغی ساقی ابھی وہاں نہیں پہنچے تھے۔ عنبر اہرام کے باہر ایک طرف بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگا۔ جب رات آدھی گزر گئی تو اسے دور سے کچھ انسانوں کے سائے اہرام کی طرف آتے نظر آئے۔ عنبر ایک طرف چھپ گیا۔ جب وہ قریب آئے تو عنبر نے انہیں پہچان لیا۔ آگے آگے کولون اپنے جسم کو سیاہ لبادے میں چھپائے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

عنبر نے اسے اس کا نام لے کر پکارا اور پھر اوٹ سے باہر نکل آیا۔

عنبر تم؟ کولون بولا۔ کیا مقدس بار مل گیا نہیں؟



عبر نے اسے ساری کہانی بیان کر دی۔ کولون اسے اپنے  
ساتھ نیچے تہ خانے میں لے آیا اور بولا۔  
ابھی تک ہماری ساتھی کینز کی جانب سے  
مجھے کوئی پیغام نہیں ملا۔ مگر تم ٹھیک ہی کہتے  
ہو گے۔  
اس کے ساتھ بھی مقدس بار کے نہ ملنے پر پریشان سے  
ہو گئے۔ کولون نے کہا

اس مقدس یونانی فرعون نے ضرور مقدس بار کسی  
دوسری جگہ پر رکھوا دیا ہے۔ اگر وہ اسے یونان لے  
گیا تو پھر اس کو حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ہمیں  
جتنی جلدی ہو سکے اپنے بزرگوں کی نشانی مقدس بار  
کو واپس لانا ہوگا۔

اتنے میں باہر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ ایک  
نوجوان باغی بھاگ کر باہر گیا۔ جب واپس آیا تو اس کے  
ساتھ ایک اجنبی نوجوان بھی تھا۔ یہ اجنبی نوجوان بھی  
اسی لڑکی کا آدمی تھا۔ اس کو مرلیٹ کینز نے ایک  
خاص پیغام دے کر بھیجا تھا۔ اس نے آتے ہی کولون  
کو بتایا کہ مرلیٹ کینز نے پتہ کیا ہے کہ مقدس بار یونانی  
ساحرہ طروشی کے قبضے میں دے دیا ہے جو اپنے

مکان میں طلسمی حصار میں رکھے ہوئے ہے۔  
کولون نے عبر سے کہا

یونانی ساحرہ طروشی بادشاہ پرتلی کی بڑی منہ  
چڑھی ہے اور بادشاہ اسے یونان سے اپنے ساتھ لایا  
تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ طروشی کے پاس ایسا ایسا طلسم ہے  
کہ وہ زندہ آدمی کا آدھا دھڑ غائب کر دیتی ہے مگر  
میں اس تک نہیں مانتا۔  
عبر کہنے لگا۔

کولون! طلسم کمزور آدمی پر اثر دکھاتا ہے۔ ایک  
بہادر اور بلند کردار والے نوجوان پر طلسم کا کوئی اثر  
نہیں ہوتا۔ میں یونانی ساحرہ کے قبضے سے مقدس  
بار نکلا کر رہوں گا۔ مجھ پر اس کے طلسم کا اثر نہیں  
ہوگا تم بے فکر رہو۔

کولون نے کہا

پھر بھی تمہیں بے حد احتیاط سے کام لینا ہوگا۔  
ہم نہیں چاہتے کہ یونانی جادوگر فی طروشی کو کسی طرح  
سے بھی تمہارا علم ہو جائے۔ کیونکہ وہ کم از کم اور کچھ  
نہیں تو مقدس بار کو ضرور کہیں گم کر سکتی ہے۔ یہ  
ہمارا بہت بڑا نقصان ہوگا۔



عنبر نے کہا

میں ایسا نہیں ہونے دوں گا کون - مجھے یہ  
بتاؤ کہ یہ یونانی ساحر طردش مصر میں کہاں رہتی ہے؟  
کونوں بولا۔

اگر کہاں رہتی ہوگی۔ بادشاہ کے محل کے پاس  
ایک باغ میں سیاہ پتھروں کے ایک دو منزلہ مکان میں  
رہتی ہے۔ در کے در سے ادھر کوئی نہیں جاتا۔ یونانی ساحر  
بھی بہت کم مکان سے باہر نکلتی ہے۔

عنبر نے کہا

ٹھیک ہے کونوں! اگر مقدس بار اس یونانی جادوگر  
کے پاس ہی ہے تو میں اسے لے کر ہی واپس  
آؤں گا۔

اتنا کہہ کر عنبر واپس چلا آیا۔

عنبر نے ناگ کو یہ سب کچھ بتایا تو وہ کہنے لگا  
میں تھیوسانگ اور ماریا سے بھی مشورہ کر لینا  
چاہیے ان کو بے خبر رکھنا مناسب نہیں۔

جب عنبر اور ناگ نے اس نئے مشن کے بارے میں  
ماریا اور تھیوسانگ کو آگاہ کیا تو تھیوسانگ کچھ ناراض  
ساہو کر بولا۔

میرے دوستو! یہ کیا تم لوگوں نے بیچ میں ایک  
یاد کام کھڑا کر دیا ہے۔ ہم کیٹی کو بچانے کے مشن  
پر جانے والے ہیں اس کو بھول جاؤ۔  
عنبر نے گھور کر تھیوسانگ کو دیکھا اور کہا

تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ تم مصر کے رہنے والے  
نہیں ہو۔ مصر تمہارا وطن نہیں ہے۔ تمہیں مقدس بار  
سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔

مدیا جانتی تھی کہ عنبر اس معاملے میں بڑا جذباتی ہو  
رہا ہے اور اسے ہونا بھی چاہئے تھا۔ کیونکہ ہر آدمی کو اپنے  
وطن سے پیدا ہوتا ہے۔ لوگ تو اپنے وطن کی خاطر جان  
بھی دے دیتے ہیں۔ ماریا نے فرما کہا

عنبر ٹھیک کہتا ہے تھیوسانگ۔ اس مشن پر ہم عنبر  
کے ساتھ ہیں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔ مردہ لبتی  
کے گورکن تو ہر ماہ کی سب سے زیادہ اندھیری  
رات کو فرعونوں کے قبرستان میں آتے ہیں۔ اگر اس  
ماہ نہیں تو ہم اگلے ماہ کیٹی کی تلاش میں نکلیں چلیں  
گے مگر سب سے پہلے عنبر کی خاطر ہمیں مقدس بار  
کو حاصل کرنا ہوگا۔

عنبر بڑا خوش ہوا۔ تھیوسانگ گمراہی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔



ماریا بہن ! میرا مطلب یہ نہیں تھا اگر عنبر کا  
یہ جذباتی معاملہ ہے تو میں سب سے بڑھ چڑھ  
کہ اس مشن میں حصہ لوں گا۔  
عنبر نے کہا۔

فی الحال تم میں سے کسی کو ہمارے ساتھ چلنے  
کی ضرورت نہیں۔ میرے ساتھ ناگ ہی کافی ہے  
اگر ضرورت پڑی تو ہم تمہیں خبر کو دیں گے۔  
ماریا کہنے لگی۔

یونانی ساحرہ طروشی آخر ایک جادوگر ہی ہے وہ  
تم لوگوں کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔  
ناگ نے کہا۔

اگر میں نقصان پہنچا سکتی ہوں تو تمہیں بھی اس  
سے خطرہ ہو سکتا ہے۔ ایک ہی بات ہے۔ پہلے میں اور  
عنبر مقدس بار کے لئے کوشش کریں گے۔ اگر ناکام رہے  
تو پھر تم لوگ کوشش کر کے دیکھ لینا۔ اب یہ تو نہیں  
ہو سکتا کہ ہم اس مشن پر چاروں ایک ساتھ  
چل پڑیں۔

عنبر بولا۔  
ناگ ٹیپیک کہتا ہے۔ پہلے میں کوشش کر لینے دو۔

ماریا اور تھیوساگ نے انہیں اجازت دے دی۔  
پس دوسرے روز ناگ اور عنبر سرائے سے نکلے اور  
شاہی محل کے قریب اس دیران باغ میں آگئے جہاں دو  
ایک جگہ درختوں کے درمیان سیاہ پتھروں کا ایک دو منزلہ  
مکان بنا ہوا تھا۔ اس سیاہ مکان کو دور ہی سے دیکھ کر  
خوف آتا تھا اس کے قریب ہی دروازے کے پاس  
ایک عورت کا سیاہ پتھروں سے تراشا ہوا مجسمہ لگا ہوا  
تھا جس کے سر پر ایک سانپ کندلی مارے بیٹھا تھا۔  
عنبر نے کہا۔

یہی وہ مکان ہے جہاں یونانی ساحرہ طروشی  
رہتی ہے اور بادشاہ نے مقدس بار اسی کو دے  
رکھا ہے۔  
ناگ کہنے لگا۔

تم اسی جگہ بیٹھو۔ میں مکان کا جائزہ لینا ہوں  
جا کر۔

ناگ نے ایک چھوٹی سیاہ چڑیا کا روپ بدلایا اور  
اڑتا ہوا طروشی ساحرہ کے مکان کے دروازے پر کالی عورت  
کے مجسمے پر جا کر بیٹھ گیا طروشی ساحرہ کے مکان کا  
دروازہ آدھا کھلا تھا۔ ناگ اندر چلا گیا۔ ایک بڑا کمرہ



تھا جس کی دیواری سیاہ پتھروں کی تھیں۔ فرش پر سرخ  
تالین بچھا تھا۔ درمیان میں ایک پتھر کے چبوترے پر  
ایک تانبے کا برتن پڑا تھا جس میں ہلکی ہلکی آگ سلگ  
رہی تھی۔ پیچھے دیوار پر جانوروں اور انسانوں کی کھوپڑیوں  
کے مار لٹکے ہوئے تھے۔ چبوترے کے قریب ہی ایک  
کرسی پر عورت کے ایک جھمکے کو اس طرح رکھا گیا تھا  
کہ وہ بیٹھی ہوئی زندہ عورت لگ رہی تھی۔ ناگ نے  
قریب جاکر دیکھا۔ یہ عورت بھی سیاہ پتھر کی بنائی  
ہوئی تھی۔

دوسرا کمرہ بالکل ویران تھا۔ ساحہ طروشی مکان میں  
نہیں تھی۔ ناگ نے عنبر کو واپس آکر بتایا کہ مکان خالی  
پڑا ہے اور وہاں کوئی نہہ خانہ بھی نظر نہیں آتا۔ کوئی صندوق  
یا الماری بھی نہیں ہے۔ پھر مقدس بار اس عورت نے  
کہاں رکھا ہوگا۔ عنبر بولا۔

وہ اسے زمین کے اندر بھی رکھ سکتی ہے اور پھر  
وہ جادوگرنی ہے۔ ہو سکتا ہے جادو کے زور سے  
اس نے مقدس بار غائب کر رکھا ہو۔

ناگ سوچنے لگا عنبر نے کہا  
ناگ ! یہاں ہمیں کوئی چال چلنی پڑے گی اس

طرح یا تو ہم کسی طلسم کے چکر میں پھنس جائیں گے  
اور یا ہمیں مقدس بار حاصل کرنے میں ناکامی کا  
سنہ دیکھنا پڑے گا۔  
چال سے تمہاری کیا مراد ہے ؟ ناگ نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

چال سے میرا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کسی بھیس  
میں ساحہ طروشی کے پاس آکر اس کی ہمدردیاں  
حاصل کرنی ہوں گی۔ پھر مقدس بار کا سراغ لگنے  
کی کوشش کرنی ہوگی۔

ناگ نے کہا۔

بات تو تم نے ٹھیک کہی ہے مگر سوال یہ  
پیدا ہوتا ہے کہ اس جادوگرنی کے آگے ہم کیا بھیس  
بدلیں گے ؟ اسے تو جادو کے دریغے پتہ چل جائے گا۔

عنبر بولا۔

یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ تجربے نے ہمیں بتایا  
ہے کہ ہر جادوگر کو سب کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ پورا  
جادوگر صرف سامری جادوگر ہی تھا۔ باقی ہر جادوگر کے  
پاس عقوڑا عقوڑا جادو ہوتا ہے۔ اس کے آگے وہ  
مجبور ہوتے ہیں۔



ناگ نے کہا

اب پتہ نہیں اس کے پاس کیا کیا جا رہا ہے۔  
عنبہ کہنے لگا۔

بس اتنا سا خطہ ہمیں مل لینا ہوگا مجھے یقین  
ہے کہ اگر ہم نے ہوشیاری سے کام لیا تو کامیابی  
ہمارے قدم چومے گی۔

ناگ نے کہا

آخر وہ چال بھی معلوم ہو جو ہمیں چلتی ہوگی۔  
عنبہ نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے اور وہ  
ترکیب یہ ہے۔

اس کے بعد عنبہ نے ناگ کو ترکیب بتائی تو وہ بولا۔  
اگر ساحرہ طروشی پر ہمارا مجیدہ کھل گیا تو ہم  
کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس سکتے ہیں۔  
عنبہ بولا۔

میرا دل کہتا ہے کہ ساحرہ طروشی کے پاس یہ  
جلاد نہیں ہے کہ وہ ہمارے دلوں کا حال معلوم کر سکے  
یہ صرف خدا ہی جانتا ہے۔  
ناگ نے کہا۔

چلو تم کہتے ہو تو میں تیار ہوں۔

اسی شام عنبہ نے سپیرے کا بھیس بدلا۔ بین باغ میں  
بی۔ ناگ کو سانپ بنا کر پٹاری میں بند کیا اور ساحرہ طروشی  
کے مکان کی طرف چل پڑا۔ مکان کے باہر جاتے ہی اس  
نے بین سجانی شروع کر دی۔ باغ ویران تھا۔ ارد گرد کوئی  
انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ عنبہ مکان کے دروازے کی طرف  
منہ کئے بین بجا رہا تھا۔ اتنے میں ایک کال سیاہ لڑکی نے  
دروازہ کھولا اور کہا

کیوں شور مچا رہے ہو تم۔ کونسا ہو؟

عنبہ نے بین منہ سے ہٹا کر کہا

بی بی! میں تمہاری مائیں طروشی سے ملنے آیا  
ہوں۔ اسے کہو کہ ملک ہندوستان کا ایک سپیرا اس کے  
لیے ایک انمول تحفہ لایا ہے۔

کال لڑکی اندر چلی گئی۔ پھر آئی اور بولی۔

اندر آ جاؤ۔ میری مائیں نے تمہیں بلایا ہے۔

عنبہ اندر چلا آیا۔ کالے پتھروں والے کمرے میں  
ہرگ والے چوڑے کے پاس ایک گودی چٹی یونانی عورت  
بیٹھی تھی۔ اس کے بال کھلے تھے اور آنکھیں سیاہ پتھروں  
کی طرح ساکت اور ٹھنڈی لگ رہی تھیں۔ چہرے پر بھی



موت کی خاموشی اور سکوت تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ اس عورت کا جادو سفل زیادہ ہے یعنی یہ وہ جادوگرانی ہے جو کسی کے لئے بیک کام نہیں کر سکتی۔ کسی کی بھلائی نہیں کر سکتی۔ بعض جادوگر کبھی کبھی کسی دکھی انسان کے کام بھی آجاتے ہیں لیکن جادو کے ذریعے حاصل کیا ہوا فائدہ بہت جلد نقصان میں بدل جاتا ہے۔ انسان کے وہی کچھ کام آتا ہے جو اس نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہو۔ بہر حال عنبر نے ہندوستان کے سپیروں کی طرح سلام کیا اور بولا۔

ہن طروشی! میں ہندوستان کے پہاڑوں سے آیا ہوں۔ میں نے تمہاری بہت تعریف سن رکھی ہے تم سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ اس لئے اتنا لمبا سفر کر کے تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ ساحرہ طروشی بڑی گہری اور کھ جانے والی نظروں سے عنبر کو گھور رہی تھی مردانہ قسم کی آواز میں کہتے ہوئے۔ تم میرے لئے کونسی چیز لائے ہو۔ عنبر نے ایک بار پھر یونانی ساحرہ کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور کہا

میرا نام کالو سپیرا ہے میں تمہاری طرح جادوگری تو نہیں جانتا مگر تمہارے لئے ایک ایسا تحفہ لایا ہوں جس

کو دیکھو تم بھی حیران رہ جاؤ گی۔

طروشی اب بھی عنبر کو گہری نظروں سے گھور رہی تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ تحفہ نکالو کونسا ہے۔ عنبر نے پیٹاری کا منہ کھول دیا۔ اندر سے ناگ سیاہ کالے کوبرا سانپ کی شکل میں پھنکار مار کر باہر نکل آیا۔ طروشی اپنی جگہ پر اسی طرح بیٹھی رہی۔ اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ عنبر بولا۔ یہ ہے وہ تحفہ جو میں تمہاری خدمت میں پیش کرنے کے لئے لایا ہوں۔

طروشی نے کہتے سے کہا  
یہ ایک معمولی ہندی کوبرا سانپ ہے۔  
عنبر مسکرایا۔

طروشی! میں کالو سپیرا ہوں۔ جادو نہیں جانتا مگر جادوگروں کو جانتا ہوں۔  
عنبر کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ طروشی دل کے حال کو نہیں پڑھ سکتی۔ ورنہ اسے فوراً پتہ لگ جاتا کہ یہ کوئی معمولی سانپ نہیں بلکہ ناگ دیوتا ہے یا انسان ہے جس نے سانپ کی شکل اختیار کر رکھی ہے وہ بولا۔

طروشی! دیکھنے میں یہ ایک معمولی سانپ ہے مگر یہ کوہ ہمالیہ کا ہشت ناگ ہے یہ تمہارے کہنے پر



سوائے انسان کے ہر جانور کی شکل بدل سکتی ہے۔ تم  
کسی جانور پرندے کا نام لو۔ یہ اسی کی شکل میں  
آجائے گا۔  
طروش نے کہا۔

لومڑی بن جاؤ۔

ناگ سب کچھ سن رہا تھا انہوں نے پہلے ہی سے  
سازش تیار کر رکھی تھی۔ فوراً سانپ سے لومڑی بن گیا اور  
طروش کی طرف اپنی چمکدار آنکھوں سے نیکنے لگا۔ طروش نے کہا  
شیر بن جاؤ۔

ناگ لومڑی سے شیر بن گیا۔ اتنا بڑا افریقہ کا شیر  
کمرے میں بیٹھا اپنا بہت بڑا منہ کھولے سانپ رہا تھا۔  
طروش نے کہا

بچھو بن کر میرے بازو پر چڑھ جاؤ۔

ناگ نے ایسا ہی کیا۔ طروش اپنے بازو پر آئے ہوئے  
بچھو کو مسکرا کر کہنے لگی۔

عینہ خوش ہوا کہ طروش راضی ہو گئی ہے۔ طروش سامنے  
نے بچھو کی دم پر انگل رکھی۔ بچھو نے اپنی نظروں کے مطابق  
اسے ڈس دیا مگر طروش جاودگرنی تھی۔ اس پر بچھو کے  
زہر کا کوئی اثر نہ ہوا اس نے کہا۔

سانپ بن کر اپنی اصلی حالت میں آ جاؤ۔

ناگ پھر سانپ بن کر طروش کے بازو سے پھٹ گیا۔ عینہ بولا۔  
طروش! میری بہن! مجھے خوشی ہے کہ تم نے میرے تحفے  
کو قبول کیا۔ یہ ایک ایسا انوکھا سانپ ہے کہ تم اس  
سے بہت سے کام لے سکتی ہو۔

سامنے طروش نے ناگ سانپ کو اپنے بازو سے اتار  
کر پٹاری میں بند کر کے اپنے پاس رکھ لیا اور عینہ کی طرف  
دیکھ کر بولی۔

کالا پیڑے! آج سے تم ہمارے بھائی ہو۔ تم نے  
سچ پچ مجھے ایک انمول تحفہ لاکر دیا ہے۔ تم کہاں ٹھہرتے  
ہو گے ہو مصر میں؟  
عینہ نے کہا

طروش بہن! میں عزیز بیٹیا ہوں۔ رات باہر  
صحرا میں ریت پر پڑ کر گزار دیتا ہوں۔ سرائے میں  
میں جانے کے لئے بھی میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔  
طروش جاودگرنی نے کہا

تم آج سے ہمارے مہمان ہو۔ کب تک یہاں  
ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟  
عینہ نے بتایا کہ زیادہ سے زیادہ چار پانچ روز ٹھہروں



گھر۔ پھر واپس ہندوستان کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔  
طروش نے اپنی خادمہ نکالی لڑکی کو اشارہ کیا۔ کالی لڑکی  
نے عنبر سے کہا

میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں تمہارے کمرہ  
دکھا دوں۔

ساحرہ طروش نے ناگ والی پٹاری اپنے پاس  
لے لی۔ وہ عنبر کے جانے کے بعد اٹھی اور دیوار  
نے پاس جا کر ایک خفیہ اینٹ کو ذرا سا دیا۔  
دیوار میں دروازہ نمودار ہو گیا۔ طروش سیڑھیاں اتر  
رہی ایک تنگ دھڑکیاں خانے میں پہنچی۔ ناگ کی پٹاری  
میں ایک سمت کے نیچے لٹکی اور دروازہ بند کر کے اس  
پر تالا لگا دیا اور نہہ خانے میں ہی اپنے ایک ایک تھک  
نے ہوئے کمرے میں جا کر نشست پر بیٹھ گئی اس نے سوچا  
اس جادو کے سانپ کو وہ بادشاہ اور اس کی ملکہ کے  
میں لے جائے گی اور اسے اپنی کرامت بڑا کر ان پر  
بنا مزید اثر جانے میں کامیاب ہوگی۔ اب تو بادشاہ  
میں اس سے مشورہ لئے کوئی کام نہیں کرے گا۔

صبح ہوئی تو ساحرہ طروش نے ناگ کی پٹاری منہ والی  
درمحل کی طرف روانہ ہو گئی۔ عنبر نے ناگ کو پہلے ہی سے

سب کچھ سکھا دیا تھا۔ کیونکہ عنبر جانتا تھا کہ جب طروش  
ساحرہ کے پاس اس قسم کا انوکھا سانپ آئے گا تو وہ  
سب سے پہلے اسے بادشاہ کے دربار میں لے جائے گی  
جہاں وہ بادشاہ کے سامنے سانپ کے جون بہانے کا مظاہرہ  
کر کے اس پر اپنی جادوگری کا رعب جائے گی۔ صبح  
جب عنبر اٹھا تو اسے پتہ چلا کہ ساحرہ طروش بادشاہ کے  
پاس گئی ہے اور پٹاری ساتھ لے گئی ہے۔ عنبر کا قیاس  
اور اندازہ بالکل درست نکلا تھا۔ وہ بہت خوش ہوا۔  
اب ناگ نے اپنا کام دکھانا تھا۔ عنبر نے ناگ کو  
پہلے ہی سے سب کچھ سکھا دیا تھا۔

ساحرہ طروش کا مقصد اچھی تھی کہ بادشاہ اور ملکہ  
ابھی دربار میں آئے تھے۔ طروش ناگ والی پٹاری  
لے کر ایک خاص کمرے میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔  
وہ اس کمرے میں اکیلے تھی اس کو خیال آیا کہ ایک  
بار پھر سانپ کی آزمائش کرنی چاہیے اس نے پٹاری  
کا منہ کھول دیا۔ ناگ سانپ کی شکل میں پٹاری  
میں خاموش بیٹھا تھا۔ طروش نے اس کی طرف گھور  
کر دیکھا اور حکم دیا۔  
لومڑی بن جاؤ۔



طروش کو بڑی حیرانی ہوئی کہ سانپ دوسری نہیں بنا تھا  
 ناگ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ طروش نے دوسری بار حکم  
 دیا۔ بلی بن جاؤ۔ ناگ پھر بھی چپکا بیٹھا رہا۔ طروش نے  
 تیسری بار کہا۔ پرندہ بن جاؤ۔ مگر سانپ پر پھر بھی کوئی  
 اثر نہ ہوا۔ اب تو طروش جادوگر کی کو بھی پسینہ آ گیا۔  
 اس نے جلدی سے پٹاری بند کی اور اپنے سیاہ  
 مکان میں واپس آکر نوکرانی سے کہا  
 کالا سپیرے کو بلاؤ۔

کالی نوکرانی نے عنبر کو آکر کہا ناگہ بلا رہی ہے وہ  
 سمجھ گیا۔ فوراً اپنے کمرے سے نکل کر طروش کی خدمت  
 میں حاضر ہوا اور ماتھے باندھ کر پرنام کر کے پوچھا۔  
 بہن بی! آپ نے مجھے یاد کیا۔

طروش نے سخت مایوسی اور غصے کی حالت میں کہا۔  
 تمہارا تحفہ بیکار ہو گیا ہے۔ دیوتاؤں نے  
 میری عزت رکھ لی کہ میں بادشاہ کے سامنے اسے  
 نہیں لے گئی۔ نہیں تو میری بے عزتی ہوئی۔

عنبر نے مصنوعی تعجب کا اظہار کیا۔ پٹاری کھول کر ناگ کو  
 دیکھا۔ ناگ خاموش بیٹھا تھا۔ عنبر نے پٹاری بند کر دی  
 اور سارے طروش سے کہا

بہن طروش! اس کے لئے مجھے ایک خاص چتہ کر کے  
 پتہ کرنا پڑے گا کہ اس دیوتا سانپ پر کس چیز کا  
 اثر پڑ گیا ہے۔

جادوگر کی طروش نے زمین پر پاؤں مار کر کہا  
 تمہیں یہ اچھی چتہ کر کے پتہ لگانا پڑے گا۔ میں  
 انتظار نہیں کر سکتی۔ نہیں تو میں تمہیں اور تمہارے  
 سانپ کو زمین میں غائب کر دوں گی۔

عنبر کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ فوراً نیا ہو گیا۔  
 اپنی کوٹھڑی میں چراغ جلا کر اس کے سامنے آلتی پالتی  
 مار کو بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر کے منہ میں  
 اشوک پڑھنے شروع کر دیئے۔ جادوگر کی طروش اس کے  
 پاس ایک طرف ہٹ کر چوکی پر بیٹھی اسے غور سے  
 دیکھ رہی تھی۔ اس کے پاس ایسا کوئی جادو نہیں تھا کہ  
 جس کی مدد سے وہ عنبر کے دل کا اور ناگ کی ناکامی  
 کا راز معلوم کر سکتی۔ کچھ دیر عنبر سپیرے کے بھیس  
 میں اشوک پڑھتا رہا پھر چھوٹک مار کو بولا۔

طروش بہن! تمہارے پاس کوئی مقدس نقتی ہے جو  
 میرے سانپ پر اثر ڈال رہا ہے جس کی وجہ سے  
 سانپ کی اپنی جوت بہ لئے کی طاقت بے اثر ہو گئی ہے



ساحرہ طروشٹی تلخ لہجے میں بولی۔

اس نقش کا اثر پہلے اس سانپ پر کیوں  
نہیں پڑا۔ یہ مقدس نقش تو میرے پاس کئی  
روز سے ہے۔

عنبہ جھٹ بولا۔

پہلے اس نقش کا اثر زیادہ شدید نہیں تھا۔ میرا  
سانپ اپنی کرامت دکھاتا رہا مگر میرے چلتے نے  
بتایا ہے کہ جو مقدس نقش تمہارے پاس ہے اس  
کا اثر اب زیادہ شدید ہو گیا ہے۔  
ساحرہ طروشٹی نے کہا

میرے پاس ایک ہی مقدس نقش ہے جو ایک  
پرانے مار پر کندہ ہے۔

عنبہ کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ مگر وہ پُر سکون رہا بولا  
کیا یہ مار کسی بادشاہ کا ہے؟  
طروشٹی بولی۔

ہاں یہ فرعون کا مار ہے جو امانت کے طور  
پر میرے پاس رکھا ہوا ہے۔  
عنبہ نے کہا۔

بس۔ اس نقش والے مار کو پانی کے اندر ڈال کر

بچھا دو۔ لیکن مجھے ایک نظریہ مار دکھا دو جو سکتا ہے  
میں اس نقش کو دیکھ کر اس کا کوئی توڑ معلوم کر سکوں۔  
ساحرہ طروشٹی بولی۔  
ابھی لاتی ہوں۔

جادوگر فی طروشٹی فوراً دوسرے کمرے میں گئی اور ایک ڈبہ  
اٹھا لائی۔ اس میں سے فرعون کا مقدس نقش والا مار  
نکال کر اس نے عنبہ کو دکھایا اور کہا

اس مقدس نقش سے میرا بھی دل گھبراتا تھا۔  
شاید اس لئے کہ میں جادو کرتی ہوں۔ اس کو دیکھ کر  
بتاؤ کہ اس کا کوئی توڑ تمہارے پاس ہے۔  
عنبہ نے مار کو دیکھا۔ بڑا خوبصورت اور قیمتی مار تھا اس نے کہا

میری بہن! مجھے افسوس ہے کہ یہ نقش بہت مقدس  
نقش ہے اور میرے پاس ایسا کوئی توڑ نہیں ہے۔ ہاں  
میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ اسے کسی مٹی کی ہڈیا میں  
رکھ کر ہنڈیا کا منہ کپڑے سے بند کر دو اور اسے دریا  
کے اندر ایک جگہ لٹکا کر رکھ دو۔ جب اس امانت کی  
ضرورت پڑے گی وہاں سے نکال لانا۔ پس تمہاری طاقت  
بھی تمہارے پاس رہے گی۔ سانپ بھی تمہارے حکم  
کی تعمیل کرے گا اور تم بادشاہ کے آگے اپنا رعب



ساحرہ طروش خوش ہوگئی کہنے لگی۔

پلو۔ دریا پر چل کر اس بار کو چھپا دیتے ہیں۔

ساحرہ طروش نے عنبر کو ساتھ لیا۔ مقدس نقش والے بار کو ہنڈیا میں بند کر دیا اور دریا کے کنارے ایک جگہ رستی باندھ کر دریا کے اندر لٹکا دیا۔ وہاں نشانی کے طور پر دو پتھر رکھ دیئے عنبر نے کہا

اب یہ سانپ جیسا تم کہو گی دیئے ہی کرے گا۔

ساحرہ طروش سانپ کی پٹاری کو لے کر بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ جبکہ عنبر پیہرے کے جھیس میں سب سے پہلے مارا اور تھیوسانگ کے پاس آیا۔ انہیں سب معاملات بتائے اور پھر رات کو ویران اہرام میں جا کر کولون کو بتایا کہ وہ نقش والا بار رات اسدا کے پاس لے آئے گا عنبر اس بار کو خود دریا میں سے نکال کر کولون کے پاس لے جانا چاہتا تھا کیونکہ اسے غلو تھا کہ مقدس نقش والے بار پر اگر جادوگر فی طروش نے کوئی نہ کوئی طلسم ضرور کیا ہوگا۔

جادوگر فی طروش نے بادشاہ پولمی کو جا کر سانپ کی کرامت دکھائی تو وہ دنگ رہ گیا اور جادوگر فی طروش کا اور گویہ بن گیا۔ ناگ کو علم ہو چکا تھا کہ مقدس نقش والا بار وہاں میں میں بند کر دیا گیا ہے اب وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ عنبر سے ایک ملاقات کرے۔

اور قلی ہو جانے پر پٹاری سے نکال کر عنبر کے پاس چلا جائے۔ دوسری طرف عنبر اپنی کوٹھڑی میں بیٹھا رات کے اندھیرے میں دریا پر جانے کی تیاری کر رہا تھا وہ یہ کام اکیلے ہی کرتا چاہتا تھا اس نے مارا اور تھیوسانگ کو بھی یہ نہیں بتایا تھا سانپ یعنی ناگ والی پٹاری ساحرہ طروش کے پاس ہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ مقدس بار اپنے قبضے میں لینے کے بعد ناگ کو بھی وہاں سے نکال کر لے جائے۔ آدھی رات سے کچھ پہلے عنبر دریا کے تیل پر اس جگہ آگیا۔ جہاں پتھروں کی نشانی رکھی تھی۔ ان پتھروں کے ساتھ رستی بندھی تھی رستی کو گھاس چھپا دیا گیا تھا۔

عنبر نے خدا کا نام لے کر رستی کو کھینچنا شروع کیا۔ ہنڈیا پانی سے باہر آگئی۔ عنبر نے اس کا کپڑا ہٹا کر دیکھا ہنڈیا میں مقدس بار موجود تھا۔ عنبر نے بار کو نکال کر جیب میں ڈال لیا اور ہنڈیا میں روڑے اور مٹی ڈال کر اسے دوبارہ پانی میں لٹکا دیا۔ اب عنبر ساحرہ طروش کے مکان میں جا کر ناگ کو پٹاری سے نکال کر اپنے ساتھ لانا چاہتا تھا۔ عنبر طروش جادوگر فی کے مکان کی طرف چل پڑا۔

ادھر جادوگر فی طروش ایک شیشے کے گلوب کو سامنے رکھے جادو کے منتر پڑھ رہا تھی۔ یونانی فرعون پولمی نے



اسے ایک خاص تعویذ بنانے کے لئے حکم دیا تھا اور وہ خاص منتروں کا جاپ کرتے ہوئے گلوب کو بھی تک رہی تھی۔ اچانک گلوب پر عنبر کی شکل ابھری۔ کیا دیکھتی ہے کہ پیپرا دریا کنارے ایک جگہ ٹک گیا اور پھر پانی کی تہہ میں سے رسی کھینچ رہا ہے۔ جادوگرنی طروش کو اپنے منتر بھول گئے۔ اسے فوراً پتہ چل گیا کہ یہ پیپرا کوئی جھوٹا فریب ہے اور اس کا بار چرانے اس کے پاس آیا تھا۔ سانپ کی کمراس سے طروش کو یہ احساس بھی ہوا کہ یہ شیفی جادو بھی جانتا ہے۔ جادوگرنی طروش اب پوری طرح مقابلہ کرنے کے واسطے تیار ہو گئی۔

ناگ اس وقت پٹاری میں بند تھا مگر پٹاری کا ڈھکنا تھوڑا سا ادنیٰ کر کے جادوگرنی طروش کو گلوب پر عنبر کو دیا میں سے ہٹایا نکالتے دیکھنے دیکھ رہا تھا۔ جونہی طروش نے گلوب سے توجہ ہٹائی اور عنبر کا عکس گلوب پر سے غائب ہوا ناگ نے اپنا سر نیچے کر لیا۔ وہ سمجھ گیا کہ طروش پر ان کا راز فاش ہو گیا ہے اور اب وہ عنبر کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ ناگ اس کے جلے کو ناکام بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ پٹاری میں سے باہر نکل آیا۔

طروش نے ناگ کو خروش کے تالین پر ریٹکتے دیکھا تو اس پر منتر پڑھ کر پھونکا۔ ناگ بھل کی طرح ایک طرف کو اچھل کر گرا اور پھینکار مار کر جادوگرنی طروش کی گردن پر حملہ کر کے اسے ڈس دیا۔ جادوگرنی طروش کے حلق سے گڑ گڑاہٹ کی سی آواز نکلی اور وہ ناگ کے خطرناک زہر کے اثر سے پیچھے کو لڑکھرائی۔ ناگ فوراً ہی انسانی شکل میں آ گیا۔

یہ اس کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اس نے جادوگرنی کی طاقت کا غلط اندازہ نہ کیا تھا۔ جادوگرنی پر اگرچہ زہر کا شدید اثر ہو چکا تھا مگر اس کے پاس ابھی ایک عمل ایسا باقی تھا جس سے وہ دشمن پر حملہ کر سکتی تھی چنانچہ جونہی ناگ نے انسانی شکل اختیار کی طروش نے گرتے گرتے چبوترے پر رکھے برتن میں جلتی آگ میں سے ایک دھبہ اُڑا کوند اٹھایا اور ایک ہلکی پیچھ کی آواز کے ساتھ اسے ناگ پر پھینکا۔

یہ آگ کا انگارہ ناگ کے سر پر آکر لگا۔ ناگ کی آنکھوں کے سامنے جیسے بجلی سی چمک گئی۔ اس کی آنکھیں چمک اُڑیں۔ اس نے دیکھا کہ جادوگرنی طروش زہر سے نیلی پڑ رہی ہے اور آہستہ آہستہ غائب ہوتی جا رہی ہے۔ ناگ اسے



ناتحاذ انداز میں نکلنے لگا۔ کیونکہ اس نے گلوب میں یہ دیکھ لیا تھا کہ عبیر نے مقدس ہار بندھایا سے نکال لیا ہے۔ طروش جادوگر کی کے چہرے پر ایک طنز یہ مسکراہٹ آئی اور اس نے ناگ کی طرف اشارہ سے اشارہ کیا اور کہا

تم .... تم پر میرا وار چل گیا ہے۔

یہ کہتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی اور بے ہوش ہوتے کے ساتھ ہی غائب ہو گئی۔ ناگ دل میں ہنسا کہ بھلا اس کا وار کیسے چل سکتا تھا وہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہے اور اسے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ ناگ عبیر کا انتظار کرنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ مقدس ہار حاصل کر لینے کے بعد وہ سیدھا اس کے پاس آئے گا۔

ناگ کو اپنا سر بڑا ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرنا چاہا تو اس کا خون خشک ہو گیا۔ اس کے سر پر ماتھے کی جگہ کچھ بھی نہیں تھا۔ ناگ نے گھبرا کر اپنے سر اور گردن اور منہ پر ہاتھ پھیرنے کی کوشش کی مگر اس کا سر، گردن اور منہ کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ بوکھلا گیا۔ جلدی سے اپنے جسم کو دیکھا اور پھر آنکھیں نیچے کر کے ہونٹوں کو دیکھنے کی کوشش کی۔ اب اس پر یہ ہولناک حقیقت کھلی کہ اس کی گردن اور سر اس کے دھڑپہ سے غائب ہو

چکا ہے۔

ناگ پریشان ہو کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ طروش کے باغ میں آتے ہی اس نے سانس کھینچی اور عقاب بن گیا مگر اس عقاب کا بھی باقی جسم تو نظر آ رہا تھا لیکن اس کی گردن اور سر غائب تھا۔ ناگ جلدی سے سانپ کی شکل میں آ گیا مگر سانپ کی شکل میں بھی اس کا سر غائب تھا۔ ناگ کو پسینہ آ گیا۔ یہی وہ وار تھا جو جادوگر کی نے مرتے مرتے اس پر کیا تھا اور جو کامیاب ثابت ہوا تھا۔ طروش جادوگر کی نے اپنے منتر جادوئی سے اس کے سر پر آگ کا انگارہ مار کر اس کا سر غائب کر دیا تھا۔ ناگ کے لئے یہ صورت حال بڑی پریشان کر دینے والی تھی۔ وہ سانپ کی شکل میں دوبارہ کمرے کے اندر چلا گیا اور پٹاری میں جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں عبیر وہاں پہنچ گیا۔ عبیر کو ناگ کی باقاعدہ نوشبو آ رہی تھی۔ وہ پھوپھک پھوپھک کر قدم اٹھاتا کوٹھڑی میں آیا۔ اسے جادوگر کی طروش کہیں نظر نہ آئی۔ سامنے چبوترے کے بیٹن میں آگ جل رہی تھی اور پٹائی پر گلوب پڑا تھا۔ کونے میں ناگ کی پٹاری تھی۔

عبیر نے ہچک کہ پٹاری کو اٹھا کر بغل میں ملا اور باہر کو بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے وہ جادوگر کی طروش کے مکان کی



باغ والی چار دیواری کے دروازے میں سے نکل گیا اور اب  
تیز تیز قدموں سے سرائے کی طرف چل پڑا۔ اس نے احتیاط  
کے طور پر ناگ کو سانپ کی زبان میں آواز دی۔  
ناگ ! تم اندر ہی ہونا ؟

ناگ نے کہا ۔ ہاں

وہ ابھی عنبر کو بتانا نہیں چاہتا تھا کہ اس پر کیا مصیبت  
گزر گئی ہے۔ بازار میں لوگ آ جا رہے تھے۔ دکانیں کھلی تھیں  
عنبر سرائے میں پہنچا تو تھیوسانگ اور ماریا وہاں کوٹھڑی  
میں موجود تھے۔ ناگ کی پٹاری دیکھ کر تھیوسانگ بولا۔  
تم ناگ کو لے آئے ؟ کیا تمہارا مشن کامیاب ہو  
گیا عنبر ؟

عنبر خوشی سے سکرایا اور بولا۔

کیوں نہیں ؟ خدا میرے ساتھ تھا۔ میں اپنے اہل وطن  
کے لئے ان کی مقدس امانت شاہی ہار واپس لے آیا  
ہوں۔ یہ دیکھو۔ ماریا تم بھی دیکھو۔

عنبر نے جیب سے مقدس نقش والا انمول شاہی ہار  
نکال کر انہیں دکھایا تو وہ چمکتے دیکتے پیرے جواہرات  
والا ہار دیکھ کر حیران رہ گئے۔ عنبر نے کہا

بس آج رات میں یہ امانت اس ملک کے اصلی

باشندوں کے حوالے کر دوں گا۔ کوئی کس قدر خوش  
ہو گا۔ اس کے ساتھی کتنے خوش ہوں گے۔ آج میں  
نے اپنی مادر وطن کا قرض ادا کر دیا۔ میں نے اپنا فرض  
پورا کر دیا ہے۔

ماریا بولی۔

خدا کا شکر ہے تم سرخ رو ہو گئے۔  
تھیوسانگ بولا۔

ارے ! ناگ کو تو باہر نکالو پٹاری میں سے۔

ارے ! میں تو بھول ہی گیا تھا اور ناگ بھی دیکھو  
کیا چپ کر کے بیٹھا ہے اندر۔

یہ کہہ کر عنبر نے پٹاری کا منہ کھول دیا۔ ناگ کنڈلی مارے  
بیٹھا تھا۔ پہلے تو کسی کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ ناگ کا سر  
غائب ہے۔ عنبر نے کہا

ناگ ! تم باہر کیوں نہیں نکلتے ؟ کیا بات ہے ؟  
ناگ نے آہستہ سے اداس آواز میں کہا

دوستو ! مجھ پر بڑی بھاری مصیبت آن پڑی ہے۔  
ماریا اور تھیوسانگ اور عنبر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔  
خیریت تو ہے ناگ ؟ عنبر بولا۔

ناگ نے کہا۔



تہیں خود ہی پتہ چل جائے گا۔ میں باہر آتا ہوں۔

یہ کہنے کے بعد ناگ پٹاری سے نکل آیا۔ جوہنی وہ باہر آیا تو ماریا، عزیز اور تھیوسانگ یہ دیکھ کر سکتے میں آگئے کہ ناگ سانپ کا دھڑ تو موجود تھا مگر سر غائب تھا۔ ماریا تو رو پڑی۔

ناگ! یہ کیا ہو گیا تمہارے ساتھ؟

تھیوسانگ چپ تھا۔ عنبر نے کہا

ناگ! یہ حادثہ کیسے ہو گیا؟

ناگ نے پوری کہانی سنا ڈالی کہ کس طرح اس نے جادوگرنی طروش کو ڈس کر ہلاک کیا اور پھر کس طرح وہ مرتے مرتے اس پر انگادہ پھینک کر اس کے سر کو غائب کر گئی۔ عنبر نے پوچھا۔

کیا تم انسانی شکل بدل سکتے ہو؟

”ہاں“

اور ناگ انسانی شکل میں آگیا اب سب نے صاف طور پر دیکھا کہ ناگ کا سارا انسانی دھڑ موجود تھا مگر اس کا سر گردن سے اوپر غائب تھا۔ ماریا کو بے حد صدمہ ہوا تھا۔ اس نے اپنے آنسو روکنے ہوئے عنبر سے کہا۔

فدا کے لئے ناگ کے سر کو واپس لاؤ عنبر! ناگ بولا۔

میرا سر میرے کاندھوں پر موجود ہے مگر وہ غائب ہے میں بھی اس کو محسوس نہیں کر سکتا۔ میرا ماتھے اسے چھو نہیں سکتا۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ سن رہا ہوں بول رہا ہوں مگر نہ میرے ہرنٹ میں نہ کان میں اور نہ آنکھیں ہیں۔ میں نے طروش جادوگرنی کے جادو کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ ماریا رونکھی آواز میں بولی۔

اب کیا ہو گا عنبر بھیا؟ کیا ناگ کا سر کبھی واپس نہ آ سکے گا؟

عنبر نے کہا۔

گھبرانے کی بات نہیں ہے ناگ کا سر ضرور واپس آئے گا۔

تھیوسانگ بولا۔

ہمیں طروش کے مکان پر چلنا چاہیے ہو سکتا ہے وہاں سے ہی کوئی توڑ مل جائے۔ ماریا گھبرا کر بولی۔

فدا کے لئے وہاں جانے کا نام نہ لو۔ کوئی پتہ

نہیں تمہارے بھی سر غائب ہو جائیں۔  
عنبر نے کہا۔

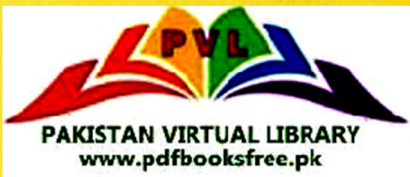
ہمیں جانا ہی پڑے گا۔ تم لوگ یہاں ٹھہرو۔ میں  
جاتا ہوں۔

اور عنبر اکیلا ہی جادوگر کی طرح کی طرف چل  
دیا۔ حفاظت کے طور پر ماریا اس کے سر کے اوپر  
دوپٹہ لٹا رہی تھی۔



(آگے کیا ہوا یہ جاننے کے لئے قسط نمبر ۱۲۸  
"عنبر کی قبر" میں پڑھیے)





# عنبر ناگ مار کی اور خلاصیت



احمد

PDFBOOKSFREE.PK





عنبرناگ، ماریا

# عنبرناگ

PDFBOOKSFREE.PK

ایہ حمید



Uploaded for:  
Pakistan Virtual Library  
[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)



عَنْبَرِ نَازِ مَارِیَا اُورِ مَیّی خَلا میں

عَنْبَرِ کی قبر

اے حمید



ترتیب

ناگ پر دوسرا حملہ

عنبر کی قبر

مردہ پہاڑ کا غار

چار سیاہ پوش گورکن

کلش دیوتا کی پھنکار

قیمت : ۵۰ روپے

جمہوریہ حقوق پبلشرز معفوظہ

۱۹۸۶

ناشر : شاہنواز احمد، ۱۳، جی شوہاں مارکیٹ، لاہور ۸۲۰۰۱  
طابع : شاہنواز احمد، ۱۳، جی شوہاں مارکیٹ، لاہور

پیارے دوستو!

عنبر ناگ مار یا کو جس محبت سے آپ پڑھتے ہیں۔  
اسی محبت اور پیار سے میں اس کہانی کو آپ کے لیے لکھتا ہوں جس  
طرح آپ کبھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ یہ خوب صورت دلچسپ  
اور سنسنی خیز کہانی کا سلسلہ ختم ہوا۔ اسی طرح میں بھی کبھی پسند نہیں  
کروں گا کہ اسے اپنے پیارے دوستوں کے لیے لکھنا بند کر دوں۔  
لیکن پیارے دوستو! آج کل ہر طرف مہنگائی ہے۔ کتابوں کی کھائی چھائی  
اور جلد بندی اور ڈاک پر اتنا خرچ آجاتا ہے کہ وہ پورا نہیں ہوتا۔  
اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اکثر ہمارے دوست عنبر ناگ مار یا کی  
کتاب خریدنے کی بجائے لائبریری سے کرائے پر کتاب لے کر  
پڑھتے ہیں۔ اس سے لائبریری والے کو تو بڑا فائدہ ہوتا ہے  
مگر ہماری کتاب نہیں بکتی۔ ذرا سوچیں اگر ایک محلے کے دس بچے  
لائبریری سے کرائے پر کتاب لے کر پڑھتے ہیں تو ہماری دس  
کتابیں نہیں بکتیں۔ فائدہ لائبریری والا اٹھاتا ہے اور ہمیں نقصان  
ہوتا ہے۔ اس طرح آخر ہم کب تک نقصان برداشت کر سکیں  
گے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں ایک ہی طریقہ ہے کہ اگر آج سے ہر دوست  
یہ پکا فیصلہ کرے کہ وہ کتاب لائبریری سے کرائے پر نہیں لے گا بلکہ  
خرید کر پڑھے گا۔ تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم عنبر ناگ مار یا



کا دلچسپ سلسلہ ہمیشہ جاری رکھیں گے۔ نہیں تو خدا نہ کہے کہ ہمیں  
عنبر ناگ ماریا کو خدا حافظ کہتا پڑے۔ امید ہے ہمارے دوست  
اس سلسلے میں ہم سے تعاون کریں گے۔ تاکہ ان کا یہ پیارا پیارا  
مڑے دار سلسلہ ہمیشہ جاری رہ سکے۔

تمہارا انکل

اے حمید

N-454 راہ چین سمن آباد لاہور۔

Uploaded for:  
Pakistan Virtual Library  
www.pdfbooksfree.pk

## ناگ پر دوسرا حملہ

عنبر جادوگر کی طرحی کے مکان پر جا پہنچا۔

وہاں ویرانی برس رہی تھی۔ مکان کا دروازہ بند تھا اور  
ایک دو شندان میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ عنبر باغ میں سے  
بھاگ کر دروازے پر پہنچا۔ اسے کھولا تو دھواں اور شعلے باہر کو  
پکے۔ عنبر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ جادوگر کی کمرے میں آگ  
جل رہی تھی۔ وہ جادوگر کی غائب ہو جانے کے بعد پیالے  
سے باہر نکل آئی تھی اور اس نے دیواروں اور قالین کو جلانا شروع  
کر دیا تھا۔

ماریا اوپر سے اترتی ہوئی نیچے آگئی۔ اس نے گھبرا کر عنبر کو  
آواز دی۔

”عنبر! مکان میں آگ لگ گئی ہے۔ باہر آ جاؤ۔“

دروازہ کھلنے سے کمرے کی آگ کو آگین ملی تو وہ اور  
زیادہ بھڑک اٹھی۔ پاس ہی محل کی طرف سے لوگ آگ کا شور  
مچاتے بھاگے۔ ماریا نے عنبر سے کہا۔



”یہاں سے واپس چلو عنبر۔ جادو گرنی کا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ وہ اب واپس نہیں آئے گی۔“

ماریا اور عنبر واپس کا ندواں سرائے میں آ گئے۔ ناگ کی وہی حالت تھی۔ تھیوسانگ اس کے پاس ادا اس بیٹھا تھا۔ ناگ اس وقت انسانی شکل میں ہی تھا مگر اس کی گردن غائب تھی۔ صرف کا ندھوں تک دھڑھری نظر آ رہا تھا۔ عنبر اور ماریا ابھی دروازے کے پاس ہی تھے۔ ماریا نے عنبر کو آہستہ سے پوچھا۔

”ناگ کو اس مصیبت سے کیسے چھٹکارا ملے گا عنبر؟“  
ماریا کے بچے میں بہت تشویش تھی۔ عنبر نے کہا۔  
”خدا کی رحمت سے میں کبھی مایوس نہیں ہوا۔ ماریا اور تم بھی خدا پرست ہو۔ فکر نہ کرو۔ مجھے یقین ہے ناگ ٹھیک ہو جائے گا۔“

ماریا بولی۔

”ناگ کے ڈسنے سے جادو گرنی تو مر گئی ہے مگر ناگ پر اس کا جادو نہیں ڈٹا۔ مجھے اس کی تشویش ہے۔“

عنبر نے ماریا کو حوصلہ دیا اور سرائے کی کوٹھڑی میں آگیا اس نے تھیوسانگ اور ناگ کو بتایا کہ جادو گرنی کے مکان کو آگ لگی ہوئی ہے۔ ناگ کو فکر ہوئی۔ کہنے لگا۔

”اگر وہ مر گئی ہے تو میں اس کے جادو سے آزاد کیوں نہیں ہوا؟“

عنبر اور ماریا نے اسے حوصلہ دیا اور کہا کہ جادو کا کوئی نہ کوئی ٹوٹ ضرور اور بہت جلد تلاش کر لیا جائے گا۔ ناگ بولا۔

”میں گھبرا نہیں رہا ماریا۔ بس یہ ایک عجیب صورتحال ہے جس کی وجہ سے میں پریشان ضرور ہوں۔“  
تھیوسانگ نے بھی ناگ کو تسلی دی۔ عنبر نے کہا۔

”میں آج رات مقدس ہار کو لون کے حوالے کرنے جاؤں گا۔ اور اس سے جادو گرنی کے جادو کے بارے میں بھی بات کروں گا۔“

ناگ خاموش رہا۔ اس رات عنبر ویران اہرام میں پہنچ گیا۔ اس نے مصر کے نوجوانوں کو مقدس ہار کی امانت دی اور کہا۔  
”یہ امانت مصر کی تھی اور میں نے اسے مادر وطن کے حوالے کر دیا ہے۔“

کو لون اور اس کے ساتھیوں نے عنبر کا بے حد شکریہ ادا کیا۔  
— کیا۔ عنبر کو لون کو ایک طرف لے گیا۔ اور اس سے ساحرہ طروشی کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ اس جادو گرنی کے بارے میں کچھ جانتا ہے؟ کو لون نے کہا۔

”میں نے صرف اتنا ہی سن رکھا ہے کہ طروشی یونانی فرعون



کی خاص جادو گرنی ہے۔ اور وہ یونان میں رہا کرتی تھی۔  
اور اس نے مصر کے ایک پرانے بوڑھے جادوگر سے  
جادو گری سیکھی تھی۔

عنبر نے پوچھا۔

”وہ بوڑھا جادوگر کہاں مل سکتا ہے؟“

کہ لون بولا۔

”وہ تو کب کا مر چکا ہے“

عنبر عجیب ہو گیا۔ پھر اجازت لے کر واپس تھیوساگ اور  
ماریا ناگ کے پاس آ گیا۔ باقی رات وہ ناگ کے بارے میں صلاح  
مشورہ کرتے رہے۔ ناگ کو نے والے بستر پر چپ چاپ لیٹا  
رہا۔ یونہی ساری رات گزرتی گئی۔ اب اندھیری رات کے آنے میں صرف  
چاند دن باقی رہ گئے تھے۔ اس اندھیری رات کو ان لوگوں نے کمیٹی  
کی مدد کے لیے مردہ فرعونوں کی استخوانی بستی کی طرف روانہ ہونا تھا۔  
عنبر اور ماریا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ناگ کو اس حالت میں وہ  
کیسے ساتھ لے جائیں گے کہ اس کا سر ہی غائب ہے۔ اب ایسا  
اتفاق ہوا کہ کمرے کا دروازہ آدھا کھلا رہ گیا تھا۔ حالانکہ یہ لوگ  
ہمیشہ دروازہ بند رکھتے تھے۔ عین اس وقت جبکہ تھیوساگ اور  
عنبر باتیں کر رہے تھے۔ ناگ ان کے قریب ہی تخت پر ایک  
طرف جو کر بیٹھا تھا کہ سرانے کا ملازم قبوے کا طشت لیے اندر

داخل ہو گیا۔ اس نے جو اندر ایک ایسا آدمی دیکھا کہ جس کا  
دھڑ تو موجود تھا مگر سر غائب تھا تو دہشت کے مارے اس کے  
ہاتھ سے طشت فرش پر گر پڑا اور وہ چیخ مار کر باہر کو بھاگا۔  
تھوڑی دیر میں سرانے میں شور مچ گیا کہ سرانے کی فلاں کوٹھڑی  
میں ایک سرکٹا بھوت بیٹھا ہے۔ لوگ اس کوٹھڑی کی طرف آئے اور  
دور کھڑے رہ کر تماشہ دیکھنے لگے کہ شاید اب بھوت باہر  
آئے۔ افراتفری مچی تو سرانے کا مالک عنبر کی کوٹھڑی کے باہر  
آیا اور آواز دی۔ عنبر نے دروازہ کھول دیا۔ مالک نے کہا کہ تمہارے  
ہاں کوئی بھوت آیا ہے؟ عنبر نے کہا۔

”خود آکر دیکھ لو۔ یہاں تو کوئی بھوت نہیں ہے۔“

اس وقت ناگ ایک چھوٹے سے سرکٹے سانپ کی شکل میں  
چھت کے ساتھ چھٹ گیا تھا۔ سرانے کے مالک نے دیکھا  
کہ وہاں کوئی سرکٹا بھوت نہیں ہے تو معذرت کی اور باہر جا کر  
لوگوں کو سمجھایا کہ اس کا نوکر یونہی مارے وہم کے ڈر گیا تھا۔ ہماری  
سرانے میں آج تک کبھی کوئی بھوت نہیں آیا۔ لوگ چہ میگوئیاں کرتے  
ہوئے تشر بثر ہو گئے۔ لیکن عنبر ماریا اور تھیوساگ محتاط ہو گئے۔  
انہوں نے ناگ سے کہا کہ اب وہ انسانی شکل میں نہ آئے۔ کیونکہ  
انسانی شکل میں اس کا غائب سر دیکھ کر لوگوں میں شور شرابا مچ جائے  
گا۔ ناگ کو اس کا بڑا افسوس ہوا اب اس کے دوست بھی



اسے انسانی شکل میں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور جب ماریا عنبر اور تھیوساگ کمرے میں بیٹھے مردہ فرعونوں کی بستی میں جانے کا پروگرام بنا رہے تھے تو وہ چپکے سے ریگلتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس وقت دن ڈھل چکا تھا۔ سورج مغرب میں دوراہرام مصر کے پیچھے غروب ہو رہا تھا۔ ناگ نے پہلی بار عنبر اور تھیوساگ کی طرف سے محسوس کیا تھا کہ وہ اس سے جیسے تنگ آگئے ہوں۔ حالانکہ ایسی بات بالکل نہیں تھی۔ مگر ناگ جذباتی ہو گیا تھا۔ وہ عنبر تھیوساگ اور ماریا سے ناراض ہو کر سرائے کی چار دیواری کی طرف بڑھا۔ باہر لوگ ادھر ادھر کام کاج میں لگے ہوئے تھے۔ ناگ نے فوراً ایک عقاب کی شکل بدلی اور فضا میں بلند ہو کر دریائے نیل کے اوپر پرواز کر گیا۔

اگر اس وقت کوئی اس سر کے عقاب کو دیکھتا تو اس کے ہوش اڑ جاتے۔ اسی لیے ناگ کافی اوپر جا کر پرواز کر رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کسی خاص طرف جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ بس اپنے دوستوں سے ناراض تھا۔ اور گویا اپنے دل کا غم ہلکا کرنے کے لیے کسی طرف سیر کرنے نکل آیا تھا۔ کسی وقت اس کے دل میں خیال آتا کہ اب عنبر ماریا اور تھیوساگ کے پاس واپس نہیں جائے گا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ وہ پہلے ہی کیٹی کی گشدگی سے پریشان ہیں، وہ بھی غائب ہو گیا

توان کی پریشانی بڑھ جائے گی۔ پھر بھی ناگ نے فیصلہ کیا کہ وہ ابھی ان کے پاس نہیں جائے گا۔ اس کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ سورج غروب ہو گیا تو مصر کے دارالحکومت پھتین کے باہر صحرائی ٹیلوں پر اندھیرے کی چادر پھیلنے لگی۔ دوراہرام مصر کے تکیوں ٹیلوں نے بھی اندھیرے کی چادر اوڑھ لی تھی۔ آسمان پر کہیں کہیں ستارے نکل کر چمکنے لگے تھے۔ ناگ فضا میں اڑتا جا رہا تھا۔ وہ اہرام کے اوپر سے گزر گیا۔ کچھ دور تک اڑنے کے بعد ناگ نے اوپر سے گردن جھکا کر نیچے دیکھا۔ دریا نے نیل سائب کی طرح بل کھانا سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ کہیں کہیں ماہی گیروں کی کشتیاں چل رہی تھیں۔ ناگ دریا کے ساتھ ساتھ اڑنے لگا۔

قدیم زمانے میں بھی یونانی فرعون بادشاہوں نے نر سوز کو کھدوایا تھا اور دریا نے نیل نر سوز کے دہانے کے ڈیلے میں جا کر گرتا تھا۔ ابھی اسکندریہ کا شہر آباد نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ سکندر اعظم نے ابھی مصر کو فتح نہیں کیا تھا اور وہ مقدونیہ کے شاہی محل میں ابھی جنگی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ناگ تیز رفتاری سے پرواز کرتے ہوئے نر سوز کے ڈیلے کے بھی اوپر سے گزر گیا۔ اب اس کا رخ بحیرہ روم کی طرف تھا۔ چونکہ ناگ کی رفتار بہت تیز تھی اس لیے وہ رات ہوتے ہی ملک یونان کے جزایروں پر پہنچ گیا۔ نیچے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں والے چھوٹے چھوٹے جزیرے سمندر میں پھیلے ہوئے



تھے کہیں کہیں ان جسندیروں میں روشنی بھی ہو رہی تھی۔ ایک  
جزیرے کی لمبی تھکن سمندر میں آگے تک چلی گئی تھی۔ یہ قدیم یونان  
کا ملک تھا۔ اس ملک میں سپارٹا ایتھنز اور دوسرے کوئی چھوٹے چھوٹے  
شہر آباد تھے۔ ہر شہر کی اپنی حکومت تھی اور اپنا الگ بادشاہ تھا۔  
یہ شہر آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ سپارٹا بحیرہ علاقے والا شہر  
تھا۔ وہاں کے فوجی بہت مشہور تھے۔ ایتھنز بندرگاہ بھی تھی۔ وہاں  
علوم و فنون کا دور دورہ تھا اور خوشحال شہر بھی تھا۔ اسی طرح کا  
ایک شہر دور جزیرے کی مشرقی پہاڑیوں میں آباد تھا۔ جس کا  
نام مقدونیہ تھا۔ یہاں بادشاہ فلپ حکومت کرتا تھا جو سکندر اعظم  
کا باپ تھا۔ سکندر اعظم کی عمر ابھی اٹھارہ انیس برس تھی اور وہ  
جنگی فنون کے ساتھ ساتھ فلسفے حساب اور جغرافیہ کی تعلیم بھی حاصل  
کر رہا تھا۔ مشہور فلاسفر ارسطو اس کا استاد تھا۔ اسکندر بڑی جوشیلی  
طبیعت کا لڑکا تھا۔ اور شروع میں ہی اس کے دل میں یہ خیال بیٹھ  
گیا تھا کہ وہ یونان کے سارے شہروں کو متحد کرنے کے بعد ساری  
دنیا کو فتح کرے گا۔

جس وقت ناگ مقدونیہ کی پہاڑیوں کے اوپر اُڑ رہا تھا اس  
وقت سکندر اپنے شاہی محل کے باغ میں چیل قدمی کر رہا تھا۔ ناگ  
نے نیچے ایک شہر کو دیکھا کہ ایک خوب صورت سنگ مرمر کے سفید  
محل میں روشنیاں ہو رہی ہیں اور محل کے باغ میں بھی ایک جگہ دو

مشعلیں جل رہی تھیں۔ ناگ کو یہ باغ بڑا خوب صورت لگا۔ اور  
وہ نیچے اُتر آیا۔ باغ میں — درختوں کے درمیان ایک جگہ  
فوارہ اُچھل رہا تھا۔ ناگ اس کے پاس ہی درخت کی شاخ پر بیٹھ کر  
فوارے کا نظارہ کرنے لگا۔ باغ میں جگہ جگہ سنگ مرمر کے مجسمے  
لگے تھے۔ یونانیوں کو مجسمے بنانے کلبے حد شوق تھا۔ ان کے بنائے  
ہوئے مجسمے آج بھی لوگ بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔ فوارے کے  
پاس سنگ مرمر کا ایک پہنچ تھا۔ جو خالی تھا۔ رات بڑی خوشگوار تھی۔  
نیلے آسمان پر سفید ستارے چمک رہے تھے۔ اور ٹھنڈی ہوا چل  
رہی تھی۔

ناگ عقاب کی شکل میں درخت کی شاخ پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ  
عزیز ماریا اور تھیو ساگ اس کے لیے پریشان ہو رہے ہوں گے۔  
اس لیے اسے اب واپس چلے چلنا چاہیے۔ ابھی وہ یہ سوچ  
ہی رہا تھا کہ باغ میں ایک طرف سے لمبی ڈاڑھی والا بوڑھا یونانی  
طرز کا سفید لمبا بادلہ اوڑھے آیا اور خالی پہنچ پر بیٹھ کر فوارے سے  
لطف اندوز ہونے لگا۔ یہ سکندر اعظم کا استاد مشہور فلسفی ارسطو  
تھا۔ تم بڑے ہو کہ ارسطو کے بارے میں بہت کچھ پڑھو گے۔

ناگ کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ یہ ارسطو ہے یا اسکندر کا استاد  
ہے اس نے سوچا کہ کوئی شاہی خاندان کا بزرگ ہے اور باغ میں تفریح  
کے خیال سے آکر بیٹھ گیا ہے۔ اتنے میں ایک طرف سے ایک نوجوان



جوان لڑکا یونانی شاہی لباس میں وہاں آیا اور بولا۔

”عظیم استاد ارسطو! آپ یہاں تشریف رکھتے ہیں؟“  
 بوڑھے فلاسفر نے مسکرا کر سکندر اعظم کی طرف دیکھا اور کہا۔  
 ”اسکندر! آؤ یہاں آؤ۔ دیکھو۔ قوائے کا پانی ستاروں  
 کی روشنی میں کس قدر دلکش لگ رہا ہے؟“  
 سکندر اعظم اپنے استاد ارسطو کے پاس بڑے ادب سے

بیٹھ گیا۔ اور بولا۔

”استاد مکرم! مجھے صبح سے ایک بات بہت پریشان کر  
 کر رہی ہے؟“  
 ارسطو نے پوچھا۔

”ایسی کون سی بات ہے سکندر؟ ہمیں بتاؤ۔ ہم تمہاری  
 پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم تمہارے  
 استاد بھی ہیں اور تمہارے بزرگ اور ہمدرد بھی ہیں۔“  
 اسکندر اعظم نے کہا۔

”استاد محترم! صبح میں محل کی پرانی خادمہ سے بات کر  
 رہا تھا تو اس نے مجھے بتایا کہ دنیا میں ایسی ناگن بھی ہوتی  
 ہے جو اگر چاہے تو عورت کی شکل بدل لیتی ہے۔ کیا یہ سچ  
 ہے استاد مکرم؟“

ناگ کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ اب اسکندر اعظم اور ارسطو

کی باتوں کو غور سے سنتے لگا۔ وہ درخت کی شاخ میں پتوں میں چھپا  
 ہوا بیٹھا تھا اور سطو سکندر کا سوال سن کر مسکرایا اور بولا۔

”تمہاری خادمہ نے ایک ایسی بات کہہ دی ہے جس کی کوئی  
 حقیقت نہیں۔ یہ سب افسانوں کی باتیں ہیں سکندر۔ دنیا  
 میں کوئی ایسا سانپ نہیں جو انسانی شکل اختیار کر سکے اور  
 کوئی ایسی ناگن نہیں جو عورت بن جاتے۔ عقل ان باتوں کو نہیں مانتی  
 اس لیے تمہیں بھی ایسی باتیں دل سے نکال دینی چاہئیں؟“  
 سکندر بولا۔

”لیکن استاد مکرم۔ خادمہ ایک تجربہ کار بزرگ خاتون ہے  
 وہ سائپرکس کی رہنے والی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس  
 کے دادا نے ایک ایسی ناگن کو دیکھا تھا جو عورت بن جاتی  
 تھی۔“

ارسطو نے سکندر کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔  
 ”سکندر تمہیں ایک دنیا کو فتح کرنا ہے۔ اس قسم کی فضول  
 باتوں میں الجھنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ یہ بچوں کی باتیں  
 ہیں۔ اسے بھول جاؤ۔“

ناگ یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اس کے جی میں آئی کہ ابھی اس  
 بوڑھے فلاسفر کو ثبوت کے طور پر خود انسان بن کر دکھا دے۔ مگر  
 ناگ کا سر غائب تھا۔ وہ ایسا کہتا پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن جب



سکندر نے اپنے استاد سے یہ کہا۔  
 ”لیکن استاد محترم۔ اگر کوئی سانپ آپ کے سامنے انسان  
 بن کر آجائے تو آپ اسے کیا کہیں گے؟“  
 ارسطو نے جھجلا کر کہا۔

”ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ناممکن ہے۔“

اب ناگ کو غصہ آگیا کہ یہ شخص اس حقیقت کو کیوں نہیں مانتا  
 کہ اگر خدا کی مرضی ہو تو دنیا میں ہر شے ممکن ہو سکتی ہے۔ خدا  
 شے پر قادر ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ فوراً درخت  
 کی شاخ سے اڑ کر باغ کے ایک درخت کے پیچھے گیا۔ اور سانپ  
 کی شکل اختیار کر لی اور دیکھا ہوا اس پنچ کی طرف چلا۔ ماں سکندر اعظم  
 اس کا استاد ارسطو بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اندھیرے میں سانپ  
 دکھائی نہ دیا۔

لیکن جب ناگ سکندر اعظم کے قریب آگیا تو وہ اچھل پڑا  
 ”سانپ!“  
 عین اس وقت ناگ نے چمٹکار مادی اور انسانی شکل میں

ورہ بولا۔

”سکندر اعظم! اپنے استاد سے کہو کہ میں سانپ ہوں  
 مگر انسان کی شکل میں آ سکتا ہوں۔“  
 ارسطو اور سکندر اپنے سامنے ایک ایسے نوجوان کو دیکھ کر

سے ہو کر رہ گئے جو ابھی ابھی سانپ تھا اور اب ایک انسان کی  
 شکل میں کھڑا تھا۔ انہیں دو طرح کی حیرت ہو رہی تھی۔ ایک تو یہ  
 کہ وہ سانپ سے انسان بنا تھا۔ اور دوسرے یہ کہ اس کا سر غائب  
 تھا۔

ارسطو اور سکندر پنچ پر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ارسطو نے  
 ناگ کے جسم پر گہری نگاہ ڈالی اور کہا۔

”ٹھیک ٹھیک بتاؤ تم کون ہو اور تمہارا سر کیوں غائب  
 ہے؟“  
 ناگ بولا۔

”میں اصل میں سانپ ہوں اور مجھ میں اتنی طاقت  
 ہے کہ میں جب چاہوں انسان یا کسی جانور کا روپ بدل  
 سکتا ہوں۔ یہ میری اصلی شکل ہے۔ مگر مجھ پر ایک طلسمی  
 حادثہ گزر گیا ہے۔ جس کی وجہ سے میرا سر غائب ہے۔  
 اگرچہ یہ سر میرے کاندھے پر لگا ہے۔ مگر اسے نہ تو کوئی  
 دوسرا دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی میں دیکھ اور محسوس کر  
 سکتا ہوں۔“  
 سکندر بولا۔

”دیکھا استاد مکرم! میں نہ کہتا تھا کہ بعض سانپ ایسے  
 ہوتے ہیں جو چاہیں تو انسانی روپ میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔“



اب بتائیے

ارسطو تعجب سے ناگ کے جسم کا جائزہ لے رہا تھا پھر بولا  
”تم ضرور کوئی جادوگر ہو۔ اور جادو کے زور سے

ایسی کرامتیں دکھا رہے ہو“  
ناگ نے کہا۔

”اگر میں خود جادوگر ہوتا تو مجھ پر کسی دوسرے کا  
کے جادو کا اثر نہ ہوتا۔ مگر دیکھ لو۔ ثبوت تمہارے  
سامنے ہیں۔ میرا سر کسی جادوگر نے غائب کیا ہے“  
سکندر نے کہا۔

”کیا تم دوبارہ سانپ بن سکتے ہو؟“

”کیوں نہیں سکندر اعظم!“

یہ کہہ کر ناگ نے سانس اندر کو کھینچا اور ایک سکنڈ کے  
بعد ان کے سامنے ایک ایسا سیاہ سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا  
جس کا پھن غائب تھا۔ ناگ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ سانپوں کی  
زبان نہیں سمجھ سکتے اس لیے اس نے کوئی بات نہ کی اور واپس  
انسانی شکل میں آگیا۔ ارسطو اور سکندر حیرت سے ناگ کو دیکھنے  
لگے۔ سکندر اعظم نے ارسطو سے کہا۔

”استاد مگرم! اب آپ کا کیا خیال ہے“

ارسطو بولا۔

”سکندر میں اب بھی تمہیں یہی کہوں گا کہ یہ شخص کوئی  
بڑا خطرناک جادوگر ہے۔ اس نے یہ جادو ملک افریقہ کے  
کسی ساحر سے سیکھا ہوگا۔ کیونکہ میں نے بعض روز  
نامیچوں میں پرکھا ہے کہ افریقہ میں ایسے جادوگر بھی پائے  
جاتے ہیں۔ جو جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ نوجوان  
بھی کوئی شعبہ بلہ ہے“

ناگ نے کہا۔

”محترم بزرگوار! میں نے کسی سے کوئی جادو یا شعبہ  
بازی نہیں سیکھی ہے۔ اب میں آپ سے اپنا تعارف  
کرواتا ہوں۔ میرا نام ناگ ہے۔ اور میں کیٹی ہزار سال  
سے زندہ ہوں۔ میں نے تاریخ کے کئی دور دیکھے ہیں۔

جو کچھ آگے ہونے والا ہے میں وہ دیکھ چکا ہوں۔ جو  
واقعات ہوتے والے ہیں۔ میں ان میں سے گزر چکا  
ہوں“

اب تو ارسطو اور سکندر مچپ ہو گئے۔ سکندر تو پہلے ہی  
ناگ کا قائل ہو چکا تھا۔ ارسطو نے جب یہ سنا کہ ناگ آنے والے  
واقعات میں سے گزر چکا ہے تو اس نے ناگ سے پوچھا۔

”اگر تم آنے والے واقعات کو جانتے ہو تو پھر بتاؤ کہ

میرا شاگرد سکندر ساری دنیا کو فتح کرے گا یا نہیں“



پورا کر کے گا۔

سکندر اعظم بڑی دلچسپی سے ناگ کے جسم کی طرف دیکھ لگا۔ کیونکہ اسے اس کا سر تو نظر آ ہی نہیں رہا تھا۔ ناگ بولا۔  
”مجھے غیب کی باتیں بتانے کی اجازت نہیں ہے۔  
مگر صرف اتنا بتائے دیتا ہوں کہ سکندر دنیا میں سکندر  
اعظم کے لقب سے مشہور ہو گا۔ یہ بہت سے ملک  
فتح کرے گا۔ مگر اس کا سب سے خطرناک مقابلہ  
ہندوستان میں پنجاب کے راجہ پورس سے ہو گا۔  
اس جنگ میں اگرچہ سکندر کو فتح ہو گی مگر پورس کی  
پنجابی فوجیں اس بے گبری سے بڑیں گی کہ یونانی  
سپاہی بہت بار بے یمن گے۔ اور سکندر کے  
ساتھ آگے جانے سے انکار کر دیں گے۔ یہاں سے  
سکندر کی واپسی شروع ہو گی اور پھر اسے اسے میں  
بابل کی دلدلوں سے گزرتے سکندر کو بخار ہو جائے  
گا اور پھر۔۔۔۔۔“

ناگ رک گیا۔ سکندر نے جلدی سے پوچھا۔

”پھر کیا ہو گا؟ کیا میں مر جاؤں گا؟“

ناگ نے کہا۔

”اس سے آگے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔“

ارسطو بولا۔

”سکندر! تم خاموش رہو۔ غیب کی باتیں معلوم کرنے  
سے تمہاری ہمت جواب دے سکتی ہے۔ میں تو ناگ  
کا امتحان لے رہا تھا۔“

پھر وہ ناگ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

”ناگ! مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا کہ تم فیسی باتیں  
جانتے ہو؟“

ناگ بولا۔

”میں غیب کی باتیں بالکل نہیں جانتا۔ میں تو وہ واقعات  
بتا رہا ہوں جن میں سے گزر چکا ہوں۔ میں نے تمام  
کے تمام واقعات کو اپنے سامنے گزرتے دیکھا ہے اور  
ایک بار آگے جا کر پھر واپس آیا ہوں۔ آپ لوگ دوسری  
بار وہی باتیں دہرا رہے ہیں جو پہلے ایک بار عمل کر  
چکے ہیں۔“

ارسطو ناگ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ حیران تھا کہ یہ شخص ایسی

فلسفیانہ باتیں کہاں سے سیکھ کر آیا ہے۔ ناگ بولا۔

”آپ خلا میں اپنے عکس میں سے گزر رہے ہیں۔“

ارسطو ایک فلسفی تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ ناگ ٹھیک کہہ رہا ہے۔

کیونکہ اس دنیا میں جو واقعہ ہوتا ہے، اس کا عکس خلا میں سفر کرتا شروع  
عنبر ناگ ماری خلائ 228



کر دیتا ہے اور وہ شعا عول کی شکل میں زندہ رہتا ہے۔ سکندر ابھی  
 نوجوان تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ باتیں مشکل سے آرہی تھیں۔ ناگ  
 بولا۔

”میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ سکندر ایران کے بادشاہ  
 دارا کو شکست دے کر ایران پر قبضہ کر لے گا اور  
 اس کی بیٹی سے شادی کر لے گا۔“  
 سکندر اعظم ہنس پڑا۔ پھر ارسطو کی طرف دیکھ کر بولا۔  
 ”استاد مکرم! میں تو کسی ایرانی لڑکی سے شادی کرنے  
 کے حق میں نہیں ہوں۔“  
 ناگ بولا۔

”قدرت کی طاقت کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو ہونا ہے  
 وہ ہو کر رہے گا۔ بلکہ یہ ایک بار ہو بھی چکا ہے۔“  
 سکندر نے خیر آواز میں کہا۔  
 ”ناگ! اگر تم سچے ہو تو یہ بتاؤ کہ کیا میرا باپ فلپ اپنے  
 دشمنوں پر غالب آجائے گا؟“  
 ناگ کو یہ بات بتانی نہیں چاہیے تھی مگر جوش میں اس کے  
 منہ سے نکل گیا۔

”تمہارے باپ کو تمہارے دشمن قتل کر دیں گے۔“  
 سکندر اور ارسطو ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ سکندر کو

تو غصہ بھی آگیا۔ ناگ نے کہا۔

”مجھے یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی مگر تم نے مجھے  
 بولنے پر مجبور کر دیا۔ اب میں جاتا ہوں۔“  
 سکندر نے جلدی سے کہا۔

ناگ اتم میرے دوست ہو۔ میں تمہیں دیوتا کی قسم  
 دیتا ہوں کہ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ تم میرے دوست  
 بن جاؤ۔ میرے ساتھ رہو۔“  
 ناگ نے کہا۔

”اگر تم اور تمہارا استاد ارسطو بھی دیوتا کی قسم کھا کر  
 وعدہ کریں کہ جو باتیں تمہارے آپس میں ہوتی ہیں۔ اس  
 کا ذکر تم کسی کے ساتھ نہیں کر دو گے تو میں تمہارا دوست  
 بننے اور تمہارے پاس رہ جانے پر تیار ہوں۔“  
 سکندر نے کہا۔

”میں دیوتا کی قسم کھاتا ہوں کہ تمہارا راز میرے سینے میں  
 راز بن کر رہے گا۔“  
 ارسطو بولا۔

”اور میں بھی تمہاری بات کسی سے نہیں کروں گا مگر ایک  
 بات کا تم بھی وعدہ کرو کہ میرے شاگرد سکندر کو غیب  
 کی باتیں نہیں بتایا کرو گے۔“



ناگ نے کہا۔

”میں وعدہ کرتا ہوں“

سکندر اعظم بولا۔

”مجھے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی استاد مکرم! میں عمل کا قائل ہوں۔ انسان کو محنت اور لگن سے صرف کام کرنا چاہیئے۔“ باقی اس کا نتیجہ خدا کو سونپ دینا چاہیئے“

ناگ نے کہا۔

”ملک مصر میں میرے دو دوست رہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ انہیں خبر کر آؤں کہ میں سکندر اعظم کے پاس کچھ وقت گزاروں گا۔ یہ اطلاع دے کر میں واپس آ جاؤں گا“

سکندر نے کہا۔

”اگر تم نہ آئے تو مجھے بے حد دکھ ہوگا“

ناگ بولا۔

”ہم لوگ جو وعدہ کرتے ہیں اسے پورا ضرور کرتے ہیں“ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس وقت اسکندر اعظم کی پرانی خادمہ جس نے اسے ناگن کے انسانی شکل میں بدلنے کی بات بتائی تھی۔ باغ میں سے گزر رہی تھی کہ اسے اسکندر اور ارسطو کسی تیسرے شخص سے باتیں کرتے سنائی دیئے۔ اس پرانی تجربہ کار شاہی خادمہ کا نام طبرانی تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ ارسطو اور اسکندر

ایک ایسے نوجوان سے باتیں کر رہے ہیں۔ جس کا سر غائب ہے تو وہ جلدی سے جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر ان کی باتیں سنتے لگی۔ اس نے ناگ کے بارے میں سب کچھ جان لیا کہ یہ نوجوان اصل میں ایک سانپ ہے۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ ناگ دیتا ہے اور اس سے بے پناہ کام لے جا سکتے ہیں۔ طبرانی کو بہت سے بابل کے قدیم منتر یاد تھے۔ کیونکہ وہ بابل کے ایک کاہن کی بیٹی تھی۔ اس نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ وہ ناگ کو اپنے قبضے میں لانے کی سر قوڑ کو شش کرے گی۔ اس وقت ناگ سکندر سے کہہ رہا تھا۔

”میں واپس جاتا ہوں۔ بہت جلد ملک مصر سے واپس آ جاؤں گا“

ارسطو نے مسکرا کر کہا۔

”کیا تم دوبارہ سانپ بن کے جاؤ گے؟“

ناگ بولا۔

”اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں سانپ بن کر شاہی باغ سے نکل جاتا ہوں۔ ویسے یہاں سے باہر جا کر مجھے عقاب کی شکل اختیار کرنی ہوگی تاکہ میں سفر تیزی سے طے کر سکوں“

اتنا کہ ناگ سانپ کی جون میں آ گیا۔ یہ سہارہ ناگ کا ایک



ایسا سانپ تھا کہ جس کی گردن غائب تھی۔ ناگ وہاں سے رنگلتا  
 ہوا درختوں کی طرف چلا اور اندھیرے میں گم ہو گیا۔ اسے جانا دیکھ  
 کہ خادمہ طبرانی تیزی سے دوسری طرف کو گئی اور اس بگڑے  
 پر چھپ کر بیٹھ گئی جہاں سے ناگ کو گزرنا تھا۔ جونہی اندھیرے  
 میں اسے سانپ کا سایہ نظر آیا طبرانی نے اپنے کاہن باپ کا بتایا  
 ہوا ایک خاص منتر پڑھنا شروع کر دیا۔ جب ناگ اس کے قریب  
 سے گزرا تو طبرانی نے اس پر پھونک مار دی۔ ناگ کو ایسے لگا جیسے  
 اس کے جسم سے ٹھنڈی سیخ ہوا کا جھونکا ٹکرا گیا ہو۔ اس کا سارا  
 جسم ایک دم سن ہو گیا۔ اس نے جھٹکا مارا کہ عقاب کی شکل بدلنی چاہی  
 مگر وہ اس قدر سن ہو چکا تھا کہ اس کے منہ سے جھٹکا بھی نہ نکل سکی۔  
 اتنے میں جھاڑیوں میں سے خادمہ طبرانی باہر نکل اور اس نے  
 ناگ کو جھپٹ کر اٹھایا۔ ناگ نے اسے ڈسنا چاہا مگر وہ سر دبو  
 کہ برفت بن چکا تھا۔ اس کا منہ ذرا سا بھی نہ کھل سکا۔ طبرانی  
 نے ناگ کو اٹھا کر اپنی چادر میں لپیٹ لیا۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتی  
 باغ کے اندھیرے میں سے نکل کر اپنے مکان کی طرف چل دی۔ جو  
 شاہی محل کے کونے میں باغ کی ادنیٰ دیوار کے سائے میں بنا ہوا  
 تھا۔ اس مکان میں خادمہ طبرانی اکیلے رہتی تھی۔ چونکہ وہ اڈھیر عمر اور  
 پرانی خادمہ تھی اس لیے وہ شاہی محل میں دوسری کینیزوں اور  
 خادماؤں پر صرف حکم ہی چلاتی تھی۔ اسے اور کوئی کام نہیں چھوڑتا تھا

مگر یہ خادمہ بہت لالچی اور حسد میں تھی۔ اس کی ایک ہی خواہش  
 تھی کہ کسی طرح اسے اتنی دولت مل جائے کہ وہ اپنے وطن بابل  
 جا کر ایک شاندار محل بنائے اور باقی زندگی عیش و آرام سے شاہی  
 محل کی طرح گزار دے۔ وہ جانتی تھی کہ ناگ دیوتا اس کی یہ ہر  
 خواہش پوری کر سکتا ہے۔ اسی لیے اس نے اپنے منتر کے طلسم میں  
 ناگ کو جکڑ کر اپنا قیدی بنایا تھا۔ اس نے اپنے مکان کی پیچلی کوٹھڑی  
 میں لے جا کر ناگ کو پتھر کے ایک چھوٹے سے مرتبان میں بند کر کے اوپر  
 پتھر کا ڈھکن دے دیا۔

ناگ اس میں برف کی طرح ٹھنڈا سیخ ہو کر خاموش بیٹھا تھا۔



Uploaded for:  
 Pakistan Virtual Library  
[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)



## عنبر کی قبر

رات گزر گئی۔ ناگ سرانے میں واپس نہ آیا۔  
عنبر تھیوساگ اور ماریا کو بے حد تشویش ہوئی کہ خدا نہ کرے وہ کسی  
مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔ ماریا نے عنبر سے کہا۔  
”وہ ضرور ہم لوگوں سے ناراض ہو کر چلا گیا ہے۔ میں  
نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ناراض ہے۔“  
”مگر ہم نے اسے کیا کہا تھا؟“ عنبر بولا۔ ”یہی ناکہ وہ  
لوگوں کی نظروں سے دور رہ کر کمرے میں بیٹھے۔ اس  
لیے کہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ یہاں فضول قسم کا کوئی  
ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے۔ لوگ تو عماشہ بنا دیتے ہیں۔“  
تھیوساگ بولا۔

”اگر وہ اتنی سی بات پر ناراض ہو کر چلا گیا ہے تو اس  
نے بڑی حماقت کی ہے۔ بجلا یہ کوئی ناراض ہونے والی  
بات تھی ہند۔“  
عنبر بولا۔

”بھئی ہم تو اسی کی بھلائی کی بات کر رہے تھے۔“  
ماریا کہنے لگی۔  
”وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر اب اسے کہاں تلاش کیا جائے۔  
اوپر سے پر سوں اس بیٹے کی سب سے اندھیری رات  
ہے اور ہمیں یہاں سے کوچ بھی کرنا ہو گا۔“  
تھیوساگ خاموش رہا۔ عنبر نے کہا۔  
”جہیں ایک بار اسے شہر میں چل کر دیکھنا ہو گا۔ مگر  
اس کی تو خوشبو بھی نہیں آ رہی۔“  
ماریا بولی۔  
”میرے خداوند! کہیں وہ کسی دوسرے شہر تو نہیں چلا  
گیا؟“  
”کیسے جاسکتا ہے؟ تھیوساگ نے کہا۔  
ماریا نے کہا۔  
”ہم نے اس کے ہاتھ تو نہیں پکڑ رکھے۔ وہ ناراض ہے  
ہم سے۔ ہو سکتا ہے ہمیں اذیت دینے کے لیے گم ہو  
گیا ہو۔“  
”یہ اچھی بات نہیں ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”بہر حال ہم اسے  
جگہ جگہ تلاش کریں گے۔“  
دوسرے اور تیسرے دن عنبر ماریا اور تھیوساگ نے شہر



کا چپہ چپہ چپان مارا مگر ناگ کا کہیں سراغ نہ ملا۔ اس کی خوشبو بھی انہیں کہیں محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ تینوں دوستوں کو ناگ کی حماقت پر عفتہ بھی آ رہا تھا۔ اور انہیں فکر بھی بہت لگی تھی کہ خدا جانے ناگ کس حال میں ہے۔ کہاں پر ہے؟ پہلے تو انہوں نے یہی سوچا کہ جب تک ناگ کا سراغ نہیں ملتا وہ مصر سے مردہ فرعونوں کی بستی کی طرف روانہ نہیں ہوں گے۔ لیکن پھر انہوں نے سوچا کہ کہیں اتنی دیر میں کیٹی پر کوئی قیامت نہ گزر جائے۔ وہ تو موت کی وادی میں پہنچی ہوئی تھی۔ تھیوسانگ نے کہا کہ وہ مصر میں رہ کر ناگ کا سراغ لگائے گا۔ ماریا اور غیر مردہ فرعونوں کی بستی کی طرف نکل جائیں تاکہ کیٹی کا بھی کچھ اتہ پتہ معلوم کیا جائے۔ غیر نے تھیوسانگ کی تجویز پر کچھ دیر غور کیا۔ پھر کہا۔

”تھیوسانگ کا خیال ٹھیک ہے۔ میں اور ماریا مردہ فرعونوں کی بستی کی طرف چلتے ہیں۔ تھیوسانگ یہیں رہ کر ناگ کو تلاش کرے۔ ہو سکتا ہے ناگ اگر کسی جگہ رک گیا ہے۔ تو وہ اسی کارواں سرائے میں واپس آجائے۔“

اس فیصلے کے بعد مینے کی تاریک تیریں رات کو ماریا اور تھیوسانگ نے غیر کو ساتھ لیا اور شاہی قبرستان میں پہنچ گئے۔ سانپ کی اطلاع کے مطابق اسی شاہی قبرستان میں آدھی رات کو مردہ فرعونوں کی بستی کی جانب سے سیاہ پوش گورکنوں نے آنا تھا مگر یہ معلوم کیا جاسکے کہ کہیں

شاہی فرعونوں کے خاندان کی کوئی نئی لاش تو وہاں دفن نہیں ہوئی۔ کیونکہ فرعونوں کا شاہی خاندان ابھی مصر کے شاہی محل میں ہی تھا۔ اگرچہ حکومت یونانی فرعون کی تھی۔

انہوں نے غیر کے لیے ایک تابوت پہلے سے تیار کروا کر قبرستان میں اس جگہ خشک جھاڑیوں میں چھپا رکھا تھا جہاں غیر کے لیے قبر کھدائی ہوئی تھی۔ رات تاریک اور سسناں تھی۔ قبرستان میں سسناں چھایا ہوا تھا۔ کھدی ہوئی قبر کا گڑھا منہ پھاڑے ہوئے تھا۔ غیر نے تھیوسانگ کو تاکید کرتے ہوئے کہا۔

”تھیوسانگ! تمہیں اسی لیے پیچھے چھوڑے جا رہے ہیں کہ تم ذمے دار بھی ہو اور تمہارے پاس ایک غیر معمولی شعبہ بھی ہے۔ تم اسی کارواں سرائے کی کوٹھڑی میں ٹھہرنا۔ تمہارے پاس کافی رقم ہے۔ دن میں ناگ کو تلاش کرنا۔ رات کو سرائے میں آجایا کرنا۔“

تھیوسانگ بولا۔

”مجھے تو ناگ کے ساتھ اب تم دونوں کی بھی فکر لگ گئی ہے۔ خدا جانے تمہارے ساتھ کیا حالات پیش آتے ہیں؟“

ماریا نے کہا۔

”تم ہمارے پروانہ کرنا بھائی تھیوسانگ۔ ہمارے ساتھ تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ ہم ان خطرناک ایڈوینچروں کے



عادی ہو گئے ہیں۔ بار بار موت کے منہ میں جاتے ہیں اور باہر بھی نکل آتے ہیں۔“

عنبر بولا۔

”رات گری ہو رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں آدمی رات ہو جائے گی۔ اب مجھے قبر میں بند کر دو۔“

تھیوسانگ اور ماریا نے عنبر کو تابوت میں لٹا کر اس کے ماتھے پر فرعون کا خاص نشان بنایا۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے۔ پھر تابوت کو بند کر کے اسے قبر میں اتار کر قبر کو اوپر سے بند کر کے کتبہ لگا دیا جس پر لکھا تھا۔

”یہاں فرعون کے شاہی خاندان کا ایک کشنہزادہ عنبر دفن ہے۔“

کتبے پر پہلے ہی سے بلی کا فرعونی نشان بنا دیا گیا تھا۔ اب ماریا اور تھیوسانگ ہی قبر کے باہر رہ گئے تھے۔ ماریا نے کہا ”تھیوسانگ! قبر سے ہٹ کر وہ سامنے جھاڑیوں کے پیچھے آ جاؤ۔ کیونکہ آدمی رات ہونے والی ہے۔ گورکن آنے ہی والے ہوں گے۔“

وہ جھاڑیوں کے پیچھے آ کر چھپ کر بیٹھ گئے۔ ان کی نگاہیں اندھ

میں منہ کی قبر پر لگی تھیں۔ تھیوسانگ آہستہ سے بولا۔

”ماریا! ہو سکتا ہے سانپ نے یونہی کہہ دیا ہو۔ مجھے

تو یقین نہیں کہ پر اسرار مُردہ فرعونوں کی بستی سے گورکنوں کی ٹولی مینے کی تاریک رات کو یہاں آتی ہے۔“

ماریا نے آہستہ سے جواب۔

”سانپ جھوٹ نہیں بولا کرتے تھیوسانگ! یہ کام صرف

انسان ہی کے حقتے میں آیا ہے۔ کہ وہ جھوٹ بھی بڑی آسانی

سے بول جاتا ہے۔“

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ انہیں قبرستان کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے اوپر کچھ انسانی سائے دکھائی دیئے۔ ماریا نے سرگوشی میں کہا۔

”مُردہ بستی کے گورکن آ گئے ہیں۔ میں قبر پر جاتی ہوں تم

آواز بالکل نہ نکالنا۔“

یہ کہہ کر ماریا اندھیری فضا میں آہستہ سے اوپر کو اچھل اور سائے کی طرح تیرتی ہوئی عنبر کی قبر کے اوپر آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ قبرستان کی دیوار کی طرف سے چار سیاہ پوش سائے جن کے ہاتھوں میں کدالیں پکڑی ہوئی تھیں۔ آہستہ آہستہ قبرستان میں داخل ہوئے۔ ان کے قد بیلے اور شانے چوڑے تھے۔ ان کے منہ سر اور جسم سیاہ لبادوں میں چھپے ہوئے تھے۔ ماریا نے کسی خطرے کے پیش نظر ان کے قریب جانا مناسب نہ سمجھا اور وہیں قبر کے پیچھے ہو گئی۔

چاروں گورکن آہستہ آہستہ چلتے عنبر کی قبر کے ارد گرد آ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سب کے سب خاموش تھے۔



۳۷  
ایک گورکن سرہانے کی طرف آیا۔ عنبر کا کتبہ جھک کر دیکھا۔ آہستہ سے بولا۔

”یہ شاہی فرعون خاندان کا شہزادہ ہے۔ اسے لے چلو“  
یہ اشارہ پاتے ہی تینوں گورکنوں نے قبر کھودنی شروع کر دی۔ تابوت باہر نکال کر اس کا ڈھکنا اٹھایا۔ چاروں نے بادی بادی عنبر کی ”مردہ لاش“ دیکھی۔ سرہانے کی طرف کھڑے گورکن نے تابوت اٹھانے کا اشارہ کیا۔ ماریا ایک طرف نہیں سے دس پندرہ فٹ اوپر ہوا میں کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ گورکنوں نے تابوت کو بند کیا اور پھر کاندھوں پر اٹھایا اور اندھیری رات میں قبرستان کی ٹوٹی ہوئی دیوار کی طرف آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے چل پڑے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ساتھ آگے کو ریگنے لگی۔ اس بات سے ماریا کو بڑی تسلی ہوئی تھی کہ ان گورکنوں کے پاس کوئی ایسا طلسم وغیرہ نہیں تھا کہ جس سے انہیں ماریا کے وہاں موجود ہونے کا احساس ہوتا۔

چاروں گورکن عنبر کا تابوت اٹھائے قبرستان کی مسلمان تارکی میں قبر کی ٹوٹی ہوئی دیوار کے درمیان سے گزر کر باہر ریت کے ڈھیروں کے درمیان چلنے لگے۔ عنبر اگرچہ زندہ تھا مگر تابوت میں بند ہونے کی وجہ سے اسے یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ قبرستان میں اس نے ایک آنکھ تھوڑی سی کھول کر اندھیرے میں تابوت کے

۳۵  
ادھر دھڑکے چار سیاہ پوش گورکنوں کو ضرور دیکھ لیا تھا۔ مگر اسے یقین تھا کہ ماریا بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی ہوگی۔ اور وہ جہاں بھی جائے گا وہ اس کے ساتھ ہوگی۔

چاروں گورکن تابوت لے کر ریت کی ڈھیروں میں سے گزرتے اندھیری رات میں ایک ٹوٹے پھوٹے اہرام کی دیوار کے پاس آ گئے۔ اس اہرام کی دیوار میں ایک شکاف تھا جس کے باہر پہلے ہی سے ایک سیاہ پوش گورکن بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ چاروں گورکنوں کو دیکھ کر وہ جلدی سے اٹھا اور شکاف میں داخل ہو گیا۔ چاروں گورکن بھی عنبر کے تابوت کو لے کر شکاف سے دوسری طرف گزر گئے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے آف میں داخل ہو گئی۔ دوسری طرف گھپ اندھیرا تھا۔ پہلے تو ماریا کو کچھ نظر نہ آیا۔ پھر اندھیرے میں دھندلی چھائیاں سی ابھرنے لگیں۔ یہ ایک گول کنواں سا بنا ہوا تھا۔ رکن ایک کنوئیں میں کھڑے تھے۔ کنوئیں کی گول دیوار پر اہرام کی تنکونی چوٹی تک چلی گئی تھی۔ عنبر کا تابوت انہوں نے کنوئیں کے درمیان میں رکھ دیا تھا۔ ماریا ایک طرف ہٹ کر کنوئیں کی دیوار کے ساتھ لگی حیرت سے سوچ رہی تھی کہ یہ کونسا مکان ہے آگے کہاں جائیں گے کیونکہ ظاہر ہے یہ کنواں مردہ فرعوں کی بستی نہیں تھی۔ ایک گورکن نے حکم دیا۔



”ایک دوسرے کے ہاتھ تمام کمرے کی تابوت کے گرد دائرہ بناو“

پانچوں گورکنوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ کے ہاتھ میں دتھے۔

کمرے کی تابوت کے گرد ایک دائرہ بنا لیا۔ ماریا گھبرائی کہ یہ لوگ کس جگہ جا رہے ہیں۔ کہیں وہ پیچھے نہ رہ جائے۔ کیونکہ اس نے کسی کا ہاتھ نہیں پکڑ رکھا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ ساتھ ساتھ اس کے لیے تابوت سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہے چنانچہ وہ ان گورکنوں کے درمیان تابوت کے اوپر آکر کھڑی ہو گئی۔

جس گورکن نے ان سب کو دائرہ بنانے کا حکم دیا تھا اس نے اپنا منہ اوپر کیا اور حلق سے شیر کی گرج کی طرح کی آواز نکالی۔ اس کے ساتھ ہی کنوئیں میں بجلی کو نہ گئی۔ روشنی کا زبردست بھپکا ہوا۔ پھر گھبراہٹ میں چھا گیا۔ اور ماریا کو محسوس ہوا کہ تابوت آہستہ آہستہ اٹھ رہا ہے۔ اور ساتھ ہی ارد گرد کھڑے گورکن بھی اٹھتے چلے آ رہے ہیں۔ ماریا تابوت پر بیٹھ گئی۔ تابوت کے لیے ماریا کی خوشبو متواتر آ رہی تھی۔ مگر وہ چپ تھا۔ خاموشی سے کنوئیں کے اوپر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ تابوت کی چوٹی سے باہر نکلا تو پھر نیچے اترنے کی بجائے آسمان طرف اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا گیا۔ کچھ دور اوپر جانے کے بعد تابوت نے مشرق کی جانب سیدھ میں اڑنا شروع کر دیا۔ پانچوں

۳۵ سیاہ پوش گورکن اسی طرح ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دائرے کی شکل میں ساتھ ساتھ اڑتے چلے جا رہے

ماریا حیران ہوئی کہ یہ لوگ کوئی جادوگر ہیں۔ آسمانی بھوت ہیں یا خلائی مخلوق ہیں۔ کیا ہیں آخر اور عینز کے تابوت کو اس فلسفی اڑان کے ساتھ جس مردہ فرعون کی بستی میں لیے جا رہے ہیں۔ وہاں کون سی مخلوق آباد ہے۔ کیا واقعی یہ لوگ مردہ ہیں یا مردہ رُوحیں ہیں؟ ماریا یہی کچھ سوچ رہی تھی اور عینز کا تابوت اور گورکن کسی ہیٹ ہوئی جہاز کی رفتار کے ساتھ اندھیری رات میں اڑتے ہوئے ایک سیاہ بادل کے اندر داخل ہو گئے۔ تابوت چھ منی کالے بادل میں داخل ہوا۔ بجلی زور سے کڑکی۔ روشنی کا بھپکا ہوا اور ماریا نے جیسے اپنے آپ آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اسے محسوس ہوا کہ تابوت ذرا سا جھک گیا ہے اور نیچے کی طرف اتر رہا ہے۔ ماریا نے آنکھیں کھل دیں۔ تابوت، ماریا اور گورکن ابھی تک کالے بادل میں ہی تھے۔ ماریا کو سوائے سیاہ بادل کی تہہ دہ تہہ لہروں کے اوپر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تابوت آگے سے نیچے کو جھک گیا تھا اور گورکن بھی کھڑے کھڑے جیسے آگے کو جھک گئے تھے۔ یہ ٹوٹی تیزی سے نیچے کو جا رہی تھی۔ آخر سیاہ بادل آگے سے ہٹ گیا۔



ماریا نے غور سے دیکھا تو اُسے نیچے اندھیرے میں  
میتاروں اور پھولے ہوئے گنبدوں والا ایک ویران محل  
آیا۔ جس کے اندر کہیں سے بھی روشنی کی ایک کرن تک  
آمد ہی تھی۔ یہ تاریک محل بھی صرف ماریا کی آنکھیں ہی دیکھ  
تھیں۔ تابوت اس ڈراؤنے آسیبی محل کے اندر صحن میں  
کمر کھڑے ہوئے فرش پر رکھ گیا۔ گورکنوں نے ایک  
دوسرے کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔

اب انہوں نے ایک بار پھر تابوت کو کاندھوں پر اٹھ  
لیا۔ اور سنان تاریک محل کے ٹھنڈے برآمدوں میں  
گزرتے ہوئے ایک جھکی ہوئی محراب کے اندر آ گئے۔ یہ  
مردہ فرعونوں کے کمرہ خاص کا بڑا برآمدہ تھا۔ جہاں حساب کتاب  
کے لیے سب سے پہلے کیٹی کو لایا گیا تھا۔ ماریا اس بات  
بہت مطمئن تھی کہ ابھی تک کسی کو اس کی موجودگی کا احساس نہیں  
ہوا تھا۔ محرابی دروازے کے برآمدے میں ایک جانب دروازے  
پر ستونوں کے ساتھ دو انسانی ڈھانچے ہاتھوں میں نیزے  
کھڑے تھے۔ ایک گورکن نے ایک انسانی ڈھانچے کے پاس  
جا کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ ہڈیوں کے ڈھانچے میں حرکت  
پیدا ہوئی۔ اور اس نے نیزہ بلند کر دیا۔ نیزے کے بلند ہونے  
ہی مردہ فرعون کے کمرہ خاص کا دروازہ کھل گیا۔ ایک گورکن  
باہر کھڑا رہا۔ چار گورکن منبر کا تابوت لے کر دوسری طرف

ہو گئے۔

یہ وہی کمرہ تھا جہاں کیٹی کو حساب کتاب کے لیے لایا گیا  
تھا۔ تخت پر پیچھے ہٹی کا بت بنا ہوا تھا۔ آٹے سامنے  
کرسیوں پر میاں ساکت بیٹھی تھیں۔ گورکنوں نے تابوت  
تخت کے آگے فرش پر رکھ دیا۔ کمرے میں نیلی موم بتیاں  
جل رہی تھیں جن کی روشنی نے ماحول کو زیادہ پیرا سراہ  
اور آسیبی بنا دیا تھا۔ گورکن ایک طرف ہٹ کر کھڑے  
ہو گئے۔ اتنے میں تخت کے پیچھے گرا ہوا پردہ ایک طرف  
ہٹا اور مردہ فرعون سر پر فرعونوں کا تاج رکھے آہستہ آہستہ  
قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا۔ میووں اور گورکنوں نے اپنے  
اپنے سر جھکا دیئے۔ مردہ فرعون بڑی شان سے قدم قدم  
چلتا آیا۔ اور تخت پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔  
پھر اس نے تابوت کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یہ ہمارے شاہی خاندان کا آدمی ہے کیا؟“

گورکن سر جھکا کر بولا۔

”عظیم سورج دیوتا فرعون! یہ شاہی خاندان کا کوئی  
گناہ شہزادہ ہے اور کل مات دفن ہوا تھا۔“  
مردہ فرعون نے ہاتھ اٹھ کر کہا۔

”حساب کتاب والوں کو بلوایا جائے۔“

اسی وقت وہی کاہن حاضر ہوا جس کے سینے کے ساتھ



بہت بڑی کتاب لگی تھی۔ وہ جھک کر تعظیم بجالایا اور تخت کے پاس ادب سے کھڑا ہو گیا۔ مُردہ فرعونوں نے کہا۔

”اس کا نام کتاب میں دیکھو۔ کتبے پر اس کا نام عنبر لکھا ہے۔ بتاؤ کیا یہ ہمارے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟“

”ابھی دیکھتا ہوں۔ عظیم سورج دیوتا!“

کاہن نے کتاب زمین پر رکھ دی اور اس کے ورق اٹھائے۔ چھ ایک جگہ انگلی رکھ کر کوئی نام پڑھا اور بولا۔

”عظیم سورج دیوتا! اس کا نام یہاں بھی عنبر ہی لکھا ہے یہ آپ کے شاہی خاندان کا ایک فرد ہے۔“

مُردہ فرعون نے حکم دیا کہ اس کے گناہوں کی فہرست لائی جائے۔ کاہن اعظم نے فوراً کتاب کے دو چار ورق اٹھائے اور صغی پر گری نگاہ ڈال کر حیرت سے کہا۔

”عظیم سورج دیوتا! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس کا مجھے یقین نہیں آ رہا۔“

مُردہ فرعون نے پوچھا۔

”تم کیا دیکھ رہے ہو؟“

کاہن اعظم بولا۔

”عظیم فرعون! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس شخص کے گناہوں

کی فہرست اتنی لمبی ہے کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے عظیم سورج دیوتا کہ جیسے یہ شخص ایک زندگی نہیں بلکہ کئی زندگیاں بسر کر چکا ہے۔“

مُردہ فرعون نے کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ انسان کا ایک ہی جنم ہوتا ہے۔ اسے قدرت کی طرف سے صرف ایک ہی زندگی ملتی ہے۔“

کاہن اعظم نے بڑے ادب سے کہا۔

”عظیم سورج دیوتا! پرانے زمانے کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ انسان جب مرجاتا ہے تو اس کی روح

کسی دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور

اپنے گناہوں اور نیکیوں کے مطابق اگلی زندگی میں

یا تو خوش و خرم رہتی ہے اور یا پھر اپنے گناہوں

کی سزا بھگتی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ شخص دس

بارہ جنم زندگی بسر کر چکا ہو کیونکہ یہاں اس کے جو

گناہ ہیں وہ پانچ ہزار سال تک پھیلے ہوئے ہیں۔“

مُردہ فرعون کے پیچھے تخت پر لگی ملے کے حلق سے غراہٹ

کی آواز نکلی۔

مُردہ فرعون نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔



۴۲  
 ”مقدس بتی نے گواہی دے دی۔ اس شخص کا نام  
 کیا لکھا ہے؟“  
 کاہن اعظم نے کہا۔

”کتاب میں اس کا نام عبیر لکھا ہے حضور!“  
 مردہ فرعون نے حکم دیا۔

”اس مردہ شخص کی لاش کو برف کے جہنم میں سات  
 روز کے لیے پھینک دیا جائے۔ آٹھویں روز اسے  
 برف کے جہنم سے نکال کر موت کے محل کی پچھوؤں  
 کی سڑنگ میں ڈال دیا جائے۔ اس کے گناہوں  
 کی فہرست جتنی بھی ہے اسے سزا بھی اتنی ہی  
 سخت دی جانی چاہیے۔ ہمارے حکم پر عمل کیا  
 جائے۔“

ماریا ایک طرف چپ چاپ کھڑی یہ سنا سن رہی تھی۔ اگلے  
 کو معلوم تھا کہ یہ لوگ عبیر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ اس  
 ماحول کو دیکھ رہی تھی کہ سب کچھ کیا ہے۔ کیا یہ آسیب کا  
 ماحول ہے یا محض فراڈ یا دھوکہ ہے۔ دھوکا نہیں ہو سکتا تھا  
 کیونکہ ماریا خود تابوت کے ساتھ ہوا میں اڑتی ہوئی یہاں  
 پہنچی تھی۔ ماریا کے لیے یہ ایک معرہ تھا جسے وہ حل نہیں کر  
 پائی تھی۔ اب اسے کیٹی کی تلاش تھی کہ جلدی سے بہتہ چل  
 جائے کہ کیٹی کہاں پر ہے۔

۴۳  
 اتنے میں گورکنوں نے تابوت اٹھایا اور مردہ فرعون  
 کے محل سے نکل کر پچھوؤں کی سڑنگ کی طرف چل پڑے۔  
 ماریا بھی تابوت کے ساتھ ساتھ تھی۔ گورکنوں نے محل کے  
 باہر جا کر ایک جگہ تابوت رکھ دیا۔ اور واپس چلے گئے۔ ماریا  
 کو عبیر کے ساتھ بات کرنے کا قہر مل گیا۔ اس نے تابوت  
 کے قریب آ کر کہا۔

”عبیر بھیا! تم سن رہے ہو؟“

عبیر کی آواز آئی۔

”سن رہا ہوں۔ تمہارے آس پاس کوئی آدمی تو  
 نہیں؟“  
 ماریا نے کہا۔

”کوئی نہیں ہے۔ کم سخت منحوس گورکن تابوت  
 رکھ کر چلے گئے ہیں۔ یہ تمہیں پچھوؤں کی سڑنگ  
 میں لے جا رہے ہیں“  
 عبیر نے جواب دیا۔

”میں نے سن لیا تھا۔ یہ فرعون کون تھا؟“  
 ماریا بولی۔

”مردہ فرعون تھا۔ آنکھیں سفید ٹھنڈی برف کی  
 طرح تھیں۔ سخت کے پیچھے بتی کا بت تھا اور  
 کرسیوں پر میاں بیٹھی تھیں“



عنبر کہنے لگا۔

”ہم یہاں آئے کس طرح سے ہیں۔ مجھے احساس ہوا تھا۔ جیسے میں ہوا میں اُڑ رہا ہوں۔“

ماریا نے جواب دیا۔

”تمہارا خیال درست ہے عنبر۔ میں حیران ہوں کہ یہ مخلوق کیا شے ہے۔ یہ تمہارے تابوت کو ہوا میں اُڑا کہ یہاں لائی ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ یہ کون سی دنیا ہے۔ ہوا میں ہے یا زمین پر ہے۔“

عنبر بولا۔

”خدا کا شکر ہے کہ یہاں کوئی ایسا ظلم نہیں کہ جس کے ذریعے تم پکڑ لی جاتیں۔ اب تم ایسا کرو کہ کیٹی کا سراخ لگانے کی کوشش کرنا۔ مجھے تو بہر حال سات دنوں تک تابوت کے اندر ہی رہنا پڑے گا۔“

ماریا نے دیکھا کہ سامنے اندھیرے میں سے چار مہیاں اس کی طرف آہستہ آہستہ چلی آ رہی ہیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

”عنبر! چار مصری مہیاں ہمارے طرف بڑھ رہی ہیں۔ اب جب تک میں آواز نہ دوں تم کوئی بات نہ کرنا۔“

وہاں گہری خاموشی چھا گئی۔ ماریا تابوت سے دس فٹ بلند ہو گئی۔ چاروں مہیاں رُک رُک کر چل رہی تھیں۔ تابوت کے پاس آ کر انہوں نے اسے اپنے کانڈھوں پر رکھا اور اندھیرے میں ایک سیاہ عمارت کی طرف چلیں۔ ماریا ساتھ ساتھ تھی۔ کالی عمارت کا ایک ہی دروازہ تھا۔ اندر تین سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ یہاں سردی شروع ہو گئی۔ عنبر نے بھی سردی کی اس لہر کو تابوت کے اندر محسوس کیا۔ آگے ایک دالان تھا۔ جس کی دیواریں اور فرش برف کے تھے۔ برف کے فرش کے اوپر بھی بڑے بڑے برف کے بلاک پڑے تھے۔ برف کے بلاکوں کے درمیان ایک جگہ بنا دی گئی تھی۔ مہیوں نے عنبر کے تابوت کو برف کے درمیان رکھ دیا۔ اور آہستہ آہستہ باہر نکل گئیں۔ انہوں نے جاتے ہوئے دروازے کو بند کر کے آگے بیتھر کی سڑک رکھ دی۔

مہیوں کے جاتے ہی ماریا نے تابوت کو کھول دیا۔ عنبر باہر نکل آیا۔ چاروں طرف برف ہی برف دیکھ کر بولا۔

”گویا یہ ہے ان کا برف کا جہنم۔“

”ہاں“ ماریا نے کہا ”یہاں سردی اتنی زیادہ ہے کہ اگر ہمارے جسم عام انسانوں جیسے ہوتے تو



اب تک ہمارے قلعہ جم گئی ہوتی۔  
عبرت تابوت پر دھکنا رکھ کر اس کے اوپر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ پر اسرار مخلوق کہاں سے آئی ہے۔ اور یہ کون سی جگہ ہے۔“

ماریا نے کہا۔  
”مردہ فرعون کی آنکھوں کو دیکھ کر تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ انسان نہیں ہے۔ مگر بولتا زندہ انسان کی طرح ہے۔ یہ میاں بھی مردہ نہیں ہیں۔“

عبرت بولا۔  
”کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہم اسرار و حیرت کے سمندر میں سے گزر رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عیار لوگوں کا کوئی گروہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعی مردہ فرعونوں کی بستی ہو۔ اور یہاں مرنے کے بعد شاہی خاندان کے لوگ اپنے اپنے اعمال کی سزا بھگت رہے ہوں۔“

ماریا نے کہا۔  
”میرا خیال ہے ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے تم قذات و زندقہ اب اسی جگہ رہو گے کیوں نہ میں اس پر اسرار بستی کا چکے لگا کر کیٹی کا سراغ لگانے

کی کوشش کروں۔“  
”اچھا خیال ہے۔“ عبرت بولا۔ ”مگر بے حد احتیاط سے کام لینا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی ناگ کی طرح کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ یہ طلسم کا گورکھ دھندا ہے۔“

ماریا نے کہا۔

”میں پوری احتیاط سے کام لوں گی۔ ویسے ابھی تک مجھ پر ان کے کسی طلسم کا اثر نہیں ہوا۔“

عبرت نے ایک بار پھر ماریا کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کے ساتھ جلد واپس آنے کی تاکید کی اور تابوت کے اندر لیٹ گیا۔

ماریا برف کے جہنم سے باہر نکل آئی۔ اس نے قضا کی بلندی پر جا کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ صحرائی رات کے اندھیرے میں دور دور تک ریت کے سیاہ ٹیلے کھڑے تھے۔ ایک جانب مردہ فرعون کا محل تھا۔ جس کی کسی کھڑکی، کسی روشنی سے روشنی کی ایک کرن بھی باہر نہیں آ رہی تھی۔ ماریا محل کے قریب آگئی دیکھا کہ باہر دو سیاہ کفن پوش پہرہ دے رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں نیزوں کی بجائے قبر میں کھودنے والی کدالیں ہیں۔ ماریا ان کے قریب سے گزر کر نکل گئی۔ انہوں نے ماریا کو محسوس نہ کیا۔ ماریا مردہ فرعون کے محل کی اونچی چھت والی ٹھنڈی دیوار سے نکل کر ایک کمرے میں گئی۔ تو دیکھا کہ وہاں فرعون نور و شمع کی



۴۸  
پیر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے۔ سامنے چاندی کے طشت میں  
ایک انسان کی کھوپڑی رکھی ہے۔ کھوپڑی کے سر پر ایک نیلی  
موم بٹی جل رہی ہے۔

مردہ فرعون منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر کھوپڑی کی ٹوٹی  
ہوئی ناک پر آہستہ سے انگلی لگا دیتا ہے اور پھر پڑھنے  
لگ جاتا ہے۔ ماریا ڈرتے ڈرتے قریب آ کر ایک طرف کھڑی  
ہو گئی۔ کھوپڑی نے ذرا سی حرکت کی۔ مردہ فرعون پڑھتے  
پڑھتے رُک گیا۔ اور غور سے کھوپڑی کو دیکھنے لگا۔ پھر پولا۔  
”اے مردہ کی روح کیا تم اپنی کھوپڑی میں آگئی ہے؟“  
کھوپڑی خاموش تھی۔ اس نے دوبارہ کوئی حرکت نہ کی  
ماریا کو فکر ہوا کہ کہیں کھوپڑی کی روح کو اس کی موجودگی کا علم  
نہیں ہو گیا۔ وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ کھوپڑی ایک دفعہ پھر  
چلنے لگی۔ فرعون پھر رُک گیا۔

”اے مردہ کی روح! میں نے تیرا چلہ کیا ہے کیا  
تو مجھ سے بات نہیں کرے گی؟ میں جانتا ہوں تو آگئی

ہے؟“  
ماریا چپ تھی۔ کھوپڑی بھی ساکت ہو گئی۔ پھر اس کے  
ٹوٹے پھوٹے دانتوں کے اندر سے آواز آئی۔  
”اے مردہ فرعون! میں غریب نہیں ہوں بلکہ مردہ  
کی بیوی سمیرا ہوں۔ مجھے بتاؤ تم نے ہمارا چلہ کس

یہ کیا ہے؟ تو کیا چاہتا ہے؟ مجھے غرور نے ہی  
تمہارے پاس بھیجا ہے۔“  
مردہ فرعون نے کہا۔

”میں نے یہ چلہ اس لیے کیا ہے کہ میں تم سے مدد چاہتا  
ہوں۔ کچھ دنوں سے میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرے  
جسم میں زندہ لوگوں کا خون گردش کرنے لگا ہے۔ مجھے  
اپنی اس دنیا کے خواب آتے ہیں۔ جس دنیا کو میں  
مرنے کے بعد چھوڑ آیا ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں  
میں زندہ ہو کر دوبارہ اپنی زمین والی دنیا میں واپس  
نہ پھلا جاؤں۔ میں زندہ ہو کر اپنی زمین کی دنیا میں واپس  
نہیں جاتا چاہتا۔ وہاں میرے لیے سوائے بیماری،  
بڑھاپا، حکومت کی سازشوں اور بے درد موت کے  
سوائے اور کچھ نہیں ہے۔ یہاں نہ بیماری ہے۔ نہ  
بڑھاپا ہے اور نہ موت ہے۔ میں اسی مردہ دنیا  
میں رہنا چاہتا ہوں۔“  
سمیرا کی روح کی آواز آئی۔

”مردہ فرعون! تیرا اندازہ درست ہے تو زندہ ہو  
کر اپنی معیبتوں اور دکھوں سے بھری ہوئی دنیا  
میں واپس جانے والا ہے۔“

مردہ فرعون نے ہاتھ سینے پر باندھ لیے اور عاجزی سے کہا۔  
عنبر ناگ ماریا خلای 228



## مردہ پہاڑ کا غار

مردہ فرعون دوسرے کمرے میں جا کر تخت پر بیٹھ گیا۔  
تخت کے پیچھے بلی کا بت بنا ہوا تھا۔ فرعون نے تالی بجائی  
چار میاں لڑکھڑاتے قدموں سے اندر داخل ہوئیں۔ مردہ فرعون  
نے حکم دیا۔

”مردہ بستی کے گورکنوں کو بلاؤ۔“

میاں سر جھکا کر واپس چلی گئیں ان کے جانے کے تھوڑی  
دیر بعد دو سیاہ پوش گورکن ہاتھوں میں کدالیں تھامے داخل  
ہوئے۔ مردہ فرعون کے آگے سر جھکایا اور ادب سے خاموش کھڑے  
ہو گئے۔ مردہ فرعون نے ان کی طرف غور سے دیکھا۔ پھر رعب دار  
کہواں میں بولا۔

”فورا ملک مصر میں جاؤ اور وہاں جو لڑکی سب سے بڑھ  
کر حسین ہوا سے اٹھا کر میرے دربار میں حاضر کرو۔“  
دونوں گورکنوں نے سر جھکا دیئے۔ اور ایک ساتھ بولے۔  
”سورج دیوتا کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔“

”اے سمیرا کی مقدس رُوح! مجھے اس نذاب سے  
بچالے جس سے میں بڑی مشکل سے چھٹکا ما حاصل کر  
کے آیا ہوں۔“ سمیرا کی رُوح نے کہا۔  
”اس کے لیے تمہیں ایک قربانی دینی ہوگی۔“

مردہ فرعون بولا۔

”میں ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہوں مگر واپس  
اپنی دنیا میں جا کر بیمار اور بوڑھا ہو کر ایک بار پھر  
مرنا نہیں چاہتا۔“ سمیرا کی رُوح نے کہا۔

”تو پھر اپنے موت کے گورکنوں سے کہہ کہ وہ نیچے  
زمردہ لوگوں کی دنیا میں جا کر ملک مصر کی سب  
سے حسین لڑکی کو اغوا کر کے یہاں لائیں۔ اس لڑکی کو  
میرے خاوند فرود کے نام پر آگ کے لاف میں ڈال  
کر ہلاک کر دے۔ اس کے بعد تیری رُوح ایک بار پھر  
بیمار ہونے، بوڑھا ہونے اور موت کا لقمہ بننے سے بچ  
جائے گی۔“

اس کے ساتھ ہی کھوپڑی پر رکھی ہوئی نیلی موم بتی اپنے آپ بجھ گئی سمیرا  
کی رُوح جا بھکی تھی۔ مردہ فرعون نے کھوپڑی کو اٹھا کر ایک پتھر کے صندوق میں  
بند کیا اور دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔ ماریا نے یہ سب کچھ سن لیا تھا۔ وہ  
بھی اس کے پیچھے پیچھے گئی۔



اور دونوں گورکن تین بار سجدہ کر کے باہر نکل گئے۔

ماریا وہاں موجود تھی۔ اب وہ سوچنے لگی کہ اسے کیا کرنا چاہیے کیا وہ ان گورکنوں کے ساتھ نیچے کی دنیا میں جانے اور بے گناہ حسین لڑکی کو بچائے؟ اسے یہی تجویز پسند آئی۔ کیونکہ اگر یہ شیطان زمین پر سے کسی لڑکی کو اٹھا کر لے آئے تو پھر یہاں اس کی جان بچانا شاید مشکل ہو جائے۔ ماریا تیزی سے گورکنوں کے پیچھے پکی۔

لیکن اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ دونوں گورکن غائب ہو گئے تھے۔ اب ماریا اکیلی نیچے زمین کی طرف نہیں جاسکتی تھی۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کس طریقے سے نیچے کی دنیا میں جائے۔ ناامید ہو کر وہ عنبر کے برف کے جہنم میں دوڑی دوڑی آئی۔ اور اسے ساری بات سنائی۔ عنبر تابوت سے باہر نکل آیا۔ اس وقت تک تابوت بھی برف کے بلاک کی طرح سیخ ہو چکا تھا مگر عنبر پہ برف کی سردی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا۔

”ماریا! ہم خود اپنی مشکل غنیمت سمجھتے ہوئے ہیں ہم اس لڑکی کو کیسے بچا سکیں گے؟“

ماریا نے کہا۔

”لیکن میں ایک معصوم لڑکی کو زندہ آگ میں جلتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتی۔“

عنبر بولا۔

”ہمیں ابھی تک کیٹی کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ میں یہاں سے باہر نکلتا تو ہو سکتا ہے یہاں کی مردہ مخلوق کا جادو مجھ پر اثر کر جائے۔ میں تو ان لوگوں کی رسموں کو پورا کرتے ہوئے یہاں کے راز معلوم کرنا اور کیٹی کا سراغ لگا کر اسے یہاں سے نکالنا چاہتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں برف کے جہنم میں خاموش پڑا ہوں۔“

ماریا بولی

”کچھ بھی ہو ہم کیٹی کو بھی ڈھونڈھ لیں گے اور جو لڑکی یہ گورکن بدبخت اغوا کر کے لائیں گے اسے بھی موت کے منہ سے بچا لیں گے۔“

عنبر کہنے لگا۔

”اسے بچا کر کہاں لے جائیں گے ماریا؟ ہمیں تو واپس زمین پر جانے کا راستہ بھی معلوم نہیں ہے۔ ایک بات تو ثابت ہو گئی ہے کہ یہ بستی بھاری زمین پر نہیں ہے بلکہ اوپر کسی سیارے میں آباد ہے۔ جہاں مرنے والوں کی رُو حیں جسمانی حالت میں رہتی ہیں۔ لیکن یہاں سے واپسی کا راستہ ہمیں بالکل معلوم نہیں۔“

ماریا نے کہا۔

”کوئی نہ کوئی سبب بن جائے گا۔ میں جانتی ہوں۔“



کیٹی کا ایک بار پھر کھوج لگاتی ہوں۔ لیکن زندہ دنیا سے اغوا کر کے لائی جانے والی لڑکی کے بارے میں بھی چوکس نہ ہوتا ہوگا۔

یہ کہہ کر ماریا چلی گئی۔ عین ایک بار پھر تابوت میں لیٹ گیا۔ ماریا پر یہ انکشاف بھی ہو گیا تھا کہ اس بستی میں رات نہ ہوتی ہے۔ دن کبھی نہیں نکلتا۔ مگر وہ اندھیرے میں بڑی اچھی طرح سے دیکھ سکتی تھی۔ عین کے برفانی جہنم سے نکل کر وہ بائیں طرف ویرانے میں اڑنے لگی۔ کیا دیکھتی ہے کہ دور ایک پیرانی عمارت ایک طرف کو جھکی ہوئی ہے۔ اس پاس جنگلی جانوروں میں قبروں ایسی ڈھیڑیاں بھری ہوئی ہیں۔ عمارت پیرانے محل طرح ہے مگر سیاہ پتھروں کی ہے اور اس کے محرابی دروازے پر ایک جانب بڑیوں کا ایک ڈھانچہ ہاتھ میں کدال لیے پہرہ رہا ہے۔ یہ موت کا محل تھا۔ اور کیٹی اسی محل کے اندر سرنگ والی کوٹھڑی میں قید تھی۔ ماریا کو کیٹی کی خوشبو نہیں آ رہی تھی یہاں اسے عین کی خوشبو بھی نہیں آتی تھی۔ عین کو بھی ماریا کی خوشبو محسوس نہیں ہوتی تھی۔

ماریا ڈھانچے کے قریب گئی تو ڈھانچے نے ذرا سی حرکت کی۔ اس کا کدال والا بڑیوں کا بازو تھوڑا سا اوپر کھٹا اور پھر اپنی جگہ پر آ گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس مرد

ڈھانچے نے ماریا کے غیبی جسم کی شعاعوں کو محسوس کیا تھا۔ چونکہ وہ ماریا پر حملہ آور نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ماریا دلیری سے دروازے کی طرف گئی۔ دروازہ پتھر کا تھا۔ اور بند تھا۔ ماریا اس میں سے گزر گئی۔

عجیب بات تھی کہ پتھر کے بند دروازے میں سے گزرتے ہوئے ماریا کے جسم کو تین بار شدید جھٹکے لگے۔ جو اس بات کا ثبوت تھے۔ کہ یہاں طلسم بھونکا گیا ہے۔ ماریا پر اس طلسم نے کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ اس لیے وہ آگے بڑھتی گئی۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس پر اسرار آسبی محل میں کیا ہے۔ اور کہیں کیٹی تو یہاں نہیں ہے۔ یہ ایک اندھیری سرنگ تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ وہاں سات کوٹھڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ جن کے دروازے بند ہیں۔ پہلی کوٹھڑی میں ماریا کو آہیں بھرنے کی آواز سنائی دی۔ ماریا بند دروازے میں سے اندر چلی گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک اڈھیر عمر عورت اپنے بال کھولے فرش پر بیٹھی سسکیاں بھر رہی ہے کبھی ٹھنڈی آہیں بھرنے لگتی ہے۔ ماریا خاموش کھڑی رہی۔ عورت کے منہ سے یہ الفاظ جیسے اپنے آپ نکل گئے۔

”شیطان نے مجھے یہاں بھیج دیا ہے۔ میرا کون ہے جو میری روح کو اس عذاب سے نکالے؟“  
ماریا نے آہستہ سے کہا۔



”تم کون ہو اور یہاں تمہیں کس نے قید کیا ہے؟“  
 اڈھیر عمر کی عورت تو ایک دم سے چونک پڑی۔ کوٹھڑی  
 کے اندھیرے میں ادھر ادھر تکھنے لگی۔ پھر گھبرائی ہوئی آواز  
 میں بولی۔

”تم — تم کون ہو؟ ضرور تم موت کی وادی کے شیطان  
 ہو۔ جو عورت کی آواز میں مجھ سے ہمکلام ہے۔“  
 ماریا نے کہا۔

”میں شیطان نہیں ہوں۔ بہر حال تم یہی سمجھو کہ میں  
 ایک نیک رُوح ہوں اور تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔“  
 عورت بولی۔

”یہاں تو کبھی نیک رُوح نہیں آ سکتی۔“  
 ماریا نے کہا۔

”ان باتوں کو بھول جاؤ۔ جو میں پوچھوں اس کا جواب  
 دو۔ تمہارا نام کیا ہے؟“  
 عورت نے کہا۔

”میرا نام نیکوما ہے۔ اور میں مردہ فرعون کے حکم سے  
 یہاں کئی برس کی سزا بھگت رہی ہوں۔“  
 ماریا نے پوچھا۔

”کیا تمہارے علاوہ بھی یہاں کوئی عورت ہے؟“

نیکومانے کہا۔  
 ”ہاں اسے نیک رُوح! ابھی چند روز ہوئے یہاں ایک  
 یہودی آنکھوں والی لڑکی لائی گئی ہے۔ جس کا نام قیسطانی  
 ہے۔“

ماریا چونکی۔

”قیسطانی؟ عجیب سا نام ہے۔ کہاں ہے وہ۔ کیا  
 میں اُسے مل سکتی ہوں۔“

”کیوں نہیں؟ نیکومانے کہا۔ ”وہ یہاں سے آگے  
 ساتویں کوٹھڑی میں پڑی ہوگی۔“ وہ سات برس  
 کا عذاب بھگت رہی ہے۔“

ماریا نے نیکوما سے کہا۔ کہ وہ ابھی قیسطانی سے مل کر و  
 آتی ہے۔ ماریا وہاں سے نکل کر سڑنگ میں سے گزرتی سید  
 ساتویں کوٹھڑی میں جا پہنچی۔ وہاں جاتے ہی کیا دیکھا کہ کیٹی  
 پر آنکھیں بند کیے پڑی ہے۔ ماریا نے کہا۔ ”کیٹی!“

کیٹی نے ماریا کی آواز سنی تو چونک کر اٹھ بیٹھی۔  
 ”ماریا! ماریا بہن! تم؟ خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئیں  
 مگر مجھے تمہاری خوشبو کیوں نہیں آ رہی؟“  
 ماریا نے کہا۔

”مجھے بھی تمہاری خوشبو نہیں آ رہی۔ میں اکیلے نہیں  
 228 غن بن اگ ماریا کی لڑکی



ہوں۔ عنبر بھی میرے ساتھ ہے۔“

کیٹی تو خوشی سے نہال ہو گئی۔ اسے اپنی مصیبت بولی۔

”کہاں ہے عنبر بھائی؟“

ماریا نے شروع سے آخر تک اپنی اور عنبر کی سادی سنائی۔ کیٹی نے بھی اسے اپنی سادی رام کہانی سے بتائی سے کہا۔

”ماریا! اب یہاں سے نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟“

ماریا نے کہا۔  
”یہی اب ہمیں معلوم کرنا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا۔ زمین کی دنیا سے ایک نئی لڑکی کو یہ اغوا کر کے لایا ہے ہیں۔ اسے یہاں کا مردہ فرعون اپنی زندگی کی بقا کے لیے آگ میں ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور ہمیں اس لڑکی کی جان بچا کر واپس اپنے ساتھ لے جانا ہے۔“

کیٹی بولی۔

”لیکن ہمیں تو خود واپسی کا راستہ معلوم نہیں ہے۔“

ماریا نے کہا۔

”اس کا سراغ بھی مل جائے گا۔ اب تم ایسا کر۔“

کہ اس کو ٹھٹری میں اطمینان سے بیٹھو۔ میں عنبر کو جا کر خوش خبری سناتی ہوں کہ کیٹی مل گئی ہے۔“

کیٹی نے پریشانی سے کہا۔  
”مجھے اکیلی چھوڑ کر مت جاؤ ماریا۔ اب یہاں میرا دل گھبرائے گا۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“

ماریا بولی۔  
”تمہارا میرے ساتھ آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تم اسی کو ٹھٹری میں اطمینان سے بیٹھی رہو۔ میں بہت جلد پھر آؤں گی۔ کوشش یہی کرو کہ کسی کو شک تک نہ پڑے کہ تمہاری کوئی مددگار روح یہاں پر موجود ہے۔ میں پہلے والی کو ٹھٹری کی عورت نیکوما کو بھی نہیں بتاؤں گی کہ تم میری بہن اور دوست ہو۔“

کیٹی نے کہا۔

”نیکوما ایک اچھی عورت ہے۔“

ماریا بولی۔

”پھر بھی ہمیں مکمل رانداری سے کام لینا ہے۔“

میں جا رہی ہوں۔ بہت جلد پھر آؤں گی۔“

ماریا کو ٹھٹری سے نکل کر سیدھی اڑھیر عمر عورت نیکوما کی کو ٹھٹری میں آگئی۔ اس نے اسے بتایا کہ ساتویں کو ٹھٹری والی



لڑکی قسطنطنیہ تو غم سے نیم بے ہوش پڑی ہے۔ نیکو ما آہ بھر کر بولی۔

”آہستہ آہستہ وہ بھی یہاں کے عذاب کی عادی ہو جائے گی“

ماریا نے کچھ سوچ کر کہا۔  
”نیکو ما! تم مجھے بڑی عقلمند اور تجربہ کار مردہ عورت لگتی ہو۔“

نیکو ما نے کہا۔

”میں فرعونوں کے شاہی خاندان کی تجربہ کار شہزادی تھی مگر میرے گناہ زیادہ تھے جس کی وجہ سے مرنے کے بعد مجھے یہاں عذاب میں ڈال دیا گیا ہے“

ماریا نے پوچھا۔

”کیا تم لوگ کبھی یہاں سے واپس نہیں جا سکتے۔ میرا مطلب ہے واپس اپنی دنیا میں نہیں جاؤ گے؟“

نیکو ما بولی۔

”مرنے کے بعد بھی کبھی کوئی واپس اپنی دنیا میں گیا ہے؟ ہم تو مر چکی ہیں۔ ہم تو اپنی روحیں ہیں جو محض عذاب جیل تک کیلئے اپنے عارضی جسموں میں آگئی ہیں۔ عذاب کے دن پورے ہوتے ہی ہماری روحوں ہمیشہ

کے لیے یہاں سے روحوں کی غیر فانی دنیا میں چلی جائیں گی“ ماریا نے کہا۔

”پھر بھی تمہیں یاد تو ہوگا کہ تمہیں یہاں کیسے لایا گیا تھا“ نیکو ما کہنے لگی۔

”تم نیک روح ہو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں جانتی کہ یہاں سے واپس زمین کو کون سا راستہ جاتا ہے؟ میں تو تمہیں کچھ بھی نہیں بتا سکتی۔ کیونکہ مجھے واپس کے راستے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے“

ماریا سمجھ گئی کہ یہ عورت نیکو ما بھی بے خبر ہے۔ اس نے کہا۔  
”اچھا نیکو ما میں جاتی ہوں۔ کاش میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی“

نیکو ما نے کہا۔

”تمہارا شکریہ اے نیک روح! مگر ہم مردہ عورتیں ہیں۔ واپس اپنی دنیا میں جا کے کیا کریں گی۔ اگر ہم اپنے گھر چلی بھی گئیں تو گھر والے ہمیں بھوت سمجھ کر بھاگ جائیں گے۔ اس لیے یہی بہتر ہے کہ جتنا عذاب بلا ہے اسے صبر شکر کر کے بھگتیں اور پھر آزادی کی زندگی بسر کریں“

ماریا جانے لگی تو نیکو ما نے اس سے پوچھا کہ سرنگ میں داخل تے وقت اس پر ظلم نے اثر نہیں کیا؟ تو ماریا نے اسے بتایا



کہ اسے صرف دو تین جھٹکے ہی لگے تھے۔ نیکو ما بولی۔

”اس لیے کہ تم ایک نیک رُوح ہو۔“

”ماریا نے نیکو ما کا شکریہ ادا کیا۔ اور وہاں سے چلی گئی۔

وہ سیدھی عنبر کے پاس آئی اور اسے کیٹی کے بارے میں خوشخبری

سنائی۔ عنبر کو بے حد خوشی ہوئی۔ ماریا نے کہا۔

”اسے ایک کوٹھڑی میں قید کر دیا گیا ہے۔ یہاں اس

کا نام قسیطانی ہے۔ مگر وہ خیریت سے ہے اور ہمارے ساتھ

واپس جانے کے لیے بے قرار ہے۔“

عنبر بولا۔

”اب ہمارے سامنے صرف ایک ہی مسئلہ رہ گیا ہے

کہ کسی طرح سے یہاں سے فرار ہونے کا راستہ تلاش کیا جائے۔“

ماریا نے کہا۔

”اس کے لیے میں سر توڑ کوشش کروں گی۔ لیکن سب

سے پہلے زمین سے آنے والی حسین لڑکی کا انتظار کرنا ہو

گا۔ کیونکہ اس کی جان بچانا ہمارا فرض ہے اور پھر اسے

مجھے ساتھ لے جانا ہوگا۔“

عنبر نے کہا۔

”واپسی کا راستہ ہمیں اسی صورت میں مل سکتا

ہے کہ یہاں جو لوگ موت کے محل میں رہتے ہیں ان

میں سے کسی سے یہ راز معلوم کرنا ہوگا۔“

ماریا کہنے لگی۔

”میں سامنے کی طرح ان لوگوں کے ساتھ رہوں گی ابھی

تو مجھے زمین سے اغوا کر کے لائی جانے والی حسین لڑکی

کا انتظار ہے۔ لیکن تم اس برف کے جہنم میں کب تک

تک پڑے رہو گے۔“

عنبر نے کہا۔

”سات دنوں کی تو بات ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا

ہوں کہ یہاں سے نکال کر یہ لوگ مجھے کہاں لے

جاتے ہیں۔ وہاں سے پھر اپنے ایڈوائزر کا آغاز کریں

گے۔ ویسے میں یہاں تو ہوں ہی اگر میری ضرورت

پڑے تو فوراً میرے پاس چلی آنا۔“

ماریا نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں اب مردہ فرعون کے محل میں جاتی

ہوں۔ کیونکہ جو گورکن زمین پر گئے ہیں وہ وہاں زیادہ

دید نہیں لگائیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ حسین لڑکی کو ساتھ

لے کر وہاں پہنچ گئے ہوں گے۔“

ماریا برف کے جہنم سے نکل کر اندھیرے ٹیلوں کے

سے ہوتی مردہ فرعون کے محل میں داخل ہو گئی۔ وہاں ناگ ڈیو خلائے



فرعون کا تخت خالی تھا۔ تخت کے پیچھے جو سیاہ بلی کا بت تھا وہ خاموش جیسے ماریا کو تک رہا تھا۔ ماریا اس کے باب سے ہو کر گزری تو بلی کے منہ سے غراہٹ کی آواز آئی۔ ماریا وہیں رُک گئی۔ بلی کی طرف غور سے دیکھا۔ بلی کا سیاہ پتھر کی طرح خاموش تھا۔ پھر یہ آواز کہاں سے آئی تھی؟ ماریا نے پلٹ کر دیکھا تو اسے ایک کاہن ہاتھ میں تانبے کا مقامے آہستہ آہستہ چلتا تخت کی طرف آتا دکھائی دیا۔ اس کے پیچھے دو اور کاہن تھے۔ یہ تینوں تخت کے سامنے چپ چاپ کھڑے ہو گئے۔ اب دو میاں نمودار ہوئیں کہ کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ یہ دربار کے شاہی امراء لگتے تھے۔ اوالے کاہن نے فرش پر تین بار عصا مارا اور ادب سے کہا۔

”سورج دیوتا کو سلام ہو۔ اس کی امانت پہنچنے والی ہے؟“

چند لمحوں کے بعد تخت کے پیچھے والا پردہ ہٹا اور فرعون کی تاج سر پر رکھے اندر داخل ہوا۔ اور تخت پر بیٹھ گیا۔ پھر ان کی طرف آنکھیں جما دیں اور پوچھا۔

”وہاں میری امانت کہاں ہے؟“

کاہن نے سر جھکا دیا اور کہا۔

”سورج دیوتا کی امانت ادھی ہے؟“

کاہن اعظم نے چار بار عصا فرش مارا۔ مہرابی دروازے میں جہاں نیلی موم بتی روشن تھی وہی دو گورکن داخل ہوئے۔ بنیں مُردہ فرعون نے مصر کی سب سے حسین ترین لڑکی اعوا کرنے بھیجا تھا۔ ان کے پیچھے دو میوں نے ایک لکڑی کا تختہ اٹھا رکھا تھا۔ جس پر ایک لڑکی سیدھی بے ہوش پڑی تھی۔

کاہن اعظم نے مُردہ فرعون کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

”سورج دیوتا آپ پر قربان کی جانے والی حسین لڑکی حاضر ہے۔“

میںوں نے تختہ فرعون کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ گورکن ادب سے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ مُردہ فرعون نے آنکھیں نیچے کر کے تخت پر لیٹی بے ہوش لڑکی کو غور سے دیکھا۔ اس وقت گورکن نے کہا۔

”سورج دیوتا! ہم نے مصر کے پورے ملک میں رہنے والی تمام لڑکیوں کو ایک ایک کر کے دیکھا۔ ہمیں اس سے زیادہ خوب صورت لڑکی کہیں نہیں ملی۔“

مُردہ فرعون نے بے ہوش لڑکی کا جائزہ لیا اور کہا۔

”ہم خوش ہوئے ہیں۔ یہ لڑکی بہت خوب صورت ہے۔“



پھر اس نے حکم دیا کہ فوراً موت کے محل میں نمرود کی آگ  
جلانے کا بندوبست کیا جائے۔ ہم اس لڑکی کو کل اسی وقت  
نمرود کی آگ کے سپرد کر دیں گے۔ کاہن اعظم نے سر جھکاتے  
ہوئے کہا۔

”سودج کے دیوتا کے حکم کی تعمیل ہوگی“

ماریا نے بھی دیکھا کہ لڑکی واقعی بہت ہی خوب صورت  
تھی۔ سا نوا رنگ، چھریا جسم اور ناک اور ہونٹ اتنے  
خوب صورت جیسے کسی مجسمہ ساز نے تراشے ہوں۔ اس کے  
کانوں میں نیلے آویزے تھے۔ چہرے پر نور برس رہا تھا۔ ماریا  
نے سوچا کہ نہ جانے اس بے چاری کے ماں باپ کا کیا حال ہو  
رہا ہوگا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ  
اس لڑکی کو نمرود کی منحوس آگ میں نہیں گرنے دے گی۔

گو رکھنوں نے اشارہ کیا۔ میسوں نے بے ہوش لڑکی کے تنے  
کو اٹھایا اور باہر نکل گئے۔ ماریا ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ وہ  
مصری لڑکی کو لے کر سیدھا موت کے محل کی طرف آگئے۔ یہاں  
سیاہ پتھر والی عمارت کے پہلو میں ایک تہ خانہ تھا جو  
زمین کے اندر بنایا گیا تھا۔ اور اس کے اوپر دیت کا ویران  
ٹیلہ تھا۔ میسوں نے لڑکی کو تہ خانے میں لے جا کر رکھ دیا باہر  
آکر دونوں میاں و ماں بند دروازے کے آگے پہرہ دیتے

میں۔ ماریا نے میسوں کو پہرے پر کھڑے دیکھا تو پچکے سے بند  
دروازے میں سے گزر کر نیچے بے ہوش حسین لڑکی کے پاس  
گئی۔

وہ ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ خدا جانے اسے کیا چیز  
دی گئی تھی کہ اسے ہوش ہی نہیں آ رہا تھا۔ ماریا نے دو تین  
اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر اسے آواز دی مگر وہ ہوش  
نہ آئی۔ اس نے سوچا کہ پہلے عنبر کو جا کر اطلاع کرتی چاہیے۔  
مگر اسے خیال آیا کہ پہلے کیٹی کو اطلاع دینی چاہیے۔ کیونکہ وہ اسی  
موت کے محل کی منگ میں پڑی تھی۔ ماریا وہاں سے ہوا میں لڑتی  
موت کے محل کے دروازے پر آئی جہاں انسانی ڈھانچہ  
دروازے رہا تھا۔ بند دروازے میں سے گزرتے ہوئے  
ماریا کو پھر تین جھکے گئے۔ مگر وہ سنگ میں آگئی اور کیٹی کی  
لڑکی میں جاتے ہی اسے بتایا کہ نیچے کی دیتا سے یہ لوگ حسین لڑکی  
لے آئے ہیں۔

کیٹی بولی۔

”وہ اسے کب آگ میں ڈال رہے ہیں؟“

ماریا نے بتایا کہ کل اسی وقت مردہ فرعون نے کہا ہے۔

”مگر کیٹی یہاں تو رات ہی رات چھائی رہتی ہے۔ یہ

کیسے پتہ چلے گا کہ کل اسی وقت کا ٹائم ہوا ہے یا نہیں ہے۔“



کیٹی بولی۔

”اندازے سے پتہ لگالیں گے۔ مگر ہمیں تو اس سے پہلے لڑکی کو یہاں سے غائب کر کے کسی محفوظ مقام پر پہنچا دینا ہوگا۔“  
ماریا نے کہا۔

”سوال یہ ہے کہ وہ محفوظ مقام کہاں پر ہے؟ اور پھر کیا یہ مردہ جھوٹ وہاں نہیں پہنچ جائیں گے؟“  
فرعون تو سمیرا روح کی کھوپڑی سے پتہ کرا لے گا کہ حسین لڑکی کو کہاں چھپایا گیا ہے۔“  
کیٹی کہنے لگی۔

”ماریا! تم ایک بات بھول گئی ہو کہ یہ اصل میں مردہ لوگ ہیں۔ ان کی طاقت ایک خاص حد سے آگے جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ وہ آگے بے بس ہوتے ہیں۔“  
ماریا نے کہا۔

”یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس لڑکی کو اٹھا کر ہم لے جائیں گے کہاں؟ کیونکہ جب تک ہمیں یہاں سے فرادہ ہونے کا راستہ معلوم نہیں ہوتا ہمیں حسین لڑکی کو کسی خفیہ جگہ پر چھپا کر رکھنا ہوگا۔“

کیٹی کہنے لگی۔

”مجھے نیکو مانے ایک بار بتایا تھا کہ اس مردہ فرعون کی بستی کے جنوب میں یہاں سے بہت دور ایک بہت بڑے سیاد پہاڑ کے اندر غار ہے جس کو یہ مردہ غار کہتے ہیں۔ اس غار میں جو فرعون مرجاتے ہیں۔ ان کے مردہ جانوروں کی رُو حیں رہتی ہیں۔ مگر یہ رُو حیں بھی ان لوگوں کی طرح زندہ جسموں میں ہوتی ہیں۔ نیکو مانا کہ یہی تھی کہ وہاں شاہی محل کی مردہ بلیوں، کتوں، مگر مچھروں اور بچھوؤں کی رُو حیں اپنے اصلی جسم میں رہتی ہیں۔“

ماریا بولی۔

”شاید وہیں وہ بچھوؤں کی سرنگ بھی ہوگی جس میں یہ لوگ عبیر کو لے جانے والے ہیں۔“  
کیٹی نے کہا۔

”ہاں۔ ہم بڑی آسانی سے حسین لڑکی کو یہاں سے لے جا کر وہاں کسی سرنگ میں چھپا سکتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کئی سرنگیں ہیں۔“

ماریا کہنے لگی۔  
”یہ اچھی بات بتائی تم نے۔ ہم ایسا ہی کریں گے۔ اگر



یہ لوگ وہاں پہنچ بھی گئے تو پھر ان کے ساتھ چاروں  
کھلی جھگ شروع ہو جائے گی۔ ہم سے جو کچھ ہو سکا  
کریں گے۔  
کیٹی نے مسکرا کر کہا۔

”یہی بات مجھے نیکو مانے بتائی تھی کہ وہاں اگر کوئی  
زمین کا انسان پہنچ جائے تو مردہ فرعون کو اس کا علم  
نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ زندہ انسان کے جسم سے جو شعاعیں  
خارج ہوتی ہیں۔ وہ مردہ غاروں کی فضا کو اپنی اصلی حالت  
میں ہی رہنے دیتی ہیں۔ جس سے مردہ فرعون  
یا کسی بھی روح کو علم نہیں ہو سکتا کہ مردہ غار  
میں کوئی اجنبی گیا ہے۔“

ماریا بڑی خوش ہوئی۔ کہنے لگی۔

”تو پھر میں آج ہی حسین لڑکی کو اٹھا کر جنوب کے  
سیاہ پہاڑ کی طرف نکل جاتی ہوں۔ تمہیں بعد میں آ  
کر لے جاؤں گی۔ کیونکہ ایک وقت میں میں ایک ہی  
عورت کو کاندھے پر اٹھا سکتی ہوں۔“

کیٹی نے تاکید کی کہ وہ اپنا خیال رکھے اور اسے لینے جلد  
واپس آئے۔ ماریا کیٹی کی سرنگ سے نکل کر سیدھی اس طیلے  
پاس آئی جس کے تہ خانے میں حسین لڑکی بے ہوش پڑی

تھی۔ اور جس کے باہر دو میاں پہرہ دے رہی تھیں۔ ماریا خاموشی  
سے غیبی حالت میں ان کے درمیان سے گزر کر نیچے تہ خانے  
میں آگئی۔ حسین لڑکی اسی طرح بے ہوش پڑی تھی۔ ماریا نے  
اسے اٹھایا اور اپنے کاندھے پر بودی کی طرح ڈال لیا۔ ماریا  
کے کاندھے پر آتے ہی حسین لڑکی غائب ہو گئی۔ ماریا یہی چاہتی  
تھی۔ اس نے زمین سے ایک فٹ بلند ہو کر تہ خانے کی سیڑھیاں  
پاؤں پر سے دار میوں کو بالکل احساس تک نہ ہوا کہ ماریا

دوڑوں پہرے دار میوں کو بالکل احساس تک نہ ہوا کہ ماریا  
ان کی سب سے قیمتی امانت کو لے کر ان کے قریب سے پرواز کر  
گئی ہے۔ ماریا فضا میں بلند ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ وہ زمین سے  
پچاس فٹ کی بلندی پر آگئی اور اس نے جنوب کی طرف پرواز  
شروع کر دی۔ کافی دور تک اڑتے رہنے کے بعد ماریا نے  
دور ایک بہت بڑے سیاہ فام پہاڑ کو دیکھا۔ یہی مردہ غار کا  
پہاڑ تھا۔

ماریا جو نہی پہاڑ کے قریب پہنچی اسے مختلف جانوروں کے  
بولنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ کبھی کوئی بلی غزانے لگتی۔  
کبھی کتا بھونکنے لگتا۔ اور کبھی کسی مگر میچ کے زور سے چھٹکارنے  
کی آواز سنائی دے جاتی۔ ماریا نے دیکھا کہ تقریباً ہر غار کے  
اندروں سے ان درندوں اور جانوروں کی آوازیں آتی تھیں۔ کونے میں



ایک ایسا غامد بھی تھا جو بالکل خاموش اور سستمان تھا۔ ماریا حسین بے ہوش لڑکی کو لے جا کر اس غامد کے اندر پتھروں کے درمیان لٹا دیا اور اس کے ارد گرد پتھروں کی چھوٹی سی چلادیوادی سی پٹریں دی تاکہ اگر کوئی درندہ ادھر آئے بھی تو حسین لڑکی اس سے محفوظ رہے۔ پھر وہ باہر نکل آئی۔ غامد کے منہ پر آکر اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں ایسی جھیاٹک ویرانی تھی کہ انسان کا دہشت کے مارے خون خشک ہو جائے۔ قلی کتوں اور نگہ مچھوں کی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ ماریا اب یہ چاہتی تھی کہ جتنی جلدی سے جلدی ہو سکے وہ کیٹی کو موت کے محل سے نکال کر یہاں لے آئے تاکہ وہ بے ہوش لڑکی کی حفاظت کرے اور ماریا خود غبر کو جا کر حسین لڑکی کے محفوظ جگہ پر پہنچا دیئے جانے کی فکر کرے۔ چنانچہ ماریا تیزی سے فضا میں بلند ہو کر برق رفتاری سے اڑتی ہوئی موت کے محل کے اوپر پہنچ گئی۔

Uploaded for:  
Pakistan Virtual Library  
www.pdfbooksfree.pk

## چار سیاہ پوش گورکن

کیٹی اپنی کوٹھڑی میں پڑی تھی۔

کیٹی کے جسم میں اب پچھلے ایسی کمزوری باقی نہیں رہی تھی اور اس کی طاقت واپس آ گئی تھی۔ ماریا نے اسے ہی اسے بتا دیا کہ وہ حسین لڑکی کو مردہ غامدوں کے ایک غامد میں چھوڑ آئی ہے اور اب اسے لینے آئی ہے۔ کیٹی جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ اور بولی۔

”میں تیار ہوں ماریا۔ مگر — مگر اس سرنگ کے باہر طلسم ہے۔ کس وہ مجھ پر اثر انداز نہ ہو؟“  
ماریا نے کہا۔

”تم میرے ساتھ ہی غائب ہو جاؤ گی۔ تم میرے کاندھے پر غیبی حالت میں پڑی ہو گی۔ تم پر کسی طلسم کا اثر نہیں ہو گا۔ کیونکہ مجھ پر اثر نہیں ہوا۔“  
ماریا نے کیٹی سے کہا کہ وہ اس کے کاندھے پر سوار ہو جائے۔ ماریا بیٹھ گئی۔ کیٹی اس کے کاندھے پر چسپوٹ گئی۔ پھر فوراً ہی کیٹی بھی غائب ہو گئی۔ ماریا نے کیٹی کو اٹھایا اور فضا میں بلند ہو کر سرنگ



کے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ تیز رفتاری کے ساتھ بند دروازے کے پتھروں میں سے گزرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ اور جنوب کی سیاہ پہاڑ کا رخ کر لیا۔

”ماریا! اتنی سردی تو میں نے زمین پر برقانی پہاڑوں پر بھی نہیں دیکھی“  
ماریا نے کہا۔

”میں حسین لڑکی اور کیٹی کو ایک غار میں لے گئی ہوں۔ اب تمہیں لینے آئی ہوں“  
عینر نے کہا۔

”لیکن میں چاہتا تھا کہ یہاں باقاعدگی کے ساتھ ان لوگوں سے فراہم کا راستہ معلوم ہوتا“  
ماریا بولی۔

”کچھ معلوم نہیں ہو گا اس طرح سے۔ سات روز بعد یہ لوگ تمہیں پتھروں کی سرنگ میں پہنچا دیں گے وہاں سے بھی تمہیں ہمارے ساتھ ہی بھاگنا ہو گا۔ بہتر ہے کہ ہمیں سے میرے ساتھ چلو۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا“  
عینر بولا۔

”لیکن میں جاؤں گا کیسے؟ یہ لوگ تو مجھے دیکھ لیں گے۔ باہر پہرہ لگا ہے“  
ماریا نے کہا۔

اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ حسین لڑکی غار میں مردہ درندوں سے محفوظ رہتی تھی۔ کیٹی نے لڑکی کو غور سے دیکھا اور ماریا سے کہا۔

”ماریا! یہ تو سچ مچ بے حد خوب صورت ہے۔ یہ تو شہزادی لگتی ہے کسی ملک کی۔ اسے تو ضرور ان ظالم مردوں سے بچانا چاہیئے تھا“  
ماریا نے کہا۔

”اسی لیے تو ہم یہ سارا جتن کر رہی ہیں۔ اب میں عینر کو لینے جاتی ہوں۔ تم درندوں سے خبردار رہنا“  
کیٹی بولی۔

”ان کم سختوں کے بدلنے کی بڑی خطرناک آوازیں آ رہی ہیں۔ یہ تو گتا ہے بلیاں کتے بول نہیں رہے بلکہ دو رہے ہیں“  
ماریا نے کہا۔

”میں بہت جلد اسے لے کر یہاں پہنچ جاؤں گی“  
ماریا تیزی سے اوپر کواٹھی اور غار سے باہر نکل کر برف کے جہنم کی طرف پرواز کر گئی۔ وہ برف کے جہنم والے غار میں داخل ہوئی تو اسے سرد ہوا کا بیخ بستہ چیترا جسم سے ٹکراتا محسوس ہوا۔ اس



”میں تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گی۔“  
عنبر بولا۔

”دیکھا تم اتنی بہادر ہو گئی ہو؟“  
”کیوں نہیں؟“ ماریا نے کہا ”اور جب تم میرے کاندھوں پر بیٹھنے کے بعد غائب ہو جاؤ گے تو تمہارا بوجھ مجھے بالکل محسوس نہیں ہو گا۔“  
عنبر نے کہا۔

”یہ ٹھیک ہے۔ تو چلو میں بھی یہاں ٹھہرنے لگا تھا۔ کم بختوں نے تمہارے خانے میں اتنی ٹھنڈی برف کہاں سے پیدا کی ہے؟“  
ماریا نے عنبر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔  
”اب میرے کاندھے پر بیٹھ جاؤ۔“

عنبر ماریا کے کاندھوں پر بیٹھتے ہی غائب ہو گیا۔ کہنے لگا۔  
”ماریا! شاید تیرا دل برسر کی دوستی میں یہ پہلا موقع آیا ہے کہ میں تمہارے کاندھوں پر بیٹھا ہوں۔“  
ماریا نے کہا۔

”خاموش رہو۔ میں باہر جا رہی ہوں۔ باہر پریدار کھڑے ہیں۔“

ماریا عنبر کو اٹھائے برف کے جہنم کے دروازے سے باہر

نکل گئی۔ پہرے دار کہہ ایں بے موجود تھے مگر وہ ماریا اور عنبر کو نہ دیکھ سکے۔ عنبر نے اپنے تابوت کو اسی حالت میں برف میں لگا دیا تھا کہ جیسے وہ اس میں لیٹا ہوا ہے۔ ماریا جتنی تیزی سے اڑ سکتی تھی اُڑتی ہوئی سیاہ پہاڑ کے غار میں کیٹی کے پانس پہنچ گئی۔ عنبر نے کہا۔

”یہاں تو بلی کتوں اور مگر مچھوں کے رونے کی منگوس آوازیں آ رہی ہیں۔“

”یہ مردہ درندوں اور جانوروں کا غار ہے۔“ ماریا بولی۔  
کیٹی نے عنبر کو اور عنبر نے کیٹی کو دیکھا تو دونوں گرجوڑی سے ملے اور کیٹی تو خوشی سے نہال ہو رہی تھی۔ عنبر اور ماریا کی وجہ سے اس کا حوصلہ اب کافی بلند ہو گیا تھا۔ عنبر نے بے ہوش حسین لڑکی کو دیکھ کر کہا۔

”یہ تو بڑی حسین لڑکی ہے۔ حد معصوم لڑکی ہے۔ کیسا پریوں ایسا چہرہ ہے اس کا۔“

لڑکی کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ کیٹی نے حساب لگا کر انہیں بتایا کہ چھ گھنٹوں کے بعد اس لڑکی کی گمشدگی کا مردہ فرعون کو علم ہو جائے گا۔ اور پھر وہ لوگ اس لڑکی کی تلاش میں نکلیں گے۔ اور کوئی معلوم نہیں کہ وہ کون سے طریقے اختیار کرتے ہیں۔ عنبر بولا۔



”کیا یہاں سے ہم کسی دوسری محفوظ جگہ پر نہیں جاسکتے؟  
کیٹی تھیں تو یہاں کی کئی جگہوں کا علم ہوگا۔“  
کیٹی نے کہا۔

”میں تو بے ہوشی کی حالت میں آئی تھی۔ جب ہوش  
آیا تو مردہ فرعون کے دربار میں تھی۔ نیکو ما اس سلسلے  
میں ہماری مدد کر سکتی ہے۔“

ماریا کہنے لگی۔

”کیوں نہ ہم اس لڑکی کو کیٹی کے ساتھ موت کے  
محل والی کوٹھڑی میں بند کر دیں۔ وہاں تو کسی کو شک ہی  
نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں فرعون کے آدمی  
اس کی تلاش میں نہیں آئیں گے۔ یوں ہم اتنی دیر میں یہاں  
سے فرار کا کوئی راستہ تلاش کر لیں گے۔“  
کیٹی نے کہا۔

”اس صورت میں ہمیں مردہ عورت نیکو ما کو اعتماد میں  
لینا ہوگا۔ کیونکہ اسے متبر ہو گئی کہ حسین لڑکی میری کوٹھڑی  
میں ہے تو وہ اطلاع کر دے گی۔“

عین نے پوچھا کہ کیا مردہ عورت نیکو ما پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟  
اس کا جواب کیٹی نے یہ دیا کہ اس پر بھروسہ کیا بھی جاسکتا ہے  
اور نہیں بھی۔ ماریا نے کہا۔

”بلکہ ہمیں حسین لڑکی کو چھپانے کے لیے اس سے بہتر  
جگہ نہیں مل سکتی۔ مردہ فرعون کے آدمی ہر جگہ گمشدہ  
لڑکی کو تلاش کریں گے مگر کیٹی کی کوٹھڑی پر کسی کو شک بھی  
نہیں پڑ سکتا۔ ادھر کوئی نہیں جائے گا۔ یوں ہمیں یہاں  
سے فرار کا کوئی راستہ ڈھونڈنے کا وقت مل جائے  
گا۔“

آخر یہی فیصلہ کیا گیا اور ماریا نے بادی بادی کیٹی اور حسین  
بے ہوش لڑکی کو موت کے محل کی سرنگ میں کیٹی کی کوٹھڑی میں  
پہنچا دیا۔ ابھی تک نیکو ما کو بالکل خبر نہیں ہوئی تھی۔ کوٹھڑی میں  
دوسری مردہ عورتیں بھی اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں خاموش لیٹی  
تھیں۔ کسی کو یہ تک خبر نہ ہو سکی کہ کیٹی وہاں سے فرار ہو کر  
دوبارہ واپس آگئی ہے۔

اب ماریا عین کو لے کر برف کے جہنم کی طرف چل پڑی۔  
اس کا خیال تھا کہ عین کو بھی ابھی برف کے جہنم میں ہی ٹھہرنا  
پڑے گا۔ عین نے بھی یہی مناسب سمجھا۔ وہ برف کے بلاکوں کے  
درمیان میں گئے ہوئے اپنے تابوت میں اتر گیا۔ ماریا یہ جائزہ لیتا  
جاتی تھی کہ حسین لڑکی کے گم ہونے کی خبر پر مردہ فرعون کیا حکم  
دے گا۔ اور یہ لوگ اسے کہاں کہاں تلاش کرنے جاتے  
ہیں۔



موت کے محل کے دالان میں نمرود کی آگ روشن کر دی گئی تھی۔ مُردہ فرعون اپنی مُردہ ملکہ اور کاہنوں اور مہمیوں کے ساتھ دالان میں ایک طرف تخت لگا کر بیٹھ گیا۔ آگ کے شعلے جب چھت کو چھونے لگے تو اس نے حکم دیا کہ حسین لاکر کو لاکر نمرود کی آگ میں ڈال دیا جائے۔ اسی وقت چار گوردی اور دو میاں حسین لڑکی کو لانے کے لیے چل پڑیں۔ دُنبی و سیاہ پہاڑ والے تہہ خانے میں داخل ہوئیں دیکھا کہ لڑکی غائب ہے۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ فوراً باہر کھڑا انسانی ڈھانچے سے مُردہ زبان میں پوچھا گیا کہ حسین لڑکی جو مُردہ فرعون کی امانت تھی کہاں ہے؟ ڈھانچے نے بھی حیرت کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ اس نے کسی لڑکی کو باہر جاتے نہیں دیکھا۔

جب مُردہ فرعون کو اطلاع ملی کہ حسین لڑکی غائب ہے تو وہ غصے سے کانپنے لگا۔ یہ اس کی موت تھی۔ اس نے حکم دیا کہ یہ کسی باہر کے آدمی یا دشمن کی سازش ہے۔ حسین لڑکی کو فوراً تلاش کر کے حاضر کیا جائے۔ ورنہ تمام درباریوں کا ہاتھ گورکنوں اور مہمیوں کو نمرود کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ یہ بڑی خوفناک سزا تھی۔ کیونکہ یہ سب لوگ مُردہ تھے۔ نمرود کی آگ میں گرنے کے بعد وہ مرنے نہیں سکتے تھے۔ مگر قیامت تک جلتے رہتے۔

ایک سینڈ کے اندر اندر مُردہ بستی کے کونے کونے میں یہ لوگ پھیل گئے۔ ہر جگہ حسین لڑکی کی تلاش شروع ہو گئی۔ کاہن اعظم مُردہ فرعون اور اس کی ملکہ کے پاس ادب سے کھڑا تھا۔ ماریا بھی وہیں موجود تھی۔ مُردہ فرعون بے چینی سے ٹل رہا تھا۔ اس نے تشویش کے ساتھ کہا۔

”مجھے یہ کسی اپنے درباری کی سازش لگتی ہے“  
کاہن اعظم نے جواب میں کہا۔

”سورج دیوتا کسی کو جبراً نہیں ہو سکتی کہ وہ آپ کی امانت میں خیانت کرے“  
مُردہ فرعون بولا۔

”ہو سکتا ہے شاہی خاندان کے جو دو نئے مُردے دنیا سے آئے ہیں وہ ابھی زندہ ہی ہوں اور لڑکی کو اٹھا کر نیچے لے گئے ہوں“  
کاہن اعظم نے کہا۔

”عظیم سورج دیوتا! انہیں یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہم سرخ بادل والے پہاڑ کی سرنگ استعمال کرتے ہیں“

ماریا چونک پڑی۔ اسے نیچے زمین پر جانے کے راستے کا علم ہو گیا تھا۔ بلکہ کاہن اعظم نے خود ہی بتا دیا تھا۔ یہ کوئی سرخ



بادل والا پہاڑ تھا۔ جس کے اندر سبزنگ تھی۔ وہاں سے زمین پر  
فراہ ہوا جا سکتا تھا۔

مردہ فرعون نے کہا۔

”سُرخ بادل والے پہاڑ پر زبردست پہرہ بٹھا دو  
اور زمین سے آئے ہوئے مردہ عنبر اور قسیطانی کی  
لاشوں کو جا کر دیکھا جائے کہ وہ اپنی جگہ پر موجود ہیں  
کہ نہیں“

کاہن اعظم نے تعظیم بجا لا کر کہا۔

”جو حکم سورج دیوتا“

اور تین بار سر جھکا کر وہاں سے چلا گیا۔ ماریا اس سے  
پہلے ہی وہاں سے بھاگ چکی تھی۔ مردہ فرعون کے حکم سے  
کیٹی کی کوٹھڑی اور عنبر کے تابوت کی تلاشی لی جانے والی تھی۔  
عنبر تو تابوت میں ہی تھا مگر کیٹی کی کوٹھڑی میں کیٹی کے علاوہ  
حسین لڑکی بھی تھی۔ ماریا تیزی سے اڑتی ہوئی کیٹی کی کوٹھڑی میں  
آگئی۔ اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ کیٹی بھی پریشان ہو گئی۔  
حسین لڑکی کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ اتنا ضرور تھا  
کہ کسی وقت وہ سر کو ادھر ادھر ہلاتی تھی اور اس کے حلق سے  
کراہ کی آواز نکل جاتی تھی۔ کیٹی نے ماریا سے کہا۔  
”مردہ فرعون کے آدمی جب موت کی سبزنگ میں داخل

ہوں تو تم لڑکی کو اپنے کاندھے پر اٹھا لینا۔ یوں یہ غائب  
ہو جائے گی۔ اور فرعون کے آدمی واپس چلے جائیں  
گے“

ماریا بولی۔

”اس کے سوا ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ میں انہیں سبزنگ  
میں جا کر دیکھتی ہوں۔ تم جو کس رہنا کیٹی!“

ماریا سبزنگ میں آگئی۔ وہ سبزنگ کے پتھریلے دروازے کے  
قریب ہی پہنچی تھی کہ ایک گڑ گڑا ہٹ کے ساتھ بتھرا ایک طرف  
ہٹ گیا اور چار گورکن جن کے ہاتھوں میں تین نوکیلی کڈالیں تھیں اندر  
داخل ہوئے۔ ماریا تیزی سے واپس پلٹی اور کیٹی کی کوٹھڑی میں آکر  
بولی۔

”وہ لوگ آگئے ہیں۔ تم لیٹ جاؤ۔ میں لڑکی کو غائب  
کرتی ہوں“

کیٹی ایک طرف ہٹ کر فرش پر سیدھی لیٹ گئی۔ ماریا نے جلدی  
سے نیم بے ہوش حسین لڑکی کو اٹھایا اور اپنے کاندھے پر ڈال کر  
فرش سے پانچ فٹ بلند ہو گئی۔ باہر آدمیوں کے پاؤں کی چاپ  
سنائی دی۔ پھر کوٹھڑی کا دروازہ ایک دم سے کھل گیا۔ کیٹی اپنی  
جگہ سے بالکل نہ ہلی۔ چاروں گورکن اندر آگئے۔ انہوں نے کوٹھڑی  
میں چاروں طرف غور سے دیکھا۔ پھر کیٹی پر جھک کر اس کا جائزہ



یہ لے لگے۔ کیٹی نے جان بوجھ کر کہتی ہوئی آواز میں کہا۔  
”مجھے معاف کر دو۔ عظیم سورج دیتا مجھے معاف کر دو“

اتنے میں نیم بے ہوش لڑکی جو ماریا کے کاندھے پر چڑھی تھی اس کے منہ سے بھی کراہ کی آواز نکل گئی۔ اس نئی آواز پر گورکن چونک کر ایک دوسرے کی طرف تکتے لگے۔  
”یہ کس کی آواز تھی؟“ ایک گورکن نے پوچھا۔

ماریا نے جلدی سے حسین لڑکی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کو کچھ کچھ ہوش آ رہا تھا۔ کیٹی نے جب دیکھا کہ معاملہ گڑبڑ رہا ہے تو اس نے بار بار کراہنا شروع کر دیا۔ دوسرا گورکن بولا۔

”یہ قیطانی کی آواز ہے۔ یہاں غرود کی امانت لڑکی نہیں ہے۔ چلو اسے موت کے محل کی دوسری سرنگ میں چل کر دیکھتے ہیں“

بے ہوش لڑکی ایک بار پھر آہستہ سے کراہی تو ماریا نے لے کر فضا میں بلند ہوئی اور کوٹھڑی سے تیرقی ہوئی نکل کر باہر سرنگ میں آگئی۔ بے ہوش لڑکی کو ہوش آنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ اتنے میں کدالوں والے گورکن کیٹی کو کوٹھڑی سے نکل کر سرنگ کے دروازے کی طرف بڑھے۔

ماریا پھرتی سے نیم بے ہوش حسین لڑکی کو لے کر کیٹی کی کوٹھڑی میں آگئی۔ اس نے لڑکی کو فرش پر لٹا دیا اور سانس بھر کر کیٹی سے کہا۔

”یہ تو بنا بنایا کھیل تباہ کرنے لگی تھی۔ اسے ہوش آ رہا ہے“

کیٹی نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ بند کر کے اندر سے کتہی لگا دی اور ماریا سے کہا۔

”ماریا بہن! اب اسے جلدی سے ہوش میں آجانا چاہیے تاکہ اسے بتا دیا جائے کہ اس کو زمین سے اغوا کر کے مردوں کی بستی میں لایا گیا ہے اور ہم اسے بچا کر واپس اس کے ماں باپ کے پاس لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں“

ماریا نے کہا اسے ہوش میں لانے کی ضرورت نہیں۔ یہ خود ہی ہوش میں آ رہی ہے۔ حسین لڑکی نے آہستہ سے پلکیں جھپکاتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے اوپر جھکی ہوئی کیٹی اور اندھیری ویران کوٹھڑی کے ماحول کو دیکھا تو چیخ مارنے ہی والی تھی کہ کیٹی نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا اور کہا۔

”چیخ مارو گی تو جلاد تمہیں پکڑ کر آگ میں ڈالنے کے لیے لے جائیں گے“



کیٹی نے ایک ہی بجھے میں اسے حالات کی سنگینی اور جان لیوا  
 خطرے سے آگاہ کر دیا۔ حسین لڑکی کی بڑی بڑی آنکھیں کھلی کی  
 کھلی رہ گئیں۔ اس دوران کیٹی نے اس لڑکی کو سب کچھ بتا دیا کہ اسے  
 شیطانی گروہ کے لوگ اغوا کر کے ایک ویران محل میں لے آئے  
 ہیں۔ جہاں اسے دیوتا غرود کی آگ میں ڈالا جانے والا تھا مگر وہ  
 اسے بچا کر کوٹھڑی میں لے آئی ہے۔ ماریا خاموش تھی۔ حسین  
 لڑکی کو ابھی یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ مردہ فرعونوں کی حیرت انگیز اور  
 آسیبی بستی میں آچکی ہے۔ کیٹی نے آہستہ سے حسین لڑکی کے ہونٹوں  
 پر سے ہاتھ اٹھالیا۔ لڑکی نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”کیا میں پڑک گئی ہوں؟“

کیٹی نے آہستہ سے کہا۔

”ہم تمہیں شیطانی گروہ کے درخت سے نکال لائے ہیں۔  
 مگر ابھی تم خطرے میں ہی ہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ  
 ہی ہوں۔ یہ محفوظ جگہ ہے۔ مگر میں یہاں سے فرار ہو  
 کر واپس مصر پہنچنا ہے۔ جہاں ہم تمہیں تمہارے ماں باپ  
 کے پاس پہنچا دیں گے۔ تمہارا نام کیا ہے؟“

لڑکی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

”میرا نام مرتھا ہے۔ میں ایک غریب کسان کی بیٹی  
 ہوں۔ میں مکان کی چھت پر سونے کے لیے آئی تو دو

آدمی چھت پر کود کر آئے اور میرا منہ بند کر کے پھجھ۔  
 سنگھایا۔ پھر مجھے ہوش نہیں رہا۔ تم کون ہو؟ کیا تمہیں  
 بھی یہ ڈاکو اٹھالائے ہیں؟“

”ہاں۔“ کیٹی نے کہا۔ ”تم زیادہ باتیں مت کرو۔ ابھی  
 خطرہ ہمارے سر پر منڈلا رہا ہے۔ دوسری کوٹھڑیوں  
 میں ہمارے دشمن سو رہے ہیں۔ کسی کی جاگ کھل گئی  
 تو مصیبت اُجھائے گی۔“

مرتھا نے آہستہ سے کہا۔

”تم مجھے میرے ماں باپ کے پاس لے جاؤ گی نا؟“

”ہاں ہاں۔ مگر تم خاموش رہو۔“

کیٹی نے حسین لڑکی مرتھا کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اب  
 مشکل یہ تھی کہ وہ اس کے سامنے اگر ماریا سے بات کہتی ہے تو  
 ہو سکتا ہے کہ مرتھا ڈر جائے۔ ماریا بھی یہی سوچ رہی تھی کہ کوٹھڑی  
 سے باہر کیٹی جا نہیں سکتی تھی۔ ماریا نے ایسا کیا کہ کیٹی کے کان کے  
 بالکل قریب اپنے تپتر نہ آنے والے ہونٹ لے جا کر بہت ہی  
 دھیمی آواز میں بلکہ سانس میں کہا۔

”میں نیکو ما کے پاس جا رہی ہوں۔“

کیٹی کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔

”وہاں کیوں جا رہی ہو؟“



حسین رڑ کی مرتھانے حیرانی سے کیٹی کی طرف دیکھا اور بولی۔  
 ”میں تو کہیں نہیں جا رہی“

کیٹی کچھ گڑبڑا سی گئی۔ جلدی سے بولی۔

”میں کبھی کبھی اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتی ہوں۔

تم یہاں لیٹی رہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔“

اتنا کہہ کر کیٹی کو ٹھٹھری سے باہر نکل کر تاریک سرنگ میں آگئی۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ہی آگئی۔

”تم نے کمال کر دیا کیٹی“

کیٹی نے آہستہ سے کہا۔

”بے اختیار منہ سے نکل گیا۔ مگر ماریا تم نیکو ما کے

پاس کیا کرنے جا رہی ہو؟“

ماریا بولی۔

”میں اس کے دل کا حال معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ دوسری

بات یہ ہے کہ میں باتوں ہی باتوں میں اسی سے سسرت

بادلوں والے پہاڑ کے بارے میں کچھ دریافت کرنا چاہتی

ہوں۔ کیونکہ اسی پہاڑ میں کوئی ایسی سرنگ ہے جہاں سے

ہم زمین پر واپس جا سکتے ہیں۔ تم کو ٹھٹھری میں مرتقا

کے پاس ہی رہنا۔ میں جاتی ہوں۔“

کیٹی واپس کو ٹھٹھری میں آگئی اور ماریا نیکو ما کی کو ٹھٹھری میں داخل

ہو گئی۔

ادھیر عمر مصری عورت نیکو ما فرش پر خاموش لیٹی تھی۔ وہ بالکل مردہ عورت لگ رہی تھی۔ اسے ماریا کے آنے کا احساس تک نہ ہوا۔ جب ماریا نے اس کا نام لیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

”نیک روح! تم ابھی تک اس مردہ بستی میں ہی ہو؟“

تم یہاں سے گئی کیوں نہیں؟“

ماریا ایک پل کے لیے چپ رہی۔ وہ بہت کچھ سوچ رہی تھی کہ نیکو ما سے کس طرح سے بات شروع کرے۔ اس نے آہستہ سے آہ بھر کر کہا۔

”نیکو ما۔ کبھی کبھی نیک روحیں بھی ادا اس ہو جاتی ہیں۔

انہیں بھی غم لگتا ہے۔“

نیکو ما نے کہا۔

”نیک روحوں کو کون سا غم لگ سکتا ہے بھلا۔“

ماریا بولی۔

”نیکو ما یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ میں جنت سے آئی ہوں۔

جنت میں تمہاری اس بستی کی ایک ایسی روح بھی رہتی

ہے۔ جو اپنی یہاں کی سزا پوری کر کے گئی ہے جیسے کہ

ایک روز تم بھی اپنی سزا بھگت کر جنت میں چلی جاؤ



جاؤ گی۔ مگر وہ رُوح جنت میں بھی خوش نہیں۔  
نیکو مانے تعجب سے پوچھا۔

”کیوں؟ جنت میں وہ رُوح خوش کیوں نہیں ہے؟  
جنت میں تو ہر طرف خوشی ہی خوشی ہوتی ہے۔“

ماریا نے ایک بار پھر بناوٹی آہ بھری اور کہا۔

”بات یہ ہے کہ اس عزم زدہ رُوح کے پاس ایک خاندانی  
مقدس انگوٹھی تھی۔ جب اس کی لاش یہاں لائی گئی

تو کسی سرخ بادلوں والے پہاڑ کی سرنگ میں اس کی  
انگوٹھی انگل سے نکل کر گر پڑی۔ اب وہ پریشان رہتی ہے۔

اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں اگر مردوں کی بستی میں  
جاؤں تو وہ مقدس انگوٹھی تلاش کر کے اسے زمین میں

خوف کر دوں۔ پھر وہ انگوٹھی اس رُوح کے پاس پہنچ جائے  
گی اور وہ خوش رہنا شروع کر دے گی۔“

نیکو ما بڑے غور سے ماریا کی گفتگو سن رہی تھی۔ کہنے لگی۔

”اے نیک رُوح! سرخ بادلوں والے پہاڑ کے اندر  
تو کوئی رُوح بھی نہیں جاسکتی۔“

ماریا نے جلدی سے پوچھا۔

”کیوں کیا وہاں کوئی طلسم پھونکا گیا ہے؟“

نیکو مانے کہا۔

”سرخ بادلوں والے پہاڑ کے بارے میں ہم نے سنا

ہے کہ یہ پہاڑ سرخ آگ کے بادل میں پٹا ہوا ہے۔ جو  
کوئی ادھر جاتا ہے جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ تم نیک رُوح

ہو۔ تم بھی جل جاؤ گی۔“

ماریا نے پوچھا۔

”کیا یہاں کے لوگ بھی ادھر نہیں جاتے؟“

نیکو مانے کہا۔

”سنا ہے وہاں مردہ بستی کی میاں ہی جاتی ہیں۔ اور ان

کے لیے پہاڑ کے نیچے کوئی خفیہ راستہ بنایا گیا ہے جس

کا ان مہیوں کے سوا اور کسی کو علم نہیں ہے۔“

ماریا نے پوچھا۔

”وہاں ہے کیا؟“

نیکو مانے کہا۔

”یہ آج تک مردہ بستی کی کسی مردہ لاش کو معلوم نہیں ہو

سکا۔ مجھے بھی نہیں معلوم۔“

ماریا چپ ہو گئی۔ اسے نیکو ما جتنی معلومات دے سکتی تھی

اسے مل گئی تھی۔

وہ بولی۔

”اچھا میں ایک بار کوشش ضرور کروں گی۔“



یہ سُرخ بادلوں والا پہاڑ کس طرف کو ہے؟

نیکو مانے ماریا کو بتایا کہ یہ پہاڑ مُردہ بستی کے شمال کی طرف ایک دن اور ایک رات کے سفر پر ہے۔ اس سے زیادہ نیکو ماکو بھی معلوم نہیں تھا۔ ماریا نے اس کا شکریہ ادا کیا اور سیدھی عنبر کے پاس آ گئی۔ عنبر تابوت میں ہی پڑا تھا۔ اس نے ماریا کو بتایا کہ مُردہ فرعون کے گورکن اسے آکر دیکھ گئے ہیں۔ ماریا نے وہ ساری باتیں عنبر کو بتا دیں۔ جو اس کے اور نیکو ماکے درمیان ہوئی تھیں اور یہ بھی بتایا کہ سُرخ بادلوں والے پہاڑ کے اندر کوئی سرنگ ہے۔ جہاں سے زمین کی طرف کوئی راستہ جاتا ہے۔ عنبر بولا۔

”تمہارا وہاں اکیلے جانا ٹھیک نہیں۔ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔“

ماریا نے کہا۔

”پہلے میں اکیلی جا کر پہاڑ کو دیکھ آؤں۔ اگر ضرورت پڑی تو میں تمہیں آکر لے جاؤں گی۔ اور ہاں اس حسین لڑکی کو بھی بے ہوش آگیا ہے۔ اس کا نام مر تھا ہے کیٹی نے صرف اسے اتنا ہی بتایا ہے کہ اسے یہاں کا شیطانی گروہ اغوا کر کے لے آیا ہے۔ اسے یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ مُردہ فرعونوں کی بستی ہے۔“

عنبر بولا۔

”اس نے شور تو نہیں مچایا؟“

”نہیں۔ کیٹی نے اسے سنبھال لیا ہے۔ اور اسے بتا دیا ہے کہ وہ خود بھی وہاں اغوا کر کے لائی گئی ہے۔ اور فراد کے لیے کوشش کر رہی ہے۔ مرتھا خوف زدہ ضرور ہے مگر جان کے خطرے کی وجہ سے خاموش ہے۔“

عنبر نے ماریا سے کہا کہ وہ سُرخ بادلوں والے پہاڑ کا پتہ کر کے اس کے پاس آئے اور خبر دے کہ صورت حال کیا ہے۔

”میں تمہارا انتظار کروں گا ماریا۔“

”میں وہاں سے سیدھی تمہارے پاس ہی آؤں گی۔“

اور ماریا برف کے جہنم سے پرواز کر گئی۔

وہ باہر نکلتے ہی فضا میں کسی جیٹ جہاز کی طرح اوپر ہی اوپر اٹھتی چلی گئی۔ اور پھر اس نے شمال کی جانب اندھیرے میں پرواز شروع کر دی۔ اس وقت اس کی رفتار جیٹ جہاز سے کم نہیں تھی۔ جو راستہ ایک رات ایک دن میں طے ہونا تھا وہ ماریا نے دس منٹ میں طے کر لیا۔ اب اسے دُور ایک سُرخ گولا دکھائی دیا جو آسمان پر شمال کی طرف پھیل رہا تھا اور اس میں سے تیز روشنی نکل رہی تھی۔

ماریا قریب گئی تو دیکھا یہ ایک سُرخ بادل تھا۔ جس میں آگ کے سُرخ شعلے گردش کر رہے تھے۔ اس کے نیچے ایک



سیاہ پہاڑ تھا۔ آگ کا سرخ گول بادل پہاڑ سے کوئی سو فٹ بلند فضا میں لٹکا ہوا تھا اور کسی سورج کی طرح اپنے مرکز کے گرد گھوم رہا تھا۔ یہاں فضا میں ماریا کو تپش محسوس ہو رہی تھی۔ وہ نیچے بہت نیچے آگئی اور پہاڑ کے پیچھے پہنچ کر زمین پر اتر آئی۔ ایک جگہ اس نے ایک ممتی کو دیکھا کہ اس کے جسم پر پٹیاں لپیٹ تھیں اور وہ ہاتھ میں تلوار لیے کھسک کھسک کر چل رہی تھی۔ ماریا اس کے پیچھے آئی تو ممتی ایک دم رُک گئی۔

ماریا بھی وہیں رُک گئی۔ اس نے اپنا سانس تک روک لیا کہ کہیں ممتی کو خبر تو نہیں ہو گئی۔ ممتی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پھر آہستہ آہستہ گردن آگے کو موڑی اور پہاڑ کی دیوار کی طرف گھٹنے لگی۔ ماریا اسی جگہ پر کھڑی رہی۔ وہ کوئی خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ ممتی اسے بہر حال آگ کے سرخ بادل کی روشنی میں نظر آ رہی تھی۔ ممتی گھٹ کر چلتی پہاڑ کے ایک باہر کو نکلے ہوئے سیاہ پتھر کے نیچے پہنچ کر جیسے غائب ہو گئی۔ ماریا دو چار سکینڈ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ پھر چپو بک چپو بک کر قدم اٹھاتی پہاڑ کے باہر نکلے ہوئے پتھر کی طرف بڑھی۔

یہ پتھر ایک چھجے کی طرح دیوار سے آگے کو نکلا ہوا تھا۔ یہاں سرخ بادل کی تپش بہت زیادہ تھی۔ چاروں طرف سُرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ماریا نے کھسک کھسک کر پتھر کے چھجے کے نیچے ایک

جگہ پتھر کی چوکور سِل لگی تھی اور اس کی درزوں میں سے پہاڑ کے اندر کی نیلی روشنی کی شعاعیں باہر آرہی تھیں۔ یقیناً اس کے پیچھے کوئی سرنگ تھی۔ ماریا اندر جاتے ہوئے پہلے تو ذرا ہچکچائی کہ نہ جانے اس کے اندر جاتے ہی اس پر کیا مصیبت پڑ جائے گی مگر بہادر سے کام لیتے ہوئے اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو پتھر کی چوکور سِل کے ساتھ ٹکڑا دیا اور وہ آواز کی لہروں کی طرح پتھر کی سِل میں سے گزر کر دوسری طرف پہنچ گئی۔

یہ پہاڑ کے اندر کی ایک تنگ گلی تھی جس کی دیواروں پر طائر میں جگہ جگہ نیلی موم قتیاں روشن تھیں۔ ماریا آہستہ آہستہ آگے گزرنے لگی۔ تنگ گلی سنان تھی۔ وہاں کوئی ممتی نہیں تھی۔ کچھ دُور چلنے پر گلی کے آگے ایک اندھا کنواں آگیا۔ ماریا نے نیچے جھانک کر دیکھا۔ نیچے کنوئیں کی تہ تک کنوئیں کی دیوار کے ساتھ ایک سیڑھی چڑھ گئی تھی۔ ماریا پر ابھی تک کسی طلسم نے اثر نہیں کیا تھا۔ وہ سیڑھی کے ساتھ ساتھ نیچے اتر آئی۔ یہاں ایک محرابی دروازہ تھا جو پہاڑ کی گہرائیوں میں ایک سرنگ میں جاتا تھا۔ یہاں آسنے سا منے پہاڑ کھود کر کمرے بنائے گئے تھے۔ ماریا نے جھانکا تو دیکھا کہ کچھ کمرے خالی تھے۔ کچھ کمروں میں میاں ہاتھوں میں تلواریں لیے بالکل ساکنہ بمبوں کی طرح کھڑی تھیں۔ ماریا آگے گئی تو وہاں ایک بہت بڑا دالا آگیا۔ دالان کے درمیان میں چاندی کا بہت لمبا چوڑا، کسی بہت بڑے



کڑا ہی سے بھی بڑا ایک پیالہ پڑا تھا۔ ماریا نے اوپر جا کر دیکھا۔  
پیالے میں ایک گول سوراخ تھا۔ جس میں سے نیلی روشنی نکل  
رہی تھی۔

اچانک اس سوراخ میں سے ایک گول سنڈر باہر آگیا۔ اس  
میں دو میاں سوار تھیں۔ وہ گول سنڈر میں سے نکل کر پیالے سے  
باہر آئیں۔ اور پھر دالان کے کونے والے کمرے کی طرف چلی گئیں۔  
ماریا ان کے پیچھے گئی۔ کمرے میں دو تابوت دیوار کے ساتھ لگے  
تھے۔ جن کے ڈھکن کھلے تھے۔ دونوں میاں ان تابوتوں میں جا  
کر کھڑی ہو گئیں۔ ایک نے خشک آواز میں کہا۔

”نیچے مصر میں قبرستان میں ایک بھی فرعون کے خاندان کا  
آدمی نہیں بچا۔“

دوسری میں بولی۔

”اب شاید ہمیں دوبارہ نیچے زمین پر جانے کی ضرورت  
نہ پڑے۔“

اور پھر دونوں میوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ماریا پلٹ کر جاننے  
کے بڑے پیالے میں اتر گئی۔ اس نے اس کے پینڈے کے بڑے  
سوراخ کے اوپر فضا میں معلق بلبل غاسلندر کو دیکھا۔ اسے محسوس  
ہوا کہ یہ کوئی خلائی جہاز ہے۔ جس میں سوار ہو کر یہاں کے لوگ  
نیچے زمین پر جاتے ہیں۔ ماریا نے ایک اہم راز معلوم کر لیا تھا۔

دو بھاگ کر واپس جنر کے پاس آئی اور اسے ساری کہانی سنانے کے  
بعد کہا۔

”میں سمجھتی ہوں کہ ہمیں ابھی اسی وقت سرخ بادلوں  
والے پہاڑ کی سڑنگ میں پہنچ جانا چاہیے۔“  
جنر نے کہا۔

”میں تیار ہوں۔ لیکن حسین لڑکی مرتھا کو تم کیسے لاؤ  
گی اور کیٹی بھی تو تمہارے ساتھ ہوگی۔“  
ماریا بولی۔

”سب کچھ ہو جائے گا۔ تم میرے ساتھ نکلی چلو۔“  
جنر تابوت میں سے نکل کر ماریا کے کاندھے پر سوار ہوتے  
ہی غائب ہو گیا۔ ماریا اسے لے کر کیٹی کی کوٹھڑی کے باہر آ گئی۔  
اس نے کیٹی کو باہر سڑنگ میں بلا کر بتایا کہ جنر اس کے ساتھ ہے۔  
مگر کاندھے پر بیٹھا ہے۔ کیٹی بولی۔

”اس نے یہ گستاخی کیسے کی؟“  
اچانک اندر سے حسین لڑکی مرتھا کی آواز آئی۔

”کیٹی بہن! باہر کون ہے؟“  
کیٹی لپک کر اندر دوڑی۔ ماریا نے جنر سے کہا۔  
”یہ حسین لڑکی بڑی بے وقوف ہے۔ یہ بہت تنگ کرے  
گی۔ چلو اسے پل کر سب کچھ بتا دیتے ہیں۔“



اور ماریا عنبر کو لے کر کیٹی کی کوٹھڑی میں آئی اور عنبر کو نیچے اتار دیا۔ نیچے اترتے ہی عنبر ٹھٹھڑ ہو گیا۔ مرتھا تو سہم کر دیوار کے ساتھ جا لگی۔

”یہ — یہ کون ہے کیٹی؟“

اب ماریا نے اپنی آواز میں کہا۔

”مرتھا! میری بات غور سے سنو۔ یہ عنبر ہے۔ میں ماریا ہوں“ تم مجھے دیکھ نہیں سکتی ہو مگر میں زندہ عورت ہوں“

اب تو مرتھا کی خوف کے مارے برسی حالت ہو گئی۔ مگر عنبر ماریا اور کیٹی نے مل کر حسین لڑکی مرتھا کو سب کچھ سمجھا کر مطمئن کر دیا۔ اب اس کا خوف جاتا رہا اور وہ بھی عنبر ماریا کیٹی کے ساتھ وہاں سے فرار ہونے پر کمر بستہ ہو گئی۔ ماریا نے کہا۔

”اب پروگرام یہ ہو گا کہ سُرخ یادلوں والے پہاڑ کی کسنگ میں کچھ کوٹھڑیاں خالی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میں سے ایک ایک کو ان کوٹھڑیوں میں لے جاؤں۔ اس کے بعد وہاں سے فرار ہونے کا ذریعہ معلوم کر کے ان پر دھاوا بول دیا جائے“

عنبر نے کہا۔

”اس کے سوا کوئی چارہ بھی ہے۔ تم سب سے پہلے کیٹی کو لے جاؤ۔ اس کے بعد مرتھا اور پھر میں تمہارے ساتھ چلوں گا“

ماریا نے کیٹی سے کہا۔

”میرے کاندھے پر بیٹھ جاؤ“

کیٹی بولی۔

”مجھے تمہارا کندھا نظر ہی نہیں آتا۔ میں بیٹھوں گی کس پر؟“

ماریا نے مسکراتے ہوئے کیٹی کا ہاتھ پکڑا اور اسے اٹھا کر اپنے کاندھے پر بٹھالیا۔ حسین لڑکی مرتھا یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ کیٹی ایک دم سے غائب ہو گئی تھی۔ ماریا نے آہستہ سے اسے کہا۔

”فکر نہ کرو۔ دوسری بار آؤں گی تو تم بھی اسی طرح غائب ہو جاؤ گی۔ عنبر! میں جا رہی ہوں“

ماریا تیزی سے کیٹی کو لے کر موت کے محل سے نکل کر سُرخ یادلوں والے پہاڑ کی طرف روانہ ہو گئی۔

اب وہاں عنبر اور حسین لڑکی مرتھا ہی رہ گئے تھے۔ اور دونوں نظر آتے تھے عنبر نے حسین لڑکی کو سرگوشی میں کہا۔



”تم گوتے میں جا کر لیٹ جاؤ۔ میں دروازے کے پاس بیٹھتا ہوں۔“

مرحبا گوتے میں جا کر لیٹ گئی۔ عین دروازے کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند تھا۔ تھوڑی دیر ہی گزری ہو گی کہ عینر کو کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ کوئی بوجھل مگر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس کی کوٹھڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عینر نے ایک کہ مرحبا کے کان میں کہا۔

”خبر دار۔ یہاں کچھ بھی ہو جاتے۔ تم کوئی آواز مت نکالتا۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔“

اتنا کہ کہ عینر بھاگ کر دروازے کے قریب دیاہ کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

باہر والی قدموں کی چاپ کوٹھڑی کے پاس آ کر روک گئی تھی۔ پھر کسی نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر اسے اندر کو دیا۔ دروازہ آہستہ سے کھل گیا۔ عینر نے اپنا سانس روک لیا۔ اور سر دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ اندر ایک سیاہ پوش گورکن داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تیز فیکلی کدال تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ

جا کر کر اندھیرے میں دیکھا اور یولا۔

”تو تم یہاں پر ہو حسین لڑکی! ضرور کی امانت

ہمارے عظیم سونج دیوتا کی قربانی!“

گورکن کدال اٹھائے مرحبا کی طرف بڑھا ہی تھا کہ عینر نے پیچھے سے اس کی گردن پر پوری طاقت سے ایک ہاتھ

دارا۔



Uploaded for:  
Pakistan Virtual Library  
www.pdfbooksfree.pk



## کلش دیوتا کی پھینکار

عنبر کا خیال تھا کہ سیاہ پوش گورکن بے ہوش ہو جائے گا۔

لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران سا ہو کر رہ گیا کہ ہاتھ کی بھر پور ضرب لگتے ہی سیاہ پوش گورکن کی گردن دھڑ سے الگ ہو کر فرش پر جا گری۔ حنین لڑکی مرتھا کہ حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وہ دانتوں میں کپڑا ٹھونس کر خوف سے کانپنے لگی۔

عنبر نے سب سے پہلے کوٹھڑی کا دروازہ بند کیا۔ پھر مرتھا کو قتل دی اور اس کے بعد سیاہ پوش گورکن کے دھڑ کو دیکھا۔ اس کی گردن سیاہ نقاب میں سے نکل کر فرش پر پڑی تھی۔ عنبر نے دیکھا کہ گورکن اصل میں ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ اور فرش پر اس کی کھوپڑی جسم کے ڈھانچے سے الگ ہو کر پڑی تھی۔

عنبر سمجھ گیا کہ یہ گورکن سب کے سب انسانی ڈھانچے ہیں۔ اس نے فوراً گورکن کا سیاہ لبادہ اتار کر خود

پہن لیا۔ چہرے پر سیاہ نقاب ڈال لی اور کدال ہاتھ میں ڈال لی اور کدال ہاتھ میں لے کر مرتھا سے کہنے لگا۔  
”کیا مجھ میں اور گورکن میں کوئی فرق لگتا ہے؟“  
حنین مرتھا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔  
”نہیں“

عنبر نے ایک بار پھر حنین لڑکی مرتھا کو حوصلہ دیا اور کہا کہ اگر وہ اسی طرح بات بات پر ڈمکتی رہی تو کبھی اپنے ماں باپ کے پاس نہ جا سکے گی۔ اتنے میں ماریا کوٹھڑی میں داخل ہوئی۔ جونہی اس نے ایک کدال والے سیاہ پوش گورکن کو دیکھا تو عنبر پر حملہ کر کے اس کی گردن کو دبوچنا چاہی تھی کہ عنبر نے کہا۔

”میں عنبر ہوں“

اب ماریا نے نیچے فرش پر دیکھا تو وہاں ایک انسانی ڈھانچہ اور کھوپڑی تھی۔ عنبر نے نقاب الٹ لیا اور ماریا کو ساری بات سنائی۔ ماریا بولی۔  
”تم نے کمال کر دیا عنبر۔ مگر یہ گورکن ڈھانچے

ہیں کیا“

”ہاں“ عنبر نے کہا ”اب ایسا ہے کہ میں اسی جھیس میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ پہلے تم مرتھا کو



پھوڑاؤ“

مادہ یا مرتھا کو لے کر روانہ ہو گئی۔ عنبر پیچھے کوٹھڑی میں اکیلا رہ گیا۔ چند لمحوں کے بعد عنبر کو سرنگ میں پھروسی ہی قدموں کی چاپ سنائی دی۔ عنبر سمجھ گیا کہ اس گورکن کا دوست وہاں آیا ہے۔ اس نے جلدی سے گورکن کی ہڈیاں ایک کونے میں ڈال دیں اور خود کوٹھڑی کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ دروازے کے باہر سے آواز آئی۔

”تم اندر کیا کر رہے ہو؟ باہر آؤ“

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ باہر والا گورکن پھر بولا۔

”کیا نرود کی امانت اندر ہے؟“

عنبر نے آواز بدل کر اسی زبان میں کہا۔

”اندر آ جاؤ تم بھی“

کوٹھڑی کا دروازہ ڈھٹاک سے کھلا اور دوسرا گورکن کدال

ہاتھ میں لیے اندر آ گیا۔

”کہاں ہے لڑکی؟“

عنبر دیوار کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔

”یہ پڑی ہے۔ اسے اٹھاؤ“

عنبر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے گورکن کو تنک

ہوا کہ یہ اس کے ساتھ ہی کی آواز نہیں ہے۔ یہ انسانی ڈھانچے

تھے۔ اور ایک دوسرے کی آواز پہچانتے تھے دوسرا گورکن منبر کے پاس آیا اور اس کے کاندھے پر اپنا ہڈیوں والا ہاتھ رکھ دیا۔ اسے عنبر کے کاندھے کا بھرا بھرا گوشت محسوس ہو تو بیچ مادہ اس پر کدال سے حملہ کر دیا۔ کدال عنبر کی پیٹھ پر کدال گوشت میں کھنسنے کی بجائے گوشت سے ٹکرا کر گورکن کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی۔

اب عنبر کی باری تھی۔ اس نے گورکن کے منہ پر ایک زبردست الٹا ہاتھ مارا۔ عنبر اگر یہ الٹا ہاتھ کسی درخت پر مارتا تو وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑتا۔ گورکن کے ڈھانچے کے لیے یہ ہاتھ بہت شدید طاقت کا تھا۔ اس کے جسم کی ہڈیاں ٹوٹے ہوئے ہار کے مہروں کی طرح بکھر گئیں۔ گورکن کی چیخ کی آواز سن کر دوسری کوٹھڑیوں سے مردہ گورکن نکل آئیں اور وہ بھی چیخیں مارنے لگیں۔ وہاں عجیب

ہالاکاہ اور واویلا مچ گیا۔

ان عورتوں میں نیکوما بھی تھی۔ یہ عورتیں چسپریلوں

طرح رولہ ہی تھیں۔ اس ماحول سے خوف زدہ ہو کر بے اثر

رونے لگی تھیں۔ عنبر کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ اس نے گورکن

کا سیاہ بیاہ اوڑھ رکھا تھا۔ مردہ عورتیں چپ ہو گئیں

عنبر نے چلا کر کہا۔



”اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں دفع ہو جاؤ۔ نہیں تو ابھی آگ میں جھونک دوں گا۔“

ساری عورتیں ڈہری ہوئی مرجھوں کی طرح اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں گھس گئیں۔ تھوڑی دیر بعد وہاں ماریا بھی آئی۔ اس نے بتایا کہ وہ مرتھا کو کیٹی کے پاس ہی کوٹھڑی چھوڑ آئی ہے۔ اب تم میرے ساتھ چلو۔ عنبر بولا۔

”میں گوردن کے بھیس میں ہوں۔ اس لیے تمہارے ساتھ پیدل چل سکتا ہوں۔“

ماریا نے کہا۔

”شاید تمہیں معلوم نہیں کہ سُرخ بادلوں والا پہاڑ یہاں سے کتنی دُور ہے۔ اگر تم میرے ساتھ پیدل چلو گے۔ تو ہمارے ملک کے مطابق ایک دن اور ایک رات میں پہنچو گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم میرے کاندھے پر آ جاؤ۔ ہم دس منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔“

چنانچہ عنبر ایک بار پھر ماریا کے کاندھے پر بیٹھ گیا۔ اور غائب ہو گیا۔ اس کے غائب ہوتے ہی اس کا من بھی غائب ہو گیا تھا۔ اور اب ماریا اسے لے کر سڑگ سے باہر نکل آئی اور فضا میں بلند ہو کر سُرخ بادلوں

والے پہاڑ کی طرف بجلی کی رفتار کے ساتھ اڑنے لگی۔ دس پندرہ منٹ کے اندر اندر وہ عنبر کو سُرخ بادلوں والے پہاڑ کی دیوار کے پاس زمین پر اتر آئی۔ عنبر نے پتھر کی دیوار دیکھ کر کہا۔ کہ یہاں سے اندر جانا مشکل لگتا ہے۔ ماریا نے کہا۔

”تم میرے ساتھ غائب ہو کر بڑی آسانی سے پتھر کی دیوار میں سے گزر جاؤ۔“

ماریا عنبر کو لے کر پتھر کی دیوار میں سے نکل گئی۔ دوسری طرف نیلی موم بتیوں والی پر اسرار تنگ گلی تھی۔ آگے کنواں آگیا۔ ماریا کنوئیں میں اتر گئی۔ یہاں مہرابی دروازے میں سے ہو کر وہ تاریک غار کے آئنے سامنے بنی ہوئی میوں کی کوٹھڑیوں میں سے اس کو ٹھٹھری میں آگئی جہاں مرتھا اور کیٹی پہلے سے کونے میں چپ چاپ بیٹھی تھیں۔ ماریا نے عنبر کو کاندھے سے اتارا تو وہ گوردن کے سیاہ لباس میں ظاہر ہو گیا۔ کیٹی گھبرا کر آہستہ سے بولی۔

”ماریا! یہ کسے اٹھا لائی ہو تم۔ یہ عنبر نہیں ہے۔“

ماریا نے کہا۔

”یہ عنبر ہی ہے۔“



عنبر نے سیاہ نقاب چہرے سے الٹ دیا۔ پھر وہ کونے کے اندھیرے میں بیٹھ گئے۔ ماریا نے کہا۔

”یہاں ابھی تک میں نے ممیوں کو بھی دیکھا ہے جن کے ہاتھوں میں تلواریں ہیں۔ آگے ایک بڑا کمرہ ہے۔ جس کے درمیان میں چاندی کا پیالہ ہے۔ اس پیالے میں ایک غلام سوراخ ہے جس میں سے بلبہ نما گاڑی نیچے جاتی ہے۔ ہمیں اس بلبے والی گاڑی تک پہنچنا ہے۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ وہ گاڑی نیچے زمین کی طرف جاتی ہے“

عنبر کہنے لگا۔

”میں یہاں کے گورکن کے لباس میں ہوں۔ مجھے دیکھ کر کوئی شک نہیں کرے گا۔ ماریا تم میرے ساتھ آؤ۔ ہم فرار کا راستہ ہموار کر تے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ چاندی کے پیالے سے راستہ کدھر کو جاتا ہے“

کیٹی نے کہا۔

”میں مرتھا کو لے کر اسی کوٹھڑی میں بیٹھی

ہوں“

ماریا بولی۔

”اگر کوئی ممتی ادھر آگئی تو کیسے کرو گی“

کیٹی گردن اٹھا کر کہنے لگی۔

”میں کمزور عورت نہیں ہوں۔ خدائی مخلوق ہوں آخر۔ میری طاقت آزمانے کا بھی شاید اب وقت آگیا ہے“

ماریا اور عنبر انہیں کوٹھڑی بند رکھنے کی تاکید کر کے باہر آ گئے۔ اب غلام میں عنبر گورکن کے لباس میں کدال ہاتھ میں لیے سر جھکاتے آہستہ آہستہ آگے کی طرف چلے گئے۔ ماریا اس کے سر کے اوپر فضا میں تیر رہی تھی۔ وہ اسے بتا چکی تھی کہ چاندی کا پیرا سر پیالہ کس جگہ پر ہے۔

عنبر چاندی کے پیالے والے کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا اور اسے کوئی تلوار والی ممتی نہ ملی۔ ماریا خاموش تھی۔ عنبر سر جھکاتے بڑے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے داخل ہوتے ہی ایک طرف دیوار سے لگی ممتی جس کے ہاتھ میں تلوار تھی اس کی طرف بڑھی اور دو قدم چل کر لڑک گئی۔ عنبر بھی لڑک گیا۔ ماریا نے کان میں سرگوشی

کر۔

”اس کے ظلم سے ہوشیار رہنا“



ممتی نے عنبر کے نقاب پوش چہرے پر اپنی آنکھیں جما رکھیں تھیں۔ اس کی زرد آنکھیں پیشوں والے چہرے میں سے جھانک رہی تھیں۔ پھر ایک کمزور سی آواز آئی۔  
 ”تم ادھر کیوں آئے؟“  
 عنبر نے اپنی آواز وہاں کے گوردکنوں ایسی آواز بناتے ہوئے ان ہنی کی زبان میں کہا۔

”میں سورج دیوتا کے حکم سے اس کی امانت تلاش کرتے آیا ہوں۔“  
 ممتی نے جواب میں کہا۔  
 ”وہ تو یہاں تلاش کر کے چلے گئے۔ تم کون

ہو؟“

عنبر کچھ گھبرایا۔ ایک قدم پیچھے ہٹا۔ بس یہیں سے ممتی کو عنبر پر شک ہو گیا۔ اس نے تلوار دونوں ہاتھوں میں اٹھا اور عنبر کے سر پر زور سے دے ماری۔ تلوار ٹوٹ گئی۔ ممتی بوکھلا کر پیچھے ہٹی۔ عنبر نے اچھل کر ممتی کو گردن سے دبوچ لیا۔ ماریا نے کہا۔

”عنبر! خبردار۔ طلسم کا خیال رکھنا۔“

ممتی نے آنکھیں اوپر اٹھائیں کہ یہ عورت کی آواز کہاں سے آگئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ممتی کے پیٹ

میں جہاں ناف ہوتی ہے وہاں سے نیلے رنگ کی روشنی کا ایک سانپ سانکل کر فضا میں لہرایا۔ سارا کمرہ ا کی نیلی روشنی میں چمکا پھوند ہو گیا اور روشنی پڑتے ماریا کا غیبی جسم ظاہر ہو کر اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا۔ یہی حال عنبر کا ہوا۔ اس کا سیاہ لبادہ اپنے آپ اڑ گیا۔ وہ بھی اپنی جگہ پر ساکت ہو کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ عنبر نے محسوس کیا کہ وہ اپنی جگہ سے ہل سکتا۔ مگر اس کے پاؤں اس کا حکم نہیں مان رہے۔ یہی حال کا تھا۔ وہ پاؤں آگے بڑھانے کی صلاحیت اور طالع محسوس کر رہی تھی مگر اپنی مرضی سے پاؤں آ نہیں بڑھا سکتی تھی۔ اتنی دیر میں ممتی بالکل سیدھی ہو گئی۔ اس نے اپنی مردہ لاشوں کی آواز میں کسی کو پکارا۔ د میاں چاندی کے پیالوں میں سے نکل کر عنبر اور ممتی کی طرف بڑھیں۔ یہ تینوں میاں حیرت سے عنبر اور ممتی کو دیکھنے لگیں۔ ایک ممتی نے کہا۔

”یہ دشمن زمین کی مخلوق ہے۔ مروت کی امانت ان ہی کے پاس ہو گی۔“

دوسری ممتی نے کہا۔

”انہیں کشش دیوتا کے غار میں بند کر دو۔ وہ خود



ان سے پوچھ گچھ کرے گا۔

عنبر اور ماریا یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ مگر ایک دوسرے سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ جیسے ان کے ہونٹوں پر ان میوں نے مہر لگا دی تھی۔ ایک مہی نے عنبر ماریا کی طرف دیکھ کر مردہ آواز میں کہا۔

”میرے ساتھ چلو۔“

یہ حکم پاتے ہی عنبر اور ماریا کے پاؤں اپنے آپ گے بڑھے۔ وہ مہی کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ مہی بی لے کر بڑے کمرے سے نکل کر ایک ایسے میں آگئی جہاں بڑے بڑے نوک دار پتھر دیواروں سے نکلے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان صرف نا ہی جگہ تھی کہ ایک آدمی چل سکے۔ مہی آگے آگے۔ ماریا اور عنبر اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ عنبر ماریا سمجھ گئے تھے کہ آخر مہی کے طلسم کا اثر ان پر ہو رہا ہے۔

نوکر دار پتھر پیچھے ہٹتے گئے۔ جگہ کشادہ ہو گئی۔ یہاں نیلی موم بٹیاں کہیں کہیں پتھروں میں لگی جل رہی تھیں۔ سرخار میں ہی ایک محراب آگئی۔ اس کے نیچے ایک اونچا ترہ بنا تھا۔ اس چبوترے پر ایک بیابانک منہ والے

مگر مچھ کا بت لگا تھا۔ مگر مچھ کا منہ کھلا تھا اور اس کے حلق سے نیلی روشنی نکل رہی تھی۔ مہی ماریا اور عنبر کو وہاں پھوڑ کر واپس چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد عنبر نے ماریا سے کہا۔  
”ماریا! کیا تم میری آواز سن رہی ہو؟“  
”سن رہی ہوں عنبر“ ماریا نے جواب دیا۔

عنبر بولا۔

”کیا تم اپنے ہاتھ پلاؤں ہلا سکتی ہو؟“  
ماریا نے کہا۔

”ہلا سکتی ہوں مگر اپنی مرضی سے نہیں۔ میرے ہاتھ پاؤں پر کسی دوسرے کے حکم کی مہر لگ گئی ہے۔“

عنبر نے کہا کہ اسے بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے کہ کوئی دوسرا حکم دے گا۔ تو وہ اپنی جگہ سے حرکت کر سکتا ہے۔ ماریا نے کہا۔

”یہی یہاں کا طلسم ہے مگر یہ بڑا خطرناک طلسم ہے۔ عنبر اس نے تو ہمیں اس مہی کا غلام بنا کر رکھ دیا ہے۔ میں تو یہ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کہ کیٹی اور مہی کا کیا بنے گا۔ میں تو غائب بھی



نہیں ہو سکتی ۛ

عنبر نے کہا -

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ کچھ دیر بعد یقیناً وہ بھی پکڑی جائیں گی۔ ہو سکتا ہے انہیں بھی اسی جگہ لایا جائے ۛ

ماریا نے تشویش بھرے لہجے میں کہا -

”حسین لڑکی مر تھا کہ یہاں کیوں لائیں گے وہ۔ اسے تو فوراً مردہ فرعون کے دربار میں پہنچا دیا جائے گا۔ جو اسی وقت اسے آگ میں ڈال کر جلا دے گا ۛ

عنبر پریشان ہو گیا۔ کہنے لگا -

”یہ تو بہت بُری بات ہوگی ماریا۔ وہ بے چاری تو زندہ نہیں بچ سکے گی۔ اب کیا کریں۔ ہم تو یہاں بے بس و مجبور ہو کر پڑے ہیں ۛ ماریا نے کہا -

”اب کیسی کو کوئی کارنامہ دکھانا چاہیے۔ آخر وہ خدائی مخلوق ہے۔ ایک عرصے سے اس نے پھکی بسیا کر اپنے جن دوست کو نہیں بلایا ۛ

عنبر کہنے لگا -

”جن دوست کی چٹکی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ وہ عمل اُلٹ بھی پڑ سکتا ہے ۛ

ماریا نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا -

”ابھی ہمیں ناگ کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ مصر کے شہر میں جا کر کہاں گم ہو گیا ہے۔ کہ ہم خود یہاں آ کر پھنس گئے ہیں ۛ

عنبر نے کہا -

”تھو سا ناگ ضرور ناگ کی تلاش میں سرگرم ہو گا۔ لیکن ہم بھی یہاں زیادہ دیر نہیں رہیں گے تم فکر مت کرو۔ یہاں سے فرار کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا ۛ

وہ اسی طرح باتیں کر رہے تھے مگر اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے۔ ان کے سامنے چبوترے پیر مگر مچھ کا بہت ان کی طرف منہ پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ابھی ان دونوں کو سانس کھینچ کر نکل جائے گا۔ اس کے حلق میں نیلی روشنی ہو رہی تھی۔

ماریا نے کہا -

”وہ کلش دیوتا کہاں ہے جس کا ذکر مئی نے



کیا تھا۔ اور جو ہم سے بڑھ چکا کمرے گا۔  
عینر بولا۔

”شاید یہیں کہیں سے آجائے۔ وہ بھی۔ اب جو  
ہو گا دیکھا جائے گا۔“

اتنے میں مگر مچھ کے حلق میں سے سی سی سی ک  
آوازیں آنے لگیں۔ ماریا اور عینر خود سے مگر مچھ کے  
منہ کو تھکنے لگے۔ ماریا نے کہا۔

”کلش دیوتا آرہا ہے شاید۔“

سی سی کی آوازیں مچھکاروں میں تبدیل ہو گئیں۔ عینر  
نے چونک کر کہا۔

”یہ کلش دیوتا تو کوئی سانپ معلوم ہوتا ہے۔“  
ماریا خوش ہو کر بولی۔

”سانپ ہے تو ضرور ہماری مدد کرے  
گا۔“

مگر مچھ کے منہ میں سے نیلے رنگ کا ایک لمبا سانپ  
نکل کر چھٹکا رہا تھا ماریا اور عینر کی طرف بڑھا۔ عینر نے  
سانپ کو دیکھتے ہی سانپ کی زبان میں کہا۔

”میں عینر ہوں ناگ دیوتا کا بھائی۔ یہ ماریا  
ناگ دیوتا کی بہن ہے۔ ہمارے مدد کرو۔“

مگر نیلے سانپ پر عینر کی آواز کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ برابر  
اس کی طرف بڑھتا چلا آیا۔ ماریا نے کہا۔

”عینر ایک بار پھر اسے مدد کے لیے پکارو۔“

عینر نے دوسری بار پھر سانپ کو آواز دے کر کہا کہ  
میں ناگ دیوتا کا بھائی ہوں مگر سانپ نے کوئی اثر قبول  
نہ کیا نہ آگے سے جواب دیا۔ ماریا پیچھے ہٹنے لگی تو اس  
کے قدم بوجھل سے ہو گئے تھے۔ عینر نے بھی سانپ کو  
گردن سے پکڑنا چاہا مگر اس کی حالت ایسی ہو گئی  
تھی۔ جیسے کبھی کبھی خواب میں ہمارے ساتھ ہوتا ہے  
کہ زور سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن پاؤں بھاری  
ہو گئے ہوتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ اٹھتے ہیں۔ عینر  
کے بازو بھی بہت ہی آہستہ آہستہ جیسے سلوموشن  
میں اوپر کو اٹھ رہا تھا۔ اتنے میں سانپ نے ماریا اور  
عینر دونوں کو اپنی کندلی میں جکڑ کر مگر مچھ کے کھلے منہ کی  
طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔

ماریا بولی۔

”میری طاقت جواب دے رہی ہے عینر۔“

عینر نے کہا۔

”میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا ہے ماریا۔“



نیلا سانپ دونوں کو گھیسٹا مگر مچھ کے منہ میں لے گیا۔ عنبر اور ماریا نے دیکھا کہ مگر مچھ کے حلق میں ڈھلان نیچے اس کے پیٹ میں جاتی تھی۔ سانپ نے انہیں مگر مچھ کے حلق کی ڈھلان میں دھکیل دیا۔ عنبر اور ماریا لڑھکتے ہوئے نیچے مگر مچھ کے پیٹ میں جا گرے جو کسی بہت بڑے غار کی طرح تھا۔ یہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ لیکن عنبر اور ماریا میں اتنی صلاحیت باقی تھی کہ وہ اندھیرے میں دیکھ سکیں۔ ایک بہت بڑے مچھ کی طرح کا گول غار تھا اس کی ایک دیوار میں گول سوراخ تھا۔

نیلا سانپ اس سوراخ میں داخل ہو کر غائب ہو گیا۔ عنبر اور ماریا اٹھ کر مگر مچھ کے پیٹ کا جائزہ لینے لگے ان کی طاقت بہت آہستہ آہستہ بحال ہو رہی تھی مگر ابھی وہ اپنے ہاتھ پاؤں نارمل طریقے سے نہیں ہلا سکتے تھے۔ اچانک دیوار کے گول سوراخ میں سے آگ کی چنگاریاں سی باہر کو لپکیں۔ عنبر اور ماریا دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔

”یہ کیا مصیبت نازل ہو گئی ہے اب؟“ ماریا نے مایوس ہو کر کہا۔

عنبر بولا۔

”شاید یہی کلش دیوتا کی چنگاریاں ہیں۔ مگر فکر نہ کرو۔ ہم مر نہیں سکیں گے۔“

چنگاریاں لڑک گئیں۔ اب ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی زخمی شیر اپنی کچھار میں درد کے مارے کراہ رہا ہوں۔ یہ بڑی درد آئی کراہ تھی۔ پھر دیوار کے سوراخ میں سے ایک ایسے بہت بڑے سانپ کا پھن باہر نکلا جس کو مگر مچھ کی چار ٹانگیں لگی ہوئی تھیں۔ عنبر اور ماریا نے ایسا سانپ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر ساکت کھڑے اس عجیب و غریب شے کو تک رہے تھے۔ سانپ کا پھن زمین سے دو فٹ اوپر کواٹھا ہوا تھا اور اس کے منہ سے سانس کے ساتھ چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ سانپ نے غصیلے انداز میں زور سے چھٹکارا ماری۔ چنگاریاں عنبر اور ماریا کے چہرے پر پڑیں۔ سانپ انہیں دیکھتا رہ گیا۔ کیونکہ عنبر اور ماریا کے چہروں پر چنگاریوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ سانپ نے دوسری بار پھلے سے زیادہ غصے اور شدت کے ساتھ چنگاریاں پھینکیں۔ اس بار بھی عنبر اور ماریا پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ماریا نے سانپ کی طرف دیکھ کر سانپ ہی کی زبان میں کہا۔

”تمہاری آگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔“

سانپ نے جب لڑکی ماریا کو اپنی زبان میں بات کرتے سنا تو دنگ رہ گیا۔ سانپوں کی زبان میں بولا۔

”تم لوگ کون ہو؟“



عنبر نے کہا۔

”میرا نام عنبر ہے۔ یہ میری دوست ماریا ہے۔ ہم ناگ دیوتا کے بھائی بہن ہیں۔“

ناگ دیوتا کا نام سنتے ہی مگر مچھ نما سانپ نے اپنا پھن سکڑ لیا اور گردن نیچے کر دی۔

”ناگ دیوتا کو میرا سلام — میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تمہارے اندر کوئی غیر معمولی طاقت ہے۔ تم عام انسان نہیں ہو۔ مگر تم یہاں کیسے آگئے؟ ناگ دیوتا کہاں ہیں؟“

عنبر نے مگر مچھ سانپ کو شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی سنا ڈالی۔ وہ تعجب کرنے لگا۔ پھر بولا۔

”تمہاری مدد کرنا مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔ مگر میں جیسا کہ تمہیں معلوم ہی ہو گا۔ زندہ سانپ نہیں ہوں۔

یہاں کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔ ہر شے اپنی رُوح کی شکل میں ہے۔ میں دنیا میں فرعون کے بڑے

دادا کا مقدس سانپ تھا۔ پھر میں مر گیا۔ اور

اب اپنی رُوح کی شکل میں ہے۔ فرعونوں کی مُردہ

بستی میں زندہ ہوں۔“

ماریا نے کہا۔

”ہماری ایک دوست کیٹی اور مرتھا نام کی لڑکی موت کے محل کی کوٹھڑی میں پھنسی ہوئی ہے۔ ہم اسے بھی یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں۔“

مگر مچھ سانپ نے کہا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم یہاں سے فرار ہونا چاہتے ہو۔ اور تمہیں یہاں سے فرار ہونا بھی چاہیے۔

کیونکہ یہ جگہ زندہ انسانوں کے لیے نہیں ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ خواہش کے باوجود

تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔“

مگر مچھ سانپ سے عنبر اور ماریا کو بڑی امیدیں تھیں۔ اس کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو ان کی آنکھوں پر اوس پڑ گئی۔ یعنی وہ مایوس ہو گئے۔ کہ اب وہ کس کے مدد طلب کریں گے۔

عنبر بولا۔

”کیا تم ہمیں کوئی راستہ بھی نہیں بتا سکتے؟“

مگر مچھ سانپ ایک منٹ کے لیے خاموش ہو گیا۔

مگر بولا۔

”ایک راستہ ہے۔“

”جلدی بتاؤ وہ کون سا راستہ ہے؟ عنبر نے بے تابانی



سے پوچھا۔

مگر مچھ سانپ نے کہا۔

”یہاں ایک مُردہ دریا ہے“

”مُردہ دریا؟ ماریا نے تعجب سے کہا۔

”ہاں مگر مچھ سانپ بولا“ یہ دریا اپنے اصلی

زندہ دریا کی رُوح ہے۔ تم نے کبھی دریا کی

رُوح نہیں دیکھی ہوگی“

”کبھی نہیں“ عنبر بولا۔

مگر مچھ نے کہا۔

”آج تم دریا کی رُوح کو بھی دیکھو گے۔

میں تمہیں ایک خاص مگر مچھ سانپ کے حوالے

کر دوں گا۔ وہ تمہیں اس مُردہ فرعونوں کی

بستی سے دریا کے ذریعے نکال کر مرگھٹ والی

گھاٹ پر پہنچا دے گا۔ اس کے بعد تمہیں

کیا کرنا ہوگا؟ یہ تمہیں وہی مگر مچھ سانپ

بتائے گا“

عنبر نے کہا۔

”مگر ہم اپنی ساتھی کیٹی اور مرتھا کو یہاں نہیں

چھوڑ سکتے۔ ہم انہیں بھی اپنے ساتھ لے جاتیں

گے“

مگر مچھ سانپ بولا۔

”تم انہیں بھی ساتھ لے جانا۔ اس کا طریقہ

بھی تمہیں میرا ساتھی مگر مچھ سانپ ہی بتائے

گا“

عنبر اور ماریا چپ ہو گئے۔ مگر مچھ سانپ نے کہا۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے زیادہ

تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ میں مجبور ہوں۔ ناگ

دیوتا سے میری طرف سے معافی مانگنا اب میرے پیچھے

پیچھے آؤ“

مگر مچھ سانپ عنبر اور ماریا کو لے کر جس گول تنگاف

میں سے نکلا تھا۔ اس میں داخل ہو گیا۔ یہ غار ایک

گول پاتپ کی طرح کا تھا۔ جس میں گھپ اندھیرا چھایا

تھا۔ مگر مچھ سانپ جس نے آگے آگے رینگ

رہا تھا۔ ماریا اور عنبر جب کہ اس کے پیچھے پیچھے چل

رہے تھے۔ پاتپ ختم ہوا تو وہ ایک گٹر میں داخل ہو

گئے۔ یہ گٹر چوڑا تھا۔ اور اس کی چھت بھی اونچی تھی۔ مگر مچھ

غاموش تھا۔ اس نے عنبر اور ماریا کو بھی خاموش رہنے

کی ہدایت کی تھی۔



گڑ میں ہلکی ہلکی روشنی آنے لگی۔ یہ ایک سوراخ تھا۔  
جہاں گٹر ختم ہو جاتا تھا۔ یہاں پہلی بار عنبر اور ماریا نے  
وہاں کے درخت دیکھے۔ یہ درخت سبز نہیں تھے۔ بلکہ  
سفید پھیکے پھیکے تھے جیسے ایکس رے میں انسان کی ہڈیاں  
نظر آتی ہیں۔

مگر مجھ سانپ نے آہستہ سے اپنی زبان میں کہا۔  
”یہ درختوں کی روحیں ہیں“

ان روحوں کے قریب سے گزرتے ہوئے عنبر اور ماریا  
کو ان سے نکلتی شعاعوں کا اثر محسوس ہوا۔ زمین سیاہ  
تھی۔ جس پر پھیکے سفید رنگ کی جھاڑیاں اُگی تھیں۔ مگر مجھ  
سانپ نے بتایا کہ یہ جھاڑیاں بھی اصل زندہ جھاڑیاں نہیں  
ہیں بلکہ ان کی روحیں ہیں۔ عنبر اور ماریا حیرت سے یہ سب  
کچھ دیکھ رہے تھے۔

کچھ دُور چلنے کے بعد انہیں ایسی آواز سنائی دی جیسے  
پانی بہہ رہا ہو۔ مگر مجھ سانپ بولا۔  
”مردہ دریا آگیا ہے“

عنبر ماریا نے محسوس کیا کہ یہاں کسی قسم کا کوئی  
پہرہ نہیں تھا۔ جب عنبر نے اس کا ذکر تو مگر مجھ سانپ

”یہاں پہرے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے  
کہ یہاں کوئی باہر کا آدمی قدم نہیں رکھ سکتا۔  
یہ میری یعنی کلش دیوتا کی مُردہ دھرتی ہے“  
اب عنبر اور ماریا نے سامنے ایک دریا بہتے دیکھا۔  
اس دریا میں پانی کی جگہ جیسے سفید گیس کی لہریں بہہ  
رہی تھیں۔ مگر مجھ سانپ نے کہا۔

”یہ دریا کی روح ہے۔ اس میں پانی نہیں بلکہ  
بھاپ ہے۔ یہ ٹھنڈی اور بھاری بھاپ ہے“  
دریا کے کنارے پہنچ کر عنبر اور ماریا مگر مجھ سانپ  
کے اشارے پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ دریا کی  
لہریں بھاپ والی لہریں آہستہ آہستہ بہہ رہی تھیں۔  
یہ زردی مائل سفید بھاپ تھی۔ اپنی سطح سے ذرا سا بھی  
دُور نہیں اُٹھتی تھیں۔ اپنے کناروں کے اندر ہی لہروں  
کی طرح اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ مگر مجھ سانپ نے دریا کی  
بھاپ میں اپنا منہ ڈال کر حلق سے باریک سیٹی کی آواز  
کالی۔ اور اپنا پھن باہر نکال لیا۔ اس کا منہ ذرا سا بھی  
نہیں جھیکا تھا۔ کیونکہ دریا میں پانی کی جگہ بھاپ ہی بھاپ  
تھی۔ چند سکنڈ میں دُور دریا کی لہروں والی سفید گیس  
کے اوپر ایک ٹکڑا سا تیرتا ہوا نظر آیا۔



اس نے کنارے پر آکر کلش دیتا کے آگے سر  
بٹھا دیا اور سانپ کی زبان میں پوچھا کہ وہ کیا خدمت  
بجاء سکتا ہے۔ کلش دیتا یعنی مگر مچھ سانپ نے اسے  
ساری بات سمجھائی اور کہا۔

”تمہیں ان کو مردہ بستی سے پار لگانا ہے اور  
ان کی ساتھی لڑکیوں کو بھی یہاں منگوانا ہے۔“  
چھوٹے مگر مچھ سانپ نے خود سے عنبر اور ماریا کی  
طرف دیکھا اور پھر اپنا سر بٹھا دیا بولا۔  
”کلش دیتا اور رنگ دیتا، کو سلام میں حاضر  
ہوں۔“

کلش دیتا مگر مچھ سانپ نے عنبر اور ماریا سے  
مخاطب ہو کر کہا

”اب مجھے واپس جانا ہوگا۔ میں زیادہ دیر  
اپنی جگہ سے دور نہیں رہ سکتا۔ دیر ہے  
کہ تم لوگ کسی مشکل میں نہ پھنس جاؤ۔ اب  
یہ سانپ تمہاری مدد کرے گا۔“

اتنا کہ کہ کلش دیتا جدھر سے آیا تھا۔ اُدھر  
واپس چلا گیا۔ اس نے جانے کے بعد عنبر نے چھوٹے  
مگر مچھ سانپ سے کہا۔

”ہماری ساتھی کیٹی اور مرٹھا موت کے محل کے  
نار میں ہے۔ کیا تم انہیں یہاں بلوا سکتے  
ہو؟“

پھوٹا مگر مچھ سانپ بولا۔

”اس کے لیے تم میں سے ایک کو موت کے  
محل میں غائب ہو کر جانا ہوگا۔“  
ماریا نے کہا۔

”میں تو غائب ہی تھی۔ مگر کلش دیتا کے سامنے  
آتے ہی میرا جسم ظاہر ہو گیا ہے اب میں  
اپنی مرضی سے غائب نہیں ہو سکتی۔“  
مگر مچھ سانپ بولا۔

”اب تم پھر سے غائب ہو جاؤ گی۔“  
چھوٹے مگر مچھ سانپ نے ماریا کے جسم پر اپنی گرم  
لڑی بھینکی۔ ماریا ایک دم سے غائب ہو گئی۔ ماریا  
لڑی خوشی ہوئی۔ اسے اس کی طاقت پھر سے مل  
گئی۔ اس نے چھوٹے مگر مچھ سانپ سے کہا۔  
”مجھے موت کے محل کا راستہ معلوم نہیں ہے۔  
میں وہاں تک کیسے پہنچوں گی۔“  
مگر مچھ سانپ نے کہا۔



”تم موت کے محل سے زیادہ دُور نہیں ہو۔  
تم آنکھیں بند کر کے جب دوبارہ کھولو گی۔  
تو اپنی منزل پر پہنچ چکی ہو گی۔ اپنی دوستوں  
کو لے کر جب تم دوبارہ آنکھیں بند کرو گی اور  
پھر کھولو گی اور یہاں میرے پاس ہو گی۔“

ماریا نے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر خاموش تھا۔ اب وہ ماریا کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کہ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ ماریا نے عنبر سے کہا۔

”عنبر! میں جا رہی ہوں۔ تم یہیں رہنا۔“

”میں یہیں ہوں گا تمہیں۔“ عنبر نے کہا۔

چھوٹے مگر مچھ نے ماریا سے کہا کہ وہ آنکھیں بند کر لے۔ اور چند لمحوں کے بعد دوبارہ کھول لے۔ ماریا نے آنکھیں بند کر لیں۔ جب دوبارہ آنکھیں کھولیں تو یہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ وہ کیٹی کی غاد میں غول دیں۔  
نئی۔ مرتھا اور کیٹی کو ماریا کی خوشبو نہیں آتی تھی۔ اس لیے بیٹی کو معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ ماریا اس کے پاس کھڑی نہ ہو کر ہے۔ جب ماریا نے اسے آواز دی تو وہ خوش ہو کر

”ماریا بہن! تم کیسے آگئیں؟ عنبر کہاں ہے؟“

ماریا نے کہا۔

”خاموشی سے تم اور مرتھا اپنے ہاتھ مجھے پکڑا دو۔ اور جیب میں کون تو آنکھیں بند کر لینا اور جب تک میں دوبارہ نہ کہوں آنکھیں مت کھولنا۔“  
سین لڑکی مرتھا ہچکچا رہی تھی۔ مگر ماریا نے زبردستی اس کی کلائی اپنے ہاتھ میں لے لی اور کہا۔

”آنکھیں بند کر لو۔“

کیٹی اور مرتھا نے بھی ماریا کے ساتھ ہی آنکھیں بند کر لیں۔ ماریا نے تھوڑی دیر بعد ہی محسوس کیا کہ اس کے پاؤں ایک بار زمین سے اُٹھ کر دوبارہ زمین کے ساتھ آن گے ہیں۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ عنبر ماریا کے مگرچھ سانپ اس کے سامنے مرود دریا کے کنارے اسی طرح کھڑے تھے۔ ماریا نے کیٹی اور مرتھا سے کہا کہ آنکھیں

کیٹی اور مرتھا عنبر کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں۔ عنبر

”یہ مگرچھ سانپ ہمارا دوست ہے۔ اور یہ ہیں

اس منحوس بستی سے نکال دے گا۔“  
مگرچھ سانپ نے کیٹی عنبر اور ماریا کو دریا کنارے



کھڑے رہنے کی ہدایت کی اور خود دریا کی ٹھنڈی بھاپ  
والی لہروں میں اتر گیا۔ مرتھا تو اس بھاپ کے دریا کو دیکھ  
کہ پریشان سی ہو گئی۔ اس نے بھلا ایسا بھاپ کا دریا  
پہلے کہاں دیکھا تھا کیٹی خلائی مخلوق تھی۔ وہ سمجھی کہ یہ گیس  
کا دریا ہے۔ مگر جب عنبر نے اسے بتایا کہ یہ دریا کی زوج  
ہے۔ تو وہ بھی حیرت زدہ ہو کر رہ گئی۔ دریا کی بھاپ  
لہروں کی شکل میں آہستہ آہستہ آگے کو بہہ رہی تھی۔  
اور اس میں سے ہلکے ہلکے شور کی آواز بلند ہو رہی تھی۔  
کیٹی بولی۔

”یہ مگر مجھ نما سانپ ہمیں یہاں سے کیسے نکالے  
گا۔“

مرتھا تشویش کے ساتھ بولی۔

”یہ کون سی دنیا ہے ماریا بہن؟ میری تو کچھ  
سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

ماریا نے ہنس کر کہا۔

”تمہاری سمجھ میں کچھ آ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ  
تم ایک سیدھی سادھی لڑکی ہو۔ اور پہلی بار  
گھر سے باہر لائی گئی ہو۔“  
عنبر نے اسے کہا۔

”تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم خاموش رہو  
اور جو کچھ ہو رہا ہے اسے ایک خاموش  
تماشائی کی طرح دیکھتی جاؤ۔“

دریا میں سے مگر مجھ سانپ باہر ابھرا۔ اس کے پیچھے  
ایک بہت بڑا کچھوا بھی دریا کی سطح پر ابھرا آیا مگر مجھ  
سانپ نے عنبر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔  
”دراپ سب اس کچھوے کی پیٹھ پر بیٹھ  
جائیں۔“

کچھوے کی ابھری ہوئی سخت پیٹھ اتنی بڑی تھی  
کہ اس پر عنبر کیٹی اور مرتھا بڑی آسانی سے بیٹھ گئے۔  
ماریا چونکہ غائب تھی۔ اس لیے اسے اس پر بیٹھنے کی ضرورت  
نہیں تھی۔ مگر مجھ سانپ بھی کچھوے کی گردن پر بیٹھ گیا۔  
اور اس کے اشارے پر کچھوے نے مردہ دریا کی سفید  
گیس یعنی ٹھنڈی بوجھل بھاپ کی لہروں پر چلنا شروع کر دیا  
دریا کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ کناروں پر سفید انیس  
میز طرح کے درخت جگہ جگہ مردہ دریا پر جھکے ہوئے تھے۔  
کچھوا دریا کی بھاپ کے اوپر اوپر تیر رہا تھا۔ وہ بھاپ  
کے نیچے نہیں جاتا تھا۔ کیٹی اور عنبر ماریا خاموش تھیں۔  
میں لڑکی مرتھا تو خوف کے مارے کیٹی کے ساتھ چلتی



بیٹھی تھی۔ دریا اندھیری رات میں پہاڑیوں کے درمیان سے گھومتا بل کھاتا ایک بہت بڑے پہاڑ کی سرنگ میں داخل ہو گیا۔ سرنگ میں داخل ہونے سے پہلے مکہ چھ سانپ نے عین سے کہا۔

”یہ ان مردہ مردوں کا غار ہے جو عذاب میں مبتلا ہیں۔ یہاں آپ لوگوں کو مختلف آوازیں آئیں گی۔ آپ چیخوں کی آواز بھی سنیں گے۔ آپ کو زہر لے کر بھی آوازیں دی جائیں گی مگر کوئی اپنے منہ سے ایک لفظ نہ نکالے۔“

مرتھانے تو آنکھیں بند کر لیں۔ در کینی کے ساتھ اور زیادہ چھٹ گئی۔ ماریا عین کے بالکل قریب تھی۔ عین اور کیٹی شانے سے شانہ ملانے بیٹھے تھے۔ سرنگ میں اتنا گہرا اندھیرا تھا کہ عین کیٹی اور ماریا کو بھی دیکھنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ مردہ دریا پہاڑ کی سرنگ میں داخل ہوا۔ تو تھوڑی دیر بعد ہی غیبی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ یہ آوازیں عورتوں کی بھی تھیں اور مردوں کی بھی تھیں۔ لیکن اس قدر دہشت بھری، اذیت ناک اور ڈروانی تھیں کہ گلتا تھا جن مردوں اور عورتوں کی یہ آوازیں ہیں۔ ان کو سخت عذاب دیا جا رہا ہے۔

ان میں دبی دبی چیخیں بھی تھیں۔ رُک رُک کر اُبھرتی کراہیں بھی تھیں۔ بین کرنے کی آوازیں بھی تھیں سسکیاں اور ہچکیاں بھی تھیں۔ کسی وقت کوئی بلند پیچ کی آواز بھی گونج جاتی۔ مرتھا تو دہشت سے لرزہ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور اب کیٹی کے ساتھ بیٹھ ہوئی۔

تھی۔ کیٹی ماریا اور عین کے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ کچھ اپنی خاص رفتار کے ساتھ مردہ دریا کی بھاپ والی بو بھل ٹھنڈی لہروں پر بہا چلا جا رہا تھا۔ کافی دور جا کر یہ آوازیں آہستہ آہستہ پیچھے رہ گئیں۔ اب ایک نئی طرح کی آوازیں آتی شروع ہو گئیں۔ کبھی کوئی عورت جیسے آہیں بھرتی ہوئی کہتی۔

”عین! میرے پاس آ جاؤ۔ میں سردی میں ٹھہر رہی ہوں۔ میرا جسم برف میں گل سٹ رہا ہے۔ مجھے بچاؤ۔“

کبھی دور سے کسی مرد کی آواز آتی۔

”کیٹی میری بہن! مجھے ان بچھوڑوں سے بچاؤ۔ یہ میرے جسم پر چڑھ گئے ہیں۔ یہ مجھے کاٹ رہے ہیں۔“

پھر کسی عورت کی آواز سنائی دیتی۔



”ماریا! میرے جسم دینگے سانپوں کو کواتارو۔  
یہ مجھے ڈکس رہے ہیں۔ میں ہاتھ نہیں ہلا  
سکتی۔ میری مدد کرو۔“

مردہ دریا میں کچھ دُور آگے گزرنے پر یہ آوازیں  
بھی پیچھے رہ گئیں۔ سڑنگ میں دُور سے روشنی آنے لگی۔  
یہ روشنی نیلی اور پھیلکی تھی۔ خدا خدا کر کے سڑنگ  
ختم ہوئی۔ اور مردہ دریا باہر نکل آیا۔ یہاں ایک  
کھلی وادی تھی۔ جس کی دونوں جانب کالے اوپنے  
اونچے پہاڑ کھڑے تھے۔

مگر مچھ سانپ نے عنبر سے کہا۔

”عظیم ناگ دیوتا کے بھائی! ہم منزل کے  
قریب آگئے ہیں۔“

عنبر نے پوچھا۔

”یہ آوازیں کن لوگوں کی تھیں؟“

ماریا نے کہا۔

”میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔“

مگر مچھ سانپ بولا۔

”یہ ان رُوحوں کی آوازیں تھیں جو یہاں  
اپنے گناہوں کا عذاب جھگت رہی ہیں۔ انہوں

نے دنیا میں بڑے گناہ کیے تھے۔ اب انہیں  
ان گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔“  
عنبر نے آہستہ سے کہا۔

”کیا یہاں وہ رُوحیں نہیں ہیں جنہوں نے دنیا  
میں نیک کام کیے تھے؟“  
مگر مچھ سانپ نے کہا۔

”نہیں۔ وہ تو بڑی پاک اور بلند رُوحیں ہیں۔  
جو لوگ، جو بچے، جو لڑکے لڑکیاں، دنیا میں رہ کر  
نیک کام کرتے ہیں۔ اپنے ماں باپ کا حکم مانتے  
ہیں۔ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ پابندی سے نماز  
اور قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ کسی کی چیز نہیں چراتی۔  
بلکہ امانت کو حفاظت سے رکھتے ہیں۔ اور اس  
کے مالک کو واپس کر دیتی ہیں۔ اور اپنے ذہن  
میں کبھی بُرا خیال نہیں آنے دیتے۔ ان کی  
رُوحیں تو یہاں سے بہت اوپر ایک ایسی جنت  
میں رہتی ہیں کہ جہاں ان کے لیے موتیوں کے  
محل ہیں۔ چاندی کی ندیاں بہتی  
ہیں۔ اور درختوں پر ان کے لیے میٹھے اور پاکیزہ  
پھل لگتے ہیں۔ وہ ہر وقت اتنی خوش رہتی ہیں



۱۳۹ کہ اس خوشی کا اندازہ دنیا کے لوگ نہیں کر سکتے۔

ماریا نے آہستہ سے کہا۔

”واقعی ہمیں ہمیشہ نیک کام کرنے چاہیں تاکہ اس عذاب سے بچ سکیں جس میں یہ بے چارے گناہ گار رُوحیں مبتلا ہیں۔“

مگر مچھ سانپ نے منہ سے سیٹی کی آواز نکالی اور بولا۔

”اب بولنا نہیں۔ مرگھٹ والا گھاٹ قریب آ رہا ہے۔ یہاں سے تمہارا دنیا کی طرف ایک نیا اور خطرناک سفر شروع ہوگا۔“

ماریا عنبر اور کیٹی چمپ ہو گئے۔ حسین لڑکی مرتھا پہلے ہی سہی ہوئی خاموش بیٹھی تھی۔ اُوپنے اُوپنے بلند سیاہ پہناڑوں کے نیچے سفید بھاپ کے مُردہ دریا پر نیلے رنگ کی ہلکی روشنی عباد کی طرح پھیل ہوئی تھی۔ دریا کی لہریں ٹھنڈی جھاگ کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔ عنبر ماریا کیٹی اور مرتھا بالکل سامنے تک رہی تھیں۔ سامنے انہیں بہت بڑی اُوپنے اُوپنے سیاہ میناروں والی ایک ہیبت ناک عمارت نظر آ رہی تھی۔ جو دو پہاڑیوں کے درمیان بنائی گئی

تھی۔ اس عمارت کا ایک بہت بڑا ٹکونی دروازہ تھا۔ جو کھلا تھا اور مُردہ دریا اس عمارت میں داخل ہو رہا تھا۔ وہاں دریا کی جھاگ اوپر کو اُڑ رہی تھی۔ مگر مچھ سانپ نے کہا۔

”ایک دوسرے کو تھام کر بیٹھے رہو۔ ہم مرگھٹ والے گھاٹ میں داخل ہو رہے ہیں۔“

کچھوا اب دریا کی ٹھنڈی جھاگ اور بھاپ میں اوپر نیچے ہونے لگا تھا۔ جیسے نیچے کوئی طوفان اُمڈ رہا ہو۔ مرگھٹ کے محل کے دروازے میں سے جہاں دریا گزرتا تھا عجیب دہشت بھرا شور سنائی دے رہا تھا۔ مرتھا کیٹی کے ساتھ زیادہ چمٹ گئی۔ کیٹی نے عنبر کا بازو تھام لیا۔ ماریا ان کے سروں کے اوپر آکر لیٹ گئی۔ کچھوا شور کرتے دروازے کی طرف تیزی سے اوپر نیچے ہوتا بڑھ رہا تھا۔



اس کے بعد کے سنسنی خیز واقعات عنبر، ماریا کی اگلی قسط نمبر ۱۲۹ ”چاہ بابل کے قیدی میں۔ پڑھتے۔“



## میرے نام

ڈیر انکل اے حمید صاحب آداب!

میں نے ابھی ابھی آپ کا خاص نمبر "غیبی لاش پڑھا بہت ہی دلچسپ تھا قسم سے!"

عنبر ناگ ماریا اور کیٹی کے علاوہ میں نہ تماش کے بھی کافی ناول پڑھ چکا ہوں وہ بھی خالص مزیدار اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ اور ہاں آج رات مجھے ماریا بھی ملی تھی کہتی تھی کہ وہ کسی بدروح کو ختم کرنے کے لیے لاہور آئی ہے میں نے اس سے کہا کہ آپ انکل اے حمید سے ملیں تو کہنے لگیں نا بابا نہ! وہ تو کسی عزیز کے خط کا جواب نہیں دیتے وہ میری مدد کیا کریں گے۔

میں نے کہا ہاں یہ بات تو ماریا بہن آپ نے سچ کہی۔ خیر آپ۔۔۔ میں ٹھہریں گے؟ چند روز تو ماریا بولی نہیں راہ چمن روڈ کی پچھلی طرف ناگ اور عنبر میرا انتظار کر رہے ہیں۔ ناگ اس وقت عقاب بنا ہوا ہے۔ اور کیٹی کو لاہور کی کسی بدروح نے قید کر دیا ہے۔ میں نے تھیو ساگ کو پوچھا تو بولی۔

وہ تو اس وقت ہوٹل لاہور میں بہترین ڈنر کر رہے ہوں گے اب تک سب کو بوتا بنا چکے ہوں گے۔ ماریا بولی اچھا پھر مجھے اجازت دو خالد بھائی۔

میں نے کہا لو میں ایسے تھوڑا ہی جانے دوں گا اپنی بہن کو۔ اتنی گرمی ہے۔ کچھ ٹھنڈا یہ کہتے ہوئے میں نے فزج میں سے ٹھنڈے پانی کا نکال کر پانی گلاس میں انڈیلا اور دیکھتے ہی دیکھتے گلاس میری منظر سے غائب ہو گیا کیونکہ ماریا غائب حالت میں مجھے ملی تھی تھوڑی دیر بعد گلاس خود بخود ظاہر ہو گیا اور ماریا بہن خدا حافظ کہہ کہ چلی گئیں۔ تو میں نے کہا کہ اے حمید صاحب کو ضرور بتاؤں گا۔ اچھا اب اجازت دیں۔ کیونکہ میں نے اور بھی کام کرنے ہیں نماز پڑھنی ہے آپ کے لیے دعا کرتی ہے عنبر ناگ ماریا کیٹی اور تھیو ساگ سے ملنے کے لیے کسی دوسرے پیارے پر جانا ہے آج رات خواب میں۔

خط کا جواب ضرور دیجئے گا ورنہ میں ماریا عنبر وغیرہ سے آپ کی شکایت کر دوں گا۔ جواب حقیقت میں دیں خواب میں نہیں۔ آپ فقط آپ کا بھائی خالد محمد سومر و ولد محمد قاسم سومر (مرحوم) معرفت بیپی بک سٹال E/14 ملین مارکیٹ گلبرگ II لاہور۔

پیارے انکل اے حمید آداب!

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ اس ماہ کے معلومات اور تجسس سے بھرپور ناول پڑھنے کو ملے جن کو پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی اور معلومات میں اضافہ ہوا۔ تادلوں سے پہلے آپ کا خط مبارک بھی ملا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرے حقیر سے خط کا جواب



دیا آپ کے ناول روز بروز بہترین ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن مجھے ایک بات بہت کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ ناگ عنبر مایا اور نیسی وغیرہ کے سفر کا تیسرا دور ہے۔ جو کہ آپ خدائی سفر کے نام سے آپ لکھ رہے ہیں۔ لیکن اس میں خلا کی وہ عجیب و غریب مخلوق جو ہم نے فلموں اور دیگر ناولوں میں پڑھا اور دیکھا ہے وہ مخلوق آپ کے ناولوں میں ناپید ہے۔ ناولوں میں پڑھا اور دیکھا ہے وہ مخلوق آپ کے ناولوں میں ناپید ہے۔ اور ہمارے ساتھی ابھی تک ۱۹۸۶ء کے دور میں ہیں۔ گہرے دل سے ہیں۔ یا واپس پچھلے دور میں چلے جاتے ہیں۔ یعنی راجاؤں وغیرہ کے زمانے میں۔ آپ ان کو مستقبل کے شہروں اور ملکوں میں بھیجیں۔ یعنی ۲۰۰۸ء وغیرہ جہاں پر دنیا بے حد ترقی یافتہ ہو چکی ہو۔ اور وہاں جہاں سے ساتھی گھوڑوں کی بجائے خدائی گاڑیوں میں سفر کریں۔ امید ہے اس مشورہ پر غور کریں گے۔ اور میرے خط کا جواب دیں گے۔

انصار حسین ذکی معرفت سردار علی مکان نمبر ۱/۸۶۶۲

گلی نمبر ۵ محلہ موہن پورہ راولپنڈی۔

ڈائیر انکل اے حمید (سدا مسکرائیں یہ دعا ہے میری)  
اسلام علیکم! انکل میرے بھائی جان کی لاتیریری ہے۔ میں بھی اکثر دوکان پر بیٹھا ہوں۔ اور سوائے آپ کے ناول پڑھنے کے مجھے اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔ اور چہرہ گھر جاتے ہوئے ایک دو ناول چھپا کر گھر لے جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے پکڑے جانے پر کفر پر مامی

ابو اور دوکان پر بھائی جان سے جھڑکیں پڑتی تھیں۔ اور جو نیسی گھر میں اب نے ایک دن ناول پڑھ لیا۔ بس اب تو ہر روز فرمائش ہوتی ہے کہ قسط نمبر فلاں کے راؤ۔ لہذا اب گھر میں تو کمرہ ختم ہو گیا ہے۔ اب تو گھر میں رات کو سوئے سے پہلے ہر فرد کے ہاتھ میں عنبر ناگ ماریا کی قسط ہوتی ہے۔ میں تو انکل المیر میاں سے دعا کرتا ہوں کہ آپ ہمیشہ ناول لکھتے رہیں اور میں بڑھتا رہوں۔ خدا حافظ

عابد رفیق بھٹی معرفت جاوید بک سینٹر چوک رحمان پورہ لاہور ۱۶

جناب محترم اے حمید صاحب

اسلام علیکم! میں آپ کی خدمت میں پہلی مرتبہ خط ارسال کر رہا ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کے ناول نہیں پڑھتا بلکہ میں تو اس وقت سے آپ کے ناول پڑھ رہا ہوں جب سے آپ نے "موت کا تقاب" کی سیریز شروع کی تھی اس وقت میرے پاس عنبر ناگ ماریا سیریز کی موت کا تقاب سمیت ۲۵ قسط موجود ہیں۔ میں نے آپ کا شاہکار ناول "غیبی لاش" پڑھا۔ یقین کریں اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس خاص نمبر میں آپ نے عنبر ناگ ماریا اور کیٹی وغیرہ کا الگ الگ سنی نینراڈ و پنچر اور کانٹا پیش کیے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی آپ تقریباً اتنے ہی صفحات کا ضخیم ناول خاص نمبر شائع کرنا کریں گے۔ اس سیریز کو آپ ہرگز بند نہ کریں کیونکہ یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جہاں میں



ہم زمانے کی تاریخ، معاشرت، رسم و رواج، رہن سہن، تہذیب و ثقافت  
سب، لوگوں کی حمیت اور جاہلیت کے بارے میں پتہ چلتا ہے وہاں ہم  
م خوردوں، پجاریوں، انجیمیوں، جوگیوں، بوتھیوں، ساحروں، شیطان صفت  
دن اور دوسرے روٹنگے کھڑے کر دینے والے کسنی خیز و تخر آمیز  
قعات کے بارے میں پڑھ کر محفوظ ہوتے ہیں۔

آپ کا اندازہ تحریر اور اسلوب بیان منفرد ہے۔ منظر نگاری میں آپ  
جواب نہیں پڑھنے والا محسوس کرتا ہے۔ جیسے وہ خود اس قدیم  
مانے کے ماحول میں موجود ہو۔

یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جس میں تمام اقسام کی کہانیوں "خواہ وہ  
شن ہوں یا تجسس آمیز و کسنی خیز، جاسوسی ہو یا مشہور داستان  
نئے جیسے ظلم پوش رہا، داستان امیر حمزہ، الف لیلہ، ماقم طائی وغیرہ،  
مادری کے کارنامے ہوں یا فلتش، تاریخی واقعات ہو یا افسانوی  
نیاس کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی دنا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و  
عمری عطا فرمائے۔ اور عنبر ناگ ماریا کی مزید بہتر اور مزیدار کہانیاں  
سننے کا حوصلہ و ہمت عطا فرمائے۔ آمین ہے تم آمین ہے آپ کا قاری  
محمد اشفاق گل حکیم امان اللہ صدر بازار ملتان کینٹ

پیارے انکل اے حمید

اسلام علیہ السلام: انکل میرا نام آصف سلیم ہے۔ اور میں اسلام آباد  
نہایت ہوں۔ مجھے آپ کا پتہ نہیں معلوم تھا۔ مگر شاید خدا

نے میری مدد کی۔ اور ایک کتاب نہایت شگفتہ سے آپ  
کا پتہ مل گیا۔ آپ کی سلسلے وار کہانیاں جو کہ عنبر ناگ ماریا  
کے بارے میں ہیں۔ میں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں ایک  
بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کی لکھی ہوئی عنبر ناگ  
ماریا کے سلسلے کی کہانی نمبر ۱ سانپ کا انتقام بڑی پسند آئی۔  
مجھے سانپ کا انتقام جو کہ عنبر ناگ ماریا کی کہانی ہے بڑی اچھی  
لگی۔ انکل آپ نے اس میں لکھا ہے کہ عنبر ایک کشتی میں بہ  
دیا ہوتا ہے۔ کہ اسے ایک بادبانی جہاز دکھائی دیتا ہے۔ عنبر  
جہاز کے نیچے جاتا ہے۔ تو اسے ایک سایہ دکھائی دیتا ہے۔  
عنبر سانپ کے تعاقب میں اس کے پیچھے جاتا ہے تو  
اسے ایک بھیانک مگر دردناک آواز سنائی دیتی ہے جو  
مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ عنبر اندھیرے میں چھپ جاتا  
ہے کہ ایک بجلی سی کووندی ہے اور وہی سایہ چمک کر اس  
کی آنکھوں کے آگے سے نکل کر بھاگتا ہے۔ انکل یہ سب  
کچھ کیا ہے۔ کیا اس کہانی کا حقیقت سے کوئی تعلق ہے مہربانی  
فرما کہ یہ بتائیں مجھے حقائق کی کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق  
ہے۔ کیا اس کہانی میں ہر واقعہ عنبر کے ساتھ پیش آیا  
چھا تھا۔ انکل مہربانی۔ یہ جی بتائیں کہ آپ کی عنبر ناگ ماریا  
کی کہانیوں کی جتنی بھی داستانیں ہیں۔ وہ سبھی ہیں۔ مجھے آپ  
کی ایک کہانی آسیب کی بات اور لاش کی چیخ بڑی پسند آئی۔ اور



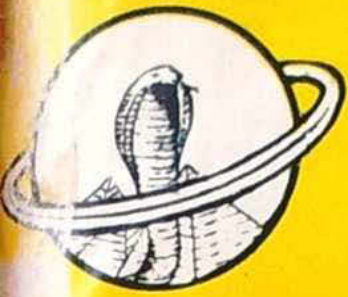
سانپ کا انتقام بھی مجھے آسیب کی رات سب کہا میوں سے ابھی  
لگی ہے۔ یہ بتائیں کہ اس زمانے میں تو لوگ آسیب، جنوں  
بھوتوں کا بالکل یقین نہیں رکھتے تو پھر آپ نے کیسے شائع کی۔  
کیا یہ پرانے زمانے کی سچی داستان ہے۔ پیارے انکل  
میرادل چاہتا ہے کہ اڑ کر یک دم آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ ایسا  
جادو تو صرف ناگ یا ماریا کے پاس ہے۔ ناگ کتنا خوش قسمت  
ہے۔ کہ پزندو بن سکتا ہے۔ کاش کہ مجھ میں ایسی کوئی طاقت ہوتی۔

سانپ کا انتقام میں جو واقعات عنبر کے ساتھ  
پیش آئے۔ تو مقوڑا سا خوف آنے لگا۔ جب بنر کو سایہ نظر  
آیا اور کسی کے پکارنے اور مدد کے لیے آوازیں اٹھیں۔ تو مجھے  
تو بڑا خوف محسوس ہوا۔ ویسے یہ کہانی بہترین ہے۔ اچھا انکل  
اب باتیں بند اور حد حافظ

شریف نمبر ۲۳ مکان نمبر ۱۳ F/A/۲ شالیکار اسلام آباد

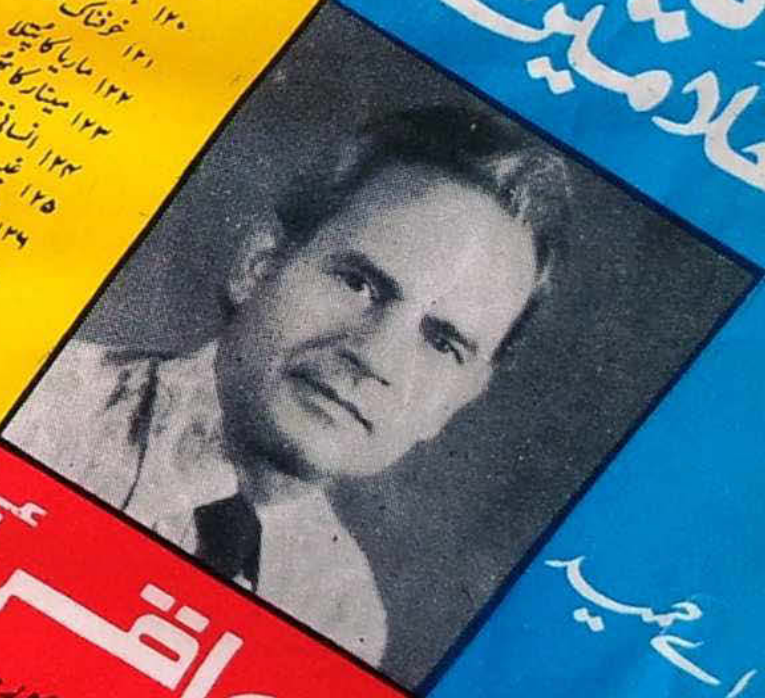
سدا خوش رہو انکل اے حمید صاحب  
انکل آپ نے جو عنبر ناگ ماریا کا خطائی سفر شروع کیا ہے  
وہ ہمیں بہت پسند آیا ہے۔ میں نے ساری عنبر ناگ ماریا  
کی کتابیں پڑھ لی ہیں۔ انکل یہ سیریز آپ کبھی بھی بند نہ کریں۔  
کمرشن کی رکابج روڈ بیٹھان پاڑہ عمر کوٹ۔  
شکریہ۔





۱۰۱ خدائی جہاز کی مٹی  
۱۰۲ غیبی خدائی شیطان  
۱۰۳ ماریا دوزخ میں  
۱۰۴ خدائی کھمرو  
۱۰۵ مڑوں کا پیارہ  
۱۰۶ غوغوار انسانی ٹورم  
۱۰۷ خطرناک طلسمی روشنی  
۱۰۸ پستیبت ناک قلند  
۱۰۹ غیبی شیشہ  
۱۱۰ مانا دیوی کا گدھ  
۱۱۱ آدھی عورت اور خدائی مخلوق  
۱۱۲ غیب اور زندہ لاش  
۱۱۳ کیٹی اور زندہ لاش  
۱۱۴ ماریا طوفانی رات میں  
۱۱۵ خطرناک تجربہ  
۱۱۶ سانپ کا قیدی  
۱۱۷ موت کی چھانگ  
۱۱۸ مڑوں کی موت  
۱۱۹ قبر کا ہاتھ  
۱۲۰ جزیب سے کا قبوت  
۱۲۱ خوفناک مقابلہ  
۱۲۲ ماریا کا قبوت  
۱۲۳ مینار کا قبوت  
۱۲۴ انسانی قیندوا  
۱۲۵ غیبی لاش خاص نمبر  
۱۲۶ نونی راز  
۱۲۷ سرخ شاگ  
۱۲۸ غیب کی قبر  
۱۲۹ چاہ پانی کے قیدی  
۱۳۰ منوس موتیاں

# ناگ مار مار کر اور کھیتی تخلاد میں



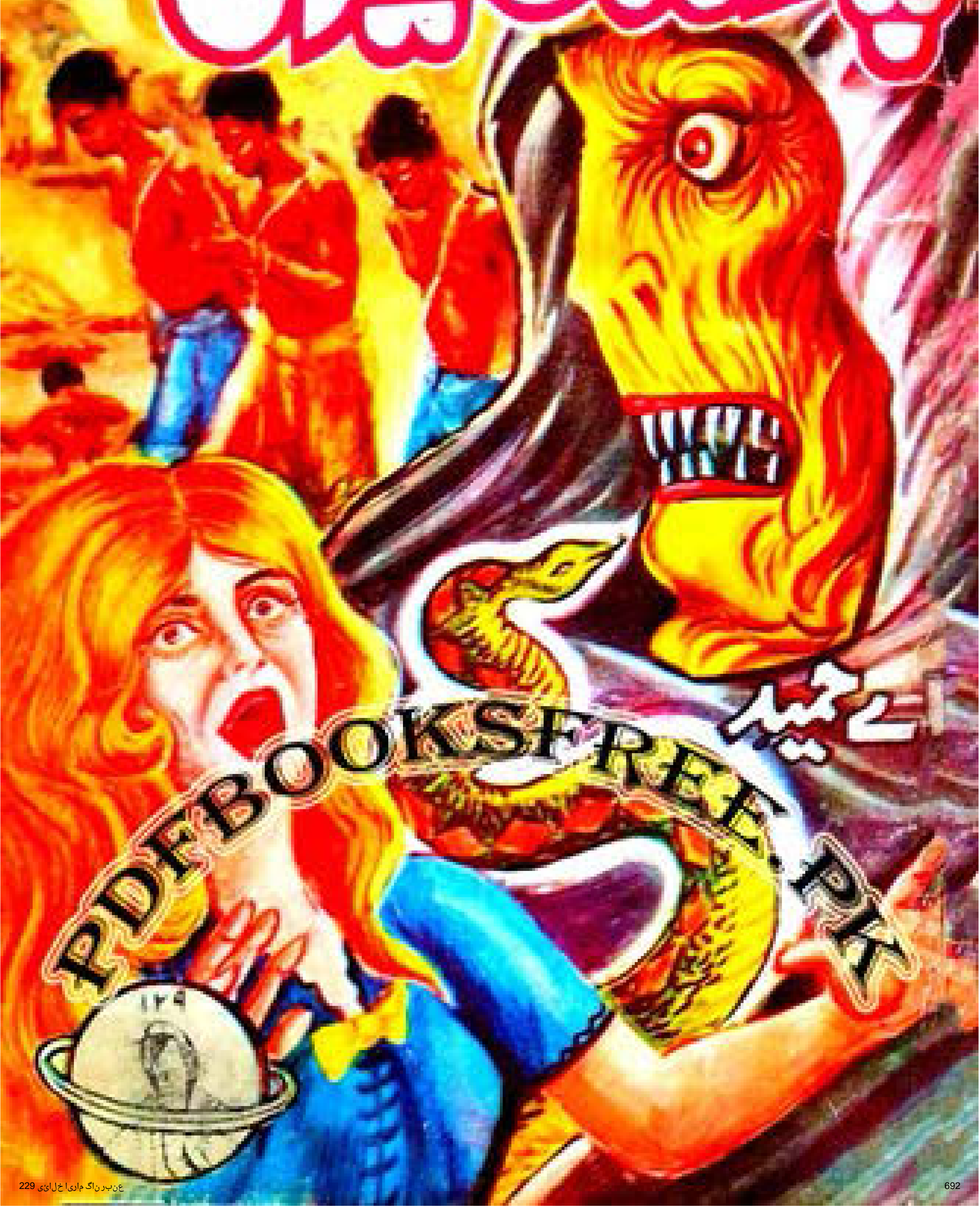
احمد

نیا مقصد  
۱۳- بی شاد عالم مارکیٹ، لاہور-۸





# کتابخانه







# عنبہ رنگ، ماریا اور کیمپی خلا میں چاہ بائل کے قیدی

اے۔ حمید



# دیران خزانے کا سانپ

مرگھٹ کا ستکونی دروازہ آگیا۔

دیرا کی روح بھاگ اڑا تو اس کے نیچے سے گزر رہی تھی۔  
یہاں کافی شور تھا۔ جیسے بدروحیں چلا رہی ہوں۔ عنبر، کیٹی ہر تھا  
اور ماریا کچھونے کی پیٹھ پر سوار تھیں اور کچھوا موت کے دریا  
کی لہروں پر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ مرگھٹ کا دروازہ دو  
اوپنے سیاہ پہاڑوں کے درمیان بنا تھا۔ نیچے سے دریا  
گزر رہا تھا۔ جب کچھوا دروازے کے نیچے سے گزرا تو  
عنبر ماریا اور کیٹی کو اس قدر شور سنائی دیا جیسے بہت سے  
آتش فشاں پہاڑ پھٹ رہے ہوں۔ مرگھٹ نے تو کانوں  
میں انگلی ٹھونس لیں۔ موت کے دریا کی سفید جھاگ جیسی  
لہروں نے انہیں اپنے اندر چھپا لیا۔ انہیں کچھوے کی آواز سنائی  
دی۔

”خبردار ایک دوسرے سے چپٹے رہنا۔ اگر کوئی میری

پیٹھ پر سے نیچے گر گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے غائب ہو

ترتیب

دیران خزانے کا سانپ  
ناگ پٹاری سے نکل آیا  
بدروح چٹ گئی۔  
چاہ بابل کے قیدی  
آسیب کا انتقام

قیمت: ۵۰/-

جسٹ سٹوڈنٹس پبلیشرز محفولہ

۱۹۸۶

ناشر: شاہنشاہ قراء ۱۳ فی شہرہ علیہ السلام لاہور  
طابع: شاہنشاہ قراء لاہور



جاتے گا۔

انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جھاگ کے بہت گھنے بادلوں میں سے گزر رہے ہوں۔ ان کے کانوں میں شور کے دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے پچھٹے ہوئے تھے۔ کچھوا جھاگ کے سمندر میں کبھی اوپر اور کبھی نیچے ہو کر بہہ رہا تھا۔ آخر شور آہستہ ہو گیا۔ جھاگ کی بادلوں ایسی لہروں کے ہچکولے بھیڑک گئے۔ کچھ دیر بعد شور بالکل ختم ہو گیا۔ پہلے جھاگ میں اندھیرا تھا۔ اب اس جھاگ کے بادلوں میں ہلکی ہلکی روشنی آنے لگی۔ کچھوے کی رفتار آہستہ اور ہموار ہو گئی۔ عنبر کیٹی ماریا اور مصر سے اخوا کر کے مُردہ فرعونوں کی بستی میں لائی گئی حسین لڑکی مرتھا بھی خاموش تھی۔ کچھوے نے کہا۔

”ناگ کے عظیم بھائی عنبرا تمہیں مبارک ہو۔ تم لوگ موت کے دروازے میں سے نکل آئے ہو۔“  
عنبر پوچھا۔

”ہم اس وقت کہاں ہیں۔ اور جھاگ کے اس بادل میں کب نکلیں گے؟“  
کچھوے نے کہا۔

”تم لوگ اس وقت اپنی دنیا کے ایک صحرا میں پہنچے

والے ہو۔“

کیٹی نے سوال کیا۔

”یہ صحرا دنیا کے کس ملک کا صحرا ہے؟“

کچھوے نے جواب دیا۔

”جس ملک میں تم جانا چاہتے تھے۔ یہ اُس کا صحرا ہے۔“

کیٹی نے کہا۔

”کیا ہم قدیم مصر میں پہنچ گئے ہیں؟“

”ہاں“ کچھوا بولا۔ ”تم لوگ قدیم مصر میں آ گئے ہو۔“

اور کسی بھی وقت صحرا کی ریت پر اتر جاؤ گے۔“

ماریا غیبی حالت میں تھی۔ عنبر کو بھی اس کی کھوئی ہوئی

طاقت واپس زل گئی تھی۔

ماریا نے کہا۔

”ہم ملک مصر کے دارالحکومت پھتبزن سے کتنی دُور

ہوں گے؟“

کچھوا بولا۔

”تم لوگ اہرام مصر کے قریب آؤ گے۔“

پس اب خاموش ہو جاؤ۔ تمہاری منزل اُدھی

ہے۔“



اس کے ساتھ ہی بھاگ بیٹھنے لگی۔ اور پھر عین ماریا،  
کیٹ اور مرتحانے دیکھا کہ وہ ایک صحرا میں اہرام مصر  
کے قریب کچھوے کی پیٹھ پر بیٹھے ہیں۔ اور دن ڈھل رہا  
ہے۔ دور مصر کے قدیم دارالحکومت پتھر کے پرانے  
شہر کی اونچی اونچی عمارتیں نظر آ رہی ہیں۔ وہ کچھوے کی  
پیٹھ سے اتر آئے۔ کچھوا کہنے لگا۔

”اب تم لوگ اپنی زندہ لوگوں کی دنیا میں آگئے ہو  
میں نے کلش دیوتا کا حکم پورا کر دیا۔ اب مجھے

اجادت دو“

ماریا نے کہا۔

”مگر یہاں تو ہر طرف ریت ہی ریت ہے تم  
واپس کیسے جاؤ گے؟“

کچھوا کہنے لگا۔

”واپس جانے کے لیے مجھے کسی دریا کی ضرورت

نہیں۔ کیونکہ میں زندہ کچھوا نہیں ہوں بلکہ کچھوے

کی روح ہوں۔ خدا حافظ!“

یہ کہہ کر کچھوا ان سب کی نگاہوں سے غائب ہو گیا۔  
مرتحانے چاروں طرف خوش ہو کر دیکھا اور کہا کہ خدا کا  
شکر ہے کہ وہ اپنے وطن میں واپس آ گئی۔

”عین کیٹی اور ماریا بہن! میں تمہارا یہ احسان  
کبھی نہ بھلا سکوں گی۔ کہ تمہاری وجہ سے میں مردوں  
کی بستی سے بچ کر اپنے شہر واپس آئی۔ اب مجھے  
جلدی سے میرے باپ کے پاس پہنچا دو“  
عین نے مرتحانے کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔  
”مرتحانہ بہن! ہم بھی خدا کا شکر ادا کرتے ہیں  
کہ تمہیں زندہ سلامت یہاں لے آئے“  
ماریا نے کہا۔

”فکر نہ کرو۔ سب سے پہلے ہم تمہارے  
گھر پہنچائیں گے۔ پھر کوئی دوسرا کام کریں گے“  
کیٹی بولی۔

”دوسرا سب سے اہم کام تھیو سانگ اور ناگ  
بھیا کو تلاش کرنا ہے“

عین بولا۔

”تھیو سانگ کو تو ہم شہر کی سڑکوں میں چھوڑ  
آئے تھے۔ وہ یقیناً وہیں ہوگا۔ باقی ناگ کا ہمیں  
کچھ علم نہیں۔ ممکن ہے تھیو سانگ نے اس کا کھوج  
لگا لیا ہو“

ماریا نے کہا۔



۸  
 ”اگر کھوج نہیں لگایا ہوگا تو ہم سب مل کر ناگ  
 کو ڈھونڈ لیں گے۔“  
 عنبر کہنے لگا۔

”اب یہاں سے شہر کی طرف چلو۔“  
 شہر کی طرف صحرا میں ایک کچھا راستہ جاتا تھا وہ اس  
 پر چل پڑے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی عنبر نے کیٹی اور ماریا  
 سے کہا۔

”تم لوگ شہر کی کاررواں سرائے میں تھیو سانگ کو  
 جاکر ملو۔ میں مرتھا کو اس کے ماں باپ کے  
 حوالے کر کے تھارے پاس پہنچ جاتا ہوں۔“  
 مرتھا نے کہا۔

”نہیں عنبر بھائی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی میرے  
 ساتھ میرے ماں باپ کے پاس چلو۔ اور اپنی  
 زبانی انہیں بتاؤ کہ میں کہاں گم ہو گئی تھی۔“

ماریا نے مرتھا کے خیال کی تائید کی اور کہا کہ مرتھا  
 ٹھیک کہتی ہے۔ اس کے ساتھ کسی مرد کا جانا ضروری ہے۔  
 چنانچہ عنبر بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ مرتھا کا گھر قدیم پھتنر  
 شہر کی چار دیواری کے باہر ایک چھوٹے سے چشے کے  
 کنارے پر واقع تھا۔ سب سے پہلے مرتھا کی ماں نے اسے

دیکھا۔ وہ تو اسے دیکھتے ہی رہ گئی۔ پھر اس کا باپ  
 اور بہن بھائی بھی آ گئے۔ ہر کوئی مرتھا کو پیادہ کر رہا  
 تھا۔ عنبر اور کیٹی نے مرتھا کے ماں باپ کو بتایا کہ ان کی  
 بیٹی کو ایک خطرناک مخلوق اغوا کر کے لے گئی تھی۔ جہاں  
 سے ہم اسے نکال کر لاتے ہیں۔ ماریا بھی وہاں پر موجود  
 تھی۔ مگر کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مرتھا کے  
 ماں باپ نے عنبر اور کیٹی کی خدمت کرنی چاہی۔ جس پر  
 انہوں نے کہا کہ وہ پھر کسی وقت ان کے گھر آئیں گے۔  
 اصل میں انہیں تھیو سانگ کے پاس جا کر ناگ کے بارے  
 میں کھوج لگانے کی جلدی تھی۔ عنبر اور کیٹی نے ان سے  
 اجازت لی اور شہر کی سرائے کی طرف روانہ ہو گئے۔  
 ماریا بھی ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ عنبر کا روانہ سرائے  
 سے واقف تھا۔ چنانچہ جب وہ سرائے میں پہنچے تو تھیو سانگ  
 ان کی خوشبو پا کر کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ عنبر اور کیٹی  
 کو دیکھ کر اس کی خوشی کا انتہا نہ رہی۔ ماریا بھی ان کے  
 ساتھ ہی تھی۔ جب عنبر نے ناگ کے بارے میں پوچھا  
 تو تھیو سانگ نے مایوس لہجے میں کہا۔

”مجھے افسوس ہے عنبر بھائی۔ میں ہزارہ کوشش  
 کے باوجود ناگ کو تلاش نہیں کر سکا۔ وہ اس



شہر میں بلکہ اس ملک میں بھی نہیں ہے۔ میں اپنے  
دور دور تک دیکھ آیا ہوں۔ میں نے مصر کے  
سارے ریگستان اور صحرا چھان مارے ہیں۔ لیکن  
ناگ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

اب تو عنبر کیٹی اور ماریا کو بھی فکر لگی کہ ناگ پر کہیں  
کوئی آفت نہ آن پڑی ہو۔ چاندوں کو ٹھٹھری میں بیٹھ گئے  
اور سوچنے لگے کہ ناگ کو کہاں اور کس جگہ تلاش کیا  
جاتے۔ کیٹی کا خیال تھا کہ اسے ملک توران میں چل کر ڈھونڈنا  
جاتے۔ کیونکہ سنا ہے وہاں ایک قبیلہ ہے جو سانپوں کی  
پوجا کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے ناگ اس قبیلے کی طرف نکل  
گیا ہو۔ اور ان لوگوں نے ناگ کو دیکھتا سمجھ کر اپنے  
پاس ہی رکھ لیا ہو۔

ماریا کہنے لگی۔

”ناگ ہم سے کچھ ناراض ہو کر گیا تھا۔ ہو  
سکتا ہے وہ خود ہی کسی دوسرے ملک کی طرف  
نکل گیا ہو۔“

عنبر نے کہا۔

”ناگ اتنا احمق نہیں ہے کہ محض ہمیں تکلیف  
دینے کی خاطر کسی دوسرے ملک چلا جائے۔“

اس نے آج تک ایسا نہیں کیا۔  
کیٹی نے کہا۔

”تو پھر اسے کہاں تلاش کیا جانا چاہیے؟“  
تھیوسانگ بولا۔

”میری رائے میں کیٹی کا خیال صحیح ہے۔ ہو سکتا  
ہے ناگ توران کے سانپوں کے قبیلے کی طرف  
چلا گیا ہو۔ ہمیں یہاں سے ملک توران کی طرف  
چلنا چاہیے۔“

ماریا نے کہا۔

”یہ بات کچھ اچھی نہیں لگتی کہ ہم چاندوں کے  
چاندوں ایک آدمی کی تلاش میں ایک ہی طرف  
نکل کھڑے ہوں۔“

عنبر نے سوال کیا۔

”تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

ماریا نے جواب میں کہا۔

”ہمیں چاہیے کہ ہم میں سے دو آدمی ایک ملک  
کو اور دو آدمی کسی دوسرے ملک کی طرف روانہ  
ہو جائیں۔ اس طرح ہماری تلاش کا دائرہ وسیع ہو جائے



گا۔ ممکن ہے اگر ایک گروپ کو ناگ نہیں ملتا  
تو دوسرے گروپ کی ناگ سے ملاقات ہو  
جاتے۔

یہ تجویز عنبر کو پسند آئی اس نے تھیو سانگ سے مشورہ  
لیا تو اس نے بھی ہاں کر دی۔ اور کہا۔

”میرے خیال میں ہمیں دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جانا  
چاہیے۔ اور ہر پارٹی میں ایک عورت اور ایک  
مرد ہو۔“

عنبر ہنسنے لگا۔

”یہ تو ظاہر ہے کہ ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔“  
انہیں ماریا کے ہنسنے کی بھی آواز آئی۔ تھیو سانگ کہنے  
لگا۔

”شکر ہے ماریا کے ہنسنے کی بھی آواز آئی ہے۔“  
اس پر کیٹی اور عنبر ہنس پڑے۔ ماریا نے کہا۔  
”تھیو سانگ بھائی۔ میں تو تمہاری باتوں پر ہمیشہ  
ہنستی رہی ہوں۔“

اس پر تھیو سانگ نے ایک قہقہہ لگایا۔ اور کہنے لگا۔  
”شکر ہے کہ ہماری بہن کو ہماری کسی بات پر ہنسی  
تو آتی ہے۔“

کیٹی بولی۔

”اب طے کرو بھائیوں کہ ہم میں سے کون کس  
ملک کی طرف جائے گا۔“  
عنبر نے کہا۔

”پہلے یہ فیصلہ کریں کہ دوسرا ملک کون سا ہوگا  
جہاں ناگ کا کھوج لگایا جائے؟“

اس پر ماریا نے خیال ظاہر کیا کہ دوسرا ملک سنگاپور  
ہونا چاہیے۔ کیونکہ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں وہاں کا  
ماجہ سانپوں کا بیجاری ہے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ وہاں سے  
ناگ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔ عنبر بولا۔  
”مشکل یہ ہے کہ ناگ کا سر غائب ہے۔ ایسی حالت  
میں اسے کتنی قسم کی مشکلیں پیش آ سکتی ہیں۔“  
کیٹی کہنے لگی۔

”بہر حال ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ مجھے یقین  
ہے کہ ہم میں سے کوئی نہ کوئی گروہ اسے ضرور  
ڈھونڈھ لے گا۔“

تھیو سانگ نے کہا۔

”تو پھر یہ طے ہوتا ہے کہ میں اور کیٹی تو جزیرہ  
سنگاپور کی طرف جائیں گے اور ماریا اور عنبر ملک



توران کی طرف روانہ ہوں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم لوگ ناگ کے بل جانے پر کس مقام پر آکر نہیں گئے؟

ماریا نے کہا۔

”یہ کبھی طے نہیں ہوا بھائی۔ حالات ہمیں جدا کرتے ہیں۔ اور واقعات ہمیں ایک دوسرے سے دو بار ملا دیتے ہیں۔ ہمیں خدا کے بھروسے پر نکل پڑنا چاہیے۔ ناگ بل گیا تو ہم بھی کہیں نہ کہیں بل لیں گے۔“

عبر بولا۔

”ماریا ٹھیک کہتی ہے۔ لیکن یونہی ہمیں دل میں یہ خیال رکھ لینا چاہیے کہ جس پارٹی کو بھی ناگ مل گیا۔ وہ اسے لے کر ایک بار اس کا رواں سرائے میں ضرور آئے۔ ممکن ہے دوسری پارٹی یہاں پہلے سے موجود ہو۔“

سب نے اس تجویز کو مان لیا۔ اب دو پارٹیاں بن گئیں ایک پارٹی میں عبر اور ماریا تھے اور دوسری پارٹی میں تھیو سانگ اور کیٹی۔ ملک مصر سے قافلے چلا کرتے تھے۔ ایک دن ایک قافلہ ملک توران کی طرف روانہ ہوا تو ان میں عبر اور ماریا بھی شامل ہو کر سفر پر چل پڑے اور اب

کے چار روز بعد جب دوسرا قافلہ ملک سنگلاپ کے لیے چلنے لگا تو کیٹی اور تھیو سانگ اس میں شامل ہو گئے۔ پیادے ساتھیوں قدیم ترین زمانے میں آج کے زمانے کے ملک سری لنکا کو سنگلاپ کہا جاتا تھا۔ یہ اس ملک کے راجہ راون سے کوئی سات سو برس پہلے کے زمانے کی بات ہے۔

ان دونوں پارٹیوں کو ہم ان کے قافلوں میں چھوڑتے ہیں۔ اور اب ناگ کی طرف چلتے ہیں۔ ہم نے ناگ کو اس جگہ چھوڑا تھا۔ جب وہ ملک یونان کے ایک شہر مقدونیہ میں سکندر اور اسطو سے یہ وعدہ کر کے چلا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں یعنی عبر ماریا اور کیٹی سے ملاقات کرنے کے بعد ان کے پاس ایک بار ضرور آئے گا کہ سکندر کے محل کی خادمہ طبرانی کے ناگ کو انسان کی شکل اختیار کرتے دیکھ لیا اور پھر ایک منتر پھونک کر ناگ کو سانپ ہی کی شکل میں برف کی طرح سیخ کر کے ایک پٹاری میں ڈال کر قید کر دیا۔ سکندر کی یہ خادمہ ملک بابل کے ایک کاہن کی بیٹی تھی اور بڑے منتر جانتی تھی۔ مگر اس کے پاس ایسا کوئی جادو منتر نہیں تھا جس سے وہ ڈھیروں خزانے حاصل کر سکے۔ اسے یہ ضرور معلوم تھا کہ سانپ کو خزانوں کا علم ہوتا ہے۔ وہ کسی عام سانپ پر حکم نہیں چلا سکتی تھی۔ اسے کسی ایسے سانپ کی تلاش تھی جو انسان کی



شکل بھی اختیار کر لے تاکہ وہ اسے اپنے ظلم میں قید کر کے اس سے خزانے کا سراغ لگا سکے۔ اس خاموشی کا نام طبرانی تھا۔ اور اس کی سب سے بڑی ریخو اہش تھی کہ کسی طرح بے پناہ دولت حاصل کر کے ملک بابل میں ایک شاندار محل بنوا کر ملکہ بن کر ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرے۔ چنانچہ جب اس نے ناگ کو انسان سے سانپ بنتے دیکھا تو اس پر سکندر کے شاہی محل کے باغ میں سے گزرتے ہوئے منتر پھونکا اور اس کے جسم کو برف کی طرح سن کر کے اسے اپنی قید میں ڈال لیا۔ اب اسے سکندر کے محل کی نوکری کی ضرورت نہیں تھی۔ پس اس نے ایک ذات ناگ کی پیادہ کو اپنے گھوڑے پر باندھا اور اس پر سوار ہو کر مقدونیہ شہر کے دروازے سے نکل گھوڑا و ڈراتی یونان کے شہر ایتھنز کی طرف روانہ ہو گئی۔ کیونکہ ایتھنز ایک بندہ تھی۔ اور یہاں سے وہ جہاز میں سوار ہو کر ہر دروم کو عبور کر کے ملک فلسطین سے ہوتی ہوئی بابل اپنے وطن پہنچ سکتی تھی۔ اس نے اپنے کاہن باپ سے یہ بھی سن رکھا تھا کہ ملک بابل کے کھنڈروں میں کئی بادشاہوں کے خزانے دفن ہیں۔

طبرانی یونان سے اپنے وطن بابل تک کئی بار سفر کر

چکی تھی اس بار بھی وہ مقدونیہ سے ایتھنز اور پھر وہاں سے بذریعہ باد بانی جہاز سفر کرتی فلسطین کی بندرگاہ شبرون تک پہنچ گئی۔ وہاں سے وہ ایک قافلے میں شامل ہو گئی اور سات روز کے سفر کے بعد اپنے وطن بابل جا پہنچی۔

اپنے گھر پہنچنے کے بعد طبرانی کو پہلی بڑی خبر یہ ملی کہ اس کا باپ جو مندر کا کاہن تھا مر چکا ہے۔ طبرانی اب اکیلی رہ گئی تھی۔ لیکن ناگ اس کے قبضے میں تھا اور وہ اس کی مدد سے سب سے زیادہ دولت مند عورت بنتے والی تھی۔ طبرانی کے کاہن باپ کا ایک شاگرد کاہن بھی تھا۔ جس کا نام جاگر تھا۔ یہ ایک بڑا عیار، چالاک اور لالچی آدمی تھا۔ اپنے استاد اور طبرانی کے کاہن باپ کی موت کے بعد اس نے اس کی زمین پر قبضہ کر لیا تھا۔ طبرانی نے آکر اپنے باپ کی زمین واپس مانگی تو عیار کاہن جاگر نے صاف انکار کر دیا اور ایک جھوٹی دستاویز دکھادی جس پر اس نے طبرانی کے باپ کے چالاک سے دستخط کروا لیے تھے۔ اس دستاویز پر لکھا تھا کہ میری زمین کا حق دار میری موت کے بعد میرا شاگرد جاگر ہوگا۔

طبرانی سب سمجھتی تھی کہ جاگر دھوکہ کھ رہا ہے۔ مگر



اس نے پروا نہ کی۔ کیونکہ ناگ کی مدد سے وہ بے پناہ دولت حاصل کرنے والی تھی۔ اس نے ناگ کے بارے میں عیار جاگر کو کچھ نہ بتایا اور خاموشی سے اپنے گھر میں رہنے لگی۔ وہ کسی سے نہیں ملتی تھی۔ اس نے مشہور کر دیا کہ وہ گھر میں بند رہ کر دیوتاؤں کی عبادت میں باقی زندگی بسر کرتا چاہتی ہے۔ کاہن جاگر کے دل میں چونکہ چور تھا اور اس نے طبرانی کی زمین دھوکے سے ہتھیالی تھی۔ اس لیے اسے شک ہوا کہ کہیں طبرانی اس کے خلاف کوئی سازش نہ کر رہی ہو۔ چنانچہ ایک رات وہ اندھیرے میں کالی چادر لپیٹ کر طبرانی کے مکان کے پیچھے دیوار کے ساتھ آکر لگ گیا اور کان لگا کر اندر کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے پچے مکان کے روشن دان میں سے شمع کی دھیمی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ طبرانی اندر جاگ رہی ہے۔ مگر اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ عیار جاگر وہاں سے کھسکا ہوا۔ دوسری طرف آ گیا۔

دوسری طرف کمرے کی چھوٹی سی کھڑکی تھی جو بند تھی۔ اس کھڑکی کی درزوں میں سے بھی شمع کی دھیمی روشنی باہر آ رہی تھی۔ اس پاس گراں گراں سے پیر پھایا ہوا تھا۔

طبرانی کے مکان کے قریب ہی کھجوروں کا ایک جھنڈ تھا۔ اس جھنڈ میں تھوڑی سی تھوڑی دیدہ بد ایک آدمی کے بولنے کی ڈرافٹی آواز آ جاتی تھی۔ کاہن جاگر نے کھڑکی کے ساتھ کان لگا دیئے۔ اسے کچھ سنائی نہ دیا۔ اس نے ایک درز کو تلاش کر کے اس کے ساتھ اپنی ایک آنکھ لگا دی۔ اب اسے اندر کا تھوڑا سا منظر نظر آنے لگا۔ کیا دیکھتا ہے کہ کمرے میں ایک تخت پوش پر طبرانی سر جھکائے بیٹھی آہستہ آہستہ ہل رہی ہے۔ جاگر سمجھ گیا کہ وہ مذہبی منتر پڑھ کر دیوتاؤں کی عبادت کر رہی ہے۔ وہ مطمئن ہو کر وہاں سے ہٹنے ہی والا تھا کہ اچانک طبرانی تخت پوش پر سے اٹھ کر جاگر کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔

کاہن جاگر کے دل میں تشویش پیدا ہوئی کہ اس بیماری میں کیا ہے۔ طبرانی نے کچھ منتر پڑھ کر بیماری پر چھونکے اور پھر اس کا ڈھکنا کھول کر ناگ کو پکڑ کر باہر نکال لیا۔ کاہن جاگر نے ایک ایسے سیاہ سانپ کو دیکھا کہ جس کا سر غائب تھا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔



اس نے ایسا سانپ زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔  
اسے تجسس ہوا کہ یہ عورت طبرانی اس سانپ کو کہاں سے  
لائی ہے اور اس کو نکال کر آدھی رات کے وقت کیا کرنا  
چاہتی ہے؟ طبرانی کے سامنے تخت پوش پر ناگ ٹھنڈا  
سُن ہو کر پڑا تھا۔ اس کا جسم اس قدر میخ ہو گیا ہوا  
تھا کہ اپنی جگہ سے ذرا سی بھی حرکت نہیں کر سکتا  
تھا۔ طبرانی نے دو منتر پڑھ کر ناگ پر پھونکے۔ ناگ  
کے صرف اوپر والے دھڑ میں تھوڑی سی گرمائی آ  
گئی۔ وہ اپنے اوپر والے دھڑ کو ہلا سکتا تھا اور بول  
بھی سکتا تھا۔ اگرچہ ناگ کا سر غائب تھا مگر اس کے  
منہ اور آنکھوں کی شعاعیں گردن کے ساتھ ہی چپکی ہوئی  
تھیں۔ وہ دیکھ بھی سکتا تھا۔ بول بھی سکتا تھا اور اپنی  
زبان باہر نکال کر فضا کو سونگھ بھی سکتا تھا۔ یاد رکھو  
دوستو کہ سانپ ہمیشہ زبان باہر نکال کر فضا کو سونگھتا  
ہے۔

طبرانی سانپوں کی زبان نہیں جانتی تھی اس لیے ضروری  
تھا کہ ناگ سے بات کرنے کے لیے وہ اسے انسانی  
شکل میں لائے۔ طبرانی نے بابل کے مندروں کا ایک قدیم  
منتر پڑھ کر ناگ کے جسم پر پھونکا تو ناگ ایک دم انسانی

جسم میں آ گیا۔ مگر اس کا پنچا دھڑ اب بھی میخ ٹھنڈا اور  
سُن تھا اور سر غائب تھا۔ کاہن جاگر کھڑکی کے ساتھ لگا  
یہ ماجرا دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔ اس کے کبھی خواب و  
خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ طبرانی ایک سانپ کو انسان  
کا روپ بھی دے سکتی ہے یا ایک سانپ انسان بھی  
بن جاتا ہے۔ اس نے اتنا ضرور سُن رکھا تھا کہ ایک خاص  
سانپ جب ایک خاص مدت تک زندہ رہتا ہے تو پھر  
اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ انسان بھی  
بن جاتا ہے۔ وہ اس بات پر بھی بھونچکا ہو گیا تھا۔  
کہ اس انسان کا سر غائب تھا۔ وہ بھی آنکھ سے یہ سب  
کچھ دیکھنے لگا۔

انسانی جسم میں آتے ہی ناگ نے ارد گرد نگاہ ڈالی۔  
اس کا اوپر والا جسم کام کر سکتا تھا۔ پہلا خیال اس  
کے دل میں یہ آیا کہ وہ پرندہ بن کر یہاں سے اڑ جائے۔  
طبرانی بھی اس کے دل کا حال سمجھتی تھی کہ وہ پرندہ بن  
کر وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا یا کوئی دوسرا  
بن کر اس پر وار کرنے کی کوشش کرے گا۔ طبرانی تخت پوش  
سے اٹھ کر ناگ سے دس فٹ پیچھے کھڑی ہو گئی اور بولی۔  
”تم چاہے ہاتھی بن جاؤ چاہے شیر بن جاؤ اور چاہے



کوئی پرندہ بن جاؤ ایک بات یاد رکھو کہ تمہارا بچلا دھڑ میں نے سن کر دیا ہوا ہے اور تم اپنی جگہ سے ایک قدم بھی نہیں ہل سکو گے۔ اس لیے تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ جو میں بلچھوں اس کا جواب دو اور میرے ساتھ تعاون کرو۔“

ناگ بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا بچلا دھڑ بالکل کام نہیں کر رہا اور یہ معلوم کرنا چاہیے کہ یہ عورت کون ہے اور اسے یہاں کس غرض کے لیے لائی ہے۔ اس نے بلچھا۔

”تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتی ہو؟“

طبرانی نے کہا۔

”تم ناگ دیتا ہو۔ سانپوں کے بادشاہ ہو۔ تمہیں

ضرور معلوم ہو گا کہ اس ملک میں قدیم بادشاہوں

کے خزانے کہاں کہاں دفن ہیں۔ مجھے وہ

سارے کے سارے خزانے چاہیے۔ اگر تم مجھے

یہ خزانے لا کر دے دو۔ تو میں تمہیں طلسم سے

آزاد کر دوں گی۔ ورنہ قیامت تک اسی طرح رہو

گے۔“

ناگ نے کہا۔

”اگر تم صرف یہی چاہتی ہو تو میں تمہاری خواہش پوری کرنے کو تیار ہوں۔“

طبرانی بہت خوش ہوئی۔ جلدی سے بولی۔

”تو پھر بتاؤ ملک بابل میں زمین کے اندر کہاں کہاں

خزانے دفن ہیں؟“

ناگ بولا۔

”اس کے لیے مجھے اس علاقے میں رہنے والے خاص سانپ

کو بلانا پڑے گا جو خزانے کا سانپ کہلاتا ہے۔ صرف وہی میرے

حکم پر مجھے بتا سکتا ہے کہ یہاں کہاں کہاں خزانہ دفن ہے۔“

طبرانی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی۔

”کیا تم اس وقت خزانے کے سانپ کو بلا سکتے

ہو؟“

”کیوں نہیں۔ میں ابھی بلاتا ہوں اُسے۔“

اتنا کہہ کر ناگ نے اپنے منہ سے ایک خاص قسم کی

سانپ کی سیٹی کی سی آواز نکالی۔ کھڑکی کے ساتھ لگا عیار

کاہن جاگرا۔ یہ سب کچھ حیرت میں ڈوبا تک رہا تھا۔ ناگ نے

تین بار سیٹی کی آواز نکالی۔ تھوڑی دیر بعد کاہن جاگرا کو

اندھیرے میں کسی سانپ کی پھسکار کی آواز سنائی دی۔ یہ

آواز ڈور کھجوروں کے جھنڈ کی طرف سے آئی تھی۔ کاہن

جاگرا جلدی سے ایک طرف مہٹ گیا کہ کہیں خزانے کا سانپ



اسے دس نہ لے۔

وہ ایک جگہ ٹوٹی دیوار کے پیچھے چھپ کر آنکھیں پوری کھول کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ خزانے کا سانپ اگر سفید نہ ہوتا تو شاید کاہن جاگر کو اس گھپ اندھیرے میں کبھی نظر نہ آتا۔ اس سانپ کے سر پر چھوٹا سا تاج بنا ہوا تھا۔ اور وہ کھجوروں کے جھنڈ کی طرف سے ریت پر تیزی سے رینگتا طبرانی کے مکان کے دروازے کی طرف آ رہا تھا۔ طبرانی نے ناگ کے کہنے پر دروازے کا ایک پیٹ کھول دیا تھا۔ خزانے کا سفید سانپ ایک پھنکار مار کر دروازے میں داخل ہو گیا۔ طبرانی نے دروازہ بند کر دیا۔

کاہن جاگر بیک کر دوبارہ کھڑکی کے پاس گیا اور اپنی ایک آنکھ کھڑکی کی درز کے ساتھ لگا دی اور اندر کا منظر دیکھنے لگا۔ کمرے کا منظر یہ تھا کہ ناگ انسانی جسم میں سخت پوش پر بیٹھا تھا۔ اس کا سر غائب تھا۔ دس فٹ کے فاصلے پر طبرانی کھڑی تھی۔ ناگ کے سامنے فرش پر خزانے کا سفید سانپ سر جھکا کے کتلی مارے ادب سے بیٹھا تھا۔ وہ ناگ سے بات کر رہا تھا۔ کاہن جاگر کو ہلکی ہلکی سسکار اور سیٹی کی آوازیں ہی سنائی دے رہی تھیں۔ طبرانی بھی سانپوں کی زبان نہیں سمجھ رہی تھی۔

خزانے کے سفید سانپ نے ناگ دیوتا کو آتے ہی ادب سے سلام کیا اور حیران ہو کر پوچھا کہ عظیم ناگ دیوتا آپ کا سر کیوں غائب ہے؟ ناگ نے کہا۔

”یہ ایک راز ہے جو صرف میں جانتا ہوں۔ اس وقت میں نے تمیں ایک خاص کام کے لیے بلایا ہے۔“

سفید سانپ ادب سے بولا۔

”میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں عظیم دیوتا آپ حکم کریں۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

ناگ نے کہا۔

”یہ بتاؤ کہ اس ملک کی سر زمین میں کس کس بادشاہ کے خزانے کہاں کہاں دفن ہیں؟“

سفید سانپ نے ادب سے سر جھکایا اور بولا۔

”عظیم ناگ دیوتا! مجھے اس زمین کے اندر کے چھپے

چھپے کا حال معلوم ہے۔ میں یہاں پچاس سال سے

رہ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اس ملک میں ہزاروں

میلوں تک زمین کے اندر کسی بھی بادشاہ کا کوئی خزانہ

دفن نہیں ہے۔“

ناگ تھوڑی دیر کے لیے پریشان ہو گیا۔ کیونکہ خزانے

کا پتہ بتا کہیں ناگ اس ظالم عورت طبرانی سے چھٹکارا حاصل کر



سکتا تھا۔ اس نے سفید سانپ کو کہا کہ وہ ایک بار پھر سوچ کر بتائے۔ شاید زمین کے اندر کسی جگہ کوئی خزانہ دفن ہو

سفید سانپ نے تعظیم بجا لاتے ہوئے عرض کی۔

”عظیم ناگ دیوتا! آپ تو خوب اچھی طرح سے

جانتے ہیں کہ ہم سانپ کبھی بھوٹ نہیں بولا

کرتے۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں پیدا

ہی خزانے کی حفاظت کرنے کے لیے ہوا ہوں

لیکن جب سے پیدا ہوا ہوں میں نے یہاں کبھی

کوئی خزانہ نہیں دیکھا۔ میں خود خزانے کی تلاش

میں ہزاروں میل تک زمین کے اندر گیا ہوں مگر

سوائے ریت اور پتھروں کے اس زمین کے نیچے

سنگڑوں فٹ تک کچھ بھی نہیں ہے۔ یہاں

کے بادشاہوں کے خزانے ہمیشہ دوسرے ملکوں

کے بادشاہ لوٹ کر اپنے ساتھ لے جاتے رہے ہیں۔“

ناگ خاموش ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سفید سانپ

بھوٹ نہیں بول رہا۔ اس نے آخری بار کہا۔

”کیا یہاں کوئی بھی خزانہ نہیں ہے؟“

سفید سانپ ایک پل کے لیے خاموش رہ کر بولا۔

”عظیم ناگ! اس زمین پر اس وقت صرف ایک

ہی خزانہ ہے۔ جو اس بادشاہ کی ملکیت ہے جو

اس ملک بابل پر اس وقت حکومت کر رہا ہے

یہ خزانہ شاہی محل کے ایک خفیہ تہ خانے

میں ہے۔ لیکن چونکہ اس خزانے کی حفاظت

بادشاہ کے سپاہی پوتیس گھنٹہ کرتے ہیں اس

لیے میں کبھی وہاں حفاظت کرنے نہیں گیا۔

ہم تو ویران اور گمنام خزانوں کی حفاظت کرتے

ہیں۔“

ناگ نے سوچا کہ اس لالچی عورت طہراتی کو بادشاہ کے

خزانے کا ہی لالچ دے کر اس سے چھٹکارا

حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس نے سفید سانپ

سے کہا۔

”کیا تم بادشاہ کے خزانے میں جا کر وہاں سے

وہ خزانہ یہاں لا سکتے ہو؟“

سفید سانپ بولا۔

”عظیم ناگ دیوتا نے ہمیں ایسا حکم پہلے کبھی

نہیں دیا۔“

ناگ کچھ جھجھکا کر بولا۔

”میں جو پوچھ رہا ہوں۔ اس کا جواب دو۔“

سفید سانپ نے ادب سے سر جھٹک دیا اور بولا

”میں آپ کے حکم پر زمین کے اندر ہی اندر



سینہ لگا کر اپنے ساتھی سانیوں کی مدد سے بادشاہ کا سارا خزانہ وہاں سے لے سکتا ہوں۔ عظیم دیوتا!“

ناگ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اسے کہا۔  
”اب تم جا سکتے ہو۔ جس وقت دوبارہ بلاؤں تو آ جاتا۔“

”جو حکم عظیم ناگ!“

سفید سانپ دروازے کی طرف مڑا۔ طبرانی دیر سے سانیوں کی سٹیوں کی آوازیں سن رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ ناگ اور سفید سانپ آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔ اس لیے خاموش رہی۔ باہر اندھیرے میں کھڑکی کے ساتھ لگا کھڑا کاہن جاگ رہا بھی صبر سے یہ آوازیں سن رہا۔ وہ یہ معلوم کرنے کو بے تاب تھا کہ سفید سانپ نے ناگ کو کیا کہا ہے۔ جب سفید سانپ واپس چلا گیا تو کاہن جاگ رہا دوبارہ اپنی آنکھ کھڑکی کی درز کے ساتھ لگا دی۔ طبرانی ناگ سے پوچھ رہی تھی کہ سفید سانپ سے اس کی کیا بات ہوئی ہے؟

## ناگ پٹاری سے نکل آیا

ناگ نے سادی بات کھول کر بیان کر دی۔

یہ بات کاہن جاگ رہے بھی سن لی۔ اس سے بھی بیتہ چل گیا۔ کہ سفید سانپ نے کہہ دیا ہے کہ اس سادے ملک میں سوائے زندہ بادشاہ کے شاہی محل والے خزانے کے دوسرا کوئی خزانہ زمین کے اندر نہیں ہے۔ اب وہ یہ جانتا چاہتا تھا کہ طبرانی کیا کہتی ہے۔ سادی گفتگو سننے کے بعد طبرانی سٹ پٹا سی گئی۔ اس نے ناگ کی طرف برہم ہو کر دیکھا اور کہا۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ کہے ہو سکتا ہے کہ ہے کہ ملک بابل کی زمین کے نیچے کوئی خزانہ نہ ہو۔ یہاں کئی بادشاہ آئے اور گزر گئے ہیں۔“  
ناگ نے کہا۔

”یہی بات مجھے خزانے کے سانپ نے بتائی کہ جو بادشاہ بھی یہاں آیا۔ وہ پہلے والے



بادشاہ کا خزانہ لوٹ کر چلا گیا۔ صرف یہی ایک  
بادشاہ ہے کہ جو اتنی دیر سے یہاں حکومت کر  
رہا ہے اور صرف اسی کا شاہی محل والا خزانہ  
تمہ خانے میں ہے۔ اس خزانے کے سوا یہاں  
ہزاروں کوکس تک کوئی خزانہ نہیں ہے۔ اگر  
تم کو تو تمہارے لیے میں سفید سانپ کو حکم  
دے کر بادشاہ کا خزانہ منگوا سکتا ہوں۔  
طبرانی ادھر ادھر بے چینی سے ٹھہلنے لگی۔ پھر ناگ کی  
طرف دیکھ کر بولی۔

”اگر بادشاہ کا خزانہ یہاں میرے گھر میں  
لایا گیا تو بادشاہ کے سپاہی بہت جلد مجھے  
پکڑ لیں گے۔ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“  
ناگ کسی طرح اس عورت کے ظلم سے نجات  
محاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔

”تم جہاں چاہو گی اسی جگہ میرے خدمتگار سانپ  
بادشاہ کا سارے کا سارا خزانہ تمہیں پہنچا دیں  
گے۔ تم اس ملک کی سرحدوں سے دور کسی پرانے  
کھنڈر میں چلی چلو۔ میرے سانپ بادشاہ کا سارے  
کا سارا خزانہ تمہیں پہنچا دیں گے۔“

یہ ترکیب طبرانی کو پسند آئی۔ اسے بادشاہ کے سپاہیوں  
سے خوف بھی آ رہا تھا۔ مگر سر پر دولت مند بننے کا  
بھوت بھی سوار تھا۔ اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔  
”کیا تم کسی ایسے ویران کھنڈر یا قلعے سے  
واقف ہو جو بابل کی سرحدوں سے دور کسی  
ریگستان میں واقع ہو؟“  
ناگ بولا۔

”کیوں نہیں! آخر میں بھی ایک سانپ ہوں۔  
یہ سارا علاقہ میرا دیکھا بھالا ہے۔ ملک بابل  
کے جنوب میں سرحدوں کے پار ایک چٹانی ویرانہ  
ہے۔ اس ویرانے میں سوائے خطرناک نوکیلی چٹانوں  
کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اس چٹانی علاقے میں ایک  
بگڑا ایک قد رتی چشمہ پتھروں میں بہتا ہے۔ اس چشمے  
کے کنارے کسی زمانے میں ایک ملک کا مقبرہ ہوا کرتا  
تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ کسی بادشاہ کی ملک تھی جو اپنے  
شاہی قافلے میں ادھر سے گزر رہی تھی کہ چٹان



یہ سے پاؤں پھسل جانے سے گر پڑی اور مر گئی۔  
بادشاہ نے اسی جگہ اپنی ملکہ کا ایک شاندار مقبرہ بنا  
دیا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ مقبرہ  
ویران ہوتے ہوتے ایک کھنڈ بن گیا۔ کیونکہ ادھر  
کبھی کوئی نہیں آتا تھا۔ اگر تم چاہو تو اس مقبرے میں  
جا کر چھپ سکتی ہو۔ وہاں قبر کے پاس پتھروں  
میں کچھ تہہ خلعے ہیں۔ وہاں تمہیں کوئی نہیں دیکھ  
سکے گا۔ جب بادشاہ کا پورا خزانہ تمہارے پاس  
پہنچ جائے تو تم وہاں سے کسی دوسرے ملک میں  
چل جانا اور عیش و آرام کی زندگی بسر کرنا۔  
طبرانی کی آنکھوں میں لاپسی کی ٹپک آگئی۔ بولی۔

”مجھے وہاں کتنی دیر تک چھپے رہنا ہوگا میرا مطلب  
یہ ہے کہ تمہارے سانپ بادشاہ کا پورا خزانہ  
کتنے دنوں میں وہاں لے آئیں گے۔ بادشاہ کے  
خزانے میں تو سونے کی اینٹیں بھی ہیں۔ اور راستہ  
بھی طویل ہوگا۔“

ناگ نے کہا۔

”اسکی تم فکر مت کرو۔ یہ کام اس علاقے کے سارے سانپ مل کر  
کریں گے اور سارے کا سارا کام زمین کے اندر ہی

اندر سے ہوگا۔ زمین کے اندر ہی سی شاہی خزانے  
کے تہہ خانے میں سانپ سرنگ کھودیں گے اور  
پھر راتوں رات سارے کا سارا خزانہ وہاں سے  
نکل کر ایک خاص جگہ زمین کے اندر جمع کر دیں  
گے۔ پھر وہاں سے خزانہ ہمارے پاس ملکہ کے  
مقبرے میں پہنچا دیں گے۔ میرے اندازے کے  
مطابق اس کام میں زیادہ سے زیادہ چارہ پانچ  
دن لگ جائیں گے کیونکہ بادشاہ کے محل سے  
ملکہ کے مقبرے تک کا فاصلہ کافی لمبا ہے۔ خزانہ  
تو میرے سانپ ایک ہی رات میں نکال کر زمین  
کے اندر اپنے خفیہ ٹھکانے پر لے جائیں گے۔“  
طبرانی بولی۔

”ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔ تم اپنے سفید  
سانپ کو لے کر میرے ساتھ چٹانی ویرانے میں  
ملکہ کے مقبرے میں چلو۔ تاکہ وہ جگہ دیکھ لے۔  
جہاں اسے خزانہ پہنچانا ہے۔ اس کے بعد میں اور  
تم وہیں مقبرے میں رہیں گے۔ جب تک کہ بادشاہ  
کا پورا خزانہ وہاں نہیں آ جاتا۔“  
ناگ نے کہا۔



”سفید سانپ اس سارے علاقے سے واقف ہے  
اسے ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں۔ میں اسے  
یہیں اطلاع کر دوں گا کہ خزانہ ملکہ کے مقبرے  
کے تہہ خانے میں پہنچا دے اور خزانہ وہاں  
پہنچ جائے گا۔ ہاں تم میرے ساتھ بے شک وہاں  
چلی جاؤ۔“

طبرانی کو یہ منصوبہ پسند آیا۔ اس نے کہا۔  
”دیہت خوب۔ اب تم دوبارہ سانپ بن کر  
پٹاری میں بند ہو جاؤ۔ صبح منہ اندھیرے سفید  
سانپ کو بلا کر سب کچھ بتا دینا۔ اس کے بعد میں  
چار گھوڑوں کا بندوبست کروں گی۔ ایک گھوڑے  
پر ان جانوروں کی چھ دن کی خوراک رکھوں گی کیونکہ  
جیسا کہ تم کہتے ہو ملکہ کے مقبرے کے آس پاس  
گھوڑوں کے لیے سوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔  
مجھے اپنے اور تمہارے لیے بھی کچھ خشک گوشت  
اور روٹی ساتھ لے جانی ہوگی۔“

ناگ نے کہا۔

”تم اپنی فکر کرو۔ میں بغیر کھائے پیئے بھی زندہ  
رہ سکتا ہوں۔“

طبرانی نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اب تم دوبارہ سانپ بن جاؤ۔“  
ناگ فوراً سیاہ سانپ کی شکل میں آگیا۔ طبرانی نے اسے  
اٹھا کر پٹاری میں رکھا اس پر ڈھکنا دیا اور اٹھا کر صندوق  
کی طرف گئی۔ اب کاہن جاگر کھڑکی پر سے ہٹا۔ اور اندھیرے  
میں تیز تیز چلتا غائب ہو گیا۔

بابل شہر کے ایک مندر میں کاہن جاگر کا چھوٹا سا مکان  
تھا۔ اپنے مکان میں جاتے ہی جاگر کاہن اپنے بستر پر  
بیٹھ گیا۔ اسے ایک عجیب سی بے چینی لگی تھی۔ پہلے تو اسے  
خیال آیا کہ خزانے پر ڈاکہ ڈالنے کے منصوبے کو  
بے نقاب کر دے اور بادشاہ کو جا کر ساری بات بتا  
دے۔ کہ طبرانی نے شاہی خزانے کو چرانے کا منصوبہ تیار  
کیا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ اس سے اسے کیا حاصل  
ہوگا؟ بادشاہ اسے زیادہ سے زیادہ تھوڑا بہت انعام  
دے دے گا۔ کاہن جاگر اٹھ کر اچانک ٹپٹنے لگا۔ اس  
کے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ وہ خود اس سارے  
خزانے پر قبضہ کر کے کسی دوسرے ملک میں جا کر عیش کی  
زندگی بسر کرے۔ یہاں تو وہ ساری عمر ایک چھوٹے سے مندر  
کا کاہن بچا رہی ہی رہے گا۔ اور اس معمولی سے مکان میں



ہی بوڑھا ہو کر مر جائے گا۔

کاہن جاگہ بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کا ذہن بڑھی تیری سے اپنا انگ منصوبہ تیار کرنے لگا تھا۔ جب سانب بادشاہ کا سارا خزانہ ملک کے مقبرے کے تہ خانے میں پہنچا دیں اور طبرانی ناگ کو آزاد کرنے کے بعد گھوڑوں پر خزانہ لاد کر کسی دوسرے ملک کی طرف روانہ ہو تو وہ راتے میں رات کے اندھیرے میں اسے قتل کر کے خزانہ پر قبضہ کر لے۔ اور گھوڑوں پر لدا ہوا خزانہ لے کر ملک ایران یا ملک یونان میں جا کر ایک شاندار محل بنوائے تو کر چاکر رکھے اور بادشاہوں کی سی زندگی بسر کرے۔ اس زمانے میں کوئی کسی سے نہیں بد چھتا تھا کہ اتنی دولت کہاں سے آئی ہے اور پھر جب کوئی شخص کسی دوسرے ملک کے بادشاہ کے پاس جا کر تحفے میں زر و جواہرات پیش کر دیتا تھا۔ تو اسے خوشی سے وہاں رہنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ کاہن جاگہ نے یہی منصوبہ بنایا۔ بستر پر لیٹ گیا۔

مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ انسان جب کسی ناجائز طریقے سے دولت حاصل کرنے کا منصوبہ تیار کرتا ہے۔ یا اس کے پاس ناجائز طریقے سے حرام کی دولت

آجاتی ہے تو سب سے پہلے وہ سکھ کی نیند سے محروم ہو جاتا ہے جو زندہ رہنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہی کاہن جاگہ کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اس کی نیند غائب ہو گئی تھی۔ مگر اس وقت تو دولت نے اس کی آنکھوں پر بیٹی باندھ رکھی تھی۔ اسے سوائے دولت اور عیش و آرام کی زندگی کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایک بار اس کے پاس بے پناہ دولت آگئی تو پھر وہ بڑے سکون کی نیند سو کے گا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ جب ایک بار حرام کی کماٹی ہوئی دولت انسان کے پاس آجاتی ہے تو پھر اسے کبھی سکھ کی نیند نہیں آتی۔

لیکن کاہن جاگہ کا دماغ سیدھے راتے سے جھٹک گیا تھا۔ جس طرح کہ طبرانی کا ذہن جھٹک کر گناہوں کی طرف چلا گیا تھا۔ دونوں غلط راستوں پر جاتے ہوئے موت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کاہن جاگہ کو یقین تھا کہ ناگ دیوتا ہے اور اس کے سانب بادشاہ کا خزانہ اڑا لائیں گے۔ پہنا پنچہ اس کے فیصلہ کیا کہ وہ صبح اٹھ کر اعلان کر دے گا کہ وہ بڑے مندر کی یا ترائے کے لیے ملک ہندوستان جا رہا ہے اور ایک سال بعد واپس آئے گا۔ اس کے بعد وہ گھوڑے پر سوار



ہو کر خاموشی سے پٹیل چٹائی علاقے کی طرف نکل جائے گا۔  
اور ملکہ کے مقبرے کے قریب ہی کسی چٹان کی فاد میں  
چھپ کر بادشاہ کے خزانے کے وہاں پہنچنے کا انتظار کرے  
گا۔

دوسری طرف طبرانی کو بھی رات بھر نیند نہ آئی۔ منہ اندر  
اُس نے اٹھ کر ناگ کو پٹادی میں سے نکال کر  
تخت کے پاس قالین پر ڈال دیا ناگ کے ساتھ معاملہ  
چونکہ طے ہو چکا تھا۔ اس لیے طبرانی کو منتر پھونک کر  
اسے انسانی شکل میں لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ناگ خود  
ہی انسانی شکل میں آ گیا۔ کیونکہ اس کا اوپر والا دھڑ  
طبرانی نے اپنے منتر سے زندہ کر رکھا تھا طبرانی نے ناگ  
سے کہا کہ وہ خزانے کے سفید سانپ کو بلا کر سب  
ضروری بات سمجھائے۔ ناگ نے اسی وقت خاص آواز  
نکال کر سفید سانپ کو حاضر کیا۔ اور کہا کہ اسے بادشاہ کا  
خزانہ لے کر بابل کی سرحد سے دور پٹیل چٹانوں والی  
وادی میں ملکہ کے مقبرے میں لانا ہوگا۔

سفید سانپ نے فوراً حامی بھر لی اور کہا۔

”عظیم ناگ دیوتا! ملکہ کے مقبرے سے میں  
واقف ہوں۔ بادشاہ کا خزانہ میں اپنے سانپوں

کی مدد سے ایک ہی رات میں نکال کر اپنے  
خفیہ غارتگ لے جاؤں گا۔ لیکن ملکہ کا مقبرہ کافی  
دور ہے۔ وہاں تک خزانہ لاتے لاتے میرے  
سانپوں کو چار دن لگ جائیں گے۔“

ناگ نے یہ بات انسانی زبان میں طبرانی کو بتا دی۔ طبرانی  
نے کہا۔

”اسے کہہ دو کہ مجھے منظور ہے۔ ہم چار دن تک  
ملکہ کے مقبرے میں ہی رہیں گے۔“  
ناگ نے سفید سانپ سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں چار دن تک ملکہ کے مقبرے میں  
ہی رہوں گا۔ تم آج رات سے یہ کام شروع کر  
دو۔ میں ملکہ کے مقبرے کی سمت روانہ ہو رہا  
ہوں۔“

”جو حکم میرے دیوتا! اب میں جاتا ہوں۔ مجھے اس  
علاقے کے سارے سانپوں کو بلا کر انہیں اس  
مہم کے لیے تیار کرنا ہوگا۔ خزانے تک زمین کے  
اندر راستہ پھیلے ہی سے بنا ہوا ہے۔“

ناگ نے سفید سانپ کو جانے کی اجازت دے دی اور  
طبرانی کو خبر کر دی کہ آج رات سے سفید سانپ بادشاہ کا



ہی سے ملکہ کے مقبرے کا جائزہ لے چکا تھا۔  
طبرانی نے ملکہ کے مقبرے میں پہنچتے ہی وہاں کے  
خفیہ تہہ خانوں کو دیکھا۔ یہ ایک اُجڑا ہوا گھنڈر بنا ہوا  
مقبرہ تھا ملکہ کی قبر نیلے پتھروں کی تھی جو جگہ جگہ سے  
اکھڑے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے گھوڑے مقبرے کے  
ایک بڑے غار میں باندھے اور ان کے آگے چادر ڈال  
دیا۔ پھر انہیں کھول دیا تاکہ وہ قریب ہی بسنے والے چٹے  
پر جا کر پانی پی لیں۔ وہاں سبزہ دیکھ کر بھی طبرانی کو تسلی  
ہوئی کہ اگر دو ایک دن زیادہ بھی لگ گئے تو گھوڑے  
بھوکے نہیں مر سکتے۔ پھل دار درختوں کو بھی دیکھ کر  
طبرانی کو خوشی ہوئی۔

رات کا امدھیرا پھیلا تو طبرانی نے مقبرے کے اندر بنی  
ہوئی کوٹھڑی میں چیراغ روشن کیا اور ناگ کو التانی شکل  
میں لے آئی۔ ناگ نے کوٹھڑی میں ایک نگاہ ڈالی اور بولا۔  
”کل صبح سے بادشاہ کا خزانہ یہاں آنا شروع  
ہو جائے گا۔ کیا تم نے خزانہ رکھنے کے لیے  
کوئی تہہ خانہ بچن لیا طبرانی؟“

”ہاں“ طبرانی نے کہا۔ ”اس کوٹھڑی کے نیچے ایک  
تہہ خانہ ہے۔ جس کا زمینہ اس کوٹھڑی کے باہر

خزانہ نکال کر اپنی خفیہ جگہ پر لے جائے گا۔ طبرانی تو بہت  
خوش ہوئی۔ اس نے ناگ کو دوبارہ سانپ بن جانے کو  
کہا اور اسے پٹاری میں بند کر کے خود گھوڑوں کا بندوبست  
کرنے شہر چلی گئی۔ دوپہر تک اس نے سات گھوڑے  
خسرید لیے۔ دو گھوڑوں پر وہ ان جانوروں کے لیے چارہ  
لا دیا۔ اپنے لیے خشک مچھلی کا ڈھیر سارا گوشت اور خشک روٹیاں  
ایک صندوق میں رکھیں۔ ناگ کی پٹاری اپنے گھوڑے کے  
اوپر باندھی اور خود بھی گھوڑے پر سوار ہو کر بابل کی سرحد  
کی جانب روانہ ہو گئی۔

دوسری طرف کاہن جاگر پہلے ہی بابل کی سرحد کی  
طرف روانہ ہو چکا تھا۔ اس نے بھی اپنے پاس خوداک  
رکھ لی تھی۔ اس کے علاوہ ایک زہر میں بچھا ہوا خنجر ایک  
تلوار اور ترکمان بھی رکھ لیے تھے۔ طبرانی شام کے وقت  
بابل کی سرحد عبور کر کے نوکیلی پٹانوں کی وادی میں ملکہ  
کے مقبرے پر پہنچی جبکہ کاہن جاگر اس سے پہلے ہی  
وادی میں پہنچ کر ملکہ کے مقبرے کے قریب ایک  
چٹان کے غار میں ڈیرا جما چکا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جہاں  
پانی کا چشمہ بہتا تھا۔ وہاں ٹوہلان پر کچھ گھاس اور  
پھل دار درخت بھی آگے ہوئے تھے۔ کاہن جاگر پہلے



والی دیوار کے ساتھ بنا ہے۔ میں خزانہ وہاں رکھوں گی۔

”ٹھیک ہے۔ ناگ بولا۔ لیکن تمہیں اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا۔ اور خزانہ ملے ہی مجھے یہاں اپنے طلسم سے آزاد کر دینا ہوگا۔“  
طبرانی نے کہا۔

”میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گی۔ جو نہی سارا خزانہ میرے پاس آگیا۔ میں تمہیں طلسم سے آزاد کر دوں گی۔ اب تم سانپ بن کر اپنی پٹاری میں بند ہو کر آرام کرو۔“

ناگ طبرانی کا حکم ماننے پر مجبور تھا۔ کیونکہ اس کا پچلا دھڑ بالکل کام نہیں کر رہا تھا۔ اس نے سانپ کی شکل اختیار کی اور پٹاری میں چلا گیا۔ اور عنبر ماریا اور کیٹی تھوڑے کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ اس کے بغیر کتنے بے چین اور پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اب ناگ کو افسوس ہوا کہ وہ کیوں ان سے خواہ مخواہ ناراض ہو کر چلا آیا۔ جہاں اپنے بہن بھائیوں سے یہ نہی جھوٹی مٹی بات پر کبھی ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیشہ آپس میں پیار و محبت سے رہنا چاہیے۔ اب ادھر کی سیتے کہ جس رات سفید ناگ کو اپنے

سانپ ساتھیوں کو لے کر بادشاہ کے خزانے میں خفیہ راستے سے داخل ہونا تھا۔ اس رات بادشاہ کو ملک دوم کے بادشاہ کی طرف سے ایک شاندار قیمتی موتیوں کے ہار کا تحفہ موصول ہوا۔ بادشاہ نے اپنے خاص محافظ کو ہار دے کر کہا کہ وہ اسے خزانے میں جا کر خود رکھ آئے۔ بادشاہ ہر کسی پر اعتبار نہیں کیا کرتے تھے۔ بادشاہ کا محافظ ایک سنگدل حبشی جلا تھا۔ جو ہر وقت تنگی تلوار لیے بادشاہ کے پیچھے کھڑا رہتا تھا۔

حبشی محافظ قیمتی ہار لے کر رات کے وقت شاہی خزانے والے تہ خانے میں داخل ہوا اور اس نے قیمتی ہار خزانے کے دوسرے قیمتی ہاروں اور جواہرات کے صندوق کے پاس ایک سونے کی طشتری میں رکھ دیا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو اسے کھڑ بڑ کی آواز آئی۔ حبشی محافظ نے تلوار سیدھی کمری اور خود سے دیکھا کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔ شاہی خزانے والے تہ خانے میں شمع دان میں شمع روشن تھی۔ اسے وہاں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ حبشی جانے لگا تو پھر کھڑ بڑ ہوئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اسے کونے والی دیوار کے ساتھ لگا کر رکھے چمڑے کے منکوں کے پیچھے سے آواز



آتی محسوس ہوئی۔ یہ ہلکے نایاب جواہرات اور ہیروں سے بھرے ہوئے تھے۔ حبشی محافظ ایک طرف بھاگ گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ تھوڑی ہی دیر بعد ایک سفید سانپ رنگتا ہوا مکھوں کے پیچھے سے باہر نکلا۔ اس کے پیچھے دو سیاہ سانپ بھی تھے۔ حبشی محافظ نے ہلکے جھپکنے میں تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ تینوں سانپوں کے ٹکڑے کر کے رکھ دیئے۔ اتنے میں ہلکے کے پیچھے دو اور سیاہ سانپ نکل آئے۔ حبشی محافظ نے ان کو بھی مار ڈالا۔ اب ایسا ہوا کہ حبشی محافظ مکھ کی ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی کوئی سانپ سر نکالتا وہ تلوار کا وار کر کے اسے دو ٹکڑے کر دیتا۔ حبشی سمجھ گیا کہ پیچھے سانپ کا کوئی بل ہے جس میں سے یہ سانپ چلے آ رہے ہیں پھر اس نے ہلکے کو ایک طرف ہٹا دیا۔

اس کا اغاڑہ بالکل درست نکلا۔ ہلکے کے پیچھے ایک کافی گہرا گول سوراخ دیوار میں بنا ہوا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اندر سے پھٹکارنے کی آواز آئی اور دو سانپ باہر نکل آئے۔ حبشی نے تلوار سے ان کے بھی ٹکڑے کر دیئے یوں سفید سانپ اپنے ساتھ جتنے سانپ خزانہ لوٹ کر

لے جانے کے لیے لایا تھا۔ حبشی محافظ نے ان تمام سانپوں کو مار ڈالا اور جب کافی دیر تک سوراخ میں سے کوئی سانپ باہر نہ نکلا تو اس نے پتھروں سے سوراخ کو کوٹ کر کوٹ کر بھر دیا۔ اور خود بادشاہ سلامت کو جا کر سارا احوال سنایا۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا۔ اس نے فوراً وزیر کو طلب کیا۔ وزیر نے نجومی کو بلایا۔ نجومی نے حساب لگا کر بتایا کہ یہ سانپ بادشاہ کا شاہی خزانہ چرانے آئے تھے۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا کہ اس کے حبشی محافظ کی وجہ سے خزانہ بچ گیا۔ اس نے محافظ کو بے پناہ انعام و اکرام دیا۔ اور حکم دیا کہ جس سوراخ میں سے سانپ نکلے تھے اس میں دُور تک انگارے بھر دیئے جائیں اور پھر کھولتا ہوا سیہ ڈال کر بل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے۔ صبح ہوئے تک اس حکم پر عمل ہو گیا اور شاہی خزانے کو جانے والے زمین دوز راستے میں پگھلا ہوا سیہ ڈال کر اسے بند کر دیا گیا۔

اُدھر طبرانی بڑی بے تابی سے خزانے کی پہلی کھوپ کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ ناگ نے اسے بتایا تھا کہ دن چڑھتے ہی کچھ سانپ قیمتی جواہرات والے ہاروں کی پہلی کھوپ لے کر وہاں پہنچ جائیں گے۔ دوسری



طرف کا بن جا کر بھی خزانے کے پہنچنے کا انتہاء کر رہا تھا۔ جب سارا دن گزر گیا اور کوئی سانپ خزانے کے قیمتی ہارے نہ آیا تو طبرانی کو تشویش ہوئی۔ اس نے فوراً ناگ کو انسانی شکل میں آنے کا حکم دیا اور اس سے پوچھا کہ ابھی تک اس کے سانپ کیوں نہیں آئے؟ ناگ نے جب یہ سنا تو اسے بھی فکر لگی کہ ایسا ہر نہیں جانتے تھا۔ اس نے طبرانی سے کہا۔

”اس کی اب ایک ہی صورت ہے کہ میں اس علاقے کے کسی سانپ کو بلا کر اس کو ملک بابل کی طرف روانہ کروں کہ وہ پتہ کر کے لائے کہ وہاں جو سانپ رہتے تھے وہ کہاں ہیں اور ناگ دیوتا کے پاس ابھی تک کیوں نہیں پہنچے؟“

طبرانی نے غصے میں کہا۔

”فرداً بلاؤ کسی سانپ کو“

ناگ نے اسی وقت اپنے حلق سے ایک خاص آواز نکال دیا۔ اس آواز کو سنتے ہی ایک سانپ چٹاقوں کے نیچے سے نکل کر دوڑ دوڑا ناگ دیوتا کے حضور پہنچ گیا۔ ادب سے سر جھکا کر بولا۔

”ناگ دیوتا نے مجھے یاد فرمایا کیا؟“

ناگ نے اس سے کہا کہ وہ فوراً بابل کے ملک میں چلے اور وہاں ایک سفید سانپ رہتا ہے اس سے معلوم کرے کہ وہ ہمارے پاس ابھی تک کیوں نہیں پہنچا۔ سفید سانپ کا سنتے ہی وہ لرز اٹھا۔ اور بولا۔

”عظیم ناگ دیوتا! وہاں تو سب سانپوں کا قتل

عام ہو گیا ہے۔ کوئی بھی سانپ زندہ نہیں بچا“

پھر اس نے ناگ کو بیان کیا کہ میں آج ہی بابل میں

اپنے ایک رشتہ دار سانپ سے ملنے گیا تھا۔ اس نے

بتایا ہے کہ سارے سانپ سفید سانپ کے ساتھ شاہی

خزانہ اڑانے شاہی محل کے تہہ خانے میں گئے تھے

کہ وہاں انہیں مار دیا گیا۔ میرا رشتہ دار سانپ آخری سانپ

تھا۔ وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ بادشاہ کے

حکم سے سارے زمین دوز راستے میں پگھلا سیہ ڈال

دیا گیا ہے۔ اور جو دو ایک سانپ واپس دوڑ رہے

تھے۔ پگھلے ہوئے سیسے نے انہیں موت کے گھاٹ اتار

دیا۔

”عظیم ناگ دیوتا! صرف میرا رشتہ دار سانپ ہی

زندہ بچا۔ جو وہاں سے ملک ہمارے کو چلا گیا

ہے“



آکر بتاتا ہوں۔

ناگ نے کہا۔

”پھر تم ایسا کرنا کہ میں اسی پٹاری میں بند ہوں گا۔  
تم اس وقت اندر آنا جب یہ عورت یہاں پر نہ ہو  
اور مجھے آکر جڑی بوٹی کے بارے میں بتا دینا۔  
اب تم جاؤ۔“

سانپ چلا گیا تو طبرانی نے جلدی سے پوچھا۔  
”کیا بتایا اس سانپ کے بچے نے؟ تم اس سے  
دید تک باقی کرتے رہے ہو؟“  
ناگ بولا۔

”طبرانی! اس سانپ نے کہا ہے کہ وہ بابل کے  
سانپوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا مگر وہ  
ابھی ملک بابل کی طرف اصل حالات معلوم کرنے کے  
لیے جاتا ہے۔ اور فوراً سارے حالات معلوم  
کر کے اُسے آکر بتاتا ہے۔“

طبرانی پاؤں بیٹھ کر بولی۔

”کتنی دید میں آجائے گا یہ سانپ؟“

ناگ نے کہا۔

”دو پہر تک واپس آجائے گا کیونکہ یہ سانپ بہت

ناگ نے یہ سنا تو اسے بے حد دکھ ہوا۔ محض  
لاہجی سنگدل عورت کی وجہ سے ان سانپوں کی جانیں  
گئیں۔ طبرانی پاس ہی کھڑی دونوں کے منہ سے نکلنے  
والی سیٹیوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سن رہی تھی۔ مگر ان کی  
زبان نہیں سمجھ رہی تھی۔ سانپ نے ناگ سے پوچھا۔  
”عظیم ناگ دیوتا! آپ کا سر کیوں غائب ہے؟“  
اب ناگ نے اسے بتا دیا کہ یہ جو عورت اس  
کے پاس کھڑی ہے اس کے پاس ایک خاص منتر ہے  
کے طلسم سے اس کا سچلا دھڑ پتھر کی طرح ٹھنڈا سن ہو  
ہے۔

”یہ بتاؤ کیا یہاں کوئی ایسی جڑی بوٹی ہے جس  
کے کھانے سے میرا سارا جسم پھر سے کام کرنے  
لگے۔ میں تمہیں اس کے بعد بتاؤں گا کہ میرا سر  
کیوں غائب ہوا ہے؟“

سانپ بولا۔

”عظیم ناگ! میرا بوڑھا دادا سانپ جڑی بوٹیوں  
کا ماہر ہے۔ اس کے پاس ضرور کوئی ایسی بوٹی  
ہوگی۔ مگر وہ اتنا بوڑھا ہے کہ وہی جگہ سے حرکت  
نہیں کر سکتا۔ میں اس سے پوچھ کر بھی آپ کو



تیر رفتار سے بھاگتا ہے۔

طبرانی کیا کر سکتی تھی۔ خاموشی ہو گئی۔ بولی۔

”اچھا۔ تم پٹاری میں واپس چلے جاؤ۔“

ناگ نے اپنے آپ کو کبھی اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔ لیکن اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر وہ اس جڑی بوٹی سے اچھا ہو گیا تو اس لالچی سنگدل عورت کو مزاح زدہ چکھائے گا۔ وہ پٹاری میں سانپ بن کر بیٹھ گیا اور چٹائی وادی کے سانپ کا انتظام کرنے لگا۔ طبرانی گھوڑوں کی دیکھ

بھال کرنے وادی میں نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی کاہن جاگے وہاں مقبرے میں داخل ہوا اور خزانے کی بوسونگھ لگا۔ اس نے ساری کوٹھڑیوں اور تہ خانوں میں گھوم پھر کر دیکھا۔ ابھی خزانہ نہیں آیا تھا۔ ناگ کا چونک

اوپر والا دھڑاپہ اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ اس لیے اس نے محسوس کر لیا کہ کوئی غیر آدمی وہاں چل پھر رہا ہے۔ اسے اس کی بو آئی تھی۔ مگر وہ خاموش بیٹھا رہا۔ کوئی آدھ گھنٹے بعد سانپ وہاں آیا۔ جب اسے اطمینان

ہو گیا کہ طبرانی وہاں پر موجود نہیں ہے۔ تو وہ ناگ کی پٹاری کے پاس آیا۔ اس کا ڈھکنا کھولا اور پٹاری میں داخل ہو گیا۔ اس کے منہ میں ایک پھوسٹ پیاز کی شکل کی کوئی بوٹی

تھی۔ اس نے بوٹی ناگ دیتا کے سامنے ڈال دی اور کہا۔

”عظیم ناگ دیتا! میرے دادا سانپ نے آپ کو

اپنا سلام بھیجا ہے اور کہا ہے کہ میں بڑھاپے

کی وجہ سے خود حاضر نہیں ہو سکتا لیکن یہ بوٹی

ابھی کھا جائے۔ آپ کے جسم میں پھر وہی پہلے

جیسی طاقت آ جائے گی۔ اور طلسم کا اثر اتر جائے

گا۔“

ناگ نے فوراً بوٹی کو منہ میں ڈالا اور اسے چبا کر

کھا گیا۔ بوٹی کے کھاتے ہی ناگ کا پچلا دھڑ پھرے

زندہ ہو گیا۔ اس کے نچلے دھڑ میں بھی زندگی کا خون گردش

کرنے لگا۔ اس نے سانپ سے کہا۔

”اب تم جاؤ۔ میں کسی بھی وقت تمہارے غار

میں آ جاؤں گا۔ اپنے دادا سانپ کو میرا سلام

کہنا۔“

سانپ ادب سے سلام کر کے پٹاری سے نکلا۔ پٹاری

پر پھر سے ڈھکنا دیا اور جدھر سے آیا تھا اُدھر کو چل دیا۔

اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد طبرانی بھی آ گئی۔ اور

کچھ دیر کوٹھڑی میں اُدھر اُدھر پھرتی رہی۔ پھر باہر نکل

گئی۔ جب اس کے قدموں کی آواز دور چلی گئی تو ناگ



## بدروح چٹ گئی

نذیکی چٹان کے غار میں دادا سانپ خاموش بیٹھا تھا۔  
اس کا پوتا سانپ جس نے ناگ کو ملک کے مقبرے  
میں جا کر بوٹی کھلائی تھی۔ اس کے قریب ہی کتہلی مارے  
بیٹھا تھا غار سے باہر تک رہا تھا۔ اچانک دادا سانپ  
اور پوتا سانپ چونک اٹھے۔ انہیں ناگ دیوتا کی بو آ رہی  
تھی۔

”دادا! ناگ دیوتا آ رہا ہے“

دادا سانپ کی آنکھوں پر سفید بالوں کی بھنومیں جھکی  
ہوئی تھیں۔ سانپوں کی بھنومیں نہیں ہوتیں مگر یہ سانپ  
اتنا بوڑھا تھا کہ اس کی سفید بھنومیں اُگ آئی تھیں۔ اس  
نے دھیمی آواز میں کہا۔

”ہاں بیٹا! ناگ دیوتا آ رہا ہے“

پھر غار میں ناگ کالے سیاہ سانپ کی شکل میں  
داخل ہوا۔ دونوں سانپوں نے ادب سے اپنی گردنیں جھکا

پٹادی میں سے باہر نکل آیا۔ اسے اتنے دنوں کے بعد  
بار آزادی اور قوت کا احساس ہوا تھا۔ وہ رنگتا ہوا کوئلے  
سے نکلا اور ملک کی قبر کے پہلو سے گزرتا مقبرے کی پرانی  
گھسی ہوئی پتھرلی دیوار پار کر کے چٹانوں کی مادی میں اتر  
گیا۔ اسے سانپ کی بو برابر آ رہی تھی۔ وہ اس بو کے  
پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اس کا سر اب بھی غائب تھا پتھر  
میں جتنے چٹنے کے قریب سے ہو کر وہ ان چٹانوں کی طرف  
چلا۔ جس کے ایک غار میں سانپ اور دادا سانپ کا گھر  
تھا۔

Uploaded for:  
Pakistan Virtual Library  
[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)



آپ کا چہرہ ظاہر ہو جلتے گا۔  
ناگ نے کہا۔

”کیا وہ بوٹی یہاں منگوائی جا سکتی ہے؟“  
”کیوں نہیں۔“

اسی وقت دادا سانپ نے اپنے پوتے سانپ کو  
ایک خاص چٹان کا پتہ بتایا اور کہا کہ فوراً جا کر مت کال  
بوٹی لے آئے۔ پوتا سانپ فوراً غار سے نکل گیا اور تھوڑی  
ہی دیر بعد واپس آیا تو اس نے اپنے منہ میں ایک  
چھوٹی سی بوٹی پکڑی ہوئی تھی جس کی شکل ستارے کی  
طرح کی تھی۔ ناگ فوراً انسانی شکل میں آ گیا۔ اس کا  
سر غائب تھا۔ اس نے مت کال بوٹی کو دو پتھروں سے  
رگڑ کر اس کا سُرمہ بنایا اور ایک تیکے کی مدد سے  
اسے اپنی آنکھوں میں لگا لیا۔ ایک عجیب کد شمع ہوا۔  
مت کال بوٹی کا سُرمہ لگاتے ہی ناگ کی شکل  
ظاہر ہو گئی۔ اس کا سر چہرہ اور گردن دوبارہ نظر آنے  
لگے۔ ناگ بے حد خوش ہوا۔ اس نے دادا سانپ  
کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

”دادا! اگر اس وقت آپ میری مدد نہ کرتے  
تو خدا جانے مجھے کب تک بغیر سر کے گزارہ کرتا

کراے سلام کیا۔ ناگ نے سب سے پہلے دادا سانپ  
کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

”میرے پاس آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے  
الفاظ نہیں دادا۔“

دادا سانپ نے کمزور بوڑھی آواز میں کہا۔

”عظیم دیوتا! ہم تو آپ کے غلام ہیں۔ آپ کی  
خدمت ہمارا فرض ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں  
کہ آپ سر غائب ہے۔ ایسا کیوں ہوا ہے۔ عظیم  
دیوتا؟“

ناگ نے دادا سانپ کو ساری کہانی بیان کر دی۔ دادا  
سانپ کچھ دیر خاموش رہا پھر ایک گہری سسکاہٹ بھری  
اور بولا۔

”عظیم دیوتا! آپ سے زیادہ زمین اور جڑی بوٹیوں  
کے راز کو کون جان سکتا ہے۔ انہی پٹاقل میں  
ایک مت کال نام کی بوٹی اُگتی ہے۔ اس کی  
خاص بات یہ ہے کہ اگر اس کا سُرمہ بنا کر  
اس کی ایک ایک سداہی آنکھوں میں لگالی جائے  
تو غائب چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔ میری گزارش  
ہے کہ آپ اس کی سداہی آنکھوں میں لگا لیں۔“



پڑتا دیکھا میں یہ سرمہ اپنے پاس رکھ لوں؟  
دادا سانپ بولا۔

”عظیم دیوتا! اس کو پاس رکھ کر کیا کریں گے۔  
آپ نے جو ایک سلائی آنکھوں میں لگائی ہے  
یہ قیامت تک کے لیے کافی ہے۔ اب آپ  
دنیا کی ہر وہ شے جو غائب ہے دیکھ لیں گے  
ناگ مسکرا کر بولا۔

”تب تو ٹھیک ہے“

اس نے باقی سفوف پھینک دیا اور بولا۔  
”دادا طبرانی ایک ظالم عورت ہے۔ اس نے  
دولت حاصل کرنے کے لالچ میں ہمارے کتنے  
ہی سانپوں کی جان لے لی ہے۔ اسے خزانہ  
بھی نہیں ملا۔ کیا ہمیں اس سے بدلہ نہیں لینا  
چاہیے؟“

دادا سانپ نے کہا۔

”عظیم دیوتا! میں صرف اتنی ہی عرض کروں گا کہ  
بدلہ لینے سے معاف کر دینا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔  
اگر کسی نے بُرائی کی ہے تو وہ قدرت کی طرف  
سے اس کا بدلہ پالے گا۔ بدلہ لینے سے ہمارے

بھائی سانپ واپس نہیں آسکتے۔  
ناگ کو دادا سانپ کی یہ بات بہت پسند آئی۔ اس پر  
دیوتا سانپ بولا۔

”مگر دادا! بابل میں جس سانپ سے میں مل آیا تھا  
اور جس کے سارے رشتے دار سانپ طبرانی کی  
وجہ سے مارے گئے ہیں۔ وہ تو بدلہ لینے کی قسم  
کھائے ہوئے ہیں۔“  
دادا سانپ کہنے لگا۔

”وہ جانے اور اس کا کام۔ ہمیں اس سے  
کیا لینا؟“

اب ناگ واپس جانے کے لیے اٹھا اور بولا۔  
”دادا! اب میں جاتا ہوں۔ مجھے واپس طبرانی  
کے پاس جا کر اُسے بتانا ہے کہ اُسے خزانہ  
کبھی نہیں مل سکے گا۔ اور اس نے سانپوں کو  
ہلاک کروا کر بے حد ظلم کیا ہے۔“

ناگ غار سے نکل آیا۔ باہر آتے ہی اس نے  
چھوٹے سیاہ عقاب کی شکل بدلی اور ہوا میں اڑتا ہوا  
ملکہ کے مقبرے کے باہر پہنچ کر وہ ایک چٹان پر بیٹھ  
کر نیچے دیکھنے لگا۔ اسے خیال آیا کہ اب اسے اس خطرناک



عورت کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ کیا معلوم یہ پھر اس پر منتر پھونک کر اس کے نچلے دھڑ کو سن کر دے۔ ناگ نے وہیں سے واپس ملک بابل کی طرف جانے کا فیصلہ کیا اور اُڑنے ہی والا تھا کہ اچانک اسے ایک آدمی ہاتھ میں خنجر لیے مقبرے میں داخل ہوتا نظر آیا۔ یہ کاہن جاگ رہا تھا۔ جو طبرانی کے خزانے کی تلاش میں وہاں آیا تھا۔ ناگ وہیں بیٹھا رہا کہ دیکھوں یہ آدمی خنجر لیے یہاں کیا کرنے آیا ہے۔ اتنے میں طبرانی ایک کوٹھڑی میں سے باہر نکلی۔ جو نہی وہ باہر نکلی کاہن جاگ نے اچھل کر اسے گردن سے دبوچ لیا اور زہر میں بچھا ہوا خنجر اس کی گردن پر رکھ کر بولا۔

”طبرانی! تو مجھے خوب پہچانتی ہے۔ میں جاگر کاہن ہوں۔ مجھے سب معلوم ہے کہ تو نے سانپوں کے ذریعے بادشاہ کا خزانہ منگو کر یہاں چھپا رکھا ہے۔ بتا خزانہ کہاں ہے۔ نہیں تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔ تجھے معلوم ہے کہ تیرا کوئی بھی منتر مجھ پر نہیں چل سکے گا۔“

طبرانی نے جب اپنے آپ کو موت کے منہ میں دیکھا تو وہ گھبرا گئی۔ وہ جانتی تھی کہ جاگر خود ایک کاہن ہے

اور اس پر کوئی منتر نہیں چل سکے گا۔ اس نے سچ سچ بات بتا دی کہ خزانہ سانپ ضرور لاد رہے تھے۔ مگر ابھی تک واپس خزانہ لے کر نہیں آئے۔ جاگر غضبناک ہو کر بولا۔

”تو جھوٹی ہے جھوٹ بول رہی ہے۔ بتا خزانہ کہاں ہے؟ کہاں چھپا رکھا ہے خزانہ؟“

طبرانی یہی کہتی رہی کہ خزانہ میرے پاس نہیں ہے۔ جاگر کاہن بولا۔

”اچھا پھر میں یہیں بیٹھتا ہوں اور خزانے کا انتظار کرتا ہوں۔ اگر سانپ خزانہ لے کر نہ آئے تو میں تمہیں اگلی دنیا میں پہنچا دوں گا۔“

جاگر کاہن نے طبرانی کو رستی سے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا اور خود خنجر لے کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ناگ نے سوچا کہ یوں تو یہ ساری رات انتظار کرتے رہیں گے اور کوئی سانپ نہیں آئے گا۔ کیوں نہ انہیں سانپ بن کر جا کر سادی بات بتا دوں۔ طبرانی مجھے سانپ کے روپ میں بالکل نہیں پہچان سکے گی۔ پس ناگ چٹان سے نیچے اُڑ کر آیا۔ ایک سبز رنگ کے سانپ کی شکل بدلی اور لیگتا ہوا طبرانی کی طرف چلا۔ اچانک اسے یاد آیا کہ طبرانی تو سانپوں کی زبان جانتی ہی نہیں۔ ناگ وہیں سے واپس



پٹ گیا۔

انسان کی شکل اگر وہ گیا تو طبرانی پہچان کر اس پر منتر پھونک دے گی ناگ نے سوچا کہ جہنم میں جائے یہ عورت اور جاگر کاہن۔ مجھے ان سے کیا ملے گا۔ مجھے واپس ہی چلے جانا چاہیے۔ اچانک اسے طبرانی کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ ناگ نے گردن گھما کر دیکھا۔ طبرانی رتسی میں جکڑی ہوئی تڑپ رہی تھی۔ اور کاہن جاگر ایک جگہ زمین پر پتھر مار رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ طبرانی کو اس چٹانی علاقے کے سیاہ بچھوٹے ڈس دیا ہے۔ جس کے زہر سے کبھی کوئی نہیں بچا۔ دیکھتے دیکھتے طبرانی کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور وہ ایک ہچکی لے کر مر گئی۔

کاہن جاگر نے بچھو کو ہلاک کر دیا تھا۔ طبرانی کی موت کے بعد کاہن جاگر نے ایک بار پھر سارے غاروں اور کوٹھڑیوں کی تلاشی لی۔ خزانہ کسی جگہ بھی نہیں تھا۔ ناگ سانپ کے روپ میں ایک طرف پتھروں کے پیچھے چھپ کر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جاگر پر دولت کا بھوت سوار تھا۔ جب اسے خزانہ کہیں نہ ملا تو وہ ملک کی قبر کے پاس آکر اسے ٹھک کر دیکھنے لگا۔ کاہن جاگر کو یقین ہو چکا تھا کہ طبرانی کو خزانہ مل چکا ہے اور اس نے ضرور کہیں نہ کہیں چھپا رکھا ہے۔ جاگر کو شک ہوا کہ خزانہ شاید اس قبر کے اندر دبا دیا گیا ہے۔ اس نے غنیمت کی مدد سے ٹوٹی پھوٹی قبر کے پتھروں کو اکھاڑنا شروع کر دیا۔ قبر غمتہ حالت میں تھی۔ پتھر آسانی

سے اکھڑنے لگے۔ دیکھتے دیکھتے قبر کھل گئی۔ اس وقت شام کا اندھیر کافی گہرا ہو گیا تھا۔ کاہن جاگر کو اندھیر میں قبر کے اندر کچھ نظر نہ آیا تو وہ کوٹھڑی میں گیا اور چراغ جلا کر لے آیا۔ چراغ اس نے قبر کے کنارے پر رکھ دیا اور نیچے جھانک کر دیکھا پھر وہ قبر کے اندر اتر گیا۔ ناگ یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک قبر میں سے کاہن جاگر کی چیخ کی آواز بلند ہوئی اور پھر وہ قبر کے اندر سے دس فٹ اوپر کو اچھل کر باہر گرا۔ ناگ نے دیکھا کہ جاگر کے جسم کے گرد ایک کالا سانپ لیٹا ہوا تھا اور پھن اٹھائے اسے بار بار ڈس رہا تھا۔ کاہن جاگر کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ سانپ نے اسے چھوڑ دیا۔ جاگر پتھروں پر لاش کی طرح پڑا تھا۔ وہ لاش بن چکا تھا اور اس کا جسم اب پانی بن کر پگھلنے لگا تھا۔ جلتے چراغ کی روشنی میں اس کا آدھا جسم پگھل گیا۔

سیاہ سانپ کو اچانک ناگ دیوتا کی بو محسوس ہوئی تو وہ قبر میں واپس جاتے جاتے رُک گیا۔ ناگ چٹان پر سے اتر کر قبر کے پاس آگیا۔ سیاہ سانپ نے ناگ کو دیکھتے ہی تعظیم سے سر جھکایا اور بولا۔

”عظیم ناگ دیوتا! اس شخص نے ملک کی قبر کی بے حرمتی کی تھی اس لیے اسے سزا دی گئی۔“



ناگ نے کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ لالچی شخص خزانے کی تلاش میں قبر میں اترا تھا مگر یہ کس کی قبر ہے اور تم اس قبر کے اندر کیا کرتے ہو؟“

سیاہ سانپ کہنے لگا۔

”عظیم ناگ! میرا نام چکارمی سانپ ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ یہ قبر سینکڑوں برس پرانی ہے اور یہاں ملک یمن کی ملکہ دفن ہے جو بڑی نیک دل عبادت گزار اور غریبوں کی فریاد سننے اور ان کی مدد کرنے والی ملکہ تھی۔ ہمارا خاندان صدیوں سے اس رحم دل ملکہ کی قبر کی حفاظت کرتا چلا آ رہا ہے۔“

ناگ نے سیاہ سانپ کے اس جذبے کی تعریف کی اور قبر میں جھانک دیکھا۔ چونکہ ناگ نے اپنی آنکھوں میں مت کالی بوٹی کے سرے کی سلاخ لگا رکھی تھی اس لیے اسے قبر کے اندر مٹی پڑے لکڑی کی ٹہریوں کا ڈھانچہ پورے جسم کے ساتھ منظر آنے لگا کیونکہ اس بوٹی کے سرے کی تاثیر تھی کہ جو شے غائب ہو گئی وہ بھی منظر آجائے گی۔ ناگ نے دیکھا کہ ایک انتہائی نوزانی چہرہ والی ملکہ شاہی زرق برق لباس میں ملبوس قبر میں لیٹی ہے۔ اسی کے بالوں میں تازہ پھول لگے ہیں۔ چہرے پر کسی آسانی اور

ایسی پاکیزگی اور نور بدس رہا ہے۔ قبر کی فضا جنت کے پھولوں سے مہک رہی ہے۔ اس وقت ناگ کو خیال آیا کہ واقعی نیک اور اللہ کی عبادت کرنے والے اور دنیا میں گناہوں سے پاک رہنے والے انسانوں کی قبریں ہمیشہ خوشبودن سے مہکتی رہتی ہیں۔ اور ان کی روحیں جنت میں آرام کرتی ہیں۔ اچانک ملکہ کی لاش کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ ستاروں میں بھی ایسی چمک نہیں ہوگی۔ اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ناگ! تم نے میرا چہرہ دیکھ لیا ہے۔ اب میری خواہش ہے کہ تم میری قبر کو بند کر دو۔ خدا تمہارا بھلا کرے گا۔“

ناگ نے سوچا کہ دیکھو یہ کتنی نیک عورت ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کے منہ سے دوسروں کے لیے دعائیں نکل رہی ہیں۔ ناگ اسی وقت انسانی شکل میں آگیا۔ اس نے ادب سے ملکہ کو سلام کیا اور کہا۔

”ملکہ صاحبہ! میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ لیکن کیا آپ مجھے اتنا بتا سکتی ہیں کہ میرے بھائی اور بہنیں یعنی عنبر ماریا کیٹی اور تھیو سانگ کہاں ہوں گے؟“



ملکہ کے نورانی چہرے کے ہونٹ آہستہ سے ہلے۔ اور آواز آئی۔

”ہمیں غیب کا حال بتانے کی اجازت نہیں“  
ناگ نے ادب سے کہا۔

”خدا آپ کو ہمیشہ ہمیشہ جنت الفردوس کی مستی عطا کرے۔ آپ بے شک نیک روح ہیں“

یہ کہہ کر ناگ نے پتھر لگا کر قبر کو بند کر دیا۔ سیاہ سانپ ایک طرف خاموش بیٹھا تھا۔ اس نے سانپ کی زبان میں ناگ سے پوچھا کہ وہ ملکہ کی روح سے کیا باتیں کر رہا تھا اس پر ناگ نے کہا۔

”یہ ایک راز ہے جو میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ تم اب ملکہ کی قبر کی حفاظت کا کام سنبھال لو“

سیاہ سانپ نے ناگ کو سلام کیا اور قبر سے کچھ فاصلے پر بڑے ایک پتھر کے نیچے اپنے بل میں گھس گیا۔ ناگ نے جلتا ہوا دیا ملکہ کی قبر کے سرہانے دکھا اور وہاں سے عقاب کی شکل اختیار کر کے واپس ملک بابل کی طرف پرواز کر گیا۔

اس وقت عنبر اور ماریا ملک توران کی طرف اور کیٹی اور تھیوسانگ قدیم ہندوستان کے نیچے آباد ملک شنگھ پپ ایج کے سری لنگا ملک کی طرف قلعے کے ساتھ سفر کر رہے

تھے۔ وہ دونوں انگ انگ ناگ کی تلاش میں نکلے تھے اور ناگ عقاب کی شکل میں اڑتا ہوا ملک بابل کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا ارادہ وہاں سے ملک یونان کے شہر مقدونیہ میں اردسطو اور سکندر کے محل میں جانے کا تھا۔ کیونکہ اس نے سکندر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے دوستوں یعنی عنبر ماریا کیٹی اور تھیوسانگ سے ملنے کے بعد اس کے پاس واپس فرود آئے گا۔ کیٹی ماریا عنبر اور تھیوسانگ کا تو ناگ کو کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا۔ اب اس نے یہ فیصلہ کیا کہ بابل میں کچھ روز اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنے کے بعد واپس سکندر اعظم کے ملک چلا جائے گا۔

ناگ بڑی تیز رفتاری سے اڑ رہا تھا۔ وہ آدھی رات سے پہلے پہلے بابل پہنچ گیا۔ اس وقت ہزاروں برس پرانا شہر بابل گہری نیند سو رہا تھا۔ آج کل تو ملک بابل کے صرف دو چار کھنڈر ہی نظر آتے ہیں جو کہ ملک عراق میں بغداد شہر سے کچھ فاصلے پر ہیں لیکن ہزاروں برس پہلے بابل شہر میں چھ چھ منزلہ خوب صورت مکان ہوا کرتے تھے۔ چوڑی اور رونق والی سڑکیں تھیں جن پر رتھ، گھوڑا گاڑیاں اور پالکیاں چلا کرتی تھیں۔ رات کو شہر کے بارہ دروازوں پر مشعلیں روشن رہا کرتیں اور بادشاہ کا محل جگمگاتا رہتا تھا۔



جب ناگ شہر کی فصیل کے اوپر سے اڑتا ہوا شہر میں داخل ہوا تو اگرچہ شہر کے مکانات میں اندھیرا تھا مگر دور بادشاہ کا محل جگمگا رہا تھا۔ اس کو خیال آیا کہ بادشاہ کا خزانہ لٹے سے بچ گیا ورنہ آج شاہی خزانہ بالکل خالی ہوتا۔ ناگ ایک اندھیرے ویران باغ میں ایک درخت پر اتر آیا۔ یہاں وہ رات بسر کر کے دوسرے دن صبح مارا اور کیٹی وغیرہ کی کھوتا میں ٹکنا چاہتا تھا۔ وہ درخت کی شاخوں میں ایک ٹہنی پر بیٹھ گیا۔

باغ میں اندھیرا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صحرا کی طرف سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دور کسی وقت چوکیدار کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ اچانک ایک طرف سے ناگ کو زمانہ آوازیں آتی سنائی دیں۔ ایک ہلکا سا قہقہہ بھی سنائی دیا۔ ناگ نے سوچا کہ پتہ کرنا چاہیے کہ آدھی رات کو اندھیرے باغ میں یہ عورتیں کیا کر رہی ہیں۔ اس نے وہیں سانپ کی شکل بدلی اور درخت سے اتر کر بدھ سے عورتوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں ادھر کو رینگنے لگا۔ اس نے ایک درخت کے نیچے بیٹھی دو ڈراؤنی شکل والی عورتوں کو دیکھا۔ ان کی گول گول آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ دانت ہیں اوپر کو اٹھے تھے اور بال کھڑے۔ ان کے رنگ سیاہ تھے۔

ناگ سمجھ گیا کہ یہ بھوت پریت عورتیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جو عورتیں دنیا میں رہ کر گناہ کرتی ہیں۔ مرنے کے بعد ان کی روحیں بھوت پریت بن کر دینا والوں کو پریشان کرتا اور مارنا شروع کر دیتی ہیں۔ ان کے قبضے میں وہی عورتیں اور مرد آتے ہیں جن کا ایمان کمزور ہوتا ہے۔ جن عورتوں، بچوں اور آدمیوں کا خدا اور اس کے رسول پر سختہ ایمان ہوتا ہے یہ بدروحیں ان کے قریب بھی نہیں آتیں بلکہ خود ان سے ڈر کر دور بھاگ جاتی ہیں۔ لیکن ایسے لوگ جن کے ایمان کمزور ہوتے ہیں اور

جو اچھے کام نہیں کرتے یہ بھوت پریت بدروحیں ان پر قبضہ کر کے انہیں تنگ کرتی ہیں۔ اور کبھی کبھی ماد بھی دیتی ہیں۔ عجیب بات تھی کہ ناگ کو یہ بدروحیں نظر آ رہی تھیں۔ حالانکہ بھوت پریت نظر نہیں آیا کرتے۔ ایک دم سے ناگ کو خیال آیا کہ یہ بدروحیں اسے صرف اس لیے نظر آ رہی ہیں کہ اس نے اپنی آنکھوں میں مت کال بوٹی کا سرمہ ڈال رکھا ہے۔ ناگ ان کے قریب ہی گھاس میں چھپ کر ان کی باتیں سننے لگا۔ ایک بدروح بولی۔

”دو بہن! میں تو صبح جہنم سے پہلے اس ملک سے چلی جاؤں گی۔ ملک ہندوستان میں بڑے کمزور ایمان والے لوگ رہتے ہیں۔ وہاں میں ان لوگوں کو خوب



تنگ کر سکوں گی ۔

دوسری بد روح بولی ۔

”بہن ! میں تو آج رات صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں کسی نہ کسی کو چمٹ جاؤں گی تاکہ اسے خوب تنگ کروں پھر اسے مار ڈالوں ۔ آخر میں کب تک بے کار بیٹھی رہوں گی ۔ ہمارا یہی تو ایک کام ہے دنیا میں ۔“

پہلی بد روح نے کہا ۔

”یہ بھی اچھا ہے کہ ہم غائب ہوتی ہیں ہمیں کوئی دیکھ نہیں سکتا ۔ ورنہ کاہن اور جادوگر لوگ ہم پر بھی منتر پھونک کر ہمیں بھسم کر ڈالیں ۔“

دوسری بد روح نے جس درخت کے نیچے وہ بیٹھی تھی اس کی شاخ کی طرف اشارہ کر کے کہا ۔

”دنیا والے بھی بڑے بے خبر ہیں ۔ ان کو اصل میں کچھ پتہ نہیں ۔ اس درخت کے نیچے سے دن میں کتنے ہی لوگ گزرتے ہوں گے مگر کسی کو معلوم نہیں کہ اگر اس درخت کے چند پتوں کو مسکا کر پیس لیا جائے ۔ اور انسان اسے اپنے جسم پر مل لے تو دنیا کی کوئی بد روح کوئی بھوت پریت اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا ۔“

پہلی بد روح درخت کی طرف دیکھ کر بولی ۔

”او ٹھیک کہتی ہو بہن ! اس درخت کے پتے خشک

ہو جاتے ہیں اور جب ان کا سفوف فضا میں اڑتا ہے تو میرا تو دم گھٹنے لگتا ہے ۔ یہ تو ہمارے لیے موت سے کم نہیں ۔ اچھا بہن ۔ میں اب ملک ہندوستان کی

طرف چلتی ہوں ۔ وہاں مجھے بہت شکار ملے گا ۔“

یہ کہہ کر پہلے والی بد روح اتنی تیزی سے اڑی کہ ناگ

اسے دیکھتا ہی رہ گیا ۔ اور وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی ۔

ناگ نے دوسری بد روح کی طرف دیکھا تو ایک سکینڈ کے ہزارویں حصے میں وہ بھی اتنی تیزی سے اڑ گئی کہ ناگ کی آنکھوں کے سامنے غائب ہو گئی ۔

ناگ کو پہلی بار احساس ہوا کہ یہ بد روحیں جو کسی انسان کو منظر نہیں آتیں کس قدر تیزی سے اڑتی ہیں ۔ ناگ کو فکر لگ گئی کہ یہ بد روح جو اس شہر میں رہ گئی ہے ۔ یہ تو اب ضرور کسی نہ کسی کمزور دل عورت یا مرد یا لڑکے کی لڑائی کو جیتے گی اور اسے مار ڈالے گی ۔ ناگ اس لڑکی یا لڑکے کو پہچان چکا تھا جس کو یہ بد روح چمٹنے والی تھی ۔ مصیبت یہ تھی کہ یہ بد روح اتنی تیزی سے ناگ کی نگاہوں سے اوجھل ہوئی تھی کہ وہ اس کا پیچھا نہیں کر سکتا تھا ۔ ناگ نے اسی وقت عقاب پر



بدلا اور رات کے اندھیرے میں شہر کا چکر لگانا شروع کر دیا۔ وہ اڑتے اڑتے نیچے بھی آیا۔ اس نے مکانوں کے آگے گلیوں میں نیچی اڑان بھی کی کہ شاید کسی مکان کے اندر سے چلانے کی آواز آئے۔ مگر ہر طرف گرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ابھی تک بدروح نے اپنے شکار پر چھپتا نہیں مارا تھا۔

یونہی دن نکلنے لگا۔ شہر کا اندھیرا آہستہ آہستہ دور ہوتا گیا اور شہر کے سوتے مکان بیدار ہونے لگے۔ بازااروں میں کچھ لوگ بھی اپنے اپنے کام کو جاتے دکھائی دیئے۔ ناگ ابھی تک عقاب کی شکل میں تھا اور شہر کی ایک گلی کے نکر کے پچھے کے اوپر بیٹھا بڑا چوکتا ہو کر ادھر ادھر تک رہا تھا کہ شاید کہیں اسے بدروح نظر آجائے کیونکہ بدروح کو صرف وہی دیکھ سکتا تھا۔ لیکن ابھی تک اسے نہ تو بدروح دکھائی دی تھی اور نہ ہی کسی مکان سے رونے پٹنے اور چلانے کی آواز آئی تھی۔ ناگ اڑ کر دوسرے محلے کی طرف نکل گیا۔

یہ آبادی سے کچھ دور کا علاقہ تھا اور ایک جگہ کھجور اور نہایتون کے درخت آگے تھے۔ ناگ نے دیکھا کہ وہاں ایک چشمہ جی بہہ رہا تھا۔ ایک آدمی چشمے پر تھکا رہا تھا۔ ایک عورت پاس سے بیٹھ کر پڑے دھولے ہی تھی۔ ایک عورت

پھول توڑ رہی تھی۔ پیچھے ایک مکان تھا۔ جس کے آگے میں ایک عورت آگ جلا کر روٹیاں پکا رہی تھی۔ ناگ کو یہ مکان بڑا اچھا لگا۔ وہ اڑتا ہوا آیا اور اس مکان کے آگے کی دیوار پر بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کوٹھڑی میں سے ایک بہن ہی خوب صورت چہرے والی لڑکی ہاتھ میں چنگیر لیے نکل آ رہی تھی۔ اس کی ماں روٹیاں پکا رہی تھی۔ ادھر کو آئی ابھی وہ اپنی ماں کے قریب بھی نہیں پہنچی تھی کہ چیخ مار کر دھڑام سے صحن میں گر پڑی۔ اس کی ماں روٹیاں چھوڑ کر روتی پڑتی۔ اس کی طرف بھاگی۔ باہر سے اس کا باپ بھی جوتھا رہا تھا۔ اندر کو دوڑا۔ جو لڑکی پھول توڑ رہی تھی وہ بھی اندر کو بھاگی۔ خوب صورت چہرے والی لڑکی زمین پر تڑپ رہی تھی۔ اور اس سے ملنے سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے کوئی اس کا گلا ٹھونٹ رہا ہو۔ لڑکی کی یہ حالت دیکھ کر ناگ ایک دم سے سمجھ گیا کہ اسے بدروح چمٹ گئی ہے اور اس نے اس لڑکی کو اپنا شکار بنا لیا ہے۔ ناگ کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ وہی لڑکی مر تھا ہے جس کو مرد فرعون کے حکم پر اس کے سیاہ پوش گورکن تارکین رات کو مصر سے اخوا کر کے مردہ فرعونوں کی بستی میں لے گئے تھے۔ اور جہاں سے اسے عنبر کیٹی اور ماریا اپنی جان جو کھوں میں ڈال



کہ بچا کر لائے تھے۔ جب یہ لڑکی مرتھا واپس اپنے ماں باپ کے پاس آگئی تو انہوں نے خوف کے مارے ملک مصر پھوڑ دیا اور یہاں بابل شہر میں آکر اپنا ایک مکان بنا کر رہنے لگے تھے۔ مرتھا کا باپ یہاں کھیتی باڑی کرتا تھا۔ اس لڑکی مرتھا پر ہمیشہ سے وہم اور خوف سوا رہتا تھا۔ اور بڑا ڈرا کرتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہم کیا کرتی تھی اور اسے خدا پر پورا بھروسہ نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بدروح نے اس لڑکی کو اپنا شکار چُن لیا اور اس سے چمٹ گئی۔ اس کی جگہ کوئی ایسی لڑکی ہوتی کہ جو کبھی وہم نہ کرتی، اس کو خدا اور اس کے رسول پر پورا پورا ایمان ہوتا اور خدا کے سوا کبھی کسی سے خوف نہ کھاتی تو بدروح اس کو کبھی نہ چمٹتی بلکہ وہ تو اس سے خود ڈر کر بھاگ جاتی۔ مگر یہ لڑکی مرتھا کمزور عقیدے کی لڑکی تھی چنانچہ بدروح آسانی سے اسے چمٹ گئی۔

ناگ نے بہر حال اس لڑکی کو بدروح کے قبضے سے بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کیونکہ خواہ لڑکی کمزور دماغ اور وہمی مزاج کی تھی مگر بے گناہ تھی۔ ناگ نے پہلا کام یہ کیا کہ وہاں سے عقاب بن کر اڑا اور سیدھا اس باغ میں گیا جہاں اس نے رات گزار رہی تھی۔ پھر اس درخت پر آگیا جس

کے نیچے رات دونوں بدروحیں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے اسی درخت کے پتوں کے بارے میں کہا تھا کہ اگر اس کے پتے سکھا کر اس کا سفوف کسی کے جسم پر چھڑک دیا جائے تو کوئی بھی بدروح وہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ ناگ نے اس درخت سے ایک پتوں کی بھری ہوئی ٹھنی توڑ کر اپنی چوٹی میں پکڑ لی اور واپس اڑ گیا۔

وہ سیدھا اس لڑکی مرتھا کے مکان کے پاس ایک گنجان درخت کے نیچے اتر پڑا اور فوراً انسانی شکل میں آگیا۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ ٹھنی کے سارے پتے توڑ کر اپنی جیب میں رکھ لیے۔ پھر لڑکی کے مکان کی طرف چلنے لگا۔ مکان سے لڑکی کے چیخنے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مکان کے باہر بھی کچھ عورتیں موجود تھیں۔ ناگ نے ایک آدمی سے پوچھا۔

”یہاں کیا بات ہو گئی ہے بھائی؟“

اس آدمی نے بتایا کہ اس مکان میں ایک لڑکی رہتی ہے جس نے دیوتاؤں کی بے حرمتی کی ہے اور اب دیوتا اس سے انتقام لے رہے ہیں اور اس کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ وہ تھوڑی دیر میں مرجائے گی۔ مکان کے آنگن کا دروازہ کھلا تھا۔ ناگ اندر داخل ہو گیا۔ صحن میں ہمسائے میں رہنے



والی کئی عورتیں کھڑی آپس میں کہہ رہی تھیں کہ مرتھا نے دیوی دیوتاؤں کی بے حرمتی کی ہوگی۔ تبھی دیوی اس کو ہلاک کرنے آئی ہے۔ ایک کمرے میں سے لڑکی مرتھا کے چلاتے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ناگ بے دھڑک اس کمرے میں داخل ہو گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ تخت پر وہی لڑکی رسیوں میں جکڑی پڑی ہے۔ جس کو بدروح نے اپنے قبضے میں جکڑ رکھا تھا اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا ہے۔ جسم پسینے میں شرابور ہے۔ وہ حلق سے چیخوں کی آوازیں نکال رہی ہے۔ اس کے ماں باپ اور بہنیں تخت کے قریب بیٹھی رو رہی ہیں۔ دوسری عورتیں خوف زدہ کھڑی ہیں۔ لڑکی کو تخت کے ساتھ رسیوں سے باندھ رکھا ہے۔ پھر بھی وہ اُچھل اُچھل کر عورتوں کو پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس افراتفری میں کسی نے بھی ناگ کی طرف نہ دیکھا۔ ناگ نے لڑکی کے سر ہانے اسی بدروح کو بیٹھے صاف دیکھ لیا۔ وہ آدمی رات کو باغ میں اپنی دوسری بدروح بہن سے باقیں کر رہی تھی۔ مگر ناگ نے یہ ظاہر نہ کیا کہ اس نے بدروح کو دیکھ لیا ہے۔ اس نے لڑکی کی ماں سے کہا۔

”ان عورتوں کو یہاں سے باہر نکالو۔ میں اس کا بھوت بھگا دوں گا۔“

اس پر ناگ نے دیکھا کہ لڑکی کے سر ہانے بیٹھی بدروح

نے چونک کر ناگ کی طرف دیکھا۔ اصل میں لڑکی بے چارہ دی کا بُرا حال تھا۔ اس کی آواز کم نکل رہی تھی مگر بدروح زیادہ چلا رہی تھی اور خوفناک آوازیں نکال رہی تھی۔ اس کی آوازیں واقعی بڑی ڈراؤنی تھیں۔ لڑکی کی ماں نے ناگ کی طرف دیکھا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لڑکی کا باپ بولا۔

”بیٹا! تم کیوں اپنی جان گنواتے ہو۔ بہا رہی بیٹی نے دیوی کی بے حرمتی کی ہے۔ یہ تو اب مرنے والی ہے۔“

ناگ نے کہا۔

”آپ کی لڑکی نے بس تیری بے حرمتی نہیں کی۔ اس کو ایک بھوت بدروح نے اپنے قابو میں لیا ہوا ہے۔ میں اسے ابھی ٹھیک کرتا ہوں۔ آپ ان عورتوں کو باہر نکال دیں۔“

باپ نے عورتوں سے التجائی کہ وہ باہر چلی جائیں۔ بڑی مشکل سے لڑکی کی بہنوں نے عورتوں کو کمرے سے باہر نکالا۔ جب کمرے میں صرف لڑکی مرتھا کی دو بہنیں ماں اور باپ ہی رہ گئے۔ تو ناگ لڑکی کے تخت کے پاس بیٹھ گیا۔ اور بولا۔

”آپ لوگ فکر نہ کریں یہ ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔“

پھر اس نے لڑکی مرتھا کی چھوٹی بہن کے کان میں کہا۔



”میرے ساتھ آؤ“

چھوٹی بہن ناگ کے ساتھ کمرے سے باہر آگئی۔ ناگ نے اسے دوسرے کمرے میں لے گیا اور حبیب سے درخت کے پتے نکال کر بولا۔

”اے آگ پر سکھاؤ اور پھر پتھر پے پیس کر اس کا فوراً سفوف تیار کر کے ایک بند ڈبے میں بند کر کے اندر لے آؤ۔ خبردار جب تک میں اشارہ نہ کر دوں۔ ڈبے کا ڈھکنا مت کھولنا“

چھوٹی بہن بے جہاد می گھبراتی ہوئی تھی۔ بولی۔ ابھی لاتی ہوں۔

Uploaded for:  
Pakistan Virtual Library  
www.pdfbooksfree.pk

## چاہ بابل کے قیدی

ناگ واپس بدروح والے کمرے میں آگیا۔  
ناگ جان بوجھ کر بدروح سے آنکھیں نہیں ملا رہا تھا۔  
وہ اس پر یہ ہرگز ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ لڑکی مرتھا چلا رہی تھی۔ اچھل رہی تھی۔ رستی تڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ناگ نے لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”اے جھوٹ! اس لڑکی کو تم کیوں تنگ کر رہے ہو؟ اس نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟“  
بدروح قہقہہ لگا کر بولی۔

”یہ مجھے پسند آگئی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ میرے راتے سے ہٹ جاؤ ورنہ میں تمہیں بھی ہلاک کر ڈالوں گی۔“  
ناگ نے کہا۔



”اے بدروح! کیا تو مجھے جانتی ہے کہ میں کون ہوں؟ اگر تو مجھے جانتی ہے تو پھر میرے حکم پر اس لڑکی کو اچھوڑ کر جلی جا۔“  
بدروح قہقہہ لگا کر کہنے لگی۔

”تم ایک کمزور بکرے ہو۔ میں تمہیں کچا بھا کر کھا جاؤں گی۔ جان بیامی ہے تو یہاں سے بھاگ جا۔“  
ناگ کو یہ سن کر خوش ہوئی کہ بدروح نے اسے پہچانا نہیں تھا کہ وہ اصل میں کون ہے۔ یہ بات معلوم کرنے کی بہت ضروری تھی ورنہ ناگ بدروح پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ ناگ نے ابھی تک بدروح سے آنکھ نہیں ملائی تھی۔ مگر توجہ نگاہ سے وہ دیکھ چکا تھا کہ بدروح نے دو تین بار ناگ کی طرف اپنا مکروہ ہاتھ بڑھایا تھا مگر نہ جانے کیوں وہ ناگ کو اپنی گرفت میں نہ لے سکی تھی۔ اس پر ناگ کو حیرانی بھی ہوئی تھی اور خوشی بھی۔ شاید یہ ناگ کے جسم سے نکلنے والی خاص شعاعوں کا اثر تھا جسے بدروح نے خاص طور پر محسوس کر لیا تھا۔

اس کے باوجود بدروح ناگ سے خوفزدہ نہیں تھی۔ وہ بار بار ناگ کو دھکی دے رہی تھی کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ نہیں تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی اور لڑکی سے پہلے

تمہیں ہلاک کر دوں گی۔ ناگ بدروح کو سمجھانے کی کوشش میں دقت گزار رہا تھا تا کہ مرتھا کی چھوٹی بہن پتوں کا سفوف لے آئے۔ اسے دوسرے کمرے سے سبیل پر پتوں کے رگڑنے کی آواز برابر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی مرتھا کی بہن ایک گول بند لکڑی کی ڈبی میں خاص سفوف لے کر آگئی۔ ناگ نے سفوف کی ڈبی اس کے ہاتھ سے لے لی اور بدروح سے کہا۔

”اس ڈبی میں تیری موت ہے۔ میں اب بھی تمہیں کہتا ہوں کہ اس لڑکی کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔“  
بدروح نے ایک بلند ڈراؤنا قہقہہ لگایا اور بولی۔  
”میں ابھی تمہیں مزہ چکھاتی ہوں۔“

اور ناگ نے دیکھا کہ بدروح لڑکی کے سر ہانے سے اُڑی اور اس کی طرف بڑھی۔ شاید وہ لڑکی کی چھوٹی بہن کا گلا دبانا چاہتی تھی۔ کہ ناگ نے ڈبی کھول کر اس میں سے سفوف کی چٹکی بھری اور بدروح کے اوپر پھینک دی۔ بدروح کے منہ سے ایک بھیانک پیچ کی آواز نکلی اور وہ تڑپ کر چھت کی طرف لپکی ناگ نے سفوف کو سارے کمرے میں دیواروں کے ساتھ ساتھ بکھیر دیا۔ بدروح زور زور سے چیخیں مارتی کمرے سے اتنی تیزی سے بھاگی کہ ناگ اسے پوری طرح دیکھ بھی نہ سکا۔  
بدروح کے جاتے ہی لڑکی مرتھا کی حالت ایک دم سے



سنبھل گئی۔ اس کی آنکھوں کی چمک واپس آ گئی۔ چہرے کا رنگ معمول پر آ گیا۔ منہ سے جھاگ غائب ہو گئی۔ اس نے اپنی خوبصورت آنکھیں کھول دیں۔ اور کہا۔

”ماں جی! میں کہاں ہوں؟ آپ نے مجھے کیوں باندھ رکھا ہے؟“

لڑکی کو صحت یاب ہوتے اور اپنی اصلی حالت میں آتے دیکھ کر ماں باپ اور بہنوں کی جان میں جان آئی۔ ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ ناگ کے کہنے پر اسی وقت لڑکی کی رسوا کھول دی گئیں۔

”بد روح چلی گئی ہے ماں جی! آپ کی بیٹی اچھی ہو گئی ہے۔“

ماں اور باپ تو ناگ کے پاؤں میں گر پڑے۔ ناگ نے فوراً انہیں اٹھایا اور کہا۔

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ آپ کی بیٹی اچھی ہو گئی۔ آپ خدا کا شکر ادا کریں۔“

لڑکی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ناگ کے کہنے پر اسی وقت اسے گرم دودھ پلایا گیا۔ اس کی بہنیں اسے نئے کپڑے پہنانے کے لیے دوسرے کمرے میں لے گئیں۔ ناگ کی خوب خاطر دانہ ہونے لگی۔ مگر وہ خاموش رہا۔ اس کو بھلا کسی کی خاطر مدارت

کی کیا ضرورت تھی۔ اس نے تو محض انسان کی بھلائی کیلئے ایسا کیا تھا۔ کیونکہ وہ کسی بے گناہ انسان کسی بے گناہ لڑکی یا لڑکے کو مصیبت میں گرفتار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لڑکی کے باپ نے ناگ کے آگے پھل رکھے اور پوچھا۔

”بیٹا تم کون ہو اور کہاں سے رحمت کا فرشتہ بن کر آ گئے؟“

ناگ بولا۔

”میں پردیسی ہوں۔ ادھر سے گزر رہا تھا کہ عورتوں کی آوازیں سنیں اور چلا آیا کہ لڑکی کی مدد کروں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی بیٹی اچھی ہو گئی۔“

لڑکی کی ماں کہنے لگی۔

”بیٹا! کیا کہوں۔ پہلے میں ہمارے بیٹی کو مجھوت اٹھا کر لے گئے تھے۔ پھر تمہارے جیسے کچھ نیک دل انسان اسے وہاں سے بچا کر ہمارے پاس لے آئے۔ ہم پہلے مصر میں رہا کرتے تھے۔ اب لڑکی کو لے کر بابل ہی آ گئے ہیں۔ مگر مجھوتوں نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔“

ناگ نے کہا۔

”ماں جی! آپ بالکل نہ گھبراہیں۔ میں آپ کو یہ سفوف



دینے جاتا ہوں۔ اسے ہر روز صبح کے وقت اپنے مکان کے چاروں طرف چھڑک دیا کریں۔ کوئی بھوت آپ کے مکان میں نہیں آئے گا۔  
 لڑکی کا باپ بولا۔

”اور جب یہ ختم ہو گیا تو کیا کریں گے بیٹا؟“  
 ناگ نے لڑکی کے باپ کو باغ والے درخت کی پوری نشانی بتادی اور کہا۔

”اس درخت کے پتے کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ جب سفوف ختم ہو جائے تو اس درخت کے تازہ پتے لاکر انہیں سکھا کر اس کا سفوف تیار کر لیں۔“  
 لڑکی کی ماں کہنے لگی۔

”بیٹا اگر ہماری بچی باہر گئی تو بھوت مکان کے باہر اسے پکڑے گا۔“  
 ناگ نے کہا۔

”گھر سے جو بھی باہر جاتے تھوڑا سا سفوف اپنے جسم پر لگا لیا کرے۔ ساری زندگی کوئی بھوت کوئی بدروح آپ کے قریب نہیں آئے گی۔“

اتنے میں دونوں بہنیں لڑکی مر تھا کو نئے کپڑے پہنا کر لے آئیں۔ اس نے ناگ کو سلام کیا اور بیٹھ گئی۔ ناگ نے

لڑکی کو بھی سب کچھ سمجھا دیا۔ اس نے ناگ کا بے حد شکر یہ ادا کیا۔  
 ناگ جانے لگا تو لڑکی کے باپ نے کہا۔

”بیٹا! تم نے ہم پر بہت احسان کیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ آج کی رات ہمارے مہمان بن کر رہو۔ اور ہمیں خدمت کا موقع دو۔“

ناگ کو بھی کوئی کام نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ چلو یہ رات اسی مکان میں بسر کرتے ہیں۔ دوپہر کے بعد عنبر ماریا اور کیٹی کی تلاش میں نکلے گا۔ لڑکی نے ناگ سے باتیں شروع کر دیں۔ اس نے کہا۔

”میرا نام مر تھا ہے بھائی۔ آپ کا کیا نام ہے؟“  
 ناگ اپنا نام نہیں بتانا چاہتا تھا۔ بولا۔

”تم مجھے لاگوس کہہ لو۔ یہی میرا نام ہے بہن!“

دوپہر کا کھانا انہوں نے مل کر کھایا۔ ناگ نے مر تھا سے یہ پوچھنے کی خاص ضرورت محسوس نہ کی کہ اس کو پہلے بھوت اٹھا کر کہاں لے گئے تھے۔ اس نے سمجھا کہ اس قسم کی باتیں پرانے زمانے میں ہوا ہی کہتی تھیں۔ کہ بھوت اٹھا کر لے جاتے تھے۔ والدین چھوڑ جاتے تھے۔ ورنہ اسے مر تھا سے

دوپہر — — — ب لوگ کمرے میں آرام کرنے کی غرض



سے پیٹ گئے۔ ناگ دوسرے کمرے میں قالین پر آکر لیٹ گیا۔  
شہر کی طرف جانے کا وہ ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک ساتھ والے  
کمرے سے مرتھا کی چیخ بلند ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی  
بہنوں اور ماں کے چلانے اور مدد کے لیے پکارنے کی آوازیں  
آنے لگیں۔ ناگ بھاگ کر ساتھ والے کمرے میں گیا۔ دیکھا کہ مرتھا  
قالین پر بڑی تڑپ رہی ہے۔ اس کی ماں نے روتے روتے کہا۔  
”بیٹا اسے سانپ ڈس گیا ہے۔ جاتے کہاں سے  
نکل آیا تھا۔“

مرتھا کی بہنیں اور باپ مرتھا کو سنبھال رہے تھے اور  
رو رہے تھے۔ ناگ مرتھا کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے کمرے  
میں نگاہ ڈالی۔ اور پوچھا۔

”سانپ کدھر سے آیا تھا؟“

”بیٹا! کچھ معلوم نہیں۔ یہ اسی بھوت نے بھیجا ہوگا۔  
اب میری بیٹی کا کیا بنے گا؟“

لوٹ کر مرتھا پر غش غامی ہونے لگی تھی۔ ناگ نے کہا۔  
”آپ سب لوگ فکر نہ کریں۔ مرتھا ابھی ٹھیک ہو  
جاتی ہے۔ آپ سب پرے پرے ہٹ جائیں۔  
سب کو چونکنا۔ پر بھروسہ تھا۔ اس لیے فوراً پرے  
پرے ہٹ گئے۔ ناگ نے آنکھیں بند کر کے منہ سے ایک ہلکی

سیٹی کی آواز نکالی اور اس سانپ کو بلایا جو ابھی اس مرتھا  
کو ڈس کر فرار ہوا تھا۔ اس سانپ کو واقعی بدروح نے  
بھیجا تھا جو ابھی تک شکست کھانے کے بعد اس مکان سے  
کچھ فاصلے پر ایک درخت کی شاخوں میں چھپی بیٹھی تھی اور اس  
لوٹ کر ہر حالت میں ہلاک کر دینا چاہتی تھی۔ اس نے وہیں چھتے  
کے قریب ایک جگہ رہتے سانپ کو بل میں سے کھینچ کر باہر نکالا اور  
حکم دیا کہ جاؤ۔ اور فلاں شکل کی لڑکی کو ڈس آؤ۔ سانپ بدروحوں  
کے حکم کو ٹال نہیں سکتے۔ سانپ فوراً گیا اور مرتھا کو ڈس کر باہر  
بھاگ گیا۔ اس نے ناگ دیوتا کی آواز سنی تو فوراً چھتے والے  
اپنے بل سے نکل کر مکان کی طرف دوڑا۔

مرتھا ابھی ہوش میں تھی۔ اس کی بہنوں باپ اور ماں  
نے دیکھا کہ ایک نسوار رنگ کا سانپ رنگتا ہوا کمرے میں  
داخل ہوا۔ سب کی چیخیں نکل گئیں۔ ناگ نے ہاتھ سے خاموش  
رہنے کا اشارہ کیا۔ اور سانپ سے کہا۔

”میں ناگ دیوتا تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس لڑکی کے جسم  
سے اپنا سارا زہر واپس چوس لو۔“

سانپ نے ادب سے سر جھکا دیا اور بولا۔

”جو حکم عظیم ناگ دیوتا!“

اور مرتھا کی طرف بڑھا۔ مرتھا گہرائی سے سیٹی۔ وہ دنیا دارہ بدوش



میں نہیں تھی۔ پھر بھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور سمجھ گئی تھی کہ یہ شخص ناگ ہے جس کا ذکر مردہ فرعونوں کی بستی میں اس کے ساتھی عنبر ماریا اور کیٹی کیا کرتے تھے۔ ناگ نے آہستہ سے کہا۔

”مر تھا بہن! یہ سانپ اب تمہیں ڈسنے نہیں بلکہ تمہارے

جسم کا زہر چوسنے آ رہا ہے۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔“

مر تھا کو چونکہ یقین ہو گیا تھا کہ یہ شخص ناگ ہے اس لیے

اس نے اپنا پاؤں سیدھا کر دیا۔ سانپ نے اپنا منہ مرتھا کی

ایڑی پر اس جگہ رکھ دیا جہاں اس نے ڈسا تھا۔ اور آہستہ

آہستہ مرتھا کے جسم میں داخل کیا ہوا زہر چوسنا شروع کر

دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں مرتھا کے جسم کا سارا زہر سانپ

نے چوس لیا اور منہ پیچھے ہٹا کر ناگ کے آگے سر جھکایا اور بولا۔

”عظیم ناگ دیوتا! میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی

میں نے سارا زہر چوس لیا ہے۔“

”کیا تمہیں بدروح نے بھیجا تھا؟“

”ہاں عظیم ناگ دیوتا! مگر مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اب

ایسی غلطی ہرگز نہیں کروں گا۔“

ناگ نے سانپ کو ڈانٹ کر واپس بھیج دیا۔ مرتھا کے

پہرے کی رونق واپس آ گئی۔ ماں باپ اور بہنیں مرتھا کو نئی زندگی

میں دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں۔ اور مرتھا کو گلے لکایا۔ ناگ نے

کہا۔

”اب کوئی سانپ بھی اس گھر میں داخل نہیں ہو گا۔“

مر تھا نے مسکرا کر کہا۔

”جب عظیم ناگ دیوتا منع کر دے تو کس سانپ کو جرات

ہو سکتی ہے کہ ہمارے گھر میں داخل ہو۔“

ناگ تو اپنی جگہ سے اچھل سا پڑا۔ اس کا منہ حیرت کے مارے

کھلے کا کھلا رہ گیا کہ اس عام سی لڑکی کو یہ کیسے پتہ چل گیا کہ وہ ناگ

دیوتا ہے؟ مرتھا کی بہنیں ماں اور ماں باپ بھی کبھی مرتھا اور کبھی

ناگ کی طرف تنگ رہی تھیں۔ ناگ نے مرتھا کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر پوچھا۔

”سچ سچ بتاؤ لڑکی تم کون ہو اور تمہیں کیسے پتہ چلا کہ

میں ناگ دیوتا ہوں؟“

مر تھا ہنسنے لگی۔ بولی۔

”ناگ جیتا! مجھے کوئی غیب کا علم نہیں ہے۔ مجھے اس

لیے پتہ ہے کہ تم ناگ دیوتا ہو کہ میں عنبر ماریا اور کیٹی

کے ساتھ فرعونوں کی بستی میں کچھ وقت گزار چکی ہوں۔

وہ ہر وقت مجھ سے تمہارا ذکر کیا کرتے تھے۔“

ناگ کو اب اور زیادہ حیرت ہوئی کہ لڑکی تو عنبر ماریا اور کیٹی



کر بھی جانتی ہے اور ان کے ساتھ رہ چکی ہے۔ ناگ نے کہا۔  
 ”خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ عنبر ماریا کیٹی کہاں ہیں؟“

اب مرتھا نے فرعونوں کی پراسرار بستی میں اغوا ہو کر جانے  
 اور عنبر ماریا کیٹی کے وہاں پہنچنے اور پھر اسے ساتھ لے کر وہاں سے  
 فرار ہو کر آنے کی ساری داستان سنا ڈالی اور بولی۔

”میں اور میرے والدین عنبر ماریا کیٹی کا احسان کبھی نہیں  
 بھلا سکتے۔ کیونکہ وہی مجھے اس موت کی بستی سے نکال  
 کر میرے ماں باپ کے پاس لائے تھے۔“

مرتھا کی ماں نے کہا۔

”ہاں ناگ بیٹا! ایک تمہاری عمر کا لڑکا ہمارے گھر آیا  
 تھا۔“

مرتھا نے کہا۔

”میں نے ساریا بھی اس کے ساتھ تھی مگر چونکہ وہ غائب  
 تھی اس لیے آپ اسے دیکھ نہیں سکتے تھے۔“

مرتھا کی بہنوں اور باپ نے بھی ناگ کا ایک بار پھر شکریہ  
 ادا کیا اور کہا کہ اس نے مرتھا کی ایک بار پھر جان بچا کر اس پر  
 غور کیا اور احسان کیا ہے۔ ناگ نے مرتھا سے کہا۔

”یہ باتیں کچھ اندازہ ہے کہ عنبر ماریا کیٹی کس طرف جانے  
 کا منصوبہ بنا رہے تھے؟“

مرتھا بولی۔

”عنبر ماریا تو مجھے لے کر میرے ماں باپ کے گھر آ گئے

تھے اور کیٹی کو انہوں نے کاروان سرائے کی طرف روانہ  
 کر دیا تھا جہاں وہ تھیو ساگنگ کو اس لیے چھوڑ گئے

تھے کہ وہ ناگ کا یعنی تمہارا سراغ لگائے؟“

ناگ حیران ہوا کہ مرتھا تھیو ساگنگ کو بھی جانتی ہے۔ اب

اسے یقین ہو گیا کہ مرتھا بالکل سچی ہے۔ اس نے مرتھا سے پوچھا۔

”کیا تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں کہ وہ لوگ وہاں سے

کہہ رہے تھے؟ میرا مطلب ہے وہ کس طرف

جانے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے؟“

مرتھا بولی۔

”ناگ بھتیجا! وہ صرف تمہارے لیے پریشان تھے اور

یہی کہہ رہے تھے کہ اگر تھیو ساگنگ نے ناگ کا پتہ نہیں

چلایا ہوگا تو وہ سب مل کر تمہاری تلاش میں نکلیں

گے۔ اب مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ تمہاری کھوج میں کس

طرف گئے ہوں گے۔ کیونکہ مجھے میرے ماں باپ

اس کے چند ہی روز بعد میرے لے کر یہاں باہل

میں آ گئے تھے۔“

جب مرتھا کی بہنوں اور ماں باپ کو یہ بتا چلا کہ ناگ اصل میں



ناگ دیوتا ہے اور سانپ ہے تو وہ اس سے کچھ خوف محسوس کرنے لگے۔ پھر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ ناگ نے سانپ کو حکم دے کر وہاں بلایا اور سانپ نے اس کے حکم سے مرتھا کے جسم سے اپنا سارا ذہر چوس لیا تھا۔

دوسری طرف جب بدروح تے، ہوا بھی تک مکان سے کچھ دور ایک درخت میں چھپی بیٹھی تھی۔ یہ دیکھا کہ لڑکی مرتھا کے مکان سے اس کی لاش نہیں نکلی اور رونے کی آوازیں بھی نہیں آ رہی ہیں تو وہ بڑی سٹ بٹائی۔ بیک کر نسواری سانپ کے بل میں ہاتھ ڈال کر اسے باہر نکالا اور پوچھا کہ اس نے لڑکی کو ڈسا تھا تو وہ مری کیوں نہیں؟

نسواری سانپ نے کہا۔

”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اندر ناگ دیوتا موجود ہے۔ میں نے لڑکی کو ڈسا تھا۔ مگر ناگ دیوتا نے حکم دیا کہ لڑکی کا ذہر چوس لو اور میں نے اس کا سارا ذہر چوس لیا“

بدروح نے چلا کر کہا۔

”تم نے ایسا کیوں کیا؟“

نسواری سانپ بولا۔

”اس لیے کہ میں ناگ دیوتا کا حکم نہیں ٹال سکتا۔ وہ

ہمارے سب سے بڑے دیوتا ہیں“

بدروح کا مکروہ چہرہ سکڑ گیا۔ بھوں۔ تو وہ آدمی ناگ دیوتا سے۔ تب ہی میرا ہاتھ اس کے جسم کے قریب جاتے ہی اپنے پاپ ایک ہلکے سے جھٹکے سے واپس آ جاتا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ پھر اس نے نسواری سانپ سے کہا۔ ٹھیک ہے تم چلے گا۔ سانپ اپنے بل میں گھس گیا۔ بدروح نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ناگ دیوتا سے انتقام ضرور لے گی۔ کیونکہ اس نے اسے شرمناک شکست دی تھی۔ اور بدروح اپنی شکست کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن وہ ناگ دیوتا تھا۔ اس پر کسی سادش کے ذریعے ہی ہاتھ ڈالا جا سکتا تھا۔ ناگ دیوتا کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔

بدروح واپس درخت میں جا کر چھپ گئی۔ اس نے اپنی بڑی بہن کا تہ ذہن میں جمایا اور اسے کہا۔

”میری بہن! میں بڑی مشکل میں ہوں۔ فوراً میری مدد

کو پہنچو“

دوسرے ہی لمحے اس بدروح کی بہن بدروح وہاں درخت

پر اس کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی چھوٹی بہن سے

پوچھا کہ وہ پریشان کیوں ہے؟ بدروح نے اپنی بڑی بہن کو

ساری کہانی بیان کی اور غرا کر کہا میں ناگ دیوتا سے ہر حالت میں



انتقام لینا چاہتی ہوں۔ میں اسے ایسا مزا چکھانا چاہتی ہوں کہ بچہ  
وہ ساری زندگی یاد رکھے۔

”تم خوب جانتی ہو کہ ہم بد روحیں اپنی شکست کبھی  
برداشت نہیں کیا کرتیں۔“

بڑی بد روح بہن سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی۔

”وہ ناگ دیتا ہے۔ اس کی طاقت کچھ کم نہیں ہے۔ تم  
اس کو چٹ بھی نہیں سکتی ہو۔ تم اسے آگ میں بھی  
نہیں ڈال سکتی ہو۔ ایسا کرو گی تو وہ اپنی جون ہاں  
کراڈ جائے گا۔“

دوسری بد روح نے کہا۔

”یہی تو مصیبت ہے کہ مقابلہ ناگ دیتا ہے ہے جو زمین  
اور سمندر کے سارے سانپوں کا دیتا ہے۔ مجھے اگر  
ناگ دیتا پر برتری حاصل ہے تو صرف اتنی کہ وہ مجھے  
دیکھ نہیں سکتا۔“

بڑی بد روح بولی۔

”لیں اسی ایک شے سے تم فائدہ اٹھا کر ناگ سے کسی  
طرح اپنا بدلہ لے سکتی ہو۔“

دوسری بد روح نے کہا۔

”لیکن یہی تم سے بڑھ چڑھی ہوں کہ میرا اپنے دشمن

ناگ سے کس طرح بدلہ لوں گا؟“

بڑی بد روح بہن نے کافی سوچ بچار کے بعد کہا۔  
”تم ناگ کو اپنی نگاہوں میں رکھو۔ وہ جہاں

جائے اس کا پیچھا کرتی رہو۔ اتنی دیر میں میں اپنے بد روحوں  
کے قبیلے کی سردارنی بد روح سے مشورہ کرتی ہوں۔“

میں بہت جلد سردارنی بد روح سے مشورہ کر کے  
تمہارے پاس آ جاؤں گی۔ تم فکر مت کرنا۔“

بد روح نے کہا۔

”نویاب ہے سردارنی بد روح بڑی تجربہ کار ہے۔ اسے  
ضرور کوئی ایسا طریقہ معلوم ہو گا۔ جس کی مدد سے میں  
ناگ سے اپنی اور اپنے قبیلے کی شکستہ بدلہ لے

سکوں گی۔“

بڑی بد روح چل گئی۔ دوسری بد روح رات پر بیٹھی  
اپنی منظر میں مرتھا کے مکان پر گہری نگاہیں جمائیں

۔ یہ کمرے میں مرتھا کے پاس بیٹھا عنبر تھیو سا ناگ  
وہ کیٹی کی باتیں کر رہا تھا۔ جب رات ہوئی تو ناگ

دوسرے لوگوں کے ساتھ چلا گیا۔ اگلے روز وہ اٹھا  
نہا دھو کر تازہ دم ہوا اور پھر مرتھا اور اس کے باپ

اور ماں سے اجازت لے کر عنبر لایا، کیٹی اور تھیو سا ناگ  
کی کھوج میں شہر کی طرف چل پڑا۔ وہ سب سے پہلے سیدھا



پہنچا۔ جہاں عبیر ماریا اور وہ رہا کرتے تھے۔

سراٹے میں اب نہ عبیر تھا، نہ کیٹی اور نہ تھیو سانگ۔  
ناگ نے سراٹے کے مالک اور نوکروں سے کافی پوچھ گچھ کی کہ اس کے جو دوست سراٹے کی کوٹھڑی میں رہتے تھے وہ کہاں گئے ہیں۔ مگر کوئی بھی اسے تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ کسی کو پتہ ہی نہیں تھا کہ عبیر وغیرہ کہاں کدھر گئے ہیں۔ سراٹے میں کتے ہی مسافر آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ناگ ناامید ہو کر شہر کی گلیوں اور بازاروں میں گھومنے لگا۔ دن کا وقت تھا بابل کے خوب صورت بازاروں میں بڑی رونق تھی۔ اسے شہر کی فضا میں عبیر ماریا اور کیٹی، تھیو سانگ کی خوشبو بھی نہیں آ رہی تھی۔ وہ اتنا ضرور سمجھ گیا تھا کہ یہ لوگ اس شہر سے کسی طرف نکل چکے ہیں۔ اب وہ صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔

لیکن اس سوال کا جواب اسے بھلا کون دے سکتا تھا؟ بابل میں دن کافی ٹپل آیا تھا۔ سڑکوں گلیوں میں بڑی رونق تھی۔ ہر ملک کے لوگ چل پھر رہے تھے۔ دکانیں بھی ہوتیں تھیں خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ بابل میں ایک چاہ بابل ہوا کرتا تھا۔ ایک بہت بڑا گول مینار تھا۔ جس کے نیچے زمین کے اندر ہی اندر نیچی چھت واپس تہ خانے بنائے گئے تھے۔ ان تہ خانوں میں بادشاہ اپنے دشمنوں کو بیٹھاتا دیتا تھا جہاں وہ سو رہا کرتے۔

کے دشمن اور تازہ ہوا کے بغیر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو کر مر جاتے تھے۔ چاہ بابل کے نام سے ہر کوئی کانپ اٹاتا تھا۔ کیوں ایک بانہ جو کوئی اس چاہ بابل میں ڈالا جاتا پھر اس کی ہڈیاں بھی باہر نہیں آتی تھیں۔ وہیں تاریک تہ خانے میں زمین کھود کر اسے دبا دیا جاتا تھا۔ یہ گول مینار شہر میں ہر طرف سے دکھائی دیتا تھا۔

ناگ کی بھی ایک بانہ اس میں گزرتے ہوئے چاہ بابل کے مینار پر نظر پڑی تو وہ سوچنے لگا کہ نہ جانے کتنے بد قسمت قیدی اس وقت اس مینار کے نیچے زندہ کی اور موت کی کشمکش میں گرفتار ایڑیاں رگڑ رہے ہوں گے۔ وہ بازار کا موڑ گھومنے لگا تو اسے کسی کے پھٹ پھٹانے کی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی اس کے اوپر سے گزر گیا ہو۔ ناگ نے منہ اوپر اٹھا کر دیکھا۔ اسے پتہ نہ آیا۔ لیکن اس وقت بدروح اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔ جو برابر اس کے پیچھے لگی تھی۔ ناگ نے ابھی تک اسے نہیں دیکھا تھا۔ ناگ کو اس کا خیال بھی نہیں آیا تھا کہ وہ اس کا پیچھا کر رہی ہوگی۔ جس وقت بدروح ناگ کے اوپر سے پھٹ پھڑاتی ہوئی گزر رہی تھی تو اس نے ناگ کے جسم کے ساتھ ایک خاص قسم کی ہوا کی لہر کو ٹکرا دیا تھا۔ ہوا کی اس لہر میں بدروح کے جسم کی ایک خاص بو تھی جو ناگ کے جسم کے ساتھ چپٹ گئی تھی۔ اب ناگ جہاں بھی ہو یا جس شکل میں



بھی ہو بدروح کو اس کی بو آسکتی تھی۔ اور پتہ کر سکتی تھی کہ کہاں ہے؟

ناگ کو صرف پھڑ پھڑاہٹ کی آواز ہی سنائی دی تھی جو اتنی تیزی سے اس کے اوپر سے ہو کر نکل گئی کہ وہ سمجھا کہ شاید یہ کوئی تیز رفتار پرندہ ہوگا۔ اسے پتہ نہ چل سکا کہ بدروح نے اس کے جسم کے ساتھ ایک خاص قسم کی بو چپکا دی ہے۔ ناگ کو خود بھی اس بو کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بابل شہر کے بازاروں میں سے گزرتا مینار بابل کے قریب بنے ہوئے ایک باغ میں آکر دھت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اب وہ یہ سوچ بچار کرنے لگا کہ عنبر مار دیا کیڑ اور تھو سا رنگ کے کھوج میں کسی ملک کا رخ کرے؟ پہلے اس کا خیال سکندر اعظم اور ارسطو کے ملک یونان جانے کا تھا۔ کیونکہ اس نے وعدہ کیا تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ یونان کی بجائے بابل شہر کے شمال کی طرف منگولیا کے علاقے میں جانا چاہیے جہاں ہے عنبر مار دیا اسی طرف گئے ہوں۔ انہی خیالوں میں گم منموکس اور بدنام چاہ بابل کا مینار اس کو وہاں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ اس مینار کے اندر رہنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی صرف شاہی خاندان کے شہزادے اور شہزادیاں کسی وقت اس مینار پر چڑھ کر شہر کا منظر دیکھا کرتی تھیں۔ نیا چہرہ بد قسمت

بدیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر مینار کے دوسرے دروازے کے ذریعے نیچے چاہ بابل کی کال کو ٹھٹھریوں میں مرنے کے لیے پہنچا دیا جاتا تھا۔

بدروح بھی اسی باغ میں ایک درخت پر بیٹھی ناگ کو دیکھ رہی تھی۔ اب بدروح کو ناگ کے جسم سے اپنی خاص بو بھی آ رہی تھی۔ اگر ناگ اس کی نگاہوں سے ادبھل ہو بھی جاتا تو وہ اس کی بو سے اس کو تلاش کر سکتی تھی۔ بدروح کو اپنی بڑی بدروح بہمن کا بھی انتظار تھا جو سردار بدروح سے ناگ سے بدلہ لینے کا کوئی طریقہ معلوم کرنے گئی تھی۔ دن ڈھلنے لگا تھا۔ دھوپ کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ دن کی تپش بھی کم ہو گئی تھی۔ باغ میں ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی تھی۔ ناگ کی نظریں مینار بابل کی طرف تھیں۔ اس نے دیکھا کہ ایک طرف سے کچھ سپاہی ایک اٹھارہ انیس سال کے نوجوان لڑکے کو زنجیروں میں جکڑے لیے چلے آ رہے ہیں۔ لڑکا رو رو کر ان سے رحم کی بھیک مانگ رہا ہے۔ مگر بادشاہ کے سنگدل سپاہیوں پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو رہا۔ اور وہ اسے کھینچے لیے چلے جا رہے ہیں۔ ناگ کو اس لڑکے پر بڑا ترس آیا۔ وہ باغ سے اٹھا اور سپاہیوں کے پاس جا کر بولا۔

» بھائیو! تم اس معصوم کو کہاں لیے جا رہے ہو؟ «



حالانکہ ناگ کو معلوم تھا کہ وہ اسے چاہ بابل میں ڈالتے کیلئے جا رہے ہیں۔ مگر ناگ سپاہیوں کی زبانی بہتہ کمر نہ کرنا چاہتا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔ سپاہیوں نے گھوڑ کر ناگ کی طرف دیکھا۔ ناگ نے اپنا سوال پھر دہرایا تو ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر ناگ کو گردن سے پکڑا اور بولا۔

”تم بھی اس کے ساتھ معلوم ہوتے ہو“

سپاہیوں کے ساتھ ایک کپتان بھی تھا۔ اس نے زور بکتر پہن رکھا تھا۔ ہاتھ میں نیزہ تھا۔ کپتان نے چلا کر کہا۔

”اس آدمی کو بھی چاہ بابل میں اس لڑکے کے ساتھ ہی ڈال دو۔ یہ بھی اس کا ساتھی ہے“

فرداً سپاہیوں نے ناگ کو درج لیا۔ ناگ نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ یعنی اس نے آگے سے کوئی مقابلہ نہ کیا۔ اصل میں وہ خود چاہتا تھا کہ چاہ بابل میں لڑکے کے ساتھ جائے۔ اس سے معلوم کرے کہ اسے کس جسم کی سزا مل رہی ہے۔ اور پھر اسے وہاں سے نکالنے کی کوشش کرے۔ سپاہیوں نے ناگ کے ہاتھ رستی سے باندھے اور اسے بھی گھسیٹتے ہوئے چاہ بابل کے دروازے کی طرف لے چلے۔ لڑکے نے روتے ہوئے ناگ کو ایک نظر دیکھا۔ مگر اسے تو اپنی جان بچانے کی پڑی تھی۔ لڑو کر بولا۔

”میں بے گناہ ہوں۔ مجھے نہیں معلوم میرا باپ کہاں ہے“

مگر سپاہی بھلا کہاں سنتے تھے۔ انہیں تو بادشاہ کی طرف سے حکم ملا تھا کہ چونکہ لڑکے کا باپ فرار ہو گیا ہے اور گرفتار نہیں ہو رہا اس لیے اس کے نو جوان بیٹے کو چاہ بابل میں پھینک کر اعلان کر دیا جائے کہ اگر اس کے باپ نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش نہ کیا۔ تو اس کا نو جوان بیٹا چاہ بابل میں ہی سسک سسک کر مر جائے گا۔ چاہ بابل کے دروازے پر ننگی تلواریں لیے بیٹے کٹے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ وہ شاہی دستے اور شاہی قیدیوں کو دیکھ کر ایک طرف ہٹ گئے اور نو جوان لڑکے کے ساتھ ہی ناگ کو بھی سپاہی گھسیٹتے ہوئے چاہ بابل کی سیڑھیوں پر لے آئے۔ یہ سیڑھیاں چاہ بابل کی دیوار کے ساتھ چکر کی طرح گھومتی ہوئی زمین کے اندر گہری تاریکی میں اتار گئی تھیں۔ جہاں آج تک سورج کی ایک کرن بھی نہیں پہنچی تھی۔

Uploaded for:  
Pakistan Virtual Library  
www.pdfbooksfree.pk



# اسیب کا انتقام

بد روح نے ناگ کو چاہ بابل میں جاتے دیکھ لیا تھا۔  
مگر اسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک تولیے  
معلوم ہو گیا تھا کہ ناگ چاہ بابل میں گرہ فائدہ ہو گیا ہے۔ دوسرے  
اسے ناگ کی برابر خوشبو آدمی تھی۔ وہ جب چاہے اس کے  
پاس پہنچ سکتی تھی۔ بد روح وہیں باہر باغ کے درخت  
میں بیٹھی۔ اپنی بڑی بد روح بہن کی راہ دیکھتی رہی۔ اسے معلوم تھا  
کہ آج رات وہ کسی وقت بھی آجائے گی۔

بادشاہ کے سپاہی ناگ اور لڑکے کو لے کر چاہ بابل کی  
سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔ جوں جوں وہ نیچے جا رہے  
تھے دن کی روشنی کم ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ بالکل اندھیرا  
چھا گیا۔ اب چوڑی سیڑھیوں میں جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔  
وہ زمین کے اندر کافی نیچے اتر گئے تھے۔ یہاں ہوا میں غمی کی  
تیز بو تھی اور حبس بھی بڑھ گیا تھا۔ سپاہی زنجیروں میں جکڑے  
ہوئے لڑکے کو آگے آگے لیے جا رہے تھے۔ ناگ پیچھے پیچھے

تھا۔ لڑکے نے اب دونا بند کر دیا تھا۔ اندھیرے میں اس کے  
سکياں بھرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ مشعل کی روشنی  
کے قریب سے سیڑھی اترتی تو ناگ لڑکے کو دیکھتا کہ اس کا سر  
جھکا ہوا ہے۔ اور وہ لڑکھڑا کر چل رہا ہے۔ زنجیروں کی  
جھکاہٹ اس کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔

تاریک سیڑھیاں ایک جگہ پہنچ کر ختم ہو گئیں۔ یہاں سے چاہ  
بابل کے بدنام اور موت کے تہہ خاتوں کا سلسلہ شروع ہوتا  
تھا۔ اس جگہ چھت اتنی نیچی تھی کہ ناگ کو گردن جھکا کر چلنا پڑ  
رہا تھا۔ سپاہیوں نے ایک کوٹھڑی میں دونوں کو لے جا کر  
ان کی رسیاں اور زنجیریں کھول دیں۔ اور انہیں بند کر دیا کوٹھڑی  
کا دروازہ کوئی نہیں تھا مگر جہاں سے چاہ بابل کے تہہ خانے  
شروع ہوتے تھے وہاں سیڑھیوں کے آگے ایک دالان  
تھا۔ جہاں سپاہیوں کا ایک دستہ ہر وقت ہتھیار لگائے  
پہرے پر موجود رہتا تھا۔  
کوٹھڑی میں آتے ہی ناگ نے لڑکے کے سر پر شفقت سے  
ہاتھ رکھا اور کہا۔

”میرے بیٹے! پہلی بات تو یہ ہے کہ گھبراؤ بالکل  
نہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو خدا تیری مدد کرے گا۔  
اور تم ضرور آزاد ہو جاؤ گے۔ دوسری بات یہ ہے



کہ مجھے بتاؤ تم نے ایسا کون سا جرم کیا ہے کہ جس کی سزا تمہیں اتنی گھناؤنی دی گئی ہے :

ناگ کی باتوں سے رڑکے کی کچھ ڈھارس بندھی ۔ وہ پھٹے ہی سے ناگ کی ہمدردیوں کا شکر گزار تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ناگ محض اس کی وجہ سے قید میں ڈالا گیا ہے ۔ رڑکے نے ناگ کی طرف دیکھا ۔ کوٹھڑی کے اندھیرے میں ناگ کو رڑکے کی آنسو بھری آنکھیں صاف دکھائی دے رہی تھیں ۔

اس نے کہا ۔

”میرا نام ہیو ہے ۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا “

ناگ نے پوچھا ۔

”پھر تمہیں یہاں کیوں پھینکا گیا ہے ؟“

ہیو بولا ۔

”میرے باپ نے بادشاہ کے ظلم کے خلاف آواز بلند کی تھی ۔ کیونکہ بادشاہ کے حکم سے غریب کسانوں کی زمین پر قبضہ کیا جاتا تھا ۔ بادشاہ نے میرے باپ کو باغی قرار دے دیا اور حکم دیا کہ اس کی گردن اڑادی جائے لیکن میرا باپ شاہی سپاہیوں کے آنے سے پہلے ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ۔ بادشاہ کے سپاہیوں نے میری بوڑھی ماں کو تو کچھ نہ کہا لیکن مجھے

پڑیا اور یہاں لے آئے ۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کروا دیا کہ اگر ایک ہفتے کے اندر اندر میرا باپ اپنے آپ کو بادشاہ کے حوالے نہیں کرتا تو میری گردن اڑا دی جائے گی ۔ بس میرا صرف یہی گناہ ہے کہ میں ایک حق کی آواز بلند کرنے والے باپ کا بیٹا ہوں “

رڑکا رونے لگا کہ نہ جانے اس کی ماں کا اس کی جدائی میں کیا حال ہو رہا گا ۔ ناگ ساری بات سمجھ گیا ۔ اس نے رڑکے کو تسلی دی اور کہا ۔

”ہیو ! تم حوصلہ نہ ہارو ۔ میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گا “

رڑکا بھیٹی بھیٹی آنکھوں سے ناگ کا منہ دیکھنے لگا ۔ پھر بولا ۔

”مگر تم تو خود میرے ساتھ یہاں قید میں پڑے ہو ۔ تم مجھے یہاں سے کیسے نکالو گے ؟ نہیں نہیں ۔ تم میری خاطر یہاں کیوں آئے ۔ تمہیں مجھ بد نصیب کے لیے اپنی جان پر کھیلنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی “

ہیو کے سر پر ہاتھ پھیرا اور شفقت بھری آواز میں کہا ۔

”میرے بچے ! یقین کرو ۔ میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا ۔ سب سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ اگر تم یہاں سے فرار ہو جاؤ ۔ تو اپنی والدہ کو لے کر کہاں



دوسرے ملک جا سکتے ہو! کیونکہ پھر تم بابل میں نہیں رہ سکو گے۔

پہلے تو لڑکے کو یقین ہی نہیں آیا کہ ناگ اسے زمین کے نیچے بنے ہوئے ایک ایسے تہہ خانے سے نکال سکے گا جہاں شاہی فوج کا پورا دستہ ہر وقت پہرہ دیتا ہے۔ لیکن جب ناگ نے اسے یاد بار کہا کہ وہ بتائے کہ فرار ہونے کے بعد اپنی والدہ کو لے کر کسی محفوظ علاقے میں جا سکتا ہے۔ تو اُسے کچھ کچھ وصلہ ہوا۔ وہ کہنے لگا۔

”یہ میری ماں ہی بتا سکتی ہے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔“

ناگ نے کہا۔

”تم مجھے اپنے گھر کا پتہ بتاؤ۔ میں تمہاری والدہ سے جا کر خود معلوم کرتا ہوں۔“

لڑکے ہیو اب اور زیادہ حیران ہوا کہ یہ شخص قید میں پڑا ہے اور کتنی آسانی سے پوچھ رہا ہے کہ مجھے گھر کا پتہ بتاؤ تاکہ میں جا کر تمہاری والدہ سے مل سکوں۔ ہیو یہ پوچھ بغیر نہ رہ سکا کہ تم یہاں سے باہر کس طرح نکلو گے۔ ناگ بولا۔

”اسی کی تم فکر نہ کرو۔ بس تم مجھے اپنے گھر کا پتہ بتا دو۔“

لڑکے نے ناگ کو اپنے گھر کا پتہ سمجھا دیا۔ ناگ کو معلوم تھا کہ باہر رات کی تاریکی چھا گئی ہوگی۔ اس وقت وہ آسانی سے لڑکے کے گھر جا سکتا تھا۔ اس نے لڑکے سے کہا۔

”آنکھیں بند کر کے کوٹے میں سو جاؤ۔ میں جا رہا ہوں۔ تمہارے گھر۔“

تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گا۔ مگر آنکھیں تھوڑی دیر کے بعد کھولنا۔“

ہیو تو پریشان ہو گیا کہ یہ شخص ضرور کوئی جتن بھوت ہے۔ وہ سہم کر دیوار کے ساتھ لگ کر فرش پر لیٹ گیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ناگ نے گرا سانس چھوڑا اور چھوٹے سے سیاہ سانپ کی شکل بدل کر تیزی سے رنگتا ہوا تہہ خانے کی چھت پر آ گیا اور پھر وہاں سے رنگتا چاہ بابل کے تہہ خانوں کے بڑے دروازے کی چھت پر سے ہو کر گزر گیا۔ اب وہ تیزی سے دیوار سے سیڑھیوں کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف بڑھنے لگا۔ اور پتہ لمحوں کے بعد وہ چاہ بابل کے باہر ٹھنڈی اور تازہ ہوا میں سانس لے رہا تھا۔

درخت پر بیٹھی بدروح کو ناگ کی بو آئی۔ پھر اس نے اسے سانپ کی شکل میں باہر نکلتے دیکھا تو اڑ کر اس کے اوپر آ گئی۔ اور جس طرف ناگ چلا اس کے ساتھ ساتھ اڑنے لگی۔ ناگ چاہ بابل سے نکل کر باغ میں آ گیا۔ یہاں اس نے عقاب کی



شکل بدلی اور اڑتا ہوا لڑکے ہیرو کے مکان کی طرف چلا۔ بدروح بھی اس سے تھوڑی اونچائی پر اس کے ساتھ ساتھ پرواز کر رہی تھی۔ ناگ نے ابھی تک بدروح کو نہیں دیکھا تھا۔ ناگ لڑکے کے بتائے ہوئے پتے پر اس کے مکان کے صحن میں اتر آیا۔ یہ دو کمروں والا ایک کچا مکان تھا جس کے کمروں کے دروازے بند تھے۔ صرف ایک کمرے کے روشن دان میں سے غم کی روشنی باہر آرہی تھی۔

ناگ نے انسانی شکل اختیار کی اور بند دروازے کی درز میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔ اسے ایک اڑھیر عمر کی ڈبلی بٹلی عورت نظر آئی جس کے آدھے بال سفید ہو گئے تھے۔ وہ چار پائی پر بیٹھی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے رو رہی تھی۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہی لڑکے کی ماں ہے۔ ناگ نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد اس عورت نے دروازہ کھول کر ناگ کو دیکھا۔ عورت کا چہرہ غم اور خوف میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ سمجھی کہ کوئی شاہی محل سے اسے بھی پکڑنے آیا ہے۔ اسے اپنی تو فکر نہیں تھی بس اپنے اکلوتے بچے کی فکر تھی۔ ناگ کو دیکھتے ہی سسکی بھر کر بولی۔

”میرے لال کو کسی نے مارا تو نہیں؟“

ناگ اندر آگیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور غم زدہ ماں

کے کانڈھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔  
”نیک دل بہن! تمہارا لڑکا بالکل ٹھیک ہے۔ میں اسے چاہ باہل کے موت کے تہہ خانے سے نکال کر تمہارے پاس لانا چاہتا ہوں لیکن مجھے بتاؤ کہ کیا تم اپنے بچے کو لے کر کسی محفوظ مقام کی طرف جاسکتی ہو؟“

غم زدہ ماں تو ہکا بکا سی ہو کر ناگ کا منہ ٹکھنے لگی۔ ناگ نے اسے جو کچھ کہا تھا۔ اس پر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کی اتنی عمر ہو گئی۔ اس نے آج تک کبھی یہ نہیں سنا تھا کہ چاہ باہل سے کبھی کوئی بدنصیب قیدی فرادہ ہوا ہو۔ ناگ بولا۔

”میری بہن! تمہارے بیٹے ہیرو نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے پاس کسی دوسرے ملک میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تم اپنے بچے کو لے کر چلی جاؤ؟“

ہیرو کی ماں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ڈوبتے کو تیکے کا سہارا سمجھتے ہوئے غم زدہ عورت نے ناگ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ کون ہے اور اس کی مدد کیوں کر رہا ہے۔



اور اس کے بچے کو چاہ بابل سے کیسے نکالے گا۔ ناگ نے اسے صرف اتنا ہی بتایا کہ وہ اس کے خاوند کا دوست ہے۔ اور ان کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ ہیمو کی ماں نے ناگ کو بتایا کہ ملک تو دن میں اس کا ایک بھائی رہتا ہے وہ اپنے بچے کو لے کر اس کے پاس جا سکتی ہے۔ ناگ نے کہا۔

”تو پھر ایسا ہے میری بہن کہ تمہیں سب سے پہلے اس مکان میں سے فرار ہونا ہو گا۔ تم آج ہی کی رات بلکہ اسی وقت میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو۔ اس ملک بابل کی سرحد سے باہر نکل کر کسی محفوظ مقام پر تم میرا اور اپنے بچے کا انتظار کرنا۔ میں کل رات تک اسے لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ کیا تمہارے پاس کوئی گھوڑا وغیرہ ہے؟“

وہ لنگڑا ہے۔ ناگ بولا۔

”دھکیک ہے میں گھوڑوں کا بندوبست کرتا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ ایک گھٹری میں کچھ خشک مچھلی اور پانی کی چھال باندھ کر تیار رہو۔ میں گھوڑے لے کر آتا ہوں۔“

یہ کہہ کر ناگ باہر نکل گیا۔ بدروح مکان کے باہر ایک

جگہ پر بیٹھی تھی۔ اس نے ناگ کو باہر نکلتے دیکھا تو اس کے سر کے اوپر کافی بندی پر اس کے ساتھ ساتھ اڑنے والے ناگ نے باہر آتے ہی عقاب کی شکل اختیار اور شہر اس طرف آگیا۔ جدھر امیر اور رئیس لوگوں کے مکان تھے۔ وہاں ایک اصطبل کے باہر چند گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ناگ انسانی شکل میں وہاں آیا اور بڑے آرام سے گھوڑوں کو پکارتا۔ پھر انہیں کھول کر مکان کے احاطے سے باہر لے

باہر نکلا ہی تھا کہ ایک پرے دار تلوار کھینچ کر ایک دم سامنے آگیا۔ ناگ نے اپنے منہ سے گرم سانپ کی پھسکار ماری۔ اس کا چہرہ مجلس گیا۔ ایسا ناگ نے زندگی میں پہلی بار کیا تھا۔ اس وقت اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ پرے دار بے ہوش ہو کر پیچھے گرا۔ ناگ ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دوسرے کی باگ پکڑی اور انہیں ڈورتا لڑکے ہیمو کی ماں کے مکان کے باہر آگیا۔

بدروح ساتھ ساتھ اور یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اسے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ ناگ کیا کر رہا ہے۔ وہ تو بس یہ چاہتی تھی کہ ناگ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو۔ جب تک کہ اس کی بڑی بہن بدروح نہیں



آجاتی۔ ناگ پک کر مکان میں گیا۔ لڑکے کی ماں تیار بیٹھی تھی۔ ناگ نے اسے ایک گھوڑے پر بٹھایا۔ دوسرے پر خود سوار ہوا اور گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتا شہر سے باہر جانے والی سڑک پر نکل آیا۔

بدروح اس کے سر کے اوپر کافی بلندی پر ساتھ ساتھ پرواز کر رہی تھی۔ رات کا پچھلا پہر ہو رہا تھا کہ ناگ اور لڑکے کی ماں بابل کے ملک کی سرحد سے کافی دور نکل آئے۔ یہاں ملک ایران کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ اسی کے شمال میں ایک چھوٹا سا شہر توران تھا۔ لڑکے کی والدہ کی منزل یہی توران کا شہر تھا۔ سرحد سے کافی دور ایک بدانی بارہ ددی دکھاتی دی۔ ویرانے میں یہ بارہ ددی ایک ایسی جگہ تھی۔ جہاں کچھ دیر کے لیے لڑکے کی ماں کو رکھا جا سکتا تھا۔ ناگ نے بارہ ددی کا ہاتھ لیا۔ بارہ ددی کے چبوترے کے نیچے ایک چھوٹی سی سڑنگ بنی ہوئی تھی۔ ناگ نے کہا۔

”میری بہن! تم اس جگہ آرام سے بیٹھ رہو۔ میں دونوں گھوڑے پھرتے کے لیے یہاں چھوڑے جاتا ہوں۔“

عورت نے ہمیشہ جیسا کہ پوچھا

”مگر میرے بھائی! گھوڑے کے بغیر تم کیسے جاؤ گے؟“

ناگ بولا۔

”میں کسی نہ کسی طرح چلا جاؤں گا۔ یہاں ان دونوں گھوڑوں کی ہمیں ضرورت پڑے گی۔ اس پاس کافی سبزہ ہے گھوڑے کہیں نہیں جائیں گے۔ میں کل رات اسی وقت تمہارے بیٹے کو لے کر یہاں پہنچ جاؤں گا۔“

ناگ نے عورت کو کافی تسلی دے دی اور خود بارہ ددی سے نکل کر بابل کی سرحد کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ صبح کی روشنی ہونے سے پہلے چاہ بابل میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ وہ بارہ ددی سے کافی دور نکل آیا۔ ہے اور اندھیرے میں اب اسے لڑکے کی ماں نہیں دیکھ سکتی تو اس نے سیاہ عقاب بن کر اڑان بھری اور برق رفتاری سے یعنی بجلی کی سی تیزی کے ساتھ واپس بابل کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔ بدروح اب بھی اس کے اوپر ہی اوپر ساتھ ساتھ اڑی جا رہی تھی۔

کوئی پانچ منٹ میں عقاب چاہ بابل کے سامنے والے باغ میں تھا۔ یہاں اس نے سانپ کا روپ بدلا اور صبح کے



بلکے ہوتے اندھیرے میں چاہ بابل کے بلند دروازے کی بھت کے ذریعے اندر داخل ہو گیا۔ بدروح ایک بار پھر باغ کے درخت میں چھپ گئی۔ اسے اس بات کی پریشانی تھی کہ اس کی بہن بدروح ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اتنی اسے سلی تھی کہ بدروح سردارنی بدروح سے مشورہ کر رہی ہو گی اور وہ آئے گی ضرور۔ دوسری طرف ناگ جھوٹے سانپ کی شکل میں ریگتا ہوا چاہ بابل کے نیچے تہ خانے میں پہنچ گیا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ اور حیرانی کی بات ہے کہ لڑکا گہری نیند سو رہا تھا۔ ناگ ایک سکیٹڈ میں انسانی شکل میں آ گیا۔ اس نے لڑکے کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ وہاں سے اُسے رات کے اندھیرے میں فرار ہونا تھا۔

صبح ہوئی تو چاہ بابل کا ایک موٹی توند والا سپاہی مرنے والے قیدیوں کے آگے سوکھی روٹیاں ڈال کر چلا گیا۔ پھر ایک سقہ کوٹھڑیوں کے گندے مشکوں میں ڈالی ڈال گیا۔ لڑکا اٹھ بیٹھا۔ اپنے سامنے ناگ کو دیکھ کر، خوش ہوا۔ درجے تابی سے اپنی ماں کی خیریت کے بارے میں پوچھنے لگا۔ ناگ نے اسے ساری بات سنا دی۔ لڑکا بولا۔ ”مگر ہم یہاں سے کیسے فرار ہوں گے؟“ ناگ نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

”خاموش رہو۔ اتنی اوجھنی آواز میں بات نہ کرو۔ بس تم میرے ساتھ ساتھ چلنا۔ جو میں کہوں۔ وہی کرتے جانا۔ ہم رات کا اندھیرا ہوتے ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔“

چاہ بابل کے نیچے کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ باہر کیا موسم ہے۔ دریا وقت ہے۔ دن ہے کہ رات ہے۔ لیکن ناگ نے انداز حساب رکھا۔ اور ایک ایک منٹ کا اندازہ لگاتا چلا گیا۔ پھر اس نے تہ خانے کے دروازے پر پرے دینے والوں کی ڈیوٹیاں بدلتی بھی دیکھیں۔ دوسری بار جب ڈیوٹی بدلتی گئی تو وہ سمجھ گیا کہ باہر رات ہونے والی ہے۔ اب وہ جو کس ہو گیا۔ اس نے لڑکے ہیمو سے کہا۔

”میں اپنا کام شروع کر رہا ہوں۔ اگر تم مجھ میں جتن بھوتوں والی کوئی بات دیکھو تو خبردار گھبراتا یا خوفزدہ نہیں ہوتا۔ یوں سمجھ لو کہ میرے پاس ایک ایسا جادو ہے جس کی مدد سے میں غائب ہو کر اپنی شکل بدل لیتا ہوں۔“

لڑکا منہ کھولے چپ چاپ سانگ کی باتیں سن رہا تھا۔ جب ناگ کو یقین ہو گیا کہ باہر اب رات کا اندھیرا چھا گیا ہو گا۔ تو اس نے لڑکے کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ



سے کہا۔

”خوار ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں اپنی شکل جادو کے ذریعے بدل رہا ہوں۔ میں سانپ بن رہا ہوں۔ تم ڈرنا مت۔“

لڑکا بولا۔

”نہیں۔“

مگر اس کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ بہت ڈرا ہوا ہے۔ مگر ناگ کے پاس اس قسم کی باتوں میں پڑنے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے ایک پھسکار مادی اور چھوٹے سیاہ سانپ کی شکل میں آگیا۔ لڑکے نے اسے غائب ہوتے اور پھر ایک سانپ کو دیکھا تو سمجھ کر دیوار کے ساتھ ساتھ ریگتا چاہ بابل کے دروازے کی طرف آگیا۔ اس وقت دروازے کے دالان میں مشعل جل رہی تھی۔ اور چار سپاہی آمنے سامنے بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور بھٹے ہوئے بیل کا گوشت کھا رہے تھے۔ ناگ جانتا تھا کہ یہ اگر کسی کو آواز بھی دیں گے تو ان کی آواز چاہ بابل کی سیڑھیوں میں سے گزر کر اوپر مینار کے دروازے تک نہیں پہنچے گی۔ ناگ کو صرف ایک بات کا احساس تھا کہ خود اس کو ان سپاہیوں سے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ کیونکہ خدا سی نادانی برتتاوار کا ایک ہی وار ناگ کے دو ٹکڑے کر

لگا تھا۔ چنانچہ ناگ بڑی ہوشیاری اور سمجھ داری سے دیوار پر اندھیرے میں ریگتا اس پنج کے پیچھے آگیا جس

دوسپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔

ناگ دیوار سے نیچے اتر آیا۔ اب اسے مشعل کی روشنی دونوں سپاہیوں کی ٹانگیں نظر آ رہی تھیں۔ اس زمانے میں رواج کے مطابق ان سپاہیوں نے ٹانگوں پر چمڑے کے تسمے باندھے ہوئے تھے۔ مگر ٹانگوں کی جلد صاف نظر آ رہی تھی۔ ناگ لپک کر آگے بڑھا اور بجلی کی طرح بڑھ کر اس نے باری باری دونوں سپاہیوں کی ٹانگوں پر ڈس دیا۔ دونوں سپاہی اچھلے اور پھر فرش پر گر پڑے کیونکہ ناگ نے ان کے جسم میں بہت سا زہر شامل کر دیا تھا۔ دوسرے سپاہی بھاگ کر ان کی طرف پکے تو ناگ ان کے پیچھے آگیا تھا اور تیزی سے باری باری ان دونوں کو بھی ڈس دیا۔ یہ دونوں سپاہی بھاگنے والے سپاہیوں کے اوپر جا گرے۔ اب ناگ بھاگ کر لڑکے کے پاس آیا۔ وہاں اس قدر خاموشی اور دیرانی تھی کہ قسمت کے حارس بد نصیب اور کمزور قیدیوں میں سے کسی کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ چاروں پہرے دار اگلی دنیا کو پہنچ چکے ہیں۔

لڑکے کے پاس آتے ہی وہ انسانی شکل میں آگیا اور بولا۔



”جلدی سے چلو۔ پھرے دار ہلاک کر دیتے گئے ہیں“

رٹکا ناگ کے پیچھے پیچھے کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ اس نے دیکھا کہ واقعی چاروں کے چاروں سپاہی دروازے کے دالان میں ایک دوسرے کے اوپر مرے پڑے تھے۔ ناگ رٹکے کو لے کر چاہ بابل کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اب سب سے بڑا مرحلہ آگے آنے والا تھا جب انہیں چاہ بابل کے خاص اور آخری دروازے میں سے گزر کر باہر جانا تھا۔ سیڑھیاں بالکل خالی تھیں۔ وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے آخر چاہ بابل کے دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ ناگ نے رٹکے کو ایک جگہ اندھیرے میں کھڑے رہنے کی ہدایت کی اور خود سانپ کی شکل اختیار کر کے دیوار سے لگ کر رہینگے ہوئے اوپر چلا آیا۔ چاہ بابل کے دروازے پر بھی چار سپاہی چل پھر کر پھر دے رہے تھے۔ وہ اس لیے بھی بڑے بے فکر تھے کہ آج تک چاہ بابل سے کبھی کسی قیدی کو فراد ہونے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

ناگ باہر جانے کی بجائے چاہتا تھا کہ ایک ایک کے سپاہی نیچے سیڑھیوں میں آئیں۔ چنانچہ اس نے سیڑھیوں میں چھپ کر ایک زوردار پھٹکار کی آواز نکالی۔ اس آواز پر

سپاہیوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ ایک سپاہی نیزہ لے کر اترتا کہ دیکھوں یہ پھٹکار کس کی تھی؟

جونہی وہ ناگ کے اوپر سے گزرنے لگا۔ ناگ نے اچھل کر اس کی پنڈلی پر ڈس دیا۔ سپاہی چیخ مار کر گر گیا۔ دوسرا سپاہی بھاگ کر آیا۔ ناگ نے اسے بھی ڈس دیا۔ اب دونوں سپاہی تلواریں لے کر دوڑے ناگ نے ان کو بھی وہیں ہمیشہ زینہ سلا دیا۔ پھر اس نے باہر سر نکال کر ایک نگاہ ڈالی۔ پھر اس وقت کوئی نہیں تھا۔ ناگ کے لیے یہ ایک سنہری موقع تھا۔ وہ انسانی شکل میں آگیا اور رٹکے کو آواز دی۔ ”ہیمو“ اس کی آواز کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ جلدی سے سیڑھیاں چڑھتا چاہ بابل کے دروازے پر آگیا۔ ناگ نے ایک طرف اندھیرے میں اشارہ کیا۔

”دو دھرمیرے ساتھ بھاگو۔ جلدی کرو۔“

ناگ رٹکے کو ساتھ لیے دوڑتا ہوا چاہ بابل کے ساتھ والے باغ کے اندھیرے میں آگیا۔ ابھی تک اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ پھر وہ دوڑتے ہوئے دوسری جانب باغ سے باہر نکل گئے۔ ناگ نے رٹکے سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے ہم گھوڑے حاصل کر سکیں۔ اس پر رٹکے نے دوڑتے دوڑتے پاپتے ہوتے کہا۔



”مجھے معلوم نہیں“

لہتے میں پیچھے سے سپاہیوں کے دوڑنے اور گھوڑوں کے ہنسنے کی آوازیں آئیں۔ سپاہی ان کے پیچھے بھاگے آ رہے تھے۔ رٹکا گھبرا کر بولا۔

”ناگ بھیا وہ آ رہے ہیں۔ وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔“

ناگ نے دیکھا کہ واقعی ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی میں سپاہیوں کا ایک دستہ پیدل اور گھوڑوں پر سوار ان کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ ناگ نے سوچا۔ اب رٹکے کو یہاں سے اڑا کر بی لے جانا پڑے گا۔ ناگ نے رٹکے کو ایک طرف کھینچا اور کہا۔

”جب میں بہت بڑا عقاب بنوں تو تم میرے اوپر فوراً سوار ہو جانا۔“

اس کے ساتھ ہی ناگ نے پھٹکار مار کر ایک بہت بڑے عقاب کی شکل اختیار کر لی۔ رٹکا اس کے اوپر چھلانگ لگا کر چھٹ گیا۔ گھوڑ سوار قریب آ گئے تھے۔ انہوں نے تیروں کی ایک بوچھاڑ ماری جو ناگ کے اوپر سے گزر گئی۔ ناگ ایک دم زمین سے بلند ہوا اور اتنی تیزی سے اڑتا ہوا اوپر اٹھ گیا کہ وہ بدروح بھی حیران رہ گئی۔ جو ناگ کے پیچھے لگی تھی کہ ناگ دیوتا آخر دیوتا ہے اور بہت کچھ کر

سکتا ہے۔ مگر اسے حیرانی اس بات پر تھی کہ اتنا بڑا دیوتا ہو کر ہلکی چوٹے چھوٹے کاموں میں لگا ہوا ہے اور کبھی کسی کو ہانا پھرتا ہے، کبھی کسی کو مصیبت سے نکال رہا ہے۔ اس بدروح کو کیا معلوم کہ دنیا میں نیک روحیں وہی ہوتی ہیں۔ ہوساری زندگی مشکل میں پھنسے ہوئے لوگوں کے کام آتی ہیں۔

اور مصیبت میں ان کی مدد کرتی ہیں۔

ناگ جو نہی عقاب بن کر رات کے آسمان کی طرف بلند ہوا تو سپاہی اسے دہشت زدہ ہو کر دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ پھر ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ وہاں سے اُلٹے پاؤں اٹھ دوڑے۔ ناگ اپنے اوپر رٹکے کو بٹھائے بابل شہر کے اوپر سے ہو کر اڑ رہا تھا۔ رٹکا اس کی پیٹھ سے چمٹا ہوا تھا۔ ڈر کے مارے اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اپنا منہ ناگ یعنی عقاب کی پیٹھ کے پروں کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ ناگ کو معلوم تھا کہ رٹکا بہت ڈرا ہوا ہے۔ اور اگر زیادہ دیر اسے بلندی پر اڑاتا رہا تو کہیں اسے کچھ ہونہ جائے۔ چنانچہ شہر کی دیوار سے باہر نکلتے ہی ناگ نیچے آگیا اور اب زمین سے کوئی پچاس فٹ کی بلندی پر پرواز کرنے لگا۔

پھر جب وہ صحرا میں داخل ہوا تو اور نیچے آگیا۔ اس



نے اپنی رفتار بھی کم کر دی تھی۔ لڑکے کا خوف اب کچھ کم ہو گیا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ہوا میں خود پرندہ بن کر اڑ رہا ہے۔ صبح ہوتے ہی ناگ عقاب کی شکل میں لڑکے کو لے کر ملک ایمان کی سرحد کے اندر اس بارہ درمی پر پہنچ گیا۔ جہاں لڑکے کی حتم سے نڈھال ماں نیچے غار کے دروازے پر بیٹھی تھی۔ ناگ نے فوراً زمین پر اترتے ہی انسانی شکل بدلی اور لڑکے کو لے کر اس کی ماں کے پاس آگیا۔ ماں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو گلے سے لگا لیا۔ اس نے ناگ کی بلائیں لیں۔ کہ اس نے اس کے پکھڑے ہوئے بچے کو بلا دیا تھا۔ ناگ نے گھوڑوں کے بارے میں پوچھا تو لڑکے کی ماں نے بتایا کہ وہ پاس ہی کہیں چر رہے ہوں گے۔ صبح کی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ ناگ نے دیکھا کہ گھوڑے ایک سبزہ زار میں گھاس چر رہے تھے۔ وہ انہیں پکڑ کر لے آیا۔ ایک گھوڑے پر لڑکا بیٹھا۔ ایک پر اس کی ماں سوار ہو گئی۔ ناگ نے کہا۔

”میری بہن! اگر تمہیں راستے کا پتہ نہیں تو میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔“  
عورت نے کہا۔

”میرے بھائی! میں راستہ جانتی ہوں۔ اور تو ران یہاں

سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میں دوپہر سے پہلے ہی وہاں پہنچ جاؤں گی۔ میں ادھر سے کئی بار گزری ہوں۔“

لڑکے کو ناگ نے پیار کیا۔ ماں نے ناگ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور دونوں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ بدروح اس وقت بھی ناگ کے سر کے اوپر کافی بلندی پر ہوا میں پرواز کر رہی تھی۔ ناگ کو اس کا احساس نہیں تھا۔ اب ناگ نے سوچا کہ اسے واپس ملک یونان کی طرف سکندراعظم کے پاس ہی چلنا چاہیے۔ شاید وہاں عبیر ماریا کیٹی اور تھیوسانگ کا کوئی سراغ مل جائے۔ یہ سوچ کر اس نے چھوٹے عقاب کی شکل بدل اور فضا میں پروانہ کر گیا۔

ناگ کا رخ ملک بابل کی طرف تھا۔ اُسے ملک کے اوپر سے گزر کر ہی ملک یونان کی طرف جانا تھا۔ بدروح اس کے اوپر ساتھ ساتھ پرواز کر رہی تھی۔ اب عقاب کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی۔ جب وہ بابل شہر کے قریب پہنچا تو اس نے دور سے شہر کی عمارتوں سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے۔ عقاب میزی سے شہر کے اوپر آگیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ کسی ملک کی فوجوں نے شہر بابل پر حملہ کر دیا ہے۔ شہر کی فسیل کی چاروں طرف دشمن کی فوجیں ہی فوجیں نظر آ رہی تھیں



میشونوں سے شہر کے اندر آگ کے گولے پھینکے جا رہے تھے۔ جن سے شہر کے مکانات میں آگ بھڑک رہی تھی۔ شہر کی فیصل پر سے بابل کی فوجیں دشمن پر تیر برسا رہی تھیں۔

عقاب پیچھے ہٹ کر دشمن کی فوجوں کے عقب میں آ کر زمین پر اتر آیا۔ وہ ایک سوکھے درخت کی ٹہنی پر بیٹھ گیا جگہ جگہ فوجیوں کے کیمپ لگے تھے۔ فوج کا ایک حصہ شہر کی فیصل کو توڑنے، شہر میں گولے پھینکنے پر لگا تھا اور دوسرا تازہ دم فوج کا حصہ پیچھے کیمپوں کے باہر بیٹھا اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ شکل اور فوجی لباس سے یہ فوج ملک یونان کی لگتی تھی۔ ناگ کو شک ہوا کہ ضرور یہ سکندر کی فوج ہے اور اس نے بابل پر حملہ کر دیا ہے۔ کیونکہ تاریخ میں ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا سکندر اعظم نے اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

ناگ کے دل میں سکندر اعظم سے ملنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے درخت سے اتر کر انسان کی شکل بدلی اور کیمپ کی طرف چلا۔ فوجیوں نے اسے دیکھا تو تلاویں لے کر اس کی طرف بڑھے۔ وہ اسے دشمن کا کوئی جاسوس سمجھ بیٹھے تھے۔ جو فوجوں کی نقل و حرکت کا پتہ کرنے فوج کے عقب میں آگیا تھا۔ ناگ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور کہا۔

”میرا نام ناگ ہے۔ میں ملک ہندوستان کا رہنے والا ہوں۔ اور سکندر اعظم میرا دوست ہے۔“

سپاہیوں کے ہاتھ وہیں رُک گئے۔ ایک نے کہا۔ ”یہ بکواس کرتا ہے۔ اسے قتل کر ڈالو۔“ دوسرے سپاہی نے تلوار فضا میں بلند کی اور ناگ پر وار کرنے ہی والا تھا کہ ناگ پھنکار مار کر فضا میں عقاب کی شکل میں بلند ہو گیا۔ سپاہیوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ایک کے ہاتھ سے تو تلوار گر گئی۔

”یہ — یہ تو کوئی جادوگر ہے۔“

سپاہی اپنے اپنے کیمپوں کی طرف دوڑ پڑے۔ ناگ عقاب کی شکل میں کیمپوں کے اوپر چکر لگانے لگا۔ بہت بڑی فوج تھی۔ فوجی کیمپوں کا ایک سمندر لہرا رہا تھا۔ سکندر اعظم کا کیمپ درمیان میں تھا۔ یہ کیمپ بہت عظیم الشان اور خوب صورت تھا۔ اس کے باہر یونانی سپاہی نیزے لیے بیڑے دے رہے تھے۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ یہ سکندر اعظم کے سوائے اور کسی کا کیمپ نہیں ہو سکتا۔ ناگ نیچے اتر آیا۔ وہ عقاب کی شکل میں تھا۔ اس نے غوطہ لگایا کہ کیمپ کے ادھر کھلے پر دے میں سے اندر چلا جائے کہ یونانی سپاہیوں نے اس پر نیزے سے حملہ کیا۔ ناگ کیمپ کے اندر جا چکا تھا۔



سپاہی بھی اس کے پیچھے آئے۔

اندر سکندر اعظم اپنے دو جرنیلوں کے ساتھ گول پھرنے کے پاس کھڑا جنگ کے نقشے کو ہلک کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے سپاہیوں کو آتے دیکھا تو پلٹ کر بولا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے؟“

سپاہیوں نے ادب سے کہا کہ اندر ایک عقاب گھس آیا ہے۔ سکندر اور اس کے جرنیلوں نے سیاہ عقاب کو دیکھا کہ ایک شمع دان کے اوپر بیٹھا تھا۔ سکندر کو عقاب بڑے پسند تھے۔ اس نے کہا۔

”تم جاؤ۔ عقاب خود میرے خیمے میں آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے ہمیں فتح ہوگی۔ اے میرے خیمے میں ہی رہنے دو۔“

سپاہی فوراً واپس چلے گئے۔ سکندر اعظم عقاب کی طرف بڑھا اور اُس نے اُسے اپنے ہاتھ پر بٹھا لیا۔ جرنیل بھی اس اچھے شگون پر مسکرا رہے تھے۔ اتنے میں ایک سپاہی ہانپتا ہوا اندر آیا اور بولا۔

”ٹکاؤر! اسکندر اعظم! یہ عقاب کوئی جادوگر ہے۔“

سکندر نے سپاہی کی طرف دیکھا اور بولا۔

”بہادر آدمی پر جادو کا اثر نہیں ہوتا۔ اگر یہ جادوگر

ہے تو سکندر اعظم اس سے بڑا جادوگر ہے۔“

سپاہی ادب سے سلام کر کے چلا گیا۔ سکندر نے عقاب کو ہاتھ میں لے کر شمع دان پر بٹھا دیا اور اپنے جرنیلوں کے ساتھ جنگ کے نقشے پر غور کرنے لگا۔ بدروح اس وقت بھی نیچے کے اوپر منڈلا رہی تھی۔ اس نے ناگ کو سکندر کے

نیچے میں دیکھ لیا تھا۔ اسے ناگ کی خاص بو بھی آرہی تھی۔ وہ خیموں سے دور ایک سوکھے درخت میں جا کر بیٹھ گئی۔ ناگ یونہی دل لگی کی خاطر ابھی سکندر پر اپنا آپ ظاہر نہیں کر

رہا تھا۔ اتنے میں ایک جرنیل نے آکر خوش خبری سنائی کہ بابل کے شہر کی دیوار توڑ دی گئی ہے اور ہماری فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں ہیں۔ سکندر بڑا خوش ہوا۔ اسی وقت خیمے سے باہر نکلا۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور سیدھا شہر کی طرف چلا گیا۔

ناگ بھی اس کے سر کے اوپر اڑ رہا تھا۔ بابل فتح ہو گیا تھا۔ بابل کا بادشاہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سکندر نے شاہی محل پر قبضہ کر لیا۔ شاہی خاندان کے لوگوں کے ساتھ سکندر نے اچھا سلوک کیا۔ وہ بابل کے شاہی محل سے باہر نکل رہا

تھا کہ دشمن کا ایک سپاہی جو پہلے سے گھات لگاتے کھڑا تھا خنجر لہراتا ہوا نکلا اور سکندر پر پیچھے سے وار کرنے ہی لگا تھا کہ ناگ نے اپنے منہ سے عقابوں ایسی تیز سیٹی کی آواز



نکالی اور اس کی آنکھوں پر جھپٹ کر پیچے مارے۔ دشمن سپاہی پیچھے کو گرا۔ اس کے ساتھ ہی ناگ سانپ کی شکل میں آیا۔ اور سپاہی کی گردن پر ڈس دیا۔ یہ سب کچھ ایک ڈیڑھ سیکنڈ میں ہو گیا۔

سکندر نے ہلٹ کر دیکھا کہ دشمن سپاہی فرش پر ایڑیاں رگڑتا تھا اور اس کے سر کے پاس ناگ کندلی مارے بیٹھا تھا۔ اسکندر کے محافظ سپاہی تلواریں لہراتے ناگ کو مارنے کے لیے آگے بڑھے۔ سکندر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”اے مت مارتا“

سپاہی وہیں رک گئے۔ سکندر سمجھ گیا تھا کہ سانپ کی شکل میں یہ اس کا دوست ناگ ہے۔ وہ سانپ کے قریب آگیا۔ ناگ نسب لوگوں کے سامنے اپنی شکل تبدیل نہیں کرتا چاہتا تھا۔ وہ سانپ ہی کی شکل میں رہا۔ سکندر نے ہاتھ آگے بڑھایا تو ناگ نے اپنی گردن ادب سے جھکا دی اور پھر بڑے سکون کے ساتھ سکندر اعظم کے ہاتھ پر چڑھ گیا۔ سکندر کو یقین تھا کہ یہ ناگ ہی ہے اور اسی نے اس کی جان بچائی ہے۔ وہ بولا۔

”میرے دوست! تم اتنے دن کہاں رہے؟“  
ناگ خاموش رہا۔ کیونکہ سکندر سانپ کی زبان نہیں سمجھ

نہ تھا۔ مارے سپاہی اور جرنیل حیران تھے کہ سانپ سکندر کو کچھ نہیں کہہ دو ایک جرنیلوں نے سکندر سے درخواست کی کہ سانپ انسان دشمن ہوتا ہے اسے پھینک دیں۔ سکندر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مگر یہ ہمارا دوست ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ دشمن نے مجھ پر خنجر سے حملہ کرنا چاہا تھا مگر اس سانپ نے اسے ڈس کر ہلاک کر دیا“  
جرنیل بولا۔

”مگر حضور وہ تو ایک عقاب تھا“  
سکندر نے ہنس کر کہا۔

”وہ بھی یہی ہے۔ تم نہیں سمجھ سکو گے“  
سکندر اعظم ناگ کو اپنے پیچھے میں لے آیا۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ ناگ نے فوراً انسانی شکل بدل لی اور سکندر کو ادب سے سلام کیا اور کہا۔

”سکندر اعظم کو ملک بابل کی فتح مبارک ہو“  
سکندر اعظم نے کہا۔

”میرے دوست ناگ! سب سے پہلے مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا ہے کہ تم ایک دشمن سے میری جان بچائی“



ناگ کہنے لگا۔

”یہ تو میرا فرض تھا۔ اسکندر اعظم! یہ بتائیں کہ ارسطو

کماں ہیں؟“

اسکندر نے ناگ کو بتایا کہ ارسطو پیچھے ملک یونان میں ہی ہے۔ جنگ میں ہمارے ساتھ اس کا آنا ضروری نہیں تھا۔ دو جرنیل کوئی ضروری بات کرنے اندر آتے تو ایک اجنبی شخص کو اسکندر کے ساتھ دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئے پھر اپنے اپنے خیموں کے دستوں پر ہاتھ رکھا کہ اگر اسکندر کو کوئی خطرہ ہو تو اجنبی شخص کو فوراً مار ڈالا جائے۔ اسکندر نے ناگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہ میرا دوست ہے۔ تم اس کی فکر مت کرو اور

بے شک اس کے سامنے ضروری بات کر سکتے ہو“

جرنیل نے اسکندر کو بتایا کہ چاہ بابل میں سے سینکڑوں قیدی برآمد کئے گئے ہیں ان کے بارے میں یہ حکم ہے؟ ناگ نے اسکندر سے کہا۔

”یہ قیدی بے پناہ دکھ اور اذیتیں برداشت کر

چکے ہیں۔ ان کو رہا کر دیں“

اسکندر نے کہا۔

”دھچک ہے۔ ہم اپنے دوست کی تمہیز کو تسلیم کرتے

ہیں۔ چاہ بابل کے قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا جاتے“

جرنیل واپس چلے گئے۔ ناگ نے اسکندر اعظم کا شکریہ ادا کیا۔ اسکندر نے کہا۔

”ہم نے بابل فتح کر لیا ہے۔ اب ہم ملک ایران کو فتح کرنے آگے بڑھیں گے۔ ہماری خواہش ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو“

ناگ بولا۔

”میں اپنے جن دوستوں سے ملنے آپ کو مقدونیہ میں چھوڑ کر ملک مصر گیا تھا وہ دوست مجھے نہیں مل سکے۔ مجھے ان کی تلاش ہے“

اسکندر اعظم نے کہا۔

”دیکھا معلوم تمہارے دوست ملک ایران میں تمہیں مل جائیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہی ایران کی طرف چلے چلو“

ناگ نے بھی سوچا کہ ممکن ہے ملک ایران میں ہی جنر

ماریا کیٹی اور تھیو سانگ سے ملاقات ہو جائے۔ اس نے

حامی بھری۔ بابل پر قبضہ کرنے اور وہاں اپنا ایک جرنیل چھوڑنے

کے بعد اسکندر اعظم کی یونانی فوجیں ملک ایران کی طرف روانہ

ہو گئیں۔ بدروح بھی ناگ کے ساتھ ساتھ تھیو سانگ بھی ایرانی



فرجیں ایران کے راستے میں ہی تھیں کہ بدروح سے اس کی بڑی بدروح بہن آن ملی۔ اس وقت سکندر کی یونانی فرجیں ایک دریا کے کنارے ڈیرا ڈالے ہوئے تھیں۔ ناگ سکندر کے غیمے کے ساتھ والے غیمے میں بیٹھا عنبر مار یا تھیو ناگ اور کیٹی کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ شام ہو رہی تھی۔ خیموں کے باہر آگ کے آلاؤ روشن تھے۔ سکندر اپنے غیمے میں جہنیوں کے ساتھ حملے کے بارے میں صلاح و مشورہ کر رہا تھا۔ دونوں بدروحیں دریا کنارے ایک درخت پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ بڑی بدروح نے کہا۔

”سردارنی بدروح نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ ناگ دیوتا سے ایسا بدلہ لیا جائے کہ وہ ساری زندگی یاد رکھے۔ کیونکہ اس نے ہم بدروحوں کے قبیلے کی توہین کی ہے۔“

بدروح بولی۔

”لیکن تم مجھے وہ ترکیب بتاؤ۔“

اس کی بہن بڑی بدروح نے کہا۔

”ترکیب یہ ہے کہ جب ناگ دیوتا کسی کھلی جگہ پر آئے تو اسے ایک خاص منتر سے ایک جگہ پتھر کر دیا جائے۔ اس کے بعد سردارنی بدروح نے اپنے سر کا جو بال دیا ہے وہ ناگ دیوتا کی ٹھانگلی کے گرد لپیٹ کر باندھا جائے۔ بال باندھتے ہی ناگ دیوتا یا قوت کے ایک چھوٹے سانپ کی شکل میں بدل جائے گا۔ اس چھوٹے سانپ کو بابل کے پرانے مندر کے باہر جو تالاب ہے اس میں پھینک دیا جائے

”ہمارے قبیلے کی سردارنی بدروح ملک ہندوستان کی طرف گئی ہوئی تھی۔ اس نے وہاں دیر کر دی اس لیے مجھے بھی دیر ہو گئی۔“

بدروح نے کہا۔

”مجھے جلدی سے بتاؤ کہ تم نے اس سے کیا مشورہ کیا اور اس نے تمہیں ناگ سے بدلہ لینے کی کیا ترکیب بتائی ہے؟“

بڑی بدروح بولی۔

”سردارنی بدروح نے کافی سوچ بچار کے بعد کہا ہے کہ ناگ دیوتا کو اپنے قابو میں کرنے کی ایک ہی



اس تالاب سے وہ ساری زندگی باہر نہیں نکل سکے گا۔ بس یہی اس کی سزا ہے اور اس سے زیادہ ہم اس کے خلاف کچھ کر بھی نہیں سکتے۔“  
بدروح بولی۔

”لیکن وہ منتر کیا ہے جس سے ناگ دیوتا پتھر بن جائے گا؟“

بڑی بدروح نے کہا۔

”وہ منتر سردارنی بدروح نے مجھے یاد کرا دیا ہے پہلے یہ بتاؤ کہ ناگ دیوتا اس وقت کہاں ہے؟“  
بدروح بولی۔

”وہ اپنے نیچے ہے۔ کیوں نہ ہم اس کے نیچے میں جا کر اس پر منتر پھونک دیں؟“  
بڑی بدروح کہنے لگی۔

”ایسی غلطی کبھی نہ کرنا، تمہیں پتہ ہی نہیں کہ ناگ دیوتا اس وقت تمہیں اور مجھے دیکھ سکتا ہے۔“  
بدروح تو حیران رہ گئی۔

”اچھا؟ اس کی تو مجھے خبر ہی نہیں تھی؟“  
بڑی بدروح بولی۔

”یہ بات بھی مجھے سردارنی بدروح نے بتائی ہے۔“

اب ایسا ہے کہ ہمیں ناگ دیوتا کے کھلی جگہ پر آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔ اس کے بعد میں خود بڑی احتیاط سے اُس پر منتر پھونکوں گی۔“

دونوں بدروحوں درخت پر بیٹھی ناگ کا انتظار کرنے لگیں۔ دوسری طرف شام ہوتے ہی ناگ نیچے سے باہر نکل آیا اور ٹھلٹھلے ٹھلٹے دریا کنارے آ گیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ناگ کو یہ موسم بڑا خوشگوار لگا۔ وہ بھر پور دریا کنارے کچھ دُور نکل گیا۔ دونوں بدروحوں نے اسے دیکھ لیا تھا اور وہ اس سے دُور رہ کر اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ ناگ ایک جگہ دریا کنارے بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر دریا کے پانی کا نظارہ کرتے لگا۔  
بڑی بدروح نے کہا۔

”میں جا کر منتر پھونکتی ہوں۔ اس سے اچھا موقع ہمیں کبھی نہیں ملے گا۔“

چھوٹی بدروح نے اسے احتیاط سے کام لینے کی ہدایت کی۔ بڑی بدروح ایک دم اوپر کُھڑکی گئی۔ ناگ سے کافی اوپر فضا میں پہنچ کر وہ آہستہ آہستہ نیچے آتی گئی۔ جب وہ ناگ کے سر سے تھوڑی بلندی پر آئی تو اس نے اپنی سردارنی بدروح کا بتایا ہوا منتر پڑھا اور زور سے ناگ کے سر پر



پھونک مار دی۔ ناگ کو یوں لگا جیسے ہوا کا تیز جھونکا اس سے ٹکرا گیا ہو۔ وہ اٹھا ہی تھا کہ ایک دم سے اس کا جسم اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا۔

بڑی بدروح نے چیخ مار کر دوسری بدروح کو بلا لیا اور کہا۔  
”آ جاؤ۔ ہم نے میدان مار لیا ہے۔“

چھوٹی بدروح پک کر وہاں پہنچ گئی۔ بڑی بدروح نے جلدی سے سردارنی بدروح کا دیا ہوا بال نکالا اور نیچے اتر کر پتھر بنے ناگ کی ایک انگلی کے گرد پیٹ کر باندھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ ناگ یا قوت کا چھوٹا سا سانپ بن گیا جو کندلی مارے بیٹھا تھا۔ اور جس کا پھن اٹھا ہوا تھا۔ یہ یا قوت کا بت لگ رہا تھا۔ جسے کسی بادشاہ نے خاص طور پر بنوایا ہو۔

دونوں بدروحوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ انہوں نے ناگ کے بت کو اٹھایا اور بابل کی طرف اڑ گئیں۔ وہ بے حد تیز رفتاری سے اڑتی ہوئیں بابل کے پرانے مندر کے باہر والے تالاب پر پہنچ گئیں۔ یہ تالاب سینکڑوں برس پرانا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کا پانی کبھی خشک نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی تہ میں ایک سوراخ ہے جس میں سے سمندر کا پانی اس میں آتا رہتا ہے تالاب

کے کنارے پرانے زمانے کے گھنے درخت تھے۔ لوگ مندر میں آتے تو اس تالاب کے پانی کو مقدس سمجھ کر اس کے چھینٹے انگلیوں پر لگاتے تھے۔

بدروح نے ناگ کے بت کو تالاب میں پھینک دیا۔ ناگ کو کچھ ہوش نہیں تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک ایسا باقوت کا سانپ بنا تھا کہ جس کے ہوش و حواس بھی پتھر ہو گئے تھے۔ ناگ نہ دیکھ سکتا تھا۔ نہ سن سکتا تھا۔ نہ کچھ محسوس کر سکتا تھا۔ اسے تالاب میں پھینکنے کے بعد دونوں بدروحیں کمرہ قہقہے لگاتیں وہاں سے غائب ہو گئیں۔ ناگ، یا قوت کے سانپ کی شکل میں تالاب کے نیچے دلدلی تہ کے ساتھ جا کر لگ گیا۔ اسے کچھ ہوش نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا گزر گئی۔ ہے اور اسے یا قوت کا سانپ بنا کر بابل کے مندر والے تالاب میں پھینک دیا گیا ہے۔ وہ تالاب کی تہ میں گدے پانی کی دلدل میں بے جان بت کی طرح پڑا تھا۔ اب ایسا ہوا کہ اسی رات دو ڈاکو تالاب پر آئے۔ رات کے اندھیرے میں انہوں نے کپڑے اتار کر کنارے پر رکھے اور چڑے کے تھیلے لے کر تالاب کے پانی میں اتر گئے۔ ان ڈاکوؤں نے جنگ کے دنوں میں مندر سے سونے کی دو مورتیاں چوری کر کے تالاب میں پھینک دی تھیں کہ جب حالات ٹھیک ہوں گے تو تالاب میں سے



مورتیاں نکال کر لے جائیں گے۔ یہ بڑے ماہر غوطہ خور بھی تھے۔ اتفاق سے سونے کی مورتیاں تالاب کی تہہ میں ناگ کے بُت سے زیادہ دُور نہیں تھیں۔ ڈاکوؤں نے پانی کے اندر ہاتھ مارتے ہوئے سونے کی مورتیاں اٹھائیں تو ایک ڈاکو کا ہاتھ پتھر کے سانپ سے ٹکرایا۔ وہ اسے بھی نکال کر باہر لے آیا۔ یہ تو یاقوت کا سانپ ہے! ایک ڈاکو نے دوسرے سے کہا۔ دوسرا خوش ہو کر بولا۔

”اس کی ہمیں بہت قیمت وصول ہوگی۔“

اور وہ یاقوت کے سانپ یعنی ناگ کو بھی ساتھ لے کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

عنبہ ماریا اور تھیو سانگ اور کیٹی کوناگ کی تلاش میں کیسے کیسے کتنی خیر واقعات پیش آئے؟ ناگ پر بدروحوں کے منتروں کا اثر کیسے ختم ہوا؟ عنبہ ناگ ماریا اور تھیو سانگ کیٹی کی ملاقات کن حالات میں ہوئی؟

ان سوالوں کے جواب آپ عنبہ ناگ ماریا کی اگلی قسط نمبر ۱۳ ”منہوس مورتیاں“ میں پڑھیے۔

## میرے نام

ڈیر انکل اے حمید السلام علیکم!

مجھے بڑے بڑے اور پسندیدہ مصنفین کی تصاویر جمع کرنے کا اذ حد شوق ہے۔ اس سلسلے میں میں ایک البم مرتب کر رہا ہوں۔ اس میں میں آپ کی بھی ایک پوسٹ کارڈ سائز تصویر لگانا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے یہ بتا دیں کہ آپ کی تصویر میں کیسے حاصل کر سکتا ہوں؟ شکریہ۔

اب جناب جہاں تک اس ماہ کے ناولوں کا تعلق ہے تو وہ سب کے سب اپنی مثال آپ تھے۔ خاص کر عنبہ کی قبر اور سرگٹا ناگ بے حد اچھے ناول ثابت ہوئے۔ عنبہ کی قبر کے شروع میں آپ کی نصیحت یعنی لائبریری سے ناول نہ لینے والی بات میں نے نوٹ کر لی ہے۔ میں لائبریری سے تو ناول لے کر نہیں پڑھتا البتہ اپنے دوستوں سے لے کر پڑھتا رہا ہوں۔ اس لیے میرے پاس عنبہ ناگ ماریا کے ناولوں کا مکمل سیٹ نہیں ہے۔ میں موت کا تعاقب کے پہلے ناول سے لے کر اب تک اس سلسلے کے جتنے بھی ناول چھپ چکے ہیں سب کے سب بذریعہ ڈاک منگوانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے کتنے روپوں کا منی آرڈر ارسال کرنا پڑے گا۔ پلیز



ضرور بتائیں شکریہ۔

جواب کا شدت بے چینی سے منتظر۔

بلیک ٹائیگر سکیڈ باس آف۔ پی۔ یو۔ ایس تنظیم۔ A-6 شاہی ہاؤس  
شام نگر چیرجی۔ لاہور۔

پیارے انکل اے حمید صاحب صدا خوش رہو اور اسی طرح  
علم کی شمع روشن کرتے رہو۔

السلام و علیکم! کے بعد عرض یہ کہ آپ کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی  
کہ آپ نے میرے خط کا جواب دیا۔ بہت بہت شکریہ۔

آپ کا تیار کردہ ڈرامہ ریڈیو پاکستان کی جمعہ کے دن بچوں کے پروگرام  
میں جو پیش کیا جاتا ہے۔ بہت دلچسپ ہے ڈرامہ کے بارے میں نے  
ریڈیو والوں کو بھی خط لکھا مگر افسوس کہ انہوں نے میرا خط ردی کی ٹوکری  
میں ڈال دیا۔ اب تو میری آپ سے اپیل ہے کہ آپ نے جس طرح ریڈیو  
کے لیے ڈرامہ لکھا ہے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں ٹیلی ویژن  
کے واسطے بھی کوئی ایسی ہی سیریز لکھیں۔ مثلاً پیریل کا ڈرامہ۔ ڈاکوؤں  
کا ڈرامہ اور بہت دلچسپ ڈرامہ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ جو بھی ڈرامہ  
لکھیں ہیبت ناک اور ڈراؤنا ہو۔ اور یہ سلسلہ جلد از جلد شروع کیا  
جائے۔ تو بہت اچھا ہے۔ میری یہ بات ضرور ماننے کا پلیز  
میں نے آپ سے پہلی درخواست کی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ

جلد از جلد کوئی ایسا سلسلہ ضرور شروع کریں گے۔ اور اپنی رائے سے بھی ضرور  
کاہ کرنا کہ آپ کی رائے کیا ہے اس کے بارے میں۔

نوٹ: اگر خط کی تحریر میں کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دینا کیونکہ ہم ابھی بچے  
ہیں اور کوئی ایسی بات بھی لکھ دیتے ہیں۔ جو ہم نہیں جانتے۔  
خدا حافظ

آپ کا خدمت دار محمد رشید سکندر کما ہاں۔ لاہور۔

انکل اے حمید السلام علیکم

میں عنبر ناگ ماریا اور کیٹی سے ملنے کا بڑا خواہش مند ہوں۔ آپ  
کی مہربانی ہوگی۔ اگر وہ آپ کے کمنے سے مجھے خود خط لکھیں اور ساتھ اپنی  
تصویروں بھی بھیجیں۔ میں اُن کے کارناموں کو بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔  
اور میری بہت خواہش ہے کہ میں اُن سے ملوں۔ اگر وہ لاہور آئیں تو آپ  
میرے ایڈریس پر مجھے خط لکھ کر بتا دیں۔ میں آپ کے سب ناول بڑے  
شوق سے پڑھتا ہوں۔ آپ مجھے بہت پسند ہیں۔ خدا حافظ  
آپ کا۔ عنبر ناگ، ماریا اور کیٹی کا پرستار

عثمان ندیم مہابیر سٹریٹ نمبر ۱۱۸ مکان نمبر ۴۔ گوالمنڈی لاہور

محترم جناب اے حمید صاحب! آداب

اس ماہ کے خاص نمبر کا بھی جواب نہیں تھا۔ سرورق پر بھی خاص محنت



کی گئی دکھائی دیتی ہے۔ قیمت ..... جو ۲۱ روپے مقرر کی گئی تھی وہ بھی صفحات کم نسبت سے ٹھیک ہی تھی۔

سعید احمد شاہ صاحب کے خط سے آپ کے ریڈیو ڈرامے ”پھریوں ہوا“ کے بارے میں معلوم ہوا۔ یعنی کہ!۔۔۔۔۔ واہ جناب آپ نے تو کبھی اپنے حقیر قارئین سے کبھی اس ڈرامے کے بارے میں ذکر کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ اب جلد از جلد یہ بتائیں کہ یہ ڈرامہ کس ریڈیو سٹیشن سے اور کس دن اور کس سے نشر ہوتا ہے؟

اس ماہ کے سپیشل ناول کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم معنوم ہوتی ہے کیونکہ اس چیز کی تعریف ہی بیان کیا کروں میں؟

جو کہ خود ہی ہے اک سراپا تعریف کا مجسمہ! ناول ”غیبی لاش“ کے بارے میں اپنے محسوسات میں نے اس شعر میں بیان کر دیئے ہیں اس لیے اب مجھے اجازت دیں فقط والسلام! پرنس بٹو دھوکا 63 گردچرن سٹریٹ لاہور

پیارے انکل اے حمید! السلام علیکم

انکل مجھے آپ کے رسالوں کا بہت بے چینی سے انتظار ہے۔ انکل اب تو ”عبرناگ مایا کیٹی اور تھیوسانگ“ کا خلائی سفر اس قدر مزیدار ہو گیا ہے کہ بس جی چاہتا ہے پڑھتا ہی رہوں۔ مگر اپنی یہ خواہش کیسے پوری کر سکتا ہوں۔ پورے ایک مہینے بعد رسالے آتے ہیں۔ وہ بھی

دین تین ہوتے ہیں۔ انکل ایک تو چھٹیوں کی وجہ پڑھائی میں بہت ہرج ہو رہا ہے۔ دوسری طرف ”عبرناگ مایا“ کے رسالے بھی نہیں آ رہے ہیں فارغ ہی رہتا ہوں۔ انکل پلیز آپ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں جس سے میں فارغ بھی نہ رہوں اور اس سے مجھے کوئی فائدہ بھی ہو؟ فقط آپ کی کہانیوں کا شوقین

محمد جواد اکرم، شیخ محمد اکرم مکان نمبر ۱ افضال سٹریٹ نمبر ۱ محمود پارک بالمقابل محانہ شاہدہ ٹاؤن لاہور نمبر ۳۵۔ پاکستان

پیارے انکل اے حمید! السلام علیکم

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ اللہ آپ کو خیریت سے رکھے تاکہ ہم آپ کے ناول پڑھتے رہیں۔ انکل میں آٹھویں جماعت کا طالب علم ہوں۔ اور میں آپ کی کہانیاں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ انکل آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ ناگ مایا اور عبر حقیقی ہیں۔ یا فرضی کردار ہیں۔ پہلی بار خط لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ آپ جیسے مشہور مصنف کو خط لکھنا اور آپ کی تعریف کرنا سورج کو چیراج دکھانے کے مترادف ہے۔ لیکن مجھے امید ہے آپ خط کا جواب ضرور دیں گے۔ انشاء اللہ

آپ کا قادی خالہ محمد معرفت ماسٹر محمد اسماعیل مکان نمبر ۶۹۶/۱ گلی نمبر ۱ محلہ اسلام آباد نیشنل ٹاؤن ڈھوک کھبہ راولپنڈی



د ڈیئر انکل اے حمید صاحب

انکل اس ماہ کا خاص نمبر میں اس وقت ملا۔ جس وقت امتحانات ہوا ہے تھے۔ سو میں نے اسے خرید کر رکھ لیا۔

کہ امتحان سے فراغت پالنے کے بعد اس سے دو دو ہاتھ کریں گے۔ چنانچہ آج جب امتحان اختتام پذیر ہوا تو میں نے اس کے بعد اس موٹے تازے تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل خاص نمبر کو ہاتھ میں لیا اور پھر ختم کر کے چھوڑا۔ ویسے اس بیچ یعنی امتحانات کے دوران اس خاص نمبر کے سرورق تے کئی بار مجھ پر غلبہ پانے کے لیے حملے کیے اور اپنی جانب کھینچا۔ لیکن میں نے مطلق پرواہ نہ کی اور امتحان کے دوران اسے ہاتھ لگانا بھی گوارا نہ کیا کیوں کہ بقول میرے

امتحان تو آتے ہیں فقط ایک ہی بار

جیکہ رسائل یہ تو آتے رہتے ہیں بار بار

ویسے انکل اس ماہ ناول "غیبی لاش" کا سرورق بہت ہی اچھا تھا آئندہ بھی کہانی کی طرح اس جانب بھی خیال رکھا جائے تو اچھا ہے۔ اور ہاں انکل میں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سے باسانی ملاقات کہاں اور کیسے ہو سکتی ہے؟ اور انکل میں خواہش گزار ہوں کہ جب کبھی بھی آپ اپنے کرداروں کو پاکستان میں لاہور شہر لائیں تو کتابی طور پر ہی میری ملاقات ان سے ضرور کرائیں۔ خط کا جواب ضرور دیں۔ میں منتظر رہوں گا۔

اچھا اب اجازت!

برنس شاہداد اس لاہور

انکل اے حمید! السلام علیکم

انکل اس ماہ خاص نمبر پر ٹیپا پسند آیا۔ آپ کا سب سے اچھا خاص نمبر ۹۹ میٹرھیوں کا راز تھا۔ جس میں شیطانوں کے بڑے بڑے دیوتاؤں سے ہمارے کرداروں کا مقابلہ ہوتا ہے اور آخر میں سب کردار مل جاتے ہیں۔ لیکن اب جو خاص نمبر آ رہا ہے میں اس میں معتبر ناگ مار یا اور کیٹی، تھیو سائنگ کی آخر میں ملاقات ہوتی ہی نہیں۔ خاص نمبر میں اگر سب کی ملاقات ہو تو مزہ آتا ہے اور سب دشمنوں کی قید سے آزاد ہو جائیں۔ اب کوئی زبردست خاص نمبر لکھیے گا۔

ہمارے کردار اس وقت خلائی سفر پر ہیں۔ لیکن زمین پر جو مزہ آتا ہے۔ وہ خلا میں نہیں آپ کرداروں کو زیادہ تر زمین پر ہی رکھیں اور آپ ناولوں کی تاریخ پر کنٹرول کریں کہ مارکیٹ میں ہر ماہ ایک ہی تاریخ کو پہنچ جائیں۔ ندیم غوری پہلی منزل ۵ - ۴ - III ناظم آباد ۳ کراچی ۱۸



# عزیز ناگ، ماریا

خوبصورت جلد میں حاصل کیجیے!

پہلی جلد: عزیز ناگ، ماریا تا ۶ : ۳۰/۰۰ ۶/۰۰۰ ۵/۰۰  
کتابوں کی قیمت: جلد کی قیمت: ڈاک خرچ:  
کل رقم ۱۴۴ روپے ہوتی ہے۔

لیکن ہم آپ کو یہ جلد صرف ۳۰ روپے میں مہیا کریں گے۔  
جلد مفت اور ڈاک خرچ بھی ادارہ ادا کرے گا۔

سی طرح  
دوسری جلد ۷ تا ۱۲ ————— ۳۰/۰۰ روپے  
تیسری جلد ۱۳ تا ۱۸ ————— ۳۰/۰۰ روپے  
چوتھی جلد ۱۹ تا ۲۴ ————— ۳۰/۰۰ روپے

آپ چاروں جلدیں گھر بیٹھے منگوا سکتے ہیں۔

چار جلدیں اکٹھی منگوانے پر مزید رعایت یعنی ۱۲ روپے کی  
بجائے صرف ۱۱۰ روپے بذریعہ منی آرڈر بھجوائیں۔

بذریعہ وی پی یہ جلدیں ارسال نہیں کی جائیں گی۔

نیا مکتبہ اقرا ————— ۱۴/بی، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور





کتابخانه

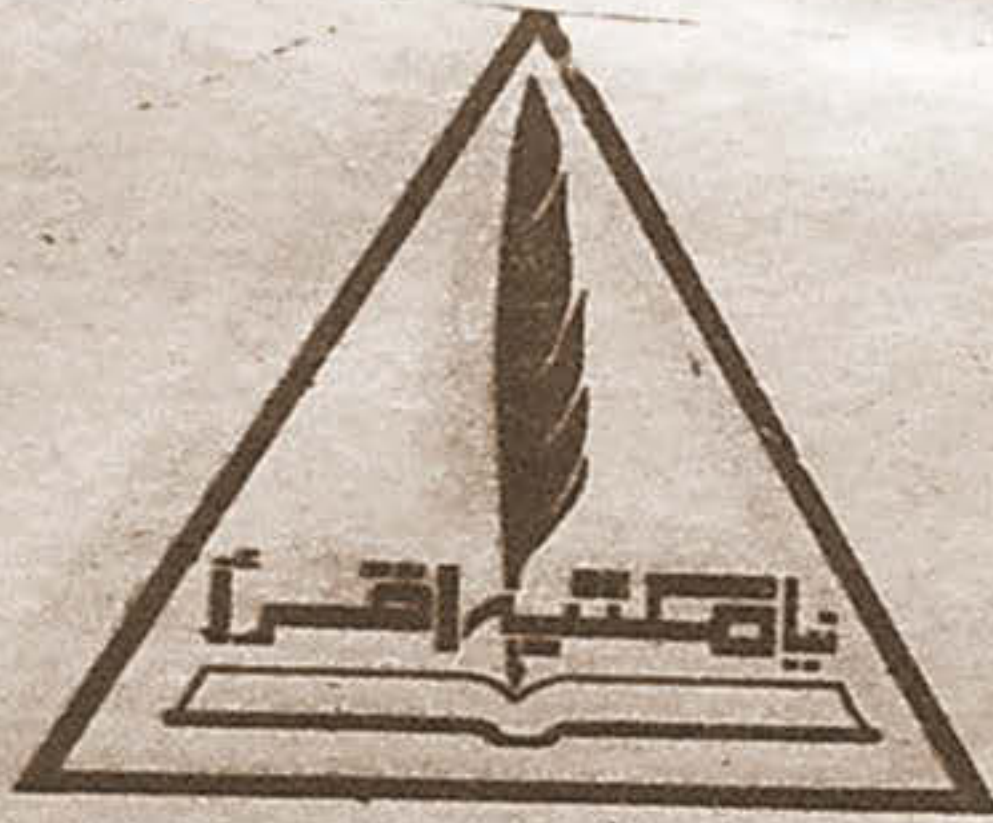
کتاب

BOOKS FOR

کتاب



Uploaded for:  
Pakistan Virtual Library  
[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)



عقبہ رنگت ماریا اور کیتی خلا میں  
منہ خواہش نوریتیاں

اے حمید



پیارے دوستو!

راویلٹی کینٹ سے عائشہ اظہر صاحبہ نے لکھا ہے کہ انہیں موت کی پھلانگ "قبر کا اٹھ اور مردے کی موت" تینوں قسطیں بہت پسند آئی ہیں۔ فیصل آباد سے ہماری ساتھی بی بی نے لکھا ہے کہ انکل میں نے آج سے فیصلہ کر لیا ہے کہ عنبر ناگ ماریا کی کتاب خرید کر پڑھا کر دوں گی تاکہ عنبر ناگ ماریا کا دلچسپ سلسلہ بند نہ ہو۔ میں عائشہ اظہر صاحبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے جولائی کی تینوں قسطوں کو پسند کیا اور اپنی ساتھی بی بی کا بھی دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ عنبر ناگ ماریا کے سلسلے کو جاری رکھنے کی خاطر اب لائبریری سے کرائے پر کتاب لے کر پڑھنے کی بجائے اسے خرید کر پڑھیں گی۔ ہم کبھی یہ نہ کہتے مگر کاغذ چھپائی اور لکھائی کا خرچ اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب ہمارے دوستوں کو چاہیے کہ وہ عنبر ناگ ماریا کی کتاب خرید کر پڑھیں اور عنبر ناگ ماریا سے تعاون کریں۔

تمہارا انکل

ایم جید

۸۶-۱۰-۱۵

N-۲۵۴

راہ چین - سمن آباد - لاہور

قیمت: ۵۰/۴ روپے



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
www.pdfbooksfree.pk

مکتبہ حق سبحانہ و تعالیٰ  
بار اول

ناشر: نیا مکتبہ اقبال، بی شاہ عالم پارک، لاہور  
طابع: الفریڈ پبلشرز، لاہور



# منخوس مورتیاں

دونوں ڈاکو راتوں رات ملک بابل کی سرحد پار کر گئے۔  
 وہ سونے کی مورتیاں اور یا قوت کا سانپ حاصل کرنے پر  
 بہت خوش تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ آگے ملک ایران  
 ہے۔ وہ ایران جا کر سوداگروں کا بھیس بدلیں گے اور ایران  
 کے بادشاہ دارا کے دربار میں جا کر سونے کی مورتیاں اور  
 یا قوت کا سانپ اس کی خدمت میں پیش کریں گے اور  
 بادشاہ انہیں دولت سے مالا مال کر دے گا۔ کیوں کہ اتنی  
 قیمتی چیزوں کا معاوضہ ایک بادشاہ ہی دے سکتا تھا انہیں  
 اس کی خبر ہی نہیں تھی کہ سکندر کی فوجوں نے ملک ایران  
 پر حملہ کر دیا ہے اور وہاں گھسان کی جنگ ہو رہی ہے۔  
 اس زمانے میں نہ کوئی اخبار ہوتا تھا نہ ریڈیو اور نہ ٹیلیوژن  
 تھا۔ ایک ملک میں جنگ ہوتی تھی تو دوسرے ملک  
 کو اس کی خبر ہی نہیں ہوتی تھی۔ دونوں ڈاکو گھوڑوں  
 پر سفر کرتے کئی دنوں کے بعد جب ایران کی سرحد

Uploaded for:  
 Pakistan Virtual Library  
[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)

## ترتیب

- منخوس مورتیاں
- طوفان اور راجکمار
- روٹے کھڑے کرنے والی آواز
- ماریا آئیسبی حویلی میں
- اندھے کنوئیں کا بابا



میں داخل ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ اسکندر اعظم نے  
ایران کے دارالحکومت پرسی پولس پر قبضہ کر لیا ہے اور  
ایران کا بادشاہ دارا فرار ہو گیا ہے۔ ملک میں افراتفری  
مچی تھی۔ یونانی فوجیں عام لوگوں کا قتل عام کر رہی تھیں۔  
ڈاکوؤں کے پاس بڑی قیمتی چیزیں تھیں۔ انہیں معلوم تھا  
کہ یونانی سپاہی ان سے یہ چیزیں بھی چھین لیں گے اور  
انہیں زندہ بھی نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ وہ جان بچا کر  
دیران پہاڑیوں کی جانب بھاگ نکلے۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ جس طرف ڈاکو جان اور  
مال بچا کر بھاگے جا رہے تھے اسی طرف ایران کا  
بادشاہ دارا بھی شکست کھانے کے بعد اپنے چار  
محافظ سپاہیوں کے ساتھ فرار ہوا تھا۔ سکندر اعظم کو  
جب پتہ چلا کہ شہنشاہ فرار ہو گیا ہے تو اس نے  
اپنے خاص یونانی سپاہیوں کے دستے کو حکم دیا کہ دارا  
کو زندہ پکڑ کر لایا جائے۔ چنانچہ ان جانباز یونانی سپاہیوں  
کا دستہ بھی دارا کے پیچھے دیران بنجر پہاڑیوں کی طرف  
نکل کھڑا ہوا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ آگے آگے دارا  
گھوڑے پر سوار اپنے چار محافظ سپاہیوں کی حفاظت میں بھاگا  
جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے یہ دونوں ڈاکو تھے اور ان ڈاکوؤں

کے پیچھے سکندر اعظم کے جانباز دستے کے سپاہی سرپٹ  
گھوڑے دوڑاتے چلے آ رہے تھے۔

تاریخ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ دارا کو اس کے محافظ  
سپاہیوں نے ہی دارا کے گلے میں پڑے ہوئے قیمتی ہاروں  
کے لالچ میں ہلاک کر دیا تھا۔ بے یار و مددگار بادشاہ  
کی انگلیوں میں چمکتی جواہرات کی انگوٹھیوں اور گلے میں  
پڑے انمول ہاروں کو دیکھ کر محافظ ایرانی سپاہیوں کی  
نیت خراب ہو گئی۔ چنانچہ ایک جگہ جب شہنشاہ دارا  
ذرا سانس لینے کے لیے جنگل میں رکا تو ایک محافظ سپاہی  
نے پیچھے سے دارا کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیا۔ شہنشاہ  
دارا شدید زخمی ہو کر گر پڑا۔ چاروں محافظ سپاہی دارا کے  
زر و جواہر پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے اس کی گردن سے  
ہار نونچ لیے۔ انگلیوں سے انگوٹھیاں اتار لیں اور گھوڑوں  
پر بیٹھ کر جنگل میں فرار ہو گئے۔ شہنشاہ دارا آخری دموں  
پر شدید زخمی حالت میں زمین پر پڑا تھا۔ کبھی اس کے  
سامنے کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا اور آج وہ  
بے بسی کے عالم میں دیران جنگل کی زمین پر پڑا آخری  
سانس لے رہا تھا۔ اتنے میں پیچھے سے دونوں ڈاکو بھی  
وہاں پہنچ گئے۔



انہوں نے ایک شاندار لباس والے ادبے آدمی کو  
زمین پر زخمی پڑے دیکھا تو گھوڑوں سے اتر کر اس کے  
پاس آئے۔

ایک ڈاکو نے کہا :

”یہ تو کوئی شاہی خاندان کا آدمی لگتا ہے۔ ہمیں  
یہاں سے بھاگ چلنا چاہیے۔“

دوسرا ڈاکو بولا :

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ کہیں ہم کسی مصیبت میں  
نہ پھنس جائیں۔“

وہ اٹھ کر گھوڑوں پر سوار ہونے ہی لگے تھے کہ پیچھے  
سے یونانی جانباڑ سپاہیوں کا جو دستہ بادشاہ دارا کی تلاش  
میں آ رہا تھا وہ سر پر پہنچ گیا۔ انہوں نے آتے ہی  
دونوں ڈاکوؤں کو گھیرے میں لے لیا۔ ڈاکوؤں کی کیا مجال  
تھی کہ یونانی سپاہیوں کے گھیرے کو توڑ کر نکل جاتے۔ تھڑھڑ  
کا پنے لگے۔ سمجھ گئے کہ موت آ گئی۔ یونانی سپاہیوں نے  
دیکھا کہ شہنشاہ دارا زمین پر مردہ پڑا تھا۔ اور اس کے  
جسم سے قیمتی ہار اور انگوٹھیاں غائب تھیں۔ اور اس کا  
لباس خون میں تر تر تھا۔ اب بھی اُس کی دکھلی آنکھوں سے جہاں وہ  
جلال ٹپک رہا تھا۔ یونانی سپاہیوں

نے ڈاکوؤں کی تلاش کی تو ان کے تھیلوں سے سونے کی  
دو مورتیاں اور یا قوت کا ایک قیمتی سانپ برآمد ہوا۔ یونانی  
سالار نے قہر بھری نظروں سے دونوں ڈاکوؤں کی طرف دیکھا  
اسے یقین تھا کہ انہوں نے ہی شہنشاہ دارا کو ہلاک کیا ہے  
اور شاہی سونے کی مورتیاں لوٹی ہیں۔ سالار نے اپنے سپاہیوں  
کو اشارہ کیا۔ دو تلواریں فضا میں لہرائیں اور دونوں ڈاکوؤں  
کی گردنیں کٹ کر زمین پر پڑی تھیں۔

یونانی سپاہیوں نے شہنشاہ دارا کی لاش کو اٹھا کر  
گھوڑے پر ڈالا اور اسے اسکندر اعظم کی خدمت میں  
پیش کرنے کے لیے ایران کے دارالحکومت پرسی پولس کی  
طرف روانہ ہو گئے۔ سکندر اعظم نے شہنشاہ کی لاش کو  
دیکھا تو اسے بہت دکھ ہوا۔ یہ سن کر اسے کچھ تسلی  
ہوئی کہ دارا کے قاتلوں کو بھی ہلاک کر دیا گیا ہے۔  
سکندر اعظم نے حکم دیا کہ شہنشاہ دارا کو پورے شاہی  
اعزاز کے ساتھ دفن کیا جائے۔ جب سکندر اعظم کو سونے  
کی مورتیاں اور یا قوت کا سانپ دکھایا گیا تو اس نے کہا:  
”سونے کی مورتیاں خزانے میں جمع کر دی جائیں اور  
یہ یا قوت کا سانپ ہم اپنے پاس رکھیں گے  
یہ ہمیں بہت پسند ہے۔“



تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سکندر کو علم و ادب کا بے حد شوق تھا۔ جب وہ دنیا کو فتح کرنے ملک یونان سے فوج لے کر چلا تھا تو اس نے اپنے ساتھ سونے کی ایک چھوٹی سی ٹوکری رکھی تھی جس میں اس زمانے کے مشہور یونانی شاعر ہومر کی نظموں کی کتاب پڑی رہتی تھی۔ رات کو جب فرصت ملتی تو سکندر اعظم ہومر کی نظموں کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ سکندر نے یا قوت کا سانپ بھی اسی ٹوکری میں رکھ لیا۔ سکندر اعظم کو بالکل علم نہیں تھا کہ جس یا قوت کے سانپ کو اس نے اپنی ٹوکری میں رکھا ہے وہ اصل میں اس کا دوست ناگ ہے۔ ناگ کو بھی کچھ ہوش نہیں تھی۔ ملک ایران کو فتح کرنے کے بعد سکندر اعظم فوج کو لے کر ملک ہندوستان کو فتح کرنے چل پڑا۔

جس وقت سکندر اعظم اپنی سونے کی خاص ٹوکری میں ناگ کو یا قوت کے سانپ کی شکل میں لے کر ملک ہندوستان کی طرف روانہ ہوا اس وقت عنبر اور ماریا ملک توران میں ناگ کا کھوج لگاتے پھر رہے تھے جو ایران کے شمال مشرق میں تھا۔ سکندر کی فوجوں نے اس ملک پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ یہاں بھی سکندر اعظم نے اپنا گورنر

مقرر کر دیا تھا۔ عنبر ماریا یونانی حملے کے بعد ملک توران سے نکل کر سمرقند و بخارا کے شہروں کی طرف سے ہوتے ہوئے ملک ہندوستان کی طرف روانہ ہو گئے تھے جب وہ ہندوستان کی سرحد پر پشاولی کے شہر کے قریب پہنچے (جو آج کل پشاور ہے) تو انہیں خبر ملی کہ سکندر اعظم کی فوجیں دریائے جہلم کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں اور راجہ پورس سے جنگ ہونے ہی والی ہے۔ عنبر گھوڑے پر سوار تھا۔ ماریا اس کے ساتھ ساتھ زمین سے دس فٹ بلند ہو کر فضا میں تیرتی جا رہی تھی۔ عنبر نے کہا :

”یہ عجیب اتفاق ہے ہم جدھر جاتے ہیں سکندر اعظم کی فوجیں وہاں پہلے پہنچ چکی ہوتی ہیں۔“

ماریا ہنس کر بولی :

”ہم تو تاریخ میں سے گذر رہے ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں عنبر کہ سکندر اعظم ساری دنیا کو فتح کرنے کا ارادہ لے کر نکلا ہے۔“

عنبر نے کہا :

”ہاں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اسی دریائے جہلم سے اس کی فوجیں واپس یونان کی طرف منہ پھیریں گی۔“



اس کا ہندوستان فتح کرنے کا خواب ادھورا ہی رہ جائے گا۔

ماریا بولی : "اس لیے کہ راجہ پورس کی پنجابی فوجیں اس دلیری سے لڑیں گی کہ اگرچہ سکندر کو فتح ہوگی مگر یونانی فوجوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے۔"

عنبر کہنے لگا : تم ٹھیک کہہ رہی ہو ماریا۔ جس بے جگری سے جہلم کی پنجابی فوج یونانی فوجوں سے لڑے گی اس طرح سے نہ بابل کی فوج لڑی تھی نہ ایران اور نہ مصر کی فوجیں یونانیوں سے لڑی تھیں۔

وہ ایک ایسے درے میں سے گذر رہے تھے جس کی دونوں جانب اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ دھوپ خوب نکلی ہوئی تھی۔ درے سے باہر نکلے تو سامنے خشک پہاڑوں کے درمیان پشادولی یعنی پشاور کا شہر آباد تھا۔ اس زمانے میں پشاور کا نام پشادولی تھا اور اس پر ایک آریہ راجہ کی حکومت تھی۔ اسے سکندر اعظم کی فوجوں کی یلغار کی خبر پہنچ گئی تھی اور شہر کی فصیل پر آریہ فوج چاق و چوبند کھڑی تھی۔ بغیر پوچھ گچھ کے کسی کو شہر میں داخل ہونے نہیں دیا جاتا تھا۔

ماریا نے کہا :

"شہر میں تو ہم داخل ہو جائیں گے مگر ناگ کا ابھی تک کچھ سراغ نہیں مل سکا۔ اس کی خوشبو بھی ہمیں کسی جگہ سے نہیں آئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بار وہ کہاں غائب ہو گیا ہے۔"

عنبر نے جواب دیا :

"ماریا ! ہمیں حوصلہ نہیں ہارنا۔ ناگ ایک نہ ایک دن ضرور ہمارے ساتھ آن ملے گا۔ کیٹی اور تھیوسانگ بھی تو اس کی جستجو میں ملک لنکا پہنچ گئے ہوں گے۔"

ماریا نے کہا :

"خدا کرے کہ کیٹی تھیوسانگ کو ہی ناگ مل جائے۔ اسی طرح باتیں کرتے وہ شہر کے بڑے دروازے پر پہنچ گئے۔ شہر کا دروازہ کسی قلعے کے دروازے کی طرح تھا اور بند تھا۔ صرف درمیان میں ایک دروازہ کھلا تھا۔ جس کے باہر راجہ کی فوج کے سپاہی نیزے اور تیرکمان لیے پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا کو تو یہ سپاہی دیکھ نہیں سکتے تھے۔ عنبر قریب آ کر گھوڑے سے اتر پڑا۔ سپاہیوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور شہر میں کیا کرنے



جا رہا ہے تو عنبر نے کہا کہ وہ جڑی بوٹیوں کا سوداگر ہے اور شہر پشپادی میں تجارت کے سلسلے میں کسی تاجر سے بات چیت کرنے آیا ہے۔ سپاہیوں نے عنبر کی معمولی سی تلاشی لی اور اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔

یونانی فوجوں کے حملے کی وجہ سے شہر میں لوگ ہنگامی حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ چیزیں خرید کر گھروں میں لے جا رہے تھے۔ سپاہی جگہ جگہ چکر لگا رہے تھے اور اس ٹوہ میں تھے کہ کہیں یونانی فوج کا کوئی جاسوس تو بھیس بدل کر وہاں چل پھر نہیں رہا۔ شہر کی سڑکیں پکی اور چوڑی چوڑی تھیں۔ مکان کئی کئی منزلہ تھے اور ان پر بڑا خوبصورت لکڑی کا کام کیا گیا تھا۔ بہت وسیع شہر تھا۔ بیچ میں جگہ جگہ باغات تھے اور کھیت کھلیاں بھی تھیں۔ ایک نہر دریا کے بیچ میں سے گذرتی تھی پیارے دوستو! اب یہ نہر پشاور میں نہیں ہے۔ اس زمانے میں یہ نہر بڑی دور سے دریائے کابل میں سے کاٹ کر لائی گئی تھی۔ چونکہ ان دنوں جب دشمن حملہ کرتا تھا تو شہر کے دروازے بند کر دیئے جاتے تھے۔ اور شہر کے لوگوں کو اندر کھانے اور پانی کی بہت ضروری ہوتی تھی کیونکہ

باہر دشمن کی فوجیں ہوتی تھیں اور باہر سے پانی وغیرہ اندر نہیں لایا جاسکتا تھا اس لیے کوشش کی جاتی تھی کہ یا تو شہر میں جگہ جگہ کنوئیں کھودیں جائیں اور اگر دریا قریب ہو تو اندر نہر لائی جائے۔ پشاور کی زمین پتھر کی تھی اس لیے اس زمانے میں شہر میں ایک نہر دریا سے کاٹ کر لائی گئی تھی۔

اس نہر کے کنارے کنارے بڑے ہرے بھرے پھلدار درخت تھے۔ ان درختوں پر سیب انار خوبانیاں اور ناشپاتیاں لگی ہوتی تھیں۔ شہر کے بیچ میں راجہ کا محل تھا۔ محل کے پیچھے آریہ لوگوں کا ایک مندر تھا اس مندر میں آریہ لوگوں کے دیوتاؤں کے بہت رکھے تھے جن کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ ہندوستان میں ابھی اسلام کی روشنی نہیں پھیلی تھی۔ چنانچہ لوگ مسلمان نہیں تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ جادو ٹوٹنے کا بھی بڑا رواج تھا جب ہندوستان میں اسلام کی روشنی آئی تو لوگوں کو بیکار بتوں اور جادو ٹوٹنے سے نجات مل گئی۔ پھر لوگ صرف ایک خدا کی عبادت کرنے لگے۔ اور جادو ٹوٹنے اور دیوی دیوتاؤں کی ساری لعنتیں دور ہو گئیں۔ کیوں کہ اسلام نئی روشنی اور نئی زندگی کا پیغام لے کر آیا تھا۔ پھر مسجدوں سے



پانچ وقت اذان کی صدا بلند ہوتی تھی اور فضا خدا اور اس کے رسول پاک کی حمد و ثنا کے نور سے درخشاں ہو گئی تھی جو آج بھی قائم ہے۔ اور الفار اللہ قیامت تک قائم رہے گی۔

پشادلی شہر میں ایک سرائے تھی جہاں باہر سے مسافر آکر ٹھہرتے تھے۔ عنبر نے اسی سرائے میں ڈیرا جمایا اور شہر میں چل پھر کر ناگ کی تلاش شروع کر دی۔ ماریا بھی شہر کی فضا میں اڑتی پھر رہی تھی۔ کہ شاید کسی جگہ سے ناگ کی خوشبو آجائے۔ شام کو وہ واپس سرائے میں آگئی اور اس نے عنبر کو بتایا کہ ناگ کی خوشبو شہر میں کسی جگہ پر بھی نہیں ہے۔

عنبر نے کہا :

”ہو سکتا ہے وہ کسی طلسم میں پھنس گیا ہو۔ پہلے بھی تو اس کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے کہ طلسم کے اثر سے اس کی خوشبو بھی غائب ہو گئی تھی۔“

ماریا بولی : ”ہاں — اس کا مطلب ہے کہ مجھے شہر کے ایک ایک مندر میں جا کر دیکھنا ہوگا۔ شام کے بعد مندروں میں پوجا پاٹھ ہوتی تھی۔ ماریا

ایک بار پھر شہر کی طرف نکل گئی۔ اس نے ہر مندر میں گھس کر تلاشی لی۔ لیکن ناگ شہر کے کسی مندر میں کسی بت کی شکل میں بھی نہیں تھا۔ ناامید ہو کر واپس عنبر کے پاس آگئی اور سارا ماجرا سنایا۔ عنبر نے کہا :

”تو پھر میرا خیال ہے کہ ہمیں صبح ہوتے ہی اس شہر سے آگے چلنا چاہیے۔“

ماریا نے کہا :

”یہ ملک ہندوستان ہمارا دیکھا بھالا ہے۔ اس شہر سے آگے گندھارا کا علاقہ ہے۔ جس کا مشہور شہر تکشلا ہے جہاں بدھ مذہب کی بہت بڑی یونیورسٹی ہے۔ اس سے آگے جہلم آتا ہے جہاں اس وقت گھمان کی جنگ ہو رہی ہوگی۔“

عنبر بولا : ”جنگ ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ میری تو رائے یہی ہے کہ ہم جہلم کے قریب سے گذرتے ہوئے شہر لوہ پور کی طرف جائیں۔“

”ایسا ہی کریں گے۔“ ماریا یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

اس زمانے میں ہمارے پیارے شہر لاہور کا نام لوہ پور



تھا۔ وہ اور کش راجہ رام چندر جی کے دو لڑکے تھے۔  
 لواہور کا شہر رام چندر کے بیٹے لوہ نے اور قصور  
 کا شہر دوسرے بیٹے کش نے آباد کیا تھا۔ لوہ پور  
 وقت کے ساتھ ساتھ لاہور اور کش پور وقت کے  
 ساتھ ساتھ قصور ہو گیا۔ یہ تاریخ کی باتیں ہیں انہیں  
 ذہن میں رکھنا چاہیے۔ اس زمانے کا لاہور ایسا نہیں تھا۔  
 اصل لاہور کی شان اس وقت سامنے آئی جب اس  
 شہر میں بزرگان دین کی تبلیغ سے دین اسلام کی روشنی  
 پھیلی۔ پھر لاہور میں نور ہی نور کی فضا پھیل گئی اور  
 لاہور کا رنگ روپ ایسا نکھرا کہ آج بھی یہ شہر ساری دنیا  
 میں مشہور ہے اور یورپ، امریکہ کے لوگ بھی لاہور دیکھنے  
 کو بے تاب ہوتے ہیں۔ اب تو پاکستان کے ہر شہر میں  
 اسلام کا نور پھیلا ہے اور ہر شہر خوبصورت اور دلکش ہے  
 لیکن ان دنوں لاہور کو لوہ پور کہتے تھے اور اس شہر  
 میں بڑے تنگ دتاریک اندھیرے میں ڈوبے مندر ہوتے  
 تھے۔ اور جادو ٹوٹنے کی لعنت عام تھی۔

عنبر اور ماریا نے اپنا رخ پشاور کی طرف یعنی  
 لوہ پور کی طرف پھیر لیا۔

اس زمانے کے لاہور کے بارے میں ہمیں تاریخ سے جو

حوالے ملتے ہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پرانا لاہور  
 اس جگہ آباد تھا جہاں آج کل اچھرہ ہے۔ عنبر اور ماریا  
 ابھی تکشلا سے کچھ ہی آگے پہنچے تھے کہ انہیں یہ خبر ملی  
 کہ سکندر اعظم کی فوجوں نے راجہ پورس کی راجدھانی پر  
 قبضہ کر لیا ہے اور اب یونانی فوجیں مار دھاڑ کرتیں تکشلا  
 کی طرف بڑھ رہی ہیں۔

عنبر نے ماریا سے کہا:

”میرا خیال ہے ہمیں آگے جانے کی بجائے تکشلا  
 کے آس پاس ہی کسی گوتھ بدھ کے مندر میں  
 رہ جانا چاہیے کیونکہ آگے یونانی فوجوں کا سیلاب  
 چلا آ رہا ہے۔“

ماریا بولی: ”جیسے تمہاری مرضی۔ آخر ہمیں اس جنگ  
 بازی سے کیا لینا دینا۔ چلو واپس تکشلا کی پہاڑیوں  
 میں کسی بودھ مندر میں چلے چلتے ہیں۔ جب  
 یہ گڑ بڑ ختم ہو جائے گی تو پھر لاہور کی طرف  
 چلیں گے۔“

عنبر اور ماریا دیہی سے واپس مڑ آئے۔ تکشلا زیادہ دُور  
 نہیں تھا۔ یہاں لوگوں میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ سکندر اعظم  
 کی فوجیں چلی آ رہی ہیں۔ تکشلا کا راجہ ابھی تھا۔ اگرچہ اس



نے ستر کی حفاظت کا بہت انتظام کر رکھا تھا مگر وہ پورس کی طرح بہادر آدمی نہیں تھا۔ دل میں اس نے سکندر کی فوجوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور جیسا کہ تاریخ میں لکھا ہے۔ راجہ ابھی نے سکندر سے مقابلہ کرنے کی بجائے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

عنبر نے کہا :

”راجہ ابھی ہتھیار ڈال دے گا۔ اس لیے یہاں جنگ کی تباہی برپا نہیں ہوگی۔ پھر بھی کچھ لوگ ضرور مارے جائیں گے۔ ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ کسی بودھ خالقہ کی طرف نکل جائیں۔“

تکشلا کے ارد گرد سرخ اور سیاہ رنگ کی پہاڑیاں ہی پہاڑیاں تھیں۔ بدھ مت کا یہاں بہت زور تھا۔ بلکہ سرکاری مذہب ہی بدھ مت تھا۔ تکشلا کی بودھ یونیورسٹی اس زمانے کی ساری دنیا میں مشہور تھی۔ عنبر اور ماریا تکشلا یونیورسٹی کی وسیع اور کشادہ عمارتوں سے بھی آگے نکل گئے کچھ فاصلے پر پہاڑیوں کے بیچ میں ایک وادی تھی۔ اس وادی کے کنارے پر پہاڑی کے دامن میں ایک بودھ خالقہ تھی۔ یعنی اس میں گوتم بدھ کی ایک مورتی رکھی ہوئی تھی اور ایک بھکشو وہاں پر عبادت کے لیے موجود

تھا۔ دن کے وقت وہ ستر میں جا کر خیرات کا کھانا اکٹھا کرتا اور دوپہر کو واپس آ کر خالقہ میں بیٹھا رہتا۔ عنبر اور ماریا اس خالقہ کے باہر آ کر ٹرک گئے۔ گھوڑے کو ایک طرف باندھا۔ خالقہ میں اس وقت بودھ بھکشو یعنی بدھ مت کا پجاری مہاتما گوتم کی مورتی کے آگے دوزانو ہو کر بیٹھا عبادت کر رہا تھا۔

عنبر اس کے پیچھے خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ماریا بھی عنبر کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد بھکشو نے عبادت ختم کی اور پلٹ کر عنبر کو دیکھا۔ دونوں ہاتھ باندھ کر عنبر کو سلام کیا اور پالی زبان میں پوچھا :

”خالقہ میں مہتارے آنے سے خوشی ہوئی۔ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں ؟“

اس زمانے میں شمالی ہند میں بدھ مت کے اثر کی وجہ سے سنسکرت کے ساتھ پالی زبان بھی بولی جاتی تھی۔ پالی زبان ایک عام فہم زبان تھی اور گوتم بدھ اسی زبان میں اپنے مذہب کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔

عنبر نے کہا :

”مہاراج ! میں پردیسی ہوں۔ ستر میں سکندر کے محلے کی افواہ سے انرا تفری چھی ہے۔ اس لیے میں



یہاں پناہ لینے آ گیا ہوں۔  
 بودھ بھکشو کے چہرے پر بڑی پُرسکون مسکراہٹ نمودار  
 ہوئی۔ بولا:

"میں مہاراج نہیں ہوں۔ میرا نام آندا ہے۔ مجھے  
 اپنا بھائی ہی سمجھو۔ اگر تم ہمارے بودھ مت کو  
 نہیں بھی مانتے ہو تب بھی میں تمہیں خوش آمدید  
 کہتا ہوں۔ تم جب تک چاہو اس خانقاہ میں رہ  
 سکتے ہو۔ پیچھے کچھ کوٹھڑیاں خالی پڑی ہیں تکیوں کے  
 جنگ کے خون کی وجہ سے یہاں جو طالب علم  
 پہلے رہتے تھے وہ چلے گئے ہیں۔ ہاں۔ تمہارا نام  
 کیا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"میرا نام عنبر ہے۔ میں ملک مصر کا رہنے والا  
 ہوں جڑی بوٹیوں کی سوداگری کرتا ہوں۔"

بھکشو آندا نے ہاتھ باندھ کر ایک بار پھر پرنام کیا  
 اور بولا:

"میرے بھائی عنبر! میں تم کچھ کھاؤ گے؟ میرے  
 پاس کچھ چاول اور پھل رکھے ہیں۔"

عنبر کے منہ کھلنے کے بعد جلد بھکشو آندا کو ٹھہری میں

پھل اور چاول لینے چلا گیا۔

ماریا نے عنبر سے کہا:

"یہ بڑا خوش اخلاق آدمی ہے۔"

عنبر بولا: "یہ جس عظیم انسان کے ماننے والے  
 ہیں تم تو جانتی ہی ہو وہ شہزادہ سدھارتو تھا  
 جو گیان حاصل کرنے کے بعد مہاتما بدھ کے  
 نام سے مشہور ہوا اس نے تو دھکی انسانوں  
 کے لیے اپنا محل بیوی بچے اور آرام و آسائش  
 چھوڑ دیا تھا۔"

بھکشو آندا لکڑی کی پلیٹ میں کچھ چاول اور پھل  
 لے کر آ گیا۔ عنبر کو ان کی ضرورت نہیں تھی مگر بھکشو کا  
 دل رکھنے کے لیے اس نے چاول اور پھل بڑی محبت  
 اور شوق سے کھائے اور بھکشو کا شکریہ ادا کیا۔ بھکشو  
 تنکوں کی چٹائی پر دوزانو بیٹھا تھا۔ اس کا سر منڈا ہوا  
 تھا۔ زعفرانی رنگ کی چادر اس نے اپنے جسم کے گرد  
 اس طرح پلیٹ رکھی تھی کہ اس کا ایک بازو ننگا تھا۔  
 پاؤں میں پہننے کے لیے لکڑی کی کھڑائیں پاس ہی پڑی  
 تھیں۔ گوتم بدھ کے کالسی کے مجسمے کے سامنے چنبیلی کے  
 دو پھول پڑے تھے اور ساگری میں اگرہی اور لوہان سنگ



رہے تھے جن کی دھیمی دھیمی پاکیزہ خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ بودھ بھکشو کی آنکھوں میں بڑی محبت اور نرمی تھی۔ چہرے پر ایسا سکون تھا جیسے کہیں کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ ہر طرف آرام ہی آرام ہے۔ چین ہی چین ہے۔ جب عنبر نے پوچھا کہ کیا وہ یونانی فوجوں کے آنے سے خوف زدہ نہیں ہے؟ تو بھکشو نے ذرا مسکرا کر جواب دیا۔

”جب ہم کسی سے لڑیں گے ہی نہیں تو کسی سے خوف کیوں کھائیں؟“

عنبر نے کہا :

”لیکن یونانی سپاہی تو ان لوگوں کو بھی مار ڈالتے ہیں جو لڑنا نہیں چاہتے۔ جنگوں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔“

بھکشو بولا : ”اگر وہ ہمیں مار دیں گے تو بے شک مار دیں۔ ہمارے لیے زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں ہے۔“

عنبر نے کہا :

”مگر آئندہ بھائی یہ تو بزدلی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ دشمن سے مقابلہ کرے اور مرنا ہی ہے تو لڑتے لڑتے جان دے۔“

بھکشو ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ پھر کہنے لگا : ”ہم کبھی کسی انسان یا جانور کو تکلیف نہیں دے سکتے یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔ ہمارے مذہب میں جنگ جائز نہیں۔“

وہ اٹھا اور بولا :

”میں تمہارے لیے قہوہ بنا کر لاتا ہوں۔“

اس کے جانے کے بعد ماریا نے سرگوشی میں عنبر سے کہا :

”کیا خیال ہے تمہارا اس بھکشو کے مذہب کے بارے میں عنبر ذرا سا مسکرا کر بولا :

”ماریا! میں ایسے مذہب کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ میں اس کا احترام ضرور کرتا ہوں۔ مگر اس میں شامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک عزت دار اور بہادر آدمی جنگ میں دشمن سے بہادری اور بے جگری سے لڑتا ہے۔ مر گیا تو شہید، زندہ رہا تو غازی۔“

ماریا کچھ کہنے والی تھی کہ بھکشو آئندہ لکڑی کے پیالوں میں گرم گرہ قہوہ لے کر آ گیا۔ ابھی کافی دن باقی تھا موسم برسات کا تھا اور باہر آسمان پر پہاڑیوں کے اوپر



ہلکے ہلکے بادلوں کے ٹکڑے تیرنے لگے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی  
ہوا چل رہی تھی۔ تو وہ پینے کے بعد بھکشو نے کہا:  
"میں اب کچھ دیر آرام کروں گا۔ تم بھی پیچھے کسی  
کوٹھڑی میں جا کر لیٹ جاؤ۔"

عنبر نے آگے کچھ نہ کہا کیونکہ بودھ بھکشو آرام کرنا چاہتا  
تھا۔ وہ اٹھ کر خانقاہ کے پیچھے جو چار پانچ خالی کوٹھڑیاں  
تھیں ان میں سے ایک کوٹھڑی میں آ گیا۔  
ماریا ہنس کر بولی:

"عنبر! تم نے چاول تو خوب مزے لے لے کر  
کھائے اور مجھے پوچھا بھی نہیں۔"

عنبر بولا: "مہتیں پوچھتا تو بھکشو بے چارا حیرت  
کے مارے گم سم ہو جاتا۔"  
ماریا نے کہا:

"مجھے اس نیکدل بھکشو پر ترس آتا ہے یونانی  
سپاہی بڑے وحشی ہیں۔ وہ یہاں کسی بھکشو کو  
زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

عنبر بولا: "کم از کم اس نیک دل بھکشو کی جان  
بچانا تو ہمارا فرض ہے۔ اسے کسی یونانی سپاہی کے  
ہاتھوں نہیں مرنے دیں گے۔"

کوٹھڑی میں صرف ایک چٹائی زمین پر بھی تھی۔ طاق  
میں ایک مٹی کا دیا رکھا تھا۔ کوٹھڑی میں مٹی کا گھڑا پانی  
سے بھرا ہوا پڑا تھا۔ کوٹھڑی بڑی صاف ستھری تھی۔ عنبر  
چٹائی پر بیٹھ گیا۔ ماریا بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔  
اور وہ ناگ کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ ماریا کو  
یقین تھا کہ ناگ اس دفعہ ضرور کسی بڑی مصیبت میں  
پھنس گیا ہے۔ ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ شہر کی  
جانب سے لوگوں کی چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہوئیں۔ عنبر  
اور ماریا لپک کر باہر آئے۔ دیکھا کہ شہر میں کسی جگہوں پر  
آگ لگ رہی تھی۔

عنبر کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔  
"وحشی یونانی فوج آپہنچی ہے۔"

اس نے ماریا سے کہا:

"ماریا! شہر میں جا کر پتہ کر دو کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔"  
ماریا اسی وقت فضا میں بلند ہو کر شہر کی طرف پرواز  
کر گئی۔ عنبر جلدی سے خانقاہ میں گیا۔ دیکھا کہ نیکدل بھکشو  
چٹائی پر مہاتما بدھ کی مورتی کے آگے سمت کر پڑا گری  
ننید سو رہا ہے۔ عنبر نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا اور  
خانقاہ کا دروازہ بند کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ماریا نے



واپس آ کر بتایا کہ سکندر اعظم کی یونانی فوجوں کا ہراول  
دستہ شہر میں داخل ہو کر مکانوں کو آگ لگا رہا ہے  
اور لوگوں کا قتل عام کر رہا ہے۔

عنبر بولا: "کیا راجہ نے ہتھیار نہیں ڈالے؟"  
ماریا نے کہا:

"راجہ نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ جب ہی تو شہر  
کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔ مگر یونانی  
فوج کرائے کی فوج ہے۔ جب تک اسکندر اعظم  
خود یہاں نہیں پہنچتا یہ لوٹ مار جاری رہے گی  
اور سب سے تشویش ناک خبر یہ ہے کہ یونانی  
فوج کا ایک دستہ ادھر اس خانقاہ کو لوٹنے  
بھی آ رہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی  
خانقاہوں میں سونے کی مورتیاں رکھی ہوتی ہیں۔  
عنبر جلدی سے ایک طرف ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ  
دور کچی سڑک پر کچھ گھوڑ سوار گھوڑے دوڑاتے خانقاہ  
کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اس نے ماریا سے کہا:

ماریا! ہوشیار ہو جاؤ۔ ہمیں اس نیک دل بھکشو کو  
یونانی کرائے کے فوجیوں سے ہر حالت میں بچانا ہے۔

ماریا نے پُر عزم آواز میں کہا:  
"میں تیار ہوں۔ فکر نہ کرو۔ جتنے یونانی سپاہی آ  
رہے ہیں ان میں سے ایک بھی زندہ واپس نہیں  
جائے گا۔"

عنبر نے کہا:

"لیکن ہمیں اس وقت تک انہیں کچھ نہیں کہنا  
جب تک کہ یہ لڑنے مرنے پر نہ اتر آئیں۔"  
"میں جانتی ہوں۔" ماریا نے جواب دیا۔

دونوں سڑک کی طرف دیکھ رہے تھے جو پہاڑیوں کے  
درمیان سے خانقاہ کی طرف آتی تھی۔ چار یونانی سپاہی  
گھوڑے دوڑاتے تلواریں لہراتے مارو مار کرتے چلے آ رہے  
تھے۔ عنبر نے ماریا سے کہا:

"خانقاہ کے اندر دروازے کے ساتھ کھڑی ہو جاؤ  
تمہیں کیا کرنا ہو گا تم خوب جانتی ہو۔"

ماریا کی آواز آئی:

"خوب جانتی ہوں۔"

ماریا خانقاہ کے اندر چلی گئی۔ کمال کی بات یہ تھی  
کہ بودھ بھکشو ابھی تک بڑے سکون سے سو رہا تھا۔ اس  
کے خراٹوں کی بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔ عنبر خانقاہ کے



دروازے کے باہر کھڑا ہو گیا۔ یونانی سپاہی جنگلی جانوروں کی طرح چیختے چلاتے شور مچاتے خانقاہ کے سامنے آکر گھوڑوں سے اترے اور تلوار لیے عنبر کی طرف پلکے۔ ایک سپاہی نے عنبر کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں اپنے ساتھی سے یونانی زبان میں کہا:

”بیمار ہندوستانی ہے۔ اسے تم ہلاک کرو۔“

عنبر نے بھی یونانی زبان میں جواب دیا:

”تم میرے کوئی بھی مجھے ہلاک نہ کر سکتے گا۔“

چاروں یونانی سپاہی چونکے کہ یہ شخص جو شکل صورت سے کسی طرح بھی یونانی نہیں لگتا یونانی زبان میں اتنی روانی سے کیسے بات کر لیتا ہے۔

ایک سپاہی نے غراتے ہوئے عنبر سے کہا:

”تم یونان میں کسی امیر کے غلام رہے ہو کیا؟“

عنبر نے بڑی بہادری سے جواب دیا:

”میں آج تک کسی کا غلام نہیں رہا۔“

پتیسرا سپاہی جھٹلا کر بولا:

”اے اس کا سرتن سے جدا کرو اور مندر کو لوٹو۔“

اس کے اندر ضرور سونے کی موریتیاں ہوں گی۔“

پہلے سپاہی نے عنبر پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔

## طوفان اور اہماری

عنبر نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ پر لیا اور تلوار چھین کر پرے پھینک دی۔

اب دو یونانی سپاہی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے عنبر کو گرا لیا اور اسے زد و کوب کرنے لگے۔ باقی دو یونانی سپاہیوں سے ایک خانقاہ کا دروازہ دھڑاک سے کھول کر اندر گیا ہی تھا کہ ماریا نے اس کی گردن پر اوپر سے اتنی زور سے بازو مارا کہ اس کی گردن کی ہڈیوں کے ساتھ ٹکڑے ہو گئے۔ وہ گرا تو دوسرا آگے بڑھ چکا تھا۔ اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ اب۔ بودھ بھکشو جاگ پڑا تھا۔ اس نے یہ ماجرا دیکھا تو گوتم بدھ کی مورتی کے سامنے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ ماریا باہر کو دوڑی۔ دونوں یونانی سپاہی عنبر کو گھونسنے مار رہے تھے مگر خود ان کے ہاتھ لہو لہان ہو گئے تھے۔ عنبر ان کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ماریا نے ایک یونانی سپاہی کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ اس نے



کسی کے بازوؤں کی پکڑ محسوس کی تو بیچ مار کر اپنے  
اٹھتی سے بولا:

"یہاں کوئی بھوت ہے۔ ہمارے دونوں ساتھی  
مرچکے ہیں۔ بھاگو۔"

مگر ماریا بھلا انہیں کب بھاگنے دیتی تھی۔ اس نے  
انی سپاہی کو بازوؤں سے پکڑ کر اوپر کو اتنی زور سے  
پھالا کہ وہ زمین سے پچاس فٹ کی بلندی پر جا کر  
بازیاں کھاتا زمین پر گرا تو اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ گئی  
تھا یونانی ڈر کر بھاگنے لگا تو ماریا نے اسے بھی گردن  
سے دو بوج لیا۔

عنبر نے کہا:

"جانے دو اسے ماریا۔ یہ ہمارا مقابلہ نہیں کر رہا۔"  
ماریا نے کہا:

"اس نے نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کا خون  
بھایا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔"

اور ماریا نے چوتھے یونانی سپاہی کا بھی صفایا کر دیا۔  
پھر اس نے چاروں لاشوں کو ان کے گھوڑوں پر ڈال کر  
ہاڈیوں کی طرف بھگا دیا۔ بودھ بھکشو خالقہ کی کوٹھڑی  
سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس نے دونوں اٹھ سینے پر باندھ

رکھے تھے۔ کہنے لگا:

"یہ ظلم مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ میں پہاڑی گچھاہ

میں جا کر مہاتما بدھ کی عبادت کروں گا۔"

بودھ بھکشو نے جھک کر عنبر کو سلام کیا اور کھڑائی  
پہن کر پہاڑیوں کی طرف جانے والی سڑک کے کنارے  
کنارے چل پڑا۔

ماریا نے کہا:

"اس شریف آدمی کا پہاڑوں میں چلے جانا ہی  
بہتر ہے یہاں یونانی سپاہی اسے زندہ نہیں  
چھوڑیں گے۔"

عنبر بولا:

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے ماریا؟"

ماریا نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ہمیں بڑی شاہراہ  
کو چھوڑ کر جنگلوں میں سے گذر کر شہر لاہور کی طرف نکل  
جانا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے وہاں ناگ کا کوئی سرائع  
مل جائے۔ عنبر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ ماریا اس کے  
ساتھ ہولی اور دونوں تیشلا کی پہاڑیوں کے دامن کی  
طرف روانہ ہو گئے۔ یہاں سے انہوں نے آگے دریائے  
ہہلم عبور کر کے دریائے چناب کی وادی میں داخل ہونا



تھا اور پھر وہاں سے جنگل جنگل لاہور کا رخ پکڑنا تھا اس زمانے میں اتنی آبادیاں کہاں ہوتی تھیں۔ ایک شہر ہوتا تھا جو صرف فیصل یعنی دیوار کے اندر آباد ہوتا تھا باہر کھیت کھلیاں ہوتے تھے۔ کسانوں کے کچھ کے مکان ہوتے تھے۔ دشمن کی فوجیں حملہ کرتیں تو یہ کسان بھاگ کر شہر میں آ جاتے تھے۔ گاؤں دیہات بہت ہی کم ہوتے تھے۔ اگر گاؤں ہوتے بھی تھے۔ تو ایسی جگہوں پر بنائے جاتے تھے جو پہاڑی ڈھلانوں یا گھنے درختوں کی اوٹ میں چھپی ہوتی تھیں تاکہ دشمن کی فوج اگر وہاں سے گزرے تو اس کی نظر کم پڑ سکے۔ عنبر اور ماریا دریائے جہلم کی طرف شمال مشرق سے ہوتے ہوئے جا رہے تھے۔

دوسری طرف سکندر اعظم اپنے شاہی دستے کے ساتھ نکشلا کے راجہ کے شاہی محل پر قبضہ کر چکا تھا۔ راجہ امپتی ہتھیار ڈالنے کے بعد سکندر اعظم کی خدمت میں بے حد قیمتی تحائف پیش کر رہا تھا۔ سکندر اعظم دوسرے بادشاہوں یا قدیم جرنیلوں کی نسبت زیادہ بااخلاق اور مہربان تھا۔ وہ دشمن کا بھی احترام کرتا تھا۔ جو دشمن ہتھیار ڈال دیتا تھا۔ اس کی پوری حفاظت کرتا تھا۔ چنانچہ راجہ امپتی کو اس نے اس کی حکومت واپس کر دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ وہ نکشلا میں اپنا کوئی گورنر نہیں رکھے تھے۔ صرف ایک یونانی مشیر

میں یونانی مفادات کی حفاظت کے لیے موجود رہے گا۔ راجہ امپتی اسی پر بہت خوش تھا کہ جان تو بچی کیونکہ پورس کی طرح بہادر اور غیرت مند راجہ نہیں تھا۔ اسے عزت اور آبرو کی جگہ دولت اور شاہی تخت و تاج عزیز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ آج راجہ پورس کو ایک بہادر اور غیرت مند راجہ کی حیثیت سے یاد رکھے ہوئے ہے۔ لہذا پورس کو شکست ہو گئی تھی۔ اس کی بہادری کا اعتراف سکندر اعظم نے بھی کیا تھا۔ یہ بات آپ نے اپنی کتابوں میں بھی پڑھی ہوگی کہ شکست کے بعد جب جہلم کے اس راجہ پورس کو سکندر کے سامنے لایا گیا تو سکندر اعظم نے اس سے سوال کیا۔

”پورس! بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟“ اس پر راجہ پورس نے ایک غیرت مند بہادر انسان کی طرح جواب دیا۔

”وہی جو ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کے ساتھ کرتا ہے۔“ اس دلیرانہ جواب پر سکندر خوش ہوا کہ اس نے تخت سے اتر کر راجہ پورس کو گلے لگا لیا اور اس کی حکومت اسے واپس کر دی۔ مگر راجہ امپتی کے بارے میں سکندر کو معلوم تھا کہ یہ ایک دولت پرست بزدل راجہ



ہے چنانچہ وہاں اس نے اپنا ایک مشیر ضرور مقرر کر  
 تھا جس نے بعد میں مکشلا کے تخت پر قبضہ کر لیا  
 شمال کا سارا علاقہ یونانیوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔  
 شاہی محل میں دربار سجا تھا۔ یونانی جرنیل بڑی  
 سے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ راجہ امبی سکندر اعظم کے تخت کے  
 نیچے ایک کرسی پر ادب سے بیٹھا تھا اور اس کے ہندی دربار  
 نوکروں کی طرح اسکندر اعظم کی خدمت میں تحفے تیار  
 پیش کر رہے تھے۔ راجہ امبی نے جب ایک انتہائی  
 اور قیمتی ہیرا سکندر کی خدمت میں پیش کیا تو سکندر  
 خوش ہو کر اپنی خاص سونے کی ٹوکری کھولی جس میں  
 کا یا قوتی سانپ اور یونان کے مشہور شاعر ہومر کی  
 کی کتاب رکھی رہتی تھی کھولی اور یا قوتی سانپ کا  
 نکال کر راجہ امبی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:  
 "راجہ! ہم یہ تحفہ تمہاری خدمت میں پیش کرتے  
 ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے ملک میں  
 سانپوں کی پوجا ہوتی ہے۔ سانپ کی یہ مورتی  
 تمہارے لیے خوش بختی کا باعث ہوگی۔  
 راجہ امبی یا قوت کی سانپ کی مورتی کو دیکھ کر  
 بہت خوش ہوا۔ اس نے ایسی سانپ  
 کی مورتی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ مورتی راجہ

نے اپنے محل کے ایک خاص عبادت کرنے والے کمرے میں  
 لے جا کر مندر کی چوکی پر رکھ دی۔ یہاں پہلے سے دیوتاؤں  
 کی مورتیاں پڑی تھیں۔ راجہ امبی کی ایک ہی نوجوان بیٹی  
 تھی جس کا نام دُرگا تھا۔ دُرگا کی ماں جنوبی ہند کے ایک  
 ملک کی رہنے والی تھی جہاں لوگ سانپوں کی پوجا کرتے  
 تھے۔ دُرگا کی ماں رانی کلا بھی سانپوں کو دیوتا سمجھتی تھی۔  
 اور ان کی پوجا کرتی تھی۔ راجہ کماری دُرگا یا قوتی سانپ کو  
 ایک دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا کرنے لگی۔ اسے کچھ معلوم  
 نہیں تھا یہ مورتی پرج شمع کے ناگ دیوتا کی مورتی ہے۔  
 اسے اُٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئی یہاں اس نے  
 ایک سونے کی چوکی پر ناگ کی مورتی رکھ دی۔ اس کے  
 گے گھی کا دیا روشن کر دیا اور صبح و شام پھول اور  
 شہد کا پیالہ سامنے رکھ کر ناگ کی مورتی کی پوجا کرتی۔ راجہ  
 امبی کو یہ بات زیادہ پسند نہیں تھی کہ اس کے محل  
 میں سانپ کی باقاعدہ پوجا پاٹھ ہو۔ چنانچہ جب راجہ کماری  
 دُرگا کو پتہ چلتا کہ اس کا راجہ باپ ادھر آ رہا ہے تو  
 وہ ناگ کی مورتی کے آگے سے پھول شہد اور چراغ  
 لے کر دیتی اور یہ ظاہر کرتی کہ اس نے سانپ کی مورتی  
 کو محض ایک خوبصورت مورتی کے طور پر یہاں رکھا ہوا



ہے۔ جب وہ چلا جاتا تو راج کماری درگا پھر سانپ  
پوجا میں مصروف ہو جاتی۔

راج کماری درگا کو ناگ کی مورتی سے بڑی عقیدت  
ہو گئی تھی۔ وہ زمانہ ہی ایسا تھا۔ لوگ جانوروں پتھروں  
درختوں اور دریاؤں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ایک روز راج  
درنا ناگ کی سانپ مورتی کی پوجا کر رہی تھی۔ وہ آنکھوں  
بند کیے ہاتھ باندھے ناگ کی سانپ مورتی کے سامنے  
سر جھکائے بیٹھی تھی کہ راجہ امبی کمرے میں آ گیا پاس  
اپنی بیٹی کو سانپ کی مورتی کی پوجا میں لگن پایا تو  
پاؤں واپس چلا گیا۔ دل میں اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ  
سانپ کی یہ مورتی عمل میں نہیں رہے گی۔

دوسرے روز اس نے اپنے ایک خاص آدمی کو بلایا  
اور اسے کہا کہ وہ سانپ مورتی کو اٹھا کر دور پہاڑیوں  
کسی کھڈ میں جا کر گرا دے جہاں سے اسے کبھی کوئی نہ  
نہ لا سکے۔ اس خاص آدمی نے رات کے وقت جب راجہ  
درگا گہری نیند سو رہی تھی سانپ مورتی کو اٹھایا اور  
پہاڑیوں کی طرف نکل گیا۔ تنگشلا شہر سے باہر تھوڑے  
فاصلے پر ہی پہاڑیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ وہ ایک  
میں سے گذر کر رات کے اندھیرے میں ایک پہاڑی  
چڑھ گیا۔ اس پہاڑی کی دوسری جانب ایک گہرا گھاٹ

اس نے ناگ کی یا قوتی سانپ مورتی کو تھیلے میں سے نکال  
کر گہرے کھڈ میں پھینک دیا۔ سانپ مورتی لرزھکتی پتھروں  
سے ٹکراتی کھڈ کی گہرائی میں ایک جنگلی جھاڑی کے پاس  
جا کر ٹک گئی۔

صبح راج کماری درگا اٹھی تو دیکھا کہ سانپ کی مورتی غائب  
تھی۔ پریشان ہو کر اپنی ماں کے پاس گئی۔ ماں خاموش ہو  
گئی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ آخر اس نے اپنی بیٹی راج کماری  
درگا سے کہا:

”بیٹی! یہ کام سولے تمہارے راجہ باپ کے  
دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ کسی کو اتنی جرأت نہیں  
کہ وہ تمہارے کمرے میں رات کے اندھیرے میں  
داخل ہو کر مورتی چڑا کر لے جائے۔ یہ کام تمہارے  
باپ کے کہنے پر ہوا ہے۔ اس لیے تجھے صبر کر  
لینا چاہیے۔ کیونکہ تم ہزار کوشش کے باوجود بھی  
سانپ مورتی کو دوبارہ حاصل نہ کر سکو گی۔“

اس وقت تو راج کماری درگا چپ ہو کر واپس اپنے  
کمرے میں چلی آئی۔ لیکن اس نے دل میں عہد کر لیا کہ  
وہ اپنے دیوتا، سانپ مورتی کو حاصل کر کے رہے گی۔  
اس کے دل کو یقین تھا کہ سانپ مورتی جہاں بھی ہوگی  
اسے اپنے پاس بلا لے گی۔ چنانچہ اسی روز جنگل میں سیر



کرنے کے بہانے درگا اپنی چار سہیلیوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑی وادیوں کی طرف نکل گئی۔ راج کماری درگا کو اتنا اندازہ تھا کہ سانپ مورتی کو ضرور کسی گہری کھڈ میں گرایا گیا ہوگا۔ کیوں کہ وہاں قریب کوئی دریا نہیں تھا۔ صرف ایک نہر تھی جس میں سے یا قوت کی قیمتی سانپ مورتی لوگ نکال سکتے تھے۔ درگا اپنی سہیلیوں کے ساتھ ایک پہاڑی پر چڑھ رہی تھی کہ آسمان پر کالی گھٹائیں چھا گئیں۔ اور تیز ہوا چلنے لگی۔ پھر زبردست آندھی اور بارش کا طوفان آ گیا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ گھوڑے بدک گئے۔ درگا کا گھوڑا بھی اسے جھاڑیوں میں گرا کر بھاگ گیا۔ دوسری سہیلیاں بھی خوف زدہ گھوڑوں سے چمٹی کہیں کی کہیں نکل گئیں۔

تیز بارش اور قیامت خیز ہواؤں نے درگا کو راستے سے ہٹکا دیا اور وہ لڑھکتی ہوئی گہری کھڈ میں جا گری۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ٹھکان کے اونچے گھاس میں سے پھسلتی ہوئی نیچے گری اور اسے چوٹ نہ لگی۔ جب ذرا ہوا کا زور تھا تو راج کماری درگا نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اٹھ کر بارش سے بچنے کے لیے ایک جھاڑی کی طرف چلی آئی۔ یہ بہت گھنی جھاڑی تھی۔ سیاہ بادل گرج رہے تھے۔ بارش موسلا دھار ہو رہی تھی۔ کالے بادلوں

کے وجہ سے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ راج کماری جھاڑی میں چھپی بیٹھی تھی کہ اسے سانپ کی پھنکار کی آواز سنائی دی۔

راج کماری درگا چونکہ سانپوں کی پوجا کرتی تھی اس لیے اسے سانپ سے کوئی خوف محسوس نہ ہوا۔ وہ ہاتھ باندھ کر بارش میں بیٹھ گئی اور دیکھا کہ ایک سانپ پھن اٹھائے اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ درگا اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلی۔ خاموش ہاتھ باندھے بیٹھی منتظر پڑھتی رہی۔ سانپ پھن اٹھائے اس کے قریب سے گذر کر جھاڑی میں چلا گیا۔ جب تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس کے منہ میں ناگ کی سانپ مورتی پکڑی ہوئی تھی۔ راج کماری نے اپنی کھوئی ہوئی یا قوت مورتی کو دیکھا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ سانپ نے ناگ کی مورتی کو راج کماری درگا کے سامنے ڈال دیا اور خود دوسری جنگل جھاڑیوں کی طرف چلا گیا۔

راج کماری نے ناگ کی مورتی کو اپنی ساڑھی کے پلو سے صاف کیا اور اس سے باتیں کرنے لگی۔

”میرے دیوتا! تم کہاں چلے گئے تھے۔ میں تمہاری جدائی میں بے چین تھی۔ بے قرار تھی۔ بھگوان کی کرپا سے تم پھر مل گئے۔ میری محبت جیت



گئی۔

اور راج کماری درگا نے ناگ کی سانپ مورتی کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ بارش رکنے کا انتظار کرنے لگی بادل زور سے گر جا۔ راج کماری سہم کر جھاڑی کے اندر ہو گئی۔ اچانک کیا دیکھتی ہے کہ وہی سانپ سامنے والی جھاڑیوں سے نکل کر ایک بار پھر چلا آ رہا ہے۔ سانپ نے اپنے منہ میں ایک خاص قسم کی بوٹی پکڑ رکھی تھی جس کا رنگ زعفران ایسا تھا اور اس بوٹی کے کنگرے بھی تھے راج کماری سانپ کی مورتی کو گود میں لیے خاموشی سے سانپ کو تھکنے لگی۔ سانپ اسی کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ راج کماری درگا کچھ نہ سمجھ سکی کہ سانپ اس کی طرف کس لیے آ رہا ہے۔ جب سانپ اس کی گود کی طرف بڑھنے لگا تو آخر وہ انسان تھی۔ ڈر کر اس نے سانپ مورتی کو زمین پر رکھ دیا۔ کیونکہ اس کی چھٹی حس نے جیسے اسے بتا دیا تھا کہ یہ سانپ مورتی کی طرف آ رہا ہے۔

اور ایسا ہی تھا۔ درگا نے ناگ کی مورتی کو بارش میں گھاس پر رکھ دیا تو سانپ نے آگے بڑھ کر اپنے منہ میں پکڑی ہوئی بوٹی ناگ کی مورتی کے جسم سے ساتھ لگائی اور اسے تین بار رگڑا۔ تیسری بار رگڑنے کے

ساتھ ہی ناگ زندہ ہو گیا۔ اس کے جسم میں جان پڑ گئی۔ اس کی یادداشت اور طاقت واپس آ گئی۔ مگر ابھی تک وہ سانپ کی شکل ہی میں تھا۔ اس کو زندہ ہوتے دیکھ کر راج کماری تو ہنسنے لگی۔ پھر عقیدت سے اس نے ناگ کے آگے سجدہ کر دیا۔

سانپ نے اپنی زبان میں ناگ سے کہا: "عظیم ناگ دیوتا! مجھے آپ کی خوشبو اس جھوپڑی کی طرف کھینچ کر لے آئی۔ لیکن یہاں آ کر آپ کو یا قوتی سانپ کی حالت میں دیکھا تو جنگل میں سے یہ تریاتی بوٹی توڑ کر لایا۔ کیونکہ آپ کے جسم میں اس بوٹی کے رگڑنے سے ہی جان پڑ سکتی تھی۔ ناگ نے سانپ کا شکریہ ادا کیا اور اس سے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے؟ سانپ نے بتایا کہ جب وہ آیا تو یہ لڑکی اس کی یا قوتی مورتی کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ عظیم دیوتا! ایسے لگتا ہے کہ یہ لڑکی آپ کی پوجا کر رہی تھی۔ اب بھی وہ آپ کے سامنے ہاتھ باندھے بیٹھی ہے۔"

ناگ نے سانپ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: "اچھا تم اب جا سکتے ہو۔ مجھ پر جس بدروح نے ظلم کیا تھا وہ تمہارے تعاون سے ختم ہو گیا۔"



سانپ نے ادب سے سلام کیا اور بارش میں جھاڑوں کی طرف چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ناگ نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ باندھے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ناگ ابھی تک سانپ کی شکل میں تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ لڑکی اگر اس سے اتنی محبت کرتی ہے۔ اس سے اتنی عقیدت رکھتی ہے تو اس پر ظاہر ہو جانا چاہیے۔ پس ناگ نے ایک سانس کھینچ کر چھوڑا اور دوسرے لمحے وہ انسانی شکل میں موجود تھا۔ راج کماری درگا نے جو سانپ کو اب انسان بننے دیکھا تو بے ہوش ہو کر پیچھے جھاڑی میں گر پڑی۔

ناگ نے اسے سنبھالا اور اٹھا کر پہاڑی ڈھلان کی ایک چھوٹی سی کھوہ میں لے آیا جہاں بارش کا پانی نہیں آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں راج کماری کو ہوش آ گیا۔ ناگ نے درگا کے لباس سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے۔ راج کماری درگا حیرت سے آنکھیں کھولے ناگ کو تک رہی تھی۔

ناگ نے کہا :

”اچھی بہن! تجھے مجھ سے جو عقیدت ہے اس کی میں قدر کرتا ہوں اور اسی کی وجہ سے میں انسانی

شکل میں تمہارے سامنے آیا ہوں سنو! میں ناگ دیوتا ہوں اور تمہاری عبادت سے خوش ہوا ہوں۔ اب مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو۔ تمہارا گھر کہاں ہے تاکہ میں تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس چھوڑ آؤں۔

راج کماری درگا ہکا بکا سی تھی۔ اس نے بڑے سانپوں کی پوجا کی تھی مگر آج تک کسی سانپ کو انسان بننے نہیں دیکھا تھا۔ جب ناگ نے اپنا تعارف کر دیا تو وہ ناگ دیوتا ہی ایسی کرامت کر سکتا ہے۔ اس نے اپنے خشک حلق کو تر کرتے ہوئے آہستہ سے کہا :

”ناگ دیوتا کو میرا پرنام۔“

ناگ نے راج کماری کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا :  
”میری بہن! میں نے تمہارا پرنام تمہارا سلام قبول کیا لیکن مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہارا گھر کہاں ہے اور تم یہاں کیا کرنے آئی تھیں اور مجھے یہاں کون لایا تھا؟“

کیوں کہ ناگ کو یہ تو معلوم تھا کہ ایک بدروح نے اس پر طلسم کر کے اسے سانپ بنا دیا تھا مگر یہاں کیسے آیا؟ اس کا اسے کچھ علم نہیں تھا۔ کیوں کہ یا توئی سانپ



٢٦  
 بنتے ہی اس کی یادداشت اور دوسرے احساسات وقتی  
 طور پر ختم ہو گئے تھے۔ جواب دوبارہ واپس آ گئے تھے۔  
 ناگ نے کہا:

”کیا تم مجھے یہاں لائی تھیں؟“

اب راج کماری درگا کا حوصلہ کچھ بڑھا۔ اس نے کہا:  
 ”ناگ دیوتا! میرا نام درگا وتی ہے اور میں یہاں  
 کے راجہ امبتی کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ چونکہ میری ماں  
 جنوبی ہند کی رہنے والی ہے اس لیے ہم سانپوں  
 کی پوجا کرتے ہیں۔ راجہ امبتی یعنی میرے باپ  
 کو اسکندر اعظم نے تمہیں تختے کے طور پر دیا تھا  
 میں تمہاری مورتی اٹھا کر اپنے کمرے میں لے  
 آئی اور صبح و شام تمہاری پوجا کرتی۔ لیکن چونکہ  
 میرا باپ سانپوں کی پوجا کو پسند نہیں کرتا اور  
 وہ جنوب کا نہیں ہے۔ اس لیے اس نے  
 مجھے سانپ کی پوجا کرتے دیکھ لیا اور تمہاری  
 مورتی کو آتشوا کر اس گھرے کھڑے میں پھینکوا دیا۔  
 مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ میں تمہارے  
 بغیر اداس ہو گئی اور آج تمہاری تلاش میں  
 اس دادی میں آئی تو بارش آندھی کا طوفان  
 آگیا اور میں بھٹک کر اس جھاڑی میں نکل آئی

٢٧  
 جہاں تم مجھے دوبارہ مل گئے:

ناگ سب کچھ سمجھ گیا۔ اسکندر اعظم کے ذکر سے اس  
 نے پوچھا کہ سکندر اعظم یہاں کیسے آ گیا؟ راج کماری نے  
 بتایا کہ سکندر اعظم نے جہلم فتح کرنے کے بعد میکشلا  
 پر حملہ کیا تھا مگر اس کے راجہ باپ نے ہتھیار ڈال دینے  
 اور اب سکندر واپس جہلم چلا گیا ہے جہاں سے وہ  
 ہندوستان کے دوسرے شہروں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا  
 رہا ہے۔

ناگ نے کہا:

”چلو میری بہن! میں تمہیں تمہارے شاہی محل میں  
 چھوڑ آؤں۔“

درگا بولی: ”ناگ دیوتا! تم مجھے چھوڑ کر چلے تو  
 نہیں جاؤ گے؟“

ناگ بولا: ”تم اپنے ماں باپ کے پاس تو چلو۔  
 وہ تمہارے لیے بہت پریشان ہو رہے ہوں گے۔  
 اور ہاں وعدہ کرو کہ تم کسی کو میرے بارے میں  
 کچھ نہیں بتاؤ گی۔“

راج کماری درگا بولی:

”میں وعدہ کرتی ہوں ناگ دیوتا۔ مگر تم بھی  
 وعدہ کرو کہ مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔“



ناگ نے کہا :

”دیکھو درگا ! میں ناگ دیوتا ہوں ۔ مجھے دنیا کے سارے سانپوں ، سارے سانپ مندروں کی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے ۔ مجھے تم سے جدا ہونا ہی پڑے گا ۔ مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے ملنے ضرور آ جایا کروں گا ۔“

راج کماری درگا اداس ہو گئی ۔ ناگ نے اسے حوصلہ دیا ۔ بارش ختم گئی تھی ۔ ناگ نے درگا کو ساتھ لیا اور پہاڑی کی چڑھاٹی چڑھنے لگا ۔ کافی مشکل کے ساتھ وہ راج کماری کو پہاڑی کے اوپر لے آیا ۔ دوہری طرف وادی تھی اور دور سمکھلا کا شہر بادلوں میں گھرا ہوا نظر آ رہا تھا ۔ ناگ جب راج کماری درگا کو لے کر شاہی محل کے دروازے پر آیا تو پہرے داروں نے تعجب سے اسے دیکھا ۔ ہر طرف شور مچ گیا کہ راج کماری واپس آ گئی ہے ۔ جب سے راج کماری کی سببوں نے واپس آ کر راجہ اور رانی کو بتایا تھا کہ راجہ اسی طوفان میں ان سے بچھڑ گئی ہے راجہ رانی سخت پریشان تھے اور شاہی فوج اس کی تلاش میں نکل چکی تھی ۔ اپنی بیٹی کو اپنے سامنے دیکھ کر راجہ اور رانی نے اسے گلے لگا لیا راج کماری نے ناگ کی طرف اشارہ کر کے کہا :

”بتا جی ! اس بہادر نوجوان نے میری جان بچائی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو میں طوفان میں بھٹک کر نہ جانے کہاں کی کہاں نکل گئی ہوتی ۔“

راجہ ابھی نے ناگ کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور بولا :

”بیٹا ! میں تمہارا احسان مند ہوں ۔ بولو ۔ میں تمہیں منہ مانگا انعام دینا چاہتا ہوں ۔“

ناگ نے راج کماری کی طرف دیکھا ۔ راج کماری کو تو معلوم تھا کہ ناگ ایک دیوتا ہے اور زمین کے سارے خزانوں کا منہ اس کے لیے کھلا ہے ۔ اس نے اپنے باپ سے کہا :

”بتا جی ! انہیں کسی انعام کی ضرورت نہیں ہے ۔“

راجہ نے کہا :

”بیٹا تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں ؟“

ناگ بولا : ”میرا نام گیاداس ہے ۔ میں ملک مصر کا سیاح ہوں ۔ یہاں سیاحت کرنے آیا تھا کہ یونانی فوجوں کے حملے سے ڈر کر پہاڑوں میں جا کر چھپ گیا ۔ طوفانی بارش میں اچانک میری نظر راج کماری جی پر پڑ گئی جو مدد کے لیے پکار رہی تھیں ۔ چنانچہ میں انہیں آپ کے پاس لے آیا ۔“

راجہ اور رانی نے ناگ کو زبردستی اپنے شاہی محل



۵۰ میں ٹھہرا لیا اور کہا کہ وہ دو ایک روز انہیں ضرور خدمت کا موقع دے۔ ناگ سکندر اعظم کے پاس جانے کی جلدی میں تھا لیکن راجہ اور رانی کے اصرار پر شاہی محل میں ٹوک گیا۔

راجہ کماری درگا نے بھی ناگ کو مجبور کیا کہ وہ ان کے پاس دو تین دن ضرور ٹھہرے۔ ناگ کو شاہی محل میں ایک شاندار کمرہ مل گیا۔ جہاں عالی شان بستر لگا تھا۔ راجہ کماری درگا نے تو باقاعدہ ناگ کی پوجا شروع کر دی۔ ناگ نے اسے منع بھی کیا مگر وہ کیسے باز رہ سکتی تھی۔ اسے تو معلوم تھا کہ یہ نوجوان ناگ دیوتا ہے۔ راجہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ راجہ کا ایک نوجوان وزیر وکرہ تھا۔ وہ راجہ کی اکلوتی بیٹی درگا سے شادی کر کے راجہ کی موت کے بعد تخت پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ راجہ کماری درگا محل میں ٹھہرے ہوئے مہمان گیا داس کے ارد گرد پھرتی رہتی ہے اور اس کی پوجا کرتی ہے تو اس کا خون کھول اٹھا۔ پہلے تو اس نے ناگ کو وہاں سے بھگانے کے جتن کئے مگر ایسا ہوا کہ جب ناگ جانے لگا تو راجہ کماری درگا خوش کھا کر گر پڑی۔ اب راجہ نے ناگ کے ہاتھ جوڑے کہ وہ اسے چھوڑ کر نہ جائے۔ یہ اس کی اکلوتی بیٹی درگا

۵۱ کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ ناگ مجبور ہو گیا اور کچھ دن اور محل میں ٹھہر گیا۔

راجہ کماری بہت خوش ہوئی۔ بالکل صحت مند ہو گئی اور ناگ کی دوبارہ پوجا شروع کر دی۔ وزیر وکرہ نے ناگ کو راستے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ راجہ کماری کی جو حالت ہے اس کو دیکھتے ہوئے اگر گیا داس یعنی ناگ چلا بھی گیا تو راجہ کماری اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے گی یا اگر نہ گئی تو اس کی محبت نہیں گھل گھل کر مر جائے گی۔ اس کا سب سے بہترین علاج یہی تھا کہ گیا داس ناگ کو ہلاک کروا دیا جائے۔ اس کی لاش دیکھ کر راجہ کماری کچھ دن سوگ کڑے گی پھر اسے صبر آ جائے گا۔

نوجوان وزیر اعظم وکرہ کو کیا معلوم تھا کہ وہ کس سے اُلجھ رہا ہے۔ اس نے کسی کو اپنا راز نہ بتایا۔ اس خیال سے کہ وہ آدمی بعد میں اسے بلیک میل کرے گا۔ وزیر وکرہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو یہ پتہ چلے کہ اس نے گیا داس کو جو راجہ کا مہمان ہے ہلاک کروایا ہے۔ چنانچہ اس نے خود ہی ناگ کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔

وہ راجہ کا وزیر تھا اور اسے محل کی ساری خبریں



۵۲ رہتی تھی۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ جس کمرے میں ناگ ٹھہرا ہوا ہے اس کو ایک خفیہ راستہ بھی جاتا ہے ایک رات اس نے منہ سر پر کالی چادر لپیٹی ہاتھیں زہر میں بچھا ہوا خنجر لیا اور خفیہ راستے کی طرف چل پڑا۔ اتفاق کی بات ایسی ہوئی کہ اسی رات ناگ کو عنبر ماریا کیٹی اور تھیوسانگ کی بہت یاد آئی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ کسی سانپ کو بلوا کر اس سے عنبر ماریا کیٹی اور تھیوسانگ کے بارے میں پوچھا جائے۔ کیونکہ سانپوں کو ان باتوں کا علم ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب کہ عنبر ماریا کیٹی اور تھیوسانگ کے جسموں سے ناگ دیوتا کی ہلکی خوشبو بھی آتی تھی۔

ناگ کمرے میں اکیلا تھا۔ اس نے ہلکی سیٹی کی آواز نکالی اور علاقے کے کسی سانپ کو آواز دی۔ لہٰذا تسلی تھی کہ اگر آس پاس کوئی سانپ ہوا تو وہ محل کی دیواروں پھتوں پر رینگتا ہوا اس کے کمرے میں پہنچ جائے گا۔ ناگ کے کمرے کا روشندان کھلا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک مٹیالے رنگ کا سبزی مائل انتہائی زہریلا سانپ وہاں آ گیا۔ اس نے آتے ہی ناگ کو سلام کیا اور پوچھا کہ وہ ناگ دیوتا کی کیا خدمت کر سکتا ہے۔ ناگ پٹنگ سے اتر کر تخت پوش پر

۵۳ بیٹھا تھا۔ اس کی پیٹھ پٹنگ کی طرف تھی۔ اسی پٹنگ کے نیچے خفیہ راستے کا چھوٹا دروازہ کھلا تھا۔ مٹیالا زہریلا سانپ اس کے سامنے کھڑی مارے بیٹھا تھا۔

ناگ نے اس سے کہا :  
"کیا تم مجھے عنبر ماریا کیٹی اور تھیوسانگ کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں ہوں گے؟ وہ میرے بہن بھائی ہیں اور ان کے جسموں سے میری خوشبو بھی آتی ہے۔"

سانپ نے کہا :  
"عظیم ناگ دیوتا! میں اس سارے علاقے میں گردش کرنا رہتا ہوں۔ میں نے اپنے علاقے میں سوائے آپ کے اور کسی کے جسم سے آپ کی خوشبو نہیں سونگھی۔"

ناگ نے کہا :  
"اچھا تم خیال رکھنا۔ میں اس محل میں ابھی تین چار دنوں تک ہوں۔ جو نہی تمہیں علاقے میں میرے سوا کسی دوسرے کے جسم سے میری خوشبو آئے تو فوراً مجھے آ کر خبر کرنا۔ تم سمجھ گئے ہو؟"

سانپ بولا : "پوری طرح سمجھ گیا ہوں عظیم ناگ دیوتا!"



۵۴ میں فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔  
ناگ نے کہا:

اب تم واپس جا سکتے ہو۔

عین اس وقت پتنگ کے نیچے فرشتے کا خفیہ ڈھکنا اٹھا کر وزیر وکرم منجر ماتھ میں لیے نمودار ہوا۔ اس وقت مٹیالا سانپ واپس جانے کے لیے مڑ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو منجر ماتھ میں لیے ناگ دیوتا کی طرف بے پاؤں بڑھ رہا تھا۔ مٹیالے سانپ نے ایک زور کی سیٹی کی آواز حلق سے نکالی۔ ناگ خطرے کو محسوس کرتے ہی ایک طرف اچھل کر گرا۔ اتنی دیر میں مٹیالا سانپ وزیر کی گردن میں لٹک رہا تھا اور اس نے وزیر وکرم کو ڈس دیا تھا۔

وزیر وکرم کی موت اسے وہاں کھینچ کر لے آئی تھی۔ جلا اس قسم کے زہریلے سانپوں کے زہر سے وہ کبھی بچ سکتا تھا۔ سب سے پہلے تو اس کا حلق ہی بند ہو گیا۔ مٹیالے سانپ نے اسے گردن پر ڈسا تھا جس کے فوراً بعد اس کے گلے کے گھینٹے سوج گئے اور اس کی آواز بند ہو گئی۔ پھر اس کا خون جم گیا اور وہ دھڑام سے فرشتے پر گر پڑا جب ناگ نے اٹھ کر اسے جھک کر دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔

ناگ نے کہا:

مارے! یہ تو راجہ کا وزیر وکرم ہے۔

سانپ بولا: "عظیم ناگ دیوتا! اگر آپ اس لاش کو غائب کرنا چاہتے ہیں تو مجھے حکم کریں۔ میں اپنی ایک ہی پھنکار کے شعلے سے اس لاش کو بھسم کر کے رکھ دوں گا۔"

ناگ بولا: "نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ لاش راجہ بھی دیکھے تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ یہ خفیہ راستے سے منجر ماتھ میں لے کر مجھے ہلاک کرنے آیا تھا۔ تم اب چلے جاؤ۔"

سانپ ادب سے تعظیم کر کے چلا گیا۔ وزیر وکرم کی لاش سیاہ پڑ گئی تھی اور اس کے ناگ کان سے جو خون بہہ رہا تھا وہ اب جم گیا تھا۔ ناگ نے اسی وقت راجہ ماری درگا کے کمرے میں جا کر اسے جگایا اور ساری بات بیان کی۔ راجہ ماری درگا نے جب سنا کہ وزیر وکرم ناگ دیوتا کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا اور اسے کسی سانپ نے کاٹ کر مار ڈالا ہے تو وہ حیران بھی ہوئی اور خوش بھی کہ ناگ دیوتا کا دشمن اپنے انجام کو پہنچا۔



## ونگھٹے کھڑے کر نیوالی آواز

ایک ہفتے بعد ناگ وہاں سے آگے روانہ ہو گیا۔  
اس وقت عنبر اور ماریا لاہور پہنچ چکے تھے۔ یہ  
بہت ہی پرانا لاہور تھا اور آج کل جہاں اچھرہ ہے  
وہاں آباد تھا۔ اس شہر کے راجہ نے بھی یونانی فوج کا  
مقابلہ کرنے کی پوری تیاری کر رکھی تھی مگر بہت جلد وہاں  
بھی یہ خبر پہنچ گئی کہ اسکندر اعظم کی یونانی فوجوں نے جہلم  
سے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا ہے اور اب سکندر اپنی  
فوجوں کے ساتھ واپس اپنے ملک جا رہا ہے۔ لوگوں نے  
سکھ کا سانس لیا تھا۔ کیونکہ کسی بھی زمانے میں عام آدمی  
جنگ کو پسند نہیں کرتے اور یہی چاہتے ہیں کہ سب ملک  
آپس میں اچھے ہمسایوں کی طرح پرامن طریقے سے رہیں۔  
عنبر اور ماریا نے قدیم ترین لاہور یعنی لوہ پور میں  
پہنچتے ہی سب سے پہلے فضا میں کونگھا۔ ناگ کی خوشبو  
کہیں سے بھی نہیں آ رہی تھی۔

عنبر بولا: "ناگ کی خوشبو اس شہر میں بھی نہیں  
ہے ماریا۔"

ماریا نے کہا:

"پھر بھی ہمیں اس شہر کے سارے بازاروں، گلیوں  
اور حویلیوں اور راجہ کے محل میں کھوج لگانی  
ہو گی۔ کیونکہ کوئی پتہ نہیں کہ ناگ کسی مصیبت  
میں پھنسا وہاں موجود ہو۔  
عنبر کہنے لگا:

"حویلیوں اور قلعے کے اندر تو ہمیں جانا ہو گا۔  
میں شہر کے گلی کوچوں، بازاروں اور باغوں میں  
ناگ کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"  
ماریا نے کہا:

"رہنے کے لیے ہمیں کسی سرے میں ہی اتنا  
چاہیے۔"

عنبر بولا: "کیوں نہ اس بار دریا کے کنارے  
ڈیرہ لگایا جائے یہ دریا ایرادتی بھی تو شہر  
کے قریب ہی بہتا ہے۔"

آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے جب لاہور کا نام لوہ پور  
تھا تو دریائے راوی کا نام دریائے ایرادتی تھا اور یہ



آج کل کے اچھرے کے قریب سے ہو کر گزرنا تھا۔  
 وقت کے ساتھ ساتھ یہ اپنی جگہ بدلتا اس جگہ پہنچ  
 گیا جہاں یہ آج کل بہرہ رہا ہے۔ ماریا کو یہ خیال  
 پسند آیا اور انہوں نے دریا کے کنارے جہاں امرد کے  
 بہت درخت اُگے ہوئے تھے اور چھوٹا سا گھاٹ  
 بھی قریب تھا ایک جگہ چُن لی۔ اس جگہ کچھ پرانی  
 کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں جن کے دروازے غائب تھے  
 اور خالی پڑی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ یہاں کبھی کسی  
 امیر آدمی نے باغ میں رہنے کے لیے کوٹھڑیاں بنوائی  
 ہوں گی۔ پھر وہ یہاں سے چلا گیا اور کوٹھڑیاں ویران  
 ہو گئیں۔ امردوں کے باغ میں سفید سفید میٹھے امرد  
 لٹک رہے تھے جنہیں طوطے بڑے مزے سے اُکھڑے  
 کھاتے تھے۔ اس زمانے میں اتنی آبادی اور افراتفری  
 نہیں تھی۔ کسی کو اتنی نہیں پڑی تھی کہ باغوں میں  
 جا کر امرد کے درختوں کو اُجاڑتا پھرے۔ شہر کے  
 گلی کوچوں میں امرد اور دوسرے پھلوں کے ڈھیر  
 لگے رہتے تھے اور ہر شے بے حد سستی تھی۔ چنانچہ  
 یہ باغ بھی ویران تھا۔  
 کچھ فاصلے پر دریا کنارے ایک چھوٹا سا گھاٹ

تھا۔ سیڑھیاں دریا تک چلی گئی تھیں۔ کبھی کبھی یہاں  
 دوسرے کنارے سے کشتی آتی۔ مسافر اترتے اور دوسرے  
 مسافر بیٹھ کر واپس چل دیتے۔ عنبر نے کوٹھڑی کو صاف  
 کر کے اندر امرد کے تازہ پتے توڑ کر اس کا بستر  
 بچھایا۔ باہر بھی امرد کے درختوں تلے زمین صاف  
 کر کے بیٹھنے کے لائق جگہ بنائی اور ماریا سے کہا:  
 "ماریا! اب تم ذرا شہر کی حویلیوں اور راجہ کے  
 محل میں جا کر ناگ کا کھوج لگاؤ۔ میں یہیں  
 پر منتہارا انتظار کروں گا۔"

عنبر کوٹھڑی کے اُگے امرد کے درخت کے نیچے  
 اُکھڑے بیٹھ گیا اور ماریا، ناگ کی تلاش میں شہر کی  
 حویلیوں کی طرف نکل گئی۔ یہ حویلیاں پرانے لوہ پور  
 یعنی لاہور کے اندر تنگ گلیوں میں بنی ہوئی تھیں  
 اور ان میں راجہ کے درباری اور امیر رئیس لوگ رہا  
 کرتے تھے۔ ان حویلیوں کے بڑے بڑے لکڑی کے  
 دروازے ہوتے تھے جو شام ہوتے ہی بند کر دیئے  
 جاتے تھے۔ حویلیوں کے اندر راہ داریاں نیم روشن رہتے  
 سیڑھیاں اور بڑے بڑے دالانوں والے کمرے ہوتے  
 تھے۔ ستون بنے ہوتے تھے جن کے ساتھ رات کو چراغ



روشن کر دیئے جاتے تھے۔ چھتوں پر بارہ دریاں بنی ہوتی تھیں جن میں امیر لوگوں کی لڑکیاں اور عورتیں گرمیوں کی شاموں کو ٹھنڈی ہوا لینے آ کر بیٹھ جاتی تھیں۔ یہ عورتیں بند رتھوں اور پاکٹیوں میں صبح دریا پر اٹھان کرنے یعنی نہانے کے لیے بھی جاتی تھیں جب کسی امیر عورت کو کسی دوسرے محلے میں جانا ہوتا تھا تو وہ پالکی میں بیٹھ کر جاتی تھی جس کے چاروں طرف پردے گرے ہوتے تھے اور جن کو نوکروں نے کندھوں پر اٹھا رکھا ہوتا تھا۔ غریب عورتیں بے چاری پیدل ہی گل کوچوں اور بازاروں میں چلتی تھیں اور جب انہیں دریا پر نہانا ہوتا تھا تو دور نکل جاتیں اور وہاں کسی جگہ کنارے پر گھاس یا جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ کر نہاتی تھیں۔ غریبی اور امیری کا فرق اس زمانے میں بھی تھا اگرچہ کھانے کو سب کو مل جاتا تھا۔

ماریا جس وقت شہر کی نیم روشن تنگ گلیوں میں آئی تو اس وقت ابھی دن پوری طرح سے نہیں ڈھلا تھا۔ بازاروں میں دکانیں کھلی تھیں۔ بیل گاڑیوں پر سامان لادھا تھا۔ کبھی کبھی کوئی باپردہ پالکی بھی گزر جاتی تھی۔ سنہرے کچھ مندر بھی تھے۔ ان مندروں میں اس زمانے

کے رواج کے مطابق بھگوان برہما کی پوجا ہوتی تھی۔ یہاں کوئی ایسا مندر نہیں تھا کہ جس میں سانپوں کی مورتیاں رکھی ہوں۔ سانپوں کی پوجا ہندوستان کے جنوبی شہروں میں ہوتی تھی۔ ماریا شہر کی گلیوں میں اڑتی پھر رہی تھی۔ ابھی حویلیوں کے دروازے کھلے تھے۔ حویلیوں کے اندر دھڑی منزلوں کی کھلی کھڑکیوں میں عورتوں کے باتیں کرنے اور کسی کسی کے قہقہے لگانے کی آواز بھی آ جاتی تھی۔ ماریا کو کسی بھی حویلی سے ناگ کی خوشبو نہیں آ رہی تھی۔ وہ ایک دو حویلیوں کے اندر بھی گئی۔ گھوم پھر کر اس نے جگہ جگہ دیکھا۔ ناگ کہیں نہیں تھا۔ حویلیوں میں برہما کی مورتیاں ضرور طاقتوں میں رکھی تھیں مگر سانپ کی مورتی کہیں نظر نہ آئی۔

اب ماریا نے راجہ کے محل کا رخ کیا۔ راجہ کے محل کی برجیاں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔ بہت بڑا محل تھا جس کی چھت پر چادروں کوٹوں میں سیاہی نیرے لیے کھڑے پہرے دے رہے تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ محل کے اندر بڑے بڑے صحن تھے جن میں جگہ جگہ رتھ اور ٹھوڑے کھڑے تھے۔ ایک دالان میں پاکٹیاں پڑی تھیں۔ ایک اسٹبل کے باہر آٹے سامنے چار ہاتھی جھول رہے



تھے۔ مہادت انہیں چارہ کھلا رہا تھا۔ ایک صحن میں سپاہیوں کا دستہ قواعد کر رہا تھا۔ راجہ کے محل کی دوسری منزل کے کمروں میں شمعیں روشن ہو گئی تھیں۔ ماریا نے محسوس کیا کہ یہ گھٹا گھٹا سا محل تھا جس کے دروازے تنگ تنگ سے تھے۔ محل کے اندر جاتے ہر دروازے پر پہرہ لگا تھا۔ ماریا کو پہرہ داروں سے اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ بے دھڑک ایک دروازے میں سے راجہ کے محل میں داخل ہو گئی۔

محل کے کمرے بڑے سبے سجائے تھے۔ دیواروں پر پردے لٹک رہے تھے۔ لوہان سلگ رہے تھے۔ چاندی کی طشتریوں میں اگر بتیاں سلگ رہی تھیں۔ خادماں جوڑوں میں پھول لگائے بڑی بڑی چنگیروں میں مویتے اور گلاب کے پھولوں کے ہار لیے چل جا رہی تھیں۔ یہ پھول شاہ رانیوں اور راج کماروں کے لیے تھے۔ برسات کا موسم تھا اور گرمی تھی۔ مگر ماریا نے محسوس کیا کہ اس محل کی بنیاد ایسی تھی کہ کوئی کمرہ ایسا نہیں تھا جس میں باہر سے ٹھنڈی ہوا نہ آ رہی ہو۔

ایک کمرے میں، ماریا نے مہارانی کو دیکھا کہ پھولوں کے گئے پہنے پلنگ پر بیٹھی ہے۔ کنیزیں اس کے

پاؤں کو صندل کے پانی سے دھو رہی ہیں۔ ایک کمرے میں کچھ سیاہ آنکھوں والی راج کماریاں شمع کی روشنی میں چوپٹ قسم کا کوئی کھیل کھیل رہی ہیں۔ ایک بہت بڑے اور شاندار ہال کمرے میں ماریا داخل ہوئی تو ستر کا راجہ سر پر ہیرے جواہرات والا تاج رکھے تخت پر بیٹھا اپنے درباریوں اور وزیر سے باتیں کر رہا تھا۔ چار حبشی غلام ننگی تلواریں لیے اس کے پیچھے کھڑے تھے۔ دو کنیزیں ہوا دینے کے لیے مورچھل یعنی مور کے پروں سے بنے ہوئے بڑے بڑے پنکھے ہلا رہی تھیں۔ یہ سارا ماحول ماریا کو بڑا پسند آیا۔

اچانک ماریا کو خیال آیا کہ ہر راجہ کے محل میں زمین کے نیچے بنے ہوئے قید خانے بھی ہوتے ہیں جہاں راجہ اپنے دشمنوں کو ڈال کر بھول جاتے ہیں اور پھر وہ بد نصیب وہیں پڑے پڑے ایک روز مر جاتے ہیں اور ان کی لاشیں اسی جگہ زمین کھود کر دبا دی جاتی ہیں۔ تاریخ میں نہ جانے ایسے کتنے لوگ بادشاہوں، راجاؤں کے محلوں اور قلعوں کے تنہ خانوں میں پڑے پڑے مر گئے۔ جن کی ہڈیاں آج بھی ان قلعوں اور محلوں کے کھنڈروں کے نیچے دفن ہوئی ہوں گی۔ یا شاید اب



ان کی ہڈیاں بھی باقی نہیں رہی ہوں گی۔ اس خیال کے آتے ہی ماریا شاہی محل کے درمیان میں بنے ہوئے چھوٹے سے میدان میں آ گئی۔ یہاں سے ایک راستہ نیچے تہ خانوں کی طرف جاتا تھا۔

وہاں دروازہ بنا تھا۔ باہر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا دروازے میں سے گذر کر اندر چلی گئی۔ اندر سرنگ سی بنی تھی جس میں ایک زینہ زمین کے اندر اترتا تھا۔ ماریا زینہ اترتی زمین کے نیچے گرے تہ خانوں میں آ گئی۔ یہاں سرنگ میں مشعلیں جل رہی تھیں سرنگ کے آخر میں آ منے سامنے کتنی ہی تنگ و تاریک کوٹھڑیاں بنی تھیں۔ ماریا نے دیکھا کہ ہر کوٹھڑی میں ایک نہ ایک قیدی مرد سخت بے بسی کی حالت میں تنگی زمین پر اس حالت میں پڑا تھا کہ اس کے بال بڑھ آئے تھے۔ جسم کی ہڈیاں نکل رہی تھیں اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ ان میں کئی مجرم بھی تھے۔ قاتل اور ڈاکو بھی تھے اور ایسے بد قسمت بھی تھے کہ جن کو راجہ نے اپنا دشمن سمجھ کر یا کسی درباری کی سازش میں آکر قید میں ڈال دیا تھا اور اب وہ قیامت تک وہاں سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

ماریا نے ایک ایک کوٹھڑی میں جھانک کر دیکھا۔ اسے ناگ کی کوئی نشانی بھی وہاں نظر نہ آئی۔ وہ دس دروازے والے زینے کی طرف جانے لگی تو اچانک اسے ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔ کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز کسی مرد کی تھی اور بڑی قریب سے آ رہی تھی۔ ماریا نے پلٹ کر ارد گرد دیکھا۔ وہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔ وہ سرنگ والی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو وہی آواز ایک بار پھر سنائی دی :

"ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔"

ماریا کے جسم کی لہروں میں ایک ہلکے سے خوف کی لہر بھی دوڑ گئی۔ اس قسم کی آواز اس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ یہ آواز ڈراؤنی بھی نہیں تھی۔ مردہ آواز بھی نہیں تھی۔ اس میں ایک ٹھنڈا اضطراب اور تیخ کر دینے والا تجسس تھا جیسے کوئی غیبی آدمی آپ کے قریب آکر آپ کے کان میں سرگوشی کر کے آپ کے منہ پر ہاتھ پھیرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ ماریا کو یہی محسوس ہوا کہ جیسے یہ ایک ایسے مرد کی آواز ہے جو اسے پکڑے یا اس کے بازو کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کر رہا ہے۔



اس بار بھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ماریا کے ارد گرد گہری خاموشی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ فضا میں تیرتی ہوئی آگے چلی جا رہی تھی۔ اسے خیال آیا کہ شاید یہ محض اس کا وہم تھا۔ اسے کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ وہ اڑتی اڑتی دریا کنارے امرود کے باغ میں اتر گئی۔ عنبر کوٹھڑی کے باہر امرود کے درخت کے نیچے گھاس پر چپ چاپ بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ ماریا کی خوشبو محسوس کرتے ہی بولا :

"کیوں ماریا۔ ناگ کا کچھ سراغ ملا؟"

ماریا کہنے ہی لگی تھی کہ ناگ کا تو کچھ پتہ نہیں چلا لیکن ایک بلا میرے پیچھے ضرور لگ گئی ہے۔ مگر وہ اس معاملے میں خاموش رہی کیونکہ وہ اب اس طرح سوچنے لگی تھی کہ ہو سکتا ہے اسے کوئی آواز نہ آئی ہو اور یہ محض اس کا وہم ہو۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا :

"عنبر بھیا! وہ ناگ ہی کیا کہ جس کا کچھ پتہ چل جاتے بس میرا خیال ہے کہ کل ہمیں یہاں سے کسی دوسرے شہر کی طرف کوچ کر جانا چاہیے۔"

ماریا نے اپنے منہ سے کوئی آواز نہ نکالی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے منہ سے آواز نکلنے پر یہ پراسرار شے اس کے ساتھ ہی چمٹ جائے۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر قلعے سے باہر صحن میں نکل آئی پھر فضا میں اچھل کر بلند ہوئی اور راجہ کے محل کے اوپر سے اڑتی ہوئی واپس دریا کنارے والے باغ کی طرف چل جہاں عنبر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ماریا راجہ کے محل سے ابھی تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ وہی پراسرار مرد کی آواز اسے پھر سنا دی :

"ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔"

ماریا کا شعاعوں والا جسم جیسے جھنجھٹا اٹھا۔ وہ ایک دم سے اچھل کر فضا میں دو فٹ بلند ہو گئی۔ یہ آواز تو میرے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔ اب اس نے بلند آواز میں پکار کر کہا :

"کون ہو تم؟"

کسی کا جواب نہ آیا۔ ماریا نے ایک بار پھر ڈانٹ کر پوچھا :

"بولتے کیوں نہیں؟ کون ہو تم؟ جانتے نہیں ہو میں کون ہوں؟"



اچانک وہی غیبی آواز آئی :

”ہو ہو۔ ہو ہو۔ تم نہیں جاؤ گی۔“

ماریا تو اچھل کر پرے ہٹ گئی۔ اس کے منہ سے

گھبراہٹ میں اپنے آپ نکل گیا۔

”عنبر! تم نے یہ آواز سنی؟“

عنبر نے کسی قدر حیرانی سے پوچھا:

”کون سی آواز ماریا؟ میں نے تو تمہارے سوا کسی

کی آواز نہیں سنی۔“

ماریا کا جسم یہ معلوم کر کے سُن ہو گیا کہ اس پر اسرار  
آواز کو سولے اس کے دوسرا کوئی نہیں سن سکتا تھا۔  
اس کا مطلب تھا کہ یہ کوئی بڑی ہی طاقتور بلا ہے۔  
جو اس کے پیچھے لگ گئی ہے۔ اس نے عنبر کے  
قریب آ کر کہا:

”عنبر! کسی مرد کی دو ٹوٹے کھڑے کر دینے والی آواز

میرا پیچھا کر رہی ہے۔“

عنبر نے حیرت سے پوچھا:

”کون سی آواز ماریا۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“

اس کے بعد ماریا عنبر کے بالکل ساتھ لگ کر

بیٹھ گئی اور اسے سرگوشی میں سارا ماجرا سنایا کہ کس

مرد ایک مرد کی آواز ہو ہو ہو کرتی اس کا پیچھا کر

رہی ہے اور ابھی ابھی جب اس نے کہا تھا کہ چلو

اس شہر سے کوچ کر جائیں تو آواز نے کہا تھا ہو ہو۔

”ہو ہو۔ تم نہیں جاؤ گی۔“ عنبر کو اگر ماریا نظر آ رہی

ہوتی تو وہ ضرور ایک ہمدرد بھائی کی طرح اس کا

سزا ختوں میں تھام کر اپنے ساتھ لگا لیتا۔ مگر ماریا اسے

نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن اسے ابھی تک یقین نہیں آ

تا تھا کہ کوئی ڈراؤنی آواز ماریا کے پیچھے پیچھے لگی

ہوتی ہے۔ ایک ایسی آواز جو صرف ماریا کو ہی سنائی

دیتی ہے اور کوئی دوسرا شخص خاص طور پر عنبر بھی اسے

نہیں سن سکتا تھا۔

عنبر نے ماریا سے پوچھا:

”ماریا! پہلی بار یہ آواز تم نے کہاں سنی تھی؟“

ماریا آہستہ سے بولی:

”جب میں راجہ کے قلعے کے تہہ خانے میں ناگ

کی تلاش میں گئی تو وہاں سے واپس پلٹتے ہوئے

مجھے یہ آواز ہو ہو ہو — ہو ہو — کرتی سنائی

دی۔ میں اسے وہم سمجھی۔ مگر تہہ خانے کی

سیڑھیاں چڑھتے یہ آواز پھر سنائی دی۔ فضا

میں اڑتے ہوئے بھی ایک بار یہی ہو ہو۔



ہو ہو — کی آواز آئی اور اب رہتا ہے سامنے  
اس آواز نے مجھے کہا کہ تم نہیں جاؤ گی۔  
عنبر نے کہا :

”ہو سکتا ہے تمہارے کانوں میں فضا میں پھیلی  
ہوئی کچھ آوازوں میں سے ایک آواز آتی ہو۔  
کیوں کہ فضا میں مختلف زمانے کی آوازیں تیرتی  
رہتی ہیں۔ ممکن ہے تمہارے جسم کی شعاؤں کا  
کسی آواز کے گنل سے ٹکراؤ ہو گیا ہو۔“  
ماریا بولی : ”لیکن ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا عنبر۔“  
عنبر کہنے لگا :

”اگر پہلے ایسا نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ نہیں  
کہ ایسا اب نہیں ہو سکتا۔“

ماریا کا دل اس دلیل کو نہیں مانتا تھا۔ کیوں کہ  
اس نے صاف صاف کسی مرد کی آواز سنی تھی۔ بہر حال  
اس نے عنبر کو کوئی جواب نہ دیا اور خاموش ہو کر  
بیٹھ گئی۔ اگرچہ وہ گرمی سردی سے بے نیاز تھی مگر  
پھر بھی وہ کوٹھڑی کے باہر امرود کے درختوں کے  
نیچے بیٹھ رات گئے تک ناگ اور تھیوسانگ کیٹی  
کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ درختوں میں سفید  
سفید امرود دھندلے دھندلے نظر آ رہے تھے۔ ان کی

میٹھی میٹھی خوشبو سارے باغ میں پھیلی ہوئی تھی۔ باغ کی  
دوسری طرف دریائے ابراوتی یعنی آج کا دریائے راوی  
خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ گھاٹ سنان تھا۔ ایک کشتی  
کنارے کے ساتھ بندھی دریا کی بہتی لہروں پر دھیرے  
دھیرے ڈول رہی تھی۔ ماریا کے کان ابھی تک اس آواز  
پر لگے تھے جو اس نے تین بار سنی تھی۔ اسے یوں  
لگتا تھا کہ یہ آواز کسی بھی وقت اسے پھر  
سنا دے سکتی ہے۔

عنبر نے کہا :

”میرا خیال ہے ہمیں دن نکلتے ہی یہاں سے  
چلے جانا چاہیے۔ تمہاری رائے میں ہمیں کدھر  
کا رخ کرنا چاہیے؟“

ماریا بولی : ”جنوبی ہندوستان کے نیچے لنکا یعنی  
سنگدیب کا ملک ہے۔ وہاں کیٹی اور  
تھیوسانگ پہلے ہی سے گئے ہوتے ہیں۔ اس  
لیے ہمیں ملک بنگال کی طرف چلنا چاہیے۔“

یہ کہہ کر ماریا نے کان لگا دیئے۔ اسے یقین تھا کہ  
وہی پراسرار آواز اسے پھر کہے گی کہ ”ہو ہو۔ تم  
کہیں نہیں جاؤ۔“ مگر اس بار کوئی آواز نہ آئی۔ ماریا  
نے سکھ کا سانس لیا۔



عنبر نے کہا :

"تمہاری تجویز مجھے پسند ہے۔ ہمارا ملک بنگال کی طرف جانا ہی مناسب رہے گا۔ کیوں کہ نیچے جنوب کی طرف تو کیٹی اور تھیوسانگ پہلے ہی سے موجود ہیں۔"

ماریا نے عنبر کے کان میں سرگوشی کی :  
"عنبر! وہ آواز اب سنائی نہیں دی۔"  
عنبر نے کہا :

"اب کبھی سنائی نہیں دے گی ماریا۔ میں اب بھی یہی کہوں گا کہ یہ تمہارا وہم تھا۔ اچانک وہی پراسرار مرد کی آواز پھر رات کی خاموش فضا میں ابھری۔"

"ہو ہو۔ ہو ہو۔ تم نہیں جاؤ گی۔"

ماریا ڈر کر عنبر کے پیچھے ہو گئی۔ عنبر کو ماریا کی خوشبو بالکل قریب محسوس ہوئی۔

ماریا نے چلا کر کہا :

"کون ہو تم؟ سامنے کیوں نہیں آتے؟"  
عنبر نے چونک کر کہا :

"یہ کس سے بات کر رہی ہو ماریا؟"  
ماریا نے کہا :

"وہی آواز پھر آئی تھی عنبر۔ مجھے یہ بزدل انسان دھمکی دے رہا ہے کہ میں کہیں نہیں جا سکوئی۔" کہنے کو تو ماریا بڑی دلیری سے یہ سب کچھ کہہ رہی تھی مگر اس پراسرار آواز میں کوئی ایسی بات تھی کہ ماریا کا دل اندر سے بے حد ڈر گیا تھا۔ اس آواز کے سنتے ہی ماریا کے جسم کی شعاعیں دہشت سے جھنکا اٹھتی تھیں۔

عنبر نے بھی بلند آواز اور غصیلے لہجے میں کہا :  
"کون ہو تم؟ اگر بہادر مرد ہو تو سامنے آ کر بات کرو۔ ایک بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تم ماریا کا کچھ نہیں لگاؤ سکو گے۔ میں اس کے ساتھ ہوں۔" کسی آواز نے عنبر کو جواب نہ دیا۔ بارغ میں رات کا منظر اسی طرح گہرا ہوتا چلا گیا۔  
عنبر نے ماریا سے کہا :

"ماریا! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اگر یہ واقعی کوئی بدروح یا بھوت وغیرہ ہے تو میں اس کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ ساری عمر پھر تمہارے قریب آنے کا نام نہیں لے گا۔"  
ماریا اندر سے سہمی ہوئی تھی۔ مگر اوپر سے بڑے حوصلے کے ساتھ بولی :



۷۴ میں بھی تو اس سے نہیں ڈرتی عنبر! یہ مجھے کیسے ڈرائے گا۔ میں اس سے نمٹ لوں گی۔

رات گزر گئی۔ دوسرے روز انہوں نے لوہ پور یعنی لاہور سے مشرق کی طرف ملک نیگال میں جانے کا پروگرام بنایا۔ عنبر نے دریا پر جا کر غسل کیا۔ دوسرے کپڑے بدلے جو اس نے لاہور ہی میں خریدے تھے۔ ماریا اتنی دیر دریا کے گھاٹ پر ادھر ادھر تھلتی رہی۔ ابھی دن کی روشنی پوری طرح سے نہیں پھیلی تھی۔ شہر کی طرف سے عورتیں اور مرد دریا پر نہانے کے لیے چلے آ رہے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ عنبر کپڑے پہن کر چلا آ رہا ہے۔ ماریا اس کے قریب آ کر بولی،

”ہم دریا کے ساتھ ساتھ ہی چلیں تو بہتر ہوگا۔“  
عنبر نے اس خیال کو پسند کیا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر دریا کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف چل پڑا۔ ماریا اس کے ساتھ ساتھ فضا میں چل رہی تھی۔ ماریا کے دل میں ایک خوف بیٹھا ہوا تھا کہ کہیں پُر اسرار مرد جس نے اسے دھمکی دی تھی اس پر کوئی وار نہ کر دے۔ کیوں کہ پُر اسرار آواز نے اسے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ یہاں سے نہیں جائے گی۔ وہ فضا میں اڑنے ہوئے چاروں طرف دیکھتی بھی جا رہی تھی۔ ابھی تک

نہ تو اسے وہ آواز سنائی دی تھی اور نہ کسی نے اس پر کوئی وار کیا تھا۔

چلتے چلتے وہ شہر سے دور نکل آئے۔ دریا پیچھے وادی چمبہ کی طرف سے آتا تھا جو شمال مغرب کی طرف تھا۔ انہیں مشرق کی طرف جانا تھا۔ چنانچہ عنبر نے ایک جگہ پہنچ کر دریا کو چھوڑ دیا اور جنوب مشرق کی طرف کھیتوں کے بیچ میں چلتے لگا۔ وہ ماریا سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔ ماریا کے کان اسی پُر اسرار رنگے کھڑے کر دینے والی آواز پر لگے تھے مگر ابھی تک وہ آواز دوبارہ سنائی نہیں دی تھی۔ اب سورج کافی اوپر آگیا تھا کھیت ختم ہو گئے اور جنگل شروع ہو گیا۔ یہ جنگل ایسا تھا کہ میدان میں کہیں جنگلی گھاس آگے تھی تو کہیں درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ کھڑے تھے۔ کوئی باقاعدہ سڑک نہیں بنی تھی۔ عنبر کا گھوڑا جنگل جھاڑیوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ ماریا تھوڑی دیر بعد عنبر سے کوئی نہ کوئی بات کر لیتی تھی۔

چلتے چلتے وہ بہت دور نکل آئے۔ گرمی اور جس کی وجہ سے عنبر نے محسوس کیا کہ گھوڑے کو پیاس لگی ہو گی۔ اس نے ماریا سے کہا کہ وہ ذرا آگے جا کر دیکھے کہ کوئی تالاب وغیرہ ہے کہ گھوڑے کو پانی



پلایا جا سکے۔ ماریا عنبر کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی مگر گھوڑے کی پیاس کے خیال سے فضا میں بند ہو کر آگے کو اڑی۔ کچھ دور اسے ایک تالاب نظر آیا جس پر بڑ کا گھنا درخت جھکا ہوا تھا۔ یہ تالاب زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ایک چونچے کی طرح تھا۔ اس کے پانی کی سطح پر سبز کائی جی ہوئی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ پانی کے اندر سے ایک چھوٹے سے مگر مجھ نے اپنی تھو تھنی باہر نکالی۔ منہ کھولا اور پھر پانی کے اندر چلا گیا۔

گھوڑے کو پیاس لگی تھی۔ اس پیاس کہیں دوسرا تالاب نہیں تھا۔ ماریا نے سوچا کہ اگر اس طرح گھوڑے نے تالاب میں منہ ڈال کر پانی پیا تو یہ مگر مجھ اسے پکڑ کر اندر کھینچ لے گا اس لیے بہتر ہے کہ وہ پانی کے اندر جا کر اس مگر مجھ کو نکال کر باہر پھینک دے تاکہ گھوڑا بے فکر ہو کر پانی پی سکے۔ یہ سوچ کر ماریا تالاب کے پانی میں اتر گئی۔ پانی میں اترنے کے بعد اس نے دیکھا کہ پانی اندر سے گدلا نہیں تھا۔ اسے مگر مجھ کہیں دکھائی نہ دیا۔ بڑی حیرانی ہوئی کہ یا خدا وہ مگر مجھ کہاں غائب ہو گیا جس نے ابھی ابھی پانی سے باہر اپنی تھو تھنی نکالی تھی۔ تالاب اتنا بڑا بھی نہیں تھا۔ ماریا نے مہر میں بھی دیکھا۔ یہاں کوئی

کوہ یا غار نہیں تھا۔ ماریا دوبارہ تالاب سے باہر نکلنے کے لیے پانی میں اوپر کی طرف آ گئی۔ جوتھی اس نے تالاب کے پانی سے سر باہر نکالا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہاں نہ بڑ کا درخت تھا اور نہ کوئی میدان اور جنگل تھا۔

دوسری تبدیلی ہو اس نے اپنے جسم میں دیکھی وہ یہ تھی کہ وہ غائب نہیں رہی تھی۔ اسے اپنا جسم نظر آ رہا تھا۔ وہ ظاہر ہو گئی تھی اور وہ جس تالاب میں تیر رہی تھی اس کی دیواریں کافی اونچی تھیں اور وہاں اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔ اسے یوں لگا کہ وہ ایک چھوٹے سے کنوئیں کے پانی میں تیر رہی ہے۔ اس نے زور سے آواز دی :

"عنبر! عنبر! میری مدد کرو۔"

اس کی آواز کنوئیں میں گونج کر رہ گئی۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ماریا سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ کوئی بھیانک حادثہ ہو گیا ہے اور یہ اسی پراسرار آواز کی وجہ سے ہوا ہے۔ ماریا نے کنوئیں سے باہر نکلنے کی بہت کوشش کی۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اگرچہ کنوئیں کی دیوار اتنی اونچی نہیں تھی لیکن وہ ایک عام عورت بن چکی تھی۔ اس لیے باہر نہ نکل سکی۔ وہ



۴۸ نہ تو اب اڑ سکتی تھی اور نہ اچھل کر باہر ہی  
آ سکتی تھی۔

ماریا بے بسی کی حالت میں کنوئیں کے پانی میں  
گول دائرے میں تیرنے لگی۔ اسے پانی ٹھنڈا لگ رہا  
تھا اور اس کا جسم سردی سے سن ہوتا جا رہا تھا۔  
اس نے ایک بار پھر چیخ کر عنبر کو آواز دی۔ اس کے  
جواب میں وہی رونگٹے کھڑے کر دینے والی آواز آئی:  
”ہو ہو۔ ہو ہو۔ اب تم کہیں نہیں جاؤ گی۔“

ماریا سہم کر رہ گئی۔ اب اس میں عام عورت کی  
تمام کمزوریاں آ گئی تھیں۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا:  
”تم کون ہو؟ مجھے یہاں سے باہر نکالو۔ مجھے باہر  
نکالو۔“

اس کے ساتھ ہی جیسے کسی آن دیکھے ہاتھ نے اسے  
پانی کے اندر سے اٹھا کر کنوئیں کے باہر رکھ دیا۔ ماریا  
کے کپڑے گیلے ہو رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک  
بہت بڑی ویران اور نیم تاریک حویلی کے صحن میں  
ایک چھتے ہوئے کنوئیں کے پاس بیٹھی ہے۔ حویلی کے  
دالان میں کتنے ہی ستون تھے۔ دالان ویران اور خالی پڑا  
تھا۔ دالان کے پیچھے کوٹھڑیاں بنی تھیں جن کے دروازے  
بند تھے۔ اسے وہی آواز پھر آئی:

۴۹ ”ہو ہو۔ ہو ہو۔ دوسری منزل میں آ جاؤ۔“

ماریا کچھ دیر اسی جگہ سہمی ہوئی بیٹھی رہی۔ اس آہستی  
حویلی کی دوسری منزل میں جانے کا اسے حوصلہ نہیں ہو  
رہا تھا۔ لیکن وہ کنوئیں کے پانی کی وجہ سے سردی میں  
ٹھنڈ رہی تھی۔ وہ اٹھی اور دالان کے کونے میں آ گئی  
یہاں ایک زینہ اوپر جاتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ زینہ  
چڑھنے لگی۔ اوپر بھی ایک چھوٹا سا دالان تھا۔ سامنے  
ایک کوٹھڑی تھی جس کا دروازہ کھلا تھا۔ ماریا کو وہی  
آواز پھر آئی:

”کوٹھڑی میں نئے کپڑے پڑے ہیں۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔“

ماریا چپ چاپ کوٹھڑی میں آ گئی۔ یہاں ایک چڑنے  
زمانے کا پلنگ پڑا تھا جس پر نئے کپڑے رکھے تھے  
ماریا نے گیلے کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہنے۔ کوٹھڑی  
میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ اس نے دیکھا کہ چھت کے  
ساتھ جالے لٹک رہے تھے۔ لگتا تھا یہ اُبڑی ہوئی  
ویران حویلی ہے جہاں کوئی نہیں رہتا۔ ماریا پلنگ پر  
بیٹھ گئی۔ پلنگ پر چادر بکھی تھی۔ ماریا کو بار بار عنبر  
کا خیال آ رہا تھا کہ جب وہ اسے تالاب پر نہیں  
دیکھے گا تو کس قدر پریشان نہیں ہو گا۔ مگر وہ خود  
مجبور تھی اور پراسرار آواز کے قبضے میں آ چکی تھی۔



وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس خیال سے کہ شاید اس  
 حویلی میں کوئی باہر جانے کا راستہ ہو ماریا اٹھ کر نیچے  
 دالان میں واپس آ گئی۔ کونے میں جھٹکا ہوا وہ کنواں  
 تھا جس کے اندر سے ماریا ابھی ابھی نکلی تھی۔ اس  
 نے دیکھا کہ ایک جانب حویلی کا بہت بڑا لکڑی  
 کا دروازہ بنا تھا جو بند تھا اور جس کے اندر کی  
 طرف بہت بڑا لوہے کا تالا لگا ہوا تھا۔ اس  
 تالے پر بھی بکڑیوں نے جالا بٹن رکھا تھا۔ ماریا چلا  
 گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ مدت سے اس تالے کو  
 کسی نے نہیں کھولا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ زینہ چڑھتی  
 حویلی کی دوسری منزل سے گذر کر اس کی تیسری منزل  
 پر آ گئی۔ یہاں بھی اونچی اونچی قائم ایسی دیواریں  
 تھیں۔ ایک طرف برآمدے میں دروازے کو ٹھڑیاں تھیں  
 جن کے دروازوں پر تالے لگے تھے ایک زینہ اونچے  
 جاتا تھا۔ زینے کا جو دروازہ اوپر بہت پرکھلتا  
 تھا۔ اس پر بھی لوہے کا بڑا مضبوط تالا لگا تھا۔  
 ماریا نے زور زور سے تالے کو ہلایا مگر یہ اتنا  
 بھاری تھا کہ ماریا کے ہاتھ نکل ہو گئے اور تالا اپنی  
 جگہ سے زیادہ نہ ہل سکا۔ اس خیال سے کہ ہو  
 سکتا ہے دوسری حویلی کی چھت پر کوئی ہمسایہ بیٹھا ہو

ماریا نے چیخ کر کہا :  
 "مجھے یہاں سے نکالو۔ مجھے بچاؤ۔ میں یہاں  
 قید کر دی گئی ہوں۔"  
 اس کے ساتھ ہی ماریا کو پھر وہی آواز سنائی دی:  
 "ہوہو۔ ہوہو۔ کوئی تمہاری آواز نہیں سن سکتا۔"  
 ماریا نے غصے میں کہا:  
 "تم کیا چاہتے ہو۔ تم نے مجھے یہاں کیوں قید  
 کر دیا ہے تم کون ہو؟"  
 ماریا کو کوئی جواب نہ ملا۔ آواز جیسے کہیں غائب  
 ہو گئی تھی۔ ماریا نے چیخ چیخ کر شور مچایا۔ بند دروازے پر  
 زور زور سے مکتے مارے پھر رونے لگی۔ روتے روتے  
 سیڑھیوں میں بیٹھ گئی۔ چونکہ اب وہ ایک عام عورت تھی  
 اس لیے اس میں عام عورتوں کی طرح خوف بھی تھا۔ دہشت  
 بھی تھی اور وہ ایسی آواز سے ڈر بھی رہی تھی اور  
 دالان سے فرار ہونا بھی چاہتی تھی مگر اسے حویلی میں سے  
 باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ جب رو رو کر  
 اس کے دل کا غبار کچھ ہلکا ہوا تو وہ بے دلی سے سیڑھیوں  
 اتر کر دوسری منزل والی کوٹھڑی میں آ کر پلنگ پر سر  
 پکڑ کر بیٹھ گئی۔





## ماریا آئیبی حویلی میں

عنبر گھوڑا لیے آگے بڑھ رہا تھا۔

ابھی تک ماریا یہ پتہ کر کے واپس نہیں آئی تھی کہ آگے کوئی تالاب ہے۔ عنبر کو فضا میں ماریا کی خوشبو بھی نہیں آ رہی تھی۔ اسے کچھ تسویش ہوئی۔ کیونکہ ماریا کی خوشبو ضرور آنی چاہیے تھی۔ عنبر ناگ ماریا اور کیتی تھیوسانگ جس شہر میں بھی ہوں شہر کی فضا میں ان کی خوشبو ضرور آیا کرتی تھی۔ عنبر گھوڑے کو دوڑاتا جنگل میں کچھ آگے آیا تو دیکھا بڑے گھنے درخت تلے ایک چھوٹا سا تالاب بنا ہوا ہے۔ عنبر نے گھوڑے کو روکا۔ نیچے اتر کر تالاب کے کنارے پر آیا۔ یہاں بھی ماریا کی خوشبو کہیں نہیں تھی۔ تالاب کی سطح پر سبز کائی جی ہوئی تھی۔ اب مگر مجھ نے تالاب کی سطح سے اپنی عتوتختی باہر نہ نکال تالاب کی سطح بالکل ساکن تھی۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی

چادروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ عنبر نے ماریا کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے ایک بار پھر اسے بلند آواز میں پکارا کہ اگر وہ کسی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہے تو شاید کسی نہ کسی طرح جواب دینے کی کوشش کرے۔ لیکن اس بار بھی جواب میں گہری خاموشی اور سناٹا چھایا رہا۔ ماریا کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ اب عنبر پریشان ہو گیا۔ اسے خیال آیا کہ ضرور اس پر اسرار آواز نے کوئی طلسم کیا ہے جس نے ماریا سے کہا تھا کہ وہ یہاں سے واپس نہیں جائے گی۔ عنبر کو سخت غصہ آ گیا۔ اس نے مکا فضا میں لہراتے ہوئے تیغ لیے میں کہا:

”میں جانتا ہوں یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ مگر تم جو کوئی بھی ہو۔ جہاں کہیں بھی ہو۔ غور سے سوچو کہ تم ماریا کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے۔ ماریا ایک نہ ایک دن تمہارے جنگل سے ضرور رہا کرانی جائے گی۔“

کسی طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ عنبر کو خیال آیا کہ اگر آئیبی آواز نے کچھ کہا بھی تو اسے سنا نہیں دے گا۔ عنبر نے ایک بار پھر



آواز میں کہا :

یاد رکھو ہم ماریا کو آزاد کرا لیں گے۔ لیکن  
مہتیں اس جرم کی سزا ضرور دیں گے۔ تجھے کبھی  
معاف نہیں کریں گے۔ ہم اکتے نہیں ہیں۔ ہمارے  
اور بھی بازو ہیں جو مہتاری گردن پکڑ لیں گے۔  
بہتر یہی ہے کہ تم ماریا کو میرے حوالے کر دو۔  
اس دفعہ بھی جواب میں گہرا سناٹا طاری رہا۔ کوئی  
جواب نہ آیا۔

عنبر نے زور سے زمین پر پاؤں مار کر کہا :  
"ماریا! اس کم بخت کو ہم زندہ نہیں چھوڑیں  
گے۔ تم جانتی ہو کہ مہتیں کیا کرتا ہے۔ میں  
بنگال کی طرف جا رہا ہوں۔"

اتنی دیر میں گھوڑے نے جی بھر کر تالاب کا پانی  
پی لیا تھا۔ عنبر سخت مایوسی کے عالم میں گھوڑے پر  
سوار ہوا اور اسے آہستہ آہستہ چلاتا مشرق کی طرف  
روانہ ہو گیا۔ ماریا کے بغیر اس کا دل بے حد بوہل  
اور غم زدہ تھا۔ اب اسے سخت افسوس ہو رہا تھا  
کہ اس نے ماریا کو تالاب دیکھنے کیوں بھیجا۔ پھر اسے  
خیال آیا کہ پراسرار طلسمی آواز تو اس کے پیچھے لگی

ہی ہوئی تھی۔ اسے کسی نہ کسی جگہ ماریا پر وار کرنا  
تھا۔ افسوس اس نے ناحق ماریا کو اپنے سے  
الگ کر کے تالاب پر بھیجا۔ عنبر کو اس بات کا  
بڑا ملال لگا تھا۔

اس کا گھوڑا آہستہ آہستہ ملک بنگال کی طرف  
چلا جا رہا تھا۔

ادھر ماریا تاریک ویران ٹھنڈی اجڑی ہوئی حویلی  
کے دوسری منزل والی کوٹھڑی میں حیران پریشان بیٹھی عنبر  
کو یاد کر رہی تھی کہ وہ بے چارا اس کے لئے کتنا  
پریشان ہو رہا ہو گا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اسے بھوک لگنے  
لگی تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کی بھوک اس  
کی برداشت سے باہر ہو گئی۔ وہ اٹھنے ہی والی تھی کہ  
حویلی میں کہیں سے کچھ کھانے کو تلاش کرے کہ کھلے  
دروازے میں سے ایک طشت اندر آیا اور اس کے  
سامنے کسی نے پلنگ پر رکھ دیا۔

ماریا نے دیکھا کہ طشت میں دو تھالیاں تھیں۔ ایک  
میں بھنے ہوئے چاول اور دوسری میں بھنا ہوا گوشت  
رکھا تھا۔ کٹوری ٹھنڈے پانی سے بھری ہوئی تھی۔ ماریا کو  
سخت بھوک لگی تھی۔ اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔



پانی پیا اور اٹھ کر ایک بار پھر حویلی کا جائزہ لیا کہ شاید کہیں سے باہر جانے کا کوئی راستہ مل جائے مگر حویلی تو قلعے کی طرح بند تھی۔ اونچی اونچی دیواریں جیسے آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ جگہ جگہ دروازوں پر تالے لگے تھے۔ ناامید ہو کر ماریا واپس اسی کوٹھڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے بعد اسے عام عورتوں کی طرح نیند آنے لگی۔ حالانکہ پہلے اسے کبھی اس طرح نیند نہیں آئی تھی۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ نہ سوئے مگر اس کا سر ایک طرف کو اپنے آپ ڈھلک گیا اور وہ سو گئی اتنے میں دروازے میں سے ایک ٹھگنی سی موٹی کالی بھجنگ عورت اندر داخل ہوئی جس کے سر کے بال جھاڑیوں کی طرح تھے۔ پلکیں غائب تھیں۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ ناک پھولی ہوئی تھی۔ بھدا کالا ہونٹ نیچے کو لٹکا ہوا تھا۔ اس نے ماریا کو قریب سے آ کر جھک کر دیکھا۔

پھر اس کے پلنگ کے دو پکڑ لگائے اور واپس نکل گئی۔ ماریا جب سو کر اٹھی تو حویلی کے دالان پر رات کا اندھیرا چھا چکا تھا۔ پہلے سے بھی زیادہ پراسرار اور ڈراؤنی ہو گئی تھی۔ ماریا کی کوٹھڑی میں تاریکی

تاریکی تھی۔ وہ باہر نکلنے کے لیے اٹھی ہی تھی کہ کسی کے بھاری قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ماریا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ وہیں اپنا دھڑکتا دل تمام کر بیٹھ گئی۔

دھپ۔ دھپ۔ دھپ۔ کوئی آہستہ آہستہ بوجھل دم دھکتا اس کی کوٹھڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ماریا حلق خشک ہو گیا۔ ہونٹ خوف سے پکیا نے لگے۔ اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اسے وہی رونگٹے کھڑے کرنے والی آواز سنائی دی:

ہو ہو۔ ہو ہو۔ میں آ گیا ہوں۔

ماریا تو جیسے برف کی طرح سن ہو گئی۔ اتنے میں رات کی روشنی کوٹھڑی کی دہلیز پر پڑی۔ پھر یہ روشنی لگے بڑھنے لگی۔ پھر ماریا نے دیکھا کہ ایک کالا بھجنگ ہونٹے ہوئے پیٹ والا ڈراؤنی تشکل کا اونچا لمبا بھوت نما آدمی ایک ہاتھ میں جلتا ہوا چراغ لیے آہستہ آہستہ دھپ دھپ قدم اٹھاتا کوٹھڑی میں آ گیا ہے۔ ماریا کے حلق سے بھیاٹک چیخ نکل گئی۔ مگر حیرانی کی بات ہے کہ بے ہوش نہ ہوئی۔ اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا ابھی اچھل کر باہر آ جائے گا۔



اس کالے بھنگ بھوت نما آدمی کی آنکھوں کی پکیں غائب تھیں۔ سر کے بال جھاڑیوں کی طرح سر پر کھڑے تھے۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ نچلا بھدا ہونٹ لٹک رہا تھا اور اس کے زرد دانت صاف نظر آ رہے تھے۔ اس نے سرف ایک لنگوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے سارے جسم پر بن مانس کی طرح بالوں کے گچے لٹک رہے تھے۔ ماریا پھٹی پھٹی سہمی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کالا بھنگ پلنگ سے چار قدم کے فاصلے پر ٹک گیا۔ اس کے بھدے ہونٹوں سے آواز نکلی۔

”ہوہو۔ ہوہو۔ تم مجھ سے شادی کر دو گی؟ میں تم سے محبت کرتا ہوں ماریا۔“

ماریا کا سارا جسم جیسے پلنگ پر ایک بار اچھل کر نیچے گر پڑا۔ یہ کالا بھنگ خدا جانے کوئی بھوت تھا یا آسیب تھا۔ وہ اس کا نام بھی جانتا تھا۔ اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ ماریا کا خون جیسے جم گیا دہشت کے مارے اس کی زبان نہیں کھل رہی تھی۔ کالے بھنگ نے چراغ والا ہاتھ ماریا کی طرف کیا۔ چراغ کی روشنی ماریا کے چہرے پر پڑی۔

کالے بھنگ نے کہا:

”تم کتنی سُندر ہو ماریا۔ تم مجھ سے بیاہ کر لو۔ میں تمہیں پانی بنا کر رکھوں گا۔ ہوہو۔ ہوہو۔“

ماریا کو ایک چکر سا آیا اور وہ پلنگ پر بیہوش ہو کر لڑھک گئی۔ کافی دیر بعد جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ طاق میں دیا جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں اسے پلنگ پر ایک نئے طشت میں تازہ کھانا پڑا ہوا نظر آیا۔ تانے کی کٹوری میں ٹھنڈا پانی بھی تھا۔ ماریا نے دیکھا کہ کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا۔ وہ اٹھ کر دروازے کے پاس گئی۔ دروازے میں اندر کی طرف لوہے کا بھاری تالا لگا ہوا تھا۔ پہلے تو حیران ہوئی کہ اندر سے تالا کس نے لگا دیا۔ پھر اس نے سوچا کہ کالا بھنگ آسیب کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ پلنگ پر بیٹھ کر اس نے تھوڑا بہت کھانا زہر مار کیا اور سوچنے لگی کہ کیا واقعی یہ کالا بھنگ اس کو اس لیے یہاں اغوا کر کے لایا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اور اس سے بیاہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟ ماریا کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہیں یہ اس کی کوئی چال تو نہیں؟ آئیںی مخلوق کبھی اس طرح کسی عورت سے محبت نہیں کیا



کرتی۔ ماریا کے جسم میں اس عفریت سے شادی کرنے کے خیال ہی سے سنسنی دوڑ گئی۔ وہ خود کشتی کر لے گی مگر اس بھوت پریت سے ہرگز شادی نہیں کریگی۔ وہ پلنگ پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی اور خداوند سے دعا مانگنے لگی کہ اے خدا مجھے اس عذاب سے نجات دلا۔

اس وقت اسی حویلی کی پھلی منزل کی ایک تاریک اندھیری کوٹھڑی میں ایک دیا جل رہا تھا۔ کوٹھڑی میں وہی کالا بھنگ ڈراؤنا بھوت نما آسیب فرست پر بالکل سیدھا کھڑا تھا۔ اس کے سامنے وہی کالی بھنگ ٹھگنی موٹی عورت کھڑی تھی جو ماریا کو اس کی کوٹھڑی میں دیکھنے آئی تھی۔

کالا بھنگ بولا:

”ہو ہو۔ ہو ہو۔ کیا وہ مجھ سے بیاہ کرے گی کاروشی؟“

اس کالی بھنگ جھپتی کا تمام کاروشی تھا۔ اس کے نیچے لٹکتے ہوئے ہونٹ میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے غمزاتی آواز میں کہا:

”وہ تم سے بیاہ کرنے پر کبھی تیار نہیں ہوگی۔“

کالے بھنگ کی بغیر پلکوں والی آنکھوں پھیل گئیں۔ اس نے غصے میں کہا:

”بیاہ نہیں کرے گی تو مجھے اس سارے دلش کے مسالوں کی راج گدی کیسے ملے گی۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔ یم دیوتا نے کرپا کر کے ایک غیبی عورت میرے قبضے میں دی ہے۔ میں یہ موقع کیسے گنوا دوں؟ ہو ہو۔ ہو ہو۔ میں اسے اسی طرح آج ہی کالو بھٹ کی مورتی پر لے جا کر قربان کرتا ہوں۔“

ٹھگنی بھنگنی نے غمزاتی آواز میں کہا:

”کالو بھٹ کی یہ شرط ہے کہ اس کی مورتی پر صرف وہی غیبی عورت قربان کی جا سکتی ہے جس نے کسی بھی کالے بھنگم سے اپنی مرضی سے بیاہ کیا ہو۔ یونہی اس غیبی عورت کو کالو بھٹ کی مورتی پر لے جا کر قربان کر دو گے تو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ کالو بھٹ کی شرط پوری کرنی ضروری ہے۔“

کالے بھنگم کے حلق سے ڈراؤنی آوازیں نکلنے لگیں۔ اس کا ہاتھ ایسا کالا بدن تھر تھرتھارنے لگا،



"پھر تم ہی بتاؤ بھنگنی مجھے کیا کرنا چاہیے۔ تم اسے کسی طرح راضی کر دو کہ مجھ سے بیاہ کر لے ہو ہو۔ ہو ہو۔"

کالی بھنگنی کے ہونٹ پھڑپھڑاتے بولی :  
"بھنگم! تیری صورت اتنی ڈراؤنی ہے کہ کوئی عورت سوائے میرے تم سے بیاہ نہیں کرے گی۔  
کالے بھنگم نے کالی بھنگنی کو گردن سے پکڑ کر دس فٹ دیر اٹھا دیا اور عزا کر بولا :

"ہو ہو۔ ہو ہو۔ ماریا سے کہو مجھ سے بیاہ کر لے

نہیں تو میں تیری گردن مار دوں گا۔"  
کالی بھنگنی کو اس نے فرش پر رکھ دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن مل رہی تھی۔ کہنے لگی :

"بھنگم! تم کو ایک ترکیب بتاتی ہوں۔ اس ترکیب کی مدد سے تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہو اور دلش کے سارے مسائل کی گدی پر راجہ بن کر بیٹھ سکتے ہو۔"  
کالا بھنگم عزایا :

بولو۔ کیا ترکیب ہے۔  
کالی بھنگنی نے کہا :

"اس کی ترکیب ممتیں صرف پھونگی پسیرا ہی بنا سکتا ہے میں نے سنا ہے کہ وہ ایسا راز جانتا ہے جس سے ہم بھنگی لوگ جو شکل چاہیں بدل سکتے ہیں۔ اگر پھونگی پسیرا تمہیں یہ راز بتا دے تو تم ایک خوبصورت نوجوان راج کمار کی شکل میں آ کر غیبی عورت ماریا سے اپنی محبت ظاہر کرو گے تو وہ ضرور تم سے بیاہ کرنے پر راضی ہو جائے گی جب وہ اپنی مرضی سے تم سے بیاہ کرے گی تو کالو بھٹ کی شرط پوری ہو جائے گی۔ پھر تم کسی وقت ماریا کو کالو بھٹ کی مورتی کے سامنے لے جا کر قربان کر سکتے ہو۔"

کالا بھنگم بڑا خوش ہوا بولا :

"پھونگی پسیرا کہاں رہتا ہے؟"

بھنگنی نے کہا :

"وہ مرگھٹ کے پیچھے جھونپڑا بنا کر رہتا ہے

اور وہ خود ایک بھنگم ہے اس لیے تمہارے

آگے انکار نہیں کرے گا۔"

کالے بھنگم نے کہا :



"چلو۔ اسی وقت اس کی بھونپڑی میں چلتے ہیں  
ہو ہو۔ ہو ہو۔"

دونوں بھنگم اور بھنگنی غائب ہو گئے۔ شہر اندھیرے  
میں ڈوبا ہوا تھا۔ بٹھرے باہر مرگھٹ تھا جہاں ہند  
لوگ اپنے مردے لا کر جلاتے تھے۔ اس مرگھٹ کی  
دوسری طرف ایک بھونپڑی تھی جس میں پھونگی پیرا ہو  
خود بھی بھنگم مخلوق سے تعلق رکھتا تھا سو رہا تھا۔ کالے  
بھنگم اور بھنگنی نے اسے جگا دیا پھونگی پیرا اٹھ بیٹھا۔  
اپنے سامنے کالے بھنگم کو دیکھ کر بولا:

"تم آدھی رات کو کیسے آئے ہو؟"

کالے بھنگم نے کہا:

"پھونگی۔ مجھ پر ایک مصیبت آن پڑی ہے تم  
میری برادری کے بھنگم ہو۔ میری مدد کرو اور مجھے  
وہ ترکیب بتاؤ جس پر عمل کرنا ہے میں  
جس شکل میں چاہے اپنے آپ کو بدل  
سکتا ہوں۔"

پھونگی پیرے کے سانپوں کی پٹاریاں کوٹھڑی میں  
پڑی تھیں۔ اس نے دیا روشن کر دیا تھا۔ وہ کالے بھنگم  
کو جانتا تھا کہ وہ بڑی طاقت کا مالک ہے۔ اس نے کہا:

کالے بھائی۔ میں تمہاری ضرور مدد کروں گا۔ میں  
وہ ترکیب تمہیں بتا دوں گا۔ مگر تم مجھے کیا  
انعام دو گے؟

کالا بھنگم غصے سے عزا بیا۔  
بھنگنی نے کہا:

"پھونگی! ہمیں بہت جلد ایک خزانہ ملنے والا  
ہے ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ جب خزانہ  
مل گیا تو اس میں سے تمہارا حصہ ضرور تمہیں  
دیں گے۔ تم جانتے ہو کہ ہم بھنگم لوگ وعدہ  
ہمیشہ پورا کرتے ہیں۔"

پھونگی پیرا خوش ہو کر بولا:

کالے بھنگم سنو! اگر کسی طرح سے تم ناگ دیوتا  
کے سر کے بالوں کا ایک گچھا کاٹ کر اسے جلا  
کر راکھ کر کے اس راکھ کو اپنے سر پر مل لو  
تو تم جو شکل چاہو بدل سکو گے۔"

کالا بھنگم فوراً بولا:

"ہو ہو۔ ہو ہو۔ یہ ناگ دیوتا مجھے کہاں ملے گا۔  
میں اس کے بالوں کا گچھا کہاں سے لوں گا؟  
کیا وہ انسان کی شکل میں ہو گا؟"



بھونگی سپیرا بولا :

"ناگ دیوتا میں یہ خاصیت ہے کہ وہ جو شکل چاہے بدل سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس شہر میں بھی انسان کی شکل میں آجائے پھر تم کسی چھوٹے بھنگم کو حکم دینا کہ وہ تمہارے لیے ناگ دیوتا کے بالوں کا گچھا حاصل کرے۔"

کالے بھنگم نے کہا :

"یہ کیسے پتہ چلے گا کہ جو لوگ شہر میں داخل ہو رہے ہیں ان میں ناگ دیوتا کون ہے۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔"

بھونگی سپیرا کہنے لگا۔

"تم میرے دوست ہو۔ چلو۔ یہ کام میں خود تمہارے لیے کرتے کا فیصلہ کرتا ہوں۔ میں سانپوں کی پٹاری لے کر شہر کے بڑے دروازے کے باہر بھونپڑی بنا کر بیٹھ جاؤں گا ناگ دیوتا کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ناگ دیوتا کی بڑبڑ سانپوں تک آتی ہے تو وہ پٹاری سے باہر نکل کر ناگ دیوتا کو سلام کرنے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں۔"

کالا بھنگم بڑا خوش ہوا۔ اس نے کالی بھنگی سے کہا :  
"ہو ہو۔ ہو ہو۔ بھونگی سپیرے سے کہو کہ اگر مجھے ناگ دیوتا کے بالوں کی لٹ مل گئی تو میں اسے مالا مال کر دوں گا۔ اسے کہو کہ یہ کام بھی وہ خود ہی کرنے کا بیڑا اٹھائے۔"  
کالی بھنگی نے یہ بات بھونگی سپیرے کو کہی تو وہ بولا :

"میں نے سُن لیا ہے۔ میرے دوست سے کہو کہ میں اس کی خاطر یہ کام ضرور کروں گا۔ میں اسے ناگ دیوتا کے بالوں کی لٹ ضرور حاصل کر دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ ناگ دیوتا اس شہر کی طرف آ رہا ہے۔ کیونکہ کئی روز سے میرے سانپ پٹاریوں میں لے تبا ہو رہے ہیں۔ وہ بار بار باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

کالا بھنگم اپنی بھنگی کے ساتھ واپس اپنی دیران حویلی میں آ گیا۔ اس نے غائب ہو کر ماریا کو کوٹھڑی میں جا کر دیکھا۔ وہ پتنگ پر سو رہی تھی۔ کالے بھنگم نے جھک کر دیکھا۔ ماریا کی آنکھوں پر آنسو خشک ہو گئے ہوتے تھے۔ کالا بھنگم ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو کہتا وہاں سے



دایں اپنی اندھیری کوٹھڑی میں چلا آیا۔ ۹۸

اسی روز صبح صبح پھونگی پیرے نے اپنے سانپوں کی چاروں پیاریاں اٹھائیں اور لاہور یعنی لوہ پور شہر کے سب سے بڑے دروازے کے باہر ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنا کر بیٹھ گیا۔ پھونگی پیرے کو معلوم تھا کہ کالا بھنگم کسی بہت بڑے خزانے کی مار پر ہے اور اگر اسے خزانہ مل گیا تو وہ وعدے کے مطابق اسے اس کا حصہ ضرور دے گا۔ پھونگی اگرچہ پیرا تھا مگر اسے آج تک کوئی خزانہ ہاتھ نہیں آیا تھا۔

اس وقت ناگ دریائے چناب کو کشتی میں پار کر کے شہر لاہور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر انسانی شکل میں سفر کر رہا تھا تا کہ علاقے اور وہاں کے لوگوں کو جی بھر کر قریب سے دیکھ سکے۔ شہر لاہور کا ایک ہی دروازہ تھا جہاں باہر سے آنے والے مسافر داخل ہوتے تھے۔ صبح صبح پھونگی پیرا اپنی پیاریوں کو جھونپڑیوں کے باہر لے کر بیٹھ جاتا۔ کبھی مسافروں کو دیکھتا جو شہر کے دروازے میں داخل ہو رہے ہوتے اور کبھی پیاریوں پر ہاتھ رکھ کر شوس کرتا کہ اندر سانپ شور تو نہیں مچا رہے۔ دو روز تک کچھ نہ ہوا۔ بس پیاریوں میں سانپ پہلے ہی کی طرح کچھ بے تاب

۹۹ نظر آتے تھے۔ مگر تیسرے روز سانپوں کی بے چینی میں اضافہ ہو گیا۔

پھونگی پیرے نے جب پیاریوں کے اندر سانپوں کو زور زور سے چکر کھاتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ قسمت ساتھ دے رہی ہے اور ناگ دیوتا شہر کے قریب ان پہنچا ہے۔ پھونگی پیرے نے ایک پیاری کو اٹھایا اور شہر کے دروازے کے بالکل ساتھ ہی بین لے کر بیٹھ گیا۔ وہ پیرے کی طرح بین بجانے لگا۔ تھوڑی دیر میں بجانے کے بعد اس نے بین بجانے بند کر دی اور پیاری کو کھول کر دیکھا۔ سانپ اندر پھنکاریں مار رہے تھے۔ پھونگی پیرا چوکس ہو گیا۔ ناگ دیوتا ضرور آ رہا تھا۔ پھونگی پیرے کو اتنا معلوم تھا کہ ناگ دیوتا کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھوں میں سانپ کی طرح کی مقناطیسی کشش ہوتی ہے۔

دوپہر کا وقت تھا۔ دھوپ غائب تھی۔ آسمان پر برسات کے بادل چھا رہے تھے۔ لگتا تھا کہ ابھی بارش شروع ہو جائے گی۔ پھونگی پیرا مسافروں کو دیکھنے کی بجائے اب سانپوں پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ اس نے پیاری کا ڈھکن اٹھا دیا ہوا تھا۔ اندر چار سانپ تھے جو چپن اٹھائے باہر دیکھ رہے تھے۔ پھر اچانک



۱۰۰ چاروں سانپ پٹاری میں سے اچھل کر نکل آئے اور  
شہر کے دروازے کی طرف دوڑے۔ پھونگی کی نظر میں  
سانپوں کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اچانک اس نے دیکھا  
کہ چاروں کے چاروں سانپ ایک سانولے رنگ  
گھنگھریالے بالوں والے نوجوان کے آگے سر جھکائے بیٹھے  
ہیں اور نوجوان اسے ہاتھ کے اشارے سے ایک طرف  
جانے کے لیے کہہ رہا ہے۔

اب پھونگی پیرے نے یوں اداکاری کی جیسے اسے  
معلوم نہیں کہ وہ نوجوان ناگ دیوتا ہے۔ لیکر  
سانپوں کے پیچھے گیا۔ انہیں اٹھایا اور ناگ سے بولا:  
"معاف کرنا بیٹے شہر میں کوئی اجنبی داخل ہوتا  
ہے تو یہ پٹاری میں سے نکل کر اس کی طرف  
دوڑتے ہیں۔ مہتیں انہوں نے کوئی نقصان تو  
نہیں پہنچایا نا؟"

ناگ دیوتا نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک کالا سیاہ  
پیرا ہاتھ کی کلائیوں میں سانپ پیٹے کھڑا ہے۔  
ناگ نے کہا:

نہیں نہیں۔ انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں  
کہا۔ ویسے مہتیں چاہیے کہ سانپوں کو سنبھال  
کر رکھا کرو۔ کیوں کہ یہ بڑے زہریلے سانپ

۱۰۱ معلوم ہوتے ہیں۔  
پھونگی پیرا بولا:

نہیں بیٹا۔ میں نے ان کا زہر نکالا ہوا ہے۔  
انہیں تو میں یہاں روز تماشہ دکھانے کے لیے  
لاتا ہوں۔ اب واپس گھر لیے جا رہا ہوں۔

پھونگی پیرے نے دیکھ لیا تھا کہ ناگ کی آنکھوں میں  
وہی کشش تھی جو سانپ کی آنکھ میں ہوتی ہے۔ اس  
نے ناگ سے پوچھا:

"بیٹا! تم پر دیسی معلوم ہوتے ہو۔ کہاں سے آ  
رہے ہو؟"

ناگ نے کہا:

"بابا میں تکشلا شہر سے آ رہا ہوں۔ بس اس  
شہر لاہور کی کشش کھینچ لائی ہے۔ دو ایک  
روز بھٹ کر آگے نکل جاؤں گا۔"

پھونگی پیرے نے آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں پر  
ایک نگاہ ڈالی اور بولا:

"بیٹا! بارش ہونے والی ہے۔ تم کہاں سرائے کی  
تلاش میں مارے مارے پھرو گے۔ میرے پاس  
چلے چلو۔ اگرچہ میری جھونپڑی تمہارے لائق نہیں  
پھر بھی مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"



ناگ جلدی سے بولا: ۱۰۳

"ارے نہیں بابا۔ ایسی باتیں نہ کریں۔ میں خود بڑا عزیز آدمی ہوں۔ چلنے میں آپ کی جھونپڑی ہی میں چلے چلتا ہوں۔"

پھونگی پیرے کو اور کیا چاہیے تھا۔ جلدی سے سانپوں کی پٹاری سنبھالی اور ناگ کو لے کر اپنی جھونپڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے ناگ سے کہا: "یونانی فوجیں جہلم ہی سے واپس چلی گئی ہیں۔ سنا ہے مشکلا کے راجہ نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔" "ہاں" ناگ بولا: "راجہ امیت بزدل تھا۔ راجہ پورس بہادر تھا کہ جس نے بہادروں کی طرح جنگ لڑی۔ پیرے نے کہا:

"مشکلا میں اب تو امن امان ہے نا؟"

ناگ بولا: "کیوں نہیں۔ مگر دہاں یونانی جرنیل حکومت کر رہا ہے۔"

"ایسا تو ہوتا ہی ہے بیٹا۔ پیرے نے کہا۔ ناگ نے پوچھا:

"بابا تم کہاں رہتے ہو؟ میرا مطلب ہے تمہاری جھونپڑی کہاں ہے؟" پھونگی پیرا کہنے لگا:

دریا کے پار ہی ہے۔ بس پہنچنے ہی والے ہیں۔ ۱۰۴  
وہ مٹر کے دریا کو پار کر کے دوسرے کنارے پر لے تو بوندا بوندی شروع ہو گئی۔ جھونپڑی تک پہنچنے پہنچے بارش خوب تیز ہو گئی تھی۔ ناگ جھونپڑی میں آکر اپنے گھنگھریالے بالوں میں سے ہاتھ سے پانی جھاڑنے لگا۔ کالے سیاہ پھونگی پیرے نے ناگ کے بالوں کی طرف ایک نگاہ ڈالی اور دل میں خوش ہوا کہ وہ ان بالوں کا ایک گچھا کاٹنے میں کامیاب ہونے ہی والا ہے اسے یقین نہیں تھا کہ اتنی جلدی ناگ دیوتا اس کے ہاتھ لگ جائے گا۔ یہ اس کی بہت بڑی خوش قسمتی تھی۔

ناگ جھونپڑی میں ایک طرف پٹانی پر بیٹھ گیا۔ پٹاریوں میں سانپوں کا بڑا حال ہو رہا تھا۔ وہ بے چین ہو کر پٹاریوں سے باہر نکلنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ پھونگی پیرا گھبرا رہا تھا۔ کہنے لگا:

"اصل میں یہ سانپ کسی اجنبی کی موجودگی کی

وجہ سے بے چین ہو جاتے ہیں اور کوئی بات

نہیں ہے بیٹا۔ تم گھبرانا نہیں۔ یہ تمہیں کچھ

نہیں کہیں گے۔

ناگ دل میں ہنسنے لگا کہ الحق کو یہ معلوم ہے



نہیں کہ اتنا بڑا ناگ دیوتا اس کی جھونپڑی میں بیٹھا ہے جو سانپوں کا دیوتا ہے۔ پھر کہنے لگا:

"بابا فکر نہ کرو۔ تھوڑی دیر میں آرام سے بیٹھ جائیں گے۔ میرے عادی ہو جائیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی ناگ نے سانپوں کی زبان میں سانپوں سے کہا کہ وہ شور نہ مچائیں اور آرام سے بٹارلوں میں بیٹھے رہیں۔ اس حکم کے ساتھ ہی سانپ ایک دم سے چپ ہو گئے۔ کسی پٹاری سے کسی سانپ کے سسکارنے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس خاموشی کو دیکھ کر پھونگی پیرا فوراً سمجھ گیا کہ ناگ دیوتا نے سانپوں کو چپ رہنے کا حکم دیا ہے۔

پیرے نے ناگ سے پوچھا:

"بتا تم نے اپنا نام ابھی تک نہیں بتایا؟"

"میرا نام کیا داس ہے۔"

پھر جھونپڑی کے باہر دیکھ کر بولا:

"بارش تیز ہو گئی ہے بابا!"

پیرے نے کہا:

"گھبراؤ نہیں بیٹا!"

داس! میری جھونپڑی کی چھت بڑی پکی ہے۔ کتنی ہی بارش کیوں نہ

ہو کبھی نہیں ٹپکتی۔ ذرا بارش ہمتی ہے تو میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔ ناگ نے جھٹ کہا:

"نہیں نہیں بابا۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔" پھونگی پیرا جانتا تھا کہ ناگ دیوتا بھوک سے بے نیاز ہوتا ہے۔

ناگ جلدی سے بولا:

"میرا مطلب ہے جب بھوک لگے گی تو میں خود بازار سے جا کر کچھ خرید لاؤں گا۔"

پھونگی پیرا بھلا ناگ دیوتا کو اپنی آنکھوں سے کیسے ادھل کر سکتا تھا، کہنے لگا:

"تو پھر ہم اکٹھے ہی بازار چلیں گے۔ تم اپنی پسند کی روٹیاں اور مچھلی لے لینا۔ میں تو پھل بڑے شوق سے کھاتا ہوں۔ تم کیا چیز شوق سے کھاتے ہو گیا داس بیٹا؟"

ناگ بولا: "ہاں ہاں بابا۔ میں بھی مچھلی بڑے شوق سے کھاتا ہوں۔"

اس دوران ناگ نے کئی بار فضا کو سوگھ کر مارا عنبر کیٹی اور تھو سا ناگ کی خوشبو لینے کی کوشش کی تھی لیکن اسے ان میں سے کسی کی بھی خوشبو نہیں آئی تھی۔



۱۰۶  
اس کی وجہ وہ ایسی حویلی تھی۔ جس میں کالے بھنگم  
نے ماریا کو بند کر رکھا تھا۔ اس نے حویلی کی چار دیواری  
کے ساتھ اندر کی جانب کالے اُلوؤں کی چربی سکھا کر  
بکھیر رکھی تھی۔ ایسی مخلوق جہاں رہتی ہے وہاں اُلوؤں  
کی سوکھی چربی کا سفوف ضرور چھڑک دیتی۔ کیوں کہ  
اس چربی کی بو سے انہیں سانس لینے میں بڑی آسانی  
ہوتی ہے یہ چربی ایسی ہوتی ہے کہ اس کی کوئی تیز  
اور خاص بو نہیں ہوتی۔ اسے صرف بھنگم مخلوق ہی  
محسوس کر سکتی ہے لیکن اس کا فضا پر اثر یہ ہوتا ہے  
کہ وہاں حویلی میں نہ تو باہر کی کوئی خوشبو آتی ہے  
یہ اندر کی کوئی بو باہر جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ باہر  
ایک عام لڑکی کی حیثیت سے حویلی میں موجود تھی  
مگر ناگ کو شہر میں اس کی بو نہیں آ رہی تھی حالانکہ  
عام حالات میں اگر ماریا شہر کے کسی بھی مکان میں ہوتی  
تو ناگ کو اس کی اور ماریا کو ناگ کی فوراً خوشبو  
آ جاتی۔

پھونگی پسیرے کو اندر سے بڑی بے چینی لگی تھی۔  
اسے ہر گھڑی یہی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں ناگ دیوتا اس  
کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی  
ہو سکے اس کے بالوں کا ایک گچھا کاٹ لے۔ مگر یہ

۱۰۷  
م اتنا آسان کام نہیں تھا۔ ناگ بھلا اسے اپنے  
بال کاٹنے کی اجازت کیسے دے سکتا تھا۔ پھونگی پسیرے  
نے ناگ کی کچھ ایسی خوشامد کی۔ ایسی خدمت کی اور  
ایسی چکنی چھڑی باتیں کس کہ ناگ نے فیصلہ کر لیا کہ یہ  
جتنے دن شہر میں خنبر ماریا کیٹی ٹھوسا ناگ کو تلاش کریگا  
اسی عزیز اور خوش اخلاق پسیرے کے جھونپڑے ہی  
میں رہے گا۔

جب ذرا بارش رکی تو پھونگی پسیرا ناگ کو جھونپڑے  
میں رہنے کی درخواست کر کے شہر میں اس کے اور  
اپنے لیے کھانا لینے چلا گیا۔ وہ سیدھا کالے بھنگم کی ویران  
حویلی میں چلا آیا۔ حویلی کے باہر مدتوں سے تالا لگا ہوا  
تھا۔ پھونگی پسیرا چونکہ خود بھنگم قبیلے سے تھا اس لیے  
غائب ہو کر اندر چلا گیا اور کالے اور اس کی موٹی  
بھدی بھنگنی بیوی کو خوش خبری سنائی کہ وہ ناگ دیوتا  
کو گھیر کر اپنے جھونپڑے میں لے آیا ہے۔

کالا بھنگم خوشی سے عزا یا:  
"ہو ہو۔ ہو ہو۔ اس کے بالوں کا گچھا کاٹ کا لاؤ جلدی  
بالوں کا گچھا کاٹ کر لاؤ۔  
پھونگی پسیرے نے کہا:  
"یہ کام کوئی اتنا آسان نہیں ہے۔ اسے ذرا سا بھی



شک پڑ گیا تو مجھے مجسم کر کے رکھ دے گا۔ تم  
ناگ دیوتا کی طاقت سے واقف نہیں ہو کالے بھائی!  
بھنگم خرایا: "ہو ہو۔ ہو ہو۔ کتنی دیر لگاؤ گے تم؟"  
بھنگم بولی: "آج رات جب وہ سو جائے تو اس  
کے بالوں کی لٹ کاٹ لینا۔"

پھونگی پیرے نے کہا وہ کوشش کرے گا:  
"مگر تم اپنا وعدہ یاد رکھنا۔ مجھے خزانے میں سے  
آدھا حصہ دینا مت بھولنا۔"  
کالے بھنگم نے بیچ کر کہا:  
"مجھے یاد ہے۔ مجھے یاد ہے۔ ناگ دیوتا کے بالوں  
کی لٹ کاٹ کر لاؤ۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔"

پھونگی پیرا فوراً غائب ہو کر پُرانی دیران حویلی سے باہر  
آگیا۔ بازار میں سے اس نے کھانے پینے کی کچھ چیزیں خریدیں  
اور جلدی جلدی چلتا اپنی جھونپڑی میں واپس آیا۔ بارش اب  
ٹپ گئی تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں ناگ دیوتا چلا نہ گیا ہو۔  
مگر ناگ جھونپڑی میں آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ پھونگی پیرا براخوش  
ہوا۔ اس نے فوراً چنگیر میں کھانا رکھ کر ناگ کو پیش کیا۔  
ناگ کو ضرورت نہیں تھی مگر وہ پھونگی پیرے کے اخلاق  
اور خدمت سے اتنا خوش ہوا تھا کہ کھانا کھانے لگا۔  
پھونگی پیرا اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

## اندھے کنوئیں کا باباوا

پھونگی پیرا جانتا تھا کہ ناگ دیوتا کو کبھی نیند نہیں آتی۔  
اسے جاگتے ہیں ناگ دیوتا کے بالوں کی ایک لٹ  
کاٹنی تھی جو بڑا مشکل کام تھا۔ لیکن آدمی بڑا عیار اور  
تجربہ کار تھا۔ رات کو اس نے دیکھا کہ ناگ دیوتا جاگ  
رہا تھا۔ اگرچہ وہ چٹائی پر لیٹا تھا مگر پھونگی پیرے کو معلوم  
تھا کہ وہ جاگ رہا ہے اور اگر اس نے اس کے  
بالوں کو ذرا ہاتھ لگایا تو اسے شک پڑ جائے گا اور اس  
کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ اس کے ذہن میں ایک  
ترکیب آئی۔

صبح ہوئی تو پھونگی پیرے نے ناگ سے کہا کہ وہ  
غسل کر لے۔ ناگ نے بھی سوچا کہ مٹا لینا چاہیے۔ آگے  
سفر پر بھی جانا ہے۔ پھونگی پیرے کے پاس ایک ایسی  
بوٹی تھی کہ اگر اسے آدمی کے سر کے بالوں میں لگا  
دیا جائے تو اسے ایک دم سے ایسی خارش شروع ہو



جاتی ہے جو اس وقت تک ختم نہیں ہوتی کہ جب تک آدمی کے سر کے بال نہ اتار دیئے جائیں۔

پھونگی پیرے نے ناگ کی آنکھ بچا کر پانی کی ٹکلی میں ڈوٹی ملا دی۔ ناگ نے نہانے کے بعد سر میں خارش محسوس کی۔ یہ خارش اتنی زیادہ ہو گئی کہ وہ پریشان ہو گیا۔ پیرے نے کہا :

”میرا خیال ہے گیا داس تمہارے بالوں میں جراثیم بیدار ہو گئے ہیں۔ اپنے بال مونڈ ڈالو خارش دور ہو جائے گی۔“

ناگ پریشان تھا۔ فوراً بولا :

”اے بھائی۔ میرے بال مونڈ دو۔ بال تو پھر بھی آجائیں گے۔ کم از کم اس مصیبت سے تو نجات ملے گی۔“

پھونگی پیرے کو اور کیا چاہیے تھا۔ فوراً نانی کی دکان سے ایک اُسترا لے آیا۔ اور ناگ کے سارے بال مونڈ ڈالے۔ بال باہر پھینکے گئے تو بالوں کا ایک گچھا الگ جھاڑیوں میں چھپا کر رکھ دیا۔ ناگ کو کیا خبر تھی اس کے ساتھ کیا دھوکا ہو رہا ہے۔ اور اس کے بال مارا پر کیا مصیبت ڈھائیں گے۔ بال اتر جانے کے بعد ناگ

کو چن آ گیا۔ خارش ایک دم غائب ہو گئی۔ الٹا ناگ پیرے کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ پھر بولا :

”پھونگی بھائی ! تمہاری مہمان داری کا بہت بہت شکریہ۔ اب میرا خیال ہے کہ میں یہاں سے آگے روانہ ہوتا ہوں۔ کیوں کہ مجھے ایک دوست کی تلاش ہے جو مجھے اس شہر میں نہیں ملا۔ شاید کسی دوسرے شہر میں مل جائے۔“

پھونگی پیرے نے کہا :

”جیسے تمہاری مرضی گیا داس۔ ویسے میں تو چاہتا تھا کہ تم کچھ روز اور مھٹر جاتے۔“

ناگ نے کہا :

”شکریہ بھائی۔ اب پھر کبھی ملاقات ہو گی۔“

یہ کہہ کر ناگ پیرے کی جھونپڑی سے نکل کر شہر سے باہر کھیتوں میں جاتی سڑک پر پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ اسے ابھی تک شہر میں کسی جگہ سے بھی ماریا کی خوشبو نہیں آئی تھی۔ حالانکہ ماریا اسی شہر لوہ پور یعنی پرانے لاہور کی ایک تنگ و تاریک حویلی کی کوٹھڑی میں کالے بھنگم کی قید میں خستہ حال پڑی تھی۔

پھونگی پیرا ناگ دیوتا کے بالوں کی لٹ لے کر بیٹھا



سانہٹانے دیکھتے تھے پاس پہنچ گیا۔ کالے بھنگم نے بالوں کی  
 لٹ کو اسی لاؤتھت آگ میں جلا دیا۔ جس وقت ناگ  
 کے بہانوں کو بلایا جائیگا تھا اس وقت ناگ شہر سے  
 چند کوس الہی دور گیا تھا۔ اسے کچھ بے چینی سی محسوس  
 ہوئی۔ اس نے کوئی خیال نہ کیا اور کچی پگ ڈنڈی  
 پر چلتا گیا۔ یہ پگ ڈنڈی کھیتوں کے بیج میں سے ہو  
 کر جاتی تھی۔ بارش نہیں ہو رہی تھی مگر بادل آسمان پر  
 جھکے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بادل سیاہ اور  
 گتے تھے۔ ناگ کو ایک بار پھر سخت بے چینی محسوس  
 ہوئی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوڑا گرم شے اس کے  
 سر کے ساتھ لگاتا ہے اور پھر پرے کر لیتا ہے۔ اس کی  
 سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ اس نے  
 سوچا کہ شاید یہ اس پانی کا اثر ہے جس نے نہانے اور  
 نہانے سے اس کے سر میں کھجلی شروع ہو گئی تھی۔  
 ناگ نے ایک بے چینی بڑھ گئی تو وہ ایک پیل  
 سے گتے درخت تلے بیٹھ گیا۔ پاس ہی ایک چھوٹا سا  
 پانی کا تالاب تھا۔ ناگ نے سوچا کہ اسے اپنے سر پر  
 پانی ڈالنا چاہیے۔ اس نے تالاب پر جھک کر چلو میں  
 پانی اٹھایا۔ سر پر ڈالا۔ پانی تھا کہ پانی میں سے ایک سبز

ناگ کا پانی کا پتلا سا سانپ بل کھاتا باہر نکل آیا۔  
 ناگ کو ادب سے سلام کیا اور کہا:  
 "عظیم ناگ۔ دیوتا کا آنا مبارک ہو۔ میری خوش قسمتی  
 ہے کہ میں نے آپ کے درشن کئے۔"  
 ناگ نے کوئی جواب نہ دیا تو سبز سانپ بولا:  
 "عظیم ناگ دیوتا! کیا بات ہے۔ آپ کچھ بے چین  
 سے نظر آتے ہیں؟"  
 پہلے تو ناگ نے سوچا کہ اس سبز سانپ کو اپنی  
 مصیبت بتانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر نہ جانے کیا خیال  
 آیا کہ بولا:-

"مجھے کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ میرے سر میں یہ  
 گرمی اور پیش کہاں سے آ گئی ہے۔"  
 سبز سانپ نے کہا:

"عظیم ناگ دیوتا! میں پوچھنے ہی والا تھا کہ آپ  
 نے اپنے بال کیوں منڈا دیئے ہیں؟ مگر ادب  
 کی وجہ سے میں یہ سوال نہ پوچھ سکا۔"

ناگ بولا: "میں ایک پسیرے کا نہان تھا۔ وہاں  
 نہایا تو سر میں کھجلی محسوس ہوئی۔ پھر بال منڈوا  
 دیئے تو کھجلی دور ہو گئی۔ مگر اب اچانک مجھے



اپنے سر میں گرمی اور تیش محسوس ہو رہی ہے  
یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی گرم شے میرے  
سر سے لگا کر پرے کر دی جاتی ہے۔ ایسا  
پہلے کبھی نہیں ہوا۔ نہ جانے کیا بات ہے؟  
سبز سانپ نے کہا:

”عظیم ناگ دیوتا! اگر گستاخی نہ ہو تو مجھے اپنے  
سر کو سونگھنے کی اجازت دی جائے۔ میں اس  
بیماری کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔  
ناگ دیوتا نے کہا:

”اس میں ایسی کون سی بات ہے۔ تم میرا سر  
سونگھ سکتے ہو۔“

سبز سانپ ریگتا ہوا ناگ کے سر پر چڑھ گیا۔ اس  
نے تین بار اپنا منہ ناگ کی منڈی ہوئی ٹنڈ کے ساتھ  
لگایا۔ پھر نیچے اتر کر کٹلی مار کر ادب سے سامنے بیٹھ  
گیا اور بولا:

”عظیم ناگ دیوتا۔ آپ کے سر کے بال کہیں  
آگ میں جلائے جا رہے ہیں۔“

ناگ تو ایک دم سے چونک پڑا۔ اس کے بالوں کو  
جلانے کی کسی کو کیا ضرورت ہے جیلا؟ پھر خیال آیا کہ

ہو سکتا ہے جس کوڑے کرکٹ میں پھونگی پیرے نے  
پھینکے تھے وہاں کسی نے آگ لگا دی ہو اور کوڑے  
کرکٹ کے ساتھ اس کے بال بھی جلنے لگے ہوں کیونکہ  
ناگ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ سبز سانپ نے اس  
کے سر کی تیش کی جو وجہ بتائی ہے وہ غلط کبھی نہیں  
ہو سکتی۔ سانپ بیماریوں کی وجہ بالکل ٹھیک ٹھیک بتا  
دیا کرتے تھے۔ اس نے سبز سانپ سے سوال کیا کہ  
کیا وہ بتا سکتا ہے کہ اس کے بال کون جلا رہا ہے؟  
سبز سانپ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا پھر بولا:  
”عظیم ناگ دیوتا! میں ایک سیاہ فام پیرے  
کی شکل دیکھ رہا ہوں۔ اس کے سوا مجھے اور  
کچھ دکھائی نہیں دیتا۔“

ناگ فوراً سمجھ گیا کہ پھونگی پیرے نے کسی خاص وجہ  
سے اس کے بال جلائے ہیں۔ یہ وجہ کیا ہو سکتی تھی؟  
ناگ یہی وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ اب اس کے  
سر کی تیش دور ہو گئی تھی۔ مگر وہ یہ راز معلوم کرنے کے  
لیے کہ اس کے بال کیوں جلائے گئے اور سبز سانپ کو  
پھونگی پیرے کی شکل کیوں نظر آئی تھی۔  
ناگ نے سبز سانپ کا شکریہ ادا کیا اور دیں سے



واپس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادل اسی طرح جھکے ہوئے تھے۔ ناگ چلتے چلتے پھونگی پسیرے کی جھونپڑی میں آیا تو دیکھا کہ پھونگی پسیرا وہاں نہیں تھا۔ جھونپڑی میں سوائے سانپ کی پٹاریوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ ناگ جلدی سے اس جگہ گیا جہاں پھونگی پسیرے نے اس کے سامنے ناگ کے سر کے منڈے ہوئے بال پھینکے تھے۔ ناگ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے بال جھاڑیوں میں ویسے ہی پڑے تھے۔ لیکن سبز سانپ نے جو کہا تھا کہ ناگ کے بال کہیں جلائے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے سر میں تیش محسوس کر رہا ہے تو یہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا تھا۔ انسان جھوٹ بول لیتے ہیں۔ انسانوں کے اندازے غلط ہو جاتے ہیں مگر سانپ نہ تو جھوٹ بولتے ہیں اور نہ ساتیوں کے اندازے کبھی غلط ہوتے ہیں۔ یہ بات ناگ خوب اچھی طرح سے جانتا تھا۔

ایچانک اس کے دماغ میں خیال آیا کہ اس کے سامنے بال نہیں جلائے گئے بلکہ اس کے تختہ پھوٹے سے بال لے کر کسی دوسری جگہ آگ میں جلائے گئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا تھا؟ ایسا کس نے کیا تھا؟ سبز سانپ کو جس پسیرے

شکل نظر آئی تھی وہ سوائے پھونگی پسیرے کے کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کی گنئی پھونگی پسیرے کے پاس تھی۔ ناگ نے اس کو حل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر وہ انسانی شکل میں رہ کر یہ راز حل نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے زبردستی تھا کہ وہ کوئی دوسرا بھیس بدل کر جھونپڑی میں رہے اور پتہ کرے کہ یہ پھونگی پسیرا اصل میں کون ہے؟ اور کیا اسی نے ہی اس کے بالوں کی ایک لٹ جلائی تھی؟

پھونگی پسیرا اس وقت آسیبی حویلی میں تھا۔ ابھی تک جھونپڑی خالی تھی اور سانپ پٹاریوں میں ناگ دیوتا کی موجودگی کی وجہ سے بے چین ہو رہے تھے۔ ناگ نے سوچا کہ وہ سانپ بن کر ہی اس جھونپڑی میں رہے گا۔ اس نے وہیں سانس اندر کو کھینچ کر چھوڑا تو وہ ایک سانپ بن چکا تھا۔ وہ ریگتا ہوا جھونپڑی کے اندر چلا گیا اسے پتہ تھا کہ پٹاری میں جو سانپ بند ہیں وہ اپنی بے چینی کی وجہ سے اس کا مچاٹا بھوڑ دیں گے۔ اس نے اندر جاتے ہی پٹاریوں کے ساتیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: میں ناگ دیوتا ایک خاص وجہ سے سانپ کی شکل



میں یہاں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ خبردار۔ تم میرا بار بار ادب نہ کرنا۔ مجھے بار بار سلام نہ کرتے پھرنا۔ پسیرے پھونگی پر یہ ہرگز ظاہر نہ ہو کہ میں ناگ دیوتا ہوں۔ مجھ سے وہی سلوک کرنا جیسے میں ایک عام سانپ ہوں۔ سمجھ گئے تم؟ پہلے تو سانپ حیران ہوئے کہ ناگ دیوتا کو سانپ بن کر ان کے پاس رہنے کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے۔ مگر ناگ آخر دیوتا تھا۔ اس کے حکم کے آگے جھکا کوئی سراٹھا سکتا تھا۔ سب نے کہا کہ وہ اسی طرح کریں گے جس طرح ناگ دیوتا انہیں کہے گا۔ ناگ جانتا تھا کہ اگر وہ پٹاری کے سانپوں کے ساتھ شامل ہو گیا تو چونکہ پسیرے نے سارے سانپ گن رکھے ہیں اس لیے وہ ایک نئے سانپ کو دیکھ کر ضرور شک میں پڑ جائیگا کہ یہ کہاں سے آ گیا؟ کیوں کہ ایک بات کا ناگ کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ جو پھونگی پسیرا ہے اس کو معلوم تھا کہ میں ناگ دیوتا ہوں اور یہ دھوکے سے مجھے اپنی جھونپڑی میں لایا تھا۔ چنانچہ ناگ سانپ کی شکل جھونپڑی کے کونے میں ایک جگہ چھپ گیا۔ کچھ دیر بعد پھونگی پسیرا واپس آ گیا۔ وہ جھونپڑی

میں داخل ہوا تو ناگ نے ایک پھنکار ماری۔ پسیرا فوراً ہتھیار ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ برسات کے موسم کی وجہ سے کون سا سانپ جھاڑیوں سے نکل کر اس کی جھونپڑی میں آ کر چھپ گیا ہے۔ فوراً اس نے سانپ کو پکڑنے کا فیصلہ کیا اور بہن اٹھا کر بجانی شروع کر دی۔ ناگ تو پہلے ہی سے پکڑے جانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ پھر بھی اس نے حقوڑے بہت نخرے ضرور دکھائے۔ بہن کی آواز پر ناگ نے رقص کرنا شروع کر دیا۔ پھر کبھی پسیرے کے پاس آتا اور کبھی پھن اٹھائے واپس چلا جاتا۔ آخر وہ پسیرے کے بالکل قریب آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ پسیرے نے فوراً اسے پکڑ کر اُپر اٹھالیا۔ پسیرے نے ناگ سانپ کو غور سے دیکھا۔ ناگ نے ایک بالکل عام کوبرا سانپ کی شکل اختیار کی تھی تاکہ پسیرے کو کسی طرف سے بھی شک نہ پڑے کہ یہ کہیں ناگ دیوتا تو نہیں ہے۔ پھونگی پسیرا خوش ہوا کہ ایک کوبرا سانپ اس کے ہاتھ لگا ہے۔ اس نے ناگ سانپ کو ایک الگ پٹاری میں بند کر دیا۔ ناگ پٹاری میں بند سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے تو وہ جھونپڑی میں رہ کر یہ دیکھنا چاہتا تھا



کہ پھونگی پیرے کو کون کون ملنے آتا ہے اور یہ  
کہاں کہاں جاتا ہے۔ ناگ کے دل کو یقین ہو گیا تھا  
کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے اور اس کے بالوں  
کی لٹ اسی پیرے نے جلائی تھی۔

دوسری طرف کالے بھنگم نے جب ناگ کے بالوں  
کی ایک لٹ کی راکھ بنا کر اپنے سر کے بالوں میں  
ڈالی تو اس میں اتنی شکتی یعنی اتنی طاقت آ گئی کہ  
وہ جس عمر کے انسان کی چاہے شکل اختیار کر سکتا  
تھا۔ وہ کالی بھنگم کو ساتھ لے کر ویران حویلی کی سب  
سے پچھلے دالان والی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اور بولا:

"ہو ہو۔ ہو ہو۔ بد شکل بھنگم! میں اب ایک ایسے  
راج کمار کی شکل اختیار کرنے لگا ہوں جس  
کی خوبصورتی اور جس کے حسن کا کوئی مقابلہ  
نہیں کر سکے گا۔"

کالی بھنگم بولی:

"تمہاری اصلی شکل تو یہی رہے گی۔ بن جاؤ  
راج کمار کوٹھڑی دیر کے لیے۔"

کالے بھنگم مکروہ طریقے سے بننا پھر عزایا:

بھنگم! اس لڑکی ماریا کو کالو بھست کی مورتی

پر قربان کرنے کے بعد ہی میں مسالوں کے  
دیس کا راجہ بن سکتا ہوں۔ پھر میری دولت  
کا کوئی حساب ہی نہیں ہو گا۔ مگر ضروری ہے کہ  
غیبی طاقت رکھنے والی لڑکی ماریا سے اس  
کی مرضی کے مطابق شادی ہو۔ اسی لئے یہ سارے  
جتن کر رہا ہوں۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔"

کال بھنگم بولی:

"اور میں تیری رانی ہوں گی۔ کیوں کہ ماریا کی  
قربانی کے ساتھ ہی تم اپنی اصلی شکل پر آ  
جاؤ گے اور پھر سوائے میرے تمہارے ساتھ اور  
کوئی عورت گزارہ نہ کر سکے گی۔"

کالا بھنگم عزایا:

"جانتا ہوں۔ ہو ہو۔ جانتا ہوں اب میں  
راج کمار بننے لگا ہوں۔"

اس کے بعد کالے بھنگم نے اپنی آنکھیں بند کر کے  
آہستہ سے کہا:

"اے کالے بھنگم! دنیا کا سب سے حسین

راج کمار بن جا۔"

ایک بجلی سی چمکی اور دوسرے لمحے کالا بھنگم ایک



حسین ترین نوجوان اور زرق برق لباس والے راج کمار  
کی شکل میں سامنے کھڑا تھا۔

کالی بھنگنی بولی :

"یقین نہیں آتا کہ یہ تم ہو بھنگم !"

کالے بھنگم کی آواز بھی بدل گئی تھی۔ اب اس  
کی آواز بڑی مہذب اور شیریں ہو گئی تھی۔ اس نے کہا:  
"کالی بھنگنی ! میں ہی تیرا کالا بھنگم ہوں مگر  
اس وقت میرا تمام شرٹوں ہے اور میں ملک  
کنڈیال کے راجہ کا بیٹا ہوں جو یہاں سے چار  
راتوں کے سفر پر ہے اور سیر و سیاحت کرنے  
یہاں آیا ہوں۔"

کالی بھنگنی بولی :

"اب تو کیا کرے گا؟ اس غیبی لڑکی ماریا سے  
کہاں اور کیسے مل کر اسے شادی کرنے کے  
لئے ورغلانے گا؟"

بھنگم راج کمار بولا :

"میں سب سے پہلے ایک بہادر آدمی کی طرح  
اس حویلی سے اسے باہر نکالوں گا۔ یوں اس  
پر اپنی بہادری کا رعب جماؤں گا۔ اس کے

بعد اس سے شادی کرنے کی درخواست کرونگا۔  
وہ ضرور مان جائے گی۔"

بھنگنی نے کہا :

"تمہیں بڑے طریقے سے ایسا کرنا ہو گا۔ اگر  
غیبی لڑکی ماریا کو ذرا سا بھی شک پڑ گیا تو  
سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔  
راج کمار بھنگم بولا :

اسے کیسے شک پڑ سکتا ہے؟ میں ایک حسین  
خوبصورت اور امیر راج کمار کی شکل میں  
ہوں اور جب تک ماریا کو کالا بھنگم کی  
مورتی پر قربان نہیں کرتا اسی شکل میں  
رہوں گا۔"

بھنگنی نے کہا :

"تو پھر اپنا کام شروع کر دے۔ میں اپنی  
کوٹھڑی میں جاتی ہوں۔ میری اگر ضرورت پڑی  
تو مجھے بلا لینا۔"

بھنگم بولا : "تم اپنا کالا منہ لے کر اپنی کوٹھڑی  
میں چھپ جاؤ میں اپنا کام آج رات کو  
شروع کر دوں گا۔ تمہیں جس طرح کہا ہے



ویسے ہی کرنا۔

بھنگنی نے نفرت سے بھنگم راج کمار کی طرف دیکھا اور اپنی کوٹھڑی میں پسلی گئی۔ بھنگم واقعی اس وقت نہایت حسین راج کمار کے روپ میں تھا۔ زرق برق لباس۔ سر پر مور کے پر والا تاج تھا۔ کمر کے ساتھ جواہرات کے دستے والی تلوار لگی تھی۔ کالا بھنگم حویلی کے بڑے دروازے کی طرف گیا اور اس کے گیٹ کا تالا کھول کر غائب ہو کر حویلی سے باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہی اس نے دروازے پر زور زور سے دھک دی اور اونچی آواز میں کہا :

”ماہنتری بیٹا! ہم راج کمار سٹرون کمار ہیں۔ کیا تم لوگ اندر ہی ہو؟“

اور اس کے ساتھ ہی وہ دروازہ کھول کر حویلی میں داخل ہو گیا۔ وہ بے ڈھڑک اندر آکر ادھر ادھر آوازیں دینے لگا۔ جیسے وہ اس حویلی

کے رہنے والوں کو اچھی طرح جانتا ہو۔ ماریا نے اپنی کوٹھڑی میں ایک باہر کے مرد کی آواز سنی تو اس کی کچھ ٹھہارس بندھی۔ اس نے بند کوٹھڑی سے چلا کر کہا :

”مجھے یہاں سے نکالو۔ مجھے یہاں سے نکالو۔“

بھنگم کو تو معلوم تھا کہ ماریا اس کوٹھڑی میں ہے۔ ایک کرا دھڑکیا اور بولا :

”تم کون ہو؟ تمہیں اندر کس نے بند کیا؟ دروازہ کھولو۔ دروازہ باہر سے تو کھلا ہے۔“

ماریا کی آواز آئی :

”اندر سے تالا لگا ہے۔“

بھنگم بولا : اچھا میں باہر سے زور لگاتا ہوں۔ تم جو کوئی بھی ہو میرے ہٹ جاؤ۔“

بھنگم نے زور لگایا تو دروازے کی کسٹری نکل گئی۔ ماریا نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت نوجوان راج کماروں کے شانہ لباس میں سر پر گٹ سجائے کمر میں تلوار لگائے کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ”بی بی تو کون ہے اور تجھے یہاں کس نے قید کر دیا تھا؟“

ماریا نے ایک باہر کے نوجوان کا منہ دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ جلدی سے کوٹھڑی سے باہر نکل آئی اور بولی :

”یہ سب کچھ میں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے مجھے اس منحوس حویلی سے باہر لے چلو۔ تم بھی یہاں نہ ٹھہرو یہاں آسب ہے۔“



بھنگم نے کہا :

مگر یہ تو میرے چچا ہما منتری بیتال کی حویلی ہے میں اسی سے ملنے یہاں آیا تھا۔

ماریا بولی : مجھے کچھ معلوم نہیں یہاں کوئی نہیں رہتا۔ صرف مہوت پریت بستے ہیں۔

یہاں سے باہر نکل چلو۔

بھنگم نے اسی وقت ماریا کو ساتھ لیا اور حویلی سے باہر نکل آیا۔ ابھی دن کی روشنی تھی۔ حویلی کے باہر بھنگم کا ایک گھوڑا بھی کھڑا تھا۔ وہ ماریا کو ساتھ لے کر حویلی سے دُور ایک باغ میں چستے کے کنارے آکر گھاس پر بیٹھ گیا۔ اس نے ماریا سے کہا :

”میرا نام شردن کمار ہے۔ میں راجہ کنڈمال کا بیٹا ہوں جس کی ریاست یہاں سے دُور ملک کے جنوب میں ہے۔ میں سیر و سیاحت کرنے ادھر آیا تھا۔ سوچا اپنے ہما منتری سے بھی ملتا چلوں۔ مگر حویلی تو دیران ہو چکی ہے۔

شاید وہ لوگ مر کھپ گئے ہوں۔ اچھا تم کون ہو اسے خوبصورت لڑکی؟

ماریا پہلی بار ہنسا سی گئی۔ کہنے لگی :

میرا نام ماریا ہے۔ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ اس شہر کی سیر کرنے آئی تھی کہ بھائیوں سے بکھر گئی۔ انہیں تلاش کرتے اس حویلی میں آئی تو یہاں ایک آسیب رہتا ہے اس نے مجھے قید کر لیا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم نے آکر مجھے وہاں سے نکالا۔“

شردن کمار عرف کالا بھنگم دل میں یہ سوچ کر سکرایا کہ ماریا نے کیسا جھوٹ بولا ہے۔ خیر اسے ماریا کے جھوٹ پر سچ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے تو صرف یہ چاہیے تھا کہ کسی طرح وہ اس کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہو جائے۔ اور وہ اسی لیے راج کمار کا بھیس بدل کر اس کے سامنے آیا تھا۔ اس نے ماریا سے کہا :

”ماریا! مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ تم سے تمہارے بھائی بکھر گئے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ ان کو تلاش کروں گا۔ اور تم جہاں جانا چاہتی ہو تمہیں وہاں خود چھوڑ کر آؤں گا۔“

یہ بھنگم نے اس لیے کہا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ ماریا کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اور اپنے جن بھائیوں



سے وہ بچھڑ گئی ہے وہ بھی وہاں نہیں ہیں۔ ماریا  
شردن کمار عرف بھنگم کی اس بات سے بڑی خوش  
ہوئی۔ اسے حوصلہ بھی ہوا۔ آخر وہ ایک کمزور عورت  
کے روپ میں تھی۔ وہ پہلے ایسی ماریا تو تھی نہیں۔  
جب بھنگم نے ماریا سے اس کے بھائیوں کے بارے  
میں پوچھا تو اس نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ اس  
کے دو بھائی ہیں۔ ان کے نام بھی ماریا نے یونہی  
بتا دیے۔

بھنگم نے کہا :

”ماریا! جب تک تمہیں تمہارے بھائی نہیں  
مٹے تم میرے ساتھ شہر کے کنارے ذاتی  
میری خاص حویلی میں رہنا۔ وہاں تمہیں کوئی  
تکلیف نہیں ہوگی۔ یہ حویلی میرا، باپ نے  
اس شہر میں صرف میرے لیے نوا رکھی  
ہے۔ تاکہ میں جب کبھی یہاں سے کی غرض  
سے آؤں تو آگ رہ سکوں۔“

ماریا نے سوچا کہ یہ اچھی بات ہے کہ اسے  
ایک ٹھکانہ بھی مل گیا ہے اور ایک حفاظت کرنے  
والا نوجوان بھی ہاتھ آگیا ہے جو راج کمار بھی ہے

اس نے سوچا کہ جب تک اسے شہر میں غنبر کا سرخ  
نہیں ملتا وہ اسی راج کمار کی حویلی ہی میں رہے تو  
بہتر ہے۔ چنانچہ اس نے حامی بھری۔ بھنگم نے اپنی  
کالی بھنگنی کو پہلے ہی سے کٹہہ دیا تھا کہ وہ شہر  
کے کنارے پر واقع پرانی حویلی کو طلسم کے ذریعے  
خوب سجا دے اور وہاں دو کالی کنیزیں بھی کام پر  
لگا دے۔ یہ دونوں کنیزیں گونگی تھیں۔ نہ سن سکتی  
تھیں نہ بول سکتی تھیں۔ بھنگم ماریا کو گھوڑے پر  
بٹھا کر بڑی شان سے اپنی حویلی کی طرف چل پڑا۔

یہ حویلی شہر کے کنارے آم کے درختوں میں گھری  
ہوئی تھی۔ اس کو ہر طرح سجا کر کالی بھنگنی خود غائب  
ہو گئی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ حویلی بڑی عالی شان ہے  
اور اس کے دروازے پر دو کنیزیں تھالی میں سرخ  
گلاب کے پھول لیے استقبال کرنے کو کھڑی تھیں۔ بھنگم  
شردن کمار کے روپ میں ماریا کو اندر لے گیا۔ کنیزیں  
اس کے ساتھ تھیں۔ اس نے کہا :

”یہ کنیزیں اگرچہ گونگی بولی ہیں مگر تمہارے ایک  
اشارے کو سمجھ جائیں گی۔ یہ تمہارا ہر طرح  
سے خیال رکھیں گی۔ جاؤ۔ تم جا کر غسل کر کے



نئے کپڑے پہن لو۔

کنیزیں ماریا کو ایک عالی شان کمرے میں لے گئیں جہاں خوبصورت پلنگ پر ریٹھی بستر لگا تھا۔ دیواروں پر کم خواب کے پردے گرے تھے۔ ماریا نے تازہ پانی سے غسل کیا۔ کنیزوں نے اسے نئے راجکاروں والے کپڑے پہنائے۔ ماریا نے پہلی بار ایسا شاہانہ لباس پہنا تھا۔ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔ شردن کمار یعنی بھنگم بھی آگیا اور ماریا کی طرف دیکھ کر بولا :

"میں اتنے آج تک اتنی پیاری راج کمار کی نہیں دیکھی قدرت نے تمہیں بے پناہ خوبصورتی عطا کی ہے۔"

ماریا شرمائی گئی۔ اسے خود بڑا عجیب لگا۔ آج تک کبھی کسی نے اس کی خوبصورتی کی تعریف نہیں کی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ اکثر غائب حالت میں رہتی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اسے اپنے تاریخی سفر کی مشکلوں اور مصیبتوں سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔

اس نے شردن کمار کے ساتھ مل کر بڑا لذیذ کھانا کھایا۔ رات کو ماریا کنیزوں کے ساتھ اپنے کمرے

آ کر پلنگ پر لیٹ گئی اور سوچنے لگی کہ صبح کو کہاں تلاش کرے گی۔ چونکہ وہ ایک عام ن کی حالت میں تھی اس لیے اسے عنبر ناگ اور تھیوسانگ کی خوشبو نہیں آ سکتی تھی اور اس کی خوشبو بھی کسی دوسرے کو محسوس نہیں ہو سکتی تھی اعلیٰ کھانا کھانے کی وجہ سے ماریا کو نیند آگئی وہ سو گئی۔

صبح ہوئی تو بھنگم جو ساری رات منصوبہ بناتا رہا شردن کمار کی شکل میں شاندار لباس پہن کر حویلی کے باغ میں آ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ماریا بھی ہنا دھو کر لباس پہن راج کمار کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ کنیزوں نے اسے ناشتہ لگا دیا۔ دونوں ناشتہ کرنے لگے۔ بھنگم بڑے آرام سے ماریا کو دیکھ رہا تھا۔ ماریا عنبر کے بارے میں سوچتی رہی کہ وہ اس سے بچھڑ کر کہاں گیا ہوگا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس تالاب کے پاس جائے جہاں ڈوبنے لگانے کے بعد وہ حویلی کے کونوئیں میں آئی تھی۔ شاید عنبر اسی جگہ اسے مل جائے۔

راج کمار بولا :

"ماریا! تم کیا سوچ رہی ہو؟"

ماریا نے کہا :



۱۳۲  
"راج کمار جی! میں اپنے بھائی کے بارے میں  
سوچ رہی ہوں۔ میں ناشتہ کرتے کے بعد دریا  
کی طرف اس کی تلاش میں جانا چاہتی ہوں۔  
بھنگم بولا: "کیوں نہیں۔ میں تمہیں خود لے کر  
وہاں جاؤں گا۔"

ناشتے کے بعد دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر دریا کی  
طرف چل دیئے۔ ماریا راج کمار کے ساتھ ساتھ گھوڑے  
پر سوار چلی جا رہی تھی۔ اسے وہ جگہ معلوم تھی جہاں  
بڑے درخت والا چھوٹا تالاب تھا۔ یہاں پہنچ  
کر ماریا نے دیکھا کہ تالاب اسی طرح موجود ہے۔ اس کے  
کنارے بڑے درخت بھی ویسے ہی کھڑے تھے۔ مگر غنہ  
کہیں نہیں تھا۔

ماریا نے بھنگم سے کہا:  
"راج کمار! یہی وہ جگہ ہے جہاں اس کا بھائی  
اس سے بچھڑ گیا تھا۔ میں ذرا دیر کے لیے  
تالاب کنارے سو گئی تھی۔ جاگی تو میرا بھائی  
موجود نہیں تھا۔"

بھنگم اگرچہ بھوتوں کی قسم کی ایک مخلوق تھی مگر  
اسے ماریا کے بھائیوں یعنی غنہ ناگ کیسی اور تھیو ناگ  
کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا کہ وہ کون ہیں

۱۳۳  
کہاں سے آئے ہیں۔ اسے ماریا کے بارے میں  
یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ ہزاروں برس سے سفر  
کر رہی ہے۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ یہ ایک  
عورت ہے اور اسے ایک غیبی عورت ہی کی  
ضرورت تھی۔ کہ جو اس سے کالو مھٹ کی مورتی کی  
شرط کے مطابق اس کے ساتھ اپنی مرضی سے شادی  
کے اور پھر اسے مورتی پر قربان کرنے کے بعد مسانوں  
کے دیس کا راجہ بن جائے۔

اس نے بڑی ہمدردی کے ساتھ کہا:  
"ماریا! تم گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے بھائی کو شہر  
کے کونے کونے میں تلاش کروں گا۔ وہ اگر  
اس شہر میں ہے تو ضرور مل جائے گا اور  
اگر کسی دوسرے شہر میں ہوا تو میں تمہارے  
ساتھ اس شہر میں بھی جانے کو تیار ہوں۔  
اب میں تمہیں اکیلی نہیں چھوڑوں گا۔"

ماریا کے دل پر بھنگم یعنی نقلی راج کمار کی ان  
باتوں کا بے حد اثر ہوا۔ اس نے شکریہ ادا کرتے  
ہوئے کہا:  
"راج کمار جی! میں کس زبان سے آپ کا شکریہ  
ادا کروں۔"



راج کمار سنس کر بولا :  
 "ماریا ! مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہمارا جہنم جہنم کا  
 ساتھ رہا ہے ۔"

ماریا نے چونک کر راج کمار کی طرف دیکھا۔ دونوں  
 گھوڑوں پر سوار واپس اپنی عالی شان حویلی کی طرف  
 جا رہے تھے۔

ماریا بولی : "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ رہی ہوں۔"

بھنگم نے راج کماروں ایسے انداز میں کہا :  
 "ماریا ! مجھے لگتا ہے کہ میرے پچھلے جہنم میں  
 بھی تم میری بیوی رہ چکی ہو۔ کیا تم میرے  
 ساتھ بیاہ کر دو گی؟ میں تمہیں اپنی ہمارائی بنا کر  
 رکھوں گا۔ تم ہماری پوری ریاست کی ہمارائی  
 ہو گی۔ میں ہیرے جواہرات کا خزانہ تمہارے  
 آگے ڈھیر کر دوں گا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ  
 میں تمہاری بے حد خدمت کروں گا۔"

ماریا نے مسکرا کر کہا :

"راج کمار جی آپ کی عزت افزائی کا بہت  
 بہت شکریہ۔ مگر میں نے شادی کے بارے میں  
 کبھی غور نہیں کیا۔"

راج کمار نے بڑی ادا سے ماریا کی طرف دیکھ کر کہا :

"تو اب غور کرنے میں کیا حرج ہے ماریا؟ میں  
 کوئی معمولی نوجوان نہیں ہوں۔ ایک ریاست کا  
 راج کمار ہوں اور اپنے باپ کی وفات کے  
 بعد اس ملک کا راجہ بن جاؤں گا۔ تم میرے  
 ساتھ راج کرو گی۔ ساری رعایا تمہاری غلام  
 ہو گی۔"

ماریا دل میں سوچنے لگی کہ یہ تو پیچھے ہی پڑ  
 گیا ہے۔ وہ انکار کر کے راج کمار کو ناراض بھی نہیں  
 کرنا چاہتی تھی کیوں کہ اسے ایک ایسے مرد کی بھی  
 ضرورت تھی جو اس کی حفاظت کر سکے۔ کیوں کہ ماریا  
 ایک کمزور عورت کی شکل میں تھی۔ اور اسے ابھی  
 تک غنبر نہیں ملا تھا۔ اس نے سوچا کہ راجکمار کو  
 ٹال دینا چاہیے۔ چنانچہ وہ بولی :

"راج کمار جی۔ مجھے سوچنے کا موقع دیں۔  
 بھنگم بڑا خوش ہوا کہ ماریا بھٹوڑا بہت تو راضی  
 ہوئی۔ اسے امید کی ایک کرن نظر آ گئی تھی۔ اس نے  
 مسکرا کر کہا :

"کوئی بات نہیں راج کمار! ماریا! تم دو ایک

دن سوچ لو۔"

ماریا نے دل میں کہا چلو دو ایک دن میں غنبر



۱۳۶  
کو دیکھ لوں گی اگر نہ ملا تو اس شہر سے بھاگ  
چلوں گی کہنے لگی :

"ٹھیک ہے راجہ جی ! میں دو دن بعد  
آپ کو اپنا فیصلہ بتا دوں گی۔"

دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد ماریا ایک بار پھر  
شہر میں عنبر کی تلاش میں نکلی۔ راجہ کمار یعنی کالا  
بھنگم بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ دیر تک شہر کی  
گلیوں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے رہے۔ پھر تھک  
ہار کر واپس حویلی میں آ گئے۔ ماریا اپنے کمرے  
میں چلی گئی اور راجہ کمار دریا کی سیر کا بہانہ بنا کر  
اپنی ویران آسبے حویلی میں آ گیا۔ حویلی میں آتے  
ہی وہ اپنی اصلی ڈراؤنی شکل میں واپس آ گیا۔ کالی  
بھنگنی بھی وہاں آ گئی۔

کالا بھنگم بولا :

"ہو ہو۔ ہو ہو۔ وہ آدمی راضی ہو گئی ہے دو  
دن بعد پوری راضی بھی ہو جائے گی۔  
کالی بھنگنی کہنے لگی :

"ماریا اپنے جس بھائی عنبر کی تلاش میں ہے  
کوشش کرو کہ وہ اسے مل سکے۔ اگر وہ  
اسے مل گیا تو وہ یہاں سے نکل جائے گی۔"

۱۳۷  
بھنگم بولا : "ہو ہو۔ ہو ہو۔ اگر وہ مجھے مل گیا تو  
میں اسے جلا کر راکھ کر ڈالوں گا۔ نہ رہے  
ہانس نہ بچے گی ہانسری۔"

کالی بھنگنی نے کہا :  
"بھونگی پیرے سے جا کر پتہ کرو کہ اس نے  
شہر میں کسی اجنبی نوجوان کو داخل ہونے دیکھا  
ہے کہ نہیں۔"

بھنگم کہنے لگا :

"میں اسے اپنی ویران حویلی میں بلاتا ہوں۔  
ہو ہو۔ ہو ہو۔ میں اسے یہاں بلا کر پوچھوں گا۔  
اس کے ساتھ ہی کالا بھنگم غائب ہو گیا۔

ادھر ناگ بھونگی پیرے کی جھونپڑی میں مٹی کے مٹکے میں  
پڑا تھا۔ وہ کسی وقت سر باہر نکال کر پیرے کی نفل و  
حرکت کو دیکھ لیتا تھا جس وقت کالا بھنگم پیرے کے  
جھونپڑے میں آیا اس وقت ناگ مٹکے کے اندر خاموش  
پڑا تھا اور سوج رہا تھا کہ وہ ایک دن اور دیکھے گا۔  
اگر اسے کوئی سراع نہ ملا کہ بھونگی پیرے نے اس  
کے بال کیوں کاٹے تھے تو وہ یہاں سے پیلا جائیگا۔  
اور عنبر ماریا کیٹی تھوسانگ کی تلاش شروع کر دے  
گا۔ عین اس وقت کالا بھنگم بھونگی پیرے کی جھونپڑی



۱۳۸  
میں داخل ہوا۔ وہ غیبی حالت میں تھا۔ اسے پھونگی  
پسیرا بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر پھونگی پسیرے نے  
کالے بھنگم کے جسم سے اٹھنے والی تیز بو سے پتہ  
چلا لیا کہ بھنگم اس کی جھونپڑی میں آیا ہے۔ اس  
نے کہا :

"بھنگم! کہو اب کیسے آئے ہو؟"  
بھنگم نے غالتے ہوئے کہا :

"ہو ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔  
داخل نہیں ہوا؟"

ناگ کو مٹکے کے اندر ایک عجیب بے ڈھنگی سی  
آواز سنائی دی تو اس نے مٹکے میں سے سر باہر  
نکال کر دیکھا۔ کالے بھنگم غائب تھا۔ مگر چونکہ ناگ نے  
آنکھوں میں مت کال بوٹ کی سلائی لگائی ہوئی تھی  
اس لیے اس نے دیکھا کہ ایک بد وضع بے ڈھنگا پھول  
ہوئے پیٹ والا اونچا لمبا کالا سیاہ انتہائی ڈراؤنی شکل  
والا بھوت نما آدمی صرف ایک لنگوٹی پہنے جھونپڑی میں  
جھک کر کھڑا پسیرے سے باتیں کر رہا ہے۔ ناگ غور  
سے ان کی باتیں سننے لگا۔

پسیرے نے کہا :

"ابھی تک تو شہر میں کوئی نیا آدمی داخل نہیں

۱۳۹  
ہوا۔ مگر تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی ہے؟  
کالے بھنگم نے عزا کر کہا :

"تم خاموش رہو۔ جو میں پوچھوں اس کا جواب  
دو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔  
آدمی شہر میں داخل ہو تو اس پر نگاہ رکھنا  
اور مجھے آ کر خبر کر دینا۔ میں جاتا ہوں۔"

اور وہ بھوت نما کالا کلوتا آدمی ناگ کی آنکھوں  
کے سامنے جھونپڑی سے باہر نکل کر ہوا میں اڑنے لگا۔  
پسیرا اس وقت جھونپڑی سے باہر کھڑا تھا۔ ناگ تیزی  
سے مٹکے سے نکلا۔ ایک چھوٹے عقاب کی شکل بدلی  
اور اڑان بھر کر جھونپڑی سے نکل کر فضا میں کالے بھنگم  
کے پیچھے لگ گیا۔ لیکن کالا بھنگم تو آن کی آن میں  
نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ ناگ نے ادھر ادھر اڑ کر  
اسے بہت تلاش کیا مگر اسے کالا بھنگم کہیں دکھائی نہ  
دیا۔ معتمد اور زیادہ پر اسرار ہو گیا تھا۔ ضرور اس ہوائی  
بھوت نما مخلوق کا ناگ کے بالوں کی لٹ جلا نے  
سے تعلق تھا۔

ناگ تیزی سے واپس پسیرے کی جھونپڑی کی طرف  
روانہ ہوا۔ اس نے دیکھا کہ پسیرا جھونپڑی سے تھوڑے  
فاصلے پر سوکھی لکڑیاں ہوا میں سکھانے کے لیے بکھیر رہا



۱۴۰ تھا۔ ناگ جھونپڑی کے پیچھے جھاڑیوں میں اترتا۔ وہیں اس نے دوبارہ سانپ کی شکل اختیار کی اور تیزی سے رینگتا ہوا جھونپڑی کے اندر اپنے منہ میں جا کر چپ چاپ لیٹ گیا۔ اس کو افسوس تھا کہ وہ کالے بھوت کا پیچھا نہ کر سکا تھا اور وہ اس کی نظروں سے اچھل ہو گیا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ وہ کالا بھوت دوبارہ ضرور پسیرے کی جھونپڑی میں پتہ کرنے آئے گا کہ شہر میں کوئی اجنبی نوجوان آیا ہے کہ نہیں۔ اس وقت وہ اس کا کامیابی سے پیچھا کرے گا۔

ماریا راج کمار شرون کمار یعنی کالے بھنگم کی عالی شان طلسمی حویلی کے سجے ہوئے شاندار کمرے میں بیٹھی تھی۔ دونوں کنیروں اس کے بالوں میں گنگھی کرنے کے بعد بھولوں کا جھوٹا سجا رہی تھیں کہ کالا بھنگم خوبصورت راجکمار کی شکل میں داخل ہوا۔ سگراتے ہوئے ماریا کے قریب آکر بیٹھ گیا اور بولا:

”ماریا کمار! آج تمہاری مہلت کے دو دن پورے ہو گئے۔ اب تمہارا مجھ سے شادی کرنے کے بارے میں کیا فیصلہ ہے۔ یقیناً تم مجھ سے شادی کر کے ہمارا بیٹا بنا لینا چاہو گی۔“

ماریا کو خیال آیا کہ اس مصیبت سے پیچھا چھڑانے کا

۱۴۱ ایک ہی طریقہ ہے۔ اس نے اداس لہجے میں کہا: راج کمار جی! مجھ پر آپ کے اتنے احسان ہیں کہ میں ان کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔ آپ سے شادی کرنا کون لڑکی پسند نہیں کرے گی میری بھی سب سے بڑی خوش قسمتی ہوتی کہ میں آپ سے بیاہ کرتی۔ لیکن بڑے دکھ کی بات ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتی۔“

کالے بھنگم عرف راج کمار کے چہرے کا رنگ بدل سا گیا۔ اس نے تعجب سے پوچھا: ”کیوں ماریا کمار! آخر تمہیں کیا اعتراض ہے؟ کیا میں راج کمار نہیں؟ کیا میں خوبصورت اور بہادر نہیں؟“

ماریا نے آنکھوں میں نقلی آنسو بھرتے ہوئے کہا: ”یہ بات نہیں ہے راج کمار۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے تمہیں ابھی تک بتایا نہیں کہ تمہیں تمہارا دل نہ ٹوٹ جائے۔ میری شادی ہو چکی ہے۔“

کالے بھنگم کو تو ایک دھکا سا لگا۔ مگر فوراً ہی سنبھل گیا اور بولا:

”تم جھوٹ تو نہیں بول رہی ہو ماریا کمار! مجھے



لگتا ہے کہ تم مجھے ٹانے کے لیے ایسا کہہ رہی ہو۔  
 ماریا نے کہا :

”ایسی بات نہیں ہے راج کمار۔ میں پس کر رہی ہوں اگر میری شادی نہ ہوئی ہوتی تو میں بڑے شوق سے تمہارے ساتھ بیاہ کر لیتی۔ مگر کیا کروں میرا ایک خاوند پہلے سے موجود ہے جو ملک بندھا پل میں جاگیردار ہے۔ میں تمہارے ساتھ شادی کیسے کر سکتی ہوں؟“

کالے بھنگم راج کمار کو ماریا پر سخت غصہ آیا۔ مگر غصے کو اس نے ظاہر نہ ہونے دیا اور بڑا ضبط کرتے ہوئے بولا :

”اگر میں تمہارے خاوند کو قتل کر دوں تو کیا تم مجھ سے بیاہ کر لو گی؟“

ماریا نے اداکاری کرتے ہوئے پیچ کر کہا :

”نہیں نہیں۔ اگر تم نے ایسا کیا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔“

راج کمار بھنگم تو خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ بولا :

”ٹھیک ہے۔ میں تم پر زبردستی نہیں کر سکتا ماریا تم آرام کرو۔ میں پھر آؤں گا۔“

ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس راج کمار سے پیچھا

چھوٹا۔ اب ماریا نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ کل صبح حویلی سے چپکے سے نکل جائے گی۔ وہ ایک دن اور شہر میں عنبر کو تلاش کرنا چاہتی تھی۔

راج کمار سیدھا اپنی آسیبی حویلی میں گیا۔ اس نے کالی بھنگنی کو جا کر سارا ماحرا سنایا۔ بھنگنی کو بھی اپنے بھنگم کی رائے سننے اور مسالوں کے دیس پر حکومت چلانے کا بہت شوق تھا۔ بڑی فکر مند ہوئی۔ کیوں کہ جب تک ماریا اپنی مرضی سے کالے بھنگم کے ساتھ شادی پر راضی نہیں ہوتی بھنگم اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اور وہ مسالوں کے دیس کا راجہ نہیں بن سکتا تھا۔ بھنگنی کو اچانک ایک خیال آ گیا۔ اس نے بھنگم سے کہا :

حویلی والے اندھے کنوئیں میں کالا بادا رہتا ہے۔ وہ میرا چیلہ ہے۔ میں اس سے مشورہ کرتی ہوں۔ بھنگنی اسی وقت حویلی کے اندھیرے آئین میں اندھے کنوئیں کے پاس آ گئی۔ اس نے اندھے کنوئیں میں منہ ڈال کر آواز دی :

”کالے باوے۔ میری بات کا جواب دے۔“

کنوئیں میں سے ایک باریک گر کانپتی ہوئی ڈراؤنی آواز آئی۔ ”کیا بات ہے بھنگنی؟ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“



بھجگنی نے کہا :

”کیا تمہارے پاس کوئی ایسا منتر ہے جو آدمی کا ذہن بدل ڈالے اور جیسا ہم چاہیں وہ ویسا ہی کرے؟“

کنوئیں کے کالے بادے کی آواز آئی :

”بھجگنی ! یہ کام کون سا مشکل ہے۔ میرے کنوئیں

کی منڈھیر کی تھوڑی سی سوکھی مٹی لے کر اسے

جس مرد یا عورت کے سر کے بالوں میں ذرا سی

لگاؤ گی تو وہ تمہاری غلام بن جائے گی۔ تمہاری

گرویدہ ہو جائے گی۔“

بھجگنی نے کنوئیں کی منڈھیر کی تھوڑی سی خشک مٹی

اور کالے بھجگم کی کوٹھڑی میں آگئی۔

یہ مٹی جب ماریا کے سر میں ڈالی گئی تو اس پر کیا اثر ہوا؟

کیا ماریا نے کالے بھجگم سے شادی کر لی؟

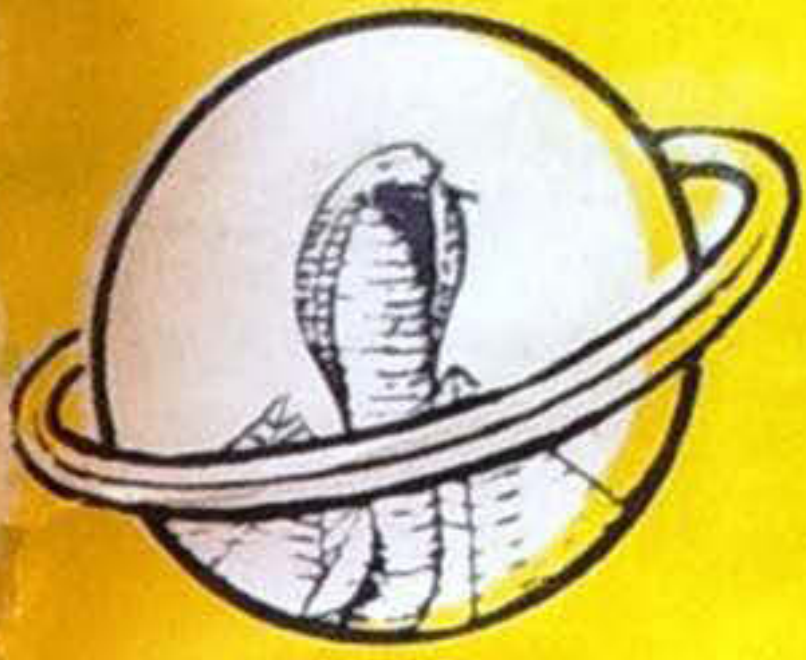
ناگ نے کالے بھجگم کا معرہ کیسے حل کیا؟

کیا ماریا اور ناگ کی ملاقات ہوئی؟

ان کا جواب آپ کو عنبر ناگ ماریا کی طرف قسط

نمبر ۱۳۱ مانگنی ناگن میں ملے گا۔





# ماریا کی زندگی

احمد

پیامِ مصلحتیہ اقرار  
۱۳- بی بی سیدہ عالم مارکیٹ لاہور-۸







# ملک جہانگیر

عقیدہ

PDFBOOKSFREE.PK





عقبہ، ناگت، ماریا اور کیتی خلا میں  
مانگنی ناگن

اے۔ حمید



پیارے دوستو!

آپ کے بے شمار خط مجھے مل رہے ہیں جن میں آپ نے وعدہ کیا ہے کہ آپ اب عنبر ناگ ماریا کی کتابیں لائبریری سے کرائے پر لے کر پڑھنے کی بجائے خرید کر پڑھیں گے تاکہ عنبر ناگ ماریا کا دلچسپ سلسلہ بند نہ ہو۔ ہم اپنے تمام دوستوں کے شکر گزار ہیں کہ وہ عنبر ناگ ماریا کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے ہمارا ہاتھ بٹا رہے ہیں کیونکہ لائبریری سے کرائے پر لے کر کتاب پڑھنے سے ہمیں سخت نقصان ہوتا ہے اور ہماری کتاب کی لکھائی چھپائی اور کاغذ کتابت وغیرہ کا خرچ بڑی مشکل سے پورا ہوتا ہے۔ جب آپ کتاب خرید کر پڑھیں گے تو ہمارا خرچ بھی پورا ہونے لگے گا اور عنبر ناگ ماریا کا دلچسپ سفر جاری رہے گا۔ ہم کتابیں چھاپتے رہیں گے اور آپ اس حیرت انگیز مزے دار تاریخی کہانی کو پڑھتے رہیں گے ہم اپنے تمام دوستوں کا ولی شکر ادا کرتے ہیں۔ آپ دوستوں کے ہاتھ بنانے سے ہی عنبر ناگ ماریا کا سفر جاری رہ سکتا ہے۔ اس تکلیف کے لئے ہم اپنے سب دوستوں سے معذرت چاہتے ہیں۔

تمہارا انکل "اسے حمید"

۴۵۴ - راہ چین - سمن آباد لاہور

۸۶ - ۱۰ - ۱۵

قیمت: ۵۰/۷

حقوق بائعہ پبلشرز محفوظ ہیں

۱۹۸۶

پبلشرز: نیا مکتبہ اقرام، ۳۳، علی شاہ عالم مارکیٹ، لاہور  
طابع: مکتبہ اقرام، لاہور



# مالنگنی ناگن

کنوئیں کی مٹی بھنگنی کے ہاتھ میں تھی  
 کالا بھنگم کو ٹھٹھری میں کھڑا تھا۔ اس نے غراتے ہوئے کہا  
 ہو ہو - ہو ہو - کیا کہا ہے کنوئیں کے باوئے  
 نے تمہیں؟  
 بھنگنی نے کنوئیں کی مٹی اسے دی اور کہا  
 اسے کسی طرح ماریا کے بالوں میں تھوڑا سا  
 لگا دو۔ وہ تمہاری غلام ہو جائے گی۔ تم جو کہو گے  
 وہ وہی کرے گی۔ وہ سب کچھ مجھول کر صرف  
 تمہاری گرویدہ ہو جائے گی پھر تم اس سے اس کی  
 مرضی سے شادی کر لینا۔  
 کانے بھنگم نے مٹی لے لی اور کہا  
 ہو ہو - ہو ہو - اگر اس مٹی نے کام نہ کیا  
 تو میں تیرا سر پاش پاش کر دوں گا۔  
 بھنگنی نے بیخچلا کر کہا۔

مالنگنی ناگن

زہریلی باؤلی

کھلا نگر کا پرانا مندر

ناگ اور جنگلی لڑکی

مگر مچھوں کا غار



تو جا کر اسے آزما کر تو دیکھ

کالا بھنگم کنوئیں کی مٹی سے کمر شہر کے کنارے والی عالیشان  
طلسمی حویلی کی طرف اڑ گیا۔ ماریا حویلی میں نہیں تھی۔ کالا بھنگم  
موجودت راجکمار مشروں کمار کے روپ میں حویلی میں داخل ہوا  
تو گونگی کنیزوں نے اشاروں سے بتایا کہ ماریا شہر میں اپنے بھائی  
کی تلاش میں گئی ہوئی ہے۔ راجکمار نے کنیزوں کو ثریت لانے  
کا اشارہ کیا اور خود حویلی کے دالان میں بچھے ہوئے پلنگ  
پر بیٹھ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر کنوئیں کی مٹی نے اپنا  
کام دکھا دیا تو وہ آج ہی ماریا سے شادی کر لے گا اور دوسری  
رات کو کالو بھٹ کے مندر میں جا کر ماریا کو مورتی پر قربان  
کر دے گا۔ اسے قربان کرنے کے لئے کالے بھنگم کو صرف  
اتنا کرنا تھا کہ ماریا مورتی کے سامنے آ جائے اور وہ پیچھے سے  
اس کے جسم میں خنجر گھونپ کر اسے مار ڈالے۔

ماریا پالکی پر شہر گئی تھی۔ اس کی پالکی حویلی کے صحن  
میں آگئی۔ وہ پالکی میں سے نکل کر دالان میں آئی تو  
سامنے پلنگ پر وہی پرانی مصیبت راجکمار بیٹھا اس کی طرف  
دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ عنبر تو کہیں نہیں  
ملا۔ اب وہ کل صبح صبح یہاں سے نکل جائے گی۔ کیونکہ  
اس وقت دن غروب ہونے والا تھا اور وہ رات کو سفر

نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے بھی اداکاری کرتے ہوئے  
راجکمار کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ راجکمار نے پوچھا کہ کیا اسے  
اس کے بھائی کا کچھ پتہ چلا؟  
ماریا نے کہا

نہیں راجکمار! میں ناامید واپس آئی ہوں۔ لگتا ہے  
میرا بھائی اس شہر میں نہیں ہے۔  
راجکمار بھنگم نے کہا

نکر کی کوئی بات نہیں ماریا کھاری۔ ہم تمہارے  
بھائی کو ضرور تلاش کر لیں گے۔  
ماریا کو راجکمار نے اپنے پاس پلنگ پر بیٹھا لیا۔ کنیزیں  
شریت لے کر آگئیں۔ راجکمار بھنگم نے خود گلاس میں  
شریت ڈال کر ماریا کو پیش کیا اور بولا۔

افسوس ماریا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ ورنہ  
تم سے بیاہ کر کے میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ  
خوش قسمت انسان سمجھتا۔  
ماریا نے کہا۔

راجکمار! میں بھی یہی سوچتی ہوں مگر کیا  
کروں مسکرا کر ماں باپ نے بچپن ہی میں  
میرا بیاہ کر دیا تھا۔



کنوئیں کی طلسمی مٹی کا سفوف بھجنگم راجکمار کے دہیں  
ہاتھ میں تھا۔ یہ ہاتھ اس نے ماریا کے پیچھے کر رکھا تھا۔  
ماریا کے بال کھلے تھے۔ کیونکہ گرمی اور حبس ہو گیا تھا اب  
ماریا کو گرمی بھی عام آدمیوں کی طرح گنتی تھی۔ بھجنگم راجکمار  
نے کنوئیں کی مٹی اپنے ہاتھوں پر مل لی اور ماریا کے بالوں  
پر مٹی والا ہاتھ پھیر کر بولا۔

ماریا! تمہارے بال بڑے خوبصورت ہیں۔ ایسے  
سنہری بال میں نے بہت کم دیکھے ہیں۔

ماریا نے کہا۔

یہ تو قدرتی بات ہے۔

اس کے ساتھ ہی ماریا کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے  
اندر کوئی شے اپنی جگہ سے ہل گئی ہے۔ اس کی آنکھوں  
کے آگے دھندلاہٹ سی آگئی۔ اس کے ذہن میں  
جیسے ایک غبار سا چھا گیا۔ اسے چکر آیا اور وہ پلنگ  
پر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ راجکمار سمجھ گیا کہ کنوئیں کی  
طلسمی مٹی نے اپنا کام دکھا دیا ہے۔ اس نے جلدی سے  
ماریا کو پلنگ پر لٹا دیا اور کنیر کے ہاتھ سے پنکھا لے  
کر اسے جھلنے لگا۔ اندر سے وہ بہت خوش تھا۔ اس  
نے میدان مار لیا تھا۔ اوپر سے وہ گھبراہٹ میں ماریا

کو بار بار آوازیں دے رہا تھا۔

اچانک ماریا کو ہوش آ گیا۔ وہ مسکرا کر راجکمار بھجنگم کو  
دیکھ رہی تھی بھجنگم تو خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ طلسمی مٹی نے  
اپنا اثر دکھا دیا تھا۔

ماریا پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گئی اور راجکمار کی طرف دیکھ  
کر بولی۔

آپ مجھے پنکھا نہ جھلیں۔ آپ کو زحمت ہو رہی  
ہو گی۔

بھجنگم راجکمار کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اس نے کہا  
یہ میرا فرض ہے ماریا کماری۔

مگر ماریا کا ذہن تو بالکل ہی بدل چکا تھا وہ تو طلسمی  
مٹی کے اثر کی وجہ سے اس بھجنگم راجکمار کی گرویدہ  
ہو گئی تھی۔ اس نے پنکھا راجکمار کے ہاتھ سے لے  
لیا اور کہا

”مہاراج! آپ مجھے کوئی خدمت بتائیں  
میں آپ کی داسی آخر یہاں کس لئے ہوں؟  
بھجنگم راجکمار تو خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ ماریا  
کا ہاتھ حتم کر بولا۔

راجکماری ماریا! میں تم سے بیاہ کرنا چاہتا ہوں



۱۰  
ماریا کا ذہن تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ شرمگئی اور بولی۔  
مہاراج! داسی اس قابل کہاں ہے کہ آپ

کی رانی بن سکے

راجہمار بھنگم خوشی سے جھوم گیا۔ بولا۔

نہیں نہیں ماریا کماری۔ تم ہمارے دل کی رانی  
ہو۔ ہم نے تم سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

ماریا نے سر جھکا دیا اور کہا

یہ میری خوش قسمتی ہوگی مہاراج۔

بھنگم راجہمار نے جلدی سے کہا

کیا تم اپنی مرضی سے میرے ساتھ شادی کر  
رہی ہو نا؟ تم کسی مجبوری کی وجہ سے تو ایسا نہیں  
کہہ رہی ہو؟

ماریا جو اپنی ساری یادداشت کھو چکی تھی بولی۔

مہاراج! مجھے مجھلا کونسی مجبوری ہو سکتی ہے  
میں اپنی مرضی سے اور بڑی خوشی سے آپ کے ساتھ  
بیاہ کرنے کو راضی ہوں۔

راجہمار بھنگم ہنگ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مسرت کے عالم  
میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا پھر ماریا کی طرف دیکھ کر بولا۔  
ہم تم سے ابھی بیاہ رہا میں گے۔ کیا تم تیار ہو

۱۱  
ماریا کماری؟

ماریا نے اچھٹے سے سر ہلاتے ہوئے کہا

کیوں نہیں مہاراج! میں آپ سے ابھی شادی  
کرنے پر تیار ہوں مجھے فخر ہوگا کہ میری شادی  
ایک راجہمار سے ہوئی ہے۔  
بھنگم راجہمار نے ماریا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے  
لیا اور کہا۔

میں ابھی بیاہ کی تیاریاں کرتا ہوں اور پنڈت  
کو بلاتا ہوں جو باقاعدہ ہمارا بیاہ کر دے گا۔  
یہ کہہ کر بھنگم راجہمار عالی شان طلسمی حویلی سے نکل  
گیا۔ وہ سیدھا اپنی پرانی ویران حویلی میں آیا اور اپنی کالی  
بھنگنی کو خوشخبری سنائی کہ ماریا اس سے شادی کر رہی ہے۔  
بھنگنی بھی خوشی سے اچھل پڑی۔ اب اس کا مسازوں کے  
دیس کی رانی بننے کا خواب پورا ہونے والا تھا۔ راجہمار  
اپنی ویران حویلی میں آتے ہی راجہمار کی بجائے کالے بھنگم  
کے روپ میں آگیا تھا اس نے کہا

میں پھونگی سپیرے کو بلاتا ہوں وہ پنڈت  
بن کر ہمارا بیاہ کرائے گا۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔  
کالے بھنگم نے اپنے حلق سے ہو ہو کی آواز نکالی



یہ آواز سپیرے کی جھونپڑی میں ناگ نے بھی سنی۔  
وہ ٹکے کے اندر تھا۔ اس نے سر نکال کر دیکھا کہ  
پھونگی سپیرا جھونپڑے سے باہر نکل رہا تھا۔ سپیرے  
نے بھنگم کی آواز سنی لی تھی اور اب وہ اس کی آواز پر  
پران حویلی کی طرف جا رہا تھا۔ ناگ بجلی کی تیزی سے  
ٹکے سے باہر نکلا اور عقاب بن کر اڑ گیا۔ اس بار وہ  
غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ سپیرا  
اسی مہوت نما آسیب کے پاس جا رہا ہے۔

پھونگی سپیرا جھونپڑی سے باہر آتے ہی غائب ہو گیا۔  
چونکہ ناگ نے اپنی آنکھوں میں مت کال بولی کی سلائی  
لگائی ہوئی تھی۔ اس لئے اسے تمام غیبی چیزیں صاف  
نظر آ جاتی تھیں۔ اس نے پھونگی سپیرے کو بھی دیکھا کہ  
مکانوں کے اوپر دونوں بازو پھیلائے اڑا جا رہا ہے۔  
ناگ اس سے کچھ فاصلے پر پیچھے پیچھے اڑا چلا آ رہا تھا۔  
ناگ نے پھونگی سپیرے کو اپنی نگاہوں میں رکھا ہوا تھا۔  
پھونگی سپیرا شام کے پھیلتے اندھیرے میں شہر کے گنجان  
علاقے میں داخل ہو کر آسیبی حویلی میں داخل ہو گیا۔

ناگ بھی حویلی کی چھت پر اتر آیا۔ اس نے ایک چھوٹے  
سے نساری سانپ کی شکل بدلی اور چھت کے بند دروازے

کی درز میں سے گزر کر حویلی کی سیڑھیاں اترنے لگا۔  
وہ پہلی منزل میں آ گیا۔ حویلی میں ہر طرف تاریکی اور آسیب  
سا چھایا ہوا تھا۔ کوٹھڑیاں بند پڑی تھیں چھتوں سے  
جائے لشک رہے تھے۔ اچانک ناگ کو ایک کوٹھڑی  
کے بند دروازے میں سے ہلکی ہلکی روشنی آتی نظر آئی۔  
ناگ تیزی سے اس طرف لپکا۔ اس نے درز میں سے  
جھانک کر اندر دیکھا۔

کوٹھڑی میں اسے وہی مہوت نما آدمی یعنی بھنگم  
کھڑا نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ٹھگنے قد کی بد صورت  
بھنگمنی بھی کھڑی تھی۔ پھونگی سپیرا بھی وہاں موجود تھا۔  
دونوں اب غیبی حالت میں نہیں تھے۔ بھنگم کہہ رہا تھا۔

پہلے تمہارے ناگ دیوتا کے بالوں کے گھچے نے  
کام دکھایا۔ اور اب کنوئیں کی مٹی نے میرا بگڑا کام  
بنا دیا ہے۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔ ماریا کماری مجھ سے  
بیاہ کرنے پر راضی ہو گئی ہے۔ تمہیں ابھی حویلی میں  
چل کر ماریا کماری کا مجھ سے بیاہ کرانا ہوگا۔

ناگ نے ماریا کا نام سنا تو اس کے کان کھڑے ہو گئے  
تو کیا ماریا اس شہر میں موجود ہے اور ان لوگوں کے  
قبضے میں ہے؟ مگر وہ اس کا بھنگم سے بیاہ کرنے



پر کیسے راضی ہو سکتی ہے؟ ناگ سوچنے لگا۔ اتنے  
میں بھونگنی نے کہا

تمہاری اس شکل پر تو کوئی عورت لعنت  
بھیجنے کو بھی تیار نہیں۔ میرا ہی حوصلہ ہے کہ تیس برس  
سے تمہارے ساتھ گزارہ کر رہی ہوں۔

بھونگنی نے طیش میں آکر کہا

یہ بک بک بند کرو۔ ہو ہو۔ ہو ہو۔ میں  
اس شکل میں نہیں بلکہ راجکمار شہون کمار کی شکل  
میں آکر ماریا کمار سے بیاہ کروں گا۔

اور ناگ کی آنکھوں کے سامنے کالا بھونگنی ایک دم  
سے ایک خوبصورت راجکمار بن گیا۔ ناگ اس شخص کی  
ذہانت اور عیاری سے بہت متاثر ہوا۔ اس کے پاس کوئی  
ظلم بھی تھا۔ مگر ناگ کی سمجھ میں ابھی تک دو باتیں نہیں  
آ سکی تھیں۔ پہلی بات یہ کہ ماریا اس جادوگر بھونگنی کے

ساتھ شادی پر کس طرح راضی ہو گئی تھی اور دوسری بات  
یہ کہ یہ شخص ماریا سے شادی کر کے کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا  
تھا۔ ناگ اس بات پر بھی حیران تھا کہ ماریا کی خوشبو  
اس شہر میں نہیں آرہی حالانکہ وہ اسی شہر میں موجود ہے۔  
کہیں دیا تو نہیں ہے کہ اس پر اس کاٹے بھونگنی نے جادو

کر دکھا ہو؟ مجھے ماریا سے ملنے کی کوشش کرنی چاہیے اور  
اس کا یہی ایک طریقہ ہے کہ میں ان لوگوں کے تعاقب  
میں رہوں۔

پھونگنی پیرا یہ کہہ کر غائب ہو کر ہوا میں بلند ہوا کہ  
میں حویلی میں جا کر شادی کا ضروری بندوبست کراتا ہوں۔  
جو آریاؤں کی رسم کے مطابق بہت ضروری ہے ناگ اس  
کے ساتھ حویلی میں جا کر ماریا سے ملنا چاہتا تھا کہ دیکھے  
اصل معاملہ کیا ہے اور ماریا پر انہوں نے کیا جادو کر دیا ہے  
کہ وہ اس کا لے بھوت کے ساتھ جس نے خوبصورت  
راجکمار کی شکل بدل رکھی ہے شادی پر تیار ہو گئی ہے پیرا  
اگرچہ غائب تھا مگر خدا کا شکر تھا کہ دادا سانپ کی مہربانی  
سے ناگ نے اپنی آنکھوں میں مت کال بوٹی کے سرمے کی  
سلائی لگا رکھی تھی اور پیرا اسے غائب ہوتے ہوئے  
بھی نظر آ رہا تھا۔

ناگ نے بھی چھوٹے عقاب کی شکل میں ہوا میں  
اڑان بھری اور پھونگنی پیرے کے پیچھے پیچھے اڑنے  
لگا۔ شہر کے کنارے پر ناگ کو ایک شاندار حویلی  
دکھائی دی۔ پیرا اس حویلی کے باہر درختوں میں اتر گیا  
اُترنے ہی اس کا لباس آریاؤں کے ان پندتوں جیسا ہو گیا



جو بیاہ شادیاں کرایا کرتے تھے۔ پیپرا حویلی میں داخل ہوا  
تو عقاب بھی ایک چھوٹے سا بپ کا روپ دھار کر حویلی  
میں گھس گیا۔ اس وقت شام کا اندھیرا گہرا ہونے لگا  
اور حویلی میں شمعیں روشن ہو گئیں۔

پھونگی پیپرا پنڈت کے بھیس میں اس کمرے میں گیا  
جہاں ماریا پلنگ پر ولہن بنی بیٹھی تھی۔ کنیزوں نے اسے  
خوب سجا بنا دیا تھا۔ نئے چمکیلے کپڑے تھے اور پھولوں کے

زیور عجب بہار وے رہے تھے۔ ناگ بھی رینگتا ہوا اس  
کمرے کی دیوار کے کونے میں آکر چھپ گیا۔ پہلی حیرانی  
و ناگ کو یہ ہوئی کہ وہ ماریا کو ظاہر حالت میں دیکھ  
رہا تھا۔ دوسری حیرانی یہ ہوئی کہ کمرے میں ماریا کی خوشبو  
کہیں بھی نہیں تھی۔ ماریا نے بھی ناگ کی خوشبو محسوس  
نہیں کی تھی اس پر کسی نے بہت زبردست ، جادو کر رکھا  
تھا۔ پنڈت کو دیکھ کر ماریا نے اسے آریاں کے طریقے  
پر جھک کر سلام کیا۔ پھونگی پیپرا جو پنڈت بنا ہوا  
تھا بولا۔

بیٹی ماریا کماری! کیا تم راجکمار شرون کمار سے  
بیاہ کرنے پر راضی ہو؟ کیا یہ بیاہ تم (اپنی) مرضی  
سے کر رہی ہو؟

ماریا نے مسکرا کر اور کچھ شرمایا کر کہا  
ہاں پنڈت جی! میں راجکمار شرون کمار کے  
ساتھ اپنی مرضی سے بیاہ کر رہی ہوں۔  
پھونگی پیپرا بولا۔

ٹھیک ہے ماریا کماری! میں شادی کے لئے  
لگن منڈپ تیار کرواتا ہوں۔  
ماریا نے پوچھا

راجکمار جی کہاں ہے؟  
پھونگی پیپرا نے کہا

وہ مندر میں پوجا کرنے گئے ہیں۔ بس ابھی  
آ جاتے ہیں

پھونگی پیپرا نے دونوں گونگی کنیزوں سے اشاروں  
میں کہا کہ وہ لگن منڈپ تیار کرانے میں ان کی مدد کریں۔  
دونوں کنیزیں پیپرا کے ساتھ چلی گئیں۔ کمرے میں ماریا  
اکیلی رہ گئی۔ ناگ فوراً انسانی شکل میں آکر ماریا کے قریب  
گیا اور بولا۔

ماریا! یہ کیا تماشا ہو رہا ہے۔

ماریا نے چونک کر ناگ کی طرف دیکھا اور بڑی بڑی  
پلکیں حیرت سے جھپکاتا کر بولی۔



تم .... تم کون ہو؟ تمہیں حویلی میں داخل ہونے کی اجازت کس نے دی؟

ناگ سمجھ گیا کہ ماریا پر طلسم کا اثر ہے اس نے کہا ہوش کرو ماریا۔ تم پر جادو کیا گیا ہے۔ میں ناگ ہوں تمہارا بھائی۔ کیا تم مجھے نہیں پہچانتیں؟ ماریا سہم کر پلنگ پر سمٹ گئی۔ میں تمہیں نہیں جانتی کہ تم کون ہو۔ یہاں سے چلے جاؤ نہیں تو میں شور مچا دوں گی۔

ناگ کو یقین ہو گیا کہ ماریا اسے بالکل نہیں پہچانتی اور وہاں ٹھہرنا وقت ضائع کرنا ہے اور وقت اس وقت بے حد قیمتی تھا ناگ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہتا تھا وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ باہر آتے ہی اس نے عقاب کی شکل میں اڑان بھری اور اتنی تیزی سے فضا میں اڑا کہ آج کا جیٹ کنکارڈ ہوائی جہاز بھی اتنی تیزی سے نہیں اڑتا ہوگا۔ پندرہ سیکنڈ کے اندر اندر ناگ شہر کی فضاؤں سے دور ایک گھنے جنگل کے اوپر آ گیا۔ ناگ ماریا کو ہر حالت میں اس جھیانک شادی اور طلسم سے بچانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اپنی زندگی کے سب سے بڑے عمل کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جنگل کے اوپر آتے ہی ناگ نے جھک کر نیچے دیکھا وہاں ایک بہت ہی گھنا درخت تھا۔ وہ جنگل کا سب سے گھنا درخت تھا۔ ناگ کے پاس وقت بہت ہی کم تھا۔ اس نے اس درخت کے اوپر سات چکر لگائے اور پھر تیر کی طرح نیچے غوطہ لگا کر درخت کے تنے کے پاس آ کر اتر آیا۔ وہ انسانی شکل میں آ گیا۔ اس نے درخت کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں ایک خفیہ منتر پڑھ کر درخت کے تنے پر پھونک ماری اور پیچ کر اتنی جھیانک اور بلند آواز نکالی کہ درخت کا پینے لگے۔ ناگ نے کہا مالنگنی ناگن! مالنگنی ناگن! مجھے تیری ضرورت ہے مالنگنی ناگن! مالنگنی ناگن! مجھے تیری ضرورت ہے۔ گھنے درخت کا بھاری بھر کم تنا لہرزنے لگا۔ سارے کھسارا درخت یوں کانپ رہا تھا جیسے بھونچال آ گیا ہو۔ ناگ زمین پر بالکل سیدھا کھڑا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں درخت کے تنے پر لگی تھیں۔ کانپتے کانپتے درخت ساکت ہو گیا۔ پھر ایک دھماکے کے ساتھ درخت کے تنے میں ایک شکاف نمودار ہو گیا۔ ناگ اس شکاف کو دیکھ رہا تھا۔ شکاف میں سے ایک ایسا سانپ نکلا جس کے سر پر عورتوں کی طرح بال تھے اور آنکھیں بھی عورتوں کی



طرح کی تھیں۔ اس نے سر پر سنہری چھوٹا سا تاج رکھا ہوا تھا۔ یہ سانپ مالگنی ناگن متھی جس کو ناگ نے زندگی میں پہلی بار اپنی مدد کے لئے بلایا تھا۔ مالگنی ناگن درخت کے شکاف سے باہر آگئی اور ناگ کے سامنے کنڈلی مار کر بیٹھ گئی۔ پھر ناگ کے سامنے تعظیم کے ساتھ اپنا بچپن دار سر جھکایا اور بولی۔

ناگ دیوتا کو مجھ مالگنی ناگن کی کیا ضرورت پڑگئی؟  
میں ناگ دیوتا کی ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔  
ناگ نے کہا

مالگنی تم جانتی ہو کہ میں نے آج تک کبھی تمہیں آواز نہیں دی۔ لیکن اب کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت پڑگئی ہے۔ بات یہ ہے کہ ماریا پر کسی جادوگر نے طلسم کر دیا ہے۔ وہ اپنی یادداشت بھی کھو بیٹھی ہے اور ایک ایسے راجہمار سے شادی کرتے والی ہے جو اصل میں ایک کالا بھوت ہے۔ اگر اس کے ساتھ ایک بار ماریا کی شادی ہوگئی تو وہ جس بھوت برت کے قبیلے میں شامل ہو جائے گی اور پھر اسے کوئی انسانی زندگی میں واپس نہ لاسکے گا۔

مالگنی ناگن نے کہا

مگر ناگ دیوتا! ماریا تو غائب رہا کرتی تھی۔ ناگ بولا۔

ایسا ہی تھا۔ مگر کالے بھوت کے طلسم کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اس کا جسم ظاہر ہو گیا ہے بلکہ وہ اپنی یادداشت بھی بھلا بیٹھی ہے وہ مجھے بالکل نہیں پہچانتی  
مالگنی ناگن نے کہا۔

ناگ دیوتا! مجھے حکم کریں کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟  
ناگ کہنے لگا۔

اس وقت شہر کے باہر ایک حویلی میں ماریا کی کالے بھوت کے ساتھ شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں میں چاہتا ہوں کہ ہر حالت میں یہ شادی رک جانی چاہیئے اور ماریا کو وہاں سے بچا لینا چاہیئے۔ وہ میری بات بالکل نہیں سنتی اس نے مجھے پہچاننے سے بھی انکار کر دیا ہے۔

مالگنی ناگن نے کہا

عظیم ناگ دیوتا! مجھے اس حویلی میں سے



ناگ فوراً عقاب کی شکل میں آگیا۔ مانگنی ناگن اس کے اوپر بیٹھ گئی۔ ناگ نے حویلی کی طرف طوفانی پرواز شروع کر دی۔ آن کی آن میں وہ مانگنی ناگن کو لے کر حویلی کے اوپر پہنچ گیا۔ اندھیری رات تھی مگر حویلی میں دیئے جل رہے تھے۔ صحن میں شادی والے منڈپ تیار کی جا رہی تھی کالا بھنگم راجکمار کے روپ میں خود سیبرے پنڈت سے منڈپ تیار کروا رہا تھا۔ منڈپ اس سے کہتے ہیں جس کے ارد گرد کیلے کی شاخیں لگائی جاتی ہیں۔ آگ جلادی جاتی ہے کیونکہ آریا لوگ آگ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ناگ نے راجکمار کی طرف اشارہ کر کے مانگنی ناگن سے کہا

یہ وہ راجکمار شرون کمار ہے جو اصل میں ایک کالا بھنگم بھوت ہے یہ ماریا سے شادی کرنے والا ہے۔  
مانگنی ناگن نے پوچھا۔

ماریا کہاں سے؟

ناگ نے کہا

وہ اس کمرے میں ہے۔

ناگ نے حویلی کے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔  
مانگنی ناگن بڑی

تم ایسا کرو کہ یہاں سے کچھ دور راستے میں جو دریا آیا تھا اس کے کنارے کیلے کے درخت کے نیچے بیٹھو۔ ماریا تمہیں اسی جگہ ملے گی۔ جلدی جاؤ۔ ناگ نے مانگنی ناگن کو حویلی کی منڈھیر پر چھوڑا اور خود تیزی سے اڑتا ہوا دریا کنارے کیلے کے درخت کی طرف اڑ گیا۔

مانگنی ناگن نے ایک نگاہ اس پاس ڈالی۔ پھر بڑی شان اور بڑے وقار سے ریگتی ہوئی اس کمرے کی طرف بڑھی جہاں ماریا دلہن بنی بڑی خوش خوش بیٹھی تھی کہ تھوڑی دیر بعد اس کا بیاہ راجکمار شرون کمار سے ہو رہا ہے۔ مانگنی ناگن نے دیکھا کہ کمرے میں خوبصورت پلنگ پر ماریا دلہن بنی بیٹھی ہے۔ دو کنیزیں اس کو پٹنگھا جھل رہی ہیں۔ مانگنی نے جاتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اپنے منہ سے ایک تیز آواز نکالی۔ یہ آواز اتنی تیز اور باریک تھی کہ دونوں کنیزوں اور ماریا کے کانوں میں گھنٹے ہی اس آواز نے ان کے اعصاب کو شل کر دیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ ماریا بھی پلنگ پر بے ہوش ہو گئی۔ مانگنی ناگن ماریا کے منہ کے پاس اپنا پھن لے گئی۔ پھر ہلکی سی پھنکار ماریا۔ پھنکار کے لگتے ہی ماریا ایک چھوٹے سے سانپ بن گئی۔



بدل گئی۔ مانگنی ناگن نے اسے اپنے منہ میں اٹھایا اور  
اچھل کر فضا میں اڑ گئی۔ رات کے اندھیرے میں وہ  
بھی ایسی تیزی سے دریا کے کنارے کیلے کے درخت  
کے نیچے گئی۔

ناگ وہاں بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا  
مانگنی ناگن نے جات ہی چھوٹے سانپ یعنی ماریا کو  
ناگ کے آگے ڈال دیا اور بولی۔

ناگ دیوتا! یہ ماریا ہے۔ یہ بے ہوش ہے  
تم اسے لے کر دریا پار والے پرانے مندر کی کوٹھڑی  
میں چلو۔ جب تک میں نہ آؤں وہیں میرا  
انتظار کرنا۔  
ناگ نے کہا۔

مگر ماریا نے سانپ کے روپ میں ہے،  
مانگنی ناگن بولی

میرے آنے پر یہ پھر سے ماریا بن جائے گی۔  
بھئی اس کا سانپ رہنا ہی بہتر ہے۔ میں واپس  
جاتی ہوں۔ وہاں دلہن ماریا کا انتظار ہو رہا ہے۔  
ناگ کی سمجھ میں میں کچھ نہ آیا کہ مانگنی ناگن کس حکمت عملی  
پر عمل کر رہی ہے۔ اس نے ماریا کو ہتھیلی پر اٹھایا اور

لے کر دریا پار والے پرانے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مانگنی  
ناگن بھی سن کی آواز کے ساتھ حصہ میں اڑ گئی۔ وہ آن کی  
آن میں واپس حویلی کے اس کمرے میں پہنچ گئی جہاں  
دونوں کنیزیں ابھی تک بے ہوش پڑی تھیں۔ مانگنی ناگن  
نے اپنے دل میں ماریا کی شکل کا تصور بٹھایا اور زور سے  
اپنے جسم پر پھینکا ماری۔ دوسرے ہی لمحے مانگنی ناگن خود  
ماریا بن چکی تھی۔ وہی ررق برق شادی والا لباس، بالوں اور  
کلائیوں میں پھولوں کے جگرے۔ آنکھوں میں کاجل۔ اس  
میں اور ماریا میں ایک ذرے جتنا بھی فرق نہیں تھا۔ مانگنی  
ناگن ماریا دلہن کے روپ میں پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اس نے  
کنیزوں کی آنکھوں پر باری باری اپنی انگلی رکھی۔ دونوں  
کو ہوش ہو گیا۔ کنیزیں بول تو سکتی نہیں تھیں۔ دلہن کو  
پلنگ پر دیکھا تو تسلی ہو گئی۔

اتنے میں راجکار بڑی سچ دھج کے ساتھ خوش خوش  
اندر داخل ہوا۔ دلہن کو دیکھ کر بولا۔

ماریا کماری! آؤ۔ شادی کی سب تیاریاں مکمل  
ہو گئی ہیں۔ پینڈت تمہاری راہ دیکھ رہا ہے۔  
مانگنی ناگن نے مسکرا کر کہا

میرے راجکار میں تو کب سے انتظار کر رہی ہوں



راجہ مار شرون کمار عرف کا لے بھنگم نے ماریا عرف مانگنی ناگنی  
کا ہاتھ بنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے چلاتا صحن میں آگیا  
جہاں منڈپ پر روشن تھی کیلے کی شاخیں لگی  
مقیس بھوور سے ہار لٹک رہے تھے پھونگی سپیرا  
پنڈت کے روپ میں بیٹھا شادی کے اشلوک پڑھتا آگ  
میں لوبان در سفید چاول ڈالتا جاتا تھا۔ اگر آپ غور کریں  
تو یہ عجیب بات تھی کہ وہاں تین انسان تھے اور ان میں  
سے کوئی بھی وہاں اپنے اصلی روپ میں نہیں تھا۔ پنڈت  
اصل میں پھونگی سپیرا تھا۔ ماریا اصل میں مانگنی ناگنی تھی اور  
راجہ مار حقیقت میں کا بھنگم تھا۔

پھونگی سپیرے نے اٹھ کر ماریا کا ہاتھ پکڑا۔ پھر راجہ مار  
اور ماریا کے دو مثالوں کے پلو آپس میں باندھے اور کہا

منڈپ کے گرد سات پھیرے لگاؤ۔

راجہ مار شرون کمار اور ماریا یعنی مانگنی ناگنی آگ کے  
گرد پھیرے لگانے لگے پنڈت سپیرا اشلوک پڑھتا جا  
رہا تھا۔ جب سات پھیرے پورے ہو گئے تو پنڈت  
نے کہا

شادی مبارک ہو۔ شادی مبارک ہو۔  
دونوں کنبیزیں دلہن ماریا یعنی مانگنی ناگنی کو ساتھ لے کر

حویلی کے کمرے میں سے گئیں۔ جب رات یمنی پھونگی  
سپیرا اور راجہ مار شرون کمار یعنی کالا بھنگم دونوں اکیلے رہ  
گئے تو بھنگم نے کہا

پھونگی! میرا خیال ہے کہ ہمیں آج رات ہی ماریا  
کو کالا بھٹ کی سورتی کے سامنے قربان کر دینا چاہیے  
اس نے اپنی مرضی سے میرے ساتھ شادی کر لی ہے  
اب ہمیں کس بات کا انتظار ہے۔  
پھونگی سپیرے نے کہا

تم بھول گئے ہو بھنگم۔ آج شنی وار ہے اور  
شنی وار کو کالا بھٹ کی قربانی نہیں دی جاسکتی۔ ہمیں  
یہ قربانی کل آدھی رات کے وقت کرنی ہوگی  
کالا بھنگم بولا۔

ٹھیک ہے۔ میں کل تک انتظار کر لوں گا کہ تم اپنی  
جھونپڑی میں جاؤ۔ کل آدھی رات سے کچھ دیر پہلے  
میری پرانی حویلی میں آجنا۔ بھنگم بھی وہیں پہنچے ہوگی۔  
میں ماریا کو لے کر پہلے پرانی حویلی میں آؤں گا۔  
سپیرا بولا۔

ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔ کل رات آئیں  
حویلی میں آؤں گا۔



راجہمار شردن کمار یعنی کالا بھنگم شادی کے بعد رسم  
 کے مطابق ماریا یعنی مانگنی ناگن کے کمرے میں آکر لیٹ  
 گیا۔ پھر اسے نیند آگئی۔ مانگنی ناگن یہاں سے اس لئے واپس  
 ناگ کے پاس نہیں جا رہی تھی کہ اسے معلوم تھا کہ یہ جو  
 بھنگم مہبوت مخلوق ہوتی ہے اگر انہیں کوئی دھوکا دے کر  
 چلا جائے تو یہ اس کا پیچھا کرتے ہیں اور اسے ہلاک کر کے  
 ہی دم لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ چاہتی تھی کہ اس بھنگم مخلوق  
 یعنی کالا بھنگم، اس کی بیوی کالی بھنگمنی اور پھونگی سپرے  
 کا قصہ ہمیشہ کے لئے پاک کر کے ہی واپس ناگ کے  
 پاس جائے۔ ان لوگوں پر کسی قسم کے زہر کا اثر نہیں  
 ہوتا۔ ان پر آگ اثر نہیں کرتی۔ ان کو ہلاک کرنے کا ایک  
 ہی طریقہ تھا کہ جب وہ کسی مورتی کے آگے اکٹھے مل کر پوجا  
 کر رہے ہوں تو مانگنی ناگن ان پر ایک ساتھ اپنے پھنکار  
 کی آگ کے شرارے پھینکے۔ اس کے سوا ان خطرناک جھوٹوں  
 کو ہلاک کرنے کا دوسرا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ یہ مانگنی ناگن  
 خوب اچھی طرح سے جانتی تھی اور ماریا کی شکل اختیار کرنے  
 ہی وہ سب کچھ سمجھ گئی تھی کہ یہ لوگ اس کے ساتھ کب  
 سلوک کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس  
 وقت کا انتظار کرے گی جب یہ لوگ اسے قربان کرنے

کے لئے کالو بھٹ کی مورتی کے سامنے لے جائیں گے۔ مانگنی  
 ناگن کو بس یہی معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ اسے کس طرح  
 قربان کریں گے۔ کیا اسے آگ میں ڈالیں گے یا اس کا دل  
 نکال کر مورتی کو پیش کریں گے۔ کچھ بھی ہو مانگنی ناگن پر  
 نہ تو تیر تلوار کا اثر ہوتا تھا اور نہ آگ ہی اسے جلا سکتی تھی  
 رات گزر گئی۔ دوسرا دن بھی گزر گیا۔ شام کے وقت کالے  
 بھنگم راجہمار نے ماریا یعنی مانگنی ناگن سے کہا کہ وہ  
 اسے ساتھ لے کر اپنی پرانی حویلی میں جانا چاہتا ہے۔ مانگنی  
 ناگن فوراً تیار ہو گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ وقت آن پہنچا ہے۔





## زیریں باؤں

کالا بھنگم یعنی راجہ مارا یہی سمجھ رہا تھا کہ ماریا اس کے ساتھ ہے۔

وہ اسے اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر پرانی حویلی میں لے گیا۔ شہر کے مگلی کوچے سنان تھے۔ مانگنی ناگن ماریا کے روپ میں گھوڑے پر خاموش بیٹھی تھی۔ حویلی انتہائی ڈراؤنی اور آسیب زدہ لگ رہی تھی۔ وہاں کالی بھنگم پہلے سے موجود تھی۔ اس وقت وہ ایک کالی کنیز کی شکل میں تھی۔ راجہ مارا نے کہا

ہم اپنی مہارانی کو مندر میں خاص شراوہ کی پرچا کے لئے لے جا رہے ہیں جو ہمارے خاندان میں پرانی رسم چل آ رہی ہے۔ چلو تم بھی ہمارے ساتھ چلو پنڈت جی پہلے سے مندر میں پہنچ گئے ہیں۔

کالی بھنگم تو ایک عرصے سے اس گھڑی کا انتظار کر رہی تھی۔ فوراً تیار ہو گئی۔ راجہ مارا یعنی کالا بھنگم، ماریا یعنی ناگن

اور کالی بھنگم حویلی سے پیدل ہی نکلے اور کالو بھٹ کے مندر کی طرف چل پڑے۔ یہ مندر حویلی کے پچھواڑے ایک دیوان جگہ پر بنا ہوا تھا۔ مندر ایک اونچی جگہ پر تھا اس کے باہر ایک چبوترہ بنا تھا جہاں لوگ اپنے مُردوں کو جلاتے تھے۔ اس چبوترے پر کسی تازے جلے ہوئے مُردے کی لٹ پڑی تھی جو ابھی تک گرم تھی۔ مندر کے پیچھے ایک بے ذہنگ سا درخت اُگا تھا جو کسی چڑیل کی طرح مندر پر بازو پھیلائے کھڑا تھا۔ مانگنی ناگن دلہن کے لباس میں راجہ مارا کے ساتھ ساتھ چلتی مندر میں آ گئی۔

مندر میں پنڈت کے روپ میں پھونگی سپیرا پہلے سے موجود تھا۔ وہ مورتی کے آگے ہاتھ باندھنے کھڑا تھا۔ مانگنی ناگن کوتلی ہوئی کہ تینوں بھنگم مخلوق مندر میں آ گئی ہیں۔ اب وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ لوگ اسے کس طریقے سے قربان کرتے ہیں۔ راجہ مارا نے کہا

ماریا! ہم دونوں اس مورتی کے بائیں سامنے کھڑے ہو کر مورتی کی پوجا کریں گے تم اپنی آنکھیں بند رکھنا۔ پنڈت اشلوک پڑے گا۔ میری کنیز اسے دہرائے گی۔ ہم دونوں آنکھیں بند کر کے خاموش کھڑے رہیں گے۔ عجیب ہے ناں؟



ناگن نے کہا

بالکل ٹھیک ہے ہمارا ج! آپ میرے پیارے  
ہیں جیسے کہیں گے ویسے ہی کروں گی۔

ماریا یعنی مانگنی ناگن کالو بھٹ کی مورتی کے سامنے  
چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ کالا بھنگم یعنی راجکمار شردن کمار  
اس کے ساتھ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ سپیرے اور  
کالی بھنگمنے نے بھجن پڑھنے شروع کر دیئے وہ دونوں  
مانگنی ناگن کی بائیں جانب کھڑے تھے۔ ماریا کو قربان کر  
دینے کی رسم شروع ہو چکی تھی اشلوک پڑھے جا رہے تھے  
مانگنی ناگن نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ پھر بھی کسی  
وقت وہ ذرا سی آنکھ کھول کر دیکھ لیتی تھی۔

اچانک اسے اپنی پیٹھ میں خنجر کا وار لگتا محسوس  
ہوا۔ بھنگم نے ایک بھیانک نعرہ لگایا اور ماریا یعنی ناگن  
کی پیٹھ میں خنجر کا دوسرا وار کر دیا۔ مانگنی ناگن تڑپ کر  
اچھلی اور ناگن کے روپ میں آگئی۔ وہ غائب ہو کر چھت  
کے ساتھ ٹکرائی۔ پھر اس کے منہ سے شکر کی گرج کی آواز  
کے ساتھ آگ کے شراروں کی پھنکار نکل۔ سب سے  
پہلے راجکمار یعنی کالے بھنگم پر پڑی اور وہ چیخ  
اچھلا اور آگ میں جلنے لگا۔ دوسری پھنکار

نے باہر کو بھاگتے ہوئے پھونگی سپیرے اور کالی بھنگمنے  
پر آگ کے انگارے بن کر پڑی۔ وہ دونوں بھی آگ میں  
جبنے لگے۔ ان تینوں کے جسموں کو آگ لگ گئی تھی۔ وہ  
چیخ رہے تھے۔ تڑپ رہے تھے۔ کالا بھنگم اب اپنے  
اصلی کالے کلوٹے بد نما روپ میں آ گیا تھا اور شعلوں میں  
پٹا فرش پر تڑپ رہا تھا۔ ناگن مانگنی نے ایک بار پھر  
ان تینوں پر اپنے منہ سے آگ کے شرارے پھینکے۔ ان  
کے جسموں کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی ان کا آگ میں  
پورے کا پورا جلنا بہت ضروری تھا۔

اب مانگنی ناگن ماریا کے روپ میں آ گئی۔ اس  
نے اپنی پیٹھ میں گھسا ہوا خنجر نکال کر باہر پھینک دیا۔  
اس کے جسم کا زخم خنجر کے نکلنے ہی اپنے آپ مل گیا۔  
اس کے جسم سے خون کا ایک قطرہ تک نہیں نکلا تھا۔  
تینوں بھنگم مخلوق آگ میں جل رہی تھی۔

مانگنی ناگن نے ناگن کا روپ اختیار کر لیا اور انسانوں  
کی دشمن مخلوق کے جلنے کا منظر دیکھنے لگی۔ وہ اس انتظار  
میں تھی کہ تینوں کے مڑوہ جسم جل کر بالکل ہو جائیں تو وہ  
دہان سے ناگ کی طرف پرواز کر جائے۔

عین اس وقت جب پھونگی سپیرے کے جسم کو آگ



لگی تو ناگ نے محسوس کیا کہ اس کی کلائی کے گرد لپیٹی ہوئی ماریا نے جو چھوٹے سانپ کی شکل میں تھی ایک جھرجھری سی لی اور ناگ کی کلائی سے اترنے کی کوشش کرنے لگی ناگ نے ابھی تک سانپ ماریا سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ کیونکہ وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔ جب اس کی حرکت کی تو ناگ نے کہا۔

ماریا! ماریا! میں ناگ ہوں۔ تم میرے

پاس ہو،

سانپ ماریا کے منہ سے اس قسم کی پھنکار نکلی جیسے وہ غصے میں ہو۔ ناگ نے سانپ ماریا کو آہستہ سے کلائی سے اتار کر اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تو سانپ ماریا نے زور سے پھنکار ماری اور ناگ کی انگلی پر ڈس دیا اور پھر اچھل کر فضا میں بلند ہوئی اور غائب ہو گئی۔ ناگ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

اس نے ادھر ادھر سانپ ماریا کو بہتیرا تلاش کیا مگر سانپ ماریا اسے کہیں دکھائی نہ دی اور جب تینوں بھینگم مخلوق کی لاشیں جیل کر رکھ ہو گئیں تو مانگن ناگن سانپ کی شکل میں حضا میں آئی اور تیزی سے پرداز کرتی دریا پار والے مندر میں پہنچ گئی۔ ناگ اسے پریشان حالت میں ملا

ناگن نے ناگ دیوتا کی پریشانی کی وجہ پوچھی تو ناگ نے کہا۔

ماریا سانپ کی شکل میں میری کلائی میں بیہوش تھی مگر نہ جانے کیا ہوا کہ تھوڑی دیر ہوئی اس کو ہوش آ گیا اور اس نے ہوش میں آتے ہی مجھے ڈس دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے جنگل میں غائب ہو گئی۔ مانگن ناگن کو تشویش ہوئی۔ ناگ نے ناگن کو کچھ پریشان دیکھ کر پوچھا کہ کیا کوئی خطرناک بات ہو گئی ہے؟ اس پر ناگن نے کہا

بہت بُری بات ہو گئی ہے ناگ دیوتا! میں نے تینوں بھینگموں کو جلا کر راکھ کر دیا ہے مگر پھونگی پیرے کا تعلق چونکہ سانپوں سے تھا۔ اس لئے اس کی بدروح اپنے جسم سے نکل کر ماریا سانپ کے جسم میں داخل ہو گئی ہے اب ماریا کا جسم خواہ سانپ کی شکل میں ہو یا کسی دوسری شکل میں پیرے پھونگی کی روح کے قبضہ میں ہوگا۔

ناگ تو مر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ صورت حال تو بہت افسوسناک تھی اس نے ناگن سے کہا۔

کیا ماریا کو واپس اس کی اصلی حالت میں



نہیں لایا جا سکتا؟ کیا اس بدروح کا کوئی توڑ نہیں ہے مانگنی ناگن؟

مانگنی نے بڑے ادب سے کہا

ناگ دیوتا! اس کا توڑ میرے پاس کوئی نہیں ہے۔ ہاں جنوبی ہند میں ایک شہر کھلانگر ہے اس شہر میں ایک دیشنومندر ہے۔ جس میں چندریکا نام کی دیوی رہتی ہے۔ وہ اصل میں ایک ناگن ہے مگر دیوداسی کو مندر میں رقص کرتی ہے اور کسی کو معلوم نہیں کہ ناگن ہے اور رات کو ناگن کی شکل بدل کر میں جا کر نہاتی ہے۔ ماریا کے جسم میں جو پیپہ چھونگی کی بدروح داخل ہوئی ہے اس کا توڑ چندریکا دیوداسی کے پاس ہے۔

ناگ بڑے غور سے مانگنی ناگن کی باتیں سن رہا تھا اس نے کہا

کیا ماریا اب سانپ کی شکل میں ہی رہے گی نہیں۔ مانگنی بولی۔ عظیم دیوتا! وہ جو چاہے بدل سکتی ہے اور غائب بھی ہو سکتی مگر ایک بات ہے۔

کونسی بات؟ ناگ نے پوچھا۔

وہ اپنی اصل شکل یعنی ماریا کی شکل میں نہیں آ سکتی۔

اس کے بعد مانگنی ناگن نے ناگ سے اجازت طلب کی۔ اسے سلام کیا اور اپنے گھٹنے درخت کے تنے میں واپس چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی ایک ہلکی آواز کے ساتھ درخت کے تنے کا شکاف بند ہو گیا۔ رات ٹوہٹنا شروع ہو گئی تھی۔ ناگ کا اب وہاں نہ رہنا بے کار تھا وہ جنوب میں واقع شہر کھلانگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مانگنی ناگن جاتے جلتے ناگ کو خبردار کر گئی تھی کہ وہ پھونگی پیپے سے ہوشیار رہے کیونکہ وہ اس سے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی موت کا انتقام ضرور لے گا۔ یہی وجہ تھی کہ ہوش میں آتے ہی ماریا سانپ نے اسے دس دیا تھا۔

ناگ عقاب کی صورت میں درختوں سے اوپر اٹھا اور ستاروں بھرے آسمان کی نیم روشنی میں جنوب کی طرف اڑنے لگا۔

دوستو! یہ تو ہم آپ کو پہلے بتا ہی چکے ہیں۔ کہ عیش اور تھیوسانگ دونوں ہی ناگ کی تلاش میں ہندوستان کے جنوب میں ملک لنکا کی طرف چلے گئے تھے۔ جبکہ ماریا



سے بچھڑنے کے بعد غنبر لوہ پور یعنی لاہور سے اکیلا  
گھوڑے پر سوار ملک بنگال کی طرف روانہ ہو گیا تھا کہ شاید  
وہاں ناگ اور ماریا کا کوئی سراغ مل جائے۔ اب ناگ  
بھلی ہوا میں اڑتا ہوا ہندوستان کے جنوب کی طرف اڑتا جا  
رہا تھا مگر اب ہم ان دوستوں کو اسی جگہ پہنچا کر ماریا  
سانپ کی طرف چلتے ہیں کہ پیہرے کی حالت میں  
سانپ کہہ رہی تھی۔ اگرچہ ماریا سانپ کے جسم میں پھونگی پیہرے  
کی بدروح تھی جو ناگ اور اس کے دوستوں کو ہلاک کر کے  
اس سے اپنی اور اپنے بھگتنگم ساتھیوں کی موت کا بدلہ  
لینا چاہتا تھا۔ لیکن ہم پھونگی پیہرے کی بدروح کو ماریا  
سانپ ہی کہہ کر پکادیں گے۔ چنانچہ ہم جب ماریا سانپ  
کھینچیں تو آپ سمجھ جائیں یہ دشمن پھونگی پیہرے کی بدروح  
ہے۔ خواہ ماریا سانپ کوئی شکل کیوں نہ بدل لے ہم  
ماریا سانپ ہی کہیں گے۔ پیہرے کی بدروح نہیں  
کہیں گے۔

اب ہم ماریا سانپ یعنی پھونگی پیہرے کی بدروح  
کی طرف آتے ہیں جو ماریا سانپ کے جسم میں گھسنے  
ناگ کو ڈسنے کے بعد لاہور کے قریب جنگل میں غائب  
کیا تھا۔ ماریا سانپ جنگل سے نکل کر فضا میں اڑنے

اور کافی بلندی پر جا کر اس نے پیچھے گھوم کر دیکھا۔ اسے  
ناگ کہیں دکھائی نہ دیا۔ ماریا سانپ خوب جانتا تھا کہ وہ  
ناگ کو ڈس کر ہلاک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ناگ ایک دیوتا  
ہے اور اس پر سانپ کے زہر کا کبھی اثر نہیں ہو سکتا۔  
سانپ ماریا چونکہ بڑے تجربہ کار اور آسیبی بھگتنگم پھونگی پیہرے  
کی بدروح تھی اس لئے اسے معلوم تھا کہ ناگ کو ہلاک کرنے  
کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ جب وہ سانپ کی شکل  
میں ہو تو اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ ماریا سانپ  
نے یہ فیصلہ کیا اور ایک چٹان کی چوٹی پر بیٹھ کر ناگ  
کا انتظار کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ ناگ اس کی تلاش  
میں اسی طرف آئے گا۔ جنوب کی طرف وہی ایک  
سڑک جاتی تھی۔

مگر ناگ بھی ماریا سانپ یعنی پھونگی پیہرے کی بدروح  
کے ہتھکنڈوں کو اپنی طرح جانتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ  
ماریا سانپ اس پر کسی آدمی کی شکل میں اس وقت حملہ  
کرے گا جب ناگ سانپ کی شکل میں ہوگا۔ پس ناگ  
نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سانپ کی شکل میں اب نہیں  
آئے گا۔ وہ عقاب ہی کے روپ میں آسمان کی بلندیوں  
پر اڑتا چلا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس چٹان کے



اوپر سے ہو کر گزر گیا۔ جس کی چوٹی پر ماریا سانپ ناگ  
کی گھات میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب دن نکل آیا اور ناگ  
کا سڑک پر اور غضا میں کہیں کوئی نشان دکھائی نہ دیا تو  
ماریا سانپ چٹان سے نیچے اتر آیا۔ ایک مشکل ماریا  
سانپ یعنی پھونگی پیرے کی بدروح کے ساتھ یہ بھی  
تھی کہ وہ ناگ دیوتا کی بُو نہیں سونگھ سکتا تھا  
اسے ناگ کو پہچان کر ہی اس پر حملہ کرنا تھا۔ مگر ماریا  
سانپ نے عہد کر رکھا تھا کہ وہ ناگ کو ہر حالت میں  
سانپ کی شکل میں پہچاننے کی کوشش کرے گا۔ اور  
کا ایک ہی طریقہ تھا کہ ماریا سانپ کسی پیرے کی شکل  
میں آکر ایک سانپ کو ہر وقت اپنے پاس رکھے تاکہ  
جب یہ سانپ ناگ دیوتا کی موجودگی سے بے چین ہو کر  
ناگ دیوتا کی طرف جائے تو وہ ناگ کو پہچان سکے۔  
بس ماریا سانپ ایک دبلے پتلے کالے کلوٹے پیرے  
کی شکل میں رہ گیا اس نے پیروں ایسے گہرے کپڑے پہن  
رکھے تھے۔ ایک ہاتھ میں بین تھی گلے میں جھولا تھا اور  
دوسرے ہاتھ کی کلائی کے ساتھ ایک سانپ لپٹا ہوا تھا  
یہ سانپ ایک طرح کا ریڈار تھا جس نے ناگ دیوتا کو  
پہچان کر پیرے یعنی ماریا سانپ کو خبردار کرنا تھا۔ ہم اس

پیرے کو بھی ماریا سانپ ہی سمجھیں گے۔ کیونکہ اصل میں  
یہ ماریا سانپ ہی ہے جس کے جسم پر پھونگی پیرے نے  
قبضہ کر رکھا ہے۔ ماریا سانپ سڑک کے کنارے کنارے  
پیدل ہی چلا جا رہا تھا۔ وہ سارا دن اور ساری رات  
چلتا رہا۔ دوسرے دن دوپہر کے بعد ماریا سانپ کو دور  
ایک آبادی نظر آئی وہ اس کی طرف بڑھا۔ وہ ایک پیرے  
کی شکل میں تھا۔ سانپ اس کی کلائی سے لپٹا ہوا تھا۔

یہ ایک قصہ تھا جس میں ایک منزلہ دو منزلہ کچے  
کے مکان تھے۔ آبادی کے باہر ایک عورت دانے بھون  
رہی تھی۔ ماریا سانپ نے قریب جا کر سلام کیا اور کہا  
بہن! میں تمہیں سانپ کا تماشہ دکھاتا ہوں  
تم مجھے تھوڑے سے بھنے ہوئے دانے دے دو۔  
عورت ناگ چڑھا کر برلی۔

میں کوئی بچی نہیں ہوں کہ سانپ کا تماشہ  
دیکھتی ہوں۔ جاؤ پہلے جنگل سے میری مہٹی کے  
لئے گھاس پھوس لاؤ۔ پھر تمہیں دانے بھون کر  
دوں گی۔

ماریا سانپ بولا۔

بہن! یہ کام تو مجھ سے نہیں ہو گا۔



عورت نے تنک کر کہا

تم کیسے مرد ہو کہ جنگل سے گھاس پھوس  
بھی نہیں لاسکتے۔ ابھی یہاں ایک آدمی آیا تھا جس  
نے میری بھٹی میں ہاتھ ڈال کر آگ کو ہلایا، چلایا  
مگر اس کا ہاتھ نہیں چلا۔ وہ بھی تو ایک مرد تھا اور  
تم ہو کہ کچھ کر نہیں سکتے۔

ماریا سانپ کے کان کھڑے ہو گئے۔ ہو نہ ہو یہ ضرور  
ناگ ہی ہو سکتا ہے۔ اس نے عورت سے پوچھا کہ وہ آدمی  
کہہ کر گیا تھا اور اس کا حلیہ کیسا تھا؟ عورت نے جو حلیہ  
بتایا وہ ناگ دیتا کا نہیں تھا مگر اس کی طاقت ناگ دیتا  
والی ہی تھی۔ عورت نے کہا کہ تھوڑی دیر ہوئی وہ اس گاؤں  
میں داخل ہوا تھا۔ ماریا سانپ جلدی سے گاؤں میں داخل  
ہو گیا اس زمانے کے گاؤں میں زیادہ لوگ نہیں ہوا  
کرتے تھے چند ایک مکان تھے جن کے باہر ایک جگہ  
لوگ تخت پر بیٹھے اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ پاس ہی  
ایک ہاتھی جھول رہا تھا اور گنے کھا رہا تھا۔ ماریا سانپ  
نے جا کر سلام کیا اور بولا۔

بھائیو! سانپ کا تماشہ دیکھو گے۔

لوگ اس وقت کام میں مصروف تھے ایک آدمی بولا۔

پیرے بھائی اس وقت ہم اپنا کام کر رہے ہیں  
پھر کبھی آکر تماشہ دکھانا۔  
ماریا سانپ نے اپنی کلائی والے سانپ کو غور سے دیکھا  
کہ وہ بے چین تو نہیں ہو رہا۔ مگر کلائی کا سانپ اسی طرح  
خاموش تھا۔ ماریا سانپ سمجھ گیا کہ یہاں ناگ دیتا کہیں  
نہیں ہے وہ سلام کر کے گاؤں سے باہر جانے والی  
سڑک پر آگیا۔

اس وقت غنبر اس گاؤں سے نکل کر مک بنگال کی  
طرف چلا جا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ناگ سے وہیں  
ضرور ملاقات ہو جائے گی یہ اس کا دل کہہ رہا تھا حالانکہ  
ناگ اس سے مغرب کی طرف ہو کر جدوتن کے جنوب  
میں شہر کلاگر کی طرف جا رہا تھا۔ غنبر گھوڑے پر سوار تھا  
اس نے ایک تندی پار کی اور اسے درختوں کے بیچ میں  
بھی ہوئی سڑک پر ایک قافلہ سفر کرتا دکھائی دیا۔ اس سارے  
اس نے ایک آدمی سے پوچھا کہ یہ قافلہ کہ طرف ہے  
تو اس نے کہا

بھائی! یہ قافلہ شہر نالندہ کی جانب جا رہا ہے

غنبر جانتا تھا کہ نالندہ شہر سے مک بنگال کی طرف شروع  
ہوتی ہے اور بنگال اس زمانے میں بھی زہریلے کوریا



اس کا گھر موڑتا تھا۔ غنبر اس قافلے کے ساتھ ہو گیا۔  
 ماربا سانپ بھی اس کے تعاقب میں چلا آ رہا تھا گاؤں  
 سے نکلے ہی اس نے اپنے آپ کو غائب کیا اور ہوا میں  
 نہ لگا۔ ایک جنگل کے اوپر سے گزر کر دوسری  
 طرف آیا تو دیکھا کہ ایک قافلہ سڑک پر چلا جا رہا ہے  
 اس قافلے میں گھوڑے بھی تھے اور اونٹ بھی۔ اونٹوں  
 پر سامان بھی لدا تھا اور عورتیں بچے بھی بیٹھے تھے۔ کچھ  
 پالکیاں بھی ساتھ چلی جا رہی تھیں ماربا سانپ نے سوچا  
 کہ ہوسکتا ہے ناگ دیوتا بھی اس قافلے میں سفر کر رہا ہو  
 اس خیال سے وہ نیچے آگیا اور قافلے کے بالکل پیچھے  
 پیڑے کی شکل میں ظاہر ہو گیا اور قافلے کے ساتھ  
 ساتھ چلنے لگا۔

اچانک اس نے محسوس کیا کہ اس کی کلائی سے پٹا  
 سانپ کچھ بے چین سا ہو رہا ہے۔ اصل میں سانپ کو  
 ناگ کے بھائی اور دوست غنبر کے جسم سے ناگ دیوتا  
 کی جلی جلی بو آنے لگی تھی جس کی وجہ سے وہ بے چین  
 ہونے لگا تھا۔ ماربا سانپ کا ماتھا ٹھنکا۔ ہونہ ہو  
 ناگ دیوتا ضرور اس قافلے کے ساتھ سفر کر رہا ہے  
 ورنہ یہ سانپ کبھی یوں بے چین نہ ہوتا۔ ماربا سانپ

سفر کرتے گھوڑوں اور اونٹوں کے پاس سے گزرنا آگے  
 کو بڑھا۔ ایک جگہ کلائی سے چمے ہوئے سانپ نے اپنا  
 چھوٹا سا پھین کھول کر ہلکی سی ٹھنڈکار ماری۔ ماربا سانپ نے  
 بڑی مکاری سے دائیں بائیں دیکھا۔ مسافر گھوڑوں اور اونٹوں  
 پر بیٹھے تھے۔ گھوڑے اور اونٹ قدم قدم قافلے کے ساتھ  
 چل رہے تھے۔ ماربا سانپ نے جو کہ پھونگی پیڑے کی  
 بدروح تھی۔ ناگ دیوتا کو دیکھا ہوا تھا۔ وہ اس کی شکل  
 پہچانتا تھا۔ اس نے ایک ایک مسافر کو غور سے دیکھا۔ ان  
 میں اسے ناگ دیوتا کہیں نظر نہ آیا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ  
 اگر ناگ دیوتا ان میں نہیں ہے تو پھر سانپ کیوں  
 بے تاب ہو رہا ہے۔ سانپ اس کی کلائی میں لہرا  
 رہا تھا۔

ماربا سانپ سوچ میں پڑ گیا۔ وہ قافلے کے ساتھ پیدل  
 چل رہا تھا۔ کلائی والا سانپ اسی طرح بے چین تھا۔ آخر یہ  
 ماجرا کیا ہے؟ یہ معمہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر  
 وہاں ناگ دیوتا نہیں ہے تو سانپ کی بے چینی کی وجہ  
 کیا ہو سکتی ہے۔ وہ خود پیرا رہ چکا تھا۔ اسے  
 معلوم تھا سانپ یونہی کبھی بے چین نہیں ہوا کرتے۔ آخر  
 اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی اس نے سانپ کو



زمین پر چھوڑ دیا اور یہ ظاہر کیا کہ سانپ اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔

وہ سانپ کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگا۔ مسافر اٹھوڑا اور گھوڑوں پر بیٹھے یہ قماشہ دیکھنے لگے کہ پیرا اپنے سانپ کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ ماریا سانپ نے بین بمانی ٹھہر کر دی۔ سانپ تیزی سے بہا بہا کر زمین پر رنگ رہا پھر وہ اس گھوڑے کی طرف بڑھا جس پر عنبر سوار تھا۔ ماریا گھوڑا سانپ کو دیکھ کر بدکا اور عنبر زمین پر گر پڑا۔ سانپ عنبر کے سامنے جا کر اپنا سہ جھکا دیا۔ ماریا سانپ فوراً سمجھ گئی یہی وہ شخص ہے جس کی وجہ سے سانپ بے چین ہو رہا تھا۔ مگر یہ ناگ دیوتا نہیں تھا۔ ماریا سانپ نے پیک سانپ کو اٹھا کر اپنے جھولے میں بند کر دیا اور عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

آپ کو چٹ تو نہیں لگی بھائی۔ میرے سانپ کی وجہ سے آپ کا گھوڑا بدک گیا۔  
عنبر نے کہا۔

نہیں بھائی۔ چوٹ نہیں لگی مگر میرا گھوڑا بھاگ گیا ہے۔ اب مجھے پیدل ہوتے ہوئے کے ساتھ سفر کرنا پڑے گا۔ تم پیروں سے ہو کیا؟

ماریا سانپ نے کہا

ہاں بھائی! میں پیروں سے ہوں۔ بنگال جا رہا ہوں وہاں سانپوں کا میلہ لگتا ہے۔ کچھ سانپ خریدوں گا سارے ملک کے پیروں کے وہاں سانپ کے کر پھرتے ہیں۔ تم کہاں جا رہے ہو؟  
عنبر نے کہا

میں بھی ملک بنگال جا رہا ہوں۔

ماریا سانپ خوش ہو کر بولا۔

یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ بنگال۔ ایک تمہارا ہمارا ساتھ رہے گا۔ کیا تم سانپوں کا میلہ دیکھنا پسند کرو گے؟

عنبر نے سوچا ہو سکتا ہے سانپوں کے میلے میں ہی ناگ کا کچھ سراغ مل جائے۔ کہنے لگا۔  
ضرور دیکھوں گا۔ یہ میلہ

ماریا سانپ اس بات سے واقف تھا کہ برسات میں بنگال میں سانپوں کا ایک میلہ لگتا ہے جہاں ملک بھر کے پیروں کے جمع ہو کر اپنے سانپوں کی نمائش کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے سانپ خریدتے ہیں۔ اس میلے میں محام آدمی کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ ماریا سانپ



کو یقین ہو گیا تھا کہ اگرچہ یہ شخص ناگ دیوتا نہیں ہے مگر ناگ دیوتا ہے اس کا کوئی تعلق۔ کوئی رشتہ نہ ہے۔ ورنہ سانپ کبھی اس کے آگے سر نہ جھکاتا۔ غنبر نے بھی سانپ کو سر جھکاتے دیکھ لیا تھا اور ظاہر ہے وہ یہی سمجھا کہ چونکہ وہ ناگ دیوتا کا بھائی ہے اور اس کے جسم سے ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی نعوشبو آتی ہے لہٰذا سانپ نے اس کو سلام کیا تھا۔ اس نے جان بولا کہ ماریا سانپ یعنی پھونگی سپیرے کی بدروح سے سلام والے سانپ کا ذکر نہ کیا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کسی کو اس کے بارے میں پتہ چلے کہ وہ غنبر ہے غیر معمولی طاقت رکھتا ہے۔

مگر ماریا سانپ اس کا پورا کموج لگانا چاہتا تھا۔ سمجھی توقع تھی کہ شاید سانپوں کے میلے میں ہی ناگ دیوتا انہیں میں نہیں نظر آجائے۔ اور اگر وہ سانپ کی شکل میں وہ اسے نہ سمجھیں چھوڑے گا اور یوں اس سے اپنا لے لے گا۔ ماریا سانپ نے دوبارہ سانپ کو اپنے جھونپڑے سے لگا لیا۔ قافلہ آگے بڑھتا گیا۔ آخر یہ لوگ نالندہ پہنچ گئے۔ یہاں سے وہ دوسرے قافلے میں شامل ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

بنگال کی سرحد شروع ہوئی تو ایک جگہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں کچھ جھونپڑیاں بنی تھیں۔ ایک دریا پاس ہی بہہ رہا تھا۔ یہاں قافلہ رک گیا تاکہ جانوروں کو پانی پلایا جاسکے۔ ماریا سانپ غنبر کے ساتھ ساتھ لگا ہوا تھا۔ ماریا سانپ نے سپیرے کے روپ میں غنبر کے ساتھ دوستی کرنے اور اس سے یہ معلوم کرنے کی بہت کوشش کی کہ وہ اصل میں کون ہے۔ کہاں کا رہنے والا ہے اور بنگال کس مقصد کو جا رہا ہے مگر غنبر نے جیسی کہ اس کی عادت تھی ماریا سانپ کو سوائے اس کے کچھ نہ بتایا کہ وہ مسافر ہے۔ بنگال کی سپیر کا شوق اسے دیاں لے جا رہا ہے۔ مگر ماریا سانپ کی تسلی نہ ہوئی۔ اسے یقین تھا کہ یہ شخص جو اپنا نام درگا داس بتا رہا ہے غیر معمولی قوت کا آدمی ہے اور ناگ دیوتا سے اس کا ضرور کوئی تعلق ہے

دریا کنارے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد قافلہ دوبارہ روانہ ہو گیا۔

آخر بنگال کا ملک آ گیا۔ یہاں ایک بڑا شہر تھا۔ شہر کے باہر ایک چھوٹی سی وادی میں ندی کے کنارے سپیروں نے اپنے عارضی جھونپڑے بنا رکھے تھے اور سانپوں کا میلہ شروع تھا۔ ماریا سانپ غنبر کو اپنے ساتھ اس میلے میں



لے گیا۔ میلے میں جتنے سپیرے تھے ان سب کے سانپ  
پٹاریوں میں بے چین ہونے لگے۔ انہیں ناگ دیوتا کی بہن  
ہی ہلکی ہلکی بو آنے لگی تھی جو سانپ باہر کھلے ہوئے تھے  
اور سپیرے بین بجا کر انہیں نچا رہا تھا وہ بھی ناچ چھوڑ  
کر عنبر کی طرف دیکھنے لگے۔ عنبر نے سوچا کہ یہاں اس  
راز فاش ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کو جو تھوڑی بہت سانپوں  
کی زبان ناگ نے سکھا رکھی تھی اس آواز میں تمام سانپوں  
کو مخاطب کر کے کہا کہ

خبردار کوئی میری طرف مت آئے میں ناگ دیوتا  
نہیں ہوں بلکہ اس کا دوست ہوں۔ اگر بتا سکتے ہو  
مجھے یہ بتاؤ کہ ناگ دیوتا کہاں ہے اسے ایک بوڑھے  
سانپ کی آواز آئی۔

عظیم ناگ دیوتا کے دوست ! ناگ دیوتا ادھر  
نہیں آئے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں  
ہے۔ ہمیں تو اس کی خوشبو آئی تو سمجھے کہ شاید ناگ  
دیوتا آگیا ہے۔

عنبر نے سانپوں کی زبان میں ہی کہا

نہیں۔ میں ناگ دیوتا نہیں ہوں۔ تم لوگ  
اپنا کام کرو اور خبردار کوئی سانپ میرے آگے

سلام نہ کرے میں کسی پر اپنی حیثیت ظاہر نہیں  
کرنا چاہتا۔

سب سانپوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ وہ ایسا ہی کریں  
گے۔ سانپ اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ جو پٹاریوں میں  
بند تھے وہ خاموش ہو گئے جو بین کی آواز پر جھوم رہے  
تھے پھر سے جھومنے لگے۔ اس وقت ماریا سانپ عنبر کو  
تلاش کرتا اس کے پاس آگیا۔ عنبر ایک جگہ گھاس پر  
بیٹھا ایک سانپ کو بین کی آواز پر مچھن پھیلانے جھومتے  
دیکھ رہا تھا۔ ماریا سانپ نے کہا

درگا واس بھائی ! میں تمہیں سارے میلے میں ڈھونڈتا  
پھر رہا تھا۔ تم یہاں بیٹھے ہو۔

عنبر نہیں چاہتا تھا کہ یہ سپیرا اس کے پیچھے لگا رہے۔ وہ  
چاہتا تھا کہ اسے تنہا چھوڑ دیا جائے اور وہ ناگ کا کھوج  
لگائے۔ مگر ماریا سانپ تو سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا  
تھا۔ وہ اسے کیسے اپنی نظروں سے اوجھل کر سکتا تھا۔ ماریا  
سانپ کو سانپوں کی بول نہیں آتی تھی۔ وہ نہ تو سانپ سے  
بات کر سکتا تھا اور نہ ہی سانپوں کی کوئی بات سمجھ سکتا  
تھا ورنہ وہ اپنے کلائی والے سانپ سے ضرور پوچھ لیتا  
کہ جس آدمی کو وہ جھک کر سلام کر رہا ہے یہ کون ہے؟



کم سانپ پر پہنچتے ہیں۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو کہ ان سانپوں کا ایک دیوتا یعنی ناگ دیوتا بھی ہوتا ہے۔

عنبر کو معلوم تھا اس لئے خاموش رہا۔ ماریا سانپ نے کہا۔

اور ہر سال ناگ دیوتا اس میلے میں شرکت کرنے آتا ہے۔

اب عنبر چونکا۔ اس کے چونکنے کو ماریا سانپ نے صاف محسوس کر لیا تھا اس نے کہا

مجھے پتہ چلا ہے کہ اس بار بھی ناگ دیوتا یہاں آیا ہوا ہے۔

عنبر نے سوچا کہ یہ شخص یونہی اپنا رعب جمانے کے لئے کہہ رہا ہے۔ اگر ناگ دیوتا یہاں میلے میں آیا ہوتا تو سانپوں

کو سب سے پہلے پتہ چل جاتا۔ مگر سانپوں نے تو عنبر کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ ناگ دیوتا میلے میں کہیں نہیں ہے۔ وہ خاموشی سے ماریا سانپ کی باتیں سنتا رہا جب

ماریا سانپ نے دیکھا کہ عنبر پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا تو اس نے ایک اور چال چلی کہنے لگا۔

مجھے ایک بوڑھے پیرے نے بتایا ہے کہ

ناگ دیوتا کے ساتھ اس کا کہا رشتہ ہے اور خود ناگ دیوتا کہاں پر ہے۔ مگر ماریا سانپ یعنی پھونگی پیرے کے بددعے کو سانپوں کی زبان نہیں آتی تھی۔ اس نے سوچا کہ چالاک سے کام لینا چاہیئے اور عنبر سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ ناگ دیوتا کہاں ہے۔ چنانچہ

سانپ عنبر کے پاس آیا اور بولا۔

درگا داس بھائی! تم یہاں بیٹھے ہو۔ ادھر آؤ۔

ایک اڑوا کا تماشہ ہو رہا ہے

عنبر وہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا مگر ماریا سانپ آنا اصرار کیا کہ اس کے ساتھ جانا ہی پڑا۔ ذرا پر درخت کے نیچے ایک کالا کلوتا بوڑھا پیلا بین

رہا تھا اور اس کے سامنے ایک بہت بڑا سانپ

رہا تھا۔ یہ اڑوا تھا۔ وہ بین کی آواز پر اپنا بچن

بائیں گھما رہا تھا۔ اسے ناگ دیوتا کے دوست کی

آگئی تھی مگر چونکہ عنبر نے انہیں منہ کر رکھا تھا

لئے اس نے عنبر کو سلام نہ کیا اور جھومتا رہا۔

ماریا سانپ بولا۔

درگا داس بھائی! یہ بہت بوڑھا سانپ

ہے۔ یہ اڑوا بن گیا ہے۔ اتنی عمر تک بہت



ناگ دوتا جیلے میں پہنچنے ہی والا ہے اور اس بار  
وہ ایک سینڈک کی شکل میں یہاں کی ایک دیوان  
باؤلی میں ظاہر ہوگا۔

عنبر کی دلچسپی ذرا بڑھی۔ کیونکہ بوڑھے پیرے ناگ دوتا  
کی نقل و حرکت کو اکثر سمجھ جایا کرتے ہیں۔ اس نے  
ماریا سانپ سے کہا

کیا تم مجھے وہ باؤلی دکھا سکتے ہو جہاں ناگ دوتا  
ظاہر ہوگا؟

ماریا سانپ جلدی سے بولا۔

کیوں نہیں۔ آؤ مسیکر ساتھ۔ یہ باؤلی یہاں

سے زیادہ دور نہیں ہے۔ وہ..... وہ سامنے

درختوں کا جھٹ دیکھ رہے ہو؟ بس انہی درختوں

کے درمیان وہ باؤلی ہے

عنبر نے سوچا کہ باؤلی دیکھنے میں کیا حرج ہے۔ ہو سکتا

ہے ناگ وہیں نمودار ہو جائے اگر وہاں سینڈک کی

شکل میں بھی پہنچ چکا ہوگا تو اسے اس کی بو آ جائے گی

وہ ماریا سانپ کے ساتھ درختوں کے جھٹ کی طرف چل

پڑا۔ وہ ایک بہت ہی پرانی باؤلی تھی جیسا کہ آپ

نے پہلے ہی پڑھا ہے باؤلی ایک قسم کا تنگ و تاریک

کنواں ہی ہوتا ہے۔ اس میں بھی قدرتی طور پر زمین کے  
اندر سے پانی آتا ہے۔ مگر یہ بڑی اندھیری ہوتی ہیں اور  
جو باؤلی دیوان ہو جائے وہاں سانپ بچھو اپنا بسیرا کر  
لیتے ہیں اور کوئی انسان اس میں سے پانی نہیں نکالتا۔ کیونکہ  
وہ پانی زہریلا ہو چکا ہوتا ہے۔ گاؤں والے یا تو باؤلی کو  
ادپر سے بند کر دیتے ہیں اور یا اس کے گرد کانٹے دار  
جھاڑیاں لگا دیتے ہیں تاکہ کوئی ادھر بھولا بھٹکا بھی نہ جا  
سکے۔ یہ باؤلی بھی دیوان ہو چکی تھی اور اس کے گرد  
گاؤں والوں نے کانٹوں والی جھاڑیاں لگا رکھی تھیں





## کلا نگر کا پیرانا مندر

عنبر باؤلی کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

ماریا سانپ پیرے کی شکل میں اس کے ساتھ ساتھ

تھا۔ اس نے کہا

یہ ہے وہ باؤلی جس میں ناگ دیوتا ظاہر ہوا  
کوئی خبر نہیں کہ وہ مینڈک کی شکل میں باؤلی میں  
پہنچ چکا ہو۔

میرا خیال ہے قریب چل کر دیکھنا چاہیے۔

عنبر نے ماریا سانپ کو نہ روکا۔ کیونکہ وہ خود قریب جا کر  
باؤلی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اگرچہ عنبر کو ناگ کی خوشبو نہیں  
آ رہی تھی لیکن اس کے دل میں ایک تجسس سا تھا۔ ایک کمرہ  
لگی تھی کہ ممکن ہے ناگ وہاں پہنچنے ہی والا ہو۔ اتنی  
دیر میں ماریا سانپ نے باؤلی کے آگے لگی کانٹوں کی جھاڑیوں  
کو ادھر ادھر ہٹا دیا اور خود باؤلی میں جھانک کر دیکھا  
اور بولا۔

درگا داس بھائی ا مجھے ایک مینڈک دکھائی

دے رہا ہے۔

عنبر بے اختیار باؤلی کی طرف بڑھا۔ ماریا سانپ پیچھے ہٹ  
گیا اور کہنے لگا۔

تم خود غور سے جھانک کر دیکھو۔ مجھے تو

پانی میں ایک بڑا سا مینڈک نظر آ رہا ہے

عنبر باؤلی پر جھک گیا اور نیچے دیکھنے لگا۔ باؤلی کی تہہ

میں پانی سیاہ نظر آ رہا تھا۔ یہ باؤلی ایسی تھی کہ اس کی منڈیر

زیادہ اونچی نہیں تھی۔ عنبر فٹا اور جھکا تو پلک جھپکنے میں پیچھے

سے ماریا سانپ نے اسے دھکا دے دیا۔ عنبر اپنا توازن

برقرار نہ رکھ سکا اور باؤلی میں گر گیا۔ وہ دھڑام سے باؤلی کے

اندھیرے پانی میں گرا۔ پانی میں گرتے ہی اس نے اپنے

آپ کو اوپر اٹھا لیا۔ اب وہ سمجھ گیا کہ یہ پسیرا اس کا

کوئی دشمن تھا جو بہانے سے اسے باؤلی کے پاس لایا تھا مگر

سوال یہ تھا کہ اس نے ایسی حرکت کیوں کی؟ اس کا جواب

بھی عنبر کو فوراً مل گیا۔ اوپر سے ماریا سانپ نے نیچے

جھانک کر کہا

سنو! میں جانتا ہوں کہ تو ناگ دیوتا کا ساتھی ہے

اگر تم مجھے یہ بتا دو کہ ناگ دیوتا کہاں ہے۔ تو میں تمہیں



ابھی اس باؤلی میں سے باہر نکال لوں گا۔ ورنہ تم  
اسی باؤلی میں ڈوب کر مر جاؤ گے اور یہاں چھپے ہو  
بچھو تمہارے جسم کو ڈنک مار مار کر چھلنی کر دیں گے  
سانپ تمہیں نہیں ڈسیں گے مگر بچھو دوں کے نام  
سے تم اپنے آپ کو نہ بچا سکو گے۔ بولو۔ ناگ  
دیوتا کہاں ہے؟

عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ پیرا ناگ دیوتا کا پتہ کیوں  
یوجھ رہا ہے آخر اس کو ناگ دیوتا کی ایسی کیا ضرورت  
پڑ گئی ہے کہ اس کی خاطر اس نے ایک انسان کو باؤلی  
میں دھکا دے دیا۔ عنبر نے آواز دی۔

ناگ دیوتا کا مجھے کیا پتہ کہ وہ کہاں ہے؟  
تو ایک معمولی مسافر ہوں۔ مجھے کیا معلوم کہ ناگ دیوتا  
کہاں ہے؟

اوپر سے ماریا سانپ کی آواز آئی

تم میرے آگے جھوٹ نہیں بول سکتے ہیں۔ ایک  
ماہر پیرا ہوں۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ سانپ  
دیکھ کر بے تاب ہو رہے تھے۔ کیونکہ تم ناگ دیوتا  
کے دوست ہو اور تمہارے جسم سے ناگ دیوتا کی ہلکی  
ہلکی خوشبو آتی ہے۔ اب میں وقت ہے۔ مجھے بتا دو

کہ ناگ دیوتا کہاں ہے۔ میں تمہیں فوراً باؤلی  
سے باہر نکال لوں گا۔  
عنبر نے کہا

ایک بار ناگ دیوتا سے میری ملاقات ضرور  
ہوئی تھی جس کے بعد میرے جسم سے بھی اس کی بو آنے  
لگی ہے مگر یقین کرو مجھے یہ بالکل علم نہیں کہ ناگ  
دیوتا کہاں پر رہتا ہے۔

ماریا سانپ نے قہقہہ لگا کر کہا

چلو۔ تم نے یہ تو مان لیا کہ ایک بار ناگ دیوتا  
تم سے ملا تھا۔ میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔ اتنی دیر  
میں تمہیں ہوش آجائے گا اور یہ بتا دو گے کہ ناگ  
اس وقت کہاں ہے۔

یہ کہہ کر ماریا سانپ باؤلی سے ہٹ گیا۔ اس نے کانٹے دار  
جھاڑیاں اسی طرح باؤلی کے ارد گرد لگا دیں اور خود درختوں  
کے جھنڈ سے نکل کر ادھر آگیا جہاں پیرے سانپوں کا تماشہ  
دکھا رہے تھے۔ ماریا سانپ نے سوچ رکھا تھا کہ وہ کچھ  
وقت گزار کر دوبارہ باؤلی پر واپس آئے گا۔ تب تک عنبر  
کا دماغ ٹھیک ہو گیا ہو گا اور وہ اس کو اپنے دوست ناگ  
دیوتا کا اتنا پتہ بتا دے گا۔



ادھر باؤلی میں گرنے کے تھوڑی دیر بعد جب عنبر نے دیکھا کہ سپیرا چلا گیا ہے تو وہ میلے میں آئے ہوئے سارے سانپوں کو بلانے ہی لگا تھا کہ باؤلی میں جو سانپ رہتا تھا وہ ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی خوشبو سونگھ کر اپنے پتھروں کے درمیان والے سوراخ سے باہر آگیا۔ اس نے دیکھا کہ ناگ دیوتا تو وہاں نہیں مگر ایک دوسرا آدلی باؤلی کے پانی میں تیر رہا ہے اور اس کے جسم سے ناگ دیوتا کی خوشبو آرہی ہے۔

عنبر نے باؤلی کے سانپ کو دیکھا تو کہا میں ناگ دیوتا کا بھائی عنبر ہوں۔

ناگ دیوتا کے دوست ہونے کے لئے اتنا ثبوت ہی کافی تھا کہ عنبر سانپ کی بولی جانتا تھا۔ باؤلی کے سانپ نے فوراً عنبر کو سلام کیا اور کہا

عظیم ناگ دیوتا کے بھائی! آپ یہاں کیسے آ گئے؟  
عنبر نے کہا

یہاں ایک سپیرا آیا ہوا ہے جو ناگ دیوتا کی کھوج میں ہے وہ مجھے ناگ دیوتا کا دشمن لگتا ہے۔ مجھ سے ناگ دیوتا کا اتنا پتہ پوچھ رہا تھا۔

میں نے نہیں بتایا تو اس نے مجھے دھوکے سے باؤلی میں گرا دیا۔

باؤلی کا سانپ غضبناک ہو کر بولا۔

عظیم ناگ دیوتا کے بھائی عنبر! اس سپیرے کی یہ جرات کہ آپ کو باؤلی میں دھکا دے؟ اور ناگ دیوتا کو نقصان پہنچانے کے بارے میں سوچے۔ آپ مجھے بتائیں وہ کون ہے میں ابھی اسے جلا کر بھسم کر دیتا ہوں۔

عنبر نے کہا۔

وہ تھوڑی دیر بعد آنے کا کہہ گیا ہے ابھی

باؤلی کی منڈیر پر ظاہر ہو گا۔

باؤلی کا سانپ کہنے لگا

تو میں باؤلی کے باہر جا کر اس کا انتظار کرتا ہوں، جونہی وہ آئے گا اسے وہیں پھونک مار کر آگ لگا دوں گا۔

عنبر بولا۔ نہیں نہیں ابھی ایسا مت کرنا۔ میں چاہتا

ہوں کہ تم کسی طرح یہ پتہ چلاؤ کہ یہ شخص اصل میں کون ہے اور اسے ناگ دیوتا کی تلاش کس لئے ہے؟



بہت بہتر محترم عنبر!

باؤلی کا سانپ اتنا کہہ کر باؤلی کی دیوار پر رینگتا ہوا باؤلی کے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ماریا سانپ یعنی مچھونگی پیرا کی بدروح پیرے کی شکل میں باؤلی کے قریب آیا۔ کانٹوں کی باڑ الگ ہٹا کر نیچے جھانکا اور بولا۔

کیا اب بھی تم ناگ دیتا کے بارے میں نہیں بتاؤ گے کہ وہ کہاں ہے؟ تم مر رہے اگر بتا دو گے تو تمہیں رسی ڈال کر ابھی باہر نکالتا دیتا ہوں۔

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری طرف باؤلی کا بھی درخت کے پیچھے سے نکل آیا جونہی وہ ماریا کی طرف بڑھنے لگا تو وہیں ٹھٹھک کر رہ گیا۔ ماریا سانپ یعنی پیرے کی جانب سے آسپی اور گرم بہریں آتی محسوس ہوئیں باؤلی کا سانپ وہیں رک کر اُدھر عنبر نے باؤلی کے پانی میں ڈوبتی لگا دی کہ جب پیرا دیکھے گا کہ میں پانی میں نہیں ہوں تو سمجھ جائے گا کہ میں ڈوب گیا ہوں اور وہ واپس چلا جائے گا اور یوں اس محبت سے جان چھوٹ جائے گی۔

کے سانپ کو تو اس کے پیچھے لگا ہی دیا ہے وہ آکر بتا دے گا کہ یہ پیرا کون تھا۔

یہ سوچ کر عنبر پانی کے نیچے باؤلی کی تہہ میں چلا گیا۔ اوپر سے ماریا سانپ عنبر کو آوازیں دیتا رہا۔ عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ ماریا سانپ کو پریشانی ہوئی کہ کہیں یہ سچ مچ یہ ناگ کا دوست مر ہی نہ گیا ہو۔ اس نے اپنے جھولے میں سے سانپ باہر نکالا۔ ایسا اس لئے کیا کہ اگر ناگ کا دوست عنبر باؤلی کے پانی میں زندہ ہوگا تو اس کی بو سے سانپ بے چین ضرور ہوگا۔ مگر اس کو معلوم ہی نہیں تھا کہ عنبر نے میلے میں پہنچتے ہی وہاں کے تمام سانپوں کو مخاطب کر کے خبردار کر دیا تھا کہ وہ نہ تو اسے آکر سلام کریں اور نہ کسی قسم کی بے چینی کا اظہار کریں۔ یہ حکم ماریا سانپ کی کلائی کے سانپ نے بھی سن لیا تھا۔ چنانچہ جب ماریا سانپ نے اسے باؤلی کی منڈیر پر رکھا تو کلائی کا سانپ خاموش بیٹھا رہا اگرچہ اسے باؤلی کے اندر سے ناگ دیتا کے دوست کی ہلکی ہلکی خوشبو آرہی تھی مگر عنبر کے حکم کے مطابق سانپ نے کسی قسم کی بے چینی نہ ظاہر کی۔ ماریا سانپ نے جب دیکھا کہ اس کا سانپ خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھا



تو اسے تشویش ہوئی کہ ناگ کا دوست باؤلی میں ڈوب  
کہ مر چکا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے جسم سے ناگ  
کی خوشبو نکلتی بند ہو گئی ہے۔ اسے بہت افسوس ہوا  
اب ناگ دیوتا کا پتہ اسے کون بتائے گا۔ اس نے سوچا  
کہ خود باؤلی میں اتر کر دیکھے۔ وہ باؤلی میں اترنے کے  
لئے اپنا کرتہ اتارنے ہی لگا تھا کہ وہاں سے علاقے  
زمیندار گزرا۔ اس نے ایک سپیرے کو باؤلی پر دیکھ  
کر بولا۔

تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ کانٹوں کی بارڈ  
ٹھا دی ہے؟ چلو ہٹو یہاں سے۔ تمہیں معلوم  
یہ میرا علاقہ ہے اور باؤلی پر لوگوں کا آنا منع ہے  
ماریا سانپ نے سوچا کہ وہ تھوڑی دیر بعد آکر باؤلی  
اترے گا۔ چنانچہ خاموشی سے واپس چلا گیا۔ زمیندار  
کانٹوں کی بارڈ کو دوبارہ باؤلی کے ارد گرد لٹا دیا  
دوران باؤلی کا سانپ فوراً نیچے باؤلی میں اتر گیا۔  
نے عنبر کو جاکر کہا

عظیم ناگ دیوتا کے بھائی! جو سپیرا  
میں باؤلی کی منڈھیر پر کھڑا تمہیں آوازیں  
باتھا اور تم سے ناگ دیوتا کا پتہ پوچھ رہا

وہ تو ایک بدروح ہے  
عنبر چونک اٹھا۔

یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟  
باؤلی کا سانپ بولا۔

میرا اندازہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا عنبر! مجھے  
اس کے جسم سے بدروح کی گرم شعاعیں اپنے جسم  
سے ٹکراتی محسوس ہوئی ہیں۔ وہ کوئی بدروح ہے۔  
اور اس نے ایسا لگتا ہے کہ کسی عورت کے جسم پر  
قبضہ کر رکھا ہے۔ جو سانپ کی شکل میں مکتی۔

عنبر اور الجھ گیا۔ عنبر نے مزید حیرانی سے پوچھا  
یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ  
اس بدروح نے جس عورت کے جسم پر قبضہ کر رکھا  
ہے وہ سانپ کی شکل میں مکتی۔

باؤلی کا سانپ کہنے لگا

عنبر! تم ناگ دیوتا کے بھائی ہو۔ تمہیں  
معلوم ہونا چاہیے کہ ہم سانپ اپنے ساتھی سانپ  
کو پہچان لیتے ہیں خواہ وہ کسی روپ میں کیوں نہ ہو  
عنبر نے جلدی سے کہا

کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ عورت جس کے جسم پر



اس پیڑے کی بدروح نے قبضہ کر رکھا ہے کہ  
ہے اور کیا اسے مار ڈالا گیا ہے یا وہ ابھی  
زندہ ہے؟

باؤلی کا سانپ بولا۔

وہ عورت زندہ ہے کیونکہ پیڑے کی بدروح  
مردہ جسم میں داخل نہیں ہوتی۔ باقی یہ سوال کہ  
عورت کون ہے؟ اس کا پتہ چلانا پڑے گا لیکن  
سے پہلے آپ یہاں سے باہر نکل کر کسی محفوظ جگہ پر  
چلیں۔ کیونکہ یہ بدروح پیڑا آپ کا بھی دشمن ہے  
ایک بار پھر یہاں آئے گا۔

باؤلی کے سانپ کو معلوم نہیں تھا کہ عنبر ابھی مر  
سکتا۔ عنبر اس عورت کا کھوج لگانا چاہتا تھا جس کے  
سانپ والے جسم پر پیڑے کی بدروح نے قبضہ  
لیا تھا۔ اس لئے وہ بولا۔

باؤلی کے اوپر سے کوئی رسی ٹسکاؤ تاکہ میں  
نکل سکوں۔

باؤلی کے سانپ نے کہا

رسی کی ضرورت نہیں میں باہر سے کچھ  
بلاتا ہوں۔ ہم ایک دوسرے کی دم پکڑ کر اس

رسی بنا کر باؤلی میں لٹک جائیں گے۔ آپ ہماری مدد  
سے باہر آجائیں گے۔

باؤلی کا سانپ تیزی سے باہر نکل گیا۔ چند لمحوں کے بعد  
باؤلی میں سات سانپ رسی کی طرح ایک دوسرے کی دمیں  
پکڑ کر لٹک گئے۔ عنبران کی مدد سے باؤلی سے نکل  
گیا۔ باؤلی کا سانپ عنبر کو لے کر وہاں سے کچھ فاصلے پر  
کوئلے کی ایک کان میں لے آیا۔ یہ ایک بے آباد  
دیران سرنگ تھی یہاں سے کبھی کوئلہ نکالا جاتا تھا  
مگر کوئلہ ختم ہو جانے کے بعد یہاں کام بند کر دیا گیا  
تھا۔ سرنگ کا منہ بھی پتھروں سے بند کر دیا گیا تھا۔ عنبر  
نے ایک جگہ سے پتھر ہٹا دیا اور باؤلی کا سانپ اسے  
سرنگ کے اندر لے آیا۔ اس نے عنبر سے کہا

اس سارے علاقے میں یہی ایک محفوظ جگہ  
ہے جہاں کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا یہاں کوئی  
نہیں آئے گا۔ آپ یہاں آرام سے بیٹھیں۔ میں  
اس پیڑے کے بارے میں پوری معلومات حاصل  
کر کے آتا ہوں۔

باؤلی کا سانپ عنبر کو کوئلے کی کان دالی سرنگ میں  
چھوڑ کر چلا گیا۔



ہوتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ تمہارا سپیرا جو ہے یہ  
ناگ دیرتا کا دشمن ہے اور اس کو مارنے نکلا ہے  
یہ بات کوئی سانپ بھی برداشت نہیں کر سکتا اس  
لئے تمہارا فرض ہے کہ مجھے بتاؤ کہ یہ آدمی اصل میں  
کون ہے۔

کلائی والا سانپ بولا۔

اگر یہ بدبخت ہمارے ناگ دیوتا کا دشمن ہے  
تو میں تمہیں یہ بتانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اصل میں  
یہ سپیرا زندہ نہیں ہے۔ یہ سپیرے پھونگی کی بدروح  
ہے جو اپنے جسم کے جل جانے کے بعد ایک ایسی  
لڑکی کے جسم میں داخل ہو گئی ہے۔ جو اتفاق سے  
اس وقت سانپ کے روپ میں تھی۔  
باؤلی کے سانپ نے پوچھا۔

یہ لڑکی کون تھی اور اسے سانپ کس  
نے بنا دیا تھا؟  
کلائی والے سانپ نے کہا۔

میں اس لڑکی کو نہیں جانتا۔ مگر اتنا ضرور  
جانتا ہوں کہ اسے جادو کے زور سے سانپ بنا  
دیا گیا تھا۔ شاید اسے کسی ناگن ملکہ نے سانپ بنایا ہو۔

وہ سیدھا اس میدان میں پہنچا جہاں ملک ملک  
پیروں نے اپنے جھونپڑے بنا رکھے تھے اور سانپوں  
تماشے ہو رہے تھے۔ وہاں کئی دوسرے سانپ بھی  
پھر رہے تھے۔ باؤلی کے سانپ نے ایک جگہ ماریا  
کو پہچان لیا۔ وہ کچھ پریشان سا بیٹھا تھا اور باؤلی  
طرف بار بار دیکھ رہا تھا۔ وہ باؤلی میں اترنے کے  
میں سوچ رہا تھا۔ آخر اس نے جب دیکھا کہ دُور  
خالی پڑی ہے تو اپنا جھولا اتار کر ایک طرف رکھا  
خود باؤلی کی طرف چل پڑا۔  
باؤلی کے سانپ نے جھولے کے پاس جا کر محسوس  
کہ اس کے اندر ایک سانپ بیٹھا ہے۔ یہ ماریا سانپ  
کی کلائی والا اس کا اپنا سانپ تھا۔ باؤلی کے سانپ  
نے سوچا کہ اس سے سپیرے کی بابت معلومات  
کرفی چاہیں۔ اس نے سانپ کو بڑے ادب سے  
کیا۔ سانپ جھولے سے باہر نکل آیا۔ باؤلی کے سانپ  
نے کہا

بھائی! تم خوب جانتے ہو کہ سانپ  
جھوٹ نہیں بولتے۔ سانپ انسانوں سے چاہے  
جتنی دشمنی رکھیں لیکن وہ ایک دوسرے



تبدیل کیا تھا مگر جب اس سپیرے کی بدروح اس میں گھس گئی تو لڑکی کی دُوح بے ہوش ہو گئی۔ اب سپیرے کی بدروح ہی اس لڑکی کی دُوح کی شکل میں زندہ ہے اور وہ کبھی سپیرا بن جاتی ہے اور کبھی غائب ہو جاتی ہے اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا مگر ناگ دیوتا تو یہاں نہیں ہے۔ یہاں تو ناگ دیوتا کا کوئی بھائی آیا ہوا ہے۔

باؤلی کا سانپ بولا۔

ہاں۔ ناگ دیوتا کے بھائی کا نام عنبر ہے یہ ساری معلومات میں عنبر ہی کے لئے جا رہا ہوں مجھے یہ بتاؤ کہ کیا کسی طرح اس سپیرے کی بدروح کو ہلاک کیا جاسکتا ہے؟

کلانی والا سانپ بولا۔

جو پہلے ہی مُردہ ہے اسے کوئی کس طرح مارے گا۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

جاتے جاتے باؤلی کے سانپ نے پوچھ لیا۔

کیا تم نے اس لڑکی کو دیکھا ہے جس کو سانپ بنا دیا گیا تھا اور جس کے جسم میں سپیرے

کی بدروح داخل ہو گئی تھی؟  
کلانی والا سانپ بولا۔

میں نے اسے دیکھا نہیں مگر سنا ہے کہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ اس کے بال سنہری تھے اور آنکھیں نیلی تھیں۔

یہ ساری باتیں باؤلی کے سانپ نے عنبر کو جا کر بتا دیں۔ لڑکی کے سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں کا سنتے ہی عنبر تو جیسے اچھل پڑا۔ یہ ضرور ماریا ہے۔ یہ ماریا کے سوائے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ باؤلی والے سانپ نے تعجب سے پوچھا  
عظیم ناگ دیوتا کے بھائی! یہ ماریا کون ہے؟  
عنبر بولا۔

یہ بھی ناگ دیوتا کی بہن ہے۔ ہم اکٹھے ہی سفر کر رہے تھے کہ ماریا ہم سے بچھڑ گئی جس طرح کہ ناگ مجھ سے بچھڑ گیا ہے۔ اس بدبخت سپیرے نے ماریا کے جسم پر قبضہ کر رکھا ہے۔  
باؤلی کا سانپ کہنے لگا۔

عنبر! ہم اس سپیرے کو ہلاک نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ ایک بدروح ہے۔ اگر ماریا کے جسم یا دُوح



پر اس پیرے نے قبضہ کر رکھا ہے تو ہمیں ماریا کو  
اس کے قبضے سے نجات دلانی چاہیے۔

عنبر بولا۔

اس نے تو میں پریشان ہوں سمجھ میں نہیں آتا  
کہ ماریا کے غیبی جسم کو جو سانپ کی شکل اختیار کر  
چکا تھا کس طرح اس شیطان کے پنجے سے نجات  
دلائی جائے۔

عنبر مزنگ میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ باؤلی کا سانپ  
پتھر کے پاس خاموش بیٹھا گہری سوچ میں تھا اتنی دیر  
ماریا سانپ باؤلی پر پہنچ کر اس کے اندر اتر گیا تھا اور  
نے پانی میں ڈوبتی لگا کر دیکھا۔ وہاں نہ عنبر تھا اور نہ  
کی مڑوہ لاش ہی تھی۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ درگا واس کہاں  
غائب ہو گیا؟ صرف اسی سے ماریا سانپ یعنی مچھونگی سپیرے  
کی بدروح کو ناگ دیتا کا سراغ مل سکتا تھا اب وہ بھی  
نہیں رہا تھا۔ ماریا سانپ باؤلی سے باہر آ گیا۔ وہ سخت  
مالیس اور جھنجھلایا ہوا تھا۔ الہ دین کا چراغ اس کے ہاتھ  
میں ہلکے نکل گیا تھا۔ اس خیال سے شاید عنبر ادھر ادھر  
کہیں باؤلی سے نکل کر چھپ گیا ہو۔ اس نے سارے میلے  
میں اسے تلاش کیا۔ پاڑیوں کی ڈھلانوں میں جا کر بھی

دیکھا مگر عنبر اسے کہیں نہ ملا۔ عنبر تو کوئلے کی اجڑی ہوئی  
کان کی سرنگ میں بیٹھا تھا۔ باؤلی کا سانپ اس کے  
پاس ہی تھا۔ دونوں ماریا کو سپیرے کی بدروح سے نجات  
دلانے کے بارے میں سوچ بچار کر رہے تھے۔ باؤلی کا  
سانپ کہنے لگا۔

عنبر! یہاں دریا کے گھاٹ میں میرا ایک  
بزرگ سانپ دوست رہتا ہے۔ اسے کچھ پرانے منتر  
بھی یاد ہیں میں اس سے جا کر مشورہ کرتا ہوں اور  
ساتھ ہی یہ بھی دیکھتا آتا ہوں کہ یہ سپیرے کی بدروح  
کہاں ہے۔

باؤلی کا سانپ چلا گیا۔ کوئلے آدھے گھنٹے بعد واپس آیا تو  
اس نے عنبر کو بتایا میرا سانپ دوست یہاں پر نہیں ہے  
اور سپیرے کی بدروح بھی غائب ہے۔ معلوم ہوتا ہے  
کہ وہ یہاں سے چلا گیا ہے

میں دیکھ آیا ہوں اس کا جھونپڑا خالی ہے  
اس کی بو بھی میلے میں کہیں سے نہیں آرہی۔

عنبر کو بڑا افسوس ہوا کہ ماریا کو وہ سپیرے کی بدروح سے  
نہ بچا سکا۔ وہ سرنگ سے باہر نکل آیا۔ اس نے سارے  
میلے میں گھوم کر ایک ایک آدمی کو غور سے دیکھا۔ اسے



ماریا سانپ کہیں نظر نہ آیا۔ وہ واقعی جا چکا تھا

سانپوں کا میلہ دو دن تک جاری رہا۔ عنبر دو دن پہلے  
میں ہی رہا کہ شاید ماریا سانپ کہیں دکھائی دے جائے  
مگر میلہ ختم ہو گیا اور ماریا سانپ اسے نہ مل سکا۔ مایوس  
ہو کر عنبر نے باؤلی کے سانپ سے کہا

دوست! اب میں جاتا ہوں۔ تمہاری مدد کا  
بہت بہت شکریہ۔

باؤلی کا سانپ بولا

میں چاہتا ہوں کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں  
اور ناگ دیوتا کے دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنے  
میں تمہاری مدد کروں۔  
عنبر نے کہا

اس کی ضرورت نہیں ہے بھائی۔ میں اکیلا ہی  
کافی ہوں تم جہاں بیٹھے ہو اسی جگہ رہو۔ اچھا اب میں  
جاتا ہوں۔

باؤلی کے سانپ نے پوچھا

تم کس طرف جاؤ گے عنبر؟

عنبر بولا۔

بنگال تو دیکھ چکا۔ اب جنوب کی طرف جاتا ہوں

شاید وہاں ناگ دیوتا یا ماریا سانپ سے ملاقات  
ہو جائے۔

عنبر نے باؤلی کے سانپ کا ایک بار چہرہ شکریہ ادا کیا  
اور اس سے اجازت لے کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا  
اور جنگل میں اس راستے پر چل پڑا جو پہاڑیوں اور  
جنگلوں میں سے گزرتا جنوب کے سطح مرتفع والے میدانوں  
کی طرف نکل گیا تھا۔ اس مقام پر ہم عنبر کو اسی جگہ  
سفر میں چھوڑتے ہیں اور خود ناگ کی طرف چلتے ہیں۔

آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ ناگ  
لوہ پور یعنی لاہور سے جنوبی ہندوستان کے شہر کملانگر  
کی طرف روانہ ہوا تھا۔ کیونکہ اسے مالنگنی ناگن نے  
بتایا تھا کہ کملانگر میں ایک پرانا مندر ہے جس کی دیوہاسی  
کا نام چندریکا ہے۔ وہی اسے ایسا منتر بتا سکتی ہے۔  
جس کی مدد سے ماریا کی رُوح پیپیرے کی بدروح سے  
نجات حاصل کر سکے گی۔ ناگ کملانگر کی طرف اڑا جا رہا  
تھا۔ کچھ دور تک تو وہ کھیتوں اور میدانوں میں پھیل  
ہی چلتا رہا۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ سفر بہت لمبا  
ہے تو عقاب کی شکل اختیار کر کے ہوا میں اڑنے لگا۔  
پیارے دوستو! آپ لوگوں نے لاہور سے آگے جنوب



کی طرف سفر نہیں کیا ہوگا۔ لاہور سے آگے جنوب  
کی طرف ہندوستان یعنی آج کا بھارت کا ملک ہے  
لاہور سے اگر آپ ملک بھارت میں داخل ہوں تو پہلے  
بھارتی پنجاب کا صوبہ آتا ہے۔ اس کے آگے یوپی  
یعنی ان کا اتر پردیش آ جاتا ہے۔ یہاں سے جنوب کی  
طرف چلیں تو مدھیہ پردیش یعنی وسطی صوبہ آ جاتا ہے  
اس سے نیچے چلتے جائیں تو بائیں جانب آندھرا پردیش آتا  
ہے۔ جہاں بہت بڑی اسلامی ریاست حیدر آباد وکن ہوا کرتی  
تھی۔ دائیں جانب مہاراشٹر آ جاتا ہے جس کا سب سے  
بڑا شہر بمبئی ہے اس کے نیچے ہندوستان کی مغربی  
گھاٹ کرناٹک اور پھر پٹنوں تک کیرالہ کا صوبہ ہے اور  
مشرقی گھاٹ میں تامل ناڈو ہے جس کا سب سے بڑا شہر  
مدراں ہے۔ اس کے بعد ہندوستان کی جنوبی ٹکون آ جاتی  
ہے اور دو سمندر مغرب اور مشرق سے اگر ایک دوسرے  
سے مل جاتے ہیں اس ٹکون پر جہاں بھارت کے ملک  
کا سرحد ختم ہو جاتی ہے۔ نیچے سری لنکا کا ملک ہے  
جو ایک بڑے جزیرے کی شکل میں ہے۔

ناگ کی منزل تامل ناڈو کا صوبہ تھا یعنی آج کے شہر  
مدراں سے آگے دریائے گوداوردی کے پار۔ جہاں کھلا ٹنگ

کا پرانا شہر آباد تھا۔ آج کا مدراس تم دوستوں نے  
نہیں دیکھا ہوگا۔ میں نے دیکھا ہے اور وہاں رہا بھی  
ہوں اور بھارت کی ٹکون تک گیا ہوں۔ یہ جگہ بہت  
دُور اور کافی فاصلے پر ہے۔ آج سے ہزاروں سال پہلے  
یہاں جولا خاندان کے راجہ حکومت کیا کرتے تھے مدراس  
کے شہر کا نام بھدرام تھا اور یہ اتنا بڑا شہر نہیں تھا۔  
یہاں دراوڑ قوم کے لوگ آباد تھے اور دراوڑ راجہ  
حکومت کرتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو کبھی موہنجودڑو  
اور ہڑپہ میں حکومت کیا کرتے تھے مگر جب آریا قوم  
نے شمال سے نیچے اتر کر حملہ کر کے ان لوگوں کو شکست  
دی تو یہ لوگ موہنجودڑو اور ہڑپہ کو چھوڑ کر جنوب  
کی طرف مہاگ گئے اور وہاں جا کر چھوٹے چھوٹے شہر  
آباد کر کے رہنے لگے۔ بھارت کے اس جنوبی علاقے میں زبردست  
بارشیں ہوتی ہیں۔ سال میں دس مہینے برسات کا موسم رہتا ہے  
گرمی اور حبس بہت ہوتا ہے۔ ناریل اور کیے کے درخت  
جگہ جگہ اُگ پڑتے ہیں۔ لوگوں کے رنگ کالے ہوتے ہیں  
اور عورتوں کے بال ناریل کا تیل لگانے کی وجہ سے کالے  
سیاہ اور بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ آج کل بھارت کے اس  
علاقے میں نال، نیسگو، کنٹر اور دوسری مقامی زبانیں



بولی جاتی ہیں۔ اس زمانے میں یہاں زیادہ تر پالی اور تامل زبان بولی جاتی تھی۔ سنسکرت اس علاقے میں ابھی نہیں آئی تھی۔ کیونکہ سنسکرت زبان حملہ آور آریہ اپنے ساتھ ہندوستان میں لائے تھے۔

یہ باتیں تو آپ نے اپنی تاریخ کی کتاب میں بھی پڑھیں ہوں گی۔ ایک بار ان باتوں کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ دوستوں کو اندازہ ہو جائے کہ ناگ کی منزل کتنی دور تھی۔ اسی لئے وہ عقاب کی شکل میں اڑا جا رہا تھا۔ وہ ایک ہی دن میں پنجاب، صوبہ اتر پردیش اور مدھیہ پردیش سے گزر گیا پھر رات ہو گئی اور ناگ نیچے جنگل کی ایک چھوٹی سی بستی میں اتر آیا۔ یہاں جھونپڑوں کے باہر بانس کے ساتھ مشعلیں جل رہی تھیں ان کی روشنی میں بھیل قوم کے جنگلی لوگ گھاس پر جھونپڑیوں کے باہر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

ناگ عقاب کی شکل میں ان سے ذرا دور ایک درخت پر اترنا تھا۔ اس کو یہ معلوم کرنا تھا کہ کھلانگر شہر دیاں سے کتنا دور ہے چنانچہ اس نے انسانی شکل بدل لی اور ان لوگوں کے پاس جا کر تامل زبان میں بولا۔ دوستو میں مسافر ہوں۔ کھلانگر جاؤں گا تم بتائیے

ہو کہ کھلانگر یہاں سے کتنی دور ہے؟

سب بھیل ناگ کی طرف حیرت سے تکیے لگے ان میں جو بوڑھا بھیل تھا اس نے ناگ کو اشارے سے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا اور پھر بولا۔

بیٹے! کھلانگر تو یہاں سے پیدل سات دن کے فاصلے پر ہے۔ گھوڑے پر چار روز لگتے ہیں راستے میں جنگلی درندوں سے بھرے ہوئے جنگل ہیں جہاں شیر سانپ اور مگر مچھ کسی انسان کو زندہ نہیں چھوڑتے۔ تم جنگل کے اس خطرناک سفر پر پیدل کیسے نکل کھڑے ہوئے؟ ناگ نے کہا۔

میرے پاس ایک گھوڑا تھا مگر وہ راستے میں کہیں بھاگ گیا۔ اب سوچتا ہوں کہ پیدل ہی جانا پڑے گا۔

بوڑھا بولا

بیٹا تم پیدل کبھی زندہ سلامت کھلانگر نہیں پہنچ سکو گے۔ راستے میں چار دریا آتے ہیں جن کا پاٹ اتنا چوڑا ہے کہ تم تیر کر بھی اسے پار نہیں کر سکتے۔ پھر دلدلوں سے بھرے ہوئے جنگل ہیں



جہاں زہریلے سانپ، خوشخوار آدم خور شیر چبیتے اور  
جنگلی ریچھ پھرتے رہتے ہیں۔  
ایک دوسرے بھیل نے کہا۔

تم ایسا کرو کہ یہاں سے یائیں جانب جنگل میں  
ندی کے ساتھ ساتھ ایک راستہ اگلے گاؤں تک  
جاتا ہے۔ وہاں سے لوگ بیل گاڑیوں اور قافلے کی  
شکل میں اگلے شہر تک جاتے ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ  
چلے جانا۔ پھر اگلے شہر کوئی دوسرا قافلہ پکڑ لینا۔ یوں تم  
حفاظت سے کملائنگر پہنچ جاؤ گے۔

ناگ کو تو اڑ کر جانا تھا۔ اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی  
نہیں تھی پھر بھی اس نے ان سب کا شکریہ ادا کیا کہ  
انہوں نے کملائنگر کا پتہ بتایا۔ ایک بھیلنی لڑکی کیلے کے  
پتے لے کر آئی۔ کیلے کے پتے اس نے آدمیوں کے سامنے  
گھاس پر بچھا دیئے۔ اس بھیلنی لڑکی نے بالوں میں پھول  
لگا رکھے تھے۔ کانوں میں چاندی کی بالیاں تھیں اور ناگ  
میں فیروزی نگینہ چمک رہا تھا۔ بڑھے بھیل نے ناگ  
سے کہا

بیٹا! ہم کھانا کھانے لگے ہیں۔ تم بھی ہمارے  
ساتھ کھانا کھاؤ اور رات ہمارے پاس ہی آرام کرو۔

صبح چلے جانا  
ناگ نے کہا

آپ کی مہربانی ہے

تم نے اپنا نام نہیں بتایا بیٹا؟ ایک دوسرے  
بڑھے بھیل نے سوال کیا  
ناگ بولا۔

میرا نام مت کال ہے۔

ناگ کو مت کال بوٹی کا نام ہی اس وقت یاد آیا  
جس کی سلائی اس نے اپنی آنکھوں میں لگا رکھی تھی جس کی  
وجہ سے وہ غائب چیزوں کو دیکھ لیتا تھا۔ کسی نے ناگ  
کے نام پر تعجب کا اظہار نہ کیا۔ بھیلنی لڑکی نے اب  
کیلے کے پتوں پر کھانا لگا دیا اور وہ سب کھانا کھانے لگے۔





## ناگ اور جنگلی لڑکی

ناگ بھی خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔  
ان کے پیچھے پہاڑی ڈھلان پر اندھیرے میں ڈوبا  
ہوا گھنا جنگل اوپر پہاڑی کی چوٹی تک چلا گیا تھا۔ یہ جنگل  
رات کے سائے میں جیسے سنت رہا تھا  
کسی کسی وقت اس جنگل کی طرف سے کسی درندے  
یا کسی اُلکے بولنے کی آواز آ جاتی تھی۔ بھیلنی لڑکی بھی  
ناگ کے قریب بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ اس نے تھوڑے  
سے چادل ناگ کے آگے کیلے کے پتے پر ڈالے تو ساتھ  
بیٹھے ہوئے ہٹے کٹے ایک جنگلی نوجوان بھیل نے سنت  
بڑا منایا اور نفرت سے بولا۔

دھوی! تم میری میری بننے والی ہو۔ تمہیں  
اس اجنبی کے آگے یوں چادل پیش نہیں کرنے  
چاہئیں تھے۔  
سب بھیل دھوی یعنی بھیلنی لڑکی کی طرف دیکھنے لگے۔ دھوی

اس بھیلنی لڑکی کا نام تھا۔ لڑکی نے شرنا کر نظریں نیچی  
کر لیں۔ ناگ نے کہا

دھوی بے چاری کا کوئی قصور نہیں دوست! اس  
نے تو مہمان کی عزت بڑھانے کے لئے ایسا کیا ہے۔  
مگر اس کا ہونے والا خاوند یعنی جنگل بھیل غصے میں آ گیا  
اور اٹھ کھڑا ہوا۔ سب بھیل کھانے کو چھوڑ کر ایک دم  
سائے میں آ گئے۔ کیونکہ جنگل بھیل نے اپنے بازو کو فضا  
میں بلند کر دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اپنے قبیلے کی  
رسم کے مطابق اس نے ناگ کو اپنے ساتھ مقابلہ کرنے  
کے لئے للکارا تھا۔ ناگ کو ابھی تک کچھ معلوم نہیں  
تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ اس نے بھی دوسروں  
کے ساتھ ہی کھانا چھوڑ دیا اور ان سب کا منہ دیکھ رہا  
تھا بھیلنی لڑکی کا چہرہ پریشان ہو گیا تھا۔

آخر ناگ نے پوچھ ہی لیا کہ آپ لوگ کھانا کیوں  
نہیں کھاتے؟ بوڑھے بھیل نے کہا

بیٹا! مجھے افسوس ہے کہ ہماری بچی نے تمہارے  
آگے اپنے ساتھ سے چادل پیش کر کے تمہیں زندگی  
اور موت کے امتحان میں ڈال دیا ہے۔  
ناگ نے بھیلنی کے ہونے والے خاوند کی طرف دیکھا۔



ناگ تو سٹ پٹا کر رہ گیا۔ کہنے لگا۔

مگر میں کسی سے مقابلہ کرنے کو تیار نہیں

یہ غلط بات ہے۔ میں مقابلہ کرنے سے انکار کرتا ہوں۔

بھیل نوجوان نے ناگ کی طرف نفرت سے دیکھا۔ اور کہا۔

بزدل! تم اس قابل نہیں کہ میری ہونے والی

میری کے پاس بیٹھ سکو۔ تم مرد نہیں ہو۔ مگر میں

بہادر مرد ہوں۔ میں اپنی عزت کے لئے تم سے مقابلہ

کروں گا اور یا خود مر جاؤں گا یا تمہیں مرنا ہوگا۔

ناگ نے ایک بار پھر بڑی نرمی سے اس غصیلے بھیل نوجوان

کو سمجھانے کی کوشش کی تو وہ جنگلی طیش میں آگیا اور

اس نے ناگ کو گالی دے دی۔

گالی ناگ کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا چہرہ

ایک دم سرخ ہو گیا۔ آنکھوں سے آگ کے شرارے سے

برسنے لگے۔ قریب تھا کہ وہ سانپ بن کر اس جنگلی آدمی

کو بھسم کر ڈالتا کہ ناگ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا کیونکہ

وہ ان لوگوں کا نمک کھا چکا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ

ان میں سے کسی کو ہلاک کرے۔ ناگ نے بڑی مشکل

ایک طرف ہٹ کر کیلے کے درخت کے پاس کھڑا ہو گیا تھا اور بالسن پر لٹکی ہوئی مثالیں نکال کر اس نے زمین پر گھاڑ دی تھیں جن کی روشنی زمین پر پڑنے لگی تھی اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا

میدان میں آ جاؤ تاکہ میں تم سے اپنی تربیت کا بدلہ لے سکوں یا میں مر جاؤں یا تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں۔

ناگ نے بوڑھے بھیل کی طرف دیکھ کر کہا۔

بابا! یہ سب کچھ کیا ہے؟

بوڑھے بھیل نے اخروس کے ساتھ کہا

بیٹا! تم ہمارے مہمان ہو۔ ہم کبھی بھی

نہیں چاہتے کہ ہمارے کسی مہمان کے ساتھ ایسا

سلوک کیا جائے لیکن دھونی نے حماقت کر کے تمہیں

اور خود ہمیں بھی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ اس

کے ہونے والے خاوند نے اپنی عزت بچانے کے لئے

تمہیں مقابلے کی دعوت دے ڈالی ہے اور ہمارے

قبیلے کی مقدس رسم کے مطابق اب تمہارا اور اس

کا مقابلہ ہوگا۔ جو زندہ بچ گیا وہی دھونی سے

شادی کرے گا۔



کے سامنے دس قدموں کے فاصلے پر بھیلی کا ہونے والا خاوند جنگلی بھیل کھڑا تھا۔ ناگ نے ایک بار پھر بلند آواز میں سوال کیا

ہمیں کس طریقے سے مقابلہ کرنا ہوگا؟  
سب لوگ خاموش ہو گئے۔ رات پہلے ہی سنان تھ۔ بوڑھے بھیل نے ناگ کی طرف منہ کر کے کہا  
اجنبی نوجوان! تم دونوں کے درمیان ایک مٹی کا گھڑا لاکر رکھا جائے گا۔ اس گھڑے میں اس

علاقے کا سب سے زہریلا سانپ مہاشیر بند ہے۔ تم دونوں کو باری باری اس گھڑے میں ہاتھ ڈال کر اس زہریلے سانپ کو گودن سے پکڑ کر باہر نکالنا ہوگا۔ جو سانپ کو باہر نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور سانپ نے اسے نہ کاٹا وہی دھوی بھیلی سے شادی کرنے کا حقدار ہوگا۔ جس کو سانپ نے ڈس لیا وہ فوراً مر جائے گا۔ کیونکہ یہ سانپ اتنا زہریلا ہے کہ جس کو کاٹے وہ پانی بھی نہیں مانگتا اور وہیں گر کر مر جاتا ہے۔

ناگ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر خنجروں یا نیزوں کی جنگ کرنی پڑی تو اسے زخم لگ سکتا تھا۔ وہ زخمی ہو سکتا تھا۔ سانپ کو گھڑے سے باہر

سے ضبط کیا۔ مگر اب وہ مقابلے کے لئے تیار ہو چکا تھا وہ بھی اٹھ کر دونوں مشعلوں کے درمیان آگیا اور بولا۔

مجھے کیا کرنا ہوگا۔ کیا ہمیں خنجروں سے لڑائی کرنی ہوگی یا نیزوں سے جنگ کرنی ہوگی؟  
سارے جنگلی بھیل ان کے گرد دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے۔ نوجوان بھیلی دھوی بھی ایک طرف اس چہرہ کے کھڑی تھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ اجنبی مہمان نوجوان اس مقابلے میں زندہ نہیں بچ سکے گا۔ اس سخت افسوس ہو رہا تھا کہ اس کی وجہ سے یہ نوجوان اجنبی موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ کاش! وہ اس کے آگے اپنے چاول نہ رکھتی۔ مگر اس نے تو مہمان کی عزت بڑھانے کے لئے ایسا کیا تھا۔ بھیلی لڑکی دھوی سخت افسوس کے ساتھ کھڑی تھی۔

دو بوڑھے بھیل ایک طرف آکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے تیسے والوں کو پیچھے پیچھے ہٹ جانے کو کہا۔ سب پیچھے پیچھے ہٹ گئے۔ میدان میں جگہ کھلی ہو گئی۔ وہاں چارہ اور مشعلیں لاکر گاڑ دی گئیں۔ کھلی جگہ دن کی طرح روشن ہو گئی۔ ایک طرف ناگ کھڑا تھا۔ اس



نکالتے کا معاملہ کھلا تو ناگ بے فکر ہو گیا۔ مگر وہ بے  
بھلی نہیں چاہتا تھا کہ نوجوان جنگلی بھیل موت کا شکار ہو  
بوڑھے بھیل نے ڈھول بجا کر حکم دیا کہ جھونپڑے  
سے ہاشیر سانپ کے گھڑے کو نکال کر باہر لایا جائے۔ اسی  
وقت دو بھیل ایک جھونپڑے کی طرف بھاگے۔ جب باہر  
نکلے تو انہوں نے ایک گھڑا اٹھایا ہوا تھا جس کا منہ کپڑے  
سے بند تھا۔ انہوں نے یہ گھڑا میدان میں لا کر ناگ  
اور جنگلی نوجوان کے درمیان رکھ دیا جنگلی نوجوان نے چلا کر  
ناگ سے کہا۔

مت کال! تم نے میری توہین کرنے میں پہل کی ہے  
اب گھڑے میں ہاتھ ڈال کر سانپ پکڑنے میں بھی تم  
پہل کرو گے۔ گھڑے میں ہاتھ ڈال کر سانپ کو باہر نکالو۔  
ناگ نے بوڑھے بھیل کی طرف دیکھا اور کہا

بابا! کیا یہ مقابلہ رکوایا نہیں جاسکتا۔ میں معافی  
مانگ لیتا ہوں۔

اس پر جنگلی نوجوان غضبناک ہو کر گر جا

خبردار جو معافی کا نام لیا۔ میری توہین کا بدلہ اسی  
طرح چکایا جاسکتا ہے کہ یا تم نہیں یا میں نہیں۔ ڈالو  
گھڑے میں ہاتھ۔

ناگ نے جنگلی نوجوان کی طرف دیکھا۔ مشعلوں کی روشنی  
میں اس کا گہرا سالوا چہرہ انکارے کی طرح ٹمٹما رہا  
تھا۔ اس نے کہا

اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں تیار ہوں۔  
ناگ گھڑے کی طرف بڑھا۔ گھڑے کے اندر نہر ہلا  
ہاشیر سانپ تو پہلے ہی سے بے تاب ہو رہا تھا اس نے  
ناگ دیوتا کی خوشبو سونگھ لی تھی۔ ناگ نے گھڑے کے  
پاس جا کر محسوس کیا کہ اندر سانپ اسے سلام کرنے کے لئے  
بے چین ہو رہا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان لوگوں پر یہ  
بھید کھلے کہ وہ ناگ دیوتا ہے۔ چنانچہ اس نے گھڑے  
پر جھک کر سانپوں کی زبان میں سانپ سے کہا۔

خبردار! مجھے ہرگز سلام مت کرنا۔ کسی کو پتہ نہیں  
چلنا چاہیے کہ میں ناگ دیوتا ہوں۔

گھڑے میں ہاشیر سانپ جو بے چینی سے بل کھا رہا تھا اور باہر  
نکل کر ناگ دیوتا کو سلام کرنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا ایک دم  
خاموش ہو گیا۔ ناگ نے آہستہ سے گھڑے کے منہ پر بندھا  
ہوا کپڑا کھول دیا۔ جنگلی بھیل جیسے ساکت ہو گئے۔ سب  
کی نظریں ناگ پر لگی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ ناگ سانپ  
کو پکڑنے کے لئے جونہی گھڑے کے اندر ہاتھ ڈالے گا سانپ



اسے ڈس دے گا اور یہ بے چارہ سیدھا ساوا اجنبی  
نوجوان دیکھتے ہی دیکھتے ہلاک ہو جائے گا۔

ناگ نے اپنا ہاتھ گھڑے میں ڈال دیا۔ بھیلنی لڑکی دھوی  
کے حلق سے ہلکی سی پیچھ نکال گئی۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے یہ  
نوجوان مت کال موت کے منہ میں جا رہا تھا اسے اپنی غلطی کا  
شدید احساس ہو رہا تھا۔ پھر سب لوگوں کے منہ مارے حیرت  
کے کھلے کھلے رہ گئے۔ ان سب کو جیسے سانپ نے سونگھ  
یا تھا۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کیونکہ ناگ  
نے گھڑے میں سے زہریلے سانپ کو گروں سے پکڑ کر باہر  
نکال لیا تھا۔ زہریلا مہاشیر سانپ ناگ کے ہاتھ میں تھا اور  
اس نے اپنا ہاتھ مشعل کی روشنیوں میں بلند کر دیا تھا۔ وہ  
سب کو گروں سے پکڑا ہوا سانپ دکھا رہا تھا۔ بوڑھا بھیل  
مارے حیرت کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دونوں بازو بلند  
کئے اور کہا

اجنبی نوجوان مت کال نے سب کے سامنے مہاشیر  
سانپ کو گھڑے سے باہر نکال لیا ہے اور سانپ نے اسے  
نہیں کاٹا۔ سب دیکھ لیں۔

پھر ناگ کی طرف مخاطب ہو کر کہا

مت کال! سانپ کو گھڑے میں ڈال دے اب

ہمارے نوجوان کی باری ہے۔

بھیلنی بھی پھٹی پھٹی نکاہوں سے ناگ کو تک رہی تھی  
اسے جہاں اس بات کی خوش ہوئی کہ اس کی وجہ سے جہاں نوجوان  
کو موت آنی تھی وہ ٹل گئی ہے۔ وہاں اب اسے یہ غم  
نکھال کرنے لگا تھا کہ یہ سانپ اس کے منگیتر کو ضرور  
ڈس دے گا۔ کیونکہ آج تک جتنے مقابلے بھی ہوئے تھے  
ان میں جس پہلے نوجوان نے گھڑے میں ہاتھ ڈالا تھا وہ  
سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہو گیا تھا۔

ناگ نے سانپ کو واپس گھڑے میں ڈال کر اس کا منہ  
پکڑے سے بند کر دیا اور وہ بوڑھے بھیل کی طرف دیکھ کر بولا۔  
بابا! میں یہاں مقابلہ ختم کر دیتا چاہتا ہوں۔

تم کون ہوتے ہو ایسا کرنے والے؟ جنگلی نوجوان نے  
پیچھ کر کہا۔ خبردار تم میری توہین کر رہے ہو۔ میں تمہیں  
اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں  
تمہیں سانپ پکڑ کر دکھاتا ہوں۔

جنگلی نوجوان یعنی بھیلنی کا منگیتر گھڑے کی طرف بڑھا۔ بھیلنی  
لڑکی کا اوپر کا سانس اوپر رہ گیا۔ جنگلی نوجوان سخت ہوش  
میں تھا۔ اس نے گھڑے کے منہ سے کپڑا نچ کر برے پھینک  
دیا اور ایک دم سے گھڑے میں ہاتھ ڈال کر سانپ کو پکڑ کر



باہر نکل لیا۔ مگر اتنی دیر میں سانپ اسے ڈس چکا تھا۔

جنگلی نوجوان سانپ کو لہرا کر چیخ رہا تھا۔

میں نے مہاشیر ناگ کو پکڑ لیا ہے۔

سب جنگلی زور سے نعرے لگانے لگے۔ مگر بوڑھے بھیل کا چہرہ اترا گیا تھا۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ جنگلی نوجوان نے سانپ کو کمر سے پکڑ رکھا ہے اور اس کی ٹانگیں کاٹنے لگی ہیں۔ پھر سانپ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور جنگلی نوجوان دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

چادروں طرف لوگوں میں شور مچ گیا۔ بھیلنی لڑکی چیخ مار کر اپنے ہونے والے خاوند کے اوپر گر پڑی اور زار و قطار رو رہی تھی۔ جنگلی نوجوان پر موت کی نیند آچکی تھی۔ بوڑھے بھیل نے ہاتھ بلند کر کے چلا کر کہا

وہ مقابلہ مار گیا ہے۔ اسے بہادر کی موت مرنے دو۔  
مہاشیر ناگ کے کاٹے کا کوئی منتر کوئی علاج نہیں ہے  
اب ناگ نے آگے بڑھ کر کہا

اس کا منتر مجھے آتا ہے

سب ناگ کا منہ تھکنے لگے۔ بھیلنی لڑکی اپنے منگیتر کی لاش سے چھٹی روئے جا رہی تھی ناگ نے کہا  
لاش کو اکیلی چھوڑ دو۔ پیچھے پیچھے ہٹ جاؤ۔

بوڑھا بھیل بولا۔

مت کال! مہاشیر سانپ کا کوئی منتر نہیں ہے  
تم ہمارے دیوتا کی توہین کرو گے۔  
ناگ نے چیخ کر کہا

سب چپ ہو جاؤ۔ وقت ضائع مت کرو۔ پیچھے  
پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں مہاشیر سانپ کو بلانے کا منتر پڑھنے  
لگا ہوں۔

سب لوگ پیچھے پیچھے ہٹ گئے۔ ناگ نے ساہیوں کی  
زبان میں مہاشیر سانپ سے کہا  
مہاشیر! اس نوجوان کے جسم سے سارا زہر چوس  
کر باہر پھینک دو۔

مشعلوں کی روشنی میں لوگوں نے دیکھا کہ جو سانپ گھڑے  
میں واپس چلا گیا تھا وہ گھڑے میں سے ایک دم سے نکلا  
اور رینگتا ہوا جنگلی نوجوان کی لاش کے پاس آکر رک گیا۔ ہر  
کوئی سناٹے میں تھا۔ سب کے ہونٹوں پر چپ لگی تھی بھیلنی  
لڑکی کے ہونٹ غم کی شدت سے کپکپا رہے تھے۔ اسے یقین  
نہیں آ رہا تھا کہ اس کا ہونے والا خاوند بچ سکے گا۔

لیکن مہاشیر سانپ نے جنگلی نوجوان کو جہاں کاٹا تھا وہاں منہ  
لکھ کر زہر واپس چوسنا شروع کر دیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مہاشیر سانپ



نے جنگلی نوجوان کے جسم کا سارا زہر کھینچ کر زمین پر تھوک دیا  
اور ناگ کے حکم سے واپس گھڑے میں چلا گیا۔ ناگ یونہی  
سنہ میں کوئی بے معنی سامنتہ پڑھ رہا تھا تاکہ لوگوں کو اسکی غیر معمولی  
طاقت پر شک نہ ہو۔

جنگلی نوجوان کے جسم سے زہر نکل گیا تو اسے ہوش آگیا اس  
نے آنکھیں کھول دیں اور کہا  
کیا میں زندہ ہوں؟

ناگ نے آگے بڑھ کر کہا

ہاں میرے بھائی! تم زندہ ہو۔ مہاشیر سانپ نے  
تمہیں ڈس دیا تھا مگر میرے منتر نے تمہاری جان بچا لی۔  
جنگلی نوجوان نے لیٹے لیٹے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور کہا  
تم جیت گئے۔ میں ہار گیا۔ تم میری منگیتہ سے  
کر سکتے ہو۔ اب وہ میری منگیتہ نہیں ہے۔

سب جنگلیوں نے خوشی سے نعرے لگائے بوڑھے بھیل نے  
ناگ کو مبارکباد دی کہ وہ بھیلینی سے بیاہ کر رہا ہے اور قبیلے  
کی عزت اس کو سونپی جا رہی ہے۔ ناگ گھبرا گیا اس نے کہا  
مگر میں۔ میں شادی نہیں کر سکتا۔

بوڑھا بھیل ایک دم غضبناک ہو گیا۔

شادی سے انکار کر کے تم ہمارے قبیلے کی توہین

نہیں کر سکتے۔ یہ ہماری عزت کا معاملہ ہے۔ تمہیں دھوی  
کو قبول کرنا ہی پڑے گا۔

ناگ نے بھیلینی لڑکی دھوی کی طرف دیکھا۔ دھوی نے سر جھکا دیا  
گویا قبیلے کی رسم کے مطابق وہ بھی ناگ سے شادی کرنے پر  
تیار ہو چکی تھی۔ جنگلی لوگ اپنے قبیلے کی رسموں کے بارے  
میں بڑے سخت ہوتے ہیں۔ وہ ان رسموں پر اپنے جذبات  
کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔ صدیوں سے ان کی نفسیات  
ایسی بن گئی ہیں کہ اب ان پر وقتی جذبات کا کوئی اثر نہیں  
پڑتا۔ چنانچہ بھیلینی لڑکی دھوی جو پہلے اپنے منگیتہ کے لئے  
بے چین تھی۔ قبیلے کے فیصلے کے سامنے ہی اس کا ذہن بھی  
بدل گیا اور وہ ناگ سے بیاہ کرنے پر دل سے راضی ہو  
گئی۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ جنگلی نوجوان جو اس سے  
پہلے بھیلینی دھوی کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کو  
تیار ہو گیا تھا اب ناگ سے بار بار یہی کہہ رہا تھا۔

موت کال! تم نے میری جان بچائی تمہارا شکریہ  
لیکن اب دھوی سے بیاہ کر کے ہمارے قبیلے کی عزت  
بھی بچا لو۔

ناگ عجیب پریشانی میں پھنس گیا تھا۔ آخر اس نے دل میں  
یہ فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کے سامنے ہاں کر دے اور صبح ہوتے



مگر خدا جانے بعد میں اس لڑکی کا یہاں کیا حال ہوگا۔ یہ  
لوگ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ ناگ نے کہا  
ٹھیک ہے ٹھیک ہے دھومی۔ اب تم اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔  
دو بوڑھی عورتیں آگے بڑھیں۔ انہوں نے ناگ اور بھیلنی لڑکی  
دھومی کو ایک جھونپڑی میں لے جا کر کہا کہ اب یہی تمہارا گھر ہے۔  
جھونپڑی کا دروازہ بند کر کے وہ چلی گئیں۔ دھومی ناگ کے پاؤں  
دبانے لگی۔

میرے دیوتا! مجھے چھوڑ کر مت جانا۔ جہاں جاؤ گے  
مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانا نہیں تو یہ لوگ مجھے گھر مچھوں  
کے غار میں پھینک دیں گے جس عورت کا خاوند اسے چھوڑ  
کر چلا جائے اسے ہمارے قبیلے کے رواج کے مطابق گھر مچھوں  
کے غار میں پھینک دیا جاتا ہے۔

ناگ تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ کس مصیبت میں پھنس گیا تھا۔  
دھومی کو ساتھ لے جا نہیں سکتا۔ پیچھے چھوڑتا ہے تو بیچاری  
بے گناہ معصوم لڑکی کو گھر مچھ کھا جاتے ہیں۔ کمرے تو کیا کمرے  
ناگ کا ذہن تیزی سے کوئی ایسی ترکیب سوچ رہا تھا کہ یہ  
مصیبت اس کے ساتھ بھی نہ جائے اور اس کی جان بھی بچ  
جائے۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ دھومی غلط نہیں کہہ رہی۔ قبیلے  
کی رسم و رواج سے وہ خوب واقف ہو گیا تھا۔ اگر وہ معصوم

ی خاموشی سے وہاں سے کھسک جائے۔ اسے کون روک  
سکتا ہے وہ تو پرندہ بن کر بھی اڑ جائے گا۔ قبیلے کے بوڑھے  
مردوں اور عورتوں نے اسی وقت بھیلنی لڑکی دھومی کو دلہن  
بنا دیا۔ پھولوں کے ہار اس کے گلے میں ڈالے اور وہ دلہن بنا  
کر ناگ کے پاس بیٹھا دی گئی۔ ناگ سٹ پٹایا کہ یہ اس کے  
ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ پھر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ وہ صبح ہوتے  
یہ یہاں سے بھاگ جائے گا۔

دو عورتوں نے گرم دودھ پیالے میں ڈال کر پیالے کو دونوں کے  
سروں کے اوپر سات بار گھمایا اور ہر طرف شور مچ گیا۔ شادی  
ہو گئی۔ شادی ہو گئی۔ شادی ہو گئی۔ بھیلنی لڑکی دھومی نے اپنا  
ماتھا۔ ناگ کے قدموں کے ساتھ لگا دیا۔ ناگ نے جلدی  
پاؤں پیچھے کھینچ لئے اور بولا۔

یہ کیا کرتی ہو دھومی؟

دھومی نے سراٹھھا کر کہا

تم میرے دیوتا ہو۔ میرے خاوند ہو۔ اب میں تیرے  
قدموں میں جیتوں گی تیرے قدموں میں مروں گی۔

ناگ کو سخت پشمانی کہ وہ اس گاؤں میں کیوں آ گیا۔ اسے اس  
گاؤں پر سے اڑنے ہوئے آگے نکل جانا چاہیے تھا۔ خواہ مخواہ  
ایک لڑکی کی زندگی میں اس نے بچل مچا دی۔ وہ تو چلا جائیگا



لڑکی کو چھوڑ کر چلا گیا تو جیسا کہ وہ کہہ رہی ہے قبیلے والے اسے ضرور مگر چھپوں کے آگے پھینک دیں گے جو دیکھتے ہی دیکھتے اس کی تکا بوٹی کر کے نکل جائیں گے۔ ناگ کے دماغ میں کوئی ایسی ترکیب نہیں آرہی تھی۔ وہ ساری رات یہی سوچتا رہا۔ بھیلنی لڑکی دھومی سوگنی تھی۔ ناگ نے ایک بار جھونپڑی کے باہر نکل کر دیکھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ رات خاموش اور سناں تھی۔ ناگ نے کئی بار سوچا کہ وہ عقاب بن کر اڑ جائے۔ مگر جب اسے یہ خیال آتا کہ وہ چلا گیا تو قبیلے والے اپنی رسم کے مطابق اس بے چاری لڑکی کو مگر چھپوں کے غاریں ڈال دیں گے تو وہ وہیں رک جاتا۔ جیسے کوئی اس کے پاؤں جکڑ لیتا اور اس کا دل کہتا کہ ناگ یہ ظلم مت کرنا آخر اس لڑکی بے چاری کا کیا قصور ہے کہ اسے ناگ کی خاطر موت کے منہ میں ڈال دیا جائے۔

ناگ نے ساری رات بے چینی میں گزار دی۔ صبح اٹھا تو قبیلے والوں نے اس کی زبردست آؤ بھگت کی۔ اس کی اور بھیلنی لڑکی دھومی کی دعوت کی گئی۔ بوڑھے بھیل نے ناگ سے کہا

بیٹا مت کال! اب تو اسی گاؤں میں ہمارے ساتھ رہ لے یہاں تمہیں ہم زمین کا ایک ٹکڑا دے

دیں گے۔ ساری زندگی اپنی بیوی دھومی کے ساتھ آرام سے بسر کرنا۔ اور تمہارے پاس تو سانپ کا منتر بھی ہے تم سانپوں کا کاروبار بھی شروع کر سکتے ہو۔ بہت پیسے بنا لو گے۔

ناگ دل میں سوچ رہا تھا کہ وہ یہاں کیسے رہ سکتا ہے۔ بھلا؟ اسے تو ماریا کو سپیرے کی بدروح سے نجات دلانا ہے۔ پھر عنبر کیٹی اور تھیو سانگ سے جا کر ملنا ہے اور اپنے کبھی نہ ختم ہونے والے سفر پر روانہ ہو جانا ہے۔ ناگ نے لڑکی دھومی کی بات کی پرکھ کرنے کے لئے بوڑھے بھیل سے پوچھا کہ جب کسی کی اس طریقے سے شادی ہوتی ہے تو اگر خاوند اپنی بیوی کو چھوڑ جائے تو پھر کیا ہوتا ہے؟ بوڑھے بھیل کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس نے کہا

بیٹا مت کال! ہمارے قبیلے میں جب اس طرح مقابلے کی شادی ہوتی ہے اور کوئی منگیت لڑکی اپنے منگیت سے چھوٹ کر دوسرے جیتنے والے نوجوان سے شادی کر لیتی ہے تو پھر اس کی زندگی اسی نوجوان کے ساتھ بسر ہونی بہت سزا دی ہے۔ اگر اس کا خاوند اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو ہم قبیلے کی رسم کے مطابق اس لڑکی کو مگر چھپوں کے غاریں چھینک دیتے ہیں جہاں بھوکے مگر چھپ اسے



فوراً کھا جاتے ہیں

ناگ خاموش ہو گیا۔ بوڑھے بھیل نے کہا

بیٹا مت کال! کہیں تم بھی اس طرح تو نہیں سوچتے؟  
ایسا ہرگز مت سوچنا۔ اگر تم دھومی کو چھوڑ کر چلے گئے تو  
ہم تمہارا پیچھا تو نہیں کریں گے لیکن دھومی کو ضرور گھر چھو  
کے غار میں پھینک دیں گے۔

ناگ کو یقین ہو گیا کہ دھومی غلط نہیں کہہ رہی تھی اور یہ  
جنگلی لوگ اس کے جانے کے بعد لڑکی دھومی کو زندہ نہیں  
چھوڑیں گے۔ اس نے بوڑھے بھیل سے کہا

نہیں بابا۔ میں ایسا کیسے سوچ سکتا ہوں۔ میں تو  
ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا ناگ کی بے چینی بڑھتی جا رہی  
تھی۔ اسے بہت جلد کھانا پینے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔  
وہ منتظر پوچھنا تھا جس کی مدد سے وہ مار یا کو پیسیرے کی بدروح  
سے آزاد کرا سکتا۔ اسے ابھی تک یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ  
پیسیرے کی بدروح کہاں ہے؟ اتنا اسے یقین تھا کہ وہ اس  
کے پیچھے لگی ہوگی کیونکہ وہ ناگ سے اپنی موت کا بدلہ لینا  
چاہتی ہے۔ مشکل یہ آن پڑی تھی کہ اگر وہ وہاں بھیلنی لڑکی  
کو جواب تیلے کی رسم کے مطابق اس کی بیوی بن گئی تھی۔

پیچھے چھوڑ کر جاتا ہے تو وہ مار دی جاتی ہے اور اگر ساتھ  
لے کر چلتا ہے تو اسے کہاں ساتھ لئے لئے پھرے گا وہ اس  
کے ساتھ کہاں تک چل سکے گی۔ کئی بار ناگ کو عقاب بن کر  
اڑنا پڑے گا۔ کئی بار سانپ بن کر جنگل میں رہینگنا پڑے گا۔ تب  
وہ دھومی کو کہاں رکھے گا؟

آخر ناگ کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے بوڑھے  
بھیل اور دھومی کی ماں سے کہا کہ میں کچھ دنوں کے لئے کھانا لے  
جاتا ہوں۔ دھومی کو اپنے پاس رکھیں۔ دو ایک ماہ بعد واپس آؤں  
گا اور پھر دھومی کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اس پر انہوں  
نے کہا کہ دھومی بھی اس کے ساتھ ہی جائے گی۔ اگر وہ اسے  
پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو گاؤں والے اسے گھر چھوڑ کے غار  
میں ضرور پھینک دیں گے۔ کیونکہ مقابلے کی شادی جب ہوتی  
ہے تو خاوند کم از کم پہلے پانچ برس اپنی بیوی سے ہرگز جدا نہیں  
ہو سکتا۔ نہ بیوی اس سے الگ ہو سکتی ہے اب تو ناگ نے ہتھیار  
ڈال دیئے اور بولا۔

ٹھیک ہے میں پھر دھومی کو بھی اپنے ساتھ ہی لئے چلتا ہوں۔  
جب بھیلنی لڑکی دھومی کو پتہ چلا کہ اس کا خاوند ناگ اسے  
اپنے ساتھ کھانا لے جا رہا ہے تو وہ بڑی خوش ہوئی کہ  
اس کے خاوند نے اس کی عزت رکھ لی اور اسے موت کے



حوالے نہیں کیا۔ ورنہ وہ فرار ہو کر بھلی جا سکتا تھا۔ وہ ناگ کے قدموں پر گر پڑی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

میرے دیوتا! میرے پتی دیو! آپ نے میری جان بچائی ہے اور عزت بھی..... میں آپ کی ساری زندگی خدمت کروں گی۔ آپ جہاں لے جائیں گے میں جاؤں گی۔ جو روکھی سوکھی کھاتے کو دیں گے کھالوں گی جو پہنائیں گے شوق سے پہن لوں گی۔

ناگ کے سر پر ابھی تھوڑے تھوڑے بال ہی اُگے تھے۔ پھر بھی اس کا جی چاہا کہ اپنے بال نوح لے۔ یہ بھیلنی لڑکی دھومی تو اس کے ساتھ چپکا دی گئی تھی یہ حالات اور واقعات کی ستم ظریفی تھی۔ وہ کیا کہہ سکتا تھا بولا۔

ٹھیک ہے دھومی ماتم میرے ساتھ ہی جاؤ گی۔

قبیلے والوں نے ناگ اور دھومی کو بڑی گرمجوشی سے الوداع کیا۔ دونوں کو گھوڑوں پر سوار کرا کر ساتھ کھانے پینے کی چیزیں باندھ دیں۔ ناگ نے دھومی کو ساتھ لیا اور قبیلے والوں سے جدا ہو کر جنگل میں اس چھوٹے سے راستے پر چل پڑا جو ایک قریبی شہر کو جاتا تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ وہاں سے وہ ایک قافلے کو پکڑیں گے اور اس کے ساتھ جنوبی شہر کلا نگر کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ مگر اس طرح ناگ کو چار مہینے سفر میں

ای لگ جاتے جو وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جھلا جو شخص ہوا میں اڑ کر ایک ہی دن میں کلا نگر پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ کیسے ایک قافلے کے ساتھ دو مہینوں تک چلتا رہتا مگر ناگ اس لڑکی دھومی پر اپنی خفیہ طاقت کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سارا دن وہ جنگل میں سفر کرتے رہے۔ راستے میں انہوں نے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ گھوڑوں کو بھی پانی پلایا۔

رات کو ایک چھوٹا سا شہر آگیا جو ایک چھوٹے سے دریا کے کنارے آباد تھا۔ یہاں وہ ایک سرائے میں اتارے چھوٹی سی کوٹھڑی انہیں مل گئی۔ ناگ کو چلتے وقت بوڑھے بھیل نے کچھ سکتے دے دیئے تھے جو اس کے کام آئے۔ بھیلنی لڑکی دھومی اگرچہ جنگلی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی مگر بے حد خوبصورت تھی۔ اس کی شکل پر بڑی معصومیت تھی جو کوئی دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔ سرائے میں انہوں نے رات گزاری۔ دن ہوا تو دھومی دریا پر روز کی طرح نہانے چلی گئی اپنے گھر میں بھی وہ ہر روز صبح ندی پر نہانے جایا کرتی تھی۔ ناگ بھی گھوڑوں کو لے کر پانی پلانے اس کے ساتھ چل پڑا۔

دھومی ایک جگہ دریا کے کنارے جھاڑیوں کی اوٹ میں بیٹھ کر نہانے لگی۔ ناگ تھوڑے فاصلے پر گھوڑوں کو پانی پلانے لگا۔ دو



غنڈے صبح ہی سے دھومی کے پیچھے لگے تھے۔ دھومی ایسی خوبصورت لڑکی کو اغوا کر کے وہ کسی راجہ کے محل میں فروخت کرنا چاہتے تھے۔ انہیں بڑے انعام اکرام ملنے کی امید تھی۔ چنانچہ جب دھومی نہانے کے لئے دریا کی طرف چلی تو دونوں غنڈے بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے تھے۔ ناگ گھوڑوں کو پانی پلا رہا تھا کہ اچانک اسے دھومی کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ وہ گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر دھومی کی مدد کو بھاگا۔ جھاڑیوں کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ غنڈوں نے دھومی کو پکڑ رکھا تھا۔ ایک نے تیز دھار خنجر دھومی کی گردن پر رکھا ہوا تھا۔ دوسرے نے نیزہ تان رکھا تھا ناگ کو دیکھتے ہی ایک غنڈہ بولا۔

اگر تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو ہم تیری بیوی کو جان سے مار ڈالیں گے۔ چپکے سے واپس چلا جا۔ ناگ بھلا واپس جانے والا کب تھا۔ مگر دھومی کی زندگی میں خطرے میں تھی۔ اگر وہ ذرا سی بھی غلطی کرتا ہے تو غنڈے واقعی دھومی کو ہلاک کر سکتے تھے۔ ناگ وہیں رُک گیا۔ اس نے کہا۔

بھائیو! تم نے میری بیوی کو کیوں پکڑ رکھا ہے؟ غنڈے نے قہقہہ لگایا اور ساتھی سے کہنے لگا۔ ارے بھلا! اس بدھو کو سمجھاؤ کہ ہم نے اس کی

سُدر بیوی کو کیوں پکڑا ہے۔  
اسے غنڈے نے نیزے کی نوک ناگ کی طرف کی اور بولا۔

ارے بدھو کے بادا تیری بیوی سُدر ہے ہم اسے اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ شادی رچائیں گے۔

اور دونوں قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ وہاں دریا پر اور کوئی نہیں تھا۔ آس پاس کا سارا علاقہ ویران تھا۔ کہیں کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ دھومی بے چاری کی بُری حالت ہو رہی تھی فون سے اس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ خنجر کی نوک اس کے نزدیک لگے میں جھجھ رہی تھی اس کے حلق سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ یہاں چالاکی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا

اچھا بھائیو! میری طرف سے تمہیں اجازت ہے تم میری بیوی کو لے جاؤ۔ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اس پر غنڈے بہت خوش ہوئے مگر دھومی نے بیچھ کر کہا

مت کال! تو بزدل ہے۔ بے غیرت ہے۔ کاش میں تیرے سے بیاہ نہ کرتی۔ اور غنڈے اسے کھینچتے ہوئے جنگل کی طرف لے گئے۔



## مگر ٹچھوں کا غار

بھیلنی لڑکی دھوئی پیچ رہی تھی۔ چلا رہی تھی۔  
وہ بار بار ناگ کو بزدل کہہ رہی تھی۔ اسے ناگ کی طاقت  
کا ابھی علم نہیں تھا۔ ناگ نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر گہرے  
سیاہ رنگ کے انتہائی زہریلے کوبرا سانپ کا روپ بدلا۔  
اور غضبناک ہو کر غنڈوں کے پیچھے جنگل کی طرف چلا۔  
وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ جنگل کے درختوں میں اس  
جگہ آ گیا۔ جہاں اس نے دیکھا کہ غنڈوں نے دھوئی کو زمین  
پر لیٹا رکھا تھا اور اس کے منہ میں ایک غنڈہ کپڑا ٹھوس  
رہا تھا اور دوسرا اس کے ٹانگے پر پیچھے باندھنے کی کوشش  
کر رہا تھا۔

ایک غنڈے نے اپنے پیچھے سانپ کی پھنکار کی  
آواز سنی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا ہی تھا کہ سانپ نے اسے  
ڈس دیا۔ دوسرے غنڈے نے غنجرے سانپ پر وار کیا۔  
ناگ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور پھر چھلانگ لگائی اور دوسرے

اسے کی گردن کو جکڑ کر اس کے منہ پر ڈس کر اپنا باقی زہر  
کے خون میں شامل کر دیا۔ ناگ کس کو غضبناک ہو کر کاٹے  
دوپٹے بٹائے؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پہلا غنڈہ تو  
لاش میں بدل گیا تھا۔ دوسرے غنڈے کا بھی ایک  
کے اندر اندر یہی حال ہو گیا۔ وہ بھی نیلا پڑ گیا۔ دونوں  
دونوں کی لاشوں کا گوشت پانی بن کر بہنے لگا۔ ایسے لوگوں  
کی نما ہونی چاہیئے تھی۔ دھوئی زمین پر لیٹی تھر تھر کا پیتے  
گہرے کالے سانپ کو بھر رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ اب اس  
کا ہے اب سانپ اسے ڈس دے گا۔

لیکن ناگ بھلا ایسا کیوں کرتا۔ ناگ دہاں سے دور جا کر  
اپنی انسانی شکل بدل سکتا تھا مگر اس طرح سے دھوئی کے  
سے یہ خیال کبھی نہیں جاسکتا تھا کہ ناگ بزدل ہے۔  
اس نے اسے غنڈوں کے جنگل سے نہیں بچایا۔ چنانچہ  
نے وہیں سانپ سے انسان کی شکل اختیار کر لی۔ دھوئی  
سانپ کو اپنے خاوند کی شکل میں بدلتے دیکھا تو اس کا  
زرد ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو گئے وہ سمجھ گئی کہ اس  
خاوند کوئی دیوتا ہے آکاش کا کوئی اوتار ہے۔ جلدی سے  
ناگ کے قدموں پر گر پڑی اور اس کے پاؤں  
پر بولی۔



میرے دیوتا! مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہیں  
 بزدل کہا، سبہ غیرت کہا، تم بزدل اور بے غیرت نہیں  
 تم تو آکاش کے دیوتا ہو۔ مجھے معاف کر دو۔  
 ناگ نے دھومی کو کاندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور کہا۔  
 دھومی! میں تمہیں اپنا اصلی روپ نہیں دکھانا  
 چاہتا تھا۔ لیکن تم نے مجھے مجبور کر دیا۔ اگر تم مجھے بزدل  
 ہونے کا طعنہ نہ دیتیں تو میں تمہیں اپنا اصلی روپ  
 کبھی نہ دکھاتا۔ اب جبکہ تم نے میرا اصلی روپ دیکھ لیا ہے  
 تو میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میرا اصلی نام ناگ ہے  
 اور میں ناگ دیوتا ہوں۔ اس دھرتی اور سمندر کے سارے  
 سانپ میرے غلام ہیں میں ان کا دیوتا ہوں۔ یہی وجہ ہے  
 کہ تمہارے قبیلے کے گھڑے میں بند مہاشیر ناگ نے مجھے  
 نہیں کاٹا تھا۔ میں جس شکل میں چاہوں آ سکتا ہوں۔  
 روپ چاہے اختیار کر سکتا ہوں۔ ویسے جس شکل میں تم  
 دیکھ رہی ہو اور جس شکل میں میں تمہارے گھاؤں میں  
 تھا یہ میری اصلی انسانی شکل ہے۔  
 دھومی تو ناگ کے قدموں میں بچھ گئی۔ حقیقت سے اس  
 آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور جسم لرز رہا تھا۔ ناگ نے اسے  
 تسلی دی اور کہا

میں اگر چاہتا تو تمہیں تمہارے گھاؤں میں چھوڑ کر  
 آ سکتا تھا مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے بعد  
 تیلے والے تمہیں گھر چھوڑ کے غار میں پھینک دیں۔ اس  
 لئے تمہیں ساتھ لے آیا۔ مجھے شادی کی ضرورت نہیں۔ مگر  
 تمہاری زندگی کی خاطر مجھے ایسا کرنا پڑا۔ اب تم کو بتاتا  
 ہوں کہ میری ایک بہن بھی ہے جس کا نام ماریا ہے۔  
 جس پر ایک سپیرے کی بدروح نے طلسم کر کے اس  
 پر قبضہ کر رکھا ہے۔ میں اسے سپیرے کی بدروح سے  
 نجات دلانے کے سلسلے میں کملا نگر جا رہا ہوں۔ وہاں  
 کملا نگر کے مندر کی ایک دیو داسی چندریکا ہے اسے سپیرے  
 کی بدروح کا توڑ معلوم ہے۔ تم میرے ساتھ رہو گی۔ مگر  
 ایک وعدہ کرو کہ تم میری خفیہ طاقت کے بارے میں میری  
 اجازت کے بغیر کسی سے کوئی بات نہیں کرو گی۔  
 میں نے ہاتھ باندھ کر کہا

میرے دیوتا! میں کبھی اپنی زبان نہیں کھلوں گی میں  
 تو تمہاری غلام ہوں تم جیسا کہو گے ویسے ہی کروں گی۔ میری بھگوان  
 سے پرا رتھنا ہے کہ تمہاری بہن ماریا پر سے سپیرے کی  
 بدروح کا جادو ٹوٹ جائے۔  
 میں نے دھومی کو ساتھ لیتے ہوئے کہا



آؤ اب اپنے سفر پر روانہ ہوتے ہیں  
دھومی نے کہا۔

ہمارے گھوڑے کہاں ہیں میرے دیوتا؟  
ناگ نے سکرا کر کہا

اب ہمیں گھوڑوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم  
میں اڑ کر کھانا لے جائیں گے۔

دھومی نے سر جھکا دیا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کا پتی  
ناگ دیوتا ہے اور وہ ہوا میں بھی اڑ سکتا ہے۔ ناگ  
اسے لے کر جنگل کے باہر دریا کنارے ایک ویران جگہ  
آگیا۔ اس نے دھومی سے کہا

میں ایک بڑے راج ہنس کی شکل اختیار  
لگا ہوں تم میری گردن پر سوار ہو جانا۔ خبردار ڈرنا  
نہیں۔ تم اگر نیچے پھسل بھی پڑیں تو میں تمہیں  
لوں گا کیا تم تیار ہو؟

ہاں میرے دیوتا۔ دھومی نے سر ہلا کر کہا  
پھلتی لڑکی دھومی حیران نظروں سے ناگ کی طرف دیکھ  
تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ناگ نے سانس اندر کو  
اور دھومرے لمحے اس کی جگہ زمین پر ایک بہت بڑا  
رنگ کا راج ہنس موجود تھا۔ راج ہنس نے دھومی

لن دیکھا اور اسے ناگ کی آواز آئی۔

دھومی! میری گردن پر جم کر بیٹھ جاؤ  
دھومی کچھ ہچکچاتے ہوئے راج ہنس یعنی ناگ کی گردن  
پر سوار ہو گئی ناگ نے کہا

میری گردن سے چمٹ جاؤ میں اڑنے لگا ہوں۔  
دھومی نے ایسا ہی کیا وہ ناگ کی یعنی راج ہنس کی گردن  
سے چمٹ گئی۔ ناگ تھوڑا سا دوڑا۔ پھر اس نے اپنے  
اڑائی جہاز ایسے پر پھیلا کر پھڑپھڑائے اور زمین سے اڑان  
کر فضا میں بلند ہونے لگا۔ دھومی نے ڈر کے مارے  
آنکھیں بند کر لیں۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ یہ دیکھ  
تھوڑے گھبراہٹ کا پینے لگی کہ اس کے نیچے کھیت اور درخت چھوٹے  
چھوٹے لگ رہے تھے۔ راج ہنس تیزی سے بادلوں کو چیرتا  
اڑا اڑتا چلا جا رہا تھا۔

ناگ نے دھومی سے کہا

دھومی! گھبراتا نہیں۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔  
دھومی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بہت ڈری ہوئی تھی۔ راج ہنس  
رقار اتنی تیز تھی کہ نیچے جنگل دریا پہاڑ اور ویران میدان  
ری تیز رفتاری سے گزر رہے تھے۔ کئی چھوٹے چھوٹے گاؤں  
بھی آئے جو تیزی سے گزر گئے۔ آخر دور دن کی روشنی میں ایک



شہر کی آبادی دکھائی دی۔ اس آبادی میں کہیں کہیں مندروں کے اونچے اونچے کلس دھوپ میں چمک رہے تھے ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ یہی کملانگر کا شہر ہے۔ دھونی! تم ہوش میں ہوناں؟

ہوں۔ بڑی مشکل سے دھونی نے کہا۔ ناگ سمجھ گیا کہ دھونی ڈری ہوئی ہے۔ اس نے نیچے آنا شروع کر دیا۔ دھونی ابھی تک راج ہنس کی گردن سے چپٹی ہوئی تھی۔ راج ہنس غوطہ لگا کر نیچے اور نیچے آ گیا۔ یہاں تک کہ وہ شہر کی دیوار کے قریب ہی زمین پر اتر گیا۔ راج ہنس کے پاؤں زمین پر لگے تو دھونی کی جان میں جان آئی۔ وہ جلدی سے راج ہنس کی گردن سے نیچے کود گئی۔ ناگ نے خود اسی شکل بدل لی اور کہا۔

دھونی! یہاں ایک سند ہے۔ جن چندریکا نام کی ایک دیوداسی ہے۔ مجھے اس دیوداسی کی تلاش ہے۔ دھونی کہنے لگی۔

میرے دیوتا! یہ تو شہر میں داخل ہو کر ہی معلوم ہو سکے گا۔

ناگ نے دھونی کو ساتھ لیا اور شہر میں داخل ہو گیا۔ اس کا انداز

غلط نہیں تھا یہی کملانگر کا شہر تھا۔ شہر کے بازاروں میں ہاتھی، پالکیاں، گاڑیاں اور گھوڑے چل پھر رہے تھے دکانیں ال سے سبکی ہوئی تھیں۔ لوگ خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ ناگ چلتے چلتے ایک چھوٹے سے مندر میں آ گیا۔ اس نے دھونی کو مندر کے ستون کے پاس بیٹھنے کو کہا اور خود ایک بیکاری کے پاس آ گیا۔ ناگ نے بیکاری سے پوچھا کہ یہاں مندروں میں دیوداسیاں ہوتی ہیں یا نہیں؟ بیکاری نے غیب نظروں سے ناگ کی طرف دیکھا اور بولا۔

تم کیوں دیوداسیوں کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ ناگ نے کہا۔

دراصل میری ایک رشتہ دار لڑکی یہاں کسی مندر میں دیوداسی ہو گئی ہے میں اس سے ملنے آیا ہوں مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس مندر میں رہتی ہے۔ بیکاری بولا۔

یہاں کل سات مندر ہیں۔ ان میں سے کسی بھی مندر میں کوئی دیوداسی نہیں ہے۔ راجہ کے حکم سے مندروں میں دیوداسیوں کا داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ دیوداسی بننا یہاں جرم ہے۔ تمہاری رشتہ دار لڑکی اس شہر میں نہیں ہو سکتی۔



ناگ تو الجھن میں پڑ گیا کہ مانگنی ناگن نے تو کہا تھا کہ چند ریکا  
نام کی دیوداسی اسے کمانگر کے ایک مندر میں ملے گی اور ناگ  
ناگنیں کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ ناگ دھومی کو لے کر مندر  
سے باہر آگیا۔ اس نے دھومی سے مشورہ کیا تو اس نے کہا  
میرے دلیرتا! آپ کی بچائے میں کسی مندر میں  
جا کر دیوداسی کا پتہ کھتی ہوں۔ میں عورت ہوں  
چند ریکا کا سراغ لگا سکوں گی۔

ناگ اسے بھیجنا نہیں چاہتا تھا مگر دھومی نے کہا کہ وہ ضرور  
جائے گی۔ ناگ ایک چھوٹے تالاب کے کنارے درخت کے  
نیچے بیٹھ گیا۔ اس نے دھومی سے کہا کہ وہ اسی جگہ واپس  
آئے۔ دھومی ناگ دیوتا کے پاؤں چھو کر اس کا اشیر باد لے کر  
چلی گئی۔ وہ شہر کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلی جا رہی تھی کہ  
اسے دور درختوں کے جھنڈ میں ایک پرانا مندر دکھائی دیا۔  
دھومی اس مندر کی شکستہ سیڑھیاں چڑھ کر مندر کے دالان میں  
آگئی۔ یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ دالان میں آگے گئی تو  
دیکھا کہ ایک کوٹھڑی میں دیشنوک عورت رکھی ہے مگر بجاری کوئی  
بھی نہیں ہے۔ دھومی کوٹھڑی سے باہر نکلی تو ایک طرف سے  
بجاری کو آتے دیکھا۔ بجاری نے ایک اجنبی لڑکی کو دیکھا تو  
وہ قریب آگیا۔ بولا۔

تم کون ہو لڑکی؟ کیا پوچھا کرنے آئی ہو؟  
دھومی نے کہا

مہاراج! میں اس شہر میں نئی نئی آئی ہوں۔ میں  
میر کوئی اس مندر میں پوچھا کرنے آگئی تھی۔  
بجاری بولا۔

تو آؤ میں تمہیں پوچھا کر دیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ  
دھومی بجاری کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہیں رکی رہی۔  
اور پوچھا

مہاراج کیا اس مندر میں کوئی دیوداسی نہیں ہے؟ مجھے  
دیوداسیوں کو دیکھنے کا بہت شوق ہے  
بجاری بولا۔

کیوں نہیں۔ ہمارے مندر میں دو دیوداسیاں ہیں  
آؤ۔ پہلے میں تمہیں ان دیوداسیوں سے ملاتا ہوں۔

دھومی نے سوچا کہ چلو چل کر مل لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ ان میں  
کوئی چند ریکا دیوداسی بھی ہو۔ بجاری دھومی کو لے کر ایک کوٹھڑی  
کی سیڑھیاں اترنے لگا دھومی نیچے جاتے ہوئے فدا ہچکچاتی تو  
بجاری سکر کر بولا۔

آؤ نیچے آؤ۔ دیوداسیاں نیچے آرام کر رہی ہیں۔ آؤ  
میرے ساتھ۔ آجاؤ۔ گھبراؤ نہیں۔



دھومی بیجاری کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر نیچے گئی تو دیکھا کہ وہاں ایک نیم روشن تنگ سا راستہ بنا ہوا ہے۔ وہ کچھ گہرائی بیجاری بولا۔

دیو داسیاں وہ سامنے والی کوٹھڑی میں ہیں۔

اس نے ایک اندھیری کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا اور اندر چلا گیا۔ دھومی بھی اس کے پیچھے چلی۔ مگر دروازے میں رگ گئی۔ اسے کوٹھڑی میں بیجاری کا سایہ سا نظر آ رہا تھا۔ کیونکہ کوٹھڑی میں اندھیرا تھا۔ ایک دم سے دھومی نے محسوس کیا کہ وہاں اس کے لئے خطرہ ہے۔ وہ باہر بھاگنے ہی لگی تھی کہ بیجاری نے اچھل کر اسے دبوچ لیا اور اسے گھسیٹ کر کوٹھڑی میں لے گیا۔

دھومی نے بہت لمبے پاؤں مارے مگر ہٹے کٹے بیجاری کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ بیجاری نے دھومی کے منہ پر کپڑا باندھ دیا اور اس کے پاؤں میں رسی ڈال کر اسے کوٹھڑی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے باہر تالا لگایا اور چلا گیا۔

ناگ کو جب تالاب کے کنارے بیٹھے کافی دیر ہو گئی اور دھومی واپس نہ آئی تو اسے کچھ تشویش ہوئی کہ دھومی ایک نا سمجھ لڑکی ہے کہیں کسی مصیبت میں نہ پھنس گئی ہو۔

وہ اٹھا اور جدھر دھومی گئی تھی اس طرف چل پڑا۔ وہ بھی شہر کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا اسی مندر والے درختوں کے جھنڈ کے پاس جا پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ ایک دیوان مندر ہے جس کی سیڑھیاں شکستہ ہیں اور وہاں کوئی انسان نظر نہیں آ رہا۔ دالان خالی پڑا تھا۔ کوٹھڑی میں ویشنو کی مورتی رکھی تھی مگر پوجا کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ ناگ واپس جانے ہی لگا تھا کہ اسے وہی بیجاری نظر آیا جس نے دھومی کو اغواء کیا تھا۔ ناگ اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ یہ مندر دیوان کیوں ہے؟ کیا یہاں کبھی کوئی پوجا کرنے نہیں آیا؟ بیجاری نے کہا۔

کیوں نہیں۔ پوجا کرنے والے صبح اور شام کے وقت آتے ہیں۔ دوپہر کے وقت کوئی نہیں آتا۔ مگر تم مجھے اجنبی لگتے ہو۔ ناگ نے کہا۔

میں اپنی بیوی کے ساتھ اس شہر کی سیر کو آیا تھا کہ میری بیوی اکیلی مندر کی یا تورا کرنے نکل گئی ابھی تک واپس نہیں آئی۔ کیا تم نے اسے تو نہیں دیکھا۔ ناگ نے بیجاری کو دھومی کا علیہ بتایا۔ بیجاری نے سر ہلایا۔



میں ہلاتے ہوئے کہا

نہیں بھائی۔ اس شکل کی عورت یہاں نہیں آئی۔  
یہ کہہ کر پجاری مورتی والی کو ٹھٹری میں چلا گیا اور مورتی  
کے آگے ادب سے بیٹھ گیا ناگ کو کچھ شک سا ہوا۔ وہ مندر  
سے نکل کر درختوں کے جھنڈ میں آ گیا۔ اس نے ایک جگہ  
درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو کر سانپ کی بولی میں اس علاقے  
کے کسی سانپ کو آواز دی۔ ایک کالا پھنیر سانپ ناریل کے  
تنے کے اندر سے نکل کر ناگ کے سامنے آ کر جھک کر بولا۔  
میں حاضر ہوں ناگ دیوتا۔  
ناگ نے اسے کہا

اس مندر میں جا کر دیکھو کہ کوئی عورت تو یہاں  
کسی کو ٹھٹری میں قیدی نہیں ہے۔  
جو حکم ناگ دیوتا

یہ کہہ کر پھنیر سانپ مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ناگ وہیں  
درختوں کے پاس بیٹھ کر سانپ کی واپسی کا انتظار کرنے لگا  
تھوڑی دیر بعد پھنیر سانپ واپس آ گیا اور اس نے بتایا  
کہ میں نے مندر کے نیچے سارے تہہ خانے دیکھے ہیں اوپر  
کی چاروں کوٹھڑیاں بھی دیکھ لی ہیں وہاں کوئی عورت نہیں  
ہے پجاری بھی وہاں کوئی نہیں ہے۔ ناگ کا ماتھا ٹھنکا۔

ہونہ ہو۔ یہ بد معاش پجاری دھومی کو لے کر کہیں چلا گیا  
ہے ناگ نے سانپ سے پوچھا  
کیا یہاں کوئی ایسا مندر بھی ہے۔ جہاں دیوداسیاں  
رقص کرتی ہوں؟  
سانپ نے کہا۔

عظیم ناگ دیوتا! میں نے کسی مندر میں یہاں کوئی  
دیوداسی نہیں دیکھی۔ کیونکہ راجہ کے حکم سے یہاں کے  
کسی مندر میں دیوداسی رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ کوئی  
دیوداسی رقص نہیں کر سکتی۔

ناگ کو بڑی الجھن ہوئی کہ یہ کیا چکر ہے۔ دھومی بھی غائب  
ہو گئی ہے اور مالنگنی ناگن نے بھی کلا ٹنگر کے مندر کا ہی پتہ  
بتایا تھا کہ اسی شہر کے کسی مندر میں اسے چندریکا دیوداسی  
ملے گی۔ ناگ نے سانپ کو رخصت کر دیا اور خود ویران  
مندر میں آ گیا۔ وہاں اب وہ پجاری بھی نہیں تھا۔ ناگ  
نیچے تہہ خانے میں آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک کوٹھڑی میں  
ستون کے ساتھ رسی پڑی تھی۔ صاف لگتا ہے کہ یہاں کسی  
کو باندھا گیا تھا اور اب کوئی کھول کر لے گیا ہے۔ ناگ  
جلدی سے باہر آ گیا اس نے مندر کی چست پر چڑھ کر دیکھا  
دور ندی کے پار اسے ایک ٹیلے کے نیچے ایک اور مندر کا



گلے دکھائی دیا اس نے سوچا کہ اس مندر میں چل کر دھوی  
کو تلاش کرنا چاہیے۔ اسی مصیبت سے بچنے کے لئے وہ  
دھوی کو ساتھ لانا نہیں چاہتا تھا۔

ناگ عقاب کی شکل میں مندر کی چھت سے اڑا اور سیدھا  
ٹیلے والے مندر کے پاس ایک درخت کی شاخوں میں آکر بیٹھ  
گیا وہ دیر تک وہاں بیٹھا مندر کا جائزہ لیتا رہا۔ یہ مندر  
بھی ویران تھا۔ سنان تھا۔ نہ کوئی پجاری نظر آ رہا تھا اور  
نہ ہی پوجا کرنے والی کوئی عورت یا مرد دکھائی دیتا تھا۔ ناگ  
نے عقاب ہی کی شکل میں مندر کے صحن کا ایک چکر لگایا۔ صحن  
خلی تھا۔ ایک کوٹھڑی میں کسی دیوتا کی پرانی مورتی رکھی تھی۔ نیچے  
کوئی زینہ نہیں جاتا تھا۔ ناگ ناامید ہو کر واپس جانے لگا تو  
اچانک اس کی نظر فرش پر پڑی۔ وہاں کوئی چیز چمک  
رہی تھی۔

ناگ تیزی سے نیچے آگیا۔ فرش پر ایک چاندی کی  
بالی پڑی تھی۔ ناگ چونک پڑا۔ یہ دھوی کے کان کی بالی  
تھی۔ شاید اس نے جاتے جاتے ناگ کے سماع کے لئے  
یہ بالی وہاں پھینک دی تھی۔ ناگ نے انسان کی شکل  
بدلی اور بالی کو اٹھا کر عذر سے دیکھا۔ یہ دھوی کی ہی  
بالی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ دھوی اس مندر میں کسی

بگڑا ہوا ہے اور یہاں ضرور اسے اغوار کر کے لایا گیا ہے۔  
ناگ نے مندر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ وہاں کوئی نہیں  
تھا۔ کوئی سیڑھی بھی نیچے نہیں جاتی تھی۔ تین کوٹھڑیاں تھیں  
اور خالی پڑی تھیں۔ ناگ نے سوچا کہ یہاں کچھ دیر بیٹھ کر  
استعارہ کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے۔ وہی پجاری کسی طرف سے  
نکل آئے جس نے دھوی کو اغوار کیا ہے۔ وہ عقاب بن  
کر اڑا اور مندر کی منڈھیر پر ایک برجی کے پیچھے چھپ کر  
بیٹھ گیا۔ دن ڈھلتا چلا گیا۔ پھر رات ہو گئی۔ چاروں طرف  
اندھیرا چھا گیا۔ خاموشی اس قدر گہری ہو گئی کہ جیسے وہاں  
موت کا پہرہ لگا ہوا ہو۔

ناگ نے ہمت نہ ہاری اور مندر کی منڈھیر پر برجی  
کے پیچھے چپکا بیٹھا رہا۔ جب کافی رات گزر گئی تو ناگ  
کو ایک طرف سے ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے آدمی چلے  
آ رہے ہوں۔ اس نے اپنی آنکھیں درختوں کی طرف گاڑ دیں  
اور منڈھیرے میں اس کی آنکھیں ایک ایک شے کو دیکھ سکتی تھیں  
کیا دیکھتا ہے کہ درختوں کے پیچھے سے چار آدمی نکلے۔ ایک  
آدمی نے اپنے کندھے پر تھیلیا اٹھا رکھا تھا۔ جب وہ مندر  
کے دالان میں آئے تو ناگ نے پجاری کو پہچان لیا۔ یہ وہی  
پجاری تھا جس نے ناگ سے کہا تھا کہ یہاں کوئی عورت



نہیں آئی اس نے دھومی کو اغوا کیا تھا۔

ہا تھا۔

یہ چاروں آدمی مندر کی ایک کوٹھڑی میں داخل ہو گئے اور انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔ ناگ تیزی سے اڑان بھر کر والان میں اتر آیا۔ یہاں آتے ہی اس نے سانپ کا روپ اختیار کر لیا اور رہینگتا ہوا کوٹھڑی کی طرف گیا کوٹھڑی کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس میں کوئی درز بھی نہیں تھی ناگ نے دوسری طرف سے آواز سننے کی کوشش کی کوٹھڑی کے اندر سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ ناگ نے دیکھا کہ کوٹھڑی کے اندر سے ایک نالی باہر آرہی تھی۔ شاید یہ پانی کے نکاس کے لئے بنائی گئی تھی۔ ناگ اس میں سے کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گیا۔ کوٹھڑی بالکل خالی تھی۔ وہ چاروں آدمی وہاں نہیں تھے۔ ظاہر ہے وہ کسی خفیہ جگہ سے نیچے کسی تہ خانے میں اتر گئے ہوں گے۔ ناگ نے اس خفیہ جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ بہت جلد اسے ایک جگہ فرش کے پتھر کی بڑی نیل دراسی اوپر کو اٹھی ہوئی نظر آ گئی۔ ناگ نیل کے نیچے سے اندر داخل ہو گیا۔ دوسری طرف لکڑی کا ایک زینہ نیچے جا رہا تھا۔ ناگ زینے پر رہینگتا ہوا ایک اندھیری سڑنگ میں آ گیا۔

یہاں پہلی بار اسے انسانی آواز سنائی دی کوئی کہہ

ہا تھا۔

میں اس لڑکی کے عوض سونے کی دس مہروں کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔ یہ ایک دیہاتی لڑکی ہے۔

اوسری آواز آئی یہ بھجاری کی آواز تھی۔

دیہاتی ہے مگر نوجوان اور خوبصورت بھی تو ہے

میں ایک سو مہروں سے کم نہیں ہوں گا۔

اس کے ساتھ ہی ناگ کو ایسی آواز آئی جیسے کسی کا منہ کپڑے سے

باندھ دیا گیا ہو اور وہ حلق سے غوں غوں کی آوازیں نکال رہا

ہو۔ یقیناً یہ دھومی ہی تھی۔ ناگ کو ان غنڈوں پر سخت غصہ

آیا کہ جو دوسروں کی بہمنوں، بیٹیوں اور بیویوں کو یوں اغوا

کر کے ان کا سودا کرتے تھے اور پھر انہیں دوسرے ملک میں جا

کر بیچ دیتے تھے۔ یہ ایک ایسا گناہ تھا۔ جیسے ناگ کبھی معاف

نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ان چاروں غنڈے بردہ فروشوں کو

سبت سکھانے کا فیصلہ کر لیا وہ رہینگتا ہوا جلدھر سے آوازیں آرہی

تھیں اوسر کو چل دیا۔

قریب ہی ایک کوٹھڑی کے آدھ کھلے دروازے میں سے

چراغ کی دھیمی دھیمی روشنی باہر نکل رہی تھی۔ ناگ اس بات

کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر وہ سانپ کی شکلی میں اندر گیا تو

اس کی جان کو خطرہ ہے۔ چار آدمیوں میں سے کسی نے کسی



کا وار اس پر پڑ سکتا ہے۔ یہاں کسی خوشخوار درندے کا روپ دھارنے کی ضرورت تھی جو ان چاروں غنڈوں کا مقابلہ کر سکے اور یہ درندہ شیر ہی ہو سکتا تھا۔ ناگ کو شیر کا روپ دھارے ایک مدت ہو گئی تھی لیکن اب یہ روپ ضروری ہو گیا تھا۔

اس نے شیر کی شکل کو اپنے دماغ میں بٹھایا اور پھر سانس اوپر کو کھینچ کر چھوڑا تو دوسرے لمحے کو ٹھٹھری کے باہر اندھیری سرنگ میں ایک دس فٹ لمبا بھاری بھرکم خوشخوار شیر کھڑا غرا رہا تھا۔ شیر کا غراہٹ کی آواز جب کو ٹھٹھری میں گئی تو چاروں غنڈے بات کرتے کرتے رک گئے وہ ایک دوسرے کو تھکنے لگے۔ ایک نے کہا۔

یہ شیر کی غراہٹ ہے۔

دوسرا بولا۔

یہاں شیر نہیں آ سکتا۔ اوپر تہہ خانے کے فرش پر پتھر کی سل رکھی ہے۔ شیر پتھر کی سل نہیں اٹھا سکتا۔ اب ناگ نے اپنا منہ زمین کے ساتھ لگایا اور ایک ایسی گرجدار آواز نکالی کہ کو ٹھٹھری میں جھگڑا مچ گئی۔ دروازہ زور سے کھلا اور دو غنڈے باہر کو کودے شیر نے انہیں وہیں دبوچ لیا۔ باقی دو بھی باہر کو شور مچاتے بھاگے ہی تھے کہ شیر نے اچھل کر انہیں پیچھے سے دونوں کی گردنوں پر پوری طاقت سے بچھے مارے

ان منہ کے بل گھر پڑے۔ ان چاروں کے زمین سے اٹھنے والے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دو غنڈوں کی گردن کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ دو آدمیوں کے جڑے لشک گئے تھے۔ بیکاری بھی ان میں شامل تھا۔ شیر نے ان چاروں کی گردنیں جھا کر انہیں ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا اور معاشیے کو ان کی بد معاشی سے نجات دلا دی۔

دھومی اندر چار پائی پر بندھی پڑی تھی۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ وہ شیر کو دیکھ کر کانپنے لگی۔ مگر ناگ فوراً انسان کی شکل میں آ گیا اور دھومی کے منہ سے کپڑا نکالا۔ اس کی رسی کھول اور کہا

خدا کا شکر ہے کہ میں موقع پر پہنچ گیا۔

ناگ دھومی کو لے کر مندر کے دالان میں آ گیا۔ وہ ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے۔ ناگ کو اب یقین ہو گیا تھا کہ جب تک دھومی اس کے ساتھ ہے وہ دیو داسی چندریکا کو آسانی سے تلاش نہیں کر سکے گا اور اسی کی مصیبتوں میں پھنسا ہے گا۔ اس نے دھومی کو اس کے ماں باپ کے قبیلے میں واپس لے جانے کا فیصلہ کر لیا جب دھومی کو ناگ نے اپنا فیصلہ بتایا وہ رو پڑی۔

میرے دیوتا! مجھے واپس نہ بھیجئے۔ وہ مجھے مار



والیں گے مگر چھوٹوں کے غار میں ڈال دیں گے۔  
ناگ نے کہا

دھوی! تم کو ہمیشہ کے لئے تو وہاں نہیں رہنا۔ میں  
چند ریکھا کا سڑاغ لگانے کے بعد تمہیں واپس اپنے پاس  
بلا لوں گا۔

دھوی نے کہا

شادی کے دو سال تک میرا تمہارے ساتھ رہنا ضروری ہے  
اس سے پہلے مجھے میرے ماں باپ کے ہاں بھیج دو گے تو  
قبیلے کی رسم کے مطابق مجھے مگر چھوٹوں کے غار میں ڈال دیا جائیگا۔  
ناگ نے جھجھکا کر کہا

ایسا کبھی نہیں کریں گے وہ۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ  
میں ناگ دلیوتا ہوں؟ تم میرے ساتھ چلو۔ میں دیکھتا ہوں  
وہ کیسے تمہیں مگر چھوٹوں کے غار میں ڈالتے ہیں۔

دھوی کسی صورت میں بھی واپس نہیں جانا چاہتی تھی اور ناگ  
ہر حالت میں اسے واپس لے جانے پر سٹلا ہوا تھا۔ کیونکہ دھوی  
کے ہوتے ہوئے وہ اپنے مشن کو جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔  
آخر وہ اسے لے کر واپس اس کے قبیلے والے گاؤں کی  
طرف اڑ گیا۔

صبح ہو چکی تھی جب وہ دھوی کے گاؤں کے باہر ایک

بگ بھڑائیوں میں اتر آیا۔ وہ راج ہنس کی شکل میں تھا۔ ناگ  
نے انسانی شکل بدلی اور دھوی کو لے کر اس کے گاؤں میں آ گیا۔  
دھوی کے ماں باپ اور گاؤں کے دوسرے لوگ دھوی اور  
ناگ کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ بوڑھے بھیل نے ناگ  
کو کہا۔

مت کال بیٹا! تم واپس آ گئے؟ کیا ہمارے گاؤں میں  
رہنے کا ارادہ ہے؟ یہ بڑی اچھی بات ہے۔  
ناگ نے کہا

نہیں بابا! میں دھوی کو کچھ دنوں کے لئے اس کے  
ماں باپ کے پاس چھوڑنے آیا ہوں۔

یہ سنا کر سب لوگ سکتے میں آ گئے۔ دھوی کے ماں باپ تو رونے لگے  
کیونکہ اس کا مطلب ان کی بیٹی دھوی کی موت کے سوا اور کچھ  
نہیں تھا۔ بوڑھے بھیل نے کہا۔

مت کال! کیا تم تمہیں جانتے کہ ایک خاص مدت تک  
یہ لڑکی ہمارے ہاں اکیلی نہیں رہ سکتی۔ تمہارا ساتھ رہنا بہت  
ضروری ہے۔ اگر تم اسے اکیلی چھوڑ کر چلے جاؤ گے تو ہمیں  
قبیلے کی رسم کے مطابق اسے مگر چھوٹوں کے غار میں پھینک  
دینا ہوگا۔

ناگ کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا



تم لوگ جنگلی ہو اور موصوم لڑکیوں کی زندگیوں سے کھیلتے ہو۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ دنیا کا کوئی مگر مجھ دھوئی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

وہاں سناٹا چھا گیا۔ یہ اس قبیلے کے مگرچھ دیوتاؤں اور ان کی رسموں کی توہین تھی۔ آج تک کبھی کسی انسان نے مگرچھ دیوتاؤں کے بارے میں ایسے الفاظ نہیں کہے تھے ایک نوجوان بھیل کو طیش آگیا اس نے نیزہ ہوا میں اچھالا۔ دھوئی نے چیخ کر خبردار کیا۔

ناگ دیوتا!

جنگلی جوان کا نیزہ ناگ کی گردن کے بالکل قریب سے ہو کر زمین میں گر گیا۔ ناگ نے ایک بھیانک پھنکار کی آواز نکالی اور ایک بہت بڑا اڑدھا بن کر اُٹھا چٹان ایسا پھن لہراتے ہوئے جوان کی طرف لپکا۔ مدت کال لپتی ناگ کو اڑدھا کے روپ میں بدلتے دیکھ کر سب پر دہشت ہما گئی۔ سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔ ناگ فوراً انسانی شکل میں آگیا اور بولا۔

میرے آگے مانتا ٹیکنے کی ضرورت نہیں اٹھو اور میری بات غور سے سنو۔ اب تمہیں یقین آگیا ہو گا کہ میں ٹھیک کہہ رہا تھا کہ مگرچھ دھوئی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔

اڑھے بھیل نے کہا

مہاراج! آپ تو دیتا ہیں۔ مگر مہاراج! ہمیں اپنی رسم پوری کرنی ہوگی۔ نہیں تو ہمارا اگلا جنم کسی جانور کا ہوگا۔ ہم مجبور ہیں مہاراج اگر آپ دھوئی کو چھوڑ کر چلے گئے تو ہمیں اسے مگرچھوں کے غار میں ڈالنا ہوگا۔

ناگ نے کہا

مجھے دکھاؤ مگرچھوں کا غار کہاں ہے

اڑدھا بھیل اور دوسرے جنگلی ناگ کو لے کر گاؤں کے باہر ندی کنارے ایک چٹان کے پاس آکر رک گئے۔ سامنے ایک غار منہ پھاڑے ہوئے تھا۔ بھیل نے کہا

مہاراج! اس غار میں ہمارے مگرچھ دیوتا رہتے ہیں۔

ناگ بولا۔

میں غار میں جاتا ہوں۔

سب سہم گئے۔ دھوئی ایک طرف خاموش کھڑی تھی۔ اسے بھی ڈر لگا کہ کہیں ناگ کو مگرچھ ہلاک نہ کر ڈالیں۔ مگر ناگ غار کی طرف بڑھ گیا تھا۔ غار کے منہ کے پاس گیا تو اسے اندر سے مگرچھوں کی پھنکاروں کی بھیانک آواز سنائی دی۔ مگرچھوں نے بھی انسان کی بو سونگھ لی تھی۔ ناگ غار میں داخل ہو گیا۔ غار کے اندر پانی اور کیچڑ ہی کیچڑ تھا۔ اس نے اندھیرے میں چار مگرچھوں کی آنکھیں



چمکتی دیکھیں۔ وہ اپنے منہ بھاڑ سے پھنکارتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔ مگر مچھ کئی دنوں کے بھوکے تھے۔ ناگ فوراً سانپ کی شکل میں آگیا اور غار کی دیوار کے ساتھ چمٹ کر مگر مچھوں کو غور سے دیکھنے لگا۔

مگر مچھ جیسے حیران سے ہو گئے کہ ابھی ابھی انہوں نے جس شکار کو دیکھا تھا اور جس کی انہیں بو آئی تھی وہ کہاں چلا گیا؟ ناگ جانتا تھا کہ مگر مچھ اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اس کی کھال پر اگر تلوار کا بھرپور وار بھی کیا جائے تو تلوار ٹوٹ جائے گی مگر مگر مچھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مگر مچھ کے جسم میں اگر کوئی تازک شے ہوتی ہے تو وہ اس کا پیٹ ہوتا ہے۔ مگر مچھ کا پیٹ اتنا نازک ہوتا ہے کہ معمولی چاقو سے اسے چیرا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مگر مچھ کبھی دریا یا دلدل سے باہر نہیں نکلتا۔ اگر دھوپ سینے کے لئے نکلتا بھی ہے تو نرم نرم ریت پر ہی لیٹا رہتا ہے۔

ناگ نے سب سے پہلے ایک مگر مچھ کو چنا اور دیوار پر سے رہینگٹا ہوا نیچے کیچڑ میں آگیا۔ پھر وہ کیچڑ میں دھنس گیا اور کیچڑ کے اندر ہی اندر سے پہلے مگر مچھ کے پیٹ کے نیچے نکل آیا۔ پیٹ کے نیچے آتے ہی ناگ نے مگر مچھ کے پیٹ پر دس دیا مگر مچھ ذرا سا اچھلا اور پھر اس کے اعصاب جواب دے گئے۔ ناگ کے زہر نے اس کا اعصابی نظام تباہ کر دیا تھا۔ ناگ مگر مچھ کے پیٹ کے نیچے سے نکال کر

اندرے مگر مچھ کے پیٹ کے نیچے آگیا۔ اس نے اسے بھی دس دیا۔ تیسرے مگر مچھ کو ڈسنے کے بعد جب ناگ چوتھے مگر مچھ کی طرف بڑھا تو اس کی نگاہ سانپ پر پڑ گئی۔ مگر مچھ نے زور سے منہ کھول کر کیچڑ پر مارا اور کیچڑ کے گولے کے ساتھ ہی سانپ یعنی ناگ بھی مگر مچھ کے پیٹ میں چلا گیا۔ مگر مچھ کے دانت شکار کو چبانے کے لئے نہیں بلکہ اسے پکڑ کر اپنے حلق میں پیچھے دھکیلنے کے لئے ہوتے ہیں وہ شکار کو سالم کا سالم پیٹ میں ڈال لیتا ہے۔ اس کے پیٹ سے ایسا تیز اور خطرناک تیزاب نکلتا ہے کہ جو شکار کی ہڈیوں تک کو گھلا دیتا ہے۔ ناگ یہ جانتا تھا وہ اس تیزاب سے بچنا چاہتا تھا۔

مگر مچھ ادھر ادھر لوٹ پوٹ ہونے لگا وہ سانپ کو معدے کے اندر اپنے تیزاب سے ہلاک کر ڈالنا چاہتا تھا۔ ناگ اس کے معدے میں الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ ناگ کو اپنے جسم پر تیزاب کی تیزی اور تلخی محسوس ہونے لگی تھی۔ اب ناگ کے لئے ایک ہی طریقہ تھا اور ناگ نے اس پر عمل کرتے ہوئے پھنکا ماری اور وہ شیر بن کر مگر مچھ کے پیٹ کو پھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ مگر مچھ مردہ ہو کر کیچڑ پر پڑا تھا۔ ناگ نے انسانی شکل اختیار کی اور غار سے باہر آکر بلند آواز میں بولا۔ چاروں مگر مچھوں کی لاشیں اٹھا کر لے جاؤ۔ ایک مگر مچھ بھی زندہ نہیں ہے۔



اور پھر ناگ خود ہی ایک ایک کر کے چاروں مگرچھوں کی لاشیں  
غار سے کھینچ کر باہر لے آیا۔ قبیلے والے اپنے دیوتاؤں کی لاشیں  
دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ناگ اب بڑے جلال میں تھا۔ وہ مگرچھوں  
کی لاشیں پھینک کر گاؤں کے لوگوں کے درمیان آگیا اس نے دھومی  
کے کاغذ پر ہاتھ رکھ کر کہا

تم لوگوں نے اس سے میری شادی کر دی تھی مگر  
میں نے اس سے شادی نہیں کی۔ یہ آج بھی پاک ہے۔  
ہم لوگ تاریخ کے افسانوی مسافر ہیں۔ ہم شادیاں نہیں کیا  
کرتے۔ ہماری دنیا ہی دوسری ہے اس لئے میں ناگ دیوتا نہ بنی  
حیثیت سے تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اس لڑکی کی شادی  
اس کے پہلے والے منگیتر سے کر دی جائے اور خبردار اگر  
اس لڑکی کو کسی نے ہاتھ بھی لگایا تو جہاں شیر سانپ میرا  
غلام ہے وہ اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گا۔ میں اس  
کے علاوہ یہاں کے تمام سانپوں کو حکم دے جاتا ہوں  
کہ کسی نے دھومی کو کچھ کہا تو وہ اسے زندہ نہ چھوڑیں۔  
گاؤں والے چپ تھے۔ وہ جنگل نوجوان جس کے ساتھ پہلے  
دھومی کی منگنی ہوئی تھی بڑا خوش تھا۔ ایک ہندی قسم کے  
بھیل نے کہا

اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم ناگ دیوتا ہو؟

دھومی نے پلٹ کر اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ کیونکہ وہ جانتی  
تھی کہ ناگ ایک دیوتا ہے ناگ کو غصہ آگیا۔ اس نے اس ہندی  
اور اکھڑ نوجوان کی طرف دیکھا اور کہا

اچھا تو تمہیں ثبوت چاہیے۔ یہ تو ثبوت۔

اس کے ساتھ ہی ناگ نے سانس کھینچ کر چھوڑا تو وہ شیش ناگ کی  
شکل میں سامنے آکر اپنے دونوں پھن لہرانے لگا۔ ہندی بھیل  
غش کھا کر گر پڑا۔ سارے بھیل سر جھکا کر چپ ہو گئے۔ ناگ واپس  
انسانی شکل میں آگیا۔ اب وہ ان کا دیوتا بھی تھا۔ بوڑھے  
بھیل نے کہا

ناگ دیوتا! ہم وعدہ کرتے ہیں کہ دھومی کی شادی  
تمہاری مرضی کے مطابق کر دی جائے گی اور اسے ہم  
گاؤں کی بہو بنا کر رکھیں گے۔

ناگ نے دھومی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا  
دھومی! تم خوش ہونا؟

دھومی نے آہستہ سے سر ہلایا اور بولا۔

تمہاری خوشی میں میری خوشی ہے میرے دیوتا  
ناگ مسکرایا۔ بوڑھے بھیل کی طرف دیکھ کر کہنے لگا

اچھا بابا! میں جانتا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ناگ نے سانس کھینچ کر چھوڑا تو گاؤں



والوں کے سامنے ناگ غائب ہو گیا اور اس کی جگہ ایک سیاہ عقاب شراٹے بھرتا اوپر کو اٹھا اور آسمان کی بلندیوں میں پرواز کر گیا۔ اسی رات ناگ واپس کملانگر پہنچ گیا۔ رات کا پہلا پہر تھا۔ ہر طرف اندھیرا چھایا تھا۔ شہر کے مکانوں میں کہیں کہیں چراغ روشن تھے۔ ناگ نے شہر کا ایک چکر لگایا اسے اس مندر کی تلاش تھی جس میں چندریکا دیوداسی رہتی تھی وہ اڑتا اڑتا شہر سے باہر نکل گیا۔ شہر سے باہر کچھ فاصلے پر ایک دریا بہہ رہا تھا۔ اس کے کنارے ایک جگہ ناگ کو روشنی دکھائی دی۔ ناگ اس روشنی کی طرف بڑھا اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک لاش کو بانس کے تابوت پر اٹھائے مرگھٹ کی طرف لئے جا رہے ہیں۔ ناگ نیچے آگیا جہاں مردے جلائے جاتے ہیں۔ وہاں لاش کو جلانے کے لئے لکڑیوں کی چتا تیار تھی۔ ناگ انسانی شکل میں جنازے کے ساتھ ساتھ چلتے لگا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا

کیوں بھائی! یہ کون مر گیا ہے۔

اس نے کہا  
کیا تم نہیں جانتے؟ یہ دریا کے کنارے والے مندر کی مشہور دیوداسی چندریکا کی لاش ہے جسے ہم جلائے مرگھٹ لئے جا رہے ہیں۔

ناگ پر تو گویا بجلی سی گر پڑی۔ تو کیا چندریکا دیوداسی مر گئی

ہے؟ اب وہ ماریا کی روح کو سپیرے کی بدروح سے چھڑانے کا منتر کس سے پوچھے گا۔ یہ تو بہت بُرا ہوا۔ ناگ پریشان ہو گیا لاش مرگھٹ میں لے جا کر چتا پر رکھ دی گئی۔ لاش کے منہ پر سے کپڑا ہٹا دیا گیا کہ لوگ دیوداسی چندریکا کا آخری درشن کر لیں ناگ نے بھی آگے ہو کر دیوداسی چندریکا کی لاش کا چہرہ دیکھا اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ مرکب بھی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ ناگ کو چندریکا کی لاش کو دیکھ کر بے حد دکھ ہو رہا تھا۔

اچانک چندریکا دیوداسی کی لاش نے آنکھیں کھول کر ناگ کو دیکھا اور مسکرائی۔ ناگ دھک سے رہ گیا۔ کیا یہ لاش زندہ تھی۔ اس نے دوبارہ غور سے دیکھا تو دیوداسی چندریکا کی آنکھیں اسی طرح بند تھیں۔ اب مرگھٹ کے بادا نے چتا کو آگ لگا دی۔ دیکھتے دیکھتے شعلے بھڑک اٹھے۔ لوگ ایک ایک کر کے واپس چلے گئے ناگ کو چندریکا دیوداسی کے مرنے کا بہت افسوس ہوا تھا۔ وہ وہیں کھڑا چتا کو جلتے دیکھتا رہا۔

جب مرگھٹ سنان ہو گیا تو ناگ نے دیکھا کہ چتا کی آگ کے شعلوں میں دیوداسی چندریکا اپنے ریشمی کفن کو جسم کے گرد سمیٹتی ہوئی باہر نکل آئی۔ اس کے سیاہ بال اس کی کمر تک ہر اڑے تھے ناگ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ چندریکا کے ریشمی کفن



اور سیاہ بالوں اور چہرے پر آگ کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ناگ کے پاس آکر مسکوائی اور بولی

میں نے تمہارا بہت انتظار کیا ناگ۔ ناگن نے مجھے تمہارے اور ماریا کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا مگر میں بیمار ہو کر مر گئی۔ ناگ نے تعجب سے کہا۔

مگر تم تو زندہ ہو۔

چندریکا بولی۔

یہ میرا اگلا جنم ہے جس میں اس سے پہلے کئی بار مر چکی ہوں میرے ساتھ آؤ۔ ناگ نے کہا

مگر لوگ تو تمہیں مردہ سمجھ رہے ہیں تم ان کے درمیان گئیں تو ان کا کیا حال ہوگا؟ چندریکا مسکوائی۔

میں ان لوگوں میں اب کہاں جاؤں گی میں تو یہاں سے جانے سے پہلے آخری بار اپنے مندر کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔

رات کے اندھیرے میں چندریکا ناگ کے ساتھ دریا کنارے والے مندر کے آگن میں آگئی یہاں چراغ جل رہا تھا۔ اسکی

دھیمی روشنی میں سارا مندر سسنان پڑا تھا چندریکا نے کہا ناگ! تم یہاں ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں

چندریکا اپنے ریشمی کفن اور سیاہ لہراتے بالوں کے ساتھ مندر میں داخل ہو گئی ناگ چپ چاپ کھڑا سوچتا رہا کہ چندریکا اگر چلی گئی تو وہ ماریا کے بارے میں کس سے مشورہ کرے گا؟ کس سے مدد لے گا۔ اتنے میں چندریکا مندر کی کونٹھڑی سے نکل آئی۔ ناگ کے پاس آکر کہنے لگی۔

ناگ! میں نے اس مندر میں خفیہ دیوداسی کی حیثیت سے بیس برس گزارے ہیں۔ راجہ نے دیوداسیوں کے داخلے کو منع کر رکھا ہے مگر وہ میرا رقص دیکھنے یہاں چھپ کر آدھی رات کو آیا کرتا تھا اب میں یہاں سے ہمیشہ کے لئے جا رہی ہوں۔ کہاں؟ یہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ ناگ نے کہا

مگر چندریکا ماریا کے بارے میں میری مدد کر دیں تو اسی سلسلے میں اتنی دُور سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ ماریا کی رُوح پر پھونگی سپیرے کی بدروح نے قبضہ کر رکھا ہے۔ چندریکا مسکراتے ہوئے بولی۔

ناگ! میں نے تمہارے آنے سے پہلے تمہارا کام کر دیا تھا۔ پھونگی سپیرے کی بدروح اس دنیا میں اب



نہیں ہے۔

اور ماریا کہاں ہے؟ ناگ نے بے تاب ہو کر پوچھا  
چندریکا نے کہا

جس وقت میں مر رہی تھی وہ میرے پاس ہی  
بیٹھی تمہاری راہ دیکھ رہی تھی مگر جب میں نے زندگی کا  
آخری سانس لیا تو میں نے دیکھا کہ ماریا کو میری موت کا  
شدید صدمہ ہوا اور وہ بیچ مار کو فضا میں غائب ہو گئی اب  
میں کچھ نہیں بتا سکتی کہ وہ کہاں ہوگی۔

ناگ اور زیادہ مایوس ہو گیا۔ ماریا بدروح کے قبضے سے  
نکل کر بھی اسے نہیں مل سکی تھی۔ اس نے کہا

چندریکا! تمہیں کوئی اندازہ بھی نہیں کہ ماریا  
کہاں گئی ہوگی؟ چندریکا کچھ سوچ کر بولی۔

جہاں میں مری تھی وہاں میرے سر ہانے کی جانب  
ایک کھڑکی کھلی تھی۔ ماریا اس کھڑکی میں غائب ہوئی تھی۔  
ناگ نے وہ جگہ پوچھی جہاں چندریکا نے اس زندگی کا  
آخری سانس لیا تھا تو اس نے مندر کی طرف اشارہ کیا۔

اس مندر کے پیچھے ایک کوٹھڑی ہے۔ اس میں  
وہ پلنگ بھی پڑا ہے جہاں میں مر گئی تھی۔ اس پلنگ  
کے پیچھے وہ کھڑکی ہے جہاں میں نے ماریا کو گم ہوتے دیکھا تھا

ناگ نے چندریکا کو ساتھ چلنے کے لئے کہا تو وہ بولی۔

نہیں ناگ! میرا اس دنیا میں وقت اب ختم ہو گیا ہے  
میں اس جہنم سے نکل کر اپنے اگلے جہنم میں جا رہی ہوں۔ مجھے  
خود معلوم نہیں کہ میں کونسی دنیا میں چلی جا رہی ہوں۔ ہو سکتا  
اگلے جہنم میں کبھی کسی جگہ کسی مقام پر تم سے  
ملاقات ہو جائے۔ خدا حافظ۔

یہ کہا اور چندریکا دیو داسی فضا میں بلند ہوئی اور پھر  
رات کے گہرے اندھیرے میں غائب ہو گئی۔ ناگ تیزی سے  
مندر کی عقبی کوٹھڑی میں آ گیا۔

اس نے دیکھا کہ کوٹھڑی خالی ہے۔ دیا جل رہا ہے۔  
ایک خالی پلنگ پڑا ہے اس کے سر ہانے کی جانب ایک کھڑکی  
کھلی ہے۔ ناگ نے دیکھا کہ کھلی کھڑکی کے باہر اندھیرا گھپ  
تھا۔ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ناگ نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ کھڑکی  
کے باہر اتنا سیاہ گھپ اندھیرا تھا کہ ناگ کو بھی کچھ نظر نہیں آ  
رہا تھا مگر یہ محسوس کر کے اسے بے حد خوشی ہوئی کہ کھڑکی  
کے باہر سے اسے ماریا کی خوشبو آرہی تھی۔

اس نے بے اختیار ہو کر ماریا کو آواز دے دی، "ماریا"  
اس کی آواز کئی حصوں میں تقسیم ہو کر جیسے ہی فضا میں گونجنے  
لگی کھڑکی میں ایک زلزلہ سا آگیا اور پھر جیسے کسی نے ناگ کو



یہ سچے سے کھڑکی کے باہر اچھال دیا۔ وہ ہاتھ پاؤں مارتا  
فضا میں گرتا چلا گیا۔ اندھیرے میں اسے کچھ دکھائی نہیں  
دیتا تھا۔ وہ قلابازیاں کھا رہا تھا۔ اس نے اپنا سر اپنے  
بازوؤں میں چھپا لیا اور گیند کی طرح لڑھکتا چلا گیا پھر وہ  
دھب کی آواز سے ایک درخت کے اوپر گرا۔ درخت کی  
ٹہنیاں جھول کر اسے نیچے لے گئیں اور وہ زمین پر لڑھک  
گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو آسمان پر ستارے  
چمک رہے تھے اسے محسوس ہوا کہ فضا میں سردی ہے وہ اٹھ  
بیٹھا اور چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ یہاں اگرچہ رات تھی مگر اندھیرا  
ایسا تھا کہ ناگ اس میں چیزوں کو دیکھ سکتا تھا۔ اس  
کے ارد گرد دور تک زمین اونچی نیچی تھی۔ کہیں درختوں  
کے جھنڈ بھی تھے۔

ناگ اٹھ کر چلنے لگا وہ جس میدان میں چل رہا تھا  
وہاں گھاس تراشا ہوا تھا۔ آگے ایک سڑک آگئی۔ ناگ  
نے جھک کر دیکھا۔ سڑک چھوٹے چھوٹے پتھروں کو جوڑ کر  
بنائی گئی تھی۔ یہ سڑک بل کھاتی ذرا اونچائی پر بنی ہوئی  
ایک عمارت کی طرف چلی گئی تھی جس کی سیاہ دیواریں جنگلی  
بیلوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ناگ کو ابھی تک کچھ علم نہیں تھا  
کہ وہ کونسے زمانے میں اور کس ملک میں آگیا ہے۔ اس نے

محسوس کیا کہ اب ماریا کی خوشبو بھی نہیں آ رہی تھی۔  
وہ عمارت کی طرف بڑھا۔ قریب جا کر معلوم ہوا کہ وہ  
ایک ٹوٹے پھوٹے پرانے قلعے کا کھنڈر ہے جہاں وحشت  
برس رہی ہے۔ ناگ کو گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ وہ  
جلدی سے ایک طرف اندھیرے میں چھپ گیا۔

ایک گھوڑا گاڑی اندھیرے میں قلعے کی طرف آتی دکھائی  
دی۔ اس کے آگے دو گھوڑے جڑے ہوئے تھے۔ سائیں اونچی  
سیٹ پر لمبا گرم کوٹ پہنے بت کی طرح بیٹھا تھا۔ قلعے کے  
پرانے شکستہ دروازے کے آگے آکر سائیں نے "ہو" کی  
آواز نکالی اور گھوڑا گاڑی رک گئی۔ گاڑی کا دروازہ کھلا اور  
ایک ٹھگنے قد کا آدمی باہر نکل کر قلعے کی طرف روانہ ہو گیا  
گھوڑا گاڑی واپس چلی گئی۔ ٹھگنے قد کے آدمی کے ہاتھ  
میں چمڑے کا ایک بیگ تھا۔ اس نے انیسویں صدی  
کے انگریزوں ایسا گول ہیٹ اور رین کوٹ پہن رکھا تھا۔  
وہ قلعے کے دروازے میں جیسے غائب ہو گیا۔ ناگ کو تشویش  
ہوئی کہ یہ آدمی کون ہے اور سرد رات کے اندھیرے میں  
اس آسپی قلعے میں کیا کرنے آیا ہے۔ ناگ بھی قلعے  
کے ٹوٹے ہوئے دروازے میں سے گزر کر اندر داخل ہو گیا  
شکل صورت اور وضع قطع سے یہ پرانا قلعہ انیسویں صدی



کے انگلستان کا کوئی قلعہ لگتا تھا۔ عنبر ناگ ماریا اس  
قسم کے قلعوں کو پہلے بھی اچھی طرح سے جانتے تھے اور  
انہیں معلوم تھا کہ جب انگلستان پر رومن بادشاہت ختم ہوگئی  
تھی تو انگلستان کی حکومت چھوٹے چھوٹے نوابوں میں بٹ گئی  
تھی جن کو بیرن کہتے تھے۔ یہ انگریز بیرن نواب اپنے اپنے  
قلعوں میں رہتے تھے اور ارد گرد کے گاؤں پر حکومت کرتے  
تھے۔ یہ نواب آپس میں لڑتے بھی رہتے تھے پھر ایک  
بیرن نے دو چار قلعے فتح کر کے اپنی طاقت بڑھالی اور  
یوں آہستہ آہستہ باقی قلعوں کو بھی فتح کر کے انگلستان  
کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کے بعد وقت گزرتا گیا اور یہ  
بادشاہت بھی ختم ہوگئی اور انیسویں صدی کے شروع میں  
انگریزوں کا بادشاہ بس نام کا ہی بادشاہ رہ گیا تھا اور  
ساتھ ہی ایک پارلیمنٹ بھی بن گئی جس کے لوگوں کے  
نمائندے تھے۔ اس طرح سے انگلستان میں جمہوریت کی  
بنیاد پڑی۔

پیارے دوستو! تم بورتو نہیں ہو گئے نا؟ یہ تاریخ  
کی باتیں ہیں آپ کو اپنی جماعتوں میں آگے چل کر کام  
آئیں گی اس لئے انہیں ضرور کبھی کبھی دہرا دیا کرتا ہوں تاکہ  
تم کو دنیا کی تاریخ کی خبر ہو جائے۔

چنانچہ جب بادشاہ سارے قلعوں کو فتح کر کے  
ایک محل میں رہنے لگا تھا تو باقی کے قلعے ویران ہو  
گئے۔ ان میں کچھ تو ٹھیک ٹھاک رہے لیکن کچھ قلعے  
جو شہر سے دور تھے ٹوٹ گئے اور اس زمانے کے  
انگلستان کے پورے ڈاکوؤں کے ٹھکانے بن گئے اٹھارویں  
اور انیسویں صدی کے درمیان انگلستان میں بڑے کمزور  
جرائم ہوا کرتے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ناگ انگلستان  
کے اسی ویران اور ٹوٹے پھوٹے قلعے میں پہنچا۔ ناگ نے  
قلعے میں جا کر دیکھا کہ بڑا کثادہ دالان ہے جس کے فرش پر  
جگہ جگہ گھاس اُگی ہے۔ برآمدے میں ایک ڈھلانی راستہ  
اندھیرے میں نیچے جاتا تھا۔ یہ راستہ گھوڑوں وغیرہ کے لئے  
بنایا گیا تھا۔ ناگ ڈھلانی راستے سے نیچے اتر گیا۔ کونے میں  
ایک دروازہ تھا۔ جس پر موٹے جامے کا بھاری پردہ  
پڑا تھا۔ اندر سے ایسی آواز آئی جیسے کسی بھاری شے کو  
گھسیٹا گیا ہے۔ ناگ نے پردے کو ذرا سا اٹھا کر دیکھا۔  
دالین جل رہی تھی۔ ایک کھلی چھت والے بڑے ہال  
کمرے کے درمیان ایک سڑیچر پر جیسے کوئی لاش لوہے  
کی زنجیروں سے بندھی پڑی تھی اور وہی گھسیٹنے والی  
کا آدمی اب سفید ڈاکٹروں ایسا لمبا کوٹ پہنے لاش کے



اوپر جھپکا اس کی آنکھوں کو کھول کر دیکھ رہا تھا۔ دو  
 سفید کوٹوں والے آدمی اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے  
 ناگ نے تشویش کے ساتھ جیسے اپنے آپ سے کہا  
 یہاں کیا ہو رہا ہے؟

یہ جاننے کے لئے اگلی قسط نمبر ۱۳۲

”قبرستان کی ڈراؤنی رات“

پڑھنا نہ بھولے گا۔

Uploaded for:  
 Pakistan Virtual Library  
[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)





# تخلاد میں ماریا کی زندگی

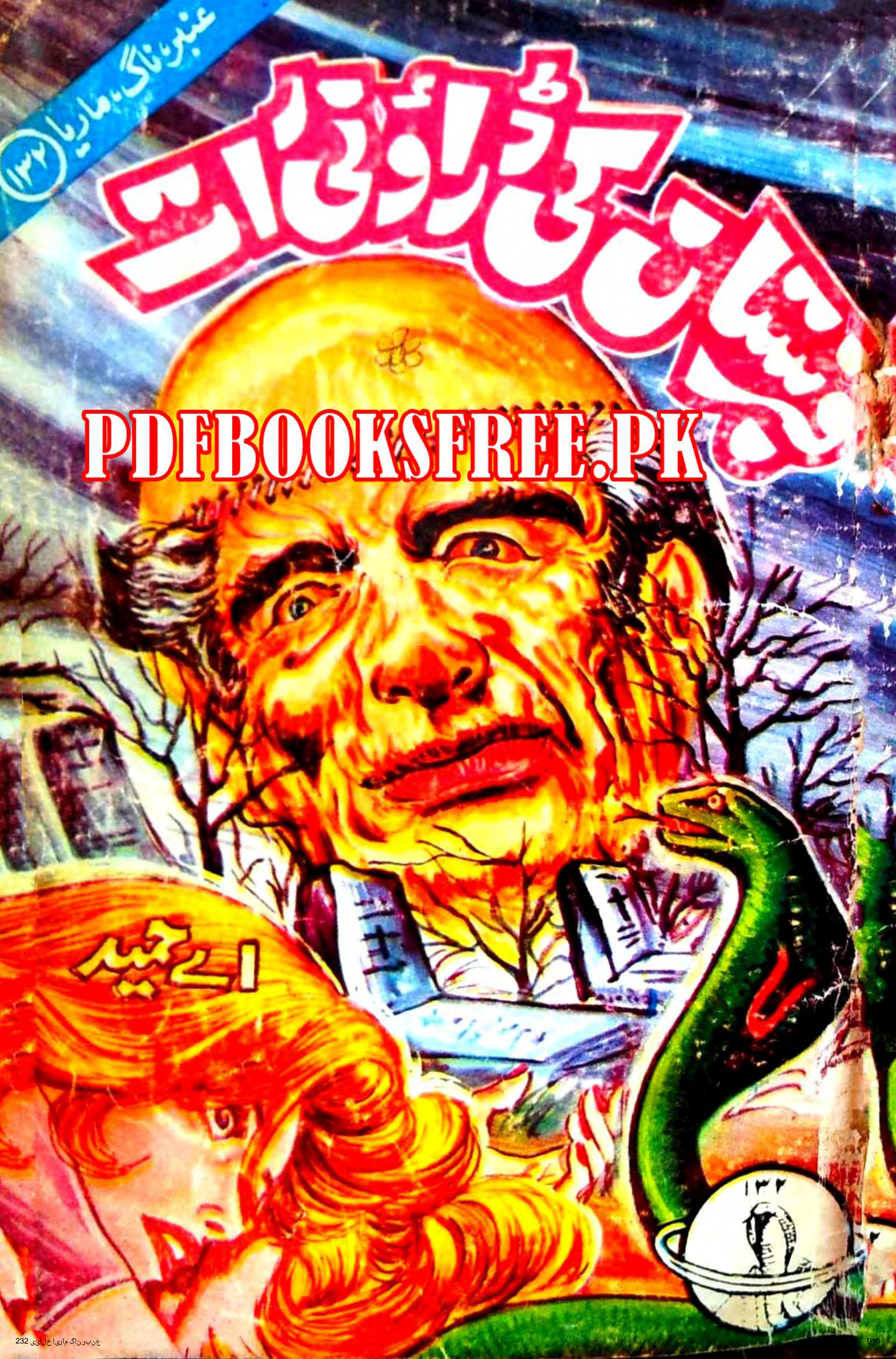


- ۱۰۱ خلائی جہاز کی مہم ۴/۵۰
- ۱۰۲ غیبی خلائی شیطان ۴/۵۰
- ۱۰۳ ماریا دوزخ میں ۴/۵۰
- ۱۰۴ خلائی کھوکھو ۴/۵۰
- ۱۰۵ مردوں کا ستارہ ۴/۵۰
- ۱۰۶ خونخوار انسانی کوڑی ۴/۵۰
- ۱۰۷ خطرناک طلسمی روشنی ۴/۵۰
- ۱۰۸ ہیبت ناک قلعہ ۴/۵۰
- ۱۰۹ غیبی شیشہ ۴/۵۰
- ۱۱۰ مادی دہوی کا گدھ ۴/۵۰
- ۱۱۱ آدمی عورت اور خلائی مخلوق ۴/۵۰
- ۱۱۲ غنبر اور زندہ لاش ۴/۵۰
- ۱۱۳ کیٹی اور زندہ لاش ۴/۵۰
- ۱۱۴ ماریا طوفانی رات میں ۴/۵۰
- ۱۱۵ خطرناک تجربہ ۴/۵۰
- ۱۱۶ سانپ کا قیدی ۴/۵۰
- ۱۱۷ موت کی چیلانگ ۴/۵۰
- ۱۱۸ مردے کی موت ۴/۵۰
- ۱۱۹ قبر کا ہاتھ ۴/۵۰
- ۱۲۰ جزیرے کا جھوٹ ۴/۵۰
- ۱۲۱ خوفناک مقابلہ ۴/۵۰
- ۱۲۲ ماریا کا بیٹا ۴/۵۰
- ۱۲۳ مینار کا جھوٹ ۴/۵۰
- ۱۲۴ انسانی قیندوا ۴/۵۰
- ۱۲۵ غیبی لاش خاص نمبر ۴/۵۰
- ۱۲۶ خوننی راز ۴/۵۰
- ۱۲۷ سرکشانگ ۴/۵۰
- ۱۲۸ غنبر کی قبر ۴/۵۰
- ۱۲۹ چاہ بابل کے قیدی ۴/۵۰
- ۱۳۰ منجوس مورتیاں ۴/۵۰
- ۱۳۱ ہنگامی نائن ۴/۵۰
- ۱۳۲ قبرستان کی ڈرامائی رات ۴/۵۰
- ۱۳۳ منگلا دہوی کا ترشل ۴/۵۰
- ۱۳۴ ماریا کھوڑی میں ۴/۵۰
- ۱۳۵ سیسی بیج ۴/۵۰
- ۱۳۶ باپ کی خوشبو ۴/۵۰

بیامعتبہ اقرا  
بی بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور-۸







PDFBOOKSFREE.PK





عقبرنگ، ماریا اور کمیٹی خلائیں  
قبرستان کی ڈراؤنی رات

اے حمید



پیارے دوستو!

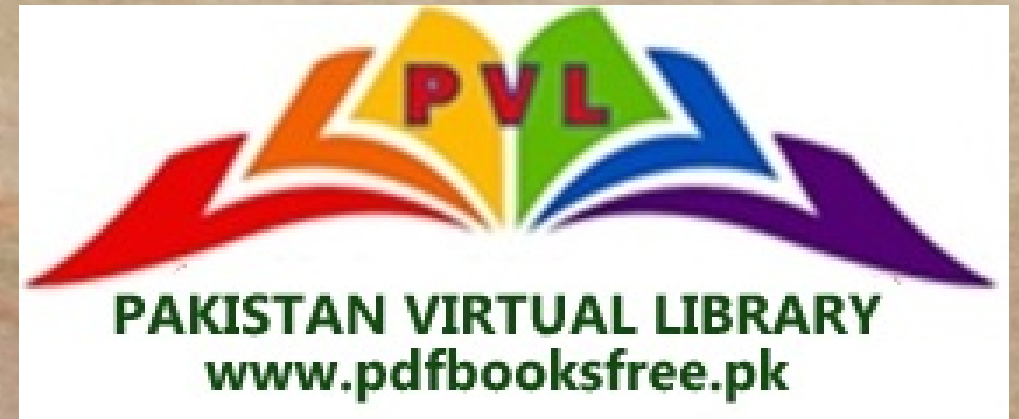
میں ایک بار پھر اپنے ان تمام ساتھیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے خط لکھ کر مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ آج سے عنبر ناگ ماریا کی کتابیں کرائے پر لے کر نہیں پڑھیں گے بلکہ خرید کر پڑھیں گے تاکہ عنبر ناگ ماریا کی پراسرار داستان کا سلسلہ بند نہ ہو۔ پیارے دوستو! یہ ہماری مجبوری ہے کہ ہم نے آپ کو خرید کر پڑھنے کے لیے کہا۔ کیونکہ اگر آپ کتاب خریدیں گے نہیں تو ہم کاغذ کاں سے خریدیں گے اور لکھائی چھپائی کیسے کریں گے اور عنبر ناگ ماریا کی کتابیں چھاپ کر آپ کی خدمت میں کیسے پیش کر سکیں۔ آپ اپنے جیب خرچ میں سے تھوڑے تھوڑے پیسے اگر بچا کر رکھ لیا کریں تو آپ پر بوجھ نہیں پڑے گا۔ ہم ایک بار پھر اس کے لیے معذرت چاہتے ہیں مگر ہم مجبور ہیں۔ عنبر ناگ ماریا کی کتاب چھاپنے پر بہت پیسے خرچ آتے ہیں۔ کبھی ہم آپ کو اس کی تفصیل بتائیں تو آپ بھی حیران رہ جائیں۔ ہاں، اس بار ناگ اور ماریا ایک سنسنی خیز ایڈیٹر میں گرفتار ہیں۔ ذرا پڑھیے اور دیکھئے کہ ان کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔

۴۵۴-N

انگل  
اے حمید

راہ چمن - سمن آباد - لاہور

قیمت ۵۰/۴ روپے



ذیل حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

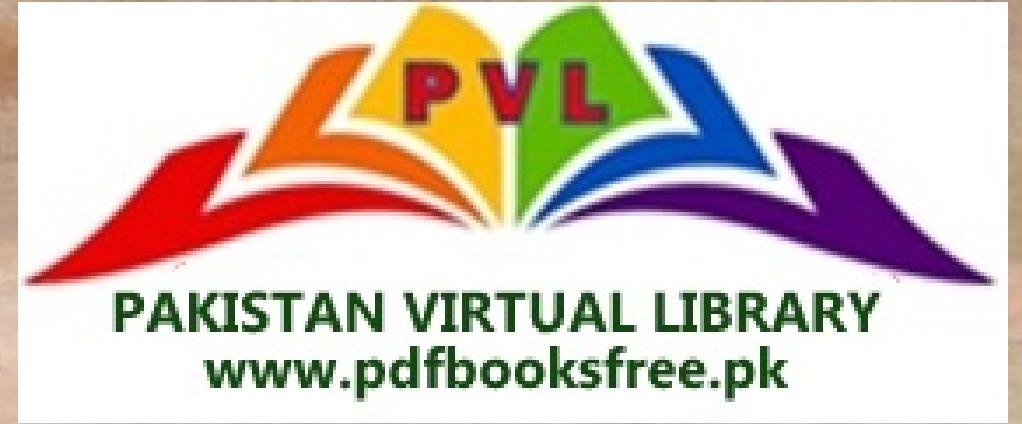
۱۹۹۹

ناشر: نیا مکتبہ اقرام، ۱۳ بی شاہ عالم پارک، لاہور  
طابع: تاج دین پبلشرز، آبکاری، لاہور



# لاش کا دماغ

قلعے کے اس کمرے کا ماحول بڑا پراسرار تھا۔  
 روشنی صرف اسی جگہ پر تھی جہاں لوہے کی ایک ستار  
 سے لائٹن ٹپک رہی تھی۔ بوسیدہ بال کمرے کی کالی سیاہ  
 دیواریں اوپر چھت تک چلی گئی تھیں۔ سٹریچر پر لاش  
 بندھی ہوئی تھی۔ ناگ حیران تھا کہ اگر یہ لاش ہے تو  
 اس کو زنجیروں سے باندھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر  
 اسے باندھا گیا ہے تو یہ لاش نہیں ہو سکتی۔ تینوں  
 پراسرار انگریز ڈاکٹر گتے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ ایک  
 دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ ناگ تک ان کی  
 صرف دھیمی آواز ہی آ رہی تھی ان کے الفاظ نہیں پہنچ  
 رہے تھے۔ ناگ کے دل میں ان کی باتیں سننے کی  
 خواہش پیدا ہوئی۔ وہ ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ سانس  
 آہستہ سے کھینچ کر چھوڑا اور ایک چھوٹے کچالے  
 سانپ کی شکل میں پردے کے نیچے سے گذر کر



○ لاش کا دماغ  
 ○ خطرناک ٹھگنا شیطان  
 ○ قبرستان کی ڈراؤنی رات  
 ○ دہشت ناک پھنکار  
 ○ قبر میں آجاؤ



قلعے کے پراسرار ہال کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ رینگتا ہوا لاش والے سٹریچر کے قریب پڑے دو چوکر کنستروں کی اوٹ میں چھپ کر ان تینوں آدمیوں کی باتیں سننے لگا۔ ٹھکنے قد کا چھوٹی ڈاڑھی والا آدمی کہہ رہا تھا۔

”یہ ابھی پوری طرح مرا نہیں ہے۔ اس میں کچھ جان باقی ہے۔“

ٹھکنے قد اور چھوٹی ڈاڑھی والے آدمی کا نام ڈاکٹر جارج تھا۔ اس نے لاش کو ایک بار پھر غور سے دیکھا اور کہا:

”نہیں۔ میں چاہتا ہوں یہ آکسیجن کم ہو جانے کی وجہ سے آہستہ آہستہ موت کی نیند سوئے۔ ہمیں اس کے بعد اس کا دماغ بدلنے میں آسانی ہو گی۔ زہریلے ٹیکے سے اس کے اعضا کی رگیں ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔“

تیسرا دبلا پتلا ڈاکٹر بولا:

”ڈاکٹر جارج! ہمیں پہلے ہی کتنے دن لگ گئے ہیں۔ اب ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں اپنا کام جلدی ختم کرنا چاہیے۔“

ڈاکٹر جارج نے ایک گہرا سانس لیا اور کہنے لگا: ”میں جانتا ہوں۔ مگر یہ میڈیکل طریقہ کار ہے۔ اسے میڈیکل طریقے سے ہی ختم کرنا بہت ضروری ہے۔ تم ایسا کرو کہ اس لاش کی کھوپڑی میں ڈالنے کے لیے دماغ کا بندوبست شروع کر دو۔“

دبلا پتلا ڈاکٹر بولا:

”کل رات ایک قاتل کو سزائے موت دی جانے والی ہے۔ میری ڈیوٹی پھانسی گھر میں لگی ہے۔ مجھے معلوم ہو جائے گا کہ پھانسی دینے کے بعد قاتل کی لاش کو کہاں دفن کیا گیا ہے۔ کل رات کے پچھلے پہر ہم قبرستان میں سے قاتل کا سر کاٹ کر لے آئیں گے اور پھر یہاں اس کا دماغ نکال کر اس لاش کی کھوپڑی میں لگا دیں گے۔“

ڈاکٹر جارج نے اطمینان کا سانس لے کر کہا:

”ٹھیک ہے۔ ہم کل رات کے پچھلے پہر اس لاش کے سر کا آپریشن شروع کریں گے۔ اس وقت تک یہ بالکل مردہ ہو چکی ہو گی۔ اب



میں یہاں سے واپس چلنا چاہیے۔  
 پھر وہ تیسرے ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر بولا:  
 "ڈاکٹر نکوما تم اسی جگہ لاش کی حفاظت کرو  
 گے۔ میں اپنے گھر جا رہا ہوں صبح مجھے  
 کلینک بھی کھولنا اور مریضوں کو دیکھنا ہوتا ہے۔"  
 پھر دبے پتے ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا:  
 "ڈاکٹر بیٹنی تم اپنے گھر جاؤ۔ کل رات ہمیں  
 قاتل کا سرکاٹ کر یہاں لانا ہو گا۔ میں تمہارا  
 اسی جگہ انتظار کروں گا۔ ڈاکٹر نکونی بھی میرے  
 ساتھ اسی قلعے کی لیبارٹری میں ہو گا۔ ہمیں  
 صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں پہنچ جانا چاہیے۔"  
 دبے پتے ڈاکٹر بیٹنی نے کہا:

"میں منہ اندھیرے سے پہلے یہاں آ جاؤں گا  
 ڈاکٹر جارج! تم مطمئن رہو۔ یہ ہم سب کا انتہائی  
 اہم اور قیمتی مشن ہے۔"

ڈاکٹر جارج نے اپنا چمڑے کا بیگ اٹھایا اور باہر  
 کی طرف چلا۔ ڈاکٹر بیٹنی اس کے ساتھ ہی تھا۔ ناگ  
 کنستروں کے پیچھے چھپا یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔  
 اس نے سوچا کہ اسے ڈاکٹر جارج کے کلینک کا پتہ

کرتا چاہیے کیونکہ یہی آدمی کسی مردہ قاتل کا سر لانے  
 والا ہے۔ ناگ کو شبہ تھا کہ یہ شخص شاید کسی زندہ  
 انسان کا سر کاٹ کر لانے والا ہے۔ اس نے عہد  
 کر لیا تھا کہ اگر ڈاکٹر نے ایسی بھیانک حرکت کی تو  
 وہ اسے وہیں موت کی نیند سلا دے گا۔ دوسرے  
 ناگ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ شیطان ایسا ذہین  
 رکھنے والے جہارم پیشہ ڈاکٹروں کی ٹولی کیا کرنے کا ارادہ  
 رکھتی ہے اور ان کا مشن کیا ہے؟

چنانچہ ناگ بھی قلعے سے باہر نکل آیا۔ ٹھگ ڈاکٹر  
 جارج اور دبلا پتلا ڈاکٹر بیٹنی دونوں قلعے سے شہر کی  
 طرف جانے والی سنان اندھیری سڑک پر چلے جا  
 رہے تھے۔ ناگ نے عقاب کی شکل بدل اور ہوا میں  
 بند ہو کر ان کے سروں کے اوپر ساتھ ساتھ اڑنے  
 لگا۔ یہ سنان اندھیری سڑک ایک چراگاہ میں سے گزر  
 رہی تھی۔ اس کی دونوں جانب اونچے اونچے یوکلپٹس  
 کے درخت خاموش کھڑے تھے۔ انگلستان میں سردی  
 کا موسم شروع ہو چکا تھا اور رات کافی سرد تھی۔  
 دونوں ڈاکٹروں نے اپنے گرم لمبے کوٹوں کے کار گردنوں  
 پر اوپر اٹھا رکھے تھے اور سروں پر بھی گرم ہیٹ



تھے۔ وہ خاموشی سے چلے جا رہے تھے۔ چراگاہ کا چکر  
کاٹ کا سڑک ایک محصول چوٹگی کی چوکی پر پہنچی تو  
انہیں وہاں ایک خالی بجھی مل گئی۔ وہ بجھی میں سوار  
ہو گئے۔ ناگ بھی بجھی کے ساتھ ساتھ اڑنے لگا۔  
بجھی غریب لوگوں کے پرانے مکانوں والی آبادی سے  
نکل کر شہر میں داخل ہو گئی۔ ناگ نیچے آ کر پرواز  
کرنے لگا۔ اس نے دیکھا۔ شہر کا ایک محرابی گرجا گھر  
ایسا بہت بڑا گیٹ تھا جس کا دروازہ غائب تھا۔ اس  
گیٹ کے باہر ایک نیلی تختی پر انگریزی لفظوں میں لندن  
لکھا تھا۔ ناگ کا اندازہ بالکل درست نکلا۔ یہ انگلستان  
ہی تھا مگر انیسویں صدی کے شروع کا لندن تھا جب  
شہر میں گیس کے لیمپ جلتے تھے اور سڑکوں پر  
گھوڑوں والی بگھیاں چلتی تھیں۔ ابھی بجلی، موٹریں، ٹیلی فون  
اور سائنس کی دوسری چیزیں ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ لندن  
شہر گنجان آباد تھا۔ اس کی تنگ پتھریلے فرش والی  
گلیوں کے کونوں پر گیس کے لیمپ روشن تھے۔ مگر  
ان کی روشنی بجلی کی روشنی سے بہت ہلکی اور دھیمی  
تھی۔ مکانوں کے چھجے آگے کو جھکے ہوئے تھے اور  
اندھیری سنان یخ بستہ رات میں بڑے آسپی لگ رہے

تھے۔ بجھی جارج کے مکان کے آگے جا کر ٹک گئی۔ ڈاکٹر  
جارج یہاں اتر گیا۔ ناگ نے ڈاکٹر جارج کے مکان  
کو بھی ذہن میں بٹھالیا اور اب بجھی کے ساتھ ساتھ  
ڈاکٹر پٹنی کے مکان کی طرف اڑنے لگا۔ ڈاکٹر پٹنی کا  
مکان کافی آگے جا کر ایک تنگ سے بازار کے  
اندر گلی کے کونے پر تھا۔ وہ بھی بجھی سے اتر کر اپنے  
مکان میں داخل ہو گیا۔ ناگ مکان کی دوسری منزل کے  
بالکل سامنے کھجے پر بیٹھ گیا۔ یہاں سے اسے ڈاکٹر پٹنی  
کے مکان کی دوسری منزل صاف نظر آ رہی تھی۔ کھڑکی  
بند تھی مگر شیشے پر پردہ نہیں گرا تھا۔ ڈاکٹر پٹنی کمرے  
میں آیا۔ اس نے رات کا لباس پہنا۔ آتش دان میں  
جلتی ہوئی آگ کو لوہے کی سلاخ سے کرایدا اور پلنگ  
پر بیٹھ کر اپنی ڈائری میں کچھ لکھنے لگا۔ اتنے میں ایک  
نوجوان لڑکی نوکرانیوں ایسا لباس پہنے سر پر سفید ٹوپی  
جھائے طشتی میں دودھ کا گلاس رکھے اندر آئی اس  
نے ڈاکٹر پٹنی کو دودھ پیش کیا۔ پٹنی نے گلاس اٹھا کر  
سارا دودھ پی لیا اور نوکرانی کی طرف دیکھ کر مسکراتے  
ہوئے کچھ کہا۔ نوکرانی بھی مسکراتے ہوئے۔ پھر ڈاکٹر پٹنی نے  
کھڑکی کے پردے کی طرف اشارہ کیا۔ نوکرانی جلدی سے



کھڑکی کی طرف آئی اور پردہ آگے کر دیا۔

اب ناگ کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے، پھر بیڈ روم کی گیس کی روشنی گل ہو گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ ڈاکٹر پٹنی دودھ پی کر سو گیا ہے۔ ناگ وہاں سے اڑا اور قدیم لندن شہر کے اوپر حکمران لگا۔ سارا شہر سو رہا تھا۔ گلیوں بازاروں میں کہیں کہیں گیس کے لمپ روشن تھے۔ کسی کسی بازار میں سفید دھند پھیلی ہوئی تھی۔ کئی مکانوں کی چھتوں پر مگتی چمنیوں میں سے ٹکڑی کا دھواں نکل رہا تھا یہ وہ مکان تھے جہاں آتش دانوں میں آگ روشن تھی تاکہ کمرے گرم رہیں۔ دور دریائے ٹیمز ایک سفید دھندلی چادر کی طرح زمین پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے بادشاہ کا محل بکنگھم پیلس اور پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔ دریائے ٹیمز کے اوپر ایک جگہ لندن کا بدنام ترین ٹاور آف لندن تھا۔ جس کے بارے میں آج بھی مشہور ہے کہ وہاں قیدیوں کو اذیت دے دے کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ ناگ نے پرانے پراسرار لندن کے تمام علاقوں میں پرواز کر کے فضا کو بار بار سونگھا۔ اسے کسی جگہ سے ماریا کی خوشبو نہ آئی۔ ایک تو وہ اس لیے بھی پریشان

تھا کہ اپنے دوستوں عبرتیوسانگ اور کیٹی کے زمانے سے نکل کر ان سے کئی سو برس آگے کے زمانے میں لندن شہر میں نکل آیا تھا اور دوسرے اسے یہ پریشانی انگ تھی کہ ماریا اس کے ہاتھ سے نکل کر خدا جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔ اسے دیو داسی چندریکا کا بھی خیال لگا تھا کہ شاید اس زمانے میں کسی جگہ اس سے بھی ملاقات ہو جائے۔ لیکن اس وقت ناگ یہ پتہ کرنا اپنا انسانی فرض سمجھتا تھا کہ یہ تینوں خصلت میں سے ٹکڑی کا دھواں نکل رہا تھا یہ وہ مکان تھے جہاں آتش دانوں میں آگ روشن تھی تاکہ کمرے گرم رہیں۔ دور دریائے ٹیمز ایک سفید دھندلی چادر کی طرح زمین پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے بادشاہ کا محل بکنگھم پیلس اور پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔ دریائے ٹیمز کے اوپر ایک جگہ لندن کا بدنام ترین ٹاور آف لندن تھا۔ جس کے بارے میں آج بھی مشہور ہے کہ وہاں قیدیوں کو اذیت دے دے کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ ناگ نے پرانے پراسرار لندن کے تمام علاقوں میں پرواز کر کے فضا کو بار بار سونگھا۔ اسے کسی جگہ سے ماریا کی خوشبو نہ آئی۔ ایک تو وہ اس لیے بھی پریشان



بنائی گئی تنگ سڑکوں میں گھوڑا گاڑیاں نکل آئیں اور  
پرانی وضع کے لمبے لمبے پھولے ہوئے گاؤں پہننے لپ  
آنے لگیں۔ ناگ اڑ کر واپس اسی لاش والے قلع  
میں آ گیا۔

دن کی روشنی میں بھی قلعہ بڑا پراسرار اور آسیب  
لگ رہا تھا۔ سردیوں میں لندن کے دن دھندلے دیر  
اور افسردہ ہوتے ہیں۔ پرانے زمانے میں تو ویرانی بہت  
زیادہ ہوا کرتی تھی۔ تنگ و تاریک گلیوں میں دن  
کے وقت بھی اندھیرا چھایا رہتا تھا اور لوگوں کو دن  
دھاڑے لوٹ کر مار ڈالا جاتا تھا۔ یہاں ایسی پرانی حویلی  
اور مکان بھی تھے جن میں کوئی نہیں رہتا تھا۔ کیوں کر  
لوگوں کا خیال تھا کہ وہاں بھوت پریت نے پسیرا کر  
رکھا ہے اور راتوں کو بیچوں کی آوازیں آتی ہیں۔ ناگ نے  
دیکھا کہ لاش والا قلعہ بھی سرد ویران دھندلی دھندلی  
ڈوبا ہوا تھا۔

اس زمانے میں شہروں کی آبادی ویسے بھی کم  
کرتی تھی۔ پراسرار قلعہ شہر سے کافی دور ایک اسیڑی  
ہوئی پجراہ گاہ کے پاس تھا۔ یہاں دن کے وقت بھی  
کوئی نہیں آتا تھا۔ ویران قلعے میں کوئی کیا کرتے آتے

گا۔ ناگ عقاب ہی کی شکل میں قلعے کے اندر چلا  
آیا۔ سامنے ڈھلانی راستہ تھا جس کے آگے موم جامے کا  
بھاری پردہ گرا ہوا تھا۔ عقاب نے اس جگہ پہنچ کر ایک  
بار پھر سانپ کی شکل بدلی اور بھاری پردے کے نیچے  
سے گذر کر دوسرے کشادہ ہال کمرے میں آ گیا۔ تین ڈاکٹروں  
کی پراسرار خطرناک ٹولی کا تیسرا ڈاکٹر نکوما لاش والے سڑیچر  
سے چند قدم کے فاصلے پر دیوار میں بنے ہوئے آتشان  
کے سامنے پرانی آرام کرسی پر نیم دراز آگ تاپ رہا  
تھا۔ آتش دان میں پتھر کے کوئلے دہک رہے تھے۔  
سارا ہال کمرہ سرد اور نیم روشن تھا۔ آتشان کی گرمی  
بھی سردی کی شدت کو ختم نہیں کر رہی تھی۔ سڑیچر کے  
قریب تار سے بندھی ہوئی لائٹیں بجھ چکی تھیں۔ لاش  
بے حس و حرکت زنجیروں میں بندھی پڑی تھی۔ ناگ  
کے دل میں لاش کو ایک بار پھر دیکھنے کی خواہش  
پیدا ہوئی۔

ہال کمرے کی فضا میں بھی باہر پھیلی ہوئی ہلکی دھند  
کی لہریں داخل ہو رہی تھیں۔ ناگ فرش پر ریگتا ایک  
بار پھر لاش کے سڑیچر کے قریب آ گیا۔ اب وہ  
لاش کے پاؤں کی جانب سے ریگتا ہوا سڑیچر پر



پڑھ گیا۔ وہ لاش کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔  
 جو نہی وہ لاش کے نیچے پاؤں سے ٹکراتا ہوا آگے  
 گزرا لاش کے پاؤں میں حرکت پیدا ہو گئی۔ لاش  
 نے سانپ کے ریٹنے کو محسوس کر لیا تھا اور اس  
 نے اپنے پاؤں یوں ہلاتے جیسے سانپ کو پیچھے ہٹا  
 رہا ہو۔ ناگ ایک سیکنڈ کے لیے روک گیا۔ گویا یہ  
 لاش ابھی زندہ تھی۔ ناگ نے ایک بار پھر اپنی دم  
 لاش کے پاؤں سے لگائی تو لاش کے حلق سے ہلکی  
 سی عزاہٹ کی آواز نکلی۔ یہ آواز ایسی ڈراؤنی تھی کہ  
 ناگ کے جسم کے بھی رنگے کھڑے ہو گئے۔ ناگ کو  
 یوں محسوس ہوا جیسے کسی چڑیل کا گلا گھونٹا جا رہا ہو  
 اور اس کے حلق سے زندگی کی آخری بھیانک آواز  
 نکل رہی ہو۔

یہ آواز سن کر آتشان کے سامنے آرام کرسی پر  
 بیٹھا نکوما جلدی سے اٹھ کر سٹریچر کی طرف آیا۔ ناگ  
 فوراً سٹریچر سے اتر کر اس کے پیچھے کی طرف چلا گیا۔  
 ڈاکٹر نکوما نے لاش کو جھک کر دیکھا۔ لاش کا ٹھنڈا  
 ساکت بے حس ڈراؤنا چہرہ بالکل سپاٹ خاموش اور مردہ  
 تھا۔ نکوما نے لاش کی ایک آنکھ کا پیوٹا اوپر کو اٹھایا۔ اند

سے لاش کا ڈیلا چٹا سفید ہو چکا تھا۔ نکوما نے لاش کا  
 چہرہ سفید کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ اس کے بعد وہ  
 واپس آتش دان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔  
 ناگ ریٹنگ کر سٹریچر کے اوپر آیا تو اس نے دیکھا  
 کہ لاش کا چہرہ ڈھکا ہوا ہے۔ ناگ نے ایک بات  
 خاص طور پر محسوس کی تھی کہ لاش ابھی زندہ تھی۔ اس  
 کے جسم سے دل کی ہلکی ہلکی دھڑکن کی آواز آ رہی تھی۔  
 ناگ سٹریچر سے اتر کر ٹھنڈے سیاہ پتھریلے فرش پر ریٹتا  
 ہوا باہر کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک نکوما کی نظر اس  
 پر پڑ گئی۔ وہ لوہے کی سلاح لے کر ناگ کی طرف  
 دوڑا۔ ناگ تیزی سے ریٹنے لگا۔ نکوما نے سلاح زور  
 سے ناگ پر دے ماری۔ مگر ناگ وہاں سے جا چکا  
 تھا۔ وہ بجلی ایسی تیزی کے ساتھ ریٹتا ہال کمرے سے  
 باہر چلا گیا تھا۔ ڈاکٹر نکوما حیران تھا کہ اتنی سخت سردی  
 میں یہاں سانپ کہاں سے آ گیا۔ انگلستان میں سانپ  
 ویسے ہی نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں اور سردی کے  
 موسم میں تو چیونٹی بھی بل سے باہر نہیں نکلتی پھر یہ  
 سیاہ کالا سانپ کہاں سے نکل آیا تھا۔ نکوما کی سمجھ  
 میں کچھ نہ آیا تو وہ آتشدان کے پاس آرام کرسی پر



بیٹھ گیا اور سانپ کے بارے میں مھوڑی دیر تک سوچ رہا۔ پھر اسے اٹھنگھ اُگئی۔ ناگ قلعے سے نکلے ہی پرندہ بن کر اڑا اور شہر لندن کی طرف چلا گیا۔ شہر سب سے دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ ناگ سیدھا ڈبلے پتلے ڈاکٹر پٹنی کے مکان پر جا پہنچا۔ کیوں کہ اس پراسرار ڈاکٹر نے آج رات پھانسی پانے والے ایک قاتل کی گردن اڑا کر لے جانی تھی۔

ڈاکٹر پٹنی کے بیڈ روم کی کھڑکی بند تھی اور آگے پردہ گرا ہوا تھا۔ ناگ کافی دیر تک سامنے والے باغ کے درخت پر بیٹھا رہا۔ اسی طرح دن عروب ہو گیا اور شام کے اندھیرے نے ٹھنڈی دھند میں ڈوبے ہوئے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تنگ و تاریک گلیوں میں گیس کے لمپ روشن ہو گئے مگر دھند کی وجہ سے ان کی روشنی وہیں آس پاس ہی بکھر رہی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ اب ڈاکٹر پٹنی کے مکان کے اندر چل کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

ناگ درخت سے اترنے ہی والا تھا کہ کھڑکی کا پردہ ہٹ گیا۔ ناگ نے دیکھا کہ بیڈ روم میں میز لگا دیا گیا تھا اور وہی نوجوان نوکرانی میز پر رات کا کھانا لگا رہی تھی۔

ڈاکٹر پٹنی بھی آہستہ آہستہ چلتا دھاں آ گیا اور خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ نوکرانی اس کے پاس خاموش کھڑی تھی۔ کھانا کھاتے کھاتے رات ہو گئی۔ ڈاکٹر پٹنی اٹھا۔ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ نوکرانی اس کے ساتھ گئی۔ چند لمحوں کے بعد ڈاکٹر پٹنی مکان کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا۔ اس نے سیاہ سوٹ کے اوپر کالا اور کوٹ اور سیاہ ہیٹ پہن رکھا تھا۔ وہ اس وقت ناگ کو کوئی جلد لگ رہا تھا۔ وہ جیل خانے اپنی ڈیوٹی پر جا رہا تھا شاید، جہاں آج رات ایک قاتل کو پھانسی دی جا رہی تھی۔

ایک گھوڑا گاڑی ڈاکٹر کے قریب آ کر سڑک کے کنارے ٹک گئی۔ گھوڑوں کے نتھنوں سے بھاپ نکل رہی تھی۔ سردی میں کوچوان بھی اپنی سیٹ پر بیٹھا اپنے دستاؤں والے ہاتھ مل رہا تھا۔

ڈاکٹر پٹنی نے کوچوان سے کہا:  
"جیل خانے چلو۔"

اور دروازہ کھول کر گھوڑا گاڑی یعنی بند بگھی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی کلپ کلپ کلپ کی آواز پیدا کرتی دھند اور اندھیرے میں ڈوبی سڑک پر بڑے جیل گھر



کے پیچھے جا کر چپک گیا۔ ڈاکٹر کو بالکل خبر نہ ہو سکی کہ اس کے اودر کوٹ کے پیچھے ایک چھوٹا سا سانپ چپکا ہوا ہے۔ کوٹ کا رنگ بھی کالا تھا۔ سانپ کا رنگ بھی کالا تھا کسی کو پتہ نہیں لگ سکتا تھا۔

ڈاکٹر پٹنی کو جیل کے سارے لوگ جانتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آج رات ایک بدنام اور ظالم قاتل کو پھانسی ملنے والی ہے اور ڈاکٹر پٹنی اس کی موت کی تصدیق کرنے اور اس کی موت کا سرٹیفکیٹ دینے کے لیے آیا ہے۔ وہ سیدھا جیل کے سپرنٹنڈنٹ کے آفس میں گیا۔ آفس میں سپرنٹنڈنٹ گیس کی دھیمی روشنی میں کرسی پر بیٹھا ضروری کاغذات تیار کر رہا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کے سلام کا جواب صرف سر ہلا کر دیا اور بولا:

”ڈاکٹر! ہمیں چیف کمشنر کی طرف سے حکم آیا ہے کہ مجرم کو آدھی رات کے وقت پھانسی دے دی جائے اس لیے اچھا ہوا تم پہلے آ گئے۔ نہیں تو میں تمہاری طرف اپنا آدمی دوڑانے ہی والا تھا۔“

ڈاکٹر پٹنی نے آنکھیں میڑھتے ہوئے پوچھا:

”ٹھیک ہے۔ لیکن اس کی قبر کا بندوبست کر لیا ہے

کی طرف چل پڑی۔ ناگ بھی عقاب کی شکل میں اس کے اوپر اڑنے لگا۔ گھوڑا گاڑی ایک بندھی ٹکی اور پنی تلے چال چلتی شہر کے گنجان علاقوں سے گذرتی۔ رات کے سناٹے میں گھوڑے کے ٹاپوں کی خاص آواز نکالتی جیل خانے کے بڑے دروازے کے سامنے جا کر رُک گئی۔ ڈاکٹر پٹنی نے جیل کے گیٹ پر کھڑے سنتری کو اپنا شناختی کارڈ دکھایا۔ سنتری نے گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول دیا۔ ڈاکٹر پٹنی جیل خانے کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ ناگ بھی اس کے ساتھ ہی احاطے میں آ گیا۔ آگے جیل خانے کی تین منزلہ پرانی اور لمبی چوڑی بھدی سیاہ بوجھل اور ڈراؤنی عمارت کھڑی تھی۔ ڈاکٹر پٹنی تیز تیز قدم اٹھاتا جیل کی عمارت کی طرف چلا جا رہا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ اب اسے کسی دوسرے روپ میں جیل کے اندر جانا ہو گا۔ یہ کون سا روپ ہو سکتا تھا؟ سانپ کی شکل میں اندر جاتے ہوئے وہ دروازے پر دیکھا جا سکتا تھا۔ ناگ کے ذہن میں تیزی سے ایک خیال آیا۔ وہ فضا میں ہی غوطہ لگا کر نیچے احاطے کے فرش پر گرا اور گرتے ہی ایک چھوٹا سا سانپ بن کر ایک ہی پھلاناگ میں ڈاکٹر پٹنی کے لمبے گرم کوٹ



کیا؟ کیونکہ یہ لاوارث لاش ہوگی۔ اس کا کوئی رشتہ دار وغیرہ نہیں ہے۔“

سپرٹنڈنٹ بولا: ”ڈاکٹر! ہم نے اسے جیل کی دیوار کے پیچھے ویران قبرستان میں دفن کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مگر وہاں ابھی قبر تیار نہیں ہو سکی۔“

ڈاکٹر پٹنی کو کچھ تشویش ہوئی۔ کہنے لگا: ”تو پھر اسے کب دفن کیا جائے گا؟ لاش تو خراب ہو جائے گی۔“

سپرٹنڈنٹ نے کاغذات کی کتاب بند کر دی اور کہا: ”ہم صبح تک لاش کو تابوت میں ڈال کر جیل کے مردہ گھر میں رکھیں گے۔ وہاں برف پہلے سے لگا دی گئی ہے۔ لاش خراب نہیں ہوگی۔ صبح قبر بھی کھدوا دی جائے گی۔“

ڈاکٹر پٹنی کے ذہن میں ایک نئی اسکیم تیزی سے تیار ہو گئی تھی۔ تاگ ابھی تک اس کے لمبے سیاہ کوٹ کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور یہ ساری گفتگو سن رہا تھا۔ ڈاکٹر پٹنی اٹھا اور بولا:

”میں مجرم کا ڈاکٹری معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔“  
”ضرور ڈاکٹر ضرور۔ یہ تو تمہاری ڈیوٹی میں

شامل ہے۔“

یہ کہہ کر جیل کا سپرٹنڈنٹ ڈاکٹر کو ساتھ لے کر پھانسی پلے والے قاتل کی کوٹھڑی میں آ گیا۔ تاگ اب ڈاکٹر پٹنی کے کوٹ کے چوڑے کالر کے نیچے آ کر باہر جھانک رہا تھا۔ کوٹھڑی میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ تاگ نے دیکھا کہ کوٹھڑی میں ایک پنخ پر سوکھے گھاس کا گدیلا پڑا ہے جس پر ایک ہٹا کٹا آدمی جس کا سر منڈا ہوا ہے سر گھٹنوں میں دیئے بیٹھا ہے۔ جیل کے سپرٹنڈنٹ کے پیچھے دو سپاہی بندوقیں لیے چوکس کھڑے تھے۔ قاتل کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ اس نے حاکمانہ انداز میں کہا:

”ڈاکٹر تمہارا ڈاکٹری معائنہ کرنے آیا ہے۔“

قاتل نے چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس پر موت کا خوف طاری تھا۔ ڈاکٹر پٹنی نے ٹوٹی لگا کر مجرم کے دل کی دھڑکن نوٹ کی اور کہا: ”ٹھیک ہے۔“

یہ لوگ پھانسی کی کوٹھڑی سے باہر آ گئے۔ ڈاکٹر پٹنی پھانسی گھر میں جا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ تاگ ابھی تک اس کے لمبے گرم کوٹ کے چوڑے کالر کے



نیچے چھپا ہوا تھا۔ ناگ اتنا چھوٹا سانپ بنا ہوا تھا کہ اس پر کسی کی نظر پڑ ہی نہیں سکتی تھی۔ ویسے بھی وہاں اندھیرا اندھیرا تھا۔ ایک مجسٹریٹ بھی وہاں پہلے سے موجود تھا۔ تھوڑی دیر میں چار آدمی مجرم کو لے آئے ایک خالی تابوت چبوترے کے قریب ہی رکھا تھا۔ مجرم کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ انسان غصے یا حرص و ہوس یا لاش میں آکر دوسرے کا خون تو بہا دیتا ہے لیکن جب اس کی سزا ملتی ہے تو اس کا جسم کانپ رہا ہوتا ہے۔ دل لرز رہا ہوتا ہے اور وہ بیچھٹاتا ہے کہ کاش میں عقل سے کام لیتا اور غصے پر قابو پا لیتا مگر اس وقت بیچھٹانے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ قاتل کو پہچانی دے دی گئی۔ ڈاکٹر پٹنی نے اس کی موت کی تصدیق کر کے سرٹیفکیٹ دے دیا۔ پھر اس کی لاش تابوت میں ڈال کر مردہ خانے کے ٹھنڈے کمرے میں پہنچا دی گئی۔ جیل سپرنٹنڈنٹ اور مجسٹریٹ بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ڈاکٹر پٹنی کیسے جا سکتا تھا۔ اسے تو اپنی اسکیم پر عمل شروع کرنا تھا۔ وہ بہانہ بنا کر ہاتھ روم میں چلا گیا۔ پھر اپنا بیگ لیے باہر نکلا اور مردہ خانے کی طرف چل پڑا۔

مردہ خانے کے باہر ایک سنتری برائے نام ہی پہرہ دے رہا تھا۔ کیوں کہ مردہ خانے میں کوئی کیا پوری کرنے یا کسی کو اعوا کرنے آئے گا بھلا۔ سنتری باہر پنج پر بیٹھا اذنگھ رہا تھا۔ ڈاکٹر پٹنی کو دیکھ کر وہ ایک دم بولا:

”کون ہے؟“

ڈاکٹر پٹنی نے مسکراتے ہوئے کہا:

”میں ہوں ڈاکٹر پٹنی! میں لاش کا ایک بار پھر معائنہ کرنے آیا ہوں۔ دراصل میں تسلی کرنا چاہتا ہوں کہ وہ مر گیا ہے۔“

سنتری نے نیند بھری آواز میں کہا:

”دردازہ کھلا ہے ڈاکٹر! اندر لاش تابوت میں رکھی ہے جا کر معائنہ کر لو۔“

سنتری ڈاکٹر کو پہچانتا تھا۔ ڈاکٹر پٹنی جلدی سے مردہ خانے میں گھس گیا۔ مردہ خانے میں برف کے بڑے بڑے بلاک رکھے تھے۔ ان کے درمیان ایک تابوت پڑا تھا جس میں میخیں ٹھکی تھیں۔ ڈاکٹر پٹنی نے قریب ہی دیوار کے ساتھ لگا ہوا آنکڑا اٹھایا اور تابوت کے بڑے کیل آہستہ آہستہ سے اکھاڑ کر تابوت کا منہ کھول دیا۔



ناگ ڈاکٹر پٹنی کے کار کے ساتھ چپکا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے قاتل کی لاش کے منہ پر سے کپڑا ہٹا کر پیچھے کر دیا۔ اب وہ ایک ماہر ڈاکٹر بن گیا جو لاش کی چیر پھاڑ کرنے والا ہو۔ پھر اس نے اپنے بیگ میں سے ایک چھوٹی مگر بے حد تیز دندانوں والی آری نکالی۔ اسے لاش کی گردن پر رکھ کر زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ چند لمحوں کے اندر ڈاکٹر پٹنی نے لاش کا سر کاٹ کر اسے کاغذ میں پیٹا اور اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ بیگ کو بند کیا۔ پھر لاش کے اوپر کپڑا ڈالا اور تابوت کا ڈھکنا میخوں سے اچھی طرح بند کر دیا۔

مردہ خانے سے باہر نکل کر ڈاکٹر پٹنی نے سنتری سے کہا :

”ٹھیک ہے۔ لاش زندہ نہیں۔ میری تسلی ہو گئی ہے۔“

سنتری اونگھ رہا تھا۔ ذرا سی ہان کہہ کر دوبارہ اونگھنے لگا۔

ڈاکٹر پٹنی بیگ ہاتھ میں اٹھائے تیز تیز قدموں سے جیل کے بڑے گیٹ سے باہر نکل آیا۔ وہاں اس کو

گھر پہنچانے کے لیے گھوڑا گاڑی تیار کھڑی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ گیا اور گاڑی اس کے مکان کی طرف روانہ ہو گئی۔ ناگ چونکہ ڈاکٹر کے کوٹ کے کار کے ساتھ اندر کی جانب چپکا ہوا تھا اس لیے اس نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر کا دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ اپنے مکان پر پہنچ کر ڈاکٹر پٹنی نے بیگ کو پہلی منزل میں اس کمرے کے کونے میں رکھ دیا جہاں پرانے کپڑے رکھے جاتے تھے۔ پھر باتھ روم میں گیا اور گرم پانی سے منہ ہاتھ دھونے لگا۔ ناگ اس وقت اس کے کوٹ کے کار میں سے نکل کر اس کے پیچھے سے ہوتا ہوا فرش پر آ گیا تھا۔ فرش پر ریگتا وہ مکان کے دروازے میں سے باہر نکل گیا۔

ناگ کو معلوم تھا کہ اب یہ سنگ دل ڈاکٹر پرانے قلعے کی طرف جائے گا۔ جہاں اس کے دوسرے شیطان صفت ڈاکٹر سامتی انتظار کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر ایک مقدس پیشہ ہے۔ جو بھی ڈاکٹر بنتا ہے وہ لوگوں کی خدمت کے لیے ڈاکٹر بنتا ہے۔ مگر ان میں کچھ ایسے ڈاکٹر بھی ہوتے ہیں۔ جو غلط راستے پر چل نکلتے ہیں اور یوں اس مقدس پیشے کو بدنام کرنے کا باعث بنتے ہیں۔



اور آج سے دو سو برس پہلے تو لندن اور فرانس میں ایسے ڈاکٹر عام ہوا کرتے تھے جو انسان دشمن کاموں میں لگے رہتے تھے۔ یہ تینوں ڈاکٹر بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

تھوڑی دیر ہی گزری ہو گی کہ ڈاکٹر پٹنی مکان سے باہر نکلا۔ ایک گھوڑا گاڑی وہاں سے گزری تو ڈاکٹر نے اسے آواز دے کر روک لیا۔ بازار سنان ویران نیم روشن اور دھند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ گھوڑا گاڑی میں بیٹھ گیا اور کوچوان کو شہر سے باہر جانے کو کہا۔ ناگ بھی عقاب کی شکل میں اس کے ساتھ ساتھ اڑنے لگا۔ شہر کے باہر آکر گھوڑا گاڑی ایک حویلی کے پیچھے رُک گئی۔ ڈاکٹر پٹنی باہر نکلا۔ کوچوان کو پیسے دے کر چلے جانے کو کہا اور خود حویلی کی تاریکی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ ناگ سوچنے لگا کہ یہ شخص اس حویلی میں کیا کرنے گیا ہے۔ بیگ ڈاکٹر کے ہاتھ ہی میں تھا۔ اتنے میں حویلی کی ڈیوڑھی میں سے سیاہ رنگ کا ایک گھوڑا تیز تیز چلتا باہر نکلا اور سڑک پر آتے ہی سرپٹ دوڑنے لگا۔ اس گھوڑے پر ڈاکٹر پٹنی سوار تھا۔ بیگ گھوڑے کی گردن کے ساتھ بندھا تھا۔

ناگ بھی عقاب کی شکل میں رات کے اندھیرے میں ڈاکٹر پٹنی کے گھوڑے کے اوپر اڑتا چلا جا رہا تھا۔ آدھی رات کے ٹھنڈے یخ اندھیرے میں قلعے کی عمارت ایک بہت بڑے بھوت کی طرح سر اٹھائے کھڑی تھی۔ آس پاس کا ماحول جیسے کسی لاش طرح ساکت تھا۔ گھوڑا قلعے کے بڑے دروازے میں سے گذر کر احاطے میں ڈھلان پر جا کر رُک گیا۔ ڈاکٹر پٹنی نے گھوڑے کو ایک طرف باندھا اور بیگ ہاتھ میں لیے تیز تیز قدم اٹھاتا ڈھلان سے نیچے اتر کر موم جانے کا بھاری پردہ اٹھا کر دوسری طرف چلا گیا۔

ناگ نے بھی عقاب سے سانپ کی شکل بدلی اور اندھیرے میں ڈھلان پر ریگتا قلعے کے وسیع ہال کمرے میں آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ تینوں شیطانی ڈاکٹر سڑیکر دالی لاش کے سر ہانے جھکے ہوئے آپریشن شروع کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ بیگ میں سے قاتل کا سر نکال کر ایک طشت میں پڑا تھا۔ لالین کی روشنی لاش کے سر پر پڑ رہی تھی۔ ناگ فرش کی بجائے ریگتا ہوا سامنے والی دیوار پر چڑھ گیا۔ یہاں سے اسے آپریشن کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ ڈاکٹر جارج کے ہاتھ میں چھوٹی سی آری تھی۔ اس نے آری کو سڑیکر پر



بندھی ہوئی لاش کے ماتھے پر رکھا اور زور سے ہاتھ  
چلایا ہی تھا کہ لاش کے حلق سے وہی عزاہٹ کی بھینک  
آواز بلند ہوئی۔

ڈاکٹر جارج نے پٹنی سے کہا:

”اسے اچھی طرح سے کس کر باندھو۔ میں چاہتا ہوں  
کہ زندہ ہی اس کا دماغ نکال کر قاتل کا دماغ  
لگا دیا جائے۔“

دونوں ڈاکٹروں نے لاش کے سر کے گرد شینکے کو اوپر  
زیادہ کس دیا۔ اب ڈاکٹر کی آری تیزی سے چلتے لگی۔ لاش  
منہ میں نیچے تک کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا جس کی وجہ سے  
عزاہٹ کی آواز ایسے نکل رہی تھی جیسے کوئی کسی گہرے کنوئیر  
میں درد سے بلبل رہا ہو۔ ڈاکٹر جارج نے دیکھتے دیکھتے لاش  
کی کھوپڑی کا اوپر والا حصہ کھول دیا۔ زندہ لاش کا سفید  
سفید دماغ نظر آنے لگا۔ ناگ نے اپنی آنکھیں دوسری طرف  
کرتیں۔ وہ یہ بھیانک منظر نہیں دیکھ سکتا تھا۔



## خطرناک ٹھکانا شیطان

لاش میں قاتل کا دماغ لگا دیا گیا۔

قاتل کے سر کی کھوپڑی خالی پڑی تھی۔ اسے ڈاکٹر پٹنی  
نے اٹھا کر ایک طرف کوڑے کرکٹ میں پھینک دیا۔  
اب وہ تینوں مل کر لاش کی کھوپڑی کو بند کر کے اسے  
لوہے کی باریک تاروں سے بند کر رہے تھے۔ کھوپڑی  
بند ہو گئی تو اس پر سر کی کھال چڑھا کر سی دیا گیا۔  
ناگ یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ لاش کا  
دماغ بدل دیا گیا تھا۔ لاش سڑک پر بے حس و حرکت  
پڑی تھی۔ پہلے اس کے حلق سے عزاہٹ کی آواز  
آ جاتی تھی۔ اب یہ آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ ناگ  
کو محسوس ہوا کہ جیسے لاش مر گئی ہے۔ وہ زندہ  
نہیں ہے۔ اسے قلعے کے باہر بادلوں کی گڑگڑاہٹ  
سنائی دی۔ پھر بجلی کی چمک اندر دم بھر کے لئے  
چمکی اور باہر بارش شروع ہو گئی۔ سرد ویران رات



کے سنان گھپ اندھیرے میں بارش کی آواز سے  
 ناگ کو ایک جھرجھری سی آگئی۔ باہر تیخ بستہ تاریکہ  
 رات میں بارش ہو رہی تھی اور شکستہ قلعے کے اندر  
 یہ تینوں شیطان صفت ڈاکٹر لاش کے سینے میں چھو  
 ساشگاف ڈالنے کے بعد اس کے دل کی مالش کر  
 رہے تھے تاکہ وہ پھر سے دھڑکن شروع ہو جا  
 تینوں کے چہروں پر تشویش تھی۔ تھوڑی دیر بعد انہوں  
 نے ایک دوسرے کی طرف مسکرتے ہوئے دیکھا۔ لاش  
 کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ جلدی جلدی لاش کا سینہ  
 سر کے ٹانگے لگا کر اوپر پٹی کس کر باندھ دی گئی۔  
 ڈاکٹر جارج نے کپڑے سے اپنا چہرہ صاف کر کے کہا  
 "ہمارا ایک منصوبہ تو ختم ہو گیا۔ اب دوسرا منصوبہ  
 شروع ہونے والا ہے۔"  
 نکوما کہنے لگا:

"ہمیں اس لاش کو یہاں سے لے جا کر کسی  
 دوسری جگہ تہ خانے میں رکھ دینا چاہیے۔"  
 جارج بولا: "اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں۔  
 ہم اب لاش کو قلعے کے نیچے جو اندھیری  
 سڑنگ کا تہ خانہ ہے وہاں رکھیں گے۔"

وہاں اس پر کسی کی نظر نہیں پڑ سکے گی۔  
 یہ صرت ہمارے اشارے پر اٹھنے لگی اور ہمارے  
 اشارے پر کام کرے گی۔"  
 نکوما بولا: "جارج! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ  
 ہمارے دوست پٹنی کی مدد سے ہمیں ایک  
 قاتل کا دماغ مل گیا۔ ورنہ ہمیں کسی جرائم پیشہ  
 آدمی کو ہلاک کرنا پڑتا۔"  
 ٹھگنا جارج بولا:

"یہ تم نے ٹھیک کہا۔ کیوں کہ اس لاش کے  
 لئے کسی بدمعاش قاتل کے دماغ کی ہی ضرورت  
 تھی۔ کسی شریف آدمی کا دماغ ہمارے کام  
 نہیں آ سکتا تھا۔ ایک قاتل کا دماغ ہی  
 ہمارے حکم کی شوق سے پابندی کر سکتا ہے۔"  
 پٹنی کہنے لگا:

"کیا خیال ہے ہم لاش کو نیچے تہ خانے  
 میں پہنچا دیں؟"

"کیوں نہیں؟ باہر بارش ہو رہی ہے۔ ابھی ہم  
 واپس اپنے اپنے گھروں کو بھی نہیں جا سکتے۔  
 پھر کیوں نہ لاش کو ہی اس کے اصل ٹھکانے



پر پہنچا دیں اؤ میرے ساتھ۔

اور وہ لاش کے سٹریچر کو دھکیلتے ہوئے کمرے کے ایک تاریک ادھ کھلے دروازے میں سے گذر کر اندر چلے گئے۔ ناگ دیوار پر ہی چمٹا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ لاش سے کس قسم کا کام لینا چاہتے ہیں؟ ظاہر ہے وہ اس سے کوئی اچھا اور نیک کام نہیں لینے والے تھے۔ اسی لیے انہوں نے لاش میں ایک قاتل کا دماغ لگا دیا تھا۔ ناگ کو ماریا کا بھی خیال آ رہا تھا کہ وہ اس شہر میں آکر کہاں غائب ہو سکتی ہے؟ وہ ضرور اسی شہر کی کسی پراسرار تاریک گلی کے مکان میں یا کسی سرائے میں یا کسی دیران باغ میں ہوگی لیکن اس کی خوشبو کیوں نہیں آ رہی؟ وہ ضرور انسانی شکل میں ہوگی یا غائب حالت میں ہوگی۔ بہر حال ایک بات کا ناگ کو یقین تھا کہ چونکہ بقول دیو داسی چندیکا کے ماریا کا طلسم ٹوٹ چکا ہے اس لیے وہ سانپ کی حالت میں نہیں ہوگی۔

ناگ انہی خیالوں میں گم دیوار کے ساتھ چمٹا ہوا تھا کہ تینوں خبیث آدمی تہہ خانے کو جانے والے زینے کے دروازے پر نمودار ہوئے۔ وہ بہت خوش تھے۔

وہ اوپر ہال میں آکر آتشدان کے آگے بچھے ہوئے پرانے قالین پر بیٹھ کر آگ تاپنے لگے۔ باہر بارش تیز ہو گئی تھی۔ موم جانے کا پردہ سخت ٹھنڈی ہوا میں اوپر کو اٹھ جاتا تھا۔ تینوں شیطانی آدمی ایک دوسرے کے بالکل ساتھ لگ کر آتش دان کی آگ کے سامنے بیٹھے اپنے ہاتھ تاپ رہے تھے۔

ناگ کو خیال آیا کہ کیوں نہ نیچے جا کر دیکھے کہ انہوں نے لاش کس جگہ رکھی ہے۔ ناگ دیوار پر اس طرف رینگنے لگا جدھر تہہ خانے کو جانے والا زینہ تھا۔

زینہ تاریک تھا۔ پرانے پتھروں کی چوڑی چوڑی سات آٹھ سیڑھیاں بنی تھیں۔ ناگ سیڑھیوں میں اتر گیا۔ آگے پہلے تو ناگ کو سوائے گھپ اندھیرے کے اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ وہ رُک کر اندھیرے میں غور سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ارد گرد پتھروں کی بنی ہوئی سیاہ دیواریں تھیں۔ کوئی تہہ خانہ نہیں تھا۔ ناگ حیران ہوا کہ یہ شیطان آدمی لاش کہاں چھوڑ گئے ہیں۔ اچانک ناگ کو ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی لمبے لمبے اکھڑے اکھڑے آخری سانس لے رہا ہو۔ ناگ غور سے اس آواز کو سننے لگا۔ یہ انسانی آواز تھی مگر ایسی جیسے کوئی



آہستہ اوپر اٹھ رہا تھا۔

مرنے والا ہو اور لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ سانسوں کی آواز بڑی کمزور اور خوف دلانے والی تھی۔ ناگ کو یوں محسوس ہوا جیسے خود موت سانس ہی ہو۔ ناگ ذرا آگے رینگا تو اسے احساس ہوا کہ اس کے نیچے پتھر کا فرش نہیں بلکہ لکڑی کا ہے۔ ناگ نے اپنا سر لکڑی کے تختے کے نیچے لگا دیا۔ اکھڑے اکھڑے ڈراؤنے سانسوں کی آواز تختے کے نیچے سے آ رہی تھی۔

ضرور اس تختے کے نیچے تہ خانہ ہے جہاں آدمیوں نے لاش کو چھپا رکھا ہے اور یہ آواز لاش کے سانسوں کی ہی ہو سکتی تھی۔ ناگ کو تعجب ہوا لاش پہلے مُردہ تھی۔

پھر قاتل کا دماغ گھٹنے سے زندہ ہو گیا۔ ایک عجیب بات تھی۔ ناگ تہ خانے میں جانے لے تختے میں کوئی سوراخ تلاش کر رہا تھا کہ تختے کے چرچرانے کی آواز آئی۔ پھر تختے نے آہستہ اوپر اٹھنا شروع کیا۔ ناگ تیزی سے ایک طرف کر زینے کی دیوار کے ساتھ جا لگا۔ وہ آنکھیں کھول کر دیکھ کر تختے کو دیکھ رہا تھا جو آہستہ اندھیرے میں لکڑی کے تختے کو دیکھ رہا تھا جو آہستہ

ایک چرچراہٹ کے ساتھ تختہ ایک طرف کھسک گیا اور ناگ چونک اٹھا۔ اندر ایک قبر نما گڑھا تھا جس میں لاش دونوں بازو اوپر اٹھائے کھڑی تھی۔ لاش یوں ساکت تھی جیسے پتھر کی ہو۔ اس کے حلق سے گہرے سانسوں کی ڈراؤنی آواز آ رہی تھی۔ ناگ پریشان ہو گیا کہ یہ لاش اچانک اپنے آپ کیسے باہر نکل آئی ہے۔ لاش کی آنکھیں اندھیرے میں بالکل سفید تھیں۔ کیونکہ ٹیلے اوپر کو چڑھے ہوئے تھے۔ ناگ نے اپنے سر کے دوران کسی لاشیں دیکھی تھیں۔ مگر یہ لاش ان سب سے مختلف تھی۔ کیوں کہ اس میں لاش کا دماغ نہیں تھا بلکہ ایک قاتل کا دماغ لگا دیا گیا تھا۔ لاش گڑھے سے باہر نکل کر روک روک کر قدم اٹھاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ ناگ لپک کر سیڑھیوں کی دیوار پر سے رینگتا ہوا اوپر ہال میں آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ٹھگنا جارج وہاں نہیں تھا۔ باقی دونوں شیطان ٹاکٹر یعنی پٹنی اور بکوما آتشدان کے سامنے بیٹھے وہیں قالین پر سو گئے تھے۔ ناگ خاموشی سے دیوار کے ساتھ چپٹ کر تہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف تکتے



لگا۔ گھرے سانسوں کی آواز سیر پھیوں میں سے ادھر  
چلی آ رہی تھی۔ پھر لاش نمودار ہوئی۔ اس کی کھوپڑی  
گئے ہوئے لوہے کے تاروں کے ٹانگے صاف نظر آ  
تھے۔ اس کے سینے پر پٹی بندھی تھی۔ جسم پر چلتی  
سے لٹک رہے تھے۔ وہ بالکل سیدھی چل رہی تھی  
چلتے وقت اس کے بازو بالکل نہیں ہل رہے  
بلکہ پیٹوں کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔ لاش آتش  
کی طرف بڑھنے لگی۔ ناگ کھلی کھلی آنکھوں سے  
کو تک رہا تھا۔ آتشدان کے پاس سوئے ہوئے  
شیطان آدمیوں کو احساس تک نہیں تھا کہ موت ان  
سر پر پہنچ چکی ہے۔ لاش دونوں بے خبر سوئے ہوئے  
آدمیوں کے بالکل سر پر آ کر ٹک گئی۔ اس کے  
سے گھرے سانسوں کی آواز صاف سنائی دے رہی  
تھی۔ لاش کا سر کسی مٹینی روبارٹ کی طرح آہستہ آہستہ  
نیچے کو ہو گیا۔ لاش جیسے دونوں سوئے ہوئے آدمیوں  
کو تک رہی تھی۔ آتشدان میں پتھر کے کوئلے دھک  
رہے تھے۔ لاش کے بازوؤں کو حرکت ہوئی۔ لاش کے  
لمبی لمبی انگلیوں والے کٹے پٹے ہاتھ ایک آدمی کی  
گردن کی طرف جھکنے لگے۔ پٹنی کی گردن تک تو لاش

کے ہاتھ بڑے آرام اور آہستگی سے گئے مگر گردن  
کے قریب پہنچ کر بجلی ایسی تیزی کے ساتھ لاش کے  
ہاتھوں نے ڈاکٹر پٹنی کی گردن کو اپنے منہ میں اس  
طرح جکڑ لیا کہ پٹنی کے حلق سے ہلکی سی آواز بھی نہ  
نکل سکی۔ مگر اس کی آنکھیں باہر کو اہل آئی تھیں۔  
لاش میں اتنی زبردست طاقت تھی کہ اس نے بدقسمت  
آدمی کو مردہ چوہے کی طرح فرش سے اوپر اٹھا لیا۔  
دو جھکے دیئے۔ پٹنی کی گردن کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ وہ  
مرچکا تھا۔ پھر لاش نے اسے وہیں قالین پر لٹا دیا  
اس کے بعد اس طرح دوسرے شیطانی ڈاکٹر کی گردن کو  
تیزی سے دبوچا اور اوپر اٹھا کر تین جھکے دیئے۔  
دوسرے بدقسمت کی بھی گردن ٹوٹ گئی۔ لاش نے  
دونوں مردہ آدمیوں کو وہیں چھوڑا اور آہستہ آہستہ  
واپس مڑی اور ہال کمرے سے باہر جانے والے راتے  
پر گئے موم جامے کے موٹے پردے کی طرف چلنے لگی۔  
تیز ہوا میں پردہ آگے پیچھے ہل رہا تھا۔ باہر سے  
بارش کی بوچھاڑ اندر آ رہی تھی۔ باہر موسلا دھار بارش  
ہو رہی تھی۔ بادل گرج رہے تھے۔ بجلی رہ رہ کر  
جھپکتی تھی۔ خدا جانے ٹھکنے قد کا جارج کہاں چلا گیا تھا۔



وہ خوش قسمت تھا کہ بچ گیا۔ لاش نے موم جامے کا پردے پر زور سے ہاتھ مارا۔ موٹا پردہ پھٹ کر نیچے گر پڑا۔ لاش ڈھلانی راستے کی چڑھائی چڑھنے لگی۔ ناگ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لاش جاتی کہاں ہے؟

لاش ڈھلانی راستے پر سے ہوتی ہوئی قلعے کے ویران، بارش میں بھگتے اجاڑ احاطے میں آگئی۔ لاش بارش میں بھیک رہی تھی۔ لاش نے اپنا چہرہ سیاہ بادلوں بھرے آسمان کی طرف اٹھایا اس کے حلق سے ایک عزاہٹ کی آواز نکلی۔ بجلی چمکی۔ کڑک پیدا ہوئی اور ناگ نے تیز بارش میں لاش کو دیکھا جو آسمانی بجلی کی چمک میں ایک پل کے لیے بالکل سفید پڑ گئی تھی۔ بادل گرے تو لاش ایک طرف کو چلنے لگی۔ وہ اندھیری رات کی بارش میں کچھ دور گئی ہوگی کہ لاش نے دیکھا کہ ایک طرف سے ٹھگنا جارج برساتی سریر ڈالے قلعے کے ڈھلانی راستے کی طرف لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے لاش کو نہیں دیکھا تھا۔ ناگ ڈھلانی راستے کی چھت کے ساتھ لگا تھا یہاں بارش کا پانی نہیں آ رہا تھا۔ ٹھگنے جارج نے موم جامے

کے پردے کو زمین پر پڑے دیکھا تو گھبرا کر نیچے کود پڑا۔ ناگ بھی میچے کی طرف پیکا۔ ٹھگنے جارج نے ہال میں جاتے ہی اپنے دونوں ساتھیوں کی لاشیں دیکھیں تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ دوڑ کر نیچے تہ خانے میں گیا۔ لاش وہاں نہیں تھی۔ بھاگ کر باہر بارش میں آیا۔ قلعے کا احاطہ تاریک رات کی بارش میں بھیگ رہا تھا۔ لاش یہاں بھی نہیں تھی۔ ٹھگنا جارج لاش کی تلاش میں جانے کی بجائے ہال میں دیوار کے ساتھ لگی لکڑی کی پرانی الماری کی طرف دوڑا۔ جلدی سے اسے کھولا۔ اندر سے ایک چھوٹا سا گول ڈبہ نکال کر اس کا ڈھکنا کھولا۔ اس گول ڈبے میں لاش کے اپنے اصلی دماغ کا ایک چھوٹا سا سفید ٹکڑا پڑا تھا۔

ٹھگنے جارج نے لاش کے دماغ کے ٹکڑے پر انگلی رکھ دی اور کہا:

”میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ واپس قلعے میں آ جاؤ۔“  
ناگ کے لیے یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔ کیا یہ شیطان لاش کو واپس بلا رہا تھا؟ کیا یہ لاش کو واپس بلا سکتا ہے؟ کیا لاش کے دماغ کا ٹکڑا اس کا حکم مان لے گا؟ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ناگ کو باہر



بارش کی آواز میں ایک مختلف آواز سنائی دی۔ یہ کسی کے بھاری قدموں کی آواز تھی۔ کوئی بارش کے پانی میں شراب شراب کرتا چلا آ رہا تھا۔ کیا یہ لاش واپس آ رہی ہے؟

ناگ کی آنکھیں ڈھلانی راستے پر جی ہوئی تھیں۔ اچانک ہلکے ہلکے اندھیرے میں لاش کا ہیولا نمودار ہوا۔ لاش بالکل سیدھی چلی آ رہی تھی۔ وہ بغیر روکے لمبے لمبے مگر رک رک کر قدم اٹھاتی ٹھکنے جارح کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ٹھکنے جارح کی انگلی گول ڈبے میں پڑے لاش کے دماغ کے ٹکڑے پر تھی۔ اس نے حکم دیا: "آتشدان کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔"

لاش اس کا حکم برابر مان رہی تھی۔ وہ آتشدان کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ ٹھکنے جارح نے لاش کے دماغ کے پیچھے کی جانب انگلی لے جا کر ایک خاص جگہ کو دبایا اور کہا:

"نظروں سے اوجھل ہو جاؤ۔"

ناگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ وہاں لاش کے جسم کی بجائے اس کا پھیلا دھندلا پنلا سایہ رہ گیا تھا۔ اصل میں لاش غائب ہو گئی تھی۔ ناگ کو اس کا دھندلا

سایہ اس لیے نظر آ رہا تھا کہ ناگ کی آنکھوں میں مت کال بوٹی کے سرمے کی سلاٹیاں لگی تھیں جن کی وجہ سے اسے ہر غائب شے نظر آ جاتی تھی۔ ٹھکنے جارح نے لاش کو حکم دیا:

"تہہ خانے میں جا کر لیٹ جاؤ اور جاتے ہوئے مجھے اپنی نشانی دے جانا۔"

لاش اپنی جگہ سے مڑی۔ تہہ خانے کے زینے کے پاس آ کر ایک میل کے لیے رکی۔ وہاں دیوار کے ساتھ لوہے کی ایک سلاح پڑی تھی۔ لاش کے سامنے نے سلاح کو اٹھا کر فرنٹ پر دے مارا۔ ٹھکنے جارح کو بھی لاش نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لیے اس نے لاش سے اس کے تہہ خانے میں جانے کی نشانی مانگی تھی۔ لاش تہہ خانے کی سیڑھیوں میں اتر گئی۔ ٹھکنے جارح نے لاش کے دماغ کے ٹکڑے والی گول ڈبلی اپنی جیب میں رکھ لی اور اپنے ساتھیوں کی لاشوں کے پاس بیٹھ کر ان کی گردنوں کا غور سے جائزہ لینے لگا۔

اس کا مطلب تھا کہ لاش کا کنٹرول ٹھکنے جارح کی جیب میں تھا۔ یہ لاش کے دماغ کا وہ ٹکڑا تھا جہاں قدرت کی طرف سے انسان کو دی ہوئی بے پناہ طاقت



ہوتی ہے مگر انسان کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک سائنس دان کا کہنا ہے کہ اگر انسان کو اپنی خفیہ طاقتوں کا علم ہو جائے تو ممکن ہے کہ وہ ہوا میں اڑنے لگے اور بڑے سے بڑے پہاڑ کو انگلی کے اشارے سے اپنی جگہ سے ہٹا دے۔ مگر ان طاقتوں کا انسان کی زندگی میں پتہ نہیں چلتا۔ کیوں کہ انسان اپنے اندر کا سراج لگانے اور اپنی کھوج لگانے کی بجائے دولت اور حرص و ہوس کی تلاش میں پریشان رہتا ہے اور اس طرف اس کا دھیان ہی نہیں جاتا کہ قدرت نے اسے کیا کیا نعمتیں عطا کر رکھی ہیں۔

ٹھگنے جارج کو اب ہم ٹھگنا جارج نہیں بلکہ ٹھگنا شیطان کہیں گے۔ ٹھگنے شیطان نے اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو باری باری اٹھایا اور اسے قلعے کے احاطے کے ایک دیران کنوئیں میں پھینک دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ٹھگنا شیطان دیران قلعے میں جانے کی بجائے اندھیری رات کی بارش میں تیز تیز قدموں سے شہر کی طرف جاتی سڑک پر چلنے لگا۔ ناگ بھی قلعے کی دیوار سے نیچے اتر آیا۔ وہ ٹھگنے شیطان کا بیچا کر کے

معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کے ارادے کیا ہیں اور یہ لاش سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟ ناگ نے چھوٹے پرندے کی شکل بدلی اور رات کے اندھیرے میں بارش میں اڑتا ٹھگنے شیطان کے اوپر فضا میں اڑنے لگا۔ ٹھگنے شیطان نے کالے رنگ کی برساتی پہن کر اس کے کالر اوپر اٹھا رکھے تھے۔ اس کے سر پر بھی سیاہ رنگ کی ہیٹ تھی جو اس کی آنکھوں پر آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ ارد گرد کھیتوں میں دُور دُور تک تاریکی تھی۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ٹھگنا شیطان کھیتوں کی درمیانی چھوٹی سی پتھریلی سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ دُور پرانے شہر کی سیاہ عمارتوں میں کہیں کہیں روشنی کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔ ایک جگہ پہنچ کر ٹھگنا شیطان کھیت میں مڑ گیا۔

یہاں ایک طویل سا بتا ہوا تھا۔ طویلے میں بندھے ہوئے گھوڑے کو کھولا اور اس پر بیٹھ کر شہر کی طرف گھوڑے کو دوڑا دیا۔ ناگ نے بھی اپنی رفتار فضا میں تیز کر دی۔ شہر کی تنگ و تاریک گلیاں بارش میں بھیگ رہی تھیں۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ سخت سردی اور بارش کی وجہ سے مکانوں کی آگے کو جھکے ہوئے



بچوں والی کھڑکیاں بند تھیں۔ گلیوں میں اندھیرا تھا۔  
 ٹھگنا شیطان اپنے پرکے مکان کے باہر رُک گیا۔ اس  
 نے گھوڑے سے اتر کر اسے ایک طرف گلی کے باہر  
 لگے کھجے سے باندھا اور خود مکان کے اندر چلا گیا۔  
 ناگ کھجے کے اوپر بارش میں بیٹھ گیا۔ اسے مکان  
 کے اندر جانا تھا۔ مگر وہ سوچ رہا تھا کہ سانپ کی  
 شکل میں اندر جاتے یا کوئی دوسری شکل اختیار کرے۔  
 وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مکان کی دوسری منزل میں  
 روشنی ہوئی۔ ٹھگنے شیطان نے یلمپ روشن کر دیا تھا  
 ناگ اڑ کر کھڑکی کے بالکل سامنے والے مکان کے  
 چھجے پر بیٹھ گیا۔ یہاں سے اسے دوسری منزل کا کمرہ  
 بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ ٹھگنا شیطان ایک الماری  
 کھولے اس کے اندر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ پھر وہ کھڑکی  
 کے پاس آیا۔ کھڑکی کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ اس  
 نے ایک نگاہ گلی میں ڈالی۔ گلی سنان، تاریک اور  
 بارش میں بھیگ رہی تھی۔ جب اسے اطمینان ہو گیا  
 کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تو وہ پلنگ پر بیٹھ گیا  
 اور جب سے لاش کے دماغ والی ڈبی نکال کر اپنے  
 ہاتھ میں پکڑ لی۔ اسے کھولا اور لاش کے دماغ والے

ٹکڑے پر اپنی انگلی رکھ کر کچھ کہنے لگا۔ اس کے ہونٹ  
 ہل رہے تھے۔ ناگ اس کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔  
 اب ناگ کو افسوس ہوا کہ وہ مکان کے اندر  
 کیوں نہ چلا گیا۔ کم از کم اسے یہ تو پتہ چل جاتا کہ  
 یہ شیطان لاش کو کیا کہہ رہا ہے۔ مگر اب ناگ اندر  
 نہیں جا سکتا تھا۔ مجبور ہو کر مکان کے چھجے پر بیٹھا  
 ٹھگنے شیطان کی طرف دیکھتا رہا۔ ناگ کو یقین تھا کہ یہ  
 شیطان لاش کو کوئی حکم دے رہا ہے۔ اسے یہ معلوم  
 نہیں تھا کہ لاش قلعے سے باہر نکل کر کہاں جائے گی۔  
 ناگ نے سوچا کہ کیوں نہ لاش کے پاس چلا جائے۔  
 یہ سوچتے ہی ناگ مکان کے چھجے سے اڑا اور  
 جتنی تیز اڑ سکتا تھا۔ شہر سے باہر والے ویران قلعے  
 کی طرف اڑنے لگا۔ تیز ہوا، بارش اور سخت سردی او  
 دھند اس کا راستہ روک رہی تھی مگر ناگ ان تمام  
 رکاوٹوں کا مقابلہ کرتا اڑتا چلا گیا۔ اگرچہ بے حد اندھیرا  
 رات تھی، اور بارش موسلا دھار ہو رہی تھی لیکن ناگ اس  
 اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا۔ اس کی نظریں نیچے  
 قلعے سے آنے والی پتھریلی سڑک پر لگی تھیں۔ اچانک  
 اسے قلعے کے قریب سڑک پر ایک انسانی سایہ نظر آیا



جو آہستہ آہستہ مگر لمبے لمبے قدم اٹھاتا شہر کی طرف  
چلا آ رہا تھا۔ ناگ اڑان بھر کر اس سائے کے  
اوپر پہنچا۔ یہ قلعے کی لاش تھی۔ جو ٹھگنے جارہے  
حکم پر قلعے کے متہ خانے سے نکل کر اس کے حکم  
کے مطابق نہ جلتے کدھر جا رہی تھی۔

ناگ نے لاش کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔  
وہ لاش کے سر کے اوپر پچاس فٹ کی بلندی پر  
ساتھ ساتھ اڑا جا رہا تھا۔ لاش شہر کے بارش  
دھند میں ڈوبے پڑا سہارا دینے دروازے میں سے  
گذر گئی۔ ناگ کا خیال تھا کہ وہ ٹھگنے شیطان کے  
مکان کی طرف جائے گی۔ مگر لاش دوسرے بازار کی  
طرف مڑ گئی۔ وہ کسی دوسری جگہ جا رہی تھی۔ دوسرے  
لفظوں میں ٹھگنا شیطان اسے کسی دوسرے جگہ لے جا رہا  
تھا۔ وہ اپنے مکان کی دوسری منزل میں بیٹھا لاش  
کو گائیڈ کر رہا تھا۔ لاش لوگوں کی نظروں سے غائب  
تھی۔ ناگ کو بھی محض اس لیے لاش کا دھندلا سا  
نظر آ رہا تھا کہ ناگ نے مت کال بوٹی کے سرے  
کی ایک ایک سلائی لگا رکھی تھی جس کی مدد سے  
وہ فضا میں موجود ہر غیبی شے کو دیکھ سکتا تھا۔

لاش کی رفتار اب آہستہ ہو گئی تھی۔ ناگ اس  
کے ساتھ ساتھ اڑا جا رہا تھا۔ ناگ نے بھی اپنی  
رفتار آہستہ کر دی تھی۔ وہ خاص طور پر اس طرح  
اڑ رہا تھا کہ اس کے پروں کی آواز پیدا نہ ہو۔  
لاش بارش میں بھیگتی گلی سے نکلی تو آگے بازار آ  
گیا۔ اس بازار میں بارش کی وجہ سے کچھ ہی کچھ  
تھا۔ دور ایک عمارت کے باہر یمپ روشن تھا  
جس کی روشنی بارش دھند اور سخت سردی کی وجہ  
سے وہیں کچکپا رہی تھی اور زیادہ دور تک نہیں  
جا رہی تھی۔ لاش کا رخ اس عمارت کی طرف تھا۔  
وہ کچھڑ میں بھاری بوجھل قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھی۔  
عمارت پرانی دھنچ کی تھی۔ ناگ اڑ کر پہلے ہی عمارت  
کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ باہر ایک اونچا  
لمبا سیاہی پیرہ دے رہا تھا۔ بارش اور سردی کی وجہ  
سے یہ پیرے دار ایک جگہ دروازے کی اوٹ میں  
کھڑا تھا۔ اس کی کمر کے ساتھ تلوار لٹک رہی تھی۔  
لاش پیرے دار کے قریب پہنچ کر رک گئی چونکہ  
لاش غائب تھی اس لیے پیرے دار اسے نہیں دیکھ  
سکتا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر چپ چاپ کھڑا رہا۔ عمارت



کا اونچا دروازہ بند تھا۔ لاش کھڑکی کے پاس آ گئی۔ کھڑکی بھی بند تھی۔ لاش نے کھڑکی پر ہاتھ مارا۔ کھڑکی تڑاخ سے ٹوٹ کر دوسری طرف گر پڑی۔ پہرے دار کھڑکی کی طرف بھاگا۔ اس نے تلوار ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ آکر دیکھا کہ کھڑکی ٹوٹی پڑی ہے مگر آدمی کوئی دکھائی نہیں دے رہا۔ پہرے دار حیران ہو کر کھڑکی کے راستے اندر داخل ہو گیا۔ اس پرانی عمارت میں بڑے قیمتی ہیرے جواہرات اور پرانے بادشاہوں کے تاج رکھے ہوئے تھے۔ پہرے دار کو لاش نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پریشان تھا کہ کھڑکی اپنے آپ کیسے ٹوٹ گئی؟ لاش نے پہرے دار کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اسے پیچھے ٹھکنا شیطان گائیڈ کر رہا تھا۔ جو اسے کہہ رہا تھا لاش وہی کر رہی تھی۔

ایک شیشے کی الماری میں سونے کا تاج پڑا تھا جس پر ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ لاش نے الماری کا شیشہ توڑ دیا۔ چھناکے کی آواز آئی تو پہریدار الماری کی طرف دوڑا۔ اتنی دیر میں لاش نے تاج اٹھا لیا تھا۔ تاج لاش کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا

تھا۔ قیمتی تاج کو غائب دیکھا تو پہرے دار نے شور مچا دیا۔ وہ شاید اپنے ساتھیوں کو بلا رہا تھا۔ لاش نے پہرے دار کو چلاتے، شور مچاتے دیکھا تو اس کی طرف گھومی۔ ایک ہاتھ پہرے دار کی گردن پر زور سے مارا۔ پہرے دار کو یوں لگا جیسے کسی نے بہت بڑا پتھر اس کی گردن پر دے مارا ہو۔ وہ چکرا کر گرا اور فرش پر ترپنے لگا۔

لاش نے قیمتی تاج کو اپنے ساتھ لیا اور عمارت سے باہر نکل آئی۔ ناگ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لاش شاہی تاج لیے بارش میں بھیگتی سنان رات کے اندھیرے میں ٹھگنے شیطان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ ٹھگنے شیطان کے ہاتھ میں لاش کے دماغ والی ڈبی تھی۔ انگلی لاش کے ٹکڑے پر تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

”تاج میرے پلنگ پر رکھ دیا۔“

لاش نے تاج پلنگ پر رکھ دیا۔ پلنگ پر رکھے ہی تاج ظاہر ہو گیا اور لیمپ کی روشنی میں اس کے ہیرے جواہرات چمکنے لگے۔ ٹھگنے شیطان نے تاج کو اٹھایا اور لوہے کے ایک صندوق میں رکھ کر اسے تالا لگا دیا۔ پھر لاش کو حکم دیا۔



پرانے گرجے میں جاؤ۔ وہاں کانوٹ کے ایک کمرے میں سنہری بالوں والی ایک نوجوان لڑکی سو رہی ہو گی۔ اسے اٹھا کر یہاں اس کمرے میں لا کر بند کر دو۔

ناگ ابھی تک باہر سامنے والے مکان کے چھ پر ہی تھا۔ وہ سب کچھ اسی جگہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ٹھگنے شیطان نے شاہی تاج چڑا لیا ہے اب لاش کو واپس قلعے کے تہہ خانے میں بھجوا دے گا۔ اسے بالکل معلوم نہیں تھا کہ اب لاش ایک معصوم بچی کو اغوا کرنے جا رہی ہے۔

لاش ٹھگنے شیطان کے مکان سے باہر نکلی تو ناگ نے یہی خیال کیا کہ اب وہ واپس قلعے کی طرف جائے گی مگر وہ یہ دیکھ کر کچھ پریشان ہوا کہ لاش نے ایک بار پھر اپنا رخ پرانے شہر کی طرف کر لیا تھا۔ تو کیا یہ لاش کوئی دوسری واردات کرنے جا رہی ہے؟ ناگ نے سوچا۔ وہ لاش کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ بارش اب ہلکی ہو چکی تھی۔ مگر تاریک رات میں سنان گلی کوچوں میں دھند اتر آئی تھی۔ سردی اتنی تھی کہ لوگ اپنے اپنے گرم لحافوں میں ڈبکے کھڑکیاں

دروازے بند کیے گہری نیند سو رہے تھے۔ لاش گلی کوچوں سے گذرتی ایک پرانی وضع کے گرجے کے پیچھے آ کر ایک کانوٹ کے باہر روک گئی۔ یہ ایک منزلہ کوارٹر تھا جس کو کانوٹ کہا جاتا تھا۔ اس کی دیواروں پر جنگلی ہیل چڑھی ہوئی تھی۔ دروازے کے باہر کوئی لمپ روشن نہیں تھا۔ اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کوارٹر کے پیچھے ایک کھڑکی تھی۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ لاش کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی۔ ناگ نے دیکھا کہ کھڑکی پر اندر کی طرف پردہ گرا ہوا ہے۔ کمرے میں روشنی نہیں تھی۔ لمپ بجھا دیا گیا تھا۔ ناگ سوچنے لگا کہ لاش ضرور یہاں کسی کو ہلاک کرنے آئی ہے۔ یہ ایک ایسا کام تھا جس کو ناگ کبھی پسند نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے فوراً ایک چھوٹے سانپ کا روپ بدلا اور کمرے کی چینی میں سے گذر کر نیچے کمرے میں آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کمرہ چھوٹا سا تھا۔ دیوار کے ساتھ کھڑکی کے پینگ پر کوئی لحاف اوپر کئے گہری نیند سو رہا تھا۔ ناگ کھڑکی کے فرش پر ریگتا ہوا پینگ کے سرہانے کی طرف چڑھ گیا۔ اس نے سر آگے کر کے دیکھا۔ پینگ پر ایک بے حد بھولے بھالے فرشتوں ایسے معصوم پہرے



والی نوجوان لڑکی میٹھی نیند سو رہی تھی۔ اس کے سنہری  
 بال سرہانے پر سونے کی تاروں کی طرح یکھڑے ہوئے تھے  
 ناگ سمجھ گیا کہ ٹھٹھکنے شیطان نے لاش کو اس لیے  
 بھیجا ہے کہ وہ اس لڑکی کو یا مار ڈالے یا اٹھا کر کے  
 لے آئے۔ ناگ پتنگ سے نیچے اتر آیا۔ اسے کھڑکی  
 کے ایک پیٹ کے اکھڑنے کی آواز آئی۔ لاش کو ٹھٹھکنے  
 شیطان کی طرف سے شاید ہدایت مل چکی تھی کہ وہ  
 کھڑکی کو توڑ کر شور مچانے سے گریز کرے اور کھڑکی کے  
 پیٹ کو بغیر آواز کے کھول کر کمرے میں داخل ہو۔  
 ناگ بڑی الجھن میں پڑ گیا کہ اس معصوم لڑکی کو  
 لاش سے کیسے بچائے؟ خدا جانے لاش پر سانپ کے  
 زہر کا اثر ہوتا ہے کہ نہیں۔ اس کا دل کہہ رہا تھا  
 کہ لاش پر اس کے زہر کا اثر نہیں ہو گا۔ کیوں کہ وہ  
 تو پہلے ہی مروجہ لاش ہے۔ اب کیا مرے گی؟ اگر  
 وہ انسانی شکل میں آ کر لاش کا مقابلہ کرتا ہے تو  
 خطرہ ہے کہ لاش ناگ کو بھی نقصان نہ پہنچا دے۔  
 کیونکہ ناگ، عنبر نہیں تھا۔ ناگ کو زخم بھی لگ سکتا  
 تھا اور اس کا جسم کٹ بھی سکتا تھا۔ اس کا گلا بھی  
 دبایا جا سکتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ پرندہ بن

کر اڑ جائے۔ لیکن یہاں معاملہ بھاگنے کا نہیں بلکہ ستری  
 بالوں والی معصوم لڑکی کو لاش سے بچانے کا تھا۔ ناگ  
 ابھی اسی الجھن میں پھنسا ہوا تھا کہ لاش نے کھڑکی  
 کے ایک پیٹ کو آہستہ سے اکھاڑ کر باہر پھینک دیا۔  
 کھڑکی کے آگے گرا ہوا بھاری پردہ ہٹایا اور اندھیرے  
 کمرے میں داخل ہو گئی۔

ناگ نے لاش کے دھندلے سائے کو کھڑکی سے  
 کمرے میں داخل ہوتے صاف دیکھ لیا تھا۔ ناگ کے  
 دیکھتے دیکھتے لاش نے آگے بڑھ کر سوئی ہوئی لڑکی کی  
 گردن پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ شاید یہ اس کے ہاتھ کا  
 اثر تھا کہ لڑکی بے ہوش ہو گئی۔ اس نے ذرا سی  
 بھی آواز نہ نکالی۔ نہ کوئی حرکت کی۔ لاش نے لڑکی کو  
 لحاف کے اندر سے کھینچا اور اپنے کاندھے پر ڈال  
 لیا۔ لاش کے کاندھے پر آتے ہی لڑکی کا جسم غائب  
 ہو گیا اور اس کی جگہ ناگ کو لڑکی کا صرف سایہ  
 ہی نظر آنے لگا۔ ابھی تک ناگ نے لاش کو ہاتھ  
 نہیں لگایا تھا۔ اسے اس بات کی تسلی تھی کہ لاش  
 نے لڑکی کو ہلاک نہیں کیا بلکہ اسے اٹھا کر کے لیے  
 جا رہی ہے۔ ناگ لاش کے ساتھ ساتھ اڑنے لگا۔



ہلکی بارش اور اندھیری رات میں بے ہوش سنہری بالوں والی حسین لڑکی کو اٹھائے لاش لیے لیے ڈگ بھرتی ٹھگنے شیطان کے مکان میں داخل ہو گئی۔ اب ناگ کے لیے مکان کے اندر جانا ضروری ہو گیا تھا۔ کیوں کہ اسے لڑکی کی جان کی فکر تھی۔ ٹھگنے شیطان کے مکان کا دروازہ لاش نے اندر سے بند کر کے لوہے کی سلاخ لگا دی تھی۔ ناگ نے سانپ کا روپ اختیار کیا اور دیوار پر رینگتا دوسری منزل کی چینی میں سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ کونے میں لوہے کے بھاری صندوق کے پیچھے سے گردن نکال کر تھکنے لگا۔ سنہری بالوں والی حسین معصوم لڑکی کو ٹھگنے شیطان نے پٹنگ پر لٹا کر اوپر لحاف ڈال دیا تھا۔ لاش پٹنگ کے پاس ہی کھڑی تھی۔ ٹھگنے شیطان نے ڈبی والے دماغ میں انگلی رکھ کر لاش کو حکم دیا کہ وہ واپس قلعے کے مہر خانے میں چلی جائے۔ لاش وہیں سے الٹے پاؤں مڑی اور زمین اتر کر دروازے میں سے نکل بارش میں بھیگی سنسان تاریک گلی کے اندھیرے میں گم ہو گئی۔



## قبرستان کی ڈراؤنی رات

ٹھگنے شیطان نے جھک کر لڑکی کو دیکھا۔

لڑکی ابھی تک بے ہوش تھی۔ ٹھگنے شیطان کو خوب معلوم تھا کہ لاش کے جسم کی لہروں سے لڑکی ایک گھنٹے تک بے حس رہے گی۔ اس نے لڑکی کو لحاف کے اندر سے نکال کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا۔ لڑکی کے لیے سنہری بال نیچے جھولنے لگے۔ ٹھگنا شیطان لڑکی کو لے کر زمین اترنے لگا۔ ناگ بھی چپکے سے لوہے کے صندوق کے پیچھے سے نکلا اور ٹھگنے شیطان کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ لڑکی کو اٹھائے نیچے زمین کے اندر بنے ہوئے ایک چھوٹے سے مہر خانے میں آگیا۔ جہاں بے حد اندھیرا اور سردی تھی۔ دیوار کے ساتھ ایک پٹنگ بچھا تھا۔ ٹھگنے شیطان نے لڑکی کو پٹنگ پر ڈال کر اوپر کمر اور لحاف ڈال دیئے۔ جلدی سے لیمپ روشن کیا۔ ناگ کونے میں ایک



ٹوکری کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ لیمپ کی دھیمی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ مہر خانہ بے حد شکستہ اور پر اسرار تھا۔ پتھر کی سنگی دیواروں سے وحشت برس رہی تھی۔ آتشدان بھی ٹھنڈا پڑا تھا۔ اگرچہ اس میں لکڑی کے ٹکڑے موجود تھے۔ آتشدان کے اوپر ایک بھیڑیے کا کٹا ہوا سر لگا تھا جس کے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ ناگ نے دیکھا کہ مہر خانے کا دروازہ لوہے کا بے حد مضبوط تھا۔ مہر خانے میں ساتھ ہی چھوٹا سا غسل خانہ بنا ہوا تھا۔ جس کی نالی زمین کے اندر جا رہی تھی۔ اس غسل خانے کا دروازہ بھی لوہے کا تھا۔

ٹھگنے شیطان نے آتشدان میں لکڑیوں کو جلا کر آگ روشن کر دی۔ پاس ہی ایک آرام کرسی پڑی تھی۔ وہ اس پر بیٹھ کر آگ تاپتے ہوئے لڑکی کی طرف تھکنے لگا۔ ناگ صندوق کے پیچھے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ناگ ابھی تک یہ معہ حل نہیں کر سکا تھا کہ یہ ٹھگنا شیطان اسے اغوا کر کے اس مہر خانے میں کیوں لایا ہے؟ کیا وہ اس کو بلیک میل کرنا چاہتا ہے؟ مگر یہ لڑکی تو شاید کوئی یتیم لڑکی تھی یا شاید کسی مرحوم پادری

کی بیٹی تھی جس کا کوئی نہیں تھا۔ کیوں کہ جس کو اڑسے اسے لاش نے اغوا کیا تھا وہاں اس لڑکی کے سوا دوسرا کوئی نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے ٹھگنا شیطان اس سے شادی کرنا چاہتا ہو۔

آتش دان میں آگ جلنے لگی تھی جس کی وجہ سے مہر خانے میں جو برف کی طرح سبز ٹھنڈ تھی وہ کسی حد تک دور ہو گئی تھی۔ آتشدان کا دھواں چینی کے ذریعے اوپر چھت سے باہر نکل رہا تھا۔ ٹھگنا شیطان کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر ایک چھوٹی سی الماری کے پاس گیا جو دیوار میں بنی تھی۔ اس میں سے شیٹھو سکوپ یعنی نبض دیکھنے والی ڈاکٹروں کی ٹوٹی نکالی اور بے ہوش لڑکی کے سینے پر لگا کر اس کی نبض دیکھی۔ مطمئن ہو کر شیٹھو سکوپ کو واپس الماری میں رکھا۔ الماری بند کی اور مہر خانے کا لوہے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ باہر سے اس کے دروازے پر تالا لگانے کی آواز آئی۔ پھر اس کے بھاری قدموں کی آواز زینے پر اُپر جا کر غائب ہو گئی۔ ناگ مہر خانے میں صندوق کے پیچھے سے نکل کر ریگتا ہوا سنہری بالوں والی لڑکی کے سر ہانے کی طرف آیا۔ پتنگ کے پاٹے پر چڑھ کر پتنگ پر جانے



لڑکی نے لمبا گاؤن پہنا ہوا تھا۔ اس کے سنہری  
بال شانوں پر بکھرنے لگے۔ وہ گھبرا کر دروازے کی طرف  
گئی۔ اسے باہر کی طرف دھکیلا۔ دروازہ تو باہر سے بند  
تھا۔ لڑکی پریشان ہو کر غسل خانے کی طرف دوڑی۔ غسل خانے  
میں بھی اندر کوئی کھڑکی وغیرہ نہیں تھی۔ اس نے دونوں  
ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور بولی :

”میرے خدایا! میں کہاں آ گئی ہوں؟ مجھے یہاں  
کون لے آیا ہے؟“

وہ بستر پر بیٹھ گئی۔ وہ بڑی سہمی ہوئی تھی۔ اس  
نے لحاف اوپر کر لیا اور ڈری ہوئی مہرنی کی طرح  
اتہ خانے کی دیواروں اور چھت کو تھکنے لگی۔ ناگ  
صندوق کے پیچھے چپ چاپ بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ  
رہا تھا۔ اس کے دل میں کئی خیال آ رہے تھے؟ کیا  
وہ لڑکی کے سامنے انسانی شکل میں ظاہر ہو جائے؟  
اس طرح لڑکی ڈر جائے گی۔ وہ اسے کوئی روح یا  
بھوت سمجھنے لگے گی جو ناگ نہیں چاہتا تھا۔ ابھی لڑکی  
کو کوئی خطرہ بھی نہیں تھا۔ ناگ چپ ہو کر صندوق  
کے پیچھے بیٹھا رہا۔

اتنے میں زینے پر پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ لڑکی

کی بجائے اس نے وہیں سے اپنا پھین اُپر اٹھا  
لڑکی کے چہرے کو دیکھا۔ لڑکی ابھی تک بے ہوش تھی۔  
ناگ غسل خانے میں آ گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا  
یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہے کہ نہیں؟ غسل  
میں نالی بنی تھی تاکہ پانی باہر جا سکے۔ ناگ  
جھک کر نالی میں دیکھا۔ نالی میں اندھیرا تھا۔ خدا جانے  
نہ نالی زمین کے اندر کہاں نکل جاتی تھی۔ ناگ غامض  
غسل خانے کے فرش پر کندھلی مارے بیٹھا تھا کہ  
ایسی آواز آئی جیسے لڑکی نے گہرا سانس لیا ہو۔ ناگ  
تیزی سے غسل خانے سے نکل کر پتنگ کے پاس  
نیمپ کی روشنی اتنی زیادہ نہیں تھی کہ اتہ خانے میں  
بہت زیادہ روشنی ہوتی۔ آتشدان کی آگ بھی آہستہ  
آہستہ دھیمی پڑنے لگی تھی۔ پتنگ پر لحاف میں حرکت  
پیدا ہوئی اور لڑکی نے بازو باہر نکالے۔ پھر اپنا سر  
بالوں والا سر اٹھا کر ارد گرد دیکھا۔ پھر اچانک گھبرا کر  
اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اتہ خانے کی  
کالی کالی پتھریلی دیواروں اور آتشدان اور لوہے کے  
بند دروازے کی طرف تھکنے لگی۔ وہ پریشان ہو رہی تھی کہ  
میں رات ہی رات میں کہاں آ گئی ہوں۔



سہمی ہوئی نظروں سے بند دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔  
 باہر سے تالا کھلا۔ پھر دروازہ کھلا اور ٹھگنا شیطان اندر  
 آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک گلاس میں کوئی شربت تھا  
 اس نے آتے ہی کہا:

"تیرا گھر لٹیروں نے جلا دیا۔ ایک ایک شے کو  
 آگ لگا دی۔ وہ تجھے اغوا کر کے لے جانا  
 چاہتے تھے کہ میں تجھے بچا کر یہاں لے آیا۔  
 ڈاکو تمہاری تلاش میں ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔  
 یہ شربت پی کر دل کو حوصلہ دو۔ میں صبح  
 ہوتے ہی تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔"

سنہری بالوں والی لڑکی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ  
 کیا کہہ رہا ہے۔ وہ بولی:

"مگر میں تو اس بستر پر بے ہوش پڑی تھی۔  
 اگر ڈاکو مجھے اٹھا کر لے جاتے تو میں جاگی  
 کیوں نہیں؟"

ٹھگنے جاسوس نے کہا:

"انہوں نے تجھے کوئی بے ہوشی کی دوائی سونپھا  
 دی تھی۔ اب اس کا اثر ختم ہوا ہے؟"

لڑکی نے پوچھا:

"مگر تم کون ہو؟ یہ کون سی جگہ ہے؟"

ٹھگنا شیطان بڑی مکاری سے محبت بھرے لہجے میں بولا:

"میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ یہ میرے گھر کا مہم خانہ

ہے۔ تم آرام سے صبح تک یہاں رہو۔ یہ شربت

پی لو۔ بے ہوشی کی دوائی کا اثر جاتا رہے گا۔"

سنہری بالوں والی لڑکی نے عقصے میں کہا:

"میں کچھ نہیں پٹوں گی۔ مجھے میرے گھر پہنچا دو۔"

میں اپنے گھر جاؤں گی۔ میری بیچی پریشان ہوگی۔"

ٹھگنے شیطان نے کچھ کہنا چاہا تو لڑکی بستر سے اٹھ

کر دروازے کی طرف دوڑی۔ ٹھگنے نے گلاس ہاتھ سے

دھک کر لڑکی کو پکڑ لیا اور اسے زبردستی بستر پر گرادیا۔

پھر دروازے میں جا کر بولا:

"تم ساری زندگی یہاں سے باہر نہیں جاسکو گی

اب تم میری غلام ہو۔ جیسا کہوں گا ویسے کرنا

ہوگا نہیں تو تمہاری لاش اسی مہم خانے میں

دفن کر دی جائے گی۔"

یہ کہنا اور دروازے کو باہر سے تالا کر چلا گیا۔

سنہری بالوں والی لڑکی بستر پر سر گھٹنوں میں دے کر  
 رونے لگی۔ اس پر تو قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ اب ناگ



ناگ نے کہا :

”یہ شیطان جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے اپنے کسی بدمعاش سے تمہیں تمہارے گھر سے بے ہوش کر کے اغوا کیا ہے اور یہاں بند کر دیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیا چاہتا ہے۔ مگر میں یہ ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ میں تمہیں یہاں سے نکال کر باہر لے جاؤں گا۔“

سنہری بالوں والی لڑکی بولی :

”خدا تمہارا بھلا کرے بھائی۔ مگر تم غسل خانے میں کیسے آ گئے؟“

ناگ بولا : ”میں پہلے ہی سے یہاں صفائی وغیرہ کر رہا تھا کہ یہ شیطان آ گیا۔ اسے میرا پتہ نہیں تھا کہ میں غسل خانے میں ہوں۔ تمہارا نام کیا ہے؟“

میرا نام تو ناگ ہے۔“

لڑکی نے کہا :

”میرا نام پامیلا ہے۔ میں پادری کی بیٹی ہوں۔ میرے ماں باپ مر چکے ہیں۔ میں کاتونٹ کے ایک کوارٹر میں رہتی ہوں۔ خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکال کر لے چلو۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔“

سے نہ رہا گیا۔ وہ ٹھگنے شیطان کے تپاک ارادوں سے واقف ہو گیا تھا۔ اس نے لڑکی کے سامنے ظاہر ہونے کا فیصلہ کر لیا اور صندوق کے پیچھے سے نکل کر غسل خانے میں چلا گیا۔ کیوں کہ ناگ یہ نہیں چاہتا تھا کہ لڑکی کا یہ پتہ چلے کہ وہ سانپ ہے۔ اور انسانی شکل میں اس کے پاس آیا ہے۔

غسل خانے کا دروازہ آدھا بند تھا۔ غسل خانے میں جاتے ہی ناگ نے انسانی شکل اختیار کی اور باہر نکل آیا۔ لڑکی کے پاس آ کر بولا :

”بہن! پریشان نہ ہو۔ خدا تمہاری مدد کرے گا۔“

سنہری بالوں والی لڑکی نے اپنے سامنے سافے رنگ کے پُرکشش آنکھوں والے نوجوان کو دیکھا تو بولی :

”تم کون ہو؟“

ناگ نے کہا :

”میں اس آدمی کا ملازم ہوں جس نے تمہیں یہاں قید کر رکھا ہے۔“

”یہ مجھے یہاں کیوں لایا ہے؟ کیا ہمارے مکان کو آگ لگ گئی ہے؟ کیا میری بیچی بھی مار دی گئی ہے؟“



ناگ نے کہا :

”تھوڑی دیر صبر کرو۔ میں باہر جا کر دیکھتا ہوں کہ ٹھکنا شیطان کہاں ہے۔“

اب ناگ کو خیال آیا کہ تنہ خانے کا نوہے کا دروازہ تو بند ہے۔

پامیلا نے آواز دی :

”دروازہ تو بند ہے۔ ناگ بھائی تم باہر کیسے جاؤ گے؟“

ناگ وہیں رُک گیا۔ ایک بار تو اس کے دل میں خیال آیا کہ سنہری بالوں والی لڑکی پامیلا کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دے۔ جب ہی وہ آسانی سے سانپ بن کر یہاں سے باہر نکل سکتا ہے مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ واپس پلٹ کر پتنگ کے پاس آیا اور کہنے لگا :

”یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ اچھا۔ کسی طریقے سے یہاں سے باہر نکلتا ہوں۔“

مگر ناگ کسی طریقے سے بھی وہاں سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ آتشدان میں آگ دکھ رہی تھی۔ اس کی چینی میں سے بھی باہر نہیں جا سکتا تھا۔ غسل خانے کی

خالی ہی رہ گئی تھی۔ اس کے بارے میں بھی ناگ کو یقین نہیں تھا کہ وہ باہر نکلتی ہے۔ ناگ نے ایک بار نوہے کے دروازے کے قریب جا کر اس کا جائزہ لیا۔ دروازے کی چوکھٹ کے قریب ایک جگر دیوار میں چھوٹا سا سوراخ تھا۔ ناگ یہاں سے سانپ بن کر نکل سکتا تھا۔ مگر لڑکی پامیلا کے سامنے وہ سانپ کیسے بنے؟ وہ چاہتا تھا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اس لڑکی کو تنہ خانے سے نکال کر لے جائے وقت گذرتا جا رہا تھا۔

ناگ نے پامیلا سے کہا :

”پامیلا! تم غسل خانے میں تھوڑی دیر کے لیے چلی جاؤ۔ میں ایک خاص منتر پڑھ کر دروازہ کھولنا چاہتا ہوں۔“

پامیلا بولی : ”تم میرے سامنے وہ منتر کیوں نہیں پڑھتے؟“

ناگ نے کہا :

”یہ ایک خاص ہندی منتر ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو اس وقت پاس کوئی عورت نہ ہو۔“



پامیلا نے سن رکھا تھا کہ ہندوستان کے سادھو  
سنیاسی لوگوں کے پاس بڑے عجیب و غریب منتر ہوتے  
ہیں۔ چنانچہ وہ غسل خانے میں چلی گئی۔ ناگ نے اسے  
ہدایت کی کہ باہر بالکل نہ دیکھے نہیں تو منتر کامیاب  
نہیں ہو گا۔ ناگ نے احتیاط کے طور پر غسل خانے کا  
دروازہ بھی بند کر دیا اور باہر سے چٹخنی لگا دی اس  
کے ساتھ ہی ناگ نے مہتہ خانے کا لیمپ بجھا دیا۔  
مہتہ خانے میں اندھیرا ہو گیا۔ ناگ نے ایک سیکنڈ میں  
باریک سانپ کا روپ بدلا اور چوکھٹ کے سوراخ میں  
سے گذر کر باہر نکل گیا۔ دروازے پر تالا لگا تھا۔ ناگ نے  
پھین اٹھا کرتائے کے سامنے منہ کیا اور زور سے پھنکا  
ماری۔ یہ شیش ناگ کی پھنکار تھی۔ اس میں سے ایسی  
آگ نکلی کہ اس کی تیش نے تلے کو پگھلا کر رکھ دیا۔  
ناگ دوبارہ انسانی شکل میں آیا اور دروازہ آہستہ سے  
کھول دیا۔

مہتہ خانے میں آتے ہی ناگ نے پامیلا کو غسل خانے  
سے باہر آنے کو کہا اور اسے سمجھایا کہ میں اوپر جا  
کر دیکھتا ہوں راستہ صاف ہے کہ نہیں؟ اگر ٹھکنا شیطان  
سو رہا ہو گا یا گھر پر نہیں ہو گا تو میں مہتہ یہاں

سے نکال کر لے جاؤں گا۔

تم دروازہ بند کر کے بیٹھنا۔

ناگ تیزی سے زینہ چڑھ کر اوپر والے کمرے میں  
آ گیا۔ یہ کمرہ خالی تھا۔ اسے دوسری منزل پر جانا تھا۔  
کیوں کہ لاش کے دماغ والی ڈبی دوسری منزل کی  
المانی میں بند تھی۔ ناگ نے دوسری منزل کی  
سیڑھیوں میں چھوٹے سانپ کی شکل بدلی اور سیڑھیوں  
پر سے رینگتا ہوا دوسری منزل میں آ گیا۔ وہ یہ  
دیکھ کر حیران ہوا کہ ٹھکنا شیطان وہاں بھی نہیں تھا۔  
اسے غسل خانے میں پانی گرنے کی آواز آئی۔ وہ غسل خانے  
میں تھا۔ ناگ نے انسانی شکل بدل لی۔ آہستہ سے  
دبے پاؤں غسل خانے پاس گیا اور بند دروازے  
کے باہر والی چٹخنی لگا دی۔ اندر سے ٹھکنا شیطان نے  
زور سے دروازہ کھکھٹایا۔

”کون ہے باہر؟“ دروازہ کس نے بند کر دیا ہے؟“  
ناگ نے بجلی کی تیزی سے المانی کھول کر لاش کے  
دماغ والی ڈبی نکال کر جیب میں رکھی اور تیزی سے نیچے مہتہ خانے  
میں آ گیا۔ پامیلا کبل کا ندھوں پر رکھے پلنگ پر پریشان بیٹھی تھی اسے  
ناگ کے ساتھ جاتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا۔ مگر وہ مجبور تھی۔  
سوچنے لگی کہ یہ ناگ جو شیطان کا ملازم ہے کم از کم اسے اس



تہ خانے جہنم سے نکال دے گا۔ ناگ نے دروازہ کھولتے ہی کہا  
 ”پامیلا! جلدی سے میرے ساتھ آؤ۔ راستہ صاف ہے۔“

ناگ پامیلا کو لے کر تیز تیز سیڑھیاں چڑھ کر مکان کی ڈیڑھ سی  
 سے باہر آ گیا۔ اسے دوسری منزل کے  
 دروازہ توڑنے کی آواز آ رہی تھی۔ ٹھگنا شیطان غسل خانے  
 کا بھاری دروازہ توڑ کر باہر آنے کی کوشش کر رہا تھا  
 پامیلا کو ناگ نے بتایا:-

”میں نے اسے غسل خانے میں بند کر دیا  
 ہے۔ جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔“

مکان کے باہر ایک جگہ ٹھگنے شیطان کا گھوڑا بندھا  
 تھا۔ ناگ نے پامیلا کو گھوڑے پر اپنے ساتھ بٹھایا  
 اور گھوڑے کو اندھیری گلی میں دوڑا دیا۔ بارش بالکل  
 ختم چکی تھی۔ مگر رات کا اندھیرا ابھی باقی تھا۔ گلی  
 میں سرد دھند بھی پھیلی ہوئی تھی۔ پامیلا نے کبل اپنے  
 کاندھوں پر ڈال رکھا تھا۔ ناگ نے زیادہ گرم کپڑے  
 نہیں پہن رکھے تھے۔ پامیلا نے اپنا کبل اسے  
 بھی دینے کی کوشش کی تو ناگ نے کہا:

”اس کی ضرورت نہیں پامیلا۔ مجھے سردی زیادہ  
 محسوس نہیں ہوتی۔“

گھوڑے کے سموں کی آواز گلی کے پتھر پر فرش

پر گونج رہی تھی۔ وہ گلی میں سے نکل بازار میں  
 آ گئے جہاں کیچڑ تھا۔ گھوڑا کیچڑ میں دوڑتا جا رہا تھا۔  
 ناگ پامیلا کو لے کر سیدھا پرانے گرجا کے عقب  
 والے کانوینٹ کے کوارٹر میں آ گیا۔ وہاں اس کی چچی  
 پریشان بیٹھی تھی۔ وہ کہیں رات کو اٹھی تو اس نے  
 دیکھا کہ پامیلا اپنے بستر پر موجود نہیں تھی۔

وہ تو غم سے نڈھال ہو کر بے چاری  
 وہیں کی وہیں بیٹھ گئی۔ کیوں کہ باہر اندھیری رات  
 میں بارش ہو رہی تھی۔ وہ پامیلا کو ڈھونڈنے کہاں  
 جاتی۔ اس نے پامیلا کو ایک اجنبی کے ساتھ آتے  
 دیکھا تو بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ جب پامیلا نے  
 بتایا کہ اسے ایک شیطان صفت آدمی نے اپنے  
 غنڈوں کی مدد سے اغوا کر لیا تھا اور یہ نوجوان ناگ  
 اسے بچا کر لے آیا ہے تو اس کی چچی نے ناگ کا  
 شکریہ ادا کیا۔

ناگ نے کہا:

”بہن! اب تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں کیا  
 کوئی ایسی جگہ ہے جہاں کچھ دنوں کے لیے  
 تم چلی جاؤ۔“

پامیلا کی چچی تو پہلے ہی ڈری ہوئی تھی۔ بولی:



یہاں سے دور گاؤں میں سیرا ایک مکان ہے  
میں صبح ہوتے ہی اسے ساتھ لے کر اپنے  
گاؤں چلی جاؤں گی۔  
ناگ نے کہا :

”یہی بہتر رہے گا۔ اچھا۔ اب مجھے اجازت دیجئے  
پامیلا نے کہا :

”ناگ بھائی! ہمارا یہاں کوئی نہیں جو ہمیں  
گاؤں تک چھوڑ آئے۔ کیا تم ہماری مدد نہیں  
کرو گے؟“

ناگ سوچنے لگا۔ پھر بولا :

”بہتر ہے۔ تو پھر ابھی یہاں سے نکل چلو۔ کیا  
تمہارے پاس گھوڑا ہو گا؟“

ان کے پاس ایک گھوڑا موجود تھا۔ ناگ نے دونوں  
عورتوں کو ساتھ لیا۔ انہوں نے مکان کو تالا لگایا اور  
گاؤں کی طرف روانہ ہو گئیں۔

دوسری طرف ٹھگنے شیطان نے دروازہ توڑ ڈالا۔  
غسل خانے سے باہر نکلتے ہی وہ تہہ خانے کی طرف  
لیکا۔ دیکھا کہ سنہری بالوں والی لڑکی وہاں نہیں تھی۔  
بھاگ کر اوپر دوسری منزل میں آیا۔ الماری کھولی کہ  
لاش والی ڈبی نکال کر لاش کو اپنی مدد کے لیے

دے کہ یہ دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ  
نے لگے۔ الماری میں سے لاش کے دماغ والی ڈبی غائب تھی۔  
ٹھگن شیطان بستر پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

پھر نیچے آیا کہ گھوڑے پر بیٹھ کر پرانے قلعے کی  
طرف جانے کہ گھوڑا بھی وہاں پر موجود نہیں تھا۔ ٹھگن  
شیطان پیدل ہی اندھیرے اور سردی میں پرانے قلعے کی  
طرف چل پڑا۔ کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا وہ پرانے  
قلعے میں پہنچ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ لاش تہہ خانے کے  
گڑھے میں بند ہے مگر اس کے پاس لاش پر حکم چلانے  
کی طاقت نہیں تھی۔ اس نے ہال کمرے میں آ کر لاش  
کا باقی بچا ہوا دماغ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ  
اسے کہیں نہ مل سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لاش کے  
دماغ کو ٹھگنے شیطان کے ساتھیوں نے قاتل کے سر  
کے ساتھ ہی پہاڑی کی کھڑ میں پھینک دیا تھا۔  
جہاں وہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا۔ ٹھگن شیطان پریشانی  
کے عالم میں ادھر ادھر ٹھٹھنے لگا۔ یہ لاش اب اس کے  
لیے بھی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اگر اسے کنٹرول  
نہ کیا گیا تو وہ نہ جانے کیا تباہی مچا دے۔ کیوں کہ  
لاش کی کھوپڑی میں اس کا اپنا دماغ نہیں تھا بلکہ ایک  
خونی قاتل کا دماغ لگا دیا گیا تھا۔ یہ اس لیے لگایا گیا



تھا کہ ٹھگنا شیطان اس سے اپنی مرضی کے مطابق مجبور  
کام لینا چاہتا تھا مگر اب لاش اس کے کنٹرول  
بھی باہر ہو گئی تھی اور اسے خطرہ تھا کہ کہیں لاش  
خود اس پر حملہ نہ کر دے۔ کیونکہ وہی تھا جس نے لاش  
کے سر میں سے دماغ نکالا تھا اور لاش آپریشن کے  
دوران اسے دیکھ رہی تھی۔

اچانک ٹھگنے شیطان کو قیمتی شاہی تاج کا خیال آیا  
کہ جس آدمی نے اس کی الماری سے لاش کا دماغ  
چوری کیا ہے کہیں وہ صندوق میں سے شاہی تاج  
بھی تو نہیں لے گیا۔ ٹھگنا شیطان اسی وقت واپس  
مکان کی طرف دوڑا۔ جاتے ہی صندوق کا تالا کھول کر  
دیکھا۔ شاہی تاج وہاں موجود تھا۔ مگر اس تاج کی اب  
اسے اتنی خوشی نہیں تھی۔ اس کی اصل دولت "لاش"  
جو اس کے کنٹرول میں تھی اور جسے اس نے رات  
دن کی محنت سے تیار کیا تھا اس کے ہاتھ سے چھین  
گئی تھی۔ وہ اس لاش سے ہزاروں کام لینا چاہتا  
تھا۔ اس نے شہر کی تمام حسین لڑکیوں کو قلعے کے  
مہنہ خانے میں جمع کر کے وہاں ایک ایسی بناوٹی حبت  
تیار کرنی تھی جہاں وہ دولت کے انباروں کے ساتھ  
ساری زندگی عیش و آرام سے بسر کر سکے۔ مگر لاش کے

اتنے سے نکل جاتے سے اس کا خواب ادھورا رہ گیا تھا۔  
پھر بھی ٹھگنا شیطان ایک عیار اور چالاک آدمی تھا  
آج سے سینکڑوں برس پرانے زمانے کا سرچن تھا۔ اسے  
انسانی دماغ کی تمام خفیہ طاقتوں کا علم تھا یہی وہ  
تھی کہ اس نے لاش کے دماغ کے پچھلے حصے کے  
ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی مدد سے لاش کو اپنے  
قبضے اور کنٹرول میں کر رکھا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ  
وہ لاش کو دوبارہ کنٹرول میں کرنے کی کوشش کرے گا۔  
اب دن نکل آیا تھا مگر سورج سیاہ کالی گھاؤں اور  
دھند کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ شہر میں نیم اندھیرا اور  
پراسرار سی فضا تھی۔

ٹھگنے شیطان نے گھوڑا گاڑی لی اور پرانے قلعے کی  
طرف روانہ ہو گیا۔ گھوڑا گاڑی کو اس نے قلعے کی دای  
میں داخل ہوتے ہی چھوڑ دیا اور باقی راستہ پیدل طے  
کر کے قلعے کے نیچے بڑے ہال کمرے میں آ گیا۔ وہ  
ادھر ادھر کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔ اس نے سارا  
کاٹھ کباڑ چھان مارا مگر اسے وہ شے نہ ملی جس کی  
اسے تلاش تھی۔ ناامید ہو کر شہر کے پرانے قبرستان کی  
طرف چلا کہ وہاں کسی تازہ دفن کی گئی لاش کا دماغ  
نکال کر لاتے اور اس پر تجربہ کرے اور لاش کو



پھر سے اپنے قابو میں لائے۔

پرانا قبرستان قلعے کے کھنڈر سے کچھ دور ہی تھا۔ وہاں دھند پھیلی تھی۔ بادل گھرے ہوئے تھے۔ دن کی روشنی بہت ہی کم تھی۔ ٹھگن شیطان قبرستان کے ٹوٹے پھوٹے دروازے میں سے گذر کر قبروں کے پاس آگیا۔ یہاں سب کی سب پرانی قبریں ہی تھیں۔ ان قبروں کے مردے مٹی ہو چکے تھے۔ قبرستان میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی۔ اس کے اندر آگ جل رہی تھی اور گورکن بیٹھا آگ تپ رہا تھا۔ ٹھگن شیطان اندر چلا گیا۔ اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد کہنے لگا۔

”بھائی گورکن! یہاں تو مہینوں بعد کوئی مردہ آتا ہو گا تم اپنی روزی کس طرح کما تے ہو؟“

گورکن نے کہا:

”تم ٹھیک کہتے ہو بھائی۔ مگر کیا کروں۔ ایک مردے سے مجھے اتنا مل جاتا ہے کہ مہینہ گذر جاتا ہے۔“

ٹھگن شیطان نے پوچھا:

”کیا اس مہینے کوئی مردہ نہیں آیا؟“

”نہیں بھائی۔ شاید کوئی آ جائے۔“

اتنے میں ایک گھوڑا سوار آیا۔ اس نے گورکن سے کہا:

”ایک مردے کی قبر تیار کرنی ہے۔ ہم میت کو لے کر تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔“

گورکن نے کہا:

”بھائی! مردہ عورت ہے یا مرد؟“

گھوڑا سوار بولا:

”مہتیں اس سے کیا؟ تم قبر تیار کرو اور یہ کچھ رقم پیشگی۔ باقی مہتیں بعد میں دیں گے۔“

یہ کہہ کر گھوڑا سوار چلا گیا۔

ٹھگن شیطان نے کہا:

”لو بھائی گورکن تمہارا کام تو بن گیا۔ اب جلدی سے قبر کھود ڈالو۔ چلو۔ میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔“

انہوں نے مل کر ایک درخت کے پاس قبر کھودنی شروع کر دی۔ جب قبر تیار ہو گئی تو گورکن بولا:

”بھائی! قبر تو تیار ہو گئی۔ اب میت کا انتظار کرنا ہو گا۔ مگر تم میرے ساتھ زحمت کیوں اٹھاتے ہو؟“

ٹھگن شیطان بولا:

”میں آج کل بیمار ہوں۔ سوچا تمہارے ساتھ مل کر کام کروں۔ دو وقت کی روٹی ہی مل جائے گی۔“



گورکن نے کہا :

یہ تو ابھی بات ہے۔ تم میرے ساتھ رہو جو میں پکاؤں گا تم بھی کھا لیا کرنا۔

شام ہو چکی تھی۔ قبرستان میں شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اتنے میں قبرستان میں ایک جنازہ داخل ہوا۔ چھ سات آدمیوں نے ایک تابوت اٹھا رکھا تھا۔ تابوت قبر کے پاس رکھ کر دیا گیا۔ ایک آدمی نے قبر کو چراغ کی روشنی میں غور سے دیکھا پھر اشارہ کیا۔ گورکن اور ٹھگنے شیطان نے رستوں کی مدد سے تابوت کو قبر میں اتار کر اوپر مٹی ڈال کر قبر تیار کر دی۔ مرد کے رشتے دار گورکن کو کچھ رقم دے کر واپس چلے گئے۔ اب رات ہو گئی تھی۔ چاروں طرف قبرستان میں گہرا سناٹا اور اندھیرا تھا۔ سردی بھی بہت ہو گئی تھی۔ گورکن اور ٹھگنا شیطان جھونپڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے تھوڑا بہت کھانا کھایا۔ گورکن نے گرم قہوہ بنایا۔ دونوں قہوہ پینے لگے۔ ٹھگنے شیطان نے آنکھ بچا کر گورکن کے پیالے میں بے ہوشی کی دوا ملا دی تھی۔

قہوہ پینے کے بعد گورکن نے کہا :

”مجھے تو سخت تیند آ رہی ہے بھائی۔ میں سونے چلا۔“

اور گورکن اٹھ کر کونے میں بچھے تخت پر لیٹے۔ گہری نیند سو گیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ٹھگنا شیطان اپنی جگہ سے اٹھا۔ گورکن کو ہلا جلا کر دیکھا۔ بے ہوش تھا۔ ٹھگنے نے کدال اٹھائی اور جھونپڑی سے نکل کر تازہ بنی ہوئی قبر کے سرہانے کی طرف گورکن کے اندھیری رات میں قبر کو کھودنے لگا۔ ابھی مٹی تازہ تھی۔ قبر بڑی آسانی سے کھدنے لگی۔ آسمان پر ہلے کالے بادلوں میں بجلی چمکی۔ پھر بادل روتے سے گرے۔ ٹھگنے شیطان نے اپنا کام جاری رکھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ ٹھگنا شیطان قبر کو کھودتا چلا گیا۔ اب نیچے سے تابوت نظر آنے لگا۔ پھر اس نے قبر میں اتر کر تابوت کو کھول دیا۔ چراغ کی روشنی مرد کے سر ڈالی تو اس کے منہ سے حیرت کے مارے بیخ کنی نکل گئی۔ اس مردے کا سر غائب تھا۔ کسی نے اس کا سر الگ کر کے باقی لاش دفن کر دی تھی۔ مردہ ٹھگنے شیطان کے کسی کام کا نہیں تھا۔ وہ تخت مایوس ہو کر قبر سے باہر نکل آیا۔ اس نے مٹی ڈال کر قبر کو بند کر دیا اور خود قبرستان میں سے گذرنا شروع کر دیا۔ دروازے میں آ گیا۔ یہاں اس قدر اندھیرا تھا کہ قبرستان کے دروازے کا دھندلا سا خاکہ ہی نظر



آ رہا تھا۔ ٹھگنا شیطان قبرستان کے دروازے سے باہر نکلا تو بادل زور سے گرجا۔ بارش شروع ہو گئی تھی۔ ٹھگنے شیطان نے سوچا کہ اسے بارش رکنے کا انتظار کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہ قبرستان کی ڈیوڑھی میں ہی رُک گیا کہ بارش رُکے تو واپس اپنے قلعے والے قدیم ترین گھرانے میں چلا جائے گا۔

اندھیری رات میں بارش کی ٹھنڈی پھوار قبرستان کی ڈیوڑھی میں آ رہی تھی۔ ٹھگنا شیطان ذرا پیچھے ہو گیا اور ڈیوڑھی کے اندر جو چبوترہ بنا تھا۔ اس پر بیٹھ گیا۔ اندھیرے میں اس کا ہاتھ کسی شے سے ٹکرا گیا۔ اس نے ہاتھ سے اس چیز کو ٹٹولا تو اس کا ہاتھ کسی کے سر پر جا لگا۔ ٹھگنا شیطان چونک اٹھا۔ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس کے پاس ہی چبوترے پر ایک انسانی سر رکھا ہوا تھا۔ ٹھگنا شیطان اچھل کر پر چلا گیا۔ اندھیرے میں چبوترے پر رکھا ہوا سر اسے دیکھ رہا تھا۔ کٹے ہوئے سر کی آنکھیں سرخ تھیں۔ سر کے ہونٹ بے اور آواز آئی:

”تو نے میرا سر میرے دھڑ سے الگ کر دیا ہے۔ میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔“

ٹھگنا شیطان گھبرا کر ڈیوڑھی سے چھلانگ لگا کر باہر

بارش میں اٹھ دوڑا۔ وہ شہر کو جانے والی سڑک پر بھاگنے لگا۔ بارش اور اندھیری رات میں بھاگتے بھاگتے وہ ہانپنے لگا اور ایک جگہ بے دم ہو کر بیٹھ گیا۔ سڑک کے کنارے وہ ایک پتھر کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ کھیت میں بارش کا پانی گر رہا تھا۔ اس کی آواز آ رہی تھی۔ ٹھگنے شیطان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے کٹے ہوئے انسانی سر کو بولتے دیکھا ہے۔

اندھیرے میں وہ قبرستان کی ڈیوڑھی کی طرف گھوڑا کر سکنے لگا۔ اگرچہ وہ ایک سرجن تھا۔ اس نے کئی مُردہ لاشوں کے پوسٹ مارٹم کئے تھے مگر کسی مردہ انسانی سر کو کبھی بولتے نہیں دیکھا تھا۔ جب ذرا اس کا سانس درست ہوا تو اٹھ کر گھر کی طرف تیز تیز چلنے لگا۔ وہ بارش میں بھیک گیا تھا۔ اسے سردی لگ رہی تھی۔ وہ قلعے کے کھنڈر کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ قلعے میں سے ایک گھوڑا سوار نکل کر اس کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔

ٹھگنے شیطان نے سوچا کہ یہ کون ہے؟

وہ رُک گیا۔ گھوڑے پر ایک ایسا آدمی سوار تھا

جس نے اپنا آپ کالی چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔ قریب

آ کر اس نے چادر اتار کر پھینک دی۔ ٹھگنے شیطان کا



خوف کے مارے مارے <sup>۸۲</sup> سرزد ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ گھوڑے پر ایک آدمی بیٹھا ہے جس کے ہاتھ میں کٹا ہوا سر ہے اور سر کے ہونٹوں سے آواز آ رہی ہے۔ تو نے میرا سر میرے دھڑ سے الگ کر دیا ہے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

یہ کہہ کر گھوڑا سوار نے ہاتھ میں پکڑا ہوا اپنا سر زور سے ٹھگنے شیطان کی طرف اچھالا۔ ٹھگنا شیطان چیخ مار کر بھاگ گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ وہ شہر کے دروازے تک دوڑتا چلا گیا۔ پھر ٹدھال ہو کر گر پڑا۔ اس کا سانس زور زور سے چل رہا تھا۔ اس نے سر گھما کر پیچھے دیکھا۔ اس کے پیچھے اب کوئی گھوڑا سوار نہیں تھا۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ ٹھگنا شیطان اٹھ کر شہر کی سنان بارش میں بھیسگتی پتھر پٹی گھیلوں میں سے تیز تیز گذرتا اپنے مکان میں داخل ہو گیا۔ اس نے مکان کا دروازہ اندر سے بند کر کے چٹخنی لگا دی اور دوسری منزل میں آ کر بستر پر گر پڑا۔ اس کا سانس ابھی تک دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اچانک اسے سر ہانہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھتا محسوس ہوا۔ وہ جلدی سے بستر پر اٹھ بیٹھا۔ اور سر ہانے کو اٹھا کر دولہ پھینک دیا۔ اس کی چیخ نکل گئی۔ سر ہانے کے نیچے

دی کٹا ہوا انسانی سر اس گلی طرف لال آنکھوں سے تک رہا تھا۔

سر کے ہونٹ ہلے :

تو نے مجھے میرے دھڑ سے جدا کر دیا ہے

میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا :

ٹھگنے شیطان نے انسانی سر کو اٹھایا اور کھڑکی میں سے باہر پھینک دیا۔ گلی میں ایک انسانی چیخ بلند ہوئی اور آہستہ آہستہ غائب ہو گئی۔ ٹھگنے شیطان نے کھڑکی بند کر دی اور وہیں کچھ دیر کھڑا زور زور سے سانس لیتا رہا۔ جب ذرا سانس ٹھیک ہوا تو اس نے کھڑکی کی بھی چٹخنی لگا دی اور بستر پر آ گیا۔ سر ہانہ فرش پر پڑا تھا۔ وہ اسے اٹھاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ کمرے میں دھیمہ دھیمہ پچ چل رہا تھا۔ ٹھگنے شیطان نے ڈرتے ڈرتے سر ہانے کو اٹھایا تو وہی کٹا ہوا انسانی سر سر ہانے کے نیچے موجود تھا۔ ٹھگنے شیطان نے سر ہانہ وہیں پھینکا اور نیچے کو بھاگا۔ انسانی سر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ ڈیوڑھی میں آ کر انسانی سر ایک چیخ مار کر بند دروازے میں سے گذر کر باہر اندھیری رات کی بارش میں غائب ہو گیا۔ ٹھگنا شیطان ڈیوڑھی میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔



مٹی اور راسے وہیں سے ناگ کے پاس آنا تھا۔ ناگ کو یہ خیال بھی آیا کہ ہو سکتا ہے لاش اس کے حکم پر نہ آئے۔ لیکن مھوڑی دیر بعد جب اس نے قلعے کے دروازے میں سے اندھیرے میں ایک اونچے لمبے سائے کو آہستہ آہستہ باہر نکلتے دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ اس کا تجربہ ناکام نہیں رہا۔ لاش اس کی طرف آ رہی تھی۔

ناگ چٹان پر بیٹھا رہا۔ اس کی انگلی لاش کے دماغ کے ٹوٹی والے ٹکڑے پر تھی۔ لاش آہستہ آہستہ چلتی بادلوں والی سرد اندھیری رات میں ناگ کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

ناگ نے کہا:

”آج سے تم میری غلام ہو۔ جو میں کہوں گا تم ویسے ہی کرو گے۔ سب سے پہلا کام یہ کرو کہ جو شاہی تاج تم شہر کے قدیم عجائب گھر سے چرا کر لائے تھے اسے وہیں لے جا کر رکھ آؤ۔ میں تمہارا اسی جگہ انتظار کروں گا۔“

لاش نے کوئی جواب نہ دیا۔ اپنا رخ شہر کی طرف

## دہشت ناک پھنکار

ناگ نے سوچا کہ چل کر لاش کی خبر لی جائے۔ اس وقت رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ سخت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ناگ پرانے قلعے کی طرف چل پڑا۔ لاش کے دماغ والی ڈبی ناگ کی جیب میں تھی۔ قلعے میں جانے کی بجائے ناگ ایک جگہ درختوں کے نیچے آ کر پتھریلی چٹان پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب میں سے ڈبی نکال کر کھولی۔ اس کے اندر لاش کے دماغ کا سفید سفید پھوٹا سا گودا جیسے آہستہ آہستہ ابل رہا تھا۔ ناگ نے اپنی انگلی اس کے پیچھے رکھی اور کہا:

”قلعے کے تہ خانے سے نکل کر میرے پاس آؤ۔“ ناگ نے اپنی آنکھیں سامنے قلعے کے شکستہ دروازے کی طرف اٹھائیں جو اندھیری رات میں ایک بھوت کی طرح لگ رہا تھا۔ لاش اسی قلعے کے تہ خانے میں



موڑا اور آہستہ آہستہ شہر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ کچھ دور جا کر لاش کی رفتار تیز ہو گئی۔ پھر وہ ناگ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

ناگ اسی جگہ چٹان پر بیٹھا عنبر ماریا اور بھیونگ کیٹی کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ کہاں ہوں گے ماریا کی خوشبو اسے اسی شہر سے آئی تھی۔ مگر پھر نہ جانے کیا ہوا کہ اس کی خوشبو بھی غائب ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اسے ماریا اور عنبر کو تلاش کرنے میں اس لاش سے مدد لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے۔ لاش اس کی کچھ مدد کر سکے۔

دوسری طرف لاش رات کے بھگے ہوئے اندھیرے میں ٹھکنے شیطان کے مکان پر جا پہنچی۔ اس نے دیکھا کہ ڈیوڑھی میں ایک طرف ٹھکنا شیطان بے ہوش پڑا ہے۔ اور ایک کٹا ہوا انسانی سر اس کے سینے پر چڑھا ہوا ہے اور اپنے لمبے لمبے نوکیلے دانتوں سے ٹھکنے شیطان کے سینے میں سوراخ کر رہا ہے۔ ایک پل کے لیے لاش نے انسانی سر کی طرف اور انسانی سر نے لاش کی طرف دیکھا۔ لاش کے حلق سے عزاہٹ کی آواز نکلی اور وہ مکان کی سیڑھیاں چڑھنے

لگی۔ انسانی سر نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ٹھکنے شیطان کے سینے میں سوراخ ہونا شروع ہو گیا تھا۔ خدا جانے یہ انسانی سر کا کدھم تھا کہ اس کا جسم ابھی تک بے حس اور سُن تھا اور اسے کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے سینے میں انسانی سر سوراخ کر رہا ہے۔

دوسری جانب لاش نے دوسری منزل میں جا کر لوہے کا صندوق کھول کر شاہی تاج نکال کر ہاتھ میں لٹکا دیا اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگی جب لاش ڈیوڑھی میں آئی تو دیکھا کہ ٹھکنے شیطان کے سینے میں ابھی تک پورا سوراخ نہیں ہوا تھا۔ لاش کو بھی اس ٹھکنے شیطان سے بدلہ لینا تھا۔ کیوں کہ یہ وہی برعاش تھا جس نے اسے قبر سے نکال کر اس کا دماغ بدل دیا تھا اور اسے چوری ڈاکے کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ لاش نے انسانی سر کی طرف دیکھ کر حلق سے آواز نکالی۔ انسانی سر چھاتی سے اتر کر پرے ہٹ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ لاش خود اس کے دشمن کا کام تمام کرنا چاہتی ہے۔ لاش نے ٹھکنے شیطان کے سینے پر اپنا بھاری بھر کم پاؤں رکھ کر ذرا سا نیچے دبایا تو ٹھکنے شیطان



کی ساری کی ساری پسلیاں ٹوٹ گئیں اور اس کے دل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ وہ مر چکا تھا۔

لاش نے حلق سے ایک بھیانک عجیب سی آواز نکالی اور شاہی تاج اٹھائے عجائب گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ عجائب گھر کے باہر اب زبردست پہرہ لگا دیا گیا تھا۔ چونکہ لاش کو سوائے ناگ کے دوسرا کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا اس لیے وہ بے دھڑک عجائب گھر میں داخل ہو کر اس کمرے میں آ گئی جہاں سے اس نے شاہی تاج چوری کیا تھا۔ شاہی تاج کو اپنی اصلی جگہ پر رکھنے کے بعد لاش واپس مڑی اور ناگ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس وقت ڈیوڑھی میں ٹھگنے شیطان کی لاش تو ضرور موجود تھی مگر انسانی سرواں نہیں تھا۔ لاش ناگ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ناگ نے پوچھا :

”شاہی تاج عجائب گھر میں رکھ دیا؟“

لاش نے آگے پیچھے سر ہلایا۔ گویا کہہ رہی ہو کہ میں نے شاہی تاج کی امانت عجائب گھر والوں کو واپس کر دی ہے۔ ناگ نے لاش کے ڈبی والے دماغ پر انگلی رکھ کر کہا :

”کیا تم بتا سکتی ہو کہ میرے دوست عنبر اور ماریا اس وقت کہاں ہیں؟ ماریا کی خوشبو مجھے اس شہر میں داخل ہوتے ہی آتی تھی۔ پھر غائب ہو گئی۔“

لاش کچھ دیر کے لیے بالکل ساکت ہو کر کھڑی رہی پھر اس نے اپنے سر کو آگے پیچھے کیا۔ گویا کہہ رہی ہو کہ میں ان کا پتہ چلاؤں گی۔ جانے کیوں ناگ کو یقین آ گیا کہ یہ لاش ماریا کا ضرور پتہ چلا لے گی۔ کیوں کہ ماریا بھی غائب رہتی ہے اور یہ بھی غائب ہے۔ ناگ نے اسے کہا :

”تو پھر جاؤ اور ماریا کا پتہ کرو کہ وہ کہاں ہے مجھے واپس آ کر خبر کرنا۔ میں تمہاری راہ دیکھوں گا۔“

لاش نے ایک بار پھر اسی طرح سر ہلایا اور رات کے اندھیرے میں گم ہو گئی۔ ناگ کو پہلے ہی وہ ایک دھندلا سفید سا سایہ نظر آتی تھی ذرا دور اندھیرے میں گئی تو بالکل غائب ہو گئی۔ ناگ نے سوچا کہ اسے اسی شہر میں کسی جگہ رہ کر لاش کی واپسی کا انتظار کرنا چاہیے۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ٹھگنے شیطان کا



کیا حال ہے اور لاش کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہ کیا کر رہا ہے۔ چنانچہ ناگ وہاں سے بیدھا ٹھکنے شیطان کے مکان پر آ گیا۔ ڈیوڑھی میں ٹھکنے شیطان کی لاش دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ اس جرائم پیشہ آدمی کو تو جیسے کسی نے پکڑ کر رکھ دیا تھا۔ ناگ نے وہاں رہنا مناسب نہ سمجھا اور جلدی سے ڈیوڑھی سے باہر گلی میں نکل گیا۔

رات ناگ نے ایک ویران کھیت میں ایک درخت کے نیچے گزار دی۔ دوسرے دن وہ عجائب گھر گیا یہ دیکھنے کے لئے لاش لے واقعی وہاں تاج رکھ دیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ شاہی تاج اپنی جگہ پر موجود تھا۔ اسے بڑی خوشی ہوئی کہ جس ملک کی یہ امانت تھی اس کے پاس پہنچ گئی۔ کیونکہ امانت میں خیانت کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ہمارے پاس اگر کوئی انسان اپنی امانت رکھوائے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں اور وقت آنے پر وہ امانت اس کے مالک کو واپس کر دیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ خدا خوش ہو کر اپنے بندے پر رحمتیں نازل کرتا ہے بلکہ خود انسان کا ضمیر بھی مطمئن ہو جاتا ہے۔ ناگ وہاں

سے نکل کر واپس شہر کے ویران کھیت میں آ گیا۔ یہاں اب دن چڑھے ایک کسان ہل چلا رہا تھا۔ ناگ انسانی شکل میں تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ جب تک ماریا کا سراغ نہیں ملتا اسے اپنے لیے شہر میں کوئی ایسی جگہ چن لینی چاہیے جہاں وہ سب کی نظروں سے اوجھل رہ کر آرام سے کچھ دن گزار سکے۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ماریا اسی شہر میں ہے۔ ورنہ اسے یہاں آتے ہوئے ماریا کی خوشبو نہ آتی۔ وہ شہر کی طرف چلا۔ شہر بہت گنجان تھا۔ پرانے مکانوں کے ساتھ مکان بنے ہوئے تھے۔ ایک دریا شہر کے درمیان سے گذرتا تھا۔ ناگ اس دریا کے ساتھ چلنے لگا۔ جب دریا شہر سے باہر ویران علاقے میں نکل آیا تو ناگ نے دیکھا کہ دور دھند میں ڈوبی ایک عمارت ہے جس کی ٹیکونی چھت اوپر کو اٹھی ہوئی ہے۔ ناگ اس عمارت کے نیچے آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ یہ ایک بہت ہی شکستہ عمارت ہے۔ شاید کسی بادشاہ کا قسطل تھا۔ یا کوئی کارواں سرانے تھی۔ ناگ عمارت کے جھکے ہوئے گیٹ میں سے گذر گیا۔ آگے ایک دالان تھا



جس کے فرش کے پتھر اکھڑ کر ادھر ادھر پڑے تھے اور جگہ جگہ خشک گھاس اگی ہوئی تھی۔ دالان کے ساتھ ساتھ ایک ٹوٹا پھوٹا برآمدہ بنا ہوا تھا جس کے کمرے کے کئی ستون نیچے گرے ہوئے تھے۔ پھجھ بھی آگے کو جھک آیا تھا۔ برآمدے میں چند ایک کوٹھڑیاں تھیں جو سدی کی ساری خالی پڑی تھیں۔ ایک کوٹھڑی کی چھت میں سوراخ تھا جہاں سے بارش کا پانی اندر آ گیا ہوا تھا۔

برآمدے کے باہر سے ایک زینہ اوپر جاتا تھا۔ ناگ اوپر چڑھ گیا۔ یہ زینہ ایک گول مینار میں جاتا تھا۔ اس مینار کی ایک ہی پتھر ملی کھڑکی تھی جس کے نیچے دریا بہہ رہا تھا۔ مینار کے اندر ٹوٹی پھوٹی چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ ناگ نے انہیں ایک طرف ہٹا کر صاف کیا کہ بیٹھنے کے لیے جگہ بنائے کہ اچانک کونے میں ایک تابوت نکل آیا۔ یہ تابوت اتنا خستہ اور پرانا تھا کہ اس کا رنگ سیاہ پڑ چکا تھا اور اس پر کڑیوں نے جالے بن رکھے تھے۔ ناگ نے تابوت کو وہیں رہنے دیا۔ اور خود مینار کے اندر ایک جگہ فرش صاف کر کے بیٹھ گیا۔ اس نے جیب میں سے

لاش کے دماغ والی ڈبی نکالی۔ لاش کے دماغ پر انگلی رکھ کر کہا:

”کیا تمہیں ماریا کا کچھ پتہ چلا؟“

ناگ کو لاش کی طرف سے کوئی اشارہ نہ ملا۔ پھر اسے خیال آیا کہ لاش تو بول نہیں سکتی۔ ہو سکتا ہے وہ ماریا کی تلاش میں لگی ہو۔

ناگ نے لاش سے کہا:

”ٹھیک ہے۔ تم اپنی تلاش جاری رکھو۔ میں

دریا والے پرانے مینار میں ہوں۔ یہاں آ جانا۔“

ناگ نے ڈبی بند کر کے جیب میں رکھ لی اور کھڑکی میں آکر نیچے دریا اور شہر کا نظارہ کرنے لگا

جب سورج غروب ہو گیا تو ناگ وہاں سے نکل

کر شہر کا ایک چکر لگانے کے لیے چل پڑا۔ اسے

ابھی تک شہر میں ماریا یا عنبر کی خوشبو نہیں آ رہی

تھی۔ شہر میں سردی کی وجہ سے کھرا پھیلا ہوا تھا اور

لوگ ٹھٹھڑ ٹھٹھڑ کر چل رہے تھے۔ اکثر گلیاں بازار شام

ہوتے ہی سنان ہو گئے تھے۔ ناگ کچھ دیر شہر کی

آوارہ گردی کرتا رہا۔ پھر جب کافی اندھیرا چھا گیا

تو واپس مینار میں آکر بیٹھ گیا۔



اس کا خیال تھا کہ لاش ابھی تک واپس نہیں  
 آئی۔ وہ اسے بلانا بھی نہیں چاہتا تھا کیوں کہ کوئی  
 پتہ نہیں تھا کہ وہ ماریا کی تلاش میں کہاں گھوم رہی  
 ہے۔ اسے ماریا کو تلاش کرتے رہنا چاہیے۔ یہ سوچ  
 کر ناگ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے سوچا کہ  
 کیوں نہ کچھ دیر کے لیے آرام کر لیا جائے۔ حالانکہ اس  
 سے پہلے اس کے دل میں ایسی خواہش نہیں پیدا ہوئی  
 تھی۔ نیند تو ان لوگوں کو آتی ہی نہیں تھی مگر یہ لوگ  
 جب چاہیں سو سکتے تھے۔ چنانچہ ناگ بھی اونگھنے لگا  
 اور پھر اپنی مرضی سے سو گیا۔ وہ سوتا رہا اور رات  
 گذرتی چلی گئی۔ ناگ کچھ زیادہ ہی گہری نیند سو گیا تھا۔  
 ادھی رات ہو رہی تھی کہ اچانک اس ویران خستہ  
 عمارت کے دروازے میں لاش نمودار ہوئی۔ وہ آہستہ آہستہ  
 چلتی برآمدے کی طرف گئی۔ پھر اس نے اپنا منہ مینار  
 کی طرف اٹھا کر آہستہ سے سانس اندر کو کھینچا۔ اسے  
 ناگ کی بو مینار کی طرف سے آ رہی تھی۔ لاش نینے  
 کی سیڑھیاں چڑھ کر مینار میں آ گئی۔ لاش نے دیکھا  
 کہ ناگ گہری نیند سو رہا تھا۔ لاش ایک لمحے کے لیے  
 ناگ کے پاس بکھڑی اسے گھورتی رہی۔ پھر لاش نے

۹۵  
 اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور ناگ کی جیب سے وہ ڈبی  
 نکال لی جس کے اندر لاش کے دماغ کا ایک ٹکڑا  
 بند تھا اور جس سے اس لاش کو اپنے کنٹرول میں  
 رہ رکھا جاسکتا تھا۔ لاش نے ڈبی اپنی مٹھی میں اچھی طرح سے بند کر  
 لی اور واپس زینہ اتر کر اندھیرے میں غائب ہوئی۔  
 ناگ کو کچھ خبر نہ ہوئی کہ اس کی جیب سے لاش  
 اپنے دماغ والی ڈبی نکال کر لے گئی ہے۔ وہ گہری  
 نیند سو رہا تھا کہ اچانک ایک آواز بلند ہوئی۔ یہ  
 آواز ایسی تھی جیسے کسی بند صندوق میں سے نکل رہی  
 ہو۔ ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ آواز تھوڑی دیر بعد ابھر  
 رہی تھی۔ آواز دردناک، اداس اور خشک تھی۔ ناگ  
 نے غور سے کان لگا کر سنا۔ یہ کسی آدمی کی آواز  
 تھی اور یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ شخص مشکل میں  
 ہے۔ یہ آواز زینے کی طرف سے اوپر آ رہی تھی۔  
 ناگ سیڑھیاں اترنے لگا۔ نیچے ڈیوڑھی میں اس نے  
 آواز کو ایک بار پھر غور سے سنا۔ کوئی کہہ رہا تھا:  
 "افسوس میں نے وہ کام کیوں نہ کیا جو آج  
 میرے کام آتا۔"  
 ناگ کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ کون شخص ہے؟ اس  
 نے آواز دی:



"تم کون ہو اور کہاں سے بول رہے ہو؟"  
آواز نے جواب دیا:

"خدا کا شکر ہے کہ میری آواز سن کر کسی انسان  
نے جواب دیا۔ میرے بھائی ڈیوڈھی سے نکل  
کر ساتھ والی کوٹھڑی میں آؤ وہاں مہتیں ایک  
شکستہ قبر ملے گی۔ میں اس قبر کا مردہ ہوں۔  
میرے پاس آؤ ڈرو نہیں۔ مجھے تم سے ایک  
ضروری بات کرنی ہے تم میری روح کو عذاب  
سے نجات دلا سکتے ہو۔"

ناگ نے کہا:

"میں آ رہا ہوں۔"

ناگ ڈیوڈھی سے نکل کر ساتھ والی کوٹھڑی میں  
گیا تو اندھیرے میں اے پتھروں کی ایک ڈھیری نظر  
آئی۔ ناگ نے پوچھا:

"کیا تم اس قبر کے اندر ہو؟"

"ہاں میرے بھائی۔ مردے کی آواز آئی۔ میری  
قبر کے سرہانے کی ایک طرف ایک سوراخ ہے۔  
اس سوراخ میں سے گذر کر میرے پاس آؤ  
اور میری حالت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھو۔"

ناگ نے کہا:

"میں آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ناگ نے سانپ کی شکل بدلی۔ اور قبر  
کے سرہانے والے سوراخ میں سے اندر داخل ہو  
گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اندر ایک مردہ اس حالت  
میں پڑا ہے کہ اس کی گردن زنجیروں سے اس کے  
پاؤں کے ساتھ بندھی ہوئی ہے اور وہ درد سے کراہتے  
ہوئے کہہ رہا ہے۔

"افسوس میں نے وہ کام کیوں نہ کیا جو آج  
میرے کام آتا۔"

ناگ نے فوراً انسانی شکل اختیار کر لی اور کہا:  
"میرے بھائی! میں آ گیا ہوں۔ تمہارے عذاب  
کو دیکھ کر میرا دل دہل گیا ہے۔ آخر مہتیں یہ  
کس گناہ کی سزا مل رہی ہے؟"

مردے نے کہا:

"میرے بھائی! میں دو سو سال سے یہاں قبر کے  
اندر یہ دردناک عذاب جھیل رہا ہوں۔ میں  
ہر رات آواز بلند کرتا ہوں مگر جو کوئی میری  
آواز سنتا ہے ڈر کر بھاگ جاتا ہے۔ اسی لیے  
یہ سرے دیران ہو گئی ہے۔ تم میری آواز



سن کر میرے پاس آ گئے ہو اس کی مجھے  
بے حد خوشی ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے  
کہ اب میرے عذاب کے دن کٹ گئے ہیں۔  
ناگ نے کہا :

”تمہاری یہ حالت کیوں ہے میرے بھائی۔ تم  
نے ایسا کون سا گناہ کیا تھا جس کی تمہیں  
یہ سزا مل رہی ہے؟“

مردہ بولا : ”میرے بھائی ! آج سے دو سو  
سال پہلے یہاں سے ایک رات اور ایک  
دن کے فاصلے پر جو پرانا تاریخی قصبہ ہے  
میں وہاں سوداگری کرتا تھا۔ میرے پاس خدا  
کا دیا سب کچھ تھا۔ میری اپنی ایک شاندار  
حویلی تھی مگر میرے اندر دولت کی ہوس  
بہت زیادہ تھی۔ میں چاہتا تھا کہ چاہے  
کچھ کرنا پڑے میں دولت جمع کرتا جاؤں۔ میری  
حویلی کے پیچھے ایک عزیز آدمی کی زمین تھی جس  
پر کھیتی باڑی کر کے وہ اپنے بچوں کا پیٹ پالتا  
تھا۔ میں نے چاہا کہ وہاں اپنے لئے ایک نیا مکان  
بنواؤں تاکہ وہاں میں اپنی چوتھی بیوی کو رکھوں  
میں نے اس عزیز آدمی کی زمین پر زبردستی

۹۹  
تنبہ کر کے اسے اور اس کے بال بچوں کو وہاں  
سے نکال دیا۔ عزیز کسان اور اس کے بچوں  
نے رو رو کر کہا کہ ہم بھوکے مرجائیں گے  
ہماری زمین ہم سے نہ چھینو۔ مگر مجھ پر دولت  
کا بھوت سوار تھا۔ میں نے ان سب کو وہاں  
سے مار مار کر نکال دیا۔ اس کے بعد میں نے  
وہاں ایک شاندار مکان بنوایا اور اپنی چوتھی  
بیوی کے ساتھ رہنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد تجارت  
کے سلسلے میں اس شہر میں آیا اور اسی سرائے  
میں آ کر ٹھہرا۔ یہاں مجھے ایک ایسی بیماری لگ  
گئی کہ میرے سارے جسم پر چھالے پڑ گئے لوگ  
مجھ سے دور بھاگ گئے۔ میں اسی کوٹھڑی میں پڑا  
کراہتا رہتا۔ کوئی میرے قریب نہ آتا تھا۔ میرے  
بیوی بچے بھی مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ آخر  
ایک دن اسی کوٹھڑی میں میں مر گیا۔ لوگوں نے  
گڑھا کھود کر مجھے اس جگہ دفن کر دیا۔ قبر کے  
بند ہوتے ہی عذاب دینے والے فرشتے آ گئے  
اور انہوں نے میری گردن زنجیروں سے میرے  
پاؤں کے ساتھ باندھ دی اور مجھے کوڑوں سے  
مارنا شروع کر دیا۔ میرے بھائی دو سو سال سے



میری گردن میرے پاؤں کے ساتھ بندھی ہے اور  
میں یہ عذاب جھیل رہا ہوں۔

ناگ کو بڑا دکھ ہوا۔ اس نے کہا :  
مجھے بتاؤ کہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں کہ  
تمہیں اس عذاب سے نجات ملے۔  
مردے نے کہا :

میرا نام زکیوم ہے۔ میرے قصبے میں آج بھی  
میری اولاد کی اولاد میری حویلی میں رہتی ہے۔  
میں نے حویلی کے ساتھ عزیز کسان کی زمین پر  
جو نیا مکان بنوایا تھا وہ آج بھی وہاں پر موجود  
ہے۔ اس میں میرے پڑپوتوں کی اولاد رہتی ہے  
اس مکان کی سب سے پچھلی کوٹھڑی میں زمین  
کے اندر میں نے سونے کے سکوں کا ایک بہت  
بڑا خزانہ ایک دیگ میں بند کر کے دفن کر رکھا  
ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں جاؤ۔ کوٹھڑی میں  
سے وہ دیگ نکالو اور اس کی ساری دولت  
دہاں کے غریبوں اور یتیموں اور بیوہ عورتوں  
اور عزیز کسانوں میں تقسیم کر دو۔ ہو سکتا ہے  
اس نیک کام کے بدلے خدا میرے گناہ کو  
معاف کر دے۔ میری بخشش ہو جائے اور میں

اس عذاب سے نجات حاصل کروں جس میں  
دو سو برس سے مبتلا ہوں۔

ناگ نے کہا :  
میرے بھائی ! میں آج ہی تمہارے قصبے والے  
مکان میں جاتا ہوں۔ لیکن کیا تیری اولاد کی اولاد  
جو وہاں رہتی ہے مجھے یہ خزانہ نکال کر غریبوں  
میں بانٹنے دے گی ؟ وہ مجھ سے ثبوت مانگے گی  
کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں ؟  
مردے نے کہا :

میرے سرہانے کی طرف میری ایک انگوٹھی پڑی  
ہے یہ انگوٹھی میری خاندانی نشانی ہے۔ جب تم  
یہ انگوٹھی انہیں دکھاؤ گے تو انہیں یقین ہو جائیگا  
کہ میں نے ہی تمہیں بھیجا ہے۔  
ناگ نے سرہانے کی جانب قبر میں سے وہ انگوٹھی  
نکال کر جب میں رکھ لی اور کہا :  
لیکن اگر تمہاری اولاد سونے کا خزانہ غریبوں  
میں تقسیم کرنے پر تیار نہ ہوئی تو میں کیا کرونگا؟  
مردے نے کہا :  
پھر ایسا کرنا کہ اس خزانے کا چوتھائی حصہ میری  
اولاد کی اولاد کو دے دینا اور باقی غریبوں



میں بانٹ دینا۔

ناگ بولا: میں ایسا ہی کروں گا۔ اچھا اب میں جاتا ہوں۔

ناگ قبر سے باہر نکل آیا۔ اسے اس بدنصیب مُردے کے عذاب نے بے حد متاثر کیا تھا۔ ابھی اسے یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ اس کی جیب سے لاش اپنے دماغ کی ڈبیا نکال کر لے گئی ہے۔ ناگ پرانی سرائے سے نکل کر دریا کے ساتھ ساتھ شہر میں آگیا۔ جب دن چڑھا تو عذاب میں مبتلا مُردے زیکوم کے قبضے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ عقاب بن کر ہوا میں جا رہا تھا۔ زیکوم کے قبضے کا اس نے پورا پتہ معلوم کر لیا تھا۔ ناگ کی رفتار چونکہ بہت تیز تھی اس لیے وہ دوپہر کے بعد ہی زیکوم کے قبضے میں پہنچ گیا۔ اس نے اوپر فضا کا ایک چکر لگایا۔ قبضے کے کونے میں مُردے زیکوم کی پرانی حویلی آج بھی موجود تھی۔ اس حویلی کے ساتھ ہی وہ مکان بھی تھا جس کی وجہ سے مُردہ زیکوم عذاب سہہ رہا تھا۔

ناگ حویلی سے کچھ دُور ایک جگہ زمین پر اُتر آیا۔ یہاں اس نے انسان کی شکل بدلی اور حویلی کے احاطے میں جا کر ایک نوکر سے پوچھا:

کیوں بھائی! زیکوم اسی حویلی میں رہتا تھا؟  
نوکر نے ہنستے ہوئے جواب دیا:

ارے بھائی تم کہاں سے آئے ہو۔ جس زیکوم سوداگر کی تم بات کرتے ہو اسے مرے تو دو سو سال ہو گئے ہیں۔

ناگ بولا: یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ کیا تم مجھے اس کے کسی رشتے دار سے ملا سکتے ہو؟  
نوکر نے کہا:

اس مکان میں زیکوم سوداگر کے پڑپوتے کا پوتا رہتا ہے۔ یہ حویلی اس کے اور اس کے چار بھائیوں کے قبضے میں ہے۔

ناگ نے پوچھا:

حویلی کے پیچھے جو مکان ہے وہاں کون رہتا ہے؟  
نوکر بولا: وہاں زیکوم کے پڑپوتے کے پوتے کا سب سے بڑا بھائی جکیوت رہتا ہے۔

ناگ نے کہا:

تم مجھے اس حویلی کے مالک سے ملوا دو بھائی! اتنے میں وہاں زیکوم کے پڑپوتے کے پڑپوتے بھی آگئے۔ انہوں نے ناگ کو دیکھا تو پوچھا کہ کیا بات ہے۔ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟



ناگ نے کہا :

”یہ بات میں حویلی کے اندر جا کر بتاؤں گا۔“  
مردہ زکیوم کے رشتے دار ناگ کو حویلی میں لے گئے  
یہاں فرش پر قالین بچھے تھے۔ شاندار فرنیچر اور الماریاں  
سجی تھیں۔

ناگ نے کہا :

”بات یہ ہے کہ میرے خواب میں آپ کے  
خاندان کا سب سے پہلا انسان یعنی زکیوم آیا  
تھا اور اسی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔“  
سب ایک دوسرے کا منہ تیکنے لگے کہ یہ کون امت  
یہاں آگیا ہے۔

جکیوٹ نے کہا :

”ارے بھائی ! ہمارے جد امجد کو مرے تو دو  
سو سال ہو گئے ہیں۔ تم کہاں اس کی باتیں  
کرنے آگئے ہو۔ ہمیں اس سے کیا دلچسپی ہو  
سکتی ہے بھلا؟“

ناگ نے کہا :

”میں اس کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔“  
جکیوٹ کے چھوٹے بھائی چارگوش نے کہا :  
”تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم ہمارے

بزرگ جد امجد زکیوم کے کہنے پر یہاں آئے ہو۔“  
ناگ نے جیب سے زکیوم کی دی ہوئی انگوٹھی نکال  
کر انہیں دکھائی تو وہ دنگ ہو کر رہ گئے۔ کیوں کہ  
یہ انگوٹھی ان کے جد امجد کی خاندانی انگوٹھی ہی تھی۔  
چارگوش نے کہا :

”بھائی تمہارا نام کیا ہے اور تم ہمارے جد امجد  
زکیوم کا کیا پیغام لے کر آئے ہو؟“  
ناگ بولا : ”میرا نام ناگ ہے اور تمہارے  
جد امجد زکیوم نے مجھے ایک پیغام دے کر  
تمہارے پاس بھیجا ہے۔“  
”وہ کون سا پیغام ہے؟“ جکیوٹ نے پوچھا۔  
ناگ نے کہا :

”تمہارے خاندان کا یہ بزرگ زکیوم سخت عذاب  
میں ہے۔ میں نے اس کو عذاب کی حالت  
میں دیکھا ہے اس نے مجھے یہ ہدایت کر کے  
بھیجا ہے کہ اس مکان کی پچھلی کوٹھڑی کے  
فرش کے نیچے ایک خزانہ دفن ہے تمہارے  
جد امجد زکیوم نے کہا ہے کہ وہ خزانہ نکال  
کر اس کا چوتھا حصہ تم لوگوں میں تقسیم کر  
دیا جائے اور باقی کا خزانہ غریبوں یتیموں اور



بیواؤں اور خیرات کر دیا جائے۔

خزانے کا سن کر سب کی آنکھیں چمک اٹھیں چارگوں  
ایک نیک آدمی تھا۔ اس نے کہا کہ اگر ہمارے بزرگ  
کا بتایا ہوا خزانہ نکل آیا تو ہم ایسا ہی کریں گے جیسا  
اس نے کہا ہے۔ مگر جیکوٹ بڑا لالچی تھا۔ اس نے اپنے  
دل میں مٹھان لی کہ وہ یہ خزانہ نہ عزیزوں میں خیرات  
کرے گا۔ نہ اس کو اپنے بھائیوں میں تقسیم کرے گا  
بلکہ سارا خزانہ خود ہی اپنے قبضے میں لے کر یہاں سے  
فرار ہو جائے گا۔

ناگ کو لے کر وہ مکان کی پچھلی کوٹھڑی میں گئے۔  
زمین کھودی تو اس کے اندر سے بڑی دیگ نکلی جو  
متہ تک سونے کی مہروں، سکوں اور ہیرے جواہرات  
سے بھری ہوئی تھی۔ ان کی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔  
ناگ نے کہا:

”اب آپ لوگوں کو یقین آ گیا ہو گا کہ آپ کے  
بزرگ زیکوم نے واقعی خواب میں مجھ سے  
ملاقات کی تھی۔“

چارگوں بولا: تم ٹھیک کہتے ہو ہمارے بھائی۔  
ہم اس خزانے کا چوتھا حصہ آپس میں تقسیم  
کر کے باقی ساری دولت عزیزوں اور بیواؤں

۱۰۷

یتیموں میں خیرات کر دیں گے تاکہ ہمارے بزرگ  
کو دوزخ کے عذاب سے نجات مل سکے۔

ناگ بڑا خوش ہوا کہ زیکوم کی اولاد نے انصاف  
سے کام لیا اور ان کے دل میں لاش پیدا نہیں ہوا۔  
اسے معلوم نہیں تھا کہ جیکوٹ نے اس خزانہ پر ڈاکہ  
لانے کی سکیم تیار کر رکھی ہے۔ اسی وقت خزانے کو اسی  
کوٹھڑی میں بند کر کے تالا لگا دیا گیا اور طے یہ ہوا  
کہ دوسرے روز صبح سب کے سامنے خزانے کی سونے

کی مہروں اور طلائی سکوں اور جواہرات کو گنا جائے گا۔  
اس کے چار حصے کئے جائیں گے اور پھر چوتھا حصہ  
ناگ کے باقی عزیزوں میں خیرات کر دیا جائے گا۔

ناگ کے لیے مکان کے ایک کمرے میں آرام دہ  
بستر لگا دیا گیا۔ اس کے آگے شاندار کھانا لاکر رکھا

گیا۔ ناگ کھانا کھا کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ اس وقت  
رات ہو گئی تھی۔ قصبے میں چاروں طرف موت کا سناٹا  
پھا گیا تھا اور اندھیرا بھی بہت تھا۔ قصبے کے کسی

کسی مکان میں یلپ کی دھیمی روشنی نظر آ رہی تھی۔ ناگ دوسری  
منزل کے اس کمرے کی سہ دری میں کھڑا باہر تاریک اور خاموش  
رات کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اسے خیال آیا کہ کیوں نہ لاش کو  
یہاں ہلا کر ماریا کے بارے میں پوچھا جائے۔



۱۰۸ ناگ بستر پر بیٹھ گیا۔ اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا کہ ڈبی کھول کر لاش کے دماغ کے ذریعے اس سے رابطہ قائم کرے مگر جیب میں ڈبی نہیں تھی۔ ناگ تو مارے حیرت کے اچھل پڑا۔ ساری جیبیں ٹٹولیں۔ اپنے تھیلے میں بار بار دیکھا۔ مگر لاش کے دماغ والی ڈبی کہیں بھی نہیں تھی۔ بڑا پریشان ہوا۔ مگر کیا کرتا۔ بالوں ہو کر بیٹھ گیا۔ لاش اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ پھر اس نے سوچا کہ اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ لاش سے رابطہ ٹوٹ گیا ہے تو کوئی بات نہیں۔ میں خود ہی ماریا کو تلاش کر لوں گا۔ یہ سوچ کر وہ بستر پر نیم وراز ہو گیا۔ اچانک اسے سہ دری کے نیچے پھریے فرش پر ایسی آواز سنائی جیسے کوئی چل رہا ہو۔

ناگ بستر سے اٹھ کر سہ دری یعنی چھوٹے ستونوں والی کھڑکی میں آیا۔ نیچے جھانکا تو اسے اندھیرے میں ایک سایہ جانا دکھائی دیا۔ یہ کون ہے جو آدمی رات کو یہاں چل پھر رہا ہے۔ اس کی چال بھی مٹھوک تھی۔ ناگ نے ایک سیکنڈ میں سانپ کی شکل بدلی اور سہ دری سے اتر کر نیچے باغ میں سے گذرتے پتھریے راستے پر آکر جدھر کو انسانی سایہ گیا تھا اُدھر چل پڑا۔ ناگ تیزی سے رینگ رہا تھا۔ آگے چند قدموں پر وہ کوٹھڑی تھی جس میں خزانے کی دیگ رکھی ہوئی تھی۔ ناگ کو انسانی سایہ اسی کوٹھڑی کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ سمجھ

۱۰۹ ناگ زیگوم بزرگ کی اولاد میں سے کسی کی نیت خراب ہو گئی ہے اور وہ خزانہ لوٹنے کی عرض سے یہاں آیا ہے۔ ناگ ذرا پرے ہٹ کر جھاڑیوں میں رہنگتا تیزی سے کوٹھڑی کی دیوار کے پاس جا کر گھاس میں چھپ گیا۔ اتنے میں وہی انسانی سایہ کوٹھڑی کے پاس آکر رُک گیا۔ ناگ نے اسے پہچان لیا۔ یہ جیکوٹ تھا جو زیگوم بزرگ کی سب سے چھوٹی اولاد تھی۔ ناگ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایک طرف سے ایک شخص گھوڑے کی لگام تھامے اندھیرے سے نکل کر کوٹھڑی کے سامنے آکر رُک گیا۔ جیکوٹ نے اسے اشارے سے قریب بلایا۔ پھر اس نے اپنے بادلے کے اندر سے لوہے کی ایک سلاخ نکالی اور اسے تالے کی زنجیر میں ڈال کر دروازے کا تالا توڑ ڈالا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ خزانے کی دیگ نکالنے آئے ہیں۔ دونوں آدمی کوٹھڑی میں داخل ہو گئے۔ ناگ بھلا یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ ایک ایسی روح کا خزانہ لوٹ لیا جائے جو سخت عذاب میں گرفتار ہے۔ ناگ بھی اندھیرے میں کوٹھڑی کے اندر چلا گیا۔ جیکوٹ اور اس کا ساتھی کونے میں رکھی خزانے کی دیگ کو کھینچ کر دروازے کی طرف لا رہے تھے کہ اسے گھوڑے پر لاد کر وہاں سے فرار ہو جائیں۔ جیکوٹ خزانے کی دیگ کو گھیٹ رہا تھا کہ اسے سانپ کی پھنکار کی آواز سنائی دی۔ یہ پھنکار بے حد دہشتناک تھی۔



چلا گیا۔ کیوں کہ ناگ کو بھی یہ فکر تھی کہ کہیں اس پر تلوار کا وار نہ پڑ جائے۔

جیکوٹ نے اپنے ساتھی سے کہا:

”تم تلوار لے کر دیگ کی دوسری طرف چلے جاؤ۔“  
ناگ ان میں سے کسی کو ڈس کر ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ یہ عذاب میں گرفتار زیکوم کی اولادیں تھیں مگر ناگ خزانے کو بھی جاتا نہیں دیکھ سکتا تھا اور اسے اپنی جان کی بھی فکر تھی۔ دیگ پیچھے بیٹھے ناگ نے کچھ سوچا اور سانس اندر کو کھینچا۔ جیکوٹ اور اس کا ساتھی تلواریں بلند کئے پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے دیگ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک دیگ کے پیچھے سے ایک انتہائی ڈراؤنی شکل دالی لاش کا چہرہ اُبھرا۔ پھر یہ لاش بالکل سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس کے دونوں بازو ہوا میں پھیل گئے اور اس کے حلق سے بے حد دہشت بھری آواز بلند ہوئی:

”میرے ساتھ قبر میں آؤ۔ تمہاری قبریں میں نے کھود

لی ہیں۔ تمہاری قبریں میں نے کھود لی ہیں۔ ہو ہو۔“

اپنے سامنے ایک سردیے جان ڈراؤنی لاش کو دیکھتے ہی جیکوٹ اور اس کا ساتھی ہنسنے لگے۔ تلواریں ان کے ہاتھوں سے گر پڑیں اور وہ اُلٹے پاؤں باہر کو بھاگ گئے۔ کافی عرصے

## قبریں آجاؤ

جیکوٹ کے ساتھی نے چیخ مار کر کہا:  
”جیکوٹ! تمہارے پیچھے سانپ ہے۔“  
جیکوٹ اچھل کر دروازے کی طرف گیا۔ اندھیرے میں انہیں سانپ کی ٹھنکاری سنائی دے رہی تھیں۔  
جیکوٹ نے تلوار نکال لی اور کہا:  
”خزانے پر ایک سانپ ضرور ہوتا ہے۔ یہ خزانے کا سانپ ہی ہے۔ اسے مار ڈالنا چاہیے۔“

جیکوٹ کے ساتھی نے موم بتی روشن کر دی۔ اس کی ہلکی روشنی میں انہوں نے ایک کالے سانپ کو دیکھا کہ خزانے کی دیگ پر پھن اٹھائے بیٹھا ٹھنکاریں مار رہا تھا۔ جیکوٹ تلوار لے کر آگے بڑھا کہ سانپ کے دو ٹکڑے کر دے۔ ناگ کو جیکوٹ پر بڑی حیرانی ہوئی کہ یہ شخص دولت کی ہوس میں اتنا اندھا ہو چکا ہے کہ اپنی جان کی بھی پروا نہیں اسے۔ ناگ تیزی سے دیگ کے پیچھے



کے بعد ناگ نے کسی دوسرے کی انسانی شکل بدلی تھی۔ پہلے وہ ایسا کر لیا کرتا تھا مگر ایک مدت ہوئی کہ اس نے کسی انسان کی شکل نہیں بدلی تھی۔ اس نے سوچا کہ یہ لوگ ایک لاش ہی سے ڈر سکتے ہیں۔ اگر وہ شیر یا مگر چھ بن کر سامنے آیا تو یہ اس پر تلواروں سے حملہ کر دیں گے۔ صرف لاش ہی انہیں خوف زدہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ ناگ نے ٹھگنے شیطان والی لاش کے چہرے کو اپنے تصور میں، اپنے ذہن میں بٹھایا اور سانس اندر کھینچ کر چھوڑا تو وہ لاش کی شکل میں آچکا تھا۔ جیکوٹ اور اس کا ساتھی اندھیرے میں خوف زدہ ہو کر رنو چکر ہو چکے تھے۔ ناگ نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کیا۔ تالا ٹوٹ چکا تھا۔ ناگ نے زنجیر کو دروازے پر دوبارہ چڑھایا اور سانپ کی شکل میں تبدیل ہو کر اس جگہ بیٹھ کر خزانے کی دیگ کا پہرہ دیتا رہا۔

اس نے ساری رات گزار دی۔ جیکوٹ اور اس کا ساتھی دوبارہ اس طرف نہ آئے۔ جب دن نکلا تو ناگ کو ٹھڑی سے نکل کر رینگتا ہوا بڑے لڑکے چارگوٹ کی خواب گاہ کی طرف چلا۔ خواب گاہ کی دیوار کے پاس پہنچ کر ناگ نے انسانی شکل اختیار کی اور چارگوٹ کو جا کر بتایا کہ رات ددڈا کو خزانہ لوٹنے آئے تھے۔ ناگ نے جان بوجھ کر جیکوٹ کا نام نہ بتایا۔ اس نے کہا:

میں نے آہٹ سنی تو کوٹھڑی کی طرف گیا۔ وہاں سے دو سیاہ پوش نکل کر باہر کو بھاگ رہے تھے۔ وہ بڑے ڈرے ہوئے تھے۔ کوٹھڑی کھلی تھی۔ میں نے اندر جا کر دیکھا کہ خزانے کی دیگ کو اپنی جگہ سے ہلا کر دروازے کے قریب لایا گیا تھا۔

چارگوٹ نے فکر مند ہو کر جلدی سے پوچھا:

”کیا خزانہ بچ گیا ہے؟“

ناگ نے کہا:

”ہاں خزانہ سارے کا سارا محفوظ ہے۔“

”خدا کا شکر ہے، چارگوٹ بولا: میں ابھی اس کے حصے کر کے اپنے بزرگ زیکوم کی وصیت پر عمل کرتا ہوں۔“

اس نے غلاموں کی مدد سے خزانے کی دیگ اپنے مکان کے صحن میں منگوائی۔ جیکوٹ اور دوسرے بھائی اور رشتہ دار بھی آئے۔ ناگ نے دیکھا کہ جیکوٹ کے چہرے پر پریشانی کے اثرات تھے۔ چارگوٹ نے فوراً خزانے کے چار حصے کئے۔ ایک حصہ اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں میں برابر برابر تقسیم کر دیا اور باقی تین حصے کا سونا جواہرات اور طلائی مہریں ایک جگہ ڈھیر کر دیں اور غلاموں سے کہا:



آبادی کے تمام غریبوں، بیواؤں اور یتیموں سے کہو کہ  
یہاں آ کر خیرات لے جائیں۔

دیکھتے دیکھتے حویلی کے صحن میں غریبوں اور بیواؤں وغیرہ  
کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ ایماندار چارگوش نے خزانے کے تینوں  
حصے غریبوں، محتاجوں اور ناداروں میں خیرات کر دیئے۔  
ناگ جکیوں کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جکیوں کے  
چہرے پر بڑا کرب تھا۔ اسے سخت صدمہ ہو رہا تھا کہ اتنا بڑا  
خزانہ غریبوں میں مفت بانٹا جا رہا ہے۔ مگر وہ کچھ نہیں  
کر سکتا تھا۔ اس کے حصے میں تو اتنی ہی دولت آئی تھی۔  
جتنی باقی سب رشتے داروں کو ملی تھی۔ اس سے جکیوں  
ایسے لالچی آدمی کی تسلی بھلا کیسے ہو سکتی تھی۔ اس کے  
سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ ناگ نے اپنی آنکھوں  
کے سامنے زیگوم کی وصیت کے مطابق اس کی خفیہ دولت  
کو غریبوں میں خیرات ہوتے دیکھا تو اسے یہ سوچ کر  
بڑی خوشی ہوئی کہ اب یقیناً اسے جہنم کے عذاب سے  
نجات مل گئی ہو گی۔ ناگ کو اب اس کی پروا نہیں تھی  
کہ جکیوں اپنے دوسرے بھائیوں اور رشتے داروں کے  
ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ وہ چاہے جو کچھ کرتا پھرے ناگ کو  
اس کی فکر نہیں تھی۔ وہ جس نیک مقصد کو لے کر دیاں آیا تھا

وہ پورا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ناگ نے چارگوش سے کہا:  
"میرے بھائی! میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب  
واپس جاتا ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارے  
جد امجد زیگوم کی روح کو عذاب سے چھٹکارا مل  
گیا ہو گا۔"

چارگوش نے ناگ کو کچھ روز بھٹہ جانے کو کہا مگر ناگ اجازت  
لے کر واپس اس شہر کی طرف روانہ ہو گیا جہاں دریا کنارے  
والے مینار کے نیچے کو ٹھہری کی قبر میں زیگوم عذاب میں  
گرفتار اسے ملا تھا۔ ناگ پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ اس وقت  
دن کا دوسرا پہر گزر رہا تھا۔ آج کے حساب سے دن کے  
گیارہ بج رہے ہوں گے۔ سردی بہت سخت پڑ رہی تھی۔  
آسمان پر بادل چھاتے تھے۔ زمین پر کھرا پھیلا ہوا تھا سوج  
بادلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ ناگ کھیتوں میں سے گذر کر  
جب دیران پہاڑی علاقے میں آیا تو اچانک سامنے سے  
چار گھوڑ سواروں نے آکر اس کا راستہ روک کر اسے گھیرے میں  
لے لیا۔ ان میں جکیوں سب سے آگے تھا۔ وہ گھوڑے سے  
اتر آیا اور ناگ کے سامنے آکر بولا:

ناگ! ہمارے بوڑھے دادا نے ضرور کسی جگہ دوسرا خزانہ  
بھی دفن کر رکھا ہو گا جو تمہارے علم میں ہے۔ ہمیں



اس کے بارے میں بتاؤ نہیں تو ہم مہتیں اسی جگہ مار  
کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔  
ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا:

جیکوف بھائی! مہتیں غلط فہمی ہوئی ہے مہتارے  
بوڑھے دادا نے جس خزانے کے بارے میں مجھے بتایا  
تھا۔ وہ میں نے تم لوگوں میں بانٹ دیا۔ اس کے  
علاوہ مجھے کسی خزانے کا پتہ نہیں۔

جیکوف نے تلوار کھینچ لی اور غصے میں بولا:  
تم جھوٹ بولتے ہو۔ مہتیں ضرور ہمارے دادا نے کسی  
دوسرے خزانے کے بارے میں بھی بتایا ہو گا۔ مگر تم  
مکاری سے کام لے رہے ہو۔ کیونکہ تم اس خزانے  
پر خود قبضہ کرنا چاہتے ہو۔

ناگ نے ایک بار پھر جیکوف کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:  
جیکوف! تم خواہ مخواہ ضد کر رہے ہو۔ اگر مجھے کسی دوسرے  
خزانے کا پتہ ہوتا تو میں مہتیں ضرور بتا دیتا۔ کیونکہ وہ  
تمہارا حصہ تھا۔ مگر ایسا کوئی خزانہ نہیں ہے۔ تم بے کار کی  
ضد کر رہے ہو۔ مجھے واپس جانے دو۔

جیکوف نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا:  
"یہ اس طرح نہیں مانے گا۔ اسے سبق سکھاؤ۔"

تینوں گھوڑ سوار گھوڑوں سے اتر پڑے اور تلواریں کھینچ  
کر ناگ پر حملہ کر دیا۔ اگر ناگ اچھل کر پرے نہ ہٹ جاتا تو  
تلواریں اس کے جسم کو دو ٹکڑے کر دیتیں۔ گھوڑ سوار اس کے  
پیچھے لپکے۔ اب ناگ کے لئے اپنی جان بچانا لازمی ہو گیا تھا۔  
اس نے سانس کھینچا اور گھوڑ سواروں اور جیکوف نے دیکھا کہ  
جہاں تھوڑی دیر پہلے ناگ کھڑا تھا وہاں ایک سیاہ عقاب  
پھڑپھڑا کر فضا میں اڑ گیا ہے۔ وہ تو ہکا بکا ہو کر عقاب کو  
اور پھر ایک دوسرے کو ٹکرنے لگے۔ انہوں نے آج تک کسی  
آدمی کو غائب ہو کر عقاب بنتے نہیں دیکھا تھا۔ تلواریں ان  
کے ہاتھوں میں لٹکنے لگیں۔ ان کے رنگ زرد ہو گئے اور ایک  
دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

ناگ نے عقاب کی شکل میں ان کے اوپر ایک چکر لگایا  
اور کچھ فاصلے پر زمین پر اتر کیا۔ زمین پر اترتے ہی ناگ نے  
دوبارا انسان کی شکل اختیار کر لی اور بولا:

"جیکوف! میں اگر چاہوں تو تم چاروں کو ہلاک کر  
سکتا ہوں۔ میں اگر چاہتا تو کل رات بھی مہتیں  
مار سکتا تھا جب تم اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ  
خزانے کی دیگ چرنے کو بھڑی میں آئے تھے۔ جو  
سانپ مہتیں ملا تھا وہ میں ہی تھا۔ جس لاش کو



تم نے دیکھا تھا وہ بھی نہیں ہی تھا۔ اب اگر تم مجھے کسی دوسرے خوفناک روپ میں دیکھنا چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنا وہ روپ بھی دکھا سکتا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ناگ نے ایک خونخوار بیشکارب بدل لیا۔ یہ ایک بہت بڑا شیر تھا جس نے اتنی زور سے دھاڑ ماری کہ ساری پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ جیکوف اور اس کے قیتوں سمیت اتنے خوف زدہ ہوئے کہ وہیں گر کر گئے۔ ناگ اپنی انسانی شکل میں آگیا۔ اس نے چاروں بیہوش آدمیوں کو غور سے دیکھا۔ پھر عقاب کی شکل بدلی۔ ہوا میں اوپر اٹھا اور آگے روانہ ہو گیا۔

اس روز رات کا اندھیرا پھیلنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی ناگ تیزی سے اڑتا دریا کنارے والے مینار کی عمارت کے صحن میں پہنچ گیا۔ صحن میں اترتے ہی ناگ نے سانپ کی شکل اختیار کی اور اس کو ٹھٹھری کی طرف بڑھا جس میں عذاب میں گرفتار زیگوم کی شکستہ قبر تھی۔ ناگ قبر کے سرے کے سوراخ میں داخل ہو گیا۔ اندر جاتے ہی وہ انسانی شکل میں آگیا۔ کیونکہ اندر سے قبر کا فی کھلی تھی۔ اس نے دیکھا زیگوم کا مڑھ ایک چٹائی پر بیٹھا تھا۔ اس کے آگے طرح طرح کے لذیذ پھل رکھے تھے۔

اس پاس جھاڑیوں میں گلاب اور گیندے کے پھول کھلے ہوئے تھے ہوا میں ان پھولوں کی خوشبو پھیلی تھی۔ زیگوم نے سفید لورانی لباس پہن لکھا تھا اور بڑا خوش تھا۔

ناگ کو دیکھتے ہی اس نے کہا:

"میرے بھائی! تم میری نجات کا باعث بنے ہو۔ میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ اگر تم میرا پیغام لے کر میری حویلی میں نہ جاتے اور میرا دبایا ہوا خزانہ عزیزوں میں خیرات نہ کرتے تو میں خدا جانے کب تک اس عذاب میں گرفتار رہتا۔"

ناگ نے کہا:

زیگوم بھائی! تمہیں صرف خداوند کریم کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کیوں کہ یہ خدا کی مرضی سے سب کچھ ہوا ہے۔ اس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا کہ میں تمہاری مدد کروں۔ اس لئے تم خدا کا جتنا شکر ادا کرو کم ہے۔

زیگوم نے کہا:

"میرے بھائی! میری زبان پر اب ہر وقت خدا کی تعریف اور حمد و ثنا رہتی ہے۔ میں قیامت تک خدا کی عظمت اور رحمت کے گیت گاتا رہوں گا۔ کیونکہ اس نے مجھ گناہگار پر رحم کرتے ہوئے تمہیں میرے پاس



بھیجا اور تمہاری وجہ سے میری دولت عزیزوں میں  
خیرات ہوئی اور میں نے عذاب سے نجات پائی۔  
ناگ کہنے لگا:

”تمہاری اولاد میں کئی لالچی بھی تھے جو تمہارے خزانے پر  
قبضہ کرتا چاہتے تھے۔ مگر میں نے انہیں ایسا کرنے کی  
اجازت نہیں دی اور جس طرح تم نے کہا تھا خزانے کو اسی  
طرح تقسیم کیا گیا۔  
مردہ کہنے لگا:

”جس وقت تم لوگ میری جمع کی ہوئی دولت کو عزیزوں اور  
محتاجوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ عین اسی وقت میری  
زنجیروں اپنے آپ ٹوٹ گئیں۔ میرا سرمیرے پاؤں سے  
جدا ہو گیا اور میرے ارد گرد پھول ہی پھول کھل اُٹھے  
اور میرے آگے طشت میں خوشبودار پھل آ گئے۔ میرے بھائی  
یاد رکھو! آخرت میں انسان کا صرف کچھ دیا ہوا ہی کام  
آتا ہے جس دولت کو ہم جمع کر کے رکھتے ہیں وہ  
ہمارے لیے آخرت میں عذاب بن جاتی ہے۔ دنیا والوں  
کو جا کر میرا پیغام دو کہ کبھی دولت کا لالچ نہ کریں۔  
کسی کا حق نہ ماریں۔ غریب کو تنگ نہ کریں۔ اپنی  
ضرورت کا رکھ کر باقی سب کچھ محتاجوں اور عزیزوں

میں بانٹ دیں۔ اس طرح انہیں نہ تو دنیا میں کوئی غم  
اور دکھ اور مصیبت آئے گی۔ اور نہ آخرت میں انہیں  
عذاب ملے گا۔ پھر ان کی دنیا بھی اچھی ہو گی اور مرنے  
کے بعد وہ جنت میں آرام کریں گے۔“  
ناگ کہنے لگا:

”میں تمہارا یہ پیغام لوگوں تک ضرور پہنچاؤں گا مگر  
تمہاری اولاد میں بھی لالچ آ گیا ہے۔“  
مردہ زیکوم مسکرا کر بولا:

”ہر شخص کو اپنے اعمال کی سزا خود بھگتنا ہوتی ہے جو کوئی  
برائی کرے گا اسے اس کی سزا مل کر رہے گی جو نیکی  
کرے گا اسے اس کا اجر ملے گا۔ ثواب ملے گا۔ اگر میری  
اولاد کو دولت کا لالچ پڑ گیا ہے تو خدا انہیں نیک  
ہدایت دے۔ اس سے زیادہ میں ان کے لیے کچھ نہیں  
کر سکتا۔ وہ نیک کام کریں گے تو جنت میں جائیں  
گے۔ برے کام کریں گے تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا  
جہاں ہر وقت آگ جلتی رہتی ہے۔“  
ناگ نے کہا:

”اچھا میرے بھائی اب مجھے اجازت دو۔ مجھے اپنی بہن  
کی تلاش میں بھی جانا ہے۔“



مردہ زیکوم نے پوچھا:

”مہتاری بہن گم ہو گئی ہے کیا؟“

ناگ کہنے لگا:

”ہاں۔ میری بہن کا نام ماریا ہے۔ وہ گم ہو گئی ہے۔“

زیکوم مسکرایا: ”وہ تو کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔“

ناگ سمجھ گیا کہ جنت میں جانے کے بعد اس نیک دل شخص کی آنکھیں روشن ہو گئی ہیں۔ اس سے ماریا کے بارے میں ضرور پوچھنا چاہیے۔

ناگ نے کہا:

”ہاں ہاں۔ وہی میری بہن ماریا ہے۔ وہ مجھے کہاں

ملے گی؟ کیا تم بتا سکتے ہو۔“

زیکوم بولا: ”تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس کا کچھ تو بدلہ دے دوں۔

اگرچہ مجھے عینب کی باتیں کسی کے آگے بیان کرنے

کی اجازت نہیں ہے۔ مگر میں نے تمہارے لیے

خاص طور پر تھوڑی سی اجازت لے لی ہے۔ میں

تمہیں صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ مہتاری بہن ماریا

اس وقت اس شہر سے ایک رات کے فاصلے پر ایک

خونناگ جنگل ہے۔ اس جنگل میں ایک آدم غور قبیلہ

رہتا ہے۔ ماریا اس قبیلے کی قید میں ہے اور پورے

چاند کی رات کو اسے قبیلے والے آگ میں بھون کر

کھا جائیں گے۔“

ناگ تو گھبرا گیا۔

زیکوم! میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔ ابھی اسی وقت:

جنت میں رہنے والے زیکوم نے ناگ کی طرف ایک خوبانی جیسا

ای خوبصورت پھل بڑھایا اور کہا:

”اس پھل کو کھا جاؤ۔ یہ جنت کا پھل ہے اس کے

کھاتے سے تم پر آگ ساری زندگی اثر نہیں کرے گی

نیرتوار خنجر کا تم پر اثر ہو جائے تو ہو جائے مگر آگ

تم کو کبھی نہیں جلا سکے گی۔“

ناگ نے پھل کھا لیا۔ اس نے اس سے زیادہ میٹھا اور

شہودار پھل پہلے کبھی نہیں کھایا تھا۔

زیکوم نے کہا:

جنت کے اس پھل کی وجہ سے تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

آگ سے محفوظ ہو گئے ہو۔ تم کو اگر کوئی کھولتے ہوئے

لاوے میں بھی ڈال دے گا تو تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ جاؤ

خدا تمہارا مددگار ہو۔

ناگ نے زیکوم کا شکریہ ادا کیا اور قبر سے باہر نکل آیا۔



باہر نکلتے ہی اس نے زیکوم کے بتانے کے مطابق جنوب کی طرف  
منہ کیا۔ عقاب کی شکل بدلی اور ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔  
وہ جنگل جہاں ماریا آدم خوروں کی قید میں تھی جنوب ہی کی  
طرف بھاگا۔ بادل بہٹ گئے تھے اور گول چاند آسمان پر اپنی چاندنی  
پھیلا رہا تھا۔ ناگ نے غور سے دیکھا تو یہ تیرہویں رات کا چاند  
تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ابھی ماریا کو آگ میں ڈالنے میں ایک دن  
باقی تھا۔ ناگ نے ہوا میں اپنی رفتار تیز کر دی۔

ناگ کو اس بات کی خوشی تو بہت تھی کہ جنت کا پھل  
کھانے کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے آگ سے محفوظ ہو گیا ہے۔  
وہ اس بات کو آزمانا چاہتا تھا۔ ناگ کو ہمیشہ سے یہ خیال رہا  
تھا کہ عنبر اور ماریا تو مر نہیں سکتے مگر وہ خواہ کسی روپ میں ہو  
زخمی بھی ہو سکتا ہے اور اگر چھ ماہ تک اس کی لاش کو ہمالیہ  
کے مندر کے تالاب میں نہ رکھا جائے تو مر بھی سکتا ہے۔ اب  
جب اسے زیکوم نے جنت کا پھل کھلا کر یہ خوش خبری  
سنائی کہ اس پر قیامت تک آگ کا اثر نہیں ہوگا تو اسے  
اس بات پر بڑی مسرت ہو رہی تھی کہ اب وہ بھی ماریا اور  
عنبر کے برابر ہو گیا ہے۔ مگر وہ اس بات کو آزمانا چاہتا تھا۔  
ناگ جنوبی جنگلوں کی طرف اڑا جا رہا تھا۔  
اس کا خیال تھا کہ یہ راستہ جلدی طے ہو جائے گا۔ لیکن یہ

جنت طوفانوں اور جھیلوں اور سمندری ٹاپوؤں سے بھرا ہوا  
مناظرے میں دوبار ناگ سخت طوفان میں پھنس گیا۔ جس کی وجہ  
اسے ایک جگہ اتر کر طوفان کے گذر جانے کا انتظار کرنا  
پڑا۔ وہ اس وقت جنوبی جنگل میں پہنچا جب دن نکل  
تھا۔ اس نے دیکھا کہ نیچے ایک بہت ہی گھنا جنگل ہے  
اپنے اپنے درختوں میں گھرا ہوا ہے۔ چاروں طرف پہاڑیاں  
جنگل کے عین درمیان میں ایک جگہ کھلا میدان تھا جہاں  
کچھ درخت بکھرے تھے۔ یہاں ناگ کو کتنی جنگلی  
پھل دیکھائی دیں۔ ناگ نے محسوس کیا کہ ماریا کی خوشبو  
بھی نہیں تھی۔ شاید اس کی خوشبو اس لیے نہیں آ رہی  
کہ زندہ اور حاضر حالت میں ہے۔ اس نے سوچا۔ کیونکہ  
کو یقین تھا کہ زیکوم جنت کی مخلوق ہے اور جنت کی مخلوق  
سے ناواقف ہوتی ہے۔

ناگ نے فضا میں غوطہ لگایا اور نیچے جنگل میں اتر آیا۔ ایک  
پر بیٹھ کر وہ جنگلی قبیے کے لوگوں کی جھونپڑیوں کی طرف  
لگا۔ جنگلی لوگ بھیڑ اور ریچھ کی کھالوں کے بادل اڑے  
کے ساتھ خنجر لٹکائے کام میں لگے تھے۔ کوئی زمین کھود رہا  
کوئی درخت کاٹ رہا تھا۔ کوئی زمین میں میٹھیں تھونک رہا  
کوئی درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا کوئی پتھر پر خنجر تیز کر رہا



تھا۔ ان کی عورتیں بھی ان ہی کی طرح خوشخوار لگ رہی تھیں۔  
ناگ عذر کرنے لگا کہ ماریا اگر اسی قبیلے والوں کے پاس ہے  
تو اسے ضرور کسی جھونپڑے میں قید کر کے رکھا ہو گا۔

ناگ درخت سے اڑا اور درختوں میں بنی ہوئی جھونپڑیوں  
کے اوپر پرواز کرنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جھونپڑا ان  
جھونپڑوں سے دور الگ تھلگ بنا تھا اور اس کے باہر دو  
جنگلی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ نے اس جھونپڑے کے اوپر  
چکر لگایا اور پھر اس کے سامنے درخت کی شاخ پر بیٹھ گیا۔  
وہ عذر سے نیچے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا کہ ایک  
جنگلی جھونپڑے میں کچھ پھل لے کر گیا ہے۔ ناگ سمجھ گیا کہ ماریا  
اس جھونپڑے میں ہی قید ہے۔ ناگ نے مٹیالے رنگ کے سانپ  
کا روپ اختیار کیا اور درخت سے اتر کر رہنمائی ہوا جھونپڑی  
کے پیچھے چلا گیا۔ یہاں سے وہ جھونپڑی کے اندر داخل ہو گیا۔  
اندر جاتے ہی کیا دیکھتا ہے کہ ماریا کو رسیوں سے باندھ کر ایک  
جگہ ڈال دیا گیا ہے۔

ماریا غائب نہیں تھی۔ اسے بھی ناگ کی خوشبو آئی تو وہ  
چونکی۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

ناگ؟ تم آگئے ہو؟

جنگلی وہاں نہیں تھا۔ ناگ فوراً انسانی شکل میں آ گیا۔ ماریا

نے ناگ کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔  
"ناگ بھیا! خدا کے لئے مجھے یہاں سے نکالو۔ یہ  
لوگ مجھے آج رات آگ میں بھون کر کھا جائیں گے۔"  
ناگ نے کہا:

"مگر تم غائب کیوں نہیں ہو؟"

ماریا بولی: "جب مجھے پھونگی پسیرے کی بدروح نے  
چھوڑا تو میں سانپ کے روپ سے انسانی شکل میں  
واپس تو آ گئی مگر اس جنگل میں آن گری اور غیبی حالت  
میں نہیں تھی۔ ان لوگوں نے مجھے پکڑ کر قید میں ڈال دیا۔"  
ناگ بولا: "فکر نہ کرو۔ میں آگیا ہوں۔ اب تمہیں کوئی  
ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گا۔"

ماریا نے عنبر تھیسو سانگ اور کیٹی کے بارے میں پوچھا تو  
انہوں نے بتایا کہ ان کے بارے میں مجھے کچھ خبر نہیں ہے۔ صرف  
منا معلوم ہے کہ وہ بھی ہماری تلاش میں کسی نہ کسی جنگل یا صحرا  
میں بھٹک رہے ہوں گے۔

ماریا نے کہا:

"یہ لوگ بڑے خوشخوار اور آدم خور ہیں ناگ! میری قوت  
میرے پاس نہیں ہے۔ تمہیں بھی ان سے ہوشیار  
رہنا ہو گا۔"



ناگ بولا: "میری طاقت تو میرے پاس ہی ہے ماریا،  
پھر اس نے ماریا کو اپنی کہانی سنائی اور کہا:  
"مجھے زیگوم نے ایک پھل کھلا دیا ہے جس کے بعد  
اب مجھے آگ ہرگز نہیں جلاتے گی۔"  
ماریا بڑی خوش ہوئی۔ مگر اداس ہو کر بولی:  
"ناگ! تم بھی میرے ساتھ اس مصیبت میں پھنس  
گئے ہو۔"

ناگ نے کہا:

"مصیبت ہے تو پھر کیا ہوا۔"

ناگ کی آواز باہر جنگلی پہرے داروں نے سُن لی۔ وہ  
جھونپڑی کی طرف لپکے تو ناگ فوراً سانس کھینچ کر پھر سے سانپ  
بن کر ماریا کے پیچھے چھپ گیا۔ جنگلی اندر آکر ادھر ادھر  
دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھوں نے خون ٹپکتا معام ہو رہا تھا۔  
ایک جنگلی نے ماریا کو بالوں سے پکڑ کر ایک طرف کھینچا  
اور بولا:

"تم کس سے باتیں کر رہی تھیں؟"

ماریا نے کہا:

"میں تو کسی سے بات نہیں کر رہی تھی۔ دیکھ لو یہاں  
کوئی بھی نہیں ہے۔"

دوسرے جنگلی نے کہا:

"میں نے خود ایک آدمی کی آواز سنی تھی۔"

ماریا بولی: "مجھے نہیں معلوم تم نے کس کی آواز سنی تھی۔  
پہلا جنگلی کہنے لگا:

"کوئی بات نہیں۔ آج رات ممتیں بھون کر کھایا جائیگا۔"

متمتاری زندگی بس تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ چاہے کسی سے

بات کرو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

یہ کہہ کر دونوں جنگلی باہر چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد ناگ ماریا کے سامنے آ گیا۔ انسانی شکل پھر  
سے اختیار کی اور کہا:

"میں ان لوگوں کو مزہ چکھانے جا رہا ہوں۔ تم آرام سے

یہیں بیٹھی رہو۔ لیکن میں تمہاری رسیاں کھولے دیتا ہوں۔"

ناگ نے ماریا کی رسیاں کھول دیں اور خود سانپ کی شکل

میں پیچھے سے نکل گیا۔ وہ ریگتا ہوا جنگلی پہرے داروں کے

قریب آیا تو دونوں کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ خنجر لے کر سانپ

کی طرف دوڑے ہی تھے کہ ناگ نے پیس اٹھا کر زور سے

پھنکار ماری اور عقاب بن کر اڑ گیا۔ دونوں جنگلی ڈر کر بھاگ

گئے۔ ناگ درختوں کے اوپر سے اڑتا ہوا اس جھونپڑی کے سامنے

آ گیا جو سب سے بلند جگہ پر بنی تھی اور سب سے زیادہ



بڑی تھی۔ یہ قبیلے کے سردار کی جھونپڑی تھی۔ ناگ نے یہاں اترتے ہی انسان کی شکل اختیار کر لی۔ سردار کی جھونپڑی کے باہر جو آدم خور پہرے پر کھڑے تھے انہوں نے ایک اجنبی آدمی کو دیکھا تو اس پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے فوراً ناگ کے رستی سے بازو پیچھے باندھ دیئے اور سردار کے سامنے لے گئے۔ سردار ایک بہت ہی موٹا اور بھدا اور بھیانک صورت جنگلی تھا۔ جس نے اپنے سر پر ہرن کے سینگوں کا تاج پہن رکھا تھا۔ اس نے غضب ناک آنکھوں سے ناگ کی طرف دیکھا اور گرجدار آواز میں پوچھا:

”تم یہاں کیسے آ گئے؟“

ناگ نے کہا:

”میں جنگل میں لکڑیاں کاٹنے نکلا تھا کہ ایک جنگلی چلتا میرے پیچھے لگ گیا۔ اس سے بھاگ کر ادھر آ نکلا۔ سردار نے قہقہہ لگا کر کہا:

”یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی۔ ہمیں آج شام کے لئے کوئی مرد نہیں مل رہا تھا۔ ستو! ہمارے قبیلے میں رواج ہے کہ جس روز ہمیں اپنے دیوتا کے آگے قربانی دینی ہوتی ہے تو ہم شام کو سب سے پہلے کسی باہر کے آدمی کی گردن اڑاتے ہیں۔ آج چاند

رات ہے ہم ایک عورت کو قربان کرنے کے بعد اس کی دعوت اڑانے والے ہیں۔ اچھا ہوا کہ تم ہمیں مل گئے۔“

ناگ نے کہا:

”تو کیا تم میرا سرا اڑا دو گے؟“

سردار بولا: ”کیوں نہیں؟ کیا تم کو یہ بات پسند نہیں؟“

ناگ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

”مجھ پر رحم کرو۔“

ناگ جان بوجھ کر ایسا کر رہا تھا۔ سردار بولا:

”ہرگز نہیں۔ تمہیں ہمارے دیوتا نے خود ہمارے پاس قربانی کے لیے بھیجا ہے۔ ہم تمہیں کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟“

ناگ نے کہا:

”اچھا تو میری ایک بات مان لیں۔“

”کیا بات ہے؟“ سردار نے پوچھا۔

ناگ بولا: ”مجھے گردن اڑا کر نہ مارو۔ مجھے آگ میں ڈال دو۔“

سردار اور دوسرے جنگلی بڑے حیران ہوئے کہ یہ شخص کیا ہے کہ کہہ رہا ہے مجھے آگ میں ڈال دو تو بہتر ہوگا۔ سردار نے کہا:



"کیا مہیں آگ سے خون نہیں آتا؟"  
ناگ نے کہا:

"نہیں۔ آگ سے مجھے خون نہیں آتا۔ تم مجھے آگ میں ڈال دو۔ پھر میں سکون سے جان دے دوں گا۔ سردار نے اس وقت حکم دیا کہ آگ روشن کر دی جائے اور اس نوجوان کو ابھی آگ میں ڈال کر بھون دیا جائے۔ فوراً آگ روشن کر دی گئی۔ جب آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے تو سردار نے حکم دیا:

"اس نوجوان کو آگ میں پھینک دو۔"

ناگ نے یہ کسی خاص وجہ سے کہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ آگ اس پر اثر نہیں کرے گی۔ سردار کے حکم سے ناگ کو دو آدمیوں نے اٹھا کر آگ میں پھینک دیا۔ ناگ کی زندگی کا یہ پہلا موقع تھا کہ وہ جلتی، بھڑکتی آگ میں پھینکا گیا تھا۔ آگ میں گرتے ہی ناگ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اسے ڈرتا کہ اتنی زبردست آگ جل رہی ہے اس کا جسم ضرور جل جائیگا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ جنت کے پھل کی برکت سے آگ نے اس پر ذرا سا بھی اثر نہ کیا۔ ناگ نے آگ میں گرنے کے تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھول دیں۔ اس کے چاروں طرف سرخ آگ کے شعلے لہرا لہرا کر اوپر کو جا رہے تھے۔ دیکھتے انگارے بجھے تھے

جس پر ناگ دوزانو ہو کر بیٹھا تھا۔ آگ کے شعلے اس کے بازوؤں کڈھوں اور پاؤں کے نیچے سے لہرا لہرا کر اوپر کواڑے جاتے تھے مگر ناگ پر ان کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

ناگ انگاروں پر اس طرح بیٹھا تھا جیسے وہ کسی نہر کے کنارے ٹھنڈی ریت پر بیٹھا ہو۔ ناگ کو بڑی خوشی ہوئی کہ اس کی طاقت میں خدا کے حکم سے اور جنت کے پھل کی برکت سے ایک اور طاقت کا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ آگ کے انگاروں پر سے اٹھا اور آگ کے شعلوں سے باہر نکل آیا۔ جنگلیوں نے ناگ کو زندہ سلامت آگ کے شعلوں میں سے باہر نکلنے دیکھا تو چخیں مار کر بعض جھونپڑوں کی طرف دوڑے اور بعض نے وہیں اپنے سر زمین پر رکھ دیئے۔ جنگلی لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ سردار بھی بھونچکا ہو کر کھڑا تھا۔ ناگ اس کے قریب گیا تو سردار نے بھی اپنا سر جھکا دیا۔ وہ اسے دیوتا سمجھ رہا تھا۔ ناگ نے کہا:

"جس لڑکی کو تم نے قید میں ڈال رکھا ہے میں اسے اپنے ساتھ لے جانے آیا ہوں۔"

سردار نے اسی وقت ماریا کو رہا کرنے کا حکم دیا اور ناگ اور ماریا کے آگے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ ناگ نے کہا:



”میں مہتیں حکم دیتا ہوں کہ خبردار آئندہ کبھی کسی عورت یا مرد کو آگ پر قربان کرنے یا اسے کھانے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ میں یہاں آکر تم سب لوگوں کو آگ میں ڈال کر بھسم کر دوں گا۔“  
سردار نے کہا :

”دیوتا اگنی ! ہم عہد کرتے ہیں کہ آج کے بعد کسی انسان کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے اور کھیتی باڑی کر کے زندہ رہیں گے۔“

ناگ نے ماریا کو ساتھ لیا اور واپس قدیم ملک فرانس کی طرف روانہ ہو گیا۔ کیونکہ وہی ملک اس جنگل کے قریب تھا۔ ماریا کو ناگ نے جنت کے پھل کی تاثیر کے بارے میں بتایا تو وہ بھی پہلے تو حیران ہوئی پھر بہت خوش ہوئی۔ ناگ نے سوچا کہ وہ اسے مت کال بوٹی کے سرمے کے بارے میں بھی بتا دے جس کی سلائی لگانے سے اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ہر غائب شے کو دیکھ سکتا ہے اور یہ کہ وہ ماریا کو بھی غیبی حالت میں دیکھ سکے گا۔ لیکن ناگ نے ماریا کو مت کال سرمے کے بارے میں نہ بتایا۔ جنگلی قبیلے والوں نے انہیں دو گھوڑے دیئے تھے جن پر سوار ہو کر وہ اپنی منزل کی طرف جا رہے تھے۔

اسی طرح جنگلوں دریاؤں پہاڑوں کا سفر کرتے ماریا اور ناگ کو راستے میں جب دوسری رات ہوئی تو وہ رات بسر کرنے کے لئے کوئی ٹھکانہ تلاش کرنے لگے۔ ناگ نے دیکھا کہ ایک جگہ پہاڑیوں میں چھوٹی سی خانقاہ بنی ہوئی ہے۔ وہ وہاں آگئے۔ خانقاہ بالکل خالی پڑی تھی۔ اس زمانے میں لوگ اس قسم کی خانقاہیں جنگلوں میں بنا دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں لوگ بتوں کی پوجا بھی کرتے تھے۔ یہ دریاؤں، بارش اور آسمانی بجلی کے بت ہوتے تھے۔ چونکہ لوگ ان پھیزوں سے ڈرتے تھے اس لیے ان کے بت بنا کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ خانقاہ میں صرف دو کوٹھڑیاں تھیں۔ ایک کوٹھڑی خالی تھی اور دوسری کوٹھڑی میں آسمانی بجلی کا ایک چھوٹا سا بت طاق میں رکھا تھا۔ یہ کسی عورت کی شکل کا بت تھا جس کی آنکھوں میں جیشے کی گولیاں لگی تھیں جو اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔ ماریا نے کہا :

”میں خالی کوٹھڑی میں سوؤں گی۔ تم اس کوٹھڑی میں آرام کرنا۔“

ناگ بولا : ”مگر ماریا ! تم کب تک انسانی حالت میں رہو گی ؟“

ماریا نے کہا :

”اس میں میرا کوئی اختیار نہیں ہے ناگ بھئی۔“



کچھ دیر تک وہ وہیں بیٹھے عنبر تھیوسانگ اور کیٹی کے بارے میں باتیں کرتے رہے کہ وہ انہیں کہاں ملیں گے۔ ماریا نے کہا :

”میں اور عنبر تمہاری تلاش میں ملک ہندوستان کے مشرقی علاقے میں گئے تھے اور کیٹی اور تھیوسانگ تمہاری تلاش میں جنوبی ملک سری لنکا کی طرف نکل گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے ملک ہندوستان کی طرف جانا چاہیے۔ وہاں ہماری ملاقات عنبر کیٹی اور تھیوسانگ سے ضرور ہو جائے گی۔“

ناگ بولا : ”ایسا ہی کریں گے۔ ملک انگلستان سے بادبانی جہاز تجارت کا سامان لے کر ملک ہندوستان کی طرف جاتے ہیں۔ ہم کسی جہاز میں بیٹھ کر وہاں پہنچ جائیں گے۔“

یہی فیصلہ کر کے ماریا اپنی خالی کوٹھڑی میں چلی گئی اور ناگ آسمانی بجلی والے بت کی کوٹھڑی میں بیٹھ گیا۔ ان کے گھوڑے خالقہ کے باہر درخت کے نیچے بندھے تھے۔ سردی بہت تھی۔ رات کھراؤود تھی۔ باہر اس قدر سناٹا تھا جیسے ہر شے سو گئی ہو۔ ماریا چونکہ انسانی حالت میں تھی۔ اس لیے اسے نیند آ گئی۔ اس نے آتشان میں آگ جلا لی تھی۔ اس کی گرماٹھ سے اسے نیند آ گئی۔

اور وہ سو گئی۔ مگر ناگ اپنی کوٹھڑی میں جاگ رہا تھا۔ جب رات گہری ہو گئی تو اس نے بھی آنکھیں بند کر لیں۔

رات سنان اور خاموش تھی۔ تاریکی نے کمرے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ناگ دیوار کے ساتھ لگ کر نیم دراز تھا۔ اور عنبر کیٹی اور تھیوسانگ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ملک ہندوستان اور وہاں سے سری لنکا کے ملک میں ان کی ملاقات اپنے ساتھیوں سے ضرور ہو جائے گی۔ ناگ کی آنکھیں بند تھیں۔ مگر وہ جاگ رہا تھا۔ اس کے قریب ہی دیوار کے طاق میں آسمانی بجلی کا بت بھی خاموش اور ساکت تھا۔ اس کی آنکھوں میں لگی ہوئی شیشے کی گولیاں چمک رہی تھیں۔ اچانک ناگ کو ایسا سناؤ دیا جیسے خالقہ کے باہر اندھیرے اور سنائے میں کوئی سوکھے پتوں پر قدم رکھتا آہستہ آہستہ خالقہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ناگ نے آنکھیں کھول دیں اور اس آواز کو کان کھڑے کر کے غور سے سننے لگا۔ یہ آواز کسی بھاری بھرکم انسانی قدموں کی تھی۔ آواز خالقہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پھر آواز ٹک گئی۔ ناگ تیزی سے اٹھ کر ماریا کی کوٹھڑی کے پاس چلا گیا۔ وہ ماریا کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔ پہلے تو اسے باہر جنگل کے گہرے اندھیرے میں کچھ نظر نہ آیا۔ پھر اس نے ایک ادبے لیے انسانی دھندلے سے سائے کو دیکھا کہ خالقہ کی سیڑھیوں کے پاس بالکل سیدھا کھڑا ہے۔



ناگ کو ٹھڑی کے بند دروازے کے ساتھ لگ گیا اور اپنی آنکھیں اس انسانی سائے پر جما دیں۔ اچانک ناگ کو خیال آیا کہ اس پراسرار سائے پر اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے فوراً سانپ کی شکل بدلی اور کوٹھڑی کے بند دروازے کے سوراخ میں سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر جلتے ہی انسانی شکل بدلی اور ماریا کو جگا کر بتایا کہ باہر ایک پراسرار انسانی سایہ کھڑا ہے۔ ناگ نے یہ تسلی کر لی تھی کہ وہ سایہ ٹھگنے شیطان کی لاش نہیں تھی۔ ماریا نے بند دروازے کی درز میں سے باہر جھانکا اور سرگوشی میں بولی:

”مجھے تو کوئی انسانی سایہ نظر نہیں آ رہا۔“

ناگ سمجھ گیا کہ یہ پراسرار انسان غیبی حالت میں ہے اور اسے صرف اس لئے اس کا دھندلا سایہ دکھائی دے رہا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں میں مت کال بوٹی کا سرمہ لگا رکھا ہے۔ اس نے ماریا سے کہا:

”تم کوٹھڑی میں بیٹھی رہو۔ باہر مت نکلنا۔ میں جا کر دیکھتا ہوں کہ یہ پراسرار شخص کون ہے کیوں کہ مجھے خالقہ کی سیڑھیوں کے پاس کوئی پراسرار سایہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔“

یہ کہہ کر ناگ نے دوباراً سانپ کی شکل بدلی اور باہر نکل گیا۔ اس وقت پراسرار سایہ خالقہ کی سیڑھیاں چڑھتا اس کوٹھڑی

میں داخل ہو رہا تھا جس میں آسمانی بجلی کا بت رکھا ہوا تھا۔ ناگ اندھیرے میں فرش پر رینگتا اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ پراسرار سایہ کوٹھڑی میں جا کر طاق میں رکھے عورت کے بت کے سامنے جا کر ٹک گیا۔ پھر اس نے بت کے ماتھے پر انگلی رکھ دی۔ انگلی رکھتے ہی دو تبدیلیاں ہوئیں۔ پہلی تو یہ کہ وہ پراسرار سایہ زندہ ہو گیا۔ یہ ایک عجیب دہشت ناک شکل کا سیاہ نام آدمی تھا۔ اس کا پیٹ پھولا ہوا تھا۔ گردن شانوں میں دھنسی ہوئی تھی۔ ماتھا چھوٹا تھا جس پر بال اُگے تھے۔ آنکھوں کا رنگ سبز تھا۔ بازوؤں اور ہاتھوں پر بھی لمبے بال تھے۔ وہ کوئی جنات کی مخلوق معلوم ہو رہی تھی۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ عورت کا بت بھی زندہ ہو گیا۔ یہ عورت ایک انتہائی معصوم اور خوبصورت چہرے والی ایک نازک سی لڑکی تھی جس کے گھنگھریلے سیاہ بال اس کے کندھوں پر پڑے تھے۔ آنکھوں میں اداسی اور غم تھا۔ چہرہ بھی اندرودہ تھا۔ انسانی شکل میں آتے ہی لڑکی نے خشک سہمی ہوئی آواز میں کہا:

”اوڈان! مجھ پر رحم کر۔ مجھے اب رہا کر دے کہ میں اپنے خاندان کے پاس جاؤں۔ وہ میرے بغیر زندہ نہیں رہے گا۔ اس بھیانک شکل والے بھوت کا نام اوڈان تھا۔ اوڈان نے لڑکی کے بازو کو پکڑ کر آہستہ آہستہ آواز میں کہا:



"اپنے خاوند کو بھول جا۔ تیری مہلت کے تین مہینے پورے ہو گئے۔ آج مہلت کی آخری رات ہے۔ کل مہنتیں میرے ساتھ میری ایسی دنیا میں چلے جانا ہوگا جہاں میں تم سے شادی کر لوں گا اور پھر تو میری بیوی بن کر باقی عمر میرے ساتھ ہی بسر کرے گی۔" لڑکی نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"اوڈان! مجھ پر رحم کر۔ میں تم سے بیاہ نہیں کر سکتی۔ میرا خاوند موجود ہے۔"

بھیانک اوڈان کے منہ سے ایک ایسی گرج نکلی جیسے بادل زور سے گرجے ہوں۔ دوسری کو ٹھٹھی میں بیٹھی ہوئی ماریا بھی کانپ گئی۔ لڑکی سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔

اوڈان نے غضبناک ہو کر کہا:

"خبردار جو اپنے خاوند کا نام لیا۔ تو کل میری ہوگی۔"

میری بیوی ہوگی۔ میری ایسی مخلوق مہنتیں میری دلہن بنائے گی اور تو پھر ہماری ایسی دنیا سے کبھی واپس اپنی دنیا میں نہیں آ سکے گی۔ اب میں جاتا ہوں کل صبح آؤں گا اور مہنتیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

اتنا کہہ کر بھیانک اوڈان نے لڑکی کے ماتھے کو اپنی منگلی سے چھوا۔ اس کے ساتھ ہی بھیانک اوڈان غائب ہو گیا اور

اس کا دھندلا سایہ ہی باقی رہ گیا جسے صرف ناگ ہی دیکھ سکتا تھا اور گھنگھریالے بالوں والی معصوم صورت لڑکی بھی چھوٹا بت بن گئی۔ بھیانک اوڈان نے بُت کو اٹھا کر دیوار کے طاق میں لٹکا اور آہستہ آہستہ بوجھل قدم اٹھاتا خالقاہ سے باہر نکل کر کمر اور رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

ناگ اسی وقت ماریا کی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اس نے الٹا شکل بدلی اور ماریا کو سارا واقعہ سنا دیا۔ ماریا نے کہا:

"بھیانک اوڈان کی گرج کی آواز میں نے بھی سنی تھی۔ سمجھی باہر بادل گر جا ہے۔" ناگ نے کہا:

"نہیں یہ اسی بھیانک مخلوق یعنی اوڈان کی آواز تھی۔" ماریا کہنے لگی:

"یہ اس معصوم لڑکی پر بہت بڑا ظلم ہوگا کہ یہ بھیانک ایسی شخص اسے اپنے ساتھ اپنی ایسی دنیا میں لے جائے۔"

"تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" ناگ نے سوال کیا۔ ناگ خود بھی اسی لڑکی کی مدد کرنا چاہتا تھا۔

ماریا نے کہا:



”ابھی بھیانک اودان کے آنے میں بہت دیر ہے۔ ابھی کافی رات باقی ہے اور صبح نہیں ہوئی۔ کیوں نہ ہم اس لڑکی کے بت کو اپنے ساتھ لے کر یہاں سے فرار ہو جائیں؟“

ناگ کو ماریا کی یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے کہا:

”تو پھر ہمیں یہ کام اسی وقت کرنا ہو گا۔ میرے ساتھ آؤ۔ ہم بت کو لے کر ابھی یہاں سے نکل جاتے ہیں۔“ ماریا نے اس خطرے کا اظہار کیا کہ بھیانک اودان ہمارا پیچھا ضرور کرے گا۔

”وہ تمہارا تو کچھ نہ بگاڑ سکے گا کیونکہ تم عقاب بن کر اڑ جاؤ گے مگر میں اڑ نہیں سکتی۔ مجھے وہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔“ ناگ نے کہا:

”اس بد نصیب لڑکی کو بچانے کے لئے ہمیں کوئی نہ کوئی خطرہ تو مول لینا ہی ہو گا۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔ لیکن اگر تم خوف محسوس کرتی ہو تو ہم اس بت کو نہیں اٹھاتے۔“ ماریا نے کہا:

”نہیں۔ ہمیں یہ کام ضرور کرنا ہو گا۔ میں یہ سمجھتی

برداشت نہیں کر سکتی کہ ایک بھولی بھالی معصوم لڑکی کی زندگی تباہ برباد ہو جائے ہم اس کے بت کو ابھی اٹھا کر یہاں سے نکل جاتے ہیں۔“

ناگ نے خالقاہ کے باہر جا کر دیکھا۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ تاریک سناں اندھیری رات خاموش تھی۔ پھر ماریا کے ساتھ وہ لڑکی کے بت والی کو مٹھڑی میں آگیا۔ اس نے طاق میں بت کو اٹھا لیا۔ یہ بت لکڑی کا تھا اور ہلکا پھلکا تھا۔ بت کو اٹھانے وقت ناگ کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ اس نے بت کو اپنے لبادے کی اندر والی جیب میں رکھ لیا اور ماریا سے کہا:

”اب جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔“

ان کے گھوڑے پچھلی طرف درختوں میں بندھے تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کو کھولا۔ اس پر سوار ہوئے اور انہیں ملک انگلستان کی طرف بھگانا شروع کر دیا۔ وہ پہاڑیوں کی تاریک گھاٹیوں اور کھڈوں اور دروں میں سے گزرتے جب ایک اندھیرے ویران میدان میں آئے تو انہیں اپنے پیچھے ایسی زوردار گرج سنا دی جیسے بادل گرجا ہو۔ ماریا نے کہا:

”بھیانک اودان کو پتہ چل گیا ہے شاید۔“

ناگ نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے پیچھے گھوم کر دیکھا۔ ایک کالی گھٹا آسمان پر بجلی کے ہنٹر برساتی گرجتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

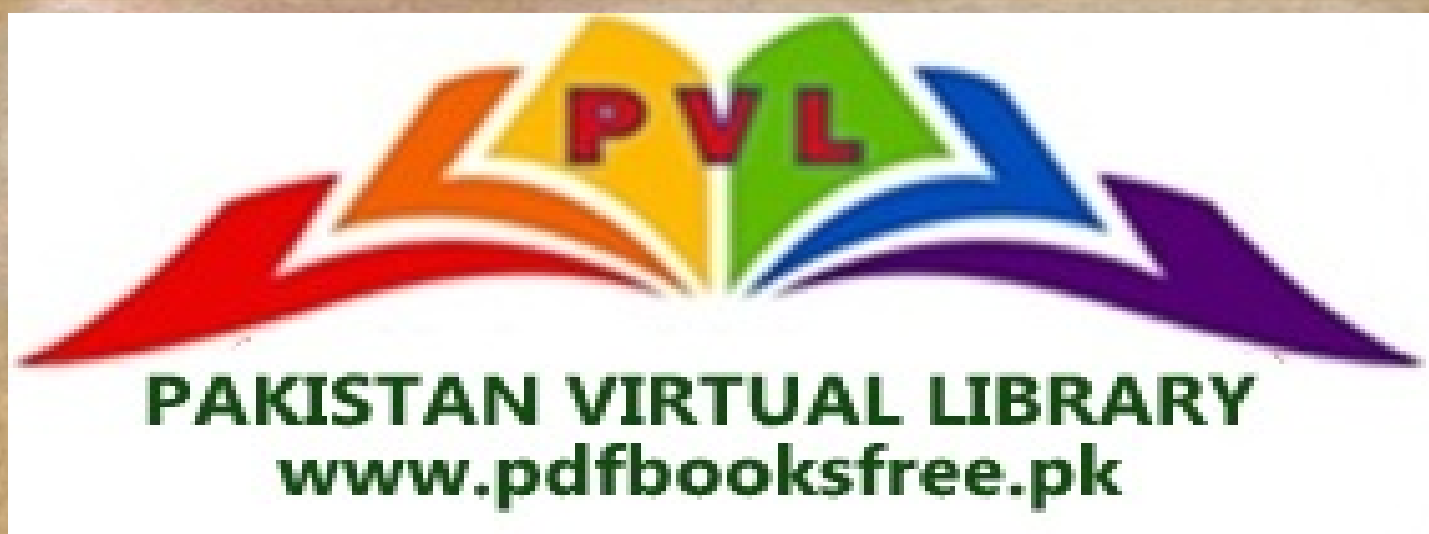


ناگ نے کہا :

”تمہارا خیال ٹھیک ہے ماریا ! بھیانک اوڈان ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔“

ماریا نے کسی قدر گھبرا کر کہا : ”اب کیا کریں ؟“  
ناگ بولا : ”فکر نہ کرو۔ میں تمہیں لے کر یہاں سے پرواز کرتا ہوں۔“

ناگ اور ماریا نے گھوڑے روک لئے۔ ناگ نے سانس اندر کر کھینچ کر چھوڑا اور وہ ایک بہت بڑے عقاب کی شکل اختیار کر گیا۔ اس نے ماریا کو اپنے اوپر بٹھایا اور بجلی کی تیزی کے ساتھ آسمان کی بلندیوں میں پرواز کر گیا۔ بھیانک اوڈان ریاہ بادل کی شکل میں گرجتا کرکڑاتا کوندتا ناگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔



اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ عنبر ناگ ماریا کی اگلی قسط ”منگلا دیوی کا ترشول“ نمبر ۱۳۳ میں پڑھیں گے۔





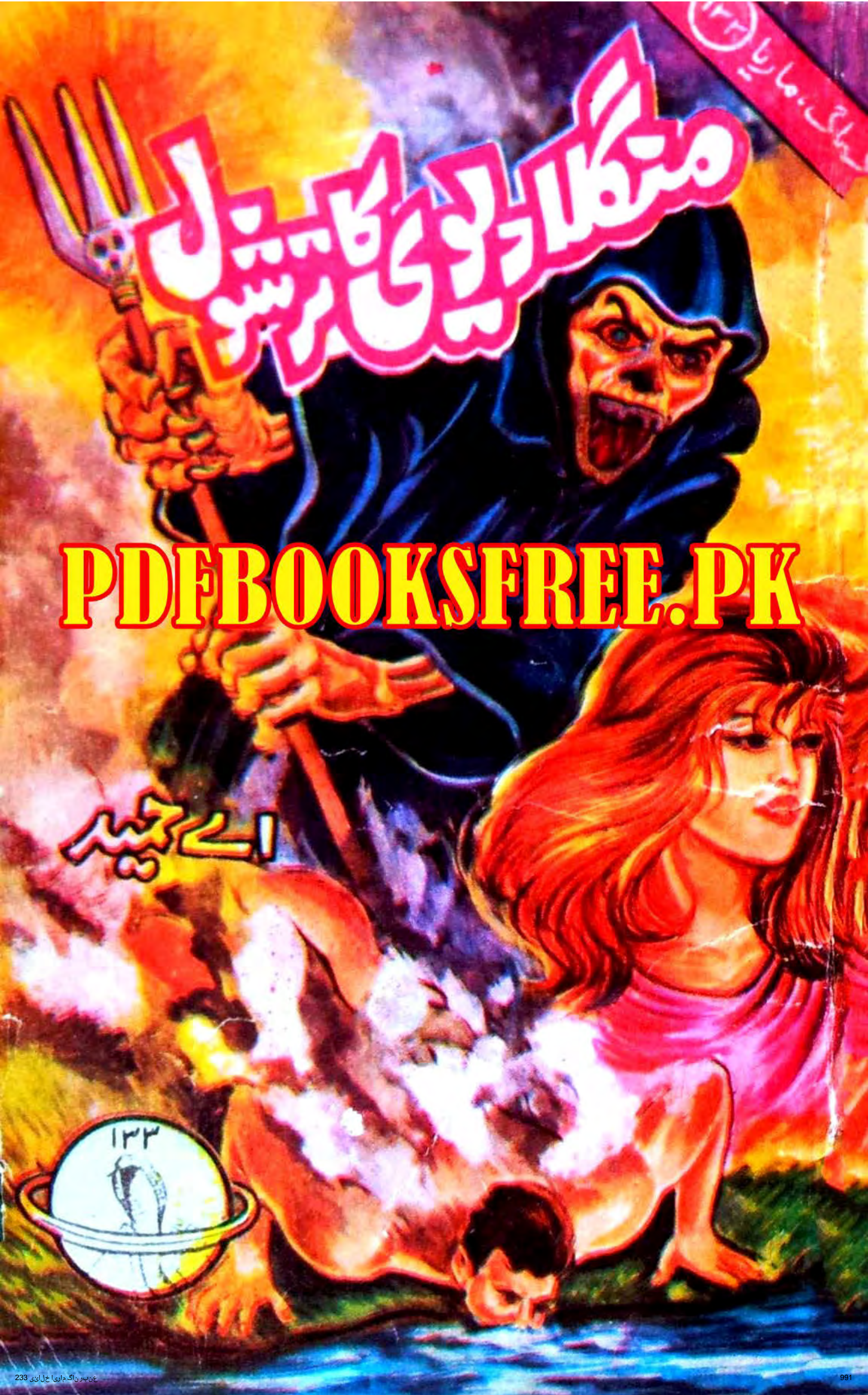
حیات

ایم جی بی اے

۱۴- بی شہ عالم مارکیٹ، لاہور۔







# میرا دل کا کھیل

سہ ماہی، مارچ ۱۳۳۳

PDFBOOKSFREE.PK

اے تپید





PDFBOOKSFREE.PK



عقبہ رنگت، ماریا اور کیتی خلا میں  
منگلا دیوی کا ترشول

اے حمید



پیارے دوستو!

انظر حسین ذکی معرفت سردار علی مکان نمبر ۱۱/۸۶۶۲ گلی نمبر ۵  
محلہ موہن پورہ راولپنڈی سے لکھتے ہیں۔

مائی دئیر انکل اے حمید آداب!

اس ماہ کے ناولوں کی لیکن ٹھہریے پہلے ایک اور سنگین قسم کے مسئلہ پر غور  
ہو جائے اور وہ سنگین مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے اس ماہ کی کتابوں میں لکھا  
ہے کہ سب بچے ناول خرید کر پڑھا کریں۔ کیونکہ اگر بچے لائبریری سے کرایہ پر  
لے کر پڑھیں گے تو اس سے آپ کے ناولوں کی سیل میں فرق پڑے گا۔  
اور اس سے آپ کے اخراجات پورے نہیں ہوتے۔ لیکن انکل یہ بھی سوچئے  
کہ لائبریری سے وہ بچے ناول لے کر پڑھتے ہیں۔ جن کی جیب اور حالات  
اجازت نہیں دیتے کہ وہ ہر ماہ بیس پچیس روپے کے ناول خرید کر پڑھیں۔  
ذرا سوچیں آپ کی اس بات سے ان بچوں کے دل ٹوٹ سکتے ہیں۔ امید ہے  
آپ خود فرمائیں گے۔ اگر آپ کے اخراجات ناولوں کی اتنی قیمت میں  
نہیں پورے ہوتے تو آپ لوگ ناولوں کی قیمت میں زیادہ نہیں تو بچاس  
پیسے کا اضافہ کر دیں۔ لیکن خدا را اس سلسلے کو بند مت کیجئے گا

پیارے دوستو! عنبر ناگ ماریا اور کیٹی تھیو ساگ کا پرنس  
بھرا، قدم قدم پر چونکا دیتے والا پرنس اسرار ہزاروں سالوں  
جاری ہے۔ انشاء اللہ یہ سفر اور یہ دلچسپ داستان  
میں لگ رہا ہے۔

N-454 راہ چین سمن آباد لاہور

قیمت ۵۰/۷ روپے

Uploaded for:  
Pakistan Virtual Library  
www.pdfbooksfree.pk

حقوق محفوظ ہیں

۱۹۸۶

ناشر: نیا مکتبہ اقرام، سہیل شہر، لاہور

طابع: تاج وین پرنٹرز، لاہور



# طلسی بگولا



Uploaded for:  
Pakistan Virtual Library  
www.pdfbooksfree.pk

ناگ عقاب کی شکل میں آسمان کی بلندیوں کی طرف اڑتا چلا گیا۔  
ماریا انسانی شکل میں پورے جسم کے ساتھ اس کی گردن سے  
چمٹی ہوتی تھی۔ معصوم لڑکی کا لکڑی کا بت ناگ کے پردوں میں محفوظ  
بڑا تھا۔ بھیانک اوڈان ایک گہرے ہونے بادل کی شکل میں ناگ  
کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس بادل کے سیاہ بگولے میں قیامت خیز بجلیاں  
چمک رہی تھیں۔ ماریا نے دیکھا کہ نیچے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا  
تھا۔ ناگ آسمان میں بہت ہی اوپر چلا گیا تھا اور ابھی اوپر ہی اوپر  
چلا جا رہا تھا۔ بھیانک اوڈان کا سیاہ بادل بہت نیچے رہ گیا تھا۔  
ایسا لگتا تھا کہ وہ بادل اتنی بلندی تک نہیں آ سکتا تھا۔ ناگ نے ماریا  
سے اڑتے اڑتے کہا۔

”ماریا! اوڈان اتنی بلندی تک نہیں آ سکتا میں اپنا  
رخ ملک انگلستان کی طرف موڑ رہا ہوں۔ مگر میں اس  
بلندی سے نیچے نہیں آؤں گا۔ تمہیں ڈر تو نہیں لگ رہا؟“  
ماریا نے کہا۔

## ترتیب

طلسی بگولا  
بھیانک اوڈان کا حملہ  
آتش سانپ کا زہر  
نگلا دیوی کا ترشول  
جیتا کی آگ میں



”ڈر تو بہت لگ رہا ہے مگر کیا کروں۔ مجبور ہی ہے۔“

ناگ نے کہا۔

”گھبراؤ نہیں۔ اگر تم نیچے بڑھک بھی گئیں تو میں تمہیں نیچے سے اچک لوں گا۔“

ناگ نے اب زیادہ بلندی پر جانے کی بجائے وہیں سے اپنا رخ جنوب مغرب کی طرف کر لیا۔ وہ اتنی بلندی پر تھا کہ یہاں تک کوئی آج کا جبوجیٹ طیارہ بھی نہیں اڑتا۔ ماریا کو سانس لینے میں کچھ تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ناگ سے کہا۔

”مجھے سانس لینے میں دقت ہو رہی ہے۔“

ناگ بولا۔

”میرے پروں میں منہ دے لو۔ پروں کے اندر آ کیجئے۔“

موجود ہوتی ہے۔“

ماریا نے ایسا ہی کیا اور اسے آسانی سے سانس آنے لگا۔ ناگ نے پیچھے گردن گھما کر دیکھا۔ بھیانک اودان کا سیاہ بادل اب بہت پیچھے اور بہت نیچے رہ گیا تھا۔ وہ ایک سیاہ گیند لگنے لگا تھا۔ جس کے اندر بجلیوں کی لہریں لکیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ناگ نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ پھر وہ اتنی دُور نکل گیا کہ نیچے سمندر شروع ہو گیا۔ ناگ نے نیچے دیکھا۔ اسے اب بھیانک اودان کا سیاہ بادل کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ناگ نے ماریا

سے کہا۔

”اودان سے ہمارا پیچھا چھوٹ گیا ہے ماریا۔“

ماریا نے بھی ناگ کے پردوں میں سے سر نکال کر نیچے دیکھا۔

اسے سیاہ بادل کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ چاند آسمان پر چمک رہا

تھا۔ چاندنی میں ناگ اور ماریا نے دیکھا کہ ان کے نیچے بہت دُور

سمندر کی لہریں بہت مدھم نظر آ رہی تھیں۔ ناگ نے کہا کہ وہ بلندی

کم کر کے نیچے آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ناگ نے بلندی کم کرنی

شروع کر دی۔ وہ نیچے آتے آتے اتنی نیچے آ گیا کہ ماریا کو سمندر کی

لہریں صاف نظر آنے لگیں۔ چاندنی میں یہ لہریں آہستہ آہستہ آگے پیچھے

حرکت کر رہی تھیں۔ سمندر کے درمیان میں اگر آپ چلے جائیں تو

لہریں ایک طرف کو نہیں بہہ رہی ہوتیں۔ بلکہ اوپر نیچے ہو رہی ہوتی

ہیں۔ جوں جوں آپ سمندر کے کنارے کی طرف آتے جاتے ہیں۔

یہ لہریں ایک بہت بڑی موج کی شکل اختیار کر کے کنارے کی

طرف بڑھنے لگتی ہیں اور پھر کنارے کے بہت قریب پہنچ کر

چھوٹی موجوں میں تقسیم ہو کر کنارے کے پتھروں سے ٹکرا جاتی

ہیں یا ساحل کی ریت پر دُور تک جا کر دوبارہ واپس آ جاتی ہیں۔

اس وقت چاندنی میں سمندر کی لہریں اوپر نیچے ہو رہی تھیں۔

لگتا تھا جیسے سمندر میں اُبال آنے والا ہے۔ ایک بات ہم آپ کو

اور بتاتے چلیں کہ سمندر کا پانی بھاری ہوتا ہے کیونکہ اس میں



میں ہے لیکن انسان کو ہمیشہ ہمت سے کام لینا چاہیئے۔ اور کبھی  
جی نہیں پھوڑنا چاہیئے۔ دوسرے ملکوں میں تو بچوں کو سمندر میں  
تیرنے کی باقاعدہ ٹریننگ دی جاتی ہے۔

معاف کرنا دوستوں میں داستان بیان کرتے کرتے اس طرف  
نکل آیا تھا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ داستان کے ساتھ ساتھ آپ  
کو زندگی اور اس دنیا کے بارے میں ایسی معلومات بھی دیتا رہوں جو  
آپ کے کام آئیں۔ تو اب میں پھر ناگ اور ماریا کی طرف آتا ہوں۔  
ناگ نے اپنی رفتار کم نہیں کی تھی۔ وہ سمندر کے اوپر نہ زیادہ بلندی  
پر نہیں تھا مگر پوری رفتار سے اڑا جا رہا تھا۔ بہت جلد اس نے  
سمندر پار کر لیا۔ چاند اب مغرب کی طرف سمندر پر جھک آیا تھا اور  
اس کی روشنی بھی پھیلنے پر نا شروع ہو گئی تھی۔ کیونکہ اب تھوڑی دیر  
میں سورج نکلنے والا تھا۔ ناگ نے ایک بار پھر احتیاط کے طور پر  
اپنے پیچھے دیکھا۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ ستارے دھندلے  
دھندلے سے ہو کر چمک رہے تھے۔ بھینک اوڑان اس کے  
پیچھے نہیں آ رہا تھا۔ ناگ نے ماریا سے کہا۔

” ہم ملک انگلستان پہنچے جہاں ہمیں ماریا۔ یہ سینکڑوں  
برس پرانا پڑا سرا اور آسب زدہ ملک ہے جہاں  
اگرچہ گھروں میں لوگ نیمپ جلاتے ہیں مگر وہ جادو  
ٹوٹنے اور توہمات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ قبروں سے



لاشیں غائب ہو جاتی ہیں۔“

ماریا نے کہا۔

”خدا کے لیے اب کسی جگہ زمین پر اتر آؤ۔ میں سخت تھک گئی ہوں۔ تمہاری گہرے چھٹے چھٹے میرے بازو و شل ہو گئے ہیں۔“

ناگ بولا۔

”دیریں اب ذرا سی دیر میں نیچے اتر آئیں گے۔“

نیچے بڑی بڑی توکیلی چٹانوں کا اونچا نیچا میدان شروع ہو گیا تھا۔ ناگ نے اب سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ اگڑنا شروع کر دیا۔ وہ اس ملک کی ایسی بندرگاہ پر جانا چاہتا تھا جہاں سے اُسے ہندوستان کے جنوب میں واقع ملک سری لنگا یا سنگدھپ تک جانے کے لیے کوئی بادبانی تجارتی یا مسافر جہاز مل جائے۔ بہت دُور تک ناگ کو ایک جگہ سمندر کے کنارے پر بہت سی روشنیاں نظر آئیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ بندرگاہ ہے۔ ناگ نے ماریا کو بتایا کہ سامنے بندرگاہ آ رہی ہے۔ میں وہاں جا رہا ہوں۔ بندرگاہ کے اوپر کافی بلندی پر جا کر ناگ نے ایک چکر لگایا۔ یہ ایک بہت بڑی بندرگاہ تھی۔ کئی ایک بادبانی جہاز سمندر میں لنگر ڈالے کھڑے تھے۔ ان کے بادبان لپٹے ہوئے تھے اور مستوئوں پر لمپ روشن تھے۔ پیچھے پہاڑی ڈھلان پر ایک پورا شہر آباد تھا۔ ناگ بندرگاہ کے قریب

ایک ویران علاقے میں چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے درمیان زمین پر اتر آیا۔

ماریا نے خدا کا شکریہ ادا کیا۔ ناگ نے فوراً انسانی شکل اختیار کر لی۔ اس وقت اگرچہ سورج نکلنے والا تھا مگر کمرے کی وجہ سے ارد گرد اندھیر پھیلا تھا۔ ناگ کو وہاں اترتے کسی نے نہ دیکھا تھا۔ سردی کی وجہ سے لوگ اپنے گھروں میں بند تھے۔ بندرگاہ پر بھی کوئی آدمی نہیں تھا۔ صرف چوکیدار چل پھر کر پرہ دے رہے تھے۔ بندرگاہ سے تھوڑی دُور ایک جگہ کارواں سرائے تھی جس کے باہر سبز لمپ روشن تھا۔ یہ کارواں سرائے ہونے کی نشانی تھی۔ ناگ نے ماریا کو ساتھ لیا اور اس کارواں سرائے کی طرف چل پڑا۔ ماریا اور ناگ نے بھیڑ کی کھال کے لبادے اوڑھ رکھے تھے۔ ناگ کو اس کی ضرورت نہ تھی مگر ماریا کو سردی لگ رہی تھی۔ کیونکہ وہ انسانی جسم کے ساتھ تھی۔ غیبی حالت میں نہیں تھی۔ ناگ نے لبادے کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ لڑکی کا بت اس کی جیب میں تھا۔ وہ ماریا سے کہنے لگا۔

”اس بھیانک اوڈان سے تو پیچھا چھوٹا۔“

ماریا نے کہا۔

”مجھے امید نہیں کہ وہ اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑ دے گا۔ وہ کہیں نہ کہیں ضرور ظاہر ہو کر ہمیں نقصان



پہنچانے کی کوشش کرے گا۔  
ناگ کا ندھے اُچکا کر بولا۔

”دیکھا جائے گا۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم اس لڑکی کو بچا کر  
لے آئے ہیں۔“  
ماریا نے کہا۔

”اس کا فائدہ کیا ہے۔ وہ تو لکڑی کے بت کی شکل میں  
ہے۔ اس بت کو ہم زندہ تو نہیں کر سکتے۔“  
ناگ کہنے لگا۔

”اس کی بھی کوشش کریں گے۔ ہم لنکا دیس کی طرف  
جا رہے ہیں۔ لنکا دیس پُر اسرار منتر و دیو داسیوں اور  
پرانے مندروں کی گپھاؤں کا ملک ہے۔  
ہو سکتا ہے وہاں ہمیں کوئی ایسا منتر مل جائے  
جو اس بت کو پھر سے زندہ کر دے۔“  
ماریا نے کہا۔

”امید تو یہی رکھنی چاہیے۔ لیکن تمہیں تمہاری پہلے والی  
چند ریکا دیو داسی تو ابھی تک نہیں ملی۔“  
ناگ بولا۔

”ہاں۔ تم نے چند ریکا کو یاد دلایا۔ اس نے میری  
مصیبت میں بڑی مدد کی تھی۔ مگر وہ اپنے اگلے جنم

میں کہیں زندگی بسر کر رہی ہوگی۔ معلوم نہیں کہ وہ  
اس جنم میں کس شکل میں ہوگی۔ کہاں ہوگی؟ مجھے  
پہچانے کی بھی کہ نہیں۔“  
ماریا نے کہا۔

”ان بانوں کو چھوڑ۔ مجھے سرانے کے باہر کھڑے  
کھڑے سردی لگ رہی ہے۔ تمہیں تو سردی لگتی  
نہیں۔ سرانے کا دروازہ کھٹکھاؤ۔“

ناگ نے جلدی سے سرانے کے بند دروازے پر دستک  
دی۔ کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ چھ سات بار دروازہ کھٹکھٹانے  
کے بعد اندر سے کسی نے لوہے کی سلاخ ہٹا کر چٹختی اتاری۔  
اور دروازہ ذرا سا کھولا۔ ایک عجیب سے اودھ بلاؤ والی  
شکل نمودار ہوئی۔ یہ سرانے کا پرانا نوکر اور پرے دار تھا۔  
جو سرانے کے اندر تنختے پر سو رہا تھا۔ اس نے ناگ اور ماریا  
کو گھور کر دیکھا اور پوچھا۔  
”کیا بات ہے؟“

ناگ نے اسے کہا کہ وہ مسافر ہیں رات گزارنے کے لیے  
کوٹھڑی مل جائے گی کیا؟  
”ہم کو ٹھڑی کا کرایہ دیں گے۔“  
وہ آدمی بولا۔



”کرائے کے بغیر تمہیں اندر گھسنے کون دے گا“

پھر دروازہ ذرا سا کھول کر بچھا۔

”تمہارا سامان کہاں ہے؟ کیا گھوڑا بھی ساتھ ہے؟“  
ناگ نے کہا۔

”نہیں ہمارے پاس کوئی سامان نہیں۔ گھوڑا راستے

میں سردی سے ٹھٹھڑ کر گیا تھا“

”چاندی کے دو سکے نکالو“

ناگ نے ببادے کی جیب سے چاندی کے تین سکے نکال کر بوڑھے نوکر کی ہتھیلی پر رکھ دیئے اور کہا۔

”ایک سکہ تمہارا انعام ہے“

نوکر نے جلدی سے پورا دروازہ کھول دیا اور خوش

سے مسکراتا ہوا بولا۔

”اندر آ جاؤ۔ کیا تم میاں بیوی ہو؟“

ناگ نے کہا۔

”نہیں ہم بہن بھائی ہیں“

”پھر تو تم الگ الگ کوٹھڑی میں رہو گے“

”ہاں“ ناگ بولا ”ہمیں دو کوٹھڑیاں مل جائیں تو اچھا

ہے“

نوکر کھٹکے لگا۔

”میں تمہیں ساتھ ساتھ دو کوٹھڑیاں دینے دیتا ہوں

مگر دو سکے اور دینے پڑیں گے“

ناگ نے اسے مزید چاندی کے تین سکے دے دیئے۔ نوکر نے ان کی کوٹھڑیوں میں گرم توشکیں لگا دیں۔ آتش دان میں آگ بھی روشن کر دی اور بولا۔

”صبح ہونے والی ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہارے

لیے دودھ اور روٹی لاؤں گا“

ناگ نے ماریا سے کہا کہ تم تخت گئی ہو اور اپنی کوٹھڑی

میں جا کر سو جاؤ۔ اور خود اپنی کوٹھڑی میں توشک پر

لیٹ گیا۔ اس نے رٹ کی کابٹ نکال کر لیمپ کی روشنی میں غور

سے دیکھا۔ بت کی آنکھوں میں جو شیشے کی گولیاں لگی تھیں۔ وہ

چمک رہی تھیں۔ لیمپ کی روشنی ان پر پڑ رہی تھی اور

ان کے اندر سے کہیں نکلتی نظر آ رہی تھیں۔ لٹکی کا چہرہ لکڑی

کا تھا۔ سارا بت ہی لکڑی کا تھا۔ اس میں بالکل جان نہیں

تھی۔ ناگ نے اسے دوبار اپنے لبادے کے اندر چھپا

کر رکھ لیا۔ اتنے میں صبح ہو گئی۔ سرائے کے دوسرے

مسافر جاگ پڑے اور ان کے چلنے پھرنے اور باتیں کرنے

کی ہلکی ہلکی آوازیں آنے لگیں۔ ناگ نے ماریا کو جا کر جگایا۔ گرم

پانی سے ماریا نے منہ ہاتھ دھویا۔ پھر ناگ کی کوٹھڑی میں آکر



آتش دان کے سامنے فرش پر بچھی گرم توٹک پر بیٹھ گئی اور  
 ”انسانی جسم میں آنے کا ایک فائدہ ضرور ہے کہ نیند  
 بڑے مزے کی آتی ہے۔“  
 ناگ ہنس کر بولا۔

”یہ تو تم نے ٹھیک کہا مگر ذرا سوچو کہ اس میں تکلیفیں  
 کتنی ہیں۔ ہر وقت موت کا خوف۔ تمکاوٹ۔ بھوک  
 پیاس۔ بیماری اور غم فکر۔ نہ بھائی مجھے تو ایسی زندگی  
 بالکل پسند نہیں۔“  
 ماریا نے کہا۔

”مجھے تو بھوک لگ رہی ہے ناگ! وہ نوکر ابھی  
 نہیں آیا۔“

ناگ نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔  
 ”کہہ گیا تھا میں دودھ اور روٹی لے کر آؤں گا۔ پس  
 آمبی رہا ہوگا۔“

تھوڑی دیر بعد نوکر دودھ وغیرہ لے کر آگیا۔ ناگ اور  
 ماریا نے مل کر ناشتہ کیا اور پھر ناگ اکیلا ہی یہ معلوم کرنے  
 کے لیے بندرگاہ کی طرف نکل گیا کہ بندرگاہ سے لنکا کی طرف  
 جہاز کب جائے گا۔ بندرگاہ پر بڑی رونق تھی۔ ہر طرف جہاز  
 کھڑے تھے۔ کسی میں مسافر چڑھ رہے تھے کسی سے مسافر

اتر رہے تھے۔ کسی جہاز پر تجارتی سامان لادا جا رہا تھا۔ ناگ نے  
 ایک آدمی کو دیکھا کہ جہاز کی سیڑھی کے پاس کھڑا تختی پر سامان کا  
 اندراج کر رہا تھا۔ ناگ نے ان سے پوچھا۔

”کیوں بھائی لنکا کو جہاز کب جائے گا؟“  
 آدمی نے کہا۔

”تم کہاں سے آئے ہو بھائی کہ تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم  
 کہ یہی وہ جہاز ہے جو لنکا اور سنگھڑپ کو جا  
 رہا ہے۔“

ناگ جلدی سے سرائے کی طرف بھاگا اور ماریا کو لے کر  
 بندرگاہ پر آگیا۔ اس نے جہاز کے کپتان سے ملاقات کی اور بتایا  
 کہ ہم دونوں بہن بھائی لنکا جانا چاہتے ہیں۔ کپتان بولا۔

”یہ تجارتی جہاز ہے اس پر مسافر سفر نہیں کرتے۔ لنکا کو  
 مسافر جہاز ایک مہینے بعد جائے گا۔“

ناگ نے سوچا کہ ایک ماہ تاخیر یہاں کون پڑا رہے گا۔  
 چنانچہ اس نے اصرار کیا کہ وہ انہیں بھی ساتھ لے چلے۔ کپتان نے  
 انکار کر دیا۔ ناگ نے کہا۔

”اچھا تو پھر ایسا کہیں کہ میری بہن کو جہاز پر سوار  
 کر کے لنکا پہنچا دیں۔ میں اس کا کرایہ دو گنا دے  
 دوں گا۔“



کپتان نے ماریا کو دیکھا کہ ایک خوب صورت لڑکی ہے چلو  
اسے ساتھ لے چلتے ہیں۔ ہو سکتا ہے راستے میں اس سے شاد  
ہو ہی جلتے۔ اس نے ناگ سے کہا۔  
”ٹھیک ہے میں تمہاری بہن کو لے کر پہنچا دوں گا مگر تمہیں  
ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ اس کا نام کیا ہے؟“  
ماریا نے کہا۔

”میرا نام ماریا ہے“  
ناگ نے ماریا کو الگ جا کر سمجھایا کہ تم جہاز پر سوار ہو جاؤ۔  
میں بھی تمہارے ساتھ ہی عقاب کی شکل میں جہاز پر آ جاؤں گا۔ اس  
کپتان کو میری خفیہ طاقت کا علم ہی نہیں ہے۔ ماریا خوش ہو کر جہاز  
پر سوار ہو گئی۔ ناگ نے اس کا کرایہ ادا کر دیا اور کپتان کے سامنے  
بندرگاہ سے باہر نکل گیا۔ لیکن کچھ دور جانے کے بعد ایک ویران  
سی جگہ دیکھ کر اس نے عقاب کی شکل بدلی اور اڑتا ہوا جہاز کے مستول  
پر آ کر بیٹھ گیا۔ پھر جب جہاز روانہ ہونے لگا اور اس کا ٹکڑا اٹھا دیا گیا  
اور بادبان بھی کھل گئے تو ناگ اوپر سے اڑ کر نیچے جہاز کے عرشے پر  
اس جگہ آ گیا جہاں ماریا عرشے پر سامان کی بڑی بڑی گانٹھوں کے پاس  
بیٹھی تھی۔ ناگ نے اپنی انسانی شکل اختیار کی اور ماریا سے کہا۔  
”میں آ گیا ہوں ماریا“  
ماریا نے کہا۔

”اگر کپتان نے تمہیں دیکھ لیا تو وہ سخت ناراض ہو  
گا۔ ہو سکتا ہے تمہیں جہاز سے سمندر میں دھکا دے  
دے“  
ناگ مسکرایا۔

”تو پھر کیا ہو گا! میں اڑ جاؤں گا“  
ماریا ہنسنے لگی مگر پھر بولی۔  
”ناگ بھیا! وہ میرا دشمن بن جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے  
کہ وہ کسی جگہ راستے میں جہاز روک کر مجھے ہی اتار  
دے“

ناگ کہنے لگا۔  
”تو پھر جب وہ ادھر آتا دکھائی دے گا تو میں یہاں سے  
غائب ہو جاؤں گا“

ابھی وہ باتیں ہی کر رہا تھا کہ اچانک ایک طرف سے کپتان  
نمودار ہوا۔ وہ ملاحوں کو ہدایات دے رہا تھا کہ بادبازوں کو پوری  
طرح سے کھولو۔ سامان کو ادھر لگاؤ۔ وہ بڑا بد دماغ تھا۔ نوکروں  
کو بہت ڈانٹ ڈپٹ کر رہا تھا۔  
ماریا نے ناگ سے کہا۔

”ناگ! کپتان آ رہا ہے“  
ناگ فوراً ایک چھوٹا سا سانپ بن کر ماریا کے لمبا دے کے



کار کے اندر گھس گیا۔ کپتان نے دور سے ماریا کو دیکھا اور اُس کے پاس آکر بولا۔

”ماریا! تم یہاں عرشے پر کیوں بیٹھی ہو۔ یہاں تو بڑی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ نیچے کین میں چلو۔ تمہارے لیے ایک پورا کین موجود ہے۔“

ماریا نے سوچا کہ چلو اس پیشکش کو قبول کر لینا چاہیے۔ یہ کپتان تو اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ کپتان کے ساتھ نیچے کین میں آگئی۔ کین میں ایک بستر لگا تھا۔ دو گرم کمبل بھی تھے۔ میز کرسی بھی تھی۔ کپتان نے نوکر سے کہا کہ کھانا لاؤ۔ وہ ماریا کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ کھانا مزے دار تھا۔ کھانے کے بعد کپتان نے ماریا سے کہا۔

”ماریا! کیا تم میرے ساتھ شادی کرو گی؟ میں ابھی تک کنوارا ہوں۔ دنیا میں بالکل اکیلا ہوں۔“

ماریا نے کہا۔

”لنکا میں میرے ماں باپ ہیں۔ ان سے بات کرنا اگر انہوں نے اجازت دے دی تو تم سے ضرور بیاہ کر لوں گی۔ کیونکہ میں ماں باپ کی مرضی کے خلاف ہرگز بیاہ نہیں کر سکتی۔“

کپتان بڑا خوش ہوا کہنے لگا۔

”ٹھیک ہے۔ لنکا چل کر میں تمہارے ماں باپ سے

ضرور ملوں گا۔“

کپتان خوش خوش باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد ناگ اپنی انسانی شکل میں آگیا اور ماریا سے کہنے لگا۔

”ارے یہ کپتان تو واقعی تمہارے پیچھے پڑ گیا ہے۔ کیا تم اس سے شادی کر لو گی؟“

ماریا نے ہنس کر کہا۔

”ناگ بھیا! تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ہم لوگ شادی بیاہ کے معاملوں سے بلند ہیں۔ ہماری دنیا ایک پراسرار اور ایسی عجیب دینا ہے اور ہم ہزاروں برس کے سفر پر ہیں۔ شادی کروں گی تو میرا شوہر چالیس پچاس برس میں بوڑھا کھوسٹ ہو جائے گا۔ جبکہ میں جوان رہوں گی۔ تو اس سے فائدہ کیا؟“

ناگ بھی ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

”ابھی ایک مہینے کا سمندری سفر باقی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں پہلے ہوا میں اڑتا ہوا لنکا کے ملک میں پہنچ کر کیٹی تھیوسانگ اور عنبر کو تلاش کرتا ہوں۔“

ماریا کہنے لگی۔

”تو میں اس جہاز پر اکیلی سفر کروں گی؟ میرے پاس تو میری غیر معمولی طاقت بھی نہیں ہے کچھ ہو گیا تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔“



ناگ سوچ کر بولا۔

”اچھا اس موضوع پر کل بات کریں گے۔“

وہ باتیں کر رہے تھے کہ باہر کپتان ڈکری میں ماریا کے لیے کچھ پھل لے کر آگیا۔ اس کو کیبن کے اندر ماریا کے کسی مرد سے باتیں کرنے کی آواز آئی تو اس کا ماتھا ٹھٹھا کہ یہ لڑکی ماریا کس سے باتیں کر رہی ہے؟ اس نے کیبن کے خفیہ سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا تو دنگ ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ ماریا کے پاس اس کا ہی بھائی بیٹھا تھا۔ جس کو کپتان نے جہاز پر سوار ہونے سے روک دیا تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ کہاں سے جہاز پر آگیا۔ اسے غصہ بھی بہت آیا۔ اس نے زور سے دروازہ سے پیرہا تھ مار کر کہا۔

”ماریا دروازہ کھولو“

ناگ نے جلدی سے سانس کھینچا اور سانپ بن کر ماریا کے لمبا دے کے کار میں جا چڑھا۔ ماریا نے دروازہ کھول دیا۔ کپتان آتے ہی ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”کہاں ہے تمہارا بھائی؟ وہ جہاز پر کیسے آگیا؟ اس کو

کس نے اجازت دی کہ جہاز پر سوار ہو جائے؟“

ماریا نے کہا۔

”وہ تو جہاز پر کیس بھی نہیں ہے۔“

کپتان بولا۔

”میں نے ابھی ابھی اسے یہاں تم سے باتیں کرتے دیکھا ہے۔“

ماریا نے کہا۔

”آپ کو دھوکا ہوا ہے۔ اگر وہ یہاں ہوتا تو کہاں جا سکتا تھا۔ چھوٹا سا کیبن ہے۔ آپ خود اسے تلاش کر کے دیکھ لیں۔“

کپتان نے بستر کے نیچے دیکھا۔ کونے میں دیکھا۔ مینر کے نیچے دیکھا۔ چھوٹا سا کیبن تھا۔ ناگ اسے کیس نہ ملا۔ مگر وہ اپنی آنکھوں سے ناگ کو دیکھ چکا تھا۔ اپنی آنکھیں ملتے ہوئے بولا۔

”شاید میں نے جاگتے میں کوئی خواب دیکھا ہے اگر وہ یہاں ہوتا تو کہاں غائب ہو سکتا تھا؟“

ماریا نے کہا۔

”یہی تو میں کہہ رہی تھی۔ آپ کو دھوکہ ہوا ہے۔“

کپتان نے پھل ماریا کے سامنے مینر پر رکھے۔ بولا۔

”یہ میں تمہارے لیے لایا تھا۔“

اور آنکھیں ملتا کیبن کے کونے میں بار بار نظریں ڈالتا، سر ہلاتا

باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ماریا نے باہر جھانک کر دیکھا۔

کپتان جب اپنے کیبن میں چلا گیا تو ماریا نے ناگ سے کہا۔

”وہ کسی خفیہ سوراخ سے دیکھ رہا تھا ناگ۔“



ناگ نے انسانی شکل بدلی اور کہا۔

”دیکھتا ہے تو دیکھے۔ مجھے اس کی کیا پروا ہے۔ ہاں تو ماریا۔ میں تمہیں کہہ رہا تھا کہ یوں تو جہاز میں ایک مہینہ لگ جائے گا۔ بڑا وقت ضائع ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ میں اس جہاز سے پہلے اڑتا ہوا لنکا پہنچ کر تھیوسانگ اور کیٹی کو تلاش کرتا ہوں۔ جس روز یہ جہاز لنکا کی بندرگاہ پر گئے گا۔ اس روز سب کو معلوم ہو جائے گا کہ جہاز آگیا ہے۔ میں وہاں تمہیں لینے کے لیے پہنچ جاؤں گا۔“

ماریا کو ناگ کی یہ تجویز پسند ضرور آئی تھی۔ مگر وہ محض اس لیے نکل رہی تھی کہ وہ ایک عام کمزور عورت کی شکل میں زندہ تھی اور اکیلی عورت پر کوئی بھی مصیبت پڑ سکتی ہے۔ اکیلی عورت پر کوئی بھی مصیبت پڑ سکتی ہے۔

”بہتر ہے میں اسے اپنے پاس ہی رکھتا ہوں۔“ ماریا لڑکی کے بت کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ پھر بولی۔ ”اس لڑکی کا ماتھا کشا گول اور خوب صورت ہے۔“ اور ماریا نے لڑکی کے بت کے ماتھے پر انگلی پھیری۔ اسے ایک جھکا لگا اور ناگ کے دیکھتے دیکھتے ماریا غائب ہو گئی۔

”ٹھیک ہے ناگ بھیا! اگر تمہاری یہی صلاح ہے تو میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔“ ناگ نے لڑکی کا چھوٹا سا بت جیب سے نکال کر ماریا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”کیا خیال ہے تمہارا؟ یہ بت اگر تم اپنے پاس رکھ لو تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟“ ماریا نے کہا۔

”مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن میں سوچتی ہوں کہ کہیں یہ کسی کے ہاتھ آگیا تو وہ اسے لگ کر دے گا۔ کیونکہ لڑکی کا بت بڑا خوب صورت ہے اور اس کی آنکھوں میں جو شیشے کی گولیاں لگی ہیں بالکل ہیروں کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ کوئی انہیں ہیرے سمجھ کر ہی میرے کین سے نہ چرائے۔“

ماریا نے بت کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا اور اس کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ ناگ نے کہا۔

”بہتر ہے میں اسے اپنے پاس ہی رکھتا ہوں۔“

ماریا لڑکی کے بت کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ پھر بولی۔ ”اس لڑکی کا ماتھا کشا گول اور خوب صورت ہے۔“

اور ماریا نے لڑکی کے بت کے ماتھے پر انگلی پھیری۔ اسے ایک جھکا لگا اور ناگ کے دیکھتے دیکھتے ماریا غائب ہو گئی۔

”ماریا! ماریا!“ ناگ بے اختیار پکار اٹھا۔ ماریا نے کہا۔



”میں تمہارے پاس ہی ہوں ناگ! مگر میں غائب ہو گئی ہوں۔ مجھے میری طاقت واپس مل گئی ہے۔“  
ناگ نے گھبرا کر کہا۔

”تم — تم ٹھیک ہونا ماریا۔ تم پر — تم پر کسی طلسم کا اثر تو نہیں ہوا؟ یہ ماریا بولی۔

”بالکل نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اپنے اندر کسی جادو طلسم کا اثر محسوس نہیں کر رہی۔ مجھے تمہاری خوشبو بھی آنے لگی ہے۔ کیا تمہیں میری خوشبو نہیں آ رہی؟“  
ناگ نے سانس لے کر کہا۔

”ہاں ہاں! مجھے تمہاری خوشبو آنے لگی ہے۔“  
ماریا خوش ہو کر بولی۔

”ناگ یہ لڑکی کا بُت ہمارا سب سے بڑا ہمدرد ہے۔ دیکھو اس کے ماتھے پر ہاتھ لگانے سے مجھے میری کھوئی ہوئی طاقت مل گئی۔“  
ناگ نے کہا۔

”بُت ابھی تک تمہارے پاس ہے ناں؟ مجھے بُت نظر نہیں آ رہا۔“

یہ ناگ نے ڈرامہ کیا تھا۔ اسے ماریا کا جسم تو نہیں مگر

دھندلا سایہ صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ مت کاں بوٹی کے سرے کا کرشمہ تھا۔ مگر اس نے ماریا پر ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اسے ماریا کا پورا جسم نظر آنا بند ہوا۔ صرف دھندلا سایہ نظر آیا تو وہ فوراً سمجھ گیا کہ لڑکی کے بُت کے ماتھے پر ہاتھ لگانے سے ماریا کی کھوئی طاقت واپس آ گئی ہے مگر ناگ نے فیصلہ کیا ہوا تھا کہ وہ ماریا کو یہ نہیں بتائے گا کہ وہ غیبی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے۔ اسی لیے اس نے چلا کر پوچھا تھا کہ ماریا تم کہاں ہو؟ وہ اس وقت بھی ماریا کا دھندلا سایہ دیکھ رہا تھا۔ اس دھندلے سائے نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ماریا غائب ہو گئی ہے اور یہ ساری کرامت لڑکی کے بُت کے ماتھے پر انگلی لگانے سے واقع ہوئی ہے۔ ناگ کو ماریا کے ہاتھ میں لڑکی کے بُت کا دھندلا سایہ بھی صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

”ناگ بُت میرے پاس ہی ہے۔ یہ تو میں اسے میز پر رکھ رہی ہوں۔“

ناگ پہلی بار ماریا کو غیبی حالت میں حرکت کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے دھندلے سائے نے بُت کے سائے کو میز پر رکھ دیا۔ میز پر رکھتے ہی لڑکی کا بُت صاف نظر آنے لگا۔ ناگ کو اس بات کی بڑی خوشی ہوئی کہ ماریا کو اس کی کھوئی ہوئی طاقت واپس مل گئی ہے۔ اس نے ماریا سے کہا۔



”اب تمہیں اس جہان میں سفر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اب تم بھی میرے ساتھ ہوا میں اڑ کر لٹکا کی طرف جا سکتی ہو۔“

ماریا مسکراتی۔ پہلے ماریا مسکراتی تھی تو ناگ اسے نہ دیکھ سکتا تھا۔ اب وہ اس کے دھندلے چہرے کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ناگ سے نہ رہا گیا۔ بولا۔

”ماریا! تم مسکرا رہی ہو،“ ماریا چونکی۔ کہنے لگی۔  
”مسکرانے کی تو کوئی آواز نہیں ہوتی۔ اور میں غائب بھی ہوں۔ پھر تم نے کیسے دیکھ لیا کہ میں مسکرا رہی ہوں؟“

ناگ نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔  
”بھتی میں نے تو اندازہ لگایا ہے۔ بھلا میں تمہیں کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ اچھا ان باتوں کو چھوڑو اور اب یہ بتاؤ کہ پروگرام کیا ہے؟ کیا تم میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو؟“

ماریا نے کہا۔

”کیوں نہیں۔ میں یہاں رہ کر کیا کروں گی؟“  
ناگ نے لڑکی کا بت اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہ  
”تو پھر اس بت کو تم اپنے پاس رکھو۔ کیونکہ تمہارے

پاس یہ غائب ہو کر رہے گا۔“  
ماریا نے بت اپنے ہاتھ میں لے لیا جو فوراً ہی غائب ہو گیا۔  
دوسروں کے لیے ماریا اور لڑکی کا بت بالکل غائب تھے مگر ناگ کو ان کے دھندلے دھندلے سائے بالکل صاف دکھائی دے رہے تھے۔





# بھیانک اودان کا حملہ

کیبن کا دروازہ زور سے کھڑکا۔

”دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولو“

ماریا نے کہا۔

”شاید وہ کپتان کم بخت پھر آگیا ہے“

ناگ نے کہا۔

”تم غائب ہو۔ وہ تمہیں تو دیکھ نہیں سکتا۔ میں

اسے سینھالتا ہوں۔ ذرا مزہ دے گا“

ماریا اسے روکنے لگی مگر ناگ نے دروازہ کھول دیا۔ کپتان

نے ناگ کو دیکھا تو اس کا پارہ چسڑھ گیا۔ اس نے ناگ کو

غصے میں آکر کہا۔

”تم یہاں کیسے آ گئے؟ تم کو جہاز پر چڑھنے کی کس

نے اجازت دی؟ اور وہ — وہ تمہاری بہن ماریا

کہاں ہے؟ ابھی تو میں نے اس کی آواز سنی تھی“

ناگ نے کہا۔

”میں خود اس کی تلاش میں آیا تھا۔ وہ تو یہاں کہیں

نہیں ہے“

کپتان نے کہا۔

”مگر میں نے ابھی تمہیں اس سے باتیں کرتے سنا تھا۔

پھر تم کس سے باتیں کر رہے تھے؟“

ناگ نے کہا۔

”آپ نے شاید کوئی خواب دیکھا ہے جاگتے میں

پھر آپ کو دھوکا ہوا ہے“

کپتان نے اپنا سر پکڑ لیا اور لڑپٹی اتار کر میز پر زور سے

مارتے ہوئے بولا۔

”میں ہر بار ایک ہی خواب کیسے دیکھ سکتا ہوں؟

پہلے تم غائب ہوئے اب تمہاری بہن غائب ہو گئی

ہے۔ تم لوگ کون ہو؟ کیا تم افریقہ کے جادوگر

ہو؟“

ناگ نے کہا۔

”ہم میں سے کوئی بھی جادوگر نہیں ہے۔ میری بہن

ماریا ابھی ابھی باہر گئی ہے۔ میں — میں چوری

چھپے جہاز پر چسڑھ گیا تھا“

کپتان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس نے



پٹیا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ناگ نے ماریا کی طرف دیکھا۔ اب وہ ماریا کے دھندلے سالتے کو دیکھ سکتا تھا۔ ماریا نے محسوس نہ کیا کہ ناگ اسے تک رہا ہے۔ ناگ نے فوراً نظریں دوسری طرف کر لیں اور بولا۔

”ماریا! ابھی تم ظاہر مت ہونا۔ میں نے کپتان سے کہا ہے کہ تم باہر گئی ہوئی ہو۔“

ماریا نے کہا۔  
”اب ہمیں اس کپتان کے خمرے پر داشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہمیں یہاں سے لنکا کی طرف کوچ کر جانا چاہیے۔“

ناگ بولا۔  
”تم ٹھیک کہتی ہو۔ اب اس دن کا وقت ہے۔ ہمیں یہاں سے پرواز کر جانا چاہیے۔ میں اور جہاز کے ڈیک پر جاتا ہوں۔ تم بھی وہاں پہنچ جاؤ۔“

ناگ کیبن سے نکل کر ڈیک یعنی جہاز کے عرشے پر آیا اور دیکھا کہ کونے میں کپتان اپنے چند ایک ملاحوں کے ساتھ کھڑا دُور آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جہاں سے کالے بادل کا ایک گولہ بڑی تیزی سے آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس گولے میں بجلیاں چمک رہی تھیں۔ ناگ کے دیکھتے دیکھتے یہ سیاہ بادل کا گولہ

جہاز کے سر پر پہنچ گیا۔ اس میں سے بجلیاں کوندنے لگیں بادل کوڑکنے لگیں۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہ بادل کا گولا بھیانک اودان ہے جو اپنے لڑکی کے بُت کی تلاش میں جہاز کو تباہ کرنے آیا ہے۔ ناگ بھاگ کر نیچے کیبن کی طرف گیا کہ ماریا کو بتائے کہ اس نے دیکھا کہ ماریا کا دھندلا سایہ نیچے سیڑھیوں کے پاس کھڑا تھا۔ ناگ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”ماریا! بھیانک اودان ہم سے بدلہ لینے اور اپنا بت واپس لینے آ گیا ہے۔“

ماریا نے حیرانی سے پوچھا۔

”تم نے مجھے کیسے دیکھ لیا کہ میں سیڑھیوں کے پاس کھڑی ہوں؟“

ناگ نے سٹا پٹا کر کہا۔

”اے بابا تمہاری خوشبو سے اندازہ لگایا تھا۔ میں تمہیں کہاں دیکھ سکتا ہوں۔ یہاں سے بھاگو وہ بھیانک مخلوق یہاں پہنچ گئی ہے۔“

ماریا نے کہا۔

”ہمیں اسی وقت پرواز کر جانی چاہیے۔“

ماریا نے جہاز کے عرشے پر آکر دیکھا کہ سیاہ بادل نے جہاز کو اپنی پیٹ میں لے لیا تھا۔ زور زور سے بجلی کرک



رہی تھی اور جہاز طوفانی ہواؤں میں اوپر نیچے ڈولنے لگا تھا۔  
عرشے پر ملاح پریشان ہو کر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے کپتان  
انہیں بار بار ہدایت دے رہا تھا کہ بادبان پیٹ دو۔ ناگ  
ابھی سیڑھیوں میں ہی تھا۔ ماریا نے سیڑھیوں میں جا کر ناگ  
سے کہا۔

”اس بھیا تک مخلوق نے جہاز کو اپنی پیٹ میں لے  
لیا ہے۔ اس وقت تم عقاب بن کر بھی سیاہ  
بجلیوں والے بادل میں سے گزر و گے تو وہ پھونک  
ڈالیں گی۔“  
ناگ نے کہا۔

”تو پھر ایسا کرو کہ تم بت لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔  
تم غائب ہو۔“

ماریا بولی۔  
”میں تمہیں اس حالت میں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔“  
ناگ نے ماریا کو کہا کہ وہ ضد نہ کرے اور وہاں سے  
چلی جائے۔ ماریا بولی۔

”میں جہاز سے کافی اوپر بلندی پر بادل کے اوپر رہوں  
گی۔“  
یہ کہہ کر ماریا عرشے پر جا کر ذرا بلند ہوئی ہی تھی کہ اسے

بجلی کا ایک جھٹکا لگا اور وہ اُچھل کر نیچے گر پڑی۔ ماریا غوطہ  
لگا کر ناگ کے پاس نیچے سیڑھیوں میں آگئی۔ اس نے ناگ کو  
بتایا کہ بھیا تک بادل میں طلسم ہی نہیں بلکہ آسمانی بجلی بھی بھری  
ہوتی ہے اور وہ اس میں سے نہیں گزر سکتی۔ ناگ کیبن کی  
طرف پلکتے ہوئے بولا۔

”میرے ساتھ کیبن میں آ جاؤ۔“  
جہاز ایسے ڈول رہا تھا جیسے سمندر میں زبردست تھوپیال  
آ گیا ہو۔ کپتان پریشان ہو کر ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔ اس  
کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک یہ بادل کہاں سے نمودار ہو  
گیا۔ کیونکہ وہ موسم بادلوں اور بارش کے طوفانوں کا نہیں تھا۔  
اس نے جہاز کے بادبان پیٹ دیئے تھے۔ سمندر میں لنگر بھینک  
دیا تھا۔ مگر بادل نے سارے جہاز کو اپنی پیٹ میں لے لیا تھا۔  
جہاز میں اندھیرا چھا گیا تھا۔ اب بجلیاں جہاز کے اوپر عرشے پر  
ادھر ادھر کھڑکے لگیں تھیں۔ کپتان اور ملاح نیچے جا کر چھپ  
گئے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا تھا۔  
جہاز برمی طرح ڈول رہا تھا۔ کبھی دائیں طرف ہو جاتا اور  
کبھی بائیں طرف نیچے ہی نیچے ہوتا جاتا۔ لگتا تھا کہ جہاز ابھی  
ڈوبا کہ ڈوبا۔ طوفانی ہواؤں نے جہاز کے لنگر کو توڑ ڈالا اور  
اور جہاز ایک تھکے کی طرح سمندری لہروں پر بہہ نکلا۔



بادل یعنی بھیانک اوڈان سیاہ طوفانی بگولے کی شکل میں  
جہاز کو اپنی لپیٹ میں لیے اسے آگے دھکیل رہا تھا۔ ناگ نے  
ماریا سے کہا۔

”بھیانک اوڈان کو پتہ چل گیا ہے کہ ہم اس کے  
بت کو لے کر اس جہاز پر سفر کر رہے ہیں۔ وہ اب  
نیچے آنے کی کوشش کرے گا۔ میں حیران ہوں کہ وہ  
ابھی تک یہاں آیا کیوں نہیں؟“

ماریا بولی۔

”ایک بات ثابت ہو چکی ہے کہ جب تک یہ خطرناک  
بادل جہاز کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے ہم میں  
سے کوئی بھی یہاں سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور  
بادل بھی اندر نہیں آ رہا۔ اس صورت میں ہمیں جہاز  
میں ہی کسی پوشیدہ جگہ پر چھپ جانا چاہیئے۔“

ناگ نے کہا۔  
”ایسی جگہ تو جہاز کا سب سے پخلا ڈیک ہی ہے  
جہاں تجارتی سامان بھرا ہوا ہے۔“

ماریا بولی۔

”ہیں وہیں جا کر چھپ جانا چاہیئے۔“  
ناگ نے کہا۔

”تو چلو۔ میں سانپ بن کر نیچے چلتا ہوں۔“

ناگ نے چھوٹے سیاہ سانپ کی شکل بدل اور جہاز کی لوہے  
کے زینے کے پائپ پر سے رنگتا نیچے اتر گیا۔ یہاں ملاح نہیں  
تھے۔ ماریا اس کے ساتھ تھی۔ وہ جہاز کے پچلے حصے میں آگئے۔  
یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس میں دیوار کے ساتھ تجارتی  
سامان کی بڑی بڑی گانتھیں لگی تھیں۔ لکڑی کا بہت ماریا کے  
پاس تھا۔ ناگ ماریا کے دھندلے سائے کو صاف دیکھ رہا  
تھا اور دھندلا سایہ صرف ناگ ہی دیکھ سکتا تھا۔ ماریا نے کہا۔  
”ناگ ان گانتھوں کے پیچھے چلے جاؤ۔ میں ایک بار

پھر اوپر جا کر حالات کا جائزہ لیتی ہوں۔“

ناگ کو تہہ خانے میں چھوڑ کر ماریا اوپر چلی گئی۔ ناگ  
ایک بہت بڑی گانتھ کے پیچھے کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ جہاز اسی  
طرح ڈول رہا تھا۔ ان گانتھوں کو رستوں کی مدد سے باندھ دیا  
گیا تھا۔ اس لیے وہ لڑھک نہیں رہی تھیں۔ مگر جہاز لنگر ٹوٹ  
جانے کے بعد کھلے سمندر میں ایک طرف کو منہ اٹھائے چلا  
جا رہا تھا۔ اچانک رسی ٹوٹ گئی اور ایک بہت بڑی گانتھ ٹوٹ  
کر زور سے جہاز کے پینڈے کی دیوار سے ٹکرائی۔ اس کا اتنا  
شور پیدا ہوا کہ اوپر سے دو ملاح دوڑے دوڑے نیچے  
آئے۔ وہ لمبے لمبے آنکڑوں کی مدد سے گانتھ کے بندل کو دوبارا



پیچھے پھینچ کر باندھنے کی کوشش کرنے لگے۔  
اچانک ایک ملاح کی ناگ پر نظر پڑ گئی۔ وہ چیخ مار کر  
بولا۔

”سانپ! سانپ!“

دوسرے ملاح نے ناگ پر لوہے کے آنکڑے سے حملہ  
کر دیا۔ اگر ناگ عین وقت پر چھلانگ لگا کر بندھلوں کے  
پیچھے نہ بھاگ جاتا تو وہ شدید زخمی ہو سکتا تھا۔ جہاز  
میں شور مچ گیا کہ نیچے ایک سانپ ہے۔ کئی ملاح تلواریں اور  
نیزے لے کر آگئے۔ کیونکہ جہاز میں سانپ کی موجودگی ان کے  
لیے سخت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ ناگ کو بھی پریشانی  
ہوئی کہ کہیں یہ کم سخت اسے ہلاک ہی نہ کر دیں۔ وہ بندھلوں  
کے پیچھے سے تیزی سے نکل کر جہاز کے پینڈے کی دیوار  
پر چڑھا اور اس کی چھت پر سے رنگتا دروازے میں سے  
باہر نکل گیا۔ دروازے میں ایک ملاح نیزہ لیے کھڑا تھا۔  
ناگ نے اتنی زور سے پھنکار ماری کہ وہ ملاح خوفزدہ  
ہو کر بھاگ گیا۔ ناگ جہاز کی پچلی منزل کی راہ داری کی چھت  
پر رنگتے ہوئے دوسرے کونے والے کین کی طرف بڑھا۔  
اسے ادھر سے بادل کے گہجنے اور بجلیوں کے کڑکنے کی آوازیں  
سنائی دے رہی تھیں۔ وہ حیران تھا کہ بھیانک اودان انسان

کی شکل میں نیچے کیوں نہیں آیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ  
اسے انسانی شکل میں آنے کے لئے لڑکی کے بت کی پیشانی کو  
انگلی سے پھونا ضروری تھا۔ کیونکہ خانقاہ میں اس نے ایسا  
ہی کیا تھا۔ اس نے اُس رات خانقاہ میں آتے ہی بُت  
کی پیشانی کو انگلی سے چھوا اور انسان بن گیا جو انتہائی بھیانک  
شکل کا انسان تھا اور بُت بھی لڑکی بن گیا تھا۔  
ناگ نے دیکھا کہ دوسرا کین بند تھا۔ وہ کونے میں  
چھپ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ جہاز دائیں بائیں بڑے زور  
نور سے ڈول رہا تھا۔ اوپر بادلوں میں بجلیاں کڑک رہی  
تھیں۔ بھیانک اودان سخت غیض و غضب کے عالم میں تھا۔  
اچانک اسے ماریا زینے پر سے نیچے آتی نظر آئی۔ وہ ناگ  
کی خوشبو پا کر اس کی طرف آگئی۔ ناگ نے جان بوجھ کر اسے  
نہ بلایا۔ جب وہ قریب آگئی تو ناگ نے کہا۔  
”ماریا! مجھے تمہاری خوشبو آ رہی ہے۔ تم آگئیں؟“  
حالانکہ ناگ ماریا کے دھندلے وجود کو صاف دیکھ رہا  
تھا۔ ماریا نے کہا۔

”ہاں۔ میں تمہارے قریب ہی ہوں۔ اوپر تو  
طوفان مچا ہوا ہے۔ لگتا ہے جہاز کسی نہ کسی اونچی  
لہر سے ٹکرا کر ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔ یہ سارے



ملاح سمندر میں غرق ہو جاتیں گے۔ یہ بہت بُری بات ہوگی کہ یہ بے گناہ لوگ محض ہمدی وجہ سے سمندر میں غرق ہو جائیں۔“ ناگ نے کہا۔

”تو پھر تمہارے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ یہاں سے باہر تو ہم نکل نہیں سکتے۔ اوپر بھیانک اوڈان نے جہاز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے“ ماریا بولی۔

”اگر یہاں سے کہیں کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں سے سمندر نظر آتا ہو تو تم سمندر میں اتر سکتے ہو۔ میں تو دیوار میں سے بھی گزر کر سمندر کے اندر جا سکتی ہوں“ ناگ نے کہا۔

”اس وقت ہم جہاز کے پچھلے پینڈے میں موجود ہیں۔ یہ حصہ سمندر میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہاں اگر کوئی سوداخ ہوتا تو سمندر کا پانی اندر آ جاتا“ ماریا نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

”تم اندر سے باہر کیوں آ گئے ہو؟“

ناگ نے ماریا کو بتایا کہ اندر ملاح آ گئے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھ لیا اس لیے میں یہاں آ کر چھپ گیا ہوں۔ ماریا

کہنے لگی۔  
”جب سے اوپر بادل میں بجلیاں کڑک رہی ہیں۔ اور بادل گرج رہے ہیں میرے ہاتھ میں جو بت ہے وہ اس وقت سے کانپ رہا ہے“ ناگ نے کہا۔

”یہ بھیانک اوڈان کے خوف کی وجہ سے کانپ رہا ہے ہمیں اسے بھی اس شیطانی مخلوق سے پہچانا ہے۔ تم ایسا کرو دوسری منزل میں جا کر دیکھو۔ سمندر میں داخل ہونے کی کوئی جگہ ہے کہ نہیں؟ مجھے جلدی آ کر خبر کرنا۔ میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا“

ماریا اوپر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد آئی اور بولی۔  
”جہاز کی دوسری منزل میں ایک جگہ چھوٹی ٹالی ہے۔ جہاں سے باورچی خانے کا پانی سمندر میں گرتا ہے۔ اگر اس میں خطرہ نہ ہو تو تم اس ٹالی میں سے سمندر میں چھلانگ لگا سکتے ہو“ ناگ کہنے لگا۔

”تم اس دیوار میں سے سمندر میں داخل ہو جانا میں ٹالی میں سے سمندر میں چھلانگ لگاتا ہوں اس کے



سوائے کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔

یہ کہہ کر ناگ رینگتا ہوا زینے کی چھت پر سے ہوتا دوڑا  
منزل میں آگیا۔ یہاں کچن کے ساتھ ہی دیوار میں ایک جگہ سوراخ  
تھا۔ ناگ نے اس میں سے گردن باہر نکال کر دیکھا۔ باہر سیاہ  
بادل چھائے ہوئے تھے مگر سمندر کی سطح بھی بالکل قریب تھی۔  
اور بڑی بڑی سمندری لہریں سوراخ سے ٹکرا رہی تھیں اور  
تھوڑا سا سمندری پانی بھی اندر آجاتا تھا۔

ناگ سوراخ میں گھس کر بیٹھ گیا۔ جو نہی سمندر کی ایک  
بڑی موج بلند ہو کر سوراخ سے ٹکرائی ناگ اس کے اندر پھیل  
گیا۔ لہر اسے جہاز سے دُور لے گئی۔ ناگ سمندر کے نیچے ہی  
نیچے اترتا چلا گیا۔ اب اسے بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک کی  
آوازیں بالکل سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ اس نے سمندر  
کی گہرائی میں اتر کر اوپر دیکھا۔ جہاز کا بہت بڑا پیندا سمندر  
کی لہروں پر ڈولتا آگے نکل گیا تھا۔ یقیناً جھیانک اور ڈان  
کی لہروں پر ڈولتا آگے نکل گیا ہوگا۔  
سیاہ طوفان بادل بھی اس کے ساتھ ہی آگے نکل گیا ہوگا۔  
ناگ نے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ وہ ماریا کو تلاش کر رہا تھا۔ ایک  
طرف سے اسے ماریا کا دھندلا سایہ سمندر کے پانی کے اندر  
اس کی طرف آتا نظر آیا۔ ماریا بڑے سکون سے بالکل سیدھے  
کھڑی ناگ کی طرف بڑھ رہی تھی کیونکہ وہ ناگ کو دیکھ رہی تھی۔

ناگ بھی ماریا کو اپنی طرف آتا دیکھ رہا تھا مگر اس نے یہی ظاہر  
کیا کہ وہ اسے بالکل نہیں دیکھ رہا۔  
ماریا قریب آئی تو ناگ بولا۔

”ماریا! تمہاری خوشبو آ رہی ہے۔ تم خیریت سے ہو  
ناں؟“

”ہاں ناگ! تم ٹھیک ہو کیا؟“ ماریا نے پوچھا۔  
”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ لڑکی کی مورتی تمہارے  
پاس ہی ہے؟“

”ہاں ناگ! مورتی میرے پاس ہی ہے“ ماریا نے جواب  
دیا۔

ناگ ماریا کے ہاتھ میں لڑکی کی مورتی کو دیکھ رہا تھا مگر  
وہ نہیں چاہتا تھا کہ ماریا پورا بھی اس کا یہ راز کھلے کہ وہ مت کال  
یوٹی کے سرمے کی وجہ سے اسے دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ اسی  
لئے اس نے یہ بہانہ کر کے پوچھا کہ مورتی کہاں ہے؟ ماریا  
بولی۔

”اب ہمیں سمندر کے اندر ہی اندر سفر کرنا ہوگا  
ناگ۔“

ناگ نے کہا۔

”ہم مشرق کی طرف سفر کریں گے کیونکہ لنکا کا ملک سمندر



کے مشرق کی طرف ہے۔“

اور وہ سمندر کے اندر ہی اندر مشرق کی طرف دُخ کر کے تیرنے لگے۔ سمندر کی تہ میں اوپر سے سورج کی ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ اب بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک بالکل غائب ہو چکی تھی۔ ناگ ماریا کے ساتھ ساتھ سانپ کی شکل میں تیر رہا تھا اس نے ماریا سے کہا۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں سمندر کی سطح پر نکل آنا چاہیے۔ ہم بھیانک اوڈان کے سیاہ بگولے سے کافی آگے نکل آتے ہیں۔“

ماریا نے کہا۔

”تم اسی جگہ سمندر کے نیچے ٹھہرو۔ میں اوپر جا کر دیکھتی ہوں۔“

ماریا بالکل سیدھی سمندر میں اوپر کی طرف چلی گئی۔ ماریا نے سمندر کی سطح سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ آسمان بالکل صاف تھا اور سورج مغرب کی طرف سمندر میں غروب ہو رہا تھا جس کی سُرُخ شعاعیں سارے سمندر پر پھیل رہی تھیں۔ نہ کہیں بھیانک اوڈان کا نام و نشان تھا اور نہ بادبانی جھاڑکیں دکھائی دے رہا تھا۔ ماریا اسی طرح سمندر کے نیچے اتر گئی۔ اس نے ناگ کو سب خیریت ہے کہ خبر دی اور ناگ بھی اس کے ساتھ سمندر کی سطح پر آگیا۔ سورج

کو دیکھ کر انہوں نے اپنے راستے کی سمت مقرر کی اور ماریا نے ناگ کو اٹھا لیا۔ ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی ناگ غائب ہو گیا۔ لیکن عجیب بات تھی کہ ناگ اپنے دُھندلے وجود کو بھی دیکھ رہا تھا۔ یہ اسی مت کال بوٹی کے سُرمے کا اثر تھا۔ ماریا سمندر سے نکل کر اوپر فضا میں بلند ہو گئی اور اس نے انتہائی تیز رفتاری سے مشرق کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔ اسے یقین تھا کہ سری لنکا کا جزیرہ ادھر ہی کو ہے۔ مگر یہ جزیرہ بہت دُور تھا۔ رات ہو گئی۔ سمندر پر تاریکی پھیل گئی۔ ماریا اڑتی چلی گئی۔ ناگ نے کہا۔

”ماریا! رات کے اندھیرے میں کہیں ہم راستہ نہ بھول جائیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ نیچے اگر کوئی جزیرہ دکھائی دے تو وہاں اتر چلو۔ رات وہاں بسر کر کے دن کی روشنی میں دوبارہ اپنا سفر جاری کریں گے۔“

ماریا نے کہا۔

”مجھے نیچے کوئی جزیرہ نظر نہیں آ رہا۔“

ماریا پرواز کرتی رہی۔ اس نے ستاروں کا حساب لگایا تھا۔ مشرق میں ایک بڑا ستارہ چمک رہا تھا۔ وہ اسی کی طرف جا رہی تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ مشرق کی طرف بادل نمودار ہونے لگے۔ ناگ نے کہا۔

”کہیں پھر بھیانک اوڈان تو نہیں آگیا ماریا؟ یہ بادل چلے



آ رہے ہیں۔“

ماریا نے بادلوں کو غور سے دیکھا اور بولی۔

”میرے خیال میں یہ عام بادل ہیں جو بارش برساتے ہیں۔ مگر اس سے ایک نقصان ہوا ہے کہ اب مجھے راستے کی سمت کا اندازہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ستارہ بادلوں میں گم ہو گیا ہے۔ ہمیں کسی نہ کسی ٹاپو پر اترنا ہی پڑے گا۔“

ناگ اور ماریا دونوں نیچے دیکھنے لگے کہ شاید کہیں کوئی جزیرہ دکھائی دے جائے۔ کافی دُور آگے جانے کے بعد انہیں سمندر کی سطح پر ایک سیاہ دھبہ سا دکھائی دیا۔ ناگ نے کہا۔

”یہ ضرور کوئی جزیرہ ہے ماریا۔ یہاں اتر چلتے ہیں۔“

ماریا بولی۔

”ابھی معلوم کرتی ہوں۔“

ماریا نے غوطہ لگایا۔ دھبہ بڑا ہوتا گیا۔ پھر اس کی سیاہ چٹانیں رات کے اندھیرے میں دکھائی دینے لگیں۔ ماریا نے کہا۔

”اس جزیرے پر چٹانیں ہی چٹانیں ہیں۔ کوئی درخت

نہیں ہے۔ بہر حال میں نیچے اتر رہی ہوں۔“

ماریا نیچے اتر آئی۔ چٹانوں کے درمیان زمین پر چھوٹے چھوٹے بے شمار پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے ناگ کو زمین پر رکھا

دیا۔ ناگ فوراً انسانی شکل میں آ گیا۔ اس نے چاروں طرف نگاہ ڈوڑائی بولا۔

”ماریا! یہ چھوٹا سا جزیرہ بلکہ ٹاپو غیر آباد لگتا ہے۔

یہاں کہیں سبزہ نہیں۔ کوئی درخت بھی نظر نہیں آ رہا۔“

ماریا کہنے لگی۔

”ہمیں تو صرف رات ہی گزارنی ہے۔ چلو یہاں آگے چل کر کسی چٹان کی کھود میں بیٹھ جاتے ہیں۔“

ناگ چٹانوں کے درمیان ایک طرف پھلنے لگا۔ چٹانیں ایک دوسری کے بالکل ساتھ ساتھ کھڑی تھیں اور ان کے درمیان تنگ راستہ تھا۔ چاروں طرف سے سمندر کی لہریں آ کر کنارے کی چٹانوں سے ٹکرا کر شور مچا رہی تھیں۔ ماریا بھی ناگ کے ساتھ ساتھ فضا میں تیر رہی تھی۔ لڑکی کی موہنی اس کے ساتھ ہی تھی۔ پھلتے پھلتے وہ چٹانوں کے بیچ میں ایک ایسی جگہ آگئے جہاں اندھیرے میں انہیں ایک کھلی جگہ دکھائی دی۔ ماریا نے کہا۔

”یہاں پتھروں کے درمیان بیٹھ کر ہم آسانی سے رات بسر کر سکتے ہیں۔“

ناگ وہیں بیٹھ گیا۔ ماریا اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھا گئے تھے۔ مگر بارش نہیں ہو رہی تھی۔



ماریا نے کہا۔

”اگر بارش ہوئی تو ہم وہ سامنے والی چٹان کے سائے

میں چلے جائیں گے۔“

ناگ بولا۔

”یہاں کھلی جگہ پر ٹھنڈی ہوا اچھی لگتی ہے۔“

اندھیرا بہت تھا مگر ناگ اور ماریا اندھیرے میں آسانی سے دیکھ سکتے تھے اس لیے انہیں اندھیرے سے کوئی وقت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ عنبر کیٹی اور تھیو سا ناگ کے بارے میں باتیں کرنے لگے کہ ان سے لنکا میں ضرور ملاقات ہو جائے گی ناگ نے کہا۔

”کیٹی اور تھیو سا ناگ تو تمہارے کہنے کے مطابق چونکہ

میری تلاش میں سری لنکا کے ملک کی طرف گئے تھے اس لیے ان سے ملاقات ہو جانے امکان ہے مگر عنبر کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکا۔“

ماریا بولی۔

”عنبر میرے ساتھ تمہاری تلاش میں شمال کے ملک

توران کی طرف گیا تھا۔ وہاں سے ہمارا ہندوستان

کی طرف نکل جانے کا پروگرام تھا۔ اس لیے پورا یقین ہے کہ عنبر بھی اس علاقے میں کہیں نہ کہیں ہماری تلاش

میں گھوم رہا ہو گا۔“

وہ باتیں کر رہے تھے کہ انہیں پتھروں کے ٹکڑے کی آواز سنائی دی۔ ناگ چوکنٹا ہو گیا۔

اس نے ماریا سے کہا۔

”تم نے یہ آواز سنی؟“

ماریا بولی۔

”ہاں۔ ایسا لگتا ہے کوئی زمین کے پتھروں پر چل رہا ہے۔“

ناگ نے اسی وقت سانپ کی شکل اختیار کر لی۔ ماریا نے کہا۔ میں جا کر دیکھتی ہوں۔ ماریا فضا میں بند ہوئی اور اس طرف چلی گئی جس طرف سے انہیں پتھروں پر انسانی پاؤں کے چلنے کی آواز سنائی دی تھی۔ ماریا سامنے والی چٹانوں کی طرف آئی تو اسے

روشنی نظر آئی۔ یہ روشنی آگے بڑھ رہی تھی۔ ماریا ذرا آگے گئی تو دیکھا کہ دو آدمی سروں پر ایک بھاری صندوق اٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے دو بے ترنگے آدمی کر کے ساتھ تلواریں لٹکائے چلے آ رہے تھے۔ ماریا فوراً سمجھ گئی کہ یہ بحری ڈاکو ہیں۔ جہاز کا ڈاکو کیتان پرانی رسم کے مطابق اپنا خزانہ اس خفیہ جزیرے پر دفن کرنے آیا ہے اور جب یہ دو آدمی خزانے کو زمین میں مبادیں گے تو یہ ڈاکو



کپتان ان دونوں کی گردنیں اڑا دے گا تاکہ خزانے کا کوئی گواہ موجود نہ رہے۔ ماریا نے فوراً ناگ کو جا کر خبر کر دی اور کہا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا ہمیں ان دو آدمیوں کو جو خزانہ اٹھاتے چلے آ رہے ہیں پہچانا چاہیئے؟“ ناگ بولا۔

”اب جبکہ ہم نے انہیں دیکھ لیا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ان دونوں کی جانیں بچائیں۔“ ماریا نے کہا۔

”تو پھر میرے ساتھ چلو۔ حملہ میں کہہ دوں گی۔ بچاؤ گے تم۔“

ناگ نے سانپ کی شکل بدلی اور ماریا کے ساتھ ان چٹانوں کے پیچھے آگیا جہاں ایک طرف صندوق رکھا تھا۔ دو آدمی کدالوں سے زمین کھود رہے تھے۔ باقی دو پیچھے کھڑے تھے جب گڑھا کھد گیا تو بحری ڈاکوؤں کے کپتان نے حکم دیا کہ صندوق اس میں دفن کر دیا جائے۔ دونوں آدمی گڑھے میں صندوق لے کر اتر گئے۔ پھر انہوں نے اس پر مٹی اور پتھر ڈالنے شروع کر دیئے۔ ماریا نے کہا۔

”کپتان اب ان پر حملہ کرے گا۔ تم پیچھے سے چلو۔“

میں تمہارے ساتھ ہوں ناگ۔“ ڈاکو کپتان اور اس کے ساتھی نے خاموشی سے ملوادیں نیام سے نکالیں۔ دونوں مزدوروں کی پیٹھ ان کی طرف تھی۔ ڈاکو کپتان نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا کہ حملہ کر کے دونوں مزدوروں کی گردنیں اڑا دو۔ جرنی انہوں نے ملوادیں بلند کیں۔ ماریا نے ان کو پیچھے سے کھینچ لیا۔ دونوں ہکا بکا ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ماریا نے ان کی گردنوں پر اتنی زور سے پاؤں مارا کہ ان کی گردنوں کی ہڈیاں ٹوٹ کر آدھی زمین میں دب گئیں۔

دونوں مزدور حیران پریشان ہو کر ڈاکو کپتان اور اس کے ساتھی کی لاشوں کو دیکھ رہے تھے ماریا نے ناگ کے کان میں کہا۔

”اب تم سامنے آ جاؤ۔“

ناگ فوراً انسان کی شکل میں سامنے آگیا اور اس نے دونوں آدمیوں کو بتایا کہ تمہارا ڈاکو کپتان تمہیں ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ دونوں مزدور ناگ کے قدموں میں گر پڑے۔ اور اس کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ ناگ نے پوچھا۔

”تم لوگ کون ہو اور یہاں کیسے آ گئے؟“

دونوں مزدور اصل میں بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر فرش وغیرہ دھونے کا کام کرتے تھے ان میں سے ایک کا نام گارشن تھا۔ اس نے ناگ کو بتایا۔



”بھائی تم نے ہمارے جان بچائی ہے۔ مگر ساتھ ہی تم نے ہمارے سردار اور اس کے ساتھی کو ہلاک بھی کر دیا ہے۔ اب ہم واپس اپنے جہاز پر گئے۔ تو اس کپتان کے ساتھی ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم دونوں بھائی ہیں اور بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔ ہم جہاز کا فرش دھوتے تھے اور چھوٹے موٹے کام کرتے تھے۔ ہم نے کبھی لوٹ مار میں حصہ نہیں لیا اور کبھی کسی کی جان بھی نہیں لی۔ مگر اب ہم جہاز پر واپس نہیں جا سکتے۔“

ناگ کو انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کا بحری جہاز جنوب کی جانب چٹانوں کے درمیان پیچھے سمندر میں کچھ فاصلے پر گہرے پانی میں نگر انداز ہے۔ ناگ نے پوچھا۔

”تم کیا چاہتے ہو؟“

گارشن کا دوسرا بھائی کہنے لگا۔

”ہمارے محسن! ہم واپس اپنے ملک جانا چاہتے ہیں۔

یہاں اس بے آباد جزیرے پر زندہ نہیں رہ سکتے۔

جہاز پر گئے تو کپتان کے ساتھی ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں

گئے۔ کیونکہ انہیں بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ کپتان اور

اس کے ساتھی کی لاشیں یہاں پڑی ہیں۔“

ناگ بولا۔

”تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں تمہارے ملک میں پہنچا دوں

گا۔ تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں تمہارے جہاز پر چلتا ہوں

اور دیکھتا ہوں کہ وہاں کے حالات کیا ہیں۔ تم یہاں سے

کہیں مت جانا۔“

یہ کہہ کر ناگ جنوبی چٹانوں کی طرف چل پڑا۔ ماریا نے سب

کچھ سن لیا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ ذرا آگے

جا کر اس نے ناگ سے کہا۔

”یہ تو ہم نے خوا مخواہ کی مصیبت مول لے لی۔ اب ان

دونوں بھائیوں کو ان کے ملک کیسے پہنچائیں گے؟“

ناگ نے کہا۔

”جہاز بحری ڈاکوؤں کے قبضے میں ہے جو لوگوں کے

دشمن ہیں اور بے قصور لوگوں کا مال لوٹتے اور انہیں

ہلاک کرتے پھرتے ہیں۔ ہمیں ان انسان دشمن درندوں

سے انسانوں کو بچانا ہو گا۔ ہم جہاز ان دو بھائیوں

کے قبضے میں کر دیں گے۔“

ماریا بولی۔

”چلو۔ چل کر دیکھتے ہیں کہ ہم ان دونوں کے لیے

کیا کر سکتے ہیں۔“



جزیرے کے جنوبی کنارے پر آکر انہوں نے دیکھا کہ دُور سمندر میں ایک چھوٹا بادبانی جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا اس میں کہیں کہیں لیمپ روشن تھے۔ کنارے پر ایک کشتی بھی کھڑی تھی۔ اسی کشتی پر ڈاکو کپتان اپنا خزانہ لاد کر لایا تھا۔  
 ماریا بولی۔

”چلو جہاز پر چلتے ہیں“

ناگ نے عقاب کی شکل بدلی اور وہ دونوں فضا میں اُڑنے ہوئے جہاز کے عرشے پر پہنچ گئے۔ ماریا تو سوائے ناگ کے کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ ناگ عقاب کی شکل میں جہاز کے پچھلے حصے میں آکر لکڑی کے ایک بڑے صندوق پر بیٹھ گیا۔ جہاز کے فرش پر کچھ بھری ڈاکو بیٹھے اونچی آواز میں ایک دوسرے سے مذاق کر رہے تھے۔ ایک نے جزیرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کپتان ابھی تک نہیں آیا“

دوسرے ڈاکو نے کہا۔

”چل کر پتہ کرنا چاہیے۔ اس نے پہلے کبھی اتنی دیر

نہیں لگائی“

فوراً چار ڈاکوؤں نے ایک دوسری کشتی سمندر میں اتاری اور اس میں بیٹھ کر چپو چلائے خاموش اندھیری رات میں جزیرے

کی طرف روانہ ہو گئے۔ ماریا نے ناگ سے کہا

”تم اسی جگہ بیٹھے رہو ناگ! میں جزیرے میں جا کر

دونوں مزدور بھائیوں کی حفاظت کرتی ہوں۔ کیونکہ ان

لوگوں نے وہاں کپتان اور اس کے ساتھی کی لاشیں

دیکھیں تو مزدور بھائیوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے“

ناگ وہیں صندوق پر بیٹھا رہا اور ماریا جزیرے کی طرف

پرواز کر گئی۔ اندھیری رات میں چاروں ڈاکو کشتی چلاتے کنارے پر

آکر اتر گئے۔ انہوں نے اپنی کشتی بھی کپتان کی کشتی کے ساتھ کھڑی کی اور

جزیرے کی چٹانوں کی طرف چلنے لگے۔ ان میں سے ایک نے ہاتھ

میں مشعل تھام رکھی تھی۔ اس کی روشنی میں وہ آگے بڑھ رہے

تھے۔





## آتش سانپ کا زہر

جزیرے میں پہنچ کر انہوں نے اپنے سردار کو آوازیں دیں۔  
دونوں بھائیوں نے اپنے ساتھیوں کی آوازیں سنیں تو ڈر کر  
ایک چٹان کے کھوہ میں چھپ گئے۔ چاروں ڈاکو مشعل کی روشنی  
میں اس جگہ پہنچ گئے جہاں خزانے کا صندوق ایک گڑھے میں پڑا  
تھا اور پاس ہی ان کے کپتان اور اس کے ساتھی کی لاشیں پڑی  
تھیں۔ ان کی تو آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ انہیں یقین ہو گیا کہ جو دو  
مزدور بھائی خزانے کا صندوق اٹھا کر یہاں آئے تھے انہوں  
نے ہی کپتان اور اس کے ساتھی کو مار دیا ہے۔ وہ تلواریں کھینچ  
کر ان کو تلاش کرنے لگے۔ ماریا ان کے سروں کے اوپر ان کے  
ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

یہ چاروں خوفی ڈاکو اس چٹان کے قریب سے گزرے جس  
کی کھوہ میں دونوں بھائی ڈر کے مارے چھپے ہوئے تھے مشعل  
کی روشنی میں ڈاکوؤں نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ فوراً تلواریں لہراتے  
ان کی طرف بڑھے مگر انہیں خبر نہیں تھی کہ کھوہ کے باہر ماریا کھڑی

تھی۔ دونوں بھائیوں نے ڈاکوؤں کو آتے دیکھا تو پہنچ مار کر بولے  
”ہم نے کپتان کو نہیں مارا۔ ہمیں نہ مارو۔“

مگر ڈاکو بھلا کب سنتے تھے۔ وہ تلواریں لہراتے کھوہ میں  
داخل ہوئے ہی تھے کہ جو سب سے آگے تھا وہ منہ کے بل آگے  
کو گرا۔ ماریا نے اس کی گردن پر زور سے ہاتھ مار دیا تھا۔ وہ  
ابھی اٹھ ہی رہا تھا کہ ماریا نے دوسرے کو بھی گرا دیا۔ پھر تیسرے  
اور چوتھے کو بھی ایسی ضرب لگائی کہ چاروں کے چاروں زمین پر  
شدید زخمی حالت میں بے ہوش پڑے تھے۔ دونوں بھائیوں  
کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون سی طاقت ہے کہ جو ان کی  
مدد کر رہی ہے۔ وہ کھوہ میں سہمے ہوئے بیٹھے تھے کہ ماریا نے کہا۔  
”میں سمندروں کی دیوی ہوں۔ میں تمہاری مدد کو آئی  
ہوں۔ تم یہاں سے نکل کر کشتی میں بیٹھ کر اپنے جہاز کی

طرف چلو۔“  
دونوں بھائی ڈر رہے تھے۔ مگر ماریا نے کہا:  
”جو میں کہتی ہوں وہ کرو۔ خوف نہ کھاؤ۔ تمہیں کوئی  
کچھ نہیں کہے گا۔ خزانہ بھی اپنے ساتھ کشتی میں رکھ

لو۔“  
دونوں بھائی ڈرتے ڈرتے کھوہ میں سے نکلے اور خزانے  
والا صندوق سروں پر اٹھائے سمندر کے کنارے آگئے صندوق



کشتی میں رکھا اور جہاز کی طرف چل پڑے۔ ماریا نے کہا۔

”میں جہاز پر جا رہی ہوں۔ تم بلا دھڑک چلے آؤ خبردار  
ڈرنا بالکل نہیں۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔“

دو دن بھائی سے ہوتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ سمندر کی دیوی  
مصیبت زدوں کی مدد کے لیے کبھی کبھی سمندر سے نکل آیا  
کرتی ہے۔ وہ خاموشی سے کشتی جہاز کی طرف لیے جا رہے تھے۔  
ماریا تیزی سے جہاز پر جا پہنچی۔ ناگ کو سارے حالات بیان  
کیتے اور کہا۔

”جہاز پر جتنے ڈاکو ہیں۔ ان سب کو سمندر میں پھینک

رہی ہوں۔“

ناگ نے کہا۔

”یہ تم کس طرح کرو گی؟“

ماریا بولی۔

”تم دیکھتے رہو۔“

ماریا نے ایک جگہ سے مشعل اٹھائی اور جہاز کے کونے پر

ہوا میں لہرا کر بولی۔

”سب یہاں آ جاؤ۔“

اس نے اپنی آواز میں دبدبہ اور رعب پیدا کر لیا تھا۔

ماریا نے بلند آواز میں کہا۔

”یہاں آ جاؤ۔ میں سمندر کی دیوی ہوں۔ میں تمہیں حکم

دیتی ہوں کہ جہاز کے عرشے پر جمع ہو جاؤ۔ تھو یہاں

نہیں آئے گا وہ جہاں ہو گا موت کی نیند سو جائے

گا۔“

ڈاکو اگرچہ بڑے سنگ دل اور وحشی تھے مگر جاہل اور

توہم پرست تھے۔ دیوی دیوتاؤں پر بے حد اعتقاد رکھتے تھے۔

فوراً سارے کے سارے ڈاکو جہاز کے عرشے پر آ کر جمع ہو گئے

انہوں نے دیکھا کہ جہاز کے کونے پر ایک روشن مشعل ہوا

میں اپنے آپ لہرا رہی ہے تو ان پر خوف طاری ہو گیا۔ انہیں یقین

ہو گیا کہ سمندری دیوی ان کے پاس خود آئی ہے۔ ماریا نے بلند

آواز میں کہا۔

”میں پانچ تک گنتی گنوں گی۔ اس گنتی کے پورے ہونے

تک جس نے سمندر میں پھلانگ نہ لگائی میں کھڑے

کھڑے اس کی جان قبض کر لوں گی۔“

ماریا نے گنتی کرنی شروع کر دی۔ ڈاکوؤں میں ہڑلونگ

پہنچ گئی۔ ان میں سے ہر ایک کو یقین تھا کہ اگر وہ گنتی پوری

ہونے تک جہاز کے عرشے پر کھڑا نہ تو اس کی جان قبض کر

لی جائے گی۔ ماریا کی گنتی ابھی چار تک پہنچی تھی کہ سارے ڈاکو

سمندر میں پھلانگیں لگا چکے تھے۔ ماریا نے چلا کر کہا۔



”جزیرے کی طرف چلے جاؤ۔ خبردار جس نے اس جہاز کا رخ کیا وہیں اس کی جان نکل جائے گی“

ناگ نے دیکھا کہ سارے ڈاکو دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مارتے جزیرے کی طرف تیرنے چلے جا رہے تھے۔ اس اثنا میں دوسری طرف سے دونوں بھائی بھی کشتی لے کر جہاز کے ساتھ آن لگے۔ ماریا نے اوپر سے آواز دی۔

”خزانے کو اوپر لے کر خود بھی آ جاؤ“

اوپر ناگ کو انسانی شکل میں دیکھ کر دونوں بھائی اس کے قدموں میں گر پڑے۔ اب وہ اسے دیتا سمجھ رہے تھے۔ ماریا نے کہا۔

”یہ دیتا ہے اور میں تمہاری سمندری دیوی ہوں“

دونوں بھائی چونک کر بعد صبر سے آواز آئی تھی ادھر دیکھنے لگے۔ گارشن بولا۔

”دیوی جی! تم نے اور دیتا نے ہماری جان بچائی“

ہم ساری زندگی تمہارا احسان یاد رکھیں گے۔

مگر جہاز کے سارے ڈاکو جزیرے کی طرف کیوں چلے گئے ہیں“

ماریا نے کہا۔

”وہ اب ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ اس جہاز کے

مالک اب تم دونوں بھائی ہو۔ چونکہ تم نے کبھی کسی انسان کو نہیں مارا۔ کبھی لوٹ مار میں حصہ نہیں لیا بلکہ جہاز میں محنت مزدوری ہی کی ہے اس لیے تمہیں یہ انعام دیا جاتا ہے کہ جہاز کے ساتھ ساتھ اس خزانے کے بھی اب تم ہی مالک ہو“

دونوں بھائی تو حیران رہ گئے۔ ناگ نے کہا۔

”کیا تم دونوں اس جہاز کے ذریعے اپنے وطن پہنچ سکو گے؟“

گارشن نے کہا۔

”ہاں میرے دیتا! ہمارا وطن یہاں سے شمال مغرب کی طرف چار دن اور تین راتوں کے سمندری سفر کے فاصلے پر ہے۔ ہم جہاز کو چلا سکتے ہیں“

ماریا نے کہا۔

”ٹھیک ہے تم اس جہاز کا نگر اٹھاؤ اور اپنے وطن کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ لیکن میری ایک شرط ضرور پوری کرنا“

”وہ کیا دیوی جی! آپ حکم کریں۔ ہم اسے ہر حالت میں پورا کریں گے“

ماریا نے کہا۔



”جو خزانہ تم اپنے ساتھ لیے جا رہے ہو اس میں سے  
آدھا خزانہ غریبوں، محتاجوں اور بیواؤں میں خیرات  
کر دینا۔ اگر تم نے یہ شرط پوری نہ کی تو میں تمہارے  
پاس پہنچ کر تمہیں بھی موت کی نیند سلا دوں گی۔“  
دونوں بھائی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور بولے۔  
”دیوی ماتا! ہم اپنے ملک جاتے ہی سب سے  
پہلا کام یہی کریں گے کہ آدھا خزانہ غریبوں محتاجوں  
اور بیواؤں میں خیرات کر دیں گے۔ آپ بے شک  
وہاں پہنچ کر دیکھ لیں۔“

ماریا نے کہا۔

”مجھے تم پر یقین ہے لیکن میں اس وقت وہاں  
موجود ہوں گی۔ جب تم غریبوں میں آدھ خزانہ  
خیرات کر رہے ہو گے۔ اب لنگر اٹھا کر بادبان  
کھولا اور اپنے ملک کی طرف روانہ ہو جاؤ۔“  
ناگ نے پوچھا۔

”وہ لنگا کا ساحل یہاں سے۔“

ماریا نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ

سے کہا۔  
”یہ لوگ ہمیں دیوتا سمجھ رہے ہیں۔ اگر ہم ان

سے لنگا کا ساحل دریافت کریں گے تو یہ بھی سمجھیں گے  
کہ ہم دیوی دیوتا نہیں ہیں بلکہ کوئی جادوگر ہیں۔“  
ماریا نے ایک بار پھر دونوں بھائیوں کو تاکید کی کہ جاتے ہی  
آدھا خزانہ بانٹ دیں اور ناگ سے کہا۔  
”ناگ دیوتا! چلو ہم بھی اپنے ملک کی طرف روانہ ہو  
جاتیں۔“

ناگ نے سانپ کی شکل بدلی تو دونوں بھائی اور بکر ایک  
طرف بھاگ گئے۔ ماریا نے ناگ کو اپنی کلائی کے گرد لپیٹ لیا۔  
وہ غائب ہو گیا۔ ماریا جاتے جاتے بولی۔

”خبردار! امانت میں خیانت نہ کرنا۔ میں تمہارے پاس  
اس وقت موجود ہوں گی۔ اگر تم نے ذرا بھی بددیانتی کی تو  
میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“

دونوں بھائیوں نے سر جھکا دیئے اور ایک زبان ہو کر کہا۔  
”دیوی کی شرط ضرور پوری ہوگی۔ آدھا خزانہ غریبوں  
بیواؤں اور محتاجوں میں ہر حالت میں تقسیم ہوگا۔“  
ماریا نے کہا۔

”میں دیکھ لوں گی۔“

اور ناگ کو لے کر جہاز سے اوپر اُٹھ گئی اور جزیرے پر آگئی۔  
”جہاز کا لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیئے گئے۔ جہاز نے کھلے



سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ناگ نے کہا۔

”ہم رات بسر کرنے کے لیے اس جزیرے پر اترے  
تھے اور یہ ہم کس مصیبت میں پڑ گئے۔ کیا خیال ہے رات  
تھوڑی باقی رہ گئی ہے۔“  
ماریا نے کہا۔

”میری دلالت یہ ہے کہ ہمیں اپنے سفر پر روانہ ہو  
جانا چاہیے۔“

ناگ نے ماریا کی اس رائے کو پسند کیا اور آسمان کی طرف  
دیکھا۔ یادوں کے بیچ میں سے مشرق کی سمت ستارہ چمک رہا  
تھا۔ یہی ان کا راہ نما ستارہ تھا۔ چنانچہ ناگ نے سانپ کی شکل بدل  
ماریا نے اُسے اٹھا کر اپنی کلائی کے گرد پیٹ لیا اور اسے لے کر قفا  
میں پرواز کر گئی۔

اب ہم تھوڑی دیر کے لیے جزیر کی طرف چلتے ہیں  
ماریا جب اس سے جدا ہو گئی بلکہ اس کے ہاتھ سے نکل کر  
غائب ہو گئی تو وہ ملک بنگال سے نکل کر جنوبی ہندوستان کی طرف  
روانہ ہو گیا۔ اسے یہ معلوم تھا تھیوساگ اور کیٹی ملک لکا کی طرف  
گئے ہیں تاکہ ناگ کو وہاں تلاش کرنے کی کوشش کی جاتے۔ اسی  
لے جزیر بھی جنوبی ملک لکا کی طرف چل پڑا کہ کیٹی اور تھیوساگ

سے ہی جا کر ملاقات کرے اور اسے ماریا کے بارے میں بتائے  
اور ناگ کے بارے میں پوچھے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں ناک مل گیا ہو۔  
عبر گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ گھوڑے کو قدم قدم چلاتا جنگلوں،  
دریاؤں، پہاڑیوں میں سے گزرتا ایک دریا کے کنارے پہنچ کر رک  
گیا۔ دریا کا پانی بے حد تیزی سے آگے بہہ رہا تھا۔ عبر اگر گھوڑے  
کو لے کر دریا میں اترتا ہے تو خطرہ تھا کہ دریا کی تیز لہریں عبر کا تو  
کچھ نہ بگاڑ سکیں گی مگر گھوڑے کو ضرور بہا کر لے جائیں گی۔ چنانچہ  
وہ دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ گھوڑے کو چلانے لگا۔ اس  
کا خیال تھا کہ شاید آگے جا کر کہیں کوئی پل آجائے۔ مگر اس زمانے  
میں دریاؤں پر بہت ہی کم پل ہوا کرتے تھے اور یہ پل بھی کشتیوں  
کو جوڑ کر اور رستوں سے باندھ کر بنائے جاتے تھے۔ عبر کو کوئی ایسا  
پل بھی نہ ملا۔ پھر بھی وہ چلتا چلا گیا۔ کیونکہ وہ اپنے گھوڑے کو تیز  
رفتار دریا کی طوفانی لہروں کے سپرد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جس راستے  
پر عبر گھوڑے پر سوار چلا جا رہا تھا وہ آگے جا کر ایک پہاڑی  
کے پیچھے سے گھوم کر آگے جا رہا تھا۔ پہاڑی کے پیچھے ایک چھوٹا  
ساجھل تھا جہاں بے شمار درخت تھے۔ ان درختوں میں عبر کو  
ایک جگہ سے بھاپ کے بادل اٹھتے دکھائی دینے لگے۔ عبر حیران  
ہوا کہ یہ بھاپ کے بادل یہاں کہاں سے اٹھ رہے ہیں؟ کیا یہاں  
کوئی گرم پانی کا چشمہ؟



اس نے گھوڑا اس طرف بڑھایا۔ اس نے درختوں کے قریب جا کر جو منظر دیکھا وہ اتنا حیران کر دینے والا تھا کہ عنبر کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے دیکھا کہ درختوں کے درمیان پتھروں کے بیچ میں ایک چھوٹا سا تالاب بنا ہوا ہے۔ اس تالاب کے کنارے ایک آدمی بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بالٹی ہے۔ وہ تالاب میں سے بالٹی پانی کی بھرتا ہے اور اسے منہ لگا کر پینا شروع کر دیتا ہے۔ بالٹی کا پانی ختم ہوتا ہے تو پھر بالٹی تالاب میں ڈال کر پانی بھرتا ہے اور منہ سے لگا کر غٹا غٹ پی جاتا ہے۔ اس کے جسم سے بھاپ لہروں کی شکل میں نکل نکل کر درختوں میں بادلوں کی طرح بلند ہو رہی ہے۔ عنبر ایسا منظر زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔

اس کے دیکھتے دیکھتے تالاب کے کنارے والا آدمی چھ سات پانی کی بھری ہوئی بالٹیاں پی گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ جو پانی پیتا ہے وہ اس کے جسم میں جا کر بھاپ بن کر اس کے جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔ عنبر گھوڑے سے اتر کر اس آدمی کے پاس گیا۔ اس آدمی نے عنبر کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور اپنے کام میں لگا رہا اور تالاب میں پانی کی بالٹیاں نکال نکال کر پیتا رہا۔ تقوڑی ہی دیر میں تالاب کا سارا پانی ختم ہو گیا۔ خدا جانے اس آدمی کو کیسے پیاس لگتی تھی کہ جو بجھنے کا نام

ہی نہیں لیتی تھی۔ جب وہ تالاب کا سارا پانی پی چکا تو اس کے جسم سے بھاپ نکلنا بھی بند ہو گئی۔ پھر وہ گھاس پر بیٹھ گیا۔ دونوں ہتھلیاں زمین پر ٹکا دیں اور آہستہ آہستہ اپنے سر کو اوپر نیچے کرنے لگا۔ عنبر اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور بولا۔

”میرے بھائی! تم کون ہو اور یہ تم پر کیسی آفت آن پڑی ہے کہ پورے تالاب کا پانی پی گئے؟“

اس آدمی نے حسرت بھری نظروں کے عنبر کی طرف دیکھا اور کہا۔

”میرا نام بھاسکر ہے۔ یہ مجھے میرے بڑے عملوں کی سزا ملی ہے۔“

عنبر نے پوچھا۔

”تم نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے بھائی کہ تجھے یہ سزا ملی ہے؟“

بھاسکر بولا۔

”میرے کھیتوں میں ایک کنواں تھا جس کا پانی میں اپنی فصلوں کو دیا کرتا تھا۔ ایک بار ایک فقیر وہاں آیا اس نے مجھ سے پانی مانگا۔ اس وقت میں کھیتوں میں کنوئیں کا پانی لگا رہا تھا۔ میں نے اسے جھڑک دیا کہ دیکھتے نہیں میں اپنی فصل کو پانی دے رہا ہوں۔ دریا



پر جا کر پانی پی لو۔ چلو۔ میں نے واقعی اسے بُری طرح سے بھڑک دیا۔ فقیر نے جاتے جاتے کہا اچھا بابا۔ بھگو ان کمرے کہ تجھے بھی میری طرح پیاس لگے اور تمہاری پیاس کبھی نہ بجھے۔ یہ کہہ کر فقیر چلا گیا۔ میں نے کوئی خیال نہ کیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ کھیت میں سے ایک سانپ نکل آیا اور اس نے میری ٹانگ پر ڈس دیا۔ اس کے ڈستے ہی جیسے میرے اندر آگ لگ گئی۔ میں نے کنوئیں کا پانی پینا شروع کر دیا۔ جوں جوں پانی پیتا گیا میری پیاس بڑھتی گئی اور پانی میرے جسم کے اندر جا کر بھاپ بن کر ————— خارج ہونے لگا۔ میں نے سارے کنوئیں کا پانی ختم کر دیا۔ مگر پیاس اب بھی ختم نہ ہوئی۔ گاؤں کے دوسرے کنوئیں کی طرف بھاگا اور اُسے بھی ختم کر دیا۔ یوں میں نے دو دلوں میں گاؤں کے تینوں کنوئیں پانی سے خالی کر دیئے۔ میرے گھر والے مجھ سے تنگ آ گئے۔ کیونکہ میں ان کے لیے گھر میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ گاؤں والوں نے جب دیکھا کہ میں نے کنوئیں کو خالی کرنا شروع کر دیا ہے تو انہوں نے مجھے گاؤں سے نکال دیا۔

میں نے دریا کا رخ کیا مگر دریا کا پانی ریتلا تھا اس کی وجہ سے میرے پیٹ میں شدید درد شروع ہو گیا۔ میں نے ایک تالاب کو تلاش کر لیا اور اسے بھی خالی کر دیا۔ وہ تالاب ایک باغ کے مالک کا تھا۔ اس نے جو دیکھا کہ اس کے تالاب کا پانی میں نے ختم کر دیا ہے تو اس نے اپنے ملازموں سے میری خوب پٹائی کروائی اور پھر مجھے دریا کے کنارے اس جنگل میں لا کر پھینک دیا۔ اس بات کو چھ مہینے ہو گئے ہیں۔ تب سے میں اس تالاب کے کنارے بیٹھا ہوں۔ خوش قسمتی سے یہاں مجھے ایک قدرتی تالاب بھی مل گیا۔ جب مجھے صبح کے وقت پیاس لگتی ہے تو میں اس قدرتی تالاب پر بالٹی لے کر جاتا ہوں اور بالٹیاں بھر کر تالاب کا پانی پینا شروع کر دیتا ہوں۔ جتنا پانی پیتا ہوں وہ سارے کا سارا میرے جسم میں موجود سانپ کے زہر کی گرمی سے بھاپ بن کر اُڑ جاتا ہے۔ تالاب کا پانی ختم ہو جاتا ہے تو میں کچھ دیر کے لیے بیٹھ جاتا ہوں تالاب میں سے نیچے سے پانی دوبارہ آنے لگتا ہے اور جب وہ چند گھنٹوں کے بعد بھر جاتا ہے تو میں بالٹی لے کر دوبارہ پانی پینا شروع کر دیتا ہوں۔



یہ کام میں کئی مہینوں سے کر رہا ہوں۔ میں یہ تالاب چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ شہر میں لوگ مجھے بھوت سمجھ کر ڈرنے لگے ہیں۔ کوئی مجھے اپنے قریب نہیں آنے دیتا۔ بس یہ میری دکھ بھری داستان ہے۔ کاش! میں اس فقیر کے ساتھ بددعا ہی نہ کرتا۔ اور اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتا۔

عین نے بد قسمت بھاسکر کی ساری کہانی سُن کر کہا۔ ”میرے بھائی تمہاری دکھ بھری کہانی نے میرا دل ہلا دیا ہے کیونکہ تم جس مشکل میں گرفتار ہو اس میں سے تو میں تمہیں نہیں نکال سکتا لیکن میری ایک تجویز ہے اگر تم چاہو تو اس پر عمل کر کے اس قیامت کی پیاس سے تھوڑی دیر کے لیے نجات حاصل کر سکتے ہو۔“

بے چارے بھاسکر نے تالاب میں جمع ہوتے پانی کی طرف تڑپ کر نظروں سے دیکھتے ہوئے بے تابی سے کہا۔

”میرے بھائی تمہارے پاس میرے مرض کا علاج نہیں ہو سکتا۔ میرا مرض لا علاج ہے۔ کیونکہ یہ مرض ہی نہیں خدا کی طرف سے دی گئی سزا بھی ہے۔“

عین نے کہا۔

”اللہ میاں انسان کو معاف بھی کر دیا کرتا ہے میں تمہیں

اس جنگل ہی سے لے کر ایک ایسی جنگلی بوٹی کھلاؤں گا کہ جس کے کھانے سے تمہیں جو پیس گھنٹے تک پیاس نہیں لگے گی۔ اس کے بعد تمہیں پھر پانی پینا ہوگا۔ اس کے بعد تم پھر جو پیس گھنٹے کے لیے جنگلی بوٹی کھا کر اس اندھی پیاس سے خلاصی حاصل کر سکو گے۔“

بھاسکر نے اس نظروں سے عین کی طرف دیکھا اور کہا۔

”لیکن بھائی مجھے اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ جب جو پیس گھنٹوں کے بعد بھی یہ پیاس لگتی ہے تو پھر بوٹی کھانے سے کیا فائدہ؟“

عین بولا۔

”میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میرا ایک بھائی ہے۔ میں اسی کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ وہ تمہیں صحت کا علاج ہے۔ وہ تمہیں صحت سے ہمیشہ کے

بھاسکر  
”کیا تم  
کے پاس میر  
عین بولا۔“



”میرے دوست! ہمیں خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا بھائی تمہیں ٹھیک کر دے گا اور تم پھر پہلے کی طرح ایک عام انسان کی طرح زندگی بسر کرنے لگو گے۔“

”تو پھر میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا۔ مجھے تم جنگلی بوٹی کھلا دو۔ کم از کم چوبیس گھنٹوں کے لیے تو اس بھیانگ پیاس سے نجات ملے گی۔“

عینر نے کہا۔

”تم اسی جگہ بیٹھو۔ میں جنگل میں بوٹی تلاش کر کے لاتا ہوں۔“

عینر گھوڑا وہیں چھوڑ کر جنگل میں نکل گیا۔ وہ جڑی بوٹیوں کا ماہر تھا۔ بہت جلد اس نے وہ خاص بوٹی ڈھونڈ لی اور واپس تالاب کی طرف چلا۔ تالاب پر آ کر دیکھا کہ بے چارہ بھاسکر پھر تالاب میں سے پانی کی بالٹیاں نکال نکال کر پی رہا تھا اور اس کے جسم سے پانی بھاپ بن کر خارج ہو رہا تھا۔ اتنی دیر میں تالاب پانی سے بھر چکا تھا۔ عینر اس سے ذرا پیسے ہٹ کر بیٹھ گیا۔

بھاسکر پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر پی رہا تھا۔ جب تالاب کا پانی ایک بار پھر ختم ہو گیا تو وہ گھاس پر ہتھیلیاں رکھ کر بیٹھ گیا اور ہانپنے لگا۔

اس کے جسم سے بھاپ خارج ہونا بند ہو گئی تھی۔

ہو جاؤ گے۔ چلو۔“

بھاسکر نے پوچھا کہ ہم کدھر جائیں گے؟ عینر نے کہا۔

”میں جنوب کے ملک لنکا میں جانا چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں

اس ملک کا راستہ معلوم ہے؟“

بھاسکر کہنے لگا۔

”کیوں نہیں۔ میں لنکا کئی بار گیا ہوں۔ وہاں میرا ایک

رشتے دار رہتا ہے۔ وہ شیلام مندر کا بیکاری ہے۔

تمہارے بھائی کا اس سے بہتہ مل جائے گا۔ میرے رشتے دار

بیکاری لنکا ملک میں کئی سالوں سے رہ رہا ہے۔“

عینر بڑا خوش ہوا کہ اسے ایک اچھا گائیڈ مل گیا ہے۔

اسے لنکا پہنچا سکتا ہے۔ اس نے بھاسکر کو اپنے گھوڑے پر اپنے

ساتھ بٹھایا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔ بہت دور جا کر ایک

گاؤں آ گیا۔ اس گاؤں میں پہنچ کر عینر نے ایک بڑا گھوڑا خریدا۔

اس پر بھاسکر کو سوار کرایا اور اب وہ دونوں الگ الگ گھوڑوں

پر بیٹھ کر لنکا کی جانب چل پڑے۔

ایک طرف عینر بھاسکر کے ساتھ لنکا کی طرف جا رہا ہے

اور دوسری طرف ناگ اور ماریا بھی سمندر کے اوپر پرواز کرتے

لنکا کی طرف چلے جا رہے تھے۔ تیسری طرف تھیوسانگ

ہوئے ملک لنکا میں تھے۔ اب ہم تھیوسانگ اور کیٹی کے بارے



میں پتہ کرتے ہیں۔ بلکہ آپ کو بتاتے ہیں کہ جب وہ دونوں ملک  
لنکا پہنچے تو ان کے ساتھ کیا گزری۔ تھیوسانگ اور کیٹی کا لباس  
عام ہندوستانی لوگوں ایسا تھا۔ اگرچہ وہ دونوں خلائی مخلوق  
تھے۔ مگر اس وقت بالکل ہندوستان کے رہنے والے معلوم  
ہوتے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہندوستان میں رہنے والی  
عورتوں کی آنکھیں سیاہ ہوتی ہیں۔ جبکہ کیٹی کی آنکھیں ہلکی نیل  
تھیں۔ تھیوسانگ اور کیٹی ایک قافلے کے ساتھ سفر کرتے ملک  
ہندوستان کی جنوبی مکھن میں پہنچ گئے۔ آگے سمندر تھا جو لنکا تک پھیلا  
ہوا تھا۔ یہ سمندر آج بھی لنکا اور ہندوستان کے درمیان موجود  
ہے۔ اس کا سمندری فاصلہ ۲۵ کلومیٹر ہے۔ تھیوسانگ اور کیٹی  
نے سمندر کا سفر ایک بڑی کشتی میں بیٹھ کر سٹے کیا۔ دوپہر کے  
وقت وہ ملک لنکا کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ یہاں سے  
انہوں نے ایک ایسا قافلہ پکڑا جس میں بیل گاڑیاں تھیں۔ ان  
بیل گاڑیوں میں مسافر بیٹھے تھے جو لنکا کے دارالحکومت یعنی  
اس زمانے کے لنکا کے صدر مقام لنکا تک جاتا تھا۔ لنکا کے  
صدر مقام کا نام بھی لنکا ہی تھا۔ اس پر ایک راجہ دشنام حکومت  
کرتا تھا۔ لنکا شہر میں اس کا ایک شاندار محل تھا۔  
تھیوسانگ اور کیٹی نے ملک لنکا میں داخل ہوتے ہی سب  
سے پہلے فضا میں گہرے سانس لے کر ناگ کی خوشبو سونگھنے

کی کوشش کی مگر ناگ کی خوشبو فضا میں موجود نہیں تھی۔ تھیوسانگ  
نے کیٹی سے کہا۔

”ناگ کی خوشبو یہاں نہیں آ رہی کیٹی“  
کیٹی نے کہا۔

”ہو سکتا ہے جہاں ہم جا رہے ہیں وہاں ناگ کی  
خوشبو آجائے۔ لنکا شہر یہاں سے کتنی دور ہو گا؟“  
”تھیوسانگ بولا۔

”یہاں ایک آدمی نے مجھے بتایا تھا کہ دس روز لگیں  
گے ہمیں لنکا شہر تک پہنچنے میں“  
کیٹی نے سر جھکا لیا اور بولی۔

”اب ناگ وہاں مل جائے تو اچھا ہے۔ تمہارا کیا  
خیال ہے تھیوسانگ؟“

تھیوسانگ ایک بیل گاڑی میں کیٹی کے ساتھ بیٹھا تھا کہنے  
لگا۔

”اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کیٹی۔ بہر حال ہمیں  
امید رکھنی چاہیے کہ ناگ ہمیں ضرور مل جائے گا“

بیل گاڑی میں دو تین عورتیں اور مرد بھی آکر بیٹھ گئے۔  
اور بیل گاڑیوں کا یہ قافلہ جنگل میں بنی ہو سڑک پر شہر لنکا  
کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسی طرح جنگلوں پہاڑوں میدانوں میں سفر کرتا



بیل گاڑیوں کا یہ قافلہ تھیو سائنگ اور کیٹی کو لے کر دس روز کے بعد لنکا شہر پہنچ گیا۔ آج سے سینکڑوں سال پرانا شہر لنکا ایک فصیل کے اندر بنا تھا۔ فصیل کے چار بڑے دروازے تھے، شہر کے اندر راجہ و شام کا محل تھا۔ یہاں بہت سبزہ تھا۔ دریا اور چھوٹی چھوٹی ندیاں تھیں۔ لنکا شہر سمندر کے کنارے آباد تھا۔ ایک طرف سمندر کی لہریں ساحل پر آکر دور تک جاتی تھیں اور پھر واپس سمندر میں چلی جاتی تھیں۔ یہاں عزیز لوگوں کے بے شمار بھونپڑے نایل کے درختوں کے نیچے بنے ہوئے تھے۔ یہ ماہی گیر تھے جو سمندر میں مچھلیاں پکڑتے اور انہیں ٹوکروں میں بھر کر شہر لے جا کر بیچ دیتے تھے۔ تھیو سائنگ اور کیٹی کے پاس بہت تھوڑے سکے رہ گئے تھے۔ یہ بھارت کے راجہ واڑوں کے سکے تھے جو چاندی کے تھے اور لنکا میں بھی چلتے تھے۔ کیٹی نے کہا۔

”ناگ کی خوشبو اس شہر تک بھی نہیں ہے۔“  
 تھیو سائنگ پہلے ہی محسوس کر چکا تھا کہ قصہ بڑن میں ناگ کی خوشبو کہیں نہیں ہے۔  
 کہنے لگا۔

”ہو سکتا ہے کسی وجہ سے ناگ کے جسم کی خوشبو  
 رک گئی۔ وہ کسی طلسم میں بھی تو گرفتار ہو سکتا ہے۔  
 ہم کل اس کی تلاش میں نکلیں گے۔ ابھی رات ہونے

والی ہے۔ شہر میں جانا بے کار ہو گا۔  
 کیٹی یہ کہہ کر خاموش ہو گئی کہ کل ناگ کو تلاش  
 کریں گے۔

Uploaded for:  
 Pakistan Virtual Library  
 www.pdfbooksfree.pk



## منگلا دیوی کا ترشول

لنکا شہر پر ساری رات بادل گرجتے رہے۔ بارش ہوتی رہی۔  
صبح ہوئی تو سورج بادلوں کے پیچھے کہیں غائب تھا۔ بارش  
ابھی تک ہو رہی تھی۔ تھیوسانگ اور کیٹی نے سراتے کے برآمدے  
میں آکر بارش کو دیکھا تو تھیوسانگ بولا۔

”اس شہر میں بارشیں بڑی موسلا دھار ہوتی ہیں۔“  
سامنے ناریل کے درخت کے نیچے گھاس پر کتے ہی ناریل  
گرمے پڑے تھے۔ کیٹی بارش میں بھاگ کر گئی اور ایک ناریل  
اٹھالائی کھنے لگی۔

”تھیوسانگ! اس کے اندر جو پانی ہوتا ہے وہ بڑا  
میٹھا ہوتا ہے۔ میں اسے توڑتی ہوں۔“  
راتنے میں سراتے کا کالا کلوٹا ٹھکنا ملک بھاگا ہوا آیا اور

بولا۔

”اس ناریل کو مت توڑنا۔“  
تھیوسانگ اور کیٹی نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تھیوسانگ

نے پوچھا۔

”کیوں بھائی اس ناریل میں ایسی کون سی بات ہے۔“  
سراتے والے نے کہا۔

”تم مسافر ہو۔ تم کو معلوم نہیں۔ میں نے غم کو بہت بڑی  
آفت سے بچا لیا ہے۔ ناریل کے یہ درخت منگلا دیوی  
کے ہیں۔ ان درختوں سے جو ناریل گرتے ہیں وہ  
بھی منگلا دیوی کے ہی ہوتے ہیں۔ ہمیں انہیں منگلا  
دیوی کے مندر میں لے جا کر اس کی مورتی کے آگے  
رکھ دیتے ہیں۔ منگلا دیوی رات کو آتی ہے اور  
ناریلوں کا سارا میٹھا رس پی لیتی ہے۔ یہ ناریل گھاس  
پر جا کر رکھ آؤ۔“

کیٹی نے اپنی خلاتی زبان میں تھیوسانگ سے کہا۔  
”یہ جاہل و ہم پرست لوگ ہیں۔ بھلا ناریل بھی کسی  
دیوی کی ملکیت ہوتے ہیں؟ یہ تو قدرت سب کے لیے  
پیدا کرتی ہے۔ میں اسے واپس نہیں رکھوں گی۔“  
تھیوسانگ نے اسے خلاتی زبان میں کہا۔  
”نہیں کیٹی۔ یہ لوگ جیسے کہتے ہیں ویسے ہی کہہ رہے ہیں  
یہاں رہنا ہے اس لیے ان لوگوں کی دشمنی مول نہیں لے  
سکتے۔ جاؤ میرے کہنے پر ناریل واپس گھاس پر دوسرے



ناریلوں کے پاس رکھ آؤ۔  
کیٹی کو غصہ تو بہت آیا مگر تھیو سانگ کے کہنے پر وہ بڑبڑاتی  
ہوئی بارش میں گئی۔ اور ناریل گھاس پر بھینک آئی۔ سرانے والے  
نے خوش ہو کر کہا۔

”شاہباش بیٹی! تم مصیبت سے بچ گئی ہو۔“

بارش سارا دن ہوتی رہی۔ تھیو سانگ اور کیٹی سرانے سے  
نکل کر ناگ کو ڈھونڈنے شہر کی طرف نہ جا سکے۔ وہیں سرانے میں بیٹھے  
عبر ماریا اور ناگ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ مگر کیٹی کو اس  
بات کا ابھی تک غصہ تھا کہ سرانے کے مالک نے اس سے ناریل  
واپس کیوں لیا؟ اس کا دل ناریل کا میٹھا پانی پینے کو چاہ رہا تھا۔  
تھیو سانگ نے اس سے کہا کہ بارش رکتی ہے تو وہ اسے دوسرے  
باغ سے جا کر دو ناریل لا دے گا۔ اس ملک میں ناریل کے بے شمار  
درخت تھے۔ کیٹی خاموش ہو گئی مگر دل میں اب اس کو فہم ہو گئی  
تھی کہ منگلا دیوی کون ہوتی ہے اس سے ناریل پھیننے والی؟ وہ  
اسی سرانے کے باغ کا ناریل توڑ کر اس کا پانی پیئے گی۔ چنانچہ جب  
شام کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تو تھیو سانگ سرانے کے مالک  
کے پاس یہ پوچھنے چلا گیا کہ یہاں بارش شروع ہوتی ہے تو کب  
رکتی ہے؟  
کیٹی برآمدے میں بانس کے تنختے پر بیٹھی باغ میں تک رہی تھی۔ نیم

اندھیرے میں اسے گھاس پر گرے ہوئے تازہ ناریل صاف نظر  
آ رہے تھے۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ کیٹی ایک ایسے خلائی  
سیارے سے تعلق رکھتی تھی جہاں سائینس بہت زیادہ ترقی کر چکی  
تھی۔ اور کوئی وہم نہیں کرتا تھا۔ کیٹی جھاگ کد باغ میں گئی۔  
بارش ہو رہی تھی۔ اس نے ایک ناریل گھاس پر سے اٹھایا۔  
اور اسے اپنی ساڑھی میں چھپا کر سرانے کی کوٹھڑی میں لے آئی۔ یہاں  
دیبا روشن تھا۔ کیٹی نے ناریل کو غور سے دیکھا۔ وہ بارش میں گیلا تھا۔  
کیٹی نے ساڑھی کے پلو سے اسے صاف کیا۔ اس ناریل اور عام ناریل  
میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ یہاں لوگ کس قدر ان پڑھ  
اور گیر کے فقیروں ہیں۔ ایسی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں جو سائینس کے اعتبار  
سے بالکل غلط باتیں ہیں۔ بھلا کس منگلا دیوی کو کیا ضرورت پڑی ہے  
کہ وہ اس ناریل کے اندر گھس کر اس کا رس پیئے؟ یہ ضرور  
مندرجہ کے بیماری کی سازش ہے جو اس طریقے سے ناریل اپنے  
قبضے میں کر کے آگے کسی ٹھیکیدار کے ہاتھ فروخت کر کے پیسہ  
کما رہا ہو گا۔ یہ کیٹی کی بھول تھی۔ کیونکہ انسان جس ملک میں جاتے  
اُسے چاہئے کہ اس ملک کے رسم و رواج کا خیال رکھے۔  
اُسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ وہ آج سے سینکڑوں برس پہلے  
کے بیکہ ملک میں تھی جہاں جادو ٹوٹنے اور دیوتاؤں کے طلسم  
کا بڑا زور تھا۔ اس قسم کے واقعات پہلے بھی عبر ناگ ماریا



اور تھیوسانگ کے ساتھ پیش آچکے تھے۔ اس لیے کیٹی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے تھا کہ یہ سائنس کا زمانہ نہیں ہے۔ کیونکہ جوں جوں علم بڑھتا ہے سائنس کی روشنی پھیلتی ہے جادو ٹوٹتا ہے اور بھوت پریت بھی ختم ہوتے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ علم اور سائنس کی وجہ سے انسان میں اعتماد اور بھروسہ آجاتا ہے اور جس آدمی کو اپنے اوپر بھروسہ اور اعتماد ہو۔ اس کا یقین کچھتہ ہو۔ اُس پر جادو ٹوٹنے اور بھوت پریت کا بالکل اثر نہیں ہوتا۔ یہی اعتقاد اور یقین ہم میں اسلام نے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ہر سچے مسلمان کو چونکہ اپنے خدا پر یقین ہوتا ہے کہ وہی دنیا کی ہر شے کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ہر شے اُس کے حکم سے عمل میں آتی ہے۔ اس لیے اس پر جادو ٹوٹنے اور بھوت پریت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پیارے دوستو! میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ خدا پر پکا یقین رکھنے والے مسلمان پر جادو کا اثر کبھی نہیں ہوتا۔ جادو اور بھوت کا اثر صرف کمزور عقیدے والے لوگوں پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ہینوٹائیز بھی وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی شخصیت کمزور ہوتی ہے۔ طاقتور شخصیت رکھنے والے لڑکے یا لڑکی دنیا کا بڑے سے بڑا ماہر بھی ہینوٹائیز نہیں کر سکتا۔ کیٹی کی شخصیت اگرچہ مضبوط تھی اور اُسے بھوت پریت پر یقین بھی نہیں تھا۔ لیکن اس کا یہ ایمان نہیں تھا کہ خدا ایک ہے اور دنیا کی ہر چیز اُسی کے حکم سے حرکت

کرتی ہے وہ جدید سائنسی دور کے سیارے کی مخلوق تھی اور وہ سمجھتی تھی کہ دنیا کی ہر شے اپنے اندر کیمیکل تبدیلیوں کی وجہ سے حرکت میں آتی ہے اور اپنی شکل بدلتی ہے۔ اُس اعتبار سے پھر جادو ٹوٹنے سے بھی آدمی کے جسم کے مادے میں کیمیکل تبدیلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ جادو ٹوٹنے کی کیمیکل تبدیلی کو صرف اسلام پر پکے ایمان کی طاقت ہی روک سکتی ہے۔ اس سے بڑی طاقت دنیا میں اور کوئی نہیں۔ اس لیے تم بھی اپنے اندر ایمان کی پختگی اور طاقت پیدا کرو۔ پھر تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تمہیں ہر آفت سے محفوظ کر دیتا ہے۔ کیٹی کے پاس سائنس کا علم تو تھا مگر ایمان کی دولت اور پختگی نہیں تھی۔ چنانچہ اس کے اندر کسی طلسم کی حرکت سے کیمیکل تبدیلی پیدا ہو سکتی تھی اور ایسا ہی ہوا۔

ناریل کیٹی کے ہاتھ میں تھا اور وہ اُسے پھاتی ہوئی تھوڑی سے دیکھ رہی تھی۔ باہر بارش کی آواز آرہی تھی۔ ناریل کے اندر میٹھے پانی کے خیال نے کیٹی کو بے تاب کر دیا۔ کچھ اسے ضد بھی تھی کہ اس کو ناریل اٹھانے سے کیوں منع کیا گیا تھا۔ پس اس نے ناریل کے اوپر زور سے ہاتھ مارا۔ ناریل اوپر سے ٹوٹ گیا مگر اس کے اندر سے ایسی آواز آئی جیسے کسی عورت نے چیخ ماری ہو۔ کیٹی کے ہاتھ سے ناریل نیچے گر گیا۔ ناریل کا پانی فرش پر بکھیر گیا۔ کیٹی



خوف زدہ سی ہو کر ناریل کے دونوں ٹکڑوں کو تھکنے لگی۔ اچانک ناریل کے اندر سے ایک چڑھی ہوئی آنکھوں لگتے لمبے بالوں اور ہونٹوں سے باہر نکل ہوئی لمبی زبان والی ایک عورت باہر نکلی۔ اس کے ہاتھ میں وہے کا ترشول تھا۔ گلے میں انسانی کھوپڑیوں کا ہار تھا۔ کیٹی باہر کو بھاگنے لگی تو ترشول والی عورت نے اپنا ترشول کیٹی کے جسم سے لگا دیا۔ ترشول کے لگتے ہی کیٹی چھوٹی ہوئی شروع ہو گئی۔ وہ دیکھتے دیکھتے ہاتھ کی انگلی جتنی چھوٹی ہو گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخوں کی آواز نہ نکل رہی تھی۔ وہ تھیوسانگ کو آوازیں دے رہی تھی۔ مگر اس کی آواز اتنی چھوٹی اور کمزور تھی کہ بڑی مشکل سے سنائی دے رہی تھی۔ ترشول والی دیوی نے کیٹی کو ترشول کے کانٹوں کے بیچ میں پھنسا کر ناریل کے اندر ڈال دیا۔ پھر خود بھی ناریل کے اندر داخل ہو گئی۔ ناریل کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا جڑ گیا اور پھر ناریل غائب ہو گیا۔

تھیوسانگ سراتے کے مالک کے پاس بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ سراتے کا مالک اسے بتا رہا تھا کہ لنگا میں برسات کی جھڑیاں بڑی لمبی ہوتی ہیں۔ اور کئی کئی روز تک جاری رہتی ہیں کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد تھیوسانگ اٹھ کر واپس اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کیٹی وہاں نہیں تھی۔ اس نے سوچا کہ شاید کہیں کسی کام سے گئی ہوگی۔ وہ کوٹھڑی کے سامنے برآمدے میں بانس

کی کرسی پر بیٹھ کر صحن کے باغ میں شام کا اندھیرا پھیلتے دیکھنے لگا۔ ناریل کے درخت بارش اور اندھیرے میں ڈوبتے چلے جا رہے تھے۔ تھیوسانگ کو خیال آیا کہ کوٹھڑی میں دیا جلا دینا چاہیے۔ وہ اٹھ کر کوٹھڑی میں آگیا۔

اس نے طاق میں رکھے ہوئے دیئے کو روشن کیا تو اچانک اس کی نگاہ فرش پر پڑی جو گیا تھا۔ جیسے کسی نے وہاں پانی گھا دیا ہو۔ یہ اصل میں ناریل کا میٹھا رس گرا ہوا تھا۔ جسے کیٹی نے توڑا تھا۔ تھیوسانگ نے مجھک کر دیکھا۔ گیلی جگہ پر چیونٹیاں رنگ زبیں تھیں۔ کیونکہ وہ میٹھا رس تھا۔ تھیوسانگ یہی سمجھا کہ کیٹی کے ہاتھ سے شربت گر گیا ہوگا۔ وہ واپس برآمدے میں آکر بیٹھ گیا۔ سراتے میں تمام کوٹھڑیوں میں چراغ روشن ہو گئے تھے۔ اتنے دو سر منڈے زرد کپڑوں والے آدمی ہاتھوں میں لمبے تھیلے لیے ہوتے آئے۔ وہ باغ میں جا کر بارش میں گرے میں پڑے ناریل اٹھا کر تھیلوں میں بھرنے لگے۔ تھیوسانگ کو سراتے کے مالک کی بات یاد آگئی کہ شام کو یہ گرے پڑے ناریل منگلا دیوی کے پیجاری آکر لے جاتے ہیں۔

وہ خاموشی سے ان پیجاریوں کو ناریل اٹھا کر تھیلوں میں چکے ڈالنے دیکھتا رہا۔ جب وہ سارے ناریل تھیلوں میں ڈال چکے تو تھیلوں کو سروں پر رکھا اور آہستہ آہستہ منگلا دیوی کے



بھجن گاتے باغ سے نکل کر سرائے کے باہر کھڑی بیل گاڑی میں جا کر بیٹھ گئے۔ وہاں کچھ لوگ ہاتھ باندھے ادب سے کھڑے تھے انہوں نے بیکاریوں کے آگے سر جھکا دیتے۔ بیکاریوں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں آتشیر باد دی اور گاڑی چلاتے وہاں سے چلے گئے۔ تھیوسانگ سوچنے لگا کہ اس دنیا میں ابھی کس قدر جہالت ہے اور لوگ کیسے کیسے توہمات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اسے اپنے سیارے کی دنیا یاد آنے لگی جہاں سائنس اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ وہاں لوگ دوسرے سیاروں تک روشنی کی رفتار کے ساتھ سفر کرتے تھے۔

تھیوسانگ کو وہاں بیٹھتے جب آدھا گھنٹہ گزر گیا اور کیٹی وہاں نہ آئی تو اسے فکر ہوئی کہ کیٹی کہاں چلی گئی؟ وہ اٹھا۔ سرائے میں کچھ خالی کوٹھڑیاں بھی تھیں۔ تھیوسانگ اس طرف گیا۔ کوٹھڑیاں خالی تھیں۔ دور آگے غسل خانہ تھا۔ وہاں بھی کیٹی نہیں تھی۔ تھیوسانگ نے اوپر کو سائنس لیا۔ یہ دیکھ کر اس کے پاؤں سے کی زمین نکل گئی کہ سرائے کی فضا میں کیٹی کی خوشبو نہیں تھی۔ تھیوسانگ نے سرائے میں ہر جگہ اسے دیکھا۔ کیٹی اسے کہیں نہ ملی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیٹی کہاں غائب ہو گئی؟

آخر اس نے آس پاس کی کوٹھڑیوں میں جو کچھ مسافر کھڑے ہوئے تھے ان سے کیٹی کے بارے میں پوچھا کہ آپ نے میری بہن کو تو نہیں دیکھا جس وقت کیٹی نے باغ میں سے ناریں اٹھایا

اس وقت چونکہ بارش ہو رہی تھی اور شام کا اندھیرا بھی پکے لگا تھا اس لیے لوگ اپنی اپنی کوٹھڑیوں کے اندر تھے۔ کیٹی نے کیٹی کو ناریں اٹھا کر اندر جاتے نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ اس نے یہی کہا کہ بھائی ہم نے تمہاری بہن کو نہیں دیکھا۔ تھیوسانگ بالکل سا ہوا کر برآمدے میں آکر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے سوچا کہ چاہے بارش ہو اسے کیٹی کو آس پاس کے علاقے میں تلاش کرنا چاہیے چنانچہ اس نے اپنے سر پر چادر ڈالی اور گرتی بارش اور رات کے گہرے ہوتے اندھیرے میں باہر نکل گیا۔

حالانکہ اسے کیٹی کی خوشبو بالکل نہیں آ رہی تھی۔ پھر بھی اس نے اپنی تلاش جاری رکھی اور سرائے کے باہر جو ایک لمبا باغ تھا اس میں کیٹی کو ڈھونڈتے لگا۔ اس نے دو ایک بار کیٹی کو آواز بھی دی۔ یہ باغ پرانے زمانے کا باغ تھا۔ جہاں بڑے گنجان درخت تھے اور جگہ جگہ دیوی دیوتاؤں کے عجیب و غریب پتھروں کے کالے سیاہ بت بنے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ جگہ اونچی پٹی تھی اس لیے کئی جگہوں پر برساتی نالے تیزی سے دھڑ دھڑاتے شور مچاتے گزر رہے تھے۔ درختوں میں سے بارش کی پوچھاڑیں تھیوسانگ پر گزر رہی تھیں۔ اس نے اندھیرے میں سارا باغ دھن سارا کیٹی کا کہیں سرائے تک نہ بلکہ اندھیرا بھی کافی ٹہرا ہو گیا تھا۔



تھیو سانگ تھک ہار کر واپس کو ٹھہری میں آکر بیٹھ گیا۔ اسے اس بات کا سخت افسوس تھا کہ وہ ناگ کو تلاش کرنے آئے تھے کہ کیٹی بھی ہاتھ سے جاتی رہی۔ اسی طرح رات گزر گئی۔ دو روز بارشیں ختم گئی تھیں دن کا اجالا ہوا تو تھیو سانگ نے دیکھا کہ فریڈ جہاں ناریل کا پانی گرا تھا چیونٹیوں کی قطاریں لگی تھیں۔ تھیو سانگ نے کوئی خیال نہ کیا جبکہ اسے سوچنا چاہیے تھا کہ یہ کیا شے فرس پر گری ہوئی ہے؟ کہیں یہ ناریل کا میٹھا رس تو نہیں ہے۔ مگر تھیو سانگ کیٹی کی پریشانی میں کو ٹھہری سے باہر نکل گیا۔ اس کا رخ شہر کی طرف تھا۔ شہر کی فصیل باغوں کے پار تھی۔ پرانی سیاہ پتھروں کی فصیل تھی جو بارش میں بھیگ رہی تھی۔ فصیل کے اوپر گول پتھریوں والے برج بنے ہوئے تھے۔ شہر کا بڑا دروازہ کھلا تھا۔ لوگ آجا رہے تھے۔ کوئی پہرہ نہیں تھا۔ پہرہ صرف رات کو لگتا تھا۔

تھیو سانگ شہر میں داخل ہو گیا۔ لٹکا کا شہر بہت گنجان تھا۔ پل گاڑیاں اور ہاتھی سڑکوں پر چل رہے تھے۔ لوگوں کے لباس سینکڑوں برس پرانے تھے اور وہ قدیم سنہالی زبان میں باتیں کرتے تھے۔ جگہ جگہ انناس ناریل اور زرد کیلوں کے گچھے بک رہے تھے عورتوں نے بانوں کے جوڑے بنا کر ان میں پھول لگا رکھے تھے۔ لوگوں کے رنگ گہرے سانولے اور قد ٹھکنے تھے۔ شہر میں جگہ جگہ دیوی دیوتاؤں کے مندر بنے تھے۔ جن میں عورتیں اور مرد پوجا کرنے جا رہے

تھے۔ شہر میں بھی تھیو سانگ کو کیٹی کی خوشبو محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بڑا حیران بھی تھا اور پریشان بھی کہ یہ کیٹی اچانک کہاں غائب ہو گئی؟

چلتے چلتے وہ شہر کے مغربی کنارے پر آ گیا۔ یہاں شہر کی فصیل نہیں تھی۔ کیونکہ آگے وسیع سمندر تھا۔ سمندر کے کنارے ناریل کے بے شمار درخت ساحل کے ساتھ ساتھ کھڑے سمندر کی طرف سے آنے والی صبح کی ہوا میں جھوم رہے تھے۔ ان کے درمیان غریب پتھروں کی جھونپڑیاں تھیں کئی پتھروں میں کشتیوں میں بیٹھے سمندر میں جال پھینکے مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ ان کی عورتیں جھونپڑیوں کے آگے بیٹھی جال مرمت کر رہی تھیں۔ کوئی آگ جلاتے کھانا پکا رہی تھی۔ کوئی ناریل کی چھال کی رسی بٹ رہی تھی۔ تھیو سانگ ان کے قریب سے گزر کر سمندر کے کنارے آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر سمندر میں ایک چٹان پر مندر بنا ہوا ہے جس کے مخروطی مینارے پر تانے کا ترشوں لگا ہے۔ اس مندر تک جانے کے لیے سمندر میں بڑے بڑے پتھروں کا ایک قدرتی پل بن گیا ہوا تھا۔ لوگ اس پر چلتے مندر کی طرف جا رہے تھے۔ کوئی بھجن گا رہا تھا۔ کوئی جھوم جھوم کر رقص کر رہا تھا۔

تھیو سانگ نے ایک پتھر سے پوچھا کہ یہ کس کا مندر ہے؟

پتھر نے سر سے پتھر تھیو سانگ کو دیکھا اور بولا۔



”مسافر معلوم ہوتے ہو“

تھیو سانگ کہنے لگا۔

”ہاں بھائی میں اس ملک میں اجنبی ہوں اور یہاں کے مندروں کی سیر کرنے آیا ہوں“

پچھرا بولا۔

”یہ منگلا دیوی کا مندر ہے۔ دن کے وقت سمندر میں پتھروں کا راستہ ظاہر ہو جاتا ہے مگر رات کو سمندر چڑھتا ہے تو یہ پتھر پانی میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور پھر مندر کو نہ تو کوئی جاسکتا ہے اور نہ مندر سے کوئی واپس آسکتا ہے اگر تم مندر کی یا ترا کرنا چاہتے ہو تو دن ہی دن میں مندر دیکھ کر واپس آ جانا۔ رات ہو گئی تو راستہ سمندر میں ڈوب جائے گا۔ پھر رات تمہیں وہیں دیوی جی کے مندر میں ہی گزارنی پڑے گی“

تھیو سانگ کا دل تو نہیں چاہتا تھا مگر پھر یہ سوچ کر چلو مندر کی سیر کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں سے کیٹی کا کوئی سراغ ہی مل جائے۔ یہ سوچ کر وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ منگلا دیوی کے مندر کی طرف چل پڑا۔ بڑے بڑے پتھر سمندر سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ان پتھروں پر لوگوں نے ایک سڑک بنا دی تھی۔ دونوں طرف سے سمندر کی زبردست

لہریں آکر ان پتھروں سے زور شور سے ٹکراتی تھیں اور پانی کی پھوار لوگوں پر پڑ رہی تھی۔ مندر کی سیڑھیوں تک جاتے جاتے سارے مسافر بھیگ جاتے تھے۔ مگر وہ خوشی سے منگلا دیوی کی بجے کے نعرے لگاتے اور سہالی زبان میں کہتے

”دیوی ہمیں امرت جل میں نہلا رہی ہے“

تھیو سانگ نے سیڑھیوں کے پاس جا کر دیکھا کہ مندر ایک چٹان کے چبوترے پر بنا تھا۔ اس کے آس پاس ناریل کے لگتے تھے یہی درخت اُگے تھے۔ زمین پر جگہ جگہ ناریل گرے ہوئے تھے۔ مگر انہیں کوئی ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا۔

”کیوں بھائی۔ لوگ یہاں سے ناریل کیوں نہیں اٹھاتے؟“

اس آدمی نے چونک کر تھیو سانگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

”تم پر دیسی لگتے ہو۔ بھائی یہ ناریل منگلا دیوی کی

امانت ہیں۔ جو کوئی انہیں ہاتھ لگائے گا۔ جل کر راکھ

ہو جائے گا“

تھیو سانگ نے کہا۔

”تو کیا یہ اسی طرح پڑے رہتے ہیں؟“

وہ آدمی کہنے لگا۔

”نہیں بھائی۔ آدمی رات کو منگلا دیوی سمندر کی لہر



بن کر آتی ہے اور اپنے ان سارے نارویوں کو بہا کر  
سمندر میں لے جاتی ہے۔

تھیوسانگ نے آگے کوئی سوال نہ کیا۔ کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا  
کہ یہاں رات کو جوار آتی ہے۔ جوار بھاٹا سے مراد سمندر کی لہروں  
کا آنا۔ چڑھاؤ ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ چاندنی راتوں میں ہوتا  
ہے مگر بعض جنوبی علاقوں میں آدھی رات کو بھی سمندر چڑھ جاتا  
ہے اور ساحل پر بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی چٹانیں سمندر میں ڈوب  
جاتی ہیں۔ ایسی ہی لہر اس مندر کے آس پاس بھی آتی تھی اور  
مندر کے احاطے میں گرے پڑے ناریل اپنے آپ سمندر کے ساتھ  
بہہ کر سمندر میں چلے جاتے تھے۔

تھیوسانگ سیرھیاں چڑھ کر مندر میں آگیا۔ یہ بڑا ہی  
پُر اسرار مندر تھا۔ کیونکہ ایک، تو اس کی دو ٹھٹھریاں تھیں جو  
بہت ہی چھوٹی تھیں۔ ان میں سے ایک میں صرف، ناریل اور  
چاندی کے سکوں کا ڈھیر لگا تھا اور دوسری کو ٹھٹھری میں منگلا  
دیوی کی مورتی دیوار میں کھدی ہوئی تھی۔ اس پر سیندور ملا تھا۔  
کو ٹھٹھری کی دہلیز میں پجاری بیٹھا بھجن گا رہا تھا۔ پوجا کرنے والے  
چاندی کے سکے ساتھ والی کو ٹھٹھری میں ڈال کر پجاری کے پاس  
آ کر ماتھا ٹیکتے۔ پجاری انہیں ایک پھول دیتا اور وہ سر جھکائے  
اپنے قدموں واپس چلے جاتے۔

تھیوسانگ نے ایک طرف کھڑے ہو کر دیکھا کہ منگلا دیوی  
کی آنکھیں اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں۔ زبان باہر لٹک رہی تھی۔  
ایک ہاتھ میں ناریل تھا اور دوسرے ہاتھ میں ترشول تھا۔  
اسے میں انسانی کھوپڑیوں کا ہار تھا۔ تھیوسانگ نے اس قسم کی  
مورتیاں اپنے لیے پُر اسرار سفر کے دوران دیکھی تھیں۔ اس  
مورتی میں اس کے لیے کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں  
مورتوں میں کیٹی کو تلاش کر رہی تھیں کہ ہو سکتا ہے کسی نے اس  
پر ظلم کر کے یہاں پہنچا دیا ہو۔ لیکن کیٹی کی صورت اسے کیس بھی  
نظر نہ آتی۔ مندر کے پیچھے چٹان کی ایک بہت اونچی دیوار  
تھی جس میں چھوٹے چھوٹے غار بنے ہوئے تھے۔ ان غاروں  
میں باہر سے آتے ہوئے یا تری ٹھرتے تھے تھیوسانگ ادھر  
بھی گیا۔ ایک ایک کر کے سارے یاتریوں کے غاروں کو دیکھا۔  
کیٹی یہاں بھی اسے دکھائی نہ دی۔

اسی طرح چلتے پھرتے دن کافی گزر گیا تو تھیوسانگ نے  
سوچا کہ اب واپس چلنا چاہیے۔ وہ مندر کی سیڑھیوں کے قریب  
پہنچا تو اس نے ایک بندر کو دیکھا کہ درخت کے نیچے گرے ہوئے  
ایک ناریل کو لے کر بھاگا۔ پجاری نے شور مچا دیا کہ ملیچھوں  
منگلا دیوی کا ناریل لے جا رہا ہے۔ لوگ لاٹھیاں لے کر بندر  
کے پیچھے دوڑے بندر ناریل پھینک کر درخت پر چڑھ کر



انیس دانت دکھانے لگا۔ بیکجاری نے ناریل اٹھالیا۔ اسے جوم کر  
ماتھے سے لگایا اور وہیں گھاس پر رکھ دیا۔ تھیوسانگ آگے  
بڑھا تو ایک یاتری اس کے قریب آکر بولا

”تم پر ویسی معلوم ہوتے ہو۔ کس دیس سے آئے ہو؟“  
تھیوسانگ کا رنگ سا بولا نہیں تھا بلکہ گورا تھا۔ اس نے کہا کہ  
میں شمالی پہاڑی علاقے سے آیا ہوں۔ یاتری بولا ”تم میرا ایک  
کام کر دو گے؟“ تھیوسانگ نے بوجھا۔ مجھے کیا کرنا ہو گا؟ یاتری  
نے کہا۔

”بھائی! میری بیوی بیمار ہے۔ میں شہر اس کے لیے  
دوائی لینے جا رہا ہوں۔ تم اس کے پاس بیٹھو کہ  
اگر اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے دے دینا۔  
میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔ میں اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں  
جانا چاہتا۔“  
تھیوسانگ کہنے لگا۔

”بھائی میں خدمت کرنے کو تیار ہوں۔“

یاتری ایک کوٹھڑی میں آگیا جہاں اس کی بیمار بیوی  
تخت پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ تھیوسانگ کو  
اپنی بیمار بیوی کے پاس چھوڑ کر شہر دوائی لینے چلا گیا۔ تھیوسانگ  
بیمار عورت کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد بیمار عورت نے

پانی مانگا۔ تھیوسانگ نے اسے ہیکے میں سے پانی نکال کر پلایا۔  
بیمار عورت کے خاوند نے شہر میں دیر لگا دی۔ شام ہو رہی تھی۔  
جب وہ آیا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”بھائی مجھے معاف کر دینا۔ ویدجی گھر پر نہیں تھے۔  
ان سے دوائی لینے مجھے گاؤں جانا پڑا۔ تمہارا شکریہ  
کہ تم نے میری بیمار بیوی کی دیکھ بھال کی۔“  
تھیوسانگ بولا۔

”کوئی بات نہیں بھائی! اب میں جاتا ہوں۔“  
یاتری کہنے لگا۔

”بھائی جلدی چلے جاؤ۔ کیونکہ سمندر میں جوار آنے والی  
ہے۔ پانی چڑھ گیا تو پل سمندر میں ڈوب جائے گا۔“  
تھیوسانگ فوراً کوٹھڑی سے نکلا اور سمندری پل کی طرف  
تیز تیز چلنے لگا۔ مگر جب وہ پل کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ سمندر میں  
جوار آگیا تھا اور پل کے پتھر سمندر کے پانی میں ڈوب چکے تھے۔  
سمندری لہریں زور شور سے ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔  
تھیوسانگ سمندر میں تیر کر بھی واپس جا سکتا تھا۔ مگر اس میں  
خطرہ بھی تھا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ اب رات اسی مندر  
کی کسی کوٹھڑی میں گزارنی چاہیے۔ صبح صبح سمندر کا پانی اتر  
جائے گا تو وہ واپس سرائے میں چلا جائے گا۔ تھیوسانگ



یہ سوچ کر واپس اسی یاتری کی کوٹھڑی میں آگیا جس کی بیمار بیوی کی اس نے تیمار داری کی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر سخت حیران ہوا کہ کوٹھڑی میں نہ وہ یاتری تھا اور نہ اس کی بیمار بیوی ہی وہاں تھی۔ جس تختے پر یاتری کی بیمار بیوی لیٹی تھی وہ تختہ خالی پڑا تھا۔

تھیو سانگ حیرانی سے کان کھجی لگا کر یہ کیا چکر ہے۔ وہ یاتری اور اس کی بیمار بیوی کہاں چلے گئے؟ وہ عورت تو اتنی بیمار تھی کہ اٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔ پھر یہ لوگ کہاں چلے گئے؟ اس نے ساتھ والی کوٹھڑی میں ٹھہرے ہوئے ایک بوڑھے یاتری سے پوچھا کہ اس کوٹھڑی میں جو یاتری اپنی بیمار بیوی کو لے کر ٹھہرا ہوا تھا وہ کہاں چلا گیا ہے؟ بوڑھے یاتری نے کہا۔

”بیٹا میں جب سے مندر میں آیا ہوں یہ کوٹھڑی خالی پڑی ہے۔ یہاں کوئی بیمار عورت اور اس کا خاوند نہیں تھا۔ یہ تو کئی روز سے خالی ہے۔“

تھیو سانگ الجھن میں پھنس گیا کہ یہ کیا معنی ہے۔ بہر حال اس کو رات گزارنی تھی۔ وہ خالی کوٹھڑی میں تختے پر لیٹ گیا۔ کوٹھڑی میں کوئی دیا یا مٹی کا چراغ روشن نہیں تھا۔ رات ہوئی تو کوٹھڑی میں اندھیرا ہو گیا۔ مگر تھیو سانگ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ چپ چاپ لیٹ کر کیٹی کے بارے میں سوچتا رہا کہ وہ اچانک کہاں گم ہوگئی، پھر اسے ناگ اور عنبر ماریا کا بھی خیال آگیا کہ ان سے ملے بھی کافی دیر ہوگئی ہے۔ عنبر اور ماریا تو ناگ کو دھونڈ

خالی ملک کی طرف گئے تھے۔ خدا جانے کہاں ہوں گے اور ان سے ملاقات کب ہوگی۔ اسی طرح سوچتے سوچتے رات گہری ہوتی گئی۔ مندر کی فضاؤں میں خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی میں صرف سمندر کی لہروں کی آواز ہی سنائی دیتی تھی جو ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا کر واپس چلی جاتی تھیں۔ تھیو سانگ بھی بھوک پیاس اور نیند سے بے نیاز تھا یعنی اس کو کچھ کھانے پینے اور سونے کی حاجت نہیں تھی۔ اس دنیا کی فضا میں ان کے جسم کے لیے اتنی توانائی موجود تھی کہ وہ صرف سانس لینے سے ہی پوری ہو جاتی تھی۔

تھیو سانگ نے پھر بھی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ دیر تک آنکھیں بند کیے اندھیری کوٹھڑی میں تختے پر لیٹا رہا۔ اچانک اسے لمبی سسکار کی آواز سنائی دی۔ تھیو سانگ نے آنکھیں کھول دیں۔ اندھیرے میں وہ دیکھ سکتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کوٹھڑی کے دروازے میں سے ایک بہت بڑا بن مانس حلق سے سسکار کی آواز نکالتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تھیو سانگ صرف اسی صورت میں ہلاک ہو سکتا تھا کہ اس کے ہاتھ کی کوئی انگلی کاٹ دی جاسے۔ لیکن اس بن مانس کا قد اتنا اونچا تھا اور منہ اتنا بڑا تھا کہ تھیو سانگ کو وہ زندہ ہڑپ کر سکتا تھا۔ وہ گھبرا کر کونے کی طرف دوڑا۔ بن مانس نے ایک خوفناک آواز نکالی اور اس کی طرف اپنے بالوں بھرے لمبے ہاتھ بڑھائے۔ تھیو سانگ کے لیے بچنے کا اب صرف ایک ہی راستہ تھا۔ اس



نے اپنے آپ کو چھوڑا کرنے کی نیت کر کے فوراً اپنی انگلی اپنے منہ سے لگا دی۔ تھیو سانگ ایک دم اتنا چوڑا ہو گیا کہ بن مانس کو وہ نظر نہیں آ سکتا تھا۔ بن مانس نے عزاتے ہوئے تھیو سانگ کو ادھر ادھر تلاش کرنا شروع کر دیا۔ تھیو سانگ جو ایک انسانی انگلی کے برابر ہو گیا تھا کونے کے اندھیرے سے نکل کر دیوار کے ساتھ ساتھ دوڑتا کوٹھڑی کے دروازے میں آ گیا۔ یہاں اسے بن مانس کی ٹانگ نظر آئی جو اسے کس بہت بڑے درخت کی طرح لگی۔ تھیو سانگ بن مانس کی ٹانگ کے قریب سے ہو کر باہر کھسک گیا۔

باہر گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ تھیو سانگ تیزی سے مندر کے پچھلے دالان کی طرف بھاگا۔ اس کی رفتار اگرچہ تیز تھی مگر زیادہ دور تک جاتے ہوئے اسے وقت لگتا تھا۔ پھر بھی وہ کوٹھڑی سے کافی دور نکل گیا۔ یہاں ایک چٹان کا ٹوٹا ہوا پتھر پڑا تھا۔ تھیو سانگ اس کے پیچھے چپ کر کوٹھڑی کی طرف دیکھنے لگا۔ کوٹھڑی میں بن مانس کے خفے میں عزاتے کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ پھر اس نے بن مانس کو باہر نکلتے اور اندھیرے میں غائب ہوتے دیکھا۔ وہ پریشان تھا کہ یہ بن مانس آدھی رات کو یہاں کیسے آ گیا۔ ہو سکتا ہے وہ اس جسریرے میں رہتا ہو۔

تھیو سانگ نے سوچا کہ چاہے کچھ ہوا سے اس مندر کے احاطے سے نکل جانا چاہیے۔ وہ چھوٹے قد میں منگلا دیوی کے مندر کے پل کی طرف دوڑا۔ پل سمندر میں ڈوب چکا تھا۔ اس کا ایک بھی

بہر نظر نہیں آ رہا تھا۔ تھیو سانگ سمندر کے کنارے رُک گیا۔ وہ ڈوب کر مر تو نہیں سکتا تھا مگر غوطے کھانے سے ادموا ضرور ہو سکتا تھا۔ پہلے تو اس نے اپنا ارادہ بدل دیا کہ اسی جگہ رات گزار دے اور کو پانی کی لہر پیچھے رہے تو واپس چلا جائے۔ لیکن جب اس نے اپنے پیچھے بن مانس کی بھیانک آواز سنی تو تھیو سانگ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہی دیوہیکل بن مانس اس کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ خدا جانے اس نے تھیو سانگ کو کیسے دیکھ لیا تھا۔ حالانکہ اس وقت تھیو سانگ کا قد ایک ننھے سے بھی ننھے چوہے جتنا تھا۔ بن مانس اس کی طرف بھاگا چلا آ رہا تھا۔ تھیو سانگ نے سمندر میں چیلانگ لگا دی۔ سمندر کی بہت بڑی لہر چٹانوں سے ٹکرا کر واپس با رہی تھی۔ تھیو سانگ نے اپنے آپ کو اس لہر میں گرا دیا۔ سمندر کی لہر اسے لے کر دور تک نکل گئی۔ کچھ فاصلے پر لٹکا کے ساحل کے درخت اسے صاف نظر آ رہے تھے۔ جب لہر کا زور ختم ہو گیا تو تھیو سانگ نے ایک ننھے سے مینڈک کی طرح تیزاً شروع کر دیا۔

سمندر کی اونچی اونچی لہریں اسے اوپر نیچے اچھال رہی تھیں۔ مگر تھیو سانگ نے ہمت نہ ہاری اور تیرتا چلا گیا۔ اسے کئی غوطے بھی آئے۔ مگر حوصلہ بند رکھا۔ آخر ایک بہت بڑی سمندری لہر نے اسے اچھال کر لٹکا کے ساحل پر پھینک دیا۔ تھیو سانگ ریت پر آتے ہی اٹھا۔ اس نے گھوم پھر کر دیکھا کہ بن مانس کیسے پیچھے



تو نہیں آ رہا۔ اسے بن مانس نظر نہ آیا۔ دور سمندر میں منگلا دیوی کا  
چٹائی مندر ستاروں کی دھیمی روشنی میں کسی عفریت کی طرح پھین  
اٹھائے ہوئے تھا۔ تھیوسانگ نے دوسری بار انگلی اپنے جسم سے لگائی  
تو وہ پورے قد کا تھیوسانگ بن گیا۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ساحل سے دور شہر کی بڑی کچی  
سڑک پر آ گیا۔ اس زمانے میں رات کو سواری یعنی کسی بیل گاڑی  
کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ تھیوسانگ پیدل ہی رات  
کے اندھیرے میں کارواں سرائے کی طرف چل پڑا۔ اسے معلوم تھا کہ  
رات کو شہر کا دروازہ بند ہو گا۔ اسے صبح تک شہر کے باہر ہی رہ  
کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔

ایک جگہ باغ میں آکر درختوں کے نیچے گھاس پر بیٹھ گیا۔  
تاکہ رات گزرے، دن نکلے، شہر کا دروازہ کھلے تو وہ واپس اپنی  
کارواں سرائے میں جاسے۔ یہاں ایک بار اس نے فضا میں سونگھا  
اسے کیٹی یا ناگ میں سے کسی کی خوش بزم نہیں آ رہی تھی۔ اس کے دل  
پر اس چیز کا بڑا غم تھا کہ کیٹی اچانک کہاں غائب ہو گئی تھی۔ اسے  
فکر لگی تھی کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ چھنس گئی ہو۔ لیکن وہ اس  
کے بے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ خاموش سر جھکاتے درخت کے  
نیچے بیٹھا رہا۔ اچانک اسے راجہ کے محل کی جانب سے شور و غل  
اور رونے پیٹنے کی آوازیں سنائی دیں۔ تھیوسانگ چونک کر دور  
راجہ کے محل کی طرف تیکنے لگا۔

## کیٹی چٹائی کی آگ میں

راجہ کے محل میں واویلا مچا تھا۔

لوگ جاگ پڑے۔ مکانات میں چراغ روشن ہو گئے اور لوگ نکل کر  
راجہ کے محل کی طرف دوڑے۔ تھیوسانگ باغ میں ہی بیٹھا رہا۔ اسے  
راجہ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ سمجھ گیا کہ وہاں کسی رانی وغیرہ کی  
موت ہو گئی ہوگی۔ کیوں کہ اس نے سن رکھا تھا کہ راجہ کی سات  
رانیاں ہیں اور ان کی آپس میں دشمنی چلتی رہتی ہے۔ آہستہ آہستہ  
دن کی روشنی پھیلنے لگی۔ شہر میں لوگ سوگ میں ڈوبے ہوئے  
تھے۔ تھیوسانگ باغ سے باہر نکلا اور شہر کے دروازے کی  
طرف بڑھا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا کہ محل میں آہ و بکا کیوں  
ہے۔ اس آدمی نے تھیوسانگ کی طرف دیکھا اور بولا۔

کیا تمہیں پتہ نہیں ہے کہ راجہ مر گیا ہے۔  
تھیوسانگ نے جھوٹ موٹ کا افسوس کیا اور شہر کے کھلے دروازے  
سے نکل کر اپنی کارواں سرائے کی طرف چل دیا۔ راجہ مر گیا ہے  
تو اسے کیا افسوس ہو سکتا تھا۔ راجہ ساری زندگی عیش کرتے ہیں



آخر ایک روز وہ بھی مرجاتے ہیں۔ سب کو آخر ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ وہ کارواں سرائے میں پہنچا تو وہاں بھی ہر کوئی غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ سرائے کا مالک چبوترے پر بانس کی چٹائی بچانے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ تھیوسانگ اس کے قریب سے گزرا تو سرائے کے مالک نے سراٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور روتے ہوئے بولا۔  
 ”بھائی ہمارے دیس کا راجہ چل بسا۔ پر جایتم ہو گئی“  
 تھیوسانگ نے کہا۔

”ہاں بھائی! مجھے بھی راجہ کے مرنے کا بہت افسوس ہے۔“  
 یہ کہہ کر اپنی کوٹھری میں آکر چپ چاپ بیٹھ گیا۔ اسے کیٹی کا بار بار خیال آتا تھا۔ آخر وہ کہاں چلی گئی۔ تھیوسانگ کی طبیعت کوٹھری میں گھبرانے لگی۔ وہ باہر برآمدے میں آکر بانس کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بارش نہیں ہو رہی تھی۔ آسمان پر گھنے بادل چھائے تھے۔ باغ میں رات بھر کے گرے ہوئے ناریل درختوں کے نیچے پرے تھے۔ درختوں پر پرندے بول رہے تھے۔ شہر کی طرف سے مندروں میں بھیجن گانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ کچھ دیر تک برآمدے میں بیٹھ رہنے کے بعد تھیوسانگ ایک بار پھر کیٹی کا سراغ لگانے شہر کی طرف چل دیا۔

شہر میں ماتمی فضا طاری تھی۔ لوگ سر جھکائے راجہ کے محل کی طرف چلے جا رہے تھے۔ مندروں میں دیھے سروں میں بھیجن

ائے جا رہے تھے۔ گلی بازاروں میں دکانیں بند تھیں۔ لوگ بھیجن اور اشلوک پڑھتے، پیل گاڑیوں اور ہاتھیوں پر سوار محل کی طرف چلے جا رہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی۔ عورتیں رو رہی تھیں۔ تھیوسانگ کو یہ سب تماشا سالگ رہا تھا۔ بھلا ایک راجہ کے مرنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ راجہ مر گیا ہے تو دوسرا راجہ گدی پر بیٹھ جائے گا۔ وہ جہاں کہیں عورتوں کو دیکھتا۔ وہاں پنچ کر کیٹی کو تلاش کرنے لگتا۔ مگر کیٹی اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ یونہی گھومتے پھرتے تھیوسانگ راجہ کے محل کے سامنے پنچ گیا۔ وہاں لوگ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ محل کے آگے آگ روشن تھی جو اس بات کی علامت تھی کہ راجہ وفات پا گیا ہے۔ درباری آگ کے ارد گرد کھڑے اس میں زعفران اور ناریل کا تیل ڈال رہے تھے۔ محل کے اندر سے عورتوں کے رونے کی دھیمی دھیمی آوازیں آرہی تھیں۔ تھیوسانگ وہاں کھڑے ہو کر جلتی آگ کو دیکھنے لگا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا۔

”کیوں بھائی! کیا راجہ کو اس آگ میں جلایا جائے گا؟“  
 اس آدمی نے غصے سے تھیوسانگ کی طرف دیکھا اور بولا۔  
 راجہ کوئی عام آدمی تھا۔ وہ ہمارا دیوتا تھا۔ اس کے لیے سرانديپ میں شاہی چتا تیار ہو رہی ہے۔ تم مجھے کوئی احمق معلوم ہوتے ہو۔



تھیوسانگ نے کہا۔ ”بھائی معاف کر دینا۔ میں پردیسی ہوں۔“  
 یہ کہہ کر تھیوسانگ وہاں سے کھسک گیا کہ یہ لوگ تو بڑے جذباتی  
 ہو رہے ہیں۔ خواہ مخواہ ان سے جھگڑا مول لینے میں کوئی فائدہ نہیں۔ وہ  
 دیر تک شہر کی ماتمی گلیوں اور بازاروں میں کیٹی کو دیکھتا رہا مگر  
 کیٹی کو تو جیسے آسمان نے اٹھالیا تھا۔ ناکام و نامراد ہو کر وہ واپس  
 کارواں سرائے میں آکر اپنی کوٹھڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ دن بھی  
 گزر گیا۔ شام کو سرائے کا مالک اس کے پاس آیا اور بولا۔  
 ”بھائی صاحب! مجھے تمہاری بہن کہیں نظر نہیں آ رہی۔ وہ  
 کہاں چلی گئی ہے۔ خیریت تو ہے ناں۔“

تھیوسانگ اسے کیا جواب دیتا۔ یونہی کہہ دیا  
 ”دادا وہ — اس کا رشتہ دار سراندیپ میں رہتا  
 ہے۔ وہ اس سے ملنے گئی ہے۔“  
 تھیوسانگ نے محل کے باہر والے آدمی سے سراندیپ کا  
 نام سنا تھا۔ پس اس نے اسی کا نام لے لیا کہ ضرور وہاں سے  
 دُور کوئی جگہ ہوگی۔ سرائے کا مالک آہ بھر کر بولا۔  
 ”کل دوپہر کے بعد سراندیپ میں ہمارے پیارے راجہ  
 دیوتا کی چٹا کو آگ لگا دی جائے گی۔“

تھیوسانگ خاموش رہا۔ اسے راجہ کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ سرائے  
 کا مالک کہنے لگا۔

”کتنی خوش قسمت ہیں اس کی رانیاں کہ اس کے ساتھ ہی  
 جنت میں چلی جائیں گی اور وہاں بھی رانیاں بن کر اپنے راجہ  
 دیوتا کی خدمت کریں گی۔“  
 تھیوسانگ نے کچھ چونک کر پوچھا۔  
 ”کیا رانیوں کو بھی راجہ کے ساتھ ہی زندہ جلا دیا جائے  
 گا۔“

”کیوں کہ تھیوسانگ کو علم تھا کہ ہندوستان میں عورتیں اپنے خاوند کے  
 ساتھ سستی ہو جاتی ہیں۔ سرائے کا مالک بولا۔  
 ”زندہ نہیں جلیں گی بلکہ اپنے راجہ کے ساتھ سستی ہو جائیں  
 گی۔ راجہ کی سات رانیاں ہیں۔ راجہ کے ساتھ سراندیپ  
 میں ان سات رانیوں کی بھی چٹا تیار کی جا رہی ہے۔ جہاں  
 وہ مہارانیوں کے شاہی لباس میں خوشبوئیں عطر اور زعفران  
 اور صندل لگا کر بیٹھ جائیں گی۔ پھر راجہ کی چٹا کو آگ  
 دکھائی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی ساتوں رانیوں کی  
 چٹا کو بھی آگ لگا دی جائے گی۔“  
 تھیوسانگ نے افسوس کے لہجے میں کہا۔  
 ”اور بے چاری ساتوں رانیاں زندہ جل جائیں گی۔“  
 سرائے کا مالک تھیوسانگ کی طرف دیکھ کر بولا۔  
 ”میرے بھائی! تم پردیسی ہو۔ تمہارا مذہب کوئی دوسرا



تم نہیں جانتے کہ ہماری عورتیں اپنے خاوند کے ساتھ چٹاکی  
آگ میں جل کر جنت میں پہنچ جاتی ہیں۔ راجہ کی رانیاں  
خوش نصیب ہیں کہ اپنے خاوند کے ساتھ ہی جنت کے  
محل میں پہنچ جائیں گی۔

تھیوسانگ کو خوب معلوم تھا کہ بے چاری رانیاں ہرگز نہیں چاہتیں  
کہ انہیں میں آگ میں جلا دیا جائے مگر وہ اتنی بے بس ہیں  
کہ چاہنے کے باوجود محل سے فرار نہیں ہو سکتیں۔ یقیناً ان پر  
پیرہ لگا دیا ہوگا۔ تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں اور رعایا میں یہ خبر  
نہ پھیل جائے کہ رانیاں راجہ کی لاش کو چھوڑ کر فرار ہو گئی ہیں  
تھیوسانگ بھی ان کی کوئی مدد نہ کر سکتا تھا۔ اس نے یونہی باتیں  
کر کے وقت گزارنے کے خیال سے سرائے کے مالک سے  
پوچھا۔

”یہ لوگ راجہ کی آخری رسومات ادا کرنے میں اتنی دیر  
کیوں لگا رہے ہیں؟ سنا ہے کل دوپہر کے بعد راجہ  
کی چٹاکی آگ لگائی جائے گی۔“

سرائے کا مالک بولا۔

”اس لیے کہ یہاں کا صدیوں سے دستور چلا آتا  
ہے کہ راجہ کے ساتھ جو رانیاں سستی ہوتی ہیں شاہی  
مصور ان کی تصویریں بناتے ہیں جو شاہی محل کے باہر

لگادی جاتی ہیں تاکہ رعایا کو پتہ چل جائے کہ ان رانیوں  
کو راجہ کے ساتھ چٹا پرستی کیا جانا ہے۔“

تھیوسانگ کان کھجانے لگا۔ اسے یہ سب کچھ بہت وحشیانہ باتیں  
لگ رہی تھیں۔ بھلا کون کسی مرنے والے کے ساتھ جاتا ہے۔ ہر  
کوئی آگے جا کر اپنے عملوں کا خود ہی حساب دیتا ہے۔ وہاں  
کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ اس نے گفتگو کا موضوع  
بدلتے کے لیے کہا۔

”دادا! منگلا دیوی کے ناریل باغ میں پرے ہیں۔“

بجاری اسے لینے نہیں آئے۔

سرائے کا مالک بولا۔

”آج شام بجاری آکر ناریل لے جائیں گے۔ اب یہ

ناریل بھی راجہ کی چٹا پر لے جا کر رکھ دیے جائیں گے

تاکہ منگلا دیوی کا بھی آئینہ باد راجہ کو مل جائے۔“

تھیوسانگ نے جمائی لی اور بولا۔

”دادا! مجھے تو نیند آرہی ہے۔“

نیند اسے بالکل نہیں آرہی تھی۔ وہ اصل میں سرائے کے مالک کی

باتوں سے بور ہو گیا تھا۔ وہ کیٹی کے گم ہو جانے کے بارے میں

پریشان تھا اور سرائے کا مالک اسے راجہ کی سات رانیوں کی

کہانی سناتا رہا تھا۔ تھیوسانگ اُٹھ کر واپس اپنی کوٹھڑی میں



آگیا۔ رات کو پھر بارش شروع ہو گئی وہ  
کوٹھڑی کے اندر اندھیرے میں تنختے پر چپ چاپ لیٹا تھا کہ  
باہر بارش کے گرنے کی آواز آنے لگی۔ پھر ہلکا سا بادل بھی  
گرہنے لگا۔

آواز زیادہ تیز ہو گئی۔ کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا۔ بجلی چمکتی  
تو بند دروازے کی درزوں میں سے روشنی چمک جاتی۔ اس  
کے بعد پھر گھپ اندھیرا ہو جاتا۔ تھیو سانگ کو اندھیری خاموش  
رات میں بارش کی آواز بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ اس کا  
دل چاہا کہ وہ برآمدے میں جا کر بارش کا منظر دیکھے۔ وہ  
اٹھا اور دروازہ کھول کر برآمدے میں آگیا۔

بارش بڑی موسلا دھار ہو رہی تھی۔ اس کی بوچھاڑ  
برآمدے میں بھی آرہی تھی۔ سرائے میں سب کوٹھڑیاں بند  
کیے گہری نیند سو رہے تھے۔ بجلی چمکی۔ اس کی روشنی میں  
تھیو سانگ کو ناریل کے جھومتے ہوئے درخت نظر آئے۔ اس  
برآمدے میں بڑی بانس کی پرانی قسم کی کرسی بارش کی بوچھاڑ  
سے بھیگ رہی تھی۔ اس نے کرسی کو پیچھے کھینچا اور اس پر  
بیٹھ کر سامنے ناریل کے اندھیرے درختوں میں گرتی بارش کو  
دیکھنے لگا۔ تھپ تھپ کی آواز سے درخت پر سے دو ناریل  
ٹوٹ کر گھاس پر گرے۔ تھیو سانگ کو اچانک یاد آیا کہ کیشی

نے اس رات باغ میں گرا ہوا ایک ناریل اٹھایا تھا اور سرائے  
کے مالک کے خوف زدہ کرنے پر اس نے ناریل باغ میں جا  
کر رکھ دیا تھا۔ کیوں کہ سرائے کے مالک کے کہنے کے مطابق  
ناریل منگلا دیوی کی امانت تھے۔ اور کوئی انسان انہیں اٹھا  
کر توڑ نہیں سکتا تھا۔ تھیو سانگ کو یونہی خیال آیا تھا کہ کہیں  
کیشی پر ناریل کا طلسم تو نہیں ہو گیا۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا۔  
کیشی نے تو ناریل باغ میں پھینک دیا تھا۔

تھیو سانگ انہی خیالات میں الجھا برآمدے میں بیٹھا باہر  
ناریل گھرتی بارش کو دیکھتا رہا۔ اباب بار بجلی چمکی تو تھیو سانگ  
اچانک سا پرٹا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس نے بجلی کی چمک میں  
کسی انسانی ہیولے کو برآمدے کی طرف بڑھتے دیکھا ہے۔  
بجلی چمکنے کے بعد ایک بار پھر باغ میں گرا اندھیرا چھا گیا تھا۔  
اباب بار اچانک روشنی ہو کر بجھ جائے تو اندھیرا زیادہ  
گہرا ہو جاتا ہے۔ اور آدمی کو تھوڑی دیر کے لیے کچھ دکھائی نہیں  
دیتا۔ مگر تھیو سانگ کی آنکھیں اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھیں۔  
اس نے دیکھا کہ ناریل کے درختوں کے نیچے ایک عجیب سی شے  
آہستہ آہستہ چلی آرہی ہے۔

تھیو سانگ کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور باغ میں  
گھومنے لگا۔ ناریل کے درختوں میں ایک ایسی عورت اس کی



طرف بڑھ رہی تھی جس کے بال کھلے تھے۔ ہاتھ میں ترشول تھا۔ آنکھیں اوپر کو پڑھی ہوئی تھیں۔ گلے میں انسانی کھوپڑیوں کا ہار تھا۔ ترشول کا سرخ تھیو سانگ کی طرف تھا۔ اس کے جسم پر سیندور ملا ہوا تھا۔ تھیو سانگ اٹھ کھڑا ہوا۔ باغ میں عورت رک گئی۔ تھیو سانگ کی طرف سرخ آنکھوں سے دیکھا۔ تھیو سانگ کو باریک سیٹی جیسی تیز آواز آئی۔

”بھاگ جاؤ یہاں سے۔ نہیں تو جان سے مار دوں گی۔“

تھیو سانگ اس پر اسرار عورت کی طرف غور سے تک رہا تھا اسے محسوس ہو رہا تھا۔ کہ جیسے کسی نے اس کے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگا دی ہے۔ وہ بولنا چاہتا تھا مگر اس کے ہونٹ نہیں کھل رہے تھے۔ پر اسرار آسیبی عورت اپنی لال لال آنکھوں سے تھیو سانگ کو دیکھ جا رہی تھی۔ بارش میں اس کا سیندوری بدن بھیگ رہا تھا۔ بھیگے ہوئے گیلے بالوں کی لٹیں سانپوں کی طرح اس کے شانوں پر لگا رہی تھیں۔ اس کے حلق سے پھر وہی سیٹی ایسی تیز آواز بلند ہوئی۔

”بھاگ جا یہاں سے۔ نہیں تو جان سے مار دوں گی۔“

بجلی زور سے کڑکی۔ بادل گرے۔ بجلی کی تیز چمک میں آسیبی عورت کا جسم شعلے کی طرح روشن ہو گیا۔ اس کے بعد ایسا اندھیرا چھا گیا کہ تھیو سانگ کو نابیل کے درختوں والے باغ میں سوائے اندھیرے

اور کچھ نظر نہ آیا۔ تھیو سانگ برآمدے کے جنگلے کے پاس آ کر اسے باغ میں دیکھنے لگا۔ بارش کی بوچھاڑ اس پر پڑ رہی تھی۔ باغ میں موسلا دھار بارش نے شور مچا رکھا تھا۔ باغ میں سوائے اندھیرے کے اور کچھ نہیں تھا۔ آسیبی عورت غائب ہو گئی تھی۔ تیز بارش میں باغ کے کنارے لگے ہوئے کیلے کے درختوں کے پوڑے پوڑے پتے نیچے کو جھک گئے تھے۔ پہلے تھیو سانگ کو خیال آیا کہ شاید یہ اس کا وہم تھا۔ لیکن اس وہم نہیں ہو سکتا تھا۔ تھیو سانگ کی آنکھوں میں آسیبی عورت کی پر اسرار شکل نقش ہو گئی تھی۔ اس نے اس عورت کو کھلی اور بیدار آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ترشول تھا۔ آنکھیں پہلے اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں۔ پھر اسے گھورنے لگی تھیں۔ بال سانپوں کی طرح بھیگ کر جسم سے لپٹے ہوئے تھے۔ گلے میں انسانی کھوپڑیوں کا ہار تھا۔ یہ آسیبی شکل اب بھی تھیو سانگ کی آنکھوں میں تھی۔ وہ پیچھے ہٹ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور باغ کے درختوں کو تکتے لگا جو لمبے سیاہ ستونوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ بارش کا زور ٹوٹ گیا تھا مگر بادل اسی زور شور سے گرج رہے تھے۔ یہ کون تھی؟ یہ اسے یہاں سے بھاگ جانے کا کیوں کہہ رہی تھی؟ کیا یہ اسے جانتی ہے؟ کیا یہ کوئی چڑیل تھی۔ کیا یہ کوئی پر اسرار آسیبی



مخلوق تھی۔ مگر اسے اس سے کیا دل چسپی ہو سکتی ہے۔ پھر وہ اسے یہاں سے چلے جانے کا کیوں کہہ رہی تھی۔ کیا کسی طرح سے اس کا تعلق کیٹی کے غائب ہو جانے سے ہے؟ مگر کیٹی کا اس سے کیا سروکار ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو یہ آسیبی عورت اسے ضرور کیٹی کے بارے میں کہتی کہ تم کیٹی کی تلاش چھوڑ دو اور یہاں سے بھاگ جاؤ۔ مگر اس نے تو ایسا نہیں کہا۔ پھر یہ کون تھی۔ یہ اندھیری بارش والی رات کو اس کے پاس کیوں آئی تھی۔

کیا تھیو سانگ کو یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ تھیو سانگ سوچنے لگا۔ نہیں نہیں جب تک کیٹی اسے نہیں ملتی وہ اس شہر کو ہرگز نہیں چھوڑے گا۔ پھر ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ غبر، ناگ اور ماریا سے بھی اسی شہر میں ملاقات ہو جائے۔ تھیو سانگ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آسیبی عورت کا مقابلہ کرے گا مگر اس شہر کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جائے گا۔ کل سے وہ کیٹی کی تلاش زور شور سے شروع کر دے گا۔ وہ شہر کے کونے کونے کو چھان مارے گا اور کیٹی کو ڈھونڈ کر ہی رہے گا۔

رات گزر گئی۔ صبح ہو گئی۔ بارش اب نہیں ہو رہی تھی۔ تھیو سانگ نے منہ ہاتھ دھو کر دوسرے کپڑے بدلے اور کیٹی کا سراغ لگانے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شہر میں راجہ کے

رنے کی وجہ سے وہی کل والی ماتمی فضا چھائی ہوئی تھی۔ مگر راجہ کی لاش اور اس کی ساتوں زندہ رانیاں کو جزیرہ سرانڈیپ لے جایا جا رہا ہے۔ وہاں راجہ کی لاش کے ساتھ رانیاں بھی چتا کی آگ میں جل جائیں گی۔

تھیو سانگ نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور کیٹی کو ڈھونڈنا فضا میں اس کی خوشبو کو سو ٹکھنے کی کوشش کرتا ایک بازار میں چلنے لگا۔ یہ بازار ایک دوسرے

بازار میں جا کر مل گیا۔ یہاں سب دوکانیں بند تھیں۔ سب لوگ سمندر کی طرف چلے گئے تھے۔ بازار اور گلیاں سنان پڑی تھیں۔ تھیو سانگ چلتا چلا گیا۔ مکافون پر تالے لگے تھے۔ عجیب ویرانی برس رہی تھی۔ ہر طرف — وہ ایک مندر کے قریب سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ کچھ عورتیں مندر میں جا رہی تھیں۔ تھیو سانگ یہ دیکھنے لگا کہ کہیں کھن میں کیٹی تو نہیں ہے۔ مندر کی طرف بڑھا۔ مندر میں بھی راجہ کی موت پر لوگ اس کی روح کو سکھ پہنچانے کے لیے بھیجے جا رہے تھے۔ اچانک تھیو سانگ کی نظر مندر کی دیوار میں لگی ہوئی مورتی پر پڑی تو وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ یہ اس آسیبی عورت



کی مورتی تھی۔ جو رات بارش میں اس کو خبردار کرنے آئی تھی کہ یہ شہر چھوڑ کر چلے جاؤ نہیں تو تمہیں جان سے مار دیا گی۔ تھیو سانگ وہیں کھڑا مورتی کو گھورنے لگا۔ بالکل وہی عورت تھی۔ آنکھیں اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں۔ گلے میں انسانی کھوپڑیوں کا ہار تھا۔ سارا جسم سیندوری تھا۔ بے بال شانوں پر سانپوں کی طرح پڑے تھے۔ ہاتھ میں ترشول تھا یہ کیا معصہ ہے؟ یہی عورت تو اس کے پاس رات کو بارش میں آئی تھی۔ پھر یہ یہاں مورتی کیسے بن گئی۔

اسے معلوم ہوا کہ یہ منگلا دیوی کی مورتی ہے۔ لوگ منگلا دیوی مورتی پر ناریل چڑھا رہے تھے۔ مندر کے باہر ایک طرف ناریلوں کے ڈھیر لگے تھے۔ تھیو سانگ جانے لگتا ہے کہ اچانک جیسے منگلا دیوی کی مورتی کی آنکھیں اس کی طرف جم جاتی ہیں اور پھر اسے وہی سیٹی والی تیز آواز سنائی دیتی ہے۔ ”یہاں سے بھاگ جا۔ نہیں تو جان سے مار دوں گی۔“

تھیو سانگ کی آنکھیں منگلا دیوی کی مورتی یعنی آسیبی عورت پر لگی تھیں۔ اور کانوں میں اس کی تیز آواز بار بار گونج رہی تھی۔ تھیو سانگ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مورتی کی آنکھیں پھر اوپر کو چڑھ گئیں اور اس کی آواز بھی غائب ہو گئی۔ جیسے وہ پتھر تھی اور اس کے کانوں میں کوئی آواز

نہیں آرہی تھی۔ تھیو سانگ تیزی سے مندر سے باہر آگیا۔ تھیو سانگ کو یقین ہو گیا کہ کیٹی کو اسی آسیبی عورت نے اغوا کیا ہے اور اسے کسی نامعلوم جگہ رکھا ہوا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ کیٹی نے ایسی کون سی بات کی تھی۔ کہ آسیبی عورت اسے اغوا کر کے اپنے ساتھ لے گئی۔ تھیو سانگ نے فیصلہ کیا کہ آدھی رات کے بعد جب مندر میں کوئی نہیں ہو گا تو وہ مندر میں جا کر اس منگلا دیوی کی مورتی سے ضرور پوچھے گا کہ اس نے کیٹی کو کیوں اغوا کیا ہے۔ تھیو سانگ کو معلوم تھا کہ کیٹی مر نہیں سکی۔ ہاں اگر اسے آگ میں پھینک دیا جائے تو مر سکتی ہے۔ اسے تشویش ہوئی کہ کہیں آسیبی عورت نے کیٹی کو آگ میں نہ ڈال دیا ہو۔ معاملہ بے حد نازک تھا۔ تھیو سانگ بے چینی سے مندر کے خالی ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ ضروری تھا کہ آدھی رات گزر جائے۔

وہ بازار میں چلتا گیا۔ یہ بازار آگے جا کر جہاں ختم ہو جاتا ہے وہاں راجہ کا محل آ جاتا ہے۔ تھیو سانگ نے دیکھا کہ راجہ کے محل کے نیچے بہت سے لوگ کھڑے ہیں۔ راجہ کی لاش اور سات رانیوں کو لوگ لے جا چکے تھے مگر پھر کچھ لوگ وہاں دیوار کی طرف منہ کیے کھڑے تھے تھیو سانگ



نے ایک بوڑھے سے پوچھا۔

”بابا یہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“  
بوڑھے نے آہ بھر کر کہا۔

”بیٹا! محل کے باہر راجہ کی ان سات رانیوں کی  
تصویریں بنا کر لگا دی گئی ہیں۔ جن کو راجہ کے آگ میں  
ستی ہونے کے لئے سراندر پلے جایا گیا ہے۔“

تھیوسانگ کو سات رانیوں کا بہت افسوس تھا۔ کہ بے چاریوں  
کو ایک مردہ لاش کے ساتھ خواہ مخواہ آگ میں جلایا جا رہا ہے  
مگر یہ تو اس زمانے کی رانیوں کی قسمت ہوا کرتی تھی۔ جو  
راجہ کی رانی بنتی تھی۔ اسے معلوم ہوتا تھا کہ جب راجہ مرے  
گا تو اسے راجہ کی لاش کے ساتھ ہی پتھر پر بٹھا کر جلا دیا  
جائے گا۔ چاہے اس کی خواہش ہو یا نہ ہو۔ بلکہ راجہ بیمار  
ہوتا ہے تو اسی وقت سے اس کی رانیوں کی نگرانی سخت  
کر دی جاتی تھی۔ کسی رانی کو اجازت نہیں ہوتی تھی کہ  
وہ محل سے باہر جاسکے۔ تھیوسانگ کو خواہش پیدا ہوئی  
کہ چلو چل کر ان بد نصیب رانیوں کی تصویریں ہی دیکھ لیں  
جن کو آج دھوپ کے بعد سراندر پلے کے جزیرے میں راجہ  
کے ساتھ زندہ جلا دیا جائے ہے۔

تھیوسانگ محل کی دیوار کے پاس آگیا۔ لوگ بڑے شوق

سات رانیوں کی تصویریں دیکھ رہے تھے۔ یہ تصویریں ہتھ  
کے پانچ چھ فٹ اونچے ٹکڑے پر راجہ کے شاہی مصور  
نے برش اور رنگوں سے بنائی تھیں۔ یہ سات رانیوں  
کی تصویریں تھیں۔ اور محل کی دیوار کے ساتھ لگی تھیں  
لوگ انہیں خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ تھیوسانگ بھی  
فریب جاکر دیکھنے لگا۔ پہلی رانی کی شکل نیپال کی عورتوں  
جیسی تھی۔ یہ رانی شاید نیپال کی کوئی راجکارہی ہے۔ دوسری  
رانی کی تصویر سے معلوم ہوتا تھا کہ ملک جیشہ کی رہنے والی  
جیشہ لڑکی ہے۔ تیسری رانی کی شکل آسام کی عورتوں سے  
ملتی جلتی تھی۔ چوتھی رانی کی تصویر کو دیکھتے ہی تھیوسانگ کا  
دل سینے میں زور سے اچھلا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ  
آیا۔ اس نے زور سے آنکھیں ملیں اور دوبارہ تصویر کو  
دیکھا۔ یہ تصویر کیٹی کی تھی جو رانیوں ایسا شاہی لباس پہنے  
ہوئے تھی۔ سر پر سونے کا تاج تھا۔ گلے میں موتیوں کے  
ہار تھے۔ کانوں میں سرخ لعل چمک رہے تھے۔ بالکل کیٹی  
کی شکل تھی۔ بلکہ یہ کیٹی ہی تھی۔ تھیوسانگ نے ایک بار پھر  
آنکھیں کھول کر قریب سے تصویر کو دیکھا۔ یہ کیٹی کی تصویر  
تھی۔ جو شاہی لباس پہنے خاموش کھڑی تھی۔ اس کے  
چہرے پر ایک ہلکی سی اداسی تھی۔ مصور نے تھوڑی دیر پہلے



ہی اس کی یہ تصویر رنگوں اور برش کی مدد سے اس پتھر کی سلیٹ پر بنائی تھی۔ جب کہ کیٹی کو بھی دوسری رانیوں کے ساتھ راجہ کی لاش کے ساتھ آگ پر جلنے کے لئے لے جایا جا رہا تھا۔

تھیوسانگ نے گھبرا کر ایک آدمی سے پوچھا۔

”یہ ایسا۔۔۔ یہ ان رانیوں کی تصویریں ہیں تا جنہیں سستی کرنے لے جایا گیا ہے۔“

اس آدمی نے کہا۔

”ہاں بھائی۔ یہ ہماری رانی مائیں ہیں جو آج دوپہر

کے بعد ہمارے راجہ دیوتا کے ساتھ سستی ہو جائیں گی۔“

تھیوسانگ لوگوں کے ہجوم میں سے نکل کر سمندر کی طرف دوڑا۔ اسے اچانک یوں دوڑتے دیکھ کر لوگ حیران ہو کر اس طرف دیکھنے لگے۔ تھیوسانگ بھاگ رہا تھا۔ گلیوں، بازاروں، کھیتوں میں دوڑتے دوڑتے تھیوسانگ سمندر کے کنارے اس جگہ پہنچ گیا جہاں راجہ کی لاش اور اس کی سات رانیوں کو کشتیوں میں سوار کرا کر دور سمندر میں واقع سراندیپ جزیرے میں لے جانا تھا۔ تھیوسانگ سخت پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے کیٹی کو نہ بچایا تو شاہی محل کے لوگ اور سپاہی کیٹی کو بھی رانی سمجھ کر راجہ کی لاش کے ساتھ ہی جلا

ڈالیں گے اور اگر کیٹی کو آگ میں ڈال دیا گیا تو وہ زندہ نہ بچے گی۔ کیوں کہ اسے آگ رہی مار سکتی ہے۔ تھیوسانگ نے دیکھا کہ سمندر خالی پڑا تھا۔ معلوم ہوا کہ راجہ کی لاش اور

سستی ہونے والی رانیوں کو لے کر کشتیاں جزیرہ سراندیپ کی طرف کب کی روانہ ہو چکی ہیں۔ صرف ایک بڑی کشتی وہاں کھڑی تھی۔ جس پر صندل اور زعفران کے تیل سے بھرے ہوئے بڑے بڑے پکے لادے جا رہے تھے۔ تھیوسانگ کے پتہ کرنے پر معلوم ہوا۔ یہ تیل کے پکے راجہ اور سات رانیوں کی چتا پر ڈالا جائے گا۔ تاکہ آگ زیادہ بھڑکے۔

تھیوسانگ بوکھلا سا گیا۔ وہ ناگ ہوتا تو اڑ کر جزیرے میں پہنچ جاتا اور کیٹی کی جان بچا لیتا۔ مگر وہ اڑ نہیں سکتا تھا۔ ماریا کی طرح وہ غائب ہو کر ہوا میں بھی پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ پھر وہ کیا کرے۔

تھیوسانگ نے اپنے گئی ہوگی۔ اسے رانی کے پاس جزیرہ سراندیپ میں پہنچ گئی ہوگی۔ اسے صرف ایک تسلی ہی لکڑیوں کی چتا پر بٹھا دیا گیا ہوگا۔ اسے صرف ایک تسلی تھی کہ جب تک زعفران اور صندل کے تیل کے پکے جزیرے پر نہیں پہنچتے چتاؤں کی لکڑیوں کو آگ نہیں لگائی جائے گی۔ جس بڑی کشتی پر یہ تیل کے پکے لادے جا رہے تھے اس کے پاس سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ کوئی آدمی اس کے قریب



بھی نہیں پھٹک سکتا تھا۔ تھیو سانگ صرف اسی کشتی پر سوار ہو کر جزیرہ سرانڈیپ پہنچ سکتا تھا۔

اس کے پاس سوچنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ کیونکہ کشتی چلنے والی تھی۔ صرف چار پکتے لادنے کے لیے باقی رہ گئے تھے تھیو سانگ دوڑ کر ایک پکتے کے پیچھے بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اس نے اپنی انگلی اپنے جسم کے ساتھ لگائی۔ وہ ایک دم سے انگلی کے برابر چھوٹا ہو گیا۔ پھر اس نے یہ کیا کہ تیل کے پکے کے ارد گرد بھورسی کا جال پٹا ہوا تھا۔ اس میں گھس کر چھپ گیا مزدور آئے اور پکتے کے ساتھ اسے بھی اٹھا کر کشتی میں لے گئے اور کشتی میں دوسرے کپوؤں کے ساتھ رکھ دیا۔ تھیو سانگ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ کشتی میں سوار ہو گیا تھا اب اسے ایک ہی الجھن لگی تھی۔ کہ جلدی سے جزیرے پر پہنچ جائے۔

سپاہیوں نے کشتی کا لنگر اٹھایا اور حکم دیا کہ کشتی کو لے کر جزیرے پر پہنچا دیا جائے۔ بارہ ملاح چھوٹے کر کشتی کے کنارے کنارے بیٹھ گئے اور انھوں نے چھو سمندر میں چلانے شروع کر دیے۔ بارہ آدمیوں کے چھو چلانے سے بڑی کشتی نے تیزی سے سمندر میں بہنا شروع کر دیا۔ تھیو سانگ انگلی جھپٹنے سانڈ کا بنا ہوا تیل کے پکے کی رسیوں کے جال میں چھپ کر بیٹھا تھا۔ کشتی سمندر کی لہروں کو پھیرتی ہوئی کافی رفتار

سے آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ تھیو سانگ سوچ رہا تھا کہ یہ کیسے ہو گیا کہ کیٹی غائب ہو کر راجہ کے محل میں رانی بن کر ظاہر ہو گئی؟۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔ کیا کیٹی کو معلوم نہیں کہ وہ کیٹی ہے۔ رانی نہیں ہے۔ ضرور اس کی یادداشت بھی بدل دی گئی ہوگی۔ کیونکہ اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ وہ کیٹی ہے اور رانی نہیں ہے تو وہ ضرور راجہ کے محل سے بھاگ کر تھیو سانگ کے پاس کارخانے میں آ جاتی۔ مگر وہ تو راجہ کے محل میں رانی بن کر بیٹھی تھی اور اب اپنی مرضی سے راجہ کی لاش کے ساتھ آگ میں جلتے جا رہی تھی۔ کم از کم وہ اس وقت ہی فرار ہو سکتی تھی۔ کیونکہ اب تو مرنے والی تھی اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی تھی کہ جس کسی نے بھی اس کی کایا پلٹ کی ہے اور اس پر ظلم کیا ہے۔ اس نے کیٹی کی پرانی یادداشت بھی گم کر دی ہے اور اب اسے بالکل یاد نہیں کہ وہ کیٹی ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو راجہ کی رانی ہی سمجھ رہی ہے۔ لیکن ابھی اس کے بارے میں تھیو سانگ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ کام اسی منگلا دیوی کا ہے۔ ضرور کیٹی نے رات کو باغ سے ناریل لاکر اسے توڑ کر کھالیا ہوگا۔ جس سے منگلا دیوی کو غضب آگیا اب



تھیوسانگ کو یاد آیا کہ کاروان کی کوٹھڑی میں فرش پر جو میٹھا رس گرا ہوا تھا وہ اسی ناریل کا رس تھا جس کو کیٹی باغ سے اٹھا کر لے آئی تھی۔

تھیوسانگ کا ذہن بہت الجھن میں مبتلا تھا۔ اس کا دل تشویش میں گھرا ہوا تھا۔ وہ اڑ کر جزیرے پر پہنچ کر کیٹی کو آگ میں جلنے سے بچالینا چاہتا تھا مگر کشتی سمندر میں چلی جا رہی تھی۔ اور ابھی جزیرے کا کہیں نام و نشان بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ آخر دور سر اندر پ کے جزیرے کے ساحل کے اونچے اونچے درخت نظر آنے لگے۔ کشتی تیزی سے کنارے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کنارے پر ایک گھاٹ بنا تھا جہاں شاہی خادم زرد رنگ کے کپڑے پہنے بیل گاڑیاں لیے کھڑے تھے تاکہ کشتی میں سے صندل اور زعفران کے تیل کے پکے نکال کر میدان میں اس جگہ لے جائیں جہاں راجہ اور اس کی رانیوں کے لیے چٹا تیار تھیں۔

تھیوسانگ پکے کی رسی کے ساتھ اندر کی طرف چٹا ہوا تھا۔ وہ اس قدر چھوٹا سا تھا کہ کسی کی اس پر نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ کشتی کنارے کے ساتھ جا کر لگی تو کپوں کو کشتی سے نکال کر بیل گاڑیوں پر لادا جانے لگا۔ شاہی خادموں نے وہ گٹیا بھی اٹھا کر بیل گاڑی میں رکھ دیا جس کی رسیوں

کے ساتھ تھیوسانگ چٹا ہوا تھا۔ یہ بیل گاڑیاں ان کپوں کو لے کر اس میدان کی طرف چل پڑیں جہاں راجہ کی لاش اور ان کی رانیوں کو جلانے کے لیے آٹھ چٹائیں تیار کی گئیں تھیں۔ صندل اور زعفران کے تیل کے یہ سارے پکے چٹاؤں سے ٹوڑے فاصلے پر درختوں کے نیچے رکھ دیے۔ تھیوسانگ کو یہاں رسیوں میں سے کھسکنے کا موقع مل گیا۔ وہ لمبی لمبی گھاس کے اندر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا درخت کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ وہ سائز میں اتنا چھوٹا ہو گیا تھا کہ اس کو چھپانے کے لیے دو ہتے ہی کافی تھے۔ اس نے پتوں کی اوٹ سے یہاں میں دیکھا۔ میدان میں چٹائیں تیار تھیں یہ آٹھ چٹائیں تھیں۔ ایک درمیان میں تھی۔ جس پر راجہ کی لاش پھولوں سے ڈھکی ہوئی رکھی تھی اور گرد سات چٹائیں تھیں۔ یہ راجہ کی رانیوں کے لیے تھیں جنہیں ان پر بٹھا کر زندہ جلایا جانے والا تھا۔ یہ چٹائیں خالی تھیں۔ کچھ فاصلے پر سیاہ رنگ کے چار نیچے لگے تھے۔ ان کے باہر سپاہی تلواریں اٹھائے پہرہ دے رہے تھے۔ ضرور سستی ہونے والی رانیاں ان خیموں میں بند تھیں۔ تھیوسانگ لمبی گھاس میں دوڑتا ان خیموں کی طرف چلا۔ وہ تیز دوڑ رہا تھا مگر چونکہ وہ بہت چھوٹا ہو گیا تھا اس لیے فاصلہ کم طے ہو رہا تھا۔ اسے خیموں کے پیچھے ایک پہنچے پہنچے پانچ سات منٹ لگ گئے۔ بھکشو، برہمن اور



پجاری راجہ کی لاش کے ارد گرد چکر لگا کر بھجن گا رہے تھے۔ اور راجہ کی لاش پر گنگا کا پانی چھڑک رہے تھے۔ ایک طرف سے سپاہیوں کا دستہ آیا اور اس نے رانیوں کی چٹاؤں کے آس پاس پہرہ لگا دیا۔ یہ اس خیال سے کہ کہیں رانیاں موت کے خوف سے ڈر کر بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ کئی بار ایسے واقعات بھی ہوئے تھے کہ عورت کو خاوند کے ساتھ کستی ہونے کے لیے لایا گیا تو وہ اپنا آپ چھڑا کر بھاگ گئی۔ پھر لوگوں نے اسے زبردستی پکڑ کر خاوند کی چٹا میں بھر دیتی آگ میں ڈال دیا۔ تھیوسانگ چونکہ ایک انسانی انگلی جتنے سائز کا تھا اسی لیے اسے فائدہ تھا کہ اسے آسانی سے دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ ایک خیمے کے نیچے سے ہو کر اس نے اندر جھانکا تو دیکھا کہ یہاں نیپالی شکل والی رانی کو عورتیں آگ میں ڈالنے کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ اسے پھولوں کے ہار ڈالے جا رہے تھے۔ تھیوسانگ دوسرے خیمے کی طرف بھاگا۔ وہاں بھی کیٹی نہیں تھی۔ چھٹے خیمے کا نیچے سے موٹا پردہ اٹھا کر دیکھا تو کیٹی چٹائی پر بیٹھی تھی۔ اس نے شاہی لباس پہن رکھا تھا اور عورتیں اسے پھولوں کے گہنیوں سے سجا رہی تھیں۔ تھیوسانگ جلدی سے خیمے کے اندر گھس گیا۔ وہ ایک صراحی کے نیچے چلا گیا۔ کسی عورت نے اسے نہ دیکھا۔ اسے خیال آیا کہ وہ بڑا ہو کر کیٹی کو یہاں سے بھاگ کر لے جائے۔ مگر یہاں سے کیٹی کو بھاگ کر لے جانا کوئی آسان نہیں۔ باہر سپاہی کھڑے تھے۔ ایک بات پر تھیوسانگ بہت پریشان تھا کہ کیٹی بڑے آرام سے بیٹھی تھی۔ جیسے اسے اپنے زندہ چلنے کا

کوئی افسوس نہیں۔ جیسے وہ ذہنی طور پر کستی ہونے کے لیے بالکل تیار تھی۔ یہ بات تھیوسانگ کے خلاف جاتی تھی۔ کیونکہ اس سے ظاہر تھا کہ اگر تھیوسانگ نے کیٹی کو بھاگنے کی کوشش کی تو وہ آگے سے مزاحمت کرے گی۔ پھر اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کیٹی نے اپنے آپ کو بے بس اور مجبور پا کر حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہو مگر وہ آسانی سے سمجھوتہ کرنے والی نہیں۔

تھیوسانگ نے فیصلہ کیا کہ ابھی اسے بڑے سائز میں نہیں آنا چاہیے اور وہ اس طرح ریگتا ہوا پھولوں کے اس ڈھیر کے قریب آگیا جو کیٹی کی دائیں جانب پڑا تھا۔ یہ گیندے اور کنول کے پھول تھے۔ تھیوسانگ اس ڈھیر کے اندر گھس گیا۔ شاہی محل کی کینیزیں کیٹی کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں۔ کوئی اس کے ہاتھوں میں پھولوں کے کنگن ڈال رہی تھی۔ جب یہ کینیزیں کیٹی کو تیار کر چکیں تو خیمے کا پردہ اٹھا کر باہر چلی گئیں۔ تھیوسانگ کو بڑا اچھا موقع مل گیا وہ یک دم پھولوں کے ڈھیر سے نکل کر کیٹی کے سامنے آیا اور بولا "کیٹی! میں تھیوسانگ ہوں۔ میں تمہاری مدد کرنے آگیا ہوں۔ میرے

ساتھ خیمے کے تیچے سے....."

ابھی اس کا فقرہ پورا نہیں ہوا تھا کہ کیٹی کا رنگ زرد ہو گیا۔ وہ چیخ مار کر بولی۔ "تم۔۔۔۔۔ تم بھوت ہو۔ بھوت ہو۔"

تھیوسانگ کو یقین ہو گیا کہ کیٹی کی یادداشت معطل کر دی گئی ہے۔ اب اس کے پاس زیادہ سوچنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ وہ کیٹی کو وہاں سے اٹھالے جانا چاہتا تھا۔ اس نے ایک سیکنڈ میں اپنی دوسری انگلی



اپنے جسم سے لگائی اور پورے انسانی سائز میں آگیا۔ ایک چھوٹے سے بونے آدمی کو یکدم بڑا ہوتے دیکھ کر کیٹی کی پیچ نکل گئی۔ تھیوسانگ نے دوسرے سیکنڈ کے اندر اندر اپنی انگلی کیٹی کے بازو پر لگا دی۔ انگلی کے لگتے ہی کیٹی تھیوسانگ کی انگلی جتنی ہو گئی۔ تھیوسانگ نے اسے اٹھا کر جیب میں ڈال لیا اور خیمے کے پیچھے پردے کی طرف لپکا۔ چاقو کی مدد سے پردہ پھاڑا اور اہر کو دگیا۔ حیرت کی آواز سن کر پہلے کینزیر خیمے میں آئیں۔ انھوں نے جو دیکھا کہ رانی غائب ہے تو انھوں نے شور مچا دیا۔

”رانی بھاگ گئی۔ رانی بھاگ گئی!“

س بارہ سپاہی تلواریں، نیزے لیے خیمے کی طرف لپکے۔ انہوں نے خیمے کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک سپاہی نے خیمے کے کپڑے کو پھٹے ہوئے دیکھا بولا۔

”رانی یہاں سے چاقو سے پردہ پھاڑ کر فرار ہوئی ہے۔“

دوسرا بولا۔

”وہ اس جنگل میں ہی ہوگی۔ ایکڑ نہیں تو مہا منتر، کے حکم سے

ہماری گردنیں اڑا دی جائیں گی۔“

سپاہی جزیرے کے چھوٹے سے جنگل کی طرف دوڑے۔ سارے جزیرے میں سورج گیا کہ رانی کو کلا فرار ہو گئی ہے۔ مہانتری یعنی راجہ کا وزیر اعلیٰ بھی راجہ کی آخری روم کرنے کے لیے ایک خیمے میں موجود تھا۔ اس نے سنا تو غصے سے کانپتے

ہوئے بولا۔ 1055

الہ رانی کو کلا گئے بھاگ جانے سے ہمارے ملک پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہوگا اور راجہ کی آتما کو شانتی نہیں ملے گی۔ وہ اسی جزیرے پر ہوگی۔ جزیرہ زیادہ بڑا نہیں ہے۔ اسے فوراً پکڑ کر لاؤ۔ تمام سپاہی جزیرے میں نکل کھڑے ہوئے۔ تھیوسانگ جانتا تھا کہ رانی کو یعنی کیٹی کی تلاش بڑی سرگرمی سے شروع ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ایک بہت بڑا واقعہ تھا کہ راجہ کی ایک رانی چتا سے بچ کر فرار ہو جائے۔ اسی وجہ سے دوسری رانیوں کو جلانے کا کام بھی روک دیا گیا۔ تھیوسانگ نے سوچا کہ اگر وہ پورے انسانی سائز میں جنگل میں چھپا رہا ہے۔ ہاں سے اس نے کسی کشتی میں بیٹھ کر فرار ہونے کی کوشش کی تو پکڑا جائے گا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ چھوٹے سائز کا بن کر کسی جگہ چھپ جائے اور موقع ملتے ہی کیٹی کو لے کر وہاں سے نکل جائے۔

تھیوسانگ نے جیب میں دیکھا۔ کیٹی ننھی سی انگلی کا سائز بن چکی تھی اور وہ جیب میں بے ہوش تھی۔ چونکہ اس کی یادداشت کیٹی کی نہیں تھی اس لیے وہ چھوٹے سائز کی ہوتے ہی دہشت سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ تھیوسانگ کو جنگل میں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ سپاہی رانی کو کلا کی تلاش میں آ رہے تھے۔ تھیوسانگ پورے انسانی سائز میں وہاں پکڑا جاسکتا تھا۔ اس نے بھاڑیوں کے پیچھے سے دیکھا کہ راجہ کے سپاہیوں کا ایک دستہ گھوڑوں پر سوار اسی طرف چلا آ رہا تھا۔ وہ ایک ایک جھاری میں نیزے مار کر دیکھ رہے تھے کہ رانی کو کلا کہیں وہاں تو نہیں چھپی ہوئی



تھیوسانگ نے فوراً اپنی انگلی جسم سے لگائی اور وہ اپنی انگلی کے برابر ہو گیا۔ اس نے جیب میں دیکھا تو کیٹی اسی حساب سے چاول کے دانے جتنی چھوٹی ہو چکی تھی۔

تھیوسانگ جھاڑیوں کی جڑوں کے قریب سے گذر کر درخت کے تنے کے اندر کھوکھلی جگہ میں گھس کر چھپ گیا۔ جب سپاہیوں کا دستہ جھاڑیوں میں نیزے مارتا آگے نکل گیا تو تھیوسانگ درخت کے تنے کے اندر سے نکلا اور سوچنے لگا کہ وہ کس طرف جائے؟ اس کی منزل سمندر کا ساحل تھا جہاں کشتیاں کھڑی تھیں۔ یہ شاہی کشتیاں تھیں اور انہیں واپس جانا تھا لیکن جب تک راجہ کی لاش کے ساتھ اس کی رانیوں کو سستی نہیں کر دیا جاتا یہ کشتیاں سپاہیوں اور ہامنتری اور دیگر درباریوں اور کنیزوں کو لے کر واپس نہیں جاسکتی تھیں۔ تھیوسانگ نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی کشتی کسی وقت کسی خاص کام سے واپس جائے۔ وہ اس میں سوار ہو کر جزیرے سے فرار ہو سکتا ہے۔ لیکن کشتی میں جانا بہت مشکل کام ہے۔ اس کے باوجود تھیوسانگ کی منزل وہاں سے جانے والی کوئی کشتی ہی تھی۔

اس نے اندازے کے مطابق ساحل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ وہ دیر تک جنگل کی اونچی گھاس میں چلتا رہا۔ چونکہ وہ چھوٹا سا تھا۔ اس کے قدم بھی چھوٹے چھوٹے تھے اس لیے اسے ساحل سمندر تک پہنچتے پہنچتے سورج غروب ہو گیا۔ درختوں کے پیچھے سے اسے سمندر نظر آنے لگا۔ جس پر ڈوبتے سورج کی سنہری کرنیں پڑ رہی تھیں۔ بائیں جانب

۱۳۱  
گھاٹ تھا جس پر کتنی ہی شاہی کشتیاں اور بھرے کنارے پر لگے تھے اور سپاہی سپرہ دے تھے۔ ایک طرف وہ بڑی کشتی بھی کھڑی تھی جس میں تیل کے کپوں کو لاد کر لایا گیا تھا اور جس میں چھپ کر تھیوسانگ اسی جزیرے پر پہنچا تھا۔

تھیوسانگ نے اوپر نگاہ اٹھائی۔ جس درخت کے نیچے وہ کھڑا تھا اس کی شاخوں پر جنگلی بلیں نیچے تک لٹک رہی تھیں۔ تھیوسانگ اتنا چھوٹا تھا کہ جو گھاس ہمارے ٹخنوں تک آتی وہ اس کے اندر پورے کاپورا چھپ گیا تھا۔ تھیوسانگ درخت پر چڑھ نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ درخت کا تنہا اوپر تک گھل اور صاف تھا۔ وہ درخت پر لٹکتی بیل کو پکڑ کر اوپر چڑھ سکتا تھا۔ اس نے ایک لٹکتی شاخ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اچھل کر لٹکیں اس کے ساتھ چٹا دیں۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ کافی محنت اور دقت کے بعد تھیوسانگ درخت کی اونچی شاخ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اگرچہ اس کا سانس پھول گیا تھا مگر اسے تھکاوٹ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے شاخوں کے پتوں کو ادھر ادھر ہٹا کر ساحل کی طرف دیکھا۔

یہاں سے ساحل پر کھڑی کشتیوں اور دور میدان کے ایک حصے کو دیکھ سکتا تھا۔ وہاں چتا پر راجہ کی لاش اسی طرح پڑی تھی اور بجاری بھیجنے کا رہے تھے۔ ہامنتری اپنے نیمہ کے باہر تخت پر پریشان بیٹھا تھا۔ اسے اس بات کی بے حد تشویش تھی کہ رانی کو کلا یعنی کیٹی ابھی تک نہیں ملی تھی اور اس کے بغیر دوسری رانیوں کو بھی جلایا نہیں جاسکتا تھا۔ پنڈت، پروہت بھی گھبرائے ہوئے تھے۔ کیونکہ راجہ کی لاش کو جلانے میں



دیر ہو رہی تھی۔ یہ اچھا شگون نہیں تھا۔ مہا منتری نے شاہی پروہت کو کہا  
 "مہاراج! اگر رانی کو کلا نہ ملی تو راجہ کی دوسری رانیوں کو راجہ کی  
 لاش کے ساتھ جلانے میں کیا عرج ہے۔"  
 شاہی پروہت نے کہا۔

"مہا منتری جی! آپ سو رنج غائب ہو گیا ہے۔ کل سورج غروب  
 ہونے سے پہلے اگر رانی کو کلا نہ ملی تو ہم راجہ کی لاش کو جلا دیں گے۔"  
 مہا منتری نے اسی وقت حکم دے دیا کہ راجہ کی لاش کے گرد شاہی پہرہ لگادیا  
 جائے۔ اور رانی کو کلا کو تیزی سے تلاش کیا جائے۔ تھیوسانگ چھوٹے  
 سایز کا بنا درخت کی شاخ پر بیٹھا یہ سارا نظارہ دیکھ رہا تھا۔ شاہی فوج  
 نے راجہ کی چتا اور ان نعیموں میں جن میں باقی چھ رانیاں تھیں اپنے گھرے  
 میں لے لیا تھا۔ شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ مگر ساحل پر کشتیاں اسی  
 طرح کھڑی تھیں۔ کوئی کشتی لنکا شہر کے ساحل کی طرف نہیں جا رہی تھی۔  
 تھیوسانگ دیر تک درخت کی شاخ پر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کیٹی اس  
 کی جیب میں تھی۔

رات کا اندھیرا جب چاروں طرف چھا گیا تو تھیوسانگ نے دیکھا کہ  
 کچھ غلام مشعلیں ہاتھ میں لیے ایک کشتی میں آکر دو قطاروں میں کھڑے  
 ہو گئے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کشتی کسی شاہی شخصیت کو لے کر واپس جا رہی  
 ہے۔ تھیوسانگ جلدی سے بیل کی لٹکتی شاخ کے ذریعے درخت  
 سے نیچے اتر آیا اور گھاس میں سے ہو کر تیزی سے کشتی کی طرف بڑھا  
 اندھیرے میں بے غوفی سے بھاگ رہا تھا۔ کیونکہ اسے اندھیرے میں کوئی

نہیں دیکھ سکتا تھا۔ آخر وہ بڑی شاہی کشتی کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں  
 کشتی میں مشعلوں کی روشنی تھی مگر کشتی کے باہر اندھیرا تھا۔ کشتی  
 ساحل کی ریت پر ایک رے سے بندھی تھی۔ کشتی کا پیندا تھیوسانگ  
 کے لیے کافی اونچا تھا۔ اس لیے کہ وہ خود بہت چھوٹا ہو گیا تھا۔ کشتی  
 کا پیندا اسے ایک بلند دیوار کی طرح لگ رہا تھا۔ اگرچہ یہاں اندھیرا  
 تھا مگر وہ اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ وہ بے بس ہو کر ادھر ادھر تک  
 رہا تھا کہ اس کی نظر ایک غلام پر پڑی جو اپنے کاندھے پر ایک سرخ  
 قالین رکھے کشتی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ قالین کے ساتھ ریشمی کپڑا لٹک  
 رہا تھا۔ اس ریشمی کپڑے کی ایک جھال زمین پر گھسٹتی چلی جا رہی تھی۔  
 تھیوسانگ نے اسے اپنا نشانہ بنا لیا۔ جوہنی غلام قالین لے کر پہنچا  
 تو تھیوسانگ نے اچھل کر کنواری کے پیچھے لٹکتی ریشمی جھال سے چمٹ گیا۔  
 اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے آپ کو ریشمی کپڑے کے اندر چھپا لیا  
 وہ اتنا چھوٹا سا تھا کہ غلام کو ذرا بھی اس کا بوجھ محسوس نہ ہوا۔ وہ  
 قالین لیے کشتی میں سوار ہوا اور قالین کو کشتی کے لکڑی کے فرش پر  
 کھول دیا۔ اس کے کھولتے ہی تھیوسانگ تیزی سے لپک کر کونے میں  
 ایک سپاہی کے بہت بڑے پاؤں کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ اتنے میں  
 راجہ کا مہا منتری اپنے درباریوں کے ساتھ کشتی میں آکر سوار ہو گیا اور  
 کشتی واپس لنکا کے ساحل کی طرف روانہ ہو گئی۔ جب کشتی رات کے  
 اندھیرے میں سمندر میں سفر کرتی لنکا کے ساحل کے ساتھ آکر لگ  
 گئی تو تھیوسانگ کشتی کے کونے میں قالین کی ایک تہہ کے نیچے چھپا ہوا



تھا۔ اس نے تھوڑا سا سر نکال کر دیکھا۔ ہانٹری کی سواری کشتی سے  
 اتر کر ساحل کی طرف جلوس کی شکل میں جا رہی تھی۔ جب یہ سواری  
 چلی گئی اور کشتی خالی ہو گئی تو تھیو سانگ نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا کشتی  
 کے پاس ہی ریت پر دو سپاہی نیزے لیے پہرہ دے رہے تھے۔  
 تھیو سانگ کو ان کے قریب سے گزرنا تھا۔ یہ خطرناک بات تھی  
 وہاں کشتی کے کونے پر ایک بڑی مشعل روشن تھی۔ جس کی روشنی  
 پر اسے دیکھا جاسکتا تھا۔ تھیو سانگ کچھ دیر کشتی میں ہی قالین کے  
 کنارے چھپا بیٹھا رہا۔ اسے خوشی تھی کہ وہ کیٹی کو موت کے منہ سے  
 نکال کر لے آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سپاہی پہرہ دیتے دیتے ٹہلنے  
 لگا۔ پھر انھوں نے چل پھر کر پہرہ دینا شروع کر دیا۔ تھیو سانگ موقع  
 کی تاک میں تھا۔ جو نہی اس نے دیکھا کہ سپاہی کشتی سے ذرا دور  
 چلے گئے ہیں تو وہ کشتی کے کونے پر آیا۔ یہاں اس نے رسی کو پکڑا  
 اور نیچے ریت پر چھلانگ لگا دی۔ وہ ایک چھوٹے سے پوہ کی طرح  
 ریت پر گرا اور گرتے ہی وہ درختوں کی طرف بھاگا۔  
 اتفاق سے ایک سپاہی کی نظر پڑ گئی۔ اس نے جو انگلی کے برابر  
 سائز کے آدمی کو دوڑتے دیکھا تو وہیں بت بن کر رہ گیا۔ پھر اپنی  
 آنکھیں زور سے ملیں اور غور سے دیکھا۔ اتنی دیر میں تھیو سانگ  
 ناریل کے درخت کے اندھیرے میں غائب ہو چکا تھا۔ سپاہی نے سر  
 کو جھٹک کر اپنے ساتھ سے کہا۔ ”تم نے دیکھا۔“  
 دوسرا بولا۔ ”کیا دیکھا؟“ پہلے سپاہی نے ایک بار پھر اپنا سر جھٹکا اور بولا۔

”کچھ نہیں۔ کچھ نہیں دیکھا۔ میرا وہم تھا۔“  
 بعد اسے یقین آسکتا تھا کہ ایک انسان انگلی کے برابر کا بھی ہو سکتا ہے۔  
 وہ اسے اپنا وہم ہی سمجھا تھا۔ کہنے لگا۔  
 ”بھائی! میں پہرہ دیتے دیتے تھک گیا ہوں۔ مجھے عجیب عجیب  
 چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔ مثلاً میں نے ابھی اپنی چھوٹی انگلی  
 کے برابر ایک آدمی کو بھاگتے دیکھا۔“  
 دوسرا سپاہی قہقہہ لگا کر بولا۔  
 ”میرا خیال ہے کہ تم تھوڑی دیر آرام کر لو۔ نہیں تو تمہیں ہاتھی گھوڑے  
 بولے دکھائی دینے لگیں گے۔“  
 تھیو سانگ ناریل کے درختوں میں دوڑتا چلا گیا۔ اس کا فاصلہ زیادہ  
 بڑھ گیا تھا۔ پھر بھی وہ ساحل سے اس جگہ آ گیا۔ جہاں مجھروں  
 کی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ مجھروں کے اندر سو رہے تھے  
 تھیو سانگ چلتے چلتے ناریل کے درختوں سے نکل کر کچی سڑک پر آ گیا  
 یہ سڑک شہر کی دیوار کے ساتھ ساتھ اندر جاتی تھی۔ تھیو سانگ شہر  
 کے اندر نہیں جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ اس سڑک کو چھوڑ کر ساحل  
 سمندر کے ساتھ مشرق کی طرف چل پڑا۔ وہ شہر کے باہر  
 کسی ویران جگہ میں جا کر رات گزارنا چاہتا تھا۔ وہ ابھی کیٹی  
 کو بڑا بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ بڑے ہوتے  
 ہی کیٹی شور مچا دے گی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کیٹی اپنے آپ کو  
 رانی کو کھلا سمجھ رہی تھی۔ جب وہ مجھروں کی جھونپڑی سے کافی



دور چلا گیا تو تھیو سانگ رک گیا۔ اس کی ایک جانب سمندر کافی فاصلے پر تھا۔ دوسری جانب اندھیرے میں شہر کی دیوار دائیں طرف کو گھوم رہی تھی۔ یہاں اندھیرا تھا۔ تھیو سانگ نے اپنے جسم کو دوسری انگلی لگائی اور وہ اپنے پورے قد کے برابر ہو گیا۔ اس نے جیب میں جھانک کر دیکھا۔ کیٹی کا سایو بھی اب اس کی انگلی کے برابر ہو گیا تھا۔ مگر وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔ تھیو سانگ نے اب کاروان سرائے کی طرف جانے کی بجائے اس طرف چلنا شروع کر دیا جہاں بانس کے درختوں کے گھنے جنگل میں پرانے تالاب تھے۔ ایک تالاب کے قریب آ کر تھیو سانگ نے کیٹی کو جیب سے نکالا۔ وہ ہوش میں آگئی اور تڑپنے لگی۔ وہ رانی کے شاندار لباس میں تھی۔ اس نے غصیلی آنکھوں سے تھیو سانگ کی طرف دیکھا اور چیخ کر کہا۔

”وہ تم کون جادوگر ہو؟ مجھے میرے راجہ کی لاش سے اٹھا کر یہاں کیوں لاتے ہو۔ مجھے اپنے راجہ کی لاش کے ساتھ چلنے دو۔ میں رانی کو کھلا ہوں۔ مجھے اپنے راجہ کی لاش کے ساتھ چل جانے دو۔ یہ کہہ کر کیٹی سمندر کی طرف دوڑنے لگی۔“

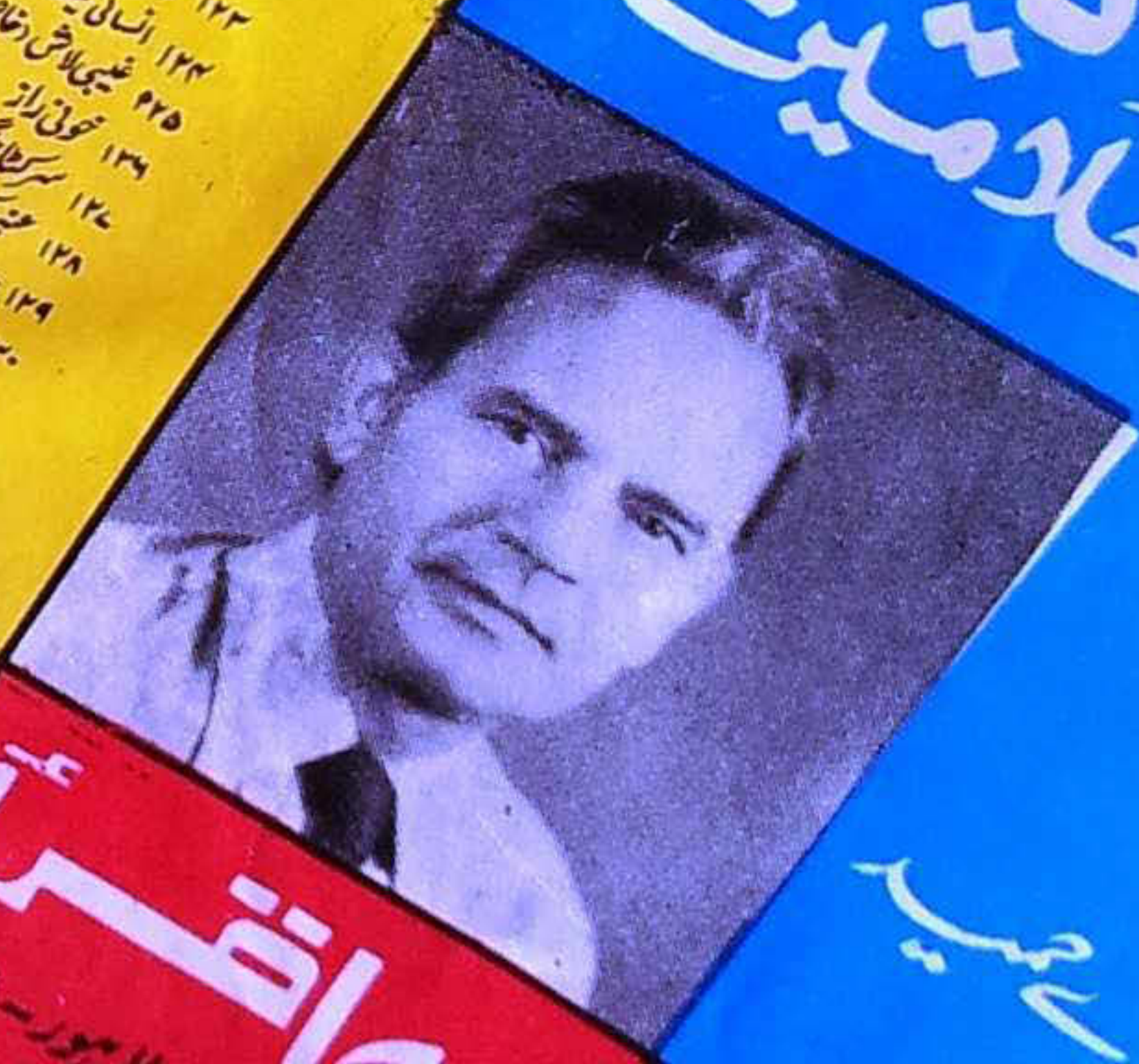
اس کے بعد کیا ہوا؟ عنبر، ناگ، ماریا یہاں کیسے پہنچے؟ کس حالت میں پہنچے یہ آپ اگلی قسط نمبر ۱۳۴ ماریا کھوپڑی میں پڑھیں گے۔





۱۰۱ خلائی جہاز کی مٹی  
۱۰۲ غیبی خلائی شیطان  
۱۰۳ ماریا دوزخ میں  
۱۰۴ خلائی کھرو  
۱۰۵ مردوں کا ستارہ  
۱۰۶ غوغوارا انسانی ٹوہری  
۱۰۷ خطرناک طلسمی روشنی  
۱۰۸ ہیبت ناک قلعد  
۱۰۹ غیبی شیشہ  
۱۱۰ مائادری کا گدھ  
۱۱۱ آدمی عورت اور مخلوق  
۱۱۲ منبر اور خلائی لاش  
۱۱۳ سیٹی اور زندہ لاش  
۱۱۴ ماریا طوفانی رات میں  
۱۱۵ خطرناک تجربہ  
۱۱۶ سانپ کا قیدی  
۱۱۷ موت کی چیلنگ  
۱۱۸ مڑے کی موت  
۱۱۹ قبر کا ہاتھ  
۱۲۰ جزیرے کا جھوٹ  
۱۲۱ خوفناک مقابلہ  
۱۲۲ ماریا کا بیٹا  
۱۲۳ مینار کا جھوٹ  
۱۲۴ انسانی قیندا  
۱۲۵ غیبی لاش خاص نمبر  
۱۲۶ توفانی راز  
۱۲۷ سرکشانگ  
۱۲۸ منبر کی قبر  
۱۲۹ چاہ بابل کے قیدی  
۱۳۰ منکفی تاجن  
۱۳۱ قبرستان کی ڈراؤنی رات  
۱۳۲ منگلا دری کا ترش لاش  
۱۳۳ ماریا کھوپڑی میں  
۱۳۴ آبیسی وینچ  
۱۳۵ باپ کی غویب  
۱۳۶

# ماریا کی زندگی اور خدمات



ایم جی

## شاہ ولی اللہ

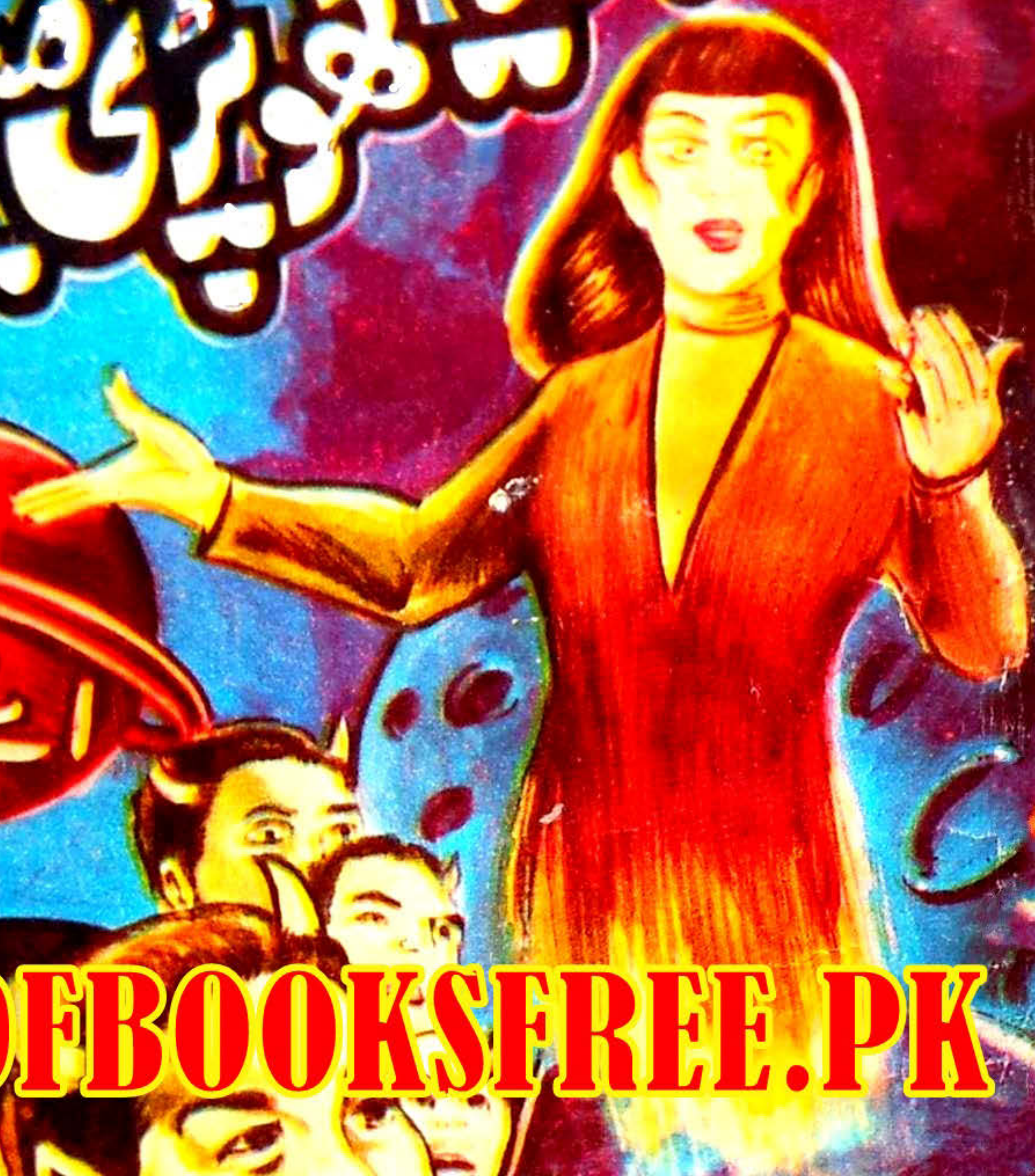
شاہ ولی اللہ عالم ماریا کیسٹ





درنگ ماریا ۱۳۴

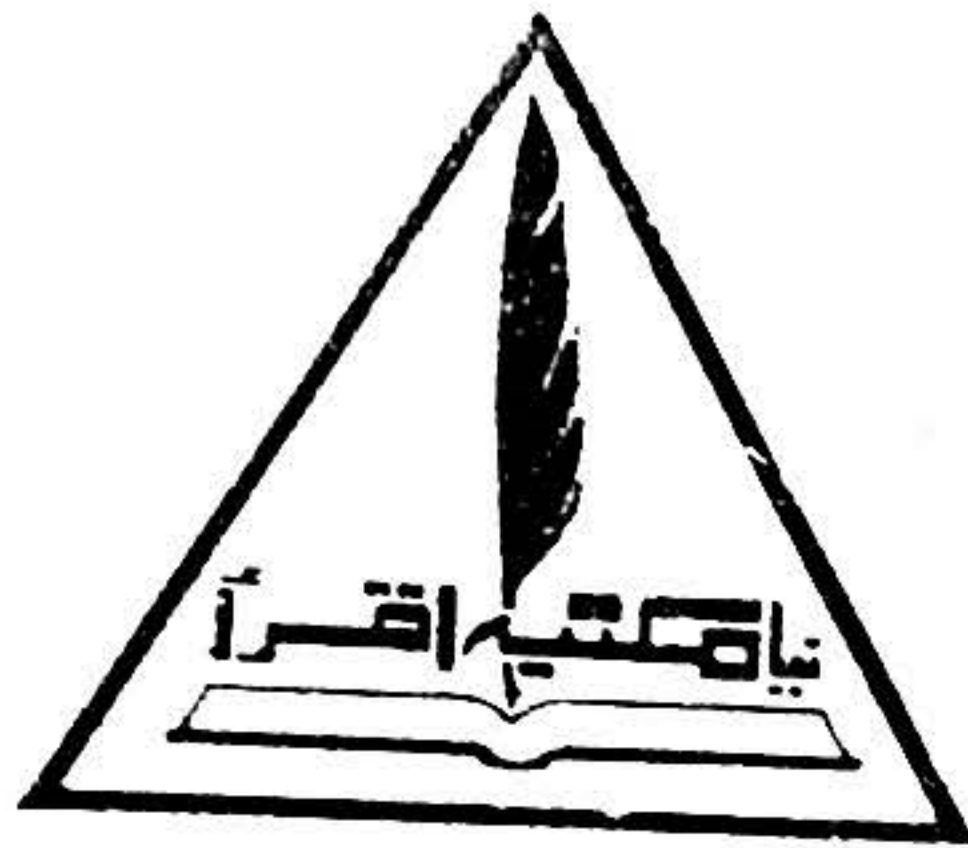
# ماریا و پریست



PDEBOOKSFREE.PK







# عقبرنگ ماریا اور کٹی خلا میں ماریا کھوپڑی میں

اسے حمید



پیارے دوستو!

عزیزانگ ماریا کے دوستوں کی محفل میں ہم نے اپنے نئے دوستوں کا ہمیشہ تمہ دل سے استقبال کیا ہے۔ اس بار اس محفل میں دوسرے کئی دوستوں کے علاوہ ہمارے ایک معصوم دوست خالد اکبر کا اضافہ بھی ہوا ہے۔ وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں

”کہ ہر ماہ کم از کم چھ کتب شائع کیا کریں۔ تین کتب پڑھنے سے دل نہیں بھرتا۔ یہی چاہتا ہے کہ پتا چلے آگے عزیزانگ ماریا وغیرہ کے ساتھ کیا ہوا۔“

دوست یہ مسئلہ تو جب بھی رہے گا۔ کہ پھر کیا ہوا۔ کیونکہ عزیزانگ ماریا تو اپنی زندگی کے ہزاروں سالہ سفر پر رواں دواں ہیں اور ان کے ساتھ نئے نئے واقعات پیش آ رہے ہیں۔ جب تک ان کا یہ دلچسپ سفر جاری ہے۔ اور جاری رہے گا۔ ہر ماہ تین ناول آپ کو ملتے ہیں گے۔ کیونکہ مجھے آپ بچوں کے علاوہ بڑوں کے لیے بھی ہر ماہ کچھ نہ کچھ لکھنا ہوتا ہے۔ جو کہ اچھے کے مشہور رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود میں اپنا زیادہ وقت آپ بچوں کی کتابوں کو ہی دیتا ہوں۔

تمہارا انکل

اے حمید

N-454۔ راہ چین سمن آباد لاہور۔

قیمت ۵۰/۴ روپے

نور محمد نجف پبلشرز لاہور

پبلشرز نیو سنٹرل پبلشرز لاہور  
طابع: الفریڈ پیمنٹنڈ لاہور



# عنبر لاش سے ٹکرا گیا

کیٹی درختوں سے نکل کر سمندر کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔  
 اندھیرے میں تھیو سائنگ کو اس کا ہیولا صاف نظر آ رہا تھا۔  
 اس کا شاہی لباس لہرا رہا تھا۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی: "مجھے راجہ  
 کی لاش کے ساتھ جل جانے دو۔ میں رانی کو کھلا ہوں۔ میں اپنے  
 راجہ کے ساتھ سستی ہوں گی۔ میرے راجہ کی روح مجھے بلا رہی ہے۔"  
 تھیو سائنگ اس کے پیچھے دوڑا۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہا  
 تھا کہ کسی وجہ سے کسی جادو یا طلسم کی وجہ سے کیٹی کی یادداشت  
 گم ہو گئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو راجہ کی رانی سمجھ رہی تھی اور رانی  
 بن کر ہی شاہی محل میں ظاہر ہوتی تھی۔ تھیو سائنگ یہ کبھی برداشت  
 کر ہی نہیں سکتا تھا کہ کیٹی چتا کے شعلوں پر جل کر راکھ ہو جائے۔  
 وہ پوری رفتار سے دوڑا اور کیٹی کے سر پہ پہنچ گیا۔  
 کیٹی نے جو رانی تھی۔ پیچھے مڑ کر غضبناک نگاہوں سے  
 تھیو سائنگ کو دیکھا اور چلائی۔  
 "مگر تم کون ہو! خبردار میرے قریب نہ آنا۔ نہیں تو خنجر

## ترقیب

- عنبر لاش سے ٹکرا گیا
- مہارانی کیٹی کا مہتمہ
- ڈھانچہ بولنے لگا
- ماریا کھوپڑی میں
- بودی والا مردہ



اپنے سینے میں گھونپ کر جان دے دوں گی۔“  
تھیوسانگ وہیں رُک گیا۔ کیونکہ کیٹی نے اپنی ہیرے موتیوں  
والی قمیض کے اندر سے چھوٹا سا خنجر نکال لیا تھا۔ وہ خنجر ہاتھ میں  
لیے ہانپ رہی تھی۔ خنجر کا ڈنچ کیٹی کے سینے کی جانب تھا۔  
تھیوسانگ نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

”کیٹی! کیٹی! ہوش میں آؤ۔ تم رانی نہیں کیٹی ہو میں  
تھیوسانگ ہوں۔ تمہارا دوست تھیوسانگ!“  
کیٹی نے اسے جھٹک کر کہا۔

”خاموش بد تمیز! تمہیں رانی کو کلا پر اپنا جا دو کہہ نے  
اور جتا سے اٹھا کر یہاں لائے کی ہمت کیسے ہوئی؟  
میں مہمانتیری سے کہہ کر تمہاری گردن اڑا دوں گی۔  
میں رانی ہوں۔ اگر تم یہاں سے چلے نہ گئے تو میں خنجر  
مار کر اپنے آپ کو راجہ پر قربان کر دوں گی۔“

تھیوسانگ عجیب مشکل میں تھا۔ کیٹی اسے بالکل نہیں پہچان  
رہی تھی۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ خود کش کر سکتی تھی۔  
اگر وہ راجہ کی لاش کے ساتھ آگ میں جل سکتی تھی تو خنجر  
سے اپنی جان بھی لے سکتی تھی۔

اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے رانی! میں — میں جاتا ہوں۔ تم — تم

خود کش نہ کرو۔ میں جانا ہوں۔“  
یہ کہہ کر تھیوسانگ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ کیٹی نے چیخ  
کر کہا۔

”مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں خنجر گھونپ لوں گی۔“

تھیوسانگ وہیں ٹھٹھک گیا۔ ”میں جا رہا ہوں رانی جی!“  
میں جا رہا ہوں۔“ اور تھیوسانگ پیچھے ہٹنے لگا۔ رانی یعنی کیٹی  
نے خنجر اپنے ہاتھ میں ہی رکھا۔ اور سمندر کی طرف تیز تیز قدموں  
سے چلنے لگی۔ وہ سمندر کی گھاٹ پر جانا چاہتی تھی تاکہ وہاں  
کسی شاہی کشتی میں بیٹھ کر سرانندیپ جاسے۔ جہاں وہ راجہ کی  
لاش کے ساتھ آگ میں جل کر اپنی جان دے سکے۔ تھیوسانگ  
جنگل کے اندھیرے میں چھپ گیا۔ اسے کیٹی کی خوشبو بھی نہیں آ  
رہی تھی۔ کیونکہ کیٹی کی شخصیت رانی میں گم ہو گئی تھی۔ وہ اندھیرے  
میں دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔ تھیوسانگ نے اس کی اس کمزوری  
سے فائدہ اٹھایا اور پرے ہو کر ایسی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ جہاں سے  
کیٹی گزرنے والی تھی۔

جونی کیٹی بھاگتی ہوئی وہاں سے گزری تو تھیوسانگ نے اس  
کے اوپر پھلانگ لگا دی۔ دونوں گھاس پر گرے۔ اس عرصے  
میں تھیوسانگ کیٹی کے جسم کے ساتھ اپنی انگلی لگا چکا تھا۔ انگلی  
کے پھوٹے ہی کیٹی ایک انگلی کے برابر چھوٹی ہو گئی اور اپنے آپ



کو اس حالت میں دیکھ کر دہشت کے مارے اس کا چھوٹا سا جسم کانپ رہا تھا۔ پھر وہ غش کھا کر گر پڑی۔ تھیوسانگ نے اسے اٹھا کر جیب میں رکھا۔ اور جیب میں ہاتھ ڈال لیا کہ کیٹی ہوش میں آجائے پر باہر نہ نکل آئے۔ وہ جتنی تیزی سے چل سکتا تھا۔ کارواں سرائے کی طرف جاتے کی بجائے لٹکا کی سب سے بڑی سرائے کی جانب روانہ ہو گیا۔ رات کا پچھلا پہر ہو رہا تھا۔ لٹکا شہر کی بڑی سرائے سے صبح منہ اندھیرے قافلے واپس ہندوستان کی طرف روانہ ہوتے تھے۔ تھیوسانگ اب ایک پل کے لیے بھی اس ملک میں نہیں رہنا چاہتا۔ کیونکہ وہاں کیٹی کی زندگی کو خطرہ تھا۔ اپنے اپنے درختوں سے نکل کر تھیوسانگ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے پیچ میں سے گزرنے لگا۔ وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتے چلا جا رہا تھا کہ اچانک آسمان پر بجلی چلی۔ تھیوسانگ نے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ بادلوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پھر یہ بجلی کہاں چمکی تھی؟

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ بجلی ایک بار پھر چمکی اور زور کی کڑک پیدا ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی منگلا دیوی کی شکل درختوں میں سے اتر کر تھیوسانگ کی طرف آئی۔ اس کے ہاتھ میں ترشول تھا زبان باہر نکلتی رہی تھی۔ گٹے میں انسانی کھوپڑیوں کا بار تھا۔ اور آنکھیں

آگ کے شعلے برسا رہی تھیں۔ تھیوسانگ وہیں رُک گیا۔ منگلا دیوی نے ترشول والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور تیز سیٹی ایسی آواز میں بولی۔

”تم کیٹی کو ساتھ لے کر اس ملک سے کہیں نہیں جا سکتے۔ یہ رانی ہے۔ اسے راجہ کے ساتھ ہی چتا کی آگ میں جلا دے۔ اور اب میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“

منگلا دیوی کا ترشول اس کے ہاتھ سے نکل کر تیر کی طرح تھیوسانگ کی طرف بڑھا۔ ترشول میں سے آگ کی جھنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ عین اس وقت پہاڑی کے غار میں ایک لمبی ڈاڑھی اور لمبی جٹاؤں والا ایک سادھو نمودار ہوا۔ اس نے اپنے پاؤں کی کھڑائیں اتار کر ہوا میں پھینکیں۔ کھڑائیں بادلوں کی گرج کی آواز کے ساتھ اڑتے ہوئے ترشول سے جا کر ٹکرائیں۔ ترشول ہوا میں غائب ہو گیا اور منگلا دیوی چیخیں مارتی وہاں سے بھاگ گئی۔ تھیوسانگ نے پلٹ کر سادھو کی طرف دیکھا۔ اب صبح کی پھلکی پھلکی روشنی ہو گئی تھی۔ کھڑائیں واپس سادھو کے پاس چلی گئیں۔ سادھو نے تھیوسانگ کی طرف دیکھا اور کہا۔

”بیٹے میرے پاس آ جاؤ۔ منگلا تمہیں کچھ نہیں کہے گی اب۔“



تھیو سانگ جلدی سے سادھو کے پاس چلا گیا۔ اس سادھو کا جسم بڑبلا پتلا تھا۔ مگر چہرے پر ایک عجیب سی چمک تھی۔ وہ تھیو سانگ کو غار کے اندر لے گیا۔ غار میں ہرن کی کھال بچھی تھی۔ سامنے کنول کے کچھ پھول پڑے تھے۔ سادھو نے تھیو سانگ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ خود بھی ہرن کی کھال پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اور بولا:

”اگر میں وقت پر نہ پہنچتا تو منگلا دیوی نے تمہیں ہلاک کر دیا ہوتا۔“

تھیو سانگ بولا:

”وہاں راج یہ میرے پیچھے کیوں پڑی ہے؟“

سادھو مسکرایا۔ بولا:

”بیٹے یہ تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ تمہاری جیب میں کیٹی موجود ہے جس کی تلاش میں منگلا یہاں آئی تھی؟“

تھیو سانگ بڑا حیران ہوا کہ اس سادھو کو سب حال معلوم تھا۔ اس نے کہا:

”مگر وہاں راج! یہ منگلا میری دوست کیٹی کو کیوں مارنا چاہتی ہے؟“

سادھو نے مسکراتے ہوئے کہا:

”اس لیے کہ کیٹی نے اس کے مندر کے مقدس ناریل کو توڑ دیا تھا۔ منگلا نے اس سے یہ انتقام لیا کہ اس کی یادداشت ٹم کر کے اسے راجہ کے محل میں رانی بنا کر بھیج دیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ راجہ دوسرے روز مرجائے گا اور کیٹی رانی کی شکل میں راجہ کے ساتھ ہی چتا کی آگ میں جل کر مرجائے گی۔“

تھیو سانگ بولا:

”دوباب میں کیا کروں مہاراج؟ یہ منگلا تو پھر مجھ پر حملہ کر کے کیٹی کو نقصان پہنچائے گی۔ میں پردیس میں ہوں۔ اس کے پاس ظلم ہے۔ میں اس سے کیٹی کو کب تک بچا سکوں گا؟“

سادھو کہنے لگا:

”بیٹے میں جانتا ہوں تم دونوں اس دنیا کے نہیں بلکہ ایک خدائی سیارے کی دنیا کے رہنے والے ہو۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کیٹی صرف آگ میں جلنے سے مر سکتی ہے اور تم صرف اس صورت میں مر سکتے ہو کہ تمہاری ایک انگلی کاٹ دی جائے مگر منگلا دیوی کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ وہ اپنے ترشوں سے تمہاری ساری انگلیاں کاٹ سکتی ہے۔“



تھیو سانگ ایک بار تو سکتے میں آگیا۔ سادھو کو اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔  
 ”مہاراج! اب جبکہ آپ پر میرا حال روشن ہو چکا ہے تو میری مدد کریں اور مجھے اس منگلا سے صرف اتنی دیر تک بچائیں۔ کہ میں کیٹی کو لے کر اس ملک سے باہر نکل سکوں۔“  
 سادھو نے کہا۔

”بیٹے یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ کیونکہ میری طاقت اور اختیار صرف ان پہاڑیوں کے اندر تک ہی ہے۔ اس کے باہر میں ہمارے جان منگلا کے حملے سے محفوظ کر دوں۔“  
 تھیو سانگ کہنے لگا۔

”لیکن مہاراج کیٹی کا کیا ہوگا۔ منگلا کیٹی کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ کیا کیٹی کی یادداشت واپس نہیں آ سکتی۔ اس کو میں بڑا کمزور تو وہ راجہ کے محل کی طرف بھاگتی ہے اور بار بار یہی کہتی ہے کہ میں رانی ہوں۔ میں راجہ کے ساتھ سستی ہوں گی۔“  
 سادھو بولا۔

”اب اسے راجہ کی لاش کے ساتھ سستی نہیں کیا جائے

گا۔ کیونکہ راجہ کی لاش اس وقت چتا پر جل رہی ہے۔“  
 تھیو سانگ نے جلدی سے پوچھا۔  
 ”کیا اس کی باقی رانیاں بھی ساتھ ہی جلادی گئیں ہیں؟“  
 سادھو نے کہا۔

”ہاں۔ اس ملک کا یہی دستور ہے۔ کیونکہ ساتویں رانی یعنی کیٹی نہیں مل سکی۔ اس لیے راجہ کی چتا کو رسم کے مطابق آگ دکھا دی گئی۔ اب کیٹی اگر محل میں واپس بھی چلی گئی۔ تو اسے چتا پر کوئی نہیں جلائے گا۔“

تھیو سانگ نے کہا۔

”لیکن مہامنتری اس کو سخت سزا دے گا۔ کیونکہ وہ فرار ہو گئی تھی۔“

سادھو بولا۔

”تم کیٹی کو رانی کوکلا کی حیثیت میں راجہ کے محل کی طرف جانے دو۔ میں اگنی دیوتا کے روپ میں اس کے ساتھ ہوں گا اور مجھے دیکھ کر مہامنتری اور سارے دربار کیٹی کو کچھ نہیں کہیں گے۔ بلکہ اس کی پوجا شروع کر دیں گے۔“



تھیو سانگ نے پریشانی سے کہا -  
 ”مگر مہاراج کیٹی کب تک اس محل میں رانی کو کلا بن کر  
 رہے گی۔ میں تو اسے اپنے ساتھ ہندوستان واپس لے  
 جانا چاہتا ہوں۔“  
 سادھو مسکراتے لگا۔

”بیٹے تھیو سانگ! تمہیں تو ابھی عنبر ناگ ماریا سے بھی  
 ملاقات کرنی ہے۔“  
 تھیو سانگ چونک اٹھا۔ سادھو کو سب کچھ معلوم تھا اس نے  
 کہا۔

”مہاراج! آپ تو دونوں کے حال جانتے ہیں۔ تو پھر  
 مجھے یہ بھی بتا دیجیے کہ عنبر ناگ ماریا سے کب  
 ملاقات ہوگی؟“

سادھو ایک پل کے لیے خاموش ہو گیا۔ جبر کہنے لگا۔  
 ”بیٹا یہ بتانے کی ہمیں اجازت نہیں ہے۔ اب تم ایسا  
 کرو کہ کیٹی کو لے کر راجہ کے محل کے پچھواڑے جو پرانا  
 باغ ہے۔ وہاں چلے جاؤ اور اسے بڑا گھر کے درہیں  
 کھڑے رہنا۔ پھر جو ہو گا اسے دیکھ لینا اور وہاں  
 یہ راکھ اپنے اور کیٹی کی گردن پر لگا دینا۔ اس سے  
 تم منگلا کے طلسم سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ مگر یاد رکھنا اگر

تم میں سے کوئی بھی منگلا دیوی کے مندر کے احاطے میں داخل  
 ہوا تو اس راکھ کا اثر جاتا رہے گا۔ پھر منگلا دیوی کا  
 جاؤ تم پر چل سکے گا۔“

تھیو سانگ نے سادھو سے چٹکی بھر کر راکھ لی۔ اسے اپنی  
 گردن پر ملا۔ پھر جیب میں انگلی ڈال کر ننھتی سی کیٹی کی گردن  
 پر بھی ہل دیا۔ کیٹی اس کی جیب میں بے ہوش پڑی تھی۔  
 سادھو نے کہا۔

”بیٹا اب تم راجہ کے باغ میں جاؤ۔ اور جو ہونے  
 والا ہے اسے دیکھو۔“

تھیو سانگ نے سادھو کو سلام کیا اور غار سے باہر نکل آیا۔  
 وہ باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ راجہ کے محل کے  
 پچھواڑے ایک پرانے باغ میں کھڑا تھا۔ دن نکل آیا تھا۔ سورج  
 کی سنہری روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ راجہ کے محل کے  
 باغ کا یہ پچھلا حصہ تھا اور یہاں بے شمار پھل دار درخت اُگے  
 ہوئے تھے۔ درختوں کی ٹہنیاں پھلوں سے لدی ہوئی تھیں۔ ایک  
 طرف پانی کا چھوٹا سا حوض تھا جس میں سے ایک نالی کے ذریعے  
 پانی نکل کر باغ میں جا رہا تھا۔

تھیو سانگ نے کیٹی کو اپنی جیب سے نکالا اور ایسا ہی کیا جیسے  
 کہ سادھو نے کہا تھا۔ اس نے کیٹی کے جسم کے ساتھ اپنی انگلی



تو راجہ کے ساتھ جل مریں مگر رانی کو کلانے چتا میں جلنے کی رسم پوری نہیں کی۔ مگر چونکہ اس ملک میں یہ رسم تھی کہ اگر دقت پر کسی بھی رانی کو چتا پر نہ لایا جاسکے اور راجہ کی لاش کو آگ دکھا دی جائے۔ تو اس رانی سے لوگ عقیدت اور محبت کرنے لگتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ دیوتا اگنی نے خود اس رانی کو جلنے سے بچایا ہے۔ اور یہی دیوتاؤں کا منشاء بھی تھا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ محل میں بہت سے درباری اور اہلکار رانی کو کلا کا احترام کرنے لگے اور انہوں نے جسے اگنی دیوتا کے نعرے بلند کئے۔ یہ بات ان کے سامنے واقع ہو گئی تھی کہ رانی کو کلا یعنی کیٹی کو خود اگنی دیوتا نے چتا کی آگ سے بچایا ہے۔ مگر مہمانتری کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ رانی کو کلا یعنی کیٹی کو کسی حالت میں بھی زندہ دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس پر ظلم یہ ہوا کہ ————— درباریوں نے راجہ کی موت کے بعد راجہ کے بھائی کو تخت پر بٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ راجہ کی ساتویں رانیوں میں سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ مہمانتری تو جل جھن کہ راکھ ہو گیا۔ کیونکہ وہ خود راج گدی پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ نئے راجہ کو رانی کو کلا یعنی کیٹی کی حمایت حاصل تھی۔ اب تو رانی کو کلا یعنی کیٹی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راتے سے ہٹانا ضروری ہو گیا تھا۔

لگائی۔ وہ ایک دم سے بڑی ہو گئی۔ اس کا لباس راجکارین ایسا ہر تھا۔ سر پر سونے کا تاج تھا۔ گلے میں موتیوں کی مالاں تھیں۔ اس نے تھیوسانگ کی طرف دیکھا اور بولی۔

”گنگو! کیا ہم مرنے کے بعد جنت میں آگئے ہیں۔ ہم

تو راجہ کی لاش کے ساتھ چتا میں جل گئے تھے“

تھیوسانگ فوراً سمجھ گیا کہ یہ سادھو کی راکھ کا اثر ہے اور کیٹی اب تھیوسانگ کو اپنا شاہی نوکر سمجھنے لگی ہے اور اسے یقین ہو رہا ہے کہ وہ چتا میں جل مری تھی اور اب جنت میں آگئی ہے۔ تھیوسانگ نے کہا۔

”رانی جی! یہ آپ کا اپنا محل ہے۔ آپ کو راجہ کی

لاش کے ساتھ جلنے کے بعد دیوتاؤں نے خوش ہو

کر واپس محل میں بھیج دیا ہے“

کیٹی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایک نظر محل پر ڈالی اور بولی۔

”میرے ساتھ آؤ۔ میں راج محل میں جاؤں گی“

جو تھی کیٹی راج محل میں داخل ہوئی وہاں شور مچ گیا کہ

رانی کو کلا واپس محل میں آگئی ہے۔ مہمانتری نے آگے بڑھ کر رانی

یعنی کیٹی کا سواگت کیا۔ اب وہ اسے رسم کے مطابق چتا کی آگ

کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اس بات کا اسے بے حد غصہ

تھا کہ رانی کو کلا عین وقت پر فرار ہو گئی تھی۔ اور باقی چیرائییاں



مہا منتری بڑا عیار وزیر تھا۔ وہ اوپر سے تو کیٹی کے ساتھ  
بے حد عزت و احترام سے پیش آتا رہا مگر اندر ہی اندر اس  
کو ختم کر دینے کی سازش تیار کرنے لگا۔ محل میں کسی رانی کو  
مارنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ لیکن مشکل یہ کن پڑی تھی کہ درباری اور  
رعایا رانی کو اب دیوتا گنی کا خاص اوتار سمجھنے لگی تھی۔ کیونکہ آج تک  
ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ کہ رانیاں چتا کی آگ سے بچ جائیں۔ اور  
رانی کو کلا بچ گئی تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ اسے اگنی دیوتا  
نے بچایا ہے۔ اور وہ اس کی چیتی رانی ہے۔ مہا منتری اب اس  
پوزیشن میں نہیں تھا کہ رانی کو کلا یعنی کیٹی کو زہر دے کر مار ڈالے  
اس پر زبردست ہنگامہ اٹھ سکتا تھا۔ ملک میں بغاوت بھی  
ہو سکتی تھی۔ چنانچہ مہا منتری نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا۔  
دوسری طرف اب تھیو سانگ کو بھی گنگو نوکر کی حیثیت  
سے محل میں رہنے کی اجازت مل گئی تھی۔ وہ ایک طرح سے کیٹی  
کا باڈی گارڈ بن کر اس کی حفاظت کرنے لگا تھا۔ مہا منتری کا  
سارے راج محل میں صرف ایک ہی راز دار دوست تھا جوشا ہی  
محل کا شاہی وید یعنی حکیم تھا۔ پرانے ہندوستان میں حکیم کو وید  
کہا جاتا تھا۔ یہ وید بڑا ہوشیار اور تجربہ کار آدمی تھا۔ مہا منتری  
نے اس کے آگے اپنے دل کا حال رکھ دیا۔ اور کہا۔  
»وید جی! رانی کو کلا نے راجہ کے بھائی کو تخت پر بٹھا

دیا ہے۔ اب اس کا بھائی راجہ ہے! اگر میں راجہ  
بن گیا تو آپ کو اپنا وزیر اعلیٰ بنا لوں گا۔ لیکن میرے  
راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ رانی کو کلا ہے۔  
جس کو رعایا اور درباری، سبھی اگنی دیوتا کا اوتار  
سمجھ رہے ہیں۔ جب تک وہ زندہ ہے۔ نہ میں راجہ  
بن سکتا ہوں، نہ آپ وزیر اعلیٰ بن سکتے ہیں۔  
کوئی ایسا جتن کیجئے کہ ہمارے راستے کا یہ سب سے  
بڑا روڑا ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جائے۔  
وید کچھ دیر تک خاموشی سے غور کرتا رہا۔ پھر مہا منتری  
کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

»مہا منتری جی! آپ میرے دوست ہیں۔ آپ نے  
مجھ پر جو بھروسہ کیا ہے۔ میں اس پر پورا اتروں گا۔  
رانی کو کلا کو ختم کرنا ان حالات میں آسان نہیں ہے۔  
مگر میرے پاس ایسی پھیلکی ذائقے والی جڑی بوٹی موجود  
ہے جس کے سفوف کو اگر آپ رانی کے کھانے میں  
تھوڑا تھوڑا روز ملا تے رہیں تو وہ پہلے بیمار پڑے گی  
اور پھر بخار میں سوکھ کر کانٹا ہو جائے گی اور پھر مر جائے  
گی۔ اس طرح سے کسی کو آپ پر شک بھی نہیں ہو گا۔  
اور۔۔۔ ہمارے راستے کا کانٹا بھی نکل جائے گا۔



وید نے مہمانتری کو ایک خاص جڑی بوٹی کا سفوف سیاہ ڈبی میں ڈال کر دیا اور کہا۔

”یہ ایک جینے کی خوراک ہے۔ روزانہ رانی کے کھانے میں اس کی ایک چٹکی ڈال دیا کرنا۔ یہ پھیکا ہے۔ رانی کو پتہ بھی نہیں چل سکے گا۔“

مہمانتری نے ڈبی کو جیب میں ڈالا۔ اور اپنے محل کی خفیہ خواب گاہ میں ایک خفیہ جگہ پر لے جا کر رکھ دیا۔ تھیوسانگ کو اس سازش کی بالکل خبر نہ ہو سکی۔ دوسری طرف منگلا دیوی بھی کیٹی سے بدلہ لینے کو بے تاب تھی۔ مگر سادھو نے جو راکھ کیٹی اور تھیوسانگ کے جسم پر لگا دی تھی اس کی وجہ سے منگلا دیوی ان دونوں کے قریب نہیں پھٹک سکتی تھی اور اس کا ظلم بھی ان پر نہیں چل رہا تھا۔ منگلا دیوی اپنے مندر میں چلی گئی۔ اور کسی خاص موقع کا انتظار کرنے لگی۔

○

○

اب ہم عنبر کی طرف چلتے ہیں۔ ماریا اور ناگ تو فضا میں پرواز کرتے لنکا کی طرف چلے آ رہے تھے جبکہ عنبر بھی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ گھوڑے پر سوار ملک لنکا کی طرف آ رہا تھا۔ عنبر کے ساتھی کا نام بھاسکر ہے اور آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ کہ اس شخص بھاسکر کو ایک ایسے زہریلے سانپ

نے کاٹا تھا جس کے زہر نے اس کے جسم میں اتنی گرمی اور تپش پیدا کر دی تھی کہ وہ کھڑے کھڑے پورے حوض کا پانی بالٹیوں سے پنی جاتا تھا اور یہ پانی بھاپ بن کر اس کے جسم سے نکلتا جاتا تھا۔ عنبر نے اسے ایک خاص بوٹی کھلا دی جس کا اثر چوبیس گھنٹے تک رہتا تھا۔ چوبیس گھنٹے تک پیاسے بھاسکر کو پیاس نہیں لگتی تھی۔ اس کے بعد عنبر اسے پھر ایک خوراک کھلا دیتا تھا۔ اسی طرح وہ ملک لنکا میں داخل ہو گئے۔

پیاسے بھاسکر نے عنبر کو بتایا تھا کہ لنکا کے شیلام مندر میں اس کا ایک رشتے دار بجماری ہے وہ اس کے پاس جا کر ٹھہریں گے۔ عنبر نے اس شخص بھاسکر کو یہ کہا تھا کہ وہ ناگ کی تلاش میں ہے جو اس کے جسم سے سانپ کا زہر اپنے منتر سے ختم کر دے گا اور پھر اسے خوفناک پیاس سے نجات مل جائے گی۔ لنکا میں آتے ہی بھاسکر نے شیلام مندر کی تلاش شروع کر دی۔ عنبر کو وہاں تھیوسانگ اور کیٹی کی خوشبو اس لیے نہ آئی کہ انہوں نے اپنی گردنوں پر سادھو کی دی ہوئی راکھ ملی ہوئی تھی۔ اس راکھ کا ہی اثر تھا کہ کیٹی اور تھیوسانگ کو بھی عنبر کی خوشبو نہیں آ رہی تھی۔ کیٹی کو عنبر ناگ ماریا کی خوشبو آہی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ وہ تو منگلا کے ظلم کی وجہ سے اپنی یادداشت ہی گنوا بیٹھی تھی۔

عنبر کو بھاسکر اپنے ساتھ لنکا شہر کے کنارے ایک ٹیلے کے دامن میں لے گیا۔ اسے کس نے بتایا تھا کہ شہر مندر اسی ٹیلے کے پاس ہی ہے۔



انہوں نے ٹیلے کے آس پاس بہت دیکھا مگر انہیں ایسا کوئی مندر وہاں نہ ملا۔ بھاسکر نے ایک گھاٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”عنبر بھائی! وہ دیکھو۔ گھاٹی میں مجھے ایک چھوٹی سی بُرجی دکھائی دے رہی ہے۔ کہیں یہی شیلام مندر تو نہیں ہے؟“

وہ دونوں پتھروں میں سے گزرتے گھاٹی میں گئے تو دیکھا کہ وہاں باقاعدہ کوئی مندر تو نہیں تھا۔ مگر کسی مندر کی ٹیٹ پچھوٹی ایک کوٹھڑی ضرور تھی۔ اس کے باہر جو چھوٹا سا چبوترہ تھا وہ بھی ڈھسے گیا تھا۔ پتھر نیچے گرے ہوئے تھے۔ کوٹھڑی کے اندر دیوار میں مور قی رکھنے والا جو طاق تھا۔ وہ بھی خالی تھا۔ اس میں مور قی نہیں تھی۔ عنبر نے کہا۔

”یہ کہیں مندر ضرور تھا مگر اب تو یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ پجاری نہ مور قی۔“

بھاسکر جھک کر بڑے غور سے طاق کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔  
”لگتا ہے کوئی اس طاق میں سے مور قی اکھاڑ کر لے گیا ہے  
مور قی کے پاؤں کے نشان مٹی میں اسی طرح موجود ہیں۔“  
عنبر نے پوچھا کہ اس مندر میں کس دیوی کی مور قی رکھی جاتی تھی؟  
بھاسکر بولا۔

”میرا رشتہ دار اسی مندر کا پجاری ہو گا۔ اس علاقے میں لوگ  
منگلا دیوی کی پوجا کرتے ہیں۔ ضرور یہاں منگلا دیوی کی مور قی  
ہی ہو گی۔“

عنبر نے اس میں کوئی زیادہ دلچسپی نہ لی۔ کیونکہ اسے تو شہر لنکا میں  
کوئی ٹھکانہ چاہیئے تھا جہاں رہ کر وہ ناگ مار یا اور تھیوسانگ کیٹی  
کا سراغ لگا سکے۔ اس نے بھاسکر سے کہا۔

”چلو ہمیں رہنے کو جگہ تو مل گئی ہے۔ تم اس جگہ بیٹھنا میں  
شہر میں جا کر ناگ کو تلاش کرتا ہوں۔“  
بھاسکر بولا۔

”عنبر بھائی! تم نے یہ مجھے بولی کھلا کے احسان ہی نہیں کیا بلکہ  
میرے اندر جلتی ہوئی آگ کو بجھا دیا ہے۔ مگر یہ بولی  
تو صرف ایک دن کی رہ گئی ہے۔ اس کے بعد کیا ہو گا؟“  
عنبر کہنے لگا۔

”فکر کیوں کرتے ہو بھاسکر۔ میں اس جنگل سے نئی بولی توڑ  
کر لے آؤں گا۔“

بھاسکر تو لڑے پھوٹے مندر کی کوٹھڑی کے باہر چبوترے  
پر بیٹھ گیا اور عنبر ناگ کی تلاش میں شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوپہر کے بعد  
جب وہ واپس آیا تو بھاسکر کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ اس کے جسم میں سانپ  
کے نہر کی پیش بڑھنے لگی تھی۔ اور وہ پانی پانی پکار رہا تھا۔ عنبر نے اُسے  
تسلی دی اور جنگل میں بولی ڈھونڈنے چل دیا۔ وہ دیر تک جنگل میں پھرتا  
رہا مگر اسے وہ بولی جس سے بھاسکر کے بدن کی آگ ٹھنڈی ہو کہیں نہ ملی۔  
ناکام ہو کر واپس آیا تو دیکھا کہ بھاسکر اس فرح زمین پر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔



جس طرح مچھلی پانی کے باہر تڑپتی ہے۔ عنبر نے اسے سنبھالا دیا۔ اس کے جسم میں سے اتنا تیز سینک نکل رہا تھا کہ لگتا تھا اس کے بدن کے اندر آگ لگی ہوئی ہے۔

بھاسکر کو جب پتہ چلا کہ عنبر کو جنگلی بوٹی نہیں مل سکی تو اس نے ایک چیخ ماری اور جنگل کی طرف بھاگ نکلا۔ وہ پانی کی تلاش میں بھاگا تھا۔ عنبر اس کے پیچھے پیچھے دوڑا۔ وہ اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ بھاسکر بے چارے کو تو آتش لگی تھی وہ گھوڑے کی طرح بھاگتا جنگل میں ایک طرف نکل گیا۔ اُسے اس طرف سے پانی کی خوشبو آ رہی تھی۔ ایک ٹیلے کے نیچے بھاسکر کو ایک چھوٹا سا چوبچہ یعنی جنگلی حوض نظر آیا۔ بھاسکر نے دھڑام سے پانی کے حوض میں چھلانگ لگا دی۔ پانی میں گرتے ہی اسے آواز آئی جیسے کوئی جلتی ہوئی لکڑی پانی میں ڈال دے۔ بھاسکر نے اپنے ہونٹ حوض کے پانی میں ڈبو دیئے اور بھینس کی طرح دھڑا دھڑا پانی پینا شروع کر دیا۔ پانی بھاسکر کے بدن میں گیا تو اس کے جسم میں سے بھاپ اُٹھنے لگی۔ یہ وہی پانی تھا جو بھاسکر پی رہا تھا حوض کا پانی آہستہ کم ہونے لگا تھا۔

دوسری طرف عنبر اپنے دوست بھاسکر کو ڈھونڈھتا جنگل میں تیز تیز چلا آ رہا تھا۔ وہ گھنی جھاڑیوں میں سے گزر رہا تھا۔ یہاں ایک تو جھاڑیاں بہت زیادہ تھیں دوسرے درختوں کے اوپر لہجہ لمبی بلیں جھاروں کی طرح لٹکی ہوئی تھیں۔ عنبر انہیں ہاتھ سے ہٹاتا آگے

بڑھ رہا تھا۔ کہ اچانک اس کا ہاتھ کسی کے پاؤں سے ٹکرایا۔ عنبر حیران ہوا کہ درخت پر کسی انسان کا پاؤں کیسے لٹک رہا ہے؟ اس نے بیلوں کو الگ کیا تو اسے آواز سنائی دی۔

”تو نے میرے جسم کو چھو لیا۔ اب تو میری جگہ پر آنے کا اب تو میری جگہ پر آئے گا۔“

عنبر نے دیکھا درخت کی ایک ٹہنی کے ساتھ ایک آدمی کی لاش لٹک رہی ہے۔ اس آدمی کی گردن میں رسی پڑی تھی اور رسی کا ایک سہرا درخت کی ٹہنی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ لاش کی گردن ایک طرف کو پڑھی ہو گئی تھی۔ عنبر نے پوچھا۔

”اگر تو لاش ہے تو کیا تو زندہ ہے؟“

لاش نے کہا۔

”تمہیں ابھی پتہ چل جانے گا۔ ابھی پتہ چل جائے گا۔ اب تو میری جگہ آئے گا۔“

عنبر پریشان ہوا کہ یہ لاش کس قسم کی ہے اور اسے بار بار کیوں کہہ رہی ہے کہ اب تو میری جگہ پر آئے گا۔ عنبر نے سوچا کہ یہاں سے فراہ ہو جانے میں ہی بھلائی ہے۔ چنانچہ عنبر نے بھاگنے کے لیے قدم اٹھانے کی کوشش کی تو اسے احساس ہوا کہ وہ اپنا قدم آگے نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے دونوں پاؤں کئی کئی من بھاری ہو گئے تھے۔ لاش کا ہلکا سا ہتھکڑ سناٹی دیا۔



سنائی دیا۔

”تو یہاں سے بل نہیں سکتا۔ اب تو میری جگہ پر آئے گا۔ آجا۔“

آجا۔

عنبر کے دیکھتے دیکھتے لاش کی گردن میں سے رسی کھل گئی اور وہ ڈھلاؤ سے نیچے گر پڑی۔ لاش کے گرتے ہی عنبر کے پاؤں اپنے آپ زمین سے اٹھنے لگے۔ اس نے پوری طاقت سے اپنے آپ زمین سے اوپر اٹھنے لگے۔ اس نے پوری طاقت سے اپنے آپ کو نیچے رکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اُسے کوئی بہت بڑی طلسمی طاقت جیسے اوپر درخت کی طرف کھینچ رہی تھی۔ اس نے چہرہ اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ ٹہنی پر لٹکی ہوئی رستی سانپ کی طرح لہرا لہرا کر عنبر کو اپنے سینے میں لینے کے لیے بے تاب ہو رہی تھی۔ عنبر کے بازوؤں کی طاقت بھی جواب دے گئی تھی۔ وہ بے حس ہوتا جا رہا تھا۔ جو نہی عنبر کا سر ٹہنی سے لٹکتی اور سانپ کی طرح بل کھاتی رستی کے قریب پہنچا تو رستی نے پک کر عنبر کی گردن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پھر عنبر اسی طرح درخت سے لٹکنے لگا جس طرح پہلے لاش لٹکی ہوئی تھی۔ عنبر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر وہ زندہ تھا۔ اس کے نیچے جو لاش گرمی تھی اور جس کی جگہ عنبر خود لٹک گیا تھا وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔ عنبر کو اپنی گردن میں بندھی ہوئی رستی سے سخت تکلیف ہونے لگی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے تکلیف کا احساس ہوا تھا۔ وہ گھبرا گیا۔ کہیں

اس کی طاقت ختم تو نہیں ہوگی؟ اس نے اپنے آپ کو جھاننا شروع کر دیا۔ اس کے بازوؤں میں طاقت واپس آ گئی تھی۔ اس نے ٹہنی کو پکڑ لیا۔ پھر ایک ہاتھ سے اپنی گردن میں بندھی ہوئی رستی کھول دی۔ وہ نیچے گر پڑا۔

گھاس پر گرتے ہی عنبر نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی گردن پر نشان پڑ گیا تھا۔ جس میں سے ہلکا ہلکا سرخ خون برس رہا تھا۔ عنبر گھبرایا۔ کیونکہ پہلے کہیں اس کے جسم سے خون نہیں نکلا تھا۔ کہیں وہ عام انسان کی حیثیت تو نہیں اختیار کر گیا؟ عنبر نے دیکھا کہ نیچے لاش بھی غائب تھی۔ وہ جنگل میں ایک طرف چلنے لگا۔ اسے ایک جگہ چھوٹا سا تالاب دکھائی دیا جو جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ عنبر نے یہاں اپنی گردن کے زخم کو دھونے کے لیے اپنا سر جھکایا تو پانی میں اپنا عکس دیکھ کر ڈنگ رہ گیا۔ اس کی شکل بدل چکی تھی۔ اس کی شکل عنبر کی نہیں کسی دوسرے ایسے مرد کی شکل تھی جکی آنکھیں لال اور ماتھے پر زخم کا نشان تھا۔ رنگ کالا تھا اور سر کے بال اچھے ہوئے تھے۔ عنبر ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے ایک بار پھر منہ آگے کر کے تالاب کے پانی میں اپنی شکل دیکھی۔ اس کی شکل عنبر کی شکل نہیں تھی۔ وہ عنبر سے کوئی دوسرا آدمی بن چکا تھا۔ کیا یہ لاش نے اس پر ظلم کیا تھا؟ خواد کچھ بھی ہو۔ عنبر وہ پہلے والا عنبر نہیں رہا تھا۔ اس کی گردن پر رستی نے نشان ڈال دیا تھا۔ جس میں سے خون برس رہا تھا۔ عنبر



اسے نہیں پہچانے گا۔ اس نے ایک گہرا سانس بھرا اور بولا۔  
 ”تمہارا نام بھاسکر ہے نا بھائی؟“



سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی شکل اگرچہ کسی دوسرے آدمی کی ہو گئی تھی مگر ذہن عنبر ہی کا تھا۔ اب اس نے یہ دیکھنا چاہا کہ اس کی غیر معمولی طاقت بھی تو اس سے کہیں چھین نہیں لی گئی؟ اس نے جھاڑی میں سے ایک لیا کا تٹا توڑ کر اپنے بازو میں چھبویا تو دروسے اس کی چیخ نکل گئی۔ اور وہاں سے خون بھی نکل آیا۔ عنبر کا تو غم کے مارے دل بیٹھ گیا۔ اس کی غیر معمولی طاقت بھی اب اس کے پاس نہیں رہی تھی۔ تو کیا وہ مر بھی سکتا تھا؟

یہ ایک عجیب مصیبت اسے پڑ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ آخر وہ اٹھا اور جنگل میں درختوں کے بیچ میں سے ہوتا واپس چلنے لگا۔ ایک جگہ اسے درختوں کے درمیان بھاپ اٹھتی نظر آئی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہاں اس کا ساتھی بھاسکر کسی تالاب یا حوض میں کھڑا پانی پی رہا ہوگا۔ وہ بھاپ کی طرف بڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس کا ساتھی بھاسکر حوض میں بیٹھا منہ پانی کی سطح سے لگانے دھڑا دھڑا پانی پی رہا ہے اور اس کے جسم سے گرم بھاپ کے بادل اٹھ رہے ہیں۔ حوض کا پانی ختم ہو رہا تھا اور تہہ کے ساتھ لگ گیا تھا۔ عنبر آہستہ آہستہ چلتا بھاسکر کے پاس گیا۔ بھاسکر نے چونکہ کہ عنبر کی طرف دیکھا اور بولا۔

”کون ہو تم؟“

عنبر جانتا تھا کہ اس کی شکل بدلی ہوئی ہے۔ اس لیے بھاسکر



## ہمارا فی کیٹی کا مہتمم

بھاسکر نے پانی پینا بند کر دیا۔  
حوض کا سارا پانی وہ پی گیا تھا۔ اور اب اسے چوبیس گھنٹوں تک  
پانی پینے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے تعجب سے عنبر کی طرف دیکھا اور  
بولے۔

”تم کون ہو بھائی اور تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟“  
عنبر نے سوچا کہ اس کو اپنی پتا بتا دینی چاہیئے۔ عنبر کو اس وقت  
کسی مددگار ساتھی کی اشد ضرورت تھی۔ کیونکہ اس کی غیر معمولی طاقت  
ختم ہو چکی تھی۔ اور وہ ایک عام کمزور انسان بن گیا تھا۔ اس نے بھاسکر  
کو اپنی ساری دردناک کہانی سنا ڈالی۔ اور اسے بتایا کہ میں ہی عنبر  
ہوں۔ بھاسکر کو پہلے تو یقین نہ آیا۔ مگر عنبر نے کہا۔

”اگر میں عنبر نہ ہوتا تو مجھے تمہارا نام بھاسکر کیسے معلوم ہو  
جاتا؟ میں ہی تمہیں اپنے ساتھ لٹکا و لیس میں لایا ہوں۔  
کہ یہاں اپنے ساتھی ناگ کو ڈھونڈ کر اس سے تمہارے  
جسم میں حل ہوئے آتش سانپ کے زہریلے اثر کو ختم کر سکوں۔“

یہ ایسی راز کی بات تھی کہ سوائے عنبر کے اور کسی کو معلوم نہیں  
تھی بھاسکر کو یقین ہو گیا کہ یہی عنبر ہے۔ وہ حوض سے باہر نکل آیا۔  
اس کے گیلے کپڑوں میں سے اب بھی ہلکی ہلکی بھاپ کی لہریں نکل  
رہی تھیں۔ اس نے عنبر کی شکل کو غور سے دیکھا اور بولا۔

”عنبر بھائی! تمہاری شکل تو بالکل بدل گئی ہے۔ تمہاری  
شکل تو کسی خونی ڈاکو سے ملتی ہے یہ کیا جادو طلسم ہو گیا  
ہے؟“  
عنبر نے کہا۔

”میں خود پریشان ہوں بھاسکر۔ میری سمجھ میں سوائے  
اس کے اور کچھ نہیں آ رہا کہ اُس لٹکنی ہوئی لاش نے مجھ  
پر کوئی طلسم کیا ہے اور وہ خود آزاد ہو کر غائب ہو گئی ہے۔“  
بھاسکر بولا۔

”میں نے تو یقین کر لیا کہ تم ہی عنبر ہو۔ لیکن کیا تمہارے  
دوست ناگ کو یقین آ جائے گا؟ اگر اسے یقین نہ آیا تو میرا  
علاج کون کرے گا۔ میرے جسم کی آگ کو کون ہمیشہ کے  
لیے ٹھنڈا کرے گا؟“

عنبر نے کہا۔

”تم فکر نہ کرو بھاسکر۔ ناگ کو جب میں نے ساری بات  
سمجھا دی تو اسے ضرور یقین آ جائے گا۔“



بھاسکر اور عنبر گھاٹی سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اگرچہ  
عنبر اس سے پہلے بھی شہر کا ایک چکر لگا آیا تھا۔ لیکن اپنی شکل تبدیل  
ہو جانے کے بعد اس کے دل کو قرار نہیں آ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ  
جتنی جلدی ہو سکے وہ ناگ یا کیٹی ماریا اور تھیوسانگ کو تلاش کر کے  
انہیں اپنی مصیبت سے آگاہ کرے اور اس مشکل کا کوئی حل ڈھونڈے۔  
اس وقت دن ڈھل رہا تھا۔ وہ اور بھاسکر ایک جنگلی راستے پر چلتے  
شہر کے بڑے دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ لوگ دروازے میں  
آ جا رہے تھے۔

جو بھی عنبر دروازے کے قریب پہنچا ایک آدمی اسے  
دیکھتے ہی بولا۔

”پانڈو! پانڈو!“

اور وہ ڈر کر بھاگ گیا۔ دوسرے لوگ، عنبر کو پہننے لگے  
اور وہ بھی ”پانڈو ڈاکو پانڈو قاتل“ کا شور مچاتے وہاں سے خوف  
زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ عنبر نے بھاسکر کی طرف دیکھ کر کہا۔  
”بھاسکر! یہاں سے واپس چلے چلو۔ میری شکل کسی  
پانڈو ڈاکو سے ملتی ہے۔“

ابھی وہ واپس مڑنے ہی والے تھے کہ شہر کے دروازے  
میں شور مچ گیا۔ ”پانڈو ڈاکو آگیا۔ پانڈو ڈاکو آگیا!“ اس شور کو  
سن کر دروازے پر جو سپاہی پہرے پر موجود تھے۔ فوراً

نیزے اور تلواریں لہراتے عنبر کی دوڑے اور اسے اور بھاسکر  
کو انہوں نے گھیرے میں لے لیا۔ عنبر نہتا تھا۔ اور اس کے پاس  
اس کی غیر معمولی طاقت بھی نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس  
نے لڑائی کی تو وہ شدید زخمی ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ مرنے کے  
لگے اس کا بازو اور گردن وغیرہ تلوار سے کٹ سکتی ہے۔ عنبر اس  
قسم کا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھالیے  
اور کہا۔

”میں پانڈو ڈاکو نہیں ہوں۔“

ایک سپاہی نے نیزہ عنبر کی گردن پر رکھ دیا اور بولا۔  
”سنو لوگو! پانڈو ڈاکو خود کہہ رہا ہے کہ میں پانڈو نہیں

ہوں۔“

سارے سپاہی ہنس پڑے۔

”ارے اسے فوراً راجہ کے پاس لے چلو یہ تو پھانسی  
کی رسی تڑا کر بھاگ گیا تھا۔ ہم نے اسے گرفتار کر  
لیا ہے۔ راجہ ہمیں انعام دے گا۔“

اسی وقت عنبر کے ہاتھ رسی سے پشت پر باندھ دیئے گئے۔

سپاہی بھاسکر کو بھی جب پکڑنے لگے تو عنبر نے چلا کر کہا۔

”یہ میرا ساتھی نہیں ہے۔ میں تو اس سے راجہ کے محل

کا راستہ پوچھ رہا تھا۔“



بھا سکر بھی ہاتھ باندھ کر بولا۔

”ہاں مہاراج! میں اس کا ساتھی نہیں ہوں۔ میں تو پردیسی مسافر ہوں۔“

سپاہیوں نے بھا سکر کو چھوڑ دیا۔ اور عنبر کو قیدی بنا کر گھوڑے پر بٹھا راجہ کے محل کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ایک سپاہی نے پوچھا۔

”پانڈو! تمہارے پاس ایسی کون سی شے تھی کہ تم رستی تڑا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے؟“

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرا سپاہی کہنے لگا۔

”تمہارے بھاگ جانے کی وجہ سے راجہ تے جیل کے داروغے کو قید میں ڈال دیا ہے۔ تم بھاگے کیسے تھے پانڈو؟“

عنبر نے اس بار بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اور خاموشی سے گھوڑے پر بیٹھا غور کرتا رہا کہ حالات نے کیا تکلیف دہ رخ اختیار کیا ہے۔ وہ بھاگ بھی نہیں سکتا اور قیدی بن کر راجہ کے سامنے بھی نہیں جانا چاہتا۔ کیونکہ راجہ ضرور اس کی گردن اڑانے کا حکم صادر کر دے گا۔ اور اس حالت میں تو اس کی گردن اڑ سکتی ہے۔ جبکہ اس کی طاقت اس کے جسم میں نہیں ہے۔ عنبر انہی پریشان خیالات میں گم تھا کہ سپاہی اسے لے کر راجہ کے محل کے

بڑے پھاٹک میں داخل ہو گئے۔ پھاٹک پر موجود پرے دار نے پانڈو کو دیکھا تو خوش ہو کر بولا۔

”اس قاتل کو پھر سے گرفتار کر کے تم لوگوں نے بڑا کام کیا ہے دوستو! اسے فوراً راجہ کے حضور پیش کرو۔“

تاکہ بے چارے داروغے کی جان چھوٹے۔“

راجہ کا دربار ختم ہو چکا تھا۔ وہ اس وقت اپنے محل کے باغ میں عالی شان سونے کے کاؤچ پر بیٹھا اپنے مہمانتری سے باتیں کر رہا تھا کہ سپاہی نے آکر اطلاع دی کہ ملک کے مشہور اور مفرد قاتل پانڈو کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ راجہ نے چونک کر کہا۔

”شاباش! میرے سپاہیوں نے اپنا فرض پورا کیا۔ فوراً“

خونی پانڈو کو میرے حضور پیش کیا جائے۔“

عنبر کو راجہ کے سامنے لایا گیا۔ عنبر کے ہاتھ پیچھے بندھے تھے اور اب اس کے ایک پاؤں میں زنجیر ڈال دی گئی تھی۔ راجہ نے غضبناک نگاہوں سے عنبر کی طرف دیکھا اور بولا۔

”خونی پانڈو! تم سمجھتے تھے کہ پھانسی کی رستی تڑا کر تم میرے ملک سے فرار ہو سکو گے؟ یہ تمہاری بھول تھی۔ تم نے میرے ملک کے کتنے ہی بے گناہ انسانوں کو ہلاک کیا ہے۔ ان کا مال لوٹا ہے۔ تمہیں اب میں ایسی سزا دوں گا کہ جسے تمہاری رُوح بھی کبھی نہ بھلا سکے گی۔“



عبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش کھڑا رہا۔ وہ اگر کہتا بھی کہ میں پانڈو ڈاکو نہیں ہوں بلکہ عبر ہوں اور میرے ساتھ یہ دھوکہ ہوا ہے۔ اور مجھ پر اصلی پانڈو نے کوئی ظلم کیا ہے۔ تو راجہ کو کبھی یقین نہیں آ سکتا تھا۔ کیونکہ عبر کی شکل ہو بہو پانڈو کی شکل بن چکی تھی۔ اتنے میں محل کے برآمدے کی طرف سے ایک زرق برق لباس والی رانی دو کنیزوں کے ساتھ راجہ کی طرف آتی دکھائی دی۔ جونہی وہ قریب آئی تو عبر کے منہ سے خوشی کی ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ کیونکہ یہ کیٹی تھی۔ اس نے بے اختیار یہ کہہ کر کہا۔

”کیٹی میں عبر ہوں“

کیٹی نے جو اس وقت رانی کو کلا کے روپ میں تھی حیرت سے عبر کی طرف دیکھا راجہ اور مہمانتری بھی سکتے ہیں آگئے۔ کہ پانڈو ڈاکو کو جسرات کیسے ہوتی کہ وہ رانی کو کلا کو اس طرح مخاطب کرے۔ کیٹی نے راجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مہاراج! یہ کون گستاخ ہے جس نے ہمیں ایک عجیب

سے نام سے پکارا ہے؟“

راجہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا جسم غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس نے مہمانتری کو حکم دیا۔

”اس گستاخ پانڈو ڈاکو کو اندھے کنوئیں میں ڈال دو۔ کل ہم حکم صادر کریں گے کہ اسے کس طرح ہلاک

کیا جائے“

مہمانتری نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ سپاہی عبر کو لے کر چلے تو عبر نے ایک بار پھر کیٹی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کیٹی تم مجھے پہچان نہیں سکو گی۔ مگر میں عبر ہوں۔ میں عبر ہوں“

سپاہی اسے گھٹتے ہوئے بائیں باغ سے نکال کر لے گئے۔ اور محل کے پچھواڑے باغ کے کونے میں جو اندھا کنواں تھا۔ اس میں ڈال کر اوپر پرہ لگا دیا گیا۔ عبر کو تو اس بات پر کوئی تعب نہیں تھا کہ کیٹی نے اسے پہچانا نہیں مگر حیرت اسے اس بات پر تھی کہ عبر کا نام لینے پر بھی کیٹی ایک ہل کے لیے بھی نہیں چونکی تھی۔ کہیں اس کی یادداشت تو کم نہیں ہو گئی؟ اسے رانی کس نے بنا دیا؟ عبر کیٹی کی شکل پہچاننے میں کبھی دھوکہ نہیں کھا سکتا تھا۔ وہ کیٹی ہی تھی۔ وہی سنہرے بال، وہی ہلکی نیلی آنکھیں۔ وہ مہارانی کے شاہی لباس میں تھی۔ یقیناً اس کی بھی کایا پلٹ کر دی گئی۔

عبر اندھے کنوئیں میں پڑا تھا۔ اس کے بازوؤں پر رگڑ لگنے سے خون بہہ رہا تھا۔ عبر نے خشک گھاس سے خون پونچھا اور سوچنے لگا کہ وہ کون سا طریقہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس اندھے کنوئیں سے نکل کر جان بچانے میں کامیاب ہو جائے۔



کنواں بہت گہرا تھا۔ باہر تلواروں والے سپاہی پھر دے رہے تھے۔ اس کی غیر معمولی طاقت بھی اسے چھوڑ گئی تھی۔ کیٹی بھڑکے نہیں پہچان رہی تھی۔ عجیب بے بسی اور مجبوری کی حالت تھی کنویر کی تہ میں پانی نہیں تھا۔ خشک گھاس پھونس اور درختوں کی کٹی ہوئی ٹہنیاں پڑی تھیں۔ عنبر کنوئیں کی دیوار سے ٹیک لگانے بیٹھ کر غور کرنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے۔

دوسری طرف جب رات ہوئی تو مہانتری نے کیٹی کے کھانے میں وید جی کا دیا ہوا تھوڑا سا نہر ملا سفوف ملا دیا۔ جب کنزیرس کھانے کا طشت لے کر رانی کو کھانا یعنی کیٹی کے محل میں چلی گئیں تو مہانتر ایک خفیہ جگہ چھپ کر دیکھتا رہا۔ کیٹی کے سامنے کھانا لگا دیا گیا۔ تھیوسانگ اس کے غلام گنگو کی حیثیت سے کیٹی رانی کے پاس ہی چوکس کھڑا تھا۔ رانی کو کھانا یعنی کیٹی بسے اپنا باڈی گارڈ سمجھتی تھی۔ جب کیٹی نے کھانا شروع کر دیا تو مہانتری کے چہرے پر عیارانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ وہاں سے چلا گیا۔ کیٹی کو احساس تک نہیں ہوا تھا کہ اس کے کھانے میں نہر ملا ہوا ہے۔ یہ نہر ایک تو چھینکا تھا۔ دوسرے بہت ہلکی مقدار میں ملایا گیا تھا۔ کیونکہ مہانتر ہی ایک سوچی سمجھی سکیم کے ذریعے رانی کو کھانا یعنی کیٹی کو آہستہ آہستہ نہر دے کر مادیانا چاہتا تھا۔

جب کیٹی رانی کھانا کھا چکی تو کنزیرس آئیں اور طشت اور برتن

اٹھا کر دروازے کی طرف چلیں۔ اتفاق سے کھانے کی تھالی میں سے گوشت کا ایک بچا ہوا ٹکڑا نیچے فرش پر گر گیا۔ کنزیرس باہر نکل چکیں تھیں۔ تھیوسانگ نے آگے بڑھ کر گوشت کی چھوٹی بوٹی اٹھائی اور اسے باہر پھینکنے کے خیال سے برآمدے میں آگیا اتفاق سے محل کی ایک شاہی بلی میاؤں میاؤں کرتی اس کے سامنے آگئی۔ تھیوسانگ نے گوشت کی بوٹی اس کے آگے ڈال دی کہ یہ بے چاری کھالے گی۔ بلی نے فوراً بوٹی منہ میں ڈالی اور اسے نگل گئی۔ اس بلی کے لیے اتنا ہی ذہر کافی تھا۔ بوٹی کھاتے ہی وہ گول گول گھومنے لگی۔ پھر فرش پر گری اور اکڑ گئی۔

تھیوسانگ نے یہ منظر دیکھا تو وہیں رُک گیا۔ جھک کر بلی کا مشاہدہ کیا۔ بلی کے ہونٹوں سے سبز جھاگ نکل رہی تھی فوراً سمجھ گیا کہ کھانے میں کسی نے نہر ملا دیا ہے۔ جھاگ کو واپس کیٹی کے پاس آیا۔ اسے غور سے دیکھنے لگا۔ کیٹی نے تھیوسانگ کی طرف منہ اٹھا کر رعب سے کہا۔

”گنگو! تم ہماری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟“  
تھیوسانگ نے کہا۔

”مہا رانی جی! میں آپ کا محافظ ہوں۔ آپ کی جان کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔“  
کیٹی نے جینٹلا کر کہا۔



”تم جو کتنا چاہتے ہو کوہ۔ میرا وقت نہ ضائع کرو۔ مجھے آرام کرنا ہے۔“

تھیوسانگ نے ادب سے کہا۔

”مہارانی صاحبہ! آپ کو کھانے میں زہر دیا گیا تھا۔“

رانی کو کلا یعنی کیٹی ایک دم سے چوٹک سی پڑی۔

”ہمیں کون زہر دے سکتا ہے؟ اور پھر ہمیں کچھ بھی

نہیں ہوا۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔“

تھیوسانگ نے مہارانی کیٹی کو برآمدے میں جا کر وہ بلی دکھائی

جو اس کے کھانے کی بجی ہوئی بوٹی کھا کر مر چکی تھی۔ رانی کیٹی

کے چہرے پر تشویش کے آثار ابھرنے لگے۔ اس نے تھیوسانگ

کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

”کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے ہمارے بچے ہوئے کھانے

میں سے اس بلی کو گوشت ڈالا تھا؟“

تھیوسانگ نے کہا۔

”ہاں مہارانی جی!“

رانی کیٹی کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگی۔

”ہمارا یہاں کون دشمن ہو سکتا ہے؟“ اور پھر اگر

ہمیں زہر دیا گیا ہے تو ہم پر اس کا اثر کیوں نہیں ہوا؟“

تھیوسانگ نے کہا۔

”مہارانی! آپ کو بہت ہلکی مقدار میں زہر دیا گیا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ آپ کو آہستہ آہستہ زہر دے کر ہلاک

کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔“

رانی کیٹی کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

”گنگو! ہم ابھی مہاراج کو جا کر سب کچھ بتاتے

ہیں۔ جس نے ہمارے جان لینے کی کوشش کی ہے۔

ہم اس کی کھال کھینچوا دیں گے۔“

تھیوسانگ نے جلدی سے کہا۔

”مہارانی جی! ابھی ایسا نہ کریں۔ اس طرح سے غدار

غائب ہو جانے گا۔ آپ خاموش رہیں مجھے اس خفیہ

قاتل کو تلاش کر لینے دیجئے۔ آپ ایسا کریں کہ صرف

دو دن شاہی محل کا کھانا نہ کھائیں۔ بلکہ وہ پھل کھائیں اور

دودھ پیں جو میں آپ کو لاکھ دوں گا۔ بہانہ یہ بنائیں کہ

آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

رانی کیٹی تھیوسانگ کو گھوڑ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

”ٹھیک ہے۔ میں دو دن تک ایسا ہی کرتی ہوں لیکن

اگر دو دنوں میں تم نے میرے خفیہ قاتل کا سراغ نہ لگایا تو

مجھے یہ بات راجہ کو بتانی پڑے گی۔“

تھیوسانگ کے منہ سے نکل گیا۔



”ٹھیک ہے کیٹی۔ ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کرنا۔“  
 رانی کیٹی نے چونک کر تھیو سانگ کی طرف دیکھا اور بولی۔  
 ”تم نے پہلے روز بھی مجھے اسی نام سے پکارا تھا۔  
 اور آج جس خودی پانڈو کو ہمارے سپاہیوں نے دوبارہ  
 گرفتار کیا اس نے بھی مجھے کیٹی کہہ کر پکارا تھا۔ آخر  
 یہ کس کا نام ہے؟“  
 تھیو سانگ کے کان کھڑے ہو گئے۔  
 ”پانڈو ڈاکو نے آپ کیٹی کہہ کر پکارا تھا۔“

رانی بولی۔

”ہاں۔ اور وہ اپنے آپ کو عنبر بھی کہہ رہا تھا۔“  
 ”خبردار! جو تم نے میرا کوئی دوسرا نام لیا، میں مہارانی  
 کو کلا بائی ہوں۔ سمجھے۔ اب جاؤ مجھے آرام کرنے دو۔“  
 تھیو سانگ نے ہاتھ باندھ کر کہا۔  
 ”مہارانی! مجھے معاف کر دیں۔ مگر مجھے صرف اتنا بتا  
 دیجئے کہ پانڈو ڈاکو کہاں ہوگا؟“  
 رانی کو کلا یعنی کیٹی نے غصے میں کہا۔

”اسے محل کے پچھواڑے اندھے کتوں میں پھینک دیا  
 گیا ہے۔ تم اُس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟“

تھیو سانگ نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔  
 ”وہی ہے بی بی چچہ۔ ہا تھا مہارانی جی! معاف کر دیجئے۔“  
 یہ کہہ کر تھیو سانگ چلنے لگا تو رانی کیٹی نے بلکہ کر پوچھا۔  
 ”جتنی زہر میں نے کھالیا ہے اس کا اثر تو نہیں ہوگا؟“  
 تھیو سانگ نے کہا۔  
 ”بالکل نہیں مہارانی صاحبہ۔ مطمئن رہیں۔“  
 اتنا کہہ کر تھیو سانگ تیزی سے محل سے نکل کر باغ کے پچھواڑے  
 آگیا۔ اس نے دیکھا کہ کونے میں جو اندھا کنواں تھا اس کے باہر  
 دو سپاہی گھاس پر بیٹھے تھے۔ نیزے ان کے پاس ہی گھاس  
 پر پڑے تھے۔ وہ باتیں کر رہے تھے۔ تھیو سانگ ایک طرف  
 جا کر اونچی اونچی جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ایک  
 پتھر اٹھا کر جھاڑیوں کے پاس ہی زور سے پھینکا۔ پتھر کی آواز  
 سن کر دونوں سپاہی اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ نیزے ہاتھوں  
 میں لے لے اور جھک کر جھاڑیوں کی طرف بڑھے کیونکہ آواز اسی  
 طرف سے آئی تھی۔ تھیو سانگ نے اپنے آپ کو جھاڑیوں کی  
 شاخوں میں اچھی طرح سے چھپا لیا تھا۔ جو نہی ایک سپاہی اس کے  
 سامنے سے گزر گیا اور دوسرا سپاہی گزرتے لگا تو تھیو سانگ نے



اس کے پاؤں کے ساتھ اپنی انگلی لگا دی۔ انگلی کے چھوتے ہی سپاہی انگلی سے بھی چھوٹا ہو گیا۔ اگلے سپاہی نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو اسے اپنا ساتھی نظر نہ آیا۔ کیونکہ دوسرا تنہا سا چوہے سے بھی چھوٹا سپاہی اس وقت تھیوسانگ کی جیب میں جا چکا تھا۔ سپاہی آگے بڑھا ہی تھا کہ تھیوسانگ کی انگلی کے چھوٹنے سے وہ بھی چھوٹا سا بن کر رہ گیا۔ تھیوسانگ نے اسے بھی اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہیں ایک گڑھے میں ان دونوں کو ڈال کر اوپر بھاری پتھر اس طرح رکھ دیا کہ انہیں اندر ہوا آتی رہے۔

اس کے بعد تھیوسانگ بھاگ کر اندھے کنوئیں کی منڈھیر پہنچا۔ نیچے بھانک کر دیکھا تو نیچے اندھیرا تھا۔ ویسے بھی اب شام کے سا پھیلنے لگے تھے۔

تھیوسانگ نے ادب سے آواز دی۔

”پانڈو ڈاکو! تم نے ان کو یہ کیوں کہا تھا کہ تم عنبر ہو؟“  
عنبر کو تھیوسانگ کی آواز آئی تو اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔

جلدی سے آواز دی۔

”تھیوسانگ؟ تم تھیوسانگ ہو؟“

اب تو تھیوسانگ کو یقین ہو گیا کہ یہ عنبر ہی ہے۔ کیونکہ اس کی آواز بھی عنبر ہی کی تھی۔ مگر وہ حیران تھا کہ اگر یہ عنبر ہے تو پھر پانڈو ڈاکو کہاں ہے؟

تھیوسانگ نے اوپر سے پکار کر کہا۔  
”کیا تم عنبر ہو؟“

”ہاں تھیوسانگ! میں عنبر ہوں۔ مجھے باہر نکالو۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔“

تھیوسانگ نے تعجب سے کہا۔

”اگر تم عنبر ہو تو تمہارا دم کیوں گھٹ رہا ہے؟ عنبر کا دم تو کبھی نہیں گھٹتا۔“

عنبر نے نیچے سے آواز دی۔

”یہ میں سب کچھ تمہیں باہر نکل کر بتاؤں گا۔ خدا کے لیے مجھے یہاں سے باہر نکالو۔“

چونکہ آواز ہو ہو عنبر کی تھی۔ اس لیے تھیوسانگ نے فوراً

درختوں کی چند لمبی لمبی شاخیں توڑ کر انہیں رسی کی طرح بٹا اور اسے نیچے لٹکا دیا۔ عنبر نے اسے پکڑ لیا۔ تھیوسانگ نے اسے اوپر کھینچنا شروع کر دیا۔ جب عنبر باہر آیا تو تھیوسانگ نے اس کی گردن دبا لی اور غصے میں کہا۔

”دھوکے باز! تو پانڈو ڈاکو ہے۔ تو عنبر نہیں ہے تو

نے عنبر کی آواز کی نقل اُتاری ہے۔“

عنبر نے تھیوسانگ سے کہا۔

”تھیو! میں پانڈو ڈاکو نہیں ہوں۔ ناگ ماریا اور



”کیٹی کا عنبر — یقین کرو“  
 تھیو سانگ نے عنبر کی گمہ دن چھوڑ دی۔ اس کے چہرے کی  
 طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔  
 ”پھر تمہاری شکل عنبر کی کیوں نہیں ہے۔ تم پانڈو ڈاکو  
 کیسے بن گئے؟ یہ کیا راز ہے؟“  
 عنبر نے مختصر لفظوں میں تھیو سانگ کو ساری کہانی سنا ڈالی اور  
 کہا۔

”میری غیر معمولی طاقت غائب کر دی گئی ہے تھیو! اس  
 لیے میری زندگی کو یہاں خطرہ ہے۔ جتنی جلدی ہو  
 سکے یہاں سے نکل چلو“  
 تھیو سانگ نے کہا۔

”میرے ساتھ آ جاؤ۔ یہاں سے ایک خفیہ دروازہ شہر  
 کے باہر جنگل میں جاتا ہے“

تھیو سانگ نے عنبر کو ساتھ لیا۔ اور رات کے گہرے ہوتے  
 اندھیرے میں دونوں باغ کی عقبی دیوار میں ایک جگہ خفیہ راستے  
 سے دوسری طرف جنگل میں نکل گئے۔ جنگل میں داخل ہوتے ہی  
 تھیو سانگ نے کیٹی کی کایا پٹ کا قصبہ بھی عنبر کو سنا دیا اور بتایا کہ  
 اسی کی زبانی مجھے معلوم ہوا تھا کہ پانڈو ڈاکو نے کہا تھا کہ میں عنبر  
 ہوں۔ عنبر بولا۔

”میری شکل دیکھ کر تو ناگ اور ماریا میں سے  
 بھی کسی کو یقین نہیں آئے گا کہ میں عنبر ہوں۔ مگر اب  
 مجھے کسی خفیہ جگہ چھپ جانے کی ضرورت ہے کیونکہ  
 میرے دوسری بار فراہ ہونے سے راجہ کے سپاہی  
 میری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے اور ابھی ہمیں  
 یہاں سے کیٹی کو اپنے ساتھ لے جانا ہے“  
 تھیو سانگ نے کہا۔

”میری نظروں میں ایک ایسی جگہ ہے جہاں تمہیں کھانے  
 کو درختوں کے تازہ پھل بھی ملتے رہیں گے اور جنگلی چشمتے  
 سے تم اپنی پیاس بھی بجھا سکو گے“

تھیو سانگ عنبر کو ساتھ لے کر شاہی محل سے دور جنگل کے  
 کنارے ایک ایسی ویران کان میں پہنچا دیا۔ جہاں سے کبھی چاندی  
 نکالی جاتی تھی۔ مگر اب یہ کان ویران ہو کر ڈھسے چکی تھی۔ اسی  
 کے اندر اندھیری سڑنگ کا ایک چھوٹا سا حصہ باقی رہ گیا تھا۔ اس  
 کان کے باہر ایک ندی بہتی تھی اور ندی کنارے تاریل کے علاوہ  
 کیلے اور شریفی کے جنگلی درخت بھی تھے۔ جن پر پھل لگے ہوئے  
 تھے۔ عنبر نے کہا۔

”میں یہاں زیادہ دیر نہیں رہ سکتا۔ تھیو سانگ مجھے ناگ  
 کو بھی تلاش کرنا ہے۔ تم ایسا کرو کہ کسی طرح کیٹی کو بھی



شاہی محل سے نکال کر یہاں لے آؤ۔“

تھیو سانگ بولا۔

”اگر میں نے ایسا کیا تو خطرہ ہے کہ کیٹی کی جان چلی جائے گی۔ کیونکہ پہاڑی جوگی نے کہا تھا کہ رانی کیٹی کو راجہ کے محل میں ہی رہنے دینا۔ وہ وہیں اپنی اصلی حالت میں واپس آئے گی۔“

عنبہ نے کہا۔

”اب سوال یہ ہے کہ میرا فعلیہ کیسے اصلی ہوگا۔ میں کس طرح اپنی اصلی شکل اختیار کروں گا۔ اور میری کھنی ہوئی طاقت کیسے واپس آئے گی؟“

تھیو سانگ کہنے لگا۔

”جس اصلی پانڈو ڈاکو کی لاش نے تمہیں اپنی شکل دے کر اس حالت تک پہنچایا ہے۔ اس پر کسی طلسم کا اثر تھا۔ اور اسی طلسم نے اصلی پانڈو ڈاکو کو آزاد کیا ہے۔“

عنبہ نے پوچھا۔

”تو پھر تمہارا کیا خیال ہے کیا مجھے اسی جنگل میں واپس جاکر اصلی پانڈو ڈاکو کو ڈھونڈنا ہوگا؟“

تھیو سانگ نے عنبہ کو ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا۔

”میرا یہی مشورہ ہے عنبہ کہ تم اسی کان کے اندر سترنگ

میں چھپے رہو۔ میں کیٹی کا کایا پلٹ ہونے کا انتظار کرتا ہوں اور پہاڑ والے سادھو سے پھر ملتا ہوں۔ ہو سکتا ہے

اس دوران میں ناگ اور ماریا بھی اسی ملک میں آجائیں۔“

عنبہ نے تشویش کا اظہار کیا اور کہا۔

”تم کہتے ہو کہ منگلا دیوی ہی تمہاری اور کیٹی کی اصل دشمن ہے۔ کہیں وہ اس عرصے میں تمہیں نقصان نہ پہنچائے؟“

تھیو سانگ نے عنبہ کو بتایا کہ اس نے جوگی بابا کی دی ہوئی

راکھ اپنی اور کیٹی کی گہ دن پر مل رکھی ہے جس کی وجہ سے ہم دونوں پر منگلا دیوی کے طلسم کا کچھ اثر نہیں ہوگا۔ شرط صرف اتنی ہے کہ ہم منگلا دیوی کے مندر کے احاطے میں نہیں جائیں گے۔ عنبہ نے کہا۔

”تو پھر تم واپس محل میں کیٹی کے پاس جاؤ اور اسے

جو کوئی بھی کھانے میں نہہر دے رہا ہے۔ اس کا

سراغ لگنا کہ اسے ختم کر دو تاکہ کیٹی کی جان بچی

رہے۔ کیونکہ رانی کے جسم میں آکر ہو سکتا ہے اس کا

جسم نہہر کے اثر کو قبول کرے اور وہ مر جائے۔“

”ایسا ہی ہوگا عنبہ۔“ تم فکر نہ کرو۔ میں دوسرے

دو رات کو تمہارے پاس آکر تمہاری خیریت معلوم



کہ جایا کہ وہ گا۔ مگر تم اس علاقے سے ہرگز ہرگز  
باہر مت جانا۔ کیونکہ راجہ کی فوج تمہاری تلاش میں ہو  
گی۔“

عینر سزنگ کے اندر ہی رہا اور تھیو سانگ واپس محل میں آگیا  
دوسرے روز مہمانتری نے کھانے میں نہر کی ضروری مقدار  
بلا کر کھانا رانی کو بھیجا تو کنٹریس واپس لے آئیں۔ مہمانتری خفیہ جگہ سے  
نکل کر جلدی سے رانی کے پاس گیا اور اس سے کھانا واپس بھیجنے  
کا سبب پوچھا تو رانی کیٹی نے جیسا کہ گنگو غلام یعنی تھیو سانگ  
نے اُسے بتایا تھا کہہ دیا کہ اس کی طبیعت خراب ہے اور  
وہ دو ایک روز صرف پھل کھانا زیادہ پسند کرے گی۔ راجہ بھی  
یہ سن کر رانی کیٹی کے پاس آگیا اور طبیعت کی خرابی کی وجہ پوچھی۔ رانی  
کیٹی نے کہا۔

”مہاراج پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ آپ شاید نہیں جانتے  
کہ میں سال میں اس مہینے کی ان تیار یخوں کو برت رکھا  
کہتی ہوں اور اناج کو بالکل ہاتھ نہیں لگاتی۔ صرف  
پھل اور دودھ پر گزارہ کرتی ہوں۔“

راجہ خوش ہوا کہ اس کی رانی دین دھرم کا بہت خیال  
رکھتی ہے۔ مہمانتری نے سوچا کہ کسی طریقے سے رانی کو  
پھل میں نہر شامل کر کے کھلانا چاہیے۔ اس نے باغ سے کچھ کیلوں

کے گچھے منگوا کر اپنے کمرے میں رکھوا دیئے اور ان میں سے  
دو گچھوں کے کیلوں میں ہلکا نہر ملا کر رانی کے ہاں بھیجا دیئے  
کہ یہ تازہ کیلے شاہی باغ سے آپ کے لیے منگوائے گئے  
ہیں۔ تھیو سانگ کو شک پڑ گیا کہ رانی یعنی کیٹی کو مہمانتری آہستہ  
آہستہ نہر دے رہا ہے۔ اس نے مہمانتری کو راستے سے ہٹانے  
کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے کیلوں کے گچھے تبدیل کر دیئے۔ دوسرے  
دن راجہ کو دوپہر کے بعد پانڈو ڈاکو کا خیال آگیا کہ وہ اندھے  
کنوٹیں میں ہے اور اُسے موت کی سزا سنائی جاتی ہے۔ راجہ نے  
حکم دیا۔

”پانڈو ڈاکو حاضر کرو۔“





## ڈھانچہ پونے لگا

سپاہی اسی وقت اندھے کنوئیں کی طرف دوڑے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ نہ تو کہیں پہرے دار ہیں اور نہ پانڈو ڈاکو کنوئیں میں ہے۔ بھاگے بھاگے راجہ کے پاس آئے اور خبر سنائی۔ راجہ تو غصے سے کانپنے لگا۔ کہ اس کے محل میں گھس کر شاہی قیدی کو کس نے چھڑا لیا؟ فوراً شہر میں اعلان کر دیا گیا کہ بدنام خوبی ڈاکو پانڈو فرار ہو گیا ہے جس کو اس کے بارے میں پتہ ہو راجہ کو بتا کر انعام پاوے۔ اب ایسا ہوا کہ کسی طرح وہ سپاہی جنہیں تھیوسانگ نے چھوٹا کر کے گڑھے میں پھینک دیا تھا وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

وہ اپنی حالت پر اس قدر حیران اور خوفزدہ تھے کہ انہیں ایک دوسرے کو دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ چونکہ وہ باغ سے نکل کر محل کے دروازے پر آئے تو پہرے دار اور دوسرے غلام اور کینزیں ان دو چوہوں سے بھی چھوٹے سپاہیوں کو دیکھ کر چینیں مارتے ادھر ادھر دوڑ پڑے محل

میں شور مچ گیا۔ کہ دو بھوت محل میں گھس آئے ہیں۔ راجہ خود انہیں دیکھنے آیا تو ان دونوں سپاہیوں نے اپنی پتا سنائی۔ راجہ نے کہا۔

”اس اندھے کنوئیں کے پاس آسیب رہتا ہے جس نے تمہیں چھوٹا کر دیا ہے۔ ہم وہاں پنڈتوں سے منتر پڑھوائیں گے۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ ابھی تم اپنی اپنی کو ٹھٹھریوں میں جا کر بیٹھو۔“

راجہ کے حکم سے شہر میں پانڈو ڈاکو یعنی عنبر کی تلاشی شروع ہو گئی۔ تھیوسانگ رانی کو کلا یعنی کیٹی کے پاس رہنے پر مجبور تھا۔ کیونکہ مہامنتری اسے ہلاک کرنے کی زبردست کوشش کر رہا تھا۔ تھیوسانگ نے کیلے اور پھیل وغیرہ بدوا دیئے تھے۔ اب وہ خود پھیل لا کر کیٹی کو دیتا تھا۔ مہامنتری نے جب یہ داؤ بھی ناکام ہوتے دیکھا تو وید جی سے مشورہ کیا۔ مکاڈ وید نے کہا کہ اب رانی کو راستے سے ہٹانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے آدھی رات کو اپنا آدمی بھیج کر سوتے میں مار ڈالو۔ مہامنتری نے بھی سوچا کہ اسی طریقے سے یہ کام ختم ہو سکتا ہے۔ اس نے اپنے ایک خاص آدمی کو خنجر دے کر انعام و اکرام کا لالچ دیا اور آدھی رات کو رانی کو کلا یعنی کیٹی کے محل کی طرف روانہ کر دیا۔ تھیوسانگ تو ایک بل کے لیے بھی کیٹی سے غافل نہیں رہتا تھا۔



وہ کیٹی کے محل کے ارد گرد رات کو بھی چکر لگایا کرتا تھا۔ اس رات تھیوسانگ نے ایک انسانی سایہ کیٹی کی خواب گاہ میں روشندان سے داخل ہوتے دیکھا تو جلدی سے خواب گاہ کے خفیہ دروازے سے اندر آگیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی جس نے منہ پر کالا کپڑا پیٹ رکھا ہے۔ ہاتھ میں خنجر لیے آہستہ آہستہ کیٹی کے پلنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تھیوسانگ پیچھے سے ہو کر اس آدمی کے قریب آگیا۔ اس نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔ تھیوسانگ پہلے ہی سے تیار تھا۔ فوراً اپنی انگلی اس آدمی کے بدن سے لگا دی۔ انگلی کے گلتے ہی وہ قاتل چھوٹا سا ہو کر فرش پر بولکھلا ہٹ میں رادھرا دھر مچھڑکے لگا۔ اس نے تھیوسانگ کی شکل دیکھ لی تھی اس لیے اب ضروری ہو گیا تھا کہ اسے حراست میں رکھا جائے۔ تھیوسانگ نے چھوٹے سے قاتل کو اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا اور خواب گاہ سے دیے پاؤں باہر نکل گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ صبح ہوتے ہی اس چھوٹے قاتل کو عنبر کے پاس غار میں بند کر آئے گا۔

دوسری طرف راجہ کے سپاہیوں کا ایک دستہ پانڈو ڈاکو کو تلاش کرتے کرتے اتفاق سے کان کی پرانی سڑنگ کے پاس بھی پہنچ گیا۔ عنبر سڑنگ کے اندر چھپا ہوا تھا۔ اس نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی تو کوٹھڑی سے نکل کر سڑنگ میں ایک طرف دوڑا کہ کسی دوسری جگہ جا کر چھپ جائے۔ اس کے دوڑنے سے

کچھ پتھر گر پڑے جن کی آواز پر سپاہی چوکے ہو گئے۔ اور فوراً ہی سڑنگ میں گھس آئے۔ ان کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ انہوں نے مشعلوں کی روشنی میں پانڈو ڈاکو کو ایک طرف دوڑتے دیکھ لیا۔ پھر کیا تھا۔ سپاہی اس پر ٹوٹ پڑے۔ اور عنبر کو فوراً ہی گرفتار کر کے رسیوں میں جکڑ دیا گیا۔ جب رات کے پہلے پہر پانڈو ڈاکو یعنی عنبر کو گرفتار کر کے راجہ کے سامنے لایا گیا تو راجہ نے سپاہیوں کو بہت انعام دیا اور اسی وقت حکم دیا۔

”ایسے خطرناک خونی کا اب ہم بھروسہ نہیں کر سکتے میں حکم دیتا ہوں کہ پانڈو کو فوراً اسی وقت بھاری پتھر کے ساتھ باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔“ راجہ کا حکم تھا۔ اسی وقت پانڈو ڈاکو یعنی عنبر کو ایک بھاری پتھر کے ساتھ زنجیروں سے کس کر باندھ دیا گیا۔ پھر اسے کشتی پر بٹھا کر سپاہی بیچ سمندر میں لے گئے اور وہاں جاتے ہی اسے سمندر میں پھینک دیا۔ عنبر کے پاس اس کی طاقت بالکل نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ کو پتھر سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔ پتھر اسے لے کر سمندر کے نیچے اتر گیا اور سمندر کی تہ کے ساتھ جا کر لگ گیا۔ عنبر کو شک تھا کہ ہو سکتا ہے وہ مرجائے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اگرچہ عنبر کے پاس اس کی غیر معمولی طاقت اس وقت نہیں تھی مگر وہ زندہ رہا۔ سمندر کا پانی اس



کی ناک کے پاس آکر رُک گیا اور پانی میں جو آکسیجن ہوتی ہے وہ چھن چھن کے پھینچڑوں میں داخل ہوتا شروع ہو گئی۔

عنبہ پانڈو ڈاکو کی شکل میں پتھر کے ساتھ زنجیروں میں بندھا سمندر کی تہ میں بے بس کی حالت میں پڑا تھا اور اپنی حالت پر افسوس کر رہا تھا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے اور خدا جانے اب وہ وہاں سے کب اور کیسے باہر نکلے گا۔ دوسری طرف جب دن چڑھا تو تھیو سانگ اپنی جیب میں چھوٹے قاتل کو ڈالے سڑنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سڑنگ میں پہنچ کر تھیو سانگ نے چپہ چپہ جھان مارا۔ عنبہ کو آوازیں بھی دیں۔ مگر وہ اسے کہیں نہ ملا۔ تھیو سانگ کی جیب میں جو قاتل تھا اس نے اسے ایک گڑھے میں ڈال کر اوپر پتھر اس طرح سے رکھ دیا کہ اسے ہوا آتی رہے اور خود شاہی محل کی طرف دوڑا۔ یہاں آتے ہی اسے پتہ چل گیا کہ رات راجہ کی فوج کے سپاہیوں نے پانڈو یعنی عنبہ کو گرفتار کر لیا تھا اور اسے کسی خفیہ جگہ لے جا کر ہلاک کر دیا ہے۔ راجہ نے اس خبر کو سختی سے پوشیدہ رکھا تھا کہ پانڈو ڈاکو کو سمندر میں غرق کیا گیا ہے۔

تھیو سانگ تو بے حد فکر مند ہوا۔ تشویش اسے صرف اس بات کی تھی کہ عنبہ کی طاقت اس کے پاس نہیں ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پیچ مچ ہی ہلاک ہو گیا ہو۔ اس نے یہ معلوم کرنے کی بے حد کوشش

کی کہ پانڈو ڈاکو کو کہاں لے جا کر اور کس نے ہلاک کیا ہے مگر کسی نے اسے یہ نہ بتایا۔ تھیو سانگ بے حد پریشان ہو کر کیٹی کے پاس محل میں آ گیا۔ وہ اپنی پریشانی کا اظہار کیٹی سے بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ کیٹی تو رانی کو کلا کے روپ میں تھی اور وہ تھیو سانگ کو پہچانتی تک نہیں تھی۔

مہامنتری اس وجہ سے پریشان تھا کہ نہ صرف یہ کہ رانی کو کلا زندہ تھی بلکہ اس نے رات کو جو آدمی رانی کو مارنے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ بھی غائب ہو گیا تھا۔ مہامنتری نے وید جی کو یہ بتایا تو وہ غور کر کے بولا۔

”مہامنتری! ابھی کچھ دیر چپ ہو جاؤ۔ رانی کو کلا کے پیچھے

کوئی نہ بردست طاقت لگتی ہے“

اب منگلا دیوی کی سزا۔ منگلا دیوی کیٹی سے بدلہ لیتے کی تاک میں تھی۔ مگر کیٹی یعنی رانی کو کلا کی گردن پر جوگی کی راکھ لگی تھی جس کی وجہ سے اس پر منگلا دیوی کا جادو نہیں چل سکتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر کسی طریقے سے کیٹی اس کے پرانے مندر کے احاطے میں آجائے تو جوگی کی راکھ بے اثر ہو جائے گی اور کیٹی کو وہ اپنی گرفت میں لے سکے گی۔ منگلا دیوی اس فکر میں جنگل کی گہری گھاٹی میں سے گزر رہی تھی کہ اس نے جنگل کی ایک سڑک پر ایک شاہی سواری جاتی دیکھی۔ منگلا دیوی کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ وہ فضا



میں اڑتی نیچے آئی تو دیکھا کہ پالکی میں راجہ کی چھوٹی بہن کوشلیا خوبصورت لباس پہنے بیٹھی ہے۔ کوشلیا دوسرے — شہر کے منتری کی بیوی تھی اور اپنے بھائی سے ملنے جا رہی تھی جو بڑے راجہ کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا تھا اور جس کو رانی کوکلا یعنی کیٹی کی حمایت حاصل تھی منگلا دیوی کے دل میں ایک سکیم آگئی۔ وہ نیچے اترتے ہی نئے راجہ کی بہن کوشلیا کے جسم میں داخل ہو گئی۔ اب وہ نقلی کوشلیا بن گئی اور اصلی کوشلیا کا ضمیر سو گیا۔ جب یہ سواری نئے راجہ کے محل میں پہنچی تو راجہ اور رانی کوکلا یعنی کیٹی خود کوشلیا کا استقبال کرنے کے دروازے پر آئے۔ کیٹی نے کوشلیا کو گلے لگایا۔ راجہ نے اپنی بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دوشالہ اوڑھایا اور دُعا دی اور اپنے ساتھ محل میں لے گیا۔ کسی کو خبر نہیں تھی کہ کوشلیا کے روپ میں منگلا دیوی کیٹی سے اقتحام لینے شاہی محل میں داخل ہو گئی ہے۔ اس خطرناک بات سے تھیوسانگ بھی بے خبر تھا۔ وہ پہلے ہی عینر کے بارے میں پریشان تھا کہ نہ جانے اسے راجہ کے حکم سے کہاں پھینک دیا گیا ہے۔ اور وہ زندہ بھی ہے کہ نہیں۔ منگلا دیوی نے کوشلیا کے روپ میں محل میں داخل ہوتے ہی رانی کوکلا یعنی کیٹی سے بڑے اچھے سلوک کا اظہار شروع کر دیا اور اسی روز شام کے قریب منگلا دیوی نے کیٹی سے کہا۔

”مہارانی جی! آج میرا دل منگلا دیوی کے درشن کرنے

کو کرتا ہے۔ مگر اس کی کسی کو خبر نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ دیدوں میں لکھا ہے کہ شاہی محل کی راجکماریاں اور رانی اگر کسی کو بتائے بغیر منگلا دیوی کے درشن کرنے مندر آئیں گی تو ان کی عمر لمبی ہو جائے گی اور وہ بوڑھی نہیں ہوں گی۔“

کیٹی نے خوش ہو کر کہا۔

”بہن کوشلیا اگر یہ بات ہے تو میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔“

منگلا دیوی بولی۔

”مگر اس کا کسی کو علم نہیں ہونا چاہیے۔“

کیٹی نے کہا۔

”میں کسی کو کیوں بتاؤں گی بھلا۔“

آخر یہ طے ہوا کہ دونوں رات کے وقت محل کے خفیہ دروازے سے باہر نکل کر منگلا دیوی کے مندر کو جائیں گی۔ منگلا دیوی کو معلوم تھا کہ تھیوسانگ اس کی ہر وقت خبر گیری کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس رات کیٹی کو راجہ کے محل کے خفیہ کمرے میں اپنے ساتھ سونے کے لیے کہا۔ دونوں عورتیں محل کے خفیہ کمرے میں چلی گئیں۔ وہاں کسی مرد کو نزدیک پھسکنے کی اجازت نہیں تھی۔ تھیوسانگ کے دل میں ذرا بھی شک نہ ہوا کیونکہ وہ تو کوشلیا کو راجہ کی بہن ہی سمجھ رہا تھا۔



وہ محل میں اپنے ٹرے میں لیٹا رہا۔ جبکہ منگلا دیوی نے آدھی رات کو کیٹی کو ساتھ لیا۔ محل کے خفیہ دروازے سے باہر نکلی۔ آگے دو گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ منگلا دیوی خود بھی گھوڑے پر بیٹھ گئی اور کیٹی کو دوسرے گھوڑے پر بٹھایا اور مندر کی طرف روانہ ہو گئیں۔ منگلا دیوی بے حد خوش تھی کہ وہ آخر کیٹی کو اپنے مندر میں لے جانے پر کامیاب ہو گئی ہے۔ کیٹی آنے والی مصیبت سے بالکل بے خبر منگلا دیوی کو راجہ کی بہن کو شکیا سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ پہاڑی کی گھاٹی کے قریب ہی منگلا دیوی کا مندر تھا۔ منگلا دیوی نے کہا۔

”اب ہمیں گھوڑوں سے اتر کر دیوی کے مندر کے احاطے میں پیدل داخل ہونا چاہیئے“

کیٹی گھوڑے سے اتر آئی۔ منگلا دیوی اس کے پیچھے پیچھے تھی جو نہی وہ مندر کے احاطے میں داخل ہوئی۔ منگلا دیوی ایک دم سے غائب ہو گئی۔ اب اس کا جادو کیٹی پر بڑی آسانی سے چل سکتا تھا۔ کیونکہ مندر کے احاطے میں داخل ہونے سے جوگی کی راکھ کی چٹکی کا اثر ضائع ہو چکا تھا۔ کیٹی نے پلٹ کر دیکھا تو کو شکیا نہیں تھی۔ اس نے اندھیرے میں اُسے آواز دی تو فضا میں منگلا دیوی کی خوشنوار شکل نمودار ہوئی۔ کیٹی ڈر کر نہیں بیٹھ گئی۔ منگلا دیوی کے ہاتھ میں ترشول تھا۔ کیٹی کچھ نہ سمجھ سکی۔ کیونکہ وہ تو رانی کے روپ میں تھی۔ اس نے منگلا دیوی

کو ترشول کے ساتھ دیکھ کر کہا۔  
 ”منگلا دیوی! ہم تیرے درشن کرنے آئے ہیں۔“  
 منگلا دیوی کی آنکھوں سے آگ کے شرارے نکلنے لگے۔ کچھ شرارے کیٹی کے جسم پر گرے تو گرتے ہی وہ فضا میں دو فٹ اوپر کو اچھلی اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ منگلا دیوی نے پک کر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔  
 کیٹی کو اٹھالیا۔ اور اندھیری رات کی تاریک فضا میں سمندر کی طرف اڑنے لگی۔ سمندر میں کافی دُور جا کر ایک جگہ سمندر کے اندر سے سیاہ چٹانیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ منگلا دیوی نے تین بار کیٹی کے جسم پر پھونک ماری۔ اور اسے چٹانوں کے درمیان سمندر میں پھینک دیا۔ سمندر میں گرے ہی کیٹی ایک جل پری کی شکل میں بدل گئی۔ اس کا آدھا اوپر والا جسم تو کیٹی کا تھا مگر نیچے کا دھڑمچھلی کا بن گیا تھا۔ کیٹی ابھی بے ہوش تھی۔ وہ چٹانوں کے درمیان سمندر کی تہ میں جا کر لگ گئی۔  
 کچھ دیر بعد اسے ہوش آیا تو وہ بھول چکی تھی کہ وہ کبھی رانی بھی تھی۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ ہمیشہ سے جل پری ہی ہے اور اسی سمندر میں چٹانوں کے درمیان رہا کرتی تھی۔ کیٹی اپنے آپ کو جل پری ہی سمجھنے لگی۔ اس نے چٹانوں کے درمیان ایک چکر لگایا۔ پھر سمندر کی سطح پر آکر پانی سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ اس کے ارد گرد چٹانوں کے پیچھے وسیع گہرا نیلا سمندر پھیلا ہوا تھا۔ کیٹی بڑی خوش خوشی جیسے کہ جل پریاں ہمیشہ خوش رہتی ہیں ایک چٹان پر بیٹھ گئی اور



سمندر پر پھیلی ہوئی دن کی سنہری دھوپ کا نظارہ کر کے لگی۔  
 دیر چٹان پر بیٹھی رہی پھر سمندر میں غوطہ لگایا اور ڈوٹوٹو پھلکا  
 سمندر کے اندر ہی اندر تیرنا شروع کر دیا۔

ادھر جب دن چسٹھا تو کیتریں راجہ کی بہن کو شلیا کے کمرے  
 میں داخل ہوئیں۔ دیکھا کہ کو شلیا پلنگ پر بے ہوش پڑی تھی  
 رانی صاحب وہاں پر نہیں تھیں۔ ادھر ادھر دیکھا۔ رانی کہیں نہ ملی  
 کینزوں نے نئے راجہ کے درباریوں کو خبر کی کہ رانی کو کلا غائب  
 اور رانی کو شلیا بے ہوش پڑی ہے۔ راجہ کو اطلاع ملی تو وہ بھاڑا  
 ہوا کو شلیا کے محل میں آیا۔ دیکھا کہ اس کی بہن بے ہوش پڑی  
 تھی اور رانی وہاں نہیں تھی۔ راجہ نے کو شلیا کے منہ پر پانی کے چھینے  
 مارے اور اس سے اپنی رانی کو کلا کے بارے میں دریافت کیا۔ کو شلیا  
 طرح اپنے آپ میں آچکی تھی۔ وہ گھبرائی ہوئی آنکھوں سے سب کو  
 دیکھنے لگی۔

”میں — میں یہاں کیسے آگئی؟ میں تو — جنگل میں بے  
 ہوش ہو گئی تھی“

یہ معتمدہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ تھیوسانگ کو خبر ہوئی کہ کیٹی غائب  
 تو وہ دوڑا دوڑا آیا۔ کو شلیا کی باتیں سنیں تو اسے یقین ہو گیا کہ  
 ساری کا دستانی منگلا دیوی کی ہے اور اس نے کیٹی کو اغوا کر کے  
 اس سے اپنا بدلہ لے لیا ہے۔ وہ وہیں سے گھوڑے پر سوار  
 ہوا اور سیدھا منگلا دیوی کے مندر کے پاس جا پہنچا۔ وہ مندر

کے انماٹے میں داخل نہیں ہوا باہر سے ہی مندر کو دیکھنے لگا۔ مندر اسی  
 طرح ویران تھا۔ چبوترہ بھی خالی تھی۔ اس نے جھک کر زمین کو دیکھا۔  
 زمین پر اسے دو عورتوں کے پاؤں کے نشان نظر آئے۔ ان میں کیٹی  
 کے پاؤں کے نشان تھیوسانگ نے فوراً پہچان لیے۔ ثابت ہو گیا کہ  
 کو شلیا پر منگلا نے اپنا آسیب سوار کر دیا تھا اور اسے بہانے سے  
 مندر کے احاطے میں لے گئی۔ اور پھر اس پر طلسم کر کے اسے کسی  
 نامعلوم مقام پر جا کر پھینک دیا ہے۔ تھیوسانگ سر پکڑ کر وہیں  
 بیٹھ گیا۔

آخر اٹھا اور واپس محل میں آ گیا۔ راجہ نے چاروں طرف رانی  
 کو کلا کی تلاش کے لیے آدمی دوڑا دیئے۔ اس کے حکم سے  
 تھیوسانگ کو گرفتار کر لیا گیا۔ کیونکہ وہ رانی کا محافظ تھا اور اس  
 کی حفاظت کرنے میں ناکام رہا تھا۔ تھیوسانگ نے راجہ سے  
 کہا۔

”مہاراج! رات کو آپ کی ہمیشہ صاحبہ خود رانی کو اپنے  
 ساتھ خفیہ کمرے میں لے گئی تھی“

چونکہ کو شلیا رانی خفیہ کمرے میں ہی بے ہوش پائی گئی  
 تھی۔ اس لیے راجہ کو یقین تو آ گیا مگر اس نے پھر بھی تھیوسانگ  
 سے کہا۔

”گنگو! تم مہارانی کے محافظ تھے۔ تمہارا فرض تھا کہ  
 تم جاگ کر رانی کی حفاظت کرتے مگر تم اپنی کوتاہی میں



جا کر سو گئے۔ تم کو اس غفلت کی سزا ملے گی۔ میں حکم دیتا ہوں کہ تمہیں زمین میں زندہ دفن کر دیا جائے۔“

اسی وقت تھیو سانگ کو گرفتار کر لیا گیا۔ راجہ کے حکم سے اسے چمڑے کے بورے میں بند کر کے زمین کھود کر اس میں دیا دیا گیا۔ تھیو سانگ نے اپنے آپ کو انگلی کے برابر چھوٹا کیا اور چمڑے کے بورے کے منہ میں سے باہر نکل کر نرم زمین میں سوراخ بنانا زمین سے باہر آ گیا۔ اس وقت باہر دوسپا ہی پر دے رہے تھے۔ تھیو سانگ مٹی کی ڈھیری کے پیچھے ہو گیا۔ وہاں اونچی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ تھیو سانگ اتنا چھوٹا تھا کہ اسے کوئی نہ دیکھ سکا۔ وہ گھاس میں ایک طرف بڑھنا چلا گیا۔ وہ زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ سامنے ایک جنگل بنی آگئی۔ جنگلی بلی نے چوہے کے برابر ایک انسان کو دیکھا تو دُور سے غرار۔

اس کی آواز سن کر ایک سپاہی ادھر گیا۔ اس نے بلی کو بھگا دیا۔ تھیو سانگ نے خدا کا شکر ادا کیا اور گھاس کے اندر ہی اندر دوڑتا چلا گیا۔ جب وہ کافی دُور نکل گیا تو اس نے اپنے آپ کو بڑا کر لیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ شہر کی دیوار سے کافی فاصلے پر آ گیا ہے۔ اس کے آگے ایک خندق تھی۔ تھیو سانگ نے خندق کو پار کیا اور جنگل میں داخل ہو گیا۔ اس کو اب دوہری پریشانی تھی۔ پہلے عین غائب ہوا۔ اور اب کیٹی بھی اس کے ہاتھ

سے نکل گئی تھی۔ تھیو سانگ کی سبب میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان دونوں کو کہاں اور کس جگہ جا کر تلاش کرے۔ وہ منگلا دیوی کے مندر کی طرف جاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ اگرچہ اس کے دل میں شدید خواہش تھی کہ وہ منگلا دیوی کا مقابلہ کرے مگر وہ اس کے طلسم سے خوفزدہ تھا کہ کہیں وہ اس کے مندر کے احاطے میں داخل ہو گیا تو اس پر منگلا کا طلسم چل جائے گا۔ تھیو سانگ اسی سوچ میں میں گم ایک بار پھر لنکا شہر کی اسی سرائے میں آ گیا۔ جہاں وہ کیٹی کے ساتھ رہتا تھا۔ سرائے کے مالک نے اسے پہچان لیا۔ اور پوچھا کہ اس کی بہن کہاں ہے؟ تھیو سانگ بولا۔

”وہ اپنے رشتے داروں سے ملنے گئی ہوئی ہے۔ دو

چارہ روز میں واپس آ جائے گی۔“

تھیو سانگ اس خیال سے سرائے میں آ گیا تھا کہ اگر عین کیٹی میں سے کوئی بھی واپس آیا۔ تو وہ اس سرائے میں ضرور آئے گا۔ پھر اسے یہ بھی خیال تھا کہ ہو سکتا ہے ماریا اور تاگ سفر کرتے کرتے اس ملک میں آجائیں۔ وہ بھی اسی سرائے میں ہی آئیں گے۔ تھیو سانگ لوگوں کے سامنے زیادہ نہیں آتا تھا کہ کیس لوگ اسے پہچان نہ لیں کہ یہ تو راجہ کی رانی کا محافظ گنگو ہے اور اسے راجہ کے حکم سے زمین میں دفن کر دیا گیا تھا۔ تھیو سانگ ہر وقت اپنے سر پر چادر ڈالے رکھتا تھا کہ اس کا کچھ خلیہ بدلا



رہے۔

اب ہم ناگ اور ماریا کی طرف آتے ہیں۔

ناگ اور ماریا ہوا میں پروانہ کرتے لنکا کی طرف چلے جا رہے تھے۔ یہ فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ اور سمندر میں اس قدر طوفانی ہوا چل رہی تھی کہ ماریا دو بار راستہ اور سمت بھول گئی اور غلط طرف کو نکل گئی۔ ناگ ایک سانپ کی شکل میں اس کی کلائی کے ساتھ لپٹا ہوا تھا اور وہ بھی ماریا کے ساتھ غائب تھا۔ ناگ کو مت کال سرے کی وجہ سے ماریا کا دُھندلا جسم غائب حالت میں بھی نظر آ رہا تھا۔ ابھی تک ناگ نے ماریا کو یہ نہیں بتایا تھا کہ چونکہ اس نے اپنی آنکھوں میں مت کال بڑی کاسرمہ لگا رکھا ہے اس لیے وہ برغائب شے کو دیکھ سکتا ہے اور اُسے بھی دیکھ رہا ہے۔

آخر طوفانوں اور تیز ہواؤں کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور ماریا و سمندر میں دُور ایک جگہ زمین نظر آئی۔ یہ ملک لنکا تھا۔ ماریا نے ناگ کو بتایا کہ ہماری منزل آگئی ہے۔ ناگ بھی خوش ہوا۔ ماریا آسمان پر کافی اونچائی پر تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنی بلندی کم کرنا شروع کر دی۔ لنکا کے اوپنے اوپنے درخت، دُور سے دُور پہاڑ میں چمک رہے اور ہوائیں انہیں لہرا رہی تھیں۔ چھوڑ دی، دیر نہ ہو ہی ماریا اس ملک کے اوپر تھی۔ اس نے لنکا کے سارے جزیرے کا ایک گول چکر لگایا۔ شہر کافی بڑا تھا۔ اس سے ارد گرد پھرتے

زمانے کے رواج کے مطابق ایک دیوار تھی۔ جس کے ایک طرف سمندر تھا اس طرف دیوار خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ شہر کے اندر بھی باغ اور کھیت تھے۔ شہر کے باہر تو بڑے ہی گھنے جنگل، تاریک گہری کھائیاں، بلند فوکیلی پٹانیں اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہی پہاڑیاں تھیں۔ جن میں آبشاریں گر رہی تھیں۔ پختے بہہ رہے تھے۔ دریا چٹانوں سے ٹکراتے گزر رہے تھے۔ ماریا شہر کے قریب ہی جنگل میں ایک ویران مقام پر اتر آئی۔

زمین پر اترتے ہی اس نے ناگ کو کلائی سے اُتار کر گھاس پر رکھ دیا۔ ناگ فوراً اپنی انسانی حالت میں آگیا اور چاروں طرف نگاہ ڈال کر کہنے لگا۔

”ماریا! یہ تو بڑا گھنا جگہ ہے۔“

ماریا نے گہرا سانس لے کر کہا۔

”تم نے محسوس کیا ناگ؟ یہاں کی فضا میں عنبر کیٹی اور تھیں سانگ میں سے کسی کی بھی خوشبو نہیں ہے۔“

اُپ کو یاد ہو گا کہ اس وقت عنبر ایک پتھر کی بھاری ریل کے ساتھ نہنجیروں سے بندھا پانڈو ڈاکڑ کی شکل میں سمندر کے نیچے پڑا تھا۔ کیٹی رانی کو کلا کی شکل میں جل پڑی بنی دُور سمندری چٹانوں کے نیچے گہرائی میں تھی۔ جبکہ اسے اپنی رانی کی حیثیت سے محل میں گزار دی ہوئی زندگی اور کیٹی کی حیثیت سے اپنی شخصیت بالکل یاد نہیں



نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ کو صرف جل پری ہی سمجھتی تھی۔ یہ منگ دیوی نے اس سے انتقام لیا تھا۔ تیسری طرف تھیوسانگ اسی شہر کی ایک کسراتے میں اس انتظار میں بیٹھا تھا کہ شاید کسی وقتے ادھر عبیر ناگ ماریا کا گزر ہو اور وہ انہیں کیٹی اور عبیر کی گشدگی کے بارے میں بتائے۔

یہ صورت حال تھی جب ناگ اور ماریا اسی شہر کے باہر کچھ ایلے پر ایک گھنے جنگل میں کھڑے تھے۔ تھیوسانگ کی خوشبو اس سے تھیں آ رہی تھی کہ اس نے بھی منگ دیوی کے طلسم سے بچنے کے لیے جوگی لاکھ ہے اپنی گردن پر مل رہی تھی۔ انہوں نے کہا۔

”ماریا! اگر ان تینوں میں سے کسی کی خوشبو بھی اس شہر کی فضا میں نہیں ہے تو اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ وہ یہاں پر نہیں ہیں۔ البتہ پر کسی طلسم کا اثر بھی ہو سکتا ہے۔“ یہی میں بھی سوچ رہی ہوں، ماریا نے کہا۔

پھر بولی۔  
”تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں ایک بار پھر اس جنگل کا چکر لگا کر آتی ہوں۔ ہو سکتا ہے دور سمندر کی جانب سے عبیر کیٹی اور تھیوسانگ کی خوشبو کا کوئی سراخ مل جائے۔“ ناگ نے کہا۔

”زیادہ دُور مت جانا، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان پر کالی

کالی گھٹائیں پھانے لگی ہیں۔ شاید تیز بارش شروع ہو جائے۔“

ماریا نے مسکرا کر کہا۔  
”تو پھر کیا ہوا۔ میں کہیں بھیگ تو نہیں جاؤں گی۔“ ناگ کے منہ سے نکل گیا۔

”تو اس میں مسکرانے والی کون سی بات ہے؟“ ماریا تو ایک دم سے چونک گئی۔ اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ناگ! مجھے پہلے بھی احساس ہوا ہے کہ تم مجھے دیکھ سکتے ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟“

ناگ نے جلدی سے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا اور بولا۔  
”ہرگز نہیں۔ بھلا میں تمہیں کیسے دیکھ سکتا ہوں؟“ ماریا نے نمٹک کر کہا۔

”پھر تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ میں مسکرا رہی تھی؟“ ناگ نے فوراً جواب دیا۔

”بھئی آدمی مسکرا رہا ہو تو اس کے بات کرنے کے لیے سے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ مسکرا رہا ہے۔ میں نے بھی تو متاڑے لیے سے معلوم کیا تھا۔“



”ناگ! تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم ضرور مجھے دیکھ رہے ہو۔“

ناگ نے کہا۔

”اے بھئی یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اچھا اب تم جلدی سے جا کر ایک پکڑ لگاؤ۔ بادل گہرے ہو گئے ہیں۔ میں اسی جگہ اس پتھر کی پٹان کے پاس بیٹھا رہوں گا۔“

ماریا یہ کہہ کر درختوں کے اوپر اڑ گئی کہ میں ابھی واپس آ جاؤں گی۔ درختوں کے اوپر آ کر ماریا نے ایک طرف اڑنا شروع کیا۔ یہ جنگل بڑے اونچے نیچے اور گیخان تھے۔ ماریا اڑتے اڑتے فضا میں تیرتے ہوئے کہیں اوپر اٹھ جاتی اور کہیں نیچے درختوں کے قریب آ جاتی۔ وہ بڑی گہری نگاہوں سے نیچے تک رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ گہرے سانس بھی لے رہی تھی کہ شاید کسی جگہ سے عنبر، کیٹی اور تھیوسانگ کی خوشبو آ جائے۔ مگر ابھی تک اسے یہ خوشبو نہیں آتی تھی۔

اتنے میں بجلی چکی اور پھر بادل زور سے گرنا اٹھا۔

ماریا ایک طرف کو تیرتی ہوئی فضا میں غوطہ کھا کر نکل گئی۔ وہ جنگل میں کافی دور نکل آئی تھی۔ اسے ناگ کی خوشبو برابر آ رہی تھی۔ وہ سمندر کے دوسرے کنارے کی طرف جا کر سراخ لگاتا چاہتی تھی۔ آخر وہ جنگل سے دور جا کر سمندر کے قریب آ گئی۔ یہاں پہنچی تو

بارش شروع ہو گئی۔ بادل اتنے گھنے اور سیاہ تھے کہ دن کے وقت اندھیرا چھا گیا۔ بارش بڑی تیز ہونے لگی تھی اگرچہ ماریا پر بارش کا کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ لیکن بارش کی وجہ سے فضا دھندلی ہو گئی تھی اور ماریا اچھی طرح سے نیچے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ ماریا نے سوچا کہ اسے کچھ دیر کسی جگہ رُک کر بارش دُکنے کا انتظار کرنا چاہیئے۔ بارش رُک کے تو پھر وہ سمندر کے کنارے چٹانوں اور ٹاپوؤں میں جا کر کیٹی تھیوسانگ اور عنبر کو تلاش کرنے کی کوشش کرے گی۔

یہ سوچ کر ماریا نے نیچے کو جھک کر غوطہ لگایا۔ جہاں جنگل ختم ہوتا تھا۔ اسے وہاں درختوں میں سے دھواں اٹھتا نظر آیا۔ شاید یہاں کوئی جھونپڑا ہے جہاں کوئی رہتا ہے۔ ماریا اس دھواں کی طرف چلی۔ جب وہ درختوں کے اوپر آئی تو دیکھا کہ نیچے ایک پتھر کی چار دیواری ہے جس پر تنگ لگا ہوا ہے اور کئی جگہوں سے دیوار کے پتھر ٹوٹ چکے ہیں۔ اندر ایک ویران میدان ہے۔ جس میں کانٹے دار جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں۔ جگہ جگہ ان جھاڑیوں کے پاس پتھروں سے تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی مورتیاں پڑی ہیں۔ یہ مورتیاں مختلف جانوروں کی تھیں۔ ایک طرف گھنے درختوں کے نیچے ٹوٹی ہوئی چیت والا برآمدہ ہے۔ جس کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں دیا جل رہا تھا۔ ماریا کو تعجب ہوا کہ دن کے وقت یہاں کس نے دیا



جلارکھا ہے۔ ماریا کو ٹھٹھری کے اندر آگئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ٹٹے پھوٹے  
فرش پر بالکل سیدھا ایک انسان کی ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہے۔ یہ  
عجیب پُر اسرار منظر تھا۔ ماریا نے کوٹھٹھری میں نظر دوڑائی۔ وہاں  
کوئی انسان نہیں تھا۔ پھر یہ ہڈیوں کا ڈھانچہ کس نے رکھا ہے اور  
اس کی کھوپڑی پر دیا کس نے جلایا ہے؟ ماریا سوچنے لگی۔ پھر اس  
نے سوچا کہ اسے خواہ مخواہ اس مصیبت میں پڑنے کی کیا ضرورت  
ہے۔ وہ کوٹھٹھری سے باہر آگئی۔ وہ باہر نکلی ہی تھی کہ اسے اندر سے  
کسی عورت کی آواز سنائی دی۔

”میں کب تک ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر پڑی رہوں گی  
گندھرب؟“

ماریا تو وٹھیں رک گئی۔ پھر پلٹ کر کوٹھٹھری میں واپس آگئی۔  
یہ آواز اتنی ڈھانچے کی کھوپڑی کے کٹے منہ سے نکلی تھی جس کے  
اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ عورت کی آواز تھی۔ اور یقیناً یہ ڈھانچہ کسی  
عورت کا تھا۔ ماریا ایک طرف چپ چاپ کھڑی ہو گئی کہ شاید آواز  
ایک بار پھر آئے۔ اتنے میں وہی آواز پھر سنائی دی۔  
”میں کب تک ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر یہاں پڑی رہوں  
گی گندھرب؟“

ماریا نے غور سے آواز سنی۔ یہ عورت کی آواز تھی۔ آواز  
میں بے بسی اور رحم کا جذبہ تھا۔ ماریا کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ اسے

دیوار میں ایک جگہ سے پتھر ایک طرف کو ہٹتا ہوا محسوس ہوا  
گھر گھر کی آواز سے کسی نے پتھر کو ایک طرف کھینچ دیا۔ پتھر  
ماریا نے ایک لال لال آنکھوں والے جوگی کو دیکھا کہ اس کی لمبی جٹائیں  
اپنی سر کے بلے بال بکھرے ہوئے تھے۔ گلے میں مالا میں تھیں۔  
ہاتھ میں کر منڈل تھا۔ جسم پر سوائے لنگوٹی کے اور کچھ نہیں تھا۔ وہ دیوار  
کے ٹکاف میں سے ایک لمبی کیل نکالی۔ ایک پتھر اٹھایا اور لوہے کا کبل  
اورت کے ڈھانچے کی کھوپڑی کے پاس ہی زمین میں ٹھونک دیا۔ پھر  
ابلا۔

”چنتانی! آج میرے چلے کا ساتواں دن ہے۔ میں نے ساتواں  
کیل ٹھونک دیا ہے۔ یہ آخری کیل تھا۔ یہ آخری دن  
تھا۔ میں اب اپنے چلے کا نتیجہ دیکھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر جوگی نے کر منڈل پر سے ہٹا کر زمین پر لکیریں کھینچ کر ایک  
پاکٹسا بنایا۔ پھر اس پر دونوں ہاتھ رکھ دینے اور آنکھیں بند کر کے  
زور سے ایک ”بے ماتا کلیانی“ کا نعرہ بلند کیا۔ اس کے بعد آنکھیں  
مولا دیں اور دونوں ہاتھ پر سے ہٹا کر زمین پر بنی ہوئی لکیروں کے  
بند کھٹے پر نظر پڑتے ہی جوگی اپنی جگہ سے اچھل سا پڑا۔ وہ کچھ کہتے کہتے  
رک گیا۔ جلدی سے فرش کی لکیروں کو ہاتھ سے مٹا دیا اور ہڈیوں کے  
ڈھانچے کی طرف اپنی لال لال آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔  
”چنتانی! میری پیتا بستگ ہو گئی ہے۔ میرے چلے کاٹنے



کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تہیں پانچ سال تک اور انتظار کرنا ہو گا۔

ہڈیوں کے ڈھانچے میں ایک لرزش سی ہوئی۔ دیا کھوپڑی پر لپٹنے لگا۔ پھر عورت کی موت کے غم میں ڈوبی ہوئی باریک آواز سنائی دی۔

”گندھرب! میں پانچ برس میں مٹی ہو جاؤں گی میری ہڈیاں بھی باقی نہیں رہیں گی۔“

برگی گندھرب نے منہ اوپر اٹھا کر ایک آہ بھری اور کہا۔  
”چنتانی! ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ میں دوسری کو ٹھٹھری میں جا کر پھر سے چلے شروع کرتا ہوں۔ پانچ برس تک کے لیے اب میں جدا ہوتا ہوں۔“

ہڈیوں کے ڈھانچے میں کھڑکھڑاہٹ سی ہوئی۔ کھوپڑی میرے ڈوبتی ہوئی مدھم آواز سنائی دی۔

”گندھرب! گندھرب! میں تیری رانی کب بتوں گی۔ تو نے مجھے اسی وعدے پر چتا میں ڈال کر جلا دیا تھا کہ تو مجھے رانی بنا کر ہمیشہ کی زندگی دے دے گا۔ جوگی بولا۔

”چنتانی! بس تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے۔ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ مجھے بھی تو متسارے ساتھ ہمیشہ کے لیے

راجہ بن کر زندہ رہنا ہے۔ بس تھوڑا سا صبر کر لے۔ تو نے بڑی قربانی دی ہے۔ تو آگ میں جل کر مر گئی ہے۔ پر فکر نہ کر۔ تو ہمیشہ کی زندگی پالے گی۔ اور میری ایسی مہمانی بنے گی کہ ہم دونوں کبھی نہ مر سکیں گے۔“

ڈھانچے کی کھوپڑی کانپی اور اس پر جلتا دیا اپنے آپ بجھ گیا۔ جوگی خاموشی سے دیوار کے شکاف میں سے دوسری طرف گزر گیا۔ اس نے شکاف کو دوبارہ پتھر سے بند کر دیا۔ ماریا حیران ہوئی کہ یہ لوگ یہاں کیا جادو ڈونا کر رہے ہیں۔ وہ بھی کوٹھٹھری کے دروازے کی طرف بڑھی۔ کیونکہ اسے اس قسم کی سازشوں اور ٹونے جادو سے اب کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ جو نہی اس نے کوٹھٹھری کے باہر نکلنا چاہا اس کا جسم جیسے زور سے کسی سخت شے سے ٹکرا کر نیچے کو جھول گیا۔





## ماریا کھوپڑی میں

ماریا نے فرش سے اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ اٹھ نہ سکی۔ سمجھ گئی کہ کوئی مصیبت آن پڑی ہے۔ عین اس وقت دیوار کا پتھر ایک طرف کو کھسک گیا۔ اور وہی لال آنکھوں اور لمبی جٹاؤں والا جوگی چھلانگ لگا کر اندر آگیا۔ وہ ماریا کے سر کے اوپر آکر بولا۔  
”آکاش کی ایسرا مجھے پانچ سال سے تیرا انتظار تھا میں پانچ برس تک بند کو ٹھٹھری میں بیٹھا تیرے لیے چلتے کر رہا تھا۔ دیوتاؤں نے میرا چلہ قبول کیا۔ اور تجھے میرے پاس بھیج دیا۔“

جوگی نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا۔ اس کے ہاتھ میں کمر منڈل تھا۔ کمر منڈل اس ٹھوٹھے کو کہتے ہیں جس کو ہاتھ میں لے کر فقیر بھیک مانگا کرتے تھے۔ جوگی نے مجھک کر ماریا کو زمین پر سے اس طرح اٹھایا جس طرح کوئی بہت ہی نرم اور باریک ریشمی رومال کو اٹھاتا ہے۔ اس نے ماریا کو کمر منڈل میں ڈال کر اوپر گھاس ڈال دی۔ ماریا نے بولنے، چیخنے اور باہر نکلنے کی بہت کوشش کی مگر وہ کمر منڈل

کا اندر جیسے چپک کر رہ گئی تھی۔ نہ وہ بول سکتی تھی۔ نہ اپنے ہاتھ بائیں ہاں سکتی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں سناہٹ سی دوڑنے لگی تھی۔

جوگی نے اسی وقت پتھر رگڑ کر آگ پیدا کی اور دیا روشن کر کے عورت کے ڈھانچے کی کھوپڑی پر رکھ دیا۔ چراغ کھوپڑی پر رکھا تو عورت کے ڈھانچے میں سے آواز آئی۔  
”گندھرب! تو پھر کیوں آیا؟ کیا پانچ برس پورے ہو گئے؟“

جوگی گندھرب بولا۔  
”چنتانی! میرا چلہ کامیاب ہو گیا۔ تو سدا کی رانی بننے والی ہے۔“

عورت کا ڈھانچہ جیسے خوشی سے کانپنے لگا۔ باہر بادل زور سے گر جا۔ بارش تیز ہونے لگی تھی۔ جوگی گندھرب نے کمر منڈل کے اوپر سے گھاس پر سے ہٹائی۔ اور منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ منتر پڑھتے پڑھتے اس نے کمر منڈل میں ہاتھ ڈال کر ماریا کو اٹھالیا۔ اور خود ہڈیوں کے ڈھانچے کے گرد سات چکر لگائے۔ ساتویں چکر کے بعد اس نے ماریا کو عورت کے ڈھانچے کی کھوپڑی کے کھلے ہوئے منہ کے سوراخ میں ڈال دیا۔ اور اتنی زور سے ”جے کلیانی“ کا نعرہ لگایا کہ ڈھانچہ فرش پر سے ایک فٹ اوپر



بڑ گئے۔ جوگی گندھرب نے بلند آواز میں کہا۔

”چلو۔ ہمیں لکش دیپ لے چلو“

گھوڑے زور سے ہنہانے۔ اور پھر زمین پر کچھ دودھ چلنے کے بعد آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہوتے گئے اور پھر بادشہ والے بادلوں میں اڑتے ہوئے ایک طرف غائب ہو گئے۔ ناگ پہاڑی کے پاس پتھروں کی اوٹ میں بیٹھا ماریا کا انتظار کر رہا تھا۔ بادشہ زور شور سے ہو رہی تھی۔ اچانک ناگ نے محسوس کیا کہ فضا میں ہلکا سا اور پھولوں کی خوشبو تو موجود ہے مگر ماریا کی خوشبو نہیں ہے۔ وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سانس لیا۔ ماریا کی خوشبو واقعی فضا میں نہیں تھی۔ اس نے فوراً عقاب کی شکل اختیار کی اور فضا میں اڑان بھڑکے ادھر کو چلا جہاں ماریا گئی تھی۔

اس نے سارا جنگل گھائیاں اور پہاڑ چھان مارے مگر اسے نہ تو ماریا کا دھندلا جسم کہیں دکھائی دیا اور نہ اس کی خوشبو آئی۔ ناگ تو پریشان ہو گیا۔ کیونکہ ماریا ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کے پاس سے گئی تھی اور اب اچانک کہیں غائب ہو گئی تھی۔ ناگ نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کی بجائے ماریا کی تلاش تیز کر دی۔ وہ گھنے جنگل سے نکل کر ویران پہاڑیوں کے درمیان پھیلی ہوئی ٹائیڈ کے درختوں کی وادی میں آ گیا۔ اس وادی میں بادشہ نہیں ہو رہی تھی مگر بادل چھائے ہوئے۔

اُچھل پڑا۔ جب نیچے فرش پر گرا تو وہ اتنی ہڈیوں کا ڈھانچہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک خوب صورت عورت بن چکا تھا۔

یہ خوب صورت عورت اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے شاندار لباس اور گلے میں پڑی مالا کو دیکھا۔ پھر اپنے لمبے سیاہ بالوں پر ہاتھ پھیرا اور جوگی گندھرب کی طرف دیکھ کر بولی۔

”گندھرب تو نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ میں تیری داسی ہوں۔ اب مجھے لکش دیپ کی مہارانی بنا دے۔ تاکہ میں ہمیشہ شاہی محلوں میں رہانی بن کر تمہارے ساتھ زندگی بسر کروں“

جوگی گندھرب نے حسین عورت چنتانی کے سر کے لمبے بالوں میں سے ایک بال توڑ کر اسے اپنے جسم پر پھیرا تو اس کی جلی فارمھی غائب ہو گئی۔ جسم پر شاندار لباس آ گیا۔ اس نے قہقہہ لگا کر حسین عورت چنتانی کا بازو پکڑ کر اسے فرش پر سے اٹھایا اور بولا۔

”چنتانی! اب ہم لکش دیپ چل کر وہاں کے تخت پر قبضہ کر کے مہتی دنیا تک حکومت کریں گے۔ ہمیں کوئی ہلاک نہیں کر سکے گا چلو۔ باہر ہماری سواری تیار کھڑی ہے۔“

دو دن کو ٹھہری میں سے نکل کر باہر آئے تو باہر بارش میں ایک رتھ کھڑا تھا جس کے آگے دو گھوڑے بٹتے تھے۔ ایک پھتری والی پاکی بیچ میں رکھی تھی۔ جوگی گندھرب اور چنتانی پاکی میں جا کر



تھے۔ اچانک ناگ کی نظر ایک جگہ پڑی جہاں سے بھاپ کے مرغلے  
سے اُٹھ رہے تھے۔ ناگ عقاب کی شکل میں غوطہ لگا کر وہاں آیا  
تو دیکھا کہ درختوں کے درمیان ایک تالاب ہے جس کے کنارے  
ایک آدمی زمین پر اوندھے منہ لیٹا ہے اور اپنا منہ تالاب کے  
ساتھ لگائے جانوروں کی طرح دھڑا دھڑا پانی پی رہا ہے اور اس  
کے جسم سے گرم بھاپ کے بادل سے اُٹھ رہے ہیں۔ ناگ بڑا  
حیران ہوا کہ اس آدمی کو کیا ہو گیا ہے۔ اس نے درختوں کے پیچھے  
جا کر عقاب سے انسانی شکل اختیار کی اور آہستہ آہستہ چل کر  
تالاب کے پاس آگیا۔ وہ آدمی بھاسکر تھا جو تالاب میں منہ ڈالے  
دھڑا دھڑا پانی پی رہا تھا۔ کیونکہ اس کے جسم میں سانپ کے زہر  
کی وجہ سے آگ لگی ہوئی تھی۔ اور اس آگ کو تالاب کا پانی ہی  
بچھا سکتا تھا۔ ناگ ایک طرف کھڑا یہ عجیب و غریب نظارہ دیکھتا  
رہا۔ جب بھاسکر کے جسم کو آگ کچھ دیر کے لیے ٹھنڈی ہو گئی۔  
تو وہ منہ ہٹا کر تالاب کے کنارے بیٹھ گیا۔ وہ اب رہا تھا اس  
کے جسم سے اب بہت ہلکی ہلکی بھاپ اُٹھ رہی تھی۔ آگ نے سامنے  
آکر اسے ساںم کیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور اس کے ساتھ یہ کیا واقعہ  
گزر رہا ہے کہ وہ تالاب کا اتنا زیادہ پانی پی گیا ہے؟ بھاسکر نے ناگ کی  
طرف دیکھا۔ پھر سر جھکا دیا اور اس آواز میں بولا۔

”اجنبی مسافر میں جس مصیبت میں گرفتار ہوں تم اس کا تصور

بھی نہیں کر سکتے۔“  
پھر بھاسکر نے ناگ کو بتایا کہ اسے ایک زہریلا سانپ ڈس گیا ہے۔  
اس کے زہر کی وجہ سے اس کے جسم میں آگ سی لگ گئی ہے۔ جب  
مک وہ بے پناہ پانی نہ پئے اس کے جسم کی آگ نہیں بجھتی۔ ناگ  
نے پوچھا۔

”تم نے اس کا کوئی علاج نہیں کیا؟“  
بھاسکر نے ٹھنڈی آہ بھری اور بولا۔  
”ایک نیک دل ساتھی مجھے ملا تھا۔ وہ بچھڑ گیا۔ اس  
نے کہا تھا کہ میں اپنے دوست کی تلاش میں ہوں۔ اگر وہ  
دوست مل گیا تو تمہارے جسم میں زہر کا اثر ہمیشہ کے لیے  
ختم کر دے گا۔“

ناگ نے چونک کر پوچھا۔  
”اس نیک دل آدمی نے تمہیں اپنے دوست کا نام بھی  
بتایا تھا؟“

بھاسکر بولا۔  
”ہاں۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے دوست کا نام ناگ  
ہے۔“

ناگ ایک دم سے خوشی سے اچھل پڑا۔  
”وہ — وہ کہاں ہے؟ کیا تم مجھے اس کا نام بتا



سکتے ہو؟“

بھاسکر نے تعجب سے ناگ کی طرف دیکھا اور بولا۔  
”کیوں نہیں۔ اس کا نام عنبر تھا۔“

اب ناگ کی بے چینی حد سے بڑھ گئی۔ اس نے کہا۔  
”خدا کے لیے مجھے بتاؤ وہ کہاں ہے۔ میں اسی کی تلاش  
میں یہاں آیا ہوں۔“

بھاسکر نے ناگ سے پوچھا۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“

ناگ نے کہا۔

”میں ہی ناگ ہوں۔“  
بھاسکر کو یقین نہ آیا کہ یہ ڈبلا پتلا نوجوان ناگ ہو سکتا ہے جس  
کے بارے میں عنبر نے اسے بہت کچھ بتایا تھا۔ اس نے سر جھکا  
لیا اور بولا۔

”دوست تم بھی مجھ سے مذاق کرنے لگے؟ خیر کوئی  
بات نہیں۔ ہر کوئی میرا مذاق اڑاتا ہے۔ خدا مجھے معاف  
کرے۔“

ناگ آگے بڑھ کر بھاسکر کے پاس بیٹھ گیا۔ اور بولا۔  
”یقین کرو میں ہی ناگ ہوں۔ مجھے جلدی سے بتاؤ کہ  
عنبر کہاں ہے؟“

بھاسکر بولا۔

”اگر تم واقعی ناگ ہو تو پہلے میری بیماری کا علاج کرو  
مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ۔“  
ناگ جلدی سے بولا۔

”وہ سب کچھ ہو جائے گا۔ مگر پہلے تم یہ بتاؤ کہ عنبر کہاں  
ہے؟“

بھاسکر نے ناگ کو بتایا کہ عنبر اچانک اس سے جدا ہو گیا اور  
اسے کچھ معلوم نہیں ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہو گا۔ ناگ کو بہت  
افسوس ہوا کہ اسے عنبر کا سراغ تو مل گیا مگر خود عنبر اسے نہیں مل  
سکا۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر خاموش گیا۔

بھاسکر نے ناگ کے پاؤں پکڑ لیے۔  
”میرے بھائی اگر تم سچ سچ ناگ ہو تو میرا علاج کرو۔  
مجھے اس مشکل سے نکالو۔ میں نے پانی پی پی کر اس جنگل  
کے آدھے تالاب خالی کر دیئے ہیں۔ اب مجھ میں مزید

پانی پینے کی طاقت نہیں رہی۔“  
ناگ نے بھاسکر کو تسلی دی اور کہا۔  
”میں ایک شرط پر تمہارا علاج کر سکتا ہوں کہ تم اس  
کا ذکر کبھی کسی سے نہیں کرو گے۔“  
بھاسکر نے ہاتھ باندھ لیے۔



”میرے گورو! میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں اس کا ذکر کبھی کسی کے سامنے نہیں کروں گا۔“

”میرے ساتھ ان درختوں میں آ جاؤ۔“

بھاسکر اُٹھ کر ناگ کے ساتھ تاریل کے درختوں کے درمیان آ کر بیٹھ گیا۔ ناگ نے آنکھیں بند کر لیں اور سانپوں کی زبان میں اس سانپ کو آواز دی جس نے بھاسکر کو دس کر اس کے بدن میں آگ لگا دی تھی۔ یہ سانپ وہاں سے بہت دُور جنگل میں تھا۔ اس نے ناگ دیوتا کی آواز سنی تو فوراً اپنے بل سے باہر نکل آیا۔ یہ ایسا زبردست سانپ تھا کہ مشکل کے وقت اپنے پُر نکال لیتا تھا اور ہوا میں بجلی کی رفتار سے اڑ سکتا تھا۔ اپنے بل سے نکلے ہی اس نے پُر نکالے اور قضا میں اڑنا شروع کر دیا۔

بھاسکر زمین پر خاموش بیٹھا ناگ کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی اسے خیال آتا کہ یہ ناگ ہی ہے اور یہی اس کا علاج کر سکتا ہے۔ کبھی خیال آتا کہ یہ ایک عام سانپ جو ان ہے اور اس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اس کے جسم کے زہر کو نکال کر پھینک سکے۔ ناگ کی آنکھیں بند تھیں۔ اسے بہت دُور سے زہریلے سانپ کی آواز آئی۔

”عظیم ناگ دیوتا! میں آ رہا ہوں۔“

ناگ نے آنکھیں کھول دیں۔ اور بھاسکر کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

”تو خوش ہو نا چلہیئے کہ تمہارے مرض کا علاج ہو جائے گا۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔“

بھاسکر کو ابھی تک ناگ کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ اس نے

”میرے بھائی! تم خاموش بیٹھ کر میرا علاج کیسے کرو گے؟“

ناگ بولا۔

”تمہارا علاج وہی سانپ کرے گا جس نے تمہیں دس

کر تمہیں اس مصیبت میں پھنسا یا ہے۔ وہ آ رہا ہے۔“

بھاسکر وہیں ڈر کر بیٹھ گیا۔ سیاہ سانپ نیچے آ گیا۔ ناگ کے سامنے آ کر اس کے کنڈلی مار لی اور سر جھکا دیا۔

”عظیم ناگ دیوتا! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔“

ناگ نے سانپوں کی زبان میں کہا۔

”اس آدمی کو تم نے کچھ عرصہ پیٹے ڈسا تھا۔ میں تمہیں

حکم دیتا ہوں کہ اس کے جسم میں سے اپنا زہر چوس کر

پھینک دو۔“

سیاہ سانپ بولا۔

”جو حکم عظیم ناگ دیوتا۔“



ناگ نے بھاسکر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یہ وہی سانپ ہے جس نے تمہیں ڈسا تھا۔ اب یہ تمہارے جسم میں سے اپنا زہر واپس پکھنچ لے گا۔ ڈرنا بالکل نہیں۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کئے گا۔“

بھاسکر ناگ کی غیر معمولی طاقت سے کافی متاثر ہو چکا تھا۔ اگرچہ خوف کے مارے اس کا حلق خشک ہو چکا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

”میں نہیں ڈروں گا۔“

مگر وہ بہت ڈر رہا تھا۔ کالا سانپ آہستہ آہستہ دینگتا ہوا بھاسکر کے پاس گیا۔ اس نے اپنا منہ بھاسکر کی پنڈلی سے لگا دیا۔ بھاسکر کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ناگ نے فوراً کہا۔

”خیر دار! اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔“

بھاسکر کا جسم خوف کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ مگر وہ اپنی جگہ پر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کالے سانپ نے آہستہ آہستہ بھاسکر کے جسم سے زہر چھوٹنا شروع کر دیا۔ بھاسکر کو کچھ سکون محسوس ہوا۔ اس کے جسم میں جو آگ سی لگی تھی وہ آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہونے لگی تھی۔ اس کا خوف اب فروغ ہو گیا۔ کالے سانپ نے جب بھاسکر کے جسم سے سارا زہر چھوٹ کر باہر زمین پر پھینک دیا۔ تو بھاسکر کو یوں لگا جیسے اُسے ٹھنڈ پڑ گئی ہے۔ اس کے جسم کی

مادی آگ اور گہری نغم ہو گئی تھی۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”ناگ بھائی! میں بالکل تندرست ہو گیا ہوں۔“

ناگ نے سانپ کی زبان میں کالے سانپ سے کہا۔

”اب تم جاسکتے ہو۔“

کالے سانپ نے ناگ کو سر جھکا کر سلام کیا۔ اور اسی وقت فضا میں اُڑ گیا۔ سانپ کے جاتے ہی بھاسکر نے ناگ کے پاؤں پکڑ لیے۔ اب اس نے ناگ کو بتایا۔

”عینر کی شکل پانڈو ڈاکو ایسی ہو گئی تھی اور اسے راجہ کی فوج نے گرفتار کر لیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ راجہ نے اسے کیا سزا دی اور عینر اس وقت کہاں ہے۔“

ناگ کے سامنے یہ ایک نئی بات کھلی تھی۔ بھاسکر نے ناگ کو یہ بھی بتایا کہ عینر جنگل میں جا رہا تھا کہ ایک لاش کے پاؤں سے ٹکرا گیا۔ جس کے بعد وہ لاش تو غائب ہو گئی مگر عینر کا چہرہ خونی پانڈو کا ہو گیا۔ راجہ کے سپاہیوں نے اسے شہر میں داخل ہوتے ہی گرفتار کر لیا تھا۔ ناگ نے کہا۔

”تم نے مجھے جو کچھ بتایا ہے میں اس پر یقین کرتا ہوں مگر مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم نے عینر کے ساتھ کسی عورت کو بھی دیکھا ہے؟ جس کا نام کیٹی تھا۔“



بھاسکرہ بولا۔

”یہ میں نہیں جانتا۔ صرف عنبر ہی میرے ساتھ رہا تھا۔ اور پھر راجہ کے حکم سے اسے موت کی سزا دی گئی تو پھر اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔“

جب ناگ کو یہ پتہ چلا کہ عنبر کی غیر معمولی طاقت اس سے بچھڑ گئی تھی تو اسے تشویش ہوئی کہ کہیں عنبر کو کوئی نقصان نہ پہنچ گیا ہو۔ اس نے بھاسکرہ سے کہا۔

”تمہارا شکریہ بھاسکرہ! اب تم تندرست ہو گئے ہو اس لیے اپنے وطن کو جاؤ۔ میں اپنے دوست عنبر کی تلاش میں نکلتا ہوں۔“

بھاسکرہ نے ناگ کے پاؤں چھو کر اس کو خدا حافظ کہا اور اپنے وطن کو روانہ ہو گیا۔ ناگ نے سوچا کہ اسے راجہ کے محل کی طرف جانا چاہیئے۔ راجہ کے محل سے ہی اسے یہ پتہ چل سکتا ہے کہ عنبر کو کس قسم کی موت کی سزا دی گئی تھی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ عنبر، ماریا، کیٹی اور تھیوسانگ اس سے جدا ہو چکے تھے۔ ماریا کو گندھرب چشتانی رانی کے روپ میں ڈال کر ملک لکش دیپ لے گیا تھا۔ کیٹی سمندر کے وسط میں چٹانوں کے درمیان سمندر کی تہ میں بجل پری کے روپ میں موجود تھی۔ تھیوسانگ اسی شہر لنکا کی پرانی سرائے میں چپ چاپ بیٹھا ناگ ماریا کی راہ دیکھ رہا تھا۔ جبکہ عنبر سمندر کے نیچے ایک

بئر کے ساتھ نہنجیروں سے بندھا پڑا تھا اور اس کی شکل خونی پانڈو لہریں تھی۔ ناگ جنگل سے نکل کر لنکا شہر کی طرف چلنے لگا۔

وہ چلتے چلتے شہر کی دیوار سے کچھ دُور ایک خوب صورت باغ میں سے گزرا جہاں ایک پرانی سرائے بنی ہوئی تھی۔ اسی سرائے میں تھیوسانگ موجود تھا۔ اچانک تھیوسانگ چٹائی پر اٹھل پڑا۔ اسے ناگ کی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ تیزی سے سرائے کے برآمدے سے نکل کر صحن میں آیا تو اس نے دیکھا کہ ناگ سامنے درختوں میں چلا آ رہا تھا۔ ناگ نے بھی تھیوسانگ کو دیکھا تو دونوں بھاگ کر ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

”تھیوسانگ! خدا کا شکر ہے کہ تمہاری شکل دیکھنی نصیب ہوئی۔ کیٹی کہاں ہے؟“

تھیوسانگ نے کہا۔

”اندھ چل کر بیٹھو۔ سب داستان سناتا ہوں۔“

”دونوں کو ٹھٹھری میں جا کر چٹائی پر بیٹھ گئے۔ ناگ نے پہلی بات یہ پوچھی کہ تھیوسانگ! کیا وجہ ہے کہ تم درست حالت میں ہو مگر مجھے تمہاری خوشبو نہیں آ رہی؟ تھیوسانگ نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”اس لیے کہ میں نے اپنی گردن پر ایک جوگی کی دی ہوئی راکھ لگا رکھی ہے۔ کیٹی نے بھی یہ راکھ لگا رکھی تھی۔ اس



راکھ کی وجہ سے ہم دونوں کی خوشبو غائب ہو گئی تھی۔  
ناگ نے کہا۔

”مگر تم نے یہ راکھ کیوں لگائی؟“

اب تھیوسانگ نے شروع سے لے کر آخر تک ناگ کو ساری کہانی سنا دی کہ کس طرح کیٹی نے رانی کو کھلا کی شکل اختیار کر لی اور عنبر کی شکل خونی ڈاکو پانڈو کی ہو گئی۔ پھر راجہ نے اسے گرفتار کر لیا اور خدا جانے اسے کس جگہ سزا دی گئی کہ مجھے آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ ناگ نے تھیوسانگ کو ماریا کے بارے میں بتایا اور کہا۔

”وہ میرے ساتھ اس شہر لنکا میں داخل ہوئی تھی مگر مجھے چٹان کے پاس بٹھا کر جنگل کا ایک چکر لگانے گئی کہ پھر واپس نہ آسکی۔“

تھیوسانگ نے کیٹی کے بارے میں بھی بتایا کہ وہ منگلا دیوی کے انتقام کا شکار ہو گئی ہے۔ کیونکہ وہ غلطی سے منگلا دیوی کے مندر کے احاطے میں داخل ہو گئی تھی۔

”جوگی نے یہ شرط لگائی تھی کہ ہمیں کسی حالت میں بھی منگلا دیوی کے مندر کے احاطے میں داخل نہیں ہونا ہوگا۔ اگر ہم اس کے مندر کے احاطے میں داخل ہوئے تو اس کی دی ہوئی راکھ کا اثر جائے گا اور پھر ہم منگلا دیوی کے ہتھے چڑھ سکتے ہیں۔“

ناگ نے سوال کیا۔

”تو کیا سب کچھ منگلا دیوی کی وجہ سے ہوا ہے؟“  
تھیوسانگ نے کہا۔

”ہاں۔ کیونکہ کیٹی نے اس باغ کے ایک خاص پلاٹ میں گمہ سے ہوئے ناریلوں میں سے ایک ناریل اٹھا کر اسے توڑ دیا تھا۔ جب کہ یہ ناریل صرف منگلا دیوی کی امانت ہو تے ہیں۔ اور کوئی دوسرا ان میں سے ایک بھی ناریل نہیں اٹھا سکتا۔“

ناگ گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔  
”سب سے پہلے ہمیں عنبر کو تلاش کرنا چاہیے کہ راجہ کے حکم سے اسے کیا سزا ملی تھی اور اس کی لاش اگر وہ واقعی مر گیا ہے تو کہاں ہے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ وہ مرا نہیں ہوگا۔ لیکن ہو سکتا ہے بے جس لاش کی طرح پڑا ہو۔ اور اس کا سانس چل رہا ہو۔ اور اسے ہماری مدد کی ضرورت ہو۔“

تھیوسانگ نے کہا۔  
”یہ بات راجہ نے خاص طور پر راز میں رکھی ہے۔ کہ خونی پانڈو یعنی عنبر کو کیا سزا دی گئی ہے اور اس کی لاش کہاں دبا دی گئی ہے۔“



ناگ بولا۔

”اس کا پتہ ہمیں راجہ کی فوج کے ان سپاہیوں یا اس جلاؤ سے مل سکتا ہے جس نے عنبر کو سزا دی ہوگی۔“  
تھیوسانگ کہا۔

”اس کے لیے ہمیں شاہی فوج کے سپاہی کو اپنے اعزاز میں لینا پڑے گا۔“  
ناگ بولا۔

”یہ کام میں کر لوں گا۔ کیونکہ کیٹی اور ماریا کا تو کسی کو بھی کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ مگر عنبر کہاں ہے؟ یہ راجہ کے وہ سپاہی ضرور جانتے ہیں جنہوں نے عنبر کو سزائے موت دی تھی۔ اس لیے سب سے پہلے ہمیں عنبر کا سراخ لگانا ہوگا۔ تم ایسا کرو کہ راجہ کے محل میں جا کر کسی طریقے سے صرف اتنا معلوم کرو کہ جن سپاہیوں نے عنبر کو موت کی سزا دی تھی ان کا سردار سپاہی کون تھا؟“

تھیوسانگ بولا۔

”ابھی معلوم کرتے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر تم اسی جگہ رہنا اور تمہیں میری تاکید ہے کہ یہاں سے باہر قدم مت رکھنا۔“  
ناگ نے مسکرا کر کہا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ کیونکہ ہم میں سے جب بھی کوئی الگ ہوتا ہے۔ تو وہ غائب ہو جاتا ہے۔ فکر نہ کرو۔ میں اسی سرائے میں رہوں گا۔“

جب تھیوسانگ کی تسلی ہو گئی کہ ناگ سرائے سے کہیں باہر نہیں جائے گا تو وہ سرائے سے نکل کر راجہ کے محل کی طرف چل دیا۔ دوسری طرف منگلا دیوی نے کیٹی سے تو بدلہ لے لیا تھا اور اس کی یادداشت گم کر کے اسے جل پوری بنا کر سمندر میں پھینک دیا تھا۔ مگر تھیوسانگ نے اپنی گردن پر چونکہ جوگی کی دی ہوئی راکھ ملی ہوئی تھی اور جس کا اثر اس کے جسم کے ذروں میں داخل ہو چکا تھا اور عمل کرنے کے باوجود بھی راکھ کا اثر ضائع نہیں ہوتا تھا۔ اس وجہ سے تھیوسانگ پر منگلا دیوی کے جادو کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن وہ تھیوسانگ سے بدلہ لینے کو بے چین تھی۔ اور اس کے پیچھے لگی رہتی تھی۔ اس نے جب تھیوسانگ کے ساتھ ایک دُبلے پتلے نوجوان ناگ کو دیکھا تو اسے فزائیگیان دھیان کی وجہ سے بہت چل گیا کہ یہ ناگ دیوتا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ اب تھیوسانگ کو ناگ دیوتا کی مدد اور حفاظت حاصل ہو گئی تھی اور تھیوسانگ کو قابو میں کرنا آسان نہیں رہا تھا۔ پس منگلا دیوی نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے ناگ کو اپنے قابو میں کیا جائے۔ پھر جب تھیوسانگ اکیلا اور بے سہارا رہ جائے گا تو وہ اپنے کسی پیجادی کی مدد سے تھیوسانگ کو اپنے مندر کے احاطے میں



پہنچا کر اس کو بھی اپنے قبضہ میں کر لے گی۔  
 ”منگلا! تمہیں میری ضرورت کیسے پڑ گئی؟“  
 منگلانے کہا۔

”پاتالی! ہم دونوں آپس میں بہنیں ہی ہیں۔ ہمارا کام لوگوں کو تکلیف دینا ہے۔ مجھے اس وقت تمہاری مدد کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم ضرور میرے کام آؤ گی۔“  
 پاتالی نے پوچھا۔

”کہو منگلا۔ میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟“  
 منگلانے کہا۔

”ناگ دیتا اس شہر کی ایک سرائے میں موجود ہے۔ مجھے کوئی ایسا گرو بتاؤ کہ جس سے میں ناگ دیتا کو اپنے قابو میں کر کے اسے کسی ایسی جگہ قید کر دوں کہ جہاں سے اس کا باہر نکلنا مشکل ہو جائے۔ کیونکہ یہ تم بھی جانتی ہو کہ ہم ناگ دیتا کو، بلکہ کسی بھی دیتا کو ہلاک نہیں کر سکتیں۔“

پاتالی نے دو تین بار اپنی لمبی زبان باہر نکالی۔ پھر بولی۔  
 ”منگلا! ناگ دیتا کو تم صرف ایک ہی صورت میں اپنے جادو کے اثر میں لا سکتی ہو کہ کسی کریم سے وہ تمہارے اس مندر کے احاطے میں تمہاری اس کوٹھڑی میں آجائے۔“

جس وقت تھیوسانگ راجہ کے محل کی طرف گیا اس وقت منگلا دیوی درختوں کے پیچھے غیبی حالت میں موجود تھی۔ اگر وہ سرائے کے برآمدے یا کوٹھڑی کے اندر ہوتی تو ناگ اسے غیبی حالت میں بھی دیکھ سکتا تھا مگر منگلا دیوی سرائے سے باہر درختوں کے پاس ہی رہی۔ اسے وہیں پر سب کچھ معلوم ہو رہا تھا اور وہ ناگ اور تھیوسانگ کو دیکھ سکتی تھی۔ جب تھیوسانگ چلا گیا تو منگلا دیوی وہاں سے اڑ کر واپس اپنے شکستہ مندر میں آ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ ناگ ایک دیتا ہے اور اسے قبضے میں کرنا معمولی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے وہ پاتالی یعنی زمین کے نیچے رہنے والی انسان دشمن مخلوق کی دیوی پاتالی سے مشورہ لینا چاہتی تھی۔

منگلا دیوی نے مندر میں آتے ہی آسن جمایا اور کالے جادو کے منتر پڑھنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد زمین کے نیچے سے پاتالی نمودار ہو گئی۔ پاتالی کی شکل دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ کالے رنگ کی اس چھوٹی سی گول مٹول عورت کا سر منڈا ہوا تھا۔ کان گردن تک ٹھک رہے تھے۔ بار بار اپنے سیاہ بھدے ہر مٹول میں سے زبان باہر نکالتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک تانبے کی چھڑی تھی۔ جس میں سے جھنگاریاں پھوٹ رہی تھی۔ منگلا دیوی نے پاتالی کو جھک ٹھکاردیا۔ پاتالی دیوی نے کھڑکی پر اتنی آواز میں پوچھا۔



یہاں سے باہر ناگ دیتا پر تمہارا کوئی جادو نہیں چلے گا۔“

منگلا نے کہا۔

”لیکن پاتالی! میں ناگ دیتا کو کیسے اس مندر میں لاؤں؟“  
پاتالی نے زبان نکال کر کہا۔

”یہ تمہارا کام ہے۔ تم جانو۔ تم اتنی بڑی دیوی منگلا ہو اور تمہارے پاس بہت طاقت ہے۔ کیا تم اتنا کام بھی نہیں کر سکتی؟ میں۔ نے گھر تھیں بتا دیا ہے اب تم جانو تمہارا کام۔“

یہ کہہ کر پاتالی دیوی غائب ہو گئی۔ منگلا دیوی اپنے استھان سے اٹھی اور مندر سے باہر آ کر سوچنے لگی کہ وہ کس ترکیب سے ناگ دیتا کو مندر میں لانے۔ آخر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آگئی۔ وہ مسکراتی اور فضا میں بلند ہو گئی۔



## دیوی والا مندر

منگلا دیوی نے ایک غریب لڑکی کا روپ بدلا اور جس سرائے میں ناگ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کے صحن میں آ کر زور زور سے رونے لگی۔  
”میری ماں کو بچاؤ۔ میری ماں کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔  
میری ماں کو بچاؤ۔ وہ مر رہی ہے۔“

غریب لڑکی کی آہ و فریاد سن کر سرائے کا مالک اور دوسرے لوگ بھی اس کے گرد جمع ہو گئے اور اسے تسلیاں دینے لگے۔ سرائے کے مالک نے کہا۔

”میں تمہیں دوائی دیتا ہوں۔ وہ اسے جا کر کھلا دو۔“  
مگر غریب لڑکی یعنی منگلا تو ناگ پر نظر رکھے ہوئے تھی کہ وہ کب باہر آتا ہے۔ اس نے روتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔  
”اس کا منہ بند ہو گیا ہے۔ وہ دوائی نہیں کھا سکتی  
ہاتے میری ماں کو بچاؤ۔ وہ مر رہی ہے۔ میرا اس دنیا  
میں اور کوئی نہیں۔“

شور کی آواز سن کر قدرتی طور پر ناگ کوٹھری سے باہر آ گیا۔



اس نے دیکھا کہ سانپ لے رنگ کی پھٹے پرانے کپڑوں والی غریب سی لڑکی زار و قطار رُو رہی ہے اور فریاد کر رہی ہے۔ ناگ نے اس کے پاس آکر پوچھا۔

”کیا ہوا میری بہن!“

منگلا دیوی بڑی خوش ہوئی کہ ناگ آخر آگیا۔ اس نے روتے ہوئے ساری داستان ناگ کو بیان کر دی۔

”میں اپنی ماں کو لے کر مندر میں پوچھا پاٹ کرنے آئی تھی کہ اسے سانپ نے ڈس لیا۔ بھگوان کے لیے اس کی جان بچا لو۔ وہ مر گئی تو میں بھی مر جاؤں گی!“

”میری بہن! وہ کون سے مندر میں ہے؟ چلو مجھے وہاں لے چلو۔ میں تمہاری ماں کو پہچانے کی کوشش کروں گا!“

غریب لڑکی یعنی منگلا دیوی نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔  
”اس ٹیلے کے پیچھے مندر ہے۔ بھگوان کے لیے جلدی چلو۔ میری ماں مر رہی ہے۔ سانپ کے تہہ سے اس کا جسم نیلا پڑ گیا ہے۔“

ناگ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”فکر نہ کرو میری بہن! میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“

تمہاری ماں اچھی ہو جائے گی۔ چلو مجھے اسی مندر میں لے چلو۔“

ناگ نے ناگ کو ساتھ لیا اور مندر کی طرف تیز تیز قدموں چلتے لگا۔ ناگ بھی اس کے ساتھ ساتھ تیز تیز چلنے لگا۔ ناگ کو تھو سا ناگ نے یہ بالکل نہیں بتایا تھا کہ جس منگلا دیوی نے کیٹی سے انتقام لیا ہے۔ اس کا مندر کہاں ہے۔ تھو سا ناگ نے اس کی ضرورت کی محسوس نہیں کی۔ اگر اس نے بتا دیا ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ ناگ اس مندر میں داخل نہ ہوتا۔ منگلا دیوی غریب لڑکی کے روپ میں ناگ کو لے کر اپنے شکستہ ویران مندر کے احاطے کے سامنے والے درختوں میں آگئی۔ اس نے مندر کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

”میری ماں کو اس مندر میں سانپ نے ڈسا ہے بھگوان کے لیے جلدی چلو۔ نہیں تو وہ مر جائے گی۔“

ناگ کو انسانی ہمدردی کے جوش میں یہ خیال ہی نہ رہا کہ کم از کم ایک بار تو سوچ لیتا کہ یہ لڑکی آخر کون ہے جس نے ابھی تک ناگ سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ اس کی ماں کو کیسے ٹھیک کرے گا؟ لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ عین ناگ، ماریا، کیٹی اور تھو سا ناگ نے ہمیشہ دکھی انسانوں کی مدد کی تھی اور ایسا کرتے ہوئے کبھی نہیں ہچکچاتے تھے خواہ وہ کسی مصیبت میں



ہی کیوں نہ بچنس جائیں۔

چنانچہ ناگ بغیر سوچے سمجھے منگلا دیوی کے ساتھ مندر کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ اب وہ منگلا دیوی کے طلسم کے اثر میں تھا۔ غریب لڑکی نے کہا۔

”میری ماں اس کو ٹھڑی میں ہے۔“

وہ ناگ کو ٹھڑی کے اندر تک لے جانا چاہتی تھی تاکہ طلسم کے ناکام ہو جانے کا ذرا سا بھی امکان نہ رہے۔ ناگ بے دھڑک کو ٹھڑی میں داخل ہو گیا۔ اندر جاتے ہی اس نے نیم اندھیرے میں دیکھا کہ وہاں کوئی عورت نہیں تھی۔ کو ٹھڑی بالکل خالی پڑی تھی۔ اس نے پلٹ کر لڑکی سے پوچھنا چاہا کہ تمہاری ماں کہاں ہے۔ وہ یہ دیکھ کر پریشان سا ہوا کہ لڑکی بھی غائب ہو چکی تھی۔ ناگ فوراً سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ منگلا دیوی نے اس پر طلسم کر دیا تھا۔ ناگ سانس کھینچ کر عقاب کی شکل میں تبدیل ہونا چاہتا تھا کہ اسے احساس ہوا کہ وہ سانس اپنے اندر نہیں کھینچ سکتا۔ پھر اسے کو ٹھڑی کی فضا میں ایک بھیانک چیخ کی آواز سنائی دی اور ناگ ایک سیاہ کالے موتی کی شکل میں کو ٹھڑی کے فرش پر گر پڑا اس موتی کا سائز ایک ناشیاتی جتنا تھا۔ ناگ کو فوراً پتہ چل گیا کہ اس پر جادو چل گیا ہے۔ ایک عجیب بات تھی کہ اس کی

ناگ سانپ کی تھی نہ انسان کی۔ وہ ایک سیاہ کالے لڑکی کی شکل میں تھا مگر اسے مندر کے باہر چلتی ہوا کی آواز آرہی تھی اور وہ کو ٹھڑی کے اندر نیم روشن فضا میں دیواروں اور چھت کو بھی دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے کو ٹھڑی کی فضا میں منگلا دیوی کے دھندلے جسم کو دیکھا۔ سمجھ گیا کہ یہی منگلا دیوی ہے جو اصل میں غائب ہے مگر وہ بے مت کال سرے کی وجہ سے دیکھ رہا ہے اور اسی نے اس پر جادو کیا ہے۔ ناگ نے بولنا چاہا مگر اس پر یہ افسوسناک انکشاف ہوا کہ وہ سن سکتا ہے۔ دیکھ سکتا ہے مگر بول نہیں سکتا۔

اسے منگلا دیوی کی تیز ”سی“ ایسی آواز سنائی دی۔

”ناگ دیوتا! میں نے تمہیں صرف اس لیے اپنے علم میں بیکڑا ہے کہ میں تمہارے دوست تھیو سانگ کو تمہاری مدد اور تمہاری حفاظت سے محروم کرنا چاہتی ہوں کیوں کہ مجھے اس سے بھی بدلہ لینا ہے۔ اب تو میرے جادو کے اثر سے کبھی نہ نکل سکے گا اور میں تمہیں ایسی جگہ پہنچا دوں گی کہ صدیاں گزر جائیں گی اور کسی کو تمہاری قیمت کا حال معلوم نہ ہو سکے گا“ اس کے بعد تھیو سانگ کا بھی یہی حال کروں گی“ ناگ کو افسوس ہوا کہ وہ کیوں منگلا دیوی کی ان باتوں کو سن کر



ایک چالاک لڑکی کی چال میں پھنس گیا۔ مگر اس میں ناگ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس نے ایک غریب لڑکی کی مدد کی تھی۔ آگے جو نتیجہ نکلا وہ اس نے خدا کے حوالے کر دیا اور صبر کر کے رہ گیا۔ منگلا دیوی نے ناگ کے سیاہ موتی کو اٹھایا اور فضا میں اوپر آکر ایک طرف اڑنا شروع کر دیا۔ شہر سے دُور سمندر کے کنارے لنکا کی بندرگاہ تھی۔ یہاں کتنے ہی چھوٹے بڑے دھانی جہاز سمندر میں کھڑے تھے۔ ایک بادبانی جہاز بندرگاہ سے ہٹ کر دُور سمندر میں بادبان پھیلے کھڑا تھا۔ اس پر تیل کے پکے اور دوسرا سامان لدا ہوا تھا۔ دو کشتیاں مال لے کر اس جہاز کی طرف جا رہی تھیں۔ جہاز کا کپتان اور ملاح اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔ پھر کپتان کے حکم سے جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا اور اس کے بادبان کھلنے لگے۔ جہاز چلنے والا تھا۔ منگلا دیوی کو ایسے ہی جہاز کی تلاش تھی۔ وہ ناگ کے سیاہ موتے نقش کو لے کر جہاز کی طرف گئی۔ پھر سمندر میں اتر گئی۔ جہاز کا پیندا پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ منگلا دیوی نے جہاز کے اگلے حصے میں پیندے کے بالکل نیچے جا کر ایک جگہ ناگ کے سیاہ نقش کو لکڑی میں سوراخ کر کے وہاں اس طرح سے جما دیا کہ اسے پانی کی تیز سے تیز لہر بھی اپنی جگہ سے نہ اکھاڑ سکتی تھی۔ ناگ ایک سیاہ موتی ایسے نقش کی شکل میں پانی کے اندر جہاز

پیندے کے نچلے حصے میں چپک کر رہ گیا۔ منگلا دیوی چلی گئی۔ ناگ کو اپنے سامنے سمندر کا گدلا پانی نظر آ رہا تھا۔ جس کی مختلف قسم کی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ ناگ نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کا یہ انجام بھی ہوگا۔ جہاز کے بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور اس نے سمندر میں جنوب کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔ ناگ کا دل ایک دم اُداس ہو گیا۔ وہ اچانک ہی تھیوسانگ سے ملا تھا اور اچانک ہی اس سے اور ماریا سے یوں جدا ہو گیا کہ اب خدا جانے کب ان سے دوبارہ ملاقات ہو۔

دوسری طرف تھیوسانگ نے راجہ کے محل کے باہر جا کر ایک آدمی سے خریدنے کی کوشش کی کہ وہ سپاہی کون لوگ تھے جو غیر یعنی پاٹو وڈا کو موت کی سزا دینے کے لیے گئے تھے مگر اس نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ تھیوسانگ نے ایک سپاہی کو بھی باتوں ہی باتوں میں پوچھنا چاہا تو وہ خاموش ہو کر تھیوسانگ کو گھورنے لگا اور بولا۔  
"خبردار! آئندہ ایسا سوال کسی سے نہ پوچھنا۔"  
تھیوسانگ نے سوچا کہ اس کے لیے باقاعدہ کوئی اسکیم تیار کرنی چاہیے۔ اس طرح سے تو کوئی بھی اسے کچھ نہیں بتائے گا۔ وہ یہ ساری باتیں ناگ کو بتانے کے لیے واپس سرانے میں



ایک چالاک لڑکی کی چال میں پھنس گیا۔ مگر اس میں ناگ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس نے ایک غریب لڑکی کی مدد کی تھی۔ آگے ہو نتیجہ نکلا وہ اس نے خدا کے حوالے کر دیا اور صبر کر کے رہ گیا۔ منگلا دیوی نے ناگ کے سیاہ موتی کو اٹھایا اور فضا میں اوپر آکر ایک طرف اڑنا شروع کر دیا۔ شہر سے دُور سمندر کے کنارے لنکا کی بندرگاہ تھی۔ یہاں کتنے ہی چھوٹے بڑے دھانی جہاز سمندر میں کھڑے تھے۔ ایک بادبانی جہاز بندرگاہ سے ہٹ کر دُور سمندر میں بادبان پھیلے کھڑا تھا۔ اس پر تیل کے پکے اور دوسرا سامان لدا ہوا تھا۔ دو کشتیاں مال لے کر اس جہاز کی طرف جا رہی تھیں۔ جہاز کا کپتان اور ملاح اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔ پھر کپتان کے حکم سے جہاز کا منگر اٹھا دیا گیا اور اس کے بادبان کھلنے لگے۔ جہاز چلنے والا تھا۔ منگلا دیوی کو ایسے ہی جہاز کی تلاش تھی۔ وہ ناگ کے سیاہ موتی نقش کو لے کر جہاز کی طرف گئی۔ پھر سمندر میں اتر گئی۔ جہاز کا پیندا پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ منگلا دیوی نے جہاز کے اگلے حصے میں پیندے کے بالکل نیچے جا کر ایک جگہ ناگ کے سیاہ نقش کو لکڑی میں سوراخ کر کے وہاں اس طرح سے جما دیا کہ اسے پانی کی تیز سے تیز لہر بھی اپنی جگہ سے نہ اکھاڑ سکتی تھی۔ ناگ ایک سیاہ موتی ایسے نقش کی شکل میں پانی کے اندر جہاز

لے پیندے کے نچلے حصے میں چپک کر رہ گیا۔ منگلا دیوی چلی گئی۔ ناگ کو اپنے سامنے سمندر کا گدلا پانی نظر آ رہا تھا۔ جس میں مختلف قسم کی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ ناگ نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کا یہ انجام بھی ہوگا۔ جہاز کے بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور اس نے سمندر میں جنوب کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔ ناگ کا دل ایک دم اُداس ہو گیا۔ وہ اچانک ہی تھیوسانگ سے ملا تھا اور اچانک ہی اس سے اور ماریا سے یوں جدا ہو گیا کہ اب خدا جانے کب اسے دوبارہ ملاقات ہو۔

دوسری طرف تھیوسانگ نے راجہ کے محل کے باہر جا کر ایک آدمی سے خریدنے کی کوشش کی کہ وہ سپاہی کون لوگ تھے جو غیر یعنی پاٹروڈاکو کو موت کی سزا دینے کے لئے گئے تھے مگر اس نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ تھیوسانگ نے ایک سپاہی کو بھی باتوں میں لگا کر باتوں ہی باتوں میں پوچھنا چاہا تو وہ خاموش ہو کر تھیوسانگ کو گھورنے لگا اور بولا۔

”خبردار! آئندہ ایسا سوال کسی سے نہ پوچھنا۔“

تھیوسانگ نے سوچا کہ اس کے لیے باقاعدہ کوئی اسکیم تیار کرنی چاہیے۔ اس طرح سے تو کوئی بھی اسے کچھ نہیں بتائے گا۔ وہ یہ ساری باتیں ناگ کو بتانے کے لیے واپس سرانے میں



اور ناگ میں اتنی طاقت ہے کہ وہ تیرے طلسم سے آزاد ہو جائے۔“

اب میں تھیو سانگ کو فضا میں ایک تیز قبضہ سنائی دیا۔ یہ منگلا دیوی کے سوائے اور کسی کا قبضہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد اوشی چھاگئی۔ تھیو سانگ سخت غصے کے عالم میں واپس سرانے بن آگیا۔ ناگ اس کے قریب آکر ایک بار پھر بچھڑ گیا تھا۔ تھیو سانگ کو اب کسی طرف سے امید کی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ سخت مایوس ہو چکا تھا کہ اچانک اسے اس جوگی کا خیال آگیا جس نے اسے اور کیشی کو وہ راکھ دی تھی جو کہ اپنی گردن پر لگا کر وہ منگلا کے طلسم سے آزاد ہو گئے تھے۔ تھیو سانگ کو بڑی امید تھی کہ یہ جوگی اس کو اندھیرے میں کوئی نہ کوئی راہ ضرور دکھائے گا۔ کیوں کہ وہ بڑا گیانی دھیانی جوگی تھا۔

تھیو سانگ جنگل میں سے گذرتا اس چٹان کی غار میں آیا جہاں جوگی اسے پہلی بار بلا تھا۔ تھیو سانگ نے سارے غار کو چھان مارا تھا۔ جوگی کو آواز بھی دی مگر جوگی وہاں نہیں تھا۔ شاید وہ کہیں جا چکا تھا۔ کیوں کہ اس کے بیٹھنے کی ہرن کی چھال اور پانی کا کٹورا بھی وہاں نہیں تھا۔

تھیو سانگ ناامید ہو کر غار سے باہر آگیا اور واپس سرانے کی طرف چل پڑا۔ اب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ

آیا تو اسے معلوم ہوا کہ ناگ تو ایک لڑکی کے ساتھ اس کی ماں کی جان کو بچانے کے لیے مندر کی طرف گیا ہے تھیو سانگ کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ یہ کیا ہو گیا۔ ضرور منگلا دیوی نے ناگ کو پھانسنے کے لیے کوئی چکر چلایا ہے۔

تھیو سانگ بھاگا بھاگا منگلا دیوی کے مندر کے قریب جا پہنچا وہ ظاہر ہے کہ مندر کے احاطے میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے باہر ہی رہ کر ناگ کو آواز دی۔ کئی بار آوازیں دینے کے باوجود مندر کی کوٹھڑی میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ تھیو سانگ سمجھ گیا کہ ناگ منگلا دیوی کے طلسم کا شکار ہو گیا ہے۔ اس نے جھک کر زمین پر دیکھا۔ وہاں ناگ کے قدموں کے نشان موجود تھے۔ اس کے ساتھ ہی لڑکی کے پاؤں کے نشان تھے۔ یہ قدم منگلا کے مندر کے احاطے کی طرف جا رہے تھے۔ اب تھیو سانگ کو یقین ہو گیا کہ ناگ کو منگلا دیوی کسی چال میں پھنسا کر مندر میں لے گئی ہے اور پھر اس پر کوئی طلسم کر کے اسے قید کر دیا ہے۔

تھیو سانگ کو منگلا دیوی پر اس قدر غصہ آیا کہ اس نے چلا کر کہا۔

”بدخصلت منگلا! تو نے میرے دوست کو تو اپنے قبضے میں لا کر لیا۔ مگر یاد رکھو میں تیرے ہاتھ نہیں آؤں گا۔“



کس طرف کو جائے۔ ماریا کو تلاش کرے، عنبر کے پیچھے جائے  
ناگ کا سراغ لگانے کی کوشش کرے یا کیٹی کا کھونج لگائے۔  
اس کے چاروں دوست اس سے بچھڑ گئے۔

تھیوسانگ بالکل ادا اس ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا  
جنگل میں چلا رہا تھا کہ اچانک اسے ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے  
کسی گہرے کنویں کے اندر سے آرہی ہوں۔ تھیوسانگ ان  
آوازوں کی طرف چلنے لگا کہ معلوم کرے یہ آوازیں کیسی ہیں کیا  
دیکھتا ہے کہ ایک جگہ کنویں میں سے گار نکالی جا رہی ہے۔ تین  
آدمی جن کے رنگ اور آنکھیں زرد ہیں کنویں کے باہر کھڑے  
رسی کی مدد سے نیچے سے گار کی بالٹیاں اُپر کینچ رہے ہیں۔ جب  
وہ گار باہر الٹ دیتے ہیں تو خالی بالٹیاں دوبارہ کنویں میں  
لٹکا دیتے ہیں۔ کنویں کے اندر دو آدمی ہیں جو نیچے سے لمبی لمبی  
آوازیں بھی نکال رہے تھے۔ اور کنویں کی تہ سے گار نکال کر  
بالٹیوں میں بھی ڈال رہے تھے۔

تھیوسانگ قریب سے گذرا تو اسے کنویں کے اندر سے گار  
نکالنے والوں کی آوازیں سنائی دیں۔

ہاں بھئی ہاں بھئی گار نکالو۔  
ہاں بھئی ہاں بھئی ہالٹی کینچو  
ہاں بھئی نیچے کالا اندھیرا

ہاں بھئی نیچے کالا اندھیرا

انسانی آوازیں تھیوسانگ کو بڑی ڈراؤنی لگیں۔ ان آوازوں سے  
انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ سب سے زیادہ حیرانی  
تھیوسانگ کو باہر کھڑے آدمیوں کے رنگ دیکھ کر ہوئی۔ ان کے  
رنگ گہرے نیلے تھے۔ اور آنکھیں زرد تھیں۔ سر کے بال بھی  
نیلے رنگ کے تھے۔ تھیوسانگ اپنی پریشانی میں تھا۔ وہ آگے  
جل دیا۔ وہ چند قدم چلا ہو گا کہ نیلے آدمیوں نے ایک دوسرے کو  
خفیہ اشارہ کیا۔ پھر کنویں کی مثہیر پر آہستہ سے تین بار پاؤں  
مارے۔ کنویں کے اندر جو آدمی گار نکال رہے تھے۔ انھوں  
نے یہ آواز سن لی اور فوراً ہی کنویں سے بھیانگ آوازیں بلند  
ہوئیں۔

بچاؤ۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔

باہر والے نیلے آدمیوں نے بھی ایک دم سے شور مچا دیا۔

بھائی صاحب! ہمارے آدمیوں کو بچانے میں ہماری مدد

کرنا۔ ہمارے آدمی کنویں میں ڈوب رہے ہیں۔

تھیوسانگ نے یہ آواز سنی تو جلدی سے ان نیلے آدمیوں کے  
پاس آیا اور بولا۔

”کیا ہوا بھائیو؟“

ان میں سے ایک نے کہا۔



”ہمارے بھائی کنویں میں سے گارا نکال رہے تھے کہ ڈوب گئے۔ ان کو بچانے میں ہماری مدد کرو۔“

تھیوسانگ نے کہا۔

”تم رسی نیچے ٹکاو۔ میں کنویں میں اترتا ہوں۔“

تھیوسانگ فوراً رسی کی مدد سے نیچے اترنے لگا۔ اسے ابھی تک نیچے سے بچاؤ بچاؤ کی آوازیں آرہی تھیں۔ کنواں اس قدر گہرا تھا کہ اس کی تہہ ہی نہیں آرہی تھی۔ سب سے حیرت ناک بات یہ تھی کہ جوں جوں تھیوسانگ کنویں میں اتر رہا تھا نیچے سے آنے والی آدمیوں کی آوازیں اور دُور ہوتی جا رہی تھیں۔ تھیوسانگ نے اُوپر نگاہ اٹھائی تو اُوپر اسے اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیا خدا جانے جو آدمی اُوپر تھے وہ کہاں چلے گئے تھے۔ تھیوسانگ نے نیچے دیکھا۔ نیچے بھی گہرا اندھیرا تھا۔ آدمیوں کی آوازیں بھی اب آہستہ آہستہ مدھم ہو رہی تھیں۔ تھیوسانگ کو خیال آیا کہ کہیں وہ کسی جال میں تو نہیں پھنس گیا؟ اس نے نیچے جانے کی بجائے واپس اُوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ وہ کتنی دیر تک اُوپر چڑھتا رہا مگر کنویں کا منہ ہی نہیں آتا تھا۔ تھیوسانگ ایک بار پھر نیچے اترنے لگا۔ اب نیچے گہرے اندھیرے میں سے کسی آدمی کی آواز نہیں آرہی تھی۔ اچانک اُوپر سے کسی نے رسی کاٹ دی۔ تھیوسانگ کنویں کے اندر تاریکی میں لڑھکتا ہوا نیچے ہی

نیچے گرتا چلا گیا۔

کتنی دیر تک کنویں کے اندر گرتے رہنے کے بعد تھیوسانگ گیلی ریت پر دھپ سے گر پڑا۔ اس نے جو پہلی بات محسوس کی وہ یہ تھی کہ کنویں کے اندر کاربن ڈائی آکسائیڈ پھیلی ہوئی تھی۔ اس گیس میں کوئی عام انسان زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کا ایک سانس لینے سے ہی آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے اور پھر گیس میں دس پندرہ منٹ تک سانس لینے کے بعد مر جاتا ہے۔ مگر تھیوسانگ چونکہ ایک خلائی سیارے کا رہنے والا تھا اور کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس میں بن پلا بڑھا تھا اس لیے اس گیس سے اسے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ وہ گیلی ریت پر سے اٹھا اس نے دیکھا کہ کنویں کی دیوار جہاں گیلی ریت میں جذب ہوئی تھی وہاں ایک شکاف بنا ہوا تھا۔ اس شکاف کی دوسری جانب بھی اندھیرا تھا۔

تھیوسانگ جھک کر شکاف میں داخل ہو گیا۔ وہ رینگ کر آگے بڑھنے لگا کہ شاید کسی جگہ سے وہ کنویں سے باہر نکل جائے۔ جوں جوں وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اندھیرا کم ہوتا جا رہا تھا۔ تاریک غار بھی چوڑی ہو رہی تھی۔ آخر تھیوسانگ ایک ایسی کھلی جگہ میں پہنچ گیا۔ جس کی چھت میں سے پانی کے قطرے پڑ رہے تھے اور کالے کالے ستون کھڑے تھے۔ تھیوسانگ نے



اٹھ کر ایک طرف چلنا شروع کیا۔ اسے پانی کے گرنے کی آواز سنائی دے۔ یہ آواز کچھ دُور اس کے ساتھ ساتھ رہی۔ پھر غائب ہو گئی۔ تھیو سانگ نے نیم تاریکی میں پتھر کی زنگار والی سیڑھیاں اوپر جاتے دیکھیں۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر بند دروازے کے پاس آگیا۔ اس نے آہستہ سے دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا۔ دوسری طرف ایک لمبا پوٹرا دالان تھا جس کی دیواریں اور چھت نیلی تھیں اور جگہ جگہ نیلے چراغ دالوں میں روشنی ہو رہی تھی۔

جوں ہی تھیو سانگ اس دالان میں داخل ہوا۔ دائیں بائیں سے دس بارہ نیلے آدمی جنھوں نے تلواریں اٹھا رکھی تھیں۔ اس پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے تھیو سانگ کو اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ انگلی اپنے یا کسی دوسرے کے جسم سے لگا سکتا۔ تھیو سانگ منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ نیلے آدمیوں نے فوراً اس کے ہاتھ پیٹ پر باندھ دیئے۔ اور پھر اسے گھسیٹتے ہوئے ساتھ والے کمرے میں لے گئے۔ تھیو سانگ کو فرش پر سے اٹھا کر ایک چوتھے پر بٹھا دیا گیا۔

”تم بے ہوش ہو رہے ہو۔ تم بے ہوش ہو رہے ہو۔“  
تھیو سانگ نے سوچا کہ وہ بے ہوش ہونے کا بہانہ بنا کر ہی ان لوگوں کے راز معلوم کر سکتا ہے کہ آخر یہ مخلوق اسے کیوں ہانک اس آدمی نے جو تھیو سانگ کے پیچھے کھڑا تھا اپنا ہاتھ اس کی گردن پر رکھ دیا۔ ساتھ ہی سرگوشی میں ہینا ٹائمر کرنے کے انداز میں کہا۔

تھیو سانگ کے ہاتھ پیچھے بندھے تھے۔ وہ اپنے جسم کے ساتھ انگلی لگا سکتا تھا مگر پہلے وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ نیلے رنگ کے لوگ کون ہیں اور زمین کے نیچے انھوں نے اپنی دنیا



مناطیسی طاقت ہے۔ اس کے اثر کی وجہ سے ایسا ہوا۔  
نیلبر نے کہا۔

”اگر یہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہے تو ہم اس سے کیا  
کام لے سکتے ہیں شوپن؟“  
شوپن کہنے لگا۔

”عظیم نیلبر! یہ میں آپ کو تنہائی میں بتاؤں گا۔ یہ ہمارے  
بڑے کام آسکتا ہے۔“

عظیم نیلبر نے اسی وقت حکم دیا کہ تھیوسانگ کو نیلے تابوت میں  
دال دیا جائے اور ہمارے دوسرے حکم کا انتظار کیا جائے۔  
تھیوسانگ ذرا سی آنکھ کھولے دیکھ رہا تھا اور یہ سب کچھ سن  
بھی رہا تھا۔ عظیم نیلبر جو شاید اس نیلی مخلوق کا بادشاہ تھا۔  
اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ چلا گیا۔ شوپن نے اپنے سپاہیوں  
کو اشارہ کیا۔ سپاہیوں نے تھیوسانگ کو اٹھایا اور ایک تاریک  
لام گردش میں سے گزرتے ہوئے کچھ میڑھیاں اتر کر ایک  
اندھیری کوٹھڑی میں آگئے۔ پھر یہاں ایک موم بتی روشن کر دی  
گئی۔ تھیوسانگ نے دیکھا کہ چھوٹی سی نیلی کوٹھڑی تھی۔ جس کی  
دیواریں اینٹوں کی بجائے انسانی کھوپڑیوں سے بنائی تھی۔ کتنی  
ہی انسانی کھوپڑیاں دیوار میں لگی تھیوسانگ کی طرف اپنی بے نور  
آنکھوں سے جیسے دیکھ رہی تھیں۔

پکڑ کر یہاں لے آئی ہے۔ تھیوسانگ نے آہستہ آہستہ اپنی گردن  
یوں نیچے ڈھلکان شروع کر دی جیسے وہ بے ہوش ہو رہا ہے۔  
نیلے آدمیوں نے اسے پکڑ کر وہیں چبوترے پر لٹا دیا۔ وہ یہ  
سمجھ رہے تھے کہ تھیوسانگ بے ہوش ہے مگر وہ بے ہوش نہیں  
تھا۔ بلکہ ہوش میں تھا۔ صرف اس کی آنکھیں بند تھیں۔ نیلے کمرے  
میں چونکہ ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ اس لیے وہ تھوڑی سے آنکھ کھول  
کر دیکھ بھی رہا تھا۔

سامنے والے دروازے میں سے اب ایک اور اونچا لمبا نیلا  
آدمی داخل ہوا۔ اس کے ساتھ دو نیلے باڈی گارڈ بھی تھے۔ وہ  
تھیوسانگ کے پاس آکر کھینچ لگا۔

”یہ ابھی تک زندہ کیسے ہے، شوپن؟“  
نیلے آدمی جس کا نام شوپن تھا اور جو ان کا شاید جیوب تھا، بولا۔  
”عظیم نیلبر! یہ اس زمین کی مخلوق نہیں ہے۔ اس کے  
خون میں کوئی ایسی شے ہے جس پر ہمارے نیلے دیوتا  
کے سانس کا اثر نہیں ہو رہا۔“

نیلبر بولا۔

”لیکن تمہارے ہاتھ لگانے سے یہ بے ہوش تو ہو گیا۔“

شوپن نے کہا۔  
”ہاں عظیم نیلبر! مگر یہ میرے جسم میں جو نیلے دیوتا کی



تھیوسانگ کا خیال تھا کہ اسے کسی تابوت میں ڈالا جائے گا۔ مگر اسے معلوم ہوا کہ اسی کو ٹھٹھری کو نیا تابوت کہا جاتا ہے۔ سپاہیوں نے تھیوسانگ کے بازو کھول دیئے اور خود کو ٹھٹھری کو باہر سے تالا لگا کر چلے گئے۔ تھیوسانگ نے اٹھ کر دیوار میں لگی کھوپڑیوں کو غور سے دیکھا۔ یہ سب کی سب انسانوں کی کھوپڑیاں تھیں سب کی آنکھوں اور منہ میں گہرے سوراخ تھے۔ مگر ان سوراخوں کے پیچھے دیوار پتھر کی تھی۔ تھیوسانگ سوچنے لگا کہ یہ لوگ عقل مند ضرور ہیں کہ انہیں یہ پتہ چل گیا کہ وہ خلائی مخلوق ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ آخر شوپس اس سے کیا کام لینا چاہتا تھا۔ تھیوسانگ نے اس زیر زمین رہنے والی پراسرار مخلوق کے معنے کو حل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ خاموشی سے فرش پر بیٹھ گیا۔ ٹھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ تھیوسانگ کو انسانی چیخوں کی دہلی دہلی آوازیں سنائی دیں۔ آوازیں دیوار کے پیچھے سے آرہی تھیں۔ اس نے سراٹھا کر دیوار کی ایک کھوپڑی سے کان لگا دیا۔ دوسری طرف سے انسانی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ یہ چیخیں خاموش ہو گئیں اور گہرا موت ایسا سناٹا چھا گیا۔ تھیوسانگ کو تشویش ہوئی کہ دیوار کی دوسری طرف یہ کیا بھیانک کام ہو رہا ہے۔

اس نے دیوار کی کھوپڑی کو اپنی خاص انگلی سے چھوا۔ وہ

کھوپڑی چھوٹی ہو کر ایک بٹن جتنی ہو گئی۔ اس کے پیچھے دیوار کا پتھر نظر آنے لگا۔ تھیوسانگ نے ایک پتھر کو بھی انگلی لگائی تو وہ بھی چھوٹا ہو گیا۔ پتھر کے چھوٹا ہونے سے دیوار میں ایک بڑا سوراخ پیدا ہو گیا۔ تھیوسانگ نے اس میں گہروں ڈال کر دوسری طرف دیکھنا چاہا مگر اس کی گردن سوراخ میں سے دوسری طرف نہیں جا رہی تھی۔ دوسری طرف اندھیرا تھا۔ اور اسے بو آرہی تھی کہ جیسے وہ بوچھا خانے میں آگیا ہو۔

تھیوسانگ نے اب ایسا کیا کہ خود اپنے آپ کو انگلی سے چھوا اور جب وہ خود انگلی جتنے سائز کا ہو گیا تو کھوپڑیوں کے کٹے منہ پر بڑی آسانی سے دوسری طرف گزر گیا۔ دوسری طرف اسے پلے تو اندھیرے میں کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ پھر اس نے اندھیرے میں دھندلی دھندلی سی پتھروں کی محرابیں دیکھیں جو جھکی ہوئی تھیں۔ ان کے آگے ایک اندھیری راہ داری تھی۔ تھیوسانگ دیوار کی دوسری طرف اتر گیا۔ وہ پتھروں کی جھکی ہوئی محرابوں کی طرف بڑھا۔ یہاں پہنچ کر تھیوسانگ نے اپنے آپ کو دوسری بار انگلی سے چھو کر ————— پھر سے پورے سائز میں کر لیا۔ اور دیکھا کہ محرابوں کے پیچھے تاریک کھوپڑیاں بنی ہوئی ہیں ان کو ٹھٹھریوں میں سے عجیب سی ناگوار بو آرہی تھی۔

تھیوسانگ ایک کھوپڑی میں گیا تو اس کے رونگٹے کھڑے



ہو گئے۔ کوٹھڑیوں کی دیواروں اور چھت کے ساتھ انسانی بازو اور ٹانگیں لٹک رہی تھیں۔ تھیو سانگ دوسری کوٹھڑیوں میں گیا تو وہاں بھی انسانی بازو اور ٹانگیں چھت سے لٹکتی دیکھیں۔ ایک کوٹھڑی انسانوں کے اعضا کی ہڈیوں سے بھری ہوئی تھی۔ تھیو سانگ اس خیال سے کانپ گیا کہ یہ نیلی مخلوق انسانوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر یوں لٹکا دیتی ہے۔ یہ درندگی تھی اور انسانیت کے خلاف سب سے مکروہ فعل تھا۔ تھیو سانگ واپس لڑا تو اسے ایک کوٹھڑی سے کسی عورت کی دبی دبی سسکیاں بھرنے کی آواز آئی۔ وہ تیزی سے اس آواز کی طرف بڑھا۔ یہ آواز سب سے آخری کوٹھڑی میں سے آرہی تھی۔

تھیو سانگ دیے پاؤں کوٹھڑی کے محرابی دروازے پر گیا۔ کوٹھڑی میں اندھیرا تھا۔ تھیو سانگ نے اس اندھیرے میں ایک نیلے رنگ کی جوان لڑکی کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ پیر رسی سے بندھے تھے۔ اور وہ سسکیاں بھر کر رو رہی تھی۔ تھیو سانگ نے قریب جا کر کہا

”تم کون ہو بہن“

نیلی لڑکی نے چونک کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے تھیو سانگ کو دیکھا

اور بولی۔  
”تم کون ہو؟ تمہارا رنگ نیلا نہیں۔ تم نے مجھے بہن

کہا ہے۔ تم کون ہو بھائی“  
تھیو سانگ نے کہا۔

”مجھے اپنا بھائی ہی سمجھو۔ میں بدقسمتی سے ان لوگوں کے ہمتے چڑھ گیا ہوں“  
لڑکی نے کہا۔

”مگر تم یہاں کیسے آگئے، بھائی؟۔ یہاں تو سوائے نیلی مخلوق کے دوسرا کوئی نہیں آتا۔ صرف وہی بد نصیب باہر والا آتا ہے جس کو ان لوگوں نے کاٹ کر کھانا ہوتا ہے“

تھیو سانگ لرز اٹھا۔ تو کیا یہ مخلوق آدم خور تھی؟ نیلی لڑکی نے تھیو سانگ کے پوچھنے پر بتایا۔

”میں ان لوگوں میں سے ہوں۔ اسی لیے میرا رنگ بھی نیلا ہے“

”پھر ان لوگوں نے تمہیں یہاں باندھ کر ڈال رکھا ہے“  
نیلی لڑکی نے کہا۔

”میں کچھ دنوں سے بیمار رہنے لگی تھی۔ یہاں کا اصرار ہے کہ جو کوئی ہم میں سے بیمار ہو جاتا ہے یہ لوگ اس کو بھی کاٹ کر کھا جاتے ہیں۔ ابھی ابھی انہوں نے ایک نیلے آدمی کو ہلاک کیا تھا۔ بھو تھوڑا سا ہی بیمار



تھا۔

تھیو سانگ نے نیلی لڑکی سے پوچھا۔

”پہلی بات تو مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں یہاں سے نکال دوں تو کیا تم باہر کی دنیا میں زندہ رہ سکو گی؟“

نیلی لڑکی نے جواب میں کہا۔

”ہم لوگ باہر کی فضا میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ مگر باہر کی فضا کا رہنے والا یہاں زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ باہر سے جس آدمی کو بھی اغوا کر کے لاتے ہیں۔ اسے اسی وقت مار ڈالتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ تم اب تک زندہ کیسے ہو؟“

تھیو سانگ نے کہا۔

”جیسے اس لئے اس زہر آلود فضا میں بھی زندہ ہوں کہ میرے خون اتفاق سے ان ذرات کی تعداد بہت زیادہ ہے جو اس جگہ پھیلی ہوئی گیس کو بڑی آسانی سے برداشت کر سکتے ہیں۔“

تھیو سانگ نے نیلی لڑکی کو بالکل نہ بتایا کہ وہ خلائی سیارے کی مخلوق ہے۔ مگر اس نے اسے اتنا ضرور بتا دیا کہ یہ لوگ اس کے ابھی تک زندہ رہنے کی وجہ سے حیران ہیں اور ان کا خیال ہے کہ میں دوسری دنیا کا باشندہ ہوں۔

نیلی لڑکی نے کہا۔

”تم یہاں سے اپنی کوٹھڑی میں واپس چلے جاؤ۔ کیوں کہ یہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ وہ لوگ ابھی آ جائیں گے اور میرے ساتھ تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

تھیو سانگ کہنے لگا۔

”میں یہ کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ ایک لڑکی کو ذبح کیا جائے اور میں اس کی مدد نہ کروں۔ میں تمہیں یہاں سے لے کر نکل جانا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کیا یہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ ہے۔“

نیلی لڑکی کے چہرے پر مایوسی کی لہر چھا گئی۔ ”مردہ سی آواز میں بولی۔“

”یہاں سے ایک چوہا بھی اگر چاہے تو باہر نہیں جاسکتا۔ میرے ساتھ اپنی جان خطرے میں نہ ڈالو میرے بھائی۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو؟“

تھیو سانگ بولا۔

”جب تم نے مجھے بھائی کہہ دیا ہے تو کوئی بھی بھائی اپنی بہن کو اس حالت میں چھوڑ کر خود جان بچا کر فرار نہیں ہو سکتا۔“

نیلی لڑکی نے کہا۔

”مگر تم مجھے یہاں سے کیسے نکالو گے؟“

تھیو سانگ نے کہا۔



”تم مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ یہاں سے باہر جانے کا کوئی راستہ ہے کہ نہیں؟“

نیلی لڑکی کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

”یہ نیلی مخلوق کبھی کبھی باہر سے زندہ لوگوں کو بھی پکڑ کر یہاں لے آتی ہے مگر عام طور پر یہ مخلوق مُردہ آدمیوں کو کھاتی ہے اس کے لیے انھوں نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ اس شہر کے باہر ایک مرگھٹ ہے جہاں ہندو لاشوں کو جلایا جاتا ہے۔ لوگ اپنے مُردوں کو وہاں چھوڑے پر ڈال کر اوپر لکڑیاں لگا دیتے ہیں۔ پھر مرگھٹ کا آدمی ان لوگوں کو وہاں سے یہ کہہ کر بھگا دیتا ہے کہ لاش کو اکیلا ہی جلنا چاہیے۔ یہ آدمی ہماری مخلوق سے ملا ہوا ہے۔ اس جگہ سے ایک خفیہ سڑنگ اس مرگھٹ تک جاتی ہے۔ ہمارے آدمی اس سڑنگ کے

اندر ہی اندر سے اس چھوٹے تک پہنچ جاتے ہیں جہاں ہندو مُردے کی لاش رکھی ہوتی ہے۔ وہاں سے اس مُردے کی لاش کو نیچے کھینچ لیا جاتا ہے اور پھر اسے ہماری مخلوق یہاں لے آتی ہے۔ اور اس کے اعضاء الگ الگ کر کے کوٹھڑی میں لٹکا دیئے جاتے ہیں اور بعد میں انہیں ہڑپ کر لیا جاتا ہے۔ مگر اس سڑنگ میں سے فرار ہونا ناممکن بات ہے۔ میں اگر تمہیں اس سڑنگ کا راستہ بتا بھی دوں

تب بھی ہم دونوں پکڑے جائیں گے۔“

تھیوسانگ نے کہا۔  
”ان باتوں کی تم فکر مت کرو۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ وہ سڑنگ کہاں سے شروع ہوتی ہے۔“

نیلی لڑکی نے تھیوسانگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اسی راہ داری کے جنوب میں ایک ڈھلان نیچے اترتی ہے اس ڈھلان کے آگے پانی کی ایک باڑی آتی ہے۔ باڑی کے پار ایک تنگ غار شروع ہو جاتا ہے جو زمین کے اندر ہی اندر سے مُردے جلانے والے مرگھٹ کے چھوٹے پر جا کر کھل جاتا ہے لیکن یہاں نیلی مخلوق کے سپاہیوں کا زبردست پہرہ ہوتا ہے۔ ہم ان کی نظروں سے بچا کر تنگ غار سے کبھی نہیں گذر سکتے۔“

تھیوسانگ بولا۔

”یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ مجھے اب یہ بتاؤ کہ کیا ہم اسی وقت یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں۔“

نیلی لڑکی نے تھیوسانگ کو بتایا کہ ابھی نیلی مخلوق کے کچھ آدمی مرگھٹ کی طرف گئے ہیں کیوں کہ انہیں اطلاع ملی تھی کہ ایک مُردہ جلنے کے لیے مرگھٹ میں لایا گیا ہے۔ تھیوسانگ نے پوچھا کہ انہیں مرگھٹ تک جاتے اور وہاں سے واپس آتے ہوئے کتنی دیر لگے گی۔ نیلی لڑکی نے جواب دیا



”وہ آدمی رات تک اس کام سے فارغ ہو جائیں گے۔“  
تھیوسانگ بولا۔

ٹھیک ہے۔ میں آدمی رات کے بعد تمہارے پاس آؤں گا۔  
اور ہاں میں تمہاری رسی کھولے جاتا ہوں۔“  
نیلی لڑکی نے کہا۔

”اگر کوئی یہاں آگیا اور میری رسی کھلی ہوئی دیکھی تو وہ مجھے  
زندہ نہیں چھوڑیں گے اور ابھی اسی جگہ ہلاک کر دیں گے۔ تم  
مجھے بندھی رہنے دو۔ میری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے۔ مجھے  
منظور ہے۔“

تھیوسانگ نے اس کے جواب میں کہا۔

”انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے۔ تم بے شک بندھی  
رہو۔ مگر میں آدمی رات کے بعد تمہیں یہاں سے نکال کر لے  
جاؤں گا۔ یہ میرا فیصلہ ہے اور میں اپنے فیصلے سے کبھی پیچھے  
نہیں ہٹا۔“

یہ کہہ کر تھیوسانگ کو ٹھٹھی سے باہر نکل آیا۔ وہ تیزی سے دیوار کے  
کے قریب اس جگہ آگیا جہاں پتھر کے چھوٹا ہو جانے سے چھوٹا سا شگاف  
پڑ گیا تھا۔ تھیوسانگ نے اپنے آپ کو چھوٹا کیا اور سوراخ میں سے  
گزر کر اپنی کو ٹھٹھی میں فرش چھلانگ لگادی۔ فرش پر گرتے ہی اس  
نے اپنے آپ کو پھر سے بڑا کر لیا اور انگلی سے پتھر کا شگاف بند کیا

اور پھر انسان کو پٹری کو بڑا کر کے دیوار میں لگا دیا۔ دیوار اب پھر سے بند  
ہو گئی۔

تھیوسانگ فرش پر بیٹھ گیا اور آدمی رات کے ہونے کا انتظار کرنے  
لگا۔ اپنے حساب سے وہ ایک ایک لمحے کو گن کر گزار رہا تھا۔ ٹھیک اس  
وقت نیلی مخلوق کے چار آدمی خفیہ زیر زمین سرنگ کی تاریکی سے گذرے  
مرگھٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب کہ نیلی لڑکی نے تھیوسانگ کو کہا تھا  
یہ نیلی مخلوق کے آدمی مرگھٹ میں تازہ آئے ہوتے سر دے کو لینے جا  
رہے تھے۔ اس سے کچھ دیر پہلے زمین کے باہر مرگھٹ میں ایک لافار  
لاش ڈاکر مرگھٹ کے آدمی یعنی لاشیں جلانے والے کے حوالے کر دی گئی  
تھی۔ اسے شہر سے دو آدمی کھاٹ پر ڈال کر لائے تھے اور یہ کہہ کر وہاں  
ڈال گئے تھے کہ یہ لاش ایک مسافر کی ہے جو شہر کی ایک سرائے میں آکر سر  
گیا ہے اور کو تو اہل شہر نے کہا ہے کہ اسے جلادو۔ لاشیں جلانے والا  
بڑا خوش ہوا کہ ایک ایسی لاش مل گئی ہے کہ جس کا والی وارث کوئی نہیں۔  
اس نے فوراً خفیہ ذریعے سے زمین کے نیچے نیلی مخلوق کو پیغام پہنچا دیا  
کہ ایک لاش آکر لے جاؤ۔ چنانچہ یہ چاروں نیلے آدمی لاش کو لینے مرگھٹ  
کی طرف جا رہے تھے۔

یہ لاوارث لاش ایک ٹھگنے والے سیاہ گول مٹول ہندو کی تھی جس کا  
سر منڈا ہوا تھا اور بیچ میں پرانے ہندوؤں کی طرح ایک بو دی تھی۔  
ٹھگنے ہندو کی لاش کو لاشیں جلانے والے نے بڑی بے دلی اور بے



احتیاط سے چبوترے پر ڈال دیا اور اس کے ارد گرد محض دکھانے کے لیے کچھ لکڑیاں ڈال کر انہیں تھوڑی سی آگ لگا دی۔ یہ لکڑیاں جان بوجھ کر گھسی رکھی گئی تھیں۔ تاکہ آگ اتنی جلدی لاش تک نہ پہنچے عین اس وقت اوپر سے بارش شروع ہو گئی۔ رات کا وقت تھا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ اس وقت بھلا کون مرگھٹ میں یہ دیکھنے آتا ہے کہ لاش جلی ہے کہ نہیں۔ اور پھر لاوارث لاش کو کون پوچھتا ہے۔

لاشیں جلانے والے نے بڑے اطمینان سے لاش کو ادھ جلی لکڑیوں میں سے گھسیٹ کر نکالا اور اسے گیلی بارش والی زمین پر گھسیٹا ہوا اپنی چھوٹی سی کوشٹری میں لے گیا اور کوشٹری کے باہر بیٹھ کر نیلی مخلوق کا انتظار کرنے لگا۔ لاش کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ ٹھکنے سیاہ بڑی دالے بندو کی لاش اندھیری کوشٹری کے ننگے فرش پر پڑی تھی۔ اس کے اوپر میلا کچیل پیرانا زرد کپڑا پڑا تھا۔ لاشیں جلانے والا اندھیرے میں گرتی بارش کی جھال میں سے چبوترے کی طرف گھور رہا تھا۔ کیونکہ اس کے نیچے نیلی مخلوق کی سرنگ کا خفیہ دروازہ کھلتا تھا اور وہیں سے نیلے آدمیوں کو لاش لے جانے اور لاش جلانے والے کو چاندی کے چارے کے دینے تھے۔ یہ مرگھٹ کا لاش فروش ہر لاش کے عوض نیلے آدمیوں سے چاندی کے چارے کے وصول کرتا تھا۔

آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی بارش کی آواز کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ بادلوں میں ہلکی سی گرج پیدا

ہوئی۔ اور پھر وہی بارش کی ہلکی آواز والا سناٹا چھا گیا۔ اچانک لاشیں جلانے والے کو اپنے پیچھے آہٹ سنائی دی۔ اس نے پیچھے سرگھا کر دیکھا لاش اسی طرح فرش پر پڑی تھی۔ لاشیں جلانے والے نے کوئی خیال نہ کیا اور ایک بار پھر میدان میں بھٹکتے ہوئے چبوترے کو دیکھنے لگا۔ ویسی ہی آہٹ اسے ایک بار پھر سنائی دی۔

لاشیں جلانے والے نے اب جو گردن گھا کر پیچھے دیکھا تو فرش پر سے ٹھکنے ہندو کی لاش غائب تھی۔ یہ آدمی تو ایسے اچھل پڑا جیسے کسی نے اس کے پاؤں پر کھڑا دے مارا ہو۔ اس نے آج تک کسی لاش کو غائب ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے آنکھیں زور سے میس کہ شاید یہ اس کی نظر کا دھوکہ ہو۔ مگر لاش واقعی غائب تھی۔ وہ ڈر کر بارش میں بھٹکتا چبوترے کی طرف بھاگا۔

اس کے پاؤں کچھڑ میں دھنس رہے تھے۔ بارش میں شرابور وہ چبوترے کے پاس گیا۔ لاش وہاں نہیں تھی۔ وہ اور زیادہ خوف زدہ ہوا اور مرگھٹ کے ٹوٹے ہوئے دروازے کی طرف اٹھ دوڑا کہ وہاں سے فرار ہو جاتے۔ ہوں ہی وہ مرگھٹ کے گیٹ پر پہنچا کسی نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے تڑپ کر پیچھے دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ ٹھکنے ہندو کی لاش بارش میں بھٹکتی اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس کا بھرہ ہتھ کی طرح تھا اور پاؤں کچھڑ میں بھرے ہوئے تھے۔ ٹھکنے ہندو کی لاش نے دانت پیس کر کہا۔



”سراچی! میری لاش کو بچ رہا تھا!“

لاشیں جلانے والا تو تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ اس نے لرزتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ خشک سہمی آواز میں بولا۔

”معافی دے دو بہاراج!“

ٹھگنے ہندو کی لاش نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا۔ اس کا ایک ہاتھ پیچھے تھا پیچھے سے ہاتھ نکالا تو اس کے ہاتھ میں مٹی کی چھوٹی سی کٹوری تھی۔ ٹھگنی لاش نے اس لاشیں بیچنے والے کو گردن سے پکڑ کر اوپر اٹھایا تو وہ ننھا سا کیرٹا بن گیا۔ ہندو کی لاش نے کیرٹے کو کٹوری میں بند کر کے اس کو گیلی مٹی سے بھر دیا اور پھر اتنی زور سے ہوا میں اچھالا کہ مٹی کی کٹوری بارش والی اندھیری رات میں غائب ہو گئی۔ دوسری طرف نیلی مخلوق والے چاروں نیلے آدمی زیر زمین سرنگ میں سے گذرتے خفیہ دروازے میں سے نکل کر جیوتڑے سے باہر آگئے ہلکی بارش اور رات کے اندھیرے میں وہ لاشیں جلانے والے آدمی کی کوٹھڑی کی طرف بڑھے۔ کیوں کہ وہ یہ سمجھے کہ چونکہ بارش ہو رہی ہے اس لیے لاشیں جلانے والے نے لاش کو کوٹھڑی میں رکھ دیا ہوگا۔

چاروں نیلے آدمی کوٹھڑی کے قریب آئے تو دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے مگر آدمی کہیں نظر نہیں آ رہا۔ وہ کوٹھڑی میں آگئے۔ کوٹھڑی کے فرش پر لاش لاش پڑی تھی۔ انہوں نے جھک کر دیکھا۔ ایک

نیلے آدمی بولا۔

”مردہ ٹھگنے قد کا ہے۔ اس کے سر میں ہندووں ایسی بو دی بھی ہے۔“

دوسرا نیلے آدمی کہنے لگا۔

”مگر صحت مند گول مٹول مردہ ہے۔ دبلا پتلا نہیں ہے۔“

تیسرا نیلے آدمی بولا۔

”ہمیں اس کے عوض چاندی کے چار سکے نہیں دینے چاہیے۔“

عین اسی وقت کوٹھڑی میں آواز آئی۔

”تم دو سکے ہی دے دو۔“

چاروں نیلے آدمیوں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ کوٹھڑی میں ان کے سوا اور کوئی زندہ انسان نہیں تھا۔ یہ آواز کس نے دی تھی۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک نیلے آدمی نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔

”ادھر دیکھو۔“

ٹھگنے ہندو کے مُردے کی آنکھیں کھلی تھیں۔ اور ایک ہاتھ کی ہتھیلی پھیلی اور اوپر کواٹھی ہوئی تھی۔ مُردے کی وہی آواز پھر آئی۔

”تم دو سکے ہمارے دو اور۔ میری لاش لے جاؤ۔“

یہ نیلے آدمی یونہی ڈرنے والی مخلوق نہیں تھی۔ وہ سینکڑوں لاشوں کو اب تک کھا چکے تھے۔ مگر بولتا ہوا مُردہ انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا



تھا۔ وہ کچھ گھبرا کر کچھ بول کھلا کر کوٹھڑی سے نکل کر چوتھے کی طرف دوڑے۔  
چوتھے کے پاس پہنچے تو وہی ٹھگنا مردہ بارش میں چوتھے پر کھڑا اپنے  
سر کی بودی کو ہاتھ سے سہلارہا تھا۔ دوسرا ہاتھ باہر نکال کر بولا۔  
”ان کٹوریوں میں آ جاؤ۔“

اور پھر کھی، کھی، کھی کر کے ہنسنے لگا۔ نیلے آدمی اب تو ہڑبڑا کر چوتھے کے خفیہ  
انداز سے میں داخل ہونے کو پلکے مگر عین اس وقت ٹھگنے مردے نے ان چاروں  
کو گردنوں سے پکڑ کر زمین پر بھینکا تو وہ ہنسنے سے بندھ کر بن گئے۔ ٹھگنے ہندو  
مردے نے انہیں باری باری چار کٹوریوں میں بند کر کے اوپر زمین پر سے کچھ  
ٹھا کر ان میں بھر دیا اور پھر ہوا میں چاروں کٹوریوں کو زور سے اچھالا چاروں  
کٹوریاں اندھیری رات اور بارش میں غائب ہو گئیں۔

اس وقت تھیوسانگ اپنی کوٹھڑی کے فرش پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس  
کے انداز سے کے مطابق آدھی رات گزر چکی تھی اور اب اسے نیلی لڑکی کو زیر  
زمین جہنم سے نکال کر فرار ہونا تھا۔ اسی طرح تھیوسانگ نے نہاد کو چھوٹا کرنے کے  
بعد دیوار کی کھوپڑی والے سوراخ میں سے گزار کر دوسرے طرف محرابی راہ  
داری کی تاریکی میں گرا دیا۔ یہاں وہ پھر پورے قد کے سار کا ہو گیا اور نیلی  
لڑکی کی کوٹھڑی کی طرف تیز تیز چلا۔ نیلی لڑکی اسی طرح فرش پر بندھی پڑی  
تھی۔ تھیوسانگ نے آہستہ سے کہا۔

”میں آ گیا ہوں۔ کیا تم تیار ہو؟“

نیلی لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھیوسانگ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ لڑکی

نے آہستہ سے کہا۔

”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہ لوگ ہمیں پکڑ لیں گے۔“

تھیوسانگ نے کہا۔

”تمہیں ویسے بھی مر جانا ہے ایک کوشش کر لینے میں کیا ہرج ہے

شاید تمہاری زندگی بچ جائے۔“

نیلی لڑکی نے کہا۔

”مجھے تمہاری جان کی فکر ہے میرے بھائی۔“

تھیوسانگ کہنے لگا۔

یہ وقت ان فضول باتوں کا نہیں۔ جیسے اس وقت یہاں ہٹ نکل جانا چاہیے۔“

تھیوسانگ نے جلدی جلدی لڑکی کی رسی کھول کر اسے آزاد کیا اور بڑا۔

آب تم آگے آگے چلو کیونکہ تمہیں سرنگ تک جانے والے راستہ کا

پتہ ہے۔“

نیلی لڑکی نے اندھیرے میں تھیوسانگ کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے دیوار  
کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ تھیوسانگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ تاریک  
راہ داری کے بالکل آخر میں پہنچے تو وہاں سے اندھیرے میں ایک ٹھکان  
نیچے اتر رہی تھی۔ نیلی لڑکی نے سرگوشی میں کہا۔

”یہی وہ سرنگ ہے جو زمین کے اندر سے ہوتی ہوئی مرگھٹ تک

جاتی ہے۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ وہ لوگ مرگھٹ سے لاش لے کر

ابھی واپس آئے ہیں کہ نہیں۔ اگر وہ راستے میں مل گئے تو کیا ہوگا۔“



تھیوسانگ نے سرگوشی میں کہا۔

”دیکھا جائے گا۔ تم آگے بڑھو“

دونوں اندھیرے میں ڈھلوان سے انزکرتنگ و تارک سرنگ نما غار میں داخل ہو گئے۔ سرنگ دور تک سنان اور ویران تھی۔ نیلی لڑکی نے کہا کہ کہیں کوئی پہرے دار نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ نیلے آدمی لاش کو لے کر واپس جا چکے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔ ہمیں تیز تیز چلنا چاہیئے۔ تھیوسانگ اور نیلی لڑکی نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ چلتے چلتے آخر وہ ایک جگہ پہنچے تو انہیں بارش کی آواز سنائی دی۔ نیلی لڑکی نے کہا۔ ”باہر بارش ہو رہی ہے۔ ہم چوتھرے کے دروازے پر پہنچنے ہی والے ہیں۔ تھیوسانگ خوش ہوا کہ اس لڑکی کو لے کر وہ بھی اس جہنم سے باہر نکل آیا۔ آخر وہ تھکے دروازے سے نکل کر مرگھٹ کے چوتھرے کے پاس آگئے۔ اس وقت بجلی چمکی تو نیلی لڑکی سہم کر تھیوسانگ کے ساتھ لگ گئی۔ کیوں کہ چوتھرے پر وہی ٹھکنے ہندو کا مڑوہ بے حس و حرکت بڑا بارش میں بھیگ رہا تھا۔



اس کے بعد کیا ہوا؟ عین پر سمندر میں پتھر کے ساتھ زنجیر سے بندھے جمے کیا گزری۔ کیٹی، بجل پری کے روپ میں کہاں سے کہاں نکل گئی۔ اور عین سیاہ نقش بن کر باد بانی جہاز کے پندرے سے لگا کہاں گیا، ان سوالوں کے سنسنی خیز اور انتہائی دل چسپ جواب آپ کو عین ناگ ماریا کی پراسرار داستان کی اگلی قسط نمبر ۱۲ ”آہیں چیخ میں ملیں گے“



## میرے نام

پیارے انکل اے حمید صاحب مدد بخش رہیں۔

استلام علیکم!

آج میں آپ کو پہلی مرتبہ خط لکھ رہا ہوں۔ آپ کے ناول میں بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ کیونکہ آپ کے ناولوں میں جو طلسم ہے وہ ہمیں جکڑ کر رکھ لیتا ہے۔ آپ کے اس ماہ کے ناول ”خوانی رازہ“ ”سرکٹا ناگ“ ”عینر کی قبر“ بہت دلچسپ رہے۔ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ پلینر میرے ایک سوال کا جواب ضرور دیں کہ کیا عینر ناگ، ماریا، کیٹی اور تھیوسانگ واقعی زندہ ہیں۔ اور کیا آپ ان سے ملاقات کیچکے ہیں؟ اس کا پسچ پاسخ جواب دیجئے۔ ایک شکایت یہ ہے کہ آپ کے ناول مارکیٹ میں بہت دیر سے آتے ہیں۔ ہمیں نئے ناولوں کا شدت سے انتظار رہتا ہے بلکہ آپ کے ناول مارکیٹ میں جلد نہیں آتے۔ جس سے ہمیں ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ پلینر انکل ناول ہر ماہ کی یکم تاریخ کو مارکیٹ میں بھیج دیا کرو۔ اور آئندہ انکل عینر ناگ ماریا کی مکمل فہرست مجھے ضرور بھیجیں۔ میں بے چینی سے انتظار کروں گا۔ ویسے ایک بات نوٹ کر لیں کہ عینر ناگ، ماریا، کیٹی، تھیوسانگ حقیقت میں نہیں ہیں۔ یہ آپ ہم بچوں کو دھوکہ دے کر لوٹ رہے ہیں۔ اگر یہ واقعی زندہ ہیں تو آپ کو کیسے پتہ چلتا ہے۔ جب کہ عینر کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ویسے اگر آپ کے پاس کوئی



ثبوت ہے تو وہ ثبوت بتائیں اور ہاں ویسے میں ہر ماہ آپ کے ناول خرید کر پڑھتا ہوں گا۔ اس لیے ناراضگی معاف۔

فقط عنبر ناگ ماریا کی کہانیوں کا شوقین

خالد حسین مکلان نمبر ۲۰۲ E - بھٹہ کوٹ عارف آباد نزد جامعہ مسجد خفیہ۔ بیدیاں روڈ لاہور

دوسرے پر سہاگہ اس کی طاقت بھی چھنتی رہتی ہے۔ اُمید ہے آپ بری شکایت پر غور کریں گے۔

فی امان اللہ

فقط فہیم الزمان گلی ۳۱ کوادر نمبر ۳۱ سیکٹر بی ۲۵ کوئٹہ کراچی۔

جناب اے حمید صاحب السلام علیکم

بعد سلام عرض ہے۔ میں آپ کا پرانا قاری ہوں میں نے آپ کی موت کے تعاقب اور واپسی کی پوری قسطیں پڑھی ہیں۔ اور اب خلا والی قسط سانپ کا قیدی پڑھ کر آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ آپ کے قلم کا میں شروع ہی سے محترف رہا ہوں بلاشبہ آپ ایک عظیم قلم کار ہیں۔ اتنا تاریخی مواد غالباً آج تک کسی نے اپنے ناولوں میں بیان نہیں کیا۔ آپ سے چند شکائتیں تھیں۔ وہ یہ کہ آپ ہندوستان کی تاریخ اور مہر وغیرہ تو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ جہاں تک میں نے دیکھا آپ مسلمانوں کی تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ جنگ عظیم کے واقعے تو آپ کے ناولوں میں بکثرت ہوتے ہیں۔ لیکن صیہبی جنگوں کا کوئی ذکر نہیں۔ مسلمان ہندوؤں کے بجائے آپ سادھو، جوگیوں اور پنڈتوں کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ مسلمان تاریخ کے عظیم فاتحوں میں سے ہیں۔ اور یہ کہ آپ جبر سے بڑی نا انصافی کرتے ہیں اور حالانکہ وہ سیریز کا ہیرو ہے۔ اس لیے آپ نے بالکل دبا دیا ہے۔

پیارے انکل اے حمید صاحب صدا پھولوں کی طرح مسکراتے ہیں۔ السلام علیکم! میں آپ کے ناول بڑے شوق سے پڑھتا ہوں کیونکہ آپ کے ناول بہت ہی دلچسپ حیرت انگیز۔ روٹنگٹے کھڑے کر دینے والے نصیحت آموز ہیں۔ میں نے آپ کے تقریباً ۲۲۲ ناول پڑھے ہیں۔ اور اب ہر ماہ آپ کے نئے ناولوں کے آنے کا مجھے شدت سے انتظار رہتا ہے۔ میں ایک ایک لمحہ گن گن کر گزارتا ہوں کہ کب مہینہ ختم ہو کہ آپ کے نئے ناول پڑھوں۔ برائے مہربانی آپ سے نہایت ہی معصومانہ کہہ رہا ہوں۔ استدعا کرتا ہوں کہ آپ ہر ماہ تقریباً پانچ ناول بھیجا کریں جس سے آپ کو وہ قصہ سناتا ہوں جس کی بناء پر میں نے آپ کے نصیحت آموز ناول پڑھنے شروع کیے۔ میری بڑی باجی سکول ٹیچر ہیں ایک دن انہوں نے آپ کا ایک ناول خریدا تھا وہ میں نے پڑھا تو وہ بہت ہی مجھے اچھا لگا۔ اچھا انکل آپ یہ تو بتائیں کہ ناگ، عنبر، ماریا واقعی جیتے جاگتے انسان ہیں یا کہ یہ کردار ہیں۔ برائے مہربانی میری طرف لکھیں اگر واقعی یہ جاگتے انسان ہیں تو برائے مہربانی آپ ان کی ملاقات میرے



ساتھ کرائیں اچھا اب اجازت چاہتا ہوں۔ میری طرف سے ناگ حنبر  
 و عتیرہ کو بہت بہت سلام قبول ہو۔ خدا حافظ  
 رضا محمد شاہ لاہوری ایڈیٹورز ایکبسی قاضی سسٹریٹ پشاور صدر۔

اور پندرہ تاریخ کو آئی ہے اور آپ دیر سے کیوں بھیجتے ہیں جلدی بھیجا  
 کریں اور کہانیاں بھی جلدی لکھا کہیں۔ آج کل آپ کی کہانی دیر کھڑی آتی  
 ہے جلدی بھیجا کریں۔ اور آپ کی کہانی خلائی گھڑی کا قیدی شائع نہیں  
 ہوئی ہے۔ اور آپ نے غیبی لاش میں لکھا تھا۔ خلائی گھڑی کا قیدی کا شائع  
 ہونے کا بتا دوں گا۔ کہانیاں آپ جلدی شائع کریں بشکریہ۔

فقط والسلام

عمران احمد خان ہفتم اسے۔ حافظ البختیزنگ ورکس۔ نزد تھل سینما بھکر۔

محترم جناب اسے حمید صاحب! آداب و سلام!  
 عنبر ناگ، ماریا کا موت کا تعاقب اور واپسی کی تمام اقساط جواب تک  
 شائع ہو چکی ہیں۔ پڑھ چکا ہوں۔ میں آپ سے ہرگز۔ یہ سوال نہ کروں گا  
 کہ آیا ان میں کچھ حقیقت ہے یا نہیں کیونکہ بندے کا خود بھی ایک اندازہ  
 ہوتا ہے۔ اب ان تینوں کہ وادوں کا خلا میں آپ نے جو سفر کرنا  
 شروع کیا ہے۔ وہ خاصی اچھی کاوش معلوم ہوتی ہے۔ اس  
 سے ایک تو معلومات میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے اور مزید نئی نئی  
 باتیں معلوم ہو رہی ہیں۔

آپ کے ناولوں کی تعریف کہنا سوزج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے

اسرنا تھ دہلوی۔ شام نگر۔ چوہدری لاہور۔

میرے پیارے انکل اسے حمید  
 السلام علیکم۔ میں نے آپ کی لکھی ہوئی قسط وار کہانی خطرناک  
 تجربہ اور سانپ کا قیدی پڑھیں۔ بے حد پسند آئیں انکل آپ نے یہ قسط وار  
 کہانی بہت ہی لمبی لکھی ہے جس کی اب تک ایک سو سے اوپر قسطیں  
 شائع ہو چکی ہیں اور ابھی مزید آپ ہمارے لیے لکھ رہے ہیں یہ تو آپ  
 کی ذہانت ہے کہ آپ نے پتھوں کے لیے اتنی دلچسپ حیرت انگیز  
 اور طویل داستان محنت اور لگن کے ساتھ لکھنے کی سعادت حاصل کی  
 دعا ہے کہ آپ عنبر ناگ ماریا کی کہانیاں ہمارے لیے اسی محبت اور  
 لگن کے ساتھ لکھتے رہیں آپ عنبر ہوشیار کی ایک بڑی تصویر بھیجیے۔  
 خدا حافظ

عمران احمد گورنمنٹ ہائی سکول میرا ڈیرہ غازی خان۔

پیارے انکل اسے حمید صاحب  
 السلام علیکم! آپ کی نئی عنبر ناگ۔ ماریا پڑھی یعنی خوبی راز۔ اور  
 عنبر کی قبر پڑھی۔ بہت اچھی تھی۔ آپ کی عنبر ماریا ناگ ایک میٹھے



# عنبر، ناگ، ماریا

خوبصورت جلد میں حاصل کیجیے!

کتابوں کی قیمت: جلد کی قیمت: ڈاک خرچ:

پہلی جلد: عنبر، ناگ، ماریا ع ۶ : ۳۰/۰۰ ۶/۰۰ ۵/۰۰

کل رقم ۴۴ روپے ہوتی ہے۔

لیکن ہم آپ کو یہ جلد صرف ۳۰ روپے میں مہیا کریں گے۔

جلد مفت اور ڈاک خرچ بھی ادارہ ادا کرے گا۔

دوسری جلد ۷ تا ۱۲ ۳۰/۰۰ روپے

تیسری جلد ۱۳ تا ۱۸ ۳۰/۰۰ روپے

چوتھی جلد ۱۹ تا ۲۴ ۳۰/۰۰ روپے

اسی طرح

آپ چاروں جلدیں گھر بیٹھے منگوا سکتے ہیں۔

چار جلدیں اکٹھی منگوانے پر مزید رعایت یعنی ۱۲ روپے کی

بجائے صرف ۱۱ روپے بذریعہ منی آرڈر بھجوائیں۔

بذریعہ وی پی یہ جلدیں ارسال نہیں کی جائیں گی۔

نیا مکتبہ اقرا

۴۱/بی، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور



نوناگ مارا (۱۳۵)

# آسیح

۱۷ جلد

PDFBOOKSFREE.PK



نوناگ مارا





**PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY**  
**[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)**



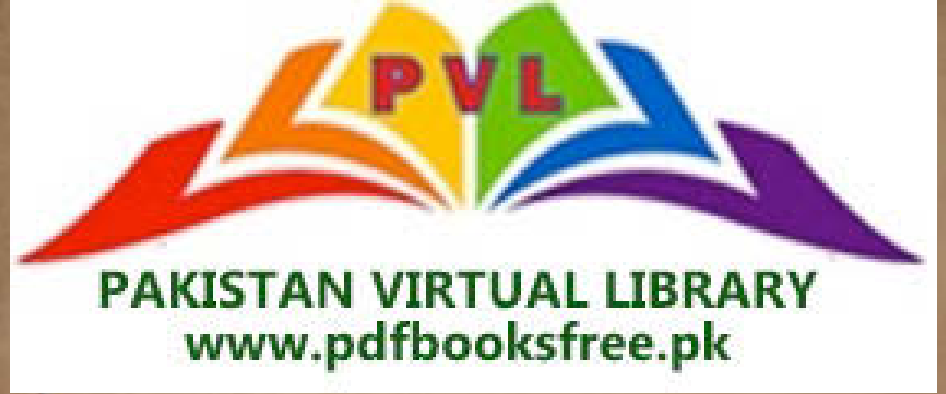
عقبرنگ ماریا اور کٹی خلا میں

آسیبی چرخ

اے حمید



قیمت : ۴/۵۰



پیارے دوستو! عزیز نگ ماریا اور کیٹی جیو سا نگ کے طویل واپسی کے سفر کی دلچسپ داستان کی ایک سو پینتیسویں قسط آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہو رہا ہوں مجھ سے اکثر دوست سوال کرتے ہیں کہ یہ داستان کچی ہے کیا؟ میں چلے بھی جواب دے چکا ہوں اور اب بھی یہی کیوں لگا کر اسے ایک دلچسپ داستان سمجھ کر پڑھیں جس میں آپ کے لئے دلچسپ اور حیران کر دینے والے واقعات ہی ہیں۔ ماڈرن سائنسی معلومات بھی ہیں قدیم تاریخ کے صحیح واقعات بھی درج ہیں اور آپ کو ساتھ ہی ساتھ زندگی میں آگے چل کر کام کرنے والی اچھی اچھی باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے زیادہ آپ کو اندر کیا چاہیے؟ اسے ماڈرن زمانے کی الف لیلا سمجھ کر پڑھیں جو آپ کی معلومات میں اضافہ بھی کرتی ہے اور آپ کے تخیل کی صلاحیتوں کو اجاگر بھی کرتی ہے۔ خاص نمبر پسند کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ آپ دوستوں نے خاص نمبر کو جس محبت اور پیار سے پسند کیا ہے اس کے لئے میں شکر گزار بھی ہوں اور میری حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے۔

۴۵۴-۷ راہ چمن - سمن آباد لاہور

آپ کا

اے حمید

تمام حقوق بحق پبلشرز محفوظ رہے  
۱۹۸۶ء  
ناشر : نیا مکتبہ اقدار، ۱۲ بی ٹی ٹاؤن، لاہور  
طابع : قادیان پرنٹرز، آبشار کلاں، قادیان



## دُرگامندر کا پتھر

گول مٹول ہندو کی لاش بے حس و حرکت پڑی تھی۔

تھیوسانگ اور نیلی لڑکی اسے جھک کر دیکھ رہے تھے۔ نیلی لڑکی نے تھیوسانگ سے کہا: مجھے حیرانی ہے کہ ہمارے آدمی یہاں آئے تھے تو یہ لاش یہاں کیوں چھوڑ گئے؟ تھیوسانگ بولا: ہو سکتا ہے وہ ابھی اس کو ٹھہری میں نہ آئے ہوں۔ اتنے میں لاش نے آنکھیں کھول دیں اور تھیوسانگ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: "وہ آئے تھے مگر میں نے اپنی لاش انہیں نے جانے نہیں دی۔"

نیلی لڑکی چیخ مار کر کوٹھڑی سے باہر اندھیری رات میں بھاگ گئی۔ تھیوسانگ نے زور سے ہاتھ جھٹک دیا۔ لاش اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی: "اب تم کہاں جا رہے ہو؟"

تھیوسانگ نے جلدی سے اپنی انگلی لاش کی گردن سے لگا دی۔ لاش نے ہنس کر کہا:

## ترتیب

- دُرگامندر کا پتھر
- سانپ کی ڈبیا
- جہاز کیسا تھا؟
- پراسرار چاپ
- آسیبی چیخ



یہ جادو مجھ پر نہیں چلے گا تھیوسانگ! تم اپنی خیر منادو  
 تھیوسانگ بھی باہر دوڑ پڑا۔ باہر ہلکی بارش ہو رہی تھی۔  
 تھیوسانگ نے دیکھا کہ نیلی لڑکی مردے جلانے والے چبوترے پر  
 سہی بیٹھی تھی۔ تھیوسانگ نے اسے آواز دی:  
 "شیشان کے دروازے کی طرف بھاگو۔"  
 نیلی لڑکی اور تھیوسانگ شیشان کے پرانے دروازے کی طرف  
 دوڑے جو مہنی وہ دروازے میں پہنچے ٹھکنی لاش وہاں پیلے  
 موجود تھی۔

تم کہاں جا سکتے ہو۔ اب مجھ سے بچ کر۔

اور اس کے ساتھ ہی لاش نے دونوں کو گردنوں سے پکڑا  
 اٹھا لیا۔ لاش کے ہاتھوں میں آتے ہی تھیوسانگ اور نیلی لڑکی  
 دونوں نیم بے ہوش سے ہو گئے۔ ٹھکنے بندر کی لاش ان کو لے  
 کر آسمان کی طرف پرواز کر گئی۔ بہت جلد وہ سری لنکا کے  
 جزیرے سے باہر نکل آئی اور سمندر کے اوپر پرواز کرنا شروع  
 کر دیا۔ یہ سمندر جزیرہ سری لنکا کے چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔  
 اس کی ایک طرف بحیرہ ہند اور قلعہ بنگال کا سمندر تھا اور  
 دوسری طرف بحیرہ عرب اور نیچے بحیرہ کابل کا وسیع سمندر تھا  
 لاش نے تھیوسانگ اور نیلی لڑکی کو کافی بلندی پر سے سمندر  
 پھینک دیا۔ تھیوسانگ اور نیلی لڑکی بادلوں میں سے

کر گذرتے نیچے ہی نیچے گرٹے چلے گئے۔ تیز ہوا کے تھپڑے  
 ان کے جسم کو ادھر ادھر اچھال رہے تھے۔ آخر وہ سمندر میں  
 گر گئے۔ تھیوسانگ نے نیلی لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ سمندر میں  
 گرتے ہی انہیں پوری طرح سے ہوش آ گیا تھا۔ تھیوسانگ  
 نے نیلی لڑکی کو پانی کے اندر ہی اندر کاندھوں سے اٹھا کر  
 اوپر کی طرف لے جانا شروع کر دیا۔ اس خیال سے کہ اگر نیلی  
 لڑکی پانی میں زیادہ دیر رہی تو ٹھپ کر مر جائے گی۔ تھیوسانگ  
 نیلی لڑکی کو سمندر کی سطح پر لے آیا۔ اس نے چاروں طرف نگاہ  
 ڈوڑائی۔ کہیں کوئی خشکی کا کنارہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہر طرف  
 سمندر ہی سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ نیلی کو تھیوسانگ نے ایک  
 بازو کی مدد سے اچھی طرح سنبھال رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے  
 وہ تیر رہا تھا۔ یونہی اس نے ایک طرف تیرنا شروع کر دیا  
 تھا۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کے آگے کوئی جزیرہ ہے  
 بھی کہ نہیں۔

کافی دیر تک سمندر میں تیرتے رہنے کے بعد جب رات کی  
 تاریکی دور ہوئی اور دن کی روشنی پھیل گئی تو تھیوسانگ نے دُور  
 ایک جگہ سمندر میں چٹانیں اُبھری ہوئی دیکھیں۔ تھیوسانگ نے  
 ان کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ قریب پہنچ کر اس نے دیکھا  
 کہ یہ سیاہ چٹانیں ایک گول دائرے کی شکل میں سمندر میں  
 سے باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان سمندر ایک چھوٹی



سی جیل کی طرح گھبرا ہوا تھا۔ تھیوسانگ نے بڑی شکل سے نیلی لڑکی کو سمندر میں سے نکال کر ایک چٹان کے قریب پتھروں پر ڈال دیا۔ وہ نڈھال تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پوری طرح جوش میں آئی تو چاروں طرف دیکھ کر بولی :

ہم کہاں آ گئے ہیں تھیوسانگ؟

تھیوسانگ نے کہا :

ہم سمندری چٹانوں پر ہیں۔ کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ یہ چٹانیں کس علاقے میں ہیں؟

نیلی لڑکی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دھوپ نکل آئی تھی۔ نیلی لڑکی نے چٹان کے اوپر جا کر جنوب کی طرف نگاہ دوڑائی اور بولی :

"میں یہ سمندر پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔"

تھیوسانگ مایوس ہو کر نیلی لڑکی کے ساتھ چٹان سے نیچے اتر آیا۔ ان چٹانوں پر انہیں دو دن گزر گئے۔ اس دوران وہ سمندر سے مچھلیاں پکڑ کر کچی ہی کھاتے رہے۔ ایک روز بادش ہو گئی اور انہوں نے بادش کا پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی۔ ایک جگہ پتھر جوڑ کر انہوں نے بادش کا پانی جمع بھی کر لیا۔ تیسرے روز تھیوسانگ نے دور سے ایک بہت بڑی بادشاہی کشتی کو سمندر میں تیرتے دیکھا۔

وہ دیکھو۔ کشتی۔ ہمیں ان لوگوں کو اپنی طرف بلانا

چاہیے۔

یہ کہہ کر تھیوسانگ نے چٹان کے اوپر چڑھ کر زور زور سے بازو ہلاتے اور آوازیں دینی شروع کر دیں۔ یہ بڑی کشتی ماہی گیروں کی تھی۔ انہوں نے ایک آدمی کو چٹان پر ہاتھ پکڑا دیکھا تو کشتی لے کر وہاں آ گئے۔ ماہی گیروں نے تھیوسانگ اور نیلی لڑکی کو کشتی میں بٹھا لیا اور انہیں بتایا کہ وہ لکڑی کے دیپ کے ماہی گیر ہیں اور دو روز سے سمندر میں مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔ تھیوسانگ نے انہیں کہا کہ ہم بھی لکڑی کے دیپ کے ہی رہنے والے ہیں۔ کشتی میں سمندر کی سیر کو نکلے تھے مگر طوفان میں گھر گئے اور کشتی الٹ گئی۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر ان چٹانوں تک پہنچے ہیں۔ تھیوسانگ واپس سری لنکا نہیں جانا چاہتا تھا۔ لکڑی کے دیپ وہاں سے ایک دن کے سمندری سفر پر تھا اور یہ وہی جزیرہ تھا جس پر چٹانی رانی اور گندھرب راجہ حکومت کرتا تھا۔ چٹانی رانی وہی عورت تھی جس نے اپنے اندر ماریا کی روح کو قید کر رکھا تھا۔ تھیوسانگ کو اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔

ماہی گیروں کی کشتی میں سوار ہو کر تھیوسانگ اور نیلی لڑکی شام کے وقت لکڑی کے دیپ کے جزیرے میں پہنچ گئے۔ لکڑی کے دیپ کے جزیرے آج بھی ہندوستان کے جزیرے میں ہے۔



وجود ہیں۔ ان دونوں پر جو میرے اتنے آباد نہیں تھے۔ صرف  
ایک جزیرے پر لوگوں کی آبادی تھی جس پر راجہ گندھرب اور  
اس کی رانی چنتانی حکومت کرتی تھی۔ تھیوسانگ اور نیلی لڑکی  
نے رات لکش دیپ کی بندرگاہ کے قریب ایک جھونپڑی میں  
گزاری۔ دوسرے دن نیلی لڑکی نے تھیوسانگ سے کہا:

تھیو بھائی! یہاں سے ملک ہندوستان کو جہاز جاتے  
ہیں۔ ہندوستان میں ہمارے قبیلے کے لوگ غاروں  
کے اندر رہتے ہیں۔ میں وہاں جانا چاہتی ہوں۔ تم  
بھی میرے ساتھ چلو!

تھیوسانگ نے کہا:

میں تمہارے ساتھ ہندوستان جا کر کیا کروں گا؟ جانے  
کیوں ہندوستان جانے کو میرا دل نہیں چاہتا اگر تم  
چاہتی ہو تو جا سکتی ہو!

تھیوسانگ نے نیلی لڑکی کو ایک جہاز پر سوار کروا دیا جو  
ملک ہندوستان کی طرف جا رہا تھا۔ اب تھیوسانگ اکیلارہ گیا۔  
اکیلارہ کر اس نے عنبرناگ اور ماریا کیٹی کے بارے میں  
خبر کرنا شروع کر دیا کہ وہ کہاں ہوں گے۔ رات بھر وہ  
جھونپڑی میں بیٹھا اپنے دوستوں کے بارے میں غور کرتا رہا۔ دوسرے  
دن وہ لکش دیپ کے بازاروں میں گھوم پھر کر عنبرناگ پایا

اور کیٹی کی جستجو کرنے لگا۔

دوسری طرف لکش دیپ جزیرے کے شاہی محل میں راجہ  
گندھرب یعنی وہی جوگی گندھرب جس نے ماریا کو اپنی رانی  
کے ڈھانچے میں داخل کر کے اسے پھر سے زندہ کر دیا تھا  
تخت پر بیٹھا حکومت کرتا تھا۔ اس کی رانی چنتانی اس کے  
ساتھ تخت پر بیٹھی تھی۔ دونوں کی یہی خواہش تھی کہ وہ لکش دیپ  
کے راجہ رانی بن جائیں اور اس میں وہ کامیاب ہو گئے تھے۔  
جوگی گندھرب نے آتے ہی لکش دیپ کے اصلی راجہ اور رانی  
کو سازش کر کے قتل کروا دیا۔ وہ راجہ کے بیٹے راجکمار کو  
بھی مردانا چاہتا تھا مگر راج کمار بھیس بدل کر لکش دیپ کے  
گھنے جنگلوں کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک  
وفا دار غلام بھی تھا۔ راج کمار کی عمر بیس برس کے قریب  
تھی۔ راج کمار اپنے وفا دار غلام کے ساتھ لکش دیپ کے  
گھنے جنگل میں ایک جگہ چٹانی غار میں چھپا بیٹھا تھا۔ جوگی  
گندھرب بڑے ٹٹاٹٹے سے تخت پر بیٹھ گیا۔ اس نے بھاری  
لاٹھ دے کر وزیروں اور سپہ سالاروں کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔  
ان لوگوں کو جوگی گندھرب نے بہت ہی دولت اور شاہی محل  
بنوا کر دے دیئے۔ یہ سپہ سالار اور وزیر بھی راجہ گندھرب  
کے گن گانے لگے۔ مگر رعایا کو اپنے اصلی راجہ اور رانی کے



قتل کئے جانے اور راج کمار کے جان بچا کر بھاگ جانے کا بڑا دکھ تھا۔ لیکن فتح راجہ گندھرب کے ساتھ تھی اس لئے رعایا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ راجہ گندھرب یعنی جوگی نے اپنے منترؤں کے جادو کا بھی وزیروں پر رعب جما رکھا تھا وہ انہیں دیوار میں پانی کے کٹورے میں منتر پڑھ کر آگ لگا کر دکھاتا اور آگ کے انگارے آتھ میں رکھ دیتا دیوار میں بھی راجہ گندھرب کو کوئی اوتار سمجھنے لگے تھے اور کسی کی جراث نہیں تھی کہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھائے انہیں ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ انہیں راجہ گندھرب کی طرف سے عیش کرنے کے لیے سب کچھ مل رہا تھا۔

دوسری طرف راج کمار بے چارہ بڑی خستہ حالت میں اپنے وفادار غلام کے ساتھ لکش دیپ کے اندر گئے جنگل میں ایک چٹانی غار میں چھپا ہوا تھا۔ وہ اکیلا اپنے باپ دادا کا سخت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اور یہاں اس کی مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنے وفادار غلام کے ساتھ کسی اچھے وقت کا انتظار کر رہا تھا۔

رانی چنتانی کے جسم میں ماریا کی روح ضرور حلول کر گئی تھی مگر ماریا اس عورت کے جسم داخل ہونے کے بعد اپنے زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ رانی چنتانی جو کچھ سوچتی

وہی ماریا سوچتی تھی جو چنتانی رانی چاہتی تھی ماریا وہی اپنی زبان میں اور رانی کی آواز میں کہہ دیتی تھی۔ لیکن ماریا کی یادیں زندہ تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ وہ چنتانی رانی نہیں بلکہ ماریا ہے اور تھیوساگ سے بچکر گئی ہے اور یہ ساری کارستانی اس منکار جوگی کی ہے جو اب راجہ گندھرب بن کر تخت پر بیٹھا راج کرتا ہے۔ لیکن ماریا اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکتی تھی۔

اس دوران تھیوساگ ماریا ناگ عنبر اور کیٹی کو تلاش کرتے کرتے ناامید ہو گیا تھا۔ اس نے لکش دیپ سے واپس ملک سری لنکا جانے کا فیصلہ کر لیا کہ شاید وہیں جا کر عنبر ناگ ماریا کیٹی کا کوئی سراغ مل سکے۔ اس نے بندر گاہ پر جا کر پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ ایک مہینے کے بعد ایک بادبانی جہاز سری لنکا کی طرف جانے لگا۔ تھیوساگ نے بندر گاہ سے تھوڑی ہی دور درگا دیوی کے چھوٹے سے مندر کے ساتھ ہی اپنی ایک جھونپڑی بنالی تھی اور اسی جھونپڑی میں رہنے لگا تھا۔

جہاز کے چلنے میں ابھی دو دن باقی تھے کہ ایک روز تھیوساگ نے دیکھا کہ درگا دیوی کے مندر میں بڑی صفائی ہو رہی ہے اور پھولوں کے دروازے بنائے جا رہے تھے تھیوساگ کو معلوم ہوا کہ آج لکش دیپ کی رانی چنتانی درگا دیوی کے



درشن کرنے آ رہی ہے۔ تھیوساگ کو کہیں جانا تو تھا نہیں  
سوچا چلو شاہی جیلوس کی رہنمائی ہی دیکھنی چاہیے۔ تھیوساگ  
درگا دیوی کے مندر کے دروازے کے پاس ہی ایک طرف  
درخت کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد رانی چٹانی کی شاہی سواری آ گئی۔ آگے آگے  
ہمایوں کا دستہ تھا۔ رانی چٹانی ایک پانگی میں بیٹھی تھی  
جسے بارہ غلاموں نے اٹھا رکھا تھا۔ رانی کی پانگی تھیوساگ  
کے سامنے سے گزری تو ماریا کی اس پر نظر پڑی اور وہ  
بے چین ہو گئی۔ مگر وہ رانی چٹانی کے جسم اور ذہن اور  
اداسے کی قید میں تھی۔ ماریا نے تھیوساگ کو دیکھ تو لیا  
تھا۔ مگر وہ اپنی مرضی سے تھیوساگ کو آواز دے کر اپنی  
طرف نہیں بلا سکتی تھی۔ کیونکہ ماریا کا ارادہ رانی چٹانی کے  
ارادے کے ماتحت تھا۔ ماریا اکیلی اپنے طوطے پر کچھ نہیں  
کر سکتی تھی، لیکن تھیوساگ کو دیکھ کر ماریا کو بے حد تسلی  
ہوئی اور اس کا حوصلہ بلند ہو گیا کہ تھیوساگت لکٹ دیپ  
میں موجود ہے۔ ورنہ وہ تو بالکل ہی ناامید ہو چکی تھی۔

تھیوساگ نے رانی چٹانی کو دیکھا کہ شاہی لباس پہنے  
ہوئی شاہی سے پانگی پر سوار گردن اٹھانے لوگوں کو ٹھیک رہ  
تھی اور ان کے سلام کا ذرا سا سر ہلکا کر جواب دے رہی

تھی۔ تھیوساگ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ جس رانی کو وہ د  
رہا ہے اس کے جسم کے اندر ماریا بیٹھی ہے اور تھیوساگ  
سے بات کرنے کو بے تاب ہے۔ رانی کی سواری درگا دیوی  
کے مندر کے سامنے آ کر رُک گئی۔ رانی اپنی کنیزوں اور غلاموں  
کے ساتھ مندر میں داخل ہو گئی۔ رانی کے اندر داخل ہونے  
کے بعد ماریا سوچنے لگی کہ تھیوساگ کہیں یہاں سے چلا  
جائے۔ اگر وہ چلا گیا تو تھیوساگ سے پھر ملنا دشوار ہو جائے  
گا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ ماریا اپنی مرضی سے کچھ نہیں  
کر سکتی تھی۔

جب رانی چٹانی درگا دیوی کی پوجا کرنے کے بعد مندر  
سے باہر نکلی تو ماریا نے رانی کی آنکھوں سے دیکھا کہ مندر  
سے دھامٹ کر ایک جھونپڑا بنا ہے اور تھیوساگ اس  
جھونپڑے کے باہر کڑی کے تخت پر چپ چاپ بیٹھا گری  
سوتا میں گم ہے۔

ماریا خوب جانتی تھی کہ اس وقت تھیوساگ  
بھی اسی کے باسے میں سوچ رہا ہو گا۔ کاش! وہ اپنی مرضی  
سے اس کے پاس جا کر اسے بتا سکتی کہ میں ماریا ہوں۔  
رانی چٹانی یہیں ہوں۔ مگر وہ اپنی مرضی سے اپنے ارادے  
سے رانی کے پاؤں کو تھیوساگ کی طرف نہیں اٹھا سکتی تھی



بچ رہے تھے۔ محل پر خاموشی چھا رہی تھی۔ اس زمانے میں لوگ رات جوتے ہی سو جاتے تھے اور شاہی محلوں میں بھی رات دس بجے کے بعد سناٹا چھا جاتا تھا۔ رانی چنتانی شاہی خواب گاہ میں آکر اپنے شاندار پلنگ پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ پہلو بدلتی رہی۔ ماریا اس کے جسم کے اندر بیٹھی بے تابی سے رانی کے سو جانے کا انتظار کر رہی تھی۔

جب رانی کا جسم اور ذہن گہری نیند سو گیا تو ماریا نے اپنے ارادے کو پیار کیا اور رانی چنتانی کے سوئے ہوئے جسم کو شاہی پلنگ سے اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھی۔ رانی چنتانی اس وقت گہری نیند میں تھی۔ اس کا جسم سو رہا تھا اور ماریا کے ارادے سے سوتے میں چل رہا تھا۔ ماریا رانی کے جسم کو لے کر شاہی خواب گاہ کے خفیہ دروازے میں سے باہر نکل آئی۔ اطمینان سے اس نے ایک گھوڑا باہر نکالا۔ اس پر سوار ہوئی اور گھوڑے کا رخ درگا دیوی کے مندر کی طرف کر دیا۔ گھوڑا محل کی دیوار کے خفیہ دروازے میں سے نکلنے لگا تو دو پہرے دار تلواریں کھینچ کر اس کی طرف بڑھے۔ ماریا نے چہرے پر سے کپڑا ہٹا کر پہرے داروں کی طرف دیکھا۔ پہرے داروں کے سامنے رانی چنتانی گھوڑے پر سوار تھی رانی کو دیکھ کر پہرے داروں نے ایک دم سر جھکا دیا۔

ماریا کی بہت افسوسک بھری تھی۔ بے بسی تھی۔ ماریا کو دانا تھی۔

رانی چنتانی واپس محل میں آئی تو ماریا اپنے ذہن میں سوچنے لگی کہ وہ رانی چنتانی کے ارادے کی طاقت سے بول کر آزاد ہو کر تھیوسانگ سے ملاقات کر سکتی ہے؟ ماریا ایک ذہین اور تجربہ کار لڑکی تھی۔ اس نے ہزاروں برس کے رفر میں ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائی تھیں کہ ان کی وجہ سے ریا کے تجربوں اور عقل میں اضافہ ہوا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ رانی چنتانی پر وہ صرف اسی صورت میں اپنے ارادے سے قبضہ حاصل کر سکتی ہے جب رانی کا اپنا ارادہ سو گیا ہو اور یہ اسی شکل میں ہو سکتا تھا کہ جب رانی چنتانی سو رہی ہو۔ وہ اس وقت رانی چنتانی کو سوتے میں چلا کر درگا دیوی کے مندر کی طرف لے جا کر تھیوسانگ سے ملاقات کر سکتی ہے یہ بالکل ایسی بات ہو گی، جیسے بعض لوگ نیند میں بستر سے اٹھ کر چلتا شروع کر دیتے ہیں۔ اس میں ان کے ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور ان کا لاشعور انہیں چلا رہا ہوتا ہے۔

ماریا بے چینی سے رات کا انتظار کرنے لگی۔ آخر رانی چنتانی شاہی خواب گاہ کی طرف بڑھی۔ اس وقت رات کے دس



۱۸  
رانی پختانی کے جسم کو بے سر و سگ دیوی کے مندر کی طرف روانہ ہوئی۔

رات کے وقت درگا دیوی کے مندر پر سناٹا چھایا تھا۔ ماریا مندر کے پیچھے کی جانب آ گئی۔ پھر گھوڑے سے اتری اور رانی پختانی کا سویا ہوا جسم ساتھ لیے تھیوسانگ کی جھونپڑی کی طرف بڑھی۔ تھیوسانگ جھونپڑی کے اندر تخت پر لیٹا تھا اس وقت پختانی رانی کا جسم ذہن آواز اور سننے کی طاقت سب کچھ سو رہا تھا۔ صرف ماریا بیدار تھی۔ ماریا جھونپڑے میں داخل ہوئی تو تھیوسانگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اندھیرے میں اسے رانی دکھائی نہ دی۔ اس نے جلدی سے پوچھا:

کون ہو تم؟

ماریا نے کہا:

تھیوسانگ! میں ماریا ہوں۔

تھیوسانگ تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر رانی پختانی کی شکل تکے لگا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ یہ آواز ماریا کی نہیں تھی اور اس کے سامنے چہرہ بھی ماریا کا نہیں تھا۔ اس کے رو برو تو رانی پختانی کھڑی تھی۔ تھیوسانگ حیران ہوا کہ اگر یہ ماریا نہیں ہے تو پھر رانی پختانی کو کیسے معلوم ہوا کہ میں تھیوسانگ ہوں؟ ایک عجیب معر بن گیا تھا۔ ماریا نے

ایک بار پھر رانی پختانی کی آواز میں آہستہ سے کہا:  
"تھیوسانگ! میری شکل رانی پختانی کے جسم کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ میں رانی کے جسم میں طلسم کے ذریعے قید کر دی گئی ہوں۔ یہ ساری کارستانی راجہ گندھرب کی ہے جو اسل میں جادوگر جوگی ہے۔ اس نے رانی کے ڈھانچے کی کھوپڑی میں مجھے پکڑ کر ڈال دیا اور رانی پختانی اپنے اسلی رنگ روپ میں پھر سے زندہ ہو گئی اور یہ دونوں اب لکش دیپ پر حکومت کر رہے ہیں۔ میں اپنی مرضی سے رانی کے جسم کے اندر کوئی حرکت نہیں کر سکتی۔ صرف رانی کے سو جانے پر میرا ارادہ بیدار ہو کر رانی کے جسم پر کچھ دیر کے لیے قبضہ کر لیتا ہے۔ میں نے دن میں ممتیں دیکھا تھا جب رانی پختانی یہاں درگا دیوی کے درشن کرنے آئی تھی۔"

تھیوسانگ نے کہا:

"ماریا! تم کب تک اس مغوس رانی کے جسم میں قید رہو گی؟ ممتیں ہمارے ساتھ آگے چلنا ہے ابھی ہمیں عبرتناک کمیٹی کو بھی ڈھونڈنا ہے۔"

ماریا نے کہا:

"میں کیا کروں تھیوسانگ؟ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہی۔"



آ رہا۔ اگر اس وقت بھی رانی چنتانی کی نیند کھل گئی  
تو وہ ممتیں اسی بنگہ مار ڈالے گی کیونکہ اس کے  
پاس طلسم ہے اور وہ سمجھ جائے گی کہ میں ہی اسے  
یہاں تک لائی ہوں وہ مجھے تو کچھ نہیں کہہ سکتی  
کیوں کہ میں اس کی روح ہوں لیکن وہ کسی ایسے  
شخص کو کبھی زندہ نہیں رہنے دے گی جو مجھے اس  
سے جدا کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

تھیوسانگ نے جھونپڑی کے باہر جا کر دیکھا کہ کہیں کوئی  
جاسوس تو ماریا کے پیچھے پیچھے وہاں تک نہیں آیا۔ باہر  
تاریک اور سناں تھی۔ کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا تھا  
تھیوسانگ نے واپس آکر ماریا سے کہا:

ماریا! تم جیسے بھی ہو یہ معلوم کرنے کی کوشش  
کرو کہ تم رانی کے جسم سے کیسے باہر نکل سکتی ہو  
میں اسی جھونپڑے میں رہوں گا۔

ماریا نے ناگ اور خنبر کے بارے میں دریافت کیا تھا  
نے جو سمجھ اور جتنا کچھ اسے معلوم تھا اس نے ماریا  
بتا دیا اور کہا:

اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات  
کی ہے کہ ممتیں اس منحوس عورت کے جسم سے  
نکالا جائے۔

ماریا نے کہا:

ممتیں یہاں دیکھ کر میرا حوصلہ بلند ہو گیا ہے میں  
کسی طریقے سے اس راز کو معلوم کرنے کی کوشش  
کروں گی جس کی مدد سے میں رانی کے جسم سے  
باہر نکل سکوں۔ اچھا اب میں جاتی ہوں۔ کیونکہ مجھے  
محسوس ہو رہا ہے کہ رانی چنتانی نیند سے بیدار ہو  
رہی ہے۔

یہ کہہ کر ماریا رانی چنتانی کی شکل میں جھونپڑی سے باہر  
نکل گئی۔ تھیوسانگ بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ مندر کے  
قریب ہی رانی کا گھوڑا موجود تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئی  
اور گھوڑا شاہی محل کی طرف دوڑنے لگا۔ تھیوسانگ اس  
وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک کہ ماریا اندھیرے میں گم  
نہ ہو گئی۔ پھر وہ جھونپڑی میں آیا اور بڑا حیران ہوا کہ یہ  
ماریا کس مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ کیا وہ کبھی رانی چنتانی  
کے جسم سے باہر آ سکے گی یا نہیں؟ تھیوسانگ کو یہ کام  
بڑا مشکل لگتا تھا۔ ماریا کو رانی کے جسم میں گنڈھرب نے  
طلسم کے ذریعے داخل کر رکھا تھا۔ اس طلسم کا توڑ کوئی  
دوسرا طلسم ہی ہو سکتا تھا۔ مگر یہ طلسم کہاں سے حاصل کیا  
جائے؟ اس سوال کا جواب تھیوسانگ کے پاس نہیں تھا۔

تھیوسانگ اسی پریشانی میں جاگتا رہا۔ رات گزر گئی اور



۲۲  
 تھیوسانگ جھونپڑے سے نکل کر جنگل کی طرف چلا۔ وہاں  
 ایک پتے پر بیٹھا۔ تھوڑے سے جنگل پھل توڑ کر کھائے۔  
 اگرچہ اسے اس کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔ اب چوں کہ  
 تھیوسانگ کو علم ہو گیا تھا کہ ماریا اس شہر میں موجود ہے  
 اس لئے وہ بے چین ہو رہا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے  
 ماریا کو اس مشکل سے نکالا جائے۔ لیکن تھیوسانگ کی سمجھ میں  
 نہیں آ رہا تھا کہ ماریا کو رانی کے جسم سے کیسے نکالا جائے  
 اس کا متر صرف رانی کے مکار راجہ جوگی گندھرب ہی  
 کو معلوم تھا اور اس کا سراغ ماریا ہی کسی طریقے سے  
 لگا سکتی تھی۔ تھیوسانگ کچھ دیر جھونپڑی میں بیٹھا رہا۔ پھر  
 وہاں سے نکل کر راجہ کے محل کی طرف نکل گیا۔  
 شاہی محل شہر کے کنارے پر ایک اونچی جگہ پر واقع تھا  
 تھیوسانگ دور سے محل کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بندر گاہ کی  
 جانب آ گیا۔ یونہی بے چینی سے پھرتے پھرتے رات ہو گئی  
 وہ مندر میں چراغ روشن تھے اور لوگ پوجا کرنے آ رہے  
 تھے۔ مندر میں گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ جوں جوں رات گزرتی  
 گئی۔ مندر کی گھنٹیاں خاموش ہو گئیں۔ مندر میں سونا  
 دے پتے کا لے پکاری کے اور کوئی بھی وہاں  
 نہ تھا۔ پکاری بھی چاندی کے سکتے تھیلی میں سنبھال کر

اپنی کوڑھی بند کر کے سو گیا۔ اب ہر طرف سناٹا چھا گیا۔  
 رات بھر تھی۔ درختوں کے اوپر آسمان پر تارے چمک  
 رہے تھے۔  
 موسم خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ تھیوسانگ  
 جھونپڑی کے باہر تخت پر لیٹا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی  
 تھیں اور وہ درختوں کی ٹہنیوں کی طرف تک رہا تھا جن  
 میں سے تارے چمکتے نظر آ رہے تھے۔ رات کے اس  
 گہرے سناٹے میں تھیوسانگ کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی  
 دبے پاؤں خشک پتوں پر چلا آ رہا ہے۔ تھیوسانگ سمجھا  
 کہ شاید کوئی درندہ ہے جو جنگل میں سے ادھر شکار کی تلاش  
 میں نکل آیا ہے۔ اس نے تخت پر لیٹے لیٹے چہرہ ایک  
 طرف گھما کر دیکھا۔ اسے درختوں کے نیچے اندھیرے میں ایک  
 انسانی سایہ مندر کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ تھیوسانگ  
 اندھیرے میں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ جب یہ سایہ قریب آیا  
 تو تھیوسانگ نے دیکھا کہ وہ ایک ٹھگنے کا آدمی تھا جس  
 نے اپنا چہرہ کالی چادر میں چھپا رکھا تھا۔ وہ ادھر ادھر  
 دیکھتا مندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تھیوسانگ سمجھا کہ یہ کوئی  
 چور ہے جو درگا دیوی کی مورتی چرانے آ رہا ہے۔ اس قسم کی  
 چوریوں کا قدیم ہندوستان میں ہوتا رہتا تھا۔ کیوں کہ مورتیاں عام



طور پر سوتے چاندی کی بوتلی تھیں۔ تھیوسانگ تخت پر بے حس  
لیتا ایک طرف گردن کئے اس پر اسرار شخص کو غور سے  
دیکھ رہا تھا۔

پراسرار آدمی اندھیرے میں دبے پاؤں چلتا درگاہ مندر کے  
پتھر کے دیبے کے پاس آکر جلدی سے بیٹھ گیا۔ اب تھیوسانگ  
کو ایسی آواز سنائی دی جیسے زمین کے پتھر کو اکھاڑا جا رہا  
ہے۔ تھیوسانگ حیران ہوا کہ یہ پراسرار آدمی آدمی رات  
کو محض مندر کی سیڑھی کا پتھر اکھاڑنے ہی آیا ہے۔ یہ آدمی  
زمین کے پاس بیٹھا لوہے کی سلاخ سے ایک چھوٹے پتھر کو  
باہر نکال رہا تھا۔ پھر اس نے پتھر کو ایک تھیلے میں ڈالا  
اور اسی طرح دبے پاؤں جنگل کی طرف واپس ہٹا۔ تھیوسانگ  
کو ویسے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ اور رات بھی نہیں گذر  
رہی تھی۔ سوچا کیوں نہ اس آدمی کا پیچھا کر کے پتہ چلایا جائے  
کہ یہ مندر کی سیڑھی کا پتھر اکھاڑ کر کہاں لے جا رہا ہے؟  
ہو سکتا ہے اس سے کوئی نیا راز معلوم ہو جائے اور یہ راز  
ماریا کے متعنے کو حل کرنے میں مدد دے۔

جب سیاہ چادر پوش پراسرار آدمی جنگل میں درختوں کے  
پیچھے ڈھونڈ چلا گیا تو تھیوسانگ اپنی جگہ سے اٹھا اور تعاقب  
میں شروع کر دیا۔ یہ جنگل بھی جزیرے کے دوسرے جنگلوں کی طرح

بہت گننا تھا۔ ایسے ایسے درخت تھے کہ جن کے تنوں پر  
نکیسے کانٹے آگے تھے۔ جنگل کا راستہ جھاڑیوں اور گھاس سے  
بھرا ہوا تھا۔ پراسرار آدمی ایک خاص راستے سے جا رہا تھا  
جہاں جنگلی جھاڑیاں زیادہ نہیں تھیں۔ تھیوسانگ نے اس  
آدمی کو اپنی نگاہ میں رکھا ہوا تھا۔ تھیوسانگ اسے اپنی غیر  
معمولی تیز نظر کی وجہ سے دیکھ رہا تھا۔

کئی کھڈناملے اور ٹیلے اور درختوں کے ذخیرے پار کرنے  
کے بعد پراسرار آدمی ایک بہت بڑی چٹان کے پیچھے جا کر  
غائب ہو گیا۔ تھیوسانگ تیزی سے وہاں پہنچا تو دیکھا کہ  
وہاں سوائے اونچی اونچی گھاس اور گھپ اندھیرے کے اور  
کچھ نہیں تھا۔ تھیوسانگ دوسری طرف چلنے ہی لگا تھا کہ اچانک  
اسے دو آدمیوں کے بات کرنے کی آواز سنائی دی۔ تھیوسانگ  
آواز کے سراخ پر آگے بڑھا۔ اس نے غور سے دیکھا تو  
سامنے والی جھاڑیوں کے پیچھے چٹان میں ایک غار تھا انسانی  
آواز اسی غار کے اندر سے آ رہی تھیں۔ تھیوسانگ کان  
لگا کر سننے لگا۔ ایک بھاری آواز والا آدمی کہہ رہا تھا۔

”راج کمار! میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جب  
میں نے درگاہ دیوی کے مندر کے زمین کا پتھر  
اکھاڑا تھا تو وہاں کوئی انسان موجود نہیں تھا۔“



راج کمار کی فوجوں نے درختوں کی تھکی سی آواز آئی:  
 "تم میرے وفادار غلام ہو۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ  
 ہے۔ لیکن میں اپنی قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر کسی  
 نے ہمارے اس غار کو دیکھ لیا تو راجہ کے سپاہی  
 یہاں پہنچ جائیں گے اور پھر ہماری گردنیں پھیلوں  
 میں ڈال کر راجہ کے دربار میں پیش کر دی جائیں گی۔  
 اب تھیوسانگ سب کچھ سمجھ گیا۔ یہ وہی راج کمار تھا  
 جس کے بارے میں مایا نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس  
 تخت کا وارث راج کمار ہے جو اپنی جان بچا کر جنگل کے  
 غار میں جا چھپا ہے اور جس کے ماں باپ کو راجہ گندھرب  
 نے قتل کر ڈالا ہے اور اب اس کی تلاش میں ہے تھیوسانگ  
 کو اچانک چھینک آگئی۔ ابھی وہ پھینک سے فارغ ہی  
 ہوا تھا کہ ایک دم سے وفادار غلام پھلانگ لگا کر اس  
 کے اوپر آن گرا۔ تھیوسانگ اس کے ساتھ ہی نیچے گر پڑا  
 غلام نے خنجر نکال کر تھیوسانگ کو مارا مگر تھیوسانگ نے  
 اسے خنجر سمیت دھکادیکہ پرے گرا دیا اور بولا:  
 "میں تمہارا دشمن نہیں دوست ہوں۔ مجھے راج کمار  
 کے پاس لے چلو۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔  
 وفادار غلام نے محسوس کیا کہ اسے جس زور سے دھکایا

گیا ہے یہ کسی عام آدمی کا کام نہیں تھا۔ اس شخص نے  
 خنجر معمولی طاقت ہے۔ اتنے میں راج کمار بھی تلوار: تھک گیا  
 لیے غار سے باہر نکل آیا۔ اس نے چلا کر کہا:  
 "پنڈاری! اسے قتل کیوں نہیں کرتے؟"

تھیوسانگ نے فوراً اپنے بازو اٹھا دیئے اور راج کمار  
 سے کہا کہ میں دوست ہوں۔ تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔ راج کمار  
 نے اچھل کر تھیوسانگ پر تلوار کا بھرپور وار کیا۔ تھیوسانگ نے  
 اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا کیوں کہ اپنی انگلی کٹ جانے کی صورت  
 میں وہ مر سکتا تھا۔ ویسے تلوار اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔  
 تلوار تھیوسانگ کے بازو پر لگی اور اس کا آدھا بازو کٹ  
 گیا۔ تھیوسانگ نے فوراً وہاں اپنا ہاتھ رکھ دیا اور  
 راج کمار سے کہا:

"میں اگر چاہوں تو ابھی تم دونوں کو چوہے سے بھی  
 چھوٹا بنا کر گھاٹی میں پھینک دوں مگر میں تمہاری  
 مدد کرنے آیا ہوں۔"

راج کمار اور اس کے غلام پنڈاری نے دیکھا کہ تھیوسانگ  
 کے بازو پر جہاں گہرا زخم لگا تھا وہاں سے خون باہر نہیں  
 بہہ رہا تھا۔ اس کے بعد جب تھیوسانگ نے بازو پر سے  
 اپنا ہاتھ ہٹایا تو بازو کا زخم جل گیا تھا۔ راج کمار اور اس کا



غلام دل میں ڈر گئے کہ یہ کوئی بڑا جادوگر ہے۔ راج کمار نے  
تواریخ نام میں ڈال لی اور تھیوسانگ کے قریب آکر کہا،  
”بھائی مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تمہیں غلط سمجھا  
تھا۔ تم کون ہو اور میری کیا مدد کر سکتے ہو؟“  
تھیوسانگ بولا: غار میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔  
غلام بھی ان کے ساتھ ہی غار میں آ گیا۔ یہاں راج کمار نے  
تھیوسانگ سے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی اور کہا کہ  
وہ دوسرے شہر کے ایک سوداگر کا اکلوتا بیٹا ہے اس کا بچھا  
اسے ہلاک کرنا چاہتا ہے اور وہ اپنی جان بچا کر یہاں آکر چھپا  
ہے۔ تھیوسانگ مسکرائے لگا:  
”تم راج کمار ہو۔ میں جانتا ہوں۔“



## سانپ کی ڈبیا

راج کمار اور پنڈاری غلام حیران رہ گئے۔  
وہ ایک دوسرے کا منہ سمجھنے لگے۔  
تھیوسانگ نے کہا:

”میں جانتا ہوں راج کمار کہ تمہارے ماں باپ کو اس  
جوگی گنہ گہب نے مار ڈالا ہے اور اب وہ تمہاری  
جان لینا چاہتا ہے اور تم اس سے بھاگ کر یہاں  
آ گئے ہو۔ اور یہ تمہارا غلام درگا دیوی کے مندر سے  
ایک پتھر اکھاڑ کر لایا ہے۔“

راج کمار نے تھیوسانگ کا ہاتھ تھام لیا اور بولا:  
”اب جب کہ تمہیں میرے بارے میں سب کچھ پتہ  
چل گیا ہے تو میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔  
لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے؟ تمہارے  
اندر اتنی طاقت کس منتر، کس جادو سے آگئی ہے  
کہ تم پر میری تلوار نے جو زخم لگایا وہاں سے خون



بھی نہیں نکلا اور آدھا کٹا ہوا بازو اپنے آپ  
بڑا گیا۔

تھیوسانگ کہنے لگا۔  
میل نام تھیوسانگ ہے۔ میں جادوگر نہیں ہوں۔  
ایک جوگی کی میں نے بڑی خدمت کی تھی۔ اس  
نے خوش ہو کر مجھ پر ایک منتر پڑھ کر پھونکا  
تھا جس کا یہ اثر ہوا ہے کہ اب مجھ پر تیر تلوار  
کا اثر نہیں ہوتا۔

پنڈاری غلام نے بڑے ادب سے کہا:  
تھیوسانگ! آپ نے ابھی کہا تھا کہ آپ اگر  
پا میں تو ہمیں چھوٹے چھوٹے چوہے بنا کر گھاٹی  
میں پھینک سکتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ میں  
یہ اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کا یہ جادو ہلکے  
بڑا کام آ سکتا ہے۔  
تھیوسانگ نے کہا:

یہ درست نہیں ہے۔ میں نے یونہی غم لوگوں کو  
ڈرانے کے لئے ایسا کر دیا تھا۔ میں کسی کو چوہا نہیں  
تاکتا۔

تھیوسانگ نے راج کمار سے سوال کیا:

راج کمار! کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ تم نے اپنے غلام  
پنڈاری کی مدد سے درگا دیوی کے مندر کی سیڑھیوں  
کا پتھر کیوں منگوا یا ہے؟

راج کمار نے ایک گمراہ سانس لیا اور بولا:

”تھیوسانگ! اب جب کہ تمہیں ہماری ایک ایک بات  
کا پتہ چل گیا ہے تو میں تم سے کچھ نہیں چھپانا  
چاہتا تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میرے ساتھ ظلم  
ہوا ہے اس جوگی گندھرب نے طلسمی منتروں کے  
زور سے میرے ماما پتا جی کو قتل کر کے تخت پر  
قبضہ کر لیا ہے جو میرا حق ہے۔ میں کسی کو مارنا  
نہیں چاہتا لیکن اپنا حق واپس لینا چاہتا ہوں۔“  
تھیوسانگ نے پوچھا:

”درگا مندر کا پتھر اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد  
کرے گا؟“

راج کمار نے کہا:

”مجھے میری ایک کنیز نے بتایا تھا کہ اگر درگا مندر  
کی سیڑھی کا پتھر لا کر اس پر سام دید کا منتر  
دس بار پڑھ کر پھونکا جائے تو پتھر کو جو کوئے وہ  
تمہارا حکم مانے گا۔“



تو تم کیا کہو گے پتھر سے؟ تھیوسانگ نے پوچھا۔

راج کمار بولا: تم خود ابھی سن لو گے۔  
یہ کہہ کر راج کمار نے پنڈاری کو اشارہ کیا۔ اس نے درگا  
مندر کی میڑھی کا پتھر لا کر سامنے رکھ دیا۔ راج کمار نے  
آنکھیں بند کر کے سام وید کے منتر کو پڑھنا شروع کر دیا۔  
پورے دس مرتبہ منتر پڑھ کر اس نے پتھر پر پھونک ماری  
اور پھر اسے حکم دیا۔

اے پتھر میرے حکم سے اٹھ۔ ہوا میں اڑتا ہوا  
شاہی محل میں جا اور ظالم راجہ کو ہلاک کر دے۔  
راج کمار نے بار بار یہ جملہ دہرایا مگر پتھر اپنی جگہ سے  
ڈرا بھی نہ ہلا۔ جب راج کمار بولتے بولتے پتھر کو حکم دیتے  
دیتے تھک گیا تو تھیوسانگ سے کہا:

تم کتنے نادان ہو۔ کبھی پتھر بھی ہوا میں اڑتے  
ہیں؟ انسان خود ہی ظالم کا مقابلہ کر کے اسے  
شکست دیتا ہے۔ تمہیں پتھر کی نہیں بلکہ عقل  
اور سوچ سمجھ کی ضرورت ہے۔

راج کمار نے ناامید ہو کر کہا:

میں تو سوچ سوچ کر تھک آ گیا ہوں میری  
سمجھ میں ایسی کوئی ترکیب نہیں آتی جس سے

میں اپنا حق ظالم جوگی راجہ سے واپس لے سکوں  
اور اس سے اپنے ماں باپ کے قتل کا بدلہ بھی  
لے سکوں۔

غلام پنڈاری نے تھیوسانگ سے مخاطب ہو کر کہا:  
جناب آپ اس سلسلے میں ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟  
راج کمار نے بھی کہا:

تھیوسانگ بھائی! تم ہماری مدد کرنے کو کہہ رہے تھے  
کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟  
تھیوسانگ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا:

”مجھ پر میرے جوگی بابا نے جو منتر پڑھ کر پھونک رکھا  
ہے اس کا تم لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔  
میں تمہاری اتنی مدد کر سکتا ہوں کہ تمہارے ساتھ  
مل کر شاہی محل میں گھس کر مکارہ جوگی راجہ کو گلا  
گھونٹ کر مار ڈالوں۔“

راج کمار نے کہا:

”اے ہم میں سے کوئی نہیں مار سکتا۔ کیوں کہ اس  
کے پاس ایسا جادو ہے کہ جو کوئی اس پر حملہ کرے  
گا خود ہلاک ہو جائے گا۔“

پنڈاری غلام نے کہا:



راج کمار جی! کیوں نہ ہم رانی چنتانی کو کسی طرح سے اغوا کر کے اس جنگل میں لے آئیں۔ پھر ہم جوگی راجہ سے اپنی بات منوا سکیں گے۔ کیوں کہ میں نے اتنا معلوم کر لیا ہے کہ جوگی راجہ رانی چنتانی کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتا۔ نہ جانے کیا بات ہے کہ وہ رانی چنتانی کی بے حد حفاظت کرتا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے

کہ رانی چنتانی میں ہی جوگی راجہ کی جان ہے۔ تھیوسانگ نے راج کمار کو بالکل نہیں بتایا تھا کہ رانی چنتانی کے جسم میں ماریا کی روح داخل ہے۔ اسے غلام پنڈاری کی یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے سوچا کہ اگر رانی چنتانی کو اغوا کر کے جنگل میں لے آیا جائے تو اس طرح ایک تیر سے دو نشانے لگائے جاسکیں گے۔ ایک تو رانی چنتانی کے پاس آ جائے گی اور دوسرے جوگی راجہ کا بھی کام تمام کیا جاسکے گا اور راج کمار کو بھی تخت واپس مل جائے گا۔ اس نے راج کمار سے کہا: پنڈاری کی تجویز بہت اچھی ہے راج کمار! ہمیں آج ہی رانی چنتانی کو اغوا کر لینا چاہیے۔ راج کمار مایوسی کے انداز میں کہنے لگا:

شاہی محل میں گھس کر رانی کو اغوا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مکار جوگی راجہ اس کی زبردست حفاظت کرتا ہو گا۔

اب تھیوسانگ کو یاد آ گیا کہ رانی چنتانی جب درگا کے مندر آئی تھی تو اس کے ساتھ فوج کا پورا دستہ تھا ویسے ماریا اس وقت بھی رانی کے جسم کو تھیوسانگ کے پاس لا سکتی تھی جب رانی سو رہی ہو۔ لیکن اب پتہ نہیں تھا کہ وہ ایسا کب کرتی ہے اور جیسا کہ ماریا نے کہا تھا اس میں خطرہ بھی ہے کہ اگر رانی کی آنکھ کھل جائے تو وہ اپنے سامنے جو بھی ہو اسے موت کے گھاٹ بھی اتار سکتی تھی۔

تھیوسانگ نے کہا:

”میں رانی کو اغوا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم اسی جگہ بیٹھے رہو۔ میں یہ سارا کام خود ہی کر لوں گا۔“

راج کمار اور پنڈاری نے تعجب سے تھیوسانگ کی طرف دیکھا:

”میرے دوست! تم اکیلے یہ کام کیسے کر سکو گے؟“  
تھیوسانگ نے کہا:



میں کوشش کروں گا۔  
پنڈاری بولا: میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ میں آپ  
کی حفاظت کروں گا۔ آپ ہمارے دوست ہیں۔  
تھیوساگ مسکرایا: مہتارا شکریہ پنڈاری! لیکن تمہارے  
جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

جب دن نکل آیا تو تھیوساگ نے راج کمار سے کہا:  
تم اسی غار میں میرا انتظار کرنا۔ میں آج شاہی  
محل میں کسی بھیس میں جاؤں گا اور رانی چنتانی  
کو اٹھا کر یہاں لے آؤں گا۔

راج کمار اور پنڈاری کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ تھیوساگ  
یہ کام کر سکے گا۔ صرف ایک بات کی انہیں تسلی تھی  
شاہی محل کے سپاہی تھیوساگ کو کوئی نقصان نہ  
پہنچا سکیں گے۔ چنانچہ تھیوساگ منصوبے کے مطابق  
سے رخصت ہو گیا۔ اس نے دل میں یہی فیصلہ کیا تھا  
رانی چنتانی کو اغوا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس  
جگہ اسے مکار جوگی راج گندھرب کو کسی طریقے سے اغوا  
کی کوشش کرنی ہوگی۔ اگر اس کے پاس کوئی طلسم یا  
ہوگا تو اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔ تھیوساگ کو  
پتا تھا کہ ہو سکتا ہے اس طریقے سے رانی چنتانی

جسم سے ماریا کو بھی آزاد کرایا جائے۔  
تھیوساگ جنگل میں واپس چلتا اپنے درگا مندر والے  
جھوپڑے میں آ گیا۔ وہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔  
کیوں کہ جوگی راج کو رات ہی کے وقت محل میں داخل  
ہو کر اغوا کیا جا سکتا تھا۔ صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ  
عین وقت پر جوگی راج گندھرب کوئی ایسا منتر نہ  
پھونک دے جس سے تھیوساگ کو نقصان پہنچے۔ تھیوساگ  
نے بے حد ہوشیاری سے کام لینے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔  
جب رات ہو گئی تو تھیوساگ چپکے سے درگا مندر والے  
جھوپڑے سے نکل کر شاہی محل کی طرف چلنے لگا۔ سڑکوں  
پر اندھیرا تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ کچھ  
دکانوں پر روشنی ہو رہی تھی۔ تھیوساگ آگے نکلتا چلا گیا۔  
جب وہ شاہی محل کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ محل کی  
ہر منزل میں روشنی ہو رہی تھی۔ محل کے بڑے گیٹ پر  
پہرہ لگا تھا۔ کسی کو قریب آنے کی اجازت نہیں تھی۔  
رات ہوتے ہی محل کا بڑا دروازہ بند کر کے پہرہ لگا دیا  
جاتا تھا۔ تھیوساگ بڑے دروازے کی طرف جانے کی بجائے  
محل کے پیچھے والی دیوار کے پاس آ گیا۔ یہاں آسم کا ایک  
گہنا درخت تھا جس کی شاخیں محل کے اندر شاہی بات



میں جھکی ہوئی تھیں۔ تھیوسانگ اندھیرے میں درخت پر چڑھ گیا اور ٹہینوں کو زور سے جھکوا دیا اور شاہی باغ میں کود پڑا۔ ٹہینوں کو ہلتا دیکھ کر پہرے دار اور سپاہی اس طرف دوڑے۔ تھیوسانگ اس صورت حال کے لیے پہلے سے تیار تھا۔ اس نے اپنے جسم کو اپنی ہی خاص انگلی لگائی اور اس کا ساتھ یعنی قد اچلی کے برابر ہو گیا۔ وہ گھاس میں چھپ کر سپاہیوں کو مشال کی روشنی میں اپنی طرف آتے دیکھا۔

پہرے داروں نے مشال کی روشنی میں درخت کے اوپر ادر پیچھے ادھر ادھر دیکھا۔ انہیں کوئی انسان نظر نہ آیا تو واپس چلے گئے۔ وہ یہی سمجھے کہ کسی بتی نے اوپر سے چھلانگ لگائی ہو گی۔ تھیوسانگ گھاس میں دبکا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب پہرے دار سپاہی چلے گئے تو وہ گھاس کے اندر ہی اندر محل کی طرف بڑھا۔ اس کی رفتار اگرچہ تیز تھی مگر چونکہ اس کا قد انسان کے انگوٹھے کے برابر تھا۔ اس لیے فاصلہ بہت کم طے ہو رہا تھا۔ تھیوسانگ کو اس حالت میں شاہی باغ کو طے کرتے تقریباً پندرہ بیس منٹ لگ گئے جب کہ اگر وہ اپنے عام قد میں ہوتا تو یہ فاصلہ بیس منٹ میں طے کر لیتا۔ بہر حال وہ محل کے کونے والے برآمدے میں پہنچ گیا۔

اسے معلوم تھا کہ جوگی راجہ اس وقت اپنی خواب گاہ میں ہو گا۔ تھیوسانگ اندازے سے ایک زینہ چڑھ کر محل کی دوسری منزل میں آ گیا۔ یہاں اس نے دو پہرے داروں کو دیکھا جو نیزے ہاتھوں میں لئے راہ داری کے قلعین پر چل پھر کر پہرے دے رہے تھے۔ تھیوسانگ ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا۔ کیوں کہ یہاں فانوس روشن تھا۔ اس نے غور سے دیکھا کہ ایک کمرے کے باہر دو عورتیں کھڑی پہرے دے رہی تھیں۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہی جوگی راجہ گنڈھرب کی خواب گاہ ہے۔ لیکن وہ اگر وہاں تک جاتا ہے تو دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ شاہی خواب گاہ کے اندر کیسے جائے؟

تھیوسانگ کے لیے یہ بڑا مشکل سوال تھا۔ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک کنیز کھڑی کے دو پہیوں والی رنگین چوکی پر ریشمی دوشالے رکھے آتی نظر آئی۔ تھیوسانگ نے اندازہ لگایا کہ یہ کنیز ضرور شاہی خواب گاہ میں دوشالے لے کر جا رہی ہے۔ جب وہ قریب سے گزری تو تھیوسانگ نے چوکی پر رکھے دو شالوں میں چھلانگ لگا دی اور ان میں گھس کر چھپ گیا۔ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ کنیز کو ذرا بھی حس نہ ہوا۔ وہ شاہی خواب گاہ کے قریب گئی تو پہرے دار عورتوں نے دروازہ کھول دیا۔ کنیز رنگین چوکی لیے اندر داخل



۳۰  
 ہو مٹی - اندر ایک چھوٹی سی راہ داری تھی جس کی دونوں  
 جانب ریشمی پردے لگے ہوئے تھے۔ کنیز نے یہاں کھڑے  
 ہو کر بڑے ادب سے کہا :  
 - صدارت ادھیراج ! کنیز دوشالے لے کر حاضر ہے۔  
 اندر سے جوگی راجہ کی آواز آئی :

”اندر آ جاؤ۔“

کنیز خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ خواب گاہ میں کافی  
 شمع جل رہی تھی۔ جس کی روشنی اتنی دھیمی تھی کہ تھیوسانگ  
 کو پہلے تو کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کیوں کہ وہ راہ داری میں  
 سے آیا تھا جہاں فانوس کی تیز روشنی تھی۔ پھر اس نے  
 دیکھا کہ اطلال و کم خواب کے پردوں والی شاندار خواب گاہ  
 میں ایک بہت بڑا چاندی کا پتنگ بچھا تھا جس پر ایک  
 طرف رانی چنتانی (یعنی ماریا) سو رہی تھی اور ایک طرف  
 وہی جوگی راجہ پتنگ کی پشت سے لگے ریشمی ٹیکوں پر  
 سر رکھے آرام سے لیٹا تھا۔ کنیز نے دوشالے بڑی احتیاط  
 سے کونے والے تخت پر رکھ دیئے اور ادب سے کورٹش  
 بجا لاتی واپس چلی گئی۔

تھیوسانگ ابھی تک دوشالے میں گھسایا اپنا ننھا سا سر  
 ابر شالے خواب گاہ کے پتنگ کو تک رہا تھا۔ جوگی راجہ

ہونے کی عطر دانی میں سے عطر نکال کر اپنی مونچھوں کو لگا رہا  
 تھا۔ رانی چنتانی اس کے قریب ہی پتنگ پر ریشمی چادر  
 بڑھے گہری نیند سو رہی تھی۔ جوگی راجہ نے بھی عطر لگانے  
 کے بعد اپنی آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔  
 تھیوسانگ نے اپنے ذہن میں منصوبہ بنانا شروع کر دیا کہ وہ  
 آگے راجہ کو یہاں سے کیسے نکال کر لے جائے گا۔ اس کے  
 پاس ایک ہی سکیم تھی کہ وہ جوگی راجہ کو انگلی لگا کر اٹھوٹے  
 کر دے گا اور پھر کسی نہ کسی طرح وہاں سے اخوا کر کے  
 جائے گا۔ لیکن اسے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ کہیں  
 راجہ نے کوئی منتر پڑھ کر پھونک دیا تو تھیوسانگ کو  
 کئے دینے نہ پڑ جائیں۔ مگر وہ دل میں فیصلہ کر کے آیا  
 کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ جوگی راجہ کو اخوا کر کے ضرور ساتھ  
 لے جائے گا اور پھر اسے اپنا قیدی بنا کر اس وہ منتر  
 پڑھ کرے گا جس کی مدد سے ماریا کو چنتانی رانی کے جسم  
 و نہایت دلائی جا سکتی تھی۔ وہ جوگی راجہ کے گہری نیند  
 جاننے کا انتظار کرنے لگا۔ دو ایک بار پہلو بدلنے کے  
 جوگی راجہ بچھونے پر ساکت ہو گیا اور پھر خواب گاہ میں  
 کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز گونجنے لگی۔ تھیوسانگ فوراً  
 کھالے کی مہر میں سے نیچے اتر آیا۔ اس نے اپنے آپ



کو انگلی سے چھوڑا اور پھر سے بڑے قد میں واپس آ گیا۔  
پوسے انسانی جسم میں آتے ہی تھیوسانگ کو نے میں پردے  
کے پیچھے ہو گیا کہ کہیں جوگی راجہ اچانک جاگ کر اسے  
دیکھ نہ لے۔

غلاب گاہ میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ باہر سے  
کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ تھیوسانگ کو ماریا کا خیال  
آ گیا جو اس وقت رانی چنتانی کے جسم کے اندر قید  
اور رانی ہی کے ارادے سے کام کرتی تھی۔ لیکن چونکہ  
اب رانی سو گئی تھی اور سو جانے کی وجہ سے اس کا  
ارادہ بھی سو گیا تھا اس لیے تھیوسانگ نے سوچا کہ  
ماریا اپنی مرضی سے اس سے کوئی بات کر سکتی ہے  
ماریا نے ابھی تک تھیوسانگ سے کوئی بات نہیں کی تھی  
تھیوسانگ کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ چنانچہ وہ جوگی  
کے بستر کی طرف بڑھا تھا کہ اسے چھوٹا کر کے وہاں سے  
کر لے جائے۔ جونہی وہ جوگی راجہ کے پانگ کے پاس  
اسے ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اس  
وقت اسے ماریا کی آواز آئی:  
"تھیوسانگ! آگے مت آنا۔ جوگی راجہ کا طلسم تمہیں  
زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

تھیوسانگ نے سرگوشی میں کہا:  
"ماریا! مجھے یقین تھا کہ تم ضرور مجھ سے بات کرو  
گی۔ مجھے بتاؤ میں جوگی راجہ کو کیسے اغوا کروں؟  
ماریا بولی: "میں جانتی ہوں تم اسی مقصد کے لئے  
یہاں آئے ہو مگر تھیوسانگ جب تک تم اسی  
کمرے کے کونے میں میز پر رکھے نیلم کے مرغ کی  
آنکھ میں جڑا ہوا یا قوت نہیں اتار کر پھینکو گے تم  
جوگی راجہ کے طلسم سے محفوظ نہیں ہو گے۔"  
تھیوسانگ نے کہا:

"ماریا! میں جوگی راجہ کو اغوا کر کے اسے بے بس  
کرنے کے بعد وہ منتر معلوم کرنا چاہتا ہوں جس کی  
مدد سے میں تمہیں رانی چنتانی کے جسم کی قید میں  
سے نکال سکوں:  
ماریا نے کہا:

"یہ کام اتنا آسان نہیں ہے تھیوسانگ۔ جوگی بڑا  
عیار ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے ہو سکتا ہے بے بس  
ہو جائے لیکن اس کے پاس ضرور کوئی دوسرا بھی  
طلسم ہو گا۔ تمہیں اس سے ہوشیار رہنا ہو گا۔"  
تھیوسانگ بولا: "جو ہو گا دیکھا جائے گا میں اسے"



اس شیطان کی قید میں نہیں دیکھ سکتا۔  
اس کے بعد تھیوسانگ دبے پاؤں کوٹنے والی چھوٹی میز  
کے پاس گیا۔ اس میز پر نیلم کا تراش ہوا ایک خوبصورت مرغ  
دکھا تھا جس کی آنکھوں میں یا قوت دمک رہا تھا۔ تھیوسانگ  
نے فوراً اس کی ایک آنکھ میں سے یا قوت کھینچ کر نیچے  
پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی مرغ غائب ہو گیا۔ یہ طلسمی  
مرغ تھا۔

ماریا نے سرگوشی میں کہا:  
"اب جوگی راجہ کو قابو میں کر دو۔ نہیں تو وہ ابھی  
جاگ پڑے گا۔"

تھیوسانگ تیزی سے جوگی راجہ کے سرہانے کی طرف آیا  
اور اپنی انگلی اس کی گردن کے ساتھ لگا دی۔ جوگی راجہ  
ایک دم سے اچھلا اور وہ چھوٹا ہونے کی بجائے بالشت  
بھر کا کالا سیاہ سانپ بن کر پھنکارنے لگا۔ تھیوسانگ نے  
اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو سانپ نے اسے کاٹ  
لیا۔ لیکن چونکہ تھیوسانگ پر زہر کا اثر نہیں ہو سکتا تھا  
اس لیے اس نے کوئی پروا نہ کی اور سانپ کو گردن  
سے پکڑ لیا۔ سانپ نے اپنا جسم تھیوسانگ کی کلائی سے  
پھینک دیا اور زور لگانے لگا۔ لیکن تھیوسانگ کی مضبوط

گرفت سے وہ نکل نہیں سکتا تھا۔

ماریا کی سرگوشی سنا دی:  
تھیوسانگ! میں نے کہا تھا ناں کہ جوگی بڑا عیار  
ہے۔ اس کے پاس دوسرا جادو بھی ہو گا۔ اسے کسی  
چیز میں بند کر دو۔  
تھیوسانگ نے کہا:

"یہاں مجھے کوئی ایسی شے نظر نہیں آتی ماریا:  
ماریا نے کہا:

"پلنگ کے پیچھے والی الماری میں ایک چھوٹی گول  
ڈبی پڑی ہے جس میں موتی ہیں یہ ڈبی خالی کر کے  
لے لو۔"

تھیوسانگ نے ایسا ہی کیا۔ ڈبی کے موتی باہر نکال کر  
اس نے جوگی راجہ سانپ کو اس میں بند کر کے ڈھکن  
بند کر دیا اور بولا:

"ماریا! مہتیں جوگی راجہ کی قید ہونے سے کوئی اثر  
محسوس ہوا ہے؟"

ماریا نے کہا:

"مجھ پر ابھی تک اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ لیکن  
تم اس کو بڑھال کر کے پوچھو کہ اس کے پاس



میں سامری جادوگر کا چیلہ ہوں۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔

دونوں عورتوں نے جو ایک انگوٹھے جتنے انسان کو اپنے سامنے قالین پر اچھلتے دیکھا تو دہشت کے مارے غش کھا کر دھڑام سے گر پڑیں اور پہرے پر کھڑے سپاہیوں نے عورتوں کو گرتے دیکھا تو ان کی طرف بھاگے۔ تھیوسانگ اتنی دیر میں دیوار کے ساتھ لگ گیا تھا۔ سپاہی دونوں عورتوں کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے کہ تھیوسانگ چپکے سے فرار ہو کر کونے والے گول زینے میں آ گیا جو نیچے جاتا تھا نیچے شاہی باغ میں گہرا سناٹا چھایا تھا۔ اچانک اوپر سے سپاہی نے نیچے دربان کو آواز دی اور کہا کہ پہرے دار کنیزیں بیہوش ہو گئی ہیں۔ دربان چار سپاہیوں کو لے کر زینے کی طرف دوڑا۔ تھیوسانگ تیزی سے ایک طرف ہٹ کر گھاس میں چھپ گیا۔ جب سپاہی اوپر چلے گئے تو تھیوسانگ نے اپنے جسم کو پھر سے بڑا کیا اور دوڑتا ہوا باغ کی دیوار کے پاس آکر اتنی زور سے اچھلا کہ دیوار کی منڈھیر پر آ گیا۔ یہاں سے اس نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور سوکھی خندق سے گزر کر اس ویران راستے پر آ گیا جو شہر کے باہر سے ہوتا ہوا جنگل کی طرف جاتا تھا۔ جوگی راجہ سانپ کی

مجھے آزاد کر دینے والا منتر کون سا ہے؟

تھیوسانگ آہستہ سے بولا: اس دیہی کا اصلی راج کمار گھنے جنگل کی ایک غار میں رہتا ہے۔ میں اس کے پاس جا رہا ہوں ماریا۔ اگر میں منتر معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو تمہیں دیں ملوں گا۔ مایا کہنے لگی:

مجھے معلوم ہے کہ تم راج کمار کے پاس جنگل کی چٹانی غار میں ہو۔ خدا کرے کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکو اور مجھے اس قید سے بچاؤ۔ تھیوسانگ خاموشی سے خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ ریشی پردوں والی راہ داری میں آ گیا۔ آگے دروازہ بند تھا۔ تھیوسانگ نے اپنے سائز کو چھوٹا کیا اور دروازے کے ایک سوراخ میں سے باہر نکل کر برآمدے میں آ گیا۔ فانوس روشن تھا۔ اس روشنی میں اسے دیکھا جاسکتا تھا۔ دونوں عورتیں شاہی خواب گاہ کے باہر پہرہ دے رہی تھیں۔ تھیوسانگ نے سوچا کہ اس طرح تو یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ ان عورتوں کو کسی طرح سے ڈرانا چاہیے۔ چنانچہ یہ سوچ کر تھیوسانگ ایک دم سے دونوں عورتوں کے سامنے آ گیا اور



شکل میں ڈبی میں بند اس کی جیب میں موجود تھا۔

تھیوسانگ راتوں رات واپس جنگل میں پہنچ گیا۔ راجک اور اس کا غلام پنڈاری جاگ رہے تھے۔ انہوں نے تھیوسانگ کو اکیلے آتے دیکھا تو پوچھا کہ کیا اس نے جوگی راجہ کو اسے نہیں کیا؟ اس کے جواب میں تھیوسانگ نے جیب سے ڈبی نکال کر دکھائی اور کہا:

میں جوگی راجہ کو بے ہوش کرنے لگا تو وہ جادو کے زور سے سانپ بن گیا۔ میں نے فوراً اسے اس ڈبی میں قید کر دیا۔

تھیوسانگ نے انہیں ڈبی ذرا سی کھول کر دکھائی۔ اس کے اندر کالا سانپ پھنکار رہا تھا۔ راج کمار اور پنڈاری بننے لگے۔ انہیں یقین نہیں آیا کہ یہ جوگی راجہ ہے۔ پنڈاری بولا: "تھیوسانگ! اگر تم جوگی راجہ کو اغوا نہیں کر کے سوتے تو مہتیں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ خواجواہ اس بے چارے سانپ کو پکڑ کر لے آئے ہو۔"

راجک بولا: "ہاں تھیوسانگ بھائی! مہتیں یہ کیل سونے کی کیا ضرورت تھی۔"

تھیوسانگ نے کہا:

راج کمار نے میں نے کوئی کھیل کھیلا ہے اور وہ جھوٹ بول رہا ہوں۔ یہ سانپ نہیں بکڑ جوگی راجہ ہے جس نے اپنی دیہہ پلٹ رکھی ہے۔ یہ سب کچھ جوگی راجہ نے جادو کے زور سے کیا ہے۔

راجکمار اور پنڈاری ایک دوسرے کی طرف تکتے تھے۔ جیسے کہ رہے ہوں کہ یہ شخص میں بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن تھیوسانگ کو اب انہیں یقین دلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے تو معلوم تھا کہ جوگی راجہ اس کی قید میں ہے۔ اب اسے صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ کہیں یہ جوگی راجہ کوئی اور طلسم نہ کر دے۔ اس سے پہلے پہلے وہ جوگی راجہ سے ماریا کو آزاد کرنے والا منتر پوچھ لینا چاہتا تھا چنانچہ تھیوسانگ نے کہا:

اچھا اگر مہتیں یقین نہیں آتا تو میں مہتیں پھر سوں گا۔ مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔

یہ کہہ کر تھیوسانگ غار میں سے باہر نکلا گیا۔ وہ سیدھا جنگل میں ایک ایسی جگہ پر آ گیا جہاں چٹان کے نیچے ایک چھوٹا سا پہاڑی ٹالہ بہہ رہا تھا۔ تھیوسانگ یہاں ٹالے کے کنارے بیٹھ گیا اس نے سانپ کی ڈبی باہر نکالی۔ اس نے آہستہ سے گولا اور سانپ کو گردن سے پکڑا اسے پانی میں دو تین غلے دیئے۔ سانپ



## جہاز کیسا تھا

جوگی سانپ نے غضب ناک ہو کر کہا:  
تم جو کوئی بھی ہو میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ مجھے  
جسادی سے آزاد کر دو نہیں تو میں تمہیں زندہ  
نہیں چھوڑوں گا!  
تھیوسانگ نے کہا:

تم خود میری قید میں بے بس ہو۔ تم میرے خلاف  
کیا کارروائی کر سکتے ہو!

جوگی سانپ نے پھنکار مار کر سانپ کی آواز میں جواب دیا:  
تم مجھے زیادہ دیر تک اس قید میں نہیں رکھ سکتے  
کیوں کہ میرے گورو جادوگر کو میری حالت کا پتہ  
چل گیا ہے وہ میری مدد کو آتا ہو گا۔ وہ بہت  
بڑا جادوگر ہے۔ میں جانتا ہوں تمہارے پاس بھی  
کوئی طلسم ضرور ہے جس کی وجہ سے تم نے مجھے  
سانپ بنا دیا ہے۔ لیکن میرے گورو کے جادو کا

نڈھال ہو گیا۔ اب تھیوسانگ نے سانپ کی زبان میں اسے کہا:  
جوگی! میں جانتا ہوں کہ تم اصلی راجہ نہیں ہو بلکہ ایک  
مکار جوگی ہو اور دھوکے سے تخت پر قبضہ کئے ہوئے  
ہو۔ مجھے تمہارے تخت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں  
تم سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کون سا  
منتر ہے جس کے پھونکنے سے ماریا کی رُوح چٹانی رانی  
کے جسم سے آزاد ہو سکتی ہے!

جوگی سانپ پہلے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ شخص  
سانپ کی زبان جانتا تھا۔ پھر جب اسے یہ علم ہوا کہ یہ شخص  
اس کی رانی چٹانی کے جسم سے ماریا کی رُوح نکالنا چاہتا ہے تو  
وہ غصے سے کانپنے لگا۔



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
www.pdfbooksfree.pk



تم مقابر سے کر سکو گے۔ وہ متیں ایک ہی پونک  
ہو کر جسم کر دے گا۔

تھیوساگک سچو ہی کہ جوگی راجہ کے جسم میں جسم کی  
ایسی لہریں متیں جنہوں نے اس کے چھوٹے سے اسے  
سانپ بنا دیا ہے۔ اس نے جوگی سانپ سے کہا  
میں تمہارے گورد کے آنے سے پیسے پہلے متیں  
بلاک کر دوں گا۔ اس لیے اگر تم اپنی جان بچانا  
چاہتے ہو تو مجھے وہ منتر بتا دو جس کے پڑھنے  
سے ماریا کی روح چنتان کے جسم سے آزاد ہو  
جائے گی۔

جوگی سانپ بولا:

اگر میں نے متیں یہ منتر بتا دیا تو میری رانی  
مر جائے گی۔ وہ پھر سے بڈیوں کا ڈھانچہ بن  
جائے گی اور یہ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا  
تھیوساگک نے کہا:

تو کیا متیں یہ منظور ہے کہ تم خود ہلاک کر  
دیئے جاؤ؟

جوگی سانپ کی آواز آئی:

میں جانتا ہوں تم مجھے اس وقت تک نہیں

مارو گے جب تک کہ میں متیں خفیہ منتر نہ بتا  
دوں اور میں یہ منتر متیں کبھی نہیں بتاؤں گا۔

تھیوساگک نے سانپ کو پانی میں ایک اور ڈبئی دی  
سانپ بے دم ہو گیا۔ تھیوساگک نے ایک بار پھر جوگی  
سانپ سے کہا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے خفیہ منتر  
بتا دے۔ مگر جوگی سانپ نے ایک بار پھر انکار کر دیا۔  
تھیوساگک نے جوگی سانپ کو ڈبئی میں بند کر دیا اور پوچھ  
لگا کہ یہ جوگی بڑا عنادی ہے۔ اسے خفیہ منتر نہیں بتائے گا  
اور اگر اتنی دیر میں اس کا جادوگر گوردو یہاں پہنچ گیا تو  
نہ جانے وہ کیا نئی مصیبت برپا کر دے اور وہ کسی اور  
مشکل میں نہ پھنس جائے۔ پھر کیا کیا جائے؟

تھیوساگک یہی سوچتا ہوا جنگل میں پہاڑی تالے کے ساتھ  
چلتے چلتے ایک گہری گھاٹی کے کنارے پر آ کر رک گیا۔  
اس کے چاروں طرف گہرا سانا اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔  
اچانک اسے ایک چھتر کے پاس کچھ سرسراہٹ سی سانی  
دی۔ اس نے جھک کر غور سے دیکھا تو اسے ایک سانپ  
نظر آیا جو اندھیرے میں اپنا پس اٹھائے اس کی طرف بڑھ  
رہا تھا۔ تھیوساگک نے اسے سانپ کی زبان میں پوچھا کہ  
وہ اس کی طرف کیوں بڑھ رہا ہے۔



تم مجھے ڈس بھی دو کے تو مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔  
 کوبرا سانپ نے اپنا پھن جھکا دیا اور بولا :  
 مجھے اس جنگل کے شیش ناگ نے بھیجا ہے ہمیں  
 اپنی کھوہ میں ناگ دیوتا کی بو آئی تھی شیش ناگ  
 نے مجھے یہ پتہ کرنے بھیجا ہے کہ جا کر دیکھوں کہ  
 یہاں ناگ دیوتا تو نہیں آیا ہے۔ کیا تم ناگ دیوتا  
 ہو؟ کیوں کہ تمہارے جسم سے بھی مجھے ناگ دیوتا  
 کی بو آ رہی ہے۔  
 تھیوسانگ نے کہا :

میں ناگ دیوتا نہیں ہوں مگر اس کا بھائی ضرور  
 ہوں چلو مجھے شیش ناگ کے پاس لے چلو مجھے  
 اس سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔  
 کوبرا سانپ نے ادب سے کہا :  
 میرے ساتھ چلئے :

کوبرا سانپ تھیوسانگ کو پہاڑی جنگل کی ایک کھوہ  
 میں لے گیا جہاں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ یہ روشنی  
 شیش ناگ کے سر پر بنے ہوئے چھوٹے سے تاج میں سے  
 نکلی رہی تھی۔ شیش ناگ پتھر کی ایک چوکی پر کھڑی ہو  
 گیا تھا۔ تھیوسانگ نے جا کر اپنا تعارف کرایا تو شیش ناگ

نے آہستہ سے اپنی گردن ذرا سی جھکائی اور بولا :  
 "ناگ دیوتا کے دوست کو میرا سلام پہنچے میں تمہاری  
 کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

تھیوسانگ نے شیش ناگ کو ماریا کے بارے میں اور جوگی  
 راجہ کے جادو کے بارے میں سب کچھ بتایا اور پھر ڈبی سننے  
 رکھ کر کہا :

"اس ڈبی میں جوگی راجہ سانپ کی شکل میں قید  
 ہے وہ مجھے خفیہ منتر نہیں بتا رہا اور اس کا جادوگر  
 گورو بھی مجھ سے بدلہ لینے اور اسے میری قید سے  
 چھڑانے کے لئے آ رہا ہے۔"  
 شیش ناگ نے کہا :

"دینا کے کسی سانپ میں اتنی طاقت اور اتنی جرات  
 نہیں ہے کہ وہ ناگ دیوتا کے بھائی یا اس کے  
 دوست کو کوئی نقصان پہنچا سکے :  
 تھیوسانگ نے کہا :

لیکن یہ جوگی سانپ بہت بڑا جادوگر ہے اور اس  
 کا گورو تو اس سے بھی زیادہ خطرناک جادوگر ہے۔  
 شیش ناگ نے کہا :

"اس کا کوئی جادو یہاں نہیں چل سکے گا اگر اس کا



گورو جادوگر ہے تو میں بھی شیش ناگ ہوں تو  
ایسا کرو کہ ڈبی میرے سامنے زمین پر رکھ دو۔  
میتوساگ نے جوگی سانپ والی ڈبی شیش ناگ کے سامنے  
زمین پر رکھ دی۔ شیش ناگ نے اپنا پھن پورا پھیلا دیا۔ پھر پھن  
کو آہستہ آہستہ نیچے کرتا عین ڈبی کے اوپر لے آیا۔ اس  
کے بعد شیش ناگ نے پھنکار ماری تو ڈبی زمین سے اوپر کو  
اچھل۔ اس کے اندر سے جوگی سانپ کے چھینے کی آواز آئی  
شیش ناگ نے دوسری پھونک ماری تو جوگی سانپ نے  
چلا کر کہا:

مجھے معاف کر دو شیش ناگ۔ میں وہی کروں گا  
جو تم کہو گے۔

شیش ناگ نے کہا:

وہ خفیہ منتر بناؤ جو تم سے میتوساگ پوچھ رہا تھا۔  
جوگی سانپ بولا:

بتانا ہوں۔ بتانا ہوں۔

اور پھر جوگی سانپ نے وہ منتر بول دیا اور کہا کہ اگر یہ  
منتر تین بار پڑھ کر رانی چنتانی پر پھونک دیا جائے تو مایا  
کے جسم سے باہر نکل آئے گی۔ اور رانی چنتانی پھر سے پھول  
کھا دے گی۔

میتوساگ نے کہا:

شیش ناگ: ہو سکتا ہے جوگی سانپ جھوٹ بول رہا ہو۔  
شیش ناگ بولا:

میتوساگ: جب تک تم ماریا کو آزاد نہیں کرا لیتے  
جوگی سانپ میرے پاس اس غار ہی میں رہے گا۔  
تم محل میں جاؤ اور ماریا کو آزاد کرا کر یہاں ساتھ  
لے آؤ۔

میتوساگ کے یہ یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ ابھی رات تھی۔  
اور رانی چنتانی سو رہی ہو گی۔ وہ سوتے میں اس پر خفیہ  
منتر پھونک سکتا تھا۔ میتوساگ جلدی سے غار میں سے  
باہر نکل گیا اور جتنی تیز چل سکتا تھا محل کی طرف پہنچنے لگا  
راتے میں راج کمار کا غار بھی آیا مگر اس نے اسے بتا دیا  
نہ سمجھا اور محل کی طرف چلتا رہا۔ رات کا پچھلا پہر تھا کہ  
میتوساگ شاہی محل کے باغ والی دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں  
سے اس نے پہلے کی طرح دیوار پار کی اور شاہی محل کی خواجہ  
کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک اس کی نظر رانی چنتانی پر پڑی۔  
وہ جلدی سے درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ رانی چنتانی اپنی دو  
کنیزوں کے ساتھ پھولوں کی مالا ماتھ میں پکڑے مندر میں  
بٹا دیوی کی پوجا کرنے جا رہی تھی۔



ہی رانی چنتانی کے حلقے سے ایک بھیانک بیج نکلی اور وہ  
دھڑام سے زمین پر گر پڑی۔ کیزوں نے یہ حال دیکھا تو شور  
مچاتی وہاں سے بھاگ گئیں۔ تھیوسانگ نے ماریا کو آواز دی  
اب اسے ماریا کی خوشبو آنے لگی تھی۔  
ماریا نے خوش ہو کر کہا:

تھیوسانگ! میں تمہارے پاس ہوں۔ خدا کا شکر ہے  
میں اس مخوس طلسم سے آزاد ہو گئی۔  
رانی چنتانی زمین پر گرنے کے ساتھ ہی ہڈیوں کے ڈھانچے  
میں تبدیل ہو گئی۔

تھیوسانگ نے ماریا سے کہا:

یہاں سے جتنی جلدی ہو نکل چلو۔ میرے ساتھ رہنا۔  
میں جنگل کی طرف جا رہا ہوں۔

یہ کہہ کر تھیوسانگ نے جنگل کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔  
ایسا اس کے سر کے اوپر ہوا میں اڑتی جا رہی تھی۔ اس نے  
تھیوسانگ سے کہا بھی کہ وہ چھوٹا بن جائے اور وہ اسے  
اٹھا لے گی مگر تھیوسانگ نے کہا کہ اس کے پاس اتنا وقت  
نہیں ہے۔ تھیوسانگ کو دیے بھی تھکان نہیں ہوتی تھی  
اور اسے سانس بھی نہیں چڑھتا تھا اس لیے اسے دوڑنا  
زیادہ اچھا لگتا تھا۔ دونوں بہت جلد جنگل میں پہنچ گئے۔

یہ مندر شاہی باغ کی ایک طرف بنا ہوا تھا۔ تھیوسانگ  
چھپ کر رانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ابھی پوری طرح سے  
صبح نہیں ہوئی تھی اور باغ میں ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا  
رانی اور کیزیں چھوٹے سے مندر کے اندر چلی گئیں۔ تھیوسانگ  
بھی اندھیرے میں ریگتا ہوا مندر کی دیوار کے پاس آ کر کھڑا  
ہو گیا۔ خفیہ منتر رانی کے چہرے پر پھونکا جانا تھا۔ اس لیے  
ضروری تھا کہ رانی تھیوسانگ کے سامنے ہو۔ تھیوسانگ باہر  
کھڑا رانی کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد  
رانی باہر آئی۔ وہ آگے آگے چل رہی تھی۔ دونوں کیزیں اس  
کے پیچھے تھیں۔ جونہی رانی چنتانی تھیوسانگ کے قریب سے  
گذری تھیوسانگ اچھل کر رانی کے سامنے آ گیا اور بولا:

رانی جی! میری مدد کریں۔ میں عزیز ہوں جاگیر دار  
نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔

رانی چنتانی اس خیال سے رک گئی کہ یہ کوئی عزیز کسان  
ہے اور مدد کے لئے آیا ہے۔

رانی نے پوچھا:

تم کہاں رہتے ہو؟

تھیوسانگ نے اس دوران تین بار خفیہ منتر پڑھا اور زور  
رانی چنتانی کے منہ پر پھونک مار دی۔ پھونک کے گئے



بیٹھا تھا۔ تھیوسانگ کو دیکھ کر راج کمار نے مسکرا کر طعنیہ  
لجے میں کہا،

کیوں بھائی تھیوسانگ! راجہ کو کہاں چھوڑ آئے؟  
تھیوسانگ کو بڑا غصہ آیا کہ وہ اس کا مذاق اڑانے کی  
کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ غصے کو پی گیا اور بولا:

”تمہارا راجہ اب اس دنیا میں نہیں ہے اور تم محل  
میں جا کر تخت پر قبضہ کر سکتے ہو۔ کیونکہ راجہ کی  
رانی بھی دوسری دنیا کو جا چکی ہے۔“  
راج کمار نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پنڈاری کی طرف  
دیکھا۔ پنڈاری نے کہا:

”ہمارا راجہ! اس بے چارے کا جنگل میں آکر دماغ چل  
گیا ہے۔ اس کی بات کا بڑا نہ مانیں۔“  
راج کمار نے تھیوسانگ سے کہا:  
”میرے بھائی! آؤ کچھ کھا پی لو۔ اس طرح سے تمہاری  
طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔“

ماریا نے آہستہ سے تھیوسانگ سے پوچھا کہ یہ کس قسم  
کی باتیں کر رہے ہیں اگر تم کو تو میں ابھی ان کی طبیعت  
ٹھیک کر دوں؟

تھیوسانگ نے کہا:

تھائی آگئی جس کے پاس ہی شیش ناگ کا ٹھکانہ تھا۔ تھیوسانگ  
کو دیکھ کر شیش ناگ نے پوچھا کہ کیا وہ ماریا کو آزاد کرانے  
میں کامیاب ہو گی؟  
تھیوسانگ نے کہا:

”ماریا میرے ساتھ ہے شیش ناگ۔“  
شیش ناگ نے ماریا کو آواز دی۔ ماریا نے بھی سانپ کی  
ٹوٹی پھوٹی زبان میں کہا:  
”میں تھیوسانگ کے ساتھ ہوں۔“  
شیش ناگ نے تھیوسانگ سے کہا:

”جوگی سانپ کا جادوگر گورو ابھی تک نہیں پتہ لگا  
ہو سکتا ہے وہ آجائے۔ اس لیے بہتر ہے کہ  
تم اس جوگی سانپ کو میرے پاس ہی رہنے دو۔ کیونکہ  
اس کے جادوگر گورو کا بچہ پر جادو نہیں چل سکے گا  
تھیوسانگ اور ماریا نے شیش ناگ کا شکریہ ادا کیا اور  
کھودہ میں سے نکل کر اس غار کی طرف چل پڑے جہاں  
راج کمار اپنے غلام پنڈاری کے ساتھ رہتا تھا۔ تھیوسانگ  
غار میں داخل ہوا۔ تو راج کمار اور پنڈاری جاگ رہے تھے  
دن نکل آیا تھا اور راج کمار ہندو سے منہ ہاتھ دھو کر بیٹھا  
تھیوسانگ نے کہا:



نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ماریا۔

راج کمار نے چونک کر پوچھا:

یہ تم کس ماریا سے باتیں کر رہے ہو؟  
غلام پنڈاری نے راج کمار کی طرف دیکھ کر کہا:  
ہمارا راج! بے چارے تھیوسانگ کا اس میں کوئی قصور  
نہیں ہے۔ اس کے دماغ پر جنگل کی آب و ہوا  
کا اثر ہو گیا ہے۔ اسے معاف کر دیں۔

اب تو تھیوسانگ سے نہ رہا گیا۔ اس نے ماریا سے کہا:  
"ماریا! ان کو بتا دو کہ میرا دماغ نہیں چل گیا۔

اب ان کے مزاج ذرا ٹھیک کر دو۔"

ماریا بڑے آرام سے آگے بڑھی اور سب سے پہلے  
نے غلام پنڈاری کو اپنا نشانہ بنایا اور اس کے منہ پر  
سی چپت لگا کر اسے پیچھے کو گرا دیا۔ پنڈاری تو بوکھلا  
گیا کہ اسے کس نے ہلانچ مارا ہے۔

راج کمار بھی حیران سا ہو کر بولا:

پنڈاری تم کو کس نے گرا دیا؟

اب ماریا راج کمار کی طرف بڑھی اور اس کو گردن

کڑ کر ایک ہکا سا جھٹکا دیا۔ راج کمار کا دماغ بل گیا  
انھیں باہر نکل آئیں۔ ہاتھ باندھ کر بولا:

"دیوی! مجھے معاف کر دے۔ مجھے معاف کر دے  
مجھ سے غلطی ہو گئی۔ تھیوسانگ! دیوی سے کہو  
مجھے معاف کر دے۔"

تھیوسانگ نے ماریا سے کہا:

ماریا! راج کمار کو معاف کر دے۔

ماریا نے راج کمار کی گردن چھوڑ دی۔ راج کمار اپنی گردن  
کو سہلا رہا تھا۔ اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔ پنڈاری بھی دہشت زدہ  
تھا۔ تھیوسانگ نے کہا:

"اب تم دونوں کو یقین آ گیا ہو گا کہ میرا دماغ بالکل  
اپنی جگہ پر ہے اور امید ہے کہ تم لوگوں کا بھی دماغ  
ٹھیک ہو گیا ہو گا۔"

راج کمار اور پنڈاری نے ہاتھ جوڑ دیئے اور اپنے سر  
جھکا کر بولے:

ہمارا راج! آپ مہمان ہیں۔ آپ کا کوئی مقابلہ نہیں کر  
سکتا۔ آپ اوتار ہیں۔

تھیوسانگ نے کہا:

راج کمار۔ میں اب بھی تمہارا وہی دوست ہوں۔

جس کو تم دیوی سمجھ رہے ہو وہ میری دوست ماریا

ہے۔ مگر وہ تمہاری نظروں سے غائب ہے۔



۶۳  
میں ممتیں ایک بار پھر خوش خبری سنا رہی تھیں کہ  
مکار اور ہمدار راجہ کو ایک ایسی جگہ قید میں  
ڈال دیا گیا ہے جہاں سے وہ ساری زندگی باہر  
نہیں نکل سکے گا۔ رانی بھی اپنے اسہام کو پہنچ چکی  
ہے۔ جاڈ شاہی محل میں تخت تمہارا انتظار کر  
رہا ہے۔

راج کمار خوش ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ تھیوسانگ جھوٹا  
نہیں کہہ رہا۔ اس نے کہا:

تھیوسانگ! میں تمہارا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔  
مگر میری خواہش ہے کہ تم اور ماریا میرے ساتھ چلو  
کیونکہ ہو سکتا ہے مہا منتری اور سپہ سالار اور میری  
مخالفت کریں اور مجھے نقصان پہنچائیں۔ وہ جوگی  
راجہ کے خوشامدی تھے اور مجھے پھر سے راجہ بننے  
دیکھنا گوارا نہیں کریں گے۔

تھیوسانگ نے کہا:

ہم تمہارے ساتھ چلیں گے۔

اسی وقت یہ سب لوگ شہر کی طرف چل پڑے۔ راجکمار  
شاہی محل میں داخل ہوا تو درباری اور محل کے لوگ اسے  
دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ یہ لوگ راجکمار کے دوست تھے

اور اسے پسند کرتے تھے لیکن سپہ سالار اور منتری جل گئے۔  
جب انہیں پتہ چلا کہ راج کمار نے رانی اور راجہ کو مار ڈالا  
ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ راج کمار کو بھی زندہ نہیں رہنے  
دیا جائے گا۔ تھیوسانگ اور ماریا حوشیار تھے۔

تھیوسانگ نے ماریا سے کہا:  
تم سپہ سالار کی خبر لو۔ میں منتری کو سنبھالتا ہوں۔  
ماریا نے کہا:  
ایسا ہی ہو گا۔

اس رات سپہ سالار نے راج کمار کو موت کے گھاٹ اتارنے  
کے لئے ایک غلام کو خنجر دے کر راج کمار کی خواب گاہ کی  
طرف بھیج دیا۔ ماریا راجکمار کے کمرے سے نکل ہی رہی تھی  
کہ اس نے ایک انسانی سانسے کو راجکمار کی خواب گاہ کی  
طرف بڑھتے دیکھا۔ ماریا لپک کر اس کے پاس آگئی۔ یہ غلام  
پادری سے مزین سر پٹیٹے خنجر چھپاتے دیے پاؤں خواب گاہ کی  
طرف جا رہا تھا۔ ماریا نے آہستہ سے اس کے کانٹ پر  
اتھ مارا اور پوچھا:

کہاں جا رہے ہو؟

غلام تو گھبرا گیا۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ پیچھے کوئی بھی نہیں تھا  
اب وہ ڈر گیا کہ ضرور یہ کوئی جن بھونٹ یا جڑیل ہے۔ ماریا



نے غلام کی گردن پر زور سے ہاتھ مارا۔ وہ نیچے گر پڑا۔  
 ماریا نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر دیا تو غلام کی چیخ نکل  
 گئی۔ چیخ کی آواز سن کر سپاہی جو پہرے پر تھے اس طرف  
 آ گئے۔

ماریا نے بلند آواز میں کہا:

”میں دیوی درگا ہوں۔ یہ آری راج کمار کو ہلاک کرنے  
 آیا تھا۔ اسے پہ سالار نے بھیجا ہو گا۔ اس کو پکڑ  
 کر قید میں ڈال دو اور خبردار اگر کسی نے راج کمار  
 کی طرف بڑی نظر سے دیکھا تو میں اس کو زندہ  
 نہ چھوڑوں گی۔“

سارے کے سارے سپاہی اور پہرے دار سجدے میں آ  
 گئے اور بولے:

”دیوی درگا کی جے ہو، ہم راج کمار کے دفاوار ہیں۔  
 غلام کو فوراً زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ ماریا بھاگ کر پہلا  
 کے محل میں آ گئی۔ وہ بے چینی سے ٹٹل رہا تھا۔ ماریا نے  
 جاتے ہی پوچھا:

”تم کس لیے بے چین ہو؟“

پہ سالار نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ یہ آواز کہاں  
 سے آئی ہے؟ وہ حیران تھا۔

ماریا نے کہا:

”تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ میں درگا دیوی ہوں  
 اور تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ تمہارے بیٹے جو  
 غلام کو سپاہیوں نے پکڑ کر زندان میں ڈال دیا ہے۔  
 کل اس کی گردن اڑا دی جائے گی اور اگر تم نے  
 راج کمار کے خلاف اب کوئی سازش کی تو میں خود  
 آ کر تمہاری گردن اڑا دوں گی۔ بولو۔ کیا تم راج کمار  
 کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت کرو گے؟“  
 پہ سالار فوراً سجدے میں گر پڑا اور ہاتھ باندھ کر بولا:  
 ”دیوی درگا! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر  
 دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ راج کمار کا دفاوار  
 ہوں گا۔“

ماریا بولی: ”اگر تم اپنے اس وعدے سے ذرا بھی

بچے تو میں دیہی آ کر تمہاری گردن اتار دوں گی۔“

پہ سالار نے بندھے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور بولا:

”درگا دیوی کلیانی! میری اتنی جرأت کہاں کہ تمہارے

حکم کے آگے سر اٹھاؤں۔ آج سے راج کمار میرا بیٹا

ہے اور دیہی راج کرے گا۔“

ماریا نے کہا:



اس حمد کو یاد رکھنا۔  
یہ کہہ کر ماریا محل سے نکل گئی۔ دوسری طرف تھیوساگ  
نے بھی مندری کو ایسا سبق سکھایا کہ وہ بھی گڑبڑ کر تھیوساگ  
سے معافی مانگنے لگا۔ اور اس نے بھی وعدہ کیا کہ وہ راجا  
کا وفادار بن کر رہے گا۔

راجا کمار کی تاج پوشی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ تھیوساگ  
اور ماریا نے بھی اس جشن میں حصہ لیا۔ تین دن تک جشن  
کی رونق لگی رہی۔ چوتھے روز تھیوساگ نے راجا کمار سے  
اجازت لی اور ماریا کو لے کر نکش دیپ کی بندرگاہ پر  
آ گیا۔ انہیں ناگ اور عنبر کیٹی کا بھی فکر تھا۔ ابھی تک انہیں  
ان کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کس  
خال میں ہیں۔ بندرگاہ پر جا کر انہوں نے یہ پتہ کیا کہ  
نکس سری لنکا کو کون سا جہاز جائے گا۔ کیونکہ ماریا کا خیال  
تھا کہ ہو سکتا ہے ناگ اور عنبر کیٹی ابھی تک سری لنکا میں  
ہی ہوں۔ ماریا چاہتی تھی کہ وہ تھیوساگ کو اٹھا کر لے جائے  
مگر تھیوساگ بولا:

”ہمیں سمندر میں دوسرے مسافروں کے ساتھ سفر کرنا چاہیے  
ہو سکتا ہے ان مسافروں سے ہی ہمیں عنبر ناگ کیٹی  
کا کچھ سراغ مل جائے۔“

چنانچہ ایک دن تھیوساگ اور ماریا بادبان جہاز پر سوار ہو  
کر سری لنکا کی طرف روانہ ہو گئے۔ سری لنکا وہاں سے  
زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ دن کو چلے تھے اور جہاز کو شام  
سے پہلے پہلے سری لنکا پہنچ جانا چاہیے تھا۔ لیکن نکش دیپ  
سے نکلنے کے مقبوضی دیر بعد ہی سمندر میں زبردست طوفان آ  
گیا۔ یہ اس قدر خوفناک طوفان تھا کہ جہاز سمندر میں پھرتے پھرتے  
لگا۔ آسمان کال سیاہ گھٹاؤں میں چھپ گیا۔ ہر طرف گھپ  
اندھیرا چھا گیا۔ ہوائیں اتنی تیز تھیں کہ جہاز ایک تھکے کی طرح  
سمندر میں جھٹکنے لگا۔ جہاز کے مسافروں میں کھرام شج گیا تھا۔  
لوگ دیواروں دروازوں اور بانس کے ڈنڈوں سے چپکے ہوئے  
تھے۔ تھیوساگ بھی ایک مستول کے ڈنڈے کی رسی کو پکڑے  
بیٹھا تھا۔ ماریا یہ دیکھنے کے لیے بادلوں میں اُپر اٹھ گئی تھی  
کہ طوفان کتنے شدید ہے اور آسمان پر بادل کہاں تک  
چھائے ہوئے ہیں۔ مگر آندھی اتنی شدید اور طوفانی تھی اور گھٹاؤں  
کی وجہ سے اس قدر گہرا اندھیرا چھا گیا تھا کہ ماریا کو بھی  
کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ ماریا بھی  
پریشان سی ہو گئی اور وہ بادلوں کے اوپر تک پہنچ گئی  
مگر بادل اوپر تک چلے گئے تھے۔ طوفانی ہواؤں کے تھپتھپ  
ماریا کو ادھر ادھر اڑانے لگے تو ماریا فوراً بادلوں میں سے



گذر کر نیچے آنے لگی۔ بادل گہرے اور سیاہ تھے اور بارش  
 سے بھرے ہوئے تھے۔ ماریا ان میں سے گذرتی نیچے اترتی  
 جا رہی تھی مگر بادل ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔  
 ماریا جیسے بادلوں میں گرتی چلی جا رہی تھی۔ گرتے گرتے  
 اس نے محسوس کیا کہ اس کا جسم ظاہر ہونا شروع ہو گیا  
 ہے۔ وہ اپنے جسم کو محسوس کر سکتی تھی۔ اس نے ایک بار  
 ڈرتے ڈرتے اپنے بازو پر ہاتھ پھیرا تو وہ کانپ کر رہ  
 گئی۔ اس کا بازو غائب نہیں تھا۔ مگر بادلوں میں اس قدر  
 گہرا اندھیرا تھا کہ ماریا کو اپنا جسم نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر  
 ایک دم سے بادل ختم ہو گئے اور فضا دھندلی دھندلی  
 سی نظر آنے لگی اور ماریا دھڑام سے سمندر میں گر پڑی۔  
 سمندر میں گرتے ہی ماریا نے اپنے اندر جو پہلی تبدیلی محسوس  
 کی وہ یہ تھی کہ اس کا جسم غائب نہیں تھا وہ ظاہر ہو  
 گئی تھی۔ اس پر ماریا کو زیادہ حیران نہ ہوئی۔ کیونکہ اس سے  
 پہلے بھی وہ کسی نہ کسی وجہ سے ظاہر ہوتی رہی تھی۔ ہو سکتا  
 ہے اس بار بھی اس کے جسم کی شعاعوں پر بادلوں میں  
 گردش کرتے رہنے والے مختلف کیمیکلز کا اثر ہو گیا ہو زیادہ  
 پریشانی اسے اس بات کی تھی کہ کہیں اس کی ہمیشہ زندہ رہنے  
 کی طاقت تو ختم نہیں ہو گئی۔ اس کا تجربہ اس نے وہیں

کرنے کا فیصلہ کر لیا۔  
 ماریا نے سمندر کے اندر ہی سمندر کا پانی اپنے پیچھے  
 پکھنچ لیا کہ اگر اس کا جسم عام انسانوں کی طرح ہو گا تو  
 اسے بے چینی محسوس ہوگی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ جو پانی اس  
 نے منہ کے ذریعے اپنے اندر کھینچنا تھا وہ فوراً ہی ناک  
 کے ذریعے باہر آ گیا۔ ماریا کو محسوس ہوا کہ سمندر کے اندر  
 پانی میں رہنے کے بھی اسے ہلکی ہلکی آکسیجن مل رہی ہے۔  
 یہ آکسیجن پانی میں کافی مقدار میں ہوتی ہے اور اسی کی  
 وجہ سے بعض مچھلیاں اور پودے سمندر کے اندر نشوونما  
 حاصل کرتے ہیں۔ مچھلیوں کے گچھڑوں میں قدرت نے ایسی  
 صلاحیت رکھی ہوتی ہے کہ وہ پانی میں سے آکسیجن الگ  
 کر کے مچھلی کو سپلائی کرتے ہیں جب کہ انسان ایسا نہیں کر  
 سکتا۔ لیکن ماریا پر یہ راز کھلا کہ وہ ایسا کر سکتی ہے۔ اس  
 کا مطلب یہ تھا کہ اس کی زندہ رہنے کی طاقت اپنی جگہ  
 پر قائم ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا جسم ظاہر ہو گیا تھا  
 اور ظاہر ہونے کے بعد ایک عورت کی طرح نازک بھی تھا۔  
 ماریا نے سمندر سے باہر سر نکال کر چاروں طرف دیکھا  
 اسے وہ جہاز کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا جس میں وہ تھیں۔  
 اس کا ساتھ سفر کر رہی تھی۔ اسے بے حد دکھ ہوا کہ جسم



۷۷  
 سے ملنے کے کچھ دیر بعد ہی وہ اس سے بچھڑ گئی۔ لیکن اس نے سبر شکر کر لیا کیوں کہ ملنا بچھڑنا تو زندگی میں ہوتا ہی رہتا تھا۔ ماریا نے اب سمندر میں تیرنا شروع کر دیا۔ طوفان جا چکا تھا۔ سمندر کی موجیں عام طرح سے بننے لگی تھیں۔ مگر آسمان پر ابھی تک بادل چھلے تھے۔ یہ بادل اتنے سیاہ نہیں تھے کہ ساری فضا میں اندھیرا چھا جاتا۔ ماریا کو سمندر کی موجیں ایک ہی جگہ اوپر نیچے کر رہی تھیں۔ تکیوں کے سمندر کے وسط میں موجیں اسی طرح حرکت کرتی ہیں۔ صرف کنارے سے کوئی سو پچاس میل قریب آکر سمندری موجیں ساحل کی طرف کھینچنا شروع ہوتی ہیں۔ موجوں کی پللی سے ماریا نے اندازہ لگا لیا کہ وہ سمندر کے درمیان میں ہے اور کنارہ وہاں سے کافی دور ہے۔ ماریا نے تیرنا شروع کر دیا۔

تیرتے تیرتے دن کافی گذر گیا۔ اچانک ماریا کی نظر دور ایک جہاز کے باجانبوں پر پڑی۔ یہ جہاز سمندر میں مغرب کی طرف سفر کر رہا تھا اور مختصری دیر بعد اسے ماریا کے قریب سے ہو کر گزرنا تھا۔ ماریا ایک خاص زاویے سے سمندر میں تیرنے لگی کہ جب یہ جہاز اس کے نزدیک سے گزرے تو وہ آواز دے کر جہاز کے مسافروں کو اپنی طرف

متوجہ کر سکے۔ جہاز کی رفتار اتنی زیادہ نہیں ہو سکتی تھی ہوا تیز ہوتی تو جہاز کی رفتار بھی تیز ہو جاتی تھی۔ مگر اس وقت ہوا زیادہ تیزی سے نہیں چل رہی تھی۔ چنانچہ جہاز جب ماریا سے کچھ فاصلے پر سے گذرا تو شام ہو چکی تھی سمندر میں ہلکا ہلکا اندھیرا اتر آیا تھا اور جہاز کے مستول پر تیل کی لائین روشن ہو گئی تھی۔ ماریا نے زور زور سے آوازیں دینی شروع کر دیں۔ جہاز کے عرشے یعنی ڈیک پر دو آدمی کھڑے سمندر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جو کسی عورت کی آواز سنی تو غور سے اندھیرے میں نظریں ڈالیں انہیں سمندر میں ایک جگہ انسان حرکت کرتا اور ہاتھ ہلاتا دکھائی دیا۔ انہوں نے پستان کو جا کر خبر کی۔

اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ جہاز کیسا تھا۔ آج بے سات سو برس پہلے جنوبی امریکہ کے ایک ملک برازیل میں پلین اور یورپ کے دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے عیسائیوں نے زمینوں پر نئی نئی کاشتکاری شروع کی تھی اور گنے کی فصل سے بے پناہ دولت کماتے تھے۔ انہیں گنے کے کھیتوں میں کام کرنے کے لئے مزدوروں کی ضرورت تھی۔ اس زمانے میں غلاموں کی خرید و فروخت کا عام رواج تھا۔ چنانچہ برازیل کے امیر زمینداروں نے بحری ڈاکوؤں سے رابطہ قائم کی



۷۴  
اور انہیں بھاری لٹا دیا کہ اگر وہ افریقہ سے جہتی غلام  
خرید کر لے آئیں تو انہیں ایک غلام کے عوض سونے کا ایک  
سکہ دیا جائے گا۔ بھری ڈاکوؤں نے یہ کیا کہ مغربی افریقہ کی  
کسی بندرگاہ کے ساتھ ساتھ جنگل کی بستیوں میں گھس کر حبشی  
عورتوں اور مردوں کو پکڑ کر سیوں سے باندھ کر جہاز پر لٹاتے  
اور پھر برازیل کی بندرگاہ ایگرنی پر انہیں برازیلی زمینداروں کے  
ہاتھ فروخت کر دیتے۔ ان حبشی غلاموں کو گنے کے کھیتوں  
میں کام پر لگا دیا جاتا اور حبشی عورتوں کو گھروں میں نوکرانیاں  
بن دیا جاتا۔ یہ زیادہ تر مسلمان ہوتے تھے۔ برازیل کے جاگیردار  
ان پر بے پناہ ظلم کرتے۔ رات کو انہیں زنجیروں میں باندھ کر  
جانوروں کے ساتھ ٹولیوں میں رکھا جاتا۔ انہیں کھانے کے لئے  
دن میں صرف ایک بار گندہ مندا شوربہ اور سوکھی روٹی دی  
جاتی۔ ان میں سے اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو اسے مرنے کے لئے  
کھیتوں میں یا کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیا جاتا اور اس  
کی جگہ دوسرا غلام لا کر کام پر لگا دیا جاتا۔

جس جہاز کو ماریا نے دور سے دیکھ کر آواز دی تھی  
اس جہاز میں بھی افریقہ کے حبشی غلاموں اور عورتوں کو اٹھا  
کر کے برازیل لے جایا جا رہا تھا۔ جہاز کے عرشے پر اس  
غلام فروش جہاز کا ظالم کپتان اپنے سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔

کپتان نے حکم دیا کہ سمندر میں جو شخص ٹوٹ رہا ہے اسے  
بجائے جہاز پر لایا جائے۔ کپتان اسے کوئی مرد سمجھا تھا مگر جب  
اس نے دیکھا کہ یہ ایک خوبصورت نوجوان عورت ہے جس  
کا نہ صرف رنگ گورا چٹا ہے بلکہ بال بھی سنہری ہیں اور  
ہاتھیں بھی نیلی ہیں تو خوشی سے اس کی باجھیں کھل گئیں۔ وہ  
اس عورت یعنی ماریا کو کسی امیر جاگیردار کے پاس بیچ کر  
سونے کے کم از کم ایک سو کتے حاصل کر سکتا تھا۔ اس نے  
ماریا کے ساتھ بڑا خوش اخلاقی کا سلوک کیا۔ اسے نئے کپڑے  
پہننے کو دیئے۔ گرم گرم شوربہ پلایا اور پھر اس سے پوچھا کہ  
وہ کون ہے اور سمندر میں کیسے گر پڑی؟ ماریا نے یونہی  
کہہ دیا کہ وہ ایک جہاز میں سفر کر رہی تھی جو طوفان میں ٹوٹ گیا  
اور اس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی۔ ماریا کو اگرچہ جہاز  
کے کپتان نے اچھی طرح رکھا تھا مگر وہ دیکھ رہی تھی کہ جہاز  
کے کپتان اور نیچے کے حصے میں سیاہ فام حبشی مرد اور  
عورتیں جانوروں کی طرح زنجیروں سے بندھے ہوئے ہیں۔ ماریا  
خاموش رہی مگر چوکٹی ہو گئی۔





## پراسرار چاپ

بادبانی جہاز کھلے سمندر میں سفر کر رہا تھا۔  
اسے سمندر میں سفر کرتے گیارہ دن گزر گئے تھے مگر  
ابھی تک زمین نظر نہ آئی تھی۔ کیپٹن ماریا کی بڑی دیکھ بھال  
کرتا تھا۔ اسے ایک کیمین میں رکھا گیا تھا اور ایک حبشی نوکرانی  
اس کی خدمت پر لگا دی تھی۔ کیپٹن چاہتا تھا کہ ماریا کی  
صحت اچھی رہے تاکہ اسے اس کی زیادہ قیمت مل سکے۔  
حبشی نوکرانی پہلے تو ماریا سے کوئی بات ہی نہیں کرتی تھی۔  
اس کے لیے کھانے کا سامان لے کر آتی اور چلی جاتی۔ ماریا  
اسے بلاتی تو وہ سہمی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر تکتی اور جلدی  
سے واپس چلی جاتی۔

آخر ایک روز ماریا نے اسے زبردستی اپنے پاس بٹھالیا  
اسے اناس اور انگور کھانے کو دیئے۔ حبشی عورت بہت  
سی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے بہت کم کھانے کو دیا  
جاتا ہے۔ اس نے ماریا کے مجبور کرنے پر مقوڑا سا پھل

کھایا اور پھر بھاگ گئی۔ دوسرے روز بھی ماریا نے اسے  
پھل کھانے کو دیا۔ تین چار روز گزرنے کے بعد حبشی عورت  
ماریا سے مقوڑی بہت بات کرنے لگی۔ اس نے آنکھوں میں  
آتش بھر کر بتایا کہ اس کا نام یولشی ہے اور اسے اس  
خاوند حارث کے ساتھ گاؤں سے پکڑ کر برازیل لے جایا  
جا رہا ہے جہاں ان دونوں کو بیچ دیا جائے گا۔ اب ماریا  
پر یہ بھیہ کھلا کہ یہ بردہ فروشوں کا جہاز ہے اور اس پر  
افریقہ کے ساحلی علاقوں سے پکڑے ہوئے حبشی مرد عورتوں  
کو لاد کر برازیل فروخت کرنے کے لیے جایا جا رہا ہے۔  
ماریا نے یولشی سے پوچھا کہ اس کے خاوند کا نام مسلمانوں  
ایا ہے۔ کیا وہ مسلمان ہے؟  
یولشی نے کہا:

”ہاں ہم میں سے اکثر مسلمان ہیں۔ میں بھی مسلمان  
ہوں اور میرا خاوند بھی مسلمان ہے۔ لیکن یہ لوگ  
ہمیں نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے۔ جیسے کہ کسان نے  
اپنی خدمت کے لیے لگے ہوئے ہیں۔ اس سوا سوا مقوڑا  
بہت تپتا ہوا کھانے کو مل جاتا ہے مگر میرا خاوند  
دوسرے مسلمان خادموں کے ساتھ نیچے ایک بال کرے  
میں زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے۔ اسے کھانے کو دن



میں سوائے شور بے اور باسی روٹی کے اور کچھ نہیں ملتا۔

ماریا کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ ان امن پسند مسلمان حبشیوں پر اس قدر ظلم کیا جا رہا ہے اور انہیں ڈھور ڈھگروں کی طرح پکڑ کر دوسرے ملک فروخت کرنے کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔ مگر اس کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ ان لوگوں کی زیادہ مدد کر سکتی پھر بھی اس نے فیصلہ کر لیا کہ ان کی جتنی مدد ہو سکی وہ ضرور کرے گی۔

یوشی نے ماریا سے کہا: تم بھی ان کی غلام ہو۔ کنیز ہو۔ تمہارے ساتھ اس لیے اپنی سیوک کیا جا رہا ہے تاکہ جس وقت تمہیں فروخت کیا جائے تو تمہاری صحت اچھی ہو اور تمہارا زیادہ دام مل سکے۔

ماریا کا دل جیسے بیٹھ گیا۔ اب اس پر یہ راز کھلا کہ اس کی اتنی خدمت کیوں کی جا رہی تھی۔ وہ غائب بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ ٹھیک ہے مگر وہ مر نہیں سکتی تھی مگر مصیبت میں ضرور پھنس سکتی تھی۔ اسے ناگ عنبر کیٹی اور تھوہا لگ گیا۔ خیال آنے لگا۔ ان میں سے اگر کوئی بھی اس وقت اس

کے پاس ہوتا تو اس کو مصیبت سے نجات دلا سکتا تھا۔ مگر وہ اکیلی تھی۔

جہاز بیس روز تک بحر اوقیانوس کے طوفانی پانیوں میں سفر کرتے کے بعد برازیل کے مشرقی ساحل کی بندرگاہ لیگوری پہنچ گیا۔ حبشی سیاہ فام مسلمان غلاموں اور عورتوں کو ہنسر مار مار کر جہاز سے نیچے اتارا گیا۔ اس کے پاؤں میں زنجیریاں پڑی تھیں اور ان کا بڑا حال ہو رہا تھا۔ راستے میں کتنے ہی غلام مر گئے تھے اور ان کو سمندر میں پیس دیا گیا تھا ماریا کو کپتان اپنے ساتھ نیچے لے گیا۔ پھر اسے بھی دوسرے غلاموں کی طرح ایک تخت پر کھڑا کر دیا گیا۔ اب اس کی بولی لگنی شروع ہو گئی۔ ماریا کی حفاظت کے لئے کپتان کے چار سپاہی تلواریں لیے اس کے پیچھے کھڑے تھے۔ دوسرے مرد گاجر مولیٰ کی طرح ایک ایک کتے کے حوض دیکھتے دیکھتے فرخت کر دیئے گئے۔ ماریا چونکہ نوجوان اور بہت خوبصورت تھی اس لیے اس کی بولی بڑھنے لگی۔ کپتان بڑا خوش تھا۔ وہ ماریا کی طرف اشارہ کر کے بار بار کہتا:

دیکھو۔ اس کے بال سنہری ہیں۔ اس کی آنکھیں نیلی ہیں۔ اس کا رنگ گورا ہے۔ یہ نوجوان ہے ایسی نوندى متیں کہیں نہیں ملے گی۔



امیر لوگ جو جہاز کی آمد کا سن کر پہلے ہی سے وہاں جمع ہو گئے تھے۔ بڑے چڑھ کر بول دے رہے تھے۔ آخر ایک کانے جاگیردار نے سونے کے دو سو سکوں کے عوض ماریا کو خرید لیا۔ ماریا بے بس تھی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی جس کانے جاگیردار نے اسے خریدا اس کا پیٹ باہر کو نکلا ہوا تھا۔ ایک آنکھ کاٹی تھی۔ سر سے گنچہ تھا اور عمر میں ماریا کے باپ سے بھی بڑا تھا۔ اس کے دو دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ ماریا کو سخت نفرت اور کراہت محسوس ہوئی مگر وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس جاگیردار کا نام روڈی تھا۔ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ماریا کو پاکی میں ڈال کر حویلی میں پہنچا دیا جائے۔ یہ حویلی بندرگاہ سے دور ساحل سمندر کے جنگل میں بنی ہوئی تھی۔ حویلی کی چاروں طرف پتھر کی اونچی دیوار تھی۔ صرف ایک گیٹ تھا جس پر برازیلی ہٹے کٹے سپاہی تھواریں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا کو حویلی کے اندر ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں بوڑھی عورتوں نے اسے نہلایا دھلایا۔ نئے کپڑے پہنائے اور عمدہ کھانا کھلایا۔ ماریا خاموشی سے کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے دل میں یہاں سے فرار ہونے کا منصوبہ تیار کر رہی تھی۔ شام تک ماریا نے ایک بجے کمرے کے چنگ پر آرام کیا۔ اس کے بعد اس کا

مالک کا نا جاگیردار روڈی آ گیا۔ اس نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا اور پیچھے کی طرح چلا آ رہا تھا۔ ماریا اسے دیکھتے ہی سمٹ کر بیٹھ گئی۔ کانے جاگیردار نے ماریا کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا:

اب تم میری بیوی ہو۔ مگر اس حویلی میں بیوی بن کر انہیں بلکہ کنیز بن کر رہو گی۔ صرت کنیز کی رات تمہیں یہ کمرہ دیا گیا ہے۔ کل سے تم حویلی کی اوپر والی منزل کی ایک کونٹری میں رہا کرو گی۔

ماریا نے کانے کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا: میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔ اگر تم نے مجھ سے زبردستی شادی کرنے کی کوشش کی تو میں اپنا سانس روک کر خود کشی کر لوں گی۔

کانے جاگیردار نے چلا کر غلاموں کو بلا لیا۔ دو برازیلی ہٹے کٹے غلام ہاتھوں میں نیزے لئے اندر آ گئے۔ کانے جاگیردار نے حکم دیا:-

اس گستاخ عورت کو باغ والی کونٹری میں لے جا کر بند کر دو۔ اس کے ساتھ وہی سلوک کرو



جو ہم ایسی عورتوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں جب  
اس کا دماغ ٹھیک ہو جائے گا تو اسے میرے  
پاس لے آنا۔

برازیلی غلاموں نے اسی وقت ماریا کو بازوؤں سے پکڑا  
اور اسے گھسیٹے ہوئے سوئی کے باغ کے کونے والی ایک  
تنگ وتاریک کوٹھڑی میں لے جا کر بند کر دیا اور باہر تالا  
لگا دیا۔ ماریا کو دن میں صرف ایک بار کھانا اور پانی کا  
ایک کٹورا پینے کو ملتا۔ ماریا کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں  
تھی۔ اسے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ کالے جاگیردار کی بیوی  
بننے سے بچ گئی ہے اور کوٹھڑی میں رہ کر فرار ہونے کی  
کوئی ترکیب سوچ سکتی ہے۔ لیکن وہاں سے فرار ہونا تقریباً  
امس تھا۔ ایک تو کوٹھڑی میں کوئی روشندان یا کھڑکی نہیں  
تھی۔ دوسرے اس کا ایک ہی دروازہ تھا جس پر تالا لگا رہتا  
باہر برازیلی پہرے دار ہر وقت پہرہ دیتے تھے۔

دوسری طرف ایسا ہوا کہ تھیوسانگ نے جب دیکھا کہ  
بادلوں کے اوپر گئی اور پھر واپس نہیں آئی تو وہ  
ن ہو گیا۔ طوفان ابھی تک جاری تھا۔ جہاز کا آدھا  
سمندر میں غرق ہو گیا تھا اور باقی کا آدھا حصہ  
مکڑوب رہا تھا۔ ہر طرف افراتفری مچی تھی۔ کسی کو کسی

کی خبر نہیں تھی۔ ہر کوئی اپنی اپنی جان بچانے کی فکر میں  
تھا۔ کئی مسافر سمندر میں کود مکر مر گئے۔ آخر جہاز کا دوسرا  
حصہ بھی غرق ہو گیا۔ تھیوسانگ کے ہاتھ لکڑی کا ایک  
تختہ آ گیا۔ وہ اس پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ سمندری موجوں نے  
بہت جلد تھیوسانگ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ جب طوفان  
تھا۔ بادل چھٹے اور اندھیرا غائب ہوا تو تھیوسانگ نے  
دیکھا کہ وہ کھلے سمندر میں چھوٹے سے تختے پر تیر رہا ہے۔  
دُور دُور تک سوائے سمندر کی موجوں کے اور کچھ دکھائی  
نہیں دے رہا تھا۔ تھیوسانگ کو ماریا کی بہت فکر لگی  
تھی کہ خدا جانے وہ اوپر ہی اوپر آسمان میں کہاں غائب  
ہو گئی ہے۔ وہ بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھتا کہ  
شاید کسی طرف سے ماریا آ جائے۔

اسی طرح سمندر میں بے یار و مددگار سفر کرتے سارا  
دن گزر گیا۔ رات آ گئی۔ سمندر پر اندھیرا چھا گیا۔ لہروں  
کی آواز دہشت ناک محسوس ہونے لگی۔ تھیوسانگ تختے پر  
چپ چاپ بیٹھا رہا۔ رات بھی گزر گئی۔

صبح ہوئی تو سورج کی چمکیں دشتی میں تھیوسانگ نے  
دیکھا کہ ایک جہاز کے بادبان دیکھے۔ یہ جہاز سمندر میں بہا چلا جا  
رہا تھا۔ تھیوسانگ نے غور سے دیکھا تو اس کا رخ مغرب



نے سارے عرشے پر گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں  
 تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ اگر یہ مسافر بردار جہاز نہیں ہے  
 تو اس جہاز کا عملہ کہاں چلا گیا؟ اگر مسافر نہیں ہیں تو  
 جہاز کے ملاحقوں کو تو ہونا چاہیے۔ وہ کہاں غائب ہو گئے  
 ہیں؟ تھیوسانگ جہاز کے نیچے دوسری منزل میں آیا تو  
 یہاں اسے سخت بو آئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ جہاز کی راہروی  
 اور نیم روشن کیمبنوں میں جہاز کے عملے کی گلی مڑی لاشیں  
 پڑی ہیں۔ وہ جہاز کے بڑے کیبن میں گیا۔ یہاں جہاز کے  
 کپتان کی لاش پڑی تھی۔ میز پر کپتان کی لاگ فبک کھل  
 پڑی تھی۔ تھیوسانگ نے کپتان کے لکھے ہوئے آخری الفاظ  
 پڑھے۔ کپتان نے لکھا تھا کہ آج جہاز پر بیماری پھیلے ساتوں  
 روز ہے۔ میرے عملے کے سارے ملاج مر چکے ہیں اور  
 میں مر رہا ہوں۔ میں نے اس وبا کا بہت علاج تلاش  
 کرنے کی کوشش کی ہے مگر کامیاب نہیں ہوا۔ ایسا ہوتا  
 ہے کہ رات کو عرشے پر کسی کے قدموں کی چاپ سنا  
 دیتی ہے۔ پھر صبح کو کوئی نہ کوئی ملاج مر جاتا ہے۔ آج  
 رات میں اکیلا تھا۔ میں نے اوپر عرشے پر کسی کے قدموں  
 کی چاپ سنی ہے اور بیٹھا لاگ فبک لکھ رہا ہوں تاکہ  
 یہاں سے مرنے کے بعد یہ تحریر لوگ پڑھ لیں جو ابھی تک

کی طرف تھا۔ تھیوسانگ نے ہاتھوں کو پیچو بنا کر جتنے کو جہاز  
 کی طرف لے جانے کی کوشش شروع کر دی۔ خود ہی دیر بعد تھیوسانگ  
 جہاز کے قریب پہنچ گیا۔ جہاز کے عرشے پر کوئی انسان نظر  
 نہیں آ رہا تھا۔ جہاز کے بادبانوں میں ہوا بھری ہوئی تھی  
 مگر تھیوسانگ نے محسوس کیا کہ جہاز دائیں بائیں ڈولتے ہوئے  
 آگے بڑھ رہا ہے۔ حالانکہ بادبانی جہاز کو سمندر میں کنٹرول  
 کر کے چلایا جاتا ہے اور وہ دائیں بائیں اتنا زیادہ نہیں  
 ڈولا کرتا۔ تھیوسانگ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس جہاز  
 کو کوئی بھی کنٹرول نہیں کر رہا۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا؟  
 تھیوسانگ اپنے تختے کو جہاز کے پینڈے کے ساتھ اس  
 جگہ لے آیا جہاں جہاز کے عرشے کے جھکے پر سے ایک  
 رسم نیچے لٹک رہا تھا۔ تختے کو چلتے جہاز کے ساتھ لگانا  
 بہت مشکل کام تھا۔ جہاز کی دیوار کے ساتھ ساتھ پیچھے کو  
 پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ بار بار کوشش کے باوجود تھیوسانگ  
 تختے کو جہاز کے ساتھ نہ لگا سکا۔ آخر اس نے تختے پر سے  
 سمندر میں چھلانگ لگا دی اور تیرتا ہوا جہاز کے  
 جھکے سے لٹکے ہوئے رستے تک پہنچ گیا۔ اس نے رستے کو  
 اپنے قابو میں کر لیا اور تیزی سے جہاز کے اوپر چڑھ آیا۔  
 دن کی روشنی خوب نکلی ہوئی تھی۔ عرشے پر نہ آدم تھا نہ  
 کوئی آدم زاد تھا۔ جہاز ڈولتا ڈولتا چلا جا رہا تھا۔ تھیوسانگ



۸۶  
 لغات طاری ہو رہی ہے۔ جسم سے جان نکلتی محسوس  
 ہو رہی ہے۔ ابھی صبح نہیں ہوئی لیکن مجھے یقین ہے کہ  
 صبح ہونے تک میں مر چکا ہوں گا۔  
 اس کے آگے لاگ ٹہک کا صفحہ خالی تھا۔

تھیوساگ نے لاگ ٹہک کو پیچھے سے پڑھا۔ یہ جہاز  
 شمالی افریقہ کی کسی بندرگاہ سے مال لے کر چلا تھا اور مالا  
 گاسی جا رہا تھا جس کا نام مڈغاسکر بھی ہے۔ تھیوساگ  
 نے لاگ ٹہک بند کر دی اور کیبن میں سے نکل کر  
 جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ کیونکہ نیچے سخت بو کی وجہ سے  
 وہ زیادہ دیر بٹھہر نہیں سکتا تھا۔ قدموں کی چاپ کا ایک  
 پراسرار معنی تھا جو تھیوساگ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا  
 کہ یہ کس کے قدموں کی چاپ رات کو سناؤ دیتا ہے  
 کہ پھر صبح کو ایک ملاج مر جاتا تھا۔ اب وہ جہاز پر  
 چڑھ آیا تھا۔ واپس سمندر میں چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا  
 وہ سوچتے لگا کہ کیا اب بھی رات کو وہ پراسرار چاپ  
 سناؤ دے گی کہ نہیں؟ کیوں کہ جہاز کے عملے کو مر  
 کئی روز ہو گئے تھے۔ تھیوساگ نے ایک بار پھر جہاز  
 کی دوسری منزل میں جا کر تلاشی لی۔ جہاز میں گرم مالا  
 کی بوریوں بھری ہوئی تھیں۔ سب سے نچلی منزل پر

زیتون کے تیل کے بڑے بڑے ٹکے ہی ٹکے نظر آ  
 رہے تھے۔ وہ اوپر آ گیا۔ کیونکہ یہاں بھی بو کی وجہ  
 سے دم گھٹ رہا تھا۔ اگرچہ تھیوساگ کا دم نہیں گھٹ  
 سکتا تھا لیکن تیز بو اس سے برداشت نہیں ہو رہی  
 تھی۔ وہ کپتان کے کیبن سے کمپاس اٹھا لایا تھا۔ عرشے  
 پر دھوپ میں آ کر اس نے کمپاس کو تنچے پر رکھ کر  
 دکھیا۔ جہاز کا رخ شمال مغرب کی طرف تھا۔ اس کا  
 مطلب تھا کہ اگر جہاز شمالی افریقہ کی کسی بندرگاہ سے چلا  
 ہے تو شمال مغرب کی طرف وہ کسی نئے براعظم کی طرف  
 جا رہا ہے۔ اس براعظم کے بارے میں تھیوساگ کو  
 پورا علم تھا۔ یہ وہ براعظم تھا جو بعد میں شمالی امریکہ اور  
 جنوبی امریکہ بنا اور جہاں تھیوساگ نے عنبر ناگ کیٹی اور  
 بادیا کے ساتھ تیسری ایٹمی جنگ کی تباہی اپنی آنکھوں سے  
 دیکھی تھی۔ جب ساری دنیا تباہ ہو گئی تھی۔ وہ تو اس وقت  
 دنیا پر گذر چکے واقعات کے عکس میں آ گیا تھا جہاں وہی  
 واقعات ایک بار پھر دہرائے جا رہے تھے جو کچھ ایک بار ہو  
 چکا تھا دوسری بار پھر ہو رہا تھا۔ وہی دنیا تھی۔ وہ زمین،  
 آبی سمندر، وہی ستارے تھے اور تاریخ ایک بار پھر اپنے  
 آپ کو پورے واقعات اور حادثات کے ساتھ دہرا



رہی تھی۔ یہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے کوئی کسی فلم کو دوبارہ  
چلتے ہوئے دیکھے اور اس میں خود بھی شامل ہو جائے۔ اگر یہ  
جہاز نے براعظم کی طرف جا رہا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ  
یا تو شمال امریکہ میں یا شمالی برازیل کے کسی ساحل پر جا پہنچے گا  
تھیوساگ نے جہاز کے سامنے والے حصے میں کھڑے ہو کر  
دور دیکھا۔ اسے سوائے سمندر کی ابھرتی ہوئی موجوں کے اور  
کچھ نظر نہ آیا۔ یہ بحر اوقیانوس تھا جو ایک بہت وسیع سمندر تھا۔  
جب شام ہو گئی تو تھیوساگ کو پراسرار قدموں کی چاپ  
کا خیال آ گیا۔ اس نے سوچا کہ اپنے قد کو چھوٹا کر کے کسی  
جگہ عرشے پر چھپ جانا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ آدھی رات  
کو کس کے قدموں کی چاپ آتی ہے۔ رات کا اندھیرا سمندر  
میں چادروں کی طرح پھیل گیا۔ ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ تھیوساگ  
نے اپنے جسم کے ساتھ انگلی لگائی۔ وہ اپنے انگوٹھے کے  
برابر چھوٹا ہو گیا۔ وہ عرشے کے کونے میں جہاں موٹے موٹے  
رستوں کا ڈھیر پڑا تھا چھپ کر بیٹھ گیا۔

رات گہری سے گہری ہوتی چلی گئی۔ ایک عجیب سی دشت  
انجیر خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی میں لہروں کے جہاز سے نکلنے  
کی ہلکی ہلکی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ یہ آواز بھی سمندر کی خاموشی  
کا ایک حصہ بن گئی تھی۔ رات گذرتی چلی گئی۔ تھیوساگ خاموشی

پر کان لگائے رستوں کے درمیان چپ چاپ بیٹھا تھا۔ وہ  
جہاز کے عرشے کو ٹھیک رہا تھا جو ستاروں کی پھسکی پھسکی روشنی  
میں بالکل دیران تھا۔ رات نہ جلنے کتنی گذر چکی ہو گی کہ  
اسے ایک آواز سنائی دی۔ تھیوساگ کے کان کھڑے ہو  
گئے۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی آہستہ آہستہ عرشے کے  
تختوں پر چل رہا ہو۔ آواز جہاز کے سامنے والے رُش سے  
اس کی طرف آ رہی تھی۔ جہاں تھیوساگ رستوں کے ڈھیر  
میں چھپا ہوا تھا وہاں قریب ہی جہاز کی چوٹی لگی تھی جسے  
تھیوساگ نے سمت کو درست رکھنے کے لئے رستی سے  
باندھ دیا تھا۔

یہ قدموں کی چاپ تھی جو تھیوساگ کی طرف آ رہی  
تھی۔ تھیوساگ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اسے عرشے  
پر کوئی انسان چلتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر اس کے  
قدموں کی آواز برابر آ رہی تھی۔ یہ آواز بھاری بھر کم  
جوتوں کی تھی جو عرشے کے ٹکڑی کے ننھے سے لگ کر  
آواز پیدا کر رہے تھے۔ تھیوساگ کے جسم میں ایک  
سنسنی سی دوڑ گئی۔ خدا جلنے یہ کونسی بلا ہے جو اس کی  
طرف بڑھی چل آ رہی ہے۔ تھیوساگ نے ایسے موقعوں  
پر کبھی حوصلہ نہیں اٹھایا تھا چنانچہ اب بھی وہ اپنے ہوش و



اس کو قابو میں رکھے ہوئے تھا۔ قدموں کی چاپ اس کے قریب آ کر ٹک گئی۔ پھر کسی نے ان دیکھے ہاتھوں سے چرخ کی رستی کھول دی۔ تھیوسانگ نے ستاروں کی دھندلی روشنی میں دیکھا کہ چرخ کی رستی اپنے آپ الگ ہو کر عرش پر گر پڑی اور جیسے کسی نے اسے آہستہ آہستہ ایک طرف گھماتا مشروع کر دیا تھیوسانگ کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس قدموں کی چاپ کا اس کے اپنے جسم پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑا تھا اور وہ اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ جہاز کا رخ چرخ گھمانے سے ذرا سا بائیں جانب کو ہو گیا ہے۔ پھر چرخ ایک جگہ ٹک گئی اور ان ہی ان دیکھے ہاتھوں نے چرخ کی رستی سے بازو دیا۔ رستی اپنے آپ فرش پر اٹھ کر چرخ پر گئی اور اس کے گرد پٹنے لگی۔

اب ایک بار پھر بھاری قدموں کی پراسرار چاپ اس کے قریب سے گذر کر جہاز کے سامنے والے رخ کی طرف چلا گئی۔ جہاز کے عرش کے عین درمیان میں وہ زینہ تھا جو جہاز کی پچلی منزل کو جاتا تھا۔ اب اس نے ایسی آواز سنی جیسے کوئی زینہ اتر رہا ہے۔ تھیوسانگ رستے کے ڈھیر میں سے نکل کر عرش کے زینے کی طرف بڑھا۔ زینے کے قریب پہنچ کر وہ ٹک گیا اور کان لگا دیئے۔ قدموں کی چاپ

زینے میں نیچے اترتی جا رہی تھی۔ پھر آواز بند ہو گئی۔ پھر شخص جہاز کی دوسری منزل میں جا چکا تھا۔

تھیوسانگ زینے کی چوکھٹ میں آ کر کونے سے لگ گیا اور نیچے جھانک کر دیکھا۔ اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ کوئی آسیب ہے یا بھوت ہے یا کسی کی بدروح ہے کیا؟ آخر وہ اس جہاز پر ہر رات باتوں سے کیوں آتی ہے اور اس کی آواز پر طالع کیوں مرجھاتے تھے جب کہ تھیوسانگ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ یہ مود تھیوسانگ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کوئی ایک منٹ تک وہ زینے کی چوکھٹ سے لگا رہا۔ پھر اسے قدموں کی چاپ اوپر آتی سنائی دی۔ تھیوسانگ بھاگ کر ایک بار پھر رستوں کے ڈھیر میں کود کر چھپ گیا۔ وہ رستوں کے اندر سے باہر دیکھ رہا تھا۔ کوئی انسان عرش پر نہیں تھا لیکن قدموں کی چاپ برابر سنائی دے رہی تھی۔ اب یوں محسوس ہوا جیسے یہ غیبی پراسرار انسان عرش پر بے چینی سے ٹھل رہا ہے۔ کبھی اس کے قدموں کی رفتار تیز اور کبھی ایک دم سے ہلکی ہو جاتی۔ پھر کبھی ٹک جاتی جیسے پراسرار غیبی شخص ٹک کر سمندر کی طرف دیکھ رہا ہو یا کسی کا انتظار کر رہا ہو۔

تھیوسانگ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے آسمان پر



کسی بڑے پرندے کے پردوں کی پھر پھر اسٹ سٹانی دی۔ یہ پھر پھر اسٹ بھانڈ کے عرشے پر آکر گر گئی۔ اب اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سٹانی دی۔ یہ آواز گہری اور سپاٹ تھی۔

ایک آواز نے کہا:

”اب ہمارا یہاں رہنا بے کار ہے۔ ہم نے جہاز کے عملے سے بدلہ لے لیا ہے۔“

دوسری آواز نے پوچھا:

”کیا سب کے سب لوگ مر گئے ہیں؟“

پہلی آواز نے کہا:

”ہاں۔ نیچے ان سب کی لاشیں پڑی ہیں۔“

دوسری آواز نے: ”تو پھر اس جہاز کو سمندری چٹانوں

والے جزیرے کی طرف دھکیں دو تاکہ چٹانوں

سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ ہمارا انتقام اس

کے بعد پورا ہو جائے گا۔“

پہلی آواز نے کہا:

”میں اسے چٹانی جزیرے کی طرف دھکینے لگا ہوں

اس کے ساتھ ہی میں آؤں گا کہ تمہارے پاس آ

جائیں گے اور ہم واپس اپنی دنیا میں چلے جائیں گے۔“

فوراً ہی جہاز کو ایسے دھچکا لگا جیسے کسی نے سمندر میں اسے زور سے ٹکرا دیا ہو۔ تھیسو ساگ رستوں کے اندر گر پڑا۔ وہ اٹھا تو دیکھا کہ جہاز طوفانی رفتار کے ساتھ ایک طرف بہا چلا جا رہا تھا۔ یہ رفتار اتنی تیز تھی کہ جہاز کے بادبان بھی اسے نہیں روک سکے تھے۔ تھیسو ساگ نے رستوں میں سے نکل کر دوسری طرف جھٹکے کے پاس جا کر دیکھا۔ جہاز کسی تیز رفتار ریل گاڑی کی طرح سمندر میں اڑا چلا جا رہا تھا۔ تھیسو ساگ نے رستوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اب جو اس نے سر باہر نکال کر دیکھا تو سامنے ایک جزیرے کی اونچی اونچی مخروطی چٹانیں جہاز کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔ جہاز جزیرے کی ان ساحلی چٹانوں سے ٹکراتے والا تھا۔ تھیسو ساگ جاننا تھا کہ ایسی انسان جہاز کو دھکا دیا جا چکے ہوں گے پھر بھی وہ باہر نکل کر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ جہاز دیکھتے دیکھتے جزیرے کے ساحل پر چڑھ گیا اور اس کا سچلا حصہ ایک چٹان سے جا کر ٹکرا گیا۔ دھماکہ ہوا اور جہاز کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ تھیسو ساگ اچھل کر ساحل کی ریت پر جا گرا۔ اس نے اٹھتے ہی چاروں طرف دیکھا۔ ہر طرف بھیانک سناٹا چھایا تھا۔ جزیرے پر جیسے موت کی خاموشی کا راج تھا۔ ہر طرف لوکیں چٹانیں ہوں



تھیں۔ ان کے پیچھے درختوں کے جھنڈوں کی دو قطاریں اندھیر  
میں نظر آ رہی تھیں۔

بادبانی جہاز کا آدھا پچھلا حصہ سمندر میں ڈوب چکا تھا۔  
اس کا اگلا آدھا حصہ ساحل پر چڑھ آیا تھا اور ایک طرف  
کو جھک گیا تھا۔ تھیوسانگ کے لیے یہ ایک نئی مشکل پیدا  
ہو گئی تھی۔ مگر وہ اس کے مقابلے کے لئے پوری طرح تیار  
تھا۔ اس نے چٹانوں میں گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں سولے ان  
بدشکل ڈراؤنی چٹانوں اور زمین پر بکھرے ہوئے پتھروں کے  
اور کچھ نہیں تھا۔ دور درختوں کی قطاریں ضرور تھیں مگر تھوڑی  
نے سوچا کہ دن کی روشنی میں وہ اس طرف ہوا کر جائزہ  
لے گا۔ چنانچہ وہ چٹانوں سے نکل کر ساحل سمندر پر آ گیا  
اور جہاز کے ٹوٹے پھوٹے حصے کے قریب ہی ایک جگہ  
چٹان پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

یہ جزیرہ اسے کچھ زیادہ بڑھا نہیں لگتا تھا۔ اس کے سونے  
ایک جانب تاریک سمندر پھیلا ہوا تھا۔ پراسرار غیبی لہروں  
کا مہمہ اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اب اسے  
سے معے کو مل کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ منے  
نے خود اسے ایک مہمہ بنا کر جزیرے پر پھینک دیا تھا۔  
تھیوسانگ سوچنے لگا کہ رات گزر جائے تو وہ یہاں سے

جہاز سے کسی ٹوٹے پھوٹے تختے پر بیٹھ کر نکلنے کی کوشش  
کرے گا۔ کیونکہ اس ویران جزیرے پر وہ کب تک رہ سکتا  
تھا۔ خدا خدا کر کے رات گزری اور مشرق میں سورج نکلا۔  
چاروں طرف دن کی روشنی پھیلی تو تھیوسانگ چٹان پر سے اتر  
کر اس طرف آیا جہاں جہاز کا ٹوٹا پھوٹا اگلا حصہ ساحل پر  
چڑھ آیا تھا۔ تھیوسانگ کسی مضبوط اور صحیح سالم لکڑی کے  
ٹکڑے کی تلاش میں جہاز کے قریب آیا تو اسے جہاز کے  
پنڈے پر بالکل سامنے سے روشنی سی نکلتی نظر آئی۔ وہ بڑا  
حیران ہوا کہ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔ وہ قریب  
گیا تو دیکھا کہ جہاز کے پنڈے پر اگلے حصے میں کالے رنگ  
کا ایک ناشپاتی کے سائز کا موتی جڑا ہوا ہے۔ اسے تعجب  
ہوا کہ یہاں اتنا بڑا سیاہ موتی کس نے لگا دیا۔ اور یہاں  
موتی لگانے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ تھیوسانگ نے موتی  
کو ہاتھ سے چھوا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے موتی آہستہ  
آہستہ دھڑک رہا ہے۔

اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ دوسری بار ہاتھ لگایا تو اسے  
پھر وہ ہلکی ہلکی انسانی دل کی دھڑکن سنائی دی۔ اب ایک  
حیرت انگیز بات ہوئی جس نے تھیوسانگ کو چونکا دیا۔  
اسے عجیب اتفاق سے ناگ کی ہلکی ہلکی خوشبو آ رہی تھی۔



۹۶  
تھیوسانگ تو ایک دم سے ہوشیار ہو گیا۔ ناگ کی خوشبو کہاں سے آ رہی ہے؟ اس نے اپنا منہ جہاز کے پینڈے کے قریب کیا تو وہ دیکھ کر دنگ ہو کر رہ گیا کہ ناگ کی خوشبو سیاہ بڑے موتی میں سے آ رہی تھی۔ اس نے ناگ سیاہ موتی کے ساتھ لگا دی۔ ہاں۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ ناگ کی خوشبو اسی کالے موتی میں سے آ رہی تھی۔

یہ کیا راز ہے؟ کیا یہ ناگ کا موتی ہے؟ کیا یہ موتی ناگ کے پاس تھا جس کی وجہ سے اس میں اس کی خوشبو رچ بس گئی ہے؟ اے کیا معلوم کہ یہ ناگ کا موتی نہیں بلکہ خود ناگ تھا۔ جسے منگلا دیوی نے موتی کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔ ناگ نے بھی تھیوسانگ کو دیکھ لیا تھا اور وہ اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا کہ چلو تھیوسانگ سے اس کی ملاقات تو ہو گئی مگر ناگ صرف سن سکتا تھا۔ دیکھ سکتا تھا۔ محسوس کر سکتا تھا۔ وہ خود بول نہیں سکتا تھا۔ کوئی لفظ ادا نہیں کر سکتا تھا۔ ناگ کی خواہش تھی کہ تھیوسانگ اسے جہاز کے پینڈے سے اکھاڑ کر اپنے پاس رکھ لے۔

تھیوسانگ نے بھی ایسا ہی کیا۔ چونکہ اسے سیاہ موتی سے ناگ کی خوشبو آ رہی تھی اس لیے اس نے اسے

پینڈے کی کڑی میں سے اکھاڑ لیا۔ اب اس نے جہاز سے کالے موتی کو دیکھا۔ اسے سونگھا۔ موتی کے اندر سے ناگ کی خوشبو باقاعدہ آ رہی تھی۔ اس نے بے اختیار کہا: "ناگ! کہیں تم اس کے اندر تو نہیں ہو؟" ناگ نے دل میں کہا:

ہاں تھیوسانگ! میں ناگ ہوں۔ میں اس کے اندر نہیں ہوں بلکہ میں خود موتی بن گیا ہوں۔

مگر ناگ کی آواز تھیوسانگ نہیں سن سکتا تھا۔ تھیوسانگ نے ناگ کے سیاہ موتی کو اپنی جیب میں رکھ لیا اور لکڑی کا کوئی بڑا سا تختہ تلاش کرنے لگا جس پر بیٹھ کر وہ سمندر میں سفر کر سکے۔ جہاز چٹانوں سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا اور اس کا کوئی بھی حصہ سلامت نہیں تھا۔ چٹانوں کے درمیان ساحل پر لکڑی کے بے شمار چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ تھیوسانگ نے یہی سوچا کہ وہ کسی طریقے سے جہاز کے اگلے حصے کو توڑ کر اس کا ایک تختہ بنائے۔ مگر سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ جہاز کے پینڈے کو کالے کیسے؟ اس کے پاس کوئی آری یا تیشہ تو تھا نہیں۔ نا اُمید سا ہو کر وہ ان درختوں کی طرف چل پڑا جن کی قطاریں اسے رات کو دور نظر آتی تھیں۔ یہ



درخت کافی گئے تھے اور سیاہ بادلوں کی طرف جزیرے  
کے ایک حصے پر جنگل کے اوپر پھیلے ہوئے تھے۔ ناگ  
کا سیاہ موتی اس کی جیب میں تھا اور وہ بڑے غور  
سے ایک ایک چیز کو دیکھتا درختوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔  
پٹانیں ختم ہوئیں تو درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔



## اسیدبی چمن

درخت ساتھ ساتھ اُگے ہوئے تھے۔

اوپر جا کر آپس میں گھل مل گئے تھے جس کی وجہ سے  
ایک چھت پڑ گئی تھی۔ سائے میں ہلکا ہلکا اندھیرا اور خشکی  
تھی۔ سمندر کی طرف سے ہوا چل رہی تھی۔ درختوں کے نیچے  
چھوٹے چھوٹے بے شمار پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ کس کس جنگلی  
جیونیشوں نے مخروطی گھر بنا رکھے تھے۔ ایک جگہ چٹان کے  
پیچھے گہرائی میں گرم پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس میں سے  
بھاپ اٹھ رہی تھی۔ تھیسو سانگ چٹنے پر گیا۔ اس میں ہاتھ ڈالا۔  
پانی گرم تھا مگر قابل برداشت تھا۔ تھیسو سانگ نے ہاتھ منہ  
دھوئے۔ پھر اوپر چٹان کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا اور جیب  
میں سے موتی کو نکال کر بار بار سونگھنے لگا۔ کالا موتی ناچاتی  
کے برابر تھا اور اس میں سے ناگ کی ہلکی ہلکی خوشبو آ رہی  
تھی۔ تھیسو سانگ نے موتی کو دوبارہ جیب میں رکھ لیا اور  
سوچنے لگا کہ اس جزیرے سے کیسے نکلا جاسکتا ہے۔



کی سمجھ میں ایک ہی ترکیب آ رہی تھی کہ درختوں کی شاخوں کو توڑ کر انہیں آپس میں جوڑ کر شاخوں ہی سے بانڈے اور سمندر میں ڈال کر اللہ کا نام لے کر نکل پڑے۔ کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جائے گا۔ تھیوساٹک کو پورا یقین تھا کہ شمال مغرب کی طرف جنوبی امریکہ کا براعظم مل جائے گا اور وہ برازیل یا ارجنٹائن کے ملکوں میں سے کسی ایک میں پہنچ جائے گا۔

تھیوساٹک نے اس خیال سے درختوں کی طرف دیکھا۔ ان کی ٹہنیاں کافی لمبی لمبی تھیں مگر درختوں کے تنے بہت اونچے تھے اور ٹہنیوں کا سلسلہ بہت بلندی پر جا کر شروع ہوتا تھا۔ نوکیلی چٹانوں والے جزیرے میں موت لیا سٹا تھا۔ دور نے کبھی کبھی سمندری لہروں کے چٹانوں سے ٹکرانے کی آواز آ جاتی تھی۔ تھیوساٹک اپنے خیالات میں ڈوبا یہی سوچتا رہا کہ اس جزیرے سے کیسے باہر نکلے اور سیاہ موتی میں سے ناگ کی خوشبو آنے کا معرہ کیسے حل کرے۔ دن گذرتا چلا گیا۔ جب وہ اپنے خیالات سے چونکا تو آسمان پر بادلوں میں گرج پیدا ہوئی۔ وہ درختوں میں سے نکل کر چٹانوں کے پاس آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ آسمان پر سیاہ گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی اور

ہلکی بوندا باندی بھی ہونے لگی تھی۔ تھیوساٹک نے سمندر کی طرف نگاہ ڈالی۔ دور سمندر میں جہاں آسمان مل رہا تھا۔ سیاہ گھٹائیں اوپر کو بے زنجیر ہاتھیوں کی طرح دوڑتی چلی آ رہی تھیں۔ تھیوساٹک کو معلوم تھا کہ سمندری جزیروں کی بارش بڑی خوفناک ہوتی ہے اور اسے بچاؤ کے لئے ابھی سے کوئی ٹھکانہ تلاش کر لینا چاہیے۔ ہوا تیز ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے اس نے آندھی کی شکل اختیار کر لی۔ درخت ہوا کے پتھیروں میں جھومنے لگے تھے۔ تھیوساٹک چٹانوں میں چھپنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کرنے لگا۔

آخر اسے سمندر کے رُخ پر زمین سے بلند ایک چٹان کے اندر ایک شکاف مل گیا۔ یہ شکاف ایک چھوٹے سے غار کی طرح تھا۔ چونکہ وہ سمندر کے رُخ پر تھا اس لیے ہوا سیدھی اندر داخل ہو رہی تھی۔ تھیوساٹک ادھر ادھر پڑے دو چار بڑے پتھروں کو لٹھکھا کر وہاں تک لایا اور انہیں غار کے منہ پر اس طرح ڈال دیا کہ وہ اُدھا ٹھک گیا۔ تھیوساٹک غار میں پتھروں کی اورٹا میں ہو کر بیٹھ گیا۔ غار کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ سمندری لہریں ساحل کے پتھروں سے زبردست شور کے ساتھ سر پہنچ رہی تھیں۔ پھر بدست شراں ہو گئی۔



آدمی رات تک تیز ہواؤں اور بارش کا طوفان جاری رہا۔ اس نے سارے جزیرے کو ہلا کر رکھ دیا۔ کئی درخت جڑوں سے اکھڑ کر گر گئے۔ ساری رات ان کے گرنے کی آوازیں آتی رہیں۔ آدمی رات کے بعد طوفان ختم کیا۔ بارش بھی رک گئی۔ بادل پھٹ گئے اور چاند نکل آیا۔ تھیوسانگ نے غار میں سے باہر نکل کر دیکھا کہ چاند کی دھندلی روشنی میں جزیرے کا ماحول پہلے سے زیادہ پراسرار ہو رہا تھا۔ سمندر کی طرف سے کہے کی لہر آ کر جنگل میں درختوں سے لپٹی ہوئی گزر رہی تھی۔ ایک ایسی آبیسی خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ لگتا تھا جزیرے پر خاموش روحوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس وقت ایسی خاموشی میں اچانک تھیوسانگ کو جنگل کے درختوں کی طرف سے ایک چیخ بنا آواز بلند ہوتی سنائی دی۔ تھیوسانگ اس آواز کو سن کر اپنی جگہ سے ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ یہ آواز کسی عورت کی تھی۔ یہ کسی چیخ سے بھی ملتی جلتی تھی اور ایسی بھی تھی جیسے عورت کسی کو پکار رہی ہو تھیوسانگ بڑا حیران ہوا کہ یہ عورت اس ویران سنان جزیرے میں کہاں سے آگئی؟ کہیں یہ کوئی چڑیل تو نہیں ہے؟ آواز ایک بار پھر بلند ہوئی۔ آواز دُور سے آ رہی تھی۔ یہ کسی چیخ سے ملتی جلتی آواز تھی۔ ایک آبیسی چیخ

جسم کے رونگٹے کھڑے کر دینے والی چیخ۔ تھیوسانگ میں اگرچہ عام انسانوں کے مقابلے میں زیادہ جرأت اور ہمت نہ ہوتی تو وہ خوف کے مارے بے ہوش ہو جاتا۔ وہ خلائی انسان تھا اور جن بھوتوں، چڑیلوں اور آسیب پر بھی یقین نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس چیخ کے راز کو معلوم کرنے کا فیصلہ کیا اور چٹان کے غار سے اتر کر جنگل میں اس طرف چلنے لگا جدھر سے آواز آئی تھی۔

بارش کی وجہ سے زمین گیلی ہو رہی تھی۔ جگہ جگہ پانی کھڑا تھا۔ درختوں کی ٹوٹی ہوئی شاخیں بکھری پڑی تھیں۔ کئی درخت بھی جڑوں سے اکھڑ کر گرے ہوئے تھے۔ چاند کی دھندلی روشنی درختوں کے گھنے سایوں سے مل کر پراسرار ہو گئی تھی۔ کسی وقت کوئی بادل کا ٹکڑا چاند کے آگے آ جاتا تو جنگل میں ایک دم سے اندھیرا چھا جاتا۔ تھیوسانگ ہچوک پھونک کر قدم اٹھاتا چل رہا تھا۔ چند قدم چل کر وہ ٹوک جاتا اور دھڑ دھڑ دیکھتا اور پھر آگے چل پڑتا۔ آواز پھر نہیں آئی تھی۔ تھیوسانگ درختوں کے نیچے اس جگہ آ گیا تھا جہاں چٹان کے پیچھے نیم گرم پانی کا چشمہ بہ رہا تھا۔ یہاں اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی زمین پر گری ہوئی درختوں کی شاخوں پر پاؤں رکھ کر گدردا ہو۔



تھیوسانگ جلدی سے چٹان کے پیچھے ہو گیا۔  
 چلنے کی آواز چٹان کے عقب میں سے آ رہی تھی۔  
 اسی عورت کی آواز ایک بار پھر بند ہوئی۔ یہ آواز اس  
 دفعہ دبی دبی چیخ سے ملتی جلتی تھی۔ تھیوسانگ نے گردن  
 دوسری طرف نکال کر دیکھا۔ چاند بادل سے نکل رہا تھا۔ اس  
 کی دھندلی پھلکی زرد روشنی میں تھیوسانگ نے ایک ایسی  
 عورت کو دیکھا جس کے بال پیچھے کھلے ہوئے لٹک رہے  
 تھے اور اس کے زرد جسم پر پتوں کا لباس تھا۔ وہ کسی بھی  
 ہوئی بہرنی کی طرح ادھر ادھر دیکھتی نیم گرم پانی کے چٹے  
 کی طرف چل آ رہی تھی۔ چٹے کے کنارے پر آ کر وہ  
 اس کے کنارے پر اس طرح لیٹ گئی کہ اس کا منہ پانی  
 کے ساتھ لگا تھا۔ وہ جانوروں کی طرح نیم گرم پانی پینے  
 لگی۔ تھوڑا سا پانی پی کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ گردن کو گھما  
 کر چاروں طرف دیکھا جیسے اسے شک پڑ گیا ہو کہ کوئی  
 وہاں موجود ہے۔ چند لمحوں تک وہ چپ چاپ کھڑی رہی  
 پھر نیم گرم پانی کے چٹے میں اتر گئی اور پانی میں کانڈھا  
 تک بیٹھ گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے پانی اپنے جسم اور  
 سر پر ڈال کر مٹا رہی تھی۔ تھیوسانگ چٹان کے پیچھے چھپا  
 یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ عورت

کون ہے اور یہاں کیسے آ گئی ہے؟ کیا یہ واقعی کوئی  
 انسان ہے یا جن بھوت ہے؟

تھیوسانگ کے پاؤں کے نیچے سے ایک پتھر پھسل کر  
 رولسک گیا۔ اس سے اگرچہ ہلکی سی آواز پیدا ہوئی تھی مگر وہ  
 عورت نہلتے نہلتے ایک دم سے رُک گئی۔ پھر اس کے  
 حلق سے ایک چیخ کی آواز نکلی اور چٹم میں سے باہر آ کر  
 درختوں میں ایک طرف بھاگ گئی۔ تھیوسانگ کچھ دیر تو اپنی  
 جگہ پر ساکت سا ہو کر بیٹھا اسے درختوں کے اندھیرے میں  
 غائب ہوتے دیکھتا رہا۔ پھر اٹھا اور جدھر وہ عورت گئی تھی  
 اس طرف چل پڑا۔

وہ اس پر اسرار وحشی عورت یا ایسی پھلاوے کا پیچھا  
 کر کے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ اصل میں کون ہے تھیوسانگ  
 درختوں کے پیچھے سے ہو کر اسی طرف جا رہا تھا۔ جدھر وہ  
 جنگلی عورت گئی تھی۔ جنگل خاموش تھا۔ چاند اب بادلوں  
 کے پیچھے آ گیا تھا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔ پھر بھی  
 تھیوسانگ اس اندھیرے میں دیکھ سکتا تھا۔ جنگل ایک جگہ  
 بہت ہی گھٹنا ہو گیا۔ یہاں تھیوسانگ نے اندھیرے میں درخت  
 کے نیچے ایک ایسی ابھری ہوئی جگہ دیکھی جیسے کسی نے اپنے  
 رہنے کے لئے درخت کی شاخوں سے جھونپڑی ڈال رکھی ہو



وہ دبے پاؤں چلتا اس جھونپڑی کے پاس آ گیا۔ یہ ایک  
 جھونپڑی سی جھونپڑی تھی جس کی چھت درخت کی ٹہنیوں کو  
 کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ تھیوسانگ نے جبک کر اندر دیکھا  
 جھونپڑی خالی تھی۔ اس کے فرش پر بھی درختوں کے پتے  
 بکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف کچھ جنگلی پھل دکھتے تھے۔  
 سمجھ گیا کہ جنگلی عورت اسی جھونپڑی میں رہتی ہے۔ مگر وہ  
 یہاں نہیں آئی تھی۔ شاید کسی دوسری جگہ چلی گئی تھی کہ کوئی  
 اس کا پیچھا کر کے وہاں اسے پکڑ نہ لے۔ اس سے ظاہر ہو  
 گیا کہ یہ عورت چارل نہیں بلکہ انسان ہے جو دوسرے انسان  
 سے ڈر کر بھاگ رہی ہے۔

چند لمحے تھیوسانگ وہاں رکا رہا۔ پھر جھونپڑی کے پیچھے  
 کی طرف جو جنگلی کیلے کے درخت تھے وہاں آ گیا۔ اندر  
 میں کیلے کے درختوں پر زرد کیلوں کے گچھے لٹک رہے تھے۔  
 تھیوسانگ ان کے قریب سے ہو کر جھکا جھکا آگے نکل گیا۔  
 ان درختوں کی دوسری جانب اونچی اونچی گھاس اُگی تھی۔ یہ  
 گھاس اتنی اونچی تھی کہ تھیوسانگ اس میں چھپ سکتا تھا۔  
 گھاس میں جانے کی ضرورت نہ سمجھی اور وہیں سے اپنے  
 اپنی چٹان والی غار کی طرف چل پڑا کہ دن کے وقت  
 یہاں آئے گا۔

واپسی پر بھی جھونپڑی خالی تھی اور سارا رستہ اسے وہ  
 عورت نہ ملی۔ نہ ہی اسے دوبارہ اس کی چیخ سنائی دی۔  
 اپنی غار کے باہر آ کر بیٹھ گیا۔ رات گذرتی چلی گئی۔ جب  
 صبح کی ہلکی ہلکی روشنی نے جنگل کو ظاہر کر دیا تو تھیوسانگ  
 نے دیکھا کہ ایک بڑی کشتی سمندر میں جزیرے کی اس طرف  
 چلی آ رہی ہے جہاں وہ چٹان والی غار میں چھپا ہوا تھا۔  
 تھیوسانگ اس کشتی کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسے خوشی ہوئی  
 کہ کوئی انسان کشتی لے کر جزیرے پر تو آیا۔ اب  
 اس کے وہاں سے نکل چلنے کی امید پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن کشتی  
 اس کے ساحل کی جانب آتے آتے دوسری طرف گھوم گئی۔  
 جب تک تھیوسانگ غار میں سے نکل کر چٹانوں میں سے ہو کر  
 ساحل پر پہنچا کشتی جزیرے کا موڑ گھوم کر اس کی نظروں سے  
 اوجھل ہو چکی تھی۔ تھیوسانگ نے فیصلہ کیا کہ وہ جنگل کے  
 اندر سے ہو کر جزیرے کی دوسری جانب جا کر دیکھے گا کہ یہ  
 لوگ کون ہیں اور انہوں نے اپنی کشتی کس جگہ کھڑی کی ہے  
 اور یہ اس جزیرے میں کیا کرتے آئے ہیں؟

وہ تھیوسانگ جانتا تھا کہ اس قسم کے جزیروں میں  
 اکثر بحری ڈاکو اپنا خزانہ چھپانے یا قیمتی پتھروں کی تلاش میں  
 آتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ آدمی بھی اسی قسم کے



لوگ ہوں۔ بہر حال تھیوسانگ ان پر یہی ظاہر کرے گا کہ طوفان میں اس کا جہاز غرق ہو گیا تھا اور وہ جان بچا کر اس جزیرے پر آ گیا اور اب واپس جانا چاہتا ہے۔ وہ کسی بھی طرح ناگ والا سیاہ موتی لے کر اس جزیرے سے نکل جانا چاہتا تھا۔ جنگل کے گھنے درختوں میں سے دن کی روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ فضا میں رات کی بادش کی وجہ سے جس ہو رہا تھا۔ درختوں پر کوئی پرندہ نہیں بل رہا تھا۔ شاید یہ جزیرہ

زمین سے اتنی دور تھا کہ یہاں تک پرندے بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔

اب ایسا ہوا کہ دن کی روشنی میں چلتے چلتے تھیوسانگ راستے سے بھٹک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے۔ نئے نئے درخت آ رہے تھے وحشی سورت کی جھونپڑی بھی نہیں آئی تھی۔ تھیوسانگ کافی دیر تک درختوں کے جنگل میں بھٹکتا رہا۔ آخر بڑی مشکل سے وہ ان درختوں سے نکلا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ جزیرے کے شمال کی جانب آ گیا ہے جہاں چٹانیں سمندر کے اندر تک پھیل گئی تھیں۔ اس نے جنوب مغرب کی طرف چند شراکتیں کیوں کہ اس کی غار جنوب کی طرف ہی تھی۔ کوئی ایک

گھنٹے تک بھٹکتے پھرنے کے بعد آخر تھیوسانگ کو وہ مخرونی چٹان دور سے نظر آ گئی جہاں اس کا چھوٹا سا غار تھا۔ وہ پتھروں میں سے ہوتا ہوا اپنے غار میں آ کر بیٹھ گیا۔ گہرا سانس لے کر اس نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہیں اپنی جگہ پر پہنچ گیا تھا۔

دن کا پہلا پہر گزر گیا تھا۔ آسمان پر بادل تھے جس کی وجہ سے دھوپ نہیں نکلی ہوئی تھی۔ لیکن بادش ہونے کے ابھی کوئی آثار نہیں تھے۔ تھیوسانگ حیران تھا کہ جو آدمی کشتی لے کر جزیرے کی طرف آئے تھے۔ وہ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ کہیں وہ جزیرے کا چکر لگا کر واپس اپنے جہاز پر تو نہیں چلے گئے جو دور سمندر میں گھرا ہو گا۔ تھیوسانگ چٹان کے اوپر چڑھ گیا۔ اس نے دیکھا سامنے سمندر میں دور تک کوئی جہاز نہیں تھا۔ پیچھے کی جانب گھنے درختوں کی وجہ سے اسے سمندر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہو سکتا ہے ادھر کوئی جہاز کھڑا ہو۔ تھیوسانگ نے ایک بار پھر اس طرف جانے کا فیصلہ کیا اور وہ غار سے نیچے اتارے ہی والا تھا کہ اسے دور سے ایسی آواز آئی سان دی جیسے کسی نے کسی کو زور سے آواز دی ہو۔ تھیوسانگ غار میں ایک طرف ہو کر درختوں کی طرف دیکھنے لگا۔



ب سے عورت کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ عورت کی دہی  
پینچ رہی تھی جو اس نے پہلے بھی رات کو سنی تھی۔ عورت بار  
بار پینچ رہی تھی اور ساتھ کسی مرد کی ایسی آوازیں بھی آ  
رہی تھیں جیسے وہ اسے گالیاں دے رہا ہو۔ پھر وہ تین  
مردوں کے قہقہے لگانے کی آواز گونج اُٹھی۔

اتنے میں درختوں میں سے وہی لوگ نظر آئے جن کو  
تھیوسانگ نے کشتی میں آتے دیکھا تھا۔ ان کے لباس برازیلی  
در پرتگالی تھے۔ مردوں پر انہوں نے بھری ڈاکوؤں ایسی نیلی  
لوپیاں پہن رکھی تھیں۔ کمر کے ساتھ تلواریں لٹک رہی تھیں  
یہ تین آدمی تھے اور اسی عورت کو گھیسٹے ہوئے لیے چلے  
آ رہے تھے جس کو تھیوسانگ نے رات چٹنے پر نہاتے  
دیکھا تھا۔ اس کے سیاہ بال کھلے تھے اور جسم پر درخت  
کے پتوں کا لباس تھا۔ وہ پیچھے کو جانے کی کوشش کر  
رہی تھی اور اپنے آپ کو مردوں کی گرفت سے چڑا رہی تھی  
اور بار بار پینچ رہی تھی۔

ایک آدمی نے عورت کے منہ پر اتنی زور سے ہاتھ مارا  
کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ اس نے عورت کو کاڈھ کر  
ڈال دیا اور وہ سمندر کے ساحل کی طرف بڑھنے لگی  
تھیوسانگ کو غموس ہوا کہ اس عورت کو ان ظالموں

بچانا اس کا اخلاقی فرض ہے۔ کیونکہ وہ عورت ان آدمیوں  
کے ساتھ نہیں جانا چاہتی اور یہ اسے زبردستی ساتھ لے  
کر کے لئے جا رہے ہیں۔ یہ سوش کر تھیوسانگ غار  
میں سے دوسری طرف کو اتر گیا اور ایسی جگہ ایک درخت  
کے پیچھے جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے اس کے اندر  
کے مطابق ان آدمیوں کو جنگلی عورت کو لے کر گزرتا تھا۔

تھیوسانگ بڑے غور سے درختوں کے درمیان سے گزرتے  
راتے کو تک رہا تھا۔ اسے تینوں برازیلی بے نش جنگلی  
عورت کو کاڈھے پر اٹھائے آتے نظر آئے۔ تھیوسانگ نے  
گھات لگا لی۔ جب وہ تینوں اس کے قریب سے گزر  
گئے تو تھیوسانگ گھات میں سے باہر نکل آیا اور اس نے  
ایک پر حملہ کر دیا۔ وہ اس کے اوپر جا گرا۔ دوسرے نے  
تواریں نکال کر تھیوسانگ پر حملہ کرنا چاہا۔ تو اس نے اچھل کر  
دوسرے برازیلی کو ٹانگوں سے پکڑ کر گرایا اور اسے انگلی  
سے چھو کر انگوٹھے جتنے سائز کا بنا دیا۔ تیسرے برازیلی  
نے بے ہوش جنگلی عورت کو زمین پر رکھا کہ تھیوسانگ کو  
تواریں کے دار سے ٹھکانے لگا دے کہ تھیوسانگ نے اس پر  
تھیوسانگ لگا دی اور اسے دوسری طرف گرا دیا۔ یہ تیسرا  
برازیلی بھی چند سیکنڈ بعد انگوٹھے جتنے سائز ہو کر گھاس میں



چوہے کی طرح ادھر ادھر پھدک رہا تھا۔ آخری برازیلی نے  
یہی سمجھا کہ اس کے سامنے اس آدمی نے طلسم کے زور سے  
غائب کر دیئے ہیں۔ وہ سخت زود ہو کر دوڑا۔ مگر تھیوساٹنگ  
اسے کب چھوڑ سکتا تھا۔ چنانچہ تیسرا بھی انگوٹھے کے سائز  
کابین کر گھاس میں ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ تھیوساٹنگ نے  
ان تینوں انگوٹھے جتنے سائز کے برازیلی بد معاشوں کو ایک  
رستی سے آپس میں باندھ کر چھوڑ دیا پھر اس نے بے ہوش  
جنگلی عورت کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈالا اور درختوں میں  
سے گذر کر اپنی چٹانی غار کی طرف چل پڑا۔ غار میں آکر اس  
نے وحشی عورت کو زمین پر لٹا دیا اور اسے ہوش میں  
لانے کی کوشش کرنے لگا۔ کھوڑی تھی دیر بعد عورت کو  
ہوش آ گیا۔ اس نے اپنے سامنے ایک اجنبی مرد کو دیکھا  
تو چیخ مار کر باہر کو دوڑنے لگی۔ تھیوساٹنگ نے اسے قابو  
میں کرتے ہوئے کہا:

”بھاگو نہیں۔ میں تمہارا بہرہ دہوں۔“

وحشی عورت نے برازیلی زبان میں کہا:

”تم مجھے مار ڈالو گے۔“

تھیوساٹنگ سمجھ گیا کہ یہ عورت برازیلی کی رہنے والی  
جنگلی عورت نہیں ہے اور اس پر کسی ایسے شخص کا

خوف سوار ہے جو اسے مار ڈالنا چاہتا ہو گا۔ تھیوساٹنگ نے  
برازیلی زبان ہی میں اسے تسلی دی اور کہا کہ وہ یہاں  
اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھے۔

میں تمہارا بھائی ہوں۔  
بھائی کا لفظ سن کر عورت نے عجیب معصوم نظروں  
سے تھیوساٹنگ کو دیکھا اور ان آدمیوں کے بارے میں  
پوچھا جو اسے اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔  
تھیوساٹنگ نے اسے بتایا کہ ان آدمیوں کو بھگا دیا  
گیا ہے۔

”تم کون ہو بہن اور اس ویران جزیرے کے  
جنگل میں اکیلی کیوں رہتی ہو؟“  
جنگلی عورت نے کہا:

”میرا نام پالی ہے۔ ہمارا گھر برازیل کی بندر گاہ  
ڈی جینز سے دور ایک پہاڑی کے دامن میں  
تھا۔ وہاں میری بڑی جائیداد بھی تھی۔ میرا چچا  
اس جائیداد پر قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ اس نے  
مجھے اور میرے خاندان کو ہلاک کرنے کی سازش  
کی لیکن ہم دونوں ایک رات جان بچا کر بھاگ  
گئے۔ ہم نے ایک کشتی لی اور اس میں سوار ہو کر



سمندر میں نکل کھڑے ہوئے۔ خیال تھا کہ کسی جزیرے پر جا کر باقی زندگی امن سکون سے بسر کریں گے۔ لیکن راستے میں طوفان آ گیا۔ میرا خاوند سمندر میں ڈوب گیا اور میں بڑی مشکل سے جان بچا کر اس جزیرے پر پہنچ گئی۔ میں دو سال سے اس جزیرے میں رہ رہی ہوں۔ نہ مردوں میں ہوں نہ زندوں میں۔ ایک عرصے بعد شاید رات کو مہتیں ہی دیکھا تھا کہ ڈر کر بھاگ گئی۔ میں ایک کھوہ میں چھپی ہوئی تھی کہ تین ڈاکوؤں نے مجھے اغوا کر لیا اور تم نے مجھے ان سے چھڑا دیا۔ بس یہ ہے میری المناک کہانی۔

دستی عورت خاموش ہو گئی۔ اس نے سر جھکا دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تھیوسانگ نے اسے حوصلہ دیا اور بھر اپنے بارے میں بتایا کہ میرا جہاز بھی سمندری طوفان میں گر تباہ ہو گیا۔ سارے مسافر مارے گئے۔ میں ایک تختے تا اس جزیرہ پر پہنچ گیا۔

تم حوصلہ رکھو پالی میں مہتیں یہاں سے نکال کر ہمارے گھر پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ پالی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا:

میں اپنے گھر گئی تو میرا ظالم چچا مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ تھیوسانگ نے کہا:

تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ میں تمہارا بھائی ہوں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ اگر تمہارے چچا نے مہتیں ذرا بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

جنگلی عورت پالی کو ان الفاظ سے بہت حوصلہ ہوا۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے مصیبت میں اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اسے تھیوسانگ کی صورت میں اپنا ایک ایسا بھائی مل گیا تھا جو اس کے لئے ہر قسم کی قربانی دے سکتا تھا۔ پالی نے تھیوسانگ کا ہاتھ چوم لیا اور بولی:

میرے بھائی تھیوسانگ! میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ تم نے میرے دل میں زندہ رہنے کی امید کو پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ تھیوسانگ نے کہا:

تمہارے خیال میں ہم یہاں کوئی کشتی بنا سکتے ہیں پالی؟

پالی بولی: میرے پاس کوئی ایسا اوزار نہیں ہے۔



سے ہم درخت کو کاٹ کر کشتی تیار کر سکیں ہمیں  
ان بدعاشوں کی کشتی پر قبضہ کر لینا چاہیے جن کو  
تم نے بھگا دیا ہے مگر تمہیں بھگانا نہیں چاہیے تا  
انہیں۔ وہ تو اب تک کشتی لے کر روف پکڑ ہو چکے  
ہوں گے۔

اب تھیوسانگ کو ان کی کشتی کا خیال آ گیا۔ وہ تو بھول  
ہی گیا تھا۔ اس نے پالی کو ساتھ لیا اور دونوں دوڑتے  
ہوئے سمندر کے کنارے پہنچ آ گئے۔

پالی نے کہا:

سمندر کا کنارہ خالی ہے۔ تمہیں انہیں بھگانا نہیں چاہیے  
تھا۔ انہیں مار ڈالتے پھر ہم ان کی کشتی قبضے میں لے  
سکتے تھے۔ اب تو وہ اس میں بیٹھ کر یہاں سے فرار  
ہو چکے ہوں گے۔

لیکن تھیوسانگ جانتا تھا کہ اس نے قینوں ڈاکوؤں کو  
نئے نئے چوہے بنا دیا ہوا ہے اور وہ کشتی میں سوار ہو  
ی نہیں سکتے۔

تھیوسانگ نے کہا:

پہل کر دیکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ساحل پر کسی جگہ  
ان کی کشتی ابھی تک موجود ہو۔

مجھے امید نہیں ہے۔ پالی نے کہا۔  
تھیوسانگ نے کہا:

ہمیں کوشش مزور کر کے دیکھ لی جانی چاہیے۔

اور وہ ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ چلتے چلتے وہ  
دوپہر کے وقت جزیرے کے مشرقی ساحل پر پہنچے تو انہیں  
ساحل پر ایک کشتی نظر آئی۔

پالی نے خوش ہو کر کہا:

وہ دیکھو کشتی!

تھیوسانگ نے پالی کو ایک دم سے نیچے بٹھا لیا اور  
آہستہ سے بولا:

اس میں ایک آدمی سوار ہے۔

پالی کو وہ آدمی دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ کشتی کی دوسری

طرف بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ شاید اسے اپنے ان ساتھیوں

کا انتظار تھا جن کو تھیوسانگ نے چھوٹے سائز کا بنا کر

ایک جگہ باندھ دیا تھا۔ تھیوسانگ نے پالی کو وہیں ٹھہرنے

کو کہا اور خود کشتی کی طرف بڑھا۔ وہ جھاڑیوں اور درختوں

کے پیچھے سے ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ قریب جا کر اس

نے دیکھا کہ کشتی کے پاس جو آدمی ٹہل رہا تھا اس کی کمر کے

ساتھ تلوار لٹک رہی تھی۔ تھیوسانگ نے پالی کو پکارتے ہوئے

کہا: پالی! آؤ! یہاں آؤ! یہاں آؤ!



کر دے تو وہ تتوار نہیں نکال سکے گا۔ یہ سوچ کر تھیوسانگ  
دوسری طرف سے نکل کر اچانک سامنے آ گیا اور اس نے  
اچھل کر اپنے آپ کو آدمی پر گرا دیا۔ تھیوسانگ کے لئے  
اتنی ہلکت ہی کافی تھی۔ دوسرے لمحے وہ آدمی بھی اپنے  
انگوٹھے کے سائز کا بن چکا تھا اور چیرانی سے ایک طرف  
گھاس کے خوشوں میں کھڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے آپ  
کو ہیک رہا تھا۔ تھیوسانگ نے اسے اٹھا کر ایک درخت  
کی طرف لڑھکا دیا اور پالی کو آواز دے کر بلایا۔ پالی  
جاگ کر آگئی اور آدمی کے بارے میں پوچھنے لگی کہ وہ  
کہاں چلا گیا ہے؟

تھیوسانگ نے کہا:

میں نے اسے جھگکا دیا ہے۔ چلو جلدی کرو کشتی  
میں سوار ہو جاؤ۔

پالی نے کشتی میں اترتے ہوئے کہا:

تھیوسانگ! اس کشتی میں پانی بھی ہے اور کھانے  
پینے کی چیزیں بھی موجود ہیں؟

تھیوسانگ نے کہا:

تو بڑی اچھی بات ہے۔

کشتی میں بیٹھے پانی سے بھرا ہوا ایک مٹکا اور کیلے

کے کچے اور رستی میں پردہ ہوا سوکھی پھیلیوں کے مار  
پڑے تھے۔ تھیوسانگ نے چوپا پانی میں ڈالے اور کشتی کو  
نکھتا ہوا سمندر میں آگے لے کیا۔ متوڑی دور جانے کے  
بعد سمندری موجوں نے کشتی کو اپنے آپ کے کی طرف  
دھکیلا شروع کر دیا۔ بحر اوقیانوس کے پانیوں میں تین  
دن تک سفر کرنے کے بعد تھیوسانگ اور پالی کو آخر دور  
زمین کا کنارہ نظر آ گیا۔ تھیوسانگ تیزی سے چوپا چلانے  
لگا۔ سورج غروب ہو رہا تھا کہ وہ ساحل پر پہنچ گئے۔  
یہ ایک ویران ساحل تھا۔ کوئی آبادی نظر نہیں آتی تھی۔  
کچھ دیر ساحل کی ریت پر آرام کرنے کے بعد تھیوسانگ  
اور پالی ایک طرف روانہ ہو گئے۔ پالی نے زمین اور دور  
درختوں کو دیکھ کر بتا دیا کہ یہ برازیل ہی کا ملک ہے۔  
ات ہونے سے پہلے انہیں دور ایک گاؤں نظر پڑا۔  
پالی نے کہا:

”سب سے پہلے مجھے کپڑوں کی ضرورت ہے۔ یہ  
پتوں کا لباس اب میں زیادہ دیر نہیں پہن سکتی۔  
تھیوسانگ بولا: تو پھر تم اسی جگہ ٹھہر دو  
گاؤں میں جا کر تمہارے لیے کپڑے لانے کی  
کوشش کرتا ہوں۔“



گاؤں میں چراغ روشن ہو گئے تھے۔ ایک کتا تھیوسانگ کو دیکھ کر بھونکا۔ مکان میں سے ایک نوجوان لڑکی باہر آ گئی۔ تھیوسانگ نے اسے سلام کیا اور اسی کی زبان میں کہا: "بہن! ہم مسافر ہیں۔ ہمارا جہاز ڈوب گیا تھا۔ میں اور میری بہن پالی جان بچا کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ مجھے اپنی بہن کے لیے کپڑے چاہئیں۔" لڑکی فوراً اندر چلی گئی۔ دوبارہ باہر نکلی تو اس کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ تھیوسانگ نے کہا:

"میں ڈاکو نہیں ہوں بھائی۔ میں مسافر ہوں چل کر دیکھ لو۔ میری بہن پالی تھوڑی دور ایک کھیت میں بیٹھی ہے۔ اسے کپڑوں کی ضرورت ہے۔" نوجوان نے لڑکی کی طرف دیکھا اور کہا: "جا کر مسافر کی بہن کو کپڑے پہنا کر لے آؤ۔" پھر اس نے تھیوسانگ کو اندر بلا لیا۔ تھیوسانگ کو گرم دودھ پیش کیا اور بولا:

"یہ میری بیوی ہے۔ ہم دونوں اس مکان میں رہتے ہیں۔ میں کھیتوں میں کام کرتا ہوں۔" تھوڑی دیر ہی میں لڑکی پالی کو نئے کپڑے پہنا کر مکان

۱۲۱ میں نے آئی۔ یہاں انہیں پتہ چلا کہ وہ برازیل ہی میں ہیں اور ڈی جینرو یہاں سے دو سو میل کے فاصلے پر شمال کی طرف واقع ہے۔ پالی کو بڑی خوشی ہوئی کہ وہ اپنے وطن پہنچ گئی ہے۔ رات انہوں نے وہاں آرام کیا۔ دوسرے روز ان کے بیسے دو خجروں کا انتظام کر دیا گیا۔ لڑکی کے خاوند نے کہا:

"یہاں سے دس میل دور شمال میں ہی ایک گاؤں آنے لگا۔ وہاں کی سرائے کا مالک میرا چچا گامور ہے۔ اس کو جا کر میرا سلام کہنا۔ یہ دونوں خجراے دے دینا۔ وہ تمہارے ڈی جینرو شہر پہنچنے کا سارا انتظام کر دے گا۔"

تھیوسانگ اور پالی نے اس نوجوان کا شکریہ ادا کیا اور خجروں پر بیٹھ کر دوسرے گاؤں کی طرف چل پڑے۔ دس کوئی باتیں کرتے کرتے گزر گئے۔ یہ گاؤں کافی بڑا تھا پوچھتے پوچھتے وہ سرائے کے مالک گامور کے پاس پہنچ گئے تھیوسانگ نے گامور کو نوجوان کا سلام پہنچایا اور خجراے کے حوالے کر کے کہا کہ ہم ڈی جینرو جانا چاہتے ہیں۔

گامور نے کہا:

"نکر نہ کرو۔ آج رات یہاں سے ایک قافلہ ڈی جینرو روانہ ہو گا۔ میں تمہیں اس قافلے کے ساتھ کر دوں گا۔"



تھیوسانگ نے اس کا ٹھکریہ ادا کیا اور سرائے میں پال کو لے کر ایک کوٹھڑی میں آ گیا۔ سارا دن انہوں نے وہیں گزارا۔ شام کو ایک قافلہ تیار ہو گیا۔ اس قافلے میں تیز رفتار گھوڑا گاڑیاں شامل تھیں۔ اس قافلے نے دوسرے دن دپہر کے وقت تھیوسانگ اور پالی کو ڈی جیزو پہنچا دیا۔ یہ پالی کا شہر تھا۔ سرائے شہر سے باہر تھی۔

پالی نے کہا:  
میں اس طرح اپنی سوبلی میں گئی تو میرا چچا مجھے زندہ نہیں چھوڑنے گا۔

تھیوسانگ بولا: تم مجھے اپنے گھر کا پتہ دو۔ میں وہاں جا کر تمہارے لیے میدان صاف کرتا ہوں۔

تھیوسانگ نے پالی سے اس کے گھر کا پتہ لیا۔ اسے سرائے کی کوٹھڑی ہی میں رکنے کے لئے کہا اور خود پالی کی جاگیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ پالی کا مکان اس کی آبائی جاگیر میں شہر سے باہر مغرب کی طرف پہاڑی کے دامن میں واقع تھا۔ تھیوسانگ کا لباس بھی برازیل کے لوگوں کی طرح کا تھا۔ یہ لباس اس نے گامور کی سرائے سے ہی حاصل کر لیا تھا۔ وہ پالی کی جاگیر والی سوبلی کے دروازے کے باہر جا کر رک گیا۔ یہاں ایک بوڑھا ملازم گھنوں میں پانی دے رہا تھا۔ اس نے تھیوسانگ کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ تم کون

ہو اور کس سے ملنے آئے ہو۔ پالی نے تھیوسانگ کو اپنے چچا کا نام بتا دیا تھا جو پیڈرونا تھا۔  
تھیوسانگ نے کہا:

آقا پیڈرونا کی سوبلی یہی ہے نا؟

ہاں ہاں یہی ہے۔ مگر تم کون ہو؟ بوڑھے نے پوچھا:  
تھیوسانگ نے کہا:

میرا نام تھیوسانگ ہے۔ میں ملک جادا کا رہنے والا ہوں آقا پیڈرونا سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں اس کے لیے ایک خاص پیغام لایا ہوں۔

بوڑھے ملازم نے اندر جا کر پیڈرونا سے کہا تو وہ خود باہر آ گیا۔ اس نے تھیوسانگ کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور پوچھا: کیا پیغام لاتے ہو تم میرے لئے؟  
تھیوسانگ نے کہا:

آقا! پیغام خفیہ ہے۔ تنہائی میں بتانا چاہتا ہوں۔ پیڈرونا شکل ہی سے تھیوسانگ کو کوئی بد معاش لگ رہا تھا۔ اس نے اشارے سے تھیوسانگ کو اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ سوبلی اندر سے بڑی شاندار تھی۔ درمیان میں ایک باغچہ تھا جس میں فوارہ چل رہا تھا۔ پیڈرونا نے باغچے پر

اب بتاؤ تم کس کا پیغام لاتے ہو؟



تھیوسانگ نے کہا:

آقا! میں ملک جادا کا باشندہ ہوں۔ سیاحت کی غرض سے جہاز میں سفر کرتا اس ملک کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں ہمیں سمندر میں ایک کشتی دکھائی دی۔ اس کشتی میں ایک عورت اور ایک مرد غم بیہوش کی حالت میں پڑے تھے۔ ہم نے انہیں جہاز پر اٹھا لیا۔ آدمی مر گیا تھا۔ لڑکی ابھی زندہ تھی۔ لڑکی نے کہا کہ میرا نام پالی ہے۔ میں ڈبی جینزو کی جاگیر پیڈرونا کی رہنے والی ہوں۔ میں مر رہی ہوں۔ میرا پیغام میرے بچے پیڈرونا تک جا کر پہنچا دیا جائے کہ میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ اتنا کہہ کر وہ لڑکی جس نے اپنا نام پالی بتایا تھا مر گئی۔ ہم نے ان دونوں کی لاشیں سمندر میں پھینک دیں۔ اب میں ڈبی جینزو کی بندرگاہ پر اترتے ہی سیدھا آپ کے پاس پالی کا پیغام پہنچانے آیا ہوں۔

تھیوسانگ نے دیکھا کہ پالی اور اس کے خاوند کی موت کی سن کر پیڈرونا کے چہرے پر ایک گہرا اطمینان چھا گیا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور مسکرا کر تھیوسانگ کی طرف دیکھا اور اس کے کانہ سے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

1195 تمہارا نام کیا ہے دوست؟

تھیوسانگ میرا نام ہے آقا۔ تھیوسانگ نے اسے کہا: پیڈرونا بولا: میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے پالی کا آخری پیغام پہنچایا۔ پالی میری ملازم تھی میں نے اسے اور اس کے خاوند کو خیانت کرنے کے جرم میں نوکری سے نکال دیا تھا۔ میں نہیں جانتا وہ دونوں کشتی میں بیٹھ کر سمندر کی طرف کیوں نکل گئے۔ بہر حال اس نے مجھے معاف کر دیا۔ مجھے خوشی ہوئی۔ لیکن ان میاں بیوی کی موت کا افسوس ہے۔ تم میرے مہمان ہو۔ جب تک جی چاہے یہاں رہ کر اس شہر کی سیر کرو۔

تھیوسانگ نے کہا: آپ کا شکریہ آقا۔

تھیوسانگ کی بڑی خدمت کی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ شہر کی سیر کرنے کا بہانہ بنا کر حویلی سے نکل کر سیدھا سرائے میں پالی کے پاس آ گیا اور اسے ساری بات سنادی۔ پالی نے کہا:

تمہارا منصوبہ کیا ہے تھیوسانگ؟ تم میری جاگیر کیسے اس ظالم سے واپس دلاؤ گے؟

تھیوسانگ نے کہا:



میں نے وہاں نوکروں سے باتیں کر کے محسوس کیا ہے  
کہ نوکر ابھی تک تمہیں یاد کرتے ہیں اور وہ تمہارے  
وفادار ہیں۔ انہیں احساس ہے کہ تمہارے چچا پیڑونا  
نے زبردستی تمہاری حویلی پر قبضہ کر رکھا ہے۔

پال بولی :

تو پھر اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟  
تھیوسانگ نے کہا :

میں آج رات ہونے سے پہلے پہلے تمہارے بد معاش  
چچا پیڑونا کو کسی ایسے اندھے کنوئیں میں پھینک  
دوں گا جہاں وہ اپنے آپ لگے جہاں پہنچ جائیگا  
پھر تم اپنی حویلی میں آزادی سے رہنا۔

تھیوسانگ کا خیال تھا کہ حویلی سے وہ اکیلا ہی سہرائے  
تک آیا ہے لیکن بد معاش پیڑونا ایک عیار شخص تھا۔ اس  
نے تھیوسانگ کے پیچھے اپنا ایک جاسوس لگا دیا تھا۔  
جاسوس تھیوسانگ سے پہلے ہی حویلی میں پہنچ گیا اور اس  
نے جاتے ہی پیڑونا کو بتایا کہ پالی زندہ ہے اور سہرائے میں  
موجود ہے اور تھیوسانگ اس سے مل کر آ رہا ہے۔ اب  
پیڑونا وہ ساری سڈش سمجھ گیا جو اس کے خلاف کی جا رہی  
تھی اس نے فوراً دو آدمیوں کو حکم دیا کہ سہرائے سے پالی کو

گرفتار کر کے حویلی کے ہنڈ خانے میں پھینک دیا جائے۔ دو  
غلام سہرائے کی طرف بھاگے۔ پیڑونا خود تھیوسانگ کا انتظار  
کرتے لگا۔ جب تھیوسانگ واپس حویلی میں آیا تو پیڑونا نے  
مسکرا کر کہا :

”میرے دوست! سیر کر لی تمہارے شہر کی؟  
تھیوسانگ بولا : ہاں میرے آقا! بڑا خوبصورت شہر ہے۔  
پیڑونا نے کہا :

”تم جلدی واپس آ گئے ہو۔ کیا بات تھی؟  
تھیوسانگ نے جلدی سے کہا :

”میں تھکا ہوا تھا۔ جلدی تھک گیا۔ سوچا کچھ دیر  
آرام کرنے کے بعد پھر سیر کو نکلوں گا۔“

پیڑونا نے تھیوسانگ کے کاڈھے پر ہاتھ رکھ کر کہا :  
”اچھا کیا۔ تمہارے لیے آرام بہت ضروری ہے میرے  
خاص کمرے میں پینگ بچھا ہوا ہے تم وہاں  
آرام کرو۔ میں تمہارے لیے رات کے کھانے کا  
انتظام کرتا ہوں۔“

تھیوسانگ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس بد معاش  
پیڑونا کو اصل صورت حال کا علم ہو چکا ہے۔ وہ پیڑونا  
کے ساتھ اس کے خاص کمرے میں آ گیا۔



۱۲۹  
 پھوٹ گیا تھا۔ ضرور کسی نے اس کو پال سے باتیں کرتے  
 دیکھ لیا تھا۔ یہ معاش پیڈرونا کی باتوں سے اسے کم از کم  
 اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ پالی بھی اسی حویلی میں کسی جگہ  
 قید ہے۔ اب اسے صرف یہی فکر تھی کہ کہیں یہ ظالم شخص  
 پالی کو موت کے گھاٹ اتارنے میں جلدی نہ کرے تھیو ساگ  
 کو پالی کی فکر لگ گئی۔ اپنی اسے کوئی پروا نہیں تھی تھیو ساگ  
 نے جلدی ایکشن شروع کرنے کا پروگرام بنایا۔ انتظار کرنے  
 سے پالی کی موت واقع ہو سکتی تھی۔ مگر وہ وہاں اکیلا تھا۔  
 کوئی نوکر بھی نہیں تھا کہ جس سے وہ پالی کے بارے میں  
 پوچھ سکتا کہ وہ کس جگہ قید میں رکھی گئی ہے۔ آخر تھیو ساگ  
 کو دروازہ ہی نظر آیا جس پر وہ حملہ کر سکتا تھا۔ وہ دروازے  
 کے پاس ہی کھڑا تھا۔ جب اس نے غصوں کیا کہ پیڈرونا  
 وہاں سے جا چکا ہے تو اس نے اپنی خاص انگلی دروازے  
 کے ایک پیٹ سے لگا دی۔ چونکہ تھیو ساگ نے خاص نیت  
 کر کے اور دل میں خیال جا کر انگلی لگائی تھی اس لیے  
 فوراً اثر ہوا اور دروازے کا ایک پیٹ تو بڑا ہی رٹا مگر  
 دوسرا پیٹ چھوٹا ہو کر بالکل اسکول کی تختی کے برابر ہو گیا۔  
 اس کے لیے راستہ کھل گیا تھا۔ تھیو ساگ فوراً کمرے سے  
 نکل آیا۔ اس نے دوبارہ انگلی لگا کر دروازے کو بڑا کر دیا۔  
 ابھی وہ دروازے سے چند قدموں کے فاصلے پر ہی تھا

پلنگ پر ریشی بچھونا بچھا ہوا تھا۔

پیڈرونا نے کہا:

تم اس پلنگ پر آرام کرو۔ میں تھوڑی دیر بعد  
 آ جاؤں گا۔

اتنا کہہ کر پیڈرونا باہر نکل گیا۔ باہر جاتے ہی اس نے  
 گڑھی کا بھاری دروازہ بند کر کے بھاری تالا لگا دیا۔ تالا  
 لگانے کی آواز سن کر تھیو ساگ کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ جلدی  
 سے اٹھا اور دروازے کو باہر کو تھوڑا سا دھکیلا۔ دوسری طرف  
 سے پیڈرونا کی غضب ناک آواز آئی:

تم نے میرے ساتھ دھوکا کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر تم نہیں جانتے تھے کہ میرے ماتھے بہت لمبے ہیں

اور میں تمہارے پیٹ کے اندر کا راز باہر نکال سکتا

ہوں جس غصوں پالی کو تم اس حویلی میں لانا اور

مجھے ہلاک کرنا چاہتے تھے اب وہ بھی تمہاری

طرح اسی حویلی میں قید موت کا انتظار کر رہی

ہے جس کمرے میں تم قید ہو اس کی دیواروں میں

سیر بھرا ہوا ہے اور دشمنان میں لوہے کی

سلاخیں ہیں۔ تم کبھی یہاں سے باہر نہیں نکل سکو گے۔

تھیو ساگ خاموشی سے یہ سب کچھ سنتا رہا۔ اس کا ہانڈا



کراتے ایک غلام آتا نظر آیا۔ تھیوسانگ ایک طرف ہو گیا۔ جو وہی غلام اس کے قریب سے گزرا تو تھیوسانگ نے اس کے کانوں پر اپنی انکلی لگا دی۔ غلام جو تھوڑی سی اتنا ہٹا کٹا اور اونچا لمبا تھا بالکل انسانی لگوٹھے جتنا ہو کر فرش پر حیران پریشان ہو کر پکڑ کھانے لگا۔

تھیوسانگ نے اسے چھوٹے ٹوٹ کی طرح اٹھا کر اپنی بھیلی پر رکھ لیا اور اس کے قریب منہ لے جا کر پوچھا: "اگر پھر ہے بٹے کٹے انسان بننا چاہتے ہو تو مجھے اتنا بتا دو کہ اس گھر کی اصلی مالک پالی کس کمرے میں قید ہے؟"

غلام نے آتھ جوڑ دیئے اور باریک آواز میں بولا: "وہ نیچے تہہ خانے میں قید ہے۔ مجھے بڑا کمرے مجھے بڑا کمرے میں مرجاؤں گا۔"

تھیوسانگ نے اس سے تہہ خانے کو جانے والا راستہ پوچھا اور اسے فرش پر چھوڑ دیا۔ ابھی وہ اسے بڑا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ غلام ایک طرف کو دوڑا۔ تھیوسانگ نے یہ سوچ کر اسے دوبارہ روک لیا کہ کہیں یہ جا کر حویلی میں پینڈو کو خبر نہ کر دے۔ تھیوسانگ نے اسے جب میں روک لیا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا، ایک جگہ سے اندھیری میڑھیاں اتر کر تہہ خانے کے پاس آ گیا۔ یہاں

۱۳۱  
اندھیرا گھپ تھا۔ تھیوسانگ کو تہہ خانے کے دروازے پر بڑا سا لوہے کا تالا پڑا نظر آیا۔ اس نے تالے کو بڑی آسانی سے توڑ ڈالا۔ اندر بھی اندھیرا تھا۔ پالی کی خوف زدہ آواز آئی:-

"مجھے نہ مارو۔ مجھے نہ مارو۔ یہ ساری جاگیر لے لو۔ تھیوسانگ نے قریب جا کر اسے تسلی دینی اور کہا: "میں تھیوسانگ ہوں پالی۔ میرے ساتھ باہر نکل آؤ۔ پالی تو تھیوسانگ سے پیٹ گئی۔

"میرے بھائی! تم رحمت کا فرشتہ بن کر آ گئے۔ مجھے ظالم چچا کے غلاموں نے تمہارے جانے کے بعد سرائے سے اخراج کر لیا تھا۔ تھیوسانگ نے کہا:

"مجھے سب معلوم ہے۔ تمہارے چچا نے مجھے بھی قید میں ڈال دیا تھا مگر میں نکل آیا ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ اس حویلی میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تمہیں بچھا دیا جائے۔ جب تک میں تمہارے ظالم چچا کو ٹھکانے نہیں لگا لیتا تمہیں اسی جگہ رہنا ہوگا۔ تھیوسانگ نے پالی کو ساتھ لیا اور دیں سے اندھیری میڑھیاں چڑھ کر حویلی کی چھت پر آ گیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا بڑھارہ تھا جس کے اندر کاٹھ کپڑا بٹھا ہوا تھا۔ پالی کو



اس چہارے میں بند کرنے کے بعد تھیوسانگ باہر چھت پر آ گیا۔ اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ پیڈرو باغیچے میں تیز تیز قدموں سے سامنے والے برآمدے کی کوٹھڑی کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہ کوٹھڑی میں چلا گیا تو تھیوسانگ بھی باغیچے میں آ گیا۔ اس نے چھوٹے سے غلام کو جیب سے نکال کر ایک جگہ باغ کے گوشے میں ڈال دیا اور خود پیڈرونا کے کوٹھڑی میں چلا گیا۔ اصرار کو بڑھا۔ وہ بند دروازے کو توڑ کر اندر گھس گیا۔ پیڈرونا ایک صندوق کو کھولے اس پر جھکا اس میں سے کچھ نکال رہا تھا۔ دروازے کو دھڑاک سے کھلتے دیکھ کر وہ پیچھے کو گھوما ہی تھا کہ تھیوسانگ نے اس پر چلانگ لگا دی۔ دونوں قالین پر گر پڑے۔ جب تھیوسانگ اٹھا تو بد معاش پیڈرونا ننھا سا آدمی بن چکا تھا۔ تھیوسانگ نے اسے اٹھا کر اپنی جیب میں ڈالا اور سیدھا چہارے میں آ کر پالی سے کہا:

پالی! جن کا حق تھا اس کو مل گیا۔ اب یہ حویلی

تمہاری ہے۔

پال نے تعجب سے پوچھا:

میرے ظالم چچا کا کیا ہوا؟

تھیوسانگ پالی کو اپنی خفیہ طاقت نہیں بتانا چاہتا تھا

نے کہا:

میں نے اسے زنجیروں سے باندھ کر ایک گہری گھاٹی میں پھینک دیا ہے۔ آؤ میرے ساتھ تمہارے دفنا دار ملازم تمہیں دیکھ کر یقیناً خوش ہوں گے۔ پالی خوش خوش تھیوسانگ کے ساتھ چہارے سے نیچے اتر آئی۔ باغیچے میں آتے ہی اس نے تمام غلاموں اور کنیزوں کو آوازیں دیں۔ سب وہاں جمع ہو گئے اور پالی کو دیکھ کر خوشی سے ناخ اٹھے۔ بوڑھے مالی نے تو پالی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کا ماتھا چوم لیا اور کہا:

بیٹی ہم تو تمہاری صورت دیکھنے کو ترس گئے

تھے۔ تمہارے ظالم چچا نے ہمیں بھی اپنے ظلم کے

ہتکے میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ اب کہاں ہے؟

تھیوسانگ نے کہا:

ظالم اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ اب وہ کبھی

اس حویلی میں نہیں آئے گا۔ تم سب آزاد ہو۔

حویلی پر پالی نے پھر سے قبضہ کر لیا اور اس نے کئی

غلاموں کو آزاد کر دیا۔ مگر غلام اسے چھوڑ کر جانے پر تیار

نہ ہوئے۔ وہ پالی کی خدمت ہی میں رہنا چاہتے تھے۔

پالی نے تھیوسانگ سے کہا کہ وہ اسی کے ساتھ حویلی میں

رہے۔ تھیوسانگ بولا:

مجھے اپنی ایک اور بہن اور مائی کو تلاش کرنا



۱۳۵  
اس کی آواز سنیں نکل رہی تھی۔  
تھیوسانگ نے کہا:

گھبراؤ سنیں پالی! مجھے ایک خاص منتر آتا ہے  
جس کو بھونک کر میں نے تمہارے چچا کو اتنا چھوٹا  
کر دیا ہے۔ میں اسے آدھی رات کو سمندر میں  
پھینک آؤں گا کیوں کہ یہ تمہارے خاوند کا  
قاتل ہے۔

پالی نے خوف زدہ آواز میں کہا:  
تھیوسانگ! میں نے آج تک کسی انسان کو اس  
حالت میں نہیں دیکھا۔

تھیوسانگ بولا: یہ ظلم ہے پالی اور کچھ نہیں  
منتر کا اثر ہے اس ظالم پر قابو پانے کے لیے  
مجھے یہ منتر پھونکنا پڑا۔

یہ کہہ کر تھیوسانگ نے پیڑونا کو واپس اپنی جیب میں  
رکھ لیا۔ دوسری جیب میں وہ سیاہ موتی اسی طرح پڑا تھا  
جس میں سے تھیوسانگ کو ناگ کی ہلکی خوشبو برابر  
آ رہی تھی۔ اس نے یہ موتی پالی کو دکھانے کی ضرورت  
محسوس نہ کی تھی۔ لیکن بتانے کیوں اس نے اب جیب  
سے موتی نکالا اور پالی کی طرف بڑھ کر بولا:  
"پالی بہن! اس موتی سے مجھے اپنے بچے

ہے جو مجھ سے بچ رہے ہیں۔

پالی نے حیران ہو کر پوچھا:  
تم نے پہلے تو مجھے اپنے بھائی اور بہن کے بارے  
میں نہیں بتایا۔  
تھیوسانگ نے کہا:

"اس کی ضرورت سنیں پڑی تھی۔ اب میں تمہارے  
پاس آج کی رات رہوں گا اور کل یہاں سے  
اپنی بہن ماریا اور بھائی عنبر ناگ کی تلاش میں  
نکل کھڑا ہوں گا۔

پالی نے تھیوسانگ کے لیے خود پھیل پکائی شام کو وہ  
کھانے پر بیٹھے تو تھیوسانگ پالی کے بالکل سامنے بیٹھا تھا  
اپناک پالی کو اپنے چچا پیڑونا کی باریک آواز سنائی دی۔  
اس نے گہرا کر کہا:

"یہ ظالم چچا کی آواز ہے۔ وہ یہاں پر کہیں موجود ہے۔  
تھیوسانگ نے مسکرا کر کہا:

گھبراؤ سنیں پالی۔ تمہارا ظالم چچا میری جیب میں ہے۔  
اور اس کے ساتھ ہی تھیوسانگ نے پیڑونا کو جیب  
سے نکال کر میز پر رکھ دیا۔ پالی نے جو اپنے چچا کو  
چھوٹے سے انگوٹھے کے سائز میں دیکھا تو حیرت سے  
1200 کہ آکھیں کھں اک کھں رہ گئیں۔ خوف کے مارے



بھائی کی خوشبو آتی ہے۔ دعا کرو کہ مجھے میرا  
بھائی مل جائے۔

پالی نے سیاہ موتی کو دیکھا تو حیران ہو کر بولی :  
”مختیوسانگ ! یہ موتی تو مایا دیوی کا ہے۔“  
”مایا دیوی؟ وہ کون ہے؟“ مختیوسانگ نے پوچھا۔  
پالی کہنے لگی :

”برازیل میرے وطن کے وسط میں ایک بہت  
بڑی تہذیب کبھی اپنے عروج پر تھی اس کا نام  
مایا تہذیب تھا۔ اب اس کے کھنڈر ہی باقی رہ  
گئے ہیں۔ وہاں ایک عجیب و غریب خلائی اڈہ  
بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ وہاں کبھی خلا کے لوگ  
اپنے خلائی جہازوں میں اترتے تھے۔ انہی  
کھنڈروں میں مایا دیوی کا ایک قدیم مندر ہے جس  
کے گلے میں اسی قسم کے سیاہ موتیوں کی مالا  
پڑی رہتی ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے  
اس دیوی کے گلے میں ایسے سیاہ موتیوں کی  
مالا دیکھی ہے۔“

اب مختیوسانگ حیرانی سے پالی کا منہ تک رہا تھا۔

آگے کیا ہوا۔ جاننے کے لیے قسط نمبر ۱۳۶ ”باپ کی خوشبو“ پڑھیے۔





# مجموعه کتب و اسناد میرزا محمد تقی خان



بنامه منتخبه اقلام  
میرزا محمد تقی خان







میں نے اپنی ماریا (۱۳۶)

# میں نے اپنی ماریا

PDFBOOKSFREE.PK

اے چید





پیارے دوستو



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
www.pdfbooksfree.pk

عزیزانگ مایا سیریز کے خامس نمبر، "غیبی لاش" کو پسند کرنے کے خطوط ابھی تک مجھے مل رہے ہیں۔ میں اپنے ان تمام دوستوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے "غیبی لاش" کو پڑھا۔ اسے بے حد پسند کیا اور مجھے اپنا قیمتی وقت نکال کر خط لکھے۔ ان کے خط بھی میرے لیے بڑے قیمتی ہیں۔ اور میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ انشاء اللہ میری ہمیشہ یہی کوشش ہوگی کہ میں آپ دوستوں کے لیے دلچسپ، بہترین، معلوماتی اور پُر اسرار ناول مکتبہ پرلا عزیزانگ مایا کی ایک سو پچیسویں قسط لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو اس سلسلے کی یہ قسط بھی پسند آئے گی۔ آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

آپ کا انکل  
اے حمید

454 — این راہ چمن — سمن آباد۔ لاہور

قیمت: ۵۰/۶

مکتبہ پرلا عزیزانگ مایا

پتہ: ۱۰۰، سمن آباد، لاہور



# ماریا کی خودکشی



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
www.pdfbooksfree.pk

تھیوسانگ کو یقین تھا کہ پالی ٹھیک کہہ رہی ہے۔  
اگر وہ برازیل کے وسطی میدانوں کے کھڈرات میں نکل جائے  
جہاں پرانی مایا تہذیب کے ویران کھنڈر بکھرے ہوئے ہیں۔  
اور جہاں مایا دیوی کا مندر ہے اور اس دیوی کے گھلے میں ایسے سیاہ  
موتی ہیں۔ تو ناگ کا معرہ مل ہو سکتا ہے اور ممکن ہے کہ وہاں  
ناگ بھی مل جائے۔ یہ سوچ کر تھیوسانگ نے مایا دیوی کے قدیم  
مندر میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے پالی سے کچھ اور معلومات  
حاصل کیں اور ایک روز گھوڑے پر سوار ہو کر برازیل کے وسطی  
علاقے ماؤنٹ کاسو کی طرف روانہ ہو گیا۔

تھیوسانگ کو یہاں چھوڑ کر ہم واپس اسی ملک برازیل کے شہر  
الگری کی طرف چلتے ہیں۔ جہاں مادیا کانے جاگیر دار کی حویلی کے  
باغیچے والی کوٹھڑی میں زنجیروں میں جکڑی قید میں پڑی تھی۔ کیٹی اس  
وقت سرخی لٹکا کی سمندری پٹاؤں کے نیچے جل پڑی کی حیثیت سے زندہ  
ہے اور ہنر بھی اسی سمندر کی تہ میں پانڈو ڈاکو کے روپ میں ایک

ترتیب  
ماریا کی خودکشی  
ابرام کی آواز  
جنم جنم کی دوری  
کبالی کی تلاش  
باپ کی خوشبو



پتھر کی سِرل کے ساتھ ذخیرے بندھا بے بسی کی حالت میں پڑا تھا۔  
لیکن ہم پہلے ماریا کی طرف پھلتے ہیں۔ ماریا اور تھیوسانگ اس وقت  
ایک ہی ملک یعنی برازیل میں تھے۔ برازیل اتنا بڑا ملک ہے کہ  
اس کے اندر چار ہندوستان جتنے بڑے ملک سما سکتے ہیں۔ ایمیزن  
برازیل کا سب سے بڑا دریا ہے اور اسے دنیا کا بھی سب سے  
بڑا دریا کہا جاتا ہے۔ ایمیزن کے جنگل ہزاروں مربع میل کے  
علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور یہ جنگل اتنے گہرے ہیں کہ دن کے  
وقت بھی سورج کی روشنی یہاں کم پہنچتی ہے۔ ان کے دریاؤں  
اور جھیلوں میں مگر مچھ چھپے ہوتے ہیں۔ اور دلدلوں میں زہریلے  
سانپ اور بچھو رہتے ہیں۔ یہاں کے جنگلی لوگوں کو بھی  
ریگمانڈین کہا جاتا ہے۔ یہ اتنے وحشی اور ظالم لوگ ہوتے ہیں کہ  
ان کے علاقے میں کوئی اجنبی آجائے۔ تو اسے زہریلے تیر مار کر  
ہلاک کر دیتے ہیں۔ ان جنگلوں کے پار برازیل کا وسطی علاقہ  
ہے۔ جہاں خشک بنجر زمین کا ایک بہت بڑا میدان جہاں اونچائی  
سنگلاخ پہاڑیاں ابھری ہوئی ہیں۔ اس اونچے نیچے میدان  
میں ایک جگہ ابراہم بنے ہوئے ہیں۔ ان ابراہموں کے بارے میں  
کہا جاتا ہے کہ وہ مصری ابراہموں سے بھی زیادہ پرانے ہیں۔ اس  
مقام پر ایک جگہ زمین پر کئی سیلوں کے گچھرے میں ایک بہت بڑا  
خلانی آڈہ نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ ہزاروں برس پہلے خلا

۷  
سے کسی خلانی مخلوق کے خلانی جہاز اتر کر تھے۔ اسی خلانی  
اڈے کے بارے میں پالی نے تھیوسانگ کو بتایا تھا کہ یہاں ایک  
خلانی باشندہ خدا جانے کس لیے ایک خلانی جہاز سے بچھڑ  
کر رہ گیا تھا اور وہ اب تک زندہ ہے اور سنگلاخ پہاڑیوں میں  
چھپا پھرتا ہے۔ مایا دیوی کا مندر بھی اس خلانی اڈے کے قریب  
ہی تھا۔ تھیوسانگ کی منزل یہی مایا مندر تھا۔

دوسری طرف ماریا کو کانے جاگیردار نے دودن کی مہلت  
دے رکھی تھی کہ اگر دودن کے اندر اس نے کانے جاگیردار  
سے شادی کرنے کا فیصلہ نہ کیا تو اس سے زبردستی شادی  
کر لی جائے گی۔ ایک تو ماریا غیبی حالت میں نہیں تھی۔ دوسرے اس  
کی طاقت بھی معطل ہو گئی تھی۔ اگرچہ وہ مر نہیں سکتی تھی۔ مگر اس  
کا اسے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ کانے جاگیردار سے کسی حالت میں  
بھی شادی کرنے پر راضی نہیں تھی۔ لیکن کانے جاگیردار نے ماریا کو  
سونے کے سکے دے کر خسریدا تھا اور وہ اس کی لونڈی تھی۔ وہ  
اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کر سکتا تھا۔ ماریا نے دیکھ لیا  
تھا کہ وہاں لونڈیوں پر غلاموں پر بے حد ظلم ہوتا تھا۔ انہیں کوڑوں  
سے مارا جاتا تھا۔ بیمار پڑتے تو علاج کی جگہ انہیں اٹھا کر کوڑے  
کرکٹ کے ڈھیروں پر مرنے کے لیے پھینک دیا جاتا تھا۔ ماریا موت  
پریشانی کی حالت میں تھی کہ وہ کیا کرے؟ وہاں سے کس کی فرمائش



وہ کوٹھڑی میں بند تھی۔ اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر اسے ایک ستون سے باندھ دیا گیا تھا۔ ایک بوڑھی لڑکی اسے دن میں دو بار کھانا دینے آتی تھی۔ یہ بوڑھی عورت گونگی بہری تھی اور اسے جان بوجھ کر رکھا گیا تھا کہ ماریا اس سے کوئی ساز باز نہ کر سکے۔ جب مہلت میں ایک گھنٹہ باقی رہ گیا تو ماریا سخت بے چین ہو گئی۔ اسے خوب معلوم تھا کہ کانا جاگیردار اس سے زبردستی شادی کرے گا۔ اور شادی بیاہ سے ماریا بہت دُور تھی۔ اور اس کانے سے تو کہیں بھی شادی نہیں کر سکتی تھی۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے زور سے دربان کو آواز دی جو باہر پہرہ دے رہا تھا۔ پہرے دار نے پوچھا کیا بات ہے؟ ماریا نے اسے کہا کہ آقا کو جا کر بتا دو کہ میں اس سے شادی کرنے پر راضی ہوں۔ اسی وقت کانے آقا کو پیغام پہنچا دیا گیا۔ وہ بڑا خوش خوش ماریا کے پاس آیا۔ اس کی زنجیر اتاروا دی گئی۔

ماریا نے کہا۔

”آقا! میں تمہارے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہوں  
مگر میری ایک شرط ہے۔ اگر یہاں کوئی جیل ہو  
تو میں شادی سے پہلے اس میں غسل کروں گی۔“  
کانے آقا نے مسکرا کر کہا۔

”بس یہی شرط ہے؟ یہ بھی کوئی شرط ہے؟ ہمارے  
شہر کے کونے پر ایک جنگل ہے۔ اس میں ایک پرانی  
جیل ہے۔ میں خود تمہیں اس میں غسل کراؤں گا۔  
میرے ساتھ تم ابھی چل سکتی ہو۔“

ماریا بھی چاہتی تھی۔ کانے آقا نے ماریا کو نیا جوڑا  
پہنایا۔ اسے اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھایا۔ ساتھ غلام لے  
اور جیل کی طرف چل دیا۔ یہ جیل شہر الگرمی کے کنارے پر سمندر سے  
بٹ کر ایک چھوٹے سے جنگل میں واقع تھی۔ یہ بہت پرانی جیل  
تھی اور اس کے کنارے اونچے اونچے درخت اُگے تھے۔ ایک جگہ  
گھاٹ بنا ہوا تھا۔ یہاں آکر کانا آقا اور غلام رُک گئے۔ ماریا کو  
گھوڑے سے اتار دیا گیا۔ ماریا نے کہا۔

”میں کپڑوں سمیت جیل میں نہاؤں گی۔ تم لوگوں کو یہاں  
سے جانے کی ضرورت نہیں۔“

ماریا چاہتی بھی نہیں تھی کہ وہ لوگ وہاں سے جائیں۔ اس  
نے دل میں جو ترکیب سوچی تھی اس کے یہ ضروری تھا کہ  
وہ لوگ اسی جگہ رہیں۔ ماریا نے ان کے سامنے جیل میں  
پھلانگ لگا دی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ جیل کے اندر نہیں  
سکتی۔ جتنی دیر تک چاہے زندہ رہ سکتی ہے۔ یہ اس نے  
سمندر میں تجربہ کر کے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ جیل میں گرستے ہی وہ



نیچے تہہ میں چلی گئی۔ تہہ میں عجیب عجیب قسم کی گھنی جھاڑیاں تھیں۔ ان جھاڑیوں کو پکڑ کر اس نے جھیل کے دوسرے سامنے والے کنارے کی طرف ریگنا شروع کر دیا۔ کاننا آقا اپنے غلاموں کے ساتھ جھیل کے باہر گھاٹ کے کنارے پر کھڑا تھا۔ جب ماریا کو جھیل میں کودے تین چار منٹ ہو گئے اور وہ پانی سے باہر نہ ابھری تو اسے تشویش ہوئی۔ اس نے غلاموں کو پکار کر کہا۔

”کہیں ماریا ڈوب تو نہیں گئی۔ فوراً کود کر معلوم کرو۔“ اسی وقت چار غلام جھیل میں کود گئے۔ وہ جس وقت جھیل کی تہہ میں پہنچے اس وقت ماریا جھاڑیوں کی مدد سے جھیل کے درمیان میں کافی آگے نکل چکی تھی۔ غلاموں نے پانی کے نیچے جا کر ادھر ادھر دیکھا۔ بہت جلد ان کے سانس ختم ہو گئے اور وہ جلدی سے اوپر نکل آئے۔ ایک بار سانس لے کر پھر نیچے اترے۔ اس بار بھی انہیں ماریا کہیں نظر نہ آئی۔ ان کے سانس زیادہ لمبے ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ کم از کم وہ ماریا کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ دو منٹ بعد سانس ختم ہونے لگے تو وہ فوراً پانی سے باہر آ گئے۔

باہر آ کر انہوں نے کاننے آقا کو بتایا کہ نیچے ماریا کہیں بھی نہیں ہے۔ آقا تو ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ ایک بوڑھے غلام

نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ حضور! اس عورت نے ضرور خودکشی کر لی ہے۔ اب اس کی لاش تلاش کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اس پرانی جھیل میں ایسی پرانی مچھلیاں رہتی ہیں جو لاش کو ایک منٹ میں چٹ کر جاتی ہیں۔ کاننے آقا نے پھر بھی لاش کی تلاش جاری رکھی۔ مگر ماریا کی لاش نہ مل سکی۔ لاش جھیل میں ہوتی تو ملتی۔ مایوس ہو کر کاننا آقا غلاموں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی عورت پانی میں چھلانگ لگانے کے بعد اتنی دیر تک زندہ رہ سکتی ہے۔

دوسری طرف ماریا پانی کے اندر ہی اندر تیرتی آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔ جھیل کا پاٹ کافی چوڑا تھا۔ اسے دوسرے کنارے تک پہنچتے پہنچتے ادھا گھنٹہ لگ گیا۔ اس وقت شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ماریا نے سر باہر نکالا تو دیکھا کہ وہ کنارے کے قریب ہی ہے۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ کنارے سے باہر نکل آئی اور گھاس میں لیٹ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ ایک بات کی اسے تسلی تھی کہ کوئی اس کے پیچھے نہیں آئے گا۔ سب یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ ماریا نے جھیل میں کود کر خودکشی کر لی ہے۔ اس لیے وہ بڑے اطمینان سے گھاس میں لیٹی رات کا اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرتی۔



جب رات ہو گئی اور جنگل میں اندھیرا پھیل گیا تو وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ کدھر جائے۔ اس کے کپڑے سوکھ گئے تھے۔ جنگل میں گہرا سناٹا چھایا تھا۔ وہ برازیل کے اس بندرگاہی شہر سے بالکل ناواقف تھی۔ وہاں اس کا جاننے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ کاش اس وقت تھیو ساگ اس کے پاس ہوتا۔ ماریا کو صرف اسی قدر معلوم تھا کہ برازیل ایک کم آباد نیم وحشی ملک ہے جہاں جاگیردار اور بڑے بڑے کھیتوں کے مالک جویلیوں میں رہتے ہیں۔ کالے حبشی غلاموں کو خرید کر ان سے جانوروں کی طرح اپنے کماؤ کے کھیتوں میں کام لیتے ہیں۔ اگر اسے بھی کسی نے دیکھ لیا تو اسے فوراً اپنی ٹونڈی کینز بنالے گا۔ کیونکہ وہاں باہر کی بے آسرا عورتوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا تھا۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ افریقہ کے مغربی ساحل سے جو حبشی لوگ غلام بن کر لاتے جاتے ہیں ان میں ننانوے فی صدی مسلمان ہوتے ہیں۔ اور مسلمان ظالم نہیں ہوتے۔ وہ بااخلاق اور رحم دل اور انصاف پسند ہوتے ہیں اور عورتوں کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ مگر جو شخص خود غلام ہو۔ وہ جیلا ماریا کی کیا مدد کر سکتا تھا؟

ماریا نے سوچا کہ اندھیری رات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے راتوں رات کم از کم شہر سے نکلی جانا پڑے گا۔ وہ کانے جاگیردار سے

غلاموں کی پینچ سے تو دوڑ ہو جائے۔ ماریا نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ اندھیرے میں اس کے دیکھنے کی قوت ابھی تک بحال تھی۔ جنگل اتنا گھنا بھی نہیں تھا۔ وہ سمندر کے ساحل والے علاقے سے ہٹ کر چل رہی تھی۔ اور اس کا یہی اندازہ تھا کہ وہ شہر کے دوسرے کنارے پر نکل آئے گی۔ جہاں سے وہ کسی دوسرے شہر کی طرف روانہ ہو جائے گی۔

جنگل میں سے نکلتے نکلتے اسے ایک گھنڈہ بٹ گیا۔ رات اور زیادہ گہری ہو گئی۔ جنگل سے باہر نکلی تو اس کے سامنے ایک وسیع میدان تھا جس میں کہیں کہیں ٹیلے زمین میں اُبھرے ہوئے تھے۔ چاروں طرف اندھیرا چھایا تھا۔ بائیں جانب جھیل کے پاداسے دور بندرگاہ پر کھڑے جہازوں پر جلتی روشنیاں جھللاتی نظر آ رہی تھیں۔ ماریا میدان میں ایک ٹیلے کی طرف چلتے لگی۔ یہ ٹیلہ خشک پتھروں کا تھا۔ اس کے اوپر آگے ایک ویران سنان اور اُجاڑ علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ ماریا کے ٹیلے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ مجبوراً اسے اسی اُجاڑ علاقے میں سے گزر کر کسی دوسرے شہر یا علاقے میں جانا تھا۔ ماریا چلتی گئی اور رات اور زیادہ گہری ہوتی گئی۔ اندھیرے میں ماریا کو راستہ تلاش کرنے میں اس ٹیلے و شواہی نہیں ہو رہی تھی کہ سنان پر جو ستارے چمک رہے تھے ان کی ایک



دشمن زمین پر پڑ رہی تھی۔

ایک اونچے ٹیلے کو عبور کرنے کے بعد ماریا نے دوسری طرف دیکھا۔ اندھیرے میں اسے کچھ جھونپڑیوں کے خاکے سے دکھائی دیئے۔ ان میں سے کسی بھی جھونپڑی کے باہر چراغ وغیرہ نہیں جلی رہا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ جھونپڑیاں ویران ہوں گی۔ اور یہاں وہ چھپ کر رات گزار سکتی ہے۔ وہ ٹیلے سے اتر کر جھونپڑیوں کے پاس آئی تو اسے ایک بٹی کی میاؤں میاؤں سنائی دی۔ اندھیرے میں ایک سیاہ بٹی کی زرد آنکھیں ایک جھونپڑی کے دروازے پر چمک رہی تھیں۔ ماریا اپنی جگہ پر رُک گئی۔ اسے معلوم تھا کہ اس قسم کی بٹیاں ہم کالی ہوتی ہیں۔ اور ویرانوں میں رہتی ہیں خطرناک آسیب بھی بن جاتی ہیں۔ بٹیا نے بھی ماریا کو دیکھ لیا تھا۔ وہ ٹھٹھکی باتھ ماریا کو حکمتی رہی۔ اور میاؤں میاؤں کرتی رہی۔

ماریا نے جب اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی تو وہ میاؤں میاؤں کرتی جھونپڑی کے پیچھے چلی گئی۔ ماریا آگے بڑھی وہ چھوٹے چھوٹے کمرے تک پہنچ کر تھم رہی تھی۔ کیونکہ ایسی جگہوں پر اکثر دیہاتی لوگ رات کو جنگل درندوں سے بچنے کے لیے جاں چھپا دیا کرتے ہیں۔ تاکہ اگر شیر یا قبیلے کے باہر کوئی دشمن ان پر آکر حملہ کرے تو وہ اس میں پھنس

جائے۔ مگر وہاں گھاس میں اس قسم کا کوئی جان بھی نہیں تھا۔ ماریا ایک جھونپڑی میں داخل ہو گئی۔ جھونپڑی خالی پڑی تھی۔ باقی کی چار جھونپڑیاں بھی خالی تھیں۔ ماریا کو خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کہ یہاں کے لوگ کسی دوسرے جنگل میں کوچ کر گئے ہوں۔ وہ ایک جھونپڑی میں لیٹ گئی۔ وہ سخت تھکی ہوئی تھی۔ اسے نیند آ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو باہر گہرا سناٹا چھایا تھا اور اندھیرا اسی طرح تھا۔ خدا جانے رات کا کیا بچ رہا تھا۔

ماریا کو کچھ لوگوں کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر جھونپڑی کے دروازے پر آئی اور بانس کی دیوار کے ساتھ لگ کر باہر دیکھا۔ اسے کچھ سائے کوٹنے والی جھونپڑی کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ یہ لوگ نا معلوم کون تھے۔ اندھیرے میں ماریا انہیں اچھی طرح نہ دیکھ سکی تھی۔ وہ جھونپڑی میں داخل ہو گئے۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر بعد ان کی دھیمی دھیمی آوازیں آنے لگیں۔ ماریا معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ لوگ کون ہیں۔ اور اس جھونپڑی میں کیا کرنے آئے ہیں۔ وہ آہستہ سے اس جھونپڑی کے پیچھے والی بانس کے سرکندوں کی دیوار کے پاس آ کر غور سے ان لوگوں کی باتیں سننے لگی۔ ان میں دو عورتیں بھی تھیں۔ ایک عورت کہہ رہی تھی۔ ”ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کسی کا غلام نہیں



رہ سکتا۔ ہم صرف اللہ کے غلام ہیں۔ برازیل کے جاگیردار ہم پر زیادہ دیر ظلم نہیں توڑ سکتے۔ ہم ایک نہ ایک دن آزادی حاصل کر کے رہیں گے۔ دوسرے مرد کی آواز آئی۔

”ہمیں آپس میں اتفاق سے رہنا چاہیے۔ اگر ہم میں پھوٹ پڑ گئی تو ہم ظالم کے ظلم کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔“ عورت نے کہا۔

”ہمیں اللہ کی رستی کو مضبوطی سے پکڑ رکھنا ہو گا۔ پھر ہم میں کوئی بھی پھوٹ نہیں ڈال سکتا۔ بہت جلد ماریا کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ افریقہ کے مسلمان حبشی تھے۔ اور انہیں افریقہ سے اغوا کر کے یہاں لا کر غلام بنا دیا گیا تھا۔ یہ لوگ قریب کے کھیتوں میں کام کرتے تھے۔ اور وہیں رہتے تھے۔ یہ یہاں مات کو آ کر میٹنگ کر رہے تھے۔ یہ سب مسلمان تھے۔ وہی جی جس نے ماریا کو پہلے دیکھا تھا اب بھی اس کے ساتھ آ کر میڈل میاؤں کرنے لگی۔ جونیئری کے اندر لوگ ایک دم خاموش ہو گئے۔ ابی ماریا سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ جونیئری میں سے ایک حبشی غلام پہلاٹ نکلا اور ماریا کو گردن سے پکڑ کر گھسیٹا

ہوا اندر لے گیا۔ ماریا نے دیکھا کہ جونیئری میں اندھیرا تھا چونکہ یہ سارے کے سارے کالے حبشی تھے۔ اس لیے اندھیرے میں وہ بالکل ہی نظر نہیں آ رہے تھے۔ ماریا کو اُسی عورت کی آواز آئی۔

”کون ہو تم؟ تمہیں بہادی جاسوسی کے لیے کس نے بھیجا ہے؟“ ماریا نے کہا۔

”میں کسی کی جاسوس نہیں ہوں۔ میرا نام ماریا ہے۔ یہاں کا لانا جاگیردار مجھے خرید کر لے گیا تھا۔ وہ مجھ سے زبردستی شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر میں اس کی حویلی سے بھاگ آئی ہوں۔ اور اس جونیئری میں رات گزارنے کے لیے چھٹی ہوئی تھی۔“

ان میں سے ایک حبشی نے اٹھ کر خود سے ماریا کو دیکھا اور بولا۔

”کیا تم کا نے جاگیردار کی نوڈی ہو؟“ ”ہاں۔“ ماریا نے کہا۔

وہ آدمی بولا۔

”مگر اس نے تو آج شام جیسے جیسے یہاں تک لگا کر خودکشی کر لی تھی۔“



چلی جانا چاہتی ہوں۔ جہاں سے میں جہاز میں سوار ہو  
کر واپس افریقہ جا سکوں۔  
حبشی عورت بولی۔

”یہ بہت مشکل کام ہے۔ اس سلسلے میں ہم تمہاری  
کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ تمہیں  
ایک گھوڑا دے کر راستہ بتا دیں گے اور تم صبح تک گلے  
دیان کے قصبے میں پہنچ جاؤ گی۔ وہاں سے کسی بھی  
قافلے میں شامل ہو کر تم برازیل کے مغربی علاقے میں  
چلی جانا۔ وہاں تم ان جاگیرداروں سے محفوظ رہو گی۔“  
ماریا نے کہا۔

”مجھے منظور ہے۔ میں کس زبان سے تمہارا شکریہ  
ادا کروں بہن۔“  
حبشی عورت بولی۔

”ہم مسلمان ہیں۔ مصیبت میں مبتلا لوگوں کی مدد کرنا  
ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور پھر تم بھی اہل کتاب ہو  
ہم بھی اہل کتاب ہیں۔“

حبشی عورت نے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ اندھیرے میں  
جھوپٹری سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کھیتوں کے  
اصبل میں سے ایک گھوڑا اکھول کر لے آیا۔ وہ اپنے ساتھ

ماریا نے کہا۔  
”میں نے ظاہر یہی کیا تھا کہ میں نے خودکشی کر لی  
ہے۔ لیکن میں جھیل کے اندر ہی اندر تھر کر دوسرے  
کنارے پر چلی گئی تھی۔ اور وہاں سے اندھیرے  
جنگل میں بھٹکتی ہوئی ان جھوپٹریوں میں آئی ہوں۔“  
حبشی عورت نے پوچھا۔

”تمہارا نام ماریا ہے۔ کیا تم عیسائی ہو؟“  
ماریا نے کہا۔

”ہاں۔ میں عیسائی ہوں۔ افریقہ میں اپنی بہن کے  
ہاں گاؤں میں آئی ہوئی تھی کہ برازیل کے بڑے فروشوں نے  
گاؤں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے دوسرے مرد عورتوں  
کے ساتھ مجھے بھی پکڑا لیا اور یہاں لا کر کانے جا گروا  
کے پاس فروخت کر دیا۔“

دوسرے حبشی نے بھی ماریا کے بیان کی تائید کی اور  
عورت کو بتایا کہ ماریا ٹھیک کہہ رہی ہے۔  
حبشی عورت بولی۔

”اب تم کیا چاہتی ہو؟“  
ماریا نے کہا۔

”میں اس شہر سے نکل کر کسی ایسے دوسرے شہر



سوکھی پھل کی پڑٹی بھی لایا تھا۔ حبشی عورت

نے کہا۔

”اس گھوڑے پر سوار ہو کر مغرب کی طرف جو ستارہ چمک رہا ہے۔ اس کی سیدھ میں سفر کرتی جانا۔ یہ گھوڑا سدھایا ہوا ہے۔ یہ نہیں صبح گاہ سے دیان پہنچا دے گا۔ وہاں پہنچ کر گھوڑے کو چھوڑ دینا۔ یہ اپنے آپ ہمارے پاس آجائے گا۔“

ماریا نے حبشی عورت کا شکریہ ادا کیا۔ گھوڑے پر سوار ہوئی اور جھوپڑیوں کے پیچھے جو راستہ بنایا اس پر روانہ ہو گئی۔ گھوڑے کو جیسے سارے راستے پر پتہ تھا۔ وہ بڑی آسانی سے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اندھ میں قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ آگے گھر کے کھیتوں کا بڑا شہر عموماً۔ انسانی قوسوں سے بھی بہت اونچے گئے تھے۔ ان کے پیچ میں ایک ایسی سی کمی مٹا رہی تھی۔ اس گھوڑا اس سبب پر پیدل رہا تھا۔ یہ کھیت اور حبشی عورت کے جھوپڑے پیچھے رہ گئے تو ماریا نے گھوڑے سے ایڑھ لگا لیا گھوڑے نے

فشار پکڑ لی اور تیز تیز دوڑنے لگا۔ ماریا اس علاقے سے بہت جلد نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ ساری رات ماریا گھوڑے پر سوار سفر کرتی رہی۔ صبح ہوئی تو وہ اس علاقے سے بہت دور نکل چکی تھی۔ آگے ات ایک دریا بتا دکھائی دیا۔ اس کی بائیں جانب ایک قصبے کے مکان صبح کی دھوپ میں چمک رہے تھے۔ گھوڑا اس قصبے کے قریب پہنچ کر ایک جگہ ڈک گیا۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہی اس کی منزل ہے۔ گھوڑا اسی لیے یہاں ڈک گیا ہے۔ ماریا گھوڑے سے اتر پڑی۔ اس نے گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ گھوڑا تیزی سے پیچھے کو دوڑنے لگا اور دیکھتے دیکھتے ماریا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ماریا قصبے کی طرف چل پڑی۔

یہ قصبہ کافی بڑا تھا۔ یہاں ایک چھوٹا سا گھاٹ بھی دریا پر بنا ہوا تھا۔ جہاں کئی کشتیاں کھڑی تھیں۔ لوگ یاد دہانے کے لیے ایک کشتی میں سوار ہو رہے تھے۔ ماریا کے پاس اس علاقے کے کچھ مکے جیب میں موجود تھے۔ اس نے سوچا کہ ات دریا پار کر کے دوسری طرف جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ بھی دور مسافروں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئی۔ اس نے یہی ظاہر کیا کہ وہ بھی دوسرے کنارے ایک گاؤں میں جا رہی ہے۔ جہاں اس کی بہن رہتی ہے۔ یہ سب لوگ کسان اور



کھیت مزدور تھے۔ ان میں بوڑھی اور جوان عورتیں بھی تھیں۔ کسی نے ماریا کی طرف زیادہ دھیان نہ دیا۔ معلوم ہوا کہ یہ دریا نے اٹھراٹھ بجے جو برازیل کا سب سے بڑا دریا تھا اور یہ لوہ دریا پار کر کے جنگل میں درختوں کی کٹائی کرنے اور وہاں سے جڑی بوٹیاں اکٹھی کرنے جا رہے ہیں۔ ماریا نے کسی عورت سے زیادہ بات چیت نہ کی۔ کشتی دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچی تو ماریا بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ کنارے پر اتر گئی۔

اُگے گھٹا جنگل شروع ہوتا تھا۔ ماریا نے جنگل میں جانے کی بجائے دریا کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا وہ دوپہر تک چلتی رہی۔ اسے زیادہ تمکنا نہیں ہوئی تھی۔ ماریا نے محسوس کیا کہ اسے بھوک اور پیاس بھی بہت ہی کم لگتی تھی اس کا مطلب تھا کہ اس کی آدھی طاقت ابھی تک اس کے پاس ہی ہے۔ وہ صرف غائب ہونے کی طاقت سے محروم ہو گئی تھی۔ وہ دریا کے رخ پر جا رہی تھی۔ وہ ایک جگہ ٹوک کر بیٹھ گئی۔ دریا کے پانی میں — باتھ ڈال کر تھوڑا سا پانی پیا۔ منہ باتھ دھویا اور سوچنے لگی کہ ناگ منبر کیٹی اور تھوڑا سا اب اسے کہاں اور کیسے ملیں گے۔ وہ تو نہ جانے کس طرف اور کس شہر کی جانب جا رہی ہے۔ برازیل ایک بہت بڑا براعظم

تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی سمندری بندرگاہ والے شہر میں پہنچ کر وہاں سے افریقہ کی طرف جانے کی کوشش کرے۔ دریا ہمیشہ سمندر کی طرف بہتے ہیں۔ اس لیے وہ خوش تھی کہ دریا کے بہاؤ کے رخ پر جا رہی ہے۔ ظاہر ہے دریا کسی نہ کسی سمندری بندرگاہ تک ہی جا رہا ہے۔

یونہی چلتے چلتے ماریا کو دو دن دو راتیں گزر گئیں۔ دریا اس قدر لمبا تھا کہ ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ راستے میں ماریا ٹوک کر آرام بھی کر لیتی تھی۔ جنگل میں سے جنگل پھل توڑ کر اپنی تھوڑی بہت بھوک مٹا لیتی تھی۔ تیسرے روز دریا ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں وہ ایک بہت بڑی آبشار کی شکل میں کافی نیچے پہاڑیوں کی گہری گھاٹی میں گر رہا۔ یہاں پانی کا زبردست شور تھا۔ ماریا کو دیکھتے ہی دہشت محسوس ہوئی۔ وہ دریا سے ہٹ کر دوسری جانب چلنے لگی۔ یہ ایک درختوں میں گرا ہوا جنگلی راستہ تھا۔ یہاں پہلی بار اسے ایک سبز رنگ کا دیرینہ دو گڑھا سانپ نظر آیا۔ سانپ بھی ماریا کو دیکھ کر ڈک گیا۔ ماریا نے سوچا کہ اس سانپ سے مدد لینی چاہیے۔ اس نے سانپ کے قریب جا کر اس کی زبان میں جب اس سے پوچھا کہ یہ جنگل کدھر تک جاتا ہے تو وہ حیران ہو کر ماریا کا منہ دیکھ نکلا۔ اس نے بڑے ادب سے اپنا سر بھکایا اور پوچھا۔



”مجھے ناگ دیوتا کی بو آ رہی ہے۔ کیا تم ناگ دیوتا

کی بیٹی ہو۔“

ماریا نے کہا۔

”میں ناگ دیوتا کی بیٹی نہیں بلکہ بہن ہوں۔ تم نے مجھے ٹھیک پہچانا ہے۔ میرے جسم سے ناگ کی بو آتی ہے۔“

سانپ بولا۔

”ناگ دیوتا کی محترم بہن! تم اس خطرناک جنگل میں کیا کر رہی ہو؟“

ماریا نے اسے بتایا کہ وہ کسی بڑے شہر پہنچنا چاہتی ہے تاکہ وہاں کسی قافلے میں شریک ہو کر ناگ دیوتا کی تلاش میں نکل سکے۔  
”تم یہ بتاؤ کہ یہ راستہ مجھے کہاں لے جائے گا اور جنگل کی دوسری طرف کیا ہے؟“

سانپ بولا۔

”اس جنگل کے پار ایک ویران اور پتھر والا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ جہاں مایا تہذیب کے کھنڈرات بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کھنڈروں کے پار دو دن کے سفر کے بعد ایک بڑا شہر آتا ہے۔ جہاں کے قافلے دوسرے شہروں کو جاتے ہیں۔“

ماریا نے کہا۔

”بس ٹھیک ہے۔ میں اسی شہر میں پہنچنا چاہتی ہوں

کیا آگے راستہ خطرناک ہے؟“

سانپ نے کہا۔

”یہ سارے کا سارا جنگل خطرناک ہے۔ آگے جنگلی درخت بھی ملیں گے۔“

سانپ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے منہ میں سے ایک سرخ منکا نکال کر ماریا کو دیا اور کہا۔  
”اس منکے کو اپنی جیب میں رکھنا۔ اس کی تیز بو سے کوئی جنگلی درندہ متاڑے پاس نہیں آ سکے گا۔ وہ اس کی بو پاتے ہی تم سے بھاگ جائے گا اور راستہ صاف کر دے گا۔“

ماریا نے لال منکے کو اپنی جیب میں رکھ لیا اور سانپ سے

پوچھا۔

”کیا تم بتا سکتے ہو کہ ناگ دیوتا اس وقت کہاں ہو گا؟“

سانپ نے سر جھکا دیا۔ جیسے گہری سوچ میں ڈوب گیا ہو پھر سر اٹھا کر بولا۔

”میں ناگ دیوتا کو ایک سیاہ موتی میں بند دیکھ رہا

ہوں۔“



ماریا کو یہ سن کر کہ ناگ اسی ملک برائیل میں اسی  
سخت کو ہے جدھر وہ جا رہی ہے بڑی خوشی ہوئی۔ مگر اسے  
سب بات سے تشویش بھی ہوئی کہ ناگ کو سیاہ موتی میں  
کس نے بند کر دیا؟ اور وہ کہاں ہوگا؟ سانپ اسے اس سے  
زیادہ کچھ نہ بتا سکا۔ پھر بھی اس سبز سانپ نے ماریا کو بہت  
کچھ بتا دیا تھا۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اس نے اسے  
ناگ کا کھوج بتا دیا تھا۔ ناگ سیاہ موتی میں بند تھا اور برائیل  
کے شمال مغرب میں مایا تہذیب کے کھنڈروں میں کسی جگہ موجود  
تھا۔ ماریا کو اس اطلاع سے کافی حوصلہ ہوا۔ اسے یقین ہو گیا کہ  
اب وہ ناگ کو تلاش کر لے گی۔ چنانچہ اس نے ایک نئے  
بدبے کے ساتھ سفر شروع کر دیا۔ وہ سارا دن جنگل میں سفر  
لاتی رہی۔ اس دوران میں کئی جنگلی درندے اس کے قریب  
آئے مگر پھر ڈر کر بھاگ گئے۔ یہ سبز سانپ کے منکے کا اثر  
تھا۔ ایک جگہ دریا میں سے وہ مگر مچھ بھی نکل کر ماریا کی طرف  
بڑھے مگر ایک دم سے رُکے اور تیزی کے ساتھ واپس گھوم  
گئے۔ ماریا چلتی گئی۔ جنگل ابھی تک ختم نہیں ہو رہا تھا۔ پھر  
رات ہو گئی۔ ماریا ایک گھنے درخت کے نیچے آرام کرنے  
کی غرض سے بیٹھ گئی۔ اسے نیند آگئی۔ اور وہ درخت سے ٹیک  
لگا کر سو گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کا دل اچھل پڑا۔ اس

کے سامنے ایک خوف ناک چہرے والا وحشی جنگلی ہاتھ میں  
خنجر لیے کھڑا اسے بھیانک نظروں سے گھور رہا تھا۔ ماریا  
اٹھ کر بھاگنے لگی تو وحشی جنگلی نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی  
طرف کھینچا اور حلق سے ایک ہلکی سی چیخ کی آواز نکالی۔ اس  
آواز پر ادھر ادھر سے پانچ سات جنگلی نکل کر وہاں آ گئے۔  
انہوں نے ماریا کو کاندھوں پر اٹھالیا اور لے کر چل پڑے۔  
ماریا سخت خوف زدہ تھی اور دل میں خدا کو یاد کرنے لگی کہ  
اے خدا مجھے اس نئی مصیبت سے بچانا۔ یہ جنگلی ماریا کو درختوں  
کے درمیان بنی ہوئی جھونپڑیوں میں لے گئے۔ یہاں ایک جگہ  
آگ جل رہی تھی۔ اس کے ارد گرد دوسرے جنگلی وحشی  
بیٹھے آگ میں گوشت بھون بھون کر کھا رہے تھے۔ نہ جانے  
یہ کس کا گوشت تھا۔ ماریا کو آگ کے قریب لا کر بٹھا دیا گیا۔  
ماریا اچانک چونک پڑی۔ اس نے دیکھا کہ آگ کے آلاؤ کے  
قریب ہی انسان کی کھوپڑی پڑی تھی اور جنگلی انسانی گوشت  
بھون کر کھا رہے تھے۔ انہوں نے فوراً ماریا کے ہاتھ پیچھے کس  
کر باندھ دیئے۔ ایک جھونپڑی میں سے ایک ہٹا کٹا جنگلی  
نکلا۔ وہ شاید ان کا سردار تھا۔ اس نے ماریا کو دیکھا تو  
بھیانک قہقہہ لگا کر ہنسا اور اپنی زبان میں بولا۔  
”تم یہ سفید عورت کہاں سے پکڑ لائے؟ اس کا گوشت



تو بہت مزے دار ہوگا۔ اس کی گردن کا گوشت

میں کھاؤں گا۔

ماریا کی تو جان ہی نکل گئی۔ یہ آدم خور اس کو بھون کر کھانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ جنگلی لوگوں نے آگ کے آلاؤ میں تھوڑی سی کڑیاں اور ڈال دیں۔ یہ ماریا کے لیے ڈالی گئی تھیں۔ ماریا نے کہا۔

”مجھے نہ مارو۔ میں بے گناہ ہوں۔“

سردار نے چونک کر ماریا کو دیکھا اور بولا۔

”یہ تو ہمارے قبیلے کی زبان بولتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ دوسرے قبیلے کی جاسوس ہے۔ ہمارے دشمن قبیلے نے اسے جاسوسی کے لیے یہاں بھیجا ہے۔ اب اس کو موت کے گھاٹ اتار کر بھون کر کھانا ہم پر لازمی ہو گیا ہے۔“

ماریا سمجھ گئی کہ یہ جابل جنگلی لوگ اب اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے پاس اب جان بچانے کا ایک ہی ذریعہ رہ گیا تھا۔ اس نے سانپ کی زبان میں منہ سے سسکار کی آواز نکالتے ہوئے کہا۔

”میں ناک دیوتا کی بہن ہوں۔ اگر کوئی سانپ اس پاس

موجود ہو تو میری مدد کو آئے۔ یہ لوگ ناک دیوتا کی بہن

کو بھون کر کھانا چاہتے ہیں۔“

جنگلی سردار اور دوسرے وحشی لوگوں نے حیرانی سے ماریا کی طرف دیکھا کہ یہ منہ سے کس قسم کی سسکار کی آواز نکال رہی ہے۔ سردار نے پوچھا۔

”یہ تم کیا آواز نکال رہی ہو؟ لیکن کوئی بات سمجھ رہی ہے۔ یہ آواز بھی ہمارے ساتھ ہی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے گی۔“

ماریا نے ایک بار پھر اس پاس کے سانپوں کو آواز دی اور کہا۔

”میں ناک دیوتا کی بہن ماریا ہوں! میری مدد کرو۔ ناک دیوتا کی بہن کی زندگی خطرے میں ہے۔ سانپو! آؤ۔ میری مدد کرو۔“

ایک طرف سے ایسی آواز بلند ہوئی جیسے کئی سانپ پھنکار رہے ہوں۔



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

www.pdfbooksfree.pk



## اہرام کی آواز

سانپوں کی پھنکاریں قریب آ رہی تھیں۔  
جنگلی لوگ گھبرا کر اٹھے اور جھوپڑیوں کی طرف دوڑے۔  
ماریا نے دیکھا کہ چاروں طرف سے کتنے ہی سانپ آگ  
کے آلاؤ کی روشنی میں ماریا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انہوں نے  
دیکھتے دیکھتے چھ سات جنگلیوں کو ڈس کر ہلاک کر دیا۔ جنگلیوں  
کی چینی رات کی فضا میں بلند ہو کر رہ گئیں۔ سانپ جنگلیوں  
کی جھوپڑیوں میں گھس گھس کر انہیں ڈس رہے تھے۔ دیکھتے  
دیکھتے وہاں ان وحشیوں کی لاشیں بکھر کر رہ گئیں۔ ان میں جنگلیوں  
کا سردار بھی تھا۔ جو باقی بچے وہ خوفزدہ ہو کر جنگل کی طرف  
بھاگ گئے۔ ماریا اکیلی رہ گئی۔ اب سارے کے سارے سانپ  
اگلے ہو کر ماریا کے سامنے آ کر کنڈیلیاں مار کر بیٹھ گئے۔ یہ سیاہ  
اور بنر سانپ تھے اور ان کی تعداد پچاس ساٹھ سے کم نہیں  
تھی۔ ان میں ایک سب سے بڑا سانپ تھا۔ اس نے ماریا کے  
سامنے اپنا چن جھکا دیا اور بولا۔

”ناگ دیوتا کی عظیم بہن! ہم کیسے برداشت کر سکتے  
ہیں کہ ناگ دیوتا کی بہن کو کوئی ہاتھ بھی لگانے۔ ہم  
نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ اب ہمیں بتاؤ کہ ہم تمہاری  
ادر کیا خدمت کر سکتے ہیں؟“  
ماریا نے کہا۔

”سب سے پہلے تو میرے ہاتھ جو پیچھے بندھے ہوئے  
ہیں۔ ان کو کھولو۔“

فوراً چار سانپ ماریا کے پیچھے آ گئے۔ انہوں نے ایک  
میں ماریا کے ہاتھوں پر بندھی ہوئی دسی کھول دی۔ ماریا نے  
کلائیوں کو ہاتھوں سے ملا اور کہا۔

”میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اگر تم اس وقت  
میری مدد کرنے نہ آتے تو یہ جنگلی مجھے بھون کر کھا  
گئے ہوتے۔“

سردار سانپ بولا۔

”ناگ دیوتا کی عظیم بہن! تم نے آواز دی اور ہم  
اپنا فرض پورا کرنے حاضر ہو گئے۔ اب یہ بتاؤ کہ تم  
کیا چاہتی ہو؟“

ماریا نے کہا۔

”میں اسے گھنے جنگل سے نکل کر اس علاقے میں جاں



چاہتی ہوں۔ جہاں آج سے ہزاروں برس پہلے کے  
کھنڈر بکھرے پڑے ہیں۔“

سردار سانپ بولا۔

”تم مایا دیوی کے کھنڈروں میں جانا چاہتی ہو کیا؟“  
”ہاں ہاں بالکل اسی جگہ“ ماریا نے جلدی سے جواب دیا۔  
سردار سانپ کہنے لگا۔

”مایا دیوی کے کھنڈر یہاں سے آدھے دن کے سفر  
پر ہیں۔ اگر رات بھر آرام کرنے کے بعد کل تم  
یہاں سے چلی جاؤ گی تو دوپہر تک اس علاقے میں جا  
پہنچو گی۔“

ماریا نے کہا۔

”میں ان آدم خوروں کی بستی میں رات نہیں گزارنا  
چاہتی۔ کیا یہاں کوئی دوسری جگہ بھی ہے جہاں میں  
ہیٹان سے رات بسر کر سکوں؟“

سردار سانپ بولا۔

”تم ناگ دیوتا کی عظیم بہن ہو ماریا۔ ہمارے  
ساتھ چلو۔ ہم تمہیں اپنی بستی میں بستر لگا دیں گے۔  
میری بستر بہری بھری گھاس اور سرخ پھوس کا  
تر ہو گا۔“

ماریا کہنے لگی۔

”میں تیار ہوں۔“

سانپ ماریا کو لے کر جنگل میں ایک چھوٹی سی ندی کنارے  
آگئے۔ یہاں ایک طرف گھاس اور ہرے بھرے درختوں کا  
چھوٹا سا میدان تھا۔ ان درختوں میں جگہ جگہ پتوں کے بنے ہوئے  
گول تیکنے بکھرے پڑے تھے۔ سردار نے بتایا کہ ہم سانپ  
رات کو اس جگہ آرام کرتے ہیں۔ انہوں نے ماریا کے نرم گھاس  
کے بستر پر پتوں کے تیکنے بکھیر دیئے۔ ماریا کو کھانے کے لیے  
جنگل کے میٹھے پھل دیئے۔ ماریا نے مزے سے پھل کھائے  
اور سو گئی۔ اگلے روز جب دن نکلا تو سانپوں نے ماریا کو بڑے  
جوش اور خلوص کے ساتھ رخصت کیا۔ تمام سانپوں نے مل کر درختوں  
کی شاخوں کی ایک بڑی ٹوکری تیار کی۔ اس ٹوکری میں ماریا کو  
بٹھایا اور ٹوکری ندی میں ڈال دی۔ اور سردار سانپ نے کہا۔  
”یہ ندی پورے دن کے سفر کے بعد جنگل سے باہر  
نکل کر ایک جھیل میں گرتی ہے۔ اس جھیل کی دوسری  
طرف مایا دیوی کے کھنڈروں کا سلسلہ شروع ہو  
جاتا ہے۔“

ماریا نے ایک بار ان تمام دوست سانپوں کا شکریہ ادا  
کیا اور ٹوکری میں بیٹھی ندی میں اپنا سفر شروع کر دیا۔ یہ ندی



گھنے درختوں کے بیچ میں آدھا دن گزرتی چلی گئی۔ جب آدھا دن گزر گیا تو سانپ کے کھنے کے مطابق ندی ایک جھیل میں اترنے لگی۔ ماریا ٹوکرے کو جھیل کے کنارے پر لے آئی وہ کنارے پر اتر آئی۔ اس نے دیکھا کہ آگے۔ جھیل کے کنارے کنارے چھوٹے چھوٹے پتھر یلے ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ماریا ان ٹیلوں میں چلنے لگی۔ دوپہر کے بعد وہ ٹیلوں سے نکل کر ایک ایسے میدان میں آ گئی۔ جہاں زمین اونچی نیچی تھی اور دور ایک جگہ ایک بہت بڑا اہرام بنا ہوا تھا۔ یہ مایا تہذیب کا اہرام تھا جو مصر کے فرعونوں سے بھی پہلے بنایا گیا تھا۔ اور جس کے بارے میں ابھی تک کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ اس کے اندر جانے کا آج تک کسی کو راستہ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔

ماریا اس اہرام کی طرف چلنے لگی۔ دھوپ ڈھل رہی تھی۔ کہ ماریا اہرام کے پاس آ گئی۔ یہ اہرام بہت اونچا تھا۔ اس کی ڈھلانی دیواروں پر بڑے بڑے پتھر لگے ہوئے تھے۔ جن کی درزوں کے درمیان خشک گھاس اگ آئی تھی۔ یہاں ایک عجیب ویرانی اور دہشتناک سناتا طاری تھا۔ ماریا نے اہرام کے گرد ایک چکر لگایا۔ اسے اہرام کا کوئی راستہ نہ ملا تو وہ وہیں ایک جگہ بڑے پتھر کے ٹکاف میں بیٹھ

گئی۔ وہ سخت تھک گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ رات اس جگہ بسر کرنی چاہیے۔ کیونکہ اب شام ہونے ہی والی تھی۔ ادرہ ماریا اہرام کے ٹکاف میں بیٹھ آئی تھی۔

اور دوسری طرف تھیوسانگ برانڈیل کے جنگلوں اور ویرانوں میں سفر کرتا، سیاہ موتی جس میں سے تاگ کی خوشبو آرہی تھی لیے۔ اس میدان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ جب وہ اس اہرام کے قریب پہنچا جس کے ٹکاف میں ماریا لیٹی آرام کر رہی تھی۔ اچانک تھیوسانگ کو ماریا کی اور ماریا کو تھیوسانگ کی زبردست خوشبو کی ہر محسوس ہوئی۔ ماریا جلدی سے اٹھ کر ٹکاف سے باہر آ گئی۔ تھیوسانگ بھی ماریا کی خوشبو پر اس کی طرف لپکا۔ اندھیرے میں دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ تھیوسانگ نے پہلا سوال ماریا سے یہ کیا۔ کہ وہ غائب کیوں نہیں ہے؟

ماریا نے کہا۔

”وہ آرام سے بیٹھو۔ ساری داستان سناتی ہوں“

پھر اس نے تھیوسانگ سے جہاز میں جدا ہونے سے لے کر اس اہرام تک پہنچنے کی ساری داستان بیان کر دی تھیوسانگ نے بھی اپنی کہانی اسے سنائی۔ ماریا نے کہا۔



”مجھے براذیل کے جنگل کے سبز سانپ نے بتایا

ہے کہ یہاں مایا دیوی کا مندر ہے جس کے آس پاس  
کوئی سیاہ موتی ہے اور وہاں ناگ سیاہ موتی

میں بند ہے“

تھیو سانگ نے سیاہ موتی جیب سے نکال کر ماریا کے  
سامنے کر دیا اور بولا۔

”وہ سیاہ موتی میرے پاس موجود ہے اور  
سبز سانپ نے اس موتی کی موجودگی کو علاقے میں  
محسوس کرتے ہوئے تمہیں یہ کہا ہوگا“  
ماریا تو دنگ رہ گئی۔ کہنے لگی۔

”کیا پتہ چلے گا اس موتی میں موجود ہے؟“  
تھیو سانگ نے کہا۔

”اے سونگھو! اس میں سے ناگ کی خوشبو آتی  
ہے۔ لیکن یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ناگ اس کے اندر  
موجود ہے کہ نہیں“

ماریا نے سیاہ موتی کو سونگھا تو اس میں سے ناگ کی بڑی  
تیز خوشبو آرہی تھی۔

ماریا نے بے تابی سے کہا۔

”تھیو سانگ! مجھے یقین ہے کہ ناگ اس کے اندر

موجود ہے“

اس نے بے اختیار ہو کر ناگ کو دو تین آوازیں دیں۔  
”ناگ بھینا! تم اندر ہو تو آواز دو۔ جواب دو“ ناگ سب کچھ  
سن رہا تھا۔ مگر وہ جواب نہیں دے سکتا تھا۔ تھیو سانگ  
کہنے لگا۔

”اگر ناگ اس کے اندر ہوتا تو وہ کسی نہ کسی طرح  
تمہاری بات کا جواب ضرور دیتا“  
ماریا نے کہا۔

”ہو سکتا ہے اس کی بولنے کی طاقت سلب کر لی  
گئی ہو۔ وہ سن رہا ہو مگر جواب نہ دے سکتا  
ہو“

تھیو سانگ کہنے لگا۔

”مجھے بتایا گیا ہے کہ ان ہی کھنڈروں میں مایا دیوی  
کا مندر ہے اور اس مندر میں مایا دیوی کا جو پرانا  
بت ہے اس کے گلے میں بھی اس قسم کے سیاہ  
موتیوں کی مالا ہے۔ ہمیں اس مندر کو تلاش کرنا  
چاہیئے۔ ممکن وہاں ناگ کی خوشبو اور سیاہ موتی  
کا معمہ حل ہو جائے“  
ماریا نے کہا۔



”ابھی رات ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں دن کے وقت  
 مایا دیوی کے مندر کا کھوج لگانا چاہیئے“  
 تھیو سانگ بھی اہرام کے ساتھ ٹھیک لگا کر بیٹھ گیا۔ مایا  
 نے کہا۔

”خدا جانے عنبر اور کیٹی کہاں ہوں گے۔ کس حال  
 میں ہوں گے۔ ان سے ملاقات ہوئے مدت گزر  
 گئی ہے“  
 تھیو سانگ نے کہا۔

”ہاں! تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن جس طرح تم مجھے  
 مل گئی ہو۔ اسی طرح ایک نہ ایک دن زندگی اور  
 واقعات کے کسی نہ کسی موڑ پر کیٹی اور عنبر بھی ہمیں  
 ضرور مل جائیں گے“

کچھ دیر چپ رہنے کے بعد تھیو سانگ نے کہا۔  
 ”مجھے میرے سانپ نے ایک اور بڑی عجیب  
 بات بتائی تھی۔ اور وہ یہ کہ اس علاقے میں ایک  
 خلائی اڈہ بھی ہے۔ جو ہزاروں سال پہلے بنایا گیا  
 تھا اور جہاں یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہزاروں سال پہلے  
 آسمان سے کوئی مخلوق خلائی راکٹوں میں یہاں  
 اتر کر تھی“

ماہیہ نے کہا۔

”یہ تو میں نے پہلے بھی سنا ہے“  
 تھیو سانگ کہنے لگا۔

”دوستنا تو میں نے بھی تھا۔ سانپ نے یہ بھی کہا تھا۔  
 کہ اس زمانے میں کوئی خلائی نورد یعنی خلائی سیارے  
 کا رہنے والا اپنے خلائی راکٹ سے بچھڑ کر یہاں رہ  
 گیا تھا اور کہتے ہیں کہ وہ ابھی تک اسی علاقے میں  
 میں کہیں زندہ ہے“  
 مایا بولی۔

”یہ تو بڑی پُر اسرار بات ہے۔ اگر وہ ہمیں کسی  
 جگہ مل گیا تو تم اس سے بہت سے معلومات حاصل  
 کر سکتے ہو۔ کیونکہ تم بھی خلائی مخلوق ہی ہو“  
 تھیو سانگ ہنس کر بولا۔

”اب کہاں میں خلائی مخلوق رہ گیا ہوں۔ اب تو میں  
 بھی اس زمین کی مخلوق بن گیا۔ بہر حال اگر کہیں اس  
 بھٹکے ہوئے خلائی انسان سے ملاقات ہو گئی۔ تو اس  
 سے بڑے مزے کی گفتگو ہوگی“  
 مایا نے کہا۔

”وہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ غضبناک ہو گیا ہو اور



ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔“  
تھیوسانگ بولا۔

”جب ملے گا تو دیکھا جائے گا۔“

پھر وہ اہرام کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

”ماریا! یہ جگہ مصر سے ہزاروں میل دُور ہے  
اور سمندر پار ہے مگر یہاں بھی مصر کے فرعونوں  
کی طرف پر اہرام بنا ہوا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟  
مجھے تو یہ اہرام مصر کے فرعونوں کے اہرام سے  
کافی بڑا نظر آتا ہے۔“  
ماریا نے کہا۔

”ہاں۔ یہ اہرام ان کے اہراموں سے بہت بڑا  
ہے۔ مگر حیرانی کی بات ہے کہ مصر کے فرعون  
اہرام بنانے یہاں کیسے آگئے؟“  
تھیوسانگ بولا۔

”ہو سکتا ہے یہاں کسی جلا وطن مصری فرعون  
نے اپنی حکومت قائم کر لی ہو۔ اور بعد میں اسی  
اہرام میں دفن کر دیا گیا ہو۔“

ماریا نے تھیوسانگ کو بتایا کہ اس کے اندر جاتے کا کوئی  
بھی راستہ نہیں ہے۔

تھیوسانگ کہنے لگا۔

”درستہ نہ ہی ملے تو اچھا ہے۔ خواہ مخواہ کسی  
مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ ابھی ہمیں صبح ہوتے  
ہی پہلا کام یہ کرنا ہے کہ مایا دیوی کا مندر تلاش کریں  
گے۔ تاکہ ناگ کے سیاہ موتی کا معتمہ حل ہو سکے  
اور ناگ کا کچھ سراغ ملے۔“

کچھ دیر تک وہ اہرام کی گنگو کرتے رہے۔ اس کے  
بعد انہوں نے عنبر اور کیٹی کے بارے میں باتیں شروع  
کر دیں۔ اسی طرح رات آدھی سے زیادہ گزر گئی۔ ان کے  
سامنے چھوٹی چھوٹی پتھر بنی ~~جگہ~~ اور تک پھیلی ہوئی تھیں۔  
جن پر رات کے اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ آسمان پر ستارے  
بھی بجھے بجھے سے چمک رہے تھے۔ جیسے راکھ میں انگارے  
چمکا کرتے ہیں۔ تھیوسانگ کو اس بات کا بڑا افسوس تھا۔  
کہ ماریا کی غیبی طاقت اس سے چھن گئی تھی اور اب وہ عام  
عورت کی حالت میں بیٹھی تھی۔ اس نے ماریا سے اس  
لیے زیادہ ذکر نہ کیا کہ اسے اور زیادہ دکھ ہو گا۔  
اچانک تھیوسانگ نے کان کھڑے کیے اور ماریا کی طرف  
دیکھ کر کہا۔

”تمہیں آواز آ رہی ہے ماریا؟“



”کس کی آواز ہے؟“ ماریا نے بے نیازی سے پوچھا۔  
 ماریا یہ سمجھی کہ ویرانے میں اسے کسی جانور کی آواز  
 آئی ہوگی۔ تھیوسانگ بولا۔

”بربط کی آواز آ رہی ہے۔“

ماریا نے چوک کر کہا۔

”بربط کی آواز؟“ اور پھر اس نے بھی کان لگا کر سناؤ  
 واقعی بربط کی آواز آ رہی تھی۔ بربط ایک پرانا ساز ہوا کرتا تھا  
 جو تاروں کا ساز تھا اور اسے قدیم زمانے کے موسیقار ہاتھ  
 میں لے کر تاروں کو مضرب سے چھیڑ کر بجایا کرتے تھے۔ ماریا  
 نے کہا۔

”ہاں۔ یہ تو بربط کی آواز ہے۔“

بربط کی آواز بڑی اداس اور دردناک تھی ایسے گلتا تھا  
 جیسے کوئی آدمی بڑے غم زدہ موڑ میں اسے بجا رہا ہے۔ انہوں  
 نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ماریا  
 نے اہرام کے پتھر سے کان لگائے۔ اور بولی۔  
 ”تھیوسانگ! بربط کی آواز اہرام کے اندر سے  
 آ رہی ہے۔“

تھیوسانگ اور بھی زیادہ حیران ہوا کہ اتنا بڑا پتھر کا بند  
 اہرام ہے اس کے اندر سے بربط کی آواز کہاں سے آنے لگی۔

اس نے جب کان لگا کر سنا تو واقعی ان بھاری پتھروں کے  
 پیچھے سے بربط کی اداس آواز آ رہی تھی۔ ماریا بولی۔  
 ”یہ تو کوئی بڑا دکھی آدمی معلوم ہوتا ہے جو آدھی  
 رات کو اٹھ کر بربط بجا رہا ہے۔ اس کا پتہ کرنا چاہیے؟“  
 تھیوسانگ نے کہا۔

”مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آدمی اس اہرام کے  
 اندر کیسے چلا گیا۔ جبکہ اس کے اندر جانے کا کوئی  
 راستہ ہمیں نظر نہیں آیا اور پھر اسے قدیم اہرام کے  
 اندر بیٹھ کر بربط بجانے کی کیا ضرورت ہے؟ ضرور  
 یہ کوئی آسیب ہے۔ ہم خود مخواہ کہیں کسی مشکل میں  
 نہ گرفتار ہو جائیں۔“

تھیوسانگ خاموش ہو گیا۔ بربط کے دردناک سُراں طرح  
 رُک رُک کر ابھر رہے تھے۔ ماریا سے نہ رہا گیا۔ اس  
 نے تڑپ کر کہا۔

”تھیوسانگ! یہ کوئی درد کا مارا انسان ہے۔ میں ضرور  
 اس کا کھوج لگاؤں گی۔“

یہ کہہ کر ماریا شگاف سے نکل کر اہرام کی مخروطی ڈھلانی  
 دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اب تھیوسانگ بھی اس کے  
 پیچھے آگیا۔ کیونکہ وہ ماریا کو اس حالت میں اکیلی نہیں چھوڑنا چاہتا



تھا جبکہ وہ غائب نہ ہو۔ ایک جگہ سے برہٹ کی آواز انہیں زیادہ صاف سنائی دی۔ ماریا نے جھک کر کہا۔

”تھیوسانگ! یہاں سے آواز صاف آرہی ہے۔ یہاں ضرور کوئی اندر جانے کا راستہ ہوگا۔“

تھیوسانگ نے خوب گھور کر خود سے دیکھا۔ مگر وہاں پتھر ایک دوسرے کے ساتھ جے ہوئے تھے اور ذرا سی بھری تک بھی نہیں تھی۔ ماریا بولی۔

”ہمیں اس پتھر کو اکھاڑنا چاہیے۔“

تھیوسانگ نے ماریا کو بہت منع کیا کہ ہمیں اس مصیبت کو نہیں چھیڑنا چاہیئے۔ مگر ماریا بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ یہ کوئی آسیب نہیں ہے بلکہ مصیبت کا مارا انسان ہے۔ ہمیں اس کے پاس جا کر اس کی مصیبت معلوم کرنی چاہئے۔ ہو سکتا ہے وہ ہمیں ہی برہٹ کی زبان میں بلا رہا ہو۔

تھیوسانگ آخر مجبور ہو گیا۔ اس نے ایک بڑے پتھر پر ہلکی رکھ دی۔ انگلی کے چھونے سے وہ بڑا پتھر چھوٹی سی صابن دانی کے سائیز کا ہو گیا۔ اس کے چھوٹا ہونے سے وہاں ایک چوکور سوراخ پیدا ہو گیا۔ ماریا نے اندر جھانک کر دیکھا۔ اس کے سامنے ایک دیوار تھی۔ بیچ میں جگہ خالی تھی۔ برہٹ کی آواز اب زیادہ صاف ہو گئی تھی۔ ماریا نے تھیوسانگ سے کہا۔

”میں تو اہرام کے اندر جا رہی ہوں۔“

ماریا دیوار کے ٹنگاف میں سے اہرام کے اندر چلی گئی۔ تھیوسانگ کو بھی مجبوراً اس کے پیچھے جانا پڑا۔ سامنے دیوار تھی۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی گلی ایک طرف جا رہی تھی۔ یہاں اندھیرا بہت گہرا تھا۔ اور عجیب قسم کی ہلکی سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ان پھولوں کی خوشبو تھی جو پرانے زمانے میں مردوں کے ساتھ تابوت میں رکھے جاتے تھے۔ تھیوسانگ آگے آگے تھا۔ ماریا اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ یہ اہرام کے اندر کی ایک تاریک اندھیری گلی تھی۔ برہٹ کے تاروں کی آواز اہرام کے اندر آنے کے بعد کبھی مدھم ہو جاتی تھی اور کبھی ان سے دُور ہو جاتی تھی۔ ماریا نے کہا۔

”اہرام اندر سے کافی کھلا ہے۔“

تھیوسانگ نے آہستہ سے کہا۔

”ہمیں خاموش رہنا چاہیئے۔“

برہٹ کی آواز ماریا کی کے آواز پر ایک دم بند ہو گئی۔ ماریا اور تھیوسانگ بھی وہیں روک گئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے جو شخص یا آسیب برہٹ بجا رہا تھا اس نے ماریا کی آواز سن لی تھی اور برہٹ بجانا بند کر دیا۔ تھیوسانگ اور ماریا نے بھی اپنا سانس روک لیا۔ پھر ماریا نے آہستہ سے کہا۔

”برہٹ کی آواز کیوں بند ہو گئی۔“



تھیوسانگ نے سرگوشی میں کہا۔

”اب آئے ہیں تو اس راز کو حل کر کے ہی واپس

جائیں گے۔ میرے میرے پیچھے آؤ۔“

اہرام کی گلی آگے جا کر ایک محراب دار اونچی چھت والی

کوٹھڑی میں ختم ہو گئی۔ یہاں ہلکی ہلکی کافور کی روشنی پھیلی

ہوئی تھی۔ تھیوسانگ اور ماریا دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے

ہو گئے۔ انہوں نے کافور کی روشنی میں دیکھا کہ کوٹھڑی کے

وسط میں ایک تابوت پڑا تھا۔ ماریا نے دھیمی آواز میں کہا۔

”یہ روشنی کہاں سے آرہی ہے؟ یہ تابوت

کس کا ہے؟“

تھیوسانگ بولا۔

”روشنی تو کسی پتھر میں سے نکل رہی ہے۔ شاید فاسفورس

کا کمال ہے۔ تابوت کسی پرانی مٹی کا ہوگا۔“

وہ تابوت کے پاس آگئے۔ تابوت بہت ہی پرانا تھا اور

نسہ حالت میں تھا۔ اس کے اوپر مکڑیوں نے جالے تان رکھے

تھے۔ ڈھکنے کے درمیان میں ایک ہاتھ کا پنجہ بتا ہوا تھا۔

سربانے کی جانب ایک بلی کی کالی مورقی بنی ہوئی تھی تھیوسانگ

کہنے لگا۔

”معلوم ہوتا ہے اس تابوت میں کوئی مصر کے فرعون

کی لاش ہے۔ وہی اپنے تابوت کے سرہانے بلی کی موتیاں

رکھا کرتے تھے۔“

ماریا نے کہا۔

”تھیوسانگ! میرا خیال ہے ہمیں چلے جانا چاہیئے۔

کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے۔“

تھیوسانگ بولا۔

”تم ٹھیک کہتی ہو۔ آؤ واپس چلیں۔“

جونہی وہ واپس مڑے انہیں کسی عورت کی کمزور سی آواز سنائی

دی۔

”ٹھہرو۔“

آواز میں کچھ ایسا اثر تھا کہ تھیوسانگ اور ماریا کے اٹھ ہونے

قدم وہیں رُک گئے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف تکتے لگے۔

یہ آواز کہاں سے آئی تھی؟ دونوں کے ہونٹوں پر ایک ہی سوال

تھا۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ خستہ تابوت اسی طرح بند تھا۔

ماریا بولی۔

”یہ ہمارا وہم تھا۔ کسی نے آواز نہیں دی۔ آؤ یہاں سے

نکل چلیں۔“

دوسری بار وہ چلنے لگے تو وہی عورت کی کمزور آواز پھر

آئی۔



”تھیو سانگ نے کہا۔  
 ”لیکن تم ہمیں روک کیوں رہی ہو؟“  
 ممتی بولی۔

”اس لیے کہ ایک بد نصیب باپ کی آہیں تھیں یہاں  
 کھینچ لائی ہیں۔ اب اس بد نصیب کی مدد کرو کیونکہ  
 اگر تم چلے گئے تو اس دکھی باپ کی فریاد شاید ہزاروں  
 برس تک پھر کوئی نہیں سن سکے گا اور اگر کسی نے  
 اس کی آواز سن بھی لی تو اہرام کے اندر نہ آ  
 سکے گا۔“

ماریا نے کہا۔  
 ”تمہارا مطلب کس بد نصیب باپ سے ہے؟“

ممتی نے کہا۔  
 ”وہی جس کے مربوط کی اُداس آواز تمہیں یہاں لے  
 آئی ہے۔“

تھیو سانگ نے سوال کیا۔  
 ”میں کچھ سمجھا نہیں۔ آخر یہ کیا معنی ہے؟“

ممتی نے کہا۔  
 ”تم اس آدمی کے پاس جاؤ۔ وہاں جا کر تمہیں خود  
 بخود اس راز کا علم ہو جائے گا۔ سنو! اس کے

”تمہیں ابھی نہیں جانا چاہیے۔“

اب تھیو سانگ اور ماریا تابوت کے قریب آ گئے۔ کیونکہ  
 آواز تابوت میں سے ہی آ رہی تھی۔ تھیو سانگ نے کہا۔  
 ”تم کون ہو اور ہمیں یہاں کیوں روک رہی ہو؟“

عورت کی آواز آئی۔

”میرے سر ہانے جو بلی کی مورتی ہے۔ اس کے سر  
 پر ہاتھ آہستہ سے ہاتھ رکھ دو۔“

تھیو سانگ نے بلی کی مورتی پر ہاتھ رکھ دیا۔ ہاتھ نہ کھٹے  
 ہی۔ تابوت آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ اس کا خستہ ڈھکنا مکڑی  
 کے جالوں کو ترپتا ہوا اوپر کو اٹھ رہا تھا۔ پھر اندر سے آہستہ  
 آہستہ ایک ممتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ماریا تو تھیو سانگ کے ساتھ لگ  
 گئی۔ یہ ممتی کسی بہت ہی بوڑھی عورت کی ممتی تھی۔ اس کا سر سفید  
 تھا اور گردن بل رہی تھی۔ گلے میں قیمتی موتی اور جواہرات پڑے  
 تھے۔ تھیو سانگ نے پوچھا۔

”تم کون ہو؟“

ممتی نے کہا۔

”تمہیں یہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن تم کوئی  
 غیر معمولی لوگ ہو جو اس آٹھ ہزار سال پہلے اہرام  
 کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوئے ہو۔“



بربط کی آواز بھی بند ہو گئی۔ وہ دونوں دروازے میں سے  
گذر کر دوسرے دالان میں آ گئے۔ یہاں فرش پر ریت  
پڑی تھی۔ اور یہاں بھی وہی دھیمی دھیمی کافوری روشنی پھیلی  
ہوئی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ دالان کے درمیان میں ایک میز رکھا  
تھا۔ میز پر سنگ مرمر کا ایک چھوٹا سا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ میز  
کی دوسری طرف دیوار کے ساتھ ایک تابوت بالکل سیدھا لگا  
تھا۔ جس کا ڈھکنا کھلا تھا۔ اس کے اندر ایک بوڑھے آدمی کی  
ممتی ہاتھ میں بربط لئے بالکل خاموش اور ساکت کھڑی تھی۔ ماریا  
تو وہاں رہی۔ تھیو سانگ نے آہستہ آہستہ چل کر اس کے  
قریب آ گیا۔ بوڑھے آدمی کی ممتی کے ہونٹوں سے ایک  
ٹھنڈی آہ نکل گئی۔ اور اس کی انگلیاں اپنے آپ بربط پر چلنے  
لگیں۔ بربط میں سے وہی سوگوار درد بھرے شر نکل کر فضا  
میں بکھر گئے۔ ماریا بھی تھیو سانگ کے پاس آ گئی۔ انہوں  
نے دیکھا کہ بوڑھے آدمی کی ممتی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے  
تھے۔ بربط کی آواز اس قدر دردناک تھی کہ ماریا کا دل بھی  
بکھر آیا۔ تھیو سانگ نے آہستہ سے کہا۔

”دعاے محترم ممتی! کیا تو زندہ ہے؟ اگر زندہ ہے تو  
تیرے اس دردناک سرور اور آنکھوں کے  
آنسوؤں کی وجہ کیا ہے؟“

”میرے دالان کے ساتویں ستون کے پیچھے سے  
ایک دروازہ اس دالان تک جاتا ہے جہاں ایک  
ڈکھی باپ سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ جاؤ۔ اسے  
تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ شاید تم اس کے  
چھ ہزار برس کے دکھ کا علاج کر سکو۔“

یہ کہہ کر ممتی پھر سے تابوت میں لیٹ گئی اور تابوت  
کا ڈھکنا اپنے آپ تابوت کے اوپر آ کر لگ گیا۔ ماریا نے  
کہا۔

”و تھیو سانگ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کون ڈکھی  
انسان ہے۔ جس کو ایک بد نصیب باپ کہا جا رہا  
ہے اور جس کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔“  
”میرا بھی یہی ارادہ ہے۔“

یہ کہہ کر تھیو سانگ ممتی کے دالان کے پیچھے ساتویں ستون  
کے عقب میں گیا تو وہاں ایک کڑی کا پرانا بند دروازہ تھا۔  
تھیو سانگ نے دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا تو دروازہ  
ایک چرچاہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی



ممتی کے ہاتھ بربط پر رک گئے۔ اس نے تابوت کے اندر  
کھڑے کھڑے اپنی آنسوؤں بھری آنکھیں اٹھٹھا کر تھیں ساگ  
اور ماریا کی طرف دیکھا۔ اور ایک آہ بھر کر بولا۔

”میرے دوست! تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ  
اس اہرام میں میرے پاس آئے۔ سامنے والی میز  
پر تم جس لڑکی کا مجسمہ دیکھ رہے ہو۔ یہ میری بیٹی  
کا مجسمہ ہے۔ اس کا نام کبالی تھا۔ وہ میری اکلوتی  
بیٹی تھی۔ مجھے اس سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ چھوٹی  
تھی کہ اس کی ماں مر گئی۔ میں نے اسے ماں بن کر  
ہی پالا۔ میں اس کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہتا تھا۔  
رات کو جب وہ سونے لگتی تو میں اس بربط پر اسے  
لودی کی دھن سناتا۔ اور وہ آہستہ آہستہ آنکھیں  
بند کر کے سو جاتی۔ پھر میں دبے پاؤں اس کے کمرے  
سے نکل آتا۔ لیکن قسمت کو یہ منظور نہیں تھا۔ ایک دن  
ایسا ہوا کہ میری بیٹی، میری آنکھوں کا تار کبالی کو  
کوئی سنگدل اغوا کر کے لے گیا۔ آج سے دس ہزار  
برس پہلے یہاں ایک بہت عظیم الشان شہر آباد تھا۔ میں  
اس شہر کا ایک امیر سوداگر تھا۔ میں نے اپنی بیٹی  
کی تلاش میں اپنی ساری دولت لٹادی۔ رو رو کر

اپنی آنکھیں سفید کر لیں۔ مگر میری بیٹی کبالی مجھے نہ ملی۔  
میں بوڑھا ہو گیا۔ میں نے اس کا ایک مجسمہ بنوایا۔  
اور بس دن رات اس کو دیکھتا اور اس کے پاس آ  
کر رات کو بربط بجاتا اور میری آنکھوں سے اپنی  
بیٹی کو یاد کر کے آنسو بہتے رہتے۔ میں نے وصیت  
کی کہ میرے مرنے کے بعد میری بیٹی کا مجسمہ  
بھی میرے ساتھ دفن کیا جائے۔ پھر میں مر گیا۔  
اور اس زمانے کی دسم کے مطابق مجھے ایک تابوت  
میں ڈال کر اس دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا اور  
میری بیٹی کا مجسمہ بھی میرے ساتھ ہی یہاں ایک  
مینر پر رکھ دیا گیا۔ میرا خیال تھا کہ مرنے کے مجھے  
سکون مل جائے گا اور شاید ایک وقت آئے گا کہ  
میں اپنی بیٹی کو جنت میں دوبارہ دیکھ سکوں گا۔  
لیکن ایسا نہ ہوا۔ ہم لوگ بلے کے بتوں کی پوجا  
کرتے تھے۔ ہم جادو ڈٹا بھی کیا کرتے تھے۔ میں  
بھی جادو ڈٹا کر تا تھا۔ مگر یہ جادو ٹونا بھی  
میری بیٹی کو مجھ سے نہ بلا سکا تھا۔ مرنے کے بعد  
مجھے معلوم ہوا کہ جادو ڈٹنے کی وجہ سے میں جنت  
میں داخل نہیں ہو سکا اور اب اس وقت تک



اس اہرام میں ہی اپنی بچی کو یاد کر کے روتا رہوں گا۔ جب تک کہ مجھے میری بچی نہیں مل جاتی۔ تب سے لے کر اب تک ہزاروں سال گزر گئے ہیں۔ میں ہر رات اپنی بچی کے مجھے کی طرف دیکھ کر یہ بریل بجاتا ہوں۔ اور اپنی بیٹی کو یاد کر کے روتا رہتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم انسانوں کی شکل دیکھی۔ اب مجھے امید پیدا ہو چلی ہے کہ تم میری بچی کو مجھ سے ملا دو گے اور میری روح اپنی بچی کو دیکھ کر خوشی خوشی جنت میں داخل ہو سکے گی۔

تھیوسانگ اور ماریا بت بنے اس بد نصیب باپ کی درد بھری کہانی سن رہے تھے۔

ماریا نے کہا۔

”محترم! آپ کی درد انگیز داستان نے میرے دل کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ لیکن آپ کی بچی کہاں ملے گی؟ اس کو آپ سے جدا ہوئے ہزاروں برس بیت چکے ہیں۔ اس کی تو بڑیاں بھی باقی نہیں رہیں ہوں گی۔“

بوڑھے کی آنکھوں نے آہ بھر کر کہا۔

”ہمارے مذہب میں آدمی اگر نیک رہے یقین رکھا جاتا تھا۔ آغاگون کا مطلب یہ ہے کہ ہماری روح مرنے کے

بعد کسی دوسرے جہنم میں دوبارہ جنم لے کر اس دنیا میں واپس آجاتی ہے۔ میں مرنے نہیں سکا ورنہ میری روح بھی کسی دوسرے جہنم میں آکر اپنی بچی کبالی کو ضرور تلاش کر لیتی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی کبالی مرنے کے بعد ضرور کسی نہ کسی جہنم میں اس دنیا میں زندہ ہوگی۔“

تھیوسانگ نے کہا۔

”اگر وہ کسی جہنم میں زندہ بھی ہوئی تو کسی دوسری شکل میں ہوگی۔ تم اسے اور وہ تمہیں کیسے پہچانے گی؟“

بوڑھے کی ممتی کھنے لگی۔

”ہمارے مذہب میں یہ بات بھی صاف لکھی ہوئی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنی بچی کی یاد میں اسے دیکھے بغیر روتے روتے مرجائے۔ تو اس کی گمشدہ بچی کی روح میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ اپنے باپ کی یادیں اس کے ہر جہنم میں اس کے ذہن میں زندہ رہتی ہیں۔ اور وہ اپنے باپ کو پہچان لیتی ہے اور دوسری یہ بات بھی لکھی ہے کہ اپنے باپ سے ذہن دستی بچھڑی ہوئی بچی کی شکل ہر جہنم میں وہی رہتی ہے۔“



تاکہ اس کے باپ کی روح اسے پہچان سکے۔ اس لیے میں اپنی بیٹی کو اور میری بیٹی مجھے فوراً پہچان لے گی۔ اس طرح اس کو دیکھنے کے بعد میری روح اطمینان سے جنت میں داخل ہو جائے گی اور پھر اپنے مذہب کے مطابق کچھ وقت گزر جانے پر دوسرے جہنم میں ظاہر ہوگی۔ لیکن مجھے میری بیٹی کبالی سے ملا دو۔ اسے تلاش کر کے میرے پاس لاؤ۔ تاکہ میں اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر سکوں۔ اور اپنے بگڑے ٹکڑے کو اپنے برہم پر وہی لوری سنا سکوں۔ جو وہ بچپن میں مجھ سے سنا کرتی تھی۔

ماریا نے پوچھا۔

”آپ کے خیال میں وہ اس وقت تک میں ہو سکتی ہے؟“

ممتی نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ میری پیاری بیٹی کبالی اسی ملک کے کسی شہر میں دوسرے جہنم میں زندگی بسر کر رہی ہوگی۔“

تھیوسانگ بولا۔

”اگر آپ کے مذہب کے مطابق آپ کی بیٹی کی یادداشت اسی طرح زندہ ہے تو وہ آپ کے پاس یہاں کیوں نہیں

آجاتی؟“

ممتی نے جواب دیا۔

”یہ بھی قدرت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ وہ ویسے مجھے یاد نہیں کر سکتی۔ مگر جب کوئی اس کے سامنے میرے نام لے گا اور اسے اس کے پرانے جہنم کی کوئی بات بتائے گا تو اس کی ساری یادیں ایک دم بیدار ہو جائیں گی اور وہ مجھے ملنے کو بے تاب ہو جائے گی۔“

تھیوسانگ اور ماریا نے غم نصیب باپ سے وعدہ کیا کہ وہ اس کی بیٹی کو تلاش کر کے اس کے پاس لانے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ بوڑھی ممتی نے اپنا نام پایان بتایا۔ تھیوسانگ اور ماریا نے کبالی کے مجھے کہہ کر سے دیکھا اور اس کی شکل اچھی طرح ذہن میں بٹھالی۔ اس کے باپ کی ممتی نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اس کی بیٹی کبالی جب ہنستی تھی تو اس کے گالوں میں چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑ جاتے تھے۔ تھیوسانگ اور ماریا دالان سے نکل کر اہرام کی تاریک گلی میں سے گزرنے لگے۔



## جہنم جہنم کی لوری

تھیوسانگ اور ماریا اہرام سے باہر نکل آئے۔

باہر ابھی تک رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ تھیوسانگ نے اہرام کی دیوار میں سے جو پتھر نکالا تھا اسے بڑا کرنے کے بعد واپس دیوار میں لگا دیا۔ اور وہاں کنکر سے کھڑچ کر کانٹے دار نشان بنا دیا تاکہ وہ دوسری بار بھی اسی جگہ سے اندر داخل ہو سکیں۔ ماریا نے کہا۔

”اس دکھی باپ کی کہانی نے مجھے بڑا متاثر کیا ہے۔

تھیوسانگ! میں تو اپنی مصیبت بھول گئی ہوں“

تھیوسانگ نے کہا۔

”ہاں ماریا۔ میرے خیال میں یہ بوڑھا شخص جس کا نام

پایان ہے۔ اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ غمزدہ

انسان ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیے اور اس کی بیٹی

کبالی کو تلاش کر کے اسے باپ کے پاس پہنچا دینا

چاہیئے“

ماریا نے گہرا سانس لے کر کہا۔

”ہاں باپ بیٹی کی محبت کتنی مقدس محبت ہوتی ہے۔ اور پھر

ایسا باپ کہ جو ہزاروں سال سے اپنی بیٹی کا انتظار کر

رہا ہو۔ اس کے غم کا کوئی کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مگر

سوال یہ ہے کہ ہم اس کی بیٹی کبالی کو کہاں تلاش

کریں گے؟ خدا جانے وہ اپنے ہزاروں جہنم میں کہاں

زندگی بسر کر رہی ہو گی“

ماریا کہنے لگی۔

”سب سے پہلے تو ہمیں مایا دیوی کے مندر میں چل کر

ناگ کے سیاہ موتی کا مہمہ حل کرنا ہے۔ اس کے

کے بعد ہم کبالی کی تلاش میں نکل چلیں گے۔ مجھے

امید ہے کہ خداوند ہماری مدد کرے گا اور ہم ایک

غم زدہ باپ کو اس کی بیٹی ضرور ملا دیں گے“

یونہی باتیں کرتے کرتے رات ڈھلتی چلی گئی اور سورج نکل

آیا۔ سورج کی سنہری کرن روشنی میں ویران میدانوں کی چھوٹی ٹیکریاں

اور نیلے صاف نظر آنے لگی۔ دُور دُور تک مایا تہذیب

کے قدیم کھنڈر پھیلے ہوئے تھے۔ مایا اور تھیوسانگ اہرام سے

اٹھ کر کھنڈروں کی طرف چل پڑے۔ دوپہر تک انہیں مایا دیوی



آدم کرنے کو بیٹھ گئے۔ اس کے بعد اٹھے اور دوبارہ مایا دیوی کے مندر کی کھوج میں چل دیئے۔ تیسرے پہر انہیں دُور ایک ٹیلے کے سائے میں ایک اونچا لمبوترہ مینارہ ساد کھائی دیا۔ ماریا نے کہا۔

”تھیوسانگ ! مجھے گتا ہے کہ وہی مندر ہے۔“

وہ قریب گئے تو دیکھا کہ پتھروں کی ایک پرانی بارہ دری کے ساتھ ایک غمناک کوٹھڑی بنی ہے۔ جس کی دیواروں کے پتھر اکٹھے ہوئے ہیں۔ چبوترے میں جگہ جگہ گھاس اُگ رہی ہے۔ وہ اندر گئے تو تھیوسانگ سے مایا کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یہی مایا دیوی کا مندر ہے ماریا۔“

کوٹھڑی میں ٹھنڈا ٹھنڈا اندھیرا پھیلا تھا۔ اس اندھیرے میں انہیں دیوار کے ساتھ ایک عورت کی سبز رنگ کی مورتی نظر آئی۔ مورتی پر مٹی جی تھی۔ جسم پر جگہ جگہ مکڑیوں کے جانے مرنے لگے تھے۔ مایا اور تھیوسانگ جلدی سے اس کے نزدیک گئے۔ اور انہیں مورتی کے گلے میں سیاہ موتیوں کی ایک مالا نظر آئی۔ یہ موتی اتنے ہی بڑے بڑے تھے جتنا بڑا موتی تھیوسانگ کے پاس تھا۔ اس نے جیب سے موتی نکال کر ماریا کو دکھایا اور بولا۔

”بالکل اسی سائز کے موتی ہیں مورتی کے گلے میں مگر دیکھو ان میں سے ایک موتی غائب ہے۔ ضرور یہ وہی

موتی ہے۔“

ماریا نے کہا۔

”اس موتی کو مورتی کے گلے میں نہیں پروا سکتے۔ ایسا کرو

کہ سیاہ موتی، اس مورتی کے ہاتھ میں رکھ دو۔“

مایا دیوی کے مجسمے کا ایک ہاتھ پھیلا ہوا تھا۔ تھیوسانگ نے ناگ کی خوشبو والا سیاہ موتی مایا دیوی کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ ہتھیلی پر رکھتے ہی سیاہ موتی ہلنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ اوپر اٹھا اور مورتی کی گردن میں پڑے ہوئے ہار میں دوسرے موتیوں کے ساتھ جا کر ٹک گیا۔ تھیوسانگ اور ماریا خاموشی سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ ماریا نے کہا کہ یہ تو موتی ہمارے ہاتھ سے بھی گیا۔ تھیوسانگ نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ سیاہ موتی کے سوراخ میں سے ایک باریک کالا سانپ دینگتا ہوا باہر نکل رہا تھا۔ اب اس سانپ پر ماریا کی بھی نظر پڑی۔ اس نے کہا۔ ”یہ تو سانپ ہے کہیں یہ ناگ تو نہیں؟ مجھے اس کی خوشبو آنے لگی ہے۔“ تھیوسانگ ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ ناگ کی خوشبو اب اسے بھی بالکل صاف آرہی تھی۔

سیاہ موتی میں سے نکل کر سانپ مورتی کے سینے پر دینگنے لگا اور پھر اس کے ہاتھ کی ہتھیلی میں سے نکل کر نیچے گر پڑا۔ نیچے گرتے ہی سانپ نے ایک پھنکار ماری اور اُن کے سامنے ناگ



موجود تھا۔ ماریا اور تھیوسانگ نے اپنے سامنے ناگ کو دیکھا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ تھیوسانگ نے ناگ کو لگا لگا لیا۔ ناگ نے ماریا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”ماریا بہن! اگر تم لوگ مجھے جزیروے سے اٹھا کر یہاں نہ لاتے۔ تو خدا بچانے میں کب تک وہیں پڑا رہتا؟ ناگ نے تھیوسانگ کا بھی شکریہ ادا کیا کہ وہ اُسے اٹھانے اٹھانے پھرتا رہا۔ تھیوسانگ نے کہا کہ اُسے موتی میں سے ناگ کی خوشبو آرہی تھی وہ اسے اپنے سے یکے جدا کر سکتا تھا۔ وہ تینوں مایا دیوی کے مندر میں سے باہر آگئے۔ ناگ نے انہیں اپنی کہانی سنائی کہ کس طرح وہ منگلا کے انتقام کی زد میں آگیا۔ ماریا اور تھیوسانگ نے اسے اپنی اپنی داستان سنائی۔ اب وہ کیٹی اور عنبر کے بارے میں باتیں کرنے لگے کہ وہ کہاں ہوں گے اور کس حال میں چلے گئے۔ تھیوسانگ نے کہا۔

”وہ جہاں بھی ہوں گے ایک نہ ایک دن اسی طرح ہمیں آن ملیں گے۔ جس طرح ہم ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔“

ناگ نے چاروں طرف دیکھا اور بولا۔

”میں نے بد نصیب باپ کی ساری غم ناک کہانی سن لی تھی مجھے بھی اس سے بڑی ہمدردی ہے۔ میں بھی

چاہتا ہوں کہ اس کی بچی کنبالی کو ہر حالت میں تلاش کر کے اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ تاکہ باپ کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جائے۔ اس کے بعد ہم عنبر اور کیٹی کی تلاش میں نکلیں گے۔ پہلے ہمیں اس غم زدہ باپ کی مدد کرنی ہوگی۔“

تھیوسانگ کہنے لگا۔

”ہم نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ چاہے ہمیں اپنی جانیں خطرے میں کیوں نہ ڈالنی پڑ جائیں۔ ہم کنبالی کا تھوچ لگانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔“

ناگ نے کہا۔

”کنبالی اس وقت شاید اپنے بیس ہزار ویں جنم میں زندگی بسر کر رہی ہوگی۔ اور جیسا کہ اس کے غم نصیب باپ نے کہا ہے۔ اس کی اپنے باپ کے بارے میں یادداشت صرف اسی صورت میں بیدار ہوگی۔ جب اس کے ساتھ اس کے باپ اور برہم پڑ گائی جانے والی لوری کا ذکر کیا جائے گا۔ اس میں خطرہ بھی ہے کہ ہو سکتا ہے کنبالی کی یادداشت بیدار نہ ہو سکے۔“

ماریا نے کہا۔

”لیکن بوڑھے باپ نے خاص طور پر ہمیں کہا تھا کہ



بربط والی لوری کا ذکر کرنے سے کبالی کی یادداشت  
بیدار ہو جائے گی۔ اور وہ اپنے باپ سے ملنے کو  
بے تاب ہو جائے گی۔

تھیو سانگ بولا۔

”میرا بھی خیال ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔“  
ناگ نے کہا۔

”ہمیں امید کرنی چاہیے کہ ایسا ہی ہوگا۔ مگر یہ  
ملک برازیل بہت بڑا ملک ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے  
کہ ہم اسے کہاں تلاش کرتے پھر یں؟“  
ماریا نے کہا۔

”اس کے بے تو ہمیں اس ملک کے شہر شہر میں گھوم پھر  
کر کبالی کو ڈھونڈنا ہوگا۔ اور یہ کوئی آسان کام نہیں  
ہے۔“  
ناگ کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ہم سپروں  
کا بھیس بدل لیں۔ میں سپیرا بن جاؤں اور ماریا سپرین  
بن جائے اور تھیو سانگ ہمارا ساتھی بن کر ہمارے  
ساتھ سفر کرے۔ اس طرح سے ہم سانپوں کا تماشہ  
دکھانے کے بہانے کسی بھی گھر کے صحن تک جا

سکیں گے اور یوں ماریا گھر کے اندر بھی جا کر کبالی  
کی شکل ایسی رٹکی کو ڈھونڈ سکتی ہے۔“  
”اچھا خیال ہے ماریا بولی۔

پھر تھیو سانگ سے پوچھا گیا۔ اس نے کہا۔  
”جو آپ کو منظور۔ وہی مجھے منظور ہوگا۔ ہمیں آج  
ہی کسی قریبی شہر میں جا کر اپنا بھیس بدل ڈالنا ہوگا۔  
شہر میں ہمیں دوسرے کپڑے مل جائیں گے۔“  
ناگ نے کہا۔

”تو پھر ہمیں اسی وقت کسی قریبی شہر کی طرف روانہ  
ہو جانا چاہیے۔“

اور وہ ماریا دیوی کے مندر کے سامنے سے گزر کر ایک سنان  
دیران پگ ڈنڈی پر ہو گئے۔ جو دیران گرم خشک ٹیلوں میں سے  
چل کر کھا کر گزرتی تھی۔ یہ سفر ایسا تھا کہ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ  
آگے کون سا شہر یا قصبہ آئے گا۔ ناگ نے ماریا سے کہا۔  
”کاشش تم غیبی حالت میں ہوتیں اور اڑ کر آگے پتہ  
کرتیں کہ کوئی آبادی کتنی دور ہے۔“

ماریا بولی۔  
”ناگ بھئی! یہ کام تو تم بھی کر سکتے ہو۔ تمہاری طاقت  
تو تمہارے پاس ہی ہے۔“



ناگ بولا۔

”کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن تجربہ کر کے دیکھ لیتا ہوں۔“  
ناگ نے سانس اوپر کو کھینچا اور جب آہستہ سے چھوڑا تو  
انسان کی بجائے ایک سیاہ عقاب بن چکا تھا۔ ناگ نے خوش  
ہو کر کہا۔

”میری طاقت میرے ساتھ ہی واپس آگئی ہے۔  
خدا کا شکر ہے۔ تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں آگے جا کر  
معلوم کرتا ہوں کہ بستی یا شہر کتنی دُور ہے۔“  
تھیو سانگ نے کہا۔

”جلدی واپس آنا ناگ! ہمیں تمہاری فکر ہی لگی رہے گی۔“  
ناگ نے تھیو سانگ کو تسلی دی اور زمین سے اوپر فضا میں  
غوطہ لگا گیا۔ پھر اس نے شمال مغرب کی طرف تیزی سے اڑتا  
شروع کر دیا۔ اس وقت ناگ ایک جیٹ ہوائی جہاز کی رفتار  
سے اڑ رہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ کے اندر ہی اسے دُور ایک  
دریا کے کنارے بہت بڑے شہر کے اونچے مکان نظر پڑے۔  
اس نے شہر کے اوپر ایک چکر لگایا۔ یہ کافی وسیع شہر تھا۔ اور اس  
کے ارد گرد پتھر کی فصیل تھی۔ ناگ فوراً واپس آیا اور تھیو سانگ  
اور ماریا کو اس شہر کی خبر دی۔ اب وہ اسی شہر کی طرف چلنے لگے۔  
راستے میں ایک گاؤں آگیا۔ یہاں سے تھیو سانگ نے چاندی

کے کچھ سکے دے کر دو فچر خریدے۔ اب وہ ان فچروں پر  
بیٹھ کر سفر کرنے لگے۔ ناگ عقاب کی شکل میں ان کے اوپر  
اڑ رہا تھا۔ دن بھر کے سفر کے بعد آخر وہ اس شہر کے پاس  
پہنچ گئے۔ جو ناگ پہلے سے دیکھ آیا تھا۔ انہوں نے شہر کے باہر  
ہی ایک باغ میں ڈھیرے لگا لیے۔ یہاں ایک کنواں تھا  
جہاں کچھ عورتیں مٹی کی لمبوتری صراحیوں میں پانی بھر رہی تھیں  
باغ میں اونچے اونچے درخت تھے۔ باغ کے پیچھے کچھ کچے  
مکان دکھائی دے رہے تھے۔ شاید یہ عورتیں وہاں سے  
کنوئیں پر پانی بھرنے آئیں تھیں۔ ناگ نے کہا۔

”ہمیں اپنے محلے یہاں سپرول ایسے بنانے ہوں  
گے۔ یہ عورتیں ہماری مدد کر سکتی ہیں۔“

پھر اس نے ماریا سے کہا کہ وہ ان سے ایک پٹاری  
اور نیلے رنگ کی لمبی چادر حاصل کرنے کی کوشش کرے  
”پٹاری میں دو چادر سانپ پکڑ کر رکھ لیں گے اور چادر  
کو پھاڑ کر ان کے رومال بنا کر باندھ لیں گے۔“ ماریا نے  
ناگ سے کہا۔

”تم پہلے سانپ تو پیدا کرو۔ ہو سکتا ہے یہاں  
ہمیں کوئی بھی سانپ نہ مل سکے۔“  
تھیو سانگ بولا۔



”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سانپ تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔  
اور پھر ناگ تو دیتا ہے۔ اس کی ایک ہی آواز پر  
سانپ آجائیں گے۔“  
ناگ نے کہا۔

”تھیو سانگ ٹھیک کہتا ہے۔ سانپ یہاں ضرور  
موجود ہوں گے۔“

ماریا کہنے لگی۔

”عورتیں پانی بھر کر اپنے گھروں کو واپس جا رہی ہیں۔  
میں ان کے پیچھے جاتی ہوں۔ اور پٹاری اور نیلی چادر  
حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ تم اسی جگہ  
بیٹھو۔“

اتنا کہہ کر ماریا ان مکافوں کی طرف چل دی جو باغ کے  
پچھواڑے نظر آ رہے تھے۔ اور جس طرف صراحیوں والی  
عورتیں گئیں تھیں۔ ایک عورت پانی سے بھری ہوئی صراحی لے  
کر اپنے مکان میں داخل ہوئی تو ماریا نے اس کو آواز دی۔  
وہ صراحی اندر رکھ کر واپس آگئی۔ ماریا نے اس علاقے کی زبان  
میں اسے سلام کیا اور بتایا کہ وہ اپنے دو بھائیوں کے  
ساتھ ایگری شہر سے آئی ہے اور اس شہر میں سیاحت  
کرنا چاہتی ہے۔ مگر اس کے پاس سر پہ لینے کو چادر اور

روٹی وغیرہ رکھنے کو کوئی پٹاری نہیں۔ اگر تم دے سکو تو تمہاری  
بڑی مہربانی ہوگی۔ عورت مسکراتے لگی اور ماریا کو ایک کرسی  
پر بٹھایا۔ اسے پینے کو دودھ لاکر دیا اور پھر کوٹھڑی سے  
ایک نیلی چادر اور چھوٹی سی ٹوکری لے آئی۔ جس پر ڈھکن  
لگا تھا۔ ماریا نے یہ دونوں چیزیں لے کر اس عورت کا شکریہ  
ادا کیا اور ناگ تھیو سانگ کے پاس آگئیں۔

ناگ نے فورا نیلی چادر کے تین ٹکڑے کیے۔ ایک  
ایک ٹکڑا تینوں نے اپنے اپنے سروں پر باندھ لیا پٹاری  
ناگ نے اپنے پاس رکھ لی اور وہیں دانت سے ایک ٹہنی  
توڑ کر اس کی سوٹی بنا کر ہاتھ میں سپیروں کی طرح پکڑ لی  
پھر اس نے وہاں پر موجود کسی بھی سانپ کو آواز دی۔ ناگ  
دیر تا کی آواز پر کنوئیں کے اندر سے ایک دھاری دار سبز رنگ  
کا سانپ پھنکارتا ہوا باہر نکلا تو جو عورتیں پانی بھر رہی  
تھیں۔ وہ چیخیں مار کر بھاگیں۔ ناگ پک کر وہاں گیا اور  
بولا۔

”بھنو! گھبراؤ نہیں میں سانپ کو پکڑتا ہوں۔“  
بھلا سانپ کو ناگ کیسے نہیں پکڑ سکتا تھا۔ سانپ تو  
آیا ہی ناگ کے لیے تھا۔ سانپ نے آتے ہی ناگ کے  
آگے اپنے سر جھکا دیا اور بولا۔



”عظیم ناگ دیتا نے کیسے یاد فرمایا؟“  
ناگ نے کہا۔

”مجھے تین چار سانپ چاہئیں۔ جو کچھ دیر میرے ساتھ  
رہیں گے۔“

سبز دھاریدار سانپ بولا۔

”عظیم ناگ دیتا! میں ابھی حاضر کیے دیتا ہوں۔“

سبز سانپ نے کنوئیں میں منہ ڈال کر آواز دی۔ فوراً  
چار سانپ کنوئیں میں سے نکل آئے۔ ناگ نے انہیں پیٹاری  
میں بند کر دیا۔ عورتیں دُور کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔ ناگ  
نے سانپوں کی پیٹاری بغل میں دبائی اور ماریا اور تھیو سانگ کو  
ساتھ لے کر شہر کے دروازے کی طرف چل دیا۔ انہوں نے  
شہر میں داخل ہوتے ہی سانپوں کا تماشا دکھانا شروع کر دیا۔  
جو لوگ وہاں اکٹھے ہوتے ماریا اور تھیو سانگ ان میں سے عورتوں  
کی شکلوں کو غور سے دیکھتے کہ کہیں ان میں کوئی اہرام والے  
بوڑھے پائیاں کی بیٹی کبالی تو نہیں ہے۔ دن بھر وہ شہر میں تماشا  
دکھاتے رہے مگر کبالی انہیں کہیں نظر نہ آئی۔

شام ہو گئی تو ناگ ماریا اور تھیو سانگ واپس شہر کے باہر  
والے باغ میں آرام کرنے لگے۔ اتنے میں  
باغ والے گاؤں کی طرف سے وہی عورت جس نے ماریا کو چادر

اور پیٹاری دی تھی وہاں آگئی۔ اس نے ماریا کی طرف دیکھ  
کر کہا۔

”بہن! تم یہاں کیسے رات گزارو گی؟ یہ تو کھلی  
جگہ ہے۔ میرے ساتھ رہنا۔ دن نکلے تو اپنے بھائیوں  
کے پاس آ جانا۔“

ناگ اور تھیو سانگ نے بھی ماریا سے کہا کہ وہ اس  
عورت کے گھوچلی جائے۔ کیونکہ ماریا غائب حالت میں نہیں تھی  
اور اس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ کسی کے گھر میں رات  
سہ کرے۔ ناگ بولا۔

”آج کی رات تم اس عورت کے پاس رہ لو۔ کل  
میں شہر میں کوئی اپنا مکان لے لیں گے۔ کیونکہ ابھی شہر  
پورا نہیں دیکھا۔ اور کبالی کی تھوڑی بہت تلاش باقی  
ہے۔“

وہ گاؤں کی عورت بڑی بھولی تھی۔ اور اس کا اخلاق بھی  
بہت بلند تھا۔ چنانچہ ماریا اس کے ساتھ اس کے گھر آگئی۔  
یہ کچا مکان تھا۔ جس کی دو کٹھڑیاں تھیں۔ عورت وہاں  
اکلی رہتی تھی اس نے ماریا کو بتایا کہ وہ بیوہ ہے اور اس کی  
کوئی اولاد نہیں۔ شہر کے ایک امیر سوداگر کے مکان پر دن  
بھر کام کرتی ہے اور شام کو واپس اپنے گھر آ جاتی ہے۔



”میری ماکن بوڑھی ہو گئی ہے۔ مجھے اس کے لیے شام کو بھی پانی گرم کرنا پڑتا ہے۔ اس گرم پانی سے اس کے پاؤں دھوتی ہوں۔ پھر اسے بستر میں لٹا کر واپس آتی ہوں۔ تم بتاؤ یہ تمہارے بھائی ہیں جو ساتھ ہیں؟ تمہاری شادی نہیں ہوئی کیا؟“  
 ماریا نے مسکرا کر کہا۔

”میری ابھی شادی نہیں ہوئی۔ ہم ملک سماء یہ کہنے والے ہیں۔ ہمارے ملک میں دستور ہے کہ جب تک کوئی لڑکی سمندر پار کے کسی ملک کی سیاحت نہیں کر آتی۔ اس کی شادی نہیں ہو سکتی۔ میرے بھائی سپرے ہیں۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ سمندر پار اس ملک میں آ گئی ہوں۔ اب واپس جاؤں گی تو میری شادی ہو جائے گی۔“  
 عورت نے کہا۔

”میرا نام اگاتی ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟“  
 ”میرا نام ماریا ہے۔“  
 اگاتی مسکراتے لگی۔

”کیا تم نے اپنا دولا پسند کر لیا ہے؟“  
 ماریا نے گھبرا کر دوسری طرف دیکھا اور پھر اگاتی سے

مطالب ہو کر کچھ شرما گئی۔ اور بولی۔  
 ”نہیں۔ میرے بھائیوں نے دیکھا ہے میرے بھائی ہی میری شادی وہاں کریں گے۔“  
 اگاتی نے کہا۔

”اچھا یہ بتاؤ اگر تمہارے بھائی سپرے ہیں تو پھر ان کے پاس ساپنوں کی پٹاری کیوں نہیں تھی؟ میں نے سنا ہے کہ تم لوگوں نے سانپ بھی باغ کے کنوئیں سے پکڑے تھے؟“  
 ماریا کہنے لگی۔

”اگاتی بہن! ہم ایک طویل فاصلہ طے کر کے آ رہے ہیں۔ راستے میں ہم ایک جگہ سو رہے تھے کہ چور سپیرا آیا اور ہماری ساپنوں کی پٹاری اور ہمارے نیلے رومال اٹھا کر لے گیا۔“

اگاتی نے ماریا کے ہاتھ ناگ اور تھیو سانگ کے لیے کھانا بھجوا دیا۔ ناگ نے پوچھا۔

”وہاں کوئی خطرہ تو نہیں ہے ماریا؟ اگر ایسی بات ہو تو میں ایک سانپ کو تمہاری حفاظت کے لیے بھیجتا ہوں۔“  
 ماریا بولی۔



”وہ بے چارہ تو بڑی ہی نیک عورت ہے۔ یہاں کسی سوداگر کی حویلی میں دن بھر کام کرتی ہے۔ دیکھو بے چارہ نے کتنی محبت اور خلوص سے تمہارے لیے دودھ اور روٹی بھجوائی ہے۔ غریب عورت ہے مگر بے حد مخلص اور انسان دوست ہے۔“

ناگ نے بھی اگاتی کی تعریف کی۔ انہیں کھانے پینے کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن اگاتی کے خلوص کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے مل کر دودھ روٹی کھالی۔ ماریا برتن لے کر صبح آنے کا کہہ کر چلی گئی۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی ماریا ناشتے کے لیے دودھ اور روٹی لے کر آگئی۔ یہ ناشتہ نیک دل عورت اگاتی نے ماریا کو اس کے بھائیوں کے لیے دیا تھا۔

اب تھیو سانگ اور ناگ نے ماریا کو ساتھ لیا اور شہر کے اندر جا کر ایک خالی کوٹھڑی کرائے پر لے لی۔ دن بھر وہ شہر میں سانپ کا ناشہ دکھاتے اور رات کو اپنی کوٹھڑی میں آ جاتے۔ تین دن ہو گئے۔ مگر ڈکھی باپ پایان کی بیٹی کبالی کا انہیں کوئی سراغ نہ مل سکا۔ ماریا نے تھیو سانگ سے کہا۔

”تھیو سانگ! اس طرح تو ہمیں کبالی کو تلاش کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بازار سے ایک بریڈ خریدیں۔ اس پر وہی دھن بجائیں جو کبالی کا

بڑھا باپ اہرام کے اندر رات کو بجاتا ہے اور دودھ اپنی بیٹی کو بجا کر سلایا کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے اگر کبالی اپنے نئے جنم میں یہاں کسی مکان میں رہتی ہو تو بریڈ کا وہی لوری والا نغمہ سن کر اسے اپنا پچھلا جنم یاد آ جائے۔ ویسے ہم اس کو اس کی شکل سے بھی پہچان سکتے ہیں۔ لیکن بریڈ کے نغمے سے ہمیں کبالی کو اس کا پچھلا جنم یاد کرانے میں بڑی مدد ملے گی۔“

تھیو سانگ بولا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ بڑھے باپ پایان نے کہا تھا کہ اس کی بیٹی کبالی کو اس کا پچھلا جنم یاد نہیں ہوگا۔ اسے یاد دلانا پڑے گا۔ اگر ہمیں کبالی کی شکل والی کوئی لڑکی مل جاتی ہے تو ہم ویسے ہی اسے اس کا پچھلا جنم یاد دلا سکتے ہیں۔“

ناگ نے کہا۔

”لیکن اگر ہم بریڈ پر لوری والا نغمہ بھی ساتھ ہی سنا دیں گے تو کبالی کو اپنا پچھلا جنم یاد کرنے میں بہت آسانی ہوگی۔ اس لیے ماریا کی تجویز بڑی معقول ہے۔ ہمیں صبح بازار سے ایک نیا بریڈ خریدنا ہو گا۔ تم وہی نغمہ بریڈ پر بجا لو گے نا؟“



تھیو سانگ نے کہا کہ اسے وہ نغمہ یاد ہے جو اہرام میں  
بوڑھا باپ بجایا کرتا ہے۔

چنانچہ اگلے روز انہوں نے بازار سے ایک برہٹ خرید  
لیا۔ تھیو سانگ اور ماریا نے اپنی یادداشت کی مدد سے برہٹ  
پر وہ لوری والا نغمہ نکال لیا جو بوڑھا باپ آج سے دس سال  
برس پہلے اپنی بیٹی کبالی کو سنا کر سلا یا کرتا تھا۔ یہ نغمہ  
بہت اداس اور غمگین تھا۔ اب وہ جہاں ساپنوں کا تماشہ  
دکھاتے۔ ماریا برہٹ اٹھا کر اس پر لوری والا دردناک نغمہ  
بجانے لگتی۔ تھیو سانگ اور ماریا عورتوں کی شکلوں کو غور سے  
دیکھتے۔ تھیو سانگ اور ماریا بوڑھے پایان کی بیٹی کبالی کی شکل  
کو اچھی طرح پہچان سکتے تھے۔ انہوں نے اس کا مجسمہ عود سے دیکھا  
تھا جو اہرام کے اندر بوڑھے دکھی باپ کے تابوت کے  
سامنے والی مینر پر رکھا ہوا تھا۔

انہیں شہر میں تماشہ دکھاتے اور برہٹ بجاتے دس  
دن گزر گئے۔ مگر انہیں کبالی کی شکل کہیں بھی نظر نہ آئی۔ ایک  
روز شام کے وقت تھیو سانگ اور ناگ ماریا شہر سے واپس اپنی  
کوٹھڑی کی طرف جا رہے تھے۔ وہ ایک بہت بڑی حویلی کے  
قریب سے گزرے تو ماریا نے اگاتی کو دیکھا۔ یہ وہی عورت  
تھی جس نے ماریا کو اپنے شہر کے باہر والے مکان میں ٹھہرایا

تھا اور جو اس حویلی میں ملازمہ تھی۔ اگاتی پریشان تھی اور گلی  
میں تیز قدموں سے جا رہی تھی۔  
ماریا نے اسے دیکھا تو سلام کیا اور پوچھا کہ وہ پریشان  
کیوں ہے؟ اگاتی نے کہا۔

”میری مالکن مر رہی ہے۔ میں حکیم کو لینے جا رہی ہوں  
کہ شاید مالکن کی جان بچ جائے۔“

ناگ نے کہا۔  
”بہن! ہمیں اپنی مالکن کے پاس لے چلو۔ ہو سکتا  
ہے ہم اس کی بیماری کا کوئی علاج کر سکیں۔“  
اگاتی نے پوچھا کہ کیا وہ حکیم ہے؟ ناگ بولا۔ ”میں ٹوٹے  
ٹوٹکے اور جڑی بوٹیوں سے علاج کر لیتا ہوں۔“ اگاتی بولی۔ ”میری  
مالکن بے حد بوڑھی ہو چکی ہے۔ اب اس کے بچنے کی کوئی  
امید نہیں ہے۔ میں ویسے ہی خانہ پڑی کرنے کی خاطر حکیم کو  
بلانے جا رہی ہوں۔ حکیم جی نے تو صبح ہی کہہ دیا تھا کہ اب  
تمہاری مالکن کا کوئی علاج نہیں ہے۔ وہ شام تک مر جائے  
گی۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ چاہتی ہوں میری مالکن زندہ رہے۔  
اچھا تم اگر اس کا علاج کر سکتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔ مجھے  
خوشی ہوگی۔“  
اگاتی نے ماریا تھیو سانگ اور ناگ کو ساتھ لیا اور حویلی



میں آگئی۔ یہ حویلی کافی بڑی تھی۔ اس کی مالکن بڑی امیر  
عورت تھی۔ وہ بیوہ تھی اور اس کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی۔  
حویلی میں نوکر چاکر اور لونڈیاں اُداس اُداس پھرتی تھیں۔  
اگاتی ماریا ناگ اور تھیو سانگ کو لے کر حویلی کے سب سے  
بڑے اور سچے سبجائے کمرے میں داخل ہوئی۔ کمرے میں  
زیتون کے تیل کا شمع دان روشن تھا۔ ایک عالی شان پلنگ  
پر ریشمی بستر بیکھا ہوا تھا۔ جس پر ایک سفید بالوں والی بوڑھی  
عورت آنکھیں بند کیے خاموش لیٹی تھی۔ اس کا رنگ زرد  
تھا اور وہ مر رہی تھی۔ قریب پہنچ کر ماریا اور تھیو سانگ  
اچانک چونک اٹھے۔ ماریا تھیو سانگ کو ایک طرف کھینچ کر لے  
گئی اور بولی۔

”تھیو سانگ! مجھے یہ کیا لگتی ہے۔“

تھیو سانگ بولا۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو ماریا۔ مجھے اس کی شکل دیکھ  
کر پہلے ہی شک پڑا تھا۔ اگرچہ وہ بہت بوڑھی ہو  
گئی ہے مگر اس کے نقش اسی مجھ سے ملتے ہیں۔  
جو اہرام میں دیکھی باپ پایان کی مندر رکھا ہوا  
تھا۔ یہ ضرور کبالی ہی ہے۔“

ناگ بھی ان کے پاس آگیا۔ جب ماریا نے اسے بتایا

کہ عورت کبالی ہی ہے تو اسے اس کا پچھلا جنم یاد دلانا  
چاہیئے۔ اگر اس کی یادداشت واپس آجاتی ہے تو  
ہم اسے ابھی اٹھا کر واپس اہرام میں اس کے ہزاروں  
برس پہلے کے باپ کے پاس لے چلتے ہیں تاکہ اس  
غم زدہ باپ کے دل میں ٹھنڈ پڑ سکے۔“

ماریا نے کہا۔

”ہمیں جلدی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ عورت کبالی مر رہی  
ہے۔ اگر یہ مرگئی تو نہ جانے پھر کونے جنم میں دوبارہ  
پیدا ہو۔ پھر اسے تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔“

تھیو سانگ بولا۔

”میں بریٹ پر وہی لوری سجاتا ہوں۔ جو یہ عورت کبالی

اپنے پرانے جنم میں اپنے باپ سے سنا کرتی تھی۔“

نوکرانی اگاتی اپنی مالکن کے سرہانے خاموش کھڑی تھی۔  
ماریا تھیو سانگ اور ناگ جلدی سے بوڑھی عورت کے پلنگ  
کے پاس آئے۔ تھیو سانگ نے بریٹ کپڑے کے تھیلے میں  
سے نکالا اور اس پر وہی لوری والا نغمہ چھیڑ دیا جو کبالی کا  
باپ ہزاروں برس پہلے کے جنم میں رات کو سنانے کے  
لیے سجایا کرتا تھا۔ جو نہی بریٹ پر لوری والا نغمہ بلند ہوا۔ بوڑھی  
عورت کے بچنے ہوئے ہونٹ کپکپانے لگے۔ ناگ ماریا اور



## کبالی کی تلاش

تھیوسانگ نے بربط کی لے اور تیز کر دی۔  
 بوڑھی عورت کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہنے لگیں  
 وہ سکیاں بھر رہی تھیں۔ اس کے نیم مردہ خشک کاپتے  
 ہوئے ہونٹوں سے ایسی آواز نکلی جیسے اس نے اپنے باپ  
 کو آواز دی ہو۔ پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے تھیوسانگ  
 کو بربط بجانے سے روک دیا۔ تھیوسانگ نے بربط بجانا بند  
 کر دیا۔ ماریا اور ناگ بوڑھی عورت کو غور سے دیکھ رہے تھے۔  
 ماریا اور تھیوسانگ کو یقین ہو گیا تھا کہ یہی بوڑھی عورت کبالی  
 یعنی ابرام میں رہنے والے سوگوار باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ اگرچہ  
 وہ بے حد بوڑھی ہو گئی تھی لیکن اس کے زمین نقش کبالی ہی کے  
 تھے۔ ماریا نے جھک کر بوڑھی عورت کے کان میں آہستہ سے  
 کہا۔

”کبالی“  
 عورت نے چونک کر ماریا کی طرف دیکھا اور بہت ہی کمزور

تھیوسانگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بربط کے نغے  
 کا اثر شروع ہو گیا تھا۔ تھیوسانگ نے بربط پر نغے کی لے  
 تیز کر دی۔ اچانک بوڑھی عورت نے آنکھیں کھول دیں۔ اس  
 کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لکیریں بہہ رہی تھیں۔



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)



آواز میں کہا۔

”تم کون ہو؟ تم نے میرے دل میں میرے پیارے باپ کی یادوں کو زندہ کر دیا ہے۔ تم نے بربط پر یہ نغمہ کہاں سے سیکھا ہے؟ یہ نغمہ مجھے میرا باپ آج سے ہزاروں برس پہلے سنایا کرتا تھا۔“  
تھیوسانگ نے کہا۔

”ہمیں تمہارے پیارے باپ پایان نے تمہاری تلاش میں بھیجا ہے۔“

بوڑھی عورت کی آنکھیں ایک دم سے چمک اٹھیں۔  
”کہاں ہے میرا پیارا باپ؟ میں اس کو ایک نظر دیکھنے کو ترس رہی ہوں۔“  
ماریا نے کہا۔

”وہ براذیل کے سب سے بڑے اہرام میں تمہاری راہ دیکھ رہا ہے۔ وہ ہزاروں برس سے تابوت میں بند ہے۔ مگر زندہ ہے۔“  
تھیوسانگ نے کہا۔

”اسے بیٹی کی محبت زندہ رکھے ہوئے ہے۔“  
بوڑھی عورت کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ اس کے خشک ہونٹ کا نپ رہے تھے۔ اس نے مردہ آواز

میں کہا۔

”تم نے بڑی دیر کر دی۔ میں مر رہی ہوں۔ موت کا فرشتہ میری جان نکالنے کے لیے موجود ہے۔“  
ماریا نے جلدی سے کہا۔

”لیکن تمہارا اپنے باپ سے ملنا بہت ضروری ہے کبالی! وہ تمہارے بغیر نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں۔“

وہ ہزاروں برس سے تمہاری راہ تک رہا ہے۔ جب تک تم اسے نہیں ملو گی۔ اس کی روح دنیا کو چھوڑ کر جنت میں داخل نہ ہو سکے گی۔“

بوڑھی عورت پر غشی طاری ہونے لگی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ ماریا اور تھیوسانگ پریشان ہو گئے۔ ناگ نے کہا۔

”ہم کبالی کو اٹھا کر اس کے والد کے پاس لیے چلتے ہیں۔“

ماریا نے گہرا سانس بھر کر ناامیدی سے کہا۔

”اب دیر ہو چکی ہے ناگ! کبالی مر رہی ہے۔“

تھیوسانگ نے بوڑھی کبالی کے کان کے پاس منہ لے جا

پوچھا۔

”کبالی! ہمیں صرف اتنا بتا دو کہ تمہارا اگلا جہنم کہاں اور







اور سفر کا کچھ ضروری سامان خرید لیا۔ اور خدا کا نام لے کر دریائے  
ایمیزان کے جنگلوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک ہفتے کے سفر کے  
بعد وہ دریائے ایمیزان کے کنارے کنارے سفر کر رہے تھے۔  
اب انہیں تین سرخ پہاڑوں کی تلاش تھی۔ دریائے ایمیزان  
کے جنگل آج بھی اپنے گھنے درختوں، خطرناک دلدلوں، وحشی  
جنگلی جانوروں اور بڑے بڑے سانپوں کے لیے مشہور ہیں۔

کہتے ہیں کہ ان جنگلوں میں آج بھی ایسی جگہیں موجود ہیں جہاں ابھی  
تک کسی انسان یا شکاری نے قدم نہیں رکھا۔ ناگ ماریا اور  
تھیوسانگ کو سانپوں کی پروا نہیں تھی۔ جنگلی درندے سب سانپ  
کے منکے کی وجہ سے ان کے قریب نہیں پھٹکتے تھے۔ دلدلوں  
کی بو وہ دور ہی سے محسوس کر لیتے تھے اور ان سے ہوشیار  
ہو جاتے تھے۔

جنگل میں سفر کرتے ہوئے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے۔  
جہاں درختوں نے بل بل کر راستہ تنگ کر دیا تھا اور وہاں  
سے گھوڑے نہیں گزر سکتے تھے۔ ناگ نے مشورہ دیا کہ  
ہمیں گھوڑوں کو اس جگہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا  
گیا۔ گھوڑے وہاں چھوڑ کر وہ پیپل ہی گھنے نیم روشن  
جنگل میں داخل ہو گئے۔ یہاں ایسے ایسے درخت تھے کہ جن  
کی شاخیں نیچے زمین میں گھس گئیں تھیں اور ان کے ستون بن

گئے تھے۔ ہر درخت پر جنگلی بلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ بڑی  
مقتاد سے جنگلی جھاڑیوں میں راستہ بناتے قدم قدم چل رہے  
تھے۔ اچانک ماریا کی چیخ بلند ہوئی۔ وہ پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔  
ناگ اور تھیوسانگ اس کی طرف دوڑے۔ دیکھا کہ ماریا کو  
ایک آدم خور جھاڑی کی کانٹے دار شاخوں نے دبوج رکھا ہے۔  
برازیل کے جنگلوں میں ایسی جھاڑیاں کثرت سے ہوتی ہیں جن  
شاخیں قریب سے گزرنے والے انسان یا جانور یا جنگلی درندے  
کو ایک دم سے دبوج لیتی ہیں۔ اور ان کے جسم میں اپنے کانٹے  
گاڑ کر خون چوسنا شروع کر دیتی ہیں۔ ماریا کی زندہ رہنے کی طاقت  
یہ تو کہ اس کے پاس ہی تھی اس لیے آدم خور جھاڑی اس کا خون  
نہیں چوس سکی تھی۔ مگر اس نے ماریا کو پوری طرح سے جکڑ  
رکھا تھا۔ ناگ اور تھیوسانگ نے خنجر کی مدد سے آدم خور جھاڑی  
کی شاخوں کو کاٹ ڈالا اور ماریا کو آزاد کر لیا۔

ماریا دہشت زدہ تھی۔ تھیوسانگ بولا۔  
”کاش! ماریا کی طاقت بھی واپس آچکی ہوتی۔ پھر  
ہمیں اس کی طرف سے بڑی بے ٹکری ہو جاتی۔“  
ماریا نے اپنے بازوؤں کو سہلاتے ہوئے کہا۔  
”آدم خور جھاڑی کے کانٹے میرے جسم میں کھب کر  
ادھر ادھر حرکت کر رہے تھے۔ میرے خداوند!



تیری کیسی کیسی مخلوق یہاں آباد ہے ۔

ناگ نے ماریا کے بازو کو دیکھا۔ آہستہ آہستہ کانٹوں کے نشان ختم ہو رہے تھے۔ انہوں نے دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔ آگے جا کر درخت پر سے ایک بہت بڑا اٹھ دھا قسم کا سانپ نیچے نکل رہا تھا۔ اس نے ناگ دیوتا کی بو کو محسوس کرتے ہی اپنے آپ کو درخت کی ٹہنی سے نیچے گرا لیا۔ اور اپنی گردن جھکا دی۔ ناگ اس کے قریب جا کر رُک گیا۔ اس نے اٹھ دھا کے پوچھا کہ اس علاقے میں تین سرخ پہاڑوں والی وادی کہاں ہے۔ اٹھ دھا نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

”عظیم ناگ دیوتا! یہ وادی یہاں سے آگے ایک ندی کے بہاؤ کے رخ پر ہے۔ یہاں ندی دائیں طرف مڑ جاتی ہے وہاں بائیں جانب تین سرخ پہاڑ ہیں۔ اور وادی ان کے بیچ میں ہے۔ مگر ناگ دیوتا! وہاں تو آدم خور قبیلہ آباد ہے۔“

ناگ نے کہا۔

”آدم خور میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

اٹھ دھا بولا۔

”لیکن عظیم ناگ دیوتا! آپ کے ساتھ آپ کے بہن بھائی بھی ہیں۔ آدم خور انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

ناگ کہنے لگا۔

”تم فکر نہ کرو۔ یہ اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں۔ تمہارا لشکر۔“

ہیں آگے بڑھنا ہے۔ اب ۔

اٹھ دھا نے گردن جھکا دی۔ ناگ ماریا اور تھیوسانگ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

ماریا نے کہا۔

”یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے کہ کاجو یعنی کبالی جس قبیلے میں نمودار ہوئی ہے وہ آدم خور ہے۔“

تھیوسانگ نے مسکرا کر کہا۔

”چلو! ان کا بھی دیدار ہو جائے گا۔ آدم خور قبیلے سے ملاقات کے ایک عرصہ گزر گیا ہے۔“

ناگ بولا۔

”بہر حال ہمیں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے پاس زہریلے تیر ہوتے ہیں جو یہ چھپ کر دشمن پر چلاتے ہیں اور جس کو تیر لگ جائے وہ زہر کے اثر سے فوراً بے ہوش ہو جاتا ہے۔ پھر یہ لوگ اُسے اٹھا کر لے جاتے ہیں اور کھا جاتے ہیں۔“

تھیوسانگ نے کہا۔

”جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ بہر حال ماریا کو اب ہم دونوں کے



درمیان رہ کر چلنا ہو گا۔ کیونکہ اس کی زندگی کو کسی حد تک خطرہ ہو سکتا ہے۔

ماریا کو بھی معلوم تھا کہ اگرچہ وہ مرنہیں سکتی مگر چونکہ وہ ایک عام عورت بن چکی ہے۔ اس لیے اسے نقصان پہنچنے کا خطرہ بدستور موجود ہے۔ اس نے بھی اس بات کو پسند کیا کہ وہ تھیوہلگ اور ناگ کے درمیان میں رہ کر چلے۔ سارا دن وہ پُر پیچ خطرناک اور گھنے نیم تاریک جنگل میں سفر کرتے رہے۔ کتے ہی درندے آئے مگر سبز سانپ کے منکے کی بڑ پاتے ہی وہاں سے بھاگ جاتے۔ ناگ آگے آگے چل رہا تھا۔ اور انہیں دلدلی میداؤں سے بچا کر لیے جا رہا تھا۔ برازیل کے جنگلوں میں ایسی ایسی دلدلیں موجود ہیں کہ اگر ان میں ہاتھی بھی گر جانے تو چند سیکنڈ میں غائب ہو جاتے۔

آخر وہ ایک ندی کے پاس آ گئے۔ تھیوہلگ نے کہا۔  
”یہی وہ ندی ہے جو ہمیں زمین سُرخ پہاڑوں والی وادی میں پہنچائے گی۔“

اب انہوں نے ندی کے کنارے کنارے چلنا شروع کر دیا۔ ندی جنگل میں درختوں کے نیچے سانپ کی طرح بل کھاتی چلی جا رہی تھی۔ اتنی لمبی ندی تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ تھیوہلگ نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ کہیں وہ راستہ تو نہیں

مل گئے۔ ناگ نے کہا کہ اتر دہا کبھی غلط بیانی نہیں کرتے۔ سانپ بھول سکتا ہے مگر سانپ جھوٹ نہیں بولتے۔ میں آدھی رات کو جا کر ندی دائیں طرف کو گھومی۔ تو انہیں بائیں جانب تین اونچے اونچے پہاڑ جنگل میں گھیرا ڈالے کھڑے نظر آئے۔ ماریا نے خوش ہو کر کہا۔

”یہی سُرخ پہاڑ ہیں ناگ بھیا۔“  
ناگ بولا۔

”ہاں! میں دیکھ رہا ہوں۔ ان کا رنگ ضرور سُرخ ہو گا۔“

انہوں نے دیکھا کہ ان تینوں پہاڑوں کے درمیان ایک گہری وادی تھی۔ جہاں بے شمار درخت آگے تھے۔ ایک جگہ سے انہیں دھوئیں کی پتی سی لکیر اُپر کو اُٹھتی ہوئی نظر آئی۔ تھیوہلگ بولا۔  
”یہ دھواں ضرور آدم خود قبیلے کے جھونپڑوں کے آگے جلائی گئی آگ سے اُٹھ رہا ہو گا۔“

ناگ بولا۔  
”اب ہمیں بڑی احتیاط سے چلنا ہو گا۔ ہم آدم خود

جنگلیوں کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔“  
وہ ندی سے ہٹ کر بائیں جانب وادی کی ڈھلان اُترنے لگے۔ اندھیرے میں انہیں درختوں کے درمیان آگ کی ہوئی جھاریاں



اور ویران پگڈنڈی صاف نظر آرہی تھی۔ وہ اسی جگہ پک ڈنڈن پر چل رہے تھے۔ ان کی دونوں جانب ایسی پٹانیں تھیں جن پر ڈنگار لگا تھا اور جنگلی بیلین چٹی ہوتی تھیں۔ کئی جگہوں سے پانی بھی ٹپک رہا تھا۔ راستہ خطرناک اور پیچ دار تھا۔ ایک جگہ چٹان کے اوپر ایک بہت بڑی پھپکی منہ کھولے انہیں جھک کر دیکھ رہی تھی۔ تھیو سانگ اسے پتھر مارنے لگا تو ناگ نے کہا۔

”اسے کچھ نہ کہو تھیو سانگ! یہ ہماری دوست ہے۔“

یہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔“

پھپکی آہستہ آہستہ پیچھے کھسکی اور پھر اندھیرے میں غائب ہو گئی۔ ماریا نے کہا۔

”ایسی بڑی پھپکیاں ہم نے آج سے چار پانچ ہزار برس پہلے افریقہ کے جنگلوں میں دیکھیں تھیں۔“

اسی طرح آپس میں باتیں کرتے وہ جنگل کی اندھیری رات میں چلے جا رہے تھے۔ اب ڈھلان ختم ہو گئی تھی۔ اور وادی شروع ہو چکی تھی۔ ناگ آگے آگے تھا۔ پیچھے ماریا اور اس کے پیچھے تھیو سانگ تھا۔ بریل تھیو سانگ نے اپنی کمر کے گرد باندھ رکھا تھا۔ چلتے چلتے اچانک ناگ رُک گیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پیچھے ناگ اور ماریا کو بلایا۔

ناگ نے کہا۔ ماریا اور تھیو سانگ وہیں گھاس پر بیٹھ گئے۔ ناگ نے گھاس پر بیٹھ گیا۔ پھر پیچھے کھسک کر ان کے پاس آیا۔ اور سرگوشی میں بولا۔

”مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آگے کوئی انسان موجود ہے۔“

ماریا اور تھیو سانگ کچھ کہنے لگے ہی تھے کہ ناگ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر چپکے آنکھوں کے سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ ”ٹھک۔“ کی آواز کے ساتھ ایک زہریلا تیر تھیو سانگ اور ماریا کے سر کے اوپر پیچھے درخت کے تنے میں آن لگا۔ تھیو سانگ اور ماریا نے سر نیچے کر لیا۔ ناگ نے ابھی اپنا سر نیچے کر لیا اور آہستہ سے بولا۔

”میں آگے جا کر دیکھتا ہوں۔ تم یہیں رہنا۔“

یہ کہہ کر ناگ نے فوراً ایک سیاہ سانپ کی شکل اختیار کی اور تیزی سے رینگتا ہوا اس طرف چلا۔ جاہر سے تیر آیا تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گھاس اور جھاڑیوں میں سے گزرتا ہوا ایک بہت بڑے درخت کے عقب میں آیا تو اسے انسانوں کے قدموں کی پتوں پر بھاگنے کی آواز سنائی دی ناگ نے پھٹن اٹھا کر اندھیرے میں دیکھا۔ وہ اندھیرے میں بڑی اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا۔ اسے درخت کے پیچھے سے ہو کر دو آدمی اس



طرف جاتے نظر آئے۔ جدھر ماریا اور تھیوسانگ پیچھے ہوئے تھے۔

ناگ اُچھل کر ان آدمیوں کے پیچھے بھاگا۔ اس نے دیکھا کہ دونوں آدمی جنگلی تھے۔ ان کے ہاتھوں میں تیرکمان تھے۔ جسم رنگے ہوئے تھے۔ کمر کے گرد کیلوں کے پتوں کی بھار لپیٹ رکھی تھی۔ وہ دبے پاؤں آگے بڑھ رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے ماریا اور تھیوسانگ کو دیکھ لیا ہے اور اب انہیں تیر مار کر بے ہوش کرنے والے ہیں۔ کمانیں ان کے ہاتھوں میں ایسی پکڑی ہوئی تھیں کہ ان پر تیر پڑے تھے۔

ناگ رنگتا ہوا ان کے پیچھے بالکل قریب آ گیا۔ جانے کیا بات تھی کہ جنگلی آدم خوروں کو شاید سانپ کی بو آگئی تھی۔ وہ ایک دم سے رُک گئے۔

انہوں نے جھک کر عود سے زمین پر دیکھا۔ ناگ فوراً ایک جھاڑی کے پیچھے ہو گیا۔ پھر اس نے زور سے پھینکا مادی۔ آدم خور جنگلی پیچھے بیٹے اور انہوں نے ناگ پر زہریلے تیروں چلا دیئے۔ دونوں تیر ناگ کے دائیں بائیں زمین پر آ کر گئے۔ ناگ نے پھنکا مادی تے ہی چھلانگ لگائی اور ایک آدم خور وحشی گردن پر جا کر لگا۔ اور فوراً اسے ڈس دیا۔

ادھر ف اتنا زہر داخل کیا کہ وہ بے ہوش ہو جائے۔ ناگ کے زہر سے بچنا ناممکن تھا۔ آدم خور فوراً کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر گر پڑا۔

اسے گرتا دیکھ کر اس کا ساتھی گھبرایا۔ اس نے سانپ کو اپنے ساتھی کی گردن میں دیکھ لیا تھا۔ جنگلی نے فوراً خنجر نکال لیا اور ناگ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ ناگ نے دوسری بار پھلانگ لگائی اور اس بار دوسرے آدم خور وحشی کے پاؤں میں آکر اس کو ڈس دیا۔ دوسرا وحشی بھی وہیں ڈھیر ہو گیا۔ ناگ وہاں سے رنگتا ہوا سیدھا ماریا اور تھیوسانگ کے پاس پہنچا اور انہیں سارے حالات سے باخبر کیا۔ وہ انسان روپ میں واپس آ گیا تھا۔ اب انہوں نے اس بات پر غور کرتا شروع کیا کہ انہیں کس طرح سے کس صورت میں آدم خور قبیلے کی طرف جانا چاہیے۔ ماریا نے کہا۔

”کامجو کبالی یقیناً اسی قبیلے کے سردار کی بیٹی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ ناگ کو پہلے جا کر اس لڑکی کے بارے میں معلوم کرنا چاہیے۔ کہ وہ اسی قبیلے میں رہتی ہے۔“ تھیوسانگ نے بھی ناگ کو یہی مشورہ دیا۔ ناگ نے کہا۔

”پھر ایسے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اس وادی میں کوئی ایسی جگہ تلاش کرتے ہیں۔ جہاں تم دونوں چھپ



جاؤ اور آدم خوروں کے زہر یلے تیروں سے محفوظ رہو۔ اتنی دیر میں قبیلے کی طرف نکل جاؤں گا اور وہاں سے ساری معلومات حاصل کروں گا تمہارے پاس آجاؤں گا۔“

ماریا اور تھیوسانگ نے اس تجویز کو پسند کیا اور وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں چل پڑے جہاں تھیوسانگ اور ماریا چھپ سکتے تھے۔ ناگ اب انسانی شکل میں آگے آگے جا رہا تھا۔ وادی اب کھلی ہو گئی تھی۔ سبزے کا ایک میدان اندھیرے میں گہرا سبز نظر آ رہا تھا۔ اس سے ذرا آگے درختوں کے جھنڈ شروع ہو جاتے تھے۔ ان درختوں میں ایک جگہ آگ جلتی دکھائی دے رہی تھی۔

ناگ نے کہا۔

”یہ آگ قبیلے کے جھونپڑوں کے باہر ہی روشن ہے۔

ہمیں یہیں کہیں کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنی ہوگی۔“

لیکن وہاں کوئی غار یا کھوہ یا شکاف نہیں تھا۔ ناگ نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ تم دونوں یہاں کسی بھی درخت

پر چسڑھ کر شاخوں میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ اس سے

بتر جگہ ہاں اور کوئی نہیں ہے۔“

ناگ نے کہا۔

”میرے خیال میں وہ کوئی والا درخت ٹھیک ہے۔ گا۔ یہاں سے ہمیں قبیلے کے جھونپڑے اور ان کی آگ بھی جلتی نظر آئے گی۔“

ناگ نے درخت کو قریب سے جا کر دیکھا۔ یہ کافی گھٹنا درخت تھا۔ اور اوپر شاخوں نے چھتریاں سی بنا رکھی تھیں۔ تھیوسانگ اور ماریا اس درخت پر چڑھ کر اس کی شاخوں میں ابھی طرح چھپ کر بیٹھ گئے۔ ناگ نے عقاب کی شکل اختیار کی اور اس طرف اڑ گیا۔ جدھر درختوں میں آگ روشن تھی۔ جب وہ درختوں کے اوپر پہنچا تو دیکھا کہ نیچے درختوں کے درمیان ایک کھلی جگہ ہے۔ جہاں گول دائرے میں جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔ یہ بانس کے جھونپڑے تھے۔ ان کے درمیان کھڑیاں جوڑ کر آگ جلائی گئی تھی۔ آگ ہلکی ہو گئی تھی اور اس میں سے ہلکا ہلکا دھواں اوپر کو اٹھ رہا تھا۔ وہاں جنگلی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ناگ ایک درخت کی شاخ پر بیٹھ گیا۔ اور جھونپڑوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ کوئی جھونپڑوں سے باہر آئے تاکہ وہ پتہ کر سکے کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا ان میں کبالی کا بچہ کی شکل میں رہتی ہے کہ نہیں۔ مگر جھونپڑوں پر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی جھوٹی ہے کہ نہیں۔ ایک طرف سے ایک جنگلی بھاگتا ہوا آیا اور



اس نے حلق سے ایک چیخ نکالی۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر جھونپڑیوں میں سے جنگلی باہر نکل آئے اور اس کو گھیر لیا۔ جنگلی نے پیچھے اشارہ کیا۔ بارہ سے چار آدمی ان جنگلیوں کو اٹھائے لیے آ رہے تھے۔ جن کو ناگ نے تھوڑی دیر پہلے ڈس کر بے ہوش کیا تھا۔ انہوں نے دونوں بے ہوش جنگلیوں کو آگ کے پاس لا کر زمین پر بٹا دیا۔ اتنے میں ایک جھونپڑی میں سے ان کا سردار بھی نکل آیا اس کے سر پر مود کے پروں کا تاج تھا۔ سارے جنگلی رے پرے ہٹ گئے۔ سردار نے جھک کر بے ہوش جنگلیوں کو دیکھا۔ وہ انہیں ہوش میں لانے کے جتن کرنے لگے۔ مگر ناگ کے زہر کا اثر دور کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ یہ زہر بارہ گھنٹوں کے بعد ہی خون سے ختم ہو سکتا تھا۔ بارہ گھنٹوں سے پہلے ان آدمیوں کو کوئی بھی ہوش میں نہیں لا سکتا تھا۔

سردار نے جنگلی سے کہا۔

”اے سانپ نے نہیں ڈسا۔ اگر سانپ ڈستا تو یہ مرجھاتے۔ اے کسی دشمن قبیلے کے آدمی نے زہر لا تیر مار کر بے ہوش کیا ہے اور پھر تیر ان کے جسموں سے نکال دیئے۔ دشمن ضرور ہمارے آکس پاس

ہوگا۔ ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔“

اسی وقت سردار کے حکم سے دس بارہ جنگلی زہریلے تیر اور نیزے لے کر جنگل میں ادھر ادھر پھیل گئے۔ سردار کے حکم سے بے ہوش جنگلیوں کو ایک جھونپڑے میں پہنچا دیا گیا۔ ابھی تک کسی بھی جھونپڑے سے کوئی عورت یا لڑکی باہر نہیں نکلی تھی۔ کوئی عورت باہر آتی تو ناگ دیکھ کر پتہ کرتا کہ ان میں کوئی کبالی کی شکل کی لڑکی ہے کہ نہیں؟ ناگ عقاب کی شکل میں درخت پر خاموش بیٹھا رہا۔ سارے جنگلی اور سردار واپس اپنے اپنے جھونپڑوں میں چلے گئے۔ عقاب اب صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ کیونکہ دن نکلنے پر ہی کوئی عورت جھونپڑی سے باہر آ سکتی تھی۔ دوسری طرف ایک جنگلی دشمن کی کھوج میں چلتا ہوا اس درخت کے قریب آ گیا جس کی شاخوں میں ماریا اور تھیو سانگ چھپے ہوئے تھے۔ نہ جانے کیا بات ہوئی کہ عین اس وقت ماریا کی ہنڈلی پر ایک جیونٹی چڑھ گئی اور اس نے زور سے کاٹ دیا۔ ماریا کے حلق سے ہلکی سی آواز نکل گئی۔ آواز کو سنتے ہی جنگلی ایک دم سے بھاڑی میں کود گیا۔ اور اس نے درخت کی طرف نشانہ باندھ کر زہریلا تیر چلا دیا۔ تیر تھیو سانگ کے سر کے اوپر سے نکل کر ایک ٹہنی میں کھب گیا۔



تھیو سانگ نے دھڑام سے نیچے پھلانگ لگا دی۔ اور اس سے پہلے کہ جنگلی اپنے حلق سے کوئی چیخ کی آواز نکال کر دوسرے آدمیوں کو خبردار رتا۔ تھیو سانگ نے اس کی گردن پکڑ لی۔ اور اسے اپنی خاص انگلی لگا دی۔ انگلی کے گتے ہی جنگلی انگوٹھے جتنے سائز کا ہو گیا۔ اپنے آپ کو اتنا پھوٹا دیکھ کر وہ انتہائی خوفزدہ ہو گیا اور ہلکی ہلکی چیخیں مارنے لگا۔ یہ چیخیں اتنی کمزور تھیں کہ سوائے تھیو سانگ کے اور کوئی نہیں سن سکتا تھا۔ تھیو سانگ نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگلی کو اٹھا کر اپنی جیب میں ڈالتا چاہتا تھا کہ وہ اچھلتا کودتا۔ جھاڑیوں کی گھاس میں غائب ہو گیا۔ تھیو سانگ نے جگہ جگہ اسے تلاش کیا مگر جنگلی اسے نہ ملا۔

تھیو سانگ کو اوپر سے ماریا نے آواز دی۔

”اوپر کیوں نہیں آتے تھیو سانگ! کیا ہوا؟“  
تھیو سانگ بھاگ کر درخت پر چڑھ گیا۔ اور بولا۔  
”آدم خور جنگلی تھا۔ میں نے اسے چھوٹے سائز کا بنا دیا تھا۔ مگر وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے۔“  
ماریا نے کہا۔

”میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے کسی دوسری جگہ پھسپ جانا چاہیئے۔ یہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔ اور ناگ

بھی ابھی تک واپس نہیں آیا۔“

تھیو سانگ بولا۔

”ناگ ہمیں جس جگہ چھوڑ گیا ہے۔ ہمیں اسی جگہ رہنا چاہیئے۔ اگر تم آواز نہ نکالتیں تو یہ جنگلی کبھی ہم پر تیر نہ چلاتا۔“

ماریا نے کہا۔

”میں کیا کروں۔ مجھے بڑی ظالم جیونٹی نے کاٹ لیا تھا۔“

تھیو سانگ کہنے لگا۔

”خیر اب ہمیں کم از کم دن نکلنے تک تو اسی جگہ رہنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے ناگ تھوڑی دیر بعد یہاں آجائے۔“

انہوں نے اپنے آپ کو پتوں میں اچھی طرح چھپا لیا۔ دوسری طرف وہ جنگلی جو انگوٹھے جتنے سائز کا ہو گیا تھا۔ گھاس میں دوڑتا ہوا اپنے جھونپڑوں کی طرف چلنے لگا۔ گھاس کے خوشے اسے اوپنے اوپنے درخت نظر آ رہے تھے۔ دوڑتا بھاگتا آخر وہ جھونپڑوں کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک جھونپڑی میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس جھونپڑے میں سے دو جنگلی چیختے چلاتے شور مچاتے ڈرے ہوئے باہر



نکل آئے۔ شور کی آواز سن کر عقاب نے بھی شاخ پر سے جھک کر نیچے دیکھا۔ آگ کے آلاؤ کی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ ایک انگوٹھے جتنا جنگلی ہاتھ اٹھا اٹھا کر شور مچا رہا ہے۔ اُچھل رہا ہے اور دوسرے جنگلی پرے پرے کھڑے اسے ڈری ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہ کارستانی تھیوسانگ کی ہو سکتی ہے۔ یہ جنگلی ان کے درخت کی طرف گیا ہو گا۔ اور وہاں یہ واقعہ ہو گیا۔ دوسرے جنگلیوں کے شور پر سردار بھی باہر نکل آیا۔ اس نے جو اپنے ایک آدمی کو تنھے سے چوہے کی طرح اُچھلتا کوڑتا دیکھا تو وہ بھی ڈر گیا۔ اور پیچھے ہٹ کر بولا۔

”اس نے دیوتا کے آگے ضرور گستاخی کی ہو گی۔ جنگل کے دیوتا نے اسے انسان سے چوہا بنا دیا۔ اسے آگ میں پھینک دو۔“

اور عقاب ناگ کے دیکھتے دیکھتے ایک جنگلی نے ننھے جنگلی کو اٹھا کر آگ میں پھینک دیا۔ اس کے آگ میں گرنے اور جل کر بھسم ہونے کا کچھ پتہ ہی نہ چلا۔ سردار نے حکم دیا۔

”آگ کے دیوتا کی پوجا شروع کرو۔ وہ ناراض ہو گیا ہے۔ اُسے لالسی کرو۔ ہم نے اُس کے مجرم کی قربانی دے دی ہے۔ اس کے گرد رقص کرو۔“

وہاں سارے جنگلی آگئے۔ اور انہوں نے آگ کے گرد رقص کرنا شروع کر دیا۔ تھیوسانگ اور ماریا نے جھونپڑیوں کی طرف سے دھول تاشوں اور جنگلیوں کے گانے کی آوازیں سنیں تو سمجھ گئے کہ جنگلی پوجا کر رہے ہوں گے۔ پہلی بار ناگ نے جھونپڑیوں کے آگے کچھ عورتوں کو دیکھا۔ جو باہر نکل رہی تھیں۔ اور رقص کر رہی تھیں۔ جب یہ عورتیں آگ کے گرد رقص کرنے لگیں تو ناگ نے غور سے ان کو دیکھنا شروع کیا۔ آگ میں سوکھی لکڑیاں ڈال دی گئیں تھیں۔ ان کے شعلے بلند ہوئے اور ان کی روشنی عورتوں کے چہرے پر پڑ پڑی۔ ناگ نے دیکھا تو اسے کبالی کی شکل کی وہاں کوئی بڑی دکھائی نہ دی۔ وہ سوچنے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس رقص میں سردار کی بیٹی کا جو شامل نہ ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ پھر اسے جھونپڑیوں کے اندر جا کر سردار کی بیٹی کو دیکھنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے وہ سردار کی جھونپڑی میں موجود ہو۔ ناگ یہ سوچ کر ڈالی پر سے اُڑ گیا۔ اور سردار کی جھونپڑی کی دوسری طرف آ کر اس نے ایک چھوٹے سانپ کی شکل اختیار کی اور آہستہ آہستہ رنگتا ہوا سردار کی جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔



## باپ کی خوشی

ناگ نے دیکھا کہ اندر سے بھونپڑی خالی تھی۔  
 کونے میں ایک چراغ روشن تھا۔ فرش پر شیر کی کھال کا  
 بچھونا بچھا تھا اور سرہانے کی جانب چاندی کا بکری کا ایک  
 سینگوں والا چھوٹا بت کھٹا تھا۔ اب ناگ کو ہانی ہوئی  
 کہ اگر کہالی یہاں بھی نہیں ہے تو سردار کی بیٹی یہاں ہوتی  
 اسے باہر سے کسی کے قدموں کی دھمک سنائی دی۔ ناگ فوراً  
 ایک بورن کے پیچھے چھپ گیا۔ بھونپڑی میں سردار زمین پر زور  
 زور سے پاؤں رکھتا داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک جانگلی  
 بھی تھا۔ سردار آتے ہی پریشانی کی حالت میں بچھونے پر بیٹھ  
 گیا اور آنکھیں زور سے بند کر کے کچھ سوچنے لگا۔ اس کا  
 غلام جانگلی ادب سے سامنے ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا۔  
 سردار نے ایک دم سے آنکھیں کھولیں اور غصے سے بولا۔

”یہ سب میرے دشمن قبیلے کے سردار کی کارستانی  
 ہے۔ اس نے میرے لوگوں پر جادو کرنا شروع کر دیا

ہے۔ میں نے اس خیال سے اسے اگنی دیتا کے  
 نام منسوب کیا تھا کہ کہیں میزے آدمیوں میں گھبراہٹ  
 نہ پھیل جائے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ سب کچھ  
 میرا دشمن کر رہا ہے۔“  
 جانگلی نے ادب سے کہا۔

”سردار! اس کو بھی تو ہم نے زبردست شکست دی  
 ہے۔ تین بار اس کے سینکڑوں آدمیوں کو ہلاک کر  
 ڈالا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی بیٹی کو اغوا  
 کر کے قید کر رکھا ہے۔“  
 سردار بولا۔

”میں اس کی بیٹی کو اب زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں  
 اس کا سر کاٹ کر آج ہی اس کے پاس پہنچا دوں گا۔“  
 جانگلی نے کہا۔

”اس سے تو بہتر ہے سردار کہ تم اس سے شادی  
 کر لو۔ اس سے زیادہ دشمن قبیلے کی بے عزتی  
 نہیں کی جا سکتی۔“

سردار غضب ناک ہو گیا۔

”میں دشمن کی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔ میں  
 اس کی اولاد کا باپ نہیں بنوں گا۔ میں آج ہی اس



کی گردن اتروا کر اس کے باپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ بتاؤ لڑکی کی نگرانی اچھی طرح سے ہو رہی ہے؟ جاٹنگلی نے فوراً جواب دیا۔

”سردار! دس آدمی اس کنوئیں پر دن رات پہرہ دے دیتے ہیں۔ آپ حکم کریں۔ میں ابھی اس لڑکی کا سر اتار کر آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔“ سردار اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بے چینی سے ٹھٹھنے لگا۔ کبھی ہاتھ ملتا۔ کبھی ماتھے پر انگلیاں دگڑتا۔ اس نے اپنا مور کا تاج اتار کر پھونے پر رکھ دیا تھا۔

”ک کر بولا۔

”اپنے آدمیوں سے کہو۔ آج شام ہم دشمن کے قبیلے پر بھرپور حملہ کریں گے۔ دوپہر کو میں دشمن کے سردار کی بیٹی کا سر کاٹ کر اس کے باپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔“

یہ کہہ کر سردار نے اپنی کمر سے لگا ہوا خنجر نکالا اور بکری کے سینگوں والے بت کے سامنے زمین میں زور سے گاڑ دیا۔ پھر چلا کر کہا۔

”اگنی دیوتا! ہمیں دشمن پر فتح دے۔ مجھے دشمن کا سر عطا کر۔“

۱۰۷  
وہ بت کے آگے سجدے میں گر گیا۔ اس کا جانگلی ساتھی بھی سجدے میں گر گیا۔ ناگ یہ ساری کاروائی بوری کے پیچھے چھپا دیکھ رہا تھا۔ اس نے سردار اور اس کے ساتھی کے درمیان ہونے والی باتیں بھی سنیں تھیں۔ اسے کچھ کچھ شک ہوا کہ شاید کابو یعنی کبالی اپنے نئے جنم میں دشمن سردار کی بیٹی ہوگی جس کے قبیلے پر یہ سردار حملہ کرنے والا ہے۔ اور جس کا سر اتار کر دشمن سردار کو بھیجا جا رہا ہے۔ ایک بات تو ثابت ہو چکی تھی کہ کابو کبالی اس سردار کی بیٹی نہیں ہے۔ اب ناگ دوسرے یعنی اس سردار کے دشمن قبیلے کا کھوج لگانا چاہتا تھا۔ تاکہ وہاں جا کر کابو کبالی کا سراغ لگائے۔ ناگ آہستہ سے بوری کے پیچھے سے ریگ کر باہر آگیا۔ باہر رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا تھا۔ ناگ نے عقاب کی شکل بدلی اور فضا میں اڑتا ہوا ہوا مایا اور تھیوساگ کے پاس آگیا انہیں سامنے بات بیان کی اور وہ درخت سے نیچے اتر آئے۔

تھیوساگ نے کہا۔

”سب سے پہلے تو ہمیں اس لڑکی کا پتہ چلانا چاہیے۔

جس کا یہ سردار سر اتار کر اس کے باپ کو بھیج رہا ہے۔“

ماریا بولی۔



”مجھے یقین ہے کہ وہی کا بو ہو گی۔ یعنی وہی کبالی اپنے  
دوسرے جہنم میں زندہ ہو گئی ہو گی۔“  
ناگ نے کہا۔

”اے اسی جنگل میں کسی کنوئیں میں قید کیا گیا ہے۔  
جہاں کچھ جنگلی پرہ دیتے ہیں۔ اگر ہم اس کی مدد کو  
نہ پہنچے تو آج دوپہر تک اس کی گردن کاٹ دی جائے  
گی۔“

تھیوسانگ نے کہا۔

”اس سلسلے میں تو تم ہی سراع لگا سکتے ہو  
ناگ!“  
ناگ بولا۔

”ہمیں صبح ہونے کا انتظار کرنا ہو گا۔“

تینوں دوست یعنی ماریا تھیوسانگ اور ناگ اسی بڑے  
درخت کی ادٹ میں جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھ کر صبح ہونے  
کا انتظار کرنے لگے۔ ناگ نے انہیں اس جانگلی کا واقعہ بھی  
سنایا۔ تھیوسانگ نے انگوٹھے جتنا بنادیا تھا۔ اور سردار  
نے اسے دشمن سردار کی جادوگری سمجھ کر یہ جھوٹ موٹ  
اعلان کر کے آگ میں پھینکوا دیا کہ اس نے اگنی دیوتا کی توہین  
کی ہو گی۔ تھیوسانگ نے بتایا کہ وہ جانگلی یہاں آیا تو ماریا

یونانی نے کاٹا۔ اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور  
ناگ نے ہم پر تیر برسوں کے شروع کر دیئے۔ پھر میں نے  
پہر چھلانگ لگا کر اسے چھوٹا بنادیا مگر وہ کم بخت بھاگ  
پڑا۔ اس طرح باتیں کرتے کرتے صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے  
ناگ نے کہا۔

”تم لوگ اسی درخت پر چڑھ کر بیٹھ جاؤ۔  
میں اس اندیش کو تلاش کرتا ہوں۔ جس میں دشمن سردار  
کی بیٹی قید ہے۔“

یہ کہہ کر ناگ نے سانپ کا روپ بدلا اور وہاں سے  
ایک طرف کو روانہ ہو گیا۔

تھیوسانگ اور ماریا ایک بار پھر درخت کی شاخوں میں  
چھپ کر بیٹھ گئے۔ ناگ نے بڑی تیزی سے وادی میں  
ایک طرف چکر لگایا۔ پھر دوسری طرف نکل گیا۔ اسے کوئی  
کواں نہ ملا۔ اس نے سوچا کہ اسے عقاب بن کر سراع لگانا چاہیے  
وہ سانپ سے عقاب بن کر فضا میں بلند ہو گیا۔ عقاب کی شکل  
میں اب اوپر سے نیچے ہر شے اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا۔ اس  
نے ساری وادی کا ایک پورا چکر لگایا۔ ایک جگہ وادی کے  
کونے میں درخت کے نیچے چار جانگلی نظر آئے جو نیزے لیے



جھاڑیوں کے پاس چپ چاپ کھڑے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آئے ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ لگتا تھا کہ وہ پہرہ دے رہے ہیں۔ ناگ نیچے آگیا اور اس درخت پر آکر بیٹھ گیا۔ جس کے نیچے یہ جانگلی پہرے پر کھڑے تھے۔ اب اسے درخت کے قریب ہی ایک کنواں دکھائی دیا۔ جس کو اوپر سے آدھا ڈھانپ دیا گیا تھا۔ کنوئیں کے اوپر بھی ایک جانگلی نیزہ لیے کھڑا تھا۔

یہی وہ کنواں ہو سکتا تھا جس کے اندر دشمن سردار کی بیٹی قید تھی۔ ناگ نے حالات کا جائزہ لیا۔ غور کیا۔ آخر اس نے ایک فیصلہ کیا۔ اور درخت کی ٹہنی پر سے اڑکر جھاڑیوں کے پیچھے آگیا۔ یہاں اترتے ہی ناگ نے انسان کی شکل بدلی لی۔ وہ جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اور اس نے حلق سے شیر کی آواز نکالی۔ اور آواز نکالنے کے فوراً بعد ناگ کی شکل بدل کر دوسری طرف چلا گیا۔ شیر کی آواز پر جانگلی نیزے لیے اس طرف آگئے۔ اب صرف کنوئیں والا جانگلی ہی وہاں رہ گیا تھا۔

ناگ یہی چاہتا تھا۔ وہ سانپ کی شکل میں رہیگتا ہوا تیزی سے کنوئیں کی طرف چلا۔ پہرے دار جانگلی کے پیچھے سے ہو کر وہ کنوئیں میں اتر گیا۔ اس نے کنوئیں میں اترتے

یہ محسوس کیا کہ اندر گہرا اندھیرا ہے اور کسی لڑکی کے آہستہ آہستہ آنے کی آواز آرہی تھی۔ ناگ کنوئیں کی دیوار پر سے رہیگتا ہوا۔ کنوئیں کی تہہ میں آگیا۔ اس نے دیکھا کہ کنواں خشک ہے۔ اس میں پانی باطل نہیں ہے۔ اندھیرے میں اسے ایک لڑکی کنوئیں میں سر دیتے بیٹھی نظر آئی۔ وہ رو رہی تھی۔ آہستہ آہستہ نکلیاں لے رہی تھی۔ ناگ کو وہ نہ دیکھ سکی تھی۔ ناگ ویسے ہی سانپ کی شکل میں تھا۔ کنوئیں کی دیوار کے اندھیرے میں تھا۔ وہ اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ کیا یہی لڑکی کا جو ہے۔ جس میں کبالی نے دوسرا جنم لیا ہے؟ لیکن سب سے اہم بات سب سے پہلے اس لڑکی کی جان بچانا تھا۔ کیونکہ کچھ دیر بعد اس لڑکی کا سر اتار دیا جانے والا تھا۔ ناگ نے ہلکی سی سیٹی کی آواز نکالی۔

اس آواز کو سن کر لڑکی نے گھٹنوں میں سے سر اوپر اٹھا کر دیکھا۔ ناگ تو اسے اندھیرے میں نظر نہ آیا مگر ناگ کی آنکھوں نے اندھیرے میں بھی اسے پہچان لیا اور بے حد حیران بھی ہوا۔ کیونکہ یہ ہو بہو کبالی کی شکل کی لڑکی تھی۔ یعنی وہی عورت تھی جو بوڑھی ہو کر مر گئی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہی بوڑھی عورت پھر سے بھرپور جوان ہو گئی ہے۔ ناگ کی جب نلی ہو گئی تو وہ اندھیرے میں ہی دیوار پر سے رہیگتا کنوئیں



کے منہ پر آگیا۔ جانگلی اسی طرح پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ  
کنوئیں کی منڈھیر کے پیچھے چھپ گیا۔

دوسری طرف سے چاروں جانگلی اس کے قریب آ رہے  
تھے۔ انہوں نے کنوئیں والے جانگلی پہرے دار کو بتایا کہ شیر کی  
آواز ضرور آئی تھی۔ مگر وہ دھاڑ کر بھاگ گیا ہے۔ اب  
سب ٹھیک ہے۔ قیدی لڑکی کنوئیں میں ہی ہے ناں؟  
پہرے دار نے نیچے جھانک کر دیکھا اور کہا۔

”ہاں! وہ کنوئیں کے اندر ہی ہے۔ مگر سردار  
اسے کب تک قید رکھنا چاہتا ہے؟“  
ایک جانگلی نے کہا۔

ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ سردار آج کسی بھی  
دقت اس قیدی لڑکی کا سرکاٹ کر اس کے باپ  
کے پاس بھجوانے کا ارادہ رکھتا ہے۔  
پہرے دار جانگلی نے ہنس کر کہا۔

”شکر ہے۔ ہماری بھی جان چھوٹے گی۔“

چاروں جانگلی واپس اپنے اپنے پہرے پر چلے گئے۔ کنوئیں  
والا جانگلی بھی اپنے پہرے پر کھڑا ہو گیا۔ ناگ منڈھیر کے  
پیچھے سے نکل کر آہستہ آہستہ سنبھل سنبھل کر دیکھتا اس  
کے قریب آیا۔ پہرے دار جانگلی کا منہ دوسری طرف تھا۔ ناگ

کر سکتا تھا۔ اس نے پہرے دار کے پاؤں پر ڈس دیا۔  
پہرے دار جانگلی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک سیاہ سا بچہ چاروں  
پہرے داروں کے گھس رہا تھا۔ پہرے دار نے دہشت سے چیخ ماری۔

”سانپ! سانپ! پیچھے! سانپ نے ڈس لیا ہے۔“  
وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ باقی جانگلی اس کی طرف دوڑے۔  
ان کو زہر کا توڑ معلوم تھا۔ انہوں نے فوراً ایک درخت کی ٹہنی

ٹوڑ کر اس کا کرس بے ہوش ہوتے پہرے دار کے منہ میں  
پٹکایا۔ مگر یہ زہر کسی معمولی سانپ کا زہر نہیں تھا۔ یہ ناگ دیتا  
کا زہر تھا۔ اس کا کاٹا تو پانی بھی نہیں مانگتا تھا۔ جانگلی اس  
کو بھٹکے اس کو ہوش لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کہ

ناگ ایک بہت بڑے اژدہ کی شکل میں درختوں کے پیچھے  
نکلے۔ یہ ایک بہت ہی بھیانک قسم کا اژدہ تھا۔ جس کا سر شیر  
کے بھی زیادہ بڑا تھا۔ اور اس کے منہ سے سانس کے ساتھ  
آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ ناگ اس بھیانک اژدہ

کی شکل میں اتنی تیزی سے درخت کے پیچھے سے نکل کر جنگل  
آدمی خوروں کے سر پر آگیا کہ انہیں بھاگنے کی فرصت ہی نہ  
ہوئی۔ ناگ انہیں بھاگنے کی فرصت دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ ناگ  
ایک ہی جھلے میں ان چاروں کو اگلی دنیا میں پہنچا دینا چاہتا  
تھا۔ یہ آدم خور تھے۔ انہوں نے نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں



اور جنگل میں بھولے جھٹکے مسافروں کو بھون کر کھالیا تھا۔  
اب ان کا انجام بھی یہی ہونا چاہیئے تھا۔ جو ناگ کے  
ذہن میں تھا۔

آدم خور جانگلی اژدہا کو دیکھ کر ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔  
دہشت سے اُن کے ہاتھ پیر کاپٹنے لگے۔ انہوں نے  
اتنا بڑا ہاتھ جتنا اژدہا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایکدم  
سے دوڑے مگر اسی لمحے اژدہا کے منہ سے آگ کا ایک  
لبا شعلہ نکلا۔ جس نے چاروں آدم خوروں کو اپنی پلیٹ میں  
لے لیا۔ چاروں آدم خور جل کر راکھ ہو گئے۔ اژدہا کے  
منہ سے نکلی ہوئی آگ اس قدر تیز اور غضبناک تھی کہ کسی  
بھی جانگلی کی ایک ہلکی سی چیخ بھی نہ نکل سکی۔ اور وہ وہیں  
راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ ناگ کے لیے میدان صاف تھا۔ اس  
نے فوراً انسان کی شکل بدلی۔ دزخت پر لٹکی ہوئی جنگلی بیل  
کو کاٹ کر اس کا ایک رستہ بنایا اور کنوئیں میں لٹکا کر آواز  
دی۔

”اس رستے کو چرا کر باہر آ جاؤ کا جو! مجھے تمہارے  
باپ نے بیبا ہے۔ ہلدی کرو۔ وقت نہیں ہے۔“  
نیچے سے رونے کی آواز ایک دم سے بند ہو گئی۔ ناگ  
نے رستی ابھرنے ہوئی تھی۔ اسے لڑکی نے نیچے سے پکڑ لیا اور

اوپر چڑھنے لگی۔ ناگ نے اوپر سے رستی کو مضبوطی سے  
تھام رکھا تھا۔ لڑکی کنوئیں سے باہر آئی تو ناگ نے اسے  
غدر سے دیکھا۔ وہ ایک ریڈ انڈین لڑکی تھی۔ جس کا رنگ  
نزد اور آنکھیں سیاہ تھیں۔ برازیل میں جو ریڈ انڈین قبیلے  
آباد ہیں۔ ان کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ اور آنکھیں اور سر  
کے بال سیاہ ہوتے ہیں۔ یہ لڑکی ہو۔ ہو کبالی کی شکل کی  
تھی۔ اس کا نام کاجو ہی تھا۔ یہ اُس بوڑھی کبالی کا نہ جانے  
کتنے ہزاروں جنم تھا۔ جو تھیوسانگ ناگ اور ماریا کے سامنے  
مر گئی تھی اور اب اس کی روح اس ریڈ انڈین لڑکی کا جو  
کے جسم میں حلول کر گئی تھی۔ جس کی شکل کبالی کی تھی۔  
کنوئیں سے باہر آتے ہی لڑکی نے ناگ سے پوچھا کہ وہ  
کون ہے۔ اسے اُس نے پہٹ اپنے قبیلے میں نہیں دیکھا۔  
ناگ، اسے ساتھ لے کر جنگل کے اندھیرے میں سے گزر رہا تھا۔  
ناگ نے کہا۔

”یہ باقیں پھر کسی وقت مہوں گی۔ ابھی میرے دو  
ساتھی بھی تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں  
ہم تمہیں تمہارے قبیلے میں پہنچانے کے لیے ہی یہاں  
آئے ہیں۔ تمہیں مجھ پر شک نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ  
تم دیکھ رہی ہو کہ کنوئیں کے باہر آدم خوروں کی لاشیں



پڑی ہیں۔

ریڈ انڈین لڑکی کا جو کے سیاہ بال اندھیرے میں اور بھی سیاہ نظر آ رہے تھے۔ وہ کسی ڈری ہوئی بہرنی کی طرح اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھتی ناگ کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ وہ خاموش تھی۔ جب ناگ نے درخت کے نیچے آ کر تھیوسانگ اور ماریا کو آواز دی تو کا جو نے پوچھا۔ کہ یہ لوگ کون ہیں؟ ناگ نے کہا۔

”میرے بہن بھائی اور تمہارے دوست ہیں۔“

تھیوسانگ اور ماریا درخت پر سے اتر آئے۔ انہوں نے اندھیرے میں ریڈ انڈین لڑکی کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ بوڑھی عورت نے بالکل صحیح کہا تھا۔ اس لڑکی کی شکل بالکل کبالی سے ملتی تھی۔ ماریا نے کا جو کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تمہارا قبیلہ یہاں کس جگہ ہے؟ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے۔“

کا جو نے جنگل کی ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اس پہاڑی کے پیچھے ہمارا قبیلہ آباد ہے۔“

وہ کبھی ماریا اور کبھی تھیوسانگ کو تکتی نہیں۔ ناگ نے کہا۔

”کا جو! ہمارے ساتھ آؤ۔ ہم تمہیں تمہارے قبیلے

تک لے چلتے ہیں۔“

ریڈ انڈین لڑکی کا جو نے کوئی جواب نہ دیا اور ناگ تھیوسانگ ماریا کے آگے آگے چلنے لگی۔ جنگل آگے بڑھا اور زیادہ گھنا ہو گیا۔ ایک ندی آگئی۔ انہوں نے تیر کر ندی پار کی اس کے آگے ایک گہری گھاٹی تھی۔ جس میں ایک آبشار گر رہی تھی۔ کافی دیر تک وہ گھاٹی میں چلتے رہے۔ گھاٹی سے باہر نکلے تو سامنے چھوٹی پہاڑی آگئی۔ اس پہاڑی کے پار کا جو کا قبیلہ تھا۔ رات کے پچھلے پہر تک وہ پہاڑی پر سفر کرتے رہے۔ آخر پہاڑی کی دوسری طرف پہنچے تو ڈھلان پر درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ پھیلے ہوئے تھے۔ پو پھٹ رہی تھی۔ وہ دیوار کے گنجان درختوں میں سے گزر رہے تھے۔ کہ اچانک ایک طرف سے ایک تیر ان کے قریب ہی درخت کے تنے سے آ کر لگا۔ تھیوسانگ اور ماریا پیچھے ہٹ گئے۔

ناگ نے کہا۔

”وہ یہ دشمن کے لوگ ہیں۔“

کا جو بولی۔

”یہ میرے قبیلے کے آدمی ہیں۔“

پھر اس نے حلق میں سے بلند آواز نکالی۔ یہ آواز کسی چیخ



سے ملتی جلتی تھی۔ چیخ کی آواز سنتے ہی درختوں میں سے کتنے ہی ریڈ انڈین ہاتھوں میں تیرکمان لیے نکل کر سامنے آ گئے۔ وہ کاجو کو دیکھ کر خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ پھر انہوں نے ناگ وغیرہ کے بارے میں پوچھا۔ کاجو نے انہیں بتایا کہ وہ ان کے دوست ہیں اور وہی اسے دشمن کی قید سے چھڑا کر لائے ہیں۔

وہ جنگل میں سے گزرتے کاجو کے قبیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگئے۔ ہر طرف شور مچ گیا کہ یہ دارو کی بیٹی کا بھائی ہے۔ سردار اور اس کی بیوی اپنی بھونپڑی سے نکل کر اس کی طرف بڑھے۔ انہوں نے کاجو کو گلے لگا لیا۔ ان میں بیٹی کو بار بار پیار کر رہی تھی۔ کاجو نے ناگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”بابا! یہ لوگ اپنی جان پر کھیل کر مجھے دشمن کے جنگل سے چھڑا کر لائے ہیں۔“

سردار نے ناگ ماریا تھیوسانگ کی بڑی عزت افزائی کی۔ ان کی خوب خاطر داری کی گئی۔ انہیں چشمے پر محروم کرنے سے منع کیا۔ انہیں اعلیٰ اور میٹھے پھل کھانے کو اور مشروب پینے کو دیا گیا۔ دوپہر کے بعد قبیلے کے لوگوں نے ناگ کی واپسی پر جشن منایا اور ڈھول کی تھاپ پر آگ کے گرد خوب

رقص کیا۔

ماریا تھیوسانگ اور ناگ ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ دن کی روشنی میں کاجو انہیں رقص کرتی ساف نظر آ رہی تھی۔ تھیوسانگ بولا۔

”میں حیران ہوں کہ یہ کیاراز ہے؟ اس بڑکی کی شکل اہرام میں بند ڈکھنی باپ کی بیٹی کبالی کے محسوس سے اتنی زیادہ ملتی ہے کہ کسی قسم کا شک ہو ہی نہیں سکتا۔ باری خدائی دنیا میں ایسا نہیں ہوتا کہ ایک روح ہزاروں سال بعد پھر اسی شکل میں کسی دوسری جگہ پیدا ہو جائے۔“

”ہندوستان میں ہندو قبیلے آباد ہیں ان کے ہاں ایسا ہوتا آیا ہے۔ یہ ان ہندوؤں کا اعتقاد ہے۔ اور جس چیز پر آدمی کا اعتقاد پختہ ہو جائے پھر وہ بات ہو کر رہتی ہے۔“

ماریا کہنے لگی۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر اب سوال یہ ہے کہ ہمیں اس ریڈ انڈین بڑکی کبالی عرف کاجو کو یہ بتانا ہے کہ اصل میں اس کا باپ پایان ہے جو اسے آج سے دس ہزار



برس پہلے اپنے برہنہ پر پوری سنایا کرتا تھا۔ یوں اس کی یادوں کو بیدار کر کے ہمیں اسے یہاں سے نکال کر لے جانا۔ ناگ نے کہا۔

”یہ لڑکی سردار کی بیٹی ہے اور اسے یہاں سے نکال کر لے جانا اتنا آسان نہیں ہے۔ خواہ لڑکی کی مرضی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا سردار باپ اسے ہرگز یہاں سے نہیں جانے دے گا۔ ماریا کہنے لگی۔

”پہلے ہم کاجو سے اس کے اصلی باپ کے بارے میں بات تو کریں۔ میرا مطلب ہے اسے برہنہ پر لوری تو سنا کر دیکھی جائے کہ اس کی یادداشت بیدار بھی ہوتی ہے کہ نہیں؟“  
تھیوسانگ بولا۔

”اس کی یادداشت تو ضرور بیدار ہو جانے کی سوال یہ ہے کہ برہنہ پر لوری اسے کہاں سنانی جانے لگی۔ ماریا نے سوچ کر کہا۔

”میں جنگل میں سیر کے بہانے کاجو کو لے جاؤں گی۔ تم پیچھے آنا اور اچانک جنگل میں ہم سے مل جانا پھر اس کے سامنے سارا بھید کھول دیں گے۔“

یہ خبر تینوں کو پسند آئی۔ شام کے وقت جب قبیلے کے لوگ مختلف کاموں میں لگے تھے اور عورتیں کھانا وغیرہ

لگانے میں مصروف تھیں ماریا نے کاجو سے کہا کہ میرا جنگل کی سیر کو دل چاہتا ہے۔ کاجو بھلا کیسے انکار کر سکتی تھی۔ وہ ماریا کو ساتھ لے کر جنگل کی طرف نکل گئی۔ جب وہ ایک چشمے کے پاس پہنچیں تو سوچی سمجھی سکیم کے مطابق تھیوسانگ اور ناگ بھی وہاں آگئے اور بولے کہ ہم بھی جنگل کی سیر کر رہے ہیں۔ کاجو انہیں بتانے لگی کہ اس چشمے کے پانی میں یہ تاثیر ہے کہ اگر کوئی اسے ایک سال تک پیتا رہے تو اس کی عمر ایک ماہ بڑھ جاتی ہے۔ اتنے میں تھیوسانگ نے برہنہ نکال لیا۔ کاجو نے برہنہ کو دیکھا اور بولی۔

”یہ کون سا ذہن ہے؟ کیا تم اس پر گاتے ہو؟“  
تھیوسانگ نے کہا۔

”ہاں! میں اس پر ایک لوری کی دھن بجایا کرتا۔ ہوں۔ جو مجھے بہت پسند ہے۔ کیا تم سنو گی؟“  
جنگلی لوگ میوزک کے بڑے شیدا بنے ہوئے ہیں۔ کاجو

نے کہا۔

”میں ضرور سنوں گی۔“

تھیوسانگ نے برہنہ پر انگلیاں پھیریں۔ اور لوری کی دھن بجانے لگا۔ ناگ اور ماریا بڑے غور سے کاجو کے چہرے کی طرف تک رہے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا۔



کہ لوری کی دھن کا اثر کاجو کے چہرے سے ظاہر ہو رہا ہے۔ وہ بڑے غور سے لوری کی دھن سن رہی تھی۔ پھر اُس کا سانس کچھ تیز ہو گیا۔ وہ کچھ گھبرا سی گئی اور جلدی سے اپنا ہاتھ بریٹ پر رکھ کر بولی۔

”اس دھن سے میرا دل گھبرا رہا ہے۔ اسے بند کر دو۔“

تھیوسانگ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور بولا۔

”کاجو! یاد کرو کہ تم نے یہ دھن پہلے کہاں سنی تھی؟ کاجو خاموش رہی۔ وہ تھیوسانگ کے بریٹ کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ آہستہ سے بولی۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، لگتا ہے یہ دھن بہت عرصہ ہوا کہیں سنی تھی؟ یاد نہیں آ رہا۔“

ماریا نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔

”کاجو! یاد کرو۔ اگر تمہیں یاد نہیں آتا تو میں بتائے دیتی ہوں۔ تھیوسانگ لوری کی دھن پھر بجاؤ۔“

تھیوسانگ نے بریٹ پر پھر وہی دھن بجاتی شروع کر دی۔ کاجو کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کچھ یاد کر رہی تھی۔ مگر اسے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ تھیوسانگ نے بریٹ

کی دھن اور تیز کر دی۔ ماریا نے کاجو کے کان کے پاس منہ لے لیا کہا۔

”کاجو! لوری کی یہ دھن تمہارا باپ تمہیں سنایا کرتا تھا۔ آج سے ہزاروں سال پہلے۔ اس ملک میں ایک شہر ہوتا تھا۔ اس کی ایک حویلی میں تم اپنے باپ کے ساتھ رہتی تھیں۔ رات کو جب تم سونے لگتیں تو

تمہارا باپ تمہیں ایسے ہی ایک بریٹ پر لوری کی دھن بجا کر سنااتا تھا۔ اور تمہیں نیند آ جاتی تھی۔ تمہارا باپ تم سے بے پناہ پیار کرتا تھا۔ پھر تمہیں ڈاکو اٹھا کر لے گئے۔ اور خدا جانے تم کہاں مر گئیں۔ پھر تمہارے جہنم شروع ہوئے۔ اور اس سے پہلے تم اسی ملک

کے ایک شہر کی حویلی میں بوڑھی ہو کر فوت ہوئی ہو۔ ہم تمہارے پاس بیٹھے تھے۔ اور تم نے یہ نیا جہنم لیا ہے۔ تمہارا اصلی نام کبالی ہے۔ کبالی! کبالی! —

اپنے دکھی باپ پایان کی اکلوتی بیٹی کبالی۔“

کاجو کے چہرے کا تاثر بدلنے لگا۔ تھیوسانگ نے بریٹ کی دھن آہستہ کر دی۔ اچانک کاجو نے تھیوسانگ کا ہاتھ تھام لیا اور گھبرا کر جذباتی انداز میں بولی۔

”میرا باپ کہاں ہے؟ مجھے میرے باپ سے



ملا دو۔ مجھے میرے باپ سے ملا دو۔“

اور وہ اپنے باپ کو یاد کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی یادداشت بیدار ہو گئی تھی۔ تھیو سانگ نے بربط بجاتا بند کر دیا۔ ناگ اور ماریا بڑے خوش ہوئے۔ ماریا نے کاجو عرف کبالی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولی۔

”کبالی! تمہارا بوڑھا باپ تمہاری جدائی میں

مردوں سے بدتر زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ

اہرام کے اندر ایک تابوت میں بند ہے۔ اُس نے

تمہارا مجسمہ میسر پر سجا رکھا ہے اور ہر رات تمہاری

یاد میں بربط پر یہی لوری بجاتا ہے اور تمہیں یاد

کر کے روتا رہتا ہے۔ تمہیں بے چین ہو کر آوازیں

دیتا ہے۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ تم اس سے

نہ بدوستی جدا کر دی گئیں تھیں۔“

کاجو یعنی کبالی کے آنسو نہیں ٹھکتے تھے۔ وہ اپنے باپ کو یاد کر کے ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ ناگ تھیو سانگ ماریا نے اسے حوصلہ دیا اور کہا۔

”ہمیں تمہارے باپ نے ہی تمہارے پاس بھیجا

ہے کبالی۔ ہم تمہیں لینے کے لیے ہی آئے ہیں۔

ہم تمہاری تلاش میں در بدر بھٹکتے پھر رہے تھے یہ

کبالی اٹھ کھڑی ہوئی اور بے تابی سے بولی۔

”مجھے میرے پیارے باپ کے پاس لے چلو۔ میں

اسے ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں اسے بتانا

چاہتی ہوں کہ میں زندہ ہوں۔ وہ میرے آنسو

نہ بہائے۔“

ناگ نے کہا۔

”ہم اس وقت چلنے کو تیار ہیں مگر تمہارے قبیلے

والوں کو پتہ چل گیا۔ تو وہ ہمارا تعاقب کر کے تمہیں

پکڑ لیں گے۔ اور ہمیں مار ڈالیں گے۔“

کبالی کاجو کہنے لگی۔

”اب نہیں جانتی یہ قبیلے والے کون ہیں۔ میں

اصلی باپ کے پاس جانے کو بے تاب ہوں۔ میں

تمہیں ایسے راستے سے لے چلوں گی کہ یہ جنگلی لوگ

ہمارے گرد و بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔“

تھیو سانگ نے کبالی کو بتایا کہ یرا ذیل کا مشہور اہرام مایا

کھنڈرات میں واقع ہے اور یہاں سے کافی فاصلے پر ہے۔

کبالی بولی۔

”میں اہرام کو دیکھ چکی ہوں۔ میں سارے راستے

سے واقف ہوں مگر ہمیں اپنے ساتھ دو تین خنجر



اور نہ ہریلے تیرے جانے ہوں گے۔ تم اسی چشمے پر بیٹھو۔ میں یہ سب کچھ لے کر آتی ہوں۔

کبالی بہت جذباتی ہو رہی تھی اور جب آدمی جذبات میں ہو تو اس سے اکثر غلط فیصلے ہو جاتے ہیں۔ ماریا نے کبالی سے کہا۔  
”کبالی! بہتر ہو گا کہ ہم رات کے اندھیرے میں جب سب لوگ سو رہے ہوں گے ہم اس جنگل سے فرار ہوں۔ قبیلے کے لوگ سو رہے ہوں گے اور ہم راتوں رات بہت دور نکل چلے ہوں گے۔“

تھیو سائنگ اور ناگ نے بھی کبالی کو یہی مشورہ دیا کبالی مان گئی۔ طے یہ پایا کہ اسی رات جب قبیلے کے سب لوگ سو جائیں تو یہاں سے فرار اختیار کیا جائے گا۔ یہ لوگ، واپس جھونپڑوں میں آگئے۔ کبالی کے پچھلے جہنم کی یادیں بیدار ہو جانے کی وجہ سے وہ بہت اُداس اور خاموش خاموش تھی۔ وہ اپنے ہزاروں برس پہلے کے دکھی اور غم زدہ باپ کی یادوں میں گم تھی۔ اس کے ذہن میں وہی بوری گونج رہی تھی جو اسے اس کا باپ ہزاروں برس پہلے جب وہ چھوٹی سی تھی اپنے بریل پر سنا کر سلا کر لے کر لے گیا تھا۔ دوسری طرف تھیو سائنگ ماریا اور ناگ بھی ہوشیار تھے۔

کبالی یعنی کاجو نے ایک تھیلے میں تین خنجر ایک کمان اور دس پندرہ نہریلے تیر اور کچھ سوکھا گوشت ڈال کر جھونپڑے

کے پیچھے ایک گڑھے میں چھپا دیا تھا۔ جب رات ہو گئی تو تھیو سائنگ ماریا اور ناگ اپنی جھونپڑی میں آکر لیٹ گئے۔ وہ جاگتے رہے اور اپنے سفر کے بارے میں آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ جو ان کے سامنے تھا۔ یہ ایک طویل سفر تھا۔ پورے براعظم برازیل کا سفر تھا۔ رات آہستہ آہستہ گزرتی جا رہی تھی۔ کبالی بھی اپنی جھونپڑی میں اپنی ماں کے پاس ہی فرش پر بہرن کی کھال پکھانے لیٹی ہوئی تھی۔ وہ بھی جاگ رہی تھی۔ جب رات بہت گہری ہو گئی۔ باہر ہر طرف خاموشی چھا گئی اور کبالی کی ماں کے ہلکے ہلکے خراٹے گونجنے لگے تو کبالی آہستہ سے اپنے بچھونے سے اٹھی۔ اس نے گردن کھا کر اندھیرے میں اپنی ماں کی طرف دیکھا وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ پھر آہستہ سے اٹھی اور جھونپڑی سے باہر اندھیری رات میں نکل آئی۔

یابریٹا ہی سناٹا تھا۔ الاڈ میں جلنے والی آگ سرد ہو گئی تھی۔ کئی آدم خور جانگلی باہر گھاس پر ادھر ادھر سو رہے تھے۔ وہ بے سدھ پڑے ہوئے تھے اور خراٹے لے رہے تھے۔ کبالی دبے پاؤں چلتی جھونپڑی کے پیچھے گئی۔ یہاں گڑھے میں چھپایا ہوا تھیلہ نکال کر بغل میں دبایا اور درختوں کے نیچے سے ہوتی ہوئی اس جھونپڑی میں آگئی جہاں ناگ



تھیو سانگ اور ماریا اس کا پہلے ہی سے انتظار کر رہے تھے۔  
کبالی نے سرگوشی میں کہا۔

”ہمیں نکل چلنا چاہیے“

ماریا تھیو سانگ اور ناگ جلدی سے اُٹھے۔ اور سب کے  
کے سب جھوپٹری سے نکل کر تیز تیز قدموں سے وادی کے جنگل میں  
اس طرف چلنے لگے۔ جدھر ندی بہہ رہی تھی۔ انہوں نے تھوڑی دور  
جانے کے بعد بھاگنا شروع کر دیا۔ کبالی اس سارے علاقے  
سے واقف تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ قبیلے کے لوگ  
رات کو کس طرف پہرہ دیتے ہیں اور کس طرف راستہ صاف  
ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اسی راستے سے انہیں لے جا رہی تھیں۔  
ندی تک وہ بھاگتے رہے۔ ندی پر جا کر کبالی بھی تھک گئی  
تھی۔ تھیو سانگ اور ناگ تو نہیں تھکے تھے۔ مگر ماریا چونکہ اپنی  
اصلی طاقت سے محروم تھی اس لیے اسے بھی تھکان ہو گئی  
تھی۔

ندی پار کرنے کے بعد وہ دوسرے کنارے پر تھوڑی  
دیر دم لینے کو رکے۔ یہاں کبالی نے انہیں بتایا کہ صبح ہونے  
سے پہلے پہلے وہ اس وادی سے نکل جائیں گے۔ کبالی نے  
انہیں بتایا کہ وہ انہیں جس راستے سے لے جا رہی ہے اس  
طرف دشمن قبیلے کے آدم خوروں کے مارنے کا بھی امکان نہیں

۴۔ یہ بڑی اچھی بات تھی۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد انہوں  
نے پھر سے اپنا سفر شروع کر دیا۔ ابھی صبح نہیں ہوئی تھی  
کہ یہ لوگ وادی سے باہر نکل آئے۔ اب ان کے سامنے  
ایسے ایمنان کا چوڑا پاٹ تھا۔ کبالی نے کہنے لگی۔

”یہاں سے کچھ دور ایک گاؤں ہے۔ وہاں سے ایک  
بڑی کشتی مسافروں کو پار لے جاتی ہے۔ ہمیں وہاں جانا  
ہو گا۔“

ماریا نے پوچھا کہ وہاں اس پر کسی کو شک تو نہیں ہو جائے  
گا۔ اس پر کبالی نے کہا کہ گاؤں کے لوگ اسے بالکل نہیں  
جانتے۔ کیونکہ وہ صرف ایک بار ہی گاؤں آئی تھی۔ وہ دریا  
کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ جب وہ گاؤں کے گھاٹ  
پر پہنچے تو سورج طلوع ہو چکا تھا۔ اور اس کی سنہری روشنی  
ہر طرف پھیلی تھی۔ دریا کے کنارے گھاٹ پر ایک بڑی  
کشتی کھڑی تھی۔ اس میں کچھ دیہاتی مسافر بیٹھے ہوئے  
تھے۔ ملاح گھاٹ پر کھڑا دوسرے مسافروں کا انتظار کر  
رہا تھا۔ تھیو سانگ نے قریب جا کر اسے چاندی کا ایک سکہ  
دیا۔ ملاح بہت خوش ہوا۔ تھیو سانگ کے پاس ابھی چند  
ایک چاندی کے سکہ باقی تھے۔ وہ کشتی میں سوار ہو گئے۔  
اور کشتی دیا میں اتر گئی۔



دریا نے ایمران بہت چوڑا دریا تھا۔ انہیں دریا یا کرتے  
میں پورا آدمہ گھنٹہ لگ گیا۔ دھوپ کافی نکل آئی تھی اور  
سامنے سنگلاخ پتھر ملا میدان تھا۔ فضا میں ہلکی ہلکی پیش آگئی  
تھی کبالی نے کہا۔

”یہاں ہیں خیموں کا بندوبست کرنا ہوگا۔ ہم پیدل  
اتنا لمبا سفر نہیں کر سکیں گے۔“

تھیوسانگ نے پوچھا کہ خیمہ کہاں ملیں گے؟ کبالی کہنے لگی۔  
”وہ سامنے جو نیلے ہمیں نظر آتے ہیں۔ ان کے دامن  
میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ وہاں سے ہمیں خیمہ  
مل جائیں گے۔“

وہ اس گاؤں کی طرف چل پڑے۔ تھیوسانگ نے چاندی  
کے سات کتے دے کر تین خیمے خرید لیے۔ ایک خیمہ پر ماریا اور  
کبالی سوار ہو گئی۔ ایک پر ناگ اور دوسرے پر تھیوسانگ  
بیٹھ گیا۔ اوریوں میں چھوٹا سا قافلہ برازیل کے وسطی خطرناک سنگلاخ  
میدانوں کے سفر پر چل نکلا۔ دوپہر تک وہ ٹیلوں کے درمیان  
کچے راستے پر آہستہ آہستہ سفر کرتے رہے دوپہر کو  
انہوں نے ایک بگڑے ہوئے گھوڑا گوشت کھایا۔ چھال سے پانی  
پیا اور خیموں کو ایک چھوٹے سے تالاب پر سے پانی پلایا۔  
اور دوبارہ سفر شروع کر دیا۔

پاڑی چٹھے پر آکر رک گئے۔ یہاں انہوں نے خیموں کو کھول دیا کہ خود  
ہی چریں اور پانی پی کر تازہ دم ہوں۔ ماریا اور کبالی ایک طرف کھل بچھا  
کر لیٹ گئیں اور تھیوسانگ اور ناگ دوسری طرف پتھروں کے پیچھے  
کھل بچھا کر لیٹ گئے اور باتیں کرنے لگے۔

آسمان تاروں سے بھرا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔  
کبالی تو لیٹتے ہی سو گئی۔ ماریا بھی اس کے پاس ہی کھل پر لیٹی تھی  
اسے بھی نیند آنی شروع ہو گئی کیونکہ وہ غائب رہنے والی ماریا نہیں  
تھی۔ صرف تھیوسانگ اور ناگ ہی جاگ رہے تھے۔ جب رات گزر گئی  
تو تھیوسانگ نے آہستہ سے ناگ کے کاندھے کو ہلایا۔ ناگ نے نیم  
اندھیرے میں تھیوسانگ کی طرف لیٹے لیٹے دیکھا اور پوچھا۔ کیا بات ہے۔  
تھیوسانگ نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا اور کان میں جھک کر  
سرگوشی کی۔

”اولیٰ ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔“

تھیوسانگ اور ناگ دونوں کھل پر بالکل سیدھے لیٹے آسمان کو تک  
رہے تھے۔ ناگ نے کان لگا کر سنا۔ اسے قدموں کی چاپ کی آواز  
سنائی دی۔ یہ دو آدمیوں کے پاؤں کی آواز تھی۔ پھر اس نے اندھیر  
میں سامنے والے بڑے بڑے پتھروں کے پیچھے سے دو انسانی سایوں  
کو ابدتے دیکھا۔ دونوں انسانی سائے آہستہ آہستہ ان کی طرف  
بڑھ رہے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ ستاروں کی



دھیمی روشنی میں تلواریں ایک بار چمک سی گئیں۔ ناگ نے تھیو سانگ سے بہت ہی آہستہ سے کہا۔  
”میں جا رہا ہوں۔“

اور دوسرے ہی لمحے ناگ کی جگہ ایک سیاہ رنگ کا انڈین کوبرا سانپ کنڈا مارے پھن اٹھائے بیٹھا تھا۔ سانپ کھسک کر پیچھے غائب ہو گیا۔ تھیو سانگ چپ چاپ اپنی جگہ پر لیٹا رہا۔ اس کی آنکھیں تھوڑی تھوڑی کھلی تھیں۔ دونوں انسان سائے اس کے قریب آ کر رک گئے ایک نے تھیو سانگ کے سینے پر تلوار کی نوک رکھ دی اور کہا۔  
”جو کچھ ہے نکال کر رکھ دو یہاں۔“

اچانک دوسرا آدمی بولا۔

”ادھر دو ٹوڑتیں بھیجیں۔ تم انہیں بیچ کر دولت کما سکتے ہیں۔“

اور دوسرا انسان سایہ تلوار لینے اچھل کر کبالی اور ماریا کی طرف دوڑا۔ مگر کبالی اس سے پہلے ہوشیار ہو چکی تھی۔ اس کی ساری زندگی جنگل میں دشمن سے مقابلہ کرتے گزری تھی۔ اس سے پہلے کہ ڈاکو اس کے قریب پہنچتا کبالی کے کمان سے زہریلا تیر نکل کر ڈاکو کی گردن میں آدھا کھب چکا تھا۔ اس تیر کے زہر میں یہ اثر تھا کہ وہ انسان کے خون میں شامل ہوتے ہی اس کے سفید خلیوں کو تباہ کر کے اعصاب کو مفلوج کر دیتا تھا۔ جس کی وجہ سے آدمی بے حس ہو کر گر پڑتا اور پھر یہ زہر اسے ہلاک کر دیتا تھا ڈاکو بھی۔ یہاں تیر کھا کر دھڑا سے

نیچے گرا۔ اس کے گرنے کی آواز سن کر اس کا ساتھی اس کی طرف تلوار لیے بھاگا۔ مگر اب تو کبالی ہوشیار ہو چکی تھی۔ اب کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ دوسری بار حملہ نہ کرتی۔

اس کی کمان سے دوسرا تیر بھی نکل چکا تھا۔ جو دوسرے ڈاکو کی چھاتی میں لگا۔ بد قسمتی سے یہ تیر اس ڈاکو کی چمڑے کی صدی پر لگ کر نیچے گر پڑا۔ اور اس سے پہلے کہ کبالی دوسرا تیر چلاتی ڈاکو نے تلوار اس کی گردن پر رکھ دی تھی۔ ماریا کی گردن پر اس نے اپنا پاؤں رکھ دیا اور بولا۔  
”خبردار! اگر حرکت کی تو جان سے مار دوں گا۔“

پھر ڈاکو نے ماریا کو حکم دیا کہ اٹھ کر اپنے ساتھی یعنی تھیو سانگ کے ہاتھ پیر باندھ دے۔ ماریا نے کہا۔

”ابھی باندھے دیتی ہوں۔“

ماریا رستی لے کر تھیو سانگ کی طرف گئی۔ ڈاکو نے کبالی کی گردن پر تلوار اس طرح رکھی تھی کہ ذرا سے اشارے پر وہ اس کی گردن کاٹ سکتا تھا۔ ماریا نے تھیو سانگ کے قریب جا کر کہا۔

”ناگ کہاں ہے؟“

تھیو سانگ نے آہستہ سے جواب دیا۔



۱۳۴  
 ”کہاں ہو سکتا ہے؟ وہ اس اکلوتے ڈاکو کی  
 خبر لینے کیا ہوگا۔“  
 ڈاکو نے چلا کر کہا۔

”خبردار! بکو اس بند رکھو۔“

لیکن اس عرصے میں ناگ سانپ کی شکل میں اس کے  
 چمڑے کے جوتے پر سے رنگ کر اس کے چمڑے کی  
 صدی کے پیچھے آگیا تھا۔ اور آہستہ آہستہ اس کی گردن  
 کی طرف ریگتا چلا جا رہا تھا۔ صدی کا چمڑا کافی موٹا تھا۔  
 ڈاکو کو محسوس نہ ہوا۔ لیکن جب ناگ نے اس کی گردن  
 کے پاس جا کر زور سے پھنکار ماری۔ تو اس نے گھبرا کر  
 اپنا ہاتھ گردن پر مارا۔ ناگ اسے ڈس چکا تھا۔ ناگ  
 اپنے پورے زہر سے اسے ڈس چکا تھا۔

اس کی آواز بھی نہ نکل سکی۔  
 کیونکہ ناگ کے زہر نے سب پہلے ڈاکو کا گلا گھونٹ دیا  
 تھا۔ وہ گر پڑا کبالی نے چلا کر کہا۔

”ماریا! ادھر آ جاؤ۔ ڈاکو کو سانپ نے ڈس  
 دیا ہے۔“

کبالی اٹھ کر زہریلے سانپ کے پیچھے دوڑی۔ اس نے  
 ستاروں کی دھیم دھیم روشنی میں سانپ کو رنگ کر جھاڑیوں  
 کی طرف جاتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے سانپ پر خنجر پھینکا۔

۱۳۵  
 ماریا نے آواز دی۔

”کبالی! سانپ کو نہ مارنا۔“

لیکن اتنی دیر میں ناگ جھاڑیوں میں سے ہو کر ٹیلے  
 کی جانب جا چکا تھا۔ کبالی پلک کر ماریا کے قریب آگئی اور  
 اور بولی۔

”ناگ کہاں ہے؟ سانپ تو بھاگ گیا۔ مگر یہ سانپ  
 ہمارے لیے رحمت بن کر آیا تھا۔“  
 ماریا نے مکر کر کہا۔

”اسی لیے تو میں نے تمہیں کہا تھا کہ سانپ کو  
 کچھ نہ کہنا۔“

”مگر ناگ کہاں ہے؟“ کبالی نے پوچھا۔  
 اتنے میں سامنے سے ناگ بھی آگیا۔ آتے ہی بولا۔  
 ”دوسرا ڈاکو کہاں ہے؟“

کبالی نے طنز کیا۔  
 ”نم تو بھاگ گئے تھے۔ ناگ بھتیا۔ دوسرے  
 ڈاکو کا کیوں پوچھتے ہو۔ ہماری قسمت ابھی تھی کہ  
 خدا نے عین وقت پر ایک سانپ ہماری مدد  
 کو بھیج دیا۔ ورنہ ہم سارے پھنس گئے تھے۔“  
 ”ناگ نے کھیانا سا ہو کر کہا۔  
 ”میں تو اوپر سے جا کر ڈاکو پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔“



”تم واقعی بہت بزدل ہو ناگ۔ بھیا! مصیبت میں  
ہیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔“

ناگ کو غصہ تو آیا مگر غصہ پنی کر رہ گیا۔ تھیوسانگ اور  
ماریا نے کہا کہ ناگ بزدل نہیں ہے کبالی، وہ دوسری طرف  
سے آکر ڈاکو کو پکڑنا چاہتا تھا۔

کبالی بولی۔

”چلو اچھا میں یہی سمجھ لیتی ہوں کہ ناگ بھیا پڑے  
بہادر ہیں۔“

اور وہ ہنسنے لگی۔ انہوں نے ڈاکوؤں کی لاشوں کو وہیں  
رہنے دیا۔ کبالی نے انہیں بتایا کہ یہ ڈاکو بڑے خونخوار  
ہیں۔ اور مردوں کو لوٹ کر مار ڈالتے ہیں اور عورتوں کو  
پکڑ کر لونڈیاں بنا کر بیچ دیتے ہیں۔ وہ اٹھ کر اس ٹیلے  
کے پیچھے گئے۔ جدھر سے ڈاکو آئے تھے۔ ٹیلے کے پیچھے  
دونوں ڈاکوؤں کے دو گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ایک  
گھوڑے پر پانی سے بھری ہوئی بڑی چھاگل اور ایک  
تھیلا بھی تھا جس میں جوار کی روٹیاں بندھی تھیں۔

یہ خوراک ان کے لیے بڑی مفید تھی۔ انہوں نے خجروں  
کو بھی ساتھ رکھا اور اب الگ الگ سوار ہو کر اپنے سفر  
پر روانہ ہو گئے۔ باقی رات وہ ٹیلوں میں گھوڑوں خجروں پر

سوار سفر کرتے رہے۔ سو درج کی کرنیں دور پتھر ٹیلوں  
میں سے ابھریں تو آگے ایک چھوٹا سا دریا آگیا۔ انہوں نے  
گھوڑوں پر بیٹھ کر ہی دریا عبور کر لیا۔ اسی طرح تین  
راتیں اور چار دن تک سفر کرتے کرتے آخر انہیں دور  
— بہت دور مایا کے کھنڈراتی میدان میں اہرام دکھائی  
دیا۔

”کیا میرا پیارا باپ اس اہرام کے اندر دفن ہے؟“  
ماریا نے کہا۔

”ہاں کبالی! وہ اسی اہرام میں تمہارا انتظار کر رہا  
ہے۔ وہ بہت ہی بوڑھا ہو چکا ہے۔ وہ ہزاروں  
برس سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہے۔“  
کبالی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ماریا نے اسے اپنے ساتھ  
لگا لیا اور حوصلہ دیا۔

”تم اب اپنے باپ سے ملنے والی ہو کبالی۔ تمہیں  
تو خوش ہونا چاہیئے۔“  
تھیوسانگ نے کہا۔

”تمہارا باپ تمہیں دیکھ کر کس قدر خوش ہوگا۔  
اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتی کبالی تم نے  
تمہاری یاد میں اسے بچوں کی طرح آنسو بہاتے دیکھا  
ہے۔“



۱۳۸  
کبالی کی آنکھوں سے آنسو نہیں تھمتے تھے۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ ماریا اس کے ساتھ ساتھ گھوڑے لیے چل رہی تھی۔ ناگ اور تھیوسانگ ان کے پیچھے پنجروں پر سوار چلے آ رہے۔ ایک خیر پیر انہوں نے سامانِ دے لاد رکھا تھا۔ صبح کی روشنی میں دورِ اہرام ایک سیاہ مخروطی پہاڑ کی نظر آ رہا تھا۔ جوں جوں وہ اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اہرام بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ بہت جلد اہرام کے پاس پہنچ جائیں گے مگر انہیں اہرام کے پاس جاتے جاتے سارا دن لگ گیا۔ جب وہ اہرام کے قریب گئے۔ تو رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ اب تھیوسانگ اور ماریا آگے آگے تھے۔ اہرام کی عقبی دیوار کے قریب پہنچ کر وہ گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔ ناگ اور کبالی بھی وہاں آ گئے۔ کبالی نے اپنے باپ کی خوشبو کو پایا تھا۔ وہ بہت اُداس ہو رہی تھی۔ وہ بار بار کہتی۔

”میرا باپ زندہ ہوگا ناں؟ میں اسے مل سکوں گی کیا؟ وہ مجھے بیٹی کہہ کر بلائے گا کیا؟“

ماریا نے کہا۔  
”کیوں نہیں کبالی۔ تمہارا باپ تم سے ضرور بات کرے گا۔“

تھیوسانگ نے اتنی دیر میں وہ پتھر تلاش کر لیا جس

۱۳۹  
کو چھوٹا کر کے انہوں نے اہرام کے اندر داخل ہونا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کبالی کو تھیوسانگ کی خفیہ طاقت پتہ چلے۔ چنانچہ کسی بہانے ماریا اسے ذرا پرے لے گئی۔ اور تھیوسانگ نے انگلی سے چھو کر پتھر کی بڑی سیل کو صابن ٹیکیا جتنا چھوٹا کر کے باہر نکال لیا۔ وہاں ایک شکاف پیدا ہو گیا۔ تھیوسانگ نے ماریا کو آواز دے کر بلا لیا۔ کبالی نے جھک کر اندر دیکھا اور بولی۔

”اندر بہت اندھیرا ہے“

ماریا نے کہا۔

”ہم تمہارے ساتھ ہیں اور پھر تمہارا پیارا باپ اندر ہے“

کبالی اپنے پیارے باپ کو یاد کر کے بے تاب ہو گئی اور سب سے پہلے اہرام میں اتر گئی۔ ماریا تھیوسانگ اور ناگ بھی تیزی سے اہرام میں اتر گئے۔

• اہرام میں داخل ہونے کے بعد کیا ہوا؟

• ماریا کھنڈروں میں بھٹکا ہوا خلائِ انسان کون تھا؟

• عنبر اور کیٹی سمندر سے کیسے باہر نکلے؟

• ان کے رونگٹے کھڑے کرنے والے جواب آپ

انگلی قسط نمبر ۱۳۷ تابوت والی لڑکی میں پڑھیں گے۔



## میرے نام

پیارے انکل اے حمید السلام علیکم

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ جمعرات کی شب کو پی۔ ٹی۔ وی ایوارڈ کی تقریب گھر میں سب ہی لوگ بہت ذوق و شوق سے دیکھ رہے تھے جب انور مقصود اور ثریا بھیا صاحبہ نے منتخب امیدواروں کے نام لئے تو اے حمید صاحب (آپ کا نام) سن کر میں چونکا مگر جب اسکرین پر آپ کی تصویر دی گئی تو میں فوراً آپ کو پہچان گیا۔ اور صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ میرے انکل اے حمید کو ایوارڈ دلا دے تیرا بہت کرم ہوگا۔ جب دُعا ایوارڈ کا نام بیا گیا تو وہ آپ کا نام تھا۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ ویسے دوسرے لوگوں کی طرح آپ کا چہرہ بہت پرسکون تھا اور کوئی پریشانی عیاں نہیں تھی۔ حالاں کہ اور لوگوں کے چہروں پر تو زلزلے کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ بہر حال میرے دل میں خوشیوں کے گلاب جامن اور لٹو پھوٹنے لگے یا غالباً بننے لگے۔ پھر میں نے اسی وقت تمام لوگوں کو آپ کے بارے میں مکمل تفصیل بتائی اور بتانا ہی گیا کہ بالآخر بہنوں اور بھائیوں نے کہا کہ ارشد اب باقی تفصیل کل صبح بتا دینا۔ اس لئے مجھے خاموش ہو جانا پڑا۔ آپ یقین کریں مجھے اتنی خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ گویا ایوارڈ مجھے ملا ہے۔ ظاہر ہے آپ کے تمام قارئین جو

آپ کے ناول پڑھتے ہیں انہیں آپ کے برابر ہی خوشی ہوئی ہوگی۔ اسے میری پرزور اپیل یا التجا یا فرمائش یا خواہش سمجھ لیں کہ سب کو مٹھائی کھلائیں اور سب کا منہ میٹھا کروائیں مگر یہ بات کافی مشکل اور دقت طلب ہے اس لیے ایک صورت اور ہے کہ آپ "عزرائیل ماریا" کی سیریز نمبر ۱۲۵ یا ۱۲۶ کو انتہائی موٹے ناول کی صورت میں شائع کریں اور اس ضخیم ناول کو ایوارڈ نمبر کا نام دیجیے گا۔ اور اس خط کو آپ اپنے اس ایوارڈ نمبر میں ضرور شائع کریں۔ شکریہ۔ اس دعا کے ساتھ خط ختم کرتا ہوں کہ

آپ ہمیشہ یونہی لکھتے رہیں

اور ہر سال ایوارڈ ورتو رہیں

خدا حافظ

محمد ارشد صدیقی مین بازار گوہاڑ پٹی ۱۸

پیارے انکل اے حمید السلام علیکم

دیر سے خط لکھنے پر معذرت خواہ ہوں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ مجھے پہچان جائیں گے۔ میں نے آپ کو پہلے بھی بہت سے خط لکھے ہیں۔ انکل میں نے نوائے وقت میگزین میں آپ کا امریکہ میں گزرنے والا واقعہ پڑھا۔ پڑھ کر بہت لطف آیا۔ پہلی قسط تو کافی مزیدار تھی آگے دیکھے کیا ہوتا ہے۔ انکل پاکستان کے چھٹے ٹیلی وژن ایوارڈ میں آپ کو دیکھ کر بہت مسرت ہوئی اور اس سے بھی زیادہ تب ہوئی جب آپ کو ایوارڈ ملا۔



اس کے لئے بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ کو ہے آپ دن دگنی رات چو گنی  
تنتی کرے اور ہمیشہ فتح سے ہم کنار رہیں آمین

انگل میں آپ کے ناول ابھی تک بڑی باقاعدگی سے پڑھ رہا ہوں اور  
مزید کوشش کروں گا کہ ناغہ نہ پڑے۔ امید ہے کہ آپ بھی اسی باقاعدگی  
سے لکھتے رہیں گے۔

آخر میں بہت بہت سلام و دعا۔ آپ کے لئے نیک دعائیں۔

ایوب خاں ۲۷/۸ بیکو روڈ کوٹ لکھپتہ۔ لاہور۔

پیارے انگل اے حمید صاحب السلام علیکم

پیارے انگل! جموعات کو رات کے ساڑھے نو بجے چھٹا پستان  
ٹی وی ایو رڈ کا پروگرام لگا جس میں میں نے آپ کو دیکھا تو بہت مد  
خوش ہوا۔ اور جب آپ کے ساتھ دو آدمیوں کے نام لیے گئے  
تو میرے دل میں پکا یقین ہو گیا تھا کہ ایوارڈ کے حقدار آپ ہیں  
اور آپ کو حق دار ہونا چاہیے۔ خدا کرے کہ آپ کا نام ہر جگہ سر بلند  
ہو۔ اور آپ اس طرح سرفراز ہوتے رہیں۔ آمین

آپ کی کتابوں میں ایک قسط سرگٹاناک مجھے بے حد پسند آئی۔ خدا  
برے کہ آپ ہمارے لئے بلکہ سب کے لئے ایسی ہی اچھی اور دلچسپ  
کتابیں لکھتے رہیں اور ان میں دین کی باتیں بھی بتاتے رہیں۔ خدا  
آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کو صحت یابی عطا فرمائے آمین۔ آمین

پیارے انگل! ہمارے امتحان نزدیک ہیں۔ آپ ہمارے لئے دعا  
کریں۔ میں امتحان میں کامیاب ہو جاؤں میں آپ کی صحت یابی کے لئے دعا  
کرتا رہوں گا۔ اگر کوئی غلطی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ والسلام

عبدالستار خان جماعت ششم فارینڈ پبلک سکول  
مکان نمبر F/۸۹ بھابڑا بانہ اریلی محلہ راولپنڈی

جان سے بھی پیارے انگل اے حمید صاحب السلام علیکم

امید ہے آپ غیریت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غیریت سے ہی  
رکھے تاکہ آپ ناول لکھتے رہیں اور ہم ناولوں کو پڑھتے رہیں۔ سب سے  
پہلے جو بات ہے وہ یہ ہے کہ میں آپ کو پی۔ ٹی وی ایوارڈ ملنے کی خوشی  
میں مبارک باد دیتا ہوں۔

اب میں آتا ہوں ناولوں کی طرف۔ تو مجھے آپ کے لکھے ہوئے ناول  
چاہ بابل کے قیدی منحوس مورتیاں اور مالگنی ناگن بہت پسند آئے۔  
خدا حافظ۔

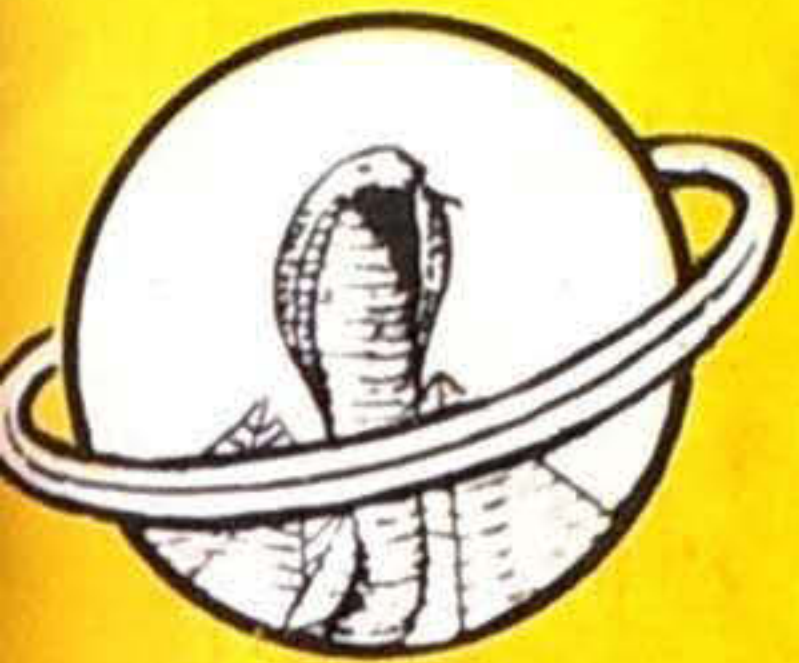
سلطان اشرف اقبال رورز کماٹن ویلڈ بند روڈ لاہور



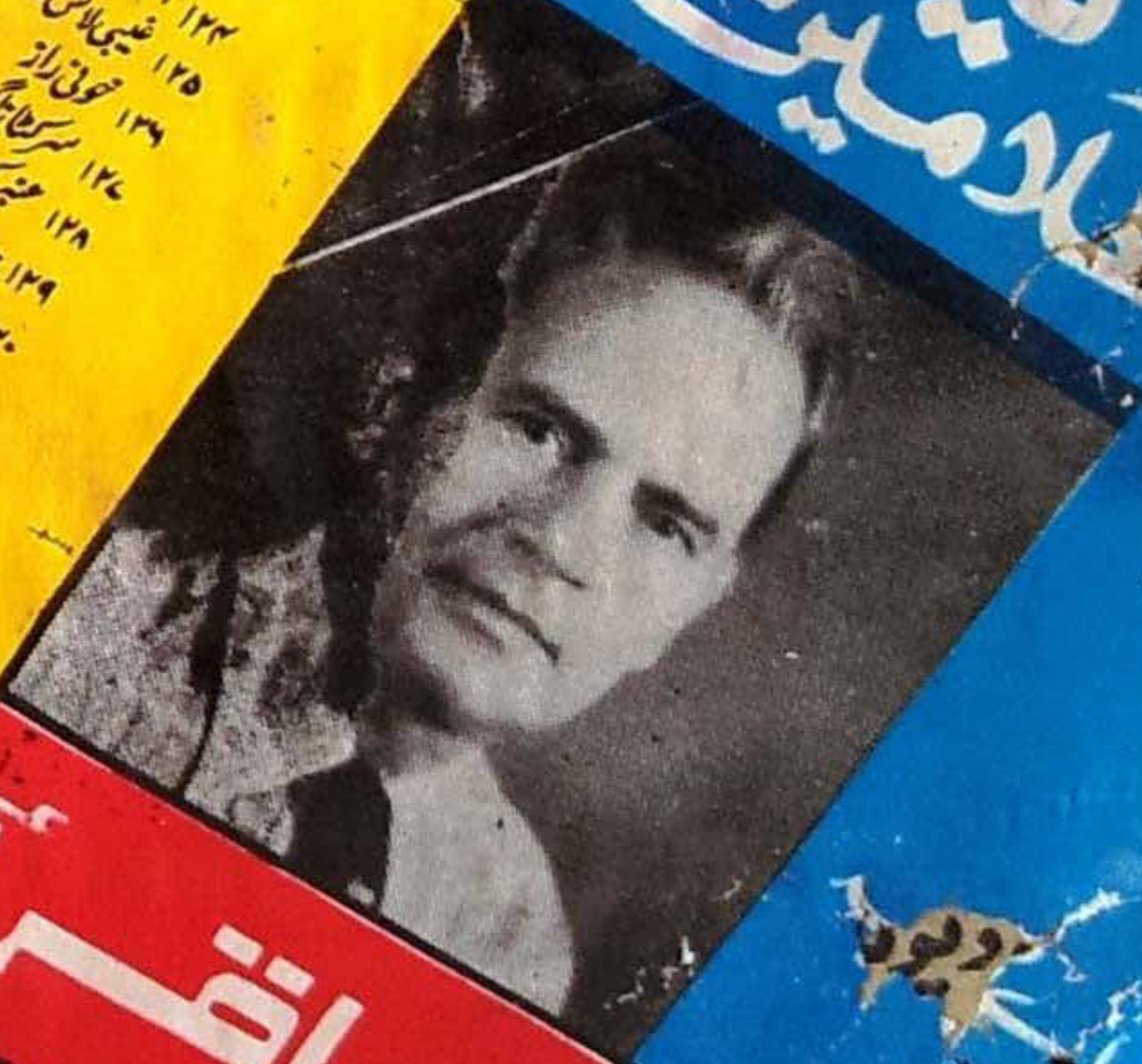
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

www.pdfbooksfree.pk





# انوار ماریہ



**مکتبہ اقبال**  
بی بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور-۸



- ۱۰۱ غلامی جہاز کی کمی ۴/۵۰
- ۱۰۲ غیبی غلامی شیطان ۴/۵۰
- ۱۰۳ ماریہ دوزخ میں ۴/۵۰
- ۱۰۴ غلامی کمرہ ۴/۵۰
- ۱۰۵ سرور کا ستارہ ۴/۵۰
- ۱۰۶ غلامی انسانی کوثری ۴/۵۰
- ۱۰۷ غلامی غلامی رشتہ ۴/۵۰
- ۱۰۸ غلامی غلامی قلم ۴/۵۰
- ۱۰۹ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۱۰ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۱۱ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۱۲ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۱۳ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۱۴ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۱۵ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۱۶ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۱۷ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۱۸ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۱۹ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۲۰ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۲۱ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۲۲ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۲۳ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۲۴ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۲۵ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۲۶ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۲۷ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۲۸ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۲۹ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۳۰ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۳۱ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۳۲ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۳۳ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۳۴ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۳۵ غلامی غلامی ۴/۵۰
- ۱۳۶ غلامی غلامی ۴/۵۰



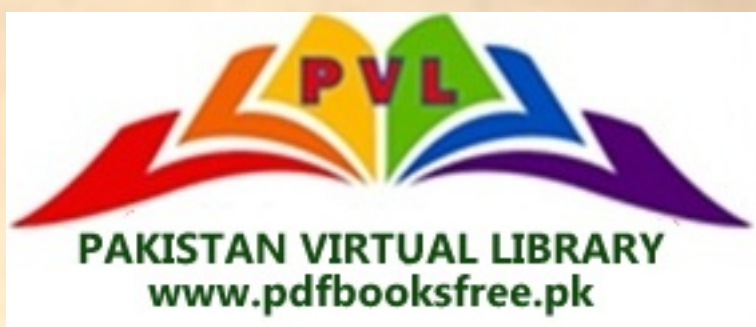


# سٹریٹ انٹرایکشن

ایک حقیقت

**PDFBOOKSFREE.PK**





# عَنْبَرِ نَاقَ مَارِیَا اَوْرِ مِثِی خَلَا مِی تَابُوتِ دَالِی لُڑکیاں

اے حمید

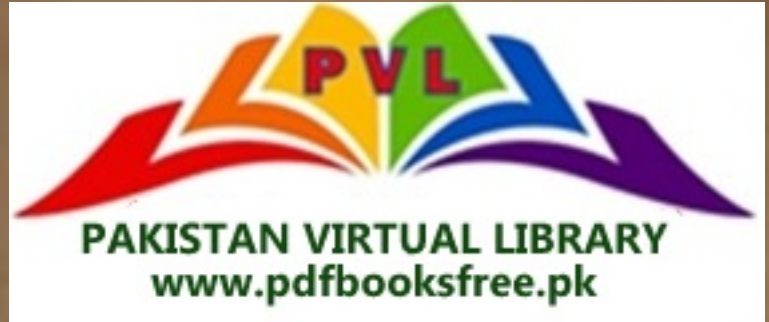


پیارے ساتھی

عینہ ناگ ماریا کی 137 ویں قسط آپ کی خدمت  
میں پیش کرنے کی خوش حاصل کر رہی ہوں۔ فرشتہ  
اس لئے کہ آپ کے خط مجھے مسلسل مل رہے ہیں۔ جن  
سے پتہ چلتا ہے کہ آپ عینہ ناگ ماریا کی داستان  
کی قسطوں کو کس قدر پسند کر رہے ہیں۔ یہ  
بات میرے لئے جو صلہ افترا ہیں ہے کیونکہ میں نے  
عینہ ناگ ماریا کی طویل داستان آپ ہی کے لئے  
شروع کی تھی اور آج بھی اس محبت غلوں اور  
دیانت داری کے ساتھ آپ ہی کے لئے لکھ رہی ہوں  
میں اتنی ضرور کوشش کرتا ہوں کہ کہانی کا دلچسپی  
اور لطف کے ساتھ ساتھ آپ کو ایسی اچھی اچھی  
باتیں بھی معلوم ہو جائیں جو زندگی میں آپ کے  
سام آئیں۔

میری طرف سے دلی شکریہ قبول فرمائیں۔  
۲۵۳۔ این راہ چین سمن آباد لاہور

قیمت: ۵۰/۴



قیمت حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

۱۹۹۶  
ناشر: نیا مکتبہ القرآن، ۱۳ بی شاہ عالم پارک لاہور  
طابع: ۱۹۹۶، تاج پبلشرز، لاہور

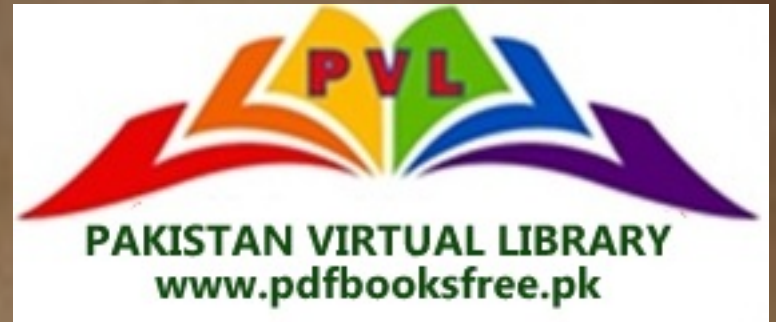


# شیشے کا آدمی

ابرام میں اندھیرا مچتا۔  
 کبالی آگے آگے تھی۔ تھیو سانگ ناگ اور ماریا اس کے  
 پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ کبالی اپنے دکھی باپ سے ملنے کو بے چین  
 ہو رہی تھی۔ جب وہ مئی والے دLAN کے قریب سے گزرے تو  
 تابوت میں لیٹی مئی نے خوش ہو کر کہا۔

”آج غم زدہ باپ کی ہزاروں برسی کی خواہش پوری ہو  
 رہی ہے۔ باپ سے اس کی بیٹی ملنے والی ہے۔“

تھیو سانگ نے مئی کا شکریہ ادا کیا۔ کبالی نے پوچھا کہ یہ  
 کس کی آواز تھی؟ ماریا اور تھیو سانگ نے اسے تابوت والی  
 مئی کے بارے میں بتایا اور پھر وہ ساتویں ستون کی طرف  
 بڑھے۔ اچانک انہیں بریل پر لوری کی دھن بجانے کی آواز  
 سنائی دی۔ کھل کے دل میں باپ کی محبت نے جوش مارا۔ اس کی  
 ساری یادداشت پہلے ہی واپس آ چکی تھی۔ اب اس نے بریل  
 پر لوری کی آواز سنی تو بے چین ہو کر اپنے باپ کو آواز دی۔



ترتیب

شیشے کا آدمی

ناگن کوئین

سفید سایہ

تابوت والی لڑکیاں

یا کا پنجہ



کی آواز رک گئی۔ پھر دیوار کے ساتھ کھڑے تابوت کا ڈھکن آہستہ سے کھلتے دکھائی دیں۔ کبالی نے میز پر اپنا مجسمہ دیکھا تو آنکھوں میں آنسو بھر کر بول۔

”یہ مجسمہ میرا ہی ہے۔“

اتنے میں تابوت میں سے کبالی کا باپ باہر نکل آیا۔ وہ بے حد بوڑھا ہو گیا تھا۔ مگر بیٹی نے باپ کو پہچان لیا۔ ایک چیخ مار کر اپنے باپ سے لپٹ گئی۔ باپ اور بیٹی دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے باپ نے بیٹی کے سر کو چوم کر پیار کیا اور آنسوؤں بھری آواز میں بولا۔

”میری بچی! آج میرے دل کی آس پوری ہو گئی۔ میں تھیو سانگ اور ماریا کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“  
تھیو سانگ نے کبالی کے باپ سے ناگ کا تعارف کرایا۔  
کبالی نے کہا۔

”ابا جان! اگر تھیو سانگ ماریا اور ناگ میری مدد نہ کرتے تو میں کبھی آپ سے نہ مل سکتی تھی۔“  
باپ نے کہا۔

”میری بیٹی قدرت نے میرے گناہ معاف کر دیئے۔ اور ان دوستوں کو میرے پاس بھیجا۔ میں اب سکون سے جنت میں جا سکوں گا اور ان کے لئے ہمیشہ دعا مانگتا رہوں گا۔“

کبالی باپ کے کپکپاتے ہوئے بازو سے لپٹ گئی اور روتے ہوئے بولی۔

”ابا جان! میں آپ کو جدا نہیں ہونے دوں گی۔ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔“  
باپ نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا اور لرزتے ہونٹوں سے بولا۔

”میری بیٹی! میں نے ہزاروں برس تک تیرا انتظار کیا۔ تو مجھے مل گئی۔ مجھے دیکھ لیا۔ میری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ میرے دل کو تسکین ہو گئی اب مجھے جانا ہی ہو گا۔ اس لیے کہ میں پہلے ہی سے مر چکا ہوں۔ یہ تو بیٹی کی محبت نے مجھے اب تک زندہ رکھا ہوا تھا۔“

تھیو سانگ ماریا اور ناگ خاموش تھے۔ وہ باپ بیٹی کی گفتگو میں دخل نہیں دینا چاہتے تھے۔ جب کبالی نے اصرار کیا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ ہی جنت میں جائے گی تو باپ نے بیٹی کا ہاتھ چومنا اور کہا۔

”تمہیں ابھی زندگی کی بڑی بہاریں دیکھنی ہیں۔ تم خدا کے فضل سے زندہ رہو گی۔ تمہارے بچے ہوں گے۔ ان بچوں کے بچے ہوں گے۔ میری دعا میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔ اب مجھے اجازت دو۔“  
باپ اپنی بیٹی کو الگ کرنا چاہتا تھا مگر بیٹی باپ کا ہاتھ نہیں



مجھے اس بات کا بڑا غم ہے کہ اتنی مدت کے بعد باپ سے  
 ملی بھی تو چند لمحوں کے لیے اور باپ مجھ سے ایک بار پھر جدا  
 ہو گیا۔  
 تھیو سانگ نے کہا۔

”تقدیر میں یہی لکھا تھا۔ اب تمہیں نئی زندگی شروع کرنی ہو  
 گی۔ چلو۔ یہاں سے چلتے ہیں۔“

انہوں نے کبالی کو ساتھ لیا اور اہرام کے شگاف کی طرف  
 چلے والپسی پر انہوں نے تابوت میں لیٹی ہوئی مئی کا شکریہ ادا  
 کیا۔ مئی کی آواز آئی۔

”اہرام سے باہر کوئی تمہاری راہ دیکھ رہا ہے۔“

تھیو سانگ نے تعجب سے پوچھا: ”وہ کون ہے؟“  
 مئی کی آواز آئی۔

”تمہیں خود بخود پتہ چل جائے گا۔“

مئی کی آواز بند ہو گئی۔ اہرام میں گہری خاموشی مچا گئی۔  
 غمزدہ ادا اس کبالی کو ساتھ لے کر وہ اہرام کے شگاف میں سے  
 باہر نکل آئے۔ باہر آسمان بادلوں میں گھیرا ہوا تھا۔ سیاہ بادلوں  
 کی وجہ سے دن کی روشنی بہت دھندلی ہو گئی تھی۔ اہرام کے  
 شگاف کو پتھر سے دوبارہ بند کر دیا گیا۔ ماریا نے کبالی کو اپنے  
 ساتھ رکھا ہوا تھا۔ کبالی بڑی اداس تھی۔ ماریا اور ناگ ات

پھر وہی تھی۔ وہ بازو کو پکڑے آنسو بہا رہی تھی۔ اسی حالت میں  
 باپ کے برابطہ اٹھایا اور اسی پر ایک بڑی ہی دردناک  
 دھن۔ کبالی شروع کر دی۔ یہ لوری کی دھن نہیں تھی۔ بیٹی کبالی  
 اپنے باپ سے ملے ہوئے تھی۔ برابطہ کی دردناک آواز پر  
 وہ چپ ہو گئی۔ اور جیگی ہوئی آنکھوں سے اپنے بوڑھے باپ  
 کو نکلنے لگی۔ دیکھتے دیکھتے بوڑھے باپ کا جسم نیلے رنگ کے  
 دھوئیں میں بدلنا شروع ہو گیا۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد وہاں  
 کچھ بھی نہیں تھا۔

کبالی چیخ مار کر باپ کے خالی تابوت سے پرٹ گئی اور  
 زار و قطار رونے اور ہچکیاں لینے لگی۔ اب تھیو سانگ، ماریا  
 اور ناگ اس کے پاس گئے اور اسے حوصلہ دیا۔ ماریا نے کہا۔  
 ”کبالی بہن تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تمہارے باپ کا ہزاروں  
 سال کا مذاب ختم ہو گیا اور اب اس کی روح جنت میں داخل  
 ہو گئی ہے۔“

ناگ بولا۔

”اگر تم اس طرح آنسو بہاؤ گی تو تمہارے باپ کی روح کو

تکلیف ہو گی۔  
 کبالی خاموش ہو گئی۔ وہ چادر سے اپنے آنسو پونپنے لگی اور



تسلی دے رہے تھے۔ مگر کہاں کے دل کو قرار نہیں آ رہا تھا۔ اس نے آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔  
 "مجھے لگتا ہے کہ میں باپ کے بغیر زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکیں گا۔"  
 ماریا نے کہا۔

"ایسی باتیں نہ کرو۔ کہاں کی باتیں تو تمہارے باپ کی روح کو تکلیف ہوگی۔ تمہارے باپ نے تمہیں کہا تھا کہ تم بہت دیر تک زندہ رہو گی اور تمہارے بچوں کے بچے ہوں گے۔"

مختیو سانگ اور ناگ نے بھی کبالی کو تسلی دی اور کہا کہ وہ اس قسم کے اداس خیالات کو اپنے ذہن سے نکال کر باہر پھینک دے اور اپنے باپ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے خوش و خرم زندگی بسر کرنے کی کوشش کرے۔ کبالی چھوٹ چھوٹ کر رونے لگی۔ وہ ریت پر بیٹھ گئی وہ بار بار کہہ رہی تھی۔

"میں اپنے باپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں خودکشی کر لوں گی۔"

اب تو مختیو سانگ اور ماریا ناگ کو پریشانی ہوئی کہ کہیں سچ مچ کبالی اپنے آپ کو مار ڈالے کبالی سرگھٹنوں میں اپنے دے باپ کی یاد میں روئے جا رہی تھی۔ مختیو سانگ، ماریا اور ناگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کہ یہیں کیا کرنا چاہیئے ان کے ہاتھوں میں ایک ساتھ ہلکی سی سرگوشی کی آواز آئی۔ آواز کبالی کے

باپ کی روح کی آواز تھی۔  
 روح کی آواز نے کہا۔

"میرے بچو! گھبراؤ نہیں۔ میں اپنی بیٹی کو ماضی کی تلخ یادوں کے دکھ سے نجات دلا رہا ہوں۔"

یہ آواز صرف مختیو سانگ ناگ اور ماریا ہی کو سنائی دی تھی۔ کبالی اپنے باپ کی روح کی آواز نہیں سن سکی تھی۔ اچانک روتے روتے وہ رُک گئی۔ چپ ہو کر وہ ماریا مختیو سانگ اور ناگ کی طرف حیرانی سے دیکھ کر بولی۔

"تم لوگ مجھے میرے قبیلے سے یہاں کیوں لے آئے ہو؟  
 ماریا مختیو سانگ اور ناگ سہم گئے کہ باپ کی روح تلے اپنی بیٹی کے ذہن سے ماضی کی تلخ یادوں کو دھو کر صاف کر دیا ہے تاکہ اس کی بیٹی سکون، خوشی اور اطمینان سے اپنی بھرپور زندگی بسر کر سکے۔"

مختیو سانگ نے جلدی سے کہا۔  
 "کبالی! تم کو ڈاکو تمہارے قبیلے سے اغوا کر کے یہاں لے آئے تھے۔ ہم نے ڈاکوؤں کو بھگا کر تمہیں ان سے چھڑایا ہے۔"  
 ماریا نے ساتھ ہی کہا۔

"اور اب ہم تمہیں تمہارے باپ کے پاس تمہارے قبیلے کی طرف لے جا رہے ہیں۔"



ناگ نے بھی اس بات کی تاکید کی یعنی اس طرف ہر ایک کبالی  
کچھ سوچتے ہوئے ہوئی۔

”کچھ کچھ یاد آرہا ہے کہ ہمارے قبیلے پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا؟  
تھیو سانگ نے فوراً ڈاکوؤں کے حملے کی ایک کہانی گھر کرنا  
دی۔ کیونکہ کبالی کی یادداشت اس کے باپ کی روت کی دعا  
سے پھر ویسی ہی ہو گئی تھی اور اب اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا کہ  
وہ اپنے دکھن باپ سے ملنے یہاں اہرام میں آئی تھی۔ یہ بات  
اس کے لیے اچھی تھی۔ اب وہ اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی بسر  
کر سکتی تھی۔ بیٹی سے مل کر اس کے باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی  
تھیں۔ اس کی روت کو سکون مل گیا تھا۔ کبالی اٹھ کھڑی ہوئی  
اور نچروں کی طرف بڑھ کر بولی۔

”مجھے جلدی اپنے باپ کے پاس قبیلے میں پہنچا دو۔

میرا باپ میرے لئے بے حد پریشان ہو رہا ہوگا۔“  
تھیو سانگ ماریا اور ناگ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔  
ان کے چہروں پر اطمینان تھا۔ انہوں نے کبالی کو خیر پر سوار کیا۔  
خود بھی دوسرے نچروں پر بیٹھے اور واپسی کا سفر شروع کر دیا۔  
جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے ہوتے ہوئے وہ  
تین دن کا سفر طے کرنے کے بعد ان تین سرخ پہاڑوں کی وادی  
میں آ گئے یہاں کبالی کے باپ کا قبیلہ آباد تھا۔ تھیو سانگ ناگ

اور ماریا خود اس کے باپ کے پاس نہیں جانا چاہتے تھے انہوں  
نے اسی جگہ سے کبالی کو رخصت کر دیا۔ کبالی نے ان کا شکریہ ادا  
کیا اور اسرار کیا کہ وہ بھی اس کے باپ کے پاس چلیں مگر تھیو  
سانگ نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں رہی اب تم خوش خوش  
اپنے قبیلے میں جاؤ۔ ہمیں آگے سفر کرنا ہے۔ یہ کہہ کر  
انہوں نے کبالی کے خیر کو قبیلے کی طرف روانہ کر دیا۔

جب کبالی کی خیر درختوں میں غائب ہو گئی تو تھیو سانگ  
نے گہرا سانس بھرا اور بولا۔

”شکر ہے ایک غم زدہ باپ کا غدا ب ختم ہوا اور اس کی روت  
کو سکون ملا۔

ماریا نے کہا۔

”یہ مجھ بھی کامیابی سے پوری ہو گئی۔ اب ہمیں کیٹی اور عنبر  
کی تلاش شروع کرنی ہوگی۔“  
ناگ بولا۔

”چلے یہاں سے نکل چلیں۔ پھر غور کریں گے۔

انہوں نے نچروں کو موڑا اور سرخ پہاڑوں کی وادی سے  
باہر نکل آئے۔ جب وہ اس وادی سے کافی دور چلے گئے تو  
ایک جگہ پہاڑی کے دامن میں بیٹھ کر عنبر اور کیٹی کے بارے میں  
بات چیت کرنے لگے۔ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ کیٹی



۱۲  
 میں اور عبیر، پادشہ مغزوہ غوثی کے روپ میں سمندری چٹانوں  
 کے پاس سمندر میں ہیں۔ عبیر اس حالت میں ہے کہ اسے ایک پتھر  
 کے ساتھ زنجیروں کے باندھ دیا گیا ہے اور سمندر کی تہ میں پڑا  
 ہے۔ جبکہ کیٹی منگلا دیوی کے جادو سے جل پوری کی شکل میں  
 سمندری چٹانوں کے نیچے میں رہ رہی ہے اور اسے یہ بھی یاد  
 نہیں ہے کہ وہ اصل میں کیٹی ہے۔  
 ماریا کہنے لگی۔

میری رائے یہ ہے کہ ہمیں بلزریل کے اس علاقے میں چلنا  
 پڑیگا جہاں پرانے کھنڈر کچرے ہوئے ہیں اور ہزاروں برس  
 پرانے ایک خلائی اڈا بھی ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں ہمیں عبیر اور  
 کیٹی کا کوئی سراغ مل جائے۔  
 ناگ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ان کھنڈروں میں ہمیں  
 عبیر کیٹی کا سراغ کیسے ملے گا؟ تھیوساگ بولا  
 وہاں سا گیا ہے کہ کوئی خلائی شخص ہزاروں سال سے کہیں  
 چھپا ہوا ہے۔ ممکن ہے اس لیے کیٹی کا پتہ چل جائے۔ کیٹی  
 بھی ایک خلائی مخلوق ہے۔

ناگ اور ماریا گویہ نکتہ پسند آگیا۔ ماریا نے کہیں کسی  
 کو پتہ نہ تھا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ ماریا دیوی کے کھنڈروں  
 میں واپس چلا جائے اور خلائی آدمی کو تلاش کیا جائے۔ وہاں

۱۵  
 سے نکلی کہ سفر کرنے ہوئے آخر ایک پہنچنے کے سفر کے بعد جیرونگ  
 ماریا اور ناگ واپس ماریا دیوی کے کھنڈروں سے کچھ فاصلے پر  
 اس بنجر میدان علاقے میں پہنچ گئے۔ جہاں انہیں زمین پر ایک  
 بہت لمبی ہوائی پٹی نظر آئی۔ ہوائی پٹی رن وے RUN WAY  
 کو کہتے ہیں۔ جہاں سے ہوائی جہاز ایک لمبی دوڑ لگا کر ایک دم  
 سے فضا میں بلند ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ ہوائی پٹی یا خلائی  
 پٹی اتنی چوڑی اور لمبی تھی کہ صاف لگتا تھا کہ یہ خلائی  
 جہازوں اور راکٹوں کے اترنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ لیکن  
 اب اس کی حالت بے حد خستہ ہو گئی تھی۔ جگہ جگہ سے پتھروں  
 کی سلیں اکھڑی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ جنگلی خشک جھاڑیاں  
 اُگی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ پتھروں کی سبیلوں کے ڈھیر پڑے  
 تھے جن میں مچھلیاں کیڑے مکوڑے اور بچھو رہا رہے  
 تھے جن کے اس پاس زرد ریتلی مٹی کی اونچی اونچی ٹیکریاں پھیلی  
 تھیں۔ ان پر دھوپ چمک رہی تھی۔ ان ٹیلوں میں کہیں کہیں  
 گہرے شگاف تھے جو اندر سے تاریک اور ٹھنڈے تھے۔  
 تھیوساگ ماریا اور ناگ نے دیران خلائی پٹی کو شروع  
 سے آخر تک غور سے دیکھا۔ وہاں کسی راکٹ یا خلائی جہاز  
 کے اترنے کا کوئی نشان باقی نہیں تھا۔ تھیوساگ کہنے لگا۔  
 ”کچھ خلائی مخلوق کے راکٹ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اتنے  
 وقت دور تک زمین پر گھسٹنا پڑتا ہے بعض جہاز سیدھے اپنی



۱۶  
سے نیچے ہیں سو پڑکی طرح اتر پڑتے ہیں۔ ویسے مجھے یہاں ایسا  
کوئی نشان نظر نہیں آتا۔

ناگ بولا۔  
”ہزاروں برس گزر چکے ہیں۔ وہ نشان ختم ہو گئے ہوں گے۔  
ماریا نے کہا۔

سوال یہ ہے کہ وہ خلائی انسان کہاں ہے جو ہزاروں  
برس سے یہاں موجود ہے؟“  
تھیو سانگ کہنے لگا۔

”یہیں کہیں ٹیلوں میں چھپا ہو گا۔“  
ناگ نے کہا۔

”میرا خیال ہے ہمیں رات کے اندھیرے میں اس کا کھوج  
لھانا چاہیے۔ کیونکہ وہ ضرور رات کی تاریکی میں باہر نکلتا ہو گا۔  
ماریا نے کہا کہ اسے گہری نگ رہی ہے کسی جگہ سائے  
میں جا کر آرام کرنا چاہیے۔ ماریا نے ایسا اس لیے کہا تھا کہ وہ  
زندہ اور ظاہر حالت میں تھی اور سورج کی تیز کرنیں اس کے  
بسم کو گرمی پہنچا رہی تھیں۔ ناگ نے کہا۔

”خدا کہے کہ تمہاری کمزوری ہوئی طاقت بھی واپس آجائے  
تاکہ تم ایک بار پھر غائب ہو سکو۔“  
اس طرح باتیں کرتے نچروں پر بیٹھ کر وہ دُور جنگل جھاڑیوں

کے پیچھے ایک ٹیلے کے شکاف کے باہر آکر ٹوک گئے۔ یہاں لیکر  
کی قسم کے دو چار درخت اُگے تھے جن کی ٹہنیاں کانٹوں  
سے بھری ہوئی تھیں۔ انہوں نے نچروں کو ان کے سائے میں  
کھرا کر دیا۔ نچر درخت کی شاخوں کے بنسپوں کو کھانے لگے۔  
تھیو سانگ ماریا اور ناگ اشکاف کے اندر چلے گئے۔

شکاف اندر سے ایک غار کی طرح لگتا تھا۔ جس کی چھت کٹی  
اوپر تھی اور وہاں ٹھنڈک تھی۔ ہلکا ہلکا اندھیرا بھی تھا۔  
زمین پر نہ جانے کس زمانے کے پتھر اور روڑے لگے تھے۔  
بکھری ہوئی تھیں۔ وہ غار میں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ دیر تک وہ  
پر اسرار گمشدہ خلائی انسان، غبر اور کیٹی کے ارے میں  
باتیں کرتے رہے۔ پھر شام ہو گئی۔ انہوں نے غار سے باہر  
نکل کر دیکھا۔ باہر ویران اجاڑ میدان پر شام کا ہلکا اندھیرا  
پھیل رہا تھا۔ ماریا نے ناگ سے کہا۔

”میں تو غائب نہیں ہوں اور اگر اس علاقے میں نہیں  
گھوم پھر سکتی۔ تم عقاب بن کر ذرا سارے علاقے کو جا  
کر دیکھو۔ ہو سکتا ہے کوئی نیا سرانج مل جائے۔“

تھیو سانگ نے بھی ناگ سے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ وہ  
ناگ بھائی تم تو ہوا میں اڑ سکتے ہو ذرا اس علاقے کا جائزہ  
تو جو جا کر۔ ناگ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ذرا عقاب



۱۸  
 کہ شکل اختیار کی اور فضا میں بند ہو کر ایک طرف کو اڑ گیا۔ اس  
 سے سب سے پہلے تو ریتے ٹیلوں کے اوپر ایک پتھر لگایا۔  
 اگرچہ اندھیرا چھیل رہا تھا لیکن ناگ زمین پر سب کچھ دیکھ  
 سکتا تھا۔ دیتے ٹیلوں کے اوپر سے ہو کر وہ خلائی پٹی کے  
 آخری کنارے کی طرف نکل گیا۔ اس کے آگے کھڑے میں شروع  
 ہو گئیں۔ یہ کھڑے زمین میں گہرے خشک نالوں کی طرح بنی  
 ہوئی تھیں۔ ان میں گہنی جنگلی مھاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا  
 تھا۔ آگے جا کر یہ کھڑے زیادہ چوڑے ہو گئے اور ان  
 کے ارد گرد پھر ٹیلے نمودار ہوتے گئے۔ ایک ٹیلے پر ناگ کو چوکور  
 سا چوڑا نظر آیا۔ وہ غولہ لگا کر نیچے آیا تو دیکھا کہ جس کو وہ چوڑا  
 سمجھ رہا تھا وہ ایک حوض ہے جس میں بخود سا پانی بھی تھا۔  
 ناگ وہاں اتر پڑا۔ اس نے دوبارہ انسانی شکل بدلی  
 اور جھبک کر حوض میں دیکھا۔ پانی صاف تھا۔ معلوم  
 ہوتا تھا کہ اس ٹیلے کی چوٹی میں سے پانی نکلتا ہو گا۔ جسے  
 کسی نے وہاں حوض بنا کر جمع کر دیا ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ  
 جس نے یہ حوض بنایا ہے وہ آدمی کہاں ہے؟

ناگ ٹیلے کے پیچھے کی جانب گیا۔ دیکھا کہ وہاں  
 ڈھلان تھا اور ڈھلان پر ہی ایک جگہ اندر کی جانب ایک  
 قلعہ بنا ہوا تھا۔ ناگ آہستہ آہستہ پلٹا شکاف کے منہ پر آ

گیا۔ یہاں پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس شکاف میں کوئی  
 انسان رہتا ہے۔ کیونکہ شکاف کے باہر پتھروں کو جوڑ کر میٹھے  
 کے لیے ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا دیا گیا تھا۔ ناگ نے مہانگ  
 کر شکاف کے اندر دیکھا۔ یہ ایک غار سی تھی۔ اندر گھب  
 اندھیرا تھا۔ پھٹ پھٹا ہٹ کی آواز سنائی دی اور ایک چمکاوڑ  
 تیزی سے پھٹ پھڑاتی ہوئی باہر کو اڑ گئی۔ ناگ ایک طرف کو  
 ہو گیا کیونکہ اس کے پیچھے دوسری چمکاوڑیں بھی آرہی تھیں۔  
 جب ساری چمکاوڑیں اڑ گئیں تو ناگ غار میں داخل ہو  
 گیا۔ اس غار کی چھت بھی اور پچی تھی اور پتھر کے بڑے بڑے  
 قدرتی ستون چھت سے لے کر فرش تک بنے ہوئے تھے۔  
 ناگ اب پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ غار لمبی تھی۔  
 فضا میں نمی تھی اور چمکاوڑوں کی بو کے علاوہ اسے ایک  
 عجیب سی بو بھی محسوس ہوئی۔ یہ بو کسی تیزاب کی لگتی تھی۔  
 ناگ غار کی دیوار کے اُبھرے ہوئے پتھروں کے  
 ساتھ لگ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ غار کی دیوار  
 میں ایک کوٹھڑی سی بنی ہوئی تھی جس کا کوئی دروازہ نہیں  
 تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے یہاں سے پتھر کی  
 دیوار کو کھود کر لہنے کے لیے جگہ بنائی ہوئی ہے۔ ناگ رگ  
 لیا۔ حوض سے اندر دیکھا۔ کوٹھڑی میں کوئی انسان نہیں تھا۔



لیکن اسے دیوار کے ساتھ کچھ ٹٹا ہوا دکھائی دیا۔ ناگ نے قریب جا کر دیکھا تو یہ خلائی لباس تھا۔ ناگ چونک اٹھا۔ کہیں گمشدہ پراسرار خلائی انسان اسی جگہ تو نہیں رہتا۔ اس نے خلائی لباس کو ہاتھ سے چھوا۔ یہ لباس کسی سخت ریشے سے بنا تھا جو سخت بھی تھا مگر اس میں لچک بھی تھی۔ یہ لباس اس کے ہاتھ لگانے سے ایک جگہ سے پھٹ گیا اور ریشے الگ ہو گئے۔ یہ بے حد پرانا اور بوسیدہ خلائی لباس تھا۔ کونے میں اسے ایک بستر لگا نظر آیا۔ سبز خشک جھاڑیوں کا تھا۔ سربانے کی جانب شیشے کا ایک چھوٹا سا مرتبان پڑا تھا جس کی شکل ذرا لمبوتری تھی۔ اس پر شیشے ہی کا ڈھکن تھا۔ ناگ کے لیے یہ بہت بڑی دریافت تھی۔ اس نے ہزاروں برس سے گم ہو چکے خلائی انسان کا سراغ لگا لیا تھا۔ وہ یہ خوش خبری جلدی سے جا کر تھیں سانگ اور ماریا کو سنانا چاہتا تھا۔ جو ہنسی وہ کو ٹھٹھری سے نکل کر غار میں واپس جانے کے لیے مڑا اسے غار میں قدموں کی آواز سنائی دی۔

قدموں کی آواز جاری اور بوجھل تھی۔ کوئی آہستہ آہستہ غار میں اس کو ٹھٹھری کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اب اتنا وقت نہیں تھا کہ ناگ انسانی شکل میں کو ٹھٹھری سے باہر نکلتا۔ وہ دیکھا جا

سکتا تھا۔ پانچہ اس نے گہرا سانس بھر کر ایک چھوٹے لٹے سانپ کی شکل اختیار کی اور کو ٹھٹھری کے اندھیرے میں سے رینگ کر باہر غار کی دیوار پر آ گیا۔ ناگ نے دیوار سے چھپے ہوئے اندھیرے میں غور سے دیکھا کہ آگے کو ٹھٹھکے ہوئے کندھوں والا ایک عجیب سا آدمی گھسٹتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ جسم پر چمڑے کا لباس کوٹ ہے۔ بازو بن مانس کے بازو کی طرح لمبے لمبے ہیں اور لنگ رہے ہیں۔ مگر یہ دیکھ کر ناگ دنگ رہ گیا کہ اس کا سر شیشے کا تھا۔ ناگ بھی شیشے کی تھی۔ کان ہونٹے مانتا گردن اور آنکھیں، سب شیشے کا تھا مگر اس شیشے کا دنگ سبز تھا اور اس میں آنکھیں سرخ یا قوت کی طرح لگی تھیں جن میں سے روشنی کی ہلکی ہلکی کرنیں نکل رہی تھیں۔ ناگ اس طیلے کے عجیب و غریب آدمی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں تھا کہ یہی پراسرار خلائی انسان تھا جو ہزاروں برس سے اس علاقے میں رہ رہا تھا اور آج تک اسے کبھی کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ بس اس کے بارے میں کہانیاں ہی مشہور تھیں کہ ایک خلائی انسان یہاں زمین پر رہ گیا ہے جو شاید خلائی جہاز میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نہیں جاسکا یا پھر خلائی مخلوق اسے سزا دینے کی خاطر زمین پر ان جہازوں میں پھنسا



گئی ہے۔  
یہ شیشے کا آدمی جب ذرا قریب آیا تو ناگ کو اس کی شیشے کی کھوپڑی میں سے اس کا دماغ صاف نظر آیا۔ ناگ کے جسم میں ایک کپکپی سی دوڑ گئی۔ آج تک اس نے کسی انسانی کھوپڑی کو اس حالات میں نہیں دیکھا تھا کہ اس میں سے دماغ پوری طرح دکھائی دے رہا ہو۔ چلتے چلتے خلائی انسان ایک دم سے رُک گیا۔ ناگ چونکا ہو گیا۔ کہیں اسے ناگ کی موجودگی کا علم تو نہیں ہو گیا؟ ابھی وہ سوچ رہا تھا کہ شیشے کے خلائی انسان نے چہرہ اٹھا کر دیوار پر اس جگہ نظریں جمائیں جہاں ناگ سانپ کی شکل میں چمٹا ہوا تھا۔

خلائی انسان کی یا قوتی آنکھوں میں سے نکلتی شعاع ناگ کے جسم پر پڑی اور اسے بجلی کا کرنٹ لگا اور وہ دیوار سے الگ ہو کر فرش پر گر پڑا۔ ناگ نے وہاں سے باہر کی جانب دوڑنا چاہا مگر یہ محسوس کر کے وہ دھک سے رہ گیا کہ اس کے جسم کی طاقت ختم ہو گئی تھی۔ اس کے جسم نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ناگ سانپ کی شکل میں جہاں گرا تھا اس جگہ بے حس پڑا تھا۔ ناگ نے سانس کھینچ کر چاہا کہ کوئی پرندہ بن کر وہاں سے اڑ جائے مگر وہ سانس نہ کھینچ سکا۔ خلائی انسان نے جب کہ زمین پر پڑے ناگ کو دیکھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اسے

اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھا۔ اپنی شیشے کی ناگ کے پاس لے جا کر سونگھا۔ ناگ کو خلائی انسان کے چہرے سے نکلتی تیزاب کی بو محسوس ہوئی۔ یہی وہ بو تھی جو اس غار میں پھیلی ہوئی تھی۔ خلائی انسان نے ناگ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کوٹھڑی میں آگیا۔ اس نے اپنے بستر کے سرہانے کے پاس رکھے شیشے کے مرتبان کا ڈھکنا اٹھایا۔ ناگ کو اس کے اندر ڈالا اور ڈھکنا بند کر دیا۔ ناگ کسی قسم کی حرکت نہیں کر سکتا تھا مگر وہ سن سکتا تھا۔ دیکھ سکتا تھا۔ اس نے آواز نکالنی چاہی مگر وہ بول نہیں سکتا تھا۔ ناگ سمجھ گیا کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس چکا ہے۔ وہ مرتبان کے اندر پڑا غور سے باہر دیکھ رہا تھا۔ خلائی انسان خشک جھاڑیوں کے بستر پر بیٹھ گیا۔ اس نے سرہانے کے نیچے سے ایک سبز رنگ کے شیشے کی چھوٹی سی ماچس جتنی ڈبی نکالی۔ اس کے ایک پن کو دبایا۔ پن کے دباتے ہی ڈبی میں سبز نقطہ چمکنے بجھنے لگ گیا۔ اس ڈبی کو جو خدا جانے کتنی طاقت کا ریڈیو ٹرانسمیٹر تھا خلائی انسان نے اپنے ہونٹوں کے پاس لے جا کر ایک ایسی انوکھی زبان میں جس کو دنیا کے انسانوں میں سے شاید صرف ناگ ہی سمجھ سکتا تھا کہ

”زمین کی ایک نئی مخلوق بھیج رہا ہوں۔“

ایسی مخلوق ہمارے چاند پر بھی نہیں ہوگی۔ شاید یہ چاند



میں سائنسی تجربے میں کام آئے۔  
 ناگ تو مٹن ہو کر رہ گیا۔ یہ تو اسے اپنے کسی خلائی سیارے  
 میں پہنچا رہا ہے جس کو یہ اپنا چاند کہتا ہے۔ اب کیا کروں۔ ناگ  
 کا ذہن پریشان ہو گیا۔ اسے غنبر کیٹی، تھو سا نگ اور ماریا کا  
 خیال آنے لگا کہ اس کی گمشدگی سے ان پر کیا گزرے گی؟  
 دوسری طرف سے کوئی جواب ضرور آ رہا تھا مگر وہ سبز  
 لفظ کے چلنے بچھنے کی شکل میں آ رہا تھا جو کوڈ زبان بلکہ کوڈ  
 اشارے تھے جن کو ناگ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ خلائی انسان  
 نے ایک بار پھر کہا۔

”یہ ایک کیڑا ہے جس کو یہاں کے لوگ سانپ کہتے ہیں۔  
 اس کے اندر ایک ایسا زہر پایا جاتا ہے جو یہاں کے انسانی  
 خوں کے سرخ ذرات کو تباہ کر دیتا ہے۔“  
 ایک پل کے لیے وہ خاموش ہو گیا جیسے دوسری طرف  
 سے آنے والے روشنی کے اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کر  
 رہا ہو۔ تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔

”میری قید کے دن پرسوں رات کو ختم ہو جائیں گے۔ مجھے اس  
 زمین پر رہتے ہوئے پانچ ہزار برس پورے ہو جائیں گے ٹھیک  
 سچ۔ میں پرسوں تمہارے بھیجے ہوئے راکٹ میں آ جاؤں گا مگر  
 اگر وہاں تک پہنچنے میں تاخیر ہو جائے تو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں جس کے

جسم میں سے مجھے ایک انسان کی بو آ رہی ہے۔ یہ ایک معجزے  
 جو ہمارے چاند کی سائنسی ستجربہ گاہ میں ہی حل ہو سکے گا!  
 یہ کہہ کر خلائی انسان نے پن کو ایک بار پھر دبا دیا۔ سبز  
 لفظ کی روشنی بجھ گئی۔ خلائی انسان نے ریڈیو ٹرانسمیٹر سربانے  
 کے نیچے رکھ دیا اور ناگ کے مرتبان کی طرف اپنی شیشے کی  
 سرخ آنکھوں سے دیکھا۔ ناگ کو معلوم تھا کہ اس کے ساتھ  
 کیا ہونے والا ہے۔ شیشے کے سروال خلائی انسان اب اسے  
 اپنے خلائی چاند پر بھیج دے گا اور پھر خدا جانے تھو سا نگ  
 ماریا اور غنبر کیٹی سے ب ملاقات ہو۔

شیشے کے سروالے خلائی انسان نے شیشے کا مرتبان  
 اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھایا۔ اسے اپنی آنکھوں کے  
 سامنے لایا۔ ایک دم سے اس کی آنکھوں سے سرخ زرد اور  
 ہنر شعا عین نکل کر مرتبان پر پڑنے لگیں۔ ناگ پر بے ہوشی طاری  
 ہو گئی۔ چند سیکنڈ کے اندر ناگ مرتبان میں سے غائب ہو چکا  
 تھا۔ خلائی انسان نے خالی مرتبان کے ایک بار پھر سربانے  
 کے پاس رکھ دیا۔ اور خود اٹھ کر غار کے باہر جا کر کھڑا ہو گیا۔  
 اس کا شیشے کا چہرہ اوپر کواٹھا تھا۔ اس کی شیشے کی سرخ  
 آنکھیں آسمان پر چمکتے ستاروں میں سے ایک سرخ سیارے  
 کو ٹک رہی تھیں۔ یہی سیارہ اس شیشے کے سروال مخلوق کا



چاند تھا۔ جو عطار کا چاند تھا اور جہاں ناگ پہنچ چکا تھا۔ خلائی  
انسان بالکل سیدھا کھڑا تھا۔ کچھ دیر وہ آسمان پر چمکتے اپنے  
چاند کو ٹکاتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ گھٹتا غار میں داخل ہو گیا۔ ہر  
طرف رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ خلائی انسان اپنے بستر پر  
اگر لیٹ گیا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک کشتی کی پنسل نکالی۔  
یہ پنسل ایسے چمک رہی تھی جیسے اس کے اندر چھوٹا سا بلب  
جل رہا ہو۔ پنسل کو اس نے اپنے منہ میں ڈال لیا۔ منہ میں ڈالتے  
ہی خلائی انسان کا کشتی کا سر پہلے سفید ہوا پھر نسواری اور اس  
کے بعد غائب ہو گیا اب خلائی انسان کا دھڑ نظر آ رہا تھا سر  
غائب ہو گیا۔ اب خلائی انسان اس کو ٹھٹھڑی میں بستر پر موجود  
تھا مگر وہ کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ اسی خلائی پنسل کی کرامت  
تھی۔ مگر فضا میں تیز اب ایسی بو اسی طرح پھیلی ہوئی تھی کیونکہ  
خلائی انسان وہاں موجود تھا اگرچہ وہ غائب تھا۔ لیکن منہ  
سے پنسل نکالنے پر دوبارہ ظاہر ہو سکتا تھا۔

## ناگن کوئین

جب ناگ کو گئے کافی دیر ہو گئی تو تھیو سانگ بولا۔  
”اے اب تک آ جانا چاہیے تھا ماریا“  
ماریا نے کہا۔  
”میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ شام سے رات ہو گئی ہے  
مگر ناگ ابھی تک واپس نہیں آیا۔“  
تھیو سانگ کہنے لگا۔  
”ہو سکتا ہے وہ خلائی انسان کی تلاش میں دُور نکل گیا  
ہو؟“  
ماریا بولی۔

یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خلائی انسان کی وجہ سے وہ کسی مشکل  
میں گرفتار ہو گیا ہو۔“  
تھیو سانگ فکر مند ہو کر کہنے لگا۔  
”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ اس علاقے میں  
عنبر ناگ ماریا خلائی 237



۲۸  
 کوئی نہ کوئی خلائی انسان ضرور موجود ہے کیونکہ مجھے کسی وقت ہوا  
 کے ایک عجیب سنناہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔  
 ماریا بخشنے لگی۔  
 تھیو سانگ تمہیں تو بہ وقت ہی سنناہٹ محسوس  
 ہوتی رہتی ہے۔ میری مانو اور اٹھو! ہمیں ابھی چل کر ناگ کو  
 تلاش کرنا ہوگا۔ دیر ہو گئی تو ممکن ہے وہ ہماری پہنچ سے باہر  
 ہو جائے۔  
 تھیو سانگ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”تم ٹھیک کہتی ہو۔ چلو۔ ہم اسی وقت چلتے ہیں۔“  
 دونوں غار میں سے نکل کر باہر آ گئے۔ اگرچہ رات کی تاریکی  
 چاروں طرف پھیلی تھی لیکن تھیو سانگ اور ماریا اس اندھیرے  
 میں بھی تھوڑا بہت دیکھ سکتے تھے۔ وہ نچروں پر بیٹھے۔ تھیو سانگ  
 نے چونک کر کہا۔

”ماریا! تم نے ایک بات محسوس کی؟“  
 ”کون سی بات؟ ماریا نے پوچھا۔“

تھیو سانگ بولا۔

”ناگ کی خوشبو آنا بند ہو گئی ہے۔“

ماریا نے چونک کر کہا

”تم نے ٹھیک کہا۔ تھیو سانگ! میرا تو اس طرف خیال

بھی نہیں گیا تھا۔ ناگ کی تو سچ مچ خوشبو نہیں آ رہی۔  
 پھر کچھ سوچ کر بولی۔

”ہو سکتا ہے وہ اڑتے اڑتے بہت دُور نکل گیا ہو؟“  
 تھیو سانگ نے گہوڑے کو ایک طرف جھکا دیا اور بولا۔  
 ”خدا کرے کہ ایسا ہی ہو؟“

مگر تھیو سانگ کی چھٹی خلائی حس نے اسے الارم دے  
 دیا تھا کہ ناگ اس زمین پر نہیں ہے اور خلائی انسان کے  
 ہتھے چڑھ گیا ہے۔ لیکن وہ ابھی یہ بات ماریا سے نہیں کرنا  
 چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کا اندازہ غلط بھی ہو سکتا تھا۔ وہ یہی  
 سوچ رہا تھا اور اندھیری رات میں ان کی فخریں ادبھی بھی  
 گھاٹیوں میں سے گذرتی کافی آگے نکل آئی تھیں۔ لیکن وہ غار  
 جہاں خلائی انسان رہتا تھا وہاں سے بہت دور تھی۔ ناگ  
 تو عقاب کی شکل میں تیز رفتاری سے اڑتا ہوا دس منٹ میں  
 پہنچ گیا تھا۔ تھیو سانگ اور ماریا نہ تو غائب ہو سکتے تھے  
 اور نہ ہی وہ اڑ سکتے تھے اس لیے انہیں اس علاقے میں  
 پہنچتے پہنچتے تین دن گزر گئے۔ اتنے عرصے میں خلائی انسان  
 وہاں سے واپس جا چکا تھا۔ اس خلائی انسان کو پانچ ہزار  
 سال قید کی سزا ملی تھی جس کی وجہ سے اسے زمین پر پھینک  
 دیا گیا تھا۔ یہاں کبھی عطارو کے چاند کی۔ شیشے کے سروالی



مخلوق آسمان سے سات آٹھ ہزار برس پہلے ابتداء کرتی تھی۔ پھر ان کا  
اس زمین کا مشن پورا ہو گیا اور وہ واپس چلے گئے۔ مگر قیدی  
خلائی انسان زمین پر برازیل کے غار میں باقی رہ گیا تھا۔ اس  
کا اپنے چاند کے ساتھ ایک چھوٹے ریڈیو ٹرانسمیٹر کے ذریعے  
رابطہ قائم تھا۔ جس مدت بارہ بجے اس کی زمین کی قید کی  
مدت ختم ہو گئی تو اچانک دور آسمان پر سے ایک نفا سا روشن  
نقطہ نیچے زمین کی طرف آنے لگا۔ اپنے خلائ چاند اور زمین  
کے درمیان آدھے فاصلے پر آکر یہ روشنی کا نقطہ رک گیا۔ پھر  
اس میں سے سبز رنگ کی ایک شعاع نکل کر سیدھی اس غار کے  
دروازے پر پڑی جہاں کشتے کے سردار لاقیدی خلائ آدمی دو  
زاتوں پر بیٹھا تھا۔ شعاع اس کے سر پر آکر پڑی۔ اس کا سر  
روشن ہو گیا اور پھر وہ غائب ہو گیا۔ وہ غائب ہو کر روشنی کے ذریعہ  
کی شکل میں اس روشنی کی لکیر میں چلا گیا تھا۔ روشنی کے لکیر نے  
واپس جانا شروع کر دیا اور وہ اپنے نقطے میں داخل ہو گئی۔  
اس کے بعد یہ روشنی کا نقطہ واپس اپنے چاند کی طرف چلنے لگا  
اور تھوڑی دیر بعد وہ بھی آسمان پر موجود نہیں تھا۔

خلائی قیدی زمین پر اپنا پانچ ہزار سال کی قید پوری کرنے  
کے بعد واپس اپنے چاند پر جا چکا تھا۔ اس وقت تھیو ساگ  
نے خلائ آدمی کی اس غار والی سرزمین سے ایک دن کے

فاصلے پر تھے مگر تھیو ساگ چونکہ خود خلائ انسان تھا اس لئے اس  
نے جب روشنی کی ایک لکیر کو اوپر آسمان کی طرف جاتے دیکھا تو  
ماریا سے بولا۔

”کوئی شے زمین سے اوپر خلا کی طرف گئی ہے۔  
ماریا نے بھی روشنی کی لکیر کو ایک سیارے میں داخل ہوتے  
دیکھا۔ پھر یہ روشنی کا نقطہ بھی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔  
ماریا نے پریشان ہو کر کہا۔

کہیں ناگ کے ساتھ کوئی خطرناک حادثہ تو نہیں ہو گیا؟  
تھیو ساگ سانس بھر کر بولا۔

”ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ لیکن ہو بھی سکتا ہے کیونکہ یہاں پر  
ایک خلائ انسان موجود ہے جس کا اوپر خلا سے رابطہ ہے۔“  
پھر اس نے اس علاقے کی طرف دیکھا جہاں سے اسے  
پہلے بار روشنی کی لکیر اوپر جاتے نظر آئی تھی۔ اس نے کہا،  
ماریا! ہمیں اس پہاڑی کی طرف چلنا چاہیے ہو سکتا ہے  
وہاں ناگ کا کچھ سراخ مل جائے۔“

اس وقت شام ہونے والی تھی۔ وہ ساری رات پہلے  
رہے۔ دن کے وقت اس چھوٹے سے ریتے ٹیلے کے پاس  
پہنچے جس کی دوسری جانب فاصلان پر وہ غار تھا جہاں کشتے  
کے سردار خلائ انسان رہ کر رہتا تھا۔ ٹیلے کے اوپر تھیو ساگ



کو ایک پوترہ نظر آیا تو وہ ماریا کو لے کر ٹیلے کے ادب آگیا۔ یہ  
 پوترہ پانی کا حوض تھا۔ تھیو سانگ نے ناگ کو پکڑ کر ہکا سا  
 سانس دیا اور کہنے لگا۔  
 یہ ایک خاص خلائی تیزاب کی بو ہے۔ یہاں خلائی مخلوق  
 موجود ہے۔ تم حوض کے پیچھے چھپ جاؤ۔ میں ٹیلے کی دوسری طرف  
 جا کر دیکھتا ہوں۔  
 ماریا حوض کی دیوار کے ساتھ پیچھے کو ہو کر بیٹھ گئی۔ تھیو  
 سانگ آہستہ آہستہ چلتا دوسری طرف کی ڈھلان اترنے لگا۔  
 کیونکہ خلائی تیزاب کی بو اسی طرف سے آرہی تھی۔ پھر اسے وہ  
 شکات نظر آیا جس کے اندر غار تھا۔ تیزاب کی بو اس غار میں سے  
 نکل رہی تھی۔ اگرچہ وہاں خلائی انسان موجود نہیں تھا مگر اس  
 کے جسم سے نکلنے والی تیزابی بو کا اثر ابھی تک فضا میں موجود تھا۔  
 تھیو سانگ غار میں داخل ہو گیا۔ وہ ٹھونک ٹھونک کر قدم  
 اٹھا رہا تھا۔ غار بالکل خالی تھا۔ اچانک اندھیرے میں اسے  
 بائیں جانب ایک کوٹھڑی نما شکات دکھائی دیا۔ تھیو سانگ  
 اندھیرے میں ہر شے دیکھ سکتا تھا۔ وہاں سب سے پہلے اسے  
 دیوار کے ساتھ شکات پرانا خلائی لباس نظر آیا۔ زمین پر خشک  
 جھاڑیوں کے بستر کے پاس شیٹے کا مرتبان پڑا تھا۔ یہ مرتبان  
 تھیو سانگ نے اسے کھول کر سرنگھا۔ وہ چونک پڑا۔

اس میں سے ناگ کی ہلکی ہلکی بو آرہی تھی۔ اس نے غار سے باہر نکل  
 کر ماریا کو بلایا اور مرتبان دکھا کر کہا۔  
 ماریا اس میں سے ناگ کی خوشبو آرہی ہے۔  
 کیا مطلب ہے تمہارا؟ ماریا نے قریب آ کر پوچھا۔  
 تھیو سانگ کہنے لگا۔  
 میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے مجھے اس سلسلے میں  
 کہ ناگ کے ساتھ کوئی حادثہ گزر گیا ہے۔  
 ماریا غار میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیوار  
 سے ٹکے ہوئے خلائی لباس کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ تو خلائی  
 سوٹ معلوم ہوتا ہے۔  
 تھیو سانگ نے کہا۔  
 وہاں اُنخستہ بوسیدہ خلائی سوٹ موجود ہے مگر خلائی انسان  
 موجود نہیں ہے۔ یہ ہزاروں برس پرانا خلائی سوٹ ہے۔  
 وہ تو کیا؟ ماریا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ کیا ناگ؟  
 وہ چپ ہو گئی۔ اس سے آگے کوئی لفظ ادا کرنے کی اس  
 بہمت نہیں تھی۔  
 تھیو سانگ بولا۔  
 ہو سکتا ہے خلائی انسان ناگ کو اغوا کر کے اپنے ساتھ  
 گیا ہو؟



ماریا بولی  
 "اوه نہیں نہیں تھیو سانگ ! ایسا نہیں ہوتا چاہیے۔ اگر ایسا  
 ہو گیا۔ تو ہم ناگ کو کہاں تلاش کریں گے؟ پہلے ہی عنبر اور کیٹی  
 ہمیں نہیں مل رہے۔  
 تھیو سانگ نے کہا۔  
 "کچھ نہیں کہا جاسکتا !  
 ماریا نے کہا۔

"لیکن خلائی انسان ہو سکتا ہے اسی زمین پر موجود ہو اور  
 ناگ ابھی تک اس کے پاس ہو؟  
 تھیو سانگ نے فضا کو سوٹھ کر کہا۔  
 "خلائی تیزابی بو آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی ہے اس کا مطلب  
 ہے کہ جو کوئی خلائی انسان یہاں پر تھا وہ اب نہیں ہے۔ وہ یہاں  
 سے دور۔ بہت دور جا چکا ہے۔  
 ماریا تو سرکڑ کر بیٹھ گئی۔ تھیو سانگ نے اسے کسی قدر  
 حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ناگ خلائی انسان کے ساتھ نہ گیا  
 ہو اور وہ اسی علاقے میں کہیں ہو۔"  
 ماریا کی حقوڑی بہت تسلی ہو گئی۔ مگر تھیو سانگ جانتا تھا  
 کہ ناگ وہاں پر نہیں ہے۔ کیونکہ جس شیشے کے خلائی مرتبان

میں اس نے دیکھا تھا وہ خاص طور پر چیزوں کو روشنی کے ذریعہ  
 میں بدل کر اوپر خلا میں پہنچانے کے لئے بنایا گیا تھا مگر ماریا  
 سے اس نے اس کا ذکر نہ کیا اور غار میں ادھر ادھر تلاش  
 لینے لگا۔ غار میں سو اسے پرانے شستہ خلائی لباس اور شیشے  
 کے مرتبان کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ تھیو سانگ نے ماریا کو  
 ساتھ لیا اور غار کے باہر حوض کے کنارے آکر بیٹھ گئے۔  
 غریب ابھی تک حوض میں سے پانی پی رہی تھیں۔ تھیو سانگ  
 نے کہا۔

"ماریا ! اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ناگ ہمیں دوبارہ آئے  
 یا ہمیں کوئی سراخ ملے تو ہمیں کچھ حوصلہ اس غار میں ہی رہنا  
 ہو گا۔

ماریا کہنے لگی۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں یقین ہے کہ ناگ اوپر کسی  
 خلائی سیارے میں جا چکا ہے۔"

"ہاں" تھیو سانگ بولا "میں اب تمہیں بتا دینا چاہتا  
 ہوں کہ ناگ کو خلائی انسان اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اب  
 امید کی ایک ہی صورت ہے کہ ہو سکتا ہے کوئی خلائی فلوک  
 یہاں واپس آ جائے۔ اس طرح سے ہم ناگ کا کچھ نہ کچھ  
 سراخ لگانے میں مدد ملے گی۔ میں چھوٹے غار خلائی انسان



ہوں اس لیے دوسری خلائی مخلوق سے بات کر سکتا ہوں۔  
 ماریا نے سر جھکا دیا۔ پھر نا اُمید سی ہو کر بولی۔  
 "ہیں سب تک یہاں رہنا ہو گا؟"  
 تھیو سانگ نے کہا۔

"کم از کم دو تین ماہ تک ضرور یہاں رہ کر انتظار کرنا ہو گا۔ دوسری کوئی ایسی جگہ بھی نہیں ہے کہ جہاں ہمیں ناگ کا کچھ پتہ معلوم ہو سکے۔ چونکہ یہی ایک غار ہے جہاں کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی وقت کسی خلائی انسان کے واپس آنے کی امید ہے اس لیے ہمیں کم از کم دو ماہ اس غار میں ضرور رہنا ہو گا۔

ماریا نے لمبا سانس بھرا اور بولی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم دو ماہ تک اسی غار میں رہیں گے۔ اگر اس دوران ناگ کا کچھ پتہ نہ چل سکا تو پھر ہمیں غنبر اور کیٹی کی تلاش میں جانا ہو گا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر ہم غنبر کیٹی کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔ یہ کہہ کر تھیو سانگ نے شجروں کے اوپر سے زین اتار کر نیچے رکھ دیں اور دریاں سے جا کر غار کے منہ کے پاس ہی زمین پر کھپانے لگا۔

دوسری طرف ناگ شیشے کے سروالی چاند کی مخلوق کی نمائندگی  
 تجربہ گاہ میں پہنچ چکا تھا۔ یہ عطا رو کے چاند کی مخلوق تھی۔  
 سب کے سر سبز شیشے کے تھے۔ بازو لمبے تھے اور آنکھیں  
 سرخ یا قوت کی تھیں۔ ناگ سانپ کے شکل میں جدید ترین  
 خلائی تجربہ گاہ کی سفید چمکیلی شیشے کی میز پر شیشے کی ایک  
 پلیٹ پر بے حس پڑا تھا اور تین سبز کشتے کے سروالے سائنس دان  
 اس پر جھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے ناگ کے جسم کے ساتھ دو  
 باریک تار لگا رکھے تھے۔ قریب ہی ایک چھوٹا سا کمپیوٹر  
 رکھا تھا جس پر ناگ کے دل کی دھڑکنیں۔ خون کا دباؤ  
 اور جسم کا ٹمپرچر ظاہر ہو رہا تھا۔ ناگ خاموشی سے یہ سب  
 کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ بول نہیں سکتا تھا۔ حرکت نہیں کر سکتا  
 تھا مگر دیکھ سکتا تھا اور سن سکتا تھا۔ سائنس دان کمپیوٹر کو  
 غور سے دیکھتے رہے۔ پھر کونے میں جا کر آپس میں دھیمی سرگوشیوں  
 میں باتیں کرنے لگے۔ ناگ بلک ان کی آواز نہیں پہنچ رہی تھی۔  
 تینوں سائنس دانوں نے ناگ کی طرف گردنیں گھما کر  
 دیکھا اور لیبارٹری سے باہر نکل گئے۔ ناگ اکیلا رہ گیا۔ اس  
 نے ایک بار پھر اپنی شکل بدلنے کی کوشش کی مگر وہ ایسا نہ کر  
 سکا۔ اتنے میں ایک سبز سروالی عورت اندر داخل ہوئی اس  
 نے نرسوں والا سفید لباس پہن رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی سیاہ



ذبان میں کہا۔

وہ اسے کوئین کے پاس لے جا کر بند کر دو۔

نرس نے ناگ کو دوبارہ پلاسٹک کے لفافے میں ڈالا اور وہاں سے نکل گئی۔ وہ لفٹ کے ذریعے لیبارٹری کی اہل منزل میں آگئی۔ یہاں سے وہ ایک ایسے کمرے میں گئی جس کی دیواریں سبز شیشے کی تختیاں اور فرش اور چھت بھی سبز شیشے ہی کے تھے۔ کمرے کے درمیان میں ایک شیشے کا بکس بڑا تھا۔ ناگ نے پلاسٹک کے لفافے میں سے دیکھا کہ شیشے کے بکس میں پہلے سے ایک ایسی ناگن کنڈل مارے بیٹھ تھی جس کا سپر سبز رنگ کے شیشے کا تھا۔ اس نے اپنا چہن اٹھا دیکھا تھا۔ ناگ اس عجیب و غریب ناگن کو دیکھ کر حیران ہوا۔ نرس نے ناگ کو تھیلے میں سے نکلایا اور شیشے کے بکس میں ڈالتے ہوئے کہا۔

کوئین! یہ تمہارا قیدی ہے۔ تم جانتی ہو کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔“

نرس چلی گئی تو ناگ نے کوئین ناگن کی طرف دیکھا۔ یہ دنیا ہی دوسری تھی۔ کوئی خلائی سیارہ یا جہاز تھا، یہاں کوئین ناگن کو بھینسا کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ ناگ سانپوں کا دیوتا ہے۔ کوئین ناگن نے اپنی لال لال انار کے دانوں ایسی

یا قوت کی شبیہ اور ان میں سے ہلکی ہلکی روشنی نکلتی رہی تھی۔ وہ ناگ کے قریب آئی۔ میز پر سے ایک بھونٹا پلاسٹک کا لفافہ اٹھایا۔ ناگ کو اس میں ڈالا اور باہر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک خلائی لفٹ کے ذریعے لیبارٹری کی اوپر والی منزل میں آگئی۔ یہاں دیوار پر ٹیلی ویژن کی ایک بڑی سکرین لگی تھی۔ درمیان میں ایک شیشے کا چھوٹا گول سلیڈ میز پر رکھا تھا۔ وہی تین سائنس دان شیشے کی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے شیشے کی سلیٹیں رکھی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں شیشے کی پنسلیں تھیں۔ نرس نے ناگ کو پلاسٹک کے لفافے میں سے نکال کر شیشے کے سلیڈ میں آرام سے رکھ دیا۔ خود پر سے ہٹ گئی اور ایک بٹن کو دبایا۔ سلیڈ میں ہلکی سی روشنی پھیل گئی۔ ناگ نے جو ٹیلی ویژن کی بڑی سکرین پر نگاہ ڈالی تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھل کھل رہ گئیں۔ سکرین پر وہ سانپ کی بجائے اپنی انسانی شکل میں نظر آ رہا تھا۔ سائنس دانوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر شیشے کی سلیٹوں پر کچھ لکھا۔ نرس کی طرف اشارہ کیا۔ نرس نے دوسرا بٹن دبا دیا۔ سکرین پر سے ناگ کی انسانی شکل غائب ہو گئی۔ ایک سائنس دان نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے نرس کی طرف دیکھ کر اپنی عجیب و غریب



آنکھوں سے ناگ کی طرف دیکھا اور اپنا چہن اس کے بالکل قریب  
 سے آئی۔ ناگ کو چہن میں سے سینک آتے محسوس ہوا۔ کوئین  
 ناگن سے بٹل سے پھسکا رہی۔ اس پھسکار میں گری تھی۔ اس کو  
 اثر یہ ہوا کہ ناگ کے جسم میں ایک دم سے زندگی کی لہر دوڑ گئی  
 وہ حرکت کر سکتا تھا۔ ناگ نے کنڈلی مار کر اپنا چہن اٹھا  
 لیا اور سانپوں کی زبان میں بولا۔  
 "میرا نام ناگ ہے۔ میں زمین کے سانپوں کا دیوتا ہوں۔  
 کیا تم میری زبان سمجھ رہی ہو؟"  
 کوئین ناگن نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنی زبان میں بولی۔  
 "تم میرے قیدی ہو۔ میرا کام صرف اتنا ہے کہ تین روز تک  
 تمہیں ڈستی رہوں تاکہ تمہارے جسم کے خون کے سارے ذرات  
 سبز کالچ کے بن جائیں۔"  
 ناگ نے اسی کی زبان میں کہا۔  
 "تم یہ کس لئے کر رہی ہو؟ یہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک  
 کرنے والے ہیں؟"  
 اب تو کوئین ناگن نے ہونک کر ناگ کی طرف دیکھا۔ یہ دیکھ  
 کر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ ناگ ان کی خلائی زبان  
 سمجھ بھی سکتا تھا اور بول بھی سکتا تھا۔ اس نے اپنا سبز شیشے  
 کا چہن اٹھا لیا اور بولی۔

"تم ہماری زبان کس طرح سمجھ لیتے ہو؟ تم تو زمین کے رہنے  
 والے سانپ ہو؟"  
 ناگ نے سوچا کہ اس پر اثر ڈالنے کا یہ اچھا موقع ہے۔ اس  
 نے کہا۔  
 "کوئین! میں تمام سیاروں کی مخلوق کی زبان سمجھتا ہوں۔  
 کیوں کہ میں تمام سیاروں کے سانپوں کا دیوتا ہوں۔  
 کوئین ناگن نے کہا۔  
 "یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم اصل میں ایک ایسے سانپ  
 ہو جو سو برس تک زمین پر زندہ رہنے کے بعد انسان کی شکل  
 بدل سکتا ہے۔ لیکن تم دیوتا بھی ہو؟ یہ مجھے معلوم نہیں تھا تمہارے  
 پاس تمہارے دیوتا ہونے کا کیا ثبوت ہے؟  
 ناگ بولا۔  
 "اگر تمہاری پھسکار سے میری طاقت مجھے واپس مل گئی ہے  
 تو میں ثابت کر سکتا ہوں۔ کیونکہ ایک سو سال تک زندہ رہنے  
 والا سانپ صرف انسان کی شکل میں ہی ظاہر ہو سکتا ہے لیکن  
 سانپوں کے دیوتا کو یہ طاقت بھی حاصل ہوتی ہے کہ وہ جس  
 جاندار یا چرند پرند کی شکل چاہے بدل سکتا ہے۔"  
 ناگن کوئین بولی۔  
 "اگر ایسی بات تو ہے تو مجھے انسان کے علاوہ کوئی دوسری



شکل اختیار کر کے دکھاؤ۔ یہ میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ جو طاقت تم زمین سے لے کر یہاں آگے تھے وہ تمہیں واپس مل چکی ہے۔  
ناگ نے کہا۔

”تو پھر میں تمہیں بچھو کا روپ بدل کر دکھاتا ہوں۔“  
اتنا کہہ کر ناگ نے ہلکا سا سانس بھرا اور دوسرے لمحے وہاں سانپ کی جگہ ایک سیاہ رنگ کا بچھو بیٹھا اپنی دم کے ڈنگ کو آگے پیچھے کر رہا تھا۔ ناگن کو یوں کو سرگرمی یہ توقع نہیں تھی کہ یہ سانپ جس پرند پرند کی چاہے شکل بدل سکتا ہے۔ آپ اسے یقین آگیا کہ یہ سانپ محض وہ سانپ نہیں ہے جو اگر سو سال تک زندہ رہے تو انسانی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ تو کوئی بہت بڑا جادوگر ہے جو سانپ کی شکل میں گھوم پھر رہا تھا کہ خلائی چاند والوں کے ہاتھ آگیا۔ ناگ نے فوراً کہا۔

”اب تمہیں یقین آگیا ہو گا کہ میں تمام سیاروں کا دیوتا ہوں اور میرا کام زمین سمیت تمام سیاروں اور چاندوں پر سانپوں میں امن اور صلح اور پیار و محبت کی فضا قائم رکھنا ہے۔ تمہارے ان سائنس دانوں نے مجھے یہاں اغوا کر کے سخت جرم کیا ہے۔ میں یہ معاملہ بین الاقوامی سیاروں کے سانپوں کے سامنے پیش کر دوں گا جہاں سے ان کو سخت سزا

ملے گی۔“  
ناگن کو یوں نے کہا۔

”تم لوگ یہیں کیا سزا دے سکتے ہو؟ ہم تو اپنے حماروں کے چاند پر رہتے ہیں۔“  
ناگ بولا۔

”اگر تم وعدہ کرو کہ یہ خبر کسی کو نہیں بتاؤ گی تو میں تمہیں ایک بڑی اہم راز کی بات بتاتا ہوں۔“  
ناگن کو یوں بولی۔

”میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارا راز کسی پر ظاہر نہیں کروں گی۔“  
اب ناگ نے ناگن کو یوں کو اپنا وفادار بنانے کے لیے کہا۔  
”تو سنو! یہاں سے دور ایک خلا میں ایک سیارہ مریخ ہے۔ مریخ پر جو مخلوق آباد ہے وہ سانپوں کی پوجا کرتی ہے۔ یہ سانپ اتنے خطرناک اور زہریلے ہیں کہ ان کی ایک ہی پھنکار سے جنگل کے جنگل اور بڑے بڑے پہاڑ جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ مجھے زمین پر مریخ کے ایک سانپ نے گٹل کے ذریعے اطلاع دی تھی کہ چند روز میں مریخ کی مخلوق ان سانپوں کی ایک زبردست فوج کے ساتھ تمہارے چاند پر حملہ کرنے والی ہے۔ یہ حملہ اتنا شدید اور ہشیاک ہو گا کہ مریخ کے سانپوں کی ایک ہی پھنکار سے تمہارے چاند پر آگ لگ جائے گی۔“



یہاں کوئی مخلوق تمہارے سمیت زندہ نہیں رہے گی۔  
 ناگن کوئین پریشان ہو گئی۔ اس نے ناگ کی کرامت چونک  
 دیکھ لی تھی اس لیے اسے یقین ہو چکا تھا کہ یہ سانپ اصل  
 میں دیوتا ہے۔ اس نے ناگ سے کہا۔

”یہ تو بڑی بُری بات ہو گی۔ میں چاہتی ہوں کہ اس چاند کے  
 سانس واپس نہ جاتیوں۔“  
 ناگ نے جلدی سے کہا۔

مریخ کے سانپ کا لے بادلوں کی طرح تمہارے چاند  
 پر چھا جائیں گے اور آن کی آن میں تمہارے چاند پر اپنی  
 ہتھکڑوں سے اتنی زبردست آگ لگا دیں گے کہ تمہارا چاند  
 آگ کا ایک گولہ بن جائے گا۔ تم اگر کسی کو بتا بھی دو گی تو  
 پھر بھی کوئی زندہ نہ بچ سکے گا۔

ناگن کوئین نے گہرا کر کہا۔  
 ”کیا میں بھی مر جاؤں گی؟ انہیں نہیں ہیں نہیں مرنا چاہتی۔  
 ناگ یہاں بات اس کے منہ سے نکلوانا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً

کہا۔  
 ”اگر تم چاہو تو تمہاری زندگی بچائی جاسکتی ہے؟“  
 ”کیسے؟ ناگن کوئین نے پوچھا۔

”اگر کوئی یہاں سے فرار کا راستہ معلوم ہو تو میں تمہیں یہاں

زمین پر لے جاسکتا ہوں۔ وہاں تم جب تک چاہو  
 آرام اور سکون سے زندگی بسر کر سکو گی؟“  
 ناگن کوئین کو یقین ہو گیا تھا کہ ناگ ٹھیک کہہ رہا ہے۔  
 ناگ واپس سانپ کے روپ میں آچکا تھا۔ اس نے ناگ  
 سے کہا۔

”میں یہاں سے فرار کا راستہ جانتی ہوں۔ تم اطمینان  
 رکھو۔ اب میں تمہیں ڈسوں گی نہیں تاکہ تم زندہ رہ سکو  
 اور ہم یہاں سے فرار ہو جائیں۔“

ناگ نے کسی حد تک اطمینان کا سانس لیا۔ اب ناگن  
 کوئین نے اسے بتایا کہ یہاں سے فرار ہونے کے لیے اسے  
 ایک ڈرامہ کھیلنا پڑے گا۔

تم کوئی بات نہ کرنا۔ ایسے پڑے رہنا جیسے تمہارے  
 جسم سے طاقت ختم ہو رہی ہے۔ باقی میں سب کچھ سنبھال  
 لوں گی۔ میں پھر تاکید کرتی ہوں کہ ہرگز ہرگز کوئی آواز مت  
 نکالنا۔

ناگ بولا۔

تم جیسا کہو گی میں ویسے ہی کروں گا۔ لیکن یہاں  
 سے جلدی نکل جانا چاہیے۔ کیونکہ مریخ کی مخلوق دو ایک منٹ  
 میں حملہ کرنے ہی والی ہے۔



ناگن کوئین نے کہا۔  
 میں اسی وقت سے اپنا ڈرامہ شروع کر رہی ہوں تم کنڈل  
 مارنے کی بجائے اس طرح لیٹ جاؤ جیسے تم ادموئے ہو  
 رہے ہو۔

ناگ نے اسی طرح کیا جس طرح ناگن کوئین نے کہا  
 تھا۔ وہ شیشے کے بکس میں ادمو سا ہو کر لیٹ گیا۔  
 ناگن کوئین پہن اٹھائے پیچھے ہٹ گئی۔ پھر اس نے اپنے  
 من سے سیٹی کی باریک آواز دوبار نکالی۔ اس آواز کے  
 ساتھ ہی شیشے کی دیوار میں سے ایک دروازہ کھلا اور  
 وہی نرس اندر داخل ہوئی۔ وہ ناگن کوئین کے بکس کے پاس  
 آکر اسی کی زبان میں بولی۔

کوئین اتم نے مجھے بلایا ہے ؟

ناگن کوئین نے کہا۔

ہاں ! میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ اس زمینی سانپ  
 پر میرے زہر کا اثر اچھی طرح سے نہیں ہو رہا۔ شاید شیشے  
 کے کمرے کی شعاعیں اس پر اثر ڈال رہی ہیں۔ مجھے کمپیوٹر  
 روم میں سے پتہ۔ نہیں تو کنگ کا تجربہ ناکام ہو جائے گا؟  
 نرس نے فوراً ایک خاص بٹن دبا کر کنگ سائنسدان  
 سے بات کی۔ ادھر سے اسے حکم ملا کہ کوئین جیسے کہتی ہے

دیے ہی کرو۔ نرس نے شیشے کے بکس کو اٹھایا اور اسے  
 لیبارٹری کے کونے والے چھوٹے سے کمپیوٹر روم میں لے  
 جا کر میز پر رکھ دیا۔ ناگ نے دیکھا کہ اس کمرے میں کتنے  
 ہی کمپیوٹر روم لگے تھے جن کے نقطے چمک رہے تھے۔ ان  
 کے درمیان ایک بڑا کمپیوٹر رکھا تھا۔ جب نرس دروازہ باہر  
 سے بند کر کے چل گئی تو ناگ نے پوچھا۔

کوئین ! یہ کون سی جگہ ہے ؟

ناگن کوئین نے کہا۔

یہ وہ کمرہ ہے جہاں سے ہم تصویری دیر بعد فرار ہو سکیں  
 گے۔

ناگ کا دل خوشی سے اچھیل پڑا۔ مگر اس نے اپنے خوشی  
 کے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔

یہاں تو مجھے فرار کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا۔

ناگن کوئین نے بڑے کمپیوٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس بڑے کمپیوٹر کو دیکھ رہے ہو؟ بس اسی کمپیوٹر

کے ذریعے ہم یہاں سے فرار ہو سکیں گے۔

ناگ نے سوال کیا۔

مگر ہم جانیں گے کہاں ؟

ناگن کوئین بولی۔



تم رہی زمین پر جاؤ گے اور میں عطارو کے آخری چاند پر  
 چل جاؤں گی۔ وہاں بھی ہماری مخلوق آباد ہے میں وہاں بڑے  
 سکون سے باقی زندگی گزاروں گی۔  
 ناگ نے کہا۔

”تو پھر ہمیں جو کچھ کرنا ہے جلدی کرنا چاہیے کیونکہ مریخ  
 والوں کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کب حملہ کر دیں؟“  
 ناگن کوئین نے جواب دینے کے بجائے آہستہ سے چٹکار  
 ماری۔ چٹکار کی گرمی سے شیشے کے بکس کا ڈھکنا اوپر سے  
 کھل گیا۔

”میرے ساتھ باہر آ جاؤ۔“  
 ناگ اسی وقت ناگن کے ساتھ بکس سے باہر نکل آیا۔ ناگن  
 فرش پر ریختی بڑے کمپیوٹر کے پیچھے آ گئی۔ یہاں بے شمار سوئچ  
 اور ڈائیل اور چھوٹے چھوٹے بلب لگے تھے۔ ناگن کوئین کہنے  
 لگی۔

”یہ جتنے بلب تم دیکھ رہے ہو یہ تمام خلا میں کسی نہ کسی سیارے  
 کے ہیں۔ ان میں عطارو کا آخری وہ چاند بھی ہے جہاں میں تباہی

گ اور تمہاری زمین کا بلب بھی ہے؟“  
 پھر ناگن کوئین نے ناگ کو دونوں بلب دکھائے جو بجے  
 ہوئے تھے۔ ناگن کوئین نے اپنے منہ کی مدد سے دونوں بلب

دبائے۔ دونوں بلب روشن ہو گئے اور کمپیوٹر میں سے جلی جلی آواز  
 نکلنے لگی۔ ناگن نے ناگ کو اپنے ساتھ لیا اور کمپیوٹر کے پہلو میں آ  
 کر بول۔

”اس سوراخ میں سے کمپیوٹر کے اندر داخل ہو جاؤ۔ چند  
 سینٹ کے بعد کمپیوٹر ہمیں ریڈ یا فی سگنل میں تبدیل کر اپنی اپنی  
 منزل پر پہنچا دے گا۔ جلدی کرو۔ کیونکہ اس کمپیوٹر کے چلنے  
 کی اطلاع سائنسدانوں کو پہنچ گئی ہوگی۔ پہلے ناگن کوئین اور  
 اس کے ساتھ ہی ناگ کمپیوٹر کے اندر داخل ہو گیا۔

شہباز لاڈری اینڈ بکسٹال  
 فون روڈری کلب لاپنڈ آباد پور پور خاص



## سفید سایہ

بڑے کمپیوٹر میں ہلکی ہلکی روشنی تھی۔  
اور کہتے ہی بلب چمک رہے تھے۔ ناگن اور ناگ دو  
بڑے پردوں کے درمیان میں خاموشی سے بیٹھ گئے۔ ناگن نے  
کہا۔

دو تین سیکنڈ کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہونے والے ہیں۔  
کوئی حرکت مت کرنا۔

ناگ نے اپنے جسم کو بالکل بے حس و حرکت کر لیا۔ اسے  
ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور پھر اسے اپنا جسم روٹی کے گالے کی  
طرح اندھیری فضاؤں میں اڑتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے سوائے  
اندھیرے اور گہری تاریکی کے اپنے ارد گرد اور کچھ نظر  
پہنچ آ رہا تھا۔ پھر اسے روشنی نظر آنے لگی۔ یہ روشنی دن  
کی روشنی میں تبدیل ہو گئی۔ ناگ اچھے دیکھا کہ وہ چھوٹی چھوٹی  
پہلیوں کے درمیان ایک بگڑا ہوا جہازوں میں پڑا ہے۔

اس نے اٹھتے ہی گہرا سانس لیا اور انسانی شکل میں آ  
گیا۔ انسانی شکل میں آکر ناگ نے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔

اس کے پاس چھوٹی چھوٹی خشک اور بخر پہاڑیوں کا سلسلہ  
وہ درجہ پھیلتا چلا گیا تھا۔ ان پہاڑیوں میں کہیں کہیں اونچے  
اونچے مکان بنے ہوئے تھے۔ آسمان پر سورج نکلا ہوا تھا۔ صوب  
چمک رہی تھی۔ فضا میں ہلکی گرمی تھی۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہ کسی  
شہر کی باہر کی پہاڑی آبادی ہے اور شہر بھی قریب ہی ہوگا  
چنانچہ وہ ایک چمک ڈنڈی پر چل پڑا۔ کچی گچ ڈنڈی پر اونٹ  
اور گھوڑوں کے پاؤں کے نشان تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ  
ناگ کسی پرانے زمانے میں آ گیا ہے اور یہ علاقہ ہے جہاں  
سواری کے لئے اونٹ اور گھوڑوں کو استعمال میں لایا جاتا  
ہے۔ چلتے چلتے وہ پہاڑیوں سے باہر نکلا تو سامنے ایک خوبصورت  
اونچے مکانوں والے شہر کو دیکھ کر دیہی رگ گیا۔

شہر کی فیصل پر رُبح بنے تھے۔ اونچے مکانوں پر رنگ  
روغن کیا گیا تھا۔ شہر کا بڑا دروازہ کھلا تھا جس میں سے کچھ  
لوگ پیدل اور کچھ خچروں اور گدھوں پر سوار آ جا رہے تھے۔  
دو عورتیں کاندھوں پر مٹی کی لمبوتری صراحیاں اٹھائے ناگ  
کے قریب سے گزر گئیں۔ ناگ دل میں طرح طرح کے خیال لئے  
اپنی شہر کو دروازے کی طرف بڑھا۔ لوگوں کے لباس اور  
ملاتوں سے ناگ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کسی بہت ہی پرانے زمانے  
کا ہے اور یہ علاقہ مسر و شام کا علاقہ ہی ہو سکتا ہے۔



بازار لکھ لکھتے تھے اور ہر چوراہے میں چھوٹا سا باج بنا ہوا تھا  
 جس سے کھجور اور دیتوں کے درخت اگے تھے۔  
 ایک بگڑے ہوئے گاڑی میں ایک بے مد خوبصورت چوڑے  
 دیکھا کہ مٹی کے چوڑے پر ایک بے مد خوبصورت چوڑے  
 شانوں اور سنہری گنگھریالے بالوں اور نیلی آنکھوں والا جوان  
 ایک ہاتھ فضا میں آسمان کی طرف اٹھائے اس زمانے کی زبان میں  
 لوگوں سے غالب تھا۔ اس نوجوان کی آواز میں ایک مقدس گونج  
 تھی۔ اس کے چہرے پر نور برس رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔  
 "اے لوگو! اللہ کے سوا کسی اور کو پوجنا چھوڑ دو۔ صرف  
 اسی کی پرستش کرو جو ہمارا تقہارا اور اس تمام کائنات کا واحد  
 مالک ہے اور یہ سب کچھ دینا کی نعمتیں جو تمہیں آج میسر ہیں اسی  
 اللہ کی عطا کی ہوئی ہیں اور اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ۔  
 سرکش اور غرور سے باز آؤ۔ ورنہ ایک ایسی مصیبت میں گرفتار  
 ہو جاؤ گے کہ اس سے سوائے خدا کے کوئی طاقت تمہیں نہ چھڑا  
 سکے گی۔"

ناگ اس حسین اور مقدس نورانی چہرے والے نوجوان کی  
 تبلیغ سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا۔  
 "یہ نوجوان کون ہے؟" اس آدمی نے عجیب نظروں سے  
 ناگ کو دیکھا اور کہا۔

تم اس شہر میں ابنی لکھتے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ اللہ  
 کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام ہیں اور قوم ثمود کو براہیوں سے  
 بچنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔  
 ناگ نے بڑی عقیدت کے ساتھ حضرت صاحب کی طرف دیکھا  
 عین اسی وقت حضرت صاحب کی نگاہ بھی ناگ پر پڑی۔ آپ  
 ذرا خاموش ہوئے اور پھر فرمانے لگے۔  
 "اے لوگو! اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے وہ موت  
 کو زندگی اور زندگی کو موت کے بدلنے پر قادر ہے۔ اس کی  
 قدرت کا کوئی ٹکڑا نہ نہیں۔"

جب حضرت صاحب نے تبلیغ نعمت فرمائی تو لوگ ادھر ادھر  
 چل دیئے۔ مگر ناگ اپنی جگہ پر کھڑے رہا۔ حضرت صاحب خاموش  
 سے ایک طرف کو چلنے لگے۔ ناگ بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔  
 جب آپ غہرے باہر ایک ویران ٹیلے کے پاس آئے تو چہرہ پیر  
 کر پیچھے دیکھا۔ ناگ وہیں ادب سے رگ گیا۔ حضرت صاحب نے  
 فرمایا۔

"ناگ! میں جانتا تھا کہ تم آؤ گے۔"  
 ناگ آگے بڑھ کر حضرت صاحب کے قدموں میں ٹھک گیا اور  
 ان کے کرتے کے دامن کو چوم کر آنکھوں سے لگا یا اور ادب  
 سے بولا۔



۵۲  
 "منصور: میری خوش قسمتی ہے کہ آپ کا دیدار نصیب ہوا۔  
 آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ کتنی خوش نصیب ہے یہ  
 قوم کہ اس کو راہ راست پر لانے کے لیے آپ ان کے درمیان  
 تشریف لائے ہیں۔"

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا۔

"مگر یہ قوم ثمود غرور، شرک اور برائیوں کے گناہوں میں  
 دھنس چکی ہے۔ ان پر میری تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ لیکن  
 میرا کام ان تک اللہ کا پیغام حق پہنچانا ہے۔ اور جو قوم اللہ کے  
 پیغام حق سے منہ پھیر لیتی ہے۔ پھر اسے درونگ تباہی سے کوئی  
 نہیں بچا سکتا۔"

ناگ نے ادب سے عرض کی۔

"منصور: اچھے اپنے قدموں میں جگہ عنایت فرمائیے میں یہاں  
 رہ کر آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"  
 حضرت صاحب نے فرمایا۔

"میرے بھائی! اللہ کے پیغمبر کسی سے خدمت نہیں کرایا کرتے۔  
 وہ اپنا کام آپ کرتے ہیں۔ مجھے سوائے اللہ کی محبت کے اور کسی  
 شے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جنگل کا پھل کھا کر اور چشمے کا پانی پی  
 کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ میری صرف ایک ہی خواہش اور  
 ایک ہی مقصد ہے کہ اس قوم تک اللہ کا پیغام پہنچاؤں تاکہ یہ

یہی راہ پر چلے اور درونگ عذاب سے بچ جائے۔ اس کے  
 سوا میری اور کوئی خواہش نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر حضرت صاحب ٹیلے میں اپنے غار کی طرف تشریف  
 لے چلے۔ ناگ وہیں ادب سے سر جھکا کر کھڑا رہا۔ اب ان کی  
 طرف جانا بے ادبی تھی۔ ناگ نہایت عقیدت سے دس قدم پیٹو  
 پھرے بغیر پیچھے چلا اور پھر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب اسے  
 معلوم ہوا کہ وہ قوم ثمود میں آگیا ہے جو گناہوں میں ڈوبی ہوئی  
 تھی اور بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ جس نے اللہ کے بھیجے ہوئے  
 پیغمبر کا پیغام سننے سے انکار کر دیا تھا اور پھر اس پر زبردست  
 تباہی نازل ہوئی۔ اس شہر کا نام حجر تھا اور یہ ہمارا اور شام  
 کے درمیان واقع تھا۔ قوم ثمود کے لوگ بے حد دولت مند  
 تھے۔ انہیں عالی شان محلات بنوانے کا بہت شوق تھا۔ دولت  
 زیادہ آجائے کی وجہ سے ان میں تکبر اور غرور آگیا تھا۔ وہ غریب  
 اور غلاموں پر بہت زیادہ ظلم کرتے تھے۔ ہر گھر میں پتھر کی ایک  
 مورتی ہوتی تھی جس کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے  
 اس قوم کی راہ نائی کے لیے اپنے پیغمبر کو ان کے پاس پیغام  
 حق دے کر بھیجا مگر اس قوم نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرا  
 بلکہ آگے سے جھٹتیں کرتے تھے۔ کچھ لوگ حضرت صالح علیہ السلام  
 کے پیغام برحق پر ایمان لے آئے تھے مگر باقی دوسرے دھند



گفتہ ان پر بڑا علم توڑتے تھے۔ یہ بدعت لوگ حضرت صالح علیہ السلام کو بھی نفوذ بالکتابک کر دینے کی سازشیں کرنے لگے تھے کیونکہ حضرت صاحب انہیں بتوں کی پوجا سے منع فرماتے تھے۔

ناگ جو ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو اللہ کے برگزیدہ پیغمبر کے بچے پیغام تو مید پر ایمان لے آئے تھے۔ یہ چند ایک غریب اور سادہ لوح انسان تھے جو حضرت صاحب کے ساتھ ٹیلے کے ایک غار میں رہتے تھے۔ ناگ بھی ان کے ساتھ دن کے وقت انگور کے باغ میں محنت مزدوری کرتا اور رات کو ان کے پاس ہی زمین پر پڑ کر سو رہتا۔ حضرت صاحب سے ناگ کی دوبار بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ ایمان لانے والوں کے گروہ میں ایک نوجوان قباد بھی تھا۔ ناگ سے اس کی دوستی ہو گئی تھی۔ ناگ کے بارے میں وہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتا تھا کہ ناگ ملک مصر کا رہنے والا ایک غریب مزدور ہے اور حضرت صاحب کے حلقہ تومید میں شامل ہے۔ اس گروہ کے لوگ سورتی کی پوجا بالکل نہیں کرتے تھے اور صرف ایک خدا کو مانتے تھے۔ ایک روز ناگ اور قباد دونوں اکٹھے شہر میں کام کی تلاش میں جا رہے تھے۔ اگرچہ ناگ وہاں کسی نہ کسی سانپ کی دد سے زمین کے اندر دفن کسی خزانے سے دولت حاصل

رکھتا تھا مگر حضرت صاحب کا ارشاد تھا کہ خبردار کسی ایسی شے کو ہاتھ نہ لگانا جو تم نے خود نہ کھا لی ہو۔ ہمیشہ اپنے من سے کھائے ہوئے پیسے سے روٹی خرید کر کھاؤ۔ جو رقم تم نے خود نہیں کھا لی وہ تمہارے لئے حرام ہے۔ تمہارے پاس آگ ہے۔ اسی لیے ناگ بھی دن بھر شہر میں جا کر محنت مزدوری کرتا تھا۔

اس روز وہ قباد کے ساتھ محنت مزدوری کرنے گیا تو کھجور کے ایک باغ میں کچھ مزدور زمین کی گوڑی کر رہے تھے ایک طرف باغ کا مالک تخت پر بڑی شان سے بیٹھا تھا۔ دو غلام اس کے پاؤں داب رہے تھے۔ ایک غلام پنکھا ہلاتا تھا۔ باغ کا مالک کا فر تھا۔ قباد نے جا کر کہا: ”اگر کوئی کام ہو تو ہمیں دو۔ ہم حق حلال کی روزی کما رہے ہیں۔“

کافر مالک نے ایک تہقہہ لگایا اور بولا: ”تم مجھے اپنے قبیلے کے آدمی نہیں لگتے۔“ قباد نے کہا:

”ہم حضرت صالح علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔ ایک نسا پر ایمان رکھتے ہیں اور محنت کر کے اپنے ہاتھوں کی کسائی کرتے ہیں۔“



باغ کے مالک کا پہرہ منہ سے سرخ ہو گیا۔ اس نے چڑھے  
 کا ہنٹر ایک غلام کی طرف پھینک کر کہا۔  
 یہ لوگ ہمارے بتوں کو جلا بڑا کہتے ہیں ان کو اس  
 گستاخی کا مزا چکھاؤ۔

ناگ قباد کے پاس خاموش کھڑا یہ ناشہ دیکھ رہا تھا۔ اپنے  
 مالک کے حکم پر حبشی غلام نے ہنٹر اٹھا کر ہوا میں زور سے  
 پھسکارا اور قباد کی طرف بڑھا۔ ناگ نے کہا۔  
 میرے دوست نے کون تصور نہیں کیا۔ اسے کیوں مارتے ہو؟

باغ کا مالک چلتا  
 مار مار کر ان دونوں کی چمڑی اُدھیڑ دو۔ یہ ہمارے دشمن

ہے۔  
 ہٹے حبشی غلام نے دھڑا دھڑا قباد اور ناگ پر ہنٹر  
 برسائے شروع کر دیئے۔ قباد پتلا دبلا نوجوان تھا۔ ہٹے کٹے  
 حبشی کا کیسے مقابلہ کر سکتا تھا۔ ناگ بھی دبلا پتلا تھا مگر وہ  
 غلام غلام کو بڑی اچھی طرح مزا چکھا سکتا تھا۔ وہ  
 جانتا تھا کہ غلام کا کون تصور نہیں ہے۔ وہ اپنے مالک کے  
 حکم کے آگے مجبور ہے۔ چنانچہ ناگ نے غلام کو کچھ نہ کہنے کا  
 بند کر لیا۔ وہ ایک طرف کودتا۔ غلام نے اسے دوڑتا دیکھ  
 کر تھوڑا سا چھوڑ دیا اور اس کے پیچھے بھاگا۔ ناگ دوڑتا دوڑتا

اس سخت کے پیچھے آگیا جس پر مغرور اور سنگ دل مالک بیٹھا  
 غلاموں سے خدمت کروا رہا تھا۔ اس نے چیخ کر کہا۔  
 اے بھاگنے مت دینا۔ کھال کھینچ لو اس کی  
 غلام ہنٹر لہراتا ناگ کے پیچھے پیچھے دوڑتا چلا آ رہا تھا۔  
 ناگ سخت کے پیچھے آگے کھجور کے ایک درخت کے پاس رگ  
 گیا۔ پھر اس نے وہیں کھڑے کھڑے ایک سانس اوپر کھینچ  
 کر منہ سے پھسکار کی آواز نکالی اور حبشی غلام پر زورہ طاری  
 ہو گیا۔ ہنٹر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ کیونکہ  
 اس کی آنکھوں کے سامنے ایک انسان یعنی ناگ کی جگہ دس  
 فٹ لمبا کالا سیاہ ناگ موجود تھا۔ جو اپنا خوفناک پھمن  
 اٹھائے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ حبشی  
 کا خوف اترتا اور اس کے منہ سے چیخ نکلتی ناگ نے ایک  
 بھیانک پھسکار ماری اور حبشی غلام دھڑے زمین پر گر پڑا۔  
 ناگ سخت کے پیچھے سے نکل کر باغ کے سنگ دل مغرور  
 اور غلام مالک کے سامنے آکر اپنا پھمن لہرانے لگا۔ ناگ نے  
 اپنا پھمن مالک کے چہرے کے بالکل قریب کر دیا تھا۔ جس  
 سے مالک پر زورہ طاری ہو گیا تھا۔ اس کا رنگ سفید پڑ  
 ا تھا اور آنکھیں دہشت کے مارے پھٹی کی پھٹی تھیں۔  
 ناگ کے دل میں خیال آیا کہ یہ شخص اتنا ڈرنا ہے کہ اسے



مارنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اسے مارے بغیر بھی اب کام  
 نہیں سکتا ہے۔ چنانچہ وہ تیزی سے واپس مڑا اور بھاڑیوں  
 میں غائب ہو گیا۔  
 باغ کے مالک پر ابھی تک خوف طاری تھا۔ جب سانپ  
 پھانگ گیا تو اس نے ادھر ادھر دیکھ کر غلاموں سے کہا۔  
 تم نے اسے مارا کیوں نہیں کم بختو!“  
 تینوں غلام سانپ کے خوف سے ڈر کر پرے بھاگ گئے  
 تھے۔ اتنے میں ناگ بھی انسانی شکل میں وہاں آ گیا۔ قباد نے

خدا کا شکر ہے تم بچ گئے۔ جدھر تم بھاگے تھے۔ ادھر  
 میں سے ایک کالا سانپ نکل کر یہاں آ گیا تھا۔  
 ناگ نے کہا۔

”ہاں! میں نے اسے درختوں کی طرف جاتے دیکھا تھا!  
 اب ناگ نے باغ کے مالک سے کہا۔  
 ”مجھے یقین ہے اب تم ہم دونوں کو اپنے باغ میں خود  
 کام پر لگا دو گے۔ کیونکہ یہ سانپ تمہارے پاس یہ یاد  
 دلانے آیا تھا کہ تم پر کسی وقت بھی موت آ سکتی ہے۔“  
 باغ کا مالک اندر سے ڈر گیا تھا۔ بے نیازی سے بولا۔  
 ”جی ہاں! میں گوڑی کرو۔ دو دھم مل جائیں گے۔“

ناگ اور قباد خوشی خوشی باغ میں جا کر کام کرنے  
 لگے۔ شام کو انہوں نے اپنی محنت مزدوری کے دو دو روپے  
 گرجیب میں ڈالے۔ بازار سے آٹا وال خریدنا اور واپس  
 ٹیلے والے غار میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے پاس آ  
 گئے۔ ان کے ساتھی بھی محنت مزدوری کی کمائی خریدنا  
 ہوا آٹا وال لے کر وہاں پہنچ چکے تھے۔ سب مل جل کر روٹی  
 پکانے لگے۔ ناگ نے یہ بات خاص طور پر دیکھی تھی کہ حضرت  
 صاحب ان لوگوں کی روٹی وال کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے  
 وہ دن میں صرف ایک بار جنگل میں جا کر گرسے پڑے پھل  
 اور کھجوریں کھاتے۔ کسی چشمے سے اپنی پیاس بجھانے اور  
 شہر میں لوگوں کو خدا کا پیغام سنانے چل دیتے تھے۔ اس  
 وقت حضرت صاحب اپنے غار میں تشریف فرما تھے۔ ایک  
 ساتھی نے آکر ناگ سے کہا کہ اسے حضرت صاحب بلاتے ہیں  
 ناگ فوراً تڑپ کر تڑپ کر غار میں گیا۔ اور ادب سے زمین پر  
 دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ حضرت صاحب دیوار سے ٹیک لگائے  
 خشک گھاس پر تشریف رکھتے تھے۔

”یہاں وہ بیٹھے تھے وہاں نور ہی نور پھیلا ہوا تھا۔ آپ  
 نے بڑی حلیم آواز میں فرمایا۔  
 ناگ! اللہ تعالیٰ کا پیغام ہم آٹے تعالیٰ کی طرف سے لوگوں



جب پہنچا جاتے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں ڈراتا جاتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت صاحب خاموش ہو گئے۔ ناگ سب سمجھ گیا تھا۔ اس نے ادب سے سلام کیا اور اٹھے پاؤں غار سے باہر آ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ حضرت صاحب نے بالکل درست فرمایا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ اپنی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ ناگ کو وہاں رہتے ایک مہینہ گزر گیا۔

قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کے پیغام حق کو نہ منہ ان کی بات پر کان نہ دھری اور گناہوں کی دلدل میں ڈوبتے چلے گئے یہاں تک کہ اللہ کے عذاب کی گھڑی آن پہنچی۔ قوم نمود چہ آخر خدا کا عذاب نازل ہونے والا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے مومنوں کو ساتھ لیا اور شہر میں جا کر قوم نمود کو ایک بار پھر نیکی کے راستے پر چلنے کی تلقین کی مگر لوگوں نے ان پر ہنسٹھ کیا۔ ایک نے کہا۔

وہ تو ہمیں جس عذاب سے ڈراتا ہے تو وہ عذاب ہم پر سے گزر آئے۔

اب مہلث صالح علیہ السلام نے ان سے کہا۔ بھائیو! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اور تمہاری خیر خواہی

کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے؟ اس کے بعد حضرت صاحب نے ان سے منہ پھیر لیا اور غار میں تشریف لے آئے۔ پھر انہوں نے اپنے مومنوں کو ساتھ لیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا عذاب اس نافرمان قوم پر نازل ہونے والا ہے۔ آپ نے راتوں رات اپنے مومنوں کے ساتھ دریائے ثمود پار کیا اور شہر سے دور نکل گئے۔

ان کے شہر سے دور نکلتے ہی سورج نکلا اور آسمان سے گرج اور گرج کی ہیبت ناگ آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ یہ ایسی دل ہلا دینے والی اور دھماکہ خیز آوازیں تھیں کہ پہاڑ پھٹ گئے۔ مکان بلبے کا ڈھیر ہو گئے اور زمین شقی ہو گئی اور اس کے اندر نافرمان قوم غرق ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ عذاب نے جو دھاری دار بادلوں کی صورت میں تھا۔ اس کی گرج کڑک اور کانوں کو بہرہ کر دینے والی چیخوں نے قوم ثمود جیسی شان و شوکت والی قوم کو آن کی آن میں خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ تاریخ میں درج ہے کہ قوم ثمود نے ایک ہزار سات سو شہر آباد کئے تھے بڑے بڑے شاداب تھے اور دولت میں اپنی مثال آپ تھے اور یہ سب کے سب عذاب الہی کی نذر ہو گئے یہاں تک کہ اب شاید ہی ان کا کہیں کوئی کھنڈر باقی ہو۔



آدمی ہی اسے کوئی نقصان پہنچا رہی تھی۔ وہ بڑے سکون سے آگے ہی آگے غار میں بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

اچانک اسے تھیو سانگ اور ماریا کی خوشبو آنے لگی۔ پھر بادشاہ آدمی اور بادلوں کی گرج تم گئی اور ہلکی ہلکی روشنی بھی ہو گئی۔ غار ختم ہو گئی۔ ناگ نے دیکھا کہ وہ دھوپ کی روشنی میں آ گیا ہے اور اس کے سامنے ایک ٹیلے کی ڈھلان کی جانب وہی عرض اور غار کا شکاف ہے جہاں سے وہ تھیو سانگ اور ماریا کو چھوڑ کر علاقے کا جائزہ لینے کے لیے عقاب کی شکل میں اڑا تھا۔ ناگ نے فوراً عقاب کی شکل بدل دی اور ٹیلے کی ڈھلان کی طرف اڑنے لگا۔ دوسری طرف تھیو سانگ اور ماریا کو بھی اس کی خوشبو آگئی تھی۔ وہ غار کے اندر بیٹھے تھے اور انہیں اندر بیٹھے ناگ کا انتظار کرتے تیسرا دن گزر رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔

”ناگ کی خوشبو آرہی ہے۔“

تھیو سانگ جلدی سے اٹھا۔ دونوں بھاگ کر غار سے باہر آئے تو دیکھا کہ ناگ عقاب کی شکل میں نیچے اتر رہا ہے۔ ناگ نے اترتے ہی انسان کی شکل بدل لی۔

تھیو سانگ اور ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ماریا تو اس پر برس پڑی کہ وہ کہاں گم ہو گیا تھا؟ تھیو سانگ بولا۔

”تم کس طرف نکل گئے تھے؟ ہم تمہارے لیے سخت پریشان تھے۔“

حضرت صالح علیہ السلام اڑا تھا کہ برہمچریہ پنہر تھے۔ قوم ثمود نے ان کی بتائی ہوئی ایک راہ پر چلتے سے انکار کر دیا اور یوں تباہی سے درچار ہوئے۔ آپ ارض فلسطین کی طرف تشریف لے گئے۔ ناگ ان کے ساتھ ساتھ رہا اور ہر جگہ آپ کی خدمت کرتا رہا۔ ایک دن انہوں نے ناگ کو ادھک بیکر کر کہا۔

”تم اپنے ساتھیوں کے لیے اداس ہو تو ان کے پاس چلے کیوں نہیں جاتے؟“

ناگ نے عرض کی کہ یا حضرت مجھے ان کے ٹھکانے کا علم نہیں۔ انہوں نے فرمایا۔

”وہ تم سے دور نہیں ہیں۔ جاؤ اس سامنے والے غار میں تیسرا انتظار کر رہے ہیں۔“

ناگ نے عرض کی کہ حضور کی خدمت کرنے میں جو راحت تھی ہے اس سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔ آپ نے فرمایا ”ہم اپنی خدمت خود کرتے ہیں تم اپنے دوستوں سے جا کر ملو“ ناگ نے ادب سے اسلام کیا اور سامنے غار میں داخل ہو گیا۔ غار میں سخت اندھیرا تھا۔ ناگ آگے ہی آگے چلتا گیا۔ اچانک غار میں زور کی طرح شرواع ہو گئی۔ بادل گر بنے لگے۔ تیز آنڈھیاں چلنے لگیں۔ ناگ کی بات یہ تھی کہ بارش میں نہ تو ناگ بھیگ رہا تھا



ناگ نے جب انہیں سارا قصہ سنایا تو وہ دنگ رہ گئے۔  
ماریا نے کہا۔

”کاش میں تمہارے ساتھ ہوتی اور میں بھی خدا کے برگزیدہ  
پیغمبر کی زیارت کر سکتی۔“  
ناگ دیر تک انہیں قوم ثمود کے گناہوں اور حضرت  
سالم علیہ السلام کی یقین کی باتیں سناتا رہا۔ تھیو سانگ  
نے کہا۔

”تمہیں چاہیے تھا کہ ان سے عنبر اور کیٹی کے بارے میں  
پوچھ لیتے کہ وہ اس وقت کہاں ہیں؟“  
ناگ نے کس قدر تعجب سے کہا۔ عجیب بات ہے کہ مجھے ان  
کا خیال ہی نہیں آیا۔

ماریا نے آہستہ سے کہا۔  
”شاید خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ تم ان سے عنبر اور کیٹی کے  
بارے میں پوچھو۔ ورنہ تمہیں ضرور خیال آ جاتا۔“  
ناگ بولا۔

”تم ٹیک ہوا کہہ رہی ہو ماریا۔ واقعی مجھے ایک لمحے کے  
لیے بھی ان کا خیال نہیں آیا۔ بلکہ تمہارا بھی خیال نہیں آ رہا تھا۔  
تو انہوں نے مجھے خود ہی فرمایا کہ ناگ تم اپنے دوستوں کے  
لیے اسے ہو تو ان کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے۔“

ماریا نے آہ بھر کر کہا۔  
”اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کو دلوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔“  
تھیو سانگ بولا۔

”میرے خیال میں اب ہمیں خود عنبر اور کیٹی کی تلاش  
شروع کرنی چاہیے۔“

”کیوں نہیں؟“ ناگ نے کہا۔ ”ویسے میں نے ارد گرد دیکھ  
لیا ہے یہاں دور دور تک صحرا اور ریگستان ہی ریگستان ہیں۔  
ہاں جنوب مشرق کی طرف گئے جنگلوں کے پار سمندر شروع  
ہو جاتا ہے جو افریقہ کے مغربی ساحل تک پھیلا ہوا ہے۔“  
ماریا نے چونک کر کہا۔

”کیوں نہ ہم افریقہ کی طرف چلیں۔ مجھے یقین ہے کہ عنبر اور  
کیٹی افریقہ میں ہی ہوں گے۔“  
ناگ نے کہا۔

”ہاں۔ ویسے بھی ہمیں افریقہ گئے مدت گزر چکی ہے۔“  
تھیو سانگ کہنے لگا۔

”کہیں کسی افریقی جادوگر کے پنجے میں نہ پھنس جائیں؟“  
ماریا تو غائب بھی نہیں ہے۔

ناگ کہنے لگا۔  
”ہو سکتا ہے وہاں کوئی ایسا سبب بن جائے کہ ماریا



گاہی طاقت اسے پھر سے مل جائے۔  
 اس کے ساتھ ہی انہوں نے ٹیلے سے نیچے اترنا شروع کر  
 دیا۔ شہر میں جا کر وہ ایک کارواں سرائے میں آ گئے۔ وہ  
 روڈ بیاں انتظار کیا اور پھر ایک قافلے میں شامل ہو کر برازیل  
 کے مغربی ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔  
 تنہا ساٹھ ناگ اور ماریا کو ہم اس قافلے کے ساتھ  
 چھوڑتے ہیں اور خود کچھ دیر کے لیے واپس اس جگہ پہنچتے  
 ہیں جہاں سمندر کے نیچے عنبر پتھر کے ساتھ زنجبیر سے بندھا  
 پڑا تھا۔ اس کی شکل پانڈو خونی کی تھی اور اسے سمندر کی  
 تہ میں پڑے کئی مہینے گزر گئے تھے۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا  
 آدمی ہوتا تو اب تک اس کی بڑیاں بھی مچھلیاں کھا چکی ہوتیں  
 مگر چونکہ وہ عنبر تھا اس لیے ابھی سمندر کے نیچے بھی زندہ تھا۔  
 مگر اس میں صرف زندہ رہنے کی طاقت ہی تھی۔ وہ  
 زنجبیروں کو یا پتھر کو نہیں توڑ سکتا تھا۔ سمندر کے نیچے  
 ہر وقت دھندلا دھندلا اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ ایک دن ایسا  
 ہوا کہ سمندر کے نیچے پانی زور زور سے کھولنے لگا۔ لہروں  
 کا پہاڑ اتنا شدید اور زوردار تھا کہ عنبر جس پتھر سے  
 ساتھ بندھا ہوا تھا وہ اپنی جگہ سے اوپر کواٹھتا چلا گیا۔  
 اب عنبر کی نگاہ ایک بہت بڑی وسیل مچھلی پر پڑی جو طوفانی

رفتار کے ساتھ اپنا پہاڑ ایسا منہ کھولے اس کی طرف بڑھ  
 رہی تھی۔ عنبر کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ وسیل  
 مچھلی کے پیٹ کے اندر تھا۔  
 اب وہ گھپ اندھیرے میں آ گیا تھا۔ پھر وہ جیسے  
 ایک غار میں سے گزرتا ہوتا وسیل مچھلی کے منہ سے میں جا  
 کر اتر گیا۔ یہاں عنبر نے بے شمار سمندری مچھلیوں اور مژدہ  
 کیکڑیوں اور مژدہ سمندری سانپوں کو دیکھا۔ وسیل مچھلی سمندر  
 کی سطح پر ابھر آئی اور اس نے طوفانی رفتار کے ساتھ جنوب  
 کی طرف تیزا شروع کر دیا۔ سارا دن اور ساری رات وسیل  
 مچھلی سمندر میں تیرتی رہی۔ دوسرے دن وسیل مچھلی نے محسوس  
 کیا کہ اس کے منہ میں جو شے گئی ہے وہ اسے پریشان  
 کر رہی ہے۔ چنانچہ وہ پریشان ہو کر ساحل کی طرف بھاگی  
 اور اس نے زور سے کھانستے ہوئے عنبر کو پتھر سمیت اوپر کو  
 اچھال دیا۔ عنبر پتھر کے ساتھ بندھا پڑے زور سے ساحل  
 کے پتھروں پر جا گرا۔ گرتے ہی جس پتھر کے ساتھ وہ بندھا  
 تھا وہ ٹوٹ گیا اور عنبر زنجیر سے آزاد ہو گیا۔ اس نے فدا کا  
 شکر ادا کیا اور جائزہ لیا کہ وہ کس مقام پر آ گیا ہے۔ یہ سمندر  
 کا ساحل تھا جو جنگل کی شکل میں دور تک چلا گیا تھا۔ عنبر نے  
 جنگل کے کنارے کنارے پہنا شروع کر دیا۔ دوپہر تک وہ



۴۱  
 چٹائی۔ دوپہر کے بعد راستہ جنگل کے اندر جاتا دکھائی دیا۔ حنبر  
 کو ابھی تک کوئی انسان یا جنگلی جانور دکھائی نہیں دیا تھا۔  
 وہ اندر کا نام لے کر جنگل میں داخل ہو گیا۔ جنگل بے حد گھٹا  
 تھا۔ جہز شام تک جنگل میں سفر کرتا رہا۔ جب اندھیرا گہرا ہو گیا تو وہ  
 ایک چٹان کے پاس جہاں ایک چشمہ بہ رہا تھا گھس پر بیٹھ  
 گیا۔ اس نے چشمے میں غسل کیا۔ بھوک اسے بالکل نہیں لگتی تھی۔  
 اس کی شکل ابھی تک پانڈو خونی کی تھی جس کا اسے بے حد  
 افسوس تھا۔ مگر وہ مجبور تھا۔ اسے کسی طرف سے بھی کیڑی ناگ  
 مار یا اور تھو سناگ کی خوشبو نہیں آرہی تھی۔ وہ ان کے بارے  
 میں سوچتے سوچتے اونگھنے لگا۔ ابھی اس کی آنکھیں ہی لگی تھیں کہ اسے  
 ایسی آواز میں سنائی دیں جیسے جنگل میں کوئی زور زور سے دوڑتا  
 ہوا چلا آ رہا ہو۔

حنبر نے آنکھیں کھول دیں اور جلدی سے چٹان کی اوٹ میں  
 چڑھا۔ آواز اسی کی طرف آرہی تھی۔ اتنے میں ایک لمبے بالوں  
 والی لڑکی لپکتی لپکتی دوڑتی ہوئی آئی اور چشمے کے پاس بے دم  
 ہو کر گر پڑی وہ سسکیاں بھر رہی تھی اور اس کا سانس پھولا ہوا  
 تھا۔ اس کے ساتھ ہی دو ستوں میں سے درجنوں خوردار ہوئے۔ ان  
 کے منہوں میں تیرکان تھے۔ وہ بھی ہانپتے ہوئے لڑکی کا پیچھا کرتے  
 رہے۔ انہوں نے آتے ہی لڑکی کو دبوچ لیا۔ لڑکی نے چیخ

۴۲  
 کر کہا کہ مجھے نہ مارو۔ مجھے نہ مارو۔ ایک جنگلی نے قہقہہ لگایا۔ اپنی  
 پیٹھی سے فخر نکالا اور بولا۔ "تیری گردن کاٹ کر دیوی کی نذر  
 کرن ہے۔ تو ہماری دیوی کا شکار ہے۔" لڑکی نے چیخ ماری۔ ساتھ  
 ہی حنبر اپنی جگہ سے اچھلا اور جنگلی پر گرتے ہی اس کے ہاتھ سے  
 فخر نچ لیا۔ حنبر کی طاقت ابھی تک وہی تھی۔ جنگلی کی گردن ایک  
 طرف کو ڈھلک گئی۔ دوسرے جنگلی نے تیرکان میں جوڑا ہی تھا  
 کہ حنبر نے اسے بھی زور سے مٹکا مارا اور زمین پر گرا دیا۔ حنبر کے ہاتھ میں  
 اتنی طاقت تھی کہ جنگل کا جبراً تلک گیا اور وہ دوبارہ زمین سے  
 نہ اٹھ سکا۔

اب لڑکی پھٹی پھٹی نظروں سے حنبر کو دیکھنے لگی۔ حنبر نے کہا۔  
 "گھبراؤ نہیں بہن۔ مجھے اپنا بھائی سمجھ۔ مگر تم کون ہو اور یہ  
 لوگ تمہیں کیوں مارنا چاہتے تھے؟"

لڑکی کو جب حنبر نے اپنا بھائی کہا تو اس کو حوصلہ ہوا۔ اس  
 نے بالوں کو درست کیا۔ چشمے میں سے تھوڑا سا پانی پیا اور حنبر سے  
 کہنے لگی۔

"میرا نام کوتاش ہے۔ میں یہاں سے دور ایک قصبے کے سوداگر  
 کی بیٹی ہوں۔ یہ جنگلی مجھے قصبے سے اٹھا کر جنگل میں اپنی دیوی پر  
 قربان کرنے کے لیے آئے تھے کہ میں موقع پا کر بھاگ گئی؟  
 حنبر نے کہا۔



۷۲  
"فرمت کرو۔ میں تمہیں تمہارے باپ کے گھر پہنچا دوں گا۔ تمہارا  
گھر یہاں سے کتنی دور ہو گا۔

کو تاش بولی۔  
"اس جنگل کو پار کرنے کے بعد ایک دریا آتا ہے۔ دریا کے  
پار ہمارا قصبہ ہے۔"

عنبر نے دیکھا کہ لڑکی کا رنگ سیا ہی مائل تھا اور اس کے نقش  
حبشی عورتوں ایسے تھے۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ یہ کونسا علاقہ  
ہے! لڑکی نے کہا۔

یہ جنوبی افریقہ کا مغربی ساحل ہے۔ مگر تم اس جنگل میں کیا کر  
رہے ہو؟

عنبر بولا۔

"بس یہی سمجھ لو کہ مسافر ہوں۔ جنگل میں راستہ بھول گیا تھا۔  
چلو۔ میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔ ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں  
رکنا چاہیئے۔"

اور عنبر نے لڑکی کو تاش کو ساتھ لیا اور جنگل میں دوسری  
طرف روانہ ہو گیا۔ لڑکی کو تاش کو جنگل کے راستے کا پتہ تھا۔ پھر  
میں وہ ساری رات جنگل میں سفر کرتے رہے۔ جب سورج طلوع  
ہوا اور دن کی روشنی پھیل تو جنگل ختم ہو گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ وہ ایک  
کھلے جگہ پر تھا اور سامنے دریا بہہ رہا تھا۔ کو تاش نے دریا کے دوسرے

کنارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ دریا پار جو درخت نظر آتے ہیں وہ ہمارے قصبے کے ہیں۔

کو تاش بڑی خوش تھی کہ وہ جان بچا کر اپنے گھر آگئی ہے۔

انہوں نے ایک کشتی میں بیٹھ کر دریا پار کیا۔ کو تاش کے باپ کا

گھر کافی بڑا تھا۔ وہ ایک امیر سوداگر تھا۔ اپنی بیٹی کو دیکھ کر

وہ خوشی سے نہال ہو گیا جب اسے پتہ چلا کہ عنبر نے اس کی بیٹی

کی جان بچائی ہے تو اس نے عنبر کو گلے لگا لیا اور اس کی بڑی

ادبھگت کی۔ عنبر نے بتایا کہ وہ ایک سیاح ہے اور جنگل میں

بڑی بوٹیوں کی تلاش میں آیا تھا کہ راستہ بھول گیا۔ کو تاش کے

باپ نے کہا کہ اب تم ہمارے ہاں ہی رہو۔ ہمیں خوشی ہوگی۔

مگر عنبر کو تو اپنے ساتھیوں کی تلاش تھی۔ اس نے سوچا کہ چند

روز یہاں رہ کر وہ پھر آگے روانہ ہو جائے گا۔



## تلاوت والی لڑکیاں

عزیز کو وہاں رہتے چار دن گزر گئے  
اسے اب کبھی ماریا ناگ اور تھیوساگ کی یاد تازے لگی۔  
وہ ان کی تلاش میں نکل جانا چاہتا تھا۔ ایک دن اس نے  
کوٹاش کے باپ سے اجازت لے کر چلے جانے کا فیصلہ کر لیا وہ  
کوٹاش کے باپ کے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ اس نے  
صحن میں کوٹاش کے باپ کو کچھ آدمیوں سے باتیں کرتے دیکھا  
ان آدمیوں نے سپاہیوں کا لباس پہن رکھا تھا اور تلواریں لٹک  
رہی تھیں۔ کوٹاش کے باپ نے انہیں بڑی خندہ پیشانی سے  
صحن میں لگی ٹکڑی کی پرانی طرز کی کرسیوں پر بٹھایا اور ان سے  
باتیں کرنے لگا۔ عزیز نے سوچا کہ وہاں جا کر وہ اس سے اجازت  
لیتا ہے۔ جب وہ صحن میں پہنچا تو سپاہیوں کے سالار کی نگاہ  
عزیز پر پڑ گئی۔ اس نے فوراً تلوار نکال لی اور چلا کر کہا  
”یہی ہے پانڈو خونی جس کی ہمیں تلاش تھی“  
عزیز سب کچھ سمجھ گیا۔ وہ بھاگنے ہی والا تھا کہ ایک دم

سارے سپاہیوں نے اسے دبوچ لیا اور دیکھتے ہی  
دیکھتے اسے زنجیروں میں جکڑ کر رکھ دیا۔ کوٹاش کا باپ بڑا  
پریشان ہوا کہ جس کو اس نے پناہ دی تھی وہ خونی پانڈو تھا۔  
کوٹاش کو پتہ چلا تو وہ بھی بڑی حیران ہوئی۔ سالار بولا۔  
”ہمیں افسوس ہے کہ آپ نے ایک خونی کو گھر میں پناہ  
دے رکھی تھی مگر میں راجہ سے آپ کی شکایت نہیں  
کردن گا۔ کیوں کہ آپ ہمارے دوست ہیں“  
کوٹاش کا باپ بولا۔

”مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ جس شخص نے میری  
بیٹی کی جان بچائی ہے وہ خونی پانڈو ہے“  
سالار نے کہا۔

ہمارے راجہ اپنے یہاں کے راجہ سے درخواست کی  
تھی کہ اگر پانڈو خونی اس کی ریاست میں گرفتار ہو  
جائے تو اسے اپنے شہر کے چوک میں پھانسی پر لٹکا  
دیا جائے۔ کیونکہ یہ شخص پھانسی کی کوٹھڑی سے بھاگا  
ہوا ہے۔  
کوٹاش کا باپ بولا۔

میری طرف سے آپ اس کے ساتھ جو چاہے  
سلوک کریں۔ کیونکہ ایک خونی کی میں حمایت نہیں



کر سکتا۔

عنبر خاموش رہا۔ اسے معلوم تھا کہ جب یہ اسے پھانسی پر چڑھائیں گے تو خود ہی شرمندہ ہوں گے اور پھر جب یہ لوگ اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ تو وہ رستہ تڑا کر فرار ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے کوئی مزاحمت یا مقابلہ نہ کیا۔ سالار عنبر کو لے کر قصبے کے باہر آ گیا۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر یہ لوگ شہر میں پہنچ گئے جہاں راجہ کا محل تھا۔ یہاں راجہ کے حکم سے شہر کے چوک میں پھانسی گاڑ دی گئی لوگ جمع ہو گئے عنبر کی گردن میں جلاؤ نے پھانسی ڈال دی۔ سب درباری اور دوسرے لوگ ارد گرد بیٹھ گئے۔ سالار کے حکم سے جلاؤ نے ہتھی نیچے کر دی جس کے ساتھ ہی عنبر رستی کے ساتھ ٹپک گیا۔ وہ زندہ تھا مگر اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ مر گیا ہے۔ اداکاری کرتے ہوئے تھوڑا سا تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی لاش کو اتار کر جنگل میں ایک درخت کے ساتھ لٹکا دیا گیا تاکہ جنگلی جانور اور انسان اسے کھا جائیں جب سب لوگ چلے تو عنبر نیچے گرنے کے لئے اپنی گردن میں بندھی ہوئی رسی کھولنے ہی لگا تھا کہ اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ عنبر نے دیکھا کہ بھاڑیوں میں سے گزرتا ہوا ایک انسانی ہیولا اس کا

جانب چلا آ رہا تھا۔ یہ ایک سفید سایہ سا تھا۔

جانب چلا آ رہا تھا۔ یہ ایک سفید سایہ سا تھا۔  
سائے نے اپنا جسم عنبر کے جسم سے لگایا اور  
عنبر کی رسی اپنے آپ کھل گئی اور وہ نیچے گر پڑا۔ سفید  
سائے نے کہا

عنبر! اب تو پانڈو خون نہیں ہے۔ پانڈو خون  
میں ہوں۔ تو پھر سے عنبر بن گیا ہے جا اور جا کر اپنی  
نئی زندگی شروع کر۔ تیری طاقت بھی تجھے خدا کی مرضی  
سے واپس مل گئی ہے۔

اتنا کہہ کر سفید سایہ غائب ہو گیا۔ عنبر نے اپنے جسم  
کا جائزہ لیا۔ وہ عنبر ہی تھا۔ وہ بھاگ کر پانی کے ایک  
چشے پر گیا۔ اس میں جھک کر اپنا عکس دیکھا۔ اسکی شکل  
اب پانڈو خون کی شکل نہیں تھی بلکہ عنبر کی اپنی شکل  
تھی وہ بہت خوش ہوا اور جنگل میں سے نکل کر کوتاش  
کے مکان کے باہر پہنچا تو دیکھا کہ مکان کے صحن میں لڑکی  
کوتاش چٹائی پر سر جھکائے غم میں ڈوبی ہوئی تھی  
عنبر سمجھ گیا کہ وہ اس کی موت پر غم زدہ ہے۔  
عنبر نے ہاتھ بلند کر کے آواز لگائی "ہن" غنچیں کیوں  
ہوتی ہے؟ تیرے دکھ درد دور ہو جائیں گے۔ کوتاش  
نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔ کوتاش کی آنکھوں میں



کرایا کہ جنگل میں ڈاکوؤں سے بچانے میں اس نے بھی اس کی مدد کی تھی۔ کوتاش کے باپ کو یقین نہ آیا۔ وہ عنبر کو کوئی چور ڈاکو خیال کرنے لگا جو اس کی دولت پر ڈاکہ ڈالنے وہاں آ گیا تھا۔ مگر وہ اپنی بیٹی کوتاش کی وجہ سے چپ رہا اور اس نے عنبر کو کچھ نہ کہا۔ لیکن دل میں طے کر لیا کہ وہ عنبر سے ہوشیار رہے گا اور اسے اپنے مکان میں زیادہ دن ٹھہرنے نہیں دے گا۔

کوتاش کے باپ نے عنبر کو نوکروں کی ایک کوٹھڑی دے دی۔ عنبر نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ کیونکہ وہ وہاں کچھ دیر رہ کر ناگ، ماریا، کیٹی اور تھیوسانگ کا کھوج لگانا چاہتا تھا۔ کوتاش جن قصبے میں رہتی تھی وہاں قریب ہی جنگل کے کنارے دریا بہتا تھا عنبر دن میں ایک بار دریا پر ضرور جاتا کہ شاید کسی کشتی میں اس کے ساتھ آ رہے ہوں۔ اس وقت تھیوسانگ ماریا اور ناگ ایک قافلے کے ساتھ جنوبی افریقہ کے اسی ساحل کی طرف چلے آ رہے تھے۔ یہاں عنبر موجود تھا۔

اب ہم تھوڑی دیر کے لئے کیٹی کی طرف چلتے ہیں آپ کو یاد ہو گا کہ کیٹی جل پری کی شکل میں سمندر میں لہروں کے پاس رہ رہی تھی۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا کہ

آلو تھے۔ اس نے عنبر سے پوچھا  
تم کون ہو؟

عنبر نے قریب آ کر کہا  
میں وہ ہوں جس کی موت کا تو سوگ

کوتاش نے حیرت سے کہا  
میں تو اپنے بھائی عنبر کی موت پر اداس  
ہوں جو اصل میں پانڈو خونی تھا لیکن اس نے مجھے  
نہیں بتایا۔ تو کون ہے؟

عنبر نے کہا  
میں عنبر ہوں جو ایک طلسم کی وجہ سے  
پانڈو کی شکل اختیار کئے ہوئے تھا۔ کیا تم محسوس  
نہیں کر رہی ہو کہ میری آواز بھی وہی ہے یقین کرو میری  
پہن کہ میں اصلی پانڈو خونی نہیں تھا۔ میں عنبر تھا  
اور عنبر ہوں۔ تمہارے پاس صرف اس لئے آیا ہوں کہ  
مجھے معلوم تھا کہ تم میرے لئے غم زدہ ہو گی اب خوش  
ہو جاؤ۔ مگر یہ بات کسی اور کو نہ بتانا۔

کوتاش کو بڑی خوشی ہوئی کہ اسے اس کا بھائی واپس  
میں گیا ہے۔ اس نے اپنے باپ سے یہ کہہ کر عنبر کا تعارف











جئے اور غوطے لگا کر غائب ہو گئے۔

سمندر کے اندر ہی اندر وہ غوطہ لگا کر کافی دور

سمندر کے اندر ہی اندر چلے گئے۔ پھر انہوں نے سر باہر نکال کر سانس

لیا اور دوبارہ غوطہ لگا گئے۔ اسی طرح چھ سات بار

سانس لینے اور غوطہ لگا کر تیرتے رہنے کے بعد وہ ایک

کشتی کے پاس آ گئے جس پر وہ آدمی پہلے سے تیار بیٹھا

تھا جو اسی روز جل پری کو دیکھنے آیا تھا اور جس کی لمبی

داڑھی اور اتنی زرد آنکھیں تھیں۔ اس نے جل پری

کا تھیلہ کشتی پر کھینچ لیا اور پھر تین ڈاکو ملاح بھی کشتی

میں آکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے تیزی سے کشتی کے چپو

چلانے شروع کر دیئے۔

دیکھتے ہی دیکھتے یہ کشتی سمندر کے اندھیرے میں گم

ہو گئی۔ ایک گھنٹے کے بعد یہ کشتی ایک کھاڑی میں داخل

ہو گئی جس کا پانی ایک پرانے دیران محل کی دیوار سے

ٹکراتا ہوا دلدلی جنگل کی طرف نکل گیا تھا۔ پُر اسرار آدمی

نے محل کی زنگ آلود سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ یہ

سیڑھیاں آدھی سمندری کھاڑی میں ڈوبی ہوئی تھیں یہاں

گہرا اندھیرا تھا۔ ڈاکو ملاح کشتی کو لے کر دیران محل کی

زنگ آلود سیڑھیوں کے پاس لے آئے۔ پُر اسرار آدمی

سمندر کے قریب آ گئے۔ یہاں جہاز کے جھکے پر سے

ایک آدمی نیچے تنک رہی تھی وہ اس رسی کے ذریعے باہر

نکلنے کی طرح جہاز کے عرشے پر آ گئے۔ وہ

پہلے ٹائپ پر تھے۔ عرشے پر آتے ہی وہ جھک کر

اندھیرے میں اس طرف چلے بدھ پانی کے ٹب میں جل پری

تھی۔ اب یہاں سے ایک آدمی کے کاندھے پر بڑا سا خالی

تھیلہ تھا۔ جہاں وہ ٹب کی طرف بڑھنے ایک سلاح کی

آکھ کھل گئی لیکن اس سے پیشتر کہ وہ آواز نکالتا

بحری ڈاکو کا خنجر اس کے دل میں اتر چکا تھا ملاح کو

موت کی نیند سلا کر وہ عرشے کے چوبی فرش پر گر چھ

کی طرح رہ جاتے جل پری کے ٹب کے پاس آ گئے۔

کیٹی جل پری جاگ رہی تھی۔ ایک ڈاکو نے ٹب

میں چھلانگ لگا دی اور جل پری کے منہ پر اتنی تیزی

سے دو مال باندھ دیا کہ جل پری کیٹی کوئی آواز نہ نکال

سکے انہوں نے جل پری کو رسی کی مدد سے ٹب سے

باہر نکال کر تھیلے میں بند کیا اور اسی طرح رہ جاتے

وہ اس جگہ پہنچے جہاں عرشے کے جنگلے کے ساتھ

ایک تنک رہی تھی۔ اسی رسی کی مدد سے وہ سمندر میں



گشتی سے باہر آگیا۔ ڈاکو ملاحوں نے جہل پری کیٹی کا  
تھیلہ اٹھایا اور سیڑھیاں چڑھ کر پراسرار ڈاکوئی والے  
آدمی کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔  
سیڑھیاں ختم ہوئیں تو آگے بوسیدہ محل کا دروازہ آگیا جو  
آدمی کھلا تھا اندر جس گھپ اندھیرا تھا۔ ڈاکو ملاح دہان  
گئے۔ پراسرار آدمی نے انہیں اتو ایسی زرد آنکھوں سے  
دیکھا اور کہا۔

اندر سے چلو تمہیں مقول انعام ملے گا۔

انعام کے لالچ میں تینوں ملاح کیٹی جہل پری کا تھیلہ  
لے کر محل میں داخل ہو گئے۔ اب ان کے سامنے ایک دیوار  
اندھیرا صحن تھا۔ صحن میں ایک جانب جھکے جھکے چھوٹے قد  
کے دروازے تھے۔ درخت آگے ہوئے تھے ان درختوں  
کے نیچے پرانی قبریں تھیں آگے ایک اور دروازہ تھا اس  
دروازے کے باہر ایک ایسے آدمی کا بت لگا تھا جس کا  
دھڑکنے والا سر جھپٹے کا تھا۔ اس دروازے  
کے طاق میں چراغ جل رہا تھا۔ تینوں ملاح یہاں رک  
گئے۔ وہ دروازے کے اندر جانے آپکچا رہے تھے پراسرار  
آدمی نے کہا۔  
گھبراتے کیوں ہو۔ میرے ساتھ آؤ۔ اندر میرا کمرہ

میں تمہیں سونے کے دس دس کے دوں گا۔  
ملاح قبرستان کی پرانی قبروں کے درمیان سے گزرتے دوسرے  
دروازے میں داخل ہو گئے۔ آگے ایک تاریک راہ داری  
تھی۔ پراسرار آدمی نے لوہے کی چٹخنی کھولی تو عجیب سی  
آواز پیدا ہوئی۔ ملاح وہیں رک گئے وہ ڈرے ہوئے تھے  
پراسرار آدمی نے دروازہ کھول کر کہا  
اندر آکر جہل پری کو رکھ دو۔ میں تمہارا انعام

لاتا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ راہ داری میں آگے چلا گیا۔ ملاحوں نے کمرے  
میں آکر دیکھا کہ وہاں پرانے زمانے کے میلے پکیے بوسیدہ پھٹے  
پرانے صوفے اور گول میز پری تھی۔ دیواروں کا رنگ بھی سیاہ  
تھا۔ آتشدان میں کوئی آگ نہیں تھی۔ یہاں بہت سردی تھی  
انہوں نے جہل پری کیٹی کو پانی کے ایک ٹب میں ڈال دیا۔  
یہ ٹب اسی کے لئے پہلے سے رکھا گیا تھا۔ انہوں نے جہل پری  
کا منہ پر بندھا ہوا رومال کھول دیا۔ جہل پری نے منہ سے  
بغیب سی سیٹی ایسی آواز نکالی اور پانی میں ڈبکنی لگا گئی۔  
ملاح آپس میں مہرگوشتیوں میں باتیں کرنے لگے کہ یہ  
جگہ بڑی پراسرار ہے جہیں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے  
اتنے میں اتو کی آنکھوں والا پراسرار آدمی آگیا۔ اس کے ہاتھ



۹۰  
میں ایک ٹرے تھا جس میں تین کافی پیالیاں رکھی  
تھیں کافی میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔ اس نے ٹرے  
میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”اس ٹھنڈی رات میں کافی تمہیں گرم کر  
دے گی ویسے بھی تم سمندر میں تیرتے رہے ہو۔ تم  
کافی پیو میں تمہارا انعام لگاتا ہوں۔“

پراسرار آدمی نے جیب سے ایک تھیلی نکال کر میز  
پر الٹ دی۔ اس میں کتنے ہی سونے کے کتے تھے۔ کتے  
دیکھ کر ملاحوں کی باچھیں کھل گئیں۔ لاپچ نے ان کی عقل مار  
دی گرم گرم کافی کی خوشبو بھی انہیں اپنی طرف بلا رہی تھی  
پراسرار آدمی نے کہا

میرا نام نگارشن ہے۔ میں جانوروں اور پرندوں کا  
ڈاکٹر ہوں یہ عمل میں نے جانوروں پر تجربے کرنے کے  
لئے کرائے پر لیا ہوا ہے۔ یہ لو یہ سارے سونے  
کے کتے تمہارے ہیں۔

ہر ملاج کے حصے میں پچاس پچاس سونے کے کتے  
آئے۔ یہ ان کے معاوضے سے پانچ گنا زیادہ رقم تھی پراسرار  
نگارشن مسکرا رہا تھا۔

یہ تمہارا انعام بھی ہے کافی پیو اور خوشی خوشی

اپٹ اپٹ گھروں کو چلے جاؤ۔ میں تمہارا شکریہ گزار ہوں۔  
ملاج کافی پیئے لگے وہ بار بار پراسرار نگارشن کی تعریف کو  
رہے تھے کہ اس نے ان کی مزدوری سے زیادہ رقم دے کر  
ان کے دل جیت لئے ہیں۔ جب وہ کافی کی پیالیاں خالی کر چکے  
تو سونے کے کتے جیبوں میں ڈال کر اٹھے کہ اب وہاں سے  
نکل جائیں مگر انہیں محسوس ہوا کہ ان میں اٹھنے کی طاقت  
نہیں ہے۔ پراسرار نگارشن صوفے سے اٹھ کر آتشخان کے  
پاس جا کر کھڑا ہو گیا تھا اور انہیں گھور کر دیکھ رہا تھا۔ کمرے  
میں ایک دھندلا سا چراغ روشن تھا جس کی روشنی میں وہ  
کوئی شیطان لگ رہا تھا۔

ایک ملاج نے کمزور سی آواز میں کہا مجھے تو چکر  
آ رہا ہے۔

ملاج کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بے ہوش ہو کر  
سوئے پر آسیر ہو گیا اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ تینوں ملاج  
بے ہوش ہو چکے تھے پراسرار نگارشن آتش خان سے ہٹ کر  
بے ہوش ملاحوں کے پاس آیا۔ پھر باری باری انہیں گھسیٹتا ہوا  
ساقی والے کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے کے درمیان میں  
ایک اندھا کنواں کھدا ہوا تھا جس کے اوپر مکڑی کا گول  
ڈھکنا لگا تھا۔ نگارشن نے تینوں بے ہوش ملاحوں کو اس کنوئیں  
میں پھینک دیا اور پھر اوپر سے ڈھکنا لگا کر کنوئیں کو



ایک چراغ جل دیا تھا۔ اس چراغ کی زرد روشنی میں  
خوش پر دیوار کے ساتھ تین تابوت پڑے تھے۔ درمیانی  
تابوت پر ایک کالی بلی بیٹھی زرد آنکھوں سے ہلک رہی  
تھی۔ پھر امراء گارشن کو دیکھ کر بلی کے حلق سے غراہٹ  
کی آواز نکلی۔ پھر امراء گارشن نے جیب سے گوشت کا ایک  
ٹکڑا نکال کر بلی کو ڈالا۔ بلی تابوت سے اچھل کر گوشت کے  
ٹکڑے پر جھپٹی اور اسے اٹھا کر باہر قبرستان کے اندھیرے  
میں غائب ہو گئی۔

پھر امراء گارشن نے تیسرے تابوت کا ڈھکنا کھولا۔ تابوت  
خالی تھا۔ اس نے بے ہوش کیٹی جل پری کو اس تابوت  
میں لیٹا دیا۔ پھر لمبے کوٹ کی جیب سے دو چھوٹی شیشیاں  
نکالیں اور ان میں سے سیاہ محلول کے چند قطرے جل پری  
کیٹی کے اوپر گرا دیے۔ کوٹھڑی میں بڑی تیز بو پھیل گئی گارشن  
نے فوراً تابوت بند کر دیا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے  
تابوت کو کھولا۔ اس تابوت میں ایک عورت بالکل سیدھی  
لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں وہ دیکھنے والی  
ٹھوڑے ٹھوڑے ہونٹوں سے اتر گئی ہوئی تھی۔ ہونٹوں  
پر لگا سا سرخ خون جہا تھا عورت کا بس چہرہ اور  
سیاہ کپڑے کا تھا۔ سر پر بھی کالا۔ وہ مال کن کر بندھا تھا۔

بعد کو کے کٹڑی لگا دی۔ کٹڑی میں بڑے دھریے سانب  
رنگ رہے تھے۔ بے ہوش ملاح ان سانپوں پر گھرے  
سانپوں نے بڑبڑا کر انہیں ٹوس دیا اور وہ بے ہوش  
میں ہی مر گئے۔

اس کام سے فارغ ہو کر پھر امراء گارشن اس کمرے میں  
واپس آگئے جہاں پانی کے ٹب میں کیٹی جل پری پڑی تھی  
گارشن نے میز کی دراز میں سے نیلے رنگ کی ایک شیشی  
نکالی۔ اسے کھولا اور اس میں سے سیاہ محلول کے تین  
قطرے ٹب کے پانی میں گرا دیے۔ قطرے پانی میں گرے  
تو وہاں ہلکے اٹھنے لگے۔ جل پری کیٹی وہ تین بار اچھل اور  
پھر بے ہوش ہو گئی۔ پھر امراء گارشن نے جل پری کو ٹب  
میں سے نکال کر اپنے کاندھے پر ڈالا اور تاریک راہ داری  
میں چلتا دروازے کے باہر صحن میں آگیا۔ صحن میں رات  
کا گھپ اندھیرا پھیلا تھا۔

گارشن اس طرف چلا جہاں درختوں کے نیچے بے ترتیب  
دوران قبریں تھیں۔ ان قبروں میں سے گزرتے ہوئے  
گورنر قبرستان کے کمرے والی سرد دیوار اندھیری کوٹھڑی کے  
بال آگیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ بند تھا۔ دروازے کو اس نے  
پاؤں کی لہر سے کھولا۔ اور اندر داخل ہو گیا کوٹھڑی میں



پراسرار گارش منکویا۔ اس نے تابوت بند کر کے تیسرا  
تابوت کھولا اس تابوت میں بھی ایک سیاہ چست لباس والی  
عورت سیدھی لیٹی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ نوکیلی  
دانت ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ایک جانب ہونٹ  
کے نیچے سرخ خون کے دھبے جیسے ہوئے تھے۔ اس کے سر پر  
مک سیاہ رومال بندھا تھا۔ گارش نے ایک شیطانی سگراہٹ  
کے ساتھ اس تابوت کو بھی بند کر دیا۔ پھر اس نے کیٹی  
جس پر ہی کے تابوت پر آہستہ سے ہاتھ پھیرا۔ ہلتی اس  
کے پیچھے آکر غرائی۔ گارش نے اسے آلو کی زرد آنکھوں  
سے دیکھا۔ اس کے گول زرد ڈیلے پھیلنے لگے۔ بلی پر لڑوہ  
طاری ہو گیا اور وہ پیچھا مار کر باہر بھاگ گئی۔ گارش کی آنکھوں  
کے زرد ڈیلے دوبارہ سکڑ گئے۔ گارش آہستہ سے اٹھا  
بٹا لمبی والی پیر ہاتھ پھیرا اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا  
وہ قبروں کے بیچ میں سے اندھیرے میں چلتا واپس اپنے  
ویران محل والے کمرے پر آکر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

نیم دوپہر اس طرح پڑے رہنے کے بعد وہ اٹھا اور اس نے  
آتشان میں دیکر۔ کئی لکڑیوں کو جلا دیا۔ آتشان میں آگ  
کے لہجے اٹھنے لگے۔ پراسرار گارش آتشان کے سامنے  
جاکر دو کھوکھریاں اور آگ کے شعلوں کو گھورنے لگا

دو منہ ہیں منہ میں کچھ پڑھتا بھی جا رہا تھا۔ شاید وہ  
کوئی طلسمی منتر پڑھ رہا تھا۔ اچانک آگ کے شعلوں  
میں ایک شیطانی شکل نمودار ہوئی۔ اس کے کان لمبے  
ناک ٹھوڑی کے ساتھ مل ہوئی اور دانت باہر نکلے ہوئے  
تھے۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔  
گارش منتر پڑھتے پڑھتے رک گیا۔ اس نے حلق

سے گہری آواز نکال کر کہا

میرے ماسٹر! میرے شیطان! میں نے تیسرا تابوت  
بھی بھر دیا ہے۔ اب مجھے اپنی شیطانی طاقت دے کر  
میں لوگوں کے خون سے ہولی کھیلوں۔  
آتشان کی جھپٹک شکل نے گھور کر گارش کو دیکھا اور  
اس کی کھڑکھڑاہٹ غما آواز بلند ہوئی۔

میرے چیلے گارش! تو چھوٹا شیطان ہے۔ تو  
نے میرا کالا منتر پورا کر دیا۔ اب میں نے تجھے شیطانی  
طاقت دے دی۔ جا جا جا

تابوت کو کھول کر دیکھ۔

اس کے ساتھ ہی آتشان کی جھپٹک شکل غائب ہو گئی۔  
گارش تیزی سے چوکی پر سے اٹھا اور لمبے لمبے  
قدم اٹھاتا کمرے سے نکل کر تاریک راہ داری سے ہوتا



دروازے میں سے گزر کر قبرستان میں آگیا یہ اس محل  
کا خاندانی پرانا قبرستان تھا۔ جہاں خدا جانے کب کے مردے  
دفن تھے۔ گارشن سیدھا اس کوٹھڑی میں آیا جہاں اس نے  
تیسرے تابوت میں کیٹی جل پری کو بند کیا تھا۔ اس نے  
دیکھا کہ کالی بلی جل پری کے تابوت پر بیٹھی اسے زرد  
آنکھوں سے گھور رہی تھی۔

گارشن نے اسے جھکا دیا اور تابوت کا ڈھکنا کھولا۔ یہ  
دیکھ کر اس کے حلق سے خوشی کی شیطانی چیخ نکل گئی کہ تابوت  
کے اندر جل پری کی جگہ کیٹی یعنی وہی جل پری والی عورت اس  
حالت میں بالکل سبھیں لیٹی تھی کہ اس کے آدھے پھیلی والے  
دھڑکی جگہ انسانی جسم نے لے لی تھی۔ اس کا سارا جسم سیاہ  
چمٹ لباس میں تھا مگر پر بھی دوسری تابوت والی عورتوں کی  
طرح سیاہ رومال بندھا تھا اور کیٹی کے بھی دو دانتوں کی  
لوکیں ہونٹوں سے باہر نکلی ہوئی تھیں مگر ابھی تک اس  
کے ہونٹوں پر کسی انسانی خون کے نشان نہیں تھے۔

گارشن نے تابوت بند کر دیا۔ کوٹھڑی سے نکل کر تیز  
چلتا چلا گیا۔ ایک گھر سے گیا۔ اور میز کی دراز  
میں سے ایک شیشی نکالی اور اس کا محلول پیہ اور صوف  
پٹے پر۔ اس محلول کا یہ اثر ہوا کہ وہ گہری نیند

میں کھو گیا۔ ساری رات اور دوسرا سارا دن وہ اسی طرح  
گہری نیند سویا رہا۔ دوسری رات جب گہری اندھیری اور  
سنان ہو گئی تو گارشن کی اپنے آپ آنکھ کھل گئی۔ اس نے  
اٹھتے ہی میز کی دراز ایک بار پھر کھولی۔ اس میں سے ایک  
دوسری شیشی نکالی اور اس میں جو محلول بھرا ہوا تھا اس  
کے دو قطرے زبان پر ڈالے اور انہیں پی گیا۔ پھر بقیہ دراز  
میں بند کی اور صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ طاق میں  
چراغ جل رہا تھا۔ اس کی زرد بیمار سی روشنی گارشن  
کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ گارشن کے چہرے پر بال  
اُگنے شروع ہو گئے تھے۔



## ماریا کا پنجہ

اس کا چہرہ کالے بالوں سے بھر گیا۔

یہ بال اس کی ڈاڑھی کے بالوں میں مل گئے۔ اس کی ناک کان ماتھے پر بھی بال ہی بال اُگ اُٹے۔ اس کے بعد اس کے اگلے دو دانت لمبے ہو کر نوکیلے ہو گئے۔ وہ ایک عجیب عجیب ایک جانور نظر آنے لگا۔ اس کی آنکھیں جو پہلے زرد تھیں اب سرخ ہو گئیں۔ اس کے حلق میں سے غراہٹ کی ہلکی ہلکی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔

ایک دم سے اس نے ایک اونچی چیخ کی آواز حلق سے نکالی اور دروازے کی طرف متہ کر کے صوفے پر بیٹھ گیا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو۔

اس غیر انسانی اور شیطانی چیخ کی آواز جب قبرستان والے صحن سے ہوئی ہوئی تابوتوں والی کوٹھڑی میں پہنچی تو تینوں تابوت اپنے آپ آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ ان کے اندر بیٹی کی محبت تینوں شیطانی عورتوں کی آنکھیں ایک جھٹکے سے

کھل گئیں۔ پھر تابوت کے ڈھکنے بھی اپنے آپ الگ ہو گئے تینوں عورتیں تابوتوں میں سے نکل کر کوٹھڑی کے نیم اندھیرے میں ایک دوسری کے ساتھ کھڑی ہو گئیں۔ وہ کوئی شیطانی بلائیں لگ رہی تھیں۔ کیٹی اگرچہ اپنی اصلی شکل میں تھی مگر جادو کے اثر سے اس کا ذہن سب بچھلی باتیں بھلا چکا تھا۔ اس کے نوکیلے دانت بھی دوسری عورتوں کی طرح باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ جسم سیاہ چست لباس میں ملبوس تھا۔ سر پر کالا رومال بندھا تھا اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس میں اور دوسری دو شیطانی عورتوں میں مرن آنا ہی فرق تھا کہ ان کے ہونٹوں پر خون کے دھبوں کے نشان تھے مگر کیٹی کے ہونٹوں پر ایسا کوئی نشان نہیں تھا۔ پڑیلوں کی طرح آہستہ آہستہ چلتی ہوئیں وہ کوٹھڑی سے

باہر قبرستان میں آگئیں وہ قبروں کے درمیان چل رہی تھیں۔ اندھیرے میں ان کے سیاہ لباس والے جسم نظر نہیں آ رہے تھے۔ صرف زرد چہرے ہی دکھائی دے رہے تھے شیطانی گارشن بھیڑیے کی شکل میں اپنے کمرے کے صوفے پر بیٹھا سرخ آنکھوں سے بند دروازے کی طرف گھور رہا تھا۔ اس کے حلق سے بھیڑیے ایسی غراہٹ کی دھمی آواز نکل رہی تھی۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور باہر



باری کیوں تابوت والی عزتیں کمرے میں داس ہو کر  
پتھان کے پاس آکر کھڑی ہو گئیں۔

شیطان گارشن کی باجپیں کھین گئیں۔ اس کے جانوروں  
والے ہونٹ پھڑکنے لگے۔ وہ سوٹ پر سے اٹھا اور بھیڑیے  
کی طرح جھک کر چلتا تابوت والی عزتوں کے پاس جا کر ٹرک  
گی۔ ایک عزت اس کو اپنے قریب پا کر بیٹھ گئی۔ گارشن  
نے اس کی گردن پر سے سیاہ کپڑا ہٹایا اور اپنے دونوں  
دانت اس کی گردن میں گاڑ کر اس کا خون پینا شروع کر دیا چند  
گھنٹہ خون پینے کے بعد اس نے لڑکی کو چھوڑ دیا۔ پھر دوسری  
لڑکی کا خوراک سا خون پیا۔ اب کیٹی کی باری تھی۔ دونوں لڑکیاں  
کیٹی کو گھور کر دیکھ رہی تھیں۔ گارشن نے آگے بڑھ کر کیٹی کی  
گردن پر سے سیاہ کپڑا اٹھایا کیٹی نے کوئی مزاحمت نہ کی اس  
پر جادو کے منتروں کا اثر تھا۔ گارشن بھیڑیے نے اپنے دونوں  
دانت کیٹی کی گردن میں گاڑ دیئے۔ اسے ایک کرنٹ  
مالک۔ گارشن نے منہ پیچھے ہٹا لیا۔ مگر اس نے یہ بات ظاہر  
نہ کی اور دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھ کر زور زور سے  
خراشے لگا۔

اس کے بعد وہ اچھیل کر صوفے پر جا بیٹھا۔ اس نے آنکھیں  
بند کر لیں۔ شیطان گارشن کے چہرے کے جانوروں ایسے

بال آہستہ غائب ہونا شروع ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے  
وہ اپنی اصل شکل میں واپس آ گیا۔ اب اس نے کیٹی کی  
طرف اشارہ کر کے کہا۔

آج سے تم تیسری خوفی ناگن ہو تم بھی میرے  
سے اپنے شمار کا خون چوس کر سو گئی اور چہرہ میں تمہارا  
خون چوس کر اپنی پیاس بجھاؤں گا۔ جادو لبادہ پہنو اور  
اپنے خوفی سفر پر پرواز کر جاؤ۔

تینوں خوفی لڑکیاں جن میں کیٹی بھی شامل تھی کٹھ پتلیوں کی  
طرح اپنے آپ دروازے کی طرف گھوم گئیں۔ اندھیری راہداری  
میں سے گزرتی ہوئی وہ ایک تاریک کمرے میں پہنچیں۔ وہاں  
ایک کھڑکی باہر تاریک آسمان کی طرف کھلی تھی۔ انہوں نے کوئے  
میں انسانی ڈھانچوں سے شکستے ہوئے اپنے لمبے سیاہ چمگادروں  
ایسے لبادے پہنے۔ چہروں کو سیاہ کالے نقابوں میں چھپایا اور  
باری باری کھڑکی میں سے باہر کود کر تاریک فضا میں اس طرح  
اڑتی غائب ہو گئیں جس طرح چمگادریں اڑتی ہیں۔

دوڑ پہاڑ کے دامن میں خراسان کا تدمی شہر اذہیرے اور  
نہند کی چادر اوڑھے گہری نیند سو رہا تھا۔ دوسری درکیں  
اڑ جائے کس طرف نکل گئیں۔ کیٹی رات کے اذہیرے  
میں اڑتی ہوئی شہر کے ایک سست علاقے میں ایک



عالیشان محل کی کھڑکی میں اتر آئی۔ کھڑکی پر پردہ گرا تھا۔ اندر  
 ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ کیٹی نے آہستہ سے پردہ ہٹا دیا۔  
 یہ دیکھتی ہے کہ شاندار دلہن بستر پر ایک نہری بالوں والی  
 امیرزادی سو رہی ہے۔ دیواروں پر کم خواب کے پردے  
 پڑے ہیں۔ چاندی کی میزوں پر شیشے کی معروف سجتے  
 ہوئے ہیں۔

کیٹی کمرے میں اتر آئی۔ عورت کا ہیرے جواہرات کا زیور  
 میز کے ڈبے میں کھلا پڑا تھا۔ یہ بہت ہی امیر عورت لگتی  
 تھی۔ غریب عورت بھلا اس قسم کے محل میں کہاں رہ سکتی  
 ہے۔ کیٹی دبے پاؤں چلتی عورت کے بستر کے پاس  
 آگئی۔ اس نے جھک کر عورت کو دیکھا وہ گہری نیند سو رہی  
 تھی۔ اس کے بالوں میں سے خوشبو آ رہی تھی۔ کیٹی نے  
 سب سے پہلے اس عورت کے کاندھے پر سے شال ایک  
 طرف آہستہ سے ہٹا دی۔ عورت کو کچھ پتہ نہ چلا۔ اب کیٹی  
 نے اپنا منہ نیچے کیا اور عورت کی گردن پر اپنے دانت  
 رکھے ہی تھے کہ اچانک جیسے کیٹی کے اندر کوئی شے بیدار  
 ہو گئی۔ کسی نے اسے اسے آواز دی۔

کیٹی! یہ شیطانی کام تجھے نہیں کرنا۔ تو شیطانی کام کے  
 لئے نہیں بلکہ دینی اور مصیبت زدہ انسانوں کی خدمت کے

لئے دنیا میں آئی ہے۔ برٹ گئی گھر فوراً ہی آواز گم ہو گئی اور  
 کیٹی ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ ایک بار پھر حملہ کیا۔ کیٹی ایک بار  
 کیٹی پر شیطانی طعنہ نے ایک بار پھر حملہ کیا۔ کیٹی ایک بار  
 پھر اپنا منہ عورت کی گردن کے پاس لے گئی کہ اس کی  
 گردن کی رگ کاٹ کر اس کا خون پی جائے لیکن وہی آواز  
 پھر سنائی دی۔ اس دفعہ آواز میں زیادہ طاقت تھی۔

کیٹی نے چہرہ اوپر اٹھا لیا۔ عورت کی جاگ کھل گئی اس  
 نے جو ایک سیاہ پوش، نوکیلے دانتوں والی چڑیل کو اپنے اوپر  
 جھکے دیکھا تو اس کی بے اختیار پیچھے نکل گئی۔ کیٹی تیزی سے  
 کھڑکی کی طرف گھومی اور باہر چھلانگ لگاتے ہی ہوا میں پرواز  
 کرتی غائب ہو گئی۔ کیٹی اس علاقے کے مکملوں اور حویلیوں پر  
 اڑتی ہوئی شہر کی ایک ویران گلی میں اتر کر ایک مکان کی دیوار  
 سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

کیٹی کے اندر ایک زبردست کش مکش جاری تھی ایک  
 خیال اسے نیکی کی طرف دوسرا اسے بُرائی کی طرف کھینچ رہا  
 تھا۔ اتنے میں اسے گلی میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی  
 دی۔ ایک لڑکا کاندھے پر ایک گھٹھری رکھے جیسے نیند  
 میں چلا آ رہا تھا۔ خدا جانے وہ اتنی رات گئے کہاں  
 سے آ رہا تھا۔ کیٹی کے دل میں شیطانی جذبہ بیدار ہو گیا۔



یہ پڑا سرد گارشن کے علسم کا اثر تھا۔ کیٹی نے اچھل کر  
 لڑکے کو گردن سے پکڑ کر دبوچ لیا۔ لڑکے نے سیاہ پوٹس  
 عورت کو دیکھا تو اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اس کے منہ  
 سے آواز نکل نہ نکل سکے اور وہیں بے ہوش ہو گیا۔ کیٹی نے  
 غراتے ہوئے لڑکے کی گردن پر خون پیسے کے لئے اپنے  
 دانت رکھے ہی تھے کہ وہی آواز اس کے دل سے پھر بلند ہوئی  
 کیٹی نے فوراً لڑکے کو چھوڑ دیا اور شرمندہ سی ہو کر گلی میں  
 ایک طرف چلنے لگی۔ تھوڑی دور چلنے پر پھر گارشن کے  
 ظلمی منتروں نے اثر کیا اور وہ واپس لڑکے کی طرف آئی۔  
 قریب آکر لڑکے پر حملہ کرنے ہی والی تھی کہ جیسے اسے  
 غلبہ کی آواز آئی۔

”کیٹی! یہ تم کس گناہ کی دلدل میں پھنس گئی ہو؟  
 کیٹی چونک پڑی۔ اس نے آواز کو پہچانتے کی کوشش کی۔  
 ان غصوں ہوا جیسے یہ آواز اس نے خواب میں کہیں سنی تھی  
 مگر یہ آواز کس کی تھی؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔  
 اس آواز کا یہ اثر ہوا کہ اس رات کیٹی کسی مسافر یا گھر  
 میں نہ رہی۔ عورت کا خون رپا سکی۔ جب دن کی  
 روشنی پھیلنے لگی تو کیٹی فوراً فضا میں اڑتی ہوئی واپس  
 دیوں میں گارشن کے ساتھ گری ہوئی آگئی۔

گارشن جیسے کیٹس میں صوفے پر بیٹھا تیشوں سمابہت  
 والی لڑکیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ جب تینوں لڑکیاں وہاں  
 پہنچ کر ایک قطار میں کھڑی ہو گئیں تو گارشن نے کہا  
 جو خون تم پی کر آئی ہو اس میں سے آدھا  
 مجھے پلاؤ۔

اور اس نے پہلے ایک لڑکی کی گردن پر دانت گاڑ کر غصہ  
 سا خون پیا۔ پھر دوسری اور پھر تیسری یعنی کیٹی کی گردن پر  
 دانت گاڑ کر جب خون پینے لگا ابھی اس نے خون کا ذائقہ  
 چکھا ہی تھا کہ وہ اچھل کر پرے گر پڑا۔ اسے ایک جھٹکا لگا  
 تھا کیونکہ کیٹی بہر حال خلائی مخلوق تھی اور اس کے خون میں  
 تانبے کا عنصر بہت زیادہ تھا۔ اسی قسم کا ہلکا سا کرٹ گارشن  
 کو پہلے بھی لگا تھا جب پہلی بار اس نے کیٹی کی گردن پر  
 اپنے دانت گاڑے تھے اس نے جھک کر کیٹی کی گردن  
 کو دیکھا۔ کیٹی کی گردن پر اس کے دانت کا زخم بھی اپنے  
 آپ مل گیا تھا جبکہ دوسری لڑکیوں کی گردنوں پر اس  
 کے دانتوں کے نشان روز خون پینے سے زخم بن گئے تھے۔  
 گارشن نے گھسور کر کیٹی کو دیکھا۔ پھر صوفے پر بیٹھے  
 بڑے عزایا۔

جاؤ اپنے اپنے تابوتوں میں جا کر لیٹ جاؤ



صبح ہو رہی ہے۔  
 کیٹی بھی دوسری غوفی لڑکیوں کے ساتھ قبرستان میں سے  
 گزر کر کوٹھڑی اپنے تابوت میں آکر لیٹ گئی۔ اس کے  
 بیٹے ہی تابوت کا ڈھکنا اپنے آپ بند ہو گیا۔  
 دوسری طرف گارشن کا چہرہ جب اپنی اصلی حالت پر  
 آ گیا تو اس نے آتشدان میں آگ روشن کی اور اس کے  
 سامنے چوکی پر بیٹھ گیا۔ وہ آتش شیطان کے منتظر پڑھ رہا  
 تھا منتظر ختم کرنے کے بعد گارشن نے آتشدان کے  
 شعلوں کی طرف دیکھا تو وہاں آتش شیطان کی شکل نمودار  
 ہو گئی تھی۔ گارشن نے آتش شیطان کو بتایا کہ جو نئی ناگن  
 وہ لایا ہے اس کے خون کے اثر سے جھٹکے لگتے ہیں اور اس  
 کا زخم اپنے آپ بند ہو جاتا ہے۔ آتش شیطان نے ایک  
 بھیاں بک قبضہ لگایا اور کہا۔

یہ عورت فحاشی جادو گرانی ہے۔ یہ تیری  
 موت بن کر آئی ہے۔ یہ تجھے ہلاک کر دیگی۔ اس سے  
 جلدی چھٹکارا حاصل کر ورنہ تو زندہ نہیں بچے گا۔  
 کہہ کر آتش شیطان غائب ہو گیا۔

گارشن تو پریشان ہو گیا۔ اس کا خون کھول اٹھا کہ یہ  
 موت اس کی موت کا پیغام لے کر وہاں آئی تھی۔ وہ تیزی

سے کمرے سے نکلا اور قبرستان دالی کوٹھڑی کی طرف  
 بے لے ڈنگ بھرتا دوڑا۔ کوٹھڑی کو زور سے کھولا اور  
 کیٹی کے تابوت کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اس نے اپنے  
 بے کوٹ کی جیب سے تلوار کھینچ کر باہر نکالی اور تابوت  
 کا ڈھکنا اٹھاتے ہی تلوار کے وار کرنے شروع کر دیے۔  
 اس کا سانس پھول گیا مگر یہ دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے  
 طرے اڑ گئے کہ تابوت خالی تھا اور کیٹی وہاں پر نہیں تھی۔  
 اس نے چونک کر کوٹھڑی میں چاروں طرف دیکھا۔ کیٹی وہاں  
 نہیں تھی۔ گارشن نے جلدی جلدی دوسرے تابوت کھول  
 دیئے۔ ان تابوتوں میں دوسری سیاہ پوش لڑکیاں آنکھیں بند کئے  
 سو رہی تھیں۔ گارشن نے تابوت بند کئے اور بھاگ کر قبرستان  
 میں آ گیا۔ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی مگر قبروں کے اوپر  
 درختوں کے نیچے ابھی اندھیرا تھا۔ وہ کیٹی کو قبرستان میں  
 تلاش کرنے لگا۔ ایک قبر پر سے گزرتے ہوئے اس کا  
 پاؤں قبر میں دھنس گیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی کیونکہ  
 قبر کے اندر کسی نے اس کا پاؤں پکڑ رکھا تھا۔ گارشن نے  
 اپنا پاؤں چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر وہ قبر کے اندر  
 ہی اندر دھنستا چلا گیا۔  
 قبر کے اندر کوئی اسے کھینچ رہا تھا۔ قبر میں اندھیرا



۱۰۸  
 تھا۔ گارشن نے آنکھیں پوری کھول کر دیکھا کہ چار مردے  
 ایک ہی قبر میں دولت کے ساتھ لگ کر بیٹھے تھے۔ ان کی  
 کھوپڑیاں چمک رہی تھیں اور ہاتھوں میں نخرے تھے۔ ایک مردے  
 نے اس کی ٹانگوں کو جکڑ رکھا تھا۔ گارشن کے حلق سے خوف  
 کی آوازیں نکلتی لگیں۔ چاروں مردے اس پر ٹوٹ پڑے اور  
 دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم کو کاٹ کر رکھ دیا۔ خونی شیطان  
 کو اس کے گناہوں کی سزا مل گئی تھی۔  
 قبر کے باہر درخت کے پیچھے کیٹی سیاہ لباس میں ملبوس  
 سیاہ نقاب پہنے عموں کھڑی قبر کو دیکھ رہی تھی۔ قبریں گارشن  
 کو اس کے گناہوں کی جو سزا ملی تھی اسے کیٹی نے دیکھ لیا  
 تھا۔ کیٹی وہاں سے ہٹ کر کوٹھڑی میں آگئی۔ اس نے  
 دونوں لڑکیوں کے تابوت کھول دیئے۔ کوٹھڑی میں دن  
 کی روشنی آ رہی تھی۔ لڑکیوں نے آنکھیں کھول کر کیٹی کو  
 دیکھا اور چیخ کر کہا

تابوت بند کر دو۔ اندھیرا کرو۔ اندھیرا کرو۔ ہم  
 سر جائیں گی۔ ہم روشنی میں سر جائیں گی۔ ہم مردہ  
 ہیں۔ ہم اندھیرے میں زندہ ہوتی ہیں۔  
 کیٹی نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا۔ دن کی صاف روشنی  
 آنے لگی۔ دونوں تابوت والی لڑکیوں کی حالت خواب

ہونا شروع ہو گئی۔ روشنی ان کے جسم پر پڑی تو ان کے  
 جسم سیاہ پڑ گئے اور پھر دیکھتے دیکھتے وہ مٹی کی ڈھیریاں  
 بن گئے۔ کیٹی نے دیکھا کہ تابوتوں میں لڑکیوں کی جگہ ہڈیوں  
 کے ٹکڑے پڑے تھے۔ اس خیال سے کہ یہ لڑکیاں پھر سے  
 شیطانی روپ نہ دھار لیں ان کی کھوپڑیاں ان کی گردنوں سے  
 الگ کر دیں

اس کام سے فارغ ہو کر کیٹی قبرستان میں آگئی۔ اس  
 نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے دونوں درندوں  
 ایسے نوکیلے دانت غائب ہو چکے تھے۔ کیٹی نے اپنا سیاہ نقاب  
 اتار کر پھینک دیا۔ اس کے دل میں ماضی کی یادیں پھر سے  
 زندہ ہو گئی تھیں۔ نیکی کا راستہ اختیار کرنے اور برائی  
 کے راستے پر نہ چلنے کی وجہ سے کیٹی کا دل بے حد ہلکا چلکا  
 ہو گیا تھا اور اس کی یادداشت لوٹ آئی تھی۔ اب اسے  
 یاد آنے لگا کہ وہ کیٹی ہے اور تھیو سائنگ عنبر ناگ اور ماریا  
 سے بچھڑ گئی تھی۔ کیٹی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ برائی  
 کے راستے سے پرچ گئی ورنہ اس کا بھی وہی حسرت ناک  
 انجام ہوتا جو گارشن اور دوسری تابوت والی لڑکیوں کا ہوا  
 تھا۔ کیٹی قبرستان والے صحن سے ہو کر اس آسے دیوار  
 نل کے دروازے پر آگئی۔ باہر اس کے سامنے کھڑی



لاست رہا تھا اور جس کی سیریاں پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں  
کیٹی کے دیکھا کہ ایک طرف وہی کشتی بندھ چکی تھی جس میں  
گورنر اسے ڈال کر لایا تھا۔ کیٹی کشتی میں بیٹھ گئی اور آہستہ  
آہستہ چپتہ چلانے لگی۔

وہ کھڑکی کو پار کر کے دوسرے کنارے پر آگئی اس  
کے سامنے کچھ ناملے پر ہارسبیلز کا قدیم فرانسیسی شہر نیوٹ  
سے بہار ہو چکا تھا۔ کیٹی نے فضا میں گہرا سانس لیا۔  
اسے نیمہ ساگ، ماریا ناگ اور عنبر میں سے کسی کی خوشبو  
عطر نہ ہوئی۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ عکاشن اسے نہ جانے  
کہیں سے کہاں لے آیا ہے اور اب خدا جانے اس کی اپنے  
ساتھیوں سے کب دوبارہ ملاقات ہو۔

کیٹی نے سیاہ چست لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے  
ہال مہری اور آنکھیں نیلی تھیں۔ وہ شہر میں داخل ہوئی تو  
وگ اس کے آسمانی حسن سے بڑے متاثر ہوئے۔ کیٹی کی  
جگہ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے۔ لے دے کر اسے  
شہر کی کارواں سرائے ہی کا خیال آیا کہ وہاں جا کر ٹھہرے  
اور کسی دوسرے ملک کو جب کوئی قافلہ چلنے لگے تو اس  
کے ساتھ ہونے اور ناگ عنبر کی کھوج لگائے۔  
کیٹی کے پاس کتنے بھی نہیں تھے۔ ان دنوں فرانسیسی

پہر روم کا قبضہ تھا اور روم کے بادشاہ کی طرف سے دیاں  
ایک رومی گورنر حکومت کرتا تھا۔ کیٹی نے کارواں سرائے  
میں ہکر ایک کمرہ لینا چاہا مگر کارواں سرائے کے مالک نے  
کہا کہ وہ چاندی کے کتے لئے بغیر اسے کمرہ نہیں دے گا۔  
کیٹی نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ وہیں ایک  
بورجھا پادری بھی کھڑا تھا۔ اس کی سفید ڈاڑھی تھقی اور چہرے  
پر نور برس رہا تھا۔ اس نے کارواں سرائے کے مالک  
سے کہا

تم میری بیٹی کو کمرہ دے دو سکھ میں ادا کر  
دوں گا۔

کیٹی نے پادری کا شکریہ ادا کیا۔ پادری نے کہا  
بیٹی تم اکیلی ہو۔ شہر میں ہر قسم کے لوگ  
ہوتے ہیں۔ بہتر ہے تم میرے ساتھ والا کمرہ لے لو  
میں تمہاری دیکھ بھال کر سکوں گا۔

کیٹی پادری کے اس سلوک سے بڑی خوش ہوئی اور اس نے  
پادری کے ساتھ والا کمرہ لے لیا۔ دوپہر کے وقت پادری  
درخت تلے قالین پر بیٹھا قہوہ پی رہا تھا کہ کیٹی قذیب  
سے گزری۔ پادری نے اسے اپنے پاس بلا لیا اور کہا۔  
بیٹی! کیا تم نے قہوہ نہیں پیا؟



ہیں مقدس باپ! کیٹی نے کہا  
 کیٹی جھوٹ بولنا بہت بُرا سمجھتی تھی۔ پادری نے سہکتے  
 ہوئے کہا  
 ”جو لوگ سچ بولتے ہیں وہ سیدھے جنت  
 میں جاتے ہیں آؤ میری بیٹی میرے پاس بیٹھو اور  
 قہرہ پیو۔“

کیٹی بڑے ادب سے پادری کے پاس قالین پر بیٹھ گئی  
 پادری نے چھوٹے پیالے میں گرم گرم خوشبودار قہوہ ڈال  
 کر کیٹی کو دیا۔ کیٹی شکریہ ادا کر کے پینے لگی۔  
 کیٹی نے محسوس کیا کہ پادری اسے کسی وقت گہری نگاہ  
 سے دیکھ لیتا ہے۔ ایک بار کیٹی کی پادری سے آنکھیں چل  
 برہیں تو کیٹی سے نہ رہا گیا، اس نے پوچھ ہی لیا۔  
 ”مقدس باپ! آپ مجھے اتنے غور سے  
 کیوں دیکھ رہے ہیں؟“

پادری مسکرایا اور بولا۔  
 میری بیٹی! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کسی دردناک  
 سے آہ ہو اور یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ جن دوستوں کی  
 تم تلاش میں ہو وہ تمہیں یہاں نہیں  
 مل سکتے۔

کیٹی سمجھ گئی کہ پادری اللہ کا نیک بندہ ہے اور انسان  
 کے چہرے کو دیکھ کر اس کے دل کا حال معلوم کر لیتا ہے  
 اس نے پادری کا ہاتھ چوم لیا اور پوچھا۔  
 ”مقدس خادہ! آپ ان دیکھی چیزوں کو دیکھ  
 سکتے ہیں۔ مجھے بتائیے کہ میں اپنے دوستوں سے  
 کہاں مل سکیں گی؟“  
 پادری نے کہا۔

میری سچی! ان سے ملنے کے لئے تمہیں یہاں  
 سے بہت دُور ملک افریقہ کے جنوبی حصے میں جانا  
 ہوگا۔ وہاں شاید تمہارے دوست تمہیں مل جائیں۔  
 کیٹی یہ سن کر بڑی خوش ہوئی۔ اس نے اسی وقت ملک  
 افریقہ کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مارسیلز سے ہر ہفتے  
 ایک بحری جہاز افریقہ کی طرف مال لے کر جاتا تھا نیک دل  
 پادری صاحب نے کیٹی کی مدد کی اور اسے افریقہ جانے  
 والے جہاز میں سوار کرا دیا۔ کیٹی کو یقین تھا کہ پادری صاحب  
 کا کہا غلط نہیں ہو سکتا اور محققو سانگ عنبر ناگ اور ماریا  
 سے اس کی ملاقات افریقہ میں ضرور ہو جائے گی۔



دوسری طرف عنبر و سٹی افریقہ کے ایک قصبے میں  
کونٹس کے باپ کی حویلی میں ماریا ناگ اور تھیوسانگ اور  
لینی کی ماہ دیکھ رہا تھا جبکہ تھیوسانگ اور ماریا اور ناگ  
ایک بحری جہاز میں سفر کرتے جنوبی افریقہ کی ایک بندرگاہ  
پر پہنچ گئے تھے اور شہر کی ایک سرائے میں مقیم تھے۔  
جہاں انہیں عنبر یا کیٹی کی کہیں بھی خوشبو نہیں آتی تھی مگر  
وہ ناسید نہیں ہوئے تھے اور عنبر کیٹی کا کھونج لگانے  
کا فیصلہ کئے ہوئے تھے۔

انہیں کارواں سرائے میں ٹھہرے تین روز ہوئے تھے  
کہ ایک روز ایک مسافر سرائے میں اترا۔ اس نے لوگوں  
کو بتایا کہ وہاں سے پانچ سو کلومیٹر دور ایک قصبہ ہے  
جہاں ایک ایسا جادوگر رہتا ہے جس پر آگ اور  
یہ تلواریں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ تھیوسانگ ماریا اور ناگ  
جی پیسن رجبے تھے۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔  
یہ جادوگر عنبر کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ انہوں  
نے سفر سے پوچھا کہ کیا وہ اس جادوگر سے ملے؟  
مسافر نے کہا کہ وہ نمود تو نہیں مگر اس نے اپنی

بڑی بہن سے سنا ہے اور اس کی بہن جادوگر سے  
مل چکی ہے۔ اس نے بتایا کہ جادوگر پر راجہ کے پامیوں  
نے تیر برسائے مگر سارے کے سارے تیر جادوگر کے سہم  
سے مکھڑا کر نیچے زمین پر گر پڑے۔ ناگ، تھیوسانگ اور  
ماریا خوشی سے اچھیل پڑے۔ ناگ بولا۔

یہ یقیناً عنبر ہی ہے

انہوں نے اسی وقت مسافر سے پانچ سو میل دور  
قصبے کا پورا پتہ لیا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس طرف  
ردانہ ہو گئے۔ دن رات سفر کرتے وہ دس روز میں جنگل  
کے ایک ایسے گاؤں میں پہنچے جہاں ایک معصوم لڑکی کو  
زبردستی اس کے مردہ خاوند کے ساتھ آگ میں زندہ  
جلایا جا رہا تھا۔ لوگوں کا جھوم چتا کے ارد گرد جمع تھا۔ مردہ  
خاوند کی لاش کو چتا کی لکڑیوں پر رکھ دیا گیا تھا۔ معصوم لڑکی  
کو نئے نئے کپڑے پہنا کر لایا گیا۔ اس کا رنگ زرد تھا  
وہ موت کے خوف سے کانپ رہی تھی۔ مگر وہ وہاں سے  
بھاگ نہیں سکتی تھی۔ پجاری اور کاہن اسے پکڑ کر لے رہے  
تھے۔ پھر انہوں نے لڑکی کو اس کے مردہ خاوند کے  
سراٹے لکڑیوں کی چتا پر بیٹھا دیا۔

تھیوسانگ ماریا اور ناگ بھی لوگوں میں کودے



جیسا کہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ماریا نے آہستہ سے کہا۔

ناگ! اس بچی کی جان بچانا ہمارا فرض ہے اور یہ کام صرف تم ہی کر سکتے ہو۔

تھیو سائنگ نے جیسی ماریا کے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ معصوم لڑکی بے گناہ ہے۔ وہ مرنا نہیں چاہتی مگر یہ جاہل لوگ رسم و رواج میں جکڑے ہوئے ہیں اور اس لڑکی کو مردہ خاوند کے ساتھ جلا رہے ہیں۔ جبکہ اپنے خاوند کی موت میں لڑکی کا کوئی دخل نہیں ہے ناگ بولا۔

میں اس معصوم بچی کو بچانا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں تم ایسا کرو کہ اس ہجوم سے نکل کر وہ سامنے جو تالاب ہے اس کے کنارے بیٹھ جاؤ۔ میں اپنا کام شروع کرتا ہوں۔

تھیو سائنگ اور ماریا لوگوں میں سے نکل کر تالاب کے کنارے جا کر بیٹھ گئے۔ ناگ نے چننا کے چبوترے کی طرف قدم بڑھائے اور چبوترے پر جا کر کھڑا ہو گیا لوگ، بیماری اور مردے کے رشتے دار اسے تعجب سے دیکھنے لگے کہ یہ کون ہے جو چبوترے پر کھڑا ہے کیونکہ

چننا کے چبوترے پر صرف بیماری کاہن مہنت اور مرنے والے کے رشتے دار ہی کھڑے ہو سکتے تھے ایک سوئی توند والے بیماری نے ناگ سے کہا

تم کون ہو؟ یہاں سے نیچے اتر جاؤ۔ ناگ نے ہاتھ بلند کیا اور بولا۔

بھائیو! اور بھینو! ایک مردے کے ساتھ زندہ کو جلاتا گھناؤنا کام ہے۔ یہ بہت مکروہ گناہ ہے اس لڑکی کا کوئی قصور نہیں۔ پھر تم اسے مردے کے ساتھ کیوں جلا رہے ہو؟

اس بات پر تو لوگوں میں شور مچ گیا۔ کاہن اور مہنت بیماری کھا جانے والی نظروں سے ناگ کو دیکھنے لگے۔ معصوم لڑکی نے امید افروز نگاہوں سے ناگ کی طرف دیکھا مگر جلد ہی اس پر مایوسی چھا گئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی ایک اکیلا بے بس نوجوان اتنے سارے ظالموں میں اس کی جان نہیں بچا سکے گا۔ ایک بیماری نے چیخ کر کہا

یہ ہمارے آباؤ اجداد کے مذہب کا دشمن ہے اب یہ ہمارے مقدس رسم و رواج میں دخل دے رہا ہے۔ اسے یہیں کھڑے کھڑے ہلاک کر دو۔



آتا سنا تھا کہ لوگ ناگ کو مارنے کے لئے اس کی طرف  
پکے۔ ناگ نے کہا

جائیو تم مجھے پکڑ نہ سکو گے۔ اللہ تعالیٰ  
پرستے پر قادر ہے۔ میں اس کا نام لے کر ایک بار پھر  
تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ بے گناہ لڑکی کے خون سے  
اپنے ہاتھ مت رنگو۔

پہلی صبح رات تھی۔ اس کو مار ڈالو۔ اس کو مار ڈالو۔ جوشی  
لوگ تھوڑی دیر تک ناگ کے قریب آئے۔ ناگ  
نے سانس پکھنچ کر چھوڑا اور وہ پہلی بار اڑن سانپ بن کر  
فضا میں بلند ہوا اور ان لوگوں کے سروں کے اوپر سے  
چھٹکارا کرتا ہوا چکر لگانے لگا۔ لوگ تو دم بخود  
ہو کر رہ گئے۔ ان کی آنکھیں چھٹی ہوئی تھیں۔ منہ  
حیرت کے مارے کھل گئے تھے۔ چتا پر بیٹھیں بدقسمت  
لڑکی جی حیران ہو کر سانپ کو فضا میں لوگوں کے سروں  
کے اوپر پکر دگاتے دیکھ رہی تھی۔ پہجاری مہنت اور  
موتی موتی آواز دالے پنڈت یہ کیسے برداشت کر سکتے  
تھے کہ کوئی دوسرا شخص ان کی جگہ لے اور لوگ ان کی  
جائے اس آدمی کی طرف توجہ کریں۔ چنانچہ انہوں

یہ جادوگر ہے۔ یہ شعیبہ بازی ہے۔ اس طرف  
دھیان مت دو۔ چتا کو آگ لگا دی جائے

اور ایک پہجاری نے جلدی سے چتا کو آگ لگا دی۔ چتا  
کی کڑیوں پر گھی تیل ڈالا گیا تھا۔ سوکھ کڑیوں نے ایکدم  
آگ پکڑ لی۔ ناگ نے یہ منظر دیکھا تو پھینکا کرتا ہوا غوطہ لگا  
کر چتا کے پاس آیا اور ایک دھاریدار زور شیر کی نیک میں  
ظاہر ہو کر اتنی زور سے گر جا کہ کئی لوگ وہیں خوف  
کے مارے بے ہوش ہو گئے۔ باقی ادھر ادھر بھاگ گئے۔  
پہجاری اور پنڈتوں کی یہ حالت تھی کہ قہر قہر کانپ  
رہے تھے۔ شیر نے اپنا منہ کھول کر ایک دھار ماری  
اور پہجاری پنڈت چبوترے سے چلا نگیں لگا کر گاؤں کی  
طرف ایسے بھاگے کہ پھر انہوں نے مڑ کر بھی نہ دیکھا  
لڑکی بھی خوف سے سہمی ہوئی تھی۔ وہ ناگ کو کوئی  
اوتار یا دیوتا سمجھنے لگی تھی جو آسمانوں پر سے اس کی مدد  
کرنے آیا تھا۔ وہ مذہبی لڑکی تھی اور جانتی تھی کہ  
دیوتا انسانوں کی مدد کرنے کبھی کبھی زمین پر کس  
کس روپ میں آجایا کرتے ہیں



انسانی شکل اختیار کر لی اور لڑکی سے کہا

میرے ساتھ چلو بہن!

لڑکی چلتا سے اٹھی۔ ناگ کے آگے ہاتھ جوڑ کر اور سر جھک کر گھڑی پر چھنی اور بولی۔

جہاز! میں آپ کی داسی ہوں۔ نوکر ہوں آپ جو حکم دیں گے ویسے ہی کروں گی۔

اور لڑکی ناگ کے ساتھ چلتا کے چبوترے سے اتر پڑی۔ اس نے گھوم کر چلتا پر دیکھی اپنے خاوند کی لاش کو دیکھا اور ناگ سے بولی۔

میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی میرے

دو بھائی! مگر میرے ماں باپ سوچیلے ہیں۔ انہوں نے

دولت سے کر میری شادی زبردستی اس کے ساتھ

کر دی تھی۔ ابھی ہماری شادی کو دس دن ہوا تھا کہ

میرا خاوند ایک گھائی میں گر کر مر گیا۔

ناگ نے کہا۔

جو کچھ بھی ہے میں صرت اتنا جانتا ہوں کہ ہم

تہیں زندہ آگ میں جلتے نہیں دیکھ سکتے تھے

میرے دوست اور ساتھی تالاب کے کنارے بیٹھے میری

دیکھ رہے ہیں۔ یہاں سے ادھر نکل چلو۔

ناگ اس لڑکی کو لے کر تھیوساگک، ماریا کے پاس آ گیا

ماریا کو دیکھ کر لڑکی نے کہا

” میں مرنا نہیں چاہتی اور پھر زندہ آگ میں

جہنا کون پسند کرتا ہے۔ مگر یہ لوگ مجھے زبردستی آگ

میں ڈال رہے تھے۔

تھیوساگک نے کہا

ناگ! ہمیں سب سے پہلے یہاں سے فرار

ہو کر اس لڑکی کو کسی محفوظ جگہ پر پہنچانا ہوگا ورنہ

گھاؤں کے لوگ مل کر ہم پر حملہ کر سکتے ہیں اس جگہ میں

ہمیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا مگر اس لڑکی کی جان

جانے کا خطرہ اپنی جگہ پر موجود ہے

ناگ بولا۔

تم لڑکی کو لے کر جنگل کو جانے والے راستے پر چلو

ہم سانپ بن کر تمہاری حفاظت کروں گا۔

تھیوساگک اور ماریا نے لڑکی کو ساتھ لیا وہ گھوڑوں پر

سوار ہوئے اور گھوڑوں کو اس راستے پر ڈال دیا جو جنگل

میں جاتا تھا۔ ناگ اڑنے والے سانپ کی شکل میں ان کے

پچھلے پیچھے اڑتا چلا آ رہا تھا۔ بندو پیجاریوں نے جب

دیکھا کہ جادوگر ان کی لڑکی کو بھگا کر لے گیا ہے تو



موت کے لئے۔ مگر ناگ کے جادو کے سامنے ان کی کوئی  
تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔ بڑے پہکاری نے کہا  
خود سے کو جلا دیا جائے۔ ہم خود سے کی بیوی  
کو بہت جلد واپس لے کر اس چوڑے پر زندہ  
جلا دیں گے۔

لوگ اپنے پہکاریوں سے ڈرتے تھے۔ انہوں نے ان کی بات  
پر یقین کر لیا۔ خود سے کو آگ لگا دی گئی۔ مگر بڑے  
پہکاری نے اپنے ایک جاموس کو ناگ کے پیچھے روانہ  
کر دیا کہ وہ چھپ کر پتہ چلائے کہ یہ لوگ لڑکی کو لے کر  
کہیں جاتے ہیں۔ ناگ تھیر ساگ اور ماریا لڑکی کو لے  
جنگل میں نکل گئے۔ دوپہر کے وقت وہ ایک تالاب  
پر پہنچے جس کے کنارے ایک پرانا مندر بنا ہوا تھا۔  
ماریا نے کہا

ہیں یہاں کچھ دیر آرام کرنا چاہیے۔ لڑکی کو بھی  
آرام کی ضرورت ہے۔

اس لڑکی کا نام کوسا تھا۔ کوسا اگرچہ موت کے منہ سے  
نکل آئی تھی مگر اس پر اب بھی خوف چھایا ہوا تھا۔ ماریا  
تھیر ساگ اور ناگ نے اسے تسلی بھی دی مگر وہ کہنے  
لگی کہ تم بڑے پہکاری کے جادو سے واقف نہیں ہو۔

مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس نے ناگ سے کہا  
تم نے جادو کے زور سے سانپ اور شیر  
بن کر مجھے موت کے منہ سے ضرور پھڑا لیا ہے مگر  
بڑا پہکاری بہت جلدی ییم راج کے ساتھی ییم دوت  
کی مدد سے کوئی ایسا جادو چلائے گا کہ ہم اس سے  
بچ نہ سکیں گے۔

ناگ نے ہنس کر کہا

کوسا! جب تک تمہارے پہکاری کا جادو حرکت  
نہیں آئے گا ہم یہاں۔ بہت دور نکل چکے ہوں  
گے۔ ہم تمہیں کسی دوسرے ملک میں پہنچا دیں گے۔  
تھیر ساگ نے پوچھا

کیا ہندوستان میں تمہارا کوئی رشتہ دار ہے؟  
ماریا بولی۔

اگر تمہارا رشتہ دار نہ بھی ہو تب بھی ہم تمہیں  
ہندوستان پہنچا دیں گے۔ وہاں تم بڑے پہکاری  
کے جادو سے محفوظ ہو گی۔  
کوسا نے کہا۔

ہندوستان میں لے جانے کی بجائے اگر تم  
مجھے ممباسا پہنچا دو تو وہاں میرا ایک چاچا رہتا ہے



کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔

تھیوسانگ ماریا اور ناگ نے کوسما کے ساتھ دو دن کا سفر طے کر لیا تو وہ ممباسا شہر کے قریب و جوار میں پہنچ گئے۔ کوسما انہیں اپنے چچا کے گھر لے گئے جس کا نام توغان تھا اسے کالے علم اور جادو پر بڑی مہارت حاصل تھی مگر اس نے اپنے اس علم کا راز کسی کو نہیں بتایا ہوا تھا۔ اس کی بھتیجی کوسما کو بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کا چچا توغان ایک جادوگر ہے توغان نے ناگ اور ماریا تھیوسانگ کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ یہ غیر معمولی لوگ ہیں۔ کوسما نے ناگ کے بارے میں تو صاف ہی بتا دیا کہ ناگ جادو جانتا ہے اور سانپ بن سکتا ہے۔ توغان مسکرایا۔

اس قسم کا جادو تو افریقہ کے جنگلی جادوگر اکثر کرتے رہتے ہیں۔ بہر حال مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم لوگوں نے میری بھتیجی کو موت کے منہ سے بچا لیا۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

تھیوسانگ اور ناگ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اب وہ واپس جانا چاہتے ہیں مگر توغان بخوبی جانتا تھا کہ ان میں ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اس میں ایک غیبی قوت

میں اس کے پاس بالکل محفوظ ہوں گی۔

ناگ نے کہا۔ اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو ہم تمہیں ممباسا پہنچائے دیتے ہیں۔

کوسما نے انہیں بتایا کہ ممباسا وہاں سے مشرق کی جانب دو دن کے سفر پر ہے تھیوسانگ ماریا اور ناگ کو غنبر کے پاس جانے کی بھی جلدی تھی مگر کوسما کی زندگی بچانی بھی ضروری تھی۔ چنانچہ انہوں نے یہاں طے کیا کہ پہلے کوسما کو ممباسا پہنچایا جائے اس کے بعد وہ غنبر کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ یہ لوگ ممباسا کی طرف چل پڑے بڑے پجاری کا جاسوس ان کے پیچھے لگا تھا۔

جب اس نے دیکھا کہ یہ لوگ کوسما کو لے کر اس شاہراہ پر چل پڑے ہیں جو ممباسا کو جاتی ہے تو اس نے واپس جا کر بڑے پجاری کو خبر کر دی۔ بڑا پجاری دل مسوس کر

رہ گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ لڑکی کوسما ممباسا میں اپنے چچا کے پاس جا رہی ہے جو اس علاقے کا سب سے بڑا جادوگر ہے۔ جس کے جادو کا کوئی ٹوڑ نہیں ہے۔ اس نے گاؤں کے لوگوں سے یہی کہا کہ وہ بہت جلد کوسما کو واپس لے لے گا۔ مگر دل میں طے کر لیا کہ اب وہ اس کے خلاف



ہے مگر سزا دیوی کے ظلم کی وجہ سے ظاہری حالت میں  
پہلے پہل رہی ہے۔ توغان کو ایک غیبی عورت کی بڑی  
خدمت سے تلاش تھی۔ وہ ایک ایسا عمل کرنا چاہتا تھا جس  
میں ایک غیبی عورت ہی اس کی مدد کر سکتی تھی توغان کے  
پاس افریقہ کا سارا جادو تھا مگر وہ غائب ہونے کا منتر نہیں  
جانتا تھا اور کسی غیبی عورت کا ملنا تو ناممکن ہیں سے تھا  
اب جب اس نے دیکھا کہ ایک غیبی عورت اپنے آپ اس  
کے گھر میں آگئی ہے تو پھر وہ بھلا اسے کیسے جانے دیتا؟  
اس نے کہا

تم لوگ میرے بچوں کی طرح ہو۔ میرے بار آئے  
ہو تو مجھے اپنی میزبانی کا موقع دو۔ کم از کم دو تین روز  
تو میرے پاس ٹھہرو۔ اگرچہ میرے کوئی بیوی بچہ نہیں  
ہے مگر میرے نوکر اور کنیزیں تمہاری بہت خدمت  
کریں گے۔

توغان کا اخلاق بظاہر اتنا اچھا تھا کہ تھیوساٹنگ ناگ اور  
باربا وہاں کچھ دیر رکنے پر مجبور ہو گئے۔ کوسا نے بھی ٹھہرنے  
پر بے حد اصرار کیا تھا۔ جب یہ لوگ توغان کے مکان  
پہنچے تو تھیوساٹنگ نے اپنا عمل شروع  
کر دیا۔ جب رات کا اندھیرا چاروں طرف چھا گیا تو توغان

چپکے سے اپنے مکان کے چور دروازے سے نکل کر جنگل  
کے درمیان ایک پرانے تالاب کے کنارے جی مہرئی ایک  
سادھ پر آگیا۔ سادھ وہ چھوٹا ہوتا ہے جس میں ہندو  
مردے کی ہڈیاں چتا سے اٹھا کر کسی مرتبان میں ڈال کر  
دفن کر دی جاتی ہیں۔ کچھ ہڈیاں یہ لوگ دریائے گنگا میں  
بھا دیا کرتے ہیں اور کچھ اگر ضرورت ہو تو زمین میں دفن کر کے  
اوپر ایک چھوٹی سی قبر بنادیتے ہیں جسے سادھ کہتے  
ہیں۔ جس سادھ پر توغان آیا تھا اس میں ایک ایسی  
عورت کی ہڈیاں دفن تھیں جو کالے جادو کا ایک  
عمل کرتے کرتے ہلاک ہو گئی تھی۔

توغان نے سادھ کے پاس لوہان سلگایا اور منتر پڑھنا  
شروع کر دیا۔ چاروں طرف جنگل ہی جنگل تھا جس  
میں رات کا اندھیرا اور خاموشی چھائی تھی۔ کسی وقت دور  
سے کسی شیر کی ہلکی سی گرج کی گونج سنائی دے جاتی  
تھی۔ دیر تک توغان منتر کا جاپ کرتا رہا جب اس کا  
درد پورا ہو گیا تو اس نے جیب سے ایک پتھریا نکال  
کر کھولی۔ اس میں سفید رنگ کا سفوف تھا۔ توغان نے  
سفوف کو سلگتے ہوئے لوہان کے اوپر ڈال دیا سفوف  
کے جلنے سے لوہان میں سے نیلے رنگ کا دھواں اٹھنا  
شروع ہو گیا اس دھوئیں کی پیشیں اپنے آپ سادھ کی



۱۷۸  
جھول سی قبر کی طرف جانے لگیں۔ دھوئیں کی چرہ سادھ

کی قبر میں داخل ہو رہی تھیں  
توکان نے ایک بار پھر بلند آواز میں منتروں کا جاباب  
نکلتے والا نیلا دھواں  
نکلتے کر دیا۔ آہستہ آہستہ لوہان میں سے نکلتے والا نیلا دھواں  
نکلتے ہو گیا۔ یہ سارے کا سارا دھواں سادھ کی قبر کے اندر  
چلا گیا تھا۔ توغان نے منتروں پر ہٹنا روک دینے اور خود  
سے سادھ کی طرف نکلنے لگا۔ سادھ کی قبر مٹی کی ایک  
چمڑی سی ڈھیری تھی۔ جس پر خشک گھاس لگ رہا تھا۔  
اس ڈھیری میں حرکت پیدا ہوئی۔ پھر ایک جگہ سے مٹی کا  
ڈھیل اپنے آپ اکٹھا کر لگا جاگرا۔ اس کے ساتھ ہی قبر  
کی ڈھیری میں جو سوراخ پھیل چکا تھا اس کے اندر سے  
عورت کا ہاتھ باہر نکلا۔ اس ہاتھ کی کٹائی میں چاندی کی  
چوڑیاں تھیں۔ انگلیوں میں انگوٹھیاں تھیں۔ ہاتھ کے  
نکلتے ہی اپنا پنجہ پھیلا دیا۔ توغان خاموشی سے  
بیٹھا گہری نظروں سے اس ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔

ہاتھ میں سے اچانک ایک انگوٹھی اپنے آپ  
انگلی میں سے نکل کر توغان کے سامنے آن کر سی۔ پھر  
اسے عورت کی گونجتی ہوئی آواز آئی۔

توغان اس انگوٹھی کو لے جا۔ اسے اپنی  
پاس میں رکھ لیا۔ پھر تو جو چاہے گا۔ ہو

جائے گا۔  
اس آواز کے ساتھ ہی ہاتھ قبر کی ڈھیری کے اندر چلا گیا  
زمین پر گر کر ہوا میں کا ڈھیلہ اپنے آپ اوپر کھینچا اور  
سوراخ پر آن کر لگ گیا۔ قبر کی ڈھیری پر پہلے ایسی خاموشی  
چھا گئی۔ توغان نے انگوٹھی کو اپنے ہاتھ میں انگلی میں  
پھنسا اور اٹھ کر واپس اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ وہ  
بہت خوش تھا۔ اس کے عمل کا پہلا مرحلہ کامیابی سے  
پورا ہو گیا تھا اب اسے دوسرا مرحلہ شروع کرنا تھا جو  
اس سے زیادہ خطرناک تھا۔ بلکہ اسل مرحلہ ہی وہی تھا جس  
کی خاطر توغان نے اس جادوگر عورت کی لاش کی انگوٹھی  
حاصل کی تھی۔

توغان راتوں رات واپس اپنے گھر پہنچ گیا۔ کسی کو معلوم  
نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گیا تھا۔ کب گیا تھا۔ توغان اپنے کمرے میں  
اکر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ شمع جل رہی تھی۔ اس نے انگوٹھی کو  
انگلی سے اتار کر غور سے دیکھا۔ انگوٹھی پر کوئی ظلم نقش  
تھا۔ یہ ظلم سب سے بڑا ظلم تھا۔ توغان اس ظلم  
کو بخوبی جانتا تھا اور اس کی طاقت سے بھی واقف  
تھا۔ اس کے چہرے پر پُر اسرار مسکراہٹ تھی۔ اس  
نے انگوٹھی دوبارہ اپنی ہاتھ میں انگلی میں پھنسا لی اور  
لیٹ گیا۔



صبح ہونے ہی والی تھی۔ دن نکلا تو ناگ، ماریا اور تھیوسانگ بھی اپنے اپنے کمرے سے نکل کر باہر نکلے۔ آگے جہاں کرسیاں بچھیں تھیں اور ناشتہ لگا دیا گیا تھا کو سما بھی وہاں آگئی۔ تھوڑی دیر میں توغان بھی مسکراتا ہوا آگیا۔ وہ آج بڑا خوش تھا اور کبھی کبھی ماریا کو گہری نگاہ سے دیکھ لیتا تھا۔ انہوں نے خوش گوار باتوں کے ماحول میں ناشتہ کیا۔ ناشتے کے بعد توغان نے کو سما سے کہا کہ وہ مہانوں کو جنگل والی جمیل کی سیر کرا لائے تھیوسانگ نہیں جانا چاہتا تھا مگر توغان نے کچھ ایسی باتیں کہیں کہ وہ بھی چلنے پر تیار ہو گیا۔ جب یہ سب لوگ چلے گئے اور مکان خالی ہو گیا تو توغان چپکے سے ماریا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں ماریا کا بستر بچھا ہوا تھا۔ نوکروں نے بستر سلیٹے سے طے کر دیا تھا۔ توغان نے دروازہ بند کر رکھا تھا اس نے انگلی والی انگومٹی ماریا کے سرہانے کے غلاف کے اندر بھری ہوئی روئی میں ڈال دی اور غلاف کو پھر سے ٹھیک کر کے اسے بستر پر اسی طرح رکھ دیا۔ اسی وقت کے لئے اس نے ماریا اور اس کے ساتھیوں کو صبح کی طرف روانہ کیا تھا۔

دیر کو سب جمیل سے واپس آگئے۔ ماریا نے آتے

ہی کہا کہ وہ جمیل کی سیر سے بہت خوش ہوئی ہے۔  
 توغان نے کہا۔ یہ جمیل بڑی شاندار ہے اسے دیکھنے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ آئیے کھانا کھا لیں کھانا تیار ہے۔

کھانے کے بعد توغان کی خواہش تھی کہ ماریا اپنے کمرے میں جا کر سو جائے۔ وہ صاف صاف نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس نے بہانے سے کہا کہ اس ملک کا موسم ایسا ہے کہ دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر ضرور آرام کر لینا چاہیئے نہیں تو صحت خراب ہو جاتی ہے۔ ناگ نے کہا کہ اسے تو نیند نہیں آ رہی۔ تھیوسانگ نے بھی سونے کی بجائے باہر جا کر سیر کرنا زیادہ پسند کیا۔ ماریا بھی سونا نہیں چاہتی تھی مگر توغان کے اصرار پر وہ اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ تھیوسانگ اور ناگ باہر شہر کی سیر کرنے چل دیئے۔ کو سما باورچی خانے میں جا کر رات کے کھانے کا انتظام کرنے لگی۔ توغان اپنے کمرے میں آگیا۔ اس نے دروازے کو بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی۔ الماری سے ایک گول شیشہ نکال کر اپنے سامنے میز پر رکھ دیا اور اس میں عطر سے لگنے لگا پہلے تو شیشے میں اسے اپنی شکل دیکھ رہا تھا



آئی۔ مگر عورتی دیر بعد اس کی مجلس دھواں بن کر غائب ہو گئی۔ اب وہاں ماریا کی شکل ابھر آئی۔ ماریا اپنے بستر پر لیٹی تھی۔ اس کا سر سرہانے پر تھا جس کے اندر مجلس انگوشی چھپا دی گئی تھی۔  
 ماریا کہ بے چین سی نظر آ رہی تھی۔ وہ سرہانے پر اپنے سر کو ادھر ادھر کر رہی تھی۔ جیسے اسے نیند نہ آ رہی ہو۔ مجلس انگوشی نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ ماریا نے وہ چار باہر بے چینی سے پہلو بدلا۔ اپنے سر کو سرہانے پر ادھر ادھر مارا اور پھر جیسے اس پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ توغان کی آنکھیں شیشے پر جمی ہوئی تھیں۔ ماریا کے ساتھ اب ایک عجیب بات ہوئی۔ وہ بے ہوش ہونے کے بعد بے حس و حرکت ہو گئی تھی۔  
 چپانک اس نے چھوٹا ہونا شروع کر دیا۔ چھوٹے ہوتے ہوتے وہ ایک پڑیا کے سائز جتنی ہو گئی۔  
 بعد اس کے بعد ماریا کی جگہ سرہانے پر آو کا چھوٹا سا پنجنہ پڑا تھا۔

توغان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اسے اسی آو کے پنجنے کی ضرورت تھی۔ آو کے اس پنجنے کے بغیر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اور یہ مجلس پنجنہ عورت کی مدد سے ہی حاصل کیا جاسکتا

تھا۔ توغان نے جلدی سے شیشہ اٹھا کر الماری میں رکھا اور دروازہ کھول کر ماریا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔  
 ماریا جو تھوڑی دیر پہلے بستر پر پہلو بدل رہی تھی اب وہاں موجود نہیں تھی۔ اس کی جگہ بستر کے نیچے پر آو کا چھوٹا سا کالا پنجنہ پڑا تھا۔ توغان نے پنجنہ اٹھا کر جیب میں رکھا اور دبے پاؤں کمرے سے واپس نکلی آیا اپنے کمرے میں آکر توغان نے آو کے پنجنے کو الماری کے سب سے اوپر والے خانے میں سنبھال کر رکھ کر دروازہ کو تالا لگا دیا۔ اب اسے اپنا دوسرا اور آخری مرحلہ شروع کرنا تھا۔ ماریا آو کے پنجنے کی شکل میں اس کے قبضے میں آچکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ماریا کے غائب ہو جانے سے وہاں بڑا طوفان اٹھے گا مگر وہ اس کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ جب شام ہونے لگی تو کوکوسا اور تھیوسانگ اور ناگ کو قدرے فکر ہوئی کہ ماریا کہاں چلی گئی۔ ناگ نے خالی خالی آنکھوں سے تھیوسانگ کی طرف دیکھا اور کہا۔ تھیوسانگ! ماریا کی خوشبو نہیں آ رہی۔ ناگ نے ناگ کیٹری۔ واقعی ماریا کی خوشبو غائب تھی



اس کے بعد کیا ہو یہ جاننے کے لئے اگلے قسط نمبر ۱۳۸ آدم خورشکا کی خوشخبری





# ناگ مار مارا اور کیتی خلاصی



## ایک مقتبہ اقرا





# آتشیں

آتشیں

PDFBOOKSFREE.PK





UPLOADED FOR  
PAKISTAN VIRUAL LIBRARY  
WWW.PDFBOOKSFREE.PK



عقبرنگ ماریا اوریٹی خلا میں  
آدم خورشکاری

اے حمید



پیارے دوستو!

قصور پورہ راوی روڈ لاہور سے بیٹی یاسمین کا معصوم خط ملا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے۔ اس نے عنبر سے کہا ہے کہ وہ اس کا علاج کر کے اسے اچھا کر دے۔ اچھی بیٹی! عنبر ناگ مار یا تو داستان کے کردار ہیں۔ اصل شفا تو اللہ میاں کے ہاتھ میں ہے۔ جو اگر چاہے تو موت کو زندگی میں بدل دے۔ اللہ سے بڑھ کر اور کوئی مددگار اور حامی نہیں۔ وہی شفا عطا فرمانے والا ہے میری دعا ہے کہ اللہ میاں ہماری بیٹی یاسمین کو اپنی رحمت بے پایاں کے صدقے کامل صحت عطا فرمائے آمین۔ میں اپنے تمام ساتھیوں سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہماری ساتھی "ہماری بچی" کے لئے دن میں ایک بار اللہ تعالیٰ کے حضور صدقِ دل سے اس کی صحت کے لئے دعا مانگیں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے معصوم دوستوں کی دعا ضرور قبول ہوگی اور ہماری پیاری بچی یاسمین پھر سے بھلی چنگی ہو جائے گی انشاء اللہ۔

آپ کا ساتھی .... اے حبیب

454-N راہ چین سمن آباد لاہور

قیمت ۵۰/۷

UPLOADED FOR  
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
WWW.PDFBOOKSFREE.PK

توقیر علی شاہ  
بار اول

ناشر: نیا مکتبہ اقرار ۱۳ بی شاہ عالم ہاکیٹ لاہور  
طابع: الفریڈ پرنٹرز، لاہور



## توغان جادوگر

ماریا اچانک ہی گم ہو گئی تھی  
ماریا کیسے گم ہو گئی؟ کیسے گم ہو گئی، کہاں گم ہو گئی۔ ان  
سوالوں کے جواب تھیوسانگ اور ناگ کے پاس نہیں تھے کوسا  
بھی ماریا کے گم ہو جانے پر بے حد پریشان تھی۔ دوپہر کو سب  
نے اسے اپنے کمرے میں سونے کے لئے جاتے دیکھا تھا۔ اسے  
باہر نکلتے بھی کسی نے نہیں دیکھا پھر وہ کمرے کے اندر ہی اندر  
سے کہاں چلی گئی؟ سب سے زیادہ پریشانی تھیوسانگ اور  
ناگ کو تھی کیونکہ انہیں ماریا کی خوشبو بھی نہیں آرہی تھی۔ جس  
کا مطلب یہی تھا کہ ماریا اس شہر میں کہیں نہیں ہے یا تو  
اسے طلسم کے زور سے غائب کیا گیا ہے اور یا اس کی شکل  
تبدیل کر دی گئی ہے کہ اسی کے جسم سے خوشبو بھی نہیں  
آرہی۔ کوسا کا بیچا توغان بھی اپنے آپ کو بہت پریشان  
ظاہر کر رہا تھا۔ اس خیال سے کہ اس پر شک نہ ہو  
اس نے اپنے نوکروں کو ماریا کی تلاش میں چاروں طرف

## ترتیب

• توغان جادوگر

• ماریا کی مورتی

• آدم خورشکاری

• کنوئیں کا قیدی

• چلتی ہوئی مشعل لاؤ



دوڑا دیا تھا۔ ویسے بھی تھیوسانگ ناگ اور کوسما میں سے کسی کو توغان پر شک پڑ ہی نہیں سکتا تھا کہ اس نے ماریا کو غائب کمرے سے اٹو کے پنچے میں بدل دیا ہے اور یہ پنچہ اس کے کمرے کی الماری میں بند پڑا ہے۔

تھیوسانگ ناگ اور کوسما نے بھی سارے شہر میں ماریا کو جگہ جگہ تلاش کر کے دیکھ لیا۔ ماریا کا سراغ کہیں نہ مل سکا۔ کوسما کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ اچانک ماریا کہاں چلی گئی ہے کوسما نے کہا

ناگ بھیا! ایک بات ظاہر ہے کہ ماریا اپنے طور پر اگر کہیں جاتی تو ہمیں بتا کر جاتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں گئی۔  
تھیوسانگ بولا۔

اگر وہ اپنی مرضی سے نہیں گئی تو اسے کسی نے اغوا کر لیا ہے۔  
ناگ نے کہا۔

اسے کس نے اغوا کیا ہے؟  
کوسما بولی۔

یہی تو ہمیں معلوم کرنا ہے۔  
تھیوسانگ نے تعجب سے کہا

مگر یہاں ماریا کا کون دشمن ہو سکتا ہے؟ اور پھر کسی کو اسے اغوا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔  
ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر ماریا اٹو کے پنچے کی شکل میں توغان کی خواب گاہ کی الماری میں بند پڑی تھی۔ توغان پریشان پریشان سامکان میں داخل ہوا اور سر کو جھٹک کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

میرے آدمیوں نے سارا جنگل، سارا شہر چھان مارا ہے مگر ماریا کا کچھ پتہ نہیں چلا مگر تم گھبراؤ نہیں۔ میرے آدمی اسے برابر تلاش کر رہے ہیں۔

تھیوسانگ اور ناگ کا ایک لمحے کے لئے بھی توغان کی طرف خیال نہیں جا رہا تھا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے ماریا کو اغوا کیا ہے۔ خیال جا بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ توغان کا ان کے ساتھ سلوک بزرگوں ایسا تھا اور اس کے ماریا کو اغوا کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔ کوسما گلوگیر آواز میں کہنے لگی۔

مجھے اس بات کی بڑی شرمندگی ہے کہ محض میری وجہ سے ماریا بہن غائب ہوئی۔ اگر میں آپ کو یہاں آنے پر مجبور نہ کرتی تو ماریا کے ساتھ یہ حادثہ کبھی پیش نہ آتا۔



ناگ نے کہا۔

کو سنا بہن! تم ایسا کہہ کر اپنے آپ کو دکھی نہ  
کرد۔ قسمت میں یہی لکھا تھا اور پھر ایسا تو زندگی میں  
ہوتا ہی رہتا ہے۔

تھیو سائیک اور ناگ کا دل اب وہاں سے اچاٹ ہو گیا تھا  
دو ایک دن انہوں نے ماریا کو ادھر ادھر تلاش کیا اور پھر  
ایک روز کو سنا اور توغان سے اجازت لے کر عنبر کے قصبے  
کی طرف روانہ ہو گئے۔

ان کے جاتے ہی توغان نے آلو کے پنجنے یعنی ماریا  
کے پنجنے کو الماری میں سے نکال کر وہاں میں لپیٹ کر جیب  
میں ڈالا اور اپنے عمل کے آخری مرحلے کے لئے گھوڑے پر  
سوار ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہو گیا جنگل جہاں بہت گھنا  
ہو جاتا تھا وہاں درختوں اور جھاڑیوں کے بیچ میں سے ایک  
دریا گزرتا تھا۔ جنگل میں آکر دریا کے کنارے تنگ ہو  
گئے تھے مگر پانی کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ دریا کے دونوں  
کناروں پر اونچی اونچی گھاس۔ جھاڑیاں اور درخت ہی  
درخت اُگے تھے۔ یہاں دن کے وقت بھی ہلکا اندھیرا  
چھایا تھا۔

توغان نے گھوڑے کو ایک جگہ باندھا اور خود جھاڑیوں

میں سے گزرتا دریا کے کنارے ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں  
زمین ڈھلان میں ایک اندھیرے غار میں چلی گئی تھی۔ غار  
باہر سے جنگلی جھاڑیوں سے چھپی ہوئی تھی مگر توغان  
کو اس غار کے راستے کا پتہ تھا۔

وہ جھاڑیوں کو ادھر ادھر ہٹاتا غار میں داخل ہو گیا۔ یہ  
غار بے حد تنگ و تاریک تھی اور اندر دریا کے پانی کی  
نمی تھی۔ توغان جبکہ کمر دیوار کے ساتھ ساتھ لگا آگے  
بڑھ رہا تھا۔ غار بائیں طرف کو گھوما تو سامنے ایک بڑا

ساپتھر دیوار میں دروازے کی طرح لگا تھا  
توغان نے جیب سے لٹکے آلو کا پنجنہ نکال کر ہاتھ  
میں پکڑ رکھا تھا۔ اس نے پنجنے کو پتھر کے ساتھ لگایا تو  
پتھر اپنے آپ ایک طرف کو کھینک لگا۔ پتھر کے پیچھے  
سیڑھیاں نیچے جاری تھیں۔ توغان سیڑھیاں اتر گیا۔ اب وہ  
ایک اونچی گول چھت والے کمرے میں تھا جس کی دیواروں  
پر پتھر میں سے مورتیاں تراشی گئی تھیں سامنے ایک ایسی  
مورتی دیوار سے لگی کھڑکی تھی کہ اس کا نچلا دھڑ عورت کا  
اور سر آلو کا تھا۔ توغان نے آلو کا پنجنہ جس میں ماریا  
قید تھی مورتی کے قدموں میں رکھ دیا اور سر جھکا کر کہا  
دیوی! میں نے تیرا عمل پورا کر دیا۔ میں ایک ایسی عورت



کو تیرے پہنچے میں قید کر کے لے آیا ہوں۔ جو غیبی عورت ہے،

دیوی کی آواز سنائی دی

تو غان! تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں سب جانتی ہوں۔ تم میرے عمل میں کامیاب ہوئے اب میرا فرض ہے کہ اصول کے مطابق تجھ پر اپنا انعام نازل کروں۔

تو غان نے خوش ہو کر کہا

دیوی! یہ تیری عنایت ہوگی۔

دیوی کی آواز آئی۔

یہ میرا فرض ہے۔

اس کے ساتھ ہی دیوی کی آواز کی آنکھوں میں سے زرد روشنی نکل کر تو غان کے جسم پر پڑی۔ زرد روشنی کے پڑتے ہی تو غان غائب ہو گیا۔  
دیوی کی آواز آئی۔

تو غان میرا وعدہ پورا ہوا۔ اس وقت تو

غائب ہے اور غیبی حالت میں ہے۔ مگر تو سب کو دیکھ رہا ہے اور تجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ تیرے جسم میں ایک ہزار آدمیوں کی طاقت آگئی ہے۔ جس

آؤ کے پہنچے میں ماریا قید ہے وہ تمہارے سامنے میرے قدموں میں پڑا ہے۔ تو اسے اپنی آنکھوں سے لگائے گا تو دوبارہ ظاہر ہو جائے گا۔ جب پھر غائب ہونا چاہیے تو اسے اپنی آنکھوں سے لگا لینا آنکھوں سے لگاتے ہی تم غائب ہو جاؤ گے۔

تو غان نے دیوی کے قدموں سے ماریا کا بیجنہ اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگایا تو وہ ایکدم سے ظاہر ہو گیا۔ تو غان نے کافروں کی طرح اپنا سر دیوی کے پاؤں پر رکھ دیا اور بولا۔

دیوی! میں تیری مہربانی سے نہال ہو گیا ہوں میں تمہیں اپنے دل میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

دیوی کی آواز سنائی دی۔

تو غان! اب تم جاسکتے ہو۔ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ غائب ہو کر کسی انسان پر ظلم نہ کرنا ظلم کرو گے تو اس کا انجام سے نہ بچ سکو گے۔

تو غان بولا

دیوی! میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے حکم پر ہمیشہ عمل کروں گا۔

تو غان نے دیوی کی مورتی کے آگے تین بار سر جھکا دیا



اور ماریا کا بیخہ جیب میں رکھ کر سڑھیاں چڑھتا ہوا غار میں آگیا۔ پھر وہ تھوڑی ہی دیر بعد غار سے باہر تھا غار سے باہر جنگل میں آتے ہی اس نے گھوڑا کھولا اور اسے ساتھ لئے پیدل ہی گھنے جنگل سے واپس اپنے گھر کی طرف چلنے لگا۔ جنگل ختم ہوا تو توغان گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ وہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ اس کا رخ شہر مہاسا کے راجہ کے محل کی طرف تھا۔ توغان کے دل میں اتنی بڑی طاقت کے آتے ہی بُرائی اور بدی نے جہنم لے لیا تھا اور وہ دیوی کے اس قول کو بھول گیا تھا کہ اگر تم نے انسانوں کے ساتھ ظلم کیا تو اس کے انجام سے نہ بچ سکو گے۔

توغان کے دل میں شروع ہی سے یہ حسرت تھی کہ وہ کوئی ایسا طلسم حاصل کرے کہ ملک کے راجہ کی کسی راجکماری سے شادی کر کے محل میں شان سے زندگی بسر کرے ایک عرصے کے بعد اسے وہ جادو حاصل ہو گیا تھا۔ اب وہ اس جادو کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے آزمانا چاہتا تھا۔ جب محل قریب آیا تو توغان نے گھوڑے کی رفتار دھیمی کر دی۔ پھر گھوڑے کو محل کے پچھوڑے باغ میں ایک جگہ باندھا اور جیب سے ماریا کا بیخہ لگاتے

ہی توغان جادوگر غائب ہو گیا۔ اب وہ تو سب کچھ دیکھ سکتا تھا مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ محل کے بڑے دروازے کی طرف چلا۔ محل کے بڑے دروازے پر سپاہی تیرکمان نیزہ تلوار لگائے پہرہ دے رہے تھے۔ مگر وہ توغان کو نہ دیکھ سکے۔ توغان بڑے آرام کے ساتھ ان کے درمیان سے گزر گیا سامنے راجہ کے شاہی محل کا بہت بڑا صحن تھا جس میں پھولوں کی کھاریوں میں پھول کھل رہے تھے خوبصورت درختوں میں جھوٹے پڑے تھے۔ فوارے پھل رہے تھے اس باغ کے آگے راجہ کا شاندار محل تھا۔ اس محل کا دروازہ ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا جس پر سونے اور چاندی کے پھول منڈھے تھے۔

یہاں بھی دروی پوش دو جہتی دربان پہرہ دے رہے تھے۔ توغان کو یہ جہتی دربان بھی دروازے سے گزرتے نہ دیکھ سکے۔ توغان اب محل کے اندر داخل ہو چکا تھا یہاں خوبصورت ریشمی قالین بچھے تھے۔ چھت سے چھار فانوس لٹک رہے تھے۔ غلام اور کنیزیں جگہ جگہ پہرہ دے رہے تھیں۔ توغان کو راجکماری ستاگری کی تلاش تھی جو راجہ کی بھوتی بیٹی تھی اور جس سے توغان بیاہ کر کے راجہ کے تخت و تاج پر قبضہ جمانا چاہتا تھا کیونکہ راجہ کی



دوسری کوئی ادلا د نہیں تھی چونکہ توغان کو کوئی دیکھ نہیں  
سکتا تھا اس لئے وہ بڑی آزادی سے محل کے کمروں  
اور راجپوتوں میں گھوم پھر رہا تھا۔ اس نے ایک کنیز کو  
تھالی میں پھولوں کی مالا لئے ایک کمرے میں جاتے  
دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ راجکمارى ستناگری اسی کمرے میں  
ہو گی۔ چنانچہ وہ بھی کنیز کے پیچھے پیچھے اس کمرے  
میں داخل ہو گیا۔

یہ کمرہ نہایت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ فرش پر  
قالین بچھے تھے۔ دیواروں پر ریشمی پردے لٹک رہے  
تھے۔ عود و عنبر سگ رہا تھا۔ چاندی کے پیالوں والے  
ایک غلیشان پلنگ پر ایک بہت ہی خوبصورت اور  
بھلے بھالے چہرے والی لڑکی بیٹھی تھی اور دو کنیزیں  
اس کے بال سنوار رہی تھیں۔ توغان پلنگ کی ایک  
طرف خاموشی سے کھڑا ہو گیا وہ یقین کرنا چاہتا تھا  
کہ یہی راجکمارى ستناگری ہے۔ ایک کنیز نے کہا  
راجکمارى جی! پھولوں کی مالا آگئی ہے

توغان کو تسلی ہو گئی کہ یہی راجکمارى ستناگری ہے۔ بال  
سنوارنے کے بعد کنیزوں نے راجکمارى کے جوتے میں  
پھولوں کی مالا سجادی۔ راجکمارى نے کہا

اب تم جاؤ۔ میں تھوڑی دیر آرام کر لوں۔ پھر راجہ  
پتا کے دربار میں چلوں گی۔

کنیزیں ادب سے سلام کر کے کمرے سے چلی گئیں۔ توغان  
ایک طرف کھڑا خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ کنیزوں کے  
جانے کے بعد راجکمارى نرم نرم تکیوں پر سر رکھ کر آرام  
کرنے کے لئے لیٹ گئی۔ توغان اب وہی پاؤں اس  
کی طرف بڑھا۔ ماریا کا بیٹہ اس کے ہاتھ میں تھا وہ

راجکمارى کے سر ہانے کی جانب آگیا۔ اس نے ماریا کے  
پہنچے والا ہاتھ آگے بڑھایا اور آہستہ سے راجکمارى کی آنکھوں  
سے لگا دیا۔ راجکمارى نے جلدی سے ہاتھ آنکھوں پر رکھ  
دیا۔ جیسے کسی شے کو ہٹا رہی ہو۔ جب توغان نے  
بیٹہ اٹھایا تو راجکمارى غائب ہو چکی تھی۔ مگر اسے  
توغان دیکھ رہا تھا۔ راجکمارى ہڑبڑا کر اٹھی اور اس  
نے اپنے جسم کو دیکھا۔ اسے اپنا جسم بالکل نظر نہیں  
آ رہا تھا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی

راجکمارى کی چیخ کی آواز سن کر محل کی کنیزیں اور

غلام اس کے کمرے کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔

غلاموں نے خنجر نکال رکھے تھے۔ کمرے میں آکر جب  
انہوں نے دیکھا کہ راجکمارى اپنے بستر پر نہیں ہے تو



وہ کمرے کے کونوں میں اسے دیکھنے لگے راجکماری نے کہا  
میں بستر پر ہی ہوں۔ مجھے کسی نے غائب کر دیا ہے  
اب تو کنیزیں اور حبشی غلام بھی ڈر کر ایک طرف  
ہٹ گئے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے خالی پلنگ کو  
دیکھنے لگے جہاں راجکماری موجود تھی مگر انہیں نظر نہیں  
آ رہی تھی۔ راجکماری پلنگ سے تیزی سے اٹھی اور بولی  
رتنا، گوتمی! میں تمہارے سامنے ہوں کیا تم  
مجھے نہیں دیکھ سکتیں۔

رتنا اور گوتمی راجکماری کی کنیزیں تھیں۔ خوف کے مارے  
ان کا رنگ زرد تھا گوتمی نے ہنکلاتے ہوئے کہا  
راجکماری جی! آپ۔ آپ کہاں ہیں؟

راجکماری نے آگے بڑھ کر گوتمی کنیز کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔  
جب گوتمی کا ہاتھ اپنے آپ اوپر کو اٹھا لیا اور گوتمی کو  
اپنے ہاتھ پر کسی دوسرے ہاتھ کا دباؤ یا لمس بالکل محسوس  
نہ ہوا تو دہشت کے مارے اس کے حلق سے بھی چیخ  
نکل گئی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ راجکماری چلائی۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں تمہارے سامنے  
ہوں تم مجھے دیکھتی کیوں نہیں؟ رتنا۔ میرے پتا جی  
کو بلاؤ۔ پتا جی کو بلاؤ۔

اور راجکماری نے رونا شروع کر دیا۔ غلام اور رتنا  
کنیز راجہ کے کمرے کی طرف دوڑی۔ تو خان کونے میں  
چپ چاپ بیٹھا رہا۔ اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ جب  
راجہ کو اپنی اکلوتی اور پیاری بیٹی کا حال معلوم ہوا تو  
وہ غمزدہ اور پریشان ہو کر راجکماری کے کمرے کی طرف  
بھاگا۔ راجکماری نظر نہ آئی تو اس نے بھرائی ہوئی آواز  
میں کہا

بیٹی ستناگری تم کہاں ہو؟

راجکماری اپنے باپ کے سینے سے لٹ کر رونے لگی  
مگر راجہ نے اپنے سینے پر اپنی بیٹی کے جسم کا ذرا سا  
بھی لمس محسوس نہ کیا۔ راجہ نے بے بسی کے عالم میں  
اپنا سر پکڑ لیا۔

میری بیٹی تو کہاں ہے؟ تجھ پر کس نے  
جادو کر دیا۔

راجکماری نے کہا

پتا جی! میں آپکے سینے سے لگی ہوئی ہوں۔

راجہ بولا

مگر مجھے محسوس نہیں ہو رہا بیٹی۔

راجہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ راجکماری نے باپ کا ہاتھ



پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگایا تو راجہ کا ہاتھ اپنے آپ  
ایک طرف کو اٹھ گیا۔ راجہ نے جلدی سے ہاتھ کھینچ  
لیا۔ کیونکہ اسے اپنے ہاتھ پر بھی کسی کے ہاتھ کا دباؤ  
یا لمس محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ راجہ کی روتے  
ہوئے کہا

پتا جی! آپ نے بھی مجھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔  
اور راجہ کی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ راجہ کی آنکھوں  
میں بھی آنسو آگئے اور بولا۔

میری بیٹی! ایسی بات نہیں ہے۔ تمہارے لئے  
تو میری جان بھی حاضر ہے لیکن تم مجھے دکھائی نہیں  
دیتی۔ تمہارے ہاتھ کا لمس بھی میں محسوس نہیں کرتا۔  
میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔  
راجہ کی روتے ہوئے کہا

پتا جی! مجھے خود معلوم نہیں کہ مجھے کیا ہو  
گیا ہے۔ میں اچھی بھلی تھی۔ بس آنکھوں سے  
کوئی شے نکل رہی تھی۔ میں نے ہاتھ اوپر اٹھایا اور پھر  
غائب ہو گئی۔

اس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا

پتا جی! بھگوان کے لئے میرے لئے کچھ کریں

کسی دید حکیم کسی جادوگر کو بلائیں۔ نہیں تو میں  
جان دے دوں گی۔

راجہ نے راجہ کی کو تسلی دیتے ہوئے کہا  
بیٹی تم پلنگ پر آرام کرو میں ابھی شاہی حکیم  
اور شاہی جادوگر کو بلاتا ہوں۔

راجہ تیزی سے قدم اٹھاتا غلاموں کے ساتھ کمرے سے  
باہر نکل گیا۔ کمرے میں دونوں کنیزیں ایک طرف سہمی  
ہوئی کھڑی تھیں۔ راجہ کی پلنگ پر بیٹھ گئی وہ سہمی  
ہوئی آواز میں بولی۔

اے بھگوان! یہ کیا ہو گیا ہے۔ مجھے میرے ہاتھ  
پاؤں نظر نہیں آتے۔ میرا جسم کہاں غائب ہو گیا؟  
کیا میں زندہ بھی ہوں یا نہیں؟ گوتمی! میری مدد  
کرو۔ رتنا میری مدد کرو،

گوتمی اور رتنا دونوں کنیزیں سخت ڈری ہوئی تھیں اور  
دہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھیں۔ انہیں خطرہ تھا کہ  
راجہ کی کو ہاتھ لگانے سے کہیں ان پر بھی جادو کا اثر  
نہ ہو جائے۔ گوتمی نے کہا

راجہ کی جی! آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی  
نکر نہ کریں شاہی جادوگر کے پاس اس جادو کا ضرور



اور دونوں کنیزیں کمرے سے باہر نکل گئیں۔ توغان یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا وہ دیوار کے پاس ایک چاندی کی چوکی پر بیٹھا تھا۔ جب کمرہ خالی ہو گیا تو وہ اٹھ کر راجکماری کے پلنگ کے قریب آیا۔ راجکماری کو تو وہ بالکل صاف دیکھ رہا تھا۔ راجکماری گھٹنوں میں سر دیئے آہستہ آہستہ سسکیاں بھر کر رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی

کنیزیں بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں میرے قریب آنے سے بھی گھبراتے ہیں۔ اے جھگوان میرے گناہ معاف کر دے۔

توغان جادوگر نے ایک لمحے کے لئے غور سے راجکماری کو دیکھا وہ اپنی کامیابی کو قریب آتے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا وہ خاموشی سے راجکماری کے کمرے سے باہر نکل گیا پھر محل سے باہر آکر اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ جیب سے ماریا کا بیجنہ نکال کر اپنی آنکھوں سے لگایا۔ بیجنہ لگاتے ہی وہ ظاہر ہو گیا اور گھوڑے پر بیٹھ کر اپنے مکان کی طرف چل دیا۔

شہر میں اسی روز یہ افواہ پھیل گئی کہ راجکماری کو کسی جادوگر نے اپنے جادو کے زور سے غائب کر دیا۔

ہے۔ راجکماری کسی کو نظر نہیں آتی۔ مگر وہ سب کے سامنے ہوتی ہے یہ خبر توغان کی بھتیجی کوسما نے بھی سنی اور اپنے بچپا توغان سے کہنے لگی

بچپا جان! راجکماری کیسے غائب ہو گئی؟ کیا دنیا میں ایسا جادو بھی ہے کہ جس کے زور سے آدمی غائب ہو جاتا ہے۔

توغان

نہیں! اس دنیا میں ہر قسم کا جادو موجود ہے۔

کوسما نے کہا

بچپا جان! کیا آپ راجکماری کا علاج نہیں کر سکتے؟ آپ کو تو جادو کا بڑا علم ہے۔ کوئی ایسا جادو کریں کہ بے چاری راجکماری پھر سے ظاہر ہو جائے۔ مجھے اس پر بڑا ترس آتا ہے۔

توغان نے سر ہلاتے ہوئے کہا

بیٹی! جھلا میرے پاس ایسا جادو کہاں؟ میں تو مدت ہوئی جادو بھول چکا ہوں۔ اب تم میرے لئے جلدی سے قہوہ تیار کر کے آؤ۔



میں بہت تھک گیا ہوں۔

کوسا خاموشی سے قہرہ تیار کرنے چل دی۔

ادھر شاہی محل میں راجہ کے کمرہ خاص میں شاہی وید حکیم اور شاہی جادوگر موجود تھے اور راجکماری کی حالت پر غور کر رہے تھے۔ شاہی وید اور حکیم کہہ رہے تھے راجکماری پر کسی جن کا سایہ ہو گیا ہے۔ شاہی جادوگر کا خیال تھا کہ راجکماری پر دیوی دیوتا کا عذاب نازل ہوا ہے۔ راجکماری سے ضرور کوئی بھول ہو گئی ہوگی راجہ جھجھلا کر بولا۔

میری بیٹی معصوم ہے۔ اس نے کسی دیوی دیوتا کا کیا بگاڑا تھا کہ اس پر عذاب لایا گیا؟ تم شاہی جادوگر ہو۔ کوئی توڑ نکالو۔ نہیں تو میں تمہیں محل سے نکال دوں گا۔

شاہی جادوگر بولا۔

مہاراج! میں نے اپنا ہر قسم کا جادو آزما کر دیکھ لیا ہے۔ مگر میں دیوی دیوتاؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مجھے معاف کیا جائے۔

راجہ مایوس ہو گیا۔ اس نے سر جھکا دیا۔ شاہی وید نے کہا

مہاراج! ہمیں شہر میں اعلان کر دینا چاہیے۔ کہ جو کوئی راجکماری کو پھر سے ٹھیک کر دے گا اسے انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے شہر میں کوئی ایسا آدمی موجود ہو جو راجکماری کا علاج کر سکے۔

راجہ کو یہ مشورہ پسند آیا۔ اسی وقت شہر میں اعلان کروا دیا گیا کہ جو کوئی راجکماری کو ٹھیک کر دے گا راجہ اسے اپنی آدھی دولت انعام میں دے گا۔ شہر میں جگہ جگہ راجکماری کے بارے میں باتیں ہونے لگیں۔ توغان اسی اعلان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھا اور یہاں راجہ کے محل میں آگیا۔ اس بار اس نے اپنے آگے و غائب نہیں کیا تھا۔ محل کے دروازے پر آکر توغان حذر سے دربان سے کہا

میں توغان ہوں۔ راجہ سے جا کر کہو کہ میں

اس کی بیٹی کا علاج کر سکتا ہوں۔

دربان نے اسی وقت راجہ کو اطلاع کی۔ راجہ نے توغان

کو اپنے کمرے میں طلب کیا۔ توغان نے جاتے ہی

سلام کیا اور ادب سے بولا۔

مہاراج! میرا نام توغان ہے میں جادوگر



نہیں ہوں مگر ایک سنیاسی بابا کی میں نے بڑی خدمت کی تھی۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ میں ایسی بیماریوں کا بھی علاج کر سکتا ہوں۔ جس کا علاج کوئی نہ کر سکے۔

راجہ نے کہا

مگر میری بیٹی کو کوئی بیماری نہیں ہے۔ اسے تو جادو کے ذریعے کسی نے غائب کر دیا ہے۔ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ مگر موجود ہوتی ہے

توغان بولا۔

میں سمجھ گیا۔ مہاراج! لیکن میں کوشش کروں گا کہ راجکمار پر کیا گیا جادو ٹوٹ جائے اور وہ پھر سے ظاہر ہو کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔

راجہ نے کہا

ہاں ہاں۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہماری بیماری بچی پر کیا گیا جادو ٹوٹ جائے اور وہ اس مصیبت سے نجات پائے۔ کیا تم ایسا کر سکتے ہو؟

توغان نے جواب دیا۔

میں کوشش کروں گا مہاراج!

راجہ بولا۔

اگر تم نے ہماری بیٹی کو اچھا کر دیا تو ہم اعلان کے مطابق تمہیں اپنی سلطنت کی آدھی دولت انعام میں دیں گے۔

توغان نے شاہی حکیم اور شاہی جادوگر کی طرف دیکھا اور راجہ کی طرف جھک کر کہا

مہاراج! میں اکیلے میں آپ سے ایک خاص

بات کرنا چاہتا ہوں۔ جو بہت ضروری ہے

راجہ بے چارا اپنی بیٹی کی وجہ سے بے حد پریشان تھا اس نے شاہی وید اور شاہی جادوگر سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے دوسرے کمرے میں چلے جائیں۔ راجہ کا حکم پاتے ہی وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ جب کمرے میں راجہ اور توغان اکیلے رہ گئے۔ تو راجہ نے پوچھا

توغان! اب بتاؤ تم کیا خاص بات کرنا چاہتے تھے۔

توغان نے اپنے اندر حوصلہ پیدا کیا اور ذرا کھٹکار کر بولا۔ مہاراج! مجھے قول دیں کہ میری بات سن کر آپ میرے قتل کا حکم نہیں دیں گے۔



راجہ جیت سے بولا

۔ ایسی کونسی بات کرنے والے ہو؟

توغان نے کہا۔

مہاراج! پہلے آپ میری جان بخشی کا وعدہ کریں۔ پھر میں آپ کو اپنی شرط بتاؤں گا۔

راجہ جیدی سے بولا۔

ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں کچھ نہیں

کہا جائے گا۔ اب بتاؤ۔ تمہاری شرط کیا ہے؟

توغان نے اپنی آواز میں اعتماد پیدا کرتے ہوئے کہا

مہاراج! آپ وعدہ کریں اور مجھے قول دیں

کہ اگر میں نے راجکماری کو ٹھیک کر دیا اور اس

کا جادو توڑ دیا تو آپ میری شادی راجکماری سے

کر دیں گے تو میں ابھی جکاری کا جادو ختم

کر دیتا ہوں۔

راجہ کو بے حد غصہ۔ ایک بیچ ذات کے آدمی کو

راجکماری سے شادی کرے کی خواہش کی جرأت کیسے ہوئی مگر

راجہ اس وقت بے بس تھا اور توغان اس کی بے بسی اندر

نجبوی کا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ کسی کی بے بسی کا فائدہ

اٹھانا بہت بڑا گناہ ہوتا ہے مگر توغان پر تو دولت

اور تخت و تاج حاصل کرنے کا بھوت سوار تھا۔ اس نے کہا

مہاراج! میں دعوے کرتا ہوں کہ راجکماری کا

جادو میں توڑ دوں گا۔ کامیاب ہونے پر آپ راجکماری

کی مجھ سے شادی کا قول دیں۔ اگر میں کامیاب نہ ہوا تو

آپ میری گردن اڑا سکتے ہیں۔

راجہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ بے چینی سے ٹہلنے لگا

پھر رک کر توغان کی طرف دیکھا اور پوچھا

تم کہاں رہتے ہو اور کیا کام کرتے ہو؟

توغان بولا۔

مہاراج! میں سوداگر ہوں اور شہر کے باہر نہر

کے کنارے ایک مکان میں رہتا ہوں،

راجہ نے کہا

مجھے دو دن کی مہلت دو۔ میں سوچ کر فیصلہ

کروں گا۔ دو دن بعد تم محل میں آنا۔

توغان نے ادب سے سلام کیا اور واپس آ گیا۔

وہ بڑا خوش تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ راجکماری

کا علاج صرف اسی کے پاس ہے اور وہ دو دن بعد راجکماری

کو ٹھیک کر کے اس سے شادی کرے گا اور پھر راجہ

کے تخت کا وارث بن جائے گا۔ وہ خوش خوش گھر



آیا اور کوسما سے کہا کہ آج بطخ کا گوشت پکاؤ۔ کوسما نے پوچھا

بچا جان! آج کیا بات ہے۔ آپ بہت خوش نظر آ رہے ہیں  
توغان بولا۔

کوسما! میں بہت جلد راجہ کے محل میں  
چلا جاؤں گا اور پھر ایک دن آئے گا کہ میں اس  
مک کا راجہ ہوں گا۔

کوسما کچھ نہ سمجھ سکی کہ اس کا بچپا کہہ رہا ہے۔ توغان  
نے قہقہہ لگا کر کہا

تم نہیں سمجھ سکو گی کوسما! لیکن بہت جلد  
جب میری شادی راجکماری کے ساتھ ہو گئی تو سب  
کچھ تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔

کوسما نے حیرانی سے پوچھا  
بچا جان! آپ راجکماری سے شادی کریں گے؟  
یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟  
توغان بولا۔

میں شادی نہیں کروں گا بلکہ راجہ خود اپنی بیٹی  
کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے گا۔

کوسما نے تعجب سے پوچھا  
”لیکن وہ کیوں؟“

توغان نے کہا۔

اس لئے کہ میرے پاس راجکماری کی بیماری  
کا علاج ہے۔ میں راجکماری کے جادو کو ختم کر  
دوں گا۔ میں نے راجہ کے آگے یہی شرط رکھی  
ہے کہ اگر میں راجکماری کا جادو توڑ ڈالوں تو راجہ  
اس کی شادی میرے ساتھ کر دے گا۔

توغان قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ کوسما نے سوال کیا

بچا جان! کیا آپ کے پاس ایسا جادو  
ہے جس سے آپ راجکماری کا علاج کر سکیں گے؟  
کیوں نہیں؟ علاج میری جیب میں ہے  
مگر میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گا۔

یہ کہہ کر توغان خوشی سے جھومتا ہوا اپنے کمرے میں  
چلا گیا۔ کوسما سوچنے لگی کہ اس کے بچپا کی اتنی عمر  
ہے اسے ایک نو عمر لڑکی سے شادی کرنے کا کوئی  
حق نہیں ہے اور پھر وہ راجہ کی بے بسی اور مجبوری

کا فائدہ اٹھا رہا ہے جو ایک ناجائز بات ہے۔ اسے راجہ  
پر بے حد رحم آیا۔ مگر وہ راجہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی



تھی۔ کاش وہ راجہ کی کوئی مدد کر سکتی اور اسے چچا توغان  
کی چال سے بچا سکتی۔ شام کو چچا توغان نے یہ تو  
کوسما کو بتا دیا کہ راجہ نے اسے دو دن کی مہلت دی ہے  
مگر یہ نہ بتایا کہ راجکمار کے جادو کا اس کے پاس توڑ  
کونسا ہے؟ وہ کسی کو یہ بتا ہی نہیں سکتا تھا لیکن کوسما  
نے غور کیا کہ چچا نے کہا تھا راجکمار کے جادو کا توڑ  
میری جیب میں ہے۔ کوسما نہیں چاہتی تھی کہ ایک مجبور  
بے بس باپ کی بے بسی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس  
کا لالچی چچا راجکمار سے بیاہ کر کے تخت پر قبضہ کر لے  
وہ ایک بوڑھے نوجوان کا بیاہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی  
کوسما نے فیصلہ کر لیا کہ وہ چچا کی جیبوں کی تلاشی لے گی۔

## ماریا کی مُورتی

رات کے کھانے کے بعد توغان باہر چلا گیا۔

کوسما نے چچا کے کمرے کی تلاشی لی۔ اس کے کپڑوں  
کی جیبیں دیکھیں مگر اسے کچھ نہ ملا۔ توغان نے ماریا  
کا بیجہ اپنی الماری میں تالا لگا کر رکھا ہوا تھا۔ کوسما کو  
سخت ناامیدی ہوئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ دُکھی راجہ  
کی کوئی مدد نہیں کر سکے گی اور بے چاری راجکمار کا  
بیاہ اس کے بوڑھے چچا سے ہو جائے گا۔ رات کو  
جب کھانا کھا کر کوسما سو گئی تو خواب میں اس نے دیکھا  
کہ وہ ایک خوبصورت باغ میں ہے جہاں گلاب اور موتی  
کے پھول کھلے ہیں۔ فوارے چل رہے ہیں۔ درمیان میں  
ایک چھوٹا سا محل ہے جس کی سیڑھیوں پر ایک شگِ مرمر  
کی مُورتی کھڑی ہے۔ کوسما اس کے قریب آئی تو یہ  
دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ ماریا کی مُورتی تھی۔ ماریا جس



نے کوسما کی مدد کی تھی اور جو اس کے گھر آکر گم ہو گئی تھی۔ کوسما نے خواب میں ہی ماریا کی مورتی کو آواز دی۔ ماریا، ماریا بہن کیا یہ تمہاری مورتی ہے؟ اس نے دیکھا کہ مورتی کے ہونٹوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ پھر اسے ماریا کی بہت ہی کمزور اور مدہم آواز سنائی دی۔ یہ آواز جیسے بہت دور سے آرہی تھی۔ ماریا اسے کہہ رہی تھی۔ کوسما! میں یہاں تمہارے لئے آئی ہوں۔

کوسما نے بے تابی سے کہا

ماریا بہن! تم کہاں گم ہو گئی ہو۔ تحقیق سناگ اور ناگ تو تمہاری تلاش کرتے کرتے تھک گئے اور چلے گئے ہیں۔ تم کہاں ہو؟ ماریا کی کمزور آواز آئی۔

کوسما! مجھے تمہارے چچا توغان نے دھوکے سے آلو کے پنجنے میں قید کر رکھا ہے۔

کوسما نے حیرانی سے پوچھا

آلو کے پنجنے میں؟

ماریا نے کہا

ہاں! تمہارے چچا توغان نے جادو کے عمل سے مجھے آلو کے پنجنے میں قید کر دیا ہے اور اسی

پنجنے سے اس نے راجکماری کو بھی غائب کیا ہے اور اب اسے پھر سے ظاہر کر کے راجہ کو بے وقوف بنا کر راجکماری سے بیاہ کرنے والا ہے۔ کوسما نے کہا

اچھا تو یہ سب اس پنجنے کی وجہ سے ہوا ہے جس میں تم قید ہو مجھے کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا کہ میرا چچا اتنا عیار مکار اور ظالم ہوگا۔ ماریا بولی۔

اس کے پاس جو پنجنہ ہے اس میں یہ خصوصیت ہے کہ جو کوئی اسے اپنی آنکھ سے لگائے گا وہ غائب ہو جائے گا۔ دوسری بار آنکھوں سے لگائے گا تو پھر سے نظر آنے لگے گا۔ تمہارے چچا توغان نے پہلے یہ پنجنہ راجکماری کی آنکھوں سے لگا کر اسے غائب کیا اور اب دوبارہ اس کی آنکھوں سے لگا کر اسے پھر سے ظاہر کر دے گا اور یہ ظاہر کرے گا کہ سب کچھ اس کے جادو کی وجہ سے ہوا ہے اور یوں وہ راجہ کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھا کر اسے اپنی راجکماری کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے پر مجبور کر دیگا۔ یہ سراسر ظلم ہے ماریا بہن، کوسما زور سے بولی۔



ماریا نے کہا  
ہاں یہ ظلم ہے مگر میں کچھ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ  
مجھ پر اتنا سخت جادو کیا گیا ہے کہ میں خواب میں  
بھی حرکت نہیں کر سکتی۔ تم کسی طرح یہ غلط شادی روکو۔  
کوسما بولی۔

میں تو خود نہیں چاہتی کہ بوڑھا چچا راجہ  
کی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھا کر نوجوان راجکماری  
سے شادی کرے مگر میں یہ شادی کیسے روک  
سکتی ہوں؟  
ماریا نے کہا۔

تو غان صرف میرا بیٹہ راجکماری کی آنکھوں پر  
لگا کر ہی پھر سے ٹھیک حالت میں لاسکتا ہے تم  
یہ بیٹہ اپنے قبضے میں کر لو۔ پھر تو غان کچھ نہ کر سکے  
گا اور یہ شادی نہیں ہوگی۔

کوسما نے پوچھا کہ یہ طلسمی بیٹہ کہاں ہے؟ ماریا نے اسے  
بتایا کہ اس کا طلسمی بیٹہ جس میں وہ قید ہے تو غان کی  
دراز میں بند ہے۔

کوسما بولی۔  
اس کی چابی تو غان ہر وقت اپنے گلے میں لٹکائے

رکھتا ہے۔ میں الماری کیسے کھولوں گی؟  
ماریا نے کہا

تم تارے پر تین بار خدا کا نام لے کر ہاتھ  
پھیرنا۔ تالا کھل جائے گا اور جب تم میرا بیٹہ  
وہاں سے اٹھا لوگی تو الماری کا تالا اپنے آپ پھر  
لگ جائے گا۔

کوسما نے کہا  
اس طرح تو میرے چچا تو غان کو شک  
پڑ جائے گا کہ بیٹہ میں نے نکالا ہے  
ماریا کی آواز سنائی دی

جب تم سوکر اٹھو گی تو تمہارے سر ہانے کے  
نیچے اسی قسم کا ایک نقلی آلو کا بیٹہ پڑا ہوگا۔ یہ  
بیٹہ تم اصلی بیٹے کی جگہ پر رکھ دینا۔ تو غان کو تم  
پر شک بھی نہیں پڑے گا اور اصلی بیٹہ تمہارے  
پاس آ جائے گا جس میں میں قید ہوں۔

کوسما نے بے چینی سے پوچھا کہ وہ اس بیٹے سے کیسے  
آزاد ہو سکتی ہے؟ ماریا نے کہا

اس کے بارے میں مجھے ابھی تک کچھ معلوم  
نہیں ہے پہلے تم راجکماری کو اس ظالم بوڑھے سے



بچاؤ۔ میرا پنجنہ چھپا کر رکھنا۔ پھر سوچ لیں گے کہ  
میرا کیا ہوگا اور میں اس پنجنے سے کیسے آزاد  
ہو سکتی ہوں۔

کوسما کی آنکھ کھل گئی۔ اسے سارے کا سارا خواب یاد تھا  
اس نے جلدی سے اپنے سرہانے کو اٹھایا۔ نیچے آٹو کا  
ایک چھوٹا سا پنجنہ پڑا تھا اسے یقین ہو گیا کہ اس کا  
خواب سچا تھا اور ماریا اسے خواب میں ملی تھی۔ کوسما  
نے وہ پنجنہ اٹھا کر اپنی قمیض کی جیب میں رکھ لیا۔

راجہ کی مہلت کا آخری دن تھا۔ دوسرے روز توغان  
راجہ کے محل میں جا کر اس کی بیٹی راجکماری ستناگری  
کو ٹھیک کرنے والا تھا۔ کوسما کو تنہا بچپا کے کمرے  
میں جانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ آخر اس نے سرود  
کا بہانہ بنایا اور بستر پر لیٹ گئی۔ اتفاق سے گھر میں  
نوکری بھی کوئی نہیں تھا۔ کوسما سرود سے چلانے لگی۔  
اس نے چچا سے کہا کہ حکیم سے دوائی لا دیں۔ توغان جانا  
نہیں چاہتا تھا مگر کوسما کو درد سے بلبلا تے دیکھ کر  
چلا گیا۔ چونہی توغان گھر سے باہر نکلا کوسما بستر سے اٹھی  
اور توغان کے کمرے میں آ گئی۔

سامنے الماری پر تالا پڑا تھا۔ کوسما نے وہی کیا جو

ماریا نے اسے بتایا تھا تلے پر خدا کا نام لے کر تین بار  
انگلی پھیری تو تالا کھل گیا۔ اندر ایک دراز تھا۔ اسے  
کھولا تو دیکھا کہ الو کا پنجنہ پڑا تھا۔ یہ پنجنہ بالکل اسی  
پنجنے ایسا تھا جو کوسما کی جیب میں تھا اور جو نقلی تھا۔  
کوسما نے جیب سے پنجنہ نکالا۔ اصلی اور نقلی میں ذرا سا  
بھی فرق نہیں تھا۔ کوسما نے اصل پنجنہ اٹھا کر جیب میں  
ڈالا اور اس کی جگہ نقلی پنجنہ رکھ دیا۔ الماری بند کی اور  
پیچھے ہٹی تو تالا اپنے آپ لگ گیا۔ کوسما تیزی سے  
توغان کے کمرے سے باہر نکل آئی اور اپنے بستر پر آ کر  
لیٹ گئی۔

تھوڑی دیر بعد اس کا مکار بچپا دوائی لے کر آ گیا۔  
کوسما یوں اداکاری کر رہی تھی جیسے درد سے اس کا سر  
پھٹا جا رہا ہو۔ توغان نے کہا

یہ سفوف پانی سے پی لو۔ ابھی آرام آ  
جائے گا۔

کوسما نے پانی کے ساتھ سفوف پی لیا اور بولی۔

ہاں چچا۔ واقعی میری سرود کم ہو گئی ہے

توغان مسکرایا۔

اب کچھ دیر آرام کرو تمہیں میرے کیڑے



بھی تیار کرنے ہیں۔ کل میں راجہ کے محل میں رہا ہوں اور کل ہی میری شادی راجکماری سے ہوئی۔  
پھر میں تمہیں بھی اپنے ساتھ شاہی محل میں لے چلوں گا۔ چلو گی نا؟

کوسمانے کہا

ضرور چلوں گی چچا جان

شام کو کوسمانے توغان چچا کے لئے نیا جوڑا تیار کر دیا۔  
توغان ساری رات شاہی محل پر حکومت کرنے کے خواب دیکھتا رہا۔ رات کو تین بار اٹھ کر اس نے الماری کھول کر ماریا کا پہنچہ دیکھ کر تسلی کی کہ وہ الماری میں موجود ہے دوسرے دن وہ نئے کپڑے پہن کر، سج دھج کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ ماریا کا پہنچہ اس نے خاص طور پر رومال میں پیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ پھر وہ شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ راجہ شاہی محل کے خاص کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی توغان سے نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ مجبور تھا۔ باپ تھا اور بیٹی کی زندگی کے لئے اسے شرط تسلیم کرنی پڑی تھی۔ یہ بات اس نے اپنی بیٹی کو ابھی نہیں بتائی تھی۔ توغان محل میں داخل ہوا۔

راجہ راجداری میں اسے لینے کے لئے آیا۔ پھر وہ اسے ساتھ لے کر راجکماری کے کمرے میں آ گیا۔ یہاں شاہی حکیم اور دوسرے درباری بھی موجود تھے۔ راجکماری ستناگری اپنے پلنگ پر لیٹی تھی مگر وہ کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ صرف کبل کا ٹھوڑا سا ابھار نظر آ رہا تھا۔ راجہ نے توغان سے کہا

کیا تم میری بیٹی کا علاج کرنے کے لئے

پوری طرح تیار ہو کر آئے ہو توغان؟

توغان نے کہا

ہاں مہاراج! لیکن میں اتنا ضرور پوچھنا چاہوں گا کہ کیا آپ کو میری شرط اور اپنا قول یاد ہے نا؟ کیوں نہیں۔ راجہ نے کہا۔ ہم راجپوت راجہ ہیں۔ ہم اپنا قول ضرور پورا کریں گے۔ تم ہماری بیٹی کو اچھا کر دو پھر ہم نے تم سے جو وعدہ کیا ہے ویسا ہی ہو گا۔

توغان بہت خوش ہوا۔ تھوڑی دیر میں اس کی قسمت کھلنے والی تھی وہ راجکماری کا خاوند اور اس شاہی محل کا مالک بننے والا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ریشتی رومال نکالا۔ اسے آنکھوں سے لگا کر سات بار چومنا یہ



وہ ڈراما کر رہا تھا۔ محض دکھاوے کے لئے۔ دوسرے  
پر رعب جمانے کے لئے کہ وہ بہت بڑا جادوگر ہے۔  
اس کے بعد توغان نے رومال میں سے آٹو کا پتہ  
نکال لیا اور راجہ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

مہاراج! یہ میرے سنیا سی بابا کا دیا ہوا تھو  
ہے۔ اس کے اندر صرف اسی وقت جادو آتا ہے  
جب یہ میرے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کسی دوسرے  
ہاتھ میں جلتے ہی آٹو کے پنچے کی طلسمی تاثیر  
ختم ہو جاتی ہے۔

توغان یہ اس لئے کہہ رہا تھا کہ بعد میں راجہ اس سے  
ماریا کا طلسمی پنچہ نہ طلب کر لے۔ راجہ نے کہا  
اس آٹو کے پنچے میں کیا تاثیر ہے؟

توغان نے کہا

مہاراج! یہ طلسمی پنچہ، میں راجکماری کی  
آنکھوں سے لگاؤں گا اور ایکدم سے اس پر  
کیا گیا جادو ٹوٹ جائے گا اور راجکماری چھ  
سے سب کو نظر آنے لگے گی۔

شاہی حکیم بولا۔

مگر راجکماری جی کی آنکھیں تو نظر ہی نہیں آ رہی ہیں

توغان نے کہا

آپ کو نظر نہیں آ رہی ہیں مگر اس طلسمی پنچے  
کی تاثیر کی وجہ سے میں راجکماری کی آنکھیں دیکھ رہا ہوں  
ابھی میں یہ پنچہ اس کی آنکھوں سے لگاؤں گا اور راجکماری  
تم سب کے سامنے ظاہر ہو جائے گی۔ پھر آپ سب  
لوگ اسے دیکھ سکو گے

راجہ نے کہا

جھگوان کے لئے دیر نہ کرو۔ میں اپنی بیٹی کو چھ  
دیکھنے کو بے تاب ہوں۔

توغان نے ماریا کا پنچہ اپنے دائیں ہاتھ میں لیا اور راجکماری کی  
طرف بڑھا وہ تو راجکماری کو سہاجر دیکھ رہا تھا۔ اس نے آہستہ  
سے پہلے راجکماری کی ایک آنکھ اور پھر دوسری آنکھ سے  
پنچے کو لگایا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

اب آپ سب راجکماری کو یقیناً دیکھ  
رہے ہوں گے۔

راجہ نے کہا۔

مجھے تو میری بیٹی ابھی تک نظر نہیں آتی۔

توغان کا دل دھک سے رہ گیا۔ راجہ نے اپنے درباریوں  
اور شاہی حکیم سے پوچھا۔ کیا تم لوگ راجکماری کو دیکھ



رہے ہو؟ انہوں نے بھی کہا کہ ہمیں راجہ کی نظر نہیں  
آ رہی اب تو توغان کو خوف کے مارے پسینہ آ گیا مگر  
وہ بظاہر مسکراتے ہوئے بولا

ابھی نظر آ جائے گی راجہ کی

اس نے ایک بار، دو بار، تین بار ماریا کا پنجہ راجہ کی  
کی آنکھوں سے لگایا مگر راجہ کی کسی کو دکھائی نہ دی راجہ کی  
نے جھٹلا کر کہا

پتا چلی! یہ کس دھوکے باز پاکھنڈی کو آپ  
لے آئے ہیں۔ جھگوان کے لئے کسی ماہر جادوگر کو  
بلائیے

راجہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ توغان کا خوف کے مارے ہرا حال  
ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ماریا کے پنجے نے  
اپنا کام کیوں نہیں کیا؟ راجہ غضبناک ہو کر بولا۔

پاکھنڈی! تیری ہمت کیسے ہوئی ہمیں دھوکہ  
دینے کی؟

توغان ہاتھ جوڑ کر بولا

مہاراج! میں نے دھوکہ نہیں دیا۔ اس طلسمی

پنجے میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ مجھے  
مہلت دیجئے۔

راجہ نے کہا

تمہیں کوئی مہلت نہیں ملے گی۔ اب ہم  
تمہارا وعدہ تمہاری شرط پوری کریں گے۔

راجہ نے تال بجائی۔ دو سپاہی اندر آ گئے۔ راجہ نے کہا  
اس دھوکے باز کو لے جاؤ شام کو اس کی گردن  
اڑا دی جائے گی۔

توغان تھر تھر کاپنے لگا۔ سپاہی اسے گھسیٹتے ہوئے کمرے  
سے باہر لے گئے۔

شہر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ شہر کے  
مشہور سوداگر توغان کو راجہ کے حکم سے قید میں ڈال دیا گیا  
ہے اور شام کو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔  
کوسما کو پتہ چلا تو اسے بڑا افسوس ہوا۔ اس کے چچا نے  
آنا بڑا جرم نہیں کیا تھا کہ اسے راجہ موت کے گھاٹ اتار دے  
اس کا یہی قصور تھا کہ تخت و تاج کے لالچ میں توغان  
نے راجہ کی بیٹی سے دھوکے کے ساتھ شادی کرنے کی کوشش  
کی تھی۔ کوسما کے پاس اصل پنجہ موجود تھا۔ اس نے اپنے  
چچا کو بچانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ اپنے مکان سے مردانہ مہیسیں بدن کر گھوڑے پر سوار  
ہو کر نکلی اور سیدھی راجہ کے محل کے پاس آ گئی۔ یہاں



اس نے ماریا کا اصلی بیجنہ نکال کر اپنی آنکھوں سے لگایا۔ بیجنہ کے لگاتے ہی وہ غائب ہو گئی۔ یہ تجربہ کوسما کو عجیب لگا۔ وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اگرچہ وہ سب کو دیکھ رہی تھی۔ سب کی آوازیں سن رہی تھی اور سانس بھی لے رہی تھی وہ محل کے دروازے میں سے گزر کر سیدھی راجہ کے دربار میں آ گئی۔ اس وقت شام ہونے میں کچھ دیر تھی کوسما کو خطرہ تھا کہ کہیں راجہ کے حکم سے توغان چچا کی گردن نہ اڑا دی جائے۔ اس لئے وہ جلدی سے جلدی راجہ کے سامنے جانا چاہتی تھی۔ راجہ دربار میں نہیں تھا۔

کوسما چونکہ غائب تھی اس لئے بڑی آسانی سے وہ محل کے کمروں میں راجہ کو تلاش کرنے لگی۔ آخر ایک کمرے میں گئی تو اس نے دیکھا کہ راجہ ایک خالی پلنگ کے پاس سر جھکائے بیٹھا ہے۔ کوسما نے قریب جا کر دیکھا کہ پلنگ خالی ہے مگر ایک لڑکی کی باتیں کرنے کی آواز آرہی ہے یہ راجکماری تھی جو راجہ سے کہہ رہی تھی۔

پتاجی! میں زندگی سے ناامید ہو چکی ہوں آپ مجھے کاشی کی پہاڑیوں میں بھیج دیں میں باقی زندگی وہاں بھگوان کی باد میں گزار دوں گی۔ راجہ کہہ رہا تھا۔

بیٹی! میں تمہیں اپنے سے کیسے جدا کر سکتا ہوں تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ تو چاہے مجھے نظر نہ آئے لیکن تمہاری آواز تو مجھے آتی رہے گی۔ راجکماری کی آواز آئی۔

مگر پتاجی ایسے میں کب تک زندہ رہوں گی کوسما ان کے قریب ہی کھڑی تھی۔ اس نے کہا میں تمہاری مدد کروں گی راجکماری

ایک نئی آواز سن کر راجہ اور راجکماری حیران رہ گئے۔ کوسما نے کہا

مہاراج! آپ حیران نہ ہوں۔ میں یہاں آپ کی مدد کرنے آئی ہوں۔ لیکن آپ کو وعدہ کرنا ہو گا کہ آپ توغان کو چھوڑ دیں گے۔ راجہ نے کہا

میں وعدہ کرتا ہوں مگر تم کون ہو؟ کوسما بولی۔

میں کوئی بھی ہو سکتی ہوں۔ آپ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے۔

یہ کہہ کر کوسما نے ماریا کا بیجنہ راجکماری کی آنکھ سے لگایا تو راجکماری اپنے بستر پر ظاہر ہو گئی۔ اسے دیکھ کر راجہ



تو خوشی سے نہال ہو گیا۔ اس نے اپنی بیٹی کو سینے سے لگا  
لیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔

میری بچی! بھگوان نے تجھے اچھا کر دیا۔ میں  
کس قدر خوش نصیب ہوں۔  
پھر سامنے دیکھ کر کہنے لگا۔

اے دیوی! میں تمہارا بھی شکر گزار ہوں کہ  
تم نے میری بچی کو پھر سے اچھا کر دیا۔ اور اس کا  
جادو زائل کیا۔

کوسا نے کہا

اب اپنے وعدے پر عمل کرتے ہوئے اب توغان  
کی رہائی کا حکم جاری کر دیں

راجہ نے اسی وقت غلام کو بلا کر حکم دیا کہ توغان کو چھوڑ دیا  
جائے۔ محل میں سب طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ  
راجہماری پر کیا گیا جادو ٹوٹ چکا تھا اور وہ نظر آنے  
لگی تھی۔

توغان کو جب قید خانے سے نکالا گیا تو اس نے  
حیران ہو کر پوچھا

راجہ نے مجھ پر یہ مہربانی کس لئے کی ہے  
دربان بولا۔

بھگوان نے راجہماری جی کو اچھا کر دیا ہے اب  
وہ غائب نہیں ہیں۔ اس خوشی میں راجہ نے تمہاری رہائی  
کا حکم دیا ہے۔ اب تم یہاں سے فوراً نکل جاؤ۔ کہیں  
راجہ اپنا ارادہ نہ بدل لے۔

توغان لمبے لمبے ڈگ بھرتا محل سے باہر نکل آیا۔ کوسما  
پہلے ہی اپنے مکان پر پہنچ چکی تھی۔ اس نے لباس بدل  
لیا تھا اور باورچی خانے میں کھانا پکانے میں مصروف تھی  
کہ توغان اندر داخل ہوا۔ کوسما تو بھاگ کر اس سے  
لیپٹ گئی اور بولی۔

بچہ جان! بھگوان کا شکریہ ہے کہ آپ کی شکل  
دیکھی میں تو یہ سن کر غم سے نڈھال ہو گئی تھی کہ راجہ  
نے آپ کو قید میں ڈال دیا ہے۔  
توغان مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

اے راجہ کی اتنی ہمت کہاں کہ مجھے قید  
کرتا بس ذرا اس سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ راجہماری کے بیاہ  
کے سلسلے میں۔ میں غصے میں آ گیا۔ راجہ نے ناراض  
ہو کر مجھے جیل میں ڈال دیا پھر میں نے ایسا چمٹکار  
ایسی کرامت دکھائی کہ راجہ مجھے رہا کرنے پر مجبور ہو گیا  
کوسما دل میں مسکرا رہی تھی کہ توغان کس قدر چھوٹ بول



رہا ہے۔ اس نے کہا  
مگر چچا آپ تو راجکمار سے بیاہ کرنے گئے تھے۔  
تو غان کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا۔

ہاں ارادہ تو تھا مگر میں نے دیکھا کہ راجکمار  
کے بال تو سفید ہو رہے ہیں۔ میں نے اس سے شادی  
کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ لاؤ کچھ پینے کو ٹھنڈا شربت  
دو۔ بڑی پیاس لگ رہی ہے مجھے۔

کوسما خوب جانتی تھی کہ چچا تو غان کو کیوں اتنی پیاس لگ  
رہی ہے وہ موت کے منہ سے بچ کر آ رہا تھا۔ کوسما نے  
ٹھنڈا شربت لاکر اسے دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ تو غان  
اندر ہی اندر پریشان ہے۔ وہ ماریا کے پنجنے کے سلسلے  
میں پریشان تھا۔ اسے پریشان ہونا بھی چاہیے تھا۔ آخر  
ماریا کے پنجنے نے اپنا کام کیوں نہیں کیا؟ اس نے تو یہ  
پنجنہ بڑے عمل کے بعد حاصل کیا تھا۔ شام کو تو غان  
نے گھوڑا پکڑا اور سیدھا جنگل والے غار میں آ گیا۔ یہاں  
وہ مورتی والے کمرے میں آکر مورتی کے آگے دوزانو ہو کر  
بیٹھا اور جیب سے نقلی ماریا کا پنجنہ نکال کر مورتی کے  
قدموں میں رکھ دیا اور منتر پڑھنے لگا۔ منتر پڑھنے کے  
بعد اس نے مورتی کی طرف دیکھ کر کہا

دلیوی! اس پنجنے نے مجھے دھوکہ دیا۔ اگر جگوان  
میری مدد نہ کرتا تو اس وقت میری گردن اڑ  
گئی ہوتی۔

مورتی کے پتھرے جسم میں جیسے زلزلہ سا آ گیا۔ اس کی آنکھوں  
سے سرخ روشنی نکلنے لگی اور آواز آئی۔

قم نے بھی راجہ کو دھوکہ دینے کی کوشش  
کی تھی۔ قم نے اس کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھانا  
چاہا تھا۔ جگوان نے تیری جان بخشی کر دی بس تیرے  
لئے اتنا ہی بہت ہے۔

پھر مورتی کے ماتھے سے آگ کا ایک شعلہ نکل کر پنجنے  
پر پڑا۔ نقلی پنجنہ جل کر راکھ ہو گیا۔ مورتی کی آواز آئی۔  
اب یہاں سے چلا جا۔ نہیں تو میرا دوسرا  
شعلہ تمہیں جلا کر بھسم کر دے گا۔

تو غان ڈر گیا۔ فوراً آٹھ کر غار سے باہر نکل آیا۔ سمجھ گیا کہ  
اب راجکمار سے شادی کر کے عیش و آرام کرنے کی اس کی  
خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ گھوڑے کو دوڑاتا واپس  
اپنے گھر آ گیا۔ کوسما نے کھانا لگا دیا تھا۔ دونوں نے کھانا  
کھایا۔ کوسما باتیں کرتی رہی۔ تو غان کا ذہن اس وقت بھی یہی  
سوچ رہا تھا کہ کہیں اصلی پنجنہ کسی نے اس کی الماری سے



نکال کر نقلی پنجنہ تو نہیں رکھ دیا؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا۔  
نقلی پنجنہ کسی کو رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور وہاں باہر کا  
آدمی کون آ سکتا ہے؟ گھر میں سوائے کوسما کے اور کوئی بھی  
نہیں ہے اور پھر الماری کو اسی طرح تالا بھی لگا تھا۔ کوسما پر  
تو توغان کو شبہ ہو نہیں سکتا تھا۔ کوسما پر شبہ کرنے کی کوئی  
وجہ بھی نہیں تھی توغان کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ  
ماریا کے پنجنے کا اثر کیوں ضائع ہو گیا؟ آخر اس نے یہی سوچا  
کہ دیوی کے کہنے کے مطابق چونکہ توغان نے راجہ کی بے بسی  
کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا تھا اس لئے دیوی نے ماریا کے  
پنجنے کو بے اثر کر دیا۔

توغان کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔  
کوسما اپنے چچا کی پریشانی کو خوب سمجھ رہی تھی۔ وہ اس  
اصلی پنجنے کے لئے پریشان تھا جو کوسما نے اپنے کمرے  
کی الماری میں تالا لگا کر رکھا ہوا تھا۔ کوسما اب رات کو  
خواب میں ماریا کا انتظار کرتی کہ وہ آئے تو اس سے یہ پوچھے  
کہ وہ پنجنے کی قید سے کیوں کہ آزاد ہو سکتی ہے۔ دو  
راتیں گزر گئیں اور ماریا کوسما کے خواب میں نہ آئی۔ چوتھی  
رات کوسما خواب میں ایک بار پھر اسی باغ میں پہنچ گئی  
جہاں سیڑھیوں میں ماریا کا بت لگا ہوا تھا۔ ماریا کے

بت نے کوسما سے کہا

تو نے اپنے چچا کی جان بچالی۔ اچھا کیا۔ اس  
کا جرم اتنا گھناؤنا نہیں تھا کہ راجہ اس کی گردن اڑاتا۔  
اب تم ایسا کرو کہ جس پنجنے میں میں قید ہوں وہ لے کر  
شہر سے باہر جو دریا بہتا ہے وہاں جاؤ۔ گھاٹ پر  
تمہیں ایک چھوٹی سی بانس کی ٹوکری ملے گی۔ پنجنے  
کو اس ٹوکری میں رکھ دینا۔ جب ٹوکری پنجنے کو لے کر  
دریا کی لہروں پر بہنے لگے تو تم واپس آ جانا۔

اس کے ساتھ ہی کوسما کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ماریا سے کوئی بات  
بھی نہ کر سکی لیکن ماریا نے جو کچھ خواب میں کہا تھا کوسما نے  
اس پر عمل کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو کوسما  
نے اپنی الماری کھول کر وہ ڈبہ باہر نکالا جس میں ماریا کا پنجنہ  
رکھا تھا۔ ابھی اس نے ماریا کا پنجنہ باہر نکالا ہی تھا کہ  
دروازہ کھلا اور اس کا چچا توغان غضبناک انداز میں  
اندر گھس آیا۔

تو یہ تم تھیں جس نے اصلی پنجنے کی جگہ نقلی پنجنہ  
رکھ دیا تھا۔

کوسما گھبرا گئی۔ مگر اس گھبراہٹ میں بھی اس کا ذہن اتنا  
حاضر رہا کہ اس نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر پنجنہ اپنی آنکھوں



سے لگا لیا۔ وہ ایکدم غائب ہو گئی اب اس کے چچا توغان کا ہجرہ بدل گیا۔ وہ کوسما کی منت کرنے لگا کہ میں تمہارا چچا ہوں یہ بیجنہ مجھے دے دو۔ یہ میری برسوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ میں نے اسے بڑی زبردست ریاضت کرنے کے بعد حاصل کیا ہے مگر کوسما اسے کسی حالت میں بھی وہ بیجنہ نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے کہا

بیچا جان! مجھ پر یہ راز کھل چکا ہے کہ اس بیجنے میں آپ نے ماریا کو قید کر رکھا ہے۔ میں یہ بیجنہ آپ کو ہرگز نہیں دوں گی۔  
توغان بولا۔

تو پھر تو اسے بے کر کیا کرے گی؟  
کوسما نے کہا

چاہے میں اسے کسی کنوئیں میں پھینک دوں مگر آپ کو نہیں دوں گی۔  
کوسما اپنے چچا کو یہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ ماریا نے اسے دریا میں بہا دینے کی ہدایت کی ہے۔ توغان بولے جا رہا تھا اور کوسما کی منت سماجت کر رہا تھا۔

میری بچی! اس بیجنے میں ماریا نہیں ہے۔ تمہیں کسی نے غلط کہا ہے۔

کوسما بولی۔

ماریا نے خود مجھے خواب میں آکر بتایا ہے کہ آپ نے اسے اس میں قید کر رکھا ہے۔  
اب توغان گھبرا سا گیا۔ کیونکہ کوسما سچ کہہ رہی تھی اور سچ کے آگے جھوٹ ہمیشہ گھبرا جایا کرتا ہے۔ توغان بات کو بدل کر بولا۔

اچھا اگر ایسا ہی ہے تو میں ماریا کو اس میں سے آزاد کر سکتا ہوں۔ بیجنہ مجھے دے دو۔ میں تمہارے سامنے ماریا کو اس میں سے نکال دوں گا۔  
مگر کوسما کو خوب معلوم تھا کہ اس کا چچا محض بیجنہ حاصل کرنے کے لئے ایسا کہہ رہا ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ماریا اسے ایسا نہ کہتی کہ بیجنے کو دریا میں بہا دینا۔ وہ ہر صورت میں ماریا کی ہدایت پر عمل کر نہیگا عہد کر چکی تھی۔ چنانچہ اس نے کہا  
بیچا جان! مجھے افسوس ہے کہ یہ بیجنہ میں آپ کے حوالے نہیں کر سکتی۔ میں اسے ایک اندھے کنوئیں میں پھینکنے جا رہی ہوں۔  
توغان داویلا کرتا رہ گیا کہ۔

کوسما! بھگوان کے لئے اتنے قیمتی بیجنے کو اندھے کنوئیں میں نہ پھینکو۔ چلو مجھے بتا دو۔ کہ



تم اسے کس اندھے کنوئیں میں پھینکنے جا رہی ہو  
مگر کوسما نے کوئی جواب نہ دیا۔ مصیبت یہ تھی کہ  
کوسما اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ کوسما کمرے سے  
نکل گئی اور سیدھی دریا کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ  
پیدل ہی دریا کی طرف جا رہی تھی۔ وہ کسی کو دکھائی  
نہیں دے رہی تھی۔



UPLOADED FOR  
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
WWW.PDFBOOKSFREE.PK

## آدم خورشکاری

دریا خاموشی سے بہہ رہا تھا۔  
ماریا نے خواب میں جس جگہ کا اشارہ کیا تھا کوسما  
اسی جگہ پہنچ گئی کیا دیکھتی ہے کہ دریا کے کنارے بانس  
کی ایک گول چھوٹی سی ٹوکری پانی کی لہروں پر ڈول رہی  
ہے۔ ماریا نے اسی ٹوکری کے بارے میں ہدایت کی تھی  
کوسما نے سب سے پہلے ماریا کا پنجم اپنی آنکھوں سے لگایا۔ وہ  
غیبی حالت سے ظاہری حالت میں آ گئی۔ اب وہ نظر آ رہی  
تھی۔ اس نے ماریا کا پنجم بانس کی ٹوکری میں رکھ دیا۔  
اس کے ساتھ ہی بانس کی ٹوکری نے اپنے آپ دریا کی  
لہروں کے ساتھ بہنا شروع کر دیا۔  
کوسما دریا کے کنارے کھڑی ٹوکری کو نظروں سے  
دور جاتے دیکھتی رہی اس کے کانوں میں ماریا کی مدھم سی  
آواز آئی  
کوسما بہن! تمہارا شکریہ۔ خدا نے چاہا تو میں



پھر بھی کبھی تمہیں ملنے آؤں گی۔  
کوسما نے کہا

میں تمہارا انتظار کروں گی ماریا بہن  
اس کا ماریا کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ کوسما دریا کے  
کنارے پر ہی کھڑی رہی۔ جب بانس کی ٹوکری اس کی نگاہوں  
سے اوجھل ہو گئی تو وہ بوجھل قدم اٹھاتی واپس اپنے گھر کی  
طرف چل پڑی۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ ماریا اس  
کے عیار اور لالچی چچا کی پہنچ سے باہر ہو گئی ہے اور اب  
وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ بانس کی ٹوکری دریا کے کنارے  
سے ہٹ کر دریا کے درمیان میں آگئی جہاں لہروں کا بہاؤ  
اور رفتار کافی تیز تھی۔ ٹوکری نے تیزی سے بہنا شروع  
کر دیا۔



ایک طرف تھیوسانگ اور ناگ اپنے ساتھ عنبر  
کی کھوج میں اس قصبے کی طرف جا رہے تھے جہاں عنبر کوتاش  
کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا۔ دوسری طرف ماریا الو کے پنجے میں  
قید بانس کی ٹوکری میں دریا کی لہروں پر بہتی جا رہی تھی  
اور تیسری طرف کیٹی نیک دل پادری سے جدا ہونے کے

بعد ایک سال بردار بحری جہاز میں افریقہ کی طرف چلی  
آ رہی تھی۔ کیٹی کا جہاز افریقہ کے ساحل پر لنگر انداز  
ہوا تو کیٹی کو اچانک عنبر کی ہلکی ہلکی خوشبو محسوس ہوئی  
وہ بے حد خوش ہوئی۔ اس نے خوشبو کے پیچھے پیچھے چلنا  
شروع کر دیا۔ یہ وہی قصبہ تھا جہاں عنبر اپنی منہ بولی بہن  
کوتاش کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا۔ کیٹی کی خوشبو اس نے  
بھی محسوس کر لی تھی اور وہ مکان سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس  
نے بھی خوشبو کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا شروع کر دیا۔  
ایک دوسرے کی خوشبو کیٹی اور عنبر کو شہر سے دور ایک  
جنگل کے کنارے سے آئی۔ عنبر نے کیٹی کو دور سے  
دیکھ لیا۔ کیٹی نے بھی عنبر کو دیکھ لیا تھا۔ دونوں بہن بھائی  
جب ایک دوسرے سے ملے تو خوشی سے ان کی آنکھوں میں  
آنسو آ گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے ناگ ماریا اور  
تھیوسانگ کے بارے میں پوچھا اور پھر عنبر نے کیٹی کو ساتھ  
لیا اور اسے کوتاش کے گھر لے آیا۔ کوتاش کیٹی سے مل کر  
بہت خوش ہوئی۔ اب ان دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ چند روز  
اس جگہ ٹھہر کر ناگ ماریا اور تھیوسانگ کا انتظار کیا جائے  
شاید وہ بھی ادھر نہ نکلیں۔  
اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ایک روز صبح کا وقت تھا کہ کیٹی



اور عنبر نے ایک دوسرے کی طرف چونک کر دیکھا۔ دونوں کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا۔ مجھے ناگ اور تھیوسانگ کی خوشبو آرہی ہے۔ ان کا اندازہ بالکل درست تھا۔ ناگ اور تھیوسانگ اس قصبے میں داخل ہو چکے تھے اور انہوں نے بھی کیٹی اور عنبر کی خوشبو محسوس کر لی تھی۔ جب یہ چاروں پرانے دوست اور بہن بھائی ایک دوسرے سے ملے تو وہ دیکھنے والا منظر تھا۔ ان کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو جھلک رہے تھے۔ ناگ اور تھیوسانگ نے عنبر اور کیٹی کو ماریا کے بارے میں بتایا کہ وہ مہاسا میں کہیں گم ہو گئی ہے۔

عنبر نے کہا  
خدا کے حکم سے وہ بھی ایک دن ہمیں  
جلد آئے گی۔  
ناگ بولا۔

مگر ہمیں اس کی تلاش میں ضرور جانا ہوگا۔  
کیٹی نے کہا  
تھیوسانگ تمہارا کیا خیال ہے؟ ماریا کس  
طرف اور کہاں گم ہوئی ہوگی؟

کیٹی نے تھیوسانگ سے اس لئے پوچھا تھا کہ وہ خلائی  
انسان تھا اور زیادہ سے زیادہ قیاس کر سکتا تھا تھیوسانگ

کہنے لگا۔

اس بارے میں میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ویسے  
ابھی اسی ملک افریقہ میں ہی رہنا چاہئے کیونکہ مجھے یقین  
ہے کہ ماریا اسی سرزمین میں کہیں موجود ہے۔  
عنبر نے کہا۔

مگر ہمیں اس کی خوشبو بھی تو نہیں آرہی۔  
ناگ نے جواب دیا۔

ظاہر ہے اس پر طلسم کا اثر بھی ہو سکتا ہے۔  
بہر حال ہم اسی ملک میں ہی رہیں گے۔  
کیٹی کہنے لگی۔

لیکن ہم اس عورت کوتاش کے گھر میں کتنے دن  
بہان بن کر رہ چکے ہیں؟ ہمیں کوئی الگ مکان لے کر  
رہنا ہوگا۔

ناگ عنبر اور تھیوسانگ کو کیٹی کی یہ تجویز پسند آئی۔ اگرچہ  
کوتاش نے اس کی بڑی مخالفت کی۔ وہ ان بھائیوں کو اپنے  
گھر پر ہی رکھنا چاہتی تھی مگر تھیوسانگ ناگ عنبر اور کیٹی نہ  
مانے اور کوتاش سے اجازت لے کر شہر کے اندر ایک مکان  
کرائے پر لے کر رہنے لگے۔ وہ زیادہ دیر ایک جگہ رہ کر  
مدیا کا انتظار نہیں کرنا چاہتے تھے مگر کم از کم ایک مہینہ



وہاں رہنا ضروری تھا کیونکہ ہو سکتا تھا کہ ماریا تک ان چاروں کی خوشبو پہنچ جائے اور وہ جہاں بھی ہو وہاں سے چل کر ان کے پاس پہنچ جائے۔

دوسری طرف ماریا کے پنجے والی ٹوکری دریا میں بہتی بہتی سمندر میں داخل ہو گئی اور سمندر کی لہریں اسے اچھالتیں افریقہ کے مغربی ساحل کی طرف لے گئیں۔ یہ وہی ساحل تھا جہاں سے ایک سو کلومیٹر دور جنگل کے پاند کوتاش کے قصبے میں تھیوسانگ، ناگ عنبر اور کیٹی اس کا انتظار کر رہے تھے مگر چونکہ ماریا اٹو کے پنجے میں قید تھی اس لئے انہیں اسکی خوشبو نہیں آ سکتی تھی۔ ماریا کے پنجے والی ٹوکری سمندر کے کنارے ریت پر پڑی تھی۔ سامنے کچھ فاصلے پر جنگل شروع ہو جاتا تھا۔ اچانک گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آنے لگی۔

پھر جنگل کے کنارے جہاں سے زمین سمندری ساحل کے ساتھ مغرب کی طرف گھومتی تھی دو گھوڑے سوار نمودار ہوئے۔ ان میں سے ایک سردار کاؤنٹ تھا۔ اس کے پیچھے اس کا خاص ملازم اڈو تھا۔ یہ کاؤنٹ سمندر کے کنارے دور گھسنے جنگل میں بنے ہوئے ایک پرانے محل میں اکیلا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ صرف اس کا پرانا

ملازم اڈو رہتا تھا۔ کاؤنٹ ایک اونچا لمبا مضبوط جسم اور خوفناک چہرے والا آدمی تھا جو بے حد ظالم سنگ دل اور انسانوں کا شکاری تھا۔ وہ انسانوں کا شکار کرتا تھا۔ اس کا شکار کرنے کا طریقہ بڑا عجیب و غریب تھا۔ پہلے میں ایک بار وہ اپنے ملازم اڈو کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے محل سے نکلتا۔ جنگل سے باہر آ کر وہ سمندر کے کنارے کنارے گشت لگاتا اور کسی نہ کسی انسان کو کہیں نہ کہیں سے پکڑ لیتا۔ اسے رسیوں سے باندھ کر اپنے ساتھ جنگل والے محل میں لے آتا۔

محل میں لاکر وہ اس آدمی کی رسیاں کھودیتا۔ اسے خوب کھلاتا پلاتا۔ ایک ہفتے تک اس کی خوب خاطر داری کرتا۔ محل چاروں طرف سے بند ہونے کی وجہ سے وہ آدمی وہاں سے فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ کاؤنٹ کے پاس بڑے خوشخوار کتے بھی تھے۔ وہ جس انسان کو پکڑ کر لاتا اس کے کپڑے اپنے کتوں کو شگھا دیتا۔ اس کے بعد اگر وہ بد نصیب انسان فرار ہونے کی کوشش بھی کرتا تو خوشخوار کتے اس کے پیچھے پھوڑ دیئے جاتے جو بہت جلد اسے جنگل میں کہیں نہ کہیں پکڑ کر چیر پھاڑ ڈالتے تھے۔ کاؤنٹ اپنے مہمان کو یہ ساری باتیں سمجھا دیتا تھا کہ



اب وہ اس محل سے فرار نہیں ہو سکتا۔ ساتویں روز وہ اس محل سے فرار نہیں ہو سکتا۔ ساتویں روز وہ اس انسان کو کہتا کہ اب وہ جنگل میں صرف ایک پنجر اور تیرکمان لے کر نکل جائے اور اس سے بھاگنے کی کوشش کرے۔ پھر وہ اس کا پیچھا کرتا اور جنگل میں دونوں کی آنکھیں چھوٹی شروع ہو جاتی۔ کاؤنٹ یوں انسان کے شکار کا مزہ لیتا اور چونکہ وہ جنگل کے ایک ایک درخت سے واقف تھا۔ اس لئے بہت جلد بد نصیب انسان کو کہیں نہ کہیں تیر چلا کر موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ پھر وہ اس انسانی شکار کی ٹانگوں میں رسی باندھ کر گھسیٹتے ہوئے اپنے ویران آسیبی محل میں لے آتا اور اسے اپنے خونخوار بھوکے کتوں کے آگے ڈال دیتا۔

آج بھی یہ کاؤنٹ اپنے انسانی شکار کی تلاش میں نکلا ہوا تھا وہ اپنے ملازم اوٹو کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا چلا آ رہا تھا کہ اسے سمندر کے کنارے ریت پر بانس کی ٹوکری پڑی نظر آئی۔ اوٹو نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

کاؤنٹ! بانس کی ٹوکری عجیب و غریب ہے مگر حکم ہو تو اسے لے آؤں؟

اکاؤنٹ رعونت سے بولا

میں خود اسے اٹھاؤں گا۔

جب اس نے ٹوکری کو اٹھا کر دیکھا تو اس میں آٹو کا ایک پنجنہ پڑا تھا اس پنجنے میں ماریا بند تھی۔ مگر کاؤنٹ کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ کاؤنٹ کو جانوروں کے سر اور پرندوں کے پنجنے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ اس کے محل میں جانوروں کے سر اور پنجنے لگے ہوئے تھے۔ اس کے اپنے خاص کمرے میں ان انسانوں کی کھوپڑیاں بھی دیوار کے ساتھ ٹھونک کر سجائی گئی تھیں جن کو کاؤنٹ نے شکار کیا تھا۔ آٹو کا پنجنہ دیکھ کر وہ خوش ہوا اور بولا۔

آٹو بڑی مشکل سے شکار ہوتا ہے۔ یہ آٹو کا پنجنہ خوش قسمتی کی علامت ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔

ٹوکری اوٹو نے کہا

کاؤنٹ! اس میں جادو بھی ہو سکتا ہے اس علاقے کے لوگ آٹو کے پنجنوں پر جادو کرنا بھی کرتے ہیں۔

کاؤنٹ نے گردن اکڑا کر کہا

میں کاؤنٹ شراک ہوں۔ مجھ پر کسی جادو



ٹونے کا اثر نہیں ہو سکتا۔ یہ آٹو کا پہنچے مجھے پسند ہے  
میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور اپنے خاص  
کمرے میں سجا کر رکھوں گا۔

نوکر آٹو خاموش ہو گیا۔ کاؤنٹ نے ٹوکری وہیں پھینک  
دی اور ماریا والے آٹو کے پہنچے کو اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔  
اب وہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے چلا۔ اس نے آٹو  
سے کہا۔

آٹو! دوپہر ہونے کو آئی ہے ہیں ابھی  
تک کوئی انسانی شکار نہیں ملا۔ ہم ناکام ہو کر نہیں  
وٹ سکتے۔

آٹو بولا۔

کاؤنٹ! مجھے امید ہے آگے کوئی نہ کوئی  
انسان ہمیں ضرور مل جائے گا۔

وہ ساحل سمندر پر گھوڑے دوڑاتے چلے جا رہے تھے  
کہ ایک قسمت کا مارا انسان انہیں نظر پڑا۔ یہ آدمی کوئی  
سیاح تھا اور افریقہ کی سیاحت کرنے آیا تھا۔ وہ تھوڑی  
دیر پہلے ایک سمندری جہاز سے اترا تھا۔ ایک تھیلی  
اس کے کندھے سے لٹک رہا تھا۔ کاؤنٹ نے اسے  
دیکھا تو اس کے خبیث چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ اس

نے آٹو سے کہا۔

آٹو! شکار مل گیا۔ دیکھا۔ میں نہ کہتا تھا کہ آٹو  
کا پہنچہ خوش قسمتی کی علامت ہے۔ آؤ۔ اس شکار کو  
گھیر کر اپنے محل میں لے جاتے ہیں۔  
آٹو اور کاؤنٹ شکار گھوڑے بڑھاتے بدقسمت سیاح  
کے قریب آ کر رک گئے۔ کاؤنٹ گھوڑے سے اترا اور  
سیاح سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

خوش آمدید نوجوان! تم ضرور کوئی سیاح ہو جو  
یورپ سے اس ملک کی سیر کرنے آئے ہو۔

سیاح نے بھی کاؤنٹ سے ہاتھ ملایا اور بولا

جی ہاں۔ آپ نے ٹھیک پہچانا۔ میں جرمن سیاح  
ہوں۔ میرا نام ہنگیر ہے۔ میں افریقہ کی سیر کرنے  
آیا ہوں۔

کاؤنٹ نے بڑی مکاری سے کہا

یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم بھی جرمن  
ہو میری ماں بھی جرمنی کی رہنے والی تھی۔ کیا تم مجھے  
میزبانی کا شرف نہیں بخشو گے۔ یہاں سے تھوڑی دور  
میری ایک چھوٹی سی آبائی جاگیر ہے۔ میں وہاں اپنے  
ملازم آٹو کے ساتھ اکیلا رہتا ہوں۔ وہاں دیکھنے کیلئے



آبشاریں بھی ہیں۔ میں تمہیں افریقہ کے بارے میں بہت سی معلومات بھی دوں گا کہ تمہیں کون کونسی یادگاریں دیکھنی چاہیں۔

سیاح ہیگر اس کی باتوں میں آگیا۔ ویسے بھی اسے ایک گاؤں کی ضرورت تھی اس نے سوچا گاؤنٹ کے پاس تھوڑی دیر قیام کر کے آرام بھی کرتا ہوں اور اس سے افریقہ کے بارے میں معلومات بھی حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے گاؤنٹ شہر لاک کی دعوت قبول کر لی۔ گاؤنٹ نے اوٹو سے کہا کہ وہ پیدل پہنچے اور اس کے گھوڑے پر بد نصیب نے شکار ہیگر سیاح کو بٹھایا اور اپنے ساتھ لے کر جنگل میں داخل ہو گیا۔ کوئی ایک گھنٹے کے سفر کے بعد وہ اپنے ویران محل میں پہنچ گیا۔ سیاح ہیگر نے دیکھا کہ یہ جنگل کے درمیان بنا ہوا ایک بہت ہی پرانا اور بوسیدہ محل ہے جس کی دیواروں کا پلستر اکھڑ رہا ہے اور سیڑھیوں میں جگہ جگہ گھاس اُگی ہوئی ہے۔ گاؤنٹ بولا۔

یہ محل اتنا بڑا ہے کہ میں اکیلا اس کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ یہاں میں اس لئے رہ رہا ہوں کہ مجھے ان جنگلوں سے محبت ہے اور مجھے شکار کا بھی شوق ہے۔

ہیگر نے پوچھا

آپ کس جانور کا شکار کرتے ہیں؟

گاؤنٹ نے ہیگر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور

شیطان مکر اہٹ کے ساتھ بولا۔  
میں ہر قسم کے جانور کا شکار کرتا ہوں۔ آئیے اندر تشریف لے چلیے۔

محل کے اندر ایک بڑا کمرہ تھا جس کی دیواروں پر مختلف پرندوں کے سر لگے ہوئے تھے۔ ایک دیوار پر گاؤنٹ کی پرانی تصویر بھی لگی تھی جس میں اس نے ایک ہاتھ میں نیزہ پکڑ رکھا تھا۔ پرانی طرز کے بوسیدہ صوفے پر بے تھے۔ بیچ میں ایک سیاہ گول میز بھی بچھی تھی۔ فضا میں غمی اور انسانی خون کی بو رچی ہوئی تھی۔ ہیگر پہلے تو گھبرایا مگر گاؤنٹ ہنس ہنس کر اس سے باتیں کرنے لگا اور بولا۔

میرے پاس اکثر سیاح آتے رہتے ہیں وہ میرے اسی محل میں قیام کرتے ہیں اور پھر مجھ سے معلومات حاصل کر کے افریقہ کے جنگلوں کی میر کو نکل جاتے ہیں۔ اتنے میں اوٹو بھی جنگل کے آسان اور نزدیکی راستوں سے ہوتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ گاؤنٹ نے اسے وہاں ہیگر کے



لئے کھانا تیار کرنے کو کہا۔ کاؤنٹ سیاح ہیگمر سے باتیں کرنے لگ گیا۔ پھر بولا۔

ہیگمر! تم کھل کر بیٹھو اور اگر چاہو تو غسل بھی کر سکتے ہو۔ میں نے یہاں گرم پانی کا بھی انتظام کر رکھا ہے۔

ہیگمر پہلے تو کچھ ڈرا ڈرا سا تھا مگر پھر اس کا خوف دور ہو گیا کیونکہ کاؤنٹ اس کے ساتھ بڑی بے تکلفی اور خوش اخلاقی سے پیش آ رہا تھا۔ ہیگمر نے غسل کیا۔ کھانا آگیا۔ کھانے میں ہر قسم کے جنگلی پرندے کا گوشت اور طرح طرح کے میٹھے خوشبودار پھل تھے۔ کھانا بے حد لذیذ تھا۔ ہیگمر نے پیٹ پھر کر کھایا اور پھر کاؤنٹ کے کہنے پر سو گیا۔ کاؤنٹ اپنے کمرے میں آگیا۔ اوٹو اس کے ساتھ تھا۔ اس کمرے کی دیواروں پر جگہ جگہ انسانی کھوپڑیوں کو کیلوں سے ٹھونک کر لگا دی گئیں تھیں۔ یہ سب ان بد قسمت انسانوں کی کھوپڑیاں تھیں جن کو شکار کرنے کے بعد کاؤنٹ نے ہلاک کر دیا تھا کاؤنٹ نے جیب سے آٹو کا بیجنہ نکال کر آتشدان کے اوپر دیوار پر لگا دیا۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔  
اوٹو! یہ بیجنہ میرے لئے خوش بختی لائے گا۔

سیاح ہیگمر کو اس محل میں مزے دار کھانے کھاتے اور آرام کرتے جب تین دن گزر گئے تو اس نے کاؤنٹ سے اجازت مانگی کیونکہ اب وہ افریقہ کے جنگلوں اور دور دراز شہروں کی سیاحت کرنا چاہتا تھا۔ کاؤنٹ نے اس دوران میں اسے آبتاریں بھی دکھائی تھیں اور افریقہ کے جنگلوں اور شہروں کے بارے میں بعض جھوٹی سچی معلومات بھی دی تھیں۔ جب اس نے جانے کے لئے اجازت طلب کی تو اوٹو بولا  
میرے بھائی ہیگمر! ابھی تم کل ہی آئے ہو۔ دو روز مزید آرام کرو۔ پھر تو تمہیں افریقہ کے جنگلوں اور صحراؤں کی خاک چھاننی ہی ہے۔  
ہیگمر بولا۔

میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری اتنی ہمان فوانی کی۔ اب میں اپنے سفر پر روانہ ہو جانا چاہتا ہوں۔

کاؤنٹ کے چہرے پر فکر کی پرچھائیاں ابھریں۔ اس نے ہیگمر کے کاندھے پر اپنا بھاری بھرکم ہاتھ رکھ کر کہا  
جیسے تمہاری مرضی۔ میں تمہیں روک نہیں سکتا۔ لیکن جانے سے پہلے تمہیں اپنا کمرہ ضرور دکھانا چاہتا ہوں۔  
ہیگمر مسکراتے ہوئے بولا۔



کیا وہ کوئی خاص کمرہ ہے کاؤنٹ ؟

کاؤنٹ زیر لب ہنس رہا تھا۔ بولا۔

دیکھو گے تو اپنے آپ پتہ چل جائے گا۔ میں

چاہتا ہوں جانے سے پہلے تم میرے ساتھ اس کمرے

میں بیٹھ کر کافی کا ایک پیالہ پیو۔

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ صیگر بولا۔ مجھے تو خوش

ہوگی آپ کے ساتھ کافی پینے میں۔

کاؤنٹ صیگر کے کاندھے پر ہاتھ رکھے اسے اپنے خاص

کمرے میں لے آیا کاؤنٹ نے پہلی رات ہی جب صیگر

سو رہا تھا تو اس کی قمیض اٹھا کر اپنے خونخوار کتوں

کو شگھا دی تھی۔ اس کمرے میں مدھم مدھم روشنی تھی۔

دیواریں نسواری رنگ کی تھیں اور جہ صیگر نے ایک

دیوار پر انسانی کھوپڑیوں کو ٹنگے رکھے تھے۔ اس کے جسم

میں خوف کی ٹھنڈی لہر دوڑ گئی اس نے انسانی کھوپڑیوں

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہونٹوں پر خشک زبان پھیرتے

ہوئے پوچھا۔

یہ .... یہ انسانوں کی کھوپڑیاں ہیں کیا ؟

کاؤنٹ نے مسکرا کر کہا۔

ہاں۔ تمہیں کس کی کھوپڑیاں لگتی ہیں ؟

صیگر کا حلق خشک ہونے لگا تھا۔ اس کی چھٹی حس

نے اسے بتا دیا کہ وہ کسی زبردست خطرے میں پھنس

چکا ہے اور اس کے ارد گرد جاں تنگ ہونا شروع ہو

گیا ہے مگر وہ ایکدم وہاں سے بھاگ نہیں سکتا تھا۔

کاؤنٹ میز کے پاس بیٹھ گیا۔ صیگر کو اس نے اپنی داہنی

جانب بٹھایا۔ اوٹو کافی لے آیا۔ کاؤنٹ نے صیگر کے

لئے کافی بنائی اور اسے پیش کرتے ہوئے بولا۔

میں آج سے اپنا شکار شروع کر رہا ہوں۔

صیگر نے کافی کا تلخ گھونٹ نگلتے ہوئے ہر سری طور

پر کہا

جانوروں کا شکار کریں گے ؟ کس جانور کا

شکار آپ پسند کرتے ہیں۔

کاؤنٹ کا چہرہ ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے اپنے تازہ

شکار صیگر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور گہری

آواز میں بولا۔

مجھے صرف ایک ہی جانور کا شکار پسند ہے

اور وہ جانور انسان ہے

کیا مطلب ؟ صیگر کے ہاتھ میں کافی کی پیالی

پکپک گئی۔



کاؤنٹ نے ہیگر کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دبایا اور بولا۔

مسٹر ہیگر! میں انسان کا شکار کرتا ہوں اور آج میں جس انسان کا شکار کرنے والا ہوں وہ میرے سامنے بیٹھا ہے۔

اب تو ہیگر کی رہی سہی ہمت نے جواب دے دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ پھنس گیا ہے اور اس نے اس شیطان کاؤنٹ کی مہمانی قبول کر کے زندگی کی سب سے بڑی حماقت کی ہے مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ تیرکمان سے نکل چکا تھا۔ وہ کاؤنٹ کے جنگل میں پھنس چکا تھا۔ پھر بھی اس نے بظاہر مکتاتے ہوئے کہا

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا کاؤنٹ

کاؤنٹ نے سیٹی بجائی۔ کمرے کے دروازے میں سے چار اونچے لمبے نوخوار کتے شور مچاتے عزاتے داخل ہوئے اور سیدھے ہیگر کے کپڑوں کی بولیٹے اس کے سامنے آکر زور زور سے بھونکنے لگے۔ ہیگر کا تو رنگ زرد ہو گیا۔ بدن میں کاٹو تو ہونہیں۔ خون ٹھنڈا پڑ گیا۔ کاؤنٹ نے دوسری بار سیٹی بجائی تو کتے دوڑ کر باہر نکل گئے۔ ہیگر ڈرا ڈرا سا بیٹھا تھا۔ کاؤنٹ نے

اب اسے کہنا شروع کیا۔

سنو مسٹر ہیگر! میں انسانوں کا شکاری ہوں اور میں انسان کا شکار کس طرح کرتا ہوں یہ بات ابھی بتاتا ہوں۔ تم میرے شکار ہو۔ میں تمہارا شکار کروں گا لیکن میرا شکار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ میں تمہیں جنگل میں کھلا چھوڑ دوں گا۔ تم جہاں چاہے چھپ سکتے ہو اگر فرار ہونا چاہو تو فرار بھی ہو سکتے ہو۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے تمہاری کھوج میں رہوں گا۔ جس طرح ایک ماہر شکاری اپنے شکار کی کھوج میں لگا رہتا ہے تم اگر فرار ہو بھی گئے تو میرے نوخوار کتے تمہیں بہت جلد دلویتج کر تمہاری تکا بوٹی کر دیں گے۔ انہیں تمہاری قمیض نگھا دی گئی ہے۔ تم جنگل میں جہاں بھی جاؤ گے۔ نوخوار کتے وہاں پہنچ جائیں گے۔ وہ تمہیں اس جنگل سے باہر نہیں نکلنے دیں گے۔ انہیں اس کام کی باقاعدہ ٹریننگ دی گئی ہے۔ ابھی کافی دن باقی ہے میں شام ہونے سے پہلے پہلے تمہیں شکار کر لینا چاہتا ہوں۔

ہیگر کی زبان دہشت کے مارے سوکھ کر لکڑی بن گئی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے رزقی ہوئی آواز میں کہا



کاؤنٹ! تم مجھے شکار کر کے کیا کر د گے۔

کاؤنٹ قہقہہ لگا کر ہنسا اور کھوٹپڑیوں والی دیوار کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

اس دیوار پر تم جن کھوٹپڑیوں کو دیکھ رہے ہو۔ یہ سب ان لوگوں کی کھوٹپڑیاں ہیں۔ جنہیں میں نے شکار کیا تھا ان کھوٹپڑیوں میں تمہاری کھوٹپڑی بھی لگادی جائے گی۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ تمہاری کھوٹپڑی میں سب سے اونچی کمر کے لگاؤں گا۔ کیونکہ تم جرمن ہو اور جرمن لوگوں کو اپنی برتری کا بڑا خیال رہتا ہے۔

ھیگہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے پہلے تو کاؤنٹ کی منت سماجت کی کہ کسی طرح وہ اسے چھوڑ دے لیکن جب اسے یقین ہو گیا کہ کاؤنٹ اسے نہیں چھوڑے گا اور اس کا شکار کرنے کا عہد کر چکا ہے تو وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے کاؤنٹ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور بولا۔

میں تمہاری بات جانتا ہوں۔ مجھے جنگل میں جہاں تم چاہر چھوڑ دو۔

کاؤنٹ نے خوش ہو کر بد قسمت سیاح ہیگہ کا کندھا زور سے دبایا اور بولا۔

شاباش! مجھے تم ایسے بہادر شکار پسند ہیں تم

ایسے دلیر جانوروں کا شکار کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے آؤ میرے ساتھ۔

وہ ہیگہ کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ جہاں اوٹو خنوار کتوں کی زنجیریں تھامے کھڑا تھا۔ کتے ہیگہ کی بو پاتے ہی اس کی طرف اچھلنے لگے۔ کاؤنٹ نے انہیں پیچھے ہٹا دیا اور اوٹو سے کہا

انہیں سنبھالو اوٹو۔ ابھی ان کے چھوڑنے کا

وقت نہیں آیا۔

پھر اس نے ہیگہ کو ایک خنجر دیا اور اس کے پاؤں میں پتل زنجیر باندھ دی جس کے سرے پر ایک سیر کا باٹ یعنی وٹہ بندھا ہوا تھا۔ ہیگہ نے تعجب سے پوچھا۔ یہ زنجیر مجھے کیوں پہنائی جا رہی ہے۔

کاؤنٹ نے کہا

تمہیں جنگل میں ایک جگہ ے جا کر کھلا چھوڑ دیا جائے گا۔ تم اگر چاہو اور تمہارے پاس اتنا وقت ہو تو تم اس زنجیر کو پتھر کی مدد سے توڑ بھی سکتے ہو اور فرار ہونے کی کوشش بھی کر سکتے ہو۔ لیکن یہ یاد رکھنا میں اپنے تیرکمان کے ساتھ اور میرے خنوار کتے تمہارے پیچھے لگے ہوں گے۔ میں ایک ماہر نشانہ باز



ہوں اور میرے کتوں نے آج تک اپنا شکار کبھی نہیں چھوڑا۔ آؤ۔ اب شکار کا کھیل شروع کرتے ہیں بے چارہ قسمت کا مارا ہیگڑ سا مٹھ چل پڑا۔ زنجیر کا سیر بھی کاباٹ اس نے اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا تھا۔ اوٹو کتوں کو لے کر پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ جنگل میں ایک جگہ پہنچ کر کاؤنٹ رک گیا۔ اوٹو بھی کتوں کے ساتھ وہیں ٹھہر گیا۔ کاؤنٹ نے سامنے والی چھوٹی پہاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا

اس سامنے والی پہاڑی کے پار سمندر ہے اگر تم میں ہمت ہے تو اس پہاڑی کے پار جا کر سمندر میں کود کر اپنی جان بچانے کی کوشش کر سکتے ہو۔ لیکن میں تمہارے پیچھے پیچھے ہوں گا۔ میرے تیر تمہیں تلاش کر لیں گے اور اگر میرے تیر تمہیں شکار نہ کر سکے تو پھر میرے کتے تجھے جنگل میں جہاں بھی ہوں گے پہنچ کر دبوچ لیں گے۔ اب بھاگو۔ بھاگو۔ میں پندرہ منٹ کے بعد تمہارے پیچھے نکلوں گا۔ بد نصیب ہیگڑ مجبور تھا۔ اس نے جنگل کی ایک پگ ڈنڈی پر بھاگنا شروع کر دیا۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد کاؤنٹ نے اوٹو کو اشارہ کیا کہ وہ خوشخوار کتوں کو لے کر پہاڑی کی دوسری

طرف چلا جائے اور خود تیرکمان لے پٹی کے ساتھ زنجیر لٹکائے اپنے شکار کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ بد قسمت ہیگڑ نے جنگل میں آتے ہی اپنے آپ کو کسی حد تک آزاد محسوس کیا اور وہ جتنی تیز بھاگ سکتا تھا بھاگنے لگا۔ میر بھر کا باٹ ہاتھ میں اٹھا کر بھاگنے سے وہ بہت جلد تھک گیا اور اس کا سانس پھول گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں۔ اتنی دیر میں اسے ہمت دور نکل جانا چاہیے اور پھر پہاڑی پار کر کے سمندر میں پھلانگ لگا دے۔ آخر وہ کہیں نہ کہیں تو پہنچ ہی جائے گا۔ سب سے پہلے اس نے ایک جگہ بیٹھ کر پتھروں کی مدد سے اپنے پاؤں میں بندھی ہوئی لوہے کی زنجیر توڑ ڈالی اب وہ زیادہ تیزی سے بھاگنے لگا۔ جنگل گھنا تھا جھاڑیاں اور گھاس اس کا راستہ روک رہی تھیں۔ پھر بھی وہ رکے بغیر دوڑتا چلا گیا۔ راستے میں کئی کھڈ اور نالے آئے وہ ان کو پھلانگتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ پہاڑی اس کے سامنے آ گئی اس نے پہاڑی کے بائیں جانب سے ہو کر دوسری طرف نکلنے کی کوشش شروع کر دی دوسری جانب ایک اور پہاڑی آ گئی۔ وہ اس پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ چڑھائی مشکل تھی۔ اس کی رفتار سست پڑ گئی وہ



بھی اس کا سانس پھول گیا تھا مگر موت کا خوف اسے  
 بھاگنے پر مجبور کر رہا تھا اور وہ جتنی تیز بھاگ سکتا تھا بھاگتا رہا  
 ابھی وہ پہاڑی کی آدھی چڑھائی بھی نہیں نہ طے کر  
 پایا تھا کہ پندرہ منٹ گزر گئے اور اسے دور سمندر کی  
 جانب سے خوشخوار کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں۔  
 یہ آواز اس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ہیگرنے پریشان  
 ہونے کی بجائے حوصلہ بلند کیا اور پہاڑی کی چڑھائی چڑھتا  
 چلا گیا۔ وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر دوسری طرف اترنے  
 لگا۔ ڈھلان پر وہ تیز تیز اترنے لگا۔ جھاڑیوں نے  
 اس کا چہرہ زخمی کر دیا۔ اس کے کپڑے کئی جگہوں سے  
 پھٹ گئے مگر وہ کہیں ایک پل کے لئے بھی نہ رکا۔  
 پہاڑی سے اترا تو سامنے پھر ایک گھنا جنگل آ گیا۔  
 یہ جنگل زیادہ طویل نہیں تھا۔ اس کے پیچھے سمندر تھا  
 اور ادھر ہی سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی  
 تھیں جو قریب سے قریب تر آ رہی تھیں۔ ہیگرنے اپنی  
 قمیض اتار کر پھینک دی۔ اس خیال سے کہ کتے اس کی  
 قمیض کی بو پر آ رہے ہیں۔ تو دوسری طرف نکل جائیں گے  
 اس نے قمیض اپنے بائیں جانب ایک گڑھے میں پھینکی  
 اور خود ترجھا ہو کر دوسری طرف سے سمندر کی طرف بھاگتا

مگر کتوں کی آوازیں اسی کی طرف چلی آ رہی تھیں۔ شاید کتے  
 اس کے جسم کی بو پر لگے ہوئے تھے۔ وہ اتنا تھک گیا تھا  
 کہ اب اس سے ایک قدم بھی نہیں چلا جاتا تھا۔ سانس  
 دھونکی کی طرح چل رہا تھا۔ جسم پسینے میں شرابور تھا۔ وہ  
 بے دم ہو کر ایک جگہ سانس لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ ابھی اسے  
 بیٹھے چند سیکنڈ ہی ہوئے تھے کہ ٹھک کی آواز آئی۔ ہیگرنے  
 نے چونک کر اوپر دیکھا ایک لمبا لوہے کا تیر درخت  
 میں کسی طرف سے آ کر کھب گیا تھا وہ اٹھ کر بے تماشاً  
 دوڑنے لگا۔

کاؤنٹ اس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔



COURTESY  
 PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
 WWW.PDFBOOKSFREE.PK



## کنوئیں کا قیدی

ھیگرنے بھی ہمت نہ ہاری۔

وہ اٹھا اور پہاڑی کی ڈھلان پر سمندر کی طرف  
بے تحاشا دوڑنے لگا۔ وہ جھاڑیوں اور چھوٹے بڑے پودوں  
کے اوپر سے چھلانگیں لگاتا چلا جا رہا تھا۔ قیض اتار کر  
پھینکنے سے اسے ایک فائدہ ضرور ہوا تھا۔ اب خوشخوار  
کنوئیں کا رخ دوسری طرف ہو گیا تھا۔ ہیگرنے کے پیچھے  
سے تیر آنے لگے وہ لہراتا بل کھاتا دوڑتا جا رہا تھا۔  
یہ بھی اس کی عقلمندی تھی تاکہ کوئی تیر اسے سیدھا آکر  
نہ لگے۔ چنانچہ پیچھے سے کاؤنٹ نے جتنے بھی تیر چلائے  
وہ آس پاس جھاڑیوں میں آکر لگے۔ اب اسے سامنے  
سمندر کا وسیع و عریض دامن نظر آنے لگا۔ ساحل پر  
آکر اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔  
پھر اس نے اپنے آپ کو سمندر میں گرا کر لہروں کے

توالے کر دیا۔ یہاں بدقسمتی سے لہروں کا بہاؤ تیز نہیں  
تھا۔ ایک لہر اسے اٹھا کر سمندر میں دور لے گئی تو دوسری  
لہر نے اسے واپس ساحل پر لا کر پھینک دیا اس نے سر  
اٹھا کر دیکھا۔ اس کے سر پر کاؤنٹ کھڑا تھا اس کے  
مکروہ چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ دور سے کنوئیں کی  
آوازیں ابھی تک آرہی تھیں۔ کاؤنٹ کے ہاتھ میں تیرکان  
تھا اور تیر کا رخ ہیگرنے کے دل کی طرف تھا۔ اٹنے میں کتنے  
بھی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے ہیگرنے کو جھجھوڑنا شروع  
کر دیا۔ کاؤنٹ نے ہاتھ اٹھا کر زور سے سیٹی کی آواز  
سننے سے نکالی۔ کتنے ایک دم سے پیچھے ہٹ گئے۔ اوٹو  
نے ان کو سنبھال لیا۔

ہیگرنے ادھوا ہوا چکا تھا۔ کاؤنٹ نے اس کے ہاتھ  
اسی سے پیچھے باندھ دیئے اور اسے گھوڑے پر ڈال کر  
واپس اپنے محل میں لا کر ستون سے باندھ دیا اور بولا۔

میں تمہاری بہادری کا قائل ہو گیا ہوں۔ آج  
تک میرا کوئی شکار جنگل سے نکل کر سمندر تک نہیں  
پہنچ سکا۔ وہ سب جنگل میں ہی میرے ہاتھوں موت  
کے گھاٹ اتر گئے۔ تم پہلے شکار ہو جس نے جنگل  
سے نکل کر سمندر میں چھلانگ لگائی۔



ھیگر نے عاجزی سے کہا  
 آخر تم مجھے کیوں ہلاک کرنا چاہتے ہو  
 میں نے کیا جرم کیا ہے ؟  
 کاؤنٹ بولا۔

نکر نہ کرو۔ اب میں اپنے ہاتھ سے تمہیں  
 ہلاک نہیں کروں گا۔ بلکہ تمہیں ایک دوسری سزا  
 دوں گا جس میں تم زندہ رہو گے مگر اس طرح زندہ رہو  
 گے کہ اگر کوئی تمہیں دیکھے گا تو دشت کے مارے پیچھے  
 مار کر بے ہوش ہو جائے گا۔

یہ کہہ کر اس نے اوٹو کو اشارہ کیا۔ اوٹو نے ہیگر کو ستون سے  
 کھولا اور اس کے ہاتھوں پر جو رسی بندھی تھی اسے کھینچتا  
 ہوا وہ ہیگر کو محل کے ایک تاریک صحن میں لے گیا۔ جہاں  
 ایک گہرا کنواں تھا۔ کنوئیں میں پانی نہیں تھا بلکہ تہہ  
 میں پتھروں کا فرش بنایا گیا تھا۔ کنوئیں کے اوپر بھی گول  
 چھت ڈال دی گئی تھی۔ اس چھت کے درمیان میں  
 ایک چوکور سوراخ تھا۔ اوٹو نے ہیگر کو ایک تختے پر  
 بیٹھا کر اس سوراخ میں سے کنوئیں کے اندر گزارنے لگا  
 جب ہیگر کنوئیں کے فرش تک آگیا تو اوٹو نے رسی کو  
 ایک جھٹکا دیا۔ ہیگر کنوئیں کے تاریک فرش پر گر پڑا

اوٹو نے تختہ اوپر کھینچ کر کنوئیں کا سوراخ پتھر کی ایک سیل سے  
 بند کر دیا۔ ہیگر کنوئیں کے فرش پر کچھ دیر اندھیرے میں بے دم  
 سا ہو کر پڑا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ کنوئیں  
 کی گول دیواریں چکنے پتھر کی تھیں اور وہ اس قدر پھلنی  
 تھیں کہ ہیگر ایک فٹ بھی اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا ویسے  
 بھی کنوئیں کی چھت کافی اونچی تھی۔ ہیگر کی آنکھوں میں  
 آنسو آگئے۔ اسے اپنی بیوی بچے اور بہن بھائی یاد آگئے  
 جن کو وہ یہ کہہ کر آیا تھا کہ افریقہ کی سیاحت سے وہ ان  
 کے لئے بڑے خوبصورت نواردات اور تحفے لائے گا۔ اب تو  
 وہ ان تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ کاؤنٹ نے اسے  
 موت کے کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ جہاں وہ بھوکا پیاسا  
 زیادہ سے زیادہ چار پانچ دن تک زندہ رہ کر مر جائے گا  
 اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی کہ ہیگر مر گیا ہے۔  
 لیکن کاؤنٹ اسے زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس طرح سے  
 کہ اس کی زندگی مردوں سے بدتر ہو۔ ہفتے میں تین بار کنوئیں  
 کی چھت کا سوراخ کھلتا۔ اوٹو پتھر کی سیل پر سے ہٹاتا اور  
 ایک زنجیر کے ذریعے پانی کی ایک بالٹی اور کچے گوشت  
 کا ایک ٹوٹھرا نیچے رکھ کر زنجیر کھینچ لیتا۔ پہلے تو ہیگر  
 نے صرف پانی پیا اور کچے گوشت کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ مگر



جب دو دن بعد بھوک نے ہاتھ نہ ڈھال کر دیا۔ تو اس نے آنکھیں بند کر کے کچے گوشت کو تھوڑا سا کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی۔

اس کے بعد جب اوٹو کچے گوشت کا ٹوٹھرا نیچے پھینکتا تو ہیگر اسے بھوکوں کی طرح پکڑ کر اسی وقت کھا جاتا۔ پانی کی بھری ہوئی بالٹی لے کر خالی بالٹی زنجیر کے ساتھ باندھ دیتا۔ ہیگر کو اب یقین ہو گیا تھا کہ اس کنوئیں سے اسے کبھی رہائی نصیب نہیں ہوگی اور وہ اسی کنوئیں میں یا تو اسٹریاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا اور یا پھر ایک وحشی چھیریا بن چکا ہوگا جو کچے گوشت کے سوا کچھ نہ کھا سکے گا۔

دن گزرتے چلے گئے۔ دوسری طرف کاؤنٹ کے خاص کمرے میں باریا کا پہنچہ آتشدان کے اوپر دیوار کے ساتھ اسی طرح لگا ہوا تھا نیچے کے اوپر ایک جنگلی بلی کا خشک کیا ہوا سر لگا تھا۔ ماریا اس پہنچے میں اس طرح قید تھی کہ وہ اپنے آپ باہر نہیں نکل سکتی تھی مگر شیطان صفت کاؤنٹ کی تمام گھناؤنی سرگرمیوں سے واقف ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے ہیگر کو دیکھا کہ کاؤنٹ کے حکم سے اسے موت کے کنوئیں میں گرا دیا گیا تھا۔ وہ ہیگر کی مدد کرنا چاہتی تھی مگر وہ خود بے بس تھی۔ پہنچے میں

بند تھی اور ہیگر کی مدد نہیں کر سکتی تھی۔

تھیوسانگ ناگ کیٹی اور عنبر اس سے زیادہ دور نہیں تھے۔ صرف ایک دن کے سفر پر کوتاہی کے قصبے میں ایک خالی مکان کرائے پر لے کر رہ رہے تھے اور ماریا کا انتظار کر رہے تھے کہ شاید وہ بھی ادھر آ جائے۔ جب انہیں وہاں رہتے ہوئے ایک ہمینہ گزر گیا تو ناگ نے کہا کہ یہاں رہنا اب بیکار ہے۔ اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیئے۔ تھیوسانگ اور کیٹی نے بھی ناگ کے خیال کی تائید کی۔ صرف عنبر کچھ دیر اور قیام کرنا چاہتا تھا لیکن اپنے ساتھیوں کی مرضی کے آگے وہ بھی جھک گیا انہوں نے اپنی بہن کو ناش سے آخری ملاقات کی اور جنگل میں اس راستے پر چلنا شروع کر دیا جو سمندر کے کنارے کی طرف جاتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہاں سے وہ کسی بندرگاہ پر جا کر کسی جہاز میں سوار ہو جائیں گے اور ملک روم کی طرف ماریا کو تلاش کریں گے۔

وہ گھوڑوں پر سفر کر رہے تھے کیونکہ کیٹی نے انہیں بتا دیا تھا کہ سمندر وہاں سے آدھے دن کے سفر پر ہی ہے۔ یونہی جنگل کے راستوں پر آہستہ آہستہ سفر کرتے رہے۔ ان کی رفتار دھیمی تھی اس لئے انہیں جنگل میں ہی



شام ہو گئی۔ تھیوسانگ نے کہا

میرا خیال ہے ہمیں اسی جگہ رات گزارنی چاہیے  
کل صبح سفر پر چلیں گے۔ سمندر کا کنارہ یہاں سے  
کتنی دور ہوگا کیٹی؟

کیٹی نے کہا

اگر ہم اس وقت چل پڑیں تو آدھی رات تک  
تہیج جائیں گے۔

ناگ بولا۔

اتنی جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ جگہ  
خوشگوار ہے۔ یہیں رات گزارتے ہیں۔  
چنانچہ انہوں نے وہیں گھوڑوں کو چرنے کے لئے کھلا  
چھوڑ دیا اور خود ایک جگہ گھاس پھوس صرف کر کے لیٹنے  
اور آرام کرنے کے لئے جگہ بنادی۔ ابھی شام پوری طرح  
سے نہیں ہوئی تھی۔ جنگل میں دن کی روشنی مٹتی ناگ  
نے کہا

میں ذرا اس جنگل کا ایک چکر لگا کر ابھی  
آتا ہوں۔

عنبر بولا۔

خدا کے لئے مت جاؤ۔ تم پھر کسی مصیبت

میں پھنس گئے تو ہم پریشان ہو جائیں گے۔  
ناگ نے ناراض ہو کر کہا

عنبر بھائی! میں اکیلا ہی مصیبت میں نہیں  
پھنستا۔ ہم میں سے ہر کسی پر مصیبت آ جاتی ہے۔ یہ تو  
ہمارے سفر کا ایک حصہ ہے۔  
کیٹی بولی۔

یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر ہمیں بھی  
جان بوجھ کر مصیبت مول نہیں لینی چاہیے۔  
تھیوسانگ نے کہا

میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔  
ناگ نے تنک کر جواب دیا۔

میں کوئی بچہ نہیں ہوں کہ تم میرا ہاتھ پکڑ  
کر مجھے جنگل کی سیر کراؤ۔  
عنبر ہنس کر بولا۔

ارے بھائی جاؤ جاؤ ضرور سیر کرو۔ مگر  
جلدی واپس آ جانا۔ دیر نہ کرنا۔

ناگ بھی ہنس دیا اور کہنے لگا  
بس ابھی واپس آیا کہ آیا  
ناگ نے وہیں عقاب کی شکل بدلی اور فضا میں درختوں



کے اوپر بلند ہو کر اڑنے لگا۔ اسے خیال آیا کہ اس طرح سے تو وہ جنگل کی پوری طرح سے سیر نہ کر سکے گا۔ اسے نیچے اتر کر جنگل کی سیر کرنی چاہیئے۔ چنانچہ وہ درختوں کے نیچے آگیا۔ یہاں وہ عقاب کی طرح اڑ نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ جنگل بڑا گھنا تھا۔ ناگ نے انسانی شکل اختیار کر لی اور پیدل ہی مزے مزے سے سیر کرتا ٹہلتا جنگل راستوں سے گزرنے لگا۔ کہیں وہ ندی پار کرتا۔ کہیں کسی کھڈی میں سے گزرتا۔ وہ جنگل میں کافی دور نکل گیا تو اس نے سوچا کہ اب واپس چلنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ واپس مڑا ہی تھا کہ اس کی نظر درختوں کے نیچے میں ایک پرانے محل کی عمارت پر پڑی یہ وہی پرانا محل تھا جہاں کاؤنٹ مٹھراک رہتا تھا اور جس کے خاص کمرے میں ماریا آلہ کے پتے کی شکل میں دیوار کے ساتھ لگی تھی مگر ماریا کے جسم سے خوشبو نہیں نکل رہی تھی۔

ناگ کو وہ محل بڑا پراسرار لگا اس نے سوچا کہ چل کر ذرا اس پرانے محل کی سیر کی جائے۔ وہ پیدل ہی محل کے دروازے پر آگیا۔ ابھی وہ محل کو پرشوق نگاہوں سے دیکھ ہی رہا تھا کہ کاؤنٹ کی نظر اس پر پڑ گئی اس نے نوکر اوٹو کو بلا کر کہا

اوٹو! اس مہینے کا میرا شکار اپنے آپ میرے محل کے دروازے پر آگیا ہے۔  
اوٹو نے دوسری منزل کی کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا اسے ایک گھنگریالے بالوں والا نوجوان کھڑا دکھائی دیا جو بڑی دلچسپی اور حیرت سے محل کی دیواروں کو تنگ رہا تھا اس نے کاؤنٹ سے کہا

کاؤنٹ سر! اسے اوپر لے آنا چاہیئے۔ شکار خود یہاں آگیا ہے۔ اب آپ کو جنگل میں اور سمندر کے کنارے مارے مارے پھرنے کی ضرورت نہیں۔  
کاؤنٹ نے خنجر والی پیٹی لگائی۔ بالوں کو سنوارا اور چمڑے کی جیکٹ پہن کر نیچے آگیا۔ ناگ ابھی محل کے دروازے کے پاس ہی کھڑا تھا کہ کاؤنٹ نمودار ہوا۔ ناگ کی طرف سگراتے ہوئے اس نے ماتھے بڑھایا اور خوش اخلاقی اور بڑی ہی میٹھی آواز میں بولا۔

خوش آمدید نوجوان! میرے محل میں تمہارا آنا میرے لئے مبارک ہوگا۔ تم نے مجھے اس جنگل میں میزبانی کا شرف بخشا ہے۔ میرا نام کاؤنٹ مٹھراک ہے یہ محل میرے دادا نے بنایا تھا۔ میں اسی محل میں رہتا ہوں۔ چونکہ شکاری ہوں۔ شہر کا شکار



کھیلتا ہوں اس لئے یہیں کا ہو کر رہ گیا ہوں۔ اندر  
تشریف لاؤ میرے مہمان۔ کیا تم میرے ساتھ کافی کا  
ایک گرم گرم پیالہ نہیں پیو گے۔

اس نے ایک ہی سانس میں کتنی ہی باتیں کر ڈالیں۔ ناگ  
مسکرا دیا۔ ناگ یہی سمجھا کہ یہ باتوں قسم کا بگڑا ہوا نواب ہے  
رسی چل گئی مگر بل نہیں گیا۔ جاگیریں ختم ہو گئیں مگر یہ نواب  
اب بھی بوسیدہ قلعوں کے کھنڈروں میں بیٹھے اپنے آپ  
کو کاؤنٹ یعنی نواب سمجھ رہا ہے۔ ناگ نے کہا۔

میرا نام ناگ ہے۔ میں سیاح ہوں اور  
یہاں جنگل میں سے گزر رہا تھا کہ آپ کے محل پر نظر  
پڑی۔ سوچا کوئی تاریخی عمارت ہوگی اسے دیکھنا چاہیے  
کاؤنٹ نے ناگ کے کاندھے پر اپنا بھاری ہاتھ رکھتے ہوئے  
اسے آہستہ سے محل کے دروازے کی طرف دھکیلتے  
ہوئے کہا۔

میرے دوست! یہ واقعی ایک تاریخی محل ہے  
جہاں کبھی میرے ماں باپ باقاعدہ دربار لگایا کرتے  
تھے مگر اب وہ باتیں ختم ہو گئی ہیں۔ میں صرف ایک  
لوگوں کے ساتھ یہاں رہتا ہوں۔ کبھی شہسوار یا دوسرے  
جانوروں کا شکار کھیلتے جنگل میں نکل جاتا ہوں۔

ناگ نے خاص طور پر محسوس کیا کہ کاؤنٹ نے اس کے  
کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جان بوجھ کر دروازے کی طرف دھکیلا  
تھا۔ اس کا ہاتھ جھٹکا کہ یہ ضرور کوئی پراسرار آدمی ہے  
اس کا مقصد حل کرنا چاہیے۔ اپنی عادت کے مطابق کاؤنٹ  
نے ناگ کو پہلے ولے کرنے میں بیٹھا کر کافی پلائی اور اس  
سے اس قسم کی باتیں کرتا رہا جس طرح کی باتیں وہ اکثر اپنے  
شکار انسانوں سے کرتا تھا۔ ناگ اب بھی اسے ایک شکاری  
نواب ہی سمجھ رہا تھا کہ کاؤنٹ نے اسے اپنے خاص کمرے  
میں آنے کی دعوت دی۔

اس کمرے میں آتے ہی کاؤنٹ نے اپنا ہبہ تبدیل  
کر لیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ ناگ اصل میں کون ہے اور  
اس کی طاقت کتنی ہے۔ وہ تو اسے ایک دبلا پتلا سانولاں  
نوجوان ہی سمجھ رہا تھا۔ دوسری جانب ناگ نے جب  
دیواروں پر انسانی کھوپڑیاں سجدی ہوئی دیکھیں تو اسے یقین  
ہو گیا کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔ ماریا کا آلو کا  
پتھر بھی آتشدان کے اوپر ہی لگا تھا۔ ناگ ماریا کی  
خوشبو نہیں محسوس کر سکتا تھا مگر چننے کے اندر قید  
ماریا نے ناگ کی خوشبو کو محسوس کر لیا تھا اور وہ بے چین  
سی ہو گئی تھی لیکن وہ جادو کے اثر میں کچھ اس طرح



سے قید تھی کہ باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ وہ ناگ کو دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کی آواز بھی نہیں سن سکتی تھی۔ صرف اس کی خوشبو کو محسوس کر رہی تھی اور بے چین ہو رہی تھی کہ کسی طرح پنجنے کی قید سے آزاد ہو۔

کاؤنٹ نے اب ناگ سے اپنے اصلی مطلب کی باتیں شروع کر دیں۔ اس نے سیٹی بجائی تو اس کا ملازم ادوٹو خوشخوار کتوں کو لے کر دروازے میں نمودار ہو گیا۔ ناگ نے ان کتوں کی طرف اشارہ کر کے کہا

کیا آپ ان کتوں کی مدد سے بھی شکار کھیلتے ہیں؟

کاؤنٹ نے ناگ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنے شکار کی آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملا سکتا۔ ناگ ایک سانپ دیوتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جو متناطیسی کشش تھی۔ وہ کاؤنٹ کو آنکھیں نیچے کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ مگر کاؤنٹ تو ناگ کو بہر حال ایک کمزور نوجوان اور اپنا قیمتی شکار ہی سمجھ رہا تھا۔ اس نے ناگ سے کہا

میرے جالوروں کا ہی نہیں انسانوں کا شکار بھی کھیلتا ہوں۔

ناگ نے چونک کر کاؤنٹ کی طرف دیکھا۔

کیا مطلب ہے آپ کا؟ یعنی آپ انسانوں کا بھی شکار کرتے ہیں۔

کاؤنٹ نے ایک مکر وہ تمہقہ لگایا اور کہا

کیوں نہیں۔ آج میں جس انسان کو شکار کرنے والا ہوں وہ تم ہو۔

ناگ پوری تحقیق کرنا چاہتا تھا کہ یہ شخص کون ہے اور ایسا گھناؤنا کام کس لئے کرتا ہے۔ اس وقت بھی ہشتاد کے اوپر ماریا کا پہنچہ دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ ماریا اگرچہ ناگ کو دیکھ نہیں سکتی تھی۔ اس کی آواز بھی نہیں سن سکتی تھی۔ مگر اسے ناگ کی خوشبو برابر آرہی تھی۔ ناگ اس حقیقت سے ناواقف تھا کہ اسی کمرے میں ماریا بھی آو کے پنجنے میں قید ہے۔ ناگ نے کاؤنٹ سے سوال کیا

تم میرا شکار کس لئے کرنا چاہتے ہو؟ کیا اس سے پہلے بھی تم انسانوں کا شکار کرتے رہے ہو؟ کاؤنٹ نے ناگ کی طرف گھور کر دیکھا

میں تمہارا شکار اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ انسانوں کا شکار کیا ہے۔ اس کے بعد کاؤنٹ نے ناگ کو وہ ساری تفصیل بتائی کہ



وہ کس طرح ناگ کو جنگل میں زنجیر پاؤں میں باندھ کر  
چھوڑ دے گا اور پھر خود اس کے پیچھے اس کا تعاقب کرتے  
ہوئے تیر چلا کر اسے ہلاک کر ڈالے گا۔

ناگ بڑے غور سے کاؤنٹ کی باتیں سن رہا تھا اب  
اسے معلوم ہوا کہ یہ شخص جس کا نام کاؤنٹ شرلاک تھا  
بے حد ظالم اور سنگ دل خونی آدمی ہے۔ کاؤنٹ ناگ  
کی طاقت سے واقف نہیں تھا۔ وہ اسے ایک عام کمزور

سا فوجوان سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ اس نے اوٹو کو اشارہ کیا۔  
اوٹو خوشخوار کتوں کو لے کر ناگ کے قریب آ گیا۔ یہ پہلا  
موقع تھا کہ خوشخوار کتے ناگ کے قریب نہیں آ رہے تھے  
مگر کاؤنٹ نے اسے کوئی اہمیت نہ دی اور ناگ کے  
ہاتھ رسی کے ساتھ اس کی پیٹھ سے باندھے۔ پھر اسے

گھسیٹا ہوا محل سے باہر صحن میں لے گیا۔ یہاں اس  
کے پاؤں سے سیر کے باٹ والی زنجیر باندھی اور کہا  
اب تم جنگل میں اپنی جان بچانے کے لئے  
بھاگو۔ تمہارا کام اپنی جان بچانا ہے اور میرا  
کام تمہاری جان لینا ہے۔ تمہیں شکار کرنا ہے۔  
بھاگو۔ بھاگو۔ بھاگو۔

کتوں کو ناگ کے کپڑے سلگھا دیئے گئے تھے۔ اوٹو کو یہی

ہدایت کی گئی کہ وہ پہاڑی کے پیچھے سے جنگل کی طرف  
کتوں کو لے کر بڑھے۔ ناگ یہ سب کچھ ہوتے بالکل خاموشی  
سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کاؤنٹ کے قریب ہو کر کہا

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم جنگل میں جان بچانے  
کے لئے بھاگو اور میں تمہیں شکار کرنے کے لئے  
تمہارے پیچھے پیچھے چلوں؟  
کاؤنٹ غضبناک ہو کر چلایا۔

بکو اس بند کرو۔ میں شکاری۔ تم میرے شکار  
ہو۔ بھاگو۔ اپنی جان بچاؤ۔ نہیں تو میں ابھی اسی جگہ  
تمہیں خنجر مار کر ختم کر دوں گا  
ناگ نے کہا

میں چلا جاتا ہوں مگر تم مجھے زندگی بھر ڈھونڈو  
نہ سکو گے۔

یہ کہہ کر ناگ جنگل کی پگ ڈنڈی پر دوڑنے لگا۔ کاؤنٹ  
نے اسے کہا تھا کہ وہ پندرہ منٹ کے بعد اس کے پیچھے  
اس کا شکار کرنے چل پڑے گا۔ ناگ کو بھلا کیا فرق پڑتا  
تھا۔ وہ جب کاؤنٹ کی نظروں سے درختوں کے پیچھے اوجھل  
رہ گیا تو سانس کھینچا اور عقاب بن کر فضا میں بلند ہوا۔  
درختوں کے اوپر اُپر اُپر اس نے ایک چکر لگایا اور دیکھا کہ



ہاؤنٹ تیرکمان نے اسی جگہ پر خاموش کھڑا تھا۔ وہ  
پندرہ منٹ گزار رہا تھا۔ وہ اڑتا ہوا دوسری طرف  
گیا جو جنگلی راستہ پہاڑی کی طرف جاتا تھا اس راستے  
پر کاؤنٹ کا نوکر اوٹو کتوں کو لے کر دوڑا جا رہا تھا۔  
جنگل کا ایک اور چکر لگا کر ناگ عقاب کی شکل میں واپس  
آیا تو دیکھا کہ کاؤنٹ اس جگہ پر نہیں تھا۔

ناگ عقاب ہی کی شکل میں درختوں کے اوپر سے اڑتے  
ہوئے آگے چلا ایک جگہ جنگل میں اس نے کاؤنٹ کو دیکھا  
کہ وہ درخت کی اوٹ میں چھپا ناگ کو تلاش کرنے کی  
کوشش کر رہا تھا۔ بھلا ناگ اسے کہاں اور کیسے مل سکتا  
تھا۔ وہ تو عقاب کی شکل میں اس کے اوپر اڑ رہا تھا  
کاؤنٹ جنگل میں آگے ہی آگے بڑھتا گیا اور یہ دیکھ کر  
بڑا حیران ہوا کہ اس کا شکار کہاں غائب ہو گیا تھا۔

اتنی جلدی اس کا کوئی بھی شکار کبھی اس کی نظروں  
سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ یقیناً یہ دبلا پتلا نوجوان کافی  
چالاک تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ لیکن آخر وہ بھاگ کر جائے  
گا کہاں؟ دور پہاڑی کی طرف سے کتوں کے بھونکنے  
کی آوازیں آرہی تھیں۔ اگر وہ میری نظروں سے غائب  
ہو گیا تو میرے خونخوار کتے اسے دبوچ لیں گے۔ کاؤنٹ

جھاڑیوں۔ کھڈ نالوں اور اونچی اونچی گھاس کے میدانوں سے  
اچھی طرح واقف تھا۔ لیکن اس بات سے اسے حیرت ضرور  
تھی کہ اس کا شکار اسے کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو جیسے  
زمین میں غائب ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود کاؤنٹ پوری  
طرح پر امید تھا۔ اسے یقین تھا کہ بہت جلد وہ اپنے شکار  
کو کہیں نہ کہیں مار گرائے گا

ناگ عقاب کی شکل میں اس کے اوپر آسمان پر اڑتا  
ہوا اسے برابر دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ کاؤنٹ پہاڑی کی  
ڈھلان پر آ گیا۔ سامنے سمندر تھا۔ اس نے سمندر کے کنارے  
اوٹو کو دیکھا کہ کتوں کو لئے کھڑا ہے۔ کتے آگے نہیں بڑھ  
رہے تھے۔ کاؤنٹ دوڑتا ہوا اوٹو کے پاس پہنچا اور غصے  
سے بولا۔

ان کتوں کو شکار کے پیچھے کیوں نہیں بھگاتے؟  
یہ یہاں کھڑے کھڑے کیا کر رہے ہیں؟  
اوٹو بھی عجیب تذبذب میں تھا۔ کہنے لگا۔  
کاؤنٹ! کتوں کو شکار کی بو نہیں آرہی۔ یہی  
وجہ ہے کہ وہ ایک جگہ رک گئے ہیں  
کاؤنٹ جھٹکا کر بولا۔

تم کیا بکواس کر رہے ہو؟ میرا شکار آخر اس جنگل



سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے؟ وہ یہیں کہیں ہو گا  
تم نے اس کے کپڑے کتوں کو شگھائے تھے؟  
اولو بولا۔

جناب! میں نے دوبار ناگ کے کپڑے انہیں  
شگھائے تھے۔

پھر یہ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ شکار کی بو  
پر کیوں نہیں جاتے؟ کاؤنٹ نے گونج کر کہا  
اولو بولا۔

کاؤنٹ! یہی سوچ کر تو میں پریشان ہوں  
کہیں ایسا تو نہیں کہ شکار کسی تالاب میں پانی کے  
اندر ڈبکتی لگا گیا ہو؟  
کاؤنٹ نے جنگل کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس جنگل میں اس پاس کوئی تالاب نہیں  
ہے دوسرے کوئی انسان اتنی دیر تک پانی کے اندر  
ڈبکتی لگا کر نہیں رہ سکتا۔  
اولو نے کہا۔

”تو پھر ضرور وہ کوئی چھلادہ تھا کاؤنٹ،“  
کاؤنٹ نے اولو کی طرف کھا جانے والی نظروں سے  
دیکھا اور غراہا۔

میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میرے ساتھ آؤ۔  
وہ اولو اور کتوں کو لے کر جنگل کی طرف بڑھا۔ ناگ اس  
وقت بھی ان کے سروں کے اوپر تھا۔ جنگل میں ناگ کو  
تلاش کرتے کرتے وہ اپنے محل کے قریب آئے تو انہوں  
نے ایک جگہ جھاڑیوں کے پاس وہ زنجیر پڑی دیکھی جو انہوں  
نے ناگ کے پاؤں میں باندھی تھی۔ زنجیر کسی جگہ سے  
بھی ٹوٹی نہیں تھی۔ اس کے سرے پر میرا ہر کا بلٹ  
اسی طرح بندھا ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ناگ  
نے عقاب کی شکل بدلی تھی تو اس کا پاؤں اپنے  
آپ زنجیر کے حلقے میں سے نکل گیا تھا۔ کاؤنٹ تو  
زنجیر کو درست حالت میں دیکھ کر دھنگ سا ہوا کہ وہ  
اولو! یہ آدمی بڑی ہوشیاری اور مہارت  
سے اپنا پاؤں زنجیر میں سے نکالنے میں کامیاب ہو  
گیا ہے مگر وہ بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا کتوں  
کو چھوڑ دو۔

کتوں نے کتوں کو چھوڑ دیا، سمجھ چکے تھے کہ ناگ کے  
پروں کی بو نہیں آرہی تھی۔ اس لئے وہ اپنی جگہ پر  
بٹھ کر وہیں ہلاتے رہے اولو نے کہا  
کاؤنٹ! ان کتوں کو شکار کی بو نہیں آرہی



ہے اس لئے وہ اپنی جگہ پر کھڑے ہیں  
 کاؤنٹ نے خونخوار کتوں کو زور سے لاتیں ماریں۔ کتے  
 چاؤں چاؤں کرتے اپنے نالک کے سامنے ایک طرف ہو کر  
 بیٹھ گئے۔ کاؤنٹ ہار ماننے والا نہیں تھا اس نے  
 اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولا۔

میں اسے ڈھونڈ کر رہوں گا۔ تم اسی جگہ  
 ٹھہرو میں جنگل میں اسے تلاش کرتا ہوں۔  
 کاؤنٹ جانے لگا تو ناگ عقاب کی شکل میں پھڑپھڑاتا ہوا  
 دوسری طرف جھاڑیوں میں اترا اور انسان کی شکل بدل لی انسان  
 کی شکل میں آتے ہی خونخوار کتوں کو اس کے کپڑوں کی بو  
 آنے لگی اور وہ بھونکتے ہوئے جھاڑی کی طرف لپکے کاؤنٹ  
 نے بے چینی سے کہا

شکار ان جھاڑیوں میں ہے اوٹو! اس  
 طرف بھاگو۔

کاؤنٹ اور اوٹو بھی کتوں کے پیچھے جھاڑیوں کی طرف بھاگے  
 جونہی وہ جھاڑیوں کے پاس آئے کتے ڈر کر پیچھے دوڑے۔  
 اوٹو اور کاؤنٹ ایک دم رُک گئے انہیں ایک زوردار پھنکار  
 کی آواز آئی اور پھر ایک پانچ چھ فٹ لمبا سیاہ سانپ  
 پھن اٹھائے ان کی طرف پھنکارتا بڑھ رہا تھا کاؤنٹ

نے خنجر زور سے سانپ کی طرف پھینکا۔ سانپ جھکولا  
 کھا کر ایک طرف ہو گیا۔ کاؤنٹ نے اب تیرکان سنبھال  
 لیا۔ ناگ جھاڑیوں کے پیچھے دینگتا ہوا گم ہو گیا۔ کتے جو  
 پہلے ڈرے ہوئے کھڑے تھے اب زمین پر منہ دکھ کر لیٹ  
 گئے۔ وہ سانپ سے خونزدہ ہو گئے تھے۔

کاؤنٹ نے اوٹو کو ڈانٹا۔

تم بھی سانپ سے ڈر گئے۔ سانپ تو جنگل  
 میں نکلتے ہی رہتے ہیں آگے بڑھو۔ ہمارا شکار یہیں  
 کہیں چھپا ہوا ہے۔

اوٹو کو کچھ شک پڑ گیا تھا کہ ان کا شکار کوئی عجیب و غریب  
 شخص ہے اور سانپ وغیرہ بھی اس کی مدد کر رہے ہیں  
 وہ کاؤنٹ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ کاؤنٹ ایک نامے  
 کے پاس آکر رُک گیا۔ اس کا شکار یہاں بھی نہیں تھا۔  
 دیر تک کاؤنٹ جنگل کی خاک چھانتا رہا۔ جب وہ تھک  
 کر چور ہو گیا تو واپس محل کی طرف لوٹا۔ اوٹو بھی تھک  
 گیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کاؤنٹ بغیر اپنے انسانی  
 شکار کے واپس محل میں آ رہا تھا۔ جونہی وہ محل کے  
 پہلے کمرے کے سامنے آیا تو یہ دیکھ کر وہیں ساکت  
 ہو کر رہ گیا کہ ناگ کمرے کے دروازے میں کھڑا اس



کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

کاؤنٹ ! تم تو کہتے تھے کہ تم مجھے ہر حالت میں شکار کر لو گے۔ اب کیا بات ہو گئی کہ ناکام واپس لوٹے ہو؟

کاؤنٹ نے فوراً کمان پر تیر چڑھایا اور آنا نانا ناگ پر چلا دیا۔ مگر ناگ بھی بیوقوف نہیں تھا۔ اس نے پہلے کہ تیر اس کو آکر لگتا وہ غائب ہو گیا تھا۔ کاؤنٹ یہی سمجھا کہ ناگ کمرے میں سبیلی کی سی تیزی سے بھاگ گیا ہے مگر حقیقت یہ تھی کہ ناگ نے ایک چھوٹے سانپ کی شکل بدل لی تھی اور فرش پر رینگتا ہوا کمرے کی دیوار سے جا کر چپک گیا تھا۔ اوٹو نے کہا

مرا کمرے میں نہ جائیں۔ یہ آدمی پر اسرار لگتا ہے مجھے۔

کاؤنٹ غرایا

بکواس بند کرو اوٹو۔ میرا شکار خود میرے کمرے میں آ گیا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔

اور اس کے ساتھ ہی کاؤنٹ کمرے میں گھس گیا۔

اتنی دیر میں ناگ سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا تھا۔ اوٹو نے کالے سانپ کو کمرے سے نکلتے دیکھا تو فوراً ایک طرف بھاگا۔ کتے پہلے ہی سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ سانپ نے زور سے پھنکار ماری تو کتے بھی وہاں سے دم دبا کر بھاگ گئے۔ اب کاؤنٹ بھی ہاتھ میں خفہ لئے ناگ کو تلاش کرتا کمرے سے باہر آ گیا۔ اس نے چیخ کر اوٹو کو آواز دی

ننگ حرام ! تم کہاں بھاگے جا رہے ہو؟  
اوٹو نے کاپیتی ہوئی آواز میں کہا

مرا سانپ ! سانپ سے بچیں۔ سانپ یہاں بھی آ گیا ہے۔

کاؤنٹ کو سانپ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار ادھر ادھر سانپ کو تلاش کرنے لگا۔ مگر سانپ کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کاؤنٹ غصے میں آ کر اوٹو کو گالیاں دینے لگا۔ اسے راہ داری میں سے ناگ کی آواز آئی۔

اپنے نوکر کو کیوں گالیاں دے رہے ہو کاؤنٹ میں تو تمہارے کمرے کی راہ داری میں ہوں۔



کیا تم مجھے شکار نہیں کرو گے۔

کاؤنٹ گھبرا گیا۔ ایک بار تو اسے پسینہ آ گیا۔ مگر آدمی بہادر تھا۔ ہار نہیں مان سکتا تھا۔ وہ بے اختیار ہو کر راہ داری کی طرف بھاگا۔



## جلتی ہوئی مشعل لاؤ!

کاؤنٹ دوڑتا ہوا راہ داری میں سے گزر گیا۔

راہ داری نیم روشن اور ویران تھی۔ جب وہ اپنے کمرے میں گیا تو کمرہ بھی خالی تھا۔ وہ بڑا پریشان ہوا کہ ابھی اس کے شکار نے اسے آواز دی تھی۔ وہ کہاں غائب ہو گیا؟ کاؤنٹ کمرے میں چاروں طرف تھکنے لگا۔ خنجر اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ اچانک اس کی نگاہ پھلت پڑ گئی تو دیکھا کہ چھت کے ساتھ ایک کالا سانپ بٹھا ہوا تھا۔ کاؤنٹ نے زور سے خنجر اس کی طرف اچھالا۔ خنجر ناگ کے بالکل قریب آ کر رگا اور پھر نیچے فرش پر گر پڑا۔

اس کے ساتھ ہی ناگ نے نیچے چھلانگ لگا دی اور کاؤنٹ کی گردن میں آ کر اس کے گرد کندل کس دیا۔ کاؤنٹ کا دم گھٹنے لگا۔ سانپ کا پھن اس کی آنکھوں کے سامنے تھا اور سانپ بار بار پھٹکار رہا



تھا۔ کاؤنٹ خوف کے مارے متحرقہتر کانپنے لگا۔ ناگ  
نے گردن کو اور زیادہ گھونٹا تو کاؤنٹ نیم جان ہو کر  
فرش پر گر پڑا۔ ناگ فوراً انسانی شکل میں آ گیا۔ ایک  
سانپ کو انسان کی شکل اختیار کرتے دیکھ کر کاؤنٹ  
دہشت زدہ ہو گیا۔ وہ بھٹی بھٹی آنکھوں سے ناگ کو تک  
رہا تھا۔ ناگ نے فرش پر سے خنجر اٹھا لیا اور کاؤنٹ  
کی گردن پر اس کی نوک رکھ کر بولا۔

اب تمہیں اچھی طرح سے علم ہو گیا ہوگا  
کہ تم کس انسان کو شکار کرنے کی حماقت کر  
رہے تھے۔  
کاؤنٹ کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اس نے  
سہمی ہوئی آواز میں کہا  
تم... تم کون ہو؟  
ناگ بولا۔

یہ تو میں تمہیں کبھی بھی نہیں بتا سکتا۔ تم  
نے جو کچھ دیکھا ہے بس اسی سے جتنا اندازہ لگا  
سکتے ہو اندازہ لگا لو۔ میں اگر چاہتا تو تمہیں ڈس  
کر ہلاک کر سکتا تھا۔ مگر میں ابھی تمہیں نہیں مارنا چاہتا  
میں تم سے اعتراف کرتا چاہتا ہوں کہ تم اس سے

پہلے کتنے بے گناہ انسانوں کی جان لے چکے ہو؟  
کاؤنٹ ابھی تک فرش پر پڑا تھا۔ اس نے کہا  
اگرچہ میں نے بہت سے انسانوں کی جان  
لی ہے مگر میں اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوں۔ مجھے  
چھوڑ دو۔ آئندہ میں یہ کام کبھی نہیں کروں گا۔  
کاؤنٹ مکاری سے کام لے رہا تھا۔ اس کی جیب  
میں ایک شکاری چاقو بھی تھا۔ اس نے پھرتی سے وہ  
چاقو جیب سے نکالا اور ناگ پر حملہ کر دیا۔ ناگ تیزی  
سے اچھل کر پرے ہٹ گیا اور پرے ہٹتے ہی اس نے  
سانپ کی شکل بدلی اور پھنکارتا ہوا کاؤنٹ کے پیچھے آ گیا  
کاؤنٹ سانپ کو مارنے کے لئے گھوما ہی تھا کہ ناگ نے  
اس کی پنڈلی پر ڈس دیا اور پورے کا پورا زہر اس کے  
جسم میں داخل کر دیا۔ ناگ کا کسی کے جسم میں پورا زہر  
داخل کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ کاؤنٹ کا جسم ایکدم  
سُن ہو کر پتھر کا ہو گیا۔ وہ دھڑام سے ایک بار پھر  
فرش پر گرا اور اس کے جسم کا رنگ ایک سیکنڈ کے  
اندر اندر پہلے نیلا اور پھر سیاہ پڑ گیا اور چھوٹنے لگا۔  
ناگ انسانی شکل میں آ کر دروازے کی طرف بڑھا تو اس  
نے وہاں کاؤنٹ کے نوکر ادلو کو کھڑے دیکھا



ناگ کو سانپ سے انسانی شکل میں آتے دیکھتے ہی اوٹو  
نے ہاتھ جوڑے اور گڑا گڑا کر کہا

مجھے معاف کر دو دیوتا۔ میرا کوئی قصور نہیں  
ہے۔ میں نے کبھی کسی انسان کو ہلاک نہیں کیا۔ میرا  
گناہ صرف یہ ہے کہ میں نے اس خوفی شخص کا  
ساتھ دیا۔

ناگ نے کہا

اپنے خوفی مالک کی لاش کو لامٹھی کی مدد سے  
یکھینچ کر باہر صحن میں لے چلو۔

اوٹو نے اسی وقت ایک لامٹھی نکالی اور کاؤنٹ کی  
پھولی ہوئی سیاہ لاش کو دیکھتا کمرے سے باہر پرانے  
محل کے صحن میں لے آیا۔ ناگ پہلے سے وہاں موجود  
تھی۔ کاؤنٹ کی لاش پھول کر غبارہ بن گئی۔ ناگ  
نے اوٹو سے کہا

یہاں سے دور ہو جاؤ۔ لاش پھٹے گی تو  
انہیں کا زہر اڑے گا۔

ناگ اور اوٹو درختوں کے پیچھے آگئے۔ چند لمحوں میں  
کاؤنٹ کی لاش ایک دھماکے سے پھٹ گئی۔ ناگ اوٹو  
کو لے کر لاش کے قریب آیا۔ وہاں سیاہ لوتھڑوں کے

سوا کچھ نہیں تھا۔ ناگ نے لاش کے باقی بچے ہوئے  
ٹکڑوں کو تیل چھڑک کر آگ لگوا دی اور اوٹو سے کہا  
ظالم انسان اپنے انجام کو پہنچا۔ اب یہ بتاؤ  
کہ تم اب کیا چاہتے ہو؟  
اوٹو نے ہاتھ باندھ کر کہا

حضور! میں واپس اپنے وطن چلا جانا چاہتا ہوں  
لیکن اس محل کے عقبی صحن میں ایک اندھا کنواں ہے  
جہاں کاؤنٹ نے ایک بد قسمت انسان کو قید میں  
ڈال رکھا ہے جانے سے پہلے میں اس کو بھی  
آزاد کرانا چاہتا ہوں۔

اوٹو نے ناگ کو سامنے لیا اور اندھے کنوئیں پر پہنچا۔ اوٹو  
نے پتھر کی سل ہٹا کر نیچے رسی لٹکائی اور جھک  
کر کہا

ہیگمر! تمہاری رہائی کا وقت آگیا ہے۔ اس  
رسی کو تھام کر باہر نکل آؤ۔

کنوئیں میں اندھیرا تھا۔ نیچے سے کسی نے رسی  
کو پکڑ لیا۔ پھر اوٹو اور ناگ رسی کو کھینچنے لگے تھوڑی  
دیر بعد ہیگمر اس حالت میں کنوئیں سے باہر نکلا کہ وہ  
اوموا ہو رہا تھا۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ ہڈیاں نکل آئی



حقیں اور وارسی بڑھ گئی تھی۔ آنکھیں اندر کو دھنس چکی  
تھیں۔ وہ کنوئیں سے باہر نکلتے ہی زمین پر لیٹ گیا اور  
لبے لبے سانس لینے لگا۔

اوٹو اور ناگ نے اس کے منہ میں پانی ڈالا۔ پھر اسے  
اٹھا کر محل کے ایک کمرے میں لے گئے۔ اوٹو نے اسے دلیا  
کھلایا۔ گرم گرم قہوہ پلایا۔ سیگری کو کچھ ہوش آیا تو اس  
نے کہا

کاؤنٹ مجھے دوبارہ تو کنوئیں میں نہیں گرا

دے گا؟

اوٹو نے اسے کہا

گھبراؤ نہیں بھائی۔ کاؤنٹ مر چکا ہے

ناگ نے سیگری کے کاندھے پر آہستہ سے ہاتھ رکھ کر کہا  
تم آزاد ہو۔ اب تم جا سکتے ہو۔ کاؤنٹ  
اپنے انجام تک پہنچ گیا ہے۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں  
کے گا؟

سیگری اتنا خوف زدہ تھا کہ جلدی سے اٹھا اور سمندر کی  
طرف دوڑ پڑا۔ اوٹو نے کہا

اسے سمندری بندرگاہ سے کوئی نہ کوئی  
مل جائے گا۔ وہ اب آزاد ہے۔

ناگ نے محل کی طرف دیکھا اور اوٹو سے کہا  
اوٹو! یہ محل ایک منحوس اور گھناؤنے انسان  
کی یادگار ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے آگ لگا دی  
جائے تاکہ اس کے ساتھ ہی بدنصیب انسانوں کی یادگار  
بھی ختم ہو جائے۔  
اوٹو بولا۔

میرے مالک! میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔  
اس منحوس محل کو ختم کر دینا چاہیے۔

اوٹو باورچی خانے میں گیا اور مٹی کے تیل کا کنستراٹھا لایا  
اس نے محل کے چاروں طرف تیل چھڑک کر آگ لگا  
دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے محل کے لکڑی کے دروازوں اور لکڑی  
کے چھتوں کو آگ لگ گئی اور شعلے بلند ہونے لگے۔  
اوٹو نے کتوں کو پہلے ہی نکال کر جنگل کی طرف چھوڑ دیا  
تھا۔ ناگ اور اوٹو محل سے دور ایک ادنیٰ جگہ پر  
کھڑے ہو کر محل کو جلتے دیکھ رہے تھے۔ ناگ کو معلوم  
ہی نہیں تھا کہ محل کے ایک کمرے میں ماریا تو کے  
بچے میں قید پڑی ہے۔

جب آگ کے شعلے راہ داری کی طرف پہنچے تو  
ناگ نے دیکھا کہ راہ داری کے ستارپک دروازے میں سے



کوئی چیز تیزی سے باہر نکل کر فضا میں بلند ہوئی  
اور پھر گھاس پر گر پڑی ہے۔ ناگ لپک کر اس طرف  
گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ گھاس پر گر پڑی چیز آٹو کا ایک  
چھوٹا سا پیچہ پڑے۔ ناگ تعجب کرنے لگا کہ یہ پیچہ  
اپنے آپ کیسے اندر سے اچھل کر باہر آگیا۔ ضرور اس  
پر کسی نے طلسم کیا ہوگا۔ اولو نے ناگ سے کہا

سر! یہ پیچہ ہمیں سمندر کے کنارے ایک بالن  
کی ٹوکری سے ملا تھا اور کاؤنٹ اسے خوش قسمتی  
کی علامت سمجھ کر اٹھا لیا تھا۔ یہ اس کے کمرے  
میں دیوار پر لگا تھا۔  
ناگ نے کہا

اگر یہ خوش قسمتی کی علامت ہوتا تو کاؤنٹ کا انجام  
اتنا بھیانک نہ ہوتا۔ یہ محض توہمات ہوتے ہیں  
دنیا میں سوائے انسان کے نیک عمل کے اور کوئی  
بھی شے خوش قسمتی کی علامت نہیں ہوتی۔ انسان کا  
نیک عمل ہی اس کو خوش قسمتی عطا کرتا ہے۔  
اولو بولا۔

حضور! یہ آٹو کا پیچہ اپنے آپ کمرے سے  
اڑ کر باہر آیا ہے۔ ضرور اس پر کسی نے جادو کیا

ہوا ہے۔ آپ اسے آگ میں پھینک دیں۔  
ناگ نے کہا

پیچہ خود آگ سے باہر آیا ہے۔ میں اسے  
آگ میں پھینک کر اس پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ میں  
اسے اپنے پاس رکھوں گا۔ مجھ پر جادو کا اثر  
نہیں ہوتا۔  
اولو نے سر جھکا کر کہا

حضور آپ بہت عظیم دلیوتا ہیں۔ آپ  
پر بھلا جادو کیا اثر کرے گا۔  
ناگ نے فوراً کہا

اولو جادو برحق ہے مگر یاد رکھو کہ جادو کا  
اثر ہمیشہ کمزور انسانوں پر ہوتا ہے۔ جس کا کردار مضبوط  
ہو اور اپنے خدا پر ایمان پختہ ہو اس پر جادو کا  
اثر کبھی نہیں ہوتا۔ میرا کردار مضبوط ہے اور  
مجھے اپنے خدا پر یقین ہے۔ اس لئے اس پیچے  
کا جادو مجھ پر اثر نہیں کر سکتا۔

اور ناگ نے ماریا کے پیچے کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔  
ماریا کو ناگ کی بڑی تیز خوشبو آنے لگی تھی۔ آگ کے  
شعلوں کو قریب آتا دیکھ کر ماریا کے پیچے میں ایک ایسی



طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اپنے آپ اچھل کر آگ سے  
باہر آ گیا تھا۔ اب ماریا کو ناگ کی بے حد تیز خوشبو آئی تو  
وہ سمجھ گئی کہ وہ ناگ کے بہت قریب آ گئی ہے۔  
محل آگ کے شعلوں میں بدل چکا تھا۔ ناگ نے اوٹو  
سے کہا

اوٹو! میں اب جنگل کی راہ لیتا ہوں۔ وہاں میرے  
دوسرے دوست میرا انتظار کر رہے ہیں۔ خدا حافظ۔  
ناگ وہاں سے چل دیا۔

محل سے دور پہنچ کر اس نے عقاب کی شکل بدلی  
اور فضا میں اڑتا واپس تھیوسانگ اور عنبر کیٹی کے پاس  
پہنچ گیا۔ اس وقت رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا  
تھا۔ عنبر کیٹی اور تھیوسانگ نے ناگ کو دیکھا تو خدا  
کا شکر ادا کیا۔ عنبر بولا۔

میں تو تم سے ناامید ہو چکا تھا۔  
کیٹی نے پوچھا۔

ناگ جیسا! تم نے اتنی دیر کہاں لگا دی؟  
ناگ نے کہا۔

ابھی سناتا ہوں ایک دلچسپ کہانی۔  
پھر ناگ نے شروع سے لے کر آخر تک کاؤنٹ اور اس کے

پر اصرار محل کی ساری داستان سنا ڈالی۔ اس کے بعد  
کہنے لگا۔

وہاں ایک عجیب واقعہ بھی ہوا۔  
عنبر اور تھیوسانگ ناگ کی طرف نکلنے لگے۔ کیٹی نے پوچھا  
کیا ماریا کا کوئی سراغ مل گیا تھا؟  
ناگ نے اس کو کہنا

ماریا کا سراغ مل جاتا تو اور کیا  
چاہیے تھا۔

عنبر نے کہا

تو پھر کیا عجیب واقعہ پیش آیا تمہیں؟  
ناگ نے جیب سے اوٹو کا بیج نکال کر سامنے رکھ دیا اور بولا  
جب محل کو آگ لگی تو اس کی راہ داری  
سے یہ اوٹو کا بیج اپنے آپ ہوا میں اڑتا ہوا آیا اور  
میرے بالکل قریب آ کر گھاس پر گر پڑا

تھیوسانگ عنبر اور کیٹی نے غور سے باری باری اس  
بیج کو دیکھا جس میں ماریا قید تھی۔ ماریا کو اب ناگ  
کے علاوہ تھیوسانگ عنبر اور کیٹی کی بھی بڑی تیز  
خوشبوئیں آنے لگی تھیں۔ وہ دل میں بے حد خوش  
ہوئی کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کے پاس پہنچ گئی ہے



مگر وہ بے بس تھی۔ نہ انہیں دیکھ سکتی تھی اور نہ  
آواز ہی دے سکتے تھے عنبر بولا۔  
واقعی یہ تو کسی آٹو کا بیجنہ ہے  
کیٹی نے کہا

اس پر ضرور کسی نے جادو کیا ہوا ہے۔ میں  
تو کہتی ہوں اسے پھینک دو۔ کہیں ہم پر بھی  
جادو کا اثر نہ ہو جائے۔

ناگ قہقہہ مار کر ہنسا

بھٹی واہ! بھلا تم پر جادو کا اثر کیوں  
ہو گا تم اور تھیوسانگ تو خلائی مخلوق ہو۔  
کیٹی منہ بنا کر بولی۔

اس سے پہلے کئی بار مجھ پر جادو کا  
اثر ہو چکا ہے۔ کم بخت اس زمین کے جادوگر بڑے  
تیز اور عیار ہیں۔

تھیوسانگ نے بھی کیٹی کی حمایت کی اور کہا کہ آٹو کے  
پینچے کو جنگل میں کسی کھڈنارے میں پھینک دینا چاہیے  
مگر ناگ کہنے لگا۔

میرے بھائی! میری بہن کیٹی! مجھے ایسے  
لگتا ہے کہ کہ محل کی آگ میں سے نکل کر اس

پینچے نے میرے قدموں میں پناہ لی تھی۔ میں اسے  
اپنے سے الگ نہیں کرنا چاہتا۔ کیوں عنبر بھائی!  
تمہارا کیا خیال ہے۔  
عنبر گردن کو ذرا سا جھٹک کر بولا۔

اگر رکھنا چاہتے ہو تو رکھ لو اپنے پاس کوئی  
حرج بھی نہیں ہے۔

مگر تھیوسانگ اور کیٹی اس خیال کی زبردست مخالفت  
کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عنبر کو بھی انہوں نے قائل کر لیا  
کہ ہمیں آٹو کے طلسمی پینچے کو پھینک دینا چاہیے۔  
کہیں خواہ مخواہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ چنانچہ  
عنبر نے ناگ سے کہا

میرا خیال ہے کیٹی اور تھیوسانگ ٹھیک  
ہی کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم قسمت سے  
چاروں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اب ہمیں ماریا کی تلاش  
ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طلسمی پینچے کی وجہ سے  
ہم ایک بار پھر جدا ہو جائیں اور ماریا کی تلاش  
تپش میں ہی رہ جائے۔ بہتر یہی ہے کہ آٹو کے  
پینچے کو پھینک دو۔ آخر ہمیں اس سے کیا  
لینا ہے؟



انہیں خبر ہی نہیں تھی کہ جس ماریا کو وہ تلاش کر رہے ہیں وہ اسی پنجنے میں قید ہے۔ ناگ کو ان سب کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے۔ اس نے آٹو کے پنجنے کو اٹھایا اور بولا۔

اگر تم سب کی یہی رائے ہے تو میں اسے پھینک آتا ہوں۔  
 ناگ ماریا کے پنجنے کو لے کر جنگل میں ایک طرف چل دیا۔ کچھ دور جانے کے بعد ایک چھوٹی سی کھڈ آگئی۔ ناگ نے پنجنے کو اس کھڈ میں پھینک دیا۔ جب اس نے پنجنے کو کھڈ میں پھینکا تو اسے یوں لگا جیسے اسے کسی عورت کی بے حد کمزور سی آواز سنائی دی ہو ناگ ایک لمحے کے لئے سوچنے لگا۔ پھر اسے اپنا وہم یا پنجنے کے طسم کا خیال کر کے واپس تھیوسانگ اور کیٹی اور عنبر کے پاس آگیا۔ رات ہو گئی تھی۔ انہوں نے رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا اور گھاس پر ایک جگہ بیٹھ کر ماریا کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ جس ماریا کو وہ تلاش کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ اسے ناگ خود اپنے ہاتھوں ایک پہاڑی کھڈ میں پھینک آیا تھا۔ سنا تو ان میں سے کسی

کو نہیں تھا۔ بس اسی طرح باتیں کرتے ہوئے رات گزر گئی۔ صبح ہوئی تو تھیوسانگ ناگ کیٹی اور عنبر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور عام مسافروں کی طرح سفر پر روانہ ہو گئے۔ ان کا ارادہ سمندر کے کنارے کسی بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہو کر ملک روم کی طرف جانے کا تھا۔ تھیوسانگ کا خیال تھا کہ روم میں ماریا کا شاید کچھ پتہ چل جائے۔

کھڈ میں گرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی ماریا نے محسوس کیا کہ تھیوسانگ ناگ عنبر اور کیٹی کی وہ خوشبو جو پہلے بہت ہی قریب سے آرہی تھی اب آہستہ آہستہ اس سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ ماریا دیکھ تو سکتی نہیں تھی اور سن بھی نہیں سکتی تھی۔ آٹو کے پنجنے میں بند ویسے ہی کھڈ میں پڑی دل میں افسوس کرتی رہی کہ شاید اس کے دوست اسے ایک بیکار شے سمجھ کر پھینک کر چلے گئے ہیں۔ رات گزر گئی۔ دن بھی گزر گیا۔ تھیوسانگ عنبر ناگ اور کیٹی کو ملک روم کی طرف جانے والا ایک جہاز مل گیا جس پر سوار ہو کر وہ سمندر میں سفر کرنے لگے۔

ماریا کا آٹو کا پنجنہ اسی طرح کھڈ کے اندر پڑا رہا۔ تیسری رات کو بادل گھر کر آ گئے اور بڑے زور سے گر بنے لگے پھر ساری رات بارش رہتی رہی۔ ماریا کا پنجنہ کھڈ میں پڑا



بارش میں بھیکتا رہا۔ کاؤنٹ کے محل کی آگ دو روز تک  
 جلتی رہی۔ سارا محل جل گیا۔ بارش ہوئی تو آگ بجھ گئی مگر  
 محل کے درو دیوار کھنڈر بن چکے تھے۔ اسی طرح کئی روز  
 گزر گئے۔ اتفاق سے ادھر ایک خانہ بدوش قافلے کا گزر  
 ہوا۔ اس قافلے نے جنگل میں آکر قیام کیا کیونکہ رات  
 ہو گئی تھی۔ یہ مصری خانہ بدوش تھے اور افریقہ کے جنگلوں  
 شہروں قبضوں میں سفر کرتے تماشے دکھا کر روزی کماتے ملک  
 روم کی طرف جا رہے تھے۔ جنگل میں رات ہوئی تو وہیں  
 پڑاؤ ڈال لیا۔ اس قافلے میں کچھ عورتیں اور بچے بھی  
 تھے۔ بوڑھے اور جوان مرد بھی تھے ان کے پاس خچریں  
 تھیں جن پر اپنے خیمے لادے وہ سفر کر رہے تھے۔ رات  
 کو جنگل میں انہوں نے آگ جلا کر الاؤ روشن کیا اور عورتیں  
 کھانا وغیرہ لگانے لگیں اور مرد خیمے لگا کر ان کے سامنے  
 بیٹھ کر سفر کی باتیں کرنے لگے۔

رات گزر گئی۔ سورج کی روشنی نے جنگل میں صبح کا  
 اُجالا پھیلادیا تو خیمے کے ایک غریب بازی گر کی بیٹی  
 نتالی نہانے کے لئے کھڑ میں بہتے نالے میں اتر گئی  
 یہی وہ کھڑ تھی جہاں ماریا آؤ کے پتھے میں قید وہاں  
 پڑی تھی۔ لڑکی نتالی کی عمر سولہ سترہ سال تھی اس کے

بال لمبے اور سنہری تھے۔ کانوں میں سنہرے تھکے اور  
 آنکھیں سیاہ تھیں۔ وہ نالے میں اتر کر نہانے لگی۔ پہاڑی  
 چٹھے سے بہنے والا پانی ٹھنڈا اور صاف تھا۔ خانہ بدوش  
 لڑکی نتالی دیر تک بڑے مزے سے نہاتی رہی۔ جب اس  
 جی بھر گیا تو نالے سے نکل کر اس نے کپڑے پہنے اور نالے  
 کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ کر نالے میں اپنا عکس دیکھنے  
 ہوئے بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔ کنگھی کر کے اس نے بالوں  
 کا جوڑا بنا کر پیچھے باندھا اور اٹھ کر اپنے خیموں کی طرف  
 چلنے لگی تو اچانک اس کی نگاہ گھاس پر ایک جگہ پڑے  
 آؤ کے پتھے پر پڑ گئی۔

وہ خانہ بدوشوں کی بیٹی تھی اور خانہ بدوشوں میں  
 آؤ کے پتھے کو خوش بختی کی علامت سمجھا جاتا تھا اور  
 نتالی آؤ کے پتھے کو پہچانتی تھی۔ اس نے آؤ کے پتھے  
 کو اٹھا لیا اور اپنے خیمے میں آکر اپنی ماں کو دکھایا۔  
 ماں خوش ہو کر بولی۔

بیٹی نتالی اسے اپنے گلے میں بہن لے  
 تیرا بیاہ کسی راجہ کے بیٹے سے ہوگا۔

اور دوسری عورتیں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ نتالی نے  
 تنک کر کہا



تم کیوں ہنستی ہو؟ کیا میری شادی کسی راجہ  
کے بیٹے سے نہیں ہو سکتی؟

نتالی کی ماں نے اسے پیار کیا اور بولی

ارے یہ تو تمہیں مذاق سے چھیڑ رہی تھیں  
بھلا تیرا بیاہ کسی شہزادے سے کیوں نہیں ہو سکتا۔  
چل اب جا کر روٹی کھا لے۔ مکھن میں نے نکال دیا ہے  
ان خانہ بدوشوں میں ایک بوڑھی عورت ایسی بھی تھی جو ہاتھ  
دیکھ کر لوگوں کو قسم کہ حال بتایا کرتی تھی۔ جب اسے  
بتا چلا کہ نتالی کو جنگل میں سے اٹو کا پنجنہ ملا ہے۔ تو  
س نے نتالی کی ماں سے کہا

ارے سنا ہے تیری بیٹی نتالی کو اٹو کا پنجنہ

ملا ہے؟

نتالی کی ماں بولی

وہ جنگل میں نہا رہی تھی کہ ایک جگہ  
پڑا ہوا مل گیا خالص۔ اٹو کا پنجنہ ملنا خوش بخمتی  
ہوتی ہے نا؟

خانہ بدوش عورت بولی۔

کبھی کبھی اٹو کا پنجنہ مصیبت بھی لے  
آتا ہے کہتے ہیں قلو پطرہ ملکہ نے اس لئے اپنے

آپ کو سانپ سے ڈسوا لیا تھا کہ اس کے گھٹے  
میں بھی اٹو کا پنجنہ ہوا کرتا تھا۔

نتالی کی ماں بڑی وہی عورت تھی اس نے کہا

جب تو میں ابھی نتالی کے گھٹے سے یہ محسوس  
پنجنہ اتر دئے دیتی ہوں۔

اس نے نتالی کو آواز دے کر بلایا اور کہا

اری یہ پنجنہ بڑا محسوس ہے اسے اتار کر

پھینک دے خالہ کہتی ہے۔ قلو پطرہ نے بھی یہی  
پنجنہ پہنا تھا۔  
نتالی بولی۔

اماں میں نہیں اتاروں گی اسے۔ یہ مجھے  
اچھا لگتا ہے۔ دیکھو اس کی وجہ سے میری کھانسی  
بند ہو گئی ہے۔

نتالی کی ماں نے محسوس کیا کہ واقعی نتالی کو رات ہے  
جو کھانسی آ رہی تھی اب رک گئی ہے۔ حالانکہ اس میں  
اٹو کے پنجنے کی کوئی کرامت نہیں تھی۔ یہ ویسے ہی نتالی  
کا گلہ گرم قہوہ پینے اور غرارے کرنے سے ٹھیک ہو گیا  
تھا مگر خانہ بدوش لوگ بڑے وہی ہوتے ہیں۔ بات بات  
میں سے شگون نکالتے ہیں۔ نتالی کی ماں بھی سخت وہی



تھی۔ اس نے خانہ بدوش خالہ کی طرف دیکھ کر کہا  
خالہ! نتالی کے لئے یہ پیچہ بڑا مبارک  
ہے۔ اس کی کھانسی رک گئی ہے۔

خانہ بدوش خالہ نے کہا

اری نتالی! ذرا یہ پیچہ مجھے بھی تو  
دکھا، دیکھوں تو کیسا ہے۔

نتالی نے قریب آکر خانہ بدوش خالہ کو اپنے گلے میں  
پڑا ہوا پیچہ دکھایا تو وہ ایک چپ سی ہو کر رہ گئی۔  
اگرچہ وہ کوئی جادوگر نہ تھی مگر اس خانہ بدوش  
بڑبڑی خالہ کو قیافہ شناسی کا علم آتا تھا۔ لوگوں کے ہاتھ  
کی لکیریں دیکھتے دیکھتے ایک عمر گزر گئی تھی۔ اسے اٹو کے  
اس پیچے میں ایک ایسی شے نظر آئی جو اس سے پہلے  
اس نے کسی پیچے میں نہیں دیکھی تھی۔ بڑی تجربہ کار  
اور عیار عورت تھی سمجھ گئی کہ یہ بڑا نایاب پیچہ ہے  
اور وہ روم جاکر کسی امیرزادی کے ہاتھ اسے سونے کے  
سکوں کے عوض فروخت کر سکے گی۔ چنانچہ اس نے  
نتالی سے کہا

اری نتالی! تیرا کہنا بالکل درست ہے یہ  
پیچہ تیرے لئے مبارک ہے۔ لیکن اگر میں اس پر

عمل پڑھ کر پھونک دوں تو اس کا اثر دوگنا ہو جائے  
گا اور پھر تیرا بیاہ ضرور کسی شہزادے سے ہوگا۔  
نتالی بڑی خوش ہوئی۔ خانہ بدوش خالہ سے کہنے لگی۔  
خالہ ابھی اس پر عمل پڑھ دے۔ میں تجھے  
علوہ پکا کر کھلاؤں گی۔  
عیار خالہ بولی۔

کھڑے کھڑے عمل تھوڑے پڑھا جاتا ہے  
بھلا تو اسے اتار کر مجھے دے دے۔ آدھی رات  
کو میں اس پر عمل پڑھوں گی۔ صبح تم لے لینا۔  
نتالی کی ماں نے کہا  
ہاں نتالی دے دے پیچہ خالہ کو۔ اری پھر  
تیرا بیاہ شہزادے سے ہوگا۔

اور نتالی کی ماں کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ نتالی نے اسی  
وقت پیچہ اتار کر خانہ بدوش خالہ کو دے دیا۔ خالہ اسے  
اپنے خیمے میں لے گئی۔ آدھی رات کو اس نے عمل کیا  
پڑھنا تھا۔ اس کے پاس اسی قسم کا ایک دوسرا اٹو  
کا پیچہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے ماریا والا اٹو کا پیچہ اپنے  
پاس رکھ لیا اور دوسرا پیچہ صبح نتالی کو دے دیا  
اور کہا۔



میں نے اس پر عمل پیرہ دیا ہے۔ اب تیری شادی کسی شہزادے سے ہی ہوگی۔  
نتالی بڑی خوش ہوئی اور اس نے نقلی پنچہ اپنے گلے میں پہن لیا۔

دوسرے روز یہ خانہ بدوشوں کا قافلہ سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شام کو وہ ساحل سمندر کی ایک بندرگاہ پر جا پہنچا۔ وہاں سے وہ ایک بادبانی جہاز پر سوار ہو کر ملک روم کی طرف روانہ ہو گئے اس سے پہلے تھیوسانگ، ناگ کیٹی اور عنبر کا جہاز روم پہنچ چکا تھا۔ روم میں ان دنوں یوراکس بادشاہ کی حکومت تھی۔ جس نے اپنے ظلم و ستم میں شہنشاہ نیرو کو بھی مات کر دیا تھا۔ وہ کھڑے کھڑے انسان کی کھال کھینچا دیتا۔ آدمیوں کو دیکھتے کونلوں پر جھبون کر خوش ہوتا۔ انہیں بھوکے مگر مچھوں اور زہریلے سانپوں کے آگے ڈال دیتا اور پھر ان کی المناک موت سے لطف حاصل کرتا۔ سارا دربار اور رعایا اس کے ظلم سے ڈرتی تھی۔ اس بادشاہ یوراکس کو پارلیمنٹ کے اراکین اور فوج کے سرنسیلوں کی حمایت حاصل تھی جن کو بادشاہ نے اولے بدلے کے طور پر لوٹ کھسوٹ اور مسرتی کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔

تھیوسانگ، عنبر ناگ اور کیٹی حسب عادت روم شہر کی ایک پرانی سڑک میں جا کر ٹھہر گئے۔ ان کے پاس خراج کے لئے پیسے ختم ہو گئے تھے۔ صرف اتنی ہی رقم تھی کہ جس کے بدلے میں امیر، کارواں سرائے میں ایک ہفتہ ٹھہرنے کے لئے دو کوٹھڑیاں مل گئیں۔ ایک کوٹھڑی میں کیٹی رات کو آرام کرتی اور دوسری کوٹھڑی میں عنبر ناگ اور تھیوسانگ محفوظی ویر آرام کر لیتے۔ روم شہر اس زمانے کا بہت بڑا اور عالیشان محلات والا شہر تھا۔ شہر کے باہر ان غلاموں کے جھونپڑے بھی تھے جو جاگیرداروں کی زمینوں پر صبح سے شام تک کام کرتے اور بد حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ حبشی اور ہندی غلام جاگیرداروں اور رومن نوابوں کے زر خرید غلام تھے اور انہیں سوائے روکھی سوکھی روٹی کے اور کچھ نہیں ملتا تھا۔ جاگیرداروں کے گھر سے دار کھیتوں میں ان کی نگرانی کرتے تھے اگر کوئی غلام فرار ہونے کی کوشش کرتا تو جاگیرداروں کے سپاہی انہیں دوسرے غلاموں کے سامنے درخت پر الٹا لٹکا کر ہلاک کر ڈالتے تھے۔

تھیوسانگ نے روم میں آتے ہی سانس بھرتے ہوئے کہا مجھے یہاں سے بھی ماریا کی خوشبو نہیں آرہی۔



اریا کی خوشبو کیٹی، ناگ اور عنبر کو بھی نہیں آ رہی  
 ا۔ پھر بھی عنبر نے کہا۔

ہمیں ماریا کی تلاش کا کام نہیں چھوڑنا  
 چاہیے کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس پر کسی ظلم  
 کا اثر ہو گیا ہو جس کی وجہ سے اس کے جسم سے  
 خوشبو نہ آ رہی ہو۔  
 کیٹی نے کہا

ہمارے پاس اب خرچ کرنے کے لئے کوئی  
 سکہ نہیں ہے اور روم میں ہم رقم کے بغیر نہیں  
 رہ سکیں گے۔ سب سے پہلے تو کارواں ہمارے  
 کا مالک ہمیں ہمارے سے نکال دے گا۔  
 عنبر نے ناگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا  
 اس کا علاج تو ناگ کے پاس ہی ہے یہ  
 ہمارے خزانے کی کنجی ہے۔

تھیوسانگ نے ناگ سے کہا  
 ناگ بھائی! کیا خیال ہے تمہارا۔ یہاں  
 روم میں تو بہت سے خزانے دفن ہوں گے اپنے  
 کسی سانپ سے کہو کہ وہ ہمیں خزانے میں سے  
 دو چار قیمتی موتی نکال کر لا دے کہ جن کو فروخت

کمر کے ہم یہاں کچھ روز رہ سکیں۔  
 ناگ بولا۔

یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ میں آج ہی  
 کسی سانپ سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔  
 ناگ دوپہر کے بعد اکیلا ہی روم شہر کا دریا عبور کر کے  
 دوسری طرف اونچی نیچی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں چلا گیا۔  
 اس نے ایک جگہ کچھ پرانے کھنڈر دیکھے تو وہاں کے  
 کسی سانپ کو آواز دی۔ ناگ کی دوسری آواز پیر  
 پتھروں کے نیچے سے ایک بھورے رنگ کا سانپ  
 باہر نکل آیا۔ اس نے ناگ دیوتا کو سر جھکا کر سلام  
 کیا اور کہا

عظیم ناگ دیوتا کا یہاں آنا ہمارے لئے  
 برکت کا باعث ہے۔ میں آپ کی کیا خدمت  
 کر سکتا ہوں۔

ناگ نے اسے اپنا مقصد بیان کیا تو مجبوراً سانپ بولا۔  
 عظیم ناگ دیوتا! اس کھنڈر کے نیچے سکندر اعظم  
 سے بھی پہلے کا ایک انتہائی قیمتی خزانہ دفن ہے  
 یہ خزانہ سکندر اعظم کے دادا نے جب اس  
 محل کو بنوایا تھا تو یہاں دفن کر دیا تھا۔ رومیوں نے



اس شہر کو فتح کر کے محل کو تباہ و برباد کر دیا مگر  
 رومی یہ خزانہ نہ نکال سکے۔ میں آپ کو ابھی  
 اس انمول خزانے سے موتی لا کر دیتا ہوں۔  
 ناگ نے کبھی لاپچ نہیں کیا تھا۔ اسے لاپچ کی ضرورت  
 بھی نہیں تھی۔ اس کو جتنی ضرورت موتی تھی صرف اتنی  
 ہی دولت خزانے سے حاصل کرتا اور پھر اس خزانے  
 کو بھول جاتا تھا۔ اس بار بھی ناگ نے سانپ کو  
 خزانے سے دو قیمتی موتی لانے کے لئے کہا تھا۔ سانپ  
 تھوڑی دیر میں دو سیاہ موتی لے کر آگیا اس نے ناگ  
 کے قدموں میں ڈال دیئے اور بولا۔

عظیم ناگ دیوتا! یہ سیاہ موتی دنیا میں آج کل  
 کہیں بھی نہیں ہیں یہ سکندر اعظم کے دادا کے خزانے  
 میں ہوتے تھے اور اب بھی ہیں۔ میں یہ آپ کی  
 خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

ناگ نے سیاہ موتیوں کو دیکھا۔ وہ آلوچے کے برابر تھے اور  
 ان کا رنگ سیاہ اور بے حد چمکیلا تھا۔ سیاہ موتی واقعی  
 دنیا میں بہت نایاب ہیں۔ ناگ کو ان سے زیادہ دلچسپی  
 نہیں تھی۔ وہ تو انہیں بیچ کر اتنی رقم حاصل کرنا چاہتا  
 تھا کہ روم میں کچھ دن رہ کر ماریا کا کھوج لگا سکے۔ اس

نے مجبور سے سانپ کا شکریہ ادا کیا اور موتی جیب میں  
 ڈال کر کہاں کہاں سے لائے ہیں آکر تھیوسانگ کیٹی اور عنبر کو  
 دکھائے۔ عنبر نے کہا

یہ تو بڑے نایاب موتی لگتے ہیں ناگ!

تھیوسانگ بولا۔

سفید موتی تو عام مل جاتے ہیں مگر سیاہ موتی  
 بہت کم پائے جاتے ہیں۔

کیٹی کہنے لگی۔

ان باتوں کو چھوڑو اسے بازار میں جا کر فروخت  
 کرنے کی کوشش کرو۔

عنبر بولا۔

موتی بڑے قیمتی ہیں۔ ہو سکتا ہے تم پر

دکاندار شک کرے۔

ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے کہ یہ کام کیٹی کو کرنا چاہیے۔

کیٹی بولی۔

میرا انتخاب کس لئے کیا جا رہا ہے؟

ناگ نے کہا۔

اس لئے کہ تم نوجوان لڑکی ہو۔ تم کہہ سکتی ہو کہ



ایک جاگیردار کی کنیز ہوں اور اس کی بیوی نے یہ  
موتی فروخت کرنے کے لئے دیئے ہیں۔ لڑکی پر  
یہ لوگ کم ہی شک کریں گے۔  
عنبر نے کہا۔

ناگ ٹھیک کہتا ہے کہ ہم میں سے کوئی گیا  
تو ہو سکتا ہے دکاندار یہ سمجھے کہ ہم نے کہیں ڈاکہ  
مار کر یہ موتی حاصل کیئے ہیں۔  
کیٹی نے سر کو جھٹکا اور بولی۔

وہ بھیا موتی۔ اب یہ کام تو مجھے کرنا  
ہی پڑے گا۔

اس وقت شام ہونے والی تھی اور روم شہر کے گلی  
کوچوں، مکانوں، محلوں اور بازاروں میں ایسے روشن ہونا  
شروع ہو گئے تھے۔ کیٹی نے کہا

تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں ان موتیوں کو فروخت  
کر کے ابھی واپس آتی ہوں۔

ناگ نے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو کیٹی نے تنک  
کر کہا۔

کیوں؟ کیا میں اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتی  
تمہارے ساتھ جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں یہ کام

اکیلی بھی کر سکتی ہوں۔  
یہ کیٹی کی بھول تھی۔ کیونکہ کیٹی کے پاس سوائے اس  
کے اور کوئی طاقت نہیں تھی کہ وہ مر نہیں سکتی تھی۔ جبکہ  
عنبر بڑے سے بڑے ستون کو گرا سکتا تھا۔ ناگ شکل  
بدل سکتا تھا اور تھیوسانگ انگلی سے چھو کر جس شے کو  
چاہے چھوٹا کر سکتا تھا۔ مگر کیٹی دنیا میں آکر کچھ فدی  
ہو گئی تھی۔ ویسے ناگ تھیوسانگ اور عنبر نے بھی سوچا  
کہ موتی فروخت کرنے میں کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ زیادہ  
سے زیادہ یہی ہو گا کہ دکاندار کم رقم مناؤنے میں دے گا  
اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ چنانچہ سب نے کیٹی  
کو اکیلی ہی بازار جانے کی اجازت دے دی مگر عنبر  
نے جاتے جاتے کہہ دیا کہ کیٹی اگر تم چاہو تو ناگ  
عقاب کی شکل میں ..... میں

کیٹی نے غصے سے زمین پر پاؤں مارا اور بولی  
میں ایک بہادر لڑکی ہوں۔ مجھے تم میں سے  
کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ میں ابھی موتی فروخت  
کر کے واپس آتی ہوں۔

کیٹی گھوڑے پر بیٹھ کر روم شہر کے اس بازار میں  
ہو گئی۔ جہاں سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کا کام ہوتا



تھا۔ اگرچہ ابھی دن کی ہلکی ہلکی گلابی روشنی باقی تھی مگر دکانداروں نے دکانوں میں مشعلیں اور لیمپ روشن کئے ہوئے تھے جن سے دکانوں میں سونے چاندی کے زیورات اور ہیرے جواہرات کے ہار جگمگا رہے تھے کیٹی ایک خوبصورت دکان میں داخل ہو گئی۔ دکاندار نے آگے بڑھ کر کیٹی کا استقبال کیا اور بولا۔

ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں میڈم؟

کیٹی نے آہستہ سے کہا

میں موتی فروخت کرنا چاہتی ہوں۔  
کاندار کیٹی کو اپنے کاؤنٹر کے پاس لے آیا اور کہیں پر بیٹھتے ہوئے بولا

کیا میں موتی دیکھ سکتا ہوں۔

کیٹی نے دونوں سیاہ موتی دکاندار کے آگے شیشے کے شوکیں پر رکھے تو وہ چونک پڑا اس نے آج تک اتنے خوبصورت قیمتی اور انمول سیاہ موتی کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ان کے بارے میں اپنے استادوں سے ضرور سن رکھا تھا کہ سیاہ موتی دنیا کے عظیم ترین موتی ہیں اور یہ سوائے بادشاہوں کے اور کسی کے پاس نہیں ہوتے۔ دکاندار نے فوراً اپنے تجسس پر قابو

پالیا اور بولا۔

میڈم یہ سیاہ موتی آپ کو کہاں سے ملے؟  
یہ سن کر قریب ہی بیٹھے ہوئے ایک رومن سپاہی کے کان کھڑے ہو گئے جو سادہ کپڑوں میں شاہی محل کی سیکورٹی گارڈ کی جانب سے وہاں ڈیوٹی دے رہا تھا کہ اگر کوئی شاہی محل کی قیمتی شے وہاں فروخت ہونے کو آئے تو اسے نگاہ میں رکھے اور چور کو پکڑا دے

انہیں شاہی جاسوس کہا جاتا تھا۔ شاہی جاسوس نے غور سے کیٹی کو دیکھا۔ کیٹی اپنے سیاہ چت لباس سے کس طور پر بھی شاہی خاندان کی عورت نہیں لگ رہی تھی۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں دکاندار کو اشارہ کیا کہ اس لڑکی کو باتوں میں لگائے رکھے اور خود ادھر ادھر سے ہو کر کاؤنٹر پر دکاندار کے پاس آ گیا۔

کاندار نے جاسوس کو موتی دکھائے اور کہا

کیوں جناب آپ کا ان موتیوں کے بارے

میں کیا خیال ہے؟

شاہی جاسوس نے سیاہ موتیوں کو دیکھا تو اس کا شک درست نکلا۔ یہ موتی سکندر اعظم کے دادا کے خزانے کے موتی تھے جس کے بارے میں رومن بادشاہوں کو آج



تک پتہ نہیں چل سکا تھا کہ وہ کہاں دفن ہیں۔ مگر شاہی جاسوس نے اوپر اوپر سے کہا یہ تو معمولی موتی ہیں۔ ایسے کئی موتی تو میرے پاس گھر پر پڑے ہیں۔  
کاندار بولا۔

جناب یہی میں میڈم سے کہہ رہا تھا کہ یہ اگرچہ اتنے عام نہیں ہیں مگر ان کی قیمت زیادہ نہیں پڑتی کیونکہ شاہی بیگمات سیاہ موتی پسند نہیں کرتی ہیں۔  
کیٹی نے کہا

تم مجھے جو کچھ ان موتیوں کے عوض دے سکتے ہو دے دو۔

شاہی جاسوس نے ایک بار پھر دکاندار کو آنکھ سے اشارہ کیا اور دکان سے باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی وہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوا اور گھوڑے کو شاہی محل کی طرف سرپٹ دوڑانے لگا۔ آج اس کی قسمت کھل گئی تھی بادشاہ یوراکس کو سکندر اعظم کے دادا کے خزانے کے سیاہ موتیوں کا پتہ بتا کر وہ بہت بڑا انعام حاصل کر سکتا تھا۔ بادشاہ کو اس خفیہ خزانے کی ایک مدت

سے تلاش تھی

ادھر دکاندار نے کیٹی کو باتوں میں لگائے رکھا اور اس سے مول تول کرتا رہا۔ کبھی کہتا کہ یہ موتی اصلی بھی نہیں ہیں۔ کبھی کہتا میں زیادہ رقم نہیں دے سکتا۔ پھر اس نے کہا کہ میں موتیوں کو آتش شیشے سے جانچوں گا اور وہ شیشے لے کر بیٹھ گیا۔ اس کا مقصد تھا وقت ضائع کرنا تھا اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ سیاہ موتی کسی بہت بڑے خزانے کے موتی ہیں اور بادشاہ کی طرف سے ہر جوہری کو حکم ملا ہوا تھا کہ اگر وہ ایسے موتی دیکھیں تو فوراً شاہی جاسوس کو خبر کریں اور اس جوہری نے یہ کام کر دیا تھا۔

اتنے میں باہر رومن سپاہیوں کا ایک دستہ گھوڑوں پر سوار وہاں پہنچ گیا۔ کیٹی نے پہلے کوئی خیال نہ کیا۔ مگر جب رومن سپاہی دندناتے ہوئے اندر آ گئے اور انہوں نے کیٹی کو دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا تو وہ حیران ہو کر بولی۔

میں نے کیا قصور کیا ہے ؟



کمانڈر نے گرنج کو کہا

لڑکی! اس کا جواب تمہیں بادشاہ کے سامنے پہنچ کر ملے گا۔

اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ لڑکی کو لے چلو۔ فوراً ہی کیٹی کو زنجیریں ڈال دی گئیں۔ کیٹی نے ایک دو بار پوری طاقت سے زنجیریں توڑنے کی کوشش بھی کی مگر وہ اس میں ناکام رہی۔ زنجیریں فولاد کی تھیں اور زمین پر رہتے رہتے کیٹی کی یہ طاقت کس حد تک کمزور ہو گئی ہوئی تھی۔ اب کیٹی پہنچتا نہ لگی کہ اس نے ناگ یا عنبر کو اپنے ساتھ کیوں نہ لے لیا رومن سپاہیوں نے کیٹی کو گھوڑے پر ڈالا اور سرپٹ گھوڑے دوڑاتے اسے شہنشاہ یوراکس کے شاہی محل میں لے آئے۔ انہوں نے اسے ایک تنگ و تاریک تہ خانے میں پھینک دیا جس کا دروازہ بھاری پتھر کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ کیٹی تو پریشان ہو گئی کہ اب کیا ہوگا۔ اگرچہ وہ مر نہیں سکتی تھی لیکن اگر اسے آگ میں ڈال دیا گیا تو وہ مر بھی سکتی تھی۔ کیٹی بے چینی سے اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگی اور ناگ عنبر اور تھیوسانگ کو یاد کرنے لگی وہ سخت پچھتا رہی تھی۔

دوسری طرف جب کیٹی کو واپس آنے میں دیر ہو گئی تو ناگ عنبر اور تھیوسانگ تینوں ہی اس کی تلاش میں صرافہ بازار کی طرف چل پڑے۔ بازار میں اگر انہوں نے کئی دکانداروں سے پوچھا کہ انہوں نے ایک لڑکی کو تو نہیں دیکھا جو سیاہ موتی فروخت کرنے آئی تھی۔ مگر ان دکانداروں کا آپس میں بے حد اتفاق تھا اور وہ بادشاہ کی ظالم طبیعت سے بخوبی واقف تھے۔ کسی نے انہیں کیٹی کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ سب نے یہی کہا کہ انہوں نے کسی لڑکی کو سیاہ موتی لاتے نہیں دیکھا۔

تھیوسانگ عنبر اور ناگ فکر مند ہوئے کہ کیٹی اگر اس بازار میں نہیں آئی تو پھر کہاں چلی گئی تھی۔ کیونکہ روم شہر میں یہی ایک بازار تھا جہاں ہیرے موتی فروخت ہوتے تھے۔ ناگ نے کہا۔

میرا خیال ہے شاید وہ یہاں سے ہو کر واپس کارواں سرائے جا چکی ہے۔ ہمیں وہاں جا کر کیٹی کو دیکھنا چاہیے۔

وہ واپس کارواں سرائے آئے تو دیکھا کہ کیٹی وہاں



بھی نہیں پہنچی تھی۔ انہیں شہر میں سے کیٹی کی خوشبو بھی بڑی ہلکی ہلکی سی آرہی تھی۔ کیونکہ کیٹی کو زمین دوز تہہ خانے میں بند کر دیا گیا تھا۔ جہاں سے اس کی خوشبو بڑی مشکل سے باہر نکل رہی تھی۔  
عنبر نے کہا

کیٹی اسی شہر میں ہے لیکن اس کی خوشبو سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسی جگہ بند کر دی گئی ہے جہاں سے اس کی خوشبو باہر بہت کم نکل رہی ہے۔  
تھیوسانگ بولا۔

آخر اسے کس نے زمین کے اندر بند کر دیا ہے؟  
ناگ کہنے لگا

یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کسی نے اس کے پاس قیمتی موتی دیکھ کر اسے اغواء کر لیا ہو۔  
تھیوسانگ بولا۔

پھر تو ہمیں فوراً اس کی تلاش میں نکلنا چاہیے۔ کیونکہ اسے آگ سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ڈاکو اس سے موتی

لے کر اسے جلا ڈالیں تاکہ ثبوت باقی نہ رہے۔  
عنبر نے کہا

اور یہ بھی ہو سکتا ہے اسے کسی دوسرے ملک میں لے جا کر لونڈی بنا کر بیچ ڈالیں۔

تھیوسانگ عنبر اور ناگ کاروں سمراٹے سے نکلے اور تینوں تین سمت کو کیٹی کی کھوج میں روانہ ہو گئے۔

دوسری طرف اسی شام بادشاہ یوراکس کو خفیہ طور پر اطلاع پہنچا دی گئی کہ ایک ایسی لڑکی ہاتھ لگی ہے جس کے پاس سکندر اعظم کے آبائی خزانے کے سیاہ موتی ہیں۔ بادشاہ کی لالچی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ اس لڑکی کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتایا جائے۔ پھر بادشاہ نے رات کے وقت کیٹی کو اپنے خاص کمرے میں طلب کیا کیٹی بادشاہ کے سامنے پیش ہوئی تو دیکھا کہ بادشاہ کے چہرے پر ظلم اور بربریت کے آثار کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اس کا چہرہ کسی خوشخوار ڈاکو کا چہرہ تھا۔ جو رحم کے نام سے بھی ناواقف تھا۔ بادشاہ نے کیٹی سے



کہا کہ اگر وہ سکندر اعظم کے خزانے کی جگہ بتا دے  
تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ مگر یہ ناگ، غنبر  
کیٹی مٹیوسانگ اور ماریا کا شروع ہی سے اصول رہا  
تھا کہ جس خزانے سے وہ ناگ کے ذریعے تھوڑی  
بہت دولت حاصل کرتے تھے اس کے بارے میں  
کسی کو کچھ نہیں بتاتے تھے۔ ہاں اگر کوئی عزیز  
محتاج یا بیوہ عورت ہوتی تو اس خزانے میں سے اس  
کی مدد ضرور کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ کیٹی نے بھی  
بادشاہ کے آگے یہی کہا کہ وہ موتی جیسے دریا کنارے  
پڑے ہوئے ملے تھے۔ میں سکندر اعظم کے آبائی  
خزانے کو بالکل نہیں جانتی۔ بادشاہ کو سخت غصہ  
آگیا۔ اس نے کمانڈر سے کہا

یہ لڑکی اس طرح نہیں ملنے گی۔ اسے  
تہہ خانے میں لے جاؤ اور اس سے خزانے کا  
راز اگلاؤ اگر تم ناکام رہے تو میں تمہیں زندہ  
آگ میں بھون ڈالوں گا۔

کمانڈر نے سر جھکا کر کہا

شہنشاہ! میں اس لڑکی سے خزانے کا  
راز معلوم کر کے ہی آپ کی خدمت میں

حاضر ہوں گا۔

اور وہ کیٹی کو زنجیروں سمیت گھسیٹتا واپس  
تہہ خانے میں لے گیا۔ اب اس نے کیٹی کو  
فرش پر لیٹا کر زنجیروں سے ان لوہے کی  
بڑی بڑی مینچوں کے ساتھ باندھ دیا جو فرش  
میں ٹھکی ہوئی تھیں۔ کیٹی بالکل بے بس ہو گئی  
تھی۔ کمانڈر نے کیٹی کی گردن میں رشتی ڈال کر  
اسے مروڑنا شروع کر دیا۔ اس سے کیٹی کو  
ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی۔ کیونکہ گلابند ہو جانے  
سے بھی اس کے خون کو باہر سے آکسیجن کی  
سپلائی برابر مل رہی تھی۔ اس کے خدائی جسم کی  
ساخت ہی ایسی تھی کہ اس کے جسم کی جلد میں  
سے آکسیجن اندر خون میں چلی جاتی تھی۔ جب کمانڈر  
نے دیکھا کہ اس لڑکی پر کوئی اثر نہیں ہو رہا  
اور وہ بول نہیں رہی تو اس نے سپاہی  
سے کہا۔

”جلتی ہوئی مشعل لاؤ“

اب کیٹی گھبرا گئی۔ کیوں کہ آگ اسے جلا  
سکتی تھی اور وہ آگ کی وجہ سے مر بھی سکتی



تھی۔ سپاہی نے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی جلتی  
 مشعل اتاری اور کمانڈر کے ہاتھ میں دے دی۔  
 کمانڈر مشعل کے شعلے کو کیٹی کے منہ کے قریب  
 لانے لگا۔



- ✦ کیٹی کا انجام کیا ہو؟
- ✦ تھیوسانگ، ناگ اور عنبر کو کیٹی دوبارہ مل سکی؟
- ✦ ماریا اٹو کے بچے میں قید ہو کر روم میں کہاں جا پہنچی؟
- ان سوالوں کے جواب آپ اگلی قسط نمبر ۱۳۹
- ”بھٹکتی روحوں کا شہر“ میں ملاحظہ فرمائیں۔





# عبدالغلام مارکیٹ

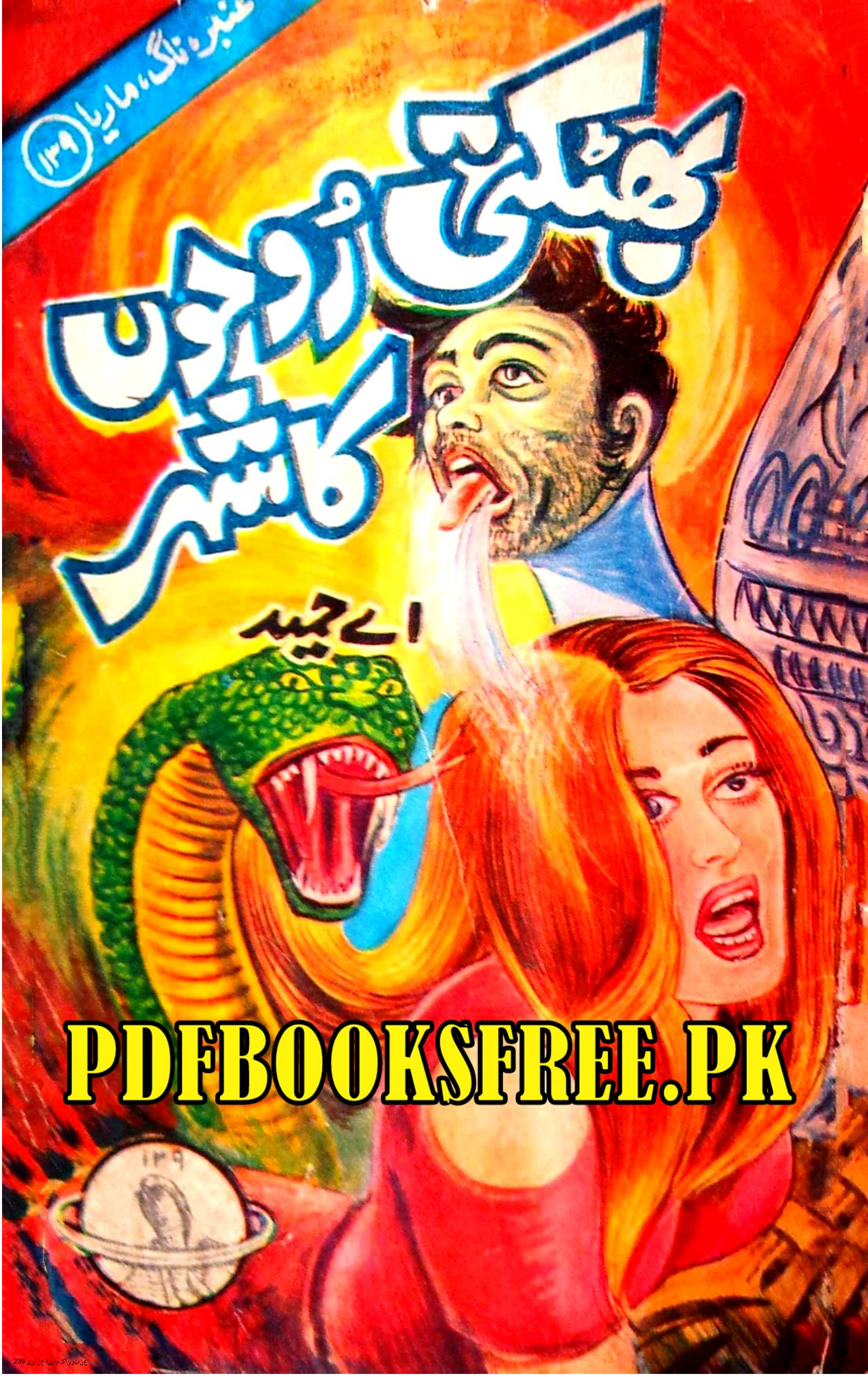
ایم جی



عبدالغلام مارکیٹ

لاہور-۸





PDFBOOKSFREE.PK





عقبہ ناک، ماریا اور کیتی خدایں  
بھٹکتی روتوں کا شہر

اے حمید



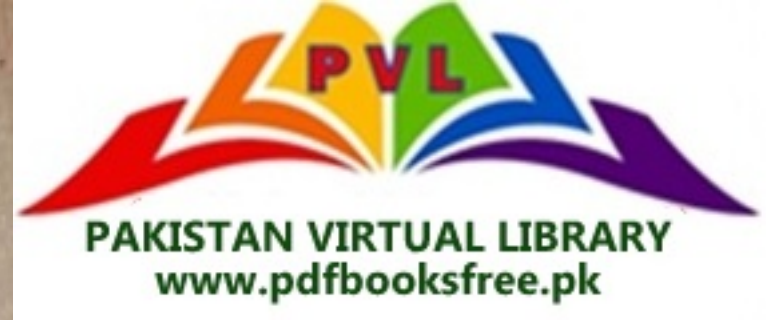
## پیارے دوستو!

عبرناگ ماریا کا ایڈونچرس پر اسرار آسپی سفر جاری ہے۔ نئے نئے واقعات پیش آرہے ہیں۔ سنسنی خیز حالات کا سامنا ہے۔ ماریا اُلُو کے پہنچے میں بند تبت کے لاماؤں کے دیس کی طرف لے جانی جا رہی ہے۔ ناگ کے سر کے بالوں کی راکھ کا ایک تعویذ تیار کیا گیا ہے۔ جس کے اثر سے ..... لیکن میں یہ باتیں بتا کر آپ کا مزہ کرا نہیں کرنا چاہتا۔ آپ خود ہی پڑھ کر معلوم کریں گے۔ تو آپ کے تجسس میں اضافہ بھی ہوگا۔ اور آپ کو نئی نئی معلومات بھی حاصل ہوں گی۔ عبرناگ ماریا کی ہر سیریز کو پسند کرنے کے بعد آپ جو مجھے پیارے پیارے خط لکھتے ہیں۔ ان سے میری بہت حوصلہ افزائی ہوتی۔ میں ایک بار پھر آپ سب دوستوں کی دعاؤں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو زندگی میں ساتھ ساتھ چلنے اور نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین

آپ کا انکل

اے حمید

۴۵۴۔ این راہ چمن۔ سمن آباد لاہور۔



قیمت ۷/۵۰

UPLOADED FOR  
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
WWW.PDFBOOKSFREE.PK

فہم حقوق بحقوق

ناشر: مکتبہ افرات  
طابع: انجمن ترویج و تہذیب اسلامیہ لاہور



# دھندلی کیٹی

جلتی ہوئی مشعل کیٹی کے قریب ہوتی گئی۔

جب آگ کے شعلے کیٹی کے چہرے کے بالکل سامنے آگئے اور اسے اس کی تپش محسوس ہوئی تو اس نے چلا کر کہا: ”میں سیاہ موتیوں کا راز بتاتی ہوں“ رومن کمانڈر نے جلتی ہوئی مشعل پیچھے کر لی۔ رومن بادشاہ نے عیسیٰ آواز میں کہا: ”جلدی بتاؤ سکندر اعظم کا وہ خزانہ کہاں ہے۔ جہاں سے تم نے یہ دو سیاہ موتی چرائے ہیں؟ نہیں تو میں ابھی تمہیں آگ میں زندہ جلا دوں گا“ کیٹی نے یونہی جھوٹ موٹ کہہ دیا۔

”یہاں سے جنوب کی طرف ایک تنکونا پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں ایک غار ہے۔ اس غار کے اندر وہ خزانہ دفن ہے جہاں سے میں نے یہ موتی حاصل کئے تھے“

رومن بادشاہ نے حکم دیا کہ سپاہیوں کا ایک دستہ فوراً تنکونے پہاڑ کی طرف خزانے کی کھوج کے لیے روانہ کر دیا

## ترقیب

دھندلی کیٹی

یہ کس کی آواز تھی؟

ناگ قبر کے اندر

طلسمی تعویذ

بھگتی روتوں کا شہر



جائے اور اس لڑکی کو اُس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک کہ ہمیں خزانہ نہیں مل جاتا۔ اسی وقت دس سپاہیوں کا ایک دستہ تنکو نے پہاڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور دوسرے سپاہی کیٹی کو قید خانے کی طرف لے کر چل دیئے۔ کیٹی نے یہ غلط بیان اس لیے دے دیا تھا۔ کہ جب تک سپاہی واپس آئیں گے وہ اپنے فرار کے بارے میں سوچ سکے گی۔ اس نے یونہی کسی تنکو نے پہاڑ کا ذکر کر دیا تھا۔ کیونکہ اس علاقے میں جنوب کی طرف کئی تنکو نے پہاڑ تھے اور ان میں غاریں بھی تھیں۔ کیٹی فوری طور پر آگ سے اپنے آپ کو پہچانا چاہتی تھی۔ اگرچہ اس کے سامنے وہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ پھر بھی وہ آگ میں جلنے سے بچ گئی تھی۔ قید خانے میں آتے ہی اس نے تیری سے سوچنا شروع کر دیا کہ وہ اُس موت کی جیل سے کیسے باہر نکل سکتی ہے۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس مایوسی کی گھڑی میں اچانک اسے اپنے پرانے ساتھی لاہور کے کنوئیں والے جن دوست کا خیال آ گیا۔ کبھی وہ چٹکی بجاتی تھی تو جن دوست اس کی مدد کو آ جاتا تھا۔ لیکن بعد میں جن نے آنا چھوڑ دیا تھا۔ اور کیٹی کبھی چٹکی بجاتی تھی اس کی شکل کچھ کی کچھ بن جاتی تھی۔ اس لیے ڈر کے مارے اب کیٹی نے چٹکی بجاتی بھی چھوڑ

دی تھی۔ لیکن اس نا اُمیدی کے عالم میں جب اسے آگ کی موت سے بچنے کے لیے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا اسے چٹکی کا خیال آ گیا تھا۔ اس کے باوجود کیٹی چٹکی بجاتے ہوئے گھبرا رہی تھی کہ چٹکی بجانے سے نہ جانے کیا ہو جائے۔ دوسری طرف اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ابھی تھوڑی دیر میں بادشاہ کے سپاہی خالی ہاتھ واپس آ جائیں گے۔ انہیں اسکندر اعظم کا خزانہ نہیں ملے گا۔ اور بادشاہ کے حکم سے اُسے فوراً آگ میں جلا دیا جائے گا۔ اب کیٹی چٹکی بجانے پر مجبور ہو گئی۔ اس نے اپنی انگلیوں کو دیکھا۔ انہیں آپس میں تھوڑا سا رگڑا اور پھر آنکھیں بند کر کے جن دوست کو یاد کیا اور چٹکی بجا دی۔ ساتھ ہی کہا: "میرے دوست! میری مدد کرو۔ کیٹی نے چٹکی بجانے کے بعد ابھی تک آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ اس کے کانوں میں اپنے جن دوست کی پرانی آواز آئی: "کیا تم نے مدد کرو۔ مدد کرو لگا رکھی ہے۔ میں نے جو مدد کرنی تھی کر دی ہے۔ اب آنکھیں کھول لو اور دوبارہ مجھے مت بلانا۔" کیٹی نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ آنکھوں کے کھلتے ہی اسے کچھ نظر نہ آیا۔ خوف کے مارے اس کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی۔ اس نے دو تین بار آنکھیں بند کر کے کھولیں تو اس کو جیل کی کوٹھڑی تو صاف نظر آ رہی تھی۔ مگر اسے اپنا



جسم نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ میرے  
خدا! یہ میرے دوست نے میرے ساتھ کیا کر دیا۔ اس نے تو  
مجھے غائب کر دیا ہے۔ کیٹی نے اپنے نظر نہ آنے والے جسم  
پر ہاتھ پھیرا تو اسے اپنا جسم اسی طرح محسوس ہوا جس طرح  
پہلے چھونے سے محسوس ہوتا تھا۔ اس کا مطلب تھا۔  
کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو چکی تھی۔ اس کا  
حال ماریا ایسا ہو گیا تھا وہ قید کوٹھڑی کے سلاخوں والے  
دروازے کے پاس گئی۔ باہر رومن پرے دار اس  
کی طرف پیٹھ کئے سٹول پر بیٹھا تھا۔ نیزہ اس کے  
کاندھے کے ساتھ لگا تھا۔ کیٹی اس وقت جس مصیبت  
میں پھنسی تھی۔ اس کا جتن دوست اس کی اسی طرح مدد کر  
سکتا تھا۔ کہ اسے لوگوں کی نظروں سے غائب کر دے  
تاکہ وہ جیل سے فرار ہو کر اپنی جان بچا سکے۔ کیٹی غائب  
ہو کر اپنے جسم میں کسی قسم کی کمزوری یا تبدیلی محسوس نہیں  
کر رہی تھی۔ اس نے سوچا یہ بعد میں سوچ لوں گی کہ میرا انجام کیا  
ہوگا۔ اس وقت تو مجھے یہاں سے فرار ہونے کی کوشش  
کرنی چاہیے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کوٹھڑی کی سلاخوں میں  
سے نہیں گزر سکے گی۔ لیکن جب اس نے لوہے کی سلاخوں کے  
پاس پہنچ کر اپنے آپ کو ذرا سا آگے کی طرف کیا تو اس

کا نظر نہ آنے والا جسم سلاخوں سے باہر نکل گیا۔ کیٹی کوٹھڑی  
سے نکل آئی تھی۔ اس نے پرے دار کے نیزے کو ہاتھ  
سے پکڑ کر نیچے گرا دیا۔ پرے دار نے بلکھلا کر ارد گرد دیکھا  
جو وہی اس کی نظر قید خانے کی کوٹھڑی پر پڑی تو وہ ششدر ہو  
کر رہ گیا۔ کوٹھڑی خالی تھی۔ اور قیدی عورت فرار ہو چکی تھی۔  
وہ پریشان ہو کر باہر کی طرف دوڑا۔ اس نے شور مچا دیا کہ  
قیدی عورت فرار ہو گئی۔ قیدی عورت فرار ہو گئی۔ کیٹی ابھی تک  
جیل خانے کی راہ داری میں ہی تھی۔

ادھر ادھر سے سپاہی بھاگ کر آگئے۔ انہوں نے  
پرے دار کو پکڑ لیا۔ کہ تم نے ہی اسے بھگایا ہے ورنہ ایک  
کمزور عورت بند سلاخوں والی کوٹھڑی سے اپنے آپ کیسے باہر  
نکل سکتی ہے۔ اس دوران میں وہ سپاہی بھی خالی ہاتھ  
واپس آگئے۔ جو کیٹی کی ہدایت پر تنکونے پہاڑ کی طرف سکندر  
اعظم کا خزانہ تلاش کرنے گئے تھے۔ انہوں نے آکر بادشاہ  
کو بتایا کہ وہاں کوئی خزانہ نہیں ہے۔ محل میں پہلے ہی شور مچ  
گیا تھا کہ قیدی لڑکی جیل سے فرار ہو گئی ہے۔ ظالم رومن بادشاہ  
نے اسی وقت حکم دیا کہ جو سپاہی قیدی لڑکی کی کوٹھڑی کے باہر  
پہرہ دے رہا تھا اس کی گردن اڑا دی جائے۔ کیٹی ابھی تک  
محل کے اندر ہی تھی۔ وہ عنبر ناگ اور تھیوسانگ کے پاس



واپس جانے ہی والی تھی۔ کہ اسے پتہ چلا کہ بے گناہ پہرے دار کی گردن اڑانی جانے والی ہے۔ وہ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ کہ محض اس کی وجہ سے ایک پہرے دار کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے جبکہ اس کا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ عنبر تھیو سا نگ اور ناگ تو سرائے میں ہی بیٹھے ہوں گے وہ تھوڑی دیر بعد ان کے پاس چلی جائے گی۔ لیکن سب سے پہلے بے گناہ پہرے دار کی جان بچانی چاہیے۔

محل کے باہر اور اندر جگہ جگہ سپاہی کیٹی کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اور کیٹی غیبی حالت میں ان ہی کے درمیان چل پھر رہی تھی۔ وہ پہرے دار کو تلاش کر رہی تھی کہ اس کی گردن کہاں اڑائی جانے والی ہے۔ اس نے محل کے باغ میں آکر دیکھا کہ ایک اونچے چبوترے پر اسی بے گناہ پہرے دار کو لے جا کر کھڑا کر دیا گیا تھا اور ایک جلاؤ تلوار ہاتھ میں لیے چبوترے کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ سامنے کمانڈر اپنے سپاہیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ کیٹی کسی کو نظر تو آ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ تیزی سے بھاگی تو اچانک اس کے پاؤں زمین سے بلند ہو گئے۔ اسے خیال آ گیا کہ ماریا تو غیبی حالت میں زمین سے بلند ہو کر فضا میں اڑا کر تی ہے۔ کیٹی نے ذرا سا زور لگا کر اپنے آپ کو دھکا دیا تو وہ فضا میں بلند ہو گئی۔ وہ ایک سیکنڈ میں

اڑتی ہوئی چبوترے پر پہنچ گئی۔ کیونکہ وقت کم رہ گیا تھا۔ ایک سپاہی بے گناہ پہرے دار کی گردن کو نیچے جھکانے کے لیے اس کے سر کو دبا رہا تھا۔ پہرے دار نے آخری بار فریاد کی کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں نے قیدی لڑکی کو نہیں بھگایا۔ کمانڈر نے بلند آواز میں کہا۔

”تم جھوٹ بولتے ہو۔ اپنے کئے کی سزا بھگتو۔ جلاؤ! اس

کی گردن بادشاہ کے حکم سے الگ کر دو۔“

اس وقت کیٹی جلاؤ کے سر پر پہنچ چکی تھی۔ جونہی جلاؤ نے تلوار والہا ہاتھ اوپر اٹھایا کیٹی نے اوپر سے اس کے ہاتھ سے تلوار بھین لی۔ کیٹی کے ہاتھ میں آتے ہی تلوار غائب ہو گئی۔ جلاؤ تو ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ کہ اس کے ہاتھ سے کس نے تلوار لوچ لی ہے۔ اسے تلوار کے نوچے جانے کا پورا احساس ہوا تھا۔ کمانڈر اور دوسرے سپاہی بھی حیرانی سے جلاؤ کی طرف تکتے لگے۔ جلاؤ نے گڑ گڑا کر کہا۔

”کمانڈر میرا کوئی قصور نہیں۔ کسی غیبی طاقت نے

میرے ہاتھ سے تلوار لوچ لی ہے۔“

کمانڈر نے اپنی تلوار چبوترے پر پھینکتے ہوئے کہا۔

”اس پہرے دار کا جادو یہاں نہیں چل سکے گا۔ یہ

لو تم میری تلوار سے اس کی گردن اڑا دو۔“



جلاد نے کمانڈر کی تلوار اٹھالی۔ اور بے گناہ پہرے دار کی گردن پر وار کرنے ہی والا تھا۔ کہ وہ تلوار بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر غائب ہو گئی۔ یہ تلوار بھی کیٹی نے چھین لی تھی۔ اب تو سپاہی اور جلاد دہشت زدہ ہو کر رہ گئے۔ وہ یہی سمجھے کہ پہرے دار کوئی جادو جانتا ہے جس کی وجہ سے اس نے تلواروں کو غائب کر دیا ہے۔ کمانڈر اب ایک سپاہی کی تلوار کھینچ کر خود پہرے دار کی طرف بڑھا۔ چبوترے پر آتے ہی بولا۔ ”پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں اس کا جادو مجھ پر کیسے اثر کرتا ہے۔“

اس نے تیزی سے تلوار کا وار پہرے دار پر کرنا چاہا ہی تھا۔ کہ تلوار اس کے ہاتھ سے بھی غائب ہو گئی۔ کمانڈر کو ایک جھٹکا بھی لگا۔ اور وہ چبوترے پر گر پڑا۔ یہ حالت دیکھ کر جلاد اور دوسرے سپاہی ڈر کے مارے محل کی طرف شور مچاتے اٹھ دوڑے۔ کیٹی نے کمانڈر کی گردن پر اپنا ہاتھ رکھ کر ذرا سا دبایا۔ غائب ہونے کے بعد کیٹی میں بھی ماریا کی طرح چار گنا زیادہ طاقت آگئی تھی۔ اس کے ذرا سے دبانے پر ہی کمانڈر کی گردن جیسے ایک طرف کو مڑ گئی۔ اور اس کے حلق سے درد کی ایک چیخ بلند ہوئی۔ کیٹی نے اپنی آواز کو بھاری بناتے ہوئے کہا۔

”پہرے دار بے گناہ ہے۔ قیدی راک کی کوئی نہ کوٹھڑی سے غائب کر دیا ہے۔ میں دیوی ڈیانا ہوں۔ یونان کی سب سے بڑی دیوی!“

اب کمانڈر پر بھی خوف طاری ہو گیا۔ کیونکہ رومن یونان کی دیوی ڈیانا کی طاقت سے اپنی طرح واقف تھے۔ بے گناہ پہرے دار کا عجیب حال تھا۔ وہ جان بچ جانے سے بے حد غور میں تھا۔ اس نے بھی دیوی ڈیانا یعنی کیٹی کی آواز سن لی تھی۔ یہ وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ اس دیوی کی وجہ سے وہ تین بار موت کے منہ سے واپس آگیا ہے۔ اس نے بازو اوپر اٹھا کر کہا۔

”دیوی ڈیانا کو سلام۔ جس نے میری بے گناہی کی گواہی دی۔“

کیٹی نے کمانڈر کی گردن کو تھپوڑ دیا۔ اور اسے پیچھے سے لات مار کر کہا۔

”دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔“

کمانڈر منہ کے بل چبوترے سے نیچے گر پڑا۔ اٹھا اور محل کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے جاتے ہی پہرے دار نے اپنے سینے پر ہاتھ باندھے۔ اور سر جھکا کر بولا۔

”عظیم اور مقدس دیوی ڈیانا نے میری جان بچائی۔“



ہے۔ میں اس کا قیامت تک احسان نہیں بولوں گا۔  
کیٹی نے کہا۔

”میں نے تمہاری جان اس لیے بچائی ہے کہ تم واقعی  
بے گناہ ہو۔ قیدی لڑکی کے فرار میں تمہارا کوئی ہاتھ  
نہیں ہے۔ بادشاہ ظالم ہے۔ وہ تمہیں بے گناہ  
مارنا چاہتا تھا۔ اب تم جا سکتے ہو۔ تم آزاد ہو۔  
پہرے دار نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

”مقدس دیوی! تم سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں  
ہے۔ تم خوب جانتی ہو کہ تمہارے جدا ہوتے  
ہی سپاہی مجھے دوبارہ پکڑ لیں گے اور مجھے موت  
کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اس وقت مجھے کوئی  
بھی موت کی سزا سے نہیں بچا سکے گا۔ کیونکہ تم  
میرے پاس نہیں ہو گی۔“  
کیٹی نے پوچھا۔

”تو تم کیا چاہتے ہو؟ میں ہر وقت تمہارے ساتھ  
نہیں رہ سکتی۔ تم یہ ملک چھوڑ کر کسی دوسرے  
ملک چلے جاؤ۔ کیا تمہارے بیوی بچے بھی ہیں؟“  
پہرے دار نے عرض کی۔

”مقدس ڈیانا دیوی سے کوئی بات چھپی نہیں رہ۔“

سکتی۔ تم جانتی ہو کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے اور بیوی  
ہے۔ بادشاہ میرے ساتھ میرے بچوں کو بھی مار ڈالے گا۔  
وہ بڑا ظالم ہے۔“  
کیٹی نے کہا۔

”میں جانتی ہوں۔ تم ایسا کرو کہ مجھے اپنے ساتھ اپنے  
گھر لے چلو۔ میں تمہاری حفاظت کرتی ہوں۔ پھر تم گھوڑوں  
پر سوار ہو کر اس ملک سے نکل جانا۔ میں تمہاری حفاظت  
کے دل کی۔ چلو۔“

”جو حکم دیوی ڈیانا،“ پہرے دار نے کہا اور چبوتے سے نیچے  
اُتر آیا۔

کیٹی نے کہا۔

”گھبرانا نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں۔“

کیٹی نے سوچا کہ وہ اس بے گناہ اور شریف پہرے دار کو اس  
کے بال بچوں سمیت ملک روم سے نکالنے کے بعد غیر تھیں ساٹنگ  
اور ناگ کے پاس سرائے میں چلی جائے گی۔ ابھی رات زیادہ نہیں  
ہوئی تھی اور بازار کھلے تھے۔ پہرے دار گھوڑے پر سوار تھا اور اسے  
سرپٹ دوڑانے اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ کیٹی غیبی حالت میں  
اس کے ساتھ ساتھ اڑ رہی تھی۔ گھر پہنچ کر پہرے دار نے اپنی  
بیوی اور بچوں سے کہا کہ جلدی یہاں سے نکل چلو نہیں تو بادشاہ کا



کل کا زمانہ تو سائنس کا زمانہ ہے اور صرف ان پڑھ لوگ ہی وہم کرتے ہیں۔ پڑھے لکھے لوگ وہم نہیں کرتے۔ لیکن اس زمانے کے لوگ دیوی دیوتاؤں کو پوجتے تھے۔

اور ان سے

بہت ڈرتے تھے۔ چنانچہ سپاہی تو بھاگ کر کوٹھڑیوں میں چھپ گئے۔ کیٹی نے پہرے دار کے قریب جا کر کہا۔

”اب تم آزادی سے جا سکتے ہو۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔“  
پہرے دار تو سجدے میں گر کر شکریہ ادا کرتے لگا۔ کیٹی نے فوراً کہا۔

”خبردار! آئندہ سوائے خدا کے کسی کے آگے سجدہ نہ کرنا

صرف خدا ہی سجدے کے لائق ہے۔ اب بھاگ جاؤ۔“

پہرے دار نے بیوی بچوں کو ساتھ لیا۔ اور گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتا شہر کے دروازے سے نکل کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ کیٹی وہاں سے سیدھی روم شہ کی اس کارواں سرائے کی طرف چل پڑی۔ جہاں تھیوسانگ ناگ اور عنبر اس کا بے چینی سے انتظام کر رہے تھے۔ اس دوران میں شہر میں یہ افواہ گشت کرنے لگی تھی کہ شہر میں یونانی دیوی ڈیانا آگئی ہے۔ اور اس نے بے گناہ پہرے دار کو موت کے گھاٹ اترنے سے بچا لیا ہے۔

۱۶  
قرہم پر بجلی بن کر گرنے والا ہے۔ اس کی بیوی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اپنے خاوند کے کنبے پر جلدی جلدی ایک گھٹری باندھی۔ بچوں کو ساتھ لے کر گھوڑے پر بٹھایا۔ خود بھی ایک گھوڑے پر بیٹھی اور اپنے خاوند کے ساتھ مکان کے اعلیٰ سے نکل کر شہر سے باہر جانے والی سڑک پر آگئی۔ کیٹی ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ جب یہ کنبہ شہر کے دروازے پر پہنچا تو سپاہیوں کو پہلے سے خبر مل چکی تھی۔ انہوں نے پہرے دار اور اس کے بیوی بچوں کو پکڑنے کے لیے تلواریں نکال لیں۔ اور اسے حکم دیا کہ وہ زمین پر بیٹھ جائیں۔ غریب پہرے دار نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مقدس دیوی! مجھے بچا لے۔ تو نے وعدہ کیا تھا کہ میری حفاظت کرے گی۔“

کیٹی نے فضا میں اڑتے ہوئے ایک غوطہ لگایا اور ایک ساتھ چار سپاہیوں کو اتنے زور سے دونوں ٹانگوں کی فلائنگ بگ ماری کہ وہ گیندوں کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے کئی گز دور جا کر گر پڑے اور وہیں پڑے پڑے کراہنے لگے۔ دوسرے سپاہیوں نے یہ ماجرا دیکھا تو ڈر کر ایک طرف ہو گئے۔ کیٹی نے بلند آواز میں کہا۔

”خبردار! اگر کسی نے اس بے گناہ پہرے دار کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گی۔ میں دیوی

ڈیانا ہوں۔“

اس زمانے میں لوگ بڑے وہم پرست ہوتے تھے آج



یہ خبر رومن بادشاہ یوراکس تک پہنچی تو وہ غضبناک ہو کر بولا۔  
 ”یہ سب جادو ٹوٹ نہ ہے۔ دیوی ڈیانا یہاں کبھی نہیں  
 آسکتی۔ قیدی لڑکی کو جہاں کہیں بھی ہوتا ملاش کر کے  
 پیش کیا جائے۔ نہیں تو میں تمام سپاہیوں اور جیل  
 کے بہرے داروں کو زندہ آگ میں ڈال دوں گا۔“  
 سرائے میں تھیوسانگ اور عنبر اور ناگ پریشان تھے۔ ناگ  
 نے کہا۔

”کیٹی نے بڑی دیر کر دی ہے۔ خدا خیر کرے۔ کہیں اس  
 کے ساتھ کوئی حادثہ نہ ہو گیا ہو۔“  
 تھیوسانگ بولا۔

”اسی لیے تو میں کہتا تھا کہ تم اس کے ساتھ چلے  
 چلو۔“

عنبر نے کہا۔

”ناگ تو جانے پر تیار تھا۔ کیٹی خود اسے ساتھ لے  
 جانے پر تیار نہیں تھی۔ یہی کہتی رہی کہ میں بہادر  
 لڑکی ہوں۔ اپنی خانت آپ کر سکتی ہوں۔“

ناگ برآمدے میں بیٹھا سرائے کے دروازے کی طرف  
 دیکھ رہا تھا۔ چونکہ اس نے اپنی آنکھوں میں ست کال کا ٹمر مہ  
 ڈال رکھا تھا۔ اس لیے اسے دور سے کیٹی آتی نظر آگئی۔ مگر یہ

دیکھ کر وہ اُچھل پڑا کہ کیٹی عام جسمانی حالت میں نہیں تھی بلکہ  
 اس کا جسم ایک دھندلی لہر کی طرح نظر آ رہا تھا۔ ماریا بھی ناگ کو  
 اسی طرح نظر آیا کہ قی قی تھی۔ تو کیا کیٹی کو بھی کسی نے غائب کر دیا  
 ہے؟ اس نے چلا کر کہا۔

”کیٹی آ رہی ہے۔“

تھیوسانگ اور عنبر نے چونک کر باہر کی جانب دیکھا اور بولے۔  
 ہمیں تو کیٹی کیس دکھاتی نہیں دے رہی؟ تمہیں کیسے نظر آگئی ہے؟  
 اب کیٹی ان کے قریب پہنچ گئی تھی۔ عنبر نے بولا۔  
 ”ہاں ہاں۔ اس کی خوشبو بڑی تیز ہو گئی ہے۔“  
 تھیوسانگ بولا۔

”مگر وہ نظر کیوں نہیں آ رہی؟“

کیٹی نے کہا۔

”میں غیبی حالت میں ہوں۔ کسی کو نظر نہیں آسکتی مگر  
 حیران ہوں کہ ناگ نے مجھے کیسے دیکھ لیا؟“  
 ناگ بولا۔

اس کا جواب بت میں بعد میں دوں گا۔ پہلے تو یہ بتاؤ  
 کہ تمہارے ساتھ یہ کیا ہو گیا ہے۔ تم پر یہ جادو کر  
 دیا۔ بت کسی نے کیا؟“

تھیوسانگ اور عنبر نے بھی پریشان ہو کر کیٹی سے یہ سوال



پوچھا۔

کیٹی نے ٹھنڈا سانس بھرا اور بولی۔

”کوٹھڑی میں آؤ۔ تمہیں سارا واقعہ سنائی ہوں۔“  
سرائے کی کوٹھڑی میں آکر کیٹی نے انہیں ساری داستان  
بیان کی۔ تھیو سانگ بولا۔

”ایک طرح سے تو یہ اچھا ہی ہوا کہ ہمیں کیٹی کی شکل  
میں ماریا مل گئی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آخر یہ حالت  
کب تک رہے گی تمہاری؟“  
کیٹی نے کہا۔

”یہی سوچ کر تو میں خود پریشان ہوں۔ میرے جن  
دوست نے مجھے غائب کر کے موت کے منہ سے  
تو بچا لیا ہے۔ مگر میں ساری زندگی غائب رہ  
کر نہیں گزار سکتی۔“  
ناگ نے کہا۔

”تم ایک بار پھر چٹکی بجا کر دیکھو۔“  
عنبر بولا۔

”ہاں ہاں۔ ناگ ٹھیک کہتا ہے۔ تم چٹکی بجاؤ۔ شاید تم  
پھر سے نظر آنے لگو۔“

کیٹی نے کہا کہ مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسری

بار چٹکی بجانے سے میں انسان سے کوئی جانور بن جاؤں۔ مجھے اپنے  
جن دوست کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ وہ اگرچہ میرا دوست ہے  
لیکن بے حد شرارتی بھی ہے اور کبھی کبھی ایسی شرارت بھی  
کر دیتا ہے۔ کہ جس سے میں پریشان ہو جاتی ہوں۔ عنبر کھنے لگا۔  
”تم چٹکی بجا کر تو دیکھو۔ کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے یقین ہے  
کہ تم پھر سے نظر آنے لگو گی۔“

کیٹی بولی۔

”اگر تم کہتے ہو تو میں چٹکی بجالیتی ہوں۔“

یہ کہہ کر کیٹی نے چٹکی بجا دی۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ کیٹی اسی طرح  
غائب رہی۔ اس نے کہا۔

”دیکھا کچھ نہیں ہوا۔ اب مجھے اپنے آپ کو قسمت کے

حوالے کر دینا چاہیئے۔ جو ہو کا دیکھا جائے گا۔“

تھیو سانگ نے پوچھا۔

”یہ تو بڑی زیادتی ہوئی ہمارے ساتھ دو سیاہ موتی بھی

ہاتھ سے نکل گئے۔ ہمیں تو پیسوں کی بہت ضرورت

تھی۔“

عنبر نے ناگ سے کہا۔

”ناگ! تم خزانے سے کچھ اور موتی منگوا لو بھائی آخر

ہم بغیر رقم کے یہاں کب تک رہ سکیں گے۔“



ناگ بولا۔

”مجھے اس دکاندار پر غصہ آ رہا ہے جس نے کیٹی کے موتی اپنے پاس رکھ کر اسے رومن سپاہیوں کے ہاتھ گرفتار کر دیا تھا۔“

کیٹی کہنے لگی۔

”اب غصہ کرنے سے کیا ہوگا۔“

ناگ نے کہا۔

”میں اپنے سیاہ موتیوں کی پوری قیمت اس بد دیانت دکاندار سے وصول گا۔“

پھر اس نے کیٹی کو کئی طرف دیکھ کر کہا۔

”مجھے اس مکاندار کا پتہ بتاؤ۔ میں اس کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ اس کے بعد وہ کسی کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکے گا۔“

کیٹی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میں تمہیں اس مکاندار کے پاس پہنچا دوں گی مگر پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھے کیسے دیکھ لیتے ہو؟ اور اگر تم مجھے دیکھ سکتے ہو تو پھر تم ماریا کو بھی دیکھ لیتے ہو گے؟“

تھیوسانگ اور عنبر نے بھی ناگ سے یہی سوال کیا اور اسے

اپنا راز ظاہر کرنے کے لیے کہا۔ ناگ ہنس کر بولا کہ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ میں نے ایک بار مت کال بوٹی کی لاکھ کا سترہ اپنی آنکھوں میں لگا لیا تھا۔ بس اس کے بعد سے مجھ میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی ہے کہ میں غیبی چیزوں کو دیکھ سکتا ہوں۔

میں ماریا کو بھی دیکھ لیا کرتا تھا۔ مگر میں

نے اسے بتایا نہیں تھا۔ کیونکہ میں اس کو تنگ کرنا چاہتا تھا۔

تھیوسانگ عنبر اور کیٹی ہنسنے لگے۔ ناگ اٹھ کھڑا ہوا بولا۔

”رات زیادہ ہو گئی۔ ان بند ہو جائے گی۔ کیٹی میرے

میرے ساتھ چلو۔“

کیٹی نے عنبر اور تھیوسانگ سے کہا۔

”ہم ابھی واپس آجائیں گے۔ تم فکر مت کرنا۔“

تھیوسانگ اور عنبر نے بھی کیٹی اور ناگ کو تاکید کی کہ وہ جلدی

واپس آجائیں اور خواہ مخواہ کسی جھگڑے میں زیادہ نہ الجھیں ناگ

چونکہ کیٹی کو دیکھ سکتا تھا اس لیے وہ کیٹی کے ساتھ ہی سرائے

سے باہر نکل آیا۔

روم شہر کا وہ بازار جہاں ہیرے جواہرات کے سوداگر

کی دکان تھی۔ آدھا کھلا تھا اور آدھی دکانیں رات ہونے کی

وجہ سے بند ہو گئی تھیں۔ کیٹی ناگ کے آگے آگے چل رہی

تھی۔ اسے سوائے ناگ کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔



ناگ کو بھی وہ دھند کی ایک لہر کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ ایک سپاہی گھوڑا دوڑاتا سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ کیٹی ہلکے پیچ میں تھی۔ ناگ جلدی سے ایک طرف ہٹ گیا اور بولا۔ ”کیٹی! گھوڑے سے بچنا۔ سوار کیٹی کے سر پر پہنچ گیا تھا۔ مگر کیٹی نے بھی ادھر ادھر جھٹنے کی کوشش نہ کی۔ ناگ کے دیکھتے دیکھتے کیٹی دوڑتے ہوئے گھوڑے کے پیچ میں سے ہو کر گزر گئی۔ نہ گھوڑے کو کچھ ہوا اور نہ کیٹی کو کوئی چوٹ لگی۔ ناگ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب اسے محسوس ہوا۔ کہ کیٹی کی حالت بھی ماریا جیسی ہی ہے۔ اور غیبی حالت میں وہ لوہے کی سلاخوں اور جاندار چیزوں میں سے بھی آسانی سے گزر سکتی ہے۔ کیٹی نے ہنس کر کہا۔

”مجھے بڑا دلچسپ تجربہ ہو رہا ہے ناگ! کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ میں اسی حالت میں باقی زندگی گزار دوں۔“

ناگ نے کہا۔

”باتیں نہ کرو۔ لوگ آ جا رہے ہیں۔ انہیں حیرانی ہوگی۔“

کیٹی خاموش ہو گئی۔ ناگ نے اس سے سوال کیا کہ سکار دکاندار کی دکان کہاں ہے؟

کیٹی نے زمین سے ذرا بلند ہو کر کہا۔

”وہ سامنے ہے۔ دکان کا ایک دروازہ بند ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس نے کاروبار بند کر دیا ہے۔ مگر دکان ابھی تک کھلی ہے۔“

ناگ نے قریب پہنچ کر دیکھا کہ دکان کا ایک پت کھلا تھا۔ کیٹی نے ناگ کے قریب ہو کر آہستہ سے کہا۔ ”وہ جو موٹا آدمی بیٹھا ہے۔ وہی اس دکان کا مالک ہے۔ اور اسی نے میرے موتی چھین کر پولیس کے حوالے کر دیئے تھے۔“ ناگ نے آہستہ سے کہا۔

”ابھی اس سے موتی وصول کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر ناگ دکان میں داخل ہو گیا۔ جوہری ایک یہودی تھا۔ اور وہ دکان کے اندر چھوٹے سے تخت پر لیٹے لیٹے مزے سے بیٹھا اپنے منشی کو رجسٹر پر کچھ لکھوا رہا تھا۔ دکان میں تیسرا کوئی آدمی نہیں تھا۔ ناگ دکان میں داخل ہوا تو یہودی دکاندار نے وہیں سے آواز دی۔

”کاروبار بند ہو چکا ہے۔ واپس چلے جاؤ۔“

ناگ اتنی دیر میں یہودی جوہری کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے غصے میں آ کر ناگ سے کہا۔



موتی خرید چکا ہوں۔  
ناگ کہنے لگا۔

”اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم شاہی جاسوس سے  
منجری کرو گے مجھے سپاہیوں کے حوالے نہیں کرو گے  
تو میں تمہیں سیاہ موتی لاکھ دکھا دوں گا۔“  
اب تو مکاں دکاندار چونک اٹھا۔ اس نے ناگ کی طرف  
غور سے دیکھا اور بولا۔

”میرا شاہی جاسوس سے کیا کام ہے میں تو کاروباری  
آدمی ہوں۔ مجھے کیا ضرورت ہے کہ تمہیں سپاہیوں  
کے حوالے کروں؟“  
ناگ مسکرا دیا۔ کہنے لگا۔

”جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ آج شام  
کو تمہارے پاس ایک لڑکی دو سیاہ موتی لے کر  
آئی تھی اور تم نے شاہی جاسوس کو خبر کر دی اور اسے  
شاہی فوج کے حوالے کر دیا تھا۔“  
موٹا جوہری گھبرا سا گیا۔ ناگ نے فوراً دوسرا وار کرتے ہوئے  
کہا۔

”تمہاری وجہ سے ایک بے گناہ لڑکی کی زندگی خطرے  
میں پڑ گئی ہے۔ تمہیں کیوں نہ اس کی سزا دی جائے؟“

”تم احمق ہو کیا؟ میں نے کہا نہیں کہ دکان بند ہے۔  
نفل جاؤ یہاں سے۔“

ناگ نے اہستہ سے کہا۔

”میں سیاہ موتی بیچنے آیا ہوں۔“

یہودی جوہری نے چونک کر ناگ کو دیکھا اور پھر منشی کو کہہ  
کہ وہ جھٹی کمرے۔ جب منشی چلا گیا تو یہودی جوہری نے ناگ  
سے کہا۔

”دکھاؤ کہاں ہیں سیاہ موتی؟“

ناگ بولا۔

”موتی میرے گھر پر ہیں۔ مگر پہلے یہ بتاؤ کہ تم سیاہ  
موتی کتنے میں خریدو گے؟“

موٹا لالچی اور مکاں جوہری بولا۔

”پہلے موتی لاکھ دکھاؤ۔ پھر تم سے بات ہوگی۔ میرا  
وقت ضائع نہ کرو۔“

کیٹی ناگ کے پاس ہی کھڑی تھی مگر وہ یہودی جوہری  
کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ ناگ بولا۔

”کیا تم نے پہلے کبھی کوئی سیاہ موتی دیکھا ہے؟“  
دکاندار نے کہا۔

”میں روم کا سب سے بڑا جوہری ہوں۔ میں کئی سیاہ



یہودی جوہری نے تیکے کے نیچے رکھا ہوا چھوٹا سا خنجر نکال لیا اور غصے سے کاپیتی آواز میں بولا۔

”تم کون ہوتے ہو مجھے دھمکی دینے والے۔ وہ لڑکی جو سیاہ موتی میرے پاس لائی تھی وہ ایک شاہی خزانے کے موتی تھے۔ میرا فرض تھا کہ میں اس کی اطلاع بادشاہ سلامت کو کر دوں۔“

ناگ نے کہا۔

”تم نے اپنا فرض ادا کرنے کے لیے اسے سپاہیوں کے حوالے نہیں کیا تھا بلکہ انعام کے لالچ میں ایسا کیا تھا۔“

”نہیں۔ جوہری نے خنجر آگے کر دیا اور غصے میں بولا۔  
”سکس جاؤ میری دکان سے۔ تم مجھے کوئی ڈاکو معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں بھی سپاہیوں کے حوالے کر دوں گا۔“

ناگ نے بڑے اطمینان سے کہا۔

”تمہارا خنجر میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ ان دو سیاہ موتیوں کی جتنی رقم بنتی ہے۔ وہ اسی وقت مجھے سوتے کے سکوں میں ادا کر دو۔ ورنہ تمہیں اس دھوکے بازی کی پوری سزا بھگتنی

ہوگی۔“

اب تو موٹے جوہری کا غصے سے بُرا حال ہو گیا۔ اس نے خنجر والا ہاتھ اس طرح اٹھایا کہ جیسے وہ ناگ پر وارہ کرنے والا ہو کہ ناگ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور اس نے کیٹی — کہا۔

”تم اسے کچھ نہ کہنا۔ میں خود نمٹ لوں گا۔“

موٹا جوہری کچھ تیراں ہوا کہ ناگ نے یہ جملہ کس سے کہا تھا؟ کیٹی بولی۔

”تھیب ہے۔ اس بد معاش کے لیے تم ہی کافی ہو۔“

ایک بڑکی کی آواز سن کر موٹے جوہری کا خنجر والا ہاتھ وہیں رہ گیا۔ کیونکہ اسے لڑکی کی آواز تو سنانی دی تھی مگر اس کی شکل کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ اتنی دیر میں کیٹی نے جلدی سے آگے بڑھ کر جوہری کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔ اپنے ہاتھ سے خنجر نکلتا اور پھر غائب ہو۔ تے دیکھ کر موٹے جوہری پر دہشت سی طاری ہو گئی۔ ناگ نے اس کی طرف جھک کر کہا۔

”اب بھی وقت ہے کہ دونوں سیاہ موتیوں کی رقم

مجھے ادا کر دو۔ نہیں تو تمہاری خیر نہیں ہے۔“

جوہری لڑکھڑاتی زبان میں بولا۔

”تم — تم حادو گر ہو۔ تم مجھے لوٹنے آئے ہو۔“



”میں تو اپنی بہن کے ان دو سیاہ موتیوں کی قیمت وصول کرنے آیا ہوں جو تم نے اس سے لیکر سپاہیوں کے حوالے کر دیئے تھے۔“

موٹے جوہری کو ایک بار پھر غصہ آگیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

”میں شور مچا دوں گا۔ میری دکان سے نکل جاؤ۔ میں تمہیں ایک پانی بھی نہیں دے سکتا۔“

ناگ نے کہا۔

”تم کیا تمہارا باپ بھی رقم ادا کرے گا؟“

یہ کہہ کر ناگ نے اندر کو سانس کھینچا اور جب سانس باہر کو چھوڑا تو موٹے یہودی جوہری کے سامنے ناگ کی بھلے نے ایک سیاہ سانپ ایتنا پھن اٹھائے پھٹکا رہا تھا۔ موٹا جوہری تو کھڑے کھڑے ہ پنے لگا۔ اب کیٹی کی باری تھی۔ اس نے موٹے جوہری کی باہر کو نکلی ہوئی توند پر آہستہ سے مٹا مارا۔ جوہری پیچھے کو دھڑام سے گر پڑا۔ کیٹی نے کہا۔

”میں ہی وہ لڑکی ہوں جو تمہارے پاس سیاہ موتی لائی تھی اور جسے تم نے شاہی سپاہیوں کے حوالے کر دیا تھا۔“

یہودی جوہری کا خوف سے رنگ سفید ہو گیا تھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”میں موتیوں کی یہودی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔“

ناگ فوراً انسانی شکل میں آگیا۔





## یہ کس کی آواز تھی

سیاہ موتیوں کی قیمت کئی لاکھ سونے کے سکے بنتی تھی لیکن ناگ نے دکاندار سے کہا۔

”تم ہمیں صرف ایک ہزار سونے کے سکے دے دو باقی ہم تمہیں معاف کرتے ہیں“

”نہیں۔ نہیں ناگ بھیا! ہم اس سے اپنے موتیوں کی پوری قیمت وصول کریں گے۔ ہم باقی رقم غریبوں میں تقسیم کر دیں گے“

ناگ بولا۔

”یہ تم نے اچھا خیال سمجھایا ہے مجھے“

پھر اس نے یہودی دکاندار سے کہا۔ کہ فرداً ایک لاکھ سونے کے سکے ادا کر دو۔

یہودی دکاندار ہاتھ باندھ کر بولا ”میں تباہ ہو جاؤں گا اتنا سونا کہاں سے لاؤں گا“۔ حالانکہ اس مکان آدمی کی دکان

میں اس سے بھی کئی گنا زیادہ سونا پڑا تھا۔ ناگ نے اسے معاف نہ کیا اور ایک تھیلے میں پورے ایک لاکھ سونے کے سکے رکھوا لیے۔ تھیلہ بھاری ہو گیا تھا۔ ناگ نے کیٹی سے کہا۔

”اب اس تھیلے کو تم ہی اٹھاؤ گی“

کیٹی نے تھیلے کو اٹھایا۔ تھیلہ کیٹی کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر موٹا یہودی دکاندار غش کھا کر گر پڑا۔ ناگ ہنس کر بولا۔

”اسے غش کھانا ہی چاہیے تھا۔ اس کی دہشت کا یہ

ہی علاج تھا۔ آؤ کیٹی چلتے ہیں۔ واپس سرانے کی جانب“

اس یہودی جوہری کامنشی جس کو اس نے ناگ کے آنے پر

چُٹھی دے دی تھی اصل میں گیا نہیں تھا بلکہ وہیں دکان میں

ایک طرف چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔ اور اس نے ناگ کے سامنے

میں بدلنے اور کسی غیبی عورت سے باتیں کرتے اور پھر

اسے سونے کے سکوں کا تھیلہ تھا کہ وہاں سے نکلنے کا سارا

منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس رومن منشی کا نام

بیروکس تھا۔ بیروکس ایک سوداگر کے عیار کیمیاگر یورگی

کا غلام تھا جس نے بیروکس غلام کو جوہری کی دکان پر سکندر اعظم

کے خفیہ خزانے کا سراغ لگانے کے لیے نوکر کروا رکھا تھا۔ کیونکہ

کیمیاگر عیار یورگی کو معلوم ہوا تھا کہ اس جوہری کے پاس سکندر اعظم



کے خزانے کے سیاہ موتی بچنے کو آئے تھے۔ غلام بیروکس نے جب چھپ کر ناگ کو سانپ بنتے اور سکندر اعظم کے خزانے کے سیاہ موتیوں کی بات کرتے اور کسی غیبی عورت کے ساتھ سونے کا تھیلا لے کر باہر جاتے دیکھا تو اس نے ناگ کا تعاقب شروع کر دیا۔

بیروکس ایک یونانی غلام تھا۔ جو سوڈان کے عیارہ کیمیا گر یوراگی کے پاس نوکر تھا۔ عیارہ کیمیا گر یوراگی روم شہر میں سکندر اعظم کے خزانے کی تلاش میں ہی آیا تھا۔ شہر کے اندر ایک پہاڑی خانقاہ کے پاس اس نے باغ کے کنارے ایک مکان بتایا تھا۔ جہاں وہ رہتا تھا۔ عیارہ کیمیا گر یوراگی کو دولت کا لالچ تھا۔ اس کو سونا بنانے کا بھی شوق تھا۔ مگر ابھی تک وہ سونا بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ لمبی ڈاڑھی، سیاہ رنگ اور چوڑے شانوں والا مضبوط جسم کا مالک یوراگی تھوڑا تھوڑا جادو طلسم بھی جانتا تھا۔ بیروکس غلام ناگ کا تعاقب کرتے کرتے روم شہر کی سرائے میں پہنچ گیا۔ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ناگ سرائے میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ اُترا ہوا ہے۔ بیروکس راتوں رات اپنے مالک یوراگی کے مکان پر آ گیا۔ غلام بیروکس نے جب عیارہ کیمیا گر یوراگی کو بتایا کہ

اس نے ایک ایسے آدمی کا سراغ لگایا ہے جس کو سکندر اعظم کے خزانے کا علم ہے اور یہ آدمی انسان سے سانپ بھی بن جاتا ہے۔ تو عیارہ یوراگی کے کٹن کھڑے ہو گئے۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے اپنے غلام بیروکس کو چاندی کا سکہ انعام میں دیا اور پوچھا۔ ”کیا اس آدمی کو تم نے اپنی آنکھوں سے سانپ بنتے دیکھا ہے؟“

بیروکس بولا۔

”ہاں میرے مالک! میری آنکھوں کے سامنے اس نے ایک سانس بھرا اور پھر فوراً سانپ بن گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ انسانی شکل میں واپس آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ جو نظر نہیں آ رہی تھی۔ مگر وہ اس آدمی سے برابر باتیں کر رہی تھی اور جب اس عورت نے سونے کے سکوت والا تھیلا اٹھایا تو تھیلا بھی غائب ہو گیا تھا۔“

عیارہ یوراگی یہ سن کر حیرت میں ڈوب گیا۔ پھر بے چینی سے ٹپٹپٹ لگا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اس کو ایک بہت بڑا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو۔ اس نے غلام سے رُک کر کہا۔



”کیا یہ وہی عورت تو نہیں تھی جو جوہری کی دکان پر خزانے کے سیاہ موتی فروخت کرنے لائی تھی؟“ غلام بولا۔

”ہاں میرے مالک! سانپ کی جُون بدلنے والے آدمی نے بھی جوہری سے یہی کہا تھا کہ میرے ساتھ وہ لڑکی بھی آئی ہے جس کے سیاہ موتی پھینک کر تم اسے رومن سپاہیوں کے حوالے کر دیا تھا۔“

عیار یورگی نے جوش اور خوشی میں اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور بولا۔

”بیروکس! تم نے جو قیمتی خبر مجھے آکر سنائی ہے وہ سکندر اعظم کے خفیہ خزانے سے کم نہیں۔ اب اس راز کو اپنے تک ہی رکھنا۔ یقین کرو۔ ہمیں اتنا بڑا خزانہ ملنے والا ہے کہ جس کے آگے سکندر اعظم کے خزانے کی کوئی حیثیت نہیں رہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہمیں اس بات کو ایک گہرے راز کی طرح اپنے سینے میں بند کر کے رکھنا ہوگا۔“

غلام بیروکس کو بھی دولت کا بے حد لالچ تھا۔ وہ عیار یورگی کے پاس آیا ہی اس لیے تھا کہ یورگی سونا بنانے کی کوشش

کر رہا تھا۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”میرے مالک یورگی! میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس راز کی بھٹک تک کسی کو نہیں پڑنے دوں گا۔ مجھے حکم کریں کہ اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟“

عیار یورگی ٹھٹھٹے ٹھٹھٹے دُک گیا۔ پھر کمرے کے کونے میں سے پڑے ہوئے ایک صندوق کو کھول کر اس کے اندر سے تانبے کی ایک چھوٹی صندوقچی نکالی اور بولا۔

”درا بھی بتاتا ہوں کہ تمہیں کیا کرنا ہوگا۔“

عیار یورگی نے صندوقچی میں سے چمڑے کی ایک کتاب نکالی۔ اسے کھول کر ورق اُلٹنے لگا۔ پھر ایک ورق پر دُک کر اس نے آنکھیں جما دیں۔ اس ورق پر اُلٹی سیدھی لکیریں پڑی ہوئی تھیں۔ عیار یورگی نے جیب سے ایک نکونی پتری نکال کر ان لکیروں پر رکھ دی۔ ٹین کی پتری میں چار سوراخ تھے۔ ایک سوراخ میں سے نیچے والی لکیر کو غور سے دیکھتے ہوئے یورگی نے نیلے قلم سے نشان بنایا اور بیروکس کی طرف دیکھ کر بولا۔

”بیروکس! ہم اپنی قسمت پر جس قدر ناز کریں کم ہے۔ ہمیں وہ طلسم مل گیا ہے۔ جس کی مدد سے ہم ساری دنیا کے مالک بن کر حکومت کر سکیں گے۔“



ہم دنیا کے سب سے بڑے شہنشاہ ہوں گے۔“

پھر اس نے پتری جیب میں رکھی۔ کتاب کو بند کر کے صندوق میں اور صندوقی صندوق میں رکھ کر تالا لگا دیا۔ وہ پہلے سے زیادہ خوش تھا اور بے چینی سے تیز تیز قدم اٹھاتا کہ ٹل رہا تھا۔ اس نے بیروکس کے پاس آکر اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور جھک کر ملازمداری سے بولا۔

”بیروکس! اُن لوگوں نے تمہیں پیچھا کرتے تو نہیں دیکھا؟“

بیروکس بولا۔

”نہیں میرے آقا! ایک تو رات کا اندھیرا تھا۔ دوسرے میں ان سے چھپ کر پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔“

”بہت خوب۔“ عیار یورگی چہک کر بولا۔ ”اب تم ایسا کرو گے کہ صبح پہلی فرصت میں اُسی کارواں سرائے میں جا کر معلوم کرو کہ یہ بڑے اسرار لوگ وہاں کب تک رکیں گے۔ اور کہاں سے آئے ہیں۔“

بیروکس غلام نے ایسا ہی کیا۔ دوسرا دن نکلا تو وہ ایک مزدور کا بھیس بدل کر کام کی تلاش میں کارواں سرائے میں پہنچ گیا۔ کارواں سرائے کے ایک نوکر سے مل کر اس نے ناگ عنبر تھیو سانگ اور کیٹی کے بارے میں

ساری معلومات حاصل کر لیں۔ اور واپس یورگی کو آکر بتایا۔

”میرے مالک ان میں سے جو آدمی سانپ بنا تھا اس کا نام ناگ ہے۔“ عیار یورگی اُچھل پڑا۔ ”بالکل درست نام ہے۔ وہی نام ہے جو میری پرانی چمڑے کی کتاب میں لکھا ہے۔ دوسروں کا نام کیا کیا ہے؟“

بیروکس نے کہا۔

”ایک کا نام تھیو سانگ اور دوسرے کا نام عنبر ہے۔ ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی جس کا نام سرائے کے نوکر نے کیٹی بتایا ہے۔ مگر اب وہ لڑکی انہیں سرائے میں نظر نہیں آتی۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جو پہلے نظر آتی تھی مگر اب کسی طلسم کی وجہ سے غائب ہو گئی ہے۔“

عیار یورگی ادھر ادھر ٹھلٹے ہوئے سوچ رہا تھا۔ اچانک رُک کر بولا۔

”اس کا مطلب ہے کہ یہ لڑکی کیٹی ہی تھی جو جوہری کے پاس سکندر اعظم کا سیاہ موتی لے کر آئی تھی اور اب کسی وجہ سے وہ غائب ہو گئی ہے۔ یقیناً اس پر سکندر اعظم کے خزانے کے طلسم کا اثر پڑا ہے کیونکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ سکندر کا خزانہ جس غار



میں ہے وہاں مصری جادوگروں نے ایک ایسا طلسم کر  
کر رکھا ہے۔ جو وہاں جائے گا اس پر اس کا زبردست  
اثر پڑے گا۔ اور وہ زندہ نہیں بچ سکے گا۔ یہ لڑکی  
کیٹی مری تو نہیں۔ مگر غائب ہو گئی ہے۔ اسی طلسم کی  
بدولت وہ قید کی کوٹھڑی سے فرار ہو گئی تھی۔  
عیار یو راگی اپنے آپ جوش میں آکر بولتا چلا رہا تھا۔ پھر  
وہ بیروکس کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

”یہ لوگ سرائے میں کب تک رہیں گے اور کہاں  
سے آئے ہیں؟“

بیروکس غلام نے کہا۔

”میرے آقا! یہ لوگ ملک مصر سے آئے ہیں اور  
کچھ پتہ نہیں کہ وہاں کب تک ٹھہریں گے اور پھر وہاں  
سے کب کسی جانب روانہ ہو جائیں گے۔“

بیروکس نے چٹکی بجا کر اپنی لمبی ڈاڑھی کو ہاتھ سے پکڑ  
کر ذرا سا کھینچا اور بولا۔

”بیروکس اگر یہ سنہری موقع ہاتھ سے نکل گیا تو  
ہم سناری عمر ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ پھر یہ وقت  
ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ میں ابھی اسی وقت میں  
بدل کر سرائے کی طرف روانہ ہوتا ہوں۔ تم یہی میرا انتظار

کرو گے۔ میں مصر کے ایک جلا وطن کاہن کی حیثیت  
سے ان لوگوں کے پاس سرائے میں جا کر بلوں گا۔ یاد  
رکھنا کہ میں انہیں یہ بتا دوں گا کہ میں نے فرعون مصر  
کے ظلم کے خلاف آواز بلند کی تھی جس سے ناراض  
ہو کر فرعون نے مجھے جلا وطن کر دیا۔ اس کے بعد جو  
کچھ ہو گا تمہارے سامنے ہو گا۔“

عیار یو راگی تیزی تیزی سے دوسرے کمرے میں گیا۔  
کچھ دیر بعد باہر نکلا تو اس کا حلیہ ایک قدیم مصری کاہن ایسا  
تھا۔ سر منڈا ہوا تھا۔ مونچھیں اور لمبی ڈاڑھی اسی طرح تھی۔  
جسم پر ایک لمبی نیلے رنگ کی عبا پہنی ہوئی تھی۔ گلے میں منکوں  
کی مالا اور ہاتھ میں ایک لوہے کی سونٹی تھی۔ اس نے  
غلام بیروکس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میں اپنے شکار کو پھانسنے کا رواں سرائے کی طرف جا  
رہا ہوں۔ تم وہی مشروب تیار کر رکھنا۔ جس کو میں  
زعفرانی قہوے کے نام سے پکارتوں گا۔ تم سمجھ گئے  
ہو ناں؟“

غلام بیروکس نے کہا۔

”میں سمجھ گیا ہوں آقا! آپ بے فکر رہیں۔“

عیار یو راگی مکان سے باہر نکل کر اپنے خیمہ پر بیٹھا اور روم



شہر کی مشہور اور پیرانی کارواں سرائے کی طرف روانہ ہو گیا۔  
جہاں عنبر ناگ کیٹی اور تھیو سانگ اپنی کوٹھڑی میں بیٹھے تھے انہوں نے  
سوتے کے سکوں میں سے ایک سو سوتے اپنے پاس رکھ کر باقی سارے  
سکے غریب لوگوں کی بستی میں جا کر خیرات روم میں غریب لوگ اتنی تعداد میں رہتے تھے۔

کہ اگر وہ دس لاکھ سوتے کے سکے بھی لاتے  
وہ تھوڑے ہوتے۔ اس وقت انہوں نے صرف سوتے  
سو سکے اپنے خرچ کے لیے پاس رکھ لیے تھے۔ اور  
ماریا کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ناگ کہہ رہا تھا  
”میری رائے میں تو اب ہمیں یہاں سے ملک مصر  
کی طرف نکل چلنا چاہیے۔ کیونکہ یہاں ماریا کے ملنے  
کی کوئی امید نہیں ہے۔“  
تھیو سانگ کہنے لگا۔

”میرے خیال میں ہمیں دو چار دن اور انتظار کہ  
لینا چاہیے۔“  
ناگ بولا۔

”انتظار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“  
عنبر نے کہا۔

”لیکن ہم کیٹی کو بھی ماریا کی تلاش میں بھیج سکتے  
ہیں۔ اس کو تو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ تو شہر کے

سارے مکانات اور بادشاہ کے محل میں بھی جا کر ماریا کا  
کھوج لگا سکتی ہے۔“  
کیٹی کہنے لگی۔

”اچھا خیال ہے۔ میں ابھی جا کر ماریا کو ڈھونڈھتی ہوں۔  
میں تو کسی بھی مکان یا محل کے کمرے میں داخل ہو سکتی  
ہوں۔ مجھے تو کوئی بھی نہیں دیکھ گا۔ لیکن تم لوگ اسی  
سرائے میں ہی رہنا۔“  
ناگ نے کہا۔

”ایک بار پھر غور کر لو کیٹی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم  
کسی مشکل میں پھنس جاؤ۔ کیونکہ تم نئی تہی غائب ہوئی  
ہو۔ کہیں جذبات میں آکر کوئی غلطی نہ کر بیٹھو۔“  
کیٹی ہنس پڑی۔

”ناگ بھیا! بڑا افسوس ہے کہ تم اب بھی مجھے ایک  
نا تجربہ کار بچی سمجھ رہے ہو۔ پھر کیا ہوا کہ میں نئی  
تہی غائب ہوئی ہوں۔ مجھے ان حالات کا سینکڑوں  
برس کا تجربہ بھی تو ہے۔“

عنبر اور تھیو سانگ نے کیٹی کی تائید کی اور اسے جانے کی اجازت  
دے دی۔ مگر ہدایت کی کہ وہ شام ہونے سے پہلے پہلے واپس  
آجائے۔ کیٹی انہیں مطمئن کر کے چلی گئی۔ عنبر تھیو سانگ اور



ناگ برآمدے میں مونڈھوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایک دراندہ لمبی ڈاڑھی والا ادھیر عمر آدمی آتا دکھائی دیا جس سے مرمنڈا ہوا تھا اور ہاتھ میں لوسے کی چھتری تھی۔ ناگ نے کہا۔

”عنبر بھیا! کیا خیال ہے اس بزرگ فقیر کے بارے میں؟“

تھیوسانگ اور عنبر دونوں اس فقیر بزرگ کی طرف دیکھ گئے جو عیار یورگی تھا۔ عنبر نے کہا۔

”مجھے یہ مصر کا کوئی کاہن لگتا ہے۔ مگر یہ روم میں کہاں سے آگیا؟“

اتنے میں عیار یورگی نے قریب آکر لوسے کی چھتری والا ہاتھ بلند کیا اور قدیم مصری زبان میں ایک مذہبی اشوک پڑھا۔ وہ قدیم مصری زبان کا ماہر تھا۔ عنبر کو اپنا بچپن کا زمانہ یاد آگیا۔ کیونکہ وہ قدیم مصر کا باشندہ تھا اور دریائے نیل کے کنارے شاہی محل کے پاس ہی اس کی پرورش ہوئی تھی۔ تھیوسانگ نے پوچھا۔

”بزرگ! آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟“

عیار یورگی نے اپنی لال لال آنکھوں سے پہلے تھیوسانگ

پھر ناگ اور عنبر کی طرف باری باری دیکھا اور کہا۔

”کیا تم ایک جلاوطن انسان دوست کاہن کو اپنے قریب بیٹھنے کی بھی پیشکش نہیں کرو گے۔ میرے دوستو!“

عنبر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنا مونڈھا پیش کرتے ہوئے کہا۔

”آپ تشریف رکھیں۔ آپ سے مل کر ہمیں بڑی خوشی ہوئی خاص طور پر مجھے۔ کیونکہ میرا وطن بھی مصر ہی ہے۔“

عیار یورگی نے مونڈھے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”وہ تو بیٹا میں نے تمہاری شکل دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ تم میرے ہم وطن ہو۔ مجھے بھی تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ میرا نام یورگی ہے۔“

میں آج سے سات برس پہلے مصر میں دینی رہتا تھا لیکن مصر کے بادشاہ نے رعایا پر ظلم و ستم توڑنا شروع کر دیا۔ میں نے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی تو مجھے مصر سے دیس نکالا دے دیا گیا۔ تب سے میں روم میں ایک چھوٹا سا مکان بنا کر رہ رہا ہوں۔

ایک باغ ہے۔ بس اسی پر گزارہ ہوتا ہے۔“

تھیوسانگ نے پوچھا کہ آپ ادھر کیسے تشریف لے آئے؟

اس پر عیار یورگی مسکرایا اور تھیوسانگ کے کاندھے پر شفقت



سے ہاتھ رکھ کر بولا۔

”بیٹا! جب کبھی میں سنا ہوں کہ کارواں سرانے میں کوئی مصر کا آدمی آیا ہے تو میں اس سے ملنے چلا آتا ہوں مجھے اپنے وطن کے رہنے والوں سے اب بھی بہت پیار ہے۔“

ناگ کی طرف دیکھ کر عیار یوراگی کہنے لگا۔

”بیٹا! مجھے تم بھی مصر کے رہنے والے لگتے ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟“

عنبر نے کہا۔

”محترم یوراگی! یہ ہمارا دوست ناگ ہے۔ مگر یہ مصر کا نہیں ہندوستان کا رہنے والا ہے۔ ہم یہاں سیر و سیاحت کے لیے آئے ہوئے ہیں۔“

عیار یوراگی نے خوش ہو کر کہا۔

”یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن بیٹا میرے ہوتے ہوئے تمہیں اس کارواں سرانے میں رہنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں تمہارا ہم وطن ہوں۔ آخر میرا غریب خانہ کس کام آئے گا۔ تم لوگ ابھی میرے ساتھ چلو۔ اور مجھے اپنی خدمت کا موقع دو۔ میں اگرچہ ایک غریب راہب ہوں۔ مگر

میرا دل اپنے مصری بھائیوں اور ان کے دوستوں کے لیے بڑا کشادہ ہے۔“

کیٹی ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اس لیے عنبر ناگ اور تھیوسانگ سرانے چھوڑ کر نہیں جاسکتے تھے۔ ویسے بھی وہ کسی کے گھر نہیں جانا چاہتے تھے۔ لیکن عیار یوراگی نے کچھ ایسے اخلاق اور محبت کا مظاہرہ کیا کہ عنبر اور ناگ مجبور ہو گئے کہ دو ایک دلوں کے لیے یوراگی کاہن کی میزبانی قبول کر لیں۔

عنبر بولا۔

”اگر آپ بہت مجبور کرتے ہیں تو ہم دو ایک دن کے لیے آپ کے ہاں چلے چلتے ہیں۔ مگر ہم آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دیں گے۔“

عیار یوراگی نے عنبر کے سر پر شفقت کے ساتھ ہاتھ پھیرا اور کہا۔

”میرے بچے! مجھے تو تم اور تمہارے دوستوں کو اپنے گھر میں دیکھ کر اور تمہاری خدمت کے بڑی خوشی ہوگی آؤ میرے ساتھ۔“

عیار یوراگی کو معلوم تھا کہ ان کے ساتھ ایک غیبی لڑکی کیٹی بھی ہے۔ جو ان کے ساتھ ہی اس کے گھر میں آئے گی۔



عنبر ناگ اور تھیو سانگ مجبور ہو گئے۔ ناگ نے تھیو سانگ سے کہا۔

”تھیو سانگ بھائی! تم بعد میں آ جانا“

عیار یوراگی نے پوچھا کہ تھیو سانگ ساتھ کیوں نہیں چلے گا۔ تھیو سانگ بولا کہ دراصل میں نے ایک آدمی کو اپنے لیے کچھ چیزیں لینے بازار بھیجا ہے جو کچھ دیر بعد آئے گا۔ آپ مجھے گھر کا پتہ بتا دیں۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ عیار یوراگی کو تھیو سانگ سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ اسے صرف ناگ سے دلچسپی تھی جو کہ انسان سے سانب بن جانے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اس نے تھیو سانگ کو اپنے گھر کا پتہ بتایا اور کہا کہ شہر کے دروازے سے بائیں جانب تھوڑی دور جانے کے بعد انخیروں کا ایک باغ آئے گا۔ اس کے کنارے سفید چھوٹا سا مکان بنا ہوا ہے جس وہی میرا غریب خانہ ہے۔ تھیو سانگ نے عنبر اور ناگ سے کہا کہ تم لوگ وہاں چلے چلو۔ میں تھوڑی دیر بعد آ جاؤں گا۔ چنانچہ عنبر اور ناگ وہاں سے عیار یوراگی کے ساتھ اس کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔

عیار یوراگی اب بھی یہی سمجھتے ہوئے تھا کہ غیبی عورت کیٹی ان کے ساتھ ساتھ ہی چل رہی ہے۔ یوراگی انہیں لے کر انہیں اپنے مکان میں داخل ہوا تو غلام نیرو کس سے جھک کر

سلام کیا۔ اور محالوں یعنی عنبر اور ناگ کے گلے میں سرخ گلاب کے پھولوں کے ہار ڈالے۔ عیار یوراگی نے ان کے لیے ہرن کا گوشت اور چاول پکوائے۔ سنگروں کا رس بھی نکھوا کر ناگ عنبر کو پیش کیا۔ عنبر اور ناگ خوش تھے کہ سرائے کی بک بک سے تھوڑی دیر کے لیے نجات ملی۔ وہ انجیر کے باغ میں ایک سنگ مرمر کے تخت پر آکر بیٹھ گئے۔ عیار یوراگی بولا۔

”آپ لوگ یہاں آرام کریں۔ میں ذکر کو آپ کے لیے کھانا تیار کرنے کی کچھ ہدایات دے آؤں“

عیار یوراگی یہ کہہ کر مکان کی طرف چلا گیا۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔

”اگرچہ یہ آدمی بڑا باا حلاق ہے اور ہمیں یہاں آرام بھی بہت مل سکتا ہے۔ لیکن ہم یہاں دو ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے“

عنبر نے کہا۔

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ ٹھیک ہے۔ ہم کل یہاں سے واپس سرائے میں چلے جائیں گے۔ جا تو اس وقت بھی سکتے ہیں لیکن اس طرح سے اس ٹیک دل کاہن کا دل ٹوٹ جائے گا“

ناگ بولا۔



”نہیں ہم آج کی رات اور کل کا دن یہاں رُک جاتے ہیں۔ ابھی تھیو سانگ کو بھی آنا ہے۔ وہ تو کیٹی کے ساتھ ہی آئے گا۔“

دوپہر کے وقت تھیو سانگ بھی آگیا۔ عنبر کو تھیو سانگ کے ساتھ ہی کیٹی کی خوشبو بھی آنے لگی۔ ناگ نے تو کیٹی کو تھیو سانگ کے ساتھ ہی دیکھ لیا تھا۔ کیٹی اسے ایک دھندلی لہر کی طرح نظر آ رہی تھی۔ تھیو سانگ باغ میں آیا۔ اور عنبر ناگ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ ناگ نے کہا ”کیٹی بہن! تم حیران ضرور ہوگی مگر یہ یورائی کا بہن کا گھر ہے۔ امید ہے تھیو سانگ نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔“ کیٹی نے آہستہ سے کہا ”ہاں! مجھے تھیو سانگ نے بتا دیا تھا کہ تم لوگ یورائی نام کے ایک مصری کا بہن کے ہاں چلے آئے ہو۔ لیکن یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟“ عنبر نے کہا۔

یورائی چونکہ میرا ہم وطن ہے۔ اس لیے میں نے اس کا دل توڑنا مناسب نہیں سمجھا وہ ایک نیک دل شریف آدمی ہے۔ اور پھر ہم کل یہاں سے واپس اپنی سرانے میں چلے جائیں گے۔“

ناگ نے کیٹی سے ماریا کے بارے میں پوچھا تو وہ بولی ”تقریباً شہر کے ایک پورے علاقے کے مکانات کو چھان کر آ رہی ہوں۔ مجھے ماریا کا کہیں بھی سراغ

نہیں ملا۔“

تھیو سانگ نے کہا۔

”اس کی خوشبو بھی تو اس شہر سے نہیں آ رہی“ عنبر نے کہا۔

”ماریا کی خوشبو تو کسی ظلم کی وجہ سے بھی رُک سکتی ہے۔ بہر حال کیٹی بہن! تم کل شہر کے دوسرے علاقے میں کھوج لگانے کی کوشش کرنا۔“ کیٹی کہنے لگی۔

”میں آج شام شاہی محل میں جانے کا سوچ رہی ہوں کیونکہ ہو سکتا ہے ماریا وہاں کسی شکل میں موجود ہو۔“ ناگ نے اپنے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”خدا کرے کہ وہاں موجود ہو ماریا۔“

سامنے سے انہیں یورائی آتا دکھائی دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک طشت اٹھا رکھا تھا۔ جس میں سُرخ سُرخ سیب اور پکی ہوئی انجیریں رکھی تھیں۔ اس نے تھیو سانگ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”بیٹا تمہیں مکان تلاش کرنے میں کوئی وقت تو نہیں ہوتی؟“ تھیو سانگ بولا ”جی نہیں۔ مکان مجھے آسانی سے مل گیا تھا۔ عیاں یورائی نے پھلوں والا ٹرے ان کے درمیان رکھ کر کہا۔“



”یہ میرے باغ کے سیب اور انجیریں ہیں۔ تم اسے پسند کرو گے۔ کھانے سے پہلے ان کو تم پسند کرو گے۔“

عنبر ناگ اور تھیوساگ بھل اٹھا کر کھانے لگے۔ عیار یوراگی تھیوساگ کے آنے سے سمجھ گیا تھا کہ وہ غیبی لڑکی کیٹی کو ساتھ لے کر آیا ہے۔ یوراگی کو کیٹی نظر تو نہیں آ رہی تھی لیکن وہ چوکس ضرور ہو گیا تھا کہ شاید اسے غیبی لڑکی کی آہٹ ہی سنائی دے جائے یا پھر وہ کوئی بات ہی کرے۔ یوراگی ناگ سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کی نظر پھلوں والے ٹرے پر بھی تھی۔ اچانک اس نے ٹرے میں سے ایک سیب کو ذرا سا اوپر اٹھ کر غائب ہوتے دیکھا۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ غیبی لڑکی وہاں موجود ہے۔ اور یہ سیب اسی نے ٹرے میں سے اٹھایا ہے جو اس کے اٹھانے سے غائب ہو گیا ہے۔ عیار یوراگی اب محتاط ہو گیا۔ ایک بات صاف ظاہر تھی کہ اگر وہ ان لوگوں کو خاص مشروب پلا کر بے ہوش کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ غیبی لڑکی کیٹی وہ مشروب نہ پینے کی وجہ سے وہاں پر ہوش کی حالت میں موجود رہے گی اور یہ ساری کارروائی دیکھ لے گی اور وہ یوراگی اور اس کے غلام بیروکس پر حملہ کر

کے انہیں شدید نقصان بھی پہنچا سکتی تھی۔ یوراگی نے سوچا کہ اگر میں کسی طرح غیبی لڑکی کیٹی کو بھی بے ہوش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو اپنے منصوبے میں کامیاب ہو سکتا ہوں۔ سوال یہ تھا کہ غیبی لڑکی کو وہ مشروب کس طرح پینے کے لیے کہہ سکتا تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد عیار یوراگی کھالے کی نگرانی کرنے کے لیے مکان کے اندر چلا گیا۔ اس کے غلام بیروکس نے بے ہوش کر دینے والا مشروب تیار کر رکھا تھا۔ یوراگی نے اسے کہا۔

”غیبی لڑکی کیٹی بھی اب آگئی ہے۔ عام حالات میں کیٹی یہ مشروب نہیں پیئے گی۔ اور اگر وہ ہوش میں رہتی ہے اور اس کے ساتھی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ تو ہم اپنا مقصد پورا نہ کر سکیں گے۔ وہ ہم پر حملہ کر کے ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔“

عیار یوراگی ادھر ادھر ٹھٹھکتے ہوئے سوچنے لگا۔ غلام بیروکس نے کہا۔

”آقا! اس کی ایک ترکیب ہے۔“

”وہ کیا؟“ عیار یوراگی نے اپنے غلام کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا۔ غلام بیروکس نے جب یوراگی کو ترکیب بتائی تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔

غلام نے واقعی بڑے کمال کی ترکیب بتائی تھی۔ یوراگی



نے غلام کو سینے سے لگا لیا اور کہا۔ ”تم نے میرا بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ اب جلدی سے کھانا تیار کر کے لے آؤ۔ اور انگوروں کا مشروب بھی ساتھ لانا۔ ہاں ایک گلاس فالٹو رکھنا ٹرے میں“ غلام نے سر جھکا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”ایسا ہی ہوگا میرے آقا“

کھانا باہر باغ میں ہی سنگ مرمر کے تخت پر دسترخوان پر لگا دیا گیا۔ عنبر ناگ، تھیوسانگ، یوراگی وہاں بیٹھے تھے۔ غلام بیروکس نے کھانے کی لذیذ ڈشیں بڑے قرینے سے سجا دی تھیں۔ یوراگی بولا۔

”یہ سارا کھانا میرے غلام نے تیار کیا ہے۔ یہ ملک یونان کا رہنے والا ہے اور بڑا عمدہ کھانا پکاتا ہے۔ آپ یقیناً اس کھانے کو پسند کریں گے۔“

”آپ نے خواہ مخواہ بڑا تکلف کیا ہے محترم“ عیار یوراگی مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”تکلف کی کیا بات ہے بیٹا۔ اپنے ہم وطنوں کی خدمت کرنا تو میرا فرض ہے۔ اس سے مجھے خوشی ملتی ہے۔ میں تو تم سب دوستوں کا شکریہ گزار ہوں کہ تم لوگوں نے مجھے خدمت کا موقع دیا، انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔ عیار یوراگی کی نگاہیں کھانے کی پلیٹوں کا

گہری نظر سے جائزہ لے رہی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ غیبی لڑکی کیٹی بھی وہاں پر موجود ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ تھا کہ کبھی کبھی کسی پلیٹ سے اچانک کوئی گوشت کی بوٹی یا چاول غائب ہو جاتے تھے۔ یہ غیبی لڑکی کیٹی کھا رہی تھی۔ اتنے میں غلام بیروکس انگور کا خاص مشروب لے آیا۔

اس نے انگور کے مشروب کا جگ اور چھ سات خالی گلاس دسترخوان پر لاکر رکھ دیئے۔ یوراگی نے خود گلاسوں میں انگور کا مشروب ڈالا اور بولا۔

”میرے بچو! یہ نیلے انگور کا مشروب ہے۔ یہ انگور میرے اپنے باغ کے ہیں۔ ان کی خاص بات یہ ہے کہ اگر یہ مشروب پینے کے بعد کوئی آدمی یا عورت یا بچہ اپنی کسی بھی خواہش کا اظہار کرے تو دیوتا اسے پوری کر دیتے ہیں۔ کیونکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ نیلے انگور کا مشروب دیوتاؤں کا پسندیدہ مشروب ہے۔“

ناگ ہنسنے لگا۔

”بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

یوراگی نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”میرے بیٹے! تم بھی ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن میں نے

اپنی آنکھوں سے اس کا تجربہ دیکھا ہے۔ ایک لڑکی



میرے پاس مہمان بن کر آئی تھی۔ اس نے یہ مشروب پینے کے بعد خواہش کی کہ دیوتا اس کے بھائی کو جو بیمار ہے۔ اچھا کر دیں۔ تم یہ سن کہ حیران ہو گے کہ جب وہ گھر گئی تو اس کا بیمار بھائی صحت مند ہو چکا تھا۔  
عزیز اور تھیو ساگ کہنے لگے۔ "عزیز بولا۔" پھر تو میں یہ مشروب ضرور پیوں گا۔ اور خواہش کروں گا کہ میری بہن جو بچپن میں مجھ سے جدا ہو گئی ہے مجھے مل جائے۔  
یوراگی نے اس کی طرف گلاس بردھا کہ کہا۔

"ضرور۔ ضرور پیو میرے بیٹے!"

عیار یوراگی خود یہ مشروب نہیں پینا چاہتا تھا۔ مگر اس کے لیے وہاں سب کے سامنے مشروب پینا ضروری ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کا علاج اس نے یہ کیا تھا کہ اپنے خاص کمرے میں جا کر ایک سفید رنگ کی دوائی حلق میں اندر لی تھی۔ جو اس مشروب کے خطرناک اثر کو ضائع کر دیتی تھی۔ چنانچہ عیار یوراگی نے ان کے سامنے سب سے پہلے خود مشروب کا گلاس پی لیا۔ اب ناگ عزیز اور تھیو ساگ نے بھی گلاس منہ سے لگا لئے۔ عیار یوراگی اس انتظار میں تھا کہ غیبی لڑکی کب مشروب پی کر گرتی ہے۔ اس کو معلوم تھا کہ وہیں موجود ہے اور مشروب پینے کے ایک منٹ بعد وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ اور اسے

یا تو کیٹی کے گرنے کی آواز آئے گی اور یا وہ عزیز ناگ تھیو ساگ کو بے اختیار آواز دے گی کہ مجھے کچھ ہو رہا ہے۔ دوسری طرف کیٹی نے جب یہ سنا کہ اس نیلے انگور کے مشروب کے پینے سے آدمی جو خواہش کرے پوری ہو جاتی ہے تو اس نے سوچا کہ چلو مشروب پی کر خواہش کر لینے میں کیا حرج ہے۔ وہ دیوتاؤں سے ایک ہی خواہش کا اظہار کرنا چاہتی تھی کہ وہ پھر سے نظر آنے لگے۔ اور غیبی حالت کی مصیبت سے اسے چھٹکارا مل جائے۔

چنانچہ کیٹی نے بھی گلاس اٹھا لیا۔ عیار یوراگی کی نظریں گلاسوں پر برابر لگی ہوئی تھیں اس نے اچانک ایک گلاس غائب ہوتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ گلاس غیبی لڑکی نے اٹھایا ہے۔ کیٹی انگور کے مشروب کو غٹا غٹ پی گئی۔ چونکہ یوراگی ان کے درمیان دسترخوان پر ہی بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اس لیے کیٹی بول نہیں رہی تھی۔ مشروب پینے کے چند سیکنڈ بعد ہی کیٹی کو اپنا سر چمکاتا محسوس ہوا۔ وہ اٹھ کر قریب ہی ٹھلنے لگی۔ ٹھلنے سے دوا کا اثر تیز ہو گیا۔ اور وہ نیچے گرنے لگی۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"عزیز! میں گر رہی ہوں!"

یہ آواز سب سے پہلے یوراگی نے سنی۔ وہ اسی آواز



## ناگ قبر کے اندر

عنبر اور تھیوسانگ اس کی طرف لپکے۔

وہ سب سمجھ گئے تھے کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ اور انہیں کسی جال میں ابھایا گیا ہے۔ مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ مشروب میں جو دوائی ملائی گئی تھی اس نے ایک منٹ کے بعد اپنا اثر دکھا دیا تھا۔ عنبر اور تھیوسانگ بھی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یورگی نے چلا کر کہا۔  
”بیروکس! یہاں ایک غیبی لڑکی بھی بے ہوش ہو کر گری پڑی ہے۔ ان میں سے ناگ کو اٹھا کر اندر لے چلو۔“

غلام نے فوراً ناگ کو اٹھا کر کاندھے پر ڈالا اور مکان کی کوٹھڑی میں لے جا کر بند کر دیا۔ عیار یورگی وہیں کھڑا تھا۔ اس نے غلام سے کہا۔

”تھیوسانگ اور عنبر کو گھوڑے پر لا کر جنگل میں لے جا کر باہر دیا میں پھینک دو۔ جلدی کرو۔ انہیں بوروں

کے انتظار میں تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھ کر جھوٹ موٹ حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ کس کی آواز تھی عنبر ناگ اور تھیوسانگ نے کیٹی کی آواز سنی تو پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ناگ نے کیٹی کی دھندلی سی جسم کی لہر زمین پر گرتے دیکھا۔ تو اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر اس کا اپنا سر بڑی طرح چکرا رہا تھا۔ وہ بھی دھڑام سے گر پڑا۔“



PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
www.pdfbooksfree.pk



میں بند کر کے لے جانا۔

غلام نے جلدی سے مکان کے اندر سے دو بوریاں نکال کر باری باری ان میں تھیوسانگ اور عنبر کو بند کر دیا۔ پھر باغ کے ایک درخت تلے کھڑے گھوڑے پر ان بوریوں کو لاداد اور دوسرے گھوڑے پر بیٹھ کر دریا والے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ عیار یورگی بھک کر غور سے دسترخوان کو دیکھنے لگا۔ یہاں کسی جگہ غیبی لڑکی بے ہوش پڑی تھی۔ وہ اس لڑکی یعنی کیٹی کو بھی کسی طرح اپنے ظلم میں جکڑ لینا چاہتا تھا۔ وہ لپک کر اپنے خاص کمرے میں گیا۔ چٹڑے کی پرانی کتاب نکالی اور اس کے ورق اٹھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ مشروب کی دوائی کا اثر بارہ گھنٹے تک رہے گا۔ یعنی عنبر ناگ تھیوسانگ اور غیبی لڑکی کیٹی بارہ گھنٹے تک بالکل بے ہوش رہیں گے۔ عیار یورگی اس طلسمی کتاب کو جگہ جگہ سے پڑھ رہا تھا۔ آخر ایک جگہ اسے اپنے مطلب کا طلسم مل گیا۔ ایک ورق پر کونے میں قدیم مصری زبان میں لکھا تھا: جو کوئی اس طلسمی منتر کو سو بار پڑھ کر سادہ پانی پر چھونکے اور پھر اس پانی میں سلائی ڈبو کر اپنی آنکھوں میں گا تو اسے غیبی چیزیں نظر آنے لگیں گی۔

مکان یورگی خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے فوراً پیالی میں سادہ پانی ڈالا۔ اور اس کے سامنے بیٹھ کر قدیم طلسمی منتر پڑھنا شروع

کر دیا۔ جب وہ سو بار منتر پڑھ چکا تو پیالی کے پانی میں چھونک لگی۔ اور لکڑی کی سلائی اس پانی میں ڈبو کر اپنی دونوں آنکھوں میں لگائی۔ وہاں کوئی غیبی چیز نہیں تھی جو اسے نظر آتی۔ وہ بھاگ کر باغ میں اس جگہ آگیا جہاں سنگ مرمر کے تخت پر کھانے کا دسترخوان لگا ہوا تھا۔ اس نے جوہنی دسترخوان کی ایک طرف دیکھا تو اسے ایک سنہری بالوں والی خوب صورت لڑکی سیاہ لباس میں ملبوس بے ہوش پڑی نظر آئی۔ یورگی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ طلسمی منتر نے کمال کر دکھایا تھا۔ وہ غیبی لڑکی کو اپنے سامنے سنگ مرمر کے تخت پر بے ہوش پڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے جھک کر کیٹی کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ اسے اس کے بازو کا لمس باقاعدہ محسوس ہوا لیکن بازو کی سختی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کیٹی واقعی غائب تھی۔ اتنے میں غلام بیرو کس بھی گھوڑے پر سوار آگیا۔ گھوڑوں کو درخت کے نیچے کھڑا کر کے وہ اپنے آقا کے پاس آیا اور اسے تخت پر بٹھکا ہوا دیکھ کر بولا۔

”آقا! آپ یہاں کیا دیکھ رہے ہیں؟“

عیار یورگی نے چمکتی آنکھیں اٹھا کر کہا۔

”جو میں دیکھ رہا ہوں اگر تم دیکھ لو تو تمہیں اپنی آنکھوں پر کبھی یقین نہ آئے۔ میں غیبی لڑکی کیٹی کو دیکھ رہا ہوں۔“



یہ دیکھو۔ یہ اس کے بازو ہیں۔ یہ اس کی گردن ہے۔  
یہ اس کے نیلے بال ہیں۔ اس نے سیاہ چست  
لباس پہن رکھا ہے۔“

غلام بیروکس کو معلوم تھا کہ اس کا مالک طلسم بھی جانتا ہے۔  
کو یقین آگیا۔

اس نے کہا۔

”آقا! ان دونوں کو تو میں جنگل کے پاس دریا میں پھینک  
آیا ہوں۔ اب تک دریا کی تیز موجیں انہیں کہاں سے  
کہاں لے گئی ہوں گی۔ لیکن اس غیبی رٹکی کا ہم کیا کریں؟  
عیاد یوداگی اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔

”بیروکس! ہم اسے بھی بوری میں بند کر کے دریا  
میں پھینک دیں گے۔ کیونکہ مجھے اس کی ضرورت  
نہیں ہے۔ جس کی یعنی لگ کی ضرورت تھی۔ وہ اس  
وقت میرے کمرے میں بے ہوش پڑا ہے۔ میں  
اسے بوری میں ڈالتا ہوں۔ تم اسے بھی جنگل میں  
لے جا کر دریا برد کر دو۔“

”جو حکم آقا“ بیروکس نے سر جھٹکا کر کہا۔

غلام مکان کے اندر سے ایک اور خالی بوری لے آیا۔ عیاد  
یوداگی نے خود کیٹی کو بوری میں ڈالا۔ اسے ایک غیبی جیم

بوری میں ڈالتے ہوئے ایک انوکھا تجربہ ہو رہا تھا۔ وہ جسم  
کے صرف لمس کو محسوس کر رہا تھا۔ جسم کی سختی اسے  
بالکل محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے  
وہ نیم گرم دلہنی لباس کو جو بہت ہی ہلکا پھلکا ہے بوری  
میں ڈال رہا ہے۔ جب اس نے بوری بند کر کے اٹھائی تو بوری  
کا کوئی وزن نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے اگر کیٹی ہوش میں  
ہوتی تو یہ بوری بھی غائب ہو گئی ہوتی۔ لیکن وہ بے ہوش  
تھی۔ اس لیے بوری غائب نہیں ہوئی تھی۔ بوری کا وزن کچھ  
بھی نہیں تھا۔ یوداگی نے غلام سے کہا۔  
”یہ بوری بھی دریا میں پھینک آؤ۔“

غلام بیروکس نے بوری کو اٹھایا تو بس اس کا وزن اتنا ہی  
تھا جتنا کہ ایک خالی بوری کا ہوتا ہے۔ اس نے کہا۔

”آقا! کیا آپ کو یقین ہے کہ اس کے اندر غیبی رٹکی  
بند ہے۔ کیونکہ مجھے تو یہ خالی نظر آ رہی ہے۔“  
یوداگی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”اگر تم اسے میری آنکھوں سے دیکھ سکتے تو تمہیں  
اس کے اندر ایک سنہری بالوں والی خوب صورت رٹکی  
بے ہوش پڑی دکھائی دیتی۔ اب فوراً اسے یہاں سے  
لے جا کر دریا برد کر دو۔“



غلام نے بوری گھوڑے کے آگے رکھی۔ اور اس گھوڑے پر خود بھی بیٹھ گیا اور ایڑ لگا کر باغ سے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد یوداگی اس کمرے میں آگیا جہاں ناگ چار پائی پر بے ہوش پڑا تھا۔ عیار یوداگی کو سب معلوم تھا کہ اب اسے ناگ پر کس قسم کا طلسم کرنا ہے اور اس طلسم سے اس نے کیا طاقت حاصل کرنی ہے۔ اس نے اپنا طلسمی عمل شروع کرنے سے پہلے ناگ کے سر کے سامنے بال چھری سے کاٹ کر ایک پیالے میں ڈال کر ان کو آگ لگا دی۔ ناگ کے سر کے بال جب جل کر لاکھ ہو گئے۔ تو یوداگی نے وہ لاکھ نکال کر ایک کاغذ پر ڈال کر اپنے سامنے رکھ لی۔ پھر اس نے تیل کا دیا جلایا اور اس کے آگے بیٹھ کر طلسمی منتروں کو پڑھنا شروع کر دیا۔ جب غلام بیرو کس کیٹی کی بوری کو دریا میں پھینکنے کے بعد واپس آیا تو اسے مکان کے اندر یوداگی کے کمرے سے اس کے منتر پڑھنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کا مالک طلسم کر رہا ہے۔ وہ دستر خوان پر سے برتن اٹھا کر باورچی خانے میں گھنٹے لگا۔ یوداگی ایک گھنٹے تک طلسمی منتر پڑھتا رہا۔ اس کے بعد جب منتروں کے باب کا عمل ختم ہو گیا تو اس نے ناگ کے جلے ہوئے بالوں کی لاکھ پر دس مرتبہ آہستہ سے پھونک ماری اور پھر لاکھ

بھونٹ سی پڑیا بنا کر اسے پہلے سے تیار چمڑے کے ایک چھوٹے سے تعویذ میں اچھی طرح سے بند کر کے اس کا تعویذ بتایا اور اپنے بازو کے ساتھ باندھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے ایک آنکھ بند کر کے ناگ کی چار پائی کے گرد پندرہ چکر لگائے اور اس کے سر ہانے کی جانب کھڑا ہو کر بولا۔

”سامری! سامری! سامری! میں نے تیرا عمل پورا کر دیا۔ اب تو اس تعویذ کو حکم دے کہ یہ اپنا عمل شروع کر دے۔ سامری! سامری! سامری!“

یہ جملہ عیار یوداگی نے سات مرتبہ دہرایا۔ اس کے بعد یوداگی ایک منٹ کے لیے آنکھیں بند کر کے کھڑا رہا۔ اب اس کے چہرے پر عجیب و حسیانہ چمک تھی۔ طلسم کا عمل مکمل ہو چکا تھا۔ اب اس نے تعویذ کو آزمانا تھا۔ یوداگی نے دروازے پر ہاتھ پھیلا دیئے اور آہستہ سے کہا۔

”سامری! مجھے ناگ کی شکل عطا کر۔“  
دوسرے ہی لمحے عیار یوداگی کی شکل ناگ کی شکل میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس میں اور ناگ میں ذرا سا بھی فرق نہیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ ایک ناگ چار پائی پر بے ہوش پڑا ہے۔ اور ایک ناگ ہوش کی حالت میں چار پائی کے سر ہانے کھڑا ہے۔ یوداگی خوشی سے بے اختیار ہنس پڑا اور ہاتھ



جھڑ کر بولا۔

”سامری! سامری! سامری! میں تیرا غلام مہتارا  
شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ اب مجھے یہاں کے سب  
سے امیر سوداگر اینڈ ریاکس کی شکل عطا کر۔“

دوسرے لمحے یورائی ناگ کی شکل بدل کر روم کے سب  
سے امیر سوداگر اینڈ ریاکس کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ یورائی  
نے پھر آنکھیں بند کر کے کہا۔

”سامری! سامری! سامری! میری شکل روم کے بادشاہ  
کی ملکہ کی شکل میں تبدیل کر دے۔“

فورا ہی یورائی کی شکل روم کے بادشاہ کی ملکہ کی شکل میں  
تبدیل ہو گئی۔ کوٹھڑی میں اب روم کی حسین ملکہ عالی شان  
لباس اور قیمتی جواہرات پہنے کھڑی تھی۔ عین اس وقت غلام  
نے باہر سے دروازے پر دستک دی اور کہا۔

”میرے آقا! کیا میں اندر آ جاؤں؟“

غلام کو اندر سے کسی عورت کی آواز سنائی دی تو وہ  
ہکا بکا سا ہو کر رہ گیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے دروازہ  
کھولا۔ تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ کہ کمرے میں چادر پائی پر  
ناگ تو بے ہوش پڑا تھا۔ لیکن اس کے سر پرانے دیئے کی روشنی  
میں ایک ملکہ نہایت بیش قیمت شاہی لباس پہنے سر پر تاج رکھے

کھڑی اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ غلام بیروکس باہر جانے  
لگا تو یورائی نے کہا۔

”بیروکس! میں اس وقت ملکہ روم کی شکل میں ہوں تم  
دیکھ رہے ہو کہ مجھ میں اور ملکہ روم میں ایک فرق ہے  
جتنا بھی فرق نہیں ہے۔ لیکن اصل میں ملکہ روم نہیں  
بلکہ تمہارا آقا یورائی ہوں۔ یہ دیکھو۔ میں اپنی اصلی حالت  
میں واپس آ رہا ہوں۔“

یورائی نے دل میں سامری کا طلسمی جملہ دہرایا اور دوسرے  
لمحے غلام بیروکس کے سامنے اس کا مالک یورائی اپنے کپڑوں  
اور لمبی ڈاڑھی کے ساتھ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ غلام کو اپنی آنکھوں  
پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ یورائی اسے لے کر کمرے سے باہر  
آ گیا۔ اس نے دروازہ بند کیا اور بولا۔

”بیروکس! یہ وہ راز ہے جو اب تک میرے سوا  
صرف تم ہی جانتے ہو۔ تمہارے سوا اس کی کسی کو

خبر نہیں ہے۔ تم نے میری طاقت کو خود دیکھ لیا ہے  
کہ میں جس شکل میں چاہوں اپنے آپ کو بدل سکتا  
ہوں۔ میں سانپ بن کر تمہیں جہاں بھی تم ہو گے آکر  
ہلک کر دوں گا۔ لو میرا سانپ کا روپ بھی دیکھ لو۔“

اتنا کہ کہ یورائی نے دل میں سامری کا جملہ دہرایا اور



ایسی جگہ پھینکوں گا۔ جہاں سے وہ ساری زندگی باہر نہیں نکل سکے گا۔ اسے بوری میں ڈال کر میرے ساتھ آؤ ہم روم کے پرانے قبرستان میں لے جا کر ناگ کو کسی پرانی قبر میں دفن کر دیں گے۔“ غلام نے کہا۔

”لیکن آقا! ہوش آنے کے بعد تو وہ قبر سے باہر نکل آئے گا۔“ یورائی بولا۔

”اس کا علاج بھی میرے پاس موجود ہے۔ تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

یہ کہہ کر یورائی دوبارہ اس کمرے میں چلا گیا۔ جہاں ناگ چارپائی پر بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے سر کے سارے بال اتر چکے تھے۔ یورائی نے الماری میں سے ایک نیلے رنگ کی بوتل نکالی۔ اس میں کوئی تیل بھرا ہوا تھا۔ یورائی نے بوتل کو کھولا اور سارے کا سارا تیل ناگ کے جسم پر اس طرح انڈھیل دیا کہ اس کا سارا جسم تیل سے بھر گیا۔ بوتل الماری میں رکھ کر یورائی باہر آیا اور غلام بیروکس کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

”میں نے ناگ کے جسم کو ایک ایسے طلسمی تیل میں تھرا کر دیا ہے کہ اب وہ ایک ہزار سال تک

دوسرے لمحے غلام بیروکس کے سامنے آقا تو غائب تھا لیکن اس کی جگہ ایک سیاہ سانپ پھن اٹھائے جھوم رہا تھا۔ غلام سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ فوراً ہی یورائی اپنی اصلی حالت میں آگیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

”تم نے اپنی آنکھوں سے مجھے سانپ بتاتے اور سانپ سے پھر انسان بتاتے دیکھ لیا ہے۔ وعدہ کرو کہ تم میرا راز کسی کو نہیں بتاؤ گے۔ اور ہمیشہ میرے ساتھ رہو گے۔ تمہارا اسی میں فائدہ ہے۔ ورنہ تمہیں موت کے گھاٹ اتارنا میرے لیے کوئی مشکل بات نہیں ہے۔“ غلام نے سر جھکا دیا اور بولا۔

”میرے آقا! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے طلسمی راز کو میں ہمیشہ اپنے سینے سے لگا کر رکھوں گا۔ مر جاؤں گا لیکن یہ راز کسی کو نہیں بتاؤں گا۔“

”شاباش“ یورائی نے کہا۔ ”تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ کیونکہ اسی میں تمہاری بھلائی اور خیریت ہے۔“ غلام بیروکس نے پوچھا کہ میرے آقا ناگ جو اندر بے ہوش پڑا ہے کیا اسے بھی لے جا کر دریا میں پھینک آؤں؟ یورائی نے اپنی لمبی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور بولا۔

”یہ خطرہ میں کبھی مول نہیں لے سکتا۔ ناگ کو میں ایک



بھی ہوش میں نہیں اُسکے گا۔ اس کا جسم اسی حالت میں قبر کے اندر پڑا رہے گا۔ اسے بوری میں ڈال کر باہر لے آؤ۔“

غلام بیروکس نے اندر جا کر ناگ کو ایک بوری میں بند کر دیا پھر اسے کاندھے پر ڈال کر باہر لے آیا۔ دونوں آقا اور غلام مکان کو تالا لگا کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور شہر کے پیرا نے قبرستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ ناگ جس بورے میں بند تھا۔ وہ تیسرے گھوڑے پر رکھا ہوا تھا۔ قبرستان شہر کے جنوب کی جانب دریا کے پار تھا۔ دریا شہر کے درمیان میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ دن ڈھلنے لگا تھا۔ بادلوں کی وجہ سے موسم سرد ہو رہا تھا اور دن کی روشنی بھی دھندلی دھندلی تھی۔ قبرستان شہر سے باہر ایک ویران جگہ پر بنا ہوا تھا۔ اس کے ارد گرد ایک پتھری چار دیواری تھی۔ جو کئی جگہ سے ڈھے گئی تھی۔ قبرستان کے اندر ساپٹریس کے اپنے اپنے جگہ درختوں کے نیچے سینکڑوں برس پرانی ٹوٹی پھوٹی قبریں جگہ جگہ بکھری ہوئی تھیں۔ بیروکس نے اپنے آقا کی ہدایت کے مطابق ایک بیلچہ اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ قبرستان خالی اور سنسان تھا۔ ایک پرانی قبر کے پاس آکر وہ گھوڑوں سے اتر پڑے۔ یوراگی نے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اس قبر کو کھود ڈالو۔ یہی قبر ناگ کے لیے ٹھیک رہے گی۔“

غلام بیروکس نے پرانی قبر کی مٹی اور پتھر ادھر ادھر ٹھاکر کر اسے کھودنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اندر ایک خستہ تابوت دکھائی دیا جس میں انسانی جسم کی بوسیدہ ہڈیوں کے سوائے اور کچھ نہیں تھا۔ یوراگی نے کہا۔

”ناگ کو اس تابوت میں لٹا دو۔“

غلام نے ناگ کو بوری میں سے نکال کر قبر کے خستہ تابوت میں لٹا دیا۔ اوپر پرانا لٹا پھوٹا تختہ رکھا۔ پھر سلیجے سے مٹی اور پتھر ڈالنے شروع کر دیئے۔ جب قبر بھر گئی تو اس کے اوپر یوراگی نے ادھر ادھر سے گھاس پھوس اٹھا کر ڈال دیا تاکہ وہ پرانی قبر معلوم ہو۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد یوراگی نے غلام بیروکس سے کہا۔

”اب یہ ہزاروں برس تک اس قبر میں آرام کرے گا۔ آؤ اب واپس اپنے مکان پر چلتے ہیں۔ کیونکہ مجھے

وہ کام شروع کرنا ہے جس کے لیے میں نے یہ

سارا طلسم کیا تھا۔“

دونوں قبرستان سے نکلے اور گھوڑے دوڑاتے واپس اپنے مکان پر آ گئے۔ یوراگی نے بیروکس سے کہا۔



”آقا! آپ کے پاس وہ طاقت آگئی ہے کہ جس کی مدد سے آپ جس شخص یا جانور کی چاہیں اپنی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ اب آپ کا دوسرا قدم کیا ہوگا؟“  
یوداگی نے ایک قہقہہ لگایا اور مکان کے اندر داخل ہو کر بولا۔

”تم گھر کا باہر کا سامان اٹھا کر کمروں میں رکھ دو۔ ہم یہاں سے سائبرینے جا رہے ہیں۔“  
غلام بیروکس نے پوچھا۔

”آقا! سائبرینے تو روم کا ایک صوبہ ہے۔ وہاں جا کر ہم کیا کریں گے؟“  
یوداگی نے کہا۔

”سائبرینے روم کا سب سے مالدار صوبہ ہے۔ اس صوبے کے گورنر کا نام ٹولمی ہے۔ وہ اس وقت روم کی سلطنت کا سب سے امیر ترین اور دولت مند آدمی ہے۔ بادشاہ روم بھی اسے اپنے بہت قریب رکھتا ہے۔ اسے روم کے سپہ سالار کی بہت حمایت حاصل ہے۔ میں سائبرینے میں جاتے ہی سائبرینے کے گورنر ٹولمی کی شکل اختیار کر کے شاہی محل میں داخل ہوں گا اور اصلی گورنر کو ہلاک کر کے اس کی

جگہ خود گورنر بن جاؤ گا۔ پھر میں کوشش کروں گا کہ سپہ سالار کو اپنے ساتھ ملا کر روم کے تخت پر قبضہ کر دوں گا۔“

غلام بیروکس نے کہا۔

”میرے آقا! آپ اتنی محنت کس لیے کریں گے۔ آپ خود ہی سپہ سالار یا روم کے بادشاہ کی شکل کیوں نہیں بدل لیتے؟“

یوداگی نے اپنی لمبی ڈاڑھی پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔  
”جو طلسم میں نے کیا ہے اس کی مدد سے میں کسی بادشاہ یا فوج کے سپہ سالار اور کسی نیک راہب یا بزرگ دین کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ باقی ہر جانور ہر انسان کی شکل میں آ سکتا ہوں۔ اس لیے مجھے سائبرینے کے گورنر ٹولمی کی شکل ہی بدلنی پڑے گی۔“

انہوں نے اسی وقت گھر کا سامان مکان میں بند کر کے نکالا لگایا۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور صوبہ سائبرینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ جس وقت سائبرینے کے صوبے کے دارالحکومت میں پہنچے تو اس وقت رات ہو گئی تھی۔ عیار یوداگی نے غلام بیروکس کو یہ نہیں بتایا تھا کہ جو تعویذ اس نے اپنے بازو پر خفیہ طور پر باندھ رکھا ہے۔ یہ سارا طلسم اور کھمبات



42  
اسی کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ یہ راز وہ اپنے غلام بیروکس کو بتا سکتا تھا۔ یورگی نے غلام کو ساتھ لیا اور

یورگی نے کہا۔

”میں جب گورنر ٹولمی کی شکل میں محل کے اس دروازے کی طرف آؤں گا۔ تو یقیناً میرے محافظ سپاہی میرے ساتھ ہوں گے۔ میں محل کے دروازے کے قریب ٹک کر انہیں کہوں گا کہ نہ یقین کی جھاڑیوں کے پیچھے میرا ایک پرانا ساتھی جس کا نام بیروکس ہے وہ بیٹھا مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ اسے میرے پاس لے آؤ۔ یوں تم سمجھ جانا کہ یہ میں یورگی ہوں اور اصلی گورنر کا کام تمام کر کے اس کی شکل اختیار کر کے محل میں داخل ہو رہا ہوں۔ ٹھیک ہے؟“

بیروکس نے کہا۔

”بالکل ٹھیک ہے میرے آقا۔ میں اسی جگہ بیٹھ کر آپ کا انتظار کروں گا۔“

عیار یورگی نے اپنا گھوڑا وہیں چھوڑا اور پیدل ہی تہیون کی جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا مقدس مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جو وہاں سے تھوڑی ہی دُور ایک پہاڑی کے دامن میں واقع تھا۔ یورگی کا لباس بچاری کا ہنوں ایسا تھا۔ اس لیے اسے کسی نے مقدس مندر کے اندر جانے سے نہ روکا۔ یورگی مندر کے پیچھے تالاب پر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ جگہ جگہ پر

ایک سرانے میں جا کر اتر گئے۔ رات انہوں نے سرانے میں گزار دی۔ ساری رات یورگی منصوبے پر غور کرتا رہا۔ صبح ہوئی تو یورگی غلام کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر سارے کے گورنر ٹولمی کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ محل کی عقبی دیوار کے قریب جا کر ایک طرف نہ یقین کی جھاڑیوں میں گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس نے غلام بیروکس کو قریب بلا کر کہا۔

”میرا خیال ہے کہ صبح کے وقت گورنر ٹولمی غسل کرنے کے لیے مقدس مندر کے تالاب کی طرف جاتا ہے۔ تم اسی جگہ ٹھہرو میں مقدس مندر کی طرف جاتا ہوں۔ تم یہاں سے ہرگز ادھر ادھر مت ہونا۔ میں بہت جلد گورنر ٹولمی کی شکل میں محل کے اسی دروازے کی آؤں گا۔“

بیروکس غلام نے کہا۔

”میرے آقا! مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ یہ اصلی گورنر ہے یا نقلی؟ میرا مطلب ہے کہ مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ یہ اصلی گورنر ٹولمی نہیں بلکہ اس کی شکل میں آپ ہیں؟“



لے کر آیا ہوں۔“

اس زمانے میں بادشاہ، امیر و غریب کسان مزدور۔ سبھی ایک دیوی دیوتاؤں پر بہت زیادہ اعتقاد رکھتے تھے۔ چنانچہ گورنر ٹولمی نے عیار یوراگی کو اپنے قریب بلا لیا۔ عیار یوراگی نے قریب جا کر ایک بار پھر ہاتھ سینے پر رکھ کر سلام کیا۔ سر ذرا سا جھکایا اور کہا۔

”عالی جاہ! دیوتاؤں کا پیغام میں آپ کو تنہائی میں دینا چاہتا ہوں۔“

گورنر ٹولمی ذرا سا مسکرایا اور بولا۔

”تم کھل کر بات کرو سپہ سالار میرا دوست ہے۔“

یوراگی نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا اور بولا۔

”عالی جاہ! آپ دیوتاؤں کی توہن مت کریں۔“

دیوتا نے جو کہا ہے، ویسے ہی ہوگا۔ آپ کو اگر مقدس

پیغام سننا ہے تو تنہائی میں سن لیجئے نہیں تو میں جا رہا ہوں۔“

یہ کہہ کر عیار یوراگی واپس مڑ گیا۔ گورنر نے پیچھے سے بازو دے کر کہا۔

”مقدس کاہن! ہم دیوتا کا پیغام تنہائی میں ہی سنیں گے۔ ہمارے ساتھ اس کوٹنے کی طرف آ جاؤ۔“

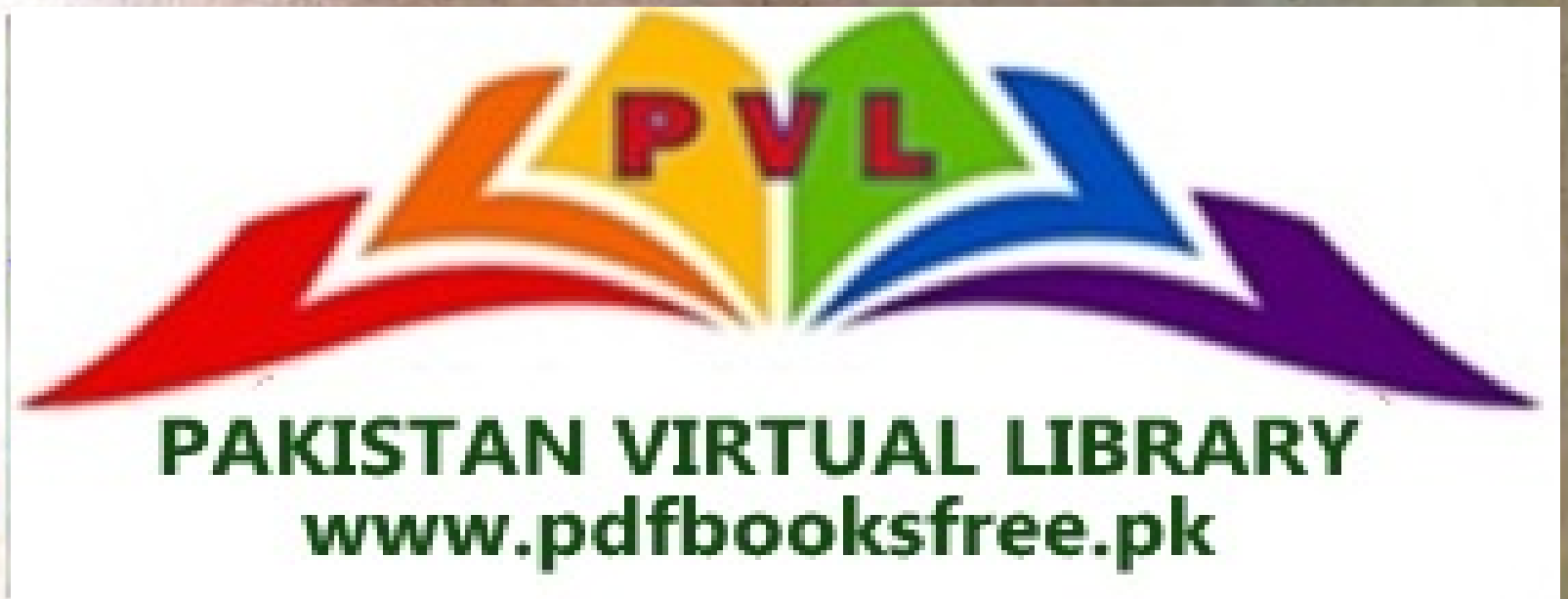
لگا تھا اور گورنر ٹولمی مقدس تالاب میں غسل کرنے کے بعد تالاب لباس زیب تن کر رہا تھا۔ یوراگی اس علاقے میں کئی بار آچکا تھا اسے معلوم تھا کہ تالاب کے کنارے ایک کمرہ ہے جس کے اندر وہ مقدس باولی یا گہرا پیرانا کنواں ہے جس میں مقدس تالاب سے پانی آتا ہے اور پھر وہاں سے ایک ڈھکے ہوئے نالے ذریعے شاہی محل کے باغ میں جاتا ہے۔ عیار یوراگی نے یہ مشاہدہ کرنا ہی ہوا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

وہ کاہن بجمادی کے لباس میں تھا۔ اس کی لمبی ڈاڑھی تھیں اس لیے جب اس نے ایک محافظ سے کہا کہ وہ گورنر ٹولمی کے کمرے سے دیوتاؤں کا ایک بڑا ضروری پیغام دینا چاہتا ہے۔ محافظ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ مگر اتنا ضرور کہا کہ میں پہلے گورنر سے جا کر پوچھ لوں۔ یوراگی واپس کھڑا رہا۔ اس وقت یوراگی کے عبا کے اندر ایک تیز دھماکہ خیز بھیجیا ہوا تھا۔ محافظ نے گورنر سے جا کر بات کی جو اس وقت اپنے سپہ سالار سے کوئی گنگا نہ تھا۔ گورنر ٹولمی نے محافظ کی بات سنی تو وہیں سے چلے گئے۔ یوراگی کی طرف دیکھا۔ عیار یوراگی نے اپنا ایک ہاتھ اس سے سینے پر رکھ کر گورنر کو سلام کیا۔ اور دور ہی سے کہا۔

”عالی مقام گورنر ٹولمی! میں ڈیفن کے مندر کا کاہن ہوں اور دیوتاؤں کی طرف سے آپ کے لیے ایک ضروری پیغام



یوداگی نے باولی والے کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔  
 ”عالی جاہ! وہ کمرہ ٹھیک رہے گا۔ کیونکہ جہاں دیوتاؤں کا  
 کا پیغام سنایا جا رہا ہو وہاں کسی باہر کے انسان کی  
 نظر بھی نہیں پڑتی چاہیے۔“  
 اور وہ سائبرینے کے گورنر کو ساتھ لے کر باولی کے کمرے  
 میں داخل ہو گیا۔



## طلسمی تعویذ

گورنر ٹولمی آگے آگے تھا۔

جو منہ وہ خالی کمرے میں داخل ہوا۔ یوداگی نے عبا کے اندر  
 سے خنجر نکالا اور پوری طاقت سے گورنر کی پیٹھ میں گھسے۔  
 مگر گھونپتے ہی اس نے اپنا ہاتھ بھی گورنر ٹولمی کے منہ پر  
 دیا تھا تاکہ وہ آواز نہ نکال سکے۔ مگر خنجر کا وار اتنا کادی  
 کہ ٹولمی گورنر سائبرینے کے دل میں پیچھے سے جا کر لگا اور  
 وہیں منہ کے بل گرا اور مر گیا۔ عبا یوداگی نے گورنر ٹولمی کی  
 شش کو اٹھا کر کنوئیں میں پھینک دیا اور خود سیدھا کھڑے  
 ہو کر ”سامری! سامری! سامری! مجھے گورنر ٹولمی کی شکل دے۔“  
 کہا اور دوسرے ہی لمحے یوداگی سر سے پاؤں تک گورنر  
 کی شکل اور لباس میں آ گیا۔ اس میں اور اصلی گورنر ٹولمی  
 کوئی فرق نہیں تھا۔ وہی شکل، وہی چہرہ، وہی نقش، وہی  
 کاٹھ اور وہی شاہانہ لباس اور کمر کے ساتھ لٹکتی تلوار۔  
 یوداگی نے اپنے جسم اور لباس کو دیکھا۔ تو بے حد خوش



ہوا۔ اب اسے باہر نکل کر اداکاری کرنی تھی۔ کیونکہ باہر والے کمرے کے باہر مقدس تالاب کے کنارے اس کا سپہ سالار اور دوسرے محافظ اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ یوداگی گورنر ٹولمی کی شکل میں باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس نے تلوار نیام میں ڈالتے ہوئے سپہ سالار سے کہا۔

”یہ آدمی دشمن کا جاسوس تھا۔ اس نے مجھ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔“

سپہ سالار اور محافظوں نے تلواریں کھینچ لیں اور کمرے کی طرف دوڑے کہ اصلی گورنر کے ساتھ جو آدمی یعنی عیار یوداگی گیا تھا اسے مار ڈالیں۔ مگر گورنر ٹولمی یعنی یوداگی نے انہیں روک دیا اور کہا۔

”میں نے اس کا کام تمام کر کے لاش کنوئیں میں پھینک دی ہے۔ چلو۔ محل کی طرف چلو۔“

یوداگی گورنر کے محلے میں گھوڑے پر شاہانہ انداز میں سوار آگے آگے جا رہا تھا۔ سپہ سالار اور محافظ فوجی اس کے پیچھے گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے تھے۔ یوداگی جب شہر کے دروازے کے قریب پہنچا تو اس نے زیقون کی جھاڑیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ان جھاڑیوں میں میرا ایک وفادار غلام بیٹھا ہوا ہے اس نے جنگ میں ایک بار میری جان بچائی تھی۔ اسے عزت کے ساتھ میرے پاس لے آؤ۔“

اسی وقت سپاہی زیقون کی جھاڑیوں کی طرف چلے غلام بیروکس نے یوداگی کو پہچان لیا۔ یہ اصلی گورنر ٹولمی نہیں تھا۔ بلکہ گورنر کی شکل میں اس کا آقا عیار یوداگی تھا۔ غلام بیروکس جھاڑیوں میں سے نکل آیا۔ سپاہی اسے بڑے احترام کے ساتھ گورنر کے حضور لے گئے۔ غلام بیروکس نے عذر سے یوداگی کی طرف دیکھا۔ اس میں اور گورنر کی شکل میں ذرا سا بھی فرق نہیں تھا۔ وہ اس طلسم پر حیران ہو کہ رہ گیا۔ یوداگی گورنر نے کہا۔

”بیروکس! ہم خوش ہوئے کہ تم ہمیں ملنے یہاں آ گئے ہو۔ آج سے تم ہمارے سب سے قابل اعتبار محافظ ہو گے۔“

غلام بیروکس نے سر جھکا دیا اور کہا۔

”جو حکم میرے آقا۔“  
یوداگی گورنر ٹولمی کے بھیس میں شاہی محل میں آ گیا۔ اس کی بیوی اور بچوں کو بھی اس پر ذرا سا شک نہ ہوا کہ یہ اصلی ٹولمی نہیں۔ بلکہ نقلی گورنر ہے کیونکہ یوداگی کی شکل آواز



اور چال ڈھال ہو ہو اصلی ٹولمی گورنر کی طرح ہو چکی تھی۔ غلام  
بیروکس اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ اب ہم عیار یورگی کو گورنر  
ٹولمی نہیں بلکہ گورنر یورگی ہی کہیں گے۔ تاکہ آپ کو علم ہو جائے  
کہ ہماری مراد نقلی اور جھوٹے گورنر سے ہے۔ شام کو یورگی  
گورنر نے ایک میٹنگ بلائی۔ اور صوبے میں ٹیکس زیادہ لگانے  
کا حکم دے دیا۔ اسی رات جب گورنر یورگی اور اس کا غلام  
کمرے میں تنہا رہ گئے تو غلام بیروکس نے پوچھا۔

”میرے آقا! آپ میں اور اصلی گورنر ٹولمی میں کوئی  
فرق نہیں ہے۔ پھر بھی کوئی ایسی نشانی تو ضرور ہوگی  
جس کی وجہ سے میں آپ کو پہچان سکوں کہ آپ ہی  
میرے آقا یورگی ہیں“

گورنر یورگی نے مسکراتے ہوئے اپنی گردن پر پڑے  
ہوئے بالوں کو اٹھا کر ایک داغ دکھایا۔ بیروکس نے دیکھا۔  
کہ گردن پر بالوں کے نیچے روپے جتنا ایک سیاہ داغ تھا۔  
گورنر یورگی بولا۔

”یہ داغ اصلی گورنر کی گردن پر نہیں تھا۔ یہ طلسم کا  
داغ ہے۔ تم اس سے بھی مجھے پہچان سکو گے“

مگر اس کے باوجود عیار یورگی نے اپنے غلام بیروکس کو  
بازو کے ساتھ بندھا ہوا وہ طلسمی تعویذ نہیں دکھایا تھا جس

کی وجہ سے یورگی اپنی شکل تبدیل کر سکا تھا۔ اگر وہ تعویذ کسی  
طرح سے اس کے بازو سے اتار دیا جاتا تو وہ دوبارہ اپنی  
اصلی شکل پر آ جاتا۔ یہ راز عیار یورگی کسی پر بھی واضح نہیں  
کر سکتا تھا۔ تعویذ اس نے اپنے بازو پر قمیص کی آستین کے  
نیچے باندھ رکھا تھا۔ اس تعویذ میں ناگ کے سر کے بالوں کی  
رکھ تھی۔ جس پر منتر پڑھے گئے تھے۔ اب گورنر یورگی نے  
سپہ سالار سے مل کر روم کے بادشاہ کے خلاف ایک سازش  
تیار کرنی شروع کر دی۔ کیونکہ یورگی کا اصل مقصد روم کے  
تخت پر قبضہ کرنا تھا۔

اب ہم واپس ناگ عنبر اور تھیوسانگ کیٹی کی طرف چلتے ہیں۔  
عنبر اور تھیوسانگ کو بے ہوش کرنے کے بعد یورگی نے

انہیں دریا میں پھینکوا دیا تھا۔ وہ بوریوں میں بند تھے۔ اس  
کا خیال تھا کہ یہ بوریاں بہتے بہتے بحیرہ روم کے سمندر میں  
چلی جائیں گی اور پھر ان کا نام و نشان تک مسٹ جائے گا۔  
مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چھکے۔ عنبر اور تھیوسانگ کی  
بوریاں دریا کے نیچے ہی نیچے کچھ دور تک بہتی رہیں۔ پھر پانی  
کے اندر جھاڑیوں میں ایک جگہ الجھ کر رک گئیں۔

دوسری طرف کیٹی کی بوری بھی پانی میں بہتی بہتی ایک جگہ  
دریا میں مرگ گئی تھی۔ ناگ روم کے پرانے قبرستان کی ایک قبر



میں بند پڑا تھا۔ تھیوسانگ اور عنبر کو بارہ گھنٹے گزرنے کے بعد ہوش آگیا۔ یورگی کا تو یہ خیال تھا کہ یہ پانی میں ڈوبتے ہی تھوڑی دیر بعد سانس نہ آنے پر مر جائیں گے۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ مرنے نہیں سکتے۔ کم از کم ابھی نہیں مر سکتے تھے۔ عنبر کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو بوری میں بند پایا۔ اس نے جلدی سے بوری کو پھاڑ دیا۔ تھیوسانگ بھی دوسری بوری میں سے باہر نکل آیا تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دریا کے اوپر تیر کر جانے کا اشارہ کیا۔ اور وہ اوپر کی طرف تیزی سے جاتے ہوئے دریا کی سطح سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ رات کا وقت ہے۔ نیلے آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں۔ دریا وہاں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں سے گزر رہا تھا۔ وہ دونوں تیرتے ہوئے کنارے پر آگئے۔ عنبر نے کہا۔

”وہ کوئی خطرناک دھوکے باز تھا۔ اس نے ہمیں بے ہوشی کا مشروب پلا کر دریا میں پھینک دیا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیٹی کہاں ہے؟“

تھیوسانگ بالوں میں سے پانی نچوڑتے ہوئے بولا۔

”کیٹی تو غائب تھی۔ اسے وہ بوری میں بند کر کے دریا میں نہیں پھینک سکتا تھا۔“

عنبر بولا۔

”اگر کیٹی آزاد تھی تو اس نے ہماری مدد کیوں نہیں کی؟ جب اس کی آنکھوں کے سامنے یہ عیار یورگی ہمیں بوریوں میں بند کر کے دریا میں پھینک رہا تھا تو کیٹی کیوں خاموش تھی؟“

تھیوسانگ غور کرتے ہوئے بولا۔

”اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ کیٹی خود بھی بے بس تھی۔ ہو سکتا ہے اس مکار شخص نے طلسم کی مدد سے اسے بھی دیکھ لیا ہو۔ اور پھر اسے اپنے جادو میں جکڑ کر قید کر لیا ہو؟“

عنبر نے چاروں طرف پہاڑیوں کی جانب دیکھا اور کہا۔

”ہم روم سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ ہمیں واپس چل کر اس دھوکے باز شخص کے مکان پر جا کر دیکھنا چاہیئے۔ کہ کیٹی کہیں اسی جگہ تو قید میں نہیں پڑی؟“

وہ دریا کے کنارے کنارے شہر کی طرف چلنے لگے۔ پہاڑیوں سے باہر نکلے تو سامنے وادی میں انہیں روم شہر کی دیوار کی روشنی نظر آئی۔ شہر میں چاروں طرف سناٹا پھلایا ہوا تھا۔ تھیوسانگ اور عنبر سنان اور تارک بازاریوں میں سے گزرتے یورگی کے کے باغ والے مکان پر پہنچ گئے۔ مکان کے باغ کا گیٹ بند تھا۔ وہ دیوار پھلانگ کے اندر باغ میں آگئے۔ مکان کے دروازے



پر تالا پڑا تھا۔ انہوں نے تالا توڑا اور اندر جا کر سامان کی تلاشی لی۔ سارے کمروں میں دیکھا۔ کیٹی کی خوشبو بھی وہاں نہیں تھی۔ انہوں نے کیٹی کو آوازیں بھی دیں مگر کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ عنبر بولا۔

”ناگ بھی نہیں ہے۔ خدا جانے ناگ پر بھی اس نے جادو کر کے اسے بھی دریا میں نہ پھینک دیا ہو۔ ہمیں واپس دریا پر جا کر اسے تلاش کرنا چاہیے“

”اس طرح ہم دریا کی تلاشی نہیں لے سکتے۔ دریا بہت بڑا ہے۔ ہمیں اسی جگہ کہیں چھپ کر عیار لیراگی کا انتظار کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ یہاں واپس آئے۔ آخر یہ اس کا مکان ہے“

عنبر نے کہا۔

”لیکن کیٹی اور ناگ کا سراغ لگائے بغیر ہم یہاں کیسے سکون سے بیٹھ سکیں گے؟ کہیں ان پر کوئی مصیبت نہ آن پڑی ہو“

تھیو سانگ بولا۔

”عنبر! ہم لوگوں پر کسی مصیبت کا ٹوٹ پڑنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دانشمندی

اور عقل سے کام لیتے ہوئے اپنے ساتھیوں کا کھوج لگانے کی کوشش کریں؟“

عنبر نے کہا۔

”مگر اس شخص کو ہمیں بے ہوش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا اصل مقصد کیا تھا؟“

تھیو سانگ کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ شخص کوئی جادوگر ہے۔ اس نے اپنے طلسم کے زور سے معلوم کر لیا ہو گا کہ ہم میں ایک ناگ اور ایک غیبی عورت بھی ہے۔ اسے اپنے کسی طلسم کے لیے ممکن ہے ناگ اور کیٹی کی ضرورت ہو۔ پس وہ بہانے سے ہمیں اپنے گھر لے گیا۔ مجھے یقین ہے کہ کیٹی اور ناگ کو وہ کسی طلسمی ڈبیا میں بند کر کے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اس لیے یہاں دکان بیکار ہے۔ وہ اب یہاں نہیں آئے گا“

عنبر کہنے لگا۔

”ایک بات صاف واضح ہو گئی ہے۔ کہ اسے ہم دونوں کی طاقت کا علم نہیں تھا۔ یعنی اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ ہم دریا میں بھی مرنے نہیں سکتے۔ ورنہ وہ ہمیں بوریوں میں بند کر کے دریا میں نہ پھینکتا۔ وہ یقیناً



یہی سمجھ رہا تھا کہ ہم دریا میں گرنے کے تھوڑی دیر بعد  
مر جائیں گے۔

تھیو سانگ نے کہا۔

”ممکن ہے اسے ہماری طاقت کا علم نہ ہو سکا ہو۔

لیکن اسے ناگ کے سانپ بن جانے کا ضرور پتہ چل  
گیا ہوگا اور میرا دل کہتا ہے کہ یہ بد معاش صرف ناگ  
کو حاصل کرنے کے لیے ہی ہمارے پاس آیا تھا۔  
اور وہ ناگ کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔“

”مگر کیٹی کہاں؟“ عنبر نے سوال کیا۔

اس کے جواب میں تھیو سانگ نے کہا۔

”ہو سکتا ہے اس پر بھی پوراگی نے کوئی طلسم کر دیا  
ہو اور اسے بے حس کر کے کسی دریا یا کھڈ میں پھینک  
دیا ہو۔“

وہ اسی طرح باتیں کر رہے تھے کہ دریا میں جہاں کیٹی  
گری تھی۔ وہاں بارہ گھنٹے گزرنے کے بعد اسے بھی ہوش  
آگیا۔ ہوش میں آتے ہی کیٹی نے دیکھا کہ وہ بوری میں بند  
دریا کی گہرائی میں پڑی ہے۔ اس نے اپنے آپ کو ایک  
جھٹکا دیا اور وہ دوسرے ہی لمحے دریا کی لہروں کو چیرتی ہوئی  
اوپر سطح پر آگئی۔ اس نے بھی دیکھا کہ رات کا وقت ہے۔

اور دریا پہاڑوں میں سے گزر رہا ہے۔ یہ روم شہر کے باہر  
پہاڑیاں تھیں۔ اس نے پہلی بات جو محسوس کی وہ یہ تھی  
کہ فضا میں تھیو سانگ اور عنبر کی خوشبو آرہی تھی۔ دوسری  
طرف تھیو سانگ اور عنبر کو بھی کیٹی کی خوشبو محسوس ہوئی تو وہ  
بے تک پڑے عنبر نے کہا۔

”کیٹی کی خوشبو آرہی ہے۔“

تھیو سانگ بولا۔

”مجھے بھی آرہی ہے۔ مگر ناگ کی خوشبو کیسے نہیں ہے۔“

عنبر اور تھیو سانگ مکان کے باغ سے باہر آگئے۔ کیٹی کی  
خوشبو قریب آرہی تھی۔ کیونکہ کیٹی ہوش میں آنے کے بعد  
دریا سے نکلتے ہی تھیو سانگ، ناگ اور عنبر کی خدمت معلوم  
کرنے مکار پوراگی کے مکان کی طرف اڑنے لگی تھی۔ وہاں  
پہنچتے ہی اس نے عنبر اور تھیو سانگ کو دیکھا۔ وہ قریب آ  
گئی۔ تھیو سانگ اور عنبر نے بیک وقت کہا۔ ”کیٹی اتم ٹھیک ہو؟“  
”ہاں۔ میں ٹھیک ہوں۔ مگر یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟“  
ناگ کہاں ہے؟

عنبر نے اسے بتایا کہ ناگ کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ ہم تو بوریوں  
میں بند کر کے دریا میں گرا دیئے گئے تھے۔ کیٹی نے کہا۔  
”اس بد معاش نے مجھے بھی بوری میں ڈال کر دریا بڑھ



کر دیا تھا۔

تھیو سانگ نے تعجب کے ساتھ پوچھا۔  
”کیا اس نے تمہیں دیکھ لیا تھا؟“  
کیٹی بولی۔

”مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں تو مشروب پی کر گر پڑی تھی۔“  
عنبر نے ناراض ہو کر کہا۔

”گر تمہیں مشروب پینے کی کیا ضرورت تھی؟“  
کیٹی نے کہا۔

”میں نے اس لالچ میں آکر پی لیا کہ مشروب پینے  
کے بعد اتنی بے خواہش پوری کر اؤں گی کہ میں پھر  
سے نظر آنے لگوں۔“

تھیو سانگ اور عنبر نے سر ہلا دینے، عنبر بولا۔  
”بہر حال خدا کا شکر ہے کہ تم خیریت سے ہو اور  
ہمارے پاس آگئی ہو۔ اب یہ پتہ کرنا ہے کہ ناگ  
کہاں ہے۔“

تھیو سانگ نے کہا۔

”میرا تو اب بھی یہی خیال ہے کہ بد معاش یوراگی  
نے یہ سب کچھ ناگ کو قبضے میں کرنے کے لیے  
کیا تھا اور وہ اسے اپنے ظلم میں جکڑ کر ساتھ ہی

لے گیا ہے۔“

”کیا وہ اس مکان پر نہیں ہے؟ کیٹی نے سوال کیا۔  
عنبر بولا۔

”یہاں ہوتا تو میں اب تک اس کی گردن مروڑ چکا  
ہوتا۔ وہ فرار ہو چکا ہے۔“

کیٹی آہ بھر کر بولی۔

”اب ہم ناگ بھیتا کو کہاں تلاش کریں گے؟ پہلے  
یہی مایا ہم سے بچھڑ چکی ہے۔ وہ ہمیں ابھی تک نہیں  
مل رہی۔“

عنبر کہنے لگا۔

”بہر حال کسی نہ کسی جگہ انہیں تلاش کر ہی لیں گے لیکن  
سب سے پہلے ہمیں اس بد معاش یوراگی کا کھوج لگانا  
ہوگا۔ اس کے مل جانے سے ناگ بھی ہمیں مل سکتا  
ہے۔“

”اس کا کھوج کہاں لگایا جائے؟“ کیٹی نے کہا۔ ”ممکن  
ہے وہ اس مکان میں دوبارہ واپس آئے۔ آخر یہ اس  
کا اپنا مکان ہے۔“

تھیو سانگ نے کہا۔

”وہ تو سارا سامان کمروں میں بند کر کے تالا لگا گیا ہے۔“



ظاہر ہے کہ وہ جلدی واپس آنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔  
کیٹی نے کہا۔

”تو پھر اس کی ایک ہی صورت ہے۔ کہ آپ لوگ  
اس مکان میں ہی رہیں۔ اور میں ناگ کی تلاش میں  
نکل جاؤں۔“  
عنبر نے لگا۔

”بہتر تو یہ ہوگا کہ ہم دونوں ناگ اور یوراگی کا  
کھوج لگانے چلے جائیں اور تم اسی مکان میں رہو۔  
کیونکہ تمہیں تو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ بد معاش  
یوراگی اگر آیا بھی تو وہ ہمیں دیکھ کر فرار ہو سکتا ہے۔  
لیکن تم چوہہ کہ اُسے نظر نہیں آؤ گی اس لیے ہو سکتا  
ہے وہ فرار نہ ہو۔“  
تھیو سانگ نے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ جادوگر ہے اور کسی طلسم کے  
زور سے وہ کیٹی کو دیکھ لیتا ہے۔“  
کیٹی نے لگی۔

”جو کچھ بھی ہو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی میرا  
تو خیال ہے کہ ہمیں کم از کم ایک ہفتہ اکٹھے ہی  
یہاں کسی جگہ چھپ کر بد معاش یوراگی کا انتظار کرنا

چاہیے۔ اگر وہ ایک ہفتے میں نہ آیا تو پھر ہم تینوں اکٹھے  
ہی ناگ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ ابھی  
ہمیں ماریا کا بھی کھوج لگانا ہے۔“  
تھیو سانگ نے کہا۔

”یہ منصوبہ مجھے پسند ہے۔“

عنبر نے بھی اس کی منظوری دے دی اور انہوں نے مکان  
میں رہنے کی بجائے مکان کے باہر انگوڑے کے باغ کے ایک  
کونے والی کوٹھڑی میں اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ اس کوٹھڑی میں  
گھاس پھوس پڑا تھا۔ انہوں نے کونے میں جگہ سے خشک  
پتے اور گھاس پھوس ہٹا کر اپنے لئے جگہ بنالی۔ رات کو کیٹی  
باہر پہرہ دیتی اور دن کو وہ مل کر درختوں کی اوٹ میں  
چھپ کر مکان کے بڑے گیٹ پر نظریں جما کر بیٹھ جاتے کہ  
شاید عیار یوراگی وہاں آ جائے۔

اب ہم ماریا کی طرف جاتے ہیں۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں  
کہ ماریا اُلُو کے بچے میں بند تھی۔ اور اسے خانہ بدوشوں  
کے قبیلے کی مکاتہ خالہ نے خانہ بدوش لڑکی نتالی سے دھوکے  
سے لے لیا تھا۔ اور اس کی جگہ نتالی کو ایک نقلی اُلُو کا بچہ  
دے دیا تھا۔ جو وہ اپنے گھر میں ڈالے پھرتی تھی۔ خانہ  
بدوشوں کے اس قافلے نے بھی روم شہر کے باہر آ کر اپنے



خیمے لگا لیے تھے۔ مکار خالہ اس پہنچے کو بے حد قیمتی اور شگون والا سمجھتی تھی اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کے اندر ماریا بند ہے۔ وہ تو اُٹو کے اس پہنچے کو مبارک جان کر روم میں کسی امیر زادی کے پاس فروخت کر کے دولت حاصل کرنا چاہتی تھی چنانچہ جب یہ قافلہ روم شہر کے باہر پہاڑیوں میں آکر رُک گیا تو ایک روز مکار خالہ بدوش خالہ ماریا والا پہنچہ چھپا کر خیموں میں سے نکلی اور جنگل کھسپاں اکٹھا کرنے کے بہانے وہاں سے نکل کر روم شہر میں آگئی۔

اس نے ایک جگہ بڑی عالی شان حویلی دیکھی۔ یہ کسی دولت مند امیر زادی کی حویلی تھی۔ خانہ بدوش خالہ نے حبشی غلام سے کہا۔ کہ مجھے اپنی مالکہ سے ملاؤ۔ میں اس کے لیے بڑا عمدہ تحفہ لے کر آئی ہوں۔ پہلے تو غلام نہ مانا۔ لیکن جب خانہ بدوش خالہ نے کہا۔

”امیر زادی نے میرے تحفے میں جو انعام دیا میں اس میں سے آدھا تمہیں دے دوں گی“

حبشی غلام ماضی ہو گیا۔ اس نے حویلی میں جا کر رومن امیر زادی سے کہا کہ ایک خانہ بدوش عورت آپ کے پاس آئی ہے۔ تحفہ لائی ہے۔ امیر زادی اس وقت سٹکار کروا رہی تھی۔ کنیتیں اس کے بالوں میں مورتی پرور رہی تھیں۔ اس نے کنیتوں کو رخصت

دیا اور خانہ بدوش خالہ کو اپنے کمرے میں بلوایا۔ خانہ بدوش خالہ نے سلام کیا اور کہا۔

”بیٹی تو بڑی قسمت والی ہے کہ میں ایک قیمتی شے لے کر سب سے پہلے تمہارے پاس آئی ہوں“

امیر زادی نے پوچھا۔

”خالہ! وہ کون سی قیمتی شے ہے۔ ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ“

خانہ بدوش عورت نے اُٹو کا چھوٹا سا سیاہ پہنچہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور کہا۔

”یہ خوش قیمتی کی علامت ہے۔ جس کے پاس یہ پہنچہ ہو اس کی جوانی کبھی نہیں ڈھلتی۔ وہ ہمیشہ جوان رہتا ہے اور کبھی بیمار نہیں ہوتا“

امیر زادی بھی اس زمانے کی دوسری عورتوں کی طرح وہم و گہم سے غور کر رہی تھی۔ اس نے پہنچہ اُٹھا کر غور سے دیکھا اور بولی۔

”خالہ! میں یہ خریدنا چاہتی ہوں۔ بولو۔ میں تمہیں اس کے

عوض کیا پیش کروں؟“

خانہ بدوش عورت نے کہا۔

”تمہاری مرضی ہے۔ تم جو دوں گی میں اسے خوشی سے

قبول کروں گی“

امیر زادی نے صندوق کھولا اور اس میں سے سونے کے سو



کوں کی تھیلی نکال کر خانہ بدوش خالہ کو دی۔ تو وہ بہت خوش ہوئی۔ در سلام کرتی حویلی سے باہر جانے لگی تو رک گئی۔ اسے خیال آگیا کہ دروازے پر حبشی غلام اس سے اپنا حصہ مانگے گا۔ اس نے امیرزادی سے کہا۔

”بیٹی! باہر مجھے خطرہ ہے کہ کوئی مجھ سے یہ تھیلی نہ چھین لے۔ اس لیے کیا تمہاری حویلی میں کوئی خفیہ دروازہ بھی ہے؟“

امیرزادی نے کہا۔

”کیوں نہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔“

امیرزادی نے خالہ کو ایک خفیہ دروازے سے باہر نکال دیا۔ خانہ بدوش خالہ خوش خوش اپنے خیموں کی طرف روانہ ہو گئی۔

امیرزادی نے آلو کا پیچہ اپنے سنگار میز کی دراز میں رکھ دیا کہ اپنے سنار سے کہہ کر اس میں سونے کی زنجیر ڈالے گی اور پھر اسے گلے میں پہن لے گی۔ اتفاق سے ایک کنیز نے جو بوڑھی ہو رہی تھی اپنی امیرزادی اور خانہ بدوش عورت کی باتیں سن لی تھیں۔ اور اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ امیرزادی کے پاس آلو کا ایک ایسا طلسمی پیچہ آگیا ہے جو بوڑھی عورت کو جوان کر سکتا ہے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ

وہ یہ پیچہ خود اپنے پاس رکھ لے اور اس کی جگہ نقلی پیچہ رکھ دے۔ یہ بوڑھی کنیز خود جوان ہونا چاہتی تھی۔ اسی روز وہ جنگل میں گئی اور ایک آلو کو شکار کر کے اس کا پیچہ کاٹا۔ اسے گرم پانی سے دھو کر سکھایا اور شام کو امیرزادی کے دراز میں رکھ کر اصلی پیچہ نکال لیا۔ اس بوڑھی کنیز کا ایک بیٹا بھی تھا جس کے سر پر صرف ایک ہی دھن سواد تھی کہ کسی طرح وہ دولت حاصل کر کے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے بوڑھی کنیز کے بیٹے نے جس کا نام یوناس تھا۔ شہر کے ایک جادوگر کاہن کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ وہ اُس کاہن کی صبح و شام خدمت کرتا تھا کہ کسی طرح وہ اسے کوئی ایسا جادو کوئی ایسا منتر بتا دے کہ جس پر عمل کر کے یوناس کو بے پناہ دولت پاتھ آجائے اس نے اپنی ماں یعنی اڈھیر عمر کنیز کو آلو کا پیچہ لاکر صندوقچی میں رکھتے دیکھا تو بولا۔

”اماں! یہ منحوس پیچہ تم کہاں سے لے آئی ہو؟“

بوڑھی کنیز نے مسکرا کر کہا۔  
”بیٹا! اسے منحوس نہ کہو۔ یہ تو بڑا مبارک ہے۔“  
یوناس نے پوچھا۔  
”کیوں اس میں ایسی کون سی خاص بات ہے؟“



بوڑھی کینز بولی۔

”بیٹا! اس پنچے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ میں پھر سے جوان ہو جاؤں گی بلکہ تم بھی ہمیشہ جوان رہو گے۔ اور کبھی بوڑھے نہیں ہو گے۔“

لاچی یوناس کی تو آنکھیں کھل گئیں، اس نے سوچا کہ اگر یہ پنچہ میں اپنے کاہن دوست کو جا کہ تحفے کے طور پر پیش کروں تو وہ خوش ہو کہ مجھے ضرور دولت حاصل کرنے کا نسخہ بتا دے گا۔ چنانچہ دوسرے ہی روز جب بوڑھی کینز امیر زادی کی حویلی میں گئی تو یوناس نے صندوقچی میں سے ماریا کا پنچہ نکال لیا اور اسے لے کر سیدھا اپنے کاہن دوست کے گھر جا پہنچا۔ یہ کاہن ایک بڑا تجربہ کار اور ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے ماریا کے پنچے کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہی محسوس کیا کہ اس پنچے میں کسی جاندار کی روح موجود ہے۔ یہ کس کی روح ہو سکتی ہے؟ اس نے اپنے دل میں سوچا۔ پھر خود ہی اس کے دل نے اسے جواب دیا کہ یہ روح اسی اُلو کی ہے جس کا یہ پنچہ ہے۔ وہ زندگی میں پہلی بار ایسے اُلو کے پنچے کو دیکھ رہا تھا جس میں اُلو کی روح ابھی تک موجود تھی۔ اس نے یوناس سے کہا۔

”اس پنچے میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ لیکن تمہاری خاطر میں اس پر ایک طلسم پڑھ کر چھوٹوں گا۔ پھر اس

پنچے کی مدد سے جتنی چاہے دولت حاصل کر لینا۔“ یوناس نے کہا۔

”لیکن میں تو اسے اماں کی صندوقچی میں سے چھرا کر لایا ہوں۔ اس کو پتہ چل گیا تو وہ مجھ سے یہ پنچہ واپس مانگے گی۔“

کاہن نے کہا۔

”اس کی جگہ میں تمہیں ایک دوسرا پنچہ دیتا ہوں تم وہ صندوقچی میں رکھ آؤ۔“

یوناس نے ایسا ہی کیا اور نقلی پنچہ لے کر بوڑھی کینز کی صندوقچی میں رکھ دیا۔

رومن کاہن کے پاس روح والا پنچہ آ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اس پنچے کو تبت کے لاما کے پاس لے جائے تو وہ اسے اس کے بدلے اتنی دولت دے گا کہ رومن کاہن ساری زندگی عیش کرے گا۔ بس اس نے ایک روز صبح صبح ایک بستر اور کچھ خشک گوشت اور پانی کی چھاگل گھوڑے پر رکھتی۔ اُلو کا پنچہ جیب میں ڈالا اور منہ اندھیرے ہی روم شہر سے نکل کر شمال کی جانب بطرف تبت روانہ ہو گیا۔ حولا ماؤں کا دیس تھا۔ یوں ماریا اُلو کے پنچے میں قید تبت کی طرف روانہ ہو گئی۔ ادھر عنبر ناگ کیٹی اور تھیو سانگ عیار یورگی کے مکان



والے باغ میں خفیہ جگہ پر رہ رہے تھے۔ ابھی تک ناگ کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ ماریا بھی ابھی تک انہیں نہیں مل سکی تھی۔ جب انہیں وہاں رہتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا تو کیٹی نے کہا۔

”اب یہاں رہنا فضول ہے۔ بہتر ہے کہ ہم یہاں سے نکل کر کسی دوسری جگہ ناگ کو ڈھونڈھتے ہیں“  
تھیو سانگ اور عنبر سویرج میں پڑ گئے۔ کیٹی نے کہا۔  
”ایک بات ثابت ہو چکی ہے کہ عیار یوراگی اب اس مکان میں لمبے عرصے تک نہیں آئے گا۔ اگر ناگ کو اس نے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے تو پھر ہمیں چاہیے کہ ہم یہاں سے نکل کر اسے تلاش کریں“  
تھیو سانگ کہنے لگا۔

”بات تو معقول ہے عنبر۔ کیا خیال ہے تمہارا؟“  
عنبر بولا۔

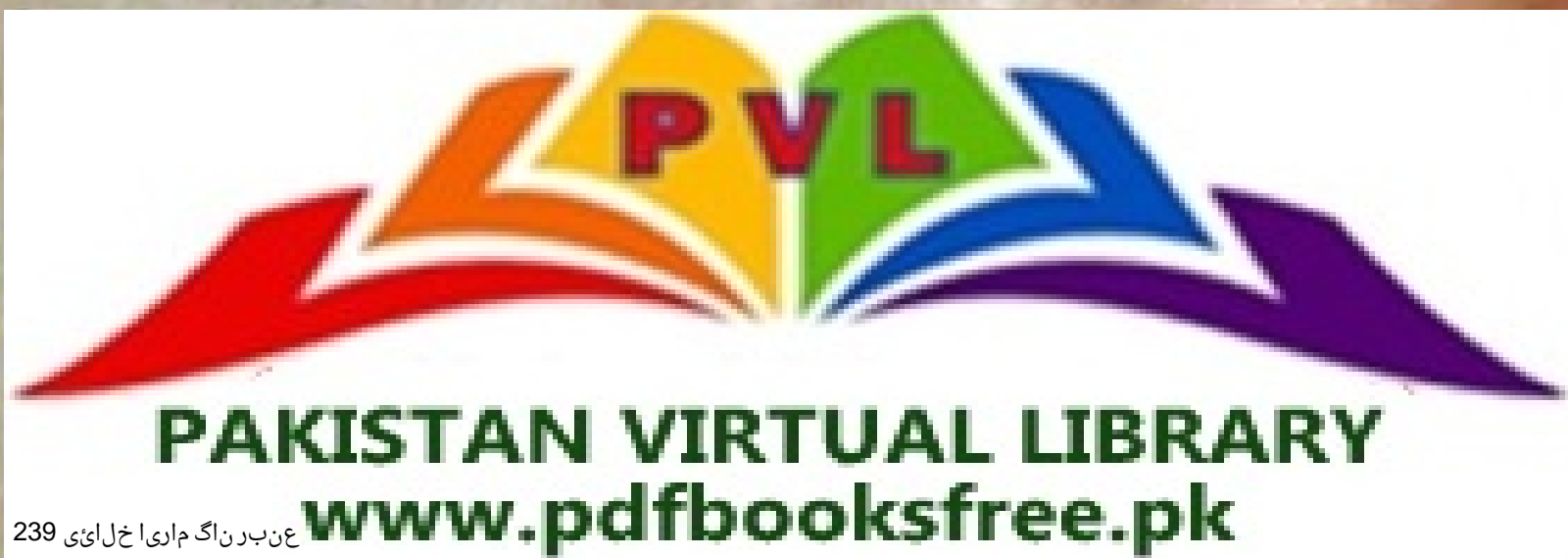
”لیکن ہم یہاں سے جائیں گے کس طرف؟“  
کیٹی نے کہا۔

”یہاں سے مشرق کی طرف کر یٹ کا ملک ہے جو چادروں طرف سمندر سے گھرا ہوا ہے۔ اس وقت وہاں علم و فن اور تہذیب کے ساتھ ساتھ جادو و

بھی بہت ہوتا ہے۔ ممکن ہے عیار یوراگی ناگ کو لے کر کسی خاص جادو کو حاصل کرنے کے لیے کر یٹ کی طرف ہی گیا ہو۔ اس اعتبار سے ہمیں کر یٹ چلنا چاہیے“  
عنبر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ کر یٹ اس وقت ایک تہذیب یافتہ ملک اور شہر ہے۔ ہمارے پاس سونے کے سکے بھی ہیں۔ ہم جہانہ میں بیٹھ کر وہاں جاسکتے ہیں“  
تھیو سانگ کہنے لگا۔

”تو ہمیں پھر آج ہی کر یٹ کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے۔ وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں“  
چنانچہ اسی رات تھیو سانگ اور عنبر کیٹی روم سے کر یٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔





## بھٹکتی روحوں کا شہر

کریٹ پر ان دنوں منیاس دوئم بادشاہ کی حکومت تھی۔ اصل میں یہ بات آپ بھی یاد رکھیں کہ اس زمانے میں کریٹ کے ہر بادشاہ کو منیاس کہتے تھے۔ جس طرح قدیم مصر کے ہر حکمران کو فرعون کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ جس زمانے میں تھیوسانگ ابن اور کیٹی کریٹ کے شہر میں داخل ہوئے وہاں منیاس دوئم حکومت کرتا تھا۔ یہ شہر بڑا خوش حال اور ترقی یافتہ تھا۔ مصر، بابل، ہندوستان اور چین اور روم سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ شہر کے گرد ایک اونچی دیوار تھی۔ سڑکیں کشادہ تھیں۔ عمارتیں چار چار منزلہ تھیں۔ شہر کے اندر کونے پر بادشاہ منیاس کا محل کا قلعہ تھا جس کی دوسری جانب سمندر تھا۔

تھیوسانگ کیٹی اور ابن اور جب معمول یہاں ایک کارواں سرائے میں اترے اور انہوں نے شہر میں ناگ اور ماریا کا کھوج لگانا شروع کر دیا۔ اس شہر میں بھی انہیں ناگ اور ماریا کی خوشبو کہیں محسوس نہیں ہوئی تھی۔ دن بھر وہ شہر میں رادھر

ادھر پھرتے رہے۔ کیٹی چونکہ غیبی حالت میں تھی اس لیے وہ بادشاہ کے محل کا بھی پتہ لگا آئی تھی۔ شام کو وہ کارواں سرائے میں آکر بیٹھ گئے۔ سردی کا موسم تھا۔ اگرچہ یہ تینوں گرمی سردی سے بے نیاز تھے۔ پھر بھی وہ برآمدے میں ہی بید کے موندھوں پر بیٹھے رہے۔ ان کے قریب ہی کچھ مسافروں نے آگ کا آلاؤ روشن کر رکھا تھا اور ایک آدمی انہیں ملک افریقہ کے روٹنگھٹے کھڑے کر دینے والی داستانیں سناتا تھا۔ یہ کہانیاں کیٹی تھیوسانگ اور ابن اور کے لیے تئی نہیں تھیں۔ وہ خود اس سے زیادہ دہشت ناک واقعات سے گزر چکے تھے۔ جب رات گہری ہو گئی تو مسافر آلاؤ کے پاس سے اٹھ کر اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں سونے کے لیے چلے گئے۔ آلاؤ بھی آہستہ آہستہ بجھنے لگا۔ تھیوسانگ بولا۔

”میرا خیال اب ہمیں بھی اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں چل کر آرام کرنا چاہیئے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ ہم یہاں کس لیے پہرہ دے رہے ہیں؟“

عین اور تھیوسانگ اپنی کوٹھڑی میں چلے گئے۔ کیٹی کے لیے بھی انہوں نے ایک الگ کوٹھڑی کرائے پر لے لی تھی۔ مگر سرائے والے نے محسوس کیا تھا کہ کوٹھڑی صبح سے خالی پڑی ہے۔ کیٹی کے کوٹھڑی میں ہوتے ہوئے بھی کوئی اسے



نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لوگ یہی سمجھتے کہ کوٹھڑی خالی ہے کیوں  
 بھی اپنی کوٹھڑی میں آگئی۔ وہاں دو چار پائیاں پھٹی ہوئی تھیں  
 بیچ میں لکڑی کا ایک میز بھی پڑا تھا۔ جس پر پانی سے بھری  
 ہوئی صراحی اور پیالہ بھی رکھا تھا۔ کیٹی ایک چار پائی پر لیٹ گئی  
 جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی۔ تو کیٹی نے باہر کسی کے قدموں  
 کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی کوٹھڑی کا دروازہ کھل گیا۔  
 اور دو آدمی ایک عورت کے منہ پر ہاتھ رکھے اسے گھسیٹے  
 ہوئے اندر لے آئے۔ کیٹی جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ یہ دونوں  
 آدمی راہ زن قسم کے جرائم پیشہ لوگ رہے تھے۔ انہوں  
 نے عورت کو چار پائی پر ڈال دیا۔ عورت بے ہوش تھی  
 ایک آدمی نے دوسرے سے کہا۔

”مارکس! دروازہ اندر سے بند کر دو“

مارکس نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ چار پائی کے  
 پاس آکر بولا۔

”گارشن! ہمیں صبح ہونے سے پہلے پہلے اس  
 عورت کو یہاں سے لے کر نکل جانا ہوگا“  
 گارشن نے کہا۔

”لے چلیں گے مگر پہلے اس بات کی تسلی ہو جانی  
 چاہیے کہ اس کے لواحقین پیچھے نہیں آ رہے“

مارکس بولا۔

”وہ تو کب کے کہاں کے کہاں پیچھے رہ گئے ہیں۔  
 میں نے انہیں ایسا دھوکہ دیا کہ وہ راستے سے ہٹ  
 گئے۔ اس وقت تو وہ سمندر میں نہ جانے کہاں سے

کہاں پہنچ چکے ہوں گے“

گارشن بھی چار پائی پر بیٹھ گیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر بولا۔  
 ”وہ لوگ پو پھٹے سے پہلے کشتی لے کر چٹان والے  
 کنارے پر نہیں آئیں گے۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح باقی  
 رات اسی کوٹھڑی میں گزارنی ہوگی۔ یہ تو اچھا ہوا کہ  
 یہ خالی کوٹھڑی مل گئی“

کیٹی دوسری چار پائی پر بیٹھی ان جرائم پیشہ آدمیوں کی باتیں  
 بڑے غور سے سن رہی تھی جو اس عورت کو اغوا کر کے نہ  
 جانے کہاں لے جا رہے تھے۔ کیٹی اس کوٹھڑی سے نکل کر  
 دوسری کوٹھڑی میں جانے لگی کہ غیر اور تھو سا ننگ کو یہ سارا  
 قصہ سنائے۔ وہ بند دروازے میں سے گزرنے لگی تو اس  
 کا ہاتھ صراحی پر جا پڑا۔ صراحی کے اوپر رکھا ہوا پیالہ نیچے گر پڑا۔  
 گارشن اور مارکس نے ایک دوسرے کی طرف چونک کر  
 دیکھا۔ یہ پیالہ اپنے آپ کیسے گر پڑا؟ دونوں کی آنکھوں  
 میں ایک ہی سوال تھا۔ گارشن نے پیالہ اٹھایا اور بولا۔



”ہو سکتا ہے زلزلے کا ایک جھٹکا آگیا ہو“

کیٹی نے دوسری کو ٹھٹھری میں جا کر تھیو سانگ اور عنبر کو سارا قصہ سنایا تو عنبر نے کہا۔

”میں ابھی اس عورت کو ان بد معاشوں سے رہائی دلاتا ہوں“ کیٹی نے کہا۔

”یہ دو نہیں ہیں بلکہ ان کا کوئی پورا گروہ ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ان کا پیچھا کر کے دیکھوں کہ ان کے گروہ کے دوسرے بد معاش کون ہیں۔ تاکہ ایک بار ہی ان سب کو ختم کر دیا جائے“

تھیو سانگ مسکرا کر کہنے لگا۔

”تو گویا تم ان کا تعاقب کر دو گی؟“

”کیوں نہیں؟“ کیٹی نے مستک کر کہا۔ ”کیا میں کسی کا تعاقب نہیں کر سکتی؟ کیا میں کسی عورت کی مدد کے لیے کوئی دلیرانہ کارنامہ سرا انجام نہیں دے سکتی؟“ عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”کیٹی بہن! حوصلہ رکھو۔ کون کہتا ہے کہ تم دلیر اور بہادر نہیں ہو۔ مگر تم بھی چلی گئیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں ہتھاری بھی تلاش شروع کرنی پڑ جائے“

کیٹی نے کہا۔

”لیکن میں اس بد نصیب عورت کو بھی ان ظالموں کے پنجے میں پھنسا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ تم میری فکر نہ کرو۔ میں کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ میرا یہ لوگ کچھ نہیں بگاڑ سکتے“

تھیو سانگ کہنے لگا۔

”جیسے تمہاری مرضی بابا۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے۔ تم ان لوگوں کے تعاقب میں جا سکتی ہو۔ لیکن تمہیں شام ہونے سے پہلے واپس اسی سرائے میں آ جانا ہو گا“

کیٹی نے کہا۔

”لیکن ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ مجھے ان لوگوں کے خفیہ گروہ کا سراغ لگانے کے لیے دُور تک جانا پڑ جائے۔ آخر اس میں حرج کیا ہے۔ میں کل واپس آ جاؤں گی۔ یہ لوگ مجھے کوئی نقصان تو پہنچا نہیں سکیں گے“

تھیو سانگ اور عنبر کیٹی کی ضد کے آگے خاموش ہو گئے۔ انہوں نے کیٹی کو جانے کی اجازت دے دی۔ جب سے کیٹی کے پاس غیب ہونے کی طاقت آئی تھی وہ بھی چاہتی تھی کہ ماریا کی طرح انسانوں کی بھلائی کے لیے بڑے بڑے کارنامے



سرا بنجام دے۔ حالانکہ ان میں خطرہ بھی تھا۔ لیکن تھیوسانگ  
عنبر کیٹی کی ضدی طبیعت سے خوب واقف تھے۔ انہیں معلوم  
کہ اگر انہوں نے اجازت نہ بھی دی تب بھی کیٹی ایک عورت  
کی مدد کرنے کے لیے ان بد معاشوں کا پیچھا کرے گی۔

کیٹی نے تھیوسانگ اور عنبر سے وعدہ کیا کہ وہ زیادہ سے  
زیادہ ایک رات باہر رہنے کے بعد جیسے بھی حالات ہوں  
واپس آجائے گی۔ یہ کہہ کر وہ دوسری کو ٹھٹھری میں آگئی۔ وہ  
دیکھ کر حیران رہ گئی کہ کوٹھڑی خالی تھی۔ دونوں بد معاش بے ہوش  
عورت کو لے کر رفقہ چکر ہو گئے تھے۔ کیٹی تیزی سے باہر نکلی اور  
ہوا میں اڑتی ہوئی سرائے کے باہر آگئی۔ رات خاموش اور  
ویران تھی۔ ٹھیکیں سنان پڑی تھیں۔ کیٹی کو یاد آیا ان بد معاشوں  
نے چٹان والے سمندری کنارے کی طرف جانے کے لیے کہا۔

کہا تھا۔ وہ تاریک رات کی خشک فضا میں اڑتی ہوئی سمندر  
کی طرف نکل گئی۔

وہ بڑی تیزی سے فضا میں پرواز کر رہی تھی۔ بہت جلد  
اسے دور سمندر کا وسیع پاٹ نظر آیا۔ مشرق کی طرف کچھ  
چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ کیٹی ان چٹانوں کی طرف غوطہ لگا گئی  
جب وہ قریب پہنچی تو اس نے ایک کشتی دیکھی جو چٹان میں  
نکل کر کھلے سمندر کی طرف جا رہی تھی۔ کیٹی تیزی سے اس طرف

اس نے ان لوگوں کو پہچان لیا۔ کشتی میں دونوں بد معاش  
بدرش عورت کے ساتھ موجود تھے۔ ایک تیسرا آدمی بھی  
اس میں سوار تھا۔ جو تیزی سے چپو چلا رہا تھا۔ کیٹی ان کے  
پرواز کرتی ان کے ساتھ ساتھ اڑنے لگی۔

سمندر میں جب کشتی کافی دور نکل آئی تو اسے ایک بادبانی  
از دکھائی دیا۔ کشتی اس جہاز کی طرف جا رہی تھی۔ جہاز سمندر  
کھڑا تھا۔ اس کے بادبان کھلے نہیں تھے۔ جب کشتی جہاز  
کے ساتھ جا کر لگی تو اوپر سے چار آدمیوں نے ایک رستے  
کے ساتھ بندھا ہوا تختہ نیچے لٹکا دیا۔ تینوں آدمی بے ہوش  
عورت کو تختے پر لٹا کر خود بھی ایک طرف بیٹھ گئے۔ تختے کو اوپر جہاز

کے عرشے پر کھینچ لیا گیا۔ اوپر کھڑے  
آدمیوں میں سے ایک جہاز کا کپتان تھا۔ اس نے چلا کر

”لنگر اٹھا کر بادبان کھول دو۔ ہم نیپلز کی بندرگاہ کی  
طرف جائیں گے“

ملاحوں نے اُسی وقت لنگر اٹھایا اور بادبان کھول دیئے۔  
ملاحوں نے نیپلز کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ باقی  
جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔ نیپلز وہاں سے زیادہ  
صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہی نیپلز کے قدیم شہر  
کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ نیپلز وہ شہر تھا جہاں گلیوں میں



فرش کی جگہ پانی کی نہریں بہتی تھیں۔ اصل میں یہ شہر قدیم زمانہ  
 ہی سے ایک بہت بڑی جھیل پر آباد ہے۔ اور لوگ گھروں سے  
 نکل کر کشتیوں اور گنڈولوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے کے  
 گھروں اور دکانوں پر جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں بھی لوگ  
 اسی طرح کشتیوں اور گنڈولوں میں ہی سفر کر کے ایک دوسرے  
 کے گھروں تک جایا کرتے تھے۔ اس شہر میں قدیم ترین ٹال  
 تھیں۔ بعض ایسی حویلیاں اور قدیم محل تھے کہ جو ویران پڑے  
 تھے۔ کیونکہ پانی آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ساتھ ان حویلیوں  
 اور محلوں کے اندر تک آ گیا تھا۔ اس شہر کو بھٹکتی روحوں کا شہر  
 کہتے تھے۔ کیونکہ اس شہر کے کچھ علاقے ایسے تھے جہاں سارے  
 کے سارے مکان اور حویلیاں خالی اور ویران پڑی تھیں اس  
 کی وجہ یہ تھی کہ ان مکانوں اور حویلیوں کی پہلی منزلوں میں  
 سمندری جھیل کا پانی داخل ہو چکا تھا۔ اور وہاں رہنے والے  
 عرصہ ہوا وہاں سے چلے گئے تھے۔ لوگوں نے مشہور کر رکھا تھا  
 کہ ان ویران حویلیوں اور مکانوں میں بدروحیں بھٹکتی پھرتی ہیں  
 بادبانی جہاز نیپلز کی بندرگاہ سے دُور پہنچا ہو گیا۔ ابھی سوچ  
 پوری طرح سے طلوع نہیں ہوا تھا۔ دونوں بد معاشوں نے  
 بے ہوش عورت کو جہاز سے اتار کر ایک بار پھر کشتی میں  
 ڈالا اور چپو چلاتے شہر کے اس علاقے میں آگے جو ویران مکانوں

اور ایسی حویلیوں کا علاقہ تھا۔ اور جہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔  
 کشتی چلاتے ہوئے ویران علاقے کی ایک گلی میں داخل ہو  
 گئے۔ مکانوں کے دروازے بند تھے اور پانی ان کی درہیزوں  
 کے اوپر سے ہو کر درندوں میں سے پہلی منزلوں میں داخل ہو رہا  
 تھا۔ کوئی مکان ایسا نہیں تھا۔ جس کی پتھر کی سیڑھی پانی میں نہ  
 آوی ہوئی ہو۔ تین تین منزلہ پتھر کے بڑے بڑے مکان ایک  
 دوسرے کے اوپر بھوتوں کی طرح جھکے ہوئے تھے۔ ہر طرف  
 خاموشی اور سناٹا تھا۔ پانی کی گلی میں سوائے چپو کے چلنے کے اور  
 کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سب مکان خالی  
 اور مردہ ہیں۔ مارکس اور گارشن آہستہ آہستہ چپو چلا رہے تھے۔  
 جھیل کا پانی گلی میں سے آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔  
 انہوں نے کشتی کو ایک پرانے اور سنان مکان کی آگے  
 کو نکلنے ہوئی ڈیوڑھی کے ساتھ لگا دیا۔ ڈیوڑھی پتھر کی ایک چوڑی  
 اسل کی بنی ہوئی تھی۔ جس کی سیڑھیاں پانی میں غرق ہو چکی تھیں۔  
 گارشن کشتی میں سے اُچھل کر ڈیوڑھی پر آ گیا۔ اس کے بد معاش  
 ساتھی مارکس نے بے ہوش عورت کو اٹھایا۔ اوپر سے گارشن  
 نے اسے پکڑ کر ڈیوڑھی پر کھینچ لیا۔ کیٹی ان کے اوپر منڈلاتے  
 ہوئے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ دونوں بد معاش بے ہوش عورت  
 کو اٹھا کر مکان کے اندر لے گئے۔ مکان کے اندر پہلی منزل میں  
 پانی ہی پانی تھا ایک پتھر کا زینہ اوپر والی منزل



تھا۔ وہ اس زینے پر سے ہو کر دوسری منزل میں آگئے۔ یہ ایک سرد اور نیم روشن کمرہ تھا۔ جس کی ٹھنڈی دیواریں بھاری پھر کم اور آگے کو جھکی ہوئی تھیں۔ کمرے کے فرش پر پھٹا پرانا قالین بچھا تھا۔ گونے میں آتش دان بنا ہوا تھا۔ مادکس نے جلدی سے آتشدان میں لکڑیاں لگا کر آگ جلا دی۔ کیونکہ کمرے میں ٹھنڈ تھا۔ باہر آسمان پر بادل بھی چھانے لگے تھے۔ کیٹی ابھی تک اس معنے کو حل نہیں کر سکی تھی کہ یہ لوگ اس بے ہوش عورت کو یہاں کس لیے لانے ہیں۔ گارشن نے بیٹھک کی چھوٹی سی کھڑکی پر گہرا ہوا بھاری پردہ ہٹا کر نیچے گلی میں بہتے جھیل کے گلے پانی کو دیکھا اور آتش دان کے پاس آکر ٹھنڈے ہاتھوں کو سینکتے ہوئے بولا۔

”ارشمید کو اب تک آجانا چاہیئے تھا“

مارکس بھی آتش دان کے پاس آکر سٹول پر بیٹھ گیا اور ہاتھ تپانے لگا۔

”وہ آئے اور ہمیں بھی اس مصیبت سے چھٹکارا ملے“

گارشن بولا۔

”باہر بادل چھا گئے ہیں۔ شاید بارش ہو۔ یہ سردیوں کی

بارشیں بہت تنگ کرتی ہیں“

کیٹی غیبی حالت میں آتش دان کے قریب ہی ایک طرف کھڑی

ان کی باتیں سن رہی تھی۔ آتش دان کے قریب ہی ایک طرف

جلدی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ آتشدان میں شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ جن کی وجہ سے کمرے میں ہلکی ہلکی گرمائش اور روشنی ہو گئی۔ کیٹی نے بے ہوش عورت کو قریب سے مار کر دیکھا۔ وہ ایک سرخ و سفید رنگ کی فوجانہ لڑکی تھی جس کے بال سونے کے رنگ کے چھتے دار تھے۔ ناک تیکھی تھی اور ذرا سی اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ اس نے رومن عورتوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ پوری طرح بے ہوش تھی۔ خدا جانے انہوں نے اسے کون سی دوا پلا رکھی تھی۔ اس کا سانس آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ کیٹی واپس آتشدان کے قریب آگئی۔ اتنے میں باہر بادلوں کی گرج کی آواز سنائی دی اور پھر گلی میں بہتے پانی پر بارش کے قطرے گرنے کی آواز آنے لگی۔ گارشن نے کھڑکی سے سر باہر نکالا اور واپس آتش دان کے پاس آکر بولا۔

”بارش شروع ہو گئی۔ گلی میں دھند پھیلنے لگی ہے“

دونوں جرائم پیشہ آدمی آتشدان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ کیٹی نے سوچا کہ اس ویران مکان کے دوسروں کمروں میں

گھوم پھر کر دیکھنا چاہیئے کہ یہاں اور کیا موجود ہے۔ وہ

اوپر والی منزل میں آگئی۔ اوپر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جو خالی

پڑا تھا۔ دالان بھی ویران تھا اور فرش کی پتھر پٹی سلیں اکھڑی



ہوتی تھیں۔ ستون ایک طرف کو جھک گئے تھے۔ یہ مکان بھی اس سنان علاقے کے دوسرے مکانوں کی طرح بوسیدہ ہو گیا تھا اور کسی وقت بھی گر سکتا تھا۔

کیٹی والان سے گزر کر سیڑھیوں کی طرف جانے لگی تو اسے کونے میں ایک چھوٹا سا دروازہ دکھائی دیا۔ شاید یہ دروازہ اوپر جاتا ہے۔ اس نے سوچا اور بند دروازے کے پاس گئی دروازے پر بھاری تالہ پڑا تھا۔ کیٹی بند دروازے میں سے اندر گزر گئی۔ اندر جاتے ہی پہلے تو اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔ پھر اس نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے دیکھا کہ کمرے کے ٹھنڈے اندھیرے میں دیوار کے طاق میں ایک پتھر کی چھوٹی صراحی بڑی ہے۔ کیٹی اس کے قریب گئی۔ اس قسم کی صراحیوں میں اس زمانے کے لوگ عطر ڈال کر گھروں میں رکھا کرتے تھے۔ جب گھر میں مہمان آتے تو گھر والے اس صراحی میں سے عطر نکال کر مہانوں کو لگاتے۔ صراحی کی چھوٹی سی ٹونٹی بھی تھی۔ جس کے منہ پر ایک انسانی چہرہ بنا ہوا تھا۔ یہ بڑا ڈراؤنا چہرہ تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور زبان تھوڑی سی باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ کیٹی نے جھک کر اس عجیب و غریب چہرے کو دیکھا تو اسے پیچھے سے ایک جھٹکا لگا۔ جیسے کسی نے اسے آگے کی طرف دھکیل دیا ہو۔ اس نے پیچھے

ہٹنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی غیر معمولی طاقت اسے صراحی کی ٹونٹی پر لگے ہوئے ڈراؤنے چہرے کی طرف کھینچ رہی ہے۔ کیٹی اس وقت ہلکی اور نظر نہ آنے والی لہروں کی شکل میں تھی۔ اگر وہ گوشت پوست کے جسم میں ہوتی تو ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو پیچھے دھکیل کر لے جانے میں کامیاب ہو جاتی لیکن وہ ہوا کی طرح ہلکی تھی اور اس کا سارا لہروں والا جسم دھنوس کی لکیر بن کر ڈراؤنے چہرے کی طرف اپنے آپ کو کھینچا چلا جا رہا تھا۔ کیٹی نے گھبرا کر ایک دفعہ پورا زور لگایا مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کا جسم تیلی دھنوس کی لکیر بن کر خود بخود ڈراؤنے چہرے کی باہر کو نکلی ہوئی زبان سے ہوتا ہوا صراحی کے اندر چلا گیا۔ صراحی کے اندر جاتے ہی کیٹی نے اپنے آپ کو اس کے منہ کی طرف اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس کے جسم کی لہریں جیسے صراحی کے اندر تہہ کے ساتھ چپک کر رہ گئی تھیں۔ پھر صراحی کے اوپر کا ڈھکن جو پہلے کھلا تھا آہستہ آہستہ نیچے گر کر بند ہو گیا۔ کیٹی نے اپنے آپ کو صراحی میں قید پایا۔ وہ گھبرا گئی۔ اس نے کئی بار اوپر کو جانے کی کوشش کی مگر صراحی کے پینڈے نے اس کے پاؤں کو نہ چھوڑا۔ اب کیٹی کو افسوس ہونے لگا۔ کہ وہ خواہ مخواہ کیوں یہاں آ گئی۔



جس میں گدھ کا ایک پیر لگا تھا۔ اس نے اپنی بھاری اور کھڑکی  
آواز میں کہا۔

”پہلے میں اپنی تسلی کروں گا“

اس نے کپڑے حبشی ملازم کو آواز دے کر اپنے پیچھے آنے  
کو کہا۔ کپڑا حبشی ہاتھ میں ایک تھیلی اٹھانے ارشمید کے پیچھے  
پیچھے مکان کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ کمرے میں آکر ارشمید نے  
بے ہوش لڑکی کو غور سے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس کے  
چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے لڑکی  
کے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور کپڑے حبشی ملازم سے کہا۔

”تھیلی نکال کر ان کی رقم ان کے حوالے کر دو“

کپڑے حبشی ملازم نے تھیلی کھولا۔ اس میں ایک اور تھیلی  
تھی جو سونے کے سکوں سے بھری ہوئی تھی۔ یہ تھیلی جبرائیل پینے  
مارکس اور گارشن کے حوالے کر دی گئی۔ انہوں نے سونے کے  
سکوں کو ایک بار اچھی طرح سے دیکھا اور ارشمید سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اب ہمیں اجازت دو۔ ہم نے اپنا

کام کر دیا ہے۔ اب تم جانو تمہارا کام۔ لیکن ہمیں

تسلی ہونی چاہیے کہ تم کبھی بھی ہمارا نام نہیں لو گے“

ارشمید نے آتش دان کے پاس سٹول پر بیٹھ کر ہاتھ تاپتے ہوئے  
حبشی کپڑے کو کرے کہا۔

دوسری طرف نیچے والے کمرے میں دونوں جبرائیل پینے بد معاش  
گارشن اور مارکس آتش دان کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔  
لڑکی اسی طرح بے ہوش تھی۔ گارشن بے چینی سے اٹھ کر کھڑکی  
کی طرف گیا۔

بھاری پردہ ہٹا کر باہر بھاٹکا اور بولا۔

”بارش اسی طرح ہو رہی ہے۔ دھند بھی گہری ہونے

لگی ہے۔ ارشمید کو اب تک آجانا چاہیے تھا“

وہ آتش دان کے پاس آکر بیٹھا ہی تھا۔ کہ نیچے کسی کشتی کے  
چوڑوں کی چھل چھل کی آواز آئی۔ مارکس نے کہا۔

”وہ آگیا ہے“

دونوں زمین اتر کر نیچے آگئے۔ مکان کی ڈیوڑھی کے آگے

پانی میں ایک کشتی کو آکر آہستہ سے پتھروں کے زینے کے ساتھ

لگ گئی۔ اس کشتی میں سے ایک سیاہ فام گنگھریالے بالوں والا

بھاری بھر کم آدمی نکل کر ڈیوڑھی میں آگیا۔ اس کے پیچھے ایک

کپڑا حبشی بھی تھا جو کشتی کو باندھ رہا تھا۔ مارکس نے کہا۔

”ارشمید! تمہاری امانت اور پردہ کمرے میں بے ہوش

پڑی ہے“

اس سیاہ فام گنگھریالے بالوں والے حبشی کا نام ارشمید

تھا۔ اس نے سوڈانی کاہنوں ایسی لمبی سیاہ پٹی بندھی تھی۔



”ان گدھوں سے کہہ دو کہ ان کا نام نہیں لیا جائے گا۔  
اور اب یہاں سے دفع ہو جائیں۔“  
گارشمن فوراً بولا۔

”ہم جا رہے ہیں۔ ہم جا رہے ہیں۔“

اور وہ دونوں تیری سے نیچے اتر گئے۔ ان کے جانے کے  
فوراً بعد ارشمید نے اپنے کپڑے حبشی ملازم سے کہا۔  
”یہاں بیٹھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

کپڑا حبشی آتشدان کے سامنے قالین پر ہی بیٹھ کر آگ تپانے  
لگا۔ ارشمید حبشی زینہ چڑھ کر اوپر والی منزل کے والان سے  
گزرتا اسی کونے والے کمرے کے دروازے پر آگیا جس  
کے اندر صراحی میں کٹی بند تھی۔ ارشمید نے عبا کی جیب سے  
چابی نکال کر تالا کھولا۔ اور اندر داخل ہو گیا۔ طاق میں رکھی ہوئی  
صراحی کے سامنے وہ دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ اور کوئی عجیب و غریب  
طلسم کے الفاظ پونے کے بعد اپنی کھڑکھڑاتی آواز میں کہنے لگا۔

”دلہ لی جنگلوں کے دیوتا! میں نے تیرے طلسم کے  
سارے عمل پورے کر دیئے ہیں۔ بس صرف ایک ہی  
عمل باقی تھا۔ اس کے لیے مجھے کسی ایسی لڑکی کی  
تلاش تھی جو امدوس کی تاریک رات میں اپنی جڑواں  
بہن کے ساتھ پیدا ہوئی ہو اور اس کی جڑواں بہن

سورج نکلنے سے پہلے پہلے مر گئی ہو۔ بڑی مشکل سے  
میں ایک ایسی لڑکی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو  
گیا ہوں۔ اب میں اسے تیرے خفیہ مندر میں تیرے  
حصنہ پیش کرتے کے لیے افریقہ کے اس جنگل کی طرف  
جا رہا ہوں جہاں آج تک کسی انسان کا گزر نہیں ہوا۔  
میری مدد کرتا۔“

یہ کہہ کر ارشمید نے دلہ لی دیوتا کے ڈراؤنے چہرے والی صراحی  
کو طاق میں سے اٹھایا۔ اسے اپنی لمبی عبا کی جیب میں رکھا اور پچلی  
منزل میں واپس آگیا۔ جہاں کپڑا ملازم آتش دان کے سامنے اسی  
طرح بیٹھا تھا۔ ارشمید نے اسے حکم دیا کہ نیچے کشتی میں جا کر  
میں آ رہا ہوں۔ کپڑا حبشی فوراً سر جھکا کر نیچے چلا گیا۔ اس کے تیار رہنے  
جانے کے بعد ارشمید حبشی بے ہوش لڑکی کے پاس آ کر دو زانو ہو  
کر بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے طلسمی منتر پڑھنے شروع  
کر دیئے۔ دیر تک وہ طلسمی منتر پڑھتا رہا۔ جب منتروں کا  
عمل ختم ہوا تو ارشمید نے عبا کی دوسری جیب میں سے افریقی گینڈے  
کا ایک سینگ نکالا۔ یہ سینگ اندر سے کھوکھلا تھا اور اس کے  
منہ پر ایک ڈھکن لگا ہوا تھا۔ ارشمید نے ڈھکن کھولا۔ اور منتروں  
کا جاپ کرتے ہوئے سینگ کو بے ہوش لڑکی کے جسم پر پھیرنے  
لگا۔ جب پچاس بار بے ہوش لڑکی کے جسم پر گینڈے کا سینگ



پھیر چکا تو سینگ کو لڑکی کے سر کے اوپر لاکر بولا۔

”دلہلی جنگل کے دیوتا! اپنی امانت کی حفاظت کر۔“

یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے ہی تھے کہ بے ہوش لڑکی کا جسم لیٹے لیٹے پہلے دھند کے بھاری بادل اور پھر نیلے دھوئیں میں بدل گیا۔ اس کے بعد یہ دھواں ایک پتلی لکیر بن کر گینڈے کے سینگ کے اندر داخل ہونے لگا۔ چند ہی لمحوں میں بے ہوش لڑکی دھواں بن کر سینگ کے اندر جا چکی تھی۔ ارشمید نے فوراً سینگ کے منہ پر ڈھکن لگایا اور اسے جیب میں ڈالتے ہوئے اٹھا۔ صراحی تھیلے میں رکھی اور تیزی سے زمین اترتا ڈیوڑھی میں آگیا۔ جہاں تیز بارش میں کپڑا حبشی کشتی کھولے تیار کھڑا تھا۔ کشتی کے اوپر اس نے ترپال تان دی تھی۔ ارشمید جلدی سے ترپال کے نیچے ہو کر کشتی میں بیٹھ گیا۔ کپڑے نوکر نے کشتی کے چپو سنبھالے اور بارش میں اسے آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف موڑ کر گلی کی نہر میں دوسری طرف کو روانہ ہو گیا۔

بادلوں میں زور داد گرج پیدا ہوئی اور بارش تیز ہو گئی۔ کمریٹ کی بندرگاہ پر ایک بار برادر جہانہ جس پر سامان لدا تھا۔ افریقہ جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ ارشمید نے پہلے ہی سے اس جہانہ پر سفر کا کمرہ ادا کر رکھا تھا۔ وہ اپنے کپڑے نوکر کے ساتھ کشتی سے نکل کر جہانہ میں سوار ہو گیا اور

تھوڑی دیر بعد یہ باد بانی تجارتی جہاز افریقہ کی طرف چل پڑا۔ جیب دوسرے دن کی بھی شام ہو گئی۔ اور کیٹی اب تک واپس نہ آئی تو تھیو سانگ اور عنبر کو تشویش ہونے لگی کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ گرفتار ہو گئی ہو۔ عنبر نے کہا۔

”میں اسی لیے اسے اکیلی نہیں جانے دیتا تھا۔“

تھیو سانگ بولا۔

”میں خود نہیں چاہتا تھا کہ وہ جائے مگر وہ بے حد ضدی لڑکی ہے۔ غیبی حالت میں آنے کے بعد وہ بھی ماریا کی طرح اکیلے اڈو پتھر کمرے کی شوقین ہو گئی ہے۔“

عنبر نے کہا۔

”اب اسے کہاں تلاش کیا جائے؟“

تھیو سانگ نے کہا کہ ہمیں بندرگاہ کی طرف جا کر دیکھنا چاہیے ہو سکتا ہے وہ اسی طرف کسی جگہ موجود ہو۔ تھیو سانگ اور عنبر شام کے پھلتے اندھیرے میں کمریٹ کی بندرگاہ کی طرف آ گئے۔ وہ دیر تک ادھر ادھر گھومتے پھرتے کیٹی کی خوشبو محسوس کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر کیٹی کی خوشبو کہیں سے بھی نہیں آ رہی تھی۔ عنبر بولا۔



”کیٹی کی غرض تو ایک دم سے رک گئی ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ کسی طلسم کے چکڑے میں پھنس گئی ہے۔“

عنبر کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ وہ کسی سوچ میں تھا۔ اس نے کہا۔  
”کریمک میں جادو ٹوٹتا ہوتا ضرور ہے مگر یہاں حکومت نے اس اوصاف کو ممنوع قرار دے رکھا ہے۔ اس لیے یہ چھپ کر ہوتا ہے۔ اب ہم یہاں کس کس جادوگر کو تلاش کریں گے؟“

بندرگاہ ہی سے انہیں پتہ چلا کہ افریقہ کی طرف ایک تجارتی جہاز دوپہر کے وقت روانہ ہوا تھا۔ عنبر نے چونک کر کہا۔  
”کہیں کیٹی اس جہاز پر تو سفر نہیں کر رہی؟“

تھیوسانگ نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اگر وہ اپنی مرضی سے جاتی تو ہمیں ضرور خبر کے جاتی۔ مگر وہ ہمارے پاس نہیں آئی جس کا ایک مطلب یہ ہی نکالا جاسکتا ہے کہ اسے کسی طلسم میں جکڑ کر ساتھ لے جایا جا رہا ہے۔ عنبر بولا۔  
”میرا دل کہتا ہے کہ کیٹی ضرور اسی جہاز میں گئی ہے ہمیں اس کا پیچھا کرنا چاہیے۔“ اسی وقت انہوں نے معلوم کیا کہ تجارتی جہاز کس بندرگاہ کی طرف جا رہا ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ جہاز جنوبی افریقہ کی دغانا بندرگاہ کے لیے روانہ ہوا۔

تھا اور پندرہ دنوں کے بعد جنوبی افریقہ کی بندرگاہ دغانا پہنچے۔ اب انہیں یہ معلوم کرنا تھا کہ وہاں سے دوسرا جہاز کب روانہ ہوگا۔ دوسرا جہاز تین دنوں کے بعد اسی بندرگاہ کی جانب روانہ ہونے والا تھا۔ عنبر اور تھیوسانگ کچھ ضروری سفر کا سامان خریدا اور بندرگاہ کے پاس ہی ایک سرانے میں رک کر اپنے جہاز کا انتظار کرنے لگے۔ آخر وہ دن بھی آگیا۔ جب تھیوسانگ اور عنبر دوسرے جہاز کے حشرے پر بیٹھے تھے اور یہ بادبانی جہاز بحیرہ روم کے نیلے پانیوں کو چیرتا ہوا جنوبی افریقہ کی بندرگاہ دغانا کی طرف جا رہا تھا۔ کیٹی جس تجارتی جہاز میں ارشید کے پاس صراحی میں قید پڑی تھی وہ اس سے تین دن آگے تھا اور اس کی منزل بھی جنوبی افریقہ کی بندرگاہ دغانا ہی تھی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ارشید اگرچہ جادوگر تھا مگر وہ خود بھی اس حقیقت سے ناواقف تھا کہ ایک غیبی لڑکی کیٹی اس کے تھیلے میں رکھی ہوئی صراحی میں بند ہے۔ اور باہر نہیں نکل سکتی۔

کیٹی تھیوسانگ اور عنبر کو جہازوں پر چھوڑ کر ہم ٹانگ کی طرف چلتے ہیں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ رومن کا ہن مار یا کے پنے کو لے کر ملک تبت کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ جہاز سے تبت کے بڑے لاما کے حضور پیش کر کے بہت



بڑا انعام و اکرام وصول کرنا چاہتا تھا۔ اسے صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ اس اُتو کے پہنچنے میں اُتو کی روح دھڑک رہی ہے۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ اس پہنچنے میں ماریا قید ہے۔ تیسری جانب عیاد یورگ اپنے بازو پر ناگ کے بالوں کی راکھ والا تعویذ باندھے سائبرینے کے اصلی گورنر کو ہلاک کر دیتے کے بعد خود سائبرینے کے گورنر کی شکل میں وہاں شاہی محل میں رہنے لگا تھا۔ اور اپنے سپہ سالار کے ساتھ مل کر روم کے بادشاہ کے خلاف سازش کی تیاریاں شروع کر رہا تھا۔ جبکہ ناگ شہر روم کے باہر پہاڑیوں کے درمیان ایک ویران پرانے قبرستان کی ایک قبر کے تابوت میں بے ہوش پڑا تھا۔

ناگ کو اس شکستہ پرانی قبر کے اندر تابوت میں پڑے دسواں دن جا رہا تھا۔ کہ اتفاق سے ایک رات جبکہ نہ بہر دست بارش ہو رہی تھی۔ بجلی چمک رہی تھی۔ بادل گرج رہے تھے وہاں سے ایک نیک دل راہب کا گزر ہوا۔ یہ نیک دل راہب بڑا عبادت گزار آدمی تھا اور رات کو خچر پر سوار اپنے سفر پر نکلا ہی تھا کہ قبرستان کے قریب پہنچتے ہی بارش شروع ہو گئی۔ راہب کو جب بارش سے پہنچنے کے لئے کوئی اور جگہ نظر نہ آئی تو وہ قبرستان کی ڈیوڑھی میں آگیا۔ اس نے خچر کو ڈیوڑھی میں ایک جانب کھڑا کیا اور خود کونے میں

دوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور وقت کو غنیمت جان کر خدا کی یاد میں مگن ہو کر دل میں اس کی حمد پڑھنے لگا۔ نیک دل راہب کا ضمیر خدا نے واحد کی عبادت سے روشن ہو گیا ہوا تھا۔ خدا کی عبادت کرتے کرتے اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اسے قبرستان میں نریتون کے درختوں کے جھنڈ کی طرف چلنے کا اشارہ کر رہا ہے۔ جب تین بار ایسا ہی ہوا تو راہب ڈیوڑھی سے نکل کر بارش ہی میں قبروں کے درمیان سے گزرتا نریتون کے درختوں کے پاس آکر رُک گیا۔ یہاں اندھیرے میں اسے ایک قبر کے سوراخ میں سے پانی اندر جاتا نظر آیا۔

راہب نے اپنے دل میں حیران کر کے ذرا سی توجہ دی تو اسے جیسے ایک غیبی پُر سکون آواز آئی: اس قبر کو کھولو۔ راہب نے قبر کی مٹی کو ہٹانا شروع کر دیا۔ جلدی ہی اسے ایک پرانا تابوت نظر آیا۔ اس نے اس کا ڈھکنا اٹھا کر پرے کیا تو دیکھا کہ تابوت میں ایک بالکل صحیح حالت میں لاش پڑی ہے۔ پہلے تو وہ اسے لاش ہی سمجھا مگر جب اس نے اسے ہاتھ لگایا تو لاش کا جسم گرم تھا۔ اور اس کا دل بھی دھڑک رہا تھا۔ یہ ناگ تھا۔ نیک دل راہب نے ناگ کو تابوت میں سے نکال کر اپنے کاندھے پر ڈالا اور ڈیوڑھی میں لاکر زمین پر لٹا دیا۔ اب اس نے مقدس آیات کا ورد شروع کر دیا اور ناگ کے جسم



پر تھوڑی تھوڑی دیر بعد دم کرنے لگا۔ مقدس آیات کے اثر سے اللہ تعالیٰ نے ناگ کا طلسم ختم کر دیا۔ ناگ نے آنکھیں کھول دیں۔ نیک دل راہب نے شفقت سے پوچھا۔

”بیٹا تم کون ہو؟ تمہیں اس تابوت میں کس نے زندہ بند کر دیا؟“

ناگ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے اپنا سر کچھ ہلکا ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہاں بال غائب تھے ناگ نے کہا۔

”آپ نے مجھے تابوت سے نکالا ہے۔ مقدس راہب! ناگ نے اندھیرے میں بھی اس راہب کے مذہبی لباس کو دیکھ لیا تھا۔

نیک دل راہب نے کہا۔

”ہاں بیٹا! تم تابوت میں بند تھے۔ میں تو ادھر سے گزر رہا تھا کہ میرے دل میں ایک آواز آئی کہ قبر کی طرف چلو۔ میں نے قبر کو کھولا تو تم تابوت میں بند تھے مجھے بتاؤ تمہیں کس نے بند کر دیا تھا؟“

ناگ کو اب سب کچھ یاد آگیا تھا کہ کس طرح لمبی ڈالہ والے عیار یوراگی نے کھانے کے درمیان انہیں انگور کا مشروب پلایا تھا۔ وہ بے ہوش ہو گیا ہوگا۔ اور عیار یوراگی نے اسے پرانی

قبر میں دفن کر دیا۔ اسے عنبر اور تھو سا نگ اور کیٹی کا خیال آنے لگا کہ یقیناً وہ بھی مشروب پینے کے بعد بے ہوش ہو گئے ہوں۔ خدا جانے ان کے ساتھ اس مکار شخص نے کیا سلوک کیا ہوگا۔ ناگ نے اپنے بالوں کے بارے میں اندازہ لگایا کہ یوراگی ضرور کوئی جادوگر ہے۔ اسے جادو کے زور سے علم ہو گیا ہو کہ میں ناگ دیتا ہوں اور نے میرے بالوں کو کاٹ یقینی طور پر کوئی خاص طلسم تیار کیا ہوگا۔ یہ سب کچھ ناگ دل میں سوچ رہا تھا۔ اس نے نیک دل راہب کو یہ سادی باتیں بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس نے کہا۔

”مقدس راہب! میرے ساتھ ایک شخص نے دشمنی کی ہے۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ

نے میری مدد کی اور مجھے اس قبر سے نکالا۔“

نیک دل راہب نے ناگ کو تسلی دی اور کہا۔

”بیٹا! جس نے تمہارے ساتھ یہ زیادتی کی ہے خداوند

اس کو اس کی ضرور سزا دے گا۔ اس دنیا میں

ہم جو عمل کرتے ہیں۔ ہمیں اس کا بدلہ ضرور مل کر رہتا ہے۔ اچھا عمل کرتے ہیں تو اس کا ثواب ملتا ہے۔ بُرا عمل کرتے

اچھا عمل کرتے ہیں تو اس کی بھی سزا مل کر رہتی ہے۔

ہیں۔ گناہ کرتے ہیں تو اس کی بھی سزا مل کر رہتی ہے۔ تم اپنے دشمن کو معاف کر دو۔ خداوند اسے خود ہی سزا

دے گا۔ تم اپنے دشمن کو معاف کر دو۔ خداوند اسے خود ہی سزا



ناگ نے کہا۔

”ایسا ہی کروں گا مقدس راہب! میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے یہ بتائیے کہ یہ روم شہر کا پرانا قبرستان ہے کہ کوئی دوسرا شہر ہے“  
 نیک دل راہب نے کہا۔ روم شہر کا ہی پرانا قبرستان ہے۔“  
 ناگ کو تسلی ہوئی کہ اسے کسی دوسرے ملک میں لے جا کر دفن نہیں کیا گیا۔ وہ بہت جلد شہر میں یوداگی کے انگور کے باغ والے مکان میں پہنچ کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تھیوسانگ عنبر اور کیٹی اگر وہاں پر ہیں تو کس حالت میں ہیں۔ وہ یوداگی سے بدلہ بھی لینا چاہتا تھا۔ اس نے راہب سے کہا۔

”مقدس راہب! میں اپنے گھر جاؤں گا۔ اجازت دیجئے۔“  
 راہب نے کہا۔

”بیٹا اس وقت کہاں جاؤ گے۔ رات کا وقت ہے بارش بھی ہو رہی ہے۔“  
 ناگ بولا۔

”میں چلا جاؤں گا۔ مقدس راہب۔ میرا جانا بہت ضروری ہے۔“

یہ کہہ کر ناگ نے بڑی عقیدت سے مقدس راہب کے ہاتھوں کو چوما۔ اور قبرستان کی ڈیڑھی سے باہر نکل آیا۔ باہر

اندھیرا تھا۔ اور تیز بارش ہو رہی تھی۔ کچھ دُور جانے کے بعد ناگ نے زور سے سانس اندر کو کھینچا اور سیاہ عقاب کی شکل اختیار کر کے ایک دم سے فضا میں اڑ پڑا اور شہر روم کی طرف پرواز شروع کر دی۔ وہ بے پناہ جوش اور تیزی کے ساتھ اڑا جا رہا تھا۔ چند لمحوں میں ہی وہ یوداگی کے انگور کے باغ میں جا پہنچا۔ اس نے اوپر ہی سے دیکھ لیا کہ عیار یوداگی کا مکان اندھیر میں ڈوبا ہوا تھا۔

ناگ غوطہ لگا کر عیار یوداگی کے مکان کے صحن میں آگیا۔ مکان میں کہیں بھی روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ مکان کے کمرے بھی بند تھے اور تالے پڑے ہوئے تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ یوداگی وہاں سے کوچ کر گیا ہے۔ مگر تھیوسانگ عنبر اور کیٹی کی بھی وہاں سے خوشبو نہیں آ رہی تھی۔ ناگ نے انسانی شکل بدلی اور برآمدے میں بیٹھ کر غور کرنے لگا کہ تھیوسانگ عنبر اور کیٹی کہاں ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یوداگی کوئی جادوگر تھا۔ اور اس نے طلسم کے لیے ہی ان سب کو بے ہوش کرنے والا مشروب پلا دیا تھا۔ اور ناگ کے سر کے بال بھی کاٹ ڈالے تھے۔ ”یقیناً اس نے میرے بالوں کا طلسم بنایا ہے۔“ ناگ نے سوچا۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ اسے اور اپنے ساتھیوں کو کہاں تلاش کرے؟  
 ساری رات ناگ نے برآمدے میں ہی بیٹھے بیٹھے گزار دی۔



من کی روشنی نکلی تو ناگ نے مکان کے تینوں کمروں کے تالے توڑ کر دیکھا کہ کمروں میں ادھر ادھر سامان بھرا پڑا تھا۔ سامان ایسے رکھا گیا تھا جیسے کسی نے جلدی میں مکان چھوڑا ہو۔ ناگ برآمدے میں آگیا۔ بالمش اب رُک گئی تھی۔ ناگ نے کسی سانپ سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ انگوڑ کے باغ میں کوئی نہ کوئی سانپ ضرور رہتا ہوگا۔ اس نے باغ کی طرف منہ کر کے سانپ کی زبان میں ایک خاص آواز نکالی جو صرف سانپوں کا ناگ دیتا ہی نکال سکتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے باغ کی طرف سے ایک پیلا سانپ گیلے صحن میں سے گزر کر اپنی طرف آتا نظر آیا۔ برآمدے میں آکر پیلے سانپ نے اپنا سر جھکا دیا اور ادب سے پوچھا کہ میں عظیم ناگ دیوتا کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ ناگ نے اُسے اٹھایا اور اس کا چہرہ اپنی آنکھوں کے سامنے لا کر کہا۔

”میرے سر کے بالوں کی خوش بو سونگھو اور بتاؤ کہ یہ خوش بو میرے سر کے علاوہ تمہیں کہاں سے آتی محسوس ہو رہی ہے۔“

پیلے سانپ نے اپنا منہ ناگ کے سر پر پیکے ہوئے چھوئے چھوئے خشخشی بالوں کے ساتھ لگا کر سانس اندر کو کھینچا۔ ناگ نے سانپ کو برآمدے کے فرش پر رکھ دیا۔ پیلے سانپ نے

چاروں طرف منہ کر کے باری باری سونگھا اور پھر عرض کی۔  
”عظیم ناگ دیوتا! مجھے صوبہ ساٹرنینے کی جانب سے آپ کے بالوں کی خوشبو آ رہی ہے۔“  
ناگ نے پوچھا۔

”یہ صوبہ یہاں سے کتنی دور ہے؟“  
پیلے سانپ نے کہا۔

”عظیم ناگ دیوتا! سمندر کے لڑتے صوبہ ساٹرنینے یہاں سے ایک دن اور ایک رات کے سفر پر ہے۔“  
ناگ نے کہا۔

”کیا تم ساٹرنینے جا کر یہ پتہ کر سکتے ہو کہ میرے بالوں کی خوشبو کہاں سے آ رہی ہے؟“  
پیلے سانپ نے ادب سے کہا۔

”عظیم ناگ دیوتا! ہم روم شہر کی پہاڑیوں کے سانپ ہیں۔ آگے سمندر ہے۔ ہم سمندر میں سفر نہیں کر سکتے۔ یہ کام آپ ساٹرنینے پہنچ کر وہاں کے کسی بھی سانپ سے لے سکتے ہیں۔ آپ ناگ دیوتا ہیں۔ وہاں کے سانپ آپ کا حکم بجا لا کر خوش ہوں گے۔“

ناگ نے سانپ کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔  
پیلے سانپ ادب سے سر جھکانے کے بعد جدھر سے آیا تھا ادھر



چل دیا۔ سانپ کے جانے کے بعد ناگ نے ایک بار پھر عقاب کی شکل بدلی اور بادلوں بھرے آسمان پر اڑنے لگا۔ اس کا رخ صوبہ سائربینے کی جانب تھا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ چنانچہ دو شام ہونے سے پہلے پہلے سمندر کو عبور کر کے سائربینے پہنچ گیا۔ یہ وہی صوبہ تھا جہاں عیار یورگی سائربینے کے گورنر ٹولمی کی شکل میں راج کر رہا تھا۔ اس کا غلام بیروکس بھی اس کا خاص محافظ بنا اس کے ساتھ تھا۔ اس وقت جب ناگ سائربینے میں پہنچا تو عیار یورگی ٹولمی اپنے سپہ سالار کے ساتھ ایک بے حد مہلک زہر کی شیشی اپنے پاس رکھے روم کے شہر کی طرف جہاز میں روانہ ہو چکا تھا۔ اس نے سپہ سالار کے ساتھ مل کر روم کے بادشاہ کو ہلاک کرنے کی سازش مکمل کر لی تھی اور وہ روم کے بادشاہ کو ہلاک کرنے کے لیے ہی جا رہا تھا۔ وہاں کے سپہ سالار خاص کو بھی انہوں نے اپنی سازش میں شریک کر لیا تھا۔ ناگ سائربینے شہر کے ایک جنگل میں اتر آیا۔ پھر پچی پروانہ کرتا شہر سے باہر ایک باغ میں آگیا۔ اس نے باغ میں اترتے ہی انسانی شکل اختیار کی اور وہاں موجود کسی سانپ کو خاص آواز دی۔ ناگ نے تین بار آواز دی مگر وہاں کوئی سانپ نہ آیا۔ چوتھی آواز پر سانپ کی بجائے ایک دو موئی جھاڑیوں میں سے نکل کر ناگ کے سامنے آگئی۔ وہ بہت آہستہ آہستہ رہنمائی چلی آ رہی تھی۔ دو موئی سانپ نہیں ہوتی مگر اس کا تعلق سانپوں کے خاندان

ہی سے ہے اور اس کے دو مونہ ہوتے ہیں۔ اس نے ناگ دیتا کے آگے سر جھکایا اور سلام کیا۔ ناگ نے کہا۔

”کیا بات ہے۔۔۔ کوئی سانپ ابھی تک پیش کیوں نہیں ہوا؟“

دو موئی نے عرض کی کہ عظیم ناگ دیتا اس صوبے میں کوئی سانپ نہیں ہے۔ جب سے اس جزییرے میں آتش فشاں لاوا پھٹا تھا۔ سارے سانپ یہاں سے نکل کر کسی نہ کسی طرح ملک بابل کی طرف چلے گئے ہیں۔ ناگ کو سخت مایوسی ہوئی۔ اسے ناامید دیکھ کر دو موئی نے کہا۔

”وہ ناگ دیتا! آپ پریشان لگتے ہیں۔ کیا میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتی۔ اگرچہ میں سانپ نہیں ہوں لیکن اگر میں آپ کی خدمت کر سکی مجھے بڑی خوشی ہوگی۔“

ناگ نے کہا۔

”تمہارا شکریہ۔ شاید تم میرے کسی کام نہ آ سکو گی۔“

دو موئی نے عرض کی۔

”عظیم ناگ دیتا! آپ حکم تو کریں۔“

ناگ نے گہرا سانس بھر کر کہا۔



”میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرے سر کے بالوں کی خوشبو  
میرے سر کے علاوہ یہاں کس طرف سے آتی ہے؟“  
دو مونی نے کہا کہ مجھے اپنے بالوں کی خوشبو سگھائیے۔ ناگ  
نے دو مونی کو اٹھا کر اپنے سر کے چھوٹے چھوٹے بالوں کے  
ساتھ لگایا۔ دو مونی نے دونوں مونہوں سے ان کی خوشبو کو سونگا۔  
پھر نیچے زمین پر بیٹھ کر چاروں طرف اپنے منہ گھما کر زور سے  
اندر کو سانس کھینچنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔

”عظیم ناگ دیوتا! مجھے آپ کے بالوں کی خوشبو شہر روم  
کی طرف سے آتی محسوس ہو رہی ہے۔“  
ناگ نے تعجب سے کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ ادھر سے تو میں آ رہا ہوں۔ مجھے  
ایک سانپ نے کہا تھا کہ میرے بالوں کی خوشبو اس  
صوبے سے آ رہی ہے۔“

دو مونی نے وہاں کی فضا کو سونگتے ہوئے سانس اندر کو  
کھینچا اور بولی۔

”اُس نے بھی درست کہا تھا عظیم ناگ دیوتا! اس شہر  
کی فضا میں بھی آپ کے بالوں کی ہلکی ہلکی خوشبو رچی  
ہوئی ہے۔ مگر یہ خوشبو آہستہ آہستہ ملک روم  
کی طرف جا رہی ہے۔“

ناگ سوچنے لگا۔ اس کا مطلب ہوا کہ مجھے دوبارہ روم شہر  
کی طرف جانا ہو گا۔ اس نے دو مونی کا شکریہ ادا کیا اور اسے  
بھیج دیا۔ اس کے بعد ناگ نے دوبارہ عقاب کی شکل اختیار کی۔  
اور واپس روم شہر کی طرف پرواز کر گیا۔ اس وقت شام ہو چکی  
تھی۔ اور اندھیرے نے چاروں طرف اپنی چادر پھیلادی تھی۔ ناگ  
ساری رات پرواز کرتا رہا۔ ادھر عیار یورگی سائریس کے گورنر  
ٹولی کی شکل اختیار کیے اپنے غلام بیروکس، سپہ سالار اور محافظ فوج  
کے دستے کے ساتھ تیز رفتار بادبانی جہاز میں سوانہ روم کے ساحل  
پر پہنچ چکا تھا۔ بادشاہ کے دربار میں جانے سے پہلے اس نے جہاز  
پر ہی غسل خانے میں خوشبو ڈال بھرے پانی میں غسل کیا۔ غلطی  
سے وہ اپنے بازو پر بندھا ہوا ناگ کے بالوں کی راکھ والا تعویذ  
اتارنا بھول گیا۔ تعویذ اندر سے گلا ہو گیا جس کی وجہ سے اس  
میں سے ناگ کے بالوں کی خوشبو نکلنا بند ہو گئی۔ اس کا عیار یورگی  
کو تو علم نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے صرف یہی افسوس تھا کہ تعویذ  
خواہ منواہ گلا ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے وہ نہاتے وقت تعویذ  
اتار کر سامنے رکھ لیتا تھا۔

ناگ روم شہر میں انگوڑ کے باغ والے یورگی کے مکان میں  
آ گیا۔ اس نے اسی سانپ کو بلا کر پوچھا کہ تم نے تو کہا تھا میرے  
بالوں کی خوشبو سائریس صوبے کی طرف سے آ رہی ہے مگر وہاں



# میرے نام

پیارے انکل!

آداب کے بعد عرض یہ کہ ابھی ابھی میں نے آپ کے دو ناول ”قبرستان کی ڈراؤنی رات“ اور ”منگلا دیوی کا ترشول“ پڑھے اب وہ ماریا کھوپڑی میں، پڑھتا ہے بلکہ میرے سامنے پڑا ہے آپ کو تو علم ہے کہ میری مین مارکیٹ میں اپنی دکان ہے جب دل چاہتا ہے پڑھ لیتا ہوں۔ بہر حال پھوڑیں اس قصے کو ویسے ایک بات ہے کہ میں آپ کی طرف سے ایک عدد لٹرو کا حقدار ہوں کیونکہ مجھے ہی تو میٹھا کرنا ہے بھئی! آپ کو ہماری یعنی صرف میری طرف سے دلی مبارک ہو۔ ارے یہ تو بتانا ہی بھول گیا۔ کہ کس بات کی مبارک باد تو یقیناً آپ کو، نومبر بروز بلکہ برات جمعرات کے دن کی رات کا وہ وقت یاد ہو گا جب آپ نے اسلام آباد میں پاکستان کے سب سے بڑے حال لیاقت ہال میں ڈرامہ سیریل ڈراچی کی کہانی پر آپ کو بہترین مصنف کا ایوارڈ ملا۔

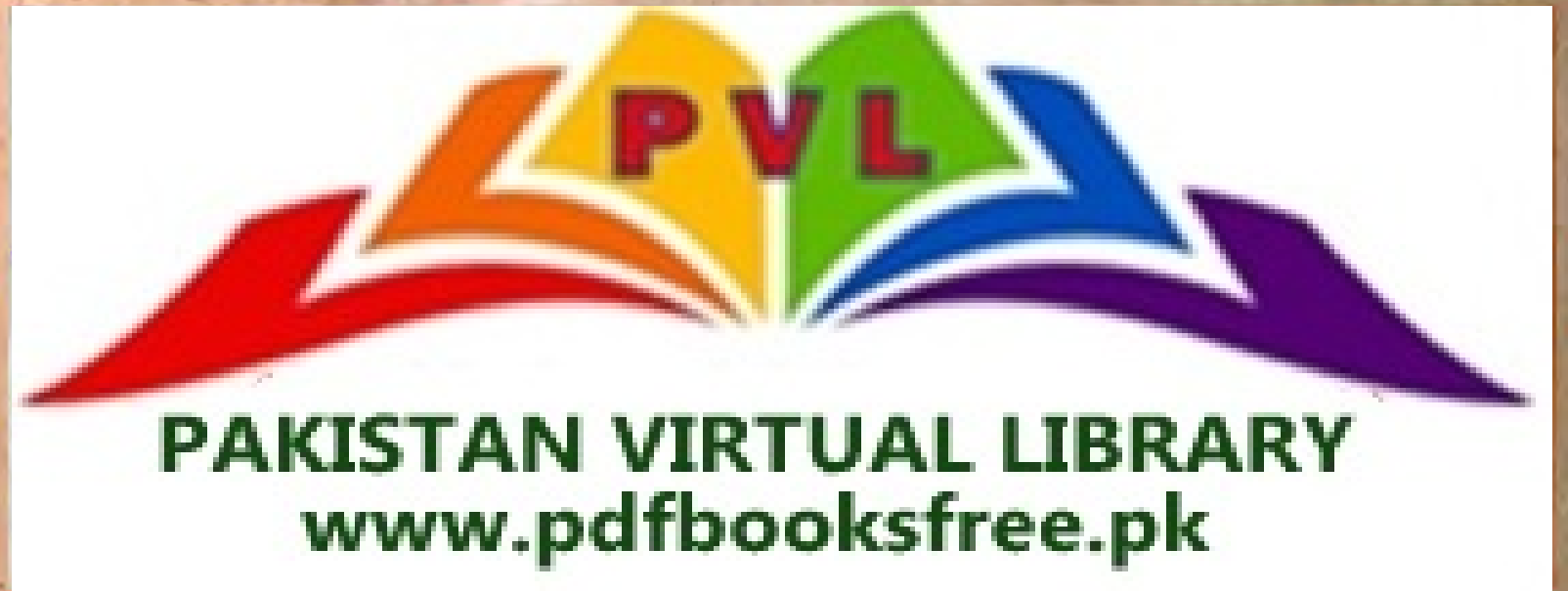
سچ مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں نے رات اسی وقت آپ کو مبارکبادی کا خط لکھنے کا فیصلہ کیا مجھے کسی نے اطلاع دی کہ سب لوگ اسلام آباد سے واپس آگئے ہیں تو میں نے آپ کو خط لکھا۔ براہ کرم خط کا جواب ضرور دیجیے گا تاکہ مجھے علم ہو سکے کہ میری خوشی حقیقی ہے۔

خدا حافظ فقط آپ کے ناولوں کا دیوانہ

خالد محمود سومرو ہیپی بکسٹال ۱۴/۴/۱۷ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور۔

تو میرے بالوں کی خوشبو بالکل نہیں ہے۔ سانپ نے چاروں طرف منہ کر کے ایک بار پھر فضا کو سونگھا اور ادب سے کہا۔  
”عظیم مقدس ناگ! اس وقت یہ خوشبو سائرنے کی جانب ہی سے آرہی تھی مگر اب یہ خوشبو کہیں سے بھی آتی محسوس نہیں ہو رہی۔“  
ناگ پریشان ہو کر سانپ کا منہ تکیے لگا۔

آگے کیا ہوا جاننے کے لیے قسط نمبر ۱۲۰ پڑھیے۔





ڈئیرسٹ انکل اے حمید آداب !

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے تو آپ میری طرف سے اپنی تحریر کردہ سیریل ڈائجسٹ پر پی ٹی وی ایوارڈ ملنے کی مبارکباد قبول فرمائیں۔

پیارے انکل ! میں ابھی ابھی عنبر ناگ ماریا کیٹی اور تھیو سائنگ خلا میں کا خاص نمبر "غیبی لاش" پڑھ کر فارغ ہوا ہوں۔ بہت پسند آیا۔ انکل ناولوں میں موجود واقعات پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ انکل سچ سچ بتائیں کہ کیا واقعی آپ کے کردار عنبر ناگ، ماریا، کیٹی، تھیو سائنگ اور ان پر گزرنے والے واقعات سچے ہیں۔ پلیز انکل آپ میرے اس خط کا جواب ضرور دیجئے گا۔ انکل میں آپ کے ناول پڑھنے کے علاوہ اپنی پڑھائی پر بھی پوری توجہ دیتا ہوں اور ہر سال امتیازی نمبروں سے پاس ہوتا ہوں۔ انکل اگر آپ کبھی کراچی آئیں تو ہمارے یہاں ضرور آئیے گا۔ میں آپ کا پوری شدت سے انتظار کروں گا۔

آپ کا پیارا بھتیجا  
عمیر صدیقی S-1/324 سعود آباد کراچی نمبر ۲۷

ڈئیر انکل !

السلام علیکم! کے بعد عرض ہے کہ میں نے آپ کے ناول عنبر ناگ ماریا سیریل کے تمام حصے پڑھے۔ شروع والے ۱۰۰ واپسی والے اور اب ۲۴ واں ناول خلائی سفر کا میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ

ناول میں نے آٹھویں جماعت میں پڑھنا شروع کیے تھے اور اب آپ کی دعاؤں سے میں نے ایف اے بھی کر لیا ہے۔ ہم دو بہن بھائی ہیں۔ اس لیے لاڈ پیار کی وجہ سے کبھی کسی نے روک ٹوک بھی نہیں کی۔ اور اب تو ایک ڈیڑھ سال ہوا میرے ابو فوت ہو چکے ہیں۔ تو میرے اس غم میں بھی صرف عنبر ناگ ماریا کی قسطوں نے ہی ساتھ دیا۔ جس کے لیے میں ان کی مشکور ہوں۔

شہزادی اختر سلطانہ لاہور ۱۶

ڈئیر انکل اے حمید آداب !

انکل ! آپ ہمیشہ سے اچھا لکھتے رہے ہیں۔ ناگ ماریا عنبر کی تو تعریف کرنا ہی سوزج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے مگر حال ہی میں آپ کی سلسلہ وار امریکہ یادداشتوں پر مشتمل آپ بیتی پڑھنے کا موقع ملا۔ اور اس طرح آپ کی شخصیت کا ایک تیلاب میرے سامنے کھل گیا "امریکا نو" جس دلکش اور خوبصورت انداز میں جامی ہے اس سے کہیں زیادہ آپ کی رحم دلی آپ کی انسانی ہمدردی واضح ہو کہ ہم پر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے۔

اب آئیے آپ کے سب سے خوب صورت اور دلچسپ سلسلے ناگ ماریا عنبر کی طرف توجہ دے کر یہ کہیں گے کہ آپ کو یہ دنیا مکمل تباہ نہیں کرنی چاہیے تھی۔ تاکہ اس کے کچھ حصے آباد رہتے اور انہیں زندگی کا آغاز ہوتا۔ گو اب بھی



کم درجہ پ نہیں۔

اس ماد کے ناول آسیبی چیخ۔ باپ کی خوشبو پڑھے۔ بہت پسند آئے۔  
انکل! اگر آپ کا دوسروں سے تقابل کیا جائے تو آپ کو دوسروں کی  
نسبت زیادہ معلومات ہیں۔ آپ کی یہ معلومات ہمارے لیے بہت فائدہ  
مند ہیں۔ انکل ایک بات بتاؤں میں نے آپ کے تقریباً تمام ناول دھڑکی  
ملکے سے لے کر اب تک، پڑھ لیے ہیں۔  
فی امان اللہ  
آپ کی بیٹی طاہرہ رؤف لاہور نمبر ۵



پیادے انکل اے حمید

آداب! کے بعد عرض ہے کہ مجھے آپ کے سلسلے وار ناول عنبر  
ناگ ماریا بہت پسند ہیں۔ اور میں انہیں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں انکل  
میں آپ کی ذہانت کی داد دیتا ہوں کہ آپ نے اتنی ذہانت سے اتنی  
قتیلیں لکھیں ہیں اور مکھ رہے ہیں۔ انکل میں دعا کرتا ہوں کہ اسی طرح  
آپ ہمارے لیے عنبر ناگ، ماریا لکھتے رہیں۔ انکل میں آپ کو  
پہلی بار خط لکھ رہا ہوں اُمید ہے کہ آپ اسے ردی کی ٹوکری کی نذر نہیں  
کریں گے اور آپ مجھے جواب ضرور دیں گے۔

اچھا انکل اب اجازت دیں۔ خدا حافظ

فقط گل شیر مکان نمبر ۳ سٹریٹ نمبر مین بازار گڑھی شاہو لاہور۔



السلام علیکم

انکل آپ سدا سلامت رہیں اور ہمارے لیے عنبر ناگ ماریا اور  
کیٹ کا سنسنی خیز سفر نامہ تحریر کرتے ہیں۔ انکل اس خط میں آپ سے ایک  
بات کہنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ عنبر ناگ ماریا اور کیٹ کے ناول ذرا مزاحیہ  
لکھا کریں۔ آپ کوئی کوئی ناول مزاحیہ لکھتے ہیں۔ عنبر ناگ ماریا کا ہر ناول  
مزاحیہ لکھا کریں تو مہربانی ہوگی۔ شکریہ۔ آپ کی کہانیوں کا شوقین۔  
محمد نواز تحصیل و قلع لاہور ڈاکخانہ بابا پور پنڈ جندپال



پیادے انکل اے حمید سلام مسنون۔

انکل مجھے خط لکھنے پر مجبور کرنے والا خاص نمبر غیبی لاش ہے۔ اور  
شاید میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں۔ کہ یہ خاص نمبر پڑھ کر دل سے آپ  
کے لیے دعا نکلی کہ آپ ہمیشہ اچھے سے اچھا لکھتے رہیں اور ہم پڑھتے  
رہیں۔ خدا آپ کو بڑی عمر عطا کرے کہ آپ ہمیشہ ناگ، عنبر ماریا سیرت لکھتے  
رہیں (آمین) انکل میں نے پہلے کچھ تین ماہ یا دو ماہ پہلے مکتبہ اقرار والوں  
کو لڑکن پڑ کر کے سوالات لکھ کر روانہ کیا۔ مگر اب تک کوئی جواب نہیں آیا۔  
اُن سے تو میں ناراض ہوں۔ کیونکہ ہم کتنی محبت سے خط لکھتے ہیں۔ اور  
جواب نہ آئے تو کتنا دکھ ہوتا ہے۔ اچھا انکل اب اجازت دیجئے۔

خدا حافظ آپ کا پرانا قاری نیاز احمد

ضلع پشاور علاقہ محلہ مکر توت متفصل منڈی سیری لب شکر مکان نمبر ۱۳۴۳



مافی ڈنیر سوٹ انکل اے حمید!

آداب و سلام کے بعد عرض ہے کہ ہم کو خط کا جواب ملا۔ ہمیں کچھ دکھائی نہ دیا۔ کہ ہماری محنت ضائع نہیں ہوئی اور ہم نے فوراً ہی جواب ارسال کر دیا۔ انکل آپ کی شائع کردہ کہانی۔ عنبر ناگ ماریا اور کیٹی جزییرے کا بھوت۔ توقاک مقابلہ ماریا کا پتلا۔ نہر تماش بندیم کا خوفناک سفر نامہ ہمیں بہت پسند آیا۔ ہم نے پڑھ کر دل میں نہیں بلکہ سب کے سامنے تعریف کی کہ آپ خداوند کی مرضی سے ایسی ہی کہانیاں چھپاتے رہیں۔ ہمارا بھائی اظہر صابر تو آپ کی ہر کہانی شیدائی ہو کر پڑھتا ہے اور ہم کی تولڈائی دیکھنے والی ہوتی ہے۔ پہلے کوئی کہتا ہے میں پڑھوں گا کوئی کہتا ہے میں پڑھوں گا۔ مجبوراً ایک پڑھتا ہے دوسرے خاموشی سے سنتے ہیں انکل آپ نے ہمارے جواب میں کہا تھا کہ عنبر ناگ ماریا اور کیٹی کی ایک سچی داستان ہے۔ اور ہزاروں سال پرانی کہانی ہے۔ یہ کیا چکر ہے۔ انکل ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ ہمیں جواب دیں یہ کیا بات ہے۔ فقط

اظہر صابر اینڈ رضیہ مزنگ لاہور۔

پیارے انکل اے حمید السلام علیکم!

پیارے انکل جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آج کل کراچی میں بڑے افسوسناک واقعات ہو رہے ہیں۔ بھائی بھائی کا قتل کر رہا ہے۔

ان فسادات میں ۱۵۰ سے زائد افراد جاں بحق ہو گئے ہیں اور ۵۰۰ سے زائد افراد زخمی ہو گئے ہیں۔ ان واقعات پر ہر باشعور اور باضمیر شہری ان کے آنسو بہا رہا ہے۔ میری آپ سے انتہائی موڈ بانہ گزارش ہے۔ کہ آپ اپنے قلم کے رخ اس طرف موڑے اور لوگوں کو احساس کروائے کہ ہم نہ سندھی ہیں نہ پنجابی ہیں نہ بلوچی ہیں نہ مہاجر اور نہ پٹھان بلکہ ہم سب پاکستانی ہیں۔ اور مسلمان بھائی ہیں۔ آپ اپنے کرداروں کو کراچی لے آئیں۔ اور عنبر ناگ ماریا کیٹی اور تھیو ساگ کو ان ملک دشمن عناصر کے خلاف کام کرتا ہوا پیش کریں جو بھائیوں کو آپس میں لڑوا رہے ہیں۔ آپ لوگوں کو بتائیں اگر ہم اس طرح لڑتے رہے تو ہمارا یہ ملک جو ایک طویل جدوجہد اور لاکھوں بلکہ کروڑوں قربانیوں کے بعد حاصل ہوا ہے تباہ و برباد ہو جائیگا۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق کراچی کے حالیہ واقعات فسادات میں کم از کم ایک ارب روپے کا نقصان ہوا ہے۔ اس سے ملک کی معیشت کو شدید دھچکا لگا ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر آپ یہ تمام باتیں ناول میں تحریر کریں گے۔ تو مجھے یقین ہے کہ عوام پر اس کا شدید اثر ہو گا اور اگر اس سے فسادات رک گئے تو یہ آپ کا ایک بڑا کام نامہ ہو گا۔ انکل ہم چند دوستوں نے مل کر ایک تنظیم بنائی ہے جس کا نام انسان دوست کلب رکھا گیا ہے اس کلب کا مقصد نوجوانوں کو بیدار کرنا اور ان میں محبت اور بھائی



چارے کی فضا قائم کرنا ہے۔ فقط آپ کا ایک قاری  
امین صدر الدین بھایانی "انسان دوست کلب" سلطان آباد کالونی نمبر ۱۸



دوستو! آپ نے امین صدر الدین کا خط پڑھا ہے۔ میری آپ سے  
گزارش ہے کہ انہوں نے جو "انسان دوست کلب" قائم کیا ہے۔ آپ  
سب کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ اور پاکستان بھر میں اور  
خصوصاً کراچی میں اس وقت اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ آپس  
میں محبت اور بھائی چارے کی فضا قائم کریں اور کراچی کے دوست  
فوری طور پر اس کلب کے ممبر بنیں اور اس کام میں ہاتھ بٹائیں۔  
تاکہ سب بھائیوں کی طرح امن و سکون سے رہ سکیں۔ ایسی باتوں  
سے پورے ملک پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ آپ جہاں  
جہاں بھی ہیں اور جس طریقہ سے بھی اس کام میں ہاتھ بٹا سکیں  
ضرور اس میں حصہ لیں۔ آپ سب اس ملک کے معمار ہیں اس کی  
بنیادوں کو مضبوط کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ میں بھی آپ  
کے ساتھ ہوں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو آمین

آپ کا انکل اے حمید

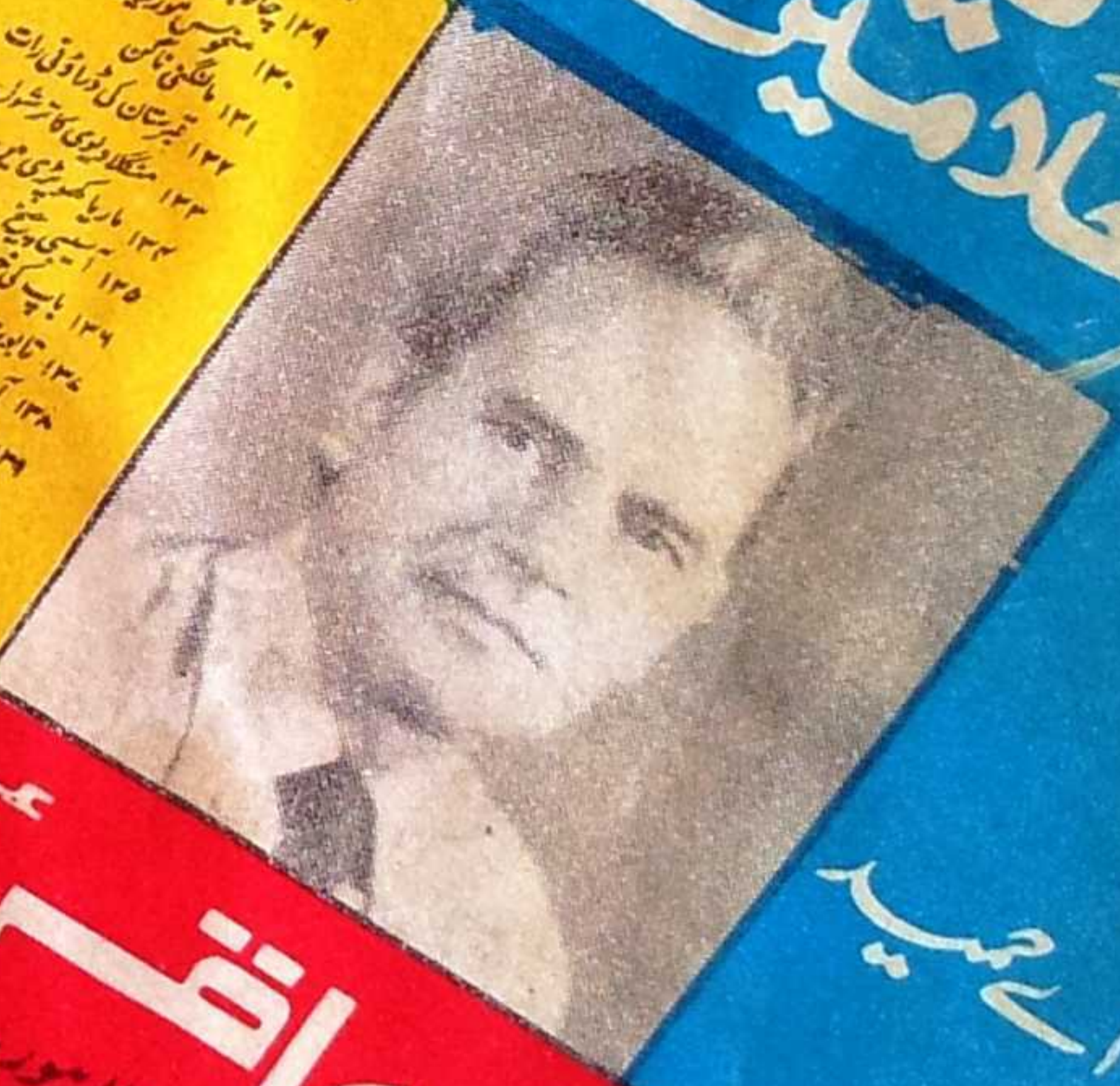






# ماریا کا حیات

اسمیں



## مکتبہ اقبال

شاہ عالم مارکیٹ، لاہور







# کچھو کچھو

ایہ حسیہ

PDFBOOKSFREE.PK





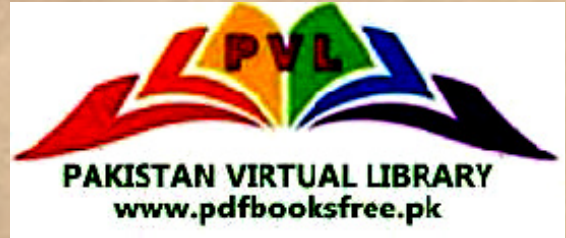
## بادش، جنگل، مورتی

ناگ چکرا کر رہ گیا کہ اگر پہلے اس کے بالوں کی خوشبو  
صوبہ سانبھنے کی جانب سے آ رہی تھی تو اب یہ خوشبو  
کہاں غائب ہو گئی؟ دو مونی نے تو کہا تھا کہ مجھے یہ  
خوشبو روم مندر کی طرف سے آتی محسوس ہو رہی ہے جب  
ناگ نے سانبھ کو دو مونی کی بات بتائی تو وہ بولا:  
"عظیم ناگ دیوتا! دو مونی کبھی جھوٹ نہیں بول  
سکتی ممکن ہے اس وقت آپ کے بالوں کی خوشبو  
روم ہی کی طرف سے آ رہی ہو۔"

مگر اب وہ کہاں غائب ہو گئی؟ "سانبھ نے سٹ پٹا  
کر پوچھا:

سانبھ نے ڈر کر ایک دم سے اپنا سر جھکا دیا اور  
ادب سے بولا:

"عظیم ناگ دیوتا! اس میں میرا کوئی قصور نہیں  
ہے۔ یقین کریں۔ آپ کے بالوں کی خوشبو مجھے اس



ترتیب

○ بادش، جنگل، مورتی

○ ناگن آگئی

○ بدردعویٰ کا غار

○ بچہ وڑکی



وقت سوائے آپ کے سر کے اور کسی طرف  
سے نہیں آ رہی۔

ناگ نے سانپ کو پچھے جانے کے لئے کہا: سانپ  
خاموشی سے واپس چلا گیا۔ ناگ عجیب کٹھن کٹھن میں مبتلا ہو  
گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جس کسی نے بھی اس کے سر  
کے بالوں کو کاٹ کر اپنے پاس رکھا ہوا ہے کیسی تھیسواگ  
اور عذرا بھی اس کے پاس رہتا ہے قید ہوں گے اور وہ ضرور  
کوئی جادوگر ہے۔ اگر کیسی تھیسواگ اور عذرا اس کے پاس  
قید نہ بھی ہوں تب بھی ان کے بارے میں اس جادوگر  
سے سراغ مل سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس شخص  
کا کھون لگنا چاہتا تھا جس کے پاس سے اس کے بالوں  
کی خوشبو آ رہی تھی مگر اب تو خوشبو غائب ہو چکی تھی۔  
وہ ناامید ہو کر عیار یورگی کے مکان کے برآمدے میں  
ایک طرف پکے ہوئے مونڈے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا  
کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ مونی کے کہنے کے  
مطابق اگر اسے روم شہر کی طرف سے بالوں کی خوشبو  
آتی تھی تو بہت ممکن تھا کہ وہ آدمی جس کے پاس  
ناگ کے بال ہیں یعنی عیار یورگی روم شہر ہی میں ہو۔  
وہ پہلے سائینے کی طرف گیا ہو اور پھر وہاں سے واپس

روم آ گیا ہو۔ پس ناگ نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ روم  
شہر ہی میں رہ کر عیار یورگی کو کھوج لگانے کی کوشش  
کرے گا۔ کیونکہ یہی ایک آدمی تھا جو اسے کیسی عذرا اور  
تھیسواگ کے بارے میں کچھ بتا سکتا تھا۔ ناگ عیار یورگی  
کی شکل پہچانتا تھا۔ وہ جمال کہیں بھی نظر آ گیا ناگ اسے  
وہیں پہچان کر دہن سکتا تھا۔ ناگ نے اسی وقت عذاب  
کی شکل بدلی اور روم شہر میں گشت لگانے کے لئے  
نکل گیا۔ یہ بات تو اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں  
تھی کہ عیار یورگی نے اس وقت سائینے کے گورنر ٹولی  
کی شکل اختیار کر رکھی ہے اور اس نے اپنے بازو پر  
جو ناگ کے بالوں کی راکھ کا تھوڑا باندھ رکھا ہے وہ  
گیلا ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے سانپ اس کی خوشبو  
محسوس نہیں کر سکتے۔ یہ بھی ایک ستم ظریفی تھی کہ  
ناگ عذرا یا تھیسواگ کی کیسی ایک دوسرے کی خوشبو  
فورا محسوس کر سکتے تھے مگر وہ اپنے جسم، اپنے سر کے  
بالوں یا اپنے کپڑوں کی خوشبو محسوس نہیں کر سکتے تھے۔  
عیار یورگی اس وقت گورنر سائینے ٹولی کی شکل  
میں شہنشاہ روم کے خاص محل میں دعوت میں بیٹھا  
سے سائینے کے صوبے کی صورت حال کے بارے میں



بات چیت کر رہا تھا۔ روم کا بادشاہ سائزینے کے گورنر ٹولی کو بہت پسند کرتا تھا اور اسے اپنا خاص آدمی سمجھتا تھا۔ اس کو کیا معلوم تھا کہ یہ اصلی گورنر ٹولی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا نقلی روپ ہے۔ مگر جو بہو اسی جیسا ہے۔ یورگی ٹولی کا یہ سالار بھی اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ کنیزیں اور غلام طرح طرح کے کھانوں کے محتال لالاکر دسترخوان پر لگا رہے تھے۔ دوسرے درباری اور اُمراء بھی دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ شام کو عیار یورگی نے اپنے یہ سالار کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ اس نے روم کی فوجوں کے یہ سالار خاص سے کیا بات کی؟

یہ سالار نے بتایا:

جناب گورنر ٹولی! روم کی فوجوں کا یہ سالار ہمارے ساتھ ہے۔ اس نے یقین دلایا ہے کہ جوہنی روم کے بادشاہ کی موت کی خبر محل پہنچیل جائے گی وہ فرداً اپنی فوج کے ساتھ محل کو گھیرے میں لے لے گا۔ اس وقت آپ تخت پر قبضہ کر کے اپنے شاہ روم ہونے کا اعلان کر سکتے ہیں۔

عیار یورگی جو کہ گورنر سائزینے ٹولی کی شکل میں تھا

یہ سالار سے پوچھا:

”روم کے سینٹ کے نمبروں کی کیا پوزیشن ہے؟“

یہ سالار نے کہا:

”وہ لوگ رشوت کے عاشق ہیں اور میں نے ان میں سے اکثریت کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔“

عیار یورگی بہت خوش ہوا۔ اس کی امیدوں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ اب صرف روم کے بادشاہ کو زہر دینا ہی باقی تھا جو اتنا مشکل کام نہیں تھا کیوں کہ اگرچہ روم کا بادشاہ بڑا مکار ظالم اور سنگدل تھا مگر اسے دوست دشمن کی تمیز نہیں تھی۔ وہ گورنر سائزینے کو اپنا دوست سمجھ رہا تھا جب کہ وہی اس کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

عیار یورگی نے یہ سالار سے کہا:

”میں آج رات ہی بادشاہ روم اور اس کی دو دوں کو زہر دے دوں گا۔ تم صبح جوتے ہی فوجوں کو محل کے چاروں طرف پھیلادینا۔ میں اسی وقت اپنے شاہ روم ہونے کا اعلان کر دوں گا۔“



اس وقت حیار یورگی کا غلام بیروکس اتفاق سے کمرے کے قریب سے گزر رہا تھا۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ اس کا آقا حیار یورگی روم کے بادشاہ کو ہلاک کر کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ بیروکس غلام کو روم کے بادشاہ سے کوئی بہرہ دہی نہیں ملتی کیونکہ بادشاہ ایک ظالم شخص تھا اور روم کا ہر شخص اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مگر جب بیروکس غلام نے یہ سنا کہ اس کا آقا یورگی ملک کو بھی زہر دے کر ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اسے تشویش ہوئی۔ کیونکہ روم کی عکہ بڑی خدا ترس نیک اور عزیزوں کی مدد کرنے والی عورت تھی۔ بیروکس غلام نے اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ ایسا نہیں ہونے دے گا۔ اور خدا ترس نیک ملک کو ہر قیمت پر بچانے کی کوشش کرے گا۔ صرف بیروکس غلام ہی جانتا تھا کہ اس کے آقا نے ایک شخص ناگ کے بالوں کی رکھ پر طلسم کر کے گورنر کا روپ دھارا ہوا ہے مگر بیروکس غلام کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کے حیار آقا نے ناگ کے بالوں کی رکھ کو کہاں رکھا ہوا ہے۔ اگر کسی طرح وہ اس رکھ کو اپنے قبضے میں کر لے تو حیار یورگی کا طلسم ٹوٹ جائے گا اور وہ

گورنر سے پھر دہی حیار یورگی کی شکل میں واپس آ جائے گا۔

بیروکس غلام کے پاس وقت نہیں تھا۔ کیوں کہ آج رات ہی حیار یورگی بادشاہ اور ملک کو کسی زکو مشروب میں ملا کر زہر دینے والا تھا۔ بیروکس غلام آگے نکل گیا۔ جب شام ہوئی تو بیروکس نے ایک ڈرامہ کھیلا وہ بھاگا بھاگا گھبرایا ہوا سا اپنے آقا یورگی کے پاس آیا اور بولا:

”میرے آقا غضب ہو گیا:

”کیا ہوا؟ تم گھبرائے ہو؟ کیوں ہو؟ حیار یورگی نے پوچھا۔

بیروکس غلام نے اداکاری کا پورا حق ادا کرتے ہوئے کہا:

”میرے آقا! میں نے شاہی کاہن اعظم اور ملک

روم کو باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔ کاہن اعظم

ملک روم سے کہہ رہا تھا کہ گورنر سامریہ نے

اپنے جہم پر کوئی ایسا طلسم بنا رکھا ہے جو آپ کو

اور شاہ روم کو سخت نقصان پہنچا سکتا ہے۔

بیروکس غلام کی یہ بات سن کر حیار یورگی کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ اس نے غلام کو ایک طرف لے



جا کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور اس کی آنکھوں میں  
آنکھیں ڈال کر بولا:

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟“  
”میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں میرے آقا۔ غلام نے  
ادب سے کہا۔“

بیردکس غلام اپنے آقا سے اچھی طرح واقف تھا اس  
معلوم تھا کہ اس کا آقا حیار یورگی اکثر طلسم اور جادو  
ٹونز کرتا رہتا ہے اور اس نے کئی بار اپنے جسم  
پر سمیر کے رنگ میں انگلی ڈبو کر طلسم کی کیریں بھی  
بنائی تھیں اور ایک دو بار تعویذ بھی باندھے تھے۔ اس  
نے یہ سوچا کہ اگر اس کے آقا نے اپنے جسم پر کوئی  
طلسم بنایا ہوا ہو گا تو وہ اسے مٹا ڈالے گا۔

خیار یورگی نے کہا:

”کاہن اعظم کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں نے اپنے  
بازو پر۔“

یورگی ایک دم سے چپ ہو گیا۔ وہ گھبراہٹ میں  
اپنے غلام کو تعویذ کا آدھا راز بتا گیا تھا۔ اس نے  
جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا:

”کاہن اعظم کو کیسے علم ہو گیا کہ میں نے اپنے جسم

پر طلسم کیریں بنائی ہوئی ہیں۔“  
غلام سمجھ گیا کہ اس بار اس کے آقا نے اپنے بازو پر وہ  
تعویذ باندھا رکھا ہے جس میں ناگ کے بالوں کی راکھ ہے۔  
غلام بیردکس نے کہا:

”میرے آقا آپ کو شاید معلوم نہیں کہ شاہی کاہن  
کو تھوڑا بہت جادو ٹونز بھی آتا ہے اور وہ  
طلسمی راز معلوم کر لیتا ہے۔ شاید اسی طلسم کی مدد  
سے اس نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ آپ نے  
اپنے جسم پر ایسی طلسمی کیریں بنا رکھی ہیں جو ملکہ  
اور شاہ روم کے لئے خطرناک ہیں۔“

خیار یورگی بے چینی سے ٹٹل رہا تھا۔ رک کر پوچھنے لگا:  
”کیا شاہی کاہن نے ملکہ کو یہ تو نہیں بنایا کہ میں  
اسے اور بادشاہ کو زہر دے کر ہلاک کرنا  
چاہتا ہوں؟“

بیردکس غلام نے اپنے منصوبے کے مطابق فوراً جواب دیا:  
”جی نہیں میرے آقا۔ شاہی کاہن نے اس قسم کی  
کوئی بات نہیں کی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ  
اسے ہمارے منصوبے کا علم نہیں ہو سکا۔“  
خیار یورگی خوش ہو کر بولا:



پھر کوئی بات نہیں۔ اس سے پہلے کہ بادشاہ کا  
ہاتھ مجھ پر اٹھے میں انہیں موت کی نیند سلا  
چکا ہوں گا۔

بیروکس غلام بولا :

لیکن میرے آقا ملک نے ایک اور بات کسی نئی :  
وہ کیا؟ عیار یورگی نے پوچھا۔ غلام بولا :

میرے آقا ملک نے شاہی کاہن سے کہا تھا کہ ہم  
ابھی آپ کو گورنر سائینے کے جسم کی تلاشی کا  
شاہی حکم دیتے ہیں۔ آپ ہمارے حکم سے گورنر سائینے  
کے پاس جائیں اور انہیں کہیں کہ ملک اور بادشاہ  
نے آپ کے جسم کے معائنے کا حکم صادر کیا  
ہے۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ سائینے میں  
جلد کی کوئی خطرناک بیماری پھیلی ہوئی ہے ہم یہ  
تسل کرنا چاہتے ہیں کہ کہیں آپ اس بیماری کو  
ساختہ کر دوم تو نہیں آگئے۔

عیار یورگی پریشان ہو گیا۔ ایک بار تو اس کا رنگ  
اڑ گیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ملک اگرچہ سیاست میں دخل  
نہیں دیتی اور بڑی نیک دل ہے مگر شاہ روم اس کی  
بات کو کبھی رد نہیں کرتا اور اس کی ہر بات ماننا ہے۔

یورگی اس وقت روم کے شاہی محل میں تھا اور جسم کی  
تلاشی یا معائنہ کروانے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ عجب  
مشکل میں پھنس گیا تھا۔ وہ گھبرایا ہوا سا ادھر ادھر نہیں  
لگا۔ اب بیروکس نے کہا :

میرے آقا : میرے لائق کوئی خدمت ہو تو حکم  
کریں۔ میں آپ کے لیے جان قربان کرنے پر  
بھی تیار ہوں۔

عیار یورگی اچھی طرح سے جانتا تھا کہ جو اس نے  
ملک کی راکھ والہ تعویذ اپنے بازو سے اتارے وہ اپنی اصلی  
شکل میں واپس آجائے گا یعنی گورنر سائینے ٹولی کی بجائے  
پھر سے یورگی بن جائے گا۔ وہ جب کبھی نہانے کے وقت  
یہ تعویذ غسل خانے میں اتار کر اپنے سامنے رکھ دیتا تھا  
کہ اس پر پانی نہ گرسے تو وہ یورگی کی شکل میں تبدیل  
ہو جاتا تھا۔ اس وقت اسے یہ اطمینان ہوتا تھا کہ وہ  
غسل خانے میں بند ہے اور اسے کوئی نہیں دیکھ رہا۔  
اب وہ تعویذ سب کے سامنے اتار کر اپنی موت کو کیسے  
کوئی دے سکتا تھا۔ اس نے یہی فیصلہ کیا کہ کچھ وقت  
کے لیے وہ تعویذ کو اتار کر محل کے عام سپاہی کی شکل  
اختیار کرے تاکہ کاہن اعظم کی تلاشی سے بچ سکے۔



نے غلام ہر دوس سے کہا:

سنو! میں تختہ ڈیویر کے لیے شاہی محل کے کسی عام سپاہی کی شکل اختیار کر رہا ہوں۔ میں شاہی محل کے سپاہی کی شکل اختیار کرتے ہی محل کے باغ میں پہرے پر جا کھڑا ہوں گا۔ تم اسی جگہ رہنا۔ جب کاہن اعظم میرے جسم کا معائنہ کرنے سپاہیوں کے ساتھ یہاں آئے تو انہیں کہہ دینا کہ مجھے ایک مزدوری کام سے قلعے میں سپہ سالار کے پاس جانا پڑ گیا ہے۔ جب کاہن اعظم سپاہیوں کے ساتھ شاہی محل سے نکل کر قلعے کی طرف روانہ ہو گا تو میں باغ میں اسے دیکھ لوں گا۔ پھر میں اوپر آکر ٹھکے کا کام تمام کر دوں گا:

اب عیار یورگی نے ہر دوس غلام کے سامنے ہی اپنے بازو پر سے ناگ کا تعویذ اتار لیا۔ تعویذ کے اترتے ہی یورگی نے اپنی اصلی شکل اختیار کر لی۔ غلام ہر دوس کے سامنے اب سائیسے کا گورنر شاہی لباس میں نہیں تھا بلکہ اس کا آقا اپنے پرانے لباس اور لمبی ڈاڑھی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے تعویذ کو سامنے رکھا اور ہاتھیں

بند کر لیں اور کہا:

سامری! سامری! سامری! مجھے شاہی محل کے ایک

عام سپاہی کی شکل دے دے:

فورا ہی عیار یورگی نے محل کے ایک سپاہی کی شکل اختیار کر لی۔ وہ دردمی میں تھا اور کمر کے ساتھ تلوار لٹک رہی تھی۔ یورگی نے غلام ہر دوس سے کہا:

میں یورگی ممتاز آقا ہی ہوں۔ تم اس جگہ موجود رہنا۔ شاہی کاہن آئے تو اسے وہی کہنا جو میں نے تمہیں کہا ہے:

بہتر میرے آقا غلام ہر دوس نے کہا:

وہ اپنے آقا عیار یورگی کو سپاہی کی شکل میں اپنے بازو پر ناگ والا تعویذ باندھتے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ غلام ہر دوس نے اسی وقت ایک سیگم اپنے ذہن میں تیار کر لی اور اس پر فورا ہی عمل کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ غلام ہر دوس نہیں چاہتا تھا کہ اس کا سنگ دل غلام آقا ایک ایک دل اور عزتوں کی مدد کرنے والی حکم کو موت کے گھاٹ اتارے۔ عیار یورگی نے ناگ کے بازو والا تعویذ دوبارہ اپنے بازو پر باندھ لیا تھا۔ جونہی عیار یورگی شاہی محل کے ایک عام



سپاہی کی حیثیت سے محل کے بچھوڑے والے باغ کی طرف  
گیا تو غلام بیروکس بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس نے  
مختار سافید بیچ میں رکھ دیا تھا۔ عیار یورگی شاہی محل  
میں ایک جگہ کھڑے ہو کر پہرہ دینے لگا۔ غلام بیروکس دوسری  
طرف سے اس کے عقب میں آگیا اور آہستہ آہستہ اس  
کی طرف بڑھنے لگا۔ غلام بیروکس اپنے آقا کی تمام درندگیوں  
اور ظلم و ستم سے واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ عیار یورگی  
نے کئی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اور اب بے گناہ  
خدا ترس مکہ کو قتل کرنے والا ہے۔ چنانچہ وہ اس کو  
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر کے خدا ترس مکہ کی زندگی  
بچا لینا چاہتا تھا۔ غلام بیروکس نے خنجر نکال کر اپنے ہاتھ  
میں مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔

عیار یورگی اپنے خیال میں سامنے کی طرف منہ کئے کھڑا  
تھا کہ اچانک اسے ایک جھٹکا لگا اور آنکھوں کے آگے  
الہ صبرا چھا گیا اور وہ منہ کے بل آگے گر پڑا۔ غلام بیروکس  
کا خنجر عیار یورگی کی پشت میں جا چکا تھا۔

غلام بیروکس نے جلدی سے عیار یورگی کی لاش کھینچ  
کر جھاڑیوں میں چھپائی اور پھر اس کے بازو پر بندھا ہوا  
تعوذ اتار کر اپنے ہاتھ میں لیا اور بولا:

سامری! سامری! سامری! مجھے روم کے شہر سے اٹھا  
کر ہمالیہ کے کسی پہاڑی شہر میں پہنچا دے۔ مجھے  
وہاں دولت مند آدمی بنا دے۔

یہ کہہ کر غلام بیروکس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جب اس  
نے آنکھیں کھولیں تو اس نے اپنے آپ کو کوہ ہمالیہ کے  
دامن میں ایک عالی شان مکان کے برآمدے میں پایا۔  
بیروکس گرم لباس پہنے ایک گدے دار صوفے پر بیٹھا تھا۔  
اس کے سامنے انگلیشی میں آگ جل رہی تھی۔ غلام  
کنیزین خدمت کے لیے ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔ غلام بیروکس  
سمجھ گیا کہ وہ ایک دولت مند جاگیر دار کی حیثیت سے اس  
مکان کا مالک بن چکا ہے۔ اس نے اٹھ کر باہر دیکھا۔  
چاروں طرف کوہ ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ بیروکس کی  
فٹنکل دیسی ہی رہی تھی۔ قریب ہی چھوٹا سا گاؤں تھا۔  
گاؤں کے اوپر پہاڑی کی ڈھلان پر ایک مندر بنا ہوا تھا۔  
غلام بیروکس کو غلام اور کنیزین آقا بیروکس کہہ کر پکارتی تھیں۔  
بیروکس نے مکان کے کمرے میں جا کر دیکھا۔ سارے کمرے قیمتی  
سامان سے بھرے ہوئے تھے۔ شاندار فرنیچر جگہ جگہ رکھا تھا۔  
فرش پر ریشمی تالین بچھے تھے۔ ہر کمرے میں کوہ ہمالیہ  
کی سردی سے بچنے کے لیے آتش دان گرم تھا۔ بیروکس نے



اپنے بازو پر سے قمیض ہٹا کر دیکھا۔ ناگ کہ بالوں کی رکھ والا  
تقوید اس کے بازو پر بندھا ہوا تھا۔ بیروکس نے خدا کا شکر  
ادا کیا کہ وہ روم شہر کی مصیبتوں سے نکل کر۔ ایہ پہاڑ  
کے پر سکون دامن میں ایک دولت مند جاگیردار کی حیثیت  
سے اب اطمینان کی زندگی بسر کرے گا۔

دوسری طرف ناگ روم شہر کے باہر عیار یورگی کے مکان  
ہی میں تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب کس طرف جلتے۔ اسی  
روز روم شہر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ  
سارٹینے کا گورنر جو روم میں آیا تھا بادشاہ کے محل سے  
غائب ہو گیا ہے اور اس کا کچھ پتہ نہیں چل رہا ناگ  
کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ آخری  
بار کسی سانپ کو بلا کر اس سے اپنے بالوں کی خوشبو کے  
بارے میں پوچھا جائے۔ چنانچہ اس نے اسی زرد سانپ کو  
بلایا اور اس سے پوچھا:

”کیا اس وقت بھی تمہیں میرے بالوں کی خوشبو کسی  
دوسری سمت سے نہیں آ رہی؟“

زرد سانپ نے چاروں طرف منہ گھمایا پھر شمال کی طرف  
ایک لب سانس لے کر بولا:

”عظیم ناگ دیوتا! یقیناً نہیں آتا مگر مجھے آپ کے

بالوں کی خوشبو شمال کی طرف سے آ رہی ہے اور  
اس خوشبو میں کوہ ہمالیہ کے جنگلوں میں اگنے  
والے جنگلی پھولوں کی خوشبو بھی شامل ہے۔“  
ناگ نے تعجب سے کہا:

”تو کیا میرے بالوں کی رکھ والا تقوید اس وقت کوہ ہمالیہ  
کی طرف چلا گیا ہے؟“

زرد سانپ بولا:

”ایسا ہی لگتا ہے عظیم ناگ دیوتا!“

ناگ نے پوچھا کہ کیا اسے ملاحظہ تو نہیں لگ رہا جس  
کے جواب میں زرد سانپ بولا:

”عظیم ناگ دیوتا! مجھے کہنا تو نہیں چاہیے مگر کہے

بغیر رہا بھی نہیں جاتا۔ آپ سانپ کا روپ اختیار

کر کے اپنے بالوں کی خوشبو فضا میں سونگھ سکتے

ہیں۔ آپ خود ایسا کیوں نہیں کرتے؟“

ناگ چونک پڑا۔ اس بات کا اسے پہلے خیال ہی

نہیں آیا تھا۔ اس نے فوراً ایک بڑے کوبرا سانپ کا

روپ اختیار کیا اور شمال کی طرف منہ کر کے منہ سے تین

چار بار زبان نکالی۔ کیونکہ سانپ زبان سے ہی بو

اور خوشبو محسوس کرتا ہے۔ ناگ کو واقعی شمال کی جانب



سے اپنے بالوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ خوشبو اس کے بالوں کی راکھ کی خوشبو تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ عیار یورگی نے ناگ کے بالوں کو جلا کر اس کی راکھ کا تعویذ بنا کر اپنے بازو یا گھٹے میں باندھ رکھا ہو گا۔

ناگ واپس انسانی شکل میں آگیا۔ اس نے زرد سانپ سے کہا:

تمہارا خیال درست ہے زرد سانپ۔ مجھے اپنے بالوں کی خوشبو کوہ ہمالیہ کی طرف سے آتی محسوس ہو رہی ہے۔ تمہارا شکریہ۔ اب تم جا سکتے ہو۔ زرد سانپ واپس چلا گیا۔ ناگ نے عقاب کی شکل بدل اور فضا میں پرواز کرنے لگا۔ اس کا رخ شمال مشرق کی طرف تھا جہاں آگے کوہ ہمالیہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ناگ ایک دن اور ایک رات اڑتا رہا۔ دوسرے دن اسے کوہ ہمالیہ کا سلسلہ نظر آ گیا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف جمی تھی۔ کئی وادیوں پر سے گزرنے کے بعد ناگ ایک وادی میں اتر آیا۔ درختوں کے بیچ میں آتے ہی اس نے سانپ کی شکل اختیار کی اور فضا میں اپنے بالوں کی خوشبو لینے کی کوشش کی۔ ناگ یہ دیکھ

کہ حیران رہ گیا کہ اسے پہاڑوں کے پار سے اپنے بالوں کی راکھ کی بڑی مدھم خوشبو آ رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تعویذ کے اندر بندھی ہو ناگ کے بالوں کی راکھ اب تھوڑی تھوڑی سوکھ گئی تھی۔

ناگ نے پہاڑوں کے اوپر پرواز شروع کر دی۔ ناگ کو ہمالیہ کے پہاڑوں میں چھوڑ کر جم تھیوسا ناگ عنصر اور کیٹی کی طرف آتے ہیں۔ ماریا کے بچے کو لے کر رومن کاہن ابھی تک تنہا کی طرف جاتے ہوئے پہاڑی جنگلوں میں سفر کر رہا تھا۔ وہ آقا کا بیٹا جن میں ماریا قید تھی تنہا کے لاما کے پاس فروخت کرنا چاہتا تھا۔ دوسری جانب کیٹی کو لے کر ارشید کاہن کا بھائی جہاز جنوبی افریقہ کی بند گاہ ٹان پنچ گیا تھا۔ کبڑا حبشی ملازم ارشید کے ساتھ ہی تھا۔ ارشید نے کاہنوں ایسی بی بی عباد پہن رکھی تھی۔ اس کے خیلے میں گیندے کا وہ بیگ موجود تھا۔ جس کے اندر ارشید نے عظیم کے ذریعے سرخ و سفید اغوا کی ہوئی بے ہوش رومن لڑکی کو دھواں بنا کر بند کر رکھا تھا۔ وہ صراحتی میں ارشید کے خیلے میں رکھی تھی جس میں کیٹی دھند کی ایک لہر کی شکل میں چمکی ہوئی تھی اور وہ کوشش کے باوجود باہر نہیں نکل سکی تھی۔ وہ



باہر کی تمام آوازیں برابر سن رہی تھی۔ ارشمید کی منزل جنوبی افریقہ کے دور اندر گھنے جنگلوں میں وہ دلدل علاقہ تھا جہاں ایک پراسرار مندر تھا۔ ارشمید سنگ میں بند کی ہوئی اخواترہ روکی کو لے کر اسی مندر میں دیوتا کے آگے بھیجٹ چڑھانے لے جا رہا تھا۔ بندر گاہ کی حدود سے نکل کر ارشمید نے دو ٹر اور کچھ کھانے پینے اور سفر کا سامان خرید کر بازہا۔ ایک فخر پر اس کا کپڑا ذکر بیٹھ گیا اور دوسرے فخر پر خود ارشمید بیٹھ گیا اور انہوں نے افریقہ کے جنگلوں میں اپنا سفر شروع کر دیا۔

قیوساگ اور عنبر کا جہاز تین دن کے بعد جنوبی افریقہ کی بندر گاہ کے کنارے پر آ کر لگا۔ زمین پر اترتے ہی قیوساگ اور عنبر نے فضا میں کیٹی یا ماریا یا ناگ کی خوشبو سونگھنے کی کوشش کی مگر ان تینوں میں سے کسی کی خوشبو نہ آئی۔

عنبر نے کہا:

”کہیں ہمیں غلط اطلاع تو نہیں دی گئی۔ ہو سکتا ہے جو پہلا جہاز یہاں آیا تھا کیٹی اس میں نہ ہو۔“

قیوساگ نے کہا:

”اطلاع غلط نہیں ہو سکتی عنبر بھیا۔ ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ پہلے جہاز میں سے جو مسافر اترتا ہے وہ کدھر گیا ہے۔ کیونکہ پہلا جہاز تجارتی تھا اور اس میں دو ایک مسافر ہی سوار ہو سکتے ہیں۔“

عنبر اور قیوساگ بندر گاہ کے باہر آ گئے۔ انہوں نے ایک آدمی سے جو بندر گاہ کے دروازے پر بیٹھا تر بوزیج رہا تھا پوچھا کہ پہلے تجارتی جہاز میں سے کتنے مسافر اترے تھے۔ اُس نے کہا:

”دو مسافر اترے تھے۔ ایک ان میں بوڑھا کبڑا حبشی تھا۔ دوسرا اونچا لمبا گھنگھریلے بالوں والا حبشی تھا۔ دونوں نے یہاں سے دو ٹر خریدے تھے اور پھر جنگل کی طرف چل دیئے تھے۔“

عنبر نے قیوساگ کی طرف دیکھا۔ قیوساگ بولا:

”میں نے کہا تھا کہ کیٹی ان ہی پراسرار مسافروں کے قبضے میں ہو گی۔ پلو جنگل میں اس اونچے لمبے گھنگھریلے بالوں والے حبشی کا تعاقب کرتے ہیں۔“

عنبر اور قیوساگ نے بھی دو فخر خرید لیے اور جنگل میں ارشمید کے تعاقب میں روانہ ہو گئے جس وقت عہزاد



تھیوسانگ جنگل میں داخل ہوئے اس وقت ارٹھید اپنے کبرے ملازم کے ساتھ جنگل کے دلدل علاقے والے مندر میں پہنچ چکے تھے۔ یہ علاقہ بے حد گنجان تھا اور ایسے گھنے درخت تھے کہ ان میں سے دن کی روشنی بھی بڑی مشکل سے نیچے اترتی تھی۔ یہاں جگہ جگہ خطرناک دلدیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ارٹھید اس علاقے سے واقف تھا اس لیے وہ ان دلدلوں سے بچتا ہوا مانگنی اور سال کے گنجان درختوں کے درمیان ایک سیاہ پتھروں والے چوڑے پرستے ہوئے سنان مندر میں پہنچ گیا۔

اس مندر میں صرف دو کونھریاں تھیں۔ ایک کونھری خالی پڑی تھی۔ دوسری کونھری میں دیوار کے ساتھ ایک مورتی کھڑی تھی۔ مورتی کی شکل بڑی ڈراؤنی تھی اور اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ ارٹھید نے گیٹڈے کا سینک مورتی کے سامنے لا کر رکھ دیا اور بلند آواز میں منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ منتر پڑھتے پڑھتے اس نے سینک کا کادک کھول دیا۔ سینک کے اندر سے اٹھا کی ہوئی لڑکی دھوئیں کی شکل میں باہر نکلا شروع ہو گئی۔ یہ دھواں لڑکی کی شکل اختیار کر گیا اور اب وہی لڑکی بے ہوشی کی حالت میں ڈراؤنی شکل والی مورتی کے سامنے فرش پر پڑی تھی۔

ارٹھید پیچھے ہٹ گیا۔ کبرہ ملازم مندر کے باہر چھٹائے بیٹھا تھا۔ ارٹھید نے وہ صراحی بھی تھیلے سے نکالی اور کبرے ملازم کو آواز دے کر کہا:

صرافی میں مقدس تالاب میں سے پانی بھر کر لاؤ۔ کبرے ملازم نے صراحی پکڑ لی اور مندر کی سیڑھیاں اتر کر مانگنی کے درختوں کی طرف چل دیا جہاں ایک چھوٹا سا پرانا تالاب تھا۔ تالاب میں خشک پتے تیر رہے تھے۔ کبرے بیٹھی نے صراحی کا منہ کھولا اور اسے تالاب کے پانی میں ڈالا ہی تھا کہ کیٹی ابھر کر صراحی سے باہر آ گئی۔ باہر آتے ہی کیٹی کو محسوس ہوا کہ اس پر اب طلسم کا اثر نہیں ہے اور وہ آزاد ہے۔ اس نے اپنے جسم کو دیکھا اس کا جسم ابھی تک غائب ہی تھا۔ کیٹی کبرے ملازم کے بالکل سامنے آ گئی۔ وہ یہ حیرت کرنا چاہتی تھی کہ کبرہ ملازم اسے دیکھ بھی سکتا ہے کہ نہیں۔ کبرہ ملازم اسے بالکل نہیں دیکھ رہا تھا۔ کیٹی کی نسلی ہو گئی۔ تالاب کے پانی کی وجہ سے اسے صراحی میں سے آزادی نصیب ہو گئی تھی۔ کیٹی کبرے ملازم کے ساتھ ساتھ چلتی مندر کے باہر آ کر چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ مندر کے اندر کون کون ہے اور یہ کبرہ کس کے لیے صراحی میں



پانی بھر کر لیے جا رہا ہے۔ کبڑا ملازم مندر میں داخل ہو گیا۔ جب دو تین منٹ گزر گئے اور مندر میں سے کوئی باہر نہ نکلا تو کیٹی تیزی سے مندر کے اندر داخل ہو گئی۔ جب اس نے فرش پر اسی اعلا شدہ سرخ و سفید لڑکی کو بے ہوش پڑے دیکھا تو وہ حیران رہ گئی ارشید اس کے قریب ہی بیٹھا اس کی گردن پر کسی تیل کی ماس کر رہا تھا۔ کبڑا ملازم اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ ارشید نے تیل کی ماس ختم کی تو کبڑے ملازم سے کہا:

خنجر لاؤ۔ میں دیوتا کی امانت اس لڑکی کی گردن

کاٹ کر دیوتا کے قدموں میں بھینٹ کرنا چاہتا ہوں!

کیٹی ایک دم سے چونک اٹھی۔ وہ پوری طرح سے چوکس ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ ارشید نوجوان لڑکی کی گردن پر خنجر چلاتا کیٹی نے آگے لپک کر اس کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔ اپنے ہاتھ سے خنجر غائب ہوتے دیکھ کر ارشید کے جیسے ہوش اڑ گئے۔ اس نے پلٹ کر اوپر نیچے دیکھا۔ کبڑا جیسی بھی حیران پریشان کھڑا تھا۔ ارشید سمجھ گیا کہ کوئی بدروح وہاں آگئی ہے۔ اس نے بلند آواز میں مورتی کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہا:

دیوتا! دیوتا! کوئی بدروح تیری امانت کو تجھ سے

چھین رہی ہے۔ اس کو اس غتاخی کا مزا چکھا! کیٹی بتوں اور مورتیوں کی سخت دشمن تھی۔ اس نے پوری طاقت سے مورتی کو اٹھا کر زور سے فرش پر مارا۔ مورتی پاش پاش ہو گئی۔ مورتی کے ٹکڑے اڑتے دیکھ کر ارشید اور کبڑا جیسی چھینیں مارتے وہاں سے باہر کی طرف بھاگے۔ کیٹی ان کے پیچھے پیچھے آگئی۔ یہ لوگ ایک بے گناہ عورت کی گردن کاٹنے والے تھے۔ یہ خون تھے۔ ان کو اس ظلم کی سزا ملنی چاہیے تھی۔ کیٹی نے اچھل کر دونوں کو گردنوں سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا۔ کیٹی کے ہاتھ میں اُنہی دونوں غائب ہو گئے۔ کیٹی انہیں اڑاتی ہوئی ایک دلدلی نالاب کے اوپر لے آئی۔ نیچے دلدل میں سے بٹے پھوٹ رہے تھے۔ کیٹی نے دونوں کو دلدل میں گرا دیا۔ دلدل نے دونوں کو نگنا شروع کر دیا۔ ارشید بولکھلا کر دیوتا کو پکارنے لگا پھر اس نے اونچی آواز میں فلسی منتر پڑھنا شروع کر دیا مگر کسی نے اس کی کوئی مدد نہ کی اور دیکھتے دیکھتے دونوں تمام انسان دلدل کے پیٹ میں ہمیشہ ہمیش کے لیے گم ہو گئے۔



## ناگن آگئی

کیٹی تیزی سے مندر میں واپس آگئی۔

مندر کی کوٹھڑی کے فرش پر سرخ و سفید روکی اسی طرح بے ہوش پڑی تھی۔ کیٹی نے صراحی میں سے پانی نکال کر اس کے منہ پر چھینٹ مارے۔ مگر روکی کو ہوش نہ آیا۔ کیٹی نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کچھ وقت گذر جانے کے بعد اسے ہوش آ جائے۔ اس خیال سے کیٹی نے روکی کو اٹھایا اور دوسری کوٹھڑی میں لے جا کر جو خالی پڑی تھی فرش پر لٹ دیا۔ کیٹی نے کوٹھڑی کا دروازہ بند کر دیا اور نوہ مندر کے باہر چوترے پر آ کر بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھے بیٹھے شام ہو گئی اور اندھیرا پھیلنے لگا۔ کچھ دیر بعد رات پڑ گئی۔ جنگل میں گہرا اندھیرا بچھا گیا۔ کیٹی نے کوٹھڑی میں جا کر دیکھا۔ روکی ابھی تک بے ہوش تھی۔ کیٹی کو باہر ایک آدمی کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ وہ تیزی سے باہر آگئی۔ اس کو ایک جنگل آدمی نظر آیا جو دوسری کوٹھڑی کے باہر

اس طرح زمین پر بیٹھا بیچ رہا تھا کہ ایک بڑے سبز سانپ نے اس کے جسم کے گرد اپنے آپ کو پوری طرح سے لپیٹ رکھا تھا۔ جنگلی آدمی کے حلق سے بڑی المٹاک چیخیں نکل رہی تھیں۔

کیٹی نے سانپ کی زبان میں آواز دی۔

اس کو چھوڑ دو۔

سانپ جو جنگلی کے جسم کو بل دے رہا تھا وہیں ٹرک گیا۔ وہ اس بات پر بے حد حیران ہوا کہ اس کی زبان میں دہان اسے کس نے آواز دی ہے۔ سانپ نے اپنی زبان میں پوچھا:

تم کون ہو؟ تمہیں ہماری زبان کیسے آگئی؟

کیٹی نے کہا:

میں عظیم ناگ دیوتا کی بہن کیٹی ہوں۔ یہ زبان

مجھے عظیم ناگ دیوتا نے ہی سکھائی تھی۔

سانپ نے فوراً اپنا سر جھکا دیا اور ادب سے بولا:

عظیم ناگ دیوتا کی بہن! میرا سلام قبول کرو۔

کیٹی نے پوچھا:

تم نے اس جنگلی کو کیوں جکڑ رکھا ہے؟

جنگلی ابھی تک سانپ کے شکنجے میں بیچ رہا تھا۔ اسے



نہ تو کیٹی کی امداد آ رہی تھی نہ سانپ کی۔ کیوں کر وہ  
دونوں سانپوں کی زبان میں باقی کر رہے تھے جو ہلکی ہلکی  
سیٹھوں ایسی تھی۔

سانپ نے کہا:

”یہ جنگلی مندر کے اندر کسی عورت کو اغوا کرنے  
کیا ہے۔ اس کا ایک ساتھی پیچھے کھڑا پہرہ دے  
رہا ہے۔ میں نے ان کی باتیں سن لی تھیں اور  
معلوم عورت کو ان کے قلم سے بچانا چاہتا تھا۔  
کیونکہ یہ جنگلی لوگ آدم خور ہیں اور عورتوں کو پکڑ  
کر بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔“

کیٹی نے کہا:

”اس کو کافی سزا مل چکی ہے اور اب میں بیہوش  
عورت کی حفاظت کے لیے موجود ہوں۔ اسے  
چھوڑ دو۔“

سانپ بولا: ”آپ جیسے سمجھتی ہیں میں ویسے ہی  
کروں گا لیکن عظیم ناگ دیوتا کی بہن۔ یہ آج  
نہیں تو کل اس عورت کو اغوا کر ضرور لے  
جائیں گے۔“

یہ کہہ کر سانپ نے جنگلی کو چھوڑ دیا۔ سانپ کے

شعجے سے نکلتے ہی جنگلی بڑی تیزی سے جنگل کی طرف  
بھاگا اور درختوں کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔

کیٹی نے سانپ سے کہا:

”میرے ساتھ کوٹھڑی میں آؤ۔ عورت بڑے دنوں  
سے بے ہوش ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ  
میں اسے کیسے ہوش میں لاؤں۔“

سانپ کیٹی کے ساتھ دوسری کوٹھڑی میں آ گیا۔ سانپ  
کو کیٹی کا دھندلا سایہ ساہی نظر آ رہا تھا۔ اس نے بے ہوش  
لڑکی کو دیکھا اور پھر اس کے جسم کو سونگھ کر کہا:

”عظیم ناگ دیوتا کی بہن کیٹی! اس لڑکی کو ایک  
ایسی جنگلی بوٹی پلا دی گئی ہے جس کا اثر اس  
پر ہو سکتا ہے ایک سال تک رہے۔“

کیٹی نے حیرانی سے کہا:

”تو کیا یہ ایک سال تک بے ہوش رہے گی؟  
کیا تم کوئی ایسا طریقہ نہیں جانتے جس سے یہ لڑکی  
ہوش میں آ جائے۔“

سانپ کھٹکے لگا:

”اسے لے کر جنگل میں میرے غار میں چلیں  
وہاں میری ناگن بھی میرے ساتھ رہتی ہے۔ ہو



سکتا ہے اس کو کوئی طریقہ معلوم ہو۔  
کیٹی نے کہا:

میں اسے اٹھاتی ہوں۔ تم آگے چلو۔  
کیٹی نے ایسا ہی کیا۔ بے ہوش لڑکی کو اٹھا کر اپنے  
کاندھے پر ڈالا جو اس کے کاندھے پر آتی ہی غائب  
ہو گئی۔ سانپ جنگل میں آگے آگے ریگنے لگا۔ جھاڑیوں  
اور دلدلی گڑھوں سے بچتا سانپ جنگل میں ایک ایسی  
جگہ پر پہنچ گیا جہاں چھوٹے پہاڑیوں کی ڈھلانیں تھیں۔ ان ڈھلانوں  
میں ایک جگہ چھوٹا سا غار بنا ہوا تھا۔  
سانپ نے کہا:

عظیم ناگ کی بہن کیٹی! یہ میرا غار ہے۔  
کیٹی غار میں چلی گئی۔ اس نے دیکھا کہ غار جہاں ختم  
ہوتا تھا وہاں ایک کالی ناگن پھن اٹھائے بیٹھی تھی۔ اس  
نے سانپ کو دیکھتے ہی اپنی زبان میں کہا:  
”تم جنگل میں کہاں چلے گئے تھے؟“  
سانپ نے کہا:

”ناگن! میرے ساتھ عظیم ناگ دیوتا کی بہن کیٹی  
اور ایک بے ہوش عورت بھی ہے۔  
ناگن نے فوراً ادب سے سر جھکا دیا۔ کیٹی نے ناگن

سے اُسی کی زبان میں مخاطب ہو کر کہا:  
”ناگن! میں ناگ دیوتا کی بہن کیٹی ہوں۔ یہ لڑکی کئی

دنوں سے بے ہوش ہے۔ کیا تم اسے کسی طرح  
ہوش میں لا سکتی ہو؟“

سانپ نے بھی اپنی ناگن کو ساری بات تفصیل سے بتائی  
اور اس سے کسی جنگل بوٹی کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ  
بوٹی اس بے ہوش لڑکی کو ہوش میں لا سکتی ہے؟  
ناگن نے کہا:

”ہاں! وہ بوٹی اسے سکھا کر دیکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے  
اسے ہوش آجائے۔“

سانپ اسی وقت جنگل میں گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد ایک  
سیاہ رنگ کی بوٹی لے آیا جس کے ڈھنسل پر نسواری رنگ کا  
پھول کھلا ہوا تھا۔

ناگن نے کہا:

”عظیم ناگ کی بہن! اس بوٹی کے پھول کو بے ہوش  
لڑکی کی ناک کے قریب لے جاؤ۔“

کیٹی نے ایسا ہی کیا۔ جوں ہی اس نے بوٹی کا پھول بے ہوش  
لڑکی کو سکھایا اس نے ایک چھینک ماری اور آنکھیں کھول  
دیں۔ آنکھیں کھولتے ہی جب اسے غار کے اندھیرے میں



دو سانپ پھن اٹھائے اپنے قریب نظر آئے تو وہ چیخ مار کر ایک بار پھر بے ہوش ہو گئی۔

کیٹی نے ناگن سے کہا:

”تم لوگ یہاں سے کسی جگہ چھپ جاؤ۔ یہ تمہیں دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی ہے۔“

ناگن اور سانپ غار کے اندر ہی بنے ہوئے سوراخوں میں جا کر چھپ گئے۔ کیٹی نے دوسری بار بے ہوش لڑکی کو بولی سنگائی تو اس نے ایک بار پھر چھینک مار کر آنکھیں کھول دیں اور خوف زدہ ہو کر ارد گرد دیکھا کیٹی اس سے بات کر کے اسے ایک بار پھر ڈرانا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے ساتھ گھٹکھوکڑا بہت مزوری تھا۔ لڑکی ابھی آنکھیں پھاڑے غار میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ کیٹی نے کہا:

”میری آواز سن کر خوف مت کھا، بن! میں کوئی

چڑیل یا کوئی جن بھوت نہیں ہوں۔ میں تمہاری

طرح کی ایک لڑکی ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ

مجھ پر جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے میں

کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔“

لڑکی نے غار میں غیبی آواز سنی تو سہم کر دیوار کے

ساتھ لگ گئی۔ کیٹی نے اسے تسلی دینی شروع کر دی۔ کیٹی نے کچھ اس طرح کی باتیں کیں کہ لڑکی کا خوف دور ہو گیا اس نے کہا:

”یہاں تھوڑی دیر پہلے دو سانپ تھے وہ کہاں ہیں؟ کیٹی نے کہا:

”وہ اسی غار میں ہی ہیں مگر وہ ہمارے دوست ہیں

ان سانپوں نے ہی تمہیں ہوش دلایا ہے ان

سے مت ڈرنا۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔“

یہ کہہ کر کیٹی نے سانپ کی زبان میں انہیں آواز دی ساتھ ہی اس نے لڑکی سے کہا:

”میں سانپ کی زبان جانتی ہوں۔ اس لیے ان سے

ان ہی کی زبان میں بات کر سکتی ہوں۔ تم حیران

مت ہونا۔“

کیٹی کی آواز پر ناگن اور سانپ سوراخ میں سے نکل کر غار میں لڑکی کے سامنے آ گئے اور ذرا پرستہ ہٹ کر بیٹھ گئے۔

کیٹی نے کہا:

”میں بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہیں کہاں سے آغا

کیا گیا تھا۔“



کیٹی نے اسے دھم شکر کی سرائے کا سارا قصہ سنا دیا  
وہ کی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:

میرا نام فریٹا ہے۔ میں شہر سامرتہ کی رہنے  
والی ہوں جو ملک ہندوستان کے شمال میں چالیہ  
پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ میں اپنی جڑواں  
بہن کے ساتھ پیدا ہوئی جو پیدا ہونے کے بعد  
مر گئی تھی۔ میں بڑی ہوئی تو میرے ماں باپ  
مر گئے۔ میرے چچا نے مجھے پالا۔ میرا چچا شہر  
سامرتہ میں کپڑے کی تجارت کرتا ہے۔ ایک روز  
میں کسی کام سے شہر سے باہر نکلی تو تین آدمیوں  
نے مجھے کچھ سنگھا کر بے ہوش کر دیا۔ ہوش آیا  
تو اب میں تم لوگوں کے سامنے بیٹھی ہوں۔ تم مجھے  
بتاؤ کہ میں کہاں ہوں؟

اب کیٹی نے اسے ساری بات بتائی کہ اسے اس جنگل  
کے مندر میں دیوتا کی مورتی کے آگے قربان کیا جا رہا تھا کہ  
اس نے بچا لیا۔

فریٹا نے کہا:

”جنگل کے لیے مجھے میرے گھر پہنچا دو۔“  
کیٹی نے کہا:

”فکر نہ کرو۔ میں تمہیں ملک ہندوستان کے چلوں  
گی وہاں سے تم اپنے شہر سامرتہ تک میری  
راہ نمائی کرنا۔ یہ شہر کتنا بڑا ہے؟“  
فریٹا نے کہا:

”یہ چھوٹا سا پہاڑی شہر ہے۔ اس کی پہاڑی غاروں  
میں کچھ ایسی گھنائیں بھی ہیں جن کے بارے  
میں مشورہ ہے کہ وہاں بدرومیں رہتی ہیں  
اسی لیے سامرتہ شہر کو بدروحوں کا شہر بھی  
کہا جاتا ہے۔ مگر وہاں کبھی کوئی ایسی واقعہ نہیں  
ہوا۔ لوگ امن چین سے زندگی بسر کرتے ہیں۔“

ناگن نے اپنی زبان میں کیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:  
”عظیم ناگ کی بہن کیٹی! میں تمہیں مشورہ دوں  
گی کہ اس شہر میں نہ جاؤ۔ وہاں تمہیں کوئی حادثہ  
پیش آ سکتا ہے۔“  
کیٹی نے جواب دیا:

”میں نے اس سے بھی زیادہ ڈراؤنے اور ایسی  
شہر دیکھے ہیں۔ تم تسلی رکھو۔ مجھے کچھ نہیں ہوتا  
اور پھر یہ لڑکی اکیلی اور بے یار و مددگار ہے  
اس کی مدد کرنا میرا اخلاقی اور انسانی فرض ہے۔“



ناگن نے کہا :  
عظیم ناگ کی بہن! تمہیں اتنے دالے خطرے سے  
خبردار کرنا میرا فرض تھا۔ میں نے اپنا فرض  
پورا کر دیا۔ آگے متاری مرضی؟  
فریٹا نے کیٹی کو آواز دے کر پوچھا کہ وہ منہ سے  
سیٹی کی آواز نکال کر کیا سانپ سے باتیں کر رہی تھی؟  
کیٹی نے کہا :

ہاں۔ یہ ناگن کہہ رہی تھی کہ فریٹا کو اس کے  
پچا کے پاس ضرور پہنچا دو۔ یہ بڑی محبت زدہ  
لاک ہے۔

فریٹا نے آہ بھر کر کہا :  
میری طرف سے ناگن بہن کا شکریہ ادا کرنا  
جتنا میں نے میرا خیال کیا ہے اتنا تو آج کل کے  
انسان بھی نہیں کرتے۔

کیٹی نے فریٹا کی جانب سے ناگن کا شکریہ ادا کیا  
اور کہا کہ ہمیں آج کی رات اسی جنگل میں بسر کرنے کے  
بعد صبح صبح ملک ہندوستان کی طرف اپنا سفر شروع  
کر دینا ہو گا۔ رات امنوں نے سانپ اور ناگن کے  
غار میں بسر کی۔ صبح کا ابالا جنگل میں پھیلا تو فریٹا بولی :

کیٹی بہن! تم مجھے نظر نہیں آتی ہو۔ مجھے کیسے  
معلوم ہو گا کہ تم میرے پاس ہی ہو اور میری  
بات سن رہی ہو؟  
کیٹی نے کہا :

اس کا ایک ہی علاج ہے کہ میں تھوڑی تھوڑی  
دیر بعد تمہیں بلاتی رہوں گی۔

فریٹا نے کیٹی سے یہ پوچھا کہ وہ سفر کس طرح  
کرس گے۔ کیونکہ ملک افریقہ سے ہندوستان تک کا سفر  
بڑا لمبا ہے۔ کیا وہ کسی جہاز پر سوار ہو کر ہندوستان  
کی کسی بندرگاہ تک جائیں گے؟  
کیٹی نے کہا :

یہی ہو سکتا ہے کہ ہم کسی سمندری جہاز میں  
سفر کریں۔

فریٹا کہنے لگی کہ ہمارے پاس جہاز کا کرایہ نہیں ہے  
اور پھر میرے پاس کپڑے بھی نہیں ہیں کہ جن کو پہن  
کر سفر کر سکیں۔ فریٹا نے اسے قتل دی کہ اس کا انتظام  
ہو جائے گا۔ کیٹی نے ناگن سے کہا کہ وہ کہیں سے  
کوئی ہیرا موتی لا کر اسے دے سکتی ہے؟ کیا وہاں  
کوئی خزانہ موجود ہے؟



ناگن بولی: "عظیم ناگ دیوتا کی بہن! میرے پاس ایک لعل ہے۔ میں وہ آپ کی خدمت میں پیش کر سکتی ہوں۔"

ناگن اپنے بل میں گئی اور جب واپس آئی تو اس کے منہ میں ایک سرخ لعل تھا جس میں سے شعاعیں نکل رہی تھیں۔ کیٹی نے وہ لعل لے کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اسی روز کیٹی نے فریٹا کو اپنے ساتھ لیا اور جنگل میں بندرگاہ دغانا کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ فریٹا کی پوری حفاظت کر رہی تھی۔ ایک دن اور ایک رات کے سفر کے بعد وہ جنگل سے نکل کر دغانا شہر میں آ گئے۔

کیٹی نے کہا:

"تم اس درخت کے پاس بیٹھو۔ میں ابھی لعل کے عوض کچھ رقم حاصل کر کے آتی ہوں۔"

فریٹا نے کہا کہ جلدی آ جانا۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔

بیٹی اسے جلد واپس آنے کا کہہ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ بندرگاہ پر کچھ لوگ بیٹھے سکوت کو تبدیل کرنے کا کاروبار کر رہے تھے۔ کیٹی کو سونے کے ایک سو سکوتوں کی ضرورت تھی۔ وہ کسی آدمی کو لعل دے کر

سکے نہیں لے سکتی تھی۔ اس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ کسی میز پر سے سونے کے سونے تھکے اٹھا کر دونوں لعل رکھ دے۔ لعل بہت قیمتی تھا۔ مگر کیٹی نے ایک میز پر اسے رکھ دیا اور سو سکوتوں کی پھیلی اٹھا لی۔ اس وقت کاروباری آدمی کسی دوسرے آدمی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کا دھیان دوسری طرف تھا۔

کیٹی سونے کے سکوتوں کی پھیلی لے کر واپس فریٹا کے پاس آ گئی۔ اب وہ ایک کارواں سرائے میں آ گئے۔ کیٹی نے کہا:

"فریٹا! تم خود ہی سرائے کے مالک سے بات کر کے ایک کوٹھڑی کرائے پر لے لو۔ میں نے سنا ہے کہ ہندوستان کو سمندری جہاز کل صبح روانہ ہو گا۔"

فریٹا نے کارواں سرائے کے بوڑھے مالک کو سونے کا ایک سکہ دے کر ایک کوٹھڑی کرائے پر لے لی اور وہ دونوں اس میں جا کر بیٹھ گئے۔

ادھر تھوساگ اور عنبر جنگل کے دوسرے خطے میں سے گزرتے ہوئے جب لدل علاقے میں پہنچے تو عنبر نے کہا:

"حیران کی بات ہے کہ ہمیں کیٹی کی خوشبو نہیں



اُ رہی اس سے لگتا ہے کہ وہ ہم سے کافی  
فاصلے پر ہے۔

آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ کیٹی اس وقت تھیوسانگ  
اور عنبر سے ایک دن اور ایک رات کے فاصلے پر  
تھی اور اتنی دور سے انہیں ایک دوسرے کی خوشبو  
نہیں آ سکتی تھی۔ تھیوسانگ کو جنگل میں دور ایک  
جھونپڑی نظر آئی جو کیلے کے درختوں کے جھنڈ میں بنی ہوئی  
تھی۔ اس وقت دن ڈوب رہا تھا اور جنگل میں اندھیرا  
پھیلنے لگا تھا۔

عنبر نے کہا:

اگر یہ جھونپڑی خال ہے تو میرا خیال ہے ہمیں  
کچھ دیر یہاں بیٹھ کر اگلا پروگرام تیار کرنا چاہیے  
کہ ہمیں جنگل میں کہاں تک کیٹی کو تلاش کرنا ہوگا  
یہ جنگل تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا!

تھیوسانگ اور عنبر جب جھونپڑی کے قریب گئے تو  
دیکھا کہ جھونپڑی کا بالوں کے سرکنڈوں والا دروازہ کھلا تھا۔  
جھونپڑی کے اندر کوئی انسان نہیں تھا۔ جھونپڑی بالکل خالی  
تھی۔ تھیوسانگ کہنے لگا:

معلوم ہوتا ہے یہاں کوئی رہتا تھا جواب اسے

چھوڑ کر چلا گیا ہے۔

عنبر جھونپڑی کے آگے بنے ہوئے مٹی کے چبوترے پر  
بیٹھ گیا۔ جھونپڑی کے قریب ہی ایک پہاڑی چبوترے پر  
رہا تھا۔ انہوں نے اس چبوترے پر منہ لٹا دھویا اور بیٹھ  
کر کیٹی کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ آخر انہوں نے  
یہ فیصلہ کیا کہ رات اس جھونپڑی میں گزاری جائے اور  
صبح واپس دھانا کی بندرگاہ کا رخ کریں تاکہ وہاں سے  
جنگل کی دوسری جانب جا کر کیٹی کا کھوج لگانے کی کوشش  
کی جائے۔ دیکھتے دیکھتے جنگل میں رات کا اندھیرا اگرا ہو  
گیا۔ خاموشی چھا گئی۔ شام کو درختوں پر جو پرندے بول رہے  
تھے وہ بھی چپ ہو کر سو گئے۔ تھیوسانگ اور عنبر کو  
سونے کی حاجت بالکل نہیں تھی۔ وہ پہلے تو جھونپڑی  
کے سامنے چبوترے پر بیٹھے رہے۔ پھر جھونپڑی سے تھوڑی  
دور کیلے کے درختوں میں آ گئے کہ وہاں سے تازہ کیلے  
اتار کر کھائے جائیں۔ تھیوسانگ کو افریقہ کے درد کیلے  
بہت پسند تھے۔

ابھی انہوں نے درخت پر سے کیلے کا ایک ہی ٹکڑا  
اتار لیا تھا کہ انہیں ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے دو آدمی  
باتیں کرنے چلے آ رہے ہوں۔ تھیوسانگ



میں عنبر کی طرف دیکھا۔ یہ آوازیں عنبر نے بھی سن لی تھیں۔ دونوں چپ ہو گئے اور درخت کی ادت میں چلے گئے۔ ان کی آنکھیں جھونپڑی پر جم گئیں۔ کیونکہ آوازیں جھونپڑی کی طرف آ رہی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ اندھیرے میں درختوں کے نیچے سے دو آدمی نکل کر جھونپڑی کی طرف آ رہے ہیں۔ نہ تو ان کے لباس افریقہ کے جنگلی آدمیوں کی طرح ایسے تھے اور نہ ان کا رنگ افریقہ کے جنگلی لوگوں کی طرح کالا تھا۔ اندھیرے میں بھی ان کا زرد رنگ صاف نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے لمبے کڑتے اور چمڑے کی چٹائیں پہن رکھی تھیں۔ ایک آدمی کے ہاتھ میں کلہاڑا تھا۔ دوسرے آدمی نے ایک بالائی اٹھا رکھی تھی۔ وہ جھونپڑے کے باہر جھوترے کے پاس آ کر جگ گئے۔ تھیوسانگ اور عنبر ان سے چند قدموں کے فاصلے پر ہی تھے وہ ان کی باتیں آسانی سے سن سکتے تھے۔ ایک آدمی نے جھونپڑی کے اندر جھانک کر دیکھا اور بولا:

”جھونپڑی خالی ہے۔ بس یہ جگ ٹھیک رہے گی۔ تم ایسا کرو کہ جا کر لوہی کو لے آؤ۔“

دوسرا آدمی یہ سنتے ہی واپس درختوں کی طرف چلا گیا۔ تھیوسانگ اور عنبر خاموش کھڑے یہ سب کچھ دیکھ

رہے تھے۔ چند لمحوں کے بعد درختوں کی طرف گیا ہوا آدمی واپس آیا تو اس نے ایک آٹھ نو سالہ بچی کو اپنے کانڈھے پر اٹھا رکھا تھا۔ لوہی کے ہاتھ پیر رسی سے بندھے تھے اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا کہ وہ آواز پیدا نہ کر سکے۔ لوہی ہاتھ پاؤں اور سر اندھیرا دھڑل رہی تھی۔ اس کے حلق سے دہل دہل آوازیں بھی نکل رہی تھیں۔ لوہی بے ہوش نہیں تھی۔ جس آدمی نے کلہاڑا اٹھا رکھا تھا اس نے لوہی کی گھون پر پاؤں رکھتے ہوئے غصے سے کہا:

”خبردار جو آواز نکالی۔ تمہیں اب کوئی نہیں بچا سکتا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی سے کہا:

”بالائی اندھیرا لا کر رکھ دو۔ میں اس کا سر کاٹا ہوں۔ تم اسے بالائی میں ڈال کر اس لوہی کے جھونپڑے کے باہر لے جا کر رکھ دینا۔ صبح اس کا باپ جب اپنی بیٹی کے سر کو بالائی میں دیکھے گا تو اسے تب پتہ چلے گا کہ ہمارے ساتھ دشمنی مول لے کر اس نے کتنی حماقت کی تھی۔“

دوسرے آدمی نے بالائی قریب کر دی۔ تھیوسانگ نے عنبر کے کان میں کہا:



یہ بد معاش تو معصوم بچی کی گردن....

عنبر نے آہستہ سے کہا:

میں نے سن لیا ہے۔ تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں جا کر لڑکی کو بچاتا ہوں؟

یہ کہہ کر عنبر درخت کی اوٹ سے نکل کر جھونپڑی کی طرف تیزی سے چلتا ہوا آیا تو دونوں آدمی اسے دیکھ کر پہلے تو دنگ رہ گئے کہ رات کے اندھیرے میں یہ شہری آدمی اس جنگل میں کہاں سے آگیا۔ پھر وہ دونوں کھٹاڑا اور بھینچ لے کر عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ یہ ان کی بہت بڑی حماقت تھی۔ ایک نے عنبر کے سر پر کھٹاڑے کا بھرپور ہاتھ مارا۔ دوسرے نے عنبر کے پیٹ میں بھینچ سے وار کر دیا۔ کھٹاڑا عنبر کے سر پر گئے ہی ٹوٹ گیا۔ عنبر کے سر پر ذرا سی بھی پھٹ نہ لگی۔ اور بھینچ پیٹ سے ٹکرا کر دوسرے آدمی کے ہاتھ سے پھوٹ گیا۔ وہ بھونچکے سے ہو کر عنبر کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ عنبر کو کوئی دم بھوت بھنے لگے اور وہاں سے بھاگنے ہی گئے تھے کہ عنبر نے پلک کر ان دونوں کو گروٹوں سے پکڑ کر نیچے گرا دیا اور بولا:

”تھیوسانگ آ جاؤ میں نے انہیں قابو کر لیا ہے۔“

قریب ہی زمین پر لیٹی بے کس و مجبور لڑکی پھٹی پھٹی

آنکھوں سے اندھیرے میں عنبر کی طرف دیکھ رہی تھی جس نے اسے موت کے منہ سے نکال لیا تھا۔

تھیوسانگ نے آتے ہی پوچھا:

”یہ لڑکی کون ہے؟ اسے کہاں سے لاتے ہو؟“

دونوں آدمی زمین پر گرے تھے۔ انہیں عنبر کی بے پناہ طاقت کا احساس ہو گیا تھا۔ کیونکہ جب عنبر نے ان کو گردنوں سے دبوچ کر زمین پر گرایا تھا تو انہیں یوں زبردست جھٹکا لگا تھا جیسے انہیں کسی ہمتی نے سونڈ مار کر گرا دیا ہو۔

ایک بولا: ”یہ جنگل کے ٹکڑیوں کے ٹھیکیدار

کی بیٹی ہے۔ ہماری اس سے دشمنی تھی۔ ہم

اس سے انتقام لینا چاہتے تھے۔“

تھیوسانگ بولا: ”اس معصوم بچی کی گردن کاٹنے

کے خیال سے تمہیں خدا کا غوت محسوس نہیں ہوا؟

تم بیدار انسان ہو۔“

عنبر نے کہا:

”تھیوسانگ! لڑکی کو کھول دو بے چاری سخت

تکلیف میں ہے۔“

تھیوسانگ نے فوراً لڑکی کے ہاتھ پاؤں کھول کر منہ میں



مختصا ہوا کپڑا نکال دیا۔ لڑکی اس کے ساتھ پیٹ کر  
ٹوٹ کے مارے رونے لگ پڑی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔  
مختصا نگ رہنے اسے تسلی دی اور کہا:  
"بیٹی! اب تمہیں یہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔"  
عزیز کی توجہ ذرا لڑکی کی طرف ہوئی تو دونوں آدمی اٹھ کر  
جنگل کی طرف دوڑ پڑے۔

عزیز نے کہا:

"مختصا نگ! یہ تمہارے شکار ہیں۔"

مختصا نگ چھلانگ لگا کر ان کے پیچھے دوڑ پڑا۔ اندھیرے  
جنگل میں مختصا نگ انہیں اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا۔  
ایک جگہ مختصا نگ نے دونوں کو پکڑ لیا۔ وہ مختصا نگ  
کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ مختصا نگ  
نے اپنی انگلی دل میں انہیں چھوٹا کرنے کا ارادہ کر کے  
پہلے ایک آدمی اور پھر دوسرے آدمی کے جسم سے لگا  
دی۔ دونوں سنگ دل انسان نسنے نسنے بونے بن گئے۔  
وہ اتنے چھوٹے چھوٹے ہو گئے کہ مختصا نگ نے انہیں اپنی  
ہتھیلی پر اٹھا لیا۔ دونوں آدمی دہشت زدہ ہو کر مختصا نگ  
کی ہتھیلی پر بیٹھے بیٹھے پھیٹی پھیٹی نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ  
یہ انہیں کیا ہو گیا ہے اور وہ اتنے اپنے لیے آدمیوں

سے انسان کی انگلی کے برابر کیسے بن گئے ہیں مختصا نگ  
نے انہیں اپنے کڑتے کی سیب میں ڈالا اور عزیز کے  
پاس آگیا۔

عزیز چھوٹی بچی کو تسلی دے رہا تھا جو اب بھی نوٹ کے  
مارے مارے جا رہی تھی۔ آخر انہوں نے لڑکی کو چپ  
رایا اور اسے لے کر اس کے باپ کے گھر کی طرف  
چل پڑے۔ اس کے باپ کا گھر دو بڑی بڑی جھونپڑیوں  
پر مشتمل تھا۔ اس کے ماں باپ جھونپڑی میں سو رہے تھے۔  
انہیں بالکل خبر نہیں تھی کہ ان کے دشمن ان کی بچی کو  
موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے لے جا چکے تھے۔ بچی  
دوڑتی ہوئی اپنے ماں باپ کے جھونپڑے میں چلی گئی۔ عزیز  
اور مختصا نگ باہر ہی کھڑے رہے کہ بچی کو اس کے  
ماں باپ کے حوالے کر کے وہاں سے جا بیٹیں۔ جھونپڑی  
میں شور مچ گیا۔ بچی نے دوتے بونے اپنے ماں باپ کو  
ساری کہانی بیان کی تو وہ گھبرائے ہوئے باہر نکلے۔ ان کا  
رنگ بھی جیشیوں ایسا نہیں تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بچی  
کے ماں باپ پرتگال کے رہنے والے تھے اور یہاں جنگل  
میں انہوں نے درختوں کی گٹائی کا ٹھیکہ لے رکھا تھا اور  
مبشی اور پرتگال مزدوروں سے درختوں کی گٹائی کا کام لیتے



ہفتے۔ انہوں نے عنبر اور عقیوسانگ کا بے حد شکریہ ادا کیا اور انہیں جھونپڑی کے اندر لے گئے۔

بچی کے باپ نے پوچھا کہ جو آدمی اس کی بچی کو مارنے لے گئے تھے وہ کہاں ہیں؟ عقیوسانگ جیب سے دونوں کو نکالنے ہی لگا تھا کہ عنبر نے اشارے سے اسے روک دیا اور بچی کے باپ سے کہا:

”وہ اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے رنو چکر ہو گئے ہیں۔ مگر مجھے ان کے جیسے یاد ہیں۔“

جب عنبر نے ان کا حلیہ بتایا تو بچی کے باپ نے کہا: ”میں سمجھ گیا وہ کون تھے۔ وہ میرے دشمن بن گئے تھے کیونکہ میں نے انہیں مزدوری کی رقم کے علاوہ قرض نہیں دیا تھا۔ خیر میرے آدمی انہیں بہت جلد پکڑ لیں گے۔“

بچی کے باپ نے عنبر اور عقیوسانگ سے کہا کہ وہ ساتھ والی جھونپڑی میں آرام کریں۔ صبح وہ انہیں ٹھیکر سارا انعام دے کر رخصت کرے گا۔

عنبر بولا: ”شکریہ! ہم نے یہ کام انسانی ہمدردی کی وجہ سے کیا ہے کسی انعام کے حصول کے لیے نہیں کیا۔ اب ہمیں اجازت دیں۔ ہم اپنی جھونپڑی میں

جا کر آرام کریں گے۔“

عنبر اور عقیوسانگ نے اسے یہی بتایا تھا کہ وہ سیارے ہیں اور جنگل کی سیاحت کر رہے تھے کہ رات ہو گئی اور وہ ایک جھونپڑی کو خالی دیکھ کر دہاں آرام کرنے کے لیے ٹھہر گئے کہ یہ واقعہ پیش آ گیا۔

بچی کی ماں بولی:

”تم نے ہماری بچی کی جان بچا کر ہم پر بہت بڑا

احسان کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں

خالی ہاتھ جانے دیں۔“

یہ کہہ کر اس پرنگالی عورت نے گلے کا ہاتھ اتار کر عنبر کی طرف بڑھا کر کہا:

”یہ ہمارے اپنے پاس رکھ لو۔ یہ ہمارا انعام ہے۔“

عنبر نے ہار دلیں کر دیا اور کہا:

”ہم کبھی کسی اچھے کام کا معاوضہ یا انعام نہیں لیا

کرتے ہیں! اور پھر کسی بیک کام کا اجر تو صرف

خدا ہی دے سکتا ہے۔ شکریہ اب ہمیں

اجازت دیں۔“

اتنے میں ایک دوسرا آدمی اندر آ گیا اور بولا:

”آقا! دونوں پرنگالی مزدور غائب ہیں۔ وہ اپنی



جھونپڑیوں میں نہیں:

پتی کے باپ نے کہا:

ان کو جنگل میں تلاش کرو اور جہاں کہیں بھی ہوں

انہیں پکڑ کر میرے پاس لاؤ:

آدمی باہر چلا گیا۔ اب عنبر اور تھیوساگ بھی اجازت

لے کر واپس اپنی جھونپڑی میں آ گئے۔ دونوں نئی برسات

تھیوساگ کی جیب ہی میں تھے۔

عنبر نے کہا:

انہیں اس جنگل میں کہیں چھوٹنے کی بجائے واپس

دغانا کی بندرگاہ پر جا کر سمندر میں پھینک دیجئے

کیونکہ اگر انہیں یہاں چھوڑا تو یہ واپس اپنے ٹھکانے

پر جا کر پتی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر

سکتے ہیں۔

تھیوساگ نے کہا:

یہ تو اتنے چھوٹے ہیں کہ پتی کے نچنے تک ہی

پہنچیں گے۔

عنبر بولا: یہ افریقہ کا جنگل ہے۔ یہاں قدم قدم

پر جادو کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ ممکن ہے کوئی

ان کے قدم بڑا کر دے اور یہ پتی کو نقصان پہنچا دیں۔

تھیوساگ نے عنبر کی بات تسلیم کر لی۔ رات انہوں نے

اسی جھونپڑی میں گزاری جب صبح ہوئی تو واپس دغانا کی

بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ وہ صبح تھی جب دغانا

کی بندرگاہ سے وہ جہاز ملک ہندوستان کی طرف روانہ ہوا

جن میں کیٹی اور فریڈا سوار تھیں۔ عنبر اور تھیوساگ راستے

میں کیٹی کو بھی تلاش کرتے جاتے تھے۔ انہیں دغانا پہنچنے میں

ایک دن اور ایک رات گزر گئی۔ جب وہ دغانا پہنچے

تو انہیں پتہ چلا کہ ایک جہاز ایک روز پہلے ملک ہندوستان

کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ عنبر اور تھیوساگ نے سوچا

کہ ہو سکتا ہے کیٹی اسی جہاز میں ہندوستان کو لے جاتی

جا رہی ہو۔ پھر تھیوساگ بولا:

اس بارے میں جب تک ہمیں پوری اطلاع نہیں

ملتی ہمادہ ملک ہندوستان کی طرف جانا بے کار ہے:

عنبر نے پوچھا:

تو پھر یہاں سے کس طرف چلیں؟ آخر ہمیں کسی

نہ کسی ملک میں جا کر کیٹی کو کھوجنا ہی ہو گا:

تھیوساگ بولا: صبح اس پر غور کر کے کوئی فیصلہ

کریں گے۔ ابھی ہمیں نام کی بھی کچھ خبر نہیں ہے اور

ماریا بھی خدا جانے کہاں غائب ہو چکی ہے۔



عنبر نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ اسے ناگ مارا اور  
 کبھی کی بہت یاد تازے لگی تھی۔ تھیوساگ نے کہا:  
 "میرا خیال ہے ہمیں رات کے اندھیرے میں ان  
 بد معاشوں سے نجات حاصل کر لینی چاہیے جو میری  
 جیب میں پھنک رہے ہیں۔  
 عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے انہیں راستے نہیں بلکہ کسی کسی دیوان  
 جگہ لے جا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر جنگل میں پہنچ  
 بھی گئے تو پکی کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔  
 تھیوساگ بولا: "جیسے تمہاری مرضی" اور وہ شہر سے باہر  
 کسی دیوان جگہ کی تلاش میں چل پڑے۔



## بد معاشوں کا غار

بندرگاہ سے دور ایک جگہ مینار سا بنا ہوا تھا۔  
 کسی زمانے میں اس مینار پر آگ روشن کر کے دور سے  
 جہازوں کو راستہ دکھایا جاتا تھا۔ لیکن ایک عرصے سے یہ  
 مینار ویران پڑا تھا۔ کیونکہ اس کی بجائے دو میل سمندر کے اندر ایک  
 چٹان پر نیا مینار بنا دیا گیا تھا۔  
 عنبر نے کہا:

"یہ دیوان مینار ٹھیک رہے گا۔ ہم ان دونوں  
 بد معاشوں کو اس مینار کی اوپر والی منزل میں  
 چھوڑ دیتے ہیں یہاں سے اگر یہ کسی طرح گرتے  
 پڑتے واپس چلے گئے تو ان کی قسمت؟  
 تھیوساگ اور عنبر دیوان مینار کے پہلے گول کمرے  
 میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں سولے پتھروں اور اینٹ  
 روڑوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ ایک تنگ سیڑھی اوپر کو  
 جاتی تھی۔ اس میں کڑیوں نے جالے تان رکھے تھے۔ وہ



جائے ہٹاتے گول مینار کی دوسری منزل پر آ گئے۔ وہاں  
بھی کوڑا کرکٹ ہی پڑا تھا۔ اس مینار کی تین منزلیں  
تھیں۔ تیسری منزل پر آ کر انہوں نے دیکھا کرکٹ کے  
درمیان میں جہاں بھی آگ جلائی جاتی تھی اب سوائے راکھ  
کے ڈھیر کے اور کچھ نہیں تھا۔ بھٹوساگ نے دونوں ہونوں  
کو جیب سے نکالا اور ٹھنڈی راکھ کے کنارے پتھروں  
میں چھوڑ دیا اور کہا:

اب تم اسی جگہ رہو گے۔ یہی تمہاری سزا ہے۔  
یہ کہہ کر عنبر اور بھٹوساگ واپس سیڑھیاں اترنے لگے  
ان کے جاتے ہی ٹھنڈی راکھ میں سے ایک بالوں بھرا  
عجیب سا انسانی ہاتھ باہر نکلا اور اس نے دونوں ہونوں  
ہونوں کو پتھروں پر سے اٹھا کر اپنی منہی میں جکڑا اور  
کپل کر رکھ دیا۔ پھر یہ ہاتھ راکھ کے اندر چلا گیا۔ ایک  
سیکنڈ کے بعد راکھ میں سے ایک کالے رنگ کا بچھو  
اچھل کر باہر آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ٹھنڈی راکھ میں  
سے ایک انسانی سر باہر نکل آیا۔ اس انسانی سر کی دو آنکھیں  
انگاردوں کی طرح دھک دہی تھیں۔ سر پر راکھ ہی راکھ تھی۔  
چہرہ سیاہ کالے بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ ناک بچھو کے ڈھک  
کی طرح اوپر کو اٹھی ہوئی تھی اور کان گردن تک ٹھک

رہے تھے۔ اس کے ہونوں میں سے دو سفید دانت باہر  
کو نکلے تھے۔ سیاہ بچھو اس شکل کو دیکھ کر وہیں ساکت  
ہو گیا۔ راکھ والے ٹوڑاڑنے چہرے کے حلق سے ایسی  
آواز نکلی جیسے آگ دھڑا دھڑا جلتی ہے تو آواز پیدا  
ہوتی ہے۔ اس نے کہا:

”ان کے پاس زمین کا وہ راز ہے جس کی بجائے  
صدیوں سے تلاش تھی۔ جاؤ اور یہ راز ان سے  
معلوم کرو۔“

سیاہ بچھو نے اپنا منہ اوپر اٹھایا۔ دم کے ڈھک کو  
میں بار زور سے دائیں بائیں گردش دی اور پھر وہ کچھ  
سے ایک جگہ حد خوبصورت راکھ بن گیا جس کے بال  
گنگھریالے سنہری تھے۔ رنگ گورا تھا اور اس نے خوبصورت  
کپڑے پہن رکھے تھے۔ راکھ والے ٹوڑاڑنے چہرے نے کہا:

”اب تمہارا نام عنبر ہے۔ ان دونوں میں سے  
ایک آدمی کے پاس ایسی طاقت ہے جس کی  
مدد سے وہ دنیا کی ہر شے کو چھوٹا بنا سکتا ہے۔  
تمہیں اس سے یہ راز معلوم کرنا ہے۔ اگر وہ  
راز نہ بتائے تو پھر تمہیں کیا کرنا ہو گا تم خراب  
جانتی ہو۔“



عقربہ لڑکی نے کہا:

”میں جانتی ہوں استپا۔ میں تمہارا غلام ہوں۔

تمہارے لیے اپنی جان بھی لادوں گا۔

راکھ کے پتھر سے نے کہا:

”یہ دونوں آدمی بڑے ہوشیار لگتے ہیں۔ ان

سے خبردار رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری

پیشہ پر بچھو کا جو ڈنک باہر نکلا ہوا وہ اسے

دیکھ لیں۔ اسے چھپا کر رکھنا۔

عقربہ نے کہا:

”میں اس کا پورا خیال رکھوں گا۔ اب میں جاتی

ہوں۔“

یہ کہہ کر یہ لڑکی جو اصل میں ایک بہت ہی خطرناک  
طلسمی بچھو تھا لڑکی کی شکل میں ویران مینار کی سیڑھیاں  
اتر کر نیچے آ گیا۔ اندھیرے میں بھی اس کی آنکھیں ہر  
شے کو دیکھ سکتی تھیں۔ اسے عقربہ اور تھیوسانگ دور  
سمندر کے کنارے جاتے دکھائی دیئے۔ عقربہ لڑکی نے  
ان کا پیچھا شروع کر دیا۔ تھیوسانگ اور عقربہ کیٹی کے  
بارے میں باتیں کرتے پھلے جا رہے تھے۔ صبح ہونے  
ہی والی تھی۔ وہ بندرگاہ کے سامنے والی سرائے کے باہر

برآمدے میں ایک جگہ بیٹھ گئے۔

تھیوسانگ بولا: ”دن نکلتا تو بندرگاہ پر جا کر

معلوم کرتا ہوں کہ یہاں سے اگلا جہاز کب روانہ

ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ملک ہندوستان کا

سفر اختیار کرنا چاہیے۔“

”ہندوستان میں کیا رکھا ہے؟“ عقربہ نے کہا۔

تھیوسانگ بولا: ”جانے کیوں میرا دل کتا ہے کہ

ہم اپنے دوستوں سے اب ہندوستان ہی میں مل

سکیں گے۔“

عقربہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے  
کے بعد بولا:

”ٹھیک ہے۔ اگر تمہارا دل کتا ہے تو ہم ہندوستان

ہی کی طرف چل پڑتے ہیں۔“

تھوڑی دیر میں دن کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔

لوگ بندرگاہ پر کام کرنے لگے۔ جہازوں پر مال لادا جانے

لگا۔ تھیوسانگ بولا:

”میں ابھی معلوم کر کے آتا ہوں کہ ہندوستان کو

جہاز کسی روز جائے گا؟“

تھیوسانگ چلا گیا۔ عقربہ وہیں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد



تھیوساگ نے واپس آ کر بتایا کہ ہندوستان کو مسافر جہاز  
تو چننے کے بعد جائے گا لیکن ایک مال بردار جہاز آج  
رات روانہ ہونے والا ہے۔

عزیز نے کہا:

اگر ہم جہاز کے کپتان کو سونے کے کچھ سکتے  
ہیں تو وہ ہمیں بہانہ پر سفر کرنے کی اجازت  
دے گا۔

تھیوساگ مکراتے ہوئے بولا:

یہ کام میں نے کر دیا ہے۔ میں نے جہاز کے  
کپتان کو سونے کے دس کسے دے کر اس بات  
پر راضی کر لیا ہے کہ وہ ہمیں ساتھ ہندوستان  
لے جائے گا۔

عزیز نے کہا:

یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ اب ہمیں تیل دی شروع  
کر دینی چاہیے۔ میرا مطلب ہے کہ ہمیں ہزار جاکر  
کچھ نئے کپڑے خریدنے ہوں گے جہاز لباس کافی  
خراب ہو چکا ہے۔

وہ نیا لباس خریدنے کے خیال سے سرنے سے نکل کر  
کچھ طرف روانہ ہو گئے۔ وہ ایک بارے میں سے گزر رہے

تھے کہ اچانک ایک طرف سے ایک خوبصورت لڑکی بھاگتی  
ہوئی آئی اور عزیز اور تھیوساگ کے قدموں سے لپٹ گئی اور  
روٹے ہوئے بولی:

بھگوان کے لئے مجھے بچا لو۔ وہ مجھے مار ڈالیں  
گے۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔

عزیز اور تھیوساگ حیران ہو کر لڑکی کو دیکھنے لگے۔ یہ عقربہ  
عقی۔ یہی وہی لڑکی جو اصل میں سیاہ، کچھو کچھو اور جیسے  
دیران مینار کی راکھ والے ڈراؤنے چہرے اٹاپا ہے۔  
عزیز تھیوساگ کے پیچھے روانہ کیا تھا۔ لڑکی کا چہرہ سخت  
گھبرایا ہوا تھا۔ تھیوساگ نے اسے حوصلہ دے کر اٹھایا اور  
پوچھا: کون تمہیں مار ڈالے گا؟

عقربہ نے ایک طرف اشارہ کیا اور تھیوساگ کے پیچھے  
ہو کر ڈری ہوئی آواز میں بولی:

وہ بڑے ظالم ہیں۔ مجھے ہندوستان سے اغوا کر کے  
لے آئے تھے وہ مجھے فروخت کرنا چاہتے ہیں۔  
میں موقع پا کر بھاگ آئی اب وہ مجھ پر  
پھینچے لگے ہیں۔ وہ کہیں چھپ گئے ہیں نہیں  
دیکھ کر:

عزیز نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر کہا:



”نکر نہ کرو بہن! ہم تمہاری حفاظت کریں گے لیکن  
آخر تمہیں اسی شہر میں رہنا ہے۔ ہمیں بتاؤ کہ  
ان کا اڈہ کہاں ہے ہم انہیں گرفتار کر دے گے۔  
عقربہ نے روتے ہوئے عقربہ کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا:  
”جھگوان کے لئے دباؤ نہ جانا۔ وہ تمہیں بھی زندہ  
نہیں چھوڑیں گے میں اس شہر میں رہی تو وہ مجھے  
قتل کر دیں گے۔ مجھے یہاں سے نکال کر لے چلو۔  
مجھے ہندوستان میں اپنے ماں باپ کے پاس پہنچا  
دو۔ وہ میری یاد میں رو رو کر اندھے ہو جائیں گے  
میں ان کی اکھوں میں مٹی ہوں۔ جھگوان کے لیے مجھے یہاں  
سے نکال کر ہندوستان پہنچا دو۔“

تھیوساگ اور عقربہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔  
عقربہ نے اپنی خاص زبان میں تھیوساگ سے کہا:  
”ہم جی ہندوستان کی طرف ہی جا رہے ہیں۔ کیوں  
نہ اس مصیبت کی ماری لڑاکی کو ساتھ نہ لے جائیں؟  
تھیوساگ ہر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا:  
”سوچ لو کہیں اس کی وجہ سے ہم کسی مشکل میں نہ  
پھنس جائیں  
عقربہ نے کہا:

”تھیوساگ! ہم تو مشکلوں میں پھنستے ہی رہتے ہیں  
لیکن اس لڑاکی کو مشکل سے نکالنا اب ہمارا فرض  
ہو گیا ہے۔“

تھیوساگ بولا: ”جیسے تمہاری مرضی؟“

عقربہ نے اب اس لڑاکی عقربہ سے ہندوستان کی زبان میں  
کہا: ”گھبراؤ نہیں ہم بھی اتفاق سے ہندوستان کی طرف  
ہی جا رہے ہیں۔ ہم تمہیں اپنے ساتھ ہی لے  
جائیں گے۔“

عقربہ نے انتہائی مکاری سے اداکاری کرتے ہوئے عز  
کا ہاتھ چوم لیا اور بولی:

”بھائی میں تمہارا احسان زندگی بھر نہ بھلا سکوں گی۔“

تم نے میری عزت میری زندگی بچا لی ہے۔“

تھیوساگ اور عقربہ نے اس لڑاکی عقربہ سے اس کا نام  
پوچھا۔ اس نے اپنے آئسو آپل سے پوچھ کر کہا:

”میرا نام عقربہ ہے۔ تمہارا نام کیا ہے بھائی؟“

عقربہ اور تھیوساگ نے اسے اپنے اصل نام ہی بتا دیے  
عقربہ نے چپتے ہوئے کہا:

”عقربہ عجیب سا نام ہے۔ تمہارا نام کس نے  
رکھا تھا؟ ہندوستان میں اس قسم کے نام سننے



میں نہیں آتے۔  
عقرب نے کہا:

میرا دادا آتش پرست ایرانی تھا۔ ہم ایران سے  
آکر ملک ہندوستان کے شہر درنگل میں آباد  
ہم گئے تھے۔ میرے ماں باپ بہت عزیز  
ہیں۔ میرا نام میرے دادا نے رکھا تھا جو اب  
اس دنیا میں نہیں ہے۔

درنگل میں میرے باپ کی چھوٹی سی کھیتی ہے جہاں  
ہم سبزیاں لگا کر فروخت کر کے اپنا پیٹ پالتے  
ہیں یہ ڈاکو فقیروں کے بھیس میں وہاں آتے اور  
مجھے بے ہوش کر کے اغوا کر کے اپنے جہاز  
میں لے گئے۔

عقرب نے کہا:

”مگر مت کرو عقرب بہن! ہم تمہیں تمہارے ماں  
باپ کے پاس درنگل چھوڑ کر آگے جائیں گے۔ ہم  
بھی اپنی ایک بہن کے پاس جا رہے ہیں جو ہتھاپڑ  
میں رہتی ہے۔“

عقرب نے کہا:

”میں تمہاری بہن سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔“

جب تم واپس جانے لگو تو اسے بھی ساتھ لے کر  
ہمارے گھر آنا۔

عقرب بولا: ”اگر ایسا ہو سکا تو ضرور اسے ساتھ لائیے۔“  
انہوں نے بازار میں اپنے لیے کچھ کپڑے خریدے۔ عقرب  
کے لیے گھٹے پینے کی پیڑیاں خریدیں اور واپس سرے میں  
آگئے۔ تھیوسانگ اور عقرب نے یہ پہلے ہی سے طے کر لیا  
تھا کہ وہ ایرانی لڑکی عقرب پر رستے میں یعنی دغانا سے  
ہندوستان تک کے سفر میں یہ ہرگز ظاہر نہیں ہونے دیں  
گے کہ انہیں بخوک سردی گرمی اور پیاس نہیں لگتی۔ عقرب  
پوری طرح سے ہوشیار تھے۔ وہ ایک فلسفی عودت تھے۔ وہ  
ایک بھوت تھے جو استپا کے ظلم سے لڑنے کی شکل میں آ  
گئی تھی۔ شروع ہی سے اس نے یہ غور کرنا شروع کر  
دیا تھا کہ ان دونوں یعنی تھیوسانگ اور عقرب میں سے وہ  
کون سا آدمی ہے جو اچھے لگانے یا دم کرنے سے چیزوں  
کو چھوٹا کر دیتا ہے۔ اسے ان دونوں میں سے آئی آدمی  
کی تلاش تھی۔

دوسرے روز رات ہونے سے پہلے تھیوسانگ نے سمندری  
جہاز کے ککڑتے سے ملاقات کی اور کہا کہ میں پانچ سو روپے  
کے مزید نکتے دینے کو تیار ہوں کیونکہ اب ہمارے ساتھ



ایک عورت بھی سفر کرے گی جو ہماری رشتے دار ہے ہمیں  
یہاں اچانک مل گئی ہے۔ کپتان سپانوی تھا۔ اس نے سونے  
کے سکے رکھ لیے اور کہا:

اس عورت کو بھی لے آؤ۔ مگر کسی سے اس کا  
ذکر مت کرنا۔

جہاز نے رات کے وقت نگر اشیا دیا اور ہندوستان  
کی طرف سفر شروع کر دیا۔ یہ سفر سات دن کا تھا۔ دوسری  
طرف کیٹی اپنے ساتھ فریٹا کو لے کر ہندوستان پہنچ گئی تھی۔  
فریٹا کا شہر سامرقہ کے علاقے میں تھا۔ کیٹی نے فریٹا سے  
کہا: میں نے اپنے وعدے کے مطابق تمہیں ہمہ نامہ گھر  
پہنچا دیا ہے اب میں تمہارے چچا کے سامنے نہیں  
جاؤں گی۔ کیونکہ میرا جانا بیکار ہے وہ مجھے دیکھ  
نہیں سکیں گے۔ اس لیے میں یہیں سے تمہیں  
خدا حافظ کہتی ہوں:

فریٹا کا مکان مکتوبے ناصیے پر ہی تھا اور دور سے  
کھیتوں میں درختوں کے درمیان نظر آ رہا تھا۔ فریٹا نے  
کیٹی کو بہت مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ اس کے  
چچا کے پاس جائے مگر کیٹی نہ مانی اور اس سے رخصت  
ہو گئی۔ یہ علاقہ بڑا شاداب اور خوبصورت تھا۔ سامرقہ کا شہر

ایک خوبصورت وادی میں بنا ہوا تھا۔ اس کے شمال کی  
جانب گھنے درخت تھے۔ فریٹا نے کیٹی کو بتایا تھا کہ  
ان درختوں میں جو پہاڑیاں ہیں ان پہاڑیوں میں وہ غاریں  
میں جہاں لوگوں کے کہنے کے مطابق بد روحیں رہتی ہیں  
کیٹی کے دل میں خیال آیا کہ ان پہاڑوں میں چل کر دیکھنا  
چاہیے کہ کہیں غاریاں وہاں کسی بدروح کے قبضے میں تو نہیں  
ہے۔ کیٹی غیبی حالت میں ہی ان پہاڑیوں کی طرف پرواز  
کرتے گئی۔ اس نے وہاں جا کر دیکھا کہ پہاڑوں کی دھلاوؤں  
پر جگہ جگہ عجیب شکل کی خشک جھاڑیاں اُگی تھیں ان  
دھلاوؤں میں کہیں کہیں غاروں کے منہ نظر آ رہے تھے کیٹی  
قریب گئی تو اس نے دیکھا کہ یہ چند ایک غار تھے جن  
میں سے اکثر کے دہانے کھڑکیوں کے جالوں سے ڈکے ہوئے  
تھے جن کا مطلب یہ تھا کہ ان غاروں میں کبھی کوئی  
انسان داخل نہیں ہوا تھا۔ اس وقت سورج غروب ہو  
چکا تھا۔ شام کا اندھیرا چھینے لگا تھا۔ آسمان پر لاکھ لاکھ  
ستارے نکل پڑے تھے۔ کیٹی ایک غار کے پاس آئی تو  
اسے اندر سے گرم ہوا آتی محسوس ہوئی۔

وہ بڑی تیزان ہوئی کہ جبب دوسری غاروں میں سے  
ٹھنڈی ہوا آتی تھی تو اس غار میں سے گرم ہوا کیوں آ



دہی ہے۔ اسے یہ بھی خیال تھا کہ وہ خود خواغواہ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے۔ وہ غار کے باہر ہی تھی۔ خدا سا سر اندر ڈال کر دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ جیسے پیچھے سے ہوا کا تیز جھونکا آیا اور وہ اچھل کر غار کے اندر چلی گئی اس کے غار کے اندر جاتے ہی ہوا جھک گئی اور اس کی گرمی بھی کم ہو گئی۔ کیٹی نے غار سے واپس نکلنے کے لیے اپنے آپ کو غار کے منہ کی طرف اچھلنا چاہا مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ ہوا کا ایک اور تیز جھونکا آیا اور وہ غار کے اندر دور تک چلی گئی۔

یہاں گہرا اندھیرا تھا۔ مگر کیٹی اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھی۔ اس کو یہاں چھت سے ٹپکتے مکڑی کے جالوں کے بڑے بڑے گول گچے دکھائی دیے۔ یہ گچے اتنے بڑے تھے کہ ایک آدمی اس میں چھپ سکتا تھا۔ اچانک کیٹی کانپ کر رہ گئی۔ اس نے دیکھا کہ مکڑی کے جالوں کے ہر گچے میں ایک انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ پھنسا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ انسان ان جالوں میں پھنس گئے اور پھر کسی بہت بڑی مکڑی نے ان کے جسم کا سادہ گوشت چٹ کر لیا اور انسانی ڈھانچہ لٹکا رہ گیا۔ کیٹی سمجھ گئی کہ یہاں بد روئیں نہیں رہتیں بلکہ کوئی بہشت بڑی مکڑی رہتی ہے جو انسانی

کو اپنے جالے میں پھنسا کر ہڑپ کر جاتی ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ اگر یہاں کوئی بد روح نہیں ہے تو پھر اس کو پیچھے سے اندر کس نے اچھلا تھا؟ یہ کام کوئی مکڑی نہیں کر سکتی۔ کیٹی جالوں کے گچوں میں ٹپکتے انسانی ہڈیوں کے ڈھانچوں کے قریب سے گذرتے ہوئے غار میں آگے بڑھی تو اس کا سانس رکنے لگا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہاں آکسیجن بے حد کم تھی۔ کوئی دوسری گیس آکسیجن گیس کو ختم کر رہی تھی۔ وہ خلا کی رہنے والی تھی۔ اس کو گیسوں کا علم تھا۔ وہ پیچھے ہٹی تو پیچھے نہ ہٹ سکی۔ جیسے اس کے پیچھے کوئی دیوار تھی جو اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ جہاں وہ رکتی تھی نظر نہ آنے والی دیوار بھی ٹک جاتی تھی۔ کیٹی دو قدم آگے گئی۔ آکسیجن بالکل ختم ہو رہی تھی۔ اس نے ایک دم سے ایک قدم پیچھے ہٹایا اور وہ نظر نہ آنے والی دیوار سے ٹکرا گئی۔ چیرائی کی بات تھی کہ وہ اس دیوار کے درمیان سے نہیں گذر سکتی تھی۔ اگرچہ اسے دیوار دکھائی بھی نہیں دیتی تھی۔ یہ کام مزدور کسی بد روح کا تھا۔ کیٹی کا دم ٹھٹھنے لگا۔ وہ تڑپ کر چھت کی طرف گئی۔ وہاں بھی آکسیجن نہیں تھی۔ وہ تیزی سے پیچھے آگئی۔ وہ ایک نظر نہ آنے والی لہر کی طرح



بیچ و تاب کھا رہی تھی۔ پھر اچانک اسے ایک طرف سے  
بہت بڑی کڑی آتی نظر آئی جس کی آنکھیں اس پر جی  
بھری تھیں۔ یہ کڑی اتنی بڑی تھی کہ غار اس کے بالوں بھرے  
مکروہ جسم سے بھر گیا تھا۔

کیٹی سمجھ گئی کہ اب انجام قریب ہے۔ کیونکہ اس کڑی نے  
غور سے دیکھ لیا تھا اور وہ اگرچہ غیبی حالت میں ہے  
مگر یہ کڑی اسے اسی حالت میں چٹ کر جائے گی۔ کیٹی  
کو اپنی چکل کا خیال آ گیا۔ کڑی کے حلق سے عجیب طرح  
کی چیخوں کی باریک آوازیں نکلتا شروع ہو گئی تھیں۔ کڑی  
کیٹی کے بالکل قریب آ گئی تو کیٹی نے چکل بجا دی پہلی  
بار تو کچھ ہوا لیکن دوسری بار چکل بجانے سے کیٹی پر ہلا  
اثر یہ ہوا کہ وہ اپنے آپ کو نظر آنے لگی مگر یہ دیکھ کر  
اس کی دماغ کے اندر سے بھیانک بیخ نکل گئی کہ کیٹی کا  
جسم ایک سیاہ رنگ کی کڑی میں تبدیل ہو چکا تھا۔

کیٹی سڑخ رہی تھی۔ سن رہی تھی۔ دیکھ رہی تھی مگر اس  
کا جسم انسان کا جسم نہیں تھا۔ وہ کڑی بن گئی تھی۔ کڑی  
بننے ہی اس کا سانس ٹھنکا بند ہو گیا۔ بڑی کڑی وہیں ٹرک  
گئی۔ کیٹی غار کے مزے کی طرف دوڑی۔ بڑی کڑی بھی اس  
کے پیچھے چھٹی چلائی، شور مچاتی بھاگی۔ بہت جلد بڑی کڑی کی لمبی

لمبی ٹانگیں اور ہاتھ کیٹی کڑی کے سر پر پہنچ گئے۔ کیٹی کڑی  
کے حلق سے بھی غور سے مارے ایک بیخ نکل گئی۔ وہ  
زور لگا کر باہر کی طرف دوڑی تو اس کی باریک باریک کالی  
کڑیوں ایسی ٹانگیں زمین سے بلند ہو گئیں اور وہ ہوا میں  
تیرنے لگی۔ کیٹی کڑی ایک سیکنڈ میں ہوا میں پرواز کرتی ہوئی  
غار سے باہر تھی۔ باہر نکلتے ہی اس نے ایک طرف کو  
غور لگا دیا۔

باہر اندھیرا چھا رہا تھا۔ کیٹی کڑی غور لگا کر پہاڑی کی  
ڈھلان کی طرف اڑتی گئی۔ پھر اس نے اوپر کو مزے کے اپنے  
آپ کو اچھالا اور اوپر کی طرف اڑنے لگی۔ اس نے اپنا  
رُخ شہر سامنے کی طرف کر لیا۔ شہر کے مکانات میں پمپ  
روشن ہو گئے تھے۔ کیٹی اڑتی اڑتی فریلا کے مکان کی دیوار پر  
اندھیرے میں آ کر بیٹھ گئی۔ فریلا صحن میں تخت لگا رہی تھی۔  
کیونکہ یہ کھانے کا وقت تھا۔ کیٹی کڑی اپنی حالت پر دل ہی  
دل میں آنسو بہا رہی تھی کہ وہ کیوں اس شخص غار کے اندر  
گئی۔ وہ فریلا کی شکل دیکھ رہی تھی۔ اس کی آواز بھی سن  
رہی تھی۔ مگر خود اس کو یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ میں کڑی نہیں  
بلکہ لمٹاری سیلی کیٹی ہوں۔

کڑی کیٹی نے فضا میں سو گھمنے کی کوشش کی۔ اسے کسی



چیز کی بھی خوشبو یا بو نہیں آ رہی تھی۔ کیٹی کو بار بار اپنے اوپر غصہ بھی آ رہا تھا اور دم بھی آ رہا تھا کہ وہ غواغواہ ہر دو محل کی غار میں داخل ہوئی۔ نہ وہ غار میں داخل ہوتی اور نہ اس کا جہم کڑی میں تبدیل ہوتا۔ اتنے میں فریلا دیوار پر کوئی کپڑا ڈالنے اس طرف آئی جہاں کیٹی کڑی کی شکل میں بیٹھی تھی۔ اس نے دیوار پر ایک کال کڑی کو دیکھا تو زرد سے کپڑے کو لہرا کر کڑی پر مارا۔ اس سے پہلے کیٹی کڑی وہاں سے اڑ گئی تھی۔

فریلا نے شہد مچا دیا:

”چچا جان! اڑنے والی کڑی! اڑنے والی کڑی!“

کیٹی کڑی کے دل کو بے حد صدمہ ہوا کہ فریلا نے بھی اسے کڑی سمجھا تھا۔ مگر فریلا کا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔ کیٹی کی شکل ہی کڑی کی تھی۔ کیٹی نے فریلا کے گھر اور اس کے شہر کو خدا حافظ کہا اور شمال کی طرف جو ہمالیہ کے پہاڑ تھے اس طرف اڑنے لگی۔

یہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ماریا کے بچے کو لے کر رومن کاہنِ تبت کے لاما کے پاس اسے فروخت کرنے یا اسے پیش کرنے کے لیے ہمالیہ کی شمالی برت پوش دہلی یعنی ملک تبت کی طرف چلا جا رہا تھا۔ چونکہ یہ راستہ

پیدل طے کر رہا تھا اس لیے ابھی تبت سے کافی فاصلہ پہاڑیوں میں ہی سفر کر رہا تھا۔ جب کہ تھیوسانگ اور حیر کے ساتھ مینار والے راکھ کے ڈھاؤنے چہرے یعنی استپا کے حکم سے بچھوڑی عترت کی شکل میں سمندری چٹان میں سفر کر رہی تھی۔ اس نے لڑکی کا روپ دھار کر اپنے آپ کو مصیبت کی مادی ظاہر کر کے تھیوسانگ اور حیر سے مدد طلب کی تھی کہ وہ اسے اس کے شہر درنگ میں پہنچائی جو ہندوستان میں تھا۔ خوبصورت بچھوڑی کو اصل میں اس راز کی، اس حکم کی تلاش تھی جس کی مدد سے تھیوسانگ چیزوں کو چھوٹا بنا سکتا تھا۔ عترت کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کے پاس چیزوں کو چھوٹا کرنے کا راز ہے۔ اس کے راکھ کے ڈھاؤنے چہرے والے دیوتا استپا نے اسے حکم دیا تھا کہ جب اسے پتہ چل جائے کہ یہ راز کس کے پاس ہے تو اس سے یہ راز معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن اگر وہ شخص اسے یہ راز نہ بتائے تو اسے کسی دوسری شکل میں تبدیل کر کے اپنے ساتھ اغوا کر کے راکھ والے دیوان مینار میں لے آئے۔ تھیوسانگ اور حیر تو کیٹی اور ناگ ماریا کی تلاش میں ملک ہندوستان کی طرف سفر کر رہے تھے۔ بچھوڑی عترت



ان کے ساتھ تھی۔ انہیں کوئی خبر نہیں تھی کہ یہ ایک علمی  
لوگ ہے۔ وہ سمندر میں ایک تجارتی جہاز میں سفر کر رہے  
تھے جس کا کپتان ایک ہسپانوی تھا۔

تیسری جانب ناگ بھی ہالیہ کی گود میں واقع ایک چھوٹا  
گاؤں کے قریب عقاب کی شکل میں اڑتا ہوا پہنچ گیا  
تھا کیوں کہ اسے اسی گاؤں سے اپنے بالوں کی راکھ کی  
خوشبو آ رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عیار یورگی کو اس کے  
انجام تک پہنچانے کے بعد اس کا غلام بیروکس خود ناگ  
کی راکھ والا تعویذ اپنے بازو پر باندھے سامری کی مدد سے  
ایک دولت مند جاگیردار کی حیثیت سے اس گاؤں میں آباد  
ہو گیا تھا۔ وہ اپنی باقی زندگی عیش و آرام میں گزارنا چاہتا  
تھا۔ اس نے اپنی شکل تبدیل نہیں کی تھی۔ اس کی شکل غلام  
بیروکس کی شکل ہی تھی۔ اس کے بازو کے تعویذ میں سے خشک  
ہونے کے بعد راکھ کی خوشبو ناگ تک برابر پہنچ رہی تھی۔  
ناگ عقاب کی شکل میں خوشبو کی ٹوہ لیتا غلام بیروکس کے  
مکان پر پہنچ گیا۔ جونہی اس کی نظر غلام بیروکس پر پڑی تو  
اس نے اسے فوراً پہچان لیا کہ یہی وہ شخص ہے جو عیار  
یورگی کا غلام تھا اور جس سے انہیں یعنی تھیوسانگ اور کیٹی  
خبر کو بے ہوش کر دینے والا انکوور کا مشروب پلایا تھا۔

ناگ عقاب کی شکل میں غلام بیروکس کے شاندار مکان کے  
صحن کی دیوار کے پاس درخت میں آکر بیٹھ گیا تھا۔ غلام  
بیروکس اس وقت ایک تخت پر بیٹھا تھا اور دو کنیزیں  
اس کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں۔ ناگ نے سوچا کہ  
اس شخص کے پاس اپنی شکل میں اچانک پہنچ جانا چاہیے  
چنانچہ ناگ اڑ کر مکان کے باہر چلا گیا۔ چند قدم کے فاصلے  
پر جا کر اس نے اپنی اصلی انسان کی شکل اختیار کی اور  
آہستہ آہستہ چلتا مکان کے صحن والے دروازے کے پاس آ  
کر ٹھک گیا۔ پھر خاموشی سے قدم اٹھایا اور صحن میں داخل  
ہو گیا۔

غلام بیروکس کی نگاہ جونہی ناگ پر پڑی وہ خوف سے  
کانپ اٹھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہی وہ ناگ ہے جو اپنی شکل  
تبدیل کر کے سانپ بھی بن جاتا ہے اور اسی ناگ کے  
بالوں کی راکھ کا تعویذ اس نے اپنے بازو پر باندھ رکھا  
ہے۔ وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔  
ناگ بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ کنیزیں ڈر کر ادھر ادھر ہو گئیں۔  
غلام بیروکس کمرے میں جاتے ہی کھڑکی میں سے کود کر دوسری  
طرف جھاڑیوں میں جا گرا۔ گرتے ہی اس نے اپنے بازو کا  
تعویذ کھول کر ہاتھ میں لیا اور کہا:



سامری! سامری! مجھے سانپ کی شکل دیدے  
جلدی میں غلام بیروں کی زبان پر سانپ ہی کا نام آیا  
تھا۔ سامری کے ظلم سے غلام بیروں خود ایک نیلے رنگ  
کا ایک فنٹ لمبا سانپ بن گیا۔ چونکہ وہ انسان کی شکل  
پر جھڑیوں کے پاس ہی پڑا رہ گیا۔ غلام بیروں نے یہ  
بہت بڑی غلطی کی تھی۔ کیونکہ اسے ہر حالت میں کسی انسان  
ہی کی شکل تبدیل کرنی چاہیے تھی۔ انسان کی شکل میں آتا  
تو سانگ کا تعویذ اس کے پاس ہی رہتا۔ مگر سانپ کی شکل  
میں آنے کے بعد وہ ناگ کے تعویذ سے محروم ہو گیا تھا۔  
سانپ بننے کے بعد بھی غلام کو احساس تھا کہ ناگ  
خود سانپ کی شکل اختیار کر سکتا ہے اور وہ اسے ہلاک  
کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ چنانچہ غلام بیروں سانپ کی  
شکل میں آتے ہی نیچے پھاڑی ڈھلان کی طرف بھاگ گیا۔  
اتنی دیر میں ناگ بھی کھڑکی میں سے کود چکا تھا اس  
سے ادھر ادھر دیکھا۔ اسے غلام بیروں کہیں دکھائی نہ دیا۔  
اسے اپنے گھر میں تیز محسوس ہو رہی تھی۔  
وہ اس خوشبو کی کوہ لگاتا جھڑیوں میں پڑے ہوئے تعویذ  
تک پہنچ گیا۔ ناگ نے تعویذ کو اٹھا کر سونگھا۔ اس میں سے

اسے اپنے بالوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ ناگ نے تعویذ کو کھولا  
اس کے اندر اس کے بالوں کی جلی ہوئی راکھ تھی۔ ناگ نے  
تعویذ کو بند کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا اور غلام بیروں  
کی تلاش شروع کر دی۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ غلام بیروں  
تعویذ پھینک کر فرار ہو گیا ہے۔ ناگ کو غلام بیروں سے  
کوئی دشمنی نہیں تھی۔ وہ تو اس سے صرف یہی پوچھنا چاہتا  
تھا کہ اسے تھوسا ناگ عنبر اور کیٹی کے بارے میں اگر کچھ  
معلوم ہو تو اسے بتائے۔

ناگ نے غلام بیروں کو دو تین بار آوازیں دیں مگر غلام  
بیروں فنٹ بھر کے نیلے سانپ کے روپ میں پہاڑی ڈھلان  
پر سے پھسلتا ہوا دور نیچے گہری کھڈ میں پہنچ چکا تھا۔ ناگ  
واپس مکان میں آ گیا۔ کینری اور غلام اس سے اپنے آقا  
کے بارے میں پوچھنے لگے کہ اس کا آقا اسے دیکھ کر بھاگ  
کیوں گیا تھا۔

ناگ نے کہا،

بکھی وہ میرا دوست تھا۔ لیکن ایک بات پر ہمارا  
جھگڑا ہو گیا۔ اب مجھے دیکھ کر وہ یہ سمجھا کہ میں  
اسے مارنے آیا ہوں۔ اسی ڈر سے وہ بھاگ گیا  
ہے۔ مگر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ جلد



واپس آ جائے گا۔ میں یہاں رہ کر اس کا انتظار  
کروں گا:

کنیزوں اور غلام چپ ہو گئے اور اپنے اپنے کام میں  
لگ گئے۔

ناگ نے کہا:

میں اس کی تلاش میں جنگل کی طرف جاتا ہوں  
اگر وہ خود یہاں آ جائے تو اسے کہنا کہ میں اس  
کا دوست بھی ہوں اور بھائی بھی ہوں میں  
نے اسے معاف کر دیا ہے اور اب صلہ صفائی  
کرنے کے لیے آیا ہوں اور وہ میرا انتظار کرے۔

غلام اور کنیزوں نے کہا کہ وہ ایسا ہی کریں گے ناگ  
نے مکان سے نکلے ہی جنگل میں آ کر اس طرف پلن شروع  
کر دیا بدھ اس کے خیال میں غلام بیروکس گیا تھا۔ یہ بات  
اس کے گمان میں بھی نہیں تھی کہ بیروکس سانپ کا روپ  
دھار کر گہری کھڑکیں جا کر ایک خفیہ جگہ پر چھپ گیا ہے  
گہری کھڑکی میں وہ بل میں گھس گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ  
ناگ کو سب کچھ معلوم ہو گیا ہے کہ میں نے ہی اسے انگہ  
کا مشروب پلا کر بے ہوش کیا تھا اور اب وہ اسے زندہ  
نہیں چھوڑے گا۔ لیکن اچانک اسے ناگ کے تعویذ کا خیال آیا

جس کی مدد سے وہ دوبارہ انسان کی شکل میں آ سکتا تھا۔  
جب اسے احساس ہوا کہ تعویذ تو اس کے پاس نہیں  
ہے تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ تعویذ کے بغیر تو  
وہ ساری زندگی دوبارہ انسان کی شکل میں نہیں آ سکے گا  
اور ہمیشہ سانپ ہی کی شکل میں رہے گا۔ غلام بیروکس کے  
تو خوف کے مارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ کیسے سانپ  
بن کر زندگی گزارے گا۔ نہیں نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔  
اسے واپس جا کر تعویذ کو ڈھونڈنا چاہیے۔ وہ اسی وقت  
سورج میں سے نکل کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔  
وہ جھاڑیوں، پتروں اور گھاس میں سے گذرتا تیزی سے  
بھاگا جا رہا تھا۔ اپنے مکان کے پچھواڑے آ کر اس نے  
جھاڑی کے پاس وہ جگہ دیکھی جہاں اس نے سانپ کی  
شکل اختیار کی تھی۔ اس نے سارے علاقے کو چھان مارا مگر  
اسے تعویذ کہیں نہ ملا۔ اب اسے احساس ہوا کہ اس نے  
سامری سے سانپ کی شکل مانگ کر زندگی کی سب سے  
بڑی اور سب سے بھیاںک غلطی کی ہے۔ جب تک تعویذ  
اس کے پاس واپس نہیں آ جاتا وہ کبھی دوبارہ انسان  
کی شکل میں واپس نہیں آ سکے گا۔ غلام بیروکس سمجھ  
گیا کہ قدرت نے اس کو اس کے گناہوں کی سزا دی



ہے۔ کیوں کہ وہ ایک مجرم کا ساتھی تھا اور مجرم کی  
مدد کرنے والا بھی مجرم ہی ہوتا ہے۔  
غلام بیروکس نے سانپ کی شکل میں اپنے کمرے کی  
کھڑکی میں سے گذر کر اپنے مکان کے صحن میں آ گیا۔



## پچھو لڑکی

صحن میں اس وقت ایک کنیز تخت پر چادر بچھا دی تھی  
بوسنی اس کی نظر نیچے سانپ پر پڑی۔ اس نے شور  
مچا دیا۔ سانپ سانپ! غلام ڈھبٹے بے کر سانپ کو مارنے  
لگے۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ وہ جس کو سانپ سمجھ کر  
مارتے گئے ہیں وہ ان کا آقا بیروکس ہے۔ غلام بیروکس نے  
جب یہ عالم دیکھا تو جان بچانے کے لیے واپس کمرے  
کی طرف بھاگا اور تیزی سے رینگتا ہوا کھڑکی میں سے دوسری  
طرف جھاڑیوں میں کود گیا۔ جھاڑیوں میں سے گذرتا وہ میدان  
واپس اپنے کھڑولے بل کی طرف چل دیا۔

جنگل میں ادھر ادھر غلام بیروکس کو تلاش کرنے کے بعد جب  
نگ واپس آیا تو اسے کنیزوں اور غلاموں کی زبانیں معلوم ہوا  
کہ ایک نیلا سانپ وہاں آیا تھا۔  
ایک غلام نے کہا۔

ہیں تو اسے مارنے کے لیے لپکا تھا مگر جناب



وہ دیکھتے دیکھتے کمرے کی کھڑکی سے دوسری طرف  
گود گیا۔

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے غلام سے پوچھا،  
کیا کبھی پہلے بھی یہاں نیلا سانپ آیا تھا؟  
غلام نے کہا۔

نہیں جناب۔ اس علاقے میں سانپ نہ ہونے کے  
برابر ہیں۔ سال میں کہیں ایک آدھ بار ہی کوئی  
سانپ دکھائی دیتا ہے اور ہمارے گھر میں تو کبھی  
کوئی نیلا یا کالا سانپ نہیں آیا۔

ناگ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ یہ سانپ کون ہو سکتا  
ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ غلام بیروکس ہو جس نے  
اس تعویذ کی مدد سے سانپ کی شکل اختیار کر لی ہو۔ یہ  
ناگ کی اپنی سوچ تھی اور کافی حد تک صحیح سوچ تھی۔  
وہ اٹھ کر مکان کے دروازے سے گزر کر دوسری طرف  
پہاڑی ڈھلان کی طرف آ گیا۔ وہ نیلے سانپ کو تلاش کرنا  
چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں کسی سانپ سے مدد لینا بہترین  
نوریلہ تھا۔ ناگ ڈھلان پر سے گزر کر ایک جگہ آ گیا جہاں  
گھنی جھاڑیاں اور درخت اُگے ہوئے تھے۔ ناگ نے سانپ  
کی آواز میں وہاں موجود کسی بھی سانپ کو آواز دی۔ یہ

آواز نیچے گہری کھڈ کے بل میں چھپے ہوئے غلام بیروکس نے  
بھی سن لی تھی۔ کیونکہ وہ خود نیلے سانپ کی شکل میں تھا۔  
ناگ دیوتا بلا رہا تھا۔ مگر غلام بیروکس چونکہ اصل میں انسان  
تھا۔ اس کی قسمت ارادی ابھی باقی تھی۔ چنانچہ وہ وہیں دُکھا  
بٹھیا رہا۔ اتنا اسے معلوم ہو گیا کہ ناگ اس کی تلاش میں  
نکل کھڑا ہوا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ ناگ اصل میں سانپ  
ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ ناگ دیوتا بھی ہے۔  
ناگ نے تین چار بار علاقے کے کسی بھی سانپ کو آواز  
دے کر بلایا مگر کوئی سانپ وہاں نہ آیا۔ وہ وہاں سے آگے  
چلا گیا۔ کچھ فاصلے پر جا کر وہ ایک چٹان کی اوٹ میں  
آ گیا۔ اس نے غجک کر دیکھا۔ یہاں زمین پر کسی سانپ کے  
ریگنے کے نشان تھے۔ ناگ نے یہاں ایک بار پھر سانپ  
کی آواز میں وہاں موجود سانپ کو پکارا۔ چند لمحوں کے بعد  
سواری رنگ کا سانپ پھن اٹھائے درختوں میں سے نکل  
کر اس کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس نے آتے ہی  
ناگ کو سر جھکا کر سلام کیا اور کہا،

عظیم ناگ دیوتا! میں نے آپ کی پہلی آواز ہی  
سن لی تھی مگر میں یہاں سے کافی دُور تھا۔ میں  
آپ کی آواز سن کر ہی چل پڑا تھا۔ مجھے راستے



میں دیر ہو گئی۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟  
ناگ نے اسے آہستہ سے کہا:

اس علاقے میں ایک نیلا سانپ کہیں چھپا بیٹھا ہے۔ مجھے اس کی تلاش ہے۔ ابھی جا کر معلوم کر دو کہ وہ کس جگہ پر ہے۔ میں مہتمرا یہاں سے پیچھے کچھ دور ایک مکان میں انتظار کروں گا۔ میری خوشبو مہتمس اس مکان تک پہنچا رہے گی۔

سواری سانپ نے کہا:

میں ابھی نیلے سانپ کا کھوج لگا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ اس علاقے میں کوئی سانپ میری نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتا:

یہ کہہ کر سواری سانپ نیچے وادی کی جانب اور ناگ واپس مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے سواری سانپ سے دیشی آواز میں اس لیے بات کی تھی کہ اگر غلام ہیردکس ہی نیلے سانپ کی شکل میں ادھر ادھر کہیں چھپا بیٹھا ہے تو اس تک اس کی آواز نہ پہنچے۔ کیونکہ اس کی آواز سن کر وہ وہاں سے بھاگ سکتا تھا۔ ناگ غلام ہیردکس کے مکان میں آ کر تخت پر بیٹھ

گیا۔ اس نے غلام سے کہا کہ اس کے لیے قہر تیار کرے۔ غلام نے کہا:

ابھی تیار کرتا ہوں مالک۔

پھر اس نے پوچھا: کیا ہمارے مالک ہیردکس کا کچھ پتہ چلا؟

دو کنیزیں بھی وہاں آ گئی تھیں۔

ناگ نے کہا:

ابھی تک تو کچھ پتہ نہیں چلا لیکن مجھے اُمید ہے کہ شام تک وہ میزور اپنے گھر واپس آ جائے گا۔

ناگ آرام سے تخت پر بیٹھ گیا۔

ابھی کافی دن باقی تھا۔ سواری سانپ ناگ دیوتا کے حکم سے وادی میں نیلے سانپ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ سانپ کو دوسرے سانپ کی بو فوراً آ جاتی ہے۔ سواری سانپ جب گہری کھڈ کے قریب پہنچا تو اسے کسی دوسرے سانپ کی فضا میں بو محسوس ہوئی۔ سواری سانپ اس بو کے تعاقب میں ریٹکتا ہوا کھڈ میں اتر گیا۔ دوسری طرف غلام ہیردکس کھڈ کے ایک سوراخ میں چھپا ہوا تھا۔ چونکہ وہ اصل میں سانپ نہیں بلکہ انسان تھا



اس لیے اسے دوسرے سانپ کی بو نہیں محسوس ہو سکتی تھی۔ وہ سانپ کی زبان ضرور سمجھ لیتا تھا اور اس کی زبان میں بات بھی کر سکتا تھا۔

سوارِ سانپ ریشتا، سانپ کی بو لیتا کھڑے والے بل کے پاس آ گیا۔ پتھروں کے درمیان اسے وہ سوراخ صاف نظر آ رہا تھا جس میں سے اسے سانپ کی بو آ رہی تھی۔ ناگ دیوتا کا حکم تھا کہ اس سانپ کا کھونچ لگایا جائے۔ سوارِ سانپ اب یہ قتل کرنا چاہتا تھا کہ سوراخ والا سانپ نیلا سانپ ہی ہے۔ چنانچہ اس نے باہر سے سانپ کی زبان میں آواز دی:

”میرے بھائی سانپ! میں دُور پہاڑی علاقے سے آیا ہوں۔ میری ناگن گم ہو گئی ہے۔ میں اس کی تلاش میں ہوں۔ کہیں تم نے میری ناگن کو تو نہیں دیکھا؟“

غلام بیروکس نیلے سانپ کی شکل میں بل کے اندر خوکشی سے بیٹھا تھا۔ اس نے ایک اجنبی سانپ کی آواز سنی تو پہلے تو سوچا کہ کوئی جواب نہ دے۔ پھر خیال آیا کہ یہ سانپ چونکہ اس کی بو سونگھ چکا ہے اور اسے معلوم ہے کہ میں بل کے اندر ہوں اس لیے اس سے پیچھا چھڑنے

کا یہی طریقہ ہے کہ باہر نکل کر اسے کہہ دیا جائے کہ میں نے تمہاری ناگن کو نہیں دیکھا۔ یہ سوچ کر غلام بیروکس بل سے باہر نکل آیا۔ چونکہ وہ باہر آیا سوارِ سانپ نے دیکھا کہ یہی وہ نیلا سانپ ہے جس کی ناگ دیوتا کو تلاش ہے۔ سوارِ سانپ نے پوچھا:

”بھائی! تم نے میری ناگن کو تو نہیں دیکھا؟“

چونکہ ناگ دیوتا نے سوارِ سانپ کو صرف یہ حکم دیا تھا کہ وہ نیلے سانپ کا کھونچ لگا کر اسے بتائے کہ وہ کہاں ہے اس لیے سوارِ سانپ نیلے سانپ کو بالکل نہ بتایا کہ اسے ناگ دیوتا نے اس کے پاس بھیجا ہے۔ سانپ کبھی ضرورت سے زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش نہیں کیا کرتے اور اتنا ہی کام کرتے ہیں جو ناگ دیوتا اسے کہتا ہے۔ غلام بیروکس یعنی سوارِ سانپ نے کہا:

”بھائی! مجھے تمہاری ناگن کا کچھ علم نہیں ہے۔ بلکہ مہربانی مجھے آرام کرنے دو۔“

سوارِ سانپ کو اب دلمان ڈکنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس نے نیلے سانپ کا شکریہ ادا کیا اور واپس چلا گیا۔ غلام بیروکس اپنے بل میں جا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ وہ اس مصیبت سے کس طرح نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اس



کی مجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ شام کو جب اندھیرا ہو جائے گا تو وہ ایک بار پھر مکان پھوڑے بھاڑیوں میں جا کر ناگ کا تعویذ تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس دوران سواری سانپ ناگ دیوتا کی خوشبو لیتا غلام بیروکس کے مکان کے قریب پہنچ گیا تھا۔ ناگ نے سواری سانپ کی بو غسوس کی تو اس خیال سے کہ سانپ کو دیکھ کر غلام اسے مارنے کو نہ دوڑیں وہ خود ہی مکان سے باہر آ گیا۔ درختوں کے پاس جا کر اس نے سواری سانپ کو دیکھا جو اس کے سامنے آ کر روکتا گیا اور ادب سے بولا:

عظیم ناگ دیوتا! میں نے تجھے سانپ کا سراغ لگا لیا ہے۔ وہ یہاں سے تھوڑی دور ایک کھڈ میں رہتا ہے۔ اگر آپ حکم کریں تو میں اسے دلش کر آپ کے پاس لے آؤں؟

ناگ نے کہا:

نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم مجھے وہ جگہ بتا دو۔ میں خود اس کے پاس جاؤں گا۔ سواری سانپ نے بڑے ادب سے کہا:

عظیم ناگ دیوتا۔ اگر گتھی نہ ہو تو کیا میں ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟

ناگ نے اسے اجازت دے کر یہ کہہ دیا:

عظیم ناگ دیوتا! وہ ایک عام نیلا سانپ ہے۔ ایسا کیوں ہے کہ آپ اسے اپنی خدمت میں لانے کی بجائے خود اس کے پاس جا رہے ہیں اسے تو آپ کی ایک آواز پر یہاں سر کے بل چل کر حاضر ہو جانا چاہیے تھا؟

ناگ نے کہا:

تم ٹھیک سوچتے ہو۔ مگر ہمیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ وہ سانپ نہیں بلکہ ایک انسان ہے جو طلسم کے اثر سے سانپ کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا انسانی ارادہ اسے میرے پاس آنے سے روک دیتا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں وہ سانپ نہیں ہے۔

یہ سن کر سواری سانپ کافی حیران ہوا کہنے لگا: عظیم ناگ دیوتا! میں معافی چاہتا ہوں۔ میرا علم اتنا نہیں جتنا آپ کا علم ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ اگر



میری پھر مزدورت پڑی تو مجھے حکم کر دیجئے گا۔  
میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اس علاقے میں میرے سوا  
دوسرا کوئی سانپ آج کل نہیں ہے۔

ناگ نے سنواری سانپ کو جانے کی اجازت دے  
دی۔ اس سے پہلے سنواری سانپ نے ناگ کو اس جگہ  
کے بارے میں پوری طرح سمجھا دیا جہاں نیلا سانپ چھپا  
ہوا تھا۔ سنواری سانپ کے جانے کے بعد ناگ نے عقاب  
کی شکل بدلی اور فضا میں اڑتا ہوا اس کھڈ میں جا پہنچا  
جہاں ایک سوراخ میں نیلا سانپ یعنی غلام بیردکس چھپا  
ہوا تھا۔ ناگ کو معلوم تھا کہ اگر وہ انسان کی شکل میں  
اس کے پاس گیا اور اسے پکڑنے کی کوشش کی تو وہ  
اتنی آسانی سے اس کے ماتھے نہیں آئے گا اور فرار ہو  
جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ وہ کسی نیلی ناگن کا رُوپ  
بدل کر اس کے پاس جائے اور اسے جلا پھلا کر بل  
سے باہر نکال کر اپنے جال میں اُلجھا لے۔

ناگ کھڈ میں اتر کر نیلے سانپ کے سوراخ کے قریب  
ہی بیٹھ گیا۔ اور اس نے نیلی ناگن کی شکل اختیار کر لی۔  
نیلی ناگن کی شکل میں آتے ہی ناگ نے ایک خاص قسم  
کی آواز میں گانا شروع کر دیا۔ اس گانے کا نیلے سانپ

پر اثر ہونا شروع ہو گیا۔ اگرچہ وہ انسان تھا مگر آغوشِ  
کے روپ میں تھا۔ اس پر نیلی ناگن کے گانے کا برابر  
اثر ہونے لگا تھا۔ ناگ نیلی ناگن کی شکل میں چمن اُٹھائے  
رقص بھی کر رہا تھا اور اپنی زبان میں گانا بھی گا رہا تھا۔  
اس کے اثر سے مجبور ہو کر نیلا سانپ یعنی غلام بیردکس  
اپنے سوراخ میں سے باہر نکل آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک  
بڑی ہی چمکیلی کھال والی نیلی ناگن جھاڑیوں کے پاس  
گھاس میں رقص کرتے ہوئے گا رہی ہے۔ دھوپ اس  
کے نیلے جسم پر چمک رہی ہے۔ ناگ نے نیلے سانپ کو  
باہر آتے دیکھا تو اپنی زبان میں کہا:

”میرے پیارے نیلے سانپ! میں تو ایک عرصے  
سے تمہاری تلاش میں تھی۔ دیوتاؤں نے مجھ پر  
رحم کیا اور آخر تم مجھے مل گئے۔ کیونکہ ایک نیلی  
ناگن ایک نیلے سانپ ہی سے شادی کر سکتی ہے۔  
غلام بیردکس پر سانپ کے اثرات کا زیادہ اثر تھا۔  
اس نے سانپ ہی کی زبان میں کہا:

”میں تمہاری پیش کش کا شکریہ ادا کرنا ہوں  
مگر میں تمہارے ساتھ بیاہ نہیں کر سکتا۔  
نیلی ناگن یعنی ناگ نے پوچھا:



میرے پیارے نیلے سانپ! آخر ایسی کون سی رکاوٹ تھامے راستے میں ہے کہ تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتے۔ کیا تمہاری شادی پہلے سے ہو چکی ہے؟

نیلے سانپ کو ایک وجہ ہاتھ آ گئی تھی۔ اس نے کہا: تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔ میری شادی ہو چکی ہے۔

ناگ کوئی دوسری ترکیب سوچنے لگا۔ اس نے نیلی ناگن کی آواز میں کہا:

میرے دوست نیلے سانپ! تمہیں شادی مبارک ہو۔ لیکن کیا تم مجھے اپنی پیگیم نیلی ناگن سے نہیں ملاؤ گے۔ مجھے اس سے مل کر بڑی خوشی ہوگی:

غلام بیروکس نے سوچا کہ یہ نیلی ناگن تو پیچھے ہی پڑ گئی ہے۔ کیا کروں۔ تنگ آ کر بولا:

میری بیوی نیلی ناگن اپنے ماں باپ کے گھر دوسری وادی میں گئی ہوئی ہے۔ میں یہاں اکیلا رہتا ہوں۔

ناگ نے سوچا کہ اس وقت یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ نیلے سانپ کو قابو میں کرنے کے لیے کوئی

دوسری ترکیب سوچنی ہوگی۔ چنانچہ نیلی ناگن نے نیلے سانپ کو سلام کیا اور گھاس میں ریختی جھاڑیوں اور درختوں کی طرف چلی گئی۔ غلام بیروکس نے اطمینان کا سانس لیا اور واپس اپنے بل میں چلا گیا اور شام ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

ناگ نے جھاڑیوں میں آتے ہی عقاب کی شکل اختیار کی اور اڑتا ہوا وہاں سے کچھ فاصلے پر دوسری وادی میں آ کر اتر پڑا اور انسانی شکل میں آتے ہی اس نے سنواری سانپ کو دوبارہ آواز دی۔ سنواری سانپ اسی جگہ پر رہتا تھا۔ اس نے ناگ دیوتا کی آواز سنی تو فوراً اس کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اب ناگ نے سنواری سانپ سے کہا کہ وہ نیلے سانپ کو کسی چال سے اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کرے۔ ناگ بیروکس غلام یعنی نیلے سانپ کو خود بھی سوراخ میں لٹختے ڈال کر پکڑ سکتا تھا لیکن اسے ایک خیال یہ بھی تھا کہ کہیں نیلا سانپ اس کے تعویذ کے اثر سے دوبارہ کوئی دوسری شکل اختیار کر کے وہاں سے فرار نہ ہو جائے۔ اگرچہ اپنے بالوں کی راکھ والا تعویذ ناگ کی جیب ہی میں تھا۔ پھر بھی اسے خیال تھا کہ ہو سکتا ہے بیروکس غلام موقع پر کسی غلطی سے کام لے کر غائب ہو جائے۔



نواہری سانپ نے کہا:  
عظیم ناگ دیوتا کا حکم میرا فرض ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر نواہری سانپ نے اپنا چھن اٹھا لیا اور نیلے سانپ کے سوراخ کے پاس جا کر اتنی زور سے پھنکارا کہ اندر باری کر اس کی گرمی سے نیلا سانپ باہر نکل آیا۔ نیلے سانپ اور ناگ کی آنکھیں چاڑھ ہو گئیں۔ ناگ کا خیال تھا کہ وہ کوئی دوسری شکل بدل لے گا۔ مگر اس نے ایسا نہ کیا۔

ناگ نے نواہری سانپ سے کہا:

”تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں خود اسے سنبھال لوں گا۔ اور ناگ نے آگے بڑھ کر نیلے سانپ کو اپنے اٹھ میں پکڑ لیا۔ ناگ کے قبضے میں آنے کے بعد ناگ نے نواہری سانپ کو دال سے رخصت کیا اور خود نیلے سانپ یعنی غلام بیروکس کو لے کر اس کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ مکان کے قریب اس نے ایک درخت کے پاس آ کر نیلے سانپ سے کہا:

”تم مجھ سے اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتے۔ میں جانتا ہوں کہ تم سانپ نہیں بلکہ غلام بیروکس ہو۔

نیلے سانپ نے سانپ ہی کی زبان میں کہا:  
ناگ! تم نے مجھے ٹھیک پہچانا۔ اب میری پتا کو خود سے سنو۔

اور اس کے بعد بیروکس غلام نے باری کہانی اسے سنا ڈالی اور آخر میں رونق پائی یعنی آنسوؤں بھری آواز میں کہا۔ ناگ دیوتا! میں تو ایک ایسی مصیبت میں پھنس گیا ہوں کہ جس سے مجھے تم ہی جھٹکارا دلا سکتے ہو۔ تمہارا تعویذ مجھ سے گم ہو گیا ہے اور جب تک وہ تعویذ نہیں ملتا میں دوبارہ انسانی شکل میں نہیں آتا۔

ناگ سمجھ گیا کہ اس شخص غلام بیروکس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے جیب سے تعویذ نکال کر اسے دکھایا اور کہا:

”یہ تعویذ میرے پاس موجود ہے۔

نیلے سانپ خوش ہو کر بولا:

”خدا کا شکر ہے کہ یہ تعویذ مل گیا۔ اس میں

تمہارے جیسے سوائے ہاتھوں کی دیکھ ہے۔ تمہیں یہ

عزیز ہماروں کے پاس ملا ہو گا۔

ناگ نے کہا:



ہاں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا اگر میں اسے ہاتھ  
میں لے کر سامری کو بلاؤں تو کیا وہ میری بات  
مان لے گا؟

بٹھے سانپ نے کہا:

”کیوں نہیں۔ اس پر میرے چار آقا یورگی نے  
سامری کا طلسم کیا ہوا ہے۔ سامری اس طلسم کا  
پابند ہے۔ تم اس کو ہاتھ میں اٹھا کر سامری سے  
کہو کہ وہ مجھے پھر سے انسانی شکل دے دے۔“

ناگ نے اپنے ہی تعویذ کو ہاتھ میں لیا اور بولا:  
”سامری! سامری! سامری! بٹھے سانپ کو اس کی  
اصلی انسانی شکل دے دے۔“

یہ الفاظ ناگ کی زبان سے ادا ہوئے ہی تھے کہ نیلے  
سانپ ایک سیکنڈ میں واپس اپنی اصلی انسانی شکل میں  
آ گیا۔ ناگ کے سامنے اب غلام بیروکس موجود تھا۔  
غلام بیروکس ناگ کے قدموں پر گر پڑا۔

ناگ نے کہا:

”تمہارا کوئی درد نہیں۔ یہ ساری مصیبت تمہارے  
آقا عیار یورگی کی لالٹ ہوئی تھی جو اپنے انجام  
کو پہنچا۔ چلو تمہارے گھر چل کر باتیں کرتے ہیں۔“

غلام بیروکس ناگ کو لے کر اپنے عالی شان مکان میں  
آ گیا۔ غلام اور کنیزیں اپنے آقا کو دیکھ بہت خوش ہوئیں  
ناگ نے کہا:

”بھاری صلح ہو گئی ہے۔“

غلام بیروکس نے نوکرانوں کو کہا کہ اس کے دوست ناگ  
کے لیے اعلیٰ مشروب لائیں۔ دونوں تخت پر بیٹھ گئے۔ اب  
ناگ نے بیروکس سے تھو سا ناگ اور کیٹی کے بارے میں  
پوچھا۔ بیروکس نے کہا:

”ان کے بارے میں میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ  
یورگی کے حکم سے انہیں بوریوں میں بند کر کے  
روم شہر کے باہر پہنچے ولے دریا میں پھینک  
دیا گیا تھا۔“

ناگ کچھ پریشان سا ہو گیا۔ پھر اس نے پوچھا:  
”کیا ان پر بھی بے ہوشی کا اثر بارہ گھنٹے تک  
ہی رہتا تھا۔“

غلام بیروکس بولا:

”ہاں ناگ دیوتا! بارہ گھنٹے کے بعد انہیں  
بھی ہوش نہیں آ جاتا تھا۔“

ناگ خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بارہ گھنٹے



اس سے جو پوچھیں گے وہ اس کا جواب دے گا:  
 ناگ نے تعویذ نکال کر اسے دیا اور کہا:  
 تم ہی سامری سے پوچھو:  
 غلام بیردکس نے کہا:

”ہمیں یہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے کے اندر چلے  
 جانا چاہیے۔“

اور غلام بیردکس ناگ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔  
 اندر آ کر غلام بیردکس نے دروازہ بند کر دیا اور تعویذ کو  
 اپنے ہاتھ میں اوپر اٹھا کر بولا:

”سامری! سامری! سامری! ہمیں بتا کر تھیوسانگ کیٹی  
 اور عنبر کماں ہیں۔“

ایک دم سے ایک روشنی کا زبردست جھکا ہوا سارا  
 کمرہ روشن ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی بیردکس کے ہاتھ سے  
 تعویذ غائب ہو گیا۔ بیردکس تو ڈر کے مارے کانپنے لگا۔  
 ناگ نے کہا:

”سامری نے تعویذ کو غائب کر دیا ہے بیردکس!“

غلام بیردکس بولا:

”ہاں ناگ دیوتا!“

اتنے میں انہیں ایک آواز سنائی دی:

بعد عنبر تھیوسانگ اور کیٹی ضرور دریا سے باہر نکل آئے  
 ہوں گے۔ کیونکہ ناگ کو معلوم تھا کہ عنبر تھیوسانگ اور  
 کیٹی دریا میں مر نہیں سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اتنے دن  
 ہو گئے ہیں وہ دریا سے نکل کر کہیں سے کہیں جا  
 چکے ہوں گے۔

غلام بیردکس نے کہا:

”ناگ دیوتا! آپ کے دوست ضرور کسی دوسرے

لوگ میں جا چکے ہوں گے۔ کیونکہ جیسا کہ آپ

نے ان کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ آسانی

سے دریا میں ڈوب نہیں سکتے تھے۔“

ناگ بولا: ”یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ وہ کہاں

ہوں گے۔“

بیردکس غلام نے کہا:

”کیوں نہ ہم سامری سے اس بارے میں مشورہ لیں؟

ناگ نے حیرانی سے بیردکس کی طرف دیکھا۔

سامری ہماری کیا مدد کرے گا؟“

بیردکس بولا: ”آپ کے بالوں کے تعویذ سے ہم بہت

سے کام لے سکتے ہیں۔ اس پر سامری کا طلسم کیا

گیا ہے اور سامری اپنے طلسم کا پابند ہے۔ ہم



میں نے اپنے منہوں کو تعویذ کی شکل میں واپس لے لیا ہے۔ اب تم بھی مجھ سے بات نہ کر سکو گے۔

اور پھر کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔  
ہیروکس نے کہا:

ناگ دیوتا۔ معلوم ہوتا ہے سامری ہتاری وجہ سے ناراض ہو گیا ہے۔ اسے شاید ہتاری طاقت سے دشمنی ہے۔ وہ تمہیں نقصان تو نہیں پہنچا سکتا مگر اس نے تمہارے تعویذ کو واپس لے لیا ہے۔  
ناگ نے کہا:

مجھے بھی ایسا ہی غموس ہو رہا ہے۔ لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اب مجھے اپنی کوشش سے ہی اپنے دوستوں تختیوسانگ عنبر اور ماریا کیٹ کا کھوج لگانا ہو گا۔

ناگ اور ہیروکس کمرے سے باہر آ کر محنت پر بیٹھ گئے۔

جب رات ہو گئی تو غلام ہیروکس نے کمرے میں آگ روشن کروا دی۔ کیونکہ وہاں بڑی سخت سردی ہو گئی تھی۔

ناگ نے کہا:

میں صبح تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ کیونکہ مجھے اپنے دوستوں کی تلاش میں جانا ہے۔  
ہیروکس کہنے لگا:

عظیم ناگ! تم سے مجھے بے حد عقیدت ہے۔  
ہے مگر میں تمہیں روک بھی نہیں سکتا کیوں کہ یہ تمہارے دوستوں کا معاملہ ہے جو تم سے جدا ہو گئے ہیں، لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اس طرف ان میں سے کوئی آ گیا تو میں انہیں تمہارے بارے میں ضرور بتا دوں گا کہ تم میرے ساتھ رہے تھے لیکن مجھے اتنا ہوتا دو کہ تم ان پہاڑوں میں کس طرف جاؤ گے؟

ناگ بولا: شمال کی طرف جانے کا کوئی نام نہ نہیں۔  
کیونکہ ادھر برن ہی رہتا ہے۔ زیادہ آبادی نہیں ہے۔

غلام ہیروکس نے کہا:

ادھر جنت کا ملک ہے۔ کیا تم جنت جا کر اپنے دوستوں کا کھوج نہیں لگاؤ گے؟

ناگ بولا: میں ہندوستان کے جنوب کی طرف جانے والا ہوں۔



چاہتا ہوں۔ کیونکہ جنوب میں موسم گرم ہوتا ہے اور  
وہاں کوئی شہر آباد نہیں۔ ممکن ہے مجھے تھوڑا سا گرمی  
اور کھینٹ ماریا وہاں کسی شہر میں مل جائیں۔  
غلام بیروکس کہنے لگا۔

جیسے ہمتاری مرضی ناگ دیوتا۔ بہر حال اگر میرے  
پاس ہمتارے دوستوں میں سے کوئی آیا تو میں  
انہیں بتا دوں گا کہ تم جنوب کی طرف گئے ہو۔  
ناگ نے رات اسی مکان پر سہر کی۔ صبح ہوئی تو اس  
نے غلام بیروکس کو خدا حافظ کہا اور مکان سے نکل کر جنوب  
کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ دور جنگل میں چلنے کے بعد ناگ  
نے عقاب کی شکل اختیار کی اور فضا میں بلند ہو کر جنوب  
کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔ چونکہ وہ ہمالیہ سے ہونڈی  
ہندوستان کا علاقہ بہت ہی زیادہ فاصلے پر تھا اس لیے  
ناگ آہستہ آہستہ اڑ رہا تھا اور فضا سونگھتا بھی جا رہا تھا  
کہ شاید کہیں سے اسے حنر ماریا کیٹی یا تھوڑا سا ناگ کی خوشبو  
آجائے مگر ابھی تک اسے ان میں سے کسی کی خوشبو نہیں  
آئی تھی۔

دوسری جانب کیٹی بھی ایک اڑن مکڑی کی شکل میں فضا  
میں پرواز کرتی ہندوستان کے ساحل پر پہنچ گئی تھی اس کی

رفتار بہت تیز تھی۔ اور وہ جلدی ہندوستان کی ایک ساحل  
بندر گاہ پر پہنچ گئی تھی۔ یہ کال کٹ کی پرانی بندرگاہ تھی۔  
جہاں قدیم زمانے میں یورپ اور روم سے تجارتی جہاز  
آیا کرتے تھے۔

کیٹی مکڑی کی شکل میں تھی۔ وہ فضا ہی میں اڑتی ہی  
اور اس نے چھوٹے سے شہر کا ایک بکر ٹکڑا سے  
بہت کم نیچے چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ ایک عمارت کے  
کچھ جھوپڑیاں بھی ہوں دیکھیں اور وہ وہاں نیچے اتر آئی۔  
ان جھوپڑیوں میں کچھ پیسے اور تماشہ دکھانے والے رہتے  
تھے۔ اتفاق سے ایک بازی گرنے ایک سیاہ کالی جھونکی کوئی  
کو اڑتے اڑتے نیچے آتا دیکھا تو وہ حیران رہ گیا۔ اسے  
اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے آج تک  
کسی مکڑی کو جوا میں اڑتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بازی گر  
تھا اور اب بندروں کا تماشہ دیکھا کہ بس اوقات کرتا تھا  
کیونکہ اب وہ بڑھا ہو گیا تھا اور بازی گری نہیں کر  
سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ اس مکڑی کو پکڑ کر  
اپنے قابو میں کرے تو تماشہ دکھ کر بہت پیسے جمع کر  
سکتا ہے۔ اس نے کھینٹ مکڑی اترتی تھی وہاں اونچی اونچی گھاس  
تھی۔ بازی گر نے جیب سے باریک دھاتا لکال کر پکڑ لی اور



جھک کر چلتا ہوا گھاس کی طرف بڑھا۔ اس نے دیکھا کہ چند قحطی کے فاسے پر کالی کڑی گھاس میں چلی جا رہی تھی۔ بڑی گر نے ایک کر اس کے اوپر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر اسے انجیوں سے پکڑ کر اٹھا لیا۔

کیتی نے اپنے آپ کو ایک اویڑ عمر بازی گر کے قبضے میں دیکھا تو دردِ زود سے اپنی ٹانگیں ہلانے لگی۔ مگر بازی گر نے فوراً ہی اس کی گردن میں مضبوط دھاگے ایسی ریشمی ڈوری باندھ کر اسے پھٹے سے بانس کے پنجرے میں بند کیا اور اپنی جھینپڑی میں لے جا کر رکھ دیا۔ اس کا ذکر اس نے اپنے کسی بازی گر یا پیسیرے ساتھی سے نہ کیا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کسی کو پتہ چل گیا تو وہ اس سے یہ قیمتی اڈوں مکاری چھین لیں گے۔ بازی گر نے راتوں رات جھینپڑی سے کوش کیا اور ایک بیل گاڑی میں سوار ہو کر وسطی ہندوستان کے علاقے درنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ وہی علاقہ تھا جس طرف بچھوڑا کی عقربہ قتیوساگ اور عنبر کے ساتھ لے کر چلی آ رہی تھی۔ ان لوگوں کا جہاز ہندوستان پہنچ گیا تھا اور وہ ایک قافلے میں شامل ہو کر درنگل کی طرف آ رہے تھے۔ بچھوڑا کی عقربہ کو تمام راستے میں ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ قتیوساگ اور عنبر میں سے چیزوں کو چھوڑا کرنے

کا راز کس کے پاس ہے۔ عقربہ خود کوئی ایسی بات کر کے عنبر اور قتیوساگ کو شک میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ درنگل پہنچنے کے بعد اس نے کوئی ڈراما کھیلنے کا منصوبہ تیار کیا تھا اسے یہ بھی معلوم تھا کہ درنگل میں اس کا کوئی بھی گھر نہیں ہے۔ درنگل پہنچ کر قتیوساگ اور عنبر نے عقربہ سے پوچھا کہ یہاں اس کا مکان کہاں ہے تاکہ وہ اسے اس کے ماں باپ کے پاس پہنچا کر اس انسانی فرض سے فارغ ہوں۔ عقربہ تو جانتی تھی کہ اس شہر میں اس کے ماں باپ کا کوئی گھر نہیں ہے۔ وہ انہیں شہر سے باہر ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں لے گئی۔ یہاں ایک ٹوٹا پھوٹا مکان دیران اور خال پڑا تھا۔ عقربہ نے مکاری سے کام لیتے ہوئے رونا شروع کر دیا۔

قتیوساگ نے پوچھا:

”تم روتی کیوں ہو بہن؟ کیا بات ہے؟“

عنبر بھی پریشان ہو گیا۔ عقربہ نے آئو پوچھتے ہوئے کہا: ”یہ ہی گھر ہمارا ہے۔ دشمنوں نے اسے برباد کر دیا۔ میرے ماں باپ خدا جانے کہاں چلے گئے ہیں۔ اب میں کہاں جاؤں گی۔ کیا کروں؟“

اور عقربہ نے پھر رونا شروع کر دیا۔ قتیوساگ اور عنبر



نے اسے حوصلہ دیا اور پوچھا کہ یہاں درنگل شہر میں اگر اس کے کوئی رشتے دار ہوں تو بتائے وہ اسے ان کے پاس جا کر چھوڑ آئیں گے۔

عقربہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

ہمارا اس شہر میں کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ میں اس دنیا میں اکیلے رہ گئی ہوں۔ بھوکوں کے لیے مجھے ایکلی چھوڑ کر نہ جائیں نہیں تو میرے دشمن بھے بھی اٹھا کر لے جائیں گے۔

عنبر اور تھیسو ساگ عجیب مشکل میں پھنس گئے۔ آخر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ عقربہ کو ابھی اپنے پاس ہی رکھا جائے اور ناگ اور کیٹی ماریا کو درنگل شہر اور اس کے ارد گرد کے پہاڑی علاقے میں تلاش کیا جائے۔ اس کے بعد سوچا جائیگا کہ عقربہ کو کس کے حوالے کیا جائے۔

عقربہ دل میں بڑی خوش ہوئی کہ اس کی چال کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ یہی چاہتی تھی۔ اس نے اور عنبر تھیسو ساگ نے مل کر مکان کو تھوڑا بہت ٹھیک کیا۔ ایک کمرے کو صاف کر کے وہاں عقربہ کے لیے گھاس بھوس کا بستر بچھا دیا۔ پھر وہ شہر سے اس کے لیے چارپائی بستر اور کچے برتن وغیرہ خرید کر لے آئے۔ کھانے پینے کا سامان بھی انہوں نے ساتھ

ہی خرید لیا اور عقربہ کے رہنے کے لیے وہاں ساری سہولتیں مہیا کر دیں۔ اس عرصے میں تھیسو ساگ اور عنبر نے درنگل شہر میں گھوم پھر کر ناگ ماریا اور کیٹی کی تلاش بھی جاری رکھی۔ درنگل شہر بندوبست کے بالکل درمیان میں تھا۔ اس کے ارد گرد اونچی نیچی پہاڑیاں اور گھنے جنگل اور پلنے راجاؤں کے کھنڈر اور کھٹے ٹاسے تھے۔ اس شہر میں کسی جانب سے بھی انہیں ناگ ماریا یا کیٹی کی خوشبو نہیں آئی۔ پھر بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری اور اپنے دوستوں کی تلاش جاری رکھی۔ اس دوران عقربہ موقع کی تلاش میں رہی۔ درنگل شہر کے باہر ایک پہاڑ تھا جس کے اندر غاریں بنا کر قدیم دھنوں کے سنگ تراشوں نے دیوی دیوتاؤں دیوداسیوں اور ناپچھے دیویوں کی صورتیں بنائی ہوئی تھیں۔ عقربہ کو ان صورتوں والے غاروں کا علم تھا۔ ایک روز تھیسو ساگ اور ناگ صورتوں والے غاروں میں سے ایک غار کی سیر کر رہے تھے۔ عقربہ بھی ان کے ساتھ تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ پتروں اور جاتمادوں کو چھوٹا کرنے کا ہضم کس کے پاس ہے کہ اتفاق سے اسے یہ موقع اپنے آپ ہی مل گیا۔ وہ غار میں پھرتے پھرتے، صورتوں کو دیکھتے ایک موڑ گھومنے لگے تو انہیں زبردست آواز سنا دی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کسی



بہت بڑے اژدہا نے پھنکار ماری ہو۔ عنبر تھیوسانگ اور  
عقربہ وہیں ڈک گئے۔ پھر اچانک سامنے سے ایک بہت  
بڑی، ماتحتی سے بھی بڑی سیاہ رنگ کی لال لال آنکھوں والی  
چھپکلی نکل کر سامنے آ گئی۔ عقربہ ایک سیکنڈ میں سمجھ گئی  
کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور اس چھپکلی کو اپنے  
جادو سے چھوٹا کر دے گا۔ چنانچہ عقربہ نے ان کو موقع  
دینے کے لیے ایک باندنی پیچ ماری اور بے ہوش ہو کر  
زمین پر گر پڑی۔ تھیوسانگ اور عنبر نے عقربہ کو اٹھا کر  
پیچھے کر دیا۔

عنبر نے کہا:

میں اس چھپکلی کی گردن مردلتا ہوں۔

تھیوسانگ نے چلا کر کہا:

نہیں نہیں عنبر! تم آگے مست جانا۔ اسے میں

سنبھال لوں گا۔ تم پیچھے ہٹ جاؤ۔

بچو راک کی عقربہ تھوڑی تھوڑی آنکھیں کھولے تھیوسانگ  
کو دیکھ رہی تھی۔ تھیوسانگ چھپکلی کی طرف بڑھا۔ ماتحتی سے  
بھی بڑی چھپکلی نے اپنی دم پیچھے۔ اٹھا کر گھول اور  
جہاں تھیوسانگ کھڑا تھا وہاں زور سے ماری تھیوسانگ تیزی  
سے ایک طرف ہٹ گیا۔ ساتھ ہی اس نے ایک کرچھپکلی

کی دم پر چھلانگ لگا دی اور اس کی دم کو اپنی انگلی سے  
چھو دیا۔ اس کی انگلی کے پھوٹنے ہی ماتحتی سے بڑی چھپکلی  
ایک نئی سی چوبہا سے بھی چھوٹی بن گئی اور ادھر ادھر  
پھسکنے لگی۔ تھیوسانگ نے اسے اٹھا کر دوسری طرف پھینک دیا۔  
بچو راک عقربہ یہ سب کچھ دیکھ کر حیران سی ہوئی۔ اب  
اسے پتہ چل گیا تھا کہ تھیوسانگ ہی وہ آدمی ہے جس  
کے پاس چیزوں اور جانداروں کو چھوٹا بنا دینے کا طلسم  
ہے۔ چھپکلی سے نجات پانے کے بعد عنبر اور تھیوسانگ  
بے ہوش عقربہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

اسے باہر لیے چلتے ہیں: عنبر نے کہا۔

انہوں نے جھوٹ جھوٹ بے ہوش عقربہ کو اٹھایا اور

غار سے باہر لے آئے۔ باہر نکلی ہوا میں آتے ہی بچو راک

نے آنکھیں کھول دیں اور بولی:

”وہ۔ وہ بلا کیا تھی؟“

تھیوسانگ نے مسکرا کر کہا:

”وہ ایک پرانے زمانے کی چھپکلی تھی جو بڑی زہریلی ہوتی

ہی تھی۔ میں نے اسے بھگا دیا تھا۔ اب تم ٹھیک ہو جاؤ۔“

بچو راک عقربہ کو کیلے کے پتے کا ڈونا بنا کر اس میں

پانی لاکر پلایا۔ عقربہ تو پہلے ہی ہوش میں تھی۔ اوپر سے



اس نے ہنکھیں جھپکا کر یوں ظاہر کیا جیسے ابھی ابھی ہوش  
میرا آئی ہو۔ اس نے کہا:

عزیز سیوساگ! بیبا میں اب یہاں نہیں رہوں گی  
مجھے مکان پر لے چلو۔ میرا دل اب بھی ڈر  
رہا ہے۔

عزیز سیوساگ! اور عزیز! اسے اطمینان دلاتے ہوئے واپس  
مکان پر لے گئے اور اسے اس کے کمرے میں بٹا دیا۔  
عزیز نے گرم گرم دودھ پیلے میں ڈال کر عتربہ کو پلایا چولہے  
میں آگ ابھی تک جل رہی تھی۔ عتربہ دودھ پی کر آرام  
سے سڑ کر بیٹھ گئی اور بولی:

اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اتنی ڈراؤنی چھپکلی  
کو دیکھ کر تو میری جان ہی نکل گئی عزیز سیوساگ! بیبا  
تم لوگ اب اس غار میں برگز نہ جانا مجھے تم  
دونوں کی زندگیوں کا اپنے سے بڑھ کر خیال ہے۔  
اب اس دینا میں غارت سوا میرا کوئی نہیں ہے۔  
عزیز اور عزیز سیوساگ نے عتربہ کو اطمینان دلایا کہ خدا کے  
فضل سے انہیں کچھ نہیں ہو گا۔ اس کے بعد وہ عتربہ کو  
آرام کرنے کا مشورہ دے کہ مکان سے باہر چلے گئے۔  
عزیز نے کہا:

عزیز سیوساگ! اب ہم زیادہ دقت اس لڑکی کے  
ساتھ نہیں رہ سکتے۔ ہیں اسے کسی محفوظ جگہ پر  
پنپنا کر ماریا ناگ اور کھیڑ کی تلاش میں کسی  
دوسرے شہر کی طرف جانا ہو گا۔  
عزیز سیوساگ نے کہا:

میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔ مگر سوال یہ ہے  
کہ عتربہ کو ہم کہاں چھوڑیں۔ اس کی حفاظت بھی  
تو ہمارا فرض ہے۔ اکیلی لڑکی کو ہم یونہی بے یار و  
مدد گار چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتے۔  
عزیز کہنے لگا:

میرا خیال ہے کہ ہم ستر چیل کر کسی نیک دل  
عزیز عورت کو تلاش کرتے ہیں جس کے پاس  
ہم عتربہ کو چھوڑ جائیں گے۔  
عزیز سیوساگ بولا: ایسی عورت میں کہاں ملے گی۔ ہر عورت  
اس کو رکھنے کا خرچہ مانگے گی۔ اگر ہم اسے سونے  
کے سکتے دے بھی گئے تو حجب سکتے ختم ہو جائیں  
گے تو وہ عتربہ کو گھر سے نکال باہر کرے گی۔  
دیر تک وہ یہی باتیں کرتے رہے۔ ان کی سمجھ میں کچھ  
نہیں آ رہا تھا۔



عقرب نے کہا :  
 شہر چل کر دیکھتے ہیں ۔ ہو سکتا ہے کوئی سبب  
 بن جائے ۔

انہوں نے عقربہ سے کہا کہ وہ شہر جا رہے ہیں  
 تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گے اور وہ شہر کی طرف روانہ  
 ہو گئے جو وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ صرف ایک پہاڑی  
 بیچ میں تھی۔ پہاڑی کی دوسری جانب درنگل کا قدیم شہر آباد  
 تھا۔ تھیوساگ اور عقربہ جب وہاں سے چلے گئے تو بچھو  
 لڑکی عقربہ جلدی سے چارپائی پر سے اٹھی۔ صحن کے دروازے  
 میں آ کر اس نے دیکھا کہ تھیوساگ اور عقربہ دور جا چکے  
 تھے۔ عقربہ فوراً چولے کے پاس آ گئی۔ چولے میں آگ  
 جل چکی تھی۔ مگر راکھ ابھی تک گرم تھی۔ عقربہ نے راکھ پر  
 پانی ڈال دیا۔ جب راکھ ٹھنڈی ہو گئی تو عقربہ سامنے آلتی  
 پالتی تار کر بیٹھ گئی اور اس نے خاص قسم کے منتر پڑھنے  
 شروع کر دیئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ٹھنڈی راکھ میں سے اس  
 کے شیطانی دیوتا استپا کا ڈراؤنا سر ابھرنا شروع ہو گیا۔ پھر اس  
 کا دہشت ناک چہرہ راکھ سے باہر نکل آیا۔

عقربہ نے کہا :

میرے گورو استپا! میں نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ

جانداروں کو چھوٹا کرنے کا طلسم تھیوساگ کے  
 پاس ہے۔ مگر مجھے یقین نہیں کہ وہ مجھے کبھی  
 اپنا یہ قیمتی راز بتائے گا۔ تمہارا کیا حکم ہے ؟  
 راکھ والے ڈراؤنے چہرے کے نکلنے ہونٹ ذرا سے  
 ہلے اور اس کے حلق سے کھڑکھڑاتی آواز آئی :  
 "وقت مناسب مت کرو۔ تھیوساگ کو بچھو بنا کر برے  
 پاس ویران میدان میں لے آؤ۔ پہلے ہی بہت دیر  
 ہو گئی ہے۔"  
 عقربہ نے کہا :

"ایسا ہی ہو گا میرے گورو استپا!"

اس کے ساتھ ہی استپا کا مکروہ چہرہ ٹھنڈی راکھ میں  
 غائب ہو گیا۔ عقربہ اٹھ کر واپس اپنے کمرے میں جا کر پہاڑی  
 پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ وہ تھیوساگ کو کس جگہ بچھو  
 بنا کر یہاں سے لے آئے۔ اس کے لیے اسے باقاعدہ ایک  
 سکیم تیار کرنی تھی۔

دوسری طرف تھیوساگ اور عقربہ درنگل شہر میں کسی ایسی  
 نیک دل بوڑھی عورت کی تلاش میں چل پھر رہے تھے کہ  
 جو جوان لڑکی عقربہ کی حفاظت کی ذمہ داری لینے پر تیار  
 ہو کہ انہیں ایک جگہ بازار میں لوگوں کی بھید نظر آتی رہے



وہاں آ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بازی گر بیٹھا تماشا دکھا رہا ہے۔ اس نے ایک کالی کڑی کو ڈوری سے باندھ رکھا ہے اور وہ کالی کڑی ہوا میں اڑتے ہوئے گول پکڑ لگا رہی ہے۔ یہ کالی کڑی کیٹی تھی۔ کیٹی نے عنبر اور تھیوسانگ کی خوشبو محسوس کر لی تھی پھر اسے لوگوں میں تھیوسانگ اور عنبر کے چہرے دکھائی دیئے تو کیٹی کڑی کی شکل میں ان کی طرف اڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر چونکہ وہ ڈوری سے بندھی ہوئی تھی اس لیے ان کے پاس نہ جاسکتی تھی۔ بازی گر اسے پیچھے سے پکینچ لیتا تھا۔ کیٹی کی خوشبو عنبر تھیوسانگ کو محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کیٹی کڑی کی زبان میں پیچ پیچ کر تھیوسانگ اور عنبر کو آوازیں دے رہی تھی مگر یہ آواز کڑی کی باریک سیٹی کی آواز جیسی تھی۔ جو صرف بازی گر کو ہی سنائی دیتی تھی۔ لوگ اڑنے والی کڑی کا تماشا دیکھ کر تالیاں بجا رہے تھے۔ بازی گر نے محسوس کیا کہ کڑی ایک خاص سمت کو اڑ کر جانے کی کوشش کر رہی ہے۔ مگر اس نے اسے زیادہ اہمیت نہ دی۔ اس کا عام ذہن زیادہ غور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر اچانک کیٹی کڑی نے اتنی زور کا جھٹکا دیا کہ بازی گر کے ہاتھ سے ڈوری نکل گئی اور کڑی تھیوسانگ

کے کاندھے سے آ کر چمٹ گئی۔ تھیوسانگ نے ہاتھ مار کر اسے بتایا تو کڑی عنبر کے کاندھے سے جا کر چمٹ گئی اور زور زور سے کہنے لگی:

عنبر! میں کیٹی ہوں۔ میں کیٹی ہوں۔ میں کیٹی ہوں۔ مگر اس کی آواز انسانی نہیں تھی۔ بس ایک باریک سی سیٹی کی آواز عنبر اور تھیوسانگ کو سنائی دے رہی تھی۔ عنبر نے جلدی سے کڑی کو پرے جھٹک دیا۔ اتنی دیر میں بازی گر فوراً وہاں آ گیا۔ اور اس نے کڑی کو پکڑ کر واپس باس کے پھوٹے سے بچھے میں بند کرتے ہوئے کہا:

بھائیو! آج کا تماشا ختم ہوتا ہے۔ بازی گر کو خطرہ تھا کہ کہیں اڑنے والی کڑی اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ لوگوں نے خوش ہو کر بازی گر کو تانے کے کتے ہی کہتے دیئے۔ بازی گر ان کو سمیٹ کر ایک طرف چل دیا۔ عنبر اور تھیوسانگ کو ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال نہ آیا کہ یہ کڑی کیٹی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ بھی شہر کی دوسری سڑک پر آ گئے۔ بازی گر کے پیچھے میں بند کیٹی کڑی کو عنبر اور تھیوسانگ کی خوشبو برابر آ رہی تھی۔ یہ خوشبو اسے ہلکی ہلکی دقت بھی آئی تھی اور وہ یہ سوچ کر خوش ہو گئی تھی کہ عنبر اور تھیوسانگ



اسی شہر میں ہیں۔ اب اس نے ان دونوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو ان کے پاس جانے کے لیے بے چین سو گئی وہ بنجرے سے باہر آنے کے بارے میں غور کرتے مگر وہ کسی طرح دہاں سے رنو پکڑ ہو کر تھیتوسانگ اور عنبر کے پاس جانا چاہتی تھی۔ اچانک اسے ایک خیال سوچھا۔ کیٹی کڑی نے بنجرے میں زور زور سے اٹنا شروع کر دیا جیسے کوئی پرندہ بنجرے میں پھرد پھراتا ہے۔ بازی گرنے دیکھا تو ایک درخت کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کڑی کو کیا ہو گیا ہے۔ کیٹی کڑی بنجرے میں ادھر ادھر اڑتے ہوئے مگرا رہی تھی۔ یہ سوچ کر کہ کہیں کڑی مر نہ جائے بازی گرنے بنجرے کا منہ کھول کر اپنا ہاتھ اندر ڈالا کہ کڑی کو پکڑے کہ کیٹی کڑی کو موقع مل گیا۔ وہ بنجرے میں سے نکل کر باہر آ گئی۔

بازی گر ہاتھ ملتا رہ گیا۔ کیونکہ کڑی اس کی آنکھوں کے سامنے آ کر فضا میں غائب ہو گئی تھی۔ کیٹی کڑی تھیتوسانگ اور عنبر کی خوشبو لیتی فضا میں اڑی جا رہی تھی۔ وہ شہر کے بلادوں کے اوپر آ گئی۔ پھر اسے تھیتوسانگ اور عنبر دکھائی دیے۔ وہ ایک مکان کے باہر کھڑے کسی عورت سے باتیں کر رہے تھے۔

عورت کہہ رہی تھی:

بیٹا! میں بیوہ عورت ہوں۔ تم اپنی بہن کو جب تک چاہو میرے پاس چھوڑ سکتے ہو۔ جو روکھی سوکھی میں محنت مزدوری کر کے کھاتی ہوں وہ بھی میرے ساتھ کھا لیا کرے گی۔

عنبر کہنے لگا:

اماں! ہم تمہیں سونے کے اتنے کتے دے جائیں گے جو تم دونوں کے لیے پندرہ سال کے لیے کافی ہو جائے اگر ہم نہ آئے تو اس کی نہیں شادی کر دینا۔ عورت راضی ہو گئی۔

تھیتوسانگ بولا: اچھا اماں! ہم شام کو اپنی بہن کو لے کر تہارے پاس آئیں گے۔

اچھا بیٹا۔ میں گھر پر ہی ہوں گی۔

یہ کہہ کر عورت اپنے مکان کے اندر چل گئی۔ عنبر اور تھیتوسانگ واپس اپنے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ کیٹی کڑی ان کے اوپر اڑ رہی تھی۔ جب تھیتوسانگ اور عنبر شہر سے کچھ دور نکل آئے تو کیٹی کڑی کی شکل میں نیچے اتر کر ان کے سروں کے گرد پکر لگانے لگی۔

عنبر رگ گیا۔ اس نے کہا:



”ختیوساگ! یہ وہی کڑی ہے جو بازی گر کے ہاتھ سے نکل کر ہمارے پاس آگئی تھی۔“  
ختیوساگ بھی ٹوک کر کڑی کو اپنے ارد گرد اڑتے ہوئے دیکھنے لگا:

”عنبر! ان یہ وہی کڑی ہے۔ مجھے دال میں کچھ کالا کالا لگتا ہے۔ یہ کڑی مزدور کسی خاص درجہ سے بازی گر کے پنجرے سے نرادر ہو کر ہمارے پاس آئی ہے۔“  
عنبر بولا: ”ختیوساگ! کہیں یہ ماریا ناگ یا کیٹی نہ ہو؟“

کیٹی کڑی نے پیچ کر کہا:  
”عنبر! یہ کیٹی ہوں۔ میں کیٹی ہوں۔“  
مگر اس کی باریک سیٹی ایسی آواز کو عنبر نہ سمجھ سکا۔ اس نے ختیوساگ سے کہا:

”دیکھو! اس کے منہ سے بار بار سیٹی ایسی آواز نکل رہی ہے۔ لگتا ہے یہ میں کچھ کہنے کی کوشش کر رہی ہے۔“

عنبر نے کہا:  
”ختیوساگ! میرا دل کہتا ہے کہ یہ ناگ کیٹی اور ماریا میں سے کوئی ایک ہے۔ اسے ہم اپنے

پاس رکھیں گے۔“

یہ سن کر کیٹی کڑی بڑی خوش ہوئی اور فردا عنبر کے کاندھے پر آکر بیٹھ گئی۔  
عنبر بے اختیار بولا:

”معلوم ہوتا ہے کہ اس نے میرا یہ فقرہ سن لیا ہے۔ فقرہ سنتے ہی یہ میرے کاندھے پر آکر بیٹھ گئی ہے۔ ختیوساگ! یقین کرو یہ یا تو ناگ ہے۔ یا ماریا اور یا کیٹی ہے۔“  
ختیوساگ نے کہا:

”اسے ہم اپنے پاس رکھیں گے۔“  
عنبر نے کیٹی کڑی کو کاندھے پر سے اٹھا کر آنکھوں کے پاس لا کر غور سے دیکھا۔ ختیوساگ بھی اسے غور سے دیکھنے لگا۔

عنبر نے کہا:  
”مجھے اس کڑی کی آنکھوں میں کیٹی کی نیلی آنکھوں کی چمک نظر آ رہی ہے۔ ختیوساگ! یہ یقیناً کیٹی ہے۔“

کیٹی کڑی بہت خوش ہوئی کہ اگرچہ وہ ان کے سامنے انسانی شکل میں نہیں آ سکی لیکن خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے اسے کسی حد تک پہچان تو لیا اور اپنے پاس رکھنے



۱۲۲  
کا فیصلہ کیا۔ عنبر نے کڑی کو اپنی قمیص کی جیب میں رکھا اور وہ اپنے مکان کی طرف آ گئے۔ بچو روکی عنبر پر شہرت سے ان دونوں کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے جیتوساگ سے کہا:

”آج جی چاہتا ہے کہ جنگلی ناشپائیاں پکائی جائیں۔ چلو جیتوساگ ہم جنگل میں جا کر ناشپائیاں لے آئیں؟“  
جیتوساگ اور عنبر صحن میں بچے ہوئے کڑی کے تخت پر بیٹھ گئے۔

عنبر نے کہا:

”میرا تو آج ساگ کھانے کو جی چاہتا ہے۔“  
جیتوساگ بولا: ”میں دال پکانا چاہتا ہوں؟“  
عنبر نے کمر سے کام لیتے ہوئے ناراض ہو کر کہا:  
”چلو میں تم سے نہیں بولتی۔ تم کیسے بھائی ہو کہ اپنی بہن کی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔ میرا تو جنگلی ناشپائیوں کو جی چاہتا ہے۔“  
جیتوساگ مسکرا کر بولا:

”اچھا بابا! تم ناشپائیاں ہی پکا لینا۔ میں ابھی تھارے ساتھ جنگل کو جاتا ہوں۔“

کیٹی کڑی عنبر کی جیب سے ذرا سا سر باہر نکال کر باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہ عنبر روکی پر پڑی تو وہ اسے

ایک بچو کی شکل میں دکھائی دی۔ اس نے چلا کہہ عزتوساگ کو کہا:

”اس سے بچو۔ اس کے ساتھ کہیں مت جانا۔ یہ روکی نہیں بچو ہے۔ یہ بچو ہے۔“

عنبر کو کڑی کی باریک سی سیٹی سنائی دی۔ تو اس نے جیب کی طرف دیکھا۔ کڑی باہر نکلی ہوئی تھی۔ وہ کڑی عنبر کو نہیں دکھانا چاہتے تھے۔ عنبر نے جلدی سے کیٹی کڑی کو ہاتھ سے جیب کے اندر کر دیا۔ کیٹی کڑی بار بار جیب کے کنارے سے سر نکال کر چیخ کر کہتی:

”عنبر جیتوساگ! اس روکی سے خبردار رہو۔ یہ کوئی بادلگاہ ہے۔ یہ تھارے ساتھ کیوں رہتا ہے۔ یہ انسان نہیں بلکہ بکتو ہے۔“

مگر عنبر اور جیتوساگ تو کیٹی کڑی کے آواز کا مطلب سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ عنبر نے اب اپنا ہاتھ جیب میں ڈال لیا تاکہ وہ کڑی کو باہر آنے سے روک سکے کیونکہ بچو روکی عنبر اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔  
عنبر نے کہا:

”جیتوساگ بھائی! میرے ساتھ جنگل چلو نا۔ کھانا پکانے میں دیر ہو جائے گی۔ میں آج ممتیں اور عنبر بھائی کو ایسی ناشپائیاں بنا کر کھلاؤں گی کہ تم خوش ہو



جاؤ گے :

ختیوساگ نے تخت پر سے اٹھتے ہوئے کہا :  
عمبر نے کہا :

ایک تھیلہ اپنے ساتھ لے لو :

بیکٹی کڑی نے یہ سنا تو جیب کے اندر تھلا کر رہ گئی۔  
وہ سمجھ گئی تھی کہ بچو لڑکی کسی خاص مقصد کے لیے ختیوساگ  
کو پھنسا کر جنگل کی طرف لے جا رہی ہے۔ وہ جیب سے  
باہر آنے کی کوشش کرنے لگی۔ Embur نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں  
سے کڑی کو پکڑے رکھا۔ دوسری طرف ختیوساگ بچو لڑکی کے  
ساتھ تھیلہ لے کر جنگل کی طرف چل دیا۔ جنگل میں ایک  
جگہ درختوں پر جنگل لاشیاتیں مٹی ہوئی تھیں۔ ختیوساگ انہیں  
توڑ توڑ کر ٹیلے میں ڈالنے لگا۔ بچو لڑکی عقربہ کے لیے  
یہ بڑا اچھا موقع تھا۔ اس نے زمین پر سے ستوڑی سی مٹی  
اٹھا کر اپنی مٹی میں پکڑ لی اور منہ ہی منہ میں اس پر ایک  
منہ پڑا کر پھونکا اور ختیوساگ کے پیچھے آ گئی۔ ختیوساگ  
کو احساس ہوا کہ عقربہ اس کے بالکل پیچھے کھڑی ہے۔  
یہ سوچ کر اسے تشویش سی ہوئی کہ عقربہ کو اتنا پیچھے آنے  
کی کیا ضرورت ہے۔ جوئی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ عقربہ  
نے ایک چیخ مار کر پڑھی ہوئی مٹی ختیوساگ کے چہرے پر  
پھینک دی۔

ختیوساگ کو ایسے لگا جیسے اس کی آنکھوں کے آگے  
ایک بادل سا آ گیا ہے۔ اس نے بادل میں سے نکلنے کے لیے  
ہاتھ پاؤں چلائے اور چاہا کہ پھلنگ لگا کر دوسری طرف کود  
جائے مگر اس کے ہاتھ پاؤں غائب ہو گئے تھے۔ پھر وہ  
ایک چھوٹا سا کالا بچھو بن کر زمین پر گر پڑا۔ عقربہ نے اسے  
اٹھا لیا۔ وہ بھاگ کر درختوں میں سے باہر آ گئی۔ باہر آتے  
ہی اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے اور بلند آواز  
میں کہا :

گورو استپا! میں نے تیری امانت قبضے میں کر لی

ہے۔ اب مجھے اپنے مینار پر واپس بلالے :

اس کے منہ سے جوئی یہ الفاظ نکلے عقربہ لڑکی کا جسم  
فضا میں غائب ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ اسی ملک کی  
مشہور بندر گاہ کالی کھٹ کے سمندر کنارے شہر سے دور  
واقع دریاں مینار کی دوسری منزل میں اس جگہ کھڑی تھی  
جہاں دریاں میں ٹھنڈی راکھ کا ڈھیر تھا۔ ختیوساگ بچو  
کی شکل میں ابھی تک اس کی مٹی میں تھا۔ اس کا ذہن  
بیدار تھا۔ وہ سخت پریشان تھا کہ اس نے جس لڑکی کو  
بہن سمجھ کر اس کی مدد کی وہ جادوگرنی تھی اور اصل میں  
وہ اسے اغوا کرنے وہاں آئی ہوئی تھی اور اس نے  
سارا ڈھونگ اسی لیے رچایا تھا۔ مگر اب وقت گزر گیا تھا



۱۲۶ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی ساری طاقت ختم ہو چکی تھی اور وہ ایک کمزور بچہ بن چکا تھا جس کا ڈنک بھی نہیں تھا۔ عقربہ نے راکھ کے ڈھیر کے سامنے دو زانو بیٹھتے ہوئے تھیوسانگ بچہ کو ٹھنڈی راکھ کے اوپر رکھ دیا۔ تھیوسانگ نے بھاگنے کی کوشش کی مگر ٹھنڈی راکھ نے جیسے اس کی پتی پتی ٹانگوں کو جکڑ لیا تھا اور وہ راکھ کے اندر ہی اندر اترتا چلا گیا۔ یہاں تک وہ راکھ کے ڈھیر میں غائب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی غورو استایا کی کھرکھرائی آواز آئی:

”تم بھی میرے پاس واپس آ جاؤ۔ تمہارا کام ختم ہو چکا ہے۔“

بچہ لڑکی عقربہ نے سر اوپر اٹھایا۔ ٹھنڈی راکھ میں سے ایک چمکی لے کر اپنے سر پر ڈال اور وہ بھی بچہ بن کر راکھ کے ڈھیر میں نیچے اتر کر غائب ہو گئی۔ دوسری طرف جب دیر ہو گئی اور تھیوسانگ اور عقربہ جنگل سے واپس نہ آئے تو عقربہ کو تشویش ہوئی۔ اس کی جیب میں کیٹی مکڑی بے قراری سے باہر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ چونکہ عقربہ وہاں نہیں تھی اس لیے عقربہ نے اسے جب سے باہر نکال کر تخت پر بٹھا دیا۔ کیٹی مکڑی فوراً اڑ گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ تھیوسانگ کی خوشبو نہیں آ رہی تھی۔ اس نے جنگل میں آ کر یہاں ناشپاتیوں

۱۲۷ کے درخت تلے تھیوسانگ کو ادھر ادھر دیکھا مگر وہ اسے کہیں نظر نہ آیا۔ عقربہ لڑکی بھی وہاں نہیں تھی۔ کیٹی مکڑی سمجھ گئی کہ وہ عیار لڑکی تھیوسانگ کو اپنے طلسم میں جکڑ کر کہیں لے گئی ہے۔ کیٹی مکڑی فوراً واپس عقربہ کے پاس آ گئی۔ عقربہ نے مکڑی کو دوبارہ دیکھا تو بولا:

”تم کہاں چلی گئی تھیں تم کیا کتنا چاہتی ہو۔ کیا تم ماریا ہو؟“

کیٹی مکڑی نے سیٹی کی آواز میں کہا:

”عقربہ! میں کیٹی ہوں۔ وہ لڑکی تھیوسانگ کو اغوا کر کے لے گئی ہے۔ وہ کوئی مکار جادوگرنی تھی۔“

مگر عقربہ اس کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر جنگل میں آ گیا کہ تھیوسانگ اور عقربہ کو دیکھے کہ وہ کہاں ہیں اور انہوں نے اتنی دیر کیوں لگا دی ہے۔ عقربہ نے جب سارا جنگل چھان مارا اور اسے نہ تھیوسانگ دکھائی دیا اور نہ ہی عقربہ کہیں ملی تو وہ پریشان ہوا۔ اب اس نے سانس کھینچا تو یہ دیکھ کر سخت گھبرایا کہ فضا میں تھیوسانگ کی خوشبو نہیں آ رہی تھی۔

میرے خدا! کیا تھیوسانگ غائب ہو گیا ہے؟ کیا وہ لڑکی کوئی طلسمی عورت تھی؟ کیا اس نے تھیوسانگ کو اغوا کر لیا ہے؟ عقربہ کے ذہن میں کتنے ہی سوال گردش کرتے



۱۲۸  
 تھے تھے۔ اس کے پاس ان سوالوں میں سے کسی سوال کا  
 بھی جواب نہیں تھا۔ وہ مایوس ہو کر واپس مکان میں  
 آگیا۔ کئی کڑی بھی اس کے ساتھ ہی اڑتی ہوئی واپس  
 آئی۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا کہ اب کیا کرے۔ کیونکہ اسے  
 یقین ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی کوئی جادوگنی تھی اور اسے کسی  
 سے وہاں تھیوساگ کو اخراج کرنے کے لیے بھیجا تھا اور وہ  
 اپنا کام کر کے تھیوساگ کو لے کر چلی گئی ہے۔ عنبر نے  
 یہ خیال کیا کہ اسے وہاں کچھ دیر رہ کر تھیوساگ کا انتقام  
 کرنا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے۔ تھیوساگ کسی دیکھی طرح  
 لڑکی کے چنگل سے نکل کر وہاں واپس آ جائے۔ اس نے  
 کڑی کو مکان کی دیوار کے ایک چھوٹے سے طاق میں  
 بٹھا دیا اور کہا:

تم ماریا ہو یا کیٹی یا ناگ ہو۔ میں تمہیں اپنے  
 پاس ہی رکھوں گا جو خدا کرے۔

دوسری طرف ناگ عقاب کی شکل میں اڑتا اڑتا ہندستان  
 کے وسطی علاقے میں پہنچ گیا تھا۔ جونہی وہ درنگ کی سرحد میں  
 داخل ہوا اسے عنبر کی خوشبو آئی۔ ناگ نے خوشی سے نیچے  
 کی جانب غوطہ لگا دیا۔ عنبر کی خوشبو زیادہ تیز ہو گئی۔ ناگ  
 نے اس خوشبو کا عقاب شروع کر دیا۔ عنبر کی خوشبو اسے  
 درنگ شہر کے باہر اسی دیوانے ایسے مکان پر لے آئی جہاں

عنبر کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ طاق میں بیٹھی کیٹی کڑی نے بھی  
 ناگ کی خوشبو سونگھ لی تھی۔ وہ تیزی سے اڑ کر کمرے  
 سے باہر آ گئی۔ ناگ کی خوشبو عنبر نے منوس کی تو وہ  
 اچھل کر باہر نکل آیا۔

یہ دیکھ کر اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا کہ اس  
 کے سامنے صحن کی دیوار پر یہاں عقاب بیٹھا تھا۔ سوائے  
 ناگ کے یہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ ناگ اڑ کر عنبر  
 کے پاس آ گیا اور فوراً انسانی شکل اختیار کر لی۔ دونوں  
 دوست ایک دوسرے کے گلے لگ کر رہے۔ کیٹی کڑی  
 ان کے سروں کے اوپر خوشی سے چکر لگا رہی تھی۔ ناگ  
 نے تھیوساگ کے بارے میں پوچھا تو اس نے ناگ کو  
 دردناک کہانی سنا ڈالی۔ عنبر نے ناگ سے ماریا اور کیٹی  
 کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا:

مجھے ان کے بارے میں کچھ علم نہیں کہ وہ دونوں  
 کہاں ہوں گی۔ مگر تھیوساگ کا مجھے بڑا افسوس  
 ہوا ہے۔ آخر تم لوگوں نے اس لڑکی پر اتنا اعتبار  
 ہی کیوں کیا۔ میں نے تمہیں کئی بار سمجھایا بھی ہے  
 کہ کبھی کسی نے دوست پر فوراً ہی بھروسہ کر کے  
 اسے اپنا کوئی راز نہیں بتانا چاہیے۔  
 عنبر نے کہا:



طرت اشارہ کر کے پوچھا:

”یہ اڑنے والی کڑی کیا چیز ہے۔ میں جب سے آیا ہوں اسے اڑتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔“

عنبر نے کہا:

”یہ ایک بازی گر کے پاس تھی مگر اڑ کر ہمارے پاس آ گئی ہے اور بار بار ہمارے سروں پر پکڑ لگانے لگی۔“

ناگ کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے چمک اٹھیں۔ عنبر نے کہا:

”ناگ! میری چھٹی حس مجھے کہہ رہی ہے کہ یہ کڑی یا تو ماریا ہے اور یا کیٹی ہے۔“

ناگ نے فوراً ہاتھ بڑھا کر کڑی کو اپنی منہ میں لیا اسے تاک کے قریب لے جا کر سوگھا۔ اسے سوگھتے ہی وہ خوشی سے چلایا:

”عنبر! اس میں سے کیٹی کی خوشبو آ رہی ہے۔“

اب عنبر کو بھی خیال آیا کہ اس نے پہلے کڑی کو کیوں نہ سوگھا۔ عنبر جب کڑی کو تاک کے قریب لایا تو واقعی اسے کیٹی کی خوشبو آئی۔ اس نے مسرت سے اچھل کر کہا:

”ناگ! یہ تو کیٹی ہے۔“

”ہم سنا اسے اپنا کوئی راز نہیں بتایا تھا۔ لگتا ہے کہ جب غار میں بڑی چھکی کو تھیوساگ نے انگلی سے پکڑ کر چھوٹا کیا تو یہ عقربہ روکی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔“

ناگ اِلا: ”مزور اسے کسی بڑے جادوگر نے تھیوساگ کو اڑا کرنے کے لیے بھیجا ہو گا۔ کیونکہ تھیوساگ اس وقت غائب ہوا ہے۔ جب ایک دن پہلے اس نے اپنی انگلی سے چھکی کو چھٹا کرنے کی کراہمت دکھائی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ مکاؤ عورت اسی وقت کی تلاش میں تھی۔ جو منی اسے علم ہوا کہ جس شخص کی اسے تلاش ہے وہ تھیوساگ ہے تو وہ بہانے سے اسے جنگل میں لے گئی اور وہاں سے طلسم کے ذریعے غائب کر کے رفو پکڑ ہو گئی۔“

عنبر نے کہا: ”اب ہمیں تھیوساگ کو بھی ڈھونڈنا ہو گا۔“

ناگ بولا: ”تھیوساگ اپنے بھوپن سے مار کھا گیا ہے۔ وہ مزور کسی نہ کسی وقت اس طلسمی چکر سے نکل کر ہمارے پاس آ جائے گا۔“

پھر ناگ نے اپنے سر کے اوپر پکڑ لگاتی کڑی کی



۱۲۶  
کیٹی کڑی نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور سیٹی کی آواز  
میں کہا:

”ناگ! کیا تم میری آواز سن رہے ہو؟ کیا تم میری  
زبان سمجھ رہے ہو؟“

کیٹی پر بددعویٰ کے غار میں کچھ ایسے خطرناک طسم  
کا اثر ہوا تھا کہ ناگ جو دنیا کے سارے پرندوں اور  
جانوروں کی بولیاں سمجھ لیتا تھا کیٹی کی زبان نہیں سمجھ پاتا تھا۔  
اُس نے غمزے سے کہا:

”کیٹی اپنی سیٹی کی آواز میں ہمیں کچھ کہہ رہی ہے۔  
مگر اس پر کسی زبردست طسم کا اثر ہے کہ میں  
بھی اس کی زبان نہیں سمجھ سکتا۔  
غمزے سے کہا:

”سب سے پہلے ہمیں کیٹی کو کسی طرح انسانی روپ  
میں واپس لانے کا جتن کرنا چاہیے۔  
ناگ بولا: ”اس سلسلے میں مجھے یہاں کسی بوڑھے  
سانپ سے مشورہ کرنا ہو گا۔ کیونکہ بوڑھے سانپوں  
کو اس دھرتی کے قدیم جادو ٹوٹنے کا توڑ معلوم  
ہوتا ہے۔“

غمزے نے ناگ کا ہاتھ تھام لیا اور کہا:

”ناگ بیٹا! خدا کے لیے جلدی سے کسی بوڑھے

۱۲۷  
سانپ کو بلاؤ۔ رہا جائے کیٹی کڑی کی شکل میں  
کتنی تکلیف میں ہے۔ ہو سکتا ہے اس سے ہمیں  
قتیسانگ کے بارے میں کچھ سراغ مل جائے۔  
ناگ نے غمزے کو ساتھ لیا اور وہ مکان کے باہر  
پھاڑیوں میں آ گئے۔ کیٹی کڑی ان کے پاس ہی تھی۔ یہاں  
آتے ہی ناگ نے: ”سانپ کی آواز میں کسی بوڑھے سانپ  
کو آواز دی۔ چند محلوں کے بعد ایک بوڑھا سانپ وہاں آ  
گیا جس کی مونچھوں کے بال سفید ہو رہے تھے۔ اس نے  
آتے ہی سلام کیا اور کہا:

”عظیم ناگ! دیوتا کو دیکھ کر مجھے دلی خوشی ہوئی۔  
زندگی کا چراغ گل ہونے کو ہے اچھا ہوا کہ ناگ  
دیوتا کا دیدار ہو گا۔“

ناگ نے بوڑھے سانپ کی بہت عزت کی اور کہا:  
”اے بزرگ سانپ! میں نے تمہیں ایک بہت ضروری  
کام کے لیے تکلیف دی ہے۔“  
بزرگ سانپ بولا:

”حکم کریں ناگ! دیوتا! میں کوئی خدمت کر سکا تو  
مجھے بڑی خوشی ہو گی۔“

ناگ نے غمزے کے ہاتھ سے کیٹی کڑی کو لے لیا اور بولا:  
”بزرگ سانپ! یہ کڑی اصل میں کڑی نہیں ہے



۱۳۷  
بلکہ ہماری دوست اور بہن کیٹی ہے۔ اس پر کوئی  
زبردست ظلم کر دیا گیا ہے۔ اس ظلم کی وجہ  
سے جب سے اپنے حلقے سے سیٹی کی آواز  
نکلتی ہے تو میں بھی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیا کہہ  
رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم سن کر بتاؤ کہ کیا  
تم اس کی زبان سمجھ لیتے ہو؟

بزرگ سانپ بولا:

”کیا یہ مجھ سے بات کرے گی عظیم ناگ دیوتا؟“  
ناگ نے کہا:

”میں اس سے بات کرتا ہوں۔ یہ میری بات شاید  
سمجھ کر آگے کوئی جواب دے گی۔ تم مجھے یہ بتانا کہ  
اس نے کیا کہا ہے؟“

اتنے میں کڑی کیٹی کے حلقے سے باریک سیٹی کی آواز  
نکلی۔ بزرگ سانپ نے جلدی سے کہا:

”عظیم ناگ دیوتا! کڑی نے کہا ہے۔ میں کیٹی ہوں  
ناگ سے کہو۔ میں کیٹی ہوں۔“

ناگ نے چونک کر جنبر کی طرف دیکھا اور کہا:

”عہبر! یہ کیٹی ہی ہے۔ اس نے بزرگ سانپ سے  
کہا ہے کہ میں۔ لیکن تم تو ہماری زبان جانتے ہو  
معاف کرنا۔ میں بزرگ سانپ سے کیٹی کے بارے

۱۳۵  
میں کچھ اور پوچھتا ہوں۔ تم سننے رہنا۔  
عہبر مسکرا دیا کہ گھبراہٹ میں ناگ بھول گیا تھا کہ وہ  
سب سانپوں کی زبان سمجھ لیتے ہیں۔

ناگ نے بزرگ سانپ سے کہا:

”اس سے پوچھو کہ اس پر گیس نے جادو کیا ہے اور  
اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟“

بزرگ سانپ نے یہ سوال کیٹی سے کیا اور کیٹی نے کہا:

”ناگ سے کہو کہ میں جب عہبر اور تھو سانگ سے

بچھڑ گئی تھی تو بدردحوں کے شتر کے ایک غار میں

اتفاق سے چلی گئی وہاں مجھ پر ایک بڑی کڑی

نے جادو کر دیا جس کی وجہ سے میں کڑی بن گئی

میرے پاس اس کا کوئی توڑ نہیں ہے۔“

بزرگ سانپ نے کیٹی کی یہ بات ناگ تک پہنچا دی۔

ناگ نے کہا:

”بزرگ سانپ! کیا ہمارے خیال میں کیٹی کے ظلم

کا کوئی توڑ ہو سکتا ہے؟“

بزرگ سانپ پہلے تو خاموش ہو گیا پھر بولا:

”عظیم ناگ دیوتا! میں پہیل کے جس درخت کے

تختے کے اندر رہتا ہوں وہ ایک ہزار برس پرانا

نہے۔ وہ بڑا بزرگ درخت ہے۔ لوگ اس کے



تنے پر کھد کر کئی قسم جادو کرتے رہے ہیں۔  
 پیل کا یہ درخت میرا دوست ہے۔ میں اس سے  
 مشورہ کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے اسے اس جادو کا  
 کوئی توڑ معلوم ہو۔ آپ زحمت کر کے میرے ساتھ  
 پیل کے درخت کے پاس چلیں۔  
 ناگ نے عنبر سے مشورہ کیا تو اس نے کہا:

”ٹھیک ہے ناگ بھیا، پیل کے درخت سے بھی  
 مشورہ لے لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ ہمارا کام بڑھتا  
 کیٹی کڑی کو جیب میں رکھے وہ دونوں پرانے دوست  
 بزرگ سانپ کے ساتھ جنگل میں چلتے ہوئے پیل کے ایک  
 پرانے درخت کے پاس آ گئے۔ پیل کے درخت نے اپنی  
 زبان میں ناگ سے کہا:

”ناگ دیوتا کو میرا سلام پہنچے۔  
 پیل کی آواز عنبر یا کیٹی نہیں سمجھ سکتے اور سن سکتے تھے  
 یہ آواز صرف ناگ دیوتا اور بزرگ سانپ ہی سن اور سمجھ  
 سکتے تھے۔ ناگ نے پیل کے درخت کے سلام کا جواب  
 دیا اور اسے ساری بات بیان کر دی۔ اس کے ساتھ ہی  
 اس نے کیٹی کڑی کو بھی پیل کے سامنے زمین پر رکھ دیا۔  
 پیل نے اپنی ایک شاخ کو جھکا کر کڑی کے اوپر اپنے  
 بٹوں کا سایہ ڈالا اور پھر مٹنی اوپر اٹھائی اور ناگ سے کہا:

”ناگ دیوتا ایہ لڑکی زندہ ہے۔ اس پر بڑا بھاری  
 آسیب ہے۔ یہ آسیب ایک بدروح پڑیل کا  
 ہے جو اس کے خون میں داخل ہو گئی ہے۔  
 ناگ نے پوچھا:  
 ”کیا اس آسیب سے کیٹی کو نجات نہیں دلائی  
 جا سکتی؟“

پیل کا درخت بولا:  
 ”ناگ دیوتا! میں ہزار سال سے یہاں کھڑا ہوں  
 مجھ پر ہزاروں چڑیلوں جن بھوتوں اور آسیبوں  
 نے اپنا ڈیرا بنایا۔ باتیں کیں، کچھ عرصہ گزرا اور  
 پھر چلے گئے۔ میں ان کے تمام آسیبوں اور ان  
 کے توڑ سے واقف ہوں۔“

ناگ نے جلدی سے پوچھا:  
 ”اس کے آسیب کے توڑ کا کیا علاج ہے؟“  
 پیل کے درخت نے کہا:  
 ”اس کا ایک ہی علاج ہے مگر یہ علاج خطرناک  
 ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کسی دوسرے کو کیٹی کا  
 آسیب اتارنے کے لیے خود بہت بڑا خطرہ مول  
 لینا ہوگا۔“

”وہ کون سا خطرہ ہے؟“ ناگ نے سوال کیا۔



پہیل کے درخت نے کہا:  
 "اگر کوئی شخص اس کوڑی نما لڑکی کو اپنی ہتھیلی  
 میں رکھ کر سات بار اندرا دیوتا کا نام دہرائے اور  
 پھر بندہ آواز میں کہے کہ میں اس لڑکی کا آسیب  
 خود لینے پر تیار ہوں تو اس کا آسیب اُتر جائے گا  
 یہ کوڑی پھر سے لڑکی بن جائے گی اور پہلے اگر یہ  
 غائب بھی تو اب نظر آنے لگے گی۔ لیکن اس کی  
 بجائے دوسرا آدمی آسیب کی گرفت میں پھنس جائے  
 گا اور کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ اس کی کیا شکل بن جائے  
 وہ کوڑی بھی بن سکتا ہے۔ کوئی درندہ بھی بن سکتا  
 ہے اور چڑیل یا جتن بھوت میں بھی تبدیل ہو  
 سکتا ہے۔"

ناگ نے یہ بات عنبر کو بتائی تو وہ کانپ اٹھا۔ بولا:  
 "یہ تو بڑی خطرناک بات ہوگی ناگ! اس کا مطلب  
 ہے کہ ایک ٹھیک ہو جائے اور اس کی جگہ دوسرا  
 پھنس جائے۔ یہ تو کوئی علاج نہ ہوا۔"  
 ناگ نے پہیل کے درخت سے بھی یہی کہا کہ یہ —  
 تو لڑکی کا علاج نہ ہوا۔ بلکہ قربانی ہوئی کہ کوئی دوسرا  
 اس کی بلا اپنے سر لے لے۔ پہیل کے درخت نے کہا:  
 "ناگ دیوتا! یقین کریں کہ کبھی پر جو جادو کیا گیا ہے۔"

اس کا ایک یہی علاج ہے۔ دوسرا کوئی علاج اس  
 روئے زمین پر نہیں ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ  
 یہ کوڑی جو آپ کی بہن ہے پھر سے انسانی شکل  
 اختیار کر لے تو آپ دونوں مجاہدوں میں سے کسی  
 ایک کو یہ قربانی دینی ہی ہوگی۔ ورنہ یہ آپ کی  
 بہن کبھی قیامت تک کوڑی کی شکل میں ہی  
 زندہ رہے گی۔"

ناگ نے پہیل کی یہ بات عنبر کو بتا دی۔ عنبر پہلے تو بہت  
 پریشان ہوا پھر بولا:

"ناگ! یہ قربانی میں کرنے کو تیار ہوں۔ تم پہیل  
 کو کہو کہ میں اپنی بہن کی خاطر اپنی جان بھی  
 قربان کر سکتا ہوں۔"

یہ بات عنبر کی زبان سے کبھی کوڑی نے سنی تو اس  
 کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ ایک بہن کے آنسو تھے۔  
 اس کا دل عنبر پر جان قربان کرنے کو تیار ہو گیا۔ مگر وہ  
 مجبور تھی۔ اس نے چلا کر بزرگ سانپ سے کہا:

"دادا سانپ! خدا کے لیے عنبر نے کہو کہ وہ یا ناگ  
 مجھے میری حالت پر چھوڑ دیں اور میرے لیے اپنی  
 جان خطرے میں نہ ڈالیں۔ مجھے میری حالت پر ہی  
 رہنے دیں پس اتنا ہے کہ مجھے اپنے پاس رکھیں۔"



۱۴۰  
میں ان کی بہن ہوں۔ اور ایک بہن کے لیے اتنا ہی  
کافی ہے کہ اس کے بھائی اس کی آنکھوں کے سامنے  
دیں اور خوش رہیں۔

بزرگ سانپ نے کیٹی کڑی کی یہ البتہ ناگ کو سنا دی۔  
عنبر نے بھی بزرگ سانپ کی بات سمجھ لی تھی۔ اس نے کہا:  
"میں نہیں کیٹی! میں ہندی زبان نہیں سمجھ سکتا مگر  
تم میری زبان سمجھ رہی ہو۔ میں متیقن اس حالت  
میں نہیں دیکھ سکتا۔ تمہارے لیے میری جان بھی حاضر  
ہے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

ناگ نے اس کی بات کاٹ کر کہا:

"ہندی جگہ یہ قربانی میں کرنے کو تیار ہوں میں بھی  
اپنی بہن کیٹی کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔  
عنبر نے فوراً جواب دیا:

"میں متیقن یہ خطرہ مول لینے نہیں دوں گا ناگ!  
کیٹی کا آسیب اپنے سر پر لینے سے نہ جائے کیا  
ہو جائے اگر متیقن کچھ ہو گیا تو ہم بالکل ہی بے بس  
ہو کر رہ جائیں گے۔ کیوں کہ تم سانپوں کے دیوتا ہو  
جب کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ہم سانپوں کو ہلا  
سکتے ہیں مگر انہیں کوئی کام کرنے پر مجبور نہیں  
کر سکتے۔ پھر تم اپنی شکل بدل کر ہوا میں پرواز بھی

۱۴۱  
کر سکتے ہو جب کہ میں ایسا نہیں کر سکتا گا۔ اس  
لیے تمہارا صحیح حالت میں رہنا بہت ضروری ہے۔  
بزرگ سانپ اور پھیل کے درخت نے بھی ناگ کو یہی  
مشورہ دیا۔ پھیل کے درخت نے کہا:

"ناگ! دیوتا! آپ اس معاملے پر کچھ دیر آرام سے  
غور کر لیں تو بہتر ہوگا۔ کیونکہ کیٹی کا آسیب دنیا  
کے تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ طاقتور ہے  
ہے۔ یہ کوئی ایسی خاموش درد ہے جس نے کیٹی  
کو نکلی بنا کر اسے اپنے مخفیے میں اس خاموشی اور  
مضبوطی سے جکڑ لیا ہے کہ نہ تو آسیب کی اپنی شکل  
مجھے نظر آتی ہے اور نہ مجھے اس کی آواز ہی سنائی  
دے رہی ہے۔ اس لیے مناسب یہی معلوم ہوتا  
ہے کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے آپ اچھی طرح  
سے مشورہ کر لیں۔"

کیٹی نے بزرگ سانپ سے کہا:

"دادا سانپ! ناگ اور عنبر کو میری طرف سے کہہ  
دیں کہ میں نہیں چاہتی کہ وہ میری خاطر اپنی  
زندگیاں خطرے میں ڈالیں۔ میں ان میں سے کسی ایک  
بھائی کو تکلیف میں ڈال کر خود انسان بن کر زندگی  
نہیں بسر کر سکتی گی۔ انہیں مت کہہ دو کہ وہ



آسیب کو نہ چھوڑیں اور<sup>۱۳۲</sup> میں جیسی ہوں مجھے دیے  
ہی رہنے دیں؟

بزرگ سانپ نے جب یہ بات ناگ کو بتائی تو غبر بولا:  
"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنی بہن کو ساری زندگی  
اس عذاب میں نہیں دیکھ سکتے۔"

ناگ نے بھی یہی کہا کہ کیٹی کو کہہ دیں کہ وہ اس معاملے  
میں بیچ میں نہ لے۔ ہم وہی کریں گے جو ہمیں ایسی حالت  
میں کرنا چاہیے۔ بزرگ سانپ نے ناگ اور غبر کی یہ بات  
کیٹی کو بیان کر دی۔ کیٹی خاموش ہو گئی۔ اب ناگ نے پیل  
کے درخت سے کہا:

"میں کیٹی کا آسیب اپنے سرینے کو تیار ہوں۔"  
غبر جھٹ بولا:

"نہیں ناگ بھیا! میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گا۔  
یہ کام میرا ہے۔ اسے میں کروں گا۔"

ناگ نے غبر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ غبر شاید زندگی  
میں پہلی بار جذباتی ہو رہا تھا۔ اس نے کہا:

"غبر بھیا! اب تم کچھ نہیں کو گے۔ بس میں نے  
فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ خطرہ سوائے میرے ہم میں  
سے دوسرا کوئی مول نہیں لے گا۔ اب تم بھی خاموش  
رہو گے اور کچھ نہیں بولو گے۔"

غبر چپ ہو گیا۔

ناگ نے بزرگ سانپ سے کہا:

"دادا سانپ! اگر مجھے کچھ ہو گیا اور میں غبر اور  
کیٹی سے ان کی زبان میں بات نہ کر سکا تو میں  
تم سے بات کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیوں کہ ممکن  
ہے۔ اس بھیاک حالت میں تم میری بات سمجھ لو۔  
تم میری بات غبر اور کیٹی کو بتا دینا۔"

بزرگ سانپ بولا:

"عظیم ناگ دیوتا! آپ ہمارے لیے بھی بڑے قیمتی  
ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کو کچھ ہو جائے۔ بہتر  
یہی ہے کہ آپ اپنے فیصلے پر دوبارہ غور کر لیں۔  
ناگ نے بڑے جلال کے ساتھ کہا:

"بزرگ سانپ! یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے آپ  
اب بیچ میں دخل نہ دیں تو اچھا ہو گا۔"

بزرگ سانپ بھی چپ ہو گیا۔

ناگ نے وہی بات جو بزرگ سانپ کو کہی تھی پیل  
کے درخت کو بھی کہی کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا اور تم میری  
بات، میری زبان سمجھ سکو تو میری باتیں غبر اور کیٹی کو سمجھا دینا۔  
پیل کے درخت نے کہا:

"میں اگر ممتاری زبان سمجھ سکا تو غبر اور کیٹی کو

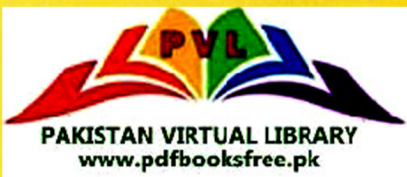


وہ جھلے بتا دوں گا ناگ ۱۳۴ دیوتا :

اب ناگ نے کیٹی مکڑی کو اپنی ہتھیلی میں لے لیا  
عین اس کی طرف پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔  
بزرگہ سانپ بھی خاموش بیٹھا تھا اور اس کی آنکھیں  
ناگ دیوتا کے چہرے پر جی تھیں۔ پپیل کا بزرگ درخت  
نے بھی جیسے اپنا سانس روک لیا تھا۔ ناگ کی ہتھیلی  
پر مکڑی کی شکل میں بیٹھی کیٹی کا دل خوف کے مارے  
دھڑک رہا تھا کہ خدا جانے اس کے بھائی ناگ پر  
کیا مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ وہ اب بھی یہی  
چاہتی تھی کہ ناگ اپنا فیصلہ بدل لے مگر اسے معلوم  
تھا کہ اب ناگ کبھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ ناگ نے سات  
بار انذر دیوتا کا نام بلند آواز میں دہرایا اور کہا :  
"میں اپنی بہن کیٹی کا آسیب اپنے سر پر لینے  
کو تیار ہوں۔"

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ مزید گارڈیا کی  
اگلی قسط نمبر ۱۳۱ ویران مینار میں پڑھیں گے۔





# عبدال ناگ ماریا اور کیٹی خلافت



احمد

اقرا

PDFBOOKSFREE.PK

